

شیخ راجہ

مخبرین غریب و غایب



اوله قضاة

مضامین

فتاویٰ شامی

مسمیٰ رد المحتار

از محمد امین بن عمر الشیراز بن عابدین رحمۃ اللہ علیہ

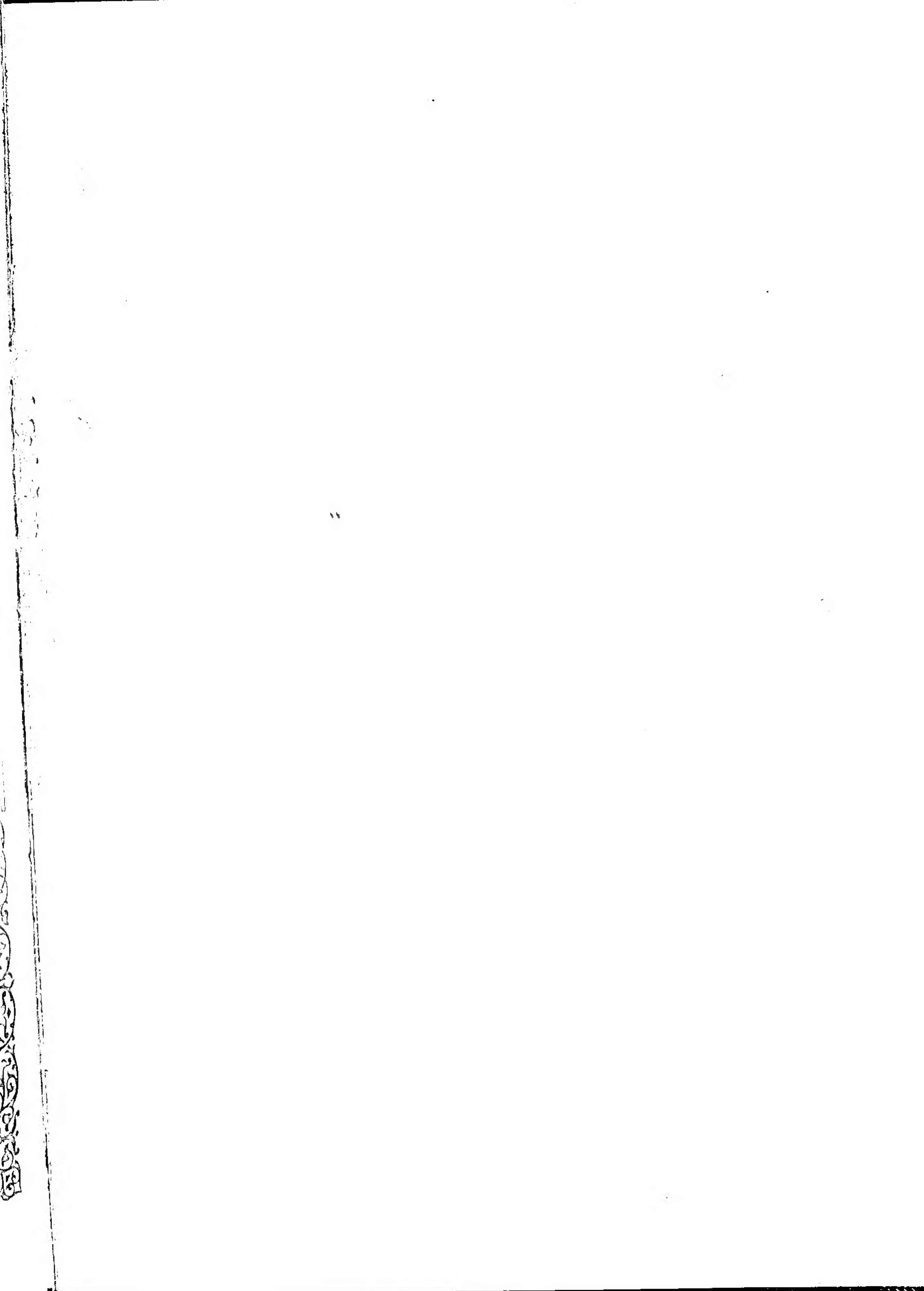
تتویر الابصار

در مختار

از محمد بن علی بن محمد الحصفی رحمۃ اللہ علیہ از محمد بن عبد اللہ بن احمد التمراشی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور



فتاویٰ شامی مترجم

جلد دوازدهم

مسمیٰ رد المحتار

از محمد امین بن عمر الشیرباین عابدین رحمۃ اللہ علیہ

در مختار

از محمد بن علی بن محمد الحصفی رحمۃ اللہ علیہ

تتویر الابصار

از محمد بن عبد اللہ بن احمد التمراشی رحمۃ اللہ علیہ

نظارۃ امیر: ادارہ ضیاء المصنفین بمحیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

۱۲۸۸۲۸۵

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	فتاویٰ شامی مترجم (جلد دوازدہم)
مصنف	محمد امین بن عمر الشہیر بابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	علامہ ملک محمد بوستان، علامہ سید محمد اقبال شاہ، علامہ محمد انور مگھالوی من علماء دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
زیر اہتمام	ادارہ ضیاء المصطفین، بھیرہ شریف
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
تاریخ اشاعت	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور ستمبر 2017ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	FQ28

۱۵۹۴۳۱
جلد ۱۲

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون: 37221953۔ فیکس: 042-37238010
9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 37247350۔ فیکس: 042-37225085
14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی
فون: 021-32210212۔ فیکس: 021-32212011-32630411
e-mail:- info@zia-ul-quran.com
Website:- www.ziaulquran.com

۱۱-۱۲-۲۰۱۷

کتاب الرهن

۱۱/۱۲/۲۰۱۷
حاصل شد

فہرست مضامین

47	اس کا حکم	47	کتاب الصيد
19	اگر کوئی شکاری کسی شکار پر تیر پھینکے جو اسے زخمی کرے پھر اسی شکار پر دوسرا شکاری تیر پھینکے تو اس کا حکم	19	شکار کے احکام
20	اگر شکاری نے کسی انسان یا اہلی جانور کی آہٹ محسوس کی اور تیر پھینکا تو اس کا حکم	19	صيد کی لغوی اور اصطلاحی تعریف
21	مبیع اور محرم جمع ہو جائیں تو محرم غالب ہوگا	20	شکار کی اباحت کی شرائط
22	پہلی	21	شکار کو بطور پیشہ اختیار کرنے کا شرعی حکم
24	کتاب الرهن	22	اگر مقلش انگوٹھی یا دینار وغیرہ پائے تو اس کا شرعی حکم
25	رہن کے احکام	22	ملک کے اسباب
26	رہن کا لغوی معنی	24	شیر، خنزیر اور ریچھ کے شکار کا حکم
32	شرعی تعریف	25	قہستانی کے قول کا رد
37	رہن کا رکن	26	تعلیم یافتہ کتے کی پہچان میں آئمہ کے اقوال
39	رہن کے لزوم کی شرط	32	تیندوے کی چند پسندیدہ خصلتیں
42	رہن رکھی ہوئی چیز کا شرعی حکم	37	اگر زخمی شکار بھاگ جائے تو اس کی حلت یا عدم حلت کا حکم طلب اور عدم طلب پر ہے
43	مرتبہن جب گواہوں کے بغیر رہن کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کا حکم	39	شکار میں حیات معتبرہ
43	رہن سے انتفاع کا شرعی حکم	42	اگر شکاری شکار کو ذبح کرنے سے عاجز آ جائے تو اس کے حکم میں آئمہ کے اقوال
43	جب مرتبہن اپنے رہن کا مطالبہ کرے تو اسے اپنے رہن کو حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا	43	فعل کا اثر اس سے اقویٰ یا مساوی فعل سے ختم ہوتا ہے ادنیٰ فعل سے نہیں ہوتا
44	مرہون کے حاضر کرنے کے مطالبہ پر راہن کا حق ہے	43	معراض کی لغوی اور اصطلاحی تعریف
76	رہن کی حفاظت مرتبہن پر اور اس کے عیال کے ذمہ	44	مٹی کے غلیے، پتھر، معراض تیر اور عصا سے شکار کا شرعی حکم
			اگر شکاری نے کتا یا باز تکبیر پڑھ کر شکار پر چھوڑا تو

80	مسلمان کا خمر کو بطور رہن دینا یا مسلمان یا ذمی کا خمر	واجب ہے
100	کو بطور رہن لینا جائز نہیں	اگر مرتہن نے رہن کسی اور کو ودیعت کر دیا اس سے
101	اعیان کی اقسام	خدمت لی تو تعدی کی صورت میں ضامن ہوگا
103	بیع سلم کے راس المال بیع صرف کی ثمن اور مسلم فیہ کے بدلے رہن رکھنا صحیح ہے	اگر رہن اور اس کی بقا کی مصلحت کے لیے کسی چیز کی ضرورت ہو تو اس کا حکم
108	دین کا ظاہر میں وجوب رہن اور کفیل کی صحت کے لیے کافی ہے	رہن رکھی چیز میں راہن اور مرتہن کے درمیان اختلاف ہو جائے تو اس کا حکم
120	وہ اشتراک جو ضرورت کی بنا پر واقع ہو نقصان نہیں دیتا	راستہ پر امن ہو تو مرتہن کے لیے رہن کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے
122	رہن میں مدت کا تعین کرنا اسے فاسد کر دیتا ہے	باب مایجوز ارتھانہ و مالایجوز
123	مرتہن کے لیے رہن کے پھل کی بیع جائز نہیں	جو چیز رہن رکھی جاسکتی ہے اس کے احکام
125	باب الرهن یوضع علی ید عدل عادل آدمی کے پاس رہن رکھنے کے احکام	جو چیز بیع کو قبول کرتی ہے وہ رہن کو قبول کرتی ہے سوائے چار چیزوں کے
125	جب راہن اور مرتہن ایک عادل آدمی کے ہاتھ میں رہن رکھیں تو یہ صحیح ہوگا	مشترک چیز کو رہن رکھنے کے جواز میں حیلہ
127	اگر عقد رہن میں وکالت شرط ہو تو اس کا حکم	پھل درخت کے بغیر یا درخت پھل کے بغیر رہن رکھنا جائز نہیں
128	رہن کی وکالت اور وکالت مفردہ میں فرق	جب مرہون غیر مرہون کے ساتھ خلقتہ متصل ہو تو رہن رکھنا جائز نہیں
129	اگر عقد رہن میں بیع شرط نہ ہو پھر مرتہن یا عادل کو بیع پر مسلط کر دیا گیا تو توکیل صحیح ہوگی	آزاد، مدبر، مکاتب، ام ولد اور وقف کو رہن رکھنا جائز نہیں
139	باب التصرف فی الرهن والجنایۃ علیہ رہن میں تصرف اور اس پر جنایت کے احکام	ایسے عین کے بدلے میں رہن رکھنا جائز نہیں جس کی ضمانت اس کے غیر سے ہو
144	راہن اپنی مرہونہ چیز کو بیچ دے تو اس کی بیع مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوگی	کفالت بالنفس اور قصاص کے عوض مطلقاً رہن رکھنا جائز نہیں
147	مرتہن پر زیادتی کی ضمانت کا بیان	نوحہ کرنے والی اور مغنیہ کی اجرت کے عوض رہن رکھنا جائز نہیں
161	تصرفات کی اقسام	100
	رہن کی راہن یا مرتہن پر جنایت کا شرعی حکم	

205	قصاص کا شرعی حکم	164	جنایت کی اقسام
	آزاد کو غلام کے بدلے قتل کرنے کے حکم میں امام	165	بھاؤ کا کم ہونا دین کے سقوط کو ثابت نہیں کرتا
206	”شافعی“ رحمہ اللہ کا موقف		فصل فی مسائل متفرقة
206	احناف کا موقف اور اس کی دلیل	171	متفرق مسائل کا بیان
	اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دے تو اس کا شرعی	174	رہن کی بڑھوتری کا حکم
208	حکم		ہر وہ چیز جو عین رہن سے پیدا ہوتی ہے رہن کا حکم
	مرد کو عورت، صحیح کو ناقص کے بدلے میں قتل کرنے	174	اس طرف سرایت کرتا ہے
209	کا شرعی حکم		کتاب الجنایات
210	اصول کو فروغ کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا	190	جنایات کے احکام
	اپنے غلام، مدبر، مکاتب اور بچے کے غلام کو قتل	190	جنایت کی لغوی تعریف
211	کرنے والے پر قصاص نہیں	190	جنایت کی شرعی تعریف
215	فرع اپنی اصل کے خلاف عقوبت کا مستحق نہیں ہوتا	190	قتل کی اقسام
	اگر مجروح یا اس کا وارث اس کی موت سے پہلے	191	قتل عمد
216	معاف کر دے تو اس کا حکم	191	قتل عمد کی شرط
218	ناحق جن کو قتل کرنا جائز نہیں	194	قتل عمد کا حکم
219	معتوہ کے قصاص کی مشروعیت	196	قتل شبہ عمد
220	قصاص سے صلح کی مشروعیت	197	قتل شبہ عمد کا حکم
	نفس اور اس سے کم میں قصاص لینے اور صلح کے حق	198	قتل خطا
221	میں باپ اور وصی کا حکم	198	قتل خطا کی اقسام
224	مبحث شریف	200	قتل جاری مجری الخطا
	قاتل اپنی موت مر جائے تو ولی کا حق کلی طور پر	201	قتل بالسبب
225	ساقط ہو جاتا ہے		فصل فیما یوجب القود وما لا یوجبہ
	اگر ایک قصاص دو آدمیوں میں مشترک ہو تو اس کا	203	قصاص کے احکام
226	حکم	204	بچے اور مجنون سے قصاص کا شرعی حکم
	اگر کوئی شخص کسی کو زہر پلا دے یہاں تک کہ وہ مر	205	غلام اپنے آقا کو عمداً قتل کر دے تو اس کا شرعی حکم
229	جائے تو اس کا حکم		اگر کوئی شخص اپنے داماد کو عمداً قتل کر دے تو اس کے

254	آنکھ کے قصاص کا حکم	230	اگر کوئی شخص کسی کو پھاڑے یا پیچے سے قتل کر دے تو اس کا حکم
255	ہڈی کے قصاص کا شرعی حکم	231	اگر نیام میں موجود تلوار مارنے کے ساتھ کسی کو قتل کر دے تو قصاص کا حکم
259	مرد اور عورت، غلام اور آزاد کے اعضا میں قصاص کا حکم	232	اگر کوئی کسی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر دھوپ میں پھینک دے اور وہ مرجائے تو اس کا حکم
261	زبان اور شرمگاہ کے کاٹنے میں قصاص کا شرعی حکم	234	اگر کوئی کسی شخص کا پیٹ پھاڑ دے دوسرا اس کی گردن اڑا دے تو اس کا حکم
263	اگر ضارب اور قاطع کا جزیع عیب والا ہو تو مجنی علیہ کو قصاص اور دیت میں اختیار ہوگا	235	اگر قاتل متعدد ہوں تو دیت کا حکم
264	شل ہاتھ کے بدلے صحیح ہاتھ کو کاٹنا جائز نہیں	236	نفس اور مال کے دفاع کے احکام
265	قاتل کی موت سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے	237	مباح الدم حرم میں پناہ لے تو اس کا حکم
266	اگر ایک گروہ کسی آدمی کو قتل کر دے تو قصاص کا حکم	238	ولی کا قاتل کو معاف کرنا صلح سے اور صلح قوماص سے افضل ہے
269	اطراف کے قصاص میں منفعت اور قیمت میں مساوات شرط ہے	243	قاتل کی توبہ اور اس کے تقاضے
274	اگر کوئی غلام قتل عمد کا اقرار کرے تو قصاص کا شرعی حکم	247	قصاص کو معاف کرنا صحیح ہے حد کو نہیں
274	امام الائمہ کی فضیلت	248	تقدم قتل کی شہادت کے مانع نہیں حد کے مانع ہے
276	اگر کوئی شخص اپنی بیوی یا لونڈی کے ساتھ کسی دوسرے مرد کو دیکھے تو اسے قتل کرنا جائز ہے	249	قصاص میں دعویٰ ضروری ہے
	فصل فی الفعلین	249	باب القود فیما دون النفس
278	دو افعال کے احکام	252	جان سے کم میں قصاص کے احکام
278	دو فعلوں کے مواخذہ میں تداخل یا عدم تداخل کا حکم	252	نفس سے کم میں قصاص جاری کرنے کے لیے مماثلت اصل ہے
280	اگر کوئی شخص کسی کو زخمی کر دے تو نفقہ اور دوائی زخمی کرنے والے پر لازم ہوگی	253	کان اور ناک کے نرم گوشے کے قصاص کا حکم
283	خطا میں عفو ایک تہائی سے معتبر ہوگا		
286	صحیح یہ ہے کہ یہ قاتل پر واجب ہوگا پھر عاقلہ اس کی ذمہ دار بن جاتی ہے		
	حاکم، حجام، ختان، فساد اور نشتر زن کا فعل سلامتی کی		

شرط کے ساتھ مقید نہیں	289	کتاب الدیات
واجب سلامتی کے وصف کے ساتھ مقید نہیں ہوتا	311	دیتوں کا بیان
جب کہ مباح مقید ہوتا ہے	289	دیت کی لغوی اور شرعی تعریف
اگر کسی آدمی نے قرآن کی تعلیم میں اپنے چھوٹے	311	ارش کی تعریف
بچے کو مارا اور وہ مر گیا تو اس کا حکم	291	دیت مغلطہ
شوہر ادب سکھانے کے لیے بیوی کو مارے تو وہ	313	قتل خطا کی دیت
ضامن ہوگا	292	شبہ عمد اور قتل خطا کا کفارہ
اگر کوئی شخص عورت کو مارے اور اسے مفضا بنا	314	عورت کی دیت
دے تو اس کا حکم	293	بے بدل اعضا اور معافی مقصودہ میں کامل دیت ہو
باب الشهادة فی القتل واعتبار	315	گی
حالتہ ای حالة القتل		ذکر، حشفہ، شتم، ذوق، سماع، بصر کو ضائع کرنے اور
قتل کی گواہی کے احکام	296	زبان کو کاٹنے میں پوری دیت ہوگی
قصاص کی مشروعیت میں حکمت	296	اگر کسی کی داڑھی مونڈ دی گئی اور وہ نہ اگی تو دیت کا
اگر قصاص کے دو ولی تیسرے کی طرف سے معافی	319	شرعی حکم
کی خبر دیں تو اس کی صورتیں	299	کوج کا حکم
اسلحہ کے ساتھ دار کرنے کی گواہی سے لامحالہ عمد		آنکھوں، ہونٹوں، ابروؤں، پاؤں، کانوں،
ثابت ہوتا ہے	301	خصیوں، عورت کے پستانوں وغیرہ میں دیت کا حکم
اگر قتل کے دو گواہوں میں زمان، مکان یا آلہ میں	323	دانتوں کی دیت کا شرعی حکم
اختلاف ہو جائے تو گواہی باطل ہوگی	302	ہر ایسا عضو جس کی منفعت ضائع ہو جائے اس میں
شاہد کا فسق اس کی شہادت کو باطل کر دیتا ہے جب	305	کامل دیت ہوگی
کہ مقرر کا فسق اقرار کو باطل نہیں کرتا	304	فصل فی الشجاء
اقرار کی صورت میں ناقض دیت کی ذمہ دار نہیں	328	زخموں کا بیان
ہوتی	307	شجہ کی تعریف
وہ انسان جس کا کان کاٹنے سے نصف دیت جب	328	شجہ کا شرعی حکم
کہ سر کاٹنے سے بیسواں حصہ لازم آتا ہے	310	شجہ کی اقسام
	329	موضع زخم کی دیت
	330	

331	باب ما یحدثہ الرجل فی الطریق وغیرہ	حائضہ کی دیت
361	راستہ کے متعلقہ امور کے احکام	رخسار، پیٹ اور پشت کے گوشت میں، سر اور بدن
361	جرصن کی لغوی تحقیق	کی جلد میں قصاص نہیں
335	اگر کوئی شخص راستے میں دکان وغیرہ بنائے تو اس کا حکم	تھپڑ اور مکے میں قصاص کا حکم
362	اگر کوئی شخص راستے میں مسجد وغیرہ بنائے تو اس کا حکم	چہرے کی جلد اور ہاتھ کی ہتھیلی اور انگلیوں میں
335	اگر کوئی شخص راستے میں مسجد وغیرہ بنائے تو اس کا حکم	دیت کا حکم
363	بند راستے کے احکام	زائد انگلی، بچے کی آنکھ، زبان اور آلہ تناسل میں
364	راستے کے کنویں میں گرنے والا بھوک، پیاس یا گھٹن کی وجہ سے مر جائے تو اس کا حکم	دیت کا حکم
367	راستہ میں اپنے سر یا پشت پر سلامتی کی شرط پر سامان اٹھانا مباح ہے	ایسا موضوعہ جو عقل یا سر کے بالوں کو ختم کر دے کی
368	اگر کوئی شخص گھر کے فنا میں کنواں کھدوائے تو اس کا حکم	دیت کا حکم
371	اگر کوئی راستے میں یا کھلے میدان میں کنواں کھودے اور اس میں کوئی چیز تلف ہو جائے تو اس کا حکم	زخم کا قصاص زخم کے مندمل ہونے کے بعد لیا جائے گا
345	اگر کوئی راستے میں یا کھلے میدان میں کنواں کھودے اور اس میں کوئی چیز تلف ہو جائے تو اس کا حکم	بچے، مجنون، معتوہ کے عہد کا اور سکران اور مغنی علیہ کے عہد کا حکم
346	اگر کوئی راستے میں یا کھلے میدان میں کنواں کھودے اور اس میں کوئی چیز تلف ہو جائے تو اس کا حکم	اگر قاتل قتل کے بعد مجنون ہو جائے تو اس کا حکم
347	اگر کوئی راستے میں یا کھلے میدان میں کنواں کھودے اور اس میں کوئی چیز تلف ہو جائے تو اس کا حکم	فصل فی الجنین
349	اگر کوئی راستے میں یا کھلے میدان میں کنواں کھودے اور اس میں کوئی چیز تلف ہو جائے تو اس کا حکم	جنین کے احکام
373	اگر کھدائی کے دوران کنواں مزدوروں پر گر جائے تو اس کا حکم	حاملہ عورت کو ضرب لگانے سے بچہ ضائع ہو جائے تو اس کا حکم
374	فصل فی الحائط المائل	غزہ کا مفہوم
350	دیوار کے احکام	زندہ اور مردہ جنین کی دیت میں فرق
351	باب جنایۃ البہیمۃ والجنایۃ علیہا	اگر عورت دو جنین پھینکے تو ان کی دیت کا حکم
352	جانور کے متعلقہ جنایات کا بیان	لونڈی کے جنین کی دیت کا حکم
353	کسی نفس یا مال کو سواری روند دے تو اس کا حکم	اگر عورت عہد حمل کو ساقط کر دے تو اس کا حکم
357	کدم، خبط اور صدم میں فرق	اگر عورت عہد ادوائی پی کر جنین گرا دے تو اس کا حکم
359	جو نقصان جانور کے پاؤں یا دم کے ہلانے سے ہوا	جانور کے جنین کا حکم

430	سے پہچانی جاتی ہے	391	سوار اس کا ضامن نہیں ہوگا
	جو اندازہ آزاد کی قیمت میں لگایا جائے گا وہی غلام		اگر سواری کسی کو روند ڈالے تو سوار پر کفارہ لازم ہو
431	کی قیمت میں لگایا جائے گا	394	گا
432	ڈاڑھی کی دیت کا حکم		مباشر کی طرف فعل کی نسبت کرنا متسبب کی طرف
	اگر کوئی غلام کسی غلام کی آنکھیں پھوڑ دے تو اس	394	کرنے سے اولیٰ ہے
434	کے حکم میں آئمہ فقہاء کے اقوال		اگر کوئی شخص جانور یا کتا چھوڑے اور وہ کسی چیز کو
435	مدبر یا ام ولد نے جنایت کی تو اس کا حکم	401	تلف کر دے تو اس کا حکم
	مدبر اور ام ولد نے ایسی جنایت کا اقرار کیا جو مال کو		باب جنایۃ المسلمون والجنایۃ علیہ
437	واجب کرتی ہو تو اس میں اقرار جائز نہیں	414	غلام کے متعلقہ جنایات کا بیان
	اگر غلام اپنے آقا کو خطا یا عمدہ قتل کرے تو اس کا	414	اگر کوئی غلام خطا جنایت کرے تو اس کا حکم
438	حکم	415	خطا کا ثبوت
	فصل فی غضب القن وغیرہ		جب تک آقا جنایت کرنے والے غلام کو ولی
440	غلام کے غضب کے احکام		جنایت کے حوالے نہ کرے اسے خدمت لینے کا
	مغصوبہ غلام اگر سابقہ زخم کی وجہ سے ہلاک ہو	416	حق ہے
440	جائے تو اس کا حکم	418	اگر کسی غلام نے دو جنائیتیں کیں تو اس کا شرعی حکم
	مجبور کا مواخذہ اس کے افعال پر کیا جاتا ہے اقوال		اگر آقا جنایت کرنے والے غلام میں تصرف کر
441	پر نہیں	419	ے تو اس کا حکم
	مدبر نے اپنے غاصب کے پاس جنایت کی پھر		ہر ایسا معاملہ جس میں آقا نے عورت سے مال لیا ہو
441	اپنے آقا کے پاس دوسری جنایت کی تو اس کا حکم	424	تو قول عورت کا معتبر ہوگا
444	مشاکلہ کا معنی	424	جماع اور لونڈی کی کمائی میں قول مرد کا معتبر ہوگا
	اگر کوئی شخص بغیر اجازت چھوٹے بچے کو لے جائے		مجبور غلام یا بچے کے کہنے پر کسی بچے یا آدمی کو قتل کر
444	اور وہ ہلاک ہو جائے تو اس کا حکم	424	دیا تو اس کا حکم
	اگر ختان ختنہ کے دوران بچے کا حشفہ کاٹ دے تو		فصل فی الجنایۃ علی العبد
446	اس کا حکم	430	غلام پر جنایت کے احکام
	باب القسامۃ	430	غلام اور لونڈی کی دیت
450	قسم لینے کے احکام		مقادیر قیاس سے نہیں بلکہ صاحب وحی کے سماع

477	افراد اس کے خلاف شہادت دیں تو اس کا حکم	450	قسامت کا لغوی معنی
	کوئی آدمی کسی قبیلہ میں زخمی ہو اور صاحب فراش	450	قسامت کی شرعی تعریف
478	رہنے کے بعد فوت ہو جائے تو اس کا حکم	450	قسامت کا رکن، حکم اور شروع ہونے کی دلیل
	کسی ایسی بستی میں مقتول پایا جائے جو کسی عورت	453	قسامت کا طریقہ
481	کی ملکیت ہو تو اس کا حکم	454	امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف
481	اگر مقتول اپنے ذاتی گھر میں پایا جائے تو اس کا حکم	456	اگر کوئی قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو اس کا حکم
	اگر مقتول کسی ایسی چھاؤنی کے خیمے میں پایا جائے		اگر ایک آدمی اپنے خلاف یا اپنے غلام کے خلاف
484	جو غیر مملوک جنگل میں ہو تو اس کا حکم	457	اقرار کرے تو اس کا حکم
	کتاب المعاقل	457	وہ افراد جن پر قسامت نہیں
489	معاقل کے احکام	458/	قسامت کی شرط
489	لفظ معاقل کی لغوی تحقیق اور اس کا مفہوم		وہ بچہ جس کی شکل و صورت مکمل ہو چکی ہو وہ بڑے
489	عاقلہ کے مصداق پر ملحدین کا اعتراض اور اس کا رد	459	کی طرح ہے
491	عطیہ اور رزق میں فرق		اگر ولی اہل محلہ کے علاوہ کسی اور کے خلاف دعویٰ
492	دیت کی ادائیگی کی مدت	459	کرے تو اہل محلہ سے قسامت ساقط ہو جائے گی
495	آزاد کردہ غلام کی عاقلہ		اگر مقتول سواری پر ہو اور اس کے ساتھ سواری کو
	جو دیت صلح یا اعتراف سے لازم ہو یا بیسیویں حصہ	460	ہانکنے والا قاتل یا سوار ہو تو اس کی دیت کا حکم
496	سے کم ہو عاقلہ ادا نہیں کرے گی		اگر جانور دو دیہاتوں یا قبیلوں کے درمیان سے
496	عدم لزوم کی دلیل	462	گزرے تو قسامت کا حکم
	اگر کوئی بچہ کسی بچی کی آنکھ پھوڑ دے اور وہ بچی مر		مملوک اور موقوف خاص میں دیت اس کے مالکوں
498	جائے تو اس کا حکم	464	پر ہوگی
	عاقلہ اگر جنایت کرنے والے کے فعل کا اقرار		اگر کسی محلہ میں پرانے اور نئے مالک ہوں اور کچھ
499	کرے تو اس کا حکم	468	لوگ سکونت اختیار کیے ہوئے ہوں تو قسامت کا حکم
500	کیا بچہ، عورت اور مجنون عاقلہ میں داخل ہوں گے؟		اگر مقتول محلہ کی مسجد یا متصل سڑک پر پایا جائے تو
501	قاتل کی عاقلہ نہ ہو تو دیت کا حکم	471	اس کا حکم
	وہ شخص جس کا مطلقاً ایسا وارث ہو جو معروف ہو اس	472	گھر میں موجود راستہ کی اقسام
503	کی دیت کا حکم		ولی اہل محلہ کے علاوہ کسی اور پر دعویٰ کرے اور دو

540	بعد نکاح کیا تو اس کا حکم	506	کتاب الوصایا
541	اپنا حج، فالح زدہ اور وہ آدمی جس کا ہاتھ شل ہو جائے	506	وصیتوں کا بیان
544	اور وہ جسے سل کی بیماری ہو اس کے ہبہ کا حکم	508	لفظ وصایا کی لغوی تحقیق
546	وصیتیں جمع ہو جائیں تو ان کا حکم	509	وصیت کی اقسام
546	قتل، ظہار اور قسم کا کفارہ صدقہ فطر پر مقدم ہوگا	510	والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے وصیت کے
546	نفل حج صدقہ سے افضل ہے	510	وجوب کے قائلین کا رد
553	اپنے تہائی مال کی کعبہ معظمہ یا بیت المقدس کے	513	وصیت کا سبب
555	لیے وصیت کرنا جائز ہے	515	وصیت کی شرائط
557	اگر کسی نے اپنی موت کے بعد تعزیت کرنے	517	وصیت کا رکن
558	دالوں کے لیے کوئی وصیت کی تو اس کا حکم	519	وصیت کا حکم
560	قبر کو مٹی کا لپ کرنا اور اس کے پاس قرآن کریم	520	اگر کوئی مانع موجود نہ ہو تو اجنبی کے لیے ثلث مال
560	پڑھنا مکروہ نہیں	521	سے وصیت کرنا جائز ہے
561	اگر کسی نے اپنے مدیون کے لیے دین براءت کی	526	ثلث مال سے کم کی وصیت کرنا مستحب ہے
561	وصیت کی تو اس کا حکم	528	اپنے مملوک غلام کے لیے اپنے ثلث مال کی وصیت
564	باب الوصیۃ بثلث المال	532	کرنا بالاتفاق صحیح ہے
568	ثلث مال کی وصیت کرنے کا بیان	536	مطلق دراہم اور دنانیر کے بارے وصیت اصح قول
570	اگر کوئی تہائی مال کی زید کے لیے اور تہائی مال کی	536	کے مطابق صحیح نہیں ہوتی
571	کسی دوسرے کے لیے وصیت کرے تو اس کا حکم	536	حمل کے بارے وصیت کرنا صحیح ہے
	وصیت کے باطل ہونے کا معنی	536	حربی کے لیے دار الحرب میں وصیت کرنا صحیح نہیں
	ضرب کا معنی	536	قاتل کے لیے وصیت کا عدم جواز
	وہ تین مسائل جن میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک	536	ایسا بچہ جو خیر اور شر میں تمیز کر سکتا ہو اس کی طرف
	موصیٰ لہ ثلث سے زائد کو ضرب نہیں دے گا	536	سے وصیت کرنا صحیح نہیں
	اگر موصیٰ اپنے مال سے جز یا سہم کے ساتھ وصیت	536	سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف سے قریب البلوغ
	کرے تو اس کا حکم	536	کی وصیت کی اجازت کی توجیہ
	صدر الشریعہ اور ابن کمال کے اشکال کا دفعیہ	536	موصیٰ کے لیے وصیت سے رجوع کا جواز
	معرفہ کے تکرار میں ضابطہ	536	اگر مریض نے کسی عورت سے ہبہ اور وصیت کے

574	حسب و نسب باپ کے ساتھ مختص ہوتا ہے ماں کے ساتھ نہیں	609
575	لفظ اہل کی لغوی تحقیق	617
586	عرب کے طبقات	618
593	فقہ کی تعریف	621
593	کسی شخص کو قبر وغیرہ پر قرآن کریم پڑھنے کے لیے اجرت پر لینا عدم ضرورت کی وجہ سے جائز نہیں	623
593	باب الوصیۃ بالخدمة والسکنی والشرۃ	626
593	خدمت، سکونت اور پھل کی وصیت کا بیان	626
594	کسی معین فرد کے لیے اپنے غلام کی خدمت اور اپنے گھر کی سکونت کی وصیت کا جواز	626
594	غلام اور گھر کی تقسیم کا طریقہ	627
595	منقولہ اشیا کے وقف میں امام اعظم رحمہ اللہ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کا موقف	636
602	فصل فی وصایا الذمی وغیرہ	638
602	ذمی وغیرہ کی وصایا کے بیان میں فصل	638
602	ذمی کی وصایا کی اقسام	640
603	بنا اور وصیت کے درمیان فرق	642
604	اہل ہوا کی تعریف	642
605	وصیت مطلقہ اور عامہ میں فرق	642
606	وقف کے متولی اور وصی میں وجہ اشتراک	644
608	باب الوصی وهو الموصی الیہ	648
608	وصی یعنی موصی الیہ کا بیان	648
608	وصیت قبول کرنے کے بارے میں اسلاف کا نقطہ نظر	648
608	نظر	648

وصیت کے الفاظ	648	وصی کے لیے یتیم کے مال سے اپنی ذات کے لیے
موصلی کا وصی کو وصیت سے نکالنا صحیح ہے	650	تجارت کا عدم جواز
غلام کو وصی بنانے میں ”امام صاحب“ رحمہ اللہ اور	680	متولی اور وصی کے لیے اجرت مثل کا شرعی حکم
”صاحبین“ رحمہ اللہ کا اختلاف	653	ظالم کے خوف کی وجہ سے غیر وصی کے صغیر کے مال
اگر کوئی اکیلے وصی کی ذمہ داری ادا کرنے سے عاجز	683	میں تصرف کرنا جائز ہے
ہو تو اس کا حکم	654	بچے کے باپ کا وصی دادا کی نسبت اس کے مال کا
اگر قاضی وصی کو اس کی اہلیت کے باوجود معزول کر	685	زیادہ حق دار ہے
دے تو اس کا حکم	655	فصل فی شہادۃ الاوصیاء
بغیر خیانت کے کسی دوسرے کو تولیت سونپنے کا عدم	687	وصیوں کی شہادت کے احکام
جواز	656	صغیر یا کبیر وارث کے لیے میت کے مال میں دو
دو وصیوں میں سے ایک کا دوسرے کی اجازت	687	وصیوں کی شہادت مطلقاً باطل ہے
کے بغیر تصرف کرنے کا بطلان	657	اگر وصی وصیت کے نفاذ میں ذاتی سرمایہ صرف
قاضی میت کے وصی کی موجودگی میں دوسرا وصی	690	کرے تو ترکہ سے پورا کر سکتا ہے
مقرر نہیں کر سکتا	659	مطلقاً رجوع کرنے میں یا اس پر گواہ بنانے کے
وہ مسائل جو دو وصیوں میں سے ایک کے انفرادی	391	ساتھ رجوع کرنے میں آئمہ کے اقوال
تصرف کے باطل ہونے سے ضرورتاً مستثنیٰ ہیں	660	وہ مسائل جن میں خرچ کرنے کا دعویٰ بینہ کے بغیر
مشرف کا معنی اور اس کے تصرف کا شرعی حکم	665	قبول نہیں کیا جائے گا
وصی کے وصی کا شرعی حکم اور اقسام	666	ہر وہ چیز جس پر وصی مسلط ہو اس میں اس کی
وصی کی تقسیم کی صحت یا عدم صحت کا شرعی حکم	667	تصدیق کی جائے گی
قاضی کی تقسیم کا شرعی حکم	668	وہ مقامات جہاں قاضی وصی مقرر کر سکتا ہے
وصی کا یتیم کے مال کا حوالہ کرنے کا شرعی حکم	670	وہ صورتیں جن میں قاضی کا وصی میت کے وصی کی
وصی کا کسی اجنبی کے ساتھ بیع و شرا کا شرعی حکم	671	مثل نہیں
اگر صغیر کے باپ کا وصی یتیم کے مال کی بیع و شرا	703	قاضی کے وصی کی تخصیص کا جواز
کرے تو اس کا شرعی حکم	704	حالت مرض میں بلا اجازت مریض کے تبرع اور
باپ کے لیے صغیر کا مال اپنی ذات کو مثلی قیمت یا	706	احسان کرنے کا شرعی حکم
غبن یسیر کے ساتھ بیچنا جائز ہے	673	منافع اعیان کے قائم مقام ہوتے ہیں

730	جمعہ کے دن دعا کی قبولیت کا وقت	709	اگر کوئی ترنا پاک کپڑا خشک پاک کپڑے میں لپیٹا
730	گیا تو اس کا حکم	710	اگر تر کپڑا خشک ناپاک رسی پر پھیلا یا جائے یا کوئی
730	ناپاک بستر پر سوئے اور پسینہ آجائے تو اس کا حکم	710	ناپاک بستر پر سوئے اور پسینہ آجائے تو اس کا حکم
732	اگر مودع بغیر وارث کے فوت ہو جائے تو مودع کے	711	لیے اپنی ذات پر مال و دیعت خرچ کرنے کا جواز
732	اگر کسی نے روزہ توڑ دیا پھر کفارہ کی ادائیگی سے	711	پہلے دوسرا روزہ توڑ دیا تو کفارہ کا حکم
733	نماز اور اور دو رمضانوں کی قضا میں تعیین کی شرط	715	لگانے میں ضابطے
734	لگانے میں ضابطے	715	آگ مطہر ہے
736	آگ مطہر ہے	715	اگر حاکم وقت زمین کے مالک کو خرچ چھوڑ دے تو
736	اس کا حکم	716	اس کا حکم
738	اگر ذبح شدہ اور مردار بکریاں پڑی ہوں تو ان کا حکم	717	اگر ذبح شدہ اور مردار بکریاں پڑی ہوں تو ان کا حکم
740	گوشت آدی کے اشارہ کرنے اور لکھنے کا حکم	719	گوشت آدی کے اشارہ کرنے اور لکھنے کا حکم
741	معتقل اللسان (جس کی زبان میں لکنت ہو) کا حکم	720	معتقل اللسان (جس کی زبان میں لکنت ہو) کا حکم
743	تنبیہ اور استناد میں فرق	720	تنبیہ اور استناد میں فرق
744	حدود میں گونگے کے اشارے اور کتابت کا حکم	723	حدود میں گونگے کے اشارے اور کتابت کا حکم
746	بعض حاجیوں کا قتل ہونا حج کے ترک میں عذر ہے	723	بعض حاجیوں کا قتل ہونا حج کے ترک میں عذر ہے
746	عورت کا اپنے خاوند کو اپنے پاس آنے سے روکنا	726	حکماً نافرمانی ہے
746	حکماً نافرمانی ہے	726	اگر کسی نے اپنے غلام سے کہا: اے میرے مالک
747	یا لونڈی سے کہا: میں تیرا غلام ہوں تو اس کا حکم	726	یا لونڈی سے کہا: میں تیرا غلام ہوں تو اس کا حکم
748	جب تک مدعی گواہ پیش نہ کرے متنازع فیہ زمین	729	صاحب قبضہ کے قبضہ سے نہیں نکلے گی
748	صاحب قبضہ کے قبضہ سے نہیں نکلے گی	729	صاحب قبضہ کے قبضہ سے نہیں نکلے گی

اگر وصی وصی ہونا قبول کر لے پھر اپنے آپ کو معزول کرنا چاہے تو اس کا حکم

وصی کے لیے بقدر ضرورت مال سے کھانا اور سواری کرنا جائز ہے

یتیم کی تعلیم و تربیت پر مال خرچ کرنے کا جواز وصی اور باپ کے لیے صغیر کا مال عاریتاً دینا جائز ہے

باپ اپنے اور صغیر کے درمیان مشترک مال کی تقسیم کا مالک ہوتا ہے

کتاب الحنثی

حنثی کے احکام

لفظ حنثی کی لغوی تحقیق

حنثی کی تفسیر اور علامات

حنثی مشکل

علامات متعارض ہوں تو ان کا حکم

حنثی کے احکام

حنثی کے لیے ریشم اور زیورات پہننا مکروہ ہے

حنثی کے لیے حرمت مصاہرت کا ثبوت

حنثی مشکل کی قبر پر پردہ کرنا مستحب ہے

حنثی کا میراث میں حصہ

مسائل شتی

متفرق مسائل کے احکام

لفظ شتی کی لغوی تحقیق

شراب کے عادی کے پسینے کا حکم

چوہیا کی بیٹ اگر کسی چیز میں پائی جائے تو اس کا حکم

سنن مودہ کی ادائیگی کا طریقہ

وہ صورتیں جن میں دعویٰ صحیحہ اور شہادت مستقیمہ کے باوجود فیصلہ نافذ نہیں ہوتا	750	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جن کی نبوت میں اختلاف ہے کے لیے بیعت کہنے کا استحباب	786
حقوق العباد میں اجتہادی مسائل میں قضا کے نفاذ کی شرط	751	تابعین، علما اور صالحین کے لیے رضی اللہ عنہ کا استحباب	786
کسی نے زمین، جانور یا کپڑا بیچا جب کہ بیٹا یا بیوی پاس موجود ہوں تو اس کا حکم	754	غیر ضروری چیزوں کے بارے سوال کرنے کا شرعی حکم	787
اگر فضولی کسی کی مملوکہ چیز بیچ دے اور مالک خاموش رہے تو اس کا سکوت رضا مندی نہیں	758	نیروز اور مہرجان کے نام پر تحائف دینے اور کفار کی دعوت میں شریک ہونے کا شرعی حکم	787
متمی عموم اوقات کے لیے جبکہ کلبا عموم افعال کے لیے آتا ہے	760	ٹوپیاں پہننے کا شرعی حکم	788
اگر کوئی اپنی بیوی کے مکان میں عمارت بنائے تو اس کا حکم	767	سیاہ و سرخ لباس پہننے کا شرعی حکم	789
بکری کے وہ اعضا جو مکروہ تحریمی نہیں	778	زیب و زینت اختیار کرنے کا استحباب	790
ختنے کا وقت	778	عالم کی فضیلت	790
عورت کے ختنے کا شرعی حکم	779	سیاہ خضاب کا شرعی حکم	791
وہ رسول جو مختون پیدا ہوئے	780	ٹیک لگا کر کھانا کھانا جائز ہے	792
باؤلا کتا اور وہ بلی جو نقصان دیتی ہو اسے قتل کرنے کا جواز	781	طاعون زدہ شہر سے نکلنے کا شرعی حکم	793
ٹنڈی، جوں اور بچھو کو جلانا مکروہ ہے	781	کتاب الفرائض	
گھوڑے، اونٹ کی دوڑ اور تیر اندازی میں مسابقت کا جواز	782	فرائض کا بیان	794
مسابقت میں جانبین سے مال کی شرط لگانے کی حرمت	782	علم الفرائض کی تعریف، ارکان، شرائط اور اصول	796
انبیا اور ملائکہ کے علاوہ پر بطریق تبع صلوٰۃ بھیجنا جائز ہے	783	علم الفرائض کا ثبوت	797
حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ترجمہ کا شرعی حکم	785	کیا زندہ زندہ سے میراث حاصل کرتا ہے یا مردہ سے؟	
		وہ امور جنہیں تکفین پر مقدم کیا جائے گا	800
		ترکہ کے مستحقین کی اصناف	808
		مقرر حصص	809
		حصص کی تعداد	809
		ذوی الفروض کے درمیان میراث کی تقسیم میں ترتیب	810

869	عول کا بیان	810	عصبہ نسبی کو مقدم کرنے کی وجہ
	مسائل فرائض کی اقسام اور عول کا لغوی اور		مانع کی لغوی اور اصطلاحی تعریف اور میراث کے
869	اصطلاحی معنی	817	موانع
870	عول کے بارے سب سے پہلا فیصلہ	817	پہلا مانع غلامی
870	مخارج کی تعداد	819	دوسرا مانع قتل
	وہ مخارج جن میں عول ہوتا ہے اور جن میں عول	820	تیسرا مانع اختلاف دین
871	نہیں ہوتا	821	چوتھا مانع اختلاف دارین
872	مسئلہ منبریہ		مردوں کی تاریخ اور وارث کا مجہول ہونا بھی موانع
872	مسئلہ الرد	824	میں سے ہے
874	رد کے مسائل کی اقسام اور تقسیم کا طریقہ	825	وضاحت
	باب توریث ذوی الارحام	826	تکمیل
883	ذوی رحم محرم کی وراثت کے احکام	828	جد صحیح اور جد فاسد میں فرق
883	ذو رحم کا لغوی معنی اور اصطلاحی تعریف	828	وہ تیرہ مسائل جن میں داد اباپ سے جدا ہے
	ذوی الارحام میں سے زیادہ قریبی، بعیدی کے	831	ماں کے احوال
883	لیے حاجب ہوتا ہے	832	جدہ صحیحہ کی تعریف اور اقسام
884	ذوی الارحام کی انواع اور ترتیب		فصل فی العصبات
	فصل فی الغرق والحرث وغیرہم	836	عصبوں کے احکام
896	غرف ہونے والے وغیرہ کے احکام	836	عصبہ نسبی کی اقسام
	ڈوب جانے والوں اور جل جانے والوں کے	836	عصبہ بنفسہ کی تعریف
896	احوال اور میراث کا حکم	838	عصبہ بنفسہ کی اقسام
896	ترتیب جاننے کے بعد ذات مجہول ہو تو اس کا حکم		حدیث لیس للنساء من الولاء الا ما اُعْتَقْنَ
	فوت ہونے والوں کی ترتیب معلوم نہ ہو تو ان کی	849	پر کلام کا مفہوم
898	میراث کا حکم	850	شاذ حدیث کی تعریف اور اس کا حکم
	کافران نکاحوں کے ساتھ وارث نہیں ہوں گے جو	851	حجب کا بیان
900	ان کے نزدیک حلال ہیں	855	ان کے اصول کا حاصل کلام
900	جائز اور فاسد نکاح کا ضابطہ		باب العول

901	اصحاب فرائض میں سے پانچ سے زیادہ گروہوں کا	901	ولد الزنا اور ولد اللعان کے لیے وراثت کی جہت
916	اجتماع جائز نہیں	901	حمل کے لیے میراث کا شرعی حکم
916	سہام میں سے چار فرقوں سے زیادہ پر کسر نہیں ہوتا	902	حمل کے مسائل میں اصل
905	اگر ایک فریق کے سہام ان پر ٹوٹ جائیں تو تصحیح کا طریقہ	905	پہلی
917	طریقہ		فصل فی المناسخۃ
906	اگر کچھ فریقوں کے سہام ٹوٹ جائیں اور ان کے	906	مناسخہ کے احکام
919	رؤوس کی تعداد برابر ہو تو تصحیح کا ضابطہ	906	مناسخہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف
920	اگر کسرتین فریقوں پر واقع ہو تو تصحیح کا ضابطہ	906	دوسرے مسئلہ کی تصحیح
922	اگر رؤوس کے اعداد متباین ہوں تو تصحیح کا طریقہ	909	اگر کوئی تیسرا وارث فوت ہو جائے تو تصحیح کا ضابطہ
	دو عددوں کے درمیان نسبتوں (تمائل) توافق،		باب المخارج
923	تداخل اور تباین کو پہچاننے کا ضابطہ	911	مخارج کے احکام
926	کسر منطق کی تعریف	911	مخارج کی لغوی اور اصطلاحی تعریف
931	تخارج کا لغوی معنی اور اصطلاحی تعریف	911	فروض کی انواع
	ورثا اور غرما سے کوئی ترکہ میں معلوم شے پر صلح کر	911	ہر کسر کا مخرج اس کا ہم نام ہے
931	لے تو تصحیح کا طریقہ	915	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے
			ایک مسئلہ میں چار فروض سے زیادہ کا اجتماع جائز نہیں
		916	

کِتَابُ الصَّيْدِ

لَعَلَّ مُنَاسَبَتَهُ أَنَّ كُلًّا مِنْهُمَا مِثْلُورُثُ الشُّرُورِ

شکار کے احکام

شاید اس کی کتاب الاثر بہ کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک فرحت و سرور عطا کرتا ہے۔

صید کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

صید یہ صادر فعل کا مصدر ہے جب وہ اس شکار کو پکڑ لے۔ اس سے اسم فاعل یعنی پکڑنے والا صادر ہوتا ہے، اور وہ جانور مصید ہوتا ہے۔ مصید یعنی اسم مفعول کو صید بھی کہہ دیتے ہیں اس کی جمع صیود آتی ہے۔ صید ہر وہ جانور ہوتا ہے جو طبعی طور پر اپنا دفاع کرتا ہے اور الگ تھلگ رہتا ہے اس کو حیلہ کے بغیر پکڑنا ممکن نہیں ہوتا، ”مغرب“۔ ممتنع کی قید سے مرغی اور بطخ خارج ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ممتنع سے مراد یہ ہے کہ اس کی ایسی ٹانگیں ہوں یا پر ہوں جن کا وہ مالک ہوتا ہے اور ان دونوں کی وجہ سے وہ بھاگ جانے پر قادر ہوتا ہے اور متوحش جیسے کبوتر ہے۔ کیونکہ اس کا معنی ہے کہ وہ رات اور دن کے وقت لوگوں سے میل جول نہیں رکھتا اور طبعاً سے مراد جو گھروں میں رہنے والوں سے الگ تھلگ رہتے ہوں۔ کیونکہ گھروں میں رہنے والے شکار کرنے سے حلال نہیں ہوتے اور وہ گردن سے ذبح کرنے کے ساتھ حلال ہوتے ہیں۔ اور اس میں وہ جانور داخل ہو جائے گا جو متوحش ہو اور وہ مالوف ہو چکا ہو جیسے ہرن جس کو حیلہ کے بغیر پکڑنا ممکن نہ ہو۔ اس کی مفصل بحث ”تہستانی“ میں ہے۔ یعنی ہرن اگر چہ پکڑ لینے کے بعد مالوف ہو جاتا ہے مگر اس سے قبل وہ شکار تھا وہ شکار کرنے کے ساتھ حلال ہو جاتا ہے۔ اور اس تعریف میں وہ شکاری جانور بھی داخل ہو جائیں گے جن کا گوشت نہیں پکایا جاتا جس طرح عنقریب آگے آئے گا۔

33941۔ (قولہ: مِثْلُورُثُ الشُّرُورِ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: مایورث الغفلة واللہو، جو غفلت اور ہوا کا ہوا ہوتا ہے۔ کیونکہ حدیث طیبہ ہے: مَنْ اتَّبَعَ الصَّيْدَ فَقَدْ غَفَلَ (1) جس نے شکار کا پیچھا کیا پس وہ غافل ہو گیا۔ ”سعدیہ“ میں ہے: کیونکہ شکار کھانوں میں سے ہے اور کتابوں کی مشروبات کے ساتھ مناسبت مخفی نہیں اور ان میں سے ہر ایک یا تو حرام ہو گا یا حلال ہو گا۔

1۔ مسند امام احمد، روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، صفحہ 280، حدیث نمبر 3362، مطبوعہ بیت الافکار الادبیۃ لبنان

ایضاً، سنن نسائی، کتاب الصید، باب اتباع الصید، جلد 3، صفحہ 207، حدیث نمبر 4234

(هُوَ مُبَاحٌ) بِخُصَّةِ عَشْرٍ شَرْطًا مَبْسُوطَةً فِي الْعِنَايَةِ، وَسَنْقَرُكَا فِي أَثْنَاءِ الْمَسَائِلِ (إِلَّا لِحُرْمٍ فِي غَيْرِ الْحَرَمِ أَوْ لِلتَّهْدِي) كَمَا هُوَ ظَاهِرٌ (أَوْ حَرْفَةٍ) عَلَى مَا فِي الْأَشْبَاهِ قَالَ الْمُصَنِّفُ وَإِنَّمَا زِدْتَهُ تَبَعًا لَهُ، وَإِلَّا فَالتَّحْقِيقُ عِنْدِي إِبَاحَةٌ اتِّخَاذِهِ حَرْفَةً

شکار پندرہ شرائط کے ساتھ مباح ہے جو ”العناية“ میں مفصل مذکور ہیں۔ ہم ان کو مسائل کے ضمن میں بیان کریں گے مگر محرم کے لیے حرم کے علاوہ میں شکار مباح نہیں یا لہو و لعب کے لیے مباح نہیں جس طرح یہ امر ظاہر ہے یا حرفہ کے طور پر مباح نہیں جیسے ”الاشباه“ میں ہے۔ مصنف نے کہا میں نے اس کا اضافہ اشباہ کی اتباع میں کیا ورنہ میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ اسے بطور پیشہ اختیار کرنا مباح ہے

شکار کی اباحت کی شرائط

33942۔ (قوله: بِخُصَّةِ عَشْرٍ شَرْطًا) پانچ شرطیں شکاری میں ہیں (۱) وہ ان افراد میں سے ہو جو ذبح کرنے کے اہل ہوں (۲) اس کی جانب سے شکار کرنے والی چیز چھوڑی جائے (۳) اس شے کو چھوڑنے میں اس کے ساتھ ایسا آدمی شریک نہ ہو جس کا شکار حلال نہ ہو (۴) وہ جان بوجھ کر تکبیر ترک نہ کر دے (۵) اس شے کو چھوڑنے اور اس کے پکڑنے کے دوران کسی اور عمل میں مشغول نہ ہو۔

پانچ شرطیں کتے میں ہیں (۱) وہ سدھایا ہوا ہو (۲) وہ چھوڑے جانے کے راستہ پر جائے (۳) اس کے پکڑنے میں اس کے ساتھ وہ شریک نہ ہو جس کا شکار کرنا حلال نہ ہو (۴) وہ اسے زخمی کرتے ہوئے مار ڈالے (۵) وہ اس سے کوئی شے نہ کھائے۔ پانچ شرطیں شکار میں ہیں۔ (۱) وہ حشرات الارض میں سے نہ ہو (۲) وہ مچھلی کے علاوہ پانی کے جانوروں میں سے نہ ہو (۳) وہ اپنے پروں اور پاؤں کے ساتھ اپنا دفاع کر سکتا ہو (۴) وہ اپنی ناب اور اپنے پنجہ کے ساتھ قوت حاصل کرنے والا نہ ہو (۵) اور اس کو ذبح کرنے کے مرحلہ تک پہنچنے سے پہلے اس طریقہ سے مر جائے۔ اس بارے میں بحث اس کے جواب کے ساتھ ”المنح“ میں مذکور ہے۔ ان تمام شرائط کا مجموعہ یہ ہے کہ جس کا کھانا حلال ہو اور وہ اسے زندہ نہ پائے۔

33943۔ (قوله: فِي غَيْرِ الْحَرَمِ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ یہ قول کرتے: اَوْ فِي الْحَرَمِ تاکہ یہ تینوں صورتوں کو جامع ہو جائے۔ وہ صورتیں یہ ہیں محرم حل میں شکار کرے، وہ حرم میں شکار کرے یا غیر محرم حرم میں شکار کرے۔

33944۔ (قوله: كَمَا هُوَ ظَاهِرٌ) کیونکہ مطلق لہو سے منع کیا گیا ہے مگر تین چیزوں میں یہ ممنوع نہیں جس طرح کتاب الحظرو الاباحۃ میں مذکور ہے۔

33945۔ (قوله: عَلَى مَا فِي الْأَشْبَاهِ) یعنی ”بزازیہ“ میں جو کچھ ہے اس سے یہ اخذ کیا گیا ہے کہ شکار مباح ہے مگر جب یہ لہو و لعب کے طور پر ہو یا حرفہ کے لیے ہو۔ ”مجمع الفتاویٰ“ میں ہے: لہو و لعب کے لیے اور اسے شراب بنائے یہ مکروہ ہے۔ ”شرنبلائیہ“ میں اسے ثابت رکھا ہے۔

لَا تَنْتَهِي عَنْهُ مِنْ الْاِكْتِسَابِ، وَكُلُّ اَنْوَاعِ الْكَسْبِ فِي الْاِبَاحَةِ سَوَاءٌ عَلَى الْمَذْهَبِ الصَّحِيحِ كَمَا فِي الْبَزَازِيَّةِ وَغَيْرِهَا (نَضْبُ شَبَكَةٍ لِلصَّيْدِ مِلْكٌ مَا تَعْقِلُ بِهَا، بِخِلَافِ مَا إِذَا نَضَبَهَا لِلْجَفَافِ) فَإِنَّهُ لَا يَمْلِكُ

کیونکہ یہ بھی کمائی کا ایک ذریعہ ہے اور مباح ہونے میں کسب کی تمام انواع برابر ہیں یہی صحیح مذہب ہے جس طرح کہ بزاز یہ وغیرہ میں ہے۔ ایک آدمی نے جال لگایا تو شکار اس میں پھنس گیا اس کا وہ آدمی مالک ہوگا مگر جب وہ خشک کرنے کے لیے جال پھیلانے تو جو چیز اس میں پھنس جائے گی

شکار کو بطور پیشہ اختیار کرنے کا شرعی حکم

33946۔ (قوله: لَا تَنْتَهِي عَنْهُ مِنْ الْاِكْتِسَابِ) ”ہدایہ“ میں کتاب، سنت اور اجماع سے استدلال کرنے کے بعد اس

سے شکار کے مباح ہونے پر استدلال کیا ہے۔ شارحین نے اس امر کو ثابت رکھا ہے۔

33947۔ (قوله: وَكُلُّ اَنْوَاعِ الْكَسْبِ) یعنی اس کی تمام مباح انواع، سود، غنود فاسدہ وغیرہ کے ساتھ کمائی کا معاملہ

مختلف ہے۔

33948۔ (قوله: عَلَى الْمَذْهَبِ الصَّحِيحِ) ”تاتر خانہ“ میں اس کے بعد کہا: بعض فقہاء نے کہا ہے: زراعت

مذموم ہے۔ اور صحیح قول وہ ہے جس طرف جمہور فقہاء گئے ہیں۔ پھر تجارت اور زراعت میں اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ دونوں میں سے افضل کون ہے۔ اکثر مشائخ کا یہ نقطہ نظر ہے کہ زراعت افضل ہے۔ ”المملکتی“ اور ”المواہب“ میں ہے: سب سے افضل جہاد ہے، پھر تجارت، پھر زراعت پھر صنعت (ہنر) ہے۔

میں کہتا ہوں: ان کے قول کی مراد یہ ہے کہ مباح ہونے میں تمام انواع برابر ہیں۔ اگر وہ ممنوع طریقہ سے نہ ہوں تو ان میں سے کسی کی مذمت نہ کی جائے گی اگرچہ ان میں سے بعض بعض سے افضل ہوں، تامل

پھر ہر نوع کو بعض اوقات ایک انسان اسے حرفہ اور معاش بناتا ہے اور بعض اوقات اسے ضرورت کے وقت کرتا ہے جب شکار کرنا ان میں سے ایک نوع ہے تو یہ اسے حرفہ کے طور پر اپنانے کے مباح ہونے پر دال ہے خصوصاً جب اسے مطلق ہوں۔ متون کی عبارت ہے: کراہت کے لیے خاص دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ اور جو یہ قول کیا جاتا ہے کہ اس میں روجہ کو ضائع کرنا ہوتا ہے جب کہ یہ دل کو سخت بنا دیتا ہے یہ اس کے مکروہ ہونے پر دال نہیں بلکہ اس کی غایت یہ ہے کہ اس کے مکروہ جیسے تجارت اور کاشتکاری ہے وہ اس سے افضل ہے۔

”تاتر خانہ“ میں ہے: امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے کہا: جب اس نے لہو و لعب کے طور پر شکار کو تلاش کیا تو اس میں کوئی خیر نہیں اور میں اس کو مکروہ خیال کرتا ہوں اگر وہ اسے تلاش کرے جس کی اسے ضرورت ہو جیسے بیع کرنا، سالن یا کوئی اور ضرورت تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

مَا تَعْقِلُ بِهَا (وَإِنْ وَجَدَ الْمُقْلَشُ أَوْ غَيْرُهُ خَاتَمًا أَوْ دِينَارًا مَضْرُوبًا) بِضَرْبِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ (لَا) يَنْدِكُهُ وَيَجِبُ تَعْرِيفُهُ اَعْلَمُ أَنَّ أَسْبَابَ الْمَلِكِ ثَلَاثَةٌ نَاقِلٌ كَبَيْعٍ وَهَبَةٍ وَخِلَافَةٍ كِارِثٍ وَأَصَالَةٍ، وَهُوَ الْاِسْتِيلَاءُ حَقِيقَةً بِوَضْعِ الْيَدِ أَوْ حُكْمًا بِالتَّهْيِئَةِ كَنَضْبِ شَبَكَةٍ لَصِيدٍ لَا لِجَفَافٍ

اس کا وہ مالک نہیں ہوگا۔ اگر مقلش یا کوئی اور آدمی انگوٹھی پائے یا ایسے دینار پائے جس پر اہل اسلام کی مہر لگی ہو تو وہ اس کا مالک نہیں ہوگا اور اس کا اعلان کرنا واجب ہوگا۔ یہ جان لو کہ ملک کے اسباب تین ہیں: ناقل جیسے بیع اور ہبہ، نیابت جیسے وراثت، اصالہ وہ غلبہ پانا جو حقیقت کے اعتبار سے ہو جیسے اس پر قبضہ کر لیا جائے یا حکماً غلبہ ہو جیسے وہ اسے تیار کرے جیسے شکار کا جال لگانا کہ خشک کرنے کے لیے جال لگایا جائے جب کہ یہ غلبہ

33949۔ (قوله: تَعْقِلُ) اس میں عین، قاف پر مقدم ہے۔ یعنی پھنس جائے ”مغرب“ میں ہے: ہو مصنوع غیر

مسموع یعنی یہ قیاسی ہے سماعی نہیں۔

اگر مقلش انگوٹھی یا دینار وغیرہ پائے تو اس کا شرعی حکم

33950۔ (قوله: وَإِنْ وَجَدَ الْمُقْلَشُ) یہ لفظ قاف کے ساتھ ہے اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے ہاتھ یا چھلنی کے ساتھ کوڑا کرکٹ میں تلاش کرتا ہے تاکہ اس میں جو نقدی وغیرہ ہے وہ نکال لے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ عامی ہے عربی نہیں۔ پس کتب لغت کی طرف سے رجوع کیا جانا چاہیے۔ باب الصید سے اس مسئلہ کا کوئی تعلق نہیں۔ اس کا محل کتاب اللقطہ ہے، ”حموی“، ملخص۔ ”المنح“ کے بعض نسخوں میں منقش کا لفظ موجود ہے۔

33951۔ (قوله: بِضَرْبِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ) جہاں تک ان دراہم و دنانیر کا تعلق ہے جن پر دور جاہلیت کی مہر ہو تو وہ رکاز ہوگا اس میں سے خمس لیا جائے گا۔ اور یہ بات گزر چکی ہے کہ جب مہر میں اشتباہ ہو جائے تو اس کو دور جاہلیت کا قرار دیا جائے گا۔

33952۔ (قوله: وَيَجِبُ تَعْرِيفُهُ) یعنی اس وقت تک اس کا اعلان کرنا واجب ہے کہ اس کا کوئی مطالبہ نہیں کرے گا پھر وہ اس کو صدقہ کر دے گا یا اپنی ذات پر صرف کر دے گا اگر وہ خود اس کا مصرف ہو۔ ”ط“۔

ملک کے اسباب

33953۔ (قوله: نَاقِلٌ) یعنی ایک مالک سے دوسرے مالک کی طرف منتقل ہو جائے اور ان کے قول و خلافت سے مراد ذو خلافت ہے۔ اس طرح اس کے مابعد میں کلام کی جائے گی۔ ”ط“۔

33954۔ (قوله: هُوَ الْاِسْتِيلَاءُ حَقِيقَةً) یہ احیاء الموات کو جامع ہے پس اس کو چوتھی قسم شمار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں جس طرح ”حموی“ نے کہا ہے۔

33955۔ (قوله: كَنَضْبِ شَبَكَةٍ لَصِيدٍ لَا لِجَفَافٍ) اس سے صاحب ”الاشباہ“ کی پیروی کی ہے۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے قول لصید کو حذف کر دیتے تاکہ یہ اس کو بھی شامل ہو جاتا جب وہ جال پھیلاتے وقت کسی شے کا قصد نہ کرتا۔

عَنِ الْمُبَاحِ الْخَالِي عَنْ مَالِكٍ، فَلَوْ اسْتَوَى فِي مَفَازَةٍ عَلَى حَظَبٍ غَيْرِهِ لَمْ يَبْدِكُهُ وَلَمْ يَحِلَّ لِلْمُقْلَشِ مَا يَجِدُكَ
بِدَا تَغْرِيفٍ، وَتَسَامُ الثَّفْرِيعِ فِي الْمَطَوَّلَاتِ (وَيَحِلُّ الصَّيْدُ بِكُلِّ ذِي نَابٍ وَمِخْلَبٍ) تَقَدَّمَ مَا فِي الذَّبَائِحِ

مباح چیز پر ہو جو مالک سے خالی ہو۔ اگر ایک آدمی جنگل میں کسی دوسرے آدمی کی لکڑی پر قابض ہو تو اس کا مالک نہیں بنے گا۔ اور مقلش نے جو چیز پائی ہے تعریف کے بغیر اس کے لیے وہ حلال نہ ہوگی۔ تمام تفریعات مطولات میں ہوں۔ ہر کچلی والے اور ناخن والے جانور کے ساتھ شکار کرنا حلال ہے ان دونوں کا ذکر کتاب الذبائح میں گزر چکا ہے۔

کیونکہ ”تاتر خانہ“ اور ”ظہیریہ“ میں ہے: استیلاء حکمی یہ ہے کہ وہ ایسی چیز استعمال کرے جو شکار کرنے کے لیے بنایا گیا ہو یہاں تک کہ وہ آدمی جو جال لگاتا ہے تو کوئی شکار اس میں پھنس جاتا ہے تو وہ اس کا مالک بن جاتا ہے اس کے ساتھ اس نے شکار کا قصد کیا ہو یا شکار کا قصد نہ کیا ہو اگر اس نے جال کو خشک کرنے کے لیے پھیلا یا تو وہ اس کا مالک نہیں ہوگا۔ اگر وہ خیمہ نصب کرے اگر وہ شکار کا قصد کرے تو وہ اس شکار کا مالک ہو جائے گا ورنہ اس کا مالک نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ شکار کرنے کے لیے نہیں لگایا گیا۔ ملخص، قتال۔

33956۔ (قوله: عَنِ الْمُبَاحِ) یہ الاستیلاء کے متعلق ہے۔

33957۔ (قوله: عَنْ مَالِكٍ) یعنی مالک کی ملکیت سے خالی ہو۔

33958۔ (قوله: عَلَى حَظَبٍ غَيْرِهِ) یعنی اسے کسی اور نے جمع کیا ہو۔

33959۔ (قوله: وَلَمْ يَحِلَّ) کیونکہ وہ کسی مالک کی ملکیت سے خالی نہیں۔

33960۔ (قوله: وَتَسَامُ الثَّفْرِيعِ) یعنی تیسرے سبب کے متعلق تفریعات مطولات میں ہیں۔ ان میں سے ایک وہ

ہے جو ”تاتر خانہ“ وغیرہا میں ”لمشتی“ سے منقول ہے: ایک شکار ایک آدمی کے گھر میں داخل ہو گیا جب مالک مکان نے اسے دیکھا تو اس پر دروازہ بند کر دیا اور وہ اس حالت میں ہو گیا کہ وہ جال یا تیر کے ساتھ شکار کرنے کے بغیر اس کے پکڑنے پر قہر ہو گیا تو اس کا مالک ہو جائے گا۔ اگر وہ دروازے کو بند کرے اور اسے شکار کا علم نہ ہو تو وہ اس کا مالک نہ ہوگا۔ اگر ایک آدمی نے پھندا لگایا تو اس میں شکار پھنس گیا تو اس پھندے کو توڑ دیا اور اس سے کھسک گیا تو دوسرے آدمی نے اس کو پکڑ لیا۔ تو دوسرا آدمی اس کا مالک بن جائے گا۔ اگر پھندے والا آئے تاکہ اس شکار کو پکڑے اور وہ اس کے قریب ہوا یہاں تک کہ اس کے پکڑنے پر قادر تھا تو شکار اس پھندے سے نکل گیا تو اسے پکڑنے والا اس کا شکار کا مالک نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر پانی میں جال سے وہ شکار نکل گیا جب کہ ابھی اس نے جال باہر نہیں نکالا تھا تو دوسرے شخص نے اس شکار کو پکڑ لیا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔ اگر وہ اسے پانی سے باہر اس جگہ پھینکے جس میں وہ اس کو پکڑنے پر قادر ہو سکتا تھا تو وہ شکار پانی میں جا پڑا تو دوسرا آدمی اس کا مالک نہیں ہوگا۔ بعض نسخوں میں ہے: وتسام التعریف جب کہ یہ غیر مناسب ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔

33961۔ (قوله: تَقَدَّمَ مَا فِي الذَّبَائِحِ) یہ قول اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس سے مراد وہی ہے جو پہلے نر

(مَنْ كَلَبَ وَبَازَ وَنَحَوَهَا بِشَرْطِ قَابِلِيَّةِ التَّعْلِيمِ وَبِشَرْطِ (كَوْنِهِ لَيْسَ بِنَجَسِ الْعَيْنِ) ثُمَّ فَرَعَ عَلَى مَا مَهَّدَ مِنَ الْأَصْلِ بِقَوْلِهِ (فَلَا يَجُوزُ الصَّيْدُ بِدُبِّ وَأَسَدٍ) لِعَدَمِ قَابِلِيَّتَيْهِمَا التَّعْلِيمِ فَإِنَّهُمَا لَا يَعْمَلَانِ لِلغَيْرِ، الْأَسَدُ لِعُلُوِّ هَيْئَتِهِ، وَالذَّبُّ لِحَسَاسَتِهِ وَالْحَقُّ بَعْضُهُمْ بِالذَّبِّ الْحَدَاثَةُ لِحَسَاسَتِهَا (وَلَا بِخَنْزِيرٍ) لِنَجَاسَةِ عَيْنِهِ، وَعَلَيْهِ فَلَا يَجُوزُ بِالْكَلْبِ عَلَى الْقَوْلِ بِنَجَاسَةِ عَيْنِهِ،

وہ کتا ہو، باز ہو اور ان کی مثل ہو۔ شرط یہ ہے کہ تعلیم کی قابلیت رکھتا ہو اور یہ شرط ہے کہ وہ نجس العین نہ ہو، پھر جو قاعدہ بیان کیا ہے اس کے مطابق مسائل بیان کیے ہیں اپنے اس قول کے مطابق کہ ریچھ کے ساتھ اور شیر کے ساتھ شکار کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں تعلیم کی قابلیت نہیں رکھتے کیونکہ یہ دونوں کسی اور کے لیے کام نہیں کرتے شیر اپنی بلند ہمتی کی وجہ سے کسی اور کے لیے کام نہیں کرتا اور ریچھ اپنی حساست کی وجہ سے کسی اور کے لیے کام نہیں کرتا۔ بعض علما نے ریچھ کے ساتھ چیل کو لاحق کیا ہے۔ کیونکہ اس میں حساست پائی جاتی ہے اور نہ ہی خنزیر کے ساتھ شکار کرنا جائز ہے کیونکہ وہ نجس العین ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر اس کے نزدیک کتے سے شکار کرنا جائز نہیں ہوگا جو کتے کے نجس عین کا قول کرتا ہے

چکا ہے۔ وہ ایسا درندہ ہے جس کی کچلی ہو یا اس کے ناخن ہوں جس کے ساتھ وہ شکار کرتا ہو۔ اس کے ساتھ اونٹ اور کبوتر سے احتراز کیا ہے۔ ”قہستانی“ نے کہا: اس میں اس امر کا شعور دلایا جا رہا ہے کہ جس کی کچلی نہ ہو اور نہ ہی اس کے ناخن ہوں تو ذبح کے بغیر اس کا شکار حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایسا جانور شکاری کو زخمی نہیں کرتا جس طرح ”کرمانی“ میں ہے۔

33962۔ (قوله: وَبَازَ) ”صحاح“ میں ہے: باز، بازی میں ایک لغت ہے جو شکار کرتا ہے اس کی جمع ابواز اور بیزان ہے اور بازی کی جمع بزاۃ ہے۔ پہلا اجوف ہے اور دوسرا ناقص ہے۔ اس سے بعض فقہاء کے قول کی غلطی ظاہر ہو جاتی ہے کہ بازی میں یا مشدد ہے اور مخفف ہے۔ ”غرر الافکار“ میں اسی طرح ہے یعنی انہوں نے اس میں تشدید کو جائز قرار دیا ہے جب کہ یہ سماع نہیں ہے۔

شیر، خنزیر اور ریچھ کے شکار کا حکم

33963۔ (قوله: بِدُبِّ وَأَسَدٍ) ”النبہایہ“ میں الدب کی جگہ اذئب کا لفظ ذکر کیا ہے۔ ”محیط“ میں اسی طرح ہے ”شربلالیہ“۔ ”الاختیار“ میں تینوں کو ذکر کیا ہے۔

33964۔ (قوله: لِعَدَمِ قَابِلِيَّتَيْهِمَا التَّعْلِيمِ) یہاں تک کہ اگر دونوں سے سیکھنے کا تصور کیا جائے اور یہ پہچان لیا جائے تو یہ جائز ہوگا۔ ”شربلالیہ“ میں ”النبہایہ“ سے مروی ہے۔

33965۔ (قوله: وَعَلَيْهِ الْخ) یہ مصنف کی بحث ہے یعنی علت اس کا نجس العین ہونا ہے جس طرح ”الہدایہ“ میں ہے۔

33966۔ (قوله: فَلَا يَجُوزُ) نافضیجہ ہے یعنی جب ہم نے خنزیر میں اس کے نجس عین ہونے کی بنا پر عدم جواز کا قول

کیا ہے تو کتے کے ساتھ شکار کرنا جائز نہیں ہوگا جب کہ یہ اس قول پر مبنی ہوگا کہ وہ بھی نجس عین ہے۔ ”معراج“ میں امام

إِلَّا أَنْ يُقَالَ إِنَّ النَّصَّ وَرَدَ فِيهِ فَتَكْتَبُهُ وَبِهِ يَنْدَفِعُ قَوْلُ الْقُحُسْتَانِيِّ إِنَّ الْكَلْبَ نَجِسٌ الْعَيْنُ عِنْدَ بَعْضِهِمْ، وَالْخَنْزِيرَ لَيْسَ بِنَجَسٍ الْعَيْنُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ عَلَى مَا فِي التَّجْرِيدِ وَغَيْرِهِ فَتَأَمَّلْ

مگر اس بارے میں یہ قول کیا جائے کہ اس بارے میں نص وارد ہوئی ہے پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ اس سے ”قہستانی“ کا یہ قول مندرج ہو جاتا ہے کہ کتا بعض علما کے نزدیک نجس العین ہے۔ اور خنزیر امام ”ابو حنیفہ“ رضی اللہ عنہ کے نزدیک نجس العین نہیں جس طرح تجرید وغیرہ میں ہے، قائل۔

”نجعی“ اور حضرت ”حسن بصری“ وغیرہما سے مروی ہے کہ سخت سیاہ کتے کے ساتھ شکار کرنا جائز نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہو شیطان (1) وہ شیطان ہے۔ اور اس کے قتل کا حکم دیا اور جس کا قتل کرنا واجب ہو تو اس کو پکڑنا اور اس کو تعظیم دینا حرام ہوگا۔ پس اس کا شکار مباح نہ ہوگا جس طرح اس کا شکار مباح نہیں جس کو سدھایا نہ گیا ہو جب کہ ہمارے پیش نظر آیت اور احادیث کا عموم ہے۔

قہستانی کے قول کا رد

33967۔ (قوله: إِنَّ النَّصَّ وَرَدَ فِيهِ) وہ حضرت عدی بن حاتم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: اذا ارسلت كلبك فاذا ذكر اسم الله تعالى فان امسك عليك فادر كته قد قتل ولم ياكل منه فكله فان اخذ الكلب ذكاه (2) جب تو اپنے کتا چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کا نام لو اگر وہ تجھ پر اسے روک دے تو اسے پائے کہ اس نے شکار کو قتل کر دیا ہے اور اس میں سے کچھ نہیں کھایا تو اس کو کھاؤ اگر کتے نے اسے پکڑا ہے تو اس کو ذبح کرے۔ اسے امام ”بخاری“، امام ”مسلم“ اور امام ”احمد“ نے اسے روایت کیا ہے۔

33968۔ (قوله: وَبِهِ يَنْدَفِعُ قَوْلُ الْقُحُسْتَانِيِّ) کیونکہ کہا: ہر کچلی والے جانور کا شکار حلال ہے جیسے: تہ، فہد، چیتا، شیر، بچو، ریچھ، خنزیر وغیرہ شرط یہ ہے کہ اس کو سدھایا جائے۔ امام ”ابو یوسف“ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے خنزیر مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ وہ نجس العین ہے۔ شیر اور ریچھ مستثنیٰ ہے کیونکہ یہ دونوں کسی اور کے لیے کام نہیں کرتے۔ بعض اوقات چیل اور ریچھ کے ساتھ لاحق کر دیا جاتا ہے، ”مضمرات“۔ ظاہر روایت میں ہے شرط تعلیم کا قبول کرنا ہے۔ ”سغناقی“ نے جو کہا ہے: ”شکار“ ریچھ میں تعلیم کا تصور نہیں کتاب البیع میں اس کے خلاف کی تصریح کی ہے جس طرح ”تجرید“ وغیرہ میں ہے۔ ”ابو یوسف“ رضی اللہ عنہ کے نزدیک خنزیر نجس العین نہیں جب کہ بعض علما کے نزدیک کتا نجس العین ہے بالاتفاق اس کا شکار حلال ہے۔ ”نص“۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ خنزیر، شیر اور ریچھ کے شکار کی استثنا میں بحث ہے۔ تعلیل میں ہے: ظاہر روایت میں شرط یہ ہے کہ وہ تعلیم کو قبول کرے۔ پس ہر سدھائے ہوئے جانور کا شکار حلال ہوگا اگرچہ وہ خنزیر ہو۔ اور اس کا نجس العین ہونا یہ مانع نہ ہو

1۔ سنن ترمذی، ابواب احکام الفوائد، باب ما جاء في قتل الكلاب، جلد 1، صفحہ 789، حدیث نمبر 1406

2۔ سنن ترمذی، کتاب الصيد، باب ما جاء ما يוכל من صيد الكلب، جلد 1، صفحہ 779، حدیث نمبر 1384

(بَشْرَطِ عَلَيْهِمَا) عَلِمَ ذِي نَابٍ وَمِخْلَبٍ (وَذَا

شرط یہ ہے کہ ان دونوں یعنی کچلی والے اور ناخنوں والے شکاری جانور کو سدھایا جائے

گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض علماء کے نزدیک کتابھی اسی طرح ہوگا جب کہ اس کے شکار کے حلال نہ ہونے کے بارے میں کسی نے کچھ نہیں کہا۔ ان کے قول کے مندرجہ ہونے کی دلیل جو فاضل شارح نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ نص کتے کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ اگر اس کے نجس العین ہونے کا قول کیا جائے تو خنزیر کو اس کے ساتھ لاحق نہ کیا جائے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ شارح نے اس جواب کے ساتھ دو چیزوں کا رد کیا ہے:

(۱) مصنف نے جو بحث کی ہے کہ شکار کے حلال نہ ہونے میں کتے کو خنزیر کے ساتھ لاحق کیا جاتا ہے وہ اس قول پر مبنی ہے کہ کتاب نجس العین ہے۔

(۲) ”قہستانی“ نے جو بحث کی ہے کہ شکار کے حلال ہونے میں کتے کو خنزیر کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔

پہلے کی وجہ یہ ہے کہ کتاب اگرچہ اس کے نجس العین ہونے کا قول کیا جاتا ہے لیکن جب نص اس کے بارے میں خصوصاً وارد ہوئی تو اس کی اتباع واجب ہے۔

دوسرے کی وجہ یہ ہے کہ خنزیر اگرچہ ظاہر میں اللہ تعالیٰ کے فرمان وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ (المائدہ: 4) کے عموم میں داخل ہے۔ لیکن یہ مستثنیٰ ہے کیونکہ نجس العین سے نفع حاصل کرنا حرام ہے۔ اور اس کے خصوص کے متعلق نص وارد نہیں ہوئی کہ اس کی پیروی کی جاتی بلکہ اس سے اجتناب کے بارے میں ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ پس اسے اس کتے پر قیاس کرنا صحیح نہیں جس پر نص وارد ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے مصنف نے اس کی استثنا کو یقین سے بیان کیا ہے جیسے ”ہدایہ“، ”تبیین“، ”بدائع“، ”اختیار“۔ یہ فاضل شارح کے کلام کی وضاحت ہے جب کہ یہ امر کئی لوگوں پر مخفی رہا۔ بعض علماء نے اسے غفلت کی طرف منسوب کیا جب کہ وہ غفلت سے بری ہیں ہر قسم کی خبر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ ہاں یہ ”قہستانی“ کے قول کا جواب ہے: قول یہ ہے: خنزیر نجس العین نہیں لیکن اس کو ترک کر دیا۔ کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ مذہب اس کے برعکس ہے۔ اور اس کے نجس العین کی تعلیل یہ اس پر مبنی ہے۔ جو مذہب ہے۔ تامل۔

33969۔ (قولہ: بَشْرَطِ عَلَيْهِمَا) اس کی دلیل سابقہ حدیث ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: مُكَلِّبِينَ

(المائدہ: 4) یعنی انہیں شکار کی تعلیم دی گئی ہو، تُعَلِّمُونَ هُنَّ (المائدہ: 4) یعنی تم انہیں ادب سکھاتے ہو۔ اس کی مکمل بحث ”زیلعی“ میں ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اس سے پہلے واولاتے اس کا عطف بشرط قابلية التعليم پر ہے پھر یہ شرط اس سے غنی کرنے والی ہے۔

تعلیم یافتہ کتے کی پہچان میں آئمہ کے اقوال

33970۔ (قولہ: وَذَا) اسم اشارہ سے مراد العلم ہے اور بترك میں باہ صورت بیان کرنے کے لیے ہے، ”ط“۔

بِتَرْكِ الْأَكْلِ، أَمَّا الشُّرْبُ مِنْ دَمِ الصَّيْدِ فَلَا يَضُرُّ قَهْشَتَانِي وَيَأْتِي (ثَلَاثًا فِي الْكَلْبِ) وَنَحْوَهُ

اور یہ سدھانا اس شکار کو کھانے کو ترک کرنے سے ہوتا ہے۔ جہاں تک شکار کے خون کا تعلق ہے تو یہ نقصان دہ نہیں، ”قہستانی“۔ اور کتے وغیرہ میں یہ ترک کرنے کا عمل تین دفعہ ہو

33971۔ (قولہ: بِتَرْكِ الْأَكْلِ ثَلَاثًا) یعنی پے در پے وہ تین دفعہ کھانا ترک کر دے، ”قہستانی“۔ یہ ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ہے۔ اور ایک روایت امام ”احمد“ سے بھی یہی ہے۔ کیونکہ اس سے کم تعداد میں اور احتمال ہو سکتا ہے۔ شاید اس نے ایک دفعہ یا دو دفعہ سیر ہو کر اسے ترک کیا ہو جب وہ اس کو تین دفعہ ترک کر دے تو یہ اس امر پر دلالت ہوگی کہ یہ اس کی عادت ہے۔ اور اس کی مکمل وضاحت ”ہدایہ“ میں ہے۔

”طحاوی“ نے ”حموی“ سے نقل کیا ہے کہ یہ ضروری ہے کہ اس نے بھوک کے ساتھ کھانا چھوڑا ہو سیر ہونے کی وجہ سے اسے کھانا نہ چھوڑا ہو، قائل۔ اس کا کھانا جلد، ہڈی، پر، ناخن وغیرہ سب کو شامل ہے جس طرح ”قضیٰ خان“ وغیرہ میں ہے، ”قہستانی“۔

امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضروری ہے کہ یہ شکاری کا ظن غالب ہو اور ضروری ہے کہ وہ سدھایا ہوا ہو اور تین دفعہ کے ساتھ اس کا اندازہ نہیں لگایا جائے گا۔ ”کنز“، ”نقایہ“، ”اصطلاح“ اور ”مختصر قدوری“ میں تین دفعہ کا اعتبار یہ ہے۔ ”ملتقی“ کا ظاہر امر یہ ہے کہ تین دفعہ کا قول راجح نہیں۔ پھر ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ سے جو تعداد کی روایت کی گئی ہے تو وہ شکار حلال ہوگا جس کو اس نے تیسری دفعہ شکار کیا ہو ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک تیسری بار کے شکار کے حلال ہونے میں دو روایتیں ہیں۔ ”خلاصہ“ اور ”بزازیہ“ میں ہے: اصح قول یہ ہے کہ یہ حلال ہے۔

33972۔ (قولہ: فِي الْكَلْبِ وَنَحْوِهِ) یعنی ہر کچلی والا جانور۔ پس یہ قول تندوا (درندہ) چیتا وغیرہ کو شامل ہے اور ان کا قول: بِالرَّجُوعِ إِذَا دَعَوْتَهُ فِي الْبَازِي وَنَحْوِهِ سے مراد ہر ایسا شکاری جانور ہے جس کے ناخن ہوں اور شکار کو اپنی گرفت میں لے لے۔ ”ہدایہ“ میں کہا: کیونکہ باز کا بدن مار کو برداشت نہیں کر سکتا اور کتے کا بدن اس کو برداشت کر سکتا ہے اس وجہ سے اس کو مارا جائے گا تا کہ وہ اس کو چھوڑ دے اور کیونکہ سدھائے کی نشانی یہ ہے کہ وہ اس چیز کو چھوڑ دے جو عادت کے متفق اس کا مالوف ہو اور باز کیونکہ انسان سے الگ تھلگ رہتا ہے اور اس سے متنفر ہوتا ہے پس اس کا واپس آ جانا یہ اس کے عادت کے خلاف جانے کی علامت ہے۔

جہاں تک کتے کا تعلق ہے تو یہ مالوف ہے جو جھپٹ لینے کا عادی ہوتا ہے پس اس کے تربیت یافتہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی مالوف اور پسندیدہ چیز کو ترک کر دے وہ اس کا کھانا اور سلب کرنا ہے۔ دوسری تعلیل تیندوے اور چیتے میں متحقق نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ باز کی طرح لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے جب کہ اس میں اور کتے میں حکم ایک جیسا ہوتا ہے۔ پس قابل اعتماد پہلا قول ہے۔ ”کفایہ“ میں ”مبسوط“ سے مروی ہے۔ اس کی مثل ”العنایہ“ اور ”معراج“ میں ہے۔ ”تاثر خانیہ“

(وَبِالْزُّجُوعِ إِذَا دَعَوْتَهُ فِي الْبَازِي) وَنَحْوِهِ (وَبِشَرْطِ جُرْحِهِمَا فِي أَيْ مَوْضِعٍ مِنْهُ) عَلَى الظَّاهِرِ وَبِهِ يُفْتَى، وَعَنْ الثَّانِي يَحِلُّ بِلَا جُرْحٍ، وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ

اور باز وغیرہ کو جب تو واپس بلائے تو وہ واپس لوٹ آئے۔ اور یہ شرط ہے کہ دونوں شکار کو اس کی کسی جگہ سے زخمی کر دیں۔ یہ ظاہر روایت کے مطابق ہے اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے کہ زخمی ہونے کے بغیر بھی وہ شکار حلال ہوگا۔ امام ”شافعی“ رحمۃ اللہ علیہ نے یہی قول کیا ہے۔

میں ”کافی“ سے مروی ہے: تیندوے اور کتے میں حکم ایک جیسا ہے یعنی اس میں شرط صرف کھانا ترک کرنا ہے۔ ”الاختیار“ میں اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ کہا: تیندو اور غیرہ مار کر برداشت کر لیتے ہیں اس کی عادت چھیڑنا پھاڑنا اور بھاگ جانا ہے۔ پس اس میں کھانے اور واپس بلانے پر واپس آ جانا دونوں شرط ہیں۔ اسی کی مثل ”الدرر“، ”غایۃ البیان“ وغیرہما میں ہے۔ یہ دوسری تعلیل پر مبنی ہے۔

میں کہتا ہوں: پہلی تعلیل پر اعتماد کا مقتضایہ ہے کہ جو قول گزر چکا ہے اس کو رائج قرار دیا جائے، فتنہ بر۔ تنبیہ: یہ ذکر نہیں کیا کہ باز کتنی دفعہ واپس آ جانے کی صورت میں تربیت یافتہ ہو جائے گا۔ پس چاہیے کہ وہ اسی اختلاف پر مبنی ہو جس کا ذکر کلب میں ہوا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ ایک دفعہ واپس آ جانے کی صورت میں تربیت یافتہ ہو جائے گا تو اس کی وجہ ہوگی کیونکہ خوف اس کو اور بھگا تا ہے۔ کتے کا معاملہ مختلف ہے، ”زیلعی“۔

میں کہتا ہوں: ”تا ترخانہ“ اور ”ذخیرہ“ وغیرہما میں ہے: جب باز اپنے مالک سے بھاگ گیا مالک نے اس کو بلایا وہ واپس نہ آیا تو اس پر جاہل ہونے کا حکم لگا دیا جائے گا جب وہ اپنے مالک کو اس کے بعد تین دفعہ پے در پے جواب دے یعنی واپس آ جائے تو ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس کے تربیت یافتہ ہونے کا حکم لگا دیا جائے گا۔ اس سے پہلے ”الحیط“ سے یہ نقل کیا ہے۔ جہاں تک باز اور جو اس کے معنی میں ہیں تو اس کے بارے میں کھانے کو ترک کرنا یہ اس کے تربیت یافتہ ہونے کی علامت نہیں بلکہ جب مالک اس کو بلائے تو اس کے بلانے پر وہ واپس آ جائے یہاں تک کہ اگر وہ اس شکار سے کوئی چیز کھا لے تو اس کا شکار رکھایا جائے گا۔ ہمارے بعض مشائخ نے کہا ہے: یہ حکم اس وقت ہے جب اس کو بلایا جائے تو وہ واپس آ جائے کیونکہ وہ اس کے ساتھ مالوف ہو چکا ہے اس لیے واپس نہیں آتا کہ وہ اس کے پاس گوشت کی طمع رکھتا ہے۔ مگر جب وہ گوشت کی طمع میں اس کے بلانے پر واپس آتا ہے تو وہ تربیت یافتہ نہیں ہوگا۔ اس کی مثل ”ظہیریہ“ میں ہے۔

33973۔ (قوله: إِذَا دَعَوْتَهُ) ضمیر سے مراد جارح ہے یہ موقع محل سے معلوم ہوا ہے۔

33974۔ (قوله: بِشَرْطِ جُرْحِهِمَا) یعنی یہ شرط ہے کہ کچلی والا شکار جانور اور ناخنوں والا شکاری اس کو زخمی کر دیں۔

33975۔ (قوله: عَلَى الظَّاهِرِ) ”البدائع“ میں ظاہر روایت یہ ہے: کچلی والے اور ناخن والے جیسے باز اور شاہین

ہے ان کا شکار حلال نہیں جب تک وہ زخمی نہ کرے۔ یہ ظاہر روایت میں ہے۔ امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ

(وَبَشْرَطٍ اِذَا سَالٍ مُّسْلِمٍ اَوْ كِتَابٍ وَبَشْرَطٍ) (الشَّيْبَةِ عِنْدَ الْاِزْسَالِ)

اور یہ شرط ہے کہ مسلمان یا کتابی اس شکاری جانور کو چھوڑے اور یہ شرط ہے کہ جانور چھوڑتے وقت وہ تکبیر کہے

سے مروی ہے: یہ حلال ہے۔ ”العنایہ“، ”المعراج“ وغیرہ میں یہ اضافہ کیا ہے: فتویٰ ظاہر روایت پر ہے۔

میں کہتا ہوں: متون میں جو مطلق قول ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہی ہے، ”قہستانی“ میں ”النظم“ سے جو منقول ہے کہ باز اور شکرہ اگر شکار کو گلابا کر ہلاک کر دیں تو وہ بالاتفاق حلال ہے۔ یہ قول اشکال پیدا کرتا ہے۔ اور ”خانہ“ میں جو قول ہے: اگر وہ کتا چھوڑے اور وہ شکار کو پکڑ لے اور اس کی گردن توڑ دے اور اس کو زخمی نہ کرے یا اس کے سینے پر بیٹھ جائے اور اس کا گلابا دے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے مروی ہے: زخم شرط نہیں اور باز جب شکار کو قتل کر دے تو وہ حلال ہوگا اگرچہ وہ زخم نہ لگائے۔ بعض علما نے فرمایا: یہ ظاہر روایت کے خلاف ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی تائید یہ قول کرتا ہے کہ انہوں نے اس کا ذکر اپنے اس قول و عن ابی یوسف کے بعد ذکر کیا ہے اور جو قول ”قہستانی“ میں ہے اس میں انہوں نے ”خانہ“ کے کلام کو ”نظم“ کے کلام پر محمول کیا ہے۔ اور اس نے ان بعض کے قول کو رد کیا ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ تو یہ جان چکا ہے کہ ”النظم“ میں جو قول ہے وہ اس ظاہر روایت کے مخالف ہے جو مفتی بہ ہے تامل۔ ”قہستانی“ نے یہ ذکر کیا ہے کہ خون بہانا شرط نہیں اور ان میں سے کچھ علما وہ ہیں جنہوں نے اسے شرط قرار دیا ہے اگرچہ زخم چھوٹا سا ہو۔ اس میں کلام ہے جو عنقریب آئے گا۔

33976۔ (قوله: وَبَشْرَطٍ اِذَا سَالٍ مُّسْلِمٍ اَوْ كِتَابٍ) جس سے احتراز کیا ہے اس کا ذکر عنقریب آئے گا وہ بھوک، وثنیٰ اور مرتد ہے۔ اگر وہ شکاری جانور اپنے مالک کے ہاتھ سے چھوٹ جائے تو وہ شکار کو پکڑ لے اور اسے قتل کر دے تو اسے نہیں کھایا جائے گا جس طرح یہ معلوم نہ ہو کہ اسے کسی نے چھوڑا ہے۔ کیونکہ شرط کے پائے جانے کا قطعی یقین نہیں۔ ”قہستانی“۔ عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

33977۔ (قوله: وَبَشْرَطٍ الشَّيْبَةِ) یعنی تکبیر شرط ہے جو ایسے فرد کی جانب سے کہی جائے جو سمجھ بوجھ رکھتا ہو۔ اس کے علاوہ یعنی بچے، مجنون اور نشہ میں مست کا معاملہ مختلف ہے جس طرح ”البدائع“ میں ہے۔

33978۔ (قوله: عِنْدَ الْاِزْسَالِ) شرط یہ ہے کہ تکبیر چھوڑنے کے ساتھ متصل ہو۔ اگر چھوڑتے وقت اس نے بھوک، وثنیٰ اور مرتد ہو جائے تو اسے چھوڑ دیا ہو پھر اس کے ساتھ ہی اسے جھڑک دیا ہو اور وہ رک گیا تو اس کا شکار نہیں کھایا جائے گا، ”قہستانی“۔ اضطرابی ذبح میں شکار پانے کے وقت تکبیر کا اعتبار نہیں ہوگا۔ ذبح اختیاری کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں تسمیہ مذبح پر واقع ہوتا ہے آلہ پر واقع نہیں ہوتا۔ اگر وہ بکری کو لٹائے اور تکبیر کہے پھر اس کو چھوڑ دے اور دوسری کو پہلی تکبیر کے ساتھ ذبح کرے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ اگر وہ شکار کو تیر مارے یا اس پر کتا چھوڑے تو وہ کسی اور شکار کو جا لگے اور اس کو قتل کر دے تو اس کو کھایا جائے گا اگر وہ بکری کو لٹائے اور تکبیر کہے پھر چھری پھینک دے اور دوسری چھری لے لے اور اس کے ساتھ ذبح کرے تو اس کو

وَلَوْ حُكِنَا، فَالْشَّرْطُ عَدَمُ تَرْكِهَا عَمْدًا (عَلَى حَيَوَانٍ مُبْتَدِعٍ) أُنَى قَادِرٍ عَلَى الْإِمْتِنَاعِ بِقَوَائِمِهِ أَوْ بِجَنَاحِيهِ (مُتَوَحِّشٍ) فَالَّذِي وَقَعَ فِي الشَّبَكَةِ أَوْ سَقَطَ فِي الْبُئْرِ أَوْ اسْتَأْنَسَ لَا يَتَحَقَّقُ فِيهِ الْحُكْمُ الْمَذْكُورُ

اگرچہ وہ تکبیر کہنا حکما ہو۔ پس شرط یہ ہے کہ وہ چھوڑتے وقت جان بوجھ کر تکبیر کو ترک نہ کرے۔ شکاری جانور کو ایسے حیوان پر چھوڑا جائے جو خود اپنے پاؤں یا اپنے پروں کے ساتھ اپنا دفاع کر سکتا ہو اور وہ حیوان انسان سے الگ تھلگ رہتا ہو۔ اور جو جال میں پھنس جائے، کنویں میں گر جائے، یا وہ مانوس ہو جائے تو اس میں مذکورہ حکم متحقق نہیں ہوگا۔

کھایا جائے گا: اگر وہ تیر پر تکبیر کہے پھر دوسرا تیر پھینکے تو اس کا معاملہ مختلف ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ”البدائع“ میں ہے۔
33979۔ (قوله: وَلَوْ حُكِنَا) یہ تکبیر کی طرف راجع ہے اور اس قول کے ساتھ یہ قصد کیا ہے کہ بھول جانے والا تکبیر کہنے والے کے حکم میں ہے، ”ط“۔

33980۔ (قوله: عَلَى حَيَوَانٍ) اگرچہ وہ حیوان غیر معین ہو۔ اگر وہ اسے شکار پر چھوڑے اور وہ کئی شکار پکڑے تو جب تک وہ چھوڑنے والے کی سمت میں ہوں تو ان کو کھایا جائے گا۔ ”تہستانی“ نے ”خانیہ“ سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح اگر وہ اس کو بہت سے شکاروں پر چھوڑے جس طرح آگے آئے گا۔ مصنف نے اس قول کی طرف اشارہ کیا ہے جو ”البدائع“ میں ہے کہ شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ چھوڑنا اور پھینکنا شکار پر ہو یا شکار کی طرف ہو کہا: یہاں تک کہ اگر وہ شکار کے علاوہ پر چھوڑے یا شکار کے علاوہ کی طرف پھینکے اور وہ شکار کو جا لگے تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ شکار کرنا نہیں ہوگا پس اسے چھوڑنے والے اور پھینکنے والے کی طرف منسوب نہیں ہوگا اس پر تمام تفریعات مصنف کے قول سماع حسن انسان الخ میں آئیں گی۔ اس تعبیر کی بنا پر ظرف میں عمل کے اعتبار سے تسمیہ اور ارسال کا فعل تنازع کریں گے، فتدبر۔

33981۔ (قوله: مُتَوَحِّشٍ) یعنی طبعی طور پر وہ انسانوں سے الگ تھلگ رہتا ہو جس طرح کتاب کے شروع میں پہلے بیان کر آئے ہیں۔

”بزازیہ“ میں ہے: ایک شکاری نے کبوتروں والے برج کی طرف تیر پھینکا اور وہ تیر کبوتر کو جا لگا اور ذبح کرنے سے پہلے وہ مر گیا تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ مشائخ کی اس کے متعلق کلام ہے۔ کیا وہ ذبح اضطراری کے ساتھ حلال ہو جائے گا یا نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مباح ہوگا۔ کیونکہ وہ شکار ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حلال نہیں۔ کیونکہ کبوتر رات کے وقت برج کی پناہ لیتا ہے۔

33982۔ (قوله: فَالَّذِي وَقَعَ فِي الشَّبَكَةِ) جس سے احتراز کیا ہے وہ سابقہ قیود ہیں۔

33983۔ (قوله: لَا يَتَحَقَّقُ فِيهِ الْحُكْمُ الْمَذْكُورُ) یعنی شکار کرنے کے ساتھ حلال ہو۔ کیونکہ پہلے اور تیسرے کا

ذبح گردن کاٹنے کے ساتھ ہے۔ اسی طرح دوسرے کا حکم ہے اگر اس کو ذبح کرنا ممکن ہو۔ ورنہ ”البدائع“ میں ہے: جو شکار کنویں میں گر جائے اور وہ اس کو نکالنے اور اس کو معروف ذبح کرنے پر قادر نہ ہو تو شکار کی ذبح ہوگی یعنی راضی کرنا ہوگا۔

وَلِذَا قَالَ (يُوكَلُّ) لِأَنَّ الْكَلَامَ فِي صَيْدِ الْأَكْلِ وَإِنْ حَلَّ صَيْدُ غَيْرِهِ كَمَا سَيَجِيءُ، أَوْ أَعْتَمَ لِحِلِّ الْإِسْتِفَاعِ بِالْجِلْدِ مَثَلًا كَمَا يَأْتِي فَتَأَمَّلْ (و) بِشَرْطِ (أَنْ لَا يُشْرِكَ الْكَلْبَ الْمُعَلَّمُ كَلْبًا لَا يَحِلُّ صَيْدُهُ كَكَلْبِ) غَيْرِ مُعَلَّمٍ وَكَلْبِ (مَجْجُوسٍ)

اسی وجہ سے کہا: اس شکار کو کھایا جائے گا کیونکہ کلام اس شکار کے بارے میں ہے جسے کھایا جاتا ہے اگرچہ اس کے علاوہ (غیر ماکول) کا شکار بھی حلال ہے جس طرح عنقریب آگے آئے گا۔ یا یہ اسے (یعنی دونوں کو) جامع ہے کہ اس کے چمڑے سے نفع حاصل کرنا حلال ہے جس طرح آگے آئے گا پس اس میں غور کیجئے۔ اور شکار کے حلال ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ تربیت یافتہ کتے کے ساتھ ایسا کتا شامل نہ ہو جس کا شکار حلال نہ ہو جیسے غیر تربیت یافتہ کتا اور مجوسی کا کتا

کیونکہ یہ شکار کے معنی میں ہے۔ اسی طرح کتاب الذبائح میں یہ گزر چکا ہے کہ اس میں زخمی کرنا کافی ہوگا جیسے ایسا اونٹ جو بھاگ گیا ہو مگر جب یہ کہا جائے کہ یہاں گفتگو اس شکار میں ہے جو کچلی اور مخلب والا ہو اور وہ یہاں ممکن نہیں اگرچہ اس کی ذکاوت تیر وغیرہ کے ساتھ ممکن ہے۔ تاہل۔

33984۔ (قوله: وَلِذَا قَالَ الْخ) یعنی جس کا ذکر کیا گیا ہے وہ شکار کرنے سے حلال نہیں ہوگا بلکہ اس میں ذبح کرنا حلال ہے۔ کیونکہ صید سے مراد وہ ہے جس کو کھایا جائے یا اس سے مراد عام ہے تاکہ اس کی جلد سے نفع حاصل کیا جائے اور جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے کوئی بھی شے شکار کرنے سے حلال نہ ہوگی نہ کھانے کے لیے اور نہ ہی اس کی جلد سے نفع حاصل کرنے کے لیے۔ کیونکہ گوشت اور جلد کا شکار کرنے کے ساتھ حلال ہونا یہ اسی وقت ہوتا ہے جب اختیاری ذبح نہ ہو اور جس کا ذکر کیا گیا ہے اس میں یہ ممکن ہے کیونکہ وہ محفوظ ہونے یا وحشی ہونے سے خارج ہو چکا ہے۔ فافہم

33985۔ (قوله: بِشَرْطِ أَنْ لَا يُشْرِكَ الْخ) یعنی اس کو زخمی کرنے میں شریک نہ ہو۔

”ہدایہ“، ”زیلعی“ وغیرہا میں جو کچھ ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے: شکار کو پکڑنے اور اسے زخمی کرنے میں یا تو تربیت یافتہ کے ساتھ غیر تربیت یافتہ شریک ہوگا تو وہ حلال نہیں ہوگا یا صرف اسے پکڑنے میں شریک ہوگا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ پہلے سے بھاگ جائے اور دوسرا اسے واپس لوٹا دے اور وہ اس کو زخمی نہ کرے اور پہلے کے زخم سے وہ مر جائے تو صحیح قول ہے۔ مطابق اس کا کھانا مکروہ تحریمی ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مکروہ تنزیہی ہوگا۔ اگر مجوسی خود اسے کھائے تو مباح مختلف ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں وہ مکروہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ مجوسی کا فعل کتے کے فعل کی جنس سے نہیں ہے۔ پس مشارکت متحقق نہ ہوگی۔ دو کتوں کے فعل کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر دوسرے نے اسے پہلے پر نہ لوٹایا لیکن اس نے پہلے پر حملہ کیا اور پہلے نے شکار پر حملہ کیا تو اس کے سبب سے اس نے شکار کو قتل کر دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر درندے یا پرندے میں سے ناخن والے نے اسے اس پر لوٹا دیا جس کو سدھارنا ممکن ہو اور اس کے ساتھ شکار کرنا ممکن ہو تو وہ اس طرح ہوگا جس طرح اس پر کتا لوٹائے۔ کیونکہ مجانست پائی جا رہی ہے۔ اگر ایسا جانور شکار کو اس پر لوٹائے جس کے ساتھ شکار نہیں کیا جاتا جیسے اونٹ اور بیل تو معاملہ

أَوْ لَمْ يُرْسَلْ أَوْ لَمْ يُسَمَّ عَلَيْهِ (و) بِشَرْطِ أَنْ (لَا تَطُولَ وَقْفَتُهُ بَعْدَ إِزْسَالِهِ) لِيَكُونَ (الْصُطِيَادُ مُضَافًا
لِلْإِزْسَالِ) (بِخِلَافِ مَا إِذَا كُنَّ) (وَأَسْتَخْفَى) (كَالْفَهْدِ) أَيْ كَمَا يَكُنُّ الْفَهْدُ عَلَى وَجْهِ الْحِيلَةِ لَا لِلاِسْتِرَاحَةِ
وَلِلْفَهْدِ خِصَالٌ حَسَنَةٌ يُنْبَغِي لِكُلِّ عَاقِلٍ الْعَمَلُ بِهَا كَمَا بَسَطَهُ الْمُصَنِّفُ،

یا نہ وہ اسے شکار پر چھوڑے اور نہ ہی اس پر تکبیر کہے اور شکار کے حلال ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کے چھوڑنے کے بعد وقفہ طویل نہ ہو جائے تاکہ شکار کرنا یہ چھوڑنے کی طرف مضاف ہو جب وہ دبک گیا یا چھپ گیا جس طرح تیندوا کرتا ہے یعنی جس طرح تیندوا حیلہ کے طور پر چھپ جاتا ہے نہ کہ استراحت کے لیے ایسا کرتا ہے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ اور تیندوے کی کچھ اچھی خصلتیں ہیں ہر عقل مند کو ان پر عمل کرنا چاہیے جس طرح مصنف نے اس کی تفصیل ذکر کی ہے۔

مختلف ہوگا۔ پھر باز ان تمام امور میں جن کا ذکر کیا گیا ہے وہ کتے کی مثل ہے۔

33986۔ (قولہ: أَوْ لَمْ يُرْسَلْ الخ) اس کا عطف غیر معلم پر ہے۔ پس اس کا ذکر ان کے قول و بک مجوسی سے پہلے ہونا چاہیے تھا، تامل۔

33987۔ (قولہ: وَبِشَرْطِ أَنْ لَا تَطُولَ وَقْفَتُهُ) یعنی تربیت یافتہ جانور آرام کے لیے وقفہ کرے اگر وہ چھوڑنے کے بعد روٹی کھائے یا بول کرے تو اس شکار کو نہیں کیا جائے گا جس طرح ”الھیط“ میں ہے۔ زیادہ بہتر یہ قول تھا: لایشتغل بعمل آخر بعد الارسال جس طرح ”النظم“ وغیرہ میں ہے۔ کیونکہ طویل وقفہ کا نہ ہونا یہ غیر مضبوط امر ہے، ”تہستانی“۔ اگر وہ شکار سے دائیں یا بائیں پھر جائے یا شکار کی طلب کے علاوہ میں مشغول ہو اور شکار کے راستہ سے سستی کرے پھر اس کے پیچھے جائے اور اس کو پکڑ لے تو اسے نہیں کھایا جائے گا مگر جب وہ نئے سرے سے اسے چھوڑے یا اس کا مالک اس کو جھڑکے اور اس میں تکبیر کہے جو زجر کا احتمال رکھے پس وہ رک جائے، ”بدائع“۔ جب ہوانے تیر کو شکاری کی پشت کی جانب یا دائیں جانب یا بائیں جانب لوٹا دیا پس وہ شکار کو جا لگا تو وہ حلال نہیں ہوگا اگر اسے دیوار یا درخت واپس لوٹا دے تو حکم اسی طرح ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ”خانیہ“ میں ہے۔

33988۔ (قولہ: بِخِلَافِ مَا إِذَا كُنَّ) کمن یہ نص اور سمع کا وزن ہے جس طرح ”قاموس“ میں ہے۔ اور ان کا قول استخفی یہ عطف تفسیری ہے یہ ماقبل سے استثنا کی طرح ہے۔
تیندوے کی چند پسندیدہ خصلتیں

33989۔ (قولہ: كَمَا بَسَطَهُ الْمُصَنِّفُ) اس کی نص یہ ہے: شمس الائمہ ”سرخی“ نے اپنے شیخ شمس الائمہ ”حلوانی“ رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے کہا: فہد (تیندوا) کی چند خصلتیں ہیں ہر عاقل کو چاہیے کہ اس سے وہ اخذ کرے۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ شکار کے لیے چھپ جاتا ہے یہاں تک کہ اس پر قدرت حاصل کر لیتا ہے۔ یہ شکار کے لیے حیلہ ہے۔ پس عاقل کو چاہیے کہ وہ اپنے دشمن سے اپنی مخالفت کو ظاہر نہ کرے بلکہ فرصت کو تلاش کرے یہاں تک کہ اس کا

فَإِنْ أَكَلَ مِنْهُ الْبَازِي أَكَلَ لِأَنَّ تَغْلِيْمَهُ لَيْسَ بِتَرْكِ أَكْلِهِ (وَإِنْ أَكَلَ الْكَلْبُ) وَنَحْوُهُ (لَا يُؤْكَلُ مُطْلَقًا عِنْدَنَا) (كَأَكْلِهِ مِنْهُ) أَيْ كَمَا لَا يُؤْكَلُ الصَّيْدُ الَّذِي أَكَلَ الْكَلْبُ مِنْهُ (بَعْدَ تَرْكِهِ) لِلْأَكْلِ (ثَلَاثَ مَرَّاتٍ) أَنَّهُ عَلَامَةٌ الْجَهْلِ (وَكَذَا) لَا يُؤْكَلُ (مَا صَادَ بَعْدَهُ حَتَّى يَتَعَلَّمَ) ثَانِيًا بِتَرْكِ الْأَكْلِ ثَلَاثًا

اگر باز شکار میں سے کوئی شے کھائے تو اس کو کھایا جائے گا۔ کیونکہ اس کی تربیت اس کے کھانے کے ترک کرنے کے ساتھ نہیں ہے۔ اگر کتے وغیرہ نے کھایا تو ہمارے نزدیک مطلقاً اس سے نہیں کھایا جائے گا جس طرح وہ شکار نہیں کھایا جائے گا جس سے کتے نے کھایا تین دفعہ اس کو ترک کرنے کے بعد کھایا۔ کیونکہ یہ جہالت کی علامت ہے اسی طرح اس شکار کو نہیں کھایا جائے گا جس کو اس نے اس کے بعد کھایا ہو یہاں تک کہ تین دفعہ کھانا چھوڑنے کے بعد دوبارہ وہ تربیت یافتہ ہو

مقصود مشقت کے بغیر حاصل ہو۔

ان میں ایک یہ ہے وہ مار سے نہیں سیکھتا بلکہ وہ اس کے سامنے کتے کو مارے جب وہ شکار میں سے کھائے تو وہ اس کے ساتھ سیکھ جاتا ہے اسی طرح عقل مند کو چاہیے کہ وہ کسی دوسرے سے نصیحت حاصل کرے جس طرح یہ قول یہ گیا ہے: سعادت مند وہ ہے جو غیر سے نصیحت حاصل کرے۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ خبیث شے نہیں کھاتا وہ اپنے مالک سے پاکیزہ گوشت طلب کرتا ہے اسی طرح عاقل کو چاہیے کہ وہ پاکیزہ چیز ہی کھائے۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ تین یا چار دفعہ جھپٹتا ہے جب وہ اس کو پکڑنے پر قادر نہیں ہوتا تو اس کو چھوڑ دیتا ہے اور وہ کہتا ہے: میں ایسے کام میں اپنے آپ کو قتل نہیں کروں گا جو میں کسی اور کے لیے عمل کرتا ہوں۔ ہر عاقل کو اسی طرح کرنا چاہیے۔

33990۔ (قوله: وَإِنْ أَكَلَ الْخ) یہ ان کے قول بشروط علیہا الخ پر تفریع ہے۔

33991۔ (قوله: مُطْلَقًا عِنْدَنَا) خواہ وہ نادر ہو یا معتاد ہو جب وہ نادر ہو تو امام ”شافعی“ رضی اللہ عنہ کے اس بارے

میں دو قول ہیں۔ ایک قول میں وہ حرام ہے۔ ایک قول میں وہ حلال ہے۔ امام ”مالک“ نے یہی کہا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ”المنح“ میں ہے۔

33992۔ (قوله: بَعْدَ تَرْكِهِ لِلْأَكْلِ) لام تقویہ کے لیے ہے یہ ایسے عامل کے معمول پر داخل ہوا ہے جتنا یہ یا غیر

کی فرع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہو گیا ہے جیسے لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ﴿٥٠﴾ (الاعراف) فَتَالِ لَيْلٍ يُرِيدُ ﴿٥١﴾ (البرون)۔

33993۔ (قوله: ثَلَاثَ مَرَّاتٍ) یہ ”صاحبین“ رضی اللہ عنہما کے نزدیک ہے۔ اور ”امام صاحب“ رضی اللہ عنہ کے نزدیک

شکاری کی رائے کے مطابق ہے، ”ط“۔

33994۔ (قوله: صَادَ بَعْدَهُ) یعنی مذکورہ کھانے کے بعد جو تین دفعہ ترک کرنے کے بعد ہو۔ اسی طرح وہ ضمیر جو

قبلہ میں ہے۔

(أَوْ) مَا صَادَهُ (قَبْلَهُ لَوْ بَقِيَ فِي مِلْكِهِ) فَإِنَّ مَا أَتْلَفَهُ مِنَ الصَّيْدِ لَا تَطْهَرُ فِيهِ الْحُرْمَةُ اِتِّفَاقًا لِفَوَاتِ الْحَلِّ، وَفِيهِ إِشْكَالٌ ذَكَرَهُ الْقَهْطَانِيُّ

یا اس نے اس سے قبل جو شکار کیا اگرچہ وہ اس کی ملکیت میں باقی رہے۔ کیونکہ اس نے جو شکار کو تلف کیا ہے تو اس میں بالاتفاق حرمت ظاہر نہ ہوگی کیونکہ محل فوت ہو چکا ہے۔ اس میں اشکال ہے ”قہستانی“ نے اس کو ذکر کیا ہے۔

33995۔ (قوله: لَوْ بَقِيَ فِي مِلْكِهِ) یہ ان کے قول او قبلہ کی قید ہے۔ یہ اس کو بھی شامل ہے جب تک وہ اس کو محفوظ نہ کر لے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ابھی تک جنگل میں ہو اور اس میں حرمت بالاتفاق ہے وہ اسے اپنے گھر میں محفوظ کر لے۔ یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک وہ حرام نہیں ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ”زیلعی“ میں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ نے کتے کی جہالت کا حکم استناد کے طریقہ پر لگایا ہے اور ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما نے صرف اس پر اکتفا کیا ہے جو اس نے کھایا ہے پہلا قول احتیاط کے زیادہ قریب ہے، ”عنایہ“۔ یہی قول صحیح ہے۔ ”قہستانی“ نے ”الزاد“ سے نقل کیا ہے۔

33996۔ (قوله: فَإِنَّ مَا أَتْلَفَهُ) یعنی کھانے وغیرہ کے ساتھ اس نے جو تلف کیا ہے یہ ان کے قول لو بقی فی مملکہ کا مفہوم ہے۔

”تاترخانیہ“ میں ہے: اس نے جو بیچا ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے مطابق وہ ناقص بیع نہیں مگر ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق چاہیے کہ وہ ناقص وضو ہو جب کتے کی جہالت پر وہ مشتری کے ساتھ موافقت کرے۔

33997۔ (قوله: وَفِيهِ إِشْكَالٌ ذَكَرَهُ الْقَهْطَانِيُّ) کیونکہ کہا: یہاں اشکال ہے کیونکہ شے کا حکم وجود کا تقاضا نہیں کرتا۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ مردہ لونڈی کی آزادی کا حکم لگا دیتے ہیں جب اس کا بچہ اس کی آزادی کا دعویٰ کرے۔ جو امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ایک عورت نے نکاح کے ساتھ ایک بچہ جنا تو اس کی موت کے بعد ایک آدمی نے دعویٰ کیا کہ یہ اس کی لونڈی تھی اس نے بچہ کے باپ سے اس کی شادی کی تھی۔ پس بچے نے اس کی آزادی کو ثابت کر دیا اس کی آزادی ثابت ہو جائے گی اور اس سے غلامی ختم ہو جائے گی، متامل۔

اس تعبیر کی بنا پر وہ ظاہر نہیں ہوتا جو بعض فضلاء نے جواب دیا ہے کہ اس پر آزادی کا حکم اس کی طرف بچے کے واسطے سے سرایت کر گیا ہے۔ کیونکہ وہ نسب کے دعویٰ میں اصل ہے۔ پس وہ بچہ آزاد ہو جاتا ہے اور ام ولد اس کے تابع ہوگی اور کتنی ہی چیزیں ہوتی ہیں جو ضمناً ثابت ہو جاتی ہیں۔ ہاں اس میں ظاہر ہوگا اگر آقا یہ دعویٰ کرے کہ یہ اس کی مردہ لونڈی کا بچہ ہے، متامل۔ بعض اوقات اشکال کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ کوئی ثمرہ نہیں جو حرمت کے ثبوت پر مرتب ہو۔ اور جو یہ قول کیا گیا ہے ثمرہ بیع کا باطل ہونا ہے اگر وہ اس کو بیچے اور ثمن کو واپس لے سکتا ہے کیونکہ یہ مردہ ہے یا توبہ لازم ہوگی۔ اس میں ہے کہ فوت شدہ

(كَصْفِي فَرٍّ مِنْ صَاحِبِهِ فَمَكَثَ حِينًا ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ فَأَرْسَلَهُ) فَصَادَ لَمْ يُؤْكَلْ لِتَرْكِهِ مَا صَارَ بِهِ مُعَلَّنًا فَيَكُونُ كَالْكَلْبِ إِذَا أَكَلَ (وَلَوْ أَخَذَ) الصَّيْدَ (الصَّيْدَ) مِنَ الْكَلْبِ وَقَطَعَ مِنْهُ بَضْعَةً وَأَلْقَاهَا إِلَيْهِ فَأَكَلَهَا أَوْ خَطَفَ الْكَلْبُ مِنْهُ وَأَكَلَهُ أَكَلَ مَا بَقِيَ؛ كَمَا لَوْ شَرِبَ الْكَلْبُ مِنْ دَمِهِ) لِأَنَّهُ مِنْ غَايَةِ عَلَيْهِ (وَلَوْ نَهَشَ) الصَّيْدَ فَقَطَعَ مِنْهُ بَضْعَةً فَأَكَلَهَا ثُمَّ أَدْرَكَهُ فَقَتَلَهُ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ لَا يُؤْكَلُ لِأَنَّهُ حَالَةٌ الْإِصْطِيَادِ (وَلَوْ أَلْتَمَسَ) مَا نَهَشَهُ وَاتَّبَعَ الصَّيْدَ فَقَتَلَهُ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ حَتَّى أَخَذَهُ صَاحِبُهُ

جیسے شکرہ اپنے مالک سے بھاگ گیا اور کچھ وقت ٹھہرا ہا پھر مالک کی طرف لوٹ آیا تو مالک نے اس کو شکار کے لیے چھوڑا اور اس نے شکار کیا تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ کیونکہ جس کے باعث وہ تربیت یافتہ ہوا تھا اس نے اس کو ترک کر دیا تھا تو وہ اس کتے کی طرح ہو گیا جس نے شکار کھالیا ہو۔ اگر شکاری نے کتے سے شکار کو پکڑا اور اس کا ایک ٹکڑا کانا اور اس کی طرف پھینک دیا اور اس سے کھالیا یا کتے نے اس کا کچھ حصہ مالک سے چھپٹ لیا اور اس کو کھالیا تو باقی ماندہ حصہ کو وہ کھائے گا جس طرح اگر کتا اس شکار کا خون پی جائے۔ کیونکہ یہ تو اس کے حد درجہ تربیت یافتہ ہونے کی علامت ہے۔ اگر اس نے شکار کو نوچا اور اس سے ایک ٹکڑا کانا اور اس سے کھالیا پھر اس کو پکڑا اور اسے قتل کر دیا اور اس سے نہ کھایا تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ کیونکہ اس نے اسے شکار کرنے کی حالت میں شکار کیا ہے۔ جو اس نے نوچا تھا اگر اس کو پھینک دیا اور شکار کا پیچھا کیا اور اس کو قتل کر دیا اور اس سے نہ کھایا یہاں تک کہ اس کے مالک نے اس کو لے لیا

میں کلام کھانے کی مثل ہے۔ اور بیع کا مسئلہ مختلف فیہ ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ یہ متفق علیہ ہے۔ اس کا علم ہونے سے پہلے کھانا معصیت نہیں یہاں تک کہ توبہ لازم ہو، تامل۔

33998۔ (قولہ: كَصْفِي فَرٍّ مِنْ صَاحِبِهِ) یعنی وہ اس طرح ہو گیا کہ جب وہ اس کو بلاتا وہ اس کو جواب نہ دیتا جس طرح تعلیل اس کو بیان کرتی ہے۔

33999۔ (قولہ: فَيَكُونُ كَالْكَلْبِ إِذَا أَكَلَ) پس اس کا شکار حلال نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ دوبارہ تربیت یافتہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ پے در پے تین دفعہ اپنے مالک کی بات مانے جس طرح ہم پہلے ”تا ترخانیہ“ سے نقل کر چکے ہیں۔

34000۔ (قولہ: أَكَلَ مَا بَقِيَ) کیونکہ محفوظ کرنے کے بعد وہ شکار نہیں رہا۔ ماقبل کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں شکار کی جہت موجود ہے۔ ”زیلعی“ نے اس کو بیان کیا ہے۔

34001۔ (قولہ: لِأَنَّهُ مِنْ غَايَةِ عَلَيْهِ) کیونکہ اس نے وہ چیز لی ہے جو اس کے مالک کے لیے مناسب نہ تھی اور اس چیز سے وہ رک گیا ہے جو مالک کے لیے مناسب تھی، ”زیلعی“۔

34002۔ (قولہ: وَلَوْ نَهَشَ) یہ لفظ شین معجمہ یا سین مہملہ کے ساتھ ہے۔ معنی ایک ہے وہ اگلے دانتوں کے ساتھ گوشت لینا ہے۔

ثُمَّ أَكَلَ مَا أَلْقَى حَلًّا لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ لَوْ أَكَلَ مِنْ نَفْسِ الصَّيْدِ لَمْ يَضُرَّ كَمَا مَرَّ (وَإِذَا أَدْرَكَ) الْمُرْسَلُ أَوْ الرَّامِيَ (الصَّيْدَ حَيًّا) بِحَيَاةٍ فَوْقَ مَا فِي الْمَذْبُوحِ (ذَكَاءٌ) وَجُوبًا (وَشُرْطٌ لِحِلِّهِ بِالرَّمْيِ التَّسْبِيَةِ) وَلَوْ حُكْمًا كَمَا مَرَّ (وَشُرْطُ) (الْجُزْمِ) لِيَتَحَقَّقَ مَعْنَى الذَّكَاءِ (وَشُرْطٌ) (أَنْ لَا يَقْعُدَ عَنْ طَلَبِهِ لَوْ غَابَ) الصَّيْدُ (مُتَحَامِلًا) بِسَهْوِهِ) فَمَا دَامَ فِي طَلَبِهِ يَحِلُّ،

پھر مالک نے جسے پھینکا اسے کھایا تو وہ شکار حلال ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ شکار سے کھاتا تو وہ نقصان نہ دیتا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ جب شکاری جانور چھوڑنے والے نے یا تیر پھینکنے والے نے شکار کو زندہ پکڑ لیا جب کہ اس کی زندگی مذبوح کی زندگی سے بڑھ کر ہو تو وہ وجوبی طور پر اس کو ذبح کرے گا۔ اور اس کے حلال ہونے کے لیے یہ شرط ہو کہ تیر پھینکتے وقت تکبیر کہے اگرچہ وہ تکبیر حکماً ہو جس طرح قول گزر چکا ہے۔ اور زخمی کرنا شرط ہے تاکہ ذبح کرنے کا معنی متحقق ہو جائے۔ اور یہ شرط ہے کہ وہ اس کی تلاش سے بیٹھ ہی نہ جائے۔ اگر شکار اس کا تیر اٹھائے غائب ہو جائے جب تک وہ اس کی طلب میں رہے گا وہ شکار حلال ہوگا۔

34003۔ (قوله: وَإِذَا أَدْرَكَ الْمُرْسَلُ) یعنی کتے اور بازو کو چھوڑنے والا۔ اور ان کا قول او الرامی یعنی تیر وغیرہ کو پھینکنے والا اس سب کو ساقط کر دینا چاہیے۔ کیونکہ اس کو عنقریب تفصیل سے ذکر کریں گے۔

34004۔ (قوله: وَشُرْطُ الْخ) یہ شکار کے آلوں میں سے دوسرے آلہ کے احکام میں شروع ہو رہا ہے۔ کیونکہ وہ یا تو حیوانیہ ہوگا، یا جمادیہ ہوگا۔

34005۔ (قوله: التَّسْبِيَةِ) یعنی تیر پھینکتے وقت جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

34006۔ (قوله: وَلَوْ حُكْمًا) جیسے بھولنے والا۔

34007۔ (قوله: وَشُرْطُ الْجُزْمِ) اگر تیر اس کو کوٹے تو اسے نہیں کھایا جائے گا کیونکہ خون بہانا نہیں پایا گیا۔ اور خون نکالنے میں سابقہ اختلاف پایا گیا ہے۔ ”تہستانی“ نے اسے بیان کیا ہے، ”ط“۔

34008۔ (قوله: لِيَتَحَقَّقَ مَعْنَى الذَّكَاءِ) یعنی خون نکالنے کے ساتھ پاک کرنا جو زخم لگانے کے قائم مقام ہے، ”ط“۔

34009۔ (قوله: وَشُرْطُ أَنْ لَا يَقْعُدَ) یعنی شکاری جانور چھوڑنے والا یا شکار پر تیر چلانے والا یا جو اس کے قائم مقام ہو، ”بدائع“۔ جیسے اس کا خادم اور اس کا رفیق۔

34010۔ (قوله: مُتَحَامِلًا) چلنے میں متحمل یہ ہے وہ مشقت اور تھکاوٹ پر تکلف سے چلے۔ اسی سے تحامل الصيد ہے یعنی گرنے میں تکلف کرے، ”مغرب“۔

اس کے ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ اگر وہ غائب ہو جائے یا وہ اس سے چھپ جائے تو وہ اس کو مردہ پائے تو وہ شکار حلال نہ ہوگا جب تک اس شکار کا زخمی ہونا یقینی طور پر معلوم نہ ہو، ”معراج“۔

34011۔ (قوله: يَحِلُّ) مگر جب اس کے تیر کے زخم کے علاوہ اس میں زخم پایا جائے پس وہ حلال نہ ہوگا۔ ”ہدایہ“۔

وَإِنْ قَعَدَ عَنْ طَلَبِهِ ثُمَّ أَصَابَهُ مَيْتًا لَا لِاحْتِمَالٍ مَوْتِهِ بِسَبَبٍ آخَرَ وَشَرَطَ فِي الْخَانِيَةِ لِجِدِّهِ أَنْ لَا يَنْتَوَارِيَ عَنْ بَصَرِهِ، وَفِيهِ كَلَامٌ مَبْسُوطٌ فِي الزَّيْدِيِّ وَغَيْرِهِ (فَإِنْ أَدْرَكَهُ الرَّامِي أَوْ الْمُرْسِلُ حَيًّا ذَكَاءً) وَجُوبًا فَلَنُو تَرَكَهَا حَرَامًا وَسَيَجِيءُ

اگر وہ اس کی تلاش سے بیٹھ جائے پھر شکار کو مردہ حالت میں پائے تو اس کا کھانا حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی موت کا سبب کوئی اور ہو سکتا ہے۔ ”خانیہ“ میں اس کے حلال ہونے کی یہ شرط لگائی ہے کہ شکار اس کی آنکھ سے اوجھل نہ ہو۔ اس بارے میں ”زیلعی“ وغیرہ میں ”مبسوط“ کلام ہے۔ اگر تیر پھینکنے والے یا شکاری جانور چھوڑنے والے نے اسے زندہ پایا تو اسے وجوبی طور پر ذبح کرے۔ اگر وہ اس کو اسی طرح چھوڑ دے تو وہ شکار حرام ہو جائے گا۔ اور غنقریب اس کا ذکر آئے گا

اس کی مفصل بحث ”ہدایہ“ میں ہے۔

34012۔ (قوله: لِاحْتِمَالٍ مَوْتِهِ بِسَبَبٍ آخَرَ) یہ احتمال اس صورت میں بھی موجود ہے جب وہ اس کی تلاش سے نہ بیٹھا ہو لیکن وہ ضرورت کی وجہ سے ساقط ہے جس طرح ”ہدایہ“ میں ہے۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے جس طرح متن کا ظاہر ہے کہ یہ شرط نہیں کہ وہ اس کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہو۔

اگر زخمی شکار بھاگ جائے تو اس کی حلت یا عدم حلت کا حکم طلب اور عدم طلب پر ہے

34013۔ (قوله: وَفِيهِ كَلَامٌ مَبْسُوطٌ فِي الزَّيْدِيِّ) کیونکہ انہوں نے پہلے ”خانیہ“ کی عبارت ذکر کی اور یہ ذکر یہ کہ یہ اس کے شرط ہونے پر نص ہے۔ اور صاحب ”ہدایہ“ نے اس کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جب کہ یہ اس کی کلام کے آغاز کے مناقض ہے۔ کیونکہ انہوں نے امر کی بنا طلب اور عدم طلب پر رکھی ہے چھپنے نہ چھپنے پر نہیں رکھی۔ ہمارے اصحاب کی اکثر کتب اسی پر ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابو ثعلبہ کو فرمان ہے: اِذَا رَمَيْتَ سَهْمَكَ فَغَابَ ثَلَاثَةَ لَيَالٍ وَادْرَكَتْهُ فَكَلِمَةُ مَالٍ يَنْتَنُ (1) جب تو نے اپنا تیر پھینکا اور وہ شکار تین دن تک غائب رہا اور تو نے اس کو پایا تو اس کو کھاؤ جب تک وہ بدبودار نہ ہو۔ اسے امام ”مسلم“، امام ”احمد“ اور ”ابوداؤد“ نے روایت کیا ہے۔ اور یہ روایت کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شکار کو کھانے کو ناپسند کیا جب شکاری سے غائب ہو جائے (2)۔ اور کہا: شاید زمین کے جانوروں نے اسے قتل کیا ہو۔ اس حدیث کو اس پر محمول کیا جائے گا جب وہ اس کی تلاش سے بیٹھ جائے۔ اور پہلا قول اس صورت میں ہے جب شکار کی تلاش سے نہ بیٹھے۔ ملخص۔

میں کہتا ہوں: ”خانیہ“ کی عبارت اسی طرح ہے۔ ساتویں صورت یہ ہے کہ وہ اس کی آنکھوں سے نہ چھپے یا وہ اس کی تلاش سے نہ بیٹھے۔ پس وہ اس کی تلاش میں رہے اور وہ کسی اور عمل میں مشغول نہ ہو یہاں تک کہ اس کو پالے۔ کیونکہ جب وہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصید، باب اذا غاب عنه الصید، جلد 3، صفحہ 25، حدیث نمبر 3618

2۔ نصب الراية، کتاب الصید، فصل فی الرمی، جلد 5، صفحہ 33

اس کی آنکھوں سے غائب ہو تو بعض اوقات شکار کی موت کسی اور سبب سے ہوتی ہے پس وہ حلال نہ ہوگا۔

تو نے دیکھ لیا ہے کہ انہوں نے کیسے دونوں امروں میں سے ایک کو شرط قرار دیا ہے یا تو وہ نہ چھپے یا وہ نہ بیٹھے۔ کیونکہ انہوں نے او کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ شاید ”زیلعی“ کا نسخہ واؤ کے ساتھ ہے۔ تو کہا جو کہا۔ جہاں تک ان کے قول لائنہ اذا غاب الخ کے ساتھ علت بیان کرنا یعنی وہ تلاش کرنے سے بیٹھ جائے۔ اس کی دلیل ”الخانیہ“ میں اس کے بعد کا قول ہے: جب کتا یا شکار جانور چھوڑنے والے سے چھپ جائے یا اس نے شکار کی طرف تیر پھینکا اور اس کے بعد اس کو مردہ پایا اور اس میں اس کا تیر ہو، اس میں کوئی اور زخم نہ ہو تو اس کا کھانا حلال ہوگا جب وہ طلب نہ چھوڑے۔ کیونکہ آنکھوں سے چھپ جانے سے حفاظت واقع نہیں ہوتی۔ پس یہ امر زائد ہوگا۔ اسی کی مثل ”ہدایہ“ میں ہے۔ پس اس کا حمل متعین ہو جائے گا جو اس کے برعکس وہم دلاتا تھا۔

”البدائع“ میں ہے: ان میں سے یہ ہے کہ وہ اسے جالاحق ہو اس سے قبل کہ وہ اس کی آنکھ سے چھپے یا طلب کا انقطاع واقع ہو۔ اگر وہ شکار اس سے چھپ جائے اور وہ اس کی تلاش سے بیٹھ جائے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ مگر جب وہ اس سے نہ چھپے یا چھپ جائے اور وہ اس کی تلاش سے نہ بیٹھے تو بطور استحسان اس کو کھایا جائے گا۔ یہ اس امر کو متعین کرتا ہے کہ ”خانیہ“ کا نسخہ او کے ساتھ ہے، واؤ کے ساتھ نہیں پس اس وضاحت کو غنیمت جانو۔

تنبیہ

جو ذکر کیا گیا ہے اس میں اس امر کا شعور دلایا گیا ہے کہ تلاش کی مدت مقرر نہیں۔ امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ نصف دن یا نصف رات مقرر ہے اگر وہ اس سے زیادہ وقت تلاش کرتا رہا تو اس کو نہ کھائے ”زیادات“ میں ہے: اگر ایک دن سے کم اس کو تلاش کرے تو اس کو کھائے گا جس طرح ”المضمرات“ میں ہے: ”قہستانی“۔

فروع: ”شرح المقدسی“ میں ہے: ایک آدمی نے پرندے کو تیر مارا تو وہ پانی میں جا گرا اگر وہ اپنے موزے کے ساتھ پانی میں داخل ہو جاتا تو اس کو پالیتا پس وہ موزہ اتارنے میں مشغول ہو گیا تو اس نے اسے مردہ پایا تو اس نے اسے حرام کر دیا۔ ”بدیع الدین“۔

دوسرے علما نے فرمایا: وہ حلال ہوگا۔ کیونکہ موزے کے ساتھ اس کا داخل ہونا مال کو ضائع کرنا ہے اور معمول کے خلاف ہے۔ پس یہ کپڑے اتارنے کی طرح ہے۔ ”سائحانی“ نے کہا: یہ حکم اس صورت میں ہے جب اس میں زندگی ہو جو مذبح کے علاوہ ہو ورنہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ اگر اس نے پھندے والا جال نصب کیا اور اس نے تکبیر کہہ دی اور اس میں ایک شکار پھنس گیا اور وہ زخمی ہو کر مر گیا تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ اگر اس کے ساتھ زخمی کر دے تو ہمارے نزدیک یہ حلال ہوگا جس طرح اگر وہ اسے اس کی طرف پھینکے۔ ”بزازیہ“ میں ہے: اس نے صحرا میں ایک درانتی رکھی تاکہ جنگلی گدھا شکار کرے وہ اس کے پاس آیا تو وہ اس کے ساتھ پیوست تھی جب کہ گدھا مرا پڑا تھا اور اس نے درانتی رکھتے ہوئے تکبیر کہی تھی تو یہ حلال نہیں ہوگا۔ ”مقدسی“ نے کہا: یہ اس صورت پر محمول ہوگا جب وہ اس کی تلاش سے بیٹھ جائے۔ اس میں کلام ہے جسے ہم نے پہلے کتاب

(وَالْحَيَاةُ الْمُعْتَبِرَةُ هُنَا مَا يَكُونُ (فَوْقَ ذِكَاةِ الْمَذْبُوحِ) بِأَنْ يَعَيشَ يَوْمًا، وَرُويَ أَكْثَرُهُ مَجْمَعٌ أَمَّا مِقْدَارُهَا وَهُوَ مَا لَا يَتَوَهَّمُ بَقَاؤُهُ كَمَا فِي الْمُلْتَقَى فَلَا يُعْتَبَرُهَا هُنَا، حَتَّى لَوْ وَقَعَ فِي مَاءٍ لَمْ يَحْرُمَ

یہاں جو زندگی معتبر ہے وہ وہ ہے جو مذبوح جانور کی زندگی سے زیادہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ایک دن تک زندہ رہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ دن کا اکثر حصہ زندہ رہے، ”مجمع“۔ جہاں تک مذبوح کی زندگی کی مقدار کا تعلق ہے تو وہ وہ ہوتی ہے جس کی بقا کا تو ہم نہ ہو جس طرح ”الملتقی“ میں ہے۔ یہاں اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا یہاں تک کہ اگر وہ پانی میں نہ گرے تو وہ حرام نہ ہوگا۔

الذباح میں ذکر کر دیا ہے۔

شکار میں حیات معتبرہ

34014۔ (قوله: وَالْحَيَاةُ الْمُعْتَبِرَةُ هُنَا) یعنی شکار میں جس حیات کا اعتبار ہوتا ہے یہ اس سے احتراز کیا ہے جس کا

ذکر متردیہ وغیرہا میں آئے گا۔

34015۔ (قوله: فَوْقَ ذِكَاةِ الْمَذْبُوحِ) صحیح قول حیاۃ المذبح ہے۔ ”الملتقی“ میں اس کی تعبیر کی ہے۔

34016۔ (قوله: بِأَنْ يَعَيشَ يَوْمًا لَمْ يَحْرُمَ) میں کہتا ہوں: ”صاحب الجمع“ نے اس کا ذکر منخنقہ وغیرہا میں کیا

ہے۔ اس کی عبارت اس کی شرط کے ساتھ یہ ہے: اگر اس نے منخنقہ اور موقوفہ کو ذبح کیا جب کہ اس میں زندگی ہو تو ظاہر روایت میں وہ حلال ہوگا۔

اور اس کا ایک دن تک باقی رہنا یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ سے ایک روایت میں شرط ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ دن کے اکثر حصہ کا اعتبار کرتے ہیں۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے کہا: اگر اس میں مذبوح سے زیادہ زندگی ہو تو اس کو کھایا جائے گا ورنہ نہیں کھایا جائے گا، ”البدائع“ میں کہا: امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق اگر اس کے ساتھ صرف موت کا اضطراب باقی ہو تو اس نے اس کو ذبح کیا تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ اگر وہ کچھ وقت کے لیے زندہ رہے جیسے ایک دن یا اس کا نصف تو وہ حلال ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ مذبوح کی زندگی اور اس کے زائد کی تفسیر ظاہر ہو جاتی ہے۔ جہاں تک مجمع کا تعلق ہے تو یہ اس کی تفسیر نہیں ہے۔ تامل

امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے جو قول نقل کیا ہے وہ ان سے بھی ایک روایت ہے جس طرح ”البدائع“ میں ہے اور یہ ذکر کیا کہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے ظاہر روایت یہ ہے کہ اس زندگی کا اعتبار کیا جائے گا جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ اس کے ساتھ زندہ رہے گا۔ اگر اسے یہ علم ہو کہ وہ اس کے ساتھ زندہ نہیں رہے گا اور اس نے اس کو ذبح کر دیا تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ 34017۔ (قوله: أَمَّا مِقْدَارُهَا) یعنی مذبوح کی زندگی کی مقدار۔

34018۔ (قوله: فَلَا يُعْتَبَرُهَا هُنَا) یہاں شکار میں اس کا اعتبار نہیں ہوگا، ”ہدایہ“ میں کہا: جب کہتے ہیں اس کا

بطن پھاڑ دیا اور اس میں جو کچھ ہو اس کو نکال دیا پھر وہ اس کے مالک کے ہاتھ آ لگا ہو تو وہ حلال ہے۔ کیونکہ جو چیز باقی بچی ہے وہ مذبوح کا اضطراب و حرکت ہے پس اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا جس طرح اگر ایک بکری ذبح کیے جانے کے بعد پانی میں جا پڑی ہو۔

”الحنانیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے اپنا تربیت یافتہ کتا شکار پر چھوڑا اور اس میں زندگی باقی تھی جو ذبح کے بعد مذبوح میں باقی تھی تو مالک نے اسے پکڑ لیا اور اس کو ذبح نہ کیا تو اس کا کھانا حلال ہوگا۔ ”الظہیریہ“ میں یہ زائد کیا ہے: یہ جانور بالاتفاق حلال ہوگا۔ کیونکہ عمل، ذبح کرنا بن چکا ہے۔ پس دوسری دفعہ ذبح کرنے سے وہ مستغنی ہو جائے گا۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ جس میں مذبوح کی زندگی ہو تو وہ ذبح کے قابل نہیں رہتا۔ کیونکہ اضطراری ذبح کے ساتھ اختیاری ذبح سے استغنا حاصل ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اگر وہ پانی میں گر پڑے اور مر جائے تو وہ حرام نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی موت اس کے پانی گرنے کی طرف منسوب نہیں ہوگی۔ کیونکہ وہ اس سے قبل مردہ کے حکم میں تھا تو اس زندگی کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ جو پہاڑ سے لڑھک کر مر جائے وغیرہا کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں زندگی کا اعتبار کیا جاتا ہے اگرچہ وہ زندگی تھوڑی ہو۔ پس وہ ذبح کے ساتھ حلال ہو جائے گی۔ پس یہ امر ظاہر ہوا کہ شکار وغیرہ میں فرق ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس میں کوئی فرق نہیں ہوگا کہ وہ اس صورت میں شکار کو ذبح کرنے پر قادر ہے یا نہیں ہے۔

”العنایہ“ میں جو قول ہے وہ اس کے خلاف ہے کہ اگر وہ اس کو ذبح کرنے پر قادر ہو اور وہ اس کو ذبح نہ کرے یہاں تک کہ وہ مر جائے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا خواہ اس میں زندگی واضح ہو یا مخفی ہو اگر ذبح کرنا ممکن نہ ہو۔ اگر زندگی مذبوح کی زندگی سے بڑھ کر ہو تو ظاہر روایت کے مطابق حکم اسی طرح ہوگا۔ اگر اس کی مقدار کے برابر ہو تو اس کو کھایا جائے گا۔ اس کا مقتضایہ ہے کہ جو ہم نے پہلے ”الحنانیہ“ سے نقل کیا ہے اسے اس پر محمول کیا جائے گا جب وہ قدرت نہ رکھے۔

یہ سب اس کے خلاف ہے جو ”زیلعی“ میں موجود ہے۔ کیونکہ انہوں نے جو کہا جس کا حاصل یہ ہے جب وہ اس کو زندہ پائے اور اسے ذبح اختیاری نہ کرے تو وہ جانور حرام ہو جائے گا اگر اس کا ذبح کرنا ممکن ہو۔ اگر اس میں اتنی زندگی ہو جو مذبوح میں ہوتی ہے جیسے کتا اس کا پیٹ وغیرہ چاک کر دے اور وہ مذبوح کی حرکت کی طرح حرکت کر رہا ہو تو وہ حلال ہوگا۔ اور ”شہید“ نے اس کو اجماع قرار دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ”صاحبین“ رحمہم اللہ کا قول ہے۔ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ حلال نہیں مگر جب وہ اس کو ذبح اختیاری کرے۔ کیونکہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک مخفی زندگی معتبر ہے۔ ”صاحبین“ رحمہم اللہ کے نزدیک مخفی زندگی معتبر نہیں جس طرح پہاڑ سے لڑھکنے والا جانور وغیرہ میں ہے۔ اگر اس میں اتنی زندگی ہو جو مذبوح کی زندگی سے بڑھ کر ہو تو اس کو نہیں کھایا جائے گا یہ ظاہر روایت میں ہے۔

پھر کہا: وہ ذبح اختیاری کے بغیر حلال نہیں ہوگا وہ زندگی مخفی ہو یا ظاہر ہو تربیت یافتہ جانور نے اس کو زخمی کیا ہو یا کسی اور درندے نے اس کو زخمی کیا ہے۔ اس پر فتویٰ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَلَا مَا ذَكَّيْتُمْ (المائدہ: 3) پس یہ مطلقاً ہر زندہ

(وَالْمُعْتَبَرُ فِي الْمُنْتَرِدِيَّةِ وَأَخَوَاتِهَا) كَنْطِيحَةٌ وَمَوْقُودَةٌ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ (وَالْمَرِيضَةُ) مُطْلَقٌ (الْحَيَاةُ وَإِنْ قُلْتُ) كَمَا أَشْرْنَا إِلَيْهِ (وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى) وَتَقَدَّمَ فِي الذَّبَائِحِ (فَإِنْ تَرَكَهَا) أَيْ الذَّكَاءَ (عَنْدًا)

پہاڑ سے لڑھکنے والے اور اس کے اخوات جیسے جسے کسی نے سینگ مار دیا ہو اور اسے لاکھی سے مارا ہو اور جسے درندے نے کھایا ہو اور مریضہ ہو۔ اس میں مطلقاً حیات کا اعتبار ہوگا اگرچہ وہ زندگی تھوڑی ہو جس طرح ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور کتاب الذبائح میں پہلے گزر چکا ہے اگر وہ قدرت کے باوجود ذبح اختیاری کو ترک کر دے

کو شامل ہوگا۔ اسی طرح سرور دو عالم ﷺ کا فرمان مطلقاً ہے: فان ادرکتہ حیفا فاذبحہ (1)، اگر تو اس کو زندہ پائے تو اس کو ذبح کر دے۔ حدیث صحیح ہے اسے امام ”بخاری“، امام ”مسلم“ اور امام ”احمد“ نے روایت کیا ہے۔ یہ ”صدر شہید“ کے قول کے مقابل کی ترجیح ہے۔ یہ امام ”رازی“ کا قول ہے جس طرح ”غایۃ البیان“ میں ہے۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس کے علاوہ کو ترجیح دی ہو۔ یہ ”ہدایہ“ وغیرہ کے ظاہر کے خلاف ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر شکار وغیرہ میں معتبر زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ حاصل کلام یہ ہے: اگر وہ شکار کو پکڑے اور اس میں زندگی ہو جس طرح مذبوح میں ہے اور وہ اس کو ذبح نہ کرے تو ”خانہ“ اور ”ظہیریہ“ کے قول کے مطابق وہ حلال ہے۔ اور ”العنایہ“ میں جو قول ہے اس کے مطابق وہ حلال ہے اگر اس کے ذبح پر قادر نہ ہو۔ اور ”زیلعی“ میں جو قول ہے اس کے مطابق جو اصلاً حلال نہیں مگر جب وہ اسے اختیاری ذبح کرے جس طرح جب وہ قادر نہ ہو یا اس میں ایسی زندگی ہو جو اس سے بڑھ کر ہو جو مذبوح میں زندگی ہوتی ہے۔ یہ اولہ کے مطابق سے خذ کرتے ہیں۔ ”البدائع“ میں پہلے قول کو انہوں نے عام مشائخ سے نقل کیا ہے اور تیسرا قول جو ”جصاص“ سے مروی ہے۔ ان کے کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ انہوں نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔ جو قول ”ہدایہ“ میں ہے یہ اس کا ظاہر معنی ہے، فتاویٰ۔ پھر یہ جان لو کہ یہ سب کچھ اس بارے میں ہے جب وہ اسے پائے اور اسے پکڑ لے اگر وہ اس کو پائے اور اسے نہ پکڑ لے اگر اتنا وقت ہو کہ اگر وہ اسے پکڑتا تو اس کا ذبح کرنا ممکن تھا تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ اگر اس کو ذبح کرنا ممکن نہ ہو تو اس کو کھایا جائے گا جس طرح ”ہدایہ“ میں ہے۔

34019۔ (قوله: فِي الْمُنْتَرِدِيَّةِ) یعنی جو کنویں میں گر جائے یا پہاڑ سے گر جائے اور نطیحہ جس کو دوسرے چاندی سے مار کر قتل کر دیا ہو اور موقودہ سے مراد ہے جسے پیٹنے کے ساتھ قتل کر دیا ہو۔

34020۔ (قوله: كَمَا أَشْرْنَا إِلَيْهِ) یعنی جو قول گزر چکا ہے اسے اس قول کے ساتھ مقید کیا ہے جو یہاں ہے۔

34021۔ (قوله: وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى) یعنی وہ ذبح کرنے کے ساتھ حلال ہو جائے گا۔ اسی طرح فتویٰ اس پر ہے کہ

شکار میں مطلقاً زندگی کا اعتبار کیا جائے گا اس کا اعتبار کرتے ہوئے جو ”زیلعی“ میں گزر چکا ہے۔

34022۔ (قوله: فَإِنْ تَرَكَهَا أَيْ الذَّكَاءَ) یعنی شکار کو ذبح کرنا۔ اور ان کا قول حرمیہ شرط کا جواب ہے حالانکہ یہ

نقیریب متن میں آئے گا لیکن یہ بعید ہے اس وجہ سے شارح نے یہاں اسے مقدر کیا ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصيد والذبائح، باب صید الکلاب الملعونة، جلد 3، صفحہ 23، حدیث نمبر 3615

مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهَا (فَبَاتَ حَرْمًا، وَكَذَا يَحْرُمُ لَوْ عَجَزَ عَنِ التَّذَكِّيَةِ فِي ظَاهِرِ الرَّوَايَةِ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ يَحِلُّ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، قَالَ الْمَصْنِفُ فِي مَتْنِي وَمَتْنِ الْوَقَايَةِ إِشَارَةً إِلَى حِلِّهِ،

اور وہ مرجائے تو وہ جانور حرام ہو جائے گا۔ اسی طرح وہ حرام ہو جائے گا اگر وہ ذبح کرنے سے عاجز آجائے۔ یہ ظاہر روایت میں ہے۔ امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: وہ حلال ہوگا۔ یہ امام ”شافعی“ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ مصنف نے کہا: میرے متن اور ”وقایہ“ کے متن میں اس کے حلال ہونے کی طرف اشارہ ہے

اگر شکاری شکار کو ذبح کرنے سے عاجز آجائے تو اس کے حکم میں آئمہ کے اقوال

34023۔ (قوله: لَوْ عَجَزَ عَنِ التَّذَكِّيَةِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اصلاً آلہ نہ پائے یا آلہ پائے لیکن اتنا وقت باقی نہ ہو جس میں آلہ اور ذابح کا استعداد حاصل کرنا ممکن ہو۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب اس میں زندگی اس سے زیادہ ہو جو ذبح کے بعد مذبوح میں ہوتی ہے مگر جب اس میں زندگی مذبوح کی مثل ہو تو وہ حکماً میت ہے۔ پس وہ بالاجماع حلال ہوگا جس طرح ”ہدایہ“ وغیرہ میں ہے ”قہستانی“۔ تفصیل اس کے مخالف ہے جس کو ہم نے ”زیلعی“ سے نقل کیا ہے۔

34024۔ (قوله: وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ) ”ہدایہ“ میں اسی طرح ہے اور جو قول ”التبیین“ میں ہے وہ یہ ہے کہ امام ”شافعی“ رحمۃ اللہ علیہ نے فرق بیان کیا ہے اور کہا: اگر آلہ کے گم ہونے کی وجہ سے وہ ذبح کرنے پر قادر نہ ہو تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ کیونکہ کوتاہی اس کی جانب سے واقع ہوئی ہے اگر وقت کی تنگی کی وجہ سے وہ ذبح نہ کر سکا تو اسے کھایا جائے گا۔ کیونکہ کوتاہی نہیں ہوئی۔

”تا ترخانہ“ میں ہے: اگر وقت کی تنگی کی وجہ سے قدرت نہ ہوئی ہو۔ اس کی صورت یہ ہے اگر اس میں اتنی زندگی باقی ہو جس میں ذبح کا عمل نہیں ہو سکتا تو شمس الائمہ ”سرخسی“ نے اس کی شرح میں کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ حلال نہیں۔ ”حسن بن زیاد“ اور ”محمد بن مقاتل“ نے کہا: وہ حلال ہوگا۔ یہ امام ”شافعی“ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ”صدر الشہید“ نے اسی قول کو اپنایا ہے۔ ”غیاثیہ“ میں ہے: یہی مذہب مختار ہے۔ ”ینابیع“ میں ہے: ہمارے تینوں ائمہ سے یہ مروی ہے کہ اسے استحسان کے طور پر کھایا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اصح قول ہے۔

اگر یہ کہا جائے: مسئلہ کی صورت میں اس بارے میں ہے جس میں زندگی مذبوح کی زندگی سے بڑھ کر ہو تو ذبح کے وقت تنگی کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے؟

اس کا یہ جواب دیا جائے گا کہ زندگی کی وہ مقدار جو مذبوح میں ہوتی ہے وہ تو نہ ہونے کی طرح ہے۔ کیونکہ شکار میت کے حکم میں ہوتا ہے۔ اس سے جو زائد ہوتا ہے بعض اوقات اس میں ذبح کی گنجائش نہیں ہوتی۔ پس قدرت کا نہ ہونا متصور ہو سکتا ہے۔ ”عنایہ“۔

34025۔ (قوله: إِشَارَةً إِلَى حِلِّهِ) کیونکہ انہوں نے عمد کی قید لگائی ہے۔

وَالظَّاهِرُ مَا سَبَعْتَهُ قُلْتَ وَوَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ الْعَجْزَ عَنْ التَّذَكِّيَةِ فِي مِثْلِ هَذَا لَا يُحِلُّ الْحَرَامَ (أَوْ أُرْسَلَ
مَجْبُوسِي كَلْبًا فَزَجَرَهُ مُسْلِمٌ فَأَنْزَجَرَ أَوْ قَتَلَهُ مِعْرَاضٌ بِعَرَضِهِ) وَهُوَ سَهْمٌ

اور ظاہر معنی وہ ہے جسے تو نے سن لیا۔ میں کہتا ہوں: ظاہر روایت کی دلیل یہ ہے کہ اس جیسی صورت میں ذبح کرنے سے غز
حرام کو حلال نہیں بناتا۔ یا مجوسی نے کتا چھوڑا تو ایک مسلمان نے اس پر ہلہ شیری کی تو وہ کتا تیز ہو گیا۔ یا معراض تیر نے
اپنی چوڑائی کی جانب سے شکار کو قتل کیا تھا۔ معراض ایسا تیر ہوتا ہے

34026۔ (قولہ: أَنَّ الْعَجْزَ الْخ) ”المنح“ کی عبارت یہ ہے: اس جیسی صورت میں غز حرام کو حلال نہیں کرتا پانی اور
خوراک کے حصول میں غز سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ یہ اس کے لیے شراب اور مردار کھانے کو مباح کر دیتا تھا یہ شارح کی
عبارت سے مفہوم نہیں ہوتا اس کا سبب ان کا قول التذکیۃ ہے۔ ”طحاوی“ نے اسے بیان کیا ہے۔

تنبیہ

ایک آدمی نے شکار کو تیر مارا تو وہ شکار مجوسی یا سوئے ہوئے آدمی کے پاس جاگا اگر وہ سونے والا جاگ رہا تھا تو اس کے
ذبح کرنے پر قور ہوتا اور وہ شکار مر گیا تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ مجوسی اس پر قادر نہ تھا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ پہلے
اسلام قبول کرتا اور پھر جانور کو ذبح کرتا اور سونے والا تمام مسائل میں ”امام صاحب“ دہلیلیہ کے نزدیک جائزے والے کی طرح
ہے ان مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے، ”خانیہ“۔ ملخص

فعل کا اثر اس سے اقویٰ یا مساوی فعل سے ختم ہوتا ہے ادنیٰ فعل سے نہیں ہوتا

34027۔ (قولہ: أَوْ أُرْسَلَ الْخ) یہ اور اس کا مابعد ان کے قول ترکھا پر معطوف ہے۔ ضابطہ یہ ہے کہ فعل کا اثر اس
سے اقویٰ فعل یا اس کے مساوی فعل سے ختم ہوتا ہے ادنیٰ فعل سے اس کا اثر ختم نہیں ہوتا۔ جب مسلمان اپنا کتا چھوڑے اور
مجوسی اسے بھڑکائے تو وہ شکار حلال ہوگا۔ کیونکہ کتا چھوڑتے وقت بھڑکانے کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ کیونکہ بھڑکانا یہ چھوڑنے
سے درجہ میں کم ہے۔ کیونکہ بھڑکانا یہ چھوڑنے پر مبنی ہوتا ہے۔ اور اس کے برعکس وہ حرام ہوتا ہے۔ اور یہ شخص جس کا ذبح جائز
نہ ہو جیسے مرتد محرم اور جان بوجھ کر جو تکبیر نہ کہے تو وہ اس حکم میں مجوسی کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اگر کتا اس کے ہاتھ سے چھوڑ
جائے اور اسے کوئی بھی نہ چھوڑے اور مسلمان اس کو بھڑکائے اور وہ تیز ہو جائے تو وہ شکار حلال ہوگا۔ کیونکہ بھڑکانا نہ تیر ہوتا ہے۔
جانے کی مثل ہے۔ اور زجر سے مراد آواز دیتے ہوئے جوش دلانا اور بھڑکانا ہے اور انزجار سے مراد شکار کی تلاش میں زیادتی کا
اظہار ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ”ہدایہ“ میں ہے۔ ”قہستانی“ نے کہا: یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب مجوسی کتے کے جانے
میں اسے جوش دلائے اگر وہ کتا ٹھہر جائے پھر مجوسی اس کو جوش دلائے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا جس طرح ”ذخیرہ“ میں ہے۔
معراض کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

34028۔ (قولہ: وَهُوَ سَهْمٌ الْخ) ”قاموس“ میں ہے: معراض محراب کے وزن پر ہے یہ ایسا تیر ہوتا ہے جس کا پر

لَا رِيْشَ لَهُ، سُمِّيَ بِهِ لِإِصَابَتِهِ بِعَرَضِهِ؛ وَلَوْلَا رَأْسُهُ حَدَّةٌ فَأَصَابَ بِحَدِّهِ حَلًّا (أَوْ بُنْدُ قَةٍ ثَقِيلَةٍ ذَاتِ حَدَّةٍ) حُرْمًا لِقَتْلِهَا بِالثَّقَلِ لَا بِالْحَدِّ، وَلَوْ كَانَتْ خَفِيفَةً بِهَا حَدَّةٌ حَلًّا؛ لِقَتْلِهَا بِالْجُرْحِ، وَلَوْ لَمْ يَجْرَحْهُ

جس کے پر نہیں ہوتے۔ اسے یہ نام دیا گیا ہے کیونکہ یہ شکار کو چوڑائی کی جانب سے لگتا ہے اگر اس کے سرے پر دھار بنی ہو اور وہ اسے دھار کی جانب سے لگے تو شکار حلال ہو گا یا بھاری غلیلہ سے جو دھار والا ہو تو وہ حرام ہو جائے گا کیونکہ اس نے شکار کو وزنی ہونے کی وجہ سے قتل کیا ہے تیز دھار سے قتل نہیں کیا۔ اگر وہ وزنی نہ ہو اور اس کی دھار ہو تو وہ حلال ہو گا۔ کیونکہ اسے زخم لگا کر قتل کرتا ہے اور اس نے اس کو زخمی نہیں کیا ہوتا

نہیں ہوتا جس کی دونوں اطراف باریک اور درمیانی حصہ موٹا ہوتا ہے وہ چوڑائی کے بل شکار کو لگتا ہے تیز جانب سے نہیں لگتا۔

34029۔ (قوله: وَلَوْلَا رَأْسُهُ حَدَّةٌ) یہ مصنف کے قول بعرضہ سے احتراز ہے۔

34030۔ (قوله: فَأَصَابَ بِحَدِّهِ) یعنی اپنی تیز جانب سے لگے اور اس کو زخمی کر دے۔

مٹی کے غلیلے، پتھر، معراض تیر اور عصا سے شکار کا شرعی حکم

34031۔ (قوله: أَوْ بُنْدُ قَةٍ) یہ لفظ با اور دال کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد گول مٹی (روڑہ) ہے جس کو شکار کی طرف پھینکا جاتا ہے۔

34032۔ (قوله: وَلَوْ كَانَتْ خَفِيفَةً) یہ قول اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ بھاری ہو تو شکار کو حلال نہیں کرے

گا اگرچہ وہ اس کو زخمی کر دے۔ ”قاضی خان“ نے کہا: مٹی کے غلیلے، پتھر، معراض تیر، عصا اور اس جیسی چیز کے ساتھ شکار حلال نہیں اگرچہ وہ اسے زخمی کر دے۔ کیونکہ یہ جسم کو نہیں پھاڑتا۔ مگر ان میں سے کوئی ایسی شے ہو جسے اس نے تیز کیا ہو اور اسے طویل بنایا ہو جیسے تیر ہوتا ہے اور اس کے ساتھ شکار کو مارنا ممکن ہو۔ اگر معاملہ اسی طرح ہو اور وہ اپنی تیز دھار کی وجہ سے شکار کے جسم کو پھاڑ دے تو وہ جانور حلال ہو جائے گا اور اس کو کھانا حلال ہو گا۔ مگر وہ زخم جو جلد کے اندر سے کوٹ دے اور اس کے ظاہر سے نہ پھاڑے تو وہ حلال نہیں ہو گا۔ کیونکہ خون کا بہانا واقع نہیں ہو اور وہ وزنی چیز ہو یا کوئی اور چیز ہو وہ برابر ہے۔ اگر وہ اس کے جسم سے آر پار ہو جائے تو وہ حلال ہو گا ورنہ حلال نہیں ہو گا۔ خرق کا لفظ خا اور زا کے ساتھ ہے جس کا معنی آر پار ہو جانا۔ ”مغرب“ میں کہا: سین کے ساتھ یہ ایک لغت ہے اور را کے ساتھ خطا ہے۔ ”معراج“ میں ”مبسوط“ سے مروی ہے: یہ لفظ زا کے ساتھ حیوان میں استعمال ہوتا ہے اور را کے ساتھ کپڑے میں استعمال ہوتا ہے۔ ”تمبین“ میں ہے: اصل یہ ہے کہ موت جب یقینی طور پر زخم سے حاصل ہو تو وہ شکار حلال ہو گا۔ اگر وزنی چیز لگنے سے موت واقع ہو یا اس میں شک ہو تو وہ جانور حلال نہیں ہو گا یا وہ احتیاطاً حلال نہیں ہو گا۔ اور یہ امر مخفی نہیں کہ سکے کے ساتھ زخم وہ جلانے اور وزن کے ساتھ شدید مدافعت کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی تیز دھار نہیں ہوتی پس وہ شکار حلال نہیں ہو گا۔ ”ابن نجیم“ نے یہی فتویٰ دیا ہے۔

لَا يُؤْكَلُ مُطْلَقًا وَشُرْطُ فِي الْجُرْحِ الْإِذْمَاءُ، وَقِيلَ لَا مُلْتَقَى، وَتَسَامُهُ فِيمَا عَلَّقَتْهُ عَلَيْهِ (أَوْ رَفَى صَيْدًا فَوْقَ فِئِ مَاءٍ) لَاحْتِمَالِ قَتْلِهِ بِالنَّمَاءِ فَيَحْرُمُ، وَلَوْ الطَّيْرُ مَائِيًّا

تو اسے مطلقاً نہیں کھایا جائے گا۔ زخمی کرنے میں خون بہانا شرط ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شرط نہیں، ”ملتقی“۔ اس کی مکمل وضاحت اس میں ہے جو میں نے اس پر تعلیق میں ذکر کیا ہے۔ یا اس نے شکار کو تیر مارا تو وہ پانی میں گر گیا۔ کیونکہ اس کے قتل کے بارے میں یہ احتمال ہے کہ وہ پانی سے قتل ہوا ہو تو وہ حرام ہوگا اگر پرندہ پانی والا ہو

34033۔ (قوله: مُطْلَقًا) یعنی وہ وزنی ہو یا وہ ہلکی چیز ہو۔

34034۔ (قوله: وَشُرْطُ فِي الْجُرْحِ الْإِذْمَاءُ) ”زیلعی“ نے کہا: اگر وہ خون نکالنے والا نہ ہو تو علما نے اس میں اختلاف

کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ جانور حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ ذبح کرنے کا معنی معدوم ہے وہ ناپاک خون کا نکالنا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں شرط لگائی ہے: انهر الدم بمباشئت (1)، خون بہاؤ جس چیز کے ساتھ تم چاہو۔ اسے امام ”احمد“، ”ابوداؤد“ وغیرہما نے روایت کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حلال ہے۔ کیونکہ اس کی وسعت میں جو کچھ ہے وہ لاچکا ہے وہ زخم لگانا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات خون گاڑھا ہونے کی وجہ سے یا سوراخ کے تنگ ہونے کی وجہ سے رک جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر زخم بڑا ہو تو خون نکلنے کے بغیر وہ حلال ہوگا اگر وہ زخم چھوٹا ہو تو حلال نہ ہوگا۔ جب تیر شکار کے کھریا اس کے سینک میں جا لگا اگر وہ اس کے خون کو نکالے تو وہ حلال ہوگا ورنہ حلال نہیں ہوگا۔ یہ قول پہلے قول کی تائید کرتا ہے ملخص۔ اس کی مثل ”ہدایہ“ میں ہے۔ ”الدر المنقح“ میں کہا: میں نے کہا: اس میں کلام (اعتراض) ہے۔ کیونکہ ”برجندی“ میں ”الخلاصہ“ سے مروی ہے: یہ تیر گوشت کی جگہ میں نہیں لگا اور ”قبستانی“ میں ”الحیظ“ سے جو قول گزر چکا ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ قابل اعتماد قول یہ ہے کہ خون بہانا شرط نہیں۔ فلینا مل ملخص

میں کہتا ہوں: ”ہدایہ“، ”زیلعی“ اور ”ملتقط“ کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اعتماد اس پر ہے کہ یہ شرط ہے ساتھ ہی حدیث اس کی تائید کرتی ہے ”مواہب“ کے متن میں جو قول ہے اس کے ساتھ اس کے شرط نہ ہونے کو ترجیح دی جاتی ہے۔ مصنف نے کتاب الذبائح میں پہلے ذکر کیا ہے کہ وہ ذبح حلال ہوتا ہے جس کی زندگی معلوم ہو اگرچہ وہ حرکت نہ کرے اور اس سے نکلے اگر زندگی معلوم نہ ہو تو دونوں (حرکت اور خون کا نکلنا) میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے، تا مل۔

34035۔ (قوله: وَتَسَامُهُ الْخ) یہ وہ ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

34036۔ (قوله: أَوْ رَفَى صَيْدًا الْخ) یہ حکم اس صورت میں جب اس میں ثابت شدہ زندگی ہو تو وہ بالاتفاق حرام ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کی موت تیر پھینکنے کی طرف منسوب نہیں ہوگی۔ اگر اس میں زندگی اس سے کم درجہ کی ہو تو امر اس اختلاف پر مبنی ہوگا جس کا ذکر کرتے کے چھوڑنے میں ہے ”زیلعی“ وغیرہ۔ ”طحطاوی“ نے ”ہندیہ“ سے نقل کیا ہے۔

1۔ سنن نسائی، کتاب الفضایا، باب اباحۃ الذبح بالعود، جلد 3، صفحہ 234، حدیث نمبر 4324

فَوْقَ فِيهِ، فَإِنْ انْغَسَجَ جُرْحُهُ فِيهِ حَرَمَ وَإِلَّا حَلَ مُلْتَقَى (أَوْ وَقَعَ عَلَى سَطْحٍ أَوْ جَبَلٍ فَتَرَدَّى مِنْهُ إِلَى الْأَرْضِ حَرَمًا فِي النَّسَائِلِ كُلِّهَا، لِأَنَّ الْإِحْتِرَازَ عَنْ مِثْلِ هَذَا مُبْكِنٌ (فَإِنْ وَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ ابْتِدَاءً) إِذَا الْإِحْتِرَازَ عَنْهُ غَيْرُ مُبْكِنٍ فَيَحِلُّ (أَوْ أُرْسِلَ مُسْلِمٌ كَلْبَهُ فَزَجَرَهُ) أَيْ أَعْرَاهُ بِصِيَاحِهِ (مَجُوسِيٌّ فَانْزَجَرَ) إِذَا الزَّجْرُ دُونَ الْإِرْسَالِ وَالْفِعْلُ يُرْفَعُ بِهَا هُوَ فَوْقَهُ

اور وہ پانی میں گر جائے اگر اس کا زخم پانی میں ڈوب جائے تو وہ شکار حرام ہو جائے گا ورنہ وہ حلال ہوگا، ”ملتقی“۔ یا وہ شکار چھت یا پہاڑ پر گرے تو وہ وہاں سے زمین پر لڑھک کر آئے تو تمام مسائل میں وہ شکار حرام ہوگا۔ کیونکہ اس جیسی صورت میں بچنا ممکن ہے۔ اگر وہ شکار ابتدا میں ہی زمین پر گرے تو کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں تو وہ شکار حلال ہوگا یا مسلمان نے اپنے کتے کو چھوڑا اور اسے ایک مجوسی نے بھڑکایا تو وہ تیز ہو گیا۔ کیونکہ برا بیختم کرنا یہ چھوڑنے سے کم درجہ کا فعل ہے اور فعل اپنے سے برتر فعل کے ساتھ

34037۔ (قوله: فَوْقَ فِيهِ) ظاہر یہ ہے کہ یہ قید اتفاقی ہے اس کی مثل ہی صورتحال ہوگی جب وہ اسے پانی میں تیر مارے تو وہ جانور حرام ہوگا۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ اس کی موت پانی سے ہوتی ہو۔ ”طحاوی“ نے ”ہندیہ“ سے نقل کیا ہے۔

34038۔ (قوله: وَإِلَّا حَلَ) کیونکہ اس کی موت کے پانی کے سبب سے واقع ہونے کا احتمال نہیں۔

34039۔ (قوله: مُلْتَقَى) اسی کی مثل ”ہدایہ“ میں ہے۔

”خانہ“ میں ذکر کیا گیا ہے اگر شکار پانی میں گر پڑے اور وہ مر جائے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ شاید پانی میں اس کے گرنے نے اسے مار ڈالا ہو۔ اس میں پانی کا پرندہ برابر حکم رکھتا ہے۔ کیونکہ پانی کا پرندہ وہ پانی میں زخمی ہونے کے بعد زندگی بسر کرتا ہے۔ ”ذخیرہ“ میں ”سرخی“ سے نقل کیا ہے: پھر کہا فتویٰ کے وقت تامل کیا جائے۔ اس کی مکمل بحث ”شرنبلائیہ“ میں ہے۔

34040۔ (قوله: فَتَرَدَّى مِنْهُ) یہ قید ذکر کی ہے اگر وہ اسی پر ٹھہرا رہے اور وہ نہ لڑھکے تو بغیر کسی اختلاف کے حلال ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ لڑھک جائے اور فی الحال اسے مہلک زخم نہ لگا ہو۔ کیونکہ اگر اس میں اتنی زندگی باقی ہو جس قدر مذبح کی زندگی ہوتی ہے پھر وہ لڑھک جائے تو وہ شکار بھی حلال ہوگا، ”معراج“۔

34041۔ (قوله: فَإِنْ وَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ ابْتِدَاءً) یعنی زمین پر کوئی ایسی چیز نہ ہو جو اس کو قتل کرے جیسے نیزے کی انی اور نصب کیا گیا چھلکا۔ ”عنایہ“۔ اس کی مکمل بحث ”شرنبلائیہ“ میں ہے۔

34042۔ (قوله: إِذَا الْإِحْتِرَازُ) یہ ایسی علت ہے جو معلول پر مقدم ہے۔ وہ معلول آنے والا قول ہے: اکل۔ یہ ان کی کلام میں بہت زیادہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مِمَّا خَطِيئَتُهُمْ أُعْرِقُوا (نوح: 25) اسی طرح اس کے بعد بھی کلام کی جا سکتی ہے، فافہم۔

34043۔ (قوله: فَزَجَرَهُ مَجُوسِيٌّ) یعنی جب وہ کتا جا رہا تھا تو اس نے اسے بھڑکایا اگر وہ کتا کھڑا ہو گیا تھا پھر اس

أَوْ مِثْلُهُ كَنَسِخِ الْحَدِيثِ (أَوْ لَمْ يُرْسَلْهُ أَحَدٌ فَزَجَرَهُ مُسْلِمٌ فَإِنْ زَجَرَ إِذَا الرَّجُلُ إِذَا سَأَلَ حُكْمًا (أَوْ أَخَذَ غَيْرَ مَا أُرْسِلَ إِلَيْهِ) لِأَنَّ غَرَضَهُ أَخْذُ كُلِّ صَيْدٍ يَتِمُّ مِنْهُ،

یا اپنے مثل فعل کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے جس طرح حدیث اپنے سے فائق یا اپنی مثل سے منسوخ ہو جاتی ہے یا اسے کسی نے نہ چھوڑا ہو اور مسلمان نے اسے بھڑکایا ہو تو وہ تیز ہو گیا ہو۔ کیونکہ بھڑکانا حکماً چھوڑنا ہے۔ یا اس نے اس شکار کو پکڑ لیا جس کی طرف اس کو نہیں چھوڑا گیا تھا۔ کیونکہ اس کی غرض یہ اس شکار کو پکڑنا ہے جس پر وہ قادر تھا

نے اسے جوش دلا یا اور وہ کتا تیز ہو گیا تو اس کو نہیں کھایا جائے گا جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

34044۔ (قوله: كَنَسِخِ الْحَدِيثِ) صحیح حدیث منسوخ نہیں ہوتی مگر صحیح سے یا اس سے اصح سے، وہ ضعیف

حدیث سے منسوخ نہیں ہوتی، ”ط“۔

اگر شکاری نے کتا یا باز تکبیر پڑھ کر شکار پر چھوڑا تو اس کا حکم

34045۔ (قوله: أَوْ أَخَذَ غَيْرَ مَا أُرْسِلَ إِلَيْهِ) خواہ اس نے اس شکار کو پکڑا جس کی طرف اسے چھوڑا گیا تھا یا اس کو

نہ پکڑا۔ شرط یہ ہے اس نے چھوڑنے کے فوراً بعد شکار کر لیا ہو جس طرح گزر چکا ہے۔

”البدائع“ میں کہا: اگر ایک آدمی نے کتا یا باز شکار پر چھوڑا اور تکبیر کہی تو اس نے شکار پکڑ لیا پھر اس نے اس کے فوراً بعد دوسرا شکار پکڑ لیا پھر اس کے بعد اسی طرح شکار پکڑتا رہا تو سب کو کھایا جائے گا کیونکہ شکار میں تعین شرط نہیں۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں۔ پس یہ اسی طرح ہو گیا کہ تیر دو شکاروں کو جا لگا، ملخص۔ اگر اس نے اسے شکار پر چھوڑا پھر اس سے خطا واقع ہو گئی پھر دوسرا شکار اس کے سامنے آ گیا تو اس نے اس کو قتل کر دیا تو وہ حلال ہو جائے گا اگر لوٹنے کے بعد شکار اس کے سامنے آ گیا تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے لوٹنے کے ساتھ اس کا چھوڑنا باطل ہو چکا ہے جس طرح ”خانیہ“ وغیرہ میں ہے۔ ”قبستانی“ نے کہا: اس میں اس امر کا شعور دلا یا جا رہا ہے کہ اگر وہ اس شکار کو جا لگے جس کی طرف اس کو نہیں پھینکا گیا تھا تو وہ شکار حلال ہوگا جس طرح ”قاضی خان“ میں ہے۔ اسی طرح اگر وہ شکار کو تیر مارے اور وہ تیر اس کو جا لگے اور اس کے آ رہا ہو جائے پھر اس طرح سلسلہ چلتا رہے تو سب شکار حلال ہوں گے جس طرح ”نظم“ میں ہے۔ پس شکاری جانور چھوڑنا تیر پھینکنے کے قائل ہوتا ہے جس طرح ”ہدایہ“ اور ”زیلعی“ میں ہے۔ اس کی مثل ”الملتقی“ میں ہے۔

34046۔ (قوله: لِأَنَّ غَرَضَهُ الْخ) یعنی شکاری جانور چھوڑنے والے کی غرض کسی شکار کا حصول ہے جس پر استیاء

تیندوا قادر ہو۔ یہ ”ہدایہ“ کے قول کا معنی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ تعین ایسی شرط ہے جو مفید نہیں کیونکہ اس کا مقصود شکار کا حصول ہے۔ کیونکہ کتا معین شکار کو پکڑنے پر قادر نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس طریقہ پر اس کی تربیت ممکن نہیں کہ وہ وہی شکار پکڑے جو اس شکار نے معین کیا۔ پس اس کا اعتبار ساقط ہو جائے گا۔

حَتَّىٰ لَوْ أَرْسَلَهُ عَلَىٰ صَيُودٍ كَثِيرَةٍ بِتَسْبِيَةٍ وَاحِدَةٍ فَقَتَلَ الْكُلَّ أَكَلَ الْكُلَّ (أَكَلَ) فِي الْوُجُوهِ الْمَذْكُورَةِ لِمَا ذَكَرْنَا (كَصِيدٍ رُمِيَ فَقُطِعَ عَضُو مِنْهُ) فَإِنَّهُ يُؤْكَلُ (لَا الْعُضْوُ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَا أُبِينَ مِنَ الْحَيِّ فَهُوَ مَيِّتَةٌ وَلَوْ قُطِعَتْ وَلَمْ يُبَيِّنْهُ، فَإِنْ اشْتَبَلَ التَّيَامُمُ أَكَلَ الْعُضْوُ أَيْضًا وَإِلَّا لَا مُلْتَقَى (وَإِنْ قُطِعَتْ) الرَّامِي (أَثَلًا وَأَكْثَرُهُ مَعَ عَجْزِهِ أَوْ قَطَعَ نِصْفَ رَأْسِهِ أَوْ أَكْثَرُهُ أَوْ قَدَّهُ نِصْفَيْنِ أَكَلَ كُلُّهُ) لِأَنَّ فِي هَذِهِ الصُّورِ لَا يُبْكِنُ حَيَاةً فَوْقَ حَيَاةِ الْمَذْبُوحِ

یہاں تک کہ اگر اس نے اسے کثیر شکاروں پر چھوڑا جب کہ تکبیر ایک کہی تھی تو اس نے سب کو قتل کر دیا تو سب کو کھایا جائے گا تو اس کو کھایا جائے گا۔ تمام مذکورہ وجوہ میں اس کی دلیل وہ ہے جو ہم نے ذکر کر دی ہے جس طرح ایک شکار ہے جس کو تیر مارا گیا تو اس کا ایک عضو کٹ گیا تو اس شکار کو کھایا جائے گا عضو نہیں کھایا جائے گا۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: زندہ سے جو عضو الگ کر دیا گیا تو وہ مردہ ہے اگر وہ اس کو کاٹ دے اور اس کو جدا نہ کرے۔ اگر اس کے جڑ جانے کا احتمال ہو تو عضو بھی کھایا جائے گا ورنہ نہیں کھایا جائے گا، ”ملتقی“۔ اگر تیر مارنے والے نے اس کو تین ٹکڑوں میں کاٹ دیا اور اس کا اکثر حصہ اس کی دم کی طرف ہے یا اس کے نصف سر کو یا اس کے اکثر حصہ کو کاٹ دیا یا اسے نصف نصف کاٹ دیا تو اس کو مکمل کھایا جائے گا کیونکہ ان تمام صورتوں میں ایسی زندگی ممکن نہیں جو مذبح کی زندگی سے فائق ہو۔

34047۔ (قوله: بِتَسْبِيَةٍ وَاحِدَةٍ) یعنی چھوڑنے کی حالت میں وہ ایک ہی دفعہ تکبیر کہہ دے۔

34048۔ (قوله: لِمَا ذَكَرْنَا) یعنی چاروں وجوہ میں چاروں علتیں۔

34049۔ (قوله: لَا الْعُضْوُ) یعنی جدائی کے بعد اس کی زندگی ممکن ہو۔ ورنہ دونوں کو کھایا جائے گا، ”عنایہ“۔ یہ سر کے علاوہ باقی تمام اعضاء میں یہی متصور ہوتا ہے، ”نہایہ“۔

34050۔ (قوله: خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ) کیونکہ آپ نے فرمایا: دونوں کو کھایا جائے گا اگر اس زخم سے شکار مر جائے، ”ہدایہ“۔

34051۔ (قوله: مَا أُبِينَ مِنَ الْحَيِّ) یہ حکم اگرچہ مچھلی کو بھی شامل ہوتا ہے مگر اس کا مردار حلال ہوتا ہے۔ یہ حدیث سے ثابت ہے۔ ”ہدایہ“۔

34052۔ (قوله: وَإِلَّا) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس کی جلد کے ساتھ لٹکا رہے، ”ہدایہ“۔

34053۔ (قوله: أَوْ قَطَعَ نِصْفَ رَأْسِهِ) یعنی لمبائی یا چوڑائی کی صورت میں، ”بدائع“۔

34054۔ (قوله: أَوْ قَدَّهُ نِصْفَيْنِ) قد کا معنی کاٹنا ہے وہ جڑ سے ہو یا لمبائی کی صورت ہو ”قاموس“۔ ضمیر صید کے لیے ہے جس طرح ”البدائع“ میں ہے۔ ”شرنبلالیہ“ میں یہ ذکر کیا ہے کثیر کتب میں کاٹنے کی تفصیل ذکر نہیں کی۔ پھر ”خانہ“

فَلَمْ يَتَنَاوَلْهُ الْحَدِيثُ الْمَذْكُورُ، بِخِلَافِ مَا لَوْ كَانَ أَكْثَرُهُ مَعَ رَأْسِهِ لِلْمَكَانِ الْمَذْكُورِ (وَحَرَامِ صَيْدِ
مَجُوسِيٍّ وَوَشَنِيٍّ وَمُرْتَدٍّ) وَمُخْرِمِ لَانْتَهُمَ لَيْسُوا مِنْ أَهْلِ الزَّكَاةِ، بِخِلَافِ كِتَابِيٍّ لِأَنَّ ذَكَاءَ الْإِضْطِرَّارِ كَذَكَاءِ
الِاخْتِيَارِ (وَإِنْ رَمَى صَيْدًا فَلَمْ يُشْخِنْهُ

پس مذکورہ حدیث اس کو شامل نہ ہوگی اگر اس کے جسم کا اکثر حصہ اس کے سر کی جانب ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ مذکورہ
امکان موجود ہے۔ مجوسی، بت پرست مرتد اور محرم کا شکار حرام ہے۔ کیونکہ وہ ذبح کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ کتابی کا معاملہ
مختلف ہے۔ کیونکہ اضطراری ذبح اختیاری کی طرح ہے۔ اگر وہ شکار کو تیر مارے پس وہ اس کو ست نہ کرے

اور ”مبسوط“ سے یہ نقل کیا ہے: اگر وہ طولاً نصف نصف کاٹے تو اس کو کھایا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ یہاں طول قید نہیں ہے۔ اس پر ”بدائع“ کی تعلیل جو ان کے قول یوں کے ساتھ بیان کی
ہے دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ رگوں کا کاٹنا پایا گیا ہے۔ کیونکہ یہ دل سے دماغ کے ساتھ متصل ہوتی ہیں۔ پس یہ ذبح کے مشابہ
ہے۔ اسی طرح اگر اس نے سر کی جانب سے نصف سے کم کو قطع کیا، تاہل۔

34055۔ (قوله: فَلَمْ يَتَنَاوَلْهُ الْحَدِيثُ الْمَذْكُورُ) کیونکہ اس میں حی (زندہ) کا ذکر مطلقاً کیا گیا ہے۔ پس یہ
اس زندہ کی طرف پھر جائے گا جو حقیقتاً اور حکماً زندہ ہو۔ یہ صورتاً زندہ ہے حکماً زندہ نہیں۔ کیونکہ اس زخم کے بعد زندگی کا باقی
رہنا متوہم نہیں۔ اسی وجہ سے اگر وہ پانی میں گر پڑے اور اس میں اتنی زندگی ہو یا وہ پہاڑ سے لڑھک پڑے یا چھت سے
لڑھک پڑے تو وہ حرام نہیں ہوگا۔ اس کی مکمل وضاحت ”ہدایہ“ میں ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کے ساتھ مصنف کے بیٹے کا وہ اعتراض ساقط ہو جاتا ہے جو ”بزازیہ“ میں ان کے قول پر ہے۔ اگر
شکار جدا کیے گئے عضو کے بغیر زندہ رہتا ہو تو جدا کیا گیا عضو نہیں کھایا جائے گا۔ اگر اس کے بغیر زندہ نہ رہ سکتا ہو جیسے سر ہے تو
دونوں کو کھایا جائے گا۔ کیونکہ کہا: حدیث عام ہے تو ”بزازی“ نے جو قول کیا ہے اس کی دلیل کہاں سے ہے؟

میں کہتا ہوں: وہ ”ہدایہ“ سے ماخوذ ہے اس کے شارحین وغیرہم نے اس کی صراحت کی ہے۔

34056۔ (قوله: بِخِلَافِ مَا لَوْ كَانَ أَكْثَرُهُ مَعَ رَأْسِهِ) اس کی صورت یہ ہے کہ اس کا ہاتھ، پاؤں، رات، سر، بیز
ایک چوتھائی جو پاؤں کے ساتھ ملا ہوا ہے یا سر کے نصف سے کم ہو تو جو عضو جدا کیا گیا ہے وہ حرام ہو جائے گا اور جس سے جدا
کیا گیا ہے وہ حلال ہوگا، ”ہدایہ“۔

34057۔ (قوله: وَمُرْتَدٍّ) اگرچہ وہ قریب البلوغ لڑکا ہو یہ شیخین کے نزدیک ہے۔ امام ”محمد“ رضی اللہ عنہ نے اس سے
اختلاف کیا ہے یہ اس پر مبنی ہے کہ شیخین کے نزدیک ایسے لڑکے کا ارتداد صحیح ہے، ”بدائع“۔

34058۔ (قوله: لِأَنَّ ذَكَاءَ الْإِضْطِرَّارِ الْخ) یعنی وہ اختیاری ذبح کا اہل ہے تو اسی طرح اضطراری کا بھی اہل ہوگا۔

34059۔ (قوله: فَلَمْ يُشْخِنْهُ) ”مغرب“ میں کہا: اشختته الجراحات، یعنی زخموں نے اسے کمزور کر دیا۔ قرآن

فَرَمَا آخِرُ فَقَتَلَهُ فَهُوَ لِثَانِي وَحَلَّ، وَإِنْ أَثْخَنَهُ الْأَوَّلُ بِأَنْ أَخْرَجَهُ عَنْ حَيْزِ الْإِمْتِنَاعِ وَفِيهِ مِنَ الْحَيَاةِ مَا يَعِيشُ (ف) الصَّيْدُ (لِلْأَوَّلِ وَحَرُمَ لِقُدْرَتِهِ عَلَى ذِكَاةِ الْإِخْتِيَارِ، فَصَارَ قَاتِلًا لَهُ فَيَحْرُمُ (وَضَمِنَ الثَّانِي لِلْأَوَّلِ قِيَمَتَهُ) كُلَّهَا وَقَتَ إِتْلَافِهِ (غَيْرَ مَا نَقَصَتْهُ جِرَاحَتُهُ وَحَلَّ اضْطِيَادُ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ وَمَا لَا يُؤْكَلُ) لَحْمُهُ لِمَنْفَعَةِ جِلْدِهِ أَوْ شَعْرِهِ أَوْ رِيَشِهِ أَوْ لِدْفِغِ شَرِّهِ، وَكُلُّهُ مُشْرُوعٌ لِإِطْلَاقِ النَّصِّ

تو اس کو دوسرا آدمی تیر مارے اور وہ اس کو قتل کر دے تو یہ شکار دوسرے شخص کا ہوگا اور وہ حلال ہوگا۔ اگر پہلے نے ہی اسے ست کر دیا ہو اس کی صورت یہ ہے کہ اسے اپنے دفاع سے خارج کر دے اور اس میں اتنی زندگی ہو جس کے ساتھ وہ زندہ رہ سکتا ہو تو شکار پہلے فرد کا ہوگا اور وہ حرام ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ ذبح اختیاری پر قادر ہوگا۔ پس وہ دوسرا شخص اس کا قاتل ہوگا پس وہ شکار حرام ہو جائے گا اور دوسرا شخص پہلے شخص کے لیے اس کی تمام قیمت کا ضامن ہوگا جو اس کے تلف کے وقت تھی سوائے اس کے جو اس کے زخم نے اس میں کمی کر دی۔ جس کا گوشت کھایا جاتا ہے اور جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا اس کا شکار حلال ہے۔ یہ حلت اس کی جلد، اس کے بالوں اور اس کے پروں کی منفعت کی بنا پر ہوتا ہے یا اس کے شر کو دور کرنے کے لیے شکار حلال ہوتا ہے۔ یہ سب حلال ہے کیونکہ نص مطلق ہے۔

حکیم میں ہے: حَتَّى يُثَخِّنَ فِي الْأَرْضِ (الانفال: 67) یعنی زمین میں بہت زیادہ قتل کرے۔

34060۔ (قوله: فَهُوَ لِثَانِي) کیونکہ وہی اس کو پکڑنے والا ہے۔

34061۔ (قوله: وَحَلَّ) جب پہلے زخم کے ساتھ وہ اپنی حفاظت کے دائرہ سے نہیں نکلا تو اس کی ذبح اضطراری ہے اور وہ صرف زخم لگانا ہے وہ زخم کسی جگہ لگانا ہو جب کہ وہ زخم پایا گیا۔ ”زیلعی“۔

اگر کوئی شکاری کسی شکار پر تیر پھینکے جو اسے زخمی کرے پھر اسی شکار پر دوسرا شکاری تیر پھینکے تو اس کا حکم 34062۔ (قوله: وَفِيهِ مِنَ الْحَيَاةِ مَا يَعِيشُ) یعنی وہ اس سے نجات پا جاتا ہے مگر جب وہ ایسی حالت میں ہو کہ وہ محفوظ نہ رہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس میں اتنی زندگی نہ رہے مگر اسی قدر جو مذبوح میں باقی ہوتی ہے جس طرح جب وہ اس کا سر جدا کر دے تو وہ حلال ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کا وجود اس کے عدم کی طرح ہے اگر وہ ایسی حالت میں ہو کہ اس کے ساتھ وہ زندہ نہ رہے مگر اس میں زندگی مذبوح سے زائد ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس زخم کے ساتھ وہ ایک دن یا اس سے کم زندہ رہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ دوسرے تیر سے حرام نہیں ہوگا کیونکہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ حرام ہو جائے گا کیونکہ آپ کے نزدیک یہ زندگی معتبر ہے، ”زیلعی“، ملخص۔

34063۔ (قوله: لِقُدْرَتِهِ عَلَى ذِكَاةِ الْإِخْتِيَارِ) اس کا سبب یہ ہے کہ وہ حفاظت و امتناع کے دائرے سے نکل چکا ہے پس وہ اس طرح ہو گیا کہ وہ بکری کی طرف تیر پھینک رہا ہے۔ ”البدائع“ میں اس کو بیان کیا ہے۔

34064۔ (قوله: وَضَمِنَ الثَّانِي لِلْأَوَّلِ قِيَمَتَهُ الْخ) کیونکہ اس نے ایک ایسا شکار تلف کیا ہے جو کسی اور کی ملکیت

وَفِي الْقُنْيَةِ يَجُوزُ ذَبْحُ الْهَرَّةِ وَالْكَلْبِ لِنَفْعِهِ

”القنیه“ میں ہے بلی اور کتے کو کسی نفع کے لیے ذبح کرنا جائز ہے۔

تھا۔ کیونکہ جب گہرا زخم لگا کر اسے ست کر دیا تھا تو اس کا مالک بن گیا تھا تو اس نے جو شکار تلف کیا تو اس کی قیمت اس پر لازم ہوگی اور اس کی قیمت اس کے تلف کرنے کے وقت کی قیمت ہوگی پہلے کے زخم لگانے کی وجہ سے وہ ناقص ہو چکی تھی پس اس کو یہ لازم ہوگا۔

اس کی وضاحت یہ ہے: پہلے شکاری نے جب ایسے شکار کی طرف تیر مارا تو جو دس دراہم کے برابر تھا تو اس تیر نے اس میں دو دراہم کا نقص پیدا کر دیا پھر دوسرے شکاری نے تیر مارا تو اس نے اس میں دو دراہم کا نقص پیدا کر دیا پھر وہ مر گیا تو دوسرا آٹھ دراہم کا ضامن ہوگا اور اس کی قیمت سے دو دراہم ساقط ہو جائیں گے۔ کیونکہ یہ پہلے کے زخم کی وجہ سے تلف ہو گیا ہے۔ مصنف نے مسئلہ کی صورت اس میں بیان کی ہے جب اسے یہ علم ہو کہ قتل دوسرے سے واقع ہوا اگر یہ معلوم ہو کہ قتل دونوں زخموں سے واقع ہوا ہے یا اس کا پتہ نہ ہو تو ”ہدایہ“ کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ضمان میں حکم مختلف ہو جاتا ہے۔ ”زیلعی“ نے فرق نہ ہونے کو ثابت کیا ہے پس تو اس کی طرف رجوع کر لے۔

تمتہ: یہ صورت باقی رہ گئی ہے اگر وہ دونوں اکٹھے تیر پھینکیں تو دونوں میں سے ایک تیر اسے دوسرے سے پہلے جا لگا ہو پھر دوسرا تیر اسے لگا ہو یا دونوں میں سے ایک نے تیر پہلے پھینکا ہو پھر دوسرے نے تیر پھینکا یہ اس سے قبل ہو کہ اسے پہلا تیر لگا ہو یا اس کے تیر لگنے کے بعد پھینکا ہو مگر ابھی اسے ست نہ کیا ہو پھر اسے دوسرا تیر لگا ہو اور اسے ست کر دیا ہو یا اسے پہلے تیر نے ست کر دیا ہو پھر اسے دوسرا تیر لگا ہو اور اسے قتل کر دیا ہو تو وہ شکار پہلے کا ہوگا اور اسے کھایا جائے گا۔ یہ امام ”زفر“ کے خلاف ہے۔ اگر دونوں اسے اکٹھے تیر پھینکیں اور دونوں اکٹھے لگیں تو ان دونوں سے وہ مر جائے تو وہ شکار دونوں میں مشترک ہوگا اس میں کتا تیر کی طرح ہے یہاں تک کہ اس کے ست کرنے کے ساتھ مالک ہو جائے گا اور اسے ست کرنے کے بغیر پکڑ لینے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا یہاں تک کہ اگر وہ اپنے باز کو چھوڑے اور اس نے اپنے پنجے سے شکار کو روک لیا اور اسے گھائل نہ کیا تو دوسرے آدمی نے اپنا باز چھوڑا تو دوسرے باز نے اس کو قتل کر دیا تو وہ شکار دوسرے شکاری کا ہوگا اور وہ حلال ہوگا۔ کیونکہ پہلے باز کا قبضہ یہ حفاظت والا قبضہ نہیں کہ وہ مالک کے قبضہ کے قائم مقام ہو جائے اگر وہ تیر پھینکے اور اسے ست کر دے پھر وہ دوبارہ تیر پھینکے اور وہ اسے قتل کر دے تو وہ جانور حرام ہو جائے گا۔ اس کی مکمل وضاحت ”زیلعی“ میں ہے۔ اگر وہ دو کتے شکار پر چھوڑے تو دونوں میں سے ایک کتے نے اسے ضرب لگائی اور اسے پچھاڑ دیا پھر اسے دوسرے نے ضرب لگائی اور اسے قتل کر دیا تو اس جانور کو کھایا جائے گا۔

34065۔ (قوله: لِنَفْعِهِ مَا) یعنی اگرچہ وہ نفع تھوڑا سا ہو بلی اگرچہ اذیت دینے والی ہو اس کو نہیں مارا جائے گا اور اس

کے کان کو نہیں رگڑا جائے گا بلکہ اس کو ذبح کر دیا جائے گا۔

مَا (وَالْأُولَى ذَبْحُ الْكَلْبِ إِذَا أَخَذَتْهُ حَرَارَةُ الْمَوْتِ، وَبِهِ يَطْهَرُ لَحْمٌ غَيْرُ نَجَسِ الْعَيْنِ) كَخَنْزِيرٍ فَلَا يَطْهَرُ أَصْلًا (وَجِلْدُهُ) وَقِيلَ يَطْهَرُ جِلْدُهُ لَا لَحْمُهُ وَهَذَا أَصَحُّ مَا يُفْتَى بِهِ كَمَا فِي الشُّرُئِ لَا لِيَّةَ عَنِ الْمَوَاهِبِ هُنَا وَمَرَرْنَا الطَّهَارَةَ (أَخَذَ الطَّيْرُ لَيْلًا مُبَايَعًا وَالْأُولَى عَدَمُ فِعْلِهِ) خَانِيَّةٌ (يَكْرَهُ تَعْلِيمُ الْبَازِي بِالطَّيْرِ الْحَيِّ) لِيَتَعَذَّبَ بِهِ (سَبَعًا) الصَّائِدُ (حَسَّ إِنْسَانٍ، أَوْ غَيْرِهِ مِنْ الْأَهْلِيَّاتِ)

زیادہ بہتر یہ ہے کہ کتے کو ذبح کر دیا جائے جب اسے موت کی حرارت نے آلیا ہو۔ ذبح کرنے کے ساتھ نجس العین کے علاوہ کا گوشت پاک ہو جاتا ہے جیسے خنزیر ہے۔ پس وہ اصلاً پاک نہیں ہوگا۔ اور اس کی جلد پاک ہو جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذبح کرنے سے اس کی جلد پاک ہو جائے گی اس کا گوشت پاک نہیں ہوگا۔ یہ وہ اصح قول ہے جس کا فتویٰ دیا جاتا ہے جس طرح یہاں ”شرئ لایہ“ میں ”مواہب“ سے مروی ہے۔ اور کتاب الطہارت میں گزر چکا ہے۔ رات کے وقت پرندے کو پکڑنا مباح ہے۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ ایسا نہ کرے، ”خانیہ“۔ باز کو زندہ پرندہ کے ساتھ تعلیم دینا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ اس پرندہ کو عذاب دینا ہے۔ شکاری نے انسان یا اہلی جانوروں

34066۔ (قوله: وَالْأُولَى الذَّبْحُ) کیونکہ اس میں اس سے درد اور اذیت میں تخفیف ہوتی ہے۔ ”طحاوی“ نے کہا: کتے کی قید لگانے کا کوئی مفہوم مخالف نہیں۔

34067۔ (قوله: وَبِهِ يَطْهَرُ) یعنی شکار کرنے کے ساتھ وہ پاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ذبح کرنے کے ساتھ وہ پاک ہو جاتا ہے کیا اس کے پاک ہونے میں یہ شرط ہے کہ وہ ذبح کرنے والا ذبح کرنے کا اہل ہو ساتھ ہی وہ تکبیر کہے۔ اس میں اختلاف ہے جسے ہم نے پہلے کتاب الذبائح کے آخر میں بیان کیا ہے۔ ”جوہرہ“ میں اس شرط کو ظاہر روایت قرار دیا ہے اور ”البحر“ میں یہ معدوم ہے۔

34068۔ (قوله: كَخَنْزِيرٍ) یہ نجس عین کی تمثیل ہے۔

34069۔ (قوله: فَلَا يَطْهَرُ أَصْلًا) یعنی نہ اس کی جلد اور نہ ہی اس کا گوشت پاک ہوگا، اور نہ اس میں سے کوئی شے پاک ہوگی۔

34070۔ (قوله: وَهَذَا أَصَحُّ) اسی طرح علامہ ”قاسم“ نے ”کافی“، ”غایہ“، ”نہایہ“ وغیرہما کی طرف منسوب کرتے ہوئے اس کی تصحیح کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ پہلا قول صاحب ”ہدایہ“ کا مختار مذہب ہے۔

اگر شکاری نے کسی انسان یا اہلی جانور کی آہٹ محسوس کی اور تیر پھینکا تو اس کا حکم

34071۔ (قوله: سَبَعًا حَسَّ إِنْسَانٍ) یعنی اس کی آواز سنی۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ تیر پھینکتے وقت اسے علم ہو کہ

انسان کی آہٹ ہے اور اس میں حکم اسی طرح ہے جس طرح یہاں اس کا ذکر کیا ہے جس طرح ”البدائع“ میں ہے۔

”ہدایہ“ میں مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ جب وہ آہٹ سنے اور اسے تیر مارے پھر اس پر واضح ہو کہ یہ انسان کی آہٹ ہے

كَفَرَسٍ وَشَاةٍ (فَرَمَى إِلَيْهِ فَأَصَابَ صَيْدًا لَمْ يَحِلَّ بِخِلَافِ مَا إِذَا سَبَّحَ حِشَّ أَسَدٍ) أَوْ خِنْزِيرٍ

جیسے گھوڑے اور بکری کی آہٹ محسوس کی اور اس نے اس کی طرف تیر پھینکا تو وہ تیر شکار کو جا لگا تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ جب وہ شکار یا خنزیر کی آہٹ محسوس کرے

یا شکار کی آہٹ ہے تو دونوں میں کوئی مخالفت نہیں جس طرح وہم کیا جاتا ہے۔

34072۔ (قوله: كَفَرَسٍ وَشَاةٍ) اور مانوس پرندہ اور پالتو خنزیر۔ مراد ہر وہ جانور ہے جو شکار کے ساتھ حلال نہ ہوتا ہو۔

34073۔ (قوله: فَأَصَابَ صَيْدًا لَمْ يَحِلَّ) کیونکہ اس کا فعل شکار کرنا نہیں ہے اگر تیر اسے لگا جس کی آہٹ کو اس

نے محسوس کیا تھا جب کہ آدمی نے گمان کیا تھا تو وہ شکار تھا تو وہ حلال ہوگا۔ کیونکہ اس کی تعیین کے ساتھ اس سے من کا کوئی اعتبار نہیں، ”ہدایہ“۔

”المستقی“ میں یہ ذکر کیا ہے کہ یہ بھی حلال نہیں۔ کیونکہ اس نے تیر مارا تھا جب کہ شکار کا ارادہ نہیں کر رہا تھا۔ پھر کہا: شکار حلال نہیں ہوگا مگر دو وجوہ میں حلال ہوگا۔ (۱) اسے تیر مارے جب کہ وہ شکار کا ارادہ کرتا ہو۔ (۲) اور جس کا اس نے ارادہ یہ اور اس کی آہٹ محسوس کی ہو اور شکار جانتے ہوئے اس کی طرف تیر پھینکا ہو خواہ وہ ماکول اللحم ہو یا ایسا نہ ہو۔ ”زیلعی“ نے کہا: یہ اس کے منقض ہے جو ”ہدایہ“ میں ہے: یہ زیادہ مناسب ہے۔ پھر یہ ذکر کیا کہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے اس میں دو قول ہیں: ایک قول میں حلال ہے اور ایک قول میں حلال نہیں۔ اور کہا: جو قول ”ہدایہ“ میں ہے اسے امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کی روایت پر محمول کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: ”ہدایہ“ میں جو قول ہے اس کے شارحین نے اسے ثابت رکھا ہے اور ”ملتقی“ میں اس پر گامزن ہوئے ہیں ”البدائع“ میں اسی طرح ہے۔ اور کہا: اس کی مثل وہ ہے کہ جب وہ اپنی بیوی سے کہے اور اس کی طرف اشارہ کرے۔ یہ کتیر طلاق والی ہے اس بیوی کو طلاق ہو جائے گی اور اسم (کتیا) باطل ہو جائے گا۔

”تا ترخانہ“ وغیرہا میں ہے: اگر اس نے کتا اس چیز کی طرف چھوڑا جس کو وہ درخت یا انسان گمان کرتا تھا تو وہ چیز شکار تھی تو اس کو کھایا جائے گا۔ یہی مختار مذہب ہے اور مختار وہی ہے جو ”ہدایہ“ میں ہے۔

34074۔ (قوله: بِخِلَافِ مَا إِذَا سَبَّحَ حِشَّ أَسَدٍ أَوْ خِنْزِيرٍ) یعنی جو پالتو نہ ہو بلکہ متوحش ہو مراد یہ ہے کہ وہ

جانور جس کو شکار کرنا حلال ہو۔

”النہایہ“ میں یہ استثنایہ ہے جس کی آہٹ محسوس کی گئی اگر وہ مکڑی ہو یا مچھلی ہو اور وہ ان کے علاوہ کسی اور کو جائے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ کیونکہ ذبح کرنے کا عمل ان دونوں پر واقع نہیں ہوتا پس یہ فعل، ذبح کرنا نہیں ہوگا۔

”زیلعی“ نے اس پر اس قول کے ساتھ اعتراض کیا ہے جو ”خانہ“ میں ہے: اگر اس نے مکڑی یا مچھلی کی طرف تیر پھینکا اور تکبیر کو ترک کر دیا تو وہ ایک پرندہ کو جا لگا یا کسی اور شکار کو جا لگا اور اس کو قتل کر دیا تو اس کا کھانا حلال ہے۔ امام ”ابو یوسف“

(فَرَمَى إِلَيْهِ) وَأَرْسَلَ كَلْبَهُ (فَإِذَا هُوَ صَيْدٌ حَلَالٌ الْأَكْلِ حَلٍّ) وَلَوْ لَمْ يَعْلَمْ أَنَّ الْحِشَّ حِشٌّ صَيْدٌ أَوْ غَيْرُهُ لَمْ يَحِلَّ جَوْهَرَةً، لِأَنَّهُ إِذَا اجْتَمَعَ الْمُبِيحُ وَالْمُحَرَّمُ غَلَبَ الْمُبَحَّرُ (رَمَى ظَبْيًا فَأَصَابَ قَرْنَهُ أَوْ ظَلَفَهُ فَمَاتَ، إِنَّ أَدْمَاهُ أَكْلٌ) لِيُجُودَ الْجُرْحُ (وَالْأَلَا،

اور اس کی طرف تیر پھینکے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ یا اس نے اپنا کتا چھوڑا تو وہ شکار تھا جس کا کھانا حلال ہے تو وہ حلال ہوگا اگر یہ معلوم نہ ہو کہ آہٹ شکار کی ہے یا کسی اور چیز کی ہے تو وہ حلال نہیں ہوگا ”جوہرہ“۔ کیونکہ مسیح اور محرم جمع ہو جائیں تو محرم غالب ہو جائے گا۔ ایک آدمی نے ہرن کو تیر مارا تو وہ اس کے سینگ یا اس کے کھر کو جا لگا اور وہ مر گیا اگر اس نے اس کا خون نکال دیا ہو تو اس کو کھایا جائے گا۔ کیونکہ زخم موجود ہے ورنہ نہیں کھایا جائے گا

رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایات مروی ہیں۔ صحیح قول یہ ہے کہ اس کو کھایا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: لیکن ”خانہ“ کا قول و ترک التسیۃ جب کہ اس کی مثل ”بزازیہ“ میں ہے مشکل ہے۔ ”تا تر خانہ“ میں اس مسئلہ کو ذکر کیا ہے۔ اور کہا: مختار مذہب یہ ہے کہ اس کو کھایا جائے گا۔ ”تا تر خانہ“ میں اس مسئلہ کو ذکر کیا ہے اور کہا: مختار مذہب یہ ہے کہ اس کو کھایا جائے گا اور ان کے قول و ترک التسیۃ کا ذکر نہیں کیا۔ میں نے بعض علما کو دیکھا انہوں نے اسے اپنے قول ناسیا کے ساتھ مقید کیا ہے۔ یہ لازمی قید ہے، قائل۔

34075۔ (قوله: فَرَمَى إِلَيْهِ) اسی نے اسے تیر مارا اور وہ تیر اس شکار کو جا لگا جس کی آہٹ اس نے نہیں سنی تھی۔

34076۔ (قوله: أَوْ أَرْسَلَ كَلْبَهُ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ شکاری جانور چھوڑنا تیر پھینکنے کی طرح ہے۔ ”زیلعی“ کا قول ہے: باز اور تیندوا (چیتا) ان تمام امور میں کتے کی طرح ہے جن امور کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ صحیح قول تیر پھینکنے کی طرح ہے۔

34077۔ (قوله: حَلٍّ) وہ شکار حلال ہے جسے وہ تیر لگا۔ کیونکہ فعل شکار کرنا ہی واقع ہوا ہے۔ پس وہ اس طرح ہو گیا گویا اس نے شکار کی طرف تیر پھینکا اور وہ کسی اور شکار کو جا لگا، ”ہدایہ“، ملخص۔

مسیح اور محرم جمع ہو جائیں تو محرم غالب ہوگا

34078۔ (قوله: لَمْ يَحِلَّ) یعنی وہ شکار حلال نہیں ہوگا جسے تیر لگا ہے جس طرح ایک آدمی اونٹ کو تیر مارتا ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ کیا وہ بھاگا ہوا ہے یا بھاگا ہوا نہیں۔ پس وہ کسی اور شکار کو جا لگتا ہے تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس میں اصل مانوس ہونا ہے۔ یہ صورت مختلف ہوگی: اگر وہ کسی پرندے کو تیر مارے یہ پتا نہ ہو کہ کیا وہ وحشی ہے یا وحشی نہیں (بلکہ مانوس ہے) تو وہ کسی اور شکار کو جا لگتا ہے تو وہ حلال ہو جاتا ہے تو دوسرا شکار حلال ہوگا۔ کیونکہ پرندے میں غالب تو وحش ہے۔ پس ہر ایک پر اس کے ظاہر حال کے مطابق حکم لگایا جائے گا جس طرح ”ہدایہ“ میں ہے۔

34079۔ (قوله: لِيُجُودَ الْجُرْحُ) کیونکہ خون کے پائے جانے سے زخم کے پائے جانے پر استدلال کیا جاتا ہے

وَالْعَبْرَةُ بِحَالَةِ الرَّفِي فَحَلَّ الصَّيْدُ بِرِدَّتِهِ إِذَا رَفِيَ مُسْلِمًا (لَا بِإِسْلَامِهِ وَوَجَبَ الْجَزَاءُ بِحِلِّهِ) إِذَا رَفِيَ مُخْرِمًا (لَا بِإِحْرَامِهِ) وَسَيَجِيءُ قُبَيْلَ كِتَابِ الدِّيَاتِ فَرَعٌ لَوْ أَنَّ بَازِيًا مُعَلَّنًا أَخَذَ صَيْدًا فَقَتَلَهُ وَلَا يُدْرَى أَرْسَلَهُ إِنْسَانٌ أَوْ لَا

اعتبار تیر پھینکنے کی حالت کا ہوگا۔ پس جب اس نے مسلمان ہونے کی حالت میں تیر پھینکا تھا تو بعد میں مرتد ہو جانے کی صورت میں شکار حلال ہوگا (اگر تیر پھینکنے کی حالت میں مرتد ہو اور تیر حالت اسلام میں لگے) تو اب اس کے اسلام لانے کی وجہ سے وہ شکار حلال نہیں ہوگا جب اس نے احرام کی حالت میں تیر پھینکا ہو تو احرام کھول دینے کی صورت میں اس پر جزا لازم ہوگی احرام باندھنے کی صورت میں جزا لازم نہ ہوگی (یعنی جب تیر پھینکا تھا تو اس وقت محرم نہ تھا)۔ کتاب الدیات سے تھوڑا پہلے یہ آئے گا۔ فرع: اگر سدھایا ہو باز کسی شکار کو پکڑے اور اس کو قتل کر دے اور یہ پتا نہ ہو کہ کسی انسان نے اس کو چھوڑا تھا یا نہیں

اگرچہ اس کے علاوہ میں خون بہانا شرط نہیں جیسا پہلے گزر چکا ہے، ”ط“۔

34080۔ (قوله: وَالْعَبْرَةُ بِحَالَةِ الرَّفِي) اعتبار تیر پھینکنے کی حالت کا ہے۔ مگر ایک ایسے مسئلہ میں جس کا امام ”محمد“ رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے۔ وہ یہ ہے: ایک غیر محرم شخص ہے وہ شکار کی طرف تیر پھینکتا ہے جب کہ دونوں حل میں تھے۔ پس شکار حرم میں داخل ہو گیا تو اسے تیر آ لگا اور وہ حرم میں مر گیا یا حل میں مر گیا تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ اس مسئلہ کے علاوہ میں اعتبار تیر پھینکنے کی حالت کا ہوتا ہے ”تا تر خانہ“۔ یعنی یہ حکم لگانے کے حق میں ہے۔ جہاں تک مالک ہونے کا تعلق ہے تو اس میں اعتبار تیر لگنے کے وقت کا ہے جس طرح ”ذخیرہ“ میں ہے۔ اگر ایک آدمی نے شکار کی طرف تیر پھینکا اور اس کے بعد دوسرے نے تیر پھینکا تو دوسرا تیر اسے آ لگا اور اسے ست کر دیا جب کہ یہ پہلے سے قبل لگا تو یہ شکار دوسرے کا ہوگا۔

34081۔ (قوله: فَحَلَّ الصَّيْدُ بِرِدَّتِهِ) ظاہر یہ ہے کہ اس میں بامصاحبت کے لیے ہے جس طرح اس جملہ میں ہے: اھب بسلام ”سلامتی کے ساتھ اتر جا“ میں ہے۔ یعنی تیر پھینکنے کے بعد اور اسے تیر لگنے سے پہلے یا اس کے بعد مرتد ہو جائے۔ یہ مذکورہ اصل پر تفریع ہے۔ پس وہ شکار حلال ہوگا۔ کیونکہ رمی کے وقت وہ مسلمان تھا۔ اسی طرح وہ شکار حلال ہوگا۔ اگر وہ شکار کو تیر مارے اور ہر شکار کسی اور سبب سے گر پڑے پھر اس کو تیر آ لگے کیونکہ جب تیر پھینکا گیا تھا تو وہ شکار تھا، ”خانہ“۔

34082۔ (قوله: لَا بِإِسْلَامِهِ) یعنی اگر اس نے مرتد ہوتے ہوئے تیر مارا تھا۔

34083۔ (قوله: وَوَجَبَ الْجَزَاءُ بِحِلِّهِ) یعنی اپنے احرام سے فارغ ہونے کے ساتھ۔

34084۔ (قوله: لَا بِإِحْرَامِهِ) یعنی جب اس نے تیر احرام کے بغیر مارا تھا تو احرام باندھنے سے جزا واجب نہ ہوگی ”تا تر خانہ“ میں ہے: ایک شخص احرام کے بغیر ہے اس نے شکار کو تیر مارا تو وہ تیر حل میں آئے لگا اور وہ حرم کی حدود میں جا کر مر گیا یا اسے حرم سے تیر مارا اور وہ حل میں جا کر شکار کو لگا اور حل میں وہ شکار مر گیا تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ اس پر دوسری صورت میں جزا لازم ہوگی پہلی صورت میں جزا لازم نہیں ہوگی۔

لَا يُؤْكَلُ لِقُوعِ الشَّكِّ فِي الْإِرْسَالِ وَلَا إِبَاحَةِ بَدُونِهِ، وَإِنْ كَانَ مُرْسَلًا فَهُوَ مَالُ الْغَيْرِ فَلَا يَجُوزُ تَنَاوُلُهُ إِلَّا بِإِذْنِ صَاحِبِهِ زَيْلَعِي قُلْتُ وَقَدْ وَقَعَ فِي عَصْرِنَا حَادِثَةُ الْفَتْوَى، وَهِيَ أَنَّ رَجُلًا وَجَدَ شَاتَهُ مَذْبُوحَةً بِبُسْتَانِهِ هَلْ يَحِلُّ لَهُ أَكْلُهَا أَمْ لَا؟ وَمُقْتَضَى مَا ذَكَرْنَا أَنَّهُ لَا يَحِلُّ لِقُوعِ الشَّكِّ فِي أَنَّ الذَّابِحَ مِمَّنْ تَحِلُّ ذَكَاتُهُ أَمْ لَا، وَهَلْ سَمَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهَا أَمْ لَا لِكُنْ فِي الْخُلَاصَةِ مِنَ اللَّقْطَةِ قَوْمٌ أَصَابُوا بَعِيرًا مَذْبُوحًا فِي طَرِيقِ الْبَادِيَةِ، إِنْ لَمْ يَكُنْ قَرِيبًا مِنَ الْمَاءِ وَقَعَ فِي الْقَلْبِ أَنَّ صَاحِبَهُ فَعَلَ

تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ کیونکہ چھوڑنے میں شک واقع ہو چکا ہے اور اس کے بغیر شکار مباح نہیں ہوتا۔ اگر اس کو چھوڑا گیا تھا تو وہ کسی اور کا مال ہے تو اس کی اجازت کے بغیر اسے لینا جائز نہیں، ”زلیعی“۔ میں کہتا ہوں: ہمارے زمانہ میں حادثہ الفتویٰ واقع ہوا۔ وہ یہ ہے: ایک آدمی نے اپنے باغ میں اپنی بکری کو ذبح شدہ پایا کیا اس مالک کے لیے اس کو کھانا حلال ہے یا حلال نہیں؟۔ جو ہم نے ذکر کیا ہے اس کا مقتضایہ ہے کہ وہ حلال نہیں۔ کیونکہ اس امر میں شک واقع ہے کہ ذبح کرنے والا ان لوگوں میں سے ہے جس کا ذبح حلال ہوتا ہے یا حلال نہیں ہوتا کیا اس نے اس پر تکبیر کہی یا نہ کہی۔ لیکن ”الخلاصہ“ کتاب اللقطہ میں ہے: ایک قوم نے ایک اونٹ کو جنگل کے راستہ میں ذبح شدہ پایا اگر وہ پانی کے قریب نہ ہو اور دل میں یہ واقع ہو کہ اس کے مالک نے یہ عمل

34085۔ (قوله: قُلْتُ الْخ) یہ مصنف کے کلام میں سے ہے جو ”المنح“ میں موجود ہے۔

34086۔ (قوله: لِقُوعِ الشَّكِّ الْخ) اس میں ہے: وہ باز جس کی طبیعت میں شکار کرنا ہے۔ اس کا ظاہر حال یہ ہے کہ اس کو چھوڑا نہیں گیا اور وہ کسی کا مملوک نہیں ہے۔ مسلمانوں کے شہروں میں ذبح کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ اس کا ذبیحہ حلال ہوتا ہے اور اس نے اس پر تکبیر کہی ہوگی۔ تکبیر کا نہ ہونا اس گوشت میں موجود ہے جو بازار میں بیچا جاتا ہے یہ ایسا احتمال ہے جو تحریم میں مطلقاً غیر معتبر ہے۔

34087۔ (قوله: لِكُنْ فِي الْخُلَاصَةِ) یہ ان کے قول لایحل پر استدراک ہے الخ۔

34088۔ (قوله: إِنْ لَمْ يَكُنْ قَرِيبًا مِنَ الْمَاءِ) یہ قید لگائی ہے کیونکہ جب یہ اس طرح ہے تو یہ احتمال موجود ہے کہ وہ پانی میں گرا ہو تو اس کے مالک نے اسے باہر نکالا ہو تو اس نے اس کی زندگی کا گمان کرتے ہوئے اس کو ذبح کر دیا ہو تو اسے باہر نکالا ہو تو اس نے اس کی زندگی کا گمان کرتے ہوئے اس کو ذبح کر دیا ہو تو اس نے حرکت کی ہو اور اس سے خون نکلا ہو تو اس کے مالک نے اسے چھوڑ دیا ہو۔ کیونکہ اسے یہ علم تھا کہ اس کی موت پانی کی وجہ سے ہوئی ہو تو یہ احتمال واقع نہیں ہوتا کہ اس نے اسے لوگوں کے لیے مباح کرتے ہوئے اس کو چھوڑ دیا ہو یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے، تاہل۔

34089۔ (قوله: وَقَعَ فِي الْقَلْبِ) ظاہر یہ ہے کہ مراد ظن غالب ہے محض دل کا کھٹکا نہیں۔ کیونکہ اس پر حکم مرتب

ہوگا، ”ط“۔

ذَلِكَ إِبَاحَةٌ لِلنَّاسِ لَا بَأْسَ بِالْأَخْذِ وَالْأَكْلِ لِأَنَّ الثَّابِتَ بِالذَّلَالَةِ كَالثَّابِتِ بِالصَّرِيحِ اهـ، فَقَدْ أَبَاءَ أَكْلَهَا بِالشَّرْطِ الْمَذْكُورِ، فَعَلِمَ أَنَّ الْعِلْمَ بِكُفْرِ الذَّابِحِ أَهْلًا لِلذَّكَاءِ لَيْسَ بِشَرْطٍ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ قُلْتُ قَدْ يُفَرَّقُ بَيْنَ حَادِثَةِ الْفَتْوَى وَاللُّقْطَةِ بِأَنَّ الذَّابِحَ فِي الْأَوَّلِ غَيْرُ الْمَالِكِ قَطْعًا وَفِي الثَّانِي يَحْتَسِلُ وَرَأَيْتُ بِخَطِّ ثِقَةٍ

لوگوں کے لیے مباح کرنے کے لیے کیا تو اس کے لینے اور کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ جودالالت سے ثابت ہو وہ صریح سے ثابت کی طرح ہے۔ پس مذکورہ شرط کے ساتھ اس کے کھانے کو مباح کیا ہے۔ پس اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ مہم ہونا کہ ذبح کرنے والا ذبح کرنے کا اہل ہے یہ شرط نہیں۔ یہ مصنف کا قول ہے۔ میں کہتا ہوں: بعض اوقات حادثہ الفتویٰ اور لقطہ کے درمیان اس اعتبار سے فرق کیا جاتا ہے کہ پہلی صورت میں ذبح کرنے والا قطعی طور پر مالک نہیں اور دوسری صورت میں احتمال ہے۔ میں نے ایک ثقہ آدمی کی تحریر دیکھی۔

34090۔ (قوله: إِبَاحَةٌ لِلنَّاسِ) ہم نے حج کے راستہ میں ایسے لوگوں کو دیکھا جو اس مقصد کے لیے اونٹ ذبح کر

دیتے تھے۔

34091۔ (قوله: لِأَنَّ الثَّابِتَ بِالذَّلَالَةِ) اس کے مالک کے حال کی دلالت جودل میں واقع ہوئی۔ پس وہ اس

صریح قول کی طرح ہے: ابحتہ لمن یاخذہ میں اسے اس آدمی کے لیے مباح کرتا ہوں جو اس کو لے لے۔ خصوصاً وہ مذبحہ جانور جو حج کے موسم میں منیٰ میں موجود ہوتے ہیں۔

34092۔ (قوله: وَفِي الثَّانِي يَحْتَسِلُ) اس میں ہے: دوسرا احتمال کہ ذبح کرنے والا وہ مالک ہے وہ اس احتمال کی نفی

نہیں کرتا کہ وہ مجوسی ہو یا جان بوجھ کر تکبیر چھوڑنے والا ہو۔ زیادہ بہتر یہ قول تھا: اگر وہ ایسی جگہ ہو جہاں مجوسی رہتے ہوں یہ وہاں چلتے پھرتے ہوں تو اس ذبیحہ کو نہیں کھایا جائے گا ورنہ اس کو کھایا جائے گا۔

جان بوجھ کر تکبیر چھوڑ دینے کے ساتھ اعتراض نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ مسلمان اور کتابی کا ظاہر حال یہ ہے کہ وہ تکبیر کہتا ہے۔ کیونکہ وہ بطور دین کے اس کا اعتقاد رکھتا ہے۔ اس کے برعکس صورتحال موبہوم ہے یہ رائج قول کے معارض نہیں۔

میں کہتا ہوں: جگہ کا اعتبار کرنے کی تائید وہ قول کرتا ہے جو علماء نے لقیط کے بارے میں کیا ہے جب کوئی ذبیحہ دعوت دے تو اس کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا لیکن وہ لقیط مسلمان ہوگا اگر وہ لقیط ذمیوں کے مکان میں نہ پایا جائے جیسے ان کی بستی، بیعہ، کنیسہ۔

34093۔ (قوله: وَرَأَيْتُ الدِّخ) یہ دونوں میں فرق کی تائید ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ اس کا معتمد

اس کے برعکس ہے۔ اس کی دلیل ان کا یہ قول ہے کہ غصب کی بکری کی قربانی صحیح ہے۔ علماء کا اختلاف اس میں ہے کہ وہ بیعت کی بکری کی قربانی صحیح ہے۔ اسی وجہ سے ”سامحانی“ نے کہا: میں کہتا ہوں: یہ اس کے منافی ہے جو کتاب الغصب اور کتاب

سَرَقَ شَاةً فَذَبَحَهَا بِتَسْبِيَةٍ فَوَجَدَ صَاحِبَهَا هَلْ تَوَكَّلُ؟ الْأَصَحُّ لَا يَكْفُرُ بِتَسْبِيَتِهِ عَلَى الْحَرَامِ الْقُطْعِيِّ
بِلَا تَسْلُكٍ وَلَا إِذْنٍ شَرْعِيٍّ فَلْيُحَرِّرْ وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ

وَمَا مَاتَ لَا تُطْعِمُهُ كَلْبًا فَإِنَّهُ
وَتَبْلِيكَ عُصْفُورٍ لِوَاجِدِهِ أَجْزُ
خَبِيثٌ حَرَامٌ نَفْعُهُ مُتَعَدِّرٌ
وَإِعْتَاقُهُ بَعْضُ الْأُتْمَةِ يُنْكِرُ
كَفْشِ لِرُمَّانٍ رَمَاهُ الْمُقَشِّرُ
وَأِنْ يَلْقَاهُ مَعَ غَيْرِهِ جَازَ أَخْذُهُ

ایک آدمی نے ایک بکری چوری کی اور اس پر تکبیر پڑھ کر ذبح کی تو اس کے مالک نے اس کو پالیا کیا اس کو کھایا جائے گا۔
اصح قول یہ ہے کہ اسے نہیں کھایا جائے گا۔ کیونکہ اس نے حرام قطعی پر ملکیت حاصل کیے بغیر اور شرعی اذن کے بغیر تکبیر کہی تو
وہ کافر ہو گیا۔ پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ ”وہبانیہ“ میں ہے: جو چیز مر جائے تو وہ کتے کو نہ کھلائے۔ کیونکہ وہ
خبیث ہے اس کا نفع حرام اور متعذر ہے۔ اس آدمی کی چڑیا کا مالک بنانا جو اس کو پائے یہ جائز ہے۔ اور بعض علماء اس کے
آزاد کرنے کا انکار کرتے ہیں۔ اگر مالک اسے غیر کے ہاں پائے تو اس کا لینا جائز ہے جس طرح انار کا چھلکا جسے چھلکا
اتارنے والے نے پھینکا ہو۔

الاضحیہ میں گزر چکا ہے پس اس پر اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

34094۔ (قوله: لَا تُطْعِمُهُ كَلْبًا) یہاں اطعام سے مراد کتے کو اس پر برا بیچنے کرنا ہے۔ جہاں تک کتے کو اس پر
برا بیچنے کرنے کا تعلق ہے تو یہ بلی کو مردار پر برا بیچنے کرنے کی مثل ہے۔ جو جائز ہے۔ ”شرنبالی“۔

34095۔ (قوله: وَتَبْلِيكَ عُصْفُورٍ) تبلیک کا لفظ یہ نصب کے ساتھ ہے یہ اجیز کا مفعول مقدم ہے یعنی اس کا
مالک بنانا اس قول کے ساتھ جعلتہ لمن اخذہ میں یہ اس کے لیے کرتا ہوں جو اس کو پکڑ لے۔ اگر وہ یہ قول نہ کرے تو وہ چڑیا
اس کی ہوگی جس نے اس کو پکڑ لیا ہو۔ یہی قول مختار ہے اگر اس نے مباح میں اختلاف کیا ہو تو قول قسم کے ساتھ اس کے مالک
کا ہوگا۔ کہ اس نے یہ قول نہ کیا تھا۔ کیا یہ شرط ہے کہ اباحت معلوم قوم کے لیے ہو اس میں اختلاف ہے۔

34096۔ (قوله: وَإِعْتَاقُهُ) یہ منصوب ہے ینکر کا مفعول ہے ان کے قول بعض الاثمة ینکر کا مفہوم مخالف یہ ہے
کہ اکثر علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور یہ منقول نہیں بلکہ ظاہر یہ ہے کہ مذہب حرمت ہے۔ ”ش“۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے یہ اس وقت ہے جب وہ یہ قول نہ کرے جو اس کو پکڑ لے یہ اس کا ہے ورنہ یہ بعینہ مقدم مسئلہ ہوگا۔

34097۔ (قوله: جَازَ أَخْذُهُ) یعنی اگر چھوڑتے وقت اس نے اس کو مباح نہ کیا ہو جس طرح قول گزر چکا ہے۔

34098۔ (قوله: كَفْشِ لِرُمَّانٍ) یہ تشبیہ اس حیثیت سے ہے کہ اس کا لے لینا حلال ہے۔ جہاں تک اس کے مالک

بننے کا تعلق ہے اور پہلے کو اس سے روکنے کا تعلق ہے تو اس میں اختلاف ہے۔ مختار مذہب یہ ہے کہ وہ اس کا مالک بن جائے
گا۔ اور شکار میں یہ ہے کہ وہ اس کا مالک نہیں بنے گا جب وہ اس کو مباح قرار نہ دے۔ جانور میں یہی معاملہ ہے جب وہ اس کو
آزاد چھوڑ دے جس طرح ”شرنبالی“ نے اپنی شرح میں اس کا ذکر کیا ہے۔

وَفِي مُعَايَا تَهَا وَأَيُّ حَلَالٍ لَا يَحِلُّ اصْطِيَادُهُ صَيُودًا وَمَا صِيدَتْ وَلَا هِيَ تَنْفِرُ

اس کی پسیوں میں ہے: کون سا ایسا حلال جانور ہے جس کا شکار کرنا حلال نہیں جب کہ وہ شکار ہونہ ہی اس کو شکار کیا گیا ہو اور نہ ہی وہ بھاگا ہو۔

پہلی

34099۔ (قولہ: وَأَيُّ حَلَالٍ) یعنی ایک آدمی ہے جو نہ محرم ہے اور نہ ہی حرم کے علاقہ میں ہے وہ ایک شکار کو دیکھتا ہے جس کو غیر نے شکار نہیں کیا اور نہ ہی مالک سے وہ بھاگا ہوا ہے اور اس کا شکار کرنا حلال نہیں۔

جواب ہے: ایک شکار ایک آدمی کے گھر میں داخل ہو جب مالک نے شکار کو دیکھا تو دروازہ بند کر دیا اس طرح کہ بغیر شکار کرنے کے اس کو پکڑنے پر قادر ہو جاتا ہے تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا یہاں تک کہ اگر وہ شکار نکلے تو دوسرے آدمی کے لیے اس کو شکار کرنا حلال نہیں ہوگا یا اس سے مراد ہے گھر کا مالک جو بغیر احرام کے ہے کے لیے حلال نہیں کہ وہ زخم لگانے والے کے ساتھ اس کا شکار کرے۔ کیونکہ وہ اختیاری ذبح پر قادر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کِتَابُ الرِّهْنِ

مُنَاسَبَتُهُ أَنَّ كُلَّ مَنْ الرِّهْنِ وَالصَّيْدِ سَبَبٌ لِتَحْصِيلِ النَّالِ (هُوَ لُغَةً حَبْسُ الشَّيْءِ وَشَرْعًا حَبْسُ شَيْءٍ مَالِيٍّ)

رہن کے احکام

اس کی کتاب الصيد کے ساتھ مناسب یہ ہے کہ رہن اور صید میں سے ہر ایک مال کے حصول کا سبب ہوتا ہے۔ لغت میں رہن سے مراد کسی شے کو روک لینا ہے اور شرع میں اس سے مراد کسی مالدار چیز کو حق کے بدلے میں روک لینا جس حق کو اس شے سے کلی طور پر یا اس کا بعض وصول کرنا ممکن ہو۔

یہ مشروع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَرِهْنٌ مَّقْبُوضَةٌ** (البقرہ: 283) اور یہ حدیث طیبہ کی وجہ سے مشروع ہے **انہ علیہ الصلاة والسلام اشتری من یہودی طعاما ورهنه به درعه (1)** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے کھانا خریدا اور اس کے پاس زرہ رہن رکھی۔ اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ اس کے محاسن میں سے یہ ہے کہ ادھار دینے والے کی جانب کی رعایت ہے اس کے حق کے ہلاک ہونے سے امن ہوتا ہے اور مدیون کی جانب کی رعایت یہ ہے کہ ادھار دینے والے کا اس کے ساتھ جھگڑا کم ہو جاتا ہے اور جب وہ عاجز ہوتا ہے تو اس کی ادائیگی پر قادر ہو جاتا ہے۔ اس کا رکن صرف ایجاب ہے یا ایجاب اور قبول ہے جس طرح آگے آگے گا اور اس کی شروط آگے آئیں گی۔ اس کا حکم یہ ہے کہ وصول کرنے کا قبضہ ثابت ہو جائے۔ اور اس کا سبب بقائے مقدر کا تعلق ہے۔ آیت میں سفر کو خاص کیا ہے۔ کیونکہ غالب یہ ہوتا ہے کہ اس میں تحریر اور گواہ بنانا ممکن نہیں ہوتا پس رہن کے ساتھ اعتماد حاصل کیا جاتا ہے۔

رہن کا لغوی معنی

34100۔ (قوله: **هُوَ لُغَةً حَبْسُ الشَّيْءِ**) یعنی کسی بھی سبب سے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ** (المدثر) ہر نفس نے جو عمل کیا ہے اس کے بدلے میں مجبوس ہے رہن کے لفظ کا اطلاق مرہون پر ہوتا ہے۔ یہ مصدر کے ساتھ مفعول کا نام رکھنا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: **رَهْنَتُ الرَّجُلِ شَيْئًا وَرَهْنَتُهُ عِنْدَهُ** میں نے کوئی شے اس کے پاس رہن رکھی۔ اس میں ارہنتہ بھی ایک لغت ہے۔ اس کی جمع ارہان، رہون اور رہن آتی ہے۔ رہن اور رہینہ بھی رہن ہی ہوتا ہے۔ یہ ترکیب ثبات اور دوام پر دال ہے راہن مالک ہوتا ہے اور مرہن رہن لینے والا ہوتا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرهن، باب من رهن درعه، جلد 1، صفحہ 1059، حدیث نمبر 2326

أَنَّى جَعَلَهُ مَحْبُوسًا لَّأَنَّ الْحَابِسَ هُوَ الْمُرْتَهَنُ بِحَقِّ يُنْكَنُ اسْتِيفَاؤُهُ) أُنَى أَخْذُهُ (مِنْهُ) كُلًّا أَوْ بَعْضًا كَانَ
كَانَ قِيَمَةُ الْمَرْهُونِ أَقَلَّ مِنَ الدِّينِ (كَالدِّينِ)

یعنی اس شے کو مجبوس کر لینا۔ کیونکہ ایسے حق کے بدلے روکنے والا مرتہن ہوتا ہے۔ جس کا پورا پورا لینا اس سے کلی طور پر یا بعض لینا ممکن ہو اس کی صورت یہ ہے کہ مرہون شے کی قیمت دین سے کم ہو جیسے دین ہوتا ہے۔ کالدین میں

شرعی تعریف

34101۔ (قوله: أُنَى جَعَلَهُ مَحْبُوسًا) ”ایضاح الاصلاح“ میں کہا: کسی شے کو حق کے بدلے میں مجبوس کرنا ہے یہ نہیں کہا: حبس الشيء بحق کیونکہ روکنے والا مرتہن ہوتا ہے راہن نہیں ہوتا۔ جو اسے مجبوس بناتا ہے اس کا معاملہ مختلف ہے، ”ح“۔ یہ رہن تام یا رہن لازم کی تعریف ہے ورنہ رہن کے انعقاد میں مجبوس کرنا لازم نہیں ہوتا بلکہ یہ قبضہ کرنے کے ساتھ ہوتا ہے، ”سعدی“۔

”قہستانی“ نے کہا: متبادر یہ ہے کہ مجبوس کرنا تبرع کے طریقہ پر ہو اگر مالک کو دینے پر مجبور کیا جائے تو وہ رہن نہیں ہوگا جس طرح ”الکبریٰ“ میں ہے۔ پس اس پر یہ لازم نہیں کہ وہ اجازت کا ذکر کرتا جس طرح گمان کیا گیا ہے۔ آنے والے باب کے آخر میں آئے گا کہ اگر اس نے مدیون کا عمامہ لے لیا تو یہ رہن ہوگا اگر وہ اس عمامہ کے ترک پر راضی ہو۔

34102۔ (قوله: بِحَقِّ) یعنی مالی حق کے سبب سے اگرچہ وہ مجبوس ہو اس کے ساتھ قصاص، حد اور یمین سے احتراز کیا ہے ”قہستانی“۔ اس میں بدل کتابت داخل ہوگا۔ کیونکہ اس کے بدلے میں رہن جائز ہے اگرچہ اس کی ضمانت اٹھنا جائز نہیں جس طرح ”معراج“ میں ”خانیہ“ سے مروی ہے۔

34103۔ (قوله: يُنْكَنُ اسْتِيفَاؤُهُ) اس رہن جو مرہون کے معنی میں ہے اس کا حق وصول کرنا ممکن ہوتا ہے اس قول کے ساتھ اس سے احتراز کیا ہے جو فاسد ہو جیسے برف اور امانت، مدبر۔ ام ولد اور مکاتب سے احتراز کیا ہے، ”شرنبلائیہ“ میں کہا ہے: جہاں تک شراب کا تعلق ہے تو وہ بھی مال ہے۔ اس سے حق کی وصولی ممکن ہے کہ ذمی کو اس کی بیع کا وکیل بنادیا جائے یا خود ہی بیچ دے اگر مرتہن اور راہن اہل ذمہ میں سے ہوں۔ لیکن مسلمان کے حق میں شراب ہرگز نہیں پس اس کا اسے رہن کے طور پر رکھنا اور نہ ہی مسلمان یا ذمی سے اسے رہن کے طور پر قبضہ میں لینا جائز ہے اگرچہ ذمی کے لیے اس کا ضامن ہوگا جس طرح آنے والے باب میں آئے گا۔

34104۔ (قوله: كُلًّا أَوْ بَعْضًا) یہ استفیاء وہ کی ہا سے دونوں تمیز ہیں جو اس حق کی طرف لوٹ رہی ہے جو دین ہے، ”ح“۔ پس یہ دونوں مضاف الیہ سے پھیرے گئے ہیں جو مضاف الیہ معنی میں مفعول ہے۔ کیونکہ اصل کلام یہ ہے: استیفاء کلمہ اد بعضہ۔ شارح نے جو ذکر کیا ہے وہ ”قہستانی“ کا جواب ہے یہ اسے شامل نہیں ہوگا جو رہن دین سے کم ہو، فافہم۔

34105۔ (قوله: كَالدِّينِ) یہ حق کی تمثیل ہے۔

كَافُ إِلَّا سِتْقَاءَ لِأَنَّ الْعَيْنَ لَا يُكِنُّ اسْتِيفَاءُهَا مِنَ الرِّهْنِ إِلَّا إِذَا صَارَ دَيْنًا حُكْمًا كَمَا سَيَجِيءُ (حَقِيقَةً) وَهُوَ دَيْنٌ وَاجِبٌ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا أَوْ ظَاهِرًا فَقَطْ كَثَمَنٍ عَبْدٍ أَوْ خَلٍّ وَجِدَ حُرًّا أَوْ خَمْرًا (أَوْ حُكْمًا) كَالْأَعْيَانِ (الْمُضْمُونَةِ بِالْبَثْلِ أَوْ الْقِيَمَةِ)

کاف الاستقصاء ہے۔ کیونکہ رہن سے عین کا وصول کرنا ممکن نہیں ہوتا مگر جب وہ حکماً دین بن جائے جس طرح عنقریب آئے گا خواہ دین حقیقتاً ہو وہ دین ہوتا ہے جو دین ظاہر اور باطن کے اعتبار سے واجب ہو یا صرف ظاہر کے اعتبار سے واجب ہو جیسے غلام یا سرکہ کی قیمت جسے آزاد یا شراب پایا جائے خواہ وہ دین حکماً ہو جیسے ایسے اعیان جن کا ضمان مثل یا قیمت سے ہو

34106۔ (قولہ: کافُ إِلَّا سِتْقَاءَ) یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ یہ بعض افراد کی تمثیل کے لیے نہیں۔ کیونکہ یہاں مراد دین کے علاوہ نہیں۔ اس کا داعی یہ ہے کہ مصنف نے دین کو عین کا جامع بنایا ہے مگر جب وہ اسے مطلق ذکر کرے تو کاف تمثیل کے لیے بنانا ممکن ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دین سے مراد وہ دین ہے جو حقیقت میں دین ہے۔

34107۔ (قولہ: کَمَا سَيَجِيءُ) یعنی قریب ہی ان کے قول اد حکما میں آئے گا۔

34108۔ (قولہ: وَجِدَ حُرًّا أَوْ خَمْرًا) یہ لف نشر مرتب ہے۔ اور جیسے ذبیحہ کا ثمن انکار کی صورت میں بدل صلح اگرچہ اسے مردار پایا جائے یا دونوں ایک دوسرے کی تصدیق کریں کہ کوئی دین نہیں۔ کیونکہ دین ظاہر واجب ہوا ہے جب کہ یہ کافی ہے۔ کیونکہ یہ دین موعود سے زیادہ مقلد ہے جس طرح عنقریب آئے گا، ”درر“۔ یعنی رہن مضمون ہے۔ ”قدوری“ نے یہ ذکر کیا ہے کہ اس کے ہلاک ہو جانے سے کوئی شے لازم نہ ہوگی جس طرح اگر وہ ابتدا میں آزاد اور شراب کے بدلے کوئی شے رہن کے طور پر رکھے۔

امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے ”مبسوط“ اور ”جامع“ میں یہ ذکر کیا ہے کہ فاسد دین کے رہن کے حکم سے جس شے پر قبضہ کیا جائے تو اس کی قیمت اور دین میں سے جس کو کھالیا جائے اس کی ضمانت ہوگی۔ مختار مذہب امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جس طرح ”الاختیار“ میں ہے، ”ابوسعود“ ملخص۔

34109۔ (قولہ: كَالْأَعْيَانِ الْمُضْمُونَةِ بِالْبَثْلِ أَوْ الْقِيَمَةِ) انہیں مضمنہ بنفسہا کہا جاتا ہے۔ کیونکہ مثل یا اس کی قیمت اس کے قائم مقام ہو جاتی ہے جیسے منصوب وغیرہ ہے۔ یہ ان میں سے ہے جس کا ذکر عنقریب آئے گا۔ اس قول کے ساتھ مضمنہ بغیرہا سے احتراز کیا ہے جیسے بیع جو بائع کے قبضہ میں ہو۔ کیونکہ مضمون بغیرہ ہے جو ثمن ہے۔ اور اصلاً غیر مضمونہ سے احتراز کیا ہے جیسے امانات۔ پس ان دونوں صورتوں میں رہن باطل ہوگا۔ اسے دین حکمی کا نام دیا ہے کیونکہ اس میں اصل موجب قیمت یا مثل ہے اور عین کو واپس کرنا یہ چھٹکارا دلانے والا ہے اگر اس کو لوٹانا ممکن ہو جس پر جمہور علماء ہیں جب کہ وہ دین ہے۔ اور جس قول پر بعض علماء ہیں اگرچہ قیمت ہلاکت کے بعد واقع ہوتی ہے لیکن سابقہ قبضہ کی وجہ سے ہلاکت کے وقت واجب ہوتا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ”ہدایہ“ اور ”زیلعی“ میں ہے۔

کَمَا سَيَجِيءُ) كَوْنُهُ (وَيَنْعَقِدُ بِإِيجَابٍ وَقَبُولٍ) حَالٍ (غَيْرُ لَازِمٍ) وَحِينَ يَنْبَغِي فَلَمَّا هُنَّ تَسْلِيْمُهُ وَالرُّجُوعُ عَنْهُ
كَمَا فِي الْهَبَةِ (فَإِذَا سَلَّمَهُ وَقَبَضَهُ الْمُرْتَهِنُ) حَالِ كَوْنِهِ

جس طرح عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔ اور یہ عقد ایجاب و قبول کے ساتھ منعقد ہو جاتا ہے حال یہ ہے کہ وہ لازم نہیں ہوتا اور اس وقت راہن کو حق حاصل ہے کہ رہن اس کے حوالے کرے اور اس سے رجوع کر لے جس طرح بہہ میں ہوتا ہے جب وہ حوالے کر دے اور مرتہن اسی پر قبضہ کر لے اس حال میں

3410۔ (قوله: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی آنے والے باب میں آئے گا۔

رہن کارکن

3411۔ (قوله: وَيَنْعَقِدُ بِإِيجَابٍ) تیرا مجھ پر جو دین ہے اس کے بدلے میں میں نے تجھے تیرے ہاں یہ رہن رکھا ہے یا یہ شے اس کے بدلے میں بطور رہن لے لے، ”قہستانی“۔ رہن کا لفظ شرط نہیں جس طرح آنے والے باب میں اس کا ذکر کریں گے۔

3412۔ (قوله: وَقَبُولٍ) جیسے میں نے اسے بطور رہن قبول کر لیا خواہ مسلمان سے یا کافر سے، غلام سے یا بچے سے، اکیل سے یا وکیل سے صادر ہو۔ پس قبول رکن ہے جیسے ایجاب ہے۔ اسی طرح اکثر مشائخ مائل ہوئے ہیں۔ کیونکہ یہ بیع کی طرح ہے۔ اسی وجہ سے وہ آدمی حائث نہیں ہوگا جو یہ قسم اٹھائے کہ وہ رہن نہیں رکھے گا جب کہ اس میں قبول نہ پایا گیا ہو۔ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہ قول ایجاب کے علت بننے کے لیے شرط ہے۔ کیونکہ یہ عقد تبرع ہے۔ اسی وجہ سے یہ تسیم کیے بغیر لازم نہیں ہوتا، ”قہستانی“۔ ”ہدایہ“ میں دوسرے قول پر اکتفا کیا ہے۔ ”قہستانی“ نے ”کرمانی“ سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ بطریق ایک ہاتھ سے لینے اور دوسرے ہاتھ سے دینے کے ساتھ جائز ہے۔

3413۔ (قوله: غَيْرُ لَازِمٍ) کیونکہ یہ عقد تبرع ہے کیونکہ رہن اس کے مقابلہ میں مرتہن پر کسی شے کو لازم کرنے والا نہیں ہوتا۔

3414۔ (قوله: وَحِينَ يَنْبَغِي) یعنی جب وہ لازم ہوئے بغیر منعقد ہو۔ تفریع کی فاس سے غنی کر دیتی ہے جس طرح ”طحاوی“ نے اسے بیان کیا ہے۔

3415۔ (قوله: وَقَبَضَهُ) یعنی راہن صریح اذن سے قبضہ کرے یا مجلس میں یا اس کے بعد جو اس کے قائم مقام ہو وہ خود قبضہ کرے یا اس کا نائب قبضہ کرے جیسے باپ، وصی اور عادل، ”ہندیہ“، ملخص۔ اگر مرتہن نے اس پر قبضہ کیا جب کہ رہن خاموش ہو چاہیے کہ وہ رہن ہو پس متنبہ ہو جائیے۔

3416۔ (قوله: حَالِ كَوْنِهِ) ضمیر سے مراد رہن ہے یہ احوال مترادف ہیں یا متداخلہ ہیں، ”مینی“۔ اس کے ساتھ یہ بیان کیا ہے کہ ان صفات کے ساتھ رہن عقد کے وقت لازم نہیں ہوتا جب کہ قبضہ کے وقت لازم ہوتا ہے اگر وہ متصل ہو یا

(مَحْذُورًا) لَا مُتَفَرِّقًا كَثِيرًا عَلَى شَجَرٍ (مُفَرَّغًا) لَا مَشْغُولًا بِحَقِّ الرَّاهِنِ كَشَجَرٍ بِدُونِ الشَّرِّ (مُبَيَّنًا) لَا مُشَاعًا وَلَوْ حُكْمًا بِأَنْ اتَّصَلَ الرَّهْنُ بِغَيْرِ الرَّهْنِ خِلْقَةً كَالشَّجَرِ وَسَيَتَّضِحُ (لَزِمَ)

کہ رہن مجتمع ہو متفرق نہ ہو جس طرح درخت پر پھل ہوتا ہے فارغ ہو، راہن کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو جیسے پھل کے بغیر درخت وہ میز ہو مشترک نہ ہو اگرچہ حکماً ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مرہون غیر مرہون کے ساتھ خلقة متصل ہو جیسے درخت ہے۔ عنقریب اس کی وضاحت ہوگی تو یہ عقد لازم ہو جائے گا۔

غیر کے ساتھ مشغول ہو تو عقد فاسد ہوگا باطل نہیں ہوگا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر دین مشترک شے ہو۔ بعض علماء کے نزدیک عقد باطل ہوگا یہ امام ”کرخی“ کا اختیار ہے۔ اگر قبضہ کے ساتھ فساد ختم ہو جائے تو وہ صحیح لازم ہو جائے گا جس طرح ”کرمانی“ میں ہے۔ ”قہستانی“۔

34117۔ (قوله: مَحْذُورًا) یہ حوز سے مشتق ہے جس کا معنی شے کو جمع کرنا ہے اور ملانا ہے، ”قاموس“۔ ”الدرر“ میں جو قول ہے اس کو دیکھیے۔

34118۔ (قوله: كَثِيرًا عَلَى شَجَرٍ) یہ متفرق کی مثال ہے اور جس طرح زمین پر کھیتی ہوتی ہے یعنی جب درختوں اور زمین کے بغیر پھلوں کو رہن رکھا جائے۔ کیونکہ پھل اور کھیتی مرتہن کے قبضہ میں جمع نہیں ہوتے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کا قبضہ ان دونوں کو جمع کرنے والا نہیں۔ کیونکہ درخت کے بغیر پھلوں کو جمع کرنا اور زمین کے بغیر کھیتی کو جمع کرنا ممکن نہیں، ”ط“۔

34119۔ (قوله: لَا مَشْغُولًا) جہاں تک شاغل کا تعلق ہے تو اس کا رہن جائز ہوتا ہے جس طرح کثیر کتب میں ہے۔ حق راہن کے قول کے ساتھ اس سے احتراز کیا ہے کہ اگر وہ غیر کی ملکیت سے مشغول ہے پس یہ مانع نہیں ہوگا جس طرح ”عمادیہ“ میں ہے، ”حموی“۔

میں کہتا ہوں: چاہیے یہ کہ شاغل کی یہ قید لگائی جائے کہ یجوز رہنہ بغیر المتصل غیر متصل کارہن جائز ہوگا۔ کیونکہ تو یہ جان چکا ہے کہ پھل یا کھیتی کارہن رکھنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح صرف عمارت کو رہن رکھنا جائز نہیں جس طرح عنقریب آئے گا، فافہم۔

34120۔ (قوله: لَا مُشَاعًا) جس طرح نصف غلام یا نصف گھر اگرچہ وہ شریک ہو۔ اس کی مکمل وضاحت آئے گی۔ جس کا مشترک ہونا ضرورت کے اعتبار سے ثابت ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہوگا۔

34121۔ (قوله: وَلَوْ حُكْمًا) مصنف کا قول محذور اس سے مستغنیٰ کر دیتا ہے۔

34122۔ (قوله: خِلْقَةً) اس کے ساتھ قید لگانے میں اعتراض ہے ہم عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔

34123۔ (قوله: وَسَيَتَّضِحُ) یعنی آنے والے ابواب کے شروع میں۔

34124۔ (قوله: لَزِمَ) یہ اذا کا جواب ہے۔

أَفَادَ أَنَّ الْقَبْضَ شَرْطُ اللُّزُومِ كَمَا فِي الْهَبَةِ، وَصَحَّحَ فِي الْمُجْتَبَى أَنَّهُ شَرْطُ الْجَوَازِ (وَالْتَّخْلِيَةِ) بَيْنَ الرَّهْنِ وَالْمُرْتَهِنِ (قَبْضَ) حُكْمًا عَلَى الظَّاهِرِ (كَالْبَيْعِ) فَإِنَّهَا فِيهِ أَيْضًا قَبْضٌ

اس قول نے یہ فائدہ دیا ہے کہ قبضہ لزوم کی شرط ہے جس طرح ہبہ میں ہے۔ ”مجتبیٰ“ میں اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ یہ جواز کی شرط ہے۔ رہن اور مرتہن کے درمیان رکاوٹ کو ختم کرنا یہی اس پر حکماً قبضہ ہے۔ یہ ظاہر روایت کے مطابق ہے جس طرح بیع میں ہوتا ہے۔ کیونکہ بیع میں بھی یہ قبضہ ہوتا ہے

رہن کے لزوم کی شرط

34125۔ (قوله: شَرْطُ اللُّزُومِ) ”ہدایہ“، ”ملتقی“ وغیرہ میں اسی پر گامزن ہوئے ہیں۔ ”العنایہ“ میں کہا: یہ ”شیخ الاسلام“ کا مذہب مختار ہے۔ یہ عام کی روایت کے خلاف ہے۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے کہا: رہن جائز نہیں مگر جب وہ مقبوض ہو۔ اس کی مثل ”کافی الحاکم“، ”مختصر الطحاوی“ اور ”کرخی“ میں ہے، ملخص۔

”سعدیہ“ میں ہے: میں کہتا ہوں: کتاب الہبہ میں پہلے گزر چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا تجوز الهبة الا مقبوضة (1) ہبہ جائز نہیں مگر اس پر قبضہ کر لیا جائے ہبہ میں قبضہ کرنا یہ اس کے جواز کی شرط نہیں۔ پس یہاں بھی اسی طرح ہونا چاہیے، فلیتأمل۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ جہاں بھی جواز کی تفسیر لزوم سے کی جائے صحت کے ساتھ نہ کی جائے جس طرح انہوں نے ہبہ میں یہ تفسیر کی ہے۔ کیونکہ ان کی کلام اور حدیث کے درمیان اس کے بغیر تطبیق ممکن نہیں۔

34126۔ (قوله: وَصَحَّحَ فِي الْمُجْتَبَى) ”تہستانی“ میں ”ذخیرہ“ سے اسی طرح مروی ہے۔

34127۔ (قوله: وَالتَّخْلِيَةِ) اس سے مراد موانع کا اٹھالینا ہے اور قبضہ کی قدرت دینا ہے۔

34128۔ (قوله: قَبْضَ حُكْمًا) کیونکہ تخلیہ یہ سپرد کرنا ہے تو اس کی ضرورت میں سے ہے کہ قبضہ کا حکم لگایا جائے پس غایت کا ذکر جس پر حکم مبنی ہے کیونکہ یہی مقصود ہے۔ اس کے ساتھ ”زلیعی“ کا قول اٹھ جاتا ہے۔ قول یہ ہے: صحیح ہے کہ تخلیہ سپرد کرنا ہے کیونکہ اس سے مراد قبضہ سے مانع کو اٹھادینا ہے۔ یہ سپرد کر دینے والے کا عمل ہے قبضہ میں رہنے والا سپرد کار کا عمل نہیں۔ اور قبضہ کرنا یہ وصول کرنے والے کا فعل ہے۔ ”المنح“ میں اس کو بیان کیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس پر وہی حکم مرتب ہوتا ہے جو حقیقی قبضہ پر مرتب ہوتا ہے۔

34129۔ (قوله: عَلَى الظَّاهِرِ) یعنی ظاہر روایت کے مطابق یہی قول اصح ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے مروی

ہے: منقول میں کوئی امر نقل سے ہی ثابت ہوتا ہے، ”ہدایہ“۔

(وَهُوَ مَضْمُونٌ إِذَا هَلَكَ

اور رہن پر اس کی قیمت اور دین میں سے

رہن رکھی ہوئی چیز کا شرعی حکم

34130۔ (قوله: وَهُوَ مَضْمُونٌ إلخ) یعنی اس کی مالیت کی ضمانت ہوتی ہے۔ جہاں تک اس کے عین کا تعلق ہے تو وہ امانت ہوتی ہے۔

”الاختیار“ میں کہا ہے: وہ چیز راہن کی ملکیت پر ہلاک ہوگی یہاں تک کہ اگر وہ غلام یا لونڈی ہو، تو راہن اس کو کفن دے گا۔ کیونکہ یہ حقیقت میں اس کی ملک ہے اور مرتہن کے ہاتھ میں امانت ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر وہ اس کو خرید لے تو رہن کا قبضہ یہ خریداری کا قبضہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ امانت ہے۔ پس یہ ضمان کے قبضہ کا نائب نہیں ہوگا جب یہ راہن کی ملکیت ہے تو جب وہ مرجائے تو اس کا کفن راہن کے ذمہ ہوگا۔ ”حموی“ نے ”الاشباہ“ پر حاشیہ میں اسے ذکر کیا ہے۔ جب وہ جان بوجھ کر ہلاک کرے تو اس سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں وہ اس سب کا ضامن ہوگا جس طرح اس کی وضاحت آگے آئے گی۔ اسے مطلق ذکر کیا ہے۔ پس یہ اس صورت کو شامل ہوگا جب وہ ضائع ہونے کی صورت میں ضمان نہ ہونے کی شرط لگائے۔ پس رہن جائز ہے اور شرط باطل ہے۔ اور یہ رہن کے بدلے میں ہلاک ہوگی جس طرح ”خلاصہ“ وغیرہ میں ہے۔ اور یہ قول اس صورت کو شامل ہے جب عیب کی وجہ سے اس میں نقص واقع ہو جائے۔ ”جامع الفصولین“ میں ہے: اگر ایک غلام کو رہن کے طور پر رکھا تو وہ بھاگ گیا تو رہن ساقط ہو جائے گا اگر وہ اس غلام کو پالے تو وہ پھر رہن بن جائے گا اور رہن سے اسی حساب سے ساقط ہو جائے گا اگر اس کا بھاگنا پہلی دفعہ ہو ورنہ کوئی شے ساقط نہ ہوگی۔ اس کا ذکر کتاب الرہن کے آخر میں آئے گا۔ یہ فاسد رہن کو بھی شامل ہوگا۔ کیونکہ یہ اس کے ساتھ بھی صحیح کا معاملہ کیا جاتا ہے جس طرح اس کی وضاحت کتاب الرہن کے آخر میں آئے گی۔

تنبیہ

”عمادیہ“ کی فصل نمبر تیس میں ذکر کیا گیا ہے: اگر ایک آدمی نے ہزار کے بدلے میں دو غلام رہن رکھے اور دونوں غلاموں میں سے ایک ہلاک ہو گیا اور ہلاک ہونے والے کی قیمت دین سے زیادہ ہے تو اس غلام کو ہلاک ہونے سے تمام دین ساقط نہیں ہوگا بلکہ دین کو آزاد کی قیمت اور ہلاک ہونے والے کی قیمت پر تقسیم کیا جائے گا اور جو ہلاک ہونے والے کے برابر پہنچے تو وہ ساقط ہو جاتا ہے اور جو باقی کو پہنچے تو وہ دین باقی رہے گا۔ اسی طرح ایک آدمی نے ایک گھر ہزار کے بدلے میں رہن رکھا اور وہ گھر خراب ہو گیا تو دین کو عمارت کی قیمت اور سفیدہ زمین کی قیمت پر قبضہ کے دن تقسیم کیا جائے گا پس جو عمارت کو پہنچے تو وہ دین ساقط ہو جائے گا اور جو سفیدہ زمین کو پہنچے وہ باقی رہے گا۔ ”مبسوط“ میں اسی طرح ہے۔

”تاثر خانہ“ میں اس کی وضاحت یہ ہے: ایک آدمی نے ایک پوشتین دس درہم کے عوض رہن رکھی اس کی قیمت چالیس

بِالْأَقْلٍ مِنْ قِيَمَتِهِ وَمِنْ الدِّينِ) وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ هُوَ أَمَانَةٌ (وَالْمُعْتَبَرُ قِيَمَتُهُ يَوْمَ الْقَبْضِ)

جو کم ہو اس کے بدلے میں مضمون ہوتا ہے جب وہ ہلاک ہو جائے۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ امانت ہے اور معتبر یوم قبض کی قیمت ہے

درہم ہے اس کو کیزی کھا گئی تو اس کی قیمت دس درہم رہ گئی تو وہ اڑھائی درہم دے کر اسے واپس لے لے گا۔ کیونکہ جو ہلاک ہوا ہے وہ رہن کا تین چوتھائی ہے۔ پس دین میں سے اس کی مقدار کے مطابق ساقط ہو جائے گا جس طرح ”بزازیہ“ میں ہے۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ کیونکہ یہ امر بہت سے علماء پر مخفی ہے عنقریب آنے والے باب کے آخر میں اس کا ذکر کریں گے۔ اگر جانور ہی چلا جائے تو دین کا چوتھائی ساقط ہو جائے گا اس کی وضاحت آگے آئے گی۔ اور عنقریب یہ آئے گا کہ بھاؤ میں کمی دین کے سقوط کو ثابت نہیں کرتی۔ عین کے نقصان کا معاملہ مختلف ہے۔ اور دین کی بڑھوتری جو تبعی طور پر رہن بن جاتی ہے وہ بغیر عوض کے ہلاک ہوگی مگر جب وہ اصل کے ہلاک ہونے کے بعد ہلاک ہو۔ سب کی وضاحت عنقریب آئے گی، ان شاء اللہ

34131۔ (قوله: بِالْأَقْلٍ مِنْ قِيَمَتِهِ وَمِنْ الدِّينِ) ”نہایہ“ میں کہا ہے: ”قدوری“ کے بعض نسخوں میں باقل کے الفاظ ہیں یعنی الف لام کے بغیر ہے جب کہ یہ خطا ہے۔ اسے اس آدمی کے قول پر قیاس کر جو یہ کہتا ہے: مردت باعدہ من زید و عمرو تو زیادہ جاننے والا ان دونوں کے علاوہ ہوگا۔ اگر وہ بالاعلم من زید و عمرو ہوتا تو دونوں میں سے ایک ہوتا۔ پس من کا کلمہ تمیز کے لیے ہے۔ ”موصل شرح المفصل“ میں کہا، بے شک یہ من اس تفصیلیہ میں سے نہیں ہے جو الف لام کے ساتھ جمع نہیں ہوتا بلکہ یہ من بیانہ ہے جو تیرے اس قول میں ہے: انت الافضل من قریش تو قریش میں سے افضل ہے جس طرح تو کہتا ہے انت من قریش ”شر نہالیہ“۔ مراد یہ ہے اگر قیمت دین سے کم ہو یا معاملہ اس کے برعکس ہو تو ان دونوں میں سے جو کم ہوگا اس کی ضمانت ہوگی جو ان دونوں میں سے ایک ہے۔ اگر باقل نکرہ کہا جائے تو یہ اس کا تقاضا کرے گا کہ وہ ان دونوں کے علاوہ تیسری چیز کی ضمانت ہوگی جو ان دونوں سے کم ہو جب کہ یہ مراد نہیں مگر یہ کہا جائے جس طرح ”قہستانی“ میں ہے: ای بدین او بقیمۃ اقل من قیمتہ او من الدین یعنی دین کے بدلہ میں یا اس قیمت کے بدلہ میں جو اس کی قیمت یا دین سے اقل ہو یہ ترتیب وار ہوگا۔ پس من کا کلمہ تفصیلیہ ہے اور مفضل پہلی صورت میں دین ہے اور دوسری صورت میں قیمت ہے اور مفضل علیہ اس کے برعکس ہے۔ پس معنی ہوگا: ایسے دین کے بدلہ میں جو اس کی قیمت سے کم ہو یا ایسی قیمت کے بدلہ میں جو دین سے کم ہو۔ اس میں جو ضعف ہے وہ مخفی نہیں۔

34132۔ (قوله: وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ هُوَ أَمَانَةٌ) یعنی وہ سب کا سب مرتہن کے قبضہ سے امانت ہے اس کے ہلاک ہونے سے کوئی شے ہلاک نہ ہوگی۔ مکمل گفتگو مطولات میں ہے۔

34133۔ (قوله: وَالْمُعْتَبَرُ قِيَمَتُهُ يَوْمَ الْقَبْضِ) ”الخلاصہ“ میں کہا: رہن کا حکم یہ ہے کہ اگر رہن مرتہن کے قبضہ

لَا يَوْمَ الْهَلَاكِ كَمَا تَوَهَّمُهُ فِي الْأَشْبَاهِ لِمُخَالَفَتِهِ لِلْمَنْقُولِ كَمَا حَرَّرَهُ الْمُصَنِّفُ (الْمَقْبُوضُ عَلَى سَوْمِ الرِّهْنِ إِذَا لَمْ يُبَيِّنِ الْبِقْدَارَ أَمَّا مَقْدَارُ مَا يُرِيدُ أَخْذَهُ مِنَ الدَّيْنِ (لَيْسَ بِمَضْمُونٍ فِي الْأَصَحِّ) كَذَا فِي الْقُنْيَةِ وَالْأَشْبَاهِ

ہلاک ہونے والے دن کی قیمت نہیں ہوتی جس طرح ”الاشباہ“ میں اس کا وہم ہوا ہے۔ کیونکہ یہ منقول کے مخالف ہے جس طرح مصنف نے اس کی وضاحت کی ہے۔ جس رہن (مرہون) پر بطور رہن کی گفتگو کے قبضہ ہوا جب مرہن دین کی اس مقدار کی وضاحت نہ کرے جو وہ دین لینا چاہتا ہے اصح قول کے مطابق اس رہن کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ ”القنیه“ اور ”الاشباہ“ میں اس طرح ہے۔

میں یا عادی کے پاس ہلاک ہو جائے تو قبضہ کے دن اس کی جو قیمت ہوگی اس کی طرف اور رہن کی طرف دیکھا جائے گا۔ اگر اس کی قیمت دین کی مثل ہو تو رہن اس کے ہلاک ہونے کے ساتھ ساقط ہو جائے گا۔

”زیلعی“ نے کہا: اس کی قیمت کا اعتبار قبضہ کے دن کا ہوگا۔ اگر اسے اجنبی آدمی تلف کر دے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ مرہن اس سے اس کی اس قیمت کی ضمانت لے گا جس روز اس اجنبی نے اس کو جان بوجھ کر ہلاک کیا اور وہ قیمت اس مرہن کے پاس دین ہو جائے گا۔ اس کی مکمل وضاحت ”المنح“ میں ہے۔ ”شرح الملتقی“ میں یہ زائد ذکر کیا ہے: اس میں قول مرہن کا معتبر ہوگا اور گواہ راہن کے ہوں گے۔

34134۔ (قوله: لَا يَوْمَ الْهَلَاكِ كَمَا تَوَهَّمُهُ فِي الْأَشْبَاهِ) یعنی فن ثالث (تیسرے فن) کی مثل کی ثمن کی بحث میں۔ میں کہتا ہوں: ”الاشباہ“ میں جو قول ہے اسے اس پر محمول کرنا ممکن ہے جب مرہن اس کو جان بوجھ کر ہلاک کر دے۔ اس وجہ سے ”رہن“ نے کلام کے بعد کہا: جب تو دقت نظر سے کام لے گا تو تیرے لیے ہلاک اور استہلاک میں فرق ظاہر ہوگا تو ہلاک ہونے کی صورت میں تو یہ یقینی بات کہے گا کہ معتبر قبضہ کے دن کی اس کی قیمت ہے اور جان بوجھ کر ہلاک کرنے کی صورت میں اس کی اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا جس روز وہ شے ہلاک ہوئی۔ کیونکہ یہ اس عین پر واقع ہوئی ہے جو کہ ودیعت رکھا گیا تھا۔

34135۔ (قوله: إِذَا لَمْ يُبَيِّنِ الْبِقْدَارَ) مگر جب وہ وضاحت کر دے تو وہ اس کی ضمانت ہوگی۔

اس کی صورت یہ ہے اس نے دین اس شرط پر وصول کیا کہ وہ اس کو اتنا قرض دے گا تو قرض دینے سے پہلے ہی وہ رہن کا مالک ہو گیا تو وہ رہن کا مال اپنی قیمت اور اس نے جس قرض کا ذکر کیا اس میں سے کم کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔ کیونکہ اس نے رہن کے بارے گفتگو کے طریقہ پر اس پر قبضہ کیا ہے اور جس چیز پر رہن پر گفتگو کے طریقہ پر قبضہ کیا جائے وہ خریداری کے لیے گفتگو کے طریقہ پر مقبوض کی طرح ہے۔ جب وہ باہم گفتگو میں ہلاک ہو جائے تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ ”شرح الطحاوی“ میں اسی طرح ہے۔ ”حموی“۔

34136۔ (قوله: كَذَا فِي الْقُنْيَةِ) اس کی نص یہ ہے: جیسے رہن پر گفتگو کے طریقہ پر قبضہ کیا گیا ہو جب اس حقدار کی

(فَإِنْ هَلَكَ وَ (سَاوَتْ قِيَمَتُهُ الدِّينَ صَارَ مُسْتَوْفِيًا) دَيْنُهُ (حُكْمًا، أَوْ زَادَتْ كَانَ الْفَضْلُ أَمَانَةً) فَيُضْمَنُ بِالْتَّعْدِي (أَوْ نَقَصَتْ سَقَطَ بِقَدْرِهِ وَ رَجَعَ الْمُرْتَهَنُ (بِالْفَضْلِ) لِأَنَّ الْإِسْتِيفَاءَ بِقَدْرِ الْمَالِيَّةِ

اگر رہن ہلاک ہو جائے اور اس کی قیمت رہن کے برابر ہو جائے تو وہ اپنا دین حکماً پورے کا پورا لینے والا ہوگا یا زائد ہو تو زائد رہن مرتہن کے پاس امانت ہوگا۔ پس وہ تعدی کی صورت میں ضامن ہوگا یا کم ہو تو اس کے حساب سے ساقط ہو جائے گا اور مرتہن زائد کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ مالیت کی مقدار کے مطابق وصولی ہوتی ہے۔

وضاحت نہ کرے جس کے بدلے میں اس نے اسے رہن رکھا ہو جب کہ اس میں دین نہ ہو تو روایتوں میں سے اس صحیح روایت کے مطابق اس کی ضمانت نہ ہوگی۔

امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ، امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مرتہن جو چاہے گا اسے دے دے گا۔ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: میں ایک درہم سے کم مستحسن نہیں سمجھتا۔ مصنف بھی آنے والے باب میں اس کا ذکر کریں گے۔

34137۔ (قوله: فَإِنْ هَلَكَ الدِّينُ) زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس قول کو اپنے قول: المقبوض على سوم الرهن پر مقدم کرتے کیونکہ یہ ماقبل کا تتمہ ہے، ”ط“۔

اس کی وضاحت یہ ہے: جب ایک آدمی نے ایک کپڑا رہن کے طور پر رکھا جس کی قیمت دس ہو اور اسے دس کے عوض رہن رکھا گیا ہو تو وہ مرتہن کے پاس ہلاک ہو گیا تو اس کا دین ساقط ہو جائے گا۔ اگر اس کی قیمت پانچ ہو تو رہن سے پانچ اور کا مطالبہ کرے گا۔ اگر وہ پندرہ ہو تو زائد امانت ہوگی ”کفایہ“۔ ہلاک کو مطلقاً ذکر کیا ہے پس یہ اسے شامل ہوگا اگر یہ رہن کی ادائیگی کے بعد ہو۔ پس رہن وہ واپس لے گا جو اس نے دین ادا کیا تھا۔ کیونکہ ہلاک ہو جانے سے یہ واضح ہو گیا کہ وہ قبضہ کے سابقہ وقت سے ہی اسے وصول کرنے والا تھا ”بزازیہ“ وغیرہا۔ اور کتاب الرهن کے آخر میں ہوگا۔

34138۔ (قوله: فَيُضْمَنُ بِالْتَّعْدِي) اگر اس نے ایک کپڑا دس درہم کے عوض رہن کے طور پر رکھا جو بیس درہم کا تھا مرتہن نے رہن کی اجازت سے اسے پہنا تو اس میں چھ درہم کی کمی واقع ہوئی پھر اس نے اجازت کے بغیر اسے پہنا تو چار درہم کی کمی واقع ہوئی پھر وہ ہلاک ہو گیا جب کہ اس کی قیمت دس درہم تھی تو مرتہن اپنے دین میں سے صرف ایک درہم کا مطالبہ کرے گا اور نو درہم ساقط ہو جائیں گے۔ کیونکہ رہن رکھنے کے روز کپڑے کا نصف دین کے بدلے مضمون تھا اور اس کا نصف امانت تھا۔ اور رہن کے اذن سے کپڑا پہننے سے جو اس میں نقص واقع ہوا جو چھ ہے تو اس کا ضامن نہیں ہوگا اور اذن کے بغیر پہننے سے جو کمی واقع ہوئی جو چار درہم ہے تو اس کا ضامن ہوگا۔ تو دین میں سے اس مقدار کا ادا لے کا بدلہ ہو جائے گا جب وہ ہلاک ہو تو اس کی قیمت دس درہم تھی اس کا نصف مضمون تھا اور اس کا نصف امانت تھی۔ پس مضمون کی مقدار کا مرتہن اپنا حق وصول کرنے والا ہوگا اور اس کا ایک درہم باقی ہوگا جس کا وہ رہن سے مطالبہ کرے گا، ”ظہیریہ“ و ”خانیہ“، ملخص۔

(وَضَمِنَ) السُّرْتَهْنَ (بِدَعْوَى الْهَلَاكِ بِلَا بُرْهَانٍ مُطْلَقًا) سَوَاءٌ كَانَ مِنْ أَمْوَالٍ ظَاهِرَةٍ أَوْ بَاطِنَةٍ، وَخَصَّهُ مَالِكٌ بِالْبَاطِنَةِ (وَلَهُ طَلَبُ دَيْنِهِ مِنْ رَاهِنِهِ، وَلَهُ حَبْسُهُ بِهِ وَإِنْ كَانَ الرِّهْنُ فِي يَدِهِ لِأَنَّ) الْحَبْسَ جَزَاءُ مَطْلِهِ (وَلَهُ حَبْسٌ رَهْنِهِ بَعْدَ الْفَسْخِ) لِلْعَقْدِ (حَتَّى يَقْبِضَ دَيْنَهُ أَوْ يُبْرِئَهُ)

اور مرہن جب گواہوں کے بغیر رہن کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ ضامن ہوگا خواہ وہ اموال ظاہرہ میں سے ہو یا اموال باطنہ میں سے ہو۔ امام ”مالک“ نے اسے اموال باطنہ کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اور مرہن کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ راہن سے اپنے دین کا مطالبہ کرے اور دین کے بدلے میں اس کو مجبوس کر دے اگر زمین مرہن کے قبضہ میں ہو۔ کیونکہ مجبوس کرنا یہ اس کے ٹال مٹول کی جزا ہے اور عقد رہن کے فسخ کرنے کے بعد اس کو رہن کے مجبوس کرنے کا حق ہوگا یہاں تک کہ وہ اپنے دین پر قبضہ کر لے یا اس کو بری کر دے۔

مرہن جب گواہوں کے بغیر رہن کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کا حکم

34139۔ (قولہ: وَضَمِنَ بِدَعْوَى الْهَلَاكِ بِلَا بُرْهَانٍ) ”الدرر“ اور ”شرح المجمع المملکی“ میں اسی طرح ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اس کی قیمت جہاں تک پہنچے اور برہان کے بغیر اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ اور گواہیاں قائم کرنے کی صورت میں ضمان کی نفی ہو جائے گی۔ یہ امام ”مالک“ کا مذہب ہے۔ جہاں تک ہمارے مذہب کا تعلق ہے تو اس میں کوئی فرق نہیں کہ اس کا ہلاک ہونا ثابت ہو جائے اس کی قسم کے ساتھ اس کے قول سے ہو یا برہان کے ساتھ ہو جب کہ دونوں صورتوں میں اس کی قیمت اور دین میں سے جو کم ہوگا اس کے ساتھ اس کی ضمانت ہوگی جس طرح ”شرنبلائیہ“ میں حقائق سے نقل کرتے ہوئے اس کی وضاحت کی ہے۔ ”ابن حلی“ نے یہی فتویٰ دیا ہے۔ ”فتاویٰ کا زرونی“ اور فتاویٰ مصنف میں اسی طرح ہے۔

مصنف کی پیروی میں یہاں علامہ ”رملی“ کے قدم پھسلے ہیں اور قیمت کی ضمانت کا فتویٰ دیا ہے وہ خواہ قیمت کہاں تک پہنچے۔ جس طرح یہ ان کے فتاویٰ میں مسطور ہے۔ ”حاشیۃ المنح“ میں بھی اس کی صراحت کی ہے۔ جن علماء نے ان کا رد کیا ہے وہ صاحب ”الفتاویٰ رحیمیہ“ ہیں انہوں نے اپنے شیخ ”شرنبلائی“ کی اتباع میں یہ کہا ہے۔ کہا: یہ مذہب کے کلی طور پر مخالف ہے اور حق کی طرف رجوع کرنا یہ زیادہ مناسب ہے۔

34140۔ (قولہ: ظَاهِرَةٌ) جیسے حیوان، غلام اور جاندار یا باطنی ہو جیسی دونوں نقدیاں زیورات اور سامان تجارت، ”درر“۔

34141۔ (قولہ: وَخَصَّهُ مَالِكٌ بِالْبَاطِنَةِ) یعنی تہمت کی وجہ سے ضمان کو اموال باطنہ کے ساتھ خاص کیا

ہے، ”غرر الافکار“۔

34142۔ (قولہ: وَلَهُ حَبْسُهُ بِهِ) یعنی رہن کے بدلے میں رہن کو مجبوس کرنا۔

34143۔ (قولہ: لِلْعَقْدِ) یعنی رہن کا عقد۔ اشارہ اس طرف ہے کہ الف لام مضاف الیہ کے حذف کے عوض میں ہے۔

لَاِنَّ الرِّهْنَ لَا يَبْطُلُ بِمُجَرَّدِ الْفَسِيخِ بَلْ يَبْقَى رَهْنًا مَا بَقِيَ الْقَبْضُ وَالذَّيْنُ مَعَافٍ اِذَا فَاتَ أَحَدُهُمَا لَمْ يَبْقَ رَهْنًا زَيْدَعِي وَدُرٌّ وَغَيْرُهُمَا (لَا انْتِفَاعَ بِهِ مُطْلَقًا) لَا بِاسْتِخْدَامِهِ، وَلَا سُكْنَى وَلَا لُبْسٍ وَلَا اِجَارَةً وَلَا اِعَارَةً، سَوَاءٌ كَانَ مِنْ مُرْتَهِنٍ أَوْ رَاهِنٍ

کیونکہ رہن محض فسخ سے باطل نہیں ہو جاتا بلکہ جب تک قبضہ اور دین رہتے ہیں رہن باقی رہتا ہے جب دونوں میں سے کوئی ایک فوت ہو جاتا ہے تو رہن باقی نہیں رہتا، ”زیدعی“۔ ”درر“ وغیرہما۔ رہن سے مطلقاً انتفاع جائز نہیں نہ خدمت لینے کی صورت میں، نہ رہائش کی صورت میں، نہ پہننے کی صورت میں، نہ اجارہ کی صورت میں اور نہ ہی امارہ کی صورت میں خواہ یہ مرتہن کی جانب سے ہو یا راہن کی جانب سے ہو

34144۔ (قوله: لَا يَبْطُلُ بِمُجَرَّدِ الْفَسِيخِ) بلکہ اس کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ وہ اسے رہن کی طرف لوٹا دے۔

34145۔ (قوله: بَلْ يَبْقَى رَهْنًا) یعنی وہ مضمون رہے گا اگر وہ اس کے پاس ہلاک ہو جائے تو دین ساقط ہو جائے گا جب اس سے قرض کی مکمل ادائیگی ہوتی ہو، ”ہدایہ“۔

34146۔ (قوله: مَا بَقِيَ الْقَبْضُ وَالذَّيْنُ مَعَافٍ) یعنی مرتہن کے ہاتھ میں رہن کا قبضہ رہے اور دین راہن کے ذمہ رہے۔

34147۔ (قوله: اِذَا فَاتَ أَحَدُهُمَا) اس کی صورت یہ ہے کہ رہن کو واپس کر دیا یا رہن سے راہن کو بری کر دیا تو رہن باقی نہیں رہے گا پس ضمان ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ علت جب دو وصفوں والی تھی تو دونوں میں سے ایک کے معدوم ہونے سے حکم معدوم ہو جائے گا اگر سپرد کرنے سے قبل اور دین کی ادائیگی کے بعد ہلاک ہو جائے تو رہن کو اس پر لوٹا دے گا اور ضمان لے گا اور راہن وہ چیز واپس لے لے گا جو اس نے ادا کیا ہو گا جس طرح گزر چکا ہے اور آگے آئے گا۔ اور اس کا جواب ساتھ ہی اس میں جو ضعف ہے وہ ”عنایہ“ میں ہے۔

رہن سے انتفاع کا شرعی حکم

34148۔ (قوله: وَلَا اِجَارَةً) اگر مرتہن نے اجازت کے بغیر اسے اجرت پردے دیا تو اجرت اس کے لیے ہوگی

جس طرح کتاب الرهن کے آخر میں اس کی باقی ماندہ فروع کے ساتھ ذکر کریں گے۔

34149۔ (قوله: وَلَا اِعَارَةً) باب التصرف في الرهن میں عنقریب اس کے عاریۃ دینے کے احکام مؤذکر کریں گے

وہ اعارہ رہن کی جانب سے ہو یا اجنبی کی جانب سے ہو وہ اذن کے ساتھ ہو، اذن کے بغیر ہو۔

34150۔ (قوله: سَوَاءٌ كَانَ) کان کی ضمیر سے مراد الانتفاع ہے۔

34151۔ (قوله: مِنْ مُرْتَهِنٍ أَوْ رَاهِنٍ) پہلے کی تصریح عام متون میں ہے اور دوسرے کی تصریح ”درر اجارہ“،

”شرح مختصر الکفری“ اور ”شرح الزاہدی“ میں ہے۔ اس میں امام ”شافعی“ رضی اللہ عنہ کا اختلاف ہے۔ امام ”شافعی“ رضی اللہ عنہ کے نزدیک وطی کے بغیر اس سے نفع حاصل کرنا جائز ہے اور پہلے میں کوئی اختلاف نہیں جس طرح ”غرر الافکار“ میں ہے۔

﴿إِلَّا بِإِذْنٍ كُلِّ لِيَاخِرٍ، وَقِيلَ لَا يَحِلُّ لِلْمُرْتَهِنِ لِأَنَّهُ رَبًّا، وَقِيلَ إِنَّ شَرَطَهُ كَانَ رَبًّا وَإِلَّا لَا وَفِي الْأَشْبَاهِ وَالْجَوَاهِرِ أَبَاحَ الرَّاهِنِ لِلْمُرْتَهِنِ أَكْلَ الثِّمَارِ أَوْ سُكْنَى الدَّارِ أَوْ لَبَنَ الشَّاةِ الْمَرْهُونَةِ﴾

مگر جب یہ ایک دوسرے کو اجازت دے دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مرتہن کے لیے یہ حلال نہیں۔ کیونکہ یہ سود ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر وہ نفع اٹھانے کی شرط لگائے تو یہ ربا ہوگا ورنہ ربا نہیں ہوگا۔ ”اشباہ“ اور ”جواہر“ میں ہے: راہن نے مرتہن کو پھل کھانے، گھر کی رہائش یا مرہونہ بکری کا دودھ مباح کیا

ایک چیز باقی رہ گئی ہے اگر وہ رہن کے گھر میں سکونت اختیار کرے کیا اس پر اجرت لازم ہوگی؟ ”خیر یہ“ میں اس کا یہ جواب دیا ہے: اسے مطلقاً لازم نہ ہوگی راہن اس کی اجازت دے یا اجازت نہ دے، وہ منافع حاصل کرنے کے لیے تیار کیا گیا ہو یا منافع حاصل کرنے کے لیے تیار نہ کیا گیا ہو۔ اس کی مثل ”بزازیہ“ میں ہے۔ ”خیر یہ“ میں یہ بھی اس کا جواب دیا ہے: اگرچہ وہ گھر کسی یتیم کا ہو۔ کتاب الغصب کے آخر میں یہ گزر چکا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

34152۔ (قوله: إِلَّا بِإِذْنٍ) جب مرتہن راہن کی اجازت سے نفع حاصل کرے اور رہن اس کے استعمال کی حالت میں ہلاک ہو جائے تو وہ بغیر کسی اختلاف کے بطور امانت ہلاک ہو جائے گا مگر استعمال سے قبل یا اس کے بعد وہ رہن کے بدلے میں ہلاک ہوگا اگر وہ لونڈی ہو تو اس کے ساتھ وطی کرنا حلال نہیں۔ کیونکہ شرمگاہ کی حرمت بہت ہی شدید ہے لیکن اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی بلکہ ہمارے نزدیک اسی پر مہر واجب ہوگا۔ ”معراج“۔

34153۔ (قوله: وَقِيلَ لَا يَحِلُّ لِلْمُرْتَهِنِ) ”المنح“ میں کہا: ”عبداللہ محمد بن اسلم“ سمرقندی سے مروی ہے جب کہ وہ علماء سمرقند کے بڑے علما میں سے تھے: اس کے لیے حلال نہیں کہ کسی وجہ سے کچھ بھی نفع حاصل کرے اگرچہ راہن اسے اجازت دے۔ کیونکہ اس نے اسے سود کی اجازت دی ہے کیونکہ وہ اپنا دین پورا وصول کرے گا اور اس کے لیے منفعت زائدہ باقی رہے گی۔ پس یہ ربا ہوگا۔ یہ عظیم امر ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ عام معتبر کتابوں کے خلاف ہے کہ یہ اجازت کے ساتھ حلال ہے مگر اسے دیانت پر محمول کیا جائے۔ اور جو کچھ معتبرات میں ہے اسے حکم پر محمول کیا جائے۔ پھر میں نے ”جواہر الفتاویٰ“ میں دیکھا ہے۔ جب وہ مشروط ہو تو وہ دین قرض بن جاتا ہے جس میں منفعت ہو جب کہ یہ ربا ہے ورنہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ”المنح“ میں جو قول ہے وہ ملخص ہے ان کے بیٹے شیخ صالح نے اسے ثابت رکھا ہے۔ ”حموی“ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ جو سود ہو اس میں دیانت اور قضا میں فرق ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ تطبیق کی کوئی حاجت نہیں بعد اس کے فتویٰ مقدم قول پر ہے کہ یہ مباح ہے۔

میں کہتا ہوں: جو قول ”جواہر“ میں ہے وہ تطبیق کی صلاحیت رکھتا ہے جب کہ وہ قابل قدر ہے۔ علما نے اس کی مثل اس صورت میں ذکر کیا ہے: اگر قرض لینے والا قرض دینے والے کو کوئی چیز ہدیہ کے طور پر دے اگر شرط کے ساتھ دے تو یہ مکروہ ہوگا اگر شرط کے بغیر ہو تو مکروہ نہیں ہوگا۔ شارح نے ”جواہر“ سے بھی جو قول ذکر کیا ہے: لایضمن یہ اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ یہ ربا

فَأَكَلَهَا لَمْ يَضُنَّ وَلَهُ مَنَعُهُ، ثُمَّ أَفَادَ فِي الْأَشْبَاهِ أَنَّهُ يُكْرَهُ لِلْمُرْتَهِنِ الْإِثْتِفَاعُ بِذَلِكَ، وَسَيَجِيءُ آخِرَ
الرَّهْنِ (مَاتَتْ الشَّاةُ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ قُسِمَ الدِّينُ عَلَى قِيَمَةِ الشَّاةِ وَلَبِنَهَا الَّذِي شَرِبَهُ،

اور اس نے اس کو کھالیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا اور اسے روکنے کا حکم ہوگا۔ پھر ”الاشباہ“ میں یہ بیان کیا ہے کہ مرتہن کے لیے اس سے نفع حاصل کرنا مکروہ ہوتا ہے کتاب الرہن کے آخر میں یہ آئے گا۔ بکری مرتہن کے قبضہ میں مرگئی تو دین کو بکری کی قیمت اور اس کے دودھ کی قیمت پر تقسیم کیا جائے گا جس کو اس نے پیا تھا

نہیں ہے۔ کیونکہ رہا مضمون ہوتا ہے پس اسے غیر مشروط پر محمول کیا جائے گا، ”الاشباہ“ میں جو کراہت ہے وہ مشروط پر محمول ہو گی۔ شارح کا آنے والا قول جو کتاب الرہن کے آخر میں ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے۔ یہ تعلیل کہ یہ رہا ہے اس امر کا فائدہ دیتی ہے کہ کراہت تحریمی ہے، قائل۔ جب وہ مشروط ہو تو وہ ضامن ہوگا جس طرح ”خیر یہ“ میں اس آدمی کے بارے میں فتویٰ دیا جو زیتون کا درخت رہن رکھتا ہے اس شرط پر کہ مرتہن اس کا پھل کھائے یہ اس کے رہن کے بدلے میں صبر کرنے کی مثل ہے۔

”طحاوی“ نے کہا: میں کہتا ہوں: لوگوں کے اموال میں سے غالب یہ ہے کہ جب وہ رہن کی چیز دیتے ہیں کہ وہ نفع حاصل کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو اسے دراہم رہن کے طور پر نہ دیتا یہ شرط کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ معروف مشروط کی طرح ہے۔ یہ ان چیزوں میں سے ہے جو منع کی تعیین کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فائدہ: ”تاترخانیہ“ میں کہا جس کی نص یہ ہے: اگر ایک آدمی نے دراہم قرض پر لیے اور اپنا ادھا قرض دینے والے کے حوالے کیا تا کہ وہ دو ماہ تک اس کو استعمال کرے یہاں تک کہ وہ دین ادا کر دے یا وہ اپنا گھر دے تا کہ وہ اس میں رہائش رکھے تو یہ اجارہ فاسدہ کے قائم مقام ہوگا۔ اگر وہ اس سے کام لے تو اس پر اجرت مثلی ہوگی اور وہ رہن نہیں ہوگا۔ ہم کتاب الاجارات میں پہلے اس کو بیان کر چکے ہیں، فتنہ۔

34154۔ (قوله: فَأَكَلَهَا) کتاب الرہن کے آخر میں فتاویٰ مصنف سے یہ بات آئے گی ظاہر یہ ہے۔ اکل یہ اس کے ثمن کے کھانے کو شامل ہے۔

34155۔ (قوله: لَمْ يَضُنَّ) اور اس کے رہن میں سے کوئی شے ساقط نہ ہوگی ”قنیہ“۔ یعنی جب اصل ہلاک ہو جائے تو جس طرح اس کی وضاحت آگے آئے گی۔

34156۔ (قوله: وَسَيَجِيءُ) یہ بحث زیادہ وضاحت کے ساتھ آئے گی۔

34157۔ (قوله: مَاتَتْ الشَّاةُ الْخ) بعض نسخوں میں بطور متن کے یہ پایا جا رہا ہے اور بعض نسخوں سے ساقط ہے اور مصنف نے اس پر کچھ نہیں لکھا۔

34158۔ (قوله: الَّذِي شَرِبَهُ) یعنی جسے راہن کی اجازت سے اسے پیا جس طرح ”ولو الجیہ“ میں اس کی تصریح کی ہے۔ فائیم۔

فَحَظُّ الشَّاةِ يَسْقُطُ وَحَظُّ الدِّبَنِ يَأْخُذُهُ الْمُرْتَهِنُ، فَلَوْ حَصَلَ، إِلَّا تَتَفَاعُ قَبْلَ إِذْنِهِ (صَارَ مُتَعَدِّيًا وَلَمْ يَبْطُلْ) الرِّهْنُ (بِهِ وَإِذَا طَلَبَ) الْمُرْتَهِنُ (دَيْنَهُ أَمْرًا بِحَضَارٍ رَهْنِهِ) لِئَلَّا يَصِيرَ مُسْتَوْفِيًا مَرَّتَيْنِ إِلَّا إِذَا كَانَ لَهُ حَصْلٌ

پس بکری کا حصہ ساقط ہو جائے گا اور دودھ کا حصہ مرتہن وصول کرے گا۔ اگر نفع حاصل کرنا یہ راہن کی اجازت سے پہلے ہو تو وہ متعدی ہوگا اور اس کے ساتھ رہن کا عقد باطل نہیں ہوگا۔ جب مرتہن اپنے رہن کا مطالبہ کرے تو اسے اپنے رہن کو حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا تا کہ وہ اپنا حق دودفعہ وصول کرنے والا نہ ہو مگر جب اس کی بار برداری کی مؤنت ہو

34159۔ (قوله: وَحَظُّ الدِّبَنِ يَأْخُذُهُ الْمُرْتَهِنُ) یعنی مرتہن راہن سے وصول کرے گا۔ کیونکہ عنقریب یہ آئے گا کہ رہن کا نماصل کے ساتھ رہن ہوتا ہے جب مرتہن نے راہن کی اجازت سے اس کو تلف کیا تو وہ یوں ہو گیا گویا راہن نے اس کو تلف کر دیا۔ پس اس پر ضمانت ہوگی۔ پس رہن میں سے اس کا حصہ ہوگا۔ یہ ہمارے اس قول کا معنی ہے جو ابھی گزرا ہے یعنی جب اصل ہلاک نہ ہو۔ اس کی مکمل وضاحت کتاب الرہن کے آخر میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

34160۔ (قوله: صَارَ مُتَعَدِّيًا) پس غصب کی طرح اس کا ضامن ہوگا۔ اگر وہ متفق علیہ کی طرف لوٹ آئے تو وہ رہن کی حیثیت میں لوٹ آئے گا۔ اس کی مکمل وضاحت آگے آئے گی۔

جب مرتہن اپنے رہن کا مطالبہ کرے تو اسے اپنے رہن کو حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا

34161۔ (قوله: لِئَلَّا يَصِيرَ مُسْتَوْفِيًا مَرَّتَيْنِ) یہ اس تقدیر پر ہے کہ رہن ہلاک ہو جائے۔ ”غرر الافکار“ میں ہے: اگر رہن حاضر کرنے سے پہلے رہن ادا کرنے کا حکم دیا جائے تو بعض اوقات رہن ہلاک ہو جاتا ہے یا وہ ہلاک ہو چکا ہوتا ہے تو وہ اپنا رہن دودفعہ وصول کرنے والا ہوگا۔

34162۔ (قوله: إِلَّا إِذَا كَانَ لَهُ حَصْلٌ) کیونکہ وہ عاجز ہے ”شرح مجمع“۔ یعنی حکما عاجز ہے اس وجہ سے جو اسے مؤنت لاحق ہوتی ہے ”شلبی“ نے یہ نقل کیا ہے: اگر وہ رہن کے شہر میں ہو تو مطلقاً اس کو رہن حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ اگر حمل یا مؤنت نہ ہو تو حکم اسی طرح ہوگا۔ اگر اس کی بار برداری ہو تو اس کو حکم نہیں دیا جائے گا۔ ”شرح الجمع“ میں جو قول ہے اسے اس پر محمول کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ ان کی کلام کا متبادر معنی ہے لیکن اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ اس پر واجب تخلیہ ہے نقل نہیں جس طرح آگے آئے گا کہ یہ اس کے مخالف ہے جو ”بزازیہ“ میں ہے۔ کیونکہ کہا: اگر اس کے حاضر کرنے میں کوئی مشقت نہ ہو تو اسے اس کا حکم دیا جائے گا اگر اس سے اسے مؤنت لاحق ہوتی ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کسی اور جگہ ہو تو اسے اس کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

”الذخیرہ“ میں ہے: اصل یہ ہے کہ اگر مؤنت کے بغیر وہ حاضر کرنے پر قادر ہو تو راہن کو حق حاصل ہوگا کہ وہ ادائیگی

أَوْ عِنْدَ الْعَدْلِ لِأَنَّهُ لَمْ يَأْتِ بِشَرْحٍ مُّجْمِعٍ (فَإِنْ أَحْضَرَ سَلَّمَ) لَهُ (كُلُّ دَيْنِهِ أَوْ لَا ثُمَّ) سَلَّمَ الْمُرْتَهِنُ (رَهْنَهُ) تَحْقِيقًا لِلتَّسْوِيَةِ (وَإِنْ طَلَبَ) دَيْنَهُ (فِي غَيْرِ بَلَدِ الْعَقْدِ) لِلرَّهْنِ (فَكَذَلِكَ) الْحُكْمُ (إِنْ لَمْ يَكُنْ لِلرَّهْنِ مُؤَنَّةٌ، وَإِنْ كَانَ) لِحَبْلِهِ مُؤَنَّةٌ (سَلَّمَ دَيْنَهُ وَإِنْ لَمْ يُحْضَرْ) لِأَنَّ الْوَاجِبَ عَلَيْهِ التَّسْلِيمُ بِغَيْرِ التَّخْلِيَةِ لَا الثَّقُلِ مِنْ مَكَانٍ إِلَى مَكَانٍ وَنَقَلَ الْقَهْصَتَانِ عَنِ الذَّخِيرَةِ أَنَّهُ لَوْ لَمْ يَقْدِرْ عَلَى إِحْضَارِهِ أَصْلًا مَعَ قِيَامِهِ

یا وہ کسی عادل آدمی کے پاس موجود ہو۔ کیونکہ اس نے مرتہن پر اعتماد نہیں کیا تھا ”شرح مجمع“۔ اگر وہ حاضر کر دے تو پہلے اس کا پورا دین حوالے کرے گا پھر مرتہن رہن حوالے کرے گا۔ یہ تسویہ کی تحقیق کے لیے ہے۔ اگر وہ اپنے دین کا مطالبہ عقد رہن کے شہر کے علاوہ میں کرے تو حکم اسی طرح ہوگا۔ اگر رہن کی مؤنت نہ ہو اگر اس کے اٹھانے کی مؤنت ہے تو وہ اپنے دین کو سپرد کرے گا اگرچہ وہ رہن حاضر نہ کرے۔ کیونکہ اس پر واجب سپرد کرنا ہے۔ یہ تخلیہ کے معنی میں ہے ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل کرنا نہیں، ”قہستانی“ نے ”ذخیرہ“ سے نقل کیا ہے: اگر وہ اصلاً اس کو حاضر کرنے پر قادر نہ ہو جب کہ وہ موجود ہو

سے رک جائے۔ اگر رہن کے ہوتے ہوئے اصلاً قادر نہ ہو یا مؤنت کے بغیر قادر نہ ہو تو وہ نہ ر کے پھر کلام کے بعد کہا: اگر وہ رہن کے شہر میں اسے ملے اور رہن لونڈی ہو تو اس کے حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ بغیر مشقت کے اس کے حاضر کرنے پر قادر ہوتا ہے ہم نے اس میں قیاس کو ترک کر دیا ہے جس میں مؤنت لاحق ہوتی ہے۔ پس باقی ماندہ قیاس کے اصل پر باقی رہیں گے، ملخص، فاقمل۔

34163۔ (قوله: أَوْ عِنْدَ الْعَدْلِ) عنقریب یہ متن میں آئے گا۔

34164۔ (قوله: ثُمَّ سَلَّمَ الْمُرْتَهِنُ رَهْنَهُ) اگر سپرد کرنے سے پہلے وہ ہلاک ہو جائے تو راہن نے جو ادا کیا وہ واپس لے لے گا۔ کیونکہ سابقہ قبضہ کی وجہ سے رہن کے ہلاک ہونے کے ساتھ وہ حق وصول کرنے والا ہو جائے گا۔ پس دوسری دفعہ ایک دفعہ حق وصول کرنے کے بعد دوسری دفعہ حق وصول کرنا ہے۔ پس اس کا لوٹنا واجب ہے، ”ہدایہ“۔ عنقریب کتاب الرہن کے آخر میں آئے گا۔

34165۔ (قوله: تَحْقِيقًا لِلتَّسْوِيَةِ) یعنی ہر ایک کے حق کی تعیین میں۔ ”الذخیرہ“ میں کہا: کیونکہ مرتہن نے راہن کا حق تعیین کر لیا تو راہن پر واجب ہے کہ وہ مرتہن کے حق کو متعین کرے مگر دراہم اور دنانیر کی تعیین یہ سپرد کرنے کے ساتھ واقع ہوتی ہے تاکہ تعیین حاصل ہو جائے۔ یہی دین کو پہلے سپرد کرنے کے واجب ہونے کی تعلیل ہے۔ جہاں تک رہن کے حاضر کرنے کا تعلق ہے تو یہ شارح کے قول میں گزر چکا ہے تاکہ وہ دو دفعہ اپنا حق وصول کرنے والا نہ ہو، فافہم۔

34166۔ (قوله: لِلرَّهْنِ) یہ عقد کے متعلق ہے۔

34167۔ (قوله: مَعَ قِيَامِهِ) یعنی رہن موجود ہو۔ اس قول کے ساتھ اس سے احتراز کیا ہے کہ جب وہ اس پر قادر

لَمْ يُؤْمَرْ بِهِ فَلْيُحْفَظْ (وَ لَكِنْ لِلرَّاهِنِ أَنْ يُخَلِّفَهُ بِاللَّهِ مَا هَلَكَ) وَ هَذَا كُلُّهُ إِذَا ادَّعَى الرَّاهِنُ هَلَاكَهٗ، أَمَّا إِذَا لَمْ يَدَّعِ فَلَا فَائِدَةً فِي إِحْضَارِهِ، وَ كَذَا الْحُكْمُ عِنْدَ كُلِّ نَجْمٍ حَلٍّ

تو اسے یہ حکم نہیں دیا جائے گا۔ پس اس کو یاد رکھا جائے۔ لیکن راہن کو حق حاصل ہے کہ وہ مرہن سے قسم لے کہ رہن ہلاک نہیں ہوا۔ یہ سب حکم اس صورت میں ہے جب راہن اس کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے۔ مگر جب وہ اس کے ہلاک ہونے کا دعویٰ نہ کرے تو اس کے حاضر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس طرح کا حکم ہوگا ہر اس قسط کے وقت جس کا وقت آ پہنچا ہو نہ ہو کیونکہ رہن ہلاک ہو چکا ہے۔

34168۔ (قوله: لَمْ يُؤْمَرْ بِهِ) یعنی جس طرح وہ اس پر قادر نہ ہو مگر اس میں مؤنت کی وجہ سے جو اسے لاحق ہوتی ہے۔ یہ قول ”الذخیرہ“ میں بھی مذکور ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

34169۔ (قوله: وَ لَكِنْ لِلرَّاهِنِ الْخ) یہ ان کے قول وان لم يحضره کا استدراک ہے۔ اور ان (شارح) کا قول لم يومر به ما قبل کی تفسیر ہے متن کی عبارت اس کو بیان کرتی ہے لکن کے لفظ کے ساتھ اسے لائے ہیں۔ یہ ”ذخیرہ“، ”کفایہ“ وغیرہما کی عبارت کی موافقت ہے، فافہم

34170۔ (قوله: أَنْ يُخَلِّفَهُ) یعنی قطعی طور پر اس سے قسم لے کیونکہ یہ اس کے قبضہ میں ہلاک ہونے پر اس سے قسم کا مطالبہ ہے، ”ذخیرہ“۔

مرہون کے حاضر کرنے کے مطالبہ پر راہن کا حق ہے

34171۔ (قوله: وَ كَذَا الْحُكْمُ عِنْدَ كُلِّ نَجْمٍ حَلٍّ) یعنی اگر دین کی قسطیں بنائی گئی ہوں تو ایک قسم کی ادائیگی کا وقت آ پہنچا ہو۔ ”النبایہ“ میں کہا: جس طرح مرہن کو اس امر کا مکلف بنایا جائے گا کہ وہ رہن کو حاضر کرے تاکہ پورے کا پورا رہن لے لے تو اسے اس قسط کی ادائیگی کا مکلف بنایا جائے گا جس کی ادائیگی کا وقت آ پہنچا ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب راہن رہن کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے اور قاضی سے اس امر کا مطالبہ کرے کہ وہ اسے حاضر ہونے کا حکم دے تاکہ اس کا حال ظاہر ہو جائے اور وہ اسے اس کے بارے میں حکم دے اگر وہ رہن والے شہر میں ہو۔ مگر جب وہ رہن کے ہلاک ہو جانے کا دعویٰ نہ کرے تو اس کے حاضر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں، ملخص۔ اس کی مثل ”زیلعی“ میں ہے۔ علامہ ”طرسوسی“ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اپنے اس قول هذا اذا ادعى الراهن هلاك الرهن کی قید انہوں نے اپنی جانب سے لگائی ہے اسے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا۔ یہ فاسد ہے۔ کیونکہ یہ تو قضا میں احتیاط کو ترک کرنا ہے بلکہ قاضی اس کو حاضر کرنے کا حکم دے گا اگرچہ راہن رہن کے ہلاک ہونے کا دعویٰ نہ کرے تاکہ وہ دود دفعہ حق وصول کرنے والا نہ ہو جائے۔ مگر راہن اس کے باقی رہنے کی تصدیق کرے۔ ”ابن ہبان“ نے اسے ثابت رکھا ہے اور کہا: میرے پاس جو کتب تھیں میں نے اس میں تلاش کیا تو میں نے یہ قید نہ پائی۔ اور ان کی عبارت اس قول کی صحت کا فائدہ دیتی ہے جس کو ”طرسوسی“ نے ذکر کیا

کَمَا حَرَّرَهُ ابْنُ الشَّحْنَةِ

جس طرح ”ابن شحنے“ نے تحریر کیا ہے۔

ہے اور قیاس اس قول کی صحت کا تقاضا کرتا ہے جو ”النبہایہ“ میں ہے۔ کیونکہ اصل ہلاک نہ ہونا ہے۔ اور مرہون کے حاضر کرنے کا مطالبہ یہ راہن کا حق ہے جب وہ اس کو طلب نہ کرے تو حاکم پر یہ واجب نہیں کہ وہ مرتہن کو اس پر مجبور کرے اور ہلاک نہ ہونے کی قسم لینا ان چیزوں میں جن میں رہن کے لیے بار برداری اور مشقت ہوتی ہے یہ اس طرح ہے کہ ان دونوں قولوں کی بنا پر اسے حاضر کرنے کا حکم دیا جائے۔ یہ ابن شحنے کی ”شرح وہبانیہ“ کی تلخیص ہے: پھر ”ابن شحنے“ نے مسئلہ کی وضاحت کی اور اس میں تفصیل کو اختیار کیا وہ گزشتہ تعلیل کی وجہ سے مکمل رہن کی ادائیگی والے مسئلہ میں مطلقاً حاضر کرنا لازم ہے۔ جہاں تک اس کی ایک قسط دینے کا مسئلہ ہے تو رہن (مرہون) کو حاضر کرنا لازم نہیں مگر جب رہن اس کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے کیونکہ دین کی ایک قسط دینے کے ساتھ وہ مرتہن پورا حق وصول کرنے والا نہیں۔ پس اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ تمام رہن حاضر کرے لیکن اس کے ہلاک ہونے کے دعویٰ کی صورت میں طلب کی طرف توجہ کی جائے گی۔ پس اسے حاضر کرنا لازم ہوگا۔ پھر قسم کا مطالبہ اسی تفصیل پر ہوگا، ملخص۔

اس تفصیل کو آنے والے اشعار میں ذکر کیا ہے: ”شرنبلائی“ نے کہا: شارح نے یہ سمجھا ہے کہ مدعی کے مطالبہ کے تقیید صرف اس صورت میں ہے جب وہ صرف ایک قسط ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہے لیکن یہ غیر مسلم ہے۔ لیکن ”زیلعی“ کا کلام جان چکا ہے جو ”نبہایہ“ کے کلام کے منافی ہے۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ سے مدد کا طالب ہوں جو امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ حق صاحب ”نبہایہ“ کے ساتھ ہے اور قید دونوں مسئلوں کے لیے ہے جس طرح شارح نے سمجھا ہے۔ پس قاضی پر یہ لازم نہیں ہوگا کہ مرتہن کو رہن حاضر کرنے کا حکم دے مگر جب راہن مطالبہ کرے اور ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے۔ کیونکہ یہ اس کا حق ہے۔ اس پر یہ قول دالمت کرتا ہے کہ ”ذخیرہ“ میں ہلاک نہ ہونے پر تحلیف کو راہن کے مطالبہ کے ساتھ مقید کیا ہے۔ ”قبستانی“ نے ان کی پیروی کی ہے۔ اس کی مثل ”غرر الافکار“ میں ہے۔

”بزازیہ“ میں ہے: اگر راہن اس کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے تو مرتہن اس کے موجود ہونے پر قسم اٹھائے گا۔ جب مرتہن قسم اٹھا دے تو راہن کو حکم دیا جائے گا کہ وہ دین ادا کر دے۔ اور علماء نے اسے اس صورت کے ساتھ مقید نہیں کیا کہ وہ پورا دین دے یا اس کی ایک قسط دے جو قول گزر چکا ہے۔ اس سے تو یہ جان چکا ہوگا کہ مرہون کو حاضر کرنے کا حکم اور مرتہن سے قسم لینا برابر ہے جب کہ نزاع ان دونوں کے درمیان ہے جب منقول یہ ہے کہ قاضی پر یہ واجب نہیں کہ مرتہن سے قسم لے مگر وہ حق دار کے مطالبہ پر ایسا کر سکتا ہے تو اسی طرح یہ واجب نہیں کہ وہ مرہون کے حاضر کرنے کا حکم دے۔ یہ امر مطلق ہے۔ یہ میرے فہم قاصر کے ساتھ ظاہر ہوا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

34172۔ (قوله: کَمَا حَرَّرَهُ ابْنُ الشَّحْنَةِ) جس کی انہوں نے وضاحت کی ہے وہ تفصیل ہے جس طرح تو جان

وَقَالَ نَظْمًا وَلَا دَفْعَ مَالٍ يُحْضِرُ الرِّهْنَ أَوْ يَكُنْ بِغَيْرِ مَكَانِ الْعَقْدِ وَالْحَصْلُ يَعْصُرُ كَذَا النِّجْمِ أَوْ لَا دُونَ
دَعْوَى مَدِينَةٍ هَلَاكَ وَهَذَا فِي النِّهَائَةِ يُذَكِّرُ

جب تک وہ رہن کو حاضر نہ کرے تو راہن پر رہن دینا لازم نہیں یا مرتہن عقد رہن کے علاوہ مکان میں ہو اور رہن کو اٹھالانا مشکل ہو۔ اسی طرح قسط پہلے دینا لازم ہے جب تک مدیون رہن کے ہلاک ہونے کا دعویٰ نہ کرے۔ یہ ”نہایہ“ میں مذکور ہے۔

چکا ہے۔ ”طحاوی“ نے یہ بیان کیا ہے۔

34173۔ (قوله: وَلَا دَفْعَ الْخ) یعنی راہن مکمل دین ادا نہیں کرے گا جب تک مرتہن رہن حاضر نہیں کرے گا اگرچہ راہن رہن کے ہلاک ہونے کا دعویٰ نہ کرے مگر جب وہ عقد رہن کے شہر کے علاوہ مکان میں ہو اور اس کی بار برداری میں مؤنت ہو پس وہ رہن ادا کرے گا اور اسے حق حاصل ہوگا کہ مرتہن سے رہن کے ہلاک نہ ہونے پر قسم لے۔ ان کا قول كَذَا النِّجْمِ اس سے مراد یہ ہے: وہ قسط ادا نہیں کرے گا جس کی ادائیگی کا وقت آچکا ہو جب تک مرتہن رہن کو حاضر نہ کرے اگرچہ وہ رہن کے ہلاک ہونے کا دعویٰ نہ کرے۔ اس وقت قسط اور مکمل رہن کا حکم برابر ہے۔ یہ اس کے علاوہ ہے جو ”نہایہ“ میں ہے۔ جو قول ”النہایہ“ میں ہے اس کو بنیاد بنایا جائے تو دونوں میں فرق ہے اس حیثیت سے کہ قسط میں مرتہن کو رہن حاضر کرنے کا حکم اس وقت تک نہیں دیا جائے گا جب تک راہن اس کے ہلاک ہونے کا دعویٰ نہ کرے۔ انہوں نے اپنے قول اول سے آخر تک اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان کے قول كَذَا النِّجْمِ کا اس پر عطف ہے اور جس کی لا کے ساتھ نفی کی گئی ہے وہ محذوف ہے جس پر ماقبل کلام کا مضمون دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ ان کا قول مَالٍ يُحْضِرُ الرِّهْنَ یہ اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اسے حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا یعنی مرتہن کو قسط کی صورت میں رہن حاضر کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا مگر جب راہن ہلاک ہو جانے کا دعویٰ کرے۔ یہ اس نظم کی وضاحت ہے جو ”ابن شحنے“ نے سمجھا کہ ”نہایہ“ کے کلام میں ہلاک ہونے کے دعویٰ کی قید صرف قسط کے مسئلہ کی طرف پھیرا جائے گا۔ اور دونوں میں جو فرق کا دعویٰ کیا ہے اور اس میں جو ضعف ہے اس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

34174۔ (قوله: أَوْ يَكُنْ الْخ) یہ اس تفصیل کی مؤید ہے جو پہلے گزر چکی ہے، ”ط“۔ ”ساحانی“ نے کہا: یہاں الا کے معنی میں ہے۔ اس کے بعد جو فعل ہے اس کا حق یہ ہے کہ ان مضمرة کے ساتھ اس کو نصب دی جائے مگر اس کی وجہ سے جزم وارد ہوئی ہے اس کا عطف یحضر پر صحیح ہے یعنی لا دفع مالم یکن الخ معنی ہوگا: اس عرصہ تک دینا واجب نہیں جب تک وہ عقد رہن کے مکان کے علاوہ نہ ہو، یعنی جب تک وہ عقد کے مکان میں ہو۔ کیونکہ نفی کی نفی، اثبات ہوتا ہے۔ لیکن ان کا قول والحصل یعسر بعید ہے۔ کیونکہ جب وہ عقد کے مکان میں ہو تو بار برداری کی ضرورت نہیں مگر یہ کہا جائے: یہ ممکن ہے کہ اس نے اسے اپنے گھر منتقل کر دیا ہو پھر شعر کا معنی یہ ہو وہ دین ادا نہ کرے جب رہن عقد کے شہر میں ہو مگر جب مرتہن اسے حاضر کر دے جب تک اس کے لیے بار برداری اور مشقت نہ ہو۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ اس کے مخالف ہوگا جو ”شلبی“ سے روایت گزر چکی ہے۔ یہ اس قول کی تائید کرتا ہے جو ہم نے پہلے ”بزازیہ“ اور ”الذخیرہ“ سے نقل کیا ہے لیکن وہ بعید ہے، قائل۔

(وَلَا يُكَلِّفُ مُرْتَهِنٌ قَدْ طَلَبَ دَيْنَهُ إِحْضَارَ رَهْنٍ قَدْ وُضِعَ عِنْدَ الْعَدْلِ بِأَمْرِ الرَّاهِنِ وَلَا إِحْضَارَ شَيْنٍ رَهْنٍ بَاعَهُ الْمُرْتَهِنُ بِأَمْرِهِ) أَيْ بِأَمْرِ الرَّاهِنِ (حَتَّى يَقْبِضَهُ) لِإِذْنِهِ بِذَلِكَ (وَحِينَئِذٍ فَإِذَا قَبِضَهُ) أَيْ الشَّيْنُ (يُكَلِّفُ إِحْضَارَهُ) لِقِيَامِ الْبَدْلِ مَقَامَ الْمُبْدَلِ (وَلَا يُكَلِّفُ مُرْتَهِنٌ مَعَهُ رَهْنُهُ تَنكِينَ الرَّاهِنِ مِنْ بَيْعِهِ لِيَقْضَى دَيْنُهُ) بِشَمْنِهِ لِأَنَّ حُكْمَ الرَّهْنِ الْحَبْسُ الدَّائِمُ حَتَّى يَقْبِضَ دَيْنُهُ (وَلَا يُكَلِّفُ مَنْ قُضِيَ بَعْضُ دَيْنِهِ)

جب مرتہن نے اپنے دین کا مطالبہ کیا اسے رہن کے حاضر کرنے کا مکلف نہیں بنایا جائے گا جس نے رہن راہن کے حکم سے ایک آدمی کے پاس رکھا تھا۔ اور نہ ہی اس کو اس امر کا مکلف بنایا جائے گا کہ وہ اس شے کو حاضر کرے جس کو مرتہن نے راہن کے حکم سے بیچا تھا یہاں تک کہ وہ اس پر قبضہ کر لے۔ کیونکہ اس نے خود اس کی اجازت دی تھی۔ اس وقت جب اس نے شے پر قبضہ کر لیا تو اسے اس کو حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ بدل مبدل منہ کے قائم مقام ہے۔ اور وہ مرتہن جس کے پاس رہن موجود ہے اسے اس امر کا مکلف نہیں بنایا جائے گا کہ وہ راہن کو یہ قدرت دے کہ وہ رہن کو بیچ دے تاکہ اس کی شے کے ساتھ اپنا دین ادا کرے۔ کیونکہ رہن کا حکم دائمی جس ہے یہاں تک کہ اس کے رہن پر قبضہ کر لے اور جس کا بعض ادا کیا گیا یا اس کے بعض دین سے بری کیا

34175۔ (قوله: وَلَا يُكَلِّفُ مُرْتَهِنٌ الْخ) کیونکہ مرتہن پر اعتماد نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اسے کسی اور کے قبضہ میں دیا گیا پس اس کو سپرد کرنا اس کی قدرت میں نہیں۔

34176۔ (قوله: عِنْدَ الْعَدْلِ) اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے ہاں رہن رکھا جاتا ہے اور اس کے لیے مخصوص باب آئے گا۔

34177۔ (قوله: بِأَمْرِ الرَّاهِنِ) یہ وضع کے متعلق ہے۔

34178۔ (قوله: لِإِذْنِهِ بِذَلِكَ) یعنی اس نے بیع کی اجازت دی تھی۔ پس یہ ایسے ہو گیا گویا انہوں نے رہن کو فسخ کیا اور شے رہن ہو گیا اور اسے اس کے سپرد نہیں کیا بلکہ اسے عادل آدمی کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ اس کی مکمل بحث ”ہدایہ“ اور اس کی شروح میں ہے۔

34179۔ (قوله: تَنكِينَ الرَّاهِنِ مِنْ بَيْعِهِ) یعنی رہن کو سپرد کرنے کا مکلف نہیں بنایا جائے گا تاکہ اسے دین کے بدلے میں بیچ دے۔ کیونکہ بیع کا عقد اس چیز سے ہے جس پر روکنے پر مرتہن کو قدرت حاصل نہیں، ”شرعیہ لایہ“۔ ہاں بیع کا نفاذ مرتہن کی اجازت پر یا رہن کی ادائیگی پر موقوف ہے۔ اور اصح قول کے مطابق اس کے فسخ کرنے سے وہ فسخ نہیں ہوگا جس طرح اس کی وضاحت آگے آئے گی۔

34180۔ (قوله: وَلَا يُكَلِّفُ مَنْ قُضِيَ الْخ) من سے مراد مرتہن ہے قضی یہ مجہول کا صیغہ ہے اور بعض کا لفظ

أَوْ أَبْرَأَ بَعْضَهُ (تَسْلِيمَ بَعْضَ رَهْنِهِ حَتَّى يَقْبِضَ الْبَقِيَّةَ مِنَ الدِّينِ) أَوْ يُبْرِئَهَا اِعْتِبَارًا بِحَبْسِ السَّبِيْعِ (وَيَجِبُ) عَلَى الْمُرْتَهِنِ (أَنْ يَحْفَظَهُ بِنَفْسِهِ وَعِيَالِهِ) كَمَا فِي الْوَدِيعَةِ (وَضَمِنَ إِنْ حَفِظَ بغيرِهِمْ) كَمَا مَرَّ فِيهَا (وَضَمِنَ بِإِيْدَاعِهِ) وَإِعَارَتِهِ وَإِجَارَتِهِ وَاسْتِخْدَامِهِ

اس کو اس امر کا مکلف نہیں بنایا جائے گا کہ وہ اپنے رہن کے بعض کو سپرد کر دے یہاں تک کہ وہ باقی ماندہ رہن پر قبضہ کر لے یا اس باقی ماندہ سے بری کر دے اسے بیع کے مجبوس کرنے پر قیاس کیا جائے گا۔ مرتہن پر واجب ہے کہ وہ رہن کی خود اور اپنے عیال کے ذریعے حفاظت کرے جس طرح ودیعت میں ہوتا ہے۔ اگر اس نے ان کے علاوہ کسی دوسرے فرد کے ذریعے اس کی حفاظت کی تو وہ اس کا ضامن ہوگا جس طرح ودیعت کے باب میں یہ گزر چکا ہے۔ وہ رہن کسی اور کو ودیعت کرے، عاریۃ دے، اجارہ پردے، اس سے خدمت لے

نائب الفاعل ہے یعنی اس دین کا بعض جو راہن پر ثابت ہے اور ان کا قول اذا برأ یہ معروف کا صیغہ ہے۔

34181۔ (قوله: اِعْتِبَارًا بِحَبْسِ السَّبِيْعِ) یعنی بیع جو بائع کے پاس مجبوس رہتا ہے۔ کیونکہ بائع پر یہ لازم نہیں کہ وہ بعض ثمن پر قبضہ کرنے کی صورت میں رہن کا بعض سپرد کر دے۔ لیکن اگر وہ دو غلام رہن کے طور پر رکھے اور ہر ایک کے لیے رہن میں سے کسی شے کا ذکر کرے تو اس نے جو معین کیا تھا اس کی ادائیگی سے ایک پر قبضہ کر سکتا ہے۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے جس طرح آنے والے باب میں اس کا ذکر کریں گے۔

رہن کی حفاظت مرتہن پر اور اس کے عیال کے ذمہ واجب ہے

34182۔ (قوله: وَعِيَالِهِ) کسی شخص کے عیال میں سب سے معتبر یہ ہے کہ وہ اس کو اپنے ساتھ رکھتا ہو خواہ اس کا نفقہ اس کے ذمہ ہو یا نفقہ اس کے ذمہ نہ ہو جیسے بیوی، ولد اور خادم اور اس کے اس عیال میں بیوی، خاوند اور اجیر خاص جو مہینہ اور مال کے اعتبار سے ہونہ کہ دنوں کے اعتبار سے۔ عیال کے قائم مقام شرکت مفادضہ اور شرکت عنان کا شریک ہوگا۔ بیوی اور بچے میں یہ شرط نہیں کہ دونوں اس کے عیال میں ہوں۔ ”غرر الافکار“۔

اگر مرتہن نے رہن کسی اور کو ودیعت کر دیا اس سے خدمت لی تو تعدی کی صورت میں ضامن ہوگا

34183۔ (قوله: وَضَمِنَ الْخ) اس فعل کا مفعول ان کا آنے والا یہ قول ہے کل قیستہ پس یہ غصب کا ضمان ہے رہن کا ضمان نہیں۔ مراد یہ ہے جب ان امور کے سبب سے ہلاک ہو جائے۔ ہر وہ فعل جس کی وجہ سے مودع چٹی بھرے گا مرتہن بھی اس کے باعث چٹی ادا کرے گا اور جس کی وجہ سے مودع چٹی ادا نہیں کرے گا مرتہن بھی چٹی ادا نہیں کرے گا مگر ودیعت تلف ہونے کی صورت میں اس کی ضمانت نہیں ہوگی جس طرح ”جامع الفصولین“ میں ہے۔ اس میں سے اگر وہ مخالفت کرے پھر وہ اصل کی طرف لوٹ آئے تو وہ چیز اپنے مال پر ہی رہن ہوگی۔ اگر موافقت کا دعویٰ کرے اور اس کا راہن اس کو جھٹلا دے تو اس کے رہن کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ مرتہن نے ضمان کے سبب کا اقرار کیا ہے۔

(وَتَعْدِيهِ كُلَّ قِيَمَتِهِ) فَيَسْقُطُ الدِّينُ بِقَدَرِهِ (وَكَذَا) يَضُنُّ (كُلَّ قِيَمَتِهِ بِجَعْلِ خَاتَمِ الزَّهْنِ فِي خِنَصِرِهِ) سَوَاءٌ جَعَلَ فَضَّهُ لِبَطْنٍ كَفِّهِ أَوْ لَا، وَبِهِ يُفْتَى بُرْجَنْدِي (الْيُسْرَى أَوْ الْيُمْنَى) عَلَى مَا اخْتَارَهُ الرَّضِيُّ لَكِنْ قَدْ مُنَّافِي الْحَظَرِ عَنِ الْبُرْجَنْدِيِّ هُنَا أَنَّهُ شِعَارُ الرَّوَافِضِ وَأَنَّهُ يَجِبُ الشَّحْرُزُ عَنْهُ فَتَنَّبَهُ قُلْتُ وَلَكِنْ جَرَتْ الْعَادَةُ فِي زَمَانِنَا بِدُبْسِهِ

اور اس پر تعدی کرے تو اس پر مکمل قیمت (واجب ہوگی)۔ پس اسی حساب سے دین ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح اس کی مکمل قیمت کا ضامن ہوگا جب رہن کی انگوٹھی اپنی خضرانگی میں ڈالے خواہ اس کا نگینہ اپنی ہتھیلی کے باطن کی طرف کرے یا ایسا نہ کرے۔ یہی فتویٰ دیا جاتا ہے ”برجندی“۔ وہ خضر بائیں ہاتھ کی ہو یا دائیں ہاتھ کی ہو جیسا کہ ”رضی“ نے اختیار کیا ہے۔ لیکن ہم نے کتاب الحظر میں ”برجندی“ سے یہ نقل کیا تھا کہ یہ روافض کا شعار ہے اس سے بچنا واجب ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جائے۔ لیکن میں کہتا ہوں: ہمارے زمانے میں یہ معمول ہے کہ اسے اسی طرح پہنا جاتا ہے

تنبیہ: اگر مرتبہن مجہول رکھتے ہوئے مرگیا تو وہ ضامن ہوگا جس طرح ”خیریہ“ وغیرہ میں ہے۔

34184۔ (قوله: وَتَعْدِيهِ) یہ عام کا خاص پر عطف ہے جیسے قراءت، بیع، پہننا، سوار ہونا اور رہائش رکھنا جب کہ یہ

اذن کے بغیر ہو، ”قبستانی“۔

34185۔ (قوله: كُلَّ قِيَمَتِهِ) یعنی وہ جہاں تک پہنچے کیونکہ وہ غاصب ہو چکا ہے ”اقتانی“۔ ”ہدایہ“ میں ہے: کیونکہ

دین کی مقدار سے زائد امانت ہوتی ہے اور امانات میں تعدی کی جائے تو اس کی ضمانت ہوتی ہے۔

34186۔ (قوله: فَيَسْقُطُ الدِّينُ بِقَدَرِهِ) یعنی اس کا تمام دین ساقط ہو جائے گا اس حال میں کہ دین اس کی

مقدار کے برابر ہو جو اس نے ضمانت اٹھائی تھی ورنہ دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی سے اس کا مطالبہ کرے گا جو بچ گیا ہے اولیٰ یہ تھا کہ وہ اس کو حذف کرے۔ کیونکہ اس قول میں اس امر کی تفصیل ہے جو عنقریب متن میں آ رہا ہے۔

34187۔ (قوله: عَلَى مَا اخْتَارَهُ الرَّضِيُّ) میں یہ کہتا ہوں: جو ”بزازیہ“ وغیرہما میں ہے یہ ”سرخسی“ کا اختیار ہے۔

گویا جو یہاں ہے وہ لکھنے والوں کی تحریف ہے۔ کیونکہ جو سب جانتا ہو یہ نام ہمارے ائمہ میں سے کسی پر مشہور نہیں، تاہل۔

34188۔ (قوله: لَكِنْ قَدْ مُنَّافِي الْحَظَرِ عَنِ الْبُرْجَنْدِيِّ هُنَا) یعنی ”شرح البرجندی“ سے اس محل میں۔ وہ

کتاب الرہن ہے پھر جیسے کتاب الحظر میں پہلے ذکر کیا ہے اسے ”برجندی“ کی طرف منسوب نہیں کیا۔ ہاں اسے ”درمشتقی“

کی طرف منسوب کیا ہے۔ کیونکہ کہا: اسی ”برجندی“ نے کتاب الرہن میں ”کشف بزدوی“ سے نقل کیا ہے: بعض نسخوں میں

فیہا کے لفظ کی جگہ ہے فقال ”ط“: ای فی الیمن۔

34189۔ (قوله: أَنَّهُ) یعنی اگر اسے دائیں ہاتھ میں رکھے یعنی انگوٹھی دائیں ہاتھ میں ڈالے۔

34190۔ (قوله: قُلْتُ وَلَكِنْ الْخ) یہ وہ معنی ہے جسے الحظر میں پہلے بیان کیا ہے کہ یہ شعار تھا اور وہ ختم ہو چکا ہے۔

كَذَلِكَ فَيَنْبَغِي لِرُؤْمِ الضَّحَّانِ قِيَّاسًا عَلَى مَسْأَلَةِ السَّيْفِ الْآتِيَةِ فَلْيُحَرَّرْ لَا يَجْعَلُهُ فِي أُصْبُعٍ أُخْرَى إِلَّا إِذَا كَانَ الْمُرْتَهَنُ امْرَأَةً فَتَضَمَّنْ لِأَنَّ النِّسَاءَ يَلْبَسْنَ كَذَلِكَ فَيَكُونُ اسْتِعْمَالًا لَا حِفْظًا ابْنُ كَمَالٍ مَعْرِفًا لِلزَّيْدِيِّ (و) مِثْلُهُ (تَقْلُدُ سَيَفِي الرِّهْنِ لَا الثَّلَاثَةِ) فَإِنَّ الشُّجْعَانَ يَتَقَلَّدُونَ فِي الْعَادَةِ بِسَيَفَيْنِ

پس چاہیے کہ تلوار کے آنے والے مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے ضمان لازم کی جائے۔ پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے اسے دوسری انگلی میں نہ ڈالے مگر جب مرتہن عورت ہو تو وہ ضامن ہوگی۔ کیونکہ عورتیں اسی طرح پہنتی ہیں پس یہ استعمال ہوگا حفاظت نہ ہوگی۔ ”ابن کمال“۔ جب کہ ”زیلعی“ کی طرف منسوب ہے۔ اور اسی کی مثل ہے وہ رہن کی دو تلواریں گلے میں لٹکا لے، نہ کہ تین۔ کیونکہ بہادر لوگ عام معمول کے مطابق دو تلواریں لٹکاتے ہیں

ہم نے وہاں پہلے بیان کیا ہے کہ دائیں اور بائیں میں برابری یہی حق ہے۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک نبی کریم سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ پھر یہ استدراک پر استدراک ہے۔ پس متن میں جو دونوں میں برابری کی ہے اس کی تائید ہے۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ وہ ان دونوں انگلیوں میں پہنتا ہو پس یہ استعمال ہوگا حفاظت نہ ہوگی۔ اسی وجہ سے وہ ضامن ہوگا اس تعبیر کی بنا پر ان کا قول ینبغی اس کی کوئی حاجت نہیں۔ کیونکہ یہ بعینہ وہی چیز ہے جو متن میں ہے۔ ”ہدایہ“ وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔ پس بحث اور قیاس کے ساتھ اس کو ثابت کرنے کی ضرورت نہیں جس کے قیاس کے ہم اہل نہیں۔

34191۔ (قوله: لَا يَجْعَلُهُ الْخ) اس جملے کا عطف مصنف کے قول: بجعل خاتم الرهن في خنصره پر ہے یعنی جب وہ انگوٹھی خنصر کے علاوہ میں ڈالے تو ضامن نہیں ہوگا۔

اس میں اصل یہ ہے کہ مرتہن کو اس کی حفاظت کی اجازت دی گئی ہوتی ہے اسے اس کے استعمال کی اجازت نہیں ہوتی۔ پس انگوٹھی کو خنصر میں ڈالنا یہ استعمال ہے جو ضمان کا موجب ہے۔ اس کے علاوہ انگلی میں ڈالنا یہ حفاظت ہے پہننا نہیں۔ کیونکہ عادت میں اس کا قصد نہیں کیا جاتا۔ پس ضمانت نہ ہوگی۔ اسی طرح بڑی چادر کا معاملہ ہے۔ اگر وہ اس طرح پہنے جس طرح طیلسان زیب تن کی جاتی ہے تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ یہ استعمال ہے ورنہ جیسے وہ اسے گردن پر رکھ لے تو ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ حفاظت ہے۔ پھر جسے حفاظت شمار کیا جاتا ہے اسے استعمال شمار نہیں کیا جاتا۔ اس میں ضمانت کے نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ غصب کی ضمانت نہیں دے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اصلاً ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کی قیمت اور اس کے دین میں سے جو کم ہوگا اس کا ضامن ہوگا جس طرح ”شرح طحاوی“ میں اس کی تصریح کی ہے، ”اتقانی“، ملخص۔

34192۔ (قوله: فَإِنَّ الشُّجْعَانَ الْخ) ”ہدایہ“ اور ”تبيين“ میں اسی طرح ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہی ہے کہ ضمان لازم ہوگی اگرچہ مرتہن بہادر نہ ہو حالانکہ انہوں نے انگوٹھی کے پہننے میں مرتہن کی حالت کا اعتبار کیا ہے۔ ظاہر یہ ہے یہاں مراد یہ ہے کہ جب وہ بہادروں میں سے ایک ہو۔ اس کی دلیل ”قاضی خان“ وغیرہ کا قول ہے: دو تلواروں کی صورت میں جب مرتہن اور تلواریں گلے میں ڈالتا ہے تو ضامن ہوگا۔ کیونکہ یہ استعمال ہے۔ پس مرتہن کی حالت کی طرف دیکھا ہے جس طرح

لَا الثَّلَاثَةَ (وَفِي لُبْسِ خَاتِمِهِ) أَيْ خَاتَمِ الرِّهْنِ (فَوْقَ آخِرِ يَرْجِعُ إِلَى الْعَادَةِ) فَإِنْ كَانَ مِنْ يَتَجَبَّلُ بِلُبْسِ خَاتَمَيْنِ ضَمِنَ وَإِلَّا كَانَ حَافِظًا فَلَا يَضْمَنُ (ثُمَّ إِنَّ قَضَى بِهَا) أَيْ بِالْقِيَمَةِ الْمَذْكُورَةِ (مِنْ جَنْسِ الدِّينِ يَنْتَقِيَانِ قِصَاصًا بِسُجْرَدِهِ) أَيْ بِسُجْرَدِ الْقَضَاءِ بِالْقِيَمَةِ (إِذَا كَانَ الدَّيْنُ حَالًا وَطَالَبَ الْمُرْتَهَنُ الرَّاهِنَ بِالْفَضْلِ إِنْ كَانَ) ثَمَّةَ فَضْلٍ (وَإِنْ) كَانَ الدَّيْنُ (مَوْجَلًا يَضْمَنُ الْمُرْتَهَنُ قِيَمَتَهُ وَتَكُونُ رَهْنًا عِنْدَهُ، فَإِذَا حَلَّ الْأَجَلَ أَخَذَهُ بِدَيْنِهِ وَإِنْ قَضَى بِالْقِيَمَةِ مِنْ خِلَافِ جَنْسِهِ كَانَ الضَّمَانُ رَهْنًا عِنْدَهُ إِلَى قَضَاءِ دَيْنِهِ) لِأَنَّهُ بَدَلَ الرِّهْنِ فَأَخَذَ حُكْمَهُ

تین تلواریں نہیں لٹکاتے۔ رہن والی انگوٹھی کو دوسری انگوٹھی پر پہننا یہ عادت کی طرف لوٹے گی اگر یہ ان لوگوں میں سے ہے جو دو انگوٹھیاں پہننے کے ساتھ خوبصورتی حاصل کرتا ہے تو وہ ضامن ہوگا ورنہ وہ حفاظت کرنے والا ہوگا۔ پس ضامن نہ ہوگا۔ پھر اگر وہ مذکور قیمت کے ساتھ ادا کرے جو رہن کی جنس سے ہے تو وہ ادلے کے بدلہ کے طور پر مل جائیں گے یعنی محض قیمت کے ساتھ ادائیگی کی صورت میں ایسا ہوگا جب رہن فوری ادا کرنا ہو اور مرتہن رہن سے زیادتی کا مطالبہ کرے گا اگر وہاں کچھ زیادتی ہو۔ اگر دین موجد ہو تو مرتہن اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور وہ اس کے پاس رہن ہوگا۔ جب وقت مقررہ آجائے گا تو وہ اپنے دین کے عوض اسے لے لے گا اگر قیمت کے ساتھ ادائیگی کرے جب کہ وہ دین کی جنس سے نہ ہو تو ضمان دین کی ادائیگی تک اس کے پاس رہن ہوگی۔ کیونکہ یہ رہن کا بدلہ ہے۔ پس یہ اس کا حکم لے گی۔

انگوٹھی میں ہے جو یہاں ہے اسے اس پر محمول کیا جائے تو منافات ختم ہو جاتی ہے، فافہم۔

34193۔ (قوله: لَا الثَّلَاثَةَ) پس یہ حفظ ہوگا استعمال نہیں ہوگا پس وہ ضامن نہیں ہوگا۔

34194۔ (قوله: وَفِي لُبْسِ خَاتِمِهِ الْخ) اسی طرح اگر اس نے اس کے پاس دو انگوٹھیاں رہن رکھیں تو اس نے

ایک انگوٹھی پر دوسری انگوٹھی پہن لی، ”زیلعی“۔

34195۔ (قوله: يَرْجِعُ إِلَى الْعَادَةِ) یعنی مرتہن کی جو عادت ہے اگرچہ کسی اور کی عادت کے خلاف ہو جس طرح اس

کے مابعد قول سے اخذ کیا جاتا ہے۔

34196۔ (قوله: ثُمَّ إِنَّ قَضَى بِهَا الْخ) یہ اس کی تفصیل اور بیان ہے جس کو پہلے مجمل ذکر کیا ہے۔

34197۔ (قوله: أَيْ بِالْقِيَمَةِ الْمَذْكُورَةِ) یعنی ان کے قول کل قیستہ۔

34198۔ (قوله: مِنْ جَنْسِ الدِّينِ) یعنی دراہم اور دنانیر دو جنسیں ہیں جو مختلف ہیں جس طرح ”شرح حموی“ سے

مستفاد ہے ”ابوسعود“۔ ”طحاوی“ نے کہا: ”معدن مکی“ میں اس کی تصریح کی ہے۔

34199۔ (قوله: وَطَالَبَ الْمُرْتَهَنُ الرَّاهِنَ بِالْفَضْلِ) یعنی دین میں سے جو اس پر زائد ہو جس کی اس نے ضمان

اٹھائی تھی اگر دین قلیل ہو تو راہن مرتہن سے زیادتی کا مطالبہ کرے گا۔ اگر یہ اس طرح کا قول کرتے جو ”زیلعی“ میں ہے تو یہ

(وَأَجْرَةُ بَيْتِ حِفْظِهِ وَحَافِظِهِ) وَمَا وَى الْغَنَمِ (عَلَى الْمُرْتَهِنِ وَأَجْرَةُ رَاعِيهِ) لَوْ حَيَوَانًا (وَنَفَقَةُ الرِّهْنِ وَالْخَرَاجُ وَالْعُشْرُ) (عَلَى الرَّاهِنِ) وَالْأَصْلُ فِيهِ أَنَّ كُلَّ مَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ لِمَصْلَحَةِ الرِّهْنِ بِنَفْسِهِ وَتَبْقِيَّتِهِ فَعَلَى الرَّاهِنِ لِأَنَّهُ مِلْكُهُ، وَكُلُّ مَا كَانَ لِحِفْظِهِ فَعَلَى الْمُرْتَهِنِ لِأَنَّ حَبْسَهُ لَهُ وَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا يَلْزَمُ شَيْءٌ مِنْهُ لَوْ اشْتَرَطَ عَلَى الرَّاهِنِ قَهْستَانِي عَنْ الذَّخِيرَةِ

رہن کی حفاظت کے کمرہ، اس کے نگہبان اور ریوڑ کے باڑہ کی اجرت مرتہن پر ہوگی اور اس کے چرواہے کی اجرت راہن پر ہوگی۔ اگر رہن حیوان ہو رہن کا نفقہ، خراج اور عشر راہن کے ذمہ ہوگا۔ اس میں قاعدہ یہ ہے کہ رہن کی مصلحت اور اس کی بقا کی مصلحت کے لیے جس چیز کی خدمت ہو تو وہ راہن کے ذمہ ہوگی۔ کیونکہ رہن اس کی ملکیت ہے اور ہر وہ عمل جو اس کی حفاظت کے لیے ہو تو وہ مرتہن کے ذمہ ہوگا۔ کیونکہ اس کو مجبوس کرنا یہ مرتہن کے لیے ہے۔ یہ جان لو کہ اس میں سے کوئی شے لازم نہ ہوگی اگر وہ راہن پر شرط لگائے۔ ”قہستانی“ نے ”ذخیرہ“ سے نقل کیا ہے۔

زیادہ جامع ہوتا وہ قول یہ ہے: و طالب کل واحد منها صاحبہ بالفضل۔

34200۔ (قوله: وَحَافِظِهِ) اس کی بیت پر عطف ہے۔

34201۔ (قوله: وَنَفَقَةُ الرِّهْنِ) جیسے اس کا کھانا، مشروب، غلام کا لباس، رہن کے بچے کی دائی کی اجرت، باغ کو سیراب کرنے، نہر کھودنے، بھجوروں کے ملاقہ، ان کو کاٹنے اور اس کے مصالح کو بجالانے کی اجرت یہ راہن کے ذمہ ہوگی، ”ہدایہ“۔

فرع: ایک آدمی نے ایک غلام معین روٹی کے عوض بیچا بائع اور مشتری نے باہم قبضہ نہ کیا یہاں تک کہ غلام روٹی کھا گیا تو بائع ثمن وصول کرنے والا ہو جائے گا۔ یہ صورت مختلف ہوگی اگر ایک آدمی ایک قفیز جو کے عوض جانور رہن رکھے تو جانور نے جو نکالے تو مرتہن اپنا دین وصول کرنے والا نہیں ہوگا۔ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں نفقہ بائع کے ذمہ تھا اور دوسری صورت میں راہن کے ذمہ تھا۔ ”جوہرہ“، ملخص۔

34202۔ (قوله: وَالْخَرَاجُ وَالْعُشْرُ) یہ رفع کے ساتھ ہے اور اجرة پر اس کا عطف ہے۔

”بزازیہ“ میں ہے: سلطان نے مرتہن سے خراج یا عشر لیا تو وہ راہن سے اس کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ اگر اس نے نفلی طور پر دیا تو وہ احسان کرنے والا ہے۔ اگر اس کو مجبور کیا گیا تو سلطان نے اس پر ظلم کیا اور مظلوم ظالم سے ہی مطالبہ کرے گا۔

اگر رہن اور اس کی بقا کی مصلحت کے لیے کسی چیز کی ضرورت ہو تو اس کا حکم

34203۔ (قوله: فَعَلَى الرَّاهِنِ) خواہ رہن میں زیادتی ہو یا نہ ہو، ”ہدایہ“۔

34204۔ (قوله: لِأَنَّهُ مِلْكُهُ) پس اسی پر کفایت اور مؤنت ہے۔

34205۔ (قوله: شَيْءٌ مِنْهُ) یعنی اس میں سے جو مرتہن پر واجب ہو۔

وَأَمَّا مُؤَنَّةٌ رَدَّهَ كَجُعَلٍ أَبَقِ (أَوْ رَدَّ جُزْءَ مِنْهُ) كَمَدَاوَاةٍ جَرِيحٍ (إِلَى يَدِهِ) أُنَى إِلَى يَدِ الْمُرْتَهِنِ (فَتَنْقَسِمُ عَلَى الْمَضْمُونِ وَالْأَمَانَةِ فَالْمَضْمُونُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ وَالْأَمَانَةُ مَضْمُونَةٌ عَلَى الرَّاهِنِ) لَوْ قِيمَتُهُ أَكْثَرُ مِنَ الذِّينِ وَإِلَّا فَعَلَى الْمُرْتَهِنِ، وَكَذَا مُعَالَجَةُ أَمْرَاضٍ وَقُرُوحٍ وَفِدَاءِ جَنَائِيَةٍ (وَكُلُّ مَا وَجَبَ عَلَى أَحَدِهِمَا فَأَذَاهُ الْآخَرُ كَانَ مُتَبَرِّعًا إِلَّا أَنْ يَأْمُرَهُ الْقَاضِي بِهِ وَيَجْعَلُهُ دَيْنًا عَلَى الْآخَرِ) فَحِينَئِذٍ يَرْجِعُ عَلَيْهِ،

جہاں تک اس کے مرتہن کی طرف لوٹانے کی مؤنت کا تعلق ہے جیسے بھاگ جانے والے غلام کا انعام یا اس کے کسی جز کو واپس لانے کی مؤنت جیسے زخمی کا علاج تو یہ مضمون اور امانت پر تقسیم ہوگی۔ پس مضمون مرتہن پر لازم ہوگا اور امانت راہن کے ذمہ ہوگی اگر اس کی قیمت دین سے زیادہ ہو، ورنہ مرتہن کے ذمہ لازم ہوگا۔ اسی طرح امراض اور زخموں کا علاج معاہدہ ہے اور جنایت کا فدیہ ہے۔ اور ہر وہ شے جو دونوں میں سے ایک پر واجب ہو اور دوسرا اسے ادا کر دے تو وہ تبرع ہوگا مگر قاضی اس کا حکم دے اور دوسرے پر اسے دین قرار دے اس وقت وہ اس سے مطالبہ کرے گا

”جوہرہ“ میں ہے: اگر راہن نے مرتہن کے لیے رہن کی حفاظت پر اجرت کی شرط لگائی تو وہ کسی شے کا مستحق نہیں ہوگا۔ کیونکہ حفاظت کرنا اس پر واجب ہے۔ ودیعت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ حفاظت کرنا مودع پر واجب نہیں۔
34206۔ (قوله: كَمَدَاوَاةٍ جَرِيحٍ) یعنی زخمی کے عضو کا علاج کرنا یا اس کی آنکھ کا علاج کرنا جو سفید ہو چکی ہو اس کی مثل جس کا ذکر کریں گے۔

34207۔ (قوله: عَلَى الْمَضْمُونِ) یعنی جو مرتہن کی ضمان میں داخل ہو اور امانت اس کے برعکس ہے۔
34208۔ (قوله: وَإِلَّا فَعَلَى الْمُرْتَهِنِ) یعنی صرف مرتہن کے ذمہ ہوگی کیونکہ وہ اس امر کا محتاج ہے کہ حق وصول کرنے کا قبضہ اس کی طرف لوٹ آئے جو اس کے لیے تھا۔
34209۔ (قوله: وَكَذَا) یعنی مضمون اور امانت پر تقسیم ہوگا جس طرح ”ہدایہ“ وغیرہ میں ہے۔ ”بزازیہ“ میں ہے: دوا کی ثمن اور طبیب کی اجرت مرتہن کے ذمہ ہے۔ ”قدوری“ نے یہ ذکر کیا ہے کہ امانت میں سے جو حصہ ہے وہ راہن کے ذمہ ہے۔ اور مشائخ میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے کہا: دوائی کی قیمت مرتہن کے ذمہ ہے یہ اس پر لازم ہوگی۔ اگر زخم اس کے قبضہ میں واقع ہو، اگر راہن کے پاس زخم لگے تو یہ راہن کے ذمہ ہوگا۔ بعض علماء نے کہا: ہر حال میں یہ مرتہن کے ذمہ ہے۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ کا مطلق ذکر کرنا یہ اس پر دلالت کرتا ہے۔

34210۔ (قوله: كَانَ مُتَبَرِّعًا) کیونکہ وہ اس میں مجبور نہیں ہے کیونکہ قاضی کے پاس مسئلہ پیش کرنا ممکن ہے۔
34211۔ (قوله: فَحِينَئِذٍ يَرْجِعُ عَلَيْهِ) اگر انکار کرنے والا راہن ہو تو مرتہن اس سے مطالبہ کرے گا خواہ مرتہن موجود ہو یا موجود نہ ہو۔ پس وہ نفقہ کے عوض رہن نہیں ہوگا۔ پس اس کے بدلے میں اسے مجبوس کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ یہ امام صاحب رحمہ اللہ کا قول ہے ”بزازیہ“۔

وَبِجَرْدِ أَمْرِ الْقَاضِي بِلَا تَصْرِيحٍ يَجْعَلُهُ دَيْنًا عَلَيْهِ لَا يَرْجِعُ كَمَا فِي الْمُلْتَقَطِ - وَعَنْ الْإِمَامِ لَا يَرْجِعُ لَوْ صَاحِبُهُ حَاضِرًا مُطْلَقًا خِلَافًا لِلثَّانِي، وَهِيَ فَرْعٌ مَسْأَلَةِ الْحَجْرِ زَيْدَعِي (قَالَ الرَّاهِنُ الرَّهْنُ غَيْرُ هَذَا وَقَالَ الْمُرْتَهِنُ بَلْ هَذَا هُوَ الَّذِي رَهْنَتْهُ عِنْدِي فَالْقَوْلُ لِلْمُرْتَهِنِ) لِأَنَّهُ الْقَابِضُ،

محض قاضی کے حکم سے جب کہ وہ اس کی تصریح نہ کرے کہ اس نے اسے دوسرے پر مرتہن قرار دیا ہو اس کا مطالبہ نہیں کرے گا جس طرح ”الملتقط“ میں ہے۔ ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: وہ مطلقاً مطالبہ نہیں کرے گا اگر اس کا ساتھی حاضر ہو۔ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ یہ مسئلہ حجر کی فرع ہے، ”زیلعی“۔ راہن نے کہا: رہن رکھی چیز اس کے علاوہ تھی مرتہن نے کہا: بلکہ یہ وہی چیز ہے جو تو نے میرے پاس رہن رکھی تو قول مرتہن کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہی قابض ہے۔

34212۔ (قوله: لَا يَرْجِعُ) اکثر مشائخ کا یہی نقطہ نظر ہے۔ کیونکہ یہ امر الزام کے لیے نہیں بلکہ یہ امر منافع کے پیش نظر ہے۔ یہ حکم بطور ثواب یا بطور دین کے درمیان متردد ہے۔ اور ادنیٰ زیادہ بہتر ہوتا ہے جب تک اعلیٰ پر نص قائم نہ کرے جس طرح ”ذخیرہ“ میں ہے۔

یہ چیز باقی رہ گئی ہے جب شہر میں قاضی نہ ہو یہ وہ ظالم قاضیوں میں سے ہو علامہ ”مقدسی“ نے کہا: نفقہ پر مرتہن کی تصدیق نہیں کی جائے گی مگر گواہوں کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی یعنی اس کی تصدیق نہ کی جائے گی کہ اس نے خروج کیا تا کہ وہ واپس لے لے کر جب واپسی پر گواہ قائم کر دے جیسا میرے لیے امر ظاہر ہوا ہے، ”سأحانی“۔

34213۔ (قوله: وَعَنْ الْإِمَامِ الْخ) یہ قول حاضر میں اختلاف کی حکایت بیان کرتا ہے کیونکہ متن میں جو قول ہے وہ غائب میں فرض کیا گیا ہے۔

34214۔ (قوله: مُطْلَقًا) یعنی اگرچہ یہ قاضی کے حکم سے ہو کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کرے اور وہ اس کے ساتھی کو اس بارے میں حکم دے، ”ح“۔

34215۔ (قوله: خِلَافًا لِلثَّانِي) کیونکہ انہوں نے کہا: وہ حاضر اور غائب سے واپسی کا مطالبہ کرے جس طرح ”ذخیرہ“ میں ہے۔ لیکن ”خانیہ“ میں ہے: اگر وہ حاضر ہو اور وہ خرچ کرنے سے انکار کر دے اور قاضی اس کا حکم دے دے تو وہ اس سے واپسی کا مطالبہ کرے گا۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، ”تہستانی“۔ مفتی بہ قول امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اس تعبیر کی بنا پر حاضر اور غائب کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ یہ متن کے اطلاق کا ظاہر معنی ہے۔

رہن رکھی چیز میں راہن اور مرتہن کے درمیان اختلاف ہو جائے تو اس کا حکم

34216۔ (قوله: وَهِيَ فَرْعٌ مَسْأَلَةِ الْحَجْرِ) کیونکہ قاضی حاضر کے خلاف ولایت نہیں رکھتا اور اس کا امر اس پر نافذ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر اس کا امر اس پر نافذ ہو جائے تو وہ مجبور ہو جائے گا جب کہ قاضی ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر حجر کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر حجر کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ پس اس پر اس کا امر نافذ

بِخِلَافِ مَا لَوْ ادَّعَى الْمُرْتَهِنُ رَدَّهُ عَلَى الرَّاهِنِ بَعْدَ قَبْضِهِ فَإِنَّ الْقَوْلَ لِلرَّاهِنِ لِأَنَّهُ الْمُنْكَرُ، فَإِنْ بَرَّهْنَا فَلِلرَّاهِنِ أَيْضًا وَيَسْقُطُ الدَّيْنُ لِإِثْبَاتِهِ الزِّيَادَةِ، وَلَوْ قَبْلَ قَبْضِهِ فَالْقَوْلُ لِلْمُرْتَهِنِ لِإِنْكَارِهِ دُخُولَهُ فِي ضَمَانِهِ، وَإِنْ بَرَّهْنَا فَلِلرَّاهِنِ لِإِثْبَاتِهِ الضَّمَانِ بَرَّازِيَّةً

یہ صورت مختلف ہوگی اگر مرتہن دعویٰ کرے کہ اس نے قبضہ کے بغیر راہن کو چیز واپس کر دی تھی تو قول راہن کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہی منکر ہے۔ اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو راہن کا قول بھی معتبر ہوگا اور دین ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے زیادتی کو ثابت کیا ہے۔ اگر یہ قبضہ سے پہلے ہو تو قول مرتہن کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ اس امر کا انکار کرے گا کہ وہ اس کی ضمان میں داخل ہے۔ اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو قول راہن کا معتبر ہوگا کیونکہ وہ ضمان کو ثابت کر رہا ہے، ”بزازیہ“۔

ہو جائے گا، ”زیلعی“۔

34217۔ (قوله: بِخِلَافِ مَا لَوْ ادَّعَى الْمُرْتَهِنُ رَدَّهُ الْخ) یعنی وہ رد کے بعد ہلاک ہو جائے اور راہن اس پر یہ دعویٰ کرے کہ وہ مرتہن کے پاس ہلاک ہوا ہے۔

34218۔ (قوله: لِأَنَّهُ الْمُنْكَرُ) کیونکہ وہ دونوں اس پر متفق ہیں کہ وہ ضمان میں داخل ہے اور مرتہن براءت کا دعویٰ کرتا ہے اور راہن اس کا انکار کرتا ہے تو قول اس کا معتبر ہوگا، ”بدائع“۔

34219۔ (قوله: وَيَسْقُطُ الدَّيْنُ) یعنی اس کے ہلاک ہونے سے دین ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ کلام اس کے بارے میں ہے، ”ط“۔

34220۔ (قوله: لِإِثْبَاتِهِ الزِّيَادَةِ) یہ ان کے قول فللراہن ایضا کی علت ہے، ”ط“۔
”البدائع“ کی عبارت ہے: اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو گواہیاں بھی راہن کی ہی تسلیم کی جائیں گی۔ کیونکہ یہ دین کے وصول کر لینے کو ثابت کرتی ہیں اور مرتہن کی گواہیاں اس کی نفی کرتی ہیں پس جو امر کو ثابت کرے وہ اولیٰ ہے۔ یہ اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ مرتہن کی گواہیاں قبول کی جائیں گی جب وہ منفرد ہوں۔ ”شرنبلائی“۔

34221۔ (قوله: وَلَوْ قَبْلَ قَبْضِهِ) زیادہ بہتر یہ کہنا ہے: ولو فی ہلاکہ قبل قبضہ، یعنی اگر دونوں دین کے ہلاک ہونے میں اختلاف کریں تو مرتہن نے یہ گمان کیا کہ وہ راہن کے ہاتھ میں اس پر قبضہ سے پہلے ہلاک ہو گیا اور مرتہن نے کہا: قبضہ کے بعد ہلاک ہوا۔ ”ط“۔

34222۔ (قوله: بَرَّازِيَّةً) اس کی عبارت یہ ہے: راہن نے مرتہن کے پاس اس کے ہلاک ہونے اور دین کے ساقط ہونے کا گمان کیا اور مرتہن نے یہ گمان کیا کہ اس نے اس پر قبضہ کے بعد اسے راہن کو واپس کر دیا تھا اور وہ چیز راہن کے پاس ہلاک ہوئی تو قول راہن کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ اس پر ایسی واپسی کا دعویٰ کرتا ہے جو بعد میں واقع ہوئی جب کہ راہن اس کا انکار کرتا ہے اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو بھی راہن کی گواہیاں قبول ہوں گی اور راہن ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ زیادتی کو

ثابت کرتا ہے۔ اگر مرتہن یہ گمان کرے کہ وہ راہن کے ہاتھ میں قبضہ سے پہلے ہلاک ہو گیا تو قول مرتہن کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کے ضمان میں داخل ہونے کا انکار کرتا ہے اگر دونوں گواہیاں قائم کریں تو راہن کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ ضمان کو ثابت کرتا ہے۔ یہ واضح عبارت ہے اس پر کوئی غبار نہیں، ”ط“۔

تنبیہ

اس سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ مسئلہ ہلاک ہونے کے دعویٰ میں فرض کیا گیا ہے اور اختلاف اس کے زمانہ میں ہے کہ کیا وہ واپس کرنے سے پہلے تھا یا اس کے بعد تھا۔ یہی عام کتابوں میں مذکور ہے۔ مگر جب اختلاف واپس کرنے کے دعویٰ میں ہو جب کہ ہلاک ہونے کا ذکر نہ کرے تو ”شرنبالی“ نے اس میں ایک رسالہ لکھا جس کا نام ”الامتناع فی الراحن والمرتہن اذا اختلفا فی رد الرهن ولم یذکر الضیاع“ رکھا۔ حکم کے جواب میں اس میں تردد کا اظہار کیا۔ اور کہا: بعض اوقات یہ جواب دیا جاتا ہے کہ قول قسم کے ساتھ راہن کا قبول کیا جائے گا ”معراج الدراية“ میں اس پر اس قول کے ساتھ نص قائم کی ہے: اگر رہن کے لوٹانے میں دونوں اختلاف کریں تو بغیر کسی اختلاف کے قول راہن کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ منکر ہے۔ کہا: لیکن بعض اوقات اس کو اس پر محمول کیا جاتا ہے کہ جب دونوں واپس کر دے اور اس کے ہلاک ہونے میں اختلاف کریں۔ کیونکہ ”معراج“ کی کلام کا سیاق ہلاک ہونے میں جو اختلاف ہے اس بارے میں ہے۔ علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ رہن ایسی ودیعت کے قائم مقام ہے جو مرتہن کے قبضہ میں ہے۔ اور یہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے۔ اور ہر امین یہ دعویٰ کرتا ہے کہ امانت اس کے مستحق تک پہنچ چکی ہے۔ مستحق کی زندگی میں ہو یا اس کی وفات کے بعد ہو قبول کیا جائے گا۔ پس جو اس قاعدہ کلیہ سے مرتہن کے مستحق ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس پر اس کی وضاحت لازم ہے۔ ”معراج“ کے کلام کا اس کے ساتھ معارضہ کیا جاتا ہے: اگر مرتہن رہن کے اس کے پاس ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے اور راہن اس کا انکار کرے تو قول قسم کے ساتھ مرتہن کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ امین ہے جس طرح مودع اور مستعیر ہوتا ہے حالانکہ راہن منکر ہوتا ہے۔ پھر کہا: جو کچھ ”معراج“ میں ہے اس کا اعتبار کیا جائے تو کیا دین کی مقدار ساقط ہو جاتی ہے اور زائد کی ضمانت نہیں ہوگی یا اصلاً کوئی ضمان نہ ہوگی یہ امانت اور راہن کے اقرار، کہ دین ادا نہیں ہوا، کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے یا وہ تمام قیمت کا ضامن ہوگا۔ پس حاکم اور مفتی کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور اسے اس نص میں غور کرنا چاہیے جو اس امر کا فائدہ دے، ملخص۔

میں کہتا ہوں: رہن اور دوسری امانات میں فرق ظاہر ہے۔ کیونکہ رہن دین کے بدلے میں مضمون ہوتا ہے پس رد کرنے میں کیسے اس کی تصدیق کی جاسکتی ہے مگر جس کے ساتھ ”معراج“ کی کلام کا معارضہ کیا ہے تو یہ امر مخفی نہیں کہ معارضہ وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ عندہ میں ضمیر اگر مرتہن کے لیے ہو تو اس کا کوئی معنی نہیں کہ قول اس کا معتبر ہو۔ کیونکہ دین مرتہن کے پاس رہن کے ہلاک ہونے سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ پس کوئی معارضہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنی ذات سے ضمان کی نفی نہیں کی۔ اور

يَجُوزُ لَهُ السَّفَرُ بِهِ بِالرَّهْنِ (إِذَا كَانَ الطَّرِيقُ أَمْنًا) كَمَا فِي الْوَدِيعَةِ (وَإِنْ كَانَ لَهُ حِجْلٌ وَمُونَةٌ) وَكَذَا الْإِئْتِقَالُ عَنِ الْبَلَدِ، وَكَذَا الْعَدْلُ الَّذِي الرَّهْنُ فِي يَدِهِ كَمَا فِي الْعِمَادِيَّةِ مَعْنِيًا لِلْعُدَّةِ

مرتبہ کے لیے جائز ہے کہ وہ رہن کے ساتھ سفر کرے جب راستہ پر امن ہو جس طرح ودیعت کے بارے حکم ہے اگرچہ اس میں بار برداری اور مشقت ہو۔ اسی طرح ایک شہر سے منتقل ہونے کا مسئلہ ہے۔ اسی طرح اس مادل آدمی کا حکم ہے جس کے قبضہ میں رہن ہے جس طرح ”عمادیہ“ میں ہے جو ”عدہ“ کی طرف منسوب ہے۔

لوٹانے کے دعویٰ میں وہ اپنی ذات سے ضمان کی نفی کرتا ہے۔ اگر ضمیر رہن کے لیے ہو تو قول قسم کے ساتھ مرتبہ کا ہوگا جب وہ رہن پر قبضہ سے پہلے رہن کے ہلاک ہو جانے کا دعویٰ کرے اس کے بعد ہلاک ہونے کا دعویٰ نہ کرے جس طرح ”بزازیہ“ سے یہ قول گزر چکا ہے۔ اس میں اور قبضہ کے بعد محض لوٹانے کے دعویٰ میں فرق مخفی ہونے سے زیادہ ظاہر ہے۔

میں نے ”قاری الہدایہ“ کے فتاویٰ میں دیکھا جس کی نص یہ ہے: جب مرتبہ عین مرہونہ کے واپس کرنے کا دعویٰ کرے اور راہن اس کو جھٹلائے تو اس مرتبہ کے بارے میں سوال کیا گیا: کیا قول اس کا معتبر ہوگا؟

انہوں نے جواب دیا: واپس کرنے میں اس کا قول اس کی قسم کے ساتھ تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ امانت کا معاملہ ہے مضمونات کا معاملہ نہیں بلکہ قول قسم کے ساتھ راہن کا تسلیم کیا جائے گا جب کہ راہن نے یہ کہا ہو کہ اس نے عین کو واپس نہیں کیا تھا۔ اسی کی مثل ”فتاویٰ ابن شلبی“ اور ”فتاویٰ ابن نجیم“ میں ہے۔ یہ بعینہ وہ قول ہے جو ”المعراج“ میں ہے۔ پس منقول کی اتباع لازم ہے کیسے لازم نہ ہو جب کہ یہی معقول ہے۔ اس کے قول کے قبول نہ کرنے کا مقتضایہ ہے کہ سب کی ضمان ہو۔ لیکن یہ کہنا مناسب ہے کہ یہ سب اس صورت میں ہے جب رہن دین پر زائد نہ ہو۔ اگر وہ زائد ہوں تو وہ زائد کا ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ خالص امانت ہے اس پر کوئی ضمانت نہیں۔ پس اس میں قول اس کا معتبر ہوگا۔ خواہ وہ محض لوٹنے کا دعویٰ کرے یا ساتھ ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہ وضاحت ہماری اس کتاب کے خواص میں سے ہے، واللہ تعالیٰ العمد۔

راستہ پر امن ہو تو مرتبہ کے لیے رہن کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے

34223۔ (قوله: إِذَا كَانَ الطَّرِيقُ أَمْنًا) شہر کی قید نہ لگائی ہو مگر جب وہ اس کی قید لگائے تو وہ اس کا مالک نہیں ہوگا۔ اس کی مکمل وضاحت ”طحطاوی“ میں ہے۔

34224۔ (قوله: وَكَذَا الْإِئْتِقَالُ عَنِ الْبَلَدِ) یعنی جب وہ رہائش کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل ہونا چاہے، تامل۔

34225۔ (قوله: وَكَذَا الْعَدْلُ) مرتبہ کی طرح ان امور میں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔

عس خلاف مافی فتاوی القاضیین، وَلَعَلَّ مافی الْعُدَّةِ قَوْلُ الْإِمَامِ، وَمافی الْقُتَاوَى قَوْلُہُ کہ یُخْبِرُکُمْ خَلَامُ الْقَنِیَّةِ قَوْلُہُ فِی الْحَدِیثِ إِذَا عُبِيَ الرَّهْنُ فَهُوَ بِسَافِیہِ قَالُوا مَعْنَاہُ إِذَا اشْتَبَهَتْ قِیَمَتُہُ بَعْدَ هَلَاکَہِ بَاقِی قَالُوا لَا أَدْرِی کَمْ کَانَتْ قِیَمَتُہُ ضَمِنَ بِسَافِیہِ مِنَ الدَّیْنِ کَذَا ذِکْرُ الْمُصَنِّفِ قَوْلُ الْبَابِ

یہاں — برائے — جو دو قصیدوں کے فتاویٰ میں ہے شاید جو ”العدۃ“ میں ہے وہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کا قول ہے اور جو فتاویٰ میں ہے وہ ”قاضی“ رحمہ اللہ کا قول ہے جس طرح ”القنۃ“ کا کلام اس کو بیان کرتا ہے۔ فائدہ: حدیث میں ہے: جب رهن بھول: تو یہ اس کے بدلہ میں ہوگا جس میں یہ رکھا گیا۔ علماء نے کہا: اس کا معنی یہ رهن کے ہلاک ہو جانے کے بعد جب اس کی قیمت میں اشتباہ ہو جائے جیسے ہر ایک کہے: میں یہ نہیں جانتا اس کی کتنی قیمت تھی تو وہ اس کو ضامن ہوگا جس میں یہ رهن رہا کیا تھا مصنف نے باب کے شروع میں یہی ذکر کیا ہے۔

34226۔ (قوله: عَلٰی خِلَافِ مَافِی الْقَاضِیِّیْنَ) یعنی ”قاضی خان“ اور ”قاضی ظہیر الدین“۔ کیونکہ دونوں نے ہا: مسافر کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ رهن کو ساتھ لے کر سفر کرے اور پہلے یعنی ”قاضی خان“ نے یہ زائد ذکر کیا ہے۔ یہ ”قاضی“ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔

34227۔ (قوله: وَلَعَلَّ مَافِی الْعُدَّةِ) اس تطبیق کی طرف صاحب ”جامع النصولین“ سبقت لے گئے ہیں۔ ”رہی“ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس تطبیق کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ”قاضی خان“ میں جو قول ہے وہ اس میں صریح ہے کہ یہ ”قاضی“ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

34228۔ (قوله: إِذَا عُبِيَ الرَّهْنُ) یہ قول ہے عسی علیہ الخبر یعنی خبر اس پر مخفی ہوگئی یہ عسی البصر سے ماخوذ ہے ”مغرب“۔ ”مخطاوی“ نے کہا: میں اس کی حرکات و سکنات یعنی باب پر آگاہ نہ ہو۔ کا اللہ تعالیٰ کے فرمان فَعَبَّیْتُ عَلَیْکُمْ (ہود: 28) کو تخیف اور تشدید دونوں طرح پڑھا گیا ہے مراد ہے جب اس کا حال مخفی ہو گیا اور اس کی قیمت کا پتہ نہ چلا جب کہ دونوں اس کی ہلاکت پر متفق ہو گئے۔

34229۔ (قوله: فَهُوَ بِسَافِیہِ) بامقابلہ اور معاوضہ کے لیے، ”سعدی“۔

34230۔ (قوله: ضَمِنَ بِسَافِیہِ مِنَ الدَّیْنِ) پس دین راہن سے ساقط ہو جائے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب یہ معلوم نہ ہو کہ اس کی قیمت کم ہے اگر یہ معلوم ہو جائے اور اس کی قیمت مشتبه ہو جائے تو اس کے حکم کو جاننے کے لیے کتب کی طرف رجوع کیا جائے گا، ”ط“۔

34231۔ (قوله: کَذَا ذِکْرُ الْمُصَنِّفِ) ”ہدایہ“ اور ”عنایہ“ میں اسی طرح ہے۔ ”النہایہ“ میں کہا: ”مبسوط“ میں اسی طرح ہے جب کہ اس تاویل کو ”فقیہ ابو جعفر“ سے حکایت کیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ مَا يَجُوزُ ارْتِهَانُهُ وَمَا لَا يَجُوزُ

(لَا يَصِحُّ رَهْنُ مَشَاعٍ لِعَدَمِ كَوْنِهِ مُمَيَّزًا كَمَا مَرَّ (مُطْلَقًا) مُقَارِنًا أَوْ طَارِئًا مِنْ شَرِيكِهِ أَوْ غَيْرِهِ

جو چیز رہن رکھی جاسکتی ہے اس کے احکام

مشترک شے کو رہن کے طور پر رکھنا مطلقاً صحیح نہیں۔ کیونکہ وہ ممیز نہیں جس طرح گزر چکا ہے۔ وہ اشتراک مقارن ہو یا طاری ہو، یہ شریک کا ہو یا کسی اور کا ہو۔

34232۔ (قوله: لَا يَصِحُّ رَهْنُ مَشَاعٍ) مشترک چیز کو رہن رکھنا صحیح نہیں مگر جب وہ ایسا غلام ہو جو دونوں میں مشترک ہو جیسے دونوں کسی آدمی کے پاس اس دین کے بدلے میں رہن رکھیں جو اس کا ان دونوں افراد پر لازم ہو۔ جب کہ وہ ایک ہی رہن ہو اگر دونوں میں سے ہر ایک غلام میں سے اپنے حصہ کو رہن کے طور پر رکھیں گے جس طرح ”تہستانی“ میں ”ذخیرہ“ سے مروی ہے۔ مگر جب اس میں اشتراک ضرورت کی بنا پر ثابت ہو جائے جس طرح سوادہ کے آخر میں آئے گا۔

34233۔ (قوله: مُطْلَقًا) مابعد اس کی تفسیر بیان کرتا ہے یہ جائز نہیں۔ کیونکہ رہن کا موجب دائمی جس ہے۔ مشترک میں دوام فوت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں مہایاہ ضروری ہے۔ پس یہ یوں ہو جائے گا گویا اس نے کہا: میں نے تیرے ہاں ایک دن رہن رکھا ایک دن نہیں رکھا۔ اس کی مکمل بحث ”ہدایہ“ میں ہے۔

34234۔ (قوله: مُقَارِنًا) جیسے نصف گھریا نصف غلام۔

34235۔ (قوله: أَوْ طَارِئًا) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ مکمل رہن کے طور پر رکھے پھر اس کے بعض میں عقد رہن فسخ کر دیا یا راہن عادل آدمی کو اجازت دے کہ وہ رہن کو بیچ دے جیسے چاہے اور اس کا نصف بیچ دے، ”منح“۔ اور امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں ہے کہ طاری اشتراک کچھ نقصان نہیں دیتا۔ صحیح پہلا قول ہے جس طرح ”النبہایہ“ اور ”الدرر“ میں ہے۔ شارح کتاب الرہن کے آخر میں اس کا ذکر کریں گے۔ اگر اس کے کل کا کوئی مستحق نکل آیا یا اس کے بعض کا کوئی مستحق نکل آیا۔

34236۔ (قوله: مِنْ شَرِيكِهِ أَوْ غَيْرِهِ) کیونکہ شریک ایک دن رہن کے طور پر رو کے گا اور ایک دن اس سے خدمت لے گا تو وہ یوں ہو جائے گا گویا اس نے ایک دن رہن رکھا دوسرے دن نہ رکھا۔ جہاں تک مشترک کے اجارہ کا تعلق ہے تو یہ ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شریک کی جانب سے جائز ہے کسی اور کی جانب سے جائز نہیں۔ کیونکہ مستاجر اس چیز کو پوری طرح لینے پر قادر نہیں ہوتا جو عقد کا اقتضا تھا مگر باہمی موافقت کے ساتھ ایسا ہو سکتا ہے۔ یہ معنی شریک میں نہیں پایا جاسکتا۔ یہ ”اقتانی“ نے بیان کیا ہے۔ بعض شریک اس سے عقد کی وجہ سے مدت میں مہایاہ کے ساتھ نفع حاصل کر سکتا ہے۔ اور

يُقَسَّمُ أَوَّلًا، وَ الصَّحِيحُ إِنَّهُ فَاسِدٌ يُضْمَنُ بِالتَّقْبِضِ، وَجَوَازُهُ الشَّافِعِيُّ وَفِي الْأَشْبَاهِ مَا قَبِلَ الْبَيْعَ قَبْلَ
الرَّهْنِ إِلَّا فِي أَرْبَعَةِ الْمَشَاعِ وَالْمَشْغُولِ وَالْمُتَّصِلِ بِغَيْرِهِ

پہلے اسے تقسیم کیا جائے گا۔ صحیح یہ ہے کہ یہ فاسد ہے۔ وہ قبضہ کرنے کی صورت میں ضامن ہوگا۔ امام ”شافعی“ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ اور ”اشباہ“ میں ہے: جو چیز بیع کو قبول کرتی ہے وہ رہن کو قبول کرتی ہے مگر چار چیزوں میں ایسا نہیں مشاع، مشغول، متصل بغیر

ملک اس کے غیر کے خلاف ہے۔

34237۔ (قوله: يَقْسَمُ أَوَّلًا) ہبہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں مانع تقسیم کی غرامت یعنی تقسیم کرنے والے کی اجرت ہے۔ یہ اس میں ہوتی ہے جو تقسیم کو قبول کرے نہ کہ اس میں جو اس کا احتمال نہ رکھے۔ ”معراج“۔

34238۔ (قوله: الصَّحِيحُ إِنَّهُ فَاسِدٌ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ باطل ہے اس کے ساتھ ضمان متعلق نہیں۔ یہ صحیح نہیں کیونکہ اس سے باطل وہ ہے جو مال نہ ہو یا اس کا مقابل مضمون نہ ہو۔ جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں وہ اس طرح نہیں۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ قبض تمام عقد کی شرط ہے اس کے جواز کی شرط نہیں، ”عنایہ“۔ عنقریب یہ رہن کے آخر میں آئے گا اور عنقریب وہاں یہ بھی آئے گا کہ ہر وہ حکم جو رہن صحیح میں معروف ہے وہ رہن فاسد میں حکم ہے۔ لیکن یہ اس کے ساتھ مقید ہے جب رہن پر سابق ہو۔ اس کی وضاحت عنقریب آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

جو چیز بیع کو قبول کرتی ہے وہ رہن کو قبول کرتی ہے سوائے چار چیزوں کے

34239۔ (قوله: مَا قَبِلَ الْبَيْعَ قَبْلَ الرَّهْنِ) یعنی ہر وہ چیز جس کی بیع صحیح ہو اس کو رہن رکھنا صحیح ہوگا۔

34240۔ (قوله: وَالْمَشْغُولُ) یعنی راہن کے حق کے ساتھ مشغول ہو جس طرح شارح نے کتاب الرهن کے شروع میں اس کی قید لگائی ہے۔ یہ راہن کے علاوہ کی ملک سے مشغول ہونے سے احتراز کیا ہے۔ پس یہ مانع نہ ہوگا جس طرح ”حاشیہ حموی“ میں ”عمادیہ“ سے منقول ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح جو رہن کی ذات سے مشغول ہو وہ بھی مانع ہوگا۔ کیونکہ ”ہدایہ“ میں ہے: سپرد کرنے کے یہ چیز مانع ہوگی کہ راہن یا اس کا سامان اس گھر میں موجود ہو جس کو رہن کے طور پر رکھا گیا ہے۔ ”معراج“ میں کہا: جب مرتہن اس گھر سے نکلے تو نئے سرے سے سپرد کرنے کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ وہ اس کو مشغول رکھنے والا ہے جس طرح سامان کے ساتھ اسے مشغول رکھنے والا ہے۔ اسی طرح رہن رکھے گئے برتن میں سامان کا موجود ہونا یہ سپرد کرنے کے مانع ہے۔ حیلہ یہ ہے کہ پہلے مرتہن کے پاس وہ چیز ودیعت رکھے جو اس میں ہے پھر جو رہن رکھتا ہے وہ اس کے حوالے کر دے۔

34241۔ (قوله: وَالْمُتَّصِلُ بِغَيْرِهِ) یہ محذوف موصوف کی صفت ہے یعنی شاغل جو غیر کے ساتھ متصل ہو جیسے صرف عمارت، کھجور کا درخت یا پھل جب زمین یا درخت کے بغیر ہو جس کا عنقریب ذکر کریں گے۔ اس کے ساتھ منفصل

وَالْمُعْتَقُ عِتْقُهُ بِشَرْطِ قَبْلِ وُجُودِهِ غَيْرِ الْمُدَبَّرِ فَيَجُوزُ بَيْنُهَا لَا رَهْنُهَا

اور جس کا عتق اس شرط کے ساتھ معلق ہو جو اس کے وجود سے پہلے ہو سوائے مدبر کے ان کی بیع جائز ہے ان کو رہن رکھنا جائز نہیں۔

شغل سے احتراز کیا ہے جس طرح اگر وہ چیز رہن رکھے جو دار میں ہے یا جو برتن میں ہے جب ان دونوں (یعنی برتن اور گھر) کے بغیر رہن رکھے اور تمام اس کے حوالے کر دے تو یہ جائز ہوگا جس طرح ”ہدایہ“ اور ”خانہ“ میں ہے، فافہم۔ متصل سے تابع کا ارادہ کیا ہے۔ کیونکہ ”ہدایہ“ میں ہے: ایک آدمی نے جانور پر زین کو یا لگام جو اس کے سر میں ہے رہن رکھی اور زین اور لگام کے ساتھ جانور اس کے حوالے کر دیا۔ یہ رہن نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ اس کو اتارے اور پھر اس کے حوالے کرے۔ کیونکہ یہ جانور کے تابع میں سے ہے اور پھل درخت کے جس طرح تابع ہوتا ہے اس کے قائم مقام ہے یہاں تک کہ علماء نے کہا: یہ بغیر ذکر کے اس میں داخل ہوں گے۔ یعنی اگر وہ جانور رہن رکھے اس پر زین یا لگام ہو تو یہ رہن میں داخل ہوں گے۔ ”معراج“۔ اس سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ گزشتہ میں متصل کی قید لگانا اور آنے والے قول میں خلطہ کی قید لگانا ظاہر نہیں، فتدبر۔

34242۔ (قوله: وَالْمُعْتَقُ عِتْقُهُ بِشَرْطِ قَبْلِ وُجُودِهِ) جس طرح ایک آدمی اپنے غلام سے کہے: ان دھشت هذه الدار فانت حر، اس غلام کی بیع صحیح ہے اس کو رہن رکھنا صحیح نہیں ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ رہن کا حکم حق وصول کرنے تک دائمی جس ہے اور اس جیسے کا جس دائمی نہیں ہوتا۔ کیونکہ بعض اوقات وہ گھر میں داخل ہوتا ہے اور آزاد ہو جاتا ہے پس حق کو وصول کرنا ممکن نہیں ہوتا، ”ط“۔

میں کہتا ہوں: شارح نے جو ذکر کیا ہے۔ ”بیری“ نے اسے ”شرح الافطع“ سے نقل کیا ہے۔ پھر ”روضۃ القضاۃ“ سے نقل کیا ہے: اگر وہ اپنے غلام کی آزادی کو کسی صفت کے ساتھ معلق کرے پھر وہ اس کو رہن رکھ دے تو یہ جائز ہوگا۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے، تامل۔

34243۔ (قوله: غَيْرِ الْمُدَبَّرِ) یہ مطلق اور مقید سب کو شامل ہے، ”حموی“۔ یعنی ان دونوں میں سے کسی کو بھی رہن رکھنا جائز نہیں اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ شارح نے اس کے باب میں ذکر کیا ہے کہ مقید کو بیچا جاسکتا ہے، بہہ یہ جائز ہے اور اسے رہن رکھا جاسکتا ہے وہاں ”باقانی“ نے بھی ”شرح الملتقی“ میں اس کی تصریح کی ہے۔ وہ یہ ہے جس نے اس کی آزادی کو اپنے آقا کی موت کے ساتھ معلق کیا مطلقاً نہیں بلکہ خاص صفت پر جیسے وہ کہے: اگر میں اس مرض میں مر گیا اس سفر میں مر گیا وغیرہ۔ پس اس فرق میں غور کیا جائے جو اس شخص میں ہے جس کی آزادی موت کے علاوہ شرط کے ساتھ معلق ہے جس کو انہوں نے ذکر کیا جب کہ یہ جائز نہیں اور جو مقید مدبر میں ہے وہ جائز ہے۔

34244۔ (قوله: فَيَجُوزُ بَيْنُهَا لَا رَهْنُهَا) یعنی مدبر کے علاوہ جن چار کا ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ نہ مطلق کی بیع جائز ہے اور نہ ہی اس کو رہن رکھنا جائز ہے مطلقاً میں یہ دونوں امور جائز ہیں۔

وَفِيهَا الْحِيلَةُ فِي جَوَازِ رَهْنِ الْمُشَاعِ أَنْ يَبِيعَهُ النِّصْفَ بِالْخِيَارِ ثُمَّ يَرْهَنَهُ النِّصْفَ ثُمَّ يَفْسَخُ الْبَيْعَ قَالَ
الْمُصَنِّفُ وَفِيهِ نَظَرٌ وَلَعَلَّهُ مُفَرَّغٌ عَلَى الضَّعِيفِ فِي الشُّيُوعِ الطَّارِي قُلْتُ بَلْ وَلَا عَلَيْهِ، لِأَنَّهُ بِالْخِيَارِ لَا
يَخْلُو إِمَّا أَنْ يَبْقَى فِي مِلْكِهِ أَوْ يَعُودَ لِمِلْكِهِ وَعَلَى كُلِّ يَكُونُ رَهْنُ الْمُشَاعِ ابْتِدَاءً

اس میں ہے: مشاع (مشترک) کے رہن کے جواز میں یہ حیلہ ہے کہ وہ اس کے ہاتھ میں نصف خیار شرط کے ساتھ بیچ دے
پھر اس کے پاس نصف رہن رکھ دے پھر وہ بیع کو فسخ کر دے۔ مصنف نے کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ شاید یہ
طاری شیوع میں ضعیف قول پر تفریع ہے۔ میں کہتا ہوں: بلکہ اس پر مبنی نہیں۔ کیونکہ خیار کی صورت میں وہ اس حالت سے
خالی نہیں کہ وہ اس کی ملک میں باقی رہے اور اس کی ملک کی طرف لوٹ آئے۔ تمام صورتوں میں وہ ابتداءً مشترک کارہن ہوگا

مشترک چیز کو رہن رکھنے کے جواز میں حیلہ

34245۔ (قوله: وَفِيهَا) یعنی ”الاشباہ“ میں الفن الخامس فی الحیل میں ہے۔ مسئلہ ”حیل الولوالجیہ“ میں کتاب
کے آخر میں مذکور ہے۔

34246۔ (قوله: أَنْ يَبِيعَهُ) منہ کی ضمیر سے مراد مرتہن ہے یعنی مرتہن کو ہی دین کی مقدار کی ثمن کے ساتھ بیچ دے
جس کے بدلے میں وہ رہن رکھنے کا ارادہ کرتا تھا۔

34247۔ (قوله: ثُمَّ يَفْسَخُ الْبَيْعَ) یعنی خیار کے حکم سے۔

34248۔ (قوله: قَالَ الْمُصَنِّفُ) یعنی ”المنح“ میں اس باب کے آخر میں اس کی نص یہ ہے: میں کہتا ہوں: میرے
نزدیک اس حیلہ کے صحیح ہونے میں اعتراض ظاہر ہے جب پہلے یہ ثابت ہو چکا کہ صحیح یہ ہے کہ طاری اشتراک اس کو فاسد کر دیتا
ہے جس طرح مقارن اشتراک اس کو فاسد کر دیتا ہے اور یہ ممکن ہے کہ یہ اس قول پر تفریع ہو جو صحیح کے مقابل ہے وہ یہ ہے کہ
طاری اشتراک مفسد نہ ہو۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ نظر ثانی (دوسرے اعتراض) سے مراد وہ ہے جس کا
شارح نے بعد میں ذکر کیا ہے، فافہم۔

34249۔ (قوله: إِمَّا أَنْ يَبْقَى فِي مِلْكِهِ) یعنی بائع کی ملک میں رہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب خیار کا حق اسے
حاصل ہو۔ کیونکہ اس کا خیار اس ملک سے بیع کو نکلنے سے روکتا رہے۔ پس اس کا خیار کی مدت میں نصف کارہن یہ اپنی بعض کو
رہن رکھنا ہے جب کہ یہ ابتداءً مشترک کارہن ہے، فافہم۔

34250۔ (قوله: أَوْ يَعُودَ لِمِلْكِهِ) جب خیار مشتری کو ہو تو ملکیت بائع کی طرف لوٹے گی۔ کیونکہ بیع اس کے ساتھ
بائع کی ملک سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک مشتری اس کا مالک نہیں ہوتا اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ
کے نزدیک اس کا مالک ہو جاتا ہے۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ابتداءً مشاع کارہن شریک کی جانب سے ہے
خواہ وہ بیع کو فسخ کرے یا اس کو جائز قرار دے۔ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق اگر وہ اس کو جائز قرار دے تو وہ اس

كَمَا بَسَطَهُ فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ فَتَنَّبَهُ قُلْتُ وَالْحِيلَةُ الصَّحِيحَةُ مَا فِي حِيلِ مُنْيَةِ الْمُفْتَى أَرَادَ رَهْنِ نِصْفِ دَارِهِ مُشَاعًا بِبَيْعِ نِصْفِهَا مِنْ طَالِبِ الرِّهْنِ وَيَقْبِضُ مِنْهُ الشَّئْنَ عَلَى أَنَّ الْمُشْتَرِيَ بِالْخِيَارِ وَيَقْبِضُ الدَّارَ ثُمَّ يَنْقُضُ الْبَيْعَ بِحُكْمِ الْخِيَارِ فَتَبْقَى فِي يَدِهِ بِمَنْزِلَةِ الرِّهْنِ بِالشَّئْنِ،

جس طرح ”تنویر البصائر“ میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ پس اس پر متنبہ رہیے۔ میں کہتا ہوں: صحیح حیلہ یہ ہے جو ”منیۃ المفتی“ کے حیلوں میں سے ہے۔ ایک آدمی نے اپنے نصف گھر کو رہن کے طور پر رکھنے کا ارادہ کیا جو مشترک تھا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس کا نصف رہن طالب کے ہاتھ بیچ دے اور ثمن پر قبضہ کرے اس شرط کے ساتھ کہ مشتری کو اختیار ہوگا اور وہ گھر پر قبضہ کر لے پھر خیار کے حکم سے بیع کو توڑ دے تو وہ گھر ثمن کے بدلے میں اس کے پاس رہن کے طور پر باقی رہے گا۔

کی ملک میں داخل ہو جائے گا ورنہ وہ بائع کی ملک کی طرف لوٹ آئے گا۔ ہر صورت میں اس کا خیار کی مدت میں نصف کا دین یہ ابتداء مشترک کا رہن ہے جو اجنبی کی جانب سے ہے۔ شارح کو یہ چاہیے تھا کہ وہ اذیعوں لہلکہ کے بعد اذیعوں داخل فی مدد المشتري کو زائد ذکر کرتے۔

34251۔ (قوله: كَمَا بَسَطَهُ فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ) جو ”شرف غزی“ کی تالیف ہے جو ”الاشباہ“ کے محشی ہیں۔ اس کا حاصل وضاحت کے ساتھ وہ ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

34252۔ (قوله: فَتَبْقَى فِي يَدِهِ بِمَنْزِلَةِ الرِّهْنِ بِالشَّئْنِ) اگر اسے عیب لاحق ہو جائے تو رہن میں سے اسی کے حساب سے ختم ہو جائے گا۔ ”منح“ نے ”حیل الخصاص“ سے اسے لیا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے: یہ حقیقت میں رہن نہیں نہ صحیح نہ فاسد۔ کیونکہ اس کا عقد نہیں پایا گیا یہ رہن کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ گھر کو محبوس رکھنا اس وقت تک ہے جب وہ ثمن پر قبضہ کر لے جس طرح وہ اجارہ کو فسخ کر دے۔ کیونکہ اسے اس چیز کو روکنے کا حق ہے جسے اجرت پر دیا گیا یہاں تک کہ وہ اجرت پر قبضہ کر لے۔ جب اسے محبوس کرنے میں اس کے لیے منفعت ہے تو محبوس پر اس کی قیمت کی ضمانت ہوگی جب وہ ہلاک ہو جائے۔ امانات کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ان کی ضمانت صرف اس صورت میں ہوتی ہے جب ان کو جان بوجھ کر ہلاک کیا جائے۔ رہن حقیقی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کی ضمانت اس کی قیمت اور رہن میں سے جو کم ہو اس کی لازم ہوتی ہے۔ جو ہم نے وضاحت کی ہے اس سے ان کے قول بمنزلة الرهن کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس میں صرف محبوس کرنے کا حق ثابت ہوتا ہے اس حیثیت سے نہیں کہ اس کی ضمانت رہن کی ضمانت کی مثل ہوتی ہے اس پر اور اس پر کہ یہ باقی امانات کی طرح نہیں وہ ہے جو خیارات ”جامع الفصولین“ میں ہے: ایک آدمی نے خیار شرط کی بنا پر زمین بیچی دونوں نے دونوں بدلوں پر قبضہ کر لیا تو بائع نے مدت میں بیع کو توڑ دیا زمین قیمت کے بدلے میں مشتری کے پاس مضمون رہے گی اور اسے اس ثمن کے بدلے میں روکنے کا حق ہوگا جو اس نے بائع کو دی تھی۔ اس تعبیر کی بنا پر اگر وہ زمین ہلاک ہو گئی اور اس کی قیمت اس ثمن کی مثل ہو جس پر بائع نے قبضہ کیا تھا وہ ساقط ہو جائے گی۔ اگر

وَاعْتَمَدَهُ ابْنُ الْمَصْنِفِ فِي زَوَاهِرِ الْجَوَاهِرِ وَفِيهَا الشُّيُوعُ الثَّابِتُ ضَرُورَةً لَا يَضُرُّ لِسَانِي الْوَلَوِ الْجَيَّةَ وَلَوْ جَاءَ
بَشَوْبَيْنِ وَقَالَ خُذْ أَحَدَهُمَا رَهْنًا وَالْآخَرَ بِضَاعَةً عِنْدَكَ، فَإِنَّ نِصْفَ كُلِّ مِنْهُمَا يَصِيرُ رَهْنًا بِالذَّيْنِ، لِأَنَّ
أَحَدَهُمَا لَيْسَ بِأَوَّلَى مِنَ الْآخَرِ فَيَشِيَعُ الرُّهْنُ فِيهِمَا بِالضَّرُورَةِ فَلَا يَضُرُّ (و) لَا رَهْنُ (شَّرْكَةً عَلَى نَخْلٍ
دُونَهُ) لَا (زَرْعُ أَرْضٍ أَوْ نَخْلٍ) أَوْ بِنَاءٍ (بِدُونِهَا وَكَذَا عَكْسُهَا) كَرَهْنِ الشَّجَرِ لَا الشَّيْرِ وَالْأَرْضِ لَا النَّخْلِ
وَالْأَصْلُ أَنَّ الرُّهْنَ مَتَى اتَّصَلَ بِغَيْرِ الرُّهْنِ

مصنف کے بیٹے نے ”زواہر الجواہر“ میں اس پر اعتماد کیا ہے۔ اس میں اشتراک ضرورت کی بنا پر ہے جو نقصان نہیں
دیتا۔ کیونکہ ”ولو الجیہ“ میں ہے: اگر ایک آدمی دو کپڑے لایا اور اس نے کہا: ان دونوں میں سے ایک بطور رہن لے لے اور
دوسرا بضاعت کے طور پر تیرے پاس ہے تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا نصف دین کے بدلے میں رہن ہوگا۔ کیونکہ
دونوں میں سے ایک دوسرے سے اولیٰ نہیں۔ پس دونوں میں رہن ضرورت کے طور پر مشترک ہوگا۔ پس یہ نقصان دہ نہیں
ہوگا۔ اور کھجور پر پھل درخت کے بغیر رہن رکھنا جائز نہیں اور نہ ہی زمین کی کھیتی یا کھجور کے درخت یا عمارت زمین کے بغیر
جائز نہیں۔ اسی طرح اس کے برعکس کا حکم ہے جیسے درخت پھل کے بغیر اور زمین درختوں کے بغیر رکھی جائے۔ قاعدہ یہ ہے
کہ جب مرہون غیر مرہون کے ساتھ

اس سے کم ہو تو اس کے حساب سے ساقط ہو جائے گی۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے، فافہم۔

34253۔ (قوله: وَفِيهَا الْخ) اس میں اس مسئلہ کے ساتھ جو متن میں اس باب کے آخر میں آ رہا ہے، غور کیجئے۔

34254۔ (قوله: لَيْسَ بِأَوَّلَى) یعنی اس کے رہن ہونے میں اولیٰ نہیں۔

34255۔ (قوله: أَوْ بِنَاءٍ) جس طرح ایسی عمارت جو وقف کی زمین میں موجود ہو جس طرح ”حادیہ“ میں فتویٰ دیا یا
سلطانی زمین میں ہو جس طرح ”تاتر خانہ“ میں ہے۔

34256۔ (قوله: بِدُونِهَا) ضمیر سے مراد زمین ہے یعنی زمین کے بغیر۔

پھل درخت کے بغیر یا درخت پھل کے بغیر رہن رکھنا جائز نہیں

34257۔ (قوله: كَرَهْنِ الشَّجَرِ لَا الشَّيْرِ) یعنی درختوں کو اس کے مواضع کے ساتھ یا زمین کی تیج میں ساتھ ہی شمر کی

نفی صراحت کر دی تاکہ فساد اس جہت سے ہو۔ اگر وہ وضاحت نہ کرے تو پھل تبعا داخل ہو جائے گا۔ یہ عقد کی تصحیح کے لیے
ہے۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کی بیع شمر کے بغیر جائز ہے۔ اور ذکر کے بغیر اس کے داخل کرنے کی کوئی ضرورت
نہیں۔ گھر میں جو سامان ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ جب تک اس سامان کا ذکر نہ کیا جائے تو گھر کے رہن میں وہ داخل
نہیں ہوگا۔ کیونکہ سامان کسی بھی اعتبار سے تابع نہیں۔ اسی طرح کھیتی، ہزیاں، عمارت اور درخت، زمین، گھر اور دیہات کے
رہن میں داخل ہوں گے۔ اس کی دلیل وہ ہے جسے ہم نے ذکر کیا ہے جس طرح ”ہدایہ“ میں ہے۔

خِلْقَةً لَا يَجُوزُ لَامْتِنَاعِ قَبْضِ الرُّهْنِ وَحَدَّةٍ دُرٍّ وَعَنْ الْإِمَامِ جَوَازِ رَهْنِ الْأَرْضِ بِلَا شَجَرٍ وَلَوْ رَهْنِ الشَّجَرِ بِمَوَاضِعِهَا أَوْ الدَّارِ بِمَا فِيهَا جَازٌ مُلْتَقًى لِأَنَّهُ اتِّصَالٌ مُجَاوِرَةٌ وَفِي الْقُنْيَةِ رَهْنٌ دَارًا وَالْحِيطَانُ مُشْتَرَكَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِدَارِ صَحَّ فِي الْعَرَصَةِ، وَلَا يَضُرُّ اتِّصَالُ السَّقْفِ بِالْحِيطَانِ الْمُشْتَرَكَةِ لِكُونِهِ تَبَعًا (وَلَا رَهْنُ الْحُرِّ)

پیدائشی طور پر متصل ہو تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ مرہون پر الگ طور پر قبضہ کرنا ممتنع ہے، ”درر“۔ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک درختوں کے بغیر زمین کو رہن کے طور پر رکھنا جائز ہے۔ اگر درختوں کو اس کی جگہوں کے ساتھ اور گھر کو اس میں موجود اشیا کے ساتھ رہن کے طور پر رکھا جائے تو یہ جائز ہوگا ”ملتقی“۔ کیونکہ یہ اتصال مجاورت کے اعتبار سے ہے۔ ”قنیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے گھر رہن رکھا جب کہ دیواریں اس میں اور اس کے پڑوسیوں میں مشترک ہیں تو سفیدہ زمین میں صحیح ہوگا اور چھت کا مشترک دیواروں کے ساتھ اتصال نقصان نہیں دے گا۔ کیونکہ یہ تابع ہے آزاد،

جب مرہون غیر مرہون کے ساتھ خلقۃ متصل ہو تو رہن رکھنا جائز نہیں

34258۔ (قوله: خِلْقَةً) مناسب یہ تھا کہ اس کو حذف کر دیتے جس طرح ”ہدایہ“ وغیرہا میں کیا ہے تاکہ عمارت، زمین اور لگام کو جامع ہو جائے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

34259۔ (قوله: وَعَنْ الْإِمَامِ) کیونکہ شجر کا لفظ اگنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ پس درخت کی استثنا اس کے مواضع کے ساتھ ہوگی۔ جو عمارت کے بغیر ہو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ”بنا“ یہ بنائی گئی عمارت کا نام ہے پس وہ تمام زمین کو رہن پر رکھنے والا ہوگا جب کہ وہ رہن کی ملکیت کے ساتھ مشغول ہے۔ ”ہدایہ“۔

34260۔ (قوله: لِأَنَّهُ اتِّصَالٌ مُجَاوِرَةٌ) یہ اس امر کی علت ہے کہ درختوں کو اس کے مواضع کے ساتھ رہن رکھنا جائز ہے: یعنی کیونکہ درختوں اور ان کے مواضع کا اتصال، جن میں درخت موجود ہوتے ہیں، باقی زمین کے ساتھ مجاورت کا اتصال ہے۔ یہ تبعیت کا اتصال نہیں ہے جیسے عمارت اور جانور کی زین، یہ خلقت کا اتصال نہیں جیسے پھل ہوتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے برتن میں موجود سامان کو رہن رکھا جائے تو یہ کوئی نقصان نہیں دے گا۔

34261۔ (قوله: صَحَّ فِي الْعَرَصَةِ) سفیدہ زمین، چھت اور خاص دیواروں میں سے صحیح ہے جس طرح ”اشنیہ“ میں ہے۔

34262۔ (قوله: لِكُونِهِ تَبَعًا) یہ اس کے مخالف ہے جس کو ہم نے پہلے ”ہدایہ“ سے اس زین کے رہن کے بارے میں ذکر کیا ہے جو زین جانور پر ہو یہ جائز نہیں یہاں تک کہ اس کو الگ کر لے کیونکہ یہ اس توابع میں سے ہے، قائل۔

آزاد، مدبر، مکاتب، ام ولد اور وقف کو رہن رکھنا جائز نہیں

34263۔ (قوله: وَلَا رَهْنُ الْحُرِّ الْخ) کیونکہ اس سے حق کی وصولی متحقق نہیں ہوتی کیونکہ آزاد میں مالیت متحقق نہیں

وَالْمُدَبَّرِ وَالْمُكَاتَّبِ وَأَمَّ الْوَلَدِ وَالْوَقْفِ ثُمَّ لَمَّا ذَكَرَ مَا لَا يَجُوزُ رَهْنُهُ ذَكَرَ مَا لَا يَجُوزُ الرِّهْنُ بِهِ فَقَالَ (وَلَا بِالْأَمَانَاتِ كَوَدِيعَةٍ وَأَمَانَةٍ) (وَلَا بِالدَّرَكِ) خَوْفَ اسْتِحْقَاقِ الْبَيْعِ فَالرَّهْنُ بِهِ بَاطِلٌ، بِخِلَافِ الْكِفَالَةِ

مدبر، مکاتب، ام ولد اور وقف کو رہن رکھنا جائز نہیں۔ پھر جب یہ ذکر کیا کہ جس کو رہن رکھنا جائز نہیں تو ان کا ذکر کیا جس کے بدلے میں رہن رکھنا جائز نہیں اور کہا: امانات کے بدلے میں رہن رکھنا جائز نہیں جیسے ودیعت اور امانت۔ اور نہ ہی درک کے بدلے میں جس میں بیع کے بارے میں استحقاق کا خوف ہوتا ہے۔ پس اس کے بدلے میں رہن باطل ہے۔ کفالہ کا معاملہ مختلف ہے

اور باقی میں مانع موجود ہے، ”ہدایہ“۔

34264۔ (قوله: وَالْمُدَبَّرِ) یعنی مدبر مطلق جس طرح ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے یہ مذکورہ تعلیل سے مستفاد ہے۔

34265۔ (قوله: وَلَا بِالْأَمَانَاتِ) یعنی امانات کے بدلے میں رہن لینا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ضمان سے مراد ہلاک ہونے والی چیز کی مثل کو لوٹانا ہے اگر وہ مثلی ہو یا اس کی قیمت لوٹانا ہے اگر وہ ذوات القیم میں سے ہو۔ امانت اگر ہلاک ہو جائے تو اسکے مقابلہ میں کوئی شے نہ ہوگی اگر وہ اسے جان بوجھ کر ہلاک کرے تو وہ امانت نہیں رہے گی بلکہ وہ مغصوبہ ہو جائے گی، ”حموی“۔

34266۔ (قوله: كَوَدِيعَةٍ وَأَمَانَةٍ) زیادہ صحیح و عاریۃ ہے۔ اسی طرح مال مضاربہ اور مال شرکت ہے جس طرح

”ہدایہ“ میں ہے۔ باب التدبیر میں یہ گزر چکا ہے کہ کتب کو وقف کرنے والے کی یہ شرط کہ ان کتابوں کو نہ نکالا جائے مگر ان کے بدلے میں رہن رکھا جائے یہ شرط باطل ہے۔ کیونکہ یہ امانت ہے جب وہ ہلاک ہو جائے تو کوئی شے واجب نہ ہوگی۔ ”الاشباہ“ میں بحث الدین میں یہ ذکر کیا ہے کہ اس کی شرط کی پیروی کا واجب ہونا اور دین کو لغوی معنی پر محمول کرنا یہ بعید نہیں ہے۔

34267۔ (قوله: وَلَا بِالدَّرَكِ) درک، کالفظ را کی حرکت کے ساتھ ہے۔

34268۔ (قوله: خَوْفَ اسْتِحْقَاقِ الْبَيْعِ) یہ حاصل معنی کی تفسیر ہے۔ کیونکہ رہن یہ ثمن کے عوض میں ہوتا ہے۔

اس کی صورت یہ ہے کہ مشتری کو بیع کے استحقاق کا خوف ہو پس وہ بائع سے ثمن کے بدلے رہن وصول کرتا ہے۔

34269۔ (قوله: فَالرَّهْنُ بِهِ بَاطِلٌ) پس یہ امانت ہوگی جس طرح آگے آئے گا۔

34270۔ (قوله: بِخِلَافِ الْكِفَالَةِ) یعنی درک (تاوان، نقصان) کے اندیشہ کے بدلے میں رہن رکھنا صحیح ہے۔

کیونکہ یہ جائز ہے فرق یہ ہے کہ رہن پورا حق لینے کے لیے ہے اور وجوب سے پہلے کوئی حق کی وصولی نہیں ہوتی۔ کیونکہ نقصان کے اندیشہ کی ضمانت بیع کے استحقاق کے وقت ہوتی ہے۔ پس دین کے وجوب کی حالت کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ حق کو وصول کرنا یہ معاوضہ ہے اور تملیک کو مستقبل کی طرف منسوب کرنا یہ جائز نہیں۔ جہاں تک کفالت کا تعلق ہے یہ مطالبہ کے التزام کے لیے ہے اصل دین کو لازم کرنے کے لیے نہیں۔ اسی وجہ سے اگر وہ یہ ضمانت اٹھائے کہ فلاں پر اس کا جو

كَمَا مَرَّ (و) لَا بَعِيْنٌ مَضْمُونَةٌ بِغَيْرِهَا أَيْ بِغَيْرِ مِثْلِ أَوْ قِيَمَةٍ مِثْلُ (الْمَبِيعِ فِي يَدِ الْبَائِعِ) فَإِنَّهُ مَضْمُونٌ بِالْثَمَنِ فَإِذَا هَلَكَ ذَهَبَ بِالثَّمَنِ (و) وَلَا بِالْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ (و) لَا بِالنَّقْصِاصِ مُطْلَقًا

جس طرح گزر چکا ہے۔ اور ایسے عین کے بدلے میں رہن رکھنا جائز نہیں جس کی ضمانت اس کے غیر سے ہو یعنی مثل یا قیمت کے علاوہ سے ہو جیسے بیع جو بائع کے ہاتھ میں ہو۔ کیونکہ وہ ثمن کے ساتھ مضمون ہوتا ہے۔ جب وہ ہلاک ہو جائے تو ثمن جاتی رہتی ہے۔ اور نہ کفالت بالنفس کے عوض رہن رکھنا جائز ہے اور نہ ہی قصاص کے عوض مطلقاً رہن رکھنا جائز ہے

حق ثابت ہوگا وہ میرے ذمہ ہے تو یہ جائز ہوگا اگر وہ اس کے بدلے میں رہن رکھے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ ملخص

34271۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی کتاب الکفالت میں گزر چکا ہے۔

ایسے عین کے بدلے میں رہن رکھنا جائز نہیں جس کی ضمانت اس کے غیر سے ہو

34272۔ (قولہ: أَيْ بِغَيْرِ مِثْلِ أَوْ قِيَمَةٍ) کیونکہ یہ دونوں ذات کے قائم مقام ہیں جس طرح اس کی وضاحت

آگے آئے گی۔

34273۔ (قولہ: مِثْلُ الْمَبِيعِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ عین کو خریدے اور اس پر قبضہ نہ کرے پھر اس کے

بدلے میں بائع سے رہن لے تو رہن باطل ہوگا۔ کیونکہ بیع کے ہلاک ہو جانے سے بائع پر کوئی شے واجب نہیں ہوتی جو رہن سے پوری کی جائے اس سے بیع باطل ہو جاتی ہے اور ثمن ساقط ہو جاتی ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ”کفایہ“، ”غایۃ البیان“، ”جوہرہ“، اور ”زیلعی“ میں ہے۔ اس کو ذہن نشین کر لیجئے۔

”قہستانی“ میں ہے: ”شیخ الاسلام“ نے کہا: یہ فاسد ہے کیونکہ دین مال ہے اور بیع متقدم ہے اور فاسد احکام میں صحیح کو لاحق ہو جاتی ہے جس طرح ”کرمانی“ میں ہے۔ ”مبسوط“ میں یہ ذکر کیا ہے کہ یہ جائز ہے۔ پس اس کی قیمت اور عین کی قیمت میں سے جو کم ہوگی اس کے ساتھ اس کی ضمانت ہوگی۔ اسی کو فقہ ”ابوسعید بردعی“ اور ”ابولیث“ نے اپنایا ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے جس طرح ”کرمانی“ وغیرہ میں ہے۔

کفالت بالنفس اور قصاص کے عوض مطلقاً رہن رکھنا جائز نہیں

34274۔ (قولہ: وَلَا بِالْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ) اس کی صورت یہ ہے کہ زید عمرو کی ذات کی قسم اٹھائے کہ اس نے

سال تک اس کا حق ادا نہ کیا تو جو ہزار اس کے ذمہ ہے وہ ادا کرے گا پھر عمر نے اسے عطا کر دیا اور سال تک مال کے بدلے میں رہن یہ باطل ہے۔ کیونکہ عمرو پر ابھی تک مال واجب نہیں ہوا۔ اسی طرح اگر وہ کہے: اگر عمرو فوت ہو جائے اور وہ تجھے ادا نہ کرے تو وہ میرے ذمہ ہے پھر عمرو اسے رہن کے طور پر کوئی چیز دے دے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ”المنح“ میں ”خانیہ“ سے مروی ہے۔

34275۔ (قولہ: وَلَا بِالنَّقْصِاصِ) کیونکہ مرہون سے اس کا پورا حق لینا معتذر ہے۔

فِي نِصْفٍ وَمَا دُونَهَا بِخِلَافِ الْجَنَائِيَةِ خَطَاً لِامْكَانِ اسْتِيفَاءِ الْأَرْضِ مِنَ الرِّهْنِ (وَلَا بِالسُّفْعَةِ وَبِأَجْرَةِ النَّائِحَةِ وَالْمُغْنِيَةِ وَبِالْعَبْدِ الْجَانِيِ أَوْ الْمَدْيُونِ) وَإِذَا لَمْ يَصَحَّ الرِّهْنُ فِي هَذِهِ الصُّورِ فَلِلْمُتَّهِنِ أَخْذُهُ، فَلَوْ هَلَكَ عِنْدَ الْمُتَّهِنِ قَبْلَ الطَّلَبِ هَلَكَ مَجَانًا إِذْ لَا حُكْمَ لِلْبَاطِلِ فَبَقِيَ الْقَبْضُ بِإِذْنِ الْمَالِكِ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ وَابْنُ كَمَالٍ (وَلَا رَهْنُ خَيْرٌ وَارْتِهَانُهَا مِنْ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ لِلْمُسْلِمِ)

وہ نصف میں ہو یا اس سے کم میں ہو۔ خطا جنایت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ رہن سے چٹی کا پورا کرنا ممکن ہے اور نہ ہی شفع کے عوض اور نہ ہی نوحہ کرنے والی اور مغنیہ کی اجرت کے عوض رہن رکھنا جائز ہے۔ اور نہ ہی جانی غلام اور مدیون کے عوض رہن رکھنا جائز ہے۔ جب ان صورتوں میں رہن صحیح نہیں تو راہن کا مرتہن سے مرہون کا لینا جائز ہوگا۔ اگر وہ مطالبہ سے قبل مرتہن کے پاس ہلاک ہو جائے تو وہ عوض کے بغیر ہلاک ہو جائے گا۔ کیونکہ باطل کا کوئی حکم نہیں ہوتا۔ پس مالک کی اجازت سے قبضہ باقی رہے گا ”صدر الشریعہ“ اور ”ابن کمال“۔ اور جائز نہیں کہ مسلمان خمر کو بطور رہن دے اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ مسلمان یا ذمی سے خمر کو بطور رہن لے۔

34276۔ (قوله: بِخِلَافِ الْجَنَائِيَةِ خَطَاً) دیت اور ایسا زخم جس میں قصاص کی گنجائش نہیں ہوتی اس میں ارش کا فیصلہ کیا جائے اس کا معاملہ مختلف ہوگا اگر اس کے بدلے میں رہن لے تو یہ جائز ہوگا، ”در منتهی“۔

34277۔ (قوله: وَلَا بِالسُّفْعَةِ) یعنی اس مشتری سے رہن لینا جس پر بیع کو سپرد کرنا شفعہ کی وجہ سے ہو یہ جائز نہیں کیونکہ بیع پر ضمانت نہیں، ”ط“۔

نوحہ کرنے والی اور مغنیہ کی اجرت کے عوض رہن رکھنا جائز نہیں

34278۔ (قوله: وَبِأَجْرَةِ النَّائِحَةِ وَالْمُغْنِيَةِ) کیونکہ اجارہ باطل ہو چکا ہے پس رہن مضمون نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے مقابلہ میں کوئی مضمون شے نہیں ہے۔

34279۔ (قوله: وَبِالْعَبْدِ الْجَانِيِ أَوْ الْمَدْيُونِ) کیونکہ وہ آقا پر غیر مضمون ہے۔ کیونکہ اگر وہ ہلاک ہو جائے تو اس پر کوئی شے واجب نہیں ہوتی، ”منح“۔

34280۔ (قوله: قَبْلَ الطَّلَبِ) اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے بعد ضمان ہوگی۔ ”جامع الفصولین“ میں اس کی تصریح کی ہے۔ کیونکہ کہا: امانت جیسے ودیعت کے بدلے میں رہن یہ باطل ہے۔ اگر مجبوس کرنے سے قبل ہلاک ہو تو امانت کے طور پر ہلاک ہوگی اور اس کے بعد ہلاک ہو تو ضامن ہوگا۔

مسلمان کا خمر کو بطور رہن دینا یا مسلمان یا ذمی کا خمر کو بطور رہن لینا جائز نہیں

34281۔ (قوله: وَلَا رَهْنُ خَيْرٌ الْخ) کیونکہ مسلمان جب راہن ہو تو وہ ادا کرنے کا مالک نہیں ہوتا اور جب وہ مرتہن ہو تو وصول کرنے کا مالک نہیں ہوتا خیر میں ایسا ہی حکم ہے، ”اتقانی“۔

أَنْ لَا يَجُوزَ لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَزْهَنَ خَيْرًا أَوْ يَزْتَهِنَهَا مِنْ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ (وَلَا يَضْمَنُ لَهُ) أَمَّا لِلْمُسْلِمِ (مُزْتَهِنَهَا) حَالٌ كَوْنُهُ (ذِمِّيًّا، وَفِي عَكْسِهِ الضَّمَانُ) لِيَتَقَوَّمَهَا عَنْدَهُمْ وَلَا عِنْدَنَا وَصَحَّ الرِّهْنُ (بِعَيْنٍ مَضُونَةٍ بِنَفْسِهَا) أَمَّا بِالْبِئْثِلِ أَوْ بِالْقِيَمَةِ (كَالْمَغْضُوبِ وَبَدَلِ الْخُلْعِ وَالتَّهْرِ وَبَدَلِ الصُّلْحِ عَنْ عَيْنٍ)

یعنی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ خمر کو کسی کے ہاں بطور رہن رکھے یا مسلمان یا ذمی سے بطور رہن اپنے پاس رکھے۔ اور اس کا مرتہن مسلمان کے لیے اس کا ضامن نہیں ہوگا اس حال میں کہ مرتہن ذمی ہو۔ اور اس کے برعکس صورت میں ضمان ہوگی۔ کیونکہ ذمیوں کے نزدیک وہ مقوم ہے ہمارے نزدیک وہ مال مقوم نہیں۔ اور ایسی چیز کے بدلے میں رہن رکھنا صحیح ہے جس کی ذات کی ضمانت ہو یعنی ضمانت مثل کے ساتھ ہو یا قیمت کے ساتھ ہو جیسے مغصوبہ چیز، بدل خلع، مہر، بدل صلح اگر یہ صلح عمد سے ہو۔

میں کہتا ہوں: اب کلام اس کے بارے میں ہے جس کے بدلے میں رہن رکھنا جائز نہیں اور جس کا یہاں ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس کو رہن رکھنا جائز نہیں یہ اس سے متعلق نہیں جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں۔ پس چاہیے یہ تھا کہ اس کو مقدم کرتے۔ تاہل اس کے بدلے میں رہن کے مسئلہ کو ”جامع الفصولین“ میں ذکر کیا ہے اور کہا: خمر کے بدلے میں رہن باطل ہے۔ پس وہ امانت ہوگی یہ مسلمانوں کے متعلق ہے۔ اسی طرح اگر مرتہن مسلمان ہو اور راہن کافر ہو۔ اگر دونوں کافر ہوں تو دونوں کے درمیان یہ صحیح ہوگا۔ لیکن ”جوہرہ“ میں ہے کہ خمر اور خنزیر کے بدلے میں رہن فاسد ہے اس کے ساتھ ضمانت متعلق ہوگی۔ ہم نے پہلے ”العنایہ“ سے نقل کیا ہے کہ باطل اس وقت ہوگا جب اس کے مقابل قابل ضمانت شے نہ ہو، قائل۔

34282۔ (قوله: وَلَا يَضْمَنُ لَهُ) جس طرح جب اس سے اسے غصب کر لیا جائے تو اس کی ضمانت نہیں لے گا کیونکہ مسلمان کے حق میں یہ مال نہیں، ”منح“۔

34283۔ (قوله: وَفِي عَكْسِهِ الضَّمَانُ) یعنی اگر رہن ذمی ہو اور مرتہن مسلمان ہو تو وہ ذمی کے لیے خمر کا ضامن ہوگا جس طرح جب وہ اس سے غصب کرے، ”منح“۔

اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس کی ضمانت لی جائے گی جب کہ رہن کی ضمانت سے تعدی نہ ہو۔ کیونکہ یہاں رہن ذمی کے نزدیک مال ہے اور اس کے مقابل جو چیز ہے اس پر ضمانت ہے یہ صحیح رہن ہے فاسد رہن نہیں اور نہ ہی باطل ہے تاہل۔

34284۔ (قوله: أَمَّا بِالْبِئْثِلِ أَوْ بِالْقِيَمَةِ) نفس کی تفسیر ان دونوں چیزوں سے کی ہے اس اعتبار سے کہ یہ دونوں اس کے قائم مقام ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ان کی ضمانت مثل سے ہوگی اگر وہ مثل ہو اور قیمت سے ہوگی اگر وہ ذوات القیم میں سے ہو۔

اعیان کی اقسام

34285۔ (قوله: كَالْمَغْضُوبِ إلخ) یعنی عین مغصوبہ کی طرح یا جسے بدل خلع یا بدل مہر یا بدل صلح بنایا جائے۔ کیونکہ ضمان ثابت ہے۔ کیونکہ اگر وہ موجود ہو تو اس کا سپرد کرنا واجب ہوگا اگر وہ ہلاک ہو چکی ہو تو اس کی قیمت واجب ہوگی۔ پس اس

اعْلَمْ أَنَّ الْأَعْيَانَ ثَلَاثَةٌ عَيْنٌ غَيْرُ مَضُونَةٍ أَصْلًا كَالْأَمَانَاتِ وَعَيْنٌ غَيْرُ مَضُونَةٍ وَلَكِنَّهَا تُشَبِّهُ الْمَضُونَةَ كَتَبِيعٍ فِي يَدِ الْبَائِعِ وَعَيْنٌ مَضُونَةٌ بِنَفْسِهَا كَالْمَغْضُوبِ وَنَحْوُهُ وَتَسَامُهُ فِي الدَّرَجَةِ صَحَّ (بِالذِّينَ وَلَوْ مَوْعُودًا بِأَنْ رَهَنَ لِيُقْرِضَهُ كَذَا) كَالْفِ مَثَلًا، فَلَوْ دَفَعَ لَهُ الْبَعْضَ وَامْتَنَعَ لِأَجْبَرِ أَشْبَاهُ (فَإِذَا هَلَكَ) هَذَا الرِّهْنُ (فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ كَانَ مَضُونًا عَلَيْهِ بِمَا وَعَدَ) مِنَ الدِّينِ فَيُسَلَّمُ الْآلْفُ لِلرَّاهِنِ جَبْرًا (إِذَا كَانَ الدِّينُ مُسَاوِيًا لِلْقِيَمَةِ أَوْ أَقَلَّ، أَمَّا إِذَا كَانَ أَكْثَرَهُوَ مَضُونٌ بِالْقِيَمَةِ) هَذَا إِذَا سَمِيَ قَدَرِ الدِّينِ،

یہ چیز جان لو کہ اعیان تین قسم کے ہیں (۱) ایسا عین جس پر اصلاً ضمانت نہیں جیسے امانات ہیں (۲) عین جس پر ضمانت نہیں ہوتی لیکن مضمونہ کی طرح ہوتا ہے جس طرح بائع کے قبضہ میں بیع (۳) ایسا عین جس کی ذات پر ضمانت ہوتی ہے جیسے مغضوب وغیرہ۔ اس کی مکمل بحث ”الدرر“ میں ہے۔ اور دین کے بدلے میں رہن رکھنا صحیح ہے اگر رہن کا وعدہ کیا گیا ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ رہن رکھے تاکہ وہ اسے اتنا قرضہ دے گا جیسے مثلاً ہزار اگر وہ اسے بعض دے اور باقی سے رک جائے تو اس پر جبر نہ کیا جائے گا ”اشباہ“۔ جب یہ رہن مرتہن کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو اس نے جس رہن کا وعدہ کیا تھا اس کے بدلے میں یہ مضمون ہوگا۔ پس مرتہن پر جبر کرتے ہوئے ہزار اس کے حوالے کیا جائے گا جب دین قیمت کے مساوی ہو یا اس سے کم ہو مگر جب وہ اس سے زائد ہو تو قیمت کے بدلے میں مضمون ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ دین کی مقدار کا ذکر کرے۔

کے بدلے میں رہن یہ اس کے بدلے میں رہن ہے جس کی ضمانت لازم ہوتی ہے۔ پس یہ صحیح ہوگا جس طرح ”ہدایہ“ میں ہے۔
34286۔ (قوله: كَالْأَمَانَاتِ) یعنی ان کے بدلے میں رہن رکھنا صحیح نہیں اور ہم اس کی وجہ پہلے ”حموی“ سے نقل کر چکے ہیں۔

34287۔ (قوله: وَعَيْنٌ غَيْرُ مَضُونَةٍ) یعنی ایسا عین جو حقیقت میں غیر مضمون ہو۔ کیونکہ جب وہ ہلاک ہو تو بائع کی ملکیت ہلاک ہوتی ہے تو اس پر کوئی شے واجب نہ ہوگی جس طرح جب ودیعت ہلاک ہو جائے لیکن ان کا یہ قول تشبیہ المضونۃ یہ ثمن کے ساقط ہونے کے اعتبار سے ہے اگر وہ قبضہ نہ کرے اور جب وہ قبضہ کرے تو اس کو واپس کر دے۔ اسی وجہ سے جو قول گزر چکا ہے اس میں اسے مضونۃ بغیر ہلاک نام دیا ہے اور ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس کے بدلے میں رہن باطل ہے، فاسد ہے یا جائز ہے۔

34288۔ (قوله: فَلَوْ دَفَعَ لَهُ الْبَعْضَ) یعنی جو وعدہ کیا تھا اس کا بعض دیا اور باقی ماندہ کے دینے سے وہ رک گیا تو اس پر جبر نہیں کیا جائے گا۔ اور یہ امر مخفی نہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب رہن باقی ہو ورنہ اس کا حکم وہی ہوگا جو متن میں ہے۔

34289۔ (قوله: فَإِذَا هَلَكَ) یعنی قرض دینے سے قبل ہلاک ہو گیا، ”بزازیہ“۔

34290۔ (قوله: لِلْقِيَمَةِ) یعنی قبضہ کے روز دین کی قیمت۔

فَإِنْ لَمْ يُسَبِّهِ بِأَنْ رَهْنَهُ عَلَى أَنْ يُعْطِيَهُ شَيْئًا فَهَلْكَ فِي يَدِهِ هَلْ يَضْمَنُ خِلَافَ بَيْنِ الْإِمَامَيْنِ مَذْكَورُ فِي
الْبَزَازِيَّةِ وَغَيْرِهَا وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ غَيْرُ مَضْمُونٍ، وَقَدْ تَقَدَّمَ أَنَّ الْمَقْبُوضَ عَلَى سَوْمِ الرِّهْنِ إِذْ لَمْ يُبَيِّنِ الْمَقْدَارُ
غَيْرُ مَضْمُونٍ فِي الْأَصَحِّ (وَصَحَّ بِرَأْسِ مَالِ السَّلَمِ وَثَمَنِ الصَّرْفِ وَالْمُسْلَمِ فِيهِ،

اور اگر وہ دین کی مقدار کا ذکر نہ کرے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس کے پاس رکھے اس شرط پر کہ اسے کوئی چیز عطا کرے تو
وہ شے اس کے پاس ہلاک ہو جائے تو کیا وہ ضامن ہوگا۔ یہ امر دو اماموں کے درمیان مختلف فیہ ہے جو ”بزازیہ“ وغیرہ میں
مذکور ہے۔ اصح یہ ہے کہ اس پر ضمانت نہیں ہوگی اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ رہن کی طلب پر جس چیز پر قبضہ کیا گیا ہو جب
وہ مقدار بیان نہ کرے تو اصح قول کے مطابق اس کی ضمانت نہیں ہوگی۔ بیع سلم کے رأس المال، بیع صرف کی ثمن اور مسلم فیہ
کے بدلے میں رہن رکھنا صحیح ہے۔

34291۔ (قوله: فَإِنْ لَمْ يُسَبِّهِ بِأَنْ رَهْنَهُ الْخ) بعض نسخوں میں یہ اسی طرح ہے اور اس کے بعض نسخوں میں ہے
اگر وہ ذکر نہ کرے تو اصح قول کے مطابق اس کی ضمانت نہ ہوگی جس طرح قول المقبوض على سَوْمِ الرهن بانه رهنه في زر
چکا ہے، الخ۔

اس نسخہ کی بنا پر چاہیے یہ تھا کہ ان کے قول هل يضمن کو ساقط کر دیا جاتا تا کہ تکرار ختم ہو جاتی۔

34292۔ (قوله: خِلَافَ بَيْنِ الْإِمَامَيْنِ) یعنی اس کی ضمانت اور عدم ضمانت میں اختلاف ہے۔ ہم نے کتاب
الرہن کے شروع میں ”القنیه“ سے یہ نقل کیا ہے اور یہ ذکر کیا ہے کہ ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ اور ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مرتب
جو چاہے اسے کوئی شے دے دے۔ اسی پر ”زیلعی“ گامزن ہوئے جب کہ یہ علت بیان کی ہے کہ ہلاک ہونے کی صورت
میں وہ پورا پورا حق لینے والا ہے۔ پس اس کی وضاحت اس کے ذمہ ہوگی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ روایت مختلف ہے۔

34293۔ (قوله: وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ غَيْرُ مَضْمُونٍ) دو روایتوں میں سے اصح یہ ہے جس طرح ہم نے پہلے قبضہ سے بیان
کیا ہے۔

34294۔ (قوله: وَقَدْ تَقَدَّمَ) یعنی کتاب الرہن کے شروع میں متن میں یہ گزر چکا ہے یہ ماقبل سے معوم ہو چکا
ہے۔ لیکن اس نے یہ ارادہ کیا کہ اس پر متنبہ کریں کہ جو گزر چکا ہے وہی یہاں مراد ہے وعدہ کیے گئے دین کے بدلے میں جو
رہن ہوتا ہے رہن کے بھاؤ پر مقبوض ہوتا ہے، فافہم۔

تنبیہ

وہ رہن جس کا وعدہ کیا گیا ہو اس کو پورا کرنا لازم نہیں ہوتا اور مصنف کے قول باع عبد الخ میں عنقریب آئے گا۔

بیع سلم کے رأس المال بیع صرف کی ثمن اور مسلم فیہ کے بدلے میں رکھنا صحیح ہے

34295۔ (قوله: وَصَحَّ بِرَأْسِ مَالِ السَّلَمِ وَثَمَنِ الصَّرْفِ وَالْمُسْلَمِ فِيهِ الْخ) ان مسائل کی صورت یہ ہے کہ

فَإِنْ هَلَكَ الرِّهْنُ (فِي الْمَجْلِسِ) ثُمَّ الصَّرْفُ وَالسَّلَمُ وَ (صَارَ الْمُرْتَهَنُ مُسْتَوْفِيًا) حُكْمًا خِلَافًا لِثَلَاثَةِ (وَإِنْ افْتَرَقَا قَبْلَ نَقْدٍ وَهَلَكَ بَطْلًا) أَيْ السَّلَمُ وَالصَّرْفُ،

اگر مجلس میں رہن ہلاک ہو گیا تو بیع صرف اور بیع سلم مکمل ہو جائیں گی اور مرتہن حکماً اپنا پورا حق لینے والا ہو جائے گا۔ تینوں ائمہ نے اس سے اختلاف کیا ہے اگر نقد اور ہلاک ہونے سے پہلے دونوں فریق جدا ہو گئے تو بیع سلم اور بیع صرف باطل ہو جائے گی۔

مثلاً کھانے کے بدلے میں سو حوالے کیے یا دینار درہم کے بدلے میں بیچے پھر قبضہ سے پہلے مسلم الیہ کو سو کے بدلے میں رہن دے دے یا درہم یا کھانے کے بدلے میں لے لے۔ بعض علماء نے پہلی کی یہ صورت بیان کی ہے کہ مسلم راس المال کے عوض مسلم الیہ سے رہن لے جو راس المال اس نے مسلم الیہ کو دیا تھا۔ میرے لیے یہ ظاہر ہوا ہے کہ صحیح وہ ہے جو میں نے صورت بیان کی ہے۔ کیونکہ جب مجلس میں رہن ہلاک ہو جائے تو مسلم راس المال کو واپس لینے والا ہوگا۔ پس یہ کیسے کہا جائے گا: عقد اس کے ساتھ مکمل ہو جاتا ہے اگر ہلاک ہونے سے پہلے وہ جدا ہو جائیں تو عقد باطل ہو جائے گا، تامل۔

34296۔ (قوله: فَإِنْ هَلَكَ الْخ) مذکورہ اشیا کے بدلے میں رہن رکھنے کے فائدہ کا بیان ہے، ”عینی“۔ ”قہستانی“ نے یہ بیان کیا ہے کہ مراد راس المال کے عوض یا ثمن صرف کے عوض رہن ہلاک ہوا ہے نہ کہ مسلم فیہ کے عوض یہ ہلاک ہوا ہے۔ کیونکہ یہ اس کے اس قول کے منافی ہے جو اس کے بعد قول ہے وان افترقا الخ، کیونکہ مسلم فیہ مطلقاً صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں: اسی وجہ سے ”الدرر“ میں صرف مسلم فیہ کا مسئلہ موخر ذکر کیا ہے۔

34297۔ (قوله: وَ صَارَ الْمُرْتَهَنُ مُسْتَوْفِيًا) یعنی مرتہن راس المال، ثمن صرف اور ثمن مسلم فیہ کو پورا پورا وصول کرنے والا ہو جائے گا۔ ”طحاوی“ نے ”شمسی“ سے اسے نقل کیا ہے۔ اسی کی مثل ”ابوسعود“ کا ”حموی“ سے قول ہے۔ مرتہن سے مراد پہلی صورت میں مسلم الیہ، دوسری صورت میں عقد صرف کرنے والے ہیں۔ ایک اور تیسری صورت میں رب المال ہے۔ ملخص میں کہتا ہوں: یہاں تیسرے کا کوئی عمل دخل نہیں۔ پھر پہلی صورت میں مرتہن کی تفسیر مسلم الیہ سے کرنا یہ اس کی مؤید ہے جو ہم نے سابقہ مسئلہ میں صورت بیان کی ہے۔

یہ امر ذہن نشین کر لو۔ ”قہستانی“ نے یہ بیان کیا ہے کہ جو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ پورا پورا حق لینے والا ہو جائے گا۔ یہ اس صورت میں ہوگا اگر دین کی قیمت راس المال اور ثمن الصرف کے مساوی ہو۔ اگر وہ کم ہو تو صرف اسی مقدار سے صحیح ہوگا۔

34298۔ (قوله: قَبْلَ نَقْدٍ وَهَلَكَ) نقدیر کلام یہ ہے: قبل نقد المرهون به وقبل هلك الرهن یعنی جسے رہن رکھا جا رہا ہے اگر اس کے نقد ادا کرنے سے قبل اور رہن کے ہلاک ہونے سے قبل۔

34299۔ (قوله: بَطْلًا) کیونکہ نہ حقیقت کے اعتبار سے اور نہ ہی حکم کے اعتبار سے قبضہ ہوا ہے۔ ”جوہرہ“ نے کہا: اس پر رہن کو لوٹانا لازم ہے۔ اگر لوٹانے سے پہلے مرتہن کے پاس رہن ہلاک ہو جائے تو وہ راس المال کے بدلے میں ہلاک ہوگا۔ کیونکہ رہن کے ہلاک ہونے کی صورت میں وہ راس المال کو وصول کرنے والا ہے جب کہ بیع سلم کا عقد باطل ہو چکا ہے

وَأَمَّا الْمُسْلِمُ فِيهِ فَيَصِحُّ مُطْلَقًا، فَإِنْ هَلَكَ الرِّهْنُ ثُمَّ الْعَقْدُ وَصَارَ عِوَضًا لِلْمُسْلِمِ فِيهِ (وَلَوْ لَمْ يَهْلِكْ وَلَكِنْ تَفَاسَخَا السَّلَمُ، وَبِالْمُسْلِمِ فِيهِ رَهْنٌ فَهُوَ رَهْنٌ بِرَأْسِ الْمَالِ) اسْتِحْسَانًا لِأَنَّهُ بَدَلُهُ فَقَامَ مَقَامَهُ (وَإِنْ هَلَكَ) الرِّهْنُ (بَعْدَ الْفَسْخِ) الْمَذْكُورِ (هَلَكَ بِهِ) أَيْ بِالْمُسْلِمِ فِيهِ فَيَلْزَمُ رَبُّ السَّلَمِ دَفْعُ مِثْلِ الْمُسْلِمِ فِيهِ لِبَقَاءِ الرِّهْنِ حُكْمًا إِلَى أَنْ يَهْلِكَ (وَلِلَّابِ أَنْ يَرَهْنَ بِدَيْنٍ) كَائِنٍ

جہاں تک مسلم فیہ کا تعلق ہے تو وہ مطلقاً صحیح ہوگا۔ اگر رہن ہلاک ہو گیا تو عقد مکمل ہو جائے گا اور وہ مسلم فیہ کا عوض بن جائے گا۔ اگر وہ ہلاک نہ ہو لیکن دونوں بیع سلم کو فسخ کر دیں اور مسلم فیہ کے بدلے میں رہن ہو تو وہ رأس المال کے عوض رہن ہوگا یہ بطور استحسان ہوگا۔ کیونکہ یہ اس کا بدل ہے پس اس کے قائم مقام ہوگا۔ اگر مذکورہ فسخ کے بعد رہن ہلاک ہو جائے تو وہ مسلم فیہ کے بدلے میں ہلاک ہوگا تو رب السلم پر مسلم فیہ کی مثل لازم ہوگا۔ کیونکہ ہلاک ہونے تک رہن حکماً باقی تھا۔ اور باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بچے کے غلام کو اس دین کے بدلے میں رہن رکھے

اور عقد سلم جائز نہیں ہوتا۔

- 34300۔ (قوله: فَيَصِحُّ مُطْلَقًا) یعنی اگرچہ افتراق کے بعد ہو کیونکہ مجلس میں قبضہ واجب نہیں، ”زیلعی“۔
- 34301۔ (قوله: وَصَارَ عِوَضًا لِلْمُسْلِمِ فِيهِ) یعنی وہ مسلم فیہ کو پورا پورا وصول کرنے والا ہوگا اور زیادتی میں امین ہوگا اگر اس کی قیمت کم ہو تو وہ اسی حساب سے وصول کرنے والا ہوگا، ”جوہرہ“۔
- 34302۔ (قوله: وَلَوْ لَمْ يَهْلِكْ) اس کا عطف شروع میں جو قول ہے فان هلك اس پر ہے۔
- 34303۔ (قوله: فَقَامَ مَقَامَهُ) یعنی وہ مغضوب کی طرح ہو جائے گا جب وہ ہلاک ہو اس کے بدلے میں جو رہن ہے وہ اس کی قیمت کے بدلے میں رہن ہوگا۔ ”ہدایہ“۔
- 34304۔ (قوله: هَلَكَ بِهِ) پھر دونوں نے اقالہ کر لیا تو اسے حق حاصل ہوگا کہ بیع لینے کے لیے اسے روک لے۔ کیونکہ رہن ثمن کا بدل ہے اگر مرہون ہلاک ہو جائے تو وہ ثمن کے بدلے ہلاک ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کے بدلے میں مرہون ہے، ”زیلعی“۔
- 34305۔ (قوله: فَيَلْزَمُ الْخ) جب ہمارے مسئلہ میں مسلم فیہ کے مقابلہ میں رہن ہلاک ہو گیا تو رب السلم پر واجب ہوگا کہ مسلم فیہ کی مثل مسلم الیہ کے حوالے کرے اور اس المال لے۔ کیونکہ یہ ضمانت ہے۔ رہن کا حکم باقی رہ گیا ہے یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو جائے۔ پس رب السلم رہن کے ہلاک ہونے کی صورت میں مسلم فیہ کو وصول کرنے والا ہو جاتا ہے۔ اگر وہ حقیقت کے اعتبار سے اسے وصول کرنے والا ہو پھر دونوں اقالہ کریں یا اقالہ کے بعد اپنا حق پورا پورا لے لے تو جو لیا تھا اس کو لوٹانا اور اس المال کو واپس لینا لازم ہے۔ اسی طرح یہاں یہی حکم ہے۔
- 34306۔ (قوله: بِدَيْنٍ) یعنی اجنبی کا رہن۔

(عَلَيْهِ عَبْدًا لَطْفِيهِ) لِأَنَّ لَهُ إِيدَاعَهُ، فَهَذَا أَوَّلَى لِهَلَاكِهِ مَضُونًا الْوَدِيعَةُ أَمَانَةٌ (وَالْوَصِيُّ كَذَلِكَ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ لَا يَبْدُلُكَانِ ذَلِكَ، ثُمَّ إِذَا هَلَكَ ضَمِنَا قَدَرِ الدَّيْنِ لِلصَّغِيرِ لَا الْفَضْلِ لِأَنَّهُ أَمَانَةٌ، وَقَالَ الشُّرْتُكَاثِيُّ يَضْمَنُ الْوَصِيُّ الْقِيَمَةَ لِأَنَّ لِلْأَبِ أَنْ يَنْتَفِعَ بِمَالِ الصَّبِيِّ، بِخِلَافِ الْوَصِيِّ، لَكِنْ جُزِمَ فِي الذَّخِيرَةِ وَغَيْرِهَا بِالتَّسْوِيَةِ بَيْنَهُمَا (وَلَهُ) أَيْ لِلْأَبِ (رَهْنُ مَالِهِ عِنْدَ وَلَدِهِ الصَّغِيرِ بِدَيْنٍ لَهُ) أَيْ لِلصَّغِيرِ (عَلَيْهِ) أَيْ عَلَى الْأَبِ (وَيَحْبِسُهُ لِأَجَلِهِ)

جو اس پر لازم ہونے والا ہے۔ کیونکہ باپ کو اس کا غلام بطور ودیعت رکھنے کی بھی اجازت ہے تو یہ رہن رکھنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ کیونکہ رہن ضمانت کے ساتھ ہلاک ہوتا ہے اور ودیعت بطور امانت ہلاک ہوتی ہے وصی کا حکم اسی طرح ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وہ دونوں اس کے مالک نہیں ہیں پھر جب وہ ہلاک ہو جائے تو وہ صغیر کے لیے دین کی مقدار کے ضامن ہوں گے زیادتی کے ضامن نہیں ہوں گے۔ کیونکہ یہ امانت ہے۔ ”تمر تاشی“ نے کہا: وصی قیمت کا ضامن ہوگا کیونکہ باپ کو حق حاصل ہے کہ وہ بچے کے مال سے نفع حاصل کرے۔ وصی کا معاملہ مختلف ہے۔ لیکن ”ذخیرہ“ وغیرہ دونوں میں تسویہ کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور باپ کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مال کو اپنے چھوٹے بچے کے پاس بطور رہن رکھے اس دین کے بدلے میں جو بچے کے باپ کے ذمہ لازم ہے۔

34307۔ (قوله: عَبْدًا) یہ یرہن کا مفعول ہے اور ان کا قول لطفہ اس کی صفت ہے۔

34308۔ (قوله: لِهَلَاكِهِ مَضُونًا) یہ اولویت کا بیان ہے اور اس لیے کہ چٹی کے خوف سے مرہن اس کی حفاظت کا زیادہ اہتمام کرتا ہے۔ ”ہدایہ“۔

34309۔ (قوله: الْوَدِيعَةُ أَمَانَةٌ) یہ مبتدا اور خبر ہے یعنی یہ معلوم ہو چکا ہے کہ امانت کی ضمانت نہیں ہوتی۔

34310۔ (قوله: وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ) یعنی امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ”زفر“ نے کہا: اور ان دونوں کا قول قیاس ہے۔ پہلا قول ظاہر ہے اور وہ استحسان ہے، ”ہدایہ“، ”زیلعی“۔

34311۔ (قوله: ثُمَّ إِذَا هَلَكَ) یہ اس پر مبنی ہے جو متن میں ہے۔

34312۔ (قوله: لَا الْفَضْلَ) یعنی رہن کی قیمت میں سے جو رہن کی مقدار سے زائد ہو۔ اگر وہ قیمت رہن سے زائد ہو۔

34313۔ (قوله: يَضْمَنُ الْوَصِيُّ الْقِيَمَةَ) یعنی وصی تمام قیمت کا ضامن ہوگا قیمت زائد ہو۔ باب التصرف فی الرہن

میں آگے آ رہا ہے شارح نے اسی پر اکتفا کیا ہے۔

34314۔ (قوله: وَغَيْرِهَا) جیسے ”مغنی“، ”عنایہ“ اور ”ملتقی“۔

34315۔ (قوله: بِالتَّسْوِيَةِ بَيْنَهُمَا) وہ پہلا قول ہے۔

34316۔ (قوله: وَيَحْبِسُهُ) یعنی باپ اپنے پاس رہن کو محبوس رکھے گا۔

أَمَّا لِأَجْلِ الصَّغِيرِ (بِخِلَافِ الْوَصِيِّ) فَإِنَّهُ لَا يَبْدُلُ ذَلِكَ سَرَاغِيَّةً (وَكَذَا عَكْسُهُ) فَلِلْأَبِ رَهْنٌ مَتَاعِ طِفْلِهِ مِنْ نَفْسِهِ، لِأَنَّهُ لِيُفَوِّرَ شَفَقَتَهُ جُعِلَ كَشَخَصَيْنِ وَعِبَارَتَيْنِ كَشَرَائِهِ مَالِ طِفْلِهِ، بِخِلَافِ الْوَصِيِّ لِأَنَّهُ وَكَيْلٌ مَحْضٌ فَلَا يَتَوَلَّى طَرَفَ الْعَقْدِ فِي رَهْنٍ وَلَا بَيْعٍ، وَتَسَامُهُ فِي الزَّيْلَعِيِّ (وَ) صَحَّ (بِشْنِ عَبْدٍ أَوْ خَلٍّ أَوْ ذَكِيَّةٍ إِنْ ظَهَرَ الْعَبْدُ حُرًّا وَالْخَلُّ خَيْرًا وَالذَّكِيَّةُ مَيِّتَةً، وَ) صَحَّ (بِبَدَلٍ صُلِحَ عَنْ إِنْكَارٍ

اور وہ اسے چھوٹے بچے کے لیے روک لے۔ وصی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ اس کا مالک نہیں ہوتا۔ ”سراجیہ“۔ اس کے برعکس بھی معاملہ اسی طرح ہے۔ باپ کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بچے کا مال اپنے پاس بطور رہن رکھ لے۔ کیونکہ وفور شفقیت کی وجہ سے اسے دو افراد اور دو کلاموں کی طرح بنا دیا جائے گا جس طرح وہ اپنے چھوٹے بچے کا مال خرید لے۔ وصی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ محض وکیل ہے تو وہ نہ رہن میں عقد کی طرف کا والی ہوگا اور نہ بیع کی طرف کا ولی ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ”زیلعی“ میں ہے۔ غلام، سرکہ یا جس کو ذبح کیا گیا ہو۔ اس کی ثمن کے عوض رہن رکھنا صحیح ہے اگرچہ غلام، آزاد، سرکہ، خمر اور ذبح شدہ، مردار ظاہر ہو دعویٰ کے مقابلہ میں انکار کی صورت میں صلح کی جائے تو اس کے بدل کے عوض میں رہن رکھنا صحیح ہے

34317۔ (قوله: وَكَذَا عَكْسُهُ) یعنی جب باپ کا اپنے چھوٹے بیٹے پر رہن ہو تو باپ کے لیے یہ ہے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر رہن اس کے دوسرے چھوٹے بیٹے کا ہو یا باپ کے تاجر غلام کا ہو تو باپ کو حق حاصل ہوگا کہ وہ مدیون بیٹے کا سامان دوسرے بیٹے کے پاس یا اپنے غلام کے پاس رکھ دے جس طرح ”ہدایہ“ اور ”ملتقی“ میں ہے۔

34318۔ (قوله: بِخِلَافِ الْوَصِيِّ) یعنی اگر اس کا صغیر پر رہن ہو تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ چھوٹے بچے کا سامان اپنے پاس بطور رہن رکھے۔

34319۔ (قوله: وَلَا بَيْعٍ) یہ قاضی کے وصی پر محمول ہوگا۔

مصنف نے باب الوصی میں کہا: اگر اس کا مال خود اپنے آپ کو بیچے یا خود ہی اسے خریدے۔ اگر وہ قاضی کا وصی ہے تو مطلقاً جائز نہیں۔ اگر باپ کا وصی ہے تو اس شرط کے ساتھ جائز ہوگا کہ بچے کے حق میں منفعت ظاہر ہو اور باپ کا اپنے چھوٹے بچے کا مال اپنے آپ کو بیچنا جائز ہے جب وہ بیع مثل قیمت یا اتنے غبن کے ساتھ ہو جو لوگوں میں معمول ہے، ”ط“۔

34320۔ (قوله: وَتَسَامُهُ فِي الزَّيْلَعِيِّ) یہاں علت بیان کرنے اور سائل کی تفریع میں طویل گفتگو کی ہے جیسے

”ہدایہ“، ”منح“۔

”ملتقی“ میں ہے: اگر وصی نے یتیم کے لباس اور اس کے کھانے کے لیے ادھار لیا اور اس کے بدلے میں اس کا سامان رکھا تو یہ صحیح ہوگا بچے کو حق حاصل نہیں کہ جب وہ بالغ ہو جائے کہ ان میں سے کسی شے میں رہن کا عقد توڑ دے جب تک وہ رہن ادا نہ کرے۔

34321۔ (قوله: وَصَحَّ بِشْنِ عَبْدٍ الْخ) پس وہ رہن کی ضمانت کا ضامن ہوگا اگر وہ ہلاک ہو جائے اور اس کی

إِنْ أَقَرَّ بَعْدَ ذَلِكَ (أَنْ لَا دَيْنَ عَلَيْهِ) وَالْأَصْلُ مَا مَرَّ أَنَّ وَجُوبَ الدَّيْنِ ظَاهِرًا يَكْفِي لِصَحَّةِ الرِّهْنِ وَالْكَفِيلِ (وَصَحَّ رَهْنُ الْحَجْرَيْنِ وَالْمُؤْذُونِ، فَإِنْ رَهْنُ الْمَذْكُورِ بِخِلَافِ جَنْسِهِ هَلَكَ بِقِيَّتِهِ وَهُوَ ظَاهِرٌ،

اگرچہ وہ بعد میں اقرار کرے کہ اس پر کوئی دین لازم نہیں۔ اس میں قاعدہ وہ ہے جو گزر چکا ہے کہ دین کا ظاہر میں وجوب یہ رہن اور کفیل کی صحت کے لیے کافی ہے۔ اور سونے چاندی، کیلی اور وزنی چیز کو رہن رکھنا صحیح ہے۔ اگر مذکورہ چیز کو اس کی جنس کے خلاف رہن رکھا تو وہ اپنی قیمت کے ساتھ ہلاک ہو گئی جب کہ یہ ظاہر ہے

قیمت دین کی مثل ہو یا اس سے زائد ہو تو دین کی مقدار رہن تو دے گا۔ اگر اس سے کم ہو تو اس کی قیمت اس کو دے دے گا۔ کیونکہ اس نے اس رہن کے بدلے میں رہن رکھا تھا جو ظاہر واجب تھا۔ ”ابن کمال“۔

34322۔ (قوله: إِنْ أَقَرَّ) یعنی مرہن اقرار کرے اور ان کا قول بعد ذلك سے مراد رہن کے بعد ہے۔

اس کی صورت یہ ہے: ایک آدمی نے دوسرے پر ہزار کا دعویٰ کیا تو دوسرے نے اس کا انکار کر دیا پھر پانچ سو پر اس سے صلح کر لی اور اسے بطور رہن ایسی چیز دے دی جو پانچ سو کے مساوی تھی اور وہ چیز مرہن کے پاس ہلاک ہو گئی پھر انہوں نے باہم ایک دوسرے کی تصدیق کی کہ کوئی رہن نہیں تو دوسرے مرہن کے ذمہ رہن کی قیمت لازم ہوگی۔ ”معراج“۔

34323۔ (قوله: وَالْأَصْلُ مَا مَرَّ) یعنی کتاب الرہن کے شروع میں باقاعدہ گزر چکا ہے۔

دین کا ظاہر میں وجوب رہن اور کفیل کی صحت کے لیے کافی ہے

34324۔ (قوله: يَكْفِي لِصَحَّةِ الرِّهْنِ وَالْكَفِيلِ) ”المنح“ میں اسی طرح ہے۔ میں نے اسے کسی اور کتاب میں

نہیں دیکھا۔ ”النهاية“ وغیرہا کی عبارت ہے: رہن کے صحیح ہونے اور اس کے مضمون ہونے کے لیے اتنا کافی ہے۔ شاید کفیل سے مراد غرامات کا ضامن ہے کیونکہ ان کی ضمان صحیح ہے جو مصنف نے کتاب الکفالة میں نقطہ نظر اپنایا ہے۔ جہاں تک اسے غلام کی قیمت اور اس کے مابعد کی کفالت پر محمول کرنے کا تعلق ہے تو یہ ظاہر نہیں۔ کیونکہ ”ذخیرہ“ کے کتاب الکفالة میں ”المشتق“ سے مروی ہے: اگر کفیل طالب کے اقرار پر گواہیاں قائم کر دے کہ یہ مال خمر یا بیع فاسد کی ثمن ہے تو اس کی گواہیاں قبول کی جائیں گی اور مال باطل ہو جائے گا۔ فلیتأمل۔

34325۔ (قوله: وَصَحَّ رَهْنُ الْحَجْرَيْنِ) حجرین سے مراد سونا اور چاندی ہے، ”منح“۔

34326۔ (قوله: بِخِلَافِ جَنْسِهِ) جیسے مثلاً کپڑے ہوں۔

34327۔ (قوله: هَلَكَ بِقِيَّتِهِ) یعنی سونا چاندی وغیرہا میں سے مذکور رہن ہلاک ہو جائے تو وہ قیمت کے حساب

سے ہلاک ہوگا وزن اور قیمت کے اعتبار سے ہلاک نہیں ہوگا اس تعبیر کی بنا پر اس میں عمدگی کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ جنس کے خلاف رہن رکھا گیا ہے وہ مثلاً کپڑے ہیں جنس کے مقابلہ میں عمدگی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جس طرح آگے آئے گا۔ فافہم

وَإِنْ (بِجَنْسِهِ وَهَلَكَ، هَلَكَ بِشَيْءٍ) وَزُنًا أَوْ كَيْلًا لَا قِيَمَةَ خِلَافًا لَهَا (مِنْ الدِّينِ، وَلَا عِبْرَةً بِالْجَوْدَةِ) عِنْدَ الْمُقَابَلَةِ بِالْجِنْسِ ثُمَّ إِنْ تَسَاوَيَا فَظَاهِرٌ، وَإِنْ الدِّينُ أَزِيدَ فَالزَّائِدُ فِي ذِمَّةِ الرَّاهِنِ، وَإِنْ الرِّهْنُ أَزِيدَ فَالزَّائِدُ أَمَانَةٌ دُرٌّ وَصَدْرُ شَرِيعَةٍ (بَاعَ عَبْدًا عَلَى أَنْ يَرَهْنَ الْمُشْتَرِيَ بِالشَّيْنِ شَيْئًا بَعِيْنِهِ أَوْ يُعْطَى كَفِيلًا

اگر اس کی جنس سے ہو اور وہ ہلاک ہو جائے تو دین میں اس سے اس کی مثل یعنی وزن اور کیل کے ساتھ ہلاک ہوگی۔ قیمت کے اعتبار سے ہلاک نہ ہوگی۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اور جنس کا مقابلہ کرتے وقت عمدگی کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا پھر اگر دونوں برابر ہوں تو امر ظاہر ہوگا۔ اگر زائد ہو تو زائد راہن کے ذمہ ہوگا اگر راہن زائد ہو تو زائد امانت ہوگی۔ ”درر“، ”صدر الشریعہ“۔ ایک آدمی نے اس شرط پر غلام بیچا کہ مشتری ثمن کے بدلے میں کوئی معین شے اس کے پاس رہن رکھے گا یا اس طرح اسے ضامن دے گا

34328۔ (قوله: وَإِنْ بِجَنْسِهِ) یعنی جب وہ چاندی کو چاندی کے بدلے رہن رکھے یا سونے کو چاندی کے بدلے رہن رکھے، گندم کو گندم کے بدلے رہن رکھے یا جو کو جو کے بدلے رہن رکھے۔

34329۔ (قوله: وَزُنًا أَوْ كَيْلًا) خواہ قیمت کم ہو یا زیادہ ہو، ”زیلعی“۔

34330۔ (قوله: لَا قِيَمَةَ خِلَافًا لَهَا) ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے اس کے نزدیک وہ خلاف جنس قیمت کا ضامن ہوگا اور وہ قیمت اس کی جگہ رہن ہوگی اور مرہن ضمان کے ساتھ ہلاک ہونے والی چیز کا مالک ہو جائے گا، ”عینی“۔

اختلاف کا ثمرہ ظاہر ہوگا جب قیمت رہن سے کم ہوگی مگر جب قیمت اس کی مثل ہو یا اس سے زیادہ ہو تو جواب دونوں صورتوں میں بالاتفاق ہے۔ کیونکہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک حق کی وصولی وزن کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک قیمت کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہ پہلی صورت میں رہن کی مثل ہوگی اور دوسری صورت میں اس پر زائد ہوگی۔ پس وہ رہن کی مقدار اپنا پورا حق لینے والا ہوگا اور باقی امانت ہوگی جس طرح ”ہدایہ“ میں ہے۔

34331۔ (قوله: لَا عِبْرَةَ بِالْجَوْدَةِ الْخ) کیونکہ ان دونوں کی کوئی قیمت نہ ہوگی جب وہ جنس کے مقابل ہوتا کہ یہ امر ربا کی طرف نہ لے جائے۔

34332۔ (قوله: ثُمَّ إِنْ تَسَاوَيَا) یعنی اگر رہن اور مرہن کیل یا وزن میں برابر ہوں۔ تو یہ امر ظاہر ہے یعنی رہن قیمت اور عمدگی کی طرف توجہ کیے بغیر ساقط ہو جائے گا۔ یہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ یہ سب اس وقت ہے جب وہ ہلاک ہو جائے مگر جب اس میں کمی واقع ہو جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ چاندی کا لوٹا ہو تو وہ ٹوٹ گیا تو اس میں دوسری بحث ہے۔ ہلاک اور نقصان کی صورت میں اس مسئلہ کی صورتوں کا جو حاصل ہے وہ چھبیس صورتوں تک جا پہنچتا ہے جو مطولات میں مفصل ذکر کی گئی ہیں۔ ”تبیین“ اور ”غایۃ البیان“ میں ان کی وضاحت کی گئی ہے۔

34333۔ (قوله: أَوْ يُعْطَى كَفِيلًا) یعنی کفیل مجلس میں موجود ہو تو اس کو قبول کیا جاتا ہے اگر رہن ہو اور کفیل معین نہ

كَذَلِكَ بِعَيْنِهِ (صَحَّ، وَلَا يُجْبَرُ الْمُشْتَرِي عَلَى الْوَفَاءِ) لِمَا مَرَّ أَنَّهُ غَيْرُ لَازِمٍ (وَلِلْبَائِعِ فُسْخُهُ) لِفَوَاتِ الْوَصْفِ الْمَرْغُوبِ (إِلَّا أَنْ يَدْفَعَ الْمُشْتَرِي الثَّنَ حَالًا) أَوْ يَدْفَعَ (قِيَمَةَ الرِّهْنِ) الْمُشْرُوطِ (رَهْنًا) لِحُصُولِ الْمُقْصُودِ (وَإِنْ قَالَ) الْمُشْتَرِي (لِبَائِعِهِ) وَقَدْ أَعْطَاهُ شَيْئًا غَيْرَ مَبِيعِهِ (أَمْسِكَ هَذَا حَتَّى أُعْطِيَكَ الثَّنَ فَهُوَ رَهْنٌ)

تو یہ صحیح ہوگا اور مشتری کو اس کے بجالانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ یہ لازم نہیں اور بائع کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اس کو فسخ کر دے۔ کیونکہ مرغوب وصف فوت ہو گیا ہے مگر مشتری اسی وقت ثمن ادا کر دے یا اس رہن کی قیمت دے دے جس کی بطور رہن شرط لگائی گئی تھی۔ کیونکہ مقصود حاصل ہو چکا ہے۔ اگر مشتری اپنے بائع سے کہے جب کہ مشتری نے اسے بیع کے علاوہ کوئی چیز دی تھی اسے اپنے پاس روک لو یہاں تک کہ میں تجھے ثمن ادا کر دوں تو وہ رہن ہوگا۔

ہو یا کفیل غائب تھا یہاں تک کہ وہ دونوں جدا ہو گئے تو عقد فاسد ہو جائے گا۔ اگر کفیل حاضر ہو اور اس نے قبول کر لیا یا دونوں رہن کی تعیین پر متفق ہو گئے یا مشتری نے فوراً ثمن نقد دے دی تو بیع جائز ہو جائے گی اور مجلس کے بعد جائز نہ ہو گی، ”زیلعی“، ملخص۔

34334۔ (قوله: وَلَا يُجْبَرُ الْمُشْتَرِي) یعنی رہن حوالے کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ جہاں تک کفیل کا تعلق ہے تو تو یہ جان چکا ہے کہ شرط اس کا حاضر ہونا اور مجلس میں اس کا قبول کرنا ہے اس میں امتناع اور اجبار واقع نہیں ہو سکتا، تامل۔
34335۔ (قوله: لِمَا مَرَّ) یعنی کتاب الرہن کے شروع میں گزر چکا ہے کہ محض ایجاب و قبول کے ساتھ قبضہ سے پہلے یہ لازم نہیں یہاں تک کہ اگر وہ رہن کا عقد کرے تو اسے سپرد کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا تو محض وعدہ سے بدرجہ اولیٰ مجبور نہیں کیا جائے گا۔

34336۔ (قوله: لِفَوَاتِ الْوَصْفِ الْمَرْغُوبِ) کیونکہ وہ ثمن جس کے بدلے میں رہن رکھا جائے وہ اس سے زیادہ قابل وثوق ہوتی ہے جس میں رہن نہ ہو پس رہن ثمن کی صفت ہوگی یہ مرغوب وصف ہے پس اس کے فوت ہو جانے کے ساتھ اسے اختیار ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ”غایۃ البیان“ میں ہے۔

34337۔ (قوله: لِحُصُولِ الْمُقْصُودِ) کیونکہ رہن کا مقصود اس کی قیمت ہوتی ہے اس کا عین نہیں ہوتا۔

34338۔ (قوله: وَقَدْ أَعْطَاهُ) ضمیر مستتر مشتری کے لیے ہے اور ضمیر بارز بائع کے لیے ہے۔

34339۔ (قوله: شَيْئًا غَيْرَ مَبِيعِهِ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ اس کو حذف کر دیتے تاکہ مصنف کے آنے والے قول ولو کان البیعیۃ میں تعیم اچھی ہوتی۔ کیونکہ اس قول میں لو وصلیہ ہے اس کے مابعد اور اس کی نفیض کو جمع نہیں کیا جاتا۔ یہ جملہ نہیں کہا جاتا: اکر ملک ان جئتنی ولو لم تجئنی۔

لِتَلْقُظَهُ بِمَا يُفِيدُ الرِّهْنُ، وَالْعِبْرَةُ لِلْمَعَانِي خِلَافًا لِلثَّانِي وَالثَّلَاثَةِ، وَ(لَوْ كَانَ) ذَلِكَ الشَّيْءُ الَّذِي قَالَ لَهُ الْمُشْتَرِي أَمْسِكْهُ هُوَ (الْبَيْعُ) الَّذِي اشْتَرَاهُ بِعَيْنِهِ لَوْ (بَعْدَ قَبْضِهِ) لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ يَصْدَحُّ أَنَّ يَكُونُ رَهْنًا بِشَيْنِهِ (وَلَوْ قَبْلَهُ لَا) يَكُونُ رَهْنًا لِأَنَّهُ مَحْبُوسٌ بِالشَّيْنِ كَمَا مَرَّبَقِيَ لَوْ كَانَ الْبَيْعُ

کیونکہ اس نے ایسا لفظ بولا ہے جو رہن کا فائدہ دیتا ہے اعتبار معانی کا ہوتا ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ اور تینوں ائمہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر وہ شے جس کے بارے میں مشتری نے کہا: اسے روک لو وہ بیع ہو جس کو ہی اس نے خریدا تھا اگر وہ اس کے قبضہ کے بعد ہو۔ کیونکہ اس وقت یہ اس امر کی صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ اس شے کے بدلے میں رہن ہو اور اگر وہ اس سے قبل ہو تو رہن نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ شے کے بدلے میں روکا گیا ہے جس طرح قول گزر چکا ہے۔ یہ باقی رہ گیا ہے اگر بیع

34340۔ (قوله: لَتَلْقُظَهُ بِمَا يُفِيدُ الرِّهْنُ) وہ شے کی ادائیگی تک اسے روکنا ہے۔

34341۔ (قوله: وَالْعِبْرَةُ) یعنی عقد میں اعتبار معانی کا ہوتا ہے اسی وجہ سے ایسی کفالت جس میں اصل کو بری کر دیا جائے وہ حوالہ ہو جاتا ہے اور ایسا حوالہ جس میں اصل بدنی نہ ہو وہ کفالت ہوتی ہے، ”اتقانی“۔

34342۔ (قوله: خِلَافًا لِلثَّانِي وَالثَّلَاثَةِ) کیونکہ یہ رہن اور ودیعت کا احتمال رکھتا ہے اور دوسرا یہ ان دونوں میں سے اقل ہے۔ پس اس کے ثبوت کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ کہے: اپنا رہن یا اپنا مال روک لے۔ کیونکہ جب اسے رہن کے مقابل ذکر کیا تو اس نے رہن کی جہت کو معین کیا ہم نے کہا: جب عطا کرنے کے وقت تک اسے لمبا کیا تو اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ اس کی مراد رہن ہے۔ ”ہدایہ“۔

34343۔ (قوله: وَلَوْ كَانَ) لو یہ وصلیہ ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر آئے ہیں اور اس کا مابعد شرطیہ ہے۔

34344۔ (قوله: لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ يَصْدَحُّ الْخ) یعنی کیونکہ اس کی ملک اس میں متعین ہو چکی ہے یہاں تک کہ اگر وہ ہلاک ہو جائے تو وہ مشتری پر ہلاک ہوگا اور عقد منسوخ نہیں ہوگا، ”ط“۔

34345۔ (قوله: لِأَنَّهُ مَحْبُوسٌ بِالشَّيْنِ) یعنی اس کی ضمانت رہن کی ضمان کے مخالف ہے پس وہ دو مختلف ضمانتوں کے ساتھ مضمون نہیں ہوگا۔ کیونکہ دونوں کا اجتماع محال ہے یہاں تک کہ اگر اس نے کہا: بیع کو روک لو یہاں تک کہ قبضہ نہ ہو۔ پہلے میں تجھے شے دوں تو وہ ہلاک ہو گیا تو بیع منسوخ ہو جائے گی، ”زیلعی“۔

34346۔ (قوله: كَمَا مَرَّبَقِيَ) یعنی مصنف کے قول لا بالبيع فی ید البائع، کے پاس گزر چکا ہے۔

34347۔ (قوله: بَقِيَ لَوْ كَانَ الْبَيْعُ) یعنی جسے مشتری نے اس پر قبضہ کرنے سے پہلے رہن بنایا ہو، ”ط“۔ اس کا

ظاہر معنی یہ ہے کہ قبضہ کے بعد ایسا نہیں۔

میں کہتا ہوں: کتاب البیع کے باب التفرقات کے شروع میں گزر چکا ہے: اگر ایک آدمی نے کوئی چیز خریدی اور قبضہ اور شے نقد دینے سے پہلے معروف غیبت کے ساتھ غائب ہو گیا اس کے بائع نے گواہیاں قائم کر دیں کہ اس نے اس کے ہاتھ

مِمَّا يَفْسُدُ بِمُكْتَبِهِ كَلْحِمٍ وَجَعِدٍ فَأَبْطَأَ الْمُشْتَرِي وَخَافَ الْبَائِعُ تَلَفَهُ جَاَزَ بَيْعُهُ وَشَرَاؤُهُ، وَلَوْ بَاعَهُ بِأَزِيدَ تَصَدَّقَ بِهِ لِأَنَّ فِيهِ شُبْهَةً (رَهْنٌ) رَجُلٌ (عَيْنًا عِنْدَ رَجُلَيْنِ بَدَيْنِ لِكُلِّ مِنْهُمَا صَحٌّ وَكُلُّهُ رَهْنٌ مِنْ كُلِّ مِنْهُمَا) وَلَوْ غَيَّرَ شَرِيكَيْنِ

ان چیزوں سے ہو جو کچھ وقت رہنے کے ساتھ خراب ہو جاتا ہو جیسے گوشت اور برف مشتری نے سستی کی اور بائع کو یہ خوف لاحق ہوا تو اس کی بیع و شرا جائز ہوگی۔ اگر وہ زائد رقم کے ساتھ اسے بیچے تو اس کو صدقہ کر دے۔ کیونکہ اس میں شبہ موجود ہے۔ ایک آدمی نے کوئی عینی چیز دو آدمیوں کے پاس اس دین کے عوض رہن رکھی جو ان دونوں کا تھا تو یہ صحیح ہوگا۔ تو وہ چیز دونوں میں سے ہر ایک کے رہن کے بدلے میں رہن ہوگا۔ اگر وہ دونوں شریک نہ ہوں

بیچا ہے تو اس چیز کو اس کے رہن میں نہیں بیچے گا۔ اگر اس کے مکان سے جا مل ہو تو اس کو بیچا جائے گا یعنی قاضی اس کو بیچ دے گا۔ وہاں ”النہر“ میں کہا: یہ کہنا چاہیے اگر اس کے تلف ہونے کا خوف ہو تو اس کی بیع جائز ہوگی اس کے مکان کا علم ہو یا علم نہ ہو الخ۔ اسے رہن بنایا ہو اس کی قید نہیں لگائی۔ تامل

34348۔ (قوله: وَجَعِدٍ) یہ لفظ میم کی حرکت کے ساتھ ہے یعنی برف ”قاموس“۔

34349۔ (قوله: جَاَزَ بَيْعُهُ) جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اسے جو بیچے گا وہ قاضی ہے اور باب کے آخر میں اس کی تصریح آئے گی۔

34350۔ (قوله: وَشَرَاؤُهُ) یعنی مشتری کے لیے یہ جانتے ہوئے بھی جائز ہے۔

34351۔ (قوله: تَصَدَّقَ بِهِ) یعنی پہلی شمن پر جو زائد ہے اس کو صدقہ کر دے۔

34352۔ (قوله: لِأَنَّ فِيهِ شُبْهَةً) یعنی غیر کے مال کا شبہ وہ پہلا مشتری ہے۔

34353۔ (قوله: عِنْدَ رَجُلَيْنِ) یعنی ان دونوں افراد نے اسے بطور رہن قبول کیا۔ اگر دونوں میں سے ایک اسے قبول کرے دوسرا قبول نہ کرے تو یہ صحیح نہیں ہوگا جس طرح اگر وہ کہے: میں نے نصف اس میں سے اور نصف اس میں سے رہن رکھا۔ ”سامحانی“ نے اسے ”مقدسی“ سے نقل کیا ہے۔

34354۔ (قوله: وَكُلُّهُ رَهْنٌ مِنْ كُلِّ مِنْهُمَا) یعنی سب دونوں میں سے ہر ایک کے دین کے بدلے میں محبوس ہو جائے گا نہ کہ اس کا نصف اس کی جانب سے رہن ہے اور دوسرا اس کی جانب سے رہن ہے ”ابن کمال“۔ یہ ہبہ کے خلاف ہے کیونکہ اس کا موجب ملک کا ثبوت ہوتا ہے اور ایک شے پوری کی پوری دونوں افراد میں سے ہر ایک کے لیے کامل طور پر ایک زمانہ میں ملکیت ہو۔ اس میں اشتراک ضرورت کی بنا پر داخل ہوا ہے اور رہن کا حکم محبوس کرنا ہے۔ یہ جائز ہے کہ ایک عین دونوں میں سے ہر ایک کے حق میں کلی طور پر محبوس ہے۔ اس کی مکمل بحث ”الکفایہ“ میں ہے۔

34355۔ (قوله: وَلَوْ غَيَّرَ شَرِيكَيْنِ) یعنی رہن میں شریک نہ ہوں۔ اگر وہ دو جنسوں میں مختلف ہوں۔ اس کی

(فَإِنْ تَهَيَّأَ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِي تَوْبَتِهِ كَالْعَدْلِ فِي حَقِّ الْآخَرِ) هَذَا لَوْ مِمَّا لَا يَتَجَزَّأُ، وَإِنْ مِمَّا يَتَجَزَّأُ فَعَلَى كُلِّ حَبْسٍ النِّصْفِ فَلَوْ دَفَعَ لَهُ كُلُّهُ ضَمِنَ عِنْدَهُ خِلَافًا لَهَا، وَأَصْلُهُ مَسْأَلَةُ الْوَدِيعَةِ زَيْلَعِي (وَلَوْ هَلَكَ ضَمِنَ كُلَّ حَصَّتِهِ) لِتَجَزُّئِ الْإِسْتِيفَاءِ (فَإِنْ قَضَى دَيْنَ أَحَدِهِمَا فَكُلُّهُ رَهْنُ الْآخَرِ)

اگر وہ دونوں تہا یو کریں تو دونوں میں سے ہر ایک اپنی باری میں دوسرے کے حق میں عادل کی طرح ہوگا۔ یہ حکم اس مسئلہ میں ہے جو تقسیم کو قبول نہ کرے اگر وہ تجزی کو قبول کرے تو ہر ایک پر یہ لازم ہوگا کہ وہ نصف کو مجبوس رکھے اگر وہ سب کا سب اسے دے دے تو امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ ضامن ہوگا۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے اس کی اصل ودیعت کا مسئلہ ہے، ”زلیعی“۔ اگر وہ ہلاک ہو جائے تو ہر ایک اپنے حصہ کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ حق کی وصولی تقسیم کو قبول کرتی ہے اگر وہ دونوں میں سے ایک کا دین ادا کر دے تو وہ سب کا سب دوسرے کا دین ہوگا۔

صورت یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کا رہن سودرہم ہو اور دوسرے کا رہن دنانیر ہوں۔ ”عنایہ“۔

34356۔ (قوله: ضَمِنَ عِنْدَهُ) یعنی دینے والا غصب کی ضمان کا ضامن ہوگا، ”ط“۔

34357۔ (قوله: وَأَصْلُهُ مَسْأَلَةُ الْوَدِيعَةِ) یعنی جب وہ دو آدمیوں کے پاس ایک ایسی شے ودیعت رکھے جو

تقسیم کو قبول کرتی ہو تو دونوں میں سے ایک نے سب کا سب دوسرے کے حوالے کیا تو دینے والا ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک ضامن ہوگا۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے، ”زلیعی“۔

34358۔ (قوله: ضَمِنَ كُلَّ حَصَّتِهِ) لفظ کل، ضمن کا فاعل ہے اور حصتہ اس کا مفعول ہے۔

”طحاوی“ نے ”مکی“ سے نقل کیا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے جس طرح ”بنایہ“ میں ہے کہ دونوں میں سے ایک کے راہن کے ذمہ دس ہوں اور دوسرے کے پانچ ہوں اور رہن تیس درہم ہوں اور رہن میں سے بیس ہلاک ہو جائیں تو دس دونوں کے قبضہ میں تہائی کے اعتبار سے ہوگا۔ دس والے کے دو تہائی ساقط ہو جائیں گے اور پانچ والے کے دو تہائی ساقط ہو جائیں گے۔ پس راہن پر دس والے کے لیے دس کا تہائی اور وہ تین اور ایک درہم کا تہائی ہے اور پانچ والے کے لیے پانچ کا تہائی اور وہ ایک درہم اور درہم کے دو تہائی ہے۔

34359۔ (قوله: لِتَجَزُّئِ الْإِسْتِيفَاءِ) کیونکہ حق کی وصولی تقسیم کو قبول کرتا ہے۔

34360۔ (قوله: فَإِنْ قَضَى الْخ) زیادہ صحیح یہ ہے کہ اسے ان کے قول ولو هلك الخ پر مقدم کرتے جس طرح ”ابن

کمال“ نے کیا ہے تاکہ اس امر کا فائدہ دے کہ دونوں میں سے ہر ایک اپنے حصے کا ضامن ہوگا اگر راہن دونوں میں سے ایک کا حصہ ادا کر دے۔ کیونکہ ”النبایہ“ میں ”المبسوط“ سے مروی ہے: اگر رہن دوسرے کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو راہن اس چیز کو واپس لے لے گا جو اس نے پہلے کو قرض دے دیا ہے۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک کا رہن باقی ہے جب تک رہن راہن تک نہ پہنچے۔ کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک اپنی باری میں دوسرے کی باری میں عادل (ثالث) کی طرح ہوگا۔

لِذَا مَرَّ أَنَّ كُلَّ الْعَيْنِ رَهْنٌ فِي يَدِ كُلِّ مِنْهُمَا بِلَا تَفَرُّقٍ (وَإِنْ رَهْنًا رَجُلًا رَهْنًا) وَاحِدًا (بِدَيْنٍ عَلَيْهِمَا صَحَّ بِكُلِّ الدَّيْنِ وَيُتَسَكَّهُ إِلَى اسْتِيفَاءِ كُلِّ الدَّيْنِ) إِذْ لَا شُيُوعَ (وَلَوْ رَهْنَ عَبْدَيْنِ بِأَلْفٍ لَا يَأْخُذُ أَحَدَهُمَا بِقَضَاءِ حَصَّتِهِ) لِحَبْسِ الْكُلِّ بِكُلِّ الدَّيْنِ كَالْتَبْيَعِ فِي يَدِ الْبَائِعِ فَإِنْ سَتَى

کیونکہ یہ بات گزر چکی ہے کہ تمام کا تمام عین دونوں میں سے ہر ایک کے قبضہ میں تفریق کے بغیر رہن ہے۔ اگر دونوں ایک آدمی کے پاس ایک رہن ایسے دین کے بدلے میں رہن رکھیں جو ان دونوں پر تھا تو یہ رہن تمام دین کے لیے صحیح ہوگا اور وہ اس رہن کو مکمل دین وصول کرنے تک اپنے پاس رکھے گا۔ کیونکہ کوئی اشتراک موجود نہیں۔ اگر ایک آدمی دو غلام ہزار کے بدلے میں رہن رکھے تو وہ ان دونوں میں سے ایک اس کے حصہ کو ادا کرنے کے ساتھ واپس نہیں لے گا۔ کیونکہ مکمل کا جس مکمل دین کے عوض ہے جیسے بائع کے ہاتھ میں بیع ہوتا ہے۔ اگر دونوں میں سے

34361۔ (قوله: لِذَا مَرَّ) یعنی مصنف کے قول و کلمہ رهن من کل منها کے قریب ہی گزر چکا ہے۔

34362۔ (قوله: بِلَا تَفَرُّقٍ) یعنی تجزی کے بغیر، پس اس کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ رہن میں سے کوئی شے واپس لے جب تک دین میں سے کوئی شے باقی ہو جس طرح اگر مرہن ایک ہو۔

34363۔ (قوله: رَهْنًا وَاحِدًا) یعنی ایک ہی صفحہ۔ کیونکہ ”کرخی“ کا قول ہے: ہو عبدا و عبدا ان تو مراد مرہون کلی تو حد نہیں۔ بلکہ رہن کا تو حد ہے یعنی عقد کا تو حد ہے۔

34364۔ (قوله: بِدَيْنٍ عَلَيْهِمَا) خواہ یہ ایک صفحہ ہو یا دونوں میں سے ہر ایک پر علیحدہ دین ہو۔ ”اتقانی“ نے ”کرخی“ سے نقل کیا ہے۔

34365۔ (قوله: وَيُتَسَكَّهُ الْخ) یعنی اگر دونوں میں سے ایک وہ ادا کر دے جو اس پر لازم ہے تو اسے کوئی حق حاصل نہیں کہ رہن میں سے کسی شے پر قبضہ کرے کیونکہ دس میں مرہن پر اساک میں صفحہ میں تفریق ہے۔ ”اتقانی“۔

34366۔ (قوله: إِذْ لَا شُيُوعَ) ظاہر یہ ہے کہ یہ ان کے قول صح کی علت ہے۔ ”اتقانی“ نے کہا: یہ اس لیے ہے کیونکہ دو آدمیوں کا ایک آدمی کے پاس رہن روکنے سے بغیر اشتراک کے قبضہ حاصل ہو جاتا ہے۔ پس یہ اس طرح ہو گیا کہ ایک آدمی ایک آدمی کے ہاں رہن رکھ رہا ہے۔

34367۔ (قوله: لِحَبْسِ الْكُلِّ بِكُلِّ الدَّيْنِ) تو وہ دین کے ہر جز کے بدلے میں مجبوس ہوگا یہ رہن کی ادائیگی پر برا بیختہ کرنے کے لیے بطور مبالغہ ذکر کیا ہے ”ہدایہ“۔ کیونکہ اگر رہن کے لیے ممکن ہو کہ وہ چیز لے لے جس کی اسے ضرورت ہے تو وہ باقی ماندہ کی ادائیگی میں سستی کرے گا۔

34368۔ (قوله: كَالْتَبْيَعِ الْخ) کیونکہ مشتری جب بیع کی شے کا بعض ادا کر دے تو وہ اسے لینے پر قادر نہیں ہوگا۔

34369۔ (قوله: فَإِنْ سَتَى الْخ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: میں نے یہ دو غلام تیرے پاس بطور رہن رکھے

لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا شَيْئًا مِنْ الدِّينِ لَهُ أَنْ يَقْبِضَ أَحَدُهُمَا إِذَا أَدَّى مَا سَسَى لَهُ بِخِلَافِ الْبَيْعِ لِتَعَدُّدِ الْعَقْدِ بِتَفْصِيلِ الشَّيْنِ فِي الرِّهْنِ لَا الْبَيْعِ هُوَ الْأَصَحُّ (وَبَطْلَ بَيِّنَةُ كُلِّ مِنْهُمَا) أَيْ مِنْ رَجُلَيْنِ

ہر ایک کے لیے دین میں سے کسی شے کی تعین کر دے تو جب وہ ادا کر دے جس کا ذکر کیا تھا تو اسے دونوں میں سے ایک کو قبضہ میں لینا صحیح ہوگا۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ عقد متعدد ہو گئے جب اس نے رہن میں شے کو الگ الگ کر دیا۔ بیع میں ایسا نہیں یہی زیادہ صحیح ہے۔ اور دونوں میں سے ہر ایک کے گواہ

ہیں ان میں سے ہر ایک پانچ سو کے بدلے میں ہے اور وہ دونوں غلام اس کے سپرد کر دے پھر پانچ سو نقد دے دے اور کہے: میں نے اس غلام کے ادا کر دیئے اور اس نے یہ ارادہ کیا کہ وہ غلام لے لے۔ اصل کی روایت یہ ہے: اسے یہ حق حاصل نہیں زیادات کی روایات میں ہے اسے یہ حق حاصل ہے۔ ”کفایہ“۔

اگر وہ کہے: ان دونوں میں سے ایک بیس کے بدلے میں ہے اور دوسرا باقی کے بدلے میں ہے اور ان میں سے کسی کی تعین و وضاحت نہیں کرتا تو رہن جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ ایسی جہالت ہے جو منازعہ کی طرف لے جاتی ہے جب دونوں میں سے ایک ہلاک ہو جائے یا اس کو واپس لے جس طرح ”اتقانی“ نے ”کافی الحاکم“ سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔

34370۔ (قوله: لِتَعَدُّدِ الْعَقْدِ بِتَفْصِيلِ الشَّيْنِ) زیادہ صحیح یہ ہے کہ شے کے لفظ کو بدل وغیرہ کے الفاظ سے بدل

دیتے۔ کیونکہ رہن میں مفصل وہ رہن ہے۔

34371۔ (قوله: فِي الرِّهْنِ لَا الْبَيْعِ) کیونکہ دونوں مرہونوں میں سے ایک میں عقد کی قبولیت یہ دوسرے میں عقد

کے صحیح ہونے کے لیے شرط نہیں یہاں تک کہ اگر وہ دونوں میں سے ایک میں قبول کر لے تو اس میں صحیح ہوگا۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں عقد شے کی تفصیل سے متعدد نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے اگر یہ کہا جائے: بیع دونوں میں سے ایک میں ہے دوسرے میں نہیں ہے تو تمام میں بیع باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ بائع کو نقصان ہوتا ہے جب اس پر صفقہ متعدد ہو۔ کیونکہ عادت یہ جاری ہے کہ بیع میں آدمی کو جید کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے پس تفریق کے ساتھ ضرر لاحق ہوگا، ”زیلعی“۔

34372۔ (قوله: هُوَ الْأَصَحُّ) جب وہ دوسرے مرہونوں میں سے ہر ایک کے لیے ایک شے ذکر کرے اس کے درمیان

اور جب وہ ذکر نہ کرے اس کے درمیان فرق ہے۔ یہی قول اصح ہے جس طرح ”التبیین“ اور ”کفایہ“ میں ہے۔ یہ ”زیادات“ کی روایات ہیں۔

34373۔ (قوله: وَبَطْلَ بَيِّنَةِ كُلِّ مِنْهُمَا الْخ) یہ مستقل مسئلہ ہے اس کا سابقہ مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں، ”درر“۔

”العنایہ“ میں جو ان کا قول ہے: انہا من شعب قوله دھنا رجلا، اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ یہاں دو آدمی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ دونوں مرہن ہیں اور ایک آدمی راہن ہے۔ ”معراج“ میں اپنے اس قول فالاحاصل ان المرتهن اثنان والراهن واحد کی تصریح کی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مرہن دو ہیں اور راہن ایک ہے۔ فتنہ۔

(عَلَى رَجُلٍ أَنَّهُ) أَمَى أَنْ كُلَّ وَاحِدٍ (رَهْنَهُ هَذَا الشَّيْءَ) كَعَبْدٍ مَثَلًا عِنْدَهُ (وَقَبْضَهُ) لَا سِتْحَالَةَ كَوْنِ كُلِّهِ رَهْنًا لِهَذَا وَكُلِّهِ رَهْنًا لِذَلِكَ

ایک آدمی پر باطل ہو جائیں گے کہ ان میں سے ہر ایک نے اس شے جیسے مثلاً ایک غلام کو اس کے پاس رہن رکھا اور اس نے اس پر قبضہ کیا۔ باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ محال ہے وہ سب ایک ہی وقت میں اس کا رہن ہے اور وہ سب اس کا رہن ہو

پھر یہ جان لو کہ اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں۔ کیونکہ دعویٰ یا تورہن کی زندگی میں ہوگا یا اس کی زندگی میں نہیں ہوگا پہلے کی تین وجوہ ہیں۔ کیونکہ یا تورہن دو مدعیوں میں سے ایک کے قبضہ میں ہوگا تو اس کا اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا اگرچہ دوسرا اس کی تاریخ بیان کرے۔ کیونکہ قبضہ تاریخ سے ختم نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ قبضہ اس تاریخ سے پہلے ہو مگر جب دوسرا یہ ثابت کر دے کہ اس کا عقد اس کے قبضہ سے پہلے ہو یا وہ دونوں کے قبضہ میں ہوگا یا راہن کے قبضہ میں ہوگا اور ان دونوں صورتوں میں اگر دونوں تاریخ بیان کریں اور ان دونوں میں سے ایک پہلے ہو تو اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر دونوں میں سے ایک تاریخ کا ذکر کرے اگر دونوں تاریخ کا ذکر نہ کریں یا دونوں برابر طور پر تاریخ کا ذکر کریں تو یہ باطل ہو جائے گا۔ دوسرے کے بھی تین صورتیں ہیں ان میں اگر سب تاریخ بیان کریں اور ان دونوں میں سے ایک پہلے ہو تو اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا اگر دونوں تاریخ بیان نہ کریں یا دونوں برابر کی تاریخ بیان کریں۔ اگر راہن دونوں کے قبضہ میں ہو یا راہن کے قبضہ میں ہو تو بطور استحسان نصف نصف کیا جائے گا۔ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ نے اسی کو اپنایا ہے۔ یہ ”غایۃ البیان“ اور ”تاتر خانیہ“ کی تلخیص ہے۔

34374۔ (قوله: أَمَى أَنْ كُلَّ وَاحِدٍ) مصنف نے ”المنح“ میں اس کی پیروی کی ہے۔ ”حلبی“ نے کہا: صحیح یہ ہے کہ انہ کی ضمیر اور رهنہ کی ضمیر مستتر رجل کے لیے ہو اور ضمیر بارز دونوں میں سے ہر ایک کے لیے ہو۔ کیونکہ دونوں آدمی مرتہن ہیں راہن نہیں جس طرح تو جان چکا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ وہم دلاتا ہے کہ شارح نے عبارت کا جو حل پیش کیا ہے وہ خطا ہے جب کہ معاملہ اس طرح نہیں۔ ہاں اگر رهنہ میں ضمیر مستتر کو کل احد کی طرف لوٹائی جائے تو یہ خطا ہوگی۔ جہاں تک انہ کی ضمیر کا تعلق ہے تو اسے رجل یا کل احد کی طرف لوٹایا جائے تو معنی کی صحت میں کوئی فرق نہیں مگر پہلی تعبیر زیادہ ظاہر ہے، قندبر۔

34375۔ (قوله: رَهْنَهُ هَذَا الشَّيْءَ كَعَبْدٍ مَثَلًا عِنْدَهُ) میں کہتا ہوں: صحیح یہ ہے کہ ضمیر کو حذف کر دیا جائے یا عندہ کو حذف کر دیا جائے۔ کیونکہ اس میں یہ لازم آتا ہے کہ رهن کا فعل اپنے دوسرے مفعول کی طرف بذات خود اور ظرف کے ساتھ متعدی ہو۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ کہا جاتا ہے: رهن الرجل شیئاً و رهنه عندہ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

34376۔ (قوله: لَا سِتْحَالَةَ كَوْنِ كُلِّهِ رَهْنًا لِهَذَا وَكُلِّهِ رَهْنًا لِذَلِكَ) یعنی دو عقدوں کے ساتھ انفرادی طور پر اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک اس کو مجبوس کرنے میں منفرد ہو اور اس میں دوسرے کا کوئی حق نہ ہو۔ سابقہ

فِي آيٍ وَاحِدٍ وَلَا يُمكنُ تَنْصِيفُهُ لِلزُّومِ الشَّيْءِ فَتَهَاتَرَتَا وَحِينَئِذٍ فَتَهْلِكُ أَمَانَةٌ إِذَا الْبَاطِلُ لَا حُكْمَ لَهُ هَذَا
(إِنْ لَمْ يُوَزَّخَا، فَإِنْ أَرَّخَا كَانَ صَاحِبُ التَّارِيخِ الْأَقْدَمِ أَوَّلَى وَكَذَا إِذَا كَانَ الرِّهْنُ فِي يَدِ أَحَدِهِمَا كَانَ ذُو
الْيَدِ (أَحَقُّ) لِقَرِينَةٍ سَبَقَهُ

اور اس کو نصف نصف کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ اشتراک لازم آتا ہے تو دونوں گواہیاں ساقط ہو گئیں اس وقت وہ بطور امانت
ہلاک ہوگا۔ کیونکہ باطل کا کوئی حکم نہیں ہوتا۔ یہ حکم اس مدت پر ہے اگر وہ تاریخ ذکر نہ کریں اگر دونوں تاریخ ذکر کریں تو پہلی
تاریخ والا زیادہ حق دار ہوگا۔ اسی طرح جب رہن دونوں میں سے ایک کے قبضہ میں ہو تو جس کا قبضہ ہے وہ زیادہ حق دار ہو
گا۔ کیونکہ یہ اس کے سابق ہونے کا قرینہ ہے۔

مسئلہ جو اس قول میں ہے رہن عینا عند رجلین کا معاملہ مختلف ہے۔ اور ان کے قول لہذا اور لذاک میں لام تعلیل کے
لیے ہے، تا مل۔

34377۔ (قوله: وَلَا يُمكنُ تَنْصِيفُهُ إلخ) اسی طرح تمام کی قضا دونوں میں سے کسی ایک کے لیے ممکن نہیں۔ کیونکہ
روایت موجود نہیں۔ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ یوں بنادیا جائے گویا دونوں نے اکٹھے اسے اپنے پاس رہن رکھا ہو جب تاریخ میں
جہالت پائی جا رہی ہے۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے گواہوں کے ساتھ کل کے رہن ہونے کو ثابت کیا ہے۔ پس
قضا دعویٰ کے خلاف ہوگی ”ہدایہ“ میں اس کو بیان کیا ہے۔

34378۔ (قوله: فَتَهَاتَرَتَا) یعنی دونوں گواہیاں ساقط ہو گئیں کیونکہ دونوں پر عمل کرنا متعذر رہے۔ یہ قیاس ہے۔ اور
استحسان یہ ہے کہ دونوں میں اس کو نصف نصف کیا جائے۔ یہ ان مسائل میں سے ہے جن میں قیاس استحسان پر رائج ہوتا ہے۔
34379۔ (قوله: هَذَا إِنْ لَمْ يُوَزَّخَا) اسی طرح کا حکم ہے اگر دونوں تاریخ بیان کریں اور دونوں کی تاریخ برابر
ہو، ”اتقانی“۔

34380۔ (قوله: كَانَ صَاحِبُ التَّارِيخِ الْأَقْدَمِ أَوَّلَى) کیونکہ اس نے عقد کو ایسے وقت میں ثابت کیا ہے جس میں
اس کا صاحب اس کے ساتھ منازعہ نہیں کرتا۔ اسی طرح اگر دونوں میں سے ایک تاریخ بیان کرے۔ کیونکہ اس کے حق میں
عقد تاریخ کے وقت سے ظاہر ہوگا اور دوسرے کے حق میں عقد فی الحال ظاہر ہوگا۔ ”اتقانی“۔

34381۔ (قوله: وَكَذَا إِذَا كَانَ الرِّهْنُ فِي يَدِ أَحَدِهِمَا) اس قول نے یہ بیان کیا ہے کہ جو قول گزر چکا ہے یہ اس
میں فرض کیا گیا ہے جب وہ راہن کے قبضہ میں ہو یا دونوں کے قبضہ میں ہو۔

34382۔ (قوله: كَانَ ذُو الْيَدِ أَحَقُّ) خواہ دوسرے نے تاریخ بیان کی تھی یا تاریخ بیان نہیں کی تھی جس طرح ہم
پہلے بیان کر چکے ہیں۔

34383۔ (قوله: لِقَرِينَةٍ سَبَقَهُ) کیونکہ قبضہ قدرت اس کے عقد کے پہلے ہونے کی دلیل ہے تو وہ اولیٰ ہوگا، ”نہایہ“۔

(وَلَوْ مَاتَ رَاهِنُهُ أَمْ رَاهِنُ الْعَبْدِ مَثَلًا) (وَ الْحَالُ أَنَّ الرِّهْنَ مَعَهَا) أَمْ فِي أَيْدِيهَا (أَوْ لَا) أَمْ أَوْ لَيْسَ الْعَبْدُ مَعَهَا فَإِنَّ الْحُكْمَ وَاحِدٌ زَيْدِيٌّ (فَبَرَهَنَ كُلُّ كَذَلِكَ) كَمَا وَصَفْنَا (كَانَ فِي يَدِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفُهُ) أَمْ الْعَبْدُ (رَهْنًا بِحَقِّهِ) اسْتِحْسَانًا لَا نِقْلًا بِهِ بِالنُّوْتِ اسْتِيفَاءً وَالشَّيْءُ يَقْبَلُهُ

اگر مثلاً غلام کا راہن مر گیا حال یہ ہے کہ رہن دونوں کے پاس ہے یعنی ان دونوں کے قبضہ میں ہے یا غلام ان دونوں کے پاس نہیں ہے تو حکم ایک ہوگا ”زیدی“۔ تو ہر ایک نے اسی طرح گواہیاں قائم کیں جس طرح ہم نے بیان کیا تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے پاس اس غلام کا نصف اس کے حق کے بدلے میں رہن ہوگا۔ یہ بطور استحسان ہے۔ کیونکہ راہن کی موت کی وجہ سے یہ پورے حق کی وصولی بن چکا ہے اور مشترک اسے قبول کرتا ہے۔

34384۔ (قوله: وَلَوْ مَاتَ رَاهِنُهُ) اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ جو گزر چکا ہے وہ اس بارے فرض کیا گیا ہے جب دعویٰ راہن کی زندگی میں ہو۔

34385۔ (قوله: أَمْ رَاهِنُ الْعَبْدِ مَثَلًا) زیادہ بہتر یہ قول تھا ای راہن الشیء کیونکہ یہی متن میں مذکور ہے۔

34386۔ (قوله: زَيْدِيٌّ) کیونکہ کہا: ان کا قول: ”کنز“ کا قول: والعبد فی ایدیہم پر اتفاقاً واقع ہوا ہے یہاں تک کہ اگر غلام ان دونوں کے قبضہ میں نہ ہو اور ہر ایک اس کے بارے میں رہن اور قبضہ ثابت کرے تو حکم اس طرح ہوگا۔ اسی وجہ سے پہلے مسئلہ میں ید کا ذکر نہیں کیا۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ یہ اس صورت سے احتراز کے لیے ہے: اگر وہ دونوں میں سے ایک کے قبضہ میں ہو تو اس وقت قابض کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا جس طرح زندگی کی حالت میں ہوتا ہے جس طرح ”ابوسعود“ نے اسے ”کنز“ پر ”شرح اکبر“ سے اور ”شلمی“ سے نقل کیا ہے۔ ”طحطاوی“ نے اسے ”کشف“ سے نقل کیا ہے۔

34387۔ (قوله: فَبَرَهَنَ كُلُّ الْخ) یعنی دونوں نے تاریخ بیان نہ کی ہو یا ایک ہی تاریخ بیان کی ہو مگر جب دونوں میں سے ایک پہلے کی تاریخ ہو تو اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا جس طرح ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ یہ صورت باقی رہ گئی ہے اگر دونوں میں سے ایک تاریخ بیان کرے جو قول گزر چکا ہے۔ اس کا قیاس یہ ہے مگر جب دوسرا کیلے قبضہ کرنے والا ہو تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا ورنہ جو تاریخ بیان کرے۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے، تامل۔

34388۔ (قوله: كَمَا وَصَفْنَا) یعنی مسئلہ کے شروع میں بیان کیا کہ ہر ایک نے یہ گواہیاں قائم کیں کہ اس شخص نے اس کے پاس اسے رہن رکھا تھا۔

34389۔ (قوله: نِصْفُهُ) یہ کان کا اسم ہے اور رهناس کی خبر ہے اور فی ہدیہ اس کے متعلق ہے یا محذوف کے متعلق ہے اور رهناس کی تمیز ہے۔ تامل۔

34390۔ (قوله: لَا نِقْلًا بِهِ الْخ) یہ دونوں مسئلوں میں فرق کا بیان ہے۔ کیونکہ پہلے مسئلہ میں قیاس سے اخذ کیا اور

(أَخَذَ عِمَامَةُ الْمَدْيُونِ لِيَتَكُونَ رَهْنًا عِنْدَهُ لَمْ تَكُنْ رَهْنًا) وَإِذَا هَلَكَتْ تَهْلِكُ هَلَكَ الْمَرْهُونُ قَالَ وَهَذَا ظَاهِرٌ إِذَا رَضِيَ الْمَطْلُوبُ بِتَرْكِهِ رَهْنًا عِمَادِيَّةً، وَمَفَادُهُ أَنَّهُ إِنْ رَضِيَ بِتَرْكِهِ كَانَ رَهْنًا وَإِلَّا لَا، وَعَلَيْهِ يُحْمَلُ إِطْلَاقُ السَّامِعِيَّةِ وَغَيْرِهَا كَمَا أَفَادَهُ الْمُصَنِّفُ وَفِي الْمُجْتَبَى لِرَبِّ الْمَالِ مَسْكُ مَالِ الْمَدْيُونِ

ایک آدمی نے مدیون کی پگڑی لی تاکہ اس کے پاس بطور رہن رہے تو وہ رہن نہ ہوگی اور جب پگڑی ہلاک ہوگئی تو وہ مال مرہون کی حیثیت سے ہلاک ہوگا۔ کہا: یہ امر ظاہر ہے جب مطلوب اس کے رہن کے ترک کرنے کے طور پر راضی ہو۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے جب وہ اس کے کرنے پر راضی ہو تو وہ رہن ہوگا ورنہ نہیں۔ ”سراجیہ“ وغیرہ کا اطلاق اس پر محمول کیا جائے گا جس طرح مصنف نے بیان کیا ہے۔ ”مجتبائی“ میں ہے: رب المال کو حق حاصل ہے کہ مدیون کے مال کو

دوسرے مسئلہ میں استحسان کو اخذ کیا۔ ”زیلعی“ نے کہا: قیاس میں یہ باطل ہے۔ یہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ استحسان کی دلیل یہ ہے کہ عقد کا ارادہ اس کی ذات کی وجہ سے نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے حکم کی وجہ سے کیا جاتا ہے زندگی کی حالت میں اس کا حکم مجبوس کرنا ہے اور مشترک اس کو قبول نہیں کرتا اور وقت کے بعد بیع کے ساتھ حق کی وصولی اس کی ثمن سے ہوگی اور مشترک اس کو قبول کرتا ہے۔ ملخص۔

34391۔ (قوله: قَالَ) ”العمادیہ“ میں کہا۔

34392۔ (قوله: وَهَذَا) اسم اشارہ سے مراد ان کا قول تَهْلِكُ هَلَكَ الْمَرْهُونُ ہے۔

34393۔ (قوله: ظَاهِرٌ إِذَا رَضِيَ) اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جو ”الخلاصہ“ میں ”فتاویٰ النسفی“ سے منقول ہے۔ یہ

درست ہے جب اس کو واپس لینا ممکن ہو تو اس کو ترک کر دے مگر جب وہ اس کے عجز کی وجہ سے اسے ترک کر دے تو اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہی اس کا محل ہے جو ”بزازیہ“ میں ”عتابی“ سے مروی ہے: اس نے رہن کا تقاضا کیا اور اس نے اس کو ادا نہ کیا تو اس نے اس کی پگڑی بطور رہن اس کے سر سے اٹھالی اور اسے رو مال دے دیا جسے وہ اپنے سر پر ڈال لے تو پگڑی رہن ہوگی۔ کیونکہ مقروض اس کے پاس چھوڑ دینے سے اس کے رہن ہونے پر راضی ہے۔

34394۔ (قوله: مَفَادُهُ) یہ بغیر فائدہ کے طویل کلام ہے اگر وہ کہے: اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے: اگر وہ اس سے

راضی نہ ہو تو وہ غصب کی ہلاکت کے ساتھ ہلاک ہو جائے گا تو یہ کلام زیادہ واضح ہوتی۔ ”ط“۔

34395۔ (قوله: وَعَلَيْهِ) یعنی جو ان کے قول والا لا سے مستفید ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ غصب کے ہلاک ہونے کے

ساتھ غصب ہو ”سراجیہ“ کا اطلاق اس پر محمول کیا جائے گا۔ اس کی نص یہ ہے: جب اس نے مدیون کی پگڑی اس کی رضا مندی کے بغیر لے لی تاکہ وہ اس کے پاس رہن ہو تو وہ رہن نہ ہوگی بلکہ غصب ہوگی۔ ان کا قول بل غصبا اس پر دلالت کرے گا کہ اگر وہ اسے اس کی رضا مندی کے بغیر ترک کرے۔

34396۔ (قوله: لِرَبِّ الْمَالِ مَسْكُ مَالِ الْمَدْيُونِ) ”المجتبی“ کی عبارت ہے: ان یسک یہ اولی ہے مگر جب یہ

رَهْنًا بِلَا إِذْنِهِ وَقِيلَ إِذَا أَيْسَ فَلَهُ أَخْذُهُ مَكَانَ حَقِّهِ قَضَاءً عَنْ دَيْنِهِ وَأَقْرَبُ الْبُصْنِفُ - (دَفَعَ ثَوْبَيْنِ فَقَالَ خُذْ أَتَيْهُمَا شِئْتُ رَهْنًا بِكَذَا فَأَخَذَهُمَا لَمْ يَكُنْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا رَهْنًا

اس کی اجازت کے بغیر بطور رہن روک لے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب وہ مایوس ہو تو اسے اپنے حق کی جگہ اپنا رہن وصول کرنے کیلئے اس کا مال لینے کا حق ہوگا مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے۔ ایک آدمی نے دو کپڑے دیئے اور کہا: ان دونوں میں سے جو چاہو اتنے کے بدلے میں بطور رہن لے لو تو اس نے ان دونوں کو لے لیا تو ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی رہن نہ ہوگا

ثابت ہو جائے کہ فعل مجرد بذات خود متعدی آتا ہے۔ ”قاموس“ میں ہے: مسك به، امسك، تباسك، تبسك اور استمسك، اس کا معنی مجبوس ہونا اور اسے مضبوطی سے تھام لینا ہے امسكه اسے روک لیا۔ امسك عن الكلام ہو تو اس کا معنی خاموش ہو جانا ہوتا ہے، تامل۔

34397۔ (قوله: رَهْنًا بِلَا إِذْنِهِ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ وہ رہن کی حیثیت سے ہلاک ہوگا۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ رہن کی شرط یہ ہوتی ہے کہ وہ تبرع و احسان کے طریقہ پر ہوتا ہے جس طرح ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ ”بزازیہ“ میں ہے: دین کا مالک مدیون کے مال میں سے اس کے حق کی جنس کے علاوہ کو پانے میں کامیاب ہو گیا تو وہ اسے بطور رہن نہیں روکے گا مگر اس وقت جب اس کا مدیون راضی ہو، فامل۔

فرع: ایک آدمی سرائے میں داخل ہوا تو سرائے کے مالک نے اسے کہا: میں تجھے یہاں ٹھہرنے کی اجازت نہیں دوں گا جب تک تو مجھے رہن کے طور پر کوئی شے نہ دے تو اس نے سرائے کے مالک کو کپڑے دے دیئے تو وہ کپڑے مرہن کے پاس ہلاک ہو گئے اگر اس نے کمرے کی اجرت کے بدلے میں رہن رکھے تو رہن ہوگا ان تمام احکام کے ساتھ جو رہن میں لازم ہوتا ہے اگر وہ اس سے اس لیے لیتا ہے۔ کیونکہ وہ سارق ہے یا یہ امر اس پر مخفی ہے تو سرائے کا مالک ضامن ہوگا۔ ”ابوليث“ نے کہا: میرے نزدیک دونوں صورتوں میں کوئی ضمانت نہیں کیونکہ وہ کپڑے دینے میں مجبور نہیں تھا، خلاصہ۔

34398۔ (قوله: وَقِيلَ إِذَا أَيْسَ الْخ) ”السخ“ میں اسی طرح تعبیر کی ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ وہ چیز اس کے حق کی جنس میں سے نہیں ہے اگر وہ اس کی جنس میں سے ہوتی تو بغیر کسی اعتراض اور وجہ کے اپنے حق کی مقدار میں لینے کا حق ہوتا۔ کیونکہ اسے قیل کے لفظ کے ساتھ حکایت کیا ہے۔ کیونکہ ہم پہلے کتاب الحجر میں ”مقدسی“ سے بعض علماء کا یہ فتویٰ نقل کر چکے ہیں کہ آج کل مطلقاً اس کا لینا جائز ہے۔

34399۔ (قوله: وَأَقْرَبُ الْبُصْنِفُ) اس میں یہ ہے کہ مصنف نے جس تطبیق کا ذکر کیا ہے وہ رضا مندی کے شرط ہونے کا فائدہ دیتی ہے۔ پس ”مجتبیٰ“ میں جو قول ہے اس پر اعتماد کیا جائے گا۔

وہ اشتراک جو ضرورت کی بنا پر واقع ہو نقصان نہیں دیتا

34400۔ (قوله: لَمْ يَكُنْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا رَهْنًا) پس رہن میں سے کوئی چیز ساقط نہ ہوگی یہ اس آدمی کے قائم مقام

قَبْلَ أَنْ يَخْتَارَ أَحَدَهُمَا سِرَاجِيَّةٌ فُرُوْعُ غَضَبِ الرِّهْنِ كَهْلَاكِه

قبل اس کے کہ دونوں میں سے ایک کو اختیار کرے۔ فروع: رہن کا غصب ہو جانا یہ اس کے ہلاک ہونے کی طرح ہے

ہے جس کے ذمہ بیس درہم ہوں تو وہ طالب کو سودرہم دے اور اسے کہے: اس سے بیس لے لو تو وہ سودرہم اس کے وصول کرنے سے قبل ضائع ہو جائیں تو یہ دینے والے کے مال سے ضائع ہوں گے اور رہن اپنی جگہ باقی رہے گا۔ ”تا ترخانیہ“ نے ”مشقی“ سے امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے روایت نقل کرتے ہیں۔ ”خانیہ“ میں یہ اضافہ کیا ہے: اگر وہ اس کو دو کپڑے دے اور وہ کہے: ان میں سے اپنے دین کے بدلے میں رہن لے لے اس نے دونوں لے لیے اور دونوں کی قیمت برابر ہو۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے فرمایا: ان دونوں میں سے ہر ایک کی قیمت دین کے بدلے میں چلی جائے گی اگر وہ رہن کی مثل ہو۔ یہ اس کے موافق ہے جو شارح نے باب کے شروع میں زوائد سے نقل کی ہے۔ کہا: وہ اشتراک جو ضرورت کی بنا پر واقع ہو وہ نقصان نہیں دیتا دونوں مسکوں میں جو فرق ہے اسے دیکھنا چاہیے۔ شاید پہلے مسئلہ میں رہن اسے بنایا ہے جس پر مرتہن کی مشیت واقع ہوئی جب اس نے دو کپڑوں میں سے ایک کپڑے کو اختیار کیا تو وہ متعین ہو گیا اس سے قبل ان دونوں میں سے ایک رہن نہیں بنا۔ پس دونوں میں سے ہر ایک اس کے پاس امانت کے طور پر باقی رہا۔

جہاں تک دوسرے مسئلے کا تعلق ہے تو دونوں میں سے ایک کو فی الحال رہن بنا دیا گیا جب اس میں کوئی خیال نہیں لیکن اس کو مبہم قرار دیا تو دونوں میں سے ایک دوسرے سے اولیٰ نہیں تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا نصف رہن ہو جائے گا۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

لیکن ”خانیہ“ میں ایک صفحہ کے بعد کہا: ایک آدمی نے دوسرے آدمی کے پاس دو کپڑے دس درہم کے دین پر رہن رکھے ان میں سے ایک نے کہا: تیرے دس کے عوض رہن ہیں یا کہا: ان دونوں میں سے جو چاہو اپنے دین کے عوض رہن لے لو۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ باطل ہے اگر دونوں ضائع ہو گئے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی اور اس کا دین اپنی حالت پر برقرار رہے گا۔ اس کی مثل ”ظہیریہ“ میں ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں مسکوں میں کوئی فرق نہیں۔ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ دونوں مسکوں میں فرق ہے۔

34401۔ (قوله: قَبْلَ أَنْ يَخْتَارَ أَحَدَهُمَا) کیونکہ وہ رہن ہوگا جب وہ اسے اختیار کرے گا مگر اس سے پہلے نہ

رہن نہیں ہوگا ”ولو الجیہ“۔ یہ اس کا مؤید ہے جو ہم نے پہلے فرق بیان کیا ہے جب وہ ان دونوں میں سے ایک کو اختیار کرے تو اس پر ضمانت ہوگی دوسرے پر ضمانت نہ ہوگی۔

34402۔ (قوله: غَضَبُ الرِّهْنِ) یعنی جب مرتہن سے کسی نے رہن غصب کر لیا تو یہ غصب اس کے ہلاک ہونے کی

طرح ہوگا۔ پس مرتہن دین اور قیمت میں سے کم کا ضامن ہوگا۔ اور یہ مخفی نہیں اگر مرتہن اس کو غصب کرے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ جانور پر سوار ہو، غلام سے خدمت لے یا اجازت کے بغیر کپڑا اپنے تو وہ ہلاک ہو جائے تو جان بوجھ کر ہلاک کرنے

إِلَّا إِذَا غُصِبَ فِي حَالِ اسْتِغْفَاعِ مُرْتَهِنٍ بِإِذْنِ رَاهِنٍ أَمْرُهُ بِدَفْعِهِ لِلدَّلَالِ فَدَفَعَ فَهَلَكَ لَمْ يَضُنْ حَتَامِيٍّ
وَضَعَ الْمُصْحَفَ الرِّهْنُ فِي صُنْدُوقِهِ وَوَضَعَ عَلَيْهِ قِصْعَةً مَاءٍ لِلشَّرْبِ فَانْصَبَّ الْمَاءُ عَلَى الْمُصْحَفِ
فَهَلَكَ ضَمِنَ الرِّهْنُ لَا الزِّيَادَةَ، وَالْمُودَعُ لَا يَضُنْ شَيْئًا قُنْيَةً الْأَجَلُ فِي الرِّهْنِ يُفْسِدُهُ

مگر جب اسے اس حالت میں غصب کیا جائے جب مرتہن راہن کی اجازت سے اس سے نفع حاصل کر رہا ہو۔ راہن نے مرتہن کو کہا کہ وہ رہن دلال کو دے مرتہن نے رہن دلال کے حوالے کر دیا وہ ہلاک ہو گیا تو ضامن نہیں ہوگا۔ ایک حامی نے مصحف جو اس نے رہن کے طور پر لیا تھا اپنے صندوق میں رکھا اور اس پر پانی پینے کے لیے پانی کا پیالہ رکھ دیا تو پانی مصحف پر بہہ گیا تو وہ ضائع ہو گیا تو حامی ضمان رہن کا ضامن ہوگا یا دتی کا ضامن نہیں ہوگا اور مودع کسی شے کا ضامن نہیں ہوگا، ”قنیتہ“۔ رہن میں مدت کا تعین کرنا یہ اسے فاسد کر دیتا ہے۔

والا ہوگا تو وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا جہاں تک پہنچے۔

34403۔ (قوله: إِلَّا إِذَا غُصِبَ الْخ) کیونکہ نفع حاصل کرنے کی حالت میں عاریۃ لینے والا ہے۔ پس رہن کا حکم

باطل ہو جائے گا۔ جب وہ اس سے غصب کر لیا جائے یا اس حالت میں وہ ہلاک ہو جائے تو دین میں سے کوئی شے ساقط نہ ہو گی جب وہ نفع حاصل کرنے سے فارغ ہوگا تو وہ دوبارہ ایسا رہن بن جائے گا جس پر ضمانت ہوگی جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ یہ باب التصرف فی الرهن میں آئے گا۔

34404۔ (قوله: أَمْرُهُ) راہن نے مرتہن کو حکم دیا۔

34405۔ (قوله: لَمْ يَضُنْ) یعنی مرتہن ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ راہن کے قبضہ میں حکماً ہلاک ہو گیا ہے۔

34406۔ (قوله: ضَمِنَ الرِّهْنُ) کیونکہ اس کا قبضہ قابل ضمانت ہوتا ہے۔ مودع کا معاملہ مختلف ہے۔ ان کا

قول لا الزيادة زیادتی اس لیے لازم نہیں ہوگی کیونکہ وہ تعدی کرنے والا نہیں۔ کیونکہ عادت یہ جاری ہے کہ حامی اپنے صندوق سے حفاظت کرتا ہے اور اس پر پانی کا پیالہ رکھتا ہے۔ یہ صورت مختلف ہوگی کہ وہ تعدی کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ جان بوجھ کر پانی بہائے۔ پس وہ زائد قیمت کا ضامن ہوگا۔

34407۔ (قوله: وَالْمُودَعُ لَا يَضُنْ شَيْئًا) اس کی دلیل وہ ہے جو ہم نے کہہ دی ہے۔

رہن میں مدت کا تعین کرنا اسے فاسد کر دیتا ہے

34408۔ (قوله: الْأَجَلُ فِي الرِّهْنِ يُفْسِدُهُ) کیونکہ رہن کا حکم یہ ہے کہ اسے دائمی طور پر مجبوس کیا جائے اور مدت کا

تعین اس کے منافی ہے۔ رہن کے دین کی مدت کے تعین کا معاملہ مختلف ہے۔ ”حموی“ نے ”قنیتہ“ سے نقل کیا ہے: جب وہ ہلاک ہو جائے تو رہن کی ضمان کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس کا فاسد عقد اس کے صحیح کی طرح ہے جس کی وضاحت عنقریب آئے گی۔

سَلَّطَهُ بَيْعِ الرِّهْنِ وَمَاتَ لِلْمُرْتَهِنِ بَيْعُهُ بِلاَ مَحْضَرٍ وَارِثُهُ غَابَ الرَّاهِنُ غَيْبَةً مُنْقَطِعَةً فَرَفَعَ الْمُرْتَهِنُ أَمْرَهُ لِلْقَاضِي لِيَبِيعَهُ بِدَيْنِهِ يَنْبَغِي أَنْ يَجُوزَ وَلَوْ مَاتَ وَلَا يُعْلَمُ لَهُ وَارِثٌ فَبَاعَ الْقَاضِي دَارَهُ جَازًا، كَذَا فِي مُتَفَرِّقَاتِ بُيُوعِ التَّهْرُوفِ الذَّخِيرَةِ لَيْسَ لِلْمُرْتَهِنِ بَيْعُ شَرْعَةِ الرِّهْنِ

راہن نے رہن کو بیچنے پر مرتہن کو اختیار دیا اور مر گیا تو مرتہن کو راہن کے وارث کی موجودگی کے بغیر اس کو بیچنے کا حق ہے۔ راہن غیبت منقطع کے ساتھ غائب ہو گیا اور مرتہن نے اس کا معاملہ قاضی کے سامنے پیش کیا تا کہ اس کے دین کے بدلے میں رہن کو بیچ دے۔ قاضی کو چاہیے کہ وہ اس کی اجازت دے دے۔ اگر وہ مرجائے اور اس کا وارث معلوم نہ ہو تو قاضی اس کا گھر بیچ دے تو یہ جائز ہوگا۔ ”النبز“ متفرقات بیوع میں اسی طرح ہے۔ ”ذخیرہ“ میں ہے: مرتہن کو یہ حق حاصل نہیں کہ رہن کے پھل کو بیچ دے

34409۔ (قولہ: سَلَّطَهُ بَيْعِ الرِّهْنِ) زیادہ بہتر قول علی بیعہ تھا۔ گویا سلط کا فعل امر کے معنی کو اپنے ضمن میں

لیے ہوئے ہے اس لیے با کے ساتھ متعدی کیا۔

34410۔ (قولہ: لِلْمُرْتَهِنِ بَيْعُهُ) پس وارث کو اس کی بیع کے توڑنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے ساتھ اس کا

حق متعلق ہے۔ یہ نہیں کہا جائے گا: یہ وکالت ہے موت کے ساتھ باطل ہو جائے گی۔ اس کی مکمل بحث اس کے بعد آئے گی۔

34411۔ (قولہ: يَنْبَغِي أَنْ يَجُوزَ) ”عمادیہ“ میں اسی طرح ہے۔ پھر کہا: یہ مسئلہ واقع الفتویٰ ہے۔ ”الاشباہ“ میں

اس کے عدم جواز کو یقین سے بیان کیا ہے۔ ”بیری“ نے ”بزازیہ“ میں ”منیہ“ سے نقل کرتے ہوئے استدراک کیا ہے: مرتہن

کو حاکم کی اجازت سے رہن کی بیع کرنا اور اپنا رہن لینا جائز ہے جب راہن غائب ہو نہ اس کی موت کا علم ہو اور نہ ہی اس

کی زندگی کا علم ہو۔

میں کہتا ہوں: ”الاشباہ“ میں جو قول ہے اسے اس پر محمول کرنا ممکن ہے جب غیبت منقطع نہ ہو اگرچہ انہوں نے غیبت کو

مطلق ذکر کیا ہے، تاہل۔ یہ صورت باقی رہ گئی ہے جب وہ حاضر ہو اور اس کی بیع سے رک جائے۔

”ولو الجیہ“ میں ہے: اسے بیع پر مجبور کیا جائے گا۔ جب وہ اس سے رک جائے تو قاضی یا اس کا سیکرٹری مرتہن کے لیے

اسے بیچے اور اس کا حق ادا کر دے اور ذمہ داری مرتہن پر ہو ملخص۔ ”حامدیہ“ میں یہ فتویٰ دیا ہے۔ ”خیریہ“ میں یہ وضاحت کی

ہے کہ اسے اس کی بیع پر مجبور کیا جائے گا اگرچہ وہ گھر ہو اس کے علاوہ جس کا کوئی گھر نہ ہو جس میں وہ رہے۔ کیونکہ مرتہن کا حق

اس کے متعلق ہے۔ مفلس کا معاملہ مختلف ہے۔

مرتہن کے لیے رہن کے پھل کی بیع جائز نہیں

34412۔ (قولہ: لَيْسَ لِلْمُرْتَهِنِ بَيْعُ شَرْعَةِ الرِّهْنِ) یعنی جب راہن اس کے لیے اس امر کو مباح قرار نہ دے۔

”بیری“ میں ”ولو الجیہ“ سے مروی ہے: جس کے بارے میں خراب ہونے کا خوف ہو اسے حاکم کی اجازت سے بیچ دے اور

وَإِنْ خَافَ تَلَفَهَا لِأَنَّ لَهُ وَلَايَةَ الْحَبْسِ لَا الْبَيْعِ وَيُمْكِنُ رَفْعُهُ إِلَى الْقَاضِي، حَتَّى لَوْ كَانَ فِي مَوْضِعٍ لَا يُمَكِّنُهُ الرِّفْعُ لِلْقَاضِي، أَوْ كَانَ بِحَالٍ يَفْسُدُ قَبْلَ أَنْ يَرْفَعَ جَازَ لَهُ أَنْ يَبِيعَهُ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ

اگرچہ اس کے تلف کا خوف ہو۔ کیونکہ اسے محبوس کرنے کی ولایت ہے بیع کی ولایت نہیں قاضی کے سامنے اس کو پیش کرنا ممکن ہے یہاں تک کہ اگر وہ ایسی جگہ ہو جہاں قاضی کے سامنے پیش کرنا ممکن نہ ہو یا وہ ایسی حالت میں ہو کہ قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کرنے سے قبل وہ خراب ہو جائے تو اس کے لیے جائز ہوتا ہے کہ اس کو بیچ دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وہ اس کے قبضہ میں رہن ہوگا۔ کیونکہ اس کو روکنا یہ ہلاک ہونا نہیں ہے۔ اگر اس کے امر کے بغیر بیچے تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ بیع کی ولایت جو مالک کے مفاد کے لیے ہو یہ صرف جاکم کے لیے ثابت ہوتی ہے۔

”بیری“ نے کہا: میں کہتا ہوں۔ اس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ اس گھر کی بیع جائز ہے جس کو رہن کے طور پر رکھا گیا ہو جب وہ خراب ہونے لگے۔ اور یہ واقعہ الفتویٰ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ الرِّهْنِ يُوضَعُ عَلَى يَدِ عَدْلٍ

سُبِّي بِهِ لِعَدَالَتِهِ فِي زَعْمِ الرَّاهِنِ وَالْمُرْتَهِنِ إِذَا وَضَعَا الرِّهْنَ عَلَى يَدِ عَدْلٍ صَحَّ وَتَيَّمَتْ بِقَبْضِهِ وَلَا يَأْخُذُ أَحَدُهُمَا مِنْهُ، وَضَمِنَ لَوْ دَفَعَ إِلَى أَحَدِهِمَا

عادل آدمی کے پاس رہن رکھنے کے احکام

اسے یہ نام دیا گیا ہے کیونکہ راہن اور مرتہن کے گمان میں وہ عادل ہے۔ جب دونوں ایک عادل آدمی کے ہاتھ میں رہن رکھیں تو یہ صحیح ہوگا اور عادل کے قبضہ کے ساتھ وہ عقد مکمل ہو جائے گا۔ اور دونوں میں سے کوئی ایک بھی اس سے نہیں لے گا۔ اگر وہ دونوں میں سے ایک کو دے گا تو عادل اس کا ضامن ہوگا۔

جب ان احکام میں اپنی گفتگو کو انتہا تک پہنچایا جو نفس راہن اور مرتہن کی طرف راجع ہیں اب ان احکام کا ذکر کرنے لگے ہیں جو اس کے نائب کی طرف راجع ہیں وہ عدل ہے اور اصل کے بعد نائب ہے یہاں اس سے مراد وہ ہے جس کے پاس دونوں رہن رکھنے پر راضی ہو جائیں خواہ وہ دونوں اس کی بیع پر راضی ہوں یا راضی نہ ہوں جس طرح ”سعدی“ نے اس کو بیان کیا، فافہم۔

باب: یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے وہ مبتدا ہذا ہے الرهن میں الف لام جنس کے لیے ہے اور اس کے بعد والا جملہ صفت ہے یا حال ہے۔ کیونکہ مضاف سے استغناء صحیح ہے اور اس میں عامل مبتدا ہے۔ کیونکہ اس میں الاثر کا معنی پایا جاتا ہے، جب راہن اور مرتہن ایک عادل آدمی کے ہاتھ میں رہن رکھیں تو یہ صحیح ہوگا

34413۔ (قوله: عَلَى يَدِ عَدْلٍ) اس کی صورت یہ ہے کہ رہن کے عقد میں اس کی شرط لگائی ہو، ”خانیہ“۔

34414۔ (قوله: صَحَّ وَتَيَّمَتْ بِقَبْضِهِ) یعنی رہن صحیح ہوگا اور مکمل ہو جائے گا اور عادل آدمی کے قبضہ کرنے کے ساتھ

لازم ہو جائے گا۔ کیونکہ مالیت کے حق میں اس کا قبضہ مرتہن کا قبضہ ہے۔ اسی وجہ سے اگر وہ ہلاک ہو جائے تو وہ مرتہن کی ذمہ دار، میں ہوگا جس طرح آگے آئے گا۔ ”خانیہ“ میں ہے: اگر عادل کو اس کی بیع کا اختیار دیا جب مقررہ وقت آجائے عادل نے رہن پر قبضہ نہ کیا یہاں تک کہ رہن کی ادائیگی کا وقت آپہنچا تو رہن باطل ہوگا اور بیع کی وکالت باقی ہوگی۔

34415۔ (قوله: وَلَا يَأْخُذُ أَحَدُهُمَا) اگر عادل کے پاس رہن رکھنے کی شرط لگائی گئی تھی تو وہ رہن اس کے پاس

رکھ دیا گیا تو اس کا لینا جائز ہوگا جس طرح ”الاختیار“ میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا، ”قہستانی“۔

34416۔ (قوله: وَضَمِنَ الْخ) مصنف کی شرح میں بطور متن یہ قول نہیں پایا گیا۔ اسے انہوں نے اپنے قول و اذا

هلك کے بعد بطور شرح ذکر کیا ہے۔

لِتَعْلُقَ حَقَّهَا بِهِ، فَلَوْ دَفَعَهُ فَتَلَفَ ضَمِنَ لَتَعْدِيهِ وَأَخَذَا مِنْهُ قِيَمَتَهُ وَجَعَلَاهَا عِنْدَهُ أَوْ عِنْدَ غَيْرِهِ، وَلَيْسَ لِلْعَدْلِ جَعْلُهَا رَهْنًا فِي يَدِهِ لِئَلَّا يَصِيرَ قَاضِيًا وَمَقْضِيًّا، وَهَلْ لِلْعَدْلِ الرُّجُوعُ مَبْسُوطًا فِي الْبُطُولَاتِ

کیونکہ دونوں کا حق اس سے متعلق ہے۔ اگر وہ کسی کو دے اور رہن تلف ہو جائے تو عادل ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے تعدی کی ہے اور دونوں اس سے قیمت وصول کریں گے دونوں اسے اس کے پاس یا کسی اور کے پاس رکھ دیں گے۔ عادل کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اسے یعنی قیمت کو خود اپنے پاس رہن بنا دے تاکہ وہ خود ہی ادا کرنے والا اور تقاضا کرنے والا نہ ہو جائے۔ کیا عادل کو رجوع کا حق ہوگا یہ مطولات میں مفصل موجود ہے۔

34417۔ (قوله: لَتَعْلُقَ حَقَّهَا بِهِ) رہن کا حق عین میں ہے اور مرتہن کا حق مالیت میں ہے۔ پس عادل دونوں کا مودع ہے اور دونوں میں سے ایک دوسرے سے اجنبی ہے پس اس کو لینے کا حق نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی عادل کو حق ہوگا کہ وہ اس کو دے۔ کیونکہ مودع اجنبی کو دینے کی صورت میں ضامن ہوگا۔

34418۔ (قوله: وَأَخَذَا مِنْهُ قِيَمَتَهُ الْخ) اگر دونوں کا اجتماع متعذر ہو تو دونوں میں سے ایک معاملہ قاضی کے سامنے پیش کر دے تاکہ وہ یہ کام کر دے، ”زیلعی“۔

34419۔ (قوله: لِئَلَّا يَصِيرَ قَاضِيًا وَمَقْضِيًّا) جو قول ”الہدایہ“ اور ”المنح“ میں ہے وہ مقضیا ہے۔ کیونکہ یہ جملہ کہا جاتا ہے: قضاہ الدین واعطاء واقترضی دینہ و تقاضاۃ یعنی اس پر قبضہ کیا۔

اس کا حال یہ ہے کہ قیمت اس کے ذمہ واجب ہوگی اگر وہ اسے اپنے قبضہ میں رہن بنا لے تو اس پر جو واجب ہو اس کو ادا کرنے والا ہوگا اور اس کا تقاضا کرنے والا ہوگا اور دونوں کے درمیان منافات پایا جا رہا ہے۔

34420۔ (قوله: مَبْسُوطًا فِي الْبُطُولَاتِ) یعنی اس کا جواب مطولات میں مفصل موجود ہے جس طرح ”زیلعی“ اور ”ہدایہ“ کی شروح میں ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے: جب قیمت دونوں کی رائے یا قاضی کی رائے سے پہلے عادل یا کسی اور کے ہاں رکھ دی جائے پھر راہن رہن کا فیصلہ کر دے اگر عادل نے قیمت کی ضمانت دی ہو اس کا سبب یہ ہو کہ اس لیے مرہون شے راہن کو دی تھی تو قیمت عادل کے لیے ہوگی یہ اس سے لے گا جس کے پاس وہ ہے۔ کیونکہ پہلی دفعہ حوالے کرنے سے مرہون راہن تک پہنچ چکا ہے اور رہن مرتہن تک پہنچ چکا ہے۔ کیونکہ راہن اسے دے چکا ہے۔ اگر قیمت راہن کی ہو تو یہ لازم آئے گا کہ بدل اور مبدل منہ ایک ملک میں جمع ہو جائیں اگر عادل مرتہن کو دینے کے باعث ضامن بنا ہو تو قیمت راہن کے لیے ہوگی وہ قیمت اس سے وصول کرے گا جس کے پاس وہ ہے۔ کیونکہ یہ عین مرہونہ کے قائم مقام ہے۔ اس میں دو بدلوں کا ایک ملک میں جمع ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ عین راہن کے قبضہ تک نہیں پہنچا۔ عادل ضمان کے ساتھ اس کا مالک بن چکا ہے پھر جب عادل مرتہن کو دینے کی وجہ سے ضامن بنا تو کہا عادل مرتہن سے مطالبہ کرے گا۔ یہ دیکھا جائے گا اگر اس نے عین اسے عاریتاً یا ودیعتہ دیا تھا

(وَإِذَا هَلَكَ يَهْلِكُ مِنْ ضَمَانِ الْمُرْتَهِنِ) (فَإِنْ وَكَّلَ الرَّاهِنُ الْمُرْتَهِنَ أَوْ) (وَكَّلَ الْعَدْلُ أَوْ غَيْرَهُمَا بِبَيْعِهِ عِنْدَ حُلُولِ الْأَجْلِ صَحَّ) تَوَكُّلُهُ (لَوْ الْوَكِيلُ) (أَهْلًا لِذَلِكَ) أَيْ لِلْبَيْعِ (عِنْدَ التَّوَكُّلِ وَإِلَّا يَكُنْ أَهْلًا لِذَلِكَ عِنْدَ التَّوَكُّلِ) (لَا تَصِحُّ الْوَكَالَةُ وَحِينَئِذٍ) (فَلَوْ وَكَّلَ بَيْنَهُ صَغِيرًا) لَا يَعْقِلُ (فَبَاعَهُ بَعْدَ بُلُوغِهِ لَمْ يَصِحَّ) خِلَافًا لَهُمَا (فَإِنْ شَرِطْتَ) الْوَكَالَةَ (فِي عَقْدِ الرِّهْنِ لَمْ يَنْعَزِلْ بِعَزْلِهِ

جب وہ ہلاک ہو جائے تو مرتہن کی ضمان سے ہلاک ہوگا اگر راہن نے مرتہن یا عادل یا ان دونوں کے علاوہ کسی اور کو رہن کی بیع کا وکیل بنایا جب وقت مقررہ آجائے تو اس کا وکیل بنانا صحیح ہوگا اگر وکیل بنائے جانے کے وقت بیع کا اہل ہو۔ اگر وہ وکیل بنائے جانے کے وقت اس کا اہل نہ ہو تو وکالت صحیح نہ ہوگی اس وقت اگر وہ ایسے چھوٹے، جو سمجھ بوجھ نہیں رکھتا، کو بیع کا وکیل بنائے اس نے اسے بالغ ہونے کے بعد بیچا تو یہ صحیح نہ ہوگا۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر عقد رہن میں وکالت شرط ہو تو وہ معزول کرنے سے معزول نہیں ہوگا

تو وہ واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا مگر جب مرتہن اسے جان بوجھ کر ہلاک کرے۔ کیونکہ عادل ضمان ادا کرنے کے ساتھ اس کا مالک بن گیا تھا اور یہ واضح ہو گیا تھا کہ اس نے اسے عاریتاً دیا تھا یا اس نے اپنی مملوکہ چیز اس کے پاس ودیعت رکھی تھی۔ مودع اور مستعیر ضامن نہیں ہوتا مگر جب تعدی کرے اگر وہ اسے اس کے حق کے رہن کے طور پر دے۔ اس کی صورت یہ ہے وہ کہے: اسے اپنے حق کے بدلے میں لے لے یا اسے محبوس کر دے تو عادل اس سے واپسی کا مطالبہ کرے گا خواہ وہ ہلاک ہو جائے یا وہ جان بوجھ کر ہلاک کر دے۔ کیونکہ اس نے ضمان کے طریقہ پر ادا کیا ہے۔

34421۔ (قوله: وَإِذَا هَلَكَ) یعنی جب وہ عادل، اس کی بیوی، اس کے بچے، اس کے خادم یا اس کے اجیر کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا، ”قہستانی“۔

34422۔ (قوله: عِنْدَ حُلُولِ الْأَجْلِ) یا مطلقاً ہو جس طرح ”قہستانی“ اور ”درمشتقی“ میں ہے۔ ”خانہ“ میں ہے: اگر وہ عند حلول الاجل کا قول نہ کرتے تو عادل کو اس سے قبل ہی بیع کرنے کا حق ہوگا۔

34423۔ (قوله: صَحَّ تَوَكُّلُهُ) یعنی اگر عادل رہن پر قبضہ نہ کرے یہاں تک کہ وقت مقررہ آجائے اگرچہ رہن باطل ہو جائے جس طرح گزر چکا ہے ان کا قول فان شرطت الوكالة۔ یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اس کی بیع پر رضامندی عادل میں لازم نہیں جس طرح ہم نے پہلے سے نقل کیا ہے۔

اگر عقد رہن میں وکالت شرط ہو تو اس کا حکم

34424۔ (قوله: لَمْ يَنْعَزِلْ بِعَزْلِهِ) یعنی راہن اس کو معزول کرے تو وہ معزول نہیں ہوگا مگر جب مرتہن اس پر راضی ہو جائے، ”اتقانی“۔ معزول کرنے میں مطلقاً ذکر کیا ہے۔

پس یہ اس کو شامل ہوگا اگر وہ اسے مطلقاً بیع کا وکیل بنائے پھر اسے بیع نسبیہ (ادھار بیع) سے منع کر دے تو وہ اس کی نہیں پر عمل

(وَلَا بَيِّنَاتٍ الرَّاهِنِ وَلَا الْمُرْتَهِنِ) لِلزُّومِ مَهَا بِلُزُومِ الْعَقْدِ، فَهِيَ تُخَالِفُ الْوَكَالَاتِ الْمَفْرَدَةَ مِنْ وَجْهِ
أَحَدُهَا هَذَا (وَالثَّانِي أَنَّ الْوَكِيلَ هُنَا يُجْبَرُ عَلَى الْبَيْعِ عِنْدَ الْإِمْتِنَاعِ)

اور نہ ہی راہن کی موت اور نہ ہی مرتہن کی موت سے معزول ہوگا۔ کیونکہ عقد کے لزوم کے ساتھ وکالت لازم ہو جاتی ہے۔ یہ
کئی وجوہ سے وکالت مفردہ کے مخالف ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے اور دوسری یہ ہے کہ وکیل کو یہاں بیع پر مجبور کیا جائے گا
جب وہ رک جائے۔

نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ اپنی اصل کے ساتھ لازم ہے اسی طرح اس کے وصف کے ساتھ لازم ہے جس طرح ”ہدایہ“ میں ہے۔
34425۔ (قولہ: وَلَا بَيِّنَاتٍ الرَّاهِنِ) یعنی عزل حکمی کے ساتھ وہ معزول نہیں ہوگا جس طرح موکل مر جائے، وہ
مرتد ہو جائے اور دار الحرب میں لاحق ہو جائے۔ کیونکہ عقد رہن اس کی موت کے ساتھ باطل نہیں ہوگا۔ کیونکہ مرتہن کا حق
وارثوں کے حق سے پہلے ہے۔ ”زیلعی“۔

34426۔ (قولہ: وَلَا الْمُرْتَهِنِ) مگر جب وہ وکیل ہو، ”ط“۔ عنقریب اس کا ذکر و تبطل بیوت الوکیل مطلقاً
آئے گا۔

34427۔ (قولہ: لِلزُّومِ مَهَا بِلُزُومِ الْعَقْدِ) کیونکہ جب اسے عقد رہن کے ضمن میں بطور شرط مانا گیا تو یہ اس کے
اوصاف میں ایک وصف اور اس کے حقوق میں سے ایک حق ہو گئی کیا تو نہیں دیکھتا کہ عقد وکالت زیادہ اعتماد کے لیے ہوتا
ہے۔ پس اس کے اصول کے لزوم کے ساتھ لازم ہو جائے گا۔ اس کی مکمل بحث ”ہدایہ“ میں ہے۔
رہن کی وکالت اور وکالت مفردہ میں فرق

34428۔ (قولہ: فَهِيَ تُخَالِفُ الْوَكَالَاتِ الْمَفْرَدَةَ) یعنی جس کا عقد رہن کے ضمن میں ذکر نہیں کیا گیا اور وکالت
خصوصیت، مدعی کے مطالبہ کے ساتھ مستثنیٰ ہوگی جب موکل غائب ہو اسی طرح اگر جسے خیال حاصل ہو اسے یہ خوف ہو کہ دوسرا
شخص غائب ہو جائے گا۔ پس وہ وکیل بناتا ہے تاکہ اس پر رد کرے پس اس کے معزول کرنے سے وہ معزول نہیں ہوگا۔
”رحمتی“ نے اسے بیان کیا ہے۔ وکیل بالامر بالید کا حکم بھی یہ ہوگا جس طرح باب عزل الوکیل میں گزر چکا ہے۔

34429۔ (قولہ: مِنْ وَجْهِ) یہاں ان میں سے پانچ کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک وہ ہے جس کا ذکر ”النبایہ“
میں کیا ہے کہ عادل جب مرتد ہو جائے والعیاذ باللہ اور اس پر دار الحرب چلے جانے کا حکم لگا دیا جائے پھر وہ مسلمان کی حیثیت
سے لوٹ آئے تو وہ وکیل کی حیثیت سے لوٹ آئے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق وکالت مفردہ کا معاملہ الگ
ہے وہ دوبارہ وکیل نہیں بنتا۔

34430۔ (قولہ: يُجْبَرُ عَلَى الْبَيْعِ الْخ) یعنی اگر راہن غائب ہو اور وقت مقررہ آ جائے اور وکیل بیع سے رک
جائے تو اس کو مجبور کیا جائے گا۔ اس کی وضاحت قریب ہی آئے گی۔

وَكَذَا لَوْ شَرِطْتُ بَعْدَ الرِّهْنِ فِي الْأَصَحِّ زَيْدَعِي عَلَى خِلَافِ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَإِنْ صَحَّحَهَا قَاضِي خَانَ وَغَيْرُهُ عَلَى مَا نَقَلَهُ الْقَهْطَانِيُّ وَغَيْرُهُ فَتَنْبَهُ، بِخِلَافِ الْوَكَالَةِ الْمَفْرَدَةِ، (وَالثَّالِثُ

اسی طرح اگر رہن کے عقد کے بعد شرط لگائی جائے یہ اصح قول کے مطابق ہے ”زیلعی“۔ جب کہ یہ ظاہر روایت کے خلاف ہے اگرچہ ”قاضی خان“ وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے جس طرح ”قہستانی“ وغیرہ نے اس کو نقل کیا ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ وکالت مفردہ کا معاملہ مختلف ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے

34431۔ (قوله: وَكَذَا لَوْ شَرِطْتُ الْخ) ان کے قول وان باعه العدل کی شرح میں ”زیلعی“ کی عبارت

ہے: فتكون الوكالة غير المشروطة في العقد كالمشروطة فيه في حق جميع ما ذكرنا من الاحكام ووكالت جس کی عقد میں شرط نہ لگائی گئی ہو۔ اس کی وکالت اسی طرح ہے جس کی عقد میں شرط لگائی گئی ہو یہ ان تمام احکام میں ہے جن کو ہم نے ذکر کیا ہے۔

34432۔ (قوله: زَيْدَعِي) نے اس کی تصحیح ان کے قول فان حل الاجل میں کی ہے۔ ”المستفتی“ میں اس کی

تصریح کی ہے۔ ”ہدایہ“ میں اس طرح ہے۔ اور اس میں کہا: ”جامع صغیر“ اور ”اصل“ میں جواب کا اطلاق اس کی تائید کرتا ہے۔ شارحین نے اس کو ثابت رکھا ہے۔

اگر عقد رہن میں بیع شرط نہ ہو پھر مرتہن یا عادل کو بیع پر مسلط کر دیا گیا تو توکیل صحیح ہوگی

34433۔ (قوله: وَإِنْ صَحَّحَهَا قَاضِي خَانَ) ضمیر کو مؤنث ذکر کیا ہے جب کہ یہ ظاہر روایت کی طرف لوٹ رہی

ہے کیونکہ مضاف نے مضاف الیہ سے تانیث حاصل کی ہے پھر ”قاضی خان“ کی طرف اس کی نسبت عجیب ہے۔ شاید ”قہستانی“ اور جنہوں نے ان کی پیروی کی ہے ان کی کتابت کی غلطی ہے۔ کیونکہ ”خانہ“ میں یہ اس طرح ہے: ولولم یکن البیع شرطاً فی عقد الرهن الخ اگر عقد رہن میں بیع شرط نہ ہو پھر مرتہن یا عادل کو بیع پر مسلط کر دیا گیا تو توکیل صحیح ہوگی۔ اور راہن کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اس وکالت کو منسوخ کر دے اور اسے بیع سے روک دے اگر راہن مر جائے تو وکالت باطل ہو جائے گی اور مرتہن کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ عادل سے اس صورت میں بیع کا مطالبہ کرے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: وکالت باطل نہیں ہوگی جیسے جو عقد میں مشروط ہو۔ یہی صحیح ہے۔

”خانہ“ میں بھی ہے: ایک آدمی نے کوئی شے عادل آدمی کے پاس رہن رکھی اور عادل کو بیع پر مسلط کر دیا پھر راہن غائب ہو گیا تو عادل کو بیع پر مجبور کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حکم اس صورت میں ہے جب بیع کی عقد میں شرط لگائی گئی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے ہر حال میں مجبور کیا جائے گا۔ یہی صحیح ہے۔ اسی طرح ”جامع صغیر“ پر اپنی شرح میں ہر حال میں جبر کو صحیح قرار دیا ہے جس طرح ”النبہایہ“ میں ہے۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس روایت کے برعکس کو صحیح قرار دیا ہو۔ ”معراج“ میں ہے: ”شیخ الاسلام“، ”فخر الاسلام“ اور ”قاضی خان“ نے کہا: یہ روایت اصح ہے۔

أَنَّهُ يَبْلُغُ بَيْنَ الْوَلَدِ وَالْأَرْشِ (وَالرَّابِعُ) إِذَا بَاعَ بِخِلَافِ جِنْسِ الدِّينِ كَانَ لَهُ أَنْ يَصْرِفَهُ إِلَى جِنْسِهِ أَمَّا الدِّينُ، بِخِلَافِ الْوَكَالَةِ الْمَفْرَدَةِ (وَالْخَامِسُ) إِذَا كَانَ عَبْدًا وَقَتْلَهُ عَبْدٌ خَطَأً فَدَفَعَهُ - بِالْجَنَائَةِ كَانَ لَهُ بَيْعُهُ، بِخِلَافِ الْمَفْرَدَةِ مُتَعَلِّقٌ بِالْجَمِيعِ (وَلَهُ بَيْعُهُ فِي غَيْبَةِ وَرَثَتِهِ) أَمَّا وَرَثَةُ الرَّاهِنِ (كَمَا كَانَ لَهُ حَالُ حَيَاتِهِ الْبَيْعُ بِغَيْرِ حَضْرَتِهِ) أَمَّا حَضْرَةُ الرَّاهِنِ وَتَبْطُلُ الْوَكَالَةُ (بِمَوْتِ الْوَكِيلِ)

کہ وکیل بیچے کی بیع اور دیت کے مال کی بیع کا مالک ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے جب وہ اسے دین کی جنس کے برعکس سے بیچے تو اس کو حق حاصل ہوگا کہ اسے دین کی جنس کی طرف پھیر دے۔ وکالت مفردہ میں معاملہ مختلف ہے۔ پانچویں وجہ یہ ہے جب وہ غلام ہو اور اسے کوئی غلام خطا قتل کر دے اور وہ غلام جنایت کے بدلے میں دے دیا جائے تو اسے وہ غلام بیچنے کا حق ہوگا۔ وکالت مفردہ کا معاملہ مختلف ہے۔ بخلاف المفردہ یہ اس کے متعلق ہے۔ اسے راہن کے ورثا کی عدم موجودگی میں بیچنے کا حق ہوگا جس طرح راہن کی زندگی میں راہن کی عدم موجودگی میں بیچنے کا حق تھا اور وکیل کے مرجانے سے وکالت مطلقاً باطل

34434۔ (قوله: أَنَّهُ يَبْلُغُ بَيْنَ الْوَلَدِ وَالْأَرْشِ) یعنی مرہون کے ولد اور اس کی ارش (چٹی) کی بیع کرنے کا

مالک ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس پر کوئی جنایت کرے تو جنایت کی چٹی سامان تجارت دیا گیا تو یہاں وکیل کو حق حاصل ہوگا کہ اسے بیچ دے۔ کیونکہ مصنف فصل المتفرقات میں عنقریب ذکر کریں گے یعنی رہن کا نما راہن کے لیے ہوگا اور وہ اصل کے ساتھ ہی رہن ہوگا اور وکیل مفرد اس کا مالک نہیں ہوتا۔

34435۔ (قوله: كَانَ لَهُ أَنْ يَصْرِفَهُ إِلَى جِنْسِهِ) کیونکہ وہ دین کی ادائیگی اور ثمن کو دین کی جنس سے بنانے پر مامور

ہے وکیل مفرد کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ جو نہیں وہ بیچتا ہے اس کی وکالت ختم ہو جاتی ہے، ”اتقانی“۔

34436۔ (قوله: إِذَا كَانَ) ضمیر سے مراد مرہون ہے۔

34437۔ (قوله: فَدَفَعَهُ) یعنی قاتل غلام دے دیا جائے۔

34438۔ (قوله: كَانَ لَهُ بَيْعُهُ) کیونکہ یہ غلام رہن ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ رہن کے قائم مقام ہے۔

34439۔ (قوله: وَلَهُ بَيْعُهُ) یعنی مذکورہ وکیل بیچ کرنے کا حق ہوگا خواہ وہ مرہون ہو، عادل ہو یا ان کے علاوہ ہو اسے

وارثوں کی عدم موجودگی میں بیچ کرنے کا حق ہوگا۔ کیونکہ وہ رہن کی موت سے معزول نہیں ہوا جس طرح پہلے قول گزر چکا ہے۔ ”طحاوی“ نے کہا: اسی طرح کا حکم ہے جب مرہون کے وارث غائب ہوں یعنی اگر وکیل مرہون کے علاوہ ہو۔ یہ صورت باقی رہ گئی ہے جب بیع کا وکیل نہ ہو اور راہن مرجائے۔ مصنف آنے والے باب کے آخر میں عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔

34440۔ (قوله: وَتَبْطُلُ الْوَكَالَةُ بِمَوْتِ الْوَكِيلِ) یعنی جب کہ رہن باقی ہے۔ کیونکہ رہن اگر مرہون کے قبضہ میں

ہو اور وہ مرجائے تو عقد باطل نہیں ہوگا تو عادل کے مرجانے سے عقد بدرجہ اولیٰ باطل نہیں ہوگا، ”عنایہ“۔ اور یہ ذکر نہیں کیا کہ عادل کی موت اور اس کی وکالت کے بطلان کے بعد اس رہن کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔

مُطْلَقًا وَعَنْ الثَّانِي أَنَّ وَصِيَّهُ يُخْلَفُهُ لِكُنْهٖ خِلَافُ جَوَابِ الْأَصْلِ (وَلَوْ أَوْصَى إِلَى آخِرِ بَيْعِهِ لَمْ يَصَحَّ) إِلَّا إِذَا كَانَ مَشْمُودًا طَالَهُ ذَلِكَ فِي الْوَكَالَةِ (وَلَا يَنْبَلِكُ رَاهِنٌ وَلَا مُرْتَهَنٌ بَيْعُهُ بِغَيْرِ رِضَا الْآخِرِ)

ہو جائے گی۔ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت مروی ہے کہ اس کا وصی اس کا نائب ہوگا۔ لیکن یہ اصل کے جواب کے خلاف ہے۔ اگر وہ کسی اور کو اس کی بیع کی وصیت کرے تو یہ صحیح نہیں ہوگا مگر جب وکالت میں اس کی شرط لگائے راہن اور مرتہن دوسرے کی رضامندی کے بغیر رہن کو بیچنے کا مالک نہیں

”ولو الجیہ“، ”ظہیریہ“ وغیرہما میں ہے: اگر عادل فوت ہو جائے تو رہن باہمی رضامندی سے کسی اور عادل کے پاس رکھ دیا جائے گا اگر دونوں اختلاف کریں تو قاضی اسے کسی اور عادل کے پاس رکھ چھوڑے گا دوسرے عادل کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ رہن کو بیچے اگرچہ پہلے کو بیع پر اختیار دیا گیا ہو مگر جب راہن فوت ہو جائے۔ کیونکہ قاضی اس کے دیون کی ادائیگی کا والی بنایا گیا ہے۔

34441۔ (قولہ: مُطْلَقًا) خواہ وہ مرتہن ہو، عادل ہو یا کوئی اور ہونہ اس کا وارث، نہ اس کا وصی اس کے قائم مقام ہوگا۔ کیونکہ وکالت میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ مؤکل اس کی رائے سے راضی ہوا ہے اس کے علاوہ کی رائے سے راضی نہیں ہوا، ”درر“۔

34442۔ (قولہ: وَعَنْ الثَّانِي الْاِخ) اگر وہ اس قول کو اپنے قول ولو اوصی الی آخر ببيعہ لم یصح کے بعد ذکر کرتے تو زیادہ مناسب ہوتا، ”ط“۔

34443۔ (قولہ: لِكُنْهٖ خِلَافُ جَوَابِ الْأَصْلِ) ”قبستانی“ نے اس طرح ذکر کیا ہے ”الاصل“ سے مراد امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کی مبسوط ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اصل میں امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کا جواب ذکر کیا ہے جو ان دونوں کے قول کی طرح ہے، ”ط“۔

34444۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا كَانَ مَشْمُودًا طَالَهُ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اصل وکالت میں کہے: میں نے تجھے اس کی بیع کا وکیل بنایا ہے اور تو اس کے متعلق جو بھی کرے اس کی میں نے تجھے اجازت دی ہے اس وقت اس کے وصی کو اس کی بیع کی اجازت ہوگی اور اس کے وصی کو تیسرے کو وصی بنانے کی اجازت نہ ہوگی۔ ”اتقانی“۔

فرع: ایک آدمی نے عادل کو وکیل بنایا اور اس نے اس کو بیچ دیا اگر عادل کی موجودگی میں اس طرح ہو تو یہ جائز ہوگا ورنہ ایسا نہیں ہوگا مگر جب وہ اس کو جائز قرار دے۔ اگر عادل بعض رہن کو بیچ دے تو باقی ماندہ میں عقد باطل ہو جائے گا۔ ”ہندیہ“۔ یعنی طاری اشتراک کی وجہ سے عقد فاسد ہو جائے گا۔

34445۔ (قولہ: وَلَا يَنْبَلِكُ الْاِخ) یعنی عادل کی موت کے بعد، جس طرح میں نے بعض علما کی تحریر دیکھی ہے۔ یہ سیاق کا مقتضا ہے لیکن یہ احتراز کے لیے نہیں۔

فَإِنْ حَلَّ الْأَجَلَ وَغَابَ الرَّاهِنُ أُجْبِرَ الْوَكِيلُ عَلَى بَيْعِهِ كَمَا هُوَ الْحُكْمُ فِي الْوَكِيلِ بِالْخُصُومَةِ إِذَا غَابَ مُوَكَّلُهُ وَأَبَاهَا فَإِنَّهُ يُجْبَرُ عَلَيْهَا بِأَنْ يَحْبِسَهُ أَيَّامًا لِيَبِيعَ، فَإِنْ لَجَّ بَعْدَ ذَلِكَ بَاعَ الْقَاضِي دَفْعًا لِلضَّرَرِ وَإِنْ بَاعَهُ الْعَدْلُ

اگر وقت مقررہ آجائے اور راہن غائب ہو جائے تو وکیل کو اس کی بیع پر مجبور کیا جائے گا جس طرح خصومت کے وکیل میں حکم ہے۔ جب اس کا موکل غائب ہو یا وکیل خصومت کا انکار کرتا ہو تو وکیل کو خصومت پر مجبور کیا جائے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اسے قاضی چند دن مجبوس کر دے گا تا کہ وہ اس کو بیچ دے اگر اس کے بعد وہ اصرار کرے تو قاضی ضرر کو دور کرنے کے لیے اسے بیچے گا اگر رہن کو عادل بیچے

34446۔ (قوله: فَإِنْ حَلَّ الْأَجَلَ الْخ) یہ مسئلہ قریب ہی گزرا ہے۔

34447۔ (قوله: وَغَابَ الرَّاهِنُ) راہن غائب ہو گیا یا اس کی موت کے بعد اس کا وارث غائب ہو گیا اور وکیل بیع کرنے سے انکار کر دے تو بالاتفاق اسے مجبور کیا جائے گا۔ اس میں اس امر کی طرف رمز ہے کہ اگر رہن حاضر ہو تو وکیل کو مجبور کیا جائے گا بلکہ راہن کو مجبور کیا جائے گا۔ اگر وہ انکار کر دے تو قاضی، صاحبین کے نزدیک اسے بیچ دے گا۔ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے لیے یہ گنجائش نہیں، ”ہستانی“۔ ”رملی“ نے کہا: یہ آزاد پر حجر کی فرع ہے۔ حجر میں یہ گزرا ہے کہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: ”بزاز یہ“ میں ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تمام ائمہ کا قول ہے۔ کیونکہ بیع پر اس کی رضا پہلے ہو چکی ہے یہی قول صحیح ہے۔

34448۔ (قوله: أُجْبِرَ) کیونکہ مرہن کا حق اس کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے۔

34449۔ (قوله: كَمَا هُوَ الْحُكْمُ فِي الْوَكِيلِ بِالْخُصُومَةِ) یعنی جب مدعی مطالبہ کرے۔ ”اتقانی“ نے کہا: مدعی جب قاضی کے نزدیک اپنے خصم سے وکیل کا مطالبہ کرے وہ اس کے لیے وکیل معین کر دے تو موکل کو یہ حق نہیں کہ اس کو معزول کر دے۔ کیونکہ خصم کا حق اس وکالت کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے جب وکالت اس کے مطالبہ سے ثابت ہوئی ہے۔ اگر وہ مطالبہ کے بغیر ابتدا میں وکیل معین کر دے تو اس کو معزول کرنا جائز ہوگا۔

34450۔ (قوله: بِأَنْ يَحْبِسَهُ) یہ ان کے قول اجبر الوکیل کی صورت کا بیان ہے۔ بعض نسخوں میں یہ یوں ہے: و کیفیۃ الاجبار بان یحبسہ ہے۔

34451۔ (قوله: فَإِنْ لَجَّ) یہ لفظ جیم کے ساتھ ہے۔ ”مصباح“ میں کہا: لجج فی الامر لججا و لجاجا و لجاجة۔ یہ تعب کے باب سے ہے۔ اسم فاعل لجوج ہے اور مبالغہ کے لیے لجوجة استعمال ہوتا ہے جب وہ اسے لازم ہو اور اس پر مواظبت اختیار کرے۔ یہ ضرب کے باب سے ہے۔ ”ط“۔

34452۔ (قوله: وَإِنْ بَاعَهُ الْعَدْلُ) یعنی اگر اسے وہ عادل بیچ دے جسے عقد رہن میں یا اس کے بعد بیع پر مسلط کیا

فَالشَّيْنُ رَهْنٌ كَالشَّيْنِ (فِيهِ لِكَ كَهْلِكِهِ، فَإِنْ أُوْفِيَ شَيْئُهُ) بَعْدَ بَيْعِهِ (الرَّهْنُ فَاسْتَحَقَّ الرَّهْنُ) وَضَمِّنَ (فَإِنْ) كَانَ الْبَيْعُ (هَالِكًا فِي يَدِ الْمُشْتَرِي ضَمِّنَ الْمُشْتَرِي الرَّاهِنَ قِيَمَتَهُ) إِنْ شَاءَ لِأَنَّهُ غَاصِبٌ (وَحِينَئِذٍ صَحَّ الْبَيْعُ وَالْقَبْضُ) لِتَمْلِكِهِ بِضَمَانِهِ (أَوْ ضَمِّنَ الْمُشْتَرِي (الْعَدْلُ)

تو ثمن رہن ہوگا جس طرح ثمن (مرہون) رہن تھا۔ پس ثمن مرہون کے ہلاک ہونے کی طرح ہلاک ہوگا اگر اس کی بیع کے بعد عادل مرتہن کو اس کی ثمن ادا کر دے پھر رہن کا کوئی مستحق نکل آیا اور اس کی ضمانت دی گئی۔ اگر بیع مشتری کے قبضہ میں ہلاک ہوگئی تو مستحق راہن سے اس کی قیمت کی ضمانت لے گا اگر چاہے۔ کیونکہ وہ غاصب ہے۔ اس وقت بیع اور قبضہ صحیح ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ اس کی ضمان کے ساتھ مالک بنا ہے یا مستحق عادل سے ضمانت لے گا۔

گیا ہو، ”بزازیہ“۔

34453۔ (قولہ: فَالشَّيْنُ رَهْنٌ) یعنی اگرچہ وہ ثمن پر قبضہ نہ کرے تو بھی وہ رہن ہوگی۔ کیونکہ ثمن اس کے قائم مقام ہے جو پہلے مقبوض تھا، ”ہدایہ“۔ اگر وہ عادل کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو دین ساقط ہو جائے گا جس طرح جب وہ مرتہن کے پاس ہلاک ہو جائے۔ اسی طرح جب ثمن ہلاک ہو جائے مشتری پر ہلاک ہونے کی وجہ سے تو وہ مرتہن پر ہلاک ہو جائے گی اور دین ساقط ہو جائے گا اور اس میں رہن کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا اس میں ثمن کا اعتبار ہوگا، ”بزازیہ“۔

یہ اعتراض نہ کیا جائے گا وہ کہے مضمون ہوگا جب کہ اس نے اس پر قبضہ نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے یہ مشتری کے ذمہ میں مرتہن کے حق کی وجہ سے ثابت ہوا ہے۔ گویا وہ مرتہن کے قبضہ میں ہے یا بائع کے قبضہ میں ہے، ”اتقانی“۔ جب عادل نے اقرار کیا کہ اس نے ثمن پر قبضہ کر لیا تھا اور مرتہن کے حوالے کر دیا تھا اور مرتہن نے اس کا انکار کیا ہو تو قول عادل کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ عادل امین ہے اور مرتہن کارہن باطل ہو گیا ہے۔ ”ولو البجیہ“، ”جوہرہ“۔

34454۔ (قولہ: وَضَمِّنَ) یہ مجہول کا صیغہ ہے معروف کا صیغہ نہیں جس طرح گمان کیا گیا ہے اور نائب فاعل رہن کی ضمیر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی طلب ضمانہ۔ طالب وہی مستحق ہے بے شک اس فعل کو لاتے ہیں تاکہ اس کا مابعد مذکور کی تفصیل ہو جائے۔ تمام خیر اللہ کے لیے ہے اس نے کس قدر دقائق کو مخفی رکھا ہے، فافہم۔

34455۔ (قولہ: ضَمِّنَ الْمُشْتَرِي الرَّاهِنَ) یعنی مستحق راہن سے رہن کی قیمت کی ضمانت لے گا پس دوسرا مسئول مخدوف ہے مابعد میں بھی یہی قول کیا جائے گا۔

34456۔ (قولہ: لِأَنَّهُ غَاصِبٌ) کیونکہ اس نے ایک چیز کو لیا اور مالک کی اجازت کے بغیر اسے آگے سپرد کر دیا، ”ط“۔

34457۔ (قولہ: وَالْقَبْضُ) یعنی مرتہن ثمن پر قبضہ کر لے، ”ح“۔

34458۔ (قولہ: لِتَمْلِكِهِ بِضَمَانِهِ) کیونکہ راہن ضمان کے ادا کرنے کے ساتھ اس کا مالک بن گیا ہے تو یہ واضح ہو

گیا کہ اس نے اسے اپنی ملوکہ چیز کے بیچنے کا حکم دیا ہے، ”ہدایہ“۔

لِتَعْدِيهِ بِالْبَيْعِ (ثُمَّ هُوَ أَمَى الْعَدْلُ (يُضَيِّنُ الرَّاهِنَ وَصَحًا) أَيْضًا (أَوْ ضَمَّنَ) (الرَّهْنُ ثَمَنُهُ الَّذِي) أَذَاهُ إِلَيْهِ (وَهُوَ) أَمَى الثَّمَنُ (لَهُ) أَمَى الْعَدْلُ لِأَنَّهُ بَدَلُ مِلْكِهِ (وَيَرْجِعُ الرَّهْنُ عَلَى رَاهِنِهِ بِدَيْنِهِ) ضَرُورَةً بَطْلَانِ قَبْضِهِ (وَإِنْ) كَانَ الرِّهْنُ (قَائِلًا) فِي يَدِ مُشْتَرِيهِ

کیونکہ اس نے بیع کرنے کے ساتھ تعدی کی تھی پھر عادل رہن سے ضمان لے گا اور دونوں امور (بیع، قبض) بھی صحیح ہو جائیں گے یا وہ مرتہن سے ضمانت لے گا اس ثمن کی جو اس نے ادا کی اور ثمن عادل کی ملکیت ہوگی۔ کیونکہ یہ ثمن اس کی ملکیت کا بدلہ ہے اور مرتہن راہن سے اپنے دین کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ اس کا قبضہ باطل ہو چکا ہے۔ اگر رہن مشتری کے ہاتھ میں موجود ہو

34459۔ (قوله: لَتَعْدِيهِ بِالْبَيْعِ) یعنی بیع کرنے اور سپرد کرنے کے ساتھ اس نے تعدی کی چاہیے یہ تھا کہ تسلیم کا بھی ذکر کرتے جس طرح ”ہدایہ“ میں ہے۔

34460۔ (قوله: يُضَيِّنُ الرَّاهِنَ) یعنی راہن سے قیمت کی ضمانت لے گا۔ کیونکہ یہ اس کی جہت سے وکیل ہے اور اس کے لیے عمل کرنے والا ہے تو جو ذمہ داری اسے لاحق ہوئی اس کے بارے میں اس کی طرف رجوع کیا جائے، ”ہدایہ“۔

34461۔ (قوله: وَصَحًا أَيْضًا) یعنی بیع اور قبض دونوں صحیح ہو جائیں گے اگر بیع نافذ ہو جائے۔ کیونکہ جب ضمان کا ثبوت راہن پر ہے اور اس نے اس کی ضمانت ادا کر دی تو وہ اس شے کا مالک ہو جائے گا جس طرح گزر چکا ہے۔ اور مرتہن کا ثمن پر قبضہ صحیح ہو جائے گا۔ پس دین میں سے کسی شے کا راہن سے مطالبہ نہیں کرے گا جس طرح ”عنایہ“ وغیرہ میں ہے۔ اور ”منح“ کا ”درر“ کی طرح قول کہ یہ عادل کے ذمہ ہے سبقت قلم ہے۔

34462۔ (قوله: أَوْ ضَمَّنَ) زیادہ بہتر یہ عبارت ہے: یضمن کیونکہ یہ اس یضمن پر معطوف ہے جو اس سے پہلے ہے اور دونوں میں فاعل العدل کی ضمیر ہے۔

34463۔ (قوله: الَّذِي أَذَاهُ إِلَيْهِ) الیہ کی ضمیر سے مراد مرتہن ہے۔ کیونکہ استحقاق سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ اس نے ثمن حق کے بغیر لی ہے۔ کیونکہ عدل اس کا ضمان کے ساتھ مالک ہوا ہے، ”درر“۔

34464۔ (قوله: لِأَنَّهُ بَدَلُ مِلْكِهِ) کیونکہ جب اس نے اس کی ضمانت ادا کر دی تو اس کی اس میں ملکیت ثابت ہو گئی اور عادل نے راہن سے ضمانت نہیں لی یہاں تک کہ وہ راہن کی طرف منتقل نہیں ہوئی۔

یہاں ایک چیز باقی رہ گئی ہے وہ یہ ہے کہ مستحق جب عادل سے قیمت کی ضمانت لے۔ پس قیمت اس ثمن سے زائد ہے جو عادل نے مرتہن سے وصول کی ہے تو اس زیادتی کا ضامن کون ہوگا؟

میں نے ”شرنبلائی“ کو دیکھا انہوں نے بحث ذکر کی ہے کہ چاہیے کہ وہ زیادتی کو راہن کی طرف لوٹا دے۔ ”شرنبلائی“ نے ایک دوسری بحث ذکر کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مصنف نے اس مشق میں مشتری کی طرف رجوع کا ذکر نہیں کیا بلکہ عنقریب اس کا ذکر کریں گے اگر رہن قائم ہو تو چاہیے کہ اگر ثمن مرتہن کو سپرد کیا جائے تو اس کا مطالبہ اس سے کیا جائے۔ اگر ثمن عادل کے

(أَخَذَهُ الْمُسْتَحِقُّ مِنْ مُشْتَرِيهِ وَرَجَعَ هُوَ أَيْ الْمُشْتَرِي عَلَى الْعَدْلِ بِشَيْنِهِ) لِأَنَّهُ الْعَاقِدُ (ثُمَّ) يَرْجِعُ (هُوَ) أَيْ الْعَدْلُ (عَلَى الرَّاهِنِ بِهِ) أَيْ بِشَيْنِهِ (وَ) إِذَا رَجَعَ عَلَيْهِ (صَحَّ الْقَبْضُ)

تو مستحق مشتری سے وہ لے لے گا اور مشتری عادل سے اس کی ثمن لے لے گا۔ کیونکہ وہی عقد کرنے والا ہے پھر عادل راہن سے اس کی ثمن کا مطالبہ کرے گا۔ جب عادل (معمد) نے راہن سے تاوان بھر لیا تو قبضہ صحیح ہو جائے گا

سپردہ کی جائے تو اس کا مطالبہ اس سے کیا جائے پھر عادل مرتہن سے اس کا مطالبہ کرے گا پھر مرتہن اپنے دین کا مطالبہ راہن سے کرے گا الخ۔ جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: میرے لیے اس کے صحیح ہونے کی وجہ ظاہر نہیں ہے۔ کیونکہ مشتری نے جب کسی شے کی چٹی نہیں بھری تو وہ اس کی ثمن کا کیسے مطالبہ کرے گا جو اس کے ہاتھ میں ہلاک ہوا۔ ہاں اگر وہ یہ ذکر کرتے کہ مستحق مشتری سے قیمت کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ قبضہ کرنے کی وجہ سے وہ غاصب ہے اور منصوبہ چیز اس کے قبضہ میں ہلاک ہوئی ہے تو یہ کہنا چاہیے: مشتری اس ثمن کی واپسی کا مطالبہ کرے گا جو اس نے عادل یا مرتہن کو ادا کی اور مرتہن اس کا مطالبہ عادل سے کرے گا اور عادل راہن سے مطالبہ کرے گا ان علما نے جو اس کا ذکر نہیں کیا اس کی وجہ کو پیش نظر رکھنا چاہیے بلکہ علماء نے اس پر اکتفا کیا ہے کہ مستحق راہن سے مطالبہ کرے گا یا عادل سے مطالبہ کرے گا ساتھ ہی اس کو ذکر بھی کرنا چاہیے تھا۔

پھر میں نے ”الحواشی السعدیہ“ میں دیکھا جس کی نص یہ ہے: ظاہر یہ ہے کہ مستحق کو اختیار حاصل ہونا چاہیے کہ وہ مشتری سے ضمانت لے لے۔ کیونکہ وہ چیز کو لینے اور ثمن سپرد کرنے کے ساتھ تعدی کرنے والا ہے۔ لیکن اس کا ذکر نہیں کیا۔

34465۔ (قوله: وَرَجَعَ هُوَ أَيْ الْعَدْلُ عَلَى الرَّاهِنِ بِهِ أَيْ بِشَيْنِهِ) یہ حکم اس صورت میں ہے جب مشتری خود ثمن عادل کے سپرد کرے۔ اگر وہ اسے مرتہن کے حوالے کرے تو وہ عادل سے اس کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ اگر اس نے وہ مرتہن کے حوالے کیا ہو تو وہ عادل سے اس کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ بیع میں عادل وہ راہن کے لیے کام کرتا ہے وہ اس سے مطالبہ کرے گا جب وہ قبضہ کرے اور جب اس میں سے کسی شے پر قبضہ نہ کرے تو ثمن کا ضمان مرتہن پر اور راہن کا ضمان راہن پر باقی رہے گا۔ ”شرنبالی“ نے ”زیلعی“ سے نقل کیا ہے۔

34466۔ (قوله: لِأَنَّهُ الْعَاقِدُ) اس کے ساتھ عقد کے حقوق متعلق ہوتے ہیں، ”درر“۔

34467۔ (قوله: ثُمَّ هُوَ عَلَى الرَّاهِنِ) کیونکہ راہن وہ شخص ہے جس نے اسے اس ذمہ داری میں داخل کیا ہے تو اس سے چھٹکارا دلانا بھی اس کی ذمہ داری ہے، ”ہدایہ“۔

34468۔ (قوله: بِهِ) ضمیر سے مراد اس کی ثمن ہے۔ ”ہدایہ“ میں واقع ہوا ہے اور ”زیلعی“ نے اس کی تعبیر قیمت سے کی ہے۔ شارحین نے یہ ذکر کیا ہے کہ اس سے مراد ثمن ہے۔

34469۔ (قوله: صَحَّ الْقَبْضُ) یعنی مرتہن کا ثمن پر قبضہ کرنا صحیح ہے۔

وَسَلَّمَ الثَّنَ لِلْمُرْتَهِنِ (أَوْ رَجَعَ الْعَدْلُ) عَلَى الْمُرْتَهِنِ بِشَنِّهِ ثُمَّ رَجَعَ (هُوَ أَمَى الْمُرْتَهِنُ) عَلَى الرَّاهِنِ بِهِ) أَمَى بِدَيْنِهِ زَادَ هُنَا فِي الدَّرَرِ وَالْوَقَايَةِ وَإِنْ شَرِطْتَ الْوَكَالَتُ بَعْدَ الرِّهْنِ رَجَعَ الْعَدْلُ عَنِ الرَّاهِنِ فَقَطَّ سَوَاءً قَبْضَ الْمُرْتَهِنِ ثَمَنَهُ أَوْ لَا (فَإِنْ هَلَكَ الرِّهْنُ عِنْدَ الْمُرْتَهِنِ فَاسْتَحَقَّ) الرِّهْنُ (وَضَمِنَ الرَّاهِنُ قِيَمَتَهُ

اور مرتہن کے لیے ثمن سلامت ٹھہرایا عادل مرتہن سے اس کی ضمان کا مطالبہ کرے گا پھر مرتہن راہن سے اپنے دین کا مطالبہ کرے گا۔ ”الدرر“ اور ”الوقایہ“ میں یہاں یہ زائد ذکر کیا ہے: اگر راہن کے بعد وکالت کی شرط لگائی گئی ہو تو عادل صرف راہن سے مطالبہ کرے گا خواہ مرتہن نے اس کی ثمن پر قبضہ کیا ہو یا قبضہ نہ کیا۔ اگر مرتہن کے پاس راہن ہلاک ہو گیا اور راہن کا کوئی مستحق نکل آیا اور مستحق نے راہن سے اس کی قیمت کی ضمانت لی تو راہن،

34470۔ (قوله: وَسَلَّمَ الثَّنَ لِلْمُرْتَهِنِ) ”ہدایہ“ میں اسے علت بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے یہی احسن ہے۔

34471۔ (قوله: أَوْ رَجَعَ الْعَدْلُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ بِشَنِّهِ) کیونکہ جب عقد ٹوٹ گیا تو ثمن باطل ہو جائے گی جب

کہ اس نے ثمن کی حیثیت سے قبضہ کیا تھا۔ پس ضرورت اس پر قبضہ کو توڑ دینا واجب ہوگا۔ ”ہدایہ“۔

34472۔ (قوله: ثُمَّ رَجَعَ الْخ) کیونکہ جب اس کا قبضہ ختم ہو گیا تو راہن میں اس کا حق لوٹ آیا جس طرح وہ حق پہلے

سے موجود تھا۔

34473۔ (قوله: أَمَى بِدَيْنِهِ) مصنف پر اس کی تصریح الزام تھی تاکہ ضمیر نہ لوٹے جب کہ کلام میں اس کا ذکر تک نہ

ہو ساتھ ہی وہم دلائے۔ ”طحطاوی“ نے اسے بیان کیا ہے۔

34474۔ (قوله: وَإِنْ شَرِطْتَ الْوَكَالَتُ الْخ) یعنی گزشتہ تفصیل اس صورت میں ہے جب عقد میں وکالت کی شرط

لگائی جائے۔ کیونکہ مرتہن کا حق اس کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے اس کے بعد جو مشروط ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کے

بعد اس کا حق متعلق نہیں پس عادل اس سے مطالبہ نہیں کرے گا۔ ”زیلعی“ نے کہا: یہ اس آدمی کے قول کی تائید کرتا ہے جو یہ رائے

نہیں رکھتا کہ اس وکیل کو بیع پر مجبور کیا جائے۔ ”سرخسی“ نے کہا: یہ ظاہر روایت ہے مگر ”فخر الاسلام“ اور ”شیخ الاسلام“ نے کہا: اصح

یہ ہے کہ اس کو مجبور کیا جائے۔ کیونکہ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے ”جامع الاصل“ میں اسے مطلق ذکر کیا ہے۔ پس وہ وکالت جس کی عقد

میں شرط نہ لگائی گئی ہو۔ وہ اس وکالت کی طرح ہے جس کی عقد میں شرط لگائی گئی ہو۔ یہ ان تمام احکام میں ہے جس کا وہاں ذکر کیا

گیا ہے۔ ملخص

34475۔ (قوله: فَقَطَّ) یعنی اسے مرتہن سے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

34476۔ (قوله: أَوْ لَا) اس کی صورت یہ ہے کہ ثمن عادل کے قبضہ میں تعدی کے بغیر ضائع ہو جائے، ”درر“۔

34477۔ (قوله: وَضَمِنَ الرَّاهِنُ) راہن کا لفظ مرفوع ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ فعل ثلاثی مجرد سے تعلق رکھتا

ہے یا یہ نصب کے ساتھ ہوگا اس شرط پر کہ فعل مزید فیہ سے تعلق رکھتا ہے اور فاعل مستحق کی ضمیر ہے جو موقع محل سے معلوم ہے

هَلَكَ الرِّهْنُ بِدَيْنِهِ، وَإِنْ ضَمِنَ الْمُرْتَهِنُ الْقِيَمَةَ (يَرْجِعُ عَلَى الرَّاهِنِ بِقِيَمَتِهِ) الَّتِي ضَمِنَهَا لِضَمَرِهِ (وَبَدَيْنِهِ) لَا تَتَقَاضِ قَبْضُهُ فَرَعٌ فِي الْوَلَوِ الْجِيَّةِ ذَهَبَتْ عَيْنُ دَابَّةِ الْمُرْتَهِنِ يَسْقُطُ رُبْعُ الدَّيْنِ وَسَيَجِيءُ

مستحق کے دین کے بدلے میں ہلاک ہوگا اگر مستحق نے مرتہن سے قیمت کا مطالبہ کیا تو وہ راہن سے اس کی اس قیمت کا مطالبہ کرے گا جس کی اس نے ضمانت ادا کی ہے۔ کیونکہ اسے ضرر لاحق ہوا ہے اور اپنے دین کی ضمانت دے گا کیونکہ اس کا قبضہ ختم ہو چکا ہے۔ فرع: ”ولو الجیہ“ میں ہے: رہن رکھے گئے جانور کی آنکھ جاتی رہی تو رہن کا چوتھائی ساقط ہو جائے گا۔ اس کا ذکر عنقریب آئے گا۔

اس کا بعد اسی طرح ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اسے راہن سے ضمانت لینے کا حق ہے۔ کیونکہ اس نے سپرد کرنے کے ساتھ تعدی کی ہے یا مرتہن سے ضمان لے۔ کیونکہ اس نے قبضہ کرنے کے ساتھ تعدی کی ہے۔

34478۔ (قوله: هَلَكَ الرِّهْنُ بِدَيْنِهِ) یعنی رہن دین کے مقابلہ میں ہلاک ہوا ہے۔ ”زیلعی“ نے کہا: اگر وہ راہن سے ضمانت لے تو مرتہن رہن کے ہلاک ہونے کے ساتھ اپنا رہن وصول کرنے والا ہو جائے گا۔ کیونکہ راہن اس ضمان کی ادائیگی کے ساتھ مالک ہوا ہے جو سپرد کرنے سے پہلے کی طرف منسوب ہے۔ پس یہ بات واضح ہو گئی کہ اس نے اپنی مملوکہ چیز کو رہن کے طور پر رکھا ہے پھر مرتہن اس کے ہلاک ہونے کے ساتھ اپنے رہن کو وصول کرنے والا ہو گیا۔

34479۔ (قوله: لِضَمَرِهِ) زیادہ بہتر قول لغردہ ہے یعنی یہ لفظ غین کے ساتھ ہے۔ ”الدرر“ میں کہا: جہاں تک قیمت کا تعلق ہے تو راہن کی جانب سے سپرد کرنے کے ساتھ وہ مغرور ہے۔ اسی کی مثل ”زیلعی“ وغیرہ میں ہے، ”ط“۔

34480۔ (قوله: لَا تَتَقَاضِ قَبْضُهُ) مرتہن کا رہن پر قبضہ اس کی ضمانت لینے سے ختم ہو گیا پس اس کا حق اسی طرح لوٹ آئے گا جس طرح وہ پہلے تھا۔ کیونکہ رہن راہن کی ملکیت نہیں تھا یہاں تک کہ اس کے ہلاک ہونے سے وہ اپنا حق پورے کا پورا وصول کرنے والا ہوتا، ”عنایہ“۔ یہاں اشکال اور اس کا جواب ہے جو ”ہدایہ“، ”قمیین“ میں مذکور ہیں۔

34481۔ (قوله: ذَهَبَتْ عَيْنُ دَابَّةِ الْمُرْتَهِنِ) مرتہن کی طرف اضافت ادنی ملا بست کی وجہ سے ہے زیادہ صحیح رہن کے ساتھ اس کا بدلنا ہے۔

”ولو الجیہ“ کی عبارت ہے: اگر رہن کے جانور کی آنکھ ضائع ہو جائے تو رہن کا چوتھائی ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ اس جانور کی آنکھ جس سے کام لیا جاتا ہے وہ اس دابہ کا چوتھائی ہے۔ پس اس کا چوتھائی ضائع ہو گیا پس رہن کا چوتھائی ساقط ہو جائے گا۔ یہ مسئلہ اس صورت میں مقدر ہوگا جب اس کی قیمت رہن کی مثل ہے جس طرح ”مبسوط“ میں اسے مقید کیا ہے۔ اور انہوں نے اپنے قول: التي يستعمل عليها كالبقرة والفرس کے ساتھ بکری وغیرہ سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ وہ اس صورت میں نقصان کا ضامن ہوگا۔

34482۔ (قوله: وَسَيَجِيءُ) یعنی باب جنایۃ البھیمة میں عنقریب آئے گا کہ اس دابہ کے ساتھ عمل کا قیام یہ چار

آنکھوں کے ساتھ ہوتا ہے دو آنکھیں اس جانور کی ہوتی ہیں اور دو آنکھیں اس کے مستعمل کی ہوتی ہیں۔

خاتمہ: آقا اپنے ماذون کے رہن میں عادل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اگر وہ ماذون غلام مدیون ہو یہاں تک کہ اگر وہ شرط لگائے تو عقد رہن جائز نہیں ہوگا اور اس کے برعکس صحیح ہوگا۔ اور مکاتب اپنے آقا کے رہن میں عادل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جس طرح اس کے برعکس صحیح ہے۔ اور مکفول عنہ کفیل کے رہن میں عادل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا جس طرح اس کے برعکس ہوتا ہے۔ اسی طرح مضارب کے رہن میں رب المال کا حکم ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس کی صورت حال ہے۔ اسی طرح کا حکم شرکت مفاوضہ یا شرکت عنان کے دو شریکوں میں سے ایک کا حکم ہے مگر جب یہ شرکت تجارت کے علاوہ میں ہو۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے سے اس میں اجنبی ہوتا ہے۔ اسی طرح راہن رہن میں عادل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور عقد فاسد ہو جائے گا اگرچہ مرتہن نے اس پر قبضہ کر لیا ہو پھر اسے عادل کے پاس رکھ دیا ہو تو اس کی بیع جائز ہوگی۔ ”طحطاوی“ نے ”ہندیہ“ سے نقل کیا ہے، ملخص۔

بَابُ التَّصْرِيفِ فِي الرِّهْنِ وَالْجِنَايَةِ عَلَيْهِ

وَجِنَايَتُهُ أَيْ الرِّهْنِ عَلَى غَيْرِهِ (تَوَقَّفَ بَيْنَ الرَّاهِنِ رَهْنُهُ عَلَى إِجَازَةِ مُرْتَهِنِهِ أَوْ قَضَاءِ دَيْنِهِ، فَإِنْ وَجَدَ أَحَدَهُمَا نَفَذَ وَصَارَ ثَمَنُهُ رَهْنًا فِي صُورَةِ الْإِجَازَةِ (وَأِنْ لَمْ يُجِزْ الْمُرْتَهِنُ الْبَيْعَ) (وَفَسَخَ) بَيْنَهُ

رہن میں تصرف اور اس پر جنایت کے احکام

راہن اپنی مرہونہ چیز کو بیچ دے تو اس کی بیع اس کے مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوگی یا اس کے دین کی ادائیگی پر موقوف ہوگی۔ اگر دونوں میں سے ایک صورت پائی جائے تو وہ بیع نافذ ہو جائے گی۔ اور اجازت کی صورت میں اس کا ثمن رہن ہو جائے گا۔ اگر مرتہن بیع کی اجازت نہ دے اور اس کی بیع فسخ کر دے

جب رہن اور اس کے احکام کا ذکر کیا تو ان چیزوں کا ذکر کیا جو اس کو عارض آتے ہیں جب عقد رہن کے وجود کے بعد اسے عارض آئیں، ”معراج“۔

راہن اپنی مرہونہ چیز کو بیچ دے تو اس کی بیع مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوگی

34483۔ (قوله: تَوَقَّفَ بَيْنَ الرَّاهِنِ رَهْنُهُ الْخ) اسی طرح بیع راہن کی اجازت پر موقوف ہوگی جب مرتہن اس کو بیچ دے اگر وہ اس کو جائز قرار دے تو بیع جائز ہو جائے گی ورنہ جائز نہیں ہوگی۔ اور اسے حق حاصل ہے کہ وہ اس کو باطل کر دے اور اسے رہن کے طور پر لوٹا دے۔ اگر اجازت سے پہلے وہ مشتری کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو اس کے ہلاک ہونے کے بعد اجازت جائز نہیں ہوگی۔ اور راہن کو یہ حق حاصل ہوگا کہ ان دونوں میں سے جسے چاہے اس سے ضمانت لے لے۔ ”تہستانی“ نے ”شرح الطحاوی“ سے اسے نقل کیا ہے۔ مصنف نے جو ذکر کیا ہے وہی صحیح اور ظاہر روایت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بیع نافذ ہو جائے گی۔ اس کی مکمل بحث ”زیلعی“ میں ہے۔

فرع: مرتہن نے راہن سے کہا: مرہونہ چیز کو فلاں کے ہاتھ بیچ دے تو اس نے کسی اور کے ہاتھ اسے بیچ دیا تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اگر مستاجر نے ماجر سے یہ کہا تو اس کی بیع کسی اور سے جائز ہوگی، ”جامع الفصولین“۔

34484۔ (قوله: عَلَى إِجَازَةِ مُرْتَهِنِهِ الْخ) یعنی بیع مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوگی یا مرتہن راہن کو دین سے بری کر دے اس پر موقوف ہوگی، ”حموی“۔

34485۔ (قوله: نَفَذَ) وہ نافذ ہو جائے گی کیونکہ مانع زائل ہو چکا ہے وہ مرتہن کا حق اس سے متعلق ہونا ہے اور اس کے سپرد کرنے پر قدرت نہ ہونا ہے، ”زیلعی“۔

34486۔ (قوله: وَصَارَ ثَمَنُهُ رَهْنًا) خواہ اس نے مشتری سے ثمن لے لیا ہو یا اس سے ثمن نہ لیا ہو۔ کیونکہ یہ ثمن

(لَا يَنْفَسُخُ) بِفُسْخِهِ فِي الْأَصَحِّ (وَ) إِذَا بَقِيَ مَوْقُوفًا (الْمُشْتَرَى) بِالْخِيَارِ (إِنْ شَاءَ صَبَرَ إِلَى فِكَالِ الرِّهْنِ أَوْ رَفَعَ الْأَمْرَ إِلَى الْقَاضِي لِيَنْفَسَخَ الْبَيْعُ) وَهَذَا إِذَا اشْتَرَاهُ وَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّهُ رَهْنٌ ابْنُ كَمَالٍ (وَلَوْ بَاعَهُ الرَّاهِنُ مِنْ رَجُلٍ ثُمَّ بَاعَهُ) الرَّاهِنُ أَيْضًا (مِنْ) رَجُلٍ (آخَرَ قَبْلَ أَنْ يُجِيزَ الْمُرْتَهِنُ)

تو اصح قول کے مطابق اس کے فسخ کرنے سے بیع فسخ نہ ہوگی۔ اور جب وہ موقوف کی حیثیت سے باقی رہے تو مشتری کو اختیار ہوگا اگر وہ چاہے تو رہن کے آزاد ہونے تک صبر کرے یا معاملہ قاضی کے سپرد کر دے تاکہ بیع فسخ ہو جائے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب وہ اسے خریدے اور اسے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ رہن ہے۔ ”ابن کمال“۔ اگر رہن نے ایک آدمی کے ہاتھ میں اسے بیچ دیا پھر رہن نے اسے ایک اور آدمی کے ہاتھ بیچ دیا جب کہ ابھی مرتہن نے پہلی بیع کو جائز قرار نہیں دیا تھا

عین کے قائم مقام ہے۔ ثمن اگر رہن ہو تو ابتداءً اس کا رہن رکھنا صحیح نہیں لیکن بقاءً اس کو رہن رکھنا صحیح ہوگا جس طرح وہ غلام جس کو رہن کے طور پر رکھا گیا ہو جب اس کو قتل کر دیا جائے تو اس کی قیمت بقاءً رہن ہوگی یہاں تک کہ اس رہن کی ثمن مشتری کے پاس ہلاک ہو جائے تو وہ مرتہن کی جانب سے ہلاک ہوگی جس کے ساتھ اس کا رہن ساقط ہو جائے گا۔ جس طرح وہ چیز اس کے قبضہ میں ہو، ”بزازیہ“۔ یہاں ”الاشباہ“ کے بعض محشین کا ایسا کلام ہے جس کا منشا تامل اور کتب کی طرف رجوع ہونے کا باعث ہے۔ مصنف نے جو ذکر کیا ہے وہی صحیح اور ظاہر روایت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مرتہن نے اگر یہ شرط لگائی کہ ثمن اجازت کے وقت رہن ہوگی تو وہ رہن ہوگی ورنہ رہن نہیں ہوگی۔ اس کی مکمل بحث ”زیلعی“ میں موجود ہے۔

34487۔ (قوله: فِي الْأَصَحِّ) کیونکہ نفاذ کا امتناع اس کے حق کی وجہ سے ہے وہ روک لینا ہے اور توقف اس کو فوت نہیں کرتا۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے مروی ہے: اس کے فسخ کرنے سے فسخ ہو جائے گا یہاں تک کہ اگر رہن رہن کو چھڑا لیتا ہے تو اس کے بعد مشتری کو اس پر کوئی اختیار نہیں ہوگا، ”زیلعی“، ملخص۔

34488۔ (قوله: رَفَعَ الْأَمْرَ إِلَى الْقَاضِي) کیونکہ یہ فسخ منازعہ کو ختم کرنے کے لیے ہے اور وہ قاضی کے سامنے سے اسے پیش کرنے کی صورت میں ہے، ”عنایہ“۔

34489۔ (قوله: وَهَذَا الْخ) اسم اشارہ سے مراد مشتری کے لیے خیار کا ثابت ہونا ہے لیکن فرق ضد ہونا یہ اصح ہے۔ ”رملی“ نے ”منیۃ المفتی“ سے نقل کیا ہے: فتویٰ کے لیے یہی مختار قول ہے۔ ”حموی“ وغیرہ نے ”تجنیس“ سے یہ قول نقل کیا ہے۔ ”جامع الفصولین“ میں ہے: جس چیز کو خریدا گیا ہے وہ رہن رکھی گئی ہو یا اسے اجرت پر دیا گیا ہو اس میں اختیار ہوگا اگر اس کے بارے میں آگاہ ہو۔ یہ طرفین کا نقطہ نظر ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ جاہل ہو تو اسے اختیار حاصل ہوگا عالم کو اختیار نہیں ہوگا۔ ظاہر روایت طرفین کا قول ہے۔ ”رملی“ نے اس پر اپنے حاشیہ میں کہا: یہ صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے جس طرح ”ولو الجیہ“ میں ہے۔

34490۔ (قوله: مِنْ رَجُلٍ آخَرَ) عنقریب اس کی غیر المرتہن کی قید کا ذکر آئے گا۔

الْبَيْعِ (فَالثَّانِي مَوْقُوفٌ أَيْضًا عَلَى إِجَازَتِهِ) إِذَا الْمَوْقُوفُ لَا يَنْتَعِمُ تَوَقُّفَ الثَّانِي (فَأَيُّهُمَا أَجَازَ لَزِمَ ذَلِكَ وَبَطَلَ الْآخَرُ وَلَوْ بَاعَهُ) الرَّاهِنُ (ثُمَّ أَجْرَهُ أَوْ رَهْنَهُ أَوْ وَهَبَهُ مِنْ غَيْرِهِ فَأَجَازَ الْمُرْتَهِنُ الْإِجَارَةَ أَوْ الرِّهْنَ أَوْ الْهَبَةَ جَازَ الْبَيْعُ الْأَوَّلُ) لِحُصُولِ النَّفْعِ بِتَحَوُّلِ حَقِّهِ لِلثَّانِي عَلَى مَا تَقَرَّرَ وَفِي مَحَلِّهِ تَحَرُّرٌ (دُونَ غَيْرِهِ مِنْ هَذِهِ الْعُقُودِ) إِذَا لَا مَنَفْعَةٌ لِلْمُرْتَهِنِ فِيهَا فَكَانَتْ إِجَازَتُهُ اسْتِقْطَا لِحَقِّهِ فَرَأَى الْمَانِعُ فَيَنْفُذُ الْبَيْعُ

تو دوسری بیع بھی مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوگی۔ کیونکہ موقوف دوسرے کے توقف کے مانع نہیں ہوتی تو دونوں میں سے جس نے اسے جائز قرار دیا تو وہ لازم ہو جائے گی اور دوسری بیع باطل ہو جائے گی۔ اگر راہن اسے بیع دے پھر اسے کسی دوسرے کو اجرت پر دے دیا، اسے رہن پر دے دیا یا اسے ہبہ کر دیا تو مرتہن نے اجارہ، رہن یا ہبہ کو جائز قرار دے دیا تو پہلی بیع جائز ہو جائے گی۔ کیونکہ نفع حاصل ہو چکا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مرتہن کا حق ثمن کی طرف منتقل ہو چکا ہے جیسے یہ واضح ہو چکا ہے اور یہ اپنے محل میں مرقوم ہے بیع کے علاوہ ان عقود میں سے کوئی عقد جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس میں مرتہن کے لیے کوئی منفعت نہیں۔ پس اس کی اجازت اس کے حق کا اسقاط ہے۔ پس مانع زائل ہو گیا اور بیع نافذ ہو جائے گی۔

34491۔ (قوله: فَأَيُّهُمَا أَجَازَ لَزِمَ) اگر راہن دین ادا کر دے کیا پہلی بیع یا دوسری بیع نافذ ہو جائے گی؟ اس کی

وضاحت کی جانی چاہیے۔ یہ ظاہر پہلا قول ہے۔ ”ط“۔

میں کہتا ہوں: اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جس کو ہم قریب ہی ”الکفایہ“ سے ذکر کریں گے، تامل۔ مصنف نے جو ذکر کیا ہے وہ اجارہ کے مخالف ہے اگر موجد کی بیع منکر ہو اور مستاجر نے دوسری بیع کو جائز قرار دیا تو پہلی بیع نافذ ہو جائے گی۔ اس کی وجہ آگے آئے گی۔

34492۔ (قوله: ثُمَّ أَجْرَهُ الْخ) یعنی ابھی قاضی نے بیع کو فسخ نہیں کیا اس سے قبل ہی اجرت پر دے دیا، ”اتقانی“۔

34493۔ (قوله: أَوْ رَهْنَهُ أَوْ وَهَبَهُ) یعنی ساتھ ہی اسے سپرد کر دیا ہو۔ کیونکہ سپرد کرنے کے بغیر ان عقود کا کوئی اعتبار نہیں۔ ”اتقانی“ نے ”ابو معین“ سے نقل کیا ہے۔

34494۔ (قوله: جَازَ الْبَيْعُ الْأَوَّلُ) اسے اول کا نام دیا ہے اگرچہ ان عقود کی طرف منسوب ہونے کے اعتبار سے۔

دو بیعیں نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ عقد بیع سے متاخر ہیں یہ جائز ہے کہ اس نے اسے ایک آدمی کے ہاتھ بیچا ہو یا دوسرے آدمی کے ہاتھ بیچا ہو پھر یہ عقد کیسے ہوں تو مرتہن نے اس کی اجازت دے دی ہو تو پہلی بیع نافذ ہو جائے گی دوسری بیع نافذ نہیں ہوگی۔ کیونکہ پہلی بیع سبقت کی وجہ سے غالب ہے، ”کفایہ“۔

34495۔ (قوله: لِحُصُولِ النَّفْعِ) دونوں مسئلوں میں فرق کا بیان ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں اجازت کے ساتھ

دوسری بیع جائز ہے اور دوسری صورت میں مذکورہ تصرفات تمام کی اجازت کے ساتھ جائز نہیں۔ ”کفایہ“ میں کہا ہے: اس میں اصل یہ ہے کہ راہن کا تصرف جب مرتہن کے حق کو باطل کر دیتا ہے تو وہ نافذ نہیں ہوگا مگر مرتہن کی اجازت کے ساتھ باطل ہو

وَفِي الْأَشْبَاهِ بَاعَ الرَّاهِنُ الرِّهْنَ مِنْ زَيْدٍ ثُمَّ بَاعَهُ مِنَ الْمُرْتَهِنِ انْفَسَخَ الْأَوَّلُ وَصَحَّ إِعْتَاقُهُ وَتَذْيِيرُهُ وَاسْتِيلَا دُكُلُهُ

”اشباہ“ میں ہے: راہن نے رہن زید کے ہاتھ میں بیچ دیا پھر اسے مرتہن کے ہاتھ میں بیچ دیا تو پہلی بیچ منسوخ ہو جائے گی۔ اس کا آزاد کرنا، اس کو مدبر بنانا اور اس کو ام ولد بنانا صحیح ہے۔

جائے گی۔ جب وہ اسے جائز قرار دے اگر وہ ایسا تصرف ہو جو مرتہن کا حق بننے کی صلاحیت رکھتا ہو تو وہ نافذ ہو جائے گا جب اجازت اسے لاحق ہوگی اگر وہ اس کا حق بننے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اجازت کے ساتھ مرتہن کا حق باطل ہو جائے گا اور راہن کے تصرفات میں سے جو سابق ہوگا وہ نافذ ہو جائے گا اگرچہ مرتہن نے لاحق کو جائز قرار دیا ہو۔

جب یہ امر ثابت ہو گیا تو ہم کہیں گے: مرتہن دوسری بیچ سے حصہ والا ہے۔ کیونکہ اس کا حق ثمن کی طرف تبدیل ہو جاتا ہے جب کہ ان عقود میں ان کا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ ہبہ اور رہن میں کوئی بدل نہیں اور اجارہ میں بدل منفعت کے مقابلہ میں ہوتا ہے اس کا حق عین کی مالیت میں ہوتا ہے منفعت میں نہیں ہوتا۔ پس اس کی اجازت اس کے حق کو ساقط کرنے والے ہو گی۔ پس نفاذ سے جو امر مانع تھا وہ زائل ہو گیا۔ پس سابقہ بیچ نافذ ہو جائے گی۔ جس طرح ایک معین موجد کو دو آدمیوں کے ہاتھ میں بیچا اور مستاجر نے دوسری بیچ کو جائز قرار دیا تو پہلی نافذ ہو جائے گی۔ کیونکہ ثمن میں اس کا کوئی حق نہیں پس اجازت حق کو ساقط کرنا ہوگا، ملخص۔

34496۔ (قولہ: وَفِي الْأَشْبَاهِ الْخ) یہ مصنف کے سابقہ قول پر استدراک ہے۔ پس دوسری بیچ موقوف ہوگی۔ گویا وہ کہہ رہے ہیں: اور دوسری بیچ کے توقف کا محل پہلی بیچ کی طرح ہے جب دوسری بیچ مرتہن کے علاوہ کے ساتھ ہو مگر جب دوسری بیچ مرتہن سے ہو تو وہ موقوف نہیں ہوتی۔ بے شک پہلی بیچ باطل ہو جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ قطعی ملکیت موقوف ملکیت پر طاری ہوتی ہے پس اس نے اسے باطل کر دیا ہے۔ ”طحاوی“ نے ”ابوسعود“ سے نقل کیا ہے۔

34497۔ (قولہ: وَصَحَّ إِعْتَاقُهُ الْخ) جو گزر چکا ہے وہ ان تصرفات کے بارے میں تھا جو فسخ کو قبول کرتے ہیں جیسے بیع، اجارہ، کتابت، ہبہ، صدقہ اور اقرار۔ مرتہن کے حق میں اصلاً جائز نہیں ہوگا اور محبوس ہونے کی صورت اس کا حق باطل نہیں ہوگا مگر رہن کی ادائیگی کے بعد محبوس کرنے کا حق باطل ہو جائے گا۔ یہاں یہ ایسے تصرفات کے بارے میں ہیں جو فسخ کو قبول نہیں کرتے۔ پس وہ نافذ ہو جائیں گے اور رہن باطل ہو جائے گا۔ یہ ”تہستانی“ نے بیان کیا ہے۔ یعنی خواہ وہ خوشحال ہو یا تنگ دست ہو۔ کیونکہ یہ اس کے اہل کی جانب سے اس کے محل میں صادر ہوا ہے جب کہ وہ اس کی ملک ہے۔ پس اس کا تصرف مرتہن کی اجازت نہ ہونے سے اور بیع و ہبہ میں نفاذ کے ممتنع ہونے سے لغو نہ ہوگا۔ بیع اور ہبہ کا نفاذ اس لیے ممتنع ہے کہ سپرد کرنے پر قدرت موجود نہیں۔ اس کی مکمل بحث ”ہدایہ“ میں ہے۔ اعتاق کی مثل وقف ہے۔

”الاسعاف“ وغیرہ میں ہے: اگر مرہون سپرد کرنے کے بعد اس نے اسے وقف کر دیا قاضی اسے مجبور کرے گا کہ جو اس

أَمَّا نَفَذَ إِعْتَاقُ الرَّاهِنِ (رَهْنَهُ، فَإِنْ) كَانَ (غَنِيًّا وَ) كَانَ (دَيْنُهُ) أَمَّا الْمُرْتَهِنُ (حَالًا أَخَذَ) الْمُرْتَهِنُ (دَيْنَهُ) مِنَ الرَّاهِنِ، وَإِنْ مُوَجَّلًا أَخَذَ قِيَمَتَهُ لِلرَّاهِنِ بَدَلَهُ إِلَى زَمَانٍ (حُلُولِهِ) فَإِنْ حَلَّ اسْتَوْفَى حَقَّهُ لَوْ مِنْ جَنْسِهِ وَرَدَّ الْفَضْلَ (وَإِنْ) كَانَ الرَّاهِنُ (مُعْسِرًا) فَفِي الْعِثْقِ سَعَى الْعَبْدُ فِي الْأَقْلَ مِنْ قِيَمَتِهِ وَمِنْ الدَّيْنِ

یعنی راہن جب اپنے رہن کو آزاد کرے تو راہن کا آزاد کرنا نافذ ہو جائے گا اگر وہ غنی ہو اور مرتہن کا دین حال ہو تو مرتہن اپنا دین راہن سے وصول کرے گا اگر وہ موجل ہو تو رہن کی قیمت اس کے بدلے میں رہن کے طور پر لے لے گا۔ یہ اس رہن کے وقت کے آنے تک کے لیے ہو۔ اگر وہ مدت آپہنچے تو وہ اپنا پورا حق لے لے گا اگر وہ اس کی جنس سے ہو اور زائد کو واپس کر دے گا۔ اگر راہن تنگ دست ہو تو آزادی کی صورت میں غلام اپنی قیمت اور دین میں سے جو اقل ہے اس میں سعایت کرے گا۔

کے ذمہ ہے وہ ادا کر دے اگر وہ خوشحال ہو اگر وہ تنگ دست ہو تو قاضی وقف کو باطل کر دے اور اس دین میں اس کو بیچ دے جو اس کے ذمہ ہے۔

34498۔ (قوله: أَمَّا نَفَذَ) اس کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کے ساتھ تعبیر کرنا اولیٰ ہے۔ کیونکہ سابقہ تصرفات صحیح میں نافذ نہیں۔ یصح کے ساتھ تعبیر اس امر کا وہم دلاتی ہے کہ یہ غیر صحیح ہے، ”ط“۔ ان کا قول اعتاق الراہن یعنی اس کے جو مابعد ہے اور اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے اور ان کا قول رہنہ یہ منصوب ہے اور مصدر کا مفعول ہے۔

34499۔ (قوله: لِلرَّاهِنِ) یعنی رہن رکھنے کے لیے۔ ان کا قول بدلہ یعنی رہن کے بدلے میں جب کہ رہن کا لفظ مرہون کے معنی میں ہے، تامل۔

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ اس کی قیمت لے لے گا اور اس قیمت کو اس کی جگہ رہن بنا دیا جائے گا۔

34500۔ (قوله: وَرَدَّ الْفَضْلَ) یعنی اگر وہ زائد ہو اور وہ اس کے دین سے کم ہو تو زیادتی کا مطالبہ کرے گا، ”ط“۔

34501۔ (قوله: فِي الْعِثْقِ) یعنی جو مرتہن کی اجازت کے بغیر ہو، ”جوہرہ“۔ اگر اس کی اجازت سے ہو تو غلام کے ذمہ کوئی کمائی لازم نہیں۔ ”ابوسعود“۔

34502۔ (قوله: سَعَى الْعَبْدُ الْخ) کیونکہ جب مرتہن کے لیے یہ مشکل ہو گیا کہ وہ راہن سے اپنا پورا حق لے تو اس سے لے لے جو آزاد ہونے کے ساتھ نفع حاصل کرتا ہے اور غلام اپنی مالیت کی مقدار کے مطابق نفع حاصل کرتا ہے۔ پس وہ اس میں کمائی نہیں کرے گا جو دین اس کی قیمت سے زائد ہو۔ ”ابن کمال“۔

34503۔ (قوله: فِي الْأَقْلَ مِنْ قِيَمَتِهِ وَمِنْ الدَّيْنِ) اس کی کیفیت یہ ہے کہ آزادی کے دن اور رہن کے دن غلام کی قیمت اور دین کی طرف دیکھے تو ان دونوں میں سے جو اقل ہے اس میں سعایت کرے، ”زیلعی“۔ اور دین کو کمائی کرنے کے ساتھ ادا کرے مگر جب وہ مرتہن کے حق کی جنس کے خلاف ہو پس وہ اس کی جنس سے بدلے گا اور اس کے ساتھ

وَيَرْجِعُ عَلَى سَيِّدِهِ غَنِيًّا، وَفِي التَّدْبِيرِ وَالِاسْتِيلَاذِ (سَعَى كُلُّ فِي كُلِّ الدَّيْنِ) بِلَا رُجُوعٍ لِأَنَّ كَسْبَ الْمُدَبِّرِ وَ
أَمْرَ الْوَلَدِ مِنْكَ الْمَوْلَى (فَإِذَا أَتَلَفَ) الرَّاهِنُ (الرِّهْنُ فَحُكْمُهُ حُكْمُ مَا إِذَا أُعْتَقَهُ غَنِيًّا) كَمَا مَرَّ (وَالرِّهْنُ) إِنْ
أَتَلَفَهُ أَجْنَبِيٌّ أَيْ غَيْرُ الرَّاهِنِ (فَالْمُرْتَهِنُ يَضْمَنُهُ) أَيْ الْمُتَلِفُ (قِيَمَتُهُ يَوْمَ هَلَاكِ وَتَكُونُ) الْقِيَمَةُ (رَهْنًا
عِنْدَهُ) كَمَا مَرَّ وَأَمَّا ضَمَانُهُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ

اور اپنے غنی آقا سے اس کا مطالبہ کرے گا۔ مدبر بنانے اور ام ولد بنانے کی صورت میں ہر ایک پورے دین میں کمائی کرے
گا جب کہ مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ مدبر اور ام ولد کی کمائی آقا کی ملکیت ہے۔ جب راہن نے رہن کو تلف کر دیا تو اس کا
حکم اسی طرح ہوگا جب وہ اسے غنی ہونے کی حالت میں آزاد کرے جس طرح قول گزر چکا ہے۔ اور رہن کو اگر کوئی اجنبی
یعنی راہن کے علاوہ تلف کر دے تو مرتہن تلف کرنے والے سے اس کے ہلاک ہونے کے دن کی قیمت کی ضمانت لے گا اور
قیمت اس کے پاس رہن ہوگی جس طرح قول گزر چکا ہے۔ جہاں تک مرتہن سے اس کی ضمانت کا تعلق ہے

اپنا دین ادا کر دے گا، ”عنایہ“۔

34504۔ (قوله: وَيَرْجِعُ عَلَى سَيِّدِهِ غَنِيًّا) یعنی جب وہ خوشحال ہو جائے۔ کیونکہ اس غلام نے اس کا دین ادا کیا
جب کہ وہ شرع کے حکم کی وجہ سے مجبور تھا تو اس سے اس کا مطالبہ کرے گا جس کو اس نے اس کی جانب سے برداشت
کیا تھا۔ ”ابن کمال“۔

34505۔ (قوله: سَعَى كُلُّ) یعنی مدبر اور مستولدہ میں سے۔

34506۔ (قوله: فِي كُلِّ الدَّيْنِ) یعنی اگرچہ وہ قیمت سے زائد ہو۔ کیونکہ شارح نے اس کا ذکر کیا ہے۔

34507۔ (قوله: لِأَنَّ كَسْبَ الْمُدَبِّرِ الْخ) یہ ان کے قول فی کل الدین اور ان کے قول بلا رجوع کی علت ہے۔

34508۔ (قوله: كَمَا مَرَّ) یعنی اگر رہن فی الفور ادا کرنا ہو تو اس سے مکمل وصول کرے گا ورنہ اس سے قیمت وصول
کرے گا تا کہ مدت کے آنے تک وہ رہن ہو جائے۔

34509۔ (قوله: فَالْمُرْتَهِنُ يَضْمَنُهُ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مرتہن ہی اس سے ضمان وصول کرنے میں
خضم ہوگا جس طرح ”ہدایہ“ میں ہے۔

34510۔ (قوله: قِيَمَتُهُ يَوْمَ هَلَاكِ) اگر اس کی قیمت اس روز پانچ سو ہو جب کہ رہن کے دن اس کی قیمت ہزار تھی
جیسے دین ہوتا ہے تو وہ پانچ سو کی ضمانت لے اور یہ پانچ سو رہن ہو جائیں گے اور دین میں سے پانچ سو ساقط ہو جائیں گے
گویا وہ آفت سے ہلاک ہوئے ہیں جس طرح ”ہدایہ“ میں ہے۔

مرتہن پر زیادتی کی ضمانت کا بیان

34511۔ (قوله: وَأَمَّا ضَمَانُهُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ) مرتہن نے جو زیادتی کی ضمانت لی اس کا بیان ہے۔ کیونکہ دین میں

فَتُعْتَبَرُ قِيَمَتُهُ يَوْمَ الْقَبْضِ لِأَنَّهُ مَضْمُونٌ بِالْقَبْضِ السَّابِقِ زَيْلَعِي (وَبِإِعَارَتِهِ) أَيْ الْمُرْتَهِنِ الزَّهْنِ (مِنْ رَاهِنِهِ يَخْرُجُ مِنْ ضَمَانِهِ) تَسْبِيحُهَا عَارِيَّةٌ مَجَازًا

تو اس کی قیمت کا اعتبار قبضہ کے دن ہوگا۔ کیونکہ سابقہ قبضہ کی بنا پر اس کی ضمانت دی جائے گی، ”زلیعی“۔ اور مرتہن مرہونہ چیز اپنے راہن کو عاریتاً دے دے تو وہ اس کے ضمان سے زائل ہو جائے گی اسے عاریتاً کا نام دینا یہ مجاز ہے۔

اس کی مثل ساقط ہو گیا۔ ”اتقانی“ نے کہا: کیونکہ رہن کی ضمان میں اس پر قبضہ کے دن ہو جو اس کی قیمت تھی اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس وقت وہ ہزار تھی پس وہ زیادتی کا ضامن ہوگا جیسا کہ اس نے اجنبی سے چٹی لی۔ ”الکفایہ“ میں کہا: یہ اعتراض نہیں کیا جائے گا: اگر رہن باقی ہو جس طرح وہ پہلے موجود تھا اور بھاؤ کم ہو گیا اور اس کی قیمت کم ہو گئی تو رہن میں سے کوئی شے کم نہ ہوگی۔ ہم کہتے ہیں: کیونکہ وہاں عین (ذات رہن) باقی ہے جس طرح وہ پہلے تھی اس میں تغیر بھاؤ کے کم ہونے کے سبب ہوا جب کہ عین اس حال پر ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی مالیت بھاؤ کے بدلے سے اسی طرح ہو جائے جس طرح قبضہ کے دن تھی۔ پس تبدیلی کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ یہاں جو تبدیلی حاصل ہوئی ہے وہ بھاؤ میں تبدیلی کی وجہ سے ہے جو ہلاک ہونے کے ساتھ پختہ ہو گئی ہے۔ اور یہ اس حال پر باقی نہیں رہی جس کی مالیت لوٹ جائے جس طرح وہ پہلے تھی۔

یہ صورت باقی رہ گئی ہے جب مرتہن اس کو تلف کر دے اور وہ قیمت کی چٹی بھرے تو وہ قیمت اس کے قبضہ میں رہن ہو گی۔ جب وقت مقررہ آجائے جب کہ دین قیمت کی جنس سے ہو تو اس سے پورا پورا حق لے لے گا۔ اگر اس میں زیادتی ہو تو اس کو واپس لوٹا دے گا۔ اگر اس کو تلف کرنے سے پہلے بھاؤ کم ہونے سے قیمت پانچ سو تک پہنچ جائے جب کہ وہ ہزار تھی تو ہلاک کرنے کے ساتھ پانچ سو واجب ہوگا اور رہن میں سے پانچ سو ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ جو کم ہوا ہے وہ ہلاک ہونے والے کی طرح ہے اور رہن سے اس کی مقدار کے مطابق ساقط ہو جائے گا اور رہن کی قیمت کا اعتبار سابقہ قبضہ کے دن کا کیا جائے گا نہ کہ بھاؤ میں تبدیلی کی وجہ سے جو قیمت ہو چکی ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور اتلاف کی صورت میں اس پر باقی ماندہ واجب ہوگا وہ اس کی وہ قیمت ہے جس روز اس کو تلف کیا گیا ”ہدایہ“، ملخص۔ اور سابقہ قبضہ کی وجہ سے اسے قابل ضمانت بنادیا جائے گا نہ کہ بھاؤ کی تبدیلی سے اس کو قابل ضمانت بنایا جائے گا۔ ”زلیعی“ نے جس اشکال کا ذکر کیا ہے کہ بھاؤ میں تبدیلی پر کوئی ضمانت نہیں وہ ختم ہو جاتا ہے۔

جواب کی وضاحت جو ”غایۃ البیان“ میں ”قدوری“ سے مروی ہے وہ یہ ہے: بھاؤ کی کمی کی عین کے باقی رہنے کی صورت میں کوئی ضمانت نہیں ہوگی مگر جب عین تلف ہو جائے تو ضمان قبضہ کی صورت میں ہوگی۔ اور اتلاف کی ضمانت رہن کی ضمان کی جنس کے علاوہ سے اسی وجہ سے اس کی قیمت تلف کرنے کے دن کی واجب ہوگی۔ اور زیادتی سابقہ قبضہ کے ساتھ رہن کی ضمانت پر واجب ہوگی، ملخص۔ اس کی مثل وہ ہے جو ”الکفایہ“ سے گزر چکی ہے۔

34512۔ (قولہ: مَجَازًا) ”ہدایہ“ کے شارحین نے اسے تسامح قرار دیا ہے۔ علما نے کہا: کیونکہ اعارہ عوض کے بغیر

فَلَوْ هَلَكَ الرَّهْنُ (فِي يَدِ الرَّاهِنِ هَلَكَ مَجَانًا) حَتَّى لَوْ كَانَ أُعْطِيَ بِهِ كَفِيلًا لَمْ يَلْزَمْ الْكَفِيلُ شَيْءٌ لِيُخْرِجَهُ مِنَ الرَّهْنِ، نَعَمْ لَوْ كَانَ الرَّاهِنُ أَخَذَهُ بِغَيْرِ رِضَا الْمُرْتَهِنِ جَازَ ضَمَانُ الْكَفِيلِ تَتَارُخَانِيَّةً (فَإِنْ عَادَ قَبْضُهُ) عَادَ ضَمَانُهُ وَلِلْمُرْتَهِنِ اسْتِزْدَادُهُ مِنْهُ إِلَى يَدِهِ، فَلَوْ مَاتَ الرَّاهِنُ قَبْلَ ذَلِكَ

اگر رہن راہن کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو وہ بغیر عوض کے ہلاک ہوگا یہاں تک اگر وہ اس کے بدلے میں کوئی ضامن دے تو کفیل پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ رہن سے نکل چکا ہے۔ ہاں اگر راہن نے مرتہن کی رضا کے بغیر اسے لیا ہو تو کفیل کی ضمانت جائز ہوگی ”تاترخانیہ“۔ اگر اس کا قبضہ لوٹ آئے تو اس کی ضمانت لوٹ آئے گی۔ اور مرتہن کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس سے اپنے قبضہ میں واپس لے لے۔ اگر واپس لینے سے پہلے ہی راہن مر جائے

منافع کا مالک بنانا ہے۔ وہ مرتہن اس کا مالک نہیں تو کوئی اور اس کا کیسے مالک ہو سکتا ہے۔ لیکن جب یہ ضمانت کے بغیر اور واپس لینے کی قدرت کے ساتھ اعارہ کا معاملہ کیا گیا تو اس پر اعارہ کے اسم کا اطلاق کیا گیا۔

بعض محققین نے تسامح کی تفسیر اس سے کی ہے کہ یہ لفظ کا اس کے غیر حقیقی معنی میں استعمال جب کہ کسی معتبر علاقہ کا قصد نہیں کیا گیا اور نہ ہی کوئی قرینہ قائم کیا گیا جب کہ صرف مقام کے ظہور پر اعتماد کیا ہے نہ یہ حقیقت ہے اور نہ ہی مجاز ہے۔ مصنف نے ”المنح“ میں اعارہ کے لفظ کو یہاں استعارہ تصریحیہ بنایا ہے اس کا علاقہ مشابہت کا ہے۔ قرینہ اعارہ کو مرتہن کی طرف منسوب کرنا ہے۔ کیونکہ اس کا اسناد مالک کے لیے حقیقت ہے۔ کہا: جب قرینہ اور جامع یعنی علاقہ پایا گیا تو ان کا یہ قول کہ یہ مجاز ہے جائز ہے، تامل۔

34513۔ (قوله: هَلَكَ مَجَانًا) یعنی رہن میں سے کسی شے کے ساقط ہونے کے بغیر ہلاک ہوگا۔ کیونکہ وہ قبضہ ختم ہو چکا ہے جس پر ضمانت ہوتی ہے۔

34514۔ (قوله: حَتَّى لَوْ كَانَ) یعنی راہن مرتہن کو رہن کے بدلے میں کوئی ضامن دے یعنی اس کے سپرد کرنے پر کفیل دے نہ کہ رہن کی ذات کے عوض کفیل دے۔ کیونکہ کتاب الکفالة میں قول ہے: ولا تصح الكفالة بسبب قبضه و مرهون و امانة باعيانها فلو بتسليمها صح مبيع پر قبضہ سے پہلے، مرہون، امانت کے عین کی کفالت صحیح نہیں۔ اگر ان کے حوالے کرنے کی کفالت ہو تو یہ صحیح ہے، تامل۔

34515۔ (قوله: لِيُخْرِجَهُ مِنَ الرَّهْنِ) یعنی وہ رہن کے حکم سے خارج ہو جاتا ہے وہ ضمانت ہے ورنہ عقد باقی رہے گا۔

34516۔ (قوله: جَازَ ضَمَانُ الْكَفِيلِ) یعنی اس کے سپرد کرنے کو لازم کرنا اس کی دلیل وہ ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

34517۔ (قوله: عَادَ ضَمَانُهُ) کیونکہ رہن کا عقد باقی ہے مگر ضمان کے حکم میں باقی نہیں، ”منح“۔

أَمَّا قَبْلَ الْإِسْتِزَادِ (فَالْمُرْتَهَنُ أَحَقُّ مِنْ سَائِرِ الْغُرَمَاءِ) لِبَقَاءِ حُكْمِ الرِّهْنِ (وَلَوْ أَعَارَهُ) أَوْ أَوْدَعَهُ (أَحَدُهُمَا أَجْنَبِيًّا بِإِذْنِ الْآخِرِ سَقَطَ ضَمَانُهُ وَلِكُلِّ مِنْهُمَا أَنْ يُعِيدَهُ رَهْنًا كَمَا كَانَ

تو مرتہن باقی غرما سے زیادہ حق دار ہوگا۔ کیونکہ رہن کا حکم باقی ہے۔ اگر دونوں میں سے ایک نے کسی اجنبی کو دوسرے کی اجازت کے بغیر اسے عاریتاً دے دیا یا اسے ودیعت کر دیا تو رہن کی ضمانت ساقط ہو جائے گی۔ اور دونوں میں سے ہر ایک کو حق حاصل ہوگا کہ اسے رہن کے طور پر واپس لوٹا دے جس طرح وہ پہلے رہن تھا۔

34518۔ (قوله: مِنْ سَائِرِ الْغُرَمَاءِ) یعنی راہن کے جو غرماء ہیں یعنی جنہوں نے راہن سے کوئی چیز لینی ہے۔

پس وہ مرتہن کے ساتھ اس معاملہ میں شریک نہیں ہوں گے۔

34519۔ (قوله: لِبَقَاءِ حُكْمِ الرِّهْنِ) زیادہ صحیح یہ قول ہے: لِبَقَاءِ عَقْدِ الرِّهْنِ۔ مگر یہاں حکم سے مراد پورا پورا حق

لینے کا قبضہ ہے ضمانت نہیں ہے، تامل۔

تصرفات کی اقسام

34520۔ (قوله: وَلَوْ أَعَارَهُ الْآخِرُ) یہ تمام تصرفات چھ ہیں: عاریہ، رہن، ودیعت، اجارہ، بیع، ہبہ۔ عاریہ یہ ضمان

کے سقوط کو واجب کرتا ہے خواہ عاریہ لینے والا راہن ہو یا مرتہن ہو جب وہ استعمال کی حالت میں ہلاک ہو جائے یا وہ اجنبی ہو۔ یہ رہن کے عقد کو ختم نہیں کرتا۔ ودیعت کا حکم عاریہ کے حکم کی طرح ہے۔ رہن یہ رہن کے عقد کو باطل کر دیتا ہے۔ جہاں تک اجارہ کا تعلق ہے تو مستاجر اگر راہن ہی ہو تو یہ باطل ہو جائے گا اور یہ اجارہ اس کے قائم مقام ہوگا۔ جب وہ اسے عاریہ دے یا اسے ودیعت کے طور پر دے اگر وہ مرتہن ہو اور اجارہ کے لیے نیا قبضہ کرے یا وہ اجنبی ہو جب کہ دونوں میں سے ایک دوسرے کی اجازت کے بغیر عقد کرے تو رہن باطل ہو جائے گا۔ اجرت راہن کے لیے ہوگی اور قبض کا اختیار عاقد کو ہو گا۔ اور وہ رہن کی حیثیت سے واپس نہیں لوٹے گا مگر جب وہ نئے سرے سے عقد کرے۔

جہاں تک بیع اور ہبہ کا تعلق ہے تو عقد دونوں کے ساتھ باطل ہو جائے گا جب وہ دونوں (بیع اور ہبہ) مرتہن سے یا اجنبی سے ہوں جب کہ دونوں میں سے ایک دوسرے کی اجازت سے یہ فعل کر رہا ہو۔ جہاں تک راہن سے اس فعل سے واقعہ کرنے کا تعلق ہے تو اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ ”عنایہ“۔ اس کے حاشیہ جو ”سعدی آفندی“ کی تالیف ہے میں ہے: جب اجنبی کو یہ ودیعت کیا جائے تو چاہیے کہ ضمان ساقط نہ ہو کیونکہ وہ عادل ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ عمدہ بحث ہے۔ پھر میں نے اسے ”خانہ“ میں منصوص دیکھا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس میں کہا: جب راہن نے مرتہن کو اجازت دے دی کہ وہ کسی انسان کے ہاں ودیعت رکھ دے یا اسے عاریہ دے دے اگر اس نے اسے ودیعت رکھ دیا تو وہ اپنی حالت پر رہن ہوگا۔ اگر وہ مودع کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو رہن ساقط ہو جائے گا اگر وہ اسے عاریہ دے دے تو وہ رہن کی ضمان سے خارج ہو جائے گا۔ اور مرتہن کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اسے واپس لے لے۔ پس

(بِخِلَافِ الْإِجَارَةِ وَالْبَيْعِ وَالْهَبَةِ) وَالرِّهْنِ (مِنْ الْمُرْتَهِنِ أَوْ مِنْ أَجْنَبِيٍّ إِذَا بَاشَرَهَا أَحَدُهُمَا بِإِذْنِ الْآخَرِ)

اجارہ، بیع، ہبہ اور رہن جو مرتہن کے لیے ہوں یا کسی اجنبی کے لیے ہوں جب دونوں میں سے ایک دوسرے کی اجازت کے ساتھ یہ معاملہ خود کرے

انہوں نے عاریۃ اور ودیعت میں اس کے برعکس فرق بیان کیا ہے جس کا ذکر ”العنایۃ“ میں کیا ہے۔ شارح نے اس میں ان کی پیروی کی ہے۔ فتنہ

34521۔ (قوله: بِخِلَافِ الْإِجَارَةِ) یہ ان کے قول: ولکل واحد منهما ان یعیدہ رہنا سے حال ہے۔ اجارہ کی صورت میں نئے سرے سے قبضہ کی شرط ہے جس طرح تو نے ابھی جان لیا ہے۔ ”بزازیہ“ میں ہے: اگر مرتہن نے اسے اجارہ پر لیا جب کہ عقد فاسد ہے اور وہ رہن اس کے پاس پہنچ گیا اور اتنا زمانہ گزر گیا جس میں اجرت میں سے کوئی شے واجب ہوگئی تو رہن باطل ہو جائے گا۔

اس میں ہے: اگر مرتہن نے زمین زراعت کے لیے لی تو رہن باطل ہو جائے گا۔ اگر بیع مرتہن کی جانب سے ہوا اگر بیع راہن کی جانب سے ہو تو عقد رہن باطل نہیں ہوگا۔ یعنی اس کی وجہ یہ ہے کہ جو ہم کتاب المزارعہ میں پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بیع کا مالک ہی مستاجر ہوتا ہے۔ اگر وہ عامل ہو تو وہ زمین کو اجرت پر لینے والا ہوگا۔ اگر وہ زمین کا مالک ہو تو وہ عامل کو اجرت پر لینے والا ہوگا۔

34522۔ (قوله: وَالرِّهْنِ) یعنی رہن کو آگے رہن رکھنے کا معاملہ مختلف ہے اس بارے میں کلام قریب ہی آئے گا۔

34523۔ (قوله: مِنْ الْمُرْتَهِنِ) یہ من ماقبل کا صلہ ہے یہ من ابتدائیہ نہیں۔ تو کہتا ہے: اجرت منه الدار اسی

طرح بعثتا منه اور وہبتھا منه ہے جب وہ عقد کو قبول کرنے والا ہو اور تو عقد کرنے والا ہوگا۔ مرتہن یا اجنبی یہاں عقد قبول کرنے والا اور مباشر ہے یعنی عاقد مرتہن کے ساتھ وہ راہن ہے اور اجنبی کے ساتھ ان دونوں میں سے ایک ہے۔ لیکن رہن کی طرف نسبت کے اعتبار سے اس تعیم میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ اس کا مرتہن کے ساتھ عقد رہن کرنا کچھ مفید نہیں۔ پس ظاہر یہ ہے کہ یہ اس حالت سے خاص ہے جب دونوں میں سے ایک اجنبی کے ساتھ عقد رہن کرے۔

”تاترخانیہ“ میں ”شرح الطحاوی“ سے مروی ہے: مرتہن کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ آئے اسے رہن کے طور پر کسی کے ہاں رکھے اگر راہن کی اجازت کے بغیر اسے رہن رکھے اگر پہلے کے قبضہ کی طرف لوٹ آنے سے پہلے دوسرے کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو راہن کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ پہلے مرتہن سے ضمان لے اور اس کی ضمان رہن ہو جائے گی اور دوسرا مرتہن رہن کے بدلے میں اس کا مالک بن جائے گا یا وہ دوسرے مرتہن سے ضمانت لے اور ضمان سے پہلے مرتہن کے پاس رہن ہو گی اور دوسرے کا عقد رہن باطل ہو جائے گا اور دوسرا مرتہن پہلے مرتہن سے ضمانت اور اپنے رہن کا مطالبہ کرے گا۔ اگر راہن کی اجازت سے اس نے رہن رکھا تو دوسرا عقد صحیح ہو جائے گا اور پہلا عقد باطل ہو جائے گا۔

حَيْثُ يَخْرُجُ عَنِ الرِّهْنِ ثُمَّ لَا يَعُودُ إِلَّا بِعَقْدٍ مُبْتَدَأٍ لِأَنَّهَا عُقُودٌ لَازِمَةٌ، بِخِلَافِ الْعَارِيَّةِ، وَبِخِلَافِ بَيْعِ الْمُرْتَهِنِ مِنَ الرَّاهِنِ لِعَدَمِ لُزُومِهَا بَقِي لَوْ مَاتَ الرَّاهِنُ قَبْلَ رَهْنِهِ ثَانِيًا فَالْمُرْتَهِنُ أَسْوَأُ الْغُرْمَاءِ (وَلَوْ أَذِنَ الرَّاهِنُ لِلْمُرْتَهِنِ فِي اسْتِعْمَالِهِ أَوْ إِعَارَتِهِ لِلْعَمَلِ فَهَلْكَ الرِّهْنُ) قَبْلَ أَنْ يَشْمَعَ فِي الْعَمَلِ أَوْ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنْهُ هَلْكَ) بِالَّذِينَ لِبَقَاءِ عَقْدِ الرِّهْنِ (وَلَوْ هَلَكَ فِي حَالَةِ الْعَمَلِ) وَالِاسْتِعْمَالِ

اس طرح کہ وہ رہن سے خارج ہو جائے پھر وہ نہ لوٹے گا مگر عقد جدید کے ساتھ لوٹے گا۔ کیونکہ یہ ایسے عقود ہیں جو لازم ہیں۔ عاریتاً کا معاملہ مختلف ہے۔ مرتہن راہن کو بیع کرے یہ معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ لازم نہیں۔ ایک صورت باقی رہ گئی ہے: اگر راہن دوبارہ رہن رکھنے سے پہلے مر جائے تو مرتہن دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا۔ اگر راہن نے مرتہن کو اس کے استعمال یا عمل کے لیے اس کے اعارہ کی اجازت دی تو عمل میں شروع ہونے سے پہلے یا اس سے فارغ ہونے کے بعد ہلاک ہو جائے تو وہ دین کے بدلے میں ہلاک ہوگا۔ کیونکہ عقد رہن باقی ہے۔ اگر وہ عمل اور استعمال کی حالت میں ہلاک ہو جائے

34524۔ (قوله: حَيْثُ يَخْرُجُ عَنِ الرِّهْنِ) ودیعت اور ان عقود میں جو مخالفت کی جہت ہے اس کا بیان ہے۔ لیکن بیع کی صورت میں مرتہن کا حق ثمن کی طرف متغیر ہو جائے گا خواہ وہ اس پر قبضہ کرے یا قبضہ نہ کرے یہاں تک کہ اگر وہ مشتری کے پاس ہلاک ہو جائے تو رہن ساقط ہو جائے گا۔ بدل اجارہ کا معاملہ مختلف ہے۔ دونوں میں فرق پہلے گزر چکا ہے۔ ”معراج“ میں اس پر نص قائم کی ہے۔

34525۔ (قوله: لِأَنَّهَا عُقُودٌ لَازِمَةٌ) اسی وجہ سے ان کا فسخ کرنا ممکن نہیں۔

34526۔ (قوله: بِخِلَافِ بَيْعِ الْمُرْتَهِنِ مِنَ الرَّاهِنِ) اسی طرح اس کے اجارہ اور اس کے ہبہ کا معاملہ ہے۔ یہ مصنف کے قول من المرتہن سے احتراز ہے۔

34527۔ (قوله: لِعَدَمِ لُزُومِهَا) یعنی عاریہ اور بیع لازم نہیں ہیں۔ زیادہ بہتر یہ قول تھا: لزومہا یعنی ضمیر تشنیہ کی ہوتی۔ یعنی راہن کے حق میں یہ لازم نہیں۔ کیونکہ اس کی ملک مرہون کے حق میں باقی ہے پس عقد باطل ہو جائے گا۔

34528۔ (قوله: بَقِيَ لَوْ مَاتَ الرَّاهِنُ) یہ مصنف کے قول بخلاف الاجارہ کے متعلق ہے، الخ۔

34529۔ (قوله: فَالْمُرْتَهِنُ أَسْوَأُ الْغُرْمَاءِ) یعنی مال مرہون میں یہ دوسرے قرض خواہوں کے ہم پلہ ہیں۔ کیونکہ ان عقود کی وجہ سے عقد رہن باطل ہو گیا ہے۔ ”معراج“۔

34530۔ (قوله: لَوْ أَذِنَ الرَّاهِنُ لِلْمُرْتَهِنِ فِي اسْتِعْمَالِهِ) اگر اس نے استعمال کی اجازت نہ دی اور مرتہن نے مخالفت کی پھر وہ لوٹ آیا تو یہ اپنی حالت پر رہن ہوگا، ”جامع الفصولین“۔

34531۔ (قوله: وَلَوْ هَلَكَ فِي حَالَةِ الْعَمَلِ) یہ ان کے قول او اعارہ کی طرف راجع ہے اور ان کا قول

(هَلَكَ أَمَانَةٌ) لِشُبُوتِ يَدِ الْعَارِيَةِ حِينَئِذٍ (لَوْ اخْتَلَفَا فِي وَقْتِهِ) أَمَى وَقْتِ هَلَاكِهِ فَقَالَ الْمُرْتَهَنُ هَلَكَ فِي وَقْتِ الْعَمَلِ وَقَالَ الرَّاهِنُ فِي غَيْرِهِ (فَالْقَوْلُ لِلْمُرْتَهَنِ) لِأَنَّهُ مُنْكَرٌ (وَالْبَيِّنَةُ لِلرَّاهِنِ) لِأَنَّهُمَا اتَّفَقَا عَلَى زَوَالِ يَدِ الرِّهْنِ فَلَا يُصَدَّقُ الرَّاهِنُ فِي عَوْدِهِ إِلَّا بِحُجَّةٍ بَرَّازِيَّةٍ - وَفِيهَا أَذِنَ لِلْمُرْتَهَنِ فِي لُبْسِ ثَوْبِ الرِّهْنِ يَوْمًا فَجَاءَ بِهِ الْمُرْتَهَنُ مُتَخَرِّقًا وَقَالَ تَخَرَّقَ فِي لُبْسِ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَقَالَ الرَّاهِنُ مَا لَبِسْتَهُ فِيهِ وَلَا تَخَرَّقَ فِيهِ فَالْقَوْلُ لِلرَّاهِنِ، وَإِنْ أَقَرَّ الرَّاهِنُ بِاللُّبْسِ فِيهِ وَلَكِنْ قَالَ تَخَرَّقَ قَبْلَ لُبْسِهِ أَوْ بَعْدَهُ فَالْقَوْلُ لِلْمُرْتَهَنِ

تو وہ امانت کے طور پر ہلاک ہوگا۔ کیونکہ اس وقت عاریۃ کا قبضہ ثابت ہوتا ہے۔ اگر اس کے ہلاک ہونے کے وقت میں اختلاف کریں مرتہن کہے: وہ عمل کے وقت ہلاک ہوا ہے اور راہن کہے: وہ اس کے علاوہ میں ہلاک ہوا ہے تو قول مرتہن کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ منکر ہے اور گواہیاں راہن کی معتبر ہوں گی۔ کیونکہ وہ دونوں اس پر متفق ہیں کہ رہن کا قبضہ زائل ہو چکا ہے۔ پس راہن کی اس کے لوٹنے میں تصدیق نہ کی جائے گی مگر حجت کے ساتھ ہی تصدیق کی جائے گی، ”بزازیہ“۔ اس میں ہے: مرتہن کو اجازت دی کہ وہ رہن کا کپڑا ایک دن پہن لے تو مرتہن اس کو پھٹے ہونے کی حالت میں لے آیا اور کہا: یہ اس دن پہننے کی حالت میں پھٹا ہے راہن نے کہا: تو نے اس دن نہیں پہنا تھا اور نہ ہی وہ اس دن پھٹا ہے تو قول راہن کا معتبر ہوگا۔

والاستعمال یہ ان کے قول فی استعمالہ کی طرف راجع ہے۔ یہ لف نشر غیر مرتب ہے۔

34532۔ (قوله: لِشُبُوتِ يَدِ الْعَارِيَةِ) یہ عقد رہن کے قبضہ کے خلاف ہے پس ضمان منتهی ہو جائے گی، ”منح“۔

34533۔ (قوله: لِأَنَّهُ مُنْكَرٌ) جو چیز ضمان کو واجب کرتی ہے وہ اس کا انکاری ہے۔ ”طحاوی“ نے کہا: اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ آنے والی تعلیل دونوں مسئلوں کی ہے۔

34534۔ (قوله: وَقَالَ الرَّاهِنُ فِي غَيْرِهِ) ”خانیہ“ وغیرہا میں یہ اسی طرح ہے۔ پس یہ قول اس کو شامل ہے کہ یہ عمل سے پہلے ہو یا اس کے بعد ہو۔

34535۔ (قوله: لِأَنَّهُمَا اتَّفَقَا عَلَى زَوَالِ يَدِ الرِّهْنِ) یعنی وہ قبضہ زائل ہو چکا ہے جو ضمان کا موجب ہے۔ کیونکہ دونوں نے ایسے عمل کے وجود کا اعتراف کیا ہے جو ضمان کو زائل کر دیتا ہے۔

34536۔ (قوله: فِي عَوْدِهِ) ضمیر سے مراد رہن ہے۔ یعنی اس کے قبضہ کا لوٹ آنا۔ بعض نسخوں میں فی حقہ کے الفاظ ہیں اور بعض نسخوں میں فی دعواہ کے الفاظ ہیں۔ ”بزازیہ“ کی عبارت فی العود ہے۔

34537۔ (قوله: مَا لَبِسْتَهُ) یہ واحد مذکر مخاطب کا صیغہ ہے یعنی تا مخاطبہ مفتوحہ ہے۔

34538۔ (قوله: فَالْقَوْلُ لِلرَّاهِنِ) کیونکہ وہ عمل کے وجود کا منکر ہے۔ پس دونوں قبضہ کے زوال پر متفق نہیں ہوئے۔

34539۔ (قوله: فَالْقَوْلُ لِلْمُرْتَهَنِ الْخ) ”بزازیہ“ کی عبارت ہے: فوالقول للمرتتهن یعنی قول مرتہن کا معتبر ہوگا

فِي قَدْرِ مَا عَادَ مِنَ الضَّيَّانِ فُرُوعَ رَهْنِ الْأَبِ مِنْ مَالِ طِفْلِهِ شَيْئًا بِدَيْنٍ عَلَى نَفْسِهِ جَازًا، فَلَوْ الرِّهْنُ قِيَمَتُهُ أَكْثَرُ مِنَ الدَّيْنِ فَهَلَكَ ضَمِنَ الْأَبُ قَدْرَ الدَّيْنِ دُونَ الزِّيَادَةِ بِخِلَافِ الْوَصِيِّ فَإِنَّهُ يَضْمَنُ قِيَمَتَهُ وَالْفَرْقُ أَنَّ لِلْأَبِ أَنْ يَنْتَفِعَ بِمَالِ الصَّغِيرِ عِنْدَ الْحَاجَةِ وَلَا كَذَلِكَ الْوَصِيُّ وَلَوْ أَدْرَكَ الْإِبْنُ وَمَاتَ الْأَبُ لَيْسَ لِلْإِبْنِ أَخْذُ قَبْلَ قَضَاءِ الدَّيْنِ، وَيَرْجِعُ الْإِبْنُ فِي مَالِ الْأَبِ إِنْ كَانَ رَهْنُهُ لِنَفْسِهِ لِأَنَّهُ مُضْطَرٌّ

اگر راہن نے اس دن میں پہننے کا اقرار کیا لیکن اس نے کہا: وہ اس کے پہننے سے پہلے یا اس کے بعد پھناتا تو ضمان کے لوٹ آنے کی مقدار میں قول مرتہن کا معتبر ہوگا۔ باپ نے اپنے بچے کے مال میں سے کسی شے کو اپنی ذات پر موجود دین کے عوض رہن رکھا تو یہ جائز ہوگا۔ اگر رہن کی قیمت دین سے زائد ہو۔ پس وہ ہلاک ہو جائے تو باپ دین کی مقدار کا ضامن ہوگا زائد کا ضامن نہیں ہوگا۔ وصی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ اس شے کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ فرق یہ ہے کہ باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ضرورت کے وقت صغیر کے مال سے نفع حاصل کرے وصی کا معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ اگر صغیر بالغ ہو گیا اور باپ مر گیا تو بیٹے کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دین کی ادائیگی سے قبل اسے لے اور بیٹا باپ کے مال سے واپس لے گا۔ اگر باپ نے اسے اپنے دین کے لیے اسے رہن رکھا تھا۔ کیونکہ وہ بیٹا مجبور ہے

کہ اس نے اسے پہنا ہے۔ کیونکہ دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ وہ رہن ضمان سے نکل چکا ہے تو ضمان کے اس کی طرف لوٹ آنے میں قول مرتہن کا معتبر ہوگا۔ پہلے مسئلہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہاں ضمان سے نکلنے میں اتفاق نہیں۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ دونوں جب ضمان سے نکلنے میں متفق ہیں تو اس معاملہ میں قول مرتہن کا معتبر ہوگا کہ ضمان سے نکلنے کے بعد وہ رہن کی ضمانت کے ساتھ نہیں لوٹے گا مگر پھٹے ہوئے کپڑے کی ضمانت کے ساتھ لوٹے گا یعنی جب اس کے بعد ہلاک ہو تو وہ پھٹے ہوئے کپڑے کی قیمت کی ضمانت دے گا۔

34540۔ (قوله: بِخِلَافِ الْوَصِيِّ) باب ما يجوز ارتهانه میں یہ پہلے بیان کیا ہے کہ یہ امام ”تمرتاشی“ کا قول ہے اور ”ذخیرہ“ وغیرہ میں باپ اور وصی میں برابری کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مصنف نے وہاں اسے یقین کے صیغوں کے ساتھ بیان کیا ہے جیسے ”عنایہ“ اور ”ملتقی“ ہے۔ ہم اس کی توجیہ پہلے بیان کر چکے ہیں۔

34541۔ (قوله: لَيْسَ لِلْإِبْنِ أَخْذُ الْخ) کیونکہ باپ کا تصرف نافذ اور لازم ہے۔

34542۔ (قوله: وَيَرْجِعُ الْإِبْنُ) یعنی جب باپ کا دین ادا کرے اور رہن کو چھڑا لے۔

34543۔ (قوله: إِنْ كَانَ) یعنی باپ نے اپنے اوپر لازم دین کے لیے اسے رہن رکھا۔ اور اسی طرح اگر اسے رہن

رکھا ایسے دین کے عوض جو اس کی ذات پر تھا اور ایسے دین کے عوض جو چھوٹے بچے پر تھا تو باپ کے دین کے حصہ میں اس کا حکم اس کے حکم کی طرح ہوگا اگر یہ سارے کا سارا باپ کے دین کے عوض ہو۔ جس طرح ”المنح“ میں ہے۔

34544۔ (قوله: لِأَنَّهُ) کیونکہ بیٹا رہن کو آزاد کرانے کے لیے رہن کی ادائیگی میں مجبور ہے۔ پس وہ متبرع نہیں یہ

كَمُعِيرِ الرُّهْنِ وَلَوْ رَهْنَ شَيْئًا ثُمَّ أَقْرَهُ بِالرُّهْنِ لِغَيْرِهِ لَا يُصَدِّقُ فِي حَقِّ الْمُرْتَهِنِ وَيَوْمَرُ بِقَضَاءِ الدَّيْنِ وَرَدَّهِ إِلَى الْمُقْرِ لَهُ وَلَوْ رَهْنَ دَارَ غَيْرِهِ فَأَجَازَ صَاحِبُهَا جَازًا، وَبَيَّنَّةُ الرَّاهِنِ عَلَى قِيَمَةِ الرُّهْنِ أُولَى وَزَوَائِدُ الرُّهْنِ كَوَلَدٍ وَشُرَّةٍ رَهْنٍ لَا غَلَّةٍ دَارٍ وَأَرْضٍ وَعَبْدٍ فَلَا يَصِيرُ رَهْنًا وَالرُّهْنُ الْفَاسِدُ كَالصَّحِيحِ فِي ضَمَانِهِ (وَصَحَّ اسْتِعَارَةُ شَيْءٍ لِيَرْهَنَهُ فَيَرْهَنُ بِمَا شَاءَ)

جس طرح رہن کو عاریتاً دینے والا ہوتا ہے۔ اگر ایک آدمی نے کسی شے کو رہن کے طور پر رکھا پھر غیر کے لیے اس کے رہن کے رکھنے کا اقرار کیا تو مرتہن کے حق میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ اور اسے رہن کی ادائیگی اور مقرلہ کی طرف لوٹانے کا اسے حکم دیا جائے گا۔ اگر ایک آدمی نے کسی اور کا گھر رہن کے طور پر رکھا اور اس گھر کے مالک نے اس کو جائز قرار دے دیا تو یہ جائز ہوگا اور رہن کی قیمت پر رہن کی گواہیاں اولیٰ ہیں۔ رہن کے زوائد جیسے بچہ اور رہن کا پھل رہن ہیں نہ کہ گھر کی زمین اور غلام کا کرایہ اور اجرت وغیرہ میں یہ رہن نہ ہوں گے۔ فاسد رہن اس کی ضمانت میں صحیح کی طرح ہیں۔ کسی شے کو عاریتہ لینا صحیح ہے تاکہ اسے وہ رہن رکھے پس جس چیز کے بدلے میں چاہے رہن رکھے

رہن کو عاریتہ دینے والے کی مثل ہے جس کا بیان آگے آئے گا جس طرح ”المخ“ میں ہے۔

34545۔ (قوله: ثُمَّ أَقْرَهُ بِالرُّهْنِ الْخ) یعنی یہ اقرار کیا ہے کہ مثلاً یہ مرہون زید کی ملکیت ہے تو یہ مرتہن کے حق میں صادق نہیں آئے گا یہاں تک کہ محض اس کے اقرار سے اس کے قبضہ سے اسے نہیں لیا جائے گا۔ جب تک مقرلہ اس پر دلیل قائم نہیں کرے گا بلکہ مقر کا مواخذہ صرف اس کے اپنے حق میں ہوگا۔ یہاں تک کہ اسے مرتہن کو اس کا قرض ادا کرنے اور مرہون کو مقرلہ کو واپس کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ کیا اسے فی الحال ادا کرنے کا حکم دیا جائے گا اگر وہ موجد ہو یا اس کی قیمت مرتہن کو ادا کرے پھر رہن مقرلہ کے حوالے کرنے کا اسے حکم دیا جائے گا یا وقت مقررہ آنے کا انتظار کیا جائے گا۔ پس کتب کی طرف رجوع کیا جائے۔

34546۔ (قوله: جَازًا) یہ اس کے قائم مقام ہوگا اگر وہ اسے عاریتہ دے تاکہ وہ اسے رہن کے طور پر رکھے۔

34547۔ (قوله: أُولَى) یعنی مرتہن کے بینہ سے اولیٰ ہیں۔ کیونکہ یہ ضمان کی زیادتی کو ثابت کرتے ہیں اگر وہ گواہیوں کو قائم نہ کریں تو قول مرتہن کا معتبر ہوگا۔ ”ہندیہ“ سے اسی طرح مستفاد ہے، ”ط“۔

34548۔ (قوله: وَزَوَائِدُ الرُّهْنِ الْخ) یہ مسئلہ بعد والے مسئلہ کی طرح عنقریب مفصل آئے گا۔ اسی وجہ سے بعض نسخوں میں یہ نہیں پایا گیا، ”ط“۔

34549۔ (قوله: وَصَحَّ اسْتِعَارَةُ شَيْءٍ لِيَرْهَنَهُ) کیونکہ مالک اس پر راضی ہے کہ مستعیر کے دین کو اپنے مال سے متعلق کرے جب کہ وہ اس کا مالک ہے جس طرح کفالت کے ساتھ اس کو اپنے ذمہ کے ساتھ متعلق کرنے کا مالک تھا، ”ط“۔

34550۔ (قوله: فَيَرْهَنُ بِمَا شَاءَ) یعنی جس جنس یا قدر کے بدلے میں رہن رکھے اسی طرح وہ جس مرتہن کے پاس

إِذَا أَطْلَقَ وَلَمْ يُقَيِّدْ بِشَيْءٍ (وَإِنْ قَيَّدَهُ بِقَدَرٍ أَوْ جَنَسٍ أَوْ مُرْتَهِنٍ أَوْ بَلَدٍ تَقَيَّدَ بِهِ) وَحِينَئِذٍ (فَإِنْ خَالَفَ) مَا قَيَّدَهُ بِهِ الْبُعِيدُ ضَمَّنَ الْبُعِيدُ الْمُسْتَعِيرَ أَوْ الْمُرْتَهِنَ لِتَعْدِي كُلِّ مِنْهُمَا

جب اس نے مطلق قول کیا ہو اور اس نے کسی شے کی قید نہیں لگائی اگر اس نے کسی مقدار، جنس، مرتہن یا شہر کی قید لگائی تو وہ امر اس کے ساتھ مقید ہوگا۔ اگر اس وقت وہ اس کی مخالفت کرے جس کی معیر نے قید لگائی ہو تو عاریتاً دینے والا، مستعیر یا مرتہن سے ضمانت لے گا۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک نے تعدی کی ہے

اسے رہن رکھے۔ اور جس شہر میں چاہے رہن رکھے جس طرح ”تہستانی“ میں ہے۔

34551۔ (قوله: إِذَا أَطْلَقَ) یعنی معیر نے اسے مطلق ذکر کیا۔ کیونکہ اطلاق کا اعتبار واجب ہے۔ خصوصاً اعارہ میں اس

کا اعتبار واجب ہے۔ کیونکہ اس میں جہالت منازعہ کی طرف نہیں لے جاتی، ”ہدایہ“۔ کیونکہ اسکی بنیاد مسامحہ پر ہے۔ ”معراج“۔

34552۔ (قوله: تَقَيَّدَ بِهِ) اس پر یہ حق نہیں کہ اس پر وہ زائد کرے یا اس سے کم کرے۔ جہاں تک زیادتی کا

تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات وہ رہن کے آزاد کرانے کا محتاج ہوتا ہے تو وہ رہن کی مقدار ادا کرے گا اور زائد

مقدار کی ادائیگی کے ساتھ راضی ہو یا کیونکہ اس پر یہ مشکل ہے۔ پس اس سے اس کو نقصان اور ضرر لاحق ہوتا ہے۔ جہاں تک

نقصان کا تعلق ہے تو رہن سے جو زائد ہے وہ امانت ہوگی اور وہ راضی نہیں مگر یہ اس سب کی ضمانت ہو پس تعین مفید ہوگی۔ اسی

طرح مجبوس کرنے، مرتہن اور شہر کی قید کا معاملہ ہے۔ کیونکہ یہ سب کچھ مفید ہے۔ کیونکہ بعض کا بعض کی طرف منسوب ہونا

آسان ہوتا ہے اور لوگ امانت اور حفاظت میں متفاوت ہوتے ہیں۔ یہ ”ہدایہ“ اور ”اختیار“ سے مروی ہے۔

تنبیہ

”حامد“ میں اس صورت میں فتویٰ دیا ہے اگر عاریتاً کو معلوم مدت کے ساتھ مقید کیا ہو اور مدت گزر گئی ہو تو معیر کو وہ

شے مستعیر سے لے لینے کا حق ہوگا۔ کہا: اسی کے مطابق ”خیریہ“ اور ”اسماعیلیہ“ میں فتویٰ دیا ہے۔ اس کی مثل ”فتاویٰ ابن

نجیم“ میں ہے جب کہ یہ کہا: مدت گزرنے سے پہلے اسے رہن کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں جب مدت گزر گئی اور وہ مرتہن سے

اس کو چھکارا دلانے سے رک گیا تو اسے اس پر مجبور کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: ”ذخیرہ“ میں جو قول ہے وہ اس کے مخالف نہیں۔ وہ قول یہ ہے: ایک آدمی نے اس سے کوئی چیز ادھار لی

تاکہ اپنے رہن کے بدلے میں رہن رکھے تو اس نے اسے ایک سال کے لیے سو کے بدلے میں رہن رکھا تو معیر کو یہ حق

حاصل ہے کہ اس سے اس کا مطالبہ کرے اگرچہ مستعیر نے معیر کو یہ بتایا ہے کہ وہ اسے ایک سال تک رہن رکھے گا۔ کیونکہ

یہاں یہ عقد رہن فاسد ہے۔ کیونکہ اس کی مدت مقرر کی گئی ہے۔ ہماری گفتگو عاریہ کی مدت مقرر کے بارے میں ہے، تامل۔

34553۔ (قوله: ضَمَّنَ الْبُعِيدُ الْمُسْتَعِيرَ أَوْ الْمُرْتَهِنَ الْخ) یعنی اس سے رہن کی قیمت کی ضمانت لی اگر وہ مرتہن

کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے۔ کیونکہ اس نے اس کی مملوکہ چیز میں اس طرح تصرف کیا ہے جس کی اسے اجازت نہ دی گئی تھی۔

(إِلَّا إِذَا خَالَفَ إِلَى خَيْرٍ بِأَنْ عَيَّنَ لَهُ أَكْثَرُ مِنْ قِيَمَتِهِ فَرَهْنَهُ بِأَقْلٍ مِنْ ذَلِكَ) لَمْ يَضَنْ لِبُخَالْفَتِهِ إِلَى خَيْرٍ (وَإِنْ ضَمَّنَ الْمُرْتَهَنَ) لِيَتَسَلَّكَ بِالصَّبَّانِ (وَإِنْ ضَمَّنَ الْمُرْتَهَنَ

مگر جب وہ خیر میں مخالفت کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے اس کی قیمت سے زیادہ تعین کی تو اس نے کم کے بدلے میں اسے رہن رکھا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے خیر میں مخالفت کی ہے۔ اگر معیر نے مستعیر سے ضمانت لی تو رہن کا عقد مکمل ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ ضمانت دینے کے ساتھ اس کا مالک بن جاتا ہے اگر وہ مرتہن سے ضمانت لے

پس وہ غاصب ہو گیا اور معیر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مرتہن سے وہ لے لے اور رہن کو فسخ کر دے، ”جوہرہ“۔

34554۔ (قوله: فَرَهْنَهُ بِأَقْلٍ مِنْ ذَلِكَ) یعنی اس سے کم چیز کے بدلے میں رہن رکھا جو اس نے اس کے لیے معین کیا تھا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ رہن کی قیمت سے کم نہ ہو بلکہ یا تو اس کی مثل ہو یا اس سے زائد ہو۔ پس اس کی تین وجوہ ہیں: (۱) کپڑے کی قیمت معین رہن کی مثل ہو اگر وہ مسمی سے زائد ہو تو وہ قیمت کی ضمانت لے گا اگر وہ کم ہو اگر نقصان کپڑے کی قیمت کے مکمل ہونے تک ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا اگر نقصان اس سے کم تک ہو تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا، ملخص۔ ”النهاية“ میں اسے نقل کیا ہے۔

پھر کہا: اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ معیر کسی صورت میں بھی قیمت سے زائد کی ضمانت نہیں لے گا۔ اسی طرح کپڑے کی تمام قیمت کی ضمانت نہیں لے گا جب وہ قیمت رہن سے زائد ہو بے شک وہ رہن کی مقدار کی ضمانت اس سے لے گا اور زائد امانت کے طور پر ہلاک ہو جائے گا۔

34555۔ (قوله: لِيَتَسَلَّكَ بِالصَّبَّانِ) پس یہ واضح ہو گیا کہ اس نے اپنی ذاتی ملکیت کو رہن رکھا، ”تبيين“۔ ”قاری الہدایہ“ نے کہا: اس میں میرا اعتراض ہے کیونکہ اس میں ملک قبضہ کے وقت کی طرف منسوب نہیں۔ کیونکہ قبضہ مالک کی اجازت سے ہوتا ہے۔ بے شک یہ مخالفت کے وقت کی طرف منسوب ہوگا۔ وہ مرتہن کو سپرد کرنا ہے اور عقد رہن اس سے پہلے تھا۔ پس اس کی ملکیت سپرد کرنے کے وقت تک محدود ہوگی۔ پس یہ واضح نہ ہوا کہ اس نے اپنی مملوکہ چیز رہن رکھی۔ کیونکہ وہ عقد رہن کے بعد اس کا مالک بنا ہے۔ ”ابوسعود“ اور ”طحطاوی“ نے ”شلبی“ سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: بعض اوقات اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ رہن سپرد کرنے سے ہی لازم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے مرتہن کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس سے قبل اس سے رجوع کر لے جس طرح کتاب الرہن کے شروع میں گزر چکا ہے جب عقد سپرد کرنے پر موقوف ہو گیا تو جو اس پر سابق ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا گویا دونوں نے اکٹھے اسے سپرد کرنے کے وقت پایا جو مخالفت کا وقت ہے۔ پس عقد رہن کے بعد وہ اس کی ملکیت نہیں۔ یہ وہ امر ہے جو میرے لیے فتاح علیم کے فیض سے ظاہر ہوا ہے۔ پس اس کو غنیمت جانو۔

34556۔ (قوله: وَإِنْ ضَمَّنَ الْمُرْتَهَنَ) کیونکہ وہ غیر کے مال پر اس کی اجازت کے بغیر قبضہ کرنے کے ساتھ تعدی

يَرْجِعُ بِمَا ضَمِنَ وَبِالدَّيْنِ عَلَى الرَّاهِنِ) كَمَا مَرَفِيَ إِلَّا سَتَحْقَاقِ (فَإِنْ وَافَقَ وَهَلَكَ عِنْدَ الْمُرْتَهِنِ صَارَ الْمُرْتَهِنُ مُسْتَوْفِيًا لِدَيْنِهِ وَوَجَبَ مِثْلُهُ) أَيْ مِثْلُ الدَّيْنِ لِلْبُعِيرِ عَلَى الْمُسْتَعِيرِ وَهُوَ الرَّاهِنُ لِقَضَاءِ دَيْنِهِ بِهِ (إِنْ كَانَ كُلُّهُ مَضْمُونًا وَإِلَّا يَكُنْ كُلُّهُ مَضْمُونًا) ضَمِنَ قَدَرُ الْمَضْمُونِ وَالْبَاقِي أَمَانَةٌ وَكَذَا لَوْ تَعَيَّبَ فَيَذْهَبُ مِنَ الدَّيْنِ بِحِسَابِهِ وَيَجِبُ مِثْلُهُ لِلْبُعِيرِ (وَلَوْ افْتَكَّهُ) أَيْ الرِّهْنُ (الْبُعِيرُ) أُجِبَ الْمُرْتَهِنُ عَلَى الْقَبُولِ

تو اس نے جو ضمانت دی ہے اس کا اور راہن کے ذمہ جو دین تھا اس کا مطالبہ کرے گا جس طرح باب الاستحقاق میں گزر چکا ہے۔ اگر مستعیر معیر کی موافقت کرے اور وہ مرتہن کے پاس ہلاک ہو جائے تو مرتہن اپنے رہن کو پورا کرنے والا ہوگا اور مستعیر پر معیر کے لیے دین کی مثل واجب ہوگا مستعیر ہی راہن ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے دین کو اس کے ساتھ ادا کیا ہے اگر وہ سب کا سب مضمون ہو۔ اگر سب کا سب مضمون نہ ہو تو وہ مضمون کی مقدار کا ضامن ہوگا اور باقی ماندہ امانت ہوگا۔ اسی طرح اگر اس میں عیب واقع ہو جائے تو دین میں سے اسی کی حساب سے ضائع ہو جائے گا اور معیر کے لیے اس کی مثل واجب ہوگا۔ اگر معیر نے رہن کو چھوڑ دیا تو مرتہن کو اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا

کرنے والا ہوا ہے پس وہ غاصب کے غاصب کی طرح ہے۔

34557۔ (قوله: كَمَا مَرَفِيَ إِلَّا سَتَحْقَاقِ) یعنی اس باب سے تھوڑا پہلے۔

34558۔ (قوله: صَارَ الْمُرْتَهِنُ مُسْتَوْفِيًا لِدَيْنِهِ) یعنی اگر رہن کی قیمت رہن کی مثل ہو یا اس سے زائد ہو اگر وہ

اس سے کم ہو تو وہ اس کی مقدار کے مطابق حق پورا پورا لینے والا ہوگا اور زائد کا راہن سے مطالبہ کر لے گا، ”مسکین“۔

34559۔ (قوله: أَيْ مِثْلُ الدَّيْنِ) ”الدرر“ میں یہ اسی طرح ہے زیادہ صحیح یہ کہنا ہے ای مثل الرهن یعنی صورت

اور معنی کے اعتبار سے مثل ہو۔ یہ اس صورت میں ہے جب وہ مثلی ہو اور صرف معنی کے اعتبار سے مثل ہو وہ اس کی قیمت ہے۔

اگر وہ ذوات القیم میں سے ہوتا کہ اس کے بعد ضماں میں تشیت (انتشار) لازم نہ آئے، ”رحمتی“، ملخص۔ اسی کی مثل ”شرح الطحاوی“ میں ہے۔

34560۔ (قوله: لِقَضَاءِ دَيْنِهِ بِهِ) کیونکہ راہن معیر کے مال کے ساتھ اپنا رہن ادا کرنے والا ہو گیا ہے جس کے ساتھ

رہن ہے۔

34561۔ (قوله: إِنْ كَانَ كُلُّهُ) یعنی رہن کی ضمانت ہوگی اگر وہ رہن کی مثل ہو یا اس سے کم ہو۔

34562۔ (قوله: وَإِلَّا الْخ) یعنی اس کی صورت یہ ہے کہ وہ رہن سے زائد ہو۔

34563۔ (قوله: بِحِسَابِهِ) یعنی عیب کے حصہ کی مقدار، ”اتقانی“۔

34564۔ (قوله: وَيَجِبُ مِثْلُهُ) یعنی مستعیر پر معیر کے لیے عیب کی مثل واجب ہوگا۔

ثُمَّ يَرْجِعُ الْمُعِيرُ (عَلَى الرَّاهِنِ) لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَبَرِّعٍ لِتَخْلِيصِ مِلْكِهِ بِخِلَافِ الْأَجْنَبِيِّ (بِمَا أَدَّى) بِأَنْ سَاوَى الدَّيْنَ الْقَيْمَةَ، وَإِنْ الدَّيْنُ أَزِيدَ فَالزَّائِدُ تَبَرُّعٌ، وَإِنْ أَقْلٌ فَلَا جَبْرَ دُرٍّ، لَكِنْ اسْتَشْكَلَهُ الزَّيْلَعِيُّ وَغَيْرُهُ، وَأَقْرَأَهُ الْمُصَنِّفُ فَلِذَا لَمْ يَصْرَحْ عَلَيْهِ فِي مَثْنِهِ

پھر معیر راہن سے مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ وہ اپنی مملوکہ کو چھڑانے میں غیر متبرع ہے۔ اجنبی کا معاملہ مختلف ہے اس نے جو ادا کیا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ رہن کی قیمت کے برابر ہوا اگر رہن زائد ہو تو زائد تبرع ہوگا اگر وہ اس سے کم ہو تو اس پر کوئی جبر نہیں ہوگا ”درر“۔ لیکن ”زیلعی“ وغیرہ نے اس میں اشکال کا ذکر کیا اور مصنف نے اس کو ثابت رکھا ہے۔ اسی وجہ سے اس پر اس کے متن میں تصریح نہیں کی

34565۔ (قوله: لِتَخْلِيصِ مِلْكِهِ) یعنی وہ اس کے ساتھ اپنی مملوکہ چیز کی خلاصی کا ارادہ نہیں کرتا۔ جب کہ وہ اس کا محتاج ہے۔

34566۔ (قوله: بِخِلَافِ الْأَجْنَبِيِّ) یعنی جب وہ رہن ادا کر دے کیونکہ وہ متبرع ہے۔ کیونکہ وہ اپنی مملوکہ چیز کو چھٹکارا دلانے میں کوشش نہیں کرتا اور نہ ہی اپنے ذمہ سے فراغت میں کوشش کرتا ہے۔ پس طالب کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسے قبول نہ کرے، ”ہدایہ“۔

34567۔ (قوله: وَإِنْ أَقْلٌ فَلَا جَبْرَ) یعنی مرتہن کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ رہن سپرد کر دے۔ ”درر“ نے ”تاج الشریعہ“ سے نقل کیا ہے۔ کیونکہ زیادتی راہن کی جانب سے امانت ہے۔ اسی طرح کا قول کیا گیا ہے ہم نے اسے شارحین کے کلام میں نہیں پایا۔ اسے ”تاج الشریعہ“ کی طرف منسوب کرنا بغیر کسی شک و شبہ کے بہتان ہے۔ ”عز می زادہ“ نے اسی طرح بیان کیا ہے۔

34568۔ (قوله: لَكِنْ اسْتَشْكَلَهُ الزَّيْلَعِيُّ وَغَيْرُهُ) زائد کے تبرع ہونے کو اشکال کا باعث قرار دیا ہے کیونکہ کہا: هذا اشکل۔ کیونکہ رہن کو چھڑانا یہ بعض حق ادا کرنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ پس وہ مجبور ہوگا یہ حکم اس لیے ہے۔ کیونکہ اس کی غرض اس کو چھٹکارا دلانا ہے تاکہ اس سے نفع حاصل کیا جائے اور یہ چیز حاصل نہیں ہوتی مگر جب تمام رہن ادا کیا جائے۔ کیونکہ مرتہن کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کو روک لے یہاں تک کہ پورا پورا حق لے لے۔ اشکال کا ذکر ”ہدایہ“ کے تمام شارحین نے جواب کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ ضمان مستعیر پر اس بنا پر واجب ہوئی ہے اس اعتبار سے کہ وہ دین اپنی ملک سے ادا کرے۔ پس اس پر رجوع اسی قدر ہوگا جس سے حق کی ادائیگی ہو جائے۔ علماء نے اسے ”ایضاح“، ”خانیہ“ وغیرہما سے نقل کیا ہے۔ گویا ”زیلعی“ اس جواب سے مطمئن نہیں اس لیے انہوں نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ اسی وجہ سے ”سعدیہ“ میں کہا: ان للكلام فيه مجال دے شک اس میں گفتگو کی گنجائش ہے۔

34569۔ (قوله: فَلِذَا لَمْ يُعْرَجْ عَلَيْهِ) نوٹ: متن میں لفظ لم یصرح ہے متن کا ترجمہ اس کے مطابق کیا گیا ہے

مَعَ مُتَابَعَتِهِ لِلدَّرَرِ فَتَدَبَّرَ (وَلَوْ هَلَكَ الرِّهْنُ الْمُسْتَعَارُ مَعَ الرَّاهِنِ قَبْلَ رَهْنِهِ أَوْ بَعْدَ فَكِّهِ لَمْ يَضُنَّ، وَإِنْ اسْتُخْدِمَهُ أَوْ رَكِبَهُ) وَنَحَوَ ذَلِكَ (مِنْ قَبْلُ) لِأَنَّهُ أَمِينٌ خَالَفَ ثُمَّ عَادَ إِلَى الْوِفَاقِ فَلَا يَضُنُّ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ،

جب کہ وہ ”الدرر“ کی پیروی کرتے ہیں، قندبر۔ اگر وہ رہن جسے ادھار لیا گیا راہن کے پاس اس کے رہن رکھنے سے پہلے یا رہن چھڑانے کے بعد ہلاک ہو گیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا اگرچہ اس نے اس سے قبل اس سے جو خدمت لی ہو یا اس پر سوار ہوا ہو وغیرہ۔ کیونکہ وہ امین ہے جس نے مخالفت کی تھی پھر موافقت کی طرف لوٹ آیا تھا پس وہ ضامن نہیں ہوگا۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

لیکن شرح میں لم یعرج ہے۔ علیہ یہ اس امر کا قرینہ ہے کہ متن میں لفظ لم یعرج ہونا چاہیے۔ ”مترجم“۔

میں کہتا ہوں: منقول قول کی پیروی واجب ہے اگرچہ وہ عقول کے لیے ظاہر نہ ہو جب کہ جواب ظاہر ہے وہ معیر کا ابتدا سے ہی رہن کو قیمت کے ساتھ مقید کرنے سے کوتاہی کرنا ہے جب وہ اس چیز کو ترک کر دے جو افراد کو دور کرتا ہو تو وہ اس اعتبار سے زوائد کے دور کرنے میں مختار ہوگا۔ پس تو صاحب بصیرت کے لوگوں میں سے ہو جا، ”ساحانی“۔

34570۔ (قوله: مَعَ مُتَابَعَتِهِ لِلدَّرَرِ) یعنی یہ ان کی عام عادت ہے۔ ”الدرر“ میں اس امر کی وضاحت کی ہے

کہ زوائد تبرع ہے۔ پس ان کی عدم متابعت اس امر پر دلالت کی ہے کہ ”زیلعی“ نے استشکال کو ثابت رکھا ہے۔

34571۔ (قوله: لَمْ يَضُنَّ) کیونکہ وہ اس کے ساتھ اپنا رہن ادا کرنے والا نہیں ہوگا۔

34572۔ (قوله: إِنْ اسْتُخْدِمَهُ أَوْ رَكِبَهُ الْخ) یہ ان وصیلہ ہے یعنی اس کی صورت یہ ہے کہ وہ غلام ہو۔ پس اس

نے اس سے خدمت لی ہو یا وہ رہن جانور ہو جس پر اس نے سواری کی ہو یہ امور رہن رکھنے سے پہلے واقع ہوئے پھر اس نے دونوں کو ان کی قیمت کی مثل مال کے بدلے میں رہن رکھ دیا پھر اس نے مال دے دیا اور اس نے ان دونوں چیزوں پر قبضہ نہ کیا یہاں تک کہ دونوں مرتہن کے پاس ہلاک ہو گئے تو راہن پر کوئی ضمانت نہ ہوگی، ”ہدایہ“۔ یعنی تعدی کی ضمانت لازم ہوگی دین کے ادا کرنے کی ضمانت نہ ہوگی۔ کیونکہ راہن رہن ادا کرنے کے بعد اس کی واپسی کا مطالبہ کرے گا جو اس نے ادا کیا تھا۔ کیونکہ رہن جب مرتہن کے قبضہ میں ہلاک ہو تو وہ رہن کی مالیت سے اپنا حق پورے کا پورا وصول کرنے والا ہوگا۔ پس معیر رہن سے اس چیز کا مطالبہ کرے گا جس کے ساتھ حق کی ادائیگی ہو جاتی ہے، ”کفایہ“، ملخص۔

34573۔ (قوله: وَنَحَوَ ذَلِكَ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کپڑا پہن لے۔

34574۔ (قوله: مِنْ قَبْلُ) یعنی رہن سے پہلے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ رہن کو چھڑالے پھر اس سے کام لے تو

وہ ہلاک نہ ہو پھر اس کے بعد اس کے عمل کے بغیر وہ ہلاک ہو جائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ رہن کے چھڑانے کے بعد وہ مودع کے قائم مقام ہے مستعیر کے قائم مقام ہے کیونکہ عاریۃ لینے کا حکم رہن کو چھڑانے کے بعد ختم ہو چکا ہے پس وہ موافقت کی طرف لوٹ آیا ہے پس وہ ضمان سے بری ہو جائے گا، ”ہدایہ“۔

لَكِنْ فِي الشُّرْطِ الْبَلَاءِ عَنِ الْعِبَادَةِ الْمُسْتَأْجِرُ إِذَا خَالَفَ عَادَ إِلَى الْوِفَاقِ لَا يَبْرَأُ عَنِ الضَّهَانِ عَلَى مَا عَلَيْهِ الْفَتْوَى بَقِيَ لَوْ اخْتَلَفَا فَالْقَوْلُ لِلرَّاهِنِ لِأَنَّهُ يُنْكِرُ الْإِيْفَاءَ بِسَالِهِ، وَلَوْ اخْتَلَفَا فِي قَدْرِ مَا أَمَرَهُ بِالرِّهْنِ بِهِ

لیکن ”شرط بلالیہ“ میں ”عمادیہ“ سے مروی ہے: مستاجر یا مستعیر جب مخالفت کریں پھر موافقت کی طرف لوٹ آئیں تو وہ ضمان سے بری نہ ہوں گے۔ یہ اس قول کے مطابق ہے جس پر فتویٰ ہے۔ یہ صورت باقی رہ گئی ہے اگر دونوں اختلاف کریں تو قول راہن کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ ضمان کے واجب ہونے کا انکار کرتا ہے۔ اگر وہ اس مقدار میں اختلاف کریں جس کے بدلے میں اسے رہن رکھنے کا حکم دیا تھا

34575۔ (قوله: لَكِنْ فِي الشُّرْطِ الْبَلَاءِ) یہ استدراک مستاجر یا مستعیر کے بارے میں ہے جو کسی شے کو لیتا ہے تاکہ اس سے نفع اٹھائے اور ہماری گفتگو اس مستعیر کے بارے میں ہے جو کسی شے کو اس لیے عاریہ لیتا ہے تاکہ اسے رہن کے طور پر رکھے۔ یہ مودع کے قائم مقام ہے مستعیر کے قائم مقام نہیں۔ جس طرح قریب ہی گزر چکا ہے مودع جب موافقت کی طرف لوٹ آئے تو بری نہیں ہوتا۔ ”ہدایہ“ اور اس کی شروح میں ان دونوں کے درمیان یہ تفریق کی ہے کہ مستعیر کا قبضہ اس کا اپنا ہی قبضہ ہے۔ پس وہ (اصل کی طرف) لوٹ آنے سے مالک پر لوٹانے والا نہیں نہ حقیقت کے اعتبار سے اور نہ ہی حکم کے اعتبار سے۔ مودع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کا قبضہ مالک کا قبضہ ہے۔ پس موافقت کی طرف لوٹنے والا حکمی طور پر اس پر لوٹانے والا ہوگا۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح مستاجر کا حکم ہے اس کا قبضہ اس کا اپنا ہی قبضہ ہے۔ کیونکہ وہ عین کو اپنے لیے روکتا ہے اس کے مالک کے لیے نہیں روکتا۔

34576۔ (قوله: إِذَا خَالَفَا) زیادہ بہتر یہ تھا کہ ضمیر مفرد کی ہوتی۔ کیونکہ عطف اد کے ساتھ ہے اور اس لیے کہ یہ ما بعد کے موافق ہو جائے، ”ط“۔ کثیر نسخوں میں یہ اسی طرح ہے۔

34577۔ (قوله: بَقِيَ لَوْ اخْتَلَفَا) یعنی اس شے کے ہلاک ہونے کے زمانہ میں دونوں نے اختلاف کیا۔ معیر نے کہا: وہ مرتہن کے پاس ہلاک ہوا ہے مستعیر نے کہا: رہن رکھنے سے پہلے ہلاک ہوا ہے یا رہن کو چھڑانے کے بعد ہلاک ہوا ہے، ”غایہ“۔

34578۔ (قوله: فَالْقَوْلُ لِلرَّاهِنِ) یعنی قسم کے ساتھ قول راہن کا ہوگا، ”معراج“۔ بینہ معیر کے معتبر ہوں گے کیونکہ وہ اس پر ضمانت کا دعویٰ کرتا ہے۔ ”عنایہ“۔

34579۔ (قوله: لِأَنَّهُ يُنْكِرُ) کیونکہ راہن اس بات کا انکار کرتا ہے کہ معیر کے مال کی اس پر ضمانت لازم ہے۔

34580۔ (قوله: وَلَوْ اخْتَلَفَا فِي قَدْرِ مَا أَمَرَهُ بِالرِّهْنِ بِهِ) اس کی صورت یہ ہے کہ معیر کہے: میں نے تجھے حکم دیا

فَالْقَوْلُ لِلْمُعِيرِ هِدَايَةً اخْتَلَفَا فِي الدِّينِ وَالْقِيَمَةِ بَعْدَ الْهَلَاكِ فَالْقَوْلُ لِلْمُرْتَهِنِ فِي قَدْرِ الدِّينِ وَقِيَمَةِ الرِّهْنِ شَرْحُ تَكْبِيلَةٍ (وَلَوْ مَاتَ مُسْتَعِيرُهُ مُفْلِسًا) مَذْيُونًا (فَالرِّهْنُ) بَاقٍ (عَلَى حَالِهِ فَلَا يُبَاعُ إِلَّا بِرِضَا الْمُعِيرِ لِأَنَّهُ مِلْكُهُ) (وَلَوْ أَرَادَ الْمُعِيرُ بَيْعَهُ وَأَبَى الرَّاهِنُ) الْبَيْعَ (بِغَيْرِ رِضَاةٍ إِنْ كَانَ بِهِ) أَمَى بِالرِّهْنِ

تو قول معیر کا معتبر ہوگا، ”ہدایہ“۔ دونوں نے ہلاک ہونے کے بعد دین اور قیمت میں اختلاف کیا تو رہن کی مقدار اور دین کی قیمت میں مرتہن کا قول معتبر ہوگا، ”شرح تکریمہ“۔ اگر اس کا مستعیر مفلس مدیون کی حیثیت سے مر جائے تو رہن اپنے حال پر باقی رہے گا۔ پس معیر کی رضامندی کے بغیر اسے نہیں بیچا جائے گا۔ کیونکہ یہ اس کی ملک میں ہے۔ اگر معیر اس کو بیچنے کا ارادہ کرے اور راہن اس کی بیع کا انکار کر دے تو اس کی رضامندی کے بغیر اس کو بیچا جائے گا اگر رہن کے بدلے میں اس کا حق پورا ہوتا ہے

تھا کہ تو پانچ کے عوض میں رہن رکھے گا۔ مستعیر نے کہا: اس کے عوض رہن رکھنے کا حکم دیا تھا تو قول معیر کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ امر کا اصلاً انکار کرے تو قول اس کا معتبر ہوگا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ اس میں وصف کا انکار کرے اور بینہ مستعیر کے معتبر ہوں گے۔ کیونکہ وہی امر ثابت کرنے والا ہے، ”الاتقانی“۔

34581۔ (قوله: اخْتَلَفَا فِي الدِّينِ وَالْقِيَمَةِ الْخ) مسئلہ کی صورت میں جو ”خانیہ“ وغیرہا میں ہے: اگر راہن ہزار کے بدلے میں رہن کا دعویٰ کرتا ہے اور مرتہن پانچ سو کے بدلے میں رہن کا دعویٰ کرتا ہے اگر رہن موجود ہو جو ہزار کے برابر ہو تو دونوں قسم اٹھائیں گے اور دونوں واپس کر دیں گے اگر وہ رہن ہلاک ہو چکا ہو تو قول مرتہن کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ رہن کے سقوط کی زیادتی کا انکار کرتا ہے۔ ”الاتقانی“ نے یہ زائد ذکر کیا ہے: اگر دونوں اس پر متفق ہوں کہ یہ ہزار کے بدلے میں ہے اور مرتہن کہے: اس کی قیمت پانچ سو ہے راہن کہے: ہزار ہے تو قول مرتہن کا معتبر ہوگا مگر جب راہن گواہیاں پیش کر دے۔ کیونکہ وہ ضمان کی زیادتی کا دعویٰ کرتا ہے، ملخص۔ اس سے وہ ایجاز ظاہر ہو جاتا ہے جو عبارت میں موجود ہے جو پہیلی کے مشابہ ہے۔

34582۔ (قوله: مَذْيُونًا) اس کو زائد ذکر کیا ہے کیونکہ افلاس سے رہن لازم نہیں آتا۔ لیکن اگر مصنف کے قول کو مفلس لام کی تشدید کے ساتھ مضاعف سے پڑھا جائے تو وہ اس سے غنی کر دیتا ہے۔ کیونکہ اس کا معنی ہے قاضی نے اس سے۔ افلاس کا حکم دے دیا، تا مل۔

34583۔ (قوله: بَاقٍ عَلَى حَالِهِ) یعنی مرتہن کے پاس ہی رہے گا۔

34584۔ (قوله: وَأَبَى الرَّاهِنُ) ”المنع“ میں اسی طرح ہے۔ صحیح المرتہن ہے جس طرح ”رہن“ نے اس پر متنبہ کیا

ہے۔ کیونکہ مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ راہن جو مستعیر ہے مر گیا ہے۔

34585۔ (قوله: بِغَيْرِ رِضَاةٍ الْخ) کیونکہ اس کا حق اپنا حق پورا وصول کرنے میں تھا جب کہ وہ حاصل ہو چکا

ہے، ”زیلعی“۔

(وَفَاءٌ وَإِلَّا لَا يُبَاعُ إِلَّا بِرِضَاهُ) أَيْ الْمُرْتَهِنِ (وَلَوْ مَاتَ الْبُعِيدُ مُفْلِسًا وَعَلَيْهِ دَيْنٌ أَمَرَ الرَّاهِنُ بِقَضَاءِ دَيْنِ نَفْسِهِ وَيَرُدُّ الرِّهْنَ) لِيَصِلَ كُلُّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ (وَأِنْ عَجَزَ لِفَقْرِهِ فَالرِّهْنُ عَلَى حَالِهِ) كَمَا لَوْ كَانَ الْبُعِيدُ حَيًّا (وَلَوْ رَثَّتْهُ) أَيْ وَرَثَتِ الْبُعِيدُ (أَخَذَهُ) أَيْ الرِّهْنُ (بَعْدَ قَضَاءِ دَيْنِهِ) كَمُورَثٍ (فَإِنْ طَلَبَ غُرْمَاءُ الْبُعِيدِ مِنْ وَرَثَتِهِ بَيْعَهُ، فَإِنْ بِهِ وَفَاءٌ بَيْعٌ وَإِلَّا فَلَا يُبَاعُ إِلَّا بِرِضَا الْمُرْتَهِنِ) كَمَا مَرَّلِمَا مَرًّا (وَأَعْلَمُ أَنَّ جَنَائَةَ الرَّاهِنِ عَلَى الرِّهْنِ) كُلًّا أَوْ بَعْضًا (مَضْبُونَةٌ)

ورنہ اسے مرتہن کی رضا مندی کے بغیر نہیں بیچا جائے گا۔ اگر معیر مفلس کی حیثیت سے مر جائے اور اس پر دین ہو تو راہن کو حکم دیا جائے گا کہ اپنا دین ادا کرے اور رہن کو واپس کر دے تاکہ ہر حقدار اپنے حق تک پہنچ جائے۔ اگر وہ اسے فقر کی وجہ سے عاجز آجائے تو رہن اپنے حال پر ہوگا جس طرح اگر معیر زندہ ہو۔ اور معیر کے ورثاء کو حق حاصل ہوگا کہ معیر کے دیون ادا کرنے کے بعد اسے لے لیں جیسے مورث کا حکم ہوتا ہے۔ اگر معیر کے قرض خواہ اس کے وارثوں سے اس کی بیع کا مطالبہ کریں اگر اس کے ساتھ حق کی ادائیگی ہوتی ہو تو اس کو بیچ دیا جائے گا ورنہ اسے نہیں بیچا جائے گا مگر مرتہن کی اجازت سے اس کو بیچا جاسکتا ہے جس طرح گزر چکا ہے اس کی علت وہی ہے جو گزر چکی ہے۔ یہ جان لو کہ راہن کی رہن کے کل یا بعض پر جنایت قابل ضمانت ہے

34586۔ (قوله: وَإِلَّا) یعنی اگر اس میں حق کی ادائیگی نہ ہوئی ہو تو اسے مرتہن کی اجازت کے بغیر نہیں بیچا جائے گا۔ کیونکہ اس کے محبوس کرنے میں اس کی منفعت ہے شاید معیر بھی رہن کا محتاج ہو۔ پس وہ حق لے کر اس کو چھوڑ دے یا اس کی قیمت بھاؤ کے بڑھ جانے سے بڑھ جائے پس وہ اس میں سے اپنا پورا پورا حق لے لے، ”زیلعی“۔

34587۔ (قوله: أَمَرَ الرَّاهِنُ بِقَضَاءِ دَيْنِ نَفْسِهِ) یعنی اسے اس پر مجبور کیا جائے گا اس میں غور کرو اگر رہن موجدل ہو تو کیا اسے مجبور کیا جائے گا یا اسے دیت دی جائے گی۔

34588۔ (قوله: بَعْدَ قَضَاءِ دَيْنِهِ) ضمیر سے مراد رہن ہے یعنی راہن کے رہن ادا کرنے کے بعد۔

34589۔ (قوله: كَمُورَثٍ) یعنی ان کی عورت کی طرح کیونکہ وارث اس کے قائم مقام ہیں۔

34590۔ (قوله: مِنْ وَرَثَتِهِ) یعنی معیر کے وارث۔

34591۔ (قوله: كَمَا مَرَّلِمَا مَرًّا) یعنی مستعیر کی موت کے مسئلہ میں۔ بعض نسخوں میں لہما مرکا قول ساقط ہے۔ یہی

زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ پہلے تعلیل ذکر نہیں کی وہ ہمارا یہ قول ہے: لَانْ لَهُ فِي الْحَبْسِ مَنَفْعَةٌ الْخ۔

34592۔ (قوله: كُلًّا أَوْ بَعْضًا) یہ دونوں اسماء تمیز کی حیثیت سے منصوب ہیں یعنی قلت اور بعضیت کی جہت سے، تامل۔

34593۔ (قوله: مَضْبُونَةٌ الْخ) کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک کا حق محترم ہے تو اس پر اس شے کی ضمان واجب ہوگی

كَجِنَايَةِ الْمُرْتَهِنِ عَلَيْهِ وَيَسْقُطُ مِنْ دَيْنِهِ) أَمَّا دَيْنُ الْمُرْتَهِنِ (بِقَدْرِهَا) أَمَّا الْجِنَايَةُ لِأَنَّهُ أَتْلَفَ مِلْكَ غَيْرِهِ فَلَزِمَهُ ضَمَانُهُ وَإِذَا لَزِمَهُ وَقَدْ حَلَّ الدَّيْنُ سَقَطَ بِقَدْرِهِ وَلَزِمَهُ الْبَاقِي بِالِاتِّلَافِ لَا بِالرِّهْنِ، وَهَذَا لَوِ الدَّيْنُ مِنْ جِنْسِ الضَّمَانِ وَإِلَّا لَمْ يَسْقُطْ مِنْهُ شَيْءٌ وَالْجِنَايَةُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ وَلِلْمُرْتَهِنِ أَنْ يَسْتَوْفِيَ دَيْنَهُ،

جس طرح مرتہن اس پر جنایت کرے تو اس کی ضمانت لازم ہوگی اور مرتہن کے رہن سے جنایت کی مقدار ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے غیر کی ملک کو تلف کیا ہے تو اس کی ضمان اس پر لازم ہوگی۔ جب ضمان اس پر لازم ہو جائے گی جب کہ دین کی ادائیگی کا وقت آچکا ہے تو اسی مقدار کے مطابق دین ساقط ہو جائے گا۔ اور تلف کرنے کی وجہ سے باقی ماندہ اس پر لازم ہوگا نہ کہ رہن کی وجہ سے لازم ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب رہن ضمان کی جنس میں سے ہو ورنہ رہن میں سے کوئی شے ساقط نہ ہوگی۔ اور جنایت مرتہن پر لازم ہوگی۔ اور مرتہن کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنا دین پورا پورا لے لے۔

جس کو اس لیے تلف کیا ضمان کے حق میں مالک کو اجنبی کی طرح کر دیا جائے گا۔ اس کی مکمل وضاحت ”المخ“ میں موجود ہے۔

34594۔ (قوله: عَلَيْهِ) ضمیر سے مراد رہن ہے رہن سے مراد مرہون ہے۔

34595۔ (قوله: وَإِذَا لَزِمَهُ وَقَدْ حَلَّ الدَّيْنُ الْخ) اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ جب وہ مؤجل ہو تو محض لازم ہونے سے سقوط کا حکم نہیں لگایا جائے گا بلکہ جو اس پر لازم ہوا اسے وقت مقررہ کے آنے تک اسے رہن میں مجبوس کر دیا جائے گا۔ جب وہ وقت مقررہ آجائے گا تو اسے اپنے رہن کے بدلے میں لے لے گا اگر اس کی جنس میں سے ہو ورنہ یہاں تک کہ وہ اپنا رہن پورا کر لے، ”شربلا لہ“۔ ہم مفصل کلام اس باب میں ان کے قول وان ضمانہ علی المرتہن کے ہاں کر چکے ہیں۔

34596۔ (قوله: سَقَطَ بِقَدْرِهِ) یعنی رہن کی مقدار ضمان ساقط ہو جائے گی۔

34597۔ (قوله: وَلَزِمَهُ الْبَاقِي) یعنی ضمان میں سے باقی اسے لازم ہوگا جب ضمان رہن پر زائد ہو۔

34598۔ (قوله: بِالِاتِّلَافِ) کیونکہ زائد امانت ہے پس وہ ودیعت کی طرح ہے جب مودع اس کی تلف کر دے۔

34599۔ (قوله: لَا بِالرِّهْنِ) یعنی رہن کے عقد کے بدلے میں نہیں جہاں تک کہ اس زائد کی ضمان ان پر اشکال

واقع کرے۔

34600۔ (قوله: مِنْ جِنْسِ الضَّمَانِ) اس کی صورت یہ ہے کہ رہن درہم ہوں یا دانائیر ہوں، ”کفایہ“۔

رہن کی راہن یا مرتہن پر جنایت کا شرعی حکم

34601۔ (قوله: وَالْجِنَايَةُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ الْخ) امر کا عطف ان کے قول لم يسقط پر ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے: اگر دین کیلی یا وزنی چیز ہو تو جنایت مرتہن پر واجب ہوگی اور رہن راہن پر باقی رہے گا۔ پس ہر

ایک کو اپنے ساتھی سے حق لینے کا حق ہوگا۔

لَكِنْ لَوْ اَعُوذَ عَيْنُهُ يَسْقُطُ نِصْفُ دَيْنِهِ عَنْهُ قَهْشَتَانِي وَبُرْجُنْدِي (وَجَنَائَةُ الرِّهْنِ عَلَيْهِمَا) اُمِّي عَلَى الرَّاهِنِ
اَوْ الْمُرْتَهِنِ (وَعَلَى مَا لِيَهُمَا هَذَرُ)

لیکن اگر اس کی آنکھ کا نور جاتا رہے یعنی وہ کانا ہو جائے تو اس سے نصف دین ساقط ہو جائے گا، ”قہستانی“، ”برجندی“۔
رہن کی راہن یا مرتہن پر جنایت اور ان کے مال پر جنایت باطل ہوگی

34602۔ (قولہ: لَكِنْ لَوْ اَعُوذَ عَيْنُهُ) میں کہتا ہوں: ”خلاصہ“ اور ”بزازیہ“ کی عبارت ہے: اد اعور العبد

الرهن الخ اگر عبد رہن کانا ہو جائے۔

”تاترخانیہ“ میں ”المحیط“ سے مروی ہے: ایک آدمی نے دوسرے کو ایک غلام سو کے عوض میں رہن کے طور پر دیا جو مثلاً
دوسو کے مساوی تھے تو وہ غلام کانا ہو گیا امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ اور امام ”زفر“ نے کہا: سو کا نصف ضائع ہو گیا۔ یہ امام ”ابو یوسف“
رحمہ اللہ کا پہلا قول ہے۔ پھر آپ نے رجوع کیا اور کہا: غلام جب صحیح ہو اور کانا ہو تو اس کی قیمت لگائی جائے گی تو نقصان کے
حساب سے اس کا رہن ختم ہو جائے گا، ملخص۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں اعور کا لفظ را کی شد کے ساتھ ہے۔ یہ اعور ار سے مشتق ہے اس کا مابعد اس کا فاعل ہے۔
لفظ عین کی طرف اس کی نسبت اس کی تانیث کو ثابت نہیں کرتی۔ کیونکہ یہ اسم ظاہر ہے جس کی تانیث مجازی ہے۔ پس اس میں
دونوں وجوہ جائز ہیں جس طرح اس کے محل میں اس کی وضاحت کی ہے۔ یہ افعال کے باب سے نہیں ہے جو متعدی ہے اور
فاعل اس کا مستتر ہو جو مرتہن کی طرف لوٹے عینہ کا لفظ اس کا مفعول ہو۔ کیونکہ اس وقت واجب آنکھ کی دیت کا لزوم ہے وہ
جہاں تک پہنچے جس طرح مصنف کی عبارت اس کا مفہوم بیان کرتی ہے نہ کہ رہن کا نصف ساقط ہوتا ہے۔ نیز اگر معاملہ اس
طرح ہو تو سابقہ اختلاف واقع نہیں ہوگا اس وقت اس محل میں اس مسئلہ کے ذکر کی کوئی وجہ نہیں اور نہ ہی اس سے قبل جو
استدراک ہے اس کی کوئی وجہ نظر آتی ہے۔ کیونکہ اگر یہ رہن پر جنایت کے قبیل سے متعلق نہیں بلکہ اس کے عیب دار ہونے
سے متعلق ہے اور گفتگو اس کے متعلق نہیں، فافہم واغتم۔

34603۔ (قولہ: هَذَرُ) جہاں تک راہن پر جنایت کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مملوک کی مالک پر جنایت

ہے اور ایسی جنایت جو واجب کرے وہ رائیگاں ہے۔ کیونکہ راہن ہی اس کا مستحق ہے۔ جہاں تک مرتہن پر اس کی جنایت کا
تعلق ہے تو کیونکہ اگر ہم اس کا اعتبار کریں تو اس سے چھٹکارا پانا اس پر واجب ہوگا۔ کیونکہ یہ جنایت اس کی ضمان میں حاصل
ہوئی ہے، ملخص۔ یہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔

”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا: مرتہن پر اس کی جنایت معتبر ہے۔

پھر یہ جان لو کہ مرتہن کے مال پر اس کی جنایت بالاتفاق رائیگاں ہوگی اگر اس کی قیمت اور رہن برابر ہوں۔ اگر اس کی
قیمت رہن سے بڑھ کر ہو تو امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ سے یہ مروی ہے کہ امانت کے حساب سے اس کا اعتبار کیا جائے گا اور ان سے

أَمَّا بَاطِلٌ (إِذَا كَانَتْ) الْجَنَائَةُ (غَيْرَ مُوجِبَةٍ لِلْقَصَاصِ) فِي النَّفْسِ دُونَ الْأَطْرَافِ، إِذْ لَا قَوْدَ بَيْنَ طَرَفِي عَبْدٍ وَحُرٍّ (وَإِنْ كَانَتْ مُوجِبَةً لِلْقَصَاصِ فَمُعْتَبَرَةٌ) فَيُقْتَضُ مِنْهُ وَيَبْطُلُ الدَّيْنُ خَائِيَةً

جب جنایت نفس میں نہ کہ اطراف میں قصاص کی موجب نہ ہو۔ کیونکہ غلام اور آزاد کے اطراف میں کوئی قصاص نہیں۔ اگر وہ جنایت قصاص کا موجب ہو تو وہ معتبر ہوگی پس اس سے قصاص لیا جائے گا اور دین باطل ہو جائے گا، ”خانیہ“۔

ایک روایت یہ مروی ہے کہ یہ رائیگاں ہے جس طرح مضمون کا حکم ہے، ”ہدایہ“۔

”معراج“ میں ”مبسوط“ سے مروی ہے: اگر اس کی قیمت دو ہزار ہو اور رہن ایک ہزار ہو اور وہ مرتہن پر جنایت کرے یا اس کے غلام پر جنایت واقع کرے تو راہن سے کہا جائے گا اس کو حوالے کر دے یا اس کا فدیہ دے دے۔ جہاں تک ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے قول کا تعلق ہے تو وہ اشکال کا باعث نہیں۔ جہاں تک ”امام صاحب“ رحمہ اللہ علیہ کے قول کا تعلق ہے تو اس کی یہاں جنایت ظاہر روایت کے مطابق معتبر ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ معتبر نہیں۔

ظاہر روایت کی دلیل یہ ہے کہ یہاں اس کا نصف امانت ہے اور مودع پر ودیعت کی جنایت معتبر ہے۔ راہن کو کہا جائے گا اس کے حوالے کر دے یا اس کا فدیہ دے دے اگر وہ اس کے حوالے کر دے اور مرتہن اس کو قبول کر لے تو وہ غلام مرتہن کا ہو جائے گا پس رہن ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ اس کے قبضہ میں ہلاک ہونے والے کی طرح ہے جو رہن کے سقوط کے حکم میں ہے جس طرح اگر وہ اجنبی پر جنایت کرے اور دونوں غلام اس اجنبی کے حوالے کر دیں۔ اگر دونوں اس کا فدیہ دیں تو فدیہ کا نصف راہن پر امانت کا حصہ ہوگا اور مرتہن پر نصف حصہ مضمون کا حصہ ہوگا پس اس کا حصہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے اپنے آپ پر رہن کو واجب نہیں کیا اور فدیہ میں اپنا حصہ راہن سے وصول کرے گا اور فدیہ اپنے حال پر رہن ہوگا، ملخص۔

34604۔ (قوله: غَيْرَ مُوجِبَةٍ لِلْقَصَاصِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ نفس یا اس سے کم میں جنایت خطا کی صورت

میں ہو، ”درر“۔

34605۔ (قوله: فِي النَّفْسِ دُونَ الْأَطْرَافِ الْخ) مناسب یہ تھا کہ اس کا ذکر اپنے قول: وان كانت موجبة

للقصاص کے بعد کرے۔ کیونکہ نفس یا اطراف میں جو قصاص کو واجب نہ کرے وہ یہ ہے۔ جہاں تک اس جنایت کا تعلق ہے جو اس کو واجب کرے تو وہ معتبر ہے اگر وہ قصاص کو نفس میں واجب کرے۔ جو اطراف میں قصاص واجب کرے وہ معتبر نہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اطراف میں جنایت ہدر ہے، تامل۔

34606۔ (قوله: وَيَبْطُلُ الدَّيْنُ) یعنی اگر غلام دین کی مثل ہو یا اس سے زائد ہو۔ ہم اس کی وجہ ابھی پہلے

”معراج“ سے بیان کر چکے ہیں۔ اگر وہ اس سے کم ہو تو رہن میں سے اتنی مقدار ساقط ہو جائے گی جس طرح رہن کے ہلاک ہونے میں حکم ہے۔ یہ ”حلی“ نے بیان کیا ہے۔

کہا: دین کے ساتھ تعبیر کی وجہ ظاہر ہو چکی ہے جس طرح رہن کے ساتھ تعبیر کی بھی وجہ ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں یعنی

وَعِبَارَةُ الْقَهْطَانِ وَشَرْهُ الْمَجْمَعِ يَبْطُلُ الرِّهْنُ (كَجَنَایَتِهِ) أَمَّا الرِّهْنُ عَلَى ابْنِ الزَّاهِنِ أَوْ عَلَى ابْنِ الْمُرْتَهِنِ فَإِنَّهَا مُعْتَبَرَةٌ فِي الصَّحِيحِ حَتَّى يَدْفَعَ بِهَا أَوْ يَغْدِي وَإِنْ كَانَتْ عَلَى الْمَالِ فَيُبَاعُ كَمَا لَوْ جَنَى عَلَى الْأَجْنَبِيِّ إِذْ هُوَ أَجْنَبِيٌّ لِتَبَايُنِ الْأُمْلَاحِ زَيْدَعِيٌّ

”قہستانی“ اور ”شرح الجمع“ کی عبارت ہے: وہ رہن کو باطل کر دے گی جس طرح رہن راہن کے بیٹے یا مرتہن کے بیٹے پر جنایت کرے۔ کیونکہ یہ صحیح قول کے مطابق معتبر ہے یہاں تک کہ اس کے بدلے میں وہ رہن دے دیا جائے گا یا اس کا فدیہ دیا جائے گا۔ اگر جنایت مال پر ہو تو اس کو بیچ دیا جائے گا جس طرح اگر وہ اجنبی پر جنایت کرے۔ کیونکہ وہ اجنبی ہے کیونکہ املاک میں تباہی پایا جا رہا ہے، ”زیدعی“۔

کیونکہ دین کے بطلان سے رہن کا بطلان لازم آتا ہے۔ ”طحطاوی“ نے کہا: اس میں غور و فکر کرو جب ولی الدم اس کو معاف کر دے۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ اپنے رہن پر باقی رہے گا۔

34607۔ (قولہ: وَإِنْ كَانَتْ عَلَى الْمَالِ فَيُبَاعُ) یعنی اگر راہن یا مرتہن اس کا فدیہ نہ دے۔

”بزازیہ“ میں ہے: مرہون نے ایک انسان کا مال تلف کر دیا جو اس کی قیمت کو محیط ہے اگر مرتہن اس کا فدیہ نہ دے تو رہن اور راہن اپنے حال پر رہے گا۔ اگر وہ انکار کر دے تو مرتہن سے کہا جائے گا اس کو فدیہ دو اگر وہ فدیہ نہ دے تو رہن اور عقد دین باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ فدیہ اس امر کی وجہ سے لازم ہوا ہے جو مرتہن کے پاس واقع ہوا پس فدیہ اس کے ذمہ ہوگا۔ اگر راہن بھی اس کا فدیہ نہ دے تو اس کو بیچ دیا جائے گا تو غلام کا دائن اپنا دین لے گا اور مرتہن کے دین میں اتنی مقدار باطل ہو جائے گی اگر اس کا دین اقل ہو تو غلام کی ثمن میں سے جو باقی بچے گا وہ راہن کے لیے ہوگا۔ اگر مرتہن کا دین غلام کے دین سے زیادہ ہو تو مرتہن باقی ماندہ سے وصول کر لے گا اگر اس کے رہن کی ادائیگی کا وقت آ گیا ہو ورنہ وہ باقی ماندہ اس کے پاس رہن ہوگا یہاں تک کہ اس کا وقت آ پہنچے۔ پس وہ اسے ادالے کے بدلے طور پر لے گا۔

جنایت کی اقسام

34608۔ (قولہ: إِذْ هُوَ) یعنی جیسا ملک کے حق میں اپنے باپ سے اجنبی ہے یہ اس امر کی تعلیل ہے کہ مرہون کی راہن

کے بیٹے یا مرتہن کے بیٹے پر جنایت معتبر ہے۔

تتمہ: یہ اس بارے میں ہے کہ رہن کا بعض بعض پر جنایت کرے جس طرح اگر ایک آدمی کے دو غلام ہوں تو دونوں میں سے ایک دوسرے پر جنایت کرے اگر دونوں کا کل کل سے مضمون ہو تو ضمانت رائیگاں چلی جائے گی جس طرح آفت سماویہ سے ہلاک ہونے سے رائیگاں جاتی ہے۔ دین سے جو ساقط ہوا ہے اس کا نصف مجنبی علیہ کے حصہ سے جنایت کرنے والے کی طرف پھر جائے گا۔ کیونکہ جنایت چار قسم کی ہے: مشغول (جس کے ذمہ رہن ہو) کی مشغول پر جنایت، مشغول کی فارغ پر جنایت، فارغ (جس کے ذمہ قرض نہ ہو) کی فارغ پر جنایت یا مشغول پر جنایت۔ یہ سب رائیگاں ہیں مگر چوتھی رائیگاں

(وَلَوْ رَهَنَ عَبْدًا يُسَاوِي أَلْفًا بِأَلْفٍ مُؤَجَّلٍ فَرَجَعَتْ قِيَمَتُهُ إِلَى مِائَةِ فَقَتَلَهُ رَجُلٌ وَغَرِمَ مِائَةَ وَحَلَّ الْأَجَلَ فَالْمُرْتَهَنُ يَقْبِضُهَا) أَيْ الْمِائَةُ قَضَاءٌ لِحَقِّهِ (وَلَا يَرْجِعُ عَلَى الرَّاهِنِ بِشَيْءٍ) كَمَوْتِهِ بِلَا قَتْلِ، وَالْأَصْلُ أَنَّ نَقْصَانَ السِّعْرِ لَا يُوجِبُ سُقُوطَ الدَّيْنِ

اگر ایک آدمی نے ایک غلام ادھار ہزار کے بدلے میں رہن رکھا جو ہزار کے مساوی تھا تو اس غلام کی قیمت کم ہوگئی ایک آدمی نے اس غلام کو قتل کر دیا اور اس کی چٹی سوا دا کر دی اور اجل یعنی مقررہ وقت آ پہنچا پس مرتہن جس نے سو پر قبضہ کیا ہوا ہے وہ اس کے حق کی ادائیگی ہو جائے گی اور وہ راہن سے کسی شے کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ جس طرح اگر وہی غلام قتل کے بغیر فوت ہو جائے (تو مرتہن کے لیے مطالبہ کا کوئی حق باقی نہیں رہتا)۔ قاعدہ یہ ہے بھاؤ کا کم ہونا یہ دین کے سقوط کو ثابت نہیں کرتا۔

نہیں۔ جب دونوں ہزار کے بدلے میں رہن ہوں اور ہر ایک کی قیمت ہزار ہو۔ پس جو مقتول ہے اس کا نصف کیونکہ فارغ ہے پس وہ رائیگاں ہوگا۔

یہ صورت باقی رہ گئی ہے جس کا نصف مشغول تھا اس نے فارغ اور مشغول کو تلف کر دیا تو اس نصف کا نصف رائیگاں چلا جائے گا۔ کیونکہ وہ مشغول کے مقابلہ میں تلف ہوا ہے اور اس کے دوسرے نصف کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ فارغ کے مقابلہ میں تلف ہوا ہے۔ پس ہر اس کو ساقط کر دے گا جو اس کے مقابلہ میں دین ہوگا اور معتبر جان کی طرف پھر جائے گا وہ دو سو پچاس ہیں۔ پس جنایت کرنے والا سات سو پچاس کے عوض نہیں ہوگا۔ اس کی مکمل وضاحت ”ولو الجیہ“ اور ”تا ترخانیہ“ کی کتاب المتفرقات میں ہے۔ عنقریب یہ آئے گا: اگر رہن غلام یا جانور ہو۔

34609۔ (قوله: فَرَجَعَتْ قِيَمَتُهُ) یعنی بھاؤ کے کم ہونے سے اس کی قیمت کم ہوگئی۔

بھاؤ کا کم ہونا دین کے سقوط کو ثابت نہیں کرتا

34610۔ (قوله: وَالْأَصْلُ الْخ) یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ یہ قاعدہ ان کے قول: ولا يرجع على الراهن شيء فانه

قد اعتبر فيه نقصان السعر کے منافی نہیں۔ کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں: اس کا اعتبار نہ کرنا اس صورت میں ہے جب عین باقی ہو یہاں تک کہ مرتہن کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ راہن سے اپنے تمام دین کا مطالبہ کرے جب وہ اسے بھاؤ کی وجہ سے ناقص حالت میں واپس کرے مگر جب وہ تلف ہو جائے تو ضمان سابقہ قبضہ کی وجہ سے ہوگا۔ کیونکہ مرتہن کا قبضہ ابتدا سے ہی اپنے پورے حق کو وصول کرنا ہے اور ہلاک ہونے کے ساتھ وہ ثابت ہو جاتا ہے۔ پس وہ ابتدا سے ہی اپنے پورے حق کو وصول کرنے والا ہوگا تو اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ قاعدہ اپنے اطلاق پر نہیں۔ اس محل میں میرے لیے یہی ظاہر ہوا ہے جب کہ یہ ”ہدایہ“ کے شارحین کے گزشتہ صریح کلام جو اس باپ کے شروع میں گزرا ہے سے اخذ کیا گیا ہے۔ پھر میں نے ”طوری“ وغیرہ کو دیکھا جنہوں نے یہاں اس کی تصریح کی ہے، واللہ تعالیٰ الحمد۔

بِخِلَافِ نَقْصَانِ الْعَيْنِ، فَإِذَا كَانَ الدِّينُ بَاقِيًا، وَيَدُ الْمُرْتَهِنِ يَدُ اسْتِيفَاءٍ فَيَصِيرُ مُسْتَوْفِيًا لِلْكُلِّ مِنَ الْإِبْتِدَاءِ (وَلَوْ بَاعَهُ) أَمَى الْعَبْدَ الْمَذْكُورَ بِبِائَةِ بِأَمْرِ الرَّاهِنِ قَبْضُ الْبِائَةِ قَضَاءً لِحَقِّهِ وَرَجَعَتْ بِتَسْعِيبَاتِهِ لِأَنَّهُ لَمَّا كَانَ الدِّينُ بَاقِيًا وَقَدْ أُذِنَ بِبَيْعِهِ بِبِائَةِ كَانَ الْبَاقِي فِي ذِمَّتِهِ كَأَنَّهُ اسْتَرَدَّهُ وَبَاعَهُ لِنَفْسِهِ (وَلَوْ قَتَلَهُ عَبْدٌ قَيْمَتُهُ مِائَةٌ فَدَفَعَ بِهِ افْتَكَّهُ) الرَّاهِنُ وَجُوبًا (بِكُلِّ الدِّينِ وَهُوَ الْأَلْفُ) لِقِيَامِ الثَّانِي مَقَامِ الْأَوَّلِ لِحَبَا وَدَمًا وَقَالَ مُحَمَّدٌ إِنْ شَاءَ افْتَكَّهُ بِكُلِّ دَيْنِهِ أَوْ تَرَكَهُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ بِدَيْنِهِ وَهُوَ الْمُخْتَارُ

عین کے نقصان کا معاملہ مختلف ہے۔ جب رہن باقی ہو اور مرتہن کا قبضہ یہ پورے حق کو وصول کرنے کا قبضہ ہے۔ پس وہ ابتدا سے ہی پورا حق لینے والا ہوگا۔ اگر مرتہن راہن کے کہنے سے مذکورہ غلام بیچ دے تو سو پر قبضہ یہ اس کے لیے حق کی ادائیگی ہے اور وہ نو سو کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ جب دین باقی تھا اور راہن نے سو کے عوض اس کے بیچ دینے کی اجازت دے دی تو باقی ماندہ اس کے ذمہ میں ہوگا گویا راہن نے خود اس کو لے لیا اور خود اسے بیچا۔ اگر اس غلام کو کسی دوسرے غلام نے قتل کر دیا جس کی قیمت سو درہم ہو تو قاتل غلام مقتول کے عوض میں حوالے کر دیا گیا تو راہن وجوبی طور پر تمام دین ادا کر کے اس کو چھڑائے وہ کل رہن ہزار ہے۔ کیونکہ دوسرا غلام گوشت اور خون میں پہلے کے قائم مقام ہے۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر چاہے تو مکمل دین ادا کر کے رہن کو چھڑائے یا اپنے رہن کے عوض مرتہن کے پاس چھوڑ دے۔ یہی مذہب مختار ہے

34611۔ (قوله: بِخِلَافِ نَقْصَانِ الْعَيْنِ) کیونکہ عین کا نقصان دین میں سے اپنے حصہ کو ختم کر دیتا ہے، ”اتقانی“۔

34612۔ (قوله: فَإِذَا كَانَ الْخ) یہ تفریع ان کے قول بخلاف نقصان العین کی تعلیل کے قائم مقام ہے۔

34613۔ (قوله: بِأَمْرِ الرَّاهِنِ) مراد یہ ہے: اسے بیچ کا حکم دیا جب کہ وہ سو کے ساتھ مقید نہیں پس سو کا حکم نہیں دیا

گیا، ”شرہ لالیہ“۔

34614۔ (قوله: لِأَنَّهُ لَمَّا كَانَ الدِّينُ بَاقِيًا الْخ) بعض نسخوں میں اس تعلیل سے پہلے ایک اور تعلیل ہے جو اس

کے معنی میں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بھاؤ کے کم ہونے سے دین میں سے کوئی شے ساقط نہ ہوگی۔ کیونکہ عین باقی ہے اور حق وصولی کرنے کے قبضہ میں نقص واقع ہوا ہے۔ کیونکہ جب راہن نے اسے رہن کے بیچ دینے کا حکم دے دیا تو گویا راہن نے مرتہن سے رہن واپس لے لیا اور خود اسے بیچا۔

34615۔ (قوله: وَلَوْ قَتَلَهُ) ضمیر سے مراد وہ غلام ہے جو متن میں مذکور ہے۔

34616۔ (قوله: لِحَبَا وَدَمًا) یعنی صورت اور معنی کے اعتبار سے۔ جہاں تک صورت کا تعلق ہے تو یہ ظاہر ہے۔ جہاں

تک معنی کا تعلق ہے تو قاتل آدمیت میں مقتول کی طرح ہے اور شرع نے اسے آدمیت کے اعتبار سے اسے جز شمار کیا ہے، ”عنایہ“۔

34617۔ (قوله: أَوْ تَرَكَهُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ) کیونکہ وہ مرتہن کی ضمان میں متغیر ہو چکا ہے، ”ہدایہ“۔

كَمَا فِي الشَّرْهِ نَبْلَالِيَّةٌ عَنِ الْمَوَاهِبِ، لَكِنَّ عَامَّةَ الْمُتُونِ وَالشُّرُوحِ عَلَى الْأَوَّلِ (فَإِنْ جَنَى) تَرَكَ التَّفْصِيلَ أَوَّلَى (الرَّهْنُ خَطَا فِدَاةُ الْمُرْتَهَنِ) لِأَنَّهُ مِلْكُهُ (وَلَمْ يَرْجَعْ) عَلَى الرَّاهِنِ بِشَيْءٍ (وَلَا يَنْدِكَ أَنْ) يَدْفَعَهُ إِلَى وَلِيِّ (الْجَنَائَةِ) لِأَنَّهُ لَا يَنْدِكَ التَّنْدِيكَ (فَإِنْ أَبَى) الْمُرْتَهَنُ مِنَ الْفِدَاءِ (دَفَعَهُ الرَّاهِنُ) إِنْ شَاءَ (أَوْ فِدَاةً وَيَسْقُطُ الدَّيْنُ) بِكُلِّ مِنْهُمَا (لَوْ أَقْلٌ مِنْ قِيَمَةِ الرِّهْنِ أَوْ مُسَاوِيًا وَلَوْ أَكْثَرُ يَسْقُطُ قَدْرُ قِيَمَةِ الْعَبْدِ) فَقَطْ، (وَلَا يَسْقُطُ) (الْبَاقِي) مِنَ الدَّيْنِ، وَلَوْ اسْتَهْلَكَ مَا لَا يَسْتَغْرِقُ رَقَبَتَهُ فِدَاةُ الْمُرْتَهَنِ، فَإِنْ أَبَى

جس طرح ”شرہ نبالیہ“ میں ”مواہب“ سے مروی ہے۔ لیکن عام متون اور شروح پہلے قول پر ہیں۔ اگر رہن خطا جنایت کرے تو مرتہن اس کا فدیہ دے گا۔ کیونکہ یہ اس کی ملکیت میں ہے۔ اس تفریع کو ترک کرنا اولیٰ ہے۔ اور مرتہن راہن سے کسی شے کا مطالبہ نہیں کرے گا اور مرتہن اس امر کا مالک نہیں ہوگا کہ غلام ولی جنایت کے حوالے کر دے۔ کیونکہ کسی کی ملک میں دینے کا مالک نہیں۔ اگر مرتہن فدیہ دینے سے انکار کر دے تو راہن چاہے تو اس کے حوالے کر دے یا اسے فدیہ کے طور پر دے دے۔ اور دونوں صورتوں میں دین راہن کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اگر وہ رہن کی قیمت سے کم ہو یا اس کے مساوی ہو۔ اگر وہ زائد ہو تو صرف غلام کی قیمت کے حساب سے ساقط ہوگا اور باقی ماندہ دین ساقط نہیں ہوگا۔ اگر وہ غلام ایسی چیز کو جان بوجھ کر تلف کرے جو اس کی ذات کو محیط نہ ہو تو مرتہن اس کا فدیہ دے اگر وہ مرتہن انکار کرے

34618۔ (قوله: فِدَاةُ الْمُرْتَهَنِ) یعنی دین اپنے حال پر باقی رہے گا، ”ہدایہ“۔

34619۔ (قوله: لِأَنَّهُ مِلْكُهُ) یہ ظاہر نہیں۔ شارحین کی عبارت ہے: کیونکہ جنایت اس کی ضمان میں حاصل ہوئی ہے۔

34620۔ (قوله: بِشَيْءٍ) یعنی فدیہ میں سے کوئی شے۔

34621۔ (قوله: فَإِنْ أَبَى) مرتہن سے اس کا آغاز کیا۔ کیونکہ اگر ہم راہن کو خطاب کرتے تو یہ جائز ہوتا کہ وہ غلام

حوالے کرنے کو پسند کرتے۔ پس مرتہن اس سے روک دیتا۔ کیونکہ اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ کہے: میں فدیہ دوں گا یہاں تک کہ میں اپنے رہن کو درست کر لوں گا، ”معراج“۔

34622۔ (قوله: وَيَسْقُطُ الدَّيْنُ بِكُلِّ مِنْهُمَا) جہاں تک غلام حوالے کرنے کی صورت میں دین کے ساقط

ہونے کا تعلق ہے تو کیونکہ غلام پر استحقاق ثابت ہوا ہے اس علت کی وجہ سے جو مرتہن کی ضمان میں واقع ہوئی ہے پس وہ غلام ہلاک ہونے کی طرح ہے۔ جہاں تک فدیہ دینے کی صورت کا تعلق ہے تو وہ کیونکہ اسے اس عوض کے بدلے میں حاصل ہوا ہے جو عوض مرتہن پر لازم تھا، ”ہدایہ“۔

34623۔ (قوله: فِدَاةُ الْمُرْتَهَنِ) یعنی اس کا دین اپنی حالت پر رہے گا، ”زیلعی“۔

34624۔ (قوله: فَإِنْ أَبَى) یعنی اگر مرتہن انکار کر دے کہ وہ اس کی جانب سے ادا کرے تو راہن سے کہا جائے گا:

اسے رہن میں بیچ دو۔

بَاعَهُ الرَّاهِنُ أَوْ فَدَاهُ وَلَوْ قَتَلَ وَلَدُ الرِّهْنِ إِنْسَانًا أَوْ اسْتَهْلَكَ مَالًا دَفَعَهُ الرَّاهِنُ وَخَرَجَ عَنِ الرِّهْنِ أَوْ فَدَاهُ وَبَقِيَ رَهْنًا مَعَ أُمِّهِ وَأَمَّا جَنَائَةُ الدَّابَّةِ فَهَذَرٌ وَيَصِيدُ كَأَنَّهُ هَلَكَ بِأَفَةِ سَبَاوِيَّةٍ وَتَسَامُهُ فِي الْخَائِيَّةِ (مَاتَ الرَّاهِنُ بَاعَ وَصِيَّهُ رَهْنَهُ بِإِذْنِ مُرْتَهِنِهِ وَقَضَى دَيْنَهُ)

تو راہن اس کو بیچ دے یا اس کا فدیہ دے۔ مرہون کے بچے نے کسی انسان کو قتل کر دیا یا اس نے جان بوجھ کر مال ہلاک کر دیا یا راہن وہ بچہ اس کے حوالے کر دے اور وہ بچہ راہن سے نکل جائے گا یا اس کا فدیہ دے دے اور وہ بچہ اپنی ماں کے ساتھ رہن باقی رہے گا۔ جہاں تک جانور کی جنایت کا تعلق ہے تو وہ رائیگاں ہے اور وہ یوں ہو جائے گا گویا وہ آفت سماویہ کے ساتھ ہلاک ہوا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ”خانیہ“ میں موجود ہے۔ راہن مر گیا تو اس کا وصی مرتہن کی اجازت سے اس کے مرہون کو بیچ دے اور اس کا دین ادا کر دے۔

34625۔ (قوله: بَاعَهُ الرَّاهِنُ أَوْ فَدَاهُ) اگر راہن فدیہ دے تو مرتہن کا دین باطل ہو جائے گا اگر وہ اس کو بیچ دے تو غلام کا قرض خواہ اپنا دین لے لے اگر غلام کی قیمت میں سے کوئی شے بیچ جائے اور غریم کا دین مرتہن کے دین کی مثل ہو یا اس سے زائد ہو تو زائد راہن کے لیے ہوگا اور مرتہن کا دین باطل ہو جائے گا۔ اگر وہ اس سے کم ہو تو مرتہن کے دین سے غلام کے دین کی مقدار ساقط ہو جائے گا اور غلام کے دین سے ثمن میں سے جو زائد ہوگا وہ بطور رہن باقی رہے گا جس طرح وہ پہلے رہن تھا اگر مرتہن کے دین کا وقت آ پہنچے تو اپنے دین کے بدلے میں اس سے لے لے گا۔ کیونکہ یہ مال اس کی جنس سے ہے ورنہ وہ اس کو روکے رکھے۔ یہاں تک کہ وقت مقررہ آجائے۔ اگر ثمن غریم کے دین کو پوری نہ ہو تو غریم ثمن لے لے اور باقی ماندہ کا مطالبہ غلام کی آزادی کے بعد اس سے کرے اور غلام کسی سے کسی شے کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ اس کی مکمل بحث ”ہدایہ“ میں ہے۔

34626۔ (قوله: دَفَعَهُ الرَّاهِنُ الْخ) اس قول میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں مرتہن کو کسی شے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ بچے پر کوئی ضمانت نہیں۔ کیونکہ اس کے ہلاک ہونے سے اس کے دین میں سے کوئی شے ساقط نہیں ہوتی جس طرح ”اتقانی“ نے اسے ذکر کیا ہے۔

”طحاوی“ نے ”حموی“ سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے: اگر مرتہن کہے: میں فدیہ دیتا ہوں تو اسے قبول کر لیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اپنے دین کے بدلے میں محبوب ہے۔ وثوق کی زیادتی میں اس کی صحیح غرض موجود ہے اور راہن کو کوئی ضرر لاحق نہیں۔

34627۔ (قوله: وَخَرَجَ عَنِ الرِّهْنِ) دین میں سے کوئی شے ساقط نہ ہوگی جس طرح اگر وہ ابتدا میں ہی ہلاک ہو جائے گا، ”زیلعی“۔

34628۔ (قوله: وَيَصِيدُ كَأَنَّهُ) ضمیر سے مراد وہ ہے جس پر جنایت کی گئی۔

34629۔ (قوله: وَتَسَامُهُ فِي الْخَائِيَّةِ) جہاں حاصل کا ذکر کیا جسے ہم نے سابقہ صفحہ پر ذکر کیا ہے کہ رہن کے دو

لِقِيَامِهِ مَقَامَهُ (فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَصِيٌّ نَصَبَ الْقَاضِي لَهُ وَصِيًّا وَأَمَرَهُ بِبَيْعِهِ) لِأَنَّ نَظَرَهُ عَامٌّ وَهَذَا لَوْ
وَرَّثَتْهُ صِغَارًا، فَلَوْ كِبَارًا خَلَفُوا الْمَيِّتَ فِي الْمَالِ فَكَانَ عَلَيْهِمْ تَخْلِيصُهُ جَوْهَرَةً فُرُوعٌ رَهْنِ الْوَصِيِّ بَعْضُ
التَّرِكَةِ لِذَيْنَ عَلَى الْمَيِّتِ عِنْدَ غَرِيمٍ مِنْ غُرْمَائِهِ تَوَقَّفَ عَلَى رِضَا الْبَقِيَّةِ وَلَهُمْ رَدُّهُ، فَإِنْ قَضَى دَيْنَهُمْ
قَبْلَ الرَّدِّ نَفَذَ، وَلَوْ اتَّحَدَ الْغَرِيمُ جَازًا وَبَيْعًا فِي دَيْنِهِ - وَإِذَا ارْتَهَنَ بِدَيْنٍ لِلْمَيِّتِ عَلَى آخَرٍ جَازًا دُرَّرَ - وَفِي
مُعِينِ الْمُفْتَى لِلْمُصَنِّفِ لَا يَبْطُلُ الرَّهْنُ بِمَوْتِ الرَّاهِنِ وَلَا بِمَوْتِ الْمُرْتَهِنِ

کیونکہ وصی اس کے قائم مقام ہے۔ اگر اس کا وصی نہ ہو تو قاضی اس کا وصی معین کرے اور اس کو بیچ دینے کا حکم دے۔ کیونکہ
قاضی کی ولایت نظریہ عام ہے یہ حکم اس صورت میں ہے جب اس کے وارث چھوٹے ہوں۔ اگر اس کے وارث بڑے ہوں
تو مال میں یہ اس کے نائب ہوں گے پس ان پر یہ لازم ہوگا کہ رہن کو چھڑائیں، ”جوہرہ“۔ فروع: وصی نے بعض ترکہ کو اس
دین کے لیے قرض خواہوں میں سے کسی کے پاس رہن رکھا جو قرض میت کے ذمہ لازم تھا تو یہ عقد رہن باقی ماندہ کی رضا پر
موقوف ہوگا اور انہیں اسے واپس کرنے کا حق ہوگا۔ اگر وہ واپس کرنے سے پہلے ان کا حق ادا کر دے تو یہ نافذ ہو جائے گا۔
اگر غریم ایک ہی ہو تو یہ عقد رہن جائز ہوگا اور اسے اس کے دین میں بیچا جائے گا۔ جب وصی اس دین کے بدلے میں کوئی چیز
رہن کے طور پر رکھے جو میت کا کسی دوسرے شخص کے ذمہ لازم تھا تو یہ جائز ہوگا، ”درر“۔ مصنف کی ”معین المفتی“ میں
ہے: رہن نہ راہن کی موت سے، نہ مرتہن کی موت سے

غلاموں میں سے ایک غلام دوسرے پر جنایت کرے۔ پھر وہ کہے: اگر وہ غلام اور جانور کورہن کے طور پر رکھے تو جانور کی غلام پر
جنایت رائیگاں چلی جائے گی۔ اور اسکے برعکس جنایت معتبر ہوگی جس طرح غلام کی دوسرے غلام پر جنایت کا معاملہ ہے، ملخص۔
34630۔ (قوله: لِقِيَامِهِ) وصی راہن کے قائم مقام ہے۔

34631۔ (قوله: فَلَوْ كِبَارًا) یہ امر ظاہر ہے جب وہ موجود ہوں۔ اگر وہ غائب ہوں تو ”عمادیہ“ کی پانچویں فصل
میں ”فتاویٰ رشید الدین“ جو قاضی کی تالیف ہے، میں پہلے وہ وصی کو معین کرے گا جب وارث غائب ہو اور وصایا کے نسخہ میں
یہ لکھے گا کہ اس (قاضی) نے اس آدمی کو وصی بنایا ہے اور میت کا وارث سفر کی مدت سے غائب ہے۔

34632۔ (قوله: تَوَقَّفَ عَلَى رِضَا الْبَقِيَّةِ) یعنی باقی ماندہ غرماء کی رضا مندی پر موقوف ہوگا۔

34633۔ (قوله: وَلَهُمْ رَدُّهُ) انہیں لوٹانے کا حق اس لیے ہے کہ یہ بعض غرماء کو ایفاء (حق ادا کرنا) حکمی کے ساتھ
ترجیح دینا ہے۔ پس یہ ایفاء حقیقی کے مشابہ ہے، ”ہدایہ“۔

34634۔ (قوله: نَفَذَ) کیونکہ مانع زائل ہو چکا ہے کیونکہ ان کا حق ان تک پہنچ چکا ہے، ”ہدایہ“۔

34635۔ (قوله: وَإِذَا ارْتَهَنَ) یعنی وصی کوئی چیز بطور رہن وصول کرے۔

34636۔ (قوله: جَازًا) کیونکہ یہ حکم پورا پورا حق وصول کرنا ہے جب کہ وہ اس کا مالک ہو جائے گا، ”درر“۔

وَلَا يَسْتَوِيهِمَا وَيَبْقَى الرِّهْنُ رَهْنًا عِنْدَ الْوَرَثَةِ

اور نہ ہی دونوں کی موت سے باطل ہوگا اور رہن رہن کے طور پر وارثوں کے پاس باقی رہے گا۔

34637۔ (قولہ: عِنْدَ الْوَرَثَةِ) یعنی دونوں کے پاس، اس وصی کے پاس جس کو اختیار کیا گیا یا جسے معین کیا گیا اس

کے پاس رہنے دیا جائے گا راہن کے وارث اس میت کے قائم مقام ہوں گے جس طرح پہلے گزر چکا ہے، ”ط“۔

خاتمہ: مرتہن عقد رہن کو تنہا ہی فسخ کر سکتا ہے اور راہن تنہا اس کو فسخ نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ اگر مرتہن کہے: میں نے عقد رہن کو فسخ کر دیا اور راہن راضی نہ ہو اور مرہون ہلاک ہو جائے تو رہن میں سے کوئی شے ساقط نہ ہوگی اور اس کے برعکس صورت میں اس کے حساب سے رہن ساقط ہو جائے گا جس طرح ”القنیه“ وغیرہا میں ہے۔

فصل فی مسائل متفرقة

(رَهْنٌ عَصِيرًا قِيَمَتُهُ عَشْرَةٌ بَعَشْرَةٌ فَتَخَّرَتْ ثُمَّ تَخَلَّلَ وَهُوَ يَسَاوِي الْعَشْرَةَ فَهُوَ رَهْنٌ بَعَشْرَةٌ) كَمَا كَانَ، ثُمَّ الْمُعْتَبَرُ فِي الزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ الْقَدْرُ لَا الْقِيَمَةُ عَلَى مَا أَفَادَهُ ابْنُ الْكَمَالِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى،

متفرق مسائل کا بیان

ایک آدمی نے انگوڑا رس دس کے عوض رہن رکھا جب کہ اس کی قیمت دس درہم تھی تو وہ شراب بن گیا پھر وہ سرکہ بن گیا جب کہ وہ دس کے مساوی ہے تو وہ دس کے عوض رہن ہوگا جس طرح وہ پہلے تھا پھر اس میں معتبر مقدار کی کمی بیشی ہے قیمت معتبر نہیں جس طرح ”ابن کمال“ نے بیان کیا ہے۔ اس پر فتویٰ ہے۔

34638۔ (قوله: رَهْنٌ عَصِيرًا إلخ) یہ جان لو جب رہن رکھا گیا رس شراب بن جائے یا تو راہن اور مرتہن دونوں مسلمان ہوں گے یا دونوں کافر ہوں گے یا صرف راہن مسلمان ہوگا یا اس کے برعکس ہوگا۔ اگر دونوں کافر ہوں تو رہن اپنی حالت پر باقی رہے گا وہ سرکہ بنے یا سرکہ نہ بنے باقی اقسام میں اگر وہ سرکہ بن جائے تو حکم اسی طرح ہوگا ورنہ کیا مرتہن کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اس کو سرکہ بنادے تو اس میں تفصیل ہے۔ اگر دونوں مسلمان ہوں یا صرف راہن مسلمان ہو تو اس کو سرکہ بنانا جائز ہے۔ کیونکہ مالیت اگرچہ سرکہ بن جانے سے تلف ہو چکی ہے لیکن سرکہ بنا کر مالیت کو لوٹانا ممکن ہے۔ پس یہ اس طرح ہو گیا جس طرح رہن کو جنایت سے خلاصی دلائی جائے جب مسلمانوں میں یہ جائز ہے جب کہ مسلمانوں کی طرف منسوب ہونے کے اعتبار سے یہ حلت کا محل نہیں تو جب مرتہن کافر ہو تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ حلت کا محل ہے۔ رہی صورت اگر راہن کافر ہو تو اسے رہن لینے کا حق ہوگا اور رہن اپنے حال پر ہوگا۔ کیونکہ مسلمان کے حق میں شراب مال نہیں تو مسلمان کو حق نہیں کہ اس کو سرکہ بنائے۔ اگر وہ اس کو سرکہ بنائے تو جس روز اس نے اسے سرکہ بنایا ہے اس روز کی شراب کی قیمت کا ضامن ہوگا اور سرکہ مرتہن کا ہوگا اور برابری واقع ہوگئی اگر اس کا رہن قیمت کی جنس سے ہوگا۔ اگر سرکہ بنائے جانے کے دن سے اس کی قیمت کم ہوئی تو زیادتی کا مطالبہ کرے گا، ”عنایہ“، ملخص۔

34639۔ (قوله: فَهُوَ رَهْنٌ بَعَشْرَةٌ) یعنی دس کے عوض میں وہ رہن باقی رہے گا۔ بے شک یہ عقد باطل نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ سرکہ بن جانے کے قریب ہے۔ اسی وجہ سے جب وہ اسے خریدے اور قبضہ سے پہلے وہ شراب بن جائے تو بیع باطل نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ وہ سرکہ بن جائے، ”درر“۔

34640۔ (قوله: ثُمَّ الْمُعْتَبَرُ) ”ہدایہ“ کے شارحین وغیرہم نے جو کہا ہے اس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ مصنف نے جو ذکر کیا ہے ”ہدایہ“ وغیرہ کی طرح وہ یہ اس کے ساتھ مقید ہے کہ اس کے کیل میں سے کوئی شے کم نہ ہو اور ان کا قول: ہو

فَإِنْ انْتَقَصَ شَيْءٌ مِنْ قَدَرِهِ سَقَطَ بِقَدَرِهِ وَإِلَّا فَلَا (وَلَوْ رَهَنَ شَاةً قِيَمَتُهَا عَشْرَةٌ بِعَشْرَةٍ) هَذَا قَيْدٌ لَا بُدَّ مِنْهُ، لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ قِيَمَتُهَا أَكْثَرُ مِنَ الدِّينِ يَكُونُ الْجِلْدُ أَيْضًا بَعْضُهُ أَمَانَةً بِحَسَابِهِ فَتَنْبَهُ (فَبَاتَتْ) بِلَا ذَنْبٍ (فَدَبِغَ جِلْدُهَا بِمَالٍ لَا قِيَمَةَ لَهُ) فَلَوْ لَهُ قِيَمَةٌ ثَبَتَ لِلْمُرْتَهِنِ حَقُّ حَبْسِهِ بِمَا زَادَ دِبَاغُهُ،

اگر اس کی مقدار میں سے کوئی شے کم ہو گئی تو اسی مقدار کے مطابق رہن کم ہو جائے گا ورنہ کوئی شے کم نہ ہوگی۔ اگر ایک آدمی نے ایک بکری جس کی قیمت دس ہے دس کے عوض رہن رکھی۔ یہ قید ہے جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ کیونکہ اس کی قیمت دین سے زائد ہو تو اس کی جلد کا بعض بھی اس کے حساب سے امانت ہوگا۔ پس اس پر متنبہ رہیے۔ پھر وہ بکری ذبح کے بغیر مر گئی اس کی جلد کو ایسی چیز سے دباغت کی گئی جس کی کوئی قیمت نہیں اگر اس کی قیمت ہو تو مرتہن کے لیے اس کے روکنے کا حق ثابت ہو جائے گا اس کے بدلے میں جو اس کی دباغت نے اس کی قدر میں اضافہ کیا۔

ساوی العشرة یہ بطور اتفاق واقع ہوا ہے۔ کیونکہ جب اس کا کیل اس کے حال پر باقی رہے اور اس کی قیمت کم ہو گئی تو رہن میں سے کوئی شے باقی نہ رہے گی۔ کیونکہ فوت ہونے والی چیز محض وصف ہے اور کیلی اور وزنی چیزوں میں اس کے فوت ہونے سے رہن میں سے کوئی شے ساقط نہیں ہوتی۔ لیکن راہن کو اختیار ہوگا جس طرح کنگن ٹوٹ جائے اگر راہن چاہے تو تمام رہن کے عوض اس کو ناقص چھڑا لے اگر چاہے تو ضمانت لے لے اور اس کی قیمت شیخین کے نزدیک رہن ہوگی۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک ناقص چھڑا لے گا یا اسی کو رہن کے بدلے رہن کر دے گا جس طرح ”شرح الکافی“ میں ہے۔ اگر اس کی قیمت کم نہ ہو تو اسے اختیار نہیں ہوگا پس وہ رہن کے طور پر باقی نہیں رہے گا جس طرح وہ تھا، ”اتقانی“ و ”عنایہ“۔

34641۔ (قوله: وَإِلَّا فَلَا) کیونکہ بھاؤ کے کم ہونے کا اعتبار نہیں ہوگا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

34642۔ (قوله: هَذَا) اسم اشارہ کا مشار الیہ وہ ہے جو قیمت کے دین کے مساوی ہونے کا مفہوم ہے۔

34643۔ (قوله: لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ قِيَمَتُهَا أَكْثَرُ مِنَ الدِّينِ) جس طرح جب رہن دس ہو اور بکری بیس کی ہو اور جلد

ایک درہم کی ہو۔ پس جلد نصف درہم میں رہن ہوگی۔ کیونکہ بکری کے ہر درہم کے مقابلہ میں رہن کا نصف درہم ہے۔ پس جلد نصف درہم کے عوض میں رہن ہوگی اور گوشت کے مقابلہ میں زائد نصف ساقط ہو جائیں گے۔ اگر اس کی قیمت رہن سے کم ہو اس کی صورت یہ ہے کہ بکری پانچ کے بدلے میں ہو اور جلد ایک کے بدلے میں ہو تو جلد چھ کے بدلے میں رہن ہوگی جب اس کے بعد جلد ہلاک ہو جائے تو وہ ایک درہم کے عوض ہلاک ہوگی۔ پس وہ راہن سے رہن میں سے باقی ماندہ پانچ کا مطالبہ کرے گا۔ اس کی مکمل وضاحت ”کفایہ“ وغیرہ میں ہے۔

34644۔ (قوله: بِلَا ذَنْبٍ) مگر جب اس کو ذبح کیا جائے تو مکمل کی مکمل مضمون ہوگی، ”ط“۔

34645۔ (قوله: بِمَالٍ لَا قِيَمَةَ لَهُ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس کی مٹی سے دباغت کرے یا سورج میں خشک

کرے، ”معراج“۔

وَهَلْ يَبْطُلُ الرِّهْنُ؟ قَوْلَانِ (وَهُوَ) أَمَّا الْجِلْدُ (يُسَاوِي دِرْهَمًا فَهُوَ رَهْنٌ بِهِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا مَاتَتْ الشَّاةُ السَّبِيْعَةُ قَبْلَ الْقَبْضِ فَدُبِغَ جِلْدُهَا) حَيْثُ لَا يَعُودُ الْبَيْعُ بِقَدْرِهِ عَلَى الْمَشْهُورِ وَالْفَرْقُ أَنَّ الرِّهْنَ يَتَقَرَّرُ بِالْهَلَاكِ وَالْبَيْعُ قَبْلَ الْقَبْضِ يُمْسَخُ بِهِ (وَلَوْ أَبْقَى عَبْدُ الرِّهْنِ وَجُعِلَ الْعَبْدُ بِالْذَّيْنِ

کیا رہن باطل ہو جائے گا۔ اس بارے میں دو قول ہیں۔ وہ جلد ایک درہم کے مساوی ہے۔ پس وہ اس کے بدلے میں رہن ہوگی۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ بکری قبضہ سے پہلے مرگئی جسے بیچا گیا تھا۔ پس اس کی جلد کی دباغت کی گئی تو مشہور قول کے مطابق اس کے حساب سے بیع نہیں لوٹے گی۔ فرق یہ ہے رہن ہلاک ہونے کے ساتھ ثابت ہو جاتا ہے اور بیع قبضہ سے پہلے موت کی صورت میں فسخ ہو جاتی ہے۔ اگر رہن کا غلام بھاگ گیا اور غلام کو دین کے بدلے میں بنادیا گیا

34646۔ (قوله: وَهَلْ يَبْطُلُ الرِّهْنُ قَوْلَانِ) ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ باطل ہو جائے گا اور جلد اس قیمت کے بدلے میں رہن ہوگی دباغت نے اس میں جس کا اضافہ کیا ہے یہاں تک اگر رہن وہ ادا کر دے تو وہ جلد لے لے گا۔ کیونکہ وہ دوسرے دین کے عوض حکماً مرہون ہوگا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ باطل نہیں ہوگا۔ کیونکہ شے اس چیز کے بدلے میں باطل ہوتی ہے جو اس کی مثل ہو یا اس سے خاص ہوا اپنے سے کم کے ساتھ باطل نہیں ہوتی۔ یہاں دوسرا رہن سے پہلے سے درجہ میں کم ہے۔ کیونکہ جلد کو روکنے کا حق اس مالیت کی وجہ سے ثابت ہوا ہے جو دباغت کے حکم سے جلد کے ساتھ متصل ہے جب کہ یہ مالیت جلد کے تابع ہے اور پہلا رہن یہ اس کے بدلے میں ہے جو بذات خود اصل ہے جو دین ہے۔ پس وہ اقویٰ ہے۔ پس وہ دوسرے سے نہیں ختم ہوگا اور دوسرا بھی ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کا رد کرنا ممکن نہیں، ”کفایہ“، ملخص۔

34647۔ (قوله: وَهُوَ يُسَاوِي دِرْهَمًا) مراد رہن کے دن۔ مگر جب اس کی قیمت دو درہم ہوں تو وہ دو درہم کے عوض رہن ہوگا اس کو اس طریقہ سے پہچانا جاسکتا ہے کہ وہ بکری جو زندہ ہے اور جس بکری سے چمڑا اتار دیا گیا ہے کی قیمت کو دیکھا جائے گا۔ اگر اس کی زندہ حالت میں قیمت دس ہو اور چمڑہ اتارنے کے بعد اس کی قیمت نو ہو تو رہن رکھنے اور چمڑے کی قیمت ایک درہم ہوگی۔ اگر چمڑہ اتارنے کی صورت میں اس کی قیمت آٹھ ہو تو اس کی قیمت دو درہم ہوگی۔ ”عنایہ“۔

34648۔ (قوله: عَلَى الْمَشْهُورِ) یہ عام لوگوں کا قول ہے۔ مشائخ میں سے کچھ علماء نے کہا: بیع لوٹ آئے گی جس طرح عقد رہن لوٹ آتا ہے۔ ”اتقانی“۔

34649۔ (قوله: يَتَقَرَّرُ بِالْهَلَاكِ) کیونکہ مرہن ہلاک ہونے کے ساتھ اپنے حق کو پورا وصول کرنے والا ہے۔ پس عقد رہن متاكد ہو جائے گا جب دباغت کے ساتھ مالیت لوٹ آئی تو اس نے ایسے عقد کو پایا جو قائم تھا۔ پس اس میں اس کا حکم اس کی قسط کے ساتھ ثابت ہو جائے گا۔ ”اتقانی“۔

34650۔ (قوله: يُفْسَخُ بِهِ) یعنی ہلاک ہونے کے ساتھ بیع ٹوٹ جاتی ہے اور ٹوٹ جانے کے بعد کوئی لوٹنا نہیں۔

34651۔ (قوله: وَجُعِلَ الْعَبْدُ) یہ مجہول کا صیغہ ہے۔ یعنی راہن اور قاضی نے غلام کو مرہن کے رہن کے مقابل

کر دیا، ”ط“۔

ثُمَّ عَادَ يَعُودُ الدَّيْنُ وَالرَّهْنُ، خِلَافًا لِزُفَرٍ (وَنَبَاءُ الرِّهْنِ) كَالْوَلَدِ وَالشَّيْرِ وَاللَّبَنِ وَالصُّوفِ وَالْوَبْرِ وَالْأَرْضِ
وَنَحْوِ ذَلِكَ (لِلْمَرَاهِنِ) لِتَوَلُّدِهِ مِنْ مِلْكِهِ (وَهُوَ رَهْنٌ مَعَ الْأَصْلِ) تَبَعًا لَهُ (بِخِلَافِ مَا هُوَ بَدَلٌ عَنْ
الْمَنْفَعَةِ كَالْكَسْبِ وَالْأَجْرَةِ) وَكَذَا الْهَبَةُ وَالصَّدَقَةُ (فَإِنَّهَا غَيْرُ دَاخِلَةٍ فِي الرِّهْنِ وَتَكُونُ لِلْمَرَاهِنِ) الْأَصْلُ
أَنَّ كُلَّ مَا يَتَوَلَّدُ مِنْ عَيْنِ الرِّهْنِ يَسْرِي إِلَيْهِ حُكْمُ الرِّهْنِ وَمَا لَا فَلَا مَجْبَعُ الْفَتَاوَى (وَإِذَا هَلَكَ النَّبَاءُ
الْبَذْكُورُ (هَلَكَ مَجَانًا) لِأَنَّهُ لَمْ يَدْخُلْ تَحْتَ الْعَقْدِ مَقْصُودٌ

پھر وہ غلام لوٹ آیا تو دین اور عقد رہن لوٹ آئیں گے۔ امام ”زفر“ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ اور رہن کا نما جیسے بچہ، پھل، دودھ، روئی، بال، چٹی وغیرہ راہن کے ہوں گے۔ کیونکہ یہ اس کی مملوکہ چیز سے پیدا ہوتے ہیں جب کہ یہ نما اپنے اصل کے ساتھ اس کی تبع میں رہن ہوگا۔ جو منفعت کا بدل ہے اس کا معاملہ مختلف ہے جیسے کسب اور اجرت۔ اسی طرح ہبہ اور صدقہ ہے۔ یہ رہن میں داخل نہیں۔ پس وہ راہن کی ہوں گی۔ قاعدہ یہ ہے ہر وہ چیز جو عین رہن سے پیدا ہوتی ہے رہن کا حکم اس کی طرف سرایت کرتا ہے۔ اور جو عین رہن سے پیدا نہیں ہوتا تو رہن کا حکم اس کی طرف سرایت نہیں کرتا، ”مجمع الفتاویٰ“۔ جب مذکورہ نما ہلاک ہو جائے تو وہ بغیر عوض کے ہلاک ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ نما عقد کے تحت بطور مقصود داخل نہیں۔

34652۔ (قوله: يَعُودُ الدَّيْنُ) دین لوٹ آئے گا مگر بھاگ جانے کے عیب سے جو نقصان واقع ہوا ہے جس طرح اس کا ذکر آئے گا، ”ط“۔ بعض نسخوں میں يعود الرهن ہے اور بعض نسخوں میں يعود الدين في الرهن۔ رہن کی بڑھوتری کا حکم

34653۔ (قوله: وَهُوَ رَهْنٌ مَعَ الْأَصْلِ) پس راہن کے لیے اسے مجبوس رکھنے کا حق ہے۔

نوٹ: شرح میں راہن لکھا ہوا ہے صحیح مرہن ہے، ”مترجم“۔

دین ان دونوں پر ان دونوں کی قیمت کے حساب سے تقسیم ہو جائے گا۔ شرط یہ ہے کہ رہن کو چھوڑنے تک نما باقی رہے۔ اگر وہ اس سے پہلے ہلاک ہو جائے تو اس کے مقابلہ میں کوئی شے ساقط نہ ہوگی۔ اور اسے یوں بنادیا جائے گا گویا وہ تھی ہی نہیں جس طرح عنقریب اس کی وضاحت کریں گے۔

ہر وہ چیز جو عین رہن سے پیدا ہوتی ہے رہن کا حکم اس طرف سرایت کرتا ہے

34654۔ (قوله: الْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَا يَتَوَلَّدُ مِنْ عَيْنِ الرِّهْنِ) قاعدہ یہ ہے ہر وہ چیز جو عین راہن سے پیدا ہو یا

رہن کے اجزاء میں سے کسی جز کے بدلے میں ہو جیسے چٹی اور عنقر ہے، ”ہندیہ“۔

34655۔ (قوله: هَلَكَ مَجَانًا) وہ بغیر عوض کے ہلاک ہوگا مگر چٹی کے۔ کیونکہ جب وہ ہلاک ہو جائے گا تو رہن میں

سے وہ ساقط ہو جائے گا جو اس کے بالمقابل ہوگا۔ کیونکہ یہ اس کے جز کا بدل ہے۔ پس یہ مبدل کا قائم مقام ہوگا۔ ”تہستانی“ میں اسی طرح ہے، ”ح“۔

(وَإِذَا بَقِيَ) النَّبَأُ أَمَّا وَلَوْ حُكْمًا بِأَنْ أَكَلَ بِالِإِذْنِ فَإِنَّهُ لَا يُسْقِطُ حِصَّةَ مَا أَكَلَ مِنْهُ فَيَرْجِعُ بِهِ عَلَى الرَّاهِنِ، كَمَا إِذَا هَلَكَ الْأَصْلُ بَعْدَ الْأَكْلِ فَإِنَّهُ يُقَسَّمُ الدَّيْنُ عَلَى قِيَمَتَيْهِمَا قَهْشَتَانِ ذَكَرَهُ بِقَوْلِهِ (بَعْدَ هَلَكَ الْأَصْلِ فَلَمْ يَحْصَتْهِ) مِنَ الدَّيْنِ لِأَنَّهُ صَارَ مَقْصُودًا بِالْفِكَالِ، وَالتَّبَعُ يُقَابِلُهُ شَيْءٌ إِذَا كَانَ مَقْصُودًا (وَحِينَئِذٍ) يُقَسَّمُ الدَّيْنُ عَلَى قِيَمَتِهِ

جب نما باقی رہ جائے اگرچہ حکماً ہو اس کی صورت یہ ہے کہ اجازت کے ساتھ اس کو کھایا جائے تو اس میں سے جو کھایا گیا اس کا حصہ ساقط نہیں ہوگا۔ پس اس کا راہن سے مطالبہ کیا جائے گا جس طرح جب کھانے کے بعد اصل ہلاک ہو جائے۔ کیونکہ دین کو ان دونوں کی قیمت پر تقسیم کر دیا جائے گا ”قہستانی“۔ جس طرح اس کا ذکر اس قول کے ساتھ کیا ہے: اصل کے ہلاک ہونے کے بعد رہن میں سے اس کے حصہ کے ساتھ آزاد کر دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ چھڑانے کے ساتھ مقصود بن چکا ہے۔ اور تبع کے مقابل کوئی شے ہوتی ہے جب وہ مقصود ہو اور اس وقت دین کو اس کی اس قیمت پر تقسیم کیا جائے گا جو آزاد کرنے کے وقت اس کی قیمت تھی

34656۔ (قوله: أَمَّا وَلَوْ حُكْمًا) اس کی تعلیم کی تصریح عنقریب مصنف اپنے آنے والے قول میں کریں گے:

وان لم يفتك الرهن الخ۔

34657۔ (قوله: كَمَا إِذَا هَلَكَ الْأَصْلُ بَعْدَ الْأَكْلِ) ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے اپنے پہلے قول: بان اكل بالاذن

سے اس کے برعکس ارادہ کیا وہ یہ ہے: جب اس نے اصل کے ہلاک ہونے کے بعد کہا: اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ہلاک ہو جائے اور اس کا نما باقی رہ جائے جیسے پھل ہے پھر وہ اس کو کھائے ورنہ ایک شے اسی کی ذات سے تشبیہ دینی ہے۔ ”قہستانی“ کی عبارت یہ ہے: اگر اصل ہلاک ہو جائے اور نما باقی رہ جائے اگرچہ حکماً باقی ہے جس طرح جب رہن یا مرہن یا اجنبی، نما میں سے اجازت کے ساتھ کھائے تو اس میں سے جو حصہ اس نے کھایا ہے اس کا حصہ ساقط نہیں ہوگا۔ پس وہ راہن سے اس کا مطالبہ کرے گا جس طرح کھانے کے بعد اصل ہلاک ہو جائے۔ پس رہن ان دونوں کی قیمت پر تقسیم کیا جائے گا اور اس نے جو کھایا ہے اس کی قیمت کا مطالبہ راہن سے کیا جائے گا۔ یہ سب ”شرح الطحاوی“ میں ہے۔

34658۔ (قوله: ذَكَرَهُ بِقَوْلِهِ) ضمیر منصوب کا جو مرجع ہے اس میں غور کیجئے۔

34659۔ (قوله: فَلَمْ يَحْصَتْ) یعنی نما اپنے حصہ کے مطابق۔ اگر اصل کے ہلاک ہونے کے بعد نما بھی ہلاک ہو جائے تو

بغیر کسی شے کے ہلاک ہو جائے گا گویا وہ نما تھا ہی نہیں اور تمام رہن اموال کے ہلاک ہونے کے ساتھ ہلاک ہو جائے گا۔ اس کی مکمل وضاحت ”غرر الافکار“ میں ہے۔

34660۔ (قوله: وَالتَّبَعُ يُقَابِلُهُ شَيْءٌ إِذَا كَانَ مَقْصُودًا) جیسے بیع کا بچہ بے شک یہ تبعاً بیع ہوگا اور ثمن میں سے

اس کا حصہ نہیں ہوگا۔ مگر جب وہ قبضہ کے ساتھ مقصود ہو جائے، ”معراج“۔

يَوْمَ الْفِكَاكِ وَقِيَمَةُ الْأَصْلِ يَوْمَ الْقَبْضِ، وَيَسْقُطُ مِنَ الدَّيْنِ حِصَّةُ الْأَصْلِ وَفُكَّ النَّبَاءُ بِحِصَّتِهِ كَمَا لَوْ كَانَ الدَّيْنُ عَشْرَةَ وَقِيَمَةُ الْأَصْلِ يَوْمَ الْقَبْضِ عَشْرَةً وَقِيَمَةُ النَّبَاءِ يَوْمَ الْفِكَاكِ خَمْسَةٌ فَثُلُثُ الْعَشْرِ حِصَّةُ الْأَصْلِ فَيَسْقُطُ وَثُلُثُ الْعَشْرِ حِصَّةُ النَّبَاءِ فَيُفَكُّ بِهِ (وَلَوْ أَذِنَ الرَّاهِنُ لِلْمُرْتَهِنِ فِي أَكْلِ الزَّوَائِدِ) أَمَّا أَكْلُ زَوَائِدِ الرِّهْنِ بَأَن قَالَهُ مَهْمَا زَادَ فَكُلَّهُ (فَاكْلَهَا) ظَاهِرُهُ يَعْنِي أَكْلَ ثَمَنِهَا، وَبِهِ أَفْتَى الْمُصَنِّفُ قَالًا إِلَّا أَنَّ يُوجَدَ نَقْلٌ يُخَصِّصُ حَقِيقَةَ الْأَكْلِ فَيَتَّبَعُ (فَلَا ضَمَانٌ عَلَيْهِ) أَمَّا عَلَى الْمُرْتَهِنِ،

اور اصل کی اس قیمت پر تقسیم کیا جائے گا جو قبضہ کے دن تھی۔ اور دین میں سے اصل کے حصہ کو ساقط کر دیا جائے گا اور نما کو اس کے حصے کے بدلے میں چھڑا دیا جائے گا۔ جس طرح اگر دین دس تھا اور اصل کی قیمت قبضہ کے روز دس تھی اور آزاد کرنے کے وقت نما کی قیمت پانچ تھی۔ پس دس کے دو تہائی اصل کا حصہ ہے۔ پس وہ ساقط ہو جائے گا اور دس کا ایک تہائی یہ نما کا حصہ ہے۔ پس اس کو آزاد کر دیا جائے گا۔ اگر راہن مرتہن کو زوائد کے کھانے کی اجازت دے یعنی رہن کے زوائد کے کھانے کی اجازت دے اس کی صورت یہ ہے کہ اسے کہے: جو زائد ہو تو اس کو کھاؤ تو اس نے اس کو کھایا۔ اس قول کا ظاہر معنی یہ ہے کہ وہ اس کی ثمن کھائے۔ مصنف نے اس کے بارے فتویٰ دیا ہے۔ کہا: مگر ایسا منقول قول پایا جائے جو کھانے کی حقیقت کو خاص کر دے پس اس کی پیروی کی جائے گی۔ پس مرتہن پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔

34661۔ (قوله: يَوْمَ الْفِكَاكِ) کیونکہ آزاد کرانے کے ساتھ وہ مضمون ہو چکا ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس سے پہلے ہلاک ہو جائے تو وہ بغیر عوض کے ہلاک ہو جائے گا۔ ”عنایہ“۔

34662۔ (قوله: يَوْمَ الْقَبْضِ) کیونکہ یہ قبضہ کرنے کے ساتھ مضمون ہو چکا ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے، ”عنایہ“۔

34663۔ (قوله: فَيَسْقُطُ) یعنی اصل کے ہلاک ہونے کے سبب ساقط ہو جائے گا۔

34664۔ (قوله: وَبِهِ أَفْتَى الْمُصَنِّفُ) کیونکہ اس آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے کھجور کے درخت رہن کے طور پر رکھے اور مرتہن کے لیے اس کے پھلوں کو مباح کر دیا کیا مرتہن ان کو بیچنے کا مالک ہے اور اس سے مال حاصل کر سکتا ہے یا صرف خود ہی کھا سکتا ہے؟

اس کا جواب دیا ان کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اسے مطلقاً تصرف کا حق حاصل ہے۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ ان کے قول فاکلھا سے مراد اس کو کھانا یا اس کی ثمن کو کھانا ہے مگر کوئی صریح قول پایا جائے جو دوسروں کے علاوہ صرف اس کے کھانے کی تخصیص کرے۔ یہ ”حاشیۃ الحموی“ سے ماخوذ ہے، ”ملخص“۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ معنی حقیقی وہ ظاہر ہے اور اعم ہونے کا مدعی دلیل کا محتاج ہے۔

میں کہتا ہوں: شارح عنقریب ”جواہر“ سے اس کو ذکر کریں گے اگر وہ اس کے ذات کے لیے مباح کرے تو اسے یہ حق حاصل نہیں کہ اسے اجرت پردے، تامل۔

لَأَنَّهُ أَتْلَفَهُ بِإِذْنِ الْمَالِكِ وَالْإِطْلَاقُ يَجُوزُ تَغْلِيْقُهُ بِالشَّرْطِ وَالْخَطَرِ، بِخِلَافِ التَّمْلِيكِ (وَلَا يَسْقُطُ شَيْءٌ مِنَ الدَّيْنِ) قَالَ فِي الْجَوَاهِرِ رَجُلٌ رَهْنًا دَارًا وَأَبَاةَ السُّكْنَى لِنِسْرَتِهِمْ فَوَقَعَ بِسُكْنَاهُ خَلًّا وَخَرِبَ الْبَعْضُ لَا يَسْقُطُ شَيْءٌ مِنَ الدَّيْنِ لِأَنَّهُ لَمَّا أَبَاةَ لَهُ السُّكْنَى أَخَذَ حُكْمَ الْعَارِيَّةِ، حَتَّى لَوْ أَرَادَ مَنْعَهُ كَانَ لَهُ ذَلِكَ وَفِي الْمَضْمَرَاتِ وَلَوْ رَهْنًا شَاءَ فَقَالَ لَهُ الرَّاهِنُ كُلِّ وَلَدَهَا وَاشْرَبْ لَبَنَهَا فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ، وَكَذَا لَوْ أُذِنَ لَهُ فِي شَرْعَةِ الْبُسْتَانِ فَصَارَ أَكْلُهُ كَأَكْلِ الرَّاهِنِ ثُمَّ نُقِلَ عَنِ التَّهْذِيبِ أَنَّهُ يُكْرَهُ لِنِسْرَتِهِمْ أَنْ يَنْتَفِعَ بِالرَّهْنِ وَإِنْ أُذِنَ لَهُ الرَّاهِنُ

کیونکہ اس نے مالک کی اجازت سے اس کو تلف کیا ہے۔ اور اطلاق کو شرط اور خطر کے ساتھ معلق کرنا جائز ہے۔ تملیک کا معاملہ مختلف ہے۔ اور دین میں سے کوئی شے ساقط نہ ہوگی۔ ”جواہر“ میں کہا: ایک آدمی نے ایک گھر رہن رکھا اور مرتہن کے لیے رہائش کو مباح کیا۔ پس اس کی رہائش کی وجہ سے اس میں خلل واقع ہو گیا اور بعض خراب ہو گیا تو دین میں سے کوئی شے ساقط نہ ہوگی۔ کیونکہ جب اس کے لیے رہائش کو مباح کیا تو وہ عاریہ کا حکم لے گا۔ یہاں تک کہ اگر وہ اس سے منع کا ارادہ کرے تو اسے یہ حق حاصل ہوگا۔ ”مضمورات“ میں ہے: اگر ایک آدمی نے بکری رہن کے طور پر رکھی تو راہن نے اس کو کہا: اس کا بچہ کھاؤ اور اس کا دودھ پیو تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر وہ اسے باغ کے پھل کے بارے میں اجازت دے تو اس کا کھانا راہن کے کھانے کی طرح ہوگا۔ پھر ”تہذیب“ سے نقل کیا گیا کہ مرتہن کے لیے یہ مکروہ ہے کہ وہ رہن سے نفع اٹھائے اگرچہ راہن اس کی اجازت دے۔

”سامحانی“ نے کہا: میں کہتا ہوں: اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ زوائد ماکولہ کو کھانے سے مراد ان کی ذات کو کھانا ہے ان کے بدل کو کھانا نہیں۔ یہ بدیہی امر ہر کسی کے لیے واضح ہے۔ ہاں یہ امر ظاہر ہوگا جب وہ ان چیزوں میں سے ہو جن کو نہیں کھایا جاتا جس طرح ”رحمتی“ نے ذکر کیا ہے۔

34665۔ (قوله: لَأَنَّهُ أَتْلَفَهُ بِإِذْنِ الْمَالِكِ) اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے تو اگر اس نے اجازت کے بغیر اس کو تلف کیا تو وہ ضامن ہوگا اور قیمت بکری کے ساتھ رہن ہوگی۔ اسی طرح کا حکم ہوگا جب رہن مرتہن کی اجازت کے بغیر یہ فعل کرے۔ ”عنایہ“۔

34666۔ (قوله: وَالْإِطْلَاقُ) یعنی مراد مباح کرنا ہے، ”ح“۔

34667۔ (قوله: يَجُوزُ تَغْلِيْقُهُ) کیونکہ یہ تملیک نہیں۔ ”اتقانی“۔

34668۔ (قوله: بِالشَّرْطِ) وہ یہاں ان کا یہ قول ہے: مہمازادہ فکھ۔

34669۔ (قوله: وَالْخَطَرِ) یہ خا اور طا کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد ہلاک کے قریب ہونا ہے جس طرح ”قاموس“

اور ”مغرب“ میں ہے۔ یہاں اس سے مراد جو وجود اور عدم کا احتمال رکھے۔ پس یہ شرط کے معنی میں ہے۔ تامل

قَالَ الْمُصَنِّفُ وَعَلَيْهِ يُحْمَلُ مَا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْلَمٍ مِنْ أَنَّهُ لَا يَحِلُّ لِلْمُرْتَهِنِ ذَلِكَ وَلَوْ بِالِإِذْنِ لِأَنَّهُ رَبًّا قُلْتُ وَتَعْلِيلُهُ يُفِيدُ أَنَّهَا تَحْرِيبِيَّةٌ فَتَأْمَلُهُ (وَإِنْ لَمْ يَفْتَكْ) الرَّاهِنُ (الرَّهْنُ) بَلْ بَقِيَ عِنْدَ الْمُرْتَهِنِ عَلَى حَالِهِ (حَتَّى لَوْ هَلَكَ) الرَّهْنُ كَمَا فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ (قُسِمَ الدَّيْنُ عَلَى قِيَمَةِ النَّعَاءِ) أَيْ الزِّيَادَةِ (الَّتِي أَكَلَهَا) الْمُرْتَهِنُ وَعَلَى قِيَمَةِ الْأَصْلِ، فَمَا أَصَابَ الْأَصْلَ سَقَطَ وَمَا أَصَابَ الزِّيَادَةَ أَخَذَهُ الْمُرْتَهِنُ مِنَ الرَّاهِنِ كَمَا فِي الْهَدَايَةِ وَالْكَافِي وَالْخَانِيَّةِ وَغَيْرِهَا وَفِي الْجَوَاهِرِ الْأَصْلُ أَنَّ الْإِتْلَافَ بِإِذْنِ الرَّاهِنِ كِإِتْلَافِ الرَّاهِنِ بِنَفْسِهِ لِتَسْلِيطِهِ، وَفِيهَا أَبَاحَ لِلْمُرْتَهِنِ نَفْعَهُ هَلْ لِلْمُرْتَهِنِ أَنْ يُوجِرَهُ؟

مصنف نے کہا: ”محمد بن اسلم“ سے جو قول مروی ہے اسے اس پر محمول کیا جائے گا کہ مرتہن کے لیے یہ حلال نہیں اگرچہ اجازت کے ساتھ ہو۔ کیونکہ یہ ربا ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کی تعلیل اس امر کا فائدہ دیتی ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے پس اس میں غور کیجئے۔ اگر راہن رہن کو آزاد نہ کروائے بلکہ وہ مرتہن کے پاس اپنے حال پر باقی رہے یہاں تک کہ رہن ہلاک ہو جائے جس طرح وہ مرتہن کے قبضہ میں ہو تو راہن کو اس زیادتی پر جسے مرتہن نے کھایا ہوگا اور اصل کی قیمت پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور جو اصل کو پائے گا وہ ساقط ہو جائے گا اور جو زیادتی کو پائے گا اسے مرتہن راہن سے وصول کر لے گا جس طرح ”ہدایہ“، ”کافی“ اور ”خانیہ“ وغیرہا میں ہے۔ ”جواہر“ میں ہے: اصل یہ ہے راہن کی اجازت سے اس کو تلف کرنا اس طرح ہے جس طرح راہن خود اس کو تلف کرے۔ کیونکہ اس نے اسے مسلط کیا تھا۔ اس میں ہے: اس نے مرتہن کے لیے اس کا نفع مباح کیا۔ کیا مرتہن کے لیے یہ جائز ہے کہ اسے اجرت پر دے دے؟

34670۔ (قوله: وَعَلَيْهِ يُحْمَلُ الْخ) اس کی صورت یہ ہے کہ نفی حل سے مراد کراہت لی جائے۔

34671۔ (قوله: مَا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْلَمٍ) جو ”المنح“ کے کتاب الرہن کے آغاز میں ہے وہ ”عبداللہ بن محمد بن مسلم“ ہے، ”ح“۔

میں کہتا ہوں: ہم نے پہلے وہاں جو ”المنح“ سے نقل کیا ہے اور اس کی مثل اس کے علاوہ میں نقل کیا ہے وہ اس کے موافق ہے جو یہاں ہے۔ شاید نسخے مختلف ہیں۔

34672۔ (قوله: قُلْتُ الْخ) اس کا ظاہر یہ ہے کہ اجازت کے ساتھ کراہت کے قول کو تسلیم کر لیا جائے اور یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ ربا ہے۔ اس کا مقتضایہ ہے کہ اس پر ضمانت ہے۔ لیکن کتاب الرہن کے شروع میں جو ہم پہلے ”المنح“ سے نقل کر چکے ہیں کہ یہ عام معتبر کتابوں کے خلاف ہے۔ اس کی مکمل وضاحت گزر چکی ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

34673۔ (قوله: وَمَا أَصَابَ الزِّيَادَةَ) جیسے سابقہ مثال میں دس کا ایک تہائی ہے۔

34674۔ (قوله: كِإِتْلَافِ الرَّاهِنِ بِنَفْسِهِ) رہن میں سے جو اس کے مقابل ہے وہ ساقط نہیں ہوگا لیکن مرتہن پر اس کی ضمانت نہیں۔ جو اس کے قبضہ میں ہلاک ہو اس کا معاملہ مختلف ہے۔

قَالَ لَا، قِيلَ فَلَوْ أَجَرَهُ وَمَضَتْ الْمُدَّةُ فَلَا جُرْعَةَ لَهُ أَمْ لِلرَّاهِنِ؟ قَالَ لَهُ إِنَّ أَجْرَهُ بِلَا إِذْنٍ، وَإِنْ بِإِذْنٍ فَلِلرَّاهِنِ وَبَطَلَ الرِّهْنُ وَفِيهَا رَهْنٌ كَرَّمَ مَا وَتَسَلَّمَ الرُّتْهَنُ ثُمَّ دَفَعَهُ لِلرَّاهِنِ لِيَسْقِيَهُ وَيَقُومَ بِبَصَالِحِهِ لَا يَبْطُلُ الرِّهْنُ رَهْنٌ كَرَّمَ مَا وَأَبَاحَ شِرْكَهُ ثُمَّ بَاعَ الْكَرَّمَ فَقَبِضَ الرُّتْهَنُ الشَّمْنَ، إِنَّ شِرْكَهُ حَصَلَ بَعْدَ الْبَيْعِ فَلِلْمُشْتَرِي، وَإِنْ قَبْلَهُ فَلِلرَّاهِنِ إِنْ قَضَى دَيْنَ الرُّتْهَنِ وَإِلَّا يَكُونُ رَهْنًا وَيُجْعَلُ الْبَيْعُ رُجُوعًا عَنِ الْإِبَاحَةِ فَإِنَّهَا تَقْبَلُ الرُّجُوعَ

کہا: نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر وہ اسے اجرت پر دے دے اور مدت گزر جائے تو کیا اجرت مرتہن کے لیے ہوگی یا راہن کے لیے ہوگی؟ کہا: اجرت مرتہن کے لیے ہوگی اگر مرتہن نے اجازت کے بغیر اسے اجرت پر دیا۔ اگر اجازت کے ساتھ اجرت پر دیا تو وہ مالک کے لیے ہوگی۔ اور پس عقد رہن باطل ہو جائے گا۔ اس میں ہے: ایک آدمی نے بیل رہن کے طور پر دی اور مرتہن نے اس کو اپنے قبضہ میں لے لیا پھر اس نے وہ راہن کو دے دیا تاکہ وہ ان کو پانی دے اور اس کے مصالح کو بجالائے تو عقد رہن باطل نہیں ہوگا۔ ایک آدمی نے انگوڑی بیل رہن رکھیں اور اس کا پھل مباح کر دیا پھر بیل بیچ دیں۔ پس مرتہن نے شمن پر قبضہ کر لیا۔ اگر اس کا پھل بیچ کے بعد حاصل ہوا تو وہ مشتری کا ہوگا۔ اگر اس سے قبل حاصل ہوا تو وہ راہن کا ہوگا۔ اگر وہ مرتہن کا دین ادا کر دے ورنہ وہ رہن ہوگا۔ اور بیع کو اباحت سے رجوع قرار دے دیا جائے گا۔ کیونکہ اباحت رجوع کو قبول کرتا ہے

34675۔ (قوله: قَالَ لَا الْخ) ”تاترخانیہ“ میں ہے: مرتہن نے مرہون اجنبی کو اجرت پر راہن کی اجازت کے بغیر دیا تو منافع مرتہن کے ہوں گے۔ امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ اس کو صدقہ کر دے گا۔ اسے حق حاصل ہوگا کہ اسے رہن کی طرف لوٹا دے۔

34676۔ (قوله: وَبَطَلَ الرِّهْنُ) یہاں تک کہ مستاجر کے ہاں اس کے ہلاک ہو جانے پر مرتہن کا دین ساقط نہیں ہو گا، ”ط“۔ اور وہ بطور رہن نہیں لوٹے گا مگر اس میں تجدید کرے گا، ”تاترخانیہ“۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر راہن مرتہن کو اجرت پر دے جیسے سابقہ باب میں گزر چکا ہے۔

34677۔ (قوله: وَتَسَلَّمَ الرُّتْهَنُ) مگر جب مرتہن اس کو قبضہ میں نہ لے تو رہن مکمل نہیں ہوگا یا سابقہ اختلاف ہے، بنا پر صحیح نہیں ہوگا، ”ط“۔

34678۔ (قوله: ثُمَّ بَاعَ) یعنی راہن نے بیع کر دی۔

34679۔ (قوله: فَقَبِضَ الرُّتْهَنُ الشَّمْنَ) کیونکہ جب بیع جائز ہوگی تو شمن رہن ہو جائے گی لیکن قبضہ شرط نہیں۔ کیونکہ وہ رہن ہو جائے گی اگرچہ قبضہ نہ کرے جس طرح سابقہ باب کے شروع میں ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

34680۔ (قوله: وَإِلَّا يَكُونُ رَهْنًا) یعنی بیع کی شمن کے ساتھ جس کو اس نے قبضہ میں لیا، ”ط“۔

كَمَا مَرَّ فِيهَا زِمَاعُ الرُّهْنِ، إِنَّ أُبِيحَ لَهُ الْإِسْتِفَاعُ لَا يَجِبُ شَيْءٌ، وَإِنْ لَمْ يُبَحْ لَزِمَهُ نَقْصَانُ الْأَرْضِ وَضَمَانُ الْمَاءِ لَوْ مِنْ قَنَاةٍ مَبْلُوكَةٍ فَلْيُحْفَظْ زِمَاعُ الرَّاهِنِ أَوْ غَرَسَهَا بِإِذْنِ الرُّهْنِ يَنْبَغِي أَنْ تَبْقَى رَهْنًا وَلَا يَبْطُلُ الرُّهْنُ فَتَنْبَغِي اسْتَحَقُّ الرُّهْنِ لَيْسَ لِلرُّهْنِ طَلَبُ غَيْرِهِ مَقَامَهُ اسْتَحَقُّ بَعْضُهُ إِنْ شَاءَ عَا يَبْطُلُ الرُّهْنُ فِيمَا بَقِيَ، وَإِنْ مَفْرُودًا بَقِيَ فِيمَا بَقِيَ وَيُحْبَسُ بِكُلِّ الدَّيْنِ لَكِنْ هَلَكُهُ بِحَصَّتِهِ آجَرَ دَارَهُ لِغَيْرِهِ ثُمَّ رَهْنَهَا مِنْهُ صَحَّ وَبَطَلَتْ الْإِجَارَةُ، وَلَوْ أَرْتَهَنَ ثُمَّ آجَرَهُ مِنْ رَاهِنِهِ

جس طرح پہلے گزر چکا ہے اس میں ہے: مرہن نے رہن کی زمین کو کاشت کیا اگر اس کے لیے نفع حاصل کرنے کو مباح قرار دیا گیا تھا تو اس پر کوئی شے واجب نہ ہوگی۔ اگر اسے مباح نہ کیا گیا ہو تو اس پر زمین کا نقصان اور پانی کی ضمانت لازم ہوگی۔ اگر وہ پانی کی مملوکہ نالی سے لیا گیا تھا۔ پس اس کو یاد رکھا جائے۔ مرہن کی اجازت سے راہن نے زمین کو کاشت کیا یا اس میں درخت لگائے چاہیے کہ وہ رہن ہی رہے۔ پس رہن باطل نہیں ہوگا۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ رہن کے بعض کا کوئی مستحق نکل آیا اگر وہ رہن مشترک ہو تو باقی ماندہ میں رہن باطل ہو جائے گا اگر وہ مشترک نہ ہو تو باقی ماندہ میں رہن باقی رہے گا اور تمام دین کے بدلے میں اس کو مجبوس کر دیا جائے گا لیکن اس کے حصہ کے عوض وہ ہلاک ہو جائے گا۔ ایک آدمی نے اپنا گھر کسی اور کو اجرت پر دیا پھر وہ اس کے ہاں رہن رکھ دیا تو عقد رہن صحیح ہوگا اور اجارہ باطل ہو جائے گا اگر وہ رہن کے طور پر اسے قبول کرے پھر اپنے راہن کو اجرت پر دے دے

34681۔ (قوله: كَمَا مَرَّ) یعنی ان کے قول: حتی لو اراد منعه كان ذلك کے قریب ہی گزرا ہے۔

34682۔ (قوله: لَوْ مِنْ قَنَاةٍ مَبْلُوكَةٍ) یہ قول اس کے خلاف ہے جو مفتی بہ ہے کہ وہ ضامن نہیں ہوگا مگر جس کا وہ محفوظ کرنے کے ساتھ مالک ہو جس طرح کتاب الشرب میں گزر چکا ہے اور نالی کا پانی محفوظ کیا گیا نہیں۔

34683۔ (قوله: يَنْبَغِي أَنْ تَبْقَى رَهْنًا) ”خانیہ“ میں اس کو یقین سے بیان کیا ہے۔ اور کہا: اس نے مرہن کی اجازت سے اس کو کاشت کیا یا اس میں سکونت اختیار کی تو عقد رہن باطل نہیں ہوگا۔ اسے حق حاصل ہوگا کہ وہ اس سے واپس لے لے۔ جب تک وہ راہن کے قبضہ میں ہوگی تو مرہن اس کا ضامن نہیں ہوگا۔

34684۔ (قوله: بَقِيَ فِيمَا بَقِيَ) اشتراک نہ ہونے کی صورت میں باقی ماندہ کو ابتداءً رہن رکھنا صحیح ہے۔

34685۔ (قوله: لَكِنْ هَلَكُهُ بِحَصَّتِهِ) اگرچہ اسکی قیمت میں پورا دین ادا ہو جاتا ہے جس طرح ”خانیہ“ میں ہے۔

34686۔ (قوله: ثُمَّ رَهْنَهَا مِنْهُ) یعنی مستاجر کو رہن کے طور پر دے دیا۔

34687۔ (قوله: وَبَطَلَتْ الْإِجَارَةُ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اجارہ محض عقد رہن کے ساتھ باطل ہو جائے گا جب کہ صورتحال ایسے نہیں ہوتی بلکہ اس پر قبضہ کرنا ضروری ہے جس طرح ”القنیہ“ میں ہے۔ جہاں تک اس کے برعکس کا تعلق ہے اس کی صورت یہ ہے کہ راہن مرہن کو رہن اجرت پر دے تو وہ محض عقد اجارہ کے ساتھ فسخ ہو جائے گا اور اسے نئے سرے

فَالْإِجَارَةُ بَاطِلَةٌ أَبَقَ الرِّهْنُ سَقَطَ الدَّيْنُ كَهَلَاكِهِ، فَإِنْ عَادَ سَقَطَ بِحِسَابِ نَقْصِهِ لِأَنَّ الْإِبْقَاءَ عَيْبٌ حَدَّثَ فِيهِ ثُمَّ لَتَا فَرَعَ مِنَ الزِّيَادَةِ الضَّمْنِيَّةِ ذَكَرَ الزِّيَادَةَ الْقَصْدِيَّةَ فَقَالَ (وَالزِّيَادَةُ فِي الرِّهْنِ تَصَحُّ)

تو اجارہ باطل ہوگا۔ رہن بھاگ گیا تو دین ساقط ہو جائے گا جس طرح اس کے ہلاک ہو جانے سے دین ساقط ہو جاتا ہے۔ اگر وہ لوٹ آئے تو جس قدر اس میں نقص واقع ہوا اس حساب سے دین ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ بھاگ جانا عیب ہے جو اس میں واقع ہوا ہے۔ جب ضمنی زیادتی سے فارغ ہوئے تو قصدی زیادتی کا ذکر کیا اور کہا: رہن میں زیادتی صحیح ہے۔

سے قبضہ کی ضرورت نہیں ہوگی جس طرح ”بزازیہ“ کا کلام اس کو بیان کرتا ہے۔ لیکن ”عمادیہ“ میں ہے کہ اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں یہاں تک کہ اگر وہ ہلاک ہو جائے قبل اس کے وہ اجارہ کے لیے نئے سرے سے قبضہ کرے تو وہ رہن کے ہلاک ہونے کی طرح ہلاک ہوگا۔ یہ امر اشکال کا باعث ہے۔ کیونکہ ”عمادیہ“ میں اس کو ثابت کیا ہے کہ جو چیز غیر کے بدلے میں قابل ضمانت ہو اس پر قبضہ یہ غیر مضمون پر قبضہ کے قائم مقام ہے۔ اس کی مکمل بحث ”شرف غزی“ کے ”حاشیۃ الاشباہ“ میں ہے۔ ہم سابقہ فصل میں ”عنایہ“ سے یہ نقل کر چکے ہیں کہ نیا قبضہ شرط ہے۔

34688۔ (قوله: فَاَلْإِجَارَةُ بَاطِلَةٌ) اجارہ اس طرح ہوگا جس طرح اگر وہ اسے عاریۃ دے یا اس کے پاس

ودیعت رکھے پس عقد رہن باطل نہیں ہوگا۔

تنبیہ

”نہایہ“ میں کہا: امام ”ابوالحسن ماتریدی“ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنا گھر کسی اور شخص کو معلوم شمن کے بدلے میں بیچا اور یہ ایسی بیع ہو جو اس کے حق کو کافی ہو اور دونوں اس پر قبضہ کر لیں پھر وہ اسے مشتری سے اجارہ کے صحیح ہونے کی شرائط کے ساتھ اجارہ پر لے لے اور اس پر قبضہ کر لے اور مدت گزر جائے کیا اس پر اجرت لازم ہوگی۔ فرمایا: نہیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک یہ رہن ہے اور راہن جب مرتہن سے رہن اجرت پر لے لے تو اجرت واجب نہیں ہوگی۔ ”خیر یہ“۔ پھر اس میں ”بزازیہ“ سے وہ قول نقل کیا گیا ہے جو اس کے موافق ہے۔ اس کے بارے میں کئی دفعہ فتویٰ دیا ہے یہ سب ان کے فتاویٰ میں ہے جو ”حامدیہ“ کے نام سے مشہور ہے۔ پس اس کو یاد رکھا جائے کیونکہ اس کا وقوع بہت زیادہ ہے۔

34689۔ (قوله: سَقَطَ بِحِسَابِ نَقْصِهِ) مرتہن کے دین سے اتنا ساقط ہو جائے گا جو بھاگنے کی وجہ سے اس کی

قیمت میں نقص واقع کیا ہے، ”ط“۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ پہلی دفعہ بھاگا ہو جس طرح تعلیل اس کا شعور دلا رہی ہے اگر وہ اس سے بھاگا ہو تو کوئی شے ساقط نہ ہوگی، ”بزازیہ“۔

34690۔ (قوله: ثُمَّ لَتَا فَرَعَ مِنَ الزِّيَادَةِ الضَّمْنِيَّةِ) اس سے مراد رہن کا نما ہے اور ضمنیہ سے مراد وہ ہے جس پر

قصد ارہن واقع نہ ہوا ہو، ”ط“۔

34691۔ (قوله: وَالزِّيَادَةُ فِي الرِّهْنِ تَصَحُّ) اس کی مثال یہ ہے کہ وہ ایک کپڑا اس کے بدلے میں رہن رکھے جو

وَتُعْتَبَرُ قِيَمَتُهَا يَوْمَ الْقَبْضِ أَيْضًا (وَفِي الدَّيْنِ لَا تَصِحُّ خِلَافًا لِثَانِي- وَالْأَصْلُ أَنَّ الْإِلْحَاقَ بِأَصْلِ الْعَقْدِ إِنَّمَا يُتَصَوَّرُ إِذَا كَانَتْ الزِّيَادَةُ فِي مَعْقُودٍ بِهِ أَوْ عَلَيْهِ وَالزِّيَادَةُ فِي الدَّيْنِ لَيْسَتْ مِنْهُمَا (فَإِنْ رَهْنٌ) نُسَخَ الْبَتْنُ وَالشَّرْحُ بِالْفَاءِ مَعَ أَنَّهُ نَبَّهَ فِي شَرْحِهِ

اور اس کی قیمت کا اعتبار قبضہ کے دن کا ہوگا اور دین میں زیادتی صحیح نہیں۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ قاعدہ یہ ہے اصل عقد کے ساتھ الحاق یہ متصور ہوتا ہے جب زیادتی معقود بہ یا معقود علیہ میں ہو اور دین میں زیادتی ان دونوں میں سے نہیں ہے۔ متن اور شرح کے نسخے فا کے ساتھ ہیں ساتھ ہی اپنی شرح میں اس پر متنبہ کیا

دس کے مساوی ہو پھر راہن ایک اور کپڑے کا اضافہ کر دے تاکہ وہ اصل کے ساتھ دس کے بدلے میں رہن ہو، ”عنایہ“۔
34692۔ (قوله: يَوْمَ الْقَبْضِ أَيْضًا) یعنی زیادتی پر قبضہ کے دن جس طرح اصل کی قیمت کا اعتبار اس کے قبضہ کے دن کا ہوتا ہے۔

34693۔ (قوله: وَفِي الدَّيْنِ لَا تَصِحُّ) مراد یہ ہے کہ رہن زیادتی کے بدلے میں مضمون نہیں ہوگا۔ جہاں تک زیادتی کی ذات کا تعلق ہے تو وہ جائز ہے۔

مسئلہ کی صورت یہ ہے وہ اس کے پاس ایک غلام ہزار کے بدلے میں رہن رکھے جو دو ہزار کے مساوی ہو پھر اس سے ایک ہزار روپے قرض کا مطالبہ کرے اس شرط پر کہ غلام دو ہزار کے عوض رہن ہوگا۔ اگر وہ غلام ہلاک ہو جائے تو وہ ایک ہزار کے بدلے ہلاک ہوگا دو ہزار کے بدلے ہلاک نہیں ہوگا۔ اگر وہ اس کو ایک ہزار دے دے اور کہے: میں نے اسے پہلے کے بدلے میں ادا کیے ہیں تو اسے حق حاصل ہوگا کہ وہ غلام واپس لے لے، ”اتقانی“۔

34694۔ (قوله: فِي مَعْقُودٍ) جیسے ثمن یا معقود علیہ جیسے بیع، ”ط“۔

34695۔ (قوله: وَالزِّيَادَةُ فِي الدَّيْنِ لَيْسَتْ مِنْهُمَا) بلکہ اصل دین ان دونوں میں سے نہیں ہے۔ ”العیانہ“ میں

کہا: رہی یہ صورت جب وہ مقصود علیہ نہ ہو تو یہ ظاہر ہے۔ جہاں تک اس صورت کا تعلق ہے کہ وہ معقود بہ نہ ہو تو رہن کے عقد سے پہلے اس کے سبب سے واجب ہے۔ رہن کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ مقصود علیہ ہے کیونکہ وہ عقد رہن سے پہلے محبوس نہیں تھا اور اس کے بعد باقی نہیں رہے گا۔

تمتہ: ”ذخیرہ“ میں کہا: ”عیون“ میں امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے مروی ہے: ایک آدمی نے دو غلام ہزار کے بدلے میں رہن رکھے پھر مرتہن نے کہا: مجھے ان دونوں میں سے ایک کی ضرورت ہے اسے میری طرف لوٹا دے اس نے اسی طرح کر دیا تو باقی ماندہ ہزار کے نصف کے بدلے رہن ہوگا اگر وہ ہلاک ہو جائے تو رہن سے نصف ہلاک ہوگا مگر وہ اس کو پورا ہزار دے کر چھڑوائے گا۔ فلیحفظ

34696۔ (قوله: مَعَ أَنَّهُ) ضمیر سے مراد مصنف ہے۔

عَلَى أَنَّهُ إِنَّمَا عَظَفَهَا بِالْوَاوِ لَا بِالْفَاءِ لِيُفِيدَ أَنَّهَا مَسْأَلَةٌ مُسْتَقِلَّةٌ لَا فَرْعٌ لِلْأَوَّلِ فَتَنَبَّهُ - (عَبْدًا بِأَلْفٍ
فَدَفَعَ عَبْدًا آخَرَ رَهْنًا مَكَانَ الْأَوَّلِ وَقِيَمَةُ كُلِّ) مِنَ الْعَبْدَيْنِ (أَلْفٌ فَلِأَوَّلِ رَهْنٌ حَتَّى يَرُدَّهُ إِلَى الرَّاهِنِ -
وَالْمُرْتَهِنُ فِي الْآخِرِ أَمِينٌ حَتَّى يُجْعَلَ مَكَانَ الْأَوَّلِ) بِأَنْ يَرُدَّ الْأَوَّلُ إِلَى الرَّاهِنِ فَحِينَئِذٍ يَصِيرُ الثَّانِي
مَضْمُونًا (أَبْرَأَ الْمُرْتَهِنُ الرَّاهِنَ عَنِ الدَّيْنِ أَوْ وَهَبَهُ مِنْهُ ثُمَّ هَلَكَ الرُّهْنُ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ هَلَكَ بِغَيْرِ شَيْءٍ)
اسْتِحْسَانًا لِسُقُوطِ الدَّيْنِ

کہ واؤ کے ساتھ عطف کیا ہے فاء کے ساتھ عطف نہیں کیا تا کہ یہ اس امر کا فائدہ دے کہ یہ مستقل مسئلہ ہے پہلے کی فرع نہیں
پس متنبہ ہو جائیے۔ اگر وہ ایک غلام ہزار کے بدلے میں رہن رکھے تو اس نے پہلے غلام کی جگہ دوسرا غلام رہن کے طور پر
دے دیا جب کہ دونوں غلاموں میں سے ہر ایک کی قیمت ہزار ہے تو پہلا رہن ہوگا یہاں تک کہ وہ رہن کی طرف لوٹا دے
اور مرتہن دوسرے میں امین ہوگا یہاں تک کہ اسے پہلے کی جگہ بنا دیا جائے اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے کو رہن کی طرف لوٹا
دیا جائے اس صورت میں دوسرا قابل ضمانت ہوگا۔ مرتہن نے رہن کو دین سے بری کر دیا یا اسے ہبہ کر دیا پھر رہن مرتہن کے
قبضہ میں ہلاک ہو گیا تو بطور استحسان وہ کسی شے کے بغیر ہلاک ہو گیا۔ کیونکہ دین ساقط ہو گیا ہے

34697۔ (قوله: لِيُفِيدَ أَنَّهَا مَسْأَلَةٌ مُسْتَقِلَّةٌ) یہ دوسرے رہن کے ساتھ پہلے رہن کے تبدیل ہونے کے حکم کا

بیان ہے۔

34698۔ (قوله: قِيَمَةُ كُلِّ مِنَ الْعَبْدَيْنِ أَلْفٌ) ”ہدایہ“ میں اسی طرح قید لگائی گئی ہے۔ یہ اتفاقی قید ہے۔ کیونکہ
”تاتر خانہ“ میں ”تجرید“ سے مروی ہے: اگر پہلے کی قیمت پانچ سو اور دوسرے کی قیمت ہزار ہو اور رہن اتنا ہی ہو پس وہ
ہلاک ہو جائے تو وہ ہزار کے بدلے میں ہلاک ہوگا۔ اسی طرح جب دوسرے کی قیمت پانچ سو ہو اور پہلے کی قیمت پانچ سو ہو تو
دوسرا اس کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا تو وہ پانچ سو کے عوض ہلاک ہوگا۔ اسی وجہ سے ”الخانیہ“ میں قید کو ترک کر دیا گیا۔

34699۔ (قوله: حَتَّى يُجْعَلَ مَكَانَ الْأَوَّلِ) کیونکہ پہلا غلام اس کی ضمان میں قبضہ اور رہن کے بدلے میں داخل
ہوا ہے جب کہ یہ دونوں باقی ہیں پس وہ ضمان سے خارج نہیں ہوگا مگر جب وہ قبضہ ختم ہو جائے جب تک رہن باقی ہو جب
پہلا غلام اس کی ضمان میں باقی ہے تو دوسرا اس کی ضمان میں داخل نہیں ہوگا۔ کیونکہ دونوں اس بات پر راضی ہیں کہ دونوں میں
سے ایک ضمان میں داخل ہو جب پہلے کو لوٹائے گا تو دوسرا اس کی ضمان میں داخل ہوگا۔

پھر یہ قول کیا گیا: نیا قبضہ شرط ہے۔ کیونکہ دوسرے غلام پر مرتہن کا قبضہ امانت کا قبضہ ہے اور راہن کا قبضہ اپنا حق وصول
کرنے اور ضمان کا قبضہ ہے۔ پس یہ اس کے قائم مقام نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ شرط نہیں۔ اس کی مکمل بحث
”ہدایہ“ میں ہے۔ ”قبستانی“ نے یہ ذکر کیا ہے پہلا قول ”قاضی خان“ کے نزدیک مختار ہے۔ بعض عقلاء نے یہ بیان کیا ہے
کہ صاحب ”ہدایہ“ کا معمول سب سے بہتر قول کو اختیار کرنا ہے جو ”قاضی خان“ کی عادت کے برعکس ہے اور اس کا مقتضا

إِلَّا إِذَا مَنَعَهُ مِنْ صَاحِبِهِ فَيَصِيرُ غَاصِبًا بِالنَّعْمِ (وَلَوْ قَبِضَ الْمُرْتَهِنُ دَيْنَهُ) كَلَّهُ (أَوْ بَعْضَهُ مِنْ رَاهِنِهِ أَوْ غَيْرِهِ) كَمُتَطَوِّعٍ (أَوْ شَرَى) الْمُتَّهَمُ (بِالدَّيْنِ عَيْنًا أَوْ صَاحَ عَنْهُ) أَيْ عَنْ دَيْنِهِ (عَلَى شَيْءٍ) لِأَنَّهُ اسْتِيفَاءٌ (أَوْ أَحَالَ الرَّاهِنُ مُرْتَهَنَهُ بِدَيْنِهِ عَلَى آخَرَ ثُمَّ هَلَكَ رَهْنُهُ مَعَهُ) أَيْ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ (هَلَكَ بِالدَّيْنِ وَرَدَّ مَا قَبِضَ إِلَى مَنْ أَدَّى) فِي صُورَةِ إِيْفَاءِ رَاهِنٍ

مگر جب وہ اس کو اس کے مالک سے روک دے۔ پس وہ روکنے کے ساتھ غاصب ہو جائے گا۔ اگر مرتہن نے اپنے تمام دین یا بعض دین اپنے راہن یا کسی اور سے قبضہ میں لے لیا جیسے کسی نے بطور احسان اسے قرض ادا کر دیا یا مرتہن نے دین کے بدل میں عین خرید لیا یا اپنے دین کے بارے میں کسی شے پر صلح کر لی۔ کیونکہ یہ پورا پورا حق وصول کرنا ہے یا راہن نے اپنے مرتہن سے اپنے دین کے بدل میں کسی اور سے حوالہ کر دیا پھر مرتہن کے قبضہ میں اس کا رہن ہلاک ہو گیا تو وہ دین کے بدلے میں ہلاک ہوگا اور جو اس نے قبضہ کیا تھا وہ اس شخص کو واپس کر دے جس نے اسے ادا کیا تھا۔ یہ اس صورت میں ہے جب راہن حق ادا کر دے

پہلے قول کی ترجیح ہے، تامل۔

34700۔ (قوله: إِلَّا إِذَا مَنَعَهُ مِنْ صَاحِبِهِ) یعنی اس سے طلب کرنے کے وقت وہ حوالے نہ کرے پھر اس کے بعد ہلاک ہو جائے۔

34701۔ (قوله: أَوْ شَرَى الْمُتَّهَمُ) یعنی مرتہن راہن سے خرید لے۔

34702۔ (قوله: لِأَنَّهُ) کیونکہ شر اور عین پر صلح میں سے ہر ایک اپنے حق کو وصول کرنا ہے، ”عناہ“۔ یعنی جب اقرار کے بعد صلح ہو تو وہ اپنے حق کو پورا پورا وصول کرنا ہوگا۔ کیونکہ خریدنے اور اس سے صلح کرنے کی صورت میں دائن پر اس کی مثل واجب ہوگا، ”کفایہ“۔ یعنی مقاصد کی طریقہ پر ساقط ہو جائے گا۔

34703۔ (قوله: عَلَى آخَرَ) یعنی خواہ راہن کا اس پر رہن ہو یا نہ ہو اس میں اس امر کا شعور دلایا جا رہا ہے کہ حوالہ کے بعد راہن کو حق حاصل ہوگا کہ مرتہن سے رہن واپس لے لے جس طرح ”زیادات“ سے ایک موقع محل میں موجود ہے۔ ایک اور موقع پر ہے: اسے یہ حق حاصل نہیں، ”تہستانی“۔

34704۔ (قوله: هَلَكَ بِالدَّيْنِ) فرق یہ ہے کہ ابرا سے دین اصلاً ساقط ہو جاتا ہے جس طرح اس سے پہلے ذکر کیا ہے اور حق وصول کرنے سے دین ساقط نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ دیون کو ان کی مثل سے ادا کیا جاتا ہے ان کی ذاتوں سے ادا نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ دین ایسا وصف ہے جو ذمہ میں ہوتا ہے جس کی ادائیگی ممکن نہیں ہوتی لیکن جب وہ دیون ادا کر دے تو اس کے لیے دائن پر اس کی مثل واجب ہوتا ہے۔ پس فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے مطالبہ ساقط ہو جاتا ہے جب اس کے بعد رہن ہلاک ہو جائے تو پہلا استیفا حکمی ثابت ہو گیا اور دوسرا استیفا ٹوٹ گیا تا کہ وہ دودفعہ اپنا حق وصول کرنے والا نہ ہو۔

أَوْ مُتَطَوِّعٍ أَوْ شِرَاءٍ أَوْ صُلْحٍ (وَبَطُلَتْ الْحَوَالَةُ وَهَلَكَ الرِّهْنُ بِالدَّيْنِ) لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْإِبْرَاءِ بِطَرِيقِ الْأَدَاءِ هِدَايَةً، وَمُفَادَةُ عَدَمِ بُطْلَانِ الصُّلْحِ وَأَنَّ الدَّيْنَ لَيْسَ بِأَكْثَرٍ مِنْ قِيَمَةِ الرِّهْنِ وَإِلَّا فَيَنْبَغِي أَنْ لَا تَبْطُلَ الْحَوَالَةُ فِي قَدْرِ الزِّيَادَةِ قَهْشَتَانِ

یا متطوع کو واپس کر دے۔ اسی طرح خرید لے یا صلح کی صورت میں اس کو واپس کر دے۔ حوالہ باطل ہو جائے گا اور رہن دین کے بدلے میں ہلاک ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ ادائیگی کے طریقہ پر بری کرنے کے معنی میں ہے۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ صلح باطل نہ ہوگی اور دین رہن کی قیمت سے زائد نہ ہو ورنہ چاہیے کہ زیادتی کی مقدار میں حوالہ باطل نہ ہو، ”قہستانی“۔

34705۔ (قوله: أَوْ مُتَطَوِّعٍ) یہ متطوع کی ملک کی طرف لوٹ آئے گا نہ کہ متطوع عنہ کی طرف لوٹے گا۔ ”خانہ“۔

34706۔ (قوله: أَوْ شِرَاءٍ أَوْ صُلْحٍ) ”المنح“ اور ”الدرر“ میں اسی طرح ہے۔ اس میں میرا ایک اعتراض ہے کیونکہ وہ چیز جس پر مرتہن نے شرا اور صلح کی صورت میں قبضہ کیا ہے وہ عین ہے جس کو بیچا گیا تھا اور جو مصالح علیہا ہے۔ ”النهاية“، ”العناية“ اور ”غایۃ البیان“ میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ جب رہن ان دو صورتوں میں ہلاک ہو گیا تو مرتہن پر اس کی قیمت کا لوٹانا واجب ہے۔ اور علمائے یہ نہیں کہا: عین کا لوٹانا واجب ہے۔ پس اسی نے یہ تقاضا کیا کہ شرا اور صلح ختم نہ ہوگی۔ میں نے اس بارے میں تصریح ”حواشی سعدیہ“ میں دیکھی ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ یہ عقد معاوضہ ہے پس رہن کے ہلاک ہونے سے اس کے باطل ہونے کی کیا وجہ ہے۔ ادا اور حوالہ کے ساتھ حق وصول کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ یہ فتاح علیم کے فیض سے میرے لیے امر ظاہر ہوا ہے۔

34707۔ (قوله: وَهَلَكَ الرِّهْنُ بِالدَّيْنِ) اس کو دوبارہ ذکر کیا ہے تاکہ اس پر تعلیل کی بنیاد رکھی جاسکے۔

34708۔ (قوله: لِأَنَّهُ) کیونکہ عقد حوالہ ابرا کے معنی میں بطریق ادا ہے نہ کہ بطریق اسقاط ہے۔ ”ہدایہ“ کے بعض نسخوں میں فی معنی البراءۃ کے الفاظ ہیں یہ زیادہ ظاہر ہے۔

حاصل کلام یہ ہے جس طرح ”کفایہ“ میں ہے کہ حوالہ دین کو ساقط نہیں کرتا لیکن محال علیہ کا ذمہ محیل کے ذمہ کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے دین محیل کے ذمہ کی طرف لوٹ آئے گا جب محال علیہ مفلس کی حیثیت سے فوت ہو جائے۔

34709۔ (قوله: وَمُفَادَةُ) تقدیر کلام یہ ہے: مفاد تقييد البصنف البطلان بالحوالة، مصنف نے بتا دیا کہ حوالہ کے ساتھ مقید کیا ہے اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے۔

34710۔ (قوله: عَدَمُ بُطْلَانِ الصُّلْحِ) ہم نے پہلے اس کے بارے میں ”سعدیہ“ سے اس کی تصریح کو ذکر کر دیا ہے اور یہ ذکر کر دیا ہے کہ یہ ”ہدایہ“ کے شارحین کے کلام کا مقتضا ہے اگرچہ ان کا سابقہ کلام اس کے برعکس کا تقاضا کرتا ہے اور شرا صلح کی مثل ہے، فافہم۔

34711۔ (قوله: وَأَنَّ الدَّيْنَ الْخ) یہ اس تعلیل سے ماخوذ ہے جس کا ذکر ”قہستانی“ نے کیا ہے۔ اس کی عبارت ہے: او تبطل الحوالۃ بالهلاك لحصول الاستيفاء كما في النظم وغيره الخ اس کے ہلاک ہونے سے حوالہ باطل ہو جاتا

(وَكَذَٰلِكَ أَمْرٌ كَمَا يَهْلِكُ الرِّهْنُ بِالذَّيْنِ فِي الصُّورِ الْمَذْكُورَةِ يَهْلِكُ بِهِ أَيْضًا) (لَوْ تَصَادَقَا عَلَى أَنْ لَا دَيْنَ عَلَيْهِ (ثُمَّ هَلَكَ) الرِّهْنُ بِالذَّيْنِ لِيَتَوَهَّمُوا وَجُوبَ الدَّيْنِ بِتَصَادُقِهِمَا عَلَى قِيَامِهِ فَتَكُونُ الْمُطَالَبَةُ بِهِ بَاقِيَةً، بِخِلَافِ الْإِبْرَاءِ فَإِنَّهُ يُسْقِطُ الدَّيْنَ أَصْلًا (كُلُّ حُكْمٍ) عُرِفَ (فِي الرِّهْنِ الصَّحِيحِ فَهُوَ الْحُكْمُ فِي الرِّهْنِ الْفَاسِدِ) كَمَا فِي الْعِبَادِيَّةِ قَالَ وَذَكَرَ الْكَرْمَنِيُّ أَنَّ الْمَقْبُوضَ

یعنی جس طرح رہن مذکورہ صورتوں میں دین کے بدلے میں ہلاک ہوتا ہے۔ اس کے بدلے میں اس صورت میں بھی ہلاک ہوگا اگر دونوں باہم اس کی تصدیق کریں کہ اس کے ذمہ کوئی دین نہیں پھر رہن دین کے بدلے میں ہلاک ہو جائے۔ کیونکہ دین کے وجوب کا تو ہم موجود ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں اس کے قیام پر ایک دوسرے کی تصدیق کریں۔ پس اس کا مطالبہ باقی رہے گا۔ بری کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ دین کو اصلاً ساقط کر دیتا ہے۔ ہر وہ حکم جو رہن صحیح میں معروف ہے وہی حکم رہن فاسد میں ہے جس طرح ”عمادیہ“ میں ہے۔ کہا: ”کرخی“ نے یہ ذکر کیا ہے

ہے کیونکہ حق کی وصولی حاصل ہو چکی ہے جس طرح ”النظم“ وغیرہ میں ہے۔ اس میں اس امر کا شعور دلایا جا رہا ہے کہ دین رہن کی قیمت سے زائد نہ ہو ورنہ چاہیے کہ حوالہ اس صورت میں باطل نہ ہو جس میں دین اس پر زائد ہو۔ کیونکہ مکمل حق کی وصولی متحقق نہیں ہوئی اور صلح باطل نہیں ہوئی، ”ط“۔

میں کہتا ہوں: شارح نے کتاب الاجارہ کے شروع میں یہ بیان کیا ہے کہ مصنف نے اس پر اعتماد کیا ہے کہ جب بعض میں عقد فاسد ہو گیا تو عقد کل میں فاسد ہو جائے گا، تاہل۔

34712۔ (قوله: ثُمَّ هَلَكَ الرِّهْنُ بِالذَّيْنِ) زیادہ بہتر یہ ہے کہ ان کے قول: بالدين کو ساقط کر دیا جائے۔ کیونکہ ان کا قول يَهْلِكُ بِهِ اس سے غنی کر دیتا ہے۔

34713۔ (قوله: لِيَتَوَهَّمُوا وَجُوبَ الدَّيْنِ الْخ) کیونکہ رہن کی دین کے بدلے میں ضمانت ہوتی ہے جب اس کے وجود کا وہم ہو جس طرح اس دین میں ضمانت ہوتی ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہو جب کہ جہت باقی ہے۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ وہ دونوں دین کے قائم ہونے پر ایک دوسرے کی تصدیق کریں جب کہ دونوں نے اس کے عدم پر تصدیق کی ہے۔ بری کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ اس کے ساتھ ساقط ہو جاتا ہے، ”درر“۔ لیکن ”التبيين“ وغیرہ میں ”شمس الائمہ“ کی ”مبسوط“ سے مروی ہے: یا دونوں رہن کے ہلاک ہونے سے پہلے باہم ایک دوسرے کی تصدیق کریں پھر وہ ہلاک ہو جائے تو وہ امانت کے طور پر ہلاک ہو جائے گا۔ کیونکہ دونوں کے باہم تصدیق کرنے سے رہن اصل سے ہی منقش ہو جائے گا۔ اور رہن کی ضمانت دین کے بغیر باقی نہیں رہتی۔ ”اسیجانی“ نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ صحیح ہے۔ صاحب ”ہدایہ“ نے اس کے ہلاک ہونے کو دونوں صورتوں میں مضمون ہونے کو پسند کیا ہے، ”سعدیہ“۔

34714۔ (قوله: فَهُوَ الْحُكْمُ فِي الرِّهْنِ الْفَاسِدِ) یعنی زندگی اور موت کی حالت میں۔ اگر رہن نے عقد کو فساد

بِحُكْمِ الرِّهْنِ الْفَاسِدِ يَتَعَلَّقُ بِهِ الضَّمانُ - وَفِيهَا أَيْضًا (وَفِي كُلِّ مَوْضِعٍ كَانَ الرِّهْنُ مَالًا وَالْمُقَابِلُ بِهِ مَضْمُونًا إِلَّا أَنَّهُ فَقَدْ بَعْضُ شَرَائِطِ الْجَوَانِ كَرَهِنِ الْمَشَاعِ (يَنْعَقِدُ الرِّهْنُ) لَوْجُودِ شَرْطِ الْإِنْعِقَادِ لَكِنْ بِصِفَةِ الْفَسَادِ) كَالْفَاسِدِ مِنَ الْبَيْعِ (وَفِي كُلِّ مَوْضِعٍ لَمْ يَكُنِ الرِّهْنُ (كَذَلِكَ) أَمَّا لَمْ يَكُنِ مَالًا وَلَمْ يَكُنِ الْمُقَابِلُ بِهِ مَضْمُونًا) (لَا يَنْعَقِدُ الرِّهْنُ أَصْلًا) وَحِينَئِذٍ (فَإِذَا أَهْلَكَ هَلَكَ بِغَيْرِ شَيْءٍ)

کہ جسے رہن فاسد کے حکم سے قبضہ میں لیا گیا اس کے ساتھ ضمان متعلق ہوگی۔ اس میں یہ بھی ہے: اور ہر وہ موقع جس میں رہن مال تھا اور اس کا مقابل قابل ضمانت ہے مگر جو ان کی بعض شرائط منقود ہیں جیسے مشترک چیز کو رہن رکھا جائے تو رہن منعقد ہو جائے گا۔ کیونکہ عقد رہن کے انعقاد کی شرط پائی جا رہی ہے لیکن فساد کی صفت کے ساتھ متحقق ہے جس سے بیع فاسد ہوتی ہے۔ ہر وہ جگہ جہاں رہن اس طرح نہیں ہوتا اگر مال نہ ہو اور نہ ہی اس کا مقابل قابل ضمانت ہو تو عقد دین اصلاً منعقد نہ ہوگا اس وقت جب وہ ہلاک ہو جائے تو وہ بغیر کسی شے کے ہلاک ہوگا۔

کے حکم کی وجہ سے توڑ دیا اور اس نے یہ ارادہ کیا کہ مرہون کو واپس لے لے تو مرہن کو اس کو روکنے کا حق ہوگا یہاں تک کہ رہن اس کے وہ چیز حوالے کر دے جو اس نے قبضہ میں لی جب رہن مرجائے اور اس پر کثیر دیون ہوں تو مرہن باقی ماندہ غرماء سے زیادہ حق دار ہوگا۔ یہ سب کچھ اس وقت ہے جب فاسد رہن دین پر سابق ہو۔ اگر یہ اس دین کے بدلے میں ہو جو رہن پر اس سے پہلے ہے تو اسے محبوس کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس مال کے مقابلہ میں اس قبضہ کا استفادہ نہیں کیا اور فوت کے بعد یہ دوسرے غرماء کے مساوی ہوگا۔ کیونکہ یہ محل پر مستحق قبضہ نہیں۔ صحیح رہن کا معاملہ مختلف ہے جو مقدم ہو یا موخر ہو۔ اس کی مکمل بحث ”عمادیہ“، ”ذخیرہ“ اور ”بزازیہ“ میں ہے۔

34715۔ (قوله: يَتَعَلَّقُ بِهِ الضَّمانُ) اس میں صحیح قول یہ ہے: لا يتعلق۔ کیونکہ ”عمادیہ“ وغیرہا میں ”رخی“ سے

جو قول منقول ہے وہ ہے: انه يهلك امانة۔

”ذخیرہ“ میں ہے: ”ابن سماعہ“ نے امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ مرہن کو اسے روکنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ کیونکہ یہ معصیت پر اصرار ہے۔ کیونکہ جو ظاہر روایت میں ہے وہ اصح ہے۔ کیونکہ رہن نے جب عقد کو توڑا تو معصیت ختم ہو گئی اور مرہن کا مرہون کو محبوس رکھنا تا کہ اپنے حق تک جا پہنچے یہ اصولاً نہیں ہوگا۔ کیونکہ رہن کو اس چیز کے تسبیح کرنے پر مجبور کیا جائے گا جس کو قبضہ میں لیا گیا جب وہ رک جائے تو وہ اصرار کرنے والا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ شراب فاسد میں مشتری کو حق حاصل ہوتا ہے کہ ثمن وصول کرنے تک اس کو روک لے، ملخص۔

34716۔ (قوله: أَمَّا لَمْ يَكُنِ مَالًا) جیسے مدبر اور ام ولد ہو کیونکہ رہن کو یہ حق حاصل ہوگا کہ ان دونوں کو لے لے

کیونکہ دونوں کا رہن باطل ہے، ”منح“۔

34717۔ (قوله: وَلَمْ يَكُنِ الْمُقَابِلُ بِهِ مَضْمُونًا) جس طرح اگر وہ کوئی عینی چیز مسلمان کے شراب کے عوض رہن

بِخِلَافِ الْفَاسِدِ فَإِنَّهُ يَهْلِكُ بِالْأَقْلِ مِنْ قِيَمَتِهِ وَمَنْ الدِّينِ وَمَنْ مَاتَ وَلَهُ غُرْمَاءُ فَالْمُرْتَهِنُ أَحَقُّ بِهِ كَمَا فِي الرَّهْنِ الصَّحِيحِ فَرَمَّ رَهْنُ الرَّهْنِ بَاطِلٌ كَمَا حَرَّزْنَاكَ فِي الْعَارِيَّةِ مَعْرِيًّا لِلْوَهْبَانِيَّةِ وَفِي مُعَايَاتِهَا قَالَ

وَأَيُّ رَهْنٍ لَا يُرَامُ انْفِكَائُهُ وَمَجْنِيئُهُ لَوْ مَاتَ بِالنُّوْتِ يُشْطَرُّ

فاسد کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ اس کی قیمت اور دین میں سے جو اقل ہے اس کے بدلے میں ہلاک ہوگا۔ اور وہ شخص جو فوت ہو جائے جب کہ اس کے قرض خواہ موجود ہوں تو مرتہن اس کا زیادہ حقدار ہوگا جس طرح رہن صحیح کا حکم ہے فرع: رہن کو رہن رکھنا باطل ہے جس طرح ہم نے کتاب العاریہ میں ”وہبانیہ“ کی طرف منسوب کرتے ہوئے اس کی وضاحت کر دی ہے۔ اس کی پہیلیوں میں سے ہے: کون سا مرہون ہے جس کے چھوڑنے کا قصد نہیں کیا جاتا اور کون ایسا قاتل ہے جس کا مقتول اگر مر جائے تو موت کے ساتھ اس کی دیت نصف ہو جاتی ہے۔

رکھے تو اسے وہ چیز اس سے لینے کا حق ہوگا۔ قول میں واؤیہ او کے معنی میں ہے۔ ”جامع الفصولین“ میں کہا: اگر دونوں میں سے ایک مفقود ہو جائے تو اصلاً عقد منعقد نہیں ہوگا۔

34718۔ (قوله: بِخِلَافِ الْفَاسِدِ) مصنف کے قول کل حکم الخ سے اسے غنا حاصل ہو جاتی ہے۔ الخ

34719۔ (قوله: رَهْنُ الرَّهْنِ بَاطِلٌ) یعنی جب راہن یا مرتہن اجازت کے بغیر رہن کو رہن رکھیں اگر اجازت کے ساتھ رہن رکھیں تو دوسرا رہن صحیح ہوگا اور پہلا عقد رہن باطل ہو جائے گا۔ ہم اس کی وضاحت باب التصرف فی الرهن میں نقل کر چکے ہیں۔

34720۔ (قوله: كَمَا حَرَّزْنَاكَ فِي الْعَارِيَّةِ) کیونکہ انہوں نے اس میں کہا: جہاں تک رہن کا تعلق ہے وہ ودیعت کی طرح ہے۔ مصنف نے کتاب العاریہ میں کہا: اسے اجرت پر نہیں دیا جائے گا اور نہ ہی اسے رہن رکھا جائے گا جیسے ودیعت ہے، ”ط“۔

34721۔ (قوله: وَمَجْنِيئُهُ الخ) یہ مبتدا مخذوف کی خبر ہے۔ اس کی تقدیر یہ ہے: جان۔ شطر کی ضمیر والواجب بالجنایۃ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ”حلی“ نے کہا: یعنی کون سا جنایت کرنے والا ہے جب وہ مر جائے جس پر جنایت کی گئی تو اس پر دیت کا نصف واجب ہوتا ہے اگر وہ زندہ رہے تو پوری دیت واجب ہوتی ہے۔

جواب ہے: ختنہ کرنے والا حشفہ کا ٹٹا ہے اگر بچہ مر جائے تو اس پر نصف دیت واجب ہوتی ہے۔ اگر وہ زندہ رہے تو پوری دیت واجب ہوتی ہے۔ اسی طرح غلام میں نصف دیت واجب ہوتی ہے اور مکمل قیمت واجب ہوتی ہے۔ کیونکہ اس امر میں ہلاکت واقع ہوئی جس کی اجازت دی گئی ہے وہ قلفہ کو کاٹنا ہے۔ اور ہلاکت واقع ہوتی ہے ایسے امر سے جس کی اجازت نہیں وہ حشفہ کا ٹٹا ہے۔ مسئلہ باب ضمان الاجیر میں گزر چکا ہے۔ باب القسامۃ سے تھوڑا پہلے آگے آئے گا۔

هَذَا تَفْسِيرُ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةً وَالْمَعْنَى كُلُّ نَفْسٍ تُرْتَهَنُ بِكَسْبِهَا عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى

یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کل نفس بما کسبت رہینۃ کی تفسیر ہے معنی ہے ہر نفس اپنے عمل کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں رہن رکھا گیا ہے۔

34722۔ (قولہ: هَذَا تَفْسِيرُ) بعض نسخوں میں تفسیر کا لفظ ال کے بغیر ہے وہ زیادہ واضح ہے اور اشارہ ان کے قول: دای رہین کی طرف ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کل نفس کی تفسیر اور وضاحت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کِتَابُ الْجَنَایَاتِ

مُنَاسَبَتُهُ أَنَّ الرَّهْنَ لِحِفَاظِ الْمَالِ وَحُكْمُ الْجَنَایَةِ لِحِفَاظِ الْإِنْفُسِ وَالْمَالِ وَسَبِيلُهُ لِلنَّفْسِ فَقَدِمَ، ثُمَّ الْجَنَایَةُ لُغَةً اسْمٌ لِمَا يُكْتَسَبُ مِنَ الشَّرِّ وَشَرْعًا اسْمٌ لِفِعْلِ مُحَرَّمٍ حَلَّ بِمَالٍ أَوْ نَفْسٍ، وَخَصَّ الْفُقَهَاءُ الْغَضَبَ وَالسَّرِقَةَ بِمَا حَلَّ بِمَالٍ وَالْجَنَایَةَ بِمَا حَلَّ بِنَفْسٍ وَأَطْرَافِ (الْقَتْلِ) الَّذِي يَتَعَلَّقُ بِهِ الْأَحْكَامُ الْآتِيَةُ مِنْ قَوْدٍ وَدِيَّةٍ وَكَفَّارَةٍ وَإِثْمٍ وَحَرَمَانِ إِرْثٍ (خَبْسَةٍ) وَإِلَّا فَأَنْوَاعُهُ كَثِيرَةٌ

جنایات کے احکام

کتاب الرهن کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ عقد رهن مال کی حفاظت کے لیے ہوتا ہے۔ اور جنایت کا حکم نفس کی حفاظت کے لیے ہوتا ہے۔ اور مال نفس کا وسیلہ ہوتا ہے۔ پس اس وجہ سے کتاب الرهن کو مقدم کیا گیا۔ پھر لغت میں جنایت سے مراد برے فعل کا ارتکاب ہے۔ اور شرع میں جنایت سے مراد ایسا فعل ہے جو حرام ہو جو مال یا نفس میں واقع ہو۔ فقہاء نے مال میں جو برافعل واقع ہوتا ہے اسے غصب اور سرقت کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اور وہ برافعل جو نفس اور اطراف میں واقع ہوتا ہے اسے جنایت کے ساتھ خاص کیا ہے۔ قتل جس کے ساتھ آنے والے احکام جیسے قصاص، دیت، کفارہ، گناہ اور وراثت سے محرومی متعلق ہوتے ہیں اس کی پانچ قسمیں ہیں ورنہ اس کی انواع کثیر ہیں

34723۔ (قوله: وَحُكْمُ الْجَنَایَةِ) اس سے مراد قصاص ہے یا دیت، کفارہ اور وراثت سے محرومی ہے، ”ط“۔

34724۔ (قوله: وَالْمَالُ وَسَبِيلُهُ) یہ اس اعتراض کا جواب ہے جو یہ کیا جاتا ہے۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ کتاب

الجنایات کو مقدم ذکر کیا جاتا۔ کیونکہ یہ زیادہ اہم ہے کیونکہ ان کا تعلق نفوس سے ہوتا ہے، ”ط“۔

میں کہتا ہوں: کتاب الرهن کے ساتھ جو مناسبت پہلے گزری ہے وہ اس سے غنی کر دیتی ہے۔

جنایت کی لغوی تعریف

34725۔ (قوله: اسْمٌ لِمَا يُكْتَسَبُ) یہ اصل میں مصدر ہے پھر اس سے اسم مفعول کا ارادہ کیا گیا ہے۔

جنایت کی شرعی تعریف

34726۔ (قوله: وَالْجَنَایَةُ بِمَا حَلَّ بِنَفْسٍ وَأَطْرَافِ) یعنی وہ جنایات جس کا ذکر کتاب الجنایات میں ہے۔ ورنہ

جج کی جنایات وہ آدمی کی ذات اور اس کے جز سے متعلق نہیں ہوتیں جن پر فقہا جنایت کا اطلاق کرتے ہیں، ”شرنبلالیہ“۔

قتل کی اقسام

34727۔ (قوله: وَإِلَّا) اگر یہاں وہ قتل سے مراد مذکورہ قتل لے تو پانچ میں حصر صحیح نہیں ہوگا۔

كَرَّجِمٍ وَصَلْبٍ وَقَتْلِ حَرْبِيٍّ الْأَوَّلُ (عَنْدٌ، وَهُوَ أَنْ يَتَعَمَّدَ ضَرْبَهُ) أَيْ ضَرْبَ الْآدَمِيِّ فِي أَيْ مَوْضِعٍ مِنْ جَسَدِهِ
(بِ) آلَةٍ تُفَرِّقُ الْأَجْزَاءَ مِثْلِ (سِلَاحٍ) وَمُثْقَلٍ لَوْ مِنْ حَدِيدٍ جَوْهَرَةً

جیسے رجم، سولی پر لٹکانا اور حربی کو قتل کرنا۔ وہ قتل عمد ہے وہ یہ ہے کہ ایک انسان کسی دوسرے آدمی کے جسم کے کسی حصہ پر ایک ایسے آلہ کے ساتھ ضرب لگائے جو اس کے اجزاء کو علیحدہ علیحدہ کر دے جیسے اسلحہ اور کسی وزنی چیز کے ساتھ ضرب لگائے جو لوہے کی ہو، ”جوہرہ“۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہاں قتل سے مراد وہ قتل ہے جو حرام ہے۔ پس یہ اس قتل کو شامل نہ ہوگا جس کی شرعاً اجازت دی گئی ہے جیسے رجم اور قصاص۔
قتل عمد

34728۔ (قوله: أَنْ يَتَعَمَّدَ ضَرْبَهُ) یعنی مقتول کو ضرب لگانے کا ارادہ کرے۔ پس ایسا عمد جو نفس سے کم درجہ کا ہو وہ اس سے خارج ہو گیا، ”سعدی“۔ یہ قول نہیں کیا: ان يتعمد قتله کیونکہ شارح عنقریب اس کو ذکر کریں گے کہ اگر ایک آدمی کسی آدمی کے ہاتھ پر ضرب لگانے کا ارادہ کرے اور وہ اس کی گردن کو جا لگے تو یہ عمد ہوگا۔ اگر کسی اور کی گردن کو جا لگے تو یہ خطا ہوگا۔ اسی وجہ سے ”المجتبیٰ“ میں کہا: اگر وہ قتل کا قصد کرے تو یہ شرط نہیں ہوگا کیونکہ وہ عمد ہے شارح نے اپنے قول فی ای موضع من جسدہ میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ متعمد کے لفظ کے ساتھ خطا سے احتراز کیا ہے اور اپنے قول بآلة کے ساتھ باقی ماندہ سے احتراز کیا ہے۔

قتل عمد کی شرط

34729۔ (قوله: بِ) آلَةٍ تُفَرِّقُ الْأَجْزَاءَ) اس میں اس کو شرط قرار دیا ہے۔ کیونکہ عمد یہی قصد ہے اور قصد و ارادہ پر آگاہی دلیل سے ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قاتل اپنے آلہ کو استعمال کرے۔ پس دلیل دوسری کے قائم مقام ہوگی۔ کیونکہ دلائل معارف ظنیہ شرعیہ میں اپنے مدلول کے قائم مقام ہوتے ہیں، ”منح“۔ یہ اس میں صحیح ہے کہ قصاص واجب ہے اگرچہ گواہوں نے عمد کا ذکر نہیں کیا، ”الاتقانی“۔ اور یہ اس میں صریح ہے کہ قاتل کا یہ قول قبول نہیں کیا جائے گا جس نے اس کے قتل کا قصد نہیں کیا۔ یہ صورت مختلف ہوگی اگر وہ اقرار کرے اور کہے: میں نے اس کے علاوہ کا ارادہ کیا ہے۔ پس اس کو ادنیٰ پر محمول کیا جائے گا پس وہ خطا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ”حاشیۃ الرملی“ میں ہے۔ ہم عنقریب باب الشہادۃ علی القتل پر اس کا ذکر کریں گے، ان شاء اللہ۔

34730۔ (قوله: جَوْهَرَةً) اس کی عبارت ہے: عمد وہ ہے جس کے قتل کا وہ لوہے کے ساتھ قصد کرے جیسے تلوار، چھری، نیزہ، خنجر، تیر، سوئی، ستالی اور تمام وہ چیزیں جو لوہے کی ہیں خواہ وہ قطع کریں یا پھاڑ دیں جیسے تلوار، ہتھوڑا، زبرہ (آرن، لوہے کا بڑا ٹکڑا) وغیرہ خواہ اس میں غالب ہلاکت ہو یا نہ ہو۔ ظاہر روایت میں لوہے میں زخم لگانا شرط نہیں۔ کیونکہ

(وَمُحَدَّدٍ مِنْ خَشَبٍ) وَزُجَاجٍ (وَحَجَبٍ) وَإِبْرَةِ فِي مَقْتَلٍ بُرْهَانٍ

اور اس کی دھار بنائی گئی ہو وہ لکڑی کی ہو، شیشے کی ہو، پتھر کی ہو یا سوئی کے ساتھ جو محل قتل میں ہو، ”برہان“۔

لوہے کو قتل کے لیے بنایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ (حدید: 25) اسی طرح ہر وہ چیز جو لوہے کے مشابہ ہے جیسے تانبا، سک، سونا اور چاندی خواہ وہ کاٹ دے یا کوٹ دے۔ یہاں تک کہ اگر وہ اسے وزنی چیز کے ساتھ قتل کرے تو اس پر قصاص واجب ہوگا جس طرح وہ اس کو تانبے یا سکے کے ستون کے ساتھ مارے۔ امام ”طحاوی“ نے ”امام صاحب“ رحمہ اللہ سے لوہے وغیرہ میں زخمی ہونے کا اعتبار کیا ہے۔ ”صدر الشہید“ نے کہا: یہی اصح ہے۔ ”ہدایہ“ وغیرہا میں اس کو ترجیح دی ہے جس طرح آنے والی فصل میں مسئلہ مر (بیلچہ، پھاوڑا) میں اس کا ذکر آئے گا۔

میں کہتا ہوں: تمام تعبیرات کی بنا پر جسے سکے کی گولی کے ساتھ قتل کیا گیا تو وہ قتل عمد ہے۔ کیونکہ یہ لوہے کی جنس سے ہے اور وہ زخم لگاتی ہے۔ پس اس کے بدلے میں قصاص لیا جائے گا۔ مگر جب وہ زخم نہ لگائے تو اس کے بدلے میں قصاص نہیں لیا جائے گا۔ یہ ”طحاوی“ کی روایت کے مطابق ہے جس طرح ”طحاوی“ نے ”شلمی“ سے بیان کیا ہے۔ اشفیٰ یہ شین کے ساتھ ہے جس کے ساتھ سیا جاتا ہے جس طرح ”قاموس“ میں ہے۔

34731۔ (قوله: وَمُحَدَّدٍ مِنْ خَشَبٍ) یعنی اسے چھیلے یہاں تک کہ اس کی دھار بن جائے جس کے ساتھ اس کو کاٹا جائے۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ ایک جانب لوہا لگایا گیا ہو جس طرح وہم کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ بیلچہ، پھاوڑا کا آنے والا مسئلہ ہے۔ اس میں تفصیل واختلاف ہے۔

34732۔ (قوله: وَإِبْرَةِ فِي مَقْتَلٍ) ”الاختیار“ میں ہے: امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ سے اس آدمی کے بارے میں روایت کیا ہے جس نے ایک آدمی کو سوئی جیسی چیز جان بوجھ کر ماری تو وہ آدمی مر گیا تو اس میں قصاص نہیں ہوگا۔

مسئلہ: سوا (بڑی سوئی) وغیرہ میں قصاص ہے۔ کیونکہ سوئی کے ساتھ عموماً قتل کا ارادہ نہیں کیا جاتا اور مسئلہ کے ساتھ قتل کا قصد کیا جاتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے: اگر مقتل (وہ عضو جس پر چوٹ لگنے سے موت واقع ہو جاتی ہے) میں سوئی کے ساتھ چھوئے تو اسے قتل کیا جائے گا ورنہ نہیں۔

”بزازیہ“ میں ہے: وہ سوئی کے ساتھ چھوٹا رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ کیونکہ اعتبار لوہے کا ہے ایک اور موقع پر کہا: کوئی قصاص نہیں ہوگا مگر جب وہ قتل کے محل میں سوئی چھوئے۔ اسی طرح اگر وہ اسے کاٹے۔ ”شرح الوہبانیہ“ میں ہے: ظاہر روایت کے مطابق سوئی میں قصاص ہے۔ ”تہستانی“ میں ہے: اسی پر فتویٰ ہے۔ ”خانہ“ میں اس کے عدم کو یقین سے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ ممکن ہے کہ تطبیق دینے کے لیے مقتل کی قید لگائی جائے۔ مقاتل۔

(وَلِيْطَلَّةٌ) وَقَوْلُهُ (وَنَارٍ عَطْفٌ عَلَى مُحَدِّدٍ لِأَنَّهَا تَشُقُّ الْجِلْدَ وَتَعْمَلُ عَمَلَ الذَّكَاءِ، حَتَّى لَوْ وُضِعَتْ فِي الْمَذْبَحِ فَأَحْرَقَتْ الْعُرُوقَ أَكَلٌ، يَعْنِي إِنْ سَالَ بِهَا الدَّمُ وَإِلَّا لَا كَمَافِي الْكِفَايَةِ قُلْتُ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ كُلُّ مَا بِهِ الذَّكَاءُ بِهِ الْقُوَّةُ وَإِلَّا فَلَا وَفِي الْبُرْهَانِ وَفِي حَدِيدٍ غَيْرِ مُحَدِّدٍ كَالسَّنْجَةِ رِوَايَتَانِ أَظْهَرُهُمَا أَنَّهَا عَمْدٌ

اور چھلکے کے ساتھ اور آگ کے ساتھ اس کا عطف محدد پر ہے۔ کیونکہ یہ جلد کو شق کر دیتا ہے اور ذبح کا سا عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اگر اسے ذبح کرنے کی جگہ رکھا جائے تو وہ ان لوگوں کو جلادے تو اسے کھایا جائے گا یعنی اگر اس کے ساتھ خون بہہ پڑے ورنہ نہیں جس طرح ”الکفایہ“ میں ہے۔ میں کہتا ہوں: ”شرح الوہانیہ“ میں ہے: جس چیز کے ساتھ ذبح کا عمل کیا جاتا ہے اس میں قصاص کا حکم جاری ہوگا ورنہ قصاص نہیں ہوگا۔ ”برہان“ میں ہے: ایسا لوہا جس کی دھار نہ بنائی گئی ہو جیسے ترازو کا باٹ۔ اس میں دو روایتیں ہیں۔ ان دونوں میں سے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ وہ عمدہ ہے۔

34733۔ (قوله: وَلِيْطَلَّةٌ) یہ لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد سرکنڈے کا وہ چھلکا ہے جو اس کے ساتھ چسپاں ہوتا ہے۔ ”طحاوی“ نے ”حموی“ سے نقل کیا ہے۔

34734۔ (قوله: عَطْفٌ عَلَى مُحَدِّدٍ) اس کا عطف محدد پر ہے خشب پر نہیں۔ کیونکہ وہ محدد میں سے نہیں ہے۔ ”سعدی“ نے کہا: چاہیے کہ یہ اس قبیل سے ہو علف تھا تبنا و ماء باردا۔ کیونکہ آگ کی صورت میں واقع ہونے والا عمل اس آگ میں پھینکنا ہے اس کے ساتھ مارنا نہیں۔

34735۔ (قوله: لِأَنَّهَا تَشُقُّ الْجِلْدَ الْخ) یہ اس کے عمدہ ہونے کا بیان ہے۔

34736۔ (قوله: كَمَافِي الْكِفَايَةِ) ”طحاوی“ نے کہا: اس کی مثل ”خزانہ“ اور ”نہایہ“ میں ہے۔ ”حموی“ نے ”مقدسی“ سے نقل کیا ہے۔

34737۔ (قوله: وَفِي الْبُرْهَانِ) ان تین نقول کو کلیہ کے عکس یعنی الافلا کو توڑنے کے لیے ذکر کیا ہے جب کہ یہ ظاہر ہے۔ کیونکہ ذبح میں مشروط رگوں کو کاٹنا اور خون بہانا ہے۔ یہ ترازو کے باٹ، گرم تنور اور سوئی کے ساتھ نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے سوئی کے مسئلہ کو دوبارہ ذکر کیا ہے اگرچہ اس کا ذکر ابھی ہوا ہے، فافہم۔

34738۔ (قوله: غَيْرِ مُحَدِّدٍ) یعنی اس کی تیز دھار نہ ہو۔

34739۔ (قوله: كَالسَّنْجَةِ) ”قاموس“ میں ہے: سنجۃ المیزان۔ سنجہ کا لفظ یہ سین کے فتح کے ساتھ ہے اور اس کا سین کے ساتھ ہونا یہ صاد سے زیادہ فصیح ہے۔ فصل صاد میں ذکر کیا ہے: الصنجۃ ایک ایسی شے ہے جو تانبے سے بنائی جاتی ہے۔ دونوں میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ بجایا جاتا ہے۔ اور اوتار کا آلہ ہے جس کے ساتھ اسے بجایا جاتا ہے۔ ”مغرب“ میں یہ زائد ذکر کیا ہے: یقال لها یجعل فی اطار الدف من الهنات المدورة صنوج، ایضاً۔

34740۔ (قوله: أَظْهَرُهُمَا أَنَّهَا عَمْدٌ) یہ قول لوہے وغیرہ میں زخم لگانے کی شرط نہ ہونے پر مبنی ہے۔

وَفِي الْمُجْتَبَىٰ وَاحْتِصَاءِ النَّوْرِ يَكْفِي لِلْقَوْدِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ نَارٌ وَفِي مُعِينِ الْبُفْتَى لِلْبُصْنِفِ الْإِبْرَةِ إِذَا أَصَابَتْ الْمَقْتَلَ فِيهِ الْقَوْدُ وَإِلَّا فَلَا فَيُحْفَظُ وَقَالَ الثَّلَاثَةُ ضَرْبُهُ قَصْدًا بِسَالَا تَطِيقُهُ الْبُنْيَةُ كَخَشَبٍ عَظِيمٍ عِنْدَ (وَمُوجِبُهُ الْإِثْمُ) فَإِنَّ حُرْمَتَهُ أَشَدُّ مِنْ حُرْمَةِ إِجْرَاءِ كَلِمَةِ الْكُفْرِ لِجَوَازِهِ لِبُكْرِهِ،

”المجتبی“ میں ہے: تنور کا گرم ہونا یہ قصاص کے لیے کافی ہے اگرچہ اس میں آگ نہ ہو۔ مصنف کی ”معین المفتی“ میں ہے: سوئی جب قتل کے محل میں لگ جائے تو اس میں قصاص ہوگا ورنہ قصاص نہیں ہوگا۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما اور دوسرے تینوں ائمہ نے فرمایا: اس نے قصد ایسی ضرب لگائی ڈھانچہ جس کی طاقت نہ رکھتا ہو جیسے عظیم لکڑی۔ یہ قتل عمد ہوتا ہے اس کا موجب گناہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی حرمت کلمہ کفر کے جاری کرنے سے زیادہ شدید ہوتی ہے۔ کیونکہ مکرمہ کے لیے ایسا کلمہ کہنا جائز ہے۔

34741۔ (قوله: وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ نَارٌ) یعنی صحیح قول کے مطابق جیسے ”قہستانی“۔ اس میں ہے: اگر اسے اس سے

باندھا گیا پھر اسے ایک ہنڈیا میں ڈالا گیا جس میں بہت زیادہ پانی ابل رہا تھا تو وہ اسی سے مر گیا یا اس میں گرم پانی تھا تو اس کی جلد پک گئی اور وہ ایک ساعت بھر ٹھہرا پھر وہ مر گیا تو اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا جس طرح ”ظہیریہ“ میں ہے۔

34742۔ (قوله: لَا تَطِيقُهُ الْبُنْيَةُ) بنیہ سے مراد بدن ہے۔ ”قاموس“ میں ہے: بنیہ کا لفظ ضمہ اور کسرہ کے

ساتھ ہے جسے تو بنائے: بنی الطعام بدنہ، یعنی اس کو موٹا کیا اور گوشت والا بنایا اس کو پروان چڑھایا۔ قتل عمد کا حکم

34743۔ (قوله: فَإِنَّ حُرْمَتَهُ) زیادہ بہتر یہ قول ہے: وحرمتہ، ”ط“۔

34744۔ (قوله: أَشَدُّ مِنْ حُرْمَةِ إِجْرَاءِ كَلِمَةِ الْكُفْرِ) یعنی صوری کفر سے زیادہ شدید ہے۔ کیونکہ جب اسے

اکراہ ملجی کے ساتھ مجبور کیا گیا تو اسے رخصت حاصل ہوگی ساتھ ہی اطمینان قلب ہوگا تا کہ وہ اپنی جان کو زندہ رکھ سکے اگر اسے غیر کے قتل پر قتل سے دھمکی دی جائے تو اسے اصلاً رخصت حاصل نہ ہوگی۔ کیونکہ دونوں نفس برابر ہیں۔ اس کے ساتھ کفر قلبی سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ وہ زیادہ شدید ہے اور اس کی کسی حال میں رخصت نہیں۔

”جوہرہ“ میں ہے: یہ جان لو ناحق کسی نفس کو قتل کرنا یہ کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے۔ اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ اگر وہ کسی مسلمان کو قتل کرے پھر اس سے توبہ سے پہلے وہ مرجائے تو جہنم میں اس کا داخل ہونا حتمی نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہوتا ہے جس طرح باقی ماندہ کبیرہ گناہ والے ہیں۔ اگر وہ اس میں داخل ہو تو اس میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ جہاں تک آیت کریمہ کا تعلق ہے تو اس میں تاویل ہوگی کہ اس نے اسے اس کے ایمان کی وجہ سے قتل کیا ہے یا اس کو حلال سمجھتے ہوئے قتل کیا ہے یا خلود سے مراد طویل عرصہ تک ٹھہرنا ہے۔ شارح آنے والی فصل میں ”وہبانیہ“ سے نقل کرتے ہوئے ذکر کریں گے کہ قاتل کی توبہ قبول نہ ہوگی جب تک وہ اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش نہ کرے۔

بِخِلَافِ الْقَتْلِ (وَمُوجِبُهُ الْقَوْدُ عَيْنًا) فَلَا يَصِيرُ مَالًا إِلَّا بِالتَّرَاضِي فَيَصِحُّ صَلَاحًا وَلَوْ بِشَلِّ الدِّيَةِ أَوْ أَكْثَرَ
ابْنُ كَمَالٍ عَنِ الْحَقَائِقِ (لَا الْكَفَّارَةُ) لِأَنَّهُ كَبِيرَةٌ مَحْضَةٌ، وَفِي الْكَفَّارَةِ مَعْنَى الْعِبَادَةِ فَلَا يُنَاطُ بِهَا

قتل کا معاملہ مختلف ہے۔ اور اس کا حکم عین قصاص ہے اس کا حکم مال نہیں ہوگا مگر باہم رضامندی کے ساتھ۔ پس یہ صلح کے طور پر صحیح ہوگا اگرچہ مثل دیت سے ہو اس سے زائد کے ساتھ ہو ”ابن کمال“ نے ”الحقائق“ سے نقل کیا ہے۔ اس کا حکم کفارہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ عمل خالص کبیرہ گناہ ہے۔ کفارہ میں عبادت کا معنی ہوتا ہے۔ پس وہ کفارہ کے ساتھ مربوط نہیں ہوگا۔

34745۔ (قوله: وَمُوجِبُهُ الْقَوْدُ) قود یہ واؤ کے فتح کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد قصاص ہے۔ اسے قود کا نام دیا ہے کیونکہ جنایت کرنے والے یعنی قاتل کو رسی وغیرہ سے پکڑ کر کھینچا کرتے تھے۔ یہ ”ازہری“ نے کہا ہے۔ ”سعدی“۔ قصاص واجب ہوگا جب قاتل اور مقتول میں ایسی شرط پائی جائے جس کا ذکر آنے والی فصل میں ہوگا۔

34746۔ (قوله: فَلَا يَصِيرُ مَالًا) یہ ان کے قول عینا پر تفریع ہے یعنی ولی جنایت کو دیت دینے کی طرف پھر جانے کا حق حاصل نہیں ہوگا جب تک قاتل راضی نہ ہو۔ یہ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔ ان کے دوسرے قول میں دونوں میں سے ایک واجب ہوگا۔ نہ کہ صرف قصاص لازم ہوگا اور وہ اس کے اختیار سے متعین ہوگا۔ دلائل مطولات میں موجود ہیں۔

34747۔ (قوله: فَيَصِحُّ صَلَاحًا) یعنی جب قصاص ہمارے نزدیک قتل عمد میں واجب ہے تو وہ صلح کے طریقہ سے ہی مال کی طرف منقلب ہوگا۔

34748۔ (قوله: وَلَوْ بِشَلِّ الدِّيَةِ أَوْ أَكْثَرَ) اسے مطلق ذکر کیا ہے پس یہ اسے شامل ہوگا جو اس کی جنس سے ہو، اس کے علاوہ سے ہو وہ فی الحال ادا کرنی ہو یا اس کی کوئی مدت مقرر کی گئی ہو جس طرح ”جوہرہ“ میں ہے۔ اور امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کے اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کے دوسرے قول کے مطابق اگر وہ اس کے ساتھ دیت سے زائد پر صلح کرے جب کہ وہ اس کی جنس سے ہو تو یہ صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ ربا ہو جاتا ہے۔ اور ان کے پہلے قول کے مطابق صحیح ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ”الکفایہ“ میں ہے۔

34749۔ (قوله: لِأَنَّهُ كَبِيرَةٌ مَحْضَةٌ) یہ حکم حدیث صحیح کی نص سے ثابت ہے۔ وہ حدیث صحیح حضور بنیہ نہ کافرانہ ہے: اکبر الكبائر الاشرار بالله تعالى و قتل النفس و عقوق الوالدین و قول الزور او قال شهادة الزور (1)۔ کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ شرک کرنا ہے، نفس کو قتل کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، جھوٹی بات کرنا یا فرمایا جھوٹی گواہی دینا۔ امام ”بخاری“ نے اسے روایت کیا ہے۔

34750۔ (قوله: فِي الْكَفَّارَةِ مَعْنَى الْعِبَادَةِ) اس کی دلیل یہ ہے کہ اس میں روزے اور آزادی کا عمل دخل ہے۔

قُلْتُ لَكِنْ فِي الْخَائِيَّةِ، لَوْ قَتَلَ مَمْلُوكُهُ أَوْ وَلَدَهُ الْمَمْلُوكَ لِغَيْرِهِ عَمْدًا كَانَ عَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ (وَالثَّانِي شَبْهُهُ وَهُوَ أَنْ يَقْصِدَ ضَرْبَهُ بِغَيْرِ مَا ذُكِرَ) أَيْ بِمَا لَا يُفَرِّقُ الْأَجْزَاءَ وَلَوْ بِحَجَرٍ وَخَشَبٍ كَبِيرَيْنِ عِنْدَهُ خِلَافًا لِغَيْرِهِ

میں کہتا ہوں: لیکن ”خانیہ“ میں ہے: اگر وہ اپنے غلام کو جان بوجھ کر قتل کرے یا اس کے اس بچے کو قتل کرے جو کسی اور کا مملوک ہو تو اس پر کفارہ ہوگا۔ دوسری قسم شبہ عمدہ یہ ہے کہ اس کو ضرب کا قصد کرے مگر اس کے علاوہ چیز کے ساتھ جن کا ذکر کیا گیا ہے یعنی ایسی چیز کے ساتھ جو اس کے اجزاء کو جدا جدا نہ کرے اگرچہ پتھر کے ساتھ اور لکڑی کے ساتھ جو دونوں بڑے ہوں۔ یہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ آپ کے علاوہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

پس وہ عبادت اور عقوبت میں دائر ہے تو ضروری ہوگا کہ اس کا سبب بھی خطر و اباحت میں دائر ہو۔ کیونکہ عبادت مباح کے متعلق ہے اور عقوبت مخطور کے متعلق ہے جیسے قتل خطا۔ کیونکہ کفارہ مقدرات میں سے ہے۔ پس یہ قیاس سے ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ قتل خطا گناہ میں قتل عمد سے کم درجہ میں ہے۔ اس کی مکمل بحث مطولات میں ہے۔

34751۔ (قوله: لَكِنْ فِي الْخَائِيَّةِ) یعنی فصل المعادل کے آخر میں۔

میں کہتا ہوں: لیکن یہ اس کے مخالف ہے جو شروع میں ہے جیسے ”النہایہ“، ”عنایہ“ اور ”معراج“ ہے۔ یعنی اس قتل عمد میں کوئی کفارہ نہیں جب اس میں قصاص واجب ہو یا قصاص واجب نہ ہو جیسے ایک باپ ہے وہ اپنے بیٹے کو جان بوجھ کر قتل کرتا ہے اور مسلمان جب دارالحرب میں اس آدمی کو جان بوجھ کر قتل کر دے جو اسلام لایا ہو اور اس نے ہماری طرف ہجرت کی ہو۔ تامل قتل شبہ عمد

34752۔ (قوله: وَالثَّانِي شَبْهُهُ) یہ دو فتحوں یا کسرہ اور سکون کے ساتھ ہے۔ یعنی عمد کی مثل۔ کہا جاتا ہے: اسے خطا کے ساتھ مشابہت ہے۔ کیونکہ اس میں عمد کا معنی پایا جاتا ہے۔ کیونکہ فاعل نے ضرب کا قصد کیا ہے اور خطا کا معنی قتل کا ارادہ نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ یہ آلہ قتل کا آلہ نہیں۔ یہ ”الدرر“ اور ”تہستانی“ سے ماخوذ ہے۔ ”التقانی“ نے یہ زائد ذکر کیا ہے کہ اس کو خطا عمد کا نام دیا جاتا ہے۔

34753۔ (قوله: كَبِيرَيْنِ) اگر وہ صغیر ہوں تو یہ بالاتفاق شبہ عمد ہوگا۔

34754۔ (قوله: خِلَافًا لِغَيْرِهِ) یعنی دونوں ائمہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ امام ”محمد“ رحمہ اللہ اور تینوں دوسرے ائمہ نے

اس سے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ وہ ان کے نزدیک عمد ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس کی تعریف ہے۔

”تہستانی“ نے کہا: یہ جان لو کہ انہوں نے جو ائمہ، قصاص اور کفارہ کے احکام ذکر کیے ہیں جس طرح وہ عمد اور شبہ عمد میں ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک لازم ہوتے ہیں وہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک لازم ہوتے ہیں۔ مگر ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک عمد اس کا ارادہ ایسی چیز کے ساتھ ضرب لگانا ہے جس کے ساتھ غالباً اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔ اور شبہ عمد اس کو کہتے

(وَمَوْجِبُهُ الْإِثْمُ وَالْكَفَّارَةُ وَدِيَّةٌ مُغْلَظَةٌ عَلَى الْعَاقِلَةِ)

اس کا حکم گناہ، کفارہ اور عاقلہ کے ذمہ دیت مغلظہ ہے۔

ہیں جس کے ساتھ غالباً قتل نہیں کیا جاتا۔ اگر ایک آدمی تھوڑے سے پانی میں غرق ہو جائے اور مر جائے تو وہ عمد نہیں اور نہ ہی ان کے نزدیک شبہ عمد ہے۔ اگر اس کو کنویں میں، چھت سے یا پہاڑ سے پھینک دیا جائے اور اس سے نجات کی امید نہ ہو تو وہ ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قتل شبہ عمد ہوگا اور ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک قتل عمد ہوگا۔ ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے جس طرح ”تمہ“ میں ہے۔ ان تمام مسائل کو آنے والی فصل میں ذکر کر دیا جائے گا۔ ”معراج“ میں ”الجبّی“ سے مروی ہے: امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شبہ عمد میں یہ شرط ہے کہ تادیب کا قصد کیا جائے اتلاف کا قصد نہ کیا جائے۔

قتل شبہ عمد کا حکم

34755۔ (قوله: وَمَوْجِبُهُ الْإِثْمُ) یعنی قتل کا گناہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے جان بوجھ کر ضرب لگائی ہے۔ ”مکلی“ نے ”برہان“ سے نقل کیا ہے۔

”زیلعی“ کا کلام جس امر کو بیان کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اس پر ضرب لگانے کا گناہ ہوگا قتل کا گناہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے کہا: اثم اثم الضرب الخ، وہ ضرب کے گناہ سے گناہگار ہوگا۔ کیونکہ اس نے مارنے کا قصد کیا وہ قتل کے گناہ سے گناہگار نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس کا قصد نہیں کیا یہ کفارہ قتل کی وجہ سے واجب ہوا ہے جب کہ وہ اس میں خطا کرنے والا ہے اور ضرب لگانے کی وجہ سے واجب نہیں ہوتا۔ اس پر ”برہان“ کی دلیل دلالت کرتی ہے جو ان الفاظ کے ساتھ ہے: للتعبد الضرب۔ پس اس کی تعلیل اس کے مدعا کے منافی ہے۔ اگر یوں قول کیا جاتا ہے: ولو قيل باناطة الاثم بالقصد الخ اگر یہ قول کیا جاتا ہے: گناہ کا دار و مدار ارادہ پر ہے اگر وہ قتل کا قصد کرے تو قتل کے گناہ سے گناہگار ہوگا۔ اگر وہ ضرب کا قصد کرے تو اس کے گناہ سے گناہگار ہوگا تو اس کی کوئی شان ہوتی، ”ط“۔

34756۔ (قوله: وَدِيَّةٌ مُغْلَظَةٌ) یعنی سواونٹ۔ اگر اونٹوں کے علاوہ اور دیت کا فیصلہ کیا جاتا تو وہ غلیظہ نہ ہوگی، ”قہستانی“۔ بنت مخاض، بنت لبون، حقہ اور جذعہ میں سے چوتھائی چوتھائی لیے جائیں گے جس طرح آگے آئے گا۔

34757۔ (قوله: عَلَى الْعَاقِلَةِ) یعنی جو قاتل کی مددگار ہے، ”قہستانی“۔ قاعدہ یہ ہے ہر وہ دیت جو ابتداءً قتل کی وجہ سے واجب ہوئی ہو نہ کہ اس سبب سے جو بعد میں پیدا ہوا تو ایسی دیت عاقلہ پر ہوگی یہ خطا کا اعتبار کرنے کی وجہ سے ہے۔ اور یہ دیت تین سالوں میں واجب ہوگی، ”ہدایہ“۔

انہوں نے ابتدا کے قول سے اس دیت سے احتراز کیا ہے جو قتل عمد میں صلح سے واجب ہوئی ہے یا والد پر واجب ہوئی جب اس نے اپنے بیٹے کو جان بوجھ کر قتل کر دیا ہو، ”کفایہ“۔

حاصل کلام یہ ہے: وہ مال جو خالص عمد میں واجب ہوتا ہے وہ قاتل کے مال میں واجب ہوتا ہے جب کہ نفس کے قتل سے

سَيَجِيءُ تَفْسِيرُ ذَلِكَ (لَا الْقَوْدُ) لِشَبَّهِهِ بِالْخَطَا نَظَرًا لِأَلْتِهِ إِلَّا أَنْ يَتَكَرَّرَ مِنْهُ فَلِلْإِمَامِ قَتْلُهُ سِيَاسَةً
اِخْتِيَارًا (وَهُوَ) أَيْ شَبَّهُهُ الْعَمْدَ (فِي مَا دُونَ النَّفْسِ) مِنْ الْأَطْرَافِ (عِنْدَ) مُوجِبٌ لِلْقَصَاصِ، فَلَيْسَ فِي مَا دُونَ
النَّفْسِ شَبَّهُهُ عَمْدًا (وَالثَّالِثُ) (خَطَا وَهُوَ) نَوْعَانِ لِأَنَّهُ إِمَّا خَطَا فِي ظَنِّ الْفَاعِلِ كَ (أَنْ يَرْمِيَ شَخْصًا ظَنَّهُ صَيِّدًا

اس کی تفسیر عنقریب آئے گی۔ قصاص لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ قتل خطا کے مشابہ ہے۔ یہ اس کے آلہ کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے مگر جب وہ یہ عمل بار بار کرے تو امام کو حق حاصل ہوگا کہ اس کو بطور سیاست قتل کر دے، ”اختیار“۔ شبہ عمدہ جو نفس سے کم میں ہو یعنی اطراف میں یہ عمدہ ہوگا جو قصاص کو ثابت کرے گا نفس سے کم میں جنایت شبہ عمدہ نہیں ہوتی۔ تیسری قسم قتل خطا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں یا تو فاعل کے گمان میں خطا ہوگی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ایک شے کو تیر مارتا ہے جس کو وہ شکار گمان کرتا ہے

کم جنایت ہو۔ نفس میں ہو یا خطا کی صورت میں ہو تو یہ دیت عاقلہ پر ہوگی۔ شبہ عمدہ میں اگر نفس کے قتل کرنے کی صورت میں ہو تو دیت عاقلہ پر واجب ہوگی اور جو نفس سے کم میں ہے اگرچہ مکمل دیت تک پہنچ جائے تو یہ عاقلہ کے ذمہ ہوگی۔ ”بزازیہ“۔
34758۔ (قوله: سَيَجِيءُ تَفْسِيرُ ذَلِكَ) کفارہ اور دیت کی تفسیر عنقریب آئے گی اور اس میں سے مغلطہ کا ذکر کتاب الدیات میں ہوگا اور عاقلہ کی وضاحت کتاب المعامل میں آئے گی۔

34759۔ (قوله: إِلَّا أَنْ يَتَكَرَّرَ مِنْهُ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے اگرچہ دو دفعہ ہو اس پر وہ چیز دلالت کرتی ہے جس کو ہم آنے والی فصل کے بعد ذکر کریں گے۔

34760۔ (قوله: فَلَيْسَ فِي مَا دُونَ النَّفْسِ شَبَّهُهُ عَمْدًا) کیونکہ یہ ایک آلہ کے بغیر دوسرے آلہ کے ساتھ خاص نہیں پس اس میں شبہ عمدہ کا تصور نہیں ہوگا۔ نفس کا معاملہ مختلف ہے۔ اس کی مکمل بحث ”زیلعی“ میں ہے۔
قتل خطا

34761۔ (قوله: وَالثَّالِثُ خَطَا) ”ابن کمال“ نے کہا: اگرچہ وہ جنایت غلام پر ہو یا کہا: کیونکہ غلام کے مال ہونے سے دین میں متبادر تصور آتا ہے وہ یہ ہے کہ جس کا ذکر کیا گیا ہے وہ اموال کی ضمانت سے متعلق ہے۔ پس یہ دیت عاقلہ کے ذمہ نہ ہوگی۔

قتل خطا کی اقسام

34762۔ (قوله: وَهُوَ نَوْعَانِ) کیونکہ مثلاً کسی شے کی طرف جو کوئی چیز پھینکی جاتی ہے یہ عمل دل کے فعل پر مشتمل ہوتی ہے۔ اور دل کا تعلق قصد و ارادہ ہے۔ اور عضو کے فعل پر مشتمل ہوتا ہے اور وہ تیر پھینکنا ہے۔ اگر خطا پہلے کے ساتھ متصل ہو تو وہ پہلی قسم ہے اگر دوسرے کے ساتھ متصل ہو تو وہ دوسری قسم ہے، ”عنایہ“۔

34763۔ (قوله: ظَنَّهُ صَيِّدًا) اس میں غور و فکر کیجئے کیا ظن کے دعویٰ کا اعتبار کیا جائے گا یا پہلے اس کا تحقق ضروری

أَوْ حَرَبِيًّا) أَوْ مُرْتَدًّا (فَإِذَا هُوَ مُسْلِمٌ أَوْ خَطَأَنِي نَفْسِ الْفَعْلِ كَأَنْ يَرْمِي (عَرَضًا) أَوْ صَيْدًا (فَأَصَابَ آدَمِيًّا) أَوْ رَمَى عَرَضًا فَأَصَابَهُ ثُمَّ رَجَعَ عَنْهُ أَوْ تَجَاوَزَ عَنْهُ إِلَى مَا وَرَاءَهُ فَأَصَابَ رَجُلًا أَوْ قَصَدَ رَجُلًا فَأَصَابَ غَيْرَهُ أَوْ أَرَادَ يَدَ رَجُلٍ فَأَصَابَ عُنُقَ غَيْرِهِ، وَلَوْ عُنُقَهُ فَعَمْدٌ قَطْعًا أَوْ أَرَادَ رَجُلًا فَأَصَابَ حَائِطًا ثُمَّ رَجَعَ السَّهْمُ فَأَصَابَ الرَّجُلَ فَهُوَ خَطَأٌ؛ لِأَنَّهُ أَخْطَأَنِي إِصَابَةُ الْحَائِطِ وَرُجُوعُهُ سَبَبٌ آخَرُ وَالْحَكْمُ يُضَافُ لِآخِرِ أَسْبَابِهِ ابْنُ كَمَالٍ عَنِ النُّحَيْطِ قَالَ وَكَذَا لَوْ سَقَطَ مِنْ يَدِهِ خَشَبَةٌ أَوْ لَبَنَةٌ فَقَتَلَ رَجُلًا يَتَحَقَّقُ الْخَطَأُ فِي الْفَعْلِ وَلَا قَصْدَ فِيهِ فَكَلَامُ صَدْرِ الشَّرِيعَةِ فِيهِ مَا فِيهِ وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ

یا حربی گمان کرتا ہے یا مرتد گمان کرتا ہے تو وہ مسلمان تھا یا نفس فعل میں خطا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ایک نارگٹ یا شکار کو تیر مارتا ہے تو وہ تیر کسی اور کو جا لگتا ہے یا وہ ایک آدمی کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کسی اور کی گردن میں جا لگتا ہے اگر وہ اس کی گردن ہو اور وہ قطعی طور پر اس کا قصد کرتا ہے یا اس نے ایک آدمی کا ارادہ کیا تو وہ تیر دیوار کو جا لگا پھر تیر پلٹا اور آدمی کو جا لگا تو یہ خطا ہے۔ کیونکہ دیوار کو لگنے میں اس سے خطا صادر ہوگئی اور اس کا لوٹنا دوسرا سبب ہے اور حکم کو آخری سبب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ”ابن کمال“ نے ”النحیط“ سے نقل کیا ہے کہا: اسی طرح اگر اس کے ہاتھ سے لکڑی یا اینٹ گر پڑی تو اس نے ایک آدمی کو قتل کر دیا تو فعل میں خطا متحقق ہوگئی اور اس میں اس کا کوئی قصد نہیں۔ پس اس میں ”صدر الشریعہ“ کے کلام میں جو خلل ہے وہ اس میں ہے اور جو ”وہبانیہ“ میں ہے:

ہے اس کی صورت یہ ہے کہ اس پر گواہی دی جائے، ”ط“۔ پھر اس کو نقل کیا جس سے مراد مکمل نہیں ہوتا ہم عنقریب اس بارے میں باب الشہادۃ علی القتل میں وضاحت کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

34764۔ (قوله: عَرَضًا) یہ لفظ دو حروف مجملہ کے ساتھ ہے درمیان را متحرکہ یہ وہ ہدف ہے جس کی طرف کوئی شے پھینکی جاتی ہے۔

34765۔ (قوله: فَأَصَابَ رَجُلًا) یہ ان کے قول ثم رجع یا تجاوز پر مرتب ہے۔

34766۔ (قوله: وَرُجُوعُهُ سَبَبٌ آخَرُ) وہ دیوار کو لگتا ہے جو رمی کا سبب ہے۔

34767۔ (قوله: فَكَلَامُ صَدْرِ الشَّرِيعَةِ فِيهِ مَا فِيهِ) کیونکہ خطا فی الفعل میں یہ شرط لگائی ہے کہ اس سے وہ نفس

صادر نہ ہو جس کا قصد کیا تھا بلکہ دوسرا فعل صادر ہو۔

اس پر وہ اعتراض وارد ہوتا ہے جو گزر چکا ہے کہ جب وہ کسی نارگٹ پر کوئی شے پھینکے وہ اس کو لگے پھر اس سے لوٹے یا اس سے تجاوز کر جائے تو وہ ایک اور آدمی کو جا لگے تو فعل میں خطا متحقق ہوگی اور شرط دونوں صورتوں میں مفقود ہوگی۔ جب اس کے ہاتھ میں لکڑی یا اینٹ گر جائے اور کسی آدمی کو قتل کر دے تو فعل میں خطا متحقق ہو جائے گی اور اس میں کوئی قصد نہیں۔ یہ ”ابن کمال“ نے بیان کیا ہے۔ ”طحطاوی“ نے کہا: لیکن عنقریب یہ آئے گا کہ یہ اس قسم میں سے ہے جو مجری الخطا کے قائم مقام ہے۔

وَقَاصِدِ شَخْصٍ إِنْ أَصَابَ خِلَافَهُ . فَذَا خَطَاؤُ الْقَتْلِ فِيهِ مُعَذَّرُ

وَقَاصِدِ شَخْصٍ حَالَةَ النَّوْمِ إِنْ يَسْتَفِيقُ إِنْ أَبْقَى دَمًا مِنْهُ يُنْهَرُ

(وَالرَّابِعُ مَا جَرَى مَجْرَاهُ) مَجْرَى الْخَطَا (كُنَائِمِ انْقَلَبَ عَلَى رَجُلٍ فَقَتَلَهُ)؛ لِأَنَّهُ مُعَذَّرٌ كَالْمُخْطِئِ (وَمُوجِبُهُ) أَمَى مُوجِبُ هَذَا النَّوْمِ مِنَ الْفِعْلِ وَهُوَ الْخَطَا وَمَا جَرَى مَجْرَاهُ (الْكَفَّارَةُ وَالْذِّيَّةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَالْإِثْمُ دُونَ إِثْمِ الْقَتْلِ إِذَا الْكَفَّارَةُ تُؤْذِنُ بِالْإِثْمِ

ایک ذات کا قصد کرنے والا اگر اس کے برعکس کو جا پہنچے تو وہ خطا ہے اور اس میں قتل ممنوع ہے نیند کی حالت میں ایک ذات کا ارادہ کرنے والا اگر وہ مر جائے تو اس میں قصاص لیا جائے گا اگر اس سے بہتا ہوا خون چھوڑے۔ اور چوتھی قسم وہ ہے جو خطا کے قائم مقام ہے جیسے سونے والے ایک آدمی پر کروٹ بدلی تو اس کو قتل کر دیا۔ کیونکہ یہ مخطی کی طرح معذور ہے اس کا موجب یہ ہے یعنی فعل کی اس نوع جو قتل خطا ہے اور جو اس کے قائم مقام ہے۔ اس کا حکم کفارہ اور عاقلہ پر دیت ہے اور گناہ قتل کے گناہ سے کم ہوگا۔ کیونکہ کفارہ گناہ کے بارے میں آگاہ کرتا ہے۔

34768۔ (قوله: إِنْ أَصَابَ خِلَافَهُ) یعنی ایسی ذات کو جا لگا جو نارگٹ کے علاوہ تھا۔

34769۔ (قوله: وَالْقَتْلُ فِيهِ مُعَذَّرُ) یعنی اس میں قصاص ممتنع ہے۔

34770۔ (قوله: حَالَةَ النَّوْمِ) یعنی اس شخص کی نیند کی حالت میں۔

34771۔ (قوله: إِنْ أَبْقَى دَمًا) یعنی خون بہتا ہوا چھوڑا۔ جو ”وہابیہ“ میں الفاظ ہیں وہ یقیناً ہے۔ اس میں غور و فکر کرو جو حالۃ النوم کی قید لگانے کی وجہ ہے۔ یہ قول گزر چکا ہے کہ سوئی جب مقتل کو پہنچے گی تو اس میں قصاص ہوگا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ قصداً کا محل قتل کی جگہ کے علاوہ ہے جب وہ سویا ہوا نہ ہو اور اس نے اس کے خون کو بہتا ہوا چھوڑا تو اس کی موت اس کی طرف منسوب ہوگی، فلیتأمل۔

قتل جاری مجری الخطا

34772۔ (قوله: وَالرَّابِعُ مَا جَرَى مَجْرَاهُ الْخَطَا) اس کا حکم شرع میں خطا کا حکم ہے لیکن حقیقت میں جو خطا ہو اس سے کم ہوگا۔ کیونکہ جو آدمی سوار ہو وہ اصلاً اہل ارادہ میں سے نہیں ہے بے شک کفارہ واجب ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس جگہ نیند سے بچنے کو ترک کیا ہے جہاں اس کے قاتل ہونے کا وہم ہو سکتا تھا۔ قتل خطا میں کفارہ یہ احتیاط کو ترک کرنے سے بھی واجب ہوتا ہے۔ میراث سے محرومی یہ براہ راست قتل کرنے کی وجہ سے ہے۔ اور یہ وہم بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اونگھ رہا ہو سورہا ہو جب کہ اس کا ارادہ یہ ہو کہ وہ جلدی اس کا وارث بنے وہ آدمی جو چھت سے گرے اور کسی انسان پر جا پڑے یا اس کے ہاتھ میں اینٹ ہو یا لکڑی ہو اور وہ اس کے ہاتھ سے کسی انسان پر جاگری ہو یا وہ سواری پر ہو تو اس نے کسی انسان کو روند دیا ہو اور اس کو قتل کر دیا ہو یہ سونے والے کی مثل ہوگا۔ کیونکہ یہ ارادہ کے بغیر معصوم کا قتل ہے۔ ”کفایہ“۔

لِتُزَكَّ الْعَزِيزَةُ (و) الْخَامِسُ (قَتْلُ بِسَبَبٍ كَخَافِرِ الْبِئْرِ وَوَاضِعِ حَجَرٍ فِي غَيْرِ مِلْكِهِ) بِغَيْرِ إِذْنٍ مِنَ السُّلْطَانِ ابْنُ كَمَالٍ؛ وَكَذَا وَضَعُ خَشَبَةٍ عَلَى قَارِعَةِ الطَّرِيقِ وَنَحْوُ ذَلِكَ إِلَّا إِذَا مَشَى عَلَى الْبِئْرِ وَنَحْوِهِ بَعْدَ عَلَيْهِ بِالْحَفْرِ وَنَحْوِهِ دُرَّرٌ

کیونکہ اس نے عزیمت کو ترک کیا ہے۔ پانچویں قسم قتل بالسبب ہے جیسے غیر کی ملک کنواں کھودنے والا اور لکڑی رکھنے والا جب کہ سلطان کی جانب سے کوئی اجازت نہ ہو، ”ابن کمال“۔ اسی طرح شارع عام پر لکڑی رکھنے والا وغیرہ مگر جب کوئی آدمی کنواں وغیرہ کے بارے میں آگاہ ہونے کے باوجود اس پر چلے، ”درر“۔

34773۔ (قوله: لَتُزَكَّ الْعَزِيزَةُ) یہ یہاں تثبت میں مبالغہ کے لیے ہے۔ ”کفایہ“ میں کہا: یہ گناہ قتل کا گناہ ہے۔ کیونکہ تثبت میں مبالغہ کو ترک کرنا یہ گناہ نہیں وہ اس کے ساتھ اس وقت گناہ گار ہوگا جب اس کے ساتھ قتل متصل ہو۔ پس کفارہ قتل کے گناہ کی وجہ سے ہے اگرچہ اس میں قتل کے قصد کا اٹم نہیں۔ تامل قتل بالسبب

34774۔ (قوله: وَوَاضِعِ حَجَرٍ) جب کوئی دوسرا اس کو ایک طرف نہ کرے اگر کوئی دوسرا اس کو ایک طرف کرے اور اس کی وجہ سے کوئی آدمی ہلاک ہو جائے تو ایک طرف کرنے والا ضامن ہوگا جس طرح مصنف باب ما یحدثہ الرجل فی الطریق میں عنقریب ذکر کریں گے۔

34775۔ (قوله: فِي غَيْرِ مِلْكِهِ) یہ کھودنے اور لکڑی رکھنے کی علت ہے، ”درر“۔ اگر وہ اس کی ملک میں ہو تو کوئی تعدی نہیں پھر نہ دیت ہوگی اور نہ ہی کفارہ ہوگا، ”ط“۔

34776۔ (قوله: مِنَ السُّلْطَانِ) ظاہر یہ ہے کہ مراد ہے جو اس کے نائب کو عام ہو، ”ط“۔

34777۔ (قوله: وَنَحْوُ ذَلِكَ الْخ) یعنی لکڑی کی مثل جیسے بطیح کے چھلکے۔ پس اس کی وجہ سے جو تلف ہو وہ رکھنے والا اس کا ضامن ہوگا جس طرح ”قاری الہدایہ“ نے فتویٰ دیا ہے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا جب وہ راستہ میں چھڑکاؤ کرے۔ ”ذخیرہ“ میں کہا: اسی طرح ”الکتاب“ میں مطلقاً ذکر کیا ہے۔ علما نے کہا: چھڑکاؤ کرنے والا ضامن ہوگا۔ جب کوئی گزرے۔ والا چھڑکاؤ پر گزرے اور اس کا اسے علم نہ ہو جیسے رات ہو یا گزرنے والا ناہینا ہو۔ اسی طرح کا حکم ہوگا جب وہ لکڑی یا پتھر پر گزرے۔ مشائخ میں سے کچھ علما ایسے ہیں جنہوں نے اس کے علاوہ کے ساتھ تفصیل بیان کی ہے۔ کہا: اگر اس نے بعض راستہ پر چھڑکاؤ کیا یہاں تک کہ خشک جگہ پر گزرنا اس کے لیے ممکن تھا تو کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ اگر اس نے مکان کے فنا میں اس کے مالک کی اجازت سے چھڑکاؤ کیا تو ضمان بطور استحسان آمر پر ہوگی۔ اس کی مکمل بحث ”تاتر خانیہ“ میں ہے۔

فرع: ایک آدمی پتھر سے ٹکرایا اور ایک کنواں میں جا کر جس کو کسی آدمی نے کھودا تھا تو ضمان پتھر رکھنے والے کے ذمہ ہوگی اگر اسے کسی انسان نے رکھا ہو تو کنواں کھودنے والے پر ضمان ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی ایسے پانی سے پھسلا جسے کسی آدمی

(وَمَوْجِبُهُ الدِّيَّةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ لَا الْكَفَّارَةَ) وَلَا إِثْمُ الْقَتْلِ بَلْ إِثْمُ الْحَفْرِ وَالْوَضْعِ فِي غَيْرِ مِلْكِهِ دُرٌّ (وَكُلُّ ذَلِكَ يُوجِبُ حَرَمَانَ الْإِرْثِ) لَوْ الْجَانِ مُكْغَفًا ابْنُ كَمَالٍ (إِلَّا هَذَا) أَيْ الْقَتْلُ بِسَبَبٍ لِعَدَمِ قَتْلِهِ وَالْحَقُّ الشَّافِعِيُّ بِالْخَطَأِ فِي أَحْكَامِهِ

اس کا حکم یہ ہے کہ عاقلہ پر دیت لازم ہوگی کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی قتل کا گناہ لازم ہوگا بلکہ کھودنے اور غیر کی ملک میں لکڑی رکھنے کا گناہ لازم ہوگا، ”درر“۔ یہ سب وراثت کی محرومی کو ثابت کرے گی اگر جنایت کرنے والا مکلف ہو قتل خطا کے ساتھ۔ مگر یہ قتل بسبب کیونکہ یہ قتل نہیں۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے اسے احکام میں لاحق کیا ہے۔

نے بہایا تھا تو وہ کنویں میں گر پڑا تو ضمان پانی بہانے والے پر ہوگی اگر وہ بارش کا پانی ہو تو کنواں کھودنے والے کے ذمہ ہوگی، ”تا ترخانہ“۔ ”جوہرہ“ میں ہے: قول کھودنے والے کا بطور استحسان معتبر ہوگا کہ اس نے اپنے آپ کو جان بوجھ کر گرایا ہے۔

34778۔ (قوله: وَكُلُّ ذَلِكَ) یعنی قتل کی وہ اقسام جن کی اجازت نہیں جو گزر چکی ہے، ”ط“۔

34779۔ (قوله: لَوْ الْجَانِ مُكْغَفًا) اگر وہ قاتل بچہ یا مجنون ہو تو وارث ہوگا جس طرح سید کی شرح ”سراجیہ“ میں

ہے، ”ط“۔

34780۔ (قوله: لِعَدَمِ قَتْلِهِ) یعنی اس نے براہ راست اسے قتل نہیں کیا۔ ضمان کے واجب کرنے میں اسے مباشر

کے ساتھ لاحق کیا ہے تاکہ خون کے رائیگاں ہونے سے اسے بچایا جائے یہ اصل کے خلاف ہے۔ پس کفارہ اور میراث سے محرومی میں یہ اپنے اصل پر رہے گا۔ ”کفایہ“، واللہ اعلم۔

فَصْلٌ فِی مَا یُوجِبُ الْقَوْدَ وَمَا لَا یُوجِبُهُ

(یَجِبُ الْقَوْدُ أَمَى الْقِصَاصُ بِقَتْلِ كُلِّ مَحْقُونِ الدَّمِ بِالنَّظَرِ لِقَاتِلِهِ دُرّاً، وَسَيَتَضَحُّ عِنْدَ قَوْلِهِ لَوْ قَتَلَ الْقَاتِلَ أَجْنَبِيٌّ (عَلَى التَّأْيِيدِ عَمْدًا) وَهُوَ الْمُسْلِمُ وَالذِّمِّيُّ لَا الْمُسْتَأْمِنُ وَالْحَرَبِيُّ (بِشَرْطِ كَوْنِ الْقَاتِلِ مُكَلَّفًا)

قصاص کے احکام

قصاص واجب ہوگا ہر ایسے شخص کے قتل سے جس کا خون دائمی محفوظ ہو یہ اس کے قاتل کے پیش نظر ہے، ”درر“۔ اس کی وضاحت عنقریب ان کے قول لوقتل القاتل اجنبی کے ہاں آئے گی۔ اور قاتل نے اسے جان بوجھ کر قتل کیا ہو جس کا خون دائمی طور پر محفوظ ہے وہ مسلمان ہے یا ذمی ہے نہ کہ وہ مستامن حربی ہے۔ شرط یہ ہے کہ قاتل مکلف ہو۔

34781۔ (قوله: مَحْقُونِ الدَّمِ) حقن کا معنی بچانا ہے۔ ”مغرب“ میں ہے: حقن دمہ جب اس کا خون بہانے سے بچالیا۔ اس لفظ کے ساتھ مباح الدم سے احتراز کیا ہے جیسے ایسا زانی جو شادی شدہ ہو، حربی اور مرتد۔ مراد کامل حقن ہے جو آدمی دار الحرب میں مسلمان ہوا تو وہ ہمیشہ کے لیے محقون الدم ہو جائے گا وہاں اس کے قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ کیونکہ کمال حقن یعنی کامل بچاؤ اس عصمت کے ساتھ ہوتا ہے جو مقوم (جس کی قیمت لگائی جائے) اور موثم (جو گناہ کو ثابت کر دے) ہو اور اسلام قبول کرنے سے عصمت موثمہ تو حاصل ہو جاتی ہے مقومہ حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ عصمت دارالاسلام کے ساتھ حاصل ہوتی ہے۔ اسے ”کفایہ“ میں بیان کیا ہے۔

34782۔ (قوله: بِالنَّظَرِ لِقَاتِلِهِ) یہ قاتل کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے مطلقاً نہیں۔ کیونکہ اگر کوئی اجنبی آدمی مقتول کی جانب سے قاتل کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو اجنبی سے قاتل کا قصاص لیا جائے گا اگر اجنبی نے اسے جان بوجھ کر قتل کیا ہو۔ ”وانی“ نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ یہ اس سے عام ہے کہ یہ حکم سے پہلے ہو یا اس کے بعد ہو۔ کیونکہ حکم کے بعد اولیاء کی جانب سے معاف کرنے کا احتمال موجود ہے۔

34783۔ (قوله: عَلَى التَّأْيِيدِ) اس قول کے ساتھ مستامن سے احتراز کیا ہے۔

اس تعریف پر یہ صورت اشکال کا باعث نہیں ہوتی کہ ایک مسلمان اپنے مسلمان بیٹے کو جان بوجھ کر قتل کر دے کیونکہ اس وقت اس سے قصاص نہیں لیا جاتا کیونکہ قصاص اصل میں واجب تھا لیکن باپ ہونے کے شبہ کی وجہ سے مال کی طرف پھر گیا ہے جب کہ یہ امر عارض ہے اور گفتگو اصل کے بارے میں ہو رہی ہے۔ اسی وجہ سے بیٹا اس قتل کے ساتھ شہید ہوتا ہے۔ پس اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا جب وقف کا غلام جان بوجھ کر قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ قصاص واجب نہیں ہوگا

لِبَا تَقَرَّرَ أَنَّهُ لَيْسَ لِصَبِيٍّ وَمَجْنُونٍ عَمْدٌ فِي الْبَرَّازِيَّةِ حُكْمٌ عَلَيْهِ بِقَوْدٍ فَجُنَّ قَبْلَ دَفْعِهِ لِلْوَلِيِّ انْقِلَابَ دِيَّةٍ مَنْ يُجَنُّ وَيُفِيقُ قَتْلَ فِي إِفَاقَتِهِ قُتِلَ، فَإِنْ جُنَّ بَعْدَهُ، إِنْ مُطْبِقًا سَقَطَ، وَإِنْ غَيْرَ مُطْبِقٍ قُتِلَ قَتْلَ عَبْدٍ مَوْلَاهُ عَمْدًا إِلَّا رَوَايَةً فِيهِ

کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بچے اور مجنون کا فعل عمد نہیں۔ ”بزازیہ“ میں ہے: اس پر قصاص کا حکم دیا گیا تو ولی کے حوالے کرنے سے قبل اسے جنون لاحق ہو گیا۔ یہ قصاص دیت کی طرف پھر جائے گا۔ جس کو جنون لاحق ہوتا ہو اور جسے افاقہ ہوتا ہو اس نے اپنے افاقہ کی حالت میں قتل کیا تو اس کو قتل کیا جائے گا۔ اگر اس کے بعد اسے جنون لاحق ہو گیا اگر جنون مطبق ہو تو قصاص ساقط ہو جائے گا۔ اگر غیر مطبق ہو تو اس کو قتل کیا جائے گا۔ غلام نے اپنے آقا کو جان بوجھ کر قتل کیا اس بارے میں کوئی روایت نہیں۔

جس طرح آگے آئے گا۔ کیونکہ قصاص موجب اصلی ہے اور وقف کے نفع کی رعایت کرنے کے عارض کی وجہ سے وہ مال بن گیا ہے۔ ”طحاوی“ نے ”مکی“ سے روایت کیا ہے، ”ملخص“۔

34784۔ (قوله: لِبَا تَقَرَّرَ) اس کی وضاحت فصل الجنین سے تھوڑا پہلے آئے گی۔

بچے اور مجنون سے قصاص کا شرعی حکم

34785۔ (قوله: انْقِلَابَ دِيَّةٍ) یعنی بطور استحسان اس پر کوئی قصاص نہیں ہوگا اگر حوالے کرنے کے بعد اسے جنون لاحق ہو جائے تو اسے قتل کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ کیونکہ اس پر قصاص کے وجوب کی شرط یہ ہے کہ حالت وجوب میں وہ مخاطب ہے۔ اور یہ امر قضا کے ساتھ ہے اور یہ حوالے کرنے کے ساتھ مکمل ہو جائے گا۔ جب حوالے کرنے سے قبل اسے جنون لاحق ہو جائے تو وجوب میں خلل واقع ہوگا۔ پس وہ اسی طرح ہو گیا جب قضا سے پہلے اسے جنون لاحق ہو گیا ہو۔ ”ولو البجیہ“۔

34786۔ (قوله: مَنْ يُجَنُّ) یہ مجہول کا صیغہ ہے اور یفقیق یہ افاق سے مشتق ہے۔ ”ط“۔ من مبتدا ہے پہلا قتل یہ معروف کا صیغہ ہے اور حال ہے یا یہ محذوف ادات شرط کی شرط ہے اور دوسرا قتل یہ مجہول کا صیغہ ہے یہ خبر ہے۔ اس کا معنی ہے اس کے قتل کا حکم دیا جائے گا۔

34787۔ (قوله: فَإِنْ جُنَّ بَعْدَهُ) یعنی اس نے افاقہ میں اس کو قتل کیا تو اس کے بعد اس کو جنون لاحق ہو گیا۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کی قید لگائی جائے جب اس کا جنون قضا اور حوالے کرنے سے قبل لاحق ہو جائے یہ ماقبل سے ماخوذ ہے۔ فلیتأمل۔

34788۔ (قوله: إِنْ مُطْبِقًا) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ایک مہینہ رہے یا سال رہے جب کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ ”ولو البجیہ“۔

34789۔ (قوله: سَقَطَ) یعنی قصاص ساقط ہو جائے گا۔

34790۔ (قوله: وَإِنْ غَيْرَ مُطْبِقٍ قُتِلَ) یعنی افاقہ کے بعد جس طرح ”ولو البجیہ“ وغیرہ میں ہے۔

وَقَالَ أَبُو جَعْفَرٍ يُقْتَلُ قَتْلَ عَبْدٍ الْوَقْفِ عَمْدًا لَا قَوْدَ فِيهِ قَتْلَ خَتْنَةٍ عَمْدًا وَبِئْتُهُ فِي نِكَاحِهِ سَقَطَ الْقَوْدُ
اھ (و) بِشَرْطِ (اتِّفَاعِ الشُّبْهَةِ) كَوَلَادٍ أَوْ مِلْكٍ أَوْ أَعَمَّ كَقَوْلِهِ أُقْتَلَنِي فَقَتَلَهُ (بَيْنَهُمَا)

”ابو جعفر“ نے کہا: اس کو قتل کیا جائے گا ایک آدمی نے وقف کے غلام کو جان بوجھ کر قتل کیا تو اس میں کوئی قصاص نہیں ہوگا۔ ایک آدمی نے اپنے داماد کو جان بوجھ کر قتل کر دیا جب کہ اس کی بیٹی اس کے عقد میں تھی قصاص ساقط ہو جائے گا۔ اور پس شرط کی بنا پر کہ دونوں کے درمیان شبہ نہ ہو جیسے ولادت، ملک یا جو اس سے عام ہو جس طرح اس کا قول تو مجھے قتل کر دے تو اس نے اسے قتل کر دیا

غلام اپنے آقا کو عمداً قتل کر دے تو اس کا شرعی حکم

34791۔ (قوله: وَقَالَ أَبُو جَعْفَرٍ يُقْتَلُ) یہ متن کے قول: وجنایتہ علی الراهن والمرتهن معتبرة کے ہاں

صراحتہ گزر چکا ہے۔ ”حموی“ نے کہا: کیونکہ قصاص آدمیت کی جہت سے ہے جب کہ اس میں آقا سے اجنبی ہے، ”ساحانی“۔

اگر کوئی شخص اپنے داماد کو عمداً قتل کر دے تو اس کے قصاص کا شرعی حکم

34792۔ (قوله: لَا قَوْدَ فِيهِ) بلکہ وہ مال کی طرف پھر جائے گا۔ کیونکہ یہ وقف کے لیے زیادہ نافع ہے جس طرح

پہلے ”مکی“ سے گزر چکا ہے۔ ”شربلالیہ“ میں ہے: شاید اس کی وجہ اس کا ”اشتباہ“ ہے کہ کسے قصاص کا حق حاصل ہے۔ کیونکہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک وقف مالک کی ملکیت پر عین کو محبوس کرنا ہے۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ملکیت کے حکم پر اسے محبوس کرنا ہے۔ جو قاتل کو لازم آتا ہے اس سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ شاید وہ قیمت ہو۔ پس اس میں غور و فکر کیا جانا چاہیے۔

میں کہتا ہوں: ”البحر“ کی کتاب الوقف میں کہا: یہ امر مخفی نہیں کہ قیمت واجب ہوگی جس طرح اگر وہ قتل خطا کرے اور متولی اس قیمت کے ساتھ غلام خرید لے اور وہ وقف ہو جائے جس طرح اگر مدبر کو خطا قتل کر دیا جائے اور آقا اس کی قیمت لے لے تو وہ اس قیمت کے ساتھ غلام خریدے گا اور وہ مدبر ہو جائے گا۔ ”ذخیرہ“ میں اس کی تصریح کی ہے۔

34793۔ (قوله: قَتْلَ خَتْنَةٍ) ختن ہر اس رشتے دار کو کہتے ہیں جو عورت کی جانب سے رشتہ دار ہو جیسے باپ اور

بھائی۔ عربوں کے ہاں یہ اسی طرح ہے۔ عام علما کے نزدیک اس کی بیٹی کا خاوند ہے۔ یہاں مراد دوسری تعبیر ہے۔

34794۔ (قوله: سَقَطَ الْقَوْدُ) کیونکہ وہ اپنے باپ کے خلاف قصاص کی وارث بنی ہے۔

میں کہتا ہوں: بلکہ ابتداء اس کے لیے قصاص ثابت ہوا ہے وراثت کے طور پر ثابت نہیں ہوا جس طرح شارح نے ”صدر الشریعہ“ پر اعتراض کیا ہے اس قول میں جو مصنف کے قول: ویسقط قود ورثہ علی ابیہ کے ہاں آئے گا۔

34795۔ (قوله: أَوْ أَعَمَّ كَقَوْلِهِ أُقْتَلَنِي) یہ قول بعض نسخوں سے ساقط ہے اور بعض نسخوں میں ہے او اعم کی جگہ او

امر ہے جب کہ یہ اولیٰ ہے فصل کے آخر میں عنقریب آئے گا: انه تجب الدیۃ فی مالہ فی الصحیح۔

كَمَا سَيَجِيءُ (فَيُقْتَلُ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَبِالْعَبْدِ) غَيْرُ الْوَقْفِ كَمَا مَرَّ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ وَلَنَا إِطْلَاقُ قَوْلِهِ تَعَالَى أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ فَإِنَّهُ نَاسِخٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ الْآيَةَ كَمَا رَوَاهُ السُّيُوطِيُّ فِي الدَّرِّ الْمَشْهُورِ عَنْ النَّحَّاسِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلَى أَنَّهُ تَخْصِيصٌ بِالذِّكْرِ فَلَا يَنْفِي مَا عَدَاكَ كَيْفَ وَلَوْ ذَلَّ لَوَجَبَ أَنْ لَا يُقْتَلَ الذَّكْرُ بِالْأُنْثَى وَلَا قَائِلٌ بِهِ قِيلَ وَلَا الْحُرُّ بِالْعَبْدِ

جس طرح اس کا ذکر آئے گا۔ پس آزاد کو آزاد کے بدلے میں اور غلام کے بدلے میں جو وقف کا نہ ہو قتل کیا جائے گا جس طرح گزر چکا ہے۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کے ارشاد، نفس کے بدلے نفس ہے، کا اطلاق ہے۔ کیونکہ یہ ارشاد باری تعالیٰ: الحار بالحر، آزاد کے بدلے آزاد کے لیے ناسخ ہے جس طرح امام ”سیوطی“ نے ”الدرا المشہور“ میں ”نحاس“ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے اس شرط پر کہ تخصیص بالذکر ہے۔ پس یہ ماعدہ کی نفی نہیں کرتی اگر یہ دلالت کرے تو یہ واجب آئے گا کہ مذکر کو مؤنث کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے گا جب کہ اس قول کا کوئی قائل نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: اور نہ ہی آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل کیا جائے

34796۔ (قولہ: کَمَا سَيَجِيءُ) یعنی تینوں مسائل اس فصل میں متن میں آئیں گے۔

آزاد کو غلام کے بدلے قتل کرنے کے حکم میں امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کا موقف

34797۔ (قولہ: خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ) امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کے نزدیک غلام کے بدلے میں آزاد کو نہیں قتل کیا جائے گا۔

احناف کا موقف اور اس کی دلیل

34798۔ (قولہ: أَنَّ النَّفْسَ) یہ ہمزہ کے فتح کے ساتھ ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَكُتِبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا (المائدہ: 45) کا معمول ہے۔

34799۔ (قولہ: عَلَى أَنَّهُ تَخْصِيصٌ بِالذِّكْرِ) آیت میں اختصار آزاد پر ہے اور یہ اس کا بعض ہے جس کو اللہ تعالیٰ کا فرمان: ان النفس بالنفس شامل ہے۔ یہ غلام سے حکم کی نفی کا تقاضا نہیں کرتا۔ پس یہ اس مقابلہ کی طرح ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: الانثی بالانثی، اور مذکر مؤنث کے مقابلہ میں قتل کو ممنوع قرار نہیں دیا گیا۔ ”زیلعی“ نے کہا: انثی کے مقابل انثی کا آنا یہ آزاد اور لونڈی کے درمیان قصاص کے جاری ہونے پر دلیل ہے۔

34800۔ (قولہ: وَلَا الْحُرُّ بِالْعَبْدِ) صحیح یہ قول ہے: ولا العبد بالحر جس طرح ”المنح“ میں ہے، ”ح“۔ یعنی امام

”شافعی“ رحمہ اللہ پر اعتراض میں یہ کہا گیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فرمان الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ (البقرہ: 178) اس امر پر دال ہوتا کہ آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کا خصوصاً ذکر کیا ہے تو واجب آئے گا کہ غلام آزاد کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے۔

وَرُدَّ بِدُخُولِهِ بِالْأُولَى وَلِأَبِي الْفَتْحِ الْبُسْتِیِّ نَظْمًا قَوْلُهُ

خُذُوا بِيَدِي هَذَا الْغَزَالَ فَإِنَّهُ

وَلَا تَقْتُلُوهُ إِنِّي أَنَا عَبْدُهُ

فَأَجَابَهُ بَعْضُ الْحَنْفِيَّةِ رَاذًا عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ

خُذُوا بِيَدِي مَنْ رَايَ قَتْلِي بِلَحْظِهِ

وَقَوْدُوا بِهِ جَبْرًا وَإِنْ كُنْتُ عَبْدَهُ

وَلَمْ يَخْشَ بَطْشَ اللَّهِ فِي قَاتِلِ الْعَبْدِ

لِيَعْلَمَ أَنَّ الْحُرَّ يُقْتَلُ بِالْعَبْدِ

اور اس کے بطریق اولیٰ داخل ہونے سے اس کو رد کر دیا گیا ہے۔ ”ابو الفتح البستی“ کے اشعار ہیں: میرے خون کے بدلے میں اس غزال کو پکڑ لو کیونکہ اس نے جان بوجھ کر مجھے اپنے گوشہ چشم کے دو تیروں سے مار ڈالا ہے۔ تم اس کو قتل نہ کرنا کیونکہ میں اس کا غلام ہوں۔ اور میں نے کبھی آزاد کو نہیں دیکھا کہ اسے غلام کے بدلے میں قتل کیا جاتا ہو۔ بعض حنفیہ نے اس کا رد کرتے ہوئے جواب دیا: اس کو میرے خون کے بدلے میں پکڑ لو جو اپنی نظر سے میرے قتل کا ارادہ کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہ ڈرا جو جان بوجھ کر قتل کرنے والا ہے۔ اس سے زبردستی قصاص لو اگرچہ میں اس کا غلام ہوں تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل کیا جاتا ہے۔

34801۔ (قوله: وَرُدَّ) اس قول کو رد کیا گیا ہے۔ کیونکہ جب آزاد کو آزاد کے بدلے میں عبارت النص کی وجہ سے قتل کیا جائے گا تو غلام کو آزاد کے بدلے میں بدرجہ اولیٰ دلالت النص سے قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ غلام آزاد سے درجہ میں کم ہے جس طرح اف کہنے کی حرمت مارنے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ اعتراض ”صدر الشریعہ“ کی جانب سے ہے۔ اور اس کا رد کرنے والے ”مسئلا خسرو“ اور ”ابن کمال“ ہیں۔

34802۔ (قوله: وَلِأَبِي الْفَتْحِ الْبُسْتِیِّ) بعض نسخوں سے یہ قول ساقط ہے۔

34803۔ (قوله: خُذُوا بِيَدِي الْخ) اس میں محبت کی سچائی کا موجود نہ ہونا ایسا امر ہے جو مخفی نہیں۔

34804۔ (قوله: وَلَا تَقْتُلُوهُ الْخ) اس کی ماقبل سے منافات ہے۔ کیونکہ خون کے بدلے پکڑنا یہ قتل کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ صحیح نہیں کہ اسے دیت پر محمول کیا جائے۔ کیونکہ غلام کی دیت آقا پر واجب نہیں ہوتی، ”ط“۔

34805۔ (قوله: وَلَمْ أَرْ حُرًّا قَطُّ يُقْتَلُ بِالْعَبْدِ) بعض نسخوں میں یہ الفاظ ہیں: لَا يُقْتَلُ الْحُرُّ بِالْعَبْدِ۔

34806۔ (قوله: لِيَعْلَمَ الْخ) اس میں ہے کہ آزاد کو اپنے غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جاتا اگر اس نے غیر کے

غلام کا ارادہ کیا ہے تو یہ اس قول: دَانِ كُنْتُ عَبْدَهُ الْخ کے مناسب نہیں، ”ح“۔

میں کہتا ہوں: مراد لطیف اسلوب سے حکم کا اظہار کرنا ہے۔ پس اس پر اس جیسے کلام کے ساتھ اعتراض نہ کیا جائے گا ورنہ یہ الزام آئے گا کہ اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ انہوں نے کہا من راي۔ اور قتل کی تصریح نہیں کی۔ اور ایسا قتل جو محض نظر سے

(وَالْمُسْلِمُ بِالذِّمَّةِ) خِلَافًا لَهُ (لَا هُوَ بِمُسْتَأْمِنٍ بَلْ هُوَ بِشِلْهِ قِيَاسًا)

اور مسلمان کو ذمی کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے اور نہ ہی ان دونوں کو مستامن کے بدلے قتل کیا جائے گا بلکہ اس کو اس کی مثل کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ یہ قیاس کے طور پر ہے

ہو اس کا قصاص نہیں لیا جاتا۔ کیونکہ اس پر عہد کی تعریف صادق نہیں آتی۔ میں نے ایسے اشعار نظم کیے ہیں جو ادب کے ساتھ طعن سے خالی ہیں اور ساتھ ہی اس امر کی رعایت کی گئی ہے جو حبیب کے لیے محب پر لازم ہوتا ہے۔ میں نے کہا:

دَعُوا مَنْ بِرُمَحِ الْقَدِّ قَدْ مَجْهَتِ د صَارُمُ لِحِظِ سَلَّةِ لِي عَلَى عَمْدٍ

فَلَا قَوْدَ فِي قَتْلِ مَوْلَى لِعَبْدِهِ دَانِ كَانُ شَرَعًا يَقْتُلُ الْحُرَّ بِالْعَبْدِ

اس آدمی کو چھوڑ دو جس نے قد کے نیزے کے ساتھ میری روح کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور نظر کی تلوار کو میرے لیے ارادی طور پر سوتے والا ہے۔

آقا اپنے غلام کو قتل کر دے تو کوئی قصاص نہیں اگرچہ شرعی طور پر یہ آزاد کو غلام کے بدلے قتل کیا جائے گا۔
اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دے تو اس کا شرعی حکم

34807۔ (قوله: وَالْمُسْلِمُ بِالذِّمَّةِ) کیونکہ کتاب اور سنت کا حکم مطلق ہے۔ حضرت ”ابن سلمانی“ اور حضرت

”ابن منکدر“ کی حدیث ہے: اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْبَلَ بِرَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ قَدْ قَتَلَ مُعَاهِدًا مِنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ فَأَمْرَبَهُ فَضْرِبَ عَنْقَهُ وَقَالَ أَنَا أَوَّلَى مَنْ وَفَى بِذِمَّتِهِ (1)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک مسلمان کو لایا گیا جس نے ایک ذمی کو قتل کیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق حکم دیا اور اس کی گردن اڑادی گئی اور فرمایا جو اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں وہ ان سب سے اولیٰ ہوں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انہوں نے جزیہ دیا تاکہ ان کے خون ہمارے خون کی طرح ہو جائیں اور ان کے اموال ہمارے اموال کی طرح ہو جائیں۔ اسی وجہ سے اس مسلمان کا ہاتھ کاٹا جائے گا جو ذمی کا مال چوری کرے جب کہ مال کا معاملہ نفس سے زیادہ آسان ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: لَا يَقْتُلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ وَلَا ذُو عَهْدٍ فِي عَهْدِهِ (2) کا معنی ہے کسی مؤمن اور کسی ذمی کو کافر حربی کے مقابلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا اور آپ کا ارشاد ولا ذو عہد یعنی ذمی اس کا عطف مؤمن پر ہے اگر یہ صحیح ہو کہ ذو عہد کو ذمی عہد روایت کیا گیا ہے یعنی حالت جبری کے ساتھ ہے تو یہ جرجوار کی وجہ سے ہے یہ دونوں روایتوں میں تطبیق کی بنا پر ہے۔ اس کی مکمل بحث ”زیلعی“ میں ہے۔

34808۔ (قوله: خِلَافًا لَهُ) یعنی امام ”شافعی“ رحمہ اللہ جو ہمارے آقا ہیں نے اختلاف کیا ہے۔

34809۔ (قوله: لَا هُوَ بِمُسْتَأْمِنٍ) یعنی کسی مسلمان اور ذمی کو کسی مستامن کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

1۔ نصب الراية، کتاب الجنایات، باب ما یوجب القصاص، جلد 5، صفحہ 88

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الدیات، باب ایقاد المسلم بالکافر، جلد 3، صفحہ 358، حدیث نمبر 3927

لِلْمَسَاوَاةِ لَا اسْتِحْسَانَ لِقِيَامِ الْبَيْحِ هِدَايَةً وَمُجْتَبَى وَدُرٌّ وَغَيْرُهَا قَالَ الْمُصَنِّفُ وَيَنْبَغِي أَنْ يُعَوَّلَ عَلَى الاسْتِحْسَانِ لِتَضَرِيحِهِمْ بِالْعَمَلِ بِهِ إِلَّا فِي مَسَائِلَ مَضْبُوطَةٍ لَيْسَتْ هَذِهِ مِنْهَا، وَقَدْ اقْتَصَرَ مُنْذَرُ خُسْرُو فِي مَثْنِهِ عَلَى الْقِيَاسِ اهـ، يَعْنِي فَتَبِعَهُ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَى عَادَتِهِ قُلْتُ وَيَعْضُدُكَ عَامَّةُ الْمُتُونِ حَتَّى الْمُلْتَقَى (و) يُقْتَلُ (الْعَاقِلُ بِالْمَجْنُونِ وَالْبَالِغُ بِالصَّبِيِّ

تاکہ مساوات ثابت ہونہ کہ استحسان کے طریقہ پر اسے قتل کیا جائے۔ کیونکہ صحیح موجود ہے، ”ہدایہ“، ”مجتبى“، ”درر“ وغیرہا۔ مصنف نے کہا: چاہیے کہ استحسان پر اعتماد کیا جائے۔ کیونکہ علما نے اس کی تصریح کی ہے کہ استحسان پر عمل کیا جائے مگر چند مسائل میں جس کو شمار کر دیا گیا ہے جب کہ یہ ان میں سے نہیں ہے۔ ”منلا خسرو“ نے اپنے متن میں قیاس پر اکتفا کیا ہے۔ مراد ہوگا پس مصنف رحمہ اللہ نے اپنی عادت کے مطابق ان کی پیروی کی ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کی تائید عام متون یہاں تک کہ ”ملتقى“ کرتی ہے۔ عقلمند کو مجنون، بالغ کو بچے،

کیونکہ ہمیشہ کے لیے اس کا خون محفوظ نہیں۔ کیونکہ وہ واپس لوٹ جائے اور محاربہ کرنے پر عزم رکھتا ہے، ”اختیار“۔
34810۔ (قوله: لِلْمَسَاوَاةِ) یعنی دونوں جو امان لے کر آئے ہیں جان کی حفاظت میں دونوں میں مساوات واقع ہو جائے۔

34811۔ (قوله: لِقِيَامِ الْبَيْحِ) وہ واپس لوٹ جانے کے ساتھ جنگ پر اس کا عزم ہے۔

34812۔ (قوله: وَيَنْبَغِي أَنْ يُعَوَّلَ عَلَى الاسْتِحْسَانِ) اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جو ”ہندیہ“ میں ”محیط“ سے مروی ہے کہ یہ ظاہر روایت ہے، ”ط“۔

34813۔ (قوله: وَيَعْضُدُكَ) یعنی قیاس اس کی تائید کرتا ہے۔

34814۔ (قوله: عَامَّةُ الْمُتُونِ) جیسے ”وقایہ“، ”اصلاح“ اور ”غرر“ ہے۔ ”کنز“، ”مجمع“، ”مواہب“ اور ”درر البحار“ میں اس مسئلہ کو ذکر نہیں کیا۔ جہاں تک ”ہدایہ“ میں جو قول ہے وہ یہ ہے: مستامن کو مستامن کے بدلے میں بطور قیاس قتل کیا جائے گا اور اسے بطور استحسان قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس کی مثل ”التبيين“ اور ”جوہرہ“ میں ہے۔ ہاں ”الاختیار“ میں کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ یہی استحسان ہے۔
مرد کو عورت، صحیح کو ناقص کے بدلے میں قتل کرنے کا شرعی حکم

34815۔ (قوله: وَالْبَالِغُ بِالصَّبِيِّ) ایک آدمی نے ایک ایسے بچے کو قتل کر دیا جس کا سر نکل چکا تھا اور اس نے آواز نکالی تو اس پر دیت لازم ہے۔ اگر اس کا نصف بدن سر کے ساتھ نکل چکا تھا یا دونوں قدموں کے ساتھ زیادہ حصہ نکل چکا تھا تو اس میں قصاص لازم ہوگا۔ اس کے اعضا میں سے ایک عضو کے کاٹنے میں یہی حکم ہے۔ ”مجتبى“ اور ”تاتر خانہ“ نے ”الملتقى“ سے نقل کیا ہے۔

وَالصَّحِيحُ بِالْأَعْمَى وَالزَّوْمِنِ وَنَاقِصِ الْأَطْرَافِ وَالرَّجُلُ بِالنِّسَاءِ بِالْإِجْمَاعِ (وَالْفَرْعُ بِأَصْلِهِ وَإِنْ عَلَا لَا بَعْكَسِهِ) خِلَافًا لِمَالِكٍ فِيمَا إِذَا ذَبَحَ ابْنَهُ ذَبْحًا أَيْ لَا يُقْتَصُّ الْأُصُولُ وَإِنْ عَلَوْا مُطْلَقًا وَلَوْ إِنَاثًا مِنْ قَبْلِ الْأُمِّ فِي نَفْسٍ أَوْ أَطْرَافٍ بِفُرُوعِهِمْ وَإِنْ سَفَلُوا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا يُقَادُّ الْوَالِدُ بِوَلَدِهِ وَهُوَ وَصَفٌ مُعَلَّلٌ بِالْجُزْئِيَّةِ فَيَتَعَدَّى لِمَنْ عَلَا؛

صحیح کو اعمی، اپاہج اور ناقص اطراف اور مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ اس پر اجماع ہے۔ فرع کو اس کی اصل کے عوض اگرچہ وہ بہت ہی دور ہو تو قتل کیا جائے گا اس کے برعکس نہیں ہوگا۔ امام ”مالک“ نے اس میں اس صورت میں اختلاف کیا ہے جب وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دے یعنی اصول سے قصاص نہیں لیا جائے گا اگرچہ وہ بہت ہی دور ہوں۔ اگرچہ ماں کی جانب سے مؤنث ہوں۔ یہ قصاص نفس میں ہوگا یا طرف میں جو ان کے فروع کے بدلے میں ہو اگرچہ فروع بہت ہی نیچے چلے جائیں۔ کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے: والد سے اس کے بچے کے عوض قصاص نہ لیا جائے گا۔ یہ ایسا وصف ہے جس کی علت جزئیت سے بیان کی گئی ہے۔ پس یہ متعدی ہوگا اس کی طرف جو دور ہے۔

34816۔ (قوله: وَالصَّحِيحُ) ”ابن کمال“ نے لفظ سالم سے اس کو تعبیر کیا ہے۔ پھر کہا: لم يقل والصحيح۔ کیونکہ اعمی میں مفقود سلامتی ہے صحت مفقود نہیں ہے۔ اسی وجہ سے عینین کی سلامتی کے ذکر کی ضرورت ہے جب کہ باب الجمعہ میں صحت کا ذکر کیا ہے۔

34817۔ (قوله: وَالزَّوْمِنِ) اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے مرض کا زمانہ طویل ہو گیا ہے، ”مغرب“۔

34818۔ (قوله: وَنَاقِصِ الْأَطْرَافِ) کیونکہ عموماً گزر چکی ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے اگر ہم عصمت کے علاوہ میں تفاوت کا اعتبار کریں جیسے اطراف اور اوصاف تو قصاص ممتنع ہو جائے گا اور یہ باہم قتال اور باہم غبن کی طرف ہمیں لے جائے گا، ”اختیار“۔

یہاں تک کہ اگر ایک آدمی ایک ایسے آدمی کو قتل کر دے جس کے ہاتھ، پاؤں، کان، شرمگاہ کٹے ہوئے ہوں اور اس کی دونوں آنکھیں مفقود ہوں تو قصاص واجب ہوگا جب وہ قتل عمد ہو۔ ”جوہرہ“ نے ”خنجدی“ سے نقل کیا ہے۔ اصول کو فروع کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا

34819۔ (قوله: لَا بَعْكَسِهِ) اس قول میں صحیح با کا حذف ہے۔

34820۔ (قوله: أَيْ لَا يُقْتَصُّ الْخ) یہ ان کے قول لا بعكسه کی تفسیر ہے۔

34821۔ (قوله: وَلَوْ إِنَاثًا مِنْ قَبْلِ الْأُمِّ) یہ اطلاق کی تفسیر ہے تو باپ یا ماں کی جانب سے جدا ہوگا یعنی نانا اور دادا

اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اگرچہ وہ بہت ہی اوپر چلا جائے۔ اسی طرح دادیاں اور نانیاں ہیں۔

34822۔ (قوله: بِفُرُوعِهِمْ) یہ ان کے قول لا يقتص کے متعلق ہے۔

لَا تُهْمُ أَسْبَابُ فِي أَحْيَائِهِ فَلَا يَكُونُ سَبَبًا لِإِفْتَائِهِمْ، وَحِينَئِذٍ فَتَجِبُ الدِّيَّةُ فِي مَالِ الْآبِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ؛ لِأَنَّ هَذَا عَمْدٌ وَالْعَاقِلَةُ لَا تَعْقِلُ الْعَمْدَ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ تَجِبُ حَالَّةٌ كَبَدَلِ الصُّلْحِ زَيْلَعِيٍّ وَجَوْهَرَةٌ، وَسَيَحِي عُنَى الْمَعَاقِلِ وَفِي الْمُلْتَقَى وَلَا قِصَاصَ عَلَى شَرِيكِ الْآبِ أَوْ الْمَوْلَى أَوْ الْمُخْطِئِ أَوْ الصَّبِيِّ أَوْ الْمَجْنُونِ وَكُلٌّ مَنْ لَا يَجِبُ الْقِصَاصُ بِقَتْلِهِ لِمَا تَقَرَّرَ مِنْ عَدَمِ تَجَرُّي الْقِصَاصِ فَلَا يُقْتَلُ الْعَامِدُ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ بِرُهَانٍ (وَلَا سَيِّدٌ بِعَبْدٍ) أُنِيَ بِعَبْدٍ نَفْسِهِ (وَمُدَبَّرَةٍ وَمُكَاتِبَةٍ وَعَبْدٍ وَلَدٍ)

کیونکہ وہ سب اس کی زندگی میں اسباب ہیں۔ پس یہ ان کے فنا کا سبب نہیں ہوگا اس وقت باپ کے مال میں تین سالوں میں دیت واجب ہوگی۔ کیونکہ یہ عمد ہے اور عاقلہ پر عمد کی دیت لازم نہیں ہوتی۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: یہ فی الوقت واجب ہوگا جس طرح بدل صلح ہوتا ہے ”زلیعی“، ”جوہرہ“۔ معاقل میں یہ آئے گا۔ ”ملتقی“ میں ہے: باپ، آقا، مخطی، بچے یا مجنون کے شریک پر کوئی قصاص نہیں اور ہر وہ شخص جس کے قتل سے قصاص واجب نہیں ہوتا اس پر قصاص نہیں۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قصاص تقسیم کو قبول نہیں کرتا۔ پس ہمارے نزدیک جان بوجھ کر قتل کرنے والے کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اور اپنے غلام، اپنے مدبر، اپنے مکاتب اور اپنے بچے کے غلام کو قتل کرنے والے پر قصاص نہیں۔

34823۔ (قوله: فَلَا يَكُونُ سَبَبًا لِإِفْتَائِهِمْ) یعنی کلی طور پر اور جزوی طور پر تا کہ اطراف اس میں داخل ہو جائیں۔ فافہم

34824۔ (قوله: وَفِي الْمُلْتَقَى الْخ) ”جوہرہ“ میں کہا: اگر انسان کے قتل میں دو آدمی شریک ہو جائیں ان میں سے ایک پر قصاص واجب ہوتا ہے اگر وہ اکیلا ہوتا اور دوسرے پر قصاص واجب نہیں ہوتا جیسے اجنبی اور باپ، خطا کرنے والا اور جان بوجھ کر قتل کرنے والا یا دونوں میں سے ایک تلوار کے ساتھ قتل کرے اور دوسرا ڈنڈے کے ساتھ قتل کرے تو اس پر قصاص واجب نہیں ہوگا اور دیت واجب ہو جائے گی۔ وہ آدمی جس پر قصاص واجب نہیں ہوتا اگر وہ اکیلا ہوتا تو دیت اس کی عاقلہ پر واجب ہوگی جیسے خاطی ہے۔ وہ آدمی جس پر قصاص واجب ہوتا ہے اگر وہ اکیلا ہو تو اس کے مال میں سے دیت واجب ہوگی۔ یہ باپ کے شریک کے علاوہ میں ہے۔ جہاں تک باپ اور اجنبی کا معاملہ ہے جب وہ دونوں قتل میں شریک ہوں تو دیت ان دونوں کے مال میں واجب ہوگی۔ کیونکہ باپ اگر اکیلا ہو تو دیت اس کے مال میں واجب ہوتی ہے۔ اس کی مکمل بحث آنے والے باب کے آخر میں آئے گی۔

اپنے غلام، مدبر، مکاتب اور بچے کے غلام کو قتل کرنے والے پر قصاص نہیں

34825۔ (قوله: وَلَا سَيِّدٌ بِعَبْدٍ الْخ) کیونکہ اس کا غلام اس کا مال ہے۔ پس وہ اپنے خلاف مطالبہ کا مستحق نہیں

ہوگا۔ مدبر مملوک ہے اور مکاتب رقیق ہوتا ہے جب تک اس پر درہم موجود ہو۔ اس کے بچے کا غلام اس کی ملک کے حکم میں

هَذَا دَاخِلٌ تَحْتَ قَوْلِهِمْ وَمَنْ مَلَكَ قِصَاصًا عَلَى أَبِيهِ سَقَطَ كَمَا سَيَجِيءُ (وَلَا بِعَبْدٍ يَبْدُلُكَ بَعْضَهُ)؛
لِأَنَّ الْقِصَاصَ لَا يَتَجَزَّأُ (وَلَا بِعَبْدٍ الرَّهْنِ حَتَّى يَجْتَبِعَ الْعَاقِدَانِ) وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَا قَوْدَ وَإِنْ اجْتَبَعَا
جَوْهَرَةً، وَعَلَيْهِ يُحْصَلُ مَا فِي الدَّرَرِ مَعْزِيًا لِلْكَافِي كَمَا فِي الْبَنِحِ، لَكِنْ فِي الشُّرْبِلَالِيَّةِ عَنِ الظَّهِيرِيَّةِ
أَنَّهُ أَقْرَبُ إِلَى الْفَقْهِ

یہ ان کے قول: ومن ملک قصاصا علی ابیہ سقط کے تحت داخل ہے جس طرح عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔ اور نہ اپنے
ایسے غلام کے قتل کرنے سے قصاص لازم ہوگا جس کے بعض کا مالک ہو۔ کیونکہ قصاص تقسیم کو قبول نہیں کرتا۔ اور نہ ہی رہن
کے غلام کو قتل کرنے سے قصاص لازم ہوگا یہاں تک کہ دونوں عقد کرنے والے جمع ہو جائیں۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے فرمایا:
کوئی قصاص نہیں اگرچہ دونوں جمع ہو جائیں ”جوہرہ“۔ اس پر اسے محمول کیا جائے گا جو ”الدرر“ میں ہے جب کہ ”کافی“ کی
طرف منسوب ہے جس طرح ”المنح“ میں ہے۔ لیکن ”شربلالیہ“ میں ”الظہیریہ“ سے مروی ہے: یہ فقہ کے زیادہ قریب ہے۔

ہوتا ہے۔ کیونکہ حدیث طیبہ ہے: انت و مالک لا بیك (1) تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔ لیکن ان تمام صورتوں میں کفارہ
لازم ہوگا۔ جس طرح ”جوہرہ“ میں ہے۔

34826۔ (قوله: هَذَا) یعنی ان کا قول و عبد ولده اور اس سے علت بیان کرنے کا ارادہ کیا ہے۔

34827۔ (قوله: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی عنقریب آئے گا۔

34828۔ (قوله: وَلَا بِعَبْدٍ الرَّهْنِ) یعنی رہن کا جو غلام ہوگا اس کے قاتل کو قتل نہیں کہا جائے گا یہاں تک کہ راہن اور

مرتہن جمع ہو جائیں۔ کیونکہ یہ مرتہن کی ملکیت نہیں ہوتا۔ پس وہ قصاص کا مالک نہیں ہوتا اور راہن اگر قصاص کا والی بنے تو رہن
میں مرتہن کا حق باطل ہو جاتا ہے۔ پس دونوں کا اجتماع شرط ہوتا ہے تاکہ اسکی رضامندی سے مرتہن کا حق ساقط ہو جائے، ”درر“۔
اس میں ہے: مرتہن کا حق وصول کرنا یہ رہن کے ہلاک ہونے سے مکمل ہو گیا ہے۔ پس اس کے حق کے ساقط ہونے کے
بعد اس کی رضامندی کا کیا سبب ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا کہ حق کو وصول کرنا یہ ثابت نہیں۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ قصاص نہ لیا جائے۔ اس کی صورت
یہ ہے کہ یا تو صلح واقع ہو جائے یا شبہ بالقتل کا دعویٰ کیا جائے تو وہ قتل خطا ہو جائے، ”ط“۔

34829۔ (قوله: وَعَلَيْهِ) یعنی امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے قول پر اسے محمول کیا جائے جو قول ”الدرر“ میں ہے کہ اس میں

قصاص نہیں اگرچہ دونوں اتفاق کر لیں۔

34830۔ (قوله: أَنَّهُ) یعنی جو قول ”الدرر“ میں ہے وہ فقہ کے زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ جس کو طلب کا حق ہے اس

کے لیے اشتباہ ہو جیسے مکاتب ہے جس نے اتنا مال چھوڑا جو اس کے بدل کتابت کے لیے کافی ہے اور وہ وارث (بھی)

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب مال الرجل من مال ولده، جلد 2، صفحہ 67، حدیث نمبر 2281

بَقِيَ لَوْ اخْتَلَفَا فَلَهُمَا الْقِيَمَةُ تَكُونُ رَهْنًا مَكَانَهُ، وَلَوْ قُتِلَ عَبْدُ الْإِجَارَةِ فَالْقَوْدُ لِلْمُؤَجَّرِ وَأَمَّا الْبَيْعُ إِذَا قُتِلَ فِي يَدِ بَائِعِهِ قَبْلَ الْقَبْضِ، فَإِنْ أَجَّازَ الْمُشْتَرِي الْبَيْعَ فَالْقَوْدُ لَهُ، وَإِنْ رَدَّهُ فَلِلْبَائِعِ الْقَوْدُ، وَقِيلَ الْقِيَمَةُ جَوْهَرَةٌ (وَلَا بِمُكَاتَبٍ) وَكَذَا ابْنُهُ وَعَبْدُهُ شُرُئْبِلَالِيَّةٌ (قُتِلَ عَمْدًا) لَا حَاجَةَ لِقَيْدِ الْعَمْدِ؛ لِأَنَّهُ شُرْطَانِي كُلِّ قَوْدٍ

یہ صورت باقی رہ گئی ہے اگر دونوں اختلاف کریں تو ان دونوں کے لیے قیمت ہوگی جو اس کی جگہ رہن ہوگی۔ اگر اجارہ کا غلام قتل کیا گیا تو قصاص کا حق موجد کے لیے ہوگا۔ جہاں تک بیع کا تعلق ہے جب قبضہ سے پہلے اس کے بائع کے ہاتھ میں قتل کیا گیا اگر مشتری بیع کو جائز قرار دے تو قصاص اس کا حق ہوگا اگر وہ بیع کو رد کر دے تو بائع کو قصاص لینے کا حق ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بائع کے لیے قیمت ہوگی ”جوہرہ“ اور نہ ہی مکاتب کا قصاص لینے کا حق ہوگا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا جب مکاتب کا بیٹا اور اس کا غلام قتل کیا گیا ہو ”شرئبالیہ“۔ جسے جان بوجھ کر قتل کیا گیا ہو یہاں عمد کی قید لگانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ ہر قصاص میں شرط ہے

چھوڑتا ہے۔ لیکن ”زیلعی“ نے کہا: دونوں میں فرق ظاہر ہے۔ کیونکہ مرتہن قصاص کا مستحق نہیں۔ کیونکہ رہن میں نہ اس کی ملکیت ہے اور نہ ہی اس کے لیے ولاء ہے۔ پس جس کے لیے حق ثابت ہے اس کے ساتھ کوئی شبہ نہیں۔ مکاتب کا معاملہ مختلف ہے۔ جس طرح آگے آئے گا۔

34831۔ (قوله: بَقِيَ لَوْ اخْتَلَفَا) یعنی دونوں میں سے ایک نے قصاص کا مطالبہ کیا اور دوسرے نے دیت کا مطالبہ کیا یہ ان کے قول حتی یجتمع العاقدان سے احتراز ہے۔

34832۔ (قوله: فَالْقَوْدُ لِلْمُؤَجَّرِ) کیونکہ وہ مالک ہے اور مستاجر کا اس میں کوئی حق نہیں اور نہ ہی اس کے بدل میں اس کا حق ہے۔

34833۔ (قوله: فَإِنْ أَجَّازَ الْمُشْتَرِي الْبَيْعَ) یعنی اس کے مال پر اسے جاری کیا اور اس کے فسخ کو اختیار نہیں کیا اور ثمن کا مطالبہ بائع سے ہوگا۔ کیونکہ وہ موقوف نہیں ورنہ اس کے ہلاک ہونے کے بعد اجازت صحیح نہ ہوگی، تاہل۔

34834۔ (قوله: فَالْقَوْدُ لَهُ) یعنی قصاص لینے کا حق مشتری کو حاصل ہوگا کیونکہ وہی مالک ہے، ”زیلعی“۔

34835۔ (قوله: وَإِنْ رَدَّهُ) یعنی بیع کو فسخ کر دے اور ثمن کا مطالبہ کرے۔

34836۔ (قوله: فَلِلْبَائِعِ الْقَوْدُ) کیونکہ بیع ختم ہو چکی ہے اور یہ امر ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ مالک ہے، ”زیلعی“۔

34837۔ (قوله: وَقِيلَ الْقِيَمَةُ) یہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ کیونکہ زخمی ہونے کے وقت اس کے لیے

قصاص ثابت نہیں کیونکہ ملک مشتری کے لیے ہے، ”جوہرہ“۔

34838۔ (قوله: وَكَذَا ابْنُهُ وَعَبْدُهُ) ضمیر مکاتب کے لیے ہے۔

(عَنْ وَفَاءٍ وَوَارِثٍ وَسَيِّدٍ وَإِنْ اجْتَبَعَا لِاخْتِلَافِ الصَّحَابَةِ فِي مَوْتِهِ حُرًّا أَوْ رَقِيقًا فَاشْتَبَهَ الْوَلِيُّ فَارْتَفَعَ الْقَوْدُ فَإِنْ لَمْ يَدَّعِ وَارِثًا غَيْرَ سَيِّدِهِ سَوَاءٌ تَرَكَ وَفَاءً أَوْ لَا أَوْ تَرَكَ وَارِثًا وَلَا وَفَاءً أَقَادَ سَيِّدُهُ لِتَعَيُّنِهِ وَفِي أُولَى الصُّوَرِ الْأَرْبَعِ خِلَافٌ مُحْتَدٍ

وہ مکاتب اتنا مال چھوڑ کر مر جائے۔ جو بدل کتابت کے لیے کافی ہو اور وارث اور آقا چھوڑ کر مر جائے اگرچہ دونوں اتفاق کر لیں۔ کیونکہ صحابہ کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ وہ آزاد کی حیثیت سے مرا ہو یا غلام کی حیثیت سے مرا ہو پس ولی میں اشتباہ پیدا ہو گیا اور قصاص اٹھ گیا اگر وہ اپنے آقا کے علاوہ کوئی وارث نہ چھوڑے خواہ وہ اتنا مال چھوڑ جائے جو اس کے بدل کتابت کو کافی ہو یا اتنا مال نہ چھوڑ جائے یا وہ وارث چھوڑ جائے اور اتنا مال نہ چھوڑے جو اس کے بدل کتابت کو کافی ہو تو اس کا آقا قصاص میں لے گا۔ کیونکہ وہ متعین ہو چکا ہے۔ پہلی چار صورتوں میں امام ”محمد“ رحمہ اللہ کا اختلاف ہے۔

34839۔ (قوله: عَنْ وَفَاءٍ) یعنی اتنا مال جو بدل کتابت کو کافی ہو۔

34840۔ (قوله: فَاشْتَبَهَ الْوَلِيُّ) اگر ہم کہیں وہ آزاد کی حیثیت سے مرا ہے تو ولی اس کا وارث ہوگا یا رقیق کی

حیثیت سے مرا ہے تو اس کا آقا وارث ہوگا۔

34841۔ (قوله: لِتَعَيُّنِهِ) یعنی تینوں صورتوں میں ولی متعین ہو چکا ہے جو سید ہے۔

34842۔ (قوله: وَفِي أُولَى الصُّوَرِ الْأَرْبَعِ) یہ سبقت قلم ہے اس میں انہوں نے ”ابن کمال“ کی پیروی کی ہے۔

”حلی“ نے کہا: صحیح یہ ہے ثانیۃ الصور الاربع، وہ یہ صورت ہے جب وہ اپنے آقا کے سوا کوئی وارث نہ چھوڑے اور اتنا مال چھوڑ جائے جو اس کے بدل کو کافی ہو۔ کیونکہ امام ”محمد“ رحمہ اللہ کا اختلاف اسی صورت میں ہے جس طرح ”ہدایہ“ میں ہے۔

امام ”محمد“ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے حق وصول کرنے کا سبب مشتبه ہو گیا ہے۔ بے شک ولا اس کی ہوگی اگر وہ آزاد کی حیثیت سے مر جائے اور ملک اس کی ہوگی اگر غلام کی حیثیت سے مر جائے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ دونوں تقدیروں کی صورت میں حق وصول کرنے کا اختیار یقینی طور پر آقا کا ہوگا۔

پھر جان لو کہ قصاص چوتھی صورت میں ہے۔ یہ وہ صورت ہے جب وہ ایک وارث چھوڑے اور اس نے اتنا مال نہ چھوڑا ہو جو بدل کتابت کے لیے کافی ہو۔ ”شیخ الاسلام“ نے اس کی قید ذکر کی ہے جس طرح ”کفایہ“ میں ہے۔ جب اس کی قیمت میں بدل کتابت بھی پورا نہ ہوتا ہو اگر اس میں بدل کتابت پورا ہو جاتا ہو تو قصاص نہیں ہوگا اور قاتل پر اس کے مال میں قیمت واجب ہوگی۔ کیونکہ قتل عمد کا حکم اگرچہ قصاص ہے مگر قاتل کی رضا مندی کے بغیر مال کی طرف عدول جائز ہے۔ یہ اس آدمی کے حق کی رعایت کی وجہ سے ہے جس کے لیے قصاص ثابت ہے جس طرح جب قاطع کا ہاتھ شل ہو تو جس کا ہاتھ کاٹا گیا ہو اس کو مال کی طرف عدول کرنا جائز ہے جب کہ کاٹنے والا راضی نہ ہو۔ یہ اس کے حق کی رعایت کی بنا پر ہے جب اس کے حق کی مثل کامل اس پر واجب نہ ہو۔ اسی طرح یہاں صورتحال ہوگی۔ کیونکہ قیمت اس کے لیے زیادہ نافع ہے۔ کیونکہ جب قیمت

(وَيَسْقُطُ قَوْدٌ قَدْ وَرِثَهُ عَلَى أَبِيهِ) أَمْنَى أَصْلِهِ؛ لِأَنَّ الْفَرْعَ لَا يَسْتَوْجِبُ الْعُقُوبَةَ عَلَى أَصْلِهِ وَصُورَةُ الْمَسْأَلَةِ فِيمَا إِذَا قَتَلَ الْأَبُ أَبَ امْرَأَتِهِ مَثَلًا وَلَا وَارِثَ لَهُ غَيْرُهَا ثُمَّ مَاتَتِ الْمَرْأَةُ

اور وہ قصاص ساقط ہو جائے گا جس میں کوئی اپنے باپ پر قصاص کا وارث ہو۔ باپ سے مراد اس کی اصل ہے۔ کیونکہ فرع اپنی اصل کے خلاف عقوبت کا مستحق نہیں ہوتا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جب باپ نے اپنی بیوی کے باپ کو مثلاً قتل کیا جب کہ اس کا اس عورت کے سوا کوئی وارث نہیں۔ پھر بیوی مر گئی

سے وہ بدل ادا کر دے گا تو اس کی آزادی اور اس کی اولاد کی آزادی کا حکم لگا دیا جائے گا۔ اور غلام کی موت کی وجہ سے قصاص کا حکم لگا دیا جائے گا اور اس سے کوئی نفع حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ پس قیمت کے واجب ہونے کا قول زیادہ مناسب ہے ”الدر المہنتی“ اور ”تہستانی“ میں اس کو ثابت رکھا ہے۔

فرع اپنی اصل کے خلاف عقوبت کا مستحق نہیں ہوتا

34843۔ (قوله: وَرِثَهُ عَلَى أَبِيهِ) یعنی وہ اپنے باپ کے خلاف وراثت کا مستحق بن گیا، ”تہستانی“۔ پس یہ قول اس کو شامل ہوگا کہ وہ ابتداءً اس کے لیے ثابت ہو۔ شارح کا اس سے پہلے قول: دمن ملک قصاصا لخص اس کی موافقت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ آنے والا اعتراض ختم ہو جائے گا۔ لیکن اس میں ہے کہ فرع کے لیے اپنی اصل کے خلاف قصاص کے ثبوت کی صورت ابتداءً ہو یہ ان کے قول لا بعکسہ میں گزر چکا ہے۔ اسی وجہ سے یہاں انہوں نے اس کو لیث سے ثابت کیا ہے، فتدبر۔

34844۔ (قوله: أَمْنَى أَصْلِهِ) کیونکہ ”الخانہ“ میں ہے: اگر مقتول کے درثا میں قاتل کا لڑکا یا اس کا پوتا ہو اگرچہ وہ بہت نیچے چلا جائے تو قصاص باطل ہو جائے گا اور دیت واجب ہوگی۔

34845۔ (قوله: مَثَلًا) یعنی یا اس کا بھائی ہو یا اس کا اس کے علاوہ سے بیٹا ہو۔

34846۔ (قوله: ثُمَّ مَاتَتِ الْمَرْأَةُ) اسی طرح علما نے اس کو مطلق ذکر کیا ہے۔ چاہیے کہ اس عورت کی موت اس کے بعد ہو جب قاتل خاوند نے اسے طلاق بائنہ دے دی ہو یہاں تک کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ علت یہ ہے کہ اس کا بیٹا اس کے خلاف قصاص کا وارث بنتا ہے ورنہ وہ خاوند قاتل اس عورت کے جز کا وارث ہوگا۔ پس اس سے قصاص اس طریقہ سے بھی ساقط ہو جائے گا۔

”تا ترخانہ“ میں ہے: تین بھائی ہیں ان میں سے ایک نے اپنے باپ کو جان بوجھ کر قتل کیا تو باقی ماندہ دو کو اس کے قتل کرنے کا حق ہوگا۔ اگر ان دونوں میں سے ایک مر جائے تو تیسرے کو قتل کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ قاتل میت کے حصہ میں سے ایک جز کا وارث ہے اور وہ حصہ قصاص ہے۔ پس وہ حصہ ساقط ہو جائے گا اور دوسرے کا حصہ مال کی طرف پھر جائے گا۔ پس اس کے دوسرے کے لیے دیت کے چار حصوں میں سے تین حصے لازم ہوں گے۔ یہ اس کے مال میں سے تین سالوں میں لازم ہوں گے، ملخص۔

فَإِنَّ ابْنَهَا مِنْهُ يَرِثُ الْقَوْدَ الْوَاجِبَ عَلَى أَبِيهِ فَسَقَطَ لَهَا ذِكْرُنَا وَأَمَّا تَصْوِيرُ صَدْرِ الشَّرِيعَةِ فَثُبُوتُهُ فِيهِ لِلْبَنِّ ابْتِدَاءً لَا إِرْثًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَإِنْ اتَّحَدَ الْحَكْمُ كَمَا لَا يَخْفَى وَفِي الْجَوْهَرَةِ لَوْ عَفَا الْمَجْرُوحُ أَوْ وَارِثُهُ قَبْلَ مَوْتِهِ صَحَّ اسْتِحْسَانًا

تو اس عورت کا اس قاتل سے بیٹا اس قصاص کا وارث بنتا ہے جو اس کے باپ پر واجب ہوتا ہے۔ پس وہ قصاص ساقط ہو جائے گا اس دلیل کی وجہ سے جسے ہم نے ذکر کیا ہے۔ جہاں تک ”صدر الشریعہ“ نے صورت بیان کی ہے تو اس میں بیٹے کے لیے ثبوت ابتداء ہے وراثت نہیں۔ یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے اگرچہ حکم ایک ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ ”جوہرہ“ میں ہے: اگر مجروح یا اس کے وارث نے اس کی موت سے پہلے قصاص معاف کر دیا تو بطور استحسان یہ صحیح ہوگا۔

”قہستانی“ میں ہے: دو حقیقی بھائیوں میں سے ایک نے اپنے باپ کو جان بوجھ کر قتل کر دیا اور دوسرے نے اپنی ماں کو قتل کر دیا تو پہلے کو حق حاصل ہوگا کہ دوسرے کو ماں کے عوض میں قتل کر دے اور پہلے سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ ماں کی جانب سے اپنے قصاص میں سے آٹھویں حصہ کا مالک بن گیا تو اتنی مقدار اس سے ساقط ہو گئی اور باقی ماندہ مال ہو گیا تو دوسرے بھائی کے وارث رہن کے آٹھ حصوں میں سے سات کی چٹی بھریں گے۔ اس کی مکمل وضاحت اس میں ہے۔

34847۔ (قوله: وَأَمَّا تَصْوِيرُ صَدْرِ الشَّرِيعَةِ) کیونکہ انہوں نے کہا: جب باپ کسی شخص کو قتل کرے اور قاتل کا بیٹا قصاص کا والی بنے تو وہ ساقط ہو جائے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی ماں کو جان بوجھ کر قتل کرے یا اپنے بیٹے کے ماں کی جانب سے بھائی کو قتل کر دے، ”جوہرہ“۔

34848۔ (قوله: فَثُبُوتُهُ فِيهِ لِلْبَنِّ ابْتِدَاءً لَا إِرْثًا) اس کی دلیل یہ ہے کہ مورث کی موت سے پہلے وارث کا معاف کرنا صحیح ہے اور مورث موت کے بعد قصاص کا مالک ہوتا ہے جب کہ وہ اس وقت تملیک کا اہل نہیں ہوتا۔ پس وارث کے لیے ابتداء یہ حق ثابت ہوگا، ”جوہرہ“۔

پھر اس کا یہ جواب دیا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک وراثت کے طریقہ پر یہ امر ثابت ہوتا ہے۔ ”الجبّتی“ میں یہ جواب دیا ہے کہ قصاص کا اولاً مستحق مقتول ہوتا ہے۔ پھر وارث کے لیے یہ حق بطریق خلافت اور بطریق وراثت ثابت ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مجروح جب معاف کرے تو قصاص ثابت ہوگا اگر وہ ابتداء اس کے لیے ثابت نہ ہو تو اس کے معاف کرنے سے وہ قصاص ثابت نہیں ہوگا، تامل۔

اگر مجروح یا اس کا وارث اس کی موت سے پہلے معاف کر دے تو اس کا حکم

34849۔ (قوله: لَوْ عَفَا الْمَجْرُوحُ الْخ) اس سے آزاد کا ارادہ کیا۔ کیونکہ غلام کا معاف کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ قصاص اس کے آقا کا حق ہے اس کا حق نہیں۔ ”شرنبلا لہ“ نے ”بدائع“ سے نقل کیا ہے۔ پھر یہ واضح نہیں کیا کہ کیا یہ زخم سے معافی یا زخم اور جو اس سے امر واقع ہو اس سے معافی یا جنایت سے معافی ہے؟ کیا یہ عمد میں ہے یا خطا میں ہے؟ کیا جنایت کرنے والے

لَا نَعْقَادَ السَّبَبِ لَهَا (لَا قَوْدَ بِقَتْلِ مُسْلِمٍ مُسْلِمًا ظَنَّهُ مُشْرِكًا بَيْنَ الصَّفَيْنِ) لِهَا مَرَّأَتُهُ مِنَ الْخَطَا وَإِنَّمَا
أَعَادَةُ لِيُبَيِّنَ مُوجِبَهُ بِقَوْلِهِ (بَلْ) الْقَاتِلُ (عَلَيْهِ كَفَّارَةٌ وَدِيَّةٌ) قَالُوا هَذَا إِذَا اخْتَلَطُوا، فَإِنْ كَانَ فِي صَفِّ
الْمُشْرِكِينَ لَا يَجِبُ شَيْءٌ لِسُقُوطِ عَصْمَتِهِ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَنْ كَثُرَ سَوَادُ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ قُلْتُ

کیونکہ دونوں کے لیے سبب منعقد ہو چکا ہے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو قتل کر دے جس نے اس سے دو صفوں کے
درمیان مشرک گمان کیا ہو۔ کیونکہ یہ قول گزر چکا ہے کہ یہ قتل خطا میں سے ہے اسے دوبارہ ذکر کیا ہے تاکہ اس کا حکم اس قول
کے ساتھ بیان کرے بلکہ قاتل پر کفارہ اور دیت ہوگی۔ علما نے کہا: جب وہ لوگ خلط ملط ہوں اگر وہ مشرکوں کی صف میں ہو
تو اس کی عصمت کے سقوط کی وجہ سے کوئی شے واجب نہ ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جس نے کسی قوم کی جمعیت کو
زائد کیا تو وہ ان میں سے ہے (1)۔ میں کہتا ہوں:

کے مال میں واجب ہوگی یا عاقلہ پر ہوگی یا ساقط ہو جائے گی؟ اس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ فصل فی الفعلین میں آئے گی۔
34850۔ (قوله: لَا نَعْقَادَ السَّبَبِ لَهَا) یعنی موت سے پہلے مجروح کے حق میں اصل کے اعتبار سے اور وارث
کے حق میں نیابت کے طریقہ پر سبب منعقد ہو چکا ہے، تامل۔ ”المنخ“ میں ”جوہرہ“ سے جو مروی ہے اس کی طرف رجوع کیجئے۔
34851۔ (قوله: لِهَا مَرَّأَتٌ) یعنی اس قول میں گزر چکا ہے۔ کان یرمی شخصاً ظنہ صیداً او حربیاً۔
34852۔ (قوله: لِيُبَيِّنَ مُوجِبَهُ) اس میں ہے: جو قول گزر چکا ہے اس میں خطا کا حکم بیان کیا ہے۔ پس یہ تکرار ہو
گا، ”ح“۔

34853۔ (قوله: قُلْتُ اَلْخ) یہ ”زاہدی“ کے کلام میں سے ہے جو ”الجبٹی“ میں ہے اگرچہ مصنف کا جو کلام ”المنخ“
میں ہے وہ اس کے خلاف ہے۔

تنبیہ

”معراج“ میں کہا ہے: ایک معین مسلمان کے بارے میں وہ آگاہ ہوا کہ دشمن اسے زبردستی لے آئے ہیں تو اس نے
اسے تیر مارنے کا ارادہ کیا جب کہ وہ اس کا حال جانتا ہے تو قیاس کے مطابق اس پر قصاص واجب ہوگا۔ اور بطور استثناء، ان
واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کا ایسے محل میں ہونا جس میں قتل مباح ہے یہ قصاص کے ساقط کرنے میں شبہ ہے۔ اس پر اس کے
مال میں دیت لازم ہوگی اور کوئی کفارہ نہیں ہوگا۔ اگر اس کا ولی کہے: تو نے اسے تیر مارنے کا قصد کیا ہے جب کہ تجھے علم ہو چکا
ہے کہ وہ مکروہ ہے۔ تیر مارنے والے نے کہا: میں نے مشرکوں کا قصد کیا تھا تو قول تیر پھینکنے والے کا ہوگا کیونکہ وہ اصل سے
تمسک کر چکا تھا اور وہ ان کی صف کی طرف تیر پھینکنے کا مباح ہونا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت اس میں ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن، تفسیر سورة النساء، جلد 2، صفحہ 846، حدیث نمبر 4230

فَإِذَا كَانَ مُكْثَرُ سَوَادِهِ مِنْهُمْ وَإِنْ لَمْ يَتَزَكَّ بِزِيَّتِهِ فَكَيْفَ بَيْنَ تَزَا قَالَهُ الرَّاهِدِيُّ وَقَالَ الْمُصَنِّفُ حَتَّى لَوْ تَشَكَّلَ جَنِّيٌّ بِمَا يُبَاحُ قَتْلُهُ كَحَيَّةٍ فَيَنْبَغِي الْإِقْدَامُ عَلَى قَتْلِهِ ثُمَّ إِذَا تَبَيَّنَ أَنَّهُ جَنِّيٌّ فَلَا شَيْءَ عَدَى الْقَاتِلِ. وَاتَّهَ أَغْلَهُ (وَلَا يُقَادُ إِلَّا بِالسَّيْفِ) وَإِنْ قَتَلَهُ بِغَيْرِهِ خِلَافًا لِشَافِعِيِّ وَفِي الدَّرَرِ عَنِ الْكَافِي السَّرَادُ بِالسَّيْفِ السِّلَاحُ قُتِلَ وَبِهِ صَرَحَ فِي حَجِّ الْمُسْمَرَاتِ حَيْثُ قَالَ وَالشَّخِصُ بِاسْمِهِ الْقَوْدَ لَا يَنْدَعُ لِحَقِّ غَيْرِهِ بِهِ، أَلَا تَرَى أَنَّا لَحَقْنَا الرُّمَحَ وَالْخِجَرَ بِالسَّيْفِ

جب ان کی تعداد میں اضافہ کرنے والا ان میں سے ہے اگرچہ ان کا لباس نہ پہنے تو اس کا کیا حال ہوگا جب وہ ان کا لباس پہنے۔ یہ ”راہدی“ نے قول کیا ہے۔ مصنف نے کہا: یہاں تک کہ اگر ایک جن نے ایسی صورت اپنائی جس کا قتل کرنا مباح ہو جیسے سانپ تو اس کو قتل کرنے کا اقدام کرنا من سب ہوگا۔ پھر یہ واضح ہو کہ یہ تو جن ہے تو قتل پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ وائے اعم۔ اور تموار کے ساتھ ہی قصاص لیا جائے گا اگرچہ قتل تموار کے علاوہ کسی شے سے قتل کرے۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ”الدَّرَر“ میں ”الکافی“ سے مروی ہے: سیف سے مراد اسلحہ ہے۔ میں کہتا ہوں: ”المسمرات“ کے کتاب الحج میں اس امر کی تصریح کی ہے کیونکہ کہا: قود کے اسم کی تخصیص غیر اس کے ساتھ لاحق کرنے کے مانع نہیں کیا تو نہیں دیکھتا کہ ہم نے نیزے اور خنجر و تموار کے ساتھ لاحق کیا ہے۔

لاحق جن کو قتل کرنا جائز نہیں

34854۔ (قوله: فَيَنْبَغِي الْإِقْدَامُ عَلَى قَتْلِهِ) یعنی چاہیے کہ اس پر حملہ کرنا جائز ہو اور اولیٰ یہ ہے کہ فی کون حذف کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ نیک جواب ہے۔

”اشباہ“ میں ”احکام الجامع“ سے ہے: انسان کی طرح لاحق جن کو قتل کرنا جائز نہیں۔ ”زمیعی“ نے کہا: خدا نے فرمایا: چاہیے کہ سفید سانپ کو قتل نہ کیا جائے جو سیدھا چتا ہے کیونکہ وہ جنوں میں سے ہوتا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: دو دھاروں والے اور دم بریدہ سانپ کو قتل کر دو اور سفید سانپ کے قتل سے بچو کیونکہ یہ جنوں میں سے ہوتا ہے (1)۔ ”طحطاوی“ نے کہا: تمام قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں سے معاہدہ فرمایا کہ وہ آپ کی امت کے گھروں میں داخل نہیں ہوں گے اور اپنے آپ کوئی ہر نہیں کریں گے۔ جب وہ مخالفت کریں تو انہوں نے عہد کو توڑ دیا۔ پس ان کے لیے کوئی حرمت نہ ہوگی (2) زیادہ بہتر خبردار کرنا اور عذر پیش کرنا ہے۔ اسے کہا جاتا ہے: اللہ تعالیٰ کے حکم سے قتل جو یہ مسلمانوں کے راستے کو چھوڑ دے اگر وہ انکار کر دے تو اس کو قتل کر دے۔ خبردار یہ نماز کے باہر ہے۔ اس کی مکمل وضاحت وہاں ہے۔

34855۔ (قوله: خِلَافًا لِشَافِعِيِّ) کیونکہ فرمایا اسے ایک چیز کے ساتھ قتل کیا جائے جس کے ساتھ اس نے قتل کیا

تھا مگر جب اس نے نواطت کے ساتھ قتل کیا تو اسے تموار کے ساتھ قتل کیا جائے گا۔

فِي قَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا قَوْدَ إِلَّا بِالسَّيْفِ فَمَا فِي السَّيْفِ قَوْدٌ قَادَ بِالسَّيْفِ، فَلَوْ أَلْقَا فِي بَيْرٍ أَوْ قَتَلَهُ بِحَجَرٍ أَوْ بِنَوْعٍ آخَرَ عَزَرَ وَكَانَ مُسْتَوْفِيًا يُحْمَلُ عَلَى أَنَّ مُرَادَهُ بِالسَّيْفِ السَّلَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ (وَلَا بِي الْمَعْتُوهِ الْقَوْدُ) تَشْفِيًا لِلصَّدْرِ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: قصاص نہیں مگر تلوار سے (1)۔ جو قول ”السراجیہ“ میں ہے: جس کو قصاص کا حق ہو تو وہ تلوار سے قصاص لے۔ اگر وہ اس کو کنویں میں پھینکے یا پتھر سے قتل کر دے یا کسی اور نوع سے قتل کرے تو اس پر تعزیر لگائی جائے گی۔ پس وہ پورا حق وصول کرنے والا ہوگا۔ اسے اس پر محمول کیا جائے گا کہ سیف سے مراد اسلحہ ہے، واللہ اعلم۔ معتوہ کے باپ کو قصاص کا حق ہوگا تا کہ اس کے دل کو تشفی ہو

34856۔ (قوله: أَوْ بِنَوْعٍ آخَرَ) یعنی اسلحہ کے علاوہ کسی اور چیز سے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے اپنے چوپائے، سواری کو ہانکے یا اسے آگ میں پھینک دے جب کہ وہ ناقص العقل تو ہے مگر اسے جنون نہیں، ”منح“۔ معتوہ کے قصاص کی مشروعیت

34857۔ (قوله: وَلَا بِي الْمَعْتُوهِ الْقَوْدُ) کیونکہ یہ نفس پر دیت میں سے ہے۔ کیونکہ یہ دل کی تشفی کے لیے مشروع کیا گیا ہے۔ پس باپ اس کا والی ہوگا جس طرح وہ اس کا نکاح کرنے کا والی ہوتا ہے۔ لیکن ہر وہ شخص جو نکاح کرانے کا مالک ہوتا ہے تو وہ قصاص کا مالک نہیں ہوتا۔ کیونکہ بھائی نکاح کرانے کا مالک ہوتا ہے اور قصاص کا مالک نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ دل کی تشفی کے لیے مشروع کیا گیا ہے باپ کو کامل شفقت حاصل ہوتی ہے وہ بچے کے ضرر کو اپنا ذاتی ضرر شمار کرتا ہے۔ اسی وجہ سے باپ کی تشفی کو یوں بنایا گیا ہے جیسے بیٹے کو وہ حاصل ہو۔ بھائی کا معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ ”شروح ہدایہ“ میں یہ اسی طرح ہے۔ ”اتقانی“ نے ان پر اعتراض کیا ہے کہ بھائی بھی اس کا مالک ہوگا جب وہاں اس سے کوئی زیادہ قریبی نہ ہو۔ اگر وہاں اس سے زیادہ قریبی ہو تو وہ نکاح کرانے کا بھی مالک نہیں ہوگا۔ کیونکہ جو قصاص کا مالک ہوگا وہی مقتول کے مال کا مستحق ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں مذکر اور مونث برابر ہیں۔ یہاں تک کہ خاوند اور بیوی برابر ہیں امام ”کرخی“ نے اس امر کی تصریح کی ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ جب معتوہ کے بیٹے کو مثلاً قتل کیا تو وہی اس کے دم کا مستحق ہوگا۔ کیونکہ وہی اس کے مال کا مستحق ہوگا جب معتوہ کا بھائی یا چچا ہو اور اس کا کوئی باپ نہ ہو تو اسے کیسے کہا جائے گا کہ بھائی یا چچا معتوہ کی زندگی میں بن سکتا ہے۔ معتوہ کے قصاص کا مستحق ہوگا جب کہ اسے اصلاً معتوہ پر کوئی ولایت نہ ہوگی جب کہ جو وصی کا معتوہ ہوتا ہے جسے معتوہ پر ولایت حاصل ہوتی ہے اسے قصاص کا حق نہیں ہوتا تو اس بھائی کو کیسے حق حاصل ہوگا جب کہ اسے ولایت کا حق نہ ہو۔ ہاں اگر مقتول خود ہی معتوہ ہو تو اس نے جو کہا ہوگا وہ صحیح ہوگا۔ گویا اس پر حال مشتبہ ہو گیا ہے۔ اسی وجہ سے ”سعدیہ“ میں کہا ہے: گفتگو اس کے بارے میں ہے جب معتوہ کا ولی قتل کرے جیسے اس کا بیٹا اور معتوہ کا باپ زندہ ہو یہ کلام اس بارے میں نہیں ہے جب معتوہ قتل کرے۔

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات، باب لا قود الا بالسيف، جلد 2، صفحہ 183، حدیث نمبر 2656

(وَ) إِذَا مَلَكَهُ مَلَكَ (الصُّلْحَ) بِالْأُولَى (لَا الْعَفْوَ) مَجَانًا (بِقَطْعِ يَدِهِ) أَمَّا فِي يَدِ الْمَعْتُوهِ (وَقَتْلِ قَرِيبِهِ): لِأَنَّهُ إِبْطَالُ حَقِّهِ وَلَا يَبْدُلُهُ (وَتَقْيِيدُ صُلْحِهِ بِقَدْرِ الدِّيَةِ أَوْ أَكْثَرِ مِنْهُ، وَإِنْ وَقَعَ بِأَقْلٍ مِنْهُ لَمْ يَصَحَّ) الصُّلْحُ (وَتَجِبُ الدِّيَةُ كَامِلَةً)؛

جب وہ اس کا مالک ہے تو صلح کا بدرجہ اولیٰ مالک ہوگا۔ معتوہ کے ہاتھ کو کاٹنے کی صورت میں اور اس کے قریبی کو قتل کرنے کی صورت میں معاف کرنے کا اختیار نہیں رکھے گا۔ کیونکہ یہ اس کے حق کو باطل کرنا ہے اور وہ اس کا مالک نہیں اور اس کی صلح دیت کے برابر یا اس سے زائد کے ساتھ مقید ہے۔ اگر اس سے کم سے صلح واقع ہو تو صلح صحیح نہ ہوگی اور کامل دیت واجب ہوگی۔

34858۔ (قوله: مَلَكَ الصُّلْحَ بِالْأُولَى) کیونکہ وہ معتوہ کے حق میں زیادہ فائدہ سوچنے والا ہے۔ ”ہدایہ“۔

34859۔ (قوله: بِقَطْعِ يَدِهِ وَقَتْلِ قَرِيبِهِ) مذکورہ قول قصاص، صلح اور عفو سب اس کے مخالف ہیں۔

34860۔ (قوله: وَقَتْلِ وَلِيهِ) یعنی معتوہ کا ولی جیسے اس کا بیٹا اور اس کی ماں، ”منح“۔ بعض نسخوں میں ہے: و قتل

قریبہ یہ زیادہ ظاہر ہے۔ ”النبایہ“ میں ولی کی تفسیر اسی سے کی گئی ہے پھر کہا: یعنی جب معتوہ کا ایک بیٹا ہو تو اس کے بیٹے کو قتل کر دیا گیا تو معتوہ کا باپ جو مقتول کا دادا ہے، قصاص وصول کرنے اور صلح کی ولایت رکھے گا۔

34861۔ (قوله: لِأَنَّهُ إِبْطَالُ حَقِّهِ) یہ ان کے قول لا العفو مجانا کی علت ہے۔

34862۔ (قوله: وَتَقْيِيدُ صُلْحِهِ) یعنی باپ کی صلح مقید ہے۔

قصاص سے صلح کی مشروعیت

34863۔ (قوله: وَإِنْ وَقَعَ بِأَقْلٍ مِنْهُ لَمْ يَصَحَّ الصُّلْحُ) ”اتقانی“ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے

دیت کی مقدار کی قید نہیں لگائی بلکہ اس کو مطلق ذکر کیا ہے۔

”مختصر الکرنی“ میں ہے: جب ایک آدمی کا دوسرے آدمی پر نفس یا اس سے کم میں قصاص واجب ہو تو اس نے اس کے ساتھ مال پر صلح کر لی تو یہ جائز ہوگا وہ قلیل ہو یا کثیر ہو۔ ”شلمی“ نے ”قاری الہدایہ“ سے نقل کیا ہے کہ یہ اعتراض وہم ہے۔ ”ابوسعود“ نے کہا: یہ وہم کیسے ہوگا جب کہ ”کرنی“ نے اس کی تصریح کی ہے۔

میں کہتا ہوں: ”النبایہ“ وغیرہا جو ”ہدایہ“ کی شروح میں لم یصلح الصلح کی بجائے لم یجز الحط سے تعبیر کی ہے۔ اگر وہ کمی کرے تو پوری دیت واجب ہوگی۔ اس قول نے اس امر کو بیان کیا کہ صلح صحیح ہے کمی کرنا صحیح نہیں۔ اسی وجہ سے پوری دیت واجب ہوگی ورنہ جو امر واجب ہے وہ قصاص ہے اس سے ان کی کلام میں تطبیق حاصل ہوگئی۔ امام ”کرنی“ نے جس کی تصریح کی ہے اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ کا کلام جو بیان کرتا ہے کہ صلح صحیح ہے اس سے مراد تمام دیت کا لازم کرنا صحیح ہے۔ جس نے کہا: لم یجز الحط اس کی یہی مراد ہے یہاں شارح کا قول جو ”المنح“ کی تبع میں ہے: لم یصلح الصلح اس کی مراد ہے اس سے قدر ناقص لازم نہ آئے گی۔ اگر اس کو ان الفاظ کے ساتھ تعبیر کرتے جو ”ہدایہ“ کے شارحین نے کہا ہے تو وہ زیادہ مناسب ہوتا۔

لَأَنَّهُ أَنْظَرَ لِلْمَعْتُوهِ (وَالْقَاضِي كَالْأَبِ) فِي جَمِيعِ مَا ذَكَرْنَا فِي الْأَصَحِّ كَمَنْ قُتِلَ وَلَا وَلِيَ لَهُ لِيُحَاكِمَ قَتْلُهُ
وَالصُّدْحُ لَا الْعَفْوُ؛ لَأَنَّهُ ضَرَرٌ لِلْعَامَّةِ (وَالْوَصِيُّ) كَالْأَخِ (يُصَالِحُ) عَنِ الْقَتْلِ (فَقَطُّ) بِقَدْرِ الدِّيَّةِ،

کیونکہ یہ معتوہ کے حق میں زیادہ نفع کا باعث ہے اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے ان تمام صورتوں میں قاضی اصح قول کے مطابق باپ کی طرح ہے جس طرح ایک آدمی کو قتل کیا گیا اور اس کا کوئی ولی نہیں تو حاکم کو حق حاصل ہے کہ اسے قتل کرے اور اسے صلح کا حق ہوگا اس کو معاف کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ عام لوگوں کے لیے ضرر ہے۔ وصی بھائی کی طرح صرف دیت کی مقدار پر قتل کے بارے میں صلح کرے گا۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام ”اتقانی“ کا اعتراض بے محل ہے۔ پس اس تحریر کو غنیمت جانو۔

34864۔ (قوله: لَأَنَّهُ أَنْظَرَ لِلْمَعْتُوهِ) ان کی کلام میں اس تعلیل کا ذکر ان کے قول: مَلَكَ الصُّدْحُ کے ہاں ہے جس طرح ہم اسے پہلے بیان کر آئے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں اس کے قول کے ساتھ علت بیان کرنا: بان فیہ ابطال حقہ یہ اس کے ماقبل کی مثل ہے۔

34865۔ (قوله: وَالصُّدْحُ) باپ کے معاملہ میں قیاس کرتے ہوئے چاہیے کہ اس کو صلح کو بقدر الدیۃ او اکثر کے ساتھ مقید کرتے یعنی کمی کرنا بدرجہ اولیٰ جائز نہیں۔

34866۔ (قوله: وَالْوَصِيُّ كَالْأَخِ يُصَالِحُ) وصی مبتدا ہے اور یصالح کا جملہ خبر ہے اور کالایخ ترکیب کلام میں حال ہے اور اس میں کاف تنظیر کے لیے ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اس (کالایخ) کو ساقط کر دیا جائے۔ لیکن ”رحمتی“ نے کہا: یعنی وہ قصاص کا مالک نہیں ہوگا نہ ہی بھائی مصالحت کرے گا۔ کیونکہ اسے اپنے بھائی کے مال میں تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں جب کہ قصاص یہ امر بعید ہے۔

نفس اور اس سے کم میں قصاص لینے اور صلح کے حق میں باپ اور وصی کا حکم

34867۔ (قوله: يُصَالِحُ عَنِ الْقَتْلِ فَقَطُّ) یعنی اسے معاف کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ اس کی دلیل وہ ہے جو گزر چکا ہے اور نہ ہی اسے قصاص کا حق ہے۔ کیونکہ اسے اس کی ذات پر کوئی ولایت حاصل نہیں یہ اس کے قبیل میں سے ہے۔ ”کمال“۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ عن القتل کے قول کو ساقط کر دیتے۔ کیونکہ اسے یہ حق حاصل ہے کہ طرف کے بارے میں بھی صلح کر لیتے۔ ہاں قتل کے بارے میں صلح میں روایت میں اختلاف ہے۔

حاصل یہ ہے جس طرح ”غایۃ البیان“ میں ”بزدوی“ سے مروی ہے کہ روایات اس میں متفق ہیں کہ باپ کو نفس اور اس سے کم میں پورا پورا قصاص لینے کا حق ہے اور اسے ان دونوں میں صلح کا حق ہے معافی کا حق نہیں۔ اور روایات اس میں متفق ہیں کہ وصی نفس کا حق وصول کرنے کا مالک نہیں اور اس سے کم کا مالک ہے اور اس سے کم میں صلح کا مالک ہے اور معاف کرنے کا مالک نہیں۔

وَلَهُ الْقَوْدُ فِي الْأَطْرَافِ اسْتِحْسَانًا؛ لِأَنَّهُ يَسْلُكُ بِهَا مَسْلَكَ الْأَمْوَالِ (وَالصَّبِيُّ كَالْمَعْتُوهِ) فِيمَا ذَكَرَ
(وَلِلْكَبَارِ الْقَوْدُ قَبْلَ كِبَرِ الصَّغَارِ)

اسے اطراف کے معاملہ میں بطور استحسان قصاص کا حق حاصل ہوگا۔ کیونکہ اطراف میں اموال کی راہ پر چلے گا۔ اور بچہ ان معاملات میں جن کا ذکر کیا گیا ہے وہ معتوہ کی طرح ہے۔ چھوٹوں کے بڑا ہونے سے پہلے بڑوں کو قصاص کا حق ہوگا۔

وصی جب نفس میں مال پر صلح کرے تو روایات میں اختلاف ہے یہاں ”جامع صغیر“ میں یصح کا لفظ ہے اور کتاب الصلح میں لا یصح کا لفظ ہے ”ملخص“۔ ”رملی“ نے پہلی روایت کو ترجیح دینے کا قول کیا ہے۔

34868۔ (قوله: اسْتِحْسَانًا) قیاس میں اس کا مالک نہیں کیونکہ مقصود متحد ہے وہ دل کی تشفی ہے، ”ہدایہ“۔

34869۔ (قوله: لِأَنَّهُ يَسْلُكُ بِهَا مَسْلَكَ الْأَمْوَالِ) اسی وجہ سے امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ نے طرف میں قسم سے انکار کی صورت میں قضا کو جائز قرار دیا ہے، ”اتقانی“۔

34870۔ (قوله: وَالصَّبِيُّ كَالْمَعْتُوهِ) جب بچے کے قریبی کو قتل کر دیا جائے تو اس کے باپ اور اس کے وصی کو وہی

حق حاصل ہوگا جو معتوہ کے باپ اور اس کے وصی کو حق حاصل تھا اور اس کے باپ کو قصاص اور صلح کا حق حاصل ہوگا معاف کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ اور وصی کے لیے صرف صلح کرنے کا حق حاصل ہے۔ بھائی وغیرہ کے لیے اس میں سے کوئی شے نہیں کیونکہ اسے اس پر کوئی ولایت حاصل نہیں جس طرح ہم نے اسے معتوہ میں ثابت کیا ہے۔ ”ہندیہ“ میں ”المحیط“ سے مروی ہے: علما نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ جب قصاص مکمل صغیر کے لیے ہو تو بڑے بھائی کو اسے وصول کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہوگا۔ اس کی مکمل بحث قریب ہی آئے گی۔

تتمہ: ”حانوتی“ نے صغیر کے وصی کی صلح جو دیت کی مقدار سے کم ہو اس کے صحیح ہونے کا فتویٰ دیا ہے جب قاتل متکبر ہو اور وصی قتل کو ثابت کرنے پر قادر نہ ہو۔ یہ مال پر قیاس کرنے کی بنا پر فتویٰ دیا ہے کیونکہ ”عمادیہ“ میں ہے: وصی جب میت کے حق کے بارے میں یا صغیر کے حق کے بارے میں جو کسی آدمی پر لازم ہو صلح کرے اگر وہ مال کا اقرار کرتا ہو یا اس پر گواہیاں ہوں یا اس کا اس پر فیصلہ کر دیا گیا ہو تو حق سے کم پر صلح جائز نہ ہوگی اگر ایسا نہ ہو تو جائز ہوگی۔

34871۔ (قوله: وَلِلْكَبَارِ الْقَوْدُ الْخ) یعنی جب ایک آدمی کو قتل کیا جائے جب کہ اس کا ایک ولی بڑا اور ایک ولی

چھوٹا ہو تو بڑے کو حق حاصل نہیں کہ وہ اس کے پاس اس کو قتل کرے۔ کیونکہ یہ مشترک حق ہے۔ ”الاصل“ میں ہے: اگر بڑا باپ ہو تو بالاجماع قصاص لے سکتا ہے۔ اگر وہ اجنبی ہو اس کی صورت یہ ہے: ایک غلام دو اجنبی آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اس کو قتل کر دیا جائے جو دو اجنبی صغیر اور کبیر ہوں تو اسے یہ حق حاصل نہ ہوگا۔ کلام اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے اگر سب چھوٹے ہوں تو بھائی اور چچا کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس سے حق وصول کرے جس طرح ”جامع صغائر“ میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان میں سے ایک کے بڑے ہونے کا انتظار کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سلطان قصاص کا پورا پورا حق لے گا جس طرح

خِلَافًا لَهُمَا وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَا لَا يَتَجَرَّأُ إِذَا وَجِدَ سَبَبُهُ كَامِلًا ثَبَتَ لِكُلِّ عَلَى الْكَمَالِ كَوَلَايَةِ انْكَاحٍ وَأَمَانٍ
(إِلَّا إِذَا كَانَ الْكَبِيرُ أَجْنَبِيًّا عَنِ الصَّغِيرِ فَلَا يَنْبَلِكُ الْقَوْدَ حَتَّى يَنْدَعِ الصَّغِيرُ إِجْمَاعًا زَيْدَعِي فَلْيُحْفَظْ

”صاحبین“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جس کو تقسیم نہ کیا جاسکے جب اس کا سبب کامل صورت میں پایا جائے تو ہر ایک کے لیے وہ کامل صورت میں ثابت ہوگا جسے ولایت انکاح اور ولایت امان سے۔ مگر جب بڑا صغیر اجنبی ہو تو وہ قصاص کا مالک نہیں ہوگا یہاں تک کہ چھوٹا بالغ ہو جائے۔ اس پر اجماع ہے۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔

”الاختیار“ میں ہے۔ اور قاضی سلطان کی طرح ہے اگر سب بڑے ہوں تو بعض کو حق حاصل نہیں کہ وہ دوسروں کے بغیر قصاص لیں اور نہ اس کا حق وصول کرنے کے لیے انہیں وکیل بنایا جائے گا۔ کیونکہ مؤکل غائب ہو تو معافی کا احتمال موجود ہوگا۔ پس قصاص کا وہ مستحق ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے معین کردہ حصوں کے مطابق مال کا مستحق ہوگا ان میں خاوند اور بیوی داخل ہوں گے جس طرح ”خلاصہ“ میں ہے۔ اور یہ کہ قضا شرط نہیں جس طرح ”خزانہ“ میں ہے۔ اور یہ کہ اگر قتل خطا ہو تو بڑے کو صرف اپنا حق وصول کرنے کا حق ہوگا جس طرح جامع میں ہے ”تہستانی“۔ اور ان کا قول: لایشتراط القاضی یعنی اس کی قضا شرط نہیں جسے قصاص لینے کا حق ہوتا ہے اسے قصاص لینے کا حق ہوگا خواہ اس کا فیصلہ یا فیصلہ نہ کیا جائے جس طرح ”بزازیہ“ میں ہے۔

34872۔ (قوله: خِلَافًا لَهُمَا) ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک انہیں اس کا حق نہیں ہوگا مگر جب بڑا شریک چھوٹے

کا باپ ہو ”نہایہ“۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے اسے اس پر قیاس کیا ہے جب وہ دو میں مشترک ہو اور دونوں میں ایک غائب ہو۔ 34873۔ (قوله: وَالْأَصْلُ الْخ) یہ امام کے قول سے استدلال ہے۔ ”ہدایہ“ میں کہا: آپ کی دلیل یہ ہے یہ ایب حق ہے جو تقسیم و تجزی کو قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ ایسے سبب سے ثابت ہے جو تجزی کو قبول نہیں کرتا وہ قرابت ہے اور صغیر کی جانب سے معافی کا احتمال منقطع ہے یعنی فی الحال منقطع ہے۔ پس ہر کسی کے لیے کامل طور پر ثابت ہے جس طرح ”ولایۃ النکاح“ میں ہے اور بڑوں کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ غائب سے عفو کا احتمال ثابت ہے۔

”سعدی“ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ سبب قرابت ہو۔ کیونکہ یہ حق میاں اور بیوی کے لیے ثابت ہے جب کہ کوئی قرابت نہیں۔ ”طوری“ نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ تغلیب کی بنا پر ہے یا اس سے مراد ایسا اتصال ہے جو وراثت کو ثابت کرتا ہے۔ 34874۔ (قوله: وَأَمَانٍ) یعنی مسلمان حرابی کی امان۔

34875۔ (قوله: إِلَّا إِذَا كَانَ الْكَبِيرُ أَجْنَبِيًّا عَنِ الصَّغِيرِ) ”نہایہ“ میں کہا: اس کی صورت یہ ہے کہ غلام صغیر اور اجنبی

کے درمیان مشترک ہو تو اسے جان بوجھ کر قتل کر دیا گیا تو اجنبی کو کوئی حق حاصل نہیں کہ اس صغیر کے بالغ ہونے سے پہلے قصاص لے لے یہ بالا جماع ثابت ہے مگر جب صغیر کا باپ ہو تو اس وقت دونوں قصاص لے سکتے ہیں۔ پھر ”مبسوط“ سے نقل کرتے ہوئے کہا: کیونکہ سبب ملک ہے جو دونوں میں سے کسی کے لیے بھی کامل نہیں۔ کیونکہ ملک رقبہ تجزی کا احتمال رکھتی ہے جس میں ہم ہیں اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں سبب قرابت ہے یہ ان چیزوں میں سے ہے جو تجزی کو قبول نہیں کرتی۔

(وَلَوْ قَتَلَ الْقَاتِلُ أَجْنَبِيًّا وَجَبَ الْقِصَاصُ عَلَيْهِ فِي الْقَتْلِ الْعَمْدِ)؛ لِأَنَّهُ مَحْتَقُونَ الدَّمِ بِالنَّظَرِ لِقَاتِلِهِ كَمَا مَرَّ (وَالِدِيَّةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ) أَيْ لِلْقَاتِلِ فِي الْخَطَا، وَلَوْ قَالَ وَلِيُّ الْقَتِيلِ بَعْدَ الْقَتْلِ، أَيْ بَعْدَ قَتْلِ الْأَجْنَبِيِّ (كُنْتُ أَمْرْتُهُ بِقَتْلِهِ وَلَا بَيِّنَةً لَهُ) عَلَى مَقَالَتِهِ (لَا يُصَدِّقُ) وَيُقْتَلُ الْأَجْنَبِيُّ دُرًّا،

اگر قاتل کو کسی اجنبی نے قتل کر دیا تو قتل عمد میں اس پر قصاص واجب ہوگا۔ کیونکہ اس کے قاتل کا اعتبار کیا جائے تو اس کی جان محفوظ ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے اور دیت قتل خطا کی صورت میں قاتل کی عاقلہ پر ہوگی اگر اجنبی کے قتل کرنے کے بعد مقتول کے ولی نے کہا: میں نے اس کے قتل کا حکم دیا تھا جب کہ اس کے قول پر کوئی گواہ نہ ہوں تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور اجنبی کو قتل کیا جائے گا ”درر“۔

مبحث شریف

اس صورت کے بیان اور تعلیل اور جو اس کی مثل ہے اس کا ظاہر معنی وہ ہے جو ہم نے ابھی ”تہستانی“ سے اور انہوں نے اصل سے روایت کیا ہے کہ اجنبی سے مراد وہ ہے جو ملک میں شریک ہو قرابت میں شریک نہ ہو اگر ایک آدمی قتل کر دیا جائے اور اس کا ایک پھوپھی زاد ہے جو بڑا ہے اور ایک چھوٹا بھانجا ہے جب کہ دونوں اجنبی ہیں تو کبیر کے لیے قصاص ہوگا۔ کیونکہ سبب مقتول سے قرابت ہے۔ یہ ان چیزوں میں سے ہے جو تقسیم کو قبول نہیں کرتی۔ اس طرح اگر اسے قتل کیا جاتا ہے جب کہ اس کی ایک بیوی ہے اور اس عورت کے علاوہ کسی اور عورت سے اس کا بیٹا ہے تو بیوی کو قصاص کا حق ہوگا۔ کیونکہ قرابت سے ان کی مراد وہ ہے جو زوجیت کی جامع ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ علامہ ”ابن شلبی“ نے اپنے مشہور فتاویٰ میں اس آدمی کے بارے فتویٰ دیا ہے جس نے ایک عورت کو جان بوجھ کر قتل کیا جب کہ اس خاوند اور کسی اور خاوند سے اس کا بیٹا تھا تو انہوں نے جواب دیا بچے کے بالغ ہونے سے پہلے خاوند کے لیے قصاص ہوگا۔ لیکن اس کے مخالف وہ قول ہے جو ”فتاویٰ علامہ حانوتی“ میں ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس آدمی کے بارے میں فتویٰ دیا جس کو جان بوجھ کر قتل کیا تھا جب کہ اس کی ایک بالغ بیٹی، چھوٹا بچہ اور چار بیویاں تھیں کہ بیٹے کے بالغ ہونے کا انتظار کیا جائے گا کیونکہ بعض بیویاں اس سے اجنبی ہیں۔ یہ ”زیلعی“ کی عبارت سے ماخوذ ہے۔

34876۔ (قوله: كَمَا مَرَّ) یعنی فصل کے شروع میں گزر چکا ہے۔

34877۔ (قوله: وَلَوْ قَالَ الْخ) اس قول نے یہ بیان کیا ہے کہ قصاص کے ولی کو یہ حق حاصل ہے کہ خود قصاص لے لے یا کسی کو حکم دے دے جس طرح ”بزازیہ“ میں اس کی تصریح کی ہے لیکن کسی اور کو موکل کی عدم موجودگی میں قصاص لینے کا حق نہیں جس طرح ہم پہلے ”تہستانی“ سے نقل کر چکے ہیں۔

34878۔ (قوله: أَيْ بَعْدَ قَتْلِ الْأَجْنَبِيِّ) یہ مصدر ہے اور اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے۔

34879۔ (قوله: كُنْتُ أَمْرْتُهُ) یعنی میں نے اجنبی کو حکم دیا۔

34880۔ (قوله: لَا يُصَدِّقُ) کیونکہ اس میں غیر کے حق کا اسقاط ہے وہ غیر پہلے قاتل کا ولی ہے۔

بِخِلَافٍ مَنْ حَفَرَ بَيْتًا فِي دَارٍ رَجُلٍ فَمَاتَ فِيهَا شَخْصٌ فَقَالَ رَبُّ الدَّارِ كُنْتُ أَمَرْتُهُ بِالْحَفْرِ
صَدَقَ مُجْتَبَى، يَعْنِي بِلَاَنَّهُ يَمْلِكُ اسْتِئْذَانَهُ لِلْحَالِ فَيَصَدِّقُ بِخِلَافِ الْأَوَّلِ لِفَوَاتِ الْمَحَلِّ
بِالْقَتْلِ كَمَا هُوَ الْقَاعِدَةُ، وَظَاهِرُهُ أَنَّ حَقَّ الْوَلِيِّ يَسْقُطُ رَأْسًا كَمَا لَوْ مَاتَ الْقَاتِلُ حَتْفَ أَنْفِهِ وَلَوْ
اسْتَوْفَاهُ بَعْضُ الْأَوْلِيَاءِ

جس نے ایک آدمی کے گھر میں کنواں کھودا تو اس میں ایک شخص مر گیا تو گھر کے مالک نے کہا: میں نے اسے کھودنے کا حکم دیا تھا تو اس کی تصدیق کی جائے گی، ”مجتبیٰ“۔ یعنی وہ فی الحال اس کو نئے سرے سے کھودنے کا حکم دینے کا مالک ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ پہلے قول کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ قتل کے ساتھ محل فوت ہو چکا ہے جس طرح یہ قاعدہ ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ولی کا حق کلی طور پر ساقط ہو جاتا ہے جس طرح قاتل اپنی طبعی موت مر جائے۔ اگر بعض اولیا نے قصاص لے لیا

34881۔ (قوله: يَعْنِي الْخ) مصنف نے ”السخ“ میں اس کو بیان کیا ہے۔ ”الظہیر“ میں اس کی یہ علت بیان کی

ہے۔ جب کہا: لَانَّهُ اخبر عبا يملك کیونکہ وہ اس امر کے بارے میں خبر دے رہا ہے جس کا وہ مالک ہے۔

34882۔ (قوله: كَمَا هُوَ الْقَاعِدَةُ) وہ یہ ہے کہ جو آدمی کسی اور کی حکایت بیان کرے اگر وہ فی الحال اس کو نئے

سرے سے شروع کرنے کا مالک ہو تو اس کی تصدیق کی جائے گی ورنہ اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی جس طرح وہ خبر دے کہ اس نے عورت سے رجوع کر لیا ہے جب کہ وہ عدت میں ہو تو اس کی تصدیق کی جائے گی اگر اس کے بعد ہو تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اگر وہ عورت اس کو جھٹلا دے مگر گواہوں کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی یہاں وہ کنواں کھودانے کے ساتھ نئے سرے سے اجازت دینے کا مالک ہوتا ہے اور وہ قتل کی اجازت دینے کا مالک نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کا محل فوت ہو چکا ہے جو مقتول ہے۔

قاتل اپنی موت مر جائے تو ولی کا حق کلی طور پر ساقط ہو جاتا ہے

34883۔ (قوله: وَظَاهِرُهُ الْخ) یعنی متن کے قول: وَلَوْ قَتَلَ الْقَاتِلُ اجْنَبِي وَجِبَ الْقَصَاصُ الْخ کا ظاہر معنی یہ ہے

کہ پہلے مقتول کے ولی کا حق کلی طور پر ساقط ہو چکا ہے یعنی دیت میں اس کا حق اسی طرح ساقط ہو چکا ہے جس طرح قصاص میں اس کا حق ساقط ہو چکا ہے جس طرح قاتل کسی کے قتل کیے بغیر مر جائے۔ ظہور کے وجہ یہ ہے کہ مصنف نے اس میں کسی شے سے تعرض نہیں کیا جب کہ یہ امر ظاہر ہے۔ کیونکہ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ قتل عمد کا حکم قصاص ہی ہے یہ باہمی رضا مندی کے بغیر مال نہیں ہوگا اور رضا مندی یہاں موجود نہیں۔ پھر میں نے ”تاتر خانیہ“ میں دیکھا ہے کیونکہ انہوں نے اس مسئلہ میں کہا: جب قاتل کو حق یا ناحق قتل کر دیا جائے تو اس سے قصاص بغیر مال کے ساقط ہو جائے گا جس طرح جب وہ مر جائے تو اس سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔

34884۔ (قوله: وَلَوْ اسْتَوْفَاهُ) یعنی وہ قصاص جو جماعت کے لیے ثابت تھا وہ اس نے لے لیا۔ چاہیے یہ تھا کہ

لَمْ يَضُنْ شَيْئًا وَفِي الْحُجَّتَيْنِ وَالْأُخْرَى دَمْرَيْنِ اثْنَيْنِ فَعَفَا أَحَدُهُمَا وَقَتْلَهُ الْآخَرُ إِنْ عَلِمَ أَنَّ عَفْوَ بَعْضِهِمْ يُسْقِطُ حَقَّهُ يُقَادُ وَإِلَّا فَلَا وَالذِّيَّةُ فِي مَالِهِ، بِخِلَافِ مُسِيكِ رَجُلٍ لِيَقْتُلَ بَعْضُهُمَا فَقَتَلَ وَلِيُّ الْقَتِيلِ الْمُسِيكَ فَعَلَيْهِ الْقَوْدُ؛ لِأَنَّهُ مِمَّا لَا يُشْكِلُ عَلَى النَّاسِ

تو وہ کسی شے کے ضامن نہیں ہوں گے۔ ”مجتبیٰ“ اور ”درر“ میں ہے: ایک قصاص دو آدمیوں میں مشترک ہے ان دونوں میں سے ایک نے معاف کر دیا اور دوسرے نے اسے قتل کر دیا اگر یہ معلوم ہو کہ ان میں سے بعض کا معاف کرنا اس کے حق کو ساقط کر دیتا ہے تو اس سے قصاص لیا جائے گا ورنہ قصاص نہیں لیا جائے گا اور دیت اس کے مال میں ہوگی۔ یہ صورت مختلف ہوگی کہ ایک آدمی کو پکڑتا ہے تاکہ اس کو عداقت کرے تو مقتول کا ولی پکڑنے والے کو قتل کر دیتا ہے تو اس پر قصاص لازم ہوگا۔ کیونکہ یہ ایسا امر نہیں جو اشکال کا باعث ہو۔

اسی مسئلہ کو اپنے اس قول: ولو قتل القاتل اجنبی سے پہلے ذکر کرتے۔ کیونکہ یہ اس کے ماقبل کے متعلقات میں سے ہے۔ شارحین نے ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے قاعدہ کی تائید میں ذکر کیا ہے کہ قصاص ہر ایک کے لیے کامل طور پر ثابت ہوتا ہے۔ علماء نے کہا: اس پر دلیل یہ ہے اگر ایک قصاص لے لے تو وہ باقی ماندہ کے لیے کسی شے کا ضامن نہیں ہوگا اور نہ ہی قاتل کے لیے کسی شے کا ضامن ہوگا اگر تمام قصاص اس کے حق میں ثابت نہ ہوتا تو تمام قصاص وصول کرنے سے ضامن نہیں ہوتا۔

اگر ایک قصاص دو آدمیوں میں مشترک ہو تو اس کا حکم

34885۔ (قولہ: دَمْرَيْنِ اثْنَيْنِ) یعنی دونوں کے حق میں کسی اور کے خلاف ثابت ہو ایہاں سے لے کر والا تک

”الدرر“ کی عبارت ہے۔ جہاں تک ”مجتبیٰ“ کی عبارت کا تعلق ہے تو اس کی نص ہے: اگر قصاص دو افراد کے درمیان مشترک ہو تو دونوں میں سے ایک اسے معاف کر دے اور دوسرا اسے قتل کر دے اگر اسے اپنے شریک کے معاف کرنے کا علم نہ ہو تو قصاص کے اعتبار سے اسے قتل کر دیا جائے گا۔ استحسان کے طریقہ پر قتل نہیں کیا جائے گا اگرچہ اسے عفو کا علم ہو چکا ہو۔ اگر اس کی حرمت نہ رکھتا ہو اور وہ کہے: میں نے یہ گمان کیا کہ اسے قتل کرنا میرے لیے حلال ہے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اور دیت اس کے مال میں سے ہوگی۔ اگر اسے حرمت کا علم ہو تو اس کو قتل کیا جائے گا خواہ قاضی نے خاموشی کے حق میں قصاص کے سقوط کا فیصلہ کیا ہو یا فیصلہ نہ کیا ہو۔ یہ حکم اسی طرح ہے جس نے ایک آدمی کو پکڑا یہاں تک کہ دوسرے آدمی نے اسے عداقت کر دیا تو مقتول کے ولی نے پکڑنے والے کو قتل کر دیا تو اس پر قصاص لازم ہوگا خواہ قاضی نے پکڑنے والے سے قصاص کے سقوط کا قول کیا یا نہ کیا ہو۔

34886۔ (قولہ: بِخِلَافِ) یہ ان کے قول فلا مسک کے ساتھ مربوط ہے۔ اور المسک کا لفظ جو منصوب ہے۔ یہ

قتل کا مفعول ہے۔ اس کی تعبیر میں خفا کی نوع پائی جاتی ہے۔ اس کا حکم وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

34887۔ (قولہ: مِمَّا لَا يُشْكِلُ عَلَى النَّاسِ) یہ امر مخفی نہیں کہ جس نے پکڑا ہے اس کو قتل کرنا حلال نہیں۔ یہ

(جَرَحَ إِنْسَانًا وَمَاتَ) الْمَجْرُوحُ (فَأَقَامَ أَوْلِيَاءُ الْمَقْتُولِ بَيِّنَةً أَنَّهُ مَاتَ بِسَبَبِ الْجُرْحِ، وَأَقَامَ الضَّارِبُ بَيِّنَةً أَنَّهُ بَرِيءٌ) مِنَ الْجُرْحِ (وَمَاتَ بَعْدَ مُدَّةٍ فَبَيِّنَةٌ وَلِيَ الْمَقْتُولِ أُولَى) كَذَا فِي مُعِينِ الْحُكَّامِ مَعْنِيًا لِلْحَاوِي (أَقَامَ أَوْلِيَاءُ الْمَقْتُولِ الْبَيِّنَةَ عَلَى أَنَّهُ جَرَحَهُ زَيْدٌ وَقَتْلَهُ وَأَقَامَ زَيْدُ الْبَيِّنَةَ عَلَى أَنَّ الْمَقْتُولَ قَالَ إِنَّ زَيْدًا لَمْ يَجْرَحْنِي وَلَمْ يَقْتُلْنِي فَبَيِّنَةٌ زَيْدٌ أُولَى) كَذَا فِي الْمُشْتَمِلِ مَعْنِيًا لِمَجْمَعِ الْفَتَاوَى (قَالَ الْمَجْرُوحُ لَمْ يَجْرَحْنِي فَلَانٌ ثُمَّ مَاتَ) الْمَجْرُوحُ

ایک آدمی نے کسی دوسرے کو زخمی کیا اور مجروح مر گیا اور مقتول کے اولیا نے گواہیاں قائم کر دیں کہ وہ اسی زخم کے سبب مرا ہے اور ضارب نے گواہیاں قائم کر دیں کہ وہ زخم سے صحت یاب ہو گیا تھا اور کچھ مدت بعد مر گیا تھا تو مقتول کے ولی کے بینہ اولی ہوں گے۔ ”معین الحکام“ میں اسی طرح ہے جب کہ ”حاوی“ کی طرف منسوب ہے۔ مقتول کے اولیا نے گواہیاں قائم کیں کہ اسے زید نے زخمی کیا ہے اور اسے قتل کر دیا ہے اور زید نے گواہیاں قائم کیں کہ مقتول نے کہا تھا زید نے مجھے زخمی نہیں کیا تھا اور اس نے مجھے قتل نہیں کیا تو زید کی گواہیاں اولی ہوگی۔ ”المشتمل“ میں جب کہ ”مجمع الفتاوی“ کی طرف منسوب ہے اسی طرح ہے۔ زخمی نے کہا: مجھے فلاں نے زخمی نہیں کیا پھر مجروح مر گیا

صورت مختلف ہوگی جیسے مقتول کے اولیا میں سے کسی نے معاف کر دیا ہو تو یہ امر مخفی ہے کہ باقی ماندہ اولیاء کا حق ساقط ہو گیا یا ساقط نہ ہوا بلکہ ”الدرر“ میں ”الحیط“ سے مروی ہے کہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔ بعض علماء کے نزدیک بعض کے معاف کرنے سے قصاص ساقط نہیں ہوگا۔ پس اس کا ظن شبہ ہو جائے گا۔

34888۔ (قوله: فَبَيِّنَةٌ وَلِيَ الْمَقْتُولِ أُولَى) یہ اس کے موافق ہے جسے ”صاحب القنیہ“ نے باب البینتین المتضادتين میں ذکر کیا ہے۔ بعض علما نے یہ تعلیل کی ہے کہ اولیا کے گواہ امر کو ثابت کرنے والے ہیں اور مارنے والے کے گواہ اس کی نفی کرنے والے ہیں۔ لیکن یہ اس کے مخالف ہے جسے ”صاحب الخلاصہ“ نے کتاب الدعوی کے آخر میں اپنے اس قول کے ساتھ ذکر کیا ہے: ایک آدمی نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ اس نے اس کی لونڈی کے پیٹ پر ضرب لگائی ہے اور اس کی ضرب سے وہ مر گئی ہے تو مدعی علیہ نے اس کا دفاع کرتے ہوئے کہا، وہ لونڈی اس ضرب کے بعد بازار گئی تو یہ دفاع صحیح نہ ہو گا۔ اگر اس نے یہ گواہیاں قائم کیں کہ وہ عورت ضرب کے بعد صحیح ہو گئی تھی تو دفاع صحیح ہوگا اگر دونوں نے گواہیاں قائم کر دیں ایک نے اس کے صحت مند ہونے پر، اور دوسرے نے ضرب کے ساتھ موت پر، تو صحت مند ہونے کی گواہیاں اولی ہوں گی۔ ”بزازیہ“ اور ”مشمتمل الاحکام“ میں یہ اسی طرح ہے۔ فاضل ”ابوسعود“ نے یہ فتویٰ دیا ہے ”شیخ غانم بغدادی“ کی تالیف ”تعارض البینۃ“ میں اسی طرح کا حکم ہے۔ مصنف نے جو یہاں ذکر کیا ہے کتاب الشہادات میں باب الاختلاف فی الشہادۃ سے تھوڑا پہلے اسی پر گامزن ہوئے ہیں جب کہ ”البحر“ کی پیروی کی ہے، فاقبل۔

34889۔ (قوله: فَبَيِّنَةٌ زَيْدٌ أُولَى) کیونکہ یہ گواہیاں صاحب حق کے قول پر قائم ہوئی ہیں یہ گواہیاں نفی پر قائم

(وَلَيْسَ لِوَرَثَتِهِ الدَّعْوَى عَلَى الْجَارِحِ بِهَذَا السَّبَبِ مُطْلَقًا، وَقِيلَ إِنْ كَانَ الْجُرْحُ مَعْرُوفًا عِنْدَ الْقَاضِي أَوْ النَّاسِ قُبِلَتْ قُنْيَةٌ وَفِي الدَّرَا عَنْ الْمَسْعُودِيَّةِ لَوْ عَفَا الْمَجْرُومُ أَوْ الْأَوْلِيَاءُ بَعْدَ الْجُرْحِ قَبْلَ الْمَوْتِ جَازَ الْعَفْوُ اسْتِحْسَانًا وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ جَرِيحٌ قَالَ قَتَلَنِي فَلَانٌ وَمَاتَ فَبَرَهَنَ وَارِثُهُ عَلَى آخِرٍ أَنَّهُ قَتَلَهُ لَمْ تُسَمَّعْ؛ لِأَنَّهُ حَقُّ الْمَوْرَثِ وَقَدْ أَكْذَبَهُمْ وَلَوْ قَالَ جَرَحَنِي فَلَانٌ وَمَاتَ

تو اسی سبب سے اس کے وارثوں کو مطلقاً زخم لگانے پر کوئی دعویٰ کا حق نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر زخم قاضی یا لوگوں کے ہاں معروف ہو تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا، ”قنیہ“۔ ”الدرر“ میں ”مسعودیہ“ سے مروی ہے: اگر زخمی یا اولیا نے زخم کے بعد موت سے پہلے معاف کر دیا تو بطور استحسان معافی جائز ہوگی۔ ”وہبانیہ“ میں ہے: ایک زخمی ہے اس نے کہا: فلاں نے مجھے قتل کیا اور وہ مر گیا اس کے وارث نے ایک اور آدمی کے خلاف گواہیاں قائم کیں کہ فلاں نے اسے قتل کیا ہے تو ان کو نہیں سنا جائے گا۔ کیونکہ یہ مورث کا حق ہے جب کہ اس نے ان وارثوں کو جھٹلادیا ہے اگر وہ کہے: مجھے فلاں نے زخمی کیا اور وہ مر گیا

نہیں ہوئیں۔ ”ط“۔

34890۔ (قوله: لَيْسَ لِوَرَثَتِهِ الدَّعْوَى) کیونکہ وارث پہلے دیت کے لیے حق کا دعویٰ کرتا ہے پھر وہ وراثت کی وجہ سے اس کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ مورث اگر زندہ ہوگا تو اس قول کے بعد اس کا دعویٰ قبول نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کا یہ قول پہلے قولوں کے منقض ہے۔ پس اس آدمی کا دعویٰ صحیح نہیں ہوگا جو اس کے لیے دعویٰ کرتا ہے۔ ”ولو البجیہ“۔ اسے کتاب القول لمن یقولہ) میں مقید کیا ہے صاحب ”المحیط“ نے کہا: یہ حکم اس صورت میں ہے جب جارح اجنبی تھا اگر وہ وارث ہو تو صحیح نہ ہوگا۔ میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے ”المحیط“ سے جو نقل کیا ہے یہ اس کے بارے میں ہے جب زخم خطا سے لگا ہو۔ کیونکہ یہ معنی میں اس کے وارث کو مال سے بری کرنا ہے۔ ”طحطاوی“ نے مصنف کے کلام کو اس قول کے ساتھ مقید کیا ہے۔ مقید بالقتل العمد مگر جب وہ قتل خطا ہو اور مسئلہ اس حال پر ہو تو گواہیوں کو قبول کیا جائے گا اور دیت سے اس کا ایک تہائی ساقط ہو جائے گا اور ان کے قول لم یجزی کو ساقط کرنا شمار ہوگا۔ پس یہ ایک تہائی سے ہی نافذ ہوگا۔ اسی قول کو کسی کی طرف منسوب نہیں کیا۔

34891۔ (قوله: وَفِي الدَّرَا عَنْ الْمَسْعُودِيَّةِ الخ) یہ اس قول کے ساتھ تکرار ہے جو ان کے قول لا قود بقتل مسلم مسلماً سے تھوڑا پہلے گزرا ہے، ”ح“۔

34892۔ (قوله: عَلَى آخِرٍ) یعنی دوسرے آدمی پر جو مورث سے اجنبی ہے اس کا قرینہ اس کے بعد ہے۔

34893۔ (قوله: وَقَدْ أَكْذَبَهُمْ) یعنی گواہوں کو جھٹلادیا ہے جس طرح ”حاشیۃ الاشباہ“ میں ”مجموع النوازل“ سے

مروی ہے۔

فَبَزَّهْنَ ابْنَهُ عَلَى ابْنِ آخَرٍ أَنَّهُ جَرَحَهُ خَطَأً قُبِلَتْ لِقِيَامِهَا عَلَى حَرَمَانِهِ الْإِزْثَ (سَقَاهُ سُبْحَاتِي مَاتَ،
إِنْ دَفَعَهُ إِلَيْهِ حَتَّى أَكَلَهُ وَلَمْ يَعْلَمْ بِهِ فَمَاتَ لَا قِصَاصَ وَلَا دِيَّةَ لِكُنْهَ يُحْبَسُ وَيُعْزَرُ، وَلَوْ أَوْجَرَهُ السُّمُّ
(اِبْجَارًا تَجِبُ الدِّيَّةُ) عَلَى عَاقِلَتِهِ (وَإِنْ دَفَعَهُ لَهُ فِي شَرِبَةٍ فَشَرِبَهُ وَمَاتَ) مِنْهُ (فَكَالْأَوَّلِ)؛ لِأَنَّهُ شَرِبَ
مِنْهُ بِاخْتِيَارِهِ إِلَّا أَنَّ الدَّفْعَ خُدْعَةٌ

اور اس کے بیٹے نے دوسرے بیٹے پر گواہیاں قائم کر دیں کہ اس نے اسے خطا زخمی کیا تھا تو ان کو قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ
گواہیاں اس کی وراثت سے محرومی پر قائم ہوئی ہیں۔ اسے زہر پلایا یہاں تک کہ وہ مر گیا اگر اس نے وہ زہر اسے دیا یہاں
تک کہ اس نے اسے کھالیا اور اسے اس کا علم نہ تھا تو وہ مر گیا تو کوئی قصاص نہیں ہوگا اور نہ ہی دیت ہوگی لیکن اس کو مجبوس کیا
جائے گا اور اس پر تعزیر جاری کی جائے گی۔ اگر اس نے زہر کو اس کے حلق میں انڈیلا تو اس کی عاقلہ پر دیت لازم ہوگی۔ اگر
اس نے اسے زہر کسی مشروب میں ملا کر دیا تو اس نے اس کو پی لیا اور اس سے مر گیا تو حکم پہلے کی طرح ہوگا۔ کیونکہ اس نے
اسے اپنے اختیار سے پیا ہے مگر اس طرح دینا دھوکا ہے

34894۔ (قوله: فَبَزَّهْنَ ابْنَهُ عَلَى ابْنِ آخَرٍ) ”الاشباہ“ کی عبارت ہے: اس کے بیٹے نے گواہیاں قائم کر دیں
کہ فلاں دوسرے شخص نے اسے زخمی کر دیا ہے صحیح وہ ہے جو یہاں ہے۔ اسی وجہ سے ”بیری“ نے کہا: ”الاشباہ“ میں جو قول
ہے وہ منقول کے خلاف ہے۔

34895۔ (قوله: لِقِيَامِهَا عَلَى حَرَمَانِهِ الْإِزْثَ) یہ اس فرق کا بیان ہے جو اس کے درمیان ہے جب گواہیں
اجنبی پر قائم کی جائیں تو ان کو قبول نہ کیا جائے گا جس طرح پہلے گزر چکا ہے اور اس کے درمیان ہے جب وہ مجروح کے بیٹے پر
قائم کی گئی ہوں۔ ”الظہیریہ“ میں کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ گواہیاں اس پر قائم ہوتی ہیں کہ بچہ وراثت سے محروم ہے۔ جب ہم
نے میراث میں اسے جائز قرار دیا ہے تو ہم نے دیت کو اس کی عاقلہ پر لازم کر دیا ہے۔
اگر کوئی شخص کسی کو زہر پلا دے یہاں تک کہ وہ مر جائے تو اس کا حکم

34896۔ (قوله: وَلَمْ يَعْلَمْ بِهِ) اگر اسے علم ہو تو حکم بدرجہ اولیٰ اسی طرح ہوگا، ”ط“۔

34897۔ (قوله: لَا قِصَاصَ وَلَا دِيَّةَ) وہ اس کا وارث ہوگا، ”ہندیہ“، ”ط“۔

34898۔ (قوله: حَتَّى أَكَلَهُ) یعنی اس نے اپنے اختیار سے اس کو کھالیا زیادہ بہتر یہ قول تھا حتیٰ شربہ یہاں تک کہ

وہ اسے پی لے۔

34899۔ (قوله: وَلَوْ أَوْجَرَهُ الْخُ) یعنی اس کے حلق میں زبردستی انڈیل دے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا جب وہ اسے

دے اور اسے پینے پر مجبور کرے یہاں تک کہ وہ پی لے پس قصاص نہیں ہوگا اور اس کی عاقلہ پر دیت ہوگی ”تا ترخانیہ“۔ پھر
کہا: ”ذخیرہ“ میں ہے: اصل میں اس مسئلہ کو اختلاف کے بغیر مطلقاً ذکر کیا ہے اور اس کی تفصیل بیان نہیں کی۔ یہ امام

فَلَا يَلْزَمُ إِلَّا التَّعْزِيرُ وَالِاسْتِغْفَارُ خَائِيَةً (وَإِنْ قَتَلَهُ بِسَرٍّ بِفَتْحِ الْبِيمِ مَا يُعْمَلُ فِي الطَّيْنِ

تو کوئی شے لازم نہ ہوگی مگر تعزیر اور استغفار لازم ہوگی، ”خانیہ“۔ اگر اسے پھاوڑے یا بیلچے سے قتل کر دیا، مراس آلہ کو کہتے ہیں جس کے ساتھ مٹی میں کام کیا جاتا ہے یہ لفظ میم کے فتح کے ساتھ ہے

”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اشکال کا باعث نہیں۔ کیونکہ قتل ایسی چیز سے واقع ہوا ہے جس نے زخم نہیں لگایا۔ پس ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق یہ خطا عمد ہوگا۔

جہاں تک ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے قول کا تعلق ہے تو علماء میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے کہا: یہ تفصیل پر مبنی ہے یعنی اگر اس نے زہر کی اتنی مقدار حلق میں انڈیلی جس کی مثل سے عموماً قتل واقع ہو جاتا ہے تو وہ قتل عمد ہوگا ورنہ وہ قتل خطا عمد ہوگا۔ علماء میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے کہا: یہ تمام ائمہ کے نزدیک مطلقاً خطا عمد ہے۔ ”ساحانی“ نے یہ ذکر کیا ہے کہ ان کے شیخ ”ابوسعود“ نے باب قطع الطريق میں یہ ذکر کیا ہے اگر اس نے زہر کے ساتھ قتل کیا تو قصاص واجب ہوگا۔ کیونکہ زہر آگ اور چھری کا سائل کرتا ہے ”سمرقندی“ نے اس کو ترجیح دی ہے یعنی جب وہ اس کے حلق میں انڈیل دے یا اس کے پینے پر اسے مجبور کرے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔

34900۔ (قوله: فَلَا يَلْزَمُ إِلَّا التَّعْزِيرُ وَالِاسْتِغْفَارُ) کیونکہ اس نے معصیت کا ارتکاب کیا ہے کہ وہ نفس کے قتل کا

سبب بنا ہے۔

تنبیہ

ایک آدمی نے اقرار کیا کہ اس نے فلاں کو دعاء باطنی تیروں یا سورۃ انفال کی قراءت کے ساتھ ہلاک کیا ہے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ محض جھوٹ ہے کیونکہ یہ اس علم غیب کے دعویٰ کی طرف لے جاتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ (النمل: 65) میں نفی کی گئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔ ان اشیاء کے ساتھ ہلاک کرنے کے باب میں کوئی نص موجود نہیں اور جھوٹے اقرار کے ساتھ اس پر کوئی شے لازم نہیں آتی۔ جس طرح ایک آدمی ایسے آدمی کے بارے میں بیٹا ہونے کا اقرار کرتا ہے جو عمر میں اس سے بڑا ہے اگر وہ اقرار کرے کہ اس نے فلاں کو اللہ تعالیٰ کے اسماء قہریہ کی قراءت کے ساتھ ہلاک کیا ہے تو مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ قراءت کا وقوع ہوا ہے۔ اصح یہ ہے کہ اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ شرع نے اسے آلہ قتل میں اور سبب سے نہیں بنایا۔ ”بیری“ نے ”حاوی الفتاویٰ“ سے نقل کیا ہے اور اس امر کا ذکر نہیں کیا جب وہ یہ اقرار کرے کہ اس نے نظر لگانے کے ساتھ فلاں کو قتل کیا ہے۔ قتال

اگر کوئی شخص کسی کو پھاوڑے یا بیلچے سے قتل کر دے تو اس کا حکم

34901۔ (قوله: مَا يُعْمَلُ فِي الطَّيْنِ) ”یعنی“ نے کہا: مر یہ میم کے فتح اور را کی تشدید کے ساتھ ہے یہ طویل لکڑی

فَلَا یَلْزَمُ إِلَّا التَّغْزِیْرُ وَالِاسْتِغْفَارُ خَائِیَةً (وَإِنْ قَتَلَهُ بِمَرِّ بَفَتْحِ الْمِیْمِ مَا یُعْمَلُ فِي الطِّینِ) یُقْتَضُ أَنْ
أَصَابَهُ حَدُّ الْحَدِیدِ، أَوْ ظَهَرَهُ وَجَرَحَهُ إِجْمَاعًا کَمَا نَقَلَهُ الْمُصَنِّفُ عَنِ الْمُجْتَبِی (وَالْأَلَّ) یُصْبَهُ حَدُّهُ بَلْ
قَتَلَهُ بِظَهَرِهِ وَلَمْ یَجْرَحْهُ (لَا) یُقْتَضُ فِي رِوَايَةِ الطَّحَاوِیِّ، وَظَاهِرُ الرِّوَايَةِ أَنَّهُ یُقْتَضُ بِلَا جُرْحٍ فِي حَدِیدٍ
وَنُحَاسٍ وَذَهَبٍ وَنَحْوِهَا، وَعَزَاكَ فِي الدَّرَرِ لِقَاضِي خَانَ؛ لَكِنْ نَقَلَ الْمُصَنِّفُ عَنِ الْخُلَاصَةِ أَنَّ الْأَصَحَّ
اعْتِبَارُ الْجُرْحِ عِنْدَ الْإِمَامِ لِوُجُوبِ الْقَوْدِ، وَعَلَيْهِ جَرَى ابْنُ الْکَمَالِ وَفِي الْمُجْتَبِی ضَرْبَ بِسِیْفٍ فِي غُنْدِهِ
فَخَرَقَ السِّیْفُ الْغُنْدَ وَقَتَلَهُ فَلَا قَوْدَ عِنْدَ أَبِي حَنِیْفَةَ

تو کوئی شے لازم نہ ہوگی مگر تعزیر اور استغفار لازم ہوگی، ”خانیہ“۔ اگر اسے پھاوڑے یا بیچے سے قتل کر دیا، مر اس آلہ کو کہتے
ہیں جس کے ساتھ مٹی میں کام کیا جاتا ہے یہ لفظ میم کے فتح کے ساتھ ہے تو اس سے قصاص لیا جائے گا اگر اسے وہ جانب لگے
جس جانب سے لوہے کی حد (دھار) بنائی گئی ہو یا اس کی پشت لگی ہو اور اس نے اسے زخمی کر دیا ہو اس پر اجماع ہے جس
طرح مصنف نے اسے ”المجتبی“ سے نقل کیا ہے۔ اگر اسے اس کی حد نہ لگے بلکہ اسے اس کی پشت کے ساتھ قتل کیا ہو اور اس
نے اسے زخمی نہ کیا ہو تو ”طحاوی“ کی روایت میں اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور ظاہر روایت یہ ہے کہ لوہے، تانبے،
سونے وغیرہ کی صورت میں زخم کے بغیر بھی اس سے قصاص لیا جائے گا۔ اسے ”الدرر“ میں ”قاضی خان“ کی طرف منسوب کیا
ہے۔ لیکن مصنف نے ”الخلاصہ“ سے نقل کیا ہے کہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک قصاص کے واجب ہونے کے لیے زخم کا
اعتبار ہے۔ یہ اصح قول کے مطابق ہے۔ ”ابن کمال“ اسی پر گامزن ہوئے ہیں۔ ”مجتبی“ میں ہے: نیام میں موجود تلواروں کے
ساتھ کسی کو مارا تلوار نے نیام کو توڑ دیا اور اس کو قتل کر دیا تو امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک قصاص نہیں ہوگا

ہوتی ہے جس کے سرے پر چوڑا لوہا ہوتا ہے اس کے اوپر ایک چوڑی لکڑی ہوتی ہے جس پر ایک آدمی اپنا پاؤں رکھتا ہے اور
اس کے ساتھ زمین کو کھودتا ہے۔

34902۔ (قوله: بَلْ قَتَلَهُ بِظَهَرِهِ الْخ) اگر اسے لکڑی لگے تو یہ وزنی چیز کے ساتھ قتل کا مسئلہ ہے یہ کتاب کے
شروع میں گزر چکا ہے، ”معراج“۔ یعنی یہ شبہ عمد ہوگا۔ اس کے بارے میں کلام پہلے گزر چکی ہے۔

34903۔ (قوله: أَنَّ الْأَصَحَّ اعْتِبَارُ الْجُرْحِ الْخ) ”ہدایہ“ میں بھی اس کے متعلق تصریح کی ہے اور شارحین نے اس
پر اعتراض نہیں کیا۔ پس ”ہدایہ“ سے اسے نقل کرنا اولیٰ ہے۔ کیونکہ وہ اقویٰ ہے۔

اگر نیام میں موجود تلوار مارنے کے ساتھ کسی کو قتل کر دے تو قصاص کا حکم
34904۔ (قوله: فَلَا قَوْدَ عِنْدَ أَبِي حَنِیْفَةَ) کیونکہ اس نے زخمی کرنے والے آلہ کے ساتھ ضرب لگانے کا قصد نہیں
کیا، ”ولو الجیہ“۔

میں کہتا ہوں: یہ اس کے موافق ہے جو عمد کی تعریف پہلے گزر چکی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ایسے آلہ کے ساتھ

(كَالْخَنِقِ وَالتَّغْرِيقِ) خِلَافًا لِهَمَّا وَالشَّافِعِيِّ وَلَوْ أَدْخَلَهُ بَيْتًا فَمَاتَ فِيهِ جُوعًا لَمْ يَضْمَنْ شَيْئًا

جس طرح گلا دبانے اور پانی میں غرق کرنے کے ساتھ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما اور امام ”شافعی“ رحمہ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر اسے ایک کمرے میں داخل کیا تو وہ اس میں بھوکا مر گیا تو وہ کسی شے کا ضامن نہیں ہوگا۔

ضرب لگائے جو اجزاء کو الگ الگ کر دے۔ اس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ اگر وہ اس صورت میں تلوار سے وار کا قصد کرے تو اس پر قصاص لازم ہوگا۔ کیونکہ آلہ قتل کے ساتھ زخم واقع ہوا ہے ساتھ ہی ضرب کا قصد کیا گیا تھا مگر ہم نے کتاب کے شروع میں ”مجتبیٰ“ سے جو قول نقل کیا ہے کہ عمد میں قتل کا قصد شرط نہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ دھار والے آلہ کے ساتھ ضرب کے قصد کے بعد قتل کا ارادہ شرط نہیں۔ پس شرط ضرب کا قصد ہے قتل کا قصد شرط نہیں۔ پھر تیز دھار والے آلے کے ساتھ قتل پائے جانے کی صورت میں یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عمد ہو۔ کیونکہ بعض اوقات وہ خطا ہوتا ہے۔ پس اس لیے اس کے ساتھ ضرب کا قصد شرط ہوتا ہے یہاں جب اس نے تلوار کے ساتھ مارنے کا قصد نہیں کیا تو وہ عمد نہ ہوگا اگرچہ اس کے ساتھ قتل حاصل ہو۔

34905۔ (قوله: كَالْخَنِقِ) یہ ان کے قول: والالا کے ساتھ متصل ہے خلق یہ نون کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ ”فارابی“

نے کہا: سکون کے ساتھ قول نہیں کیا جائے گا جب کہ وہ خنقہ کا مصدر ہے جب وہ اس کے حلق کو دبائے۔ خناق اس سے اسم فاعل یعنی مبالغہ کا صیغہ ہے خناق جب خا کے کسرہ اور تخفیف کے ساتھ ہو۔ اس سے مراد وہ چیز ہے جس کے ساتھ گلا دبایا جاتا ہے وہ رسی ہو یا تانت ہو۔ ”مغرب“۔

34906۔ (قوله: خِلَافًا لِهَمَّا) ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک اس میں قصاص ہے۔ ”الولواجیہ“ میں ہے: یہ حکم اس

صورت میں ہے جب وہ گلا دبانے میں دوام اختیار کرے یعنی گلا دبائے رکھے یہاں تک کہ وہ مرجائے مگر جب وہ مرنے سے پہلے اسے ترک کر دے تو یہ دیکھا جائے گا اگر وہ اتنی مقدار گلا دبائے جس سے عموماً انسان مرجاتا ہے تو ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک قصاص لازم ہوگا ورنہ نہیں۔ اس پر اجماع ہے۔ غرق کرنے کا معاملہ اسی طرح ہے۔ اس میں یہ شرط ہے کہ پانی عظیم ہو اس حیثیت میں کہ نجات ممکن نہ ہوتا کہ وہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک قتل عمد بن جائے جو قصاص کا موجب ہو۔ اگر یہ عمل تھوڑا ہو تو غالباً قتل نہیں کرتا یا عظیم ہو جس سے نجات تیرنے کے ساتھ ممکن ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس سے بندھا ہوا نہ ہو جب کہ وہ اچھی طرح تیر سکتا ہو پس وہ شبہ عمد ہوگا۔ اسے ”تاتر خانہ“ وغیرہا میں بیان کیا ہے۔

کمرے میں محبوس مقتول کے قصاص میں آئمہ احناف کا اختلاف

34907۔ (قوله: وَلَوْ أَدْخَلَهُ بَيْتًا) ”تاتر خانہ“ میں ”الحیط“ سے اسے اسی طرح مطلقاً ذکر کیا ہے۔ اس میں

”ظہیریہ“ سے مروی ہے: ولو قيدة وحبسہ فی بیت الخ ظاہر معنی یہ ہے کہ معتبر باہر نکلنے پر قادر نہ ہونا ہے خواہ اسے جکڑا ہو یا نہ جکڑا ہو۔

وَقَالَ تَجِبُ الدِّيَّةُ وَلَوْ دَفَنَهُ حَيًّا فَمَاتَ، عَنْ مُحَمَّدٍ يُقَادُ بِهِ مُجْتَبَى بِخِلَافِ قَتْلِهِ بِمُؤَالَاةٍ ضَرْبِ السَّوْطِ كَمَا سَيَجِيءُ

اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا: دیت واجب ہوگی اگر اسے زندہ دفن کیا اور وہ مر گیا امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے مروی ہے: اس سے قصاص لیا جائے گا، ”مجتبى“۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ سوئے کی پے در پے ضربوں سے اسے قتل کر ڈالے جس طرح عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

34908۔ (قوله: وَقَالَ تَجِبُ الدِّيَّةُ) ”تا ترخانیہ“ میں ”المحیط“ اور ”الکبری“ سے مروی ہے: اس پر دیت واجب ہوگی۔ ظاہر یہ ہے کہ پہلا قول علیہ الدیۃ میں مضاف محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے: علی عاقلته الدیۃ، تامل۔ ”الظہیریہ“ میں ہے: فتویٰ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے قول پر ہے: اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ امام ”طحاوی“ نے کتاب کے شروع میں کہا: ”شرح الحموی“ میں ”خزانۃ المفتین“ سے مروی ہے: اگر وہ اس کو کنویں میں پھینکے یا پہاڑ کی چوٹی سے پھینکے یا چھت سے پھینکے تو اس کے بدلے میں اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اگر ایک انسان پر ایک کمرہ بنا دیا یہاں تک کہ وہ بھوکا مر گیا یا پیاسا مر گیا تو ضامن نہیں ہوگا۔

”صاحبین“ رحمہ اللہ نے فرمایا: اس پر دیت ہوگی۔ کیونکہ یہ ایسا سبب ہے جو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔ پس ضمان واجب ہوگی۔ ہمارے زمانے میں یہی مختار ہے تاکہ ظالموں کو ظلم سے روکا جائے۔

34909۔ (قوله: عَنْ مُحَمَّدٍ يُقَادُ) یہ اس امر پر مبنی ہے کہ ان کے نزدیک شبہ عمد میں قصاص واجب ہوگا جس طرح ”المعراج“ میں نقل کیا ہے یا یہ اس پر مبنی ہے کہ یہ قتل عمد ہے۔ ”تا ترخانیہ“ میں ہے: اس میں اس سے قصاص لیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے اسے جان بوجھ کر قتل کیا ہے۔ یہ امام ”محمد“ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ فتویٰ اس بات پر ہے کہ اس کی عاقلہ پر دیت ہوگی۔ اس میں اور اس میں جب وہ اس کو مجبوس کر دے یہاں تک کہ وہ بھوکا مر جائے فرق یہ ہے کیونکہ اس پر قصد ہے کہ اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی جس طرح گزر چکا ہے کہ بھوک اور پیاس انسان کے لوازم میں سے ہیں۔ جہاں تک یہاں کا تعلق ہے تو وہ غم کی وجہ سے مر گیا ہے جب کہ یہ اس کے لوازم میں سے نہیں ہے۔ پس اس کی نسبت فاعل کی طرف ہوگی جس سے ”ظہیریہ“ میں بیان کیا ہے۔

34910۔ (قوله: بِخِلَافِ قَتْلِهِ الْخ) کیونکہ اس میں اس پر کوئی قیاس نہیں۔ ”اتقانی“ نے کہا: جب چھوٹے ڈنڈے کے ساتھ پے در پے ضربیں لگائے اور چھوٹے ڈنڈے سے قصاص واجب نہیں ہوتا۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے فرمایا: قصاص واجب ہوگا جب وہ اس طریقہ سے پے در پے ضربیں لگائے کہ نفس معمول کے مطابق اس کو برداشت نہ کر سکے۔ اس سے قبل یہ نقل کیا ہے کہ یہ شبہ عمد ہے۔ یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ سے منقول ہے اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ سے یہ منقول ہے کہ یہ عمد ہے۔ 34911۔ (قوله: كَمَا سَيَجِيءُ) میں نے اس بارے میں کوئی قول نہیں دیکھا۔

وَفِيهِ لَوْ اَعْتَادَ الْخُنُقُ قُتْلَ سِيَاسَةٍ وَلَا تُقْبَلُ تَوْبَتُهُ لَوْ بَعْدَ مَسْكِهِ كَالسَّاحِرِ وَفِيهِ (قَمَطَ رَجُلًا وَطَرَحَهُ قُدَّامَ اَسَدٍ اَوْ سَبَّعَ فَقَتَلَهُ فَلَا قَوْدَ فِيهِ وَلَا دِيَّةَ وَيُعْزَرُ وَيُضْرَبُ وَيُحْبَسُ اِلَى اَنْ يَمُوتَ) زَادَ فِي الْبَزَازِيَّةِ وَعَنْ الْاِمَامِ عَلَيْهِ الدِّيَّةُ،

اس میں ہے: اگر وہ گلا دبا کر مارنے کا عادی ہو جائے تو اس کو بطور سیاست قتل کر دیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی اگر وہ گرفتاری کے بعد توبہ کرے جیسے جادوگر کی توبہ گرفتاری کے بعد قبول نہیں ہوتی۔ اس میں ایک آدمی کے ہاتھ پاؤں باندھے اور اسے شیر یا درندے کے سامنے پھینک دیا تو اس جانور نے اس کو قتل کر دیا تو اس میں نہ قصاص ہوگا نہ دیت ہوگی اس کو تعزیر لگائی جائے گی، اس کو مارا جائے گا اور اس کو قید رکھا جائے گا یہاں تک کہ مر جائے۔ ”بزازیہ“ میں یہ زائد ذکر کیا ہے۔ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ سے یہ مروی ہے کہ اس پر دیت لازم ہوگی

34912۔ (قوله: لَوْ اَعْتَادَ الْخُنُقُ) ”خانیہ“ میں ہے: اگر اس نے کسی کا گلا دبا یا تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا مگر جب وہ معروف گلا دبانے والا تھا جس نے کئی افراد کا گلا دبا یا۔ پس اس کو بطور سیاست قتل کیا جائے گا۔ شارح کی عبارت جو کتاب الجہاد سے پہلے ہے بصورت دیگر اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ایک دفعہ گلا دبا تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا اسے وہاں مصنف کے قول کے بعد ذکر کیا ہے شہر میں جس سے گلا دبانے کا عمل بار بار ہوا اسے قتل کیا جائے گا۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ تکرار و دفعہ سے حاصل ہو جاتا ہے پھر یہ گلا دبانے کے ساتھ خاص نہیں۔ کیونکہ شبہ العمد میں یہ پہلے بیان کیا ہے کہ اس میں قصاص نہیں ہوگا مگر جب اس سے یہ عمل متکرر ہو۔ پس امام کو حق حاصل ہوگا کہ اسے بطور سیاست قتل کرے۔

34913۔ (قوله: لَوْ بَعْدَ مَسْكِهِ) یعنی امام کے قابو میں آنے کے بعد۔ اگر وہ اس سے پہلے توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی، ”مجتبیٰ“۔

کمرے میں محبوس شخص کو اگر کوئی درندہ قتل کر دے تو اس کا حکم

34914۔ (قوله: فَلَا قَوْدَ فِيهِ وَلَا دِيَّةَ) اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ اسے ایک کمرہ میں داخل کرے اور ساتھ ہی ایک درندہ داخل کر دے اور دروازہ اس پر بند کر دے اور درندہ اس انسان کو قتل کر دے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر سانپ اسے ڈس لے یا بچھو اسے ڈنگ مارے اگر وہ یہ عمل بچے کے ساتھ کرے تو اس پر دیت لازم ہوگی ”تا ترخانیہ“۔ ”طحطاوی“ نے اس کی مثل ”ہندیہ“ سے نقل کیا ہے۔ ان کا قول: فعليه الدية یعنی اس کی عاقلہ پر دیت لازم ہوگی اس میں مضاف حذف ہے۔ اس کی دلیل وہ ہے جو آگے آئے گی۔ کیونکہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق اس پر قتل عمد کا صدق نہیں آتا، تاہل۔ اس میں غور و کرو۔ بچے اور مرد میں کیا فرق ہے مصنف عنقریب ”کتاب القسامہ“ سے تھوڑا پہلے ذکر کریں گے۔ اگر آزاد بچے کو غصب کیا تو وہ بجلی کی کڑک یا سانپ کے ڈسنے سے مر گیا تو اس کی دیت غاصب کی عاقلہ پر ہوگی۔ شارح نے وہاں یہ علت بیان کی ہے کہ وہ مسبب ہے۔ یہ ذکر کیا اگر بڑے آزاد کو مقید حالت میں قتل کیا گیا اور اس سے بچنا اس کے لیے ممکن نہ تھا تو وہ

وَلَوْ قَمَطَ صَبِيًّا وَالْقَاهُ فِي الشَّسِ أَوْ الْبَرْدِ حَتَّى مَاتَ فَعَلَى عَاقِلَتِهِ الدِّيَّةُ وَفِي الْخَانِيَةِ قَمَطَ رَجُلًا وَالْقَاهُ فِي الْبَحْرِ فَزَسَبَ وَغَرِقَ كَمَا الْقَاهُ فَعَلَى عَاقِلَتِهِ الدِّيَّةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَلَوْ سَبَحَ سَاعَةً ثُمَّ غَرِقَ فَلَا دِيَّةَ لِأَنَّهُ غَرِقَ بِعَجْزِهِ، وَفِي الْأَوَّلَى غَرِقَ بِطَرَحِهِ فِي الْمَاءِ (قَطَعَ عَنْقَهُ وَبَقِيَ مِنَ الْخُلُقُومِ قَلِيلٌ وَفِيهِ الرُّوحُ فَقَتَلَهُ آخِرُ فَلَا قَوْدَ فِيهِ) عَلَيْهِ؛ لِأَنَّهُ فِي حُكْمِ الْمَيِّتِ

اگر وہ بچے کے ہاتھ پاؤں باندھ دے اور اسے دھوپ یا سردی میں پھینک دے یہاں تک کہ مر جائے تو اس کی عاقلہ پر اس کی دیت لازم ہوگی۔ ”خانیہ“ میں ہے: ایک آدمی کے ہاتھ پاؤں باندھے اور اسے سمندر میں پھینک دیا وہ تہہ نشین ہو گیا اور غرق ہو گیا جس طرح اس نے اسے پھینکا تو اس کی عاقلہ پر دیت ہوگی۔ یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کا نقطہ نظر ہے۔ اگر وہ ایک لمحہ کے لیے تیرا پھر غرق ہو گیا تو دیت نہیں ہوگی۔ کیونکہ وہ اس کے عاجز آنے سے غرق ہوا ہے۔ پہلی صورت میں پانی میں پھینکنے سے وہ غرق ہوا ہے۔ ایک آدمی نے کسی انسان کی گردن کاٹی اور حلقوم میں سے تھوڑا چھوڑ دیا گیا جب کہ اس میں روح موجود تھی تو ایک اور آدمی نے اسے قتل کر دیا تو اس میں قصاص نہیں ہوگا کیونکہ وہ آدمی میت کے حکم میں ہے۔

ضامن ہوگا۔ اس کا مقتضایہ ہے کہ بڑے اور چھوٹے میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ یہ اس روایت کے موافق ہے جسے یہاں ”بزازیہ“ سے نقل کیا ہے۔ اس پر مکمل گفتگو وہاں آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اگر کوئی کسی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر دھوپ میں پھینک دے اور وہ مر جائے تو اس کا حکم

34915۔ (قوله: وَلَوْ قَمَطَ صَبِيًّا الْخ) ”تا تر خانیہ“ میں اس کو ذکر کیا۔ اس سے پہلے یہ ذکر کیا ہے: اگر ایک آدمی نے ایک بچے یا ایک آدمی کے ہاتھ پاؤں باندھے پھر اسے دھوپ میں پھینک دیا تو اس پر دیت لازم ہوگی۔ یعنی اس کی عاقلہ پر دیت لازم ہوگی جس طرح ہم نے پہلے اس کا ذکر کیا ہے، تامل۔ پس اس میں غور و فکر کیا جائے کہ دھوپ اور درندے میں کیا فرق ہے۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک فعل کا یہ حکم نہیں جب کہ یہ ہر ایک میں قتل کا متسبب ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ اس روایت پر متفرع ہے۔

34916۔ (قوله: فَزَسَبَ) ”مغرب“ میں کہا: رسب فی الماء رسوبا وہ نیچے چلا گیا یہ طلب کے باب میں سے ہے۔

34917۔ (قوله: وَغَرِقَ الْخ) اس سے اس کی موت کا وقوع معلوم ہو گیا۔ ”تا تر خانیہ“ میں کہا: اگر جس وقت سے پھینکا گیا تو وہ پانی میں نیچے چلا گیا اور یہ پتہ نہ چلا کہ وہ مر گیا ہے یا وہ نکلا ہے اور اس کا کوئی نشان دہائی نہ دیا تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ وہ مر گیا ہے۔

34918۔ (قوله: فَعَلَى عَاقِلَتِهِ الدِّيَّةُ) یعنی اس پر دیت مغلطہ لازم ہوگی۔ ”تا تر خانیہ“۔

34919۔ (قوله: وَلَوْ سَبَحَ سَاعَةً الْخ) اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ اچھی طرح تیر سکتا ہو، ”تا تر خانیہ“۔

34920۔ (قوله: لِأَنَّهُ فِي حُكْمِ الْمَيِّتِ) اگر اس کا بیٹا مر جائے تو وہ اس حالت پر ہوگا اس کا بیٹا اس کا وارث ہوگا اور

(وَلَوْ قُتِلَهُ وَهُوَ فِي حَالَةِ النَّزْعِ قُتِلَ بِهِ) إِلَّا إِذَا كَانَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا يَعِيشُ مِنْهُ، كَذَا فِي الْخَانِيَّةِ وَفِي الْبَزَازِيَّةِ شَقَّ بَطْنَهُ بِحَدِيدَةٍ وَقَطَعَ آخِرَ عُنُقِهِ، وَإِنْ تَوَهَّمُ بَقَاءَهُ حَيًّا بَعْدَ الشَّقِّ قُتِلَ قَاطِعُ الْعُنُقِ وَإِلَّا قُتِلَ الشَّقَّاءُ وَعُزِّرَ الْقَاطِعُ (وَمَنْ جَرَحَ رَجُلًا عِنْدَ أَفْصَارِ ذَا فَرَّاشٍ وَمَاتَ يُقْتَضُ) إِلَّا إِذَا وَجِدَ مَا يَقْطَعُهُ

اگر اسے قتل کیا جب کہ وہ حالت نزاع میں تھا تو اس کے بدلے میں اس کو قتل کیا جائے گا مگر جب اسے علم ہو کہ وہ اس سے زندہ نہیں رہے گا۔ ”خانیہ“ میں اسی طرح ہے۔ ”بزازیہ“ میں ہے: اس کے پیٹ کو لوہے سے پھاڑا اور دوسرے نے اس کی گردن کاٹ ڈالی اگر پیٹ پھاڑ دینے کے بعد اس کے زندہ رہنے کا وہم ہو تو گردن کاٹنے والے کو قتل کیا جائے گا ورنہ جس نے پیٹ چاک کیا تھا اس کو قتل کیا جائے گا اور جس نے گردن کاٹی تھی اس کو تعزیر لگائی جائے گی۔ جس نے کسی شخص کو عمد اُزخمی کیا پس وہ صاحب فراش ہو گیا اور مر گیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا مگر جب ایسی چیز پائی جائے جو اس عمل کو ختم کر دے

وہ اپنے بیٹے کا وارث نہیں ہوگا، ”ذخیرہ“، ”ط“۔

34921۔ (قوله: إِلَّا إِذَا كَانَ يَعْلَمُ الْخ) اس مسئلہ میں مصنف نے ”المنح“ میں پیروی کی ہے۔ صحیح یہ قول ہے: دان

كَانَ يَعْلَمُ الْقَاتِلَ أَنَّهُ لَا يَعِيشُ بِهِ۔ کیونکہ میں نے یہی قول ”الخانیہ“، ”الخلاصہ“، ”تاتر خانیہ“ اور ”بزازیہ“ میں دیکھا ہے۔

اگر کوئی کسی شخص کا پیٹ پھاڑ دے دوسرا اس کی گردن اڑا دے تو اس کا حکم

34922۔ (قوله: شَقَّ بَطْنَهُ الْخ) ”تاتر خانیہ“ میں ہے: اس کا پیٹ پھاڑ دیا اور اس کی آنتوں کو نکال دیا پھر ایک

آدمی نے اس کی گردن جان بوجھ کر تلوار سے اڑا دی تو قاتل دوسرا شخص ہوگا۔ اگر قتل خطا ہو تو دیت واجب ہوگی اور جس نے پیٹ پھاڑا اس پر دیت کا ایک تہائی لازم ہوگا۔ اگر وہ زخم دوسری جانب نکل گیا تو دو تہائی دیت لازم ہوگی۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب پیٹ پھاڑنے کے بعد ایک دن یا دن کا کچھ حصہ زندہ رہے۔ اگر وہ ایسی حالت میں ہو جس کے ساتھ زندگی کے وجود کا وہم نہ ہو اور اس کے ساتھ موت کا اضطراب ہی باقی ہو تو قاتل پہلا شخص ہوگا۔ پس عمد کی صورت میں اس سے قصاص لیا جائے گا اور قتل خطا کی صورت میں اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا، ملخص۔ شاید اس میں اور اس میں جو حالت نزاع میں پڑا ہوا ہے فرق یہ ہے کہ نزاع غیر متحقق ہے۔ کیونکہ مریض بعض اوقات شبہ نزاع کی حالت تک جا پہنچتا ہے بلکہ بعض اوقات یہ گمان کیا جاتا ہے کہ وہ مر چکا ہے اور اس کے ساتھ مردوں کا سا معاملہ کیا جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد وہ طویل عرصہ تک زندہ رہتا ہے مگر جس کا پیٹ چاک کر دیا جائے اور اس کی آنتوں کو نکال دیا جائے تو اس کی موت متحقق ہوتی ہے۔ لیکن جب اس میں اتنی زندگی ہو جس کے ساتھ وہ ایک دن تک زندہ رہ سکتا ہو تو وہ زندگی شرعاً معتبر ہوتی ہے جس طرح کتاب الذبائح میں گزر چکا ہے۔ اسی وجہ سے قاتل دوسرا شخص ہوگا مگر جب پیٹ پھاڑنے سے وہ موت کے تڑپنے کی طرح تڑپ رہا ہو تو ایسی زندگی اصلاً معتبر نہیں ہوتی تو وہ حکماً میت ہوگا اسی وجہ سے قاتل پہلا شخص ہوگا۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے۔

34923۔ (قوله: إِلَّا إِذَا وَجِدَ مَا يَقْطَعُهُ الْخ) ”المنح“ میں کہا: کیونکہ زخم اس کی موت کا ظاہری سبب ہے تو موت کو

كَحَزِّ الرَّقَبَةِ وَالْبُرءِ مِنْهُ، وَقَدْ مُنَّا أَنَّهُ لَوْ عَفَا الْمَجْرُوحُ أَوْ الْأَوْلِيَاءُ قَبْلَ مَوْتِهِ صَحَّ اسْتِحْسَانًا (وَإِنْ مَاتَ) شَخْصٌ (بِفِعْلِ) نَفْسِهِ وَزَيْدٌ وَأَسَدٌ وَحَيَّةٌ ضَمِنَ زَيْدٌ ثُلُثَ الدِّيَةِ فِي مَالِهِ إِنْ كَانَ الْقَتْلُ (عَنْدًا) وَإِلَّا فَعَلَى عَاقِلَتِهِ؛ لِأَنَّ فِعْلَ الْأَسَدِ وَالْحَيَّةِ جِنْسٌ وَاحِدٌ؛ لِأَنَّهُ هَدَرٌ فِي الدَّارَيْنِ وَفِعْلُ زَيْدٍ مُعْتَبَرٌ فِي الدَّارَيْنِ وَفِعْلُ نَفْسِهِ هَدَرٌ فِي الدُّنْيَا لَا الْعُقْبَى حَتَّى يَأْتِمَ بِالْإِجْمَاعِ فَصَارَتْ ثَلَاثَةُ أَجْنَاسٍ وَمُقَادَةُ أَنْ يُعْتَبَرَ فِي الْمَقْتُولِ التَّكْلِيفُ لِيَصِيرَ فِعْلُهُ جِنْسًا آخَرَ غَيْرَ جِنْسِ فِعْلِ الْأَسَدِ وَالْحَيَّةِ وَأَنْ لَا يَزِيدَ عَلَى الثُّلُثِ لَوْ تَعَدَّدَ قَاتِلُهُ؛

جیسے گردن کو کاٹ دینا اور اس زخم سے صحت یاب ہو جانا۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اگر زخمی یا اس کے اولیاء اس کی موت سے قبل معاف کریں تو بطور استحسان یہ صحیح ہوگا۔ اگر کوئی شخص اپنے فعل، زید کے فعل اور شیر اور سانپ کے عمل سے مر گیا تو زید ایک تہائی دیت کا اپنے مال میں سے ضامن ہوگا۔ اگر زید کی جانب سے قتل، قتل عمد ہو ورنہ اس کی تہائی دیت زید کی عاقلہ پر ہوگی۔ کیونکہ شیر اور سانپ کا فعل ایک جنس ہے۔ کیونکہ وہ فعل دونوں جہانوں میں رائیگاں ہے۔ اور زید کا فعل دونوں جہانوں میں معتبر ہے اور اس کا اپنا فعل دنیا میں رائیگاں ہے آخرت میں رائیگاں نہیں یہاں تک کہ وہ بالا جماع گناہگار ہوگا۔ پس یہ تین جنسیں ہو گئیں۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مقتول میں تکلیف کا اعتبار کیا جائے تاکہ اس کا فعل کوئی دوسری جنس بن جائے تو شیر اور سانپ کے فعل کی جنس سے مختلف ہو (اس صورت میں) اگر قاتل متعدد افراد ہوں تو دیت ایک تہائی سے زائد لازم نہ ہوگی

اس پر محمول کیا جائے گا جب تک کوئی ایسا سبب نہ پایا جائے تو اس کو قطع کر دے جیسے کہ گردن کا کاٹنا اور اس زخم سے صحت مند ہو جانا۔ حز کا لفظ پہلے حامملہ ہے اور پھر زاء مجمعہ ہے جس کا معنی کاٹنا ہے اور منہ کی ضمیر زخم کے لیے ہے۔

34924۔ (قوله: وَقَدْ مُنَّا الْخ) یعنی اس فعل میں۔ اس کے ساتھ دوسرے قاطع کی طرف اشارہ کیا ہے۔

34925۔ (قوله: ضَمِنَ زَيْدٌ ثُلُثَ الدِّيَةِ فِي مَالِهِ) کیونکہ عاقلہ قتل عمد کی ذمہ دار نہیں ہوتی۔ بے شک اس سے

قصاص نہیں لیا جائے گا اس علت کی وجہ سے جو گزر چکی ہے۔ اور آگے آئے گا کہ کیونکہ وہ تجزی و تقسیم کو قبول نہیں کرتا۔

34926۔ (قوله: فَصَارَتْ ثَلَاثَةُ أَجْنَاسٍ) پس نفس تین افعال سے تلف ہوا۔ پس ہر فعل سے تلف ہوئے۔ اور

کا تہائی ہے۔ پس اس پر دیت کا ایک تہائی واجب ہوگا، ”ہدایہ“۔

34927۔ (قوله: وَمُقَادَةُ) ضمیر سے مراد تعلیل ہے یعنی تعلیل کا مستفاد۔

34928۔ (قوله: لِيَصِيرَ فِعْلُهُ الْخ) کیونکہ اگر مکلف نہ ہو تو وہ دارین میں رائیگاں جائے گا جس طرح شیر کا عمل

ہے۔ پس زید پر نصف دیت ہوگی۔

اگر قاتل متعدد ہوں تو دیت کا حکم

34929۔ (قوله: وَأَنْ لَا يَزِيدَ عَلَى الثُّلُثِ لَوْ تَعَدَّدَ قَاتِلُهُ) اس کی صورت یہ ہے کہ زید کے ساتھ کوئی اور ہو پس

لَاَنَّ فِعْلَ کُلِّ جَنْسٍ وَاحِدًا ابْنُ کَمَالٍ (وَيَجِبُ قَتْلُ مَنْ شَهَرَ سَيْفًا عَلَى الْمُسْلِمِينَ)

کیونکہ ہر ایک کا فعل ایک جنس ہے، ”ابن کمال“۔ جس نے مسلمانوں پر تلوار کو سونپا اسے فی الحال قتل کرنا

وہ اور غیر ایک تہائی میں شریک ہوں گے۔

میں کہتا ہوں: ”تا تر خانیہ“ کے متفرقات میں یہ ذکر کیا گیا ہے: اگر ایک آدمی نے اسے زخمی کیا اور دوسرے آدمی نے اسے زخمی کیا پھر اس کے ساتھ وہ شامل ہو گیا جس کا عمل ہدر ہے تو دونوں میں سے ہر ایک پر دیت کا ایک تہائی ہوگا اور اس کا ایک تہائی رائیگاں جائے گا۔ اس کی مثل ”جوہرہ“ میں ”جنایۃ المملوک“ سے تھوڑا پہلے ہے۔ ”تکملة الطوری“ میں ہے: اگر ایک آدمی نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا اور دوسرے نے اسے زخمی کر دیا اور اس نے خود بھی اپنے نفس کو زخمی کر دیا اور اسے ایک درندے نے چیر پھاڑ دیا تو قاطع چوتھائی دیت کا ضامن ہوگا اور زخمی کرنے والا اس کے چوتھائی کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ نفس چار جنایتوں سے تلف ہوا جس میں سے دو معتبر ہیں۔ اسی کی مثل متن میں باب ما یحدثہ فی الطریق کے آخر میں آئے گا۔ اگر ایک آدمی نے چار آدمیوں کو ایک کنواں کھودنے کے لیے اجرت پر لیا تو وہ کنواں گر گیا اور ان میں ایک آدمی مر گیا تو دیت کا چوتھائی ساقط ہو جائے گا اور ہر ایک پر چوتھائی واجب ہوگا۔ پس یہ امر ظاہر ہوا کہ منقول اس کے خلاف ہے جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے، فتنہ۔

میں کہتا ہوں: اس سے ہمارے زمانے میں حادثہ الفتویٰ کا جواب اخذ کیا جاسکتا ہے جو اس آدمی کے بارے میں ہے جس نے ایک چھری کے ساتھ بچے کے پیٹ کو زخمی کر دیا تو اس کی کچھ آنتیں ظاہر ہو گئیں اس کے لیے اس آدمی کو لایا گیا جو اس کے زخم کو سی دے اور آنتوں کو واپس کر دے اس کے لیے یہ ممکن ہو مگر اس صورت میں کہ وہ زخم کو کھلا کرے۔ بچے کے باپ نے اسے اس بارے میں اجازت دے دی۔ اس حکیم نے اس زخم کو کھلا کیا پھر وہ بچہ اسی رات مر گیا تو واجب ہوگا کہ نصف دیت زخم لگانے والے پر اس کے مال میں واجب ہو۔ کیونکہ دوسرے فعل کی اجازت دی گئی تھی۔ پس وہ عمل رائیگاں چلا جائے گا۔ جس طرح عنقریب آئے گا۔

نفس اور مال کے دفاع کے احکام

34930۔ (قوله: وَيَجِبُ قَتْلُ مَنْ شَهَرَ سَيْفًا) شہر سیفہ، یہ فعل منع کے وزن پر ہے، شہرہ اسے سونپا اور لوگوں

پر اسے بلند کیا، ”قاموس“۔

34931۔ (قوله: عَلَى الْمُسْلِمِينَ) علی المسلمین میں یجب اور شہر دونوں عامل ہو سکتے ہیں اور یہاں تنازع

فعلیں کا قاعدہ جاری ہو رہا ہے۔

”جامع صغیر“ کی عبارت ہے: اس نے مسلمانوں کے خلاف تلوار کو سونپا۔ کہا: مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس کو قتل کر

دیں اور ان پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ ”ابو سعود“ نے بحث کرتے ہوئے ”شیخ عبدالحی“ سے اسے ذکر کیا ہے کہ ذمی لوگ مسلمانوں کی طرح ہیں۔

یَعْنِیَ فِی الْحَالِ کَمَا نَصَّ عَلَیْهِ ابْنُ الْکَمَالِ حَيْثُ غَیَّرَ عِبَارَةَ الْوَقَايَةِ فَقَالَ وَیَجِبُ دَفْعُ مَنْ شَهَرَ سَیْفًا عَلَى الْمُسْلِمِیْنَ وَلَوْ بِقَتْلِهِ اِنْ لَمْ یُمْکِنْ دَفْعُ ضَرَرِهِ اِلَّا بِهٖ صَرَخَ بِهٖ فِی الْکِفَايَةِ اَمَّا لِاَنَّهُ مِنْ بَابِ دَفْعِ الصَّائِلِ صَرَخَ بِهٖ الشُّمْنِیُّ وَغَیْرُهُ، وَیَأْتِی مَا یُؤَدِّدُهُ (وَلَا شَیْءَ بِقَتْلِهِ) بِخِلَافِ الْجَبَلِ الصَّائِلِ (وَلَا یُقْتَلُ) مَنْ شَهَرَ سِلَاحًا

واجب ہے جس طرح ”ابن کمال“ نے اس کی وضاحت کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے ”وقایہ“ کی عبارت کو بدل ڈالا ہے اور کہا: جس نے مسلمانوں پر تلوار کو سونپا اس کو روکنا واجب ہے اگرچہ اس کو روکنا اس کے قتل کرنے کے ساتھ ہو۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جس کے ضرر کو روکنا صرف اس کو قتل کرنے کے ساتھ ہو۔ اس کی تصریح ”کفایہ“ میں کی ہے: یعنی یہ حکم اس لیے ہے۔ کیونکہ یہ حملہ آور کو روکنے کے باب سے ہے۔ ”شمنی“ وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ عنقریب اس کے بارے میں ایسا قول آئے گا جو اس کی تائید کرے گا۔ حملہ کرنے والے اونٹ کا معاملہ مختلف ہے۔ جس نے شہر میں یا کسی اور جگہ کسی آدمی پر اسلحہ سونپا

34932۔ (قوله: یَعْنِیَ فِی الْحَالِ) یعنی اس حال میں کہ اس نے مسلمانوں پر تلوار کو سونپ رکھا ہے جب کہ وہ ان پر وار کرنے کا ارادہ رکھتا ہو نہ کہ اس کے بعد اسے قتل کرنا جائز ہے جب ان سے وہ واپس چلا گیا ہو۔ کیونکہ اب اسے قتل کرنا جائز نہیں جس طرح آگے آئے گا۔

34933۔ (قوله: کَمَا نَصَّ عَلَیْهِ ابْنُ الْکَمَالِ) یعنی کما نص علی کونہ حالا، ”ابن کمال“ نے فی الحال اس کے قتل کرنے پر نص قائم کی ہے۔ زیادہ بہتر یہ قول ہے جس طرح اس کی طرف اشارہ کیا ہے: کیونکہ انہوں نے اس پر کوئی نص قائم نہیں کیا یہ ان کے قول دفع سے بطریق اشارہ اخذ کیا جاسکتا ہے کیونکہ دفاع کرنے میں کوئی سستی نہیں ہو سکتی، ”ط“۔

34934۔ (قوله: صَرَخَ بِهٖ فِی الْکِفَايَةِ) یہ ”ابن کمال“ کی عبارت میں سے نہیں ہے۔ اور ”کفایہ“ کی عبارت ہے: یعنی قتل کرنا واجب ہے کیونکہ ضرر کو دور کرنا واجب ہے۔ ”معراج“ میں ہے: وجوب کا معنی ضرب کو دور کرنے کا وجوب ہے نہ کہ عین قتل کرنا واجب ہے۔

34935۔ (قوله: وَیَأْتِی مَا یُؤَدِّدُهُ) یعنی جو اس امر کی تائید کرتا ہے کہ ان کی مراد اس کو قتل کرنا ہے جب ضرر سے دفاع صرف اسی صورت میں ہو۔ یہ ”صدر الشریعہ“ کی آنے والی عبارت میں ہے جو قریب ہی آئے گی۔ اور اس کے بعد متن کی عبارت میں یہی ہے۔

34936۔ (قوله: وَلَا شَیْءَ بِقَتْلِهِ) یعنی جب وہ مکلف ہو جس طرح اس کے آنے والے قول سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان شہر المجنون اگر مجنون اسلحہ سونپتے الخ، جب عین قتل واجب نہیں تو یہ احتمال ہوگا کہ قتل ضمان کو واجب کرنے والا ہوگا۔ پس اس کے عدم کی تصریح کی ہے۔ ”ابن کمال“ نے اس کو بیان کیا ہے۔

34937۔ (قوله: وَلَا یُقْتَلُ) اس کا عطف لاشیء بقتله پر ہے۔

عَلَى رَجُلٍ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فِي مَضْرٍ أَوْ غَيْرِهِ أَوْ شَهَرَ عَلَيْهِ عَصًا لَيْلًا فِي مَضْرٍ أَوْ نَهَارًا فِي غَيْرِهِ فَقَتَلَهُ الْمَشْهُورُ عَلَيْهِ) وَإِنْ شَهَرَ الْمَجْنُونُ عَلَى غَيْرِهِ سِلَاحًا فَقَتَلَهُ الْمَشْهُورُ عَلَيْهِ (عَنْدًا تَجِبُ الدِّيَّةُ) فِي مَالِهِ (وَمِثْلُهُ الصَّبِيُّ وَالِدَاتُهُ) الصَّائِلَةُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا ضَمَانَ فِي الْكُلِّ؛ لِأَنَّهُ لِيَدْفَعَ الشَّرَّ (وَلَوْ ضَرَبَهُ الشَّاهِرُ فَاَنْصَرَفَ) وَكَفَّ عَنْهُ عَلَى وَجْهِ لَا يُرِيدُ ضَرْبَهُ ثَانِيًا (فَقَتَلَهُ الْآخَرُ) أَمَى الْمَشْهُورُ عَلَيْهِ

یارات کے وقت شہر میں ڈنڈا سونتا یا شہر کے علاوہ دن میں اس پر ڈنڈا سونتا اور جس پر اسے سونتا گیا تھا اس نے اس کو قتل کر دیا تو اس قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اگر مجنون نے کسی اور شخص پر اسلحہ سونتا اور جس پر اسلحہ سونتا گیا تھا اس نے جان بوجھ کر اسے قتل کر دیا تو اس کے مال میں دیت واجب ہوگی۔ اس کی مثل بچہ اور حملہ کرنے والا جانور ہے۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے فرمایا: تمام میں کوئی ضمانت نہیں۔ کیونکہ اس نے یہ عمل شر کو دور کرنے کے لیے کیا ہے۔ اگر اسلحہ سوتنے والے نے اس پر وار کیا پھر واپس پلٹ گیا اور اس طریقہ سے رک گیا کہ وہ دوبارہ اس پر وار کا ارادہ نہیں رکھتا تھا تو جس پر اسلحہ سونتا گیا تھا اس نے

34938۔ (قوله: عَلَى رَجُلٍ) یعنی دلالت حال سے اس کے قتل کا قصد کیا۔ مزاح یا دل لگی کے لیے ایسا نہیں کیا۔ ”زیلعی“ نے یہ کتاب الطلاق میں بیان کیا ہے اور اس مسئلہ کو بیان کیا ہے کہ ایک مسلمانوں کی طرح ہے۔

34939۔ (قوله: لَيْلًا أَوْ نَهَارًا الْخ) کیونکہ اسلحہ نہیں ٹھہرتا (انتظار نہیں کرتا) پس اس سے دفاع کے لیے وہ قتل کا محتاج ہوتا ہے، ”ہدایہ“۔ یعنی قتل کے بغیر دفاع کی مہلت نہیں ہوتی۔

34940۔ (قوله: أَوْ شَهَرَ عَلَيْهِ عَصًا الْخ) کیونکہ چھوٹا ڈنڈا اگرچہ اس میں گنجائش ہوتی ہے لیکن رات کے وقت اسے مدد نہیں پہنچ سکتی۔ پس اس سے دفاع کے لیے وہ قتل کا محتاج ہوتا ہے۔ اسی طرح دن کے وقت جب شہر کے علاوہ وہ راستہ میں ہو تو اسے مدد نہیں پہنچ سکتی۔ علماء نے کہا: اگر وہ ڈنڈا جس میں مہلت نہ ہو اس میں یہ احتمال ہے کہ وہ اسلحہ کی مثل ہو۔ یہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک ہے، ”ہدایہ“۔

34941۔ (قوله: فَقَتَلَهُ الْمَشْهُورُ عَلَيْهِ) یعنی جس پر اسلحہ سونتا گیا یا اس کے علاوہ نے اس کا دفاع کرتے ہوئے اسے قتل کر دیا، ”زیلعی“۔ ”کفایہ“ میں ہے: جس پر اسلحہ سونتا گیا تھا اگر اس نے قتل کرنے سے چھوڑ دیا تو وہ گناہ گار ہوگا۔

34942۔ (قوله: عَنْدًا) یعنی اس نے تیز دھار وغیرہ کے ساتھ قتل کیا ہو۔ اسی طرح بدرجہ اولیٰ شبہ العمد کا حکم ہوگا۔

34943۔ (قوله: تَجِبُ الدِّيَّةُ) قصاص واجب نہیں ہوگا کیونکہ میسج موجود ہے وہ شر کو دور کرنا ہے۔ اس کی مکمل بحث ”ہدایہ“ میں ہے۔

34944۔ (قوله: وَمِثْلُهُ الصَّبِيُّ وَالِدَاتُهُ) ضمان کے وجوب میں مجنون کی مثل بچہ اور جانور ہے۔ لیکن بچے میں دیت بھی واجب ہوگی۔ اور دابہ میں قیمت واجب ہوگی۔ ”رملی“ نے یہ ذکر کیا ہے کہ اگر وہ مجنون یا بچہ غلام ہو تو واجب، قیمت ہوگی جس طرح دابہ مملوکہ میں ہے۔ تامل۔

أَوْ غَيْرُهُ، كَذَا عَمَّهُ ابْنُ الْكَمَالِ تَبَعًا لِلْكَافِي وَالْكَفَايَةُ (قُتِلَ الْقَاتِلُ)؛ لِأَنَّهُ بِالْإِنْصِرَافِ عَادَتْ عِصْمَتُهُ قُلْتُ فَتَحَرَّرَ أَنَّهُ مَا دَامَ شَاهِدًا لِلسَّيْفِ ضَرْبَهُ وَإِلَّا لَا فَلْيُحْفَظْ (وَمَنْ دَخَلَ عَلَيْهِ غَيْرُهُ لَيْلًا فَأَخْرَجَ السَّرِيقَةَ) مِنْ بَيْتِهِ (فَاتَّبَعَهُ) رَبُّ الْبَيْتِ (فَقَتَلَهُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَاتِلُ دُونَ مَالِكَ وَكَذَا لَوْ قَتَلَهُ قَبْلَ الْأَخْذِ

یا کسی اور آدمی نے اسے قتل کر دیا۔ ”ابن کمال“ نے اسی طرح عام قول کیا ہے۔ وہ یہ قول ”کافی“ ”الدرر“ میں ”کفایہ“ کی تبع میں کرتے ہیں تو قاتل کو قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے پھر جانے سے اس کی عصمت لوٹ آئی تھی۔ میں کہتا ہوں: یہ واضح ہو گیا ہے کہ جب تک وہ تلواریں سونتے رہے تو وہ اس پر وار کرے ورنہ وہ وار نہ کرے پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔ جو آدمی کسی دوسرے شخص پر رات کے وقت داخل ہوا تو اس نے چوری کا مال اس کے گھر سے نکالا تو گھر کے مالک نے اس کا پیچھا کیا اور اسے قتل کر دیا تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے مال کی حفاظت کی خاطر قتال کرو۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگرچہ مال لینے سے پہلے اسے قتل کر دے

میں کہتا ہوں: ”النبایہ“ میں ہے جس کی نص ہے: علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ اگر حملہ آور غلام یا حرم کا شکار ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ امام ”تمر تاشی“ نے یہی ذکر کیا ہے۔ اس کی مثل ”المعراج“ میں ہے دونوں میں اور دابہ میں فرق علامہ اتقانی نے ”غایۃ البیان“ میں ”شرح الطحاوی“ سے نقل کیا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

34945۔ (قوله: أَوْ غَيْرُهُ الْخ) اس قول کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ محل وہم نہیں یہاں تک کہ نقل کے ساتھ اس کو

قوت بہم پہنچاتے، فتدبر، ”ط“۔

34946۔ (قوله: عَادَتْ عِصْمَتُهُ) جب وہ اس کے بعد اس کو قتل کرے تو اس نے ایک معصوم اور مظلوم شخص کو قتل کیا

پس اس پر قصاص واجب ہوگا۔ ”زلیعی“۔

34947۔ (قوله: مَا دَامَ شَاهِدًا لِلسَّيْفِ) یعنی ساتھ ہی وہ وار کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

34948۔ (قوله: لَيْلًا) اس کا مفہوم یہ ہے اگر وہ دن ہو تو اسے قتل کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ چیخنے سے اسے رد پہنچ

سکتی تھی۔

34949۔ (قوله: دُونَ مَالِكَ) یعنی اپنے مال کی حفاظت کے لیے عنایہ وغیرہا۔

34950۔ (قوله: وَكَذَا لَوْ قَتَلَهُ قَبْلَ الْأَخْذِ الْخ) ”خانہ“ میں کہا: اس نے ایک ایسا آدمی دیکھا جو اس کا مال

چوری کر رہا ہے پس اس نے شور مچایا اور چور نہ بھاگا یا اس نے ایک آدمی کو دیکھا جو اس کی دیوار میں نقب لگا رہا ہے یا کسی

دوسرے آدمی کی دیوار میں نقب لگا رہا ہے جب کہ نقب لگانے والا چوری کرنے میں مصروف ہے تو اس آدمی نے شور مچایا اور وہ

نقب لگانے والا بھاگا تو اس کے لیے قتل کرنا حلال ہے اور قاتل پر کوئی قصاص نہ ہوگا۔

إِذَا قَصَدَ أَخَذَ مَالَهُ وَلَمْ يَتَسَكَّنْ مِنْ دَفْعِهِ إِلَّا بِالْقَتْلِ صَدْرُ شَرِيعَةٍ وَفِي الصُّغْرَى قَصَدَ مَالَهُ، إِنْ عَشْرَةَ أَوْ أَكْثَرَ لَهُ قَتْلُهُ، وَإِنْ أَقَلَّ قَاتَلَهُ وَلَمْ يَقْتُلْهُ، وَهَلْ يَقْبَلُ قَوْلُهُ أَنَّهُ كَابَرَةٌ إِنْ بَيِّنَةٌ نَعَمْ، وَإِلَّا فَإِنَّ الْمَقْتُولَ مَعْرُوفًا بِالسَّرِقَةِ وَالشَّرِّ لَمْ يُقْتَصَّ اسْتِحْسَانًا وَالدِّيَّةُ فِي مَالِهِ لِرِثَّةِ الْمَقْتُولِ بِرَأْيِي هَذَا إِذَا لَمْ يَعْلَمْ أَنَّهُ لَوْ صَاحَّ عَلَيْهِ طَرَحَ مَالَهُ، وَإِنْ عَلِمَ ذَلِكَ فَقَتَلَهُ مَعَ ذَلِكَ

جب وہ اس کے مال کو لینے کا قصد کرے اور قتل کے بغیر مال کا دفاع ممکن نہ ہو۔ ”صدر الشریعہ“۔ ”صغریٰ“ میں ہے: ایک آدمی نے اس کا مال چھیننے کا قصد کیا اگر وہ مال دس (درہم) یا زیادہ ہو تو مالک اس کو قتل کر دے اگر وہ اس سے کم ہو تو اس کے ساتھ جھگڑا کرے اور اسے قتل نہ کرے۔ کیا اس قاتل کا یہ قول قبول کیا جائے گا: اس نے اس کے ساتھ مکابرہ (غلبہ پانے کی کوشش کی تھی) کیا تھا اگر بینہ کے ساتھ وہ سبقت کرے تو اس کی بات مان لی جائے گی ورنہ اگر مقتول چوری کرے اور شر میں معروف ہو تو بطور استحسان اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور مقتول کے وارثوں کے لیے اس کے مال میں دیت ہوگی، ”بزازیہ“۔ یہ حکم اس وقت ہے جب یہ نہ جانتا ہو کہ اگر اس پر چحیے گا تو وہ اس کا مال پھینک دے گا۔ اگر وہ یہ امر جانتا ہو اور اس کے باوجود اس کو قتل کر دے

34951۔ (قوله: وَفِي الصُّغْرَى) اس قول کے ساتھ وہ یہ ارادہ کر رہے ہیں کہ اسے مقید کر دیں جیسے متون اور شروح نے مطلق ذکر کیا ہے جب کہ یہ فتاویٰ میں جو کچھ ہے اس کے ساتھ مقید نہیں ہوتیں۔ ”ماتن“ نے باب قطع الطريق کے آخر میں کہا: یہ جائز ہے کہ اپنے مال کے دفاع کے لیے قاتل کرے اگرچہ وہ مال نصاب کی مقدار تک نہ پہنچے اور جو آدمی اس پر اس سے قتال کرے اسے قتل کر دے۔

”المنح“ میں ”البحر“ سے یہ نقل کیا ہے: چور اسے ملے جب کہ اس کے پاس اتنا مال تھا جو دس درہم کے برابر تھا تو اس کے لیے یہ حلال ہوگا کہ وہ ان سے قتال کرے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: قاتل دون مالک (1) مال کا لفظ قلیل اور کثیر دونوں پر بولا جاتا ہے۔ ”سالحانی“۔

34952۔ (قوله: بِرَأْيِي هَذَا) اس کی نص کتاب الوصایا سے تھوڑا پہلے ہے۔ اسے گھر کے مالک نے قتل کر دیا اور اس پر گواہیاں قائم کر دیں کہ اس نے اس کے ساتھ مکابرہ کیا تو اس کا دم رائیگاں چلا جائے گا۔ اگر اس کے پاس گواہیاں نہ ہوں اگر مقتول شر اور سرقہ میں معروف نہ ہو تو گھر کے مالک کو قصاص کے طور پر قتل کیا جائے گا اگر وہ اس میں مقیم ہو تو قیاس کے مطابق قاتل سے قصاص لیا جائے گا اور استحسان کے مطابق اس کے مال میں مقتول کے وارثوں کے لیے دیت واجب ہوگی۔ کیونکہ دلالت حال نے قصاص میں شبہ پیدا کیا ہے مال میں شبہ پیدا نہیں کیا۔

34953۔ (قوله: مَعَ ذَلِكَ) اس کی کوئی ضرورت نہیں، ”ط“۔

1۔ سنن نسائی، باب ما یفعل من تعرض ماله، جلد 3، صفحہ 134، حدیث نمبر 4012

وَجَبَ عَلَيْهِ الْقِصَاصُ لِقَتْلِهِ بِغَيْرِ حَقٍّ (كَالْمَغْضُوبِ مِنْهُ إِذَا قَتَلَ الْغَاصِبَ) فَإِنَّهُ يَجِبُ الْقَوْدُ لِقُدْرَتِهِ عَلَى دَفْعِهِبِالِاسْتِغَاثَةِ بِالْمُسْلِمِينَ وَالْقَاضِي (مُبَاحُ الدِّمِ التَّجَا إِلَى الْحَرَمِ لَمْ يُقْتَلْ فِيهِ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ (وَلَمْ يُخْرَجْ عَنْهُ لِلْقَتْلِ لَكِنْ يُنْعَمُ عَنْهُ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ حَتَّى يُضْطَرَّ فَيُخْرِجَ مِنَ الْحَرَمِ فَحِينَئِذٍ يُقْتَلُ خَارِجَهُ) وَأَمَّا فِيمَا دُونَ النَّفْسِ فَيُقْتَصُّ مِنْهُ فِي الْحَرَمِ أَجْمَاعًا

تو اس پر قصاص واجب ہوگا۔ کیونکہ اس نے ناحق اس کو قتل کر دیا ہے جس طرح جس کا مال غصب کیا گیا جب وہ غاصب کو قتل کر دے تو قصاص واجب ہوگا۔ کیونکہ وہ مسلمانوں اور قاضی سے مدد لینے کے ساتھ اپنا دفاع کر سکتا تھا۔ جس کا خون (قتل) مباح ہو چکا تھا اس نے حرم کی پناہ لی تو ایسے شخص کو اس میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ اور اسے قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر نہیں نکالا جائے گا لیکن اسے کھانے اور پانی سے روک دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ خود حرم سے نکل آئے تو اس وقت حرم سے باہر اس کو قتل کیا جائے گا۔ جہاں تک نفس سے کم میں قصاص کا معاملہ ہے تو بالا جماع حرم میں اس سے قصاص لیا جائے گا۔

34954۔ (قوله: لِقُدْرَتِهِ عَلَى دَفْعِهِ) اس میں غور کیجئے جب مسلمان اور قاضی قادر نہ ہوں جس طرح ہمارے

زمانہ میں مشاہدہ ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ حدیث کے ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے اسے قتل کرنا واجب ہے، ”ط“۔

مباح الدم حرم میں پناہ لے تو اس کا حکم

34955۔ (قوله: مُبَاحُ الدِّمِ) اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے قتل کیا تھا یا بدکاری کی تھی اور اس کی مثل ہے اگر وہ

شراب کو پیے یا اس کے علاوہ کوئی ایسا عمل کرے جو حد کو واجب کر دے جس طرح علامہ ”سندی“ نے ”المنسک المتوسط“ میں ذکر کیا ہے۔ اور اس امر کی تصریح کی ہے کہ مرتد کا حکم اسی طرح ہے۔ لیکن ہم نے پہلے کتاب الحج کے آخر میں ”المنسک“ سے نقل کیا ہے کہ مرتد پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر وہ اسلام قبول کر لے تو محفوظ ہو جائے گا ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اور ”قاری“ نے ”شرح المنسک“ میں ”الخنف“ سے نقل کیا ہے اور یہ ذکر کیا کہ یہ ان کے اطلاق کے مخالف ہے مگر یہ کہا جائے کہ مرتد کا حرم میں اسلام قبول کرنے سے انکار یہ جنایت ہے جب کہ یہ امر ظاہر ہے۔ پھر ”البدائع“ سے ذکر کیا کہ حرم کی پناہ لے تو اسے اس میں قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو وہاں سے نکالا جائے گا۔ یہ طرفین کا نقطہ نظر ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کو حرم سے نکالنا مباح ہے۔

34956۔ (قوله: فَيُخْرَجُ مِنَ الْحَرَمِ) یعنی وہ خود حرم سے نکل آئے۔

34957۔ (قوله: فَيُقْتَصُّ مِنْهُ) اس پر حد جاری کی جائے گی۔ ”خانیہ“ میں امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ سے مروی ہے:

حرم میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ ”صاحبین“ رحمہم اللہ نے اس سے اختلاف کیا۔ اگر وہ حرم میں ان میں سے کوئی فعل کرے تو اس میں اس پر حد جاری کی جائے گی۔

(وَلَوْ أَنْشَأَ الْقَتْلَ فِي الْحَرَمِ قُتِلَ فِيهِ) إِجْمَاعًا سَرَّاجِيَّةً؛ وَلَوْ قُتِلَ فِي الْبَيْتِ لَا يُقْتَلُ فِيهِ ذَكَرَهُ الْبُصَيْفُ فِي الْحَجِّ (وَلَوْ قَالَ أُقْتُلْنِي فَقَتَلَهُ) بِسَيْفٍ (فَلَا قِصَاصَ وَتَجِبُ الدِّيَّةُ) فِي مَالِهِ فِي الصَّحِيحِ؛ لِأَنَّ الْإِبَاحَةَ لَا تَجْرِي فِي النَّفْسِ وَسَقَطَ الْقَوْدُ لِشُبْهَةِ الْإِذْنِ وَكَذَا لَوْ قَالَ أُقْتَلْ أَخِي أَوْ ابْنِي أَوْ أَبِي فَتَلَزَمَهُ الدِّيَّةُ اسْتِحْسَانًا كَمَا فِي الْبَزَازِيَّةِ عَنِ الْكُفَايَةِ وَفِيهَا عَنِ الْوَاقِعَاتِ لَوَابِنُهُ صَغِيرًا يُقْتَصُّ

اگر ایک آدمی نے حرم میں کسی کو قتل کیا تو اس میں اس کو قتل کیا جائے گا اس پر اجماع ہے ”سراجیہ“۔ اگر اس نے بیت اللہ میں قتل کیا تو اس میں اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ مصنف نے اسے کتاب الحج میں ذکر کیا ہے۔ اگر اس نے کہا: مجھے قتل کر دو تو اس نے تلوار کے ساتھ اسے قتل کر دیا تو اس پر کوئی قصاص نہیں ہوگا۔ اور صحیح قول کے مطابق اس کے مال میں دیت واجب ہوگی۔ کیونکہ اباحت، نفس میں جاری نہیں ہوتی۔ اور اذن کے شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ کہے: میرے بھائی، میرے بیٹے یا میرے باپ کو قتل کر دو تو بطور استحسان اس پر دیت لازم ہوگی جس طرح ”بزازیہ“ میں ”کفایہ“ سے مروی ہے۔ اس میں ”الواقعات“ سے مروی ہے: اگر اس کا بیٹا چھوٹا ہو تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔

34958۔ (قوله: وَلَوْ قُتِلَ فِي الْبَيْتِ الْخ) اس کی مثل باقی مساجد ہیں۔ کیونکہ مسجد کو اس جیسے عمل سے محفوظ رکھا جاتا ہے، ”رحمتی“۔

34959۔ (قوله: بِسَيْفٍ) ان کے قول: وتجب الدية في ماله کی اس قول کے ساتھ قید لگائی ہے: اگر اسے کسی وزنی چیز کے ساتھ قتل کرے تو دیت عاقلہ کے ذمہ ہوگی، ”ط“۔

34960۔ (قوله: فِي الصَّحِيحِ) ”عمدة المفتی“ میں اس قول کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے: بلکہ ”مختصر المحیط“ میں یہ بیان کیا ہے کہ یہ متفق علیہ ہے جس طرح ”شرح الوہابیہ“ میں ہے۔

34961۔ (قوله: وَسَقَطَ الْقَوْدُ) یہ ان کے قول: ان الاباحة لا تجرى في النفس پر استدراک کی طرح ہے۔ کیونکہ اس سے متبادر قصاص ہے، ”ط“۔

34962۔ (قوله: وَكَذَا لَوْ قَالَ) یعنی وہی وارث ہے۔

34963۔ (قوله: أَوْ ابْنُهُ صَغِيرًا يُقْتَصُّ) یعنی اگر اس کا چھوٹا بیٹا ہو تو بطور قیاس اس سے قصاص لیا جائے گا۔ ظاہر یہ ہے کہ صغیر قید نہیں۔ اس کی مثل بھائی ہے۔

”بزازیہ“ کی عبارت ہے: ”الواقعات“ میں: (کہا) میرے بیٹے کو قتل کر دو جب کہ وہ چھوٹا ہو تو اس نے اس کو قتل کر دیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ اگر اس نے کہا: اس کا ہاتھ کاٹ دو تو اس نے ہاتھ کو کاٹ دیا اس پر قصاص لازم ہوگا۔ اگر اس نے کہا: میرے بھائی کو قتل کر دو تو اس نے اس کو قتل کر دیا جب کہ وہ اس کا وارث ہو تو امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت مروی ہے یہی قیاس ہے: اس میں قصاص واجب ہوگا۔ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے:

وَفِي الْخَائِيَةِ بَعْتُكَ دَمِي بِفُلْسٍ أَوْ بِأَلْفٍ فَقَتَلَهُ يُقْتَضُ وَفِي أُقْتُلُ أَبِي عَلَيْهِ دِيَّةٌ لِابْنِهِ وَفِي اقْطَعْ يَدَهُ فَقَطَعَ يَدَهُ يُقْتَضُ وَفِي شَجَّ ابْنِي فَشَجَّهُ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ، فَإِنْ مَاتَ فَعَلَيْهِ الدِّيَّةُ (وَقِيلَ لَا) تَجِبُ الدِّيَّةُ أَيْضًا وَصَحَّحَهُ رُكْنُ الْإِسْلَامِ كَمَا فِي الْعِبَادِيَّةِ، وَاسْتَظْهَرَهُ الطَّرْسُوسِيُّ، لَكِنْ رَدَّهُ ابْنُ وَهْبَانَ (كَمَا لَوْ قَالَ أُقْتُلُ عَبْدِي أَوْ اقْطَعْ يَدَهُ فَقَعَلَ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ) إِجْمَاعًا كَقَوْلِهِ اقْطَعْ يَدِي أَوْ رِجْلِي

”خانیہ“ میں ہے: میں نے تجھے فلس کے بدلے میں یا ہزار کے بدلے میں اپنا دم بیچ دیا تو اس نے اسے قتل کر دیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ اور اس قول کہ میرے باپ کو قتل کرو، میں اس پر اس کے بیٹے کے لیے دیت لازم ہوگی۔ اس قول میں، کہ اس کا ہاتھ کاٹ دو، تو دوسرے شخص نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ اس قول میں، کہ میرے بیٹے کو زخمی کر دو تو دوسرے آدمی نے اس کو زخمی کر دیا، تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی اگر وہ مر جائے تو اس پر دیت لازم ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دیت بھی واجب نہ ہوگی اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ”رکن الاسلام“ نے اس قول کی تصحیح کی ہے جس طرح ”عمادیہ“ میں ہے۔ اور ”طرسوسی“ نے اسے ظاہر روایت قرار دیا ہے۔ لیکن ابن وہبان نے اس کو رد کر دیا۔ جس طرح وہ کہے: میرے غلام کو قتل کر دو یا اس کا ہاتھ کاٹ دو تو اس نے اس طرح کیا تو اس پر کوئی ضمان لازم نہ ہوگی۔ اس پر اجماع ہے جس طرح اس کا یہ قول ہے: میرے ہاتھ کو کاٹ دو یا میرے پاؤں کو کاٹ دو

اس میں دیت لازم ہوگی۔ ”الکفایہ“ میں بیٹے اور بھائی کے درمیان برابری کی ہے۔ ”القیاس“ میں کہا: سب میں قصاص واجب ہوگا۔ استحسان کے مطابق دیت واجب ہوگی۔ ”الایضاح“ میں اس کے قریب قریب قول ذکر کیا ہے۔

34964۔ (قوله: فَقَتَلَهُ يُقْتَضُ) کیونکہ یہ بیچ باطل ہے جب کہ قتل کا اذن نہیں یہ اس کے اس قول کی طرح نہیں اکتلنی (مجھے قتل کر دو)۔

34965۔ (قوله: وَفِي اقْطَعْ يَدَهُ فَقَطَعَ يَدَهُ يُقْتَضُ) کیونکہ حق وصول کرنے کی ولایت اسے حاصل نہ تھی بلکہ وہ باپ کے لیے تھی۔ پس اس کا امر قصاص کو ساقط کرنے والا نہیں ہوگا، ”رحمتی“، تا مل۔

34966۔ (قوله: وَفِي شَجَّ ابْنِي الْخ) میں نے اس مسئلہ کو ”خانیہ“ میں نہیں دیکھا بلکہ یہ ”المجتبی“ میں مذکور ہے۔ اس کی نص ہے: اگر اس نے اسے حکم دیا کہ وہ اس کو زخمی کر دے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ اگر وہ اس سے مر جائے تو اس پر دیت لازم ہوگی۔ شجہ میں جو ضمیر ہے وہ آمر یا الابن جو ”المجتبی“ میں اس سے پہلے مذکور ہے اس کی طرف لوٹنے کا احتمال رکھتی ہے۔ پس اس پر کوئی شے لازم نہیں ہوگی۔ اور دوسری ضمیر وہی ہے جو شارح نے سمجھی ہے۔ لیکن اس میں ہے کہ قطع اور شجہ میں فرق ظاہر نہیں ہوگا، فلیتا مل۔

34967۔ (قوله: وَقِيلَ لَا الْخ) یہ ان کے قول: وتجب الدية في ماله في الصحيح کے مقابل ہے۔

وَإِنْ سَرَى لِنَفْسِهِ وَمَاتَ؛ لِأَنَّ الْأَطْرَافَ كَالْأَمْوَالِ فَصَحَّ الْأَمْرُ وَلَوْ قَالَ اقْطَعُهُ عَلَى أَنْ تُعْطِيَنِي هَذَا الشُّوبَ أَوْ هَذِهِ الدَّرَاهِمَ فَقَطَّعَ يَجِبُ أَرُشُ الْيَدِ لَا الْقَوْدُ وَبَطَلَ الصُّدْحُ بِزَاوِيَةٍ

اگر وہ زخم اس کی جان تک سرایت کر گیا اور وہ مر گیا کیونکہ اطراف اموال کی طرح ہیں پس امر صحیح ہوگا۔ اور اگر اس نے کہا: اسے قطع کرو اس شرط پر کہ تو مجھے یہ کپڑے دے یا یہ دراہم دے تو اس نے ہاتھ کو قطع کر دیا تو ہاتھ کی چٹی واجب ہوگی قصاص لازم نہیں ہوگا۔ اور صلح باطل ہو جائے گی، ”بزازیہ“۔

34968۔ (قوله: وَإِنْ سَرَى لِنَفْسِهِ وَمَاتَ) ”تا ترخانہ“ میں اسے ”شیخ الاسلام“ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس

میں ”شرح الطحاوی“ سے مروی ہے: دوسرے سے کہا: میرے ہاتھ کو کاٹ دو اگر یہ علاج کے لیے ہو جس طرح جب اس کے ہاتھ میں بیماری لگی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اگر علاج کے علاوہ ہو تو یہ حلال نہیں ہوگا۔ اگر دونوں حالوں میں یہ قطع کرے اور وہ زخم نفس تک سرایت کر جائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔

34969۔ (قوله: وَلَوْ قَالَ اقْطَعُهُ) یعنی طرف یہ الاطراف سے مفہوم ہے۔

34970۔ (قوله: وَبَطَلَ الصُّدْحُ) یعنی ارش کے بدلے میں جس پر راضی ہوا (وہ باطل ہو جائے گا)

تنبیہ

”جامع الفصولین“ کی فصل 23 میں کہا: بخارا میں ایک واقعہ رونما ہوا وہ یہ ہے ایک آدمی نے دوسرے سے کہا: میری طرف تیر پھینکو تا کہ میں اس کو پکڑ لوں اس نے اس کی طرف تیر پھینکا تو وہ تیر اس آنکھ کو جا لگا اور آنکھ ضائع ہو گئی ”حلبی“ نے کہا: وہ ضامن نہیں ہوگا جس طرح وہ کہے: مجھ پر جنایت کرتا تو اس نے اس پر جنایت کی۔ بعض مشائخ نے اسی بارے میں اسے فتویٰ دیا ہے۔ اور علما نے اس پر اسے قیاس کیا ہے اگر وہ اسے کہے: میرا ہاتھ کاٹ دو۔ صاحب ”اللمیط“ نے کہا: کلام قصاص کے وجوب میں ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دیت اس کے مال میں واجب ہوگی۔ کیونکہ ”کتاب“ میں ذکر کیا گیا ہے: اگر دو افراد نے باہم مکے مارے تو ان میں سے ایک کی آنکھ ضائع ہو گئی تو اس سے قصاص لیا جائے گا اگر قصاص ممکن ہو۔ کیونکہ یہ فعل جان بوجھ کر ہوا ہے اگر دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے سے کہا: وہ۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر دونوں ملاعبت یا تعلیم کے لیے دعوت مبارزت دیں تو لکڑی اس کی آنکھ میں جا لگی تو اس کی آنکھ ضائع ہو گئی تو اس سے قصاص لیا جائے گا اگر ممکن ہو۔

علامہ ”رملی“ نے اس پر اپنے حاشیہ میں کہا: میں کہتا ہوں: مسئلہ میں دو قول ہیں۔ ”مجمع الفتاویٰ“ میں کہا: اگر ہر ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: وہ۔ اور ہر ایک نے اپنے ساتھی کو مکہ مارا اور اس کا دانت توڑ دیا تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ یہ اس کے قائم مقام ہے اگر وہ کہے: میرا ہاتھ کاٹ دو تو اس نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ ”الخانہ“ میں اسی طرح ہے۔ کتاب میں جو قول ہے اس کی توجیہ میں میرے لیے جو ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے جس نے ان کے قول: وہ۔ کو لازم قرار دیا ہے اس میں اس کی آنکھ کی اباحت کا کوئی ذکر نہیں۔ کیونکہ مکہ مارنے کی صورت میں سلامتی کا احتمال موجود ہے جس طرح تیر پھینکنے کی صورت میں آنکھ کی

فُرُوعٌ هِبَةُ الْقِصَاصِ لِغَيْرِ الْقَاتِلِ لَا تَجُوزُ؛ لِأَنَّهُ لَا يَجْرِي فِيهِ التَّسْلِيكُ عَفْوُ الْوَلِيِّ عَنِ الْقَاتِلِ أَفْضَلُ مِنَ الصَّدْحِ وَالصَّدْحُ أَفْضَلُ مِنَ الْقِصَاصِ، وَكَذَا عَفْوُ الْمَجْرُوحِ لَا تَصِحُّ تَوْبَةُ الْقَاتِلِ حَتَّى يُسَلِّمَ نَفْسَهُ لِلْقَوْدِ وَهَبَانِيَّةُ الْإِمَامِ شَرْطُ اسْتِيفَاءِ الْقِصَاصِ كَالْحُدُودِ عِنْدَ الْأُصُولِيِّينَ

فروع: غیر قاتل کو قصاص کا ہبہ جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں تسلیم جاری نہیں ہوتی۔ ولی کا قاتل کو معاف کرنا یہ صلح سے افضل ہے اور صلح قصاص سے افضل ہے۔ اسی طرح مجروح کا عفو کرنا ہے۔ قاتل کی توبہ قبول نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کر دے، ”وہبانیہ“۔ قصاص کا حق لینے میں امام کا ہونا شرط ہے جیسے حدود کو قائم کرنے کے لیے امام کا ہونا شرط ہے۔ یہ اصولیین کے نزدیک ہے۔

سلامتی کا احتمال موجود ہے۔ تو ان کا قول: ارم السهم، ان کے قول: وہ دہ تک یہ اس کے عضو کے اتلاف میں صریح نہیں۔ ان کے قول: اقطع یدی یا اجن علی کے قول کا معاملہ مختلف ہے۔ پس اس پر واقعہ کو قیاس کرنا صحیح نہیں جس کی تصریح کی گئی ہے وہ یہ ہے اطراف اموال کی طرح ہیں جس میں امر صحیح ہے، تامل۔

34971۔ (قوله: لِغَيْرِ الْقَاتِلِ) اسی طرح قاتل کا حکم ہے کیونکہ اس میں علت موجود ہے۔ ”حموی“ نے اسے بیان کیا ہے۔ اس میں غور کرو کیا دونوں صورتوں میں قصاص ساقط ہو جائے گا، ”ط“۔ ظاہر یہ ہے کہ عدم سقوط میں توقف نہیں کیا جائے گا کیونکہ عدم جواز کا کوئی معنی نہیں مگر یہی اس کا معنی ہے۔

ولی کا قاتل کو معاف کرنا صلح سے اور صلح قصاص سے افضل ہے

34972۔ (قوله: عَفْوُ الْوَلِيِّ عَنِ الْقَاتِلِ أَفْضَلُ) قاتل دنیا میں دیت اور قصاص سے بری ہو جائے گا کیونکہ یہ دونوں چیزیں وارث کا حق ہیں، ”بیری“۔

قاتل کی توبہ اور اس کے تقاضے

34973۔ (قوله: لَا تَصِحُّ تَوْبَةُ الْقَاتِلِ حَتَّى يُسَلِّمَ نَفْسَهُ لِلْقَوْدِ) ”تمہیں المحارم“ میں کہا ہے: یہ جان لو کہ قاتل کی توبہ صرف استغفار اور شرمندگی کے ساتھ نہیں ہوتی بلکہ مقتول کے اولیا کو راضی کرنے پر موقوف ہوتی ہے۔ اگر قاتل عفو ہو تو یہ ضروری ہے کہ انہیں اس سے قصاص لینے کی قدرت دی جائے اگر وہ چاہیں تو اس کو قتل کر دیں اور اگر وہ چاہیں تو بغیر بدل کے اس کو معاف کر دیں۔ اگر وہ اس کو معاف کر دیں تو توبہ اسے کافی ہو جائے گی۔ ملخص۔

ابھی پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس کے معاف کرنے کے ساتھ وہ دنیا میں بری ہو جائے گا۔ کیا وہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو معاملہ ہے اس سے بری ہو جائے گا۔ یہ اس دین کے قائم مقام ہوگا جو ایک آدمی تھا تو طالب مرگیا اور وارثوں نے اسے بری کر دیا تو وہ باقی ماندہ سے بری ہو جائے گا۔ جہاں تک پہلے ظلم کا تعلق ہے اس سے بری نہیں ہوگا۔ اسی طرح قاتل اپنے ظلم سے بری نہیں ہوگا اور وہ قصاص اور دیت سے بری ہو جائے گا، ”تا ترخانہ“۔

وَفَرَّقَ الْفُقَهَاءُ أَشْبَاهَهُ، وَفِيهَا فِي قَاعِدَةِ الْحُدُودِ تُدْرَأُ بِالشُّبُهَاتِ كَالْحُدُودِ الْقِصَاصِ إِلَّا فِي سَبْعٍ يَجُوزُ الْقَضَاءُ بِعَلْبِهِ فِي الْقِصَاصِ دُونَ الْحُدُودِ الْقِصَاصِ يُورَثُ وَالْحَدُّ لَا يَصِحُّ عَفْوُ الْقِصَاصِ لَا الْحَدُّ

اور فقہانے اس میں فرق کیا ہے۔ ”اشباہ“۔ اس میں ایک قاعدہ میں ہے: حدود، شبہات کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہیں جیسے حدود اور قصاص مگر سات مواقع میں ایسا نہیں ہوتا۔ قاضی قصاص میں اپنے علم کے مطابق فیصلہ کر دیتا ہے۔ حدود میں ایسا نہیں کر سکتا۔ قصاص میں وراثت جاری ہوتی ہے اور حد میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ قصاص کو معاف کرنا صحیح ہے حد میں ایسا کرنا صحیح نہیں۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ متقدم ظلم توبہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ کیونکہ مقتول کا حق اس سے متعلق ہو چکا ہے۔ جہاں تک اس کا اپنی ذات پر ظلم کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ اس نے اپنی ذات پر معصیت کا اقدام کیا ہے پس اس توبہ کے ساتھ وہ ساقط ہو جائے گا۔

”حامیہ“ میں ”فتاویٰ امام نووی“ سے ایک مسئلہ جو اس آدمی کے بارے میں ہے جس نے ایک غلام کو قتل کیا تو اس کے وارث نے اس سے قصاص لیا یا دیت لے کر معاف کر دیا یا ویسے ہی معاف کر دیا کیا اس کے بعد قاتل سے آخرت میں مواخذہ ہوگا۔

جواب یہ ہے کہ شرع کے طور پر آخرت میں مطالبہ کے سقوط کا تقاضا کرتے ہیں۔ ”تبيين المحارم“ میں اسی طرح کہا ہے۔ بعض احادیث کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مطالبہ نہیں ہوگا۔ ”مختاری الفتاویٰ“ میں کہا: قصاص اولیاء کے حق سے خلاصی دینے والا ہے۔ جہاں تک مقتول کا تعلق ہے تو وہ قیامت کے روز اس سے محاسبہ کرے گا کیونکہ قصاص سے مقتول کو کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوا اور اس کا حق اس پر باقی ہے یہ قول اس کی تائید کرتا ہے جس کو میں نے ظاہر روایت قرار دیا ہے۔

34974۔ (قوله: وَفَرَّقَ الْفُقَهَاءُ) یعنی فقہانے حدود و قصاص میں فرق کیا ہے۔ حدود کو جاری کرنے کے لیے امام کا ہونا شرط ہے قصاص شرط نہیں ”حموی“۔ ”ہندیہ“ میں کہا ہے: جب ایک آدمی کو جان بوجھ کر قتل کیا گیا جب کہ اس کا ایک ہی ولی ہو تو اسے قصاص کے طور پر قتل کرنے کا حق ہے قاضی اس کا فیصلہ کرے یا فیصلہ نہ کرے، ”ط“۔

34975۔ (قوله: يَجُوزُ الْقَضَاءُ بِعَلْبِهِ فِي الْقِصَاصِ) یہ اس امر پر مبنی ہے کہ قاضی حدود کے علاوہ میں اپنے علم کے مطابق فیصلہ کر دیتا ہے۔ آج فتویٰ اس پر ہے کہ وہ اپنے علم کی بنا پر مطلقاً فیصلہ نہیں کر سکتا، ”حموی“، ”ط“۔ شارح جنایات المملوک کے شروع میں اس کا ذکر کریں گے۔

34976۔ (قوله: الْقِصَاصُ يُورَثُ) اس کی وضاحت باب الشهادة فی القتل کے شروع میں آئے گی۔

قصاص کو معاف کرنا صحیح ہے حد کو نہیں

34977۔ (قوله: لَا الْحَدُّ) یہ حد قذف کو شامل ہے۔ یہ مسئلہ قاضی کے سامنے پیش کرنے کے بعد پر محمول ہے۔

جہاں تک اس سے قبل کا تعلق ہے تو وہ جائز ہے۔ ”حاوی“ میں ہے: جب حد ثابت ہوگی تو اسقاط جائز نہ ہوگا جب مقذوف

التَّقَادُّمُ لَا يَنْتَعِ الشَّهَادَةُ بِالْقَتْلِ، بِخِلَافِ الْحَدِّ سِوَى حَدِّ الْقَذْفِ وَيُثْبِتُ بِإِشَارَةِ أُخْرَسٍ
وَكِتَابَتِهِ، بِخِلَافِ الْحَدِّ تَجُوزُ الشَّفَاعَةُ فِي الْقِصَاصِ لَا الْحَدِّ السَّابِعَةَ لَا بُدَّ فِي الْقِصَاصِ مِنْ
الدَّعْوَى، بِخِلَافِ الْحَدِّ

تقادم قتل کی شہادت کے مانع نہیں۔ حد کا معاملہ مختلف ہے سوائے حد قذف کے۔ قصاص گو نگے کے اشارہ اور اس کی تحریر سے ثابت ہو جاتی ہے۔ حد کا معاملہ مختلف ہے۔ قصاص میں شفاعت جائز ہے حد میں جائز نہیں۔ ساتویں چیز یہ ہے کہ قصاص میں دعویٰ ضروری ہے۔ حد قذف

نے قاذف کو معاف کر دیا تو اس کا معاف کرنا باطل ہو جائے گا۔ اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ حد کا مطالبہ کرے مگر جب وہ یہ کہے: اس نے مجھ پر بہتان نہیں لگایا یا میرے گواہوں پر جھوٹ بولا ہے تو یہ صحیح ہوگا جس طرح ”البحر“ میں ”الشامی“ سے مروی ہے۔ معافی کے باطل ہونے سے مراد یہ ہے کہ جب وہ لوٹے اور وہ مطالبہ کرے تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ کیونکہ معاف کرنا لغو ہوگا گویا اس نے اس تک مخاصمہ نہیں کیا۔ مراد یہ نہیں کہ امام کو یہ حق حاصل ہے کہ مقذوف کے چلے جانے اور اس کے معاف کر دینے کے بعد اس پر حد جاری کرے۔ ”ابوسعود“ نے ”حاشیۃ الاشباہ“ میں اسے بیان کیا ہے، ”ط“۔

تقادم قتل کی شہادت کے مانع نہیں حد کے مانع ہے

34978۔ (قوله: بِخِلَافِ الْحَدِّ) تقادم حد کے مانع ہے۔ شراب میں تقادم یہ ہے کہ بو ختم ہو جائے اور دوسری حد میں یہ ہے کہ ایک ماہ گزر جائے یہ کتاب الحدود میں گزر چکا ہے، ”ط“۔

34979۔ (قوله: لَا الْحَدِّ) حاکم تک حد کا معاملہ پہنچنے کے بعد اس میں شفاعت جائز نہیں۔ جہاں تک حاکم پہنچنے سے پہلے کا تعلق ہے اور اس کے ہاں ثابت ہونے سے پہلے کا تعلق ہے تو حاکم تک پہنچانے سے پہلے شکایت کرنے والے کے ہاں شفاعت جائز ہوگی تا کہ وہ اسے چھوڑ دے۔ کیونکہ حد ثابت نہیں جس طرح ”البحر“ میں ہے۔ ”بیری“ میں ہے: ”اکمل“ نے حدیث اشفعوا اتوجروا (1) تم سفارش کرو تم کو اجر دیا جائے گا کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: حدیث طیبہ حدود کو شامل نہیں پس شفاعت مباح حاجات والوں کے لیے ہوگی جس طرح ظلم کو دور کرنا اور خطا سے چھٹکارا دلانا اور ان کی مشاغل جو معاملات ہیں اس طرح ایسے گناہ کو معاف کرنا جس میں حد نہ ہو جب گناہگار مصر نہ ہو۔ اگر وہ مصر ہو تو یہ جائز نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ گناہ اور اصرار سے رک جائے۔ اس کی مثل ”حاشیۃ المحموی“ میں امام ”نووی“ کی ”شرح مسلم“ سے مروی ہے۔

قصاص میں دعویٰ ضروری ہے

34980۔ (قوله: السَّابِعَةُ الْخ) ”الاشباہ“ میں کہا: خالص حد، وقف، لونڈی کی آزادی اور اس کے اصلاً آزاد ہونے میں دعویٰ کے بغیر شہادت کو سنا جائے گا۔ اور وہ حدود جو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جیسے رمضان، طلاق، ایلاء اور ظہار۔

سِوَى حَدِّ الْقَذْفِ وَفِي الْقُنْيَةِ نَظَرٌ فِي بَابِ دَارِ رَجُلٍ فَقَطًّا الرَّجُلُ عَيْنُهُ لَا يَضُنُّ إِنْ لَمْ يُبَكِّهْ تَنْحِيَّتُهُ مِنْ غَيْرِ فَقِيْهَا وَإِنْ أَمَكَّنَهُ ضَمِنَ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا يَضُنُّ فِيْهَمَا۔ وَلَوْ أَدْخَلَ رَأْسَهُ فَرَمَاهُ بِحَجَرٍ فَقَطَّاهَا لَا يَضُنُّ إِجْمَاعًا، إِنَّمَا الْخِلَافُ فِيمَنْ نَظَرَ مِنْ خَارِجِهَا، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ

کے سوا حد کا معاملہ مختلف ہے۔ ”القنیه“ میں ہے: ایک آدمی نے ایک آدمی کو گھر کے دروازہ میں دیکھا تو گھر کے مالک نے اس کی آنکھ پھوڑ دی تو وہ ضامن نہ ہوگا اس کی آنکھ پھوڑے بغیر اس کو ہٹانا ممکن نہ ہو۔ اگر ممکن ہو تو وہ ضامن ہوگا۔ امام ”شافعی“ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دونوں صورتوں میں ضامن نہیں ہوگا۔ اگر وہ اپنا سر داخل کرے تو گھر کا مالک اسے پتھر مارے اور وہ پتھر اس کی آنکھ پھوڑ دے تو بالا جماع ضامن نہیں ہوگا۔ اختلاف اس کے بارے میں ہے جو اس کے باہر سے دیکھے۔

34981۔ (قولہ: سِوَى حَدِّ الْقَذْفِ) حد سرقہ میں اس طرح ہے۔ کیونکہ اس کے محل میں یہ گزر چکا ہے کہ جس کا مال چوری کیا گیا ہے قطع ید کے لیے اس کا مطالبہ شرط ہے اگر کوئی آدمی یہ اقرار کرے کہ اس نے غائب کا مال چوری کیا ہے تو حد اس کے حاضر ہونے اور اس کے مخصوصہ پر موقوف ہوگی۔

تنبیہ

”حموی“ نے اس کی آٹھویں صورت کا اضافہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ حدود کو قائم کرنے کے لیے امام کا ہونا شرط ہے، قصاص کے نفاذ کے لیے امام شرط نہیں۔ ”ابوسعود“ نے کہا: نویں کا اضافہ کیا جاسکتا ہے وہ قصاص میں عوض لینے کا جائز ہونا ہے۔ حد قذف کا معاملہ مختلف ہے یہاں تک کہ اگر قاذف نے مقذوف کو مال دیا تا کہ وہ اپنا حق ساقط کر دے تو وہ اس کا مطالبہ کرے گا۔ میں کہتا ہوں: دسویں کا اضافہ کیا جاسکتا ہے وہ حد میں اقرار ہے اس کے رجوع کا صحیح ہونا ہے۔

34982۔ (قولہ: لَا يَضُنُّ إِجْمَاعًا) کیونکہ وہ آدمی اس کی ملک میں مشغول ہو جس طرح اس آدمی نے اس کے کپڑے لینے کا قصد کیا تو اس نے اسے دھکا دیا یہاں تک کہ اس کو قتل کر دیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ ”منح“ نے ”القنیه“ سے نقل کیا ہے۔

”معراج الدرایہ“ میں ہے: جس نے سوراخ سے کسی انسان کے کمرے میں دیکھا یا دروازہ کے شق سے یا اس کے علاوہ سے دیکھا، گھر کے مالک نے اسے لکڑی ماری یا اسے پتھر مارا اور اس کی آنکھ کو پھوڑ دیا تو ہمارے نزدیک وہ ضامن ہوگا۔ امام ”شافعی“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لو ان امرا اطلع عليك بغیر اذن فحذفتة بحصاة وفتات عينه لم يكن عليك جناح (1) اگر کوئی آدمی تیرے پاس بغیر اجازت کے جھانکے تو تو اس کو کنکری مار دے اور تو اس کی آنکھ پھوڑ دے تو تجھ پر کوئی حرج نہیں ہوگا۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الدیات، باب من طلع بیت قوم، جلد 3، صفحہ 744، حدیث نمبر 6393

ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: فی العین نصف الدیۃ (1) آنکھ میں نصف دیت ہے۔ یہ حکم عام ہے اور اس لیے کہ محض اس کی طرف دیکھنا اس پر جنایت کو مباح نہیں کرتا جس طرح اگر وہ کھلے ہوئے دروازے سے اسے دیکھے اور جس طرح وہ اس کے گھر میں داخل ہو اور اس میں دیکھے یا اس کی بیوی کی شرمگاہ کے علاوہ کوپائے تو اس کی آنکھ پھوڑنا جائز نہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: لایحل دم امریء مسلم (2) کسی مسلمان کا خون حلال نہیں۔ یہ حدیث اس کی عصمت سے سقوط کا تقاضا نہیں کرتی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو روایت کیا ہے وہ اس بارے میں زجر میں مبالغہ ہے۔ اس کی مثل ”طحطاوی“ میں ”شمسی“ سے مروی ہے۔ اور ان کا قول: وکمالو دخل بیتہ الخ یہ اس کے مخالف ہے جسے شارح نے ذکر کیا ہے مگر جو انہوں نے ذکر کیا ہے اسے اس پر محمول کیا جائے گا جب اسے اس کے علاوہ کسی صورت سے ہٹانا ممکن نہ ہو۔ اور جو قول یہاں ہے وہ اس پر محمول ہو کہ جب اسے ہٹانا ممکن ہو، فلیتامل، واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ سنن نسائی، کتاب القسامۃ، باب ذکر حدیث عمرو بن حزم، جلد 3، صفحہ 377، حدیث نمبر 4770

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الدیات، باب الامام یا مر بالعفو، جلد 3، صفحہ 344، حدیث نمبر 3903

بَابُ الْقَوْدِ فِيَا دُونَ النَّفْسِ

(وَهُوَ فِي كُلِّ مَا يُبْكَنُ فِيهِ رِعَايَةُ حِفْظِ الْمَثَلَةِ) وَحِينَئِذٍ (فَيُقَادُ قَاطِعُ الْيَدِ عِنْدًا مِنَ الْمَفْصِلِ) فَلَوْ الْقَطْعُ مِنْ نِصْفِ سَاعِدٍ أَوْ سَاقٍ أَوْ مِنْ قَصْبَةِ أَنْفٍ لَمْ يُقَدَّ لِامْتِنَاعِ حِفْظِ الْمَثَلَةِ وَهِيَ الْأَصْلُ فِي جَرَيَانِ الْقَصَاصِ

جان سے کم میں قصاص کے احکام

یہ حکم ہر اس چیز میں ہے جس میں مماثلت کی حفاظت کی رعایت ممکن ہوتی ہے جس نے جان بوکھ کر مفصل (جوڑ) سے ہاتھ کاٹا تھا اس سے قصاص لیا جائے گا اگر اس نے نصف کلائی، نصف پنڈلی یا ناک کے بانسے سے کاٹا تھا تو قصاص نہیں لیا جائے گا۔ کیونکہ مماثلت کی حفاظت ممتنع ہے۔ قصاص جاری کرنے میں مماثلت اصل ہے

جب نفس میں قصاص کے حکم کے بیان سے فارغ ہوئے تو اس کے پیچھے اس کو ذکر کیا جو تبع کے حکم میں ہے پس یہ اطراف میں قصاص ہے ”عنایہ“۔ پھر یہ جان لو کہ زخم کا قصاص اس کے صحیح ہونے کے بعد لیا جائے گا۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے جس طرح باب الشجاج کے آخر میں آئے گا۔

نفس سے کم میں قصاص جاری کرنے کے لیے مماثلت اصل ہے

34983۔ (قوله: رِعَايَةُ حِفْظِ الْمَثَلَةِ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ متن پر اکتفا کرتے۔ کیونکہ رعایت کا معنی حفاظت کرنا ہے، ”ط“۔

34984۔ (قوله: فَيُقَادُ الْخ) خواہ دارا سلمہ سے واقع ہو یا کسی اور چیز سے۔ کیونکہ پہلے ذکر کیا ہے کہ نفس سے کم میں شبہ عمد نہیں ہے۔

34985۔ (قوله: مِنَ الْمَفْصِلِ) مفصل یہ مسجد کا وزن ہے یہ اعضاء کے جوڑ میں سے ایک ہے۔ ”مصباح“۔

34986۔ (قوله: مِنْ نِصْفِ سَاعِدٍ الْخ) اس سے مراد وہ ہے جو جوڑ سے نہ کاٹا گیا ہو۔

34987۔ (قوله: أَوْ مِنْ قَصْبَةِ أَنْفٍ) اسے من کے ساتھ لائے ہیں اس کا عطف پہلے من پر ہے۔ اس کا عطف ساعد پر نہیں ہے۔ کیونکہ پورا بانس یا نصف قطع کرنے سے قصاص نہیں ہوتا کیونکہ یہ ہڈی ہوتا ہے جس طرح ”جوہرہ“ میں ہے، ”منح“۔

34988۔ (قوله: لِامْتِنَاعِ حِفْظِ الْمَثَلَةِ) کیونکہ بعض اوقات جنایت کرنے والے کے زیادہ عضو کو توڑ دیتا ہے یا اس میں زائد خلل واقع ہو جاتا ہے، ”ط“۔

(وَإِنْ كَانَتْ يَدُكَ أَكْبَرَ مِنْهَا) لِاتِّحَادِ الْمَنْفَعَةِ (وَكَذَا) الْحُكْمُ فِي (الرَّجُلِ وَالْمَارِئِ وَالْأُذُنِ،

اگرچہ اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے بڑا ہو جس ہاتھ کو کاٹا گیا۔ کیونکہ منفعت ایک ہے۔ پاؤں، ناک کا نرم گوشہ اور کان کا یہی حکم ہے۔

34989۔ (قوله: وَإِنْ كَانَتْ يَدُكَ أَكْبَرَ مِنْهَا) یعنی جس کا ہاتھ کاٹا گیا اس کے ہاتھ سے کاٹنے والے کا ہاتھ بڑا ہو یہ حکم اس کے خلاف ہے جب اسے موضع زخم کے ساتھ زخم لگائے اور زخم زخمی آدمی کے سر کے دونوں کناروں کے درمیان کو اپنی گرفت میں لے لے اور وہ اس حصہ کو اپنی گرفت میں نہیں لیتا جو زخمی کرنے والے کے سر کے دو کناروں کے درمیان ہے۔ کیونکہ اس کا سر بڑا ہے کیونکہ اس کے بڑا ہونے کا اعتبار کیا جائے گا جس کو زخمی کیا گیا تھا اس کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ اپنے زخم کے برابر قصاص لے لے۔ موضع کی چٹی لے لے۔ کیونکہ اس میں معتبر عیب ہے اس کی مقدار کے برابر قصاص لینے سے دوسرے میں عیب قلیل ہوگا۔ اور زخم لگانے والے کے سر کے اطراف کے درمیان زخم لگانے سے اس کے حق پر زیادتی ہوگی۔ پس صورت اور معنی کے اعتبار سے مماثلت ختم ہو جائے گی۔ اگر چاہے تو معنوی اعتبار سے پورا پورا حق لے لے اور وہ اپنے زخم کے مقدار کے مطابق زخم لگانا ہے اور صورت کو ترک کر دے۔ اگر چاہے تو چٹی لے لے۔ جہاں تک بڑے اور چھوٹے ہاتھ کا تعلق ہے تو دونوں کی منفعت مختلف نہیں ہوتی، ”عنایہ“ وغیرہ۔ کبر کے ساتھ قید لگائی ہے کیونکہ صحت مند ہاتھ کو شل ہاتھ کے بدلے میں قطع نہیں کیا جائے گا اور دائیں کو بائیں ہاتھ سے نہیں کاٹا جائے گا۔ اور اس کے برعکس معاملہ اسی طرح ہے جس طرح ”جوہرہ“ میں ہے۔ اس کی مکمل وضاحت آگے آئے گی۔

کان اور ناک کے نرم گوشے کے قصاص کا حکم

34990۔ (قوله: وَالْمَارِئِ) یہ ناک کا نرم گوشہ ہے۔ اس قول کے ساتھ حقبہ سے احتراز کیا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ ”طحطاوی“ نے کہا: جب اس کا کچھ کاٹ دیا تو قصاص واجب نہیں ہوگا، ”ذخیرہ“۔ ارنہ (ناک کا سرا) میں ایک عادل کا فیصلہ ہوگا یہ صحیح قول کے مطابق ہے۔ ”خزانة المفتین“۔ اگر کاٹنے والے کی ناک چھوٹی ہو جس کی بڑی ناک کاٹی گئی اس کو اختیار دیا جائے گا اگر وہ اس کی ناک کاٹ لے اور اگر چاہے تو چٹی لے لے، ”محیط“۔ اسی طرح اگر ناک کو کاٹنے والا چوڑی ناک والا ہو جو بوجہ محسوس نہیں کرتا یا کٹی ناک والا ہو یا اس کی ناک میں کوئی نقص ہو ایسی چیز کی وجہ سے جو اسے لگی ہو تو جس کی ناک کاٹی گئی اس کو اختیار ہوگا کہ وہ اس ناک کو کاٹ دے یا اپنی ناک کی دیت لے لے، ”ظہیریہ“۔

34991۔ (قوله: وَالْأُذُنِ) یعنی مکمل کان یا اس کا بعض، اگر کاٹنے کی معروف حد ہو جس میں مماثلت ممکن ہو تو قصاص ہوگا ورنہ قصاص ساقط ہو جائے گا، ”اتقانی“۔ اگر قاطع کا کان چھوٹا ہو یا سورخ والا ہو یا اس کو پھاڑ دیا گیا ہو یا جس کو کاٹا گیا وہ بڑا ہے یا وہ صحیح سالم ہے تو جس پر جنایت کی گئی ہے اس کو اختیار دیا جائے گا۔ اگر چاہے تو کاٹ دے اگر چاہے تو نصف دیت کی ضمانت لے لے۔ جسے کاٹا گیا ہے اگر وہ چھوٹی ہو تو اس کے لیے عادل آدمی کی حکومت ہوگی، ”تاتر خانہ“۔

(وَ كَذَا عَيْنٌ ضُرِبَتْ فَزَالَ ضَوْعُهَا وَهِيَ قَائِمَةٌ) غَيْرُ مُنْخَسِفَةٍ (فَيُجْعَلُ عَلَى وَجْهِهِ قُطْنٌ رَطْبٌ وَتُقَابِلُ عَيْنُهُ بِبِرَآءَةِ مُحَبَّةٍ، وَلَوْ قُلِعَتْ لَا قِصَاصَ لَتَعَذَّرَ الْمُبَاشَلَةُ وَفِي الْمُبْتَلَى فَقَا الْيُسْنَى وَ يُسْمَى الْفَاقِي ذَاهِبَةً أُقْتَصَّ مِنْهُ وَتُرِكَ أَعْلَى وَ عَنِ الثَّانِي لَا قَوْدَ فِي فَقِيٍّ عَيْنٍ حَوْلَاءَ) (وَ كَذَا هُوَ أَيْضًا فِي كُلِّ شَجَّةٍ يُرَاعَى) وَيَتَحَقَّقُ (فِيهَا الْمُبَاشَلَةُ)

اسی طرح سے اس آنکھ کا حکم ہے جس پر ضرب لگائی گئی تو اس کی روشنی زائل ہوگئی جب کہ آنکھ موجود ہے خسف نہیں ہوئی۔ پس اس کے چہرے پر تر روئی رکھی جائے گی اور اس کی آنکھ کے بالمقابل گرم آئینہ رکھا جائے۔ اگر آنکھ کو نکال دیا گیا ہو تو قصاص لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ مماثلت متعذر ہے۔ ”مجتبیٰ“ میں ہے: ایک آدمی نے دائیں آنکھ پھوڑ دی اور پھوڑنے والے کی بائیں آنکھ ضائع ہو چکی ہے اس سے قصاص لیا جائے گا اور اس کو اندھا چھوڑ دیا جائے گا۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے مروی ہے: بھیگنے کی آنکھ کے پھوڑنے میں کوئی قصاص نہیں۔ اسی طرح قصاص ہوگا ایسے زخم میں جس میں مماثلت کی رعایت کی جائے اور اس میں وہ متحقق ہو

آنکھ کے قصاص کا حکم

34992۔ (قوله: وَ كَذَا عَيْنٌ الْخ) اگرچہ بڑی چھوٹا کے بدلے میں ہو یا اس کے برعکس ہو اسی طرح دائیں کا قصاص بائیں سے لیا جائے گا اس کے برعکس نہیں ہوگا بلکہ اس میں دیت ہوگی۔ ”خانیہ“ میں معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔ اگر اس کی سفیدی جاتی رہی پھر وہ روشن ہوگئی تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی یعنی اگر وہ اس طرح ہو جائے جس طرح پہلے تھی۔ اگر اس سے کم ہو تو عادل کی حکومت ہوگی جس طرح مثلاً اگر وہ سفید ہو جائے جس طرح ”قہستانی“ میں ”الذخیرہ“ سے مروی ہے۔ ”در منشی“۔ میں کہتا ہوں: ان کا قول و کذا یقتضی الخ، ”قہستانی“ میں اس کے برعکس ہے۔ جو ”الخانیہ“ میں ہے وہ وہ ہے جسے عنقریب ”المجتبیٰ“ سے ذکر کریں گے، فتنہ۔

34993۔ (قوله: فَزَالَ ضَوْعُهَا) بعض نے کہا: یہ اس وقت پہچان ہوگی جب اس بارے میں دو اہل علم خبر دیں۔ ”ابن مقاتل“ نے کہا: جب کھلی ہوئی آنکھ سوراخ کے بالمقابل کی جائے تو اس سے آنسو نہ نکلے۔

34994۔ (قوله: فَيُجْعَلُ الْخ) یہ ایسا حادثہ ہے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں واقع ہوا آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو انہوں نے کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ حضرت علی شیر خدا تشریف لائے اور آپ نے قصاص کا فیصلہ کیا اور اسی طرح وضاحت کی اس پر آپ کا انکار نہ کیا گیا پس تمام صحابہ نے اس پر اتفاق کر لیا۔ ”معراج“۔

34995۔ (قوله: بِبِرَآءَةِ) یہ میم کے کسرہ اور ہمزہ کی مد کے ساتھ ہے۔ یہ دیکھنے کا آلہ ہے۔ میں نے ایک عالم کی تحریر دیکھی یہاں اس سے مراد صیقل شدہ فولاد ہے جس میں چہرہ دیکھا جاسکتا ہے شیشہ کا معروف آئینہ مراد نہیں۔

34996۔ (قوله: عَنِ الثَّانِي الْخ) ”المجتبیٰ“ کی عبارت ہے۔ اگر وہ بھیگتی آنکھ پھوڑ دے اور بھیگتا پن اس کی

كَمْوَضِحَةٍ (وَلَا قَوْدَ فِي عَظِيمٍ إِلَّا السِّنُّ وَإِنْ تَفَاوَتَا) طُولًا وَكِبَرًا لِمَا مَرَّ

جیسے موضحہ۔ ہڈی میں قصاص نہیں مگر دانت میں قصاص ہے اگرچہ طول اور بڑے ہونے میں مختلف ہوں اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔

بصارت کو نقصان نہیں دیتا تھا تو اس سے قصاص لیا جائے گا ورنہ اس میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔ امام ”ابو یوسف“ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: بھینگی آنکھ کے پھوڑنے میں مطلقاً قصاص نہیں۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ پہلے قول کو ترجیح دی جائے گی۔ ”الخنایہ“ میں ”ابو الحسن“ سے نقل کرتے ہوئے اس پر اکتفا کیا ہے۔ لیکن اس سے ایک ورقہ قبل کہا: بھینگی کی آنکھ میں کوئی قصاص نہیں۔ اس کا معنی اطلاق ہے۔ اس کا معمول یہ ہے کہ جو زیادہ مشہور ہے اس کو مقدم کیا جائے۔ اسی وجہ سے ”شارح“ نے اس پر اکتفا کیا ہے اس طرح ”شرنبلائیہ“ کے کلام کا ظاہر اس طرف مائل ہے۔ فافہم۔

تنبیہ

ایک آدمی نے انسان کی آنکھ پر ضرب لگائی تو وہ سفید ہوگئی اس طرح وہ اس کے ساتھ دیکھ نہیں سکتا م علما کے نزدیک اس میں قصاص نہیں۔ کیونکہ ایک آدمی نے کسی آدمی کی آنکھ پھوڑ دی اور پھوڑنے والے کی آنکھ میں سفیدی ہے جو آنکھ میں نقص واقع کرتی ہے تو آدمی کو چاہیے کہ وہ سفید آنکھ کو پھوڑ دے یا اس کی آنکھ کی چٹی بھرے۔ ایک آدمی نے آنکھ پر جنایت کی جس میں سفیدی تھی جس کے ساتھ وہ آدمی دیکھ لیتا تھا اور جنایت کرنے والے کی آنکھ اسی طرح ہے تو دونوں میں کوئی قصاص نہیں ہوگا۔ وہ آنکھ جو موجود ہو جس کا نور ختم ہو گیا ہے اس میں ایک عادل آدمی کا فیصلہ ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ اس پر ضرب لگائے اور آنکھ کا کچھ حصہ سفید ہو جائے یا اسے زخم ہو جائے، اس میں بوا پیدا ہو جائے، اس کی آنکھ پر پردہ چھا جائے یا کوئی ایسی چیز پیدا ہو جائے جو آنکھ کو خراب کر دے تو اس سے اس میں نقص واقع ہوگا، ”تاثر خانیہ“۔

34997۔ (قوله: كَمْوَضِحَةٍ) یہ وہ زخم ہے جو ہڈی کو ظاہر کر دیتا ہے۔ اس طرح ظاہر روایت میں اس سے کم میں

قصاص واجب ہوتا ہے جس طرح ”باب الشجاج“ میں آئے گا۔

ہڈی کے قصاص کا شرعی حکم

34998۔ (قوله: إِلَّا السِّنُّ) یہ مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع ہے۔ کیونکہ اطباء نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ یہ

گیا ہے: یہ خشک پٹھا ہے۔ کیونکہ یہ خلقت کے مکمل ہونے کے بعد جنم لیتا ہے اور بڑھتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ہڈی ہے۔ گویا صاحب ”ہدایہ“ کے نزدیک یہ ہڈی ہے یہاں تک کہ کہا: اس سے مراد دانت کے علاوہ ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ مستثنیٰ متصل ہوگا۔ اس میں اس کے علاوہ میں فرق مساوات کا امکان ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ریتی کے ساتھ اس کو ریتا جائے، ”معراج“، ”عنایہ“۔

34999۔ (قوله: لِنَا مَرَّ) یعنی منفعت ایک ہے۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اصلی اور سالم ہو۔

(فَتَقُطَّعُ إِنْ قُلِعَتْ؛ وَقِيلَ تُبْرَدُ إِلَى اللَّحْمِ (مَوْضِعِ أَصْلِ السِّنِّ) وَيَسْقُطُ مَا سِوَاهُ لِتَعَذُّرِ الْمِثَالَةِ إِذْ رُبَّمَا تَفْسَدُ لَهَا تُهَةٌ، وَبِهِ أَخَذَ صَاحِبُ الْكَافِي

اگر دانت اکھیڑا گیا ہو تو اس کا دانت اکھیڑا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: گوشت تک یعنی دانت کی جڑ تک اس کو ریتا جائے گا اور اس کے علاوہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ مماثلت متعذر ہے۔ کیونکہ بعض اوقات اس سے کوافاسد ہو جاتا ہے۔ ”صاحب الکافی“ نے اسی کو اپنایا ہے۔

”قہستانی“ میں ہے: الف لام عہد خارجی کا ہے یعنی دانت اصلی ہو۔ پس زائد دانت میں کوئی قصاص نہیں بلکہ اس میں ایک عادل آدمی کی حکومت ہے جس طرح ”تاتر خانہ“ میں ہے۔ اس میں یہ بھی ہے: جنایت کرنے والے کا دانت سیاہ ہو، زرد ہو، سرخ ہو یا سبز ہو جس پر جنایت کی گئی ہے اگر وہ چاہے تو قصاص لے لے یا اپنے دانت کی دیت پانچ سو لے لے جس پر جنایت واقع کی گئی اگر اس کا دانت عیب دار ہو تو اس کی چٹی عادل کا فیصلہ ہے اور اس میں قصاص نہیں۔

35000۔ (قوله: مَوْضِعِ أَصْلِ السِّنِّ) یہ ماقبل کا بدل ہے، ”ط“۔

35001۔ (قوله: وَيَسْقُطُ مَا سِوَاهُ) یعنی جو گوشت میں داخل ہو۔

35002۔ (قوله: إِذْ رُبَّمَا تَفْسَدُ لَهَا تُهَةٌ) یعنی اگر اس کو اکھیڑا جائے۔ لہذا کی تعبیر ”النهاية“ میں واقع ہوئی ہے۔

”زیلعی“۔ مصنف اور شارح نے ان کی پیروی کی ہے صحیح لاشاتہ ہے جس طرح ”کفایہ“ میں واقع ہے۔ ”المغرب“ میں کہا: اللہاۃ گوشت کا ایسا لوتھڑا ہے جو حلق پر لٹک رہا ہوتا ہے۔ اور ان کا قول: من تسحر بسويق لا بد ان يبقی بین اسنان ولہاتہ شیء کانہ تصحیف لثاۃ وہی لحبات اصول الاثنان جس نے ستو سے سحری کی تو ضروری ہے کہ ستو اس کے دانتوں اور اس کے لہات کے درمیان کوئی شے باقی رہ جائے گویا یہ لثاۃ کی تصحیف ہے جو دانتوں کی جڑوں کا گوشت ہوتا ہے۔

35003۔ (قوله: وَبِهِ أَخَذَ صَاحِبُ الْكَافِي) یعنی رگڑنے کے بارے میں جو قول ہے اس کو ”صاحب کافی“ نے

اپنایا ہے۔ ”ہدایہ“ کے شارحین اسی پر گامزن ہوئے ہیں اور اسے ”ذخیرہ“ اور ”مبسوط“ کی طرف منسوب کیا ہے۔ ”جوہرہ“ اور ”تبیین“ میں ان کی پیروی کی ہے۔ اور اس کو اکھیڑنے کے قول سے انہوں نے اصلاً تعرض نہیں کیا بلکہ علماء نے یہ کہا: اس کو نہیں اکھیڑا جائے گا اسے رگڑا جائے گا جب کہ ”ہدایہ“ میں انہوں نے کہا: اگر اس کو اس کی جڑ سے اکھیڑا تھا تو دوسرے کو جڑ سے اکھیڑا جائے گا۔ پس دونوں ایک دوسرے کی ہم مثل ہو جائیں گے گویا شارحین اس سے راضی نہیں ہوئے۔ لیکن ”مختصر النقایہ“، ”المتلقی“، ”الاختیار“ اور ”الدرر“ وغیرہا میں اسی پر گامزن ہوئے ہیں۔ ”طوری“ نے ”الھیط“ سے نقل کیا ہے کہ مسئلہ میں دو روایتیں ہیں بعض علماء نے ”مقدسی“ سے یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: جب اکھیڑنا مشکل ہو تو چاہیے کہ ریتنے کو اختیار کیا جائے جس طرح اگر اس کے دانتوں کے درمیان فاصلہ نہ ہو اس طرح کہ یہ خوف ہو کہ ایک کو اکھیڑنے سے دوسرا اس کے ساتھ اکھیڑ جائے یا کو خراب ہو جائے۔

قَالَ الْمُصَنِّفُ فِي الْمُجْتَبَى وَبِهِ يُفْتَى (كَمَا تُبْرَدُ إِلَى أَنْ يَتَسَاوَيَا إِنَّ كِسْرَتُوهُنِ الْمُجْتَبَى يُوجَلُّ حَوْلًا، فَإِنْ لَمْ تَثْبُتْ يُقْتَصَّ

مصنف نے کہا: ”مجتبى“ میں ہے: اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے جس طرح اس کو ریتا جائے گا یہاں تک کہ وہ دونوں برابر ہو جائیں اگر دانت کو توڑا گیا ہو۔ ”مجتبى“ میں ہے: اسے سال بھر کے لیے مہلت دی جائے گی اگر وہ دانت نہ اگے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: ”شرح مسکین“ میں جو ”الخلاصہ“ سے مروی ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے: دانت کو اکھیڑنا مشروع ہے اور ریتی کے ساتھ ریتا یہ احتیاط ہے۔

35004۔ (قوله: قَالَ الْمُصَنِّفُ) میں نے یہ قول ”المنح“ اور ”المجتبى“ میں نہیں دیکھا۔

35005۔ (قوله: كَمَا تُبْرَدُ إِلَى أَنْ يَتَسَاوَيَا إِنَّ كِسْرَتُوهُنِ) یہ حکم اس صورت میں ہے جب باقی سیاہ نہ ہو اگر وہ سیاہ ہو جائے تو قصاص واجب نہ ہوگا جس پر جنایت کی گئی اگر وہ توڑے گئے دانت کی مقدار کا حق لینا چاہے اور جو سیاہ ہو اس کو چھوڑنے کا ارادہ کرے تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا۔ ظاہر روایت میں ہے: جب دانت کو توڑا جائے تو اس میں قصاص نہیں، ”خانیہ“۔ کتاب الدیات میں عنقریب آئے گا۔ ”بزازیہ“ میں ہے: قاضی امام نے کہا: بعض دانتوں کے توڑنے میں اسے ریتی کے ساتھ ریتا جائے گا جب وہ چوڑائی کی صورت میں توڑا جائے۔ اگر لمبائی کی صورت میں اس کو توڑا جائے تو اس میں فیصلہ ہوگا، ”شربلالیہ“۔ ”تاثر خانیہ“ میں ہے: اگر اسے برابر توڑا جائے تو اس سے قصاص لینا ممکن ہوگا تو قصاص لیا جائے گا ورنہ اس پر اس کی چٹی ہوگی۔ یہ دانت میں پانچ اونٹ یا پانچ گائیں ہوں گی۔ اس میں بھی یہ تقیید معلوم ہو جائے گی جب اس میں مساوات ممکن ہو۔

”خانیہ“ میں ہے: ایک آدمی کے دانت کو ضرب لگائی گئی تو وہ سیاہ ہو گیا تو دوسرے آدمی نے اسے اکھیڑ دیا تو پہلے پر مکمل دیت پانچ سو ہوگی اور دوسرے پر عادل کی حکومت ہوگی۔ اس میں ہے: ایک آدمی کے دانت کا چوتھائی توڑا گیا اور توڑنے والے کے دانت کا چوتھائی (شاید صحیح صرف دانت ہے مترجم) توڑے جانے والے دانت کی مثل ہے۔ ”ابن رستم“ نے یہ ذکر کیا ہے کہ توڑنے والے کے دانت کو توڑا جائے گا اور اس میں صغیر اور کبر کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا بلکہ جس قدر توڑا گیا ہے اس کا اعتبار ہوگا۔ اس طرح کا حکم ہوگا اگر ایک انسان کا کان یا اس کا ہاتھ کاٹا گیا اور قاطع کا کان یا اس کا ہاتھ زیادہ لمبا ہو۔

تنبیہ: ”الخلاصہ“ میں کہا: اگر کچھ دانت توڑا گیا اور باقی گر گیا تو مشہور روایت کے مطابق قصاص واجب نہیں ہوگا۔ اگر وہ اسے مارے اور وہ دانت حرکت کرنے لگے اور وہ اپنی جگہ نہ چھوڑے تو دوسرے نے اس کو اکھیڑ دیا تو ہر ایک پر ایک عادل کا فیصلہ ہوگا۔

35006۔ (قوله: فَإِنْ لَمْ تَثْبُتْ يُقْتَصَّ) یعنی جب اس کو اکھیڑا گیا ہو۔ ”المجتبى“ میں بھی ذکر کیا گیا ہے: جب اس کا

وَقِيلَ يُوجَلُّ الصَّبِيُّ لَا الْبَالِغُ، فَلَوْ مَاتَ الصَّبِيُّ فِي الْحَوْلِ بَرِيًّا وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ فِيهِ حُكُومَةٌ عَدْلٍ، وَكَذَا الْخِلَافُ إِذَا أُجِّلَ فِي تَحْرِيكِهِ فَلَمْ يَسْقُطْ،

ایک قول یہ کیا گیا ہے: بچے کو مہلت دی جائے گی بالغ کو مہلت نہیں دی جائے گی۔ اگر بچہ سال میں مرجائے تو وہ بری ہو جائے گا۔ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس میں ایک عادل کا فیصلہ ہوگا۔ اسی طرح کا اختلاف اس میں ہے جب اس کے حرکت کرنے کی صورت میں اسے مہلت دی جائے تو وہ نہ گرے۔

بعض تو زرد یا گیا تو ایک سال انتظار کیا جائے گا جب وہ متغیر نہ ہو تو اس کو ریتا جائے گا۔ اسی طرح ذکر کیا گیا ہے جب وہ حرکت کرنے لگے تو ایک سال انتظار کیا جائے گا۔ اگر وہ سرخ ہو جائے، ہبز ہو جائے یا سیاہ ہو جائے تو اس کے مال میں اس کی دیت واجب ہوگی۔ کہا: اس کے زرد ہونے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

35007۔ (قوله: وَقِيلَ يُوجَلُّ الصَّبِيُّ) ”مجتبیٰ“ کی عبارت یہ ہے: ہمارے نزدیک قاعدہ یہ ہے: عام جنایات وہ عمداً ہوں یا خطاً ہوں ڈھیل اور مہلت دی جائے گی۔ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے حرکت کرنے میں مہلت دینے کا ذکر کیا ہے اکیڑنے میں اس کا ذکر نہیں کیا۔

اکیڑنے میں اختلاف ہے۔ ”امام قدوری“ نے کہا: بچے کے بارے میں مہلت دی جائے بالغ کے معاملہ میں مہلت نہیں دی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں کے بارے میں مہلت دی جائے گی۔ ”طحاوی“ نے ”ظہیریہ“ سے نقل کیا ہے: اگر ایک آدمی کے دانت کو مارا گیا تو وہ دانت گر گیا تو اس کو مہلت دی جائے گی یہاں تک کہ دانت کی جگہ صحیح ہو جائے اور اس کو سال بھر مہلت نہیں دی جائے گی مگر ”مجرد“ کی ایک روایت میں ایسا ہے۔ صحیح قول پہلا ہے۔ کیونکہ بالغ کے دانت کا پیدا ہونا نادر ہے۔ شارح باب الشجاج میں ”الخلاصہ“ اور ”النہایہ“ سے ذکر کریں گے اس کی تحقیق ان شاء اللہ وہاں آئے گی۔

35008۔ (قوله: فَلَوْ مَاتَ الصَّبِيُّ فِي الْحَوْلِ بَرِيًّا) یعنی سال کے مکمل ہونے سے پہلے بچہ اگر مرجائے تو جنایت کرنے والے پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے، ”مجتبیٰ“۔

35009۔ (قوله: وَكَذَا الْخِلَافُ الْخ) ”مجتبیٰ“ میں کہا: جب حرکت دینے میں انتظار کیا اور وہ دانت نہ گرا تو اس پر کوئی شے نہ ہوگی۔ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: درد کی چٹی میں عادل کا فیصلہ واجب ہوگا یعنی دانت نکالنے والے اور طبیب کی اجرت لازم ہوگی۔ اگر دانت گر جائے تو عمد میں قصاص واجب ہوگا اور خطا میں دیت واجب ہوگی۔ اگر مارنے والا کہے: دانت گرا مگر میری ضرب سے نہیں گرا تو قول بطور استحسان مضروب کا ہوگا۔ ”تاتر خانیہ“ میں یہ اضافہ کیا ہے: یہ حکم جنایات میں نہیں ہے مگر دانت میں ہے۔ کیونکہ اس بارے میں اثر پایا جا رہا ہے اگر وہ سال کے بعد آئے جب کہ دانت گرا ہوا ہو تو ضارب کہے: وہ سال میں گرا ہے تو قول مضروب کا معتبر ہوگا کہ دانت اس کی ضرب کی وجہ سے گرا ہے۔ اگر کہے: سال کے بعد گرا ہے تو قول ضارب کا معتبر ہوگا۔

فَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ تَجِبُ حُكُومَةُ عَدْلِ الْأَلَمِ أَمَّا أَجْرُ الْقَلَاعِ وَالطَّبِيبِ وَسَنُحَقُّهُ (وَتُؤْخَذُ الشَّيْئَةُ بِالشَّيْئَةِ وَالنَّابُ بِالنَّابِ، وَلَا يُؤْخَذُ الْأَعْلَى بِالْأَسْفَلِ وَلَا الْأَسْفَلُ بِالْأَعْلَى) مُجْتَبَى الْحَاصِلُ أَنَّهُ لَا يُؤْخَذُ عُضْوٌ إِلَّا بِشَيْئِهِ (وَ) لَا قَوْدَ عِنْدَنَا فِي (طَرَفِي رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ) (طَرَفِي (حُرٍّ وَعَبْدٍ) (طَرَفِي (عَبْدَيْنِ)

امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو درد کی چٹی یعنی اس بارے میں عادل کا فیصلہ واجب ہوگا۔ یعنی دانت نکالنے والے اور طبیب کی اجرت لازم ہوگی۔ ہم اس کو عنقریب ثابت کریں گے۔ ثنیہ کے بدلے ثنیہ کا مواخذہ کیا جائے گا، اور ناب کے بدلے ناب کا فیصلہ کیا جائے گا، اور اوپر والے کا مواخذہ نیچے والے سے اور نیچے والے کا مواخذہ اوپر والے سے نہیں کیا جائے گا، ”مجتبىٰ“۔ حاصل کلام یہ ہے کہ عضو کا مواخذہ عضو سے ہوگا۔ مرد اور عورت کے اطراف (اعضا) میں اور غلام اور آزاد کے اعضا میں اور دونوں کے اعضا میں ہمارے نزدیک قصاص جاری نہیں ہوگا۔

35010۔ (قوله: حُكُومَةُ عَدْلِ الْأَلَمِ) حکومت العدل سے مراد چٹی ہے گویا انہوں نے یہ قول کیا ہے: ارش الالم،

”ح“۔ یا کہا جائے اضافت بیان یہ ہے۔ یعنی حکومت جو درد کے مساوی ہو یعنی درہم میں سے جو اس کے مساوی ہیں، تامل۔

35011۔ (قوله: أَمَّا أَجْرُ الْقَلَاعِ) ”تا ترخانہ“ میں، میں نے جو قول دیکھا ہے: وہ اجر العلاج ہے۔

35012۔ (قوله: وَسَنُحَقُّهُ) یعنی فصل الشجاج کے درمیان اور اس کے آخر میں ہم اسے ثابت کریں گے۔

35013۔ (قوله: الْحَاصِلُ) یہ قول اس امر کو بیان کرتا ہے کہ یہ حکم دانت میں خاص نہیں بلکہ اس کے علاوہ میں حکم

اسی طرح ہے۔

”جوہرہ“ میں کہا: مسلمانوں نے اس پر اجماع کیا کہ بائیں آنکھ کے بدلے میں دائیں اور دائیں آنکھ کے بدلے میں بائیں آنکھ کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کا معاملہ ہے۔ اسی طرح ان دونوں کی انگلیوں کا معاملہ ہے۔ اور دائیں کا دائیں، سبابہ کا سبابہ اور وسطیٰ کا وسطیٰ کے بدلے مواخذہ ہوگا۔ دائیں کے اعضاء میں سے کسی شے کا مواخذہ نہیں ہوگا مگر دائیں کے بدلے میں اور بائیں کے اعضاء کا مواخذہ نہیں ہوگا مگر بائیں کے مقابلہ میں۔

مرد اور عورت، غلام اور آزاد کے اعضا میں قصاص کا حکم

35014۔ (قوله: وَلَا قَوْدَ عِنْدَنَا الْخ) اس کے مال میں فی الحال دیت لازم ہوگی، قصاص لازم نہ ہوگا، ”جوہرہ“۔

35015۔ (قوله: فِي طَرَفِي رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ) ”قدوری“ کی عبارت ہے: نفس سے کم میں مرد اور عورت کے درمیان

کوئی قصاص نہیں ہوتا، الخ۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ طرف سے مراد جو نفس سے کم ہو۔ پس یہ لفظ دانت، آنکھ، ناک وغیرہ کو شامل ہوگا۔ یہ آنے والی دلیل سے مستفاد ہے۔

”الکفایہ“ میں ہے: اگر یہ کہا جائے اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَالْعَيْنُ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفُ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنُ بِالْأُذُنِ (المائدہ:

45) یہ مطلق ہے یہ نزاع کے مواضع کو شامل ہے۔

لِتَعْدُرَ الْمَثَلَةُ بِدَلِيلِ اخْتِلَافِ دِينِهِمْ وَقِيَمَتِهِمْ وَالْأَطْرَافُ كَالْأَمْوَالِ قُلْتُ هَذَا هُوَ الْمَشْهُورُ، لَكِنْ فِي الْوَاقِعَاتِ لَوْ قَطَعَتْ الْمَرْأَةُ يَدَ رَجُلٍ كَانَ لَهُ الْقَوْدُ لِأَنَّ النَّاقِصَ يُسْتَوْنِي بِالْكَامِلِ إِذَا رَضِيَ صَاحِبُ الْحَقِّ،

اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کی دیت اور ان کی قیمت میں اختلاف ہے اور اطراف اموال کی طرح ہیں۔ میں کہتا ہوں: یہ ہی مشہور ہے لیکن ”واقعات“ میں ہے: اگر عورت مرد کا ہاتھ کاٹ دے تو اسے قصاص لینے کا حق ہوگا۔ کیونکہ ناقص کامل کا پورا حق ہو سکتا ہے جب صاحب حق راضی ہو۔

ہم کہیں گے: اس سے حربی مستامن خاص ہے۔ اور عام جب خص عنہ البعض ہو تو خبر واحد سے اس کی تخصیص جائز ہوگی۔ ”شربہ لالیہ“ میں ”المحیط“ سے مروی ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: مرد اور عورت میں زخموں میں قصاص جاری نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی بنیاد منفعت اور قیمت میں مساوات ہے اور وہ نہیں پائی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قصاص جاری ہوگا۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے ”المبسوط“ میں بیان کیا ہے۔ کیونکہ اطراف کے قطع کرنے میں منفعت کو فوت کرنا اور شین کو لاحق کرنا ہے۔ جب کہ یہ دونوں متفاوت ہیں۔ ان زخموں میں منفعت کا فوت کرنا نہیں یہ تو عیب کو لاحق کرنا ہے جب کہ دونوں اس میں برابر ہیں۔ ”الاختیار“ میں دوسرے قول پر اکتفا کیا ہے، قتال۔

35016۔ (قوله: بِدَلِيلِ الْخ) ”زیلعی“ نے کہا: ہماری دلیل یہ ہے کہ اطراف (اجزاء) ہیں اموال کا اسلوب اپنایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ اموال کی طرح نفس کی حفاظت و صیانت ہے اور مذکور مونث کے اجزاء میں کوئی مماثلت نہیں۔ کیونکہ دونوں میں قدر و قیمت کے اعتبار سے فرق ہے۔ کیونکہ ”شارح“ نے ان کی قدر و قیمت معین کر دی ہے اور نہ آزاد اور غلام میں مماثلت ہے اور نہ ہی دو غلاموں میں مماثلت ہے۔ کیونکہ قیمت میں مخالفت پائی جا رہی ہے اگر دونوں برابر ہوں تو یہ تخمینہ اور گمان ہے۔ یہ یقین نہیں پس شبہ واقع ہو گیا اور قصاص ممتنع ہو گیا۔ دو آزاد افراد کی اطراف کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ دونوں میں مساوات یقینی ہے کیونکہ شارع نے ان کی قدر و قیمت معین کر دی ہے۔ نفس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ان میں قصاص روح کے چلے جانے کے متعلق ہے اور اس میں کوئی تفاوت نہیں۔ اس کے ساتھ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کے آنے والے اعتراض کا جواب بھی حاصل ہو جاتا ہے انہوں نے اطراف کو نفس کے ساتھ لاحق کیا ہے۔

35017۔ (قوله: قُلْتُ هَذَا هُوَ الْمَشْهُورُ) شروح میں یہی مذکور ہے اور متون کے اطلاق سے یہی مستفاد ہے۔ پس یہی قابل اعتماد ہوگا۔

”کفایہ“ میں یہاں فرق ذکر کیا ہے جو اس بارے میں ہے کہ ناقص کامل کے بدلے میں لینا جائز نہیں اور جو آگے قول آ رہا ہے اس میں اس کے جواز کو بیان کیا ہے جب قطع کرنے والے کا ہاتھ شل ہو یا اس کی انگلیاں کم ہوں۔ اس کا حاصل یہ ہے کیونکہ یہاں نقصان اصلی ہے پس محل کے فوت ہونے کی وجہ سے یہ قصاص کے مانع ہوگا۔ اور جو آگے آ رہا ہے اس میں مساوات اصل میں ثابت ہے اور تفاوت عارضی امر کی وجہ سے ہے۔

فَلَا فَرْقَ بَيْنَ حُرٍّ وَعَبْدٍ وَلَا بَيْنَ عَبْدَيْنِ وَأَقْرَبَهُ الْقَهْطَانِيُّ وَالْبُرْجَنْدِيُّ (وَطَرَفُ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ سَيِّانٍ) لِتَسَاوِي فِي الْأَرْضِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ كُلُّ مَنْ يُقْتَلُ بِهِ يُقْطَعُ بِهِ وَمَا لَا فَلَا (وَلَا فِي قَطْعِ يَدٍ مِنْ نِصْفِ السَّاعِدِ) لِمَا مَرَّ (وَلَا فِي جَائِفَةٍ بَرِئَتْ) فَلَوْلَمْ تَبْرَأْ، فَإِنْ سَارِيَّةٌ يُقْتَصُّ وَإِلَّا يُنْتَظَرُ الْبُرْءُ أَوْ السَّارِيَّةُ ابْنُ كَمَالٍ (وَلِسَانٍ وَذَكَرٍ) وَلَوْ مِنْ أَصْلِهِمَا بِهِ يُفْتَى شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ،

پس آزاد اور دو غلاموں میں کوئی فرق نہیں۔ ”قہستانی“ نے ”برجندی“ سے اسے ثابت رکھا ہے۔ مسلمان اور کافر کی طرف برابر ہیں۔ کیونکہ ارش میں دونوں برابر ہیں۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے کہا: ہر وہ شخص جس کو جس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اس کے بدلے میں اس کا عضو کاٹا جائے گا اور جس کو جس کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا اس کو اس کے بدلے میں قطع نہیں کیا جائے گا اور جب نصف پنڈلی سے قطع کیا جائے تو اس میں قطع نہیں۔ اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے اور نہ ہی ایسے جائفہ زخم میں قصاص ہے جو صحیح ہو جائے اگر وہ ٹھیک نہ ہو۔ اگر وہ سرایت کر جائے تو اس سے قصاص لیا جائے گا ورنہ صحیح ہونے کا انتظار کیا جائے گا یا سرایت کرنے کا انتظار کیا جائے گا ”ابن کمال“۔ اور نہ ہی زبان اور شرمگاہ کے کاٹنے میں قصاص ہوگا اگرچہ دونوں کو ان کی جڑوں سے کاٹا جائے۔ اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ”شرح وہبانیہ“ میں مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے۔

35018۔ (قوله: وَلَا بَيْنَ عَبْدَيْنِ) جو عبد اعلیٰ کا مالک ہے اسے ادنیٰ سے حق لینے کا اختیار ہے، ”ط“۔

35019۔ (قوله: وَطَرَفُ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ) سے مراد ہے مسلم کا جز اور کافر کا جز۔ یعنی ذمی دونوں برابر ہیں پس ان دونوں میں قصاص جاری ہوگا۔ اسی طرح دو عورتوں کے درمیان جو مسلمان اور کتبیہ ہیں۔ اسی طرح کا حکم دو کتبیہ کے درمیان ہے، ”جوہرہ“۔

35020۔ (قوله: وَلَا فِي قَطْعِ يَدٍ) بلکہ اس میں عادل کی حکومت ہوگی، ”اتقانی“۔

35021۔ (قوله: لِمَا مَرَّ) یعنی مماثلت کی رعایت ممتنع ہے، ”ط“۔

35022۔ (قوله: وَلَا فِي جَائِفَةٍ بَرِئَتْ) کیونکہ اس کا صحیح ہونا نادر ہے۔ پس دوسرا عموماً ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے، ”ہدایہ“۔ جائفہ یہ وہ زخم ہوتا ہے جو سینہ سے بطن تک یا پشت سے بطن تک پہنچ جاتا ہے۔ پس قصاص نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی شرط منقش ہے بلکہ دیت کا تیسرا حصہ واجب ہوگا اور جائفہ زخم گردن، حلق، ہاتھوں اور پاؤں میں نہیں ہوتا۔ اگر وہ خستہ بینین اور دبر میں ہو تو وہ جائفہ ہوگا۔ ”اتقانی“۔

35023۔ (قوله: فَإِنْ سَارِيَّةٌ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس سے مر جائے۔ زیادہ مختصر یہ ہے کہ کہا جائے: اگر وہ صحیح نہ ہو تو صحیح ہونے یا سرایت کر جانے کا انتظار کیا جائے گا پس اس سے قصاص لیا جائے گا۔

زبان اور شرمگاہ کے کاٹنے میں قصاص کا شرعی حکم

35024۔ (قوله: بِهِ يُفْتَى) یہی قول ہے ”قہستانی“ نے ”مضمرات“ سے نقل کیا ہے۔ یہ متون کے اطلاق سے

وَأَقَرُّهُ الْمَصْنُفُ لِأَنَّهُ يَنْقَبِضُ وَيَنْبَسِطُ قُلْتُ لَكِنْ جَزَمَ قَاضِي خَانَ بِلُزُومِ الْقِصَاصِ، وَجَعَلَهُ فِي الْمَحِيطِ
قَوْلُ الْإِمَامِ وَنَصُّهُ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ

کیونکہ یہ سکڑ جاتے ہیں اور پھیل جاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں: لیکن ”قاضی خان“ نے قصاص کے لازم ہونے کو یقین کے الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور ”محیط“ میں اسے ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کا قول قرار دیا ہے۔ اس کی نص یہ ہے: امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

مستفاد ہے خصوصاً استثنایہ عموم کے ادوات میں سے ہے جب کہ وہ ان کا یہ قول ہے: الا ان يقطع الحشفة پس یہ قول اس امر کا فائدہ دے گا کہ ان کے علاوہ کے قطع کرنے میں کوئی قصاص نہیں۔

35025۔ (قولہ: لَكِنْ جَزَمَ قَاضِي خَانَ بِلُزُومِ الْقِصَاصِ) یعنی صرف آلہ تناسل میں اس کو یقین سے بیان کیا ہے جب اس کو جڑ سے کاٹا جائے زبان میں یہ بیان نہیں کیا۔ کیونکہ ”الخنایہ“ میں کہا: ایک آدمی نے انسان کی زبان کاٹ دی تو ”الاصل“ میں یہ مذکور ہے کہ اس میں کوئی قصاص نہیں اور امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: زبان کا کچھ حصہ کاٹنے میں کوئی قصاص نہیں۔

پھر ”الخنایہ“ میں کہا: جب آلہ تناسل کو جڑ سے جان بوجھ کر کاٹا جائے تو اس میں قصاص ہوگا اگر اس کو درمیان سے کاٹا جائے تو اس میں قصاص نہیں ہوگا۔ یہ زر کے آلہ تناسل میں ہے۔ جہاں تک خصی اور عنین کے آلہ تناسل کا تعلق ہے تو اس میں عادل کا فیصلہ ہے۔ بچے کے آلہ تناسل میں یہ حکم ہے اگر اس میں حرکت ہوتی ہو تو قصاص واجب ہوگا اگر قطع بھی جان بوجھ کر ہو، اگر خطا ہو تو دیت واجب ہوگی۔ اگر وہ حرکت نہ کرے تو اس میں ایک عادل کا فیصلہ ہوگا۔ زبان کے کاٹنے میں کوئی حق نہیں ہوگا۔ پس زبان اور آلہ تناسل میں فرق کیا ہے جس طرح آپ نے دیکھ لیا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ زبان کی جڑ تک پہنچنا مشکل ہے۔ آلہ تناسل کا معاملہ مختلف ہے۔ لیکن ”قاضی خان“ نے ”جامع صغیر“ کی شرح میں امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ سے آلہ تناسل اور زبان میں ایک روایت ذکر کی ہے اور ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس بارے میں کہا: جب ایسے بچے کے آلہ تناسل کو قطع کیا گیا جو حرکت کرے جس کا درست ہونا ظاہر ہو چکا تھا اگر آلہ تناسل جڑ سے جان بوجھ کر قطع کیا گیا تو اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ ”بشر“ نے امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ سے روایات نقل کی ہیں کہ اس میں قصاص واجب ہوگا۔ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ سے قصاص کے واجب نہ ہونے کو روایت کیا ہے ”ملخص“۔ پھر کہا: اگر بچے کی زبان کاٹی گئی جس نے چیخ ماری تھی تو اس میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔ کیونکہ زبان کا درست ہونا دلیل سے معلوم نہ ہوا تھا۔ اگر اس نے گفتگو کی ہو تو اس میں کامل دیت لازم ہوگی اس میں قصاص کا ذکر نہیں کیا تو ذکر نہ کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ زبان میں قصاص واجب نہیں ہوگا وہ تمام کاٹی جائے یا بعض کاٹی جائے۔ امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔ تو یہ جان چکا ہے کہ ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ متون کے اطلاق کا ظاہر معنی ہے۔ ”قہستانی“ میں ہے:

إِنْ قَطَعَ الذَّكَرُ ذَكَرَهُ مِنْ أَضْلِهِ أَوْ مِنَ الْحَشْفَةِ أُقْتَصَّ مِنْهُ إِذْ لَهُ حَدٌّ مَعْلُومٌ، وَأَقْرَأُ فِي الشُّرْبِلَالِيَّةِ
فَلْيُحْفَظْ (إِلَّا أَنْ يَقْطَعَ كُلَّ (الْحَشْفَةِ) فَيُقْتَصَّ، وَلَوْ بَعْضُهَا لَا، وَسَيَجِيءُ مَا لَوْ قَطَعَ بَعْضُ اللِّسَانِ
(وَيَجِبُ الْقِصَاصُ فِي الشَّفَةِ إِنْ اسْتَقْصَاهَا بِالْقَطْعِ) لِامُكَّانِ الْمُبَاشَلَةِ (وَالْإِلَّا) يَسْتَقْصِيهَا (لَا) يُقْتَصَّ
مُجْتَبَى وَجَوْهَرًا، وَفِي لِسَانِ أُخْرَسَ وَصَبِي لَا يَتَكَلَّمُ حُكُومَةً عَدْلٍ (فَإِنْ كَانَ الْقَاطِعُ أَشَلَّ أَوْ نَاقِصَ
الْأَصَابِعِ أَوْ كَانَ رَأْسُ الشَّابَةِ أَكْبَرَ مِنَ الْمَشْجُوجِ

اگر مذکر نے اس کا آلہ تناسل اس کی جڑ سے یا حشفہ سے کاٹا تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ کیونکہ اس کی حد معلوم ہے۔
”شرنبلا لیه“ میں اس کو ثابت رکھا ہے۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے مگر جب پورا حشفہ کاٹ دیا جائے پس اس سے قصاص لیا
جائے گا۔ اگر اس کا بعض کاٹا گیا ہو تو قصاص نہیں لیا جائے گا۔ عنقریب اس کا ذکر آئے گا اگر زبان کا کچھ حصہ کاٹا۔ ہونٹ میں
قصاص واجب ہوگا اگر وہ کاٹنے میں اس کی انتہا تک جا پہنچے۔ کیونکہ مماثلت ممکن ہے۔ اگر کاٹنے میں اس کی انتہا تک نہ پہنچے
تو قصاص نہیں لیا جائے گا۔ ”مجتبى“، ”جوہرہ“۔ گونگے اور بچے کی زبان میں جو بچہ گفتگو نہیں کرتا اس میں عادل کا فیصلہ ہے۔
اگر کاٹنے والے کا ہاتھ شل ہو، اس کی انگلیاں ناقص ہوں یا جس نے زخم لگایا اس کا سرا اس سے بڑا ہو جس کو زخم لگایا گیا

یہ ظاہر روایت ہے۔ علامہ ”قاسم“ کی تصحیح میں ہے: صحیح ظاہر روایت ہے۔

35026۔ (قوله: إِنْ قَطَعَ الذَّكَرُ ذَكَرَهُ مِنْ أَضْلِهِ) عام نسخوں میں اسی طرح ہے۔ اور الذکر کا لفظ ”شرنبلا لیه“ کی

عبارت سے ساقط ہے۔ اس سے مراد مرد ہے۔ یہ قطع کا فاعل ہے اور ذکر اس کا مفعول ہے یعنی دوسرے مرد کا آلہ تناسل۔ اس
کے ساتھ اس سے احتراز کیا ہے اگر قاطع یا مقطوع عورت ہو تو اس صورت میں کوئی قصاص نہیں ہوگا جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔

35027۔ (قوله: وَأَقْرَأُ فِي الشُّرْبِلَالِيَّةِ) لیکن ”شرنبلا لیه“ نے ”وہبانیہ“ کی شرح میں کہا: فتویٰ اسی پر ہے کہ

زبان اور آلہ تناسل میں قصاص نہیں ہوگا۔ یہ جمہور کا قول ہے جس طرح ”ہدایہ“ وغیرہ میں ہے۔

35028۔ (قوله: وَسَيَجِيءُ) یعنی ”کتاب الدیات“ کے شروع میں ہے۔

اگر ضارب اور قاطع کا جز عیب والا ہو تو مجنی علیہ کو قصاص اور دیت میں اختیار ہوگا

35029۔ (قوله: فَإِنْ كَانَ الْقَاطِعُ أَشَلَّ) یعنی جب اس نے ہاتھ کاٹا تھا اس وقت اس کا ہاتھ شل تھا مگر جب قاطع

کا ہاتھ صحیح ہو پھر قطع کے بعد شل ہو گیا ہو تو جس کا ہاتھ کاٹا گیا اس کا دیت میں کوئی حق نہ ہوگا۔ کیونکہ مقطوع کا حق ہاتھ میں
ثابت ہو چکا ہے۔ پس محل کے ہلاک ہونے کی مقدار حق ساقط ہو جائے گا۔ ”طحطاوی“ نے ”ولوا البجیہ“ سے نقل کیا ہے۔

35030۔ (قوله: أَوْ كَانَ رَأْسُ الشَّابَةِ أَكْبَرَ) اس کی صورت یہ ہے کہ زخم زخمی کے سر کی اطراف کو محیط ہے زخم لگانے

والے کے سر کی اطراف کو محیط نہیں اس کے برعکس میں بھی اس کو اختیار دیا جائے گا۔ کیونکہ کامل صورت میں حق لینا متعذر ہے۔

کیونکہ وہ اس کے حق کے علاوہ کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر زخم سر کی لمبائی کی صورت میں ہو اور وہ اس کی پیشانی

(خَيْرُ الْمَجْنِيِّ عَلَيْهِ بَيْنَ الْقَوْدِ وَ اخْذِ الْأَرْضِ) وَعَلَى هَذَا فِي السِّنِّ وَسَائِرِ الْأَطْرَافِ الَّتِي تُقَادُ إِذَا كَانَ طَرَفُ الضَّارِبِ وَالْقَاطِعِ مَعِيْبًا يَتَخَيَّرُ الْمَجْنِيُّ عَلَيْهِ بَيْنَ اخْذِ الْمَعِيْبِ وَالْأَرْضِ كَامِلًا قَالَ بُرْهَانُ الدِّينِ هَذَا لَوْ السَّلَاءُ يَنْتَفِعُ بِهَا، فَلَوْ لَمْ يَنْتَفِعْ بِهَا لَمْ تَكُنْ مَحَلًّا لِلْقَوْدِ، فَلَهُ دِيَّةٌ كَامِلَةٌ بِلا خِيَارٍ، وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى مُجْتَبَى وَفِيهِ لَا تُقَطَّعُ الصَّحِيحَةُ بِالسَّلَاءِ

تو جس پر جنایت کی گئی ہے اسے اختیار ہوگا کہ وہ قصاص لے لے یا دیت لے لے۔ اس تعبیر کی بنا پر دانت اور باقی اجزاء جن میں قصاص جاری ہوتا ہے جب ضارب اور قاطع کا جز عیب والا ہو تو جس پر جنایت کی گئی ہے اسے اختیار ہوگا کہ وہ عیب دار سے قصاص لے لے یا کامل دیت لے لے۔ ”برہان الدین“ نے کہا: یہ حکم اس صورت میں ہے اگر شل ہاتھ سے نفع حاصل کیا جاسکتا ہو۔ اگر اس سے نفع حاصل نہ کیا جاسکتا ہو تو وہ قصاص کا محل نہ ہوگا تو اس کے لیے اختیار کے بغیر کامل دیت ہوگی۔ اس پر فتویٰ ہے: ”مجتبیٰ“۔ اس میں ہے: صحیح ہاتھ کو شل ہاتھ کے بدلے میں نہیں کاٹا جائے گا۔

سے اس کی گدی تک پہنچتا ہو اور وہ زخم لگانے والے کی گدی تک نہ پہنچے تو اس کو اختیار ہوگا، ”ہدایہ“۔

35031۔ (قولہ: خَيْرُ الْمَجْنِيِّ عَلَيْهِ) کیونکہ پورا حق لینا یہ متعذر ہے تو اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنے حق کے بغیر درگزر سے کام لے اور اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ عوض کی طرف پھر جائے۔

اگر جنایت کرنے والے کا ہاتھ کسی آفت کی وجہ سے اس کے اختیار سے قبل ہی گر جائے جس پر جنایت کی گئی تھی یا اس کا ہاتھ بطور ظلم کاٹ دیا گیا تو ہمارے نزدیک کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کا حق قصاص میں متعین ہے۔ بے شک وہ مال کی طرف اپنے اختیار سے منتقل ہوا۔ پس اس کے فوت ہونے سے اس کا حق فوت ہو جائے گا۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب اس کا ہاتھ اس حق کی وجہ سے کاٹ دیا گیا جو اس پر لازم تھا وہ قصاص ہو یا سرقہ ہو۔ کیونکہ اس صورت میں اس پر قصاص واجب ہوگا۔ کیونکہ جنایت کرنے والے نے ایسا حق دیا ہے جو اس پر لازم تھا۔ پس وہ اس کے حق میں ہے، ”ہدایہ“۔

”زیلعی“ نے کہا: نفس کا معاملہ مختلف ہے۔ جس قاتل پر قصاص اس کے علاوہ کی وجہ سے واجب ہوا تو اسے اس کے بدلے میں قتل کر دیا گیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ مال کے معنی میں نہیں۔ پس وہ اس کے لیے درست نہ ہوگا۔

35032۔ (قولہ: مُجْتَبَى) اسے اس میں ”معراج“ سے نقل کیا ہے اور اسے ثابت رکھا ہے۔ اسے ”تاتر خانیہ“ میں

بھی ذکر کیا ہے۔

شل ہاتھ کے بدلے صحیح ہاتھ کو کاٹنا جائز نہیں

35033۔ (قولہ: لَا تُقَطَّعُ الصَّحِيحَةُ بِالسَّلَاءِ) یہ اس کی مثل ہے جسے پہلے بیان کیا ہے کہ بھینگی آنکھ کے بدلے

میں صحیح آنکھ سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔

”تاتر خانیہ“ میں ہے: جب کاٹے گئے ہاتھ میں زخم ہو جو ہاتھ کی دیت کے نقصان کو ثابت نہ کرتا ہو اس کی صورت یہ

(وَيَسْقُطُ الْقَوْدُ بِمَوْتِ الْقَاتِلِ، لِفَوَاتِ الْمَحَلِّ (وَيَعْفُو الْأَوْلِيَاءُ وَيُصْلِحُهُمْ عَلَى مَالٍ وَلَوْ قَلِيلًا، وَيَجِبُ حَالًا عِنْدَ الْإِطْلَاقِ (وَبِصْلَاحِ أَحَدِهِمْ وَعَفْوِهِ، وَلَيْسَ بَقِيَ) مِنَ الْوَرَثَةِ (حِصَّتُهُ مِنَ الدِّيَةِ) فِي ثَلَاثِ سِنِينَ عَلَى الْقَاتِلِ هُوَ الصَّحِيحُ، وَقِيلَ عَلَى الْعَاقِلِ مُلْتَقَى

قاتل کی موت کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ محل فوت ہو چکا ہے اور قصاص ساقط ہو جاتا ہے جب اولیاء اسے معاف کر دیں اور جب وہ مال پر صلح کر لیں اگرچہ مال قلیل ہو۔ اور اطلاق کے وقت وہ مال فی الحال واجب ہوگا۔ اور قصاص ساقط ہو جاتا ہے جب ان میں سے کوئی ایک صلح کر لے اور وہ قصاص معاف کر دے۔ اور وارثوں میں سے جو باقی ہے اس کا دیت میں سے حصہ تین سالوں میں قاتل پر ہوگا۔ یہی قول صحیح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عاقلہ کے ذمہ ہوگی، ”ملتقی“۔

ہے کہ اس میں ایسا نقص ہو جو گرفت میں کمزوری کو نہ پیدا کرتا ہو تو وہ قصاص کے وجوب کے مانع نہیں۔ اگر وہ کمزوری کا باعث ہو یہاں تک کہ اس کے کاٹنے سے عادل کا فیصلہ واجب ہوگا نصف دیت لازم نہ ہوگی تو ایسا ہاتھ شل ہاتھ کے قائم مقام ہوگا اور صحیح ہاتھ کو شل ہاتھ کے بدلے میں نہیں کاٹا جائے گا، ملخص۔

قاتل کی موت سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے

35034۔ (قوله: وَيَسْقُطُ الْقَوْدُ بِمَوْتِ الْقَاتِلِ) پس ترکہ میں سے ولی کے لیے کوئی شے ثابت نہ ہوگی، ”تہستانی“۔ اسی طرح نفس سے کم میں قصاص ساقط ہو جائے گا جس طرح یہ امر ظاہر ہے۔ ”رملی“ نے اسے بیان کیا ہے ہم ابھی بیان کر آئے ہیں کہ یہ اس صورت میں بھی ساقط ہو جائے گا اگر قاطع کا ہاتھ کسی آفت یا ظلم کی وجہ سے تلف ہوگا نہ کہ اس صورت میں کہ اگر وہ حق کے بدلے میں ساقط ہو۔

35035۔ (قوله: وَلَوْ قَلِيلًا) قتل خطا کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ دیت شرعاً مقدر ہے اور صلح جب اس سے زائد میں ہو تو وہ ربا ہو جائے گا۔ جہاں تک قصاص کا تعلق ہے تو وہ مال نہیں اس کی قدر و قیمت عقد کی وجہ سے ہوئی ہے۔ پس اس کی قدر و قیمت وہی ہوگی جو صلح نے ثابت کی ہے وہ قلیل ہو یا کثیر ہو، ”معراج“۔ اس سے یہ امر ظاہر ہو جاتا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ وہ کہے: ولو کشید تا کہ خطا اور عمد کے درمیان فرق کی طرف اشارہ ہو جائے، فقہ بر۔

35036۔ (قوله: وَيَجِبُ حَالًا عِنْدَ الْإِطْلَاقِ) کیونکہ یہ مال عقد کی وجہ سے واجب ہوا ہے اور اس جیسی صورت میں مال فی الحال لازم آ جاتا ہے جیسے ثمن اور مہر ہے ”حموی“۔ اور اپنے قول عند الاطلاق کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس میں مہلت نہیں ہوگی مگر جب شرط لگائی جائے۔ ”بدرالدین عینی“ نے ”فصل الشجاج“ کے آخر میں اسے بیان کیا ہے، ”ط“۔

35037۔ (قوله: وَقِيلَ عَلَى الْعَاقِلِ) ”الاختیار“ اور ”شرح الجمع“ میں اس پر گامزن ہوئے ہیں۔ اس کے ”محشی علامہ قاسم“ نے اس کا رد اس کے ساتھ کیا ہے جو ”الاصل“، ”جامع صغیر“، ”مبسوط“، ”محیط“، ”ہدایہ“، ”کافی“ اور باقی کتب میں ہے کہ یہ قاتل کے مال میں سے اس کے ذمہ ہوگی۔ کہا: یہ روایت اور درایت کے اعتبار سے ثابت ہے۔ اس کی مکمل بحث

(أَمَرَ الْحُرُّ الْقَاتِلَ وَصَيِّدُ الْعَبْدِ الْقَاتِلِ رَجُلًا بِالصُّلْحِ عَنْ دَمِهَا) الَّذِي اشْتَرَكَ فِيهِ (عَلَى أَلْفٍ فَفَعَلَ الْبَأْمُورُ) الصُّلْحَ عَنْ دَمِهَا (فَالْأَلْفُ عَلَى) الْحُرِّ وَالصَّيِّدِ (الْأَمْرَيْنِ نِصْفَانِ) لِأَنَّهُ مُقَابِلٌ بِالْقَوْدِ وَهُوَ عَلَيْهِمَا سَوِيَّةٌ فَبَدَلُهُ كَذَلِكَ (وَيُقْتَلُ جَنَعٌ بِمُقَرَّدٍ إِنْ جَرَسَ كُلُّ وَاحِدٍ جُرْحًا مُهْلِكًا) لِأَنَّ زَهْوَقَ الرُّوحِ يَتَحَقَّقُ بِالمُشَارَكَةِ

آزاد قاتل اور قاتل غلام کے آقا نے ایک آدمی کو ان دونوں کے قصاص کے معاملہ پر صلح کا کہا جو دونوں اس کے قتل میں شریک تھے جب کہ عوض ہزار معین کیا مامور نے ان کے قصاص کے بارے میں صلح کر لی تو ہزار آزاد اور آقا کے ذمہ نصف نصف ہوگا، دونوں کے آخر میں۔ کیونکہ ہزار قصاص کے مقابل ہے جب کہ قصاص ان دونوں پر برابر تھا تو اس کا بدل بھی اسی طرح ہوگا۔ ایک جماعت کو ایک آدمی کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اگر ہر ایک مہلک زخم لگائے۔ کیونکہ روح کا چلے جانا یہ مشارکت سے متحقق ہوئی ہے۔

”طحاوی“ میں ہے۔ اسی طرح اس کا رد اپنی تصحیح میں کیا ہے کہ یہ کسی کا مطلقاً قول نہیں۔

35038۔ (قوله: بِالصُّلْحِ) یہ امر کے متعلق ہے۔

اگر ایک گروہ کسی آدمی کو قتل کر دے تو قصاص کا حکم

35039۔ (قوله: إِنْ جَرَسَ كُلُّ وَاحِدٍ جُرْحًا مُهْلِكًا) یعنی اکٹھے وہ زخم لگائیں یکے بعد دیگرے نہیں جس طرح ان

کے قول جو اس باب سے پہلے تھا اس سے معلوم ہو چکا ہے قول یہ ہے: قطع عنقه وبقى من الحلقوم قليل الخ۔

”جوہرہ“ میں ہے: جب اسے زخم لگایا جس کے ساتھ وہ زندہ نہیں رہ سکتا تھا اور دوسرے نے اسے دوسرا زخم لگایا تو قاتل پہلا شخص ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب دو زخم یکے بعد دیگرے لگائے گئے ہوں۔ اگر دونوں زخم اکٹھے لگائے گئے ہوں تو وہ دونوں قاتل ہوں گے۔ ”الخلاصہ“ میں یہ زائد ذکر کیا ہے: اسی طرح اگر اسے ایک آدمی نے اسے دس زخم لگائے اور دوسرے نے ایک زخم لگایا تو دونوں قاتل ہوں گے۔ کیونکہ ایک انسان بعض اوقات ایک زخم سے مر جاتا ہے اور بہت سے زخموں سے سلامت رہتا ہے۔

”قہستانی“ میں ”الحنانیہ“ سے نقل کیا ہے: اگر دونوں نے ایک آدمی کو قتل کیا دونوں میں سے ایک نے عصا سے اور دوسرے نے لوہے سے جان بوجھ کر تو کوئی قصاص نہیں ہوگا جب کہ دونوں پر دیت نصف نصف ہوگی۔

”حاشیہ ابی سعود“ میں ہے: اگر اس کو پے درپے زخم لگائے گئے اور وہ آدمی مر گیا اور یہ قید نہ ہو کہ کون مہلک ہے اور کون مہلک نہیں تو تمام سے قصاص لیا جائے گا۔ کیونکہ مہلک اور غیر مہلک پر آگاہی متعذر ہے جس طرح ”فتاویٰ ابی سعود“ میں ہے یعنی ”فتاویٰ مفتی روم“ میں ہے: مگر جب وہ مہلک اور غیر مہلک پر آگاہ ہو جائے اور یہ نہیں ہو سکتا مگر اس کی موت سے پہلے ایسا ہو سکتا ہے تو قصاص اس پر ہوگا جس نے مہلک زخم لگایا جس طرح ”الخلاصہ“ اور ”بزازیہ“ میں ہے۔

لَا تَنْتَهِي عَنْ مُتَجَزِّي بِخِلَافِ الْأَطْرَافِ كَمَا سَيَجِيءُ (وَالْأَلَا) كَمَا فِي تَصْحِيحِ الْعَلَامَةِ قَاسِمٍ وَفِي الْمُجْتَبَى إِنَّمَا يُقْتَلُونَ إِذَا وَجَدَ مِنْ كُلِّ جُزْءٍ يَصْلَحُ لِزَهْوَقِ الرُّوحِ، فَأَمَّا إِذَا كَانُوا نَظَارَةً أَوْ مُغْرِينَ أَوْ مُعِينِينَ بِإِمْسَاكِ وَاحِدٍ فَلَا قَوْدَ عَلَيْهِمْ، وَالْأَوَّلَى أَنْ يُعَرَّفَ الْجَنَعُ بِلَا مِ الْعَهْدِ؛

کیونکہ وہ تجزی کو قبول نہیں کرتی۔ اطراف کا معاملہ مختلف ہے جس طرح عنقریب آئے گا ورنہ نہیں جس طرح ”علامہ قاسم“ کی تصحیح میں ہے: ”مجتبائی“ میں ہے: ان کو قتل کیا جائے گا جب ہر ایک میں ایسا زخم پایا جائے جو روح کے چلے جانے کے مناسب ہو مگر جب وہ دیکھ رہے ہوں، جوش دلارہے ہوں یا ایک کو پکڑنے میں معاون ہو تو ان پر کوئی قصاص نہیں ہوگا۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ لفظ جمع کو معرف بالام ذکر کیا جاتا۔

35040۔ (قوله: لَا تَنْتَهِي عَنْ مُتَجَزِّي) جماعت اس میں شریک ہوئی جو تقسیم کو قبول نہیں کرتی تو یہ ان میں سے ہر ایک کے حق میں تکامل کو ثابت کرتی ہے۔ پس ان میں سے ہر ایک کی طرف وہ کامل طور پر منسوب ہوگا گویا اس کے ساتھ کوئی دوسرا فرد شریک نہیں ہوا تھا جس طرح نکاح کرانے کی ولایت ہے ”زیلعی“۔ اور یہ ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اجماع سے یہ ثابت ہوا ہے۔

35041۔ (قوله: بِخِلَافِ الْأَطْرَافِ) کیونکہ اس میں قطع تقسیم کو قبول کرتا ہے۔ پس ایک آدمی کے قطع کرنے سے جماعت کے اعضاء کو نہیں کاٹا جائے گا جس طرح عنقریب آئے گا۔

35042۔ (قوله: وَالْأَلَا) یہ اسے شامل ہے جب بعض ایسا زخم لگائیں جو مہلک ہو اور بعض ایسا زخم لگائیں جو مہلک نہ ہو اور وہ آدمی مرجائے تو قصاص اس آدمی پر ہوگا جس نے مہلک زخم لگایا اور باقی ماندہ افراد پر تعزیر ہوگی کیا تعزیر کے علاوہ کوئی شے واجب ہوگی۔ اس کی وضاحت کی جانی چاہیے اور یہ اسے شامل ہے جب ہر ایک نے ایسا زخم لگایا جو مہلک نہیں تھا۔ ”طحاوی“ نے یہ بیان کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: دوسرے میں ظاہر قول یہ ہے کہ ان سب پر دیت واجب ہوگی۔ اگر وہ زخم عمداً ہو یا دیت ان کی عاقل کے ذمہ ہوگی اگر وہ غیر عمد ہو، تامل۔

35043۔ (قوله: نَظَارَةً) یہ لفظ نون کے فتح اور ظا کی تشدید کے ساتھ ہے۔ ”قاموس“ میں کہا: القوم ينظرون الى الشيء قوم شے کی طرف دیکھتی ہے۔

35044۔ (قوله: أَوْ مُغْرِينَ) یہ اغراء سے مشتق ہے یعنی اسے اس کے قتل پر برا بیچتے کرنے والے تھے۔

35045۔ (قوله: فَلَا قَوْدَ عَلَيْهِمْ) یعنی نہ ہی اس پر دیت ہوگی، ”ط“۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب ایک آدمی ڈاکہ ڈالے اور دوسرے لوگ اس کی معاونت کے لیے مستعد ہوں تو ڈاکو کی حزا سب پر جاری ہوگی۔ ”ابوسعود“ نے شیخ ”حمید الدین“ سے نقل کیا ہے۔

35046۔ (قوله: بِلَا مِ الْعَهْدِ) معبود جمع فقیہ کے ذہن میں ہے۔ اس سے مراد وہ جماعت ہے جس کے ساتھ کوئی

فَإِنَّهُ لَوْ قَتَلَ فَرْدًا جَمَعَ أَحَدُهُمْ أَبُوهُ أَوْ مَجْنُونٌ سَقَطَ الْقَوْدُ قَهْشَتَانِي (و) يُقْتَلُ (فَرْدٌ بِجَمْعٍ اِكْتِفَاءً) بِهِ لِبَاقِيَيْنِ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ (إِنْ حَضَرَ وَلِيُّهُمُ، فَإِنْ حَضَرَ) وَلِيٌّ (وَاحِدٌ قُتِلَ بِهِ وَسَقَطَ) عِنْدَنَا (حَقُّ الْبَقِيَّةِ) كَمَوْتِ الْقَاتِلِ، حَتَّى أَنْفَهُ لِفَوَاتِ الْمَحَلِّ كَمَا مَرَّ (قَطَعَ رَجُلَانِ) فَأَكْثَرُ (يَدِ رَجُلٍ) أَوْ رَجُلَهُ أَوْ قَلْعًا سِنَّهُ وَنَحْوَ ذَلِكَ مِمَّا دُونَ النَّفْسِ جَوْهَرَةً (بِأَنْ أَخَذَا سِكِّينًا وَأَمْرَاهَا عَلَى يَدَيْهِ حَتَّى انْفَصَلَتْ فَلَا قِصَاصَ)

کیونکہ اگر ایک جماعت ایک فرد کو قتل کر دے جب کہ ان میں سے ایک اس کا باپ ہو یا مجنون ہو تو قصاص ساقط ہو جائے گا، ”قہستانی“۔ ایک فرد کو جماعت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ یہ باقیوں کے لیے ایک پراکتفا کرنے کی بنا پر ہے۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر ان مقتولین کا ولی حاضر ہو اگر ایک مقتول کا ولی حاضر ہو تو اس کے بدلے میں اسے قتل کیا جائے گا اور ہمارے نزدیک باقی کا حق ساقط ہو جائے گا جس طرح جب اپنی طبعی موت مر جائے (تو ان کا حق باطل ہو جاتا ہے)۔ کیونکہ اس کا محل فوت ہو چکا ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ دو یا زیادہ افراد نے ایک آدمی کا ہاتھ یا اس کا پاؤں کاٹ دیا یا اس کا دانت توڑ دیا اس کی مثل جو نفس سے کم ہو ”جوہرہ“۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں نے ایک چھری پکڑی اور اسے اس کے ہاتھ پر اسے چلایا یہاں تک کہ وہ ہاتھ جدا ہو گیا تو ہمارے نزدیک دونوں

ایسا فرد نہیں جس پر قصاص جاری نہ ہوتا ہو جس طرح اس کی وضاحت گزر چکی ہے اور اس کا ذکر قریب ہی آئے گا۔

تمتہ: ولی نے ایک قاتل کو معاف کر دیا یا اس سے صلح کر لی تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ دوسرے سے قصاص لے جس طرح ”جوہر الفقہ“ وغیرہ میں ہے۔ لیکن ”قاضی خان“ وغیرہ نے کہا ہے کہ اسے قصاص لینے کا حق ہوگا، ”قہستانی“۔

میں کہتا ہوں: دوسرے قول پر فتویٰ دیا ہے جس طرح ان کے فتاویٰ میں ”کتاب الجنایات“ کے شروع میں ہے۔

35047۔ (قولہ: خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ) کیونکہ انہوں نے کہا: اگر اس نے ان کو یکے بعد دیگرے قتل کیا تھا تو اسے پہلے

کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور اس کے بعد جو مقتول ہوں گے ان کے حق میں اس کے ترکہ میں دیت کا فیصلہ کیا جائے گا۔

اگر اس نے سب کو ایک ہی بار قتل کیا یا یہ معلوم نہ ہو کہ کس کو پہلے قتل کیا گیا تو ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی۔ اور جس

کے نام قرعہ نکلے گا اس کے حق میں قصاص کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور باقی ماندہ کے حق میں دیت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ ایک قول

یہ کیا گیا ہے: سب کے حق میں دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان کے درمیان دیت کو تقسیم کر دیا جائے گا، ”منح“۔

35048۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی جس طرح قریب ہی گزرا ہے۔

35049۔ (قولہ: بِأَنْ أَخَذَا الْخِ) اس کے ساتھ قید لگائی ہے کیونکہ اگر دونوں میں سے ایک نے ایک جانب سے

چھری چلائی اور دوسرے نے دوسری جانب سے چھری چلائی یہاں تک کہ دونوں چھریاں درمیان میں مل گئیں اور ہاتھ جدا ہو

گیا تو بالاتفاق دونوں میں سے کسی پر قصاص واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ دونوں میں سے کسی سے اسلحہ چلانا نہیں پایا گیا مگر عضو

کے کچھ حصہ پر یہ فعل پایا گیا، ”زیلعی“۔

عِنْدَنَا (عَلَى وَاحِدٍ مِنْهُمَا) أَوْ مِنْهُمْ لِانْعِدَامِ الْمِثَالَةِ لِأَنَّ الشَّرْطَ فِي الْأَطْرَافِ الْمُسَاوَاةِ فِي الْمَنْفَعَةِ وَالْقِيَمَةِ، بِخِلَافِ النَّفْسِ فَإِنَّ الشَّرْطَ فِيهَا الْمُسَاوَاةُ فِي الْعِصَةِ فَقَطْ دُرّاً (وَضِيئاً) أَوْ ضَبّاً (دِيئاً) عَلَى عَدَدِهِمْ بِالسَّوِيَّةِ (وَإِنْ قُطِعَ وَاحِدٌ يَبِينُ رَجُلَيْنِ فَلَهُمَا قِطْعُ يَمِينِهِ وَدِيَّةُ يَدٍ بَيْنَهُمَا إِنْ حَضَرَ مَعَا (وَإِنْ أَحْضَرَ أَحَدَهُمَا وَقُطِعَ لَهُ فَلِلْآخَرِ عَلَيْهِ)

میں سے کسی پر قصاص لازم نہیں ہوگا یا ان میں سے کسی پر قصاص لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ مماثلت معدوم ہے۔ کیونکہ اطراف میں شرط منفعت اور قیمت میں مساوات ہے۔ نفس کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ اس میں شرط صرف عصمت میں مساوات ہے۔ ”درر“۔ اور دونوں یا وہ سب اس کی دیت کے ضامن ہوں گے۔ یہ ان کی تعداد پر برابر تقسیم ہوگی۔ اگر ایک آدمی نے دو آدمیوں کے دودائیں ہاتھوں کو قطع کر دیا تو دونوں کو حق حاصل ہوگا کہ اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیں اور ہاتھ کی دیت ہوگی جو دونوں میں تقسیم ہوگی اگر دونوں اکٹھے حاضر ہوں۔ اگر دونوں میں سے ایک حاضر ہو اور اس کے لیے اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا

35050۔ (قوله: عِنْدَنَا) یہ ہمارے نزدیک ہے۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں کے ہاتھ، نفوس کا اعتبار کرتے ہوئے کاٹے جائیں گے۔

اطراف کے قصاص میں منفعت اور قیمت میں مساوات شرط ہے

35051۔ (قوله: لِانْعِدَامِ الْمِثَالَةِ الْخ) اس کی وضاحت یہ ہے: ان دونوں میں سے ہر ایک بعض کو کاٹنے والا ہے کیونکہ جسے دونوں میں سے ایک کی قوت کے ساتھ کاٹا گیا ہے دوسرے کی قوت کے ساتھ نہیں کٹا۔ پس یہ جائز نہیں کہ کسی کو بعض کے بدلے میں کاٹا جائے اور نہ ہی دو کو ایک کے بدلے میں کاٹا جائے۔ کیونکہ مساوات نہیں پائی گئی۔ پس یہ اسی طرح ہو گیا جس طرح ہر ایک نے ایک جانب سے چھری چلائی، ”زیلعی“۔ ”المنح“ میں جو قول ہے اس کو دیکھیے۔

35052۔ (قوله: وَالْقِيَمَةِ) اس سے مراد دیت ہے۔

35053۔ (قوله: بِخِلَافِ النَّفْسِ الْخ) اسی وجہ سے صحیح کوشل کے مقابلہ میں قطع نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی آزاد کے ہاتھ کو غلام کے بدلے میں اور نہ ہی عورت کے بدلے میں قطع کیا جائے گا۔ سالم نفس کو عیب دار نفس کے بدلے میں قتل کر دیا جائے گا۔ اسی طرح دو کو ایک کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ پس نفس پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

35054۔ (قوله: يَبِينُ رَجُلَيْنِ) اس کے ساتھ قید لگائی۔ کیونکہ جب وہ ایک آدمی کا دایاں اور دوسرے کا بایاں ہاتھ کاٹے تو اس کے دونوں ہاتھ ان دونوں کی وجہ سے کاٹ دیئے جائیں گے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر ایک آدمی کے دونوں ہاتھ کاٹ دے۔ کیونکہ تنگی نہیں پائی گئی اور مماثلت پائی جا رہی ہے۔ ”اتقانی“۔

35055۔ (قوله: فَلَهُمَا قِطْعُ يَمِينِهِ الْخ) خواہ اس نے ان دونوں کو اکٹھے کاٹا ہو یا یکے بعد دیگرے کاٹا ہو۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے فرمایا: پے درپے کاٹنے کی صورت میں پہلے کے بدلے میں کاٹا جائے گا اور اکٹھے کاٹنے کی صورت میں

أَمْنَى عَلَى الْقَاطِعِ (نِصْفُ الدِّيَةِ) لِمَا مَرَّ أَنَّ الْأَطْرَافَ لَيْسَتْ كَالنُّفُوسِ (وَلَوْ قُضِيَ بِالْقِصَاصِ بَيْنَهُمَا ثُمَّ عَفَا أَحَدُهُمَا قَبْلَ اسْتِيفَاءِ الدِّيَةِ فَلِلْآخِرِ الْقَوْدُ) وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَهُ الْأُرْشُ

تو قاطع پر نصف دیت لازم ہوگی۔ کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ اطراف نفوس کی طرح نہیں۔ اگر دونوں کے درمیان قصاص کا فیصلہ کر دیا گیا پھر دونوں میں سے ایک نے دیت وصول کرنے سے پہلے معاف کر دیا تو دوسرے کو قصاص لینے کا حق ہوگا۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک اسے دیت لینے کا حق ہوگا۔

قرعہ اندازی کی جائے گی، ”ہدایہ“۔

35056۔ (قوله: أَمْنَى عَلَى الْقَاطِعِ) یعنی دو آدمیوں کے ہاتھ کاٹنے والے پر۔

35057۔ (قوله: نِصْفُ الدِّيَةِ) جو پانچ ہزار درہم ہیں یہ ایک ہاتھ کی دیت ہے ”اتقانی“۔ مراد نفس (جان) کی نفس دیت ہے۔

35058۔ (قوله: لِمَا مَرَّ) قریب ہی گزرا ہے اور یہ ارادہ کیا ہے کہ اجزاء اور جان میں فرق بیان کریں۔ کیونکہ اگر اس نے اس کو قتل کیا جو حاضر ہوا تھا تو جو غائب ہو اس کا حق ساقط ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اطراف اموال کے حکم میں ہیں اور قصاص ہر ایک کے لیے کامل صورت میں ثابت ہوگا۔ جب دونوں میں سے ایک اپنا تمام حق وصول کرے تو دونوں کا حق ایک ہاتھ کی مکمل دیت میں باقی رہے گا۔ بے شک جو حاضر ہے اس کو پورا پورا حق لینے کا اختیار ہے۔ کیونکہ اس کا حق یقینی طور پر ثابت ہے اور دوسرے کا حق متردد ہے۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ اس کو طلب نہ کرے یا اس کو عوض کے بغیر معاف کر دے یا صلح کی صورت میں معاف کر دے جس طرح ”الدرر“ میں ہے۔

35059۔ (قوله: وَلَوْ قُضِيَ بِالْقِصَاصِ بَيْنَهُمَا) یعنی دونوں کے درمیان، قصاص اور ہاتھ کی دیت کا فیصلہ کر دیا گیا۔

35060۔ (قوله: وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَهُ الْأُرْشُ) یعنی ہاتھ کی مکمل دیت اور معاف کرنے والے کیلئے نصف دیت۔ ”مجمع“۔

اس کے شارح نے کہا: کیونکہ قصاص اور دیت، قضا کے ساتھ، دونوں میں مشترک تھے جب دونوں میں سے ایک نے معاف کرنے کے ساتھ اپنا حق نصف قصاص میں ساقط کر دیا تو دوسرے کا حصہ مال بن جائے گا۔ پس معاف کرنے والا نصف دیت وصول کرے گا جو دونوں میں مشترک تھی۔ اور جس نے معاف نہیں کیا تھا وہ پوری دیت لے لے گا اس کا نصف مشترک میں سے اور اس کا نصف جو اس میں سے جو مال بن چکا ہے۔ ”طحطاوی“ نے کہا: ”برہان“ میں یہ ذکر کیا گیا کہ یہ استحسان ہے اور شیخین کے قول کو قیاس قرار دیا ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ قابل اعتماد امام ”محمد“ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: شروح کا ظاہر معنی یہ ہے کہ شیخین کے قول کو ترجیح دی جائے۔ ”اتقانی“ نے اس پر اکتفا کیا ہے جب کہ اسے ”شرح کافی“ اور ”مختصر کرخی“ سے نقل کیا ہے۔ اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ ہر ایک کا حق تمام ہاتھ میں ثابت ہوا تھا۔ مزاحمت کی وجہ سے اس میں کمی واقع ہوئی تھی۔ جب معاف کرنے کے ساتھ مزاحمت زائل ہوگئی تو دوسرے کا قول اپنے حال

(وَيُقَادُ عَبْدٌ أَقْرَ بِقَتْلِ عَمْدٍ) خِلَافًا لِزُفَرٍ (وَلَوْ أَقْرَ بِخَطَا) أَوْ بِمَالٍ (لَمْ يَنْفُذْ إِقْرَارُهُ) عَلَى مَوْلَاهُ، بَلْ يَكُونُ فِي رَقَبَتِهِ إِلَى أَنْ يُعْتَقَ كَمَا نَقَلَهُ الْمُصَنِّفُ عَنِ الْجَوْهَرَةِ قَالَ وَظَاهِرُ كَلَامِ الزَّيْلَعِيِّ بُطْلَانُ إِقْرَارِهِ بِالْخَطَا أَصْلًا يَعْنِي لَا فِي حَقِّهِ وَلَا فِي حَقِّ سَيِّدِهِ، وَنَحْوُهُ فِي أَحْكَامِ الْعَبِيدِ مِنَ الْأَشْبَاهِ مُعَلَّلًا بِأَنْ مُوجِبُهُ الدَّفْعُ

اور اس غلام سے قصاص لیا جائے گا جس نے جان بوجھ کر قتل کرنے کا اقرار کیا۔ امام ”زفر“ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر اس نے قتل خطا کا اقرار کیا یا اس نے مال کا اقرار کیا تو اس کا اقرار اپنے آقا پر نافذ نہیں ہوگا بلکہ یہ مال اس کے ذمہ ہوگا یہاں تک کہ وہ آزاد ہو جائے جس طرح مصنف نے ”جوہرہ“ سے نقل کیا ہے۔ کہا: ”زیلعی“ کے کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ غلام خطا کا اقرار کرے تو وہ اصلاً باطل ہوگا یعنی وہ اقرار نہ اس کے حق میں ثابت ہوگا اور نہ ہی اس کے آقا کے حق میں ثابت ہوگا۔ اور اسی کی مثل ”الاشباہ“ کے ”احکام العبيد“ میں ہے جب کہ اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ اس کا حکم غلام اس کے حوالے کرنا ہے

پر رہا جس طرح دوند یہ ہوں اور دودفع کرنے والے ہوں۔

اگر کوئی غلام قتل عمد کا اقرار کرے تو قصاص کا شرعی حکم

35061۔ (قوله: وَيُقَادُ عَبْدٌ أَقْرَ بِقَتْلِ عَمْدٍ) کیونکہ وہ اس میں غیر متہم ہے کیونکہ یہ امر اس کو نقصان دینے والا

ہے۔ پس اس کو قبول کیا جائے گا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کیونکہ وہ دم کے حق میں اصل حریت پر باقی رکھنے والا ہے۔ یہ آدمیت پر عمل کرنے کی وجہ سے ہے یہاں تک کہ آقا کا اس پر حدود و قصاص کا اقرار صحیح نہیں ہوگا۔ اور مولیٰ کے حق کا باطل ہونا یہ بطریق ضمنی ہے۔ پس اس کی پرواہ نہ کی جائے گی۔ ”ہدایہ“۔

35062۔ (قوله: وَظَاهِرُ كَلَامِ الزَّيْلَعِيِّ) کیونکہ کہا: اقرار بالمال کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ آقا کے خلاف اقرار

ہے کیونکہ وہ ارادۂ آقا کے حق کو باطل کر رہا ہے۔ کیونکہ اس کا موجب غلام کی بیع ہے یا اس سے مزدوری کرانا ہے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ قتل خطا کا اقرار کرے۔ کیونکہ اس کا موجب غلام کو متحقق کے حوالے کرنا ہے یا آقا پر فدیہ کا اطلاق ہے غلام پر اس میں سے کوئی شے واجب نہ ہوگی اور یہ صحیح نہیں خواہ غلام پر حجر ہو یا اسے تجارت کی اجازت ہو۔ کیونکہ یہ تجارت کے باب میں سے نہیں ہے۔ پس یہ امر باطل ہوگا۔

35063۔ (قوله: يَعْنِي لَا فِي حَقِّهِ الْخ) زیادہ بہتر یہ ہے کہ دونوں جگہ حرف لا کو حذف کر دیا جاتا، ”ط“۔

35064۔ (قوله: مُعَلَّلًا) ”زیلعی“ نے یہ تعلیل بیان کی ہے ”صاحب الاشباہ“ نے یہ تعلیل بیان نہیں کی۔ کیونکہ

جب انہوں نے تعلیل ذکر نہیں کی۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا: اسی طرح اس کا ایسی جنایت کا اقرار جو غلام حوالے کرنے کا موجب ہو یا فدیہ دینے کا موجب ہو صحیح نہیں۔ حد یا قصاص کا معاملہ مختلف ہے۔ مگر جب یہ کہا جائے اس کا جنایت کا وصف اپنے قول موجبہ کے ساتھ لگانا یہ تعلیل کے معنی میں ہے۔

أَوْ الْفِدَاءُ اهـ فَتَأْمَلُهُ، لَكِنْ عَلَّلَهُ الْقَهْطَنَانِ بِأَنَّهُ إِقْرَارٌ بِالذِّیَّةِ عَلَى الْعَاقِلَةِ فَتَدَبَّرْهُ إِذْ قَدْ أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلَى الْعَمَلِ بِمُقْتَضَى قَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا تَعْقِلُ الْعَوَاقِلُ عَبْدًا وَلَا عَمْدًا وَلَا صَلْحًا وَلَا اعْتِرَافًا حَتَّى لَوْ أَقَرَّ الْحُرُّ بِالْقَتْلِ خَطَأً لَمْ يَكُنْ إِقْرَارُهُ إِقْرَارًا عَلَى الْعَاقِلَةِ

یافتہ دینا ہے۔ پس اس میں غور کرو۔ لیکن ”قہستانی“ نے اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ یہ عاقلہ پر دیت کا اقرار ہے۔ پس اس میں تدبر کرو۔ کیونکہ علماء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مقتضا پر عمل کرنے پر اجماع کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: عاقلہ نہ غلام کی دیت دے گی، نہ عمد کی دیت دے گی اور نہ ہی اعتراف کی دیت دے گی (۱)۔ یہاں تک کہ آزاد اگر قتل خطا کا اقرار کرے تو اس کا اقرار عاقلہ پر اقرار نہیں ہوگا

35065۔ (قوله: فَتَأْمَلُهُ) یہ قول اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مصنف نے ”زیلعی“ کے کلام سے جو سمجھا ہے وہ ظاہر نہیں۔ کیونکہ تعلیل سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ حالت رقبہ میں اقرار باطل ہوگا۔ کیونکہ آزادی کے بعد آقا پر یہ لازم نہیں آتا کہ وہ غلام حوالے کر دے یا آقا فد یہ دے جب غلام آزاد ہو جائے گا تو غلام سے اس کا مطالبہ کیا جائے گا۔ کیونکہ علت نہیں پائی جارہی، فافہم۔ اس پر ”زیلعی“ کی تعلیل بھی دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ مال کا اقرار باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ آقا پر اقرار ہے۔ اور یہ آزادی کے بعد نہیں ہوتا۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عبد مجبور کا مال کے بارے میں اقرار یہ آزادی کے بعد تک موخر ہوگا۔ کیونکہ آزادی کے بعد آقا کے لیے کوئی ضرر نہیں۔ اسی وجہ سے علامہ ”رملی“ نے کہا: ”جوہرہ“ میں جو قول ہے وہ وہی ہے جو ”زیلعی“ اور ”الاشباہ“ کے کلام کا محمل ہے اس میں کوئی اشتباہ نہیں۔

میں کہتا ہوں: لیکن عنقریب شارح باب جنایۃ المملوک میں ”البدائع“ سے قول نقل کریں گے بے شک خطایہ گواہیوں سے اور ولی کے اقرار سے ثابت ہوگا نہ کہ اس کے اقرار سے اصلاً ثابت ہوگا۔ کتاب الحجر میں ہم پہلے ”جوہرہ“ سے مسئلہ میں دو قول نقل کر چکے ہیں اس کی مکمل وضاحت آئے گی ان شاء اللہ۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

35066۔ (قوله: لَكِنْ عَلَّلَهُ الْقَهْطَنَانِ) یعنی غلام نے جو (قتل) خطا کا اقرار کیا ہے اس کے عدم جواز کی علت بیان کی ہے اور عاقلہ سے مراد آقا ہے۔ کیونکہ علماء اس پر یہ اطلاق کرتے ہیں کہ وہ اس کے غلام کی عاقلہ ہے۔ جب اس (آقا) پر عاقلہ کا اطلاق ہو تو غلام کا اس پر اقرار صحیح نہ ہوگا۔ پھر ”قہستانی“ کا کلام اس امر کا فائدہ نہیں دیتا کہ غلام کا آزادی کے بعد مواخذہ نہیں ہوگا۔ ”زیلعی“ کا کلام جس کا فائدہ دیتا ہے وہ اس کے خلاف ہے یہ اس پر مبنی ہے کہ مصنف نے جو سمجھا ہے کہ اس کا اقرار اصلاً باطل ہے۔ اس سے استدراک کی وجہ ظاہر ہوگئی، فافہم۔

35067۔ (قوله: فَتَدَبَّرْهُ) یعنی یہ صحیح تعلیل ہے جو اس حدیث کے موافق ہے جس کے مقتضا پر عمل کے حوالے سے اجماع ہے۔ کیونکہ عاقلہ جب غلام کی دیت نہیں دیتی اور نہ ہی اعتراف کی صورت میں دیت دیتی ہے تو یہاں غلام کا اقرار

أَيُّ إِلَّا أَنْ يُصَدِّقُوهُ وَكَذَا قَرَأَ الْقَهْطَانِي فِي الْمَعَاوِلِ فَتَنَّبَهُ (رَمَى رَجُلًا عَمْدًا فَتَنَفَذَ السَّهْمُ مِنْهُ إِلَى آخِرِ
فَمَا تَا يُقْتَضُّ لِلأَوَّلِ) لِأَنَّهُ عَمْدٌ (وَالثَّانِي الدِّيَّةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ) لِأَنَّهُ خَطَا (وَقَعَتْ حَيَّةٌ عَلَيْهِ فَدَفَعَهَا عَنْ
نَفْسِهِ فَسَقَطَتْ عَلَى آخِرِ فَدَفَعَهَا عَنْ نَفْسِهِ فَوَقَعَتْ عَلَى ثَالِثٍ فَلَسَعَتْهُ) أَيُّ الثَّالِثِ (فَهَذَا) فَعَلَى مَنْ
الدِّيَّةُ؟ هَكَذَا سِيلَ أَبُو حَنِيفَةَ بِحَضْرَةِ جَمَاعَةٍ، فَقَالَ لَا يَضُنُّ الْأَوَّلُ لِأَنَّ الْحَيَّةَ لَمْ تَضُرَّ الثَّانِي،
وَكَذَلِكَ لَا يَضُنُّ الثَّانِي وَالثَّالِثُ لَوْ كَثُرُوا وَأَمَّا الْأَخِيرُ (فَإِنْ لَسَعَتْهُ مَعَ سُقُوطِهَا) فَوَرَا (مِنْ غَيْرِ مُهْلَةٍ
فَعَلَى الدَّافِعِ الدِّيَّةُ) لِوَرَثَةِ الْهَالِكِ (وَالْأَوَّلِ) تَلْسَعُهُ فَوَرَا (لَا) يَضُنُّ دَافِعُهَا عَلَيْهِ أَيْضًا

یعنی مگر جب وہ اس مقرر کی تصدیق کریں۔ ”قہستانی“ نے معاقل میں اس کو ثابت رکھا ہے، فتنہ۔ ایک آدمی نے کسی آدمی کو
جان بوجھ کر تیر مارا تو تیر اس سے نکل کر دوسرے کو جا لگا پھر دونوں مر گئے تو پہلے کے لیے اس سے قصاص لیا جائے گا۔ کیونکہ
یہ فعل عمد ہے اور دوسرے کے لیے اس کی عاقلہ پر دیت ہوگی۔ کیونکہ یہ خطا ہے۔ ایک سانپ ایک آدمی پر گرا تو اس نے
اسے اپنے آپ سے پرے پھینکا تو وہ سانپ دوسرے آدمی پر گرا اس نے اس کو اپنے آپ سے پرے پھینکا تو وہ تیسرے پر
گرا تو اس نے تیسرے کو ڈس لیا تو وہ ہلاک ہو گیا تو دیت کس پر ہوگی؟ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ سے ایک جماعت کی موجودگی
میں یہی سوال پوچھا گیا فرمایا: پہلا آدمی ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ سانپ نے دوسرے کو نقصان نہیں دیا اسی طرح دوسرا اور
تیسرا ضامن نہیں ہوگا اگرچہ وہ بہت زیادہ ہو جائیں جہاں تک آخری کا تعلق ہے اگر تو سانپ نے گرتے ہی فوراً اسے ڈسا
جب کہ کوئی مہلت نہ ہو تو پھینکنے والے پر ہلاک ہونے والوں کے وارثوں کے لیے دیت ہوگی۔ اگر سانپ نے فوراً اسے نہ
ڈسا ہو تو اس کی طرف پھینکنے والا بھی اس کا ضامن نہیں ہوگا

جائز نہیں ہوگا جب تک آقا اس کی تصدیق نہ کرے۔ کیونکہ جب اس کا اقرار جائز ہو تو غلام کی دیت اور اس کا اعتراف لازم
آئے گا۔ یہ امر میرے لیے اس محل کی وضاحت میں ظاہر ہوا ہے، قاتل۔ ان شاء اللہ کتاب المعاقل کے آخر میں حدیث کے
معنی کا بیان آئے گا۔

35068۔ (قوله: لِأَنَّهُ خَطَا) کیونکہ رمی (پھینکنے) کے ساتھ اس کا قصد نہیں کیا تھا۔ کیونکہ اس نے اس کے نالہ کا
قصد کیا تھا۔ لیکن وہ تیر پیچھے سے نکل کر دوسرے تک پہنچا یہ خطا کی نوعوں میں سے ایک نوع ہے۔ اور یہ خطا فی القصر ہے۔ پس
وہ اس طرح ہو گیا جس طرح ایک آدمی نے شکار کا قصد کیا تو وہ ایک آدمی کو جا لگا تو دیت اس کی عاقلہ پر واجب ہوگی،
”اتقانی“۔ اس سے یہ استفادہ ہوتا ہے اگر اس نے دونوں کا اکٹھے قصد کیا تھا تو دوسرا بھی عمد ہوگا۔ یہ ظاہر ہے۔

35069۔ (قوله: بِحَضْرَةِ جَمَاعَةٍ) ان میں ثوری، ابن ابی لیلیٰ اور شریک بن عبد اللہ تھے، ”منح“۔

35070۔ (قوله: لَوْ كَثُرُوا) یعنی اپنے آپ سے دور پھینکنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہو۔

35071۔ (قوله: فَعَلَى الدَّافِعِ الدِّيَّةُ) یعنی جس نے سب سے آخر میں پرے پھینکا اس پر دیت لازم ہوگی۔

فَاسْتَضَوُّوهُ جَمِيعًا، وَهَذِهِ مِنْ مَنَاقِبِهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ صَيْرَفِيَّةٌ وَمَجْمَعُ الْفَتَاوَى قَالَ الْمُصَنِّفُ وَبِهَذَا التَّفْصِيلِ أَجَبْتُ فِي حَادِثَةِ الْفَتَوَى، وَهِيَ أَنَّ كَلْبًا عَقُورًا وَقَعَ عَلَى آخِرِ فَالْقَاهُ عَلَى الثَّانِي وَالثَّانِي عَلَى الثَّالِثِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ فُرُوعُ أَلْقَى حَيَّةً أَوْ عَقْرَبًا فِي الطَّرِيقِ فَلَدَغَتْ رَجُلًا ضَبَنَ إِلَّا إِذَا تَحَوَّلَتْ ثُمَّ لَدَغَتْهُ وَضَعَ سَيْفًا فِي الطَّرِيقِ فَعَثَّرَ بِهِ إِنْسَانٌ وَمَاتَ وَكَسَرَ السَّيْفَ فِدَيْتُهُ عَلَى رَبِّ السَّيْفِ وَقِيَّتُهُ عَلَى الْعَاثِرِ ثَوْرٌ نَطُوحٌ سَيْرُهُ

تو تمام حاضرین نے اس کو صحیح قرار دیا۔ یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے مناقب میں سے ہے۔ ”صیرفیہ“ اور ”مجمع الفتاویٰ“۔ مصنف نے کہا: میں نے ”حادیۃ الفتویٰ“ میں اسی تفصیل کے مطابق فتویٰ دیا وہ یہ تھا ایک کانٹے والا کتا ایک آدمی پر گرا اس نے اسے دوسرے پر پھینکا اور دوسرے نے تیسرے پر پھینکا، واللہ اعلم۔ فروع: ایک آدمی نے راستہ میں سانپ یا بچھو پھینکا اس نے کسی آدمی کو ڈس لیا تو وہ پھینکنے والا ضامن ہوگا مگر جب وہ اپنی جگہ سے حرکت کرے پھر اس کو ڈسے۔ ایک آدمی نے راستہ میں تلوار رکھی ایک انسان اس سے لڑکھڑایا اور مر گیا اور تلوار کو توڑ دیا تو اس میت کی دیت تلوار کے مالک پر ہوگی۔ اور اس کی قیمت لڑکھڑانے والے پر ہوگی۔ ایک سینگ مارنے والا نبیل ہے جس کو اس نے چراگاہ میں چھوڑا

”رہی“ نے کہا: عاقلہ اس کی دیت کی ذمہ داری اٹھائے گا۔ جیسے یہ امر ظاہر ہے، تامل۔

امام الائمہ کی فضیلت

35072۔ (قوله: وَهَذِهِ مِنْ مَنَاقِبِهِ) کیونکہ زمانے کے فقہانے اس میں خطا کی ہے، ”منع“۔

35073۔ (قوله: فَلَدَغَتْ رَجُلًا) لدغت کا لفظ دال مہملہ اور عین مجمر کے ساتھ ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: لدغته

العقرب والحية لدغا وتلداغا۔ لدغ کا وزن منع ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے لدغته النار یہ لفظ ذال اور عین کے ساتھ ہے جس طرح ”قاموس“ میں ہے۔ جہاں تک دال اور عین کا تعلق ہے جس طرح بعض نسخوں میں ہے میں نے اس طرح نہیں دیکھا۔

35074۔ (قوله: ضَبَنَ) سابقہ مسئلہ میں ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے جواب کا مقتضایہ ہے کہ اس کی یہ قید لگائی جائے کہ وہ

فوراً اسے ڈسے۔ مگر جب پھینکنے کے بعد ساعت بھر ٹھہر جائے پھر ڈسے تو ضامن نہیں ہوگا۔ پس اس میں تدبر کیجئے، ”ط“۔

میں کہتا ہوں: ان کے قول فلدغت سے مستفاد ہے۔ کیونکہ اسے فا کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ لیکن یہ اس میں ظاہر ہے جب وہ اسے کسی آدمی پر پھینکے۔ اگر وہ راستہ میں ہو تو ”الخانیہ“ میں کہا: یعنی راستہ میں سانپ پھینکا تو وہ اس کا ضامن ہوگا جس کو وہ سانپ پہنچے یہاں تک کہ وہ اس مکان سے ہٹ جائے۔

35075۔ (قوله: فِدَيْتُهُ عَلَى رَبِّ السَّيْفِ) یعنی تلوار کے مالک کی عاقلہ پر ہوگی جس طرح کنویں کو کھدوانے

والے کا مسئلہ ہے، تامل۔

35076۔ (قوله: وَقِيَّتُهُ عَلَى الْعَاثِرِ) اس کے بعد ”تاتر خانیہ“ میں کہا: اگر وہ تلوار کی وجہ سے لڑکھڑایا پھر اس پر گر

لِلْمَرْعَى فَنَطَحَ ثَوْرَ غَيْرِهِ فَمَاتَ، إِنَّ أَشْهَدَ عَلَيْهِ ضَمِنَ وَإِلَّا لَا وَقَالَ فِي الْبَدَائِعِ لَا ضَمَانَ لِأَنَّ الشَّهَادَةَ إِنَّمَا يَكُونُ فِي الْحَائِطِ لَا فِي الْحَيَوَانِ نَاجِيَةً وَاعْلَمْ أَنَّهُ إِذَا دَاشَرَكَ قَاتِلُ الْعَنْدِ مَعَ مَنْ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ الْقَوْدُ كَأَجْنَبِيٍّ شَارَكَ الْأَبَ فِي قَتْلِ ابْنِهِ وَكَأَجْنَبِيٍّ شَارَكَ الرَّؤُوسَ فِي قَتْلِ زَوْجَتِهِ

اس نے دوسرے آدمی کے بیل کو سینگ مارا اور وہ مر گیا اگر اس پر وہ گواہ بنالے تو وہ ضامن ہوگا ورنہ وہ ضامن نہیں ہوگا۔ ”البدائع“ میں کہا: کوئی ضمانت نہیں ہوگی۔ کیونکہ گواہ تو بنائے جاتے ہیں جھکی دیوار میں، حیوان میں گواہ نہیں بنائے جاتے، ”ناجیہ“۔ یہ جان لو جب جان بوجھ کر قتل کرنے والا ایسے آدمی کے ساتھ شریک ہوتا ہے جس پر قصاص واجب نہیں ہوتا جیسے کوئی اجنبی ہو جو باپ کے ساتھ اس کے بیٹے کے قتل میں شریک ہو اور اس اجنبی کی طرح جو خاوند کے ساتھ اس کی بیوی کے قتل میں شریک ہو

گیا تو وہ تلوار ٹوٹ گئی اور آدمی مر گیا تو تلوار کا مالک لڑکھڑانے والے کی دیت کا ضامن ہوگا اور لڑکھڑانے والا کسی شے کا ضامن نہیں ہوگا۔ اس میں ہے: راستہ میں چلنے والا راستہ میں سونے والے سے لڑکھڑایا تو دونوں کی انگلیاں ٹوٹ گئیں تو ہر ایک کی عاقلہ پر وہ لازم ہوگا جو دوسرے کو نقصان پہنچا۔

35077۔ (قوله: إِنَّ أَشْهَدَ عَلَيْهِ ضَمِنَ) انسان کی جان اور اس کے عضو کے تلف ہونے میں جو چیز واجب ہوتی ہے وہ عاقلہ کے ذمہ ہوتی ہے اور اموال میں خاص کر مالک کے ذمہ ہوتی ہے جس طرح جھکی دیوار میں آئے گا، ”زیلعی“۔
35078۔ (قوله: وَقَالَ فِي الْبَدَائِعِ الْخ) ”المنح“ میں اس کے بعد کہا: میں کہتا ہوں: ”بزازیہ“ میں اسے یقین سے بیان کیا ہے اور اختلاف کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی اس کا شعور دلایا ہے۔

میں کہتا ہوں: ”بزازیہ“ میں جو قول ہے وہ یہ ہے: اس کا ایک کتا ہے جس کی عادت کاٹنا ہے جب بھی کوئی اس کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ اس کو کاٹتا ہے بستی والوں کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کو قتل کر دیں۔ اگر وہ انسان کو کاٹے اور وہ انسان اس کو قتل کر دے۔ اگر اس کتے کی طرف بڑھنے سے پہلے انسان قتل کرے تو کوئی ضمان نہ ہوگی۔ اگر اس کتے کی طرف بڑھنے کے بعد قتل کرے تو ضمان ہوگی جس طرح دیوار کے جھکنے کے بارے میں گواہ بنانے سے پہلے اور اس کے بعد کا حکم ہے (یعنی پہلے نقصان ہو تو ضمان نہیں بعد میں ضمان ہے)۔

”المنیہ“ میں بیل کے سینگ مارنے کے بارے میں حکم ہے: گواہ بنانے کے بعد وہ نفس اور مال کا ضامن ہوگا تو اس کے بارے میں یقین کا کیا حکم ہے۔ ”بزازیہ“ میں اس سے پہلے کہا: ایک آدمی نے سینگ مارنے والے بیل کو ایک انسان کی چراگاہ میں داخل کیا تو اس نے بچھڑے کو سینگ مارا تو ضامن نہیں ہوگا۔ اگر اس نے اس جزم سے وہم کیا ہے تو یہ ایسا توہم ہے جو ساقط ہے۔ کیونکہ اس نے اس میں اس چیز کو رکھا ہے جس پر گواہ نہیں بنائے گئے جس طرح یہ امر ظاہر ہے، ”رملی“۔ اس کی مکمل بحث جنایۃ البہیمۃ کے آخر میں آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس مسئلہ کے ذکر کا محل وہاں ہے۔

وَلَهُ مِنْهَا وَلَدٌ، وَكَعَامِدٍ مَعَ مُخْطِئٍ وَعَاقِلٍ مَعَ مَجْنُونٍ وَبَالِغٍ مَعَ صَغِيرٍ وَشَرِيكَ حَيَّةٍ وَسَبْعٍ كَمَا فِي الْخَانِيَّةِ (فَلَا قَوْدَ عَلَى أَحَدِهِمَا) أَيْ لَا قِصَاصَ عَلَى وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِيمَا ذَكَرَ (دَخَلَ رَجُلٌ بَيْتَهُ فَرَأَى رَجُلًا مَعَ امْرَأَتِهِ أَوْ جَارِيَّتِهِ فَقَتَلَهُ حَلًّا) لَهُ ذَلِكَ (وَلَا قِصَاصَ) عَلَيْهِ هَذَا سَاقِطٌ مِنْ نُسْخِ الْمَثْنِ ثَابِتٌ فِي نُسْخِ الشَّرْحِ مَعْنِيًا لِشَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ، وَقَدْ حَقَّقْنَا فِي بَابِ التَّعْزِيرِ فُرُوعَ صَبِيِّ مَحْجُورٍ قَالَ لَهُ رَجُلٌ شَدَّ فَرَسِي فَأَرَادَ شَدَّهَا فَرَفَسَتْهُ فَبَاتَ فِدِيَّتُهُ عَلَى عَاقِلَةٍ الْأَمْرِ

جب کہ اس خاوند کا اسی عورت سے ایک بیٹا ہے اور اس جان بوجھ کر قتل کرنے والے کی طرح ہے جو خطا کرنے والے کے ساتھ شریک ہوتا ہے اور عاقل کی طرح ہے جو مجنون کے ساتھ شریک ہوتا ہے اور بالغ کی طرح جو صغیر کے ساتھ شریک ہوتا ہے سانپ اور درندے کے ساتھ شریک ہونے والے کی طرح جس طرح ”الخانیہ“ میں ہے۔ پس دونوں میں سے کسی پر قصاص نہیں ہوگا اس میں جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک آدمی اپنے گھر میں داخل ہوا اس نے اپنی بیوی کے ساتھ یا اپنی لونڈی کے ساتھ مرد دیکھا اور اس کو قتل کر دیا یہ اس کے لیے حلال ہے اور اس پر کوئی قصاص نہیں ہوگا۔ یہ متن کے نسخہ سے ساقط ہے اور شرح کے نسخہ میں ثابت ہے جب کہ یہ ”شرح الوہبانیہ“ کی طرف منسوب ہے ہم نے باب التعزیر میں اس کو ثابت رکھا ہے۔ فروع: ایک مجبور بچہ ہے ایک آدمی نے اسے کہا: میرے گھوڑے کو باندھ دو تو اس بچے نے گھوڑے کو باندھنے کا ارادہ کیا گھوڑے نے اسے لات مار دی تو بچہ مر گیا تو اس کی دیت آمر کی عاقلہ پر ہوگی۔

35079۔ (قوله: وَلَهُ مِنْهَا وَلَدٌ) کیونکہ قصاص والد سے ساقط ہو جاتا ہے جس طرح مصنف نے اسے اپنے قول و سقط قود ورثہ علی ابیہ میں بیان کیا ہے اس وجہ سے شریک سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔

35080۔ (قوله: وَكَعَامِدٍ مَعَ مُخْطِئٍ) یا اس کے ساتھ جس کا فعل شبہ عمد ہو جس طرح عصا مارنا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی بیوی یا لونڈی کے ساتھ کسی دوسرے مرد کو دیکھے تو اسے قتل کرنا جائز ہے

35081۔ (قوله: فَرَأَى رَجُلًا مَعَ امْرَأَتِهِ) یا کسی اور مرد کی بیوی کے ساتھ جس کے ساتھ وہ زنا کر رہا تھا۔ ”خانیہ“۔

35082۔ (قوله: حَلًّا لَهُ) ”خانیہ“ میں اس کی یہ قید لگائی ہے: جب وہ محسن ہو اور جب وہ شور مچائے اور وہ زنا سے

نہر کے۔ پہلی قید میں کلام ہے۔ ”ابن وہبان“ نے اس کا رد کیا ہے۔ یہ حد میں سے نہیں بلکہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں سے ہے۔ ”النہر“ میں کہا: یہ حسن ہے۔ کیونکہ یہ ایسا منکر ہے جب قتل، اس کے ازالہ میں ایک طریق متعین ہو چکا ہے تو اس میں احسان کی شرط لگانے کا کوئی معنی نہیں۔ اسی وجہ سے ”بزازی“ نے اسے مطلقاً ذکر کیا ہے۔

35083۔ (قوله: وَقَدْ حَقَّقْنَا فِي بَابِ التَّعْزِيرِ) یعنی اس کے شروع میں، اس میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ عورت اگر

خوشی سے اس میں شریک ہو تو دونوں کو قتل کر دے۔ اگر مرد نے اسے مجبور کیا ہو تو عورت کو اس کے قتل کرنے کا حق ہے اور اس کا

وَكَذَٰلِكَ أَعْطَىٰ صَبِيًّا عَصًا أَوْ سِلَاحًا وَأَمَرَهُ بِحَبْلِ شَيْءٍ أَوْ كَسَبَ حَظِيًّا وَنَحْوِ ذَٰلِكَ بِإِذْنِ وَلِيِّهِ فَمَاتَ وَلَوْ
أَعْطَاهُ السِّلَاحَ وَلَمْ يَقُلْ أَمْسِكْهُ فَقَوْلَانِ - صَبِيٌّ عَلَىٰ حَائِطٍ صَاحِبِهِ رَجُلٌ فَوَقَعَ فَمَاتَ، إِنْ صَاحِبُهُ فَقَالَ
لَا تَقَعُ فَوْقَهُ لَا يَضُنُّ، وَلَوْ قَالَ قَعُ فَوْقَهُ ضَمِنَ بِهِ يَفْتَى - وَقِيلَ لَا يَضُنُّ مُطْلَقًا نَاجِيَةً، وَاللَّهُ أَعْلَمُ

اسی طرح اگر ایک آدمی نے بچے کو عصا یا اسلحہ دیا اور اسے کوئی شے اٹھانے یا لکڑی وغیرہ توڑنے کا حکم دیا جب کہ اس کے ولی نے اسے اجازت نہ دی ہو اور وہ مر گیا ہو اگر اس نے اسے اسلحہ دیا اور اسے یہ نہ کہا: اس کو پکڑے رکھو تو اس میں دو قول ہیں۔ ایک بچہ دیوار پر موجود ہے ایک آدمی نے اس کے متعلق شور مچایا اور کہا: گر نہ پڑنا تو وہ بچہ گر گیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اگر اس نے کہا: بچے چھلانگ لگا دو اس نے چھلانگ لگا دی تو اس کا ضامن ہوگا۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مطلقاً وہ ضامن نہ ہوگا، ”ناجیہ“ واللہ اعلم۔

خون رائیگاں جائے گا۔ لڑکے کا یہی حکم ہے یعنی جب قتل کے بغیر چھٹکارے کی کوئی صورت نہ ہو۔

35084۔ (قوله: وَكَذَٰلِكَ أَعْطَىٰ صَبِيًّا عَصًا أَوْ سِلَاحًا) تاکہ اس کو اس کے لیے پکڑ کر رکھے اور اسے کسی شے کا حکم نہ دیا تو بچہ اس کی وجہ سے مر گیا، ”منح“۔ ”تاتر خانہ“ میں کہا: انہوں نے اپنے قول عطب سے یہ ارادہ نہیں کیا کہ اس نے اسلحہ وغیرہ سے اپنے آپ کو قتل کر دیا۔ کیونکہ اس صورت میں اس دینے والے پر کوئی ضمانت نہ ہوگی انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ وہ اس کے ہاتھ سے اس کے بدن کے کسی حصہ پر گرا تو اس وجہ سے وہ ہلاک ہو گیا۔ خلاصہ یہ ہے: بچے کو اسلحہ دیا تو اس نے اپنے آپ کو یا کسی اور کو قتل کر دیا تو دینے والا بالاجماع ضامن نہیں ہوگا۔

35085۔ (قوله: فَمَاتَ) یعنی اس عمل میں مر گیا۔ ”خلاصہ“ میں ہے: اگر ایک آدمی کسی اور کے غلام کو لکڑیاں کانٹے کا یا کسی اور کے کام کا حکم دیا تو وہ اس کا ضامن ہوگا جو اس سے متولد ہوگا، ”ط“۔

35086۔ (قوله: فَقَوْلَانِ) مختار قول یہ ہے کہ ضمان بھی لازم ہوگی، ”تاتر خانہ“۔

35087۔ (قوله: صَبِيٌّ عَلَىٰ حَائِطٍ الْخ) بچے کی قید کا ذکر ہے کیونکہ بڑے آدمی پر جب کوئی آدمی شور مچائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا جس طرح ان کا کلام یہاں اور دوسرے مواقع پر وضاحت کر رہا ہے۔ لیکن ”تاتر خانہ“ میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے پر اچانک چیخ ماری تو دوسرا آدمی اس کی چیخ سے مر گیا تو اس میں دیت لازم ہوگی تو پہلے قول کو اس پر محمول کیا جائے گا جب وہ چیخ اچانک نہ ہو یا یہ روایت کا اختلاف ہے۔ ”مجمع الفتاویٰ“ میں ہے: اگر ایک آدمی نے اپنی صورت کو تہریل کیا اور بچے کو خوفزدہ کیا تو اس کو جنون کا مرض لاحق ہو گیا تو وہ ضامن ہوگا۔ ”رملی“، ملخص۔

35088۔ (قوله: ضَمِنَ) جس طرح وہ کہے: تو اپنے آپ کو پانی میں یا آگ میں پھینک دے اور اس نے اس طرح کر دیا تو وہ ضامن ہوگا۔ ”تاتر خانہ“ میں اسی طرح ہے، واللہ تعالیٰ۔

فَصْلٌ فِي الْفَعْلَيْنِ

(قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ ثُمَّ قَتَلَهُ أَخَذَ بِالْأَمْرَيْنِ) أَمَى بِالْقَطْعِ وَالْقَتْلِ (وَلَوْ كَانَا عَمْدَيْنِ أَوْ كَانَا (خَطَائِنِ أَوْ كَانَا (مُخْتَلِفَيْنِ) أَمَى أَحَدُهُمَا عَمْدٌ وَالْآخَرُ خَطَا تَخَلَّلَ بَيْنَهُمَا بَرٌّ أَوْ لَا فَيُؤْخَذُ بِالْأَمْرَيْنِ فِي الْكُلِّ بِلَا تَدَاخُلٍ

دو افعال کے احکام

ایک آدمی کا ہاتھ کاٹا پھر اس کو قتل کر دیا تو دونوں اموروں یعنی قطع اور قتل دونوں میں اس کا مواخذہ ہوگا۔ اگر دونوں عدا ہوں یا دونوں خطا ہوں یا دونوں مختلف ہوں جن کے درمیان صحت یا بی ہو یا دونوں کے درمیان صحت یا بی نہ ہو تو سب میں تداخل کے بغیر مواخذہ ہوگا

اسے بعد میں ذکر کیا کیونکہ یہ مفرد میں مرکب کے درجہ میں ہے۔

35089۔ (قوله: وَلَوْ كَانَا عَمْدَيْنِ) صحیح یہ ہے کہ واؤ کو ساقط کر دیا جائے تاکہ لو شرطیہ ہو جائے کیونکہ یہ واؤ کے ساتھ وصلیہ ہوتا ہے پس یہ اس امر کا فائدہ دے گا کہ تمام صورتوں میں اس سے دونوں امور کے بارے میں مواخذہ ہوگا۔ پس یہ ان کے قول الا فی الخطائین کے منقض ہوگا، الخ۔ تامل

دو فعلوں کے مواخذہ میں تداخل یا عدم تداخل کا حکم

35090۔ (قوله: فَيُؤْخَذُ بِالْأَمْرَيْنِ فِي الْكُلِّ) ”الکفایہ“ میں کہا: یہ جان لو قطع اور قتل اس سے خالی نہ ہوگا کہ دونوں کے درمیان صحت یا بی ہوگی یا صحت یا بی نہیں ہوگی۔ اگر درمیان میں صحت یا بی ہو تو ہر ایک، الگ فعل معتبر ہوگا اور اس کا دونوں فعلوں کے بارے میں مواخذہ ہوگا۔ کیونکہ پہلا حکم صحت یا بی کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے تو ایک دوسرے میں داخل نہیں ہوگا یہاں تک کہ اگر دونوں فعل عدا ہوں تو ولی کو قطع اور قتل کا اختیار ہوگا۔ اگر دونوں خطا ہوں تو ایک مکمل اور ایک نصف دیت لازم ہوگی۔ اگر قطع عدا ہو اور قتل خطا ہو تو ہاتھ میں قصاص ہوگا اور نفس میں دیت ہوگی۔ اگر اس کے برعکس ہو تو ہاتھ میں نصف دیت اور نفس میں قصاص ہوگا۔ اگر درمیان میں صحت یا بی نہ ہو اگر ایک عدا ہو اور دوسرا خطا ہو تو ہر ایک فعل علیحدہ شمار ہوگا، خطا میں دیت لازم ہوگی اور عدا میں قصاص لازم ہوگا۔ اگر دونوں خطا ہوں تو بالاتفاق ایک جنایت ہوگی۔ پس دیت لازم ہوگی۔ اگر دونوں عدا ہوں تو ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک اسے قتل کیا جائے گا اور اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک اگر ولی چاہے تو ہاتھ کاٹے اور قتل کرے اگر چاہے تو قتل کرے اور مجلس کے متحد ہونے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ یہی قول ظاہر ہے۔ ”نصر بن سلام“ سے مروی ہے: وہ کہا کرتے تھے: اختلاف اس صورت میں ہے جب وہ ایک مجلس میں ہاتھ کاٹے اور دوسری مجلس میں اسے قتل کرے اگر ایک مجلس میں دو فعل ہوں تو اس کو قتل کیا جائے گا۔ اور ائمہ کے نزدیک

(إِلَّا فِي الْخَطَائِنِ لَمْ يَتَخَلَّلْ بَيْنَهُمَا بَرٌّ) فَإِنَّهُمَا يَتَدَاخِلَانِ (فَيَجِبُ فِيهِمَا دِيَّةٌ وَاحِدَةٌ) وَإِنْ تَخَلَّلَ بَرٌّ لَمْ يَتَدَاخِلَا كَمَا عَلِمْتَ فَالْحَاصِلُ أَنَّ الْقَطْعَ إِمَّا عَمْدٌ أَوْ خَطَأً وَالْقَتْلُ كَذَلِكَ صَارَ أَرْبَعَةً، ثُمَّ إِمَّا أَنْ يَكُونَ بَيْنَهُمَا بَرٌّ أَوْ لَا صَارَ ثَمَانِيَّةً وَقَدْ عَلِمَ حُكْمُ كُلِّ مِنْهَا (كَمَنْ ضَرَبَهُ مِائَةٌ سَوْطٍ فَبَرًّا مِنْ تِسْعِينَ وَلَمْ يَبْقَ أَثَرُهَا) أَيْ أَثَرُ الْجِرَاحَةِ (وَمَاتَ مِنْ عَشْرَةٍ) فَفِيهِ دِيَّةٌ وَاحِدَةٌ، لِأَنَّهُ لَهَا بَرًّا مِنْ تِسْعِينَ لَمْ تَبْقَ مُعْتَبَرَةً إِلَّا فِي حَقِّ التَّعْزِيرِ، وَكَذَلِكَ كُلُّ جِرَاحَةٍ انْدَمَلَتْ وَلَمْ يَبْقَ لَهَا أَثَرٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

مگر جب دونوں خطا ہوں درمیان میں صحت یا بی نہ ہو۔ دونوں متداخل ہوں گے پس ان دونوں میں ایک دیت واجب ہوگی اگر درمیان میں صحت یا بی ہو جائے تو دونوں متداخل نہ ہوں گے جس طرح تو جان چکا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ قطع یا تو عمداً ہوگا یا خطا ہوگا یا قتل اسی طرح ہوگا تو یہ چار ہو جائیں گے۔ پھر یا ان دونوں کے درمیان صحت یا بی ہوگی یا صحت یا بی نہ ہوگی تو یہ آٹھ صورتیں ہو گئیں۔ ان میں سے ہر ایک کا حکم معلوم ہو چکا ہے جس طرح اس کو سو کوڑے مارے اور وہ نوے سے صحت یا ب ہو گیا یعنی زخم کا اثر باقی نہ رہا اور دس سے مر گیا تو اس میں ایک دیت لازم ہوگی۔ کیونکہ جب وہ نوے سے صحت یا ب ہو گیا تو وہ معتبر نہ رہے مگر تعزیر کے حق میں معتبر رہے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا ہر اس زخم کا جو مندمل ہو جائے اور اس کا اثر باقی نہ رہے۔ یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔

اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ ملخص

35091۔ (قوله: إِلَّا فِي الْخَطَائِنِ) یہ ان کے قول اخذ بالامرین سے مستثنیٰ ہے، ”طوری“۔

35092۔ (قوله: فَيَجِبُ فِيهِمَا دِيَّةٌ وَاحِدَةٌ) یعنی دونوں میں قتل کی دیت واجب ہوگی۔ کیونکہ قطع کی دیت یہ اس وقت واجب ہوتی ہے جب فعل کا اثر مستحکم ہو وہ یہ ہے کہ اسے معلوم ہو کہ وہ سرایت نہ کرے۔ اس کی مکمل بحث ”ابن کمال“ میں ہے۔

35093۔ (قوله: صَارَ ثَمَانِيَّةً) ان میں سے ہر ایک یا تو ایک شخص سے واقع ہوں گے یا دو شخصوں سے واقع ہوں گے تو یہ سولہ صورتیں بنتی ہیں۔ اگر یہ دونوں فعل دو اشخاص سے واقع ہوں تو دونوں میں سے ہر ایک کے ساتھ قصاص اور دیت لینے کے اعتبار سے جو حکم ہوگا وہی اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ یہ حکم مطلق ہے۔ کیونکہ تداخل یہ محل کے متحد ہونے کے اعتبار سے ہوتا ہے اس کے علاوہ تداخل نہیں ہوتا، ”عنایہ“۔

35094۔ (قوله: فَبَرًّا مِنْ تِسْعِينَ الْخ) یہ حکم اس صورت میں ہے جب دس ضربیں ایک جگہ اور نوے ضربیں دوسری جگہ لگائی گئی ہوں تو نوے والی جگہ ٹھیک ہوگئی اور دس والی جگہ میں زخم سرایت کر گیا ورنہ یہ ممکن نہیں کہ دس کے سرایت کرنے اور نوے کے صحیح ہونے کا اعتبار کیا جائے، ”معراج“۔

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ فِي مِثْلِهِ حُكُومَةُ عَدْلٍ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ تَجِبُ أَجْرَةُ الطَّبِيبِ وَثَمَنُ الْأَدْوِيَةِ دُرٌّ وَصَدْرُ شَرِيعَةٍ وَهَدَايَةٌ وَغَيْرُهَا (وَتَجِبُ حُكُومَةُ) عَدْلٍ مَعَ دِيَةِ النَّفْسِ (فِي مِائَةِ سَوِّطٍ جَرَحَتْهُ وَبَقِيَ أَثَرُهَا) بِالْإِجْمَاعِ لِبَقَاءِ الْأَثَرِ وَوُجُوبِ الْأَرْضِ بِاعْتِبَارِ الْأَثَرِ هَدَايَةٌ وَغَيْرُهَا وَفِي جَوَاهِرِ الْفَتَاوَى رَجُلٌ جَرَحَ رَجُلًا فَعَجَزَ الْمَجْرُوحُ عَنِ الْكَسْبِ يَجِبُ عَلَى الْجَارِحِ النَّفَقَةُ وَالْمُدَاوَاةُ وَفِيهَا رَجُلٌ جَاءَ بِعَوَانٍ إِلَى رَجُلٍ فَضَرَبَهُ الْعَوَانُ فَعَجَزَ عَنِ الْكَسْبِ فَالْمُدَاوَاةُ الْمَضْرُوبِ وَنَفَقَتُهُ عَلَى الَّذِي جَاءَ بِالْعَوَانِ

امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے اس کی مثل میں عادل کا فیصلہ ہے۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے یہ مروی ہے: طبیب کی اجرت اور ادویہ کی ثمن واجب ہوگی، ”درر“، ”صدر شریعہ“، ”ہدایہ“ وغیرہ۔ عادل کا فیصلہ واجب ہوگا ساتھ ہی نفس کی دیت لازم ہوگی اس صورت میں جب وہ سو کوڑے مارے اور اس کا اثر باقی رہے۔ یہ بالاجماع ہے۔ کیونکہ اثر باقی ہے اور چچی کا وجوب اثر کے اعتبار سے ہے ”ہدایہ“ وغیرہ۔ ”جواهر الفتاویٰ“ میں ہے: ایک آدمی نے ایک آدمی کو زخمی کر دیا اور زخمی کمائی کرنے سے عاجز آگیا تو زخمی کرنے والے پر نفقہ اور دوائی لازم ہوگی۔ اس میں ہے: ایک آدمی ظالم سپاہی کے ساتھ ایک آدمی کی طرف آیا اور مددگار نے اسے مارا تو وہ کمائی سے عاجز آگیا تو مضروب کی دوائی اور اس کا نفقہ اس آدمی پر ہوگا جو سپاہی لایا تھا۔

35095۔ (قوله: وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ فِي مِثْلِهِ حُكُومَةُ عَدْلٍ) یعنی دیت کے ساتھ عادل کا فیصلہ ہے، ”رملی“۔

35096۔ (قوله: وَتَجِبُ حُكُومَةُ عَدْلٍ) اس کی تفسیر یہ ہے: اگر ایک غلام زخمی ہو تو زخمی ہونے کے ساتھ اس کی کتنی

قیمت ہے اور زخمی نہ ہونے کی صورت میں اس کی کیا قیمت ہے تو وہ اس تفاوت کا ضامن ہوگا جو دونوں میں ہے یعنی آزاد میں دیت کے اعتبار سے اور غلام میں قیمت کے اعتبار سے کفایہ جو تفاوت ہے۔

35097۔ (قوله: مَعَ دِيَةِ النَّفْسِ) اس میں ہے کہ مسئلہ اس صورت میں فرض کیا گیا ہے جب زخم کا اثر باقی ہو اور یہ

زخم کے ٹھیک ہونے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے ”الملتقی“ میں مسئلہ کو اس قول و لم یست کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی کو زخمی کر دے تو نفقہ اور دوائی زخمی کرنے والے پر لازم ہوگی

35098۔ (قوله: فَعَجَزَ الْمَجْرُوحُ عَنِ الْكَسْبِ) یعنی جب تک زخم موجود رہا۔ اس میں غور و فکر کیجئے اگر وہ کمائی سے

اصلاً عاجز آجائے ظاہر یہ ہے کہ جب دیت کا فیصلہ کر دیا گیا یا عادل نے فیصلہ کر دیا تو کوئی شے واجب نہ ہوگی، ”ط“۔

35099۔ (قوله: جَاءَ بِعَوَانٍ) اس سے مراد ایک ہے یہ ظالموں کے پیروکاروں ہوتے ہیں۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ

عون ذکر کرتے۔ کیونکہ یہ اس طرح ہے جس طرح ”قاموس“ میں ہے۔ ظہیر واحد، جمع اور مؤنث کے لیے آتا ہے اس کی جمع مکسر اعوان آتی ہے۔ کیونکہ وہ ظالم کی حمایت کرتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے۔ ”بزازیہ“ میں ہے: علما نے فتویٰ دیا ہے کہ اعونہ اور سعات کو فتنہ کے ایام میں قتل کرنا جائز ہے، ”ط“۔ ملخص۔

قَالَ الْمُصَنِّفُ وَظَاهِرٌ أَنَّهُ مُفْرَعٌ عَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ قُلْتُ وَقَدْ مَنَّاكَ مَعَزِيًّا لِلْمُجْتَبَى عَنْ أَبِي يُوسُفَ وَنَحْوِهِ، وَسَنُحَقِّقُهُ فِي الشَّجَاكِ (وَمَنْ قُطِعَ) أَمَى عَمْدًا

مصنف نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ یہ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر مفرع ہے۔ میں کہتا ہوں: ہم نے اسے بیان کیا ہے جب کہ یہ ”مجتبیٰ“ کی طرف منسوب ہے۔ اور امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی مثل مروی ہے۔ ہم ”فصل الشجاج“ میں اس کو ثابت کریں گے۔ جس کا ہاتھ جان بوجھ کر

35100۔ (قوله: وَظَاهِرٌ أَنَّهُ) یعنی ”جواہر الفتاویٰ“ میں ہے امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر مفرع ہے یعنی امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے جس طرح قول گزر چکا ہے کہ وہ زخم جس کا اثر باقی نہ رہا ہو اس میں طبیب کی اجرت اور دواؤں کی ثمن واجب ہوگی ”رملی“ نے اسے بیان کیا ہے، فافہم۔ اس کو ذہن نشین کر لو۔

”الفتاویٰ النعمیہ“ میں جو ہمارے مشائخ کے شیخ ”ساحانی“ کی تالیف ہے میں ہے: جب اس نے کسی دوسرے شخص کے ہاتھ پر ضرب لگائی اور اس کو توڑ دیا اور کمائی سے عاجز آ گیا تو ضارب پر دوائی اور نفقہ لازم ہوگا یہاں تک کہ وہ بری ہو جائے۔ جب وہ بری ہو جائے گا اور اس کا ہاتھ معطل ہو جائے اور وہ شل ہو جائے تو اس کی دیت واجب ہوگی۔ ظاہر یہ ہے کہ جو کچھ صرف کیا گیا ہے اس کا دیت میں سے حساب کیا جائے گا۔

اس میں ہے: زخمی جب صحیح ہو جائے اور اثر زائل ہو جائے تو زخمی کرنے والے پر طبیب کی اجرت اور ادویہ کی ثمن لازم ہوگی۔ یہ ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے۔ اور استحسان وہ ہے جسے ”صدر“ نے ذکر کیا ہے، ملخص۔ تامل۔ اس کی تمام بحث فصل الشجاج میں آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

35101۔ (قوله: وَقَدْ مَنَّاكَ) یعنی سابقہ باب میں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

35102۔ (قوله: وَنَحْوِهِ) یعنی اس کی مثل جو امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔

35103۔ (قوله: وَسَنُحَقِّقُهُ فِي الشَّجَاكِ) اس کے باب کے آخر میں اس کا حاصل یہ ہے کہ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ

کا قول ہے کہ اس میں درر کی چٹی ہوگی۔ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے قول سے یہی مراد ہے۔

35104۔ (قوله: وَمَنْ قُطِعَ الْخ) یہ مجہول کا صیغہ ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے: معافی یا تو اس سے فعل سے زائل ہو جائے۔

عمداً کیا گیا ہوگا یا خطاً کیا گیا ہوگا۔ ہر ایک صورت میں یا تو صرف قطع سے ہوگی یا جنایت سے ہوگی یا قطع اور جو اس سے پیدا ہوا اس سے ہوگی۔ اگر جنایت عمداً ہو اور قطع کو معاف کر دے تو یہ اس زخم کے سرایت کرنے سے معافی نہ ہوگی۔ ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر وہ جنایت کو معاف کرے یا قطع اور جو اس سے پیدا ہوا اس کو معاف کرے تو وہ قطع اور سرایت دونوں سے بری ہو جائے گا۔ جب جنایت خطاً ہو اور وہ قطع کو معاف کر دے پھر وہ سرایت کر جائے تو یہ اختلاف پر مبنی ہوگا۔ اگر وہ قطع اور جو اس سے پیدا ہوا اس کو یا جنایت کو معاف کر دے تو یہ سب کی جانب سے معافی صحیح ہوگی۔ اور عمد کی

أَوْ خَطَاً بِدَلِيلٍ مَا يَأْتِي، وَبِهِ صَرَّحَ فِي الْبُرْهَانِ كَمَا فِي الشُّرُوحِ نُبْلَايَةِ، لَكِنْ فِي الْقَهْصَتَيْنِ عَنْ شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ أَنَّ الدِّيَّةَ عَلَى الْعَاقِلَةِ فِي الْخَطَا، وَمَنْ ظَنَّ أَنَّهَا عَلَى الْقَاطِعِ فِي الْخَطَا فَقَدْ أَخْطَأَ وَكَذًا لَوْ شَجَّ أَوْ جَرَحَ (فَعَفَا عَنْ قَطْعِهِ) أَوْ شَجَّتِهِ أَوْ جَرَحَتِهِ (فَمَاتَ مِنْهُ ضَمِنَ قَاطِعُهُ الدِّيَّةَ) فِي مَالِهِ خِلَافًا لِهَمَّا قُلْنَا إِنَّهُ عَفَا عَنْ الْقَطْعِ وَهُوَ غَيْرُ الْقَتْلِ

یا خطا قطع کیا گیا اس تعبیر کی دلیل وہ ہے جو آگے آئے گی۔ ”برہان“ میں اس کی تصریح کی ہے جس طرح ”شر نبلائیہ“ میں ہے۔ لیکن ”قہستانی“ میں ”شرح الطحاوی“ سے مروی ہے کہ قتل خطا میں دیت عاقلہ پر ہوگی اور جس نے گمان کیا کہ وہ قاطع پر ہوگی تو اس نے خطا کی اس طرح کا حکم ہوگا۔ اگر وہ زخمی کر دے یا جراحت لگائے اور اس کے قطع، شج یا جراحت کو معاف کر دے اور وہ آدمی اس وجہ سے مر جائے تو اس کا قاطع اپنے مال میں دیت کا ضامن ہوگا۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں: اس نے قطع کو معاف کر دیا ہے جب کہ یہ قتل کے علاوہ ہے۔

صورت میں ارش پورے مال سے ہوگی اور خطا کی صورت میں ایک تہائی سے ہوگی۔

35105۔ (قوله: بِدَلِيلٍ مَا يَأْتِي) کیونکہ انہوں نے آنے والا مسئلہ میں عدا اور خطا میں فرق کیا ہے اور یہاں سے مطلقاً ذکر کیا ہے۔

35106۔ (قوله: لَكِنْ فِي الْقَهْصَتَيْنِ) یہ اطلاق پر استدراک ہے۔ کیونکہ یہ قطع کے تمام احکام میں عدا اور خطا میں اشتراک کا فائدہ دیتا ہے حالانکہ عنقریب آئے گا کہ حریت قاطع کے مال میں واجب ہوگی۔ تو یہ امر متعین ہو جائے گا کہ مراد صرف عدا ہے۔ کیونکہ صحیح یہ ہے کہ خطا میں دیت عاقلہ کے ذمہ ہوگی۔

”الکفایہ“ میں یہ جواب دیا ہے کہ ان کا قول فی مالہ یہ دونوں میں سے ایک نوع کا بیان ہے یعنی اگر وہ فعل عدا ہو تو اس پر اس کے مال میں دیت ہوگی لیکن مصنف نے اپنے قول میں لم یقید کی قید نہیں لگائی پس اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

35107۔ (قوله: وَكَذًا لَوْ شَجَّ) مصنف کے آنے والے قول سے اس سے استغنا حاصل ہو جاتی ہے۔ الشیخ اس کی مثل ہے، ”ط“۔

35108۔ (قوله: فَعَفَا عَنْ قَطْعِهِ) یعنی یہ نہیں کہا: وما یحدث منه اور عن الجنایة نہیں کہا۔

35109۔ (قوله: ضَمِنَ قَاطِعُهُ) اس کا قاطع اسی طرح اس کا شاج اور جارح ضامن ہوگا۔

35110۔ (قوله: فِي مَالِهِ) کیونکہ عاقلہ عدا کی متحمل نہیں ہوتی یعنی عاقلہ اس جرم کی ذمہ دار نہیں ہوتی، جو جان بوجھ کر کیا گیا ہو۔

35111۔ (قوله: خِلَافًا لِهَمَّا) کیونکہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے فرمایا: یہ نفس کو بھی معاف کرنا ہے۔ کیونکہ یہ اسکے حکم کو معاف کرنا ہے۔

35112۔ (قوله: وَهُوَ غَيْرُ الْقَتْلِ) چاہیے یہ تھا کہ قصاص واجب ہو یہی قیاس ہے۔ کیونکہ وہی عدا کا موجب ہے مگر

(وَلَوْ عَفَا عَنِ الْجَنَايَةِ أَوْ عَنِ الْقَطْعِ وَمَا يَحْدُثُ مِنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ عَنِ النَّفْسِ) فَلَا يَضُنُّ شَيْئًا، وَحِينَئِذٍ قَالَ خَطَا يُعْتَبَرُ مِنْ ثُلُثِ مَالِهِ فَإِنْ خَرَجَ مِنَ الثُّلُثِ فِيهَا وَإِلَّا فَعَلَى الْعَاقِلَةِ ثُلُثَا الدِّيَةِ كَمَا فِي شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ، فَمَنْ ظَنَّ أَنَّهَا عَلَى الْقَاطِعِ فَقَدْ أَخْطَأَ قَطْعًا،

اگر وہ جنایت کو معاف کر دے یا قطع اور جو اس پر مرتب ہوتا ہے اس کو معاف کر دے تو یہ نفس کو معاف کرنا ہے۔ پس وہ کسی شے کا ضامن نہیں ہوگا۔ اس وقت خطا اس کے مال کے تہائی سے معتبر ہوگی۔ اگر وہ ایک تہائی مال سے نکلے تو ٹھیک ورنہ عاقلہ پر دیت کا دو تہائی ہوگا جس طرح ”شرح الطحاوی“ میں ہے۔ جس نے یہ گمان کیا کہ یہ قاطع کے ذمہ ہے تو اس نے قطعاً خطا کی۔

استحسان میں دیت واجب ہوگی۔ کیونکہ عفو کی صورت نے شبہ پیدا کیا اور یہ قیاس کو ختم کرنے والی ہے، ”ہدایہ“۔

35113۔ (قوله: وَلَوْ عَفَا عَنِ الْجَنَايَةِ) یعنی وہ جنایت جو عداً واقع ہوئی یا خطاً واقع ہوئی خواہ اس نے اس کے

ساتھ یہ ذکر کیا ہو ما یحدث منها یا اس نے اس کا ذکر نہ کیا ہو، ”قہستانی“۔

35114۔ (قوله: فَهُوَ عَفْوٌ عَنِ النَّفْسِ) کیونکہ جنایت اس کو شامل ہے جو سرایت کر جائے اور اس کو بھی شامل ہے

جو سرایت نہ کرے اس کا قطع اور جو اس سے جنم لے اس میں صریح ہے۔ صرف قطع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ قتل کا غیر ہے جس طرح پہلے بیان کیا ہے۔ پس یہ سرایت کرنے والے کو شامل نہ ہوگا۔

35115۔ (قوله: فَلَا يَضُنُّ شَيْئًا) یعنی دیت میں سے کسی شے کا ضامن نہیں ہوگا۔ یہ عہد میں ظاہر ہے۔ اسی طرح

کا حکم خطا میں ہوگا اگر وہ ایک تہائی سے نکلے ورنہ اس کی عاقلہ پر اس کے حساب سے ہوگی جس طرح ”شربلہ“ میں اس کو بیان کیا ہے۔

خطا میں عفو ایک تہائی سے معتبر ہوگا

35116۔ (قوله: قَالَ خَطَا الْخ) یعنی خطا میں عفو ایک تہائی سے معتبر ہوگا۔ ”المحیط“ میں کہا: یہ عاقلہ کے لیے وصیت

ہوگی خواہ ان میں سے قاتل ایک ہو یا ایسا نہ ہو۔ کیونکہ قاتل کے لیے وصیت جب قاتل کے لیے صحیح نہ ہو تو وہ عاقلہ کے لیے صحیح ہوگی جس طرح ایک آدمی زندہ اور میت کے لیے وصیت کرے تو تمام وصیت زندہ کے لیے ہوگی۔ اس سے اس اعتراض کا فساد ظاہر ہو جائے گا جو کیا گیا کہ قاتل کے لیے وصیت صحیح نہیں اور جب وہ عاقلہ میں سے ایک ہے تو پھر پورے ایک تہائی سے، کیسے جائز ہے، قاتل، ”طوری“۔

35117۔ (قوله: مِنْ ثُلُثِ مَالِهِ) کیونکہ خطا کا موجب مال ہے اور اس کے ساتھ وارثوں کا حق متعلق ہوتا ہے پس

ایک تہائی سے معتبر ہوگا، ”ہدایہ“۔

35118۔ (قوله: وَإِلَّا فَعَلَى الْعَاقِلَةِ ثُلُثَا الدِّيَةِ) یعنی جب معاف کرنے والے کا اس کے علاوہ کوئی مال نہ ہو۔

اگر مال ہو تو وہ اسی حساب سے ہوگا۔ اگر وہ کہے: والا فعلی العاقلہ بقدرہ تو یہ زیادہ مختصر اور زیادہ ظاہر ہوتا۔

وَمُفَادُهُ أَنَّ عَفْوَ الصَّحِيحِ لَا يُعْتَبَرُ مِنَ الثُّلُثِ ذِكْرُهُ الْقَهْطَانِي (وَالْعَمْدُ مِنْ كُلِّهِ) لِتَعَلُّقِ حَقِّ الْوَرَثَةِ بِالْبِدْيَةِ لَا بِالْقَوْدِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَالٍ (وَالشَّجَّةُ مِثْلُهُ) أَيْ مِثْلُ الْقَطْعِ حُكْمًا وَخِلَافًا (قَطَعَتْ امْرَأَةً يَدَ رَجُلٍ عَمْدًا) أَيْ أَوْ خَطَأً لِمَا يَأْتِي؛ فَلَوْ أَطْلَقَ كَمَا سَبَقَ وَكَالْمِثْلَتَيْنِ وَغَيْرِهِ كَانَ أَوَّلَى فَتَأَمَّلْ (فَنَكَحَهَا) النَّقْطُوعُ يَدُهُ

اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ صحیح کی معافی ایک تہائی سے معتبر نہیں ہوگی۔ ”قہستانی“ نے اس کو ذکر کیا ہے۔ اور عمدہ پورے مال سے معتبر ہوگا۔ کیونکہ دونوں کا حق دیت سے متعلق ہوا ہے قصاص سے متعلق نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ مال نہیں، شجہ حکم اور اختلاف میں قطع کی مثل ہے۔ ایک عورت نے ایک مرد کا ہاتھ جان بوجھ کر قطع کیا یا خطا قطع کیا اس کی دلیل وہ ہے جو آگے آرہی ہے۔ اگر وہ اس کو مطلق ذکر کرتے جس طرح پہلے گزر چکا ہے اور ”ملتقی“ وغیرہ کی طرح تو یہ زیادہ بہتر ہوتا۔ پس اس میں غور و فکر کرو۔ جس کا ہاتھ کاٹا گیا تھا اس نے اس عورت سے اپنے ہاتھ پر

35119۔ (قوله: وَمُفَادُهُ) ایک تہائی سے معافی کے اعتبار سے یہ مستفاد ہوتا ہے اگر معاف کرنے والا صحیح ہو یعنی صحیح کے حکم میں ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ صاحب فراش نہ ہو، ”تاتر خانہ“ میں اس کی تصریح کی ہے کہ وہ جنایت کے بعد نکلتا تھا، آتا تھا اور جاتا تھا تو ایک تہائی سے اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ تمام مال سے اعتبار کیا جائے گا۔ یہ بعض مشائخ کا قول ہے: ”تاتر خانہ“ میں کہا: ”المستقی“ میں یہ ذکر کیا ہے کہ یہ ایک تہائی میں سے ہے۔

35120۔ (قوله: وَالْعَمْدُ مِنْ كُلِّهِ) اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہاں موجب قصاص ہے وہ مال نہیں تو اس قول کی کوئی وجہ نہیں کہ یہ تمام مال سے ہو۔

بعض اوقات یہ جواب دیا جاتا ہے کہ یہاں قصاص معافی سے ساقط ہو گیا ہے لیکن جب معاف کرنے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ دیت پر وہ صلح کر لیتا تو اس وہم کا امکان ہے کہ اس کے معاف کرنے میں وارثوں کے حق کا ابطال ہو تو کہا: یہ تمام مال سے ہوگا۔ کیونکہ اصلی حکم وہ قصاص ہے اور ان وارثوں کا حق یہ مال سے متعلق ہوتا ہے، تامل۔

35121۔ (قوله: وَالشَّجَّةُ مِثْلُهُ) اسی طرح جراحہ ہے جس طرح پہلے بیان کیا ہے۔ پس شجہ اور جراحہ سے معافی یہ قطع سے معافی کی طرح ہے اس معاملہ میں کہ زخم سرایت کرنے سے دیت کی ضمانت ہوگی۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہا نے اس سے اختلاف کیا ہے ان دونوں سے معافی، ساتھ ہی جو ان دونوں سے جنم لے سے معافی، یہ قطع اور جو اس سے جنم لے سے معافی کی طرح ہے۔

35122۔ (قوله: قَطَعَتْ امْرَأَةً الْخ) یہ مسئلہ سابقہ مسئلہ پر متفرع ہے جس طرح ”تاتر خانہ“ میں ہے۔

35123۔ (قوله: لِمَا يَأْتِي) یعنی عمدہ اور خطا کے حکم کے بیان میں اس کا ذکر آئے گا۔

35124۔ (قوله: فَلَوْ أَطْلَقَ) یعنی اگر عمدہ کے ساتھ مقید نہ کرتے جس طرح سابقہ مسئلہ میں کیا ہے۔

(عَلَى يَدِهِ ثُمَّ مَاتَ) فَلَوْلَمْ يَمُتْ مِنَ السَّيِّئَةِ فَمَهْرُهَا الْأَرْضُ، وَلَوْ عَمْدًا إِجْمَاعًا (يَجِبُ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ (مَهْرٌ مِثْلُهَا وَالِدِيَّةُ فِي مَالِهَا إِنْ تَعَدَّتْ) وَتَقَعُ الْمُقَاصَّةُ بَيْنَ الْمَهْرِ وَالِدِيَّةِ إِنْ تَسَاوَا

نکاح کیا پھر وہ مر گیا اگر وہ زخم کے سرایت کرنے سے نہ مرتا تو اس کا مہر چٹی ہوتی اگرچہ قطع ید عدا ہو۔ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا مہر مثل واجب ہوگا اور اس کی دیت اس عورت کے مال میں سے واجب ہوگی اگر وہ یہ فعل جان بوجھ کر کرتی۔ اور مہر اور دیت میں ادلے کا بدلہ واقع ہوگا اگر وہ دونوں برابر ہوں

35125۔ (قوله: عَلَى يَدِهِ) یعنی اس کے ہاتھ پر جو حکم مرتب ہوگا اس پر نکاح کیا۔ ”معراج“۔

35126۔ (قوله: مِنَ السَّيِّئَةِ) یعنی قطع ہلاکت تک سرایت کر جائے۔ اس کے ساتھ مقید کیا ہے تاکہ یہ اس کو شامل

ہو جب وہ اصلاً نہ مرا ہو یا کسی اور وجہ سے مر گیا ہو۔

35127۔ (قوله: فَمَهْرُهَا الْأَرْضُ) وہ پانچ ہزار درہم ہیں۔

35128۔ (قوله: وَلَوْ عَمْدًا) خواہ اس نے قطع پر شادی کی ہو یا قطع ید اور جو اس کے بعد واقع ہوتا ہے یا جنایت پر

نکاح کیا۔ کیونکہ جب وہ صحت یاب ہو گیا تو یہ امر واضح ہو گیا کہ اس کا حکم ارش ہے قصاص نہیں۔ کیونکہ قیاس اطراف میں مرد اور عورت کے درمیان جاری نہیں ہوتا اور ارش مہر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ”کفایہ“۔

35129۔ (قوله: عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) اس کی اصل وہ ہے جو مسئلہ مقدم میں گزر چکا ہے کہ قتل، شجہ اور ید سے معافی

جب نفس تک سرایت کر جائے ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ نفس سے عفو نہیں اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے عفو ہے، ”اتقانی“۔

”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک یہاں حکم آنے والے حکم کی طرح ہے جب وہ اس عورت سے ہاتھ اور اس پر جو وقوع

پذیر ہوتا ہے اس پر شادی کرے۔

35130۔ (قوله: إِنْ تَعَدَّتْ) یہ ان کے قول: وَالِدِيَّةُ فِي مَالِهَا کی قید ہے۔ جہاں تک مہر مثل کے وجوب کا تعلق

ہے تو یہ مطلق ہے۔ کیونکہ قطع ید اگر عدا ہو تو یہ طرف میں قصاص پر شادی ہوگی جب کہ یہ مال نہیں بلکہ یہ مہر بننے والا نہیں رکھے گا۔ پس اس کے لیے مہر مثل واجب ہوگا۔

یہ اعتراض نہ کیا جائے: قصاص مرد اور عورت کے درمیان طرف میں جاری نہیں ہوتا تو اس پر کیسے شادی ہوگی۔

کیونکہ ہم کہتے ہیں: قتل عدا کا اصلی حکم قصاص ہے۔ بے شک یہ عذر کی وجہ سے ساقط ہوگا۔ پھر اس کے مال میں اس پر دیت لازم ہوگی کیونکہ تزوج اگرچہ عضو کو متضمن ہے لیکن یہ طرف میں قصاص کے بدلے میں ہے۔ جب وہ زخم سرایت کر گیا تو یہ واضح ہو جائے گا کہ یہ نفس کا قتل ہے اور عفو اسے شامل نہ ہوگی۔ پس اس کے مال میں دیت واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ عدا ہے اگر قطع ید خطا ہو تو یہ ہاتھ کی دیت پر شادی ہوگی جب وہ نفس تک سرایت کر جائے تو یہ امر واضح ہو گیا کہ ہاتھ کی کوئی دیت نہیں

وَالَا تَرَادَّا الْفُضْلَ (وَعَلَى عَاقِلَتِهَا إِنْ أَخْطَأَتْ) فِي قَطْعِ يَدِهِ وَلَا يَتَّقَا صَانٍ لِأَنَّ الدِّيَّةَ عَلَى الْعَاقِلَةِ فِي الْخَطَا، بِخِلَافِ الْعَنْدِ فَإِنَّ الدِّيَّةَ عَلَيْهَا، وَالْمَهْرُ عَلَى الزَّوْجِ فَيَتَّقَا صَانٍ قُلْتُ وَقَالَ صَاحِبُ الدَّرَرِ يَنْبَغِي أَنْ تَقَعَ الْمُقَاصَّةُ فِي الْخَطَا أَيْضًا لِأَنَّهَا عَلَيْهَا دُونَ الْعَاقِلَةِ عَلَى الْقَوْلِ الْمُخْتَارِ فِي الدِّيَّةِ، لَكِنَّهُ لَيْسَ عَلَى إِطْلَاقِهِ بَلْ فِي الْعَجَمِ وَلَعَلَّهُ أَطْلَقَهُ لِحَالَتِهِ لِيَحِلَّهِ فَلْيُحْفَظْ (وَإِنْ نَكَحَهَا عَلَى الْيَدِ وَمَا يَحْدُثُ مِنْهَا أَوْ عَلَى الْجَنَائَةِ

ورنہ زائد کو واپس لے لیں گے۔ اور اس کی عاقلہ پر دیت ہوگی اگر اس کے ہاتھ کے کاٹنے میں خطا کریں اور وہ باہم ادلے کا بدلہ نہ کریں گے۔ کیونکہ خطا میں دیت عاقلہ پر ہوتی ہے۔ عمد کا مسئلہ مختلف ہے۔ کیونکہ دیت اس کے ذمہ لازم ہوگی اور مہر خاوند کے ذمہ ہوگا۔ پس وہ دونوں ادلے کا بدلہ کریں گے۔ میں کہتا ہوں: صاحب ”درر“ نے کہا کہ خطا میں بھی ادلے کا بدلہ جاری ہو۔ کیونکہ دیت کے بارے میں جو مختار قول ہے وہ یہ ہے کہ یہ اس کے ذمہ ہے عاقلہ پر نہیں ہے۔ لیکن یہ حکم اپنے اطلاق پر نہیں بلکہ یہ عجمیوں میں ہے۔ شاید اسے مطلقاً ذکر کیا ہے کہ اس کے محل پر حوالہ کیا ہے۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ اگر مرد نے اس عورت سے ہاتھ اور اس سے جو واقع ہوگا یا جنایت پر نکاح کیا

اور مہر مسمی معدوم ہے اور مہر مثل واجب ہوگا، ”ابن کمال“۔

35131۔ (قوله: وَإِلَّا تَرَادَّا الْفُضْلَ) یعنی اگر دیت میں کوئی شے بچ جائے تو اسے وارثوں کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ اگر مہر میں زیادتی ہو وارث اس کو دے دیں گے، ”ابن کمال“۔

35132۔ (قوله: الدِّيَّةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ فِي الْخَطَا) یعنی مہر عورت کے لیے ہوگا اور بے شک ادلے کا بدلہ ہوگا جب عورت کے حق میں اور عورت کے خلاف وجوب میں ذمہ متحد ہو جائے جس طرح العمد میں ہے، ”اللقانی“۔

35133۔ (قوله: لَكِنَّهُ الْخ) یہ ”حاشیہ الدرر“ میں ”شربلالی“ کا قول ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ خطا میں دیت کا وجوب قاتل پر ہوگا۔ بے شک عجمیوں میں ہے یعنی جس کی عاقلہ نہ ہو پس یہ قاتل پروا جب نہ ہوگی۔ یہ صاحب ”درر“ کی مراد ہے۔ عجم کی قید نہیں لگائی اسے محل کی طرف پھیرنے کی بنا پر ہے یعنی اس پر اعتماد کیا جن کو اس کے محل میں ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ بلکہ ”الدرر“ کی مراد یہ ہے کہ یہ مطلق قاتل کے ذمہ ہے اس کی وضاحت وہ قول کرتا ہے جو ”کفایہ“ میں ہے کیونکہ کہا:

صحیح یہ ہے کہ یہ قاتل پروا جب ہوگا پھر عاقلہ اس کی ذمہ دار بن جاتی ہے

یہ اعتراض نہ کیا جائے گا صحیح یہ ہے کہ یہ قاتل پروا جب ہوگا پھر عاقلہ اس کی ذمہ دار بن جاتی ہے پس اصل وجوب قاتل کے ذمہ ہے اس کا اعتبار ثابت کرتا ہے کہ مقاصد جائز ہے۔

ثُمَّ مَاتَ مِنْهُ وَجَبَ لَهَا فِي الْعَمْدِ مَهْرُ الْبِثْلِ وَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا لِرِضَاكَ بِالسَّقُوطِ (لَوْ خَطَأَ رُفِعَ عَنِ الْعَاقِلَةِ مَهْرُ مِثْلِهَا وَالْبَاقِي وَصِيَّةٌ لَهُمْ) أَمَّا لِلْعَاقِلَةِ (فَإِنْ خَرَجَ مِنَ الثُّلُثِ سَقَطَ وَإِلَّا سَقَطَ ثُلُثُ الْمَالِ) فَقَطُّ (وَلَوْ قُطِعَتْ يَدُكَ فَاقْتُصَّ لَهُ فَمَاتَ) الْمَقْطُوعُ (الْأَوَّلُ قَبْلَ الثَّانِي قُتِلَ) الثَّانِي (بِهِ)

پھر وہ اس سبب سے مر گیا تو عہد میں مہر مثل واجب ہوگا اور اس عورت پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ مرد سقوط پر راضی ہے اگر وہ خطا ہو تو عاقلہ سے اس کا مہر مثل ساقط کر دیا جائے گا اور باقی عاقلہ کے لیے وصیت ہوگی۔ اگر وہ ایک تہائی سے نکل آئے تو وہ ساقط ہو جائے گا ورنہ مال کا صرف ایک تہائی ساقط ہو جائے گا۔ اگر اس کا ہاتھ کاٹا گیا تو اس کے لیے قصاص لیا گیا تو پہلا مقطوع دوسرے سے پہلے مر گیا تو دوسرے کو اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔

کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں: بعض علماء کے نزدیک عاقلہ پر ابتداء واجب ہوگا۔ اور بعض کے نزدیک عاقل پر قاتل کی جانب سے ذمہ داری اٹھائے گی یہ حوالے کے طریقہ سے ہوگا اور حوالہ براءت کو ثابت کرتا ہے۔ پس مقاصد واقع نہ ہوگا۔

35134۔ (قوله: ثُمَّ مَاتَ مِنْهُ) یعنی قطع سے مر گیا۔

35135۔ (قوله: مَهْرُ الْبِثْلِ) کیونکہ یہ قصاص پر نکاح ہے۔ کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عہد میں یہی اصلی حکم ہے اور قصاص مال نہیں۔ پس مہر مثل واجب ہوگا جس طرح جب وہ خمر یا خنزیر پر نکاح کرے۔

35136۔ (قوله: لِرِضَاكَ بِالسَّقُوطِ) کیونکہ جب اس نے قصاص کو مہر قرار دے دیا تو مہر کی جہت سے اس کے سقوط پر راضی ہو گیا۔ پس وہ اصلاً ساقط ہو جائے گا۔ ”ابن کمال“۔

35137۔ (قوله: لَوْ خَطَأَ رُفِعَ عَنِ الْعَاقِلَةِ مَهْرُ مِثْلِهَا إلخ) کیونکہ ہاتھ اور جوار اس پر واقع ہو یعنی موت یا جنایت پر نکاح کرنا یہ حقیقت میں اس کے حکم پر شادی کرنا ہے۔ اور اس کا حکم یہاں دیت ہے جب کہ دیت مہر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ پس تسمیہ صحیح ہوگا مگر مہر مثل کی مقدار کا اعتبار تمام مال سے کیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں یہ بات نہیں۔ اور مریض پر نکاح کے معاملہ میں حجر نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ نکاح حوائج اصلیہ میں سے ہے۔ پس تمام مال سے مہر مثل کی مقدار اور جو ایک تہائی سے زائد ہوگا وہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ تبرع ہے اور دیت عورت کی عاقلہ پر واجب ہوگی جب کہ دیت مہر بن چکی ہے۔ پس وہ دیت ان سے ساقط ہو جائے گی اگر اس کا مہر مثل دیت کی مثل یا اس سے زائد ہو۔ اور عورت کا مال کسی شے کا مطالبہ نہ کرے گی کیونکہ وہ اس عورت کی جنایت کے سبب اس دیت کے ذمہ دار بن رہے تھے۔ جب وہ اس عورت کی ملکیت ہو گیا تو اس کے مہر مثل کی مقدار ان سے وہ ساقط ہو گیا۔ اس کی دلیل وہی ہے جو ہم نے ذکر کر دی ہے۔ اور جو اس سے زائد ہے اس کو دیکھا جائے گا۔ اگر وہ ایک تہائی سے نکل آئے تو ایک تہائی کی مقدار ان سے ساقط ہو جائے گی اور زیادتی ولی کے حوالے کر دیں گے۔ کیونکہ وصیت کا نفاذ ایک تہائی مال میں ہوتا ہے، ”زیلعی“۔

میں کہتا ہوں: اس کا عاقلہ کے لیے وصیت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے دیت مہر کے مقابلہ میں ساقط کر دی ہے اور خطا

لِسَرَايَتِهِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ لَا قَوْدَ لِأَنَّهُ لَنَا أَقْدَمَ عَلَى الْقَطْعِ فَقَدْ أَبْرَأَهُ عَمَّا وَرَاءَهُ وَظَاهِرُ اشْكَالِ ابْنِ الْكَمَالِ يُفِيدُ تَقْوِيَةَ قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ۔ قَالَ الْمُصَنِّفُ دَلَّ مَاتَ الْمُقْتَضِ مِنْهُ فَدَيْتُهُ عَلَى عَاقِلَةِ الْمُقْتَضِ لَهُ

کیونکہ اس کا زخم سرایت کر گیا ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے مروی ہے: کوئی قصاص نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے جب قطع کا اقدام کیا تو اس نے ماورائے اسے سے بری کر دیا۔ ”ابن کمال“ کے اشکال کا ظاہر امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے قول کی تقویت بیان کرتا ہے۔ مصنف نے کہا: اگر وہ مر گیا جس سے قصاص لیا گیا تھا تو اس کی دیت اس کی عاقلہ سے لی جائے گی جس کے لیے قصاص لیا گیا تھا۔

میں دیت عاقلہ کے ذمہ ہوتی ہے۔ پس جو مہر سے زیادہ ہے اس نے ان کے لیے تبرعاً ساقط کر دی ہے، فافہم۔

35138۔ (قوله: لِسَرَايَتِهِ) کیونکہ پہلا قطع قتل تک سرایت کر گیا ہے اور قطع کا پورا حق لے لینا یہ قصاص کو ساقط نہیں کرتا جس طرح جس آدمی کا نفس میں قصاص کا حق ہو جب وہ قاتل کا ہاتھ کاٹ دے۔

35139۔ (قوله: لِأَنَّهُ لَنَا أَقْدَمَ الْخ) اس کا جواب یہ ہے: اس نے قطع کا اقدام کیا یہ گمان کرتے ہوئے کہ اس کا حق قطع ید میں ہے اور سرایت کرنے کے بعد یہ واضح ہوا کہ اس کا حق قصاص میں تھا۔ پس اس کا علم ہونے کے بغیر وہ اس سے بری کرنے والا نہیں جس طرح ”ہدایہ“ میں ہے۔

”ابن کمال“ نے اس میں اشکال کا ذکر کیا اس چیز کے ساتھ جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ گزشتہ مسئلہ میں ہیں وہ مسئلہ یہ ہے جب اس کا ہاتھ کاٹا اور قطع کو معاف کر دے اور مر جائے انہوں نے قصاص کے سقوط کی علت اس کو قرار دیا کہ معافی کی صورت قصاص کے سقوط میں کافی ہے۔ کیونکہ یہ شبہ پیدا کرتی ہے اور وہ اس امر کی طرف متوجہ نہیں ہوتے کہ وہ علم کے بغیر اس سے بری کرنے والا ہے تو انہوں نے دیت کو واجب کر دیا۔

”رحمتی“ نے کہا: فرق کرنا واجب ہے کہ قطع کو معاف کرنے والا، اس سے معاف کرنے کا میلان ظاہر ہوا ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس نے وہ حق پورا لے لیا ہے جو اس کے لیے ظاہر ہوا ہے کہ وہ اس کے لیے واجب ہے۔ پس اس سے معافی کی صورت نہ پائی گئی۔

35140۔ (قوله: يُفِيدُ تَقْوِيَةَ قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ) اس میں یہ ہے کہ یہ ان کے معارض نہیں جو متون اور شروح میں ہے، ”ط“۔ جب کہ تو اس کا جواب سن چکا ہے۔

35141۔ (قوله: دَلَّ مَاتَ الْمُقْتَضِ مِنْهُ) یہ ان کے قول فبات المقطوع الاول کے مقابل ہے۔

35142۔ (قوله: فَدَيْتُهُ عَلَى عَاقِلَةِ الْمُقْتَضِ) کیونکہ اس کا حق قطع ید پر تھا جب کہ وہ قتل کر دیا گیا۔ ”اتقانی“ نے کہا: لیکن دیت عاقلہ پر ہوگی۔ کیونکہ یہ خطا کے معنی میں ہے۔ کیونکہ اس نے قطع میں سے جو اس کا حق تھا اس کو پورا لیا اور

خِلَافًا لَهَا قُلْتُ هَذَا إِذَا اسْتَوْفَاهُ بِنَفْسِهِ بِلَا حُكْمِ الْحَاكِمِ، وَأَمَّا الْحَاكِمُ وَالْحَجَّامُ وَالْخَتَّانُ وَالْفَصَادُ
وَالْبَزَّاعُ فَلَا يَتَّقِدُ فَعَلُهُمْ بِشَرْطِ السَّلَامَةِ كَالْأَجِيرِ وَتَمَامُهُ فِي الدَّرَرِ وَالْأَصْلُ أَنَّ الْوَاجِبَ لَا يَتَّقِدُ
بِوُصْفِ السَّلَامَةِ وَالْبَزَّاعُ يَتَّقِدُ بِهِ وَمِنْهُ ضَرْبُ الْأَبِ ابْنُهُ تَأْدِيبًا أَوْ الْأَمْرُ أَوْ الْوَصِي

”صاحبین“ حضرتہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ حاکم کے حکم کے بغیر اپنا
قصاص لے۔ جہاں تک حاکم، حجام، ختان، فصاد اور نشتر زن کا تعلق ہے تو ان کا فعل سلامتی کی شرط کے ساتھ متقید نہیں جیسے
اجیر ہوتا ہے۔ اس کی مکمل بحث ”الدرر“ میں ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ واجب سلامتی کے وصف کے ساتھ متقید نہیں ہوتا اور مباح
اس کے ساتھ متقید ہوتا ہے۔ اس میں سے یہ ہے کہ باپ اپنے بیٹے کو یا ماں یا وصی ادب سکھانے کے لیے ہارے

قتل کا ارادہ نہیں کیا تھا۔

35143۔ (قولہ: خِلَافًا لَهَا) ”صاحبین“ حضرتہ کے نزدیک وہ کسی شے کا ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنا پورا
حق جو قطع ہے وصول کیا ہے اور یہ ممکن نہیں کہ سلامتی کے وصف کی قید لگائی جائے۔ کیونکہ اس میں قصاص کا دروازہ بند کرنا پایا
جاتا ہے۔ کیونکہ زخم کے سرایت کرنے سے بچنا اس کے پس میں نہیں، ”ابن مال“۔

35144۔ (قولہ: بِلَا حُكْمِ الْحَاكِمِ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اگر اس نے حاکم کے حکم کے بعد اپنا حق پورا کیا تھا تو وہ
ضامن نہیں ہوگا، قتال۔

حاکم، حجام، ختان، فصاد اور نشتر زن کا فعل سلامتی کی شرط کے ساتھ متقید نہیں

35145۔ (قولہ: وَأَمَّا الْحَاكِمُ الْخ) یعنی جب چور کا ہاتھ کاٹا گیا اور وہ مر گیا یہ ایسے مسائل ہیں جن کی وجہ سے دو
اہموں کو ان کے قول کی وجہ سے شہید کیا گیا۔ کیونکہ ان میں کوئی ضمانت نہیں۔ شارح نے فرق پر متنبہ کیا ہے کہ حدود و وقت ٹمکرنا یہ
اہم پر واجب ہے۔ اسی طرح حجام وغیرہ کا فعل یہ عقد کے ساتھ واجب ہو جاتا ہے اور سلامتی کے ساتھ متقید نہیں ہوتا۔ ہارے
مسئلہ میں ولی کو اختیار ہوتا ہے کہ اس کی معافی مندوب ہوتی ہے پس وہ اصل مذکورہ کی وجہ سے اس کے ساتھ متقید ہوگا۔

35146۔ (قولہ: وَبِزَّاعٍ) یعنی بیٹے یا نعل بند کی کرنے والا۔

واجب سلامتی کے وصف کے ساتھ متقید نہیں ہوتا جب کہ مباح متقید ہوتا ہے

35147۔ (قولہ: وَبِزَّاعٍ يَتَّقِدُ بِهِ) اس سے اس کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جب وہ اپنی بیوی سے وحشی کرے اور اس کے
پردہ و پیر زردے یا وہ عورت مرجائے۔ پس اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی جب کہ مباح ہے۔ کیونکہ وحشی اپنے حکم کا باعث ہوں اور
وہ حکم مہر ہے پس اس پر دوسری ضمانت واجب نہ ہوگی، ”اشباہ و تنظیل“ اس کی مکمل بحث آگے آئے گی۔

35148۔ (قولہ: وَمِنْهُ) یعنی مباح میں سے ہے۔ یہ ”ام صاحب“ حضرتہ کے قول کے مطابق ہے۔ اس کی مکمل
بحث قریب ہی آئے گی۔

وَمِنْ الْأَوَّلِ ضَرْبُ الْأَبِ أَوْ الْوَصِيِّ أَوْ الْمُعَلِّمِ بِإِذْنِ الْأَبِ تَعْلِيمًا فَتَاتَ لَا ضَمَانَ فَضَرْبُ التَّأْدِيبِ مُقَيَّدٌ؛ لِأَنَّهُ مُبَاحٌ وَضَرْبُ التَّعْلِيمِ لَا لِأَنَّهُ وَاجِبٌ وَمَحَلُّهُ فِي الضَّرْبِ الْمُعْتَادِ، وَأَمَّا غَيْرُهُ فَمُوجِبٌ لِلضَّمَانِ فِي الْكُلِّ وَتَسَامُهُ فِي الْأَشْبَاهِ (وَإِنْ قَطَعَ) وَلِيُّ الْقَتْلِ (يَدَ الْقَاتِلِ) وَبَعْدَ ذَلِكَ (عَفَا) عَنِ الْقَتْلِ (ضَمِنَ الْقَاطِعُ دِيَّةَ الْيَدِ)؛ لِأَنَّهُ اسْتَوَى غَيْرُ حَقِّهِ لَكِنْ لَا يُقْتَضُ لِلشُّبْهَةِ وَقَالَ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ (وَضَمَانَ الصَّبِيِّ إِذَا مَاتَ مِنْ ضَرْبِ أَبِيهِ أَوْ وَصِيِّهِ تَأْدِيبًا) أَيْ لِلتَّأْدِيبِ

اور پہلی قسم سے باپ، وصی یا معلم کا باپ کی اجازت سے تعلیم کے لیے مارنا ہے اور وہ مر جائے تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ پس تادیب کے لیے مارنا یہ مقید ہے۔ کیونکہ یہ مباح ہے۔ اور تعلیم کے لیے مارنا یہ واجب ہے۔ ضرب میں اس کا محل معتاد جگہ ہے اور اس کے علاوہ جگہ تمام صورتوں میں ضمان کا موجب ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ”الاشباہ“ میں ہے۔ اگر قتل کا ولی قاتل کا ہاتھ کاٹ دے اور اس کے بعد قتل کو معاف کر دے تو قاطع ہاتھ کی دیت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس چیز کو حاصل کیا ہے جو اس کا حق نہ تھا لیکن شبہ کی وجہ سے اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے فرمایا: اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ بچہ جب اپنے باپ یا اپنے وصی کی مار، جو ادب سکھانے کے لیے ہو، سے مر گیا تو بچے کی ضمان

35149۔ (قوله: وَمِنْ الْأَوَّلِ) یعنی واجب میں سے، شارح نے باب التعزیر میں کہا: ”القنیه“ میں ہے: قرآن کی تعلیم، ادب اور علم پر بچے کو مجبور کرنا یہ اس کا حق ہے۔ کیونکہ یہ اس کے والدین پر فرض ہے۔ وصی کو حق حاصل ہے کہ یتیم کو اس معاملہ میں مارے جس میں وہ اپنے بچے کو مارتا ہے۔ اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا ہے کہ ماں تعلیم میں باپ کی طرح ہے مگر تادیب کا معاملہ مختلف ہے جس طرح آگے آئے گا۔

35150۔ (قوله: بِإِذْنِ الْأَبِ) یعنی باپ کے اذن سے یا وصی کے اذن سے اگر دونوں کی اجازت کے بغیر مارے تو ضامن ہوگا جس طرح آگے آئے گا۔ ”ط“۔

35151۔ (قوله: تَعْلِيمًا) یہ ان کے قول ضرب کی علت ہے۔

35152۔ (قوله: مُقَيَّدٌ) یعنی سلامتی کے وصف کے ساتھ مقید ہے۔

35153۔ (قوله: وَمَحَلُّهُ فِي الضَّرْبِ الْمُعْتَادِ) یعنی تعداد، کیفیت اور محل کے اعتبار سے۔ اگر وہ اس کے چہرے یا

شرمگاہ پر مارے تو بغیر کسی خوف کے ضمان واجب ہوگی اگرچہ ایک ڈنڈا مارے۔ کیونکہ یہ تو اس کو تلف کرنا ہے۔ ”ابوسعود“ نے ”تلخیص الکبریٰ“ سے نقل کیا ہے، ”ط“۔

35154۔ (قوله: مِنْ ضَرْبِ أَبِيهِ أَوْ وَصِيِّهِ) دونوں کی قید لگائی ہے کیونکہ ماں جب ادب سکھانے کے لیے مارے

تو بالاتفاق ضامن ہوگی اگرچہ ان کے قول تادیب سے یہ پتہ چلتا ہے جب دونوں (ماں، باپ) میں سے ہر ایک تعلیم کے لیے ماریں تو بالاتفاق ضامن نہ ہوں گے۔ ”غرر الافکار“۔

(عَلَيْهِمَا) أُمِّي عَلَى الْآبِ وَالْوَصِيِّ؛ لِأَنَّ التَّأْدِيبَ يَحْصُلُ بِالزَّجْرِ وَالتَّعْزِيرِ وَقَالَ لَا يَفْسَنُ كَوْنُ مُعْتَادٍ، وَأَمَّا غَيْرُ الْمُعْتَادِ فَفِيهِ الضَّمَانُ اتِّفَاقًا (كَضَرْبِ مُعَلِّمٍ صَبِيًّا أَوْ عَبْدًا بِغَيْرِ إِذْنِ أَبِيهِ وَمَوْلَاهُ) لَفَتْ وَنَشَرَتْ فَالضَّمَانُ عَلَى الْمُعَلِّمِ إِجْمَاعًا (وَإِنْ) الضَّرْبُ (بِإِذْنِهِمَا) ضَمَانٌ عَلَى الْمُعَلِّمِ إِجْمَاعًا قِيلَ هَذَا

ان دونوں یعنی باپ اور وصی پر ہوگی۔ کیونکہ تادیب جھڑکنے اور گوشمالی سے ہو سکتی ہے۔ اور ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: وہ ضامن نہیں ہوگا اگر وہ مار معتاد ہو۔ اگر غیر معتاد ہو تو اس میں بالاتفاق ضمان ہوگی۔ جیسے معلم بچے کو مارے یا غلام کو مارے جب کہ نہ باپ سے اجازت لی ہو اور نہ ہی آقا سے اجازت لی ہو، یہ لف نشر مرتب ہے، تو ضمان بالا جماع معلم پر ہوگی۔ اگر مار ان دونوں کی اجازت سے ہو تو معلم پر بالا جماع ضمان نہ ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:

اگر کسی آدمی نے قرآن کی تعلیم میں اپنے چھوٹے بچے کو مارا اور وہ مر گیا تو اس کا حکم

35155۔ (قوله: وَإِنْ الضَّرْبُ بِإِذْنِهِمَا) یعنی باپ اور ماں کے اذن سے۔ اسی طرح کا حکم وصی کا ہے اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے: اگر دونوں خود ماریں تو بالاتفاق کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ ہم نے ابھی پہلے ذکر کیا ہے۔ لیکن ”الخانیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے قرآن کی تعلیم میں اپنے چھوٹے بچے کو مارا اور وہ مر گیا ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وہ دیت کا ضامن ہوگا اور وہ اس کا وارث نہیں ہوگا۔

امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وہ اس کا وارث ہوگا اس کا ضامن نہیں ہوگا۔ اگر معلم نے والد کی اجازت سے قرآن کی تعلیم میں مارا تو معلم اس کا ضامن نہیں ہوگا۔ ”ولو بالجیہ“ میں ہے: ایک آدمی نے ادب سکھانے کے لیے اپنے بیٹے کو یا وصی نے ادب سکھانے کے لیے یتیم کو مارا تو وہ مر گیا تو ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ ضامن ہوگا۔ اسی طرح اگر معلم اسے مارے جب کہ اس کو انہوں نے اجازت نہ دی ہو تو وہ ضامن ہوگا اگر اجازت سے مارا ہو تو ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ باپ اور وصی کو ادب سکھانے کی اجازت ہوتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ اس کی سلامتی باقی رہے۔ کیونکہ یہ دونوں اس کے نفس اور اس کے مال میں تصرف کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اگرچہ وہ تصرف ان کے لیے ضرر کا باعث ہو۔ جہاں تک معلم کا تعلق ہے اس نے ان کی اجازت سے ادب سکھایا ہے اور ان کی جانب سے اذن مطلق پایا گیا ہے نہ کہ مقید پایا گیا ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تادیب اور تعلیم کے بارے میں باپ کے ضامن ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ دوسری روایت ہے، تاں۔

35156۔ (قوله: قِيلَ هَذَا) یعنی ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کا معلم کے ضامن نہ ہونے کا قول یہ باپ کی جانب سے اذن ہونے کی صورت میں ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اختلاف تادیب کی مار میں ہے اور یہاں گفتگو تعلیم کی ضرب میں ہے جب کہ یہ واجب ہے سلامتی کے ساتھ مقید نہیں۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ ”طحاوی“ نے یہ بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ”حاشیۃ الشرف للغزالی“ میں ”صغریٰ“ سے منقول ہے: ”ابو سلیمان“ نے کہا: جب ایک آدمی نے اپنے بیٹے کو قرآن کی تعلیم یا ادب سکھانے کے لیے مارا تو وہ مر گیا تو امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ ضامن ہوگا۔ امام ”ابو

رُجُوعٌ مِنْ أَبِي حَنِيفَةَ إِلَى قَوْلِهَا (وَكَذَا يَضْمَنُ رُجُوعَ امْرَأَةٍ ضَرْبَهَا تَأْدِيبًا)؛ لِأَنَّ تَأْدِيبَهَا لِلْوَلِيِّ كَذَا عَزَاهُ الْمُصَنِّفُ لِشَرْحِ الْمَجْمَعِ لِلْعَيْنِ قُلْتُ وَهُوَ فِي الْأَشْبَاهِ وَغَيْرِهَا كَمَا قَدَّمْنَاهُ۔ وَفِي دِيَاتِ الْمُجْتَبَى لِلرُّجُوعِ وَالْوَصِيِّ كَالْأَبِ تَفْصِيلًا وَخِلَافًا فَعَلَيْهِمُ الدِّيَّةُ وَالْكَفَّارَةُ وَقِيلَ رَجَعَ الْإِمَامُ إِلَى قَوْلِهَا وَتَسَامُهُ ثَبَتَ

یہ امام "ابو حنیفہ" رحمہ اللہ کا "صاحبین" کے قول کی طرف رجوع ہے۔ اسی طرح بیوی کا خاوند ضامن ہوگا جس نے ادب سکھانے کے لیے مارا ہو۔ کیونکہ اسے ادب سکھانے کا حق ولی کو حاصل ہے۔ مصنف نے اسی طرح اسے "عینی" کی "شرح الجمع" کی طرف منسوب کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ "الاشباہ" وغیرہ میں اسی طرح ہے جس طرح ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔ "المجتبی" کی کتاب الدیات میں ہے: خاوند اور وصی تفصیل اور اختلاف میں باپ کی طرح ہے۔ پس ان پر دیت اور کفارہ لازم ہوگا ایک قول یہ کیا گیا ہے: "امام صاحب" رحمہ اللہ نے "صاحبین" کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ اس کی مکمل بحث وہاں ہے۔

یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک وہ ضامن نہیں ہوگا۔ ہم ابھی "خانیہ" سے اس کی مثل نقل کر چکے ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر رجوع ظاہر ہو جاتا ہے اور اس فرق کی ضرورت نہیں رہتی جو ہم نے "الولوالجیہ" سے نقل کیا ہے۔ کتاب الاجارات میں ان کے قول و ضمن بضربھا و کبھا عن غایۃ البیان کے ہاں گزر چکا ہے کہ صحیح یہ ہے "امام صاحب" رحمہ اللہ نے "صاحبین" کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا اس طرح "بیری" نے "کفایۃ المجیب" سے نقل کیا ہے۔ فتدبر شوہر ادب سکھانے کے لیے بیوی کو مارے تو وہ ضامن ہوگا

35157۔ (قوله: لِأَنَّ تَأْدِيبَهَا لِلْوَلِيِّ) یہ تعلیل ظاہر نہیں۔ کیونکہ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ باپ ضامن نہیں ہوگا

جب کہ باپ اپنے بیٹے کو مارنے کے ساتھ ضامن ہوتا ہے جب کہ وہ ادب سکھانے کے لیے ایسا کرے جیسا کہ گزر چکا ہے زیادہ ظاہر "بیری" کا قول ہے۔ کیونکہ وہ اس کی ذات کے نفع کے لیے ہے۔ قاضی تعزیر لگائے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ مضروب کے نفع کے لیے ہوتی ہے۔ باب التعزیر میں یہ گزر چکا ہے کہ خاوند بیوی کو مارے تو بیوی کے لیے خاوند پر کیا لازم ہوتا ہے۔

35158۔ (قوله: وَهُوَ) یعنی جو متن میں ہے وہ "اشباہ" وغیرہ میں اختلاف سے مطلق مذکور ہے جس طرح ہم اسے

متن میں بیان کر چکے ہیں۔ کیونکہ متن کی عبارت اس امر کا فائدہ دیتی ہے کہ خاوند بالاتفاق اس کا ضامن ہوگا۔ "ابن ملک" وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے اس تعبیر کی بنا پر ان کا قول وفی دیات المجتبى الخ اس پر استدراک کی طرح ہے، تامل۔

35159۔ (قوله: وَتَسَامُهُ ثَبَتَ) اس میں کہا: اگر اس نے اپنے چھوٹے بیٹے کو بطور تادیب مارا اگر اس نے ایسی جگہ

مارا جہاں بطور تادیب نہیں مارا جاتا۔ جتنا تادیب کے لیے مارا جاتا ہے اس سے زائد مارا تو اس پر دیت اور کفارہ لازم ہوگا۔

جب اس نے تادیب کے لیے وہاں مارا جہاں مارا جاتا ہے اور اتنا مارا جتنا مارا جاتا ہے تو امام "ابو حنیفہ" رحمہ اللہ کے نزدیک حکم

اسی طرح ہوگا۔ اور "صاحبین" رحمہ اللہ نے کہا: اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: "امام صاحب" رحمہ اللہ نے

فُرُوعٌ ضَرَبَ امْرَأَةً فَأَفْضَاهَا، فَإِنْ كَانَتْ تَسْتَمْسِكُ بَوَلَّهَا فَفِيهِ ثُلُثُ الدِّيَةِ، وَإِلَّا فَكُلُّ الدِّيَةِ وَإِنْ افْتَضَّ بِكَرَّابِ الزَّنَا فَأَفْضَاهَا

فروع: ایک آدمی نے عورت کو مارا تو اس کو مفضاۃ بنادیا اگر وہ اپنے بول کو روک سکتی ہو تو اس میں دیت کا ایک تہائی لازم ہوگا ورنہ پوری دیت لازم ہوگی۔ اگر ایک مرد نے باکرہ عورت کی مس کو زنا کے ساتھ توڑا اور اسے مفضاۃ بنادیا

”صاحبین“ رحمہ اللہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ اسی تفصیل اور اختلاف پر مبنی ہوگا وصی اور خاوند جب وہ یتیم یا اپنی بیوی کو ادب سکھانے کے لیے مارے۔ اسی طرح معلم کا حکم ہے جب تعلیم قرآنی یا کسی اور امر کے لیے باپ، وصی کی اجازت سے بچے کو مارے اس قدر مارے جس قدر اس میں مارا جاتا ہے تو اس میں وہ ضامن نہیں ہوگا اور نہ ہی باپ اور نہ ہی وصی ضامن ہو گا اس پر اجماع ہے۔ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ نے باپ پر دیت اور کفارہ کو واجب کیا ہے اور معلم پر کوئی شے واجب نہیں کی جب باپ کے اذن سے یہ عمل ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کا باپ کے حق میں ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے قول کی طرف رجوع ہے۔ اگر معلم نے باپ کی اجازت کے بغیر مارا اور وہ مر گیا تو وہ ضامن ہوگا اور والدہ جب اپنے بچے کو ادب سکھانے کے لیے مارے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ضامن ہوگی اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق مشائخ میں اختلاف ہے۔ ”منح“۔

اگر کوئی شخص عورت کو مارے اور اسے مفضاۃ بنادے تو اس کا حکم

35160۔ (قوله: ضَرَبَ امْرَأَةً فَأَفْضَاهَا) یعنی اس کے پیشاب اور اس کے حیض کے راستہ کو ایک کر دیا یا اس کے حیض اور اس کے براز والے راستہ کو ایک کر دیا اور وطی ضرب کی طرح ہے جس طرح آگے آئے گا اس سے مراد اجنبی عورت ہے۔ جہاں تک بیوی کا تعلق ہے جب وہ اس سے وطی کرے اور اس کو مفضاۃ بنادے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی اگرچہ اس کا بول نہ رکے۔ اور امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ اجنبی کی طرح ہے۔ ”ابن وہبان“ نے ان کی اس تصریح پر اعتماد کیا ہے کہ دس چیزیں ایسی ہیں جن میں کامل دیت واجب ہوتی ہے ان میں سلسل البول ہے۔ ”شرنبلائی“ نے اس کا رد کیا کہ یہاں کوئی شے نہ ہوگی جب کہ اس مسئلہ کے علاوہ میں یہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ کا قول ہے یعنی کیونکہ یہ ایسے فُصْل کے ساتھ ہوا جس کی اسے اجازت دی گئی تھی۔ اور طرفین کے قول کی یہ قید لگائی ہے جب وہ بالغ ہو، مختار ہو اور اس کی وطی کی طاقت رکھتی ہو جب کہ وہ اس سے نہ مرے اگرچہ وہ صغیرہ یا مکربہ ہو یا وہ اس کی طاقت نہ رکھتی ہو تو اس کی دیت موت اور افضا سے بالاتفاق لازم ہوگی۔ اور اس میں طویل گفتگو کی ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

35161۔ (قوله: فَفِيهِ ثُلُثُ الدِّيَةِ) کیونکہ یہ جائفہ زخم ہے، ”ط“۔

35162۔ (قوله: وَإِلَّا فَكُلُّ الدِّيَةِ) یعنی عورت کی دیت۔ کیونکہ اس نے منفعت کی جنس کو کامل صورت میں فوت کر

دیا ہے۔

فَإِنْ مُطَاوَعَةً حُذًّا وَلَا عُرْمًا، وَإِنْ مُكْرَهَةً فَعَلَيْهِ الْحَدُّ وَأَرُشُ الْإِفْضَاءِ لَا الْعُقْرُ حَاوِي الْقُدْسِيِّ - قَطَعَ الْحَجَّامُ لَحْظًا مِنْ عَيْنِهِ وَكَانَ غَيْرَ حَازِقٍ فَعَبِثَتْ فَعَلَيْهِ نِصْفُ الدِّيَةِ أَشْبَاهًا وَفِي الْقُنْيَةِ سَيْلٌ مُحَمَّدٌ نَجْمُ الدِّينِ عَنْ صَبِيَّةٍ سَقَطَتْ مِنْ سَطْحٍ

اگر تو عورت کی رضا مندی تھی تو دونوں پر حد جاری کی جائے گی اور کوئی چٹی نہ ہوگی۔ اگر اس عورت کو مجبور کیا گیا تھا تو مرد پر حد اور مفضاءہ بنانے کی چٹی ہوگی عقر لازم نہیں ہوگا ”حاوی القدسی“۔ حجام نے اس کی آنکھ سے گوشت کا ٹاجب کہ وہ ماہر نہیں تھا تو آنکھ نابینا ہوگئی تو اس پر نصف دیت لازم ہوگی، ”اشباہ“۔ ”قنیہ“ میں ہے: ”محمد نجم الدین“ سے ایک ایسے بچی کے بارے میں پوچھا گیا جو چھت سے گر گئی تھی

35163۔ (قوله: حُذًّا) یعنی دونوں میں سے ہر ایک پر حد جاری کی جائے گی۔ اور افضاء کی صورت میں اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ عورت اس فعل پر راضی تھی اور حد کے واجب ہونے کی وجہ سے اس کے لیے کوئی مہر نہیں ہوگا۔ اگر ایک آدمی شبہ کا دعویٰ کرے تو اس پر کوئی حد جاری نہیں ہوگی اور افضاء میں کوئی شے نہ ہوگی اور عقر واجب ہوگا۔

35164۔ (قوله: فَعَلَيْهِ الْحَدُّ) یعنی مرد پر حد ہوگی عورت پر حد نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔

35165۔ (قوله: وَأَرُشُ الْإِفْضَاءِ) اگر وہ اپنا بول روک سکے تو دیت کا ایک تہائی ہوگا ورنہ پوری دیت ہوگی اور ان کا قول الا العقر اس کی وجہ یہ ہے کہ عقر حد کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ اس کی مکمل بحث ”طحطاوی“ میں ہے۔
تتمہ: اگر ایک آدمی نے لونڈی کے ساتھ بدکاری کی اور اسے اس کے ساتھ قتل کر دیا تو زنا کی وجہ سے حد اور قتل کی وجہ سے قیمت لازم ہوگی۔ اگر اس کی آنکھ کو ضائع کر دے تو اس کی قیمت اس پر لازم ہو جائے گی اور حد ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ نابینا چیز کا مالک بن چکا ہے۔ پس اس امر نے شبہ پیدا کر دیا اگر وہ اسے مفضاءہ بنا دے تو اس کی تفصیل شرح میں ہے۔ اسے شارح نے کتاب الحدود میں باب الشهادة علی الزنا سے تھوڑا پہلے ذکر کیا ہے۔

35166۔ (قوله: فَعَلَيْهِ نِصْفُ الدِّيَةِ) یعنی آنکھ کی دیت کا نصف۔ ”ابوسعود“۔ کیونکہ یہ ماذون فعل سے واقع ہوا ہے۔

میں کہتا ہوں: میرے لیے یہ امر ظاہر ہوا ہے کہ مراد نفس کی دیت کا نصف ہے جو آنکھ کی دیت ہے پھر میں نے ”رحمتی“ کو دیکھا انہوں نے اس کی تفسیر اسی طرح بیان کی ہے اس پر ختان کا آنے والا مسئلہ جو القسامہ سے تھوڑا پہلے ہے دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ جب اسے حکم دیا گیا تا کہ وہ بچے کا ختنہ کرے تو اس نے حشفہ کو قطع کر دیا اور بچہ نہ مرا تو اس پر حشفہ کی کامل دیت لازم ہوگی وہ نفس کی دیت ہے۔ تامل۔

نوٹ: متن میں فانفتح ہے اور شرح میں فاتتضخ ہے ترجمہ شرح کے مطابق کیا ہے۔

35167۔ (قوله: سَيْلٌ مُحَمَّدٌ) لفظ محبذ زائد ہے جیسا کہ ”قنیہ“ میں ہے۔

فَانْتَضَحَ رَأْسُهَا فَقَالَ كَثِيرٌ مِنَ الْجَرَاحِيِّينَ إِنَّ شَقَقْتُمْ رَأْسَهَا تَمُوتُ وَقَالَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ إِنَّ لَمْ تَشُقُّوهُ الْيَوْمَ تَمُوتُ وَأَنَا أَشُقُّهُ وَأُبْرِئُهَا فَشَقَّهُ فَمَاتَتْ بَعْدَ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ هَلْ يَضُنُّ؟ فَتَأَمَّلْ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لَا إِذَا كَانَ الشَّقُّ بِإِذْنٍ وَكَانَ الشَّقُّ مُعْتَادًا وَلَمْ يَكُنْ فَاحِشًا خَارِجَ الرَّسْمِ، قِيلَ لَهُ فَلَوْ قَالَ إِنَّ مَاتَتْ فَأَنَا ضَامِنٌ هَلْ يَضُنُّ؟ قَالَ لَا قُلْتَ إِنَّمَا لَمْ يُعْتَبَرْ شَرْطُ الضَّمَانِ لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ شَرْطَهُ عَلَى الْأَمِينِ بَاطِلٌ عَلَى مَا عَلَيْهِ الْفَتَوَى وَاللَّهُ أَعْلَمُ

تو اس کے سر میں ورم ہو گیا تو بے شمار جراحین نے کہا اگر تم اس کا سر چرو گے تو یہ مرجائے گی ان میں سے ایک نے کہا: اگر آج تم اس کا سر نہیں چرو گے تو یہ مرجائے گی میں اس کا سر چیرتا ہوں اور میں اس کا علاج کرتا ہوں اس نے اس کا سر چیرا تو وہ ایک یا دو دن بعد مر گئی کیا وہ ضامن ہوگا؟ انہوں نے طویل وقت تک سوچ و بچار کیا پھر کہا: نہیں۔ جب اس کا چیرنا اجازت سے ہو اور اس کا چیر معتاد تھا اور وہ زیادہ معمول سے بڑھ کر نہ تھا ان سے عرض کی گئی اگر وہ کہے: اگر یہ مر گئی تو میں ضامن ہوں گا کیا وہ ضامن ہوگا؟ تو کہا: نہیں۔ میں کہتا ہوں: ضمان کی شرط معتبر نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ امین پر اس کا شرط لگانا باطل ہے جس پر فتویٰ ہے۔ واللہ اعلم

35168۔ (قوله: فَانْتَضَحَ) جو لفظ ”قنیه“ میں ہے وہ فانتفخ ہے یعنی فاسے پہلے تا اور خانقہ والی ہے۔

35169۔ (قوله: مَلِيًّا) یعنی طویل وقت۔

35170۔ (قوله: ثُمَّ قَالَ لَا الْخ) آنکھ والا مسئلہ جو ابھی گزرا ہے اس کے منافی نہیں کیونکہ یہاں اس نے اس سے

تجاوز نہیں کیا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔

35171۔ (قوله: إِذَا كَانَ الشَّقُّ بِإِذْنٍ) اگر اجازت کے بغیر اس نے سر چیرا تو ظاہر یہی ہے کہ قصاص ہوگا اس کی

وضاحت کی جائے گی، ”ط“۔

35172۔ (قوله: وَلَمْ يَكُنْ فَاحِشًا) یہ ماقبل کی تفسیر ہے، ”ط“۔

35173۔ (قوله: خَارِجَ الرَّسْمِ) یعنی معمول سے ہٹ کر، ”ط“۔

35174۔ (قوله: قُلْتُ الْخ) اس کا قائل مصنف ہے جنہوں نے ”المنح“ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ”رئی“ نے اس پر

اعتراض کیا ہے۔ یہ فقہاء کی اصطلاح سے بعید ہے۔ کیونکہ اس پر امانت کے اسم کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ یہ وہ مال ہے جو

قبضہ کے اثبات کو قبول کرتا ہے اور اس کو ظاہر روایت قرار دیا ہے اور علت اس کی یہ ہے کہ اس پر قدرت نہیں ہوتی جس طرح

مکفول بہ کی شرط ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ الشَّهَادَةِ فِي الْقَتْلِ وَاعْتِبَارِ حَالَتِهِ أَيْ حَالَةِ الْقَتْلِ

(الْقَوْدُ يَثْبُتُ لِلْوَرَثَةِ ابْتِدَاءً بِطَرِيقِ الْخِلَافَةِ) مِنْ غَيْرِ سَبْقِ مِلْكِ الْمَوْرَثِ، لِأَنَّ شَرْعِيَّةَ الْقَوْدِ لِيُشْفَى الضُّدُورُ وَدَرْكِ الشَّارِ وَالْمَيْتِ لَيْسَ بِأَهْلٍ لَهُ وَقَوْلُهُ تَعَالَى فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيَّهِ سُلْطَانًا

قتل کی گواہی کے احکام

قصاص ابتداء وارثوں کے لیے نیابت کے طریقہ پر ثابت ہوتا ہے جب کہ اس سے پہلے مورث کی ملکیت نہیں ہوتی۔ کیونکہ قصاص کی مشروعیت یہ سینوں کی تشفی اور بدلہ لینے کے لیے ہے اور میت اس کی اہل نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ”ہم نے مقتول کے وارث کو (قصاص کے مطالبہ کا) حق دے دیا ہے“

یعنی یہ باب ہے اس شہادت کے بارے میں جو قتل کے بارے میں ہوتی ہے اور یہ باب ہے اس بارے میں کہ قتل کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا یعنی اس حالت کے بارے میں جس میں اس کا سبب واقع کیا گیا۔ کیونکہ معتبر رمی کی حالت ہے وصول کی حالت نہیں جس طرح آگے آئے گا۔ جب قتل کے وقوع پذیر ہونے کے بعد بعض اوقات جب اس کا انکار کر دیا جاتا ہے تو قصاص جس کا حق ہوتا ہے وہ گواہیوں کے ساتھ اس کے اثبات کا محتاج ہوتا ہے اور کسی شے کی حالت اس کی صفت ہوتی ہے اور اس کے تابع ہوتی ہے۔ اس کا ذکر اس کے حکم کے بیان کے بعد کیا۔

”طحطاوی“ نے کہا: یہ جان لو کہ قتل خطا اور وہ قتل جو قصاص کو واجب نہیں کرتا اس میں عورتوں کی گواہی قبول کی جاتی ہے اس طرح شہادت پر شہادت اور قاضی کا قاضی کی طرف مکتوب ہے۔ کیونکہ اس کا موجب مال ہے اگر اس پر ایک عادل آدمی قتل کی شہادت دے تو اس کو مجبوس کیا جائے گا۔ اگر وہ دوسرا گواہ لے آئے تو ٹھیک ورنہ اس کو آزاد کر دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر دو مستور الحال قتل عمد کی شہادت دیں تو ان کو مجبوس کر دیا جائے گا یہاں تک کہ گواہوں کی عدالت ظاہر ہو جائے۔ کیونکہ وہ متہم ہو چکا ہے۔ اسی طرح اظہر قول کے مطابق قتل خطا ہے۔

35175۔ (قوله: الْقَوْدُ يَثْبُتُ لِلْوَرَثَةِ) ”الحنانیہ“ میں کہا: قصاص کا مستحق وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ سے مقرر کردہ حصوں کے مطابق میراث کا مستحق ہوتا ہے اس میں خاوند اور بیوی داخل ہوں گے۔

قصاص کی مشروعیت میں حکمت

35176۔ (قوله: مِنْ غَيْرِ سَبْقِ مِلْكِ الْمَوْرَثِ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں خلافت سے مراد وہ ہے جو وراثت کے مقابل ہو ورنہ وراثت بھی خلافت ہے جس طرح علما نے اس کی تصریح کی ہے لیکن وراثت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ مورث کی ملکیت پہلے ثابت ہو۔ اور مورث کے معاف کرنے کے صحیح ہونے سے اعتراض وارد نہیں ہوگا۔ کیونکہ سبب

نَصَّ فِيهِ (وَقَالَ بِطَرِيقِ الْإِرْثِ) كَمَا لَوْ انْقَلَبَ مَالًا وَثَرَةً الْخِلَافِ مَا أَفَادَهُ بِقَوْلِهِ (فَلَا يَصِيرُ أَحَدُهُمْ) أَمَى أَحَدُ الْوَرَثَةِ (خَصْمًا عَنِ الْبَقِيَّةِ) فِي اسْتِيفَاءِ الْقِصَاصِ، خِلَافًا لَهَا، وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَا يَنْبِذُكَ الْوَرَثَةُ بِطَرِيقِ الْوَرَاثَةِ فَأَحَدُهُمْ خَصْمٌ عَنِ الْبَاقِينَ وَقَائِمٌ مَقَامَ الْكُلِّ فِي الْخُصُومَةِ، وَمَا يَنْبِذُكَ الْوَرَثَةُ لَا بِطَرِيقِ الْوَرَاثَةِ لَا يَصِيرُ أَحَدُهُمْ خَصْمًا عَنِ الْبَاقِينَ ثُمَّ فَرَعَ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ فَلَوْ أَقَامَ حُجَّةً بِقَتْلِ أَبِيهِ عِنْدًا مَعَ غَيْبَةِ أَخِيهِ يُرِيدُ الْقَوْدَ

اس میں نص ہے۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ بطریق وراثت ثابت ہے جسے جب وہ مال کی طرف منقلب ہو جائے۔ اختلاف کا ثمرہ وہ ہے جسے انہوں نے اپنے اس قول میں بیان کیا ہے۔ پس وارثوں میں سے کوئی بھی قصاص وصول کرنے میں باقی ماندہ افراد کا خصم نہیں ہوگا۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ قاعدہ یہ ہے ہر وہ چیز، وارث جس کے وراثت کے طریقہ پر مالک ہوں تو ان میں سے ایک باقی ماندہ افراد کا خصم ہوگا اور خصومت میں کل کے قائم مقام ہوگا اور وارث جس کے وراثت کے طریقہ پر مالک نہ ہوں تو ان میں سے ایک باقی ماندہ افراد کا خصم نہیں ہوگا۔ پھر اس ضابطہ پر اپنے اس قول سے تفریع بیان کی ہے اگر وہ اپنے باپ کے عداً قتل پر حجت قائم کرے ساتھ ہی اپنے بھائی کے غائب ہونے کا ذکر کرے اور وہ قصاص لینے کا ارادہ رکھتا ہے

اس کے لیے منعقد ہوا ہے۔ اس وجہ سے ”اتقانی“ نے کہا ہے: یہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک ابتداء وارثوں کا حق ہے اس حیثیت سے کہ یہ تشفی اور بدلہ پانے کے لیے مشروع ہوا ہے۔ کیونکہ اس سے نفع نہیں اٹھا سکتا اور میت کا حق اس حیثیت سے کہ یہ نفس کا بدلہ ہے۔ اسی وجہ سے یہ اس مال کی طرف منقلب ہو گیا ہے جس کے ساتھ اس کے دیون ادا کیے جاتے ہیں اور اس سے اس کی وصیتیں پوری کی جاتی ہیں۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ آنے والی تفریعات اور خلافت کی ایسی چیز سے تفسیر جس کا ذکر کیا گیا ہے یہ پہلی حیثیت کے اعتبار سے ہے اور مورث کے معاف کرنے کا صحیح ہونا یہ دوسری حیثیت کے اعتبار سے ہے۔ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ نے فتنہ و فساد کو دور کرنے کے لیے حیلہ کو اختیار کرتے ہوئے دونوں حیثیتوں کا اعتبار کیا ہے جس طرح ”طوری“ نے اس کو ثابت کیا ہے۔

35177۔ (قوله: نَصَّ فِيهِ) کیونکہ (آیت کریمہ میں) لام تملیک کے لیے ہے اللہ تعالیٰ نے ولی کو اس آدمی کے قتل کے بعد غلبہ (تسلط) کا مالک بنایا ہے۔ اس میں ہے کہ تسلط بعض اوقات ابتداء اس کے لیے حق کے ثبوت کے لیے ہوتا ہے اور بعض اوقات حق مورث کی جانب سے اس کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ پس آیت نص نہ ہوگی۔

35178۔ (قوله: كَمَا لَوْ انْقَلَبَ مَالًا) یعنی اس کی صورت یہ ہے کہ صلح ہو جائے یا بعض وارث اس کو معاف کر دیں۔

35179۔ (قوله: أَحَدُهُمْ خَصْمًا عَنِ الْبَاقِينَ) کیونکہ وہ تمام حق اپنے علاوہ دوسرے فرد کے لیے ثابت کرتا ہے وہ

میت ہے۔ پس باقی ماندہ افراد کے لیے ثابت کرے گا جو اس کے بعد ذکر کیا گیا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ وہ نہ اپنے

لَا يُقَيَّدُ إِجْمَاعًا حَتَّى يَحْضَرَ الْغَائِبُ لِكِنَّهُ يُحْبَسُ، لِأَنَّهُ صَارَ مُتَّهَمًا فَإِنْ حَضَرَ الْغَائِبُ يُعِيدُهَا ثَانِيًا لِيَقْتُلَا الْقَاتِلَ وَقَالَ لَا يُعِيدُ وَفِي الْقَتْلِ الْخَطَا وَالَّذِينَ لَا يَحْتَاجُونَ إِلَى إِعَادَةِ الْبَيِّنَةِ بِالْإِجْمَاعِ لِمَا مَرَّفَلُو بَرَهَنَ عَلَى الْقَاتِلِ عَلَى عَفْوِ الْغَائِبِ فَالْحَاضِرُ خَصْمٌ لِانْقِلَابِهِ مَالًا وَسَقَطَ الْقَوْدُ وَكَذَا لَوْ قَتَلَ عَبْدَهُمَا عَمْدًا أَوْ خَطَاؤًا وَالْحَالُ

تو بالا جماع اس سے قصاص نہیں لے گا یہاں تک کہ غائب حاضر ہو لیکن اس کو مجبوس کر دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ مدعی علیہ متہم ہو چکا ہے اگر غائب آجائے تو دوبارہ حجت قائم کرے تاکہ دونوں مل کر قاتل کو قتل کریں۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے کہا: وہ دوبارہ حجت قائم نہیں کرے گا قتل خطا اور دین میں وہ دوبارہ گواہیاں پیش کرنے کا محتاج نہیں ہوگا اس پر اجماع ہے۔ اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔ اگر قاتل نے غائب کے معاف کر دینے پر گواہیاں قائم کر دیں تو حاضر خصم ہوگا۔ کیونکہ وہ اب مال بن چکا ہے اور قصاص ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر وہ دو افراد کے غلام کو عمداً یا خطاً قتل کر دے حال یہ ہے لیے حق کو ثابت کرتا ہے اور نہ ہی غیر کے حق کو ثابت کرتا ہے، ”ط“۔

35180۔ (قوله: لَا يُقَيَّدُ) یہ لفظ یا کے ضمہ کے ساتھ ہے: یہ اقادالامیر القاتل سے مشتق ہے۔ معنی ہے اس کو قصاص کے طور پر قتل کر دیا۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ گواہیاں قبول کی جائیں گی مگر جب تک غائب حاضر نہیں ہوگا بالا جماع قصاص کا فیصلہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ قصاص کا مقصود پورا پورا حق لینا ہے اور حاضر بالا جماع اس پر قادر نہیں جس طرح ”کفایہ“ میں ہے۔

35181۔ (قوله: وَفِي الْقَتْلِ الْخَطَا) یعنی جب اس کے باپ کو غلطی سے قتل کیا گیا اور اس رہن میں جو اس کے باپ کا دوسرے شخص پر ہوا اگر حاضر اس پر حجت قائم کر دے تو غائب دوبارہ حجت قائم نہیں کرے گا۔ جب وہ حاضر ہوگا کیونکہ مال وارثوں کے لیے بطور ہلاکت ثابت ہوتا ہے۔ یہ سب علماء کے نزدیک ہے۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ حاضر اور غائب کے لیے قاضی ایک ہے۔ اگر وہ اس میں سے اپنے حصہ کو ثابت کرے یا قاضی متعدد ہوں تو وہ دوبارہ حجت قائم کرے گا بے شک دین کو خاص کیا۔ کیونکہ زمین کے لیے دوبارہ حجت قائم کرنے میں اختلاف ہے اگرچہ اصح یہی ہے کہ دوبارہ حجت قائم نہیں کرے گا جس طرح ”عمادیہ“ میں ہے۔ ”تہستانی“۔

35182۔ (قوله: لِمَا مَرَّفَلُو) یعنی جو قاعدہ گزر چکا ہے۔

35183۔ (قوله: فَالْحَاضِرُ خَصْمٌ) کیونکہ اس نے حاضر پر حق کا دعویٰ کیا وہ قصاص میں اس کے حق کا سقوط اور اس

کا مال بن جانا ہے اور وہ اس کے اثبات پر قادر نہ ہو تو وہ غائب کی جانب سے معافی کو ثابت کر سکتا ہے کہ وہ اس کی جانب سے خصم ہے جب اس حاضر پر فیصلہ کر دیا جائے گا تو حاضر کے خلاف بھی تبعا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ”زیلعی“۔

35184۔ (قوله: وَسَقَطَ الْقَوْدُ) یعنی اگرچہ غائب آئے اور معافی کا انکار کرے اور اس کا حق دیت کا نصف ہوگا۔

أَنَّ السَّيِّدَيْنِ أَحَدُهُمَا غَائِبٌ فَهُوَ عَلَى التَّفْصِيلِ السَّابِقِ (وَلَوْ أُخْبِرَ وَلِيًّا قَوْدٌ بِعَفْوِ أُخِيهِمَا) الثَّالِثُ (فَهُوَ) أَيْ إِخْبَارُهُمَا (عَفْوٌ لِلْقَصَاصِ مِنْهُمَا) عَمَلًا بِزَعْمِهِمَا وَهِيَ رُبَاعِيَّةٌ فَلَاوُلُ (إِنْ صَدَّقَهُمَا) أَيْ الْمُخْبِرَيْنِ (الْقَاتِلَ وَالْأَخَرَ) الشَّرِيكَ (فَلَا شَيْءَ لَهُ) أَيْ لِلشَّرِيكَ عَمَلًا بِتَصَدِيقِهِ (وَلَهُمَا ثُلُثَا الدِّيَةِ) وَالثَّانِي

کہ دو آقاؤں میں سے ایک غائب ہے تو یہ معاملہ سابقہ تفصیل پر مبنی ہوگا اگر قصاص کے دو ولی یہ خبر دیں کہ ان دونوں کے تیسرے بھائی نے قصاص معاف کر دیا ہے تو یہ خبر دینا ان دونوں کی جانب سے قصاص کو معاف کرنا ہے۔ یہ ان دونوں کے گمان پر عمل کرنے کی بنا پر ہے جب کہ اس کی چار صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے اگر دونوں خبر دینے والوں کی تصدیق قاتل اور بھائی جو شریک ہے کر دیں تو تصدیق کرنے پر عمل کرتے ہوئے ایک کے لیے کوئی شے نہ ہوگی اور ان دونوں کے لیے میت کا دو تہائی ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے

35185۔ (قوله: فَهُوَ عَلَى التَّفْصِيلِ السَّابِقِ) پس ان گواہیوں کو قبول نہ کیا جائے گا جنہیں حاضر نے قائم کیا جب کہ غائب کے لوٹ آنے کے بعد ان کا اعادہ نہیں ہوگا۔ اگر قاتل نے گواہیاں قائم کیں کہ غائب نے اسے معاف کر دیا تو حاضر خصم ہوگا اور قصاص ساقط ہو جائے گا۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ مسئلہ ان تمام صورتوں میں جن کا ذکر کیا گیا ہے پہلے کی مثل ہوگا مگر جب قتل عدا ہو یا خطا ہو تو حاضر بالا جماع غائب کی جانب سے خصم نہیں ہوگا دونوں کا فرق سب میں ہوگا۔ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کا خطا میں قول یہ ہے کہ وارثوں میں سے ایک باقیوں کا خصم ہوگا دو آقاؤں میں سے ایک اس طرح نہ ہوگا، ”زیلعی“۔

اگر قصاص کے دو ولی تیسرے کی طرف سے معافی کی خبر دیں تو اس کی صورتیں

35186۔ (قوله: وَلَوْ أُخْبِرَ الْاِخْرَ) اخبار کے ساتھ اس کو تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ یہ چاروں وجوہ کو جامع ہے۔ شہادت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت میں صرف تیسری وجہ میں پائی جاتی ہے جس طرح ”ابن کمال“ نے اسے بیان کیا ہے۔

35187۔ (قوله: عَفْوٌ لِلْقَصَاصِ مِنْهُمَا) قصاص کی قید لگائی کیونکہ یہ دونوں کی جانب سے مال کی معافی نہیں مگر بعض صورتوں میں مال کی معافی ہے جس طرح تو پہچانتا ہے۔

35188۔ (قوله: عَمَلًا بِزَعْمِهِمَا) کیونکہ دونوں نے یہ گمان کیا کہ تیسرے نے معاف کر دیا ہے اور بعض کے معاف کرنے سے قصاص ساقط ہو گیا ہے۔

35189۔ (قوله: وَهِيَ رُبَاعِيَّةٌ) یعنی اس کی وجوہ چار ہیں۔

35190۔ (قوله: وَلَهُمَا ثُلُثَا الدِّيَةِ) کیونکہ ان دونوں کا حصہ مال بن چکا ہے، ”درر“۔

35191۔ (قوله: وَ الثَّانِي إِنْ كَذَّبَهُمَا) ”رہلی“ نے کہا: مصنف کی متن اور شرح میں تحریر اسی طرح ہے صحیح

کذابا ہے۔

إِنْ كَذَّبَهَا فَلَا شَيْءَ لِلْمُخْبِرِينَ وَلَا خِيَمَهَا ثُلُثُ الدِّيَةِ وَالثَّالِثُ إِنْ صَدَّقَهَا الْقَاتِلُ وَحَدَهُ فَلِكُلِّ مِنْهُمَا ثُلُثُهَا وَالرَّابِعُ إِنْ صَدَّقَهَا الْأَخُ فَقَطْ فَلَهُ ثُلُثُهَا لِأَنَّ إِقْرَارَهُ ارْتَدَّ بِتَكْذِيبِ الْقَاتِلِ إِيَّاهُ فَوَجَبَ لَهُ ثُلُثُ الدِّيَةِ (وَلَكِنَّهُ يُصْرَفُ ذَلِكَ إِلَى الْمُخْبِرِينَ) اسْتِحْسَانًا

اگر ان دونوں کو جھٹلا دے تو خبر دینے والوں کے لیے کوئی شے نہ ہوگی اور دونوں بھائیوں کے لیے دیت کا ایک تہائی ہوگا۔ اور تیسری صورت یہ ہے اگر صرف قاتل ان دونوں کی تصدیق کرے تو دونوں میں سے ہر ایک کے لیے دیت کا ایک تہائی ہوگا۔ اور چوتھی صورت یہ ہے اگر صرف بھائی ان دونوں کی تصدیق کرے تو اس کے لیے دیت کا ایک تہائی ہوگا۔ کیونکہ اس کا اقرار رد ہو گیا جب قاتل نے اس کو جھٹلا دیا تو اس کے لیے دیت کا ایک تہائی ثابت ہو جائے گا لیکن اسے دونوں خبر دینے والوں کی طرف بطور استحسان پھیر دیا جائے گا۔

35192۔ (قوله: فَلَا شَيْءَ لِلْمُخْبِرِينَ) کیونکہ ان دونوں نے خبر دینے کے ساتھ قصاص میں اپنے حق کو ساقط کر دیا پس وہ مال بن گیا اور ان کا کوئی مال نہیں۔ کیونکہ قاتل اور شریک نے ان کو جھٹلا دیا، ”درر“۔

35193۔ (قوله: وَلَا خِيَمَهَا ثُلُثُ الدِّيَةِ) کیونکہ ان دونوں کا دعویٰ معاف کرنا ہے جب کہ وہ اس کا انکار کرتا ہے یہ اس کے قائم مقام ہے کہ اس کے حق میں ان دونوں کی جانب سے معافی کی ابتدا ہوئی ہے۔ پس اس کا حصہ مال ہو جائے گا، ”ابن کمال“۔

35194۔ (قوله: وَحَدَهُ) یعنی صرف قاتل نے تصدیق کی اس بھائی نے تصدیق نہیں کی جو شریک تھا۔

35195۔ (قوله: فَلِكُلِّ مِنْهُمَا ثُلُثُهَا) کیونکہ قاتل نے جب دونوں کی تصدیق کی تو اس نے دونوں کے حق میں دیت کے دو تہائی کا اقرار کیا۔ پس یہ لازم ہوگا اور اس نے معاف کرنے کے ساتھ تیسرے کے حق کو باطل کرنے کا دعویٰ کیا اور تیسرے نے اس کی تصدیق نہ کی۔ پس وہ مال میں متغیر ہو گیا پس وہ قاتل اس تیسرے کو ادا کرے، ”درر“۔

35196۔ (قوله: إِنْ صَدَّقَهَا الْأَخُ فَقَطْ) یعنی اور قاتل نے ان دونوں کو جھٹلا دیا۔

35197۔ (قوله: لِأَنَّ إِقْرَارَهُ الْخُ) یعنی یہ اعتراض نہیں کیا جائے گا کہ اس نے اقرار کیا کہ وہ قاتل پر کسی شے کا مستحق نہیں۔ کیونکہ اس نے قاتل کے حق میں عفو کا اقرار کر لیا ہے تو اس کے لیے کیسے تہائی واجب ہوگا۔

35198۔ (قوله: فَوَجَبَ لَهُ ثُلُثُ الدِّيَةِ) اور دو تہائی ساقط ہو جائیں۔ کیونکہ قاتل نے ان دونوں کو جھٹلا دیا ہے۔ جب تیسرے نے معافی کا اقرار کر لیا تو قصاص واقع نہیں ہوگا، ”ط“۔

35199۔ (قوله: وَلَكِنَّهُ يُصْرَفُ ذَلِكَ إِلَى الْمُخْبِرِينَ) کیونکہ بھائی نے معافی کا گمان کیا کیونکہ ان خبر دینے والوں کی تصدیق کی اور اس لیے کہ قاتل پر اس کے حق میں کوئی شے لازم نہ ہوگی بے شک قاتل کے ذمہ ان دونوں کے حق میں دیت کا دو تہائی ہوگا۔ اور اس کے قبضہ میں جو کچھ ہے وہ قاتل کا مال ہے جب کہ وہ ان دونوں کے حق کی جنس میں سے

وَهُوَ الْأَصَحُّ زَيْدَعِيٌّ لِأَنَّهُ صَارَ مُقَرَّرًا لَهَا بِمَا أَقَرَّ لَهُ بِهِ الْقَاتِلُ وَإِنْ شَهِدَ أَنَّهُ ضَرَبَهُ بِشَيْءٍ جَارِحٍ فَلَمْ يَزَلْ صَاحِبُ فِرَاشٍ حَتَّى مَاتَ يُقْتَضَى لِأَنَّ الثَّابِتَ بِالْبَيِّنَةِ كَالثَّابِتِ مُعَايَنَةً

یہی قول اصح ہے ”زیدعی“۔ کیونکہ اس نے ان دونوں کے لیے اسی چیز کا اقرار کیا ہے جس کا قاتل نے ان کے لیے اقرار کیا ہے۔ اگر اس نے گواہی دی کہ اس نے زخمی کرنے والی شے سے اسے مارا اور وہ لگا تار صاحب فراش رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ کیونکہ جو گواہیوں سے ثابت ہو وہ آنکھوں دیکھی چیز کے ثابت ہونے کی طرح ہے

ہے۔ پس اس کو ان دونوں کی طرف پھیر دیا جائے گا قیاس تو یہ ہے کہ اس پر کوئی شے لازم نہ ہو۔ کیونکہ دونوں نے قاتل پر مال کا دعویٰ کیا ہے اور قاتل منکر ہے۔ پس وہ مال ثابت نہ ہوگا اور قاتل نے بھائی کے حق میں جس چیز کا اقرار کیا ہے تو بھائی کے معاف کرنے کے اقرار کے ساتھ وہ باطل ہو چکا ہے۔ کیونکہ یہ قاتل کو جھٹلاتا ہے۔ استحسان کی دلیل یہ ہے قاتل نے جب دونوں خبر دینے والوں کو جھٹلانے کے ساتھ بھائی کے لیے دیت کی ایک تہائی کا اقرار کیا۔ کیونکہ اس کا یہ گمان ہے کہ قصاص ساقط ہو چکا ہے۔ کیونکہ دونوں نے یہ خبر دی ہے کہ اس نے معاف کر دیا ہے یہ ان دونوں کی جانب معاف کرنے کی ابتدا کی ہے مقررہ نے حقیقت میں قاتل کو نہیں جھٹلایا بلکہ وجوب کو اس کے علاوہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کی مثل میں اقرار رد نہیں ہوتا جس طرح ایک آدمی نے کہا: فلاں کے مجھ پر سو ہیں تو مقررہ نے کہا: وہ میرے نہیں لیکن وہ فلاں کے ہیں تو مال دوسرے مقررہ کے لیے ہوگا اسی طرح یہاں ہے ”درر“، موضحا۔

35200۔ (قوله: وَهُوَ الْأَصَحُّ زَيْدَعِيٌّ) اس کی عبارت ہے: ”جامع صغیر“ میں ہے: یہ ایک تہائی دو موجود افراد کے لیے ہوگا مشہود علیہ کے لیے نہیں ہوگا۔ یہی قول اصح ہے۔ الخ۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اصح کا مقابل یہ ہے کہ وہ اس بھائی کے لیے ہو جو مشہود علیہ ہے۔

اسلحہ کے ساتھ وار کرنے کی گواہی سے لاحالہ عمد ثابت ہوتا ہے

35201۔ (قوله: يُقْتَضَى) یہ اعتراض نہیں کیا جائے گا کہ اسلحہ کے ساتھ وار بعض اوقات قتل خطا ہوتا ہے تو قصاص کس طرح واجب ہوگا۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں جب انہوں نے اسلحہ کے ساتھ وار کرنے کی گواہی دی تو لاحالہ عمد ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ خطا ہو تو وہ کہتے: اس نے اس کے علاوہ کا قصد کیا پس وہ اس کو جالگا۔

”شرح الکافی“ میں کہا: یہ نہیں چاہیے کہ گواہوں سے پوچھا جائے کہ وہ اس ضرب سے مرایا اس سے نہیں مرا۔ اس طرح جب وہ گواہی دیں کہ اس نے تلوار ماری یہاں تک کہ وہ مر گیا اگرچہ وہ عمدہ نہ کریں۔ کیونکہ عمدہ حقیقت میں دل کا قصد و ارادہ ہوتا ہے یہ باطنی امر ہے جس پر آگاہی نہیں ہو سکتی۔ لیکن دلیل سے اس کو پہچانا جاسکتا ہے وہ ایسے آلہ سے ضرب لگانا ہے جو عام طور پر قتل کر دیتا ہے اگر وہ اس امر کی گواہی دیں کہ اس نے اس کو جان بوجھ کر قتل کیا ہے اور وہ مر گیا ہے تو یہ زیادہ احتیاط کا حامل ہے، ”اتقانی“۔

وَلَا يَحْتَاجُ الشَّاهِدُ أَنْ يَقُولَ إِنَّهُ مَاتَ مِنْ جِرَاحَتِهِ بَرَّازِيَّةً (وَأِنْ اخْتَلَفَ شَاهِدَا قَتْلِ فِي زَمَانٍ أَوْ فِي الْمَكَانِ أَوْ فِي آلَتِهِ أَوْ قَالَ أَحَدُهُمَا قَتَلَهُ بَعْضًا وَقَالَ الْآخَرُ لَمْ أَذَرِ بِمَاذَا قَتَلَهُ أَوْ شَهِدَ أَحَدُهُمَا عَلَى مُعَايَنَةِ الْقَتْلِ وَالْآخَرُ عَلَى إِقْرَارِ الْقَاتِلِ بِهِ بَطَلَتْ)؛

اور شاہد اس امر کا محتاج نہیں ہوگا کہ وہ کہے کہ وہ اس کے زخم سے مرا ہے، ”برازیہ“۔ اگر قتل کے دو گواہوں نے زمانہ، مکان یا آلہ میں اختلاف کیا یا دونوں میں سے ایک نے کہا: اس نے اسے ڈنڈے کے ساتھ قتل کیا اور دوسرے نے کہا: میں نہیں جانتا کہ اس نے کس کے ساتھ قتل کیا ہے یا دونوں میں سے ایک نے قتل کو آنکھوں سے دیکھنے کے بارے میں گواہی دی اور دوسرے نے قاتل کے قتل کے اقرار پر گواہی دی تو گواہی باطل ہو جائے گی

”رملی“ نے کہا: پہلی جنایت یہ اس امر میں صریح ہے کہ زخمی کرنے والے آلہ کے ساتھ جب گواہوں کے ساتھ قتل ثابت ہو جائے تو اس کے بعد قاتل کا یہ قول قبول نہیں کیا جائے گا میں نے اس کا قصد نہیں کیا اگر وہ یہ اقرار کرے میں نے اس کے علاوہ کا قصد کیا تھا۔ کیونکہ اس کی جانب سے وہ مطلقاً ثابت ہو گیا اس میں عمدیت اور خطیئت کی کوئی قید نہیں۔ پس اس کے ساتھ اس کو قبول کیا جائے گا جس کا اس نے اقرار کیا ہے اور اسے ادنیٰ پر محمول کیا جائے گا۔

”تاترخانیہ“ میں کہا: ”مجرد“ میں ”حسن بن زیاد“ نے امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ سے اقرار کیا ہے۔ اگر اس نے یہ اقرار کیا کہ اس نے فلاں کو لوہے یا تلوار سے قتل کیا ہے۔ پھر اس نے کہا: میں نے اس کے علاوہ کا اقرار کیا ہے تو میں نے اس کو قتل کر دیا تو اس سے یہ قول قبول نہ کیا جائے گا اور اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے مروی ہے: جب اس نے کہا: میں نے فلاں کو تلوار ماری تو میں نے اس کو قتل کر دیا کہا: یہ قتل خطا ہے یہاں تک کہ وہ کہے عدا۔ ملخص۔

میں کہتا ہوں: شہادت اور اقرار میں فرق یہ دوسری روایت پر ظاہر ہوگا پہلی روایت پر ظاہر نہیں ہوگا، تامل۔

35202۔ (قوله: وَلَا يَحْتَاجُ الشَّاهِدُ الْخ) کیونکہ موت جب ایسے سبب کے بعد واقع ہو جو اس کی صلاحیت رکھتا

ہے کہ موت کو اس کی طرف منسوب کیا جائے نہ کہ کسی اور سبب کی طرف منسوب کی جائے جب ظاہر میں کوئی دوسرا سبب نہ ہو اگرچہ احتمال موجود ہو۔ کیونکہ خلاف ظاہر کے احتمال کا احکام میں اعتبار نہیں کیا جاتا، ”اتقانی“۔

اگر قتل کے دو گواہوں میں زمان، مکان یا آلہ میں اختلاف ہو جائے تو گواہی باطل ہوگی

35203۔ (قوله: أَوْ فِي الْمَكَانِ) یعنی مکان جو ایک دوسرے سے دور ہو اگر وہ قریب قریب ہو جس طرح ایک کمرہ

ہے ان دونوں میں سے ایک کہتا ہے: میں نے اسے دیکھا اس نے اس جانب سے اسے قتل کیا ہے اور دوسرے نے گواہی دی میں نے اسے دیکھا اس نے اس کو دوسری جانب سے قتل کیا۔ پس اس کو قبول کیا جائے گا۔ ”ولو البجیہ“۔

35204۔ (قوله: أَوْ فِي آلَتِهِ) اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک نے کہا: اس نے اس عصا کے ساتھ قتل کیا

لَأَنَّ الْقَتْلَ لَا يَتَكَرَّرُ (وَكَذَا) تَبْطُلُ الشَّهَادَةُ (لَوْ كَثَلَ النِّصَابُ فِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا) لِيَتَيَقَّنَ الْقَاضِي بِكَذِبِ أَحَدِ الْفَرِيقَيْنِ وَلَا أَوْلَوِيَّةَ (وَلَوْ كَثَلَ أَحَدُ الْفَرِيقَيْنِ دُونَ الْآخِرِ قَبْلَ الْكَامِلِ مِنْهُمَا)

کیونکہ قتل متکرر نہیں ہوتا۔ اگر دونوں میں سے ہر ایک میں نصاب شہادت مکمل ہو جائے تو اسی طرح شہادت باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ قاضی کو دونوں فریقوں میں سے ایک کے جھوٹ کا یقین ہے اور کوئی اولویت نہیں پائی جا رہی۔ اگر دونوں فریقوں میں سے ایک دوسرے کے بغیر نصاب شہادت مکمل کر دے تو ان دونوں میں سے جس کا نصاب کامل ہوگا اس کو قبول کر لیا جائے گا۔

اور دوسرے نے اسے کہا اس نے اسے تلوار کے ساتھ قتل کیا ہے۔ ”خزانہ“ میں کہا: اگر دونوں میں سے ایک نے تلوار سے قتل کا ذکر کیا اور دوسرے نے چھری سے قتل کا ذکر کیا تو یہ جائز نہیں ہوگا اگر دونوں گواہیاں اس کے اقرار کی ہوں تو یہ جائز ہوگا اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ شہادت کے باطل ہونے کی وجہ محض اختلاف ہے نہ یہ دونوں میں سے ایک کی شہادت کا موجب عہد ہے اور دوسرے کی شہادت کا موجب خطا ہے ”عزمیہ“۔

35205۔ (قوله: لَأَنَّ الْقَتْلَ لَا يَتَكَرَّرُ) یہ زمان، مکان یا آلہ میں جو اختلاف ہے اس میں ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ تینوں میں سے ہر ایک میں دو گواہوں میں سے ایک نے اس میں قتل کی شہادت دی اور دوسرے نے دوسری چیز کے ساتھ قتل کی شہادت دی اس سے مشہود بہ دونوں کا اختلاف لازم آئے گا۔ جہاں تک چوتھی صورت کا تعلق ہے تو علت یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک نے شبہ عہد کی شہادت دی اور دوسرے نے مطلق قتل کی شہادت دی جو عہد شبہ عہد اور خطا کا احتمال رکھتا ہے تو مشہود بہ میں ان کا اتفاق ثابت نہیں۔ یہی صورتحال پانچویں میں ہے ان دونوں میں سے ایک فعل اور دوسرا قول پر گواہی دیتا ہے اگر وہ کہتے: لا اختلاف المشهود بہ تو یہ سب کو جامع ہو جاتا۔

35206۔ (قوله: وَكَذَا تَبْطُلُ الشَّهَادَةُ الْخ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ شہادت پانچوں صورتوں میں باطل ہو جائے گی جب کہ ”زیلعی“ نے اسے صرف پہلی تین صورتوں کے بعد ذکر کیا ہے۔ اس کے ساتھ وہ علت ظاہر ہو جاتی ہے جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ ہر فریق نے ایک اور قتل کی گواہی دی ہے اور قتل متکرر نہیں ہوتا۔ پس دونوں فریقوں میں سے ایک کے جھوٹ بولنے کا یقین حاصل ہو جائے گا۔ جہاں تک چوتھی اور پانچویں صورت کا تعلق ہے تو وہ ظاہر نہیں، فتنہ بر۔

35207۔ (قوله: وَلَا أَوْلَوِيَّةَ) کیونکہ دونوں گواہوں میں سے کوئی بھی قبولیت میں دوسری سے بڑھ کر نہیں۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب دونوں ایک کے بارے میں حکم سے پہلے متعارض ہوں ورنہ دوسری گواہی سنی ہی نہ جائے گی۔ کیونکہ دونوں گواہیاں متعارض ہیں جب دونوں میں سے ایک کے بارے میں حکم سبقت لے جائے تو دوسری لغو ہو جائے گی۔

35208۔ (قوله: وَلَوْ كَثَلَ أَحَدُ الْفَرِيقَيْنِ) یعنی نصاب شہادت ایک جانب سے دوسری جانب کے بغیر مکمل ہو گیا۔

لِعَدَمِ الْمَعَارِضِ (وَلَوْ شَهِدَا) بِقَتْلِهِ (وَقَالَا جَهْلُنَا آلَتَهُ تَجِبُ الدِّيَّةُ فِي مَالِهِ) فِي ثَلَاثِ سِنِينَ شُرْبُلَالِيَّةٌ
اسْتِحْسَانًا حَمَلًا عَلَى الْأَذْنَى وَهُوَ الدِّيَّةُ وَكَانَتْ فِي مَالِهِ؛ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي الْفِعْلِ الْعَمْدُ (وَأِنْ أَقَرَّ كُلُّ وَاحِدٍ
مِنْهُمَا) أَمَى مِنَ الرَّجُلَيْنِ (أَنَّهُ قَتَلَهُ وَقَالَ الْوَلِيُّ قَتَلْتُمَاهُ جَمِيعًا لَهُ قَتْلُهُمَا) عَمَلًا بِإِقْرَارِهِمَا (وَلَوْ كَانَ
مَكَانَ الْإِقْرَارِ وَالْمَسْأَلَةِ بِحَالِهَا) (شَهَادَةٌ لَعَثُ) الشَّهَادَتَانِ لِأَنَّ التَّكْذِيبَ تَفْسِيقٌ وَفَسْقُ الشَّاهِدِ
يُبْطِلُ شَهَادَتَهُ أَمَّا فِسْقُ الْمُقَرَّرِ لَا يُبْطِلُ الْإِقْرَارَ (وَلَوْ قَالَ) الْوَلِيُّ (فِي) صُورَةٍ (الْإِقْرَارِ) السَّابِقَةِ صَدَّقْتُهَا

کیونکہ معارض نہیں پایا گیا۔ اگر دو نے اس کے قتل کی گواہی دی اور دونوں کہیں ہم اس کے آلہ سے جاہل ہیں تو اس کے مال
میں دیت واجب ہوگی جو تین سالوں میں ادا کرنا ہوگی ”شرنبلا لیه“۔ یہ بطور استحسان ہے جب کہ یہ ادنیٰ پر محمول ہوگی جو دیت
ہے اور وہ دیت اس کے مال میں لازم ہوگی۔ کیونکہ اصل (قصاص) فعل عمد میں واقع ہوتا ہے۔ اگر دونوں آدمیوں میں سے
ہر ایک نے یہ اقرار کیا کہ اس نے دونوں کو قتل کیا اور ولی نے کہا: تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے تو ولی کو حق حاصل ہوگا کہ ان
دونوں کو قتل کر دے۔ یہ حکم ان دونوں کے اقرار کی وجہ سے ہوگا۔ اگر اقرار کی جگہ شہادت ہو جب کہ مسئلہ اپنی حالت پر ہو تو
دونوں شہادتیں لغو چلی جائیں گی۔ کیونکہ تکذیب کرنا یہ اس کو فاسق قرار دینا ہے اور شاہد کا فسق اس کی شہادت کو باطل کر دیتا
ہے۔ جہاں تک مقرر کا فسق ہے یہ اقرار کو باطل نہیں کرتا۔ اگر ولی نے اقرار کی سابقہ صورت میں کہا: تم دونوں نے سچ کہا ہے

35209۔ (قوله: اسْتِحْسَانًا) قیاس یہ ہے کہ شہادت کو قبول نہ کیا جائے۔ کیونکہ فعل آلہ کے مختلف ہو جانے سے
مختلف ہو جاتا ہے۔ پس مشہود بہ مجہول ہو جائے گا، ”ہدایہ“۔

35210۔ (قوله: حَمَلًا عَلَى الْأَذْنَى) کیونکہ انہوں نے مطلق قتل کی شہادت دی اور مطلق مجمل نہیں۔ پس اس کے
دونوں حکموں میں سے جو اقل ہے وہ واجب ہوگا جو دیت ہے اور ان کے قول لاندردی کو غفلت پر محمول نہیں کیا جائے گا بلکہ
اسے محمول کیا جائے گا کہ انہوں نے اس کو ساقط کرنے کی کوشش کی۔ عقوبات میں جو مندوب ہے یہ ان دونوں کے بارے میں
حسن ظن کے اعتبار سے ہے، ”عینی“۔

35211۔ (قوله: لَعَثُ) مگر جب ولی دونوں گواہوں میں سے ایک کی تصدیق کر دے جس طرح آگے آئے گا، ”ط“۔
یعنی مصنف کے قول میں آئے گا جس طرح اگر وہ دونوں مشہود علیہ میں سے ایک کہے یعنی اسے کہا: تو نے اس کو قتل کر دیا ہے۔
شاہد کا فسق اس کی شہادت کو باطل کر دیتا ہے جب کہ مقرر کا فسق اقرار کو باطل نہیں کرتا

35212۔ (قوله: لِأَنَّ التَّكْذِيبَ تَفْسِيقٌ) کیونکہ ان کا قول قتلتماہہ یہ بعض مشہود بہ میں گواہوں کی تکذیب
ہے۔ کیونکہ دونوں نے قتل میں اشتراک کا دعویٰ کیا ہے۔ گویا اس نے کہا: وہ اس کے قتل میں منفرد نہیں۔ بلکہ دوسرا اس کے
ساتھ شریک ہے تکذیب کی اتنی مقدار شہادت کے قبول کرنے کے مانع ہے۔ کیونکہ اس نے اس کے ساتھ ان کے فسق کا دعویٰ
کیا ہے نہ کہ اقرار کے قبول کرنے کے مانع ہے، ”زیلعی“۔

(لَيْسَ لَهُ أَنْ يَقْتُلَ وَاحِدًا مِنْهُمَا) لِأَنَّ تَصْدِيقَهُ بِإِنْفِرَادِ كُلِّ بِقَتْلِهِ وَحْدَهُ إِقْرَارٌ بِأَنَّ الْآخَرَ لَمْ يَقْتُلْهُ بِخِلَافِ قَوْلِهِ قَتَلْتُمَا، لِأَنَّهُ دَعَا الْقَتْلَ بِلَا تَصْدِيقٍ فَيَقْتُلُهُمَا بِإِقْرَارِهِمَا زَيْدَعِي (وَلَوْ أَقْرَأَ) رَجُلٌ بِأَنَّهُ قَتَلَهُ وَقَامَتِ الْبَيِّنَةُ عَلَى آخَرٍ أَنَّهُ قَتَلَهُ وَقَالَ الْوَلِيُّ قَتَلَهُ كِلَاهُمَا كَانَ لَهُ لِيُؤَيِّ الْقَتْلُ الْمُقَرَّرَ دُونَ الْمَشْهُودِ عَلَيْهِ) لِأَنَّ فِيهِ تَكْذِيبًا لِبَعْضٍ مُوجِبِهِ كَمَا مَرَّ، وَلَوْ قَالَ الْوَلِيُّ لِأَحَدِ الْمُقَرَّرِينَ صَدَقْتَ أَنْتَ قَتَلْتَهُ وَحَدَّكَ

تو اسے حق حاصل نہیں ہوگا کہ ان دونوں میں سے ایک کو قتل کرے۔ کیونکہ اس کا ہر ایک کی علیحدہ قتل کی تصدیق کرنا یہ اس کا اقرار ہے کہ دوسرے نے اسے قتل نہیں کیا اس کا قول قتلتما اس کے برخلاف ہے۔ کیونکہ یہ تصدیق کے بغیر قتل کا دعویٰ ہے۔ پس وہ ان دونوں کے اقرار کے ساتھ ان دونوں کو قتل کرے گا، ”زیلعی“۔ اگر ایک آدمی نے اقرار کیا کہ اسے فلاں نے قتل کیا اور گواہیاں ایک اور آدمی پر قائم ہوئیں کہ فلاں نے اسے قتل کیا ہے۔ ولی نے کہا: اسے ان دونوں نے قتل کیا ہے تو ولی کو حق حاصل ہوگا کہ مقرر کو قتل کرے نہ کہ جس پر گواہی دی گئی ہے اسے قتل کر دیں۔ کیونکہ اس میں اس کے بعض حکم کی تکذیب ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ اگر ولی نے دونوں اقرار کرنے والوں میں سے ایک سے کہا: تو نے سچ کہا ہے تو نے اسے اکیلے قتل کیا ہے

35213۔ (قوله: لَيْسَ لَهُ أَنْ يَقْتُلَ وَاحِدًا مِنْهُمَا) اس کے لیے دیت بھی نہ ہوگی۔ اس کی دلیل وہی ہے جس کا

انہوں نے ذکر کیا ہے، ”ط“۔

35214۔ (قوله: إِقْرَأْ بِأَنَّ الْآخَرَ لَمْ يَقْتُلْهُ) پس وہ ان دونوں کی اس امر میں تکذیب کرنے والا ہوگا جو ان

دونوں نے قتل کے بارے میں خبر دی ہے، ”ط“۔

35215۔ (قوله: بِلَا تَصْدِيقٍ) یعنی دو افراد میں تصدیق کے بغیر۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک نے انفرادی طور

پر قتل اور اپنے اوپر قصاص کا اقرار کیا ہے مقرر نے اس پر قتل کے واجب ہونے میں اس کی تصدیق کی ہے لیکن انفرادی طور پر اس کے قتل کو جھٹلایا ہے اور مقرر کا ان چیزوں میں سے بعض کی تکذیب جن کا اس نے اقرار کیا تھا یہ نقصان نہیں دیتا جس طرح یہ قول گزر چکا ہے۔

35216۔ (قوله: وَلَوْ أَقْرَأَ رَجُلٌ الْآخَرَ) اس کی صورت یہ ہے: ولی نے دو آدمیوں کے خلاف قتل کا دعویٰ کیا اور گواہ

لے آیا گواہوں نے دونوں میں سے ایک کے خلاف گواہی دی اور دوسرے نے اقرار کیا، تاہل۔

35217۔ (قوله: لِأَنَّ فِيهِ) یعنی ان کے اس قول میں اسے ان دونوں نے قتل کر دیا۔

35218۔ (قوله: لِبَعْضٍ مُّوجِبِهِ) یعنی جس کی ان دونوں نے گواہی دی اس کے موجب کی۔ کیونکہ دونوں نے

مشہود علیہ کے قتل میں منفرد ہونے کو ثابت کیا ہے۔ مدعی کہتا ہے نہیں بلکہ اس اور دوسرے نے اسے قتل کیا ہے۔

35219۔ (قوله: كَمَا مَرَّ) کہ جھٹلانا اس کے فسق کو ثابت کرنا ہے۔

كَانَ لَهُ قَتْلُهُ لِتَصَادُقْهُمَا عَلَى وَجُوبِ الْقَتْلِ عَلَيْهِ وَحَدَهُ (كَمَا لَوْ قَالَ ذَلِكَ لِأَحَدِ الشُّهُودِ عَلَيْهِمَا) كَانَ لَهُ قَتْلُهُ لِعَدَمِ تَكْذِيبِهِ شُهُودَهُ عَلَيْهِ وَإِنَّمَا كَذَّبَ الْآخَرِينَ وَكَذَا حُكْمُ الْخَطَا فِي كُلِّ مَا ذُكِرَ ذِكْرُهُ الزَّيْلَعِيُّ (شَهَدَا عَلَى رَجُلٍ بِقَتْلِهِ خَطَاً وَحَكَمَ بِالْدِّيَةِ) عَلَى الْعَاقِلَةِ (فَجَاءَ الشُّهُودُ بِقَتْلِهِ حَيًّا ضَمَّنَ الْعَاقِلَةُ الْوَلِيَّ) لِقَبْضِهِ الدِّيَةَ بِلَا حَقٍّ (أَوْ الشُّهُودُ وَرَجَعُوا) أَمَّا الشُّهُودُ (عَلَيْهِ) عَلَى الْوَلِيِّ لِتَمْلِكِهِمُ الْمَضْمُونِ الَّذِي فِي يَدِ الْوَلِيِّ (وَالشَّهَادَةُ عَلَى قَتْلِ الْعَمْدِ) فِي هَذَا الْحُكْمِ (كَالْخَطَا)

تو اسے اس کو قتل کرنے کا حق ہوگا۔ کیونکہ دونوں نے اس کی تصدیق کی ہے کہ اس پر قتل واجب ہے جس طرح وہ یہ قول دو مشہود علیہ میں سے ایک کے بارے میں کہے تو اس کو قتل کرنے کا حق ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس پر گواہی دینے والوں کو نہیں جھٹلایا اس نے دوسرے افراد کو جھٹلایا ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے ان تمام میں خطا کا حکم اسی طرح ہے ”زیلعی“ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ دو آدمیوں نے ایک آدمی کے بارے میں اس کے خطا قتل ہونے کی گواہی دی اور عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کر دیا گیا پھر وہ شخص جس کے قتل ہونے کے بارے میں گواہی دی گئی تھی وہ زندہ واپس آیا تو عاقلہ اس ولی سے ضمانت لے گی۔ کیونکہ اس ولی نے ناحق دیت پر قبضہ کیا تھا یا گواہ ولی سے واپسی کا مطالبہ کریں گے۔ کیونکہ اس مضمون کے مالک بنے جو ولی کے قبضہ میں تھا۔ قتل عمد پر شہادت اس حکم میں قتل خطا کی طرح ہے

35220۔ (قوله: كَمَا لَوْ قَالَ ذَلِكَ) یعنی تو نے اکیلے اسے قتل کیا ہے۔

35221۔ (قوله: شَهَدَا عَلَى رَجُلٍ بِقَتْلِهِ خَطَاً) یعنی اس نے کسی دوسرے شخص کو خطا قتل کیا۔

یہ چیز ذہن نشین کر لو کہ یہاں سے ان کے قول والے معتبر بحالۃ الرمی تک جتنے مسائل ہیں صاحب ”الدرر“ نے ان کا ذکر کیا۔ ان کی اصل ”تاتر خانہ“ کی فصل چوبیس میں مذکور ہیں جو امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے ”جامع کبیر“ میں موجود ہیں۔

35222۔ (قوله: ضَمَّنَ الْعَاقِلَةُ الْوَلِيَّ) ولی کسی سے مطالبہ نہیں کرے گا، ”تاتر خانہ“۔

35223۔ (قوله: أَوْ الشُّهُودُ) کیونکہ مال ان کی شہادت کے ساتھ تلف ہو چکا ہے، ”درر“۔

35224۔ (قوله: لِتَمْلِكِهِمُ الْمَضْمُونِ الْخ) ”الدرر“ کی یہ عبارت ہے: کیونکہ وہ مضمون کے مالک ہیں اور مضمون

وہ ہے جو ولی کے قبضہ میں ہے جس طرح غاصب کا غاصب کے غاصب کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے۔

35225۔ (قوله: وَالشَّهَادَةُ عَلَى الْقَتْلِ الْعَمْدِ الْخ) یعنی جب وہ قتل عمد کی گواہی دیں اور قاتل سے قصاص لے

لیا جائے پھر جس آدمی کے قتل ہو جانے کے بارے میں گواہی دی گئی تھی وہ زندہ واپس آ گیا تو ان میں سے کسی پر قصاص لازم نہیں ہوگا۔ لیکن قاتل کے ورثا کو اختیار ہوگا اگر وہ ولی سے ضمانت لیں تو کسی سے مطالبہ نہیں کریں گے اور اگر وہ گواہوں سے ضمانت لیں تو ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس بارے میں ولی سے مطالبہ نہیں کریں گے۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ مطالبہ کریں گے، ”تاتر خانہ“۔

فَإِذَا جَاءَ حَيًّا يُخَيَّرُ الْوَرَثَةُ بَيْنَ تَضْمِينِ الْوَلِيِّ الدِّيَّةَ أَوْ الشُّهُودِ (إِلَّا فِي الرُّجُوعِ) فَلَا رُجُوعَ لِلشُّهُودِ عَلَى الْوَلِيِّ لِأَنَّهُمْ أَوْ جَبُّوا لَهُ الْقَوْدَ، وَهُوَ لَيْسَ بِمَالٍ وَقَالَا يَرْجِعُونَ كَالْخَطَا (وَلَوْ شَهِدَا عَلَى إِقْرَارِهِ) أَمْنِي إِقْرَارِ الْقَاتِلِ بِالْخَطَا أَوْ الْعَنْدِ ثُمَّ جَاءَ حَيًّا (أَوْ شَهِدَا عَلَى شَهَادَةٍ غَيْرِهِمَا فِي الْخَطَا) وَقَضَى بِالْدِّيَّةِ عَلَى الْعَاقِلَةِ ثُمَّ جَاءَ حَيًّا (لَمْ يَضْمَنْ) إِذْ لَمْ يَظْهَرْ كَذِبُهُمَا فِي شَهَادَتِهِمَا (وَضَمِنَ الْوَلِيُّ الدِّيَّةَ) فِي الصُّورَتَيْنِ (لِلْعَاقِلَةِ)

جب وہ مشہود علیہ زندہ آجائے تو وارثوں کو اختیار دیا جائے گا کہ ولی سے دیت لے لیں یا گواہوں سے دیت لے لیں مگر جب وہ گواہ شہادت سے رجوع کریں تو گواہوں کو ولی سے رجوع کرنے کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ گواہوں نے اس کے لیے قصاص کے حق کو ثابت کیا تھا جب کہ قصاص مال نہیں۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے کہا: وہ قتل خطا کی طرح اس سے دیت کا مطالبہ کریں گے اگر گواہوں نے قاتل کے اقرار پر گواہی دی وہ قتل خطا ہو یا قتل عمد ہو پھر وہ زندہ واپس آئے یا دونوں نے قتل خطا میں غیر کی شہادت پر شہادت دی اور دیت کا فیصلہ عاقلہ پر کر دیا گیا پھر وہ زندہ آیا تو دونوں ضامن نہیں ہوں گے۔ کیونکہ دونوں کا جھوٹ ان کی شہادت میں ظاہر نہیں ہوا۔ اور دونوں صورتوں میں ولی عاقلہ کے لیے دیت کا ضامن ہوگا۔

اقرار کی صورت میں عاقلہ دیت کی ذمہ دار نہیں ہوتی

35226۔ (قوله: أَمْنِي إِقْرَارِ الْقَاتِلِ بِالْخَطَا أَوْ الْعَنْدِ) قتل خطا کی صورت میں اس کے مال میں سے دیت کا فیصلہ

کیا جائے گا۔ کیونکہ عاقلہ اقرار کی صورت میں دیت کی ذمہ دار نہیں ہوتی اور قصاص قتل عمد کی صورت میں ہوتا ہے۔ تامل۔

35227۔ (قوله: فِي الْخَطَا) یہ قید لگائی ہے کیونکہ قصاص میں شہادت پر شہادت کو قبول نہیں کیا جاتا جیسے حد ہے جس

طرح علما نے اس کی تصریح کی ہے، فافہم۔

35228۔ (قوله: ثُمَّ جَاءَ) یعنی وہ مشہود علیہ آ گیا جس کے قتل کا اس نے اقرار کیا تھا۔

35229۔ (قوله: إِذْ لَمْ يَظْهَرْ كَذِبُهُمَا) کیونکہ دونوں نے اس کے قتل کی گواہی نہیں دی بلکہ اس بارے میں گواہی

دی کہ قاتل نے اس کا اقرار کیا تھا ظاہر یہ ہے کہ اس نے جھوٹا اقرار کیا اور دوسری صورت میں انہوں نے اصول کی گواہی پر گواہی دی ہے نفس قتل پر گواہی نہیں دی۔

35230۔ (قوله: وَضَمِنَ الْوَلِيُّ الدِّيَّةَ فِي الصُّورَتَيْنِ) یعنی صورتیں سے مراد اس کے اقرار پر گواہی اور شہادت ہے

پس ولی نے جس پر قبضہ کیا تھا اس کو وہ واپس کر دے گا۔ لیکن قتل عمد کے بارے میں اقرار پر جب شہادت دے گا تو وہ کسی شے پر قبضہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس کا موجب قصاص ہے شاید معنی یہ ہے کہ ولی جب مقرر سے قصاص لے گا تو وہ اپنے اولیاء کے لیے دیت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ اس کا قصاص میں کوئی حق نہیں ہے اس کے بعد کہ وہ آ گیا ہے جس کی وجہ سے قصاص لیا جا رہا تھا کیونکہ وہ تو زندہ ہے، تامل۔

35231۔ (قوله: لِلْعَاقِلَةِ) ”الدرر“ میں اسی طرح ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ عاقلہ نہ اقرار

إِذْ ظَهَرَ أَنَّهُ أَخَذَهَا مِنْهُمْ بِغَيْرِ حَقٍّ (وَالْمُعْتَبَرُ حَالَةُ الرَّمِيِّ) فِي حَقِّ الْحِلِّ وَالضَّمَانِ (لَا الْوُصُولِ) وَحِينَئِذٍ (فَتَجِبُ الدِّيَةُ) فِي مَالِهِ وَسَقَطَ الْقَوْدُ لِلشُّبْهَةِ (بِرِدَّةِ الْمَرْمِيِّ إِلَيْهِ قَبْلَ الْوُصُولِ) وَقَالَا لَا شَيْءَ عَلَيْهِ (لَا تَجِبُ دِيَةُ الْمَرْمِيِّ إِلَيْهِ بِإِسْلَامِهِ) بِالْإِجْمَاعِ (وَتَجِبُ الْقِيَمَةُ بَعْتَقِهِ)

کیونکہ یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ اس نے ان سے ناحق دیت وصول کی ہے۔ حلت اور ضمان کے حق میں معتبر تیر پھینکنے کی حالت ہے پہنچنے کی حالت نہیں۔ اس وقت اس کے مال میں دیت واجب ہوگی اور شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کی طرف تیر پھینکا گیا تھا اس تک تیر پہنچنے سے پہلے مرتد ہو گیا تھا۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہا نے کہا: اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ جس کی طرف تیر پھینکا گیا تھا اس کے اسلام قبول کر لینے سے دیت بالا جماع واجب نہ ہوگی اور تیر پھینکنے کے بعد اور تیر لگنے سے پہلے

کی صورت میں اور نہ ہی عہد کی صورت میں دیت کی ذمہ دار ہوتی ہے بلکہ عاقلہ کے لیے اس کی ضمان صرف دوسری صورت میں مقصود ہے۔ کیونکہ دیت کا ان پر فیصلہ کیا گیا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ ”تا ترخانیہ“ جو ”جامع صغیر“ سے مروی عبارت ہے جس پر کوئی غبار نہیں۔ کیونکہ کہا: اگر قتل خطا یا قتل عمد میں قاتل کے اقرار پر شہادت ہو جب کہ مسئلہ اس حالت میں رہے تو گواہوں پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ بے شک ضمان دونوں فصولوں میں ولی پر ہوگی۔ اسی طرح اگر دونوں نے قتل خطا میں گواہوں پر گواہی دی اور قاضی عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کر دے اور باقی مسئلہ اپنی حالت پر رہے تو فروع پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ لیکن ولی عاقلہ کو دیت واپس کر دے گا۔ اور باقی مسئلہ کے بارے میں یہ ارادہ کیا ہے کہ جس کے قتل کی شہادت دی گئی تھی وہ زندہ واپس آ گیا ہے۔

35232۔ (قوله: وَالْمُعْتَبَرُ حَالَةُ الرَّمِيِّ) کیونکہ ضمانت اس کے فعل کے بدلے میں ہے وہ رمی ہے۔ کیونکہ اس کے بعد اس کا کوئی فعل نہیں۔ پس رمی کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا جب کہ جس کی طرف تیر پھینکا گیا ہے وہ اس حالت میں مقوم ہو، ”ہدایہ“۔

35233۔ (قوله: فِي حَقِّ الْحِلِّ وَالضَّمَانِ) حل سے مراد حج کے احرام سے خارج ہونا ہے جس طرح اس کا مسئلہ آگے آئے گا۔ ”عزمیہ“۔

35234۔ (قوله: لِلشُّبْهَةِ) یعنی تیر اسے جا کر لگا ہے اس وقت عصمت کے ساقط ہونے کا شبہ ہے۔

35235۔ (قوله: بِرِدَّةِ الْمَرْمِيِّ إِلَيْهِ) یعنی اس صورت میں جب اس نے مسلمان کو تیر مارا تو جس کی طرف تیر پھینکا گیا تھا وہ مرتد ہو گیا العیاذ باللہ پھر اسے جا کر تیر لگا۔

35236۔ (قوله: وَقَالَا لَا شَيْءَ عَلَيْهِ) کیونکہ تلف اس کے محل میں واقع ہوا ہے اسے کوئی عصمت حاصل نہ ہوگی، ”منح“۔

35237۔ (قوله: وَتَجِبُ الْقِيَمَةُ بَعْتَقِهِ الخ) قیاس تو یہ ہے کہ قصاص لازم ہو لیکن شبہ کی وجہ سے یہ ساقط ہو گیا

بَعْدَ الرَّمْيِ قَبْلَ الْإِصَابَةِ (و) يَجِبُ (الْجَزَاءُ عَلَى مُحْرِمٍ رَمَى صَيْدًا فَحَلَّ) فَوَصَلَ لَا عَلَى حَلَالٍ رَمَاهُ فَأَحْرَمَ فَوَصَلَ وَلَا يَضُنُّ مَنْ رَمَى مَقْصِيًّا عَلَيْهِ بِرَجْمٍ فَرَجَعَ شَاهِدُهُ فَوَصَلَ وَحَلَّ صَيْدٌ رَمَاهُ مُسْلِمٌ فَتَسَجَّسَ فَوَصَلَ لَا يَحِلُّ (مَا رَمَاهُ مَجُوسِيٌّ فَأَسْلَمَ فَوَصَلَ) لِمَا عَرَفْتُ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ حَالَةُ الرَّمْيِ لَغْزَأِي جَانِ لَوْ مَاتَ مَجْنِيئُهُ فَعَلَيْهِ نِصْفُ الدِّيَةِ وَلَوْ عَاشَ فَالِدِيَّةُ؟ فَقُلْ خَتَانُ قَطَعَ الْحَشْفَةَ بِإِذْنِ أَبِيهِ أُمِّي إِنْ سَانَ بِقَطْعِ أُذُنِهِ يَجِبُ نِصْفُ الدِّيَةِ وَبِقَطْعِ رَأْسِهِ نِصْفُ عَشْرَاهَا؟

وہ آزاد ہو گیا کہ قیمت واجب ہوگی اور اس محرم پر جزا واجب ہوگی جس نے تیر پھینکا پھر احرام اتار دیا تو تیر شکار کو جا لگا۔ اس غیر محرم پر جزا واجب نہ ہوگی جس نے پہلے تیر پھینکا اور پھر احرام باندھا تو تیر شکار کو جا لگا۔ جس آدمی پر رجم کا فیصلہ ہو چکا تھا اس کو جس نے تیر مارا تو اس کے گواہ نے گواہی سے رجوع کر لیا اور پھر تیر جا کر اسے لگا ایسا آدمی ضامن نہ ہوگا۔ وہ شکار حلال ہوگا۔ وہ شکار حلال ہوگا جسے کسی مسلمان نے تیر مارا پھر وہ آدمی مجبوس ہو گیا تو تیر اسے جا لگا۔ وہ شکار حلال نہ ہوگا جسے مجوسی نے تیر مارا تھا تو وہ مسلمان ہو گیا اور تیر جا کر اسے لگا۔ کیونکہ تو یہ پہچان چکا ہے کہ معتبر رمی کی حالت ہے۔ پہلی: کون سا وہ جنایت کرنے والا ہے اگر وہ آدمی مر جائے جس پر اس نے جنایت کی تھی تو اس پر نصف دیت لازم ہوگی اگر وہ زندہ رہے تو پوری دیت ہوگی؟ تو کہہ ایسا ختنہ کرنے والا جس نے اس بچے کے باپ کی اجازت سے حشفہ کاٹا تھا۔ وہ کون سا انسان ہے اس کا کان کاٹنے سے نصف دیت واجب ہوتی ہے اور اس کا سر کاٹنے سے دیت کا بیسواں حصہ لازم ہوتا ہے؟

ہے۔ اگر تیر پھینکنے کا اعتبار کیا جائے تو آقا کے لیے ثابت ہوگا اور غلام کے لیے ثابت ہوگا پھر غلام سے اس کے وارث کی طرف منتقل ہوگا اگر تیر لگنے کا اعتبار کیا جائے۔ پس اس نے ایسا شبہ پیدا کیا جو قصاص کو ختم کرنے والا ہے۔ ”شرح الجمع“ میں جو مصنف کی تالیف ہے وہاں ”تہستانی“ نے قتل خطا کی جو قید لگائی ہے وہ محل نظر ہے۔ ”ابوسعود“ نے اس کو بیان کیا ہے۔

35238۔ (قوله: فَوَصَلَ) یعنی وہ تیر جس کو پھینکا گیا۔

35239۔ (قوله: وَلَا يَضُنُّ الْخ) کیونکہ رمی کی حالت میں وہ مباح الدم ہے ضمان رجوع کرنے والے پر ہوگی۔

اگر وہ رجوع کرنے والا ایک ہو تو وہ ایک چوتھائی کا ضامن ہوگا اگر سب رجوع کر لیں تو پوری دیت لازم ہوگی، ”ابوسعود“۔

35240۔ (قوله: فَرَجَعَ شَاهِدُهُ) یہ (شاہدہ) اضافت جنس کے لیے ہے کیونکہ یہ اضافت اس کے سے آتی ہے جس

پر الف لام (جنسی) آتا ہے پس یہ چار میں سے ایک یا سب کے رجوع کو شامل ہوگی۔

35241۔ (قوله: أُمِّي جَانِ الْخ) اس کی وضاحت باب القسامۃ سے تھوڑا پہلے آئے گی۔

35242۔ (قوله: بِإِذْنِ أَبِيهِ) یہ ختان کے متعلق ہے قطع کے متعلق نہیں کیونکہ حشفہ کے کاٹنے کے اذن کا کوئی اعتبار

نہیں کیونکہ باپ اس کے اذن دینے کا مالک نہیں، ”رحمتی“۔

فَقُلْ جَنْيْنٌ خَرَجَ رَأْسُهُ فَقَطَّعَهُ فِيهِ الْغُرَّةُ أُمِّي شَيْءٌ يَجِبُ بِاتِّلَافِهِ دِيَّةٌ وَثَلَاثَةُ أَخْبَاسِهَا؟ فَقُلْ دِيَّةٌ لِأَسْنَانِهِ أَشْبَاهًا، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

تو تو جواب دے ایسا جنین جس کا سر باہر نکلے تو وہ اس کو کاٹ دے تو اس میں غرہ لازم ہوگا۔ کون سی وہ چیز ہے جس کے تلف کرنے سے دیت اور اس کا 3/5 واجب ہوتا ہے؟ تو تو جواب دے اس کے دانتوں کی دیت، ”اشباہ“۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

وہ انسان جس کا کان کاٹنے سے نصف دیت جب کہ سر کاٹنے سے بیسواں حصہ لازم آتا ہے 35243۔ (قولہ: جَنْيْنٌ خَرَجَ رَأْسُهُ) یعنی جنین کا سر نکلا تھا اور اس نے اسے کاٹ دیا تھا جس طرح کہ بعض نسخوں میں موجود ہے پس اس میں غرہ ہوگا یعنی پانچ سو درہم ہوگا جو دیت کا نصف عشر ہے۔ اور ”الاشباہ“ کی عبارت ہے: اس کا سر نکلا تو اس نے اس کا سر کاٹ دیا اور وہ نہ مرا تو اس میں نصف دیت ہوگی اگر وہ اس کا سر کاٹے تو اس میں غرہ ہوگا۔

یہ جان لو کہ یہ سب اس وقت ہوگا جب وہ چیخے اور اس کا نصف سر کے ساتھ نہ نکلے یا اکثر حصہ دونوں قدموں کے ساتھ نکل آئے اگر وہ چیخے اور اس سے وہ نکل آئے تو قتل اور قطع عضو میں قصاص لازم ہوگا جس طرح ہم نے کتاب الجنایات کے آغاز میں مجتبیٰ اور ”تاتر خانیہ“ سے نقل کر دیا ہے۔

35244۔ (قولہ: دِيَّةٌ لِأَسْنَانِهِ) اس کی وضاحت قریب ہی آئے گی۔ یہ اس کے لطائف میں سے ہے کیونکہ وہ ہر کتاب پر ایسا مسئلہ داخل کرتے ہیں جو عموماً اس کے مناسب ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کِتَابُ الدِّيَاتِ

الدِّيَةُ فِي الشَّرْعِ اسْمٌ لِلْمَالِ الَّذِي هُوَ بَدَلٌ لِلنَّفْسِ لَا تَسْمِيَةٌ لِلْمَفْعُولِ بِالنَّصْدَرِ، لِأَنَّهُ مِنَ الْمَنْقُولَاتِ الشَّرْعِيَّةِ وَالْأَرْضُ اسْمٌ لِلْوَجِبِ فِيمَا دُونَ النَّفْسِ (دِيَّةٌ شَبْهُ الْعُنْدِ مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ أَرْبَاعًا

دیتوں کا بیان

شرع میں دیت اس مال کو کہتے ہیں جو نفس کا بدل ہوتا ہے یہ مصدر کے ساتھ مفعول کا نام نہیں۔ کیونکہ یہ منقولات شرعیہ میں سے ہے۔ ارش اس کو کہتے ہیں جو نفس سے کم میں واجب ہو۔ شبہ عمد کی دیت سواونٹ ہوتی ہے جو چوتھائی چوتھائی ہوتے ہیں

قصاص کو مقدم ذکر کیا تھا کیونکہ وہ اصل ہے اور اس میں زندگی اور نفس کی حفاظت زیادہ قوی ہے اور دیت اس کے نائب کی طرح ہے۔ اسی وجہ سے دیت عوارض جیسے خطا اور جو اس کے معنی میں ہو اس سے واجب ہوتی ہے۔

دیت کی لغوی اور شرعی تعریف

35245۔ (قوله: الدِّيَةُ فِي الشَّرْعِ) لغت میں یہ ددی القاتل المقتول کا مصدر ہے جب قاتل مقتول کے ولی کو وہ مال دے جو نفس کا بدل ہو اس کے آخر میں تا اس واؤ کا عوض ہے جو اس کے اول میں تھی جیسے عدۃ میں ہے۔

35246۔ (قوله: الَّذِي هُوَ بَدَلٌ لِلنَّفْسِ) ”اتقانی“ نے ان میں الطرف کا اضافہ کیا ہے۔

35247۔ (قوله: لَا تَسْمِيَةٌ لِلْمَفْعُولِ الْخ) ابن کمال نے ”زیلعی“ وغیرہ کا رد کرتے ہوئے اسی طرح کہا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے: یہ لغت میں مجاز اور عرف میں حقیقت ہے جس طرح نحو یوں نے لفظ کا اطلاق ملفوظ پر کیا ہے اور مقصود معنی عرفی حقیقی کا بیان ہے اور حقائق کے لیے اصل کو تلاش نہیں کیا جاتا۔ اور یہ بیان کہ یہ مفعول کو مصدر کے ساتھ نام دیا گیا ہے اس امر سے آگاہ کرتا ہے کہ معنی لغوی مجازی کی وضاحت ہے۔ فاعل

ارش کی تعریف

35248۔ (قوله: وَالْأَرْضُ اسْمٌ لِلْوَجِبِ فِيمَا دُونَ النَّفْسِ) بعض اوقات اس کا اطلاق نفس کے بدل اور عادل

کی حکومت پر کیا جاتا ہے۔

35249۔ (قوله: أَرْبَاعًا) یہ مائۃ سے یا البدل سے حال ہے یعنی اس حال میں کہ آنے والی انواع میں ہر نوع پر

تقسیم ہوں گے ہر نوع سو کا چوتھائی ہوگی۔

مِنْ بِنْتِ مَخَاضٍ وَبِنْتِ لَبُونٍ وَحَقَّةٌ إِلَى جَذَعَةٍ بِإِذْ خَالِ الْغَايَةِ (وَهِيَ الدِّيَّةُ الْمَغْلَظَةُ لَا غَيْرُ) الدِّيَّةُ

بنت مخاض بنت لبون، حقہ اور جذعہ اس میں غایت داخل ہوگی۔ یہی دیت مغلطہ ہے اس کے علاوہ نہیں۔ اور قتل خطا میں دیت

دیت مغلطہ

35250۔ (قوله: مِنْ بِنْتِ مَخَاضٍ) یہ وہ بچہ ہوتا ہے جو دوسرے سال میں قدم رکھ چکا ہو اور بنت لبون وہ ہوتا ہے جو تیسرے سال میں قدم رکھ چکا ہو، حقہ وہ ہوتا ہے جو چوتھے سال میں قدم رکھ چکا ہو اور جذعہ وہ ہوتا ہے جو پانچویں سال میں قدم رکھ چکا ہو۔

35251۔ (قوله: وَهِيَ الدِّيَّةُ الْمَغْلَظَةُ لَا غَيْرُ) یہ جان لو کہ یہاں متون کی عبارت مختلف مفہوم رکھتی ہے ”ہدایہ“، ”اختیار“، ”کنز“ اور ”ملتقی“ کا ظاہر معنی یہ ہے کہ شبہ عمد میں دیت اونٹوں کے علاوہ نہیں ہوتی۔ مصنف کی عبارت کا یہاں بھی یہی معنی ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر تغلیظ ظاہر ہے کیونکہ کوئی اختیار نہیں۔ ”وقایہ“، ”اصلاح“، ”غرر“ وغیرہا کا ظاہر معنی یہ ہے کہ یہ اونٹ کے علاوہ ہوگی۔ ”قدوری“ کے متن میں اس کی تصریح کی ہے۔ کیونکہ کہا، تغلیظ صرف اونٹوں سے ثابت ہوتی ہے اگر اونٹوں کے علاوہ کا فیصلہ کیا جائے تو وہ غلیظ نہ ہوگی۔ اس تعبیر کی بنا پر اس میں تغلیظ کا معنی ہوگا کہ جب دیت اونٹوں میں سے دی جائے تو وہ چار اقسام کے دیئے جائیں گے قتل خطا کی دیت کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہ پانچ اقسام میں ہوتی ہے۔ ”المجمع“ میں ہے۔ شبہ عمد کی دیت اونٹوں میں مغلطہ ہوگی اس کے شارح نے کہا: یہاں تک کہ لوگ اس کی دیت کا اونٹوں کے علاوہ میں فیصلہ کریں تو وہ مغلطہ نہ ہوگی ”درر البحار“ اور اس کی ”شرح غرر الافکار“ میں اور ”غایۃ البیان“ کی جنایات میں اسی طرح ہے اونٹوں میں شبہ العمد میں دیت مغلطہ ہوگی جب اونٹوں میں دیت فرض کی جائے جہاں تک اونٹوں کے علاوہ کا تعلق ہے تو اس میں مغلطہ نہ ہوگی۔ ”جوہرہ“ میں ہے یہاں تک کہ چاندی میں دس ہزار سے زائد نہ کی جائے گی اور نہ ہی سونے میں ایک ہزار دینار سے زائد کی جائے گی ”درر البحار“ میں ہے: ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ قتل خطا اور شبہ العمد سونے میں سے دیت پر ایک ہزار دینار ہوگی۔ یہ عبارات اس میں صریح ہیں کہ شبہ عمد کی دیت اونٹوں کے ساتھ خاص نہیں۔

”طحطاوی“ نے کہا: ”زیلعی“ نے کتاب کے شروع میں جو پہلے بیان کیا ہے کہ شبہ عمد میں دیت اونٹوں میں ہی مغلطہ ہوگی یہ عاقلہ پر تین سالوں میں ادا کرنا لازم ہوگی ہر سال میں اونٹوں میں سے سو کا ایک تہائی دیا جائے گا ”شرنبلائی“ میں اسے ترجیح دی ہے اگر واجب وہ ہے جو اونٹوں سے ہے تو تغلیظ کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ وہ اخف کو اختیار کرنے والا ہے پس تغلیظ کی حکمت فوت ہو جائے گی۔

میں کہتا ہوں: ”زیلعی“ سے جو نقل کیا ہے میں نے اسے اپنے نسخہ میں نہیں دیکھا پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے اور اس کے ثابت ہونے کی صورت میں ظاہر یہ ہوگا کہ مسئلہ میں دو روایتیں ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(فِي الْخَطَا أَخْبَاسٌ مِنْهَا وَمِنْ ابْنِ مَخَاضٍ أَوْ أَلْفٍ دِينَارٍ مِنَ الذَّهَبِ أَوْ عَشْرَةَ آلَافٍ دِرْهَمٍ مِنَ الْوَرَقِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ اثْنَا عَشَرَ أَلْفًا وَقَالَ مِنْهَا وَمِنْ الْبَقْرِ مِائَتًا بَقْرَةً، وَمِنْ الْغَنَمِ أَلْفًا شَاةً وَمِنْ الْحُلَلِ مِائَتًا حُلَّةً كُلُّ حُلَّةٍ ثَوْبَانِ إِذَا وَرِدَاءُ هُوَ الْمُخْتَارُ (وَكَفَّارَتُهُمَا) أَمَى الْخَطَا وَشَبَّهَ الْعَبْدَ (عِثْقُ قَيْنِ

سوانٹ ہیں۔ پانچ اقسام میں سے ہیں جو مذکورہ انواع میں سے اور ابن مخاض میں سے یا سونے کے ہزار دینار ہیں یا چاندی کے دس ہزار درہم ہیں۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے فرمایا: بارہ ہزار ہیں۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے فرمایا ان میں سے اور گائیوں میں سے دو سو گائیں ہیں اور غنم میں سے دو ہزار ہیں اور حلوں میں سے دو سو حلے ہیں۔ ہر حلہ دو کپڑوں پر مشتمل ہو گا: تہبند اور چادر۔ یہی مختار قول ہے۔ قتل خطا اور شبہ عمد کا کفارہ ایک مومن غلام کو آزاد

قتل خطا کی دیت

35252۔ (قوله: أَخْبَاسٌ مِنْهَا وَمِنْ ابْنِ مَخَاضٍ) یعنی چار گزشتہ اقسام اور مخاض میں سے پانچواں، پانچواں

حصہ وصول کیا جائے گا ہر نوع میں سے بیس ہوں گے۔

35253۔ (قوله: وَقَالَ مِنْهَا) یعنی گزشتہ تین اقسام میں سے جو اونٹ، دنا نیر اور درہم ہیں اور گائیوں میں سے

الغ۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک چھ انواع میں سے اور ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک صرف پہلی تین اقسام میں سے۔

”الدر المنشی“ میں کہا: گائیں گائیوں والوں سے اور حلے حلے والوں سے۔ اسی طرح بھیڑ بکریوں کا معاملہ ہے۔ ہر گائے

یا حلہ کی قیمت پچاس درہم ہے اور ہر بکری کی قیمت پانچ درہم ہے جس طرح ”شرنبلائی“ میں ”برہان“ سے مروی ہے۔

”قہستانی“ نے یہ زائد ذکر کیا ہے کہ بھیڑ بکریاں دندی ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس طرح قربانی کے جانور ہوتے ہیں۔

”امام صاحب“ رحمہ اللہ سے ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے قول کی طرح مروی ہے۔ اختلاف ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے اگر اس

نے دو سو گائیوں سے زیادہ پر صلح کی تو ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں ہوگا۔ اور ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز

ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس چیز پر مصالحت کی ہے جو دیت کی جنس میں سے نہیں ہے جب کہ یہ قول گزر چکا ہے صحیح قول وہ ہے جس

طرف ”امام صاحب“ رحمہ اللہ گئے ہیں جس طرح ”المضمرات“ میں ہے۔ اس قول نے یہ فائدہ دیا ہے کہ تمام انواع اصول ہیں

اس پر ہمارے اصحاب ہیں اور اس نے یہ بیان کیا ہے کہ تعین رضا یا قضا سے ہوگی اس پر قاضیوں کا عمل ہے۔ ایک قول یہ یہ کیا

ہے: یہ اختیار قاتل کو حاصل ہے۔ ”قہستانی“ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ”المنح“ میں ہے۔

35254۔ (قوله: هُوَ الْمُخْتَارُ) یعنی حلہ کی جو یہ تفسیر کی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہمارے علاقوں میں قمیص اور

پانچامہ ہے۔ ”نہایہ“۔

شبہ عمد اور قتل خطا کا کفارہ

35255۔ (قوله: عِثْقُ قَيْنِ) یعنی کامل غلام کی آزادی پس کا نا غلام آزاد کرنا کافی ہوگا۔ اعمی غلام آزاد کرنا کافی نہ ہو

مُؤْمِنٍ فَإِنْ عَجَزَ عَنْهُ صَامَ شَهْرَيْنِ وَلَا إِطْعَامَ فِيهَا إِذْ لَمْ يَرِدْ بِهِ النَّصُّ وَالْمَقَادِيرُ تَوْقِيفِيَّةٌ (وَصَحَّ
إِعْتَاقُ رَضِيْعٍ أَحَدُ أَبَوَيْهِ مُسْلِمٌ؛ لِأَنَّهُ مُسْلِمٌ تَبَعًا لَا الْجَنِينُ وَدِيَةُ الْمَرْأَةِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ دِيَةِ الرَّجُلِ
فِي دِيَةِ النَّفْسِ وَمَا دُونَهَا) رُوِيَ ذَلِكَ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَوْقُوفًا وَمَرْفُوعًا

کرنا ہے اگر وہ غلام آزاد کرنے سے عاجز آجائے تو وہ دو ماہ کے پے در پے روزے رکھے اور ان میں مساکین کو کھانا کھلانا
نہیں ہے۔ کیونکہ اس بارے میں نص وارد نہیں ہوئی۔ اور مقادیر توفیقی ہیں۔ کفارہ کے طور پر اس دودھ پیتے بچے کو آزاد کرنا صحیح
ہے جس کے والدین میں سے ایک مسلمان ہو۔ کیونکہ بچہ تبعاً مسلمان ہے جنین کو کفارہ کے طور پر آزاد کرنا جائز نہیں۔ اور عورت
کی دیت نفس اور اس سے کم میں مرد کی دیت کا نصف ہوگی۔ یہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے موقوف اور مرفوعاً مروی ہے (1)۔

گا۔ ”درر“، ”مشتقی“۔

35256۔ (قولہ: مؤمن) باقی ماندہ کفارات کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس بارے میں نص موجود ہے۔ نص اگرچہ
قتل خطا کے بارے میں وارد ہے لیکن جب شبہ عمد میں خطا کا معنی موجود ہے تو اس میں خطا کا حکم ثابت ہوا۔ ”التقانی“۔

35257۔ (قولہ: فَإِنْ عَجَزَ عَنْهُ) یعنی ادائیگی کے وقت وہ عاجز آگیا وجوب کے وقت عاجز نہیں تھا، ”تہستانی“۔

35258۔ (قولہ: وَلَاَاءُ) یعنی پے در پے۔

35259۔ (قولہ: وَلَا إِطْعَامَ فِيهَا) یعنی ان میں کھانا کھلانا نہیں باقی کفارات میں کھانا کھلانے کی صورت ہے۔

35260۔ (قولہ: وَصَحَّ إِعْتَاقُ رَضِيْعٍ) یعنی اگر وہ اس کے بعد زندہ رہے یہاں تک کہ اس کے اعضاء اور اطراف
کی سلامتی ظاہر ہو جائے اگر وہ اس سے قبل مر جائے تو اس کے ساتھ کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ ”التقانی“۔

35261۔ (قولہ: لَا الْجَنِينُ) کیونکہ اس کی زندگی معروف نہیں اور نہ ہی اس کی سلامتی معروف ہے۔ اور اس کی وجہ
یہ بھی ہے کہ وہ من وجہ عضو ہے۔ پس وہ مطلق نص کے تحت داخل نہیں ہوگا، ”زیلعی“۔

عورت کی دیت

35262۔ (قولہ: وَدِيَةُ الْمَرْأَةِ الْخ) عورت کو خطا قتل کر دیا جائے تو اس میں پانچ ہزار دیت ہوگی اور اس کا ایک ہاتھ

کاٹنے کی صورت میں اڑھائی ہزار دیت لازم ہوگی۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جس میں دیت معین ہو مگر جس میں عادل کا
فیصلہ ہوتا ہے تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مقدرہ کی طرح ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں میں برابری کی جائے گی جس
طرح ”ظہیریہ“ میں ہے۔ جنین جس میں غرہ لازم آتا ہے اس کی وجہ سے اعتراض وارد نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ مستثنیٰ ہے جس طرح
آگے آئے گا، ”در مشتقی“۔ ”تاتر خانیہ“ میں ”شرح الطوری“ سے مروی ہے: جس میں اولاد مقدر نہ ہو اس میں مرد اور عورت
ہمارے ائمہ کے نزدیک برابر ہے۔

(وَالذِّمِّيُّ وَالْمُسْتَأْمِنُ وَالْمُسْلِمُ) فِي الذِّیَةِ (سَوَاءٌ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ وَصَحَّاحٍ فِي الْجَوْهَرَةِ أَنَّهُ لَا دِیَةَ فِي الْمُسْتَأْمِنِ وَأَقْرَأَهُ فِي الشُّرُئِ بِلَالِيَّةٍ لَكِنْ بِالتَّسْوِیَةِ جَزَمَ فِي الْإِخْتِیَارِ وَصَحَّاحُهُ الزَّیْلَعِيُّ (وَفِي النَّفْسِ) خَبَرٌ الْمُبْتَدَأُ وَهُوَ قَوْلُهُ الْآتِي الذِّیَةُ (وَالْأَنْفِ)

ذمی، مستامن اور مسلمان دیت میں برابر ہیں۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ ”جوہرہ“ میں اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ مستامن میں دیت نہیں اور ”شرنبلالیہ“ میں اسی کو برقرار رکھا ہے لیکن تسویہ کے ساتھ ”اختیار“ میں اسی پر جزم کیا ہے اور ”زیلعی“ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور نفس میں، یہ لفظ مبتدا کی خبر ہے وہ مبتدا آنے والا قول الدیۃ ہے۔ ناک میں،

تنبیہ

”الاشباہ“ کے احکام الخنثی میں ہے اس کے ہاتھ کو جس نے کاٹا اس پر قصاص نہیں اگرچہ وہ جان بوجھ کر کاٹے اور اگرچہ اس کی قاطع عورت ہو اور اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا جب وہ خنثی کسی اور کا ہاتھ جان بوجھ کر کاٹے۔ اور اس کی عاقلہ پر اس کی چٹی ہوگی جب وہ خطا قتل کرے تو عورت کی دیت واجب ہوگی اور باقی ماندہ واضح ہونے تک توقف کیا جائے گا۔ اسی طرح کا حکم ہے جب وہ نفس میں معاملہ ہو کفارہ کے طور پر خنثی غلام کو آزاد کرنا صحیح ہوگا۔

35263۔ (قوله: خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ) کیونکہ انہوں نے کہا: یہودی اور نصرانی کی علت چار ہزار درہم اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہوگی، ”ہدایہ“۔

35264۔ (قوله: وَصَحَّاحٍ فِي الْجَوْهَرَةِ) کیونکہ انہوں نے ”النبایہ“ سے نقل کرتے ہوئے کہا: مستامن کیلئے کوئی دیت نہیں۔ یہی قول صحیح ہے۔ اور یہ اعتراض کیا کہ جو ”النبایہ“ میں ہے وہ دیت میں برابری کی اور قصاص میں تفریق کی تصریح ہے۔ میں کہتا ہوں: میں نے ”النبایہ“ اور ”غایۃ البیان“ میں اسی طرح دیکھا ہے۔

35265۔ (قوله: وَأَقْرَأَهُ فِي الشُّرُئِ بِلَالِيَّةٍ) یہ قول مسلم نہیں۔ کیونکہ انہوں نے ”جوہرہ“ کی مذکورہ تصریح کو نقل کیا اور اس کے بعد نقل کیا جس کی نص میں ہے: ”زیلعی“ نے کہا: مستامن کی دیت صحیح قول کے مطابق وہ ہے جو ذمی کی ہے اس کی دلیل وہ ہے جو ہم نے روایت کر دی ہے۔ پس تصحیح میں اختلاف ہے، ”ط“۔

میں کہتا ہوں: ”رملی“ نے اسے ظاہر روایت قرار دیا ہے جس کی تصحیح ”رملی“ وغیرہ نے کی ہے۔ اور تصحیح کا اختلاف اس سے ثبوت کے بعد ہے جیسے ”جوہرہ“ میں ”النبایہ“ سے نقل کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

35266۔ (قوله: وَفِي النَّفْسِ) فی سببیہ ہے۔ نفس کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس کا حکم اس سے معلوم ہو چکا ہے جو پہلے گزر چکا ہے، ”ط“۔

بے بدل اعضا اور معانی مقصودہ میں کامل دیت ہوگی

35267۔ (قوله: وَالْأَنْفِ الْخ) قاعدہ یہ ہے کہ انسان کا کوئی جز کاٹا جائے اگر یہ عمل اس کی مکمل منفعت کو فوت کر

وَمَارِنِهْ وَأَرْنَبَتِهْ وَقِيلَ فِي أَرْنَبَتِهْ حُكُومَةُ عَدْلِ عَلَى الصَّحِيحِ (وَالَّذِي كَرُّ وَالْحَشْفَةُ

ناک کے نرم گوشہ میں اور اس کے سرے میں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ناک کے گوشہ میں عادل کا فیصلہ ہے۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے مرد کے آلہ تناسل کا ٹٹنے میں، حشفہ کا ٹٹنے میں،

دے یا اس کا وہ جمال زائل کر دے جو کامل طور پر مقصود ہے تو اس میں مکمل دیت لازم ہوگی۔ کیونکہ یہ من وجہ نفس کا اتلاف ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے زبان اور ناک میں مکمل دیت کا فیصلہ فرمایا (1) تو جو اس کے معنی میں ہے ہم نے اسے اس پر قیاس کر لیا، ”اتقانی“۔

یہ جان لو ہر وہ چیز جس کا بدن انسانی میں کوئی بدل نہ ہو وہ اعضا ہوں یا معانی مقصودہ ہوں اس میں کامل دیت لازم ہوگی۔ اعضاء کی چار اقسام ہیں (۱) مفرد۔ یہ تین ہیں: ناک، زبان اور آلہ تناسل۔ وہ معانی جو بدن میں مفرد ہیں۔ عقل، نفس، سونگھنا، چکھنا۔ جہاں تک ان اعضا کا تعلق ہے جو جوڑا جوڑا ہیں وہ دو آنکھیں، دو ابھرے ہوئے کان، دو آبرو، دو ہونٹ، دو ہاتھ، عورت کے دو پستان، خصیتیں، دونوں پاؤں تو ان دونوں میں مکمل دیت ہوگی۔ اور ان دونوں میں سے ایک میں نصف دیت ہوگی اور وہ چار ہیں وہ دونوں آنکھوں کی پلکوں ہیں اور ہر پلک میں چوتھائی دیت ہے اور وہ اعضا جو دس ہیں وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اور دونوں پاؤں کی انگلیاں ہیں تو اس میں مکمل دیت ہوگی اور ایک میں اس کا دسواں حصہ ہوگا۔ اور جو اس سے زائد ہیں وہ دانت ہیں ان میں سے ہر ایک میں دیت کا دسواں حصہ ہے۔ اس کی وضاحت عنقریب آئے گی۔

35268۔ (قولہ: مَارِنِهْ) یہ ناک کے دو نرم گوشے ہیں اور اس کے ارنبہ سے مراد ناک کا کنارہ۔ کیونکہ ان کا کاٹنا جمال کو کلی طور پر ختم کر دیتا ہے۔ اسی طرح منفعت کا معاملہ ہے۔ کیونکہ ناک کا نرم گوشہ ناک میں بو، خوشبو سونگھنے کے لیے ہوتا ہے تاکہ اس سے دماغ کی طرف بلند ہو، اور جب ناک کا نرم گوشہ کاٹ دیا جاتا ہے یہ صلاحیت فوت ہو جاتی ہے اگر ناک کے بانسہ سے نرم گوشے کو کاٹا جائے تو ایک دیت سے زائد دیت نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ ایک عضو ہے۔ اگر اس کا ناک کاٹ دے تو اس کے سونگھنے کی صلاحیت ختم ہو جائے تو اس پر دو دیتیں لازم ہو جائیں گی۔ کیونکہ سونگھنے کی صلاحیت ناک کے علاوہ میں تھی۔ پس دونوں میں سے ایک کی دیت دوسرے میں داخل نہ ہوگی جس طرح کان کے ساتھ سننے کی صلاحیت کو ختم کر دے، ”معراج“۔

35269۔ (قولہ: وَقِيلَ الْخ) ”تہستانی“ نے اس کو بیان کیا ہے۔ ”ہدایہ“ وغیرہ میں اس کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے اور اسے اولیٰ کے ساتھ تبدیل کر دیا ہے۔

ذکر، حشفہ، شہم، ذوق، سمع، بصر کو ضائع کرنے اور زبان کو کاٹنے میں پوری دیت ہوگی

35270۔ (قولہ: وَالَّذِي كَرُّ وَالْحَشْفَةُ) کیونکہ آلہ تناسل کاٹ دینے سے وطی، بچہ پیدا کرنے، بیوی کو روکنے، بدن کو دور پھینکنے، مادہ منویہ کو روکنے اور عورت کی شرمگاہ میں داخل کرنے، جو حمل ٹھہرانے کا عام معمول ہے کی منفعت ختم ہو جاتی ہے

1۔ سنن نسائی، کتاب القسامۃ، باب ذکر حدیث عمرو بن حزم فی العقول، جلد 3، صفحہ 376، حدیث نمبر 4769

وَالْعَقْلُ وَالشَّمُّ وَالذَّوْقُ وَالسَّمْعُ وَالْبَصَرُ وَاللِّسَانُ إِنَّ مَنَعَ النُّطْقَ أَفَادَ أَنَّ فِي لِسَانِ الْآخِرِ حُكْمَةً
عَدْلٍ جَوْهَرَةً وَهَذَا سَاقِطٌ مِّنْ نُّسخِ الشَّارِحِ

عقل، شمع، ذوق، سمع، بصر کو ضائع کرنے اور زبان کو کاٹنے میں پوری دیت ہوگی یعنی زبان کو اس طرح نقصان دے کہ جو بولنے سے مانع ہو اس قول نے یہ بیان کیا کہ آخر کی زبان میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔ ”جوہرہ“ یہ شارح کے نسخہ سے ساقط ہے۔

اور حشفہ یہ عورت کی شرمگاہ میں آلہ تناسل کے داخل کرنے اور مادہ منویہ کے ٹپکانے میں اصل ہے اور باقی قصبہ حشفہ کے تابع ہے، ”ہدایہ“ مصنف نے جان بوجھ کر حشفہ کے کاٹنے میں قصاص کے وجوب کو پہلے ذکر کیا ہے اور آلہ تناسل میں اختلاف ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

35271۔ (قوله: وَالْعَقْلُ) کیونکہ عقل کے ساتھ معاش اور معاد کا نفع ہے۔ ”خیر“ میں ہے: ایک ایسے آدمی کے بارے میں ان سے سوال کیا گیا جس نے دوسرے کو زمین پر پٹخ دیا تھا اور اسے مارا اور اسے مرگی کا مرض لگ گیا تو اس پر کیا شے لازم ہوگی۔

انہوں نے جواب ارشاد فرمایا: جس چیز کا ذکر کیا گیا ہے اگر اس کے ساتھ عقل کا زائل ہونا ثابت ہو گیا تو اس میں کامل دیت ہوگی اگر بعض عقل زائل ہو تو اس کے حساب سے دیت لازم ہوگی اگر زمان وغیرہ کے ساتھ اس کو منضبط کیا جاسکے ورنہ عادل کا فیصلہ ہوگا اور قاضی کو حق حاصل ہوگا کہ اگر وہ اپنے اجتہاد میں اس کا اندازہ لگائے۔ یہ قول میں نے ان کی کلام سے اخذ کرتے ہوئے بطور تفقہ کیا ہے۔ بعض علماء نے تصریح کی ہے کہ اصراع (مرگی) جنون کی ایک قسم ہے۔

35272۔ (قوله: وَالشَّمُّ وَالذَّوْقُ وَالسَّمْعُ وَالْبَصَرُ) کیونکہ ان میں سے ہر ایک کی ایسی منفعت ہے جو مقصود ہے۔ یہ روایت کی گئی ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ضرب سے چار دیتوں کو لازم کیا جس کے ساتھ عقل، گفتگو کرنے، سننے اور دیکھنے کی صلاحیت ضائع ہوگئی تھی، ”ہدایہ“ (1)۔ ان کے تلف ہونے کا ادراک جنایت کرنے والے کی تصدیق، قسم کے مطالبہ پر ہر قسم سے انکار، غفلت کے ساتھ خطاب، ناپسندیدہ چیز کے قریب ہونا اور کڑوی شے کھانے سے ہو سکتا ہے، ”تہستانی“۔

35273۔ (قوله: أَفَادَ أَنَّ فِي لِسَانِ الْآخِرِ حُكْمَةً عَدْلٍ) یعنی جب اس کے چکھنے کی صلاحیت ختم نہ ہو۔ کیونکہ اس سے مقصود کلام ہے اور اس میں کلام کی صلاحیت نہیں۔ پس یہ اس طرح ہو گیا جس طرح شل ہاتھ ہوتا ہے، خصی اور عنین کا آلہ تناسل ہوتا ہے، ٹیڑھا پاؤں ہوتا ہے، ایسی آنکھ جو موجود ہو اور کانی ہو اور سیاہ دانت ہوتا ہے۔ ”معراج“۔ کیونکہ ان میں عادل کا فیصلہ ہے۔ کیونکہ اس نے منفعت کو ختم نہیں کیا اور کامل صورت میں منفعت فوت نہیں ہوئی۔ ”عنایہ“۔ جب اس کے چکھنے کی صلاحیت ختم ہوگئی ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔

35274۔ (قوله: وَهَذَا) اسم اشارہ سے مراد ان کا قول ہے: ان منع النطق۔

فَتَنَّبَهُ (أَوْ مَنَعَ أَدَاءَ أَكْثَرِ الْحُرُوفِ) وَإِلَّا قُسِمَتْ الدِّيَّةُ عَلَى عَدَدِ حُرُوفِ الْهَجَاءِ الشَّانِيَةِ وَعِشْرِينَ أَوْ حُرُوفِ اللِّسَانِ السِّتَّةِ عَشَرَ تَصْحِيحًا فَمَا أَصَابَ الْغَائِبَ يَلْزَمُهُ وَتَسَامُهُ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ وَغَيْرِهَا

پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ یا وہ اکثر حروف کو ادا کرنے سے روک دے ورنہ دیت کو اٹھائیس حروف تہجی کی تعداد پر تقسیم کر دیا جائے گا یا زبان سے ادا ہونے والے سولہ حروف تہجی پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ یہ دو یکساں ہیں پس جو فوت ہونے والے حروف کو پہنچے گی وہ اس پر لازم ہو جائے گی۔ اس کی مکمل وضاحت ”شرح الوہبانیہ“ وغیرہا میں ہے۔

35275۔ (قوله: وَإِلَّا قُسِمَتْ الدِّيَّةُ الْخ) یعنی اگر اکثر حروف کی ادائیگی سے مانع نہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ان کی ادائیگی پر ماورا ہو تو دیت کو تقسیم کیا جائے گا الخ۔ لیکن ”تہستانی“ نے کہا: اگر وہ اکثر کا تکلم کرے تو (عادل کا) فیصلہ لازم ہوگا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حروف کی تعداد پر اسے تقسیم کیا جائے گا تو ان میں سے جس کا وہ تکلم کرے تو اس کا حصہ دیت سے ساقط ہو جائے گا خواہ وہ نصف ہو، چوتھائی ہو یا اس کے علاوہ صحیح اصح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: زبان کے حروف پر اسے تقسیم کیا جائے گا۔ یہی قول صحیح ہے جس طرح ”کرمانی“ میں ہے۔ ملخص۔

اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اقوال تین ہیں۔ ”ہدایہ“ وغیرہا میں اس کی تصریح کی ہے۔ ”شرح الجمع“، ”الاختیار“، ”غرر الافکار“، ”الاصلاح“ وغیرہا میں پہلے قول پر گامزن ہوئے ہیں۔ ”جوہرہ“ میں آخری دو کی تصحیح کی ہے جیسے ”تہستانی“۔ پہلے قول کی بھی تصحیح کی گئی ہے جس سے آپ آگاہ ہو چکے ہیں۔ شارح کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ آخری دو سے اس فیصلہ کی تفسیر ہے جسے پہلے قول نے ثابت کیا ہے۔ پس اس میں اور دوسرے دونوں اقوال میں کوئی منافات نہیں۔ یہ تعبیر بہت اچھی ہے لیکن یہ ان کی کلام کے مفہوم کے خلاف ہے، فمائل۔

35276۔ (قوله: السِّتَّةُ عَشَرَ) وہ تاء، ثا، جیم، دال، ذال، را، زاء، سین، شین، صاد، ضاد، طاء، ظا، لام، نون اور یا ہیں، ”زیلعی“۔ ”جوہرہ“ میں انہیں اٹھارہ شمار کیا ہے اس میں قاف اور کاف زائد ذکر کیا ہے۔ ”ابن شحنہ“ نے کہا: مصنف نے یہ بیان کیا ہے: یہ نحو یوں اور قاریوں کا قول ہے۔ ”خاصی“ نے ان کو چودہ شمار کیا ہے لیکن حصر کے بغیر ہے کیونکہ وہ کاف تشبیہ لائے ہیں۔

35277۔ (قوله: وَتَسَامُهُ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ) کیونکہ انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ ان کے سولہ ہونے کی صورت میں ہر حرف میں چھ سو پچیس درہم لازم ہوں گے اور سونے میں سے ساڑھے باسٹھ لازم ہوں گے اور اٹھارہ ہونے کی صورت میں ایک حرف میں پچپن پورے دینار اور 5/9 اور درہم میں سے پانچ سو پچیس اور 5/9۔

تنبیہ

”معراج“ میں کہا: اگر حلق یا ہونٹوں پر جنایت کی وجہ سے بعض حروف حلقیہ یا شفویہ کی ادائیگی ختم ہو جائے تو چاہیے کہ اٹھائیس حروف میں سے اس کے حساب سے وہ واجب ہو۔ اگر وہ ایک حرف کی جگہ دوسرے کو بدل دے وہ درہم کہتے

(وَلِحَيَّةٌ حُلِقَتْ فَلَمْ تَنْبُتْ) وَيُؤْجَلُ سَنَةٌ فَإِنْ مَاتَ فِيهَا بَرِيٌّ وَفِي نِصْفِهَا نِصْفُ الذِّیَّةِ وَفِيَا دُونَهَا حُكُومَةٌ عَدْلٍ كَشَارِبٍ وَلِحَيَّةٍ عَبْدٍ فِي الصَّحِيحِ، وَلَا شَيْءَ عَنِّي كَوْسَجٍ عَلَى ذَقْنِهِ شَعْرَاتٌ مَعْدُودَةٌ وَلَوْ عَلَى خَدَّيْهِ أَيْضًا،

اور ایسی ڈاڑھی میں (دیت لازم ہوگی) جس کا حلق کیا گیا پس وہ نہ اگی اور اسے ایک سال کی مہلت دی جائے گی اگر وہ سال میں مر جائے تو جنایت کرنے والا بری ہو جائے گا اور اس کے نصف میں نصف دیت ہوگی اس سے کم میں عادل کی حکومت ہوگی جیسے مونچھ، غلام کی ڈاڑھی۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے۔ کوسج (کھودا) کی ڈاڑھی (جس کی ٹھوڑی پر چند بال ہوں) میں کوئی شے لازم نہ ہوگی اگرچہ اس کے رخسار پر کچھ بال ہوں۔

وقت دلہم کہے تو اس پر ایک حرف کی ضمانت ہوگی۔ کیونکہ اس نے اس کو تلف کیا ہے اور جس کو وہ بدل رہا ہے وہ اصل کے قائم مقام نہیں ہے۔

اگر کسی کی ڈاڑھی مونڈ دی گئی اور وہ نہ اگی تو دیت کا شرعی حکم

35278۔ (قوله: وَلِحَيَّةٌ حُلِقَتْ) اگر ان کو نوچا جائے تو بھی یہی حکم ہوگا، ”قہستانی“۔ کیونکہ اس کے عمل نے جمال کو کلی طور پر زائل کر دیا ہے اور عورت کی ڈاڑھی میں کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ (اس میں) نقص ہے جس طرح ”جوہرہ“ میں ہے۔
35279۔ (قوله: فَإِنْ مَاتَ فِيهَا بَرِيٌّ) یعنی اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے فرمایا: اس میں عادل کا فیصلہ ہوگا، ”کنایہ“۔

35280۔ (قوله: وَفِي نِصْفِهَا نِصْفُ الذِّیَّةِ) ہمارے بعض ائمہ نے کہا: پوری دیت لازم ہوگی کیونکہ بعض کے حلق کر دینے سے جمال فوت ہو گیا ہے۔ ”معراج“۔ ”غایۃ البیان“ میں ہے: اگر اس نے بعض ڈاڑھی کا حلق کیا اور وہ نہ اگی بعض علماء نے فرمایا: اس میں عادل کی حکومت ہوگی۔ ”شرح الکافی“ میں کہا: صحیح مکمل دیت ہے۔ کیونکہ یہ بد صورتی میں اس سے بڑھ کر ہے جس کی اصلاً ڈاڑھی نہ ہو۔

35281۔ (قوله: فِي الصَّحِيحِ) کیونکہ مونچھ ڈاڑھی کے تابع ہوتی ہے۔ پس یہ اسی طرح ہوگئی کہ اس کے بعض اطراف کو مونڈ دیا جائے غلام میں مقصود خدمت لینے کے ساتھ منفعت ہے جمال نہیں۔ آزاد کا معاملہ مختلف ہے۔
میں کہتا ہوں: اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے اگر اس نے ڈاڑھی کے ساتھ مونچھ کا حلق کر دیا تو وہ مونچھ ڈاڑھی کی ضمان میں داخل ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ اس کے تابع ہے ”ساعحانی“ نے ”مقدس“ سے نقل کیا ہے کہ وہ داخل نہ ہوگی۔ ”خزانۃ المفتین“ میں ہے: وہ داخل ہوگی۔

کوسج کا حکم

35282۔ (قوله: وَلَا شَيْءَ عَنِّي كَوْسَجٍ) کو سبج فتح اور ضمہ کے ساتھ ہے ”قاموس“۔ کیونکہ یہ اس کے لیے بد صورتی

وَلَكِنَّهُ غَيْرُ مُتَّصِلٍ فَحُكُومَةُ عَدَلٍ وَلَوْ مُتَّصِلًا فَكُلُّ الدِّيَةِ (وَشَعْرُ الرَّأْسِ كَذَلِكَ) أَمَّا إِذَا حُلِقَ وَلَمْ يَنْبُتْ
كَذَا رُوي عَنْ عَلِيٍّ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ فِيهَا حُكُومَةُ عَدَلٍ وَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا قِصَاصَ فِي الشَّعْرِ مُطْلَقًا، وَلَوْ مَاتَ
قَبْلَ تَسَامِ السَّنَةِ وَلَمْ يَنْبُتْ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ كَشَعْرِ صَدْرٍ وَسَاعِدٍ وَسَاقٍ

لیکن غیر متصل ہوں تو اس میں عادل کا فیصلہ ہوگا اگر وہ بال متصل ہوں تو پوری دیت لازم ہوگی۔ سر کے بالوں کا یہی حکم ہے
یعنی جب ان کا حلق کیا گیا اور وہ نہ اگیں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کے
نزدیک اس میں عادل کا فیصلہ ہے۔ یہ جان لو کہ بالوں میں کوئی شے لازم نہ ہوگی اگر سال مکمل ہونے سے پہلے مرجائے۔ اور
بال نہ اگیں تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی جس طرح سینہ، کلائی اور پنڈلی کے بالوں کا معاملہ ہے۔

کا باعث ہوتی ہے اس کے لیے زینت کا باعث نہیں ہوتی۔

35283۔ (قوله: فَحُكُومَةُ عَدَلٍ) کیونکہ اس میں بعض جمال ہوتا ہے۔ ”ہدایہ“۔

35284۔ (قوله: فَكُلُّ الدِّيَةِ) کیونکہ وہ کوج (کھودا) نہیں اور اس میں جمال کا معنی پایا جا رہا ہے، ”ہدایہ“۔

35285۔ (قوله: وَشَعْرُ الرَّأْسِ كَذَلِكَ) خواہ وہ مرد کے بال ہوں، عورت کے بال ہوں، بڑے کے ہوں یا
چھوٹے کے ہوں، ”معراج“۔

35286۔ (قوله: أَمَّا إِذَا حُلِقَ وَلَمْ يَنْبُتْ) یعنی اس طریقہ پر اس کو مونڈے کہ اس میں گنجا پن ظاہر ہو جائے۔
کیونکہ اس کو عظیم عیب شمار کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے گنجا آدمی اپنا سر ڈھانپنے کا تکلف کرتا ہے جس طرح وہ اپنے عیوب پر پردہ
ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ ”اتقانی“۔ یہ سب اس وقت ہے جب اگنے کی جگہ خراب ہو جائے اگر وہ آگ آئے یہاں تک کہ وہ
درست ہو جائے جس طرح وہ تھے تو کوئی شے واجب نہ ہوگی ورنہ صحیح یہ ہے کہ اس میں عادل کا فیصلہ ہوگا ”اتقانی“۔ اگر وہ غلام
ہو تو اس میں نقصان کی چٹی ہوگی۔ ”جوہرہ“۔

35287۔ (قوله: فِيهَا) یعنی ڈاڑھی اور اس کے بالوں میں۔

35288۔ (قوله: مُطْلَقًا) یعنی اگرچہ ڈاڑھی اور سر کے بالوں میں عدا ہو۔ اسی طرح ابرو کے بالوں میں ہے،
”معراج“۔ کیونکہ قصاص عقوبت ہے پس یہ قیاس سے ثابت نہیں ہوگا۔ بے شک یہ نص یا دلالت سے ثابت ہوگا۔ نص نفس
اور زخموں میں وارد ہے۔ یہ ان دونوں کے معنی میں نہیں۔ کیونکہ اس سے اسے درد نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں سرایت کرنے کا
وہم ہوتا ہے ”زیلعی“۔ عمد کی صورت میں اس کے مال میں سے اور خطا کی صورت میں اس کی عاقلہ پر نیت لازم ہوگی جس
طرح قتل میں ہوتا ہے۔ ”اتقانی“ نے اسے بیان کیا ہے۔ ”معراج“ میں ہے: پھر یہ قول کیا گیا ہے: بالوں کے حق میں خطا کی
صورت یہ ہے کہ وہ اسے گمان کرے کہ یہ مباح الدم ہے پھر یہ واضح ہوا کہ یہ غیر مباح الدم ہے۔

35289۔ (قوله: فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ) یہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے فرمایا: عادل کا

(وَالْعَيْنَيْنِ وَالشَّفَتَيْنِ وَالْحَاجِبَيْنِ وَالرَّجْلَيْنِ وَالْأُذُنَيْنِ وَالْأَنْشَيْنِ) أَمْنِ الْخُصِيَّتَيْنِ (وَشَذِي الْمَرْأَةِ) وَحَلَمَتَيْهِمَا وَالْأَلْيَتَيْنِ إِذَا اسْتَأْصَلَهُمَا إِلَّا فُحُومَةً عَدْلٍ وَكَذَا فَرْجُ الْمَرْأَةِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ (الدِّيَةِ) وَفِي شَذِي الرَّجُلِ حُكُومَةُ عَدْلٍ

اور دونوں آنکھوں میں، دونوں ہونٹوں میں، دونوں ابروؤں میں، دونوں پاؤں میں، دونوں کانوں میں اور دونوں خسیوں میں، عورت کے دونوں پستانوں میں، ان دونوں گھنڈیوں میں اور دونوں سرینوں میں جب ان دونوں کو جڑ سے کاٹ دے (تو پوری دیت لازم ہوگی) بصورت دیگر عادل کی حکومت ہوگی۔ اسی طرح عورت کی شرمگاہ جانبین سے قطع کرنے میں دیت ہوگی۔ مرد کا پستان کاٹنے میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔

فیصلہ واجب ہوگا ”معراج“۔ اسی کی مثل ڈاڑھی میں گزر چکا ہے۔

آنکھوں، ہونٹوں، ابروؤں، پاؤں، کانوں، خسیوں، عورت کے پستانوں وغیرہ میں دیت کا حکم 35290۔ (قوله: وَالْعَيْنَيْنِ) کیونکہ ان اشیاء میں سے دونوں کے فوت کر دینے میں جنس منفعت کو فوت کرنا ہے یا کامل جمال کو فوت کرنا ہے پس کامل دیت ہوگی۔ اور دونوں میں سے ایک کے فوت کرنے میں نصف کو فوت کرنا ہے پس نصف دیت واجب ہوگی۔ ”ہدایہ“۔

35291۔ (قوله: وَالْأَنْشَيْنِ) کیونکہ اس سے منی پکانے اور نسل کی منفعت کو فوت کرنا لازم آتا ہے، ”زیلعی“۔ تنبیہ: ”تاترخانیہ“ میں ”تحفہ“ سے مروی ہے: جب اس نے دونوں خسیوں کو آلہ تناسل کے ساتھ قطع کر دیا تو اس پر دو دیتیں لازم ہوں گی۔ اسی طرح اگر وہ آلہ تناسل کو پہلے قطع کرے۔ کیونکہ آلہ تناسل کے قطع کرنے سے خصیتین کی منفعت قائم رہتی ہے جو منفعت، منی کو روکنا ہے۔ جہاں تک اس کے برعکس کا تعلق ہے تو اس میں خصیتین کی دیت ہوگی۔ اور آلہ تناسل کے لیے عادل کا فیصلہ ہوگا ملخص۔ کیونکہ آلہ تناسل کے قطع کرنے سے قبل اس کی منفعت فوت ہو چکی ہے۔

اس میں ہے: اس کے ایک خصیہ کو قطع کیا تو اس کا پانی منقطع ہو گیا تو ایک مکمل دیت اور نصف دیت لازم ہوگی۔ 35292۔ (قوله: وَشَذِي الْمَرْأَةِ وَحَلَمَتَيْهِمَا) کیونکہ دودھ پلانے کی منفعت کو فوت کر چکا ہے، ”زیلعی“۔ اس میں صغیرہ اور کبیرہ برابر ہیں۔ ”اتقانی“۔ کیا دونوں پستانوں کو جب عمداً کاٹے تو اس میں قصاص ہوگا۔ کتب ظاہرہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ انشیین کا معاملہ اسی طرح ہے۔ ”تاترخانیہ“۔

35293۔ (قوله: وَكَذَا فَرْجُ الْمَرْأَةِ) ”الخلاصہ“ میں ہے: اگر وہ عورت کی شرمگاہ کو قطع کر دے اور وہ اس حال میں ہو جائے کہ وہ بول کو نہیں روک سکتی تو اس میں دیت لازم ہوگی۔ ”تاترخانیہ“ میں ہے: اگر وہ اس حال میں ہو کہ اس کے ساتھ جماع کرنا ممکن نہ ہو تو اس میں دیت ہوگی۔

35294۔ (قوله: وَفِي شَذِي الرَّجُلِ حُكُومَةُ عَدْلٍ) کیونکہ اس میں منفعت کو فوت کرنا نہیں پایا جاتا اور نہ ہی کامل

(وَفِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ الْمُزْدَوِجَةِ نِصْفُ الدِّيَةِ وَفِي أَشْفَارِ الْعَيْنَيْنِ الْأَرْبَعَةِ جَمْعُ شُفْرَةٍ بِضَمِّ الشَّيْنِ وَتَفْتَحُ الْجَفْنُ أَوْ الْهُذْبُ (الدِّيَةُ) إِذَا قَلَعَهَا لَمْ تُنْبِتْ (وَفِي أَحَدِهَا رُبْعُهَا) وَلَوْ قَطَعَ جُفُونُ أَشْفَارِهَا فِدِيَّةٌ وَاحِدَةٌ لِأَنَّهَا كَشَيْءٍ وَاحِدٍ وَفِي جَفْنٍ لَا شَعَرَ عَلَيْهِ حُكُومَةٌ عَدْلٍ،

ان جوڑہ جوڑہ چیزوں میں سے ہر ایک میں نصف دیت ہوگی اور دونوں آنکھوں کی چار پلکوں میں دیت ہوگی۔ اشفار یہ شفرہ کی جمع ہے بعض اوقات اس کو شفرہ پڑھتے ہیں۔ اس سے مراد پلک یا پلک کے بال ہیں جب وہ ان کو اکھیڑ دے اور وہ نہ رگیں۔ اور ان میں سے ایک میں دیت کا چوتھائی ہوگا۔ اگر اس کی پلکوں کو کاٹ دے تو ایک دیت لازم ہوگی۔ کیونکہ دونوں ایک شے کی طرح ہیں۔ اور ایسی پلک جس پر بال نہ ہوں عادل کا فیصلہ ہوگا۔

طور پر جمال کو فوت کرنا لازم آتا ہے، ”زیلعی“۔ اس کے پستان کی گھنڈی میں اس کے علاوہ عادل کا فیصلہ ہوگا، ”خلاصہ“۔
35295۔ (قوله: جَمْعُ شُفْرَةٍ) ”المنح“ میں اسی طرح تا کے ساتھ ہے میں نے اسے کسی اور جگہ نہیں دیکھا ان کی کلام میں شفر تا کے بغیر ہے۔

35296۔ (قوله: الْجَفْنُ) یعنی اس کی طرف۔ ”قہستانی“ نے کہا: یہ شفر جس کی شین مضموم ہے کی جمع ہے۔ اس سے مراد حرف چھپر کی طرف ہے جو آنکھ کو ڈھانپ دے۔ یہ جفن (نیام) سے ماخوذ ہے۔ اس سے مراد بال نہیں جو اس کے اوپر ہوتے ہیں جنہیں ہدب کہتے ہیں۔ یہ جائز ہے کہ مجاز اہدب لیا جائے۔ ”مغرب“ میں ہے: ہر شے کا شفر اس کا حرف (کنارہ) ہوتا ہے اور آنکھ کا شفر اہدب کے اگنے کی جگہ ہے۔ کیونکہ شفر میں سے ہر ایک اور اس کے منابت میں کامل دیت ہے جس طرح ان دونوں کو اکٹھے کاٹ دے تو کامل دیت ہوتی ہے۔ کیونکہ دونوں ایک شے ہیں جیسے ناک کا نرم گوشہ بانسہ کے کاٹنے کے ساتھ ہوتا ہے۔

35297۔ (قوله: لَمْ تُنْبِتْ) یہ حرف مضارع کے ضمہ کے ساتھ ہے یہ انبات سے ہے اگر اس سے معنی حقیقی کا ارادہ کیا جائے جو جفون ہیں اور فتح کے ساتھ ہوگا اگر اس سے مراد اہدب لیا جائے۔ ”شرنبلا لیه“ میں کہا: تاخیر اور مہلت کا ذکر نہیں کہا شاید یہ لمحیہ کی طرح ہے۔

35298۔ (قوله: وَفِي أَحَدِهَا رُبْعُهَا) کیونکہ ان کے ساتھ جمال کامل طور پر متعلق ہوتا ہے اور ان کے ساتھ آنکھ سے آلودگی اور تنکے کو دور کیا جاتا ہے۔ اس کا ختم کر دینا یہ بصارت میں کمی کر دیتا ہے اور اندھے پن کا باعث ہوتا ہے۔ جب سب میں دیت واجب ہوتی ہے جب کہ وہ چار ہیں تو ایک میں دیت کا چوتھائی ہوگا اور دو میں اس کا نصف ہوگا۔ اور تین میں اس کا تین چوتھائی ہوگا، ”زیلعی“۔ عورت میں اس کا نصف واجب ہوگا جو مرد میں واجب ہوتا ہے، ”اتقانی“۔

35299۔ (قوله: وَلَوْ قَطَعَ جُفُونُ أَشْفَارِهَا) یہ ”المنح“ میں اسی طرح ہے۔ زیادہ واضح الجفون باشفار ہا ہے۔ ”التمیین“ میں کہا: اگر وہ جفون کو اس کے بالوں کے ساتھ کاٹ دے تو ایک دیت واجب ہوگی۔ کیونکہ اشفار، جفون کے ساتھ ایک شے کی طرح ہیں جس طرح ناک کا نرم گوشہ بانسے کے ساتھ اور موضع بالوں کے ساتھ۔ اگر آنکھ کو اس کے جفون کے ساتھ

لَكِنَّ الْمُعْتَدَّ أَنْ فِي كُلِّ دِيَّةٍ كَامِلَةٍ جَفْنًا أَوْ شَعْرًا (وَفِي كُلِّ أَصْبُعٍ مِنْ أَصَابِعِ الْيَدَيْنِ أَوْ الرَّجْلَيْنِ عَشْرُهَا وَمَا فِيهَا مَفَاصِلُ فَفِي أَحَدِهَا ثَلَاثُ دِيَّةٍ (إِلَّا صَبْعَ وَنِصْفُهَا) أَيْ نِصْفُ دِيَّةِ الْأَصْبُعِ (لَوْ فِيهَا مَفْصَلَانِ) كَالْإِبْهَامِ (وَفِي كُلِّ سِنَّ) يَعْنِي مِنَ الرَّجُلِ إِذْ دِيَّةُ سِنَّ الْمَرْأَةِ

لیکن قابل اعتماد قول یہ ہے کہ ہر ایک میں کامل دیت ہے وہ پلک ہو یا بال ہوں۔ دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کی انگلیوں میں سے ہر ایک انگلی میں دیت کا دسواں ہوگا اور ان میں جو جوڑ ہیں تو ایک جوڑ میں انگلی کی دیت کا ایک تہائی اور انگلی کی دیت کا نصف ہوگا اگر اس میں دو جوڑ ہوں جیسے انگوٹھا۔ مرد کے ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں۔ کیونکہ عورت کے دانت

نکال دے تو دو دیتیں واجب ہوں گی: آنکھ کی دیت اور ان جفون کی دیت جیسے دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں۔ ”جوہرہ“۔ ”ط“۔
35300۔ (قوله: وَفِي جَفْنٍ لَا شَعْرَ عَلَيْهِ حُكُومَةُ عَدْلٍ) ”غایۃ البیان“ میں ”تحفہ“ سے اسی طرح مروی ہے۔
”طحاوی“ نے ”ہندیہ“ سے انہوں نے ”المحیط“ سے نقل کیا ہے۔

35301۔ (قوله: لَكِنَّ الْمُعْتَدَّ الْخ) میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس نے یہ ذکر کیا، ”ط“۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ صرف دوسرے مسئلہ پر استدراک ہے۔

جہاں تک ان کے قول: ولو قطع جفون اشغارها ہدایہ، ”تمیین“ وغیرہما۔ شارحین نے اسی پر اکتفا کیا ہے۔
ان کے کلام کا حاصل یہ ہے: یہ جفن (پلک) جس پر بال نہ ہوں یا صرف بال جب وہ صرف ایک کو قطع کرے تو اس میں کامل دیت ہوگی۔ اس کی موافقت وہ قول کرتا ہے جو ”الاختیار“ میں ہے کیونکہ کہا: اگر وہ صرف اس کی پلکیں کاٹے جب کہ ان میں اہداب (بال) نہ ہوں تو ان میں دیت ہوگی۔ اسی طرح اہداب کا معاملہ ہے۔ اگر دونوں کو اکٹھے کاٹے تو ایک دیت ہوگی۔
35302۔ (قوله: جَفْنًا أَوْ شَعْرًا) خواہ وہ جفن ہو یا جفن کے بال ہوں یہ کان مخدوفہ کی خبر ہے۔ ایک نسخہ میں شفرہ فا کے ساتھ ہے، ”ط“۔

35303۔ (قوله: كَالْإِبْهَامِ) كاف استقصائیہ (کسی مسئلہ کی انتہا تک پہنچنا) ہے۔ ”ط“۔

دانتوں کی دیت کا شرعی حکم

35304۔ (قوله: وَفِي كُلِّ سِنَّ) سن اسم جنس ہے جس کے تحت بتیس داخل ہو جاتے ہیں ان میں سے چار ثنایا ہیں۔ یہ چار سامنے کے دانت ہیں دواؤ پر کے اور دو نیچے کے۔ ان کی مثل رباعیات ہیں یہ وہ دانت ہیں جو ثنایا کے ساتھ ملے ہوتے ہیں۔ ان کی مثل انیاب ہیں جو رباعیات کے ساتھ ملے ہوتے ہیں۔ ان کی مثل ضواحک ہیں جو انیاب کے ساتھ ملے ہوتے ہیں۔ اور بارہ دانت ایسے ہوتے ہیں جن کو طواحن کہتے ہیں ہر جانب تین اوپر اور تین نیچے ہوتے ہیں۔ ان کے بعد ایک دانت ہوتا ہے یہ دانتوں میں سے آخری ہوتا ہے جسے ضرس الحکم کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ بالغ ہونے کے بعد کمال عقل کے وقت پیدا ہوتی ہیں، ”عنایہ“۔

نِصْفُ دِيَةِ الرَّجُلِ جَوْهَرَةٌ (خُسُّ مِنَ الْإِبِلِ) أَوْ خُمْسُونَ دِينَارًا (أَوْ خُمْسِيَّةٌ دِرْهَمٌ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ فِي كُلِّ سِنٍّ خُسُّ مِنَ الْإِبِلِ يَغْنِي نِصْفَ عُشْرِ دِيَّتِهِ لَوْ حُرًّا وَنِصْفَ عُشْرِ قِيَّتِهِ لَوْ عَبْدًا فَإِنْ
قُلْتُ تَزِيدُ حِينَئِذٍ دِيَّةُ الْأَسْنَانِ كُلِّهَا عَلَى دِيَةِ النَّفْسِ بِثَلَاثَةِ أَخْصَاسِهَا قُلْتُ نَعَمْ وَلَا بَأْسَ فِيهِ لِأَنَّهُ
ثَابِتٌ بِالنَّصِّ عَلَى خِلَافِ الْقِيَاسِ كَمَا فِي الْغَايَةِ وَغَيْرِهَا وَفِي الْعِنَايَةِ وَلَيْسَ فِي الْبَدَنِ مَا يَجِبُ بِتَقْوِيَّتِهِ
أَكْثَرُ مِنْ قَدْرِ الدِّيَةِ سِوَى الْأَسْنَانِ وَقَدْ تَوَجَّدُ نَوَاجِذُ أَرْبَعَةٍ فَتَكُونُ أَسْنَانُهُ سِتًّا وَثَلَاثِينَ ذَكَرَهُ
الْقَهْطَانِيُّ قُلْتُ وَحِينَئِذٍ فَلْيَكُوسَجِ دِيَّةٌ وَخُمْسًا دِيَّةٌ

کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہوگی ”جوہرہ“۔ یا پچاس دینار ہوگی یا پانچ سو درہم ہوگی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:
ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں (1) یعنی اس کی دیت کے دسواں کا نصف اگر وہ آزاد ہو اگر وہ غلام ہو تو اس کی قیمت کے دسویں
کا نصف لازم ہوگا۔ اگر تو کہے: اس وقت تمام دانتوں کی دیت نفس کی دیت سے 3/5 زائد ہوگی۔ میں کہتا ہوں: ہاں اور اس
میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ خلاف قیاس نص سے ثابت ہے جس طرح ”الغایہ“ وغیرہا میں ہے۔ ”العنایہ“ میں ہے: بدن
میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کی تقویت سے دیت سے زائد واجب ہو۔ مگر دانتوں کا معاملہ مختلف ہے۔ بعض اوقات چار
ڈاڑھیں پائی جاتی ہیں تو اس کے دانت چھتیس ہو جاتے ہیں، ”قہستانی“ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: اس وقت کو سَج
کے لیے پوری دیت اور دیت کا 2/5 ہوگا

35305۔ (قوله: نِصْفُ دِيَةِ الرَّجُلِ) یعنی اس کے دانت کی دیت کا نصف۔

35306۔ (قوله: خُسُّ مِنَ الْإِبِلِ) ہر اونٹ کی قیمت دو سو درہم ہے۔ ”اتقانی“

35307۔ (قوله: يَغْنِي الْخ) جس کا ذکر کیا گیا اس سے مراد آزاد ہے۔ جہاں تک غلام کا تعلق ہے تو اس کی دیت
اس کی قیمت ہوگی پس اس کا بیسواں حصہ واجب ہوگا۔

35308۔ (قوله: بِثَلَاثَةِ أَخْصَاسِهَا) یہ غالب پر مبنی ہے کہ دانت بتیس ہوتے ہیں پس ان میں سولہ ہزار درہم
واجب ہوتے ہیں یہ نفس کی دیت اور اس کا 3/5 ہے۔

35309۔ (قوله: وَلَا بَأْسَ فِيهِ) اگرچہ قیاس کے مخالف ہے کیونکہ نص کے ساتھ کوئی قیاس نہیں۔

35310۔ (قوله: كَمَا فِي الْغَايَةِ) یعنی امام قوام الدین کی ”غایۃ البیان“۔ ”اتقانی“۔

35311۔ (قوله: وَقَدْ تَوَجَّدُ نَوَاجِذُ أَرْبَعَةٍ) نواجز یہ دانش کی ڈاڑھیں ہیں۔ ”مغرب“۔

35312۔ (قوله: فَلْيَكُوسَجِ الْخ) یعنی جب اس کے تمام دانت اکھڑ دیئے جائیں تو اس کی مکمل دیت اور دیت
کے دو خمس ہوں گے یعنی 2/5 دیت لازم ہوگی۔ یہ چودہ ہزار درہم ہیں۔ کیونکہ اس کے دانت اٹھائیس ہیں۔ حکایت بیان

وَلِغَيْرِهَا إِمَّا دِيَّةٌ وَنِصْفٌ أَوْ ثَلَاثَةُ أَخْصَاسٍ أَوْ أَرْبَعَةُ أَخْصَاسٍ وَعَلِمْتُ أَنَّ النِّسَاءَ عَلَى النِّصْفِ فَتَبَصَّرَ
(وَتَجِبُ دِيَّةٌ كَامِلَةٌ)

اور اس کے علاوہ کے لیے دیت اور نصف یا $3/5$ یا $4/5$ دیت ہوگی۔ اور تو یہ جان چکا ہے کہ عورت مرد کے مقابلہ میں نصف کی مستحق ہوتی ہے۔ پس اس میں خبردار ہو جائیے اور ہر ایسے عضو میں کامل دیت واجب ہوتی ہے

کی جاتی ہے ایک عورت نے اپنے خاوند سے کہا: یا کو سبوح۔ اے کھودے! خاوند نے کہا: اگر میں کو سبج ہوں تو تجھے طلاق ہے۔ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: اس کے دانت شمار کیے جائیں اگر اٹھائیس ہوں تو وہ کو سبج ہیں۔ ”معراج“۔

35313۔ (قولہ: وَلِغَيْرِهَا إلخ) ضمیر سے مراد کو سبج ہے یعنی کو سبج کے علاوہ کے لیے۔ کیونکہ اس کے علاوہ یا تو اس کے تیس دانت ہوں گے تو اس کے لیے مکمل دیت اور نصف دیت ہوگی۔ اور وہ پندرہ ہزار ہے یا اس کے دانت بتیس ہوں گے تو اس کے ایک پوری دیت اور دیت کا $3/5$ ہوگا۔ اور وہ سولہ ہزار ہے یا اس کے دانت چھتیس ہوں گے تو اس کے لیے مکمل دیت اور اس کی دیت کا $4/5$ ہوگا اور وہ اٹھارہ ہزار ہے۔

تنبیہ

”خلاصہ“ میں کہا: ایک آدمی کے دانت کو ضرب لگائی گئی یہاں تک کہ وہ حرکت کرنے لگا اور وہ دانت گر گیا وہ ضرب خطا ہو تو عاقلہ پر پانچ سو واجب ہوں گے اگر وہ عدا ہو تو قصاص لیا جائے گا۔

یہ جان لو کہ دیت اور اس کا $3/5$ جو سولہ ہزار ہے یہ تین سالوں میں واجب ہوگی۔ لیکن ”جوہرہ“ وغیرہا میں کہا: پہلے سال دیت کے دو تہائی واجب ہوں گے۔ ایک تہائی کی مکمل دیت اور دوسرا تہائی $3/5$ کا اور دوسرے سال دیت کا ایک تہائی اور $3/5$ کا باقی ماندہ اور تیسرے سال دیت کا ایک تہائی۔ وہ وہ ہے جو کامل دیت میں سے باقی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے دیت تین سالوں میں ادا کرنا ہوتی ہے ہر سال میں ایک تہائی لازم ہوتا ہے۔ اور اس کے $3/5$ واجب ہوتا ہے یہ چھ ہزار ہوتے ہیں جو دو سالوں میں ادا کرنا ہوتے ہیں ان میں سے پہلے سال ایک تہائی اور باقی ماندہ دوسرے سال۔ ”اتقانی“ نے ”شرح الطحاوی“ سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس تعبیر کی بنا پر چھ ہزار، چھ سو اور سڑھ اور دو تہائی دوسرے سال چھ ہزار اور تیسرے سال تین ہزار، تین سو، تینتیس اور تہائی۔ لیکن ”مجتبی“، ”تاترخانیہ“ وغیرہا میں ”الحیط“ سے مروی ہے کہ دوسرے سال چھ ہزار چھ سو، تینتیس اور ایک تہائی اور تیسرے سال تین ہزار۔ اس کی مثل ”المنح“ میں ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ دوسری روایتیں ہیں۔ تامل۔

ہر ایسا عضو جس کی منفعت ضائع ہو جائے اس میں کامل دیت ہوگی

35314۔ (قولہ: وَتَجِبُ دِيَّةٌ كَامِلَةٌ) یعنی اس عضو کی دیت۔ ”رملی“۔ کیونکہ ہاتھ یا آنکھ میں نفس کی دیت

فِي كُلِّ عَضْوٍ ذَهَبَ نَفْعُهُ بِضَرْبٍ ضَارِبٍ (كَيْدِ شُلَّتْ وَعَيْنِ ذَهَبَ ضَوْعُهَا وَصُلْبٍ انْقَطَعَ مَاؤُهَا) وَكَذَا أَوْ سَلْسٍ بَوْلِهِ أَوْ أَحَدَيْهِ وَلَوْ زَالَتْ الْخُدُوبَةُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَلَوْ بَقِيَ أَثَرُ الضَّرْبَةِ فَحُكُومَةُ عَدَلٍ (وَيَجِبُ حُكُومَةُ عَدَلٍ بِاتِّتْلَافِ عَضْوٍ ذَهَبَ نَفْعُهُ إِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ جَمَالٌ كَالْيَدِ السَّلَاءِ أَوْ أَرْشُهُ كَامِلًا إِنْ كَانَ فِيهِ جَمَالٌ كَالْأُذُنِ الشَّاخِصَةِ) هُوَ الطَّرَشُ

جس کی منفعت ضارب کے ضرب لگانے سے ضائع ہو جائے جیسے ہاتھ جو شل ہو جائے، عین جس کا نور ختم ہو جائے اور صلب جس کا پانی منقطع ہو جائے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر اس کو مسلسل بول کا مرض لگ جائے یا اس کی کمر کو دہرا کر دے۔ اگر اس کا کبڑا پین زائل ہو جائے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی اگر ضرب کا اثر باقی رہے تو عادل کا فیصلہ ہوگا اور ایسے عضو کے تلف کر دینے سے عادل کا فیصلہ واجب ہوگا۔ جس کا نفع واجب ہو جائے اگر اس میں جمال نہ ہو جیسے شل ہاتھ یا اس کی کامل دیت اگر اس میں جمال ہو جیسے اٹھا ہوا کان وہ گوش کی گرانی ہے۔

واجب ہوتی ہے۔ کیونکہ نفس کی دیت دس چیزوں میں واجب ہوتی ہے وہ جس طرح ”المنح“ میں ”الجبتي“ سے مروی ہے: عقل، سر کے بال، ناک، زبان، ڈاڑھی، پشت جب وہ اس کو توڑ دے اور جب اس کا پانی منقطع ہو جائے، جب اس کو سلس البول کا مرض لگ جائے۔ اور در جب اس میں نیزہ مارے پس وہ کھانے کو نہ روک سکے۔ اور آلہ تناسل کو کاٹ دے۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

35315۔ (قوله: أَوْ أَحَدَيْهِ) کیونکہ اس میں جمال کی منفعت کامل طور پر فوت کرنا ہے کیونکہ آدمی کا جمال اس میں ہے کہ سیدھے قد والا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کے فرمان: لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ① (اتین) میں یہی مراد ہے، ”زیلیعی“۔

35316۔ (قوله: فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ) ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے فرمایا: اس پر طبیب کی اجرت لازم ہوگی۔ ”طحطاوی“ نے ”ہندیہ“ سے نقل کیا ہے۔

35317۔ (قوله: أَوْ أَرْشُهُ) اس کا عطف حکومت پر ہے۔ اور آنے والی مثال میں ارش سے مراد نصف دیت ہے۔

35318۔ (قوله: كَالْأُذُنِ الشَّاخِصَةِ) جو اٹھا ہوا ہو۔ یہ شخص سے مشتق ہے جس کا معنی بلند ہونا ہے ”معراج“ ”عزمیہ“۔ اس کی قید لگانا اس وہم کو دور کرنے کے لیے ہے جو یہ کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد قوت سماعت لی جائے، ”عنایہ“۔ کیونکہ کلام اس کے بارے میں ہے جس میں جمال کو ختم کرنا اور قوت سماعت کا ختم ہونا ہے جنس میں منفعت کی جنس کو فوت کرنا ہے اور اس میں کامل دیت ہوگی۔

35319۔ (قوله: هُوَ الطَّرَشُ) میں نے اس کے علاوہ کسی کے ہاں یہ نہیں دیکھا اور یہ نہیں جانتا کہ انہوں نے اسے

کہاں سے اخذ کیا ہے۔

وَسَيَجِيءُ مَا لَوْ الصَّقَهُ فَالْتَحَمَ فِي أَوَاخِرِ هَذَا الْفَصْلِ

عنقریب اس فصل کے اواخر میں آئے گا: اگر وہ کان چبائے اور اس کا گوشت ابھر آئے۔

35320۔ (قوله: وَسَيَجِيءُ مَا لَوْ الصَّقَهُ) یعنی کان کو چسپاں کر دے اس کی ضمیر کو مذکر ذکر کیا ہے یعنی الصقہ کہا

الصقہا نہیں کہا یہ عضو کے اعتبار سے ہے جو آگے آئے گا۔ وہ ریش کا جواب ہے اگر وہ ساتھ ملائے اور اس میں گوشت آگ آئے۔ کیونکہ وہ پہلے جس طرح تھا اس طرح نہیں ٹوٹتا۔

35321۔ (قوله: فِي أَوَاخِرِ هَذَا الْفَصْلِ) یعنی جس میں شروع کرنے کا ارادہ کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فَصْلٌ فِي الشَّجَاجِ

(وَتَخْتَصُّ الشَّجَّةُ بِمَا يَكُونُ بِالْوَجْهِ وَالرَّأْسِ) لُغَةً (وَمَا يَكُونُ بِغَيْرِهَا فَجِرَاحَةٌ) أَيْ تُسَمَّى جِرَاحَةً وَفِيهَا حُكُومَةٌ عَدْلٍ مُجْتَبَى وَمُسْكِينٌ (وَهِيَ) أَيْ الشَّجَاجُ (عَشْرَةٌ الْخَارِصَةُ) بِهَمْلَاتٍ وَهِيَ الَّتِي تَخْرِصُ الْجِلْدَ

زخموں کا بیان

لغت میں شجہ کا لفظ ایسے زخم کے ساتھ خاص ہے جو چہرے اور سر کے ساتھ خاص ہوتا ہے اور جو زخم چہرہ اور سر کے علاوہ میں ہوتا ہے اسے جراحہ کہتے ہیں اس میں ایک عادل آدمی کا فیصلہ ہوتا ہے، ”مجتبیٰ“، ”مسکین“۔ یہ زخم دس ہیں: حارصہ: یہ لفظ نقطوں کے بغیر ہے یہ وہ زخم ہوتا ہے جو جسم میں خراش ڈال دیتا ہے۔

یہ شجہ کی جمع ہے جب ان انواع میں سے ایک نوع ہے جو نفس سے کم ہے اور اس کے مسائل بہت زیادہ ہیں تو ان کو علیحدہ فصل میں ذکر کیا، ”مخ“۔

شجہ کی تعریف

35322۔ (قوله: وَتَخْتَصُّ الشَّجَّةُ الْخ) ”ہدایہ“ میں کہا: حکم حقیقت پر ایک ہے یعنی شجاج کا حکم چہرے اور سر میں

ثابت ہوگا جیسا لغت میں اس کا حقیقی معنی ہے۔ کیونکہ لغت میں شجہ صرف اسے کہتے ہیں جو ان دونوں میں نہ کسی اور عضو میں ہو۔ ان کے علاوہ میں جو زخم ہو ان دونوں میں جو مقدر ہے وہ ثابت نہیں بلکہ عادل کی حکومت ثابت ہوگی، ”اتقانی“۔ اگر مثلاً موضع مستحق ہو جیسے پنڈلی اور ہاتھ میں تو وہ چٹی (دیت) لازم نہ ہوگی جو اس کے لیے مقدر ہے۔ کیونکہ یہ جراحہ ہے موضع نہیں۔ اور زخموں میں سے کوئی ایسا زخم نہیں جس کی دیت معلوم ہو مگر جائفہ ایسا زخم ہے جس کی دیت معلوم ہو جس طرح ”ظہیریہ“ میں ہے۔ دونوں جڑے ہمارے نزدیک چہرے میں سے ہیں یہاں تک کہ اگر اس میں موضع، ہاشمہ اور منقلہ زخم پائے جائیں تو ان کے لیے مقدر دیت ہوگی جس طرح ”ہدایہ“ میں ہے۔ شجاج میں سے صرف موضع، ہاشمہ، منقلہ اور آمہ میں مقدر دیت ہے جس طرح عنقریب اس کی وضاحت آئے گی۔

شجہ کا شرعی حکم

35323۔ (قوله: وَفِيهَا حُكُومَةٌ عَدْلٍ) کیونکہ تقدیر توفیق و تعین سے ہوتی ہے یہ اس زخم میں وارد ہوا ہے جو سر اور

چہرے کے ساتھ خاص ہیں، ”ہدایہ“۔ جراحہ کو شجہ کے ساتھ نہ دلالت نہ قیاساً لاحق کیا جائے گا کیونکہ وہ اس کے معنی میں نہیں۔ کیونکہ چہرہ اور سر عموماً ظاہر ہوتے ہیں پس عیب بہت ہی بڑھ کر ہوتا ہے۔ ”زیلعی“ وغیرہ نے اسے بیان کیا ہے۔

أَيُّ تَخْدِشُهُ (وَالدَّامِعَةُ) بِهَمَلَاتٍ الَّتِي تُظْهِرُ الدَّمَ كَالدَّمْعِ وَلَا تُسِيلُهُ (وَالدَّامِيَةُ) الَّتِي تُسِيلُهُ (وَالْبَاضِعَةُ) الَّتِي تُبْضِعُ الْجِلْدَ أَيْ تَقْطَعُهُ (وَالْمُتَلَاخِمَةُ) الَّتِي تَأْخُذُ فِي اللَّحْمِ (وَالسِّحَاقُ) الَّتِي تَصِلُ إِلَى السِّحَاقِ أَيْ جِلْدَةً رَقِيقَةً بَيْنَ اللَّحْمِ وَعَظْمِ الرَّأْسِ (وَالْمُوضِحَةُ) الَّتِي تُوضِحُ الْعَظْمَ أَيْ تُظْهِرُهُ (وَالْهَاشِمَةُ) الَّتِي تُهَشِّمُ الْعَظْمَ أَيْ تَكْسِرُهُ (وَالْمُنْقِلَةُ) الَّتِي تَنْقُلُهُ بَعْدَ الْكَسْرِ (وَالْآمَةُ) الَّتِي تَصِلُ إِلَى أَمْرِ الدِّمَاغِ

داعیہ: یہ لفظ بے نقطہ ہے جو خون کو ظاہر کر دیتا ہے جیسے آنسو ہوتا ہے اور اس کو بہاتا نہیں۔ دامیہ: یہ وہ زخم ہوتا ہے جو خون کو بہاتا ہے۔ باضیہ: جو جلد کو کاٹ دیتا ہے۔ متلاحمہ: جو گوشت کو کاٹ دیتا ہے۔ سحاق: جو سحاق تک جا پہنچتا ہے۔ سحاق سے مراد ایسی باریک جلد ہے جو گوشت اور سر کی ہڈی کے درمیان ہوتی ہے۔ موضحہ: جو ہڈی کو ظاہر کر دیتا ہے۔ ہاشمہ: جو ہڈی کو توڑ دیتا ہے۔ منقلہ: جو توڑنے کے بعد اس کو منتقل کر دیتا ہے۔ آمہ: جو ام دماغ تک جا پہنچتا ہے

شجہ کی اقسام

35324۔ (قوله: أَيْ تَخْدِشُهُ) یہ باب ضرب سے ہے، ”مخار“۔ ”ابن شجنہ“ نے ”قاضی خان“ سے کہا: یہ وہ زخم ہوتا ہے جو جلد پر خراش ڈال دیتا ہے اس سے خون نہیں نکلتا۔ اس کو خارش کہتے ہیں۔

35325۔ (قوله: الَّتِي تُبْضِعُ الْجِلْدَ) جس طرح ”زیلعی“ وغیرہ نے اس کی تفسیر بیان کی ہے۔ ”طوری“ نے اس کا رد کیا ہے تو ”زیلعی“ نے خود اس انواع میں جلد کے کٹنے کے متحقق ہونے کی تصریح کی ہے۔ پس اس میں ظاہر وہ قول ہے جو ”الحیط“ اور ”البدائع“ وغیرہ میں ہے کہ یہ زخم گوشت کو کاٹ دیتا ہے۔ اس کی مثل کتب لغت میں ہے۔ اس کی تعبیر کی بنا پر متلاحم میں ایک قید کا اضافہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا جس طرح ”البدائع“ وغیرہ میں ہے: یہ وہ زخم ہوتا ہے جو گوشت میں باضیہ زخم کی بنسبت زیادہ دور تک چلا جاتا ہے۔

35326۔ (قوله: الَّتِي تَأْخُذُ فِي اللَّحْمِ) ”مغرب“ میں کہا: یہ وہ زخم ہے جو گوشت کو پھاڑ دیتا ہے ہڈی کو نہیں توڑتا۔ پھر پھٹ جانے کے بعد گوشت بھر آتا ہے اور مل جاتا ہے۔ ”ازہری“ نے کہا: زیادہ مناسب یہ ہے کہ اسے لاحمہ کہا جائے یعنی جو گوشت کو کاٹ دے۔ اس کو یہ نام مایکون کے اعتبار سے دیا گیا ہے یا تفاول کے طریقہ پر نام دیا گیا ہے۔

35327۔ (قوله: وَالسِّحَاقُ) جیسے قرطاس میں ہے۔

35328۔ (قوله: وَالْمُوضِحَةُ) یہ ضامعہ کے ساتھ ہے ”قہستانی“۔ شارح وغیرہ کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ یہ کسرہ

کے ساتھ ہے۔

35329۔ (قوله: الَّتِي تُهَشِّمُ) یہ ضرب کے باب سے ہے، ”مغرب“۔

35330۔ (قوله: وَالْمُنْقِلَةُ) یہ قاف کی تشدید کے ساتھ اس کے فتح یا کسرہ کے ساتھ ہے، ”شرح و ہبانیہ“۔

35331۔ (قوله: وَالْآمَةُ) یہ مد اور شد کے ساتھ ہے۔ اسے مامونہ بھی کہتے ہیں۔ اور دماغ کتاب کے وزن پر

وَهِيَ الْجِلْدَةُ الَّتِي فِيهَا الدِّمَاغُ وَبَعْدَهَا الدَّامِغَةُ بِغَيْنٍ مُعْجَبَةٍ وَهِيَ الَّتِي تُخْرِجُ الدِّمَاغَ وَلَمْ يَذْكُرْهَا مُحَدِّدٌ لِلْمَوْتِ بَعْدَهَا عَادَةً فَتَكُونُ قَتْلًا لَا شَجًّا فَعَلِمَ بِالِاسْتِقْرَاءِ بِحَسَبِ الْآثَارِ أَنَّهَا لَا تَزِيدُ عَلَى الْعَشْرَةِ (وَيَجِبُ فِي الْمَوْضِعَةِ نِصْفُ عُشْرِ الذِّيَّةِ) أَيْ لَوْ غَيْرَ أَصْدَعٍ وَإِلَّا فَفِيهَا حُكُومَةٌ، لِأَنَّ جِلْدَهَا أَنْقُصَ زِينَةً مِنْ غَيْرِهِ قَهْشَتَانِي عَنْ الذَّخِيرَةِ

یہ وہ جلد ہوتی ہے جس میں دماغ ہوتا ہے۔ اس کے بعد دافعہ ہے یہ غین مجملہ کے ساتھ ہے۔ یہ وہ زخم ہوتا ہے جو دماغ کو خارج کر دیتا ہے۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ اس زخم کے بعد عموماً موت واقع ہو جاتی ہے۔ پس یہ عمل قتل ہو گا زخم لگانا نہیں ہو گا۔ آثار میں بحث و تمحیص اور غور و فکر سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ دس سے زائد نہیں۔ موضعہ میں دیت کا بیسواں حصہ واجب ہو گا یعنی اگر وہ گنجانہ ہو ورنہ اس میں عادل کا فیصلہ ہو گا۔ کیونکہ گنجے کی جلد زینت میں دوسرے شخص سے زینت میں ناقص ہوتی ہے۔ ”قہستانی“ نے ”ذخیرہ“ سے نقل کیا ہے۔

ہے یہ سر کا مغز ہے، ”قاموس“۔

35332۔ (قوله: تُخْرِجُ الدِّمَاغَ) یعنی وہ زخم جلد کو کاٹ دیتا ہے اور دماغ کو ظاہر کر دیتا ہے۔

35333۔ (قوله: وَلَمْ يَذْكُرْهَا مُحَدِّدٌ) اسی طرح امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے حارصہ کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ عموماً اس کا اثر باقی نہیں رہتا۔ اور جس کا کوئی اثر نہ رہے اس کا کوئی حکم باقی نہیں رہتا، ”التقانی“۔ اسی وجہ سے ”غرر الافکار“ میں کہا: مصنف پر یہ لازم تھا کہ وہ اس کو ذکر نہ کرتے لیکن جو کتاب میں عموماً موجود ہے اس کی پیروی کی ہے۔

35334۔ (قوله: لِلْمَوْتِ بَعْدَهَا عَادَةً) اگر وہ زندہ رہا تو اس میں ایک تہائی دیت ہوگی، ”غرر الافکار“۔

35335۔ (قوله: نِصْفُ عُشْرِ الذِّيَّةِ) اگر وہ زخم خطا لگایا گیا ہو اگر وہ زخم عدا لگایا گیا ہو تو قصاص میں واجب ہو گا جس طرح آگے آئے گا۔ ”کافی“ کے متفرقات میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے کو بیس زخم لگائے اگر درمیان میں صحت یابی نہ ہو تو تین سالوں میں کامل دیت واجب ہوگی اگر درمیان میں صحت یابی ہوگئی تو ایک سال میں کامل دیت واجب ہوگی، ”ط“۔

موضعہ زخم کی دیت

35336۔ (قوله: أَيْ لَوْ غَيْرَ أَصْدَعٍ) ”ہندیہ“ میں ہے: ایک گنجا آدمی ہے اس کے بال بڑھاپے کی وجہ سے گر گئے

ایک انسان نے اسے جان بوجھ کر موضعہ زخم لگایا۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے فرمایا: اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا اس پر دیت ہوگی۔ اگر زخم لگانے والا کہے: میں اس پر راضی ہوں کہ مجھ سے قصاص لیا جائے تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہو گا۔ اگر زخم لگانے والا بھی گنجا ہو تو اس پر قصاص لازم ہو گا۔ ”محیط سرخسی“ میں اسی طرح ہے۔ ”ناطفی“ کی تالیف ”واقعات“ میں ہے: اصدع (گنجے) کا موضعہ زخم کسی اور کے موضعہ زخم سے زیادہ ناقص ہوتا ہے۔ پس چٹی بھی اس سے کم ہوگی۔ ہاشمہ زخم میں دونوں برابر ہوں گے۔ ”المشتقی“ میں ہے: ایک آدمی نے گنجے آدمی کو خطاً موضعہ زخم لگایا تو اس کے مال میں دیت لازم ہوگی موضعہ لازم

(وَفِي الْهَاشِمَةِ عَشْرُهَا وَفِي الْمُنَقَّلَةِ عَشْرٌ وَنِصْفُ عَشْرٍ وَفِي الْأَمَّةِ وَالْجَائِفَةِ ثُلُثُهَا فَإِنْ نَفَذْتَ الْجَائِفَةَ فَثُلُثَاهَا) لِأَنَّهَا إِذَا نَفَذْتَ صَارَتْ جَائِفَتَيْنِ فَيَجِبُ فِي كُلِّ ثُلُثِهَا (وَفِي الْحَارِصَةِ وَالْدَّامِعَةِ وَالْدَّامِيَةِ وَالْبَاضِعَةِ وَالْمُتَلَاخِمَةِ وَالسَّحَاقِ حُكُومَةُ عَدْلٍ)

ہاشمہ میں اس کا دسواں حصہ ہوگا، منقلہ میں دسواں اور بیسواں حصہ ہوگا، آمہ اور جائفہ میں دیت کا ایک تہائی ہوگا۔ اگر جائفہ زخم آر پار ہو جائے تو اس کی دیت دو تہائی ہوگی۔ کیونکہ جب وہ آر پار ہو جائے تو وہ دو جائفہ ہو جاتے ہیں۔ پس ہر ایک میں ایک تہائی واجب ہوتا ہے۔ حارصہ، دامعہ، دامیہ، باضعہ، متلاحمہ اور سحاق میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔

نہ ہوگا۔ اگر اسے ہاشمہ کا زخم لگے تو اس میں ارش ہوگی جو ہاشمہ کی ارش سے کم ہوگی۔ یہ اس کی عاقلہ پر لازم ہوگی۔ ”الحیظ“ میں یہ اسی طرح ہے، ”ط“۔

حائضہ کی دیت

35337۔ (قوله: وَالْجَائِفَةُ) علما نے کہا: جائفہ زخم جوف کے ساتھ خاص ہے وہ سر کا جوف ہو یا بطن کا جوف ہو، ”ہدایہ“۔ اس تعبیر کی بنا پر شجاع کے ساتھ اس کے ذکر کرنے کی خاص وجہ ہے۔ کیونکہ بعض اوقات یہ سر میں ہوتا ہے لیکن ”اتقانی“ نے اس میں اس قول کے ساتھ اعتراض کیا ہے جو ”مختصر الکرنی“ میں ہے کہ یہ زخم نہ گردن میں ہوتا ہے اور نہ ہی حلق میں ہوتا ہے اور یہ نہیں ہوتا مگر جو سینہ، پشت، بطن اور دونوں پہلوؤں کی جانب سے جوف تک پہنچ جائے اور اس کے ساتھ اعتراض کیا ہے کہ ”الاصل“ میں موجود ہے کہ یہ ٹھوڑی سے اوپر نہیں ہوتا اور نہ ہی عانہ سے نیچے ہوتا ہے۔ ”یعنی“ نے کہا: جائفہ زخم دس زخموں میں داخل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس پر شجہ کا اطلاق نہیں ہوتا اسے آمہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ یہ دونوں حکم میں برابر ہیں۔

35338۔ (قوله: فَيَجِبُ فِي كُلِّ ثُلُثِهَا) یعنی دیت کا ایک تہائی واجب ہوتا ہے۔

تنبیہ

”اتقانی“ نے کہا: تیرے لیے یہ پہچان کرنا ممکن ہے کہ جس کی دیت دیت کے بیسویں حصہ سے لے کر اس کے ایک تہائی تک ہو وہ مرد میں ہو یا عورت میں وہ خطا میں ہو عاقلہ پر وہ ایک سال میں ادا کرنا لازم ہوگی۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ تین سال میں لازم کیا تھا۔ پس جس کے ساتھ اس کا ایک تہائی واجب ہوگا تو وہ ایک سال میں ہوگا اگر وہ زائد ہو تو زیادتی دوسرے سال میں ہوگی۔ کیونکہ تہائی سے زائد ان میں سے ہے جو عاقلہ پر دوسرے سال لازم ہوگی۔ اگر وہ منفرد ہو تو حکم اسی طرح ہوگا اور جو دو تہائی دو سالوں تک ادا کرنا ہوگی اور زائد تیسرے سال ادا کرنا ہوگی اور جو دیت کے بیسویں حصہ میں کم ہو یا وہ جنایت عمد کی وجہ سے لازم ہوئی ہو تو وہ جنایت کرنے والے کے مال سے لازم ہوگی، ملخص۔ کیونکہ کتاب المعامل میں آئے گا کہ عاقلہ فعل عمد کی دیت کی ذمہ دار نہ ہوگی اور نہ ہی اس دیت کی ذمہ دار ہوگی جو موصیہ سے کم ہو۔

35339۔ (قوله: حُكُومَةُ عَدْلٍ) خطا میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔ اسی طرح عمد میں حکم ہوگا اگر ہم قصاص کا حکم نہ کریں

إِذْ لَيْسَ فِيهِ أَرْضٌ مُقَدَّرٌ مِنْ جِهَةِ السَّنْعِ، وَلَا يُبَكِّنُ إِهْدَارُهَا فَوَجَبَ فِيهَا حُكُومَةُ عَدْلِ (وَهِيَ) أَى حُكُومَةُ الْعَدْلِ (أَنْ يَنْظُرَ كَمْ مِقْدَارُ هَذِهِ الشَّجَةِ مِنْ الْبُوضِخَةِ فَيَجِبُ بِقَدْرِ ذَلِكَ مِنْ نِصْفِ عُشْرِ الدِّيَةِ) قَالَهُ الْكَرْنِيُّ وَصَحَّحَهُ شَيْخُ الْإِسْلَامِ (وَقِيلَ) قَائِلُهُ الطَّحَاوِيُّ (يُقَوِّمُ الْمَشْجُوجُ عَبْدًا بِلَا هَذَا الْأَثَرِ ثُمَّ مَعَهُ فَقَدَّرُ التَّفَاوُتَ بَيْنَ الْقِيَمَتَيْنِ) فِي الْحُرِّ (مِنْ الدِّيَةِ) وَفِي الْعَبْدِ مِنَ الْقِيَمَةِ

کیونکہ اس میں سمع کے اعتبار سے کوئی چٹی مقدار نہیں اور اس کا رائیگاں کرنا ممکن نہیں۔ پس اس میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔ عادل کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ یہ غور کرے موصحہ کے مقابلہ میں اس زخم کی کیا نسبت ہے پس دیت کے بیسویں حصہ میں سے اس کی مقدار کے مطابق حکم واجب ہو جائے گا۔ یہ امام ”کرنی“ کا قول ہے۔ ”شیخ الاسلام“ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے قائل ”طحاوی“ ہیں زخمی کی قیمت لگائی جائے گی جب وہ غلام ہو اس زخم کے اثر کے بغیر، پھر زخم کے ساتھ اس کی قیمت لگائی جائے گی تو دونوں قیمتوں کے درمیان تفاوت کی مقدار دیت ہوگی۔ آزاد میں اور غلام میں قیمت جیسا کہ قریب ہی آئے گا۔

35340۔ (قوله: مِنْ جِهَةِ السَّنْعِ) یعنی دلیل سمعی سے یہ ثابت نہیں۔ کیونکہ یہ قول گزر چکا ہے کہ تعیین شارع کی جانب سے آگاہی پر منحصر ہے۔

35341۔ (قوله: مِنْ الْبُوضِخَةِ) اسے خاص کیا ہے کیونکہ یہ ان چار زخموں سے اقل ہے جس میں معین دیت ہے۔ ”محیط“ کے قول: مَنْ اقل شجة لها ارش مقدر کی یہی مراد ہے، فافہم۔

35342۔ (قوله: فَيَجِبُ بِقَدْرِ ذَلِكَ مِنْ نِصْفِ عُشْرِ الدِّيَةِ) جو موصحہ زخم کی دیت ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ شجہ مثلاً اگر باضعہ ہو تو دیکھا جائے گا کہ موصحہ کے مقابلہ میں باضعہ کی کیا حیثیت ہے۔ اگر وہ موصحہ کا تہائی ہو تو موصحہ کی دیت کا ایک تہائی واجب ہوگا۔ اگر وہ موصحہ کا چوتھائی ہو تو موصحہ کی دیت کا چوتھائی ہوگا، ”غایۃ“۔

35343۔ (قوله: وَصَحَّحَهُ شَيْخُ الْإِسْلَامِ) کیونکہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث ہے کیونکہ آپ نے اس پر قیاس کرتے ہوئے اس آدمی کے بارے میں عادل کے فیصلہ کا اعتبار کیا تھا جس نے اس کی زبان کی ایک جانب کاٹی تھی اور غلام کا اعتبار نہیں کیا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آزاد کا چھوٹا اور بڑا موصحہ برابر ہیں اور غلام میں صغیرہ زخم میں کبیرہ کی بنسبت تھوڑا واجب ہوتا ہے۔ ”معراج“۔

35344۔ (قوله: فِي الْحُرِّ) یعنی یہ حکم آزاد میں شجہ کے متعلق ہے۔ یہ اس محذوف کے متعلق ہے جو ترکیب میں حال بن رہا ہے اور ان کا قول من الدیۃ یعنی دیت لی جائے گی۔ یہ مبتدا کی خبر ہے، فافہم۔

35345۔ (قوله: وَفِي الْعَبْدِ مِنَ الْقِيَمَةِ) یعنی غلام کے شجہ میں فرق کا اندازہ لگایا جائے گا جو اس کی قیمت سے اخذ کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کی قیمت ہی اس کی دیت ہوتی ہے۔

فَإِنْ نَقَصَ الْحُرُّ عُسْرَ قَيْمَتِهِ أَخَذَ عُسْرَ دَيْتِهِ، وَكَذَا فِي النِّصْفِ وَالثُّلُثِ (هُوَ أَمْرٌ هَذَا التَّفَاوُتُ هِيَ) أَمْرٌ
حُكْمَةُ الْعَدْلِ (بِهِ يُفْتَى) كَمَا فِي الْوَقَايَةِ وَالنُّقَايَةِ وَالْمُلْتَقَى وَالذُّرَى وَالْخَانِيَّةِ وَغَيْرِهَا وَجَزَمَ بِهِ فِي
الْمَجْمَعِ وَفِي الْخُلَاصَةِ إِنَّمَا يَسْتَقِيمُ قَوْلُ الْكَرْخِيِّ لَوِ الْجَنَائِيَّةُ فِي وَجْهِهِ وَرَأْسٍ فَحِينَئِذٍ يُفْتَى بِهِ وَلَوْ فِي
غَيْرِهَا أَوْ تَعَسَّ عَلَى الْهَفْتِ يُفْتَى بِقَوْلِ الطَّحَاوِيِّ مُطْلَقًا لِأَنَّهُ أَيْسَرُ انْتَهَى، وَنَحْوُهُ فِي الْجَوْهَرَةِ بِزِيَادَةٍ
وَقِيلَ تَفْسِيرُ الْحُكْمَةِ هُوَ مَا يَخْتَارُ إِلَيْهِ مِنَ النِّفْقَةِ، وَأَجْرَةُ الطَّبِيبِ وَالْأَدْوِيَّةُ إِلَى أَنْ يَبْرَأَ

پھر اگر آزاد اس کی قیمت کا دسواں حصہ کم کر دے تو آزاد کی دیت کا دسواں حصہ لے گا اسی طرح نصف اور تہائی میں یہ تفاوت ہی
عادل آدمی کا فیصلہ ہے اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ”وقایہ“، ”نقایہ“، ”ملتقی“، ”درر“ اور ”خانہ“ وغیرہ میں ہے۔ اور
”مجمع“ میں اس پر جزم کیا ہے۔ خلاصہ میں ہے: امام ”کرخی“ کا قول درست ہو سکتا ہے اگر جنایت چہرہ اور سر میں ہو اس
وقت اس کا فتویٰ دیا جائے گا۔ اگر جنایت ان دو کے علاوہ میں ہو یا مفتی پر معاملہ مشکل ہو جائے تو مطلقاً امام ”طحّاوی“ کے
قول پر فتویٰ دے گا۔ کیونکہ یہ زیادہ آسان ہے کلام ختم ہوئی۔ اس کی مثل ”جوہرہ“ میں وقیل کی زیادتی کے ساتھ ہے۔
حکومت کی تفسیر یہ ہے نفقہ جس کا محتاج ہوتا ہے، طبیب کی اجرت اور دوائیاں یہاں تک کہ وہ صحت مند ہو جائے۔

35346۔ (قوله: فَإِنْ نَقَصَ) اس کی مثال ہے جب اس کی قیمت زخم کے بغیر ہزار تک پہنچتی ہے اور زخم کے ساتھ نو
سو تک پہنچتی ہے تو اس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ زخم نے اس کی قیمت کے دسویں حصہ کا نقصان کیا۔ پس یہ دیت کے دسویں
حصہ کو ثبات کرے گا۔ کیونکہ آزاد کی قیمت اس کی دیت ہوگی۔ ”عنایہ“۔

35347۔ (قوله: بِهِ يُفْتَى) ”حلوانی“ نے اس کو اخذ کیا ہے تینوں ائمہ نے یہی قول کیا ہے۔ ”ابن منذر“ نے کہا: یہ
ہر اس عالم کا قول ہے جس سے علم محفوظ کیا جاتا ہے، ”معراج“۔

35348۔ (قوله: لَوِ الْجَنَائِيَّةُ فِي وَجْهِهِ وَرَأْسٍ) کیونکہ یہ دونوں موصحہ کا محل ہے، ”جوہرہ“۔

35349۔ (قوله: أَوْ تَعَسَّ عَلَى الْهَفْتِ) یعنی ”کرخی“ نے جو قیاس کیا ہے۔

35350۔ (قوله: مُطْلَقًا) یعنی چہرہ، سر یا ان دونوں کے علاوہ میں۔ یہ اطلاق ان کے قول او تعسّ کو پیش نظر رکھنے

کی بنا پر ہے۔

35351۔ (قوله: وَقِيلَ الْخ) لفظ زیادۃ اس کی طرف مضاف ہے اس کے ساتھ یہ محل جرم میں ہے۔ ”قہستانی“ نے

اس کے بعد کہا: یہ تمام احکام اس صورت میں ہیں جب زخم کا اثر باقی ہے ورنہ شیخین کے نزدیک کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ امام
”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس قدر لازم ہوگی جو اس نے خرچ کیا یہاں تک کہ وہ صحت مند ہو جائے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ
سے یہ مروی ہے: دردمیں عادل کا فیصلہ ہوگا۔ اس کی مکمل وضاحت فصل کے آخر میں آئے گی۔

(وَلَا قِصَاصَ) فِي جَمِيعِ الشَّجَاہِ (إِلَّا فِي الْمَوْضِعَةِ عُنْدًا) وَمَا لَا قَوْدَ فِيهِ يَسْتَوِي الْعُنْدُ وَالْخَطَأُ فِيهِ، لَكِنَّ ظَاهِرَ الْمَذْهَبِ وَجُوبُ الْقِصَاصِ فِيمَا قَبْلَ الْمَوْضِعَةِ أَيْضًا ذَكَرَهُ مُحَدِّثٌ فِي الْأَصْلِ، وَهُوَ الْأَصَحُّ دُرَرٌ وَمُجْتَبَى وَابْنُ الْكَمَالِ وَغَيْرُهَا لِامْكَانِ الْمُسَاوَاةِ، بِأَنْ يَسْبِرُ غَوْرَهَا بِسَبَارٍ ثُمَّ يَتَّخِذُ حَدِيدَةً بِقُدْرَةٍ فَيَقْطَعُ وَاسْتَشْنَى فِي الشُّرْبِلَالِيَّةِ السَّحَاقَ

جتنے بھی شجاج ہیں ان میں کوئی قصاص نہیں مگر ایسے موضعہ میں قصاص ہے جو عدا کیا جائے۔ اور جس میں قصاص نہیں ہوتا اس میں عدا اور خطا برابر ہوتے ہیں۔ لیکن ظاہر مذہب یہ ہے کہ وہ زخم جو موضعہ سے قبل مذکور ہیں ان میں قصاص واجب ہو۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے الاصل میں اس کا ذکر کیا ہے۔ یہی قول اصح ہے، ”درر“، ”مجتبى“، ”ابن کمال“ وغیرہا۔ کیونکہ مساوات ممکن ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ آلہ کے ساتھ اس کی گہرائی ماپی جائے۔ پھر اس قدر لوہے کی چیز لی جائے اور اسے کاٹ دیا جائے۔ ”شربلالیہ“ میں سحاق کو مستثنیٰ کیا ہے۔

35352۔ (قوله: وَلَا قِصَاصَ فِي جَمِيعِ الشَّجَاہِ) یعنی جو موضعہ سے بڑھ کر ہیں وہ بالا جماع اور جو اس سے کم درجہ کے ہیں ان میں اختلاف کے ساتھ یہ حکم ہے۔

35353۔ (قوله: إِلَّا فِي الْمَوْضِعَةِ عُنْدًا) یعنی جب اس کی وجہ سے کسی عضو میں خلل واقع نہ ہوا اگر وہ جان بوجھ کر موضعہ زخم لگائے اور اس کی آنکھیں ضائع ہو جائیں تو ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک قصاص واجب نہیں ہوگا۔ پس دونوں میں دیت واجب ہوگی۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے فرمایا: موضعہ میں قصاص ہوگا اور آنکھ میں دیت ہوگی، ”شرح الجمع“ نے ”الکافی“ سے نقل کیا ہے۔

35354۔ (قوله: وَجُوبُ الْقِصَاصِ) یعنی عدا میں قصاص کا وجوب۔

35355۔ (قوله: وَهُوَ الْأَصَحُّ) ”کافی“ میں یہ قول صحیح ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَالْجُرُودَ قِصَاصُ (المائدہ:

45) کا ظاہر معنی یہی ہے۔ اور مساوات کا اعتبار کرنا ممکن ہے، ”معراج“۔ عام مشائخ نے اسے اخذ کیا ہے۔ ”تاثر خانیہ“۔

35356۔ (قوله: بِأَنْ يَسْبِرُ غَوْرَهَا) سبر سے مراد زخم وغیرہ کی گہرائی کا جائزہ لینا ہے جس طرح استبار کا یہ معنی ہے

غور سے مراد ہر شے کی گہرائی ہے۔ مسبار کا لفظ کتاب کے وزن پر ہے۔ مسبار اسے کہتے ہیں جس کے ساتھ زخم کی گہرائی کو پہچانا جاتا ہے ”قاموس“۔

35357۔ (قوله: وَاسْتَشْنَى فِي الشُّرْبِلَالِيَّةِ السَّحَاقَ) کیونکہ کہا: الا السحاق۔ کیونکہ اس میں بالا جماع

قصاص نہیں کیونکہ کوئی مماثلت نہیں پائی جارہی۔ کیونکہ وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ پھاڑے یہاں تک ہڈی کے اوپر باریک جلد تک پہنچ جائے۔

میں کہتا ہوں: لیکن یہ اس کے مخالف ہے جو ”ہدایہ“ کے عام شارحین وغیرہم نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ علماء نے اس کی تصریح

فَلَا يُقَادُ إِجْمَاعًا كَمَا لَا قَوْدَ فِيهَا بَعْدَهَا كَالْهَاشِمَةِ وَالْمُنْقَلَةِ بِالْإِجْمَاعِ وَعَزَاةٌ لِلْجَوْهَرَةِ فَلْيُحْفَظْ قَالَ فِي
الْمُجْتَبَى وَلَا قَوْدَ فِي جِلْدِ رَأْسٍ وَبَدَنِ وَلَحْمٍ خَدٍ وَبَطْنٍ وَظَهْرٍ وَلَا فِي لَطْمَةٍ وَوَكْرَةٍ وَوَجَاءَةٍ وَفِي سَدَخِ جِلْدِ
الْوَجْهِ كَمَا فِي الدِّيَةِ (وَفِي) كُلِّ أَصَابِعِ الْيَدِ الْوَاحِدَةِ نِصْفُ دِيَّةٍ وَلَوْ مَعَ الْكَفِّ (لَأَنَّهُ تَبَعٌ لِلْأَصَابِعِ)

پس بالا جماع قصاص نہیں لیا جائے گا جس طرح اس کے مابعد میں قصاص نہیں لیا جائے گا۔ جیسے ہاشمہ اور منقلہ ہے اس پر علما کا اجماع ہے۔ اسے ”جوہرہ“ کی طرف منسوب کیا ہے اس کو یاد رکھا جائے۔ ”مجتبىٰ“ میں کہا: سر اور بدن کی جلد میں اور رخسار، پیٹ اور پشت کے گوشت میں قصاص نہیں۔ اور نہ ہی قصاص ہے طمانچہ میں، گھونسا میں اور ہاتھ کی ضرب میں۔ اور چہرے کی جلد کے اتارنے میں کامل دیت لازم ہوگی۔ ایک ہاتھ کی تمام انگلیوں میں نصف دیت لازم ہوگی اگرچہ ہتھیلی کے ساتھ ان کو کاٹ دے۔ کیونکہ ہتھیلی انگلیوں کے تابع ہے

کی ہے کہ ظاہر روایت ان زخموں میں قصاص واجب ہوگا جو ”موضہ“ سے پہلے ہیں وہ چھ ہیں جو حارصہ سے سحاق تک ہیں۔
35358۔ (قوله: كَالْهَاشِمَةِ وَالْمُنْقَلَةِ) کیونکہ ان دونوں میں ہڈی کا توڑنا ہے۔ پس مساوات ممکن نہیں۔ اسی طرح آمہ کیونکہ اس میں عموماً ہلاکت ہو جاتی ہے۔ اور یہ امر مخفی نہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ سرایت نہ کرے۔
35359۔ (قوله: وَعَزَاةٌ لِلْجَوْهَرَةِ) ”طحاوی“ نے اسے بحر زار کی طرف منسوب کیا ہے۔

رخسار، پیٹ اور پشت کے گوشت میں، سر اور بدن کی جلد میں قصاص نہیں
35360۔ (قوله: وَلَا قَوْدَ فِي جِلْدِ رَأْسٍ) شاید یہ ظاہر روایت کے علاوہ ہے جس طرح رخسار کے گوشت میں قول کیا جاتا ہے یا جو سر میں زخم ہے اسے سحاق پر محمول کیا جائے گا۔ جہاں تک بدن کی جلد اور بطن اور پشت کی گوشت کا تعلق ہے تو ”ہندیہ“ میں کہا: وہ زخم جو چہرے اور سر کے علاوہ ہیں ان میں عادل کا فیصلہ ہے جب تو ہڈی کو واضح کر دے اور اس کو توڑ دے جب اس کا کوئی اثر باقی ہو۔ ورنہ شیخین کے نزدیک اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس نے جو خرچ کیا ہے اس کی قیمت لازم ہوگی یہاں تک کہ وہ صحت یاب ہو جائے، ”محیط سرخسی“ میں اسی طرح ہے، ”ط“۔
تھپڑ اور مکے میں قصاص کا حکم

35361۔ (قوله: وَلَا فِي لَطْمَةٍ) لطم کا معنی رخسار اور جسم کے ظاہر پر کھلی ہتھیلی کے ساتھ مارنا ہے۔ وکثر سے مراد دھمکیلنا اور بند ہتھیلی کے ساتھ مارنا ہے اور وجہ سے مراد ہاتھ اور چھری سے مارنا ہے ”قاموس“۔ ”طحاوی“ نے کہا: مراد ہاتھ سے مارنا ہے۔ کیونکہ چھری کے ساتھ جو مارا جائے وہ زخموں میں داخل ہوتا ہے۔ پس تینوں ہاتھ کے ساتھ مارنے کی طرف راجع ہیں جس کا ذکر کیا ہے وہ تعزیر کے ثبوت کے منافی نہیں۔

چہرے کی جلد اور ہاتھ کی ہتھیلی اور انگلیوں میں دیت کا حکم
35362۔ (قوله: وَفِي سَدَخِ جِلْدِ الْوَجْهِ كَمَا فِي الدِّيَةِ) کیونکہ اس صورت میں جمال مکمل طور پر فوت ہو جاتا ہے۔

وَمَعَ نِصْفِ سَاعِدٍ نِصْفُ دِيَّةٍ (لِلْكَفِّ) وَحُكُومَةُ عَذْلِ لِنِصْفِ السَّاعِدِ وَكَذَا السَّاقُ (وَفِي) قَطْعِ (كَفِّ) وَفِيهِ أَصْبُعٌ أَوْ أَصْبُعَانِ عَشْرُهَا أَوْ خُمُسُهَا) لَفٌّ وَنَشْرٌ مُرْتَبٌّ (وَلَا شَيْءَ فِي الْكَفِّ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ كَمَا لَوْ كَانَ فِي الْكَفِّ ثَلَاثُ أَصَابِعَ، فَإِنَّهُ لَا شَيْءَ فِي الْكَفِّ إِجْمَاعًا، إِذْ لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ وَفِي جَوَاهِرِ الْفَتَاوَى ضَرْبُ يَدِ رَجُلٍ وَبَرٍّ إِلَّا أَنَّهُ لَا تَصِلُ يَدُهُ إِلَى قَفَاةٍ فَيَقْدَرُ النُّقْصَانُ

اور ساتھ ہی نصف کلائی کاٹ دینے میں ہتھیلی کی نصف دیت اور نصف کلائی کے لیے عادل کا فیصلہ ہوگا۔ اسی طرح پنڈلی ہے۔ اور ہتھیلی کے کاٹنے میں جب کہ اس میں ایک انگلی یا دو انگلیاں ہوں اس کا دسواں یا پانچواں حصہ ہوگا، یہ لف نشر مرتب ہے، امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کوئی شے لازم نہ ہوگی جس طرح ہتھیلی میں تین انگلیاں ہوں۔ کیونکہ ہتھیلی میں بالاجماع کوئی چیز لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ اکثر کا حکم، کل کا حکم ہوتا ہے۔ ”جواہر الفتاویٰ“ میں ہے: ایک آدمی نے ایک آدمی کے ہاتھ پر ضرب لگائی اور وہ صحت مند ہو گیا مگر اس کے ہاتھ اس کی گدی تک نہیں پہنچتا تو نقصان کے حساب سے

35363۔ (قوله: نِصْفُ دِيَّةٍ لِلْكَفِّ) یعنی انگلیوں کے ساتھ۔

35364۔ (قوله: وَفِيهِ أَصْبُعٌ) یہ قید نہیں۔ کیونکہ جب انگلی میں سے صرف ایک جوڑ رہ جائے تو امام ”ابو حنیفہ“

رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظاہر روایت میں اس جوڑ کی دیت لازم ہوگی اور ہتھیلی کو اس کے تابع کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اس جوڑ کی دیت مقدر ہے۔ اور اصل میں سے جو چیز باقی ہے اگرچہ قلیل ہے تو تبع کی وجہ سے اس کا کوئی حکم نہیں ہوگا۔ پھر یہ جان لو کہ جب ہتھیلی کو کاٹ دیا جائے اور اس میں کوئی انگلیاں نہ ہوں۔ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔ اور انگلی کی دیت تک نہیں پہنچا جائے گا۔ کیونکہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہتھیلی ایک انگلی کے تابع ہے۔ پس تابع کی قیمت متبوع تک نہیں پہنچ سکتی۔ ”کفایہ“۔

35365۔ (قوله: عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ہتھیلی اور انگلی کی طرف دیکھا جائے گا۔ پس اس پر اکثر لازم ہو جائے گی اور قلیل کثیر میں داخل ہو جائے گی، ”ہدایہ“۔

35366۔ (قوله: فَإِنَّهُ لَا شَيْءَ فِي الْكَفِّ) بلکہ اس پر انگلیوں کی 3/10 دیت لازم ہوگی۔

35367۔ (قوله: إِذْ لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ) یہ ہتھیلی کا انگلیوں کے تابع ہونے کا ذکر ہے۔ پس جس طرح ہتھیلی پانچ

انگلیوں کے تابع ہوتی ہے جو کل ہیں تو وہ تین کے بھی تابع ہوگی۔ پس صرف تین انگلیوں کی دیت لازم ہوگی اور ہتھیلی میں کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ ہتھیلی انگلیوں کے تابع ہے۔ یہ تعلیل حقیقت میں ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے قول کی ہے۔ جہاں تک ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا تعلق ہے تو ہتھیلی اقل کے بھی تابع ہوگی جس طرح قول گزر چکا ہے۔

35368۔ (قوله: فَيَقْدَرُ النُّقْصَانُ) یعنی اسکی قیمت میں سے نقصان کا اندازہ لگایا جائے گا اور اس آدمی کو غلام تصور کیا

جائے جب اس میں یہ عیب پایا جائے اور اس میں عیب نہ پایا جائے۔ یہ اس پر قیاس کے طریقہ پر ہے جو قول گزر چکا ہے۔ تاہل

يُؤْخَذُ مِنْ جُمْلَةِ الذِّیَةِ إِنْ نَقَصَ الثُّلَثَانِ ثُلُثًا الذِّیَةَ وَهَكَذَا وَأَقْرَبُهَا الْمُصَنِّفُ، وَلَوْ قَطَعَ مِفْصَلًا مِنْ أَصْبِعٍ فَشَلَّ الْبَاقِيَ أَوْ قَطَعَ الْأَصَابِعَ فَشَلَّ الْكَفَّ لَزِمَ دِيَةُ الْمَقْطُوعِ فَقَطَّ وَسَقَطَ الْقِصَاصُ فَافْهَمْهُ وَإِنْ خَالَفَ الدُّرَرُ ذَكَرَهُ الشُّرَنْبِلَائِيُّ

مجموعی دیت سے اسے لیا جائے گا۔ اگر دو تہائی نقصان ہو تو دو تہائی کی دیت لازم ہوگی۔ اسی طرح باقی کو قیاس کر لو۔ مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے اگر انگلی کا جوڑ کاٹ دیا اور باقی ماندہ انگلی شامل ہو گئی یا اس نے انگلیاں کاٹیں تو ہاتھ شل ہو گیا تو صرف مقطوع کی دیت لازم ہوگی اور قصاص ساقط ہو جائے گا۔ اس کو خوب سمجھ لو اگرچہ یہ ”درر“ کے خلاف ہے اسے ”شرنبلائی“ نے ذکر کیا ہے

35369۔ (قوله: فَشَلَّ الْبَاقِيَ) یعنی اس انگلی کی وجہ سے وہ ہاتھ شل ہو گیا۔

35370۔ (قوله: لَزِمَ دِيَةُ الْمَقْطُوعِ فَقَطَّ) یعنی پہلے مسئلہ میں انگلی کی پوری قیمت اور دوسرے مسئلہ میں تمام انگلیوں

کی قیمت لازم ہوگی۔ ہتھیلی میں کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ تابع ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ یہ ان کے قول فقط کا یہی معنی ہے پہلے مسئلہ میں مقطوع سے مراد صرف جوڑ نہیں جس طرح وہم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ علامہ ”وانی“ نے ”طحاوی“، ”جامع صغیر“، ”برہان“ اور ”قاضی خان“ سے نقل کیا ہے کہ انگلی کی دیت واجب ہوگی جب انگلی سے باقی ماندہ انگلی شل ہو گئی اور ہاتھ کی دیت لازم ہوگی جب وہ شل ہو گیا۔

”النبایہ“ میں ہے: جب اس نے ایک مفصل والی انگلی کاٹی تو باقی ماندہ انگلی یا ہتھیلی شل ہو گئی تو قصاص واجب نہیں ہوگا۔ لیکن جو شل ہوا ہے اس کی دیت واجب ہوگی۔ اگر وہ ہتھیلی ہو تو ہتھیلی کی دیت لازم ہوگی یہ متفق علیہ ہے۔ ”غایۃ البیان“ میں اس کی مثل ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ باقی ماندہ سے نفع نہ اٹھا سکے ورنہ اس میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔ ”زیلعی“ نے کہا: ایک آدمی نے انگلی کے اوپر والے جوڑ سے کاٹا تو باقی ماندہ شل ہو گئی اگر باقی ماندہ سے نفع حاصل نہ ہو سکے تو ایک دیت کافی ہوگی۔ اگر وہ اس سے نفع حاصل کر سکتا ہو تو مقطوع حصہ کی دیت ہوگی۔ اور باقی میں باجماع عادل کا فیصلہ ہوگا۔

اسی طرح ایک آدمی نے نصف دانت توڑ دیا اور باقی ماندہ دانت سیاہ ہو گیا، زرد ہو گیا یا سرخ ہو گیا تو پوری دانت کی دیت واجب ہوگی۔ ”شرنبلائی“ نے یہ ذکر کیا ہے کہ ”زیلعی“ کے قول: یکتفی بارش واحد سے مراد ایک انگلی کی دیت ہے۔ اس کی دلیل ان کا یہ قول ہے: وَكَذَا إِذَا كَسَدَ السِّنُّ، الخ۔

35371۔ (قوله: وَإِنْ خَالَفَ الدُّرَرُ) کیونکہ کہا: صرف جوڑ کی دیت واجب ہوگی اگرچہ باقی سے فائدہ نہ اٹھائے

اور فیصلہ باقی میں ہوگا اگر اس سے نفع حاصل کیا جاسکتا ہو۔ صحیح یہ ہے کہ وہ کہتے: دية الاصبع۔ گویا ”زیلعی“ کی گزشتہ عبارت نے انہیں وہم دلایا جب کہ تو اس کی مراد جان چکا ہے، فافہم۔

وَسَيَجِيءُ مَثْنًا (وَفِي الْأَصْبَحِ الزَّائِدَةُ وَعَيْنُ الصَّبِيِّ وَذَكَرُهُ وَلِسَانُهُ إِنْ لَمْ تُعْلَمْ صِحَّتُهُ يُنْظَرُ فِي الْعَيْنِ وَحَرَكَةٍ) فِي الذِّكْرِ (وَكَلَامٍ فِي اللِّسَانِ) (حُكُومَةُ عَدْلٍ) فَإِنْ عَلِمَتْ الصِّحَّةُ فَكَبَّالِغٍ فِي خَطَأٍ أَوْ عَدِلَ إِذَا ثَبَتَ بَيِّنَةٌ أَوْ بِإِقْرَارِ الْجَانِي وَإِنْ أَنْكَرَ أَوْ قَالَ لَا أَعْرِفُ صِحَّتُهُ فَحُكُومَةُ الْعَدْلِ جَوْهَرَةٌ (وَدَخَلَ أَرْضُ مُوضِحَةٍ أَذْهَبَتْ عَقْلَهُ أَوْ شَعَرَ رَأْسِهِ فِي الدِّيَةِ)

عنقریب متن میں یہ آئے گا۔ زائد انگلی، بچے کی آنکھ، اس کے آلہ تناسل اور اس کی زبان میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔ اگر اس کے صحت مند ہونے کا علم نہ ہو آنکھ کی حجت کا علم اس کے دیکھنے سے ہوگا۔ آلہ تناسل میں اس کے تندرست ہونے کا علم اس کے حرکت کرنے سے اور زبان میں اس کی کلام کرنے سے ہوگا۔ اگر صحت کا علم ہو جائے تو خطا یا عمد میں وہ بالغ کی طرح ہے جب یہ گواہیوں یا جانی کے اقرار سے ثابت ہو جائے۔ اگر وہ انکار کرے یا کہے: میں اس کی صحت کو نہیں پہچانتا تھا تو عادل کا فیصلہ ہوگا، ”جوہرہ“۔ ایسا موضوع جو اس کی عقل کو ختم کر دے یا اس کے سر کے بالوں کو ختم کر دے اس کی دیت مکمل دیت میں داخل ہو جائے گی۔

35372۔ (قوله: وَسَيَجِيءُ) یعنی چند سطروں بعد یہ آئے گا۔

زائد انگلی، بچے کی آنکھ، زبان اور آلہ تناسل میں دیت کا حکم

35373۔ (قوله: وَفِي الْأَصْبَحِ الزَّائِدَةُ الْخ) یہ آنے والے مبتدا کی خبر ہے وہ مبتدا ان کا قول حکومة عدل ہے۔

پہلی صورت میں دیت واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ جمال کا اس سے تعلق نہیں اور باقی ماندہ میں ان سے مقصود ان کے منافع ہیں جب وہ منفعت کے وجود سے جاہل ہو تو شک کی وجہ سے کامل دیت واجب نہ ہوگی۔ ”زیلعی“ نے کہا: قصاص واجب نہیں اگرچہ قاطع کی زائد انگلی ہو۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

35374۔ (قوله: وَحَرَكَةٍ) یعنی بول کے لیے حرکت۔ ”قہستانی“۔

35375۔ (قوله: وَكَلَامٍ فِي اللِّسَانِ) چنانچہ کلام نہیں یہ تو محض آواز ہے اور اس میں تندرست ہونے کی پہچان گفتگو

سے ہوئی، ”ہدایہ“ وغیرہ۔ ”قہستانی“ میں ہے: اگر وہ چیخے تو اس میں دیت ہوگی۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے فرمایا: اس میں عادل کا فیصلہ ہوگا جس طرح ”ذخیرہ“ میں ہے۔

35376۔ (قوله: فَكَبَّالِغٍ) اسی طرح کا حکم ہوگا ان اعضا میں جن کا ذکر نہیں کیا گیا جیسے ناک، ہاتھ، پاؤں وغیرہ وہ

جان بوجھ کر جنایت کرنے کی صورت میں قصاص میں اور خطا کی صورت میں دیت میں بالغ کی طرح ہوگا، ”قہستانی“۔

ایسا موضوع جو عقل یا سر کے بالوں کو ختم کر دے کی دیت کا حکم

35377۔ (قوله: أَوْ شَعَرَ رَأْسِهِ) یعنی سر کے تمام بال گر جائیں مگر جب ان میں سے بعض گر جائیں یا ان میں سے

معمولی گر جائیں تو اس پر موضوعہ زخم کی دیت ہوگی اس میں بال داخل ہوں گے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ موضوعہ کی دیت اور

لِدُخُولِ الْجُزْءِ فِي الْكُلِّ كَمَنْ قَطَعَ أَصْبُعًا فَشَلَّتْ الْيَدُ (وَإِنْ ذَهَبَ سَبْعُهُ أَوْ بَصَرُهُ أَوْ نُطْقُهُ لَا تَدْخُلُ لِأَنَّهُ كَأَعْضَاءِ مُخْتَلِفَةٍ بِخِلَافِ الْعَقْلِ لِعَوْدِ نَفْعِهِ لِلْكُلِّ) (وَلَا قَوْدَ إِنْ ذَهَبَتْ عَيْنَاهُ بَلَّ الدِّيَّةُ فِيهِمَا) خِلَافًا لَّهُمَا (وَلَا يُقَطَّعُ أَصْبُعٌ شَلَّ جَارُهُ)

کیونکہ جز کل میں داخل ہو جاتا ہے جس طرح ایک آدمی انگلی کاٹتا ہے تو ہاتھ شل ہو جاتا ہے۔ اگر اس کی قوت سماعت، اس کی بصارت یا اس کی قوت گویائی ختم ہو جائے تو ان کی دیت اس میں داخل نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ مختلف اعضاء کی طرح ہیں۔ عقل کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کا نفع کل کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اگر اس کی دونوں آنکھیں ضائع ہو جائیں تو قصاص نہیں ہوگا بلکہ دونوں میں دیت ہوگی۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ اور وہ انگلی جس کی پڑوس والی انگلی شل ہوگئی ہو اس کو نہیں کاٹا جائے گا۔

بالوں میں عادل کے فیصلہ کو دیکھا جائے گا۔ اگر دونوں برابر ہوں تو موضعہ کی دیت واجب ہوگی۔ اگر دونوں میں سے ایک دوسرے سے زائد ہو تو اقل اکثر میں داخل ہوگا۔ یہ حکم اس وقت ہوگا جب بال نہ اگے ہوں مگر جب وہ اگ آئیں اور وہ پہلے کی طرح ہو جائیں تو کوئی شے لازم نہ ہوگی، ”جوہرہ“۔

35378۔ (قوله: لِدُخُولِ الْجُزْءِ فِي الْكُلِّ) کیونکہ عقل کے فوت ہونے کی صورت میں تمام اعضاء کی منفعت فوت ہو جاتی ہے۔ پس یہ اس طرح ہو جائے گا جب وہ اس کو موضعہ زخم لگائے اور وہ مرجائے اور موضعہ کی دیت بالوں میں سے کچھ کے ضائع ہونے سے واجب ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اگر وہ اگے تو وہ ساقط ہو جائے گی، ”ہدایہ“۔ ان دو صورتوں کے علاوہ موضعہ کی دیت داخل نہیں ہوگی۔

35379۔ (قوله: كَمَنْ قَطَعَ أَصْبُعًا إلخ) کیونکہ انگلی کی دیت غلام کی دیت میں داخل ہوتی ہے۔

35380۔ (قوله: لَا تَدْخُلُ) پس اس کے ذمہ دیت کے ساتھ موضعہ کی دیت لازم ہوگی۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب جنایت سے موت واقع نہ ہو مگر جب موت واقع ہو جائے تو دیت ساقط ہو جائے گی۔ اور اگر عدا ہو تو دیت تین سالوں میں اس کے مال میں واجب ہوگی۔ اگر وہ خطا ہو تو دیت عاقلہ پر ہوگی جس طرح ”جوہرہ“ میں ہے۔

35381۔ (قوله: لِأَنَّهُ كَأَعْضَاءِ مُخْتَلِفَةٍ) او کے ساتھ عطف کرنے کی وجہ سے ضمیر کو مفرد ذکر کیا ہے۔ بعض نسخوں میں لانا ہے۔

35382۔ (قوله: وَلَا قَوْدَ) یعنی شجہ میں کوئی قصاص نہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ شجہ زخم لگائے تو اس کی دونوں آنکھیں جاتی رہیں بلکہ دونوں میں دیت ہوگی ساتھ ہی شجہ کی دیت ہوگی۔

35383۔ (قوله: خِلَافًا لَهُمَا) ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک موضعہ میں قصاص ہے اور دونوں آنکھوں میں دیت ہے، ”منح“۔

35384۔ (قوله: وَلَا يُقَطَّعُ أَصْبُعٌ شَلَّ جَارُهُ) بلکہ دونوں میں سے ہر ایک کی دیت پوری پوری واجب ہوگی،

خِلَافًا لَهَا (وَلَا أَصْبَعُ قُطْعَ مَفْصَلُهُ الْأَعْلَى فَشَلَّ مَا بَقِيَ) مِنْ الْأَصَابِعِ (بَلْ دِيَّةُ الْمَفْصَلِ وَالْحُكُومَةُ فِيمَا بَقِيَ وَلَا قَوْدَ بِكُسْبِ نِصْفِ سِنِّ أَسْوَدَ) أَوْ أَصْفَرَ أَوْ أَحْمَرَ (بَاقِيَهَا بَلْ كُلُّ دِيَّةِ السِّنِّ)

”صاحبین“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اور نہ ہی وہ انگلی کاٹی جائے گی جس کا اوپر والا جوڑ کاٹا گیا تو باقی ماندہ انگلیاں شل ہو گئیں بلکہ مفصل کی دیت اور باقی میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔ اس نصف دانت کے توڑنے میں قصاص نہیں جس کا باقی ماندہ سیاہ، زرد یا سرخ ہو گیا ہو بلکہ دانت کی پوری دیت ہوگی۔ ”منح“۔ اصبع کا لفظ بعض اوقات مذکر ہوتا ہے، ”قاموس“۔

35385۔ (قوله: خِلَافًا لَهَا) ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک پہلی انگلی میں اس پر قصاص ہوگا اور دوسری میں دیت ہوگی ”جوہرہ“۔ اگر مصنف یہ قول کرتے: وَلَا قَوْدَ انْ ذَهَبَ عَيْنَاهُ اوْ قُطْعَ اصْبَعَا فَشَلَّ جَارَهُ بَلْ الدِّيَّةُ فِيْهِمَا خِلَافًا لَهَا تو یہ زیادہ ظاہر ہوتا۔

35386۔ (قوله: مِنْ الْأَصَابِعِ) زیادہ ظاہر ”ہدایہ“ کا قول ہے: مِنْ الْأَصْبَعِ۔

35387۔ (قوله: بَلْ دِيَّةُ الْمَفْصَلِ وَالْحُكُومَةُ فِيمَا بَقِيَ) ”ہدایہ“، ”کافی“ اور ”ملتقی“ میں اسی طرح ہے۔ یہ اس پر محمول ہے جب باقی سے نفع حاصل کیا جاسکتا ہو جس طرح ہم نے پہلے ”زیلعی“ سے بیان کیا ہے۔ پس یہ اس کے منافی نہیں ہوگا جو ہم نے پہلے ”ہدایہ“ کی شروح وغیرہ میں سے نقل کیا ہے کہ انگلی کی دیت واجب ہوگی۔ لیکن ”عزمیہ“ میں اسے اس پر محمول کیا ہے کہ یہ دوسرا قول ہے۔ انتفاع اور عدم انتفاع میں تطبیق حقیقت میں بہت ہی بعید ہے۔ کیونکہ شل ہونا لازمی طور پر عدم انتفاع سے جدا نہیں ہو سکتا، تامل۔ جہاں تک ”درر“ کی عبارت کا تعلق ہے تو وہ سہو ہے جس طرح اس پر پہلے تنبیہ گزر چکی ہے یہاں اختلاف کا ذکر نہیں کیا تا کہ اس امر کی طرف اشارہ ہو کہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ یہاں قصاص کا قول نہیں کرتے۔ جو قول گزر چکا ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ”تاتر خانہ“ میں ہے کہ ہمارے اصحاب نے ایک عضو میں یہ اتفاق کیا ہے جب وہ اس کے بعض کو قطع کرے تو باقی ماندہ شل ہو جائے یا وہ شل ہو جائے جو مقطوع کے تابع ہے یعنی جس طرح ہتھیلی تابع ہوتی ہے تو کوئی قصاص نہیں ہوگا۔

دو عضووں میں علما نے اختلاف کیا ہے جن میں سے ایک دوسرے کے تابع نہیں ہوتا جیسے انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی۔ کیونکہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک انگلی میں کوئی قصاص نہیں۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ مراد ایسے دو عضو ہیں جو متباین نہیں ورنہ دونوں میں سے ایک کی دیت ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی دوسرے کے قصاص کے مانع نہیں جس طرح قریب ہی آئے گا۔

35388۔ (قوله: أَوْ أَصْفَرَ أَوْ أَحْمَرَ) وہ زرد ہو جائے یا سرخ ہو جائے یا اس میں کسی وجہ سے عیب داخل ہو جائے۔

”مکی“ نے ”کافی“ سے نقل کیا ہے۔ ”ط“۔ جس نے زرد ہونے کا ذکر کیا ہے وہ ہی مختار قول ہے جس طرح ”الدرر“ میں ہے۔

إِذَا فَاتَ مَنْفَعَةُ الْمَضْغِ وَإِلَّا فَلَوْ مَتَا يُرَى حَالُ الشَّكْمِ فَالذِّیَّةُ أَيْضًا وَإِلَّا فَحُكُومَةُ عَذْلِ زَيْدَعِي فَقَوْلُ
الذَّرَرِ وَإِلَّا فَلَا شَيْءَ فِيهِ مَا فِيهِ ثُمَّ الْأَصْلُ أَنَّ الْجَنَائَةَ مَتَى وَقَعَتْ عَلَى مَحَلِّينِ مُتَبَايِنِينَ حَقِيقَةً
فَأَرُشُ أَحَدِهِمَا لَا يَنْتَعِ قَوْدَ الْآخَرِ، وَمَتَى وَقَعَتْ عَلَى مَحَلٍّ وَاتَّلَفَتْ شَيْئَيْنِ فَأَرُشُ أَحَدِهِمَا يَنْتَعِ الْقَوْدَ
(وَيَجِبُ الْأَرُشُ عَلَى مَنْ أَقَادَ سِنَّهُ)

جب چبانے کی منفعت فوت ہو جائے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اگر گفتگو کے وقت وہ دانت دکھائی دیتا ہے تو بھی دیت لازم ہوگی ورنہ
عادل کا فیصلہ ہوگا، ”زیدی“۔ ”الذرر“ کا قول ہے: والا فلا شئی فیہ تو اس میں ضعف ہے جو ضعف ہے۔ پھر قاعدہ یہ ہے کہ
جنایت جب دو میں واقع ہو جو حقیقت میں متباین ہوں تو دونوں میں سے ایک کی دیت دوسرے کے قصاص کے مانع نہ ہوگی
اور جب وہ ایک محل پر واقع ہو اور دو چیزوں کو تلف کر دے تو دونوں میں سے ایک کی دیت قصاص کے مانع ہوگی۔ جس نے
سال گزرنے کے بعد

”التبیین“ میں پہلے قول کو یقین سے بیان کیا ہے۔ لیکن اس کے تقریباً ایک ورقہ بعد ذکر کیا ہے: اگر ضرب سے وہ زرد ہو جائے
تو اس میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا زرد ہونا نہ جمال کے فوت ہونے کا باعث ہوتا ہے اور نہ ہی منفعت کے فوت ہونے
کا باعث ہوتا ہے مگر کامل جمال سفیدی میں ہوتا ہے شاید علماء نے توڑنے کے ساتھ زرد ہونے اور مارنے کے ساتھ زرد ہونے
میں فرق کیا ہے۔ تامل۔

35389۔ (قوله: وَإِلَّا فَلَوْ مَتَا يُرَى) امام ”محمد“ رحمہ علیہ کی عبارت مطلق ہے۔ ”الکفایہ“ وغیرہا میں کہا: واجب
ہے کہ اس میں جواب تفصیل کے ساتھ ہو، الخ۔

35390۔ (قوله: فَالذِّیَّةُ أَيْضًا) کیونکہ اس نے کامل طریقہ سے ظاہری جمال کو فوت کر دیا ہے، ”کفایہ“۔

35391۔ (قوله: فِيهِ مَا فِيهِ) اس کا یہ جواب دیا گیا ہے: معنی ہے اس میں کوئی شے مقدر نہیں۔ پس یہ عادل کی
حکومت کے منافی نہیں، ”ط“۔

35392۔ (قوله: مُتَبَايِنِينَ حَقِيقَةً) جیسے ہاتھ اور پاؤں، ”ط“۔

35393۔ (قوله: عَلَى مَحَلٍّ) جیسے موصی نے اس کی عقل، اس کی قوت سماعت، اس کی قوت بصارت یا اس کی قوت
گویائی کو زائل کر دیا خواہ محل ایک عضو میں ہو یا دو غیر متباین عضو ہیں جیسے انگلی جس کے ساتھ ملی انگلی شل ہوئی ہو۔ ”نصاحبین“
جوانہ بیہ کا دونوں عضو میں اختلاف ہے جس طرح گزر چکا ہے۔

35394۔ (قوله: وَيَجِبُ الْأَرُشُ) یعنی پانچ سو درہم واجب ہوں گے، ”بدایہ“۔

35395۔ (قوله: أَقَادَ سِنَّهُ) یہ جملہ کہا جاتا ہے: اقاد القاتل بالقتل، جب وہ قاتل کو مقتول کے عوض قتل کر دے
جس طرح ”مغرب“ اور ”قاموس“ میں ہے۔ وہ پہلے مفعول کی طرف ہمزہ کے ساتھ اور دوسرے کی طرف با کے ساتھ متعدی

بَعْدَ مُضِيِّ حَوْلٍ (ثُمَّ نَبَتْ) بَعْدَ ذَلِكَ لِتَبَيُّنِ الْخَطَأِ حِينَئِذٍ وَسَقَطَ الْقَوْدُ لِلشُّبْهَةِ وَفِي الْمُلْتَقَى وَيُسْتَأْنَى فِي اقْتِصَاصِ السِّنِّ وَالْمَوْضِحَةِ حَوْلًا وَكَذَا لَوْ ضَرَبَ سِنُّهُ فَتَحَرَّكَتْ لَكِنْ فِي الْخُلَاصَةِ الْكَبِيرِ الَّذِي لَا يُرْجَى نَبَاتُهُ لَا يُوجَلُّ بِهِ يُفْتَى قُلْتُ وَقَدْ يُوقَفُ بِمَا نَقَلَهُ الْمُصَنِّفُ وَغَيْرُهُ عَنِ النِّهَايَةِ

اپنے دانت کا قصاص لیا پھر وہ دانت اگ آیا تھا تو اس پر دیت واجب ہوگی۔ کیونکہ اس وقت خطا واضح ہو چکی تھی اور شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔ ”ملتقی“ میں ہے: دانت اور موضع کے قصاص لینے میں وہ ایک سال انتظار کرے گا۔ اسی طرح کا حکم ہے اگر وہ اس کے دانت پر ضرب لگائے اور وہ حرکت کرنے لگے۔ لیکن ”الخلاصہ“ میں ہے: وہ بڑا دانت جس کے اگنے کی امید نہ ہو اس میں مہلت نہیں دی جائے گی اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں: بعض اوقات دونوں قولوں میں اس کے ساتھ تطبیق دی جاتی ہے جسے مصنف وغیرہ نے ”النہایہ“ سے نقل کیا ہے۔

ہوتا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر حق یہ تھا کہ یہ قول کرتے اقاد بسنہ، تامل۔

35396۔ (قوله: ثُمَّ نَبَتْ) یعنی وہ تمام اگ آیا اس میں کوئی کجی نہ تھی جس طرح آگے آئے گا۔

35397۔ (قوله: بَعْدَ مُضِيِّ حَوْلٍ) اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ اس کے لیے اس سے پہلے قصاص کا حق نہیں جس طرح اس کی وضاحت ان کا بعد والا قول کرتا ہے یعنی بعد الاقادة۔

35398۔ (قوله: لِتَبَيُّنِ الْخَطَأِ) یعنی قصاص میں خطا واضح ہو چکی ہے۔ کیونکہ اس کا موجب مثبت کا فاسد ہونا ہے اور جب اس کی جگہ دوسرا دانت اگ آیا تو مثبت فاسد نہ ہوا۔ پس جنایت معدوم ہو گئی۔ ”ہدایہ“۔

35399۔ (قوله: لِلشُّبْهَةِ) یعنی اگنے سے پہلے قصاص کے واجب ہونے کا شبہ، ”ط“۔

35400۔ (قوله: وَيُسْتَأْنَى) یہ لفظ ہمزہ کے سکون اور نون کی تخفیف کے ساتھ ہے یعنی انتظار کیا جائے گا۔ قاضی کو چاہیے کہ وہ قاطع سے ضمان لے جس طرح ”الکناہ“ میں ہے۔

35401۔ (قوله: وَكَذَا) یعنی ایک سال انتظار کرے۔

35402۔ (قوله: لَكِنْ فِي الْخُلَاصَةِ) کیونکہ کہا: قلع سن بالغ لا یوجل سنة انما ذلك في الصبی اس نے بالغ آدمی کے دانت کو اکھیر دیا اسے ایک سال کی مہلت نہ دی جائے گی۔ یہ حکم بچے کے بارے میں ہے۔ لیکن انتظار کیا جائے گا کہ دانت والی جگہ صحیح ہو جائے مگر جب وہ ضرب لگائے اور وہ دانت حرکت کرنے لگے تو وہ ایک سال انتظار کرے۔ اور ”سرخی“ کے نسخہ میں ہے: وہ بڑے آدمی کے معاملہ میں ایک سال انتظار کرے جس کے دانت کے ٹوٹنے اور اکھیر دینے میں اگنے کی امید نہ ہو پہلے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ملخص۔

35403۔ (قوله: يُوقَفُ الْخ) یعنی جو قول ”ملتقی“ میں ہے اسے صغیر پر محمول کیا جائے۔ اور جو ”الخلاصہ“ میں ہے:

کبیر پر محمول کیا جائے جس طرح اس کی عبارت صریح ہے۔

الصَّحِيحِ تَأْجِيلُ الْبَالِغِ لِيَبْرَأَ لَا سِنَّهُ؛ لِأَنَّ نَبَاتَهُ نَادِرٌ (أَوْ قَلَعَهَا فَرَدَّتْ) أَمَّا رَدُّهَا صَاحِبُهَا إِلَى مَكَانِهَا وَنَبَتْ عَلَيْهَا اللَّحْمُ لِعَدَمِ عَوْدِ الْعُرُوقِ كَمَا كَانَتْ فِي النِّهَائَةِ قَالَ شَيْخُ الْإِسْلَامِ إِنْ عَادَتْ إِلَى حَالَتِهَا الْأُولَى فِي الْمَنْفَعَةِ وَالْجَمَالِ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ كَمَا لَوْ نَبَتَتْ (وَكَذَا الْأُذُنُ) إِذَا أَلْصَقَهَا فَالْتَحَمَتْ يَجِبُ الْأُرْشُ لِأَنَّهَا لَا تَعُودُ إِلَى مَا كَانَتْ عَلَيْهِ دُرُّ (إِلَّا إِنْ قُلِعَتْ) السِّنُّ (فَنَبَتَتْ أُخْرَى فَإِنَّهُ يَسْقُطُ الْأُرْشُ عِنْدَهُ كَسِنِّ صَغِيرٍ) خِلَافًا لَهُمَا وَلَوْ نَبَتَتْ مُعَوَّجَةً فَحُكُومَةُ عَدْلٍ،

صحیح یہ ہے کہ بالغ کو جو مہلت دی جاتی ہے وہ اس لیے ہے کہ وہ صحت یاب ہو جائے نہ کہ سال بھر کے لیے دیت دی جاتی ہے۔ کیونکہ دانت کا اگنا نادر ہوتا ہے۔ یا ایک آدمی نے دانت کو اکھیڑ دیا تو اس کو روک دیا گیا یعنی اس کے مالک نے اس کو اسی کی جگہ کی طرف لوٹا دیا اور اس دانت پر گوشت جم گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رگیں پہلی والی حالت کی طرف نہیں لوٹتیں، ”نہایہ“ میں ہے: ”شیخ الاسلام“ نے فرمایا: اگر منفعت اور جمال میں پہلی حالت کی طرف لوٹ آئے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی جس طرح وہ اگ آئے۔ اسی طرح کان کا مسئلہ ہے جب وہ اس کو چسپاں کرے تو اس پر گوشت اگ آئے تو دیت لازم ہوگی۔ کیونکہ وہ پہلے والی حالت کی طرف نہیں لوٹتا جس پر وہ تھا، ”درر“۔ مگر جب دانت اکھیڑ دیا جائے اور دوسرا اگ آئے تو ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی دیت ساقط ہو جائے گی جس طرح صغیر کے دانت کا معاملہ ہوتا ہے۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر وہ دانت ٹیڑھا لگے تو اس میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔

35404۔ (قوله: أَوْ قَلَعَهَا فَرَدَّتْ) یعنی قصاص سے پہلے، ”ط“۔

35405۔ (قوله: لِعَدَمِ عَوْدِ الْعُرُوقِ) یہ دیت کے واجب ہونے کی علت ہے، ”ط“۔ یہاں یہ جان پر واجب ہوگی۔

35406۔ (قوله: إِنْ عَادَتْ) یعنی اگر اس کے لوٹ آنے کا تصور کیا جائے۔

35407۔ (قوله: لِأَنَّهَا لَا تَعُودُ) ظاہر معنی یہ ہے کہ ”شیخ الاسلام“ نے جو کچھ کہا ہے وہ یہاں بھی جاری ہوگا، تامل۔

35408۔ (قوله: فَإِنَّهُ يَسْقُطُ الْأُرْشُ) یعنی جنایت کرنے والے سے دیت ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ جنایت معنای

معدوم ہو چکی ہے۔

35409۔ (قوله: كَسِنِّ صَغِيرٍ) کیونکہ جب وہ اگ آئے تو دیت بالاجماع واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ نہ اس کی منفعت

فوت ہوئی اور نہ ہی زینت فوت ہوئی، ”ہدایہ“۔

35410۔ (قوله: خِلَافًا لَهُمَا) کیونکہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے فرمایا: اس پر کامل دیت لازم ہوگی کیونکہ جنایت متحقق

ہو چکی ہے اور نیا دانت یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نئی نعمت ہے، ”ہدایہ“۔

35411۔ (قوله: فَحُكُومَةُ عَدْلٍ) یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے ”زیلعی“۔ اگر وہ سیاہ لگے تو اسے یوں

قرار دیا جائے گا گویا وہ اگا ہی نہیں، ”تا ترخانہ“۔

وَلَوْ نَبَتَتْ إِلَى النِّصْفِ فَعَلَيْهِ نِصْفُ الْأَرْضِ، وَلَا شَيْءَ فِي ظَفْرِ الْخَمْرِ، وَأَوُّ التَّحَمِّ شَجَّةٌ أَوْ التَّحَمُّ (جُزْءٌ) حَاصِلٌ ذَلِكَ بِضَرْبٍ وَلَمْ يَبْقَ لَهُ (أَثَرٌ) فَإِنَّهُ لَا شَيْءَ فِيهِ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ عَلَيْهِ أَرْضُ الْأَلَمِ وَهِيَ حُكُومَةُ عَدْلٍ وَقَالَ مُحَمَّدٌ قَدْرُ مَا لِحَقَّهُ مِنَ الثَّقَفَةِ إِلَى أَنْ يَبْدَأَ مِنْ أُجْرَةِ الطَّبِيبِ وَثَمَنِ دَوَاهِ

اگر وہ نصف تک آگے تو اس پر نصف دیت ہوگی اس ناخن میں کوئی شے نہ ہوگی جو اس طرح آگے آئے جس طرح وہ پہلے تھا یا اس کا شج گوشت سے بھر جائے یا جرح گوشت سے بھر جائے جو زخم ضرب سے حاصل ہوا تھا اور اس کا کوئی اثر باقی نہ رہا ہو تو اس میں کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے فرمایا: اس پر درد کی چٹی ہوگی۔ یہی عادل کا فیصلہ ہے۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے فرمایا: جو اخراجات اس کو لاحق ہوئے یہاں تک کہ وہ صحت یاب ہوگا وہ لازم ہوں گے وہ طبیب کی اجرت اور اس کی دوا کی ثمن ہے۔

35412۔ (قوله: وَلَا شَيْءَ فِي ظَفْرِ الْخَمْرِ) پس یہ دانت کی طرح ہے۔ یہ صورت باقی رہ گئی ہے جب وہ نہ آگے

”الاختیار“ میں کہا: ایسے ناخن جو اکھاڑے گئے ہوں اور وہ نہ آگے ان میں ایک عادل کا فیصلہ ہوگا۔ کیونکہ ان میں معین دیت نہیں۔ اگر ناخن عیب دار پیدا ہوا تو عادل کا فیصلہ ہوگا جو فیصلہ پہلے کے علاوہ ہوگا، ”ظہیریہ“۔

35413۔ (قوله: وَلَمْ يَبْقَ لَهُ أَثَرٌ) اگر اس کا اثر باقی رہے اگر وہ شجہ ہو جس کی مقدار ارش لازم ہو ورنہ عادل کا فیصلہ ہوگا۔

35414۔ (قوله: فَإِنَّهُ لَا شَيْءَ فِيهِ) یعنی ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں کوئی شے نہ ہوگی جس طرح

دانت جب آگے آئے۔ ”برجندی“ میں ”خزانہ“ سے مروی ہے۔ مختار قول امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ ”در منشی“، ”محبوبی“، ”نسفی“ وغیرہا نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ لیکن ”العیون“ میں کہا: بطور قیاس اس پر کوئی شے واجب نہ ہوگی۔

”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا: یہ مستحسن ہے کہ عادل کا فیصلہ واجب ہو جیسے طبیب کی اجرت۔ ہر وہ زخم جو صحیح ہو جائے اس کا یہی حکم ہوگا۔ یہ علامہ ”قاسم“ کی ”تصحیح“ سے ملخص ہے۔

”سامحانی“ نے کہا: میرے لیے استحسان کا رائج ہونا ظاہر ہوا ہے کیونکہ آدمی کا حق باہم بخل کرنے پر مبنی ہے۔ ”بزازیہ“

میں ہے: امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ یہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے قول کا قیاس بھی ہے۔ استحسان میں عادل کا فیصلہ ہے۔ یہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ فقیہ نے کہا: فتویٰ امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے قول پر ہے کہ اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی مگر ادویہ کی ثمن لازم ہوگی۔

قاضی نے کہا: میں ”صاحبین“ رحمہ اللہ کا قول ترک نہیں کرتا۔ اگر اثر باقی رہے تو اس اثر کی دیت لازم ہوگی مثلاً وہ زخم منقلہ ہو تو منقلہ کی دیت لازم ہوگی۔ ”رملی“ نے کہا: اس میں اور یہاں جو قول ہے اس میں اختلاف کے بیان میں جو مخالفت ہے اس میں غور کیجئے۔ جو یہاں ہے وہی ”زیلعی“، ”عینی“ اور اکثر شروح میں مذکور ہے۔

35415۔ (قوله: وَهِيَ حُكُومَةُ عَدْلٍ) خبر کی رعایت کرتے ہوئے ضمیر (ہی) مونث ذکر کی ہے۔

وَفِي شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ فَشَرَّ قَوْلَ أَبِي يُوسُفَ أَرْشُ الْأَلَمِ بِأَجْرَةِ الطَّبِيبِ وَالْمَدَاوَاةِ فَعَلَيْهِ لَا خِلَافَ بَيْنَهُمَا
قَالَهُ الْمَصْنِيفُ وَغَيْرُهُ قُلْتُ وَقَدْ قَدَّمْنَا نَحْوَهُ عَنِ الْمُجْتَبَى وَذَكَرَهُ هُنَا عَنْهُ رِوَايَتَيْنِ فَتَنَّبَهُ (وَلَا يُقَادُ
جُرْحُهُ إِلَّا بَعْدَ بُرْئِهِ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ

”شرح الطحاوی“ میں امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے قول: ارش الالم کی تفسیر طبیب کی اجرت اور علاج سے کی ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر دونوں میں کوئی اختلاف نہیں یہ قول مصنف وغیرہ نے کیا ہے۔ میں کہتا ہوں ہم نے اس کی مثل پہلے ”المجتبی“ سے نقل کیا ہے۔ اور یہاں ان سے دور روایات ذکر کی ہیں۔ پس متنبہ ہو جائیے اور زخم کا قصاص نہیں لیا جائے گا مگر جب وہ تندرست ہو جائے۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

35416۔ (قوله: قَالَهُ الْمَصْنِيفُ) مصنف وغیرہ جیسے ”زیلعی“ نے کہا ہے۔

35417۔ (قوله: وَقَدْ قَدَّمْنَا) یعنی ہم اس کی مثل اسے پہلے باب القود فیما دون النفس میں ذکر کر چکے ہیں یعنی

اس کی مثل جس کا امام ”طحاوی“ نے ذکر کیا ہے۔

35418۔ (قوله: وَذَكَرَهُ هُنَا) یعنی ”صاحب المجتبى“ نے اس مسئلہ کی شرح میں ان سے یعنی امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ

سے دور روایتیں ذکر کی ہیں کیونکہ کہا: امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے فرمایا: اس پر الم کی دیت ہوگی۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے فرمایا: اس پر طبیب کی اجرت اور دوائیوں کی ثمن ہوگی۔ یہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے ایک روایت مروی ہے جب کہ مقصود سفیہ کو جھڑکنا اور ضرر کو دور کرنا ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے الم کا ارش واجب کیا ہے اور اس سے مراد عادل کا فیصلہ لیا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ صحیح غلام کی قیمت لگائے اور اس تکلیف میں مبتلا غلام کی قیمت لگائی جائے۔

پھر کہا: میں کہتا ہوں۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک حکومت عدل سے مراد طبیب کی اجرت ہے۔ میں نے ایک اور جگہ دیکھا کہ آپ نے طبیب کی اجرت اور ادویہ کی قیمت مراد لی ہے۔ امام ”قدوری“ نے کہا: طبیب کی اجرت امام ”محمد“ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

35419۔ (قوله: فَتَنَّبَهُ) اس کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ ”طحاوی“ کی تفسیر امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے

جو دور روایتیں ہیں ان میں سے ایک پر مبنی ہے، ”ط“۔

زخم کا قصاص زخم کے مندمل ہونے کے بعد لیا جائے گا

35420۔ (قوله: وَلَا يُقَادُ جُرْحُهُ إِلَّا بَعْدَ بُرْئِهِ) کیونکہ یہ روایت کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا کہ زخم کا

قصاص لیا جائے یہاں تک کہ زخمی صحت مند ہو جائے (1)۔ امام ”احمد“ اور ”دارقطنی“ نے اسے روایت کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ زخموں میں اعتبار انجام کا ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہوتا ہے کہ زخم نفس کے ہلاک ہونے تک سرایت کر

(وَعَنْدُ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ) وَالْمَعْتُوهِ (خَطًا) بِخِلَافِ السَّكَرَانِ وَالْمُغْنَى عَلَيْهِ (وَعَلَى عَاقِلَتِهِ الذِّيَّةُ) إِنْ بَلَغَ نِصْفَ الْعُشْرِ فَأَكْثَرَ وَلَمْ يَكُنْ مِنَ الْعَجَمِ وَإِلَّا فَفِي مَالِهِ دُرٌّ (وَلَا كَفَّارَةٌ وَلَا حِرْمَانُ إِرْثٍ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ وَلَوْ جُنَّ بَعْدَ الْقَتْلِ قَتِلَ

بچے مجنون اور معتوہ کا عمد خطا ہوگا۔ سکران اور مغنی علیہ کا معاملہ مختلف ہے۔ اس کی عاقلہ پردیت ہوگی اگر وہ بیسویں حصہ یا دس سے زائد تک پہنچ جائے اور وہ عجمیوں میں سے نہ ہو ورنہ اس کے مال میں سے واجب ہوگی، ”درر“۔ نہ اس پر کفارہ لازم ہوگا اور نہ ہی وراثت سے محرومی ہوگی۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر قتل کے بعد مجنون ہو جائے تو اس کو قتل کیا جائے گا۔

جائے۔ پس یہ امر ظاہر ہوگا کہ اس کو قتل کیا گیا تو یہ معلوم نہ ہوگا کہ اس کو زخمی کیا گیا مگر جب وہ صحت مند ہو جائے۔ پس اس کے ساتھ وہ قرار پذیر ہو جائے گا۔ ”زیلعی“۔

35421۔ (قوله: خَطًا) یعنی مال کے وجوب میں خطا کے حکم میں ہوگا۔

بچے، مجنون، معتوہ کے عمد کا اور سکران اور مغنی علیہ کے عمد کا حکم

35422۔ (قوله: بِخِلَافِ السَّكَرَانِ وَالْمُغْنَى عَلَيْهِ) ”تہستانی“ میں یہ اسی طرح ہے۔ ظاہر معنی یہ ہے کہ مراد ایسی چیز سے نشہ کا طاری ہونا ہے جو مباح نہ ہوتا کہ اسے اس سے جھڑکا جائے ورنہ فعل عمد کے لیے قصد کا ہونا ضروری ہے اور جب مباح چیز سے نشہ آجائے تو اس کا کوئی قصد و ارادہ نہیں ہوتا اور اس پر کوئی زجر نہیں ہوگا، تاہل۔ جس کو غشی ہو اس کے بارے میں یہی قول کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کا کوئی قصد نہیں ہوتا جیسے سوئے ہوئے کا معاملہ ہے بلکہ وہ زیادہ شدید ہوتا ہے نیز بچے کا کسی اعتبار سے قصد و ارادہ ہوتا ہے جب اس کے فعل عمد کو خطا بنایا گیا ہے تو یہ بدرجہ اولیٰ ایسا ہوگا۔ اس میں غور و فکر کیجئے اور اس کی طرف رجوع کیجئے۔ ”الاشباہ“ میں ہے: نشہ میں مست وہ معتبر ہے جو حرام چیز سے آئے اور وہ آدمی مکلف ہوا اگر وہ نشہ مباح چیز سے آجائے تو پھر ایسا نہیں جس طرح مغنی علیہ ہوتا ہے۔

35423۔ (قوله: وَعَلَى عَاقِلَتِهِ) زیادہ بہتر عاقلتہما ہے۔

35424۔ (قوله: إِنْ بَلَغَ) زیادہ بہتر بلغت ہے۔

35425۔ (قوله: نِصْفَ الْعُشْرِ) وہ مرد میں پانچ سوا اور عورت میں اڑھائی سو ہے۔ ”تہستانی“۔

35426۔ (قوله: وَإِلَّا فَفِي مَالِهِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ نصف عشر تک نہ پہنچے۔ بے شک وہ اس میں اوروں کی راہ پر چلے گا، ”زیلعی“۔ یا وہ عجمیوں میں سے ہو کیونکہ ان میں مختار یہ ہے کہ ان کی عاقلہ نہیں ہوتی جس طرح عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

35427۔ (قوله: وَلَا كَفَّارَةٌ) کیونکہ دونوں کا کوئی گناہ نہیں کفارہ جس کو ڈھانپ لے اور میراث کی محرومی عقوبت

وَقِيلَ لَا وَتَسَامُهُ فِيمَا عَلَّقْتَهُ عَلَى الْمُلْتَقَى (صَبِيٌّ ضَرَبَ سِنَّ صَبِيٍّ فَاتْتَزَعَهَا يُنْتَظَرُ بُلُوغُ الْمَضْرُوبِ) إِنَّ بَدْعَ وَلَمْ يَنْبُتْ فَعَلَى عَاقِلَتِهِ الدِّيَّةُ وَلَوْ مِنْ الْعَجَمِ فَعِنِّي مَا لِيهِ دُرٌّ وَسَنُحَقِّقُهُ فِي الْمَعَاوِلِ مُهَيَّئَةً حُكُومَةً الْعَدْلِ لَا تَتَحَدَّلُهَا الْعَاقِلَةُ مُطْلَقًا عَلَى الصَّحِيحِ

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس کی مکمل وضاحت اس میں ہے جسے میں نے ”الملتقی“ پر بطور تعلیق ذکر کیا ہے۔ ایک بچہ جس نے ایک بچے کے دانت پر ضرب لگائی اور اس کو نکال دیا مضروب کے بالغ ہونے تک انتظار کیا جائے گا اگر وہ بالغ ہو جائے اور وہ نہ اگے تو اس کی عاقلہ پر دیت لازم ہوگی اگر وہ عجمی ہو تو اس کے مال میں واجب ہوگی۔ ”درر“۔ ہم اس کو کتاب المعادل میں ثابت کریں گے۔ مہمہ۔ عادل کے فیصلہ کی عاقلہ مطلقاً متحمل نہیں ہوگی۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے

ہے اور وہ دونوں اس کے اہل نہیں۔ جہاں تک مرتد بچے کا اپنے باپ کی میراث سے محرومی کا تعلق ہے تو یہ دنیا میں اختلاف کی بنا پر ہوتا ہے یہ ارتداد کی جزا نہیں ہوتی۔

اگر قاتل قتل کے بعد مجنون ہو جائے تو اس کا حکم

35428۔ (قوله: وَتَسَامُهُ فِيمَا عَلَّقْتَهُ عَلَى الْمُلْتَقَى) کیونکہ کہا: اس میں اس امر کا شعور دلا یا گیا ہے اگر قتل کرنے کے بعد وہ مجنون ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے اگر مجنون ہمیشہ رہنے والا ہو ورنہ قصاص ساقط ہو جائے گا۔ ”شیخ الاسلام“ نے اس طرح ذکر کیا ہے۔ اور ان دونوں سے یہ مروی ہے: اسے مطلقاً قتل نہیں کیا جائے گا مگر جب اس پر قصاص کا فیصلہ کیا جائے۔ ”الملتقی“ میں ہے: اگر مقتول کے ولی کی طرف سپرد کرنے سے پہلے وہ مجنون ہو جائے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا جس طرح وہ قتل کے بعد معتوہ ہو جائے اس میں دیت اس کے مال میں لازم ہوگی۔ ”قہستانی“ نے ”الظہیریہ“ سے نقل کیا ہے۔ مسئلہ فی فصل ما یوجب القود میں پہلے گزر چکا ہے۔

35429۔ (قوله: يُنْتَظَرُ بُلُوغُ الْمَضْرُوبِ) اس فصل میں ہماری پہلی گفتگو ہے جو واضح ہو چکا ہے وہ یہ ہے اگر مضروب بالغ ہو تو اس کو مہلت دی جائے گی یہاں تک کہ وہ صحت مند ہو جائے اگر وہ بچہ ہو تو ایک سال مہلت دی جائے گی۔ جہاں تک بالغ ہونے تک مہلت کا تعلق ہے تو ظاہر یہ ہے کہ یہ دوسرا قول ہے یا یہ اس کے ساتھ خاص ہے کہ مضروب کی صرح ضارب بچہ ہو۔ لیکن اس کے اور جب ضارب بالغ ہو کے درمیان ان کی ضرورت ہوگی۔ فلیتا مل۔

35430۔ (قوله: وَلَمْ يَنْبُتْ) مگر جب وہ اگ آئے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی جس طرح پہلے گزر چکا ہے، ”ط“۔

35431۔ (قوله: وَسَنُحَقِّقُهُ فِي الْمَعَاوِلِ) یعنی یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ عجمیوں میں دیت جانی کے مال سے ہو

گی، ”ط“۔

35432۔ (قوله: مُطْلَقًا) یعنی اگرچہ وہ موصی کے زخم سے بڑھ کر ہو، ”ط“۔

کَمَا فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ مَعَزِيًّا لِلتَّنَازُخَانِيَّةِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

جس طرح ”تنویر البصائر“ میں ہے جو کہ ”تاتر خانہ“ کی طرف منسوب ہے۔

35433۔ (قولہ: کَمَا فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ) اس کی عبارت ہے مہمۃ: حکومت عدل الخ یعنی عادل کا فیصلہ ہوگا اگر وہ موصحہ کی دیت سے کم ہو یا موصحہ کی دیت کی مثل ہو عاقلہ اس کی متحمل نہ ہوگی۔ اگر وہ یقینی طور پر اس سے زائد ہو تو پھر ہمارے اصحاب سے کوئی روایت نہیں۔ متاخرین نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ ”شیخ الاسلام“ نے فرمایا: صحیح یہ ہے کہ عاقلہ دیت کی ذمہ دار نہیں ہوتی۔ ”تاتر خانہ“ میں یہ اسی طرح ہے، ”ط“۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فَصْلٌ فِي الْجَنِينِ

(ضَرْبَ بَطْنِ امْرَأَةٍ حُرَّةٍ) حَامِلٍ

جنین کے احکام

ایک آدمی نے ایک آزاد عورت کے پیٹ پر ضرب لگائی جو حاملہ تھی

جب اجزاء حقیقیہ کے احکام پر گفتگو اختتام پر پہنچادی اس کے بعد انسان کے احکام حکمیہ پر گفتگو کی۔ وہ جنین ہے کیونکہ یہ اپنی ماں کا جز ہوتا ہے۔ یہ فعل کا وزن ہے جو مفعول کے معنی میں ہے۔ یہ جنہ سے مشتق ہے جب وہ اس کو ڈھانپے یہ طلب کے باب میں سے ہے جب تک وہ ماں کے رحم میں ہے وہ ولد ہے، ”ط“ ملخص۔ اس کے بعض اعضا کا ظاہر ہونا کافی ہے جیسے ناخن اور بال جس طرح عنقریب متن میں آئے گا۔

حاملہ عورت کو ضرب لگانے سے بچہ ضائع ہو جائے تو اس کا حکم

35434۔ (قوله: ضَرْبَ بَطْنِ امْرَأَةٍ) اسی طرح اگر وہ اس کی پشت، اس کے پہلو، اس کے سر یا اس کے اعضا میں سے کسی عضو پر ضرب لگائے، قاتل، ”رملی“۔ اس کی مثل ”ابوسعود“ میں ”تحریری“ سے منقول ہے۔ ”ساحانی“ نے کہا: جو قول آگے آرہا ہے اسقطتہ بدواء او فعل اس سے یہ ماخوذ ہوتا ہے کہ بطن اور ضرب قید نہیں یہاں تک کہ اگر وہ اس کے سر پر ضرب لگائے یا عورت نے اپنی فرج کا علاج کیا تو اس میں ضمان ہوگی۔ جس طرح علما نے اس کی تصریح کی ہے۔

”خیر یہ“ میں کہا: ہمارے شیخ کے والد ”امین الدین بن عبدالعالی“ نے یہ فتویٰ دیا جب کوئی آدمی کسی عورت پر شور کرے تو عورت جنین پھینک دے تو وہ ضامن نہیں ہوگا جب ضرب لگا کر اسے خوف زدہ کرے تو ضامن ہوگا۔

میں کہتا ہوں: فرق کی وجہ یہ ہے کہ خوف زدہ کرنے کی صورت میں اس کی موت جب کہ تخویف کا فعل اس خوف زدہ کرنے والے سے صادر ہو رہا ہے یہ اس کی طرف منسوب ہوگا اور چیخنے کی صورت میں اس کی موت اس خوف کی وجہ سے ہے جو عورت سے صادر ہوا۔ اور ”عطا“ نے اس کی تصریح کی ہے کہ اگر وہ بڑے آدمی پر چیخ مارے اور وہ مر جائے تو چیخ مارنے والا ضامن نہیں ہوگا۔ اگر وہ اس پر اچانک چیخ مارے اور وہ اس چیخ کی وجہ سے فوراً مر جائے تو دیت واجب ہوگی۔

میں کہتا ہوں: اس میں کوئی مخالفت نہیں۔ کیونکہ پہلی صورت میں وہ اس خوف کی وجہ سے مرا ہے جو اس مرنے والے کی طرف منسوب ہے اور دوسری صورت میں چیخ کے ساتھ اچانک مرا ہے جو چیخنے والے کی طرف منسوب ہے اور قول فاعل کا معتبر ہوگا کہ وہ خوف سے مرا ہے اولیا پر یہ گواہیاں لازم ہیں کہ وہ تخویف سے مرا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر اگر وہ عورت پر اچانک چیخ مارے اور وہ عورت اس چیخ کی وجہ سے جنین پھینک دے تو وہ آدمی ضامن ہوگا۔ اگر عورت اس کے علاوہ کی وجہ سے پھینک

خَرَجَ الْأُمَّةُ وَالْبَهِيْمَةُ وَسَيَجِيءُ حُكْمُهَا قُلْتُ بَلْ الشَّرْطُ حُرِّيَّةُ الْجَنِّينِ دُونَ أُمِّهِ كَأَمَةِ عَلِقَتْ مِنْ سَيِّدِهَا أَوْ مِنَ الْبَغْرُورِ فِيهِ الْغُرَّةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ دُرٌّ عَنْ الزَّيْلَعِيِّ فَالْعَجَبُ مِنَ الْمُصَنِّفِ كَيْفَ لَمْ يَذْكُرْهُ (وَلَوْ) كَانَتْ (النِّزَاةُ) كِتَابِيَّةً أَوْ مَجُوسِيَّةً أَوْ زَوْجَتَهُ (فَأَلْقَتْ جَنِينًا مَيِّتًا) حُرًّا (وَجَبَّ) عَلَى الْعَاقِلَةِ (غُرَّةً) غُرَّةُ الشَّهْرِ أَوَّلُهُ وَهَذِهِ أَوَّلُ مَقَادِيرِ الذِّیَةِ (نِصْفُ عُسْرِ الذِّیَةِ) أَيْ دِيَّةُ الرَّجُلِ لَوْ كَانَ الْجَنِّينُ ذَكَرًا وَعُسْرُ دِيَّةِ النِّزَاةِ لَوْ أَنْتَى وَكُلُّ مِنْهُمَا خُسْبَاءٌ دِرْهَمٌ

اس قید سے لونڈی اور جانور خارج ہو گئے ان دونوں کا حکم عنقریب آئے گا۔ میں کہتا ہوں: بلکہ شرط جنین کا آزاد ہونا ہے نہ کہ اس کی ماں کی آزادی شرط ہے جیسے ایک لونڈی ہو جس کو اپنے آقا سے حمل ٹھہرایا جس کو مغرور سے حمل ٹھہرا اس میں عاقلہ پر غرہ لازم ہوگا۔ ”درر“ نے ”زلیعی“ سے نقل کیا ہے مصنف پر تعجب ہے انہوں نے اسے کہیں ذکر نہیں کیا۔ اگرچہ وہ عورت کتابیہ ہو، مجوسیہ ہو یا اس کی بیوی ہو تو وہ مردہ آزاد جنین پھینک دے تو عاقلہ پر غرہ واجب ہوگا غرۃ الشہر یہ اس کا آغاز ہوتا ہے یہ مقدرو معین دیت کا آغاز ہے جو دیت کا بیسواں حصہ ہوتا ہے یعنی مرد کی دیت کا دسواں حصہ اگر جنین مذکر ہو اور عورت کی دیت کا دسواں حصہ اگر وہ مؤنث ہو اور دونوں میں سے ہر ایک پانچ سو درہم

دے تو وہ ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے عورت پر کوئی تعدی نہیں کی۔ اس میں غور کیجئے کیونکہ یہ عمدہ تحریر ہے۔ ملخص

35435۔ (قوله: خَرَجَ الْأُمَّةُ وَالْبَهِيْمَةُ) اس میں لف نشر غیر مرتب ہے۔

35436۔ (قوله: وَسَيَجِيءُ حُكْمُهَا) یعنی اس فصل میں دونوں کا حکم آئے گا۔

35437۔ (قوله: أَوْ مِنَ الْبَغْرُورِ) جس طرح اگر وہ اس سے شادی کرے اس شرط پر کہ عورت آزاد ہے یا اس سے

خریدے۔ پس اس کا کوئی اور مستحق نکل آیا جب کہ وہ اس سے حاملہ ہو چکی ہو۔

35438۔ (قوله: فَالْعَجَبُ مِنَ الْمُصَنِّفِ كَيْفَ لَمْ يَذْكُرْهُ) یعنی وہ ”درر“ کی سختی سے متابعت کرتے ہیں اس

کے باوجود ان سے یہ فعل صادر ہوا۔ پس ان پر یہ لازم تھا کہ پہلے آزادی کی شرط کو ساقط کرتے اور اسے اپنے قول فالقت جنینا میتا کے بعد اسے ذکر کرتے جس طرح شارح نے کہا ہے یا وہ کہتے: ضرب بطن امرأة حامل بحرًا تاکہ یہ قول یہ وہم نہ رکھتا کہ ماں کی آزادی شرط ہے۔

غرہ کا مفہوم

35439۔ (قوله: غُرَّةُ الشَّهْرِ أَوَّلُهُ الْخ) یہ وجہ تسمیہ کی وضاحت ہے۔

35440۔ (قوله: وَهَذِهِ أَوَّلُ مَقَادِيرِ الذِّیَةِ) کیونکہ مقدرو معین دیت میں سے سب سے کم وہ بیسواں حصہ ہے

جس طرح فصل فی الشجاج میں گزر چکا ہے۔

35441۔ (قوله: أَيْ دِيَّةُ الرَّجُلِ) یعنی مصنف کی کلام میں دیت سے مراد مرد کی دیت ہے اور اس کا بیسواں حصہ

(فِي سَنَةِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ كَالَّذِيَّةِ وَقَالَ مَالِكٌ فِي مَالِهِ وَلَنَا فَعَلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ
(فَإِنْ أَلْقَتْهُ حَيًّا فَذِيَّةٌ كَامِلَةٌ

ایک سال میں ادا کرنے ہوں گے۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے فرمایا: دیت کی طرح تین سالوں میں ادا کرنے ہوں گے۔ امام
”مالک“ نے فرمایا: اس کے مال میں سے غرہ ادا کرنا ہوگا۔ ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے۔ اگر وہ جنین کو زندہ پھینکے اور
پھر وہ مر جائے تو کامل دیت لازم ہوگی

پانچ سو درہم ہے۔ یہی جنین کا غرہ ہے وہ جنین مذکر ہو یا مؤنث ہو۔ کیونکہ مؤنث جنین کا غرہ عورت کی دیت کا دسواں حصہ ہوتا
ہے اور وہ بھی پانچ سو ہے۔ کیونکہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔
اس کا حاصل یہ ہے کہ مذکر اور مؤنث کے غرہ میں کوئی فرق نہیں۔ اسی وجہ سے مصنف نے یہ وضاحت نہیں کی کہ وہ مذکر
ہے یا مؤنث ہے۔

35442۔ (قوله: فِي سَنَةٍ) یعنی عاقلہ پر سال بھر میں لازم ہوگی جس طرح وہ عنقریب اس کی وضاحت کریں گے۔
یہ آزاد عورت کے جنین میں ہے۔ جہاں تک لونڈی کے جنین کا تعلق ہے تو وہ فی الحال ضرب لگانے والے کے مال میں ہوگی
جس طرح عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

35443۔ (قوله: وَلَنَا فَعَلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ) یہ وہ حدیث ہے جو امام ”محمد بن حسن“ سے مروی ہے
انہوں نے کہا: بلغنا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى بالغرة على العاقلة في سنة (1) ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاقلہ پر سال بھر میں غرہ کا فیصلہ کیا، ”یعنی“۔

یہ جان لو کہ غرہ کا وجوب قیاس کے مخالف ہے اور یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ ایک سائل نے امام ”زفر“ سے عرض کیا: جنین اس سے
خالی نہیں ہوگا کہ وہ ضرب سے مر جائے تو اس میں کامل دیت ہو یا اس میں روح ہی نہ پھونکی گئی ہو تو اس میں کوئی شے لازم نہ ہو
امام ”زفر“ خاموش رہے تو سائل نے آپ سے عرض کیا میں نے آپ کو گرفت سے آزاد کر دیا۔ امام ”زفر“ نے امام ”ابو یوسف“
رحمہ اللہ کے پاس آئے کہا: تعبد تعبد یعنی سنت سے ثابت ہے اسے عقل سے ادراک نہیں کیا جاسکتا، ”عنایہ“، شخص۔

زندہ اور مردہ جنین کی دیت میں فرق

35444۔ (قوله: فَإِنْ أَلْقَتْهُ حَيًّا) اس کی زندگی ہر اس چیز سے ثابت ہوگی جو زندگی پر دلالت کرے گی جیسے چیخنا،
دودھ پینا، سانس لینا اور چھینکنا وغیرہ۔ مگر جب صرف اس کا عضو متحرک ہو تو زندگی ثابت نہیں ہوگی کیونکہ بعض اوقات یہ اختلاف
ہوتا ہے یا تنگ جگہ سے نکلنے سے ہوتا ہے۔ ”طحاوی“ نے ”مکی“ سے نقل کیا ہے۔

35445۔ (قوله: فَذِيَّةٌ كَامِلَةٌ) یعنی کامل دیت اور کفارہ لازم ہوگا جس طرح ”الاختیار“ میں ہے۔ اور عنقریب اس

وَإِنْ أَلْقَتْهُ مَيِّتًا فَمَاتَتْ الْأُمُّ فَدِيَّةٌ فِي الْأُمِّ (وَعُرَّةٌ) فِي الْجَنِّینِ لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ الْفِعْلَ يَتَعَدَّدُ بِتَعَدُّدِ أَثَرِهِ وَصَرَّحَ فِي الذَّخِيرَةِ بِتَعَدُّدِ الْعُرَّةِ لَوْ مَيِّتَيْنِ فَأَكْثَرُ قُلْتُ وَظَاهِرُهُ تَعَدُّدُ الدِّيَةِ وَلَمْ أَرَكَ فَلْيُرَاجَعْ

اگر وہ اس کو مردہ پھینکے اور وہ ماں مرجائے تو اس میں دیت اور جنین میں غرہ لازم ہوگا۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ فعل اثر کے متعدد ہونے سے متعدد ہو جائے گا۔ ”ذخیرہ“ میں متعدد غرہ کی تصریح کی ہے اگر میتیں دو یا زیادہ ہوں۔ میں کہتا ہوں: اس کا ظاہر معنی تو یہ ہے کہ دیتیں متعدد واجب ہوں مگر ایسا قول نہیں دیکھا۔ پس کتب کی طرف رجوع کیا جائے۔

کا ذکر آئے گا کیونکہ یہ شبہ عمد ہے یا وہ خطا ہے یہاں بھی دیت عاقلہ پر ہوگی۔ ”جوہرہ“ اور ”الاختیار“ میں اس کی تصریح کی ہے۔ ”المنح“ میں مصنف کا قول علی الضارب اس میں مضاف حذف ہے یا یہ صحیح قول پر مبنی ہے کہ اولاً اس کا وجوب ضارب پر ہوتا ہے پھر اس میں مضاف حذف ہے پھر اس کی عاقلہ اس کی ذمہ دار ہوتی ہے جس طرح ہم پہلے فصل الفعلین میں بیان کر چکے ہیں۔ اسی وجہ سے فی مالہ ذکر نہیں کیا، تامل۔

35446۔ (قوله: وَإِنْ أَلْقَتْهُ مَيِّتًا فَمَاتَتْ الْأُمُّ الْخ) یہ ان دونوں میں ہر ایک کی موت کا بیان ہے اس کی چار صورتیں ہیں: یا تو اس جنین کا خروج صرف ماں کی زندگی میں ہوگا، ان دونوں کی موت کی حالت میں ہوگا، صرف ماں کی موت کی حالت میں ہوگا یا دونوں کی زندگی میں ہوگا۔

35447۔ (قوله: لِمَا تَقَرَّرَ) جس طرح وہ تیر پھینکے اور وہ ایک شخص کو جا لگے اور اس سے نکل کر دوسرے کو جا لگے اور اس کو قتل کر دے تو اس پر دو دیتیں لازم ہوں گی اگر وہ دونوں خطا ہوں۔ اگر پہلا عمدہ ہو تو قصاص اور دیت دونوں واجب ہوں گے، ”زیلعی“۔

35448۔ (قوله: وَظَاهِرُهُ تَعَدُّدُ الدِّيَةِ) یعنی اگر اس نے دونوں کو زندہ پھینکا تو وہ دونوں مر گئے۔

اگر عورت دو جنین پھینکے تو ان کی دیت کا حکم

35449۔ (قوله: وَلَمْ أَرَكَ فَلْيُرَاجَعْ) میں کہتا ہوں: ”جوہرہ“ اور ”الدرر“ میں اس کی تصریح کی ہے۔ ”رملی“ نے کہا: ”شرح الطحاوی“ میں ہے: اگر عورت دو جنین پھینکے تو دو غرے واجب ہوں گے اگر ان دونوں میں سے ایک زندہ ہو اور وہ مرجائے اور دوسرا میت ہو تو ایک غرہ اور ایک دیت لازم ہوگی اور اگر ماں مرجائے پھر دونوں مردہ نکلیں تو صرف ماں کی دیت واجب ہوگی مگر جب دونوں زندہ نکلیں اور دونوں مرجائیں تو تین دیتیں لازم ہوں گی۔ اسی پر قیاس کیا جائے گا اگر دونوں میں سے ایک ماں کی موت سے پہلے نکلے اور دوسرا موت کے بعد نکلے جب کہ دونوں مردہ ہوں تو جو پہلے نکلا ہے اس میں غرہ ہوگا اور جو بعد میں نکلا اس میں کوئی شے نہ ہوگی۔ جو اپنی ماں کی موت سے پہلے نکلا وہ اپنی ماں کی دیت میں سے کسی شے کا وارث نہیں ہوگا ماں اس کی وارث ہوگی اور دوسرا کسی کا وارث نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کا کوئی وارث ہوگا۔ مگر جب وہ زندہ نکلے پھر مرجائے تو اس میں کامل دیت ہوگی اور اس کے وارث وارث ہوں گے۔ ”تاثر خانیہ“ میں اسی طرح ہے، مختصر۔

(وَإِنْ مَاتَتْ فَأَلْقَتْهُ فِدْيَةٌ فَقَطَّ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ غُرَّةٌ وَدِيَّةٌ (وَإِنْ أَلْقَتْهُ حَيًّا بَعْدَ مَا مَاتَتْ يَجِبُ عَلَيْهِ دِيَّتَانِ كَمَا إِذَا أَلْقَتْهُ حَيًّا وَمَاتَا وَمَا يَجِبُ فِيهِ) مِنْ غُرَّةٍ أَوْ دِيَّةٍ (يُورَثُ عَنْهُ وَتَرِثُ) مِنْهُ (أُمُّهُ وَلَا يَرِثُ ضَارِبُهُ) مِنْهَا (فَلَوْ ضَرَبَ بَطْنَ امْرَأَتِهِ فَأَلْقَتْ ابْنَهُ مَيِّتًا فَعَلَى عَاقِلَةِ الْآبِ غُرَّةٌ وَلَا يَرِثُ مِنْهَا) لِأَنَّهُ قَاتِلٌ (وَفِي جَنِينِ الْأُمِّ) الرَّقِيقِ الذَّكَرِ (نِصْفُ عُسْرِ قِيَمَتِهِ لَوْ حَيًّا وَعُسْرُ قِيَمَتِهِ لَوْ أُنْثَى) لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ دِيَّةَ الرَّقِيقِ قِيَمَتُهُ وَلَا يَلْزَمُ زِيَادَةُ الْأُنْثَى لِيَزَادَةَ قِيَمَةِ الذَّكَرِ غَالِبًا

اگر وہ مر جائے اور اسے مردہ پھینک دے تو صرف دیت ہوگی۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے فرمایا: غرہ اور دیت ہوگی۔ اگر اسے زندہ پھینکے اس کے بعد خود مر جائے تو اس پر دو دیتیں واجب ہوں گی جس طرح جب وہ اس کو زندہ پھینکے اور دونوں مرجائیں اور اس میں جو غرہ یا دیت واجب ہوگی اس میں وراثت جاری ہوگی اور اس کی ماں اس کی وارث بنے گی اور اس کو مارنے والا اس کا وارث نہیں بنے گا۔ اگر وہ اپنی بیوی کے بطن میں ضرب لگائے اور اس کے بیٹے کو مردہ باہر پھینک دے تو باپ کی عاقلہ پر غرہ لازم ہوگا اور باپ اس کا وارث نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ قاتل ہے۔ اور لونڈی کے جنین مملوک مذکر میں اس کی قیمت کا بیسواں حصہ ہے اگر وہ جنین مؤنث ہے تو اس کی قیمت دسواں حصہ ہے۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ غلام کی دیت اس کی قیمت ہوتی ہے اور مؤنث کی زیادتی لازم نہیں آتی۔ کیونکہ عموماً مذکر کی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔

35450۔ (قوله: فِدْيَةٌ فَقَطَّ) کیونکہ ماں کی موت عموماً جنین کی موت کا سبب ہوتا ہے۔ کیونکہ جنین کی زندگی ماں کی زندگی کے ساتھ ہوتی ہے اور اس کے سانس لینے کا عمل عورت کے سانس لینے سے ہوتا ہے۔ پس اس جنین کی موت عورت کی موت کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ پس یہ اس معنی میں نہیں ہوگا جس میں نص وارد ہوئی ہے۔ کیونکہ اس میں احتمال اقل ہوتا ہے۔ پس شک کی وجہ سے وہ ضمان نہیں ہوگا، ”زیلعی“۔

35451۔ (قوله: وَلَا يَرِثُ ضَارِبُهُ مِنْهَا) جس مردہ نے اس کو مارا وہ اس عورت کا وارث نہیں ہوگا اور نہ ہی اس عورت کے علاوہ کا وارث ہوگا کیونکہ وہ براہ راست قاتل ہے۔

لونڈی کے جنین کی دیت کا حکم

35452۔ (قوله: وَفِي جَنِينِ الْأُمِّ) یعنی وہ جنین جس کو عورت نے مردہ پھینک دیا جس طرح مسئلہ کا موضوع ہے۔ ان کا قول لوحیا، یہ اس کی قیمت کی طرف راجع ہے۔ یعنی اس کی قیمت اگر وہ زندہ ہو۔ مگر جب وہ اس کو زندہ پھینکے پھر اس کے مارنے سے وہ مر جائے تو اس میں مکمل قیمت ہوگی جس طرح شارح عنقریب اشارہ کریں گے۔ اور ان کا قول الرقیق یہ اس سے احتراز ہے جب وہ جنین اس کے آقا سے ہو یا مغرور سے ہو۔ کیونکہ وہ اس وقت آزاد ہوگا۔ اس میں عاقلہ پر غرہ ہوگا جس طرح پہلے بیان کیا ہے۔ اور ان کا قول لو انثی یہ ان کے قول الذکر کا مقابل ہے یہ ان کے قول حیاً کا مقابل نہیں۔

35453۔ (قوله: وَلَا يَلْزَمُ زِيَادَةُ الْأُنْثَى) یہ حکم اس صورت میں ہے جب مؤنث کی قیمت لڑکے کی قیمت سے زیادہ

وَفِيهِ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُ إِذَا لَمْ يُبَكَّنِ الْوُقُوفُ عَلَى كَوْنِهِ ذَكَرًا أَوْ أُنْثَى فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ كَمَا إِذَا أُلْقِيَ بِرَأْسٍ لِأَنَّهُ إِنَّمَا تَجِبُ الْقِيَمَةُ إِذَا نَفَخَ فِيهِ الرُّوحُ وَلَا تُنْفَخُ مِنْ غَيْرِ رَأْسٍ ذَخِيرَةٌ (فِي مَالِ الضَّارِبِ) لِلْأَمَةِ (حَالًا) وَلَوْ أُلْقَتْهُ حَيًّا وَقَدْ نَقَصَتْهَا الْوِلَادَةُ فَعَلَيْهِ قِيَمَةُ الْجَنِينِ لَا نَقْصَانَهَا لَوَبَقِيَّتِهِ وَفَاءً بِهِ،

اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جب یہ آگاہی حاصل کرنا ممکن نہ ہو کہ وہ مذکر ہے یا مؤنث ہے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی جس طرح جب اس کے سر کے بغیر پھینک دیا جائے۔ کیونکہ قیمت اس وقت واجب ہوتی ہے جب اس میں روح پھونکی جائے اور سر کے بغیر اس میں روح نہیں پھونکی جاتی۔ ”ذخیرہ“۔ یہ لونڈی کو ضرب لگانے والے کے مال میں فی الحال لازم ہوگی اگر وہ زندہ پھینکے اور ولادت نے اس لونڈی میں نقص ڈال دیا ہو تو اس پر جنین کی قیمت ہوگی اس کا نقصان واجب نہیں ہوگا اگر اس کی قیمت کے ساتھ اس کے نقصان کا عوض پورا ہو سکے

ہو۔ کیونکہ ایسا ہونا نادر ہے۔ غالب یہ ہے کہ مذکر کی قیمت زائد ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے: مذکورہ لزوم میں کوئی محذور (ممنوع) نہیں۔ کیونکہ مذکر کی مؤنث پر زیادتی کا اعتبار یہ آزاد لوگوں میں ہوتا ہے تاکہ آزادی کا شرف ظاہر ہو یہ غلاموں میں نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ سامان کی طرح ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے لیے زیادتی مقدر نہیں ہوتی۔

35454۔ (قوله: فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ) اس میں ”اتقانی“ کی پیروی کی ہے جو قول ”الکفایہ“، ”العنایہ“ وغیرہا میں ہے وہ یہ ہے کہ متیقن کو اپنایا جائے گا جس طرح غلام خنثی خطا قتل کر دے۔ اگر جنین ضائع ہو جائے اور اس کی قیمت میں نزاع، اس کے رنگ اور اس کی ہیئت کے بارے میں ہو اگر وہ زندہ رہتا تو قول ضارب کا ہوگا۔ کیونکہ وہ زیادتی کا انکار کرتا ہے۔

35455۔ (قوله: كَمَا إِذَا أُلْقِيَ بِرَأْسٍ) یہ نظیر ہے تمثیل نہیں۔

میں کہتا ہوں: عنقریب یہ آئے گا کہ جس کے بعض اعضا ظاہر ہو جائیں تو وہ اس کی طرح ہے جس کی خلقت مکمل ہو چکی ہو۔ شاید مراد سر کے ظاہر ہونے کے بعد ہے۔ کیونکہ سر کے بغیر زندگی کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ باقی اعضاء کا معاملہ مختلف ہے، تامل۔

35456۔ (قوله: فِي مَالِ الضَّارِبِ) کیونکہ عاقلہ غلام کی دیت ادا نہیں کرتی، ”اختیار“، تامل۔ ان کا قول للامۃ۔ بعض نسخوں میں اسی طرح ہے۔ یہ الضارب کے متعلق ہے۔ ”طحاوی“ نے کہا: یہ جنین کا حکم ہے۔ مگر جب ماں مر جائے تو ”ہندیہ“ میں ”ذخیرہ“ سے کہا: امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ نے فرمایا: ضارب پر ماں کی قیمت لازم ہوگی جو تین سال میں ادا کرنا لازم ہوگی۔ فلیتامل میں کہتا ہوں: حاصل کلام یہ ہے جنین اس کے ایک عضو کی طرح ہے۔ کتاب المعامل کے آخر میں آئے گا: آزاد آدمی جب غلام کی ذات پر خطا جنایت کرے تو دیت اس کی عاقلہ کی ذمہ ہوگی جب وہ اس کو قتل کرے۔ کیونکہ عاقلہ غلام کے اطراف کی ذمہ دار نہیں ہوتی۔

35457۔ (قوله: بِهِ) ضمیر سے مراد ولادت کی وجہ سے نقصان ہے۔

وَالْأَمْرُ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ وَلَا يَخْفَى أَنَّهَا لِلْمَوْلَى (فَإِنْ حَرَّرَهُ) أَمَى الْجَنِينَ (سَيِّدُهُ بَعْدَ ضَرْبِهِ) ضَرْبِ بَطْنِ الْأُمَةِ (فَأَلْقَتْهُ حَيًّا) فَمَاتَ فِيهِ قِيَمَتُهُ حَيًّا لِلْمَوْلَى لَا دِيَّتُهُ وَإِنْ مَاتَ بَعْدَ الْعِتْقِ لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ حَالَةُ الضَّرْبِ،

ورنہ اس پر یہ لازم ہوگا کہ وہ اس کو مکمل کرے، ”مجتبیٰ“۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے فرمایا: اس یعنی جنین میں اس لونڈی کا نقصان لازم ہے جیسے جانور میں حکم ہوتا ہے۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا: اس میں ماں کی قیمت کا دسواں حصہ ہے ”صدر الشریعہ“۔ یہ امر مخفی نہیں کہ قیمت لونڈی کے آقا کے لیے ہوگی۔ اگر آقا لونڈی کے بطن پر ضرب لگانے کے بعد جنین کو آزاد کر دے اور وہ لونڈی اس جنین کو زندہ پھینک دے اور پھر وہ جنین مر جائے تو اس میں آقا کے لیے اس کی قیمت ہوگی جب کہ وہ زندہ ہو اس کی دیت نہ ہوگی اگر آزادی کے بعد وہ مر جائے۔ کیونکہ معتبر ضرب کی حالت ہے۔

35458۔ (قوله: وَالْأَمْرُ) اس کی صورت یہ ہے کہ نقصان مثلاً دس کا ہو اور جنین کی قیمت پانچ ہے تو اس پر دس لازم

ہوں گے۔

35459۔ (قوله: وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ الْخ) یہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے ظاہر روایت کے علاوہ ہے۔ ”مبسوط“ میں

کہا: لونڈی کے جنین میں بدل کا وجوب یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ یہی امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے ظاہر روایت ہے۔ ان سے ایک روایت ہے: اگر ماں میں نقص واقع ہو گیا ہو تو صرف ماں کا نقصان واجب ہوگا۔ اگر نقصان واقع نہ ہو تو کوئی شے واجب نہ ہوگی۔ ”عنایہ“۔

35460۔ (قوله: بَعْدَ ضَرْبِهِ) اگر وہ اس کو اس سے قبل آزاد کر دے اور اس کا آزاد باپ ہو تو غرہ باپ کے لیے ہوگا

آقا کے لیے نہیں ہوگا۔ ”تاتر خانہ“۔

35461۔ (قوله: ضَرْبِ بَطْنِ الْأُمَةِ) یہ ان کے قول ضربۃ سے بدل ہے اور اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ مصدر

اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے اور یہ جائز ہے کہ ضمیر جنین کی طرف لوٹے۔ پس ضمائر کا مرجع متحد ہو جائے گا، تامل۔

35462۔ (قوله: لِلْمَوْلَى) ”ابوليث“ نے کہا: امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ آقا کے لیے ہوگی یا جنین کے۔

وارثوں کے لیے ہوگی۔ پس یہ جائز ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ آقا کے لیے ہو کیونکہ ضمائر ضرب کی طرف منسوب ہے اور ضرب کے وقت وہ مملوک تھا، ”اتقانی“، ملخص۔ ”تاتر خانہ“ میں اسی بارے میں اختلاف ذکر کیا گیا ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس کے وارثوں کے لیے ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جنین کے لیے ہوگی۔

35463۔ (قوله: لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ حَالَةُ الضَّرْبِ) کیونکہ اس نے سابقہ ضرب کے ساتھ اسے قتل کر دیا جب کہ وہ

حالت غلامی میں تھا اس وجہ سے قیمت واجب ہوگی دیت واجب نہ ہوگی اور اس کی قیمت زندہ کی حیثیت میں واجب ہوگی۔

کیونکہ وہ اس کا قاتل بنے گا جب کہ زندہ تھا۔ پس ہم نے سبب اور تلف کی حالت کی طرف دیکھا، ”ہدایہ“۔ یعنی ہم نے دیت

وَعِنْدَ الثَّلَاثَةِ تَجِبُ دِيَّةٌ وَهُوَ رَوَايَةٌ عَنَّا (وَلَا كَفَّارَةٌ فِي الْجَنِينِ) عِنْدَنَا وَجُوبًا بَلْ نَذْبًا زَيْدَعِي (إِنْ وَقَعَ مَيِّتًا وَإِنْ خَرَجَ حَيًّا ثُمَّ مَاتَ فَفِيهِ الْكَفَّارَةُ) كَذَا صَرَّحَ بِهِ فِي الْحَاوِي الْقُدْسِي وَهُوَ مَفْهُومٌ مِنْ كَلَامِهِمْ لِتَضَرِيحِهِمْ بِوُجُوبِ الدِّيَةِ حِينَئِذٍ فَتَجِبُ الْكَفَّارَةُ فِيهِ كَمَا لَا يَخْفَى فَلْيُحْفَظْ (وَمَا اسْتَبَانَ بَعْضُ خَلْقِهِ) كُظْفِرٍ وَشَعِيرٍ (كَتَامٍ فِيمَا ذُكِرَ) مِنَ الْأَحْكَامِ وَعِدَّةٍ وَنَفَاسٍ كَمَا مَرَّ

تینوں ائمہ کے نزدیک دیت واجب ہوگی۔ یہ ہمارے مشائخ سے بھی ایک روایت ہے۔ ہمارے نزدیک ایک جنین میں بطور وجوب کوئی کفارہ نہیں بلکہ ندب کفارہ ہے، ”زیلعی“ اگر وہ مردہ کی حیثیت سے گرے۔ اگر وہ زندہ کی حیثیت سے گرے پھر وہ مر جائے تو اس میں کفارہ ہوگا۔ ”حاوی قدسی“ نے اسی طرح تصریح بیان کی ہے یہ ان کی کلام کا مفہوم ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس وقت دیت کے وجوب کی تصریح بیان کی ہے۔ پس اس میں کفارہ واجب ہوگا جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔ اور جس کے بعض اعضا ظاہر ہوئے جیسے ناخن اور بال تو وہ اس کی طرح ہے جس کی خلقت مکمل ہو چکی ہو ان امور میں جن کا ذکر کیا گیا ہے جیسے احکام، عدت، نفاس جس طرح اس کے باب میں گزر چکا ہے

کی بجائے قیمت کو واجب کیا یہ اس کی حالت ضرب کا اعتبار کرنے کی وجہ سے ہے اور ہم نے اس کی قیمت کو واجب کیا جب کہ وہ زندہ تھا کہ اس کی زندگی میں جب شک تھا یہ اس کی تلف کی حالت کا اعتبار کرنے کی بنا پر ہے۔ کیونکہ اگر اس کی حالت ضرب کا اعتبار کیا جاتا تو یہ جائز ہوتا کہ وہ زندہ نہ ہو۔ پس اس کی قیمت واجب نہ ہوتی بلکہ غرہ واجب ہوتا، ”کفایہ“، ملخص۔

35464۔ (قوله: فِيهِ الْكَفَّارَةُ) کیونکہ اس نے ایک آدمی کو خطاً یا شبہ عمد کے طور پر تلف کیا ہے۔

35465۔ (قوله: كَذَا صَرَّحَ بِهِ فِي الْحَاوِي الْقُدْسِي) میں کہتا ہوں: ”الاختیار“ میں اسی طرح تصریح کی ہے جس طرح ہم نے پہلے اس سے نقل کر چکے ہیں شارح عنقریب ”واقعات“ سے اسے نقل کریں گے۔

35466۔ (قوله: وَهُوَ مَفْهُومٌ الْخ) یہ شرکت میں تفصیل کی تصریح نہ ہونے پر معذرت پیش کی جا رہی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے قول: وَلَا كَفَّارَةٌ فِي الْجَنِينِ کو مطلق ذکر کیا ہے۔

35467۔ (قوله: وَمَا اسْتَبَانَ بَعْضُ خَلْقِهِ) باب الحيض میں یہ پہلے گزر چکا ہے کہ اس کی خلقت ظاہر نہیں ہوتی

مگر ایک سو بیس دنوں کے بعد ایسا ہوتا ہے جیسے پہلے ”ذخیرہ“ سے نقل کیا ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ سر کا پایا جانا ضروری ہے۔ ”شمنی“ میں ہے: اگر وہ مضغہ پھینک دے اور اس کی خلقت (اعضاء) میں سے کوئی شے واضح نہ ہو اور قابل اعتماد ادائیاں اس کی گواہی دے دیں تو یہ انسان کی صورت کا آغاز ہے اگرچہ شکل و صورت باقی ہو۔ پس اس میں غرہ واجب نہیں ہوگا اور ہمارے نزدیک اس میں عادل کا فیصلہ واجب ہوگا۔

35468۔ (قوله: وَعِدَّةٌ وَنَفَاسٌ) یعنی اس کے ساتھ عدت ختم ہو جائے گی اور اس کے ساتھ اس کی ماں نفاس والی ہو جائے گی۔

فِي بَابِهِ (وَصَيْنَ الْغُرَّةَ عَاقِلَةً امْرَأَةً حُرَّةً فِي سَنَةٍ وَاحِدَةٍ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهَا عَاقِلَةً فَعِنَى مَالِهَا فِي سَنَةٍ أَيْضًا صَدْرُ الشَّرِيعَةِ وَلَا تَأْتُمْ مَا لَمْ يَسْتَبِينَ بَعْضُ خَلْقِهِ وَمَرَفِي الْحَظَرِ نَظْمًا) (أَسْقَطْتُهُ مَيْتًا) عَمْدًا (بِدَوَاءٍ أَوْ فِعْلٍ) كَضَرْبِهَا بَطْنَهَا (بِلَا إِذْنِ زَوْجِهَا فَإِنْ أَذِنَ) أَوْ لَمْ يَتَعَمَّدْ

اور عورت جو آزاد ہو اس کی عاقلہ غرہ کی ایک سال میں ضامن ہوگی۔ اگر اس کی عاقلہ نہ ہو تو بھی غرہ اس کے مال میں ایک سال میں لازم ہوگا، ”صدر الشریعہ“۔ جب تک اس کے بعض اعضا ظاہر نہ ہوں اس وقت تک وہ گنہگار نہ ہوگی اور کتاب الحظر میں اشعار کی صورت میں یہ گزر چکا ہے۔ ایک عورت نے اسے مردہ حالت میں جان بوجھ کر دوائی کے ساتھ یا کسی فعل کے ساتھ ساقط کر دیا جس طرح وہ اپنے بطن پر ضرب لگائے جب کہ خاوند سے اجازت نہ لی ہو (تو اس پر غرہ واجب ہوگا) اگر خاوند نے اس کو اجازت دی ہو یا اس نے جان بوجھ کر اس طرح نہ کیا ہو

35469۔ (قوله: فَعِنَى مَالِهَا) یعنی ایک روایت میں ہے غرہ اس کے مال میں لازم ہوگا۔ ایک روایت میں ہے: یہ اس کی عاقلہ پر لازم ہوگا۔ یہی مختار ہے۔ ”جامع الفصولین“ یعنی کتاب المعامل کے آخر میں آئے گا کہ جس کی عاقلہ نہ ہو تو دیت ظاہر روایت کے مطابق بیت المال میں ہوگی۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ اس کے مال میں غرہ کے واجب ہونے کا قول شاذ ہے اس کی مکمل وضاحت وہاں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

35470۔ (قوله: وَلَا تَأْتُمْ) تعبیر میں زیادہ مناسب یہ ہے داشت کیونکہ گفتگو اس کے بارے میں ہے جب غرہ واجب ہو اور غرہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب اس کے بعض اجزاء ظاہر ہو جائیں۔ پھر وہ کہتے ہیں: اگر اس کے بعض اجزاء ظاہر نہ ہوں تو کوئی گناہ نہیں ہوگا، ”ط“۔

”الخانیہ“ میں علمائے کہا: اگر اس کے اعضاء میں سے کوئی ظاہر نہ ہو تو وہ گناہگار نہ ہوگی۔ فرمایا: میں یہ قول نہیں کرتا کیونکہ محرم جب شکار کا انڈہ توڑ دے تو وہ ضامن ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ شکار کی اصل ہے جب وہاں جزا کے ساتھ اس کا مواخذہ ہوتا ہے تو یہ اس سے کم نہیں کہ یہاں اسے گناہ لاحق ہو جب وہ عذر کے بغیر ساقط کرے مگر اسے قتل کا گناہ نہیں ہوگا۔ اور یہ امر مخفی نہیں کہ اگر اس کے بعض اعضاء ظاہر ہو جائیں اور عورت کے فعل سے وہ مر جائے وہ قتل کے گناہ سے گناہگار ہوگی۔

اگر عورت عمدًا حمل کو ساقط کر دے تو اس کا حکم

35471۔ (قوله: أَسْقَطْتُهُ مَيْتًا عَمْدًا) ”الکفایہ“ وغیرہا میں یہی قید ذکر کی ہے۔ ”شرنبلالیہ“ میں کہا: ورنہ اس پر

کوئی شے لازم نہ ہوگی اور ماں کے علاوہ کے حق میں بچے کے ساقط کرنے کا ارادہ شرط نہیں جس طرح ”الخانیہ“ میں ہے۔

35472۔ (قوله: كَضَرْبِهَا بَطْنَهَا) اور جس طرح وہ اپنی شرمگاہ کا علاج کرے یہاں تک کہ وہ اس کو ساقط کر دے

”کفایہ“۔ یا وزنی بوجھ اٹھائے ”تا ترخانہ“ یعنی اس کو ساقط کرنے کا قصد پایا جائے جس طرح گزشتہ قول سے معلوم ہو چکا ہے۔

35473۔ (قوله: فَإِنْ أَذِنَ أُولَئِم) ”زیلعی“، صاحب ”الکافی“ وغیرہا نے اس کا ذکر کیا ہے۔

(لَا غُرَّةَ لِعَدَمِ التَّعْدِي، وَلَوْ أَمَرَتْ امْرَأَةٌ فَفَعَلَتْ لَا تَضْمَنُ الْمَأْمُورَةَ،

تو اس پر غرہ لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ عورت کی جانب سے تعدی نہیں پائی گئی۔ اگر اس نے ایک عورت کو حکم دیا تو اس عورت نے وہ عمل کیا تو جس عورت کو حکم دیا گیا تھا وہ ضامن نہیں ہوگی۔

”شرنبلا لیه“ میں ہے: میں کہتا ہوں: یہ ضعیف روایت پر جاری ہو رہی ہے نہ کہ صحیح روایت پر جاری ہو رہی ہے۔ کیونکہ ”الکافی“ میں کہا: اس نے کسی اور سے کہا: مجھے قتل کر دے تو مامور نے اسے قتل کر دیا تو صحیح قول کے مطابق اس کے مال میں دیت واجب ہوگی۔ کیونکہ اباحت نفوس میں جاری نہیں ہوتی اور شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے: کوئی شے واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس کا نفس اس کا اپنا حق ہے اور اس نے اپنے حق کو تلف کرنے کی اجازت دی ہے، انتہی۔ اسی طرح غرہ یا جنین کی دیت اس کا حق ہے مگر اباحت منتهی ہے۔ پس صرف خاوند کے امر سے کہ اسے جنین تلف کرنے کی اجازت دی ہے۔ عورت کی عاقلہ سے غرہ ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ عورت کا امر خاوند کے فعل سے کم درجہ کا نہیں۔ کیونکہ خاوند اپنی بیوی کو مارے اور وہ عورت جنین کو پھینک دے تو اس کی عاقلہ پر غرہ لازم ہوگا اور خاوند اس کا وارث نہیں بنے گا۔ اگر ہم اس میں غور کریں کہ غرہ خاوند کا حق ہے اور خاوند کے مارنے سے کوئی شے واجب نہ ہوگی لیکن جب آدمی کسی انسان کے خون کو رائیگاں کرنے کا مالک نہیں تو اس کو تلف کرنے سے شارع نے جو مقدار کیا ہے وہ اس پر لازم ہو جائے گا اور جانی کے علاوہ اس کا مستحق بن جائے گا، ملخص۔

میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ علماء نے اس کی تصریح کی ہے کہ ہمارے نزدیک جنین نفس معتبر نہیں۔ کیونکہ اس کی آدمیت متحقق نہیں۔ اور علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ اسے من وجہ اپنی ماں کا جز تصور کیا جائے گا۔ اسی وجہ سے اس میں قیمت یا کامل دیت واجب نہیں ہوگی اور نہ ہی کفارہ واجب ہوگا جب اس کی زندگی ثابت نہ ہو۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ غرہ کا وجوب تعبدی ہے۔ پس اس کا نفس محققہ کے ساتھ الحاق صحیح نہیں یہاں تک کہ یہ کہا جائے: اباحت نفوس میں جاری نہیں ہوتی۔ گزشتہ تفریع میں ضمان کے صحیح ہونے سے اس میں اس کی تصحیح لازم نہیں آتی۔ کتاب الجنایات کے شروع میں گزر چکا ہے اگر وہ کہے: میرا ہاتھ یا میرا پاؤں کاٹ دے تو اس میں کوئی شے لازم نہ ہوگی اگرچہ اس کے نفس تک سرایت کر جائے۔ کیونکہ اطراف اموال کی طرح ہیں۔ پس یہ امر صحیح ہوگا اسے اس فرع کے ساتھ لاحق کرنا اولیٰ ہے۔ کیونکہ جب وہ جنایت نہیں تو حق اس کا ہے جب کہ وہ اپنے حق کو تلف کرنے پر راضی ہیں۔ جب وہ خود ہی مناسب ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ غرہ کسی اور کا حق ہو گا۔ اسی وجہ سے وہ اس میں سے کسی شے کا وارث نہیں ہوگا۔ یہ وہ بات ہے جو میرے قاصر فہم کے لیے ظاہر ہوئی، فتاقلہ۔

35474۔ (قوله: وَلَوْ أَمَرَتْ امْرَأَةٌ) یعنی بیوی نے کسی اور عورت کو یہ کہا: ظاہر یہ ہے کہ خاوند نے جب اپنی بیوی کو

اجازت دے دی کہ وہ جنین کو گرا دے اس میں ضمان کا لازم نہ ہونا ایسی چیز ہے جس پر صاحب ”خلاصہ“ کا کلام دلالت کرتا ہے ورنہ محض ماں کا امر یہ باپ کے حق کو ساقط کرنے کا سبب نہیں جب کہ یہ ظاہر ہے۔ ”وانی“۔ لیکن ”عزمی“ نے یہ ذکر کیا کہ مامورہ سے ضمان کی نفی، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آمرہ سے بھی اس کی نفی ہو گئی ہے۔ جب اس کا خاوند اس کی اجازت نہ دے۔

وَأَمَّا أُمُّ الْوَلَدِ إِذَا فَعَلَتْهُ بِنَفْسِهَا حَتَّى أَسْقَطَتْهُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا لِاسْتِحَالَةِ الدِّينِ عَلَى مَمْلُوكِهِ مَا لَمْ تَسْتَحِقَّ فَحِينَئِذٍ تَجِبُ لِلْمَوْلَى الْغُرَّةُ لِأَنَّهُ مَغْرُورٌ وَفِي الْوَاقِعَاتِ شَرِبَتْ دَوَاءً لِيُسْقِطَهُ عَمْدًا فَإِنْ أَلْقَتْهُ حَيًّا فَمَاتَ فَعَلَيْهَا الدِّيَّةُ وَالْكَفَّارَةُ، وَإِنْ مَيِّتًا فَالْغُرَّةُ وَلَا تَرِثُ فِي الْحَالِيِّينَ (وَيَجِبُ فِي جَنِينِ الْبَهِيمَةِ

جہاں تک ام الولد کا تعلق ہے جب وہ خود ایسا فعل کرے یہاں تک کہ وہ جنین کو ساقط کر دے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ دین کا اس کے مملوک پر واقع ہونا محال ہے جب تک اس کا کوئی اور مستحق نہ نکل آئے اس وقت آقا کے لیے غرہ ہوگا۔ کیونکہ وہ مغرور ہے۔ ”واقعات“ میں ہے: عورت نے دوائی پی تاکہ جان بوجھ کر جنین کو گرا دے اگر اس نے اسے زندہ پھینکا اور وہ جنین مر گیا تو اس پر دیت اور کفارہ لازم ہوگا۔ اگر میت پھینکا تو غرہ لازم ہوگا۔ اور عورت دونوں حالتوں میں اس کی وارث نہ ہوگی اور جانور کے جنین میں وہ واجب ہوگا

”شرہنالی“ نے یہاں ایسا ہی اعتراض کیا جس طرح کا اعتراض گزر چکا ہے اور اس میں جو ضعف ہے تو اس کو جان چکا ہے۔ فتدبر

35475۔ (قوله: لِاسْتِحَالَةِ الدِّينِ) یعنی دین کا وجوب محال ہے۔ وہ آقا کے لیے اس کے مملوک پر غرہ ہے۔ ”ط“۔

35476۔ (قوله: مَا لَمْ تَسْتَحِقَّ الْخ) ”زیادات“ میں کہا: ایک آدمی نے لونڈی خریدی اور اس پر قبضہ کر لیا اور وہ

عورت اس مرد سے حاملہ ہو گئی پھر اس لونڈی نے اپنے پیٹ پر عدا ضرب لگائی اور اس نے جنین کو مردہ حیثیت میں ساقط کر دیا پھر ایک آدمی گواہوں کے ساتھ اس کا مستحق نکل آیا اور اس آدمی کے حق میں اس لونڈی کا فیصلہ کر دیا گیا یا مشتری پر اس کے عقد کا فیصلہ کر دیا گیا تو مستحق سے کہا جائے گا اس نے اپنے آزاد بچے کو قتل کیا ہے۔ کیونکہ مغرور کا بچہ قیمت کے بدلے میں آزاد ہوتا ہے اور آزاد کا جنین غرہ کے بدلے میں مضمون ہوتا ہے۔ پس اپنی لونڈی دے دو یا اس کے غرہ کا فدیہ دے دو، ”تا ترخانہ“۔

پھر ”جامع الفصولین“ میں کہا: میں کہتا ہوں: جب اس نے غرہ لے لیا تو چاہیے کہ مستحق کے لیے یہ جائز ہو کہ وہ اس سے جنین کی قیمت کا مطالبہ کرے۔ کیونکہ بدل کا وجود مبدل کے وجود کی طرح ہوتا ہے لیکن غرہ اس کے لیے سلامت رہے گا۔ پس اس کے حساب سے اس سے چٹی لی جائے گی۔ اس کی مکمل وضاحت ”طحاوی“ میں ”بندیہ“ سے مروی ہے۔

35477۔ (قوله: لِلْمَوْلَى) جو مستولد ہے یعنی ام ولد بنانے والا ہے۔

اگر عورت عدا دوائی پی کر جنین گرا دے تو اس کا حکم

35478۔ (قوله: فَعَلَيْهَا الدِّيَّةُ وَالْكَفَّارَةُ) یعنی اگر چہ خاوند کی اجازت سے ہو۔ کیونکہ جنایت زندہ سے نفس پر

متحقق ہوگی ہے۔ پس اس میں اباحت جاری نہ ہوگی۔ جس کو اس نے مردہ پھینکا تھا اس کا معاملہ مختلف ہوگا۔ پس اس عورت سے اس کا غرہ ساقط ہو جائے گا اگر خاوند کی اجازت سے ہو جس طرح گزر چکا ہے، متامل۔

جانور کے جنین کا حکم

35479۔ (قوله: وَيَجِبُ فِي جَنِينِ الْبَهِيمَةِ) یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ اسے مردہ حیثیت میں پھینک

مَا نَقَصْتُ الْأُمُّ إِنْ نَقَصْتُ (وَإِنْ لَمْ تَنْقُصْ) الْأُمُّ (لَا يَجِبُ) فِيهِ (شَيْءٌ) سَرَّاجِيَّةٌ فَرَعٌ فِي الْبَزَازِيَّةِ ضَرَبَ بَطْنَ
امْرَأَتِهِ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَ الْبَطْنَ وَوَقَعَ أَحَدُ الْوَلَدَيْنِ حَيًّا مَجْرُوحًا بِالسَّيْفِ وَالْآخَرُ مَيِّتًا وَبِهِ جِرَاحَةُ
السَّيْفِ وَمَاتَتْ أَيْضًا يُقْتَضُ لِأَجْلِ الزَّوْجَةِ لِأَنَّهُ عَمْدٌ وَعَلَى عَاقِلَتِهِ دِيَّةُ الْوَلَدِ الْحَيِّ إِذَا مَاتَ، وَتَجِبُ
عُرَّةُ الْوَلَدِ الْمَيِّتِ، لِأَنَّهُ لَهَا ضَرْبٌ وَلَمْ يَعْلَمْ بِالْوَلَدَيْنِ فِي بَطْنِهَا كَانَ الضَّرْبُ خَطَأً

جس قدر ماں میں نقص پیدا ہوا اگر اس میں نقص واقع ہوا۔ اگر ماں میں نقص واقع نہ ہوا تو اس میں کوئی شے واجب نہ ہوگی،
”سراجیہ“۔ فروع: ”بزازیہ“ میں ہے: اپنی بیوی کے بطن پر تلوار ماری اور اس کے بطن کو کاٹ دیا۔ دو بچوں میں سے ایک
زندہ زخمی اور دوسرا مردہ گر پڑا جب کہ اس میں تلوار کا زخم تھا اور ماں بھی مر گئی تو بیوی کا اس سے قصاص لیا جائے گا۔ کیونکہ اس
کا یہ عمل عمدہ ہے۔ اور زندہ بچہ جب مر جائے گا تو زندہ بچہ کی دیت اس کی عاقلہ پر ہوگی۔ اور مردہ بچے کا غرہ واجب ہوگا۔
کیونکہ جب اس نے مارا اور بطن میں دو بچوں کا علم نہ تھا تو یہ ضرب ضرب خطا ہوگی۔

دے۔ مگر جب اسے زندہ حالت میں پھینکے اور وہ ضرب سے مر جائے تو اس کی قیمت اس کے مال میں فی الحال واجب ہوگی۔
اور اس کے ساتھ ماں کے نقصان کو پورا نہیں کیا جائے گا۔ جس طرح لونڈی کے نقصان کو اس کے جنین کی قیمت سے پورا کیا
جاتا ہے۔ کیونکہ وہ مال سے جس کو اس نے تلف کیا ہے۔ پس وہ مال کے نقصان کے ساتھ اس کا ضامن ہوگا۔ تا مل ”رملی“۔

35480۔ (قوله: وَوَقَعَ أَحَدُ الْوَلَدَيْنِ حَيًّا الْخ) یعنی پھر وہ گرنے والا مر جائے۔

35481۔ (قوله: وَمَاتَتْ أَيْضًا) یعنی ماں بھی مر جائے جس طرح ”تا تر خانیہ“ میں تعبیر کیا ہے۔ پس اس قول نے
اس امر کا فائدہ دیا ہے کہ اس کی موت اس بچے کی موت کے بعد ہوئی جو زندہ گرا۔ کیونکہ اگر وہ پہلے مرتا تو وہ اپنے باپ کے
خلاف قصاص کا وارث ہوتا پس وہ قصاص ساقط ہو جاتا جس طرح محشی ”حلبی“ نے کہا ہے۔

35482۔ (قوله: وَتَجِبُ عُرَّةُ الْوَلَدِ الْمَيِّتِ) اگر وہ تجب ساقط کر دیتے اور الغرۃ کا عطف الدیۃ پر کرتے تو یہ کلام
زیادہ بہتر ہوتی۔ تاکہ یہ اس امر کا فائدہ دے کہ یہ بھی عاقلہ کے ذمہ ہے۔ اس میں بھی دیت واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کی
زندگی متحقق نہیں جس طرح گزر چکا ہے۔

35483۔ (قوله: لِأَنَّهُ لَهَا ضَرْبٌ الْخ) یہ اس کی عاقلہ پر دیت کے واجب ہونے کی علت کا بیان ہے نہ کہ اس کے
مال میں دیت کے وجوب کی علت کا بیان ہے۔ کیونکہ اگر بچے کی طرف نسبت کے حوالے سے ضرب عمدا ہو تو عاقلہ پر دیت ہو
گی۔ اس کا مقتضایہ ہے کہ اگر اس کو دونوں کے حوالے سے ضرب عمدا ہو تو عاقلہ پر دیت ہوگی۔ اس کا مقتضایہ ہے کہ اگر اس کو
دونوں بچوں کا علم ہو اور وہ دونوں کو ضرب لگانے کا بھی قصد کرے تو زندہ کی دیت اس کے مال میں تین سالوں میں واجب ہو
گی۔ کیونکہ اجرت کے شبہ کے باعث قصاص ساقط ہو چکا ہے مگر جب اسے دونوں کا علم ہو اور اس نے دونوں بچوں کو ضرب
لگانے کا قصد نہیں کیا بلکہ صرف ان کی ماں کو ضرب لگانے کا قصد کیا تو زندہ کی دیت اس کے مال میں واجب نہ ہوگی جس طرح
ایک آدمی کسی شخص کو تیر مارنے کا ارادہ کرے تو تیر اس سے نکل کر ایک اور آدمی کو جا لگے، تا مل۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ مَا يُحْدِثُهُ الرَّجُلُ فِي الطَّرِيقِ وَغَيْرِهِ

لَمَّا ذَكَرَ الْقَتْلَ مُبَاشَرَةً شَرَعَ فِيهِ تَسْبِيًّا فَقَالَ (أَخْرَجَ إِلَى طَرِيقِ الْعَامَّةِ كَنِيفًا) هُوَ بَيْتُ الْخَلَاءِ (أَوْ مِيزَابًا أَوْ جُرْصُنًا كَبُرْجٍ وَجَذَعٍ وَمَسْرَعُلٍ وَحَوْضٍ طَاقَةٍ وَنَحْوَهَا عَيْنِي أَوْ دُكَّانًا جَانِ)

راستہ کے متعلقہ امور کے احکام

جب براہ راست قتل کا ذکر کر چکے تو اب اس قتل کے ذکر میں شروع ہوئے جو قتل بالسبب ہے۔ کہا: جب عام راستہ کی جانب کنیف جو بیت الخلاء ہے، پر نالہ یا جرسن جیسے برج، چھجا، چھتا اور طاقہ کا حوض بنائے وغیرہا، ”عینی“۔ یا دکان بنائے تو اس کا بنانا جائز ہے۔

35484۔ (قوله: إِلَى طَرِيقِ الْعَامَّةِ) یعنی ایسا راستہ جو آگے سے بند نہ ہو جو شہروں میں دیہاتوں میں واقع ہوتے ہیں نہ کہ وہ راستے جو جنگلوں اور صحراؤں میں واقع ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان سے عموماً عدول کرنا ممکن ہوتا ہے جس طرح ”زہری“ میں ہے۔ اور عام راستہ وہ ہوتا ہے جس کی قوم کا شمار نہ کیا جاسکے یا جسے گزرنے کے لیے ایسی قوم نے چھوڑ دیا ہو جنہوں نے غیر مملوکہ زمین میں گھر بنائے ہوں تو یہ راستہ عام لوگوں کی ملکیت میں باقی رہے گا۔ یہ ”شیخ اسلام“ کا مختار مذہب ہے۔ اور پہلا قول ”امام حلوانی“ کا مختار مذہب ہے جس طرح ”عمادی“ میں ہے، ”قہستانی“۔

جرسن کی لغوی تحقیق

35485۔ (قوله: أَوْ جُرْصُنًا) یہ لفظ جیم کے ضمہ را کے سکون اور صاد مہملہ کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ یہ لفظ دخیل ہے یعنی اصل میں عربی نہیں۔ اس کی وضاحت میں علما نے اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد برج ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ پانی کی وہ گزرگاہ ہے جو دیوار میں بنائی جاتی ہے۔ ”امام بزدوی“ سے مروی ہے: اس سے مراد وہ لکڑی ہے جسے انسان دیوار سے باہر نکالتا ہے تاکہ اس پر کوئی شے تعمیر کرے۔ ”مغرب“۔ ”عینی“ نے کہا: یہ بلندی کی جانب گزرنے کی جگہ ہے جو رُف (مچان) کی طرح ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ لکڑی ہوتی ہے جو دو چھتوں کی دیوار پر رکھی جاتی ہے تاکہ گزرنے میں ممکن ہو جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وہ چیز ہے جو محراب کے سامنے بنائی جاتی ہے تاکہ اس پر کوزے وغیرہ رکھے جائیں۔

35486۔ (قوله: كَبُرْجٍ) یہ جرسن کی تفسیر میں جو گزشتہ اقوال ہیں ان کی حکایت ہے۔

35487۔ (قوله: وَنَحْوَهَا) ”عینی“ کی عبارت ہے جو نحو الکیزان کے معنی میں ہے۔

35488۔ (قوله: أَوْ دُكَّانًا) یہ چبوترہ کی طرح بلند جگہ ہوتی ہے ”عینی“۔

إِحْدَاثُهُ (وَإِنْ لَمْ يَضُرَّ بِالْعَامَّةِ) وَلَمْ يَنْتَعِ مِنْهُ، فَإِنْ ضَرَّ لَمْ يَحِلَّ كَمَا سَيَجِيءُ (وَلِكُلِّ أَحَدٍ مِنْ أَهْلِ الْخُصُومَةِ) وَلَوْ ذِمِّيًّا (مَنْعُهُ) ابْتِدَاءً (وَمُطَالَبَتُهُ بِنَقْضِهِ) وَرَفْعُهُ (بَعْدَهُ) أَيْ بَعْدَ الْبِنَاءِ، سَوَاءٌ كَانَ فِيهِ ضَرٌّ أَوْ لَا وَقِيلَ إِنَّمَا يَنْقُصُ بِخُصُومَتِهِ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ مِثْلُ ذَلِكَ وَإِلَّا كَانَ تَعْتُّازٌ يَدْعَى

اگر عام لوگوں کو تکلیف نہ دے اور کوئی اسے اس امر سے منع نہ کرے۔ اگر وہ ضرر کا باعث ہو تو اس کے لیے ایسا کرنا حلال نہ ہوگا جس طرح عنقریب آگے آئے گا۔ اہل خصومت میں سے ہر ایک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسے ابتداءً روکے اگرچہ وہ ذمی ہو اور اس کے بنالینے کے بعد اس کے توڑ دینے اور اس کے اٹھا دینے کا حق ہوگا خواہ اس میں ضرر ہو یا ضرر نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی خصومت کے باعث اسے توڑ دیا جائے گا جب اس کے لیے اس کی مثل نہ ہو ورنہ اس کا یہ مطالبہ کرنا تعنت و عناد ہوگا، ”زیلعی“۔

اگر کوئی شخص راستے میں دکان وغیرہ بنائے تو اس کا حکم

35489۔ (قوله: فَإِنْ ضَرَّ لَمْ يَحِلَّ) ان پر یہ لازم تھا کہ وہ کہتے: فان ضر او منع لم يحل۔ ”قہستانی“ میں ہے: اس کے لیے حلال ہے کہ اس سے نفع حاصل کرے اگرچہ اسے اس سے منع کیا گیا ہو جس طرح ”کرمانی“ میں ہے۔ ”امام طحاوی“ نے کہا: اگر اسے اس سے منع کیا گیا ہو تو اس کے لیے مباح نہیں ہوگا کہ وہ اسے بنائے اور اس سے نفع اٹھالے اور اس کو اسی حال پر چھوڑنے سے وہ گناہگار ہوگا جس طرح ”ذخیرہ“ میں ہے۔

35490۔ (قوله: مِنْ أَهْلِ الْخُصُومَةِ) وہ آزاد و بالغ اور عاقل ہے۔ غلاموں اور بچوں، جو مجبور ہیں ان کا معاملہ مختلف ہوگا۔ ”الدر المنبتی“ میں اسے بیان کیا ہے کہ اجازت کے ساتھ ان کے لیے یہ حلال ہے۔

35491۔ (قوله: وَلَوْ ذِمِّيًّا) کیونکہ اس کا راستہ میں حق ہے ”کفایہ“۔ ”تاترخانیہ“ کی عبارت ہے: اس میں کافر داخل ہوگا خصوصاً جب وہ ذمی ہو، فتنہ۔

35492۔ (قوله: سَوَاءٌ كَانَ فِيهِ ضَرٌّ أَوْ لَا) ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق یہی صحیح ہے۔ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس کو روکنے کا حق ہے اس کو ختم کرنے کا حق نہیں۔ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نہ روکنے کا حق ہے نہ ختم کرنے کا حق ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب اس کے بنانے کا علم ہو اگر علم نہ ہو تو اسے نیا شمار کیا جائے گا تو امام کو حق حاصل ہوگا کہ اسے توڑ دے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اگر وہ لوگوں کو تکلیف دے تو اس کو توڑ دے گا، ”در منبتی“۔

35493۔ (قوله: وَقِيلَ الْخ) اس کے قائل ”اسماعیل صفار“ ہیں جس طرح ”زیلعی“ میں ہے۔

35494۔ (قوله: وَإِلَّا كَانَ تَعْتُّازًا) کیونکہ اگر وہ لوگوں سے ضرر کو دور کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کا آغاز اپنی ذات سے کرے، ”کفایہ“۔

(هَذَا) كَلَّمُهُ إِذَا بَنَى لِنَفْسِهِ بِغَيْرِ إِذْنِ الْإِمَامِ زَادَ الصَّفَارُ وَلَمْ يَكُنْ لِلْمَطَالِبِ مِثْلُهُ (وَإِنْ بَنَى لِلْمُسْلِمِينَ كَتَسْجِدٍ وَنَحْوِهِ) أَوْ بَنَى بِإِذْنِ الْإِمَامِ (لَا) يُنْقَضُ

یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ امام کی اجازت کے بغیر اپنے لیے کوئی چیز بنائے۔ ”صفار“ نے یہ اضافہ کیا ہے: جب مطالبہ کرنے والے کی اس کی مثل کوئی چیز نہ ہو اگر وہ مسلمانوں کے لیے مسجد وغیرہ بنائے یا امام کی اجازت سے بنائے تو اس کو نہیں توڑا جائے گا۔

35495۔ (قوله: بِغَيْرِ إِذْنِ الْإِمَامِ) اگر امام نے اسے اجازت دی ہو تو کسی کو حق حاصل نہیں کہ اس کا پیچھا کرے یا اس کے ساتھ منازعہ کرے لیکن امام کو حق حاصل نہیں کہ وہ اسے اجازت دے جب وہ لوگوں کے لیے تکلیف کا باعث ہو اس کی صورت یہ ہے کہ راستہ تنگ ہو اگر اس کے باوجود امام اس کی اجازت میں مصلحت دیکھے اور اجازت دے دے تو یہ جائز ہوگا۔ ”حموی“ نے ”مسکین“ سے روایت کیا ہے۔ ”شمس“ میں ہے: ضرر کے ساتھ بغیر کسی اختلاف کے جائز ہوگا۔ امام اس کی اجازت دے یا اجازت نہ دے، ”ط“۔ شاید مراد یہ ہے کہ وہ اس سے گناہگار ہوگا اگرچہ کسی کا اس کے ساتھ منازعہ نہ ہو۔ کیونکہ امام کی اجازت سے جو عمل کیا جاتا ہے اس کے ساتھ منازعہ یہ امام پر سبقت لے جانا ہے۔ پس یہ قول اس کے مخالف نہیں جو اس سے ماقبل ہے۔

35496۔ (قوله: زَادَ الصَّفَارُ الْخ) وہی مقدم مفصل قول ہے اس کے اعادہ کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی ان کی کلام کا ظاہر یہ ہے کہ اطلاق پر اعتماد کیا جائے۔ کیونکہ انہوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ قول ”صفار“ کی طرف منسوب ہے جب کہ پہلے حکم کو مطلقاً بیان کر دیا گیا ہے گویا یہ سب کا قول ہے۔ وجہ یہ ہے: منکر سے نہی اس کے ساتھ معتقید نہیں ہوتی کہ ناہی اس منکر سے متباعد ہے جس طرح کتاب الحظر میں گزر چکا ہے، ”ط“۔

میں کہتا ہوں: یہ وجہ ظاہر ہوگئی اگر اس میں ضرر ہو کیونکہ اس وقت وہ منکر ہوگا فتدبر۔
اگر کوئی شخص راستے میں مسجد وغیرہ بنائے تو اس کا حکم

35497۔ (قوله: وَإِنْ بَنَى لِلْمُسْلِمِينَ) یعنی ان کو تکلیف نہ دے جس طرح ”کفایہ“ اور ”قہستانی“ میں ہے۔

35498۔ (قوله: أَوْ بَنَى بِإِذْنِ الْإِمَامِ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے: اگر وہ اس کی اجازت سے بنائے تو کسی کو حق حاصل نہیں کہ اس کے ساتھ منازعہ کرے اگرچہ وہ ضرر کا باعث ہو۔ ہم پہلے اسے ”مسکین“ سے صراحۃً بیان کر چکے ہیں عنقریب جو آئے گا کہ اگر امام کی اجازت سے ہو تو ضمان لازم نہ ہوگی وہ اس پر دلالت کرے گا۔ ”الکفایہ“ وغیرہا میں ہے: امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کمزور سے کمزور آدمی کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسے اس کی تعمیر سے روکے اور تعمیر کرنے کے بعد اسے توڑ دینے کا مکلف بنائے خواہ اس میں ضرر ہو یا ضرر نہ ہو جب وہ امام کی اجازت کے بغیر اسے تعمیر کرے۔ کیونکہ وہ معاملات جو عام لوگوں کے لیے ہوتے ہیں ان کی تدبیر کرنا امام کی ذمہ داری ہوتی ہے تاکہ فتنہ کو ختم کیا جائے۔ پس جسے امام کی اجازت

(وَإِنْ كَانَ يَضُرُّ بِالْعَامَّةِ لَا يَجُوزُ إِخْدَاثُهُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ فِي الْإِسْلَامِ (وَالْقُعُودُ فِي الطَّرِيقِ لِبَيْعٍ وَشَرَاءٍ) يَجُوزُ إِنْ لَمْ يَضُرَّ بِأَحَدٍ وَإِلَّا لَا (عَلَى هَذَا التَّفْصِيلِ) السَّابِقِ وَهَذَا فِي النَّافِذِ (وَفِي غَيْرِ النَّافِذِ لَا يَجُوزُ أَنْ يَتَصَرَّفَ بِإِحْدَاثٍ مُطْلَقًا) أَضَرَّ بِهِمْ أَوْ لَا

اگر اس کا یہ عمل عام لوگوں کو تکلیف دیتا ہو تو اس کا بنانا جائز نہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اسلام میں نہ ضرر ہے نہ ہی ضرار ہے (1)۔ بیع و شرا کے لیے راستہ میں بیٹھنا جائز ہے اگر وہ کسی کو نقصان نہ دے ورنہ بیٹھنا جائز نہیں۔ یہ حکم سابقہ تفصیل پر مبنی ہے۔ یہ اس راستہ میں ہے جو آگے سے بند نہ ہو اور جو راستہ آگے سے بند ہو تو یہ جائز نہیں ہوگا کہ کسی نئی چیز بنانے کے ساتھ مطلقاً تصرف کرے وہ لوگوں کو تکلیف دے یا تکلیف نہ دے

کے بغیر بنایا گیا ہے تو امام کی رائے پہلے لی جائے۔ پس ہر کسی کو حق حاصل ہوگا کہ اس کا انکار کرے۔ افتیات سے مراد سبق (پہل کرنا) ہے۔ ”صحاح“، فافہم

35499۔ (قوله: وَإِنْ كَانَ يَضُرُّ) یہ ان کے قول جاز ان لم يضر کے مقابل ہے۔

35500۔ (قوله: ضَرَرٌ وَلَا ضِرَارٌ) یعنی ایک آدمی کو ابتداءً نہ ضرر پہنچائے اور نہ ہی جزاء ضرر پہنچائے۔ کیونکہ ضرر یہ ضرر کے معنی میں ہے اور یہ ایک آدمی کی جانب سے ہوتا ہے اور ضرر دو آدمیوں سے وقوع پذیر ہوتا ہے یہ مضارہ کے معنی میں ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ تو اس کو نقصان پہنچائے جو تجھے نقصان پہنچائے ”مغرب“۔ جزا میں ضرر یہ ہے کہ جزا دینے والا قصاص وغیرہ میں اپنے حق سے تجاوز کرے، ”کفایہ“۔

35501۔ (قوله: وَالْقُعُودُ) اسی طرح درخت لگانا ہے، ”قہستانی“۔

35502۔ (قوله: يَجُوزُ إِنْ لَمْ يَضُرَّ بِأَحَدٍ) تعبیر میں زیادہ مناسب یہ ہے کہ وہ اس جملہ کو علی هذا التفصیل کے بعد لائے۔ ”ط“

35503۔ (قوله: وَفِي غَيْرِ النَّافِذِ الْخ) غیر نافذ سے مراد مملوکہ ہے یہ ملک کی علت کے ساتھ نہیں ہوتا۔ بعض اوقات اس کو آگے سے کھول دیا جاتا ہے جب کہ وہ مملوکہ ہوتی ہے۔ بعض اوقات اس کا راستہ بند کر دیا جاتا ہے جب کہ وہ عام لوگوں کے لیے ہوتی ہے لیکن یہ عموم ملک پر دلیل ہوتی ہے۔ پس اس کو ملک کے قائم مقام رکھ دیا جاتا ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے خلاف پر دلیل قائم ہو۔ صاحب ”کفایہ“ نے ”جامع صغیر“، جو ”نثر الاسلام“ کی تالیف ہے، سے نقل کیا ہے۔ بند راستے کے احکام

35504۔ (قوله: لَا يَجُوزُ أَنْ يَتَصَرَّفَ بِإِحْدَاثٍ) میں ”الغانیہ“ میں کہتا ہوں: امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر

راستہ بند ہو تو اس کے مالکوں کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اس میں کھڑکیاں رکھ لیں اور اس میں جا کر رہنا شروع کر دیں اس میں وضو

(إِلَّا بِإِذْنِهِمْ) لِأَنَّهُ كَالْبَيْتِ الْخَاصِّ بِهِمْ ثُمَّ الْأَصْلُ فِيمَا جُهِلَ حَالُهُ أَنْ يُجْعَلَ حَدِيثًا لَوْ فِي طَرِيقِ الْعَامَّةِ وَقَدِيمًا لَوْ فِي طَرِيقِ الْخَاصَّةِ بَرُّجُنْدِي (فَإِنْ مَاتَ أَحَدٌ) مِنَ النَّاسِ (بِسُقُوطِهَا عَلَيْهِ)

اگرچہ لوگوں کی اجازت سے تصرف کر سکتا ہے۔ کیونکہ ایسی چیز ان کی خاص ملکیت کی طرح ہے جس کا حال مجہول ہو اس میں اصل (قاعدہ) یہ ہے کہ اگر وہ عام راستہ میں ہو کہ وہ نئی چیز ہے اگر وہ خاص راستہ میں ہو تو وہ پرانی چیز ہے ”برجنڈی“۔ اگر لوگوں میں سے کوئی اس شے کے گرنے سے مر جائے

کریں اگر کوئی آدمی ہلاک ہو جائے تو اس کی ضمانت نہ ہوگی اگر وہ عمارت بنائے یا کنواں کھودیں تو وہ ضامن ہوگا۔ ”جامع الفصولین“ میں ہے: ایک آدمی نے ارادہ کیا کہ وہ مٹی بنائے اگر وہ راستہ سے اتنی جگہ چھوڑ دے جس سے گزر راجا سکتا ہے وہ ایک ہی بار کئی اوقات میں اس کو بناتا ہے اور فوراً اس کو اٹھا لیتا ہے تو اس کو یہ حق حاصل ہوگا۔ ہر ایک کو جانور اپنے دروازے پر باندھنے کا حق ہوگا۔ کیونکہ ایسی گلی جو آگے سے بند ہو وہ مشترک گھر بھیسی ہوتی ہے ہر شریک کو حق حاصل ہوگا کہ وہ صحن کے کسی حصہ میں سکونت اختیار کرے نہ کہ اس میں کوئی شے تعمیر کرے اور ہمارے علاقوں میں جانور باندھنا یہ رہائش رکھنے میں سے شمار ہوتا ہے۔

”تا ترخانہ“ میں ہے: اگر اس نے بند گلی میں ایسا کیا جو رہائش رکھنے کے زمرہ میں سے نہیں تو وہ اپنے حصہ کی ضمانت نہیں دے گا اور اپنے شرکا کے حصہ کا ضامن ہوگا اگرچہ وہ رہائش کے زمرہ میں سے ہے۔ قیاس یہی ہے استحسان یہ ہے کہ وہ کسی شے کا ضامن نہیں ہوگا۔ اس کی مثل ”کفایہ“ میں سے ہے۔

میں کہتا ہوں: اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ جن چیزوں کا ذکر ہو چکا ہے جو باقی رہتی ہیں جیسے میز اب، دکان وغیرہ اس کو نئے سرے سے بنانا جائز نہیں جس طرح ”ساحانی“ نے اسے بیان کیا ہے۔

35505۔ (قوله: إِلَّا بِإِذْنِهِمْ) یعنی سب اجازت میں یہاں تک کہ وہ مشتری جس نے اجازت کے بعد ان میں سے کسی سے کوئی مکان خریدا تھا۔ کیونکہ ”الخانہ“ میں ہے: ایک آدمی نے اس گلی پر جو آگے سے بند ہے ایک گھریا کمرے بنایا اور گلی والے اس پر راضی تھے تو اس کے مکینوں کے علاوہ ایک آدمی آیا اور اس گلی میں ایک گھر خریدا تو مشتری کو حق حاصل ہوگا کہ وہ کمرے والے کو کہے وہ اس کمرے کو ختم کر دے۔ ”ساحانی“۔

35506۔ (قوله: لِأَنَّهُ كَالْبَيْتِ الْخَاصِّ بِهِمْ) زیادہ بہتر یہ قول تھا: لانه ملک جب حرف تشبیہ کے بغیر ہوتا جس طرح ”الہدایہ“ میں کہا گیا ہے اس پر وہ قول دلالت کرتا ہے جسے ہم نے پہلے ”الجامع“ سے نقل کیا ہے۔

35507۔ (قوله: ثُمَّ الْأَصْلُ الْخ) اس کا فائدہ یہ ہے کہ جو نئی چیز بنائی گئی ہو امام کو حق حاصل ہے کہ اس کو توڑ دے اور قدیمی کو کوئی بھی فرد نہیں توڑ سکتا جس طرح ”قبستانی“ میں ہے۔ ”ساحانی“ نے کہا: اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو جس نے تعمیر کرنے میں پہلے عرصہ کے گواہ پیش کیے ان کو قبول کیا جائے گا۔ ”کافی“ میں ہے: جس نے قریبی وقت میں اسے نئے

فَدِيَّتُهُ عَلَى عَاقِلَتِهِ) أَمَى عَاقِلَةُ الْمُخْرِجِ لِتَسْبِيهِ (كَمَا) تَدَى الْعَاقِلَةُ (لَوْ حَفَرَ بُئْرًا فِي طَرِيقٍ أَوْ وَضَعَ حَجَرًا) أَوْ تُرَابًا أَوْ طِينًا مُلْتَقَى (فَتَلَفَ بِهِ إِنْسَانٌ) لِأَنَّهُ سَبَبٌ (فَإِنْ تَلَفَ بِهِ) أَمَى بِوَاحِدٍ مِنَ الْمَذْكُورَاتِ (بِهَيْئَةٍ ضَمِنَ) فِي مَالِهِ (إِنْ لَمْ يَأْذَنْ بِهِ الْإِمَامُ

تو اس کی دیت اس آدمی کی عاقلہ پر ہوگا جس نے اس کو نکالا تھا کیونکہ وہ اس کا سبب بنا تھا۔ جس طرح عاقلہ دیت دے گی اگر اس نے راستہ میں کنواں کھودا یا راستہ میں پتھر، خشک مٹی یا کیچڑ ڈالا، ”ملتقی“۔ تو اس سے ایک انسان تلف ہو گیا عاقلہ پر اس کی دیت کی وجہ یہ ہے۔ کیونکہ کھودنے والا سبب بنا ہے اگر ان مذکورہ چیزوں میں سے کوئی جانور ہلاک ہو گیا تو وہ اپنے مال سے ضمانت دے گا اگر امام نے اس کی اجازت نہ دی ہو

سرے سے بنانے کے گواہ پیش کیے انہیں قبول کیا جائے گا جب کہ عمارت کی تعمیر کا معاملہ نہ ہو جیسے پانی کی گزرگاہ اور راستہ بنانا۔ ”شیخ خیر الدین“ نے ”صغریٰ“ سے نقل کیا ہے: اس آخری وقت کو اس کی تعمیر کا وقت قرار دیا جائے گا جسے لوگ قدیمی چیز کی حفاظت کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ تعبیر بہت ہی اچھی ہے۔

35508۔ (قوله: فَدِيَّتُهُ عَلَى عَاقِلَتِهِ) اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ اس کو زخمی کر دے اگر اس کی دیت موصیہ کی دیت تک جا پہنچے اگر اس سے کم ہو تو اس کے مال میں لازم ہوگی ”کفایہ“۔ اس نے اس امر کا شعور دلایا ہے وہ کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ اور وہ میراث سے محروم نہیں ہوگا جس طرح ”ذخیرہ“ میں ہے۔ ”قہستانی“۔

35509۔ (قوله: مُلْتَقَى) شرح میں یہ زائد ذکر کیا اسی طرح کا حکم ہوگا ہر اس فعل میں جو عام راستہ میں کیا جاتا ہے۔ ”ملتقی“ میں یہ ہے: جس آدمی نے راستہ میں پانی بہایا جس کی وجہ سے کوئی ہلاک ہو گیا تھا تو وہ ضامن ہوگا۔ اسی طرح کا حکم ہے جب وہ پانی چھڑکاؤ کرے اس حیثیت میں کہ وہ پھیل جائے یا اس سے وضو کرے اگر اس نے ان میں سے کوئی فعل ایسی گلی میں کیا جو آگے سے بند ہے جب کہ وہ اس گلی میں رہتا ہے یا اس میں بیٹھا یا اس نے اپنا سامان رکھا تو ضامن نہیں ہوگا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ ایسا مال رکھے جو عموماً پھیل جاتا ہے یا ایک آدمی نے بعض راستہ پر چھڑکاؤ کیا تو گزرنے والا اس پر جان بوجھ کر گزرتا تو چھڑکاؤ کرنے والا ضامن نہیں ہوگا اور لکڑی رکھنا گزرنے کی طرح ہے (شاید صحیح چھڑکاؤ کرنے کی طرح ہے جیسے ”تقریرات رافعی“ میں ہے، مترجم) کہ وہ لکڑی پورے راستے کو محیط ہے یا محیط نہیں۔ اگر ایک آدمی نے مالک کی اجازت سے دکان کے سامنے کے حصہ پر چھڑکاؤ کیا تو ضمان بطور استحسان آمر پر ہوگی۔

35510۔ (قوله: فِي مَالِهِ) کیونکہ عاقلہ نفس کی ضامن ہوتی ہے مال کی ضامن نہیں ہوتی، ”ہدایہ“۔

35511۔ (قوله: إِنْ لَمْ يَأْذَنْ بِهِ) یعنی ان چیزوں کی اجازت نہ دی جن کا ذکر کیا گیا جیسے بیت الخلا، جرسن اور

چبوترہ بنانا، پتھر رکھنا اور راستے میں کنواں کھودنا۔ ”قہستانی“ نے اس کو بیان کیا ہے۔

35512۔ (قوله: الْإِمَامُ) اس سے مراد سلطان ہے۔ ”قہستانی“۔

فَإِنْ أَذِنَ الْإِمَامُ فِي ذَلِكَ أَوْ مَاتَ وَاقَعَ فِي بَطْرِ طَرِيقٍ جُوعًا أَوْ عَطَشًا أَوْ غَنًا لَا ضَمَانَ بِهِ يُفْتَى خُلَاصَةً خِلَافًا لِلْحَنَدِ (وَلَوْ سَقَطَ الْبِيزَابُ فَأَصَابَ مَا كَانَ فِي الدَّخْلِ رَجُلًا فَقَتَلَهُ فَلَا ضَمَانَ) أَصْلًا لِيَكُونَ فِي مِلْكِهِ فَلَمْ يَكُنْ تَعْدِيًا (وَإِنْ أَصَابَ الْخَارِجَ) أَوْ وَسَطَهُ بَزَازِيَّةً (فَالضَّمَانُ عَلَى وَاضِعِهِ) لِتَعْدِيهِ وَلَوْ مُسْتَأْجَرًا أَوْ مُسْتَعِيرًا وَغَاصِبًا وَلَا يَبْطُلُ الضَّمَانُ

اگر امام نے اس کی اجازت دی ہو یا راستہ کے کنواں میں گرنے والا بھوک، پیاس یا غم سے مرگیا ہو تو کوئی ضمانت نہ ہوگی اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے ”خلاصہ“۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر پرنا لہ گرا تو پرنا لہ کا داخلی حصہ تھا وہ ایک آدمی کو جا لگا اور اسے قتل کر دیا تو اصلاً کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ چیز اس کی ملک میں تھی اور وہ تعدی نہ ہوگی۔ اگر پرنا لہ کا باہر والا حصہ یا اس کے درمیان والا حصہ کسی کو لگا ”بزازیہ“۔ تو ضمان اس پر لازم ہوگا جس نے اس کو رکھا تھا۔ کیونکہ اس نے تعدی کی اگر وہ رکھنے والا مستاجر ہو، مستعیر ہو یا غاصب ہو بیع کی وجہ سے ضمان باطل نہ ہوگی۔

35513۔ (قوله: فَإِنْ أَذِنَ الْإِمَامُ) کیونکہ وہ اس وقت تعدی کرنے والا نہیں۔ کیونکہ امام کو راستہ پر ولایت عامہ حاصل ہے۔ کیونکہ وہ عام لوگوں کی نیابت کرتا ہے تو اسی طرح ہو گیا کہ اس نے اس کی ملک میں عمل کیا، ”قہستانی“۔ ”الدر المنثور“ میں کہا، اجازت جائز ہوگی جب وہ عام لوگوں کے لیے نقصان دہ نہ ہو۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے، فتنہ۔ راستے کے کنویں میں گرنے والا بھوک، پیاس یا گھٹن کی وجہ سے مر جائے تو اس کا حکم

35514۔ (قوله: جُوعًا أَوْ عَطَشًا) کیونکہ وہ اس معنی میں ہے کہ وہ خود اپنی موت آپ مرا ہے۔ ضمان اس وقت واجب ہوگی جب وہ اس میں گرنے سے مرا ہو، ”زیلعی“۔

35515۔ (قوله: أَوْ غَنًا) یعنی بدبو سے دم گھٹنے سے۔ ”صحاح“ میں کہا: یوم غم جب وہ گرمی کی شدت سے نفس کو گرفت میں لے لے، ”عنایہ“۔ ”شرنبلالیہ“ میں اسے غین کے ضمہ کے ساتھ حرکت دی ہے۔ پھر ”شرح الجمع“ سے نقل کیا ہے ”الفتح“۔

35516۔ (قوله: خِلَافًا لِلْحَنَدِ) سب میں ضمانت کو واجب کیا ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے بھوک کے معاملہ میں ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کی موافقت کی ہے غم میں موافقت نہیں کی، ”ط“۔

35517۔ (قوله: أَوْ وَسَطَهُ) اس سے مراد اس کا وسط ہے جو وضع کی ملک سے باہر ہے۔ کیونکہ ضمان کی نسبت وہ تعدی ہے جو راستہ کی فضا کو مشغول رکھنا ہے جس طرح ”زیلعی“ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ اس معنی کے اعتبار سے خارج کا لفظ اس وسط کو جامع ہے۔ پس اس کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں۔ شاید خارج سے مراد اس کا آخری کنارہ ہے۔ پس وسط کا ذکر کرنا ان کے لیے صحیح ہے۔ اس میں اور اس کے ماقبل ضمان کا محل اس وقت ہے جب امام اجازت نہ دے یا محلہ کے لوگ اجازت نہ دیں جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ پس وہ تعلیل دلالت کرتی ہے جس کا ذکر تعدی کی صورت میں کیا گیا ہے۔

35518۔ (قوله: فَالضَّمَانُ عَلَى وَاضِعِهِ) یعنی جس نے اسے رکھا تھا اس کی عاقلہ پر ضمان ہوگی۔ اسی طرح کا قول

بِالْبَّیْعِ لِبَقَاءِ فِعْلِهِ وَهُوَ الْمَوْجِبُ لِلضَّامَانِ بِخِلَافِ الْحَائِطِ الْمَائِلِ کَمَا بَسَطَهُ الزَّیْلَعِيُّ (وَلَوْ أَصَابَهُ
الطَّرْفَانِ) مِنَ الْبِیْزَابِ (وَعُلِمَ ذَلِكَ وَجَبَ) عَلَى وَاضِعِهِ (النِّصْفُ وَهُدَرَ النِّصْفُ وَلَوْ لَمْ یَعْلَمْ أَمَّا
طَرَفٌ) مِنْهُمَا (أَصَابَهُ ضَمِنَ النِّصْفَ اسْتِحْسَانًا) زَيْلَعِيُّ (وَمَنْ نَحَّى حَجَرًا وَضَعَهُ آخَرَ فَعَطَبَ بِهِ
رَجُلٌ ضَمِنَ) لِأَنَّ فِعْلَ الْأَوَّلِ نُسَخَ بِفِعْلِ الثَّانِي (كَمَنْ حَمَلَ عَلَى رَأْسِهِ) أَوْ ظَهَرَهُ (شَيْئًا فِی الطَّرِیقِ
فَسَقَطَ مِنْهُ عَلَى آخَرَ

کیونکہ اس کا فعل باقی ہے اور فعل ضمان کو واجب کرنے والا ہے۔ وہ دیوار جو جھکی ہوئی ہے اس کا معاملہ مختلف ہے جس طرح
”زیلعی“ نے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اگر اسے پرنا لے کی دونوں جانب لگیں اور یہ معلوم ہو جائے تو اس کو رکھنے
والے پر نصف دیت لازم ہوگی اور نصف رائیگاں چلی جائے گی اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کون سی جانب لگی ہے تو وہ بطور استحسان
نصف دیت کا ضامن ہوگا، ”زیلعی“۔ اور جس نے اس پتھر کو کنارے پر کر دیا جس کو دوسرے آدمی نے رکھا تھا تو ایک آدمی
اس سے ٹکرا کر ہلاک ہو گیا تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ پہلے کا فعل دوسرے کے فعل سے منسوخ ہو گیا ہے جس طرح وہ شخص جس
نے اپنے سر یا اپنی پشت پر راستہ میں کوئی شے اٹھائی تو وہ شے کسی اور پر جاگری

اس کے بارے میں کیا جائے گا جس کا ذکر بعد میں ہوا ہے کیونکہ یہ قتل بالسبب ہے، ”ط“۔

35519۔ (قوله: کَمَا بَسَطَهُ الزَّیْلَعِيُّ) کیونکہ فرمایا: اگر اس نے راستہ کی طرف کوئی چھبنا نکالا یا دھنیا باہر نکالیں یا
اس میں لکڑی رکھی پھر سب کچھ بیچ دیا اور مشتری نے اسے اسی طرح رہنے دیا یہاں تک کہ ایک انسان اس سے ہلاک ہو گیا تو
ضمان بائع پر ہوگی۔ کیونکہ اس کا فعل ملکیت کے زائل ہونے سے منسوخ نہیں ہوا۔ اس دیوار کا معاملہ مختلف ہے جو جھکی ہوئی
ہے جب وہ اسے گواہ بنانے کے بعد بیچے، اس وقت مشتری ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے گواہ نہیں بنائے اور نہ ہی بائع
ضامن ہوگا کیونکہ گواہ بنانے کے صحیح ہونے کے لیے ملکیت شرط ہے اور بیع کے ساتھ ملکیت باطل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ غیر کی
ملک کو ختم کرنے کا مالک نہیں یہاں ضمانت راستہ کی فضا کو مشغول کرنے کی بنا پر ہے یہ ملکیت کے اعتبار سے نہیں اور مشغولیت
باقی ہے۔ پس وہ ضامن ہوگا جس طرح یہ عمل مستاجر، مستعیر یا غاصب کی جانب سے حاصل ہو۔ دیوار کے معاملہ میں مالک
کے علاوہ کوئی ضامن نہ ہوگا، ملخص۔

35520۔ (قوله: اسْتِحْسَانًا) کیونکہ وہ ایک حال میں سب کا ضامن ہوتا ہے اور ایک حال میں کسی شے کا ضامن نہیں

ہوتا۔ پس وہ نصف کا ضامن ہوگا۔ قیاس تو یہ ہے کہ شک کی وجہ سے کسی شے کا ضامن نہ ہو۔ اس کی مکمل بحث ”زیلعی“ میں ہے۔

35521۔ (قوله: وَمَنْ نَحَّى حَجَرًا) یعنی اس نے پتھر اس کی جگہ سے دوسری جگہ کی طرف پھیر دیا۔

راستہ میں اپنے سر یا پشت پر سلامتی کی شرط پر سامان اٹھانا مباح ہے

35522۔ (قوله: فَسَقَطَ مِنْهُ عَلَى آخَرَ) اسی طرح کا حکم ہوگا جب کوئی انسان اس سے لڑکھڑا کر گر گیا ”ہدایہ“۔

أَوْ دَخَلَ بِحَصِيرٍ أَوْ قِنْدِيلٍ أَوْ حَصَاةٍ فِي مَسْجِدٍ غَيْرِهِ أَمَى جَعَلَ فِيهِ حَصَى أَوْ بَوَارَى ابْنُ كَمَالٍ (أَوْ جَلَسَ فِيهِ لَا لِلصَّلَاةِ) وَلَوْ لِقُرْآنٍ أَوْ تَعْلِيمٍ (فَعَطَبَ بِهِ أَحَدٌ) كَأَعْنَى ضَمِنَ خِلَافًا لِهَمَّا (لَا) يَضْمَنُ (مَنْ) سَقَطَ مِنْهُ رِذَاءٌ لِبَسَهُ

یا ایک آدمی دوسرے کی مسجد میں چٹائی یا قندیل یا سنگریزے لے گیا یعنی اس میں سنگریزوں یا چٹائیوں کا فرش بچھایا ”ابن کمال“۔ یا اس میں بیٹھا مگر نماز کے لیے نہ بیٹھا اگرچہ وہ قرآن کے لیے یا تعلیم کے لیے بیٹھا کوئی آدمی اس کی وجہ سے ہلاک ہو گیا جیسے وہ اندھا ہو تو اس پر ضمان لازم ہوگی۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے ان سے اختلاف کیا ہے۔ جس آدمی نے اپنی چادر زیب تن کر رکھی تھی

کیونکہ راستہ میں اپنے سر پر اپنی پشت پر سامان اٹھانا مباح ہے لیکن سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید ہے۔ یہ ہدف کی طرف تیر پھینکنے کی طرح ہے یا شکار کی طرف تیر پھینکنے کی طرح ہے۔ ”زیلعی“۔

35523۔ (قوله: أَوْ دَخَلَ بِحَصِيرٍ أَوْ قِنْدِيلٍ أَوْ حَصَاةٍ الْخ) یعنی چٹائی یا قندیل کسی پر گر گئی یا وہ برتن کسی پر گر گیا جس میں سنگریزے (بجری) تھے، ”منح“۔

میں کہتا ہوں: ”ہدایہ“ کی عبارت ہے: جب مسجد قبیلہ کی ہو ان میں سے ایک آدمی نے اس میں قندیل لٹکائی یا اس میں چٹائیاں ڈالیں یا بجری ڈالی الخ۔ اس کا ظاہر تو یہ ہے کہ حصا فعل ماضی ہے جس کا صادمشدد ہے اس کا عطف جعل پر ہے۔ اس پر ”ابن کمال“ کی تفسیر دلالت کرتی ہے۔ جہاں تک اسے وحدت کی تا کے ساتھ مفرد بنانا یہ بہت ہی بعید ہے۔ اسی طرح برتن کا ارادہ بہت ہی بعید ہے۔ ”منہوات ابن کمال“ میں ہے جس نے یہ وہم کیا اس سے مراد وہ برتن ہے جس میں بجری ہو تو اس نے وہم کیا ہے۔

”شرنبلائی“ نے اس صورت میں اختلاف کیا ہے جب وہ یہ عمل اہل مسجد کی اجازت کے بغیر کرے۔ اگر وہ ان کی اجازت سے ایسا عمل کرے تو بالاتفاق کوئی ضمانت نہ ہوگی جس طرح اگر وہ اہل محلہ میں سے ہو اور وہ روشنی کے لیے قندیل لٹکائے اگر وہ حفاظت کی غرض سے اسے اٹھائے تو بالاتفاق ضامن ہوگا جس طرح ”شرح الجمع“ میں ہے۔ ”بزازیہ“ میں قاضی کے اذن کو اہل محلہ کے اذن کی طرح قرار دیا ہے۔

35524۔ (قوله: فِي مَسْجِدٍ غَيْرِهِ) یعنی اپنے محلہ کی مسجد کے علاوہ مسجد میں ایسا کرے اس کا منہوم آگے آئے گا۔ ظاہر یہ ہے کہ جامع مسجد اس کا حکم اپنے محلہ کے مسجد کی طرح ہے پس جس کا ذکر کیا گیا ہے اس کا ضامن نہیں ہوگا، ”ط“۔

35525۔ (قوله: وَلَوْ لِقُرْآنٍ أَوْ تَعْلِيمٍ) کیونکہ مسجد نماز کے لیے بنائی گئی ہے اور عبادت کے علاوہ اس کے تابع ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب جگہ تنگ ہو تو نمازی کو حق حاصل ہے کہ اس آدمی کو اس کی جگہ سے ہٹا دے جو ذکر، قراءت اور تدریس کے لیے بیٹھا ہوا ہے تاکہ وہ اپنی جگہ نماز پڑھے اس کے برعکس نہیں کیا جاسکتا۔

35526۔ (قوله: لَا يَضْمَنُ مَنْ سَقَطَ مِنْهُ رِذَاءٌ لِبَسَهُ) یعنی وہ چادر کسی انسان پر گر گئی اور وہ اس سے ہلاک ہو

عَلَيْهِ (أَوْ أَدْخَلَ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ الْمَذْكُورَاتِ فِي مَسْجِدِ حَيْثُ) أُمِّي مَحَلَّتِهِ لِأَنَّ تَدْبِيرَ الْمَسْجِدِ لِأَهْلِهِ دُونَ غَيْرِهِمْ فَفَعَلَ الْغَيْرُ مُبَاحٌ فَيَتَقَيَّدُ بِالسَّلَامَةِ (أَوْ جَلَسَ فِيهِ لِلصَّلَاةِ) الْحَاصِلُ أَنَّ الْجَالِسَ لِلصَّلَاةِ فِي مَسْجِدِ حَيْثُ أَوْ غَيْرِهِ لَا يَضُنُّ، وَلِغَيْرِ الصَّلَاةِ يَضُنُّ مُطْلَقًا خِلَافًا لِهَذَا، وَاسْتَظْهَرَ فِي الشُّرُوبِ الْبَلَاءِ

اس سے وہ چادر گرگئی یا اس نے ان مذکورہ چیزیں اپنے محلہ کی مسجد میں داخل کیں۔ کیونکہ مسجد کی تدبیر ان کے اہل کے ذمہ ہے کسی اور کے ذمہ نہیں غیر کا فعل مباح ہوگا۔ پس وہ سلامتی کے ساتھ مقید ہوگا یا وہ آدمی اس مسجد میں نماز کے لیے بیٹھا۔ خلاصہ یہ کہ اپنے محلے یا محلے کے علاوہ کسی دوسری مسجد میں نماز کے لیے بیٹھنے والا ضامن نہیں ہوگا اور اگر نماز کے لیے نہ بیٹھا ہو تو مطلقاً ضامن ہوگا۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اور ”شرنبلالیہ“ میں اسے ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے قول کو ظاہر روایت قرار دیا ہے

گیا یا وہ چادر گرگئی اور وہ اس سے لڑکھڑا گیا۔ ”ہدایہ“ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے پھر کہا: محمول اور ملبوس میں فرق ہے کہ شے کا حامل اس کی حفاظت کا قصد کرنے والا ہے۔ پس سلامتی کے وصف کی قید لگانے میں کوئی حرج نہیں۔ جو لباس پہننے والا ہوتا ہے وہ حفاظت کی نظر سے اسے نہیں مانتا۔ پس سلامتی کی قید لگائی جائے تو اسے حرج لاحق ہوگا۔ پس اس کو مطلق مباح قرار دیا گیا۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے مروی ہے: جب وہ ایسا کپڑا پہنے جس کو نہیں پہنا جاتا تو وہ اس کے اٹھانے والے کی طرح ہے۔ کیونکہ حاجت اسے پہننے کا تقاضا نہیں کرتی چادر کی طرح تلوار طیلسان وغیرہما ہے جس طرح ”العنایہ“ میں ہے۔

35527۔ (قوله: عَلَيْهِ) یہ ان کے قول بسببہ کے متعلق ہے اسے سقط کے متعلق کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ معنی فاسد ہو جاتا ہے، فافہم۔

35528۔ (قوله: فَفَعَلَ الْغَيْرُ مُبَاحٌ) یہ قول اس امر کو بیان کرتا ہے کہ اس مسجد کے لوگوں کا فعل مثلاً واجب ہے جب کہ اس طرح نہیں بلکہ دونوں کا فعل مباح ہے مگر اہل محلہ کا فعل مباح مطلق ہے سلامتی کے ساتھ مقید نہیں اور دوسرے کا فعل مباح ہے جو سلامتی کے ساتھ مقید ہے، ”ط“۔

35529۔ (قوله: الْحَاصِلُ أَنَّ الْجَالِسَ لِلصَّلَاةِ الْخ) ”شمس الائمہ“ نے ذکر کیا کہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ نماز کی انتظار میں بیٹھنے والا ضامن نہ ہوگا۔ اختلاف ایسے عمل میں ہے جو مسجد کے ساتھ خاص نہ ہو جس طرح قرآن کی قراءت، فقہ اور حدیث کا درس۔ ”الذخیرہ“ میں یہ ذکر کیا ہے جب وہ اس میں بات چیت کے لیے بیٹھا، یا اس میں نماز کے علاوہ کے لیے سو گیا یا اس میں سے گزرا تو ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک ضامن ہوگا۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ ضامن نہیں ہوگا۔ مگر وہ عبادت کے لیے بیٹھا جس طرح نماز کا انتظار ہو، اعتکاف یا قرآن کی تلاوت کر رہا ہو یا تدریس کے لیے یا ذکر کے لیے بیٹھے تو متاخرین نے اس میں دو قول پر اختلاف کیا ہے ضمانت ہوگی یا ضمانت نہ ہوگی، ”زیلعی“، ملخص۔

35530۔ (قوله: مُطْلَقًا) یعنی اپنے محلہ کی مسجد یا محلہ کے علاوہ کی مسجد۔

مَعْرِتًا لِلزَّيْدِيِّ وَغَيْرِهِ قَوْلُهُمَا وَقَدْ حَقَّقْتَهُ فِي شَرْحِ الْمُلْتَقَى وَفِيهِ لَوْ اسْتَأْجَرَهُ لِيَبْنِيَ أَوْ لِيُخْفِيَ لَهُ فِي فَنَاءِ حَانُوتِهِ أَوْ دَارِهِ فَتَلَفَ بِهِ الْأَجِيرُ وَإِنْ بَعْدَهُ فَعَلَى شَيْءٍ إِنْ قَبْلَ فَرَاغِهِ فَعَلَى الْأَمْرِ كَمَا لَوْ كَانَ فِي غَيْرِ فَنَائِهِ وَلَمْ يَعْلَمْ بِهِ الْأَجِيرُ فَإِنْ عَلِمَهُ فَعَلَيْهِ كَمَا لَوْ أَمَرَهُ بِالْبِنَاءِ فِي وَسْطِ الطَّرِيقِ لِفَسَادِ الْأَمْرِ، وَلَوْ قَالَ الْأَمْرُ هُوَ فَنَائِي وَلَيْسَ لِي حَقُّ الْحَفْرِ فَعَلَى الْأَجِيرِ

جب کہ اسے ”زیلعی“ وغیرہ کی طرف منسوب کیا ہے اور میں نے ”شرح الملتقی“ میں اسے ثابت رکھا ہے۔ اس میں ہے: اگر ایک آدمی نے اسے اجرت پر لیا تاکہ وہ کوئی عمارت بنائے یا اس کی دکان اور اس کے گھر کے صحن میں کوئی کنواں کھودے اس میں کوئی چیز تلف ہوگئی اگر اس کے فارغ ہونے سے پہلے تلف ہوئی تو اس کی ضمانت اجیر کے ذمہ ہوگی۔ اگر اس کے فارغ ہونے کے بعد تلف ہوئی تو اس کی ضمانت آجر کے ذمہ ہوگی جس طرح اگر یہ عمل اس کے اپنے صحن کے علاوہ میں ہو اور اجیر کو اس کا علم نہ ہو اگر اسے اس کا علم ہو تو اس کے ذمہ ہوگی جس طرح اگر وہ اسے راستہ کے درمیان کوئی شے تعمیر نہ کرنے کا حکم دے۔ کیونکہ امر فاسد ہے۔ اگر آمر کہے: یہ میرا صحن ہے اور کنواں کھودنے کا مجھے حق نہیں تو اس کی ضمانت اجیر پر ہوگی۔

35531۔ (قوله: مَعْرِتًا لِلزَّيْدِيِّ) کیونکہ انہوں نے ”حلوانی“ سے نقل کیا ہے۔ اکثر مشائخ نے ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہم کے قول کو اپنایا ہے اور اس پر فتویٰ ہے۔ ”صدر الاسلام“ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ اظہر قول وہ ہے جو ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہم نے کیا۔ کیونکہ بیٹھنا یہ نماز کی ضرورت میں سے ہے۔ پس یہ اس کے ساتھ ملحق ہوگا۔ ”یعنی“ میں ہے: ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہم کے قول کے موافق تینوں ائمہ کا قول ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، ”ط“۔

35532۔ (قوله: وَقَدْ حَقَّقْتَهُ فِي شَرْحِ الْمُلْتَقَى) اس کا حاصل یہ ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ممنوع کلام کے لیے بیٹھنے میں بالاتفاق ضمان ہوگی۔ ”فخر الاسلام“ نے جو مطلقاً قول کیا ہے اسے اس پر محمول کیا جائے گا۔ اگر کوئی شخص گھر کے فنا میں کنواں کھدوائے تو اس کا حکم

35533۔ (قوله: وَفِيهِ لَوْ اسْتَأْجَرَهُ الْخ) ”زیلعی“ وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر وہ اسے اجرت پر رکھے تاکہ اس کے گھر کے فنا میں دھنیاں، چھبناکالے اور اسے کہا: یہ میری ملکیت ہے یا میرا اس میں دھنیاں نکالنے یا راستہ کھولنے کا قدیمی حق ہے اور اجیر کو اس کا علم نہ تھا اور حقیقت حال اس کے برعکس ظاہر ہوئی اور اس کے فارغ ہونے سے پہلے یا اس کے بعد کسی انسان پر گر گیا تو ضمان مزدور کے ذمہ ہوگی۔ اور وہ قیاس و استحسان کی بنا پر آمر سے اس کا مطالبہ کرے گا۔ اگر وہ یہ خبر دے کہ دروازہ کھولنے کا کوئی حق نہیں یا اس نے مزدور کو اس بارے میں خبر نہیں دی یہاں تک کہ اس نے اسے تعمیر کر دیا اور وہ گر گیا اور کسی کو تلف کرنا اگر فراغت سے پہلے ہو تو ضامن ہوگا اور وہ آمر سے مطالبہ نہیں کرے گا۔ اگر اس کے بعد ہو تو حکم اس طرح ہوگا۔ وہ اسے امر کے فساد پر قیاس کرتے ہیں جس طرح وہ اسے راستہ میں تعمیر کرنے کا حکم دے۔ استحسان میں ہے آمر ضامن ہوگا۔ کیونکہ امر صحیح ہے کیونکہ اس کا فنا اس کا مملوک ہے۔ کیونکہ اسے اس سے نفع حاصل کرنے کا

قِيَاسًا أُنِيَ لِعَلْبِهِ بِفَسَادِ الْأَمْرِ فَمَا أَغْرَهُ وَعَلَى الْمُسْتَأْجِرِ اسْتِحْسَانًا قُلْتُ وَقَدْ قَدَّمَ هُوَ وَغَيْرُهُ الْقِيَاسَ هُنَا وَظَاهِرُهُ تَرْجِيحُهُ سَيِّمًا عَلَى دَأْبِ صَاحِبِ الْمُلْتَقَى مِنْ تَقْدِيرِهِ الْأَقْوَى فَتَأَمَّلْ (وَمَنْ حَفَرَ بِالْوَعَةِ فِي طَرِيقٍ بِأَمْرِ السُّلْطَانِ)

یہ قیاس کی بنا پر ہے۔ کیونکہ اسے امر کے فاسد ہونے کا علم ہے۔ پس مستاجر نے اسے دھوکا نہیں دیا اور مستاجر پر استحساناً ضمان واجب ہوگی۔ میں کہتا ہوں: انہوں نے اور دوسرے علما نے یہاں قیاس کو مقدم کیا ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ قیاس کو انہوں نے اسے استحسان پر ترجیح دی ہے خصوصاً صاحب ”ملتقی“ کا طریقہ ہے کہ وہ اقویٰ کو مقدم کرتے ہیں قائل۔ جس نے آب ریز راستہ میں سلطان کی اجازت سے کھودایا

حق ہے۔ ساتھ ہی سلامتی کی شرط ہے۔ اور اس حیثیت سے غیر مملوک ہے کہ اس کا بیع کرنا جائز نہیں۔ امر کے صحیح ہونے کی بنا پر فراغت کے بعد ضمان کا قرار امر پر ہوگا۔ اور فساد کے اعتبار سے فراغت سے پہلے اس کی ضمان عامل کے ذمہ ہوگی۔ اگر وہ اسے اجرت پر لے تا کہ وہ اس کے لیے اس کی غنا کے علاوہ میں کھودے تو آمر ضامن ہوگا عامل ضامن نہیں ہوگا جب یہ معلوم نہ ہو کہ یہ اس کا صحن نہیں۔ کیونکہ اس وقت امر صحیح ہے۔ پس اس کا فعل آمر کی طرف منسوب ہوگا۔ کیونکہ اس نے مزدور کو دھوکہ دیا ہے اگر مزدور کو اس کا علم ہو تو مزدور ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس میں کوئی دھوکہ نہیں۔ پس فعل اس کی طرف مضاف ہوگا اگر وہ کہے: یہ میرا صحن ہے اور اس میں مجھے کنواں کھودنے کا کوئی حق نہیں تو مزدور ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس میں دھوکہ نہیں۔ استحسان میں ہے آمر ضامن ہوگا۔ اسے ”بزاز یہ“ میں ان کاں بعد الفاء غزا مذکر کیا ہے۔

اس قول نے یہ بیان کیا کہ فراغت سے پہلے اور اس کے بعد کی تفصیل یہ صرف کنواں کھودنے میں جاری ہوگی جس طرح شارح نے یہ ذکر کیا ہے کنواں کھودنے اور دروازہ کھولنے میں فرق کی وجہ، دروازہ کھولنے میں مزدور جب آگاہ نہ ہو تو ضامن ہوگا اور وہ آمر سے مطالبہ کرے گا اور کنواں کھودنے میں اصلاً ضامن نہیں ہوگا۔ وہ یہ ہے کہ آمر متسبب ہے یا دھنیاں باہر نکالنے والا، راستہ کھولنے والا، کنواں کھودنے والے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ بھی متسبب ہے۔ اور متسبب اس وقت ضامن ہوتا ہے جب وہ تعدی کرنے والا ہو یہاں متعدی صرف آمر ہے ”اتقانی“۔ ملخص۔ ”مغرب“ میں ہے: فنا سے مراد گھروں کے سامنے جو کھلی جگہ ہوتی ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے جو اس کے اطراف میں جگہ ممتد ہوتی ہے۔

35534۔ (قوله: فَمَا أَغْرَهُ) ”شرح الملتقی“ میں جملہ اسی طرح ہے۔ فعل ہمزہ کے بغیر (یعنی باب افعال لائے

بغیر) متعدی ہے ”قاموس“ میں ہے: غره۔ اسے دھوکا دیا، ”ط“۔

35535۔ (قوله: وَظَاهِرُهُ) یعنی تقدیم جو اس سے ماخوذ ہے کہ انہوں نے قیاس کی ترجیح کو استحسان پر مقدم کیا ہے۔

یہ اگرچہ ”ملتقی“ کی عبارت میں ظاہر ہے یہ اس کے علاوہ کی عبارت میں ظاہر نہیں خصوصاً صاحب ”ہدایہ“ کی عبارت میں ظاہر نہیں کیونکہ یہ دونوں (”زیلعی“، صاحب ”ہدایہ“) معتمد قول کی دلیل کو مؤخر لاتے ہیں جب کہ صاحب ”ہدایہ“ نے

أَوْ فِي مِلْكِهِ أَوْ وَضَعَ خَشَبَةً فِيهَا) أَى الطَّرِيقِ (أَوْ قَنْطَرَةً بِلاِ إِذْنِ الْإِمَامِ وَكَذَا كُلُّ مَا فَعَلَ فِي طَرِيقِ الْعَامَّةِ (فَتَعَمَّدَ رَجُلٌ الْمُرُورَ عَلَيْهَا لَمْ يَضْمَنْ) لِأَنَّ الْإِضَافَةَ لِلْمُبَاشَرِ أَوَّلَى مِنَ الْمُتَسَبِّبِ وَبِهَذَا تَبَيَّنَ أَنَّ الْمُتَسَبِّبَ إِنَّمَا يَضْمَنْ فِي حَقِّ الْبَيْتِ وَوَضَعَ الْحَجَرَ إِذَا لَمْ يَتَعَمَّدِ الْوَاقِعُ الْمُرُورَ كَذَا فِي الْمُجْتَبَى وَفِيهِ حَقَرٌ فِي طَرِيقِ مَكَّةَ أَوْ غَيْرِهِ مِنَ الْفَيَافِي لَمْ يَضْمَنْ

اسے اپنی ملک میں کھودا یا راستہ میں لکڑی رکھی یا پل بنایا جب کہ امام سے اجازت نہ لی۔ اور اسی طرح کا حکم ہے ہر اس چیز میں جو اس نے عام راستہ میں کیا تو ایک آدمی جان بوجھ کر اس پر سے گزرا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ جو فعل کرنے والا ہے اس کی طرف اسے منسوب کرنا یہ متسبب سے عام ہے۔ اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ متسبب کنواں کھودنے اور لکڑی رکھنے میں ضامن ہوگا۔ جب گرنے والے نے جان بوجھ کر گزرنے کا ارادہ نہ کیا ہو۔ ”مجتبیٰ“ میں اسی طرح ہے۔ اس میں ہے: اس نے مکہ مکرمہ یا کسی کے راستہ یا کسی اور کے راستہ میں کھلے میدانوں میں کنواں کھودا تو کھودنے والا ضامن نہیں ہوگا۔

استحسان کو اس کی دلیل کے ساتھ موخر ذکر کیا ہے، ”ط“۔

35536۔ (قوله: أَوْ فِي مِلْكِهِ) اس طرح کا حکم ہوگا جب وہ ایسے گھر کے سامنے کے میدان، صحن میں کنواں کھودے جس میں اسے تصرف کا حق ہو۔ اسکی صورت یہ ہے کہ وہ جگہ ہر کسی کی نہ ہو اور نہ ہی گلی کے لوگوں کی مشترک ہو جو گلی بند ہو۔ ”ملتقى“ 35537۔ (قوله: وَكَذَا كُلُّ مَا فَعَلَ فِي طَرِيقِ الْعَامَّةِ) یعنی بیت الخلا، پرنا، جرصن کو باہر نکالنا، چبوترہ بنانا، روشن دان لگانا، کنواں کھودنا، سائبان تعمیر کرنا، درخت لگانا، برف پھینکنا، بیج کے لیے راستہ میں بیٹھنا اگر وہ یہ فعل اس آدمی کے امر سے بجالائے جسے امر کرنے کا حق ہو تو مامور ضامن نہ ہوگا ورنہ ضامن ہوگا۔ اسے ”العناية“ میں بیان کیا ہے۔

35538۔ (قوله: فَتَعَمَّدَ الْخ) یہ ان کے قول اور وضع خشبة الخ، پر تفریع ہے ”رملی“ نے کہا: اس کا حذف متعین ہو چکا ہے۔ کیونکہ ضمان مذکورہ تعدد سے منتهی ہو جاتی ہے اگرچہ اسے رکھنا امام کی اجازت کے ساتھ ہو۔ لیکن یہ بدرجہ اولیٰ معلوم ہو جائے گا کہ یہ ان کے بلا اذن الامام میں آجاتا ہے مگر ان کا قول فتعد یہ اپنے خلاف کے ساتھ معنی میں فساد پیدا کر دیتا ہے، تامل۔

35539۔ (قوله: لِأَنَّ الْإِضَافَةَ الْخ) یہ آخری دو مسئلوں کی تعلیل ہے اور پہلے دو کی علت تعدی کا نہ ہونا ہے، جس طرح ”التمییز“ میں ہے۔

اگر کوئی راستے میں یا کھلے میدان میں کنواں کھودے اور اس میں کوئی چیز تلف ہو جائے تو اس کا حکم 35540۔ (قوله: مِنَ الْفَيَافِي) ”قاموس“ میں ہے: الفیف سے مراد ہموار جگہ ہے یا اس سے مراد جنگل ہے جس میں کوئی پانی نہ ہو جیسے فیفاءہ ورفیفاء۔ اس کی جمع افیاف، فیوف اور فیاف آتی ہے۔

35541۔ (قوله: لَمْ يَضْمَنْ) کیونکہ اس میں وہ تعدی کرنے والا نہیں۔ کیونکہ وہ اس جگہ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے

بِخِلَافِ الْأُمُصَارِ قُلْتُ وَبِهَذَا عُرِفَ أَنَّ الْمُرَادَ بِالطَّرِيقِ فِي الْكُتُبِ الطَّرِيقُ فِي الْأُمُصَارِ دُونَ الْفَيَافِي وَالصَّحَارِي؛ لِأَنَّهُ لَا يُبْكِنُ الْعَدُوْلُ عَنْهُ فِي الْأُمُصَارِ غَالِبًا دُونَ الصَّحَارِي (وَلَوْ اسْتَأْجَرَ رَجُلٌ أَرْبَعَةَ لِحْفَرٍ بِئْرَ لَهُ فَوَقَعَتْ الْبِئْرُ عَلَيْهِمْ) جَمِيعًا (مِنْ حَفَرِهِمْ فَمَاتَ أَحَدُهُمْ فَعَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الثَّلَاثَةِ الْبَاقِيَّةِ رُبْعُ الدِّيَةِ وَيَسْقُطُ رُبُعُهَا) لِأَنَّ الْبِئْرَ وَقَعَ عَلَيْهِمْ بِفَعْلِهِمْ

شہروں کا معاملہ مختلف ہے۔ میں کہتا ہوں: اس سے یہ معروف ہو جاتا ہے کہ کتب میں طریق سے مراد شہروں میں راستہ ہے جنگلوں اور صحراؤں میں جو راستہ ہوتا ہے وہ مراد نہیں۔ کیونکہ شہروں میں پہلے سے ہٹ کر گزرنا عموماً ممکن نہیں ہوتا۔ صحراؤں کا معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ اگر ایک آدمی نے چار افراد کو اجرت پر لیا تا کہ وہ اس کے لیے کنواں کھودیں اور کنواں ان سب پر جا گرا ان کے کھودنے کی وجہ سے تو ان میں سے ایک مر گیا تو باقی ماندہ تین افراد میں سے ہر ایک پر دیت کا چوتھائی ہوگا اور اس کا چوتھائی ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ کنواں ان کے فعل کی وجہ سے ان پر گرا ہے۔

ٹھہرنے کے اعتبار سے، جانور باندھنے کے حوالے سے اور خیمہ لگانے کے حوالے سے جب کہ سلامتی کی کوئی شرط نہیں۔ کیونکہ اس میں لوگوں پر ان کے گزرنے کے حق میں کوئی ابطال نہیں۔ پس اسے نفع اٹھانے کا حق ہوگا اس حیثیت سے کہ وہ کھانا پکانے کے لیے گڑھا کھودے یا پانی کے لیے کنواں کھودے پس وہ تعدی کرنے والا نہیں ہوگا۔ ”بزازیہ“۔

35542۔ (قوله: قُلْتُ الْخ) یہ ”مجتبیٰ“ کے کلام میں سے ہے۔ ”مجتبیٰ“ میں بعض کتب سے بیابانوں میں کنواں کھودنے کی قید کو نقل کیا گیا ہے جب وہ لوگوں کی گزرگاہ نہ ہو۔ پھر دوسری کتاب سے اس قید کے بغیر نقل کیا گیا ہے۔ پھر کہا: میں کہتا ہوں یہ اسی طرح معروف ہے۔ پس یہ اس کی طرف اشارہ ہے جسے انہوں نے دوبارہ نقل کیا ہے وہ وہ ہے جس پر شارح نے اکتفا کیا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلی صورت میں وہ ضامن ہوگا اگر وہ راستہ کے بیچ میں اسے کھودے جس کے اوپر سے لوگ اور جانور گزرتے ہیں اس صورت میں وہ ضامن نہیں ہوگا اگر وہ راستہ کی دائیں جانب یا بائیں جانب اسے کھودے اس طرح کہ کوئی اس کے اوپر سے نہ گزرا ہو جب کہ ”بزازیہ“ میں ہے: ”محیط“ سے مروی ہے: دوسری صورت میں وہ مطلقاً ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے لیے یہ ممکن ہے کہ کنواں کھودنے والی جگہ سے ہٹ کر گزر جائے۔ ”طحطاوی“ نے کہا: لیکن یہ تاریکی اور گزرنے والے جانوروں کے حق میں ظاہر نہیں۔ پس مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

اگر کھدائی کے دوران کنواں مزدوروں پر گر جائے تو اس کا حکم

35543۔ (قوله: مِنْ حَفَرِهِمْ) اس کی مثل ہے اگرچہ وہ اس کی مددگار ہوں مگر جب کھودنے والا ایک ہو اور کنواں

اس پر گر پڑا جس نے اس کو کھودا ہے تو اس کا خون رائیگاں چلا جائے گا۔ ”طحطاوی“ نے ”ہندیہ“ سے انہوں نے ”المبسوط“ سے نقل کیا ہے۔

فَقَدْ مَاتَ مِنْ جِنَايَتِهِ وَجِنَايَةِ أَصْحَابِهِ فَيَسْقُطُ مَا قَابَلَ فِعْلَهُ خَائِنَةً وَغَيْرُهَا زَادَ فِي الْجَوْهَرَةِ وَهَذَا الْوَيْسُ فِي الطَّرِيقِ فَلَوْ فِي مِلْكِ الْمُسْتَأْجِرِ فَيَنْبَغِي أَنْ لَا يَجِبَ شَيْءٌ لِأَنَّ الْفِعْلَ مُبَاحٌ فَمَا يَحْدُثُ غَيْرُ مَضْمُونٍ قُلْتُ وَيُؤْخَذُ مِنْهُ جَوَابُ حَادِثَةٍ هِيَ أَنَّ رَجُلًا لَهُ كَرْمٌ وَأَرْضُهُ تَارَةٌ تَكُونُ مَمْلُوكَةً وَعَلَيْهَا الْخَرَاجُ كَأَرَاضِي بَيْتِ الْمَالِ وَتَارَةٌ تَكُونُ لِلْوَقْفِ وَتَارَةٌ تَكُونُ فِي يَدِهِ مُدَّةً طَوِيلَةً يُؤَدِّي خَرَاجَهَا

پس وہ آدمی اپنی جنایت اور اپنے ساتھیوں کی جنایت کی وجہ سے مرا ہے۔ پس دیت میں سے وہ حصہ ساقط ہو جائے گا جو اس کے فعل کے مقابل ہے ”خانیہ“ وغیرہ۔ ”جوہرہ“ میں اس کو زائد ذکر کیا ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے اگر کنواں راستہ میں ہو اگر وہ مستاجر کی ملک میں ہو تو چاہیے کہ کوئی شے واجب نہ ہو۔ کیونکہ فعل مباح ہے۔ پس جو امر وقوع پذیر ہوگا اس کی ضمانت نہ ہوگی۔ میں کہتا ہوں: اس سے ایک حادثہ کا جواب اخذ کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک آدمی ہے جس کی انگوروں کی نیل ہے اور اس کی زمین کبھی مملوکہ ہوتی ہے اور اس پر خراج ہوتا ہے جس طرح بیت المال کی زمینیں ہیں اور کبھی وقف ہوتی ہے اور کبھی ایک کے قبضہ میں طویل مدت تک رہتی ہے وہ آدمی اس کا خراج دیتا ہے

35544۔ (قوله: خَائِنَةً) اس کی عبارت ہے: کیونکہ کنواں ان لوگوں کے فعل سے واقع ہوا ہے اور وہ الگ براہ راست ان کو کھودنے والے تھے اور میت بھی خود اس فعل کو کرنے والا تھا۔ ”المنح“۔

35545۔ (قوله: فَيَنْبَغِي أَنْ لَا يَجِبَ شَيْءٌ لِأَنَّ الْفِعْلَ مُبَاحٌ) تو اس وضاحت کو جان چکا ہے کہ یہ براہ راست قتل ہے۔ پس اس میں ملک اور عدم ملک برابر ہوگی۔ پس یہ ایسی بحث ہے جو منقول کے مخالف ہے۔

35546۔ (قوله: قُلْتُ الْخ) یہ ”المنح“ میں مصنف کا قول ہے۔

35547۔ (قوله: لَهُ كَرْمٌ) الکرم سے مراد انگور ہے، ”قاموس“۔

35548۔ (قوله: وَأَرْضُهُ تَارَةٌ تَكُونُ مَمْلُوكَةً الْخ) مراد یہ ہے کہ اس کی زمین ان اشیاء میں سے کسی سے خالی نہیں ہوتی یہ معنی نہیں کہ یہ اشیاء ایک ہی زمین پر متداول ہوتی ہیں، ”ط“۔

35549۔ (قوله: كَأَرَاضِي بَيْتِ الْمَالِ) کاف تمثیل کے لیے ہے۔ اگر مملوکہ کے قول سے مراد نام مسلمانوں کی ملکیت ہو یا کاف تنظیر کے لیے ہوگا۔ اگر اس سے اس کی ملکیت ہے جس کے قبضہ میں وہ ہو یعنی اس پر خراج ہوگا جیسے بیت المال کی زمینیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ بیت المال کی اکثر زمین خراجی ہوتی ہیں، تامل۔

35550۔ (قوله: وَتَارَةٌ تَكُونُ فِي يَدِهِ الْخ) ”المنح“ میں میں نے جو کچھ دیکھا ہے وہ یہ قول ہے: وتارة تكون للوقف وتكون في يده مدة طويلة الخ یہ اولیٰ ہے۔ کیونکہ جو زمین اس کے قبضہ میں ہے۔ اسی طرح بیت المال یا وقف کی زمینیں ہیں۔

35551۔ (قوله: يُؤَدِّي خَرَاجَهَا) مناسب لفظ اجرتھا ہے۔ اگر ہم کہیں: یہ بیت المال کے لیے ہوگی کیونکہ ”فتح

وَيَنْبَلُكَ الْإِسْتِفَاعَ بِهَا بِغَرَسٍ أَوْ غَيْرِهِ فَيَسْتَأْجِرُ هَذَا الرَّجُلُ جَمَاعَةً يَخْفِرُونَ لَهُ بِئْرًا لِيَغْرِسَ فِيهِ أَشْجَارَ الْعِنَبِ وَغَيْرِهِ فَسَقَطَ عَلَى أَحَدِهِمْ هَلْ لِي وَرَثَتِهِ مُطَالَبَتُهُ بِدِيَّتِهِ قَالَ الْمُصَنِّفُ وَالْحُكْمُ فِيهَا أَوْ شَبَّهَهَا عَدَمُ وَجُوبِ شَيْءٍ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ وَكَذَا عَلَى الْأَجْرَاءِ كَمَا يُفِيدُهُ كَلَامُ الْجَوْهَرَةِ وَيُحْصَلُ إِطْلَاقُ الْفَتَاوَى عَلَى مَا وَقَعَ مُقَيَّدًا لِاتِّحَادِ الْحُكْمِ وَالْحَادِثَةِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

اور اس سے نفع حاصل کرنے کا مالک ہوتا ہے وہ درخت لگائے یا اس کے علاوہ کسی اور چیز سے نفع حاصل کرے پس یہ آدمی ایک جماعت کو اجرت پر لیتا ہے جو اس کے لیے کنواں کھودتے ہیں تاکہ وہ اس میں انگور وغیرہ کے درخت لگائے پس وہ ان میں سے ایک پر گر پڑتا ہے کیا اس کے ورثا کو اس کی دیت کے مطالبہ کا حق ہوگا۔ فتاویٰ کا اطلاق اس پر محمول کیا جائے گا جو مقید واقع ہوئے ہیں کیونکہ حکم اور حادثہ ایک ہے، واللہ اعلم۔

القدر“ میں ہے آج کل مصر کی زمینوں سے جو کچھ لیا جاتا ہے وہ اجرت ہے نہ کہ خراج ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ یہ کاشت کاروں کی مملوکہ نہیں گویا مالکوں کے آہستہ آہستہ وارث کے بغیر مرنے سے وہ بیت المال کی ہو گئی ہیں۔

35552۔ (قوله: عَلَى الْأَجْرَاءِ) اجراء کے آخر میں الف ممدودہ ہے یہ اجیر کی جمع ہے بعض نسخوں میں الّا جر ہے یعنی شروع میں مد ہے وہ اجیر ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے آپ کو اجرت پر دیا زیادہ بہتر پہلا ہے یعنی الّا جراء۔

35553۔ (قوله: كَمَا يُفِيدُهُ كَلَامُ الْجَوْهَرَةِ) یعنی ”جوہرہ“ کا سابقہ کلام۔ وہ یہ ہے: ان الفعل مباح فمباح حدث غیر مضمون۔

35554۔ (قوله: وَيُحْصَلُ إِطْلَاقُ الْفَتَاوَى) یعنی ”الّخانیہ“ وغیرہ میں ضمان کے اطلاق کو اس پر محمول کیا جائے گا جو جوہرہ کی عبارت میں ان کے قول کے ساتھ مقید واقع ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے اگر کنواں راستہ میں ہو۔ کیونکہ وہ شرط پائی جا رہی ہے جسے اصولیوں نے ذکر کیا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔ وہ حکم اور حادثہ کا اتحاد ہے یہاں حکم ضمان ہے اور حادثہ راستہ میں کنواں کھودنا ہے اس کی مثل کفارہ یمین کا کفارہ ہے۔ کیونکہ یہ آیت میں مطلق ہے۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں تابع کی قید لگائی ہے۔ پس مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ حکم، جو روزہ ہے اور حادثہ، جو کفارہ یمین ہے وہ ایک ہے۔ کیونکہ دونوں کو جمع کرنا معتذر ہے۔ اس کلام میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ یہاں کوئی نص نہیں۔ ”جوہرہ“ کا ضامن کو اس کے ساتھ مقید کرنا، جب وہ راستہ میں ہو، اس کے منافی ان کی یہ تصریح ہے کہ ضمان اس کے ذمہ ہوگی جو خود فعل کرے اگرچہ وہ ملک میں ہے۔ اسی وجہ سے ”رٹی“ نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے بحث کرتے ہوئے کہا نہ کہ نقل کرتے ہوئے اور اس کا فساد مخفی نہیں کیونکہ انہوں نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ مباشرت ہے یہ تسبب نہیں ہے۔ اور مباشرت میں بدرجہ اولیٰ نہیں دیکھا جائے گا کہ فعل اس کی ملک میں ہو جیسے ایک آدمی اپنی ملک میں تیر پھینکے اور وہ کسی شخص کو جا لگے تو وہ ضامن ہوگا تو تم نے یہ پہچان لیا کہ وہ حادثہ جس کا وقوع بار بار ہوا اس میں حکم مذکورہ کیفیت

فَرُدُّوهُ لَوْ اسْتَأْجَرَ رَبُّ الدَّارِ الْفَعْلَةَ لِإِخْرَاجِ جَنَاحٍ أَوْ ظِلَّةٍ فَوَقَعَ فَقَتَلَ إِنْسَانًا إِنْ قَبْلَ فَرَاغِهِمْ مِنْ عَمَلِهِ
فَالْقَسَانُ عَلَيْهِمْ؛ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ لَمْ يَكُنْ مُسْلِمًا لِرَبِّ الدَّارِ، وَيُضْمَنُ لَوْ رَشَّ الْمَاءَ بِحَيْثُ يَزْلُقُ وَاسْتَوْعَبَ
الطَّرِيقَ وَلَوْ رَشَّ فَنَاءً حَانُوتٍ بِإِذْنِ صَاحِبِهِ فَالْقَسَانُ عَلَى الْإِمْرِ اسْتِحْسَانًا وَتَسَامُهُ فِي الْمُلْتَقَى وَاللَّهُ
تَعَالَى أَعْلَمُ

فروع: اگر گھر کے مالک نے مزدور اجرت پر لیے تاکہ وہ چھجایا چھتا نکالے پس وہ گر گیا تو اس نے ایک انسان کو قتل کر دیا
اگر یہ ان مزدوروں کے عمل سے فارغ ہونے سے پہلے ہو تو ان پر ضمان ہوگی۔ کیونکہ اس وقت وہ مالک کے سپرد نہیں ہوا
تھا اور وہ ضامن ہوگا اگر وہ اس قدر پانی کا چھڑکاؤ کرے کہ آدمی پھسل جائے اور وہ پورے راستہ کو محیط ہوا اگر وہ دکان کی
فنا پر اس کے مالک کی اجازت سے چھڑکاؤ کرے تو ضمان بطور استحسان آمر کے ذمہ ہوگی۔ اس کی مکمل بحث ”الملتقی“
میں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

میں اجراء پر واجب ہوگا، ملخص۔

35555۔ (قولہ: فَرُدُّوْهُ) بعض نسخوں سے یہ ساقط ہے ہم اس پر پہلے گفتگو کر چکے ہیں، واللہ تعالیٰ

فَضْلٌ فِي الْحَائِطِ الْمَائِلِ

(مَالٌ حَائِطٌ إِلَى طَرِيقِ الْعَامَّةِ ضَمِنَ رَبُّهُ) أَمَى صَاحِبُهُ (مَا تَلَفَ) بِهِ مِنْ نَفْسِ إِنْسَانٍ أَوْ حَيَوَانٍ أَوْ مَالٍ
(إِنْ طَالَبَ رَبُّهُ) حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا كَالْوَقْفِ وَالْقَيْمِ وَلَوْ حَائِطُ الْمَسْجِدِ فَتَضَمَّنَ عَاقِلَةً الْوَقْفِ

دیوار کے احکام

ایک دیوار عام راستہ کی طرف جھکی ہوئی ہے اس کی وجہ سے جو بھی شے تلف ہوگی اس دیوار کا مالک اس کا ضامن ہوگا وہ انسان ہو، حیوان ہو یا مال ہو اگر اس کے حقیقی یا حکمی مالک سے مطالبہ کرے۔ حکمی سے مراد واقف اور نگران ہے۔ اگر وہ دیوار مسجد کی ہو تو واقف کی عاقلہ اس کی ضامن ہوگی۔

35556۔ (قولہ: مَالٌ حَائِطٌ) یعنی دیوار اس سے جھک گئی جو اس کی اصل ہے یعنی استقامت وغیرہ جو دیوار میں اصل ہے۔ پس مال کا لفظ ٹوٹی ہوئی اور کمزور کو شامل ہوگا، ”قہستانی“۔ اسی طرح بالا خانہ ہے جب وہ ٹوٹ جائے تو پختی منزل والے بالا خانے والوں پر گواہیاں قائم کریں۔ اسی طرح دیوار ہے اس کا اوپر والا حصہ ایک آدمی کا ہے اور نیچے والا کسی اور کا ہے۔ ”تاترخانیہ“ میں اس پر نص قائم کی ہے جب کہ ”نوازل“ سے نقل کیا ہے، ”رملی“۔

35557۔ (قولہ: إِلَى طَرِيقِ الْعَامَّةِ) یعنی عام لوگوں یا خاص لوگوں کے راستے کی طرف۔ پس یہ کلام اکتفا کے قبیل سے تعلق رکھتی ہے، ”قہستانی“۔ لیکن دونوں کے درمیان بعض احکام میں فرق ہے جس طرح آگے آئے گا۔

35558۔ (قولہ: أَوْ مَالٍ) یعنی حیوان کے علاوہ مال ہو۔ کیونکہ مال نفس کے تحت داخل ہے۔ اگر نفس سے مراد نفس کاملہ لے تو وہ انسان کا نفس ہے اور مال سے مراد ہے جو حیوان کو عام ہو تو یہ آنے والے قول کے موافق ہو جاتا۔ پھر نفوس میں سے جو تلف ہوگا تو وہ عاقلہ کے ذمہ ہوگا۔ کیونکہ حیوان کی ضمانت ان کے ذمہ نہیں ہے بلکہ وہ اس کے مال میں ہے، ”رحمتی“۔

35559۔ (قولہ: إِنْ طَالَبَ رَبُّهُ) لفظ رب منصوب ہے یہ طالب کا مفعول ہے اس کا فاعل مصنف کا آنے والا قول مکلف ہے۔ مطالبہ یہ ہے کہ وہ اس کو کہے: تیری یہ دیوار خوفناک ہے یا کہے: تیری یہ دیوار جھکی ہوئی ہے اس کو توڑ دو یا اس کو گرا دو یہاں تک کہ وہ ساقط نہ ہو یا کسی شے کو تلف نہ کرے۔ اگر وہ کہے: چاہیے کہ تو اس کو گرا دے یہ مشورہ ہے، ”عنایہ“۔

35560۔ (قولہ: أَوْ حُكْمًا) اس حیثیت سے کہ وہ اس ضرر کو اٹھانے پر قادر ہے۔

35561۔ (قولہ: فَتَضَمَّنَ عَاقِلَةً الْوَقْفِ) یعنی دونوں صورتوں میں واقف کی عاقلہ ضامن ہوگی۔ کیونکہ نگران تو واقف کا نائب ہے۔ پس نگران پر گواہیاں قائم کرنا یہ واقف پر گواہیاں قائم کرنا ہے جس طرح ولی پر گواہیاں قائم کرنا یہ اس پر گواہیاں قائم کرنا ہے جو اس کی دلالت کے تابع ہے جیسے صغیر اور مجنون۔ ”رملی“ نے کہا: واقف کی عاقلہ کا مواخذہ ہوگا اگر ان کی

وَكَالْتَقِيمِ الْوَلِيِّ وَالرَّاهِنِ وَالْمُكَاتَّبِ وَالْعَبْدُ الشَّاجِرُ وَكَذَا أَحَدُ الشُّرَكَاءِ وَلَوْ الْوَرِثَةُ

اور نگران کی طرح ولی، راہن، مکاتب اور تاجر غلام ہے۔ اس طرح شرکاء میں سے ایک ہے اگرچہ وہ وارث ہوں

عاقلہ ہو مگر یہ مواخذہ ان میں مملوکہ میں ہوگا جس کی ذمہ دار عاقلہ ہوتی ہے۔ اگر اس کی عاقلہ نہ ہو یا وہ ایسا امر ہے جس کی عاقلہ ذمہ دار نہیں ہوتی تو نہ نگران کا مواخذہ ہوگا اور نہ ہی وقف کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ کیونکہ وقف ایسی چیز ہے جس کا کوئی ذمہ نہیں۔
35562۔ (قولہ: وَكَالْتَقِيمِ الْوَلِيِّ) یعنی جسے ولایت حاصل ہو وہ باپ ہو، دادا ہو یا وصی ہو۔ ”ہدایہ“ میں ماں کو زائد ذکر کیا ہے۔ پھر کہا: کیونکہ ان لوگوں کا فعل اس کے فعل کی طرح ہے معنی وصی اور ماں کا فعل بچے کے فعل کی طرح ہے۔ ان کے سامنے گواہیاں پیش کرنا اسی طرح ہے جس طرح بالغ ہونے کے بعد اس بچے کے سامنے معاملہ پیش کیا جائے، ”عنایہ“ متاثر۔
”الدر المنبتی“ میں ہے: اگر چھوٹے بچے کی دیوار اس کے ولی سے مطالبہ کے بعد گر گئی تو ضمان بچے کے مال سے ہوگی۔
اگر وہ مطالبہ کے بعد بالغ ہو جائے یا مطالبہ کے بعد ولی مر جائے تو اس کے بعد گرنے کی صورت میں وہ ضامن نہیں ہوگا جس طرح ”عمادیہ“ وغیرہ میں ہے۔

35563۔ (قولہ: وَالرَّاهِنِ) کیونکہ وہ مالک ہے مرتہن مالک نہیں اور راہن گرانے پر قادر ہے یعنی عین کو آزاد کرانے کے ساتھ اور دوبارہ اس کو مرتہن کے قبضہ میں دینے کے ساتھ اسی طرح جس نے اجارہ پر وہ دیوار دے رکھی ہے اس کے سامنے گواہیاں پیش کرنے کا معاملہ ہے۔ کیونکہ عذر کے ساتھ فسخ کر دیا جاتا ہے۔ یہ ایک عذر ہے۔ ”طحاوی“ نے ”جوہرہ“ سے نقل کیا ہے۔

35564۔ (قولہ: وَالْمُكَاتَّبِ) کیونکہ وہ اس کو توڑ دینے کا مالک ہے۔ اگر کوئی آدمی اس کی وجہ سے مر جاتا ہے تو وہ اس کی قیمت اور مقتول کی دیت میں سے جو کم ہوگا اس میں سعی کرے گا یا مال ہلاک ہو جائے تو اس کی قیمت میں سعی کرے گا وہ جہاں بھی پہنچ جائے۔ وہ حقیقی جنایت پر قیاس کرتے ہیں جس طرح ”قہستانی“ میں ”کرمانی“ سے مروی ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے اگر تلف کتابت کی بقا کی حالت میں ہو۔ اگر وہ اس کی آزادی کے بعد ہو تو دیت اس کے آقا کی عاقلہ پر ہوگی۔ اگر اس کے عاجز آنے کے بعد اس شے کا تلف ہو تو کسی پر کوئی شے واجب نہ ہوگی اور دم رائیگاں چلا جائے گا۔ کیونکہ مکاتب قادر نہیں ہے اور مولیٰ پر گواہ قائم نہیں کیے گئے جس طرح ”المنح“ وغیرہ میں سے ”برجندی“ میں ”قاضی خان“ سے مروی ہے۔ اگر وہ آقا پر گواہ بنائے تو بھی گواہ بنانا صحیح ہوگا، ”در منبتی“۔

35565۔ (قولہ: وَالْعَبْدُ الشَّاجِرُ) اسے توڑ دینے کی ولایت حاصل ہے وہ مدیون ہو یا مدیون نہ ہو اگر اس سے کوئی آدمی مر جائے تو مولیٰ کی عاقلہ پر ضمانت ہوگی یا مال ہلاک ہو جائے تو اس کی گردن میں اس کی ضمانت ہوگی یعنی اس کے ذمہ ہوگی یہاں تک کہ اس غلام کو اس میں بیچ دیا جائے گا۔ ”در منبتی“۔

35566۔ (قولہ: وَكَذَا أَحَدُ الشُّرَكَاءِ) یعنی اس کی طرف منسوب ہونے کے اعتبار سے پس وہ صرف اپنے حصہ

اسْتَحْسَانًا نَعَمْ فِي الظَّهْرِ لَوْ مَاتَ رَبُّهُ عَنْ ابْنٍ فَقَطَّ وَدَيْنٌ مُسْتَعْرِقٍ صَحَّ الْإِشْهَادُ عَلَى الْإِبْنِ وَإِنْ لَمْ يَنْدِكَ الدَّارُ بَرْجُنْدِيٍّ وَغَيْرُهُ (بِنَقْضِهِ مُكَلَّفٌ مُسْلِمٌ أَوْ ذِمِّيٌّ) يَعْنِي مِنْ أَهْلِ الطَّلَبِ فَيُشْتَرَطُ فِي الصَّبِيِّ وَالْعَبْدِ إِذْنُ وَلِيِّهِ وَمَوْلَاهُ بِالْخُصُومَةِ زَيْلَعِيٍّ (حُرٌّ أَوْ مُكَاتَّبٌ وَإِنْ لَمْ يُشْهَدْ)

یہ بطور استحسان ہے۔ ہاں ”ظہیریہ“ میں ہے: اگر اس دیوار کا مالک صرف ایک بیٹا اور ایسا دین چھوڑ کر مر گیا جو دین اس کے تمام ترکہ کو محیط ہے تو بیٹے پر گواہ بنانا صحیح ہے اگرچہ بچہ اس گھر کا مالک نہ ہو ”برجندی“ وغیرہ۔ (اس کے مالک سے) اس کے توڑنے کا مطالبہ کرے ایسا مکلف جو مسلمان ہے یا ذمی ہے یعنی مطالبہ کرنے والا اہل طلب میں سے ہو۔ پس بچے اور غلام کی جانب سے خصومت میں اس کے ولی اور اس کے آقا کی اجازت شرط ہے۔ (یعنی مطالبہ کرنے والا) وہ آزاد ہو یا مکاتب اگرچہ وہ اس پر گواہ نہ بنائے

کے مطابق ضامن ہوگا جس طرح متن میں آگے آئے گا۔

35567۔ (قولہ: اسْتَحْسَانًا) کیونکہ وہ اس کا طریقہ اپنانے کے ساتھ اس پر قادر تھا وہ طریقہ یہ ہے کہ شرکاء کے مطالبہ سے وہ قاضی کے سامنے مسئلہ رکھ دیتا۔ پس وہ کوتاہی کرنے والا ہو گیا۔ پس وہ اس کے حصہ کے مطابق اس کا ضامن ہو گا۔ قیاس میں ہے وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اکیلا اس کو توڑنے پر قادر نہیں تھا۔ ”اتقانی“۔

35568۔ (قولہ: نَعَمْ فِي الظَّهْرِ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان کے قول طالب ربہ پر استدراک ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ یہ ان کے قول او حکما کے تحت داخل ہے۔ کیونکہ گھرمیت کا ہے۔ اسی وجہ سے اس کے دیون ادا کیے جاتے ہیں اور وارث اس کا خلیفہ ہے۔ اسی وجہ سے اسے یہ حق حاصل ہے کہ گھر لے لے اور اپنے مال سے اس کے دیون ادا کرے۔ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے: یہ ان کے قول احد الشرکاء پر استدراک ہے۔ کیونکہ ان کے قول عن ابن فقط کی قید سے یہ سمجھ آتا ہے کہ اگر وارث متعدد ہوں تو گواہ بنانا صحیح نہ ہوگا، تاہل۔ شاید قید اتفاقی ہے۔

35569۔ (قولہ: صَحَّ الْإِشْهَادُ) گواہ بنانا صحیح ہوگا اور دیت باپ کی عاقلہ پر ہوگی بیٹے کی عاقلہ پر نہ ہوگی جس طرح ”المنح“ میں ہے۔

35570۔ (قولہ: بِنَقْضِهِ) یہ طالب کے متعلق ہے اور مکلف اس کا فاعل ہے۔

35571۔ (قولہ: يَعْنِي مِنْ أَهْلِ الطَّلَبِ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مولف سے مراد وہ ہے جسے مطالبہ کا حق ہے اگرچہ وہ بچہ ہو نہ کہ وہ مراد ہے جو بالغ ہو۔ لیکن ”زیلعی“ میں ہے کہ غلام اور بچے اجازت کے ساتھ آزاد بالغ کے ساتھ لاحق ہو جاتے ہیں، تاہل۔

35572۔ (قولہ: وَإِنْ لَمْ يُشْهَدْ) اگر اس نے دیوار گرانے کے مطالبہ پر گواہ نہ بنائے ”زیلعی“ نے کہا گواہ بنانے کا ذکر کیا ہے تاکہ اس کے انکار یا اس کی عاقلہ کے انکار پر اس کو ثابت کرنا ممکن ہو تو یہ احتیاط کے باب میں سے ہوگا شرط کے

وَلَا يَصِحُّ الطَّلَبُ قَبْلَ الْمِيلِ لِعَدَمِ التَّعْدِي (وَالْحَالُ أَنَّهُ لَمْ يَنْقُضْهُ) وَهُوَ يَنْدِكُ نَقْضُهُ فِي مُدَّةٍ يَقْدِرُ عَلَى نَقْضِهِ فِيهَا لِأَنَّ دَفْعَ الضَّرَرِ الْعَامِّ وَاجِبٌ ثُمَّ مَا تَلَفَ بِهِ مِنَ النَّفُوسِ فَعَلَى الْعَاقِلَةِ وَمِنْ الْأَمْوَالِ فَعَلَيْهِ لِأَنَّ الْعَاقِلَةَ لَا تَعْقِلُ الْبَال، وَلَا ضَمَانَ إِلَّا بِالشَّهَادَةِ عَلَى ثَلَاثَةِ أَشْيَاءَ عَلَى التَّقَدُّمِ إِلَيْهِ،

اور جب تک دیوار نہ جھکے تو دیوار گرانے کا مطالبہ صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ تعدی نہیں پائی گئی۔ حال یہ ہے کہ اس نے دیوار کو نہ توڑا جب کہ وہ اتنی مدت میں اس کو توڑنے کا مالک ہوگا جس مدت میں وہ اس کے توڑنے پر قادر ہو۔ کیونکہ عام ضرر کو دور کرنا یہ واجب ہے۔ اس کے بعد پھر جو اس سے نفوس تلف ہوں تو ضمان عاقلہ کے ذمہ ہوگی اور اموال میں سے جو تلف ہو تو ضمان اس پر لازم ہوگی۔ کیونکہ عاقلہ مال کی ضامن نہیں ہوتی۔ اور ضمان لازم نہ ہوگی مگر تین چیزوں پر گواہ بنائے دیوار گرانے کا اس سے مطالبہ کیا ہو،

طریقہ پر نہ ہوگا۔

35573۔ (قوله: وَلَا يَصِحُّ الْخ) اس کا ذکر عنقریب متن میں آئے گا۔

35574۔ (قوله: وَالْحَالُ الْخ) ”ذوالحال“ ضمن کا فاعل ہے یا طالب کا مفعول ہے۔

35575۔ (قوله: وَهُوَ يَنْدِكُ نَقْضُهُ) اس جملہ سے ما بعد کلام سے استغنا حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ یہ کلام ہے: ولو

تقدم الخ۔

35576۔ (قوله: فِي مُدَّةٍ يَقْدِرُ عَلَى نَقْضِهِ فِيهَا) اگر وہ مطالبہ کے بعد ان کی تلاش میں گیا جو اس کو گرا دیں وہ اس کوشش میں تھا کہ وہ دیوار گر گئی تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ مزدوروں کے لانے پر قدرت کا عرصہ شرع میں اسی سے مستثنیٰ ہوگا، ”تہستانی“۔

35577۔ (قوله: لِأَنَّ دَفْعَ الضَّرَرِ الْعَامِّ وَاجِبٌ) یہ مصنف کے سابقہ قول ضمن ربہ کی علت ہے یعنی اگر ہم اس پر ضمان واجب نہیں کریں گے تو وہ اس سے فارغ ہونے سے رکا رہے گا اور کتنی ہی خاص ضرر ہوتی ہیں عام ضرر کو دور کرنے کے لیے اس کو برداشت کرنا واجب ہوتا ہے۔

35578۔ (قوله: مِنَ النَّفُوسِ) مراد زندہ لوگ ہیں اس کا قرینہ ان کا یہ قول ہے: لَانِ الْعَاقِلَةَ لَا تَعْقِلُ الْأَمْوَالِ، ”ط“۔ نفوس سے مراد وہ ہے جو اموال کے مقابل ہو۔ پس حیوان خارج ہو جائے گا اور نفس سے کم اس میں داخل ہو جائے گا۔

35579۔ (قوله: فَعَلَى الْعَاقِلَةِ) یعنی دیوار کے مالک کی عاقلہ پر۔

35580۔ (قوله: وَلَا ضَمَانَ الْخ) یعنی عاقلہ پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ اگر عاقلہ ان تین میں سے کسی ایک کا انکار کر دے اور گھر کا مالک ان کا اقرار کرے تو ضمان اس کے مال میں لازم ہو جائے گی، ”طوری“، ملخص۔

35581۔ (قوله: عَلَى التَّقَدُّمِ إِلَيْهِ) اس سے دیوار کو توڑنے کا مطالبہ جو اس کا مالک ہو۔

وَعَلَى الْهَلَاكِ بِالسُّقُوطِ عَلَيْهِ، وَعَلَى كَوْنِ الْجِدَارِ مِلْكَالَهُ مِنْ وَقْتِ الْإِشْهَادِ إِلَى وَقْتِ السُّقُوطِ وَلِذَا قَالَ (وَلَوْ تَقَدَّمَ إِلَى مَنْ) لَا يَبْلُغُ نَقْضَهُ مِمَّنْ (يَسْكُنُهَا بِإِجَارَةٍ أَوْ إِعَارَةٍ أَوْ إِلَى الْمُرْتَهِنِ أَوْ إِلَى الْمُودَعِ لَا يُعْتَدُ بِهِ) لِعَدَمِ قُدْرَتِهِمْ عَلَى التَّصَرُّفِ وَحِينَئِذٍ فَلَوْ سَقَطَ بَعْدَ التَّقَدُّمِ لَبُنْ ذِكْرُ (وَأَتْلَفَ شَيْئًا فَلَا ضَمَانَ أَصْلًا) لَا عَلَى سَاكِنٍ وَلَا مَالِكٍ (كَمَا لَوْ خَرَجَ) الْحَائِطُ (عَنْ مِلْكِهِ بِيَعٍ) أَوْ غَيْرِهِ كَهَبَةِ حَاوِي قُدْسِيَّ وَكَذَلِكَ الْوَجْنُ مُطَبَّقًا أَوْ ارْتَدَّ وَلِحَقِّ وَحُكْمِ بِلْحَاقِهِ

دیوار کے گرنے سے اس کی ہلاکت ہوئی اور تیسری یہ کہ دیوار گواہ بنانے سے لے کر اس کے گرنے تک اس کی ملکیت رہی ہے۔ اگر دیوار گرانے کا مطالبہ اس شخص کے سامنے پیش کیا گیا جو دیوار توڑنے کا مالک نہیں تھا وہ ان لوگوں میں سے ہے جو اس میں اجارہ یا عارہ کے طور پر رہتے ہیں یا اس کا مطالبہ مرتہن کے سامنے پیش کیا گیا یا مودع کے سامنے پیش کیا گیا تو اس کا کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ کیونکہ ان لوگوں کو تصرف پر قدرت حاصل نہیں اس وقت اگر ان لوگوں کے سامنے مطالبہ پیش کرنے کے بعد دیوار گر گئی جن کا ذکر ہو چکا ہے اور کسی شے کو تلف کر دے تو نہ اس میں رہائش رکھنے والے پر ضمانت ہوگی اور نہ ہی مالک پر ضمانت ہوگی جس طرح دیوار بیع وغیرہ جیسے ہبہ کے ساتھ اس کی ملک سے نکل جائے، ”حاوی قدسی“۔ اسی طرح کا حکم ہوگا یعنی ضمانت ہوگی اگر دیوار کے مالک کو ایسا جنون ہو گیا جس میں افاقہ نہیں ہوتا یا وہ مرتد ہو گیا اور دارالحرب چلا گیا اور اس پر دارالحرب چلے جانے کا حکم لگا دیا گیا۔

35582۔ (قوله: عَلَيْهِ) ضمیر سے مراد ہلاک ہونے والا ہے۔

35583۔ (قوله: وَعَلَى كَوْنِ الْجِدَارِ مِلْكَالَهُ) کیونکہ گھر کا اس کا قبضہ میں ہونا ظاہر ہے۔ اور ظاہر کے ساتھ غیر پر استحقاق ثابت نہیں ہوتا، ”غایہ“۔

35584۔ (قوله: وَلِذَا) یعنی اس وجہ سے کہ گھر اس کی ملکیت میں ہونا شرط ہے، الخ، ”ط“۔

35585۔ (قوله: وَلَا مَالِكٍ) کیونکہ اس کے سامنے گواہ نہیں بنائے گئے، ”ط“۔

35586۔ (قوله: عَنْ مِلْكِهِ) یعنی اس کی ولایت ہے تاکہ یہ ان کے اس قول و کذا الوجن کو شامل ہو جائے، تامل۔

35587۔ (قوله: كَهَبَةِ) ظاہر یہ ہے کہ اس میں سپرد اور حوالے کرنا ضروری ہے یہاں تک گواہ بنانا باطل ہو جائے کیونکہ سپرد کرنے سے قبل اس کا کوئی حکم نہیں۔

35588۔ (قوله: وَكَذَلِكَ الْوَجْنُ) یعنی گواہ بنانے کے بعد اسے جنون ہو جائے۔

35589۔ (قوله: مُطَبَّقًا) مطبق کی قید لگائی ہے تاکہ مقطع (جن کو کبھی کبھی جنون سے افاقہ ہو جاتا ہے، دائمی نہ ہو) کو خارج کیا جائے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے یہ گواہ بنانے کے عمل کو باطل نہیں کرتا جب وہ جنون کے بعد اور گواہیاں بنانے کے بعد کوئی شے تلف کرے گا تو غیر مطبق مجنون اس سے اس شے کی ضمانت لی جائے گی، ”ط“۔

ثُمَّ عَادَ أَوْ أَفَاقَ خَائِنَةً (بَعْدَ الْإِشْهَادِ وَلَوْ قَبْلَ الْقَبْضِ) لِزَوَالِ وَلَايَتِهِ بِالْبَيْعِ وَنَحْوِهِ وَإِنْ عَادَ مِلْكُهُ بَعْدَهُ حَاوِي وَخَائِنَةً بِخِلَافِ الْجَنَاحِ لِبَقَاءِ فِعْلِهِ كَمَا مَرَّ (وَإِنْ مَالَ إِلَى دَارِ إِنْسَانٍ) مِنْ مَالِكٍ أَوْ سَاكِنٍ بِإِجَارَةٍ أَوْ غَيْرِهَا

پھر وہ واپس لوٹ آیا یا اسے جنون سے افاقہ ہو گیا ”خانیہ“۔ یہ گواہیاں قائم کرنے کے بعد ہو اگرچہ قبضہ سے پہلے ہو۔ کیونکہ بیع وغیرہ سے اس کی ولایت زائل ہو چکی ہے اگرچہ اس کے بعد اس کی ملکیت لوٹ آئے ”حادی“، ”خانیہ“۔ جناح کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کا فعل باقی ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ اگر دیوار کسی انسان کے گھر کی طرف جھک جائے وہ انسان اس گھر کا مالک ہو یا وہ اس میں اجارہ یا کسی اور طریقہ سے سکونت پذیر ہو

35590۔ (قوله: ثُمَّ عَادَ) یعنی وہ مسلمان کی حیثیت میں واپس لوٹ آیا اور اس کا گھر اس پر لوٹا دیا گیا، ”خانیہ“۔ یا اسے اس کے جنون سے افاقہ ہو گیا۔ اس میں لف نشر غیر مرتب ہے یعنی وہ ضامن نہیں ہوگا مگر جب آئندہ زمانہ میں گواہ بنائے جائیں تب وہ ضامن ہوگا۔

35591۔ (قوله: وَلَوْ قَبْلَ الْقَبْضِ) یعنی مشتری بیع کو قبضہ میں لے لے پس قبضہ کرنا شرط نہ ہوگا جس طرح عام کتب میں ہے۔ اور ”ہدایہ“ میں جو اس کی قید لگائی گئی ہے وہ ”اتفاقی“ ہے، ”قہستانی“ نے یہ بیان کیا ہے۔

35592۔ (قوله: لِزَوَالِ وَلَايَتِهِ) یعنی اس کی روایت توڑنے کی ملکیت سے زائل ہو چکی ہے یہ اس عدم ضمان کی علت ہے جو ان کے قول کما لو خرج عن ملكه اور اس کے بعد جو قول ہے اس کی علت ہے۔

35593۔ (قوله: وَنَحْوِهِ) یعنی ہبہ، جنون اور ارتداد وغیرہ سے، فافہم۔

35594۔ (قوله: وَإِنْ عَادَ مِلْكُهُ) یعنی مسلمان کی حیثیت سے لوٹ آنے یا اس کے افاقہ کی وجہ سے اس کی ولایت کے لوٹ آنے کی صورت میں بیع میں معاملہ اسی طرح ہے۔

”قہستانی“ نے کہا: بیع کا اطلاق اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اگر اسے بائع پر قاضی کے فیصلہ یا اس کے علاوہ سے یا مشتری کے اختیار شرط یا اختیار رویت کی بنا پر لوٹا دیا گیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا مگر جب لوٹنے کے بعد اس سے (اس دیوار کے توڑنے کا) مطالبہ کیا گیا ہو جب اختیار شرط بائع کو ہو۔ اگر وہ بیع کو توڑ دے پھر دیوار گر جائے اور اس کا گرنا کسی شے کو تلف کر دے تو وہ ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ بائع کا اختیار درست کرنے کے اختیار کو باطل نہیں کرتا۔ پس یہ گواہ بنانے کے عمل کو باطل نہیں کرے گا۔ اگر بائع اپنے اختیار کو باطل کر دے تو گواہ بنانے کا عمل بھی باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے دیوار کو اپنی ملک سے زائل کر دیا ہے، ”منح“۔

35595۔ (قوله: بِخِلَافِ الْجَنَاحِ) اس کی ملکیت کے زائل ہونے سے ضمان زائل نہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں جنایت اس کے رکھنے یعنی وہ بنانے سے واقع ہوتی ہے جب کہ وہ باقی ہے اور دیوار میں جنایت نہ توڑنے کے ساتھ ہے اور جب دیوار پر اس کی ملکیت نہ رہی تو اسے توڑنے پر قدرت باقی نہ رہی پس جنایت زائل ہوگئی۔

فَالِإِضَافَةُ لِأَذْنِي مُلَابَسَةٍ قُهِسْتَانِي (فَالطَّلَبُ إِلَيْهِ) لِأَنَّ الْحَقَّ لَهُ (فَيَصِحُّ تَأْجِيلُهُ وَإِبْرَاؤُهُ مِنْهَا) أَمَّا مِنْ الْجَنَائِيَةِ (وَإِنْ مَالَ إِلَى الطَّرِيقِ فَأَجَلُهُ الْقَاضِي أَوْ مَنْ طَلَبَ) التَّقْضَ (لَا يَبْرَأُ لِأَنَّهُ بِحَقِّ الْعَامَّةِ وَتَصَرَّفُ الْقَاضِي فِي حَقِّ الْعَامَّةِ نَافِذٌ فِيمَا يَنْفَعُهُمْ لَا فِيمَا يَضُرُّهُمْ ذَخِيرَةٌ بِخِلَافِ تَأْجِيلٍ مَنْ بِالذَّارِ وَلَوْ مَالَ بَعْضُهُ لِلطَّرِيقِ وَبَعْضُهُ لِلذَّارِ فَأَمَّا طَلَبُ صَحِّ الطَّلَبِ لِأَنَّهُ إِذَا صَحَّ الْإِشْهَادُ فِي الْبَعْضِ صَحَّ فِي الْكُلِّ بَرُّ جُنْدِي (فَإِنْ بُنِيَ مَائِلًا ابْتِدَاءً ضَمِنَ بِلَا طَلَبٍ كَمَا فِي إِشْرَاعِ الْجَنَاحِ وَنَحْوِهِ) كَيْزَابٍ لِتَعَدِّيهِ بِهِ (حَائِطٌ بَيْنَ خُمُسَةِ أَشْهَدَ عَلَى أَحَدِهِمْ فَسَقَطَ عَلَى رَجُلٍ ضَمِنَ) عَاقِلَتُهُ (خُمُسَ الدِّيَةِ)

یہاں (دار انسان میں) اضافت ادنی تعلق کی بنا پر ہے ”قہستانی“۔ تو دیوار کے گرانے کے مطالبہ کا حق اس کو حاصل ہوگا۔ پس اسے مہلت دینا اور جنایت سے بری کرنا صحیح ہوگا۔ اگر وہ دیوار راستہ کی طرف جھکی ہوئی ہو تو قاضی نے اور جس نے اس دیوار کے توڑنے کا مطالبہ کیا تھا اس نے اسے مہلت دی تو وہ بری نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ عام لوگوں کا حق ہے اور قاضی کا عام لوگوں کے حق میں تصرف نافذ ہے ان امور میں جو انہیں نفع دے ان امور میں نافذ نہیں ہوگا جو انہیں نقصان دے ”ذخیرہ“۔ جو گھر کا مالک ہے وہ مہلت دے تو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر دیوار کا بعض حصہ راستہ کی طرف اور اس کا بعض حصہ گھر کی طرف جھک جائے تو جو بھی اس دیوار کے توڑنے کا مطالبہ کرے گا طلب صحیح ہوگی۔ کیونکہ جب بعض میں گواہ بنانا صحیح ہے تو کل میں گواہ بنانا صحیح ہوگا۔ اگر وہ ابتدا سے ہی جھکی ہوئی دیوار بنائے تو بغیر مطالبہ کے ضامن ہوگا جس طرح چھجا وغیرہ دیوار سے باہر نکالنے کا معاملہ ہے جیسے پر نالہ۔ کیونکہ وہ باہر نکالنے کے ساتھ تعدی کرنے والا ہے ایک دیوار پانچ افراد میں مشترک ہے اس نے ان میں سے ایک پر گواہ بنا دیے تو وہ دیوار کسی پر گر گئی تو اس کی عاقلہ دیت کے پانچویں حصہ کی ضامن ہوگی

35596۔ (قوله: فَالِإِضَافَةُ لِأَذْنِي مُلَابَسَةٍ) یعنی ادنی تعلق اور ادنی وابستگی ہے جیسے کوکب الخرقاء کی اضافت میں

ہے جو ایک شعر میں ہے۔

إذا كوكب الخرقاء لاح بسحرة سهيل اذاعت غزلها في الارقاب

جو نہی خرقاء کا ستارہ جو سہیل ہے سحری کے وقت ظاہر ہوا تو اس نے اپنا سوت قریبی عورتوں میں تقسیم کر دیا۔

35597۔ (قوله: فَالطَّلَبُ إِلَيْهِ) زیادہ بہتر لہ ہے یعنی مالک اور رہائش رکھنے والے۔ اگر وہ دیوار اس گلی کی طرف

جھکی ہوئی ہو جو آگے سے بند ہے تو خصومت کا حق اس گلی والوں میں سے کسی کے لیے ہوگا، ”اتقانی“۔

35598۔ (قوله: وَإِنْ مَالَ إِلَى الطَّرِيقِ الْخ) آنے والی تعلیل کا ظاہر یہ ہے کہ مراد عام راستہ ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ

خاص راستہ کا یہی حکم ہے۔ پس ضروری ہے کہ ہر ایک اس کو مہلت دے اور ہر ایک کا بری کرنا صحیح ہو، تامل۔

35599۔ (قوله: وَلَوْ مَالَ الْخ) ”خانہ“ میں کہا: ایک آدمی کی دیوار ہے اس کا بعض حصہ راستہ کی طرف جھکا ہوا

ہے اور اس کا بعض حصہ ایک قوم کے گھر کی طرف جھکا ہوا ہے گھر والوں نے اس پر گواہ بنائے اور اس کا وہ جھکا ہوا حصہ گر گیا تو

أَمَّا خُمُسٌ مَا تَلَفَ بِهِ مِنْ مَالٍ أَوْ نَفْسٍ لِيَتَمَكَّنَهُ مِنْ إِصْلَاحِهِ بِمُرَافَعَتِهِ لِلْحَاكِمِ (دَاوُ بَيْنَ ثَلَاثَةِ حَفَرٍ أَحَدُهُمْ فِيهَا بَيْتًا أَوْ بَنَى حَائِطًا فَعَطَبَ بِهِ رَجُلٌ ضَمِنَ ثُلُثَى الدِّيَةِ) لِيَتَعَدِيَهُ فِي الثُّلُثَيْنِ، وَقَدْ حَصَلَ الثَّلَفُ بِعِلَّةٍ وَاحِدَةٍ، فَيُقَسَّمُ بِالْحِصَّةِ وَقَالَ أَنْصَافًا، لِأَنَّ الثَّلَفَ قِسْمَانِ مُعْتَبَرٌ وَهَذَرٌ

یعنی جو مال یا نفس تلف ہوا ہے اس کے خمس کا ضمان ہوگا۔ کیونکہ قاضی کے سامنے پیش کر کے وہ اس کی اصلاح کر سکتا تھا۔ ایک گھرتین افراد میں مشترک ہے ان میں سے ایک آدمی نے اس میں ایک کنواں کھدوایا، یا دیوار بنائی تو ایک آدمی اس سے مرگیا تو وہ دیت کے دو تہائی کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے دو تہائی میں تعدی کی ہے پس تلف ہونا ایک علت سے حاصل ہوا پس حصہ کے مطابق اس کو تقسیم کیا جائے گا اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے فرمایا: نصف نصف تقسیم کیا جائے گا۔ کیونکہ تلف ہونے والے کی دو قسمیں ہیں: معتبر اور رائیگاں۔

وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ دیوار ایک ہے تو گھر والوں کی جانب جو جھکی ہوئی ہے اس کے بارے میں گھر والوں سے گواہ بنانا صحیح ہے۔ کیونکہ گھر والے عام لوگوں میں سے ہیں۔ اگر گواہ بنانے والا گھر والوں کے علاوہ تھا تو دیوار کے اس حصہ میں گواہ بنانا صحیح ہوگا جو راستہ کی طرف جھکا ہوگا۔ جب بعض میں گواہ بنانا صحیح ہے تو تمام میں گواہ بنانا صحیح ہے، ملخص۔

35600۔ (قوله: أَمَّا خُمُسٌ مَا تَلَفَ بِهِ) یہ متن کی عمومیت کا بیان ہے۔ لیکن شارح پر یہ لازم تھا کہ وہ اپنے قول عاقلتہ کو ساقط کر دیتے ”ح“۔ یعنی کیونکہ اموال کی ضمان اس کے مال میں ہوگی جس طرح پہلے گزر چکا ہے، ”ط“۔

35601۔ (قوله: بِمُرَافَعَتِهِ لِلْحَاكِمِ) یہ مصدر ہے جو اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے یعنی جس پر گواہ بنائے گئے تھے کہ وہ باقی ماندہ شرکاء کو قاضی کے سامنے اس مطالبہ کے ساتھ پیش کرتا کہ وہ اس کو توڑ دیں۔ جس کا ذکر کیا گیا ہے وہ استحسان کی دلیل ہے۔ قیاس میں ہے کوئی ضامن نہ ہوگا جس طرح ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں۔

35602۔ (قوله: حَفَرٌ أَحَدُهُمْ) یعنی اس نے باقی افراد سے اجازت لیے بغیر کنواں کھودا۔

35603۔ (قوله: ضَمِنَ ثُلُثَى الدِّيَةِ) یعنی دیت کے دو تہائی کی ضمانت اس کے عاقلہ پر ہوگی اور مال کے دو تہائی کا ضامن وہ خود ہوگا جس طرح گزر چکا ہے۔

35604۔ (قوله: بِعِلَّةٍ وَاحِدَةٍ) وہ وزن ہے جو دیوار میں مقدر ہے اور وہ گہرائی ہے جو کنویں میں مقدر ہے۔ کیونکہ تھوڑا سا وزن اور تھوڑی سی گہرائی ہلاک کرنے والی نہیں یہاں تک کہ ہر چیز کی علت معتبر مانیں۔ پس بہت سی علتیں جمع ہو جائیں گی۔ جب معاملہ اس طرح ہو تو حکم ایک علت کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ پس ملکیت کے اعتبار سے اسے مالکوں پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس کی مکمل وضاحت ”عنایہ“ میں ہے۔

35605۔ (قوله: وَقَالَ أَنْصَافًا) یعنی اس مسئلہ میں اور اس سے ماقبل مسئلہ میں۔ کیونکہ جس پر گواہ بنائے گئے اس کے حصہ کا تلف معتبر ہے اور دوسرے کا حصہ رائیگاں ہے کنواں کھودنے میں اور عمارت بنانے میں اس کی اپنی ملکیت کا اعتبار

(الْإِشْهَادُ عَلَى الْحَائِطِ إِشْهَادٌ عَلَى النِّقْضِ) بِالْكَسْرِ مَا يَنْقُضُ مِنَ الْجِدَارِ وَحِينَئِذٍ (فَلَوْ وَقَعَ الْحَائِطُ عَلَى الطَّرِيقِ بَعْدَ الْإِشْهَادِ فَعَثَرَ إِنْسَانٌ بِنَقْضِهِ فَمَاتَ ضَمِنَ) لِأَنَّ النِّقْضَ مِلْكُهُ فَتَفْرِيعُهُ عَلَيْهِ (وَإِنْ عَثَرَ رَجُلٌ بِقَتِيلٍ مَاتَ بِسُقُوطِهَا) أَيْ الْحَائِطِ (لَا يَضْمَنُهُ) لِأَنَّ تَفْرِيعَهُ لِلْأَوْلِيَاءِ لَا إِلَيْهِ بِخِلَافِ الْجَنَاحِ حَيْثُ يَضْمَنُ رَبُّهُ الْقَتِيلَ الشَّيْءُ أَيْضًا لِبَقَاءِ جَنَائِتِهِ فَيَلْزِمُهُ تَفْرِيعُ الطَّرِيقِ عَنِ الْقَتِيلِ أَيْضًا

دیوار پر گواہ بنانا یہ اس کے ملبہ پر گواہ بنانا ہے۔ نقض کا لفظ نون کے کسرہ کے ساتھ ہے اس سے مراد وہ ملبہ ہے جو دیوار سے گرتا ہے۔ اس وقت اگر دیوار گواہ بنانے کے بعد راستہ پر گر گئی اور کوئی انسان اس کے ملبہ سے لڑکھڑایا، اور مر گیا تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ ملبہ اسی آدمی کی ملک ہے اس کو وہاں سے ہٹانا مالک کی ذمہ داری ہے۔ اگر کوئی آدمی کسی مقتول سے ٹکرایا، یا لڑکھڑایا جو اس دیوار کے گرنے سے مر تھا تو دیوار کا مالک اس دوسرے آدمی کا ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ پہلے فرد کو وہاں سے اٹھانا یہ اس کے اولیاء کی ذمہ داری تھی دیوار کے مالک کی ذمہ داری نہ تھی۔ چھجا وغیرہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کا مالک دوسرے مقتول کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس کی جنایت باقی ہے۔ پس اس پر یہ لازم ہے کہ وہ اس پہلے مقتول کو بھی راستہ سے ہٹائے۔

کیا جائے تو وہ تعدی کرنے والا نہیں اور اس کے شریک کی ملک کا اعتبار کیا جائے تو وہ تعدی کرنے والا ہوگا۔ پس یہ دو حصے ہوتے ہیں۔ یہ دونوں اس پر نصف نصف منقسم ہوں گے، ابن کمال۔

35606۔ (قوله: إِشْهَادٌ عَلَى النِّقْضِ) کیونکہ مقصود یہ ہے کہ جو چیز رکاوٹ کا باعث ہے اس کو دور کیا جائے۔ ”مخ“۔

35607۔ (قوله: مَاتَ بِسُقُوطِهَا) یہ جملہ قتل کی صفت ہے اور سقوطہا کی ضمیر کا مونث ہونا یہ اس نقل کی محتاج ہے کہ حائط کا لفظ مؤنث استعمال ہو۔ میں نے اس بارے میں کوئی قول نہیں دیکھا پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

35608۔ (قوله: لِبَقَاءِ جَنَائِتِهِ) کیونکہ چھجا وغیرہ کو دیوار سے باہر نکالنا یہ فی نفسہ جنایت ہے جب کہ یہ اس مالک کا فعل ہے۔ گویا یہ یوں ہو گیا کہ اس نے اسے اپنے ہاتھ سے اس مقتول پر پھینکا ہے۔ پس مقتول کا راستہ میں پڑا ہونا یہ اس طرح ہے کہ چھجا وغیرہ راستہ میں موجود ہو۔ جو آدمی راستہ میں کوئی شے پھینکتا ہے تو وہ اس چیز کا ضامن ہے جو اس سے ہلاک ہو

اگرچہ وہ راستہ کو اس سے خالی کرنے کا مالک نہیں۔ دیوار کا مسئلہ مختلف ہے۔ کیونکہ دیوار کی تعمیر فی نفسہ جنایت نہیں اس کے بعد اس کی جانب سے کوئی ایسا فعل نہیں پایا گیا جس کے ساتھ وہ جنایت کرنے والا ہو جائے لیکن ملبہ راستے میں چھوڑنے کی صورت میں وہ جنایت کرنے والے کی طرح ہو جائے گا جب کہ وہ اسے خالی کرنے پر قادر تھا اور قدرت کے ہوتے ہوئے ترک کرنا یہ ملبہ کے حق میں موجود ہے مقتول کے حق میں موجود نہیں۔ اسی وجہ سے پہلے مقتول کے حق میں اسے فاعل بنایا گیا دوسرے مقتول کے حق میں اسے فاعل قرار نہیں دیا گیا، ”عنایہ“۔

يُؤَيِّدُهُ أَنَّهُ لَوْ بَاعَ الْحَائِضُ أَوْ التَّقْضَ بَرِيٍّ وَلَوْ بَاعَ الْجَنَاحَ لَا زَيْدَعِي (وَلَا يَصِحُّ الْإِشْهَادُ قَبْلَ أَنْ يَهِيَ الْحَائِضُ) لِانْعِدَامِ الشَّعَدِي ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً (وَتَقْبَلُ فِيهِ شَهَادَةُ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ) لِأَنَّهُ شَهَادَةٌ عَلَى التَّقْدُمِ لَا عَلَى الْقَتْلِ فَرُوعٌ حَائِضٌ بَعْضُهُ صَحِيحٌ وَبَعْضُهُ وَاهٍ فَأَشْهَدَ عَلَيْهِ فَسَقَطَ كُلُّهُ وَقَتْلَ إِنْسَانًا ضَمِنَهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْحَائِضُ طَوِيلًا فَيُضْمَنُ مَا أَصَابَ الْوَاهِي فَقَطْرًا لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ كَحَائِطَيْنِ فَأَلِ شَهَادُ يَصِحُّ فِي الْوَاهِي لَا فِي الصَّحِيحِ حَائِطَانِ أَحَدُهُمَا مَائِلٌ وَالْآخَرُ صَحِيحٌ فَأَشْهَدَ عَلَى الْمَائِلِ فَسَقَطَ الصَّحِيحُ فَاتْلَفَ شَيْئًا كَانَ هَذَرًا خَائِيَةً مَسْجِدًا مَالِ حَائِطُهُ فَأَلِ شَهَادُ عَلَى مَنْ بَنَاهُ وَالِدِيَّةُ عَلَى عَاقِلَةٍ مَنْ بَنَاهُ وَحَائِطُ الْوَقْفِ عَلَى الْمَسَاكِينِ

اس کی تائید یہ قول کرتا ہے: اگر اس نے دیوار نیچی یا لمبے بیچ دیا تو وہ بری ہو جائے گا اگر اس نے چھجا وغیرہ بیچا تو ضمانت سے بری نہ ہوگا، ”زلیعی“۔ دیوار کے کمزور ہونے سے گواہ بنانا صحیح نہیں۔ کیونکہ تعدی ابتدا اور انتہا کے اعتبار سے معدوم ہے۔ اس میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول ہوگی۔ کیونکہ یہ تقدم پر شہادت ہے قتل پر شہادت نہیں۔ فروغ: ایک دیوار ہے جس کا بعض صحیح ہے اور اس کا بعض کمزور ہے۔ ایک آدمی نے اس پر گواہی قائم کی تو تمام دیوار گر گئی اور ایک انسان کو قتل کر دیا تو مالک اس کا ضامن ہوگا مگر جب دیوار طویل ہو تو وہ اس کا ضامن ہوگا جس کو کمزور دیوار نے نقصان پہنچایا ہو۔ کیونکہ اس وقت وہ دیوار دو دیواروں کی طرح ہے۔ پس اس پر گواہ بنانا کمزور میں صحیح ہوگا، صحیح میں صحیح نہیں ہوگا۔ دو دیواریں ہیں ان میں سے ایک جھکی ہوئی ہے اور دوسری صحیح ہے ایک آدمی نے جھکی ہوئی پر گواہ بنائے تو صحیح گر گئی تو اس نے کسی شے کو تلف کر دیا تو وہ رائیگاں ہوگا، ”خانیہ“۔ ایک مسجد ہے اس کی دیوار جھکی ہوئی ہے تو جس نے اسے بنایا ہے گواہ اس پر بنائے جائیں گے اور دیت اس کی عاقلہ پر ہوگی جس نے اس کو بنایا۔ جو مساکین پر کوئی چیز وقف کی گئی

35609۔ (قوله: يُؤَيِّدُهُ) یعنی اس امر کی تائید کرتا ہے کہ جنایت جھجے وغیرہ میں باقی ہے دیوار میں باقی نہیں۔

35610۔ (قوله: قَبْلَ أَنْ يَهِيَ) یہ جملہ کہا جاتا ہے وہی الحائض، یہی دھیا جب وہ کمزور ہو اور گرنے لگے۔ ”صحیح“

35611۔ (قوله: لَا فِي الصَّحِيحِ) یعنی اس دیوار کا وہ بعض حصہ جو صحیح ہے اس میں گواہ بنانا صحیح نہیں۔ پس جو صحیح کی پر

جاگرا تو مالک اس کا ضامن نہیں ہوگا جس طرح جب حقیقت میں دو دیواریں ہوں۔

35612۔ (قوله: عَلَى مَنْ بَنَاهُ) اگر وہ زندہ ہو اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ نگران وقف کی طرح ہے۔ پس

واقف نہ ہو تو نگران پر گواہ بنائے جائیں گے، تامل۔

35613۔ (قوله: وَالِدِيَّةُ عَلَى عَاقِلَةٍ مَنْ بَنَاهُ) جہاں تک اموال پر جنایت کا تعلق ہے تو وہ مالک کے ذمہ نہ

ہوں گی تو ظاہر یہی ہے کہ وہ بنانے والے اور واقف کے مال میں سے ہوگی۔ پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے، ”ط“۔ ہم پہلے ”رملی“ سے بیان کر چکے ہیں وقف کے مال سے اسے نہیں لیا جائے گا کیونکہ اس کا کوئی ذمہ نہیں۔

عَلَى عَاقِلَةٍ الْوَقْفِ، وَحَائِطُ الْعَبْدِ الشَّاجِرِ عَلَى عَاقِلَةٍ مَوْلَاهُ وَلَوْ مُسْتَغْرِقًا اسْتِحْسَانًا قَالَ وَلِيُّ الْقَتِيلِ
إِذَا جَاءَ غَدُّ عَفْوَتِ عَنْ الْقِصَاصِ لَا يَصِحُّ؛ لِأَنَّهُ تَمْلِيكٌ دَلَّ عَلَيْهِ مَسْأَلَةُ الْأَصْلِ جَارِيَةٌ قَتَلْتُ رَجُلًا
عَمْدًا فَزَنَى بِهَا وَلِيُّ الْقَتِيلِ قَبْلَ أَنْ يَقْتَصَّ لَا يُحَدُّ لِأَنَّهَا صَارَتْ مَمْلُوكَةً وَلَوْ الْجِيَّةُ وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ

اس کی دیوار کی ضمانت واقف کی عاقلہ پر ہوگی۔ اور غلام تاجر کی دیوار ہے اس کی ضمانت اس کے آقا کی عاقلہ پر ہوگی اگرچہ
دین اس غلام کو محیط ہو۔ یہ حکم بطور استحسان ہے۔ کہا: مقتول کے ولی نے کہا جب اگلا روز آئے گا تو میں تجھے قصاص معاف کر
دوں گا تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ تملیک ہے جس پر اصل کا مسئلہ دلالت کرتا ہے۔ ایک لونڈی ہے جس نے ایک مرد کو عمدہ قتل
کر دیا تو مقتول کے ولی نے قصاص لینے سے پہلے اس کے ساتھ بدکاری کی تو اس ولی پر حد جاری نہیں ہوگی۔ کیونکہ وہ لونڈی
اس کی مملوک بن چکی تھی۔ ”ولو الجیہ“۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

35614۔ (قوله: عَلَى عَاقِلَةٍ الْوَقْفِ) یعنی اس بارے میں جو دیت ہوگی وہ اس کی عاقلہ کے ذمہ ہوگی۔

35615۔ (قوله: عَلَى عَاقِلَةٍ مَوْلَاهُ) جہاں تک مال کا تعلق ہے تو وہ اس کے ذمہ ہوگی جس طرح ہم پہلے بیان کر
آئے ہیں ہم پہلے مکاتب کا حکم بیان کر آئے ہیں۔

35616۔ (قوله: قَالَ وَلِيُّ الْقَتِيلِ الْخ) مکمل مسئلہ ”المنح“ میں موجود ہے۔

35617۔ (قوله: لِأَنَّهُ تَمْلِيكٌ) یعنی اس تملیک کی اضافت صحیح نہیں۔ یہ قول اس قول کے مخالف ہے جو باب القود

فیما دون النفس سے تھوڑا پہلے بیان کیا ہے کہ قصاص میں تملیک جاری نہیں۔ تاہل

35618۔ (قوله: دَلَّ عَلَيْهِ الْخ) یعنی اس پر دال ہے کہ عفو قصاص کا مالک بنانا ہے۔ تیرے لیے دلالت کی وجہ

ظاہر نہیں ہوئی۔ کیونکہ انہوں نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کی غایت یہ ہے کہ لونڈی اس کی مملوک بن چکی ہے۔ پس یہ اس پر
دال نہیں کہ یہ تملیک ہے جس کی اضافت صحیح نہیں جب کہ وہ اس کی مملوک بن چکی ہے تو اس کا ملک ہونا یہ اشکال کا باعث ہے۔
بعض محشیوں نے کہا: ”ولو الجیہ“ کی عبارت ہے: اگر ایک لونڈی نے کسی مرد کو جان بوجھ کر قتل کیا تو ولی نے جان بوجھ

کر اس کے ساتھ بدکاری کی تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی اگرچہ وہ شبہ کا دعویٰ نہ کرے۔ کیونکہ علماء میں سے کچھ لوگ
وہ ہیں ولی کو اس پر ملکیت کی ولایت حاصل ہے جب کہ آقا اس پر راضی نہ ہو اگر ولی چاہے۔ اور اگر وہ اس کو قتل کرنا چاہے تو
یہ حد کے ساقط کرنے میں شبہ ہو جائے گا۔ پس حد کے ساقط ہونے کی علت اس امر کو قرار دیا ہے کہ بعض علماء کے قول کے
مطابق اسے اس پر مالک بننے کی ولایت حاصل ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس کی مملوک بن چکی ہے اور دونوں عبارتوں
میں فرق بیان کیا ہے۔ ملخص

35619۔ (قوله: جَارِيَةٌ) ”یہ الاصل“ کے مسئلہ کا بدل ہے اور ان کا قول: قبل ان یقتص یہ امر معلوم کی تصریح ہے،

”ط“۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ جَنَایَةِ الْبَهِيْمَةِ وَالْجَنَایَةِ عَلَیْهَا

الْأَصْلُ أَنَّ الْمُرُورَ فِي طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ مُبَاحٌ بِشَرْطِ السَّلَامَةِ فَيَا يُنْكَرُ الْإِحْتِرَازُ عَنْهُ (ضَمِنَ الزَّائِدُ فِي طَرِيقِ الْعَامَّةِ مَا وَطِئَتْ دَابَّتُهُ

جانور کے متعلقہ جنايات کا بيان

قاعدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے راستہ میں سے گزرنا مباح ہے ان معاملات میں سلامتی کی شرط کے ساتھ جن سے بچنا ممکن ہے۔ عام راستہ میں سوار اس چیز کا ضامن ہوگا جس کو وہ سواری روند دے

انسان کی جنایت کے بعد اس کا ذکر کیا۔ انسان پر جنایت ان امور میں سے ہے جن کے بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن جب جانور اس حیثیت سے جمادات کے ساتھ ملحق ہیں کہ ان میں عقل نہیں پائی جاتی اس کا ذکر اس کے بعد کیا جو انسان راستہ میں واقع کرتا ہے جب کہ اسے غلام کی جنایت سے پہلے ذکر کیا ہے۔ جنایت کی نسبت بہیمہ کی طرف کرنا یہ اس پر جنایت کے مشاغلہ میں سے ہے۔

35620۔ (قوله: الْأَصْلُ) یعنی اس باب کے مسائل میں۔ نیز یہ بھی اصل ہے کہ متسبب ضامن ہوتا ہے جب وہ تعدی کرنے والا ہو ورنہ وہ ضامن نہ ہوگا اور جو آدمی براہ راست فعل کرتا ہے وہ مطلقاً ضامن ہوگا جس طرح فروغ سے یہ ثابت و ظاہر ہو جاتا ہے ”رحمتی“۔

35621۔ (قوله: بِشَرْطِ السَّلَامَةِ) کیونکہ وہ من وجہ اپنے حق میں تصرف کرتا ہے اور من وجہ دوسرے کے حق میں تصرف کرتا ہے۔ لیکن کیونکہ وہ تمام لوگوں میں مشترک ہے۔ پس ہم نے اباحت کا قول کیا جو سلامتی کی قید کے ساتھ مقید ہے تاکہ نظر و فکر جانبین سے اعتدال میں رہے ان امور میں جن سے احتراز ممکن ہے نہ کہ ان امور میں جن سے بچنا ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ تصرف سے منع کرنے کی طرف لے جاتا ہے، ”زیلعی“، ملخص۔

کسی نفس یا مال کو سواری روند دے تو اس کا حکم

35622۔ (قوله: مَا وَطِئَتْ دَابَّتُهُ) یعنی کسی نفس یا مال کو روند دے، ”در منتهی“۔ پس اس پر دیت واجب ہوگی اور اس کی عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔ اگر ہلاک ہونے والا غلام ہو تو اس کی قیمت بھی عاقلہ پر واجب ہوگی۔ کیونکہ غلام کی دیت اس کی قیمت ہوتی ہے۔ اگر مال ہو تو اس کی قیمت اس کے مال میں واجب ہوگی۔ اگر نفس ہے کم ہو تو جس کی ارش دیت کے بیسویں حصہ سے کم ہو تو یہ اس کے مال میں لازم ہوگی۔ اگر بیسواں حصہ ہو یا اس سے زائد ہو تو اس کی عاقلہ ذمہ دار ہوگی۔ ”جوہرہ“، ملخص۔

وَمَا أَصَابَتْ بِيَدِهَا أَوْ رَجُلُهَا أَوْ رَأْسُهَا أَوْ كَدَمَتْ بِفِيهَا (أَوْ خَبَطَتْ) بِيَدِهَا أَوْ صَدَمَتْ (فَلَوْ حَدَّثَتْ) الْمَذْكُورَاتُ (فِي السَّيْرِ فِي مِلْكِهِ لَمْ يَضُنْ رَبُّهَا إِلَّا فِي الْوُطْءِ وَهُوَ رَاكِبُهَا لِأَنَّهُ) مُبَاشِرٌ لِقَتْلِهِ بِثِقَلِهِ فَيُحْرَمُ الْبَيْرَاتُ (وَلَوْ حَدَّثَتْ فِي مِلْكٍ غَيْرِهِ بِإِذْنِهِ فَهُوَ كَمِلْكِهِ) فَلَا يَضُنْ كَمَا إِذَا لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهَا مَعَهَا قَهْشَتَانِ

یا جس کو اپنا گلے پاؤں، اپنی ٹانگ، اپنا سر مار دے یا اپنے منہ سے کاٹا یا اپنے گلے پاؤں سے اسے مارا یا اسے دھکا دیا اپنے جسم سے اگر یہ تمام مذکورہ امور اپنی مملوکہ جگہ پر چلنے میں وقوع پذیر ہوئے تو جانور کا مالک ضامن نہیں ہوگا مگر جب وہ کسی کو اپنے پاؤں کے نیچے روند دے جب کہ وہ اس پر سوار ہو۔ کیونکہ وہ اس کو اپنے وزن کے واسطے سے براہ راست قتل کرنے والا ہے۔ پس اس مقتول کی میراث سے وہ محروم ہو جائے گا۔ اگر غیر کی اجازت سے غیر کی ملک میں یہ امور واقع ہوں تو یہ اس کی ملک کی طرح ہے۔ پس وہ ضامن نہیں ہوگا جس طرح جب اس جانور کا مالک اس جانور کے ساتھ نہ ہو (تو یہ امور واقع ہو جائیں) ”قہستانی“۔

35623۔ (قوله: وَمَا أَصَابَتْ بِيَدِهَا أَوْ رَجُلُهَا) یعنی جب اسے روندنے کی حالت نہ ہو جیسے وہ اس کو پاؤں اٹھانے کی صورت میں یا اسے نیچے رکھنے کی صورت میں اس کو تلف کر دے۔ ”ط“۔

کدم، خبط اور صدم میں فرق

35624۔ (قوله: أَوْ كَدَمَتْ) کدم سے مراد اپنے گلے دانتوں سے کاٹنا ہے جس طرح گدھا کاٹتا ہے، خبط سے مراد اگلا پاؤں مارنا، اور صدم سے مراد دھکیلنا ہے اور جانور اپنے جسم کے ساتھ کسی شے کو مارے، ”مغرب“۔

35625۔ (قوله: فِي مِلْكِهِ) وہ ملک خاص ہو یا مشترک ہو۔ کیونکہ شرکاء میں سے ہر ایک کو اس میں چلانے اور روکنے کا حق ہوتا ہے، ”زیلعی“۔

35626۔ (قوله: لَمْ يَضُنْ) وہ مرتب ہے اس کو خود کرنے والا نہیں جب وہ اپنی مملوکہ جگہ میں جانور چلا رہا ہے تو وہ حد سے تجاوز کرنے والا نہیں۔

35627۔ (قوله: لِأَنَّهُ مُبَاشِرٌ) پس وہ ضامن ہوگا اگرچہ اس نے تعدی نہیں کی۔

35628۔ (قوله: فَيُحْرَمُ الْبَيْرَاتُ) کیونکہ وہ حقیقت میں قاتل ہے اور اس پر کفارہ لازم ہوگا جس طرح اس کی تصریح کی گئی ہے۔

35629۔ (قوله: وَلَوْ حَدَّثَتْ) یعنی مذکورہ چیزیں واقع ہوں۔

35630۔ (قوله: فَلَا يَضُنْ) یعنی وہ صرف اس صورت میں ضامن ہوگا جو اس کو روند دے جب کہ وہ اس پر سوار ہو۔

35631۔ (قوله: كَمَا إِذَا لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهَا) خواہ وہ سواری خود اس میں داخل ہوئی یا اجازت کے ساتھ اس میں

داخل کیا ہو۔

(وَالَا يَكُنْ بِإِذْنِهِ ضَمِنَ مَا تَلَفَ مُطْلَقًا) لِتَعَدِّيهِ (لَا يَضْمَنُ الرَّكِبُ) (مَا نَفَعَتْ بِرَجُلِهَا) أَوْ ذَنْبَهَا سَائِرَةَ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ (أَوْ عَطَبَ إِنْسَانٍ بِمَا رَاثَتْ أَوْ بِأَلَّتِي فِي الطَّرِيقِ سَائِرَةَ

اگر غیر کی اجازت کے بغیر وہ یہ افعال کرے تو جو تلف ہو اس کا مطلقاً ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے تعدی کی ہے سو اس چیز کا ضامن نہیں ہوگا جو اس کے پاؤں یا اس کی دم کے ہلانے سے نقصان ہو واجب کہ وہ جانور چل رہا ہو۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اس نے جو راستہ میں گوبر کیا یا بول کیا اس وجہ سے ہلاک ہو گیا وہ جانور چل رہا ہو

35632۔ (قوله: ضَمِنَ) جو تلف ہو سو اس کا مطلقاً ضامن ہوگا خواہ اس نے اس کو روند ا ہو، اگلا پاؤں مارا ہو، دھکا دیا ہو، وہ سواری چل رہی ہو یا کھڑی ہو سواری کی طرح ہانکنے والا اور قائد ہے جس طرح آگے متن میں آئے گا۔ یہ ظاہر ہوا ہے کہ کلام اس بارے میں ہے جب وہ سواری خود داخل نہ ہو۔

”العناية“ میں کہا: اگر جنایت اپنے مالک کے علاوہ کی ملک میں ہو یا اگر اس کے مالک نے اس میں داخل کیا ہوگا یا ایسا نہیں ہوگا اگر دوسری صورت میں ہو تو کسی حال میں بھی ضمانت نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ نہ تو مباشر ہے نہ ہی متسبب ہے۔ اگر پہلی صورت ہو تو اس پر ہر حال میں ضمانت ہوگی خواہ اس کے ساتھ ہانکنے والا ہو، اس کا قائد ہو یا اس کا سوار ہو وہ سواری کھڑی ہو یا چل رہی ہو۔ کیونکہ یا تو وہ مباشر ہوگا یا متسبب ہوگا تو ضرور حد سے تجاوز کرنے والا ہوگا۔ کیونکہ اسے کوئی حق حاصل نہ تھا۔ نہ غیر کی ملک میں سواری ٹھہرائے یا اس کو چلائے۔

جو نقصان جانور کے پاؤں یا دم کے ہلانے سے ہو سو اس کا ضامن نہیں ہوگا

35633۔ (قوله: لَا يَضْمَنُ الرَّكِبُ) یعنی عام راستہ میں اور اس کے علاوہ میں۔

35634۔ (قوله: مَا نَفَعَتْ الْخ) یہ جملہ کے ساتھ ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: نَفَعَتْ الدَّابَّةُ یعنی اپنے کھر کی تیز دھار سے ضرب لگائی ”مغرب“۔ ان کا قول ہے برجلہا یہ مقید کو مطلق میں استعمال کرنے کی قبیل سے تعلق رکھتا ہے جس طرح ”قہستانی“ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ لیکن ”صحاح“ میں ہے: اس نے اپنے پاؤں کے ساتھ ضرب لگائی۔ اور حاضر کی قید نہیں لگائی۔ ان کے قول اور ذنبہا کی طرف نسبت کے حوالہ سے مجاز کا دعویٰ کا باقی رہے گا، تامل۔

35635۔ (قوله: سَائِرَةَ) یہ قید لگائی کیونکہ پاؤں کے ساتھ ضرب لگانے سے ضمان لازم نہیں آتی۔ کیونکہ چنے کے ساتھ پاؤں کی ضرب سے احتراز ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ اس کے ضروری امر میں سے ہے اگر وہ اس کو راستہ میں ٹھہرائے تو وہ پاؤں کی ضرب سے ہونے والے نقصان کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ ٹھہرنے کی حالت میں جانوروں سے حفاظت ممکن ہے اگرچہ پاؤں کی ضرب سے بچنا ممکن نہیں۔ پس ٹھہرانا یہ تعدی ہوگا یا مباح ہوگا یہ سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید ہے۔ ”الثقانی“۔

35636۔ (قوله: أَوْ عَطَبَ) اس کا عطف نفعت پر ہے اس میں ضعف ہے ”المعتقی“ کی عبارت ہے: ولا ماعطب بروثها، او بولھا اور نہ ہی اس چیز کی ضمانت ہوگی جو ان کی لید یا بول سے (پھسل) کر ہلاک ہو۔

أَوْ وَاقِفَةً لِأَجْلِ ذَلِكَ لِأَنَّ بَعْضَ الدَّوَابِّ لَا يَفْعَلُهُ إِلَّا وَاقِفًا فَلَوْ أَوْقَفَهَا (لِغَيْرِهِ) فَبَالَتْ (ضَمِنَ) لِتَعْدِيهِ بِإِقَافِهَا إِلَّا فِي مَوْضِعٍ إِذْنِ الْإِمَامِ بِإِقَافِهَا فَلَا يَضْمَنُ وَمِنْهُ سَوْقُ الدَّوَابِّ وَأَمَّا بَابُ الْمَسْجِدِ فَكَالطَّرِيقِ إِلَّا إِذَا أَعَدَّ الْإِمَامُ لَهَا مَوْضِعًا فَإِنْ أَصَابَتْ يَدَهَا أَوْ رَجُلَهَا حَصَاةٌ أَوْ نَوَاقٍ وَأَثَارَتْ غُبَارًا أَوْ حَجَرًا صَغِيرًا فَفَقَّاعَيْنَا

یا اس کام کے لیے کھڑا ہو۔ کیونکہ بعض جانور یہ عمل صرف کھڑے ہو کر کرتے ہیں۔ اگر اس نے کسی اور مقصد کے لیے سواری کو ٹھہرایا اور اس نے بول کر دیا تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس کو کھڑا کر کے تعدی کی ہے مگر جب وہ ایسی جگہ کھڑی کرے جہاں امام نے کھڑا کرنے کی اجازت دے رکھی ہے پس وہ ضامن نہ ہوگا۔ اس قسم سے جانور کو ہانکنا ہے جہاں تک مسجد کے دروازے کا تعلق ہے تو وہ راستہ کی طرح ہے مگر جب امام ان کے لیے کوئی جگہ تیار کر دے اگر وہ سواری اپنے اگلے پاؤں اپنی ٹانگوں کے ساتھ سنگریزہ یا گٹھلی کو اچھالے یا غبار اڑائے یا چھوٹا پتھر اڑا دے جس نے کسی کی آنکھ کو پھوڑ دیا

35637۔ (قوله: أَوْ وَاقِفَةً) یعنی اس نے اسے پہلے ٹھہرایا ہوا ہو، ”بزازیہ“۔

35638۔ (قوله: لِأَجْلِ ذَلِكَ) یعنی لید یا پیشاب کی وجہ سے یہ ان کے قول اور واقفہ کے قول کی علت ہے۔

35639۔ (قوله: لِأَنَّ بَعْضَ الدَّوَابِّ الْخ) یہ ضمان کے واجب نہ ہونے کی علت ہے۔ ”فخر الاسلام“ نے کہا: کیونکہ پیشاب اور لید وغیرہ سے بچنا ممکن نہیں۔ پس اس کو عفو قرار دیا گیا ہے اور اس کا ٹھہرنا اس جانور کی ضرورتوں میں سے ہے۔ کیونکہ جانور عمومی طور پر کھڑے ہو کر ہی گوبر اور پیشاب کرتا ہے پس اس کو بھی عفو قرار دیا جائے گا، ”التقانی“۔

35640۔ (قوله: فَلَوْ أَوْقَفَهَا) ”مغرب“ میں ہے: یہ نہیں کہا جاتا واقفہ مگر ایک ردی لغت میں ایسا ہوتا ہے، ”کفایہ“۔

35641۔ (قوله: لِتَعْدِيهِ بِإِقَافِهَا) یعنی اس نے جو سواری کو روکا ہے۔ پس مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے یعنی وہ متسبب اور متعدی ہے۔ کیونکہ سواری کو کھڑا کرنے کا اسے کوئی حق حاصل نہ تھا کہ مسلمانوں کے راستہ کو مشغول کرتا جس طرح ”العنایہ“ میں ہے۔ ”رحمتی“ نے کہا: اگر وہ بھیڑ کی وجہ سے اسے روکے یا کسی اور ضرورت کی وجہ سے روکے تو چاہیے اگر اس کے لیے لوٹنا یا اس سے خلاصی پانا ممکن ہو تو وہ ضامن ہو ورنہ ضامن نہ ہو۔

35642۔ (قوله: إِلَّا فِي مَوْضِعٍ إِذْنِ الْإِمَامِ بِإِقَافِهَا) اس طرح کا حکم ہوگا جب وہ جنگل میں راستہ کے وسط کی بجائے کسی اور جگہ روکے۔ کیونکہ اس صورت میں وہ ضامن نہیں ہوگا اگرچہ اجازت کے بغیر ہو۔ کیونکہ اس کا لوگوں کو کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ راستہ کے وسط کا معاملہ مختلف ہے جس طرح ”الاختیار“ میں ہے۔ مجہ کا معنی راستہ ہے۔ ”مغرب“۔

35643۔ (قوله: إِلَّا إِذَا أَعَدَّ الْإِمَامُ لَهَا) امام جانوروں کے لیے جگہ تیار کر دے یا مسجد کے دروازے کے پاس ان کے ٹھہرانے کے لیے جگہ مختص کر دے اگر اس جگہ میں ٹھہرانے سے کوئی نقصان ہوگا تو کوئی ضمانت نہ ہوگی، ”ط“۔ وقوف (ٹھہرانے) کی قید ذکر کی ہے کیونکہ ان مواقع پر اگر وہ چل رہا ہو جس میں امام نے ٹھہرانے کی اجازت دے رکھی ہے یا وہ

أَوْ أَفْسَدَ ثَوْبًا (لَمْ يَضْمَنْ) لِعَدَمِ امْكَانِ الْإِحْتِرَازِ عَنْهُ (وَلَوْ الْحَجَرُ) (كَبِيرًا ضَمِنْ) لِامْكَانِهِ (وَضَمِنْ السَّائِقُ وَالْقَائِدُ مَا ضَمِنَهُ الرَّكَابُ) وَصَحَّحَ فِي الدَّرَرِ أَنَّهُ مَطْرُودٌ مُنْعَكِسٌ

یا کپڑا پھاڑ دیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ اگر پتھر بڑا ہو تو ضامن ہوگا کیونکہ اس سے بچنا ممکن ہے۔ ہانکنے والا اور قیادت کرنے والا اس کا ضامن ہوگا جس کا سوار ضامن ہوتا ہے۔ ”الدرر“ میں اس کی تصحیح کی ہے کہ یہ قول مطرود منعکس ہے

آگے سے پکڑے ہوئے چل رہا ہو یا اسے ہانک رہا ہو تو نقصان کی صورت میں ضامن ہوگا۔ امام کی اجازت اس سے اس ضمان کو زائل نہ کرے گی۔ ان مواقع پر سواری کے ٹھہرانے کی صورت میں جو نقصان ہو واجب تک وہ سوار ہے وہ اس سے ساقط ہو جائے گا نہ کہ چلانے، ہانکنے اور آگے سے پکڑ کر چلنے کی صورت میں نقصان ہوگا۔ ”اتقانی“۔

35644۔ (قوله: لَمْ يَضْمَنْ) اس کا محل یہ ہے کہ جب وہ اس کو کچوکے نہ لگائے اور اس کو نہ بھگائے مگر جب وہ اس کو کچوکے لگائے یا اس کو بھگائے اور وہ غبار اڑائے یا سنگریزہ اڑائے تو وہ کسی شے کو تلف کر دیں تو اس کا ضامن ہوگا۔ یہ ”مکی“ نے بیان کیا ہے۔ ”ط“۔ ”قہستانی“ کی عبارت ہے: اگر اس نے ان صورتوں میں سواری پر سختی کی تو وہ ضامن ہوگا جس طرح ”ذخیرہ“ میں ہے۔

35645۔ (قوله: لِامْكَانِهِ) کیونکہ اس سے بچنا ممکن ہے ظاہر یہ ہے کہ ہانکنے میں سختی ہوتی ہے۔ پس اس کو تعدی کے ساتھ موصوف کیا جائے گا پس اس وجہ سے اس کا مواخذہ ہوگا، ”اتقانی“۔

35646۔ (قوله: مَا ضَمِنَهُ الرَّكَابُ) یعنی وہ ضمان میں برابر ہیں اس طرح وہ آدمی ہے جو پیچھا کر رہا ہو۔ ”اتقانی“۔ پس عام راستہ میں جو حادثہ رونما ہوگا اس کے ضامن ہوں گے مگر نفع کے ضامن نہیں ہوں گے۔ اور اسی طرح جو ان لوگوں کی ملک میں واقعہ رونما ہوگا اس کے ضامن نہیں ہوں گے یا غیر کی ملک میں جو حادثہ ہوگا اس کے ضامن نہیں ہوں گے اگر وہ عمل ان کی اجازت سے ہو مگر جب وہ کسی کو روند دے الی آخرہ جو گزر چکا ہے۔

35647۔ (قوله: أَنَّهُ مَطْرُودٌ مُنْعَكِسٌ) اطراد سے مراد ملکیت میں باہم لازم و لزوم ہونا ہے اور انعکاس سے مراد نفی میں باہم لازم و لزوم ہونا ہے یعنی ہر وہ امر جس میں سوار ضامن ہوگا اس میں ہانکنے والا اور قائد ضامن ہوگا۔ اور جن امور میں سوار ضامن نہیں ہوگا ان میں ہانکنے والا اور قائد ضامن نہیں ہوں گے۔ ”قدوری“ نے ہانکنے والے میں اختلاف کیا ہے اور یہ ذکر کیا ہے کہ جب ٹانگ سے ضرب لگائے تو ضامن ہوگا کیونکہ وہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ پس اس سے بچنا ممکن ہے۔ بعض مشائخ اسی نقطہ نظر کے حامل ہیں جب کہ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اس سواری کو ٹانگ سے ضرب لگانے سے روک سکے پس اس سے بچنا ممکن نہیں۔ اور منہ سے کانٹے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کی لگام کے ساتھ اس کو روکنا ممکن ہے جس طرح ”شرح الجمع“ میں ہے۔ ”الدرر“ میں جس قول کو صحیح قرار دیا

(وَالرَّائِبُ عَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ) فِي الْوُطَاءِ كَمَا مَرَّ (لَا عَلَيْهِمَا) أَيْ لَا عَلَى سَائِقٍ وَقَائِدٍ، وَلَوْ كَانَ سَائِقٌ وَرَائِبٌ لَمْ يَضْمَنْ السَّائِقُ عَلَى الصَّحِيحِ خِلَافًا لِمَا جَزَمَ بِهِ الْقَهْطَانِيُّ وَغَيْرُهُ، لِأَنَّ الْإِضَافَةَ إِلَى الْمُبَاشِرِ أَوْلَى مِنَ الْمُتَسَبِّبِ

سواری کسی کو روند ڈالے تو سوار پر کفارہ لازم ہوگا جس طرح گزر چکا ہے ہانکنے والے اور آگے سے پکڑ کر چلنے والے پر کوئی شے لازم نہیں۔ اگر ہانکنے والا اور سوار ہو تو صحیح قول کے مطابق ہانکنے والا ضامن نہیں ہوگا۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے۔ ”قہستانی“ وغیرہ نے جس کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ جس نے خود کام کیا ہے اس کی طرف فعل کی نسبت کرنا متسبب کی طرف نسبت کرنے سے اولیٰ ہے

ہے وہ اکثر کا قول ہے۔ ”ہدایہ“، ”ملتقی“ وغیرہ میں اس کی تصحیح کی ہے۔

اگر سواری کسی کو روند ڈالے تو سوار پر کفارہ لازم ہوگا

35648۔ (قوله: وَالرَّائِبُ عَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ فِي الْوُطَاءِ) یعنی اگر وہ جانور کسی انسان کو روند ڈالے جب کہ وہ اس سواری پر سوار ہو۔ اسی طرح ردیف کا معاملہ ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اپنے وزن کے ساتھ حقیقت میں اس کو براہ راست قتل کرنے والے ہیں۔ پس ان دونوں پر کفارہ لازم ہوگا اور وہ دونوں میراث سے محروم ہو جائیں گے جیسے سونے والا جب کسی انسان پر کروٹ لے، ”اتقانی“۔

35649۔ (قوله: كَمَا مَرَّ) ان کی کلام میں نہیں گزرا زیادہ ظاہر لہا مرہے یعنی لام کے ساتھ جب یہ قول ہو اس وقت ان کے گزشتہ قول لائنہ مباشر کی طرف اشارہ ہے۔ الخ

35650۔ (قوله: لَا عَلَيْهِمَا) کیونکہ یہ دونوں متسبب ہیں۔ یہ اس معنی میں ہے کہ اگر ہانکنا اور اسے آگے سے کھینچنا نہ ہوتا تو یہ روندنا نہ پایا جاتا۔ اور کفارہ اس کی جزا ہے جب وہ براہ راست وہ فعل کرے، ”اتقانی“۔

35651۔ (قوله: أَيْ لَا عَلَى سَائِقٍ وَقَائِدٍ) ”قہستانی“ نے المرتد ف کا اضافہ کیا ہے جب کہ یہ غیر ظاہر ہے اور جس قول کو تو نے ابھی سنا ہے اس کے مخالف ہے۔

مباشر کی طرف فعل کی نسبت کرنا متسبب کی طرف کرنے سے اولیٰ ہے

35652۔ (قوله: لَمْ يَضْمَنْ السَّائِقُ عَلَى الصَّحِيحِ) یہ جان لو کہ ”زیلعی“ نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: سواری نے جس کو روند ڈالا ہے ہانکنے والا اس کا ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ سوار اس نقصان کا مباشر ہے یعنی خود نقصان کرنے والا ہے اور ہانکنے والا متسبب ہے اور مباشر کی طرف فعل کی نسبت کرنا اولیٰ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمان دونوں پر لازم ہوگی۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک ضمان کا سبب ہے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے ”الاصل“ میں ذکر کیا ہے کہ سوار نے جب ایک انسان کو کہا تو جس کو کہا گیا تھا اس نے سواری کو کچوکا دیا تو اس سواری نے ایک انسان کو روند ڈالا تو ضمان دونوں افراد پر ہو

کَمَا مَرَّ أَمْرٌ إِذَا كَانَ سَبَبًا لَا يَعْمَلُ بِأَنْفِرَادِهِ إِتْلَافًا كَمَا هُنَا

جس طرح گزر چکا ہے یعنی جب وہ ایسا سبب ہو جو تلف کرنے میں اکیلے کام نہ کرتا ہو جس طرح یہاں ہے۔

گی۔ پس دونوں ضمان میں شریک ہوں گے کچوکا دینے والا ہانکنے والا ہے اور حکم دینے والا سوار ہے۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ وہ دونوں برابر ہیں اور صحیح قول پہلا قول ہے۔ اس کی دلیل وہ ہے جسے ہم نے ذکر کیا ہے۔

جو ”الاصل“ میں مذکور ہے اس کا جواب یہ ہے کہ متسبب مباشر کے ساتھ ضامن نہیں ہوگا جب سبب ایسی شے ہو جو تلف کرنے میں انفرادی طور پر عمل نہیں کرتی جس طرح کنواں کھودنا جب پھینکنے کے ساتھ ہو۔ کیونکہ کنواں کھودنا پھینکنے کے بغیر علیحدہ طور پر کچھ مؤثر نہیں ہوتا، مگر جب سبب علیحدہ مؤثر ہو۔ پس وہ دونوں شریک ہوں گے۔ یہ اس سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ ہانکنا یہ تلف کرنا ہے اگرچہ سواری پر کوئی سوار نہ ہو۔ کنواں کھودنے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ پھینکنے کے بغیر تلف کرنے والا نہیں اور جب اسے پھینکا گیا تو تلف کرنا دونوں سے پایا گیا۔ پس اسے ان دونوں میں سے آخری کی طرف منسوب کیا جائے گا مصنف نے اسے ”المنح“ میں نقل کیا ہے۔ ”حاشیہ“ میں اس کلام کو اپنے قلم سے لکھا ہے جو مزید وضاحت کی محتاج ہے۔

”سعدیہ“ میں یہ ذکر کیا ہے جسے ”زیلعی“ نے جواب کے ضمن میں ذکر کیا ہے وہ اس وضاحت سے خالی ہے۔ ”اصل“ میں جو کلام ہے اس کا جواب سننے کی یہ صلاحیت نہیں رکھتی بلکہ یہ اس کی تحقیق اور تفصیل ہے اس سے جو لازم ہوتی ہے وہ ہانکنے والے پر ضمان کا وجوب ہے عدم وجوب کو صحیح قرار دیا گیا ہے یہ ان جیسے لوگوں سے غریب ہے۔

”رملی“ نے ”حلبی“ سے انہوں نے ”قاری الہدایہ“ سے یہ ذکر کیا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے: یہ کہنا چاہیے: وهو الصحيح والجواب عن الاول۔ پس یہ دوسرے قول کی تصحیح اور پہلے قول کا جواب ہوگا۔ ”النہایہ“ کا قول اس کی تائید کرتا ہے: اما الجواب عن الاول الخ۔ اسی طرح ”الولوالجیہ“ کا قول ہے: الراكب والسائق والقائد والردیف في الضمان سواء حالة الانفراد والاجتماع الخ سوار، ہانکنے والا، آگے سے کھینچنے والا اور ردیف حالت انفراد اور حالت اجتماع میں ضمان میں برابر ہیں اگرچہ سوار مباشر ہے۔ کیونکہ یہاں تلف کرنے میں مؤثر ہے۔ پس اس کو لغو قرار نہیں دیا جاسکتا۔ پس تلف کرنا دونوں کی طرف منسوب ہوگا۔ کنواں کھودنے کا معاملہ مختلف ہے۔

اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ صحیح قول وہ ہے جسے ”قہستانی“ نے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ”ہدایہ“ میں اسے بعد میں ذکر کیا ہے۔ پس اپنے معمول کے مطابق اس کی ترجیح کا شعور دلایا ہے۔ ”مواہب“ اور ”ملتقی“ میں اسے مقدم ذکر کیا ہے۔ اور دونوں نے اس کے مقابل قول کو قیل کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔

35653۔ (قوله: كَمَا مَرَّ) یعنی باب ما يحدث الرجل في الطريق گزر چکا ہے۔

35654۔ (قوله: كَمَا هُنَا) یعنی ہانکنے والے کے بارے میں یہاں ہے جب کہ تو جان چکا ہے کہ وہ کچوکا لگانے

والے کی طرح ہے وہ تلف کرنے میں انفرادی طور پر مؤثر ہے اور تو اسے جان چکا ہے جو مؤثر نہیں جیسے کنواں کھودنا۔

أَمَّا فِي سَبَبٍ يَعْمَلُ بِانْفِرَادِهِ فَيَشْتَرِكَانِ كَمَا يَأْتِي فِي مَسْأَلَةِ نَفْسِ الدَّابَّةِ بِإِذْنِ رَاكِبِهَا فَلْيُحْفَظْ (وَضَمِنَ عَاقِلَةُ كُلِّ فَارِسٍ) أَوْ رَاجِلٍ (دِيَّةَ الْآخِرِ إِنْ اضْطَدَّ مَا وَمَاتَا مِنْهُ) فَوَقَّعَا عَلَى الْقَفَا (لَوْ كَانَا حُرَّتَيْنِ) لَنَسَا مِنَ الْعَجَمِ وَلَا عَامِدَيْنِ وَلَا وَقَّعَا عَلَى وُجُوهِمَا (وَلَوْ كَانَا عَبْدَيْنِ) أَوْ وَقَّعَا عَلَى الْوَجْهِ ابْنُ كَمَالٍ (يَهْدِرُ دَمُهُمَا) فِي الْعَمْدِ وَالْخَطَا شُرْبُ اللَّيْلِ وَغَيْرُهَا، وَلَوْ كَانَ مِنَ الْعَجَمِ فَالِدِيَّةُ فِي مَالِهِمْ كَمَا مَرَّ رَارًا وَلَوْ كَانَا عَامِدَيْنِ،

جہاں تک اس سبب کا تعلق ہے جو اکیلے موثر ہو تو وہ دونوں میں شریک ہوں گے جس طرح سواری کی اجازت سے سواری کو کچوکا لگانے کے مسئلہ میں ہے۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔ اور ہر شاہسوار یا پیدل کی عاقلہ دوسرے کی دیت کی ضامن ہوگی اگر دونوں آپس میں ٹکراتے ہوں اور اس سے دونوں مر گئے ہوں اور دونوں اپنی گدیوں کے بل گرے ہوں، اگر دونوں آزاد ہوں عجمیوں میں سے نہ ہوں اور نہ ہی جان بوجھ کر ٹکراتے ہوں اور نہ ہی وہ اپنے منہ کے بل گرے ہوں، اگر دونوں غلام ہوں یا اپنے چہرے کے بل گرے ہوں۔ ”ابن کمال“۔ تو دونوں کا خون رائیگاں چلا جائے گا خواہ انہوں نے عمداً ایسا کیا ہو یا خطاً ایسا کیا ہو ”شرب اللیلہ“ وغیرہ۔ اگر وہ عجمیوں میں سے ہو تو دیت ان کے مال میں ہوگی جس طرح یہ کئی دفعہ گزر چکا ہے۔ اگر دونوں نے عمداً ایسا کیا ہو

35655۔ (قوله: بِإِذْنِ رَاكِبِهَا) اگر اس کے بغیر ہو تو صرف کچوکا لگانے والا ضامن ہوگا جس طرح عنقریب آگے آئے گا۔

35656۔ (قوله: أَوْ رَاجِلٍ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ فارس کی قید اتفاقی ہے مصنف نے راجل کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ اس باب سے تعلق نہیں رکھتا۔ کیونکہ اس کا جانور سے تعلق نہیں۔ یہ ”سعدی“ نے بیان کیا ہے۔

35657۔ (قوله: إِنْ اضْطَدَّ مَا) یعنی دونوں کے جسم باہم ٹکرائے، ”در منتهی“۔ یہ قول اپنے اطلاق پر نہیں بلکہ یہ اس پر محمول ہے جب دونوں آپس میں آمنے سامنے ہوں۔ کیونکہ ”الاختیار“ میں ہے: ایک آدمی ایک سواری پر چلا تو ایک سواری اس کے پیچھے سے آیا اور اس کے ساتھ ٹکرایا تو پیچھے والا ہلاک ہو گیا تو جو آگے تھا اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ اگر آگے والے ہلاک ہو گیا تو جو پیچھے سے آیا اس پر ضمانت ہوگی۔ سفینتین میں اسی طرح ہے۔ ”طحاوی“ نے ”ابوسعود“ سے نقل کیا ہے۔

35658۔ (قوله: يَهْدِرُ دَمُهُمَا) کیونکہ دونوں غلاموں میں سے ہر ایک کی جنایت اور فدیہ میں اس کی ذات سے متعلق ہے جب کہ اس کی ذات فوت ہو گئی ہے جب کہ اس فعل کے سوا کوئی نائب نہیں چھوڑا جس کے ساتھ مولیٰ فدیہ دینے میں مختار ہو جاتا، ”منح“۔ مگر جب دونوں آزاد اپنے منہ کے بل گرے تو ان دونوں میں سے ہر ایک کی موت اپنی ذاتی قوت سے واقع ہوئی ہے۔

35659۔ (قوله: وَلَوْ كَانَا عَامِدَيْنِ) یعنی وہ دونوں آزاد یا دونوں غلام عمداً ایسا کریں جس طرح ”ہدایہ“ سے معلوم

فَعَلَى كُلِّ نِصْفِ الدِّيَةِ، وَلَوْ وَقَعَ أَحَدُهُمَا عَلَى وَجْهِهِ هَدَرَ دَمُهُ فَقَطْ، وَلَوْ أَحَدُهُمَا حُرًّا وَالْآخَرُ عَبْدًا
فَعَلَى عَاقِلَةِ الْحُرِّ قِيَمَةُ الْعَبْدِ فِي الْخَطَا وَنِصْفُهَا فِي الْعَبْدِ

تو ہر ایک پر نصف دیت ہوگی۔ اگر دونوں میں سے ایک اپنے چہرے کے بل گرا ہو تو صرف اس کا خون رائیگاں جائے گا۔
اگر دونوں میں سے ایک آزاد ہو اور دوسرا غلام ہو تو آزادی کی عاقلہ پر قتل خطا میں غلام کی قیمت لازم ہوگی اور قتل عمد میں اس کی
نصف قیمت لازم ہوگی۔

ہوا ہے۔ اس میں اس قول کی مخالفت ہے جسے پہلے ”شرعیہ“ سے نقل کیا ہے، قاتل۔

35660۔ (قوله: فَعَلَى كُلِّ نِصْفِ الدِّيَةِ) جو قول ”زیلعی“ میں ہے وہ یہ ہے ہر ایک کی عاقلہ پر نصف دیت
واجب ہوئی۔ ”شلمی“ نے اپنے ”حاشیہ“ میں کہا: کیونکہ یہاں عمد خطا کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ یہ شبہ عمد ہے کیونکہ ٹکرانے کا تو
ارادہ تھا اور قتل کا ارادہ نہیں تھا۔ اسی وجہ سے دیت عاقلہ پر واجب ہوئی۔ عمد میں نصف دیت ہے خطا میں نصف دیت نہیں۔
کیونکہ خطا میں ہر ایک کا فعل مباح ہے اور وہ راستہ میں چلنا ہے۔ پس یہ ضمان کے حق میں اس کی ذات کی طرف منسوب ہونے
کے اعتبار سے معتبر نہیں جس طرح ایک آدمی راستہ میں موجود کنویں میں گر پڑے۔ کیونکہ اگر اس کا چلنا نہ ہوتا تو وہ نہ گرتا اور
غیر کی طرف نسبت کے اعتبار سے وہ ضمان میں معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید ہے۔ عمد میں یہ مباح نہیں۔
پس جو واقع ہوا اسے اس کی ذات کے حق میں اس کی طرف منسوب ہوگا۔ پس وہ اپنے فعل اور غیر کے فعل کے ساتھ ہلاک
ہونے والا ہو گیا۔ پس جو اس کے اپنے فعل کے ساتھ ہلاک ہوا وہ رائیگاں جائے گا اور جو غیر کے فعل کے ساتھ ہلاک ہوا وہ
واجب ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ”ولو الجیہ“ میں ہے۔

35661۔ (قوله: فَعَلَى عَاقِلَةِ الْحُرِّ قِيَمَةُ الْعَبْدِ فِي الْخَطَا وَنِصْفُهَا فِي الْعَبْدِ) یعنی آزاد مقتول کے ورثا سے
لیں گے۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کا قاتل ہو گیا ہے اور آزادی کی عاقلہ پر غلام کی قیمت لازم ہوگی یا اس کی
نصف قیمت لازم ہوگی۔ پھر جنایت کرنے والا غلام تلف ہو چکا ہے اور اس بدل کو پیچھے چھوڑا ہے پس آزاد، جس پر جنایت کی
گئی، کے ورثا سے اس جہت سے لیں گے کہ وہ مقتول ہے نہ کہ اس جہت سے لیں گے کہ وہ قاتل ہے اور ان کا حق اس میں
باطل ہو جائے گا جو اس پر زائد ہے۔ کیونکہ یہاں کوئی نائب نہیں۔

اور یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا جب عورت کسی مرد کا ہاتھ کاٹ دے اور وہ مرد اس عورت سے اس ہاتھ پر شادی کر لے بے
شک اس عورت کی عاقلہ سے ضمان ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ اس کی جانب سے اس کے ذمہ دار تھے جب اس مرد نے اس
عورت سے شادی کر لی جس کا ہاتھ کاٹا گیا تھا۔ اگر اس عورت کی عاقلہ سے ضمان ساقط نہ ہوتی تو اس عورت کے حق میں ان پر
ضمان واجب ہوتی تو یہ صحیح نہ ہوتا کہ وہ اس کی جانب سے دیت کے ذمہ دار نہیں اور اس کے لیے ضمانت اٹھائیں۔ جہاں تک
یہاں کا تعلق ہے تو عاقلہ نے آزادی کی جانب سے دیت کی ذمہ داری اٹھائی اس اعتبار سے کہ وہ قاتل ہے پھر وارث اسے لے

(کَمَا لَوْ تَجَاذَبَ رَجُلَانِ حَبْلًا فَانْقَطَعَ الْحَبْلُ فَسَقَطَا وَمَاتَا عَلَى الْقَفَا) هَذَر دَمُهَا لِمَوْتِ كُلِّ بِقُوَّةِ نَفْسِهِ (فَإِنْ وَقَعَ عَلَى الْوَجْهِ وَجَبَ دِيَّةٌ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى عَاقِلَةِ الْآخَرِ) لِمَوْتِهِ بِقُوَّةِ صَاحِبِهِ (فَإِنْ تَعَاكَسَا) بِأَنْ وَقَعَ أَحَدُهُمَا عَلَى الْقَفَا وَالْآخَرُ عَلَى الْوَجْهِ (فَدِيَّةُ الْوَاقِعِ عَلَى الْوَجْهِ عَلَى عَاقِلَةِ الْآخَرِ) لِمَوْتِهِ بِقُوَّةِ صَاحِبِهِ (وَهَذَر دَمُ مَنْ وَقَعَ عَلَى الْقَفَا) لِمَوْتِهِ بِقُوَّةِ نَفْسِهِ (وَلَوْ قَطَعَ إِنْسَانُ الْحَبْلَ بَيْنَهُمَا فَوَقَعَ كُلُّ مِنْهُمَا عَلَى الْقَفَا فَدِيَّتُهُمَا عَلَى عَاقِلَةِ الْقَاطِعِ) لِتَسَبُّبِهِ بِالْقَطْعِ

جس طرح دو آدمی ایک رسی کو باہم کھینچیں اور رسی ٹوٹ جائے اور دونوں گر پڑیں اور گدی کے بل گر کر مر جائیں (دونوں کا خون رائیگاں چلا جائے گا۔ کیونکہ ہر ایک کی موت اس کی ذاتی قوت سے ہوتی ہے۔ مگر دونوں منہ کے بل گریں تو ہر ایک کی دیت دوسرے کی عاقلہ پر ہوگی۔ کیونکہ وہ اپنے ساتھی کی قوت سے مرا ہے اگر وہ ایک دوسرے کے برعکس کریں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک گدی کے بل گرے اور دوسرا چہرے کے بل گرے تو جو منہ کے بل گرا ہے اس کی دیت دوسرے کی عاقلہ پر ہوگی۔ کیونکہ وہ اپنے ساتھی کی قوت سے مرا ہے اور جو اپنی گدی کے بل گر کر مرا ہے اس کا خون رائیگاں چلا جائے گا۔ کیونکہ وہ اپنی ذاتی قوت سے مرا ہے۔ اگر ایک انسان نے دونوں کے درمیان کی رسی کاٹ دی تو دونوں میں سے ہر ایک اپنی گدی کے بل گر پڑا اور مر گیا تو دونوں کی دیت اس قطع کرنے والی کی عاقلہ پر ہوگی۔ کیونکہ وہ رسی کاٹنے کے ساتھ ان کی موت کا سبب بنا ہے

لیں گے۔ کیونکہ وہ مقتول ہے۔ یہ ”کفایہ“ سے دوسری کتب کے ساتھ ماخوذ ہے۔

”وانی“ نے اس مسئلہ پر اس کے ساتھ اعتراض کیا ہے کہ عاقلہ، نہ تو جو جان بوجھ کر جرم کیا جائے، اس کی دیت کی ذمہ دار ہوتی ہے اور نہ ہی غلام کی دیت کی ذمہ دار ہوتی ہے جس طرح حدیث میں ہے (1)۔

میں کہتا ہوں: تو یہ جان چکا ہے کہ یہاں عہد خطا کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ یہ شبہ عہد ہے عنقریب یہ آئے گا کہ حدیث اس صورت پر محمول ہے جب غلام اس پر جنایت کرے نہ کہ جب غلام پر جنایت کی جائے، فتدبر

35662۔ (قوله: كَمَا لَوْ تَجَاذَبَ رَجُلَانِ الْخ) یہ رائیگاں جانے میں تشبیہ ہے جو ہر مصنف کے قول بیہر دمہما پر محمول ہے یہ مسئلہ حکم میں مصادمہ کے مسئلہ کے برعکس ہے۔ ”ط“۔

35663۔ (قوله: فَإِنْ وَقَعَ عَلَى الْوَجْهِ الْخ) امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے کہا گیا: جب وہ اسے کاٹے تو دونوں منہ کے بل گریں۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ رسی کاٹنے کی صورت میں نہیں ہو سکتا۔

35664۔ (قوله: فَدِيَّتُهُمَا عَلَى عَاقِلَةِ الْقَاطِعِ) ”المستقى“، ”الاختیار“ اور ”الخانیہ“ میں اسی طرح ہے۔ اس میں ایک اور جگہ ہے اس میں نہ قصاص ہے اور نہ ہی دیت ہے۔ شاید یہ دوسری روایت ہے یا مراد ہے اس کے مال میں دیت نہیں۔

(وَعَلَى سَائِقِ ذَابَّةٍ وَقَعَ أَذَاتُهَا) أَى آلَاتُهَا كَسَرَجٍ وَنَحْوِهِ (عَلَى رَجُلٍ فَمَاتَ وَقَائِدِ قِطَارٍ بِالْكَسْرِ قِطَارِ الْإِبِلِ) (وَطِئَ بَعِيدٌ مِنْهُ رَجُلًا الدِّيَّةُ وَإِنْ كَانَ مَعَهُ سَائِقٌ ضَمِنَا) لَا سْتَوَائِهِمَا فِي التَّسَبُّبِ لَكِنَّ ضَمَانَ النَّفْسِ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَضَمَانَ الْمَالِ فِي مَالِهِ هَذَا لَوِ السَّائِقُ مِنْ جَانِبٍ مِنَ الْإِبِلِ

اور جانور کے ہانکنے والے پر دیت لازم ہوگی جس جانور کے آلات جیسے زین وغیرہ ایک آدمی پر گر گئے ہوں اور وہ مر گیا ہو اور اونٹوں کی قطار کے قائد پر دیت ہوگی۔ قطار یہ قاف کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اس قطار میں سے ایک اونٹ نے ایک آدمی کو روند دیا ہو اگر اس کے ساتھ ہانکنے والا ہو تو دونوں ضامن ہوں گے کیونکہ دونوں تسبب میں برابر ہیں۔ لیکن نفس کی ضمانت عاقلہ پر ہوگی اور مال کی ضمانت اس کے مال میں ہوگی۔ یہ حکم اس صورت میں ہے اگر ہانکنے والا اونٹوں کی ایک جانب ہو۔

35665۔ (قوله: وَعَلَى سَائِقِ ذَابَّةٍ) یہ خبر ہے اس کا مبتدا آنے والا قول الدیۃ ہے۔ یہ دیت اس پر واجب ہے کیونکہ وہ نسب میں تعدی کرنے والا ہے۔ کیونکہ اس کا گرنا یہ اس کی جانب سے کوتاہی کی بنا پر ہے وہ اسے مضبوطی سے نہ باندھنا ہے پس یہ اس طرح ہو گیا گویا اس نے اپنے ہاتھ سے اسے پھینکا جس طرح ”الدرر“ میں ہے، ”ط“۔ پس وہ اس طرح ہے جیسے وہ چیز گر جائے جو اس کے کندھے پر ہے۔ اس چادر کا معاملہ مختلف ہے جس کو اس نے زیب تن کر رکھا ہے۔ اور وہ چادر ان میں سے ہے جسے ایک انسان عام معمول کے مطابق پہنتا ہے۔ کیونکہ اس کے لیے اس سے احتراز کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ اس کے بغیر اس کے لیے چارہ کار نہیں۔ جس طرح باب ما یحدثہ الرجل فی الطریق میں گزر چکا ہے۔ ”اتقانی“۔

33666۔ (قوله: وَقَائِدِ قِطَارٍ) قائد ضامن ہوگا کیونکہ اس کے ہانکنے سے وہ جانور چلتا ہے اور اس کے روکنے سے وہ ٹھہر جاتا ہے۔ پس جو اس سواری سے واقعہ رونما ہوگا اسے قائد کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ متسبب ہے۔ پس وہ حکم میں اس طرح ہوگا گویا اس نے اسے خطا قتل کیا ہے۔ پس اس کی عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔

فقہ ابولیت نے ”شرح الجامع“ میں کہا ہے: اگر نابینا کو آگے سے پکڑ کر چلایا تو نابینے نے کسی انسان کو روند دیا اور اسے قتل کر دیا تو چاہیے کہ قائد ضامن نہ ہو۔ کیونکہ نابینا اہل ضمان میں سے ہے۔ پس اس کا فعل اس کی طرف منسوب ہوگا اور عجماء کا فعل رائیگاں ہوتا ہے اس کی ذات کے حکم میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ پس اس کو قائد کی طرف منسوب کیا جائے گا، ”اتقانی“۔ تنص

35667۔ (قوله: قِطَارِ الْإِبِلِ) ”مغرب“ میں کہا: قطار سے مراد اونٹ ہیں جو ایک ہی اسلوب میں چلتے ہیں اس کی جمع قطر ہے جیسے کتاب کی جمع کتب آتی ہے۔

35668۔ (قوله: الدِّيَّةُ) جسے تلف کیا گیا ہے جب وہ مال نہ ہو اور حکم موصیٰ زخم کی دیت اور جو اس سے فائق ہوگا ہو جس طرح کئی دفعہ گزر چکا ہے، ”مکی“، ”ط“۔

35669۔ (قوله: هَذَا لَوِ السَّائِقِ مِنْ جَانِبِ مِنَ الْإِبِلِ) یعنی درمیان میں ہو وہ قطار کے پہلو میں چل رہا ہو نہ اس کے آگے ہو اور نہ ہی اس کے پیچھے ہو۔ ”اتقانی“ نے کہا: یہ یعنی ضمان کا وجوب ہانکنے والے اور قیادت کرنے والے پر ہوگا

فَلَوْ تَوَسَّطَهَا وَأَخَذَ بِزِمَامٍ وَاحِدٍ ضَمِنَ مَا خَلْفَهُ وَضَمِنَا مَا قُدَّامَهُ وَرَاكِبٌ وَسِطَهَا يَضْمَنُهُ فَقَطُّ مَا لَمْ يَأْخُذْ بِزِمَامٍ مَا خَلْفَهُ (فَإِنْ قَتَلَ بَعِيرٌ رُبَطَ عَلَى قِطَارٍ سَائِرٍ بِلَا عِلْمٍ قَائِدِهِ رَجُلًا) مَفْعُولُ قَتَلَ (ضَمِنَ) عَاقِلَةُ الْقَائِدِ الدِّيَّةَ رَجَعُوا بِهَا عَلَى عَاقِلَةِ الرَّابِطِ

اگر ان کے وسط میں ہو اور اس نے ایک کی مہار پکڑی ہوئی ہو تو جو اس کے پیچھے ہیں ان کا وہ ضامن ہوگا اور جو اونٹ اس کے آگے ہیں دونوں اس کے ضامن ہوں گے۔ اور جو صرف اس کے درمیانی اونٹ پر سوار ہے صرف اس اونٹ کا ضامن ہوگا جب تک وہ اپنے پیچھے والے اونٹوں کی زمام نہ پکڑے۔ اگر اس اونٹ نے کسی آدمی کو قتل کر دیا۔ جسے قائد کے علم کے بغیر قطار کے ساتھ باندھا گیا تھا رجلا، قتل کا مفعول یہ ہے تو قائد کی عاقلہ دیت کی ضامن ہوگی جس کا مطالبہ وہ باندھنے والے کی عاقلہ سے کریں گے

جب ہانکنے والا اونٹوں کو ہانکتا ہے جب کہ وہ اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے نہیں ہوتا، مگر جب وہ زمام پکڑ لے تو ضمان اس پر واجب ہوگی اس صورت میں جب وہ اس کے پیچھے ہلاک ہو نہ قائد پر جو آگے ہے ضمان لازم ہوگی۔ کیونکہ جب زمام قطار سے منقطع ہوگئی تو مقدم قائد ان کا قائد نہیں ہوگا جو اس کے ہانکنے کے پیچھے ہیں مگر جو ہانکنے والے سے آگے ہلاک ہو اس میں ہانکنے اور اور قائد دونوں ضامن ہوں گے۔ کیونکہ ضمان نے وجوب کے سبب میں مشترک ہیں۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک جنایت کے قریب کرنے والا ہے یہ اپنے ہانکنے کے ساتھ اور وہ قیادت کرنے کے ساتھ۔

35670۔ (قوله: وَرَاكِبٌ وَسِطَهَا يَضْمَنُهُ) یعنی اگر کوئی آدمی قطار کے وسط میں اونٹ پر سوار ہے اور ان میں سے کسی کو ہانک نہیں رہا تو اس کا اونٹ جس پر وہ سوار تھا جس کو روندے گا اس کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس کو روندنے میں وہ مباشر ہے مگر جسے ادا کرنے کے بعد نقصان پہنچائے تو وہ اس کے ذمہ اور قائد کے ذمہ ہوگا۔ ”زیلعی“ نے اسے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اس پر مبنی ہے جس کی انہوں نے پہلے تصحیح کی ہے اس میں جو ضعف ہے تو اسے پہچان چکا ہے۔ ”النبایہ“ اور ”الکفایہ“ میں دونوں پر بغیر تفصیل کے ضمان کو لازم کیا ہے۔ یہ اس کی مؤید ہے جس تصحیح پر ہم نے پہلے کلام کی ہے۔

35671۔ (قوله: فَقَطُّ) یعنی جو اس کے سامنے ہے نہ اس کا ضامن ہوگا کیونکہ وہ اس کو ہانکنے والا نہیں اور نہ اس کا ضامن ہے جو اس کے پیچھے ہے۔ کیونکہ وہ قائد نہیں مگر جب وہ اس کی زمام پکڑے ہوئے ہو جو اس کے پیچھے ہے، ”زیلعی“۔ یہ بعض متاخرین کا قول ہے۔ جہاں تک دوسرے علماء کا تعلق ہے تو انہوں نے صرف اس پر اکتفا کیا ہے کہ جو اس کے پیچھے ہے وہ اس کے اونٹ کے ساتھ باندھا ہوا ہو جس طرح ”النبایہ“ وغیرہ میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

35672۔ (قوله: بِلَا عِلْمٍ قَائِدِهِ) یہ ربط کے متعلق ہے۔ یہ قید لگائی ہے تاکہ اس پر اپنے قول و رجوعا بہا کی بنیاد رکھ سکیں۔ کیونکہ جب اسے علم ہو تو پھر انہیں مطالبہ کا حق نہیں ہوگا۔ ”کفایہ“۔

35673۔ (قوله: ضَمِنَ عَاقِلَةُ الْقَائِدِ الدِّيَّةَ) کیونکہ جب اس نے اپنی قطار کو اس اونٹ کے باندھنے سے محفوظ

لَاِنَّهُ دِيَّةٌ لَا خُسْرَانَ كَمَا تَوَهَّمَهُ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ فَلَوْ رَبَطَ وَالْقَطَارُ وَاَقِفَتْ ضَمِنَهَا عَاقِلَةُ الْقَائِدِ بِلَا رُجُوعٍ لِقَوْدِهِ بِلَا اِذْنٍ (وَمَنْ اُرْسِلَ بِهَيْمَةٍ) اَوْ كَلَبًا مُلْتَقًى (وَكَانَ خَلْفَهَا سَائِقًا لَهَا فَاصَابَتْ فِي قَوْرِهَا ضِمْنَ) لَاِنَّهُ الْحَامِلُ لَهَا وَاِنْ لَمْ يَنْشِ خَلْفًا فَمَا دَامَتْ فِي دَوْرِهَا

کیونکہ یہ دیت ہے خسران (نقصان) نہیں ہے جس طرح صدر الشریعہ کو وہم ہوا۔ پھر اگر اس نے اس اونٹ کو باندھا جب کہ قطار رکی ہوئی تھی تو قائد کی عاقلہ اس کی ضامن ہوگی جب کہ وہ اس کا کسی سے مطالبہ نہ کریں گے۔ کیونکہ اس نے اجازت کے بغیر قیادت کی ہے۔ جس آدمی نے کوئی جانور یا کتا چھوڑا۔ ”ملتقی“ میں اسی طرح ہے جب کہ وہ چھوڑنے والا اس کے پیچھے اسے ہانکنے والا تھا تو اس جانور نے فی الفور کسی شے کو تلف کر دیا تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ وہی آدمی اس کو بھڑکانے والا ہے۔ اگر چھوڑنے والا اس کے پیچھے نہ چلے تو جب تک وہ جانور اسی تیز رفتاری میں رہا یعنی رکا نہیں

نہیں کیا تو وہ متسبب اور متعدی ہوگا۔ اور وہ اونٹ باندھنے والے کی عاقلہ سے مطالبہ کریں گے۔ کیونکہ اس نے ان کو اس مصیبت میں ڈالا ہے۔

35674۔ (قوله: كَمَا تَوَهَّمَهُ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ) کیونکہ کہا: چاہیے کہ وہ باندھنے والے کے مال میں سے ہو۔ کیونکہ باندھنے والے نے اسے مال کے خسارہ میں واقع کیا ہے یہ ان امور میں سے ہے عاقلہ جس کی ذمہ دار نہیں ہوتی، ”ح“۔

35675۔ (قوله: وَالْقَطَارُ وَاَقِفَتْ) یہ ان کے قول سائر سے احتراز ہے۔

35676۔ (قوله: لِقَوْدِهِ بِلَا اِذْنٍ) یعنی باندھنے والے کی اجازت کے بغیر۔ جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تو جب اس نے اونٹ باندھا تھا اور قطار چل رہی تھی تو باندھنے والے کی جانب سے اجازت دلالہ پائی گئی تھی کہ وہ مربوط اونٹ کی قیادت کرے اسی وجہ سے انہوں نے اس کی عاقلہ سے مطالبہ کیا تھا کیونکہ وہ (باندھنے والا) سبب بنا تھا۔ ”کفایہ“۔

اگر کوئی شخص جانور یا کتا چھوڑے اور وہ کسی چیز کو تلف کر دے تو اس کا حکم

35677۔ (قوله: وَمَنْ اُرْسِلَ بِهَيْمَةٍ الْخ) پہلے یہ جان لو کہ کتے اور اس کے علاوہ کے چھوڑنے میں فرق ہے وہ یہ ہے کہ اگر وہ کتا چھوڑے اور وہ اسے جوش دلانے والا نہ ہو تو چھوڑنے والا ضامن نہ ہوگا اگرچہ وہ کتا فی الفور کسی شے کا نقصان کر دے۔ کیونکہ وہ حد سے تجاوز کرنے والا نہیں کیونکہ اس کا پیچھا کرنا ممکن ہی نہیں۔ متسبب ضامن نہیں ہوتا جب وہ حد سے تجاوز کرے۔ اگر وہ کوئی اور جانور چھوڑ دے تو وہ فی الفور جس کو تلف کر دے اس کا ضامن ہوگا خواہ اس کو ہانکا ہو یا نہ ہانکا ہو۔ کیونکہ راستہ میں اسے چھوڑنے سے تعدی کرنے والا ہے ساتھ ہی اس کو پیچھے لگانا ممکن تھا۔ ”نہایہ“ نے اسے بیان کیا ہے۔ لیکن ”القہستانی“ میں ہے: امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے مروی ہے: وہ ہر حال میں ضامن ہوگا۔ عام مشائخ نے اسی کو اپنایا ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔

امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق جانور اور کتے میں کوئی فرق نہیں۔ پہلی صورت میں وہ ضامن نہیں ہوگا کتا جسے

فَسَائِقٌ حَكْمًا، وَإِنْ تَرَخَى انْقِطَاعَ السَّوْقِ فَالْمُرَادُ بِالسَّوْقِ النَّشْئُ خَلْفَهَا وَالْمُرَادُ بِالدَّابَّةِ الْكَلْبُ زَيْدَعِي
(وَإِنْ أُرْسِلَ طَيْرًا سَاقَهُ أَوْ لَا أَوْ دَابَّةً أَوْ كَلْبًا وَلَمْ يَكُنْ سَائِقًا لَهُ

تو چھوڑنے والا حکماً اس کو ہانکنے والا ہوگا۔ اگر اس میں تراخی واقع ہوگئی یعنی وہ جانور رک گیا تو ہانکنا منقطع ہو جائے گا۔ پس ہانکنے سے مراد اس کے پیچھے چلنا ہے۔ دابہ سے مراد کتا ہے، ”زیلعی“۔ اگر ایک آدمی نے پرندہ چھوڑا اسے انگشت دلائی یا نہ دلائی یا اس نے جانور چھوڑا یا کتا جب کہ وہ اسے انگشت دلانے والا نہ ہو

فی الفور نقصان پہنچائے مگر جب وہ کتے کو انگشت دے اور جانور جس کو فی الفور نقصان پہنچائے تو وہ مطلقاً اس کا ضامن ہوگا۔ اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کا کلام پہلے قول پر جاری ہے۔ کیونکہ انہوں نے ضمان میں ہانکنے کو شرط قرار دیا ہے اور یہ صرف کتے میں شرط ہے۔ اسی وجہ سے ”زیلعی“ وغیرہ نے بھیہ کی تفسیر کتے سے کی ہے۔ شارح نے آخر میں ان کی پیروی کی ہے لیکن ان کا قول اد کلہ اس کے مناسب نہیں خصوصاً جو آنے والا قول ہے: المراد بالدابة الكلب۔

35678۔ (قوله: فَسَائِقٌ حَكْمًا) کیونکہ اس کا دوڑنا یہ اس چھوڑنے والے کی طرف منسوب ہوگا جب تک وہ جانور اسی راستہ پر دوڑتا جائے اگر وہ دائیں بائیں متوجہ ہو تو چھوڑنے کا حکم منقطع ہو جائے گا مگر جب اس کے سوا کوئی راستہ نہ ہو۔ اسی طرح جب وہ ٹھہر جائے اور پھر چلے تو چھوڑنے کا حکم منقطع ہو جائے گا۔ اس کی مکمل بحث ”ہدایہ“ میں ہے۔ اگر کوئی لوٹانے والا اسے لوٹائے تو اس کے اس عمل میں جو اس کا نقصان کر دے تو اس کا لوٹانے والا ضامن ہوگا۔ کیونکہ وہی اس کو ہانکنے والا ہے اور وہ اس کے ہانکنے والے سے مطالبہ نہیں کرے گا مگر جب اس نے ہانکنے والے کے کہنے پر اسے لوٹایا ہو۔ ”اتقانی“۔

35679۔ (قوله: فَالْمُرَادُ بِالسَّوْقِ الْخ) یہ ان کے قول: وکان خلفها سائقا لها کی تفریع ہے۔ ان علماء کی عبارت سے جو متبادر معنی سمجھ آتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے پیچھے چلے اگرچہ اس کو نہ ہانکنے کی ”منلا علی“ سے ہانکنے دھتکارنے کی قید لگائی ہے۔

میں کہتا ہوں: ”غایۃ البیان“ میں ”اسیجائی“ سے مروی ہے: اس سے ارادہ کیا ہے جب اسے چھوڑا اور اسے مارا یا اسے اس وقت جکڑا یہاں تک کہ وہ اس کے لیے ہانکنے والا ہو گیا۔

35680۔ (قوله: وَالْمُرَادُ بِالدَّابَّةِ) زیادہ بہتر یہاں بھیہ کا لفظ تھا۔ کیونکہ متن اور ”زیلعی“ میں بھیہ کا لفظ موجود ہے تو اس تفسیر کی وجہ اور اس میں جو ضعف ہے اس کو جان چکا ہے۔

35681۔ (قوله: سَاقَهُ أَوْ لَا) کیونکہ اس کا بدن ہانکنے کا احتمال نہیں رکھتا۔ بھیہ کا معاملہ مختلف ہے۔

35682۔ (قوله: أَوْ دَابَّةً أَوْ كَلْبًا وَلَمْ يَكُنْ سَائِقًا لَهُ) اسے مطلقاً ذکر کیا ہے۔ پس یہ اس کو شامل ہوگا جب کتا فوراً

کسی شے کا نقصان کر دے۔ پس چھوڑنے والا ضامن نہ ہوگا۔ دابہ کا معاملہ مختلف ہے، ”نہایہ“۔ ہم فرق کی وجہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ مطلقاً ضمان ہوگی۔ اس تعبیر کی بنا پر صحیح یہ ہے کہ شارح اپنے قول اد دابة کو ساقط کر دیتے۔

(أَوْ انْفَلَتَتْ ذَابَّةً) بِنَفْسِهَا (فَأَصَابَتْ مَالًا أَوْ آدَمِيًّا نَهَارًا أَوْ لَيْلًا لَا ضَمَانَ) فِي الْكُلِّ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ الْعَجَبَاءُ جُبَارٌ أَيْ الْمُنْفِلَتَةُ هَذَرٌ (كَمَا لَوْ جَبَحَتْ) الذَّابَّةُ (بِهِ) أَيْ بِالرَّكِبِ وَلَوْ سَكَّرَانَ (وَلَمْ يَقْدِرَنَّ الرَّاكِبُ) عَلَى رَدِّهَا فَإِنَّهُ لَا يَضُنُّ كَالْمُنْفِلَتَةِ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ لَيْسَ بِمُسَيِّرٍ لَهَا فَلَا يُضَافُ سَيْرُهَا إِلَيْهِ حَتَّى لَوْ اتَّلَفَتْ إِنْسَانًا فَدَمُهُ هَذَرٌ عِمَادِيَّةٌ

یا جانور خود بخود اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تو اس نے کوئی مال یا انسان کو دن یا رات میں تلف کر دیا تو سب میں کوئی ضمان نہ ہوگی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: یعنی جانور کا زخم باطل ہے (1) یعنی جو جانور خود بخود چھوڑ گیا تھا اس کا زخم باطل ہے جس طرح جانور سوار پر سرکش ہو گیا۔ اگر وہ نشہ کی حالت میں ہو اور سوار اس کے لوٹانے پر قادر نہ ہو تو وہ چھوٹ جانے والے کی طرح ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ اس وقت سوار اس کو چلانے والا نہیں لہذا اس کے چلنے کی نسبت چلانے والے کی طرف نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی انسان کو تلف کر دے تو اس کا خون رائیگاں جائے گا، ”عمادیہ“۔

35683۔ (قوله: أَوْ انْفَلَتَتْ ذَابَّةً) خواہ راستہ میں ایسا ہو یا کسی اور کی ملکیت میں ایسا ہو۔ ”اتقنی“۔

35684۔ (قوله: أَوْ لَيْلًا) امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے کہا: اگر رات کو وہ نقصان کرے تو ضامن ہوگا۔ کیونکہ معمول یہ ہے کہ رات میں اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔ پس وہ کوتاہی کرنے والا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ”معراج“ میں ہے۔

35685۔ (قوله: الْعَجَبَاءُ جُبَارٌ) یعنی اس کا فعل رائیگاں ہے جب وہ چھوٹ جائے ”صحیحین“۔ امام ”مالک“ نے امام ”احمد“ اور اصحاب سنن کی روایت میں ہے: العجباء جرحها جبار، (2) ”ط“۔ اور عجماء کا لفظ عمومی طور پر بھیسہ پر بولا جاتا ہے۔ ”مغرب“۔

35686۔ (قوله: أَيْ الْمُنْفِلَتَةُ) یہ عجماء کی تفسیر نہیں جس طرح یہ امر مخفی نہیں، ”ح“۔

”زیلعی“ نے امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے یہ نقل کرنے کے بعد کہا: یہ صحیح ظاہر ہے کیونکہ جس کو ہانکا گیا ہو، جس پر سواری کی گئی ہو، جس کی لگام آگے سے پکڑی گئی ہو وہ راستہ میں ہو یا غیر کی ملک میں ہو یا اسے راستہ میں چھوڑا گیا ہو اس کا فعل معتبر ہوتا ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔

35687۔ (قوله: عِمَادِيَّةٌ) اس میں ان کا قول حتی لو اتلفت انسانا الخ کا ذکر نہیں کیا مصنف نے اس کا ذکر کیا

ہے کہ مولیٰ ”ابو سعید عمادی“ مفتی الروم نے فتویٰ دیا لیکن جب یہ ”فصول عمادیہ“ کے کلام سے مفہوم ہو رہا تھا تو اسے اس کی طرف منسوب کر دیا۔ ”رہلی“ نے یہ ذکر کیا ہے کہ دونوں اگر اس میں اختلاف کریں کہ وہ اس کے لوٹانے پر قادر نہیں تھا تو قول خصم کا معتبر ہوگا اور گواہیاں اس کے ذمہ ہوں گے جو عجز کا دعویٰ کرے۔ کیونکہ جب سبب متحقق ہو جائے اس کے بعد دعویٰ کے ضمن میں ضمان کی اصل کا انکار کچھ فائدہ مند نہیں ہوتا، تامل۔ ملخص

(وَمَنْ ضَرَبَ دَابَّةً عَلَيْهَا رَاكِبٌ أَوْ نَحَسَهَا) بِعُودٍ بِلَا إِذْنِ الرَّاَكِبِ (فَنَفَعَتْ أَوْ ضَرَبَتْ بِيَدِهَا) شَخْصًا (آخَرَ) غَيْرَ الطَّاعِنِ (أَوْ نَفَرَتْ فَصَدَمَتْهُ وَقَتَلَتْهُ ضَبْنٌ هُوَ أَمَى النَّاحِصِ) (لَا الرَّاَكِبُ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ يَضْمَنَانِ نِصْفَيْنِ كَمَا لَوْ كَانَ مُوقِفًا دَابَّتَهُ عَلَى الطَّرِيقِ

جس نے کسی سواری کو ضرب لگائی جس پر سوار موجود تھا یا اس کو لکڑی کے ساتھ کچوکا دیا تو اس نے پیچھے پاؤں یا اگلے پاؤں سے کسی ایسے شخص کو ضرب لگائی جو ضرب لگانے کے علاوہ تھا یا وہ سواری بھاگ کھڑی ہوئی تو اس آدمی کے ساتھ جا ٹکرائی اور اسے قتل کر دیا تو جس نے کچوکا دیا تھا وہ ضامن ہوگا سوار ضامن نہیں ہوگا۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے فرمایا: دونوں نصف نصف ضامن ہوں گے جس طرح وہ اپنی سواری کو راستے پر کھڑا کیے ہوئے تھا۔

35688۔ (قوله: أَوْ ضَرَبَتْ بِيَدِهَا) اس کو اگلے پاؤں سے مارا یا کیسے ہی اسے تلف کیا، ”خلاصہ“۔ پس اس میں وہ صورت بھی داخل ہو جائے گی جب وہ اس کو روند ڈالے۔ ”ہدایہ“ میں کہا: اگر اس کے کچوکا لگانے سے وہ ایک آدمی پر اچل پڑی یا اسے روند ڈالا اور اسے قتل کر دیا تو ضمانت کچوکا لگانے والے کے ذمہ ہوگی سوار کے ذمہ نہ ہوگی جو اپنی ملکیت میں ٹھہرا ہوا ہو یا جو اس میں چل رہا ہو دونوں برابر ہیں۔ جو راستہ میں کھڑا ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس نے تعدی کی ہے، ”کفایہ“۔ عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

35689۔ (قوله: فَصَدَمَتْهُ) یعنی وہ سواری کسی اور سے ٹکرائی اور اسے قتل کر دیا ”تا ترخانیہ“ میں ہے: یہ حکم اس صورت میں ہے جب پاؤں سے ضرب لگانا، مارنا اور اچھلنا کچوکا لگانے کے فوراً بعد ہو ورنہ اس پر ضمان نہ ہوگی۔

35690۔ (قوله: لَا الرَّاَكِبُ) کیونکہ وہ متعدی نہیں ہے پس تعدی کی وجہ سے چٹی لازم کرنے میں کچوکا لگانے والے کی جانب رائج ہو جائے گی۔ اس کی مکمل بحث ”ہدایہ“ میں ہے ورنہ اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔

35691۔ (قوله: وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ) یہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے ایک روایت مروی ہے جس طرح ”قہستانی“ وغیرہ میں ہے۔

35692۔ (قوله: كَمَا لَوْ كَانَ مُوقِفًا دَابَّتَهُ عَلَى الطَّرِيقِ) یعنی ایک آدمی نے اسے کچوکا دیا تو اس سواری نے کسی اور کو قتل کر دیا تو وہ دونوں نصف نصف کے ضامن ہوں گے۔ کیونکہ وہ اسے ٹھہرانے کے ساتھ حد سے تجاوز کرنے والا ہے۔ ”منہج“ وغیرہ۔

”رملی“ نے کہا: میں کہتا ہوں: اس کا ظاہر معنی یہ ہے اگر اس کی اجازت کے بغیر ہو۔ کیونکہ یہ متن کے اس مسئلہ کا موضوع ہے جس پر گفتگو ہو رہی ہے۔ ”الخلاصہ“ اور ”بزازیہ“ میں جس کی تصریح ہے وہ اس کے برعکس ہے۔

”خلاصہ“ میں کہا: اگر اس کی اجازت سے ہو تو ضمان دونوں پر ہوگی مگر جب وہ اسے ضرب لگائے۔ جہاں تک دم مارنے کا تعلق ہے تو یہ رایگاں ہے مگر جب سوار اپنی مملوکہ جگہ کے علاوہ کھڑا ہو تو اس نے ایک آدمی کو حکم دیا تو اس نے اسے کچوکا دیا تو

لِتَعْدِيهِ فِي الْإِيقَافِ أَيْضًا، وَكَمَا لَوْ كَانَ بِإِذْنِهِ وَوَطِئَتْ أَحَدًا فِي قَوْرِهَا فَدَمُهُ عَلَيْهِمَا؛ وَلَوْ نَفَحَتْ
النَّاحِسَ فَدَمُهُ هَذَرٌ وَلَوْ أَلْقَتْ الرَّكِبَ فَتَقَلَّتْهُ فِدْيَتُهُ عَلَى عَاقِلَةِ النَّاحِسِ ثُمَّ النَّاحِسُ إِنَّمَا يَضُنُّ

کیونکہ کھڑا کرنے کے ساتھ وہ بھی تعدی کرنے والا تھا اور جس طرح اس نے سوار کی اجازت سے اسے ضرب لگائی تھی یا کچوکا
دیا تھا اور اس نے فی الفور کسی کو روند دیا تھا تو اس کا خون دونوں پر رائیگاں جائے گا۔ اگر کچوکا لگانے والے کو اس نے پچھلے
پاؤں سے ضرب لگائی تو اس کا خون رائیگاں جائے گا اگر اس نے سوار کو نیچے پھینک دیا اور اس کو قتل کر دیا تو اس کی دیت کچوکا
دینے والے کی عاقلہ پر ہوگی پھر کچوکا لگانے والا ضامن ہوگا۔

اس نے پاؤں سے ضرب لگائی تو ضمان لازم ہوگی۔ اگر اجازت کے بغیر ہو تو مکمل ضمانت کچوکا لگانے والے پر ہوگی۔
”طحاوی“ نے ”المشتقی“ سے نقل کیا ہے: ایک آدمی ہے جو راستہ میں اپنی سواری پر بیٹھا ہوا ہے اس نے ایک آدمی کو کہا تو اس
نے سواری کو کچوکا دیا تو سواری نے ایک دوسرے آدمی اور آمر کو قتل کر دیا تو اجنبی کی دیت دونوں پر ہوگی اور آمر کا خون رائیگاں
چلا جائے گا۔ اگر وہ سواری اپنی جگہ سے چل پڑی پھر اس نے کچوکا لگانے کے فوراً بعد پاؤں سے ضرب لگادی تو ضمان صرف
کچوکا لگانے والے پر ہوگی اگر وہ نہ چلے اور اس نے کچوکا لگانے والے اور دوسرے آدمی کو ضرب لگائی تو اجنبی کی دیت دونوں
پر ہوگی۔ اور کچوکا لگانے والے کی نصف دیت سوار پر ہوگی، ملخص۔

اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ دونوں کی ضمان بھی اس امر کے ساتھ مقید ہوگی جب وہ اپنی جگہ سے نہ چلے ورنہ صرف
کچوکا لگانے والا ضامن ہوگا جس طرح اگر وہ سواری کی اجازت کے بغیر کچوکا لگائے۔

35693۔ (قوله: لِتَعْدِيهِ فِي الْإِيقَافِ) اگر وہ سواری رک گئی اور ٹھہر گئی تو اس نے یا کسی اور نے اسے کچوکا دیا تا کہ
وہ چل پڑے تو ان دونوں پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ ”طحاوی“ نے اسے نقل کیا ہے۔

35694۔ (قوله: أَيْضًا) یعنی جس طرح کچوکا دینے والا کچوکے ساتھ حد سے تجاوز کرتا ہے۔ ”ط“۔

35695۔ (قوله: وَوَطِئَتْ) یعنی چلتے ہوئے کسی کو روند دے، ”ہدایہ“۔ روندنے کی جو قید لگائی ہے یہ پاؤں سے
ضرب لگانے والے وغیرہ کو خارج کرنا مقصود ہے۔ پس جو اجازت کے ساتھ ضرب لگاتا ہے وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا جس
طرح وہ گزر چکا ہے۔ ”خانیہ“ میں ہے: یہاں کچوکا لگانے والا ضمانت نہیں دے گا جب تک سوار اسے پاؤں، دم وغیرہ کی
ضرب کی ضمانت اسے نہیں دے گا۔

35696۔ (قوله: فَدَمُهُ عَلَيْهِمَا) کیونکہ اس وقت اس کا چلنا ان دونوں افراد کی طرف منسوب ہوگا پھر کیا کچوکا
لگانے والا سوار سے اس چیز کی واپسی کا مطالبہ کرے گا جو اس نے روندنے کی ضمانت دی ہے۔ کیونکہ یہ عمل اس کے کہنے پر کیا
تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہاں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے نہیں۔ ”ہدایہ“ میں اس کی تصحیح کی ہے۔

35697۔ (قوله: فِدْيَتُهُ عَلَى عَاقِلَةِ النَّاحِسِ) یعنی اگر اس کی اجازت کے بغیر ہو اگر اس کی اجازت کے ساتھ

لَوْ الْوَطْءُ فَوْرَ النَّخْسِ وَإِلَّا فَالضَّمَانُ عَلَى الرَّائِبِ لِانْقِطَاعِ أَثَرِ النَّخْسِ دُرّاً وَبَزَازِيَّةً (و) ضَمِنَ (فِي فَتْوَى عَيْنِ دَجَاجَةٍ أَوْ شَاةٍ قَصَابٍ) أَوْ غَيْرِهِ

اگر روندنے کا عمل کچوکا لگانے کے فوراً بعد ہو ورنہ ضمان سوار پر ہوگی۔ کیونکہ کچوکے کا اثر ختم ہو چکا ہے، ”درر“، ”بزازیہ“۔ قصاب یا کسی اور کی مرغی یا بکری کی آنکھ پھوڑنے میں اس کی ضمانت دے گا

ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔

35698۔ (قولہ: لَوْ الْوَطْءُ فَوْرَ النَّخْسِ) اسی طرح نفحہ (پاؤں سے ضرب لگانا) ضرب اور (مارنا) اور وشبہ

(اچھلنا) ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

تمتہ: سوار کے ساتھ صرف کچوکا لگانے والے کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔ ”المستقی“ کے متن میں کہا: اس طرح کا حکم ہے جب کچوکا لگائے اور اس کے ساتھ ہانکنے والا ہو یا اس کو آگے سے پکڑ کر چلنے والا ہو۔ اگر راستہ میں گری ہوئی چیز اسے کچوکا لگائے تو ضمان اس شخص پر ہوگی جس نے اس چیز کو گاڑا۔ اس میں کوئی فرق نہیں جب کچوکا لگانے والا بچہ ہو یا بالغ ہو اگر وہ غلام ہو تو ضمان اس کی گردن میں ہوگی اس فصل اور جو اس سے ماقبل ہے۔ اس سب کا خلاصہ یہ ہے اگر ہلاک ہونے والا انسان ہو تو دیت اس کی عاقلہ پر ہوگی اگر اس کے علاوہ جیسے جانور تو ضمان جنایت کرنے والے کے مال میں ہوگی۔

جہاں تک ”ہدایہ“ کا قول ہے: اگر کچوکا لگانے والا بچہ ہو تو ضمان اس کے مال میں ہوگی۔ علامہ ”نسفی“ نے ”الکافی“ میں کہا: یہ احتمال ہے کہ یہ مراد لیا جائے جب جنایت مال پر ہو یا جس میں موصحہ کی دیت سے کم لازم آتا ہو۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد بچہ لیا جائے جب وہ عجمیوں میں سے ہو۔ کیونکہ ان کی کوئی عاقلہ نہیں ہوتی ”کفایہ“۔ اور ”المستقی“ میں ہے: جہاں کچوکے کا خصوصی ذکر کیا ہے کیونکہ اگر وہ اپنا ہاتھ گھوڑے کی پشت پر رکھے جب کہ اس کی عادت یہ ہو کہ ٹانگ سے ضرب لگاتا ہے تو اس گھوڑے نے ایسا کر دیا اور اس نے کسی شے کو تلف کر دیا تو وہ ہاتھ رکھنے والا ضامن نہ ہوگا۔ کچوکا لگانے کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ اضطراب اسے لازم ہے نہ کہ ہاتھ رکھنے سے جس طرح ”برجندی“ میں ”القنیہ“ سے مروی ہے۔

”تاتر خانہ“ میں ہے: ایک آدمی نے راستہ میں کسی شے کو رکھا تو اس سے سواری بدک گئی اور ایک آدمی کو قتل کر دیا تو وضع پر کوئی شے لازم نہ ہوگی جب وہ شے کسی شے کو ہلاک نہ کرے۔ لیکن ”طحطاوی“ میں ”الحیطة السرخی“ سے نقل کیا ہے: اگر سواری اس پتھر سے بدک گئی جسے ایک آدمی نے راستہ پر رکھا ہو تو رکھنے والا کچوکا لگانے والے کے قائم مقام ہے۔

35699۔ (قولہ: وَفِي فَتْوَى عَيْنِ دَجَاجَةٍ) اس کی مثل کبوتر اور اس کے علاوہ پرندے ہیں۔ اسی طرح کتا اور بلی

ہے جس طرح ”ذخیرہ“ میں ہے، ”تہستانی“۔

35700۔ (قولہ: أَوْ غَيْرِهِ) اسی وجہ سے ”ابن کمال“ سے قصاب کی طرف اضافت کو ترک کر دیا ہے اور کہا: کیونکہ

(مَا نَقَصَهَا) لِأَنَّهَا لِلْحِمِّ وَفِي عَيْنَيْهَا يُخَيَّرُ رَبُّهَا إِنْ شَاءَ تَرَكَهَا عَلَى الْفَاقِي وَضَمَّنَهُ قِيَمَتَهُمَا أَوْ أَمْسَكَهَا وَضَمَّنَهُ النُّقْصَانَ زَيْدَعِي (وَفِي عَيْنٍ بَقَرَةٌ جَزَارٍ وَجَزُورٍ) أَمْنَى إِبِلِهِ فَائِدَةُ الْإِضَافَةِ عَدَمُ اعْتِبَارِ الْإِعْدَادِ لِلْحِمِّ فِي الْحُكْمِ الْآتِي ابْنُ كَمَالٍ (وَحِمَارٍ وَبَغْلٍ وَفَرَسٍ رُبْعُ الْقِيَمَةِ) لِأَنَّهُ إِقَامَةُ الْعَمَلِ،

اس قدر اس کا نقصان ہوا۔ کیونکہ یہ گوشت کے لیے ہوتی ہیں اور اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ دینے کی صورت میں اس کے مالک کو اختیار ہوگا۔ اگر چاہے تو اسے آنکھ پھوڑنے والے کے پاس چھوڑ دے اور اس کی قیمت کی ضمانت لے لے یا اس کو اپنے پاس روک لے اور نقصان کی ضمانت لے لے، ”زیلعی“۔ قصاب کی گائے اور اس کے اونٹ اور بکری گدھے، خیر اور گھوڑے کی آنکھ کے پھوڑنے میں اس کی قیمت کے چوتھائی کا ضامن ہوگا۔ یہاں اضافت کا فائدہ یہ ہے کہ آنے والے حکم میں انہیں گوشت کے لیے تیار کیے جانے کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ کیونکہ ان سے جو کام لیا جاتا ہے

اس میں اختصاص کا گمان ہے خصوصاً جب آنے والی تعلیل کو پیش نظر رکھا جائے جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے۔

35701۔ (قوله: مَا نَقَصَهَا) پس جس کی آنکھ صحیح ہو اور جس کی آنکھ پھوڑی جا چکی ہو اس کی قیمت لگائی جائے گی

پس وہ زائد کا ضامن ہوگا، ”قہستانی“۔ اور نقصان اس کو شامل ہوگا جو آنکھ کو پھوڑ دینے سے کمزوری سے حاصل ہوا۔ ”طحاوی“ نے ”وانی“ سے نقل کیا ہے۔

35702۔ (قوله: لِأَنَّهَا لِلْحِمِّ) پس اس میں صرف نقصان کا اعتبار ہوگا۔ ”ابن کمال“۔

میں کہتا ہوں: یہ کتے اور بلی وغیرہ کو شامل نہیں ہوگا لیکن اس میں نقصان کا ضمان اس قاعدہ پر جاری ہوگا جو متلفات کی ضمان میں ہے۔ جہاں تک قیمت کی چوتھائی کی ضمانت کا تعلق ہے تو وہ آنے والے مسئلہ میں ہے۔ پس وہ قیاس کے مخالف ہے اور نص پر عمل کرنے کی وجہ سے ہے۔

35703۔ (قوله: وَفِي عَيْنَيْهَا الْخ) یہ وہ ہے جسے ”زیلعی“ نے گائے وغیرہ میں ذکر کیا ہے اور اس کی یہ عت بیان کی

ہے کہ جس پر عمل ہے وہ نص ہے اور وہ نص ایک آنکھ میں وارد ہوئی ہے۔ پس اسی پر اکتفا کیا جائے گا، تامل۔

35704۔ (قوله: أَمْنَى إِبِلِهِ) ”قاموس“ میں کہا: ابل کا لفظ واحد ہے جو جمع پر واقع ہوتا ہے اس کی جمع نہیں بنائی جاتی

اور نہ ہی اسم جمع ہے اس کی جمع آبال ہے، فافہم

35705۔ (قوله: فَائِدَةُ الْإِضَافَةِ الْخ) تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ دونوں کیونکہ گوشت کے لیے تیار کیے جاتے ہیں تو ان کا

حکم بکری کا حکم ہوگا بلکہ خواہ وہ گوشت کے لیے، کھیتی کے لیے یا سواری کے لیے تیار کیے گئے ہیں تو ان میں چوتھائی قیمت لازم ہوگی جس طرح اس چیز کا حکم ہے جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا۔ ”منح“۔

35706۔ (قوله: وَحِمَارٍ) ”خلاصہ“ میں ”المشتق“ سے مروی ہے: جس پر اس کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے کوئی شے

نہ لادی جاسکے جیسے فصیل اور جحش ہے تو اس کی آنکھ کے ضائع ہونے میں چوتھائی قیمت لازم ہوگی۔

إِنَّمَا يَكُونُ بِأَرْبَعِ أَعْيُنٍ وَعَيْنَاهَا وَعَيْنَا مُسْتَعْمِلَاهَا فَصَارَتْ كَأَنَّهَا ذَاتُ أَعْيُنٍ أَرْبَعٍ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَالشَّاةِ وَالْفَرْقُ مَا قَدَّمَ نَاهُ لَكِنْ يَرُدُّ عَلَيْهِ أَنَّهُ لَوْ فَقَّأَ عَيْنِي حِمَارٍ مَثَلًا أَنَّهُ يَضْمَنُ نِصْفَ قِيَمَتِهِ وَلَيْسَ كَذَلِكَ كَمَا مَرَّ

وہ آنکھوں سے ہی ہوتا ہے آنکھیں چار ہوتی ہیں دو آنکھیں اس جانور کی دو آنکھیں اس کے مستعمل کی۔ پس وہ جانوریوں ہو گیا گویا اس کی چار آنکھیں ہیں امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ جانور بکری کی طرح ہیں فرق وہ ہے جتنے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے اگر وہ مثلاً گدھے کی دونوں آنکھوں کو پھوڑ دے تو وہ اس کی نصف قیمت کا ضامن ہوگا جب کہ معاملہ اس طرح نہیں جس طرح گزر چکا ہے۔

میں کہتا ہوں: جسے ”قہستانی“ نے ”المشتقی“ سے نقل کیا ہے کہ فسیل میں نقصان لازم ہوگا، تامل۔ پھر میں نے ”جامع الفصولین“ میں ”المشتقی“ سے نقل کیا ہے جس طرح ”خلاصہ“ میں ہے۔

35707۔ (قوله: وَالْفَرْقُ مَا قَدَّمَ نَاهُ) یعنی اس قول لان اقامة العمل بها میں فرق بیان کر چکے ہیں۔ ”ہدایہ“

میں کہا: ہماری دلیل ہے جو روایت کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کی آنکھ میں چوتھائی قیمت کا فیصلہ کیا (1) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی طرح فیصلہ فرمایا۔ کیونکہ اس میں گوشت کے علاوہ اور مقاصد ہیں جیسے سواری کرنا زینت حاصل کرنا، سامان لادنا اور مزدوری کرنا۔ اس وجہ سے یہ آدمی کے مشابہ ہو گئیں۔ بعض اوقات انہیں کھانے کے لیے پکڑا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ ماکولات کے مشابہ ہو جاتی ہیں۔ پس ہم نے دونوں مشابہتوں پر عمل کیا ہے چوتھائی مال واجب کرنے میں آدمی کے ساتھ مشابہت کا اور نصف کی نفی میں دوسری شے کے ساتھ مشابہت پر عمل کیا ہے۔ کیونکہ اس سے کام لینا ہو تو چار آنکھوں سے ممکن ہے، الخ۔

35708۔ (قوله: لَكِنْ يَرُدُّ عَلَيْهِ) یعنی مذکورہ فرق پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے۔ ”فخر الاسلام“ نے کہا: قابل اعتماد

چیز وہ پہلی تعلیل ہے یعنی جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کیونکہ دونوں آنکھوں کی ضمان نصف قیمت سے نہیں دی جاتی، ”اتقانی“۔ یعنی جہاں تک تعلیل کا تعلق ہے کہ وہ چار آنکھوں والی ہو گئی ہے تو اس سے دو آنکھوں کی ضمانت نصف قیمت کے ساتھ لازم ہوتی ہے۔

35709۔ (قوله: أَنَّهُ يَضْمَنُ) یہ ان کے قول انہ لوفقاً سے بدل ہے اور مصدر مؤول محذوف کا فاعل ہے اور یہ لو کا

جواب ہے اس کی تقدیر یلزمہ انہ یضمن ہے، تامل

35710۔ (قوله: وَلَيْسَ كَذَلِكَ) یعنی وہ نصف کی ضمانت نہیں دے گا جس طرح ”ہدایہ“ کے شارحین نے

وضاحت کی ہے۔

35711۔ (قوله: كَمَا مَرَّ) اور ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے یہ علت بیان کی ہے کہ معمول بہ نص ہے جب

کہ نص ایک آنکھ میں وارد ہوئی ہے پس اس کا اکتفا اس پر ہوگا۔

1۔ المصنف لابن ابی شیبہ، جلد 5، صفحہ 402۔ نصب الرایۃ، کتاب الدیات، باب جنایۃ البہیمۃ، جلد 5، صفحہ 176

قَالَ أُولَى التَّمَسُّكِ بِمَا رَوَى أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى فِي عَيْنِ الدَّابَّةِ بِرُبْعِ الْقِيَمَةِ وَالتَّقْيِيدُ بِالْعَيْنِ لِأَنَّهُ لَوْ قَطَعَ أُذُنُهَا أَوْ ذَنْبُهَا يَضُنُّ نَقْصَانَهَا، وَكَذَا لِسَانُ الشَّوْرِ وَالْحِمَارِ وَقِيلَ جَبِيعُ الْقِيَمَةِ كَمَا لَوْ قَطَعَ أَحَدَى قَوَائِمِهَا فَإِنَّهُ يَضُنُّ قِيَمَتَهَا وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى أَيْ لَوْ غَيَّرَ مَأْكُولٍ وَإِنْ مَأْكُولًا خَيْرَ كَمَا مَرَّرَ فِي الْعَيْنَيْنِ لَكِنْ فِي الْعُيُونِ إِنْ أُمْسَكَهُ لَا يَضُنُّهُ شَيْئًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى

اولی یہ ہے کہ اس سے تمسک کیا جائے جو روایت کی گئی ہے کہ حضور ﷺ نے جانور کی آنکھ میں چوتھائی قیمت کا فیصلہ کیا (1)۔ آنکھ کی قید لگائی ہے کیونکہ وہ اس کا کان یا دم کاٹ دے تو وہ اس کے نقصان کا ضامن ہوگا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر بیل اور گدھے کی زبان کاٹ دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام قیمت کی ضمانت دے گا جس طرح اگر وہ اس کا ایک پاؤں کاٹ دے تو وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ اس پر فتویٰ ہے یعنی اگر وہ ایسا جانور ہو جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا۔ اگر اس کا گوشت کھایا جاتا ہو تو اس کو اختیار ہوگا جس طرح دونوں آنکھوں میں حکم گزر چکا ہے۔ لیکن ”عیون“ میں ہے: اگر مالک اس کو اپنے پاس روک لے گا تو امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی شے کی ضمانت نہ دے گا۔ اس پر فتویٰ ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ آنکھ کی چوتھائی کے ساتھ ضمانت یہ قیاس کے مخالف ہے اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا بلکہ نص پر اکتفا کیا جائے گا۔ اسی وجہ سے کہا: زیادہ بہتر یہ ہے کہ روایت سے تمسک کیا جائے۔

35712۔ (قوله: وَالتَّقْيِيدُ بِالْعَيْنِ) مصنف نے اپنے قول دنی عین بقرة کے ساتھ قید لگائی ہے۔

35713۔ (قوله: وَقِيلَ جَبِيعُ الْقِيَمَةِ) کیونکہ وہ چارہ نہیں کھا سکتا۔ ”تحفة الاقران“ اور ”القنیه“ میں اسے یقین

کے ساتھ بیان کیا ہے دوسرے علماء نے قیل کا قول کیا ہے۔ ”سامحانی“۔

35714۔ (قوله: أَيْ لَوْ غَيَّرَ مَأْكُولٍ) کیونکہ یہ اسے ہر اعتبار سے ہلاک کرنا ہے۔ ”ہدایہ“۔

35715۔ (قوله: وَإِنْ مَأْكُولًا خَيْرَ) یعنی اسے قطع کرنے والے کے پاس چھوڑ دے اور اس کی قیمت کی ضمانت

لے لے اور اسے اپنے پاس روک لے اور نقصان کی ضمانت لے لے۔ ”الہدایہ“ کی کتاب الغصب میں ہے: یہ امام

”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہر روایت سے اور آپ سے روایت مروی ہے: اگر چاہے تو اس کو لے لے اور اس کے لیے کوئی شے نہ

ہوگی۔ پہلا قول اصح ہے۔ اسی پر متون اور شروح ہوں گی۔ ہم نے کتاب الغصب میں اس پر کلام کی ہے۔

35716۔ (قوله: لَكِنْ فِي الْعُيُونِ إِنْ أُمْسَكَهُ لَا يَضُنُّهُ شَيْئًا الْخ) یعنی اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ماکول کو

اپنے پاس روک لے اور نقصان کی ضمانت اٹھائے اس تعبیر کی بنا پر ماکول اور غیر ماکول میں کوئی فرق نہیں تو یہ جان چکا ہے کہ یہ

امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ ظاہر روایت یہ ہے کہ ماکول میں اختیار ہوگا۔ یہی اصح ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ اسی

پر فتویٰ دیا جاتا ہے جس طرح ”جامع الفصولین“ میں ہے۔ کیونکہ کہا: ”ابو جعفر“ سے مروی ہے: اگر اس نے بکری لے لی تو

وَعَرَّجُهَا كَقَطْعِهَا فُرُوعٌ نَقَلَ الْمُصَنِّفُ عَنِ الدَّرَرِ لَهُ كَلْبٌ يَأْكُلُ عِنَبَ الْكَرْمِ فَأَشْهَدَ عَلَيْهِ فِيهِ فَلَمْ يَحْفَظْهُ حَتَّى أَكَلَ الْعِنَبَ لَمْ يَضْمَنْ وَإِنَّمَا يَضْمَنْ فِيمَا أَشْهَدَ عَلَيْهِ فِيمَا يُخَافُ تَلَفُ بَنِي آدَمَ كَالْحَائِطِ الْمَائِلِ وَنَطْحِ الثَّوْرِ وَعَقْرِ كَلْبٍ عَقُورٍ فَيَضْمَنْ إِذَا لَمْ يَحْفَظْهُ قَالَ الْمُصَنِّفُ وَيُمْكِنُ حَصْلُ التَّلَفِ فِي قَوْلِ الزَّيْلَعِيِّ وَإِنْ أَتَلَفَ الْكَلْبُ فَعَلَى صَاحِبِهِ الضَّمَانُ إِنْ كَانَ تَقَدَّمَ عَلَيْهِ قَبْلَ الْإِتْلَافِ وَإِلَّا فَلَا كَالْحَائِطِ الْمَائِلِ عَلَى الْآدَمِيِّ فَيَحْصُلُ التَّوْفِيقُ

اس کا لنگڑا ہونا اس کے کاٹنے کی طرح ہے۔ فروع: مصنف نے ”الدرر“ سے یہ نقل کیا ہے: ایک شخص کا ایک کتا ہے جو بیلوں کے انگور کھاتا ہے اس کے مالک نے اس بارے میں اس پر گواہیاں قائم کیں تو باغ کے مالک نے اس کی حفاظت نہ کی یہاں تک کہ وہ انگور کھا گیا تو ضامن نہ ہوگا۔ بے شک وہ اس میں ضامن ہوگا جب وہ ایسے معاملہ میں گواہیاں قائم کرے جس میں اسے بنی آدم کے تلف ہونے کا خوف ہو جس طرح ایسی دیوار جو جھکی ہوئی ہو، بیل کا سینگ مارنا، کاٹنے والے کتے کے کاٹنے کے بارے میں۔ پس جب وہ اس کی حفاظت نہیں کرے گا تو ضامن ہوگا۔ مصنف نے کہا: ”زیلعی“ کے قول میں تلف شدہ کو آدمی پر محمول کرنا ممکن ہے اگر کتا کسی شے کو تلف کرتا ہے تو اس کے مالک پر ضمان ہوگا اگر تلف کرنے سے پہلے اس پر گواہ قائم کر چکا ہو ورنہ اس طرح نہیں ہوگا جس طرح جھکی ہوئی دیوار ہو۔ پس تطبیق حاصل ہو جاتی ہے۔

اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔ ظاہر روایت پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے بعد نقل کیا ہے ظاہر روایت میں جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے اور جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے وہ برابر ہیں اگر وہ اسے اپنے پاس روک لے تو اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔ کہا: یہ قول اس کی تائید کرتا ہے جو ”ابو جعفر“ سے حکایت کیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ظاہر روایت سے جو قول منقول ہے اور جس پر فتویٰ دیا گیا اس میں اختلاف ہے تو جس پر متون ہیں اور شروح ہیں تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ ”ہدایہ“ میں اس کی تصحیح کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

35717۔ (قوله: وَعَرَّجُهَا كَقَطْعِهَا) ”جامع الفصولین“ میں کہا: اگر ایک آدمی نے ایک جانور کو مارا تو وہ لنگڑا ہو گیا تو وہ اس طرح ہے جس طرح اس کی ٹانگ کاٹ دی گئی ہو۔

35718۔ (قوله: فَيَحْصُلُ التَّوْفِيقُ) گویا انہوں نے ”الدرر“ کے کلام سے سمجھا ہے کہ انسان کے علاوہ میں کتے کے کسی شے کو تلف کرنے میں کوئی ضمان نہ ہوگی۔ یہ مراد نہیں اس کے کلام کا معنی ہے جس سے آدمی کے تلف ہونے کا خوف ہو تو اس میں گواہی ضمان کا موجب ہوگی جب اس کے بعد تلف واقع ہو خواہ جسے تلف کیا گیا ہے وہ مال ہے یا آدمی ہے۔ اور جس سے آدمی کے تلف ہونے کا خوف نہ ہو بلکہ اس سے صرف مال کے تلف ہونے کا خوف ہو جس طرح بیلوں کے انگور تو اس میں گواہ بنانا کوئی فائدہ نہ دے گا۔ اس پر یہ امر دلالت کرتا ہے کہ اسے جھکی ہوئی دیوار کے ساتھ تشبیہ دی جائے۔ کیونکہ اس میں گواہ بنانا مال اور نفس کی ضمان کا موجب ہے ”رطبی“۔ یہ بہت اچھا کلام ہے جو مخالفت کو اس کی اصل سے ہی ختم کر دینے والا ہے۔ پس ”زیلعی“ کے کلام

قُلْتُ وَقَدْ وَقَعَ إِلَّا سِتْفَتَاءُ عَنَّنْ لَهُ نَحْلٌ يَضَعُهُ فِي بُسْتَانِهِ فَيَخْرُجُ فَيَأْكُلُ عِنَبَ النَّاسِ وَفَوَاكِهَهُمْ هَلْ يَضُنُّ رَبُّ النَّحْلِ مَا أَتَلَفَهُ النَّحْلُ مِنَ الْعِنَبِ وَنَحْوِهِ أَمْ لَا وَهَلْ يُؤْمَرُ بِتَحْوِيلِهِ عَنْهُمْ إِلَى مَكَانٍ آخَرَ أَمْ لَا وَجَوَابُهُ أَنَّهُ لَا يَضُنُّ رَبُّهُ شَيْئًا مُطْلَقًا أَشْهَدُوا عَلَيْهِ أَمْ لَا أَخْذًا مِنْ مَسْأَلَةِ الْكَلْبِ بَلْ أَوَّلَى وَكَذَا ذِكْرُهُ الْمُصَنِّفُ فِي مَعِينِهِ

میں کہتا ہوں: ایسے آدمی کے بارے میں فتویٰ طلب کیا گیا جس کی شہد کی مکھیاں ہوں جنہیں وہ اپنے باغ میں رکھتا ہے۔ پس وہ اس سے نکلتی ہیں اور لوگوں کے انگور اور پھل کھاتی ہیں۔ کیا شہد کی مکھیوں کا مالک اس کا ضامن ہوگا جو مکھیوں سے انگور وغیرہ تلف کیے یا ضامن نہیں ہوگا۔ کیا اس کی جگہ سے کسی اور جگہ کی طرف منتقل کرنے کا حکم دیا جائے گا یا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے اس کا مالک مطلقاً کسی شے کی ضمانت نہیں دے گا ان مالکوں نے اس پر گواہ بنائے ہوں یا گواہ نہ بنائے ہوں۔ یہ انہوں نے کتے والے مسئلہ سے اخذ کیا ہے بلکہ بدرجہ اولیٰ ضامن نہیں ہوگا۔ مصنف نے اپنی ”معین“ میں اس طرح ذکر کیا ہے۔

کو مطلقاً تلف کرنے پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ ان کی کلام میں جو لفظ کلب واقع ہے اس سے مراد کانٹے والا کتا ہے جس طرح اس کی تصریح کی ہے۔ پس یہ ان میں سے ہے جس سے آدمی کے تلف ہو جانے کا خوف ہوتا ہے جس طرح جھکی ہوئی دیوار اور سینگ مارنے والا بیل۔ انگور کھانے والے کتے کا معاملہ مختلف ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ سب اس کے مخالف ہے جسے شارح نے باب القود فیما دون النفس میں قاضی ”بدیع“ سے نقل کیا ہے کہ گواہ بنانا یہ صرف دیوار میں ہوتا ہے حیوان میں نہیں ہوتا۔

”خیر یہ“ میں اس گھوڑے کے بارے میں ضمان کا فتویٰ دیا ہے جو درختوں سے کانٹے کا عادی ہو اور اس پر گواہیاں قائم کر دی گئی ہوں۔ اسی طرح کا حکم سینگ مارنے والے بیل کے بارے میں ہے۔ ”بزازیہ“ میں ”المنیہ“ سے بیل کے سینگ کے بارے میں کہا: وہ گواہوں کے بغیر نفس اور مال میں ضامن ہوگا۔ مسئلہ میں اختلاف ہے اور اکثر علما ضمان کے قائل ہیں جس طرح جھکی ہوئی دیوار کا حکم ہے۔ ”حامد یہ“ میں اس کے متعلق یہی فتویٰ دیا ہے۔

35719۔ (قوله: قُلْتُ) یہ بھی مصنف کا ”المنح“ میں قول ہے۔

35720۔ (قوله: أَخْذًا مِنْ مَسْأَلَةِ الْكَلْبِ) یعنی انگور کھانے والے کتے کا مسئلہ۔ اس سے آدمی کے تلف ہونے

کا خوف نہیں۔

35721۔ (قوله: بَلْ أَوَّلَى) کیونکہ وہ پرندہ ہے۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اس پر ضمانت نہیں جب ایک آدمی نے

اپنا پرندہ چھوڑا جسے انگلیخت دی یا نہ دی۔ جانور اور کتے کا معاملہ مختلف ہے۔ یہاں اس نے شہد کی مکھی کو نہیں چھوڑا اور اسے اصداً انگلیخت دی ہے تو اس میں بدرجہ اولیٰ ضمانت نہ ہوگی اور نہ شہد کی مکھی کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اذن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ثُمَّ كُلِّي مِنْ كُلِّ الشَّجَرِ (النحل: 69) پھر تو ہر پھل سے کھا۔

35722۔ (قوله: فِي مَعِينِهِ) یعنی ان کی کتاب جسے ”معین المفتی“ کہتے ہیں۔

لَکِنْ رَأَيْتُ فِي فَتَوَاهُ أَنَّهُ أَفْتَى بِالضَّحَّانِ فِي مَسْأَلَةِ النَّحْلِ فَرَأَجَعَهُ عِنْدَ الْفَتْوَى وَأَمَّا تَحْوِيلُهُ عَنْ مِلْكِهِ فَلَا يُؤْمَرُ بِذَلِكَ عَلَى مَا هُوَ ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ وَأَمَّا جَوَابُ الْمَشَائِخِ فَيَنْبَغِي أَنْ يُؤْمَرَ بِتَحْوِيلِهِ إِذَا كَانَ الضَّرَرُ بَيْنَنَا عَلَى مَا عَلَيْهِ الْفَتْوَى وَفِي الصَّيْرِفِيَّةِ حِمَارٌ يَأْكُلُ حِنْطَةَ إِنْسَانٍ فَلَمْ يَنْنَعُهُ حَتَّى أَكَلَ الصَّحِيحُ ضَمَانَهُ أَذْخَلَ غَنَمًا أَوْ ثَوْرًا أَوْ فَرَسًا أَوْ حِمَارًا فِي زَرْعٍ أَوْ كَرْمٍ أَوْ سَائِقًا ضَمِنَ مَا أَتْلَفَ وَإِلَّا لَا،

لیکن میں نے ان کے فتویٰ میں دیکھا ہے کہ انہوں نے شہد کی مکھیوں کے بارے میں ضمان کا فتویٰ دیا ہے۔ پس فتویٰ کے وقت اس کی طرف رجوع کیجئے۔ جہاں تک اپنی مملو کہ جگہ سے کسی اور جگہ کی طرف منتقل کرنے کا تعلق ہے تو اسے اس کا حکم نہیں دیا جائے گا جیسا کہ ظاہر مذہب ہے۔ جہاں تک مشائخ کے جواب کا تعلق ہے۔ پس چاہیے کہ وہاں سے اسے منتقل کرنے کا حکم دیا جائے گا جب ضرر واضح ہو جس پر فتویٰ ہے۔ ”صیرفیہ“ میں ہے: ایک گدھا ایک انسان کی گندم کھاتا ہے اور مالک اس سے اس کو نہیں روکتا یہاں تک کہ وہ گندم کھا جاتا ہے صحیح یہ ہے کہ اس پر ضمانت لازم ہوگی۔ ایک آدمی نے ریوڑ، بیل، گھوڑا یا گدھا کھیتی میں یا انگور کی بیلوں میں داخل کر دیا اگر وہ ہانکنے والا ہو تو اس نے جو شے تلف کی ہوگی اس کا ضامن ہو گا ورنہ ضامن نہیں ہوگا۔

35723۔ (قولہ: فَرَأَجَعَهُ عِنْدَ الْفَتْوَى) تو نے یہ جان لیا کہ منقول کے صراحۃً اور دلالتاً جو موافق ہے وہ پہلا قول ہے۔ پس اس پر اعتماد ہوگا۔

35724۔ (قولہ: عَلَى مَا هُوَ ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ) یہ وہ ہے جسے کتاب القسمہ سے تھوڑا پہلے بیان کیا ہے کہ اسے اپنی

مملو کہ چیز میں تصرف کا حق ہے اگرچہ اس کے پڑوسی کو ضرر لاحق ہے۔

35725۔ (قولہ: وَأَمَّا جَوَابُ الْمَشَائِخِ) جس کا ضرر واضح ہو اس سے اس کو روکا جائے گا۔

35726۔ (قولہ: عَلَى مَا عَلَيْهِ الْفَتْوَى) زیادہ واضح یہ قول ہے: وہو ما علیہ الفتوی۔

35727۔ (قولہ: حِمَارٌ يَأْكُلُ حِنْطَةَ إِنْسَانٍ) اس کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اگر گدھا دیکھنے والے کے علاوہ کسی

اور کا ہو کتاب اللقطہ میں ان کے کلام سے یہی استفادہ ہے۔ جو قول ”القنیہ“ وغیرہ میں ہے ایک آدمی نے اپنا گدھا دیکھا الخ یہ قول اضافت کے ساتھ ہے اور ضمیر دیکھنے والے کے لیے ہے۔ تامل۔

پھر میں نے ”جامع الفصولین“ پر ”حاشیہ رملی“ میں احکام السکوت میں دیکھا جس کی نص یہ ہے: میں کہتا ہوں: اگر ایک آدمی کسی اور کا گدھا دیکھے جو کسی اور کی گندم کھا رہا ہو اور اسے نہ روکے تو یہ واقعۃً الفتویٰ ہو جائے گا۔

پس میں نے اس کا جواب دیا کہ وہ ضامن نہیں ہوگا۔ فرق ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ اس کے گدھے کا فعل اس کی طرف منسوب ہوگا جب کہ منفعت اس کی طرف لوٹتی ہو اور اس کا روکنا ممکن ہو۔ پس ضمان کی علت قوی ہوگئی۔ دوسرے کے گدھے کا معاملہ مختلف ہوتا ہے، تامل۔

وَقِيلَ يَضْمَنُ وَتَسَامُهُ فِي الْبَرَّازِيَّةِ

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے ضمانت لی جائے گی۔ اس کی مکمل وضاحت ”بزازیہ“ میں ہے۔

35728۔ (قولہ: وَقِيلَ يَضْمَنُ) یعنی اگرچہ وہ اس کو نہ ہانکے اسے اس پر قیاس کیا ہے جب اس کے گھر میں اونٹ ہو تو دوسرے آدمی نے ایک اونٹ داخل کر دیا جو پہلے سے ہی مست تھا تو اس اونٹ نے گھر کے مالک کے اونٹ کو قتل کر دیا۔ اگر گھر کے مالک کی اجازت کے بغیر ایسا کیا تو وہ ضامن ہوگا جس طرح ”بزازیہ“ میں ہے۔ مغتلم سے مراد جو ہیجان میں مبتلا ہو مست ہو۔

میں کہتا ہوں: اس قول کا رائج ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ اس کے موافق ہے جو باب کے شروع میں گزرا ہے کہ وہ اس چیز کا مطلقاً ضامن ہوگا جو جانور نے کیا جب وہ کسی اور کی ملکیت میں اس کو اس کی اجازت کے بغیر داخل کرے۔ کیونکہ اس نے اس پر تعدی کی ہے مگر جب وہ اس گھر میں داخل نہ کرے تو ”ہدایہ“ میں ہے: اگر ایک آدمی جانور کو کھلا چھوڑ دے تو وہ جانور فوری طور پر کھیتی کو خراب کر دے تو چھوڑنے والا ضامن ہوگا۔ اگر وہ دائیں یا بائیں مائل ہو جائے یا اس کا کوئی اور راستہ ہو تو ضامن نہیں ہوگا۔ اس کی دلیل وہ ہے جو گزر چکی ہے۔

35729۔ (قولہ: وَتَسَامُهُ فِي الْبَرَّازِيَّةِ) اس میں سے وہ ہے جو ابھی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس میں سے ان کا قول ہے لکڑیوں والے گدھے کو ہانکنے والا جب یہ نہ کہے تو پرے ہو جا۔ بے شک وہ ضامن ہوگا جب گدھا کپڑے والے کی جانب چلے۔ اس کے برعکس صورت میں ضامن نہ ہوگا جب کہ وہ آدمی اس گدھے کو دیکھ رہا ہو اور وہ اس سے دور نہ ہو اور وہاں سے فرار ہونے کی فرصت پائے۔

ایک آدمی نے اپنی کھیتی میں جانور پایا اور اس کو نکالا تو وہ جانور ہلاک ہو گیا تو مختار مذہب یہ ہے اگر باہر نکالنے کے بعد ہانکے تو ضامن ہوگا ورنہ ضامن نہیں ہوگا اور گھر کھیتی کی طرح ہے۔ کیونکہ جانور اس کو نقصان پہنچاتا ہے۔ جانوروں کے بازے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ اس کا محل ہے۔

ایک آدمی نے اپنا گدھا ایک ستون کے ساتھ باندھا تو ایک دوسرے آدمی نے اپنا گدھا اس کے ساتھ باندھ دیا تو اس گدھے نے پہلے کے گدھے کو کاٹا اگر ایسی جگہ ہو جہاں دونوں کو باندھنے کا اختیار ہو تو ضامن نہ ہوگا ورنہ ضامن ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ جَنَائَةِ الْمَمْلُوكِ وَالْجَنَائَةِ عَلَيْهِ

اعْلَمْ أَنَّ جَنَايَاتِ الْمَمْلُوكِ لَا تُوجِبُ إِلَّا دَفْعًا وَاحِدًا لَوْ مَحَلًّا وَإِلَّا فَقِيمَةً وَاحِدَةً وَلَوْ فَدَى الْقِنِّ ثُمَّ جَنَى فَكَالْأَوَّلِ ثُمَّ وَثَمَ بِخِلَافِ الْمُدَبِّرِ وَأُخْتِيهِ فَإِنَّهَا لَا تُوجِبُ إِلَّا قِيمَةً وَاحِدَةً وَسَيَتَضَحُّ (جَنَى عَبْدٌ خَطَأً) التَّقْيِيدُ بِالْخَطَأِ هُنَا إِنَّمَا يُفِيدُ فِي النَّفْسِ

غلام کے متعلقہ جنايات کا بيان

یہ جان لو کہ مملوک کی جنایت صرف ایک دفعہ مستحقین کے حوالے کر دینے کو واجب کرتی ہے اگر وہ مملوک مستحقین کے حوالے کر دینے کا محل ہو ورنہ ایک قیمت ادا کرنا واجب ہوگی اگر غلام کا فدیہ دیا گیا پھر اس نے جنایت کی تو وہ اول دفعہ کی مانند ہو گا۔ پھر اسی طرح پھر اسی طرح مدبر اور اس کی خواست ہیں ان کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ صرف ایک قیمت کو واجب کریں گے اور عنقریب اس کی وضاحت آئے گی ایک غلام نے خطا جنایت کی یہاں خطا کی قید لگانا یہ نفس میں مفید ہے۔

جب مالک جو آزاد ہے کی جنایت کے ذکر سے فارغ ہوئے تو مملوک کی جنایت سے شروع ہو گئے جب جانور کی جنایت راکب اور اس کے ساتھیوں یعنی ہانکنے والے اور قائد جو مالک ہوتے ہیں کے اعتبار سے ہے تو اس کو قصدا پہلے ذکر کیا۔

35730۔ (قوله: لَا تُوجِبُ إِلَّا دَفْعًا وَاحِدًا) اگرچہ متعدد اشخاص میں وہ کثیر ہو۔

35731۔ (قوله: لَوْ مَحَلًّا) یعنی وہ کسی کے حوالے کرنے کا محل ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ قن ہو مکمل غلام ہو

آزادی کے اسباب، مدبر بنایا جانا، ام ولد بنایا جانا اور عقد مکاتبہ میں سے کوئی شے منعقد نہ ہو، ”زیلعی“۔

35732۔ (قوله: وَإِلَّا فَقِيمَةً وَاحِدَةً) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کسی کے حوالے کر دینے کا محل نہ ہو۔ اس کی صورت

یہ ہے کہ اس کے لیے آزادی کے اسباب میں سے کوئی سبب منعقد ہو چکا ہو تو ایسے غلام کی جنایت ایک قیمت کو واجب کرے گی اور اس سے زائد لازم نہ ہوگا اگرچہ جنایت متکرر ہو، ”زیلعی“۔

35733۔ (قوله: فَكَالْأَوَّلِ) یعنی اسے اختیار دیا جائے گا کہ وہ غلام مستحق کے حوالے کر دے یا اس کا فدیہ دے دے۔

35734۔ (قوله: وَأُخْتِيهِ) یعنی ام ولد اور مکاتبہ۔

اگر کوئی غلام خطا جنایت کرے تو اس کا حکم

35735۔ (قوله: إِنَّمَا يُفِيدُ) یعنی آنے والی اختیار کو بیان کرتی ہے۔

35736۔ (قوله: فِي النَّفْسِ) یعنی آدمی کا نفس۔ ”تا ترخانہ“ کے نمبر 9 میں آدمی یا مال پر جو اس کی جنایت واقع ہو

گی اس میں فرق کیا ہے۔ پہلی صورت میں مولیٰ کو غلام حوالے کرنے اور فدیہ دینے میں اختیار ہوگا اور دوسری صورت میں غلام

لَاَنَّ بَعْدِهِ يُقْتَضُ وَأَمَّا فِيمَا دُونَهُ فَلَا يُفِيدُ لاسْتِوَاءِ خَطِيئِهِ وَعَمْدِهِ فِيهَا دُونَهَا، ثُمَّ إِنَّمَا يَثْبُتُ الْخَطَا بِالْبَيِّنَةِ أَوْ إِقْرَارِ مَوْلَاهُ، أَوْ عِلْمِ الْقَاضِي لَا بِإِقْرَارِهِ أَصْلًا بَدَائِعُ قُلْتُ لَكِنَّ قَوْلَهُ أَوْ عِلْمِ الْقَاضِي عَلَى غَيْرِ الْمَفْتَى بِهِ، فَإِنَّهُ لَا يُعْمَلُ بِعِلْمِ الْقَاضِي فِي زَمَانِنَا شُرُوبًا لِلْيَقِينِ عَنِ الْأَشْبَاهِ

کیونکہ جب وہ جان بوجھ کر جنایت کرے گا تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ جہاں تک نفس سے کم کا تعلق ہے تو یہ فائدہ مند نہیں۔ کیونکہ اس میں خطا اور عمدہ برابر ہیں پھر خطا یا تو گواہوں سے یا آقا کے اقرار سے یا قاضی کے جاننے کی وجہ سے ثابت ہوگی اس کے اقرار سے اصلاً ثابت نہ ہوگی۔ میں کہتا ہوں: لیکن ان کا قول ”یا قاضی جانتا ہو“ مفتی بہ قول نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے زمانے میں قاضی کے علم پر عمل نہیں کیا جاتا۔ ”شرنبلا لیه“ نے ”الاشباہ“ سے نقل کیا ہے۔

حوالے کرنے اور بیع میں اختیار ہوگا۔

”القنیه“ میں ”خواہر زادہ“ سے مروی ہے: مجبور غلام نے مال پر جنایت کی جنایت کا علم ہونے کے بعد آقا نے اسے بیچ دیا تو وہ اس غلام کے ذمہ ہوگا جس کی ادائیگی کے لیے اسے بیچا جائے گا اس آدمی پر جس نے اسے خریدا جب وہ نفس پر جنایت کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ ہم نے کتاب الحج کے شروع میں اس پر مکمل گفتگو کر دی ہے۔

35737۔ (قوله: لَاَنَّ بَعْدِهِ) اِنَّ کے اسم کو حذف کر دیا گیا ہے۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ اس کا اسم ذکر کیا جاتا اور وہ اسم

ضمیر شان ہوگی۔ ”ط“۔

35738۔ (قوله: فِيمَا دُونَهُ) ضمیر سے مراد نفس ہے دونوں حالتوں میں مال واجب ہوگا۔ کیونکہ قصاص غلاموں اور

غلاموں کے درمیان جاری نہیں ہوتا اور نہ غلاموں اور آزاد افراد کے درمیان جاری ہوتا ہے جب کہ جنایت نفس سے کم میں ہو۔ ”عنایہ“۔

خطا کا ثبوت

35739۔ (قوله: لَا بِإِقْرَارِهِ أَصْلًا) یعنی اگر چہ آزادی کے بعد اقرار کرے۔

”شرنبلا لیه“ میں ”البدائع“ سے نقل کیا ہے: جب اس کا اقرار صحیح نہیں تو نہ فی الحال اور نہ ہی آزادی کے بعد اس کا مواخذہ ہوگا۔ اسی طرح کا حکم ہے اگر وہ آزادی کے بعد اقرار کرے کہ اس نے غلامی کی حالت میں جنایت کی تو اس پر کوئی شے۔ زمرہ ہوگی۔ یہ قول مجبور اور مازون دونوں غلاموں کو شامل ہوگا۔ یہ وہ قول ہے جو ”الولوالجیہ“ میں جس پر گامزن ہوئے ہیں۔ شارح نے پہلے باب العقود فیما دون النفس میں جو قول ”جوہرہ“ سے نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ آزادی کے بعد اس کا مواخذہ ہوگا۔

میں کہتا ہوں: ”جوہرہ“ کے کتاب الحجر میں ہے: اگر غلام قتل خطا کا اقرار کرے تو آقا پر کوئی شے لازم نہ ہوگی یہ غلام کے ذمہ میں ہوگا اس کی وجہ سے اس کا مواخذہ آزادی کے بعد ہوگا۔ ”خندی“ میں اسی طرح ہے۔ ”کرخی“ میں ہے: یہ باطل ہے۔ اگر اس کو اس کے بعد آزاد کر دیا گیا تو جنایت میں سے کسی شے کی بنا پر اس کا پیچھا نہیں کیا جائے گا۔ جہاں تک مجبور کا

وَتَقَدَّمَ (دَفَعَهُ مَوْلَاهُ) إِنْ شَاءَ (بِهَا فَيَبْلُغُهُ وَلِيَّهَا أَوْ) إِنْ شَاءَ (فَدَاكَ بِأَرْشِهَا حَالًا) لَكِنَّ الْوَاجِبَ الْأَصْلِيَّ
هُوَ الدَّفْعُ عَلَى الصَّحِيحِ وَلِذَا سَقَطَ الْوَاجِبُ بِمَوْتِهِ

اور یہ بات گزر چکی ہے اگر آقا چاہے تو جنایت کے بدلے میں آقا سے حوالے کر دے گا اور ولی جنایت اس غلام کا مالک ہو جائے گا یا اگر چاہے گا تو جنایت کی روش کے بدلے میں اس کا فدیہ دے دے گا یہ فی الحال کرنا ہوگا۔ لیکن صحیح قول کے مطابق اصلی واجب وہ غلام حوالے کرنا ہے۔ اسی وجہ سے غلام کے مرجانے سے واجب ساقط ہو جاتا ہے۔

تعلق ہے تو یہ مال کا اقرار ہے تو اس کا حکم تبدیل نہیں ہوگا جس طرح وہ دین کا اقرار کرے۔ جہاں تک ماذون کا تعلق ہے تو اس کا ان دیون کا اقرار جائز ہوگا جو تجارت کی وجہ سے لازم ہوئے۔ کیونکہ اس میں اس کو اجازت دی گئی تھی۔ جنایت کا معاملہ مختلف ہے۔ تو وہ اس میں مجبور کی طرح ہے۔

35740۔ (قوله: وَتَقَدَّمَ) یعنی کتاب القضاء کے باب المتفرقات سے تھوڑا پہلے۔

35741۔ (قوله: دَفَعَهُ مَوْلَاهُ إِنْ شَاءَ) ان کے لیے تخفیف کا اہتمام کرنے کے لیے اسے اختیار دیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے مملوک کی کوئی عاقلہ نہیں مگر وہ خود ہی اپنی عاقلہ ہے۔ ”غرر الافکار“۔

35742۔ (قوله: حَالًا) یعنی اس حال میں کہ غلام حوالے کرنا اور فدیہ دینا فی الحال ہوگا۔ کیونکہ اعیان میں مدت کا تعین باطل ہے اور فدیہ اس کا بدل ہے۔ پس اس بدل کا حکم بھی وہی ہوگا جو عین کا ہے۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ خیار آقا کا ہے اگرچہ وہ مفلس ہو جب مفلس نے فدیہ دینے کو اختیار کیا تو جب وہ اس کو پائے گا ادا کر دے گا۔ اور ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک غلام حوالے کرنے پر اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ”صاحبین“ رحمہم اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے جس طرح ”المجمع“ میں ہے۔ ”در منشی“۔

35743۔ (قوله: لَكِنَّ الْوَاجِبَ الْأَصْلِيَّ الْخ) یہ اس اعتراض کا جواب ہے جو یہ کیا جاتا ہے اگر جنایت آقا کے ذمہ میں واجب ہو جائے یہاں تک کہ تخیر ثابت ہو جائے تو وہ غلام کے مرنے سے ساقط نہ ہوگی جس طرح آزاد جنایت کرنے والے میں یہ حکم ہے جب وہ مرجائے۔ کیونکہ دیت عاقلہ کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ واجب اصلی وہ غلام حوالے کرنا ہے اگرچہ اسے فدیہ کی طرف منتقل کرنے کا اسے حق ہے جس طرح مال زکوٰۃ میں ہے۔ کیونکہ اس میں موجب اصلی نصاب کا ایک جز ہے اور مالک کو حق حاصل ہے کہ وہ قیمت کی طرف منتقل ہو جائے، ”عنایہ“۔

35744۔ (قوله: عَلَى الصَّحِيحِ) اسی طرح ”ہدایہ“ اور ”زیلعی“ میں ہے۔ اسے دوسرے شارحین نے ثابت رکھا ہے۔

جب تک آقا جنایت کرنے والے غلام کو ولی جنایت کے حوالے نہ کرے اسے خدمت لینے کا حق ہے

35745۔ (قوله: وَلِذَا سَقَطَ الْوَاجِبُ بِمَوْتِهِ) یعنی فدیہ اختیار کرنے سے پہلے اس کی موت کے ساتھ واجب

بِخِلَافِ مَوْتِ الْحُرِّ كَمَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ وَغَيْرُهُ لَكِنْ فِي الشُّمُوبِلَالِيِّ عَنِ السِّرَاجِ وَالْجَوْهَرَةِ عَنِ الْبَزْدَوِيِّ أَنَّ الصَّحِيحَ أَنَّهُ الْفِدَاءُ حَتَّى لَوْ اخْتَارَهُ وَلَمْ يَقْدِرْ عَلَيْهِ أَذَاهُ مَتَى وَجَدَ، وَلَمْ يُبْزَأْ بِهَلَاكِ الْعَبْدِ، وَعَلَّلَهُ الزَّيْدِيُّ وَغَيْرُهُ، بِأَنَّهُ اخْتَارَ أَصْلَ حَقِّهِمْ، فَبَطَلَ حَقُّهُمْ فِي الْعَبْدِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ اهـ، وَمُقَادَةُ

آزاد کی موت کا معاملہ مختلف ہے جس طرح مصنف وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ لیکن ”شرنبلالیہ“ میں ”سراج“ سے اور ”جوہرہ“ میں ”بزدوی“ سے مروی ہے کہ صحیح یہ ہے کہ واجب فدیہ ہے یہاں تک کہ اگر وہ یہ اختیار کرے اور اس پر قادر نہ ہو تو جب پائے گا ادا کر دے گا اور غلام کے ہلاک ہونے سے وہ بری نہیں ہوگا۔ ”زیلعی“ وغیرہ نے اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ اس نے ان کے اصل حق کو اختیار کیا ہے۔ پس غلام میں ان کا حق باطل ہو جائے گا۔ یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے

ساقط ہوگا۔ جہاں تک فدیہ اختیار کرنے کے بعد کا تعلق ہے تو پھر ساقط نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ مولیٰ کے ذمہ کی طرف منتقل ہو چکا ہے۔ ”غرر الافکار“۔ مولیٰ نے اسے مطلق ذکر کیا ہے۔ پس یہ اس کو شامل ہوگا جب وہ آفت سماویہ سے مر جائے یا آقائے اسے اپنے کام کے لیے بھیجا ہو یا اس سے خدمت لی ہو۔ کیونکہ جانی غلام سے خدمت لینے کا اسے حق ہے جب تک وہ اسے ولی جنایت کے حوالے نہ کر دے پس یہ تعدی نہ ہوگی۔ ”معراج“ نے ”مبسوط“ سے نقل کیا ہے۔ مگر جب وہ اس کو قتل کر دے تو وہ دیت کو اختیار کرنے والا ہوگا اگر اجنبی آدمی اس کو قتل کر دے۔ اگر اس نے عداۃ کا کام کیا ہو تو جنایت باطل ہو جائے گی اور مولیٰ کو حق حاصل ہوگا کہ اس کے قاتل سے قصاص لے۔ اس اجنبی نے اسے خطا قتل کیا تھا تو آقا قیمت وصول کرے گا اور ولی جنایت کے حوالے کر دے گا اور اسے کوئی اختیار نہیں ہوگا یہاں تک کہ اگر وہ اس قیمت میں تصرف کرے تو وہ ارش کو اختیار کرنے والا نہیں ہوگا۔ ”جوہرہ“۔

35746۔ (قوله: لَكِنْ فِي الشُّمُوبِلَالِيِّ) یہ غیر مشہور دلالت ہے ”العنایہ“ وغیرہا میں ”الاسرار“ سے مروی ہے: اس کے برعکس روایت کئی جگہ ہے۔ امام ”محمد بن حسن“ نے بیان کیا ہے کہ واجب غلام ہے۔

35747۔ (قوله: وَالْجَوْهَرَةُ) اس کا عطف ”السراج“ پر ہے ان کا قول ”البرزدوی“ یہ ”السراج“ اور ”جوہرہ“ میں ہر ایک کے متعلق ہے جس طرح ”شرنبلالیہ“ سے معلوم ہوتا ہے۔

35748۔ (قوله: وَعَلَّلَهُ الزَّيْدِيُّ الْخ) یعنی حکم کی علت بیان کی ہے یہ اختیار کا صحیح ہونا ہے اگرچہ وہ قادر نہ ہو جس طرح اس کی عبارت سے مفہوم ہے۔

35749۔ (قوله: أَصْلَ حَقِّهِمْ) یعنی جنایت کے اولیاء کا حق۔

35750۔ (قوله: وَمُقَادَةُ) ”زیلعی“ کی تعلیل جس کا ذکر کیا گیا اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے یہ دوسری تصحیح پر مبنی ہے لیکن ”زیلعی“ نے پہلے کی تصحیح کی تصریح کی ہے جس طرح ”ہدایہ“ وغیرہ میں ہے امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے یہی منصوص ہے جس طرح

أَنَّ الْأَصْلَ عِنْدَهُ الْفِدَاءُ لَا الدَّفْعُ وَأَفَادَ شَارِحُ الْمَجْمَعِ فِي تَعْلِيلِ الْإِمَامِ أَنَّ الْوَاجِبَ أَحَدُهُمَا وَأَنَّهُ مَتَى اخْتَارَ أَحَدُهُمَا تَعَيَّنَ لِكِنَّهُ قَدَّمَ أَنَّ الدَّفْعَ هُوَ الْأَصْلُ وَأَنَّهُ لَيْسَ فِي لَفْظِ الْكِتَابِ دَلَالَةٌ عَلَيْهِ (فَإِنْ فَدَاهُ فَجَنَى بَعْدَهُ فَهِيَ كَالْأُولَى) حُكْمًا (فَإِنْ جَنَى جَنَائَتَيْنِ دَفَعَهُ بِهِمَا إِلَى وَلِيِّهِمَا أَوْ فَدَاهُ بِأَرْشِهِمَا

کہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک اصل فدیہ ہے غلام حوالے کرنا نہیں۔ اور ”مجمع“ کے شارح نے امام کی تعلیل میں یہ بیان کیا ہے کہ واجب دونوں میں سے ایک ہے اور جب اس نے دونوں میں سے ایک کو اختیار کیا تو وہ متعین ہو جائے گا لیکن یہ پہلے گزر چکا ہے کہ غلام حوالہ کرنا اصل ہے اور کتاب کے لفظ میں اس پر کوئی دلالت نہیں۔ اگر وہ اس کا فدیہ دے دے تو اس نے اس کے بعد جنایت کی تو وہ حکماً پہلی جنایت کی طرح ہے۔ اگر ایک آدمی نے دو جنائتیں کیں تو آقا دونوں جنایتوں کے عوض ان کے ولی کے حوالے کر دے گا یا ان دونوں کی دیت ادا کر دے گا اگر اس نے جنایت کا علم ہونے کے باوجود توجان چکا ہے۔

35751۔ (قوله: وَأَفَادَ الْخ) یہ تیسرا قول ہے۔ ”شرنبلالیہ“ میں ”البدائع“ سے مروی ہے: اگر واجب اصلی تخییر ہو تو غلام کے ہلاک ہونے پر فدیہ متعین ہو جائے گا اور جس پر جنایت کی گئی اس کا حق باطل نہیں ہوگا جس طرح قاعدہ ہے جب دو چیزوں میں اختیار دیا گیا ہو جب دونوں میں سے ایک ہلاک ہو جائے تو دوسرا متعین ہو جاتا ہے یہ قول صحیح نہیں۔

35752۔ (قوله: وَأَنَّهُ الْخ) اس کا عطف ان الدفع پر ہے۔ اور کتاب سے مراد ”المجمع“ کا متن ہے۔ اس کے شارح نے اس کے ساتھ اس کے مصنف کا رد کیا جو انہوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ متن کے الفاظ میں ایسا قول ہے جو اس امر کو بیان کرتا ہے، ”ط“۔ ملخص۔

35753۔ (قوله: فَإِنْ فَدَاهُ) اس قول کے ساتھ قید لگائی ہے۔ کیونکہ جب وہ فدیہ نہ دے اور وہ دوسری جنایت کر دے تو یہ دوسرے مسئلہ کا عین ہوگا وہ ان کا یہ قول ہے: فان جنی جنایتین الخ ”کفایہ“۔

35754۔ (قوله: فَهِيَ كَالْأُولَى) کیونکہ فدیہ دینے کے ساتھ جب وہ جنایت سے پاک ہو گیا تو اس کو یوں بنا دیا جائے گا گویا جنایت تھی ہی نہیں یہ نئی جنایت ہے۔ ”ہدایہ“۔

اگر کسی غلام نے دو جنائتیں کیں تو اس کا شرعی حکم

35755۔ (قوله: دَفَعَهُ بِهِمَا الْخ) پس وہ دونوں جنایت کی ارش (چٹی، دیت) کی مقدار حصوں کے مطابق تقسیم کر دیں گے اگر وہ جماعت ہوں تو وہ اپنے حصہ کے مطابق اس کو تقسیم کر لیں گے۔ اگر فدیہ دے گا تو ان کی تمام دیتوں کا فدیہ دے گا اگر وہ ایک کو قتل کر دے اور دوسرے کی آنکھ پھوڑ دے تو وہ دونوں تہائی کے اعتبار سے تقسیم کریں گے۔ کیونکہ آنکھ کی دیت نفس کی دیت کا نصف ہوتی ہے اس پر زخموں کے حکم کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اور مولیٰ کو یہ حق حاصل ہے کہ بعض کو فدیہ دے دے اور بعض کو غلام حوالے کر دے اس حساب سے جس قدر غلام میں اس کا حق بنتا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ”ہدایہ“ میں ہے۔

وَإِنْ وَهَبَهُ أَوْ أَعْتَقَهُ أَوْ دَبَّرَهُ أَوْ اسْتَوْلَدَهَا الْمَوْلَى (أَوْ بَاعَهُ غَيْرَ عَالِمٍ بِهَا) بِالْجَنَائِيَةِ (ضَمِنَ الْأَقْلَ مِنْ قِيَمَتِهِ وَ) الْأَقْلَ (مِنْ الْأَرْضِ وَإِنْ عَلِمَ بِهَا غَيْرَ الْأَرْضِ) فَقَطَّ إِجْمَاعًا (كَبَيْعِهِ) عَالِمًا بِهَا

غلام کسی کو ہبہ کر دیا یا اس کو آزاد کر دیا، اسے مدبر بنا دیا، اسے آقا نے ام ولد بنا دیا، یا اس کو بیچ دیا یا اس کی قیمت اور اس کی دیت میں سے جو اقل ہوگا اس کا ضامن ہوگا اگر اس کو علم ہو تو صرف ارش کا ضامن ہوگا۔ یہ متفق علیہ صورت ہے جس طرح دیت واجب ہوتی ہے جب وہ جنایت کے بارے میں علم رکھنے کے باوجود اس کو بیچ دے اور اس طرح ارش کا ضامن ہوگا۔

اگر آقا جنایت کرنے والے غلام میں تصرف کرے تو اس کا حکم

35756۔ (قوله: وَإِنْ وَهَبَهُ الْخ) قاعدہ یہ ہے کہ جب وہ اس غلام میں ایسا تصرف کر بیٹھتا ہے جس سے وہ غلام حوالے کرنے سے عاجز آجاتا ہے جب کہ اسے جنایت کا علم ہے تو وہ فدیہ کو اختیار کرنے والا ہوگا ورنہ نہیں۔ پس پہلے کی مثال وہ ہے جس کا اس نے ذکر کیا ہے اور دوسرے کی مثال ثیبہ عورت سے وطی کرنا ہے جب کہ حمل نہ ٹھہرے۔ کیونکہ یہ اس میں نقص کا باعث نہیں۔ اسی طرح اس کا نکاح کرنا اور اس سے خدمت لینا ہے۔ اسی طرح اظہر قول کے مطابق اجارہ اور رہن ہے۔ کیونکہ اجارہ عذر کے ساتھ ٹوٹ جاتا ہے اور ولی جنایت کے حق کا موجود ہونا یہ عذر ہے۔ راہن دین ادا کرنے پر قادر ہو جائے تو وہ عاجز نہیں ہوگا اسی طرح تجارت کا اذن ہو جانا اگرچہ اس پر دین غالب آجائے۔ کیونکہ اذن حوالے کرنے کو فوت نہیں کرتا۔ اور ظاہر میں کوئی نقص پیدا نہیں کرتا مگر ولی جنایت کو حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ قول نہ کرے۔ کیونکہ اس کے حق میں دین یہ آقا کی جانب سے ہے۔ پس آقا پر اس کی قیمت لازم ہوگی۔ یہ ”ہدایہ“ اور ”عنایہ“ سے منقول ہے۔

35757۔ (قوله: أَوْ بَاعَهُ) یعنی صحیح بیع کرے۔ اگرچہ مشتری کو اختیار ہونہ کہ جب بیع فاسد کی جائے مگر جب وہ اس کے سپرد کر دے۔ کیونکہ ملک صرف اس کے ساتھ زائل ہو جاتی ہے اگر اختیار آقا کو ہو تو ملکیت زائل نہیں ہوتی پھر وہ اختیار کو توڑ دے۔ ”زیلعی“ وغیرہ نے اس کو بیان کیا ہے۔

35758۔ (قوله: ضَمِنَ الْأَقْلَ الْخ) کیونکہ اس نے اس کے حق کو فوت کر دیا ہے۔ پس اس کی ضمانت دے گا اور اس کا حق ان دونوں میں سے اقل میں ہے۔ پس وہ فدیہ کو اختیار کرنے والا نہیں ہوگا۔ کیونکہ علم کے بغیر کوئی اختیار نہیں، ”ہدایہ“۔ اس امر پر دلیل کہ اس کا حق اقل ہے یہ ہے کہ اسے اکثر کے مطالبہ کا حق نہیں، ”کفایہ“۔

35759۔ (قوله: كَبَيْعِهِ) اس کا ساقط کرنا واجب ہے کیونکہ یہ اپنی ہی ذات سے تشبیہ دینا ہے۔ ”ح“۔

میں کہتا ہوں: یہ ممکن ہے کہ جس پر جنایت کی گئی ہے اس کو بیچ دینا مراد ہو پس اس میں ماقبل سے کچھ مغایرت پائی جاتی ہے۔ ”الاختیار“ میں کہا: اسی طرح اگر وہ اس غلام کو اس کے ہاتھ بیچ دے جس پر جنایت کی گئی تو یہ اختیار ہوگا اس کا یہ مطلب نہیں اگر وہ اس کو ہبہ کر دے۔ کیونکہ مستحق کو یہ حق حاصل ہے کہ بغیر عوض کے اسے لے لے جب کہ یہ ہبہ میں پایا گیا بیع میں نہیں پایا گیا۔

(وَكَتْعَلِیقِ عِتْقِهِ بِقَتْلِ زَیْدٍ أَوْ رَمِيهِ أَوْ شَجِّهِ فَفَعَلَ) الْعَبْدُ ذَلِكَ كَمَا يَصِيرُ فَإِذَا بِقَوْلِهِ إِنَّ مَرِضْتُ فَأَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا (وَإِنْ قَطَعَ عَبْدٌ يَدَ حُرٍّ عَمْدًا وَدَفَعَ إِلَيْهِ فَأَعْتَقَهُ فَمَاتَ مِنَ السَّرَايَةِ فَالْعَبْدُ صُلِحَ بِهَا) أَمَّا بِالْجَنَائَةِ لِأَنَّ عِتْقَهُ دَلِيلُ تَصْحِيحِ الصُّلْحِ (وَإِنْ لَمْ يُعْتَقْ) وَقَدْ سَرَى (يُرَدُّ عَلَى سَيِّدِهِ فَيُقْتَلُ أَوْ يُعْفَى) لِبُطْلَانِ الصُّلْحِ

اگر اس کی آزادی کو زید کے قتل کرنے، اس کو تیر مارنے یا اس کو زخمی کرنے کے ساتھ معلق کر دے تو غلام نے وہ کر دیا جس طرح وہ اپنے اس قول کے ساتھ فرار اختیار کرنے والا بن جاتا ہے۔ اگر میں مریض ہوا تو تجھے تین طلاقیں ہیں۔ اگر غلام نے آزاد کا ہاتھ جان بوجھ کر قطع کر دیا اور غلام اس کو دے دیا گیا تو اس ولی جنایت نے اس غلام کو آزاد کر دیا اور خود زخم سرایت کر جانے سے مر گیا تو غلام جنایت کے بدلے میں صلح ٹھہر گیا۔ کیونکہ اس کا آزاد کرنا صلح کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ اگر وہ غلام کو آزاد نہ کرے جب کہ زخم سرایت کر جائے اس غلام کو آقا کی طرف لوٹا دیا جائے گا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا یا اس کو معاف کر دیا جائے گا۔ کیونکہ صلح باطل ہو چکی ہے۔

35760۔ (قوله: وَكَتْعَلِیقِ عِتْقِهِ) کیونکہ اس کی آزادی کو معلق کرنا جب کہ یہ علم ہو کہ وہ قتل کرنے والے کے ساتھ آزاد ہو جائے گا۔ یہ اس کے اختیار کی دلیل ہے پس اس پر دیت لازم ہو جائے گی، ”منح“۔

35761۔ (قوله: بِقَتْلِ زَیْدٍ أَوْ رَمِيهِ أَوْ شَجِّهِ) یعنی ایسی جنایت کے ساتھ جو دیت کو واجب کر دیتی ہے اگر وہ اسے جنایت کے بغیر معلق کر دے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: اگر تو گھر میں داخل ہو پھر اس پر جنون طاری ہو گیا پھر وہ داخل ہوا یا ایسی جنایت کے معلق کرے جو قصاص کو واجب کر دیتی ہے جیسے اگر تو اسے تلوار سے مارے تو تو آزاد ہے تو بالاتفاق ولی پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ اس جنایت کا علم نہ ہوتا اگر وہ اس کے علاوہ کے ساتھ اس کی آزادی کو معلق کرتا کیونکہ جو جنایت قصاص کو واجب کرتی ہے تو وہ غلام کے ذمہ ہوگی یہ امر غلامی اور آزادی کے ساتھ مختلف نہیں ہوتا۔ پس آقا نے اسے معلق کرنے کے ساتھ ولی جنایت پر کسی شے کو فوت نہیں کیا، ”عنایہ“۔ ملخص۔

35762۔ (قوله: كَمَا يَصِيرُ فَإِذَا) یعنی بیوی کو وارثت دینے سے فرار اختیار کرنے والا ہے کیونکہ مرض پائے جانے کے بعد وہ مطلقہ ہو جائے گی۔

35763۔ (قوله: لِأَنَّ عِتْقَهُ دَلِيلُ تَصْحِيحِ الصُّلْحِ) کیونکہ عقل مند آدمی اپنے تصرف کے صحیح ہونے کا قصد کرتا ہے اور اس کی تصحیح نہیں ہو سکتی مگر جب جنایت اور جو کچھ جنایت کے نتیجہ میں واقع ہو اس سے صلح کی جائے، ”زیلیعی“۔

35764۔ (قوله: فَيُقْتَلُ أَوْ يُعْفَى) یہ مجہول کے صیغے ہیں اور دونوں ضمیریں العبد کے لیے ہیں اور یعفی کا صلہ

مقدر ہے۔

35765۔ (قوله: لِبُطْلَانِ الصُّلْحِ) کیونکہ ہاتھ کی دیت کے مقابلہ میں مال جو غلام ہے پر صلح واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ

(فَإِنْ جَنَى مَا ذُوْنُ لَهُ مَذْيُوْنٌ خَطَا فَاَعْتَقَهُ سَيِّدُهُ بِمَا عَلِمَ بِهَا غَيْرَ مَرِّبٍ الدِّیْنِ الْاَقْلَ مِنْ قِيَمَتِهِ وَمِنْ دِيْنِهِ وَ غَيْرَ مَرِّبٍ لِّوَلِيَّتِهَا الْاَقْلَ مِنْهَا) اُنّی الْقِيَمَةُ (وَمِنْ الْاَرْضِ وَلَوْ اَتْلَفَهُ) اُنّی الْعَبْدَ الْجَانِی (اُجْنَبِیْ فَقِيْمَةُ وَاحِدَةٍ لِّمَوْلَاكَ لَا غَيْرُ

اگر ماذون مذیون نے جنایت کی جو خطا تھی تو اس کے آقا نے بغیر جنایت کا علم ہوتے ہی اسے آزاد کر دیا تو وہ قرض خواہ کے لیے اس کی قیمت اور اس کے دین میں سے جو کم ہوگا اس کی چٹی بھرے گا اور ولی جنایت کے لیے اس کی قیمت اور ارش میں سے جو کم ہوگا۔ اس کی ضمانت دے گا اگر جنایت کرنے والے غلام کو کسی اجنبی نے قتل کر دیا تو اس کے آقا کے لیے ایک قیمت ہوگی جو اس کے آقا کو دینی ہوگی اس کے علاوہ کچھ لازم نہ ہوگا۔

قصاص اعضاء اور زخم کے سرایت کرنے کی صورت میں آزاد اور غلام میں جاری نہیں ہوتا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہاتھ کی دیت ثابت نہیں اور جو چیز واجب ہے وہ قصاص ہے صلح باطل ہوگی۔ کیونکہ صلح کے لیے مصالح عنہ کا ہونا ضروری ہے اور مصالح عنہ مال ہے اور وہ نہیں پایا گیا۔ ”زیلعی“۔

”طحاوی“ نے کہا: اور تعلیل کا ظاہر معنی یہ ہے کہ غلام کو ولی دم کی طرف لوٹنا واجب ہے تاکہ باطل عقد کو ختم کیا جاسکے ”عنایہ“ میں ہے: اسے صلح کا نام دیا ہے یہ اس پر مبنی ہے جو بعض مشائخ نے پسند کیا ہے کہ اصلی حکم فدیہ دینا ہے۔

35766۔ (قوله: فَاَعْتَقَهُ سَيِّدُهُ) جب وہ اس کو آزاد کرے تو اسے اختیار ہوگا۔ ”العنایہ“ میں کہا: قاعدہ یہ ہے کہ جب غلام جنایت کرے اور اس پر دین ہو تو آقا کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ غلام حوالے کر دے اور فدیہ دے دے۔ اگر وہ غلام حوالے کر دے تو غرماء کے دین میں اسے بیچ دیا جائے گا۔ اگر کوئی چیز بچ گئی تو وہ اصحاب جنایت کے لیے ہوگی۔ کیونکہ یہ بیچ ان کی ملک پر ہو رہی ہے۔ اگر وہ دین کو پورا نہ ہو تو اسے آزادی تک موخر کر دیا جائے گا جس طرح اگر اسے غلام کو پہلے آقا کی ملکیت پر بیچ دیا جائے۔ ملخص

35767۔ (قوله: بِمَا عَلِمَ) یہ قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر اسے علم ہو تو وہ فدیہ دینے میں مختار ہوتا اور اس پر ولی جنایت کے لیے جنایت کی دیت ہوگی اور رب الدین کے لیے غلام کی قیمت ہوگی۔

35768۔ (قوله: الْاَقْلَ مِنْ قِيَمَتِهِ الْخ) جہاں تک ”ہدایہ“ وغیرہ کا قول ہے اس پر دو قیمتیں لازم ہوں گی ایک قیمت رب الدین کی ہوگی ایک قیمت ولی جنایت کے لیے ہوگی۔ مراد یہ ہے کہ جب قیمت دیت سے کم ہو جس طرح ”العنایہ“ میں اس کی تصریح کی ہے۔

35769۔ (قوله: اُنّی الْعَبْدَ الْجَانِی) یعنی جو ماذون ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

35770۔ (قوله: فَقِيْمَةُ وَاحِدَةٍ لِّمَوْلَاكَ) یعنی وہ غرماء کے حوالے کر دے گا۔ کیونکہ یہ غلام کی مالیت ہے اور غریم مالیت میں ولی جنایہ سے مقدم ہے۔ اس کی مکمل بحث ”زیلعی“ میں ہے۔ اجنبی پر ایک قیمت لازم ہوگی۔ مولیٰ کا معاملہ مختلف

(فَإِنْ وَلَدَتْ مَا ذُوْنَهُ مَذْيُوْنَةٌ بِيَعْتُ مَعَهُ وَلَدَهَا فِي الدِّينِ) إِنْ كَانَتْ الْوِلَادَةُ بَعْدَ لُحُوقِ الدِّينِ، فَلَوْ وَلَدَتْ ثُمَّ لَحِقَهَا دَيْنٌ لَمْ يَتَعَلَّقْ حَقُّ الْغُرْمَاءِ بِالْوَلَدِ بِخِلَافِ أَكْسَابِهَا (فَإِنْ جَنَتْ فَوَلَدَتْ لَمْ يُدْفَعْ الْوَلَدُ لَهُ) أَيْ لَوْلَى الْجَنَائَةِ لَتَعَلَّقَهَا بِذِمَّةِ الْمَوْلَى لَا ذِمَّتِهَا بِخِلَافِ الدِّينِ (عَبْدٌ) لِرَجُلٍ، (زَعَمَ رَجُلٌ أَنَّ سَيِّدَهُ حَرَّرَهُ فَقَتَلَ) الْعَبْدُ الْمُعْتَقُ

اگر ماذونہ مدیونہ لونڈی نے بچہ جنا تو رہن میں اس کو ماں کے ساتھ بیچا جائے گا۔ اگر ولادت دین کے لاحق ہونے کے بعد ہو اگر وہ بچہ جنے پھر اسے دین لاحق ہو جائے تو غرماء کا حق بچے کے متعلق نہیں ہوگا۔ اس کی کمائی کا معاملہ مختلف ہوگا۔ اگر وہ عورت جنایت کرے اور بچہ جنے تو بچہ ولی جنایت کے سپرد نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ جنایت محل کے ذمہ متعلق ہے لونڈی کے ذمہ پر نہیں۔ دین کا معاملہ مختلف ہے۔ ایک آدمی نے گمان کیا کہ اس کے آقا نے اسے آزاد کر دیا ہے تو آزاد کردہ غلام نے

ہے۔ کیونکہ اجنبی غلام حوالے کرنے میں ماخوذ نہیں اور نہ ہی دین کی قضا میں وہ ماخوذ ہے۔ پس اس پر اس سے زیادہ واجب نہیں ہوگا جو اس نے تلف کیا ہے۔ جہاں تک آقا کا تعلق ہے تو اس سے اس کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ ”اقتانی“۔

35771۔ (قوله: بِخِلَافِ أَكْسَابِهَا) کیونکہ ان کے ساتھ غرماء کا حق دین سے پہلے اور دین کے بعد متعلق ہوتا ہے۔ کیونکہ کمائی میں اس کا ایسا قبضہ ہے جو معتبر ہے۔

35772۔ (قوله: لَمْ يُدْفَعْ الْوَلَدُ لَهُ الْخ) ”عنایہ“ میں کہا ہے: عورت نے قرض لینے کے بعد بچہ جنا اور اس نے

جنایت کے بعد جو بچہ جنا ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں ماں کے ساتھ بچے کو بیچا جائے گا دوسری صورت میں ایسا نہیں ہوگا۔ کیونکہ رہن اس میں وصف حکمی ہے اس کے ذمہ میں واجب ہے حق پورا لینے میں اس کی ذات کے متعلق ہے یہاں تک کہ آقا کو اس کی ذات میں بیع، ہبہ وغیرہما کے ساتھ تصرف کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ پس دین لینا یہ ان اوصاف شرعیہ میں سے ہے جو ثابت رہتے ہیں۔ پس وہ بچے کی طرف سرایت کر جائیں گے جیسے عقد مکاتبہ، مدبر بنانا اور رہن رکھنا۔ جہاں تک جنایت کا حکم ہے وہ غلام حوالے کرنا یا فدیہ دینا ہے۔ یہ آقا کے ذمہ ہے لونڈی کے ذمہ نہیں یہاں تک کہ آقا کو اس کی ذات میں بیع، ہبہ یا خدمت لینے میں تصرف سے نہیں روکا گیا فعل حقیقی جس کا اثر اس سے ملے گا اور وہ اس کا حوالے کر دینا ہے۔ پس یہ سرایت نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ ایسا وصف ہے جو قرار پذیر نہیں جو حوالے کرنے کے وقت حاصل ہوا ہے اور سرایت کرنا یہ اوصاف شرعیہ میں ہوتا ہے اوصاف حقیقیہ میں نہیں ہوتا۔

35773۔ (قوله: زَعَمَ رَجُلٌ) یعنی اس نے اقرار کیا۔

35774۔ (قوله: فَقَتَلَ) یعنی جنایت سے قبل آزادی کا اقرار کیا۔ ”مبسوط“ میں ہے اس کے بعد اقرار کیا جب کہ

دونوں میں کوئی تفاوت نہیں۔ ”عنایہ“۔

35775۔ (قوله: الْمُعْتَقُ) یعنی اس میں جسے آزاد کیا گیا ہے۔

(وَلَيْتَهُ) أَمَى وَلِيَ الزَّاعِمِ عِتْقَهُ (خَطَاً فَلَا شَيْءَ لِلْخُرِّ عَلَيْهِ) لِأَنَّهُ بَزَعِيهِ عِتْقَهُ أَقَرَّ أَنَّهُ لَا يَسْتَحِقُّ الْعَبْدَ، بَلْ الدِّيَّةَ لِكُنْهِ لَا يُصَدِّقُ عَلَى الْعَاقِلَةِ إِلَّا بِحُجَّةٍ (فَإِنْ قَالَ مُعْتَقٌ) رِقُّهُ مَعْرُوفٌ لِرَجُلٍ (قَتَلْتُ أَخَاكَ) يُخَاطَبُ بِهِ مَوْلَاهُ الَّذِي أَعْتَقَهُ (خَطَاً قَبْلَ عِتْقِي فَقَالَ الْاُخْرُ) الَّذِي هُوَ الْمَوْلَى (لَا بَلْ بَعْدَهُ صَدِّقُ الْأَوَّلِ) لِأَنَّهُ مُنْكَرٌ لِلضَّمَانِ (وَإِنْ قَالَ لَهَا قَطَعْتَ يَدَكَ وَأَنْتِ أَمَتِي وَقَالَتْ) هِيَ لَا بَلْ

اس کی آزادی کا گمان کرنے والے کے ولی کو خطا قتل کر دیا تو آزاد کے لیے اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے اس کی آزادی کا گمان کر کے یہ اقرار کیا ہے کہ وہ غلام کا مستحق نہیں بلکہ دیت کا مستحق ہے لیکن عاقلہ کے خلاف دلیل سے ہی اس کی تصدیق کی جائے۔ اگر آزاد کردہ غلام نے کہا جس کی غلامی ایک آدمی کے لیے معروف تھی: میں نے تیرے بھائی کو اپنی آزادی سے پہلے خطا قتل کیا تھا وہ اس کے ساتھ اپنے اس آقا کو خطاب کرتا ہے جس نے اس کو آزاد کیا تھا تو وہ بھائی جو اس غلام کا آقا ہے نے کہا: نہیں بلکہ تو نے اسے بعد میں قتل کیا ہے تو پہلے کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ وہ ضمان کا منکر ہے اگر ایک آدمی کسی عورت سے کہتا ہے: میں نے تیرا ہاتھ کاٹا تھا جب کہ تو میری لونڈی تھی اس عورت نے کہا: نہیں بلکہ تو نے

35776۔ (قوله: فَلَا شَيْءَ لِلْخُرِّ عَلَيْهِ) یعنی اس آزاد کے لیے کوئی شے نہ ہوگی جو گمان کرنے والا ہے۔

35777۔ (قوله: عَلَيْهِ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ اسے حذف کر دیتے کیونکہ عاقلہ پر کوئی شے لازم نہیں ہوتی۔ ”ط“۔

35778۔ (قوله: لِأَنَّهُ بَزَعِيهِ الْاُخْرُ) ”ہدایہ“ کی عبارت یہ ہے: کیونکہ جب اس نے گمان کیا کہ اس کے آقا نے اسے

آزاد کر دیا ہے تو اس نے عاقلہ پر دیت کا دعویٰ کر دیا اور غلام و آقا کو بری کر دیا مگر عاقلہ پر دلیل کے بغیر اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ یہ مولیٰ کو بری کرنا ہوگا۔ کیونکہ اس نے مولیٰ کے خلاف جنایت کے بعد آزادی کا دعویٰ نہیں کیا یہاں تک کہ آقا اس کے ساتھ فدیہ دینے میں مختار ہوتا اور جس پر جنایت کی گئی ہے آزاد کرنے کے ساتھ اس کا حق ہلاک کرنے والا ہوتا۔ ”کفایہ“۔

35779۔ (قوله: لَا يَسْتَحِقُّ الْعَبْدَ) یعنی اس کو حوالے کرنے یا اس کا فدیہ دینا اس پر لازم نہیں۔

35780۔ (قوله: بَلْ الدِّيَّةُ) کیونکہ یہ آزاد لوگوں کی جنایت کا حکم ہے۔

35781۔ (قوله: عَلَى الْعَاقِلَةِ) وہ آزاد کرنے والے آقا کی عاقلہ ہے جس طرح عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔ فافہم

35782۔ (قوله: يُخَاطَبُ بِهِ مَوْلَاهُ الْاُخْرُ) شارح نے اس میں مصنف کی پیروی کی ہے جب کہ یہ لازم نہیں۔

”المستقلى“ اور ”الدرر“ کی عبارت یہ ہے: جس کو آزاد کیا گیا اس نے کہا، میں نے زید کے بھائی کو قتل کیا۔ اس کی مثل ”ہدایہ“ وغیرہا میں ہے۔ مسئلہ آسان ہے کیونکہ آقا اور اجنبی کے درمیان فرق ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ آقا کا قول بلکہ تو نے اسے آزادی کے بعد قتل کیا ہے تو اس سے یہ ارادہ کرتا ہے کہ دیت کو قاتل کی عاقلہ پر لازم کر دے وہ مولیٰ کا قبیلہ ہے۔ کیونکہ وہ معتق کی عاقلہ ہے الزام صرف اس کی ذات پر نہیں ہے، فافہم۔

35783۔ (قوله: لِأَنَّهُ مُنْكَرٌ لِلضَّمَانِ) کیونکہ اس نے اسے معروف حالت کی طرف منسوب کیا ہے جو ضمان کے

(فَعَلْتُ بَعْدَ الْعِتْقِ فَأَلْقَوْتُ لَهَا لِأَنَّهُ أَقْرَبُ بِسَبَبِ الضَّحَانِ ثُمَّ ادَّعَى مَا يُبَرِّئُهُ فَلَا يَكُونُ الْقَوْلُ لَهُ دَوْكًا الْقَوْلُ لَهَا فِي كُلِّ مَا أَخَذَهُ الْمَوْلَى (مِنْهَا) مِنَ الْمَالِ لِمَا ذَكَرْنَا اسْتِحْسَانًا إِلَّا الْجِبَاعَ وَالْغَلَّةَ) فَأَلْقَوْتُ لَهُ لِإِسْنَادِهِ لِحَالَةٍ مَعَهُودَةٍ مُنَافِيَةٍ لِلضَّحَانِ (عَبْدٌ مَحْجُورٌ)

آزادی کے بعد یہ عمل کیا تھا تو قول اس عورت کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ مرد نے ضمان کے سبب کا اقرار کیا پھر اس نے ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو اس کو بری کر دے تو اس کا قول معتبر نہیں ہوگا۔ اسی طرح اس عورت کا قول معتبر ہوگا ہر اس معاملہ میں جس میں آقا نے اس عورت سے مال لیا ہو۔ اس کی دلیل وہی ہے جس کو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ یہ بطور استحسان ہے مگر جماع اور لونڈی کی کمائی تو اس معاملہ میں قول مرد کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ اسے ایسی معروف حالت کی طرف منسوب کر رہا ہے جو ضمان کے منافی ہے۔ مجبور غلام

منافی ہے۔ کیونکہ کلام اس کے بارے میں ہے جس میں اس کی غلامی معروف ہے۔ پس وہ اس طرح ہو گیا جس طرح ایک بالغ عاقل کہے: میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی جب کہ میں بچہ تھا یا مجنون تھا جب کہ اس کا جنون معروف تھا تو قول اس کا معتبر ہوگا، ”ہدایہ“۔

35784۔ (قوله: فَلَا يَكُونُ الْقَوْلُ لَهُ) یہ حکم اس لیے ہے کیونکہ اس نے اسے اس حالت کی طرف منسوب نہیں کیا جو ضمان کے منافی ہو کیونکہ وہ اس کی ضمانت دیتا اگر اس کا ہاتھ اس حالت میں کاٹا جب کہ وہ مدیونہ ہوتی۔ ”ہدایہ“۔
ہر ایسا معاملہ جس میں آقا نے عورت سے مال لیا ہو تو قول عورت کا معتبر ہوگا
35785۔ (قوله: مِنَ الْمَالِ) یعنی ایسا مال جو لونڈی کی کمائی نہ ہو جیسے ایسا مال جو اسے ہبہ کیا گیا یا اسے اس کی وصیت کی گئی، ”ط“۔

جماع اور لونڈی کی کمائی میں قول مرد کا معتبر ہوگا

35786۔ (قوله: إِلَّا الْجِبَاعَ وَالْغَلَّةَ) یعنی جب اس نے کہا: میں نے اس سے اس کی آزادی سے پہلے جماع کیا تھا یا میں نے اس کی کمائی اس کی آزادی سے پہلے لی تھی تو اس صورت میں اس عورت کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ آقا کا اپنی مدیونہ لونڈی سے وطی کرنا یہ عقد کو واجب نہیں کرتا۔ اسی طرح جب وہ اس سے اس کی کمائی لے لے تو کچھ واجب نہیں کرتا۔ اگر لونڈی مدیونہ ہو تو آقا پر کوئی ضمان واجب نہ ہوگا۔ پس اسناد ایسی حالت کی طرف منسوب ہوا جو معروف ہے اور ضمان کے منافی ہے۔ ”ابن کمال“۔ ”شرنبلا لہ“ میں ”مواہب“ اور ”زیلعی“ سے نقل کرتے ہوئے اس امر کی استثنا کی ہے جو مقرر کے ہاتھ میں بعینہ موجود ہو۔ کیونکہ جب اس نے اقرار کیا کہ اس نے اس لونڈی سے یہ چیز لی تھی تو اس نے لونڈی کے قبضہ کا اقرار کیا پھر اس پر ملکیت کا دعویٰ کیا جب کہ وہ عورت اس کا انکار کرتی ہے تو قول منکر کا معتبر ہوگا اس وجہ سے اسے واپس کرنے کا حکم دیا جائے گا۔
مجبور غلام یا بچے کے کہنے پر کسی بچے یا آدمی کو قتل کر دیا تو اس کا حکم

35787۔ (قوله: عَبْدٌ مَحْجُورٌ) غلام کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ آمر اگر غلام بالغ ہو تو بچے کی عاقلہ آمر کی عاقلہ سے

أَوْ صَبِيٍّ أَمَرَ صَبِيًّا بِقَتْلِ رَجُلٍ فَقَتَلَهُ فَدَيْتُهُ عَلَى عَاقِلَةِ الْقَاتِلِ لِأَنَّ عَمْدَ الصَّبِيِّ خَطَأً (وَرَجَعُوا عَلَى الْعَبْدِ بَعْدَ عِتْقِهِ) وَقِيلَ لَا (لَا عَلَى الصَّبِيِّ الْأَمْرِ أَبَدًا) لِقُصُورِ أَهْلِيَّتِهِ (وَأِنْ كَانَ مَأْمُورُ الْعَبْدِ عَبْدًا مِثْلَهُ دَفَعَ سَيِّدُ الْقَاتِلِ أَوْ قَدَاكُ فِي الْخَطَأِ وَلَا رُجُوعَ لَهُ عَلَى الْأَمْرِ فِي الْحَالِ وَيَرْجِعُ بَعْدَ الْعِتْقِ

یا بچے نے کسی بچے کو کوئی آدمی قتل کرنے کا کہا تو اس بچے نے اسے قتل کر دیا تو اس کی دیت قاتل کی عاقلہ پر ہوگی۔ کیونکہ بچے کا عمدہ فعل بھی خطا ہوتا ہے اور وہ غلام سے غلام کی آزادی کے بعد مطالبہ کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس سے مطالبہ نہیں کریں گے۔ اس بچے پر دیت لازم نہ ہوگی جس نے غلام کو حکم دیا۔ کیونکہ اس کی اہلیت میں کوتاہی ہے اگر غلام کا مامور اس جیسا غلام ہو قاتل کے آقا نے وہ غلام ولی جنایت کے حوالہ کر دیا یا قاتل خطا میں اس کا فدیہ دے دیا تو اسے فی الحال آمر سے مطالبہ کا حق نہ ہوگا اور اس کی آزادی کے بعد

مطالبہ کرے گی۔ اور مجبور کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر آمر مکاتب بالغ ہو تو بچے کی عاقلہ اس سے اس کی قیمت اور دیت میں سے جو اقل ہوگی اس کا مطالبہ کرے گی۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب آمر مازون غلام ہو۔ کیونکہ وہ اس سے اس کی آزادی کے بعد مطالبہ کریں گے۔ ”کفایہ“۔

35788۔ (قوله: وَرَجَعُوا عَلَى الْعَبْدِ بَعْدَ عِتْقِهِ) کیونکہ اس کے قول کا اعتبار نہ کرنا یہ آقا کے حق کی بنا پر تھا اہلیت کے نقصان کی وجہ سے نہ تھا جب کہ آقا کا حق آزاد کرنے کے ساتھ زائل ہو چکا ہے۔ ”زیلعی“۔ یہ وہ امر ہے جس کا ذکر ”صدر الشہید“ ”القاضی خان“ نے اپنی شرح میں کیا ہے جب کہ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ یہ اس روایت کے خلاف ہے جو ”زیادات“ میں ہے۔ ”اتقانی“۔

35789۔ (قوله: وَقِيلَ لَا) یہ ”زیادات“ کی روایت ہے۔ ”زیلعی“ نے کہا: کیونکہ یہ جنایت کی ضمان ہے۔ یہ ضمان آقا پر ہوگی غلام پر نہیں ہوگی۔ حجر کی وجہ سے آقا پر اس کو واجب کرنا متعذر ہے۔ یہ قواعد کے زیادہ موافق ہے۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

35790۔ (قوله: أَبَدًا) یعنی اگرچہ وہ بالغ ہو جائے۔

35791۔ (قوله: عَبْدًا مِثْلَهُ) یہ قید نہیں لگائی کہ وہ غلام بھی مجبور ہو۔ کیونکہ آمر کا مجبور ہونا اس کو کفایت رجا تا جب مجبور غلام ہو یا وہ مازون غلام کو آمر کیا تو حکم اسی طرح ہوگا مگر جب آمر مازون غلام ہے اور مامور مجبور غلام ہو یا وہ مازون ہو تو قاتل غلام کا آقا غلام حوالے کرنے کے بعد یا فدیہ ادا کرنے کے بعد آمر غلام کی ذات سے فی الحال اپنے غلام کی قیمت کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ آمر اپنے امر کے ساتھ مامور کو غصب کرنے والا ہو جائے گا۔ اس کی مکمل وضاحت ”کفایہ“ میں ہے۔ اگر مامور آزاد بالغ ہو قاتل ہو تو دیت اس کی عاقلہ پر ہوگی اور عاقلہ آمر سے مطالبہ نہیں کرے گی کیونکہ اس کا امر صحیح نہیں۔ ”زیلعی“۔

35792۔ (قوله: وَيَرْجِعُ بَعْدَ الْعِتْقِ) گزشتہ قیل پر قیاس کرتے ہوئے کوئی شے واجب نہ ہوگی۔ یہ ”زیلعی“

بِالْأَقْلٍ مِنَ الْفِدَاءِ وَقِيَمَةِ الْعَبْدِ لِأَنَّهُ مُخْتَارٌ فِي دَفْعِ الزِّيَادَةِ لَا مُضْطَرُّ (وَكَذَا) الْحُكْمُ فِي الْعَبْدِ إِنْ كَانَ الْعَبْدُ الْقَاتِلُ صَغِيرًا لِأَنَّ عَمْدَهُ خَطَا (فَإِنْ كَبِيرًا أُقْتَصَّ) مِنْهُ (عَبْدٌ حَفَرًا بَرًّا فَأَعْتَقَهُ مَوْلَاهُ ثُمَّ وَقَعَ فِيهَا إِنْسَانٌ أَوْ أَكْثَرُ فَهَلَكَ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ) لِأَنَّ جَنَائَةَ الْعَبْدِ لَا تُوجِبُ عَلَيْهِ شَيْئًا (وَيَجِبُ عَلَى الْمَوْلَى قِيَمَةُ وَاحِدَةٍ) وَلَوْ الْوَاقِعُ الْفَارِزُ يَدْعَى

فدیہ اور غلام کی قیمت میں سے جو اقل ہوگا اس کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ زیادتی کے دینے میں وہ مختار ہے وہ مجبور نہیں۔ قتل عمد میں یہی حکم ہے اگر قاتل غلام صغیر ہو۔ کیونکہ اس کا عمد خطا ہوتا ہے اگر وہ بڑا ہو تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ ایک غلام ہے جس نے ایک کنواں کھودا اس کے آقا نے اسے آزاد کر دیا پھر اس کنویں میں ایک انسان گر گیا یا زیادہ انسان گر گئے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ غلام کی جنایت غلام پر کوئی شے لازم نہیں کرتی اور آقا پر ایک قیمت واجب کرتی ہے اگرچہ اس میں گرنے والے ہزار ہوں، ”زیلعی“۔

نے بیان کیا ہے۔

35793۔ (قوله: وَقِيَمَةِ الْعَبْدِ) یعنی قاتل غلام کی قیمت۔

35794۔ (قوله: لِأَنَّهُ مُخْتَارٌ) یعنی جب وہ فدیہ دے دے اور وہ مثلاً غلام کی قیمت سے زائد ہو تو وہ صرف

قیمت کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ وہ مجبور نہیں کیونکہ اگر وہ غلام حوالے کرے تو ولی جنایت کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس کو قبول کرے۔ 35795۔ (قوله: فَأَعْتَقَهُ) یہ قید لگائی ہے کیونکہ یہی وہم کا محل ہے۔ کیونکہ جب وہ اس کو آزاد نہیں کرے گا تو حکم اسی طرح ہوگا۔

”ہندیہ“ میں ہے: علما نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ کنواں کھودنے والا جب محض غلام تھا تو آقا نے غلام مقتول کے ولی کے سپرد کر دیا پھر اس میں دوسرا گر گیا اور مر گیا تو دوسرا آقا سے کسی شے کا مطالبہ نہیں کرے گا خواہ آقا نے پہلے کو قاضی کے فیصلہ کے بغیر حوالہ کیا ہو۔ اس کی مکمل وضاحت اس میں ہے۔ ”ط“۔

35796۔ (قوله: ثُمَّ وَقَعَ فِيهَا إِنْسَانٌ) اگر اس انسان کا گرنا آزادی سے پہلے ہو تو دیت واجب ہوگی اگر دوسرا اس

میں گر جائے تو وہ پہلے کے ولی کے ساتھ شریک ہوگا لیکن پہلے کا حصہ دیت کی مقدار اور دوسرے کا حصہ قیمت کے حساب سے ہوگا ”مقدس“۔ یعنی آزادی کے بدلے میں فدیہ اختیار کرنا یہ صرف پہلے میں واقع ہوا ہے تو دیت واجب ہوگی اور دوسرے میں یہ اختیار واقع نہیں ہوا تو صرف قیمت واجب ہوگی۔ یہ حکم اس صورت میں ہے اگر آزادی علم کے بعد ہو ورنہ صرف قیمت اسے لازم ہوگی اس میں دوسرے کا ولی پہلے کے ولی کے ساتھ شریک ہوگا جس طرح اسے بعد میں بیان کیا ہے۔ ”ساحانی“

35797۔ (قوله: وَيَجِبُ عَلَى الْمَوْلَى قِيَمَةُ وَاحِدَةٍ) یہ جنایت کی حالت کی ابتدا کا اعتبار کرتے ہوئے حکم لگایا ہے

کیونکہ یہ اس کا رفیق تھا۔ ”ط“۔

(فَإِنْ قَتَلَ عَبْدٌ عَبْدًا رَجُلَيْنِ حُرَّيْنِ لِكُلِّ مِنْهُمَا وَلِيَّانِ فَعَفَا أَحَدُ وَلِيَّيْ كُلِّ مِنْهُمَا دَفَعَ السَّيِّدُ نِصْفَهُ إِلَى الْحُرَّيْنِ) الَّذِينَ لَمْ يَعْفُوا (أَوْ فَدَاهُ بِدِيَّةٍ) كَامِلَةً لِأَنَّهُ بِذَلِكَ الْعَفْوِ سَقَطَ الْقَوْدُ وَانْقَلَبَ مَالًا، وَهُوَ دِيَّتَانِ وَسَقَطَ دِيَّةُ نَصِيبِ الْعَافِيَيْنِ وَبَقِيَ دِيَّةُ نَصِيبِ السَّاكِتَيْنِ أَوْ يَدْفَعُ نِصْفَهُ لِهُمَا (فَإِنْ قَتَلَ الْعَبْدُ أَحَدَهُمَا عَبْدًا وَالْآخَرَ خَطَاً وَعَفَا أَحَدُ وَلِيَّيْ الْعَمْدِ فَدَى بِدِيَّةٍ لَوَلِيَّ الْخَطَا وَنِصْفَهَا لِأَحَدِ وَلِيَّيْ الْعَمْدِ الَّذِي لَمْ يَعْفُ) (أَوْ دَفَعَ إِلَيْهِمَا وَقُسِمَ اثْنَلَا عَوْلًا) عِنْدَهُ وَأَرْبَاعًا مُنَازَعَةً عِنْدَهُمَا

اگر ایک غلام نے دو آزاد آدمیوں کو جان بوجھ کر قتل کر دیا دونوں مقتولوں میں سے ہر ایک کے دو ولی ہیں تو دونوں میں سے ایک ولی نے معاف کر دیا تو آقا اس کا نصف ان دو آزاد افراد کے حوالے کر دے جنہوں نے معاف نہیں کیا یا کامل دیت کا فدیہ دے دے گا۔ کیونکہ اسی معافی کے ساتھ قصاص ساقط ہو گیا اور وہ مال بن گیا جب کہ وہ دودیتیں ہیں اور معاف کرنے والوں کے حصہ کی دیت ساقط ہو گئی اور دو خاموش افراد کے حصہ کی دیت باقی رہ گئی یا اس غلام کا نصف ان دونوں کے حوالے کر دے گا۔ اگر غلام دونوں میں سے ایک کو عمدہ اور دوسرے کو خطا قتل کر دے اور جس کو جان بوجھ کر قتل کیا تھا اس کے ایک ولی نے اسے معاف کر دیا تو جسے خطا قتل کیا تھا اس کے ولی کو پوری دیت اور جس کو جان بوجھ کر قتل کیا اس کے ایک ولی جس نے معاف نہیں کیا اس کو نصف دیت دے دے یا وہ غلام ان دونوں کے حوالے کر دے۔ اور ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تہائی تہائی کے حساب سے بطریق عول تقسیم کر دے اور ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک چوتھائی چوتھائی کے حساب سے بطریق منازعہ تقسیم کر دے۔

35798۔ (قوله: إِلَى الْحُرَّيْنِ) ”المنح“ میں متن کی عبارت الی الآخرین ہے ”الکفر“ اور ”المملکتی“ میں اسی طرح ہے۔

35799۔ (قوله: أَوْ يَدْفَعُ نِصْفَهُ لِهُمَا) اور یہ الا کے معانی میں ہے اس کے بعد فعل ان مضمرہ کے ساتھ منصوب

ہے تاکہ متن کے ساتھ تکرار نہ ہو۔ تامل

35800۔ (قوله: عَوْلًا عِنْدَهُ) یہ عول کی تفسیر ہے اس کی صورت یہ ہے کہ تو دونوں میں سے ہر ایک کو اس کے جمع

حصہ کے ساتھ ضرب دے ایک کے حصہ کو نصف مال کے ساتھ اور دوسرے کے حصہ کو کل مال کے ساتھ ضرب دے ”کفایہ“۔ پس اس کے دو تہائی قتل خطا کے ولی کے لیے ہوں گے۔ کیونکہ وہ کل کا دعویٰ کرتے ہیں اور ایک تہائی قتل عمد کے ولی کے لیے ہوں گے۔ کیونکہ وہ نصف کا دعویٰ کرتا ہے۔ پس ان دونوں کو کل کے ساتھ ضرب دی جائے گی اور اس کو نصف کے ساتھ ضرب دی جائے گی۔

35801۔ (قوله: وَأَرْبَاعًا مُنَازَعَةً عِنْدَهُمَا) یعنی قتل خطا کے ولی کے لیے تین چوتھائی اور ولی عمد کے لیے ایک

چوتھائی ہوگا۔ یہ منازعہ کے طریقہ پر ہے۔ پس نصف ولی خطا کے لیے سالم رہا جس میں کوئی منازعہ نہیں اور دونوں فریقوں کا منازع نصف آخر میں ہے۔ پس اس کو نصف نصف کیا جائے گا۔ اس وجہ سے اس کو چوتھائی چوتھائی کے حوالے سے تقسیم کیا جائے گا۔

(فَإِنْ قَتَلَ عَبْدُهُمَا قَرِيبَهُمَا وَإِنْ عَفَا أَحَدُهُمَا بَطَلَ كُلُّهُ) وَقَالَ لَا يَدْفَعُ الَّذِي عَفَا نِصْفَ نَصِيبِهِ لِلْآخِرِ أَوْ يُفْدِيَهُ بِرُبْعِ الدِّيَّةِ وَقِيلَ مُحَسَّدٌ مَعَ الْإِمَامِ وَوَجْهُهُ

اگر دو افراد کے غلام نے ان دونوں کے قریبی کو قتل کر دیا اگر دونوں میں سے ایک معاف کر دے تو تمام کا تمام باطل ہو جائے گا۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے کہا: جس نے معاف کر دیا ہے وہ اپنے حصہ کا نصف دوسرے کو دے دے یا دیت کا چوتھائی اسے فدیہ دے دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: امام ”محمد“ رحمہ اللہ علیہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے

اس کی وضاحت یہ ہے کہ جو متفق علیہ قانون ہے وہ یہ ہے کہ رہن کی تقسیم جب ذمہ میں دین کے سبب سے ہو جس طرح ترکہ وغیرہا میں دو غریم ہوں تو تقسیم عول کے طریقہ پر ہوگی اور مضاربہ میں عدم تفریق کی وجہ سے ہے۔ پس دونوں میں سے ہر ایک کا حق کلی طور پر ثابت ہوگا۔ پس اسے اس کے تمام حق کے ساتھ ضرب دی جائے گی اگر وہ واجب ہو مگر ذمہ میں دین کے سبب سے نہ ہو جس طرح فضولی کی بیع ہوتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ایک انسان کا غلام مکمل طور پر بیچ دے اور دوسرا اس کا نصف بیچ دے اور مالک ان دونوں کی بیع کو جائز قرار دے دے۔ پس غلام دونوں مشتریوں کے ہاں بطریق منازعہ چوتھائی چوتھائی کے حساب سے ہوگا۔ کیونکہ ایک عین کامل طریقہ پر دونوں سے تنگ ہوتا ہے جب یہ امر ثابت ہو جائے تو ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے اس مسئلہ میں کہا: وہ غلام جس کو حوالے کیا گیا ہے اس کے تین چوتھائی ولی خطا کے لیے اور اس کا ایک چوتھائی ولی عہد کے لیے ہے جو خاموش رہا۔ کیونکہ ولی عہد کا حق تمام غلام میں تھا جب دونوں میں سے ایک نے معاف کر دیا تو اس کا حق باطل ہو گیا اور نصف فارغ رہ گیا۔ پس ولی خطا کا حق اس نصف سے متعلق ہو گیا جس میں کوئی منازعہ نہیں دوسرا نصف باقی رہ گیا اس میں ولی خطا اور جو ولی خاموش رہا اس کا منازعہ برابر ہے۔ پس اسے ان میں نصف نصف تقسیم کر دیا جائے گا۔

امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ علیہ کی دلیل ہے کہ ان دونوں کا اصلی حق غلام کی ذات میں نہیں بلکہ اس دیت میں ہے جو تلف کیے جانے والے کا بدل ہے عین کے علاوہ میں تقسیم عدل کے طریقہ پر ہوتی ہے یہ حکم اس لیے ہے۔ کیونکہ ولی خطا کا حق دس ہزار میں ہے اور معاف کرنے والا کا حق پانچ ہزار میں ہے۔ پس ان دونوں میں سے ہر ایک کو اس کے حصہ کے ساتھ ضرب دی جائے گی جیسا جس پر ایک آدمی کے دو ہزار اور دوسرے کا ایک ہزار لازم ہو اور وہ ہزار چھوڑ کر مر گیا ہے۔ پس یہ ہزار ان دونوں کے درمیان تین حصوں کے اعتبار سے تقسیم ہوگا فضولی کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ مشتری کے لیے ملکیت ابتداءً ثابت ہو جاتی ہے۔ ”عنایہ“۔

35802۔ (قوله: فَإِنْ قَتَلَ عَبْدُهُمَا قَرِيبَهُمَا) دو آدمیوں کے غلام نے اپنے مالکوں کے قریبی کو قتل کر دیا۔

35803۔ (قوله: وَقَالَ لَا يَدْفَعُ الْخ) کیونکہ جس نے معاف نہ کیا ہو اس کا حصہ جب اس کے ساتھی کے معاف کرنے

سے مال ہو گیا تو اس کا نصف اس کی ملک میں ہو گیا اور اس کا نصف اس کے ساتھی کی ملک میں ہو گیا جو اس کے ساتھی کی ملک میں ہو گیا تھا وہ ساقط نہ ہوا وہ چوتھائی ہے اور جو اس کی ملکیت بنا تو وہ ساقط ہو جائے گا۔ ”کفایہ“۔

35804۔ (قوله: وَوَجْهُهُ) یعنی ”امام صاحب“ رحمہ اللہ علیہ کے قول کی دلیل۔ ”کفایہ“ میں کہا: آپ کی دلیل ہے کہ

أَنَّهُ انْقَلَبَ بِالْعَفْوِ مَالًا وَالْمَوْلَى لَا يَسْتَوْجِبُ عَلَى عَبْدِهِ دَيْنًا فَلَا تَخْلُفُهُ الْوَرَثَةُ فِيهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

معافی کے ساتھ وہ مال کی طرف پھر گیا ہے اور آقا اپنے غلام پر رہن کا استحقاق نہیں رکھتا۔ پس وارث اس میں اس کے خلیفہ نہ ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

قصاص دونوں میں سے ہر ایک کے لیے نصف میں بغیر تعین کے واجب ہوا ہے جب وہ مال کی طرف پھر گیا تو یہ ہر اعتبار سے وجوب کا احتمال رکھے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اسے اپنے ساتھی کے حصہ کے ساتھ متعلق کرنے کا اعتبار کرے اور ہر اعتبار سے سقوط کا احتمال رکھے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اپنے حصہ سے اسے متعلق خیال کرے۔ پس نصف نصف کرنے کا احتمال ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں کے متعلق ہونے کا اعتبار کرے اس حیثیت سے کہ وہ مشترک ہے۔ پس شک کی وجہ سے مال واجب نہیں ہوگا۔

35805۔ (قوله: فَلَا تَخْلُفُهُ الْوَرَثَةُ فِيهِ) واجب یہ تھا کہ اس کو ساقط کر دیتے۔ کیونکہ مقتول قاتل کا مولیٰ نہیں۔

ہاں یہ ایک اور مسئلہ میں ظاہر ہوگا جو مسئلہ یہاں ”ہدایہ“ کے بعض نسخوں اور ”زیلعی“ میں مذکور ہے جس کا حکم اس مسئلہ کا حکم ہے۔ وہ مسئلہ یہ ہے اگر غلام اپنے آقا کو قتل کر دے جس کے دو بیٹے ہوں دونوں میں سے ایک اسے معاف کر دے تو تمام حق باطل ہو جائے گا۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ دیت مقتول کا حق ہے پھر وارث اس کے نائب بن جائیں گے آقا کا اپنے غلام پر کوئی دین ثابت نہیں ہوتا۔ پس وارث اس میں اس کے نائب نہ ہوں گے جو شارح نے ذکر کیا ہے وہ صاحب ”الدرر“ کا کلام ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم

فَضْلُ فِي الْجَنَائَةِ عَلَى الْعَبْدِ

(دِيَّةُ الْعَبْدِ قِيَّتُهُ فَإِنْ بَلَغَتْ هِيَ دِيَّةُ الْحُرِّ وَ بَلَغَتْ قِيَمَةُ الْأَمَةِ دِيَّةُ الْحُرَّةِ) (نَقَصَ مِنْ كُلِّ) مِنْ دِيَّةِ عَبْدٍ وَأَمَةٍ (عَشْرَةً) دَرَاهِمَ إِظْهَارًا لِانْحِطَاطِ رُتْبَةِ الرَّقِيقِ عَنِ الْحُرِّ وَ تَعْيِينِ الْعَشْرَةِ بِأَثَرِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَعَنْهُ مِنَ الْأَمَةِ خَمْسَةٌ، وَيَكُونُ حِينَئِذٍ عَلَى الْعَاقِلَةِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ

غلام پر جنایت کے احکام

غلام کی دیت اس کی قیمت ہے اگر وہ قیمت آزاد کی دیت تک پہنچ جائے اور لونڈی کی قیمت آزاد عورت کی دیت تک پہنچ جائے تو غلام اور لونڈی کی دیت میں سے دس درہم کم کر دے تاکہ غلام کے رتبہ کو آزاد کے مرتبہ سے کم ظاہر کیا جائے اور اس کو (کم کرنے) کی تعیین حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر کی وجہ سے ہے۔ اور ”امام صاحب“ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ لونڈی میں پانچ درہم کم کیے جائیں گے اس وقت وہ عاقلہ پر تین سالوں میں ادائیگی لازم ہوگی۔

غلام اور لونڈی کی دیت

35806۔ (قوله: فَإِنْ بَلَغَتْ هِيَ) یعنی اس کی قیمت پہنچ جائے۔

مقادیر قیاس سے نہیں بلکہ صاحب وحی کے سماع سے پہچانی جاتی ہے

35807۔ (قوله: بِأَثَرِ ابْنِ مَسْعُودٍ) وہ یہ ہے کہ غلام کی قیمت کے ساتھ آزاد کی دیت تک نہیں پہنچا جائے گا اور

اس میں سے دس درہم کم کر دیئے جائیں گے۔ یہ اثر اسی طرح ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ کیونکہ مقادیر قیاس سے نہیں پہنچانی جاتیں۔ ان کی معرفت کا طریقہ صاحب وحی سے سماع ہے۔ ”کفایہ“۔

35808۔ (قوله: وَعَنْهُ) یعنی امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ سے۔ یہ امام ”حسن بن زیاد“ کی ان سے روایت ہے۔ یہی

قیاس ہے پہلی ظاہر روایت ہے۔ ”اتقانی“۔

35809۔ (قوله: مِنَ الْأَمَةِ) یعنی اس کی دیت میں کمی کر دی جائے گی یہ مطلقاً نہیں جس طرح یہ گمان کیا گیا ہے

کیونکہ یہ سہو ہے۔ ”در منشی“۔

35810۔ (قوله: وَيَكُونُ حِينَئِذٍ عَلَى الْعَاقِلَةِ الْخ) یعنی غلام اور لونڈی میں سے جس کا ذکر کیا گیا یعنی نفس کی

دیت عاقلہ پر ہوگی۔ کیونکہ عاقلہ غلام کے اطراف کے ذمہ دار نہیں ہوتی جس طرح کتاب المعامل کے آخر میں آئے گا۔

خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ (وَفِي الْغَضَبِ تَجِبُ الْقِيَمَةُ بِالِغَةِ مَا بَلَغَتْ) بِالْإِجْمَاعِ (وَمَا قُدِّرَ مِنْ دِيَّةِ الْحُرِّ قُدِّرَ مِنْ قِيَمَتِهِ) وَحِينَئِذٍ (فَفِي يَدِهِ نِصْفُ قِيَمَتِهِ) بِالِغَةِ مَا بَلَغَتْ

امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے اور غصب کی صورت میں قیمت واجب ہوگی وہ جہاں تک پہنچ جائے اس کے بارے میں اجماع ہے اور آزادی کی دیت میں جو اندازہ لگایا جائے گا وہی اس کی قیمت میں اندازہ لگایا جائے گا اس وقت اس کے ہاتھ میں اس کی نصف قیمت ہوگی وہ جہاں تک پہنچے۔

35811۔ (قوله: خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ) کیونکہ کہا: اس کی قیمت اس کے مال میں واجب ہوگی وہ جہاں بھی پہنچے یہ ایک روایت میں ہے اور دوسری روایت میں ہے اس کی عاقلہ پر واجب ہوگی۔ ”جوہرہ“ میں ہے: امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے فرمایا: قاتل کے مال میں واجب ہوگی۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: عاقلہ نے عدا کی گئی جنایت کی ذمہ دار ہوگی اور نہ ہی غلام کی دیت کی ذمہ دار ہوگی۔

ہم کہتے ہیں یہ اس پر محمول ہے جو غلام نے جنایت کی نہ کہ اس پر محمول ہے جو غلام پر جنایت کی گئی۔ کیونکہ غلام جو جنایت کرتا ہے عاقلہ اس کی ذمہ دار نہیں ہوتی۔ کیونکہ مولیٰ عاقلہ سے بڑھ کر اس کا قریبی ہوتا ہے۔

جو اندازہ آزاد کی قیمت میں لگایا جائے گا وہی غلام کی قیمت میں لگایا جائے گا

35812۔ (قوله: وَمَا قُدِّرَ) یعنی آزاد کی دیت میں سے جو مقدار کیا گیا ہے یعنی آزاد کے اطراف میں جنایت کی صورت میں جو مقدار کیا گیا ہے تو غلام کی قیمت سے اسی طرح مقدار کی جائے گی۔ ان کا قول ففی یدہ نصف قیستہ یہ اس پر تفریع ہے۔ کیونکہ آزاد کے ہاتھ میں جو واجب ہے وہ دیت میں سے نصف مقدار ہے۔ پس غلام کے ہاتھ میں اس کی نصف قیمت مقدار ہوگی۔ اسی طرح اس کے موضع میں اس کی قیمت کا بیسواں حصہ واجب ہوگا۔ کیونکہ آزاد کے موضع میں دیت کا بیسواں حصہ ہے۔ ”العنایہ“ میں یہ ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس سے ڈاڑھی کا حق وغیرہ مستثنیٰ ہے اس میں عادل کا فیصلہ ہوگا جس طرح آگے آئے گا۔ اسی طرح دونوں آنکھوں کو پھوڑنے کا معاملہ ہے۔ کیونکہ اس کے آقا کو اختیار ہوگا جس طرح آگے اس کا ذکر بھی آئے گا تاہل۔ اس طرح وہ ہے جو ”الخنایہ“ میں ہے: اگر ایک آدمی نے اس غلام کا ہاتھ کاٹ دیا جس کا ہاتھ پہلے ہی کٹا ہوا ہے اگر وہ ہاتھ کی جانب سے کاٹے تو اس پر وہ لازم ہوگا جو مقطوع الید کی قیمت میں سے جو کمی ہوئی۔ کیونکہ یہ اتلاف ہے۔ اور مرد کے لیے جو دیت مقدار تھی وہ واجب نہیں ہوگی اگر وہ ہاتھ کی جانب سے نہ کاٹے تو مقطوع الید کی جو قیمت ہوتی ہے اس کا نصف لازم ہوگا۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔ ”جوہرہ“ میں ہے: نفس سے کم جو غلام پر جنایت ہوگی عاقلہ اس کی ذمہ دار نہ گی۔ کیونکہ یہ اموال کی ضمان کے قائم مقام ہے یعنی وہ فی الحال جانی کے مال میں جاری ہوگی جس طرح غصب اور جان بوجھ کر ہلاک کرنے کی ضمانت کا معاملہ ہے جس طرح ”منیۃ المفتی“ میں ہے۔

فِي الصَّحِيحِ دُرٌّ، وَقِيلَ لَا يُزَادُ عَلَى خُمْسَةِ آلَافٍ إِلَّا خُمْسَةٌ جَزَمَ بِهِ فِي الْمُتَقَى (وَتَجِبُ حُكُومَةُ عَدْلٍ فِي لِحْيَتِهِ)

یہ صحیح قول کے مطابق ہے، ”در“۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پانچ ہزار سے پانچ کم سے زائد نہ کی جائے گی۔ ”الملتقى“ میں اسے یقین کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ صحیح قول کے مطابق اس کی ڈاڑھی میں

35813۔ (قوله: فِي الصَّحِيحِ) یہ ظاہر روایت ہے مگر امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے بعض روایات میں کہا ہے: اس کے مطابق قول اس امر کی طرف لے جاتا ہے کہ اس کا عضو کاٹنے کی صورت میں اس سے بڑھ کر واجب ہو جو اس کے قتل میں واجب ہوتا ہے جس طرح اگر وہ اپنے غلام کا ہاتھ کاٹے جو تیس ہزار کا ہو تو وہ پندرہ ہزار کی ضمانت دے گا۔ ”النهاية“ وغیرہا میں شروح سے اسی طرح مروی ہے۔

35814۔ (قوله: جَزَمَ بِهِ فِي الْمُتَقَى) عام کتب جیسے ”ہدایہ“، ”خلاصہ“، ”مجمع البحر“ میں اس کی دونوں شروح، ”الاختیار“، ”فتاویٰ الولوالجی“ اور ”الملتقى“ میں یہی ہے۔ ”النجفی“ میں ”اللمحيط“ سے مروی ہے: یہاں پانچ کی کمی کرنا یہ روایت کے اتفاق کی بنا پر ہے۔ فصل الامۃ کا معاملہ مختلف ہے ”شلبی“، ”ط“۔ ”الظہیریہ“ اور ”جامع المحبوبي“ میں جو قول ہے وہ اس کے موافق ہے۔ غلام کا موضع زخم آزاد کے موضع زخم کی مثل ہے۔ پانچ سو میں سے نصف درہم کی کمی کا فیصلہ کیا جائے گا اگر ایک آدمی نے ایک غلام کی انگلی عدا یا خطا کاٹی اور اس کی قیمت دس ہزار تھی یا اس سے زائد تھی تو اس پر دیت کا دسواں حصہ لازم ہوگا مگر ایک درہم منہا کیا جائے گا۔ ”معراج“۔

ڈاڑھی کی دیت کا حکم

35815۔ (قوله: وَتَجِبُ حُكُومَةُ عَدْلٍ فِي لِحْيَتِهِ) یعنی جب وہ ڈاڑھی نہ اُگے۔ ”بزازیہ“ میں کہا: ”العيون“ میں

امام ”احمد“ سے مروی ہے: اس کا کان یا اس کی ناک کاٹنے میں یا اس کی ڈاڑھی کا حلق کر دینے میں جب وہ دوبارہ نہ آئے تو مکمل دیت ہوگی اگر غلام اس کے حوالے کر دیا جائے۔ ”امام قدوری“ نے اس کے بالوں اور ڈاڑھی میں عادل کا فیصلہ ہے۔ قاضی نے کہا: اس کا کان، اس کی ناک کاٹنے اور اس کی ڈاڑھی کے حق میں جب وہ نہ اُگے فتویٰ یہ ہے کہ اس کی قیمت میں جو کمی واقع ہوگئی ہے وہ لازم ہوگی جس طرح ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ غلام پر جنایت اگر جان بوجھ کر ہلاک کرنے والی ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ جنایت آزاد میں مکمل دیت واجب کرنے والی ہو تو غلام میں مکمل قیمت لازم کرے گی اگر وہ جان بوجھ کر ہلاک کرنے والی نہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس میں نصف دیت واجب کرے تو اس میں نصف قیمت لازم ہوگی۔ پہلی یہ ہے جیسے دونوں ہاتھوں اور اس کی مثل کا قطع کرنا ایک جانب سے ہاتھ اور پاؤں کا کاٹنا۔

دوسری یہ ہے: ہاتھ یا پاؤں کا ٹنا یا مخالف سمت سے ہاتھ اور پاؤں کا ٹنا اور دونوں کان کا ٹنا اور دونوں آبروؤں کا حلق کر دینا۔ جب ڈاڑھی نہ اُگے تو ایک روایت کے مطابق وہ پہلے کے قبیل سے ہوگی اور دوسری روایت کے مطابق دوسرے کے

فِي الصَّحِيحِ وَقِيلَ كُلُّ قِسْمَتِهِ (قُطِعَ يَدُ عَبْدٍ فَحَرَّرَهُ سَيِّدُهُ فَسَمِيَ فَمَاتَ مِنْهُ) وَلَهُ (لِلْعَبْدِ وَرَثَةٌ غَيْرُهُ) غَيْرُ الْمَوْلَى (لَا يُقْتَصُّ) لِاشْتِبَاهِ مَنْ لَهُ الْحَقُّ (وَالَا) يَكُنْ لَهُ غَيْرُ الْمَوْلَى (أُقْتَصَّ مِنْهُ) خِلَافًا لِلْحَمْدِ (قَالَ) لِعَبْدِيهِ (أَحَدُكُمَا حُرٌّ فَشَجَا فَبَيَّنَ الْمَوْلَى الْعِثْقَ فِي أَحَدِهِمَا) بَعْدَ الشَّيْخِ (فَأَرْشَهُمَا لِلسَّيِّدِ) لِأَنَّ الْبَيَانَ كَالْإِنْشَاءِ

عادل کا فیصلہ واجب ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی تمام قیمت واجب ہوگی۔ ایک غلام کا ہاتھ کاٹا گیا تو اس کے آقا نے اسے آزاد کر دیا تو وہ زخم سرایت کر گیا اور وہ غلام اس سے مر گیا اور اس غلام کے آقا کے علاوہ وارث ہیں تو اس کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔ کیونکہ جس کا حق ہے وہ مشتبہ ہے۔ اگر آقا کے علاوہ اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ایک آدمی نے اپنے دو غلاموں کو کہا: تم میں سے ایک غلام آزاد ہے تو دونوں کو زخمی کر دیا گیا تو آقا نے زخم لگانے کے بعد دونوں میں سے ایک میں آزادی کو واضح کر دیا تو دونوں کی دیت آقا کے لیے ہو گی۔ کیونکہ بیان نئے سرے سے امر واقع کرنے کی طرح ہے۔

قبیل سے ہوگی۔ قائل۔

35816۔ (قوله: فِي الصَّحِيحِ) کیونکہ عبد کا مقصود خدمت ہوتی ہے جمال مقصود نہیں ہوتا۔ ”منح“۔

35817۔ (قوله: لِاشْتِبَاهِ مَنْ لَهُ الْحَقُّ) کیونکہ قصاص موت کے وقت واجب ہوتا ہے جب کہ زخم لگنے کے وقت کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ پس جرح کی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے حق آقا کے لیے ہوگا اور دوسری حالت کا اعتبار کرتے ہوئے یہ حق وارثوں کا ہے۔ پس اشتباہ متحقق ہو گیا۔ ”منح“۔

35818۔ (قوله: خِلَافًا لِلْحَمْدِ) امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں کوئی قصاص نہیں اور قطع کرنے والے پر ہاتھ کی دیت اور اس نے اس میں جو نقص واقع کیا ہے یہاں تک آقا نے اسے آزاد کر دیا لازم ہوگی۔ کیونکہ وصیت کا سبب مختلف ہے۔ کیونکہ زخم لگانے کی حالت کے اعتبار سے یہ ملک ہے اور ولا کی وراثت دوسرے اعتبار سے ہے۔ پس اس کو اس کے قائم مقام رکھا جائے گا کہ مستحق میں اختلاف ہے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے ہم کو آقا کے لیے ولایت کے ثبوت کا یقین ہے۔ پس سبب کا اختلاف معتبر نہیں۔ اس کی مکمل بحث ”ہدایہ“ میں ہے۔

35819۔ (قوله: لِأَنَّ الْبَيَانَ كَالْإِنْشَاءِ) کیونکہ بیان من وجہ امر کو نئے سرے سے واقع کرنا ہے یہاں تک کہ نئے سرے سے امر کو واقع کرنے کے لیے محل کا اس کی صلاحیت رکھنا شرط ہے۔ اگر دونوں میں سے ایک مر جائے تو وہ اس کے بارے میں آزادی کو واضح کرے تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ اور من وجہ اظہار ہے یہاں تک کہ اس کو اس پر مجبور کیا جاسکتا ہے اگر یہ ہر اعتبار سے اظہار ہوتا تو اس کو مجبور نہ کیا جاتا۔ کیونکہ انسان کو غلام کے آزاد کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اور زخم لگنے کے بعد غلام

وَلَوْ قَتَلَ فَدِيَّةً حُرًّا وَقِيمَةً عَبْدًا لَوْ الْقَاتِلُ وَاحِدًا مَعًا وَقِيمَتُهُمَا سَوَاءٌ وَإِنْ قَتَلَ كُلًّا وَاحِدًا مَعًا أَوْ عَلَى التَّعَاقُبِ، وَلَمْ يَذَرِ الْأَوَّلَ فَقِيمَةُ الْعَبْدَيْنِ زَيْلَعِيٌّ (فَقًّا) رَجُلٌ (عَيْنِي عَبْدٌ)

اگر دونوں کو قتل کر دیا گیا تو ایک آزاد کی دیت اور ایک غلام کی قیمت لازم ہوگی۔ اگر قاتل ایک ہو تو اس نے دونوں کو اکٹھے قتل کیا ہو اور دونوں کی قیمت برابر ہو۔ اگر دونوں کو ایک نے اکٹھے قتل کیا ہو یا یکے بعد دیگرے قتل کیا ہو اور پہلے کا پتانہ ہو تو دو غلاموں کی قیمت لازم ہوگی۔ ”زلیعی“۔ ایک آدمی نے ایک غلام کی دونوں آنکھیں پھوڑ دیں

بیان کا محل ہوتا ہے۔ پس اس کو انشاء معتبر مان لیا جائے گا۔ ”عنایہ“۔

35820۔ (قوله: فَدِيَّةً حُرًّا وَقِيمَةً عَبْدًا) کیونکہ غلام موت کے بعد محل نہیں رہا۔ پس ہم نے اس کو محض اظہار اعتبار کیا اور ان دونوں میں سے ایک یقینی طور پر آزاد ہے۔ پس جو ذکر کیا گیا وہ واجب ہو گیا اور اسے آقا اور وارثوں کے درمیان نصف نصف کیا جائے گا کیونکہ اولویت نہیں پائی گئی۔ ”زلیعی“۔

35821۔ (قوله: لَوْ الْقَاتِلُ وَاحِدًا مَعًا) یعنی اگر اس نے دونوں کو اکٹھے قتل کر دیا ہو اگر قاتل دو ہوں تو وہ آگے آئے گا اگر وہ قاتل ایک ہو اور ان دونوں کو یکے بعد دیگرے قتل کر دے تو اس پر پہلے کی قیمت کی آقا کے لیے اور دوسرے کی قیمت اس کے وارثوں کے لیے ہوگی۔ کیونکہ دونوں میں سے ایک کے قتل کرنے کے ساتھ دوسرا آزادی کے لیے متعین ہو گیا۔ پس یہ امر واضح ہو گیا کہ اس نے اس وقت قتل کیا ہے جب وہ آزاد تھا۔ ”کفایہ“۔

35822۔ (قوله: وَقِيمَتُهُمَا سَوَاءٌ) اگر دونوں کی قیمت مختلف ہو تو اس پر دونوں میں سے ہر ایک کی نصف قیمت لازم ہوگی۔ اور آزادی کی دیت لازم ہوگی۔ پس پہلے کی طرح اس کو تقسیم کر دیا جائے گا۔ ”زلیعی“۔

35823۔ (قوله: وَلَمْ يَذَرِ الْأَوَّلَ) یعنی اگر اس کا علم ہو تو اس کے قاتل پر اس کے آقا کے لیے قیمت ہوگی۔ اور دوسرے کے قاتل پر اس کے وارثوں کے لیے دیت ہوگی کیونکہ پہلے کی موت کے بعد آزادی متعین ہو گئی۔ ”زلیعی“۔

35824۔ (قوله: فَقِيمَةُ الْعَبْدَيْنِ) کیونکہ ہمیں یقین نہیں کہ دونوں قاتلوں میں سے ہر ایک نے آزاد کو قتل کیا ہے جب کہ دونوں میں سے ہر ایک اس کا انکار کر رہا ہے اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ قیاس مجہول میں عتق کے ثبوت کا انکار کرتا ہے۔ پس دونوں میں قیمت واجب ہوگی۔ پس وہ آقا اور وارثوں کے درمیان دو نصف ہوگی۔ کیونکہ آزادی کا حکم دونوں میں سے ایک میں آقا کے حق میں ثابت ہے۔ پس وہ اس کے بدل کا مستحق نہ ہوگا ”زلیعی“ نے اسے بیان کیا ہے۔

اگر کوئی غلام کسی غلام کی آنکھیں پھوڑ دے تو اس کے حکم میں آئمہ فقہاء کے اقوال

35825۔ (قوله: فَقَّا رَجُلٌ عَيْنِي عَبْدًا) یہ اسی طرح کا حکم ہوگا جب وہ اس کے دونوں ہاتھوں کو یا اس کے دونوں پاؤں کو کاٹ دے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: فقأ عينه جب اسے اپنی جگہ سے ہلا دے اور اسے باہر نکال دے۔ ”اتقانی“۔

خَيْرَ مَوْلَاكَ اِنْ شَاءَ (دَفَعَ مَوْلَاكَ عَبْدَكَ) الْبَفْقُوْا لِفَقِيْ (وَأَخَذَ) مِنْهُ (قِيَمَتَهُ) كَامِلَةً (أَوْ أُمْسَكَهُ) وَلَا يَأْخُذُ مِنْهُ التُّقْصَانُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ ضَمَّنَهُ الْقِيَمَةَ وَأُمْسَكَ الْجُثَّةَ الْعَبِيَاءَ (وَلَوْ جَنَى مُدَبَّرًا أَوْ أَمْرًا وَلَيْدٍ ضَمِنَ السَّيِّدُ الْأَقْلَّ مِنَ الْقِيَمَةِ

تو اس کے آقا کو اختیار دیا جائے گا اگر چاہے تو اس غلام کا آقا اس غلام کو جس کی آنکھیں پھوڑی گئی ہیں آنکھیں پھوڑنے والے کے حوالے کر دے اور اس سے اس غلام کی مکمل قیمت لے لے یا اس غلام کو اپنے پاس روک لے اور اس سے نقصان نہ لے۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے فرمایا: اسے نقصان لینے کا حق ہوگا۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے فرمایا: اس سے قیمت کی ضمانت لے اور ناپینا غلام کو اپنے پاس رکھے اگر مدبر یا ام ولد غلام نے جنایت کی تو آقا قیمت اور دیت میں سے جو اقل ہوگا

35826۔ (قوله: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ الْخ) وہ ضمان کو فوت شدہ کے مقابل کر دیتے ہیں۔ اور باقی ماندہ اس کی ملک پر

رہے گا جس طرح جب وہ اس کی دونوں آنکھوں میں سے ایک کو پھوڑ دے۔

”صاحبین“ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اطراف کے حق میں مالیت معتبر ہوتی ہے اور مالیت صرف ذات کے حق میں ساقط ہوتی ہے اور اموال کا حکم وہ ہے جسے ذکر کر دیا گیا ہے جس طرح ایسی پھٹن جو بہت زیادہ ہو۔

”امام صاحب“ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ مالیت اگرچہ معتبر ہے انسانیت رائیگاں جانے والی چیز نہیں۔ دونوں قسموں پر عمل اس کو واجب کرتا ہے جس کو ذکر کیا گیا ہے۔ ”ابن کمال“۔

مدبر یا ام ولد نے جنایت کی تو اس کا حکم

35827۔ (قوله: وَلَوْ جَنَى مُدَبَّرًا أَوْ أَمْرًا وَلَيْدٍ) یعنی اگر مدبر یا ام ولد نے نفس پر خطا یا نفس سے کم پر جنایت کی،

”جوہرہ“۔ اگر اس نے مال میں جنایت کی تو اس پر لازم ہوگا کہ وہ اپنے مالک کے لیے اس مال کی قیمت میں سعی کرے وہ جہاں تک بھی پہنچے اور آقا پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ ”طحاوی“ نے ”مکی“ سے روایت کیا ہے۔ جہاں تک مکاتب کی جنایت کا تعلق ہے تو یہ اس کی ذات پر ہے اس کے آقا پر نہیں اور نہ ہی عاقلہ پر ہے۔ کیونکہ اس کی کمائی اس کی ذات کے لیے ہے۔ پس اس کی قیمت اور اس کی جنایت کی دیت میں سے جو کم ہوگا اس پر اس کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اس کی مکمل تفریعات ”غایۃ البیان“ میں ہیں۔

35828۔ (قوله: ضَمِنَ السَّيِّدُ) آقا اس وقت ان معاملات میں ضامن ہوگا جو اس کے لیے ہیں اس کی عاقلہ

ضامن نہ ہوگی۔ ”جوہرہ“۔ وہ اس لیے ضمان دے گا کیونکہ وہ غلام کو جنایت میں سپرد کرنے سے مانع ہے جب کہ اسے فدیہ دینے کا اختیار نہیں دیا گیا۔ کیونکہ جو کچھ وقوع پذیر ہو چکا ہے اس کا اسے علم نہیں ہوا۔ پس وہ اس طرح ہو گیا جب وہ یہ عمل جنایت کے بعد کرے جب کہ اسے علم نہ ہو۔ ”زیلعی“۔

35829۔ (قوله: الْأَقْلَّ مِنَ الْقِيَمَةِ) یعنی دونوں میں سے ہر ایک کی قیمت جو جنایت کے دن مدبر بننے اور ام ولد

وَمِنْ الْأَرْضِ) لِقِيَامِ قِيَمَتِهَا مَقَامَهَا (فَإِنْ دَفَعَ الْقِيَمَةَ بِقَضَاءٍ فَجَنَى الْمُدْبِرُ أَوْ أُمُّ الْوَلَدِ جَنَايَةً أُخْرَى يُشَارِكُ الثَّانِي الْأَوَّلَ) إِذْ لَيْسَ فِي جَنَايَاتِهِ كُلِّهَا إِلَّا قِيَمَةٌ وَاحِدَةٌ وَلَا شَيْءَ عَلَى الْمَوْلَى لِأَنَّهُ مُجْبُورٌ عَلَى الدَّفْعِ (وَلَوْ دَفَعَ الْقِيَمَةَ لَوَلِيَ الْأَوَّلَى) (بِغَيْرِ قَضَاءٍ اتَّبَعَ السَّيِّدَ) بِحَصَّتِهِ مِنَ الْقِيَمَةِ وَرَجَعَ

اس کی ضمانت دے گا۔ کیونکہ دونوں کی قیمت ان کے قائم مقام ہے۔ اگر اس نے قاضی کے فیصلہ سے قیمت دی تو مدبر یا ام ولد نے دوسری جنایت کی تو دوسرا پہلے کے ساتھ شریک ہوگا۔ کیونکہ اس کی تمام جنایات میں صرف ایک قیمت لازم ہوگی اور آقا پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ حوالے کرنے پر مجبور ہے اگر پہلی جنایت کے ولی کو قاضی کے فیصلہ کے بغیر قیمت دے دی تو اس کی قیمت میں سے جو حصہ ہے اس میں آقا کا پیچھا کرے گا اور آقا پہلے ولی جنایت سے

بننے کے وصف کے ساتھ ہو۔ اس کی مکمل وضاحت ”کنایہ“ میں ہے۔ ”در منشی“ یعنی مطالبہ کے دن جو قیمت ہے وہ لازم نہیں اور نہ ہی تدبیر کے دن کی قیمت لازم ہے اور ام ولد کی قیمت اس کی قیمت کا ایک تہائی ہوتی ہے اور مدبر کی قیمت اس کا دو تہائی ہوتی ہے۔ ”جوہرہ“۔

35830۔ (قوله: لِقِيَامِ قِيَمَتِهَا) ”زیلعی“ کی عبارت ہے: کیونکہ ولی جنایت کا دیت سے زیادہ کوئی حق نہیں ہوتا

اور نہ ہی آقا کو عین سے زیادہ دینے سے روکا جاسکتا ہے۔ پس اس کی قیمت عین کے قائم مقام ہوگی۔

35831۔ (قوله: يُشَارِكُ الثَّانِي الْأَوَّلَ الْخ) یعنی دوسرا قیمت میں اول کے ساتھ شریک ہے اور اس میں احوال

میں تفاوت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر غلام ایک آزاد آدمی کو قتل کرتا ہے جب کہ اس وقت قاتل غلام کی قیمت ہزار ہے پھر وہ ایک اور آدمی کو قتل کرتا ہے جب کہ اس وقت قاتل غلام کی قیمت دو ہزار ہے پھر ایک اور کو قتل کرتا ہے جب کہ اس کی قیمت پانچ سو ہے تو اس قاتل غلام کا آقا دو ہزار کی ضمانت دے گا۔ یہ اوسط کے اعتبار سے ہے۔ دوسرے مقتول کا ولی ایک ہزار لے گا۔ کیونکہ اس میں پہلے کا کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ اس کی جنایت کی حالت میں غلام کی قیمت ایک ہزار ہے اور ہم نے اس کو باقی رکھا ہے۔ اور تیسرے کا پانچ سو سے زیادہ میں کوئی تعلق نہیں۔ پس باقی ماندہ ہزار کا نصف پہلے اور درمیانے میں مشترک ہوگا جس ہزار میں اول کو اس کی دیت کے ساتھ جو دس ہزار ہے ضرب دی جائے گی اور اوسط کو باقی کے ساتھ ضرب دی جائے گی وہ نو ہزار ہے۔ پھر باقی ماندہ پانچ سو کو تین سو کے درمیان پس تیسرے کو تمام دیت سے ضرب دی جائے گی اور باقی میں سے ہر ایک، ان دونوں نے جو کچھ لیا ان کے غیر کے ساتھ ضرب دی جائے گی۔ یہ ”زیلعی“ وغیرہ سے مخلص ہے۔

35832۔ (قوله: إِلَّا قِيَمَةٌ وَاحِدَةٌ) کیونکہ آقا کی جانب سے منع صرف ایک رقبہ میں ہے۔ ”زیلعی“۔

35833۔ (قوله: لِأَنَّهُ مُجْبُورٌ عَلَى الدَّفْعِ) یعنی اس کے خلاف اس کا فیصلہ ہونے کی وجہ سے۔

35834۔ (قوله: اتَّبَعَ السَّيِّدَ) کیونکہ اس نے اس کا حق اس کی اجازت کے بغیر دے دیا۔

35835۔ (قوله: وَرَجَعَ) آقا اس کے بارے میں پہلے والی جنایت سے مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ یہ امر ظاہر ہوا ہے

بِهَا عَلَى الْأَوَّلِ، لِأَنَّهُ قَبْضُهُ بِغَيْرِ حَقٍّ، لِأَنَّ الْمَوْلَى لَا يَجِبُ عَلَيْهِ إِلَّا قِيَمَةُ وَاحِدَةٍ (أَوْ اتَّبَعَ وَلِيَّ الْجَنَائَةِ) الْأَوَّلَى وَقَالَ لَا شَيْءَ عَلَى الْمَوْلَى (وَإِنْ أَعْتَقَ) الْمَوْلَى (الْمُدَبَّرَ وَقَدْ جَنَى جَنَائَاتٍ لَمْ تَلْزَمُهُ) أَيْ الْمَوْلَى (إِلَّا قِيَمَةُ وَاحِدَةٍ عَلَى عِلْمٍ بِالْجَنَائَةِ) قَبْلَ الْعِتْقِ (أَوْ لَا) لِأَنَّ حَقَّ الْوَلِيِّ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِالْعَبْدِ، فَلَمْ يَكُنْ مُفَوَّتًا بِالْإِعْتِقَاقِ (وَأَمُّ الْوَلَدِ كَالْمُدَبَّرِ) فِيمَا مَرَّ (أَقَرَّ الْمُدَبَّرُ أَوْ أُمُّ الْوَلَدِ بِجَنَائَةٍ تُوجِبُ الْمَالَ

اس کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ اس نے ناحق اس پر قبضہ کیا ہے۔ کیونکہ آقا پر صرف ایک قیمت واجب ہوتی ہے یا دوسرا ولی جنایت پہلے ولی جنایت کا پیچھا کرے گا۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے فرمایا آقا پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ اگر آقا نے مدبر کو آزاد کر دیا جب کہ اس نے کئی جنایات کی تھیں تو آقا پر صرف ایک قیمت لازم ہوگی اسے آزادی سے پہلے جنایت کا علم ہو یا علم نہ ہو۔ کیونکہ ولی کا حق غلام کے متعلق نہیں ہوا۔ پس وہ آزاد کرنے کے ساتھ کسی کا حق فوت کرنے والا نہیں۔ اور ام ولد، مدبر کی طرح ہے ان تمام معاملات میں جو گزر چکے ہیں۔ مدبر اور ام ولد نے ایسی جنایت کا اقرار کیا جو مال کو واجب کرتی ہے

کہ اس نے اپنے حق سے زیادہ لے لیا ہے۔ ”عنایہ“۔

35836۔ (قوله: أَوْ اتَّبَعَ وَلِيَّ الْجَنَائَةِ الْأَوَّلَى) کیونکہ اس نے اس کا حق ظلماً قبضہ میں لیا ہے ضمانت لازم کرنے

میں اختیار دیا ہے۔ کیونکہ دوسری جنایت من وجہ مقارن ہے یہاں تک وہ دو ہزار میں اس کے ساتھ شریک ہوگا اور من وجہ وہ متاخر ہے یہاں تک کہ اس کے حق میں اس کی قیمت کا اعتبار دوسری جنایت کے روز کیا جائے گا۔ پس ضمانت لازم کرنے کے حق میں بھی اس کے مقارن ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔ ”کفایہ“ میں اسے بیان کیا ہے۔

35837۔ (قوله: وَقَالَ لَا شَيْءَ عَلَى الْمَوْلَى) کیونکہ یہ بعینہ وہ فعل ہے جو قاضی بجالایا ہے۔

35838۔ (قوله: لِأَنَّ حَقَّ الْوَلِيِّ) ولی پر الف لام جنسی ہے یعنی جنایت کے اولیاء کا حق۔ ”ط“۔

35839۔ (قوله: لَمْ يَتَعَلَّقْ بِالْعَبْدِ) غلام کے متعلق نہیں بلکہ اس کی قیمت کے متعلق ہے۔ کیونکہ اس کا حوالہ لے کرنا

ممکن نہیں اور قیمت عین کے قائم مقام ہوتی ہے جس طرح گزر چکا ہے۔

35840۔ (قوله: فَلَمْ يَكُنْ مُفَوَّتًا) یہ احتمال موجود ہے کہ یکن میں ضمیر عبد کے لیے ہے اور مفوتاً یہ اسم مفعول کا صیغہ

ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ ضمیر مولیٰ کی طرف لوٹ رہی ہو اور مفوتاً اسم فاعل کا صیغہ ہو۔ ”ط“۔

35841۔ (قوله: فِيمَا مَرَّ) وہ ان کا قول ہے: و ان اعتق المدبر۔ جہاں تک اس سے قبل کا تعلق ہے تو مصنف سے

ان دونوں کے بارے میں صراحت کر دی ہے۔ ”ط“۔

مدبر اور ام ولد نے ایسی جنایت کا اقرار کیا جو مال کو واجب کرتی ہو تو اس میں اقرار جائز نہیں

35842۔ (قوله: بِجَنَائَةٍ تُوجِبُ الْمَالَ) اس سے مراد جنایت خطا ہے ”اتقانی“ نے ”کرخی“ سے نقل کیا ہے۔

لَمْ يَجْزِ إِقْرَارُهُ لِأَنَّهُ إِقْرَارٌ عَلَى الْمَوْلَى بِخِلَافِ مَا إِذَا أَقْرَأَ بِالنَّقْلِ عَمْدًا فَإِنَّهُ يَصَحُّ إِقْرَارُهُ عَلَى نَفْسِهِ (فَيُقْتَلُ بِهِ) وَلَوْ جَنَى الْمُدَبِّرُ خَطَا فَمَاتَ لَمْ تَسْقُطْ قِيَمَتُهُ عَنْ مَوْلَاهُ، وَلَوْ قَتَلَ الْمُدَبِّرُ مَوْلَاهُ خَطَا سَعَى فِي قِيَمَتِهِ،

تو اس کا اقرار جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ آقا کے خلاف اقرار ہے۔ جب وہ قتل کا عہد اقرار کرے تو اس کا معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ اس کا اپنے خلاف اقرار صحیح ہے۔ پس اس کے بدلے میں اس کو قتل کیا جائے گا۔ اگر مدبر نے خطا جنایت کی اور وہ مر گیا تو اس کی قیمت اس کے مولیٰ سے ساقط نہ ہوگی۔ اگر مدبر اپنے آقا کو خطا قتل کر دے تو وہ اس کی قیمت میں کوشش کرے گا۔

35843۔ (قوله: لَمْ يَجْزِ إِقْرَارُهُ) نہ ہی اس پر فی الحال کوئی شے لازم ہوگی اور نہ اس کی آزادی کے بعد کوئی شے لازم ہوگی۔ ”ملتقی“۔

35844۔ (قوله: لِأَنَّهُ إِقْرَارٌ عَلَى الْمَوْلَى) کیونکہ اس کی جنایت کا حکم اس کے آقا پر مرتب ہوگا اس کی ذات پر مرتب نہیں ہوگا۔ ”زیلعی“۔

35845۔ (قوله: وَلَوْ جَنَى الْمُدَبِّرُ) اس کی مثل ام ولد ہے۔ ”ملتقی“۔

35846۔ (قوله: لَمْ تَسْقُطْ قِيَمَتُهُ عَنْ مَوْلَاهُ) کیونکہ اس کی قیمت اس کو مدبر بنانے کے سبب ثابت ہو چکی ہے اور موت کے ساتھ وہ ساقط نہ ہوگی۔ ”درر“۔

اگر غلام اپنے آقا کو خطا یا عہد قتل کرے تو اس کا حکم

35847۔ (قوله: سَعَى فِي قِيَمَتِهِ) کیونکہ تدبیر (مدبر بنانا) اس کی گردن کی وصیت ہے جب کہ وہ اس کے سپرد کردی گئی ہے۔ کیونکہ یہ اس کے آقا کی موت کے ساتھ آزادی ہے اور قاتل کے لیے کوئی وصیت نہیں ہوتی۔ پس اس پر لازم ہوگا کہ وہ اپنی ذات کو واپس کر دے جب کہ وہ اس سے عاجز آچکا ہے۔ پس اس پر اس کا بدل لوٹانا واجب ہے وہ قیمت ہے، ”درر“۔ ”سامحانی“ نے یہ ذکر کیا ہے کہ قتل خطا میں وہ دو قیمتوں میں مزدوری کرے گا۔ کیونکہ ”شرح مقدسی“ میں ہے: ایک آدمی نے اپنی مرض الموت میں اپنا غلام آزاد کر دیا تو غلام نے اسے خطا قتل کر دیا تو ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ دو قیمتوں میں مزدوری کرے گا۔ ان میں سے ایک وصیت کو توڑنا ہے۔ کیونکہ مرض الموت میں آزاد کرنا وصیت ہے جب کہ یہ وصیت قاتل کے حق میں باطل ہے مگر آزادی متحقق ہونے کے بعد ختم نہیں ہوتی۔ پس اس کی قیمت واجب ہوگی پھر اپنے آقا کو قتل کرنے کے ساتھ اس پر دوسری وصیت لازم ہوگی۔ کیونکہ اپنی قیمت میں مزدوری کرنے والا ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک مکاتب کی طرح ہے اور مکاتب جب اپنے آقا کو قتل کرے تو اس پر اس کی قیمت اور دیت میں سے جو اقل ہوگا وہ واجب ہوگا یہاں قیمت اقل ہے۔ ”صاحبین“ رحمہم اللہ نے فرمایا: وہ وصیت لوٹانے کے لیے ایک قیمت میں محنت مزدوری کرے اور اس کی عاقلہ پر دیت ہوگی۔ کیونکہ وہ مقروض مدیون ہے۔

وَلَوْ عَمَدًا قَتَلَهُ الْوَارِثُ أَوْ اسْتَسْعَا فِي قِيَمَتِهِ ثُمَّ قَتَلَهُ دُرُّهُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

اگر اس نے اپنے آقا کو جان بوجھ کر قتل کیا ہو تو آقا کا وارث اس کو قتل کرے گا یا اس کی قیمت میں سعایت کرائے گا پھر اس کو قتل کر دے گا، ”درر“۔ اللہ تعالیٰ اس کو بہتر جانتا ہے۔

35848۔ (قولہ: قَتَلَهُ الْوَارِثُ أَوْ اسْتَسْعَا الخ) جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے وہ ظاہر ہے۔ جہاں تک

دوسری صورت کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے جو ذکر کی گئی ہے کہ تدبیر وصیت ہے۔ ”درر“۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فَصْلٌ فِي غَضَبِ الْقِنِّ وَغَيْرِهِ

(قَطَعَ يَدَ عَبْدِهِ فَعَصَبَهُ رَجُلٌ) وَسَرَى فَبَاتَ (مِنْهُ ضَمِنَ) الْغَاصِبُ (قِيَمَتَهُ أَقْطَعَ وَإِنْ قَطَعَ يَدَهُ وَهُوَ فِي يَدِ غَاصِبٍ فَبَاتَ مِنْهُ بَرِيٌّ) الْغَاصِبُ لِيَصِيرُوا رَتَهُ مُتْلِفًا فَيَصِيرُ مُسْتَرِدًّا (غَضَبَ عَبْدٌ مَحْجُورٌ مِثْلُهُ فَبَاتَ فِي يَدِهِ ضَمِنَ)

غلام کے غصب کے احکام

ایک آدمی نے اپنے غلام کے ہاتھ کو کاٹا تو ایک آدمی نے اسے غصب کر لیا اور وہ زخم سرایت کر گیا اور اس وجہ سے وہ مر گیا تو غاصب اس کی قیمت کا غاصب ہو گا جب کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہو اگر اس کا ہاتھ کاٹا جب کہ وہ غاصب کے قبضہ میں ہو اور وہ مر جائے تو غاصب بری ہو جائے گا۔ کیونکہ مالک خود اس کو تلف کرنے والا ہو گیا ہے پس وہ اس کو لوٹانے والا ہو جائے گا۔ مجبور غلام نے اپنے جیسے غلام کو غصب کیا تو وہ غلام اس کے ہاتھ میں مر گیا تو وہ ضامن ہو گا۔

لفظ غیر سے مراد مدبر اور (بچہ) ہے مراد حالت غصب میں ان کی جنایت کا حکم ہے۔ ”اتقانی“ نے کہا: جب غلام اور مدبر کی جنایت کا ذکر کیا تو ان کے غصب کے ساتھ ان دونوں کی جنایت کا ذکر کیا۔ کیونکہ مفرد مرکب سے پہلے ہوتا ہے پھر اپنی کلام کو بچے کے غصب کے بیان تک لے گئے۔

مغصوبہ غلام اگر سابقہ زخم کی وجہ سے ہلاک ہو جائے تو اس کا حکم

35849۔ (قوله: قَطَعَ يَدَ عَبْدِهِ الْخ) اگر قاطع اجنبی ہو چاہے تو مالک اس سے قصاص لے لے اور اگر چاہے تو غاصب سے غصب کیے ہوئے غلام کی قیمت لے لے اگر وہ قتل خطا ہو اگر چاہے تو قاطع کی عاقلہ سے اس کی وہ قیمت لے لے جو اس کی حالت صحت میں تھی اور عاقلہ غاصب سے وہ قیمت واپس لے لے جو مقطوع الید کی ہے یا غاصب سے کٹے ہاتھ غلام کی قیمت لے لے اور باقی معاملات میں غاصب کے علاوہ کا پیچھا کرے۔ ”مقدسی“ میں جو تفریعات ہیں ان سے یہی استفادہ ہوتا ہے۔ ”ساحانی“۔

35850۔ (قوله: ضَمِنَ الْغَاصِبُ قِيَمَتَهُ أَقْطَعَ) کیونکہ جب آقا نے اپنے قبضہ میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا تو اس کی قیمت قطع ید سے کم ہو گئی۔ ”زیلعی“۔

35851۔ (قوله: فَيَصِيرُ مُسْتَرِدًّا) کیونکہ اس کا قبضہ اس پر واقع ہو چکا ہے اور غاصب اس کی ضمان سے بری ہو جائے گا کیونکہ اس کی ملک اس قبضہ میں آچکی ہے۔ ”زیلعی“۔

لَأَنَّ الْمُحْجُورَ مُوَخَذٌ بِأَفْعَالِهِ لَا بِأَقْوَالِهِ إِلَّا بَعْدَ عِتْقِهِ (مُدَبَّرٌ جَنَى عِنْدَ غَاصِبِهِ) فَرُدَّ (ثُمَّ جَنَى عِنْدَ سَيِّدِهِ) أُخْرَى (ضَمِنَ السَّيِّدُ قِيَمَتَهُ لَهُمَا) نِصْفَيْنِ (وَرَجَعَ) الْمَوْلَى (بِنِصْفٍ) قِيَمَتِهِ عَلَى الْغَاصِبِ وَدَفَعَهُ أَيْ دَفَعَ الْمَوْلَى نِصْفَ قِيَمَتِهِ (إِلَى) وَلِيِّ الْجَنَائِيَةِ (الْأَوَّلِ)

کیونکہ محجور کا مواخذہ اس کے افعال پر کیا جاتا ہے اس کے اقوال پر مواخذہ نہیں کیا جاتا ہے۔ ہاں اقوال پر اس کی آزادی کے بعد مواخذہ کیا جاتا ہے۔ مدبر نے اپنے غاصب کے پاس جنایت کی تو اس کو لوٹا دیا گیا۔ پھر اس نے اپنے آقا کے پاس دوسری جنایت کی تو آقا ان دونوں کے لیے نصف نصف قیمت کا ضامن ہوگا اور آقا اس کی نصف قیمت کا مطالبہ اس کے غاصب سے کرے گا اور آقا اس کی نصف قیمت پہلے ولی جنایت کے حوالے کر دے گا۔

محجور کا مواخذہ اس کے افعال پر کیا جاتا ہے اقوال پر نہیں

35852۔ (قوله: مُوَخَذٌ بِأَفْعَالِهِ) یعنی اس کی غلامی کی حالت میں اس کے افعال پر اس کا مواخذہ ہوگا۔ ”عنایہ“۔

یہاں تک کہ اگر غصب گواہوں کے ساتھ ثابت ہو جائے تو اس میں اس کو بیچ دیا جائے گا۔ ”درر“۔

35853۔ (قوله: لَا بِأَقْوَالِهِ الْخ) یعنی جن اقوال میں مال واجب ہوتا ہے۔ پس اس کی غلامی میں اس کا مواخذہ

نہیں ہوگا آزادی کے بعد اس کے متعلق اس سے مواخذہ کیا جائے گا۔ جہاں تک ان امور کا تعلق ہے جن میں حدود و قصاص واجب ہوتا ہے تو فی الحال ان امور میں اس کا مواخذہ ہوگا۔ ”العنایہ“ میں اس کو بیان کیا ہے۔ جہاں تک ماذون کا تعلق ہے تو

ہمارے نزدیک ایسے غلام کا اقوال کی وجہ سے بھی مواخذہ ہوگا۔ ”معراج“۔

مدبر نے اپنے غاصب کے پاس جنایت کی پھر اپنے آقا کے پاس دوسری جنایت کی تو اس کا حکم

35854۔ (قوله: ضَمِنَ السَّيِّدُ قِيَمَتَهُ لَهُمَا) کیونکہ مدبر اگرچہ اس کی جنایات بہت زیادہ ہو جائیں اس کی ایک ہی

قیمت واجب ہوتی ہے اور یہ آقا پر واجب ہوگی۔ کیونکہ اس نے اسے پہلے مدبر بنانے کے ساتھ اسے حوالے کرنے سے اپنے

آپ کو عاجز کر دیا ہے اس کے بغیر کہ وہ اس میں فدیہ دینے کا اختیار رکھتا ہو، ”زیلعی“۔ چاہیے کہ قیمت کا وجوب اس صورت میں

ہو جب وہ دیت سے کم ہو۔ کیونکہ مدبر کی جنایت کا حکم یہ ہے کہ آقا پر وہ لازم ہو جو ان دونوں سے کم ہے۔ ”اتقانی“۔

35855۔ (قوله: وَرَجَعَ الْمَوْلَى بِنِصْفٍ قِيَمَتِهِ عَلَى الْغَاصِبِ) کیونکہ اس نے دو جنایتوں کے بدلے میں قیمت

کی ضمانت دی ہے اس کا نصف اس سبب سے ہے تو غاصب کے ہاں واقع ہوا اور دوسرا نصف ایسے سبب سے ہے جو آقا کے

ہاں پایا گیا۔ پس وہ اس سے اس سبب کے بدلے میں مطالبہ کرے گا جو غاصب کی جہت سے لاحق ہوا۔ پس وہ یوں ہو گیا گویا

اس نے نصف غلام واپس نہیں کیا تھا۔ ”زیلعی“۔

35856۔ (قوله: أَيْ دَفَعَ الْمَوْلَى نِصْفَ قِيَمَتِهِ) یعنی وہ نصف قیمت جو اس نے غاصب سے وصول کی تھی وہ

دے دے گا۔ یہ دوسری دفعہ دینا شیخین کے نزدیک ہے۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

لَأَنَّ حَقَّهُ لَمْ يَجِبْ إِلَّا وَالْمُزَاحِمُ قَائِمٌ (ثُمَّ رَجَعَ) الْمَوْلَى (بِهِ عَلَى الْغَاصِبِ) لِأَنَّهُ أَخَذَ مِنْهُ بِسَبَبٍ كَانَ عِنْدَ الْغَاصِبِ (وَبِعَكْسِهِ) بِأَنَّ جَنَى عِنْدَ مَوْلَاهُ ثُمَّ عِنْدَ غَاصِبِهِ (لَا يَرْجِعُ) الْمَوْلَى عَلَى الْغَاصِبِ (بِهِ ثَانِيًا) لِأَنَّ الْجِنَايَةَ الْأُولَى كَانَتْ فِي يَدِ مَالِكِهِ (وَالْقَتْلُ فِي الْفَضْلَيْنِ) كَالْمَدْبَرِ غَيْرَ أَنَّ الْمَوْلَى يَدْفَعُ الْعَبْدَ نَفْسَهُ

کیونکہ اس کا حق ثابت نہیں ہوا مگر مزاحم موجود ہے پھر آقا غاصب سے اس کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ آقا سے جو لیا گیا وہ اس سبب کی وجہ سے لیا گیا جو غاصب کے پاس متحقق ہوا تھا اور اس کے برعکس یعنی وہ اپنے آقا کے پاس جنایت کرے پھر اپنے غاصب کے پاس جنایت کرے تو آقا غاصب سے دوبارہ اس کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ پہلی جنایت اس کے مالک کے قبضہ میں ہوئی ہے۔ دونوں فصلوں میں قن خالص (غلام) مدبر کی طرح ہے مگر آقا یہاں غلام حوالے کر دے گا

35857۔ (قوله: لِأَنَّ حَقَّهُ لَمْ يَجِبْ إِلَّا) صحیح تعبیر یہ تھی کہ کہتے: دون الشانی لان حقه الخ جس طرح ”ابن کمال“ نے تعبیر کیا ہے یعنی ولی جنایت کا حق۔

”العنایہ“ میں کہا: ان دونوں کی دلیل یہ ہے کہ پہلے کا حق تمام قیمت میں ہے۔ کیونکہ جب اس کے حق میں جنایت کی گئی تو کوئی بھی اس کے مزاحم نہیں تھا۔ بے شک اس کے حق میں کمی دوسرے کی مزاحمت کی وجہ سے ہوئی ہے۔ جب اس نے غلام کے بدل میں سے کوئی شے مالک کے ہاتھ میں فارغ پائی تو اپنے حق کو مکمل کرنے کے لیے اسے لے لے گا۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ یہ اس کے منقض ہے جو پہلے گزر چکا ہے: مدبر کی جنایت صرف ایک قیمت واجب کرتی ہے یہاں وہ ایک مکمل قیمت اور نصف واجب کرے گی۔

اس کا یہ جواب دیا گیا کہ وہاں حکم اس صورت میں ہے جب جنایت ایک شخص کے قبضہ میں کئی بار ہو۔ یہاں کا معاملہ مختلف ہے۔ تامل

35858۔ (قوله: ثُمَّ رَجَعَ الْمَوْلَى بِهِ) یعنی آقا نصف قیمت کا مطالبہ کرے گا اور کسی کے حوالے نہیں کرے گا۔ کیونکہ دونوں اولیاء کو ان کا مکمل حق پہنچ گیا ہے۔ ”اتقانی“۔

35859۔ (قوله: لِأَنَّ الْجِنَايَةَ الْأُولَى كَانَتْ فِي يَدِ مَالِكِهِ) یعنی آقا نے مالک کو جو دوسری دفعہ دیا ہے یہ پہلی جنایت کی وجہ سے ہے تو وہ اس کا مطالبہ کسی سے نہیں کرے گا۔ پہلے مسئلہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ اس سبب سے تھا جو غاصب کے پاس واقع ہوا۔ پس آقا اس کا مطالبہ کرے گا۔ یہ ”زیلعی“ نے بیان کیا ہے۔

35860۔ (قوله: وَالْقَتْلُ فِي الْفَضْلَيْنِ) یعنی خالص غلام دونوں مسئلوں میں مدبر کی طرح ہے یعنی مدبر کی سابقہ تفسیر قن سے احترازی نہیں۔ اور عنقریب یہ آئے گا کہ ام ولد اسی طرح ہے۔

35861۔ (قوله: يَدْفَعُ الْعَبْدَ نَفْسَهُ) کیونکہ اسے ایک ملک سے دوسری ملک کی طرف منتقل کرنا ممکن ہے۔ مدبر کا معاملہ مختلف ہے۔ ظاہر معنی یہ ہے کہ مراد یہ ہے کہ فدیہ اور دونوں ولی جنایت کے حوالے کرنے میں اختیار دیا جائے گا۔ تامل۔

(هَذَا وَثْنَةٌ) أَمَى فِي الْمُدَبَّرِ (الْقِيَمَةُ) كَمَا مَرَّ (مُدَبَّرٌ جَنَى عِنْدَ غَاصِبٍ فَرَدَّاهُ فَعَصَبَ) ثَانِيًا (فَجَنَى عِنْدَهُ) كَانَ عَلَى سَيِّدِهِ قِيَمَتُهُ لَهَا وَرَجَعَ بِقِيَمَتِهِ عَلَى الْغَاصِبِ (لِيَكُونَهُمَا عِنْدَهُ) (وَدَفَعَ) الْمَوْلَى (نِصْفَهَا) أَمَى الْقِيَمَةُ مَا خُوذَتْ ثَانِيًا (إِلَى) وَلِيِّ الْجَنَائِيَةِ (الْأَوَّلِ وَرَجَعَ) الْمَوْلَى (بِذَلِكَ النِّصْفِ عَلَى الْغَاصِبِ) وَأُمِّرَ الْمَوْلَى فِي كُلِّهَا كَمُدَبَّرٍ (غَضَبَ) رَجُلٌ (صَبِيًّا حُرًّا) لَا يُعْبَرُ عَنْ نَفْسِهِ

اور وہاں یعنی مدبر میں قیمت دے گا جس طرح گزر چکا ہے۔ مدبر نے اپنے غاصب کے ہاں جنایت کی غاصب نے اسے مالک کی طرف لوٹا دیا تو غاصب نے اسے دوبارہ غصب کر لیا تو مدبر نے غاصب کے ہاں جنایت کی تو اس کے آقا پر لازم ہے کہ وہ اس کی قیمت ان دونوں کے حوالے کرے اور اس کی قیمت کا مطالبہ غاصب سے کرے۔ کیونکہ دونوں جنائیتیں اس کے پاس واقع ہوئی ہیں اور آقا اس قیمت کا نصف جو اس نے دوسری دفعہ لی ہے پہلے ولی جنایت کے حوالے کر دے گا۔ اور آقا اس نصف کا غاصب سے مطالبہ کرے گا۔ ان تمام معاملات میں ام ولد مدبر کی طرح ہے۔ ایک آدمی نے آزاد بچے کو غصب کیا جو اپنے بارے میں تعبیر نہیں کر سکتا

پھر جب وہ دے گا تو اس کی نصف قیمت کا غاصب سے مطالبہ کرے گا جو قول گزر چکا ہے اس کے آخر تک معاملہ اسی طرح ہے۔ 35862۔ (قوله: فَعَصَبَ ثَانِيًا) یعنی پہلے غاصب نے دوسری دفعہ اس کو غصب کر لیا بعض نسخوں میں ہے فغصبہ یعنی فعل کے بعد ضمیر ہے یہ زیادہ ظاہر ہے۔

35863۔ (قوله: كَانَ عَلَى سَيِّدِهِ قِيَمَتُهُ لَهَا) دونوں ولی جنایت کے لیے اس کے آقا پر اس کی قیمت لازم ہو گی۔ کیونکہ آقا نے مدبر بنانے کے ساتھ غلام حوالے کرنے سے روک دیا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔

35864۔ (قوله: لِيَكُونَهُمَا) کیونکہ دونوں جنائیتیں غاصب کے پاس واقع ہوئیں۔ جو قول گزر چکا ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ان دونوں جنایتوں میں سے ایک اس کے پاس واقع ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے نصف کا مطالبہ کرے گا۔

35865۔ (قوله: وَرَجَعَ الْمَوْلَى بِذَلِكَ النِّصْفِ) یعنی جو اس نے دوسری دفعہ پہلی جنایت کے ولی کو دی اس نصف کا آقا مطالبہ کرے گا۔

35866۔ (قوله: وَأُمِّرَ الْمَوْلَى فِي كُلِّهَا) یعنی مذکورہ تمام احکام میں جیسے مدبر ہے۔ کیونکہ وہ دونوں اس امر میں شریک ہیں کہ جنایت کی وجہ سے لونڈی حوالے کرنے سے مانع چیز آقا کی جانب سے واقع ہے۔ ”درر“۔

35867۔ (قوله: لَا يُعْبَرُ عَنْ نَفْسِهِ) کیونکہ اگر وہ تعبیر کر سکتا تو وہ اپنی زبان کے ساتھ اس کا معارضہ کرتا تو حکماً اس کا غلبہ ثابت نہ ہوتا۔ ”شرنبلا لیه“ میں ”برہان“ سے اسی طرح مروی ہے اس کی مثل ”الکفایہ“، ”تہستانی“ وغیرہا میں ہے۔

”معراج“ میں کہا: لیکن آنے والا فرق جو مکاتب اور بچے کے درمیان ہے اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مراد مطلق بچہ ہے بے شک وہ بچہ جس کی شادی اس کا ولی کرتا ہے وہ اس کے ساتھ مقید نہیں۔ ”کافی“ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ملخص

وَالْمُرَادُ بِغَضَبِهِ الذَّهَابُ بِهِ بِلا إِذْنٍ وَلِيَّهِ (فَمَاتَ) هَذَا الْحُرُّ (فِي يَدِهِ) فُجَاءَةً أَوْ بِحُسْنٍ لَمْ يَضُنَّ وَإِنْ مَاتَ بِصَاعِقَةٍ أَوْ نَهَشِ حَيَّةٍ فَدِيَّتُهُ عَلَى عَاقِلِهِ الْغَاصِبِ، اسْتِحْسَانًا لِتَسَبُّبِهِ بِنَقْلِهِ لِمَكَانِ الصَّوَاعِقِ أَوْ الْحَيَّاتِ حَتَّى لَوْ نَقَلَهُ

اس بچے کو غصب کرنے سے مراد یہ ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر اس بچے کو لے جانا تو وہ آزاد بچہ اس کے قبضہ میں اچانک مرجاتا ہے یا بخار کے ساتھ مرجاتا ہے وہ ضامن نہ ہوگا۔ اگر وہ بجلی کی کھڑک سے یا سانپ کے ڈبسنے سے مرجاتا ہے تو بطور استحسان اس غاصب کی عاقلہ پر دیت ہوگی۔ کیونکہ وہ اس بچے کو صاعقہ کی جگہ یا سانپوں کی جگہ منتقل کرنے کا سبب بنا ہے یہاں تک اگر وہ اس کو ایسی جگہ منتقل کرتا ہے

مشاکلہ کا معنی

35868۔ (قوله: وَالْمُرَادُ بِغَضَبِهِ الْخ) پس غصب کا ذکر مشاکلہ کے طریقہ پر ہے۔ مشاکلہ کا مطلب یہ ہوتا ہے

کہ ایک شے کو اس کے لفظ کے علاوہ کسی اور لفظ سے ذکر کیا جائے۔ کیونکہ وہ اس کی صحبت میں واقع ہو رہا ہے۔ ”عنایہ“۔

اگر کوئی شخص بغیر اجازت چھوٹے بچے کو لے جائے اور وہ ہلاک ہو جائے تو اس کا حکم

35869۔ (قوله: فُجَاءَةً) یہ لفظ فا کے ضمہ یا فتح اور مد کے ساتھ ہے اور جیم کے سکون کے ساتھ مد کے بغیر

ہے۔ ”تہستانی“۔

35870۔ (قوله: بِصَاعِقَةٍ) یعنی ایسی آگ جو آسمان سے گرتی ہے یا اس سے مراد ہر مہلک عذاب ہے جس طرح

”قاموس“ میں ہے۔ یہ شدید گرمی، شدید ٹھنڈک، پانی میں غرق ہونے اور بلند جگہ سے نیچے گر جانے کو شامل ہوتا ہے جس طرح ”خانہ“ وغیرہ میں ہے۔ ”تہستانی“۔

35871۔ (قوله: لَمْ يَضُنَّ) کیونکہ یہ اماکن کے مختلف ہونے کے ساتھ مختلف ہو جاتا ہے۔ ”ہدایہ“۔

35872۔ (قوله: اسْتِحْسَانًا) قیاس یہ ہے کہ مطلقاً ضمان نہ ہو۔ کیونکہ آزاد آدمی کا غصب متحقق نہیں ہوتا۔ کیا آپ

نہیں دیکھتے کہ اگر مکاتب صغیر ہو تو اس کا غاصب ضامن نہیں ہوگا اگرچہ وہ کمائی کے لحاظ سے آزاد ہے تو یہ بدرجہ اولیٰ ضامن نہیں ہوگا۔

اس کا جواب وہ ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ضمان غصب کی وجہ سے نہیں بلکہ بطریق سبب اس کو تلف کرنے کی بنا پر ہے جب کہ اس نے ولی کی حفاظت کو زائل کر دیا ہے۔ پس تلف کرنا اس کی طرف منسوب ہوگا۔ جہاں تک مکاتب کا تعلق ہے تو وہ اپنی ہی ذات کے قبضہ میں ہوتا ہے اگرچہ وہ صغیر ہو اسی وجہ سے کوئی اس کی شادی نہیں کرتا۔ پس وہ بڑے آزادی کی طرح ہے۔ جہاں تک بچے کا تعلق ہے تو وہ اپنے ولی کے قبضہ میں ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ولی اس کی شادی کراتا ہے۔ یہ ”ہدایہ“ اور ”کفایہ“ سے ماخوذ ہے۔

لِبَوَاضِعَ يَغْلِبُ فِيهِ الْحُسَى وَالْأَمْرَاضُ ضَمِنَ فَتَجِبُ فِيهِ الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ لِكُونِهِ قَتْلًا تَسْبِيًا
هَذَا آيَةٌ وَغَيْرُهَا قُلْتُ بَقِيَ لَوْنَقْلَ الْحَرِّ الْكَبِيرِ لِهَذِهِ الْأَمَاكِينِ تَعْدِيًا إِنْ مُقَيَّدًا وَلَمْ يُبَكِّنْهُ الشَّحَرُ عَنْهُ
ضَمِنَ وَإِنْ لَمْ يَنْتَعِهِ مَنْ حَفِظَ نَفْسِهِ لَا لِأَنَّهُ بِتَقْصِيرِهِ - فَحُكْمُ صَغِيرٍ كَكَبِيرٍ مُقَيَّدٌ عِنَايَةً (وَلَوْ غَضَبَ صَبِيًّا
فَغَابَ عَنْ يَدِهِ حُسَى) الْغَاصِبُ (حَتَّى يَجِيءَ بِهِ أَوْ يُعْلَمَ مَوْتُهُ) خَانِيَّةٌ كَمَا لَوْ خَدَعَ امْرَأَةً رَجُلٌ

جس میں بخار اور امراض عام ہو جاتے ہیں تو وہ ضامن ہوگا تو اس میں عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔ کیونکہ یہ قتل بالسبب ہے
”ہدایہ“ وغیرہا۔ میں کہتا ہوں: یہ صورت باقی رہ گئی ہے اگر تعدی کرتے ہوئے ان جگہوں کی طرف بڑے آزاد کو منتقل کیا اگر
وہ بڑا مقید ہو اور اس سے بچاؤ ممکن نہ ہو تو وہ ضامن ہوگا۔ اگر اسے اپنی جان کی حفاظت سے نہ روکے تو ضامن نہیں ہوگا۔
کیونکہ یہ نقصان بالغ کی تقصیر سے واقع ہوا ہے تو چھوٹے کا حکم بڑے مقید کی طرح ہوگا۔ ”عنایہ“۔ اگر اس نے بچے کو غصب
کیا اور وہ اس کے قبضہ سے غائب ہو گیا تو غاصب کو مجبوس کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اس کو لے آئے یا اس کی موت کا علم ہو
جائے۔ ”خانیہ“۔ جس طرح کسی نے مرد کی عورت سے دھوکہ کیا

35873۔ (قوله: لِبَوَاضِعَ يَغْلِبُ فِيهِ الْحُسَى وَالْأَمْرَاضُ) اس کی صورت یہ ہے کہ مکان کے ساتھ مخصوص ہو پس
وہ ضامن ہوگا مگر عدوی کے سبب ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ عدوی (مرض کا متعدی ہونا) کا قول باطل ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی
تخلیق سے بنی آدم وغیرہ میں موثر ہے جیسے غذا ہے۔ ”بزازیہ“۔

35874۔ (قوله: لِهَذِهِ الْأَمَاكِينِ) یعنی ان میں غالب امر یہ ہے کہ انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ یہاں لام، الی کے
معنی میں ہے۔

35875۔ (قوله: ضَمِنَ) کیونکہ مغضوب کے ساتھ جو اس جگہ سلوک کیا گیا ہے وہ اپنی حفاظت کرنے سے عاجز آ گیا،
”عنایہ“۔ اسی طرح وہ ضامن ہوگا اگر وہ مکاتب کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرے جس طرح ”زیلعی“ نے ذکر کیا ہے۔

35876۔ (قوله: فَحُكْمُ صَغِيرٍ كَكَبِيرٍ مُقَيَّدٌ) تعبیر میں یہ کہنا اولیٰ تھا فحکم کبیر مقید کصغیر۔ کیونکہ صغیر کا مسئلہ
متون میں منصوص ہے اور کبیر کے مسئلہ کو شارحین نے ”مجبوی“ سے نقل کیا ہے۔

”حاشیہ ابی سعود“ میں ہے: علامہ ”مقدسی“ نے اس قول میں علماء کے اس قول کے ساتھ اشکال کا ذکر کیا ہے اِیرایس، آدنی
نے کسی کی مشکلیں کیں اور اسے رسیوں سے جکڑ دیا اور اسے پھینک دیا تو درندے اسے کھا گئے تو اس پر نہ قصاص لازم ہوگا اور
نہ ہی دیت لازم ہوگی لیکن اس پر تعزیر لگائی جائے گی اور اس کو مجبوس کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ ”امام صاحب“
رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اس پر دیت لازم ہوگی۔ بچے کو کپڑے میں لپیٹا اور اسے دھوپ یا سردی میں پھینک دیا یہاں تک کہ مر
گیا تو اس کی عاقلہ پر دیت لازم ہوگی۔ ”الفاظیہ“ میں اسی طرح ہے فلیتأمل۔ شاید بڑے آزاد، جو مقید ہو، کے بارے میں
ضمان کا قول اسی روایت پر محمول ہے۔ اسی کی مثل ”حاشیہ رملی“ میں ہے۔ اشکال کی اصل صاحب ”المعراج“ کا قول ہے

حَتَّى وَقَعَتْ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا فَإِنَّهُ يُحْبَسُ حَتَّى يَرُدَّهَا أَوْ تَمُوتَ خُلَاصَةً (أَمْرُ خَتَّانًا لِيَخْتَنَ صَبِيًّا فَقَعَلَ) الْخَتَّانُ ذَلِكَ (فَقَطَعَ حَشْفَتَهُ وَمَاتَ الصَّبِيُّ) مِنْ ذَلِكَ (فَعَلَى عَاقِلَةِ الْخَتَّانِ نِصْفُ الدِّيَةِ وَإِنْ لَمْ يَمُتْ فَعَلَى عَاقِلَتِهِ كُلِّهَا) وَقَدْ تَقَدَّمَ فِي بَابِ ضَمَانِ الْأَجِيرِ فِي مُعَايَاةِ الْوَهْبَانِيَّةِ نَظْمًا

یہاں تک کہ دونوں میاں بیوی میں جدائی واقع ہوگئی تو اس کو مجبوس رکھا جائے گا یہاں تک کہ وہ عورت کو لوٹا دے یا وہ عورت مرجائے، ”خلاصہ“۔ ایک آدمی نے ختنہ کرنے والے کو حکم دیا کہ اس بچے کا ختنہ کرے تو ختان نے بچہ کا ختنہ کیا اور اس کا حشفہ کاٹ دیا اور اس سے بچہ مر گیا تو ختان کی عاقلہ پر نصف دیت لازم ہوگی۔ اگر وہ نہ مرے تو اس کی عاقلہ پر مکمل دیت لازم ہوگی۔ باب ضمان للاجير میں گزر چکا ہے اور ”معايَاة الوهبانية“ میں ”اشعار“ میں ہے:

کیونکہ انہوں نے کہا: اس پر یہ امر اشکال کا باعث ہے اگر وہ کسی انسان کو مجبوس کرے اور وہ بھوک کی وجہ سے مرجائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا حالانکہ وہ اس عمل سے اپنی حفاظت کرنے سے عاجز تھا جو اس کو مجبوس کرنے والے نے اس کے ساتھ کیا تھا۔ میں کہتا ہوں: تو یہ جان چکا ہے کہ بچے کا مسئلہ استحسان پر مبنی ہے اور بڑے کو بچے کے ساتھ لاحق کیا ہے تو یہ بھی استحسان ہے۔ اس پر جو قیاس کیا گیا ہے اس کی تفریع قیاس پر کی گئی ہے اور استحسان قیاس پر رائج ہے اور وہ روایت استحسان کے موافق ہے۔ پس اس وجہ سے یہ روایت ترجیح کا تقاضا کرتی ہے۔ مگر جب وہ اس کو مجبوس کر دے اور بھوک کی وجہ سے مرجائے تو اس کی ضمان کا نہ ہونا یہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ فرق یہ ہے کہ بھوک اور پیاس انسان کے لازم میں سے ہیں۔ پس ان کو جنایت کرنے والے کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔ ان افعال کا معاملہ مختلف ہے۔ پس یہ ہمارے مسئلہ پر اشکال کا باعث نہیں ہوگا اور تو اس سے بخوبی آگاہ ہے کہ عمل اس پر ہوتا ہے جو متون اور شروح میں ہوتا ہے۔ پس اس وضاحت کو تو غنیمت جان۔

35877۔ (قوله: حَتَّى وَقَعَتْ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا) یعنی بدنی طور پر ان میں جدائی واقع ہوگی۔ ”رحمتی“۔ اس طرح کہ خاوند کو اپنی بیوی کے مکان کا علم نہ ہو اس کی مثل اس عورت کے رشتہ داروں کا معاملہ ہے اس میں جو ظاہر ہے۔ ”ط“۔

35878۔ (قوله: أَوْ تَمُوتَ) یعنی یا اس کی موت کا علم ہو جائے جس طرح سابقہ مسئلہ میں ہے۔ ایک نسخہ میں ہے: او

بیوت یہاں تک کہ وہ مرجائے۔ ”ط“۔

اگر ختان ختنہ کے دوران بچے کا حشفہ کاٹ دے تو اس کا حکم

35879۔ (قوله: فَعَلَى عَاقِلَةِ الْخَتَّانِ نِصْفُ الدِّيَةِ الْخ) یعنی اگر چہ وہ غلام ہو یا آزاد ہو تو نصف قیمت یا مکمل

قیمت واجب ہوگی۔ کیونکہ موت دو فعلوں کے ساتھ حاصل ہوئی جن دونوں میں سے ایک فعل کی اجازت دی گئی تھی وہ قلفہ کا قطع کرنا ہے اور دوسرے کی اجازت نہیں دی گئی تھی وہ حشفہ کا قطع کرنا ہے۔ پس نصف ضمان واجب ہوگی جب وہ صحت یاب ہو گیا تو جلد کو کاٹنا جس کی اجازت تھی، گویا یہ واقع ہی نہیں ہوا اور حشفہ کو کاٹنا جس کی اجازت نہ تھی پس حشفہ کی کامل ضمانت واجب ہوگی وہ دیت ہے، ”منح“۔ اور مسئلہ کو ”الخانیہ“ اور ”السراجیہ“ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور علامہ ”طرسوسی“ کی نظم جو

وَمَنْ ذَا الَّذِي إِنْ مَاتَ مَجْنُونًا عَلَيْهِ إِذَا مَاتَ بِالنُّفْسِ يُسْطَرُّ
 (كَمَنْ حَمَلَ صَبِيًّا عَلَى دَابَّةٍ وَقَالَ امْسِكْهَا لِي فَسَقَطَ الصَّبِيُّ وَلَمْ يَكُنْ مِنْهُ تَسْيِيرٌ فَمَاتَ كَانَ عَلَى عَاقِلَةٍ
 مَنْ حَمَلَهُ دَيْتُهُ) أَيْ دِيَّةُ الصَّبِيِّ (كَانَ الصَّبِيُّ مِمَّنْ يَرْكَبُ مِثْلَهُ أَوْ لَا) يَرْكَبُ وَتَسَامُهُ فِي الْخَانِيَّةِ (كَصَبِيٍّ
 أَوْ دِعٍّ عَبْدًا فَقَتَلَهُ) أَيْ قَتَلَ الصَّبِيَّ الْعَبْدَ الْمُوَدَّعَ ضَمِنَ عَاقِلَتُهُ قِيَمَتَهُ (فَإِنْ أُوْدِعَ طَعَامًا) بِلَا إِذْنِ وَلِيِّهِ،

کوئی شخص اگر وہ مر جائے جس پر اس نے جنایت کی تھی تو اس پر وہ لازم ہوتا ہے جب وہ نہ مرے جس کا نصف لازم ہوتا ہے اس کی موت کے ساتھ۔ جس طرح ایک آدمی نے سواری پر ایک بچہ بٹھایا۔ یہ کہا: اس سواری کو میرے لیے روک رکھو تو بچہ سواری سے گر گیا جب کہ بچہ کی جانب سے سواری کو چلانا واقع نہ ہوا تھا اور وہ بچہ مر گیا تو بچے کی دیت اس آدمی کی عاقلہ پر ہو گی جس نے اس بچے کو سوار کیا تھا وہ بچہ ان میں سے تھا جو اس کی مثل پر سوار ہوتا ہے یا سوار نہیں ہوتا۔ اس کی مکمل وضاحت ”خانیہ“ میں ہے۔ جس طرح ایک بچہ ہے جس کے پاس ایک غلام ودیعت کے طور پر رکھا تھا تو بچے نے اس مودع غلام کو قتل کر دیا تو بچے کی عاقلہ اس کی قیمت کی ضامن ہوگی۔ اگر اس صغیر کے پاس کھانا اس کے ولی کی اجازت کے بغیر رکھا گیا

سوال و جواب کی صورت میں ہے اس کا ذکر کیا۔

35880۔ (قوله: فَمَاتَ عَلَيْهِ) پہلا ماموصولہ ہے اور دوسرا مافیہ ہے۔ یہ اس کے برعکس ہے جو عام معروف ہے کہ اذا کے بعد ما کا ذکر کیا جاتا ہے۔ معنی اس شعر کا یہ ہے: موت نہ ہونے کی صورت میں جو واجب ہوتا ہے موت کی صورت میں اس کا نصف ہو جاتا ہے۔

35881۔ (قوله: وَلَمْ يَكُنْ مِنْهُ تَسْيِيرٌ) مگر جب وہ اس سواری کو چلائے وہ اس حیثیت میں ہو کہ وہ اس سواری کو چلا سکتا ہو تو اس نئے عمل کی وجہ سے اس کا سبب ہونا منقطع ہو جائے گا۔ ”جامع الفصولین“۔

35882۔ (قوله: وَتَسَامُهُ فِي الْخَانِيَّةِ) اس کی عبارت کو ”المنح“ میں ذکر کیا ہے۔

35883۔ (قوله: كَصَبِيٍّ أَوْ دِعٍّ عَبْدًا) یہ فعل مجہول کا صیغہ ہے۔

35884۔ (قوله: فَقَتَلَهُ) مگر جب وہ اس پر نفس سے کم کی جنایت کرے تو اس کی چٹی بالا جماع بچے کے مال میں سے ہوگی۔ ”اتقانی“۔

35885۔ (قوله: ضَمِنَ عَاقِلَتُهُ قِيَمَتَهُ) تشبیہ کے کاف نے جس کو بیان کیا تھا یہ اس کی تصریح ہے۔ لیکن مشبہ میں جس کی ضمانت دی گئی ہے وہ دیت ہے اور یہاں قیمت ہے۔ یہاں ”ہدایہ“ میں اسے دیت کے ساتھ بھی تعبیر کیا ہے۔ یہ اس اعتماد پر کیا ہے جو گزر چکا ہے کہ غلام کی دیت اس کی قیمت ہے۔

35886۔ (قوله: فَإِنْ أُوْدِعَ طَعَامًا) یعنی مثلاً کھانا ودیعت کرے۔ ”در منشی“۔

35887۔ (قوله: بِلَا إِذْنِ وَلِيِّهِ الْخ) جس سے احتراز کیا ہے اس کا عنقریب ذکر کریں گے۔

وَلَيْسَ مَا ذُونَا لَهُ فِي التِّجَارَةِ (فَأَكْلَهُ لَمْ يَضُنَّه) لِأَنَّهُ سَلَّطَهُ عَلَيْهِ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَالشَّافِعِيُّ يَضُنُّ وَكَذَلِكَ لَوْ أَدِيعَ عَبْدٌ مَحْجُورٌ مَالًا فَاسْتَهْلَكَهُ ضِمْنَهُ بَعْدَ عِتْقِهِ، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَالشَّافِعِيِّ فِي الْحَالِ وَكَذَا الْخِلَافُ لَوْ أُعِيدَ أَوْ أُقْرِضَ، وَلَوْ كَانَ بِإِذْنٍ أَوْ مَا ذُونَا ضِمْنًا بِالْإِجْمَاعِ كَمَا لَوْ اسْتَهْلَكَ الصَّبِيُّ مَالَ الْغَيْرِ

جب کہ اس بچے کو تجارت کی اجازت نہ دی گئی ہو تو اس بچے نے اس کو کھالیا تو وہ ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے خود اس بچے کو اس کھانے پر تسلط عطا کیا تھا۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ اور امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے کہا: وہ ضامن ہوگا۔ اسی طرح اگر مجبور غلام کے پاس مال ودیعت رکھا گیا تو اس غلام نے اسے جان بوجھ کر ہلاک کر دیا تو وہ آزادی کے بعد اس کا ضامن ہوگا۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ اور امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ فی الحال اس کا ضامن ہوگا۔ اسی طرح کا اختلاف ہوگا اگر دونوں کے پاس کوئی چیز عاریتہ رکھی گئی یا دونوں کو قرض دیا گیا اگر ولی کی اجازت سے اس کے پاس وہ مال رکھا گیا تھا یا اس غلام کو اجازت دی تھی تو بالا جماع ضامن ہوگا جس طرح بچہ غیر کا ایسا مال ہلاک کرنے

35888۔ (قوله: لِأَنَّهُ سَلَّطَهُ عَلَيْهِ) یعنی اسے حق حاصل تھا کہ وہ کسی اور کو اس کے ہلاک کرنے کی قدرت دے دیتا۔ کیونکہ اس کی عصمت و حفاظت اس کے مالک کا حق ہے۔ اس آدمی کا معاملہ مختلف ہے جو مملوک ہے۔ پس اس کی عصمت اپنے حق کے لیے ہے اپنے مولیٰ کے حق کے لیے نہیں۔ اسی وجہ سے دم کے معاملہ میں آزادی کی اصل پر باقی رہے گا۔ اس کے مولیٰ کو اس کے ہلاک کرنے کا حق نہیں۔ پس وہ کسی اور کو اس کے ہلاک کرنے کا اختیار نہیں دے سکتا۔ ”شرعیہ“ میں اس کو بیان کیا ہے۔

35889۔ (قوله: يَضُنُّ) یعنی فی الحال ضامن ہوگا۔

35890۔ (قوله: وَكَذَلِكَ لَوْ أَدِيعَ عَبْدٌ مَحْجُورٌ مَالًا) یعنی ودیعت سے پہلے جو اس کے آقا کی اجازت کے بغیر ہو مگر جب وہ غلام مازون ہو یا مجبور ہو۔ لیکن ودیعت سے پہلے آقا کی اجازت لی گئی ہو تو وہ اس کو جان بوجھ کر ہلاک کر دیا تو وہ فی الحال ضامن نہیں ہوگا بلکہ آزادی کے بعد ضامن ہوگا اگر وہ عاقل بالغ ہو۔ یہ طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ فی الحال ضامن ہوگا۔ اگر ودیعت غلام ہو تو نفس یا نفس سے کم میں اس پر جنایت کی گئی تو اس کے آقا کو حکم دیا جائے گا کہ وہ جنایت کرنے والے غلام کو مستحق کے حوالے کر دے یا اس کا فدیہ دے دے اس پر اجماع ہے۔ ”اتقانی“۔

35891۔ (قوله: وَكَذَا الْخِلَافُ الْخ) فخر الاسلام نے کہا، اختلاف ودیعت رکھنے، عاریتاً چیز دینے، قرض اور بیع میں ہے۔ اور جس کو سپرد کرنے کی وجہ میں سے ہر وجہ کی ایک ہو۔ ”اتقانی“۔

35892۔ (قوله: وَلَوْ كَانَ بِإِذْنٍ) یعنی اگر وہ کھانا اس کے ولی کی اجازت سے اس کے پاس ودیعت رکھے یا اس کو تجارت کا اذن دیا گیا ہو تو وہ فی الحال ضامن ہوگا۔ یہ وہ قول ہے جس سے گزشتہ قول بلا اذن ولیہ سے احتراز ہے۔ الخ

بِلَا وَدِيعَةٍ ضَمِنَهُ لِلْحَالِ قُلْتُ وَهَذَا كَلُّهُ لَوِ الصَّبِيُّ عَاقِلًا، وَإِلَّا فَلَا يَضْمَنُ بِالْإِجْمَاعِ، وَتَسَامُهُ فِي الْعِنَايَةِ الشَّرُّ نُبْلًا لِيَّةً عَنِ الشُّبَّانِ عَلَى خِلَافِ مَا فِي الْمُتَّقَى وَالْهَدَايَةِ وَالزَّلِيلِ فَلْيُحْفَظْ

جو ودیعت نہ ہو تو فی الحال اس کا ضامن ہوگا۔ میں کہتا ہوں: یہ تمام حکم اس صورت میں ہے جب بچہ عقل مند ہو ورنہ بالا جماع وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ”العنایہ“ اور ”شر نبلا لیه“ میں ”شلبی“ اور ”مسکین“ سے مروی ہے جب کہ یہ اس کے برعکس ہے جو ”ملتقی“، ”ہدایہ“ اور ”زلیعی“ میں ہے اس کو یاد رکھا جائے۔

35893۔ (قوله: بِلَا وَدِيعَةٍ) اور ودیعت کی مثل جس میں کسی شے کو حوالے کیا گیا ہو۔

35894۔ (قوله: ضَمِنَهُ لِلْحَالِ) کیونکہ اس کا اس کے افعال پر مواخذہ ہوگا۔ ”درر“۔

35895۔ (قوله: عَلَى خِلَافِ مَا فِي الْمُتَّقَى الْخ) یعنی ”ملتقی“ میں ہے کہ ایسا بچہ جو سمجھ سوجھ نہیں رکھتا وہ

بالا جماع ضامن ہوگا۔ ”العنایہ“ وغیرہا میں یہ ذکر کیا ہے کہ یہ ”فخر الاسلام“ کا مذہب ہے۔ اسے ”شرح الجامع“ میں ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ جو الجامع کے شارحین ہیں انہوں نے ذکر کیا ہے وہ بچہ بالا جماع ضامن نہیں ہوگا۔ ”طحاوی“ نے کہا ہے: اس سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ یہ دونوں اہل مذہب کے طریقے ہیں۔

تمتہ

ایک بچہ ہے جو چھت سے گرایا پانی میں گر گیا اور مر گیا اگر یہ ان میں سے ہو جو اپنی حفاظت کر سکتا ہو تو والدین پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ ورنہ دونوں پر کفارہ لازم ہوگا اگر وہ دونوں کی گود میں ہو اور ان دونوں میں سے ایک پر کفارہ ہوگا اگر وہ ایک کی گود میں ہو۔ ”نصیر“ سے اسی طرح مروی ہے۔ ”ابوالقاسم“ سے مروی ہے: دونوں پر کوئی شے لازم نہ ہوگی مگر توبہ اور استغفار لازم ہوگا۔ ”ابوليث“ کا یہ پسندیدہ نقطہ نظر ہے کہ دونوں میں سے کسی پر کفارہ لازم نہیں ہوگا مگر جب وہ اس کے ہاتھ سے ساقط ہو اسی پر فتویٰ ہے۔ ”ظہیریہ“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ الْقَسَامَةِ

هِيَ لُغَةٌ بِمَعْنَى الْقَسَمِ وَهُوَ الْيَمِينُ مُطْلَقًا وَشَرْعًا الْيَمِينُ بِاللَّهِ تَعَالَى بِسَبَبِ مَخْصُوصٍ وَعَدَدٍ مَخْصُوصٍ عَلَى شَخْصٍ مَخْصُوصٍ عَلَى وَجْهِ مَخْصُوصٍ وَسَيَأْتِي بَيَانُهُ

قسم لینے کے احکام

لغت میں یہ قسم کے معنی میں ہے اور وہ مطلقاً یمین ہے۔ اور شرع میں اس سے مراد مخصوص سبب، مخصوص تعداد، مخصوص شخص اور مخصوص طریقہ سے اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھانا ہے۔ اس کی وضاحت آگے آئے گی۔

جب مقتول کا معاملہ بعض اوقات قسامہ کی طرف لوٹتا ہے تو اسے دیات کے آخر میں علیحدہ باب میں ذکر کیا۔ ”عنایہ“۔
قسامت کا لغوی معنی

35896۔ (قوله: هِيَ لُغَةٌ بِمَعْنَى الْقَسَمِ) علامہ ”نوح“ نے کہا، اہل لغت نے قسامہ میں اختلاف کیا ہے۔ بعض علماء نے کہا، یہ مصدر ہے۔ ”ابن اثیر“ نے یہ ”نہایہ“ میں اپنایا ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا: قسامہ کا لفظ جب قاف کے فتح کے ساتھ ہو تو اس کا معنی یمین ہے جیسے لفظ قسم ہے۔ پھر کہا: وقد اقسام قسماً و قسامة یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ قسم اٹھائے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ مصدر ہے۔ اور ”مطرزی“ نے اسے ”المغرب“ میں اختیار کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا: القسم الیمین قسم یمین ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اقسام بالله اقساماً۔ اور علماء کا قول: حکم القاضی بالقسامة یہ اس کا اسم ہے جسے اقسام کی جگہ رکھا گیا ہے۔ ”عینی“ نے ”الکنز“ کی شرح میں پہلی تعبیر کو اختیار کیا ہے اور ”مسئلا مسکین“ نے دوسری تعبیر کو اختیار کیا ہے۔
قسامت کی شرعی تعریف

35897۔ (قوله: بِسَبَبِ مَخْصُوصٍ) اس سے مراد ہے کہ محلہ یا جو محلہ کے معنی میں ہے یعنی جو کسی ایک کی ملکیت ہو یا کسی ایک کے قبضہ میں ہو میں مقتول پایا جائے۔

35898۔ (قوله: وَعَدَدٍ مَخْصُوصٍ) وہ پچاس قسمیں ہیں۔

35899۔ (قوله: عَلَى شَخْصٍ مَخْصُوصٍ) یعنی ایسے شخص پر جس کی نوع مخصوص ہو وہ آزاد، بالغ اور عاقل مرد ہے یا مالک مکلف ہو خواہ آزاد مرد کی عورت ہو اگر وہ کمائی کے اعتبار سے آزاد ہو جیسے مکاتب ہے جب مقتول ایسے محلہ میں پایا جائے جو اس کی ملک میں ہو۔ یہ بعض شروط کی طرف اشارہ ہے۔

قسامت کا رکن، حکم اور شروع ہونے کی دلیل

35900۔ (قوله: عَلَى وَجْهِ مَخْصُوصٍ) یہ باقی ماندہ شروط کی طرف اشارہ ہے ان میں سے یہ ہیں تعداد پچاس ہو

(مِيتٌ) حُرٌّ وَلَوْ ذِمِّيًّا أَوْ مَجْنُونًا شُرْبِلَالِيَّةً (بِهْ جُرْحٌ أَوْ أَثَرُ ضَرْبٍ أَوْ خَنْقٍ أَوْ خُرُوجٍ دَمٍ مِنْ أُذُنِهِ أَوْ عَيْنِهِ وَجَدَ

ایک آزاد میت ہے اگرچہ وہ ذمی یا مجنون ہو ”شرنبلالیہ“۔ اسے زخم ہو، ضرب کا نشان ہو یا گلا گھوٹنے کی علامت ہو یا اس کے کان یا آنکھ سے خون نکلے

اور اگر تعداد پوری نہ ہو تو قسم بار بار لی جائے گی۔ اور قسم اٹھانے والے قسم میں یہ کہیں گے: اللہ کی قسم ہم نے اس کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی اس کے قاتل کو جانتے ہیں اور یہ قسم دعویٰ، انکار اور قسم کے مطالبہ کے بعد ہو۔ کیونکہ قسم اس کے بغیر واجب نہیں ہوتی، میت کوئی انسان ہو، اس میں قتل کا اثر پایا جاتا ہو، اور اس کے قاتل کا علم نہ ہو۔ انہوں نے جو ذکر کیا وہ قسامت کے معنی، اس کے سبب اور اس کی شرط کو متضمن ہے۔

”المنخ“ میں کہا: قسامت کا رکن یہ ہے کہ مذکورہ یمین کو اس کی زبان پر جاری کرایا جائے۔ اس کا حکم یہ ہے دیت کے واجب ہونے کا فیصلہ کیا جائے اگر وہ لوگ قسم اٹھا دیں۔ اگر وہ قسم سے انکار کریں تو قسم اٹھانے تک انہیں محبوس رکھا جائے اگر ولی قتل عہد کا دعویٰ کرے۔ اور اگر وہ قتل خطا کا دعویٰ کرے تو قسم سے انکار کرتے وقت دیت کا فیصلہ کرے گا۔ اس کی بنیاد جان کی شان بیان کرنا اور رائیگاں جانے سے اس کو بچانا ہے اور جس پر قتل کی تہمت ہے اس کو قصاص سے چھٹکارا دلانا ہے۔ اس کے مشروع ہونے کی دلیل اس باب میں احادیث ہیں جو ”ہدایہ“ اور ان کی شروح میں مذکور ہیں۔

35901۔ (قولہ: مِيتٌ) اگرچہ وہ حکما میت ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ محلہ میں زخمی حالت میں پایا جائے۔ اسے محلہ سے نقل کیا گیا اور وہ صاحب فراش کی حیثیت سے باقی رہا یہاں تک کہ وہ اس زخم سے مر گیا تو بے شک قسامت اور دیت اس محلہ کے مکینوں پر ہوگی جس طرح متن میں آئے گا۔

35902۔ (قولہ: حُرٌّ) جہاں تک غلام کا تعلق ہے تو اس میں قسامت اور قیمت واجب ہوگی جب اسے آقا کی ملکیت کے علاوہ میں پایا گیا۔ اسی طرح مدبرام ولد، مکاتب اور ماذون مدیون کا معاملہ ہے۔ اگر وہ اس کی مملوکہ جگہ میں پایا گیا تو اس کا خون رائیگاں جائے گا۔ مگر مکاتب اور ماذون مدیون کا معاملہ مختلف ہے تو ان دونوں میں آقا پر ان کی قیمت لازم ہوگی۔ اس کی عاقلہ پر لازم نہ ہوگی یہ فی الحال ادا کرنا ہوگی۔ ماذون غلام کی صورت میں وہ غرماء کو ادا کرے گا۔ اور مکاتب کی صورت میں تین سالوں میں یہ دینا ہوگی جس طرح ”شرنبلالیہ“ میں ”البدائع“ سے مروی ہے۔

فروع میں باب کے آخر میں عنقریب آئے گا۔

35903۔ (قولہ: وَلَوْ ذِمِّيًّا أَوْ مَجْنُونًا) اس میں مذکر، مؤنث، بڑا اور چھوٹا داخل ہوگا اور چوپائے اس سے خارج ہو جائیں گے۔ پاؤں میں کوئی شے لازم نہ ہوگی جس طرح عنقریب آئے گا۔

35904۔ (قولہ: بِهْ جُرْحٌ أَوْ أَثَرُ ضَرْبٍ) اس قول کے ساتھ جن سے احتراز کیا ہے متن میں ان کا ذکر آئے گا۔

فِي مَحَلَّةٍ أَوْ وَجَدَ بَدَنَهُ أَوْ أَكْثَرَهُ مِنْ أَيْ جَانِبٍ كَانَ (أَوْ نِصْفُهُ مَعَ رَأْسِهِ) وَالنَّصُّ وَإِنْ وَرَدَ فِي الْبَدَنِ لَكِنْ لِأَكْثَرِ حُكْمِ الْكُلِّ حَتَّى لَوْ وَجَدَ أَقْلٌ مِنْ نِصْفِهِ وَلَوْ مَعَ رَأْسِهِ لَا يُؤْدِي لِتَكَرُّارِ الْقَسَامَةِ فِي قَتِيلٍ وَاحِدٍ وَهُوَ غَيْرُ مَشْرُوعٍ (وَلَمْ يَعْلَمْ قَاتِلُهُ) إِذْ لَوْ عَلِمَ كَانَ هُوَ الْخَصْمُ وَسَقَطَ الْقَسَامَةُ (وَأَدَّعَى وَلِيُّهُ الْقَتْلَ عَلَى أَهْلِهَا) أَيْ الْمَحَلَّةِ كُلِّهِمْ

میت اس کے محلہ میں پایا جائے یا اس کا بدن یا بدن کا اکثر حصہ پایا جائے وہ جسم کی کسی بھی جانب سے پایا جائے یا اس کا نصف سر کے ساتھ پایا جائے نص اگر چہ بدن کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ لیکن اکثر کا حکم وہی ہے جو کل کا ہے یہاں تک کہ اگر نصف سے کم پایا جائے اگر چہ اس کے ساتھ سر ہو تو قسامت ثابت نہ ہوگی تاکہ ایک قتل میں قسامت کا تکرار نہ ہو جب کہ یہ غیر مشروع ہے اور اس کے قاتل کا علم نہ ہو۔ اگر اس کا علم ہو تو وہی خصم ہوگا اور قسامت ساقط ہو جائے گی اور اس کا ولی محلہ کے تمام مکینوں پر قتل کا دعویٰ کرے۔

35905۔ (قوله: فِي مَحَلَّةٍ) یہ لفظ میم کے فتح کے ساتھ ہے جس سے مراد وہ مکان ہے جہاں لوگ رہتے ہیں۔ ”طحطاوی“ نے ”المصباح“ سے نقل کیا ہے۔

35906۔ (قوله: أَوْ نِصْفُهُ مَعَ رَأْسِهِ) اگر چہ لمبائی کی صورت میں بدن کو کاٹا گیا۔ ”منح“۔ یعنی اس کے ساتھ سر ہو مگر جب اس کو لمبائی کی صورت میں سر کے بغیر کاٹا گیا ہو یا سر کو اس کے ساتھ کاٹا گیا ہو تو کوئی قسامت نہ ہوگی۔ یہی وہ چیز ہے جسے مصنف نے بعد میں اپنے متن میں ذکر کیا ہے۔ ”ط“۔

35907۔ (قوله: حَتَّى لَوْ وَجَدَ الْخ) اصل یہ ہے اگر موجود ایسی حالت میں ہو اگر باقی پایا جائے تو اس میں قسامت جاری ہو تو موجود میں قسامت واجب نہ ہوگی اگر وہ ایسی حالت میں ہو۔ اگر باقی ماندہ پایا جائے تو تو اس میں قسامت ثابت نہ ہو تو قسامت واجب ہوگی۔ اور اس معاملہ میں نماز جنازہ اسی قاعدہ پر جاری ہوگی۔ ”ہدایہ“۔

35908۔ (قوله: لَا يُؤْدِي لِتَكَرُّارِ الْقَسَامَةِ الْخ) یعنی وہ قسامت اور دیت کے تکرار کی طرف نہ لے جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس کے بدن کا اقل حصہ اس کے سر کے ساتھ ایک محلہ میں پایا جائے اور باقی ماندہ دوسرے محلہ میں پایا جائے۔ کیونکہ جب قسامت اور دیت اس میں پائی جائے گی تو اکثر میں بھی ان دونوں کا وجوب پایا جائے گا۔

35909۔ (قوله: إِذْ لَوْ عَلِمَ) کیونکہ اگر گواہوں اور اقرار کے ساتھ قاتل کا علم ہو جائے۔ ”تہستانی“۔ یعنی قاتل کے اقرار کے ساتھ علم ہو جائے۔ ضروری ہے کہ گواہ محلہ کے علاوہ کے لوگ ہوں جس طرح عنقریب متن میں آئے گا اور اس پر مفصل گفتگو آگے آئے گی۔

35910۔ (قوله: وَأَدَّعَى وَلِيُّهُ الْخ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کی شرط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مقتول کے اولیاء دعویٰ کریں۔ کیونکہ قسم اس کے بغیر واجب نہیں ہوتی جس طرح ”طوری“ میں ہے۔ ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں

(أَوْ) ادَّعَى عَلَى (بَعْضِهِمْ حَلَفَ خَمْسُونَ رَجُلًا مِنْهُمْ يَخْتَارُهُمُ الْوَلِيُّ بِاللَّهِ مَا قَتَلْنَاهُ وَلَا عَيْنًا لَهُ قَاتِلًا بِأَنْ يَحْلِفَ كُلُّ مِنْهُمْ بِاللَّهِ مَا قَتَلْتُ وَلَا عَلِمْتُ لَهُ قَاتِلًا) (لَا يَحْلِفُ الْوَلِيُّ)

یا وہ ان میں سے بعض پر دعویٰ کرے تو ان میں سے پچاس افراد قسم اٹھائیں گے جن کا انتخاب ولی کرے گا اللہ کی قسم ہم نے اسے قتل نہیں کیا اور نہ ہی ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک یہ قسم اٹھائے گا نہ میں نے قتل کیا ہے اور نہ ہی میں اس کے قاتل کو جانتا ہوں ولی قسم نہیں اٹھائے گا۔

اس میں غور کرو کہ کیا حکم ہوگا جب اس کا ولی نہ ہو کیا امام اس کا دعویٰ کرے گا یا دعویٰ نہیں کرے گا۔ پھر میں نے ”شرح الحموی“ سے منقول دیکھا ہے کہ انہوں نے آنے والی تخییر میں توقف کیا ہے جب ولی نہیں۔ کیا امام پچاس قسموں کو اختیار کرے گا یا نہیں۔ کہا: پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

35911۔ (قوله: أَوْ ادَّعَى عَلَى بَعْضِهِمْ الْخ) اگرچہ وہ بعض معین ہوں یہ صورت مختلف ہوگی اگر وہ ان سے کسی اور کے خلاف دعویٰ کر دے تو ان لوگوں سے قسامت ساقط ہو جائے گی جس طرح متن میں آئے گا۔

35912۔ (قوله: حَلَفَ خَمْسُونَ رَجُلًا مِنْهُمْ الْخ) اس سے بچے، عورت اور غلام نکل جائیں گے جس طرح گزر چکا ہے اور آگے اس کا ذکر آئے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے اگر ولی قسم اٹھانے کا مطالبہ کرے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اسے اس کے ترک کا بھی حق ہے۔ ”رہلی“ نے اس کی تصریح کی ہے جب وہ اس کو ترک کرے یا اس کے حق میں دیت کا فیصلہ کیا جائے گا یا نہیں۔ کیونکہ اگر وہ ان سے قسم لے تو قاتل کے ظہور کا امکان موجود ہے میں نے اسے نہیں دیکھا۔ پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

”زیلعی“ نے کہا: ان کا قول يَخْتَارُهُمُ الْوَلِيُّ، اس میں نص ہے کہ اختیار ولی کو ہوگا۔ کیونکہ یمین اس کا حق ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ ان کا انتخاب کرے جن پر وہ قتل کی تہمت لگائے، یا اس بارے میں باخبر ہوں یا اہل محلہ کے صالح لوگ ہوں وہ کیونکہ ان کا جھوٹی قسم سے بچنا زیادہ ممکن ہے۔ پس قاتل ظاہر ہو جائے گا اگر وہ نابینا یا جس پر حد قذف جاری کی جا چکی ہو اس کا انتخاب کرے تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ یہ قسم ہے یہ شہادت نہیں۔

قسامت کا طریقہ

35913۔ (قوله: بِأَنْ يَحْلِفَ الْخ) یہ جمع کے جمع کے تقابل کے قبیل سے ہے ”قہستانی“۔ پس ہر ایک اس سے قتل کی نفی اور اس کے علم کی نفی پر قسم اٹھائے گا۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ اس نے اکیلے ہی اسے قتل کیا۔ پس وہ اپنی قسم پر جری ہو جائے اللہ کی قسم ہم سب نے اس کو قتل نہیں کیا۔ اور نہ ہی اس کے برعکس کیا جائے گا۔ کیونکہ جب اس نے کسی اور کے ساتھ مل کر اس کو قتل کیا ہو تو وہ قاتل ہوگا۔ اور ان کے قول: وَلَا عَلِمْنَا لَهُ قَاتِلًا حالانکہ اہل محلہ کی قتل کے بارے میں شہادت ان میں سے ایک فرد پر ہو یا ان کے علاوہ پر ادا ہو جائے گی کہ قسم اٹھانے والا اپنے غلام کے خلاف اقرار کرے تو اس کا اقرار قبول کیا

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ إِنْ كَانَ ثَمَّةَ لَوْثٍ أُسْتُخْلِفَ الْأَوْلِيَاءُ خُسَيْنَيْنِ يَبِينَانِ أَنَّ أَهْلَ الْمَحَلَّةِ قَتَلُوهُ ثُمَّ يُقْضَى بِالِدِّيَةِ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ وَقَضَى مَالِكٌ بِالْقَوْدِ لَوِ الدَّعْوَى بِالْعَمْدِ (ثُمَّ قُضِيَ عَلَى أَهْلِهَا بِالِدِّيَةِ) لَا مُطْلَقًا بَلْ (إِنْ وَقَعَتْ الدَّعْوَى بِقَتْلِ عَمْدٍ وَإِنْ) وَقَعَتْ الدَّعْوَى (بِخَطَأٍ فَعَلَى) أَمَى فَيُقْضَى بِالِدِّيَةِ عَلَى (عَوَاقِلِهِمْ)

امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر وہاں اشتباہ ہو تو اولیا سے پچاس قسمیں لی جائیں گی کہ اہل محلہ نے اسے قتل کیا ہے پھر مدعی علیہ پر دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور امام ”مالک“ نے قصاص کا فیصلہ کیا ہے اگر دعویٰ قتل عمد ہو پھر اس اہل محلہ پر دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا مطلقاً نہیں بلکہ اگر دعویٰ قتل عمد کا ہو۔ اگر قتل خطا کا دعویٰ ہو تو دیت کا فیصلہ ان کی عاقلہ پر کیا جائے گا

جائے یا اہل محلہ کے علاوہ کے خلاف اقرار کرے اور مقتول کا ولی اس کی تصدیق کرے پس حکم اہل محلہ سے ساقط ہوگا۔ ”منح“، ملخص۔ عنقریب یہ آئے گا اگر ان میں سے کوئی ایک کہے: اسے زید نے قتل کیا ہے وہ تو اپنی قسم میں کہے گا: اور میں زید کے علاوہ کوئی اور قاتل نہیں جانتا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف

35914۔ (قوله: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ الْخ) لوٹ یہ ہے کہ ان میں سے ایک کے خلاف قتل کی علامت ہو یا ایسا ظاہر ہو جو مدعی کے حق میں شاہد ہو کہ فلاں کی ظاہر عداوت تھی یا کوئی عادل آدمی گواہی دے یا غیر عادل جماعت گواہی دے دے کہ اس نے اسے قتل کیا ہے۔

ان کے مذہب کا حاصل یہ ہے: اگر ظاہر پایا جائے تو مدعی کے حق میں گواہی دیتا ہو۔ اگر وہ قسم اٹھائے کہ انہوں نے مقتول کو خطا قتل کیا ہے تو ان کے خلاف اس کے لیے دیت لازم ہوگی یا انہوں نے اسے عمد قتل کیا ہے تو ایک قول میں قصاص لازم ہوگا اور ایک قول میں دیت لازم ہوگی۔ اگر وہ قسم سے انکار کر دے تو سب لوگ قسم اٹھائیں اگر وہ قسم اٹھا دیں تو ان پر کوئی شے لازم نہ ہوگی ورنہ ایک قول کے مطابق ان پر قصاص لازم ہوگا اور ایک قول کے مطابق دیت لازم ہوگی۔ اگر ظاہر مدعی کی تائید نہ کرے تو اہل محلہ اس پر قسم اٹھائیں گے جو ہم نے قول کیا ہے۔ جب کوئی اشتباہ نہ ہو تو ان کا قول ہمارے قول کی طرح ہے۔ اختلاف دو مواقع پر ہوگا ان دونوں میں سے ایک یہ ہے: مدعی ہمارے نزدیک قسم نہیں اٹھائے گا اور امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کے نزدیک قسم اٹھائے گا۔ دوسرا محل یہ ہے: اہل محلہ کی براءت قسم میں ہے۔ یہ ”کفایہ“ وغیرہ میں ہے۔ اولہ کی وضاحت مطولات میں ہے لوٹ کا لفظ لام کے فتح، واؤ کے سکون اور ثا کے ساتھ ہے جس طرح ”ابن ملقن“ نے ”لغات المنہاج“ میں حرکات و سکونات بیان کی ہیں۔

35915۔ (قوله: وَقَضَى مَالِكٌ بِالْقَوْدِ) امام مالک اس پر قصاص کا فیصلہ کرتے ہیں مدعی علیہم میں سے جن کو مدعی

چن لے گا۔ ”غرر الافکار“۔

کَمَا فِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ مَعْرِضًا لِلذَّخِيرَةِ وَالْخَانِيَةِ وَنَقَلَ ابْنُ الْكَمَالِ عَنِ الْمَبْسُوطِ أَنَّ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ الْقِسَامَةَ عَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ وَالذِّیَةِ عَلَى عَوَاقِلِهِمْ أُنْیَ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ وَكَذَا قِيَمَةُ الْقِنِّ

جس طرح ”شرح الجمع“ میں ہے جب کہ ”ذخیرہ“ اور ”خانہ“ کی طرف منسوب ہے۔ ”ابن کمال“ نے ”مبسوط“ سے نقل کیا ہے کہ ظاہر روایت کے مطابق اہل محلہ پر قسامت ہوگی اور دیت ان کی عاقلہ پر ہوگی جس کی ادائیگی تین سالوں میں ہوگی۔

35916۔ (قولہ: کَمَا فِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ) اسی طرح ”غرر الافکار“ اور ”شرنبلالیہ“ میں ”برہان“ سے مروی ہے جب

کہ ”ذخیرہ“ اور ”خانہ“ کی طرف بھی منسوب ہے۔

35917۔ (قولہ: وَنَقَلَ ابْنُ الْكَمَالِ الْخ) یہ جو قول گزر چکا ہے اس پر استدراک ہے۔ کیونکہ ”ابن کمال“ نے قتل عمد

اور قتل خطا میں آنے والے مسئلہ میں فرق نہیں کیا جس طرح شارح عنقریب ان سے اس کا ذکر کریں گے۔ پس یہ امر اس پر دلالت کرے گا کہ یہاں اطلاق کا ارادہ کیا ہے۔ اسی طرح ”ہدایہ“ کے شارحین نے عاقلہ پر اس کے وجوب کو مطلق ذکر کیا ہے۔

”النبہایہ“ وغیرہ میں کہا: ”مبسوط“ میں ہے: پھر اہل محلہ کی عاقلہ پر تین سالوں میں دیت کی ادائیگی کا فیصلہ کر دیا جائے گا کیونکہ یہاں ان کا حال اس آدمی کی حالت سے کم ہے جس نے خطا کسی کو قتل کر دیا تھا جب دیت وہاں تین سالوں میں اس کی عاقلہ پر لازم ہوتی ہے تو یہاں بدرجہ اولیٰ اس طرح لازم ہوگی۔ ظاہر روایت کے مطابق قسامت اہل محلہ پر ہوگی اور دیت ان کی عاقلہ پر ہوگی۔ امام ”زفر“ کے نزدیک دونوں چیزیں ان کی عاقلہ پر لازم ہوں گی۔ ملخص

میں کہتا ہوں: اول ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں موجود محض دعویٰ ہے۔ کیونکہ یہ ثابت نہیں کہ اہل محلہ نے اسے قتل کیا ہے پس اس کا حال اس کے حال سے ادنیٰ ہوگا جس نے خود لوگوں کے سامنے قتل خطا کیا تو عاقلہ بدرجہ اولیٰ اس کی ذمہ دار ہوگی اگرچہ دعویٰ قتل عمد کا ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ جو ہم نے کہا کہ ثبوت نہیں پایا گیا۔ پس یہ اس امر کے منافی نہیں کہ عاقلہ عمد کی ذمہ دار نہیں ہوتی۔ یہ وہ امر ہے جو میرے ناقص عقل کے لیے ظاہر ہوا۔ متون کی عبارت اس میں مطلق ہے کہ قسامت اور دیت اہل محلہ پر لازم ہوگی۔ پس دعویٰ عمد کی تخصیص ضروری ہے جس طرح مصنف نے کیا ہے یا مضاف کو مقدر ماننا پڑے گا۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: ای علی عاقلتہم جس طرح ”ہدایہ“ کے شارحین نے کیا ہے۔ اور یہ امر مخفی نہیں کہ قاتل عاقلہ میں سے ایک ہے۔ پس وہ ان کے ساتھ اس کو برداشت کرے گا جس طرح عنقریب اپنے محل میں آئے گا۔ اسی طرح یہاں اس کا حکم ہے۔ اسی وجہ سے ”بزازیہ“ میں ”شیخ الاسلام“ سے نقل کیا ہے کہ قسامت ان پر ہوگی اور دیت ان کی عاقلہ پر اور ان پر ہوگی۔ کیونکہ اہل محلہ نے اس کو حکماً قتل کیا ہے تو یوں ہو جائے گا جس طرح انہوں نے اسے حقیقت میں قتل کیا۔

35918۔ (قولہ: فِي ثَلَاثِ سِنِينَ) اُنْیَ کا لفظ لائے ہیں یعنی اس کی وجہ یہ ہے کہ ”ابن کمال“ نے اس کا ذکر نہیں کیا

لیکن یہ ”مبسوط“ میں مذکور ہے۔

35919۔ (قولہ: وَكَذَا قِيَمَةُ الْقِنِّ) یعنی جب اسے اس کے آقا کی ملکیت کے علاوہ میں پایا جائے جس طرح ہم

تُؤْخَذُ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ شُرُوبًا لِيَّةً (وَإِنْ لَمْ يَتَمَّ الْعَدَدُ كَرَّرَ الْحَلْفُ عَلَيْهِمْ لِيَتَمَّ خَمْسِينَ يَمِينًا وَإِنْ تَمَّ الْعَدَدُ) وَأَرَادَ الْوَلِيُّ تَكَرُّارَهُ لَا، وَمَنْ نَكَلَ مِنْهُمْ حُسًّا حَتَّى يَحْلِفَ عَلَى الْوَجْهِ الْمَذْكُورِ هُنَا هَذَا فِي دَعْوَى الْقَتْلِ الْعَبْدِ أَمَّا فِي الْخَطَا فَيُقْضَى بِالذِّیَّةِ عَلَى عَاقِلَتِهِمْ وَلَا يُحْبَسُونَ ابْنُ كَمَالٍ مَعْرِضًا لِلْخَانِيَّةِ

اسی طرح غلام کی قیمت تین سالوں میں ہوگی ”شرنبلا لیه“۔ اگر عدد مکمل نہ ہو تو ان پر قسم بار بار لازم کی جائے گی تاکہ پچاس قسمیں ہو جائیں۔ اگر عدد مکمل ہو جائے اور ولی اس کے تکرار کا ارادہ کرے تو ایسا نہیں کر سکتا۔ اور جس نے ان سے قسم اٹھانے سے انکار کر دیا تو اس کو مجبوس کر دیا جائے گا یہاں تک کہ اس سے اس طریقہ پر قسم لی جائے گی۔ جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے یہ قتل عمد کے معاملہ میں ہے۔ جہاں تک قتل خطا کا تعلق ہے تو اس کی عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کیا جائے گا اور ان کو مجبوس نہیں کیا جائے گا۔

اسے پہلے بیان کر چکے ہیں اور آگے اس کا ذکر آئے گا۔

35920۔ (قوله: وَأَرَادَ الْوَلِيُّ تَكَرُّارَهُ) یعنی ان میں سے بعض نے دوبارہ قسم لینے کا ارادہ کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً وہ ان میں سے صالحین کا انتخاب کرے اور وہ پچاس پورے نہ ہوتے ہوں تو یہ امر ان پر مکرر نہیں ہوگا بلکہ باقی ماندہ سے پچاس پورے کرے گا۔ اسے ”اتقانی“ نے بیان کیا ہے۔

اگر کوئی قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو اس کا حکم

35921۔ (قوله: حَتَّى يَحْلِفَ) یعنی وہ قسم اٹھائے یا وہ اس کا اقرار کرے۔ پس جس کا وہ اقرار کرے وہ اس پر لازم ہو جائے گا محض قسم سے انکار کی بنا پر حکم نہیں لگایا جائے گا۔ کیونکہ یہاں قسم نفس حق ہے۔ مقصود جان کے معاملہ کی تعظیم ہے یہ دیت کا بدل نہیں۔ اسی وجہ سے دونوں کو جمع کیا جائے گا۔ مال کے دعویٰ میں یمین کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ اس کا بدل ہے۔ اسی وجہ سے ادائیگی کے ساتھ قسم ساقط ہو جاتی ہے۔ ”اتقانی“۔ ”ملخص“۔ اور یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ اہل محلہ کے علاوہ کسی معین شخص پر دعویٰ نہ کرے ورنہ اس کا حکم عنقریب آگے آئے گا۔

35922۔ (قوله: عَلَى الْوَجْهِ الْمَذْكُورِ هُنَا) وہ یہ ہے اللہ کی قسم اس نے اسے قتل نہیں کیا۔ الخ

35923۔ (قوله: هَذَا) قسم سے انکار کی بنا پر مجبوس کرنا۔

35924۔ (قوله: أَمَّا فِي الْخَطَا) یعنی اس کا حکم مال ہے پس قسم سے انکار کے وقت اس کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

یہ اس تعلیل کے مقتضا کے خلاف ہے جس تعلیل کو ہم نے قریب میں ذکر کیا ہے۔ تامل

35925۔ (قوله: مَعْرِضًا لِلْخَانِيَّةِ) میں کہتا ہوں: یہ ”ذخیرہ“ میں مذکور ہے۔ ”المنح“ میں اس کی عبارت کو ذکر کیا ہے

اور ”قہستانی“ نے اسے ”الجبتی“، ”کرمانی“ وغیرہما کی طرف منسوب کیا ہے مگر جب سے میں نے ”الخانہ“ میں دیکھا ہے وہ ان کا یہ قول ہے: فان امتنعوا عن اليمين حسبوا حتى يحلفوا۔ اگر وہ قسم اٹھانے سے رک جائیں تو ان کو قید کر لیا جائے گا

وَلَوْ أَقْرَعَ عَلَى نَفْسِهِ أَوْ عَبْدَهُ قَبْلَ إِقْرَارِهِ، وَلَوْ عَلَى غَيْرِهِ فَصَدَّقَهُ الْوَلِيُّ سَقَطَ التَّحْلِيفُ عَنْ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ
(وَلَا قَسَامَةَ عَلَى صَبِيٍّ وَمَجْنُونٍ وَامْرَأَةٍ وَعَبْدٍ وَلَا قَسَامَةَ وَلَا دِيَّةَ فِي مَيِّتٍ لَا أَثَرِيهِ) لِأَنَّهُ لَيْسَ بِقَتِيلٍ،
لِأَنَّ الْقَتِيلَ عُرْفًا هُوَ فَائِثُ الْحَيَاةِ بِسَبَبِ مُبَاشَرَةِ الْحَيِّ،

اگر ایک آدمی اپنی ذات کے خلاف یا اپنے غلام کے خلاف اقرار کرے تو اس کا اقرار قبول کیا جائے اگر وہ کسی اور پر اقرار کرے اور مولیٰ اس کی تصدیق کر دے تو اہل محلہ سے قسم اٹھانے کا امر ساقط ہو جائے گا۔ بچے، مجنون، عورت اور غلام پر کوئی قسامت نہیں ایسی میت میں نہ قسامت ہے اور نہ ہی دیت جس میت میں زخم کا نشان نہ ہو۔ کیونکہ یہ قتل نہیں۔ کیونکہ عرف میں قتل اس کو کہتے ہیں جو زندگی ایسے سبب سے فوت کرنے والا ہو جو زندہ کے سبب واقع کیا گیا ہو۔

یہاں تک کہ وہ قسم اٹھائیں۔ انہوں نے عداً اس میں کوئی فرق نہیں کیا یہ متون کا ظاہر ہے۔

اگر ایک آدمی اپنے خلاف یا اپنے غلام کے خلاف اقرار کرے تو اس کا حکم

35926۔ (قوله: أَوْ عَبْدِهِ) یعنی خطا میں اقرار کرے۔ جہاں تک عدا کا تعلق ہے جو قصاص کا موجب ہوتا ہے تو اس

کا اپنے غلام کے خلاف اقرار کا قبول نہ ہونا پہلے گزر چکا ہے۔ ”سامحانی“۔

35927۔ (قوله: وَلَوْ عَلَى غَيْرِهِ) یہ کلام اس محل کی نہیں جس طرح ہم پہلے ”المنح“ سے ذکر کر چکے ہیں۔ جو کلام آگے

آ رہی ہے اس سے اس کا علم ہو جائے گا۔

35928۔ (قوله: سَقَطَ التَّحْلِيفُ الْخ) اسی طرح قسم اٹھوانا ساقط ہو جائے گا جب وہ اپنی ذات پر اقرار کرے یا

اپنے غلام کے خلاف اقرار کرے۔ اگر وہ یہ کہتے: ولو اقر على نفسه او عبده او غيره من غير محلته و صدقه و ليه سقط التحليف عن اهل محلته، تو یہ زیادہ اچھا ہوتا۔ یعنی اگر وہ اپنے اپنے غلام یا اپنے محلہ کے علاوہ کسی اور کے خلاف اقرار کرے اور مقتول کا ولی اس کی تصدیق کر دے تو اہل محلہ سے قسم ساقط ہو جائے گی۔

وہ افراد جن پر قسامت نہیں

35929۔ (قوله: وَلَا قَسَامَةَ عَلَى صَبِيٍّ الْخ) کیونکہ وہ اہل نصرت میں سے نہیں وہ تو تابع ہیں اور نصرت و بدعت

لوگوں سے نہیں ہوتی اور یمین ان لوگوں پر ہوتی ہے جو اہل نصرت ہوتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ بچہ اور مجنون صحیح قلوب والے نہیں ہوتے اور یمین ایک قول ہے۔ ”زیلعی“۔

میں کہتا ہوں: مراد یہ ہے کہ وہ اہل محلہ کے ساتھ محلہ کے مقتول کی قسامت میں داخل نہیں ہوں گے۔ پس یہ اس قول کے

منافی نہیں ہوگا جو آگے متن میں آ رہا ہے کہ قسامت عورت پر واجب ہوگی اگر مقتول ایک ایسی بستی میں پایا جائے جو بستی اس

عورت کی ہو اور نہ ہی یہ اس قول کے منافی ہے جس کا ”طوری“ نے ”البدائع“ سے نقل کیا ہے کہ قسامت ایسے مکاتب پر

واجب ہوگی جس کے گھر میں مقتول پایا گیا ہو۔ اگر وہ قسم اٹھا دے تو اس کی قیمت اور دیت میں سے جو کم ہوگی وہ واجب ہو

وَإِنَّهُ مَاتَ حَتْفَ أَنْفِهِ وَالْغَرَامَةَ تَتَّبِعُ فِعْلَ الْعَبْدِ (أَوْ يَسِيلُ دَمٌ مِنْ فِيهِ أَوْ أَنْفِهِ أَوْ دُبُرُهُ أَوْ ذَكَرُهُ) لِأَنَّ الدَّمَ يَخْرُجُ مِنْهَا عَادَةً بِلَا فِعْلٍ أَحَدٍ بِخِلَافِ الْأُذُنِ وَالْعَيْنِ

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی موت آپ مرا ہے غرامت بندے کے قتل کے تابع ہوتی ہے۔ یا خون اس کے منہ، اس کی ناک، اس کی دبر یا اس کے آلہ تناسل سے بہے۔ کیونکہ خون ان سے کسی دوسرے کے فعل کے بغیر معمول کے مطابق نکلتا ہے کان اور آنکھ کا معاملہ اور ہے

گی۔ مگر جب وہ ماذون کے گھر میں پایا جائے تو ”ولو الجیہ“ میں ہے کہ استحسان یہ ہے کہ قسامت آقا پر واجب ہو اور اسے اختیار دیا جائے گا کہ وہ غلام حوالے کر دے یا اس کا فد یہ دے دے۔ کیونکہ اگر غلام جنایت خطا کا اقرار کرے تو اس کا اقرار صحیح نہیں ہوگا پس اس سے قسم نہ لی جائے گی۔

35930۔ (قوله: وَإِنَّهُ مَاتَ حَتْفَ أَنْفِهِ) واؤ حالیه ہے ہمزہ کے نیچے کسرہ ہے اور ضمیر اس میت کے لیے ہے جس پر کوئی نشان نہیں ہوتا۔ ”ح“۔

35931۔ (قوله: وَالْغَرَامَةُ) یعنی دیت یہ تو بندے کے فعل کے تابع ہوتی ہے یعنی جب کہ بندے کا فعل نہیں پایا گیا۔ اسی طرح قسامت ہے قسامت اہل محلہ پر واجب ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ احتمال ہوتا ہے کہ اس سے فعل کے وقوع کا احتمال ہے اور کسی عورت کے نہ ہونے سے یہ احتمال نہیں پس دیت واجب نہ ہوگی۔ ”اتقانی“۔

35932۔ (قوله: أَوْ يَسِيلُ دَمٌ) اس کا عطف لا اثر ہے۔ ”ح“۔

35933۔ (قوله: مِنْ فِيهِ) ”ہدایہ“ وغیرہا میں اسی طرح ہے۔ ”ذخیرہ“ میں یہ ذکر کیا ہے: یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ سر سے نیچے آئے اگر وہ پیٹ سے اوپر چڑھے تو وہ قتل ہے۔ ”تہستانی“ اور ”اتقانی“ نے ”فخر الاسلام“ سے نقل کیا ہے۔ قسامت کی شرط

35934۔ (قوله: بِلَا فِعْلٍ أَحَدٍ) کیونکہ بعض اوقات جو خون منہ یا ناک سے نکلتا ہے وہ نکسیر ہوتا ہے اور دبر سے نکلتا ہے جب پیٹ میں بیماری ہوتی ہے یا ایسی چیز کھانے سے خون نکلتا ہے جو موافق نہ ہو اور آلہ تناسل سے خون اس رگ کی وجہ سے نکلتا ہے جو پیٹ میں کھل گئی ہو یا گردہ میں یا جگر میں ضعف ہو یا زیادہ خوف پایا جائے۔ ”اتقانی“ نے یہ بیان کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بدرجہ اولیٰ یہ حکم ہوگا اگر اس کی موت کا علم جلانے، سطح سے گرنے یا پانی میں گرنے سے ہو جب کہ کسی کا فعل اس میں نہ پایا جائے تو نہ قسامت ہوگی نہ دیت ہوگی۔ کیونکہ شرط یہ ہے کہ قتل کو ایسے قوی ظاہر سبب کی طرف نہ پھیرا جا سکتا ہو جو ان دونوں کے وجوب کے مانع ہو جس طرح ”خیر یہ“ میں ہے۔

35935۔ (قوله: بِخِلَافِ الْأُذُنِ وَالْعَيْنِ) کیونکہ قتل کی دلالت ظاہر ہے کیونکہ دونوں اعضاء سے عام معمول کے مطابق خون نہیں نکلتا مگر جب کوئی نیا عمل واقع ہو۔ ”اتقانی“۔

(أَوْ نِصْفٍ مِنْهُ) أَمَى وَلَا قَسَامَةَ فِي نِصْفٍ مَيِّتٍ (شُقَّ طُولًا أَوْ أَقْلَ مِنْهُ) أَمَى مِنْ نِصْفِهِ (وَلَوْ مَعَهُ الرَّأْسُ) لِمَا مَرَّ (أَوْ عَلَى رَقَبَتِهِ) أَمَى الْمَيِّتِ (حَيَّةٌ مُلْتَوِيَةٌ) لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهُ مَاتَ بِهَا بَزَازِيَةً (وَمَا تَمَّ خِلْقَةُ كَكَبِيٍّ) أَمَى وَجَدَ سَقَطَ تَامَ الْخِلْقَةِ بِهِ أَثَرُ الضَّرْبِ وَجَبَتْ الْقَسَامَةُ وَالذِّيَّةُ وَفِي الظَّهِيرَةِ مَا يُخَالِفُهُ (فَإِنْ ادَّعَى الْوَلِيُّ عَلَى وَاحِدٍ مِنْ غَيْرِهِمْ) كَانَ إِبْرَاءً مِنْهُ لِأَهْلِ الْمَحَلَّةِ

یا اس کے نصف میں قسامت نہیں یعنی میت کے نصف میں قسامت نہیں جس کو لمبائی میں شق کیا گیا ہو یا وہ نصف سے کم ہو اگرچہ اس کے ساتھ سر ہو۔ اس کی دلیل وہ ہے جو گزر چکی ہے یا میت کی گردن پر ایک ایسا سانپ ہو جو لپٹا ہوا ہو۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ اس سانپ کی وجہ سے مرے ”بزازیہ“۔ جس کی شکل و صورت مکمل ہو چکی ہو وہ بڑے کی طرح ہے یعنی ایسا سالم بچہ گرا ہوا پایا گیا جس پر ضرب کا اثر ہو تو اس میں قسامت اور دیت واجب ہوگی۔ ”ظہیریہ“ میں ایسا قول ہے جو اس کے مخالف ہے۔ اگر ولی اہل محلہ کے علاوہ کسی اور پر دعویٰ کرے تو یہ اس کی جانب سے اہل محلہ کو بری کرنا ہوگا

35936۔ (قوله: أَوْ نِصْفٍ مِنْهُ) جر کے ساتھ اس کا عطف میت پر ہے جس طرح شارح نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ”حلبی“ نے اسے بیان کیا ہے۔

35937۔ (قوله: وَلَوْ مَعَهُ) ضمیر سے مراد اقل ہے۔

35938۔ (قوله: لِمَا مَرَّ) اس سے مراد یہ قول ہے لئلا یودی لتکرار القسامۃ فی قتیل واحد۔

وہ بچہ جس کی شکل و صورت مکمل ہو چکی ہو وہ بڑے کی طرح ہے

35939۔ (قوله: وَجَبَتْ الْقَسَامَةُ وَالذِّيَّةُ) یعنی اہل محلہ پر قسامت اور دیت واجب ہوگی۔ کیونکہ ظاہر امر یہ ہے کہ جس کی شکل و صورت مکمل ہو چکی ہو اس نے زندہ کی حیثیت سے اپنی جگہ چھوڑی ہے۔ اگر اس کی شکل و صورت مکمل نہ ہو تو ان پر کوئی شے لازم نہ ہوگی کیونکہ وہ مردہ کی حیثیت سے اپنی جگہ چھوڑتا ہے۔ ”ہدایہ“۔

35940۔ (قوله: وَفِي الظَّهِيرَةِ مَا يُخَالِفُهُ) اس کی نص ہے جب جنین ایک محلہ میں مقتول پایا گیا تو نہ قسامت ہو گی نہ دیت ہوگی۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول ”شروح“، ”ہدایہ“، ”ملتقی“، ”وقایہ“ اور ”درر“ وغیرہا میں مذکور ہے۔

اگر ولی اہل محلہ کے علاوہ کسی اور کے خلاف دعویٰ کرے تو اہل محلہ سے قسامت ساقط ہو جائے گی

35941۔ (قوله: كَانَ إِبْرَاءً مِنْهُ لِأَهْلِ الْمَحَلَّةِ) کیونکہ ان میں مقتول کے ظاہر ہونے سے ان پر چٹی لازم نہ ہو

گی۔ بلکہ ولی دعویٰ کرے گا تب وہ اس کے ذمہ دار ہوں گے جب وہ ان کے علاوہ کسی اور پر دعویٰ کرے گا تو ان پر دعویٰ ممتنع ہو جائے گا کیونکہ اس کی شرط مفقود ہے۔ ”طحاوی“ نے ”شمسی“ سے نقل کیا ہے محلہ کی طرح مملوک جگہ ہے جس طرح ہم عنقریب ”تاتر خانہ“ سے نقل کریں گے۔

وَسَقَطَتْ الْقَسَامَةُ عَنْهُمْ (وَ) إِنِ ادَّعَى الْوَلِيُّ (عَلَى مُعَيَّنٍ مِنْهُمْ) لَا تَسْقُطُ وَقِيلَ تَسْقُطُ (قَتِيلٌ عَلَى ذَاتِهِ مَعَهَا سَائِقٌ أَوْ قَائِدٌ أَوْ رَاكِبٌ فَدَيْتُهُ عَلَى عَاقِلَتِهِ) دُونَ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ

اور اہل محلہ سے قسامت ساقط ہو جائے گی اگر ولی اہل محلہ میں سے کسی معین فرد پر دعویٰ کرے تو اہل محلہ سے قسامت ساقط نہیں ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان سے ساقط ہو جائے گی۔ ایک مقتول سواری پر ہے اس سواری کے ساتھ ایک ہانکنے والا، قائد یا سوار ہے تو اس کی دیت اس کی عاقلہ پر ہوگی اہل محلہ پر نہیں ہوگی۔

35942۔ (قوله: وَ سَقَطَتْ الْقَسَامَةُ عَنْهُمْ) اسی طرح کا حکم ہوگا اگر اولیاء میں سے کوئی ایک اس کا دعویٰ کرے جب کہ ان میں سے باقی حاضر اور خاموش رہیں۔ اگر وہ باقی ماندہ غائب ہوں تو پھر ایسا نہ ہوگا جب تک مدعی اس مسئلہ میں اس کی جانب سے وکیل نہ ہو۔ اگر ان میں سے کوئی ایک کہے: اسے زید نے قتل کیا ہے، دوسرے نے کہا: اسے عمرو نے قتل کیا ہے ایک اور نے کہا: میں اسے نہیں پہچانتا تو اس میں باہم کوئی جھوٹ بولنا نہیں اور قسامت ساقط ہو جائے گی۔ ”ساحانی“ نے ”زاہدی“ سے نقل کیا ہے اور مدعی علیہ کا حکم بیان نہیں کیا۔ اس کی وضاحت وہ ہے جس کا ذکر ”اتقانی“ نے کیا ہے۔ اگر ولی گواہیاں قائم کر دے تو بہتر ورنہ مدعی علیہ سے صرف ایک قسم لی جائے گی اگر وہ قسم اٹھا دے تو وہ بری ہو جائے گا ورنہ اگر دعویٰ مال یعنی قتل خطا میں ہو تو وہ ثابت ہو جائے گا اگر دعویٰ قصاص میں ہو تو اس کو مجبوس کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اقرار کرے وہ قسم اٹھا دے یا بھوکا مر جائے۔ یہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے فرمایا: اس پر دیت لازم ہو جائے گی۔ ملخص۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

35943۔ (قوله: لَا تَسْقُطُ) یعنی ظاہر روایت میں ہے کہ قسامت ساقط نہ ہوگی۔ ”مواہب“۔ کیونکہ شارع نے ابتداءً اسے اہل محلہ پر واجب کیا ہے۔ پس اس کا انہی میں سے ایک کو معین کرنا یہ اس کے منافی نہیں جو شارع نے حکم دیا تھا۔ پس قسامت اور دیت اہل محلہ پر ثابت ہوگی۔ ”کفایہ“

35944۔ (قوله: وَقِيلَ تَسْقُطُ) یہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے اصل کی روایت کے علاوہ کی روایت ہے کہ قسامت اور دیت اہل محلہ کے باقی ماندہ افراد سے ساقط ہو جائے گی۔ ولی کو کہا جائے گا: کیا تیرے پاس بینہ ہیں اگر وہ کہے: نہیں تو مدعی علیہ سے ایک قسم کا مطالبہ کیا جائے گا۔ ”ابن مبارک“ نے امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ سے یہی روایت کیا ہے۔ ”زیلعی“۔

اگر مقتول سواری پر ہو اور اس کے ساتھ سواری کو ہانکنے والا قائد یا سوار ہو تو اس کی دیت کا حکم

35945۔ (قوله: فَدَيْتُهُ عَلَى عَاقِلَتِهِ) یعنی قسامت واجب ہوگی جب وہ قسم اٹھا دے تو دیت اس کی عاقلہ پر واجب ہوگی۔ پھر مشائخ میں سے کچھ ہیں جنہوں نے فرمایا: یہ اس سے عام ہے کہ اس سواری کا کوئی معروف مالک ہو یا کوئی معروف مالک نہ ہو۔ اسی میں سے کتاب کا اطلاق ہے۔ ان میں سے کچھ علماء نے فرمایا: اگر اس کا مالک ہو تو اس پر قسامت اور دیت لازم ہوگی ”قہستانی“۔ مصنف پہلے قول پر گامزن ہوئے جب انہوں نے یہ کہا ہے: اگرچہ سواری ان کی ملکیت میں

لَأَنَّهُ فِي يَدِهِ فَصَارَ كَأَنَّهُ فِي دَارِهِ (وَلَوْ اجْتَمَعَ) فِيهَا (سَائِقٌ وَقَائِدٌ وَرَاكِبٌ فَالذِّیَّةُ عَلَيْهِمْ جَمِيعًا وَإِنْ لَمْ تَكُنْ مِنْكُمْ لَهُمْ) عَمَلًا بِیَدِهِمْ وَقِيلَ الْقَسَامَةُ وَالذِّیَّةُ عَلَى مَا لِكَ الدَّابَّةِ كَالدَّارِ وَقِيلَ لَا يَجِبُ عَلَى السَّائِقِ إِلَّا إِذَا كَانَ يَسُوقُهَا مُخْتَفِيًا وَبِهِ جَزْمٌ فِي الْجَوْهَرَةِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهَا أَحَدٌ فَالذِّیَّةُ وَالْقَسَامَةُ عَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ الَّتِي فِيهَا الْقَتِيلُ عَلَى الدَّابَّةِ

کیونکہ مقتول اس کے قبضہ میں ہے تو وہ یوں ہو گیا گویا وہ مقتول اس کے گھر میں ہے۔ اگر جانور میں ہانکنے والا، قائد اور سوار جمع ہو جائیں تو دیت ان سب پر ہوگی اگرچہ وہ سواری ان کی ملکیت نہ ہو یہ ان کے قبضہ پر عمل کرنے کی وجہ سے ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے قسامت اور دیت جانور کے مالک پر لازم ہوگی جس طرح گھر میں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہانکنے والے پر واجب نہ ہوگی مگر جب وہ اس کو خفیہ طریقے سے ہانکے۔ ”جوہرہ“ میں اس کو یقین سے بیان کیا ہے اگر اس کے ساتھ کوئی نہ ہو تو دیت اور قسامت اہل محلہ پر لازم ہوگی جس محلہ میں مقتول سواری پر ہو۔

نہ ہو اس وقت فرق دابہ (جانور) اور دار میں ہوگا۔ کیونکہ اس وقت دیت اس کے مالک پر ہوگی اس کے ساکن پر نہ ہوگی جس طرح عنقریب آگے آئے گا کہ گھر سے اس کی ملکیت کا قبضہ رائے اور تدبیر میں منقطع نہیں ہوتا اگرچہ وہ اس کو اجرت پر دے دے دابہ کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ اس میں تصرف قابض کا ہوتا ہے۔

35946۔ (قوله: لَأَنَّهُ فِي يَدِهِ) پہلی ضمیر مقتول کے لیے اور دوسری ضمیر ہانکنے والے کے لیے ہے۔ اسی طرح ان کا

قول ہے فصار كأنه في داره۔

35947۔ (قوله: فَالذِّیَّةُ عَلَيْهِمْ جَمِيعًا) یعنی ان کی عاقلہ پر دیت ہوگی اور ان پر قسامت ہوگی۔ ”عنایہ“۔

35948۔ (قوله: وَإِنْ لَمْ تَكُنْ مِنْكُمْ لَهُمْ) یہاں ان وصلیہ ہے یعنی خواہ ان کی ملکیت ہو یا ان کی ملکیت نہ ہو اس

میں غور کیا جائے گا اگر مالک ان میں سے ایک ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ مثلاً ہانکنے والا ہو اور قائد یا راکب اجنبی ہو یا معاملہ اس کے برعکس ہو۔ اطلاق اس صورت کو شامل ہے۔ ”اتقانی“ نے جو ذکر کیا ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے اگر مقتول کشتی میں پایا جائے تو دیت اس پر ہوگی جو اس کشتی میں مالک اور سوار پایا جائے گا۔ کیونکہ کشتی منتقل کرتی ہے۔ پس اس میں ضمان قبضہ کے ثبوت کے ساتھ ہے نصرت کے ساتھ نہیں جیسے دابہ ہے۔ ”سعدی“ نے اسے بیان کیا ہے۔

35949۔ (قوله: عَمَلًا بِیَدِهِمْ) اس فرق کی طرف اشارہ ہے جو سواری اور گھر میں گزر چکا ہے۔

35950۔ (قوله: وَقِيلَ لَا يَجِبُ عَلَى السَّائِقِ الْخ) ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ سائق کے ساتھ خاص نہ ہو۔ پس

چاہیے کہ قائد اور راکب اس کی مثل ہوں۔ اس کی طرف وہ قول اشارہ کرتا ہے جو ”حموی“ میں ”الرمز“ سے مروی ہے انہوں نے ظاہر جنازہ کو اٹھایا تو وہ مقتول تھا تو اس میں کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ ”ابوسعود“۔

35951۔ (قوله: وَبِهِ جَزْمٌ فِي الْجَوْهَرَةِ) لیکن ”الکفایہ“ میں ہے: یہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے روایت ہے لیکن

(وَإِنْ مَرَّتْ دَابَّةٌ عَلَيْهَا قَتِيلٌ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ) أَوْ قَبِيلَتَيْنِ (فَعَلَى أَقْرَبِهِمَا) لَهَا رُؤْيَى أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ فِي قَتِيلٍ وَجَدَ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ بِأَن يُذَرَ عَ فُوجِدَ إِلَى أَحَدِهِمَا أَقْرَبَ بِشِبْرِ فَقَضَى عَلَيْهَا بِالْقِسَامَةِ وَلَوْ اسْتَوَيَا فَعَلَيْهِمَا

اگر جانور دو دیہاتوں یا دو قبیلوں کے درمیان سے گزرے جب کہ اس پر مقتول ہو تو ان دونوں میں سے جو زیادہ قریب ہوگا اس کے مکینوں پر قسامت لازم ہوگی۔ کیونکہ روایت بیان کی گئی کہ حضور ﷺ نے اس قتل کے بارے میں حکم دیا جو دو بستیوں کے درمیان پایا گیا تھا کہ پیمائش کی جائے تو دونوں میں سے ایک کے بالشت بھر زیادہ قریب تھا تو اس پر قسامت کا فیصلہ کر دیا گیا (1)۔ اگر دونوں بستیاں برابر ہوں تو دونوں پر قسامت لازم ہوگی۔

اصول کی روایت کے علاوہ ہے۔

اگر جانور دو دیہاتوں یا قبیلوں کے درمیان سے گزرے تو قسامت کا حکم

35952۔ (قوله: وَإِنْ مَرَّتْ دَابَّةٌ) یعنی اس کے ساتھ کوئی نہ ہو، ”مکین“۔ کیونکہ اگر اس کے ساتھ ہانکنے والا ہو یا اس طرح کا کوئی اور ہو تو ابھی اس کے بارے میں گزر چکا ہے۔

35953۔ (قوله: أَوْ قَبِيلَتَيْنِ) یعنی دو قبیلوں کے درمیان جو گلیوں کے درمیان یا دو محلوں کے درمیان۔ ”قہستانی“۔

35954۔ (قوله: فَعَلَى أَقْرَبِهِمَا) یعنی جو مقتول کے زیادہ قریب ہوگا۔ یہ حکم اس وقت ہے جب وہ ایسی جگہ ہو جو کسی کی مملوک نہ ہو ورنہ اس جگہ کا جو مالک ہوگا اس کے ذمہ ہوگی ”قہستانی“۔ قریب ہی آئے گا کہا: اس میں اس امر کا شعور دلانا ہے اگر وہ قریہ کی زمین اور قریہ کے گھروں کے درمیان پایا جائے تو جو زیادہ قریبی ہوگا اس پر لازم ہوگا۔

35955۔ (قوله: وَلَوْ اسْتَوَيَا فَعَلَيْهِمَا) یعنی اگر دو دیہاتوں میں سے ایک میں ہزار آدمی ہیں اور دوسرے میں اس سے کم ہیں تو دیت دونوں دیہاتوں کے لوگوں پر ہوگی اور نصف نصف لازم ہوگی اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ ”طحطاوی“ نے ”ہندیہ“ سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: تو یہ جان چکا ہے کہ شروط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ ولی کی جانب سے دعویٰ کیا جائے جب وہ دونوں میں سے ایک کے خلاف دعویٰ کرے دوسرے کے خلاف نہ کرے تو حکم کیسے ہوگا۔ جو امر میرے لیے بطور بحث ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اگر دو برابر بستیوں میں سے ایک پر دعویٰ کرے تو دوسری سے قسامت ساقط نہ ہوگی۔ کیونکہ وجوب دونوں پر ہوگا۔ پس وہ اس طرح ہوگا اگر وہ اہل محلہ میں سے معین پر دعویٰ کرے مگر جب وہ دو پر دعویٰ کرے تو یہ اس کی جانب سے قریبی کو بری کرنا ہے۔ کیونکہ اصل وجوب صرف اس پر ہے جس طرح جب وہ اہل محلہ کے علاوہ میں سے کسی پر دعویٰ کرے پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب القسامۃ۔ ہدایہ، کتاب القسامۃ، جلد 4، صفحہ 638

وَقَيْدُ الدَّابَّةِ اِتِّفَاقُ قَهْطَانِي (بِشَرْطِ سَمَاعِ الصَّوْتِ مِنْهُمْ) هَكَذَا عِبَارَةُ الزَّيْلَعِيِّ وَعِبَارَةُ الدَّرَرْ وَغَيْرِهَا مِنْهُ عِبَارَةُ الْبُرْجَنْدِيِّ نَقْلًا عَنْ الْكَافِي يَسْمَعُونَ صَوْتَهُ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ يَلْحَقُهُ لِنُغُوثٍ فَيُنْسَبُونَ إِلَى التَّقْصِيرِ فِي النُّصْرَةِ (وَالْأَلَّ بِأَنْ كَانَ فِي مَوْضِعٍ لَا يُسْمَعُ مِنْهُ الصَّوْتُ) لَا تَلْزَمُهُمْ نَصْرَتُهُ فَلَا يُنْسَبُونَ إِلَى التَّقْصِيرِ فَلَا يُجْعَلُونَ قَاتِلِينَ تَقْدِيرًا (وَيُرَاعَى حَالُ الْمَكَانِ الَّذِي وَجَدَ فِيهِ الْقَتِيلُ فَإِنْ كَانَ مَمْلُوكًا تَجِبُ الْقَسَامَةُ عَلَى الْمَلِكِ وَالِدِيَّةُ عَلَى عَاقِلَتِهِمْ)

دابہ کی قید اتفاقی ہے۔ ”قہستانی“۔ شرط یہ ہے کہ ان کی آواز سنی جائے ”زیلعی“ کی عبارت اسی طرح ہے اور ”درر“ وغیرہ کی عبارت یوں ہے کہ مقتول کی آواز اہل قریہ کو سنائی دیتی ہو۔ ”برجندی“ کی عبارت جو ”کافی“ سے منقول ہے یہ ہے کہ اہل وہ مقتول کی آواز سنتے ہیں۔ کیونکہ اسی صورت میں مدد ان تک پہنچ سکتی ہو۔ پس وہ مدد میں کوتاہی کرنے کی طرف منسوب ہوں گے۔ اگر ایسا نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ مقتول ایسی جگہ ہو جس کی آواز نہ سنی جاتی ہو ان پر اس کی مدد لازم نہ ہوگی۔ پس ان کی کوتاہی کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔ پس وہ تقدیر اقاتل قرار نہیں دیے جائیں گے۔ اور اس مکان کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا جس میں وہ مقتول پایا گیا۔ اگر وہ کسی کی ملکیت ہو تو قسامت مالکوں پر واجب ہوگی اور دیت ان کی عاقلہ پر لازم ہوگی۔

35956۔ (قوله: وَقَيْدُ الدَّابَّةِ اِتِّفَاقُ) اگر اسے دونوں کے درمیان پھینکا گیا ہو تو حکم اسی طرح ہوگا۔ ”ط“۔

35957۔ (قوله: بِشَرْطِ سَمَاعِ الصَّوْتِ مِنْهُمْ) ”زیلعی“ اور صاحب ”ہدایہ“ نے اسے قیل کے ساتھ تعبیر کیا ہے لیکن ”الخانیہ“ اور ”الولواجیہ“ میں اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ”ابن کمال“ اور ”صاحب الدرر“ نے ان دونوں کی پیروی کی ہے اور مصنف کی طرح اسے متن بنایا ہے۔ ”مواہب“ میں یہ اسی طرح ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے اگر اس سے آواز نہ سنی جائے تو اس کا خون رائیگاں چلا جائے گا۔ لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب مکان مملوک نہ ہو یا اس پر خاص یا عام قبضہ ہو جس طرح اس کی وضاحت آگے آئے گی۔

35958۔ (قوله: هَكَذَا عِبَارَةُ الزَّيْلَعِيِّ) یعنی اس کے بعض نسخوں میں اس طرح ہے اور اس کے بعض نسخوں میں اس کی مثل ہے جو ”درر“ میں ہے ان سب کو ایک معنی کی طرف لوٹانا ممکن ہے ان کا قول منہم یہ سماع کا صلہ ہے اور ان کا قول منہ یہ صوت سے حال ہے۔ ”کافی“ میں جو قول ہے یہ اس کا معنی ہے یہ اس شرط پر ہے کہ غالب یہ ہے کہ جب وہ اس طرح ہو کہ وہ اس کی آواز سنتا ہو تو وہ ان کی آواز سنتا ہوگا۔ لیکن ضمان کا دار و مدار جب اس امر پر ہے کہ کوتاہی کی نسبت ان لوگوں کی طرف ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس کی مدد نہ کی تو ملحوظ ان لوگوں کا اس کی آواز کو سننا ہوگا نہ کہ اس کا برعکس ملحوظ ہوگا۔ شارح نے ”درر“ وغیرہ کی عبارت اس مراد کو بیان کرنے کے لیے ذکر کی ہے جو مصنف کی کلام میں ہے۔ فتدبر

35959۔ (قوله: يَسْمَعُونَ) میں نے جو نسخے دیکھے ہیں ان میں یہ عبارت اسی طرح ہے اور صحیح یہ ہے کہ لا کو ساقط کر

وَكَذَٰلَٰهُمَوْثُوقًا عَلَىٰ أَرْبَابٍ مَّعْلُومِينَ، لِأَنَّ الْعِبْرَةَ لِلْبَلَدِ وَالْوِلَايَةَ كَمَا أَفَادَهُ الْمَصْنِفُ مُسْتَكِدًّا
لِلْوَلَايَةِ وَالْبَرَاذِيَّةِ قُلْتُ وَسَيَجِيءُ التَّصْرِيحُ بِهِ فِي الْمَتْنِ تَبَعًا لِلدَّرَرِ وَغَيْرِهَا وَحِينَئِذٍ فَلَا عِبْرَةَ
لِلْقُرْبِ إِلَّا إِذَا وَجَدَ فِي مَكَانٍ مُبَاحٍ لَا مِلْكَ لِأَحَدٍ وَلَا يَدَ وَإِلَّا فَعَلَىٰ ذِي الْبَلَدِ وَالْيَدِ وَالْمُرَادُ
بِالْوِلَايَةِ وَالْيَدِ الْخُصُوصُ

اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ جگہ معلوم افراد پر وقف ہو۔ کیونکہ اعتبار ملک اور ولایت کا ہوتا ہے جس طرح مصنف نے اس کو بیان کیا ہے جب کہ وہ ”ولو الجیہ“ اور ”بزازیہ“ کی طرف منسوب ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کے بارے میں تصریح ”درر“ وغیرہا کی پیروی میں متن میں آئے گی۔ اس وقت قرب کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا مگر جب وہ مباح مکان میں پایا جائے جو نہ کسی کی ملکیت ہو اور نہ ہی اس پر کسی کا قبضہ ہو ورنہ قسامت اس پر ہوگی جو مالک اور قابض ہو۔ اور ولایت اور قبضہ سے مراد خصوصی ولایت اور قبضہ ہے

دیا جائے تاکہ یہ تعلیل کے مناسب ہو جائے۔

35960۔ (قوله: وَكَذَٰلَٰهُمَوْثُوقًا عَلَىٰ أَرْبَابٍ مَّعْلُومِينَ) یعنی قسامت اور دیت ان پر واجب ہوگی جس طرح عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

35961۔ (قوله: عَلَىٰ أَرْبَابٍ مَّعْلُومِينَ) اس قید سے غیر معلوم خارج ہو گئے جیسے وہ جگہ فقراء مساکین پر وقف کی گئی ہو اس صورت میں دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی جس طرح عنقریب مصنف سے اس قسم کا قول بحث کی صورت میں آئے گا۔

35962۔ (قوله: لِأَنَّ الْعِبْرَةَ لِلْبَلَدِ وَالْوِلَايَةَ) اس میں یہ مذکور ہے وقف میں ولایت کا حق اس کے واقف کو خاص ہوتا ہے یا اسے ولایت کا حق ہوتا ہے جس کے لیے واقف ولایت مختص کر دے ولایت کا حق ان لوگوں کو حاصل نہیں ہوتا جن پر اسے وقف کیا گیا ہو۔

مملوک اور موقوف خاص میں دیت اس کے مالکوں پر ہوگی

35963۔ (قوله: وَحِينَئِذٍ) یعنی مملوک اور موقوف خاص میں دیت اس کے مالکوں پر ہوگی۔ پس اس قرب کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا جو آواز کے سننے کے ساتھ مشروط ہو مگر ایسی مباح جگہ میں جس پر نہ کسی کی ملکیت ہو اور نہ ہی اس پر کسی کا قبضہ ہو یعنی مخصوص قبضہ نہ ہو اس مباح کے تحت جنگل کی وہ جگہ داخل ہوگی جس سے کوئی بھی فائدہ نہیں اٹھاتا اور وہ جنگل جس سے نفع اٹھایا جاتا ہے جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہوتا ہے دونوں میں قرب کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے اس قریبی جگہ کی طرف دیکھا جائے گا جس سے آواز سنی جاتی ہے۔ پس اس کے اہل پر قسامت واجب ہوتی ہے اگرچہ اس سے آواز نہ سنی جائے اگر وہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہو تو دیت بیت المال میں ہوگی جس طرح مصنف قریب ہی اس کو ذکر کریں گے ورنہ اس کا

وَلَوْ لَجَاعَةٌ يُحْصُونَ فَلَوْلِ عَامَّةِ الْمُسْلِمِينَ فَلَا قَسَامَةَ وَلَا دِيَّةَ عَلَى أَحَدٍ بَدَائِعُ لَكِنْ سَيَجِيءُ وَجُوبًا فِي بَيْتِ الْمَالِ فَتَأْمَلُ وَالْمُرَادُ بِالْيَدِ أَيْضًا الْحَقُّهٗ وَأَمَّا الْأَرْضُ الَّتِي لَهَا مَالِكٌ أَخَذَهَا وَالْظُلْمُ فَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ الْقَتِيلُ فِيهَا هَدْرًا لِأَنَّهُ لَيْسَ عَلَى الْغَاصِبِ دِيَّةٌ قَهْشَتَانِي عَنْ الْكَرْمَانِي

اگر معین جماعت کو حاصل ہو۔ اگر وہ عام مسلمانوں کو حاصل ہو تو نہ کسی پر قسامت ہوگی اور نہ ہی دیت ہوگی، ”بدائع“۔ لیکن عنقریب اس کا ذکر آئے گا کہ یہ بیت المال میں واجب ہے قاتل۔ اور یہ (قبضہ) سے مراد حق دار کا قبضہ ہے۔ رہی وہ زمین جن کے مالک ہوں جن کو ظالم والی نے ظلم سے لے لیا ہو تو چاہیے کہ اس میں پائے جانے والے مقتول کا خون رائیگاں جائے۔ کیونکہ غاصب کے ذمہ دیت لازم نہیں ہوتی۔ ”قہستانی“ نے ”کرمانی“ سے نقل کیا ہے۔

خون رائیگاں چلا جائے گا جس طرح مصنف کے قول آواز کے سننے کی شرط سے سمجھا جا رہا ہے جس طرح ہم نے اس کو ثابت کیا ہے۔ یہ وہ قول ہے جس کو ”طحطاوی“ نے ”ہندیہ“ سے اور انہوں نے ”المحیط“ سے نقل کیا ہے کہ مقتول جب جنگل میں پایا جائے اگر وہ کسی کی ملکیت ہو تو قسامت اس کے مالک اور اس کے قبیلہ پر ہوگی۔ اگر وہ کسی کی ملکیت نہ ہو اگر اس کی آواز مصر میں سنی جاسکتی تھی مثلاً تو اس شہر کے لوگوں پر قسامت ہوگی۔ اگر ایسا نہ ہو اگر اس جنگل میں مسلمانوں کی منفعت ہو جیسے لکڑیاں کا ٹنا، گھاس کا ٹنا اور خشک گھاس کا ٹنا تو دیت بیت المال میں ہوگی ورنہ اس کا خون رائیگاں چلا جائے گا۔ ملخص

اس تعبیر کی بنا پر ”خانیہ“ کا قول: وَلَوْ فِي مَوْضِعٍ مَّبَاحٍ إِلَّا أَنَّهُ فِي مَبَاحِ الْمُسْلِمِينَ فَالِدِيَّةُ فِي بَيْتِ الْمَالِ (اگر وہ مقتول مباح جگہ میں ہو مگر جگہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہو تو دیت بیت المال میں سے ہوگی) اس پر محمول ہوگا جب اس کے قریب شہر ہو یا دیہات ہوں جس کی آواز سنی جاسکتی ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ”الخانیہ“ میں پہلے آواز کے سننے کی شرط لگائی ہے جس طرح ہم پہلے ان سے یہ نقل کر چکے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ پہلے معتبر ملک اور خاص قبضہ ہے پھر قریب ہونا اور عام قبضہ ہے۔

تنبیہ

”تا ترخانیہ“ میں کہا: اگر زمین کسی کی ملک میں نہ ہو اور اس کی آواز سنی جاسکتی ہو تو شہر کے قبائل میں سے اس قبیلہ کے ذمہ قسامت لازم ہوگی جو اس جگہ کے زیادہ قریب ہوتا ہو اس قول نے یہ فائدہ دیا ہے کہ قسامت شہر کے تمام شہریوں پر لازم ہوگی بلکہ شہر کے اس قبیلہ کے ذمہ ہوگی جو اس جگہ کے زیادہ قریب ہو پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔

35964۔ (قوله: وَلَوْ لَجَاعَةٌ) یعنی اگر وہ کسی ایک کے قبضہ میں ہو یا کسی جماعت کے قبضہ میں جن کو شمار کیا جاسکتا

ہے جس طرح معلوم افراد پر اس جگہ کو وقف کیا گیا ہو۔

35965۔ (قوله: لَكِنْ سَيَجِيءُ) یعنی متن میں قریب ہی آئے گا۔

35966۔ (قوله: فَتَأْمَلُ) اس قول کے ساتھ قولوں کے جمع ہونے کے ممکن ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اس کی

فَلْيُخَرَّرْ (وَإِنْ مُبَاحًا لِكُنْهٖ فِي أَيْدِي الْمُسْلِمِينَ تَجِبُ الذِّیَةُ فِي بَيْتِ الْمَالِ) لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّهُ إِذَا كَانَ بِحَالٍ يُسْمَعُ مِنْهُ الصَّوْتُ، يَجِبُ عَلَيْهِ الْغَوْتُ كَذَا فِي الْوَلَوِ الْجِيَّةِ وَفِيهَا (وَلَوْ وَجَدَ قَتِيلٌ فِي أَرْضٍ رَجُلٍ إِلَى جَانِبِ قَرْيَةٍ لَيْسَ صَاحِبُ الْأَرْضِ مِنْهَا) أَمَّا مِنْ أَهْلِ الْقَرْيَةِ

پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ اگر وہ جگہ مباح ہو لیکن وہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہو تو دیت بیت المال میں واجب ہو گی۔ اس کی دلیل وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اگر وہ ایسی حالت میں ہو جس سے آواز سنی جاسکتی ہو تو اس پر مدد کرنا واجب ہوگا۔ ”ولو الجیہ“ میں اسی طرح ہے۔ اس میں ہے: اگر مقتول ایک آدمی کی زمین میں بستی کی ایک جانب پایا جائے

صورت یہ ہے کہ ”البدائع“ کے قول ولادیۃ علی احد کو اس پر محمول کیا جائے کہ لوگوں میں سے کسی پر واجب نہ ہوگی، ”ح“۔ یعنی یہ بیت المال میں دیت کے واجب ہونے کے منافی نہیں۔ لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب قریب نہ ہو ورنہ اس پر قسامت اور دیت واجب ہوگی جو آواز کو سن سکتا ہو جس طرح تو جان چکا ہے۔

35967۔ (قوله: فَلْيُخَرَّرْ) میں کہتا ہوں: اس کی وضاحت میں اختلاف ہے۔ کیونکہ ”قہستانی“ نے جسے ”کرمانی“ کی طرف منسوب کیا ہے، غاصب پر کوئی دیت لازم نہیں۔ یہ ”ہدایہ“ کی شروح میں آنے والے قول کے تحت مذکور ہے: وان بیعت ولم تقبض۔ ”زیلعی“ نے وہاں کہا: بخلاف اذا كانت الدار و دیعة یعنی مالک ضامن ہوگا۔ کیونکہ یہ ضمان حفاظت ترک کرنے کی ضمانت ہے۔ یہ اس پر واجب ہوگی جو حفظ پر قادر ہو وہ شخص ہوتا ہے جس کا قبضہ اصلاً ہونہ کہ قبضہ نیابت کے طریقہ پر ہو اور مودع کا قبضہ نیابت کا قبضہ ہوتا ہے۔ اسی طرح مستعیر اور مرہن غاصب کا حکم اسی طرح ہے۔ کیونکہ اس کا قبضہ امانت کا قبضہ ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک جائیداد پر غصب کیا جائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ یہ ”النہایہ“ میں ذکر کیا ہے۔ ”ہدایہ“ میں جو قول ذکر کیا ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ضمان غاصب پر ہوگی یعنی یہ اس قول پر مبنی ہوگا کہ غصب عقار میں متحقق ہوگا۔ ہمارے ائمہ میں سے کئی ائمہ نے اسے ترجیح دی ہے۔ ”منح“۔

35968۔ (قوله: وَإِنْ مُبَاحًا) اگر وہ جگہ مباح ہو اور نہ ہی اس کی آواز سنی جاتی ہو جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

35969۔ (قوله: لِمَا ذَكَرْنَا الْخ) اس کو ”ولو الجی“ نے اپنے اس قول کی علت بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے جو اس

سے پہلے ہے۔ بے شک دیت اور قسامت دونوں دیہاتوں میں سے زیادہ قریبی دیہات پر واجب ہوگی جب وہ ایسے حال میں ہو جس سے آواز سنی جاتی ہو۔ لیکن تعلیل اور معلل میں اس کے ساتھ فرق بیان کیا ہے جس کا ذکر مصنف نے اپنے قول و یراعی حال المکان الخ میں ذکر کیا ہے۔ پس شارح نے یہ گمان کیا کہ یہ اس کی تعلیل ہے جب کہ صورتحال اس طرح نہیں۔ کیونکہ تو یہ جان چکا ہے کہ یہاں دیت بیت المال پر واجب ہوگی جب وہ آبادی سے دور ہو جس سے آواز نہ سنی جاتی ہے۔

35970۔ (قوله: لَيْسَ صَاحِبُ الْأَرْضِ مِنْهَا) اس کا مفہوم یہ ہے اگر وہ اس دیہات کا رہنے والا ہوتا تو وہ لوگ

اس کے ساتھ داخل ہوتے جب وہ اس کی عاقلہ ہوتے۔ تاہل

(فَهِى عَلَيْهِ) عَلَى رَبِّ الْأَرْضِ (لَا عَلَى أَهْلِهَا) أَمَى الْقَرْيَةِ لِأَنَّ الْعِبْرَةَ لِلْبَلَدِ وَالْوَلَايَةُ قُلْتُ فَهَذَا صَرِيحٌ فِي أَنَّ الْقُرْبَ إِنَّمَا يُعْتَبَرُ إِذَا وُجِدَ فِي أَرْضٍ مُبَاحَةٌ لَا مَمْلُوكَةٌ وَلَا مَوْقُوفَةٌ لِأَنَّ تَذْيِيرَهُ لِأَرْبَابِهِ وَسَيَحِيءُ مَتْنًا فَتَنَّبَهُ (وَإِنْ وُجِدَ فِي دَارِ إِنْسَانٍ فَعَلَيْهِ الْقَسَامَةُ) وَلَوْ عَاقِلَتُهُ حُضُورًا دَخَلُوا فِي الْقَسَامَةِ أَيْضًا خِلَافًا لِابْنِ يَوْسُفَ مُلْتَقَى (وَالدِّيَّةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ) إِنَّ ثَبْتَ أَتْهَالَهُ بِالْحُجَّةِ كَمَا سَيَحِيءُ وَكَانَ لَهُ عَاقِلَةٌ وَإِلَّا فَعَلَيْهِ

جب کہ زمین کا مالک اس بستی کا رہنے والا نہیں تو قسامت زمین کے مالک کے ذمہ ہوگی بستی والوں پر نہ ہوگی۔ کیونکہ اعتبار ملکیت اور ولایت کا ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ اس میں صریح ہے کہ قرب کا اعتبار کیا جائے گا جب وہ مقتول مباح زمین میں پایا جائے نہ کہ وہ مملوکہ میں پایا جائے اور نہ ہی موقوفہ زمین میں پایا جائے۔ کیونکہ اس کی تدبیر اس کے مالکوں کا حق ہے عنقریب اس کا ذکر متن میں آئے گا۔ فتنہ۔ اگر وہ مقتول کسی انسان کے گھر میں پایا جائے تو اس پر قسامت لازم ہوگی۔ اگر اس کی عاقلہ موجود ہو تو وہ بھی قسامہ میں داخل ہوں گے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے، ”ملتقی“۔ اور دیت اس کی عاقلہ کے ذمہ ہوگی اگر یہ دلیل سے ثابت ہو کہ یہ اس کی عاقلہ ہے ورنہ دیت اس پر لازم ہوگی۔

35971۔ (قوله: فَهَذَا صَرِيحٌ) اس قول کی کوئی ضرورت نہیں جب کہ اس سے قبل یہ قول ذکر کیا ہے: وحينئذ فلا

عبرة الاقرب۔ ”ط“

35972۔ (قوله: لِأَنَّ تَذْيِيرَهُ الْخ) یہ مخذوف کی علت ہے تقدیر کلام یہ ہے: والافعلی المالك و ذی الولاية لان

تذبیہ الخ۔ ”ط“۔

35973۔ (قوله: فَعَلَيْهِ الْقَسَامَةُ) پس اس پر قسمیں مکرر ہوں گی۔ ”ولو البجیہ“۔ اگر گھر کو تالا لگا ہو اور اس میں

کوئی نہ ہو۔ ”طوری“۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب مقتول کا ولی گھر کے مالک پر قتل کا دعویٰ کرے اگر وہ کسی اور پر قتل کا دعویٰ کرے تو نہ گھر کے مالک پر نہ قسامت لازم ہوگی اور نہ ہی دیت لازم ہوگی۔ ”تا ترخانہ“۔

35974۔ (قوله: وَلَوْ عَاقِلَتُهُ حُضُورًا) یعنی اس کے شہر میں اس کی عاقلہ موجود ہو جس طرح ”شربلا لہ“ میں

”برہان“ سے مروی ہے۔

35975۔ (قوله: خِلَافًا لِابْنِ يَوْسُفَ) کیونکہ انہوں نے کہا: وہ اس کے ساتھ داخل نہ ہوں گے۔ کیونکہ کسی اور کو اس

کے گھر پر ولایت کا حق نہیں ہوگا۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جب وہ حفاظت کے لیے اور باہم مدد کے لیے جمع ہوتے ہیں تو گھر کے مالک کی حفاظت کے

ساتھ گھر کی حفاظت کی ولایت ان کے لیے ثابت ہوگی۔ جب وہ غائب ہوں تو اس وقت ان کا معاملہ مختلف ہوگا۔ ”ولو البجیہ“۔

(وَهُي) أَمَى الدِّيَةِ وَالْقَسَامَةُ (عَلَى أَهْلِ الْخِطَّةِ) الَّذِينَ خَطَّ لَهُمُ الْإِمَامُ أَوَّلَ الْفَتْحِ وَلَوْ بَقِيَ مِنْهُمْ وَاحِدٌ (دُونَ السُّكَّانِ وَالْمُسْتَرِينَ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ كُلُّهُمْ مُشْتَرِكُونَ (فَإِنْ بَاعَ كُلُّهُمْ عَلَى الْمُسْتَرِينَ) بِالْإِجْمَاعِ (وَإِنْ وَجَدَنِي دَارَ بَيْنَ قَوْمٍ لِبَعْضِ أَكْثَرُ

اور وہ دیت اور قسامت ان لوگوں پر ہوگی جن کے لیے امام نے فتح کے شروع میں زمین مختص کی ہوگی اگرچہ وہ ان میں سے ایک ہی باقی ہے جو اس میں رہ رہے ہیں۔ اور جنہوں نے اس کو خریدا ہے ان کے ذمہ نہ ہوگی۔ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: سب اس میں شریک ہوں گے اگر ان سب نے اس کو بیچ دیا ہو تو بالا جماع خریداروں پر یہ لازم ہوگی۔ اگر ایک مقتول کچھ لوگوں کے گھر میں پایا گیا ان میں سے کچھ لوگوں کا حصہ زیادہ ہے

35976۔ (قوله: أَمَى الدِّيَةِ وَالْقَسَامَةُ) زیادہ بہتر یہ ہے کہ قسامت پر اکتفا کیا جائے تاکہ ضمیر کے مفرد ہونے کی رعایت کی جائے۔ کیونکہ دیت اس کی عاقلہ کے ذمہ لازم ہے جس کے حق میں اس زمین کو مختص کیا گیا جس طرح ”العنایہ“ وغیرہا میں ہے۔

”شرنبلا لیه“ میں ہے: چاہیے کہ تفصیل ہو جس طرح محلہ کے بارے میں گزر چکا ہے۔ پس جب قتل عمد کا دعویٰ کیا جائے تو دیت ان پر واجب ہوگی اور قتل خطا میں ان کی عاقلہ کے ذمہ دیت ہوگی۔ ”ابوسعود“ نے اس پر اعتراض کیا کہ تفصیل ظاہر روایت کے خلاف ہے جس طرح گزر چکا ہے۔

35977۔ (قوله: عَلَى أَهْلِ الْخِطَّةِ) خطہ خا کے کسرہ کے ساتھ ہے اس سے مراد وہ زمین ہے جسے امام نے دوسری زمینوں سے الگ کر دیا ہو اور ممتاز کر دیا ہو اور کسی کو دے دیا ہو جس طرح ”الطلبہ“ میں ہے۔ ”قہستانی“۔

35978۔ (قوله: دُونَ السُّكَّانِ) جس طرح اجرت پر لینے والے اور عاریۃ لینے والے ہیں پس قسامت اس کے مالکوں کے ذمہ ہوگی اگرچہ وہ غائب ہوں۔ ”تاتر خانیہ“۔ اور خریدنے والوں کی طرح وہ لوگ ہیں جو ہبہ، مہر، وصیت وغیرہا اسباب ملک سے اس کے مالک بن جائیں اگرچہ وہ اس پر قابض ہوں۔ ”قہستانی“۔

اگر کسی محلہ میں پرانے اور نئے مالک ہوں اور کچھ لوگ سکونت اختیار کیے ہوئے ہوں تو قسامت کا حکم 35979۔ (قوله: فَإِنْ بَاعَ كُلُّهُمْ عَلَى الْمُسْتَرِينَ) یعنی اگر سب بیچ دیں تو قسامت اور دیت خریدنے والوں کے ذمہ ہوگی۔

حاصل کلام یہ ہے: جب ایک محلہ میں پرانے اور نئے مالک ہوں اور کچھ لوگ سکونت اختیار کیے ہوتے ہوں تو قسامت قدیمی لوگوں پر ہوگی اور دوسرے دو قسم کے لوگوں پر قسامت نہیں ہوگی۔ کیونکہ محلہ کی تدبیر کی ولایت ان کے سپرد ہوتی ہے اگر اس میں نئے مالک اور کچھ رہائشی لوگ ہوں تو جو نئے مالک ہیں ان کے ذمہ قسامت ہوگی جب وہ صرف رہائشی ہوں تو ان پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ یہ سب طرفین کے نزدیک ہے۔ جہاں تک امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے تو قسامت کے معاملہ

فَهِيَ عَلَى عَدَدِ (الرُّءُوسِ) كَالشُّفْعَةِ (وَإِنْ بِيَعَتْ وَلَمْ تُقْبَضْ) حَتَّى وَجَدَ فِيهَا قَتِيلًا (فَعَلَى عَاقِلَةِ الْبَائِعِ وَفِي الْبَيْعِ بِخِيَارٍ عَلَى عَاقِلَةِ ذِي الْيَدِ) خِلَافًا لَهَا (وَلَا تَعْقِلُ عَاقِلَةٌ حَتَّى يَشْهَدَ الشُّهُودُ أَنَّهَا) أُمِّي الدَّارَ الَّتِي فِيهَا قَتِيلٌ (لِذِي الْيَدِ) وَلَوْ هُوَ قَتِيلٌ كَمَا سَيَجِيءُ

تو یہ قسم دیت ان افراد کی تعداد کے اعتبار سے ہوگی جس طرح شفیعہ کا معاملہ ہوتا ہے۔ اگر اس گھر کو بیچ دیا جائے اور اس پر قبضہ نہ کیا جائے یہاں تک اس میں مقتول پایا جائے تو دیت اور قسامت بائع کی عاقلہ پر ہوگی۔ اور خیار شرط کی صورت میں بیع ہو تو قابض کی عاقلہ پر یہ چیزیں لازم ہوں گی۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہا نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اور عاقلہ دیت کی ذمہ دار نہ ہوگی یہاں تک کہ گواہ گواہی دیں کہ وہ گھر جس میں مقتول پایا گیا ہے وہ قابض کا ہے اگرچہ قابض ہی مقتول ہو جس طرح عنقریب آگے آئے گا۔

میں تینوں برابر ہیں۔ اس کی مکمل وضاحت ”شرح الطحاوی“ میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان کے عرف میں ہے۔ جہاں تک ہمارے عرف کا تعلق ہے تو وہ خریداروں کے ذمہ ہوگا۔ کیونکہ تدبیر ان کے سپرد ہوتی ہے جس طرح ”کرمانی“ میں اشارہ کیا گیا ہے ”قہستانی“۔ محلہ کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر مقتول ایسے گھر میں پایا جائے جو مشتری اور اصل مالک کے درمیان مشترک ہو تو وہ بالا جماع قسامت اور دیت میں برابر ہوں گے۔ اس کی مکمل بحث ”العنایہ“ میں ہے۔

35980۔ (قوله: فَهِيَ عَلَى عَدَدِ الرُّءُوسِ) اگر اس کا نصف زید کا ہو اور اس کا دسواں حصہ عمرو کا ہو اور باقی ماندہ بکر کا ہو تو قسامت سب پر لازم ہوگی اور دیت ان تینوں کی عاقلہ پر برابر ہوگی۔ کیونکہ قلیل اور کثیر حفاظت اور تدبیر میں برابر کا درجہ رکھتے ہیں اس طرح کا حکم ہوگا۔ ”قہستانی“۔

35981۔ (قوله: فَعَلَى عَاقِلَةِ الْبَائِعِ) یعنی بائع کی عاقلہ پر دیت لازم ہوگی۔ شارحین نے یہی کہا ہے۔ ”المنح“ میں دو چیزوں کا ذکر ہے: دیت اور قسامت۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ اس میں گزشتہ تفصیل جاری ہوگی۔ وہ تفصیل یہ ہے اگر عاقلہ حاضر ہو تو وہ اس کے ساتھ قسامت میں شامل ہوں گے ورنہ شامل نہیں ہوں گے۔ تامل

35982۔ (قوله: خِلَافًا لَهَا) کیونکہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہا نے کہا: اگر اس میں خیار شرط نہ ہو تو وہ مشتری کی عاقلہ کے ذمہ ہوگی۔ اگر خیار ہوگا تو یہ اس کی عاقلہ کے ذمہ ہوگی جس کی طرف وہ چیز جائز ہوگی خواہ خیار بائع کو حاصل ہو یا مشتری کو حاصل ہو۔ ”ابن کمال“۔

حاصل کلام یہ ہے: ”امام صاحب“ رحمہ اللہ علیہ نے قبضہ کا اعتبار کیا ہے اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہا نے ملک کا اعتبار کیا ہے ورنہ جس کے حق میں ملکیت ثابت ہوگی اس پر یہ موقوف ہوگی۔ ”کفایہ“۔

35983۔ (قوله: وَلَا تَعْقِلُ عَاقِلَةُ الْخ) یعنی جب عاقلہ اس بات کا انکار کر دے کہ گھر قابض کی ملکیت ہے اور

وَلَا يَكْفِي مُجَرَّدُ الْيَدِ حَتَّى لَوْ كَانَ بِهِ لَمْ تَدِ عَاقِلَتُهُ وَلَا نَفْسُهُ دُرَّزًا مُعَلَّلًا بِأَنَّهُ لَا يُنْكَنُ الْإِيجَابُ عَلَى الْوَرَثَةِ لِلْوَرَثَةِ، لَكِنْ فِيهِ بَحْثٌ لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ الدِّيَّةَ لِلْمَقْتُولِ حَتَّى يَقْضَى مِنْهُ دِيُونُهُ، وَإِنْ لَمْ يَبْقَ لِلْوَرَثَةِ شَيْءٌ ثُمَّ الْوَرَثَةُ يَخْلِفُونَ، فَيَكُونُ الْإِيجَابُ عَلَى الْوَرَثَةِ لِلْمَيِّتِ كَذَا قِيلَ قُلْتُ وَقَدْ يُقَالُ لَنَا كَانَ هُوَ لَا يَدِي لِنَفْسِهِ فَغَيْرُهُ بِالْأَوَّلَى لِقُوَّةِ الشُّبْهَةِ فَتَأَمَّلْ (وَإِنْ) وَجِدَ (فِي الْفُلْكِ)

اور محض قبضہ کافی نہ ہوگا یہاں تک کہ اگر صرف قبضہ سے ملکیت کا ثبوت ہو تو نہ اس کی عاقلہ دیت دے گی اور نہ ہی وہ خود دیت دے گا ”درز“۔ اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ بعض وارثوں کو بعض وارثوں پر دیت واجب کرنے کا اختیار نہیں۔ لیکن اس میں بحث ہے۔ کیونکہ یہ واضح ہو چکا ہے کہ دیت مقتول کا حق ہے یہاں تک کہ اس سے اس مقتول کے دیون کو ادا کیا جائے گا اگرچہ دونوں کے لیے کوئی شے نہ بچے پھر وارث نائب ہوتے ہیں تو وارثوں پر اس کا وجوب میت کے لیے ہوگا وارثوں کے لیے اس کا وجوب نہیں ہوگا اس طرح کا قول کیا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں: بعض اوقات یہ قول کیا جاتا ہے: جب وہ خود اپنے لیے دیت نہیں دے گا تو دوسرا بدرجہ اولیٰ دیت نہیں دے گا۔ کیونکہ قوی شبہ پایا جا رہا ہے۔ قائل۔ اگر مقتول کشتی میں پایا جائے

علماء نے کہا: یہ ودیعت ہے یا عاریۃ ہے یا اجرت پر ہے۔ ”عنایہ“۔

35984۔ (قوله: وَلَا يَكْفِي مُجَرَّدُ الْيَدِ) کیونکہ ظاہر حال استحقاق کی حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور یہ دعویٰ کو ختم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

35985۔ (قوله: حَتَّى لَوْ كَانَ بِهِ) بہ کی ضمیر سے مراد محض قبضہ ہے۔ ”ح“۔

35986۔ (قوله: وَلَا نَفْسُهُ) یہ رفع کے ساتھ عاقلتہ پر معطوف ہے۔ فافہم

35987۔ (قوله: دُرَّزًا الْخ) ”الدرز“ کی عبارت ہے: تدی عاقلتہ الخ اس کی عاقلہ دیت دے گی جب دلیل

سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ گھر اس کا ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب اس کی عاقلہ ہو ورنہ دیت اس کے ذمہ لازم ہوگی جس طرح یہ کئی دفعہ گزر چکا ہے یہ قبضہ سے ثابت نہ ہوگی۔ اگر محض قبضہ سے ثابت ہو تو نہ اس کی عاقلہ دیت دے گی اور نہ وہ خود دیت دے گا۔ اور ان کا قول ولا نفسہ اس کا معنی ہے نہ وہ خود دیت دے گا جب اس کی عاقلہ نہ ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب ایک گھر کسی آدمی کے قبضہ میں ہو اور اس میں کوئی مقتول پایا جائے خواہ مقتول قابض ہو یا نہ ہو تو محض قبضہ کی وجہ سے دونوں صورتوں میں مقتول کی دیت لازم نہ ہوگی نہ اس کی عاقلہ پر دیت لازم ہوگی اگر اس کی عاقلہ ہو اور نہ ہی اس کی ذات پر دیت لازم ہوگی اگر اس کی عاقلہ نہ ہو۔ دیت اس وقت واجب ہوگی جب یہ ثابت ہو جائے کہ یہ گھر قابض کا ہے جب یہ ثابت ہو جائے کہ گھر اس کا ہے۔ اگر مقتول کوئی اور ہو تو دیت گھر کے مالک کی عاقلہ پر ہوگی یا اس کی ذات پر ہوگی اگر اس کی عاقلہ نہ ہو اگر مقتول گھر کا مالک ہو تو یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے مصنف جسے بعد میں ذکر کریں گے۔ ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی دیت اس کے وارثوں کی عاقلہ پر ہوگی اور ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس میں کوئی شے

فَالْقَسَامَةُ وَالذِّيَّةُ دُرٌّ (عَلَى مَنْ فِيهَا مِنَ الرُّكَّابِ وَالْمَلَّاحِينَ) اِتِّفَاقًا لِأَنَّهُ فِي أَيْدِيهِمْ كَالذَّابَّةِ (وَكَذَا الْعَجَلَةُ) حُكْمُهَا كَقَوْلِكَ (وَفِي مَسْجِدٍ مَحَلَّةٍ وَشَارِعِهَا)

تو ”در“ میں ہے کہ قسامت اور دیت ان لوگوں پر لازم ہوگی جو اس کشتی میں سوار اور ملاح ہیں اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔ کیونکہ وہ کشتی ان کے قبضہ میں ہے جس طرح سواری کا حکم ہوتا ہے۔ اسی طرح ٹانگے کا معاملہ ہے یعنی اس کا حکم کشتی کے حکم کی طرح ہے اور جب مقتول محلہ کی مسجد یا محلہ کی اس سڑک پر پایا جائے

لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ وارثوں کے حق میں وارثوں پر کوئی شے واجب نہیں کی جائے گی۔

”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے دلیل یہ ہے کہ دیت مقتول کے لیے واجب ہوتی ہے اور وارث اس کے نائب ہوتے ہیں تو ان وارثوں پر اس کا وجوب اس مقتول کے لیے ہے یہ وارثوں کے لیے نہیں لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب اس کی عاقلہ نہ ہو اور نہ اس کے وارثوں کی عاقلہ ہو تو وہ نہ خود اپنے لیے دیت دے گا اور نہ ہی کوئی اور بدرجہ اولیٰ اس کی دیت دے گا اس محل میں جو شارح کی مراد ہے اس کی وضاحت ہے لیکن ان کی اس بارے میں تعبیر غیر واضح ہے فتدبر۔ مختلف فیہ مسئلہ کے بارے میں کلام اپنے محل میں آئے گی۔

35988۔ (قوله: فَالْقَسَامَةُ وَالذِّيَّةُ الْخ) ظاہر یہ ہے کہ دیت (شاید صحیح قسامت ہے اس کی دلیل تعلیل ہے)

ان پر واجب ہوگی ان کی عاقلہ پر دیت واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ عاقلہ حاضر نہیں پس گزشتہ تفصیل گھر میں جاری نہ ہوگی۔ تامل 35989۔ (قوله: عَلَى مَنْ فِيهَا الْخ) یہ قول ان کے مالکوں کو شامل ہوگا یہاں تک کہ یہ ان پر واجب ہوگی جو اس گھر میں ہیں اس میں رہائش پذیر ہیں اسی طرح ان پر یہ واجب ہوگی جو ان کی امداد کرتے ہیں اس میں مالک اور غیر مالک برابر ہیں۔ ”ہدایہ“۔

35990۔ (قوله: اِتِّفَاقًا الْخ) امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے جو قول مروی ہے اس کے مطابق یہ ظاہر ہے۔ کیونکہ امام

”ابو یوسف“ رحمہ اللہ مکیوں اور مالکوں کو محلہ میں موجود مقتول کے بارے میں برابر قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح یہاں کا معاملہ ہے۔ جہاں تک طرفین کا نقطہ نظر ہے تو محلہ میں مکین لوگ مالکوں کے ساتھ شریک نہ ہوں گے۔ کیونکہ محلہ کے معاملات کو چنانچہ یہ مالک کی ذمہ داری ہوتی ہے مکیوں کے سپرد نہیں ہوتی۔ کشتی میں سب اس کی تدبیر میں برابر شریک ہوتے ہیں۔ کیونکہ کشتی کو منتقل کیا جاتا ہے تو اس میں معتبر قبضہ ہے ملکیت نہیں جس طرح سواری کا معاملہ ہوتا ہے جب کہ وہ سب قبضہ کے معاملہ میں برابر ہوتے ہیں۔ محلہ اور دار کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ اسے منتقل نہیں کیا جاتا۔ ”کفایہ“۔

اگر مقتول محلہ کی مسجد یا متصل سڑک پر پایا جائے تو اس کا حکم

35991۔ (قوله: وَفِي مَسْجِدٍ مَحَلَّةٍ) اس کی مثل قبیلہ کی مسجد ہے۔ ”تا ترخانہ“ میں ”مشتقی“ سے مروی ہے: اگر

وہ مقتول قبیلہ کی مسجد میں پایا جائے تو قسامت قبیلہ کے ذمہ ہوگی۔ اگر یہ معلوم نہ ہو کہ یہ مسجد کس کی ہے اس میں مسافر لوگ نماز

الْخَاصِّ بِأَهْلِهَا كَمَا أَفَادَهُ ابْنُ كَمَالٍ مُسْتَتِدًّا لِلْبَدَائِعِ وَقَدْ حَقَّقَهُ مُنْذَرُ خُسْرٍ وَأَقْرَبُهُ الْمُصَنِّفُ (عَلَى أَهْلِهَا وَسَوْقُ مَمْلُوكٍ عَلَى الْمَلَّكَ) وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ عَلَى السُّكَّانِ مُلْتَقًى (وَفِي غَيْرِهِ) أَيْ غَيْرِ الْمَمْلُوكِ (وَالشَّارِعُ الْأَعْظَمُ هُوَ النَّافِذُ وَالسَّجَنُ

جو اس محلہ کے لوگوں کے لیے خاص ہے، جس طرح ”ابن کمال“ نے ”البدائع“ کی طرف منسوب کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ ”منلا خسرو“ نے اس کو ثابت کیا ہے۔ اور مصنف نے اس کو ثابت کیا ہے تو قسامت اور دیت اس کے اہل پر ہوگی اور جب ایسے بازار میں مقتول پایا جائے تو قسامت اس کے مالکوں پر ہوگی۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ قسامت اور دیت اس کے مکینوں پر لازم ہوگی، ”ملتقی“۔ جس مقتول کو ایسے بازار میں پایا جائے جو مملوک نہیں اور وہ بڑی شاہراہ پر پایا جائے شارع اعظم سے مراد وہ سڑک ہے جو آگے سے بند نہ ہو۔ مقتول قید خانہ میں پایا جائے

پڑھتے ہیں اگر یہ معلوم ہو کہ اس جگہ کو کس نے خریدا تھا اور کس نے اس کو بنایا تھا تو اس کی عاقلہ پر قسامت اور دیت لازم ہوگی اگر یہ معروف نہ ہو کہ اسے کس نے بنایا ہے تو جو گھر اس مسجد کے زیادہ قریب ہے اس کے ذمہ ہوگی۔ اگر مقتول ایسی گلی میں ہو جو آگے سے بند ہے اور ان کی نماز پڑھنے کی جگہ ایک ہے تو ان لوگوں کی عاقلہ ذمہ دار ہوگی جو ان لوگوں کی عاقلہ ہے جو اس میں رہتے ہیں جب مقتول ایسے قبیلہ میں پایا جائے جس میں کئی مساجد ہیں تو اس کی ذمہ داری قبیلہ پر ہوگی اگر وہ قبیلہ نہ ہو تو یہ اہل محلہ پر ہوگی۔ اور یہ مسجد کے اہل اس کا محلہ ہیں۔

35992۔ (قوله: الْخَاصِّ بِأَهْلِهَا) جو آگے سے بند ہو جس طرح ان کے قول: فِي الشَّارِعِ الْأَعْظَمِ هُوَ النَّافِذُ سے معلوم ہو جاتا ہے۔

گھر میں موجود راستہ کی اقسام

35993۔ (قوله: وَقَدْ حَقَّقَهُ مُنْذَرُ خُسْرٍ) یہ جان لو کہ ”منلا خسرو“ رحمہ اللہ نے گھر میں موجود راستہ کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے خاص جو آگے سے بند ہوتا ہے عام جو آگے سے بند نہیں ہوتا۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں: محلہ کی سڑک۔ یہ وہ راستہ ہوتا ہے جس میں عموماً محلہ کے لوگ گزرتے ہیں بعض اوقات ان کے علاوہ بھی گزرتے ہیں، شارع اعظم۔ جس میں تمام طائفے برابر طور پر گزرنے کا حق رکھتے ہیں۔ مصنف نے ”المنح“ میں اس کو ثابت رکھا ہے اور ”ابن کمال“ نے ان سے منازعہ کیا ہے۔ ”شربلا لہ“ نے اسی طرح کہا ہے کہ یہ قول قابل تسلیم نہیں بلکہ صحیح محل یہ ہے کہ مراد محلہ کی سڑک لی جائے جو صرف اس کے ساتھ خاص ہو وہ وہ ہوتی ہے جو آگے سے کھلی نہ ہو ان پر قسامت اور دیت کا لزوم تدبیر اور حفاظت کے ترک کرنے کی بنا پر ہے۔ اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب محل میں تصرف میں ان کا خصوصی حق ہو۔ اسی وجہ سے ”البدائع“ میں کہا: جو مقتول مسجد جامع میں پایا جائے اس میں قسامت نہیں اور جو عام شاہراہ اور ان کی پلوں پر مقتول پایا جائے نہ ان میں یہ لازم ہے۔ کیونکہ نہ ہی ملک پائی گئی اور نہ خصوصی قبضہ پایا گیا ہے اس سے وہ ضعف معلوم ہو جاتا ہے جو شارع کے قول میں ہے اور ”منلا خسرو“

وَالْجَامِعِ) وَكُلِّ مَكَانٍ يَكُونُ التَّصَرُّفُ فِيهِ لِعَامَّةِ الْمُسْلِمِينَ لَا لِوَاحِدٍ مِنْهُمْ وَلَا لِحَمَاعَةٍ يُحْصُونَ (لَا قَسَامَةَ) وَلَا دِيَّةَ عَلَى أَحَدِ ابْنِ كَمَالٍ (وَإِنَّمَا) (الدِّيَّةُ عَلَى بَيْتِ الْمَالِ) لِأَنَّ الْغُرْمَ بِالْغُنْمِ ثُمَّ إِنَّمَا تَجِبُ الدِّيَّةُ فِيمَا لَوْ ذُكِرَ عَلَى بَيْتِ الْمَالِ (إِنْ كَانَ نَائِيًا) أَيْ بَعِيدًا (عَنِ الْمَحَلَّاتِ)

وہ جامع مسجد میں پایا جائے اور ہر ایسے مکان میں پایا جائے جس میں عام مسلمانوں کو تصرف کا حق ہوتا ہے ان میں سے کسی فرد واحد کو تصرف کا حق حاصل نہیں ہے اور نہ مخصوص جماعت کو تصرف کا حق حاصل ہے تو کسی پر بھی نہ قسامت ہوگی اور نہ ہی دیت ہوگی۔ ”ابن کمال“۔ دیت بیت المال کے ذمہ ہوگی۔ کیونکہ ضمان منفعۃ کے بدلہ میں ہے جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں دیت بیت المال پر واجب ہوگی اگر وہ محلات سے بعید ہوا اگر وہ دور نہ ہو

نے اسے ثابت رکھا ہے۔

35994۔ (قوله: وَالْجَامِعِ) یہ حکم اس صورت میں ہے جب اس کا بنانے والا معروف نہ ہو ورنہ قسامت اس کے

ذمہ ہوگی۔ اور دیت اس کی عاقلہ کے ذمہ ہوگی۔

”تا ترخانہ“ میں ”المشتقی“ سے مروی ہے: جامع مسجد میں مقتول پایا گیا یا لوگوں نے جمعہ کے روز اس پر بھیڑ کی تو اسے قتل کر دیا اور یہ پتہ نہیں کہ قاتل کون ہے دیت بیت المال کے ذمہ ہوگی جس طرح اگر مقتول محلہ میں پایا جائے تو وہ اہل محلہ کے ذمہ ہوگی۔ اسی طرح اگر اسے کسی آدمی نے اسے تلوار سے قتل کر دیا تو یہ پتہ نہیں کہ وہ قاتل کون ہے تو دیت بیت المال کے ذمہ ہوگی۔

35995۔ (قوله: لَا قَسَامَةَ) کیونکہ یہ ایسا امر ہے جو عام معمول کے مطابق رات کے وقت واقع ہوتا ہے اور وہاں

کوئی ایسا شخص نہیں جو اس کی حفاظت کرے اور قسامت اس جگہ جاری ہوتی ہے جہاں ایسے شخص کے پائے جانے کا وہم ہوتا ہے جو اس قاتل کو پہچانتا ہو۔ یہ ”اتقانی“ نے بیان کیا ہے۔

35996۔ (قوله: إِنَّمَا الدِّيَّةُ عَلَى بَيْتِ الْمَالِ) اس دیت کو تین سال میں وصول کیا جائے گا۔ کیونکہ دیت کا حکم یہ

ہے کہ اسے فوری ادا کرنا لازم نہیں ہوتا جس طرح عاقلہ کے بارے میں حکم ہے۔ اسی طرح ان کے علاوہ کا حکم ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جو آدمی قتل خطا کا اقرار کرے تو اس کی دیت فقر کے مال سے تین سالوں میں وصول کی جاتی ہے۔ ”اختیار“۔

35997۔ (قوله: لِأَنَّ الْغُرْمَ بِالْغُنْمِ) جب عام مسلمان جامع مسجد، قید خانہ اور شارع اعظم سے فیرا ہوا ہو۔ ”نہ“

ضمان ان پر لازم ہوگا۔ پس یہ ضمان ان کے اس مال سے دی جائے گی جو ان کے لیے بیت المال میں رکھا گیا ہے۔ ”ط“۔

35998۔ (قوله: فِيمَا لَوْ ذُكِرَ) یہ قول شارح اعظم، سجن اور جامع مسجد کو شامل ہے۔ میں نے جو ”ہدایہ“ کی شرح میں

دیکھا ہے تو اس قید کو ذکر کیا گیا میری مراد ان کا یہ قول ہے: اِذَا كَانَ نَائِيًا فِي السُّوقِ الْغَيْرِ الْمَمْلُوكِ۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ مطلق ہے کیونکہ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ اگر اس کو غیر مملوک جگہ میں پایا گیا تو معتبر قریب ہوگا۔ لیکن ”طوری“ میں ”ملتقی“ سے مروی ہے: اگر مسجد حرام میں مقتول پایا جائے جب کہ لوگوں کی بھیڑ نہ ہو تو دیت بیت المال میں ہوگی جب کہ قسامت لازم نہ ہوگی۔

وَالْأَلَّا يَكُنْ نَائِيًا بَلْ قَرِيبًا مِنْهَا (فَعَلَى أَقْرَبِ الْمَحَلَّاتِ إِلَيْهِ) الدِّيَةُ وَالْقَسَامَةُ لِأَنَّهُ مَحْفُوظٌ بِحِفْظِ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ، فَتَكُونُ الْقَسَامَةُ وَالِدِيَّةُ عَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ، وَكَذَا فِي السُّوقِ النَّائِي إِذَا كَانَ مَنْ يَسْكُنُهَا فِي النَّيَالِي، أَوْ كَانَ لِأَحَدٍ فِيهَا دَارٌ مَمْلُوكَةٌ تَكُونُ الْقَسَامَةُ وَالِدِيَّةُ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ يَلْزَمُهُ صِيَانَةُ ذَلِكَ الْمَوْضِعِ، فَيُوصَفُ بِالتَّقْصِيرِ، فَيَجِبُ عَلَيْهِ مُوجِبُ التَّقْصِيرِ كَمَا فِي الْعِنَايَةِ مَعْنِيًا لِلنِّهَايَةِ قُلْتُ وَبِهِ أَفْتَى الْمَرْحُومُ أَبُو السُّعُودِ أَفْنَدِي مُفْتَى الرُّومِ، وَاعْتَمَدَ الْمُصَنِّفُ وَإِنْ خَلَا عَنْهُ الْبُتُونُ، لِأَنَّهُ مُصَرَّحٌ بِهِ فِي غَالِبِ الْفَتَاوَى وَالشُّرُوحِ فَلْيُحْفَظْ (وَيَهْدِرُ لَوْ وَجَدَ

بلکہ ان کے قریب ہو تو ان میں سے جو جگہ اس کے زیادہ قریب ہوگی اس پر دیت اور قسامت لازم ہوگی۔ کیونکہ محل اہل محلہ کی حفاظت کے ساتھ محفوظ ہے۔ پس قسامت اور دیت اہل محلہ پر لازم ہوگی۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ بازار دور ہو جب کوئی ایسا شخص ہو جو راتوں میں اس میں رہائش رکھتا ہو یا اس میں کسی کا ایسا گھر ہو جس پر ملکیت ہو تو قسامت اور دیت اس کے ذمہ ہوگی۔ کیونکہ اس پر اس جگہ کی حفاظت لازم ہے۔ پس کوتاہی کرنے کی صفت اس کی طرف منسوب ہوگی۔ پس کوتاہی کا حکم اسی پر واجب ہوگا جس طرح ”عنايہ“ میں ہے جب کہ ”النہایہ“ کی طرف منسوب ہے۔ میں کہتا ہوں: مرحوم ”ابو سعود افندی“ مفتی روم نے یہی فتویٰ دیا ہے۔ مصنف نے اس پر اعتماد کیا ہے اگرچہ متون اس سے خالی ہیں۔ کیونکہ اکثر فتاویٰ اور شروح میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ اگر مقتول جنگل میں

کیونکہ مسجد حرام محلوں سے دور نہیں۔ اسی طرح کا حکم قید خانہ کا ہے عام معمول یہی ہے۔ فلیتا مل

35999۔ (قوله: بَلْ قَرِيبًا مِنْهَا) ظاہر یہ ہے کہ معتبر آواز کا سننا ہے۔

36000۔ (قوله: وَكَذَا فِي السُّوقِ النَّائِي الْخ) یہ معنوی اعتبار سے ان کے قول: اِذَا كَانَ نَائِيًا سے مستثنیٰ ہے یعنی جو

بازار دور ہو اس میں کوئی مقتول پایا جائے تو دیت بیت المال کے ذمہ ہوگی مگر جب ایسا شخص ہو جو رات کے وقت وہاں رہتا ہو الخ۔ اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ اعتبار دن کے وقت رہنے کا ہے۔ تامل۔ سوق کا لفظ مونث ہے اور اس کو مذکر ذکر کیا جاتا ہے جس طرح ”قاموس“ میں ہے۔

36001۔ (قوله: مُوجِبُ التَّقْصِيرِ) یہ لفظ جیم کے فتح کے ساتھ ہے موجب سے مراد قسامت اور دیت ہے۔ ”ط“۔

36002۔ (قوله: مَعْنِيًا لِلنِّهَايَةِ) ”النہایہ“ میں اسے فخر الاسلام کی ”مبسوط“ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کی

مثل ”کفایہ“ اور ”معراج“ میں ہے۔ ”التقانی“ نے اسے ”شرح الکافی“ کی طرف منسوب کیا ہے۔

36003۔ (قوله: قُلْتُ وَبِهِ) یعنی میں وہی کہتا ہوں جو متن میں گزر چکا ہے کہ یہ قریب ترین جگہ کے لوگوں پر

واجب ہوگی۔

میں کہتا ہوں: یہ اس کے موافق ہے جس کی وضاحت گزر چکی ہے کہ پہلے معتبر ملکیت اور خاص قبضہ ہے پھر قرب اور

(فِي بَرِيَّةٍ أَوْ وَسْطِ الْفُرَاتِ) إِذَا كَانَ يَتْرُبُهُ الْمَاءُ لَا مُحْتَبَسًا كَمَا سَيَجِيءُ إِذْ لَا يَدَّ لِأَحَدٍ وَقِيلَ إِذَا كَانَ مَوْضِعُ انْبِعَاثِ مَائِهِ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ تَجِبُ الدِّيَةُ فِي بَيْتِ الْمَالِ لِأَنَّهُ فِي أَيْدِي الْمُسْلِمِينَ ابْنُ كَمَالٍ (وَفِي نَهْرٍ صَغِيرٍ هُوَ مَا يَسْتَحِقُّ بِهِ الشُّفْعَةُ) (عَلَى أَهْلِهِ) لِاخْتِصَاصِهِمْ بِهِ (وَلَوْ كَانَتْ الْبَرِيَّةُ مَمْلُوكَةً)

یا فرات کے وسط میں پایا جائے جب اس کا پانی بہا لے جا رہا ہو وہ لاش رکی ہوئی نہ ہو جس طرح عنقریب آگے آئے گا۔ کیونکہ کسی کا اس پر قبضہ نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب اس کے پانی کا منبع دار الاسلام میں ہو تو دیت بیت المال میں واجب ہوگی۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہے۔ ”ابن کمال“۔ اور چھوٹی نہر میں مقتول پایا جائے تو یہ اس کے نہر والوں کے ذمہ ہوگا۔ چھوٹی نہر سے مراد وہ ہے جس کے ساتھ ایک آدمی شفعہ کا مستحق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ اس کے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے ہیں اگر جنگل کسی کی ملک میں ہو

عام قبضہ ہے۔

36004۔ (قوله: فِي بَرِيَّةٍ) یعنی ایسا جنگل جو کسی کی ملکیت نہ ہو اور نہ ہی وہ دیہات وغیرہا کے قریب ہو جس طرح ما بعد سے معلوم ہو جاتا ہے اور نہ ہی عام مسلمان اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ورنہ دیت بیت المال کے ذمہ ہوگی۔ جس طرح قول گزر چکا ہے۔

36005۔ (قوله: أَوْ وَسْطِ الْفُرَاتِ) یہ قید نہیں بلکہ مراد بڑی نہر ہے اس کو بہا کر لے جانا ہے۔ یہ چھوٹی نہر سے احتراز ہے اور اس سے احتراز ہے جب وہ لاش کنارہ پر رکی ہوئی ہو یا بندھی ہوئی ہو یا کنارہ پر پھینکی گئی ہو۔ ”ابن کمال“ وغیرہ نے اس کو بیان کیا ہے اور ما بعد سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

36006۔ (قوله: ابْنُ كَمَالٍ) ان کی مکمل عبارت یہ ہے: بخلاف ما اذا كان موضع انبعائه في دار الحرب یہ صورت مختلف ہوگی کہ جب اس کے پانی کا منبع دار الحرب میں ہو۔ کیونکہ اس صورت میں یہ احتمال ہوگا کہ یہ اہل حرب کا مقتول ہو۔ اور اسے ”کرخی“ کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے اور اسے ”قیل“ کے ساتھ تعبیر نہیں کیا جس طرح شارح نے کہا ہے۔ ”قہستانی“ نے اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ”ہدایہ“ کے شارحین نے اسے ”مبسوط“ شیخ الاسلام وغیرہ کی طرف منسوب کیا ہے لیکن علامہ ”اتقانی“ نے کہا: یہ کوئی شے نہیں۔ کیونکہ یہ اس کے برعکس ہے جس پر امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے ”الاصول“، ”جامع صغیر“ اور ”طحاوی“ وغیرہ میں بیان کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس کا اعتبار نہیں کیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ فرات وغیرہ کسی کی ولایت میں نہیں اور نہ ہی اس کی حفاظت کسی پر لازم ہے ورنہ اس کا اعتبار دور کے جنگل میں بھی لازم آتا۔ کیونکہ یہ لامحالہ مسلمانوں کا مقتول ہے۔ ملخص

میں کہتا ہوں: ما وضع انبعائه اس کے پھوٹنے کی جگہ ہے

36007۔ (قوله: عَلَى أَهْلِهِ) یعنی ان پر قسامت اور دیت واجب ہوگی ”ہدایہ“۔ یعنی ان کی عاقلہ پر یہ واجب ہو

أَوْ وَقْفًا (لأحد) كَمَا مَرَّ وَسَيَجِيءُ (أَوْ كَانَتْ قَرِيبَةً مِنَ الْقَرْيَةِ) أَوْ الْأُخْبِيَّةِ أَوْ الْفُسْطَاطِ بِحَيْثُ يُسْمَعُ مِنْهُ الصَّوْتُ (تَجِبُ عَلَى الْمَالِكِ) أَوْ ذِي الْيَدِ (أَوْ عَلَى أَهْلِ الْقَرْيَةِ) أَوْ أَقْرَبِ الْأُخْبِيَّةِ زَيْدَعِي (وَلَوْ مُحْتَبَسًا بِالشَّطِّ) أَوْ بِالْجَزِيرَةِ أَوْ مَرْبُوطًا أَوْ مُلْقَى عَلَى الشَّطِّ (فَعَلَى أَقْرَبِ) السَّوَاضِعِ إِلَيْهِ مِنَ الْقَرْيِ وَالْأَمْصَارِ زَادَنِي الْخَائِيَّةَ وَالْأَرَاضِي وَأَقْرَبَهُ الْمُصَنِّفُ (إِذَا كَانَ يَصِلُ صَوْتُ أَهْلِ الْأَرْضِ وَالْقَرْيِ إِلَيْهِ وَإِلَّا لَمْ كَمَا مَرَّ) (وَإِنْ التَّقَى قَوْمٌ بِالسُّيُوفِ فَأَجْلَوْا) أَمْ تَفَرَّقُوا (عَنْ قَتِيلٍ فَعَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ) لِأَنَّ حِفْظَهَا عَلَيْهِمْ

یا کسی پر وقف ہو جس طرح یہ گزر چکا ہے اور عنقریب اس کا ذکر آئے گا یا وہ کسی بستی یا کھل کے خیموں یا کپڑے کے قریب ہو اس طرح کہ اس مقتول کی آواز آتی ہو تو دیت مالک، قابض، بستی والوں یا سب سے قریبی خیمہ والوں پر لازم ہوگی ”زیلعی“۔ اگر وہ لاش کنارے کے ساتھ رکی ہوئی ہو یا جزیرہ پر رکی ہوئی ہو یا بندھی ہوئی ہو یا کنارہ پر پھینکی گئی ہو تو دیہاتوں اور شہروں میں سے جو سب سے قریبی ہیں ان پر یہ لازم ہوگی۔ ”خانیہ“ میں یہ زائد ذکر کیا ہے: والاراضی۔ مصنف نے اس کو ثابت رکھا ہے جب زمین کے مالک اور دیہات کے لوگوں کی آواز اس تک پہنچتی ہو ورنہ لازم نہ ہوگی جس طرح یہ قول گزر چکا ہے۔ اگر ایک قوم تلواروں کے ساتھ لڑ پڑی پس وہ جدا ہوئے کہ ایک مقتول وہاں موجود تھا تو دیت اہل محلہ کے ذمہ ہوگی کیونکہ محلہ کی حفاظت ان کی ذمہ تھی۔

گی۔ ”اتقانی“ تاہل۔

36008۔ (قوله: أَوْ وَقْفًا لِأَحَدٍ) یعنی معلوم افراد کے لیے وقف ہو۔

36009۔ (قوله: فَعَلَى أَقْرَبِ السَّوَاضِعِ الْخ) امام ”محمد“ رحمہ اللہ کی عبارت جس طرح ”اتقانی“ نے نقل کی ہے یہ ہے: شہر کے قبائل میں سے جو قبیلہ اس جگہ کے زیادہ قریب ہو اس پر قسامت اور دیت لازم ہوگی۔ ظاہر یہ ہے کہ دیہات اسی طرح ہے اگر اس میں کئی قبائل ہوں ورنہ جو گھروں میں سے جو قریب ہوگا اس کے ذمہ ہوگا۔

”بزازیہ“ میں ہے: امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے اس مقتول کے بارے میں پوچھا گیا جو دو دیہاتوں کے درمیان ہے کہ کیا دیواروں یا زمینوں کا اعتبار ہوگا۔ فرمایا: زمین ان کی ملکیت نہیں زمین ان کی طرف اس طرح منسوب ہوتی ہے جس طرح صحرا ان کی طرف منسوب ہوتے ہیں تو ان لوگوں میں سے گھروں کے اعتبار سے جو قریب ہوگا اس کے ذمہ یہ لازم ہوگا۔

36010۔ (قوله: وَالْأَرَاضِي) یعنی مملوکہ زمینیں۔ کیونکہ ان کا حکم عمارت کا حکم ہے ان کے مالکوں کے ذمہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے اہل کے ذمہ اس کی حفاظت اور جوان کے قریب ہو اس کی حفاظت لازم ہوتی ہے۔ ”رحمتی“۔

36011۔ (قوله: وَإِلَّا لَا) یعنی اگر آواز نہ پہنچتی ہو تو زمین اور دیہات کے اہل پر یہ واجب نہ ہوگی بلکہ یہ دیکھا جائے گا اگر مقتول اپنی جگہ پایا جائے جس سے عام لوگ نفع اٹھاتے ہیں تو دیت بیت المال میں لازم ہوگی ورنہ وہ رائیگاں جائے گا۔

36012۔ (قوله: وَإِنْ التَّقَى قَوْمٌ بِالسُّيُوفِ الْخ) یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ عصیت کی وجہ سے لڑ پڑیں

«إِلَّا أَنْ يَدَّعِيَ الْوَلِيُّ عَلَى أَوْلِيكَ أَوْ يَدَّعِيَ (عَلَى) بَعْضُ (مُعَيَّنٍ مِنْهُمْ) فَلَمْ يَكُنْ عَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ شَيْءٌ وَلَا عَلَى أَوْلِيكَ حَتَّى يُبْرَهَنَ، لِأَنَّ بِمُجَرَّدِ الدَّعْوَى لَا يُثْبِتُ الْحَقُّ وَبَرِيَّ أَهْلُ الْمَحَلَّةِ لِأَنَّ قَوْلَهُ حُجَّةٌ عَلَيْهِ (وَمُسْتَحْلَفٌ) عَلَى صِيغَةِ اسْمِ الْمَفْعُولِ (قَالَ قَتْلَهُ زَيْدٌ حَلَفَ بِاللَّهِ مَا قَتَلْتُ وَلَا عَرَفْتُ لَهُ قَاتِلًا غَيْرَ زَيْدٍ) وَلَا يُقْبَلُ قَوْلُهُ فِي حَقِّ مَنْ يَزْعُمُ أَنَّهُ قَتَلَهُ (وَبَطَلَ شَهَادَةُ بَعْضِ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ بِقَتْلِ غَيْرِهِمْ)

مگر اس مقتول کا ولی ان لوگوں کے خلاف دعویٰ کرے یا ان میں کسی معین شخص کے خلاف دعویٰ کرے تو نہ ان اہل محلہ کے خلاف اور نہ ہی ان لوگوں کے خلاف کوئی شے لازم ہوگی مگر جب مقتول کا ولی گواہیاں قائم کر دے۔ کیونکہ محض دعویٰ حق کو ثابت نہیں کرتا اور اہل محلہ بری ہو جائیں گے۔ کیونکہ اس کا قول اس کے خلاف حجت ہے۔ جس سے قسم کا مطالبہ کیا گیا (یہاں مستحلف اسم مفعول کا صیغہ ہے) اس نے کہا: اسے زید نے قتل کیا وہ قسم اٹھائے کہ نہ میں نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ ہی میں زید کے علاوہ اس کے قاتل کو جانتا ہوں اس کا قول اس آدمی کے حق میں قبول نہیں کیا جائے گا جس کے بارے میں وہ گمان کرتا ہو کہ اس نے اسے قتل کیا ہے بعض اہل کی ان کے علاوہ کسی اور کے قاتل ہونے کی شہادت باطل ہو جائے گی۔

ورنہ ان میں کوئی شے لازم نہ ہوگی جس طرح باب کے آخر میں آئے گا جب کہ دونوں میں فرق کا ذکر ہوگا۔

36013۔ (قوله: عَلَى أَوْلِيكَ) یعنی اس قوم پر۔ اس کے ساتھ تعبیر کرنا زیادہ ظاہر ہے جس طرح ”ملتقی“ میں ہے۔

36014۔ (قوله: مِنْهُمْ) ضمیر سے مراد قوم ہے۔

36015۔ (قوله: حَتَّى يُبْرَهَنَ) یعنی اہل محلہ کے علاوہ دو آدمی اس کی گواہی دیں نہ کہ اہل محلہ میں سے گواہی دیں

جس طرح قریب ہی آئے گا۔

36016۔ (قوله: لِأَنَّ بِمُجَرَّدِ الدَّعْوَى) یہ ان کے قول دلا علی اولئک کی علت ہے۔

36017۔ (قوله: لِأَنَّ قَوْلَهُ حُجَّةٌ عَلَيْهِ) کیونکہ ان کا دعویٰ اہل محلہ کی براءت کو متضمن ہے۔

36018۔ (قوله: حَلَفَ بِاللَّهِ الدَّعْوَى) اس کے قول قتلہ فلان اس کو فلاں نے قتل کیا کے قول سے اس سے قسم ساقط نہ

ہوگی۔ اس باب میں جو گفتگو کی گئی ہے اس کا مدعا اور غایت یہ ہے کہ اسے اس کی قسم سے استثناء مل جائے۔ یہ اس کے منافی نہیں۔ کہ مقرر اس کے ساتھ قتل میں شریک ہو یا اس کا غیر اس کے ساتھ شریک ہو جب وہ اس طرح ہے تو وہ یہ قسم اٹھائے گا کہ اس نے مقتول کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی فلاں کے علاوہ اس کے قاتل کو جانتا ہے۔ ”عنایہ“۔

36019۔ (قوله: وَلَا يُقْبَلُ الدَّعْوَى) اس قول میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ استثناء کا یہ فائدہ نہیں کہ اس کا زید کے

خلاف قول قبول کیا جائے۔

ولی اہل محلہ کے علاوہ کسی اور پر دعویٰ کرے اور دو افراد اس کے خلاف شہادت دیں تو اس کا حکم

36020۔ (قوله: وَبَطَلَ الدَّعْوَى) جب ولی نے اہل محلہ کے علاوہ ایک اور آدمی کے خلاف دعویٰ کیا اور ان میں سے دو

خِلَافًا لَهُمَا (أَوْ) بِقَتْلِ (وَاحِدٍ مِنْهُمْ) بِعَيْنِهِ لِشُهْنَةِ (وَمَنْ جُرِحَ فِي حَيٍّ فَنُقِلَ) مِنْهُ

”صاحبین“ رحمہ اللہ نے اس قول سے اختلاف کیا ہے یا وہ ان میں سے کسی معین شخص کے بارے میں قتل کی گواہی دے دیں کیونکہ یہاں تہمت پائی جا رہی ہے۔ جو آدمی کسی قبیلہ میں زخمی ہوا اور اس سے اس کو منتقل کیا گیا

افراد سے اس کے خلاف شہادت دے دی تو ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے فرمایا: اسے قبول کیا جائے گا کیونکہ وہ اس کیفیت میں ہیں کہ وہ خود مدعی علیہ ہوں جب ولی نے ان کے علاوہ کسی اور کے خلاف دعویٰ کر دیا تو ان کا خصم باطل ہو جائے گا جس طرح وکیل خصومت ہو جب خصومت سے قبل اس کو معزول کر دیا جائے۔

”امام صاحب“ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ وہ تقدیراً خصم ہیں۔ کیونکہ انہیں قاتل کے قائم مقام رکھا جائے گا۔ کیونکہ ان سے کوتاہی صادر ہو چکی ہے اگرچہ وہ خصوم کے زمرہ سے نکل گئے ہیں تو ان کی شہادت قبول نہ کی جائے گی جس طرح وصی کا معاملہ ہوتا ہے جب بچے کے بالغ ہونے کے ساتھ یا معزول کر دینے کے ساتھ وہ وصایہ سے خارج ہو جائے۔ اس کی مکمل بحث ”العنایہ“ میں ہے۔ مگر جب ولی ان میں سے کسی معین شخص کے خلاف دعویٰ کرے تو بالا جماع اس کے خلاف ان دونوں کی شہادت قبول نہ کی جائے گی جس طرح ”المکلتی“ میں ہے۔ کیونکہ خصومت سب کے ساتھ قائم ہے کیونکہ قسامت ان سے ساقط نہیں ہوگی۔ ”خیرہ“ میں کہا: مگر ایک ضعیف روایت میں جو امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے مروی ہے جس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

تنبیہ

”حموی“ نے ”مقدس“ سے نقل کیا ہے انہوں نے کہا: میں نے ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دینے سے توقف کیا اور میں نے اس کو عام کرنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ اس پر عام ضرر مرتب ہوتا ہے۔ کیونکہ سرکشوں میں سے جو اس کو جان لے گا تو وہ لوگوں کو ایسے محلوں میں قتل کرنے میں جری ہو جائے گا جو اس کے مکینوں کے علاقہ سے خالی ہوں گے۔ کیونکہ وہ اس پر اعتماد کرے گا کہ اس کے خلاف ان کی شہادت قبول نہ ہوگی یہاں تک کہ میں نے یہ کہا: چاہیے کہ فتویٰ ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے قول پر دیا جائے خصوصاً احکام زمانہ کے مختلف ہونے کے ساتھ مختلف ہو جاتے ہیں۔ اور مفتی کو اختیار ہوتا ہے جب ”صاحبین“ رحمہ اللہ متفق ہوں۔ اس کی مکمل بحث ”حاشیہ رملی“ میں ہے۔ ”سائحانی“ نے اسے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن علامہ ”قاسم“ کی تصحیح یہ ہے کہ صحیح ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کا قول ہے کیونکہ مذکورہ ضرر دوسرے مسئلہ میں بھی موجود ہے جب کہ تو اس میں اتفاق کو جان چکا ہے مگر ایک ضعیف روایت میں ہے۔ ہاں دل اسی طرف مائل ہے جو ”حموی“ نے ”مقدس“ سے نقل کیا ہے۔ لیکن منقولہ روایت کی پیروی کرنا یہ غلطی کے ارتکاب سے زیادہ سلامتی کا باعث ہے۔

کوئی آدمی کسی قبیلہ میں زخمی ہو اور صاحب فراش رہنے کے بعد فوت ہو جائے تو اس کا حکم

36021۔ (قوله: وَمَنْ جُرِحَ فِي حَيٍّ) یعنی زخمی کرنے والے کا علم نہ ہو تو یہ حکم ہے۔ اگر علم ہو جائے تو اس میں قسامت

نہ ہوگی بلکہ اس میں زخمی کرنے والے پر قصاص لازم ہوگا یا اس کی عاقلہ پر دیت لازم ہوگی۔ ”عنایہ“۔

(فَبَقِيَ ذَا فِرَاشٍ حَتَّى مَاتَ فَالذِّیَّةُ وَالْقَسَامَةُ عَلَى ذَٰلِكَ (الْحَيِّ) خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ فَلَوْ مَعَهُ جَرِيحٌ بِهِ رَمَتْ فَحَمَلَهُ آخِرُ أَهْلِهِ فَكَثَّ مُدَّةَ فَمَاتَ لَمْ يَضُنَّ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ، وَفِي قِيَاسٍ قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ يَضُنُّ

تو وہ زخمی صاحب فراش رہا یہاں تک کہ مر گیا تو دیت اور قسامت اس قبیلہ پر ہوگی۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے اگر اس کے ساتھ ایک زخمی ہے جس میں زندگی کی رمت ہے تو دوسرا اسے اپنے گھر میں اٹھالا یا وہ ایک مدت تک اس کے پاس رہا تو وہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک ضامن نہیں ہوگا امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق وہ ضامن ہوگا۔

36022۔ (قوله: فَبَقِيَ ذَا فِرَاشٍ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو نہیں اسے زخمی کیا گیا وہ صاحب فراش ہو گیا اگر وہ اس قدر صحیح ہو کہ آجاسکتا ہو تو بالاتفاق اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی جس طرح ”العنایہ“ میں ہے۔
36023۔ (قوله: فَالذِّیَّةُ وَالْقَسَامَةُ عَلَى ذَٰلِكَ الْحَيِّ) کیونکہ زخم کے ساتھ جب قتل متصل ہو جائے تو وہ قتل ہو جائے گا اس وجہ سے قصاص واجب ہو جائے گا۔ اس کی مکمل بحث ”العنایہ“ میں ہے۔
36024۔ (قوله: خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ) یعنی کہا: نہ اس پر ضمانت ہوگی نہ ہی اس پر قسامت ہوگی۔ کیونکہ اس قبیلہ میں جو واقع ہو اوہ نفس کی ہلاکت سے کم ہے تو اس میں کوئی قسامت نہ ہوگی تو وہ اس طرح ہو جائے گا جب وہ صاحب فراش نہ ہو۔ ”شرعیہ“۔

36025۔ (قوله: فَلَوْ مَعَهُ) ضمیر سے مراد رمل ہے۔

36026۔ (قوله: بِهِ رَمَتْ) رمت سے مراد باقی ماندہ روح ہے، ”اتقانی“۔ اگر وہ آتا جاتا ہو تو اس میں کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ ”کفایہ“۔

36027۔ (قوله: فَحَمَلَهُ آخِرُ) صحیح یہ ہے کہ آخر کے لفظ کو ساقط کر دیا جائے۔ ”الملتقی“ کی عبارت یہ ہے: اگر زخمی کے ساتھ کوئی آدمی ہو تو وہ اس کو اٹھائے اور زخمی اس کے اہل میں مرجائے تو امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر کوئی ضمان نہ ہوگی۔ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق وہ ضامن ہوگا۔ ”الولوالجیہ“ میں اس کی تصریح کی ہے کہ یہ مسئلہ اس صورت پر مبنی ہے کہ جب وہ قبیلہ میں زخمی ہو پھر وہ اس کے اہل میں مرجائے۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ گفتار اس آدمی کے بارے میں ہے جس کے قبضہ میں زخم پایا گیا (شاید صحیح جس کے قبضہ میں زخم پایا گیا ہے) ہے فندبر۔

36028۔ (قوله: يَضُنُّ) کیونکہ اس کا قبضہ محلہ کے قائم مقام ہے اس آدمی کا اس کے قبضہ میں زخم پایا جانا یہ اس کے محلہ میں پائے جانے کی طرح ہے، ”ہدایہ“۔ پس اس پر قسامت واجب ہوگی۔ اور اس کی عاقلہ کے ذمہ دیت ہوگی تو گویا اس نے اس کو مقتول کی حیثیت سے اٹھایا ہے، ”اتقانی“۔ ”الملتقی“ میں امام ابو یوسف کے قول کو پہلے ذکر کیا ہے جس طرح شارح نے کیا ہے تو ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔

(وَفِي رَجُلَيْنِ بِلَا ثَالِثٍ وَجِدَ أَحَدُهُمَا قَتِيلًا ضَمِنَ الْآخَرُ) لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ الْإِنْسَانَ لَا يَقْتُلُ نَفْسَهُ (دِيَّتَهُ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ

اور تیسرے آدمی کے بغیر دو شخصوں میں ایک شخص مقتول پایا گیا تو دوسرا آدمی اس کی دیت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو قتل نہیں کرتا۔ یہ امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے۔ (دوسرے نسخہ میں امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کا نام ہے۔ یہی ظاہر ہے اور اس پر اعتماد کیا جائے گا مترجم)۔ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

36029۔ (قولہ: وَفِي رَجُلَيْنِ) یعنی دونوں ایک کمرہ میں ہوں جس طرح ”ہدایہ“ میں ہے۔ ”رملی“ نے کہا: دو عورتوں اور ایک مرد عورت میں یہی حکم ہوگا جب اس کے ساتھ کوئی نہ ہو۔ پس قسامت اور دیت مالک کی عاقلہ پر ہوگی۔

36030۔ (قولہ: بِلَا ثَالِثٍ) کیونکہ اگر اس کے ساتھ کوئی تیسرا فرد ہو تو قاتل میں شک واقع ہو جائے گا تو ان دونوں میں سے کوئی متعین نہ ہوگا۔ ”کفایہ“۔ رملی نے کہا: یہ قید لگائی ہے کیونکہ اگر تیسرا آدمی پایا گیا تو وہ گھر کی طرح ہو جائے گا۔ پس دیت مالک پر واجب ہوگی۔

میں کہتا ہوں: اس مسئلہ سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ان کا جو قول گزرا ہے اس کی قید لگائی جائے جب وہ مقتول کسی انسان کے گھر پایا جائے تو اس پر قسامت لازم ہوگی جب قاتل کے ساتھ کوئی اور آدمی نہ ہو اسی طرح اس سے قبل اس کا قول ہے اگر مقتول ایسے مکان میں پایا جائے جو کسی کی ملک میں ہو تو قسامت اور دیت اس کے مالکوں پر ہوگی ورنہ جو یہاں ظاہر ہے وہ اس کمرے کے مالک پر واجب ہوگی جس میں دونوں رہائش پذیر تھے۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس پر متنبہ کیا ہو۔ فلیتأمل۔ پھر میں نے ”الدر المنبتی“ میں امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ذکر کرنے کے بعد دیکھا اور امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہا: ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے قیاس میں قسامت اور دیت گھر کے مالک پر ہوگی۔ اس کی مثل ”قہستانی“ میں ہے۔ اس سے اشکال زائل ہو جاتا ہے لیکن یہ باقی ہے کہ یہ کہا جاتا ہے: وہ گزشتہ مسائل میں ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر گامزن ہوئے ہیں کیونکہ انہوں نے مالکوں کا اعتبار کیا ہے اور وہ یہاں ”ہدایہ“، ”ملتقی“ وغیرہ میں امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر گامزن ہوئے۔ شاید اس مسئلہ میں ان سے روایت مروی نہیں۔ اس کی دلیل ان کا یہ قول ہے: وفی قیاس قول الامام فتأمل۔

36031۔ (قولہ: خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ) کیونکہ انہوں نے کہا: وہ ضامن نہیں ہوگا کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ اس نے خود اپنے آپ کو قتل کیا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسے کسی اور نے قتل کیا ہو پس شک کی وجہ سے وہ ضامن نہیں ہوگا، ”ہدایہ“۔ ”رملی“ نے کہا، یعنی قسامت اور دیت مالک کے ذمہ ہوگی یعنی کمرہ کے مالک کی عاقلہ پر ہوگی۔ اس پر متنبہ ہو جائیے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا قیاس ہے۔ قتال۔ ”رملی“ نے بھی کہا ہے: میرے نزدیک یہ ہے کہ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ صاحب کا قول موقع محل کے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ بعض اوقات اسے دوسرے کے علاوہ کوئی اور قتل کر دیتا ہے اور یہ بے شمار دفعہ واقع ہوا ہے۔

(وَفِي قَتِيلٍ قَرِيَّةٍ لَا مَرْأَةَ كَرَّ الْحَلْفُ عَلَيْهَا وَتَدِي عَاقِلَتُهَا) وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ الْقَسَامَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ
أَيْضًا قَالَ الْمُتَأَخِّرُونَ وَالْمَرْأَةُ تَدْخُلُ فِي التَّحْمِيلِ مَعَ الْعَاقِلَةِ فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ كَذَا فِي الْمُتَتَّقِي، وَهُوَ
الْأَصَحُّ ذَكَرَهُ الزَّيْدِيُّ (وَإِنْ وَجَدَ قَتِيلٌ فِي دَارِ نَفْسِهِ

ایسی بستی میں مقتول پایا جائے جو کسی عورت کی ملکیت ہے تو اس پر قسم بار بار لوٹائی جائے گی اور اس کی عاقلہ دیت دے گی۔
امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی دیت عاقلہ کے ذمہ ہوگی۔ متاخرین علماء نے فرمایا: عورت اس مسئلہ میں دیت کی
ذمہ داری اٹھانے میں عاقلہ کے ساتھ ہوگی۔ ”الملتقی“ میں مسئلہ اس طرح ہے یہی اصح ہے۔ یہ ”زیلعی“ نے ذکر کیا ہے۔ اگر
مقتول اپنے ذاتی گھر میں پایا گیا

کسی ایسی بستی میں مقتول پایا جائے جو کسی عورت کی ملکیت ہو تو اس کا حکم

36032۔ (قوله: وَفِي قَتِيلٍ قَرِيَّةٍ) قتیل قریہ میں اضافت فیوی ہے۔ یعنی فی کے معنی میں ہے۔

36033۔ (قوله: وَتَدِي عَاقِلَتُهَا) یعنی وہ قبائل جو نسب کے اعتبار سے اس کے زیادہ قریبی ہیں نہ کہ جو پڑوسی کے

اعتبار سے زیادہ قریبی ہیں۔ ”اتقانی“۔

36034۔ (قوله: فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ) اس کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ عورت دیت کی ذمہ داری اٹھانے میں عاقلہ میں

داخل نہیں ان صورتوں میں سے کسی صورت میں جن کا ذکر کتاب المعامل میں آئے گا اس مسئلہ میں عورت داخل ہوگی۔ کیونکہ
ہم نے اس عورت کو قاتلہ قرار دیا ہے اور قاتلہ عاقلہ کے ساتھ شریک ہوگی۔ کیونکہ جب اس پر دیت واجب ہوتی ہے جس
نے قتل کا فعل خود نہیں کیا تو جس نے خود قتل کیا ہے اس پر بدرجہ اولیٰ واجب ہوگی۔ مسئلہ کا موضوع اس میں ہے جب شہر میں
عورت کے گھر میں مقتول پایا جائے جس میں اس عورت کے خاندان کا کوئی آدمی موجود نہ ہو مگر جب اس کا خاندان موجود ہو تو
وہ عورت کے ساتھ قسامہ میں داخل ہوگا۔ ”کفایہ“۔

اگر مقتول اپنے ذاتی گھر میں پایا جائے تو اس کا حکم

36035۔ (قوله: وَإِنْ وَجَدَ قَتِيلٌ الْخ) یہ حکم آزاد کے بارے میں ہے۔ جہاں تک مکاتب کا تعلق ہے جب وہ

اپنے گھر میں بطور مقتول پایا جائے تو اس کا خون بالاتفاق رائیگاں جائے گا۔ کیونکہ اس کے قتل کے ظہور کی حالت میں گھر اس کی
ملکیت میں باقی ہے۔ کیونکہ عقد مکاتبہ اس صورت میں منسوخ نہیں ہوتا جب وہ اتنا مال چھوڑ کر مر جائے جو اس کے بدل
کتابت کو کافی ہو جائے تو اس مکاتبہ کو یوں بنا دیا جائے گا کہ اس نے اپنے آپ کو خود قتل کیا ہے تو اس کا خون رائیگاں چلا
جائے گا۔ ”عنایہ“، ”غرر الافکار“۔ پھر یہ حکم اس صورت میں ہے جب یہ معلوم نہ ہو کہ چوروں نے اس کو قتل کیا ہے۔ کیونکہ
”البدائع“ میں کتاب الجنائز کے باب الشہید میں ہے: اگر شہر میں رات کے وقت اسے چور پڑیں اور اس کو اسلحہ وغیرہ کے
ساتھ قتل کر دیں تو وہ شہید ہوگا۔ کیونکہ قتیل نے بدل نہیں چھوڑا جو مال ہے۔

فَالِدِيَّةُ عَلَى عَاقِلَةٍ وَرَثَتِهِ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ (وَعِنْدَهُمَا وَزُفَرَ لَا شَيْءَ فِيهِ) أَيْ فِي الْقَتِيلِ الْمَذْكُورِ (وَبِهِ يُفْتَى) كَذَا ذَكَرَهُ مُنْذَرُ خُسْرٍ وَتَبَعًا لِمَا رَجَّحَهُ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ، وَتَبَعَهُمَا الْمُصَنِّفُ وَخَالَفَهُمُ ابْنُ الْكَمَالِ فَقَالَ لَهُمَا إِنَّ الدَّارَ فِي يَدِهِ حِينَ وَجَدَ الْجُرْمَ فَيُجْعَلُ كَأَنَّهُ قَتَلَ نَفْسَهُ فَيَكُونُ هَذَرًا

تو امام ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دیت اس کے ورثہ کی عاقلہ پر ہوگی۔ ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما اور امام ”زفر“ کے نزدیک کہ مذکورہ مقتول میں کوئی شے لازم ہوگی۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ”منلا خسرو“ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ انہوں نے اس کی تابع داری کی جسے ”صدر الشریعہ“ نے رائج قرار دیا تھا اور مصنف نے دونوں کی تابع داری کی ہے۔ ”ابن کمال“ نے ان علما کی مخالفت کی ہے اور کہا: ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ گھر اس کے قبضہ میں تھا جب زخم پایا گیا۔ پس اس کو یوں بنا دیا جائے گا گویا اس نے خود اپنے آپ کو قتل کیا ہے۔ پس وہ رائیگاں چلا جائے گا۔

”البحر“ میں وہاں کہا: اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جسے چور اس کے گھر میں قتل کر دیں اور ان چوروں میں سے یعنی قاتل کا علم نہ ہو۔ کیونکہ چوروں کا وجود نہیں تو نہ کوئی قسامت ہوگی اور نہ ہی کسی پر دیت ہوگی۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں واجب نہیں ہوتیں مگر جب قاتل کا علم نہ ہو جب کہ یہاں معلوم ہو چکا ہے کہ اس کا قاتل چور ہے اگرچہ ان کے بھاگ جانے کی وجہ سے ان پر کوئی شے ثابت نہ ہوگی۔ اس کو یاد رکھنا چاہیے کیونکہ لوگ اس سے غافل ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ قول اس کو بھی شامل ہوگا جسے چوروں نے اس کے گھر کے علاوہ میں قتل کیا ہو۔ قاتل

36036۔ (قوله: فَالِدِيَّةُ عَلَى عَاقِلَةٍ وَرَثَتِهِ) ایک قول یہ کیا گیا ہے دیت اس مقتول کی عاقلہ پر لازم ہوگی جب مقتول کی عاقلہ اور اس کے وارثوں کی عاقلہ مختلف ہو پہلا قول اصح ہے جس طرح ”الکفایہ“ میں ”المبسوط“ سے مروی ہے۔ ”العنایہ“ میں کہا ہے: ”الاصل“ میں قسامت کا ذکر نہیں کیا تو ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے کہا: یہ واجب نہ ہوگی۔ ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے کہا یہ واجب ہوگی۔ مصنف نے اسے اختیار کیا ہے یعنی صاحب ”ہدایہ“ نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔

36037۔ (قوله: وَعِنْدَهُمَا الْخ) یہ ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی روایت ہے۔ ”اتقانی“۔

36038۔ (قوله: تَبَعًا لِمَا رَجَّحَهُ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ) کیونکہ انہوں نے کہا: یہی حق ہے کیونکہ مقتول کے ظاہر ہونے کے وقت گھر اس کے قبضہ میں تھا تو اس کو یوں بنا دیا جائے گا کہ اس نے خود اپنے آپ کو قتل کیا ہے۔ پس یہ رائیگاں چلا جائے گا اگر گھر وارثوں کا ہو تو عاقلہ دیت کی ذمہ دار ہوگی۔ الخ۔ ”رہلی“ نے کہا: ”حاوی قدسی“ میں ہے: یعنی ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے قول کو ہم اپناتے ہیں۔

36039۔ (قوله: وَخَالَفَهُمُ ابْنُ الْكَمَالِ) کیونکہ انہوں نے اپنے متن میں ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے اور ”صدر الشریعہ“ نے جو ذکر کیا ہے اس پر اعتماد نہیں کیا بلکہ جو اس کی طرف منسوب ہے اس کو اپنے اس

وَلَهُ أَنْ الْقَسَامَةَ إِنَّمَا تَجِبُ بِظُهُورِ الْقَتِيلِ، وَحَالَ ظُهُورِ الدَّارِ لَوَرَثَتِهِ فِدْيَتُهُ عَلَى عَاقِلَتِهِمْ لَا يُقَالُ
الْعَاقِلَةُ إِنَّمَا يَتَحَلَّلُونَ مَا يَجِبُ عَلَى الْوَرَثَةِ تَخْفِيفًا لَهُمْ وَلَا يُبَكِّنُ الْإِجَابُ عَلَى الْوَرَثَةِ لِلْوَرَثَةِ، لِأَنَّ
الْإِجَابَ لَيْسَ لِلْوَرَثَةِ بَلْ لِلْقَتِيلِ حَتَّى تُقْضَى مِنْهُ دِيُونُهُ وَتَنْفَذَ وَصَايَاهُ ثُمَّ يَخْلُفُهُ الْوَارِثُ فِيهِ وَهُوَ
نَظِيرُ الصَّبِيِّ وَالْمَعْتُوهِ إِنْ قَتَلَ أَبَاهُ تَجِبُ الدِّيَّةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ وَتَكُونُ لَهُ مِيرَاثًا

”امام صاحب“ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے: قسامت قتل کے ظاہر ہونے کی وجہ سے واجب ہوگی اور گھر میں ظاہر ہونے کی وجہ سے قسامت اس کے وارثوں پر لازم ہوگی اور ان کی دیت اس کی عاقلہ پر ہوگی۔ یہ اعتراض نہیں کیا جائے گا کہ جو چیز وارثوں پر واجب ہوتی ہے عاقلہ ان پر تخفیف کرنے کے لیے اس کو برداشت کرتی ہے اور وارثوں کے لیے وارثوں پر اس کو واجب کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ دیت کا وجوب یہ وارثوں کے لیے نہیں بلکہ یہ مقتول کے لیے ہے یہاں تک کہ اس سے اس کے دیون ادا کیے جاتے ہیں اور اس کی وصیتیں نافذ کی جاتی ہیں۔ پھر اس میں اس کا وارث اس کا نائب ہوتا ہے۔ یہ بچے اور معتوہ کی مثل ہے۔ اگر وہ اپنے باپ کو قتل کر دے تو دیت اس کی عاقلہ پر واجب ہوگی۔ پس یہ اس کی میراث ہوگی۔

قول: لا يقال المشعر بالسقوط اس کے ساتھ رو کیا ہے۔ اسی طرح ”ہدایہ“ اور اس کے شارحین کی پیروی کی ہے۔ کیونکہ صاحب ”ہدایہ“ نے ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کو موخر ذکر کیا ہے جو اس امر کو متضمن ہے کہ ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل صحیح نہیں ساتھ ہی جو آپ پر اعتراض وارد ہوتا ہے اس کو دور کیا ہے ایسا کیوں نہ ہو جب کہ متون ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہیں۔ فافہم

36040۔ (قوله: وَلَا يُنِڪُنُ الْإِیْجَابُ عَلَى الْوَرَثَةِ) یہ اصل کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے۔ کیونکہ جو عاقلہ پر چیز لازم آتی ہے یہ ان پر ابتداء واجب کرنے کے طریقہ پر نہیں بلکہ تحمل کے طریقہ پر ہے۔ بے شک اصل میں وارثوں پر واجب ہے جس طرح اس کو اپنے اس قول انہایت حملون الخ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ ابتداء عاقلہ پر واجب ہے یہ صحیح کے خلاف ہے جس طرح ہم اسے جنایات میں فصل فی الفعلین میں بیان کر چکے ہیں۔

36041۔ (قوله: لِأَنَّ الْإِجَابَ لَيْسَ لِلْوَرْتَةِ الْخ) یہ ان کے قول لایقال کا جواب ہے اور اس میں اس کا جواب ہے جسے شرح نے ایک ورق قبل اپنے اس قول کے ساتھ بیان کیا ہے: وقد يقال لما كان هو لنفسه لا يدي فغيره بلا و لقوة الشبهة الخ تو یہ کہا جائے گا جب دیت کا واجب کرنا اصل کے اعتبار سے اس کی ذات کے لیے ہے تو وہ اس کی جانب سے کیسے دیت دے گا۔ پس اصلاً شبہ نہیں پایا جاتا۔

36042۔ (قوله: حَتَّى تَقْضَى مِنْهُ الْخ) یعنی واجب سے اس کے دیون ادا کیے جاتے ہیں جو واجب ایجاب سے مفہوم ہے۔ ”اتقانی“ نے بھی اس کا جواب دیا ہے کہ عاقلہ اس سے عام ہے کہ وہ وارث ہو یا وارث نہ ہوں تو جو عاقلہ میں سے غیر وارثوں کے لیے واجب ہوگا تو وہ وارثوں کے لیے ان کی جانب سے ثابت ہو جائے گا۔ یہ حکم اس لیے ہے کیونکہ آدمی

فَتَنَّبَهُ (وَلَوْ وَجَدَ فِي أَرْضٍ مَوْقُوفَةً أَوْ دَارٍ كَذَلِكَ) يَعْنِي مَوْقُوفَةً (عَلَى أَرْبَابٍ مَعْلُومَةٍ فَالْقَسَامَةُ
وَالدِّيَّةُ عَلَى أَرْبَابِهَا) لِأَنَّ تَدْبِيرَهُ إِلَيْهِمْ (وَأِنْ كَانَتْ) الْأَرْضُ أَوْ الدَّارُ (مَوْقُوفَةً عَلَى الْمَسْجِدِ فَهُوَ كَمَا لَوْ
وُجِدَ فِيهِ) أَمَى فِي الْمَسْجِدِ زَيْلَعِيٌّ وَدُرٌّ وَسَرَاجِيَّةٌ وَغَيْرُهَا وَقَدْ قَدَّمْنَا قُلْتَ التَّقْيِيدُ بِكُونَ الْأَرْبَابِ
الْمَوْقُوفِ عَلَيْهِمْ مَعْلُومِينَ لِيُخْرِجَ غَيْرُ الْمَعْلُومِينَ كَمَا لَوْ كَانَ وَقَفًا عَلَى الْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ فَإِنَّ الظَّاهِرَ
أَنَّ الدِّيَّةَ تَكُونُ فِي بَيْتِ الْمَالِ، لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ يَكُونُ مِنْ جُبْلَةٍ مَا أُعِدَّ لِصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ فَأُشْبِهَ الْجَامِعَ
قَالَهُ الْمَصْنُفُ بَحْثًا (وَلَوْ وَجَدَ فِي مَعْسَكِرٍ فِي فَلَاةٍ غَيْرِ مَبْلُوكَةٍ فَفِي الْخَيْبَةِ وَالْفُسْطَاطِ

پس اس پر متنبہ ہو جائے۔ اگر وہ مقتول وقف کی گئی زمین میں یا اسی طرح کے گھر میں پایا جائے جو معلوم افراد پر وقف ہو تو قسامت اور دیت اس کے مالکوں کے ذمہ ہوگی۔ کیونکہ اس کی تدبیر ان کے سپرد ہے اگر گھریا زمین مسجد پر وقف ہو تو اس کا حکم اسی طرح ہے جس طرح مقتول مسجد میں پایا جائے۔ ”زلیعی“، ”درر“، ”سراجیہ“ وغیرہا جب کہ ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ یہ قید کہ جن پر وہ زمین وغیرہ وقف کی گئی ہے وہ معدوم ہو اس لیے ہے کہ غیر معلوم افراد اس سے خارج ہو جائیں جس طرح اگر وہ مساکین اور فقراء پر وقف ہو۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ دیت بیت المال میں ہوگی۔ کیونکہ اس وقت یہ ان چیزوں میں سے ہوگی جسے مسلمانوں کے مصالح کے لیے تیار کیا گیا۔ پس وہ جامع مسجد کے مشابہ ہوگی یہ مصنف نے بحث کرتے ہوئے قول کیا ہے۔ اگر مقتول ایسی چھاؤنی میں پایا گیا جو ایسے جنگل میں ہے جو مملوک نہیں خیمہ اور فسطاط میں پایا جائے

کی عاقلہ ہمارے نزدیک اس کے اہل دیوان ہیں۔

36043۔ (قوله: فَتَنَّبَهُ) یعنی ”صدر الشریعہ“ وغیرہ کی مخالفت کی وجہ ہے اس کو سمجھ لے جب کہ مخالفت ظاہر ہے۔

36044۔ (قوله: عَلَى أَرْبَابِهَا) ظاہر یہ ہے کہ اس کے مالکوں کی جانب سے عاقلہ اس کو برداشت کرے گی۔ تامل

36045۔ (قوله: فَهُوَ كَمَا لَوْ وَجَدَ فِيهِ) پس جو مقتول محلہ کی مسجد یا جامع مسجد کے وقف میں موجود ہو تو وہ اس طرح ہے جو ان دونوں میں موجود ہو اور ان دونوں کا حکم پہلے گزر چکا ہے۔ ”رملی“۔

36046۔ (قوله: قَالَهُ الْمَصْنُفُ بَحْثًا) رملی نے اس کو ثابت کیا ہے اور کہا: یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تصانیف کا مفہوم حجت ہوتا ہے۔

اگر مقتول کسی ایسی چھاؤنی کے خیمے میں پایا جائے جو غیر مملوک جنگل میں ہو تو اس کا حکم

36047۔ (قوله: وَلَوْ وَجَدَ فِي مَعْسَكِرٍ فِي فَلَاةٍ) ”ہدایہ“ میں معسکر کے بارے میں جو قول ہے اس سے یہ قول اچھا

ہے وہ جنگل میں ٹھہرے۔ کیونکہ معسکر جب کاف کے فتح کے ساتھ ہو تو اس سے مراد لشکر کی جگہ ہے وہ لشکر ہے تو ان کا حق یہ تھا کہ کہیں: فی عسکر جس طرح ”اتقانی“ نے کہا: جہاں تک یہاں کا تعلق ہے تو مکان کا ارادہ کرنا صحیح ہوگا۔

36048۔ (قوله: فَفِي الْخَيْبَةِ وَالْفُسْطَاطِ) یعنی اگر مقتول خیمہ اور فسطاط میں پایا جائے جب کہ فسطاط سے مراد بڑا

عَلَى مَنْ يَسْكُنُهَا فِي خَارِجِهَا أَمَى الْخَيْمَةِ وَالْفُسْطَاطِ (وَإِنْ كَانُوا) أَمَى سَاكِنُو خَارِجِهَا (قَبَائِلَ) فَعَلَى قَبِيلَةٍ وَجَدَ الْقَتِيلَ فِيهَا وَلَوْ بَيْنَ الْقَبِيلَتَيْنِ كَانَ حُكْمُهُ (كَمَا) مَرَّ (بَيْنَ الْقَبِيلَتَيْنِ) وَلَوْ نَزَلُوا جُمْلَةً مُخْتَلِفِينَ فَعَلَى كُلِّ الْعَسْكَرِ وَلَوْ كَانُوا قَاتِلُوا عَدُوًّا فَلَا قَسَامَةَ وَلَا دِيَّةَ مُلْتَقَى

تودیت ان پر واجب ہوگی جو اس میں رہتے ہیں اور جو مقتول خیمہ اور فسطاط کے باہر پایا جائے اگر اس کے باہر قبائل رہتے ہیں تو اس قبیلہ پر دیت لازم ہوگی جس میں وہ مقتول پایا جائے اگر وہ مقتول دو قبیلوں کے درمیان پایا جائے تو اس کا حکم اس طرح ہوگا جو دو دیہاتوں میں گزر چکا ہے اگر وہ سب مل جل کر پڑاؤ ڈالیں تو پورے لشکر پر لازم ہوگی اگر انہوں نے دشمن سے قتال کیا ہو تو نہ قسامت لازم ہوگی اور نہ ہی دیت لازم ہوگی۔ ”ملتقی“۔

خیمہ ہے۔ ”مغرب“۔

36049۔ (قوله: عَلَى مَنْ يَسْكُنُهَا) یعنی قسامت اور دیت ان کے ذمہ لازم ہوگی جو اس میں رہتے ہیں۔ کیونکہ

خیمہ اور فسطاط ان کے قبضہ میں ہے جس طرح دار کا حکم ہے۔ ”زیلعی“۔

36050۔ (قوله: فِي خَارِجِهَا) ”زیلعی“ کی عبارت ہے: اگر مقتول ان سے باہر پایا جائے تو دیکھا جائے گا

اگر وہ متفرق قبائل کی صورت میں پڑاؤ ڈالیں تو اس قبیلہ پر قسامت اور دیت لازم ہوگی جس میں مقتول پایا گیا الخ۔ مراد ہے مقتول خیمہ اور فسطاط کے باہر ہو عسکر کے باہر ہونا مراد نہیں۔ کیونکہ یہ پیش نظر نہیں ہوتا کہ وہ اس کے باہر ہوں یا اندر ہوں۔ شارح کا قول ”منح“ اور ”الدرر“ کی پیروی میں ہے یعنی اسکے باہر ہائش رکھے ہوئے ہوں تو یہ ان میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ فتدبر 36051۔ (قوله: فَعَلَى قَبِيلَةٍ) کیونکہ جب وہ قبیلہ قبیلہ مختلف جگہوں پر اتریں تو وہ جگہ محلوں کے قائم مقام ہوگی جو

شہر میں ہوتے ہیں۔ ”زیلعی“۔

36052۔ (قوله: كَمَا مَرَّ بَيْنَ الْقَبِيلَتَيْنِ) یعنی ان دونوں دیہاتوں میں سے جو قریب ہوگا اس پر قسامت اور دیت

لازم ہوگی اگر وہ برابر ہوں تو دونوں پر یہ لازم ہوں گی۔ ”زیلعی“۔

36053۔ (قوله: مُخْتَلِفِينَ) یعنی مل جل کر اتریں۔

36054۔ (قوله: فَعَلَى كُلِّ الْعَسْكَرِ) یعنی جو خیموں سے باہر پایا گیا اس کی چٹی ان سب لشکریوں پر ہوگی۔ ”زیلعی“۔

36055۔ (قوله: فَلَا قَسَامَةَ وَلَا دِيَّةَ) کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ دشمن نے اس کو قتل کیا ہے تاکہ مسلمانوں کو صلح پر ابھار

جائے۔ گزشتہ مسئلہ کا معاملہ مختلف ہے۔ وہ یہ ہے: جب مسلمان عصیت کی وجہ سے باہم لڑ پڑیں اور وہ ایک مقتول کو چھوڑ کر الگ الگ ہوں تو اس میں تو صلح پر ابھارنے کی کوئی صورت موجود نہیں۔ پس قتل کا حال مشکل ہو جائے گا۔ پس ہم نے قسامت اور دیت کو اس مکان کے اہل پر واجب کر دیا۔ کیونکہ نص وارد ہے کہ اشکال کے وقت قتل ان کی طرف منسوب ہے۔ پس احتمال کے وقت جس بارے میں نص وارد ہو اس پر عمل کرنا اولیٰ ہوتا ہے۔ اسے ”العنایہ“ میں بیان کیا ہے۔

(وَلَوْ كَانَتْ الْأَرْضُ الَّتِي نَزَلَ فِيهَا الْعُسْكَرُ (مَمْلُوكَةً فَعَلَى الْمَالِكِ) بِالْإِجْمَاعِ لَأَنَّهُمْ سُكَّانٌ وَلَا يُزَاحِمُونَ الْمَالِكَ فِي الْقَسَامَةِ وَالِدِيَّةُ دُرٌّ لَكِنْ فِي الْمُلْتَقَى خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ فَتَنَبَّهُ (و) فِيهَا (لَوْ وَجَدَ فِي قَرْيَةٍ لَا يُتِمُّ لَمْ يَكُنْ عَلَى الْإِيْتَامِ قَسَامَةً وَهِيَ عَلَى عَاقِلَتِهِمْ) لَأَنَّهُمْ لَيْسُوا مِنْ أَهْلِ الْيَمِينِ (وَأِنْ كَانَ فِيهِمْ مُدْرِكٌ فَعَلَيْهِ) لِأَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْيَمِينِ وَلَوْ الْجِيَّةُ فُرُوعٌ لَوْ وَجَدَ فِي دَارِ صَبِيٍّ أَوْ مَعْتُوهِ فَعَلَى عَاقِلَتِهَا، وَلَوْ فِي دَارِ ذِمِّيٍّ حَلَفَ خَمْسِينَ وَيَدِي مِنْ مَالِهِ وَلَوْ تَعَاقَلُوا، فَعَلَى الْعَاقِلَةِ وَلَوْ مَرَّرَ جُلٌّ

اگر وہ زمین جس میں لشکر اتر رہا ہے اگر وہ کسی کی مملوک ہو تو بالا جماع قسامت اور دیت مالک کے ذمہ ہوگی۔ کیونکہ لشکری تو رہائش رکھنے والے ہیں وہ قسامت اور دیت میں مالک کے مزاحم نہیں ہوں گے، ”درر“۔ لیکن ”الملتقی“ میں امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف موجود ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ اس میں ہے: اگر مقتول یتیموں کے دیہات میں پایا گیا تو یتیموں پر قسامت لازم نہ ہوگی یہ ان کی عاقلہ پر ہوگی۔ کیونکہ وہ اہل یمین نہیں اگر ان میں کوئی بالغ ہو تو اس پر لازم ہوگی۔ کیونکہ وہ اہل یمین میں سے ہے۔ ”ولو الجیہ“۔ فروع: اگر بچے یا معتوہ کے گھر میں مقتول پایا گیا تو ان کی عاقلہ پر یہ لازم ہوگی۔ اگر ذمی کے گھر میں مقتول پایا جائے تو وہ پچاس قسمیں اٹھائے گا اور اپنے مال سے دیت دے گا اگر عاقلہ رکھتے ہوں تو یہ عاقلہ کے ذمہ ہوگی۔ اگر کوئی آدمی محلہ سے گزرا

36056۔ (قوله: لَكِنْ فِي الْمُلْتَقَى) یہ ان کے قول بالا جماع پر استدراک ہے۔ ”ہدایہ“ میں اسی طرح ہے جس طرح ”الملتقی“ میں ہے۔ یہ اس کے موافق ہے جو قول امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ سے محلہ اور گھر کے بارے میں گزرا ہے کہ رہائش رکھنے والے مالکوں کے ساتھ شریک ہوں گے جو قول ”الدرر“ میں ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ فرق کرنے کے محتاج ہوں گے ”زیلعی“ نے اسے ذکر کیا ہے کہ یہاں لشکر کا پڑاؤ ڈالنا یہ کوچ کرنے کے لیے ہے۔ پس اس کا اعتبار کیا جائے گا۔
36057۔ (قوله: وَفِيهَا) اس میں غور کرو کہ ضمیر کا مرجع کون سا ہے۔ کیونکہ میں نے ”الدرر“ میں مسئلہ نہیں دیکھا اور نہ ہی ”ملتقی“ میں دیکھا ہے۔

36058۔ (قوله: وَهِيَ عَلَى عَاقِلَتِهِمْ) دیت کا حکم اسی طرح ہے جب کہ یہ ظاہر ہے۔ ”ط“۔

36059۔ (قوله: فَعَلَيْهِ) یعنی قسامت اور دیت اس پر لازم ہوگی۔ ”طحطاوی“ نے ”ہندیہ“ سے نقل کیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کی جانب سے اس کی عاقلہ دیت کی ذمہ دار ہوگی۔ کیا اس پر مکمل لازم ہوگی یا افراد کی تعداد کے اعتبار سے لازم ہوگی جس طرح مشترک گھر میں گزر چکا ہے اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔

پھر میں نے ”غایۃ البیان“ میں ”شرح الکافی“ سے دیکھا کہ قسامت بالغ پر لازم ہے اس پر یمین تکرار ہوگی۔ کیونکہ وہ اس کا اہل ہے اور دونوں صورتوں میں قبائل میں جو سب سے قریب ہوگا اس پر دیت لازم ہوگی۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

36060۔ (قوله: تَعَاقَلُوا) اگر ذمی لوگ عاقلہ رکھتے ہو۔

فِي مَحَلَّةٍ خَاصِّهِ سَهْمٌ أَوْ حَجَرٌ وَلَمْ يَدْرِ مِنْ أَيْنَ وَمَاتَ مِنْهُ فَعَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ الْقَسَامَةُ وَالِدِيَّةُ سِرَاجِيَّةٌ وَفِي الْخَانِيَّةِ وَجَدَ بِهِيْمَةً أَوْ دَابَّةً مَقْتُولَةً فَلَا شَيْءَ فِيهَا وَإِنْ وَجَدَ مُكَاتِبًا أَوْ مُدَبِّرًا أَوْ أُمًّا وَلَدَ قَتِيلًا فِي مَحَلَّةٍ فَالْقَسَامَةُ وَالْقِيَمَةُ عَلَى عَوَاقِلِهِمْ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ وَلَوْ وَجَدَ الْعَبْدُ قَتِيلًا فِي دَارِ مَوْلَاهُ فَهَدَرٌ إِلَّا مَذْيُونًا فَقِيَمَتُهُ عَلَى مَوْلَاهُ لِغُرْمَائِهِ حَالَةً وَإِلَّا مُكَاتِبًا فَقِيَمَتُهُ عَلَى مَوْلَاهُ مُوَجَّلَةً وَلَوْ وَجَدَ الْمَوْلَى قَتِيلًا فِي دَارِ مَأْذُونٍ مَذْيُونًا أَوْ لَا فَعَلَى عَاقِلَةِ الْمَوْلَى وَلَوْ وَجَدَ الْحُرُّ قَتِيلًا فِي دَارِ أَبِيهِ أَوْ إِمَاءً أَوْ السَّرَّاقُ فِي دَارِ زَوْجِهَا

تو اسے تیر یا پتھر لگا اور یہ پتہ نہ چلا کہ کہاں سے آیا ہے اور وہ آدمی مر گیا تو اہل محلہ کے ذمہ قسامت اور دیت ہوگی۔ ”سراجیہ“۔ ”خانیہ“ میں ہے: مقتول جانور یا سواری پائی گئی تھی تو اس میں کوئی شے لازم نہ ہوگی اگر مکاتب، مدبر یا ام ولد محلہ میں مقتول پایا گیا تو قسامت اور قیمت تین سالوں میں ان کی عاقلہ پر لازم ہوگی۔ اگر غلام اپنے آقا کے گھر میں مقتول پایا گیا تو وہ رائیگاں جائے گا۔ مگر جب وہ غلام مدیون ہو تو اس کی قیمت اس کے غرماء کے حق میں اس کے آقا پر فی الحال لازم ہوگی۔ مگر جب وہ مکاتب ہو تو اس کی قیمت اس کے آقا پر موجدل لازم ہوگی اگر آقا اپنے ماذون غلام کے گھر میں مقتول پایا جائے وہ مدیون ہو یا مدیون نہ ہو تو اس کی دیت آقا کی عاقلہ پر ہوگی۔ اگر آزاد اپنے والد کے گھر میں مقتول پایا جائے یا اپنی ماں کے گھر میں مقتول پایا گیا یا عورت اپنے خاوند کے حق میں مقتول پائی گئی

36061۔ (قوله: فَلَا شَيْءَ فِيهَا) یعنی نہ غرامت ہوگی نہ قسامت ہوگی۔ کیونکہ خلاف قیاس انسان کے بارے میں

نص وارد ہے۔ پس کسی اور کو اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔

36062۔ (قوله: فِي دَارِ مَوْلَاهُ) اگر وہ اپنے آقا کی ملکیت کے علاوہ گھر میں وہ پایا جائے تو قسامت اور دیت

واجب ہوگی اور قیمت تین سالوں میں وصول کی جائے گی جس طرح شارح نے پہلے بیان کیا ہے۔

36063۔ (قوله: فَقِيَمَتُهُ عَلَى مَوْلَاهُ الْغَنَمِ) یعنی اس کی قیمت آقا کے مال میں سے آقا پر لازم ہوگی۔ کیونکہ غرماء کا

حق اس کی مالیت سے متعلق تھا ہم نے اسے یوں بنادیا گویا اس نے اسے ہلاک کر دیا ہے۔ ”ولو الجحیہ“۔

36064۔ (قوله: عَلَى مَوْلَاهُ) یعنی قیمت اس کے آقا پر لازم ہوگی نہ کہ اس کی عاقلہ پر لازم ہوگی ”خانیہ“۔

36065۔ (قوله: مُوَجَّلَةً) یعنی تین سالوں میں اس کو ادا کرنا ہوگا۔ اسی قیمت میں سے اس کا بدلہ کتابت ادا کیا

جائے گا اور اس کی آزادی کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور جو مال باقی بچے گا تو وہ اس کی جانب سے اس کے وارثوں کے لیے میراث

ہوگی۔ ”خانیہ“۔

36066۔ (قوله: عَاقِلَةُ الْمَوْلَى) یعنی مولیٰ کی عاقلہ پر دیت اور قسامت لازم ہوگی۔ ”طحطاوی“ نے ”ہندیہ“ سے

نقل کیا ہے۔

فَالْقَسَامَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَلَا يُحْرَمُ مِنَ الْبِيرَاثِ

تو قسامت اور دیت عاقلہ پر ہوگی اور وہ میراث سے محروم نہیں ہوگا۔

36067۔ (قوله: فَالْقَسَامَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ) یعنی قسامت اور دیت گھر کے مالک کی عاقلہ پر لازم ہو

گی۔ ”خانیہ“ کی عبارت ہے: اس میں عاقلہ پر قسامت اور دیت لازم ہوگی۔ ظاہر یہ ہے کہ ان کا قول: ولادية على العاقلة یہ جملہ مستانفہ ہے اور قسامت گھر کے مالک کے ذمہ ہوگی مگر اسے اس پر محمول کیا جائے کہ اس کی عاقلہ حاضر ہے۔ پس یہ اس مالک اور اس کی عاقلہ پر لازم ہوگی۔ ”ولو البجیہ“ میں ہے: جب کوئی آدمی باپ یا بھائی کے گھر میں مقتول پایا جائے تو دیت اس کی عاقلہ پر ہوگی اگرچہ وہی وارث ہو۔ واللہ اعلم

کتاب المعاقل

(ہی جَمْعُ مَعْقِلٍ) بِفَتْحٍ فَسُكُونٍ فَضِيمٍ (وَالِدِيَّةُ) تُسَمَّى عَقْلًا لِأَنَّهَا تَعْقِلُ الدِّمَاءَ مِنْ أَنْ تُسْفِكَ أُمِّي تُسَكِّهَ وَمِنْهُ الْعَقْلُ لِأَنَّهُ يُنْزَعُ الْقَبَائِحَ (وَالْعَاقِلَةُ أَهْلُ الدِّيَوَانِ)

معاقل کے احکام

معاقل یہ معقل کی جمع ہے۔ معقل کا پہلا حرف مفتوح دوسرا ساکن اور تیسرا مضموم ہے۔ اس سے مراد دیت ہے۔ اسے عقل کا نام دیا کیونکہ یہ خون ریزی سے مانع ہے۔ اسی سے عقل ہے کیونکہ عقل قبیح افعال سے روکتا ہے۔ عاقلہ اہل دیوان ہیں

عام معتبر کتابوں میں یہی عنوان رکھا ہے۔ اس میں ہے جب یہ لفظ معقلہ کی جمع ہو اور وہ دیت ہے تو تکرار لازم آئے گا۔ کیونکہ دیات کی اقسام مفصل گزر چکی ہے۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ جن لوگوں پر دیت واجب ہوتی ہے ان کی انواع اور احکام کو بیان کر دیا جائے، وہ عاقلہ ہے۔ پس مناسب یہ تھا کہ عنون کتاب العواقل ہوتا کیونکہ یہ عاقلہ کی جمع ہے۔ ”طوری“، ”شربلالیہ“۔ لفظ معاقل کی لغوی تحقیق اور اس کا مفہوم

36068۔ (قوله: جَمْعُ مَعْقِلٍ) جس طرح مکارم یہ مکرم کی جمع ہے۔

36069۔ (قوله: لِأَنَّهَا تَعْقِلُ الدِّمَاءَ مِنْ أَنْ تُسْفِكَ) یعنی یہ خون ریزی سے روکتی ہے یا اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ اونٹوں کو مقتول کے ولی کے فنا میں باندھا جاتا ہے۔ پھر یہ اسم عام ہوا تو دیت کو معقلہ کا نام دیا گیا اگرچہ وہ درہم یا دنانیر ہوں۔ ”اتقانی“۔

36070۔ (قوله: أُمِّي تُسَكِّهَ) زیادہ بہتر اوستسکھا ہے بعض نسخوں میں یہ لفظ ضمیر کے بغیر ہے۔

عاقلہ کے مصداق پر ملحدین کا اعتراض اور اس کا رد

36071۔ (قوله: وَالْعَاقِلَةُ أَهْلُ الدِّيَوَانِ) ”مغرب“ میں کہا ہے: دیوان سے مراد رجسٹر ہے۔ یہ دون الکتب

سے مشتق ہے جب وہ ان کو جمع کرے کیونکہ یہ جمع شدہ کاغذوں کا ایک حصہ ہوتا ہے۔

یہ روایت کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے دیوانوں کو مدون کیا یعنی والیوں اور قاضیوں کے لیے جرائد کو مرتب کیا۔ اور یہ کہا جاتا ہے: فلان من اهل الديوان یعنی یہ ان لوگوں میں سے ہے جس کا نام جریدہ میں لکھا ہوا ہے۔

”غایۃ البیان“ میں ”کافی الحاکم“ سے مروی ہے: ہمیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ نے اہل دیوان پر دیت کو فرض کیا۔ کیونکہ آپ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے دیوان کا نظام قائم فرمایا اور اس میں دیت کو نافذ کیا اس سے قبل یہ آدمی کے خاندان پر ان کے اموال میں لازم ہوتی تھی یہ آپ کی جانب سے شرع کے حکم میں تبدیلی نہیں تھی بلکہ اس کی

وَهُمُ الْعَسْكَرُ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ أَهْلُ الْعَشِيرَةِ وَهُمْ الْعَصَبَاتُ لِمَنْ هُوَ مِنْهُمْ فَيَجِبُ عَلَيْهِمْ كُلُّ دِيَّةٍ وَجَبَتْ

اور اہل دیوان سے مراد لشکر ہے۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کے نزدیک اہل عشیرہ ہیں اور ان سے مراد عصبات ہیں۔ قاتل جب ان میں سے ہو تو ان پر ہر وہ دیت واجب ہوگی

وضاحت اور اثبات تھا۔ کیونکہ آپ خوب پہچانتے تھے کہ ان کے خاندان نصرت کے طریقہ سے اس کو برداشت کرتے ہیں جب باہم معاونت اور مدد علم اور جھنڈوں کے ذریعے ہونے لگی تو ان پر دیت کو لازم کر دیا۔ یہاں تک کہ یہ عورتوں اور بچوں پر یہ واجب نہ ہوگی کیونکہ ان کے ذریعے باہم مدد حاصل نہیں ہوتی۔

”معراج“ میں ہے: بعض ملحد لوگوں نے یہ طعن کیا اور کہا: عاقلہ سے تو کوئی جنایت واقع نہیں ہوئی پس وہ دیت قاتل کے مال سے لازم ہوگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى (الاسراء: 15) کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

ہم کہتے ہیں: عاقلہ پر اس دیت کا وجوب مشہور ہے احادیث مشہورہ سے ثابت ہے اسی پر صحابہ اور تابعین کا عمل ہے۔ پس خبر مشہورہ کے ساتھ کتاب اللہ کے حکم پر زیادتی ہوگی کہ عاقلہ اپنی کوتاہی، اس کی حفاظت اور نگرانی کو ترک کرنے کی وجہ سے اس کے متحمل ہوں گے اور اس کے ساتھ ملانے میں ان کو خاص کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اسے کوتاہی اس لیے قرار دیا گیا ہے کیونکہ وہ قاتل اپنے حمایتیوں کے ساتھ قوی ہوتا ہے۔ پس وہ ہی کوتاہی کرنے والے ہوں گے۔ شرع کا حکم نازل ہونے سے پہلے وہ بطور کرامت اور بطور نیک عمل کرنے کے حوالے سے اس کی جانب سے اس کی ذمہ داری اٹھاتے تھے شرع نے اس حکم کو ثابت رکھا لوگوں میں یہ معمول پایا جاتا ہے۔ کیونکہ جس کا نقصان ہو جائے وہ چوری کی صورت میں ہو یا جل جانے کی صورت میں وہ اسی مقصد اور معنی کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر اس کے لیے مال جمع کرتے ہیں۔ ملخص

36072۔ (قوله: هُمُ الْعَسْكَرُ) یہاں ان سے مراد لشکر ہے۔ ”الدر المنبتی“ میں کہا: عورتیں اور اولاد جن کا دیوان میں حصہ ہو۔ اسی طرح مجنون جس کا دیوان میں حصہ ہو تو دیت میں سے کوئی شے اس پر لازم نہ ہوگی۔ اگر وہ براہ راست قتل کا فعل کریں تو اس معاملہ میں اختلاف کیا گیا ہے کہ کیا وہ عاقلہ کے ساتھ غرامت میں شریک ہوں گے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ عاقلہ کے ساتھ شریک ہوں گے جس طرح ”شرنبلائیہ“ میں ”تیین“ سے مروی ہے۔

36073۔ (قوله: لِمَنْ هُوَ مِنْهُمْ) یعنی وہ اس قاتل کی جانب سے دیت ادا کریں گے جو اہل دیوان میں سے ہوگا۔ ”غرر الافکار“ میں سے ہے: اگر وہ غازی ہے تو اس کی عاقلہ وہ ہوگی جسے غازیوں کے دیوان سے ادا کیا جاتا ہے اگر وہ کاتب ہو تو اس کی عاقلہ ہوگی جسے دیوان الکتاب سے روزینہ دیا جاتا ہے۔ ”الدر المنبتی“ میں یہ قید لگائی ہے جس طرح ”قہستانی“ میں ہے کہ وہ ان کے شہر کا ہو وہ دوسرے شہر کا نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مطلق ہے۔

میں کہتا ہوں: ”ہدایہ“ میں ہے: ایک شہر والے دوسرے شہر والوں کی دیت نہ دیں گے جب شہر والوں کا دیوان علیحدہ

بِنَفْسِ الْقَتْلِ، خَرَجَ مَا انْقَلَبَ مَالًا بَصْلِحٍ أَوْ بِشُبْهَةِ كَقَتْلِ الْآبِ ابْنَهُ عِنْدًا فَدَيْتُهُ فِي مَالِهِ كَمَا مَرَّ فِي
الْجَنَائِيَّاتِ (فَتُؤَخَذُ مِنْ عَطَايَاهُمْ) أَوْ مِنْ أَزْوَاقِهِمْ وَالْفَرْقُ بَيْنَ الْعَطِيَّةِ وَالرِّزْقِ أَنَّ الرِّزْقَ مَا يُفْرَضُ فِي
بَيْتِ الْمَالِ بِقَدْرِ الْحَاجَةِ وَالْكَفَايَةِ مُشَاهَرَةً أَوْ مُيَاوَمَةً وَالْعَطَاءُ مَا يُفْرَضُ فِي كُلِّ سَنَةٍ

جو نفس قتل سے واجب ہوئی اس قید سے وہ نکل گیا جو صلح کی وجہ سے یا شبہ کی وجہ سے مال کی طرف پھر گیا جس طرح باپ اپنے
بیٹے کو جان بوجھ کر قتل کرے۔ پس اس کی دیت اس کے مال میں واجب ہوگی جس طرح کتاب الجنایات میں گزر چکا ہے۔
پس وہ دیت ان کی عطیوں سے یا ان کے روزینوں سے لی جائے گی۔ عطیہ اور رزق میں فرق یہ ہے کہ رزق وہ ہوتا ہے جو
بیت المال میں بقدر حاجت اور بطریق کفایت مہینہ کے اعتبار سے یا دن کے اعتبار سے مقرر کیا جاتا ہے اور عطیہ اسے کہتے
ہیں جو ہر سال کے لیے مقدر کیا جاتا ہے

ہو۔ ”اتقانی“ نے کہا: یہ حکم اس صورت میں ہے جب ہر شہر کا دیوان مختلف ہو۔ کیونکہ اس وقت ان کے درمیان باہم نصرت
نہیں ہوتی مگر جب دونوں کا دیوان ایک ہو اور جنایت کرنے والا اس دوسرے شہر کے دیوان والا ہو تو اس شہر کے اہل اس کی
جانب سے دیت ادا کریں گے۔

36074۔ (قوله: خَرَجَ مَا انْقَلَبَ مَالًا بَصْلِحٍ) وہ قتل اس سے نکل جائے گا جس کا حکم صلح یا شبہ کی وجہ سے مال کی
طرف منتقل ہو گیا ہو۔ کیونکہ وہ نفس قتل کی وجہ سے واجب نہیں ہوا۔ پس عاقلہ اس کی متحمل نہ ہوگی جس طرح آگے آئے گا۔
عطیہ اور رزق میں فرق

36075۔ (قوله: فَتُؤَخَذُ مِنْ عَطَايَاهُمْ أَوْ مِنْ أَزْوَاقِهِمْ) یعنی ان کے عطیوں یا ان کے روزینوں سے اس کو
وصول کیا جائے گا ان کے اصل اموال سے اسے وصول نہیں کیا جائے گا۔

”ہدایہ“ میں کہا: اگر اس آدمی کی عاقلہ روزینے والے ہوں تو تین مالوں میں ان کے روزینوں میں دیت کا فیصلہ کیا
جائے گا۔ کیونکہ ان کے حق میں روزینہ عطیہ کے قائم مقام ہے۔ پھر دیکھا جائے گا اگر ان کے رزق ہر سال نکالے جاتے
ہیں تو جب بھی روزینہ نکالا جائے گا تو عطیہ کے قائم رکھتے ہوئے اس سے ایک تہائی نکالا جائے گا یا ہر چھ ماہ میں روزینہ نکالا
جاتا ہوگا تو اس سے دیت کا چھٹا حصہ نکالا جائے گا یا ہر ماہ روزینہ نکالا جاتا ہوگا تو مہینہ کا حصہ نکالا جائے گا یہاں تک کہ
وصول کیا جائے گا وہ سال میں ایک تہائی ہوگا۔ اگر ان کو ہر ماہ روزینہ دیا جاتا ہو اور عطیہ سال میں دیا جاتا ہو تو دیت عطیہ
میں مقدر کی جائے گی۔ کیونکہ یہ آسان طریقہ ہے۔ کیونکہ عطیہ زائد ہوتا ہے اور رزق وقت کی کفایت کے لیے ہوتا ہے تو اس
روزینے سے ادائیگی مشکل ہوتی ہے۔

36076۔ (قوله: وَالْفَرْقُ الْخ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: عطیہ وہ ہے جو مقاتل کے لیے معین کیا جاتا ہے اور روزینہ وہ

ہوتا ہے جو مسلمان فقراء کے لیے مختص کیا جاتا ہے جب وہ مقاتل نہ ہوں۔ ”اتقانی“ نے اس میں اعتراض کیا ہے۔

لَا بِقَدْرِ الْحَاجَةِ بَلْ بِصَبْرِهِ وَعَنَائِهِ فِي أَمْرِ الدِّينِ (فِي ثَلَاثِ سِنِينَ) مِنْ وَقْتِ الْقَضَاءِ وَكَذَا مَا تَجِبُ فِي مَالِ الْقَاتِلِ عِنْدًا بِأَنْ قَتَلَ الْآبُ ابْنَهُ يُؤْخَذُ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ عِنْدَنَا وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ تَجِبُ حَالًا (فَإِنْ خَرَجَتْ الْعَطَايَا فِي أَكْثَرِ مِنْ ثَلَاثٍ أَوْ أَقَلَّ تُوْخَذُ مِنْهُ) لِحُصُولِ الْمُقْصُودِ (وَإِنْ لَمْ يَكُنِ) الْقَاتِلُ (مِنْ أَهْلِ الدِّيَّانِ فَعَاقِلَتُهُ قَبِيلَتُهُ)

اس میں حاجت کا اندازہ نہیں لگایا جاتا بلکہ دین کے معاملہ میں اس کے صبر اور اس کی مشقت کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ یہ دیت فیصلہ کے وقت سے تین سالوں میں ادا کی جائے گی۔ اسی طرح جو اس قاتل کے مال سے واجب ہوئی جس نے جان بوجھ کر اسے قتل کیا ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ باپ نے اپنے بیٹے کو قتل کیا ہو ہمارے نزدیک تین سالوں میں اسے لیا جائے گا اور امام ”شافعی“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ فی الحال ادا کرے گا۔ اگر عطیات تین بار سے زیادہ یا اس سے کم میں نکلے تو اس سے دیت وصول کی جائے گی۔ کیونکہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر قاتل اہل دیوان سے نہ ہو تو اس کی عاقلہ اس کا قبیلہ،

دیت کی ادائیگی کی مدت

36077۔ (قوله: فِي ثَلَاثِ سِنِينَ) یہ چیز ذہن نشین کر لو کہ واجب جب دیت کا تہائی ہو یا اس سے کم ہو تو وہ صرف ایک سال میں واجب ہوگی۔ اور جو ایک تہائی سے زائد ہو تو دو تہائی کے مکمل ہونے تک دوسرے سال میں دے گا اور جو اس سے زائد ہو دیت کے مکمل ہونے تک تیسرے سال میں دے گا۔ ”ہدایہ“۔ اس میں ہے: اگر دس آدمی ایک فرد کو خطا قتل کر دیتے ہیں تو ہر ایک پر دیت کا دسواں تین سال میں ادا کرنا ہوگا۔ یہ جز کوکل پر قیاس کرنے کی بنا پر ہے۔

36078۔ (قوله: مِنْ وَقْتِ الْقَضَاءِ) یہ عرصہ دیت کا فیصلہ ہونے کے وقت سے ہے قتل یا جنایت کے وقت سے نہیں جس طرح امام ”شافعی“ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ ”غرر الافکار“۔

36079۔ (قوله: فَإِنْ خَرَجَتْ الْعَطَايَا الْخ) ”المجمع“ اور ”درر البحار“ میں یہ ذکر کیا ہے کہ وہ تین سالوں میں وصول کی جائے گی خواہ وہ کم ہو یا زیادہ میں نکلیں۔ ”غرر الافکار“ میں کہا ہے: لیکن ”ہدایہ“ وغیرہا میں ہے: اگر دیت کا فیصلہ ہونے کے بعد آنے والے تین سال کے عطیات ایک سال میں یا چار سالوں میں دیئے گئے تو تمام دیت ایک سال میں یا چار سالوں میں لی جائے گی۔ کیونکہ عطیات میں اس کا واجب ہونا یہ تخفیف کے لیے ہے تو وہ جس وقت میں عطیہ لے گا اس میں تخفیف حاصل ہو جائے گی۔ اس تعبیر کی بنا پر تین سالوں سے مراد تین عظیمیہ ہیں۔ اگر دیت کا فیصلہ ہونے سے پہلے گزشتہ کئی سالوں کے عطیات جمع ہو گئے پھر فیصلہ کے بعد وہ عطیات نکلے تو ان سے وہ دیت نہ لی جائے گی۔ کیونکہ دیت کا وجوب قاضی کے فیصلہ کے ساتھ ہے۔

میں کہتا ہوں: اس تعبیر کی بنا پر عطیہ اور رزق میں فرق کیا جائے گا۔ کیونکہ رزق جب تین سے کم سالوں میں نکلے تو اسی حساب سے اس سے وہ وصول کی جائے گی روزینہ میں سال اپنے حقیقی معنی پر ہیں۔ عطیہ کا معاملہ مختلف ہے تامل۔ پھر میں نے

وَأَقَارِبُهُ وَكُلُّ مَنْ يَتَنَاصَرُ هُوَ بِهِ تَنْوِيرُ الْبَصَائِرِ (وَتُقَسَّمُ) الدِّيَّةُ عَلَيْهِمْ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ لَا يُؤْخَذُ فِي كُلِّ سَنَةٍ إِلَّا دِرْهَمٌ أَوْ دِرْهَمٌ وَثُلُثٌ وَلَمْ تَزِدْ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ كُلِّ الدِّيَّةِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ عَلَى أَرْبَعَةٍ عَلَى الْأَصَحِّ

اس کے قریبی اور ہر وہ شخص ہے جس سے وہ مدد حاصل کرتا ہے۔ ”تنویر البصائر“۔ ان پر دیت تین سالوں میں تقسیم کی جائے گی۔ ہر سال میں ان سے ایک درہم یا ایک درہم اور اس کا ایک تہائی وصول کیا جائے گا اور ان میں سے ہر ایک مکمل دیت سے تین سالوں میں چار درہموں سے زائد نہ کیا جائے گا۔ یہ اصح قول کے مطابق ہے۔

”المجتبیٰ“ میں فرق کی تصریح دیکھی ہے جب کہ اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ روزینہ جب کفایت کے اعتبار سے مقدر ہے تو تین سالوں سے کم عرصہ میں اس کو وصول کرنے سے حرج لازم آتا ہے۔

36080۔ (قوله: وَكُلُّ مَنْ يَتَنَاصَرُ هُوَ بِهِ) ”ہدایہ“ اور ”تبیین“ میں کہا ہے: ہر شہر والے اپنے دیہات والوں کی دیت دیں گے۔ کیونکہ وہ اہل شہر کے تابع ہیں۔ کیونکہ جب انہیں کوئی مصیبت لاحق ہوتی ہے تو وہ ان سے مدد لیتے ہیں تو اہل مصر قرب اور نصرت کے معنی کے اعتبار سے ان کی دیت ادا کریں گے وہ آدمی جس کی رہائش بصرہ میں ہو اور اس کا دیوان کوفہ میں ہو تو اہل کوفہ اس کی جانب سے دیت ادا کریں گے۔ کیونکہ وہ اپنے اہل دیوان کی مدد طلب کرتا ہے اپنے پڑوسیوں کی مدد طلب نہیں کرتا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ دیوان سے مدد لینا یہ زیادہ ظاہر ہے۔ پس اس کے ساتھ قرابت، نسب، ولا اور رہائش کے قرب کا حکم ظاہر نہیں ہوگا۔ دیوان کے بعد نسب سے مدد حاصل کی جاتی ہے۔ اس تعبیر پر معاقل کے بہت سے مسائل کا استخراج ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے: دو بھائی ہیں ایک مدیون بصرہ میں ہے اور دوسرے کا دیوان کوفہ میں ہے تو دونوں میں سے ایک اپنے ساتھی کی جانب سے دیت نہیں دے گا اس کی جانب سے دیت اس کے دیوان والے دیں گے۔ اہل بصرہ میں سے ایک نے جنایت کی اس کے اہل دیوان میں عطیہ نہیں ہے اور دیہات والے اس کے نسب کے اعتبار سے زیادہ قریب ہیں اس کا مسکن شہر میں ہے تو اس شہر کے اہل دیوان اس کی دیت ادا کریں گے۔ یہ شرط نہیں لگائی گئی کہ اس میں اور اہل دیوان میں قرابت ہے۔ کیونکہ اہل دیوان وہ ہیں جو شہر کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب وہ اس کے قریبی نہ ہوں تو وہ اس کی دیت ادا نہ کریں گے۔ وہ اس کی دیت ادا کریں گے جب وہ اس کے قریبی ہوں گے جب کہ دیہات میں نسب کے اعتبار سے ان سے زیادہ قریبی لوگ موجود ہوں۔ کیونکہ وجوب، قرابت کے حکم سے ہے اور شہروں والے از روئے مکان کے اس سے زیادہ قریب ہیں۔ پس مدد پر قدرت ان کو حاصل ہوگی۔ اور یہ غیبت منقطعہ کے مسئلہ کی مثل ہو جائے گا۔ یعنی جو بعیدی رشتہ دار ہے وہ شادی کر دے گا جب ولی اقرب غائب ہو ”عنایہ“۔

36081۔ (قوله: عَلَى الْأَصَحِّ) ایک قول یہ ہے: ان میں سے ہر ایک سے ہر سال تین درہم یا چار درہم وصول

ثُمَّ السِّنِينَ بِمَعْنَى الْعَطِيَّاتِ قُضِيَ تَائِي فَلْيُحْفَظْ (فَإِنْ لَمْ تَسْعَ الْقَبِيلَةَ لِذَلِكَ ضَمَّ إِلَيْهِمْ أَقْرَبُ الْقَبَائِلِ نَسَبًا عَلَى تَرْتِيبِ الْعَصَبَاتِ وَالْقَاتِلُ عِنْدَنَا كَأَحَدِهِمْ وَلَوْ الْقَاتِلُ (امْرَأَةً أَوْ صَبِيًّا أَوْ مَجْنُونًا) فَيُشَارُ كُهُمْ عَلَى الصَّحِيحِ زَيْدَعِي

پھر مال عطیات کے معنی میں ہے، ”قہستانی“۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ اگر قبیلہ اس کی گنجائش نہ رکھتا ہو تو عصبات کی ترتیب کے مطابق قبائل میں سے نسب کے اعتبار سے جو زیادہ قریبی ہوگا اس کو ملا دیا جائے گا۔ اور ہمارے نزدیک قاتل ان میں سے ایک کی طرح ہے۔ اگر قاتل عورت ہو یا بچہ ہو یا مجنون ہو تو صحیح قول کے مطابق وہ ان کے ساتھ شریک ہوگا۔ ”زیلعی“۔

کیے جائیں گے جس طرح ”المشتقی“ میں ہے۔

36082۔ (قوله: ثُمَّ السِّنِينَ الخ) مناسب تو یہ تھا کہ: فان خرجت العطايا الخ کے بعد ثم کی بجائے فا کا ذکر کرتے۔

36083۔ (قوله: فَإِنْ لَمْ تَسْعَ الْقَبِيلَةَ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ لوگ تھوڑے ہوں۔ پس حصہ تین یا چار سے

زیادہ ہو ”در مشتقی“۔ پھر ”الہدایہ“ وغیرہا کی عبارت ہے: تتسع شروع میں دو تا کے ساتھ ہے۔ مصنف پر لازم تھا کہ اس کے ساتھ تعبیر کرتے یا لذلک کے قول سے لام کو حذف کر دیتے اور قبیلہ قید نہیں ہے۔

”ہدایہ“ میں کہا: اسی پر جھنڈوں کا حکم قیاس کیا جائے گا جب ایک جھنڈے والے اتنی گنجائش نہ رکھتے ہوں تو جھنڈے والوں میں سے جو سب سے قریبی ہوگا اسے اس کے ساتھ ملا لیا جائے گا یعنی جب انہیں کوئی مصیبت لاحق ہوگی تو ان میں سے جو سب سے قریبی ہوگا پھر اس سے جو قریبی ہوگا۔ یہ امام کے سپرد کر دیا جائے گا۔ کیونکہ وہی اس کے بارے میں آگاہ ہے۔

36084۔ (قوله: عَلَى تَرْتِيبِ الْعَصَبَاتِ) پس بھائی مقدم ہوں گے پھر ان کے بیٹے پھر چچے پھر ان کے بیٹے مثلاً

جنایت کرنے والا امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہو آپ کا قبیلہ اتنی وسعت نہ رکھتا ہو تو امام حسن رضی اللہ عنہ کا قبیلہ اس کے ساتھ ملا دیا جائے گا پھر ان کے بیٹے اگر یہ دونوں قبیلے اتنی گنجائش نہ رکھتے ہوں تو حضرت عقیل کو اس کے ساتھ ملا دیا جائے گا پھر ان کے بیٹے ملائے جائیں گے جس طرح ”کرمانی“ میں ہے۔ قاتل کے آباء اور اس کے بیٹے عاقلہ میں داخل نہ ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: داخل ہوں گے۔ میاں بیوی میں سے ایک دوسرے کی عاقلہ نہ ہوگی۔ اس کی مکمل بحث ”قہستانی“ میں ہے۔

36085۔ (قوله: وَالْقَاتِلُ عِنْدَنَا كَأَحَدِهِمْ) یعنی جب وہ اہل عطا میں سے ہو مگر جب وہ ان میں سے نہ ہو تو

ہمارے نزدیک بھی اس پر دیت میں سے کوئی شے نہ ہوگی۔ اسے ”مبسوط“ میں ذکر کیا ہے۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ ”معراج“۔

36086۔ (قوله: فَيُشَارُ كُهُمْ عَلَى الصَّحِيحِ) قسامہ میں یہ پہلے گزر چکا ہے کہ یہ متاخرین کا مختار قول ہے۔ ”ہدایہ“

میں یہاں شریک نہ ہونے پر گامزن ہوئے ہیں۔ ”الکفایہ“ میں کہا: یہ ”طحاوی“ کا پسندیدہ قول ہے۔ یہی اصح ہے۔ یہ امام ”محمد“ رحمہ اللہ کی روایت کی اصل ہے۔ لیکن ”العنایہ“ میں یہ ذکر کیا ہے کہ جو قول گزر چکا ہے وہ اس کے باب میں ہے جب

(وَعَاقِلَةُ الْمُعْتَقِ قَبِيلَةُ سَيِّدِهِ) وَيُعْقِلُ عَنْ مَوْلَى الْمُوَالَاةِ مَوْلَاهُ وَقَبِيلَةُ مَوْلَاهُ (وَ) اَعْلَمُ اَنَّهُ لَا تَعْقِلُ عَاقِلَةُ جَنَائَةِ عَبْدٍ وَلَا عَنِدٍ) وَإِنْ سَقَطَ قَوْدُهُ بِشُبْهَةٍ أَوْ قَتَلَهُ ابْنُهُ عَمْدًا كَمَا مَرَّ

آزاد کردہ غلام کی عاقلہ اس کے آقا کا قبیلہ ہے اور مولیٰ موالات کی جانب سے اس کی دیت اس کا آقا اور اس کے آقا کا قبیلہ دے گا۔ اور یہ جان لو کہ غلام کی جنایت کی عاقلہ دیت نہ دے گی اور نہ ہی عدا جنایت کی دیت دے گی اگرچہ شبہ کی وجہ سے اس کا قصاص ساقط ہو جائے یا اس کا بیٹا اسے جان بوجھ کر قتل کر دے جس طرح گزر چکا ہے۔

مقتول عورت کے گھر میں پایا جائے تو متاخرین نے اس عورت کو عاقلہ کے ساتھ شامل کیا ہے۔ کیونکہ قسامت کے واجب ہونے کی بنا پر وہ اسے قاتل شمار کرتے ہیں مگر جو قول یہاں ہے وہ اس کے بارے میں ہے جب وہ حقیقت میں قاتل ہو۔ فرق یہ ہے کہ قسامت قسم اٹھانے والے پر دیت کے وجوب کو لازم کرتی ہے یا تو مستقل طور پر یا عاقلہ میں داخل ہونے کی بنا پر یہ ہمارے نزدیک استقرا سے ثابت ہے۔ تحقیق، ملزوم متحقق ہو گیا تو لازم متحقق ہو گیا۔ براہ راست قتل کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ بعض اوقات دیت کو مستلزم نہیں ہوتا۔ ملخص۔ اس تعبیر کی بنا پر مسئلہ میں تصحیح کا اختلاف نہیں۔ کیونکہ موضوع مختلف ہے۔ قاتل

آزاد کردہ غلام کی عاقلہ

36087۔ (قوله: قَبِيلَةُ سَيِّدِهِ) یعنی آقا کے ساتھ اس کا قبیلہ جس طرح ”شرنبلائیہ“ میں ”برہان“ سے مروی ہے۔ ”ملتقی“ کی عبارت ہے: وعاقلة المعتق ومولى الموالاته مولاة وعاقلة۔ یہ عبارت زیادہ مختصر اور زیادہ ظاہر ہے۔ 36088۔ (قوله: جَنَائَةِ عَبْدٍ) مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے مگر جب آزاد غلام پر جنایت کرے تو اس کا حکم آگے آئے گا۔ ”ط“۔

36089۔ (قوله: وَلَا عَنِدٍ) وہ عدا نفس میں جنایت کرے یا کسی جز میں۔ کیونکہ جو جرم جان بوجھ کر کیا جائے تو عاقلہ کے ذمہ داری اٹھانے کے ساتھ یہ تخفیف کو ثابت نہیں کرے گا۔ پس اس سے قصاص واجب ہوگا۔ ”قبستانی“۔

تشبیہ

”الاشباہ“ میں کہا: عاقلہ عدا جنایت کی دیت نہ دے مگر ایک مسئلہ میں دیت دے گی جب بعض اولیاء اس جنایت کو معاف کر دیں اور بعض صلح کر لیں تو باقی ماندہ کا حصہ مال کی طرف پھر جائے گا اور عاقلہ اس کی ذمہ دار ہوگی۔

میں کہتا ہوں: ہم باب القود فی مآدون النفس میں علامہ ”قاسم“ سے نقل کر آئے ہیں کہ یہ روایت کے برعکس ہے اور اس کے متعلق کسی نے بھی قول نہیں کیا۔ باقی ماندہ کتب میں جو قول ہے وہ یہ ہے کہ یہ قاتل کے مال میں واجب ہوگی۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

36090۔ (قوله: أَوْ قَتَلَهُ ابْنُهُ عَمْدًا) زیادہ بہتر یہ تھا کہ قتلہ جس طرح اس کی تعبیر اس میں کی ہے جو ابھی گزرا

(وَلَا مَا لَزِمَ بِصُلْحٍ أَوْ اعْتِرَافٍ) وَلَا مَا دُونَ نِصْفِ عُسْرِ الدِّيَةِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا تَعْقِلُ الْعَوَاقِلُ عَمْدًا وَلَا عَبْدًا وَلَا صُلْحًا وَلَا اعْتِرَافًا

اسی طرح وہ دیت جو صلح یا اعتراف سے لازم ہوتی ہو وہ دیت عاقلہ ادا نہ کرے گی۔ اسی طرح عاقلہ وہ دیت ادا نہ کرے گی جو دیت کے بیسیویں حصہ سے کم ہو۔ کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے: عاقلہ نہ جنایت عمد کی، نہ غلام کی جنایت کی اور صلح کی صورت میں جو دیت لازم ہوئی نہ اس کی، نہ جرم کے اعتراف کی دیت

ہے تاکہ یہ شبہ کی تمثیل ہو جائے۔ ان میں سے یہ ہے کہ جب دونوں ایک آدمی کو قتل کر دیں جب کہ دونوں میں سے ایک بچہ ہو یا معتوہ ہو اور دوسرا عاقل بالغ ہو یا ایک تیز دھار لوہے سے اور دوسرا عصا سے قتل کرے۔

جو دیت صلح یا اعتراف سے لازم ہو یا بیسیویں حصہ سے کم ہو عاقلہ ادا نہیں کرے گی

36091۔ (قوله: وَلَا مَا لَزِمَ بِصُلْحٍ) یعنی جان بوجھ کر قتل کرنے کی صورت میں صلح ہو، قتل خطا سے صلح ہو تو وہ مال فی الحال عاقل کے ذمہ ہوگا مگر جب اس کی موت معین کر دی جائے۔ ”قہستانی“۔

36092۔ (قوله: أَوْ اعْتِرَافٍ) یعنی قتل خطا کا اعتراف کرے کیونکہ یہ مقرر پر تین سالوں میں واجب ہوگا۔ ”قہستانی“۔

36093۔ (قوله: وَلَا مَا دُونَ نِصْفِ عُسْرِ الدِّيَةِ) یعنی جو موضوعہ کی دیت سے کم ہو وہ پانچ سو ہے یہ اس میں خاص ہے جو نفس سے کم میں ہو۔ جہاں تک نفس کے بدلے میں جو دیت ہے تو عاقلہ اس کی ذمہ دار ہوگی اگرچہ وہ اس سے کم ہو جس طرح سو آدمی ایک آزاد کو قتل کریں تو ہر ایک کی عاقلہ پر سو درہم ہوں گے یا ایک آدمی نے ایک غلام کو قتل کیا جس کی قیمت مثلاً سو تھی تو وہ عاقلہ پر لازم ہوگی۔ کیونکہ نفس کا بدل نص سے ثابت ہے کہ وہ عاقلہ پر واجب ہوگی۔ یہ ”العنایہ“ اور ”الکفایہ“ سے ملخص ہے۔

تنبیہ

شارح نے فصل الجنین سے تھوڑا پہلے یہ ذکر کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ عادل کے فیصلے کی عاقلہ ذمہ دار نہ ہوگی یہ مطلقاً ہے یعنی اگرچہ وہ موضوعہ کے زخم تک جا پہنچے۔ ”اتقانی“ نے ”کرخی“ سے نقل کیا ہے: عاقلہ اس جنایت کی ذمہ دار نہ ہوگی جو دار الحرب میں واقع ہوگی۔ پس دیت جانی کے مال میں واقع ہوگی۔

عدم لزوم کی دلیل

36094۔ (قوله: لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ) فقہانے اسے اپنی کتب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوف اور مرفوع دونوں طرح روایت کیا ہے۔ لیکن ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امام ”شعبی“ کا قول ہے۔ ”قاموس“ میں کہا: امام ”شافعی“ رضی اللہ عنہ کا قول ہے: عاقلہ عمد کی دیت نہ دے گی اور نہ ہی غلام کی جنایت کی دیت دے گی۔ یہ حدیث نہیں جس طرح ”جوہری“ کو وہم ہوا ہے۔ اس کا معنی ہے آزاد غلام پر جنایت کرے نہ کہ غلام آزاد پر جنایت کرے جس طرح امام ”ابو حنیفہ“

وَلَا مَا دُونَ أَرْشِ الْمَوْضِعَةِ بَلَّ الْجَانِي (أَلَا أَنْ يُصَدِّقُوا فِي إِقْرَارِهِ أَوْ تَقْوَمَ حُجَّةٌ) وَإِنَّمَا قُبِلَتْ بِالْبَيِّنَةِ هُنَا
مَعَ الْإِقْرَارِ مَعَ أَنَّهَا لَا تُعْتَبَرُ مَعَهُ لِأَنَّهَا تُثَبِّتُ مَا لَيْسَ بِثَابِتٍ

اور نہ ہی وہ دیت جو موضہ زخم سے کم ہو اسے ادا کرے گی بلکہ یہ دیت جنایت کرنے والا خود ادا کرے گا۔ مگر یہ کہ عاقلہ قاتل کے اقرار میں اس کی تصدیق کرے یا حجت قائم ہو جائے یہاں اقرار کے ساتھ گواہیاں قبول ہوں گی حالانکہ وہ اقرار کے ساتھ معتبر نہیں ہوتیں۔ کیونکہ گواہیاں اس امر کو ثابت کر رہی ہیں جو مدعی علیہ کے اقرار سے اس پر ثابت نہیں ہوتا

رحمۃ اللہ علیہ کو وہم ہوا ہے۔ کیونکہ اگر معنی وہ ہوتا جو آپ کو وہم ہوا ہے تو کلام یہ ہوتی: لَا تَقْبَلُ الْعَاقِلَةُ عَنْ عَبْدٍ نَهْ لَا تَعْقِلُ عَبْدًا ہوتی۔ ”اصمعی“ نے کہا: میں نے اس بارے میں ہارون الرشید کی موجودگی میں امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ سے کلام کی تو انہوں نے عقلتہ اور عقلت عنہ میں کوئی فرق بیان نہ کیا یہاں تک کہ میں نے انہیں سمجھایا یعنی کیونکہ یہ قول کیا جاتا ہے: عقلت القاتل جب تو اس کی دیت ادا کرے و عقلت عن فلان جب اس پر دیت لازم ہو اور تو اس کی جانب سے وہ ادا کر دے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا کہ عقلت کما لفظ عقلت عنہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہے۔ وہ ان کا قول عبد ہے۔ اسی طرح یہ سیاق ولا صلحا ولا اعترافا ہے۔ کیونکہ اس کا معنی ہے: عن عمد وعن صلح وعن اعتراف، عمد، صلح اور اعتراف کی صورت میں، تامل۔ احسن یہ ہے کہ یوں جواب دیا جائے کہ یہ حذف اور اتصال کے قبیل سے ہے یعنی حرف جار حذف ہے اور فعل براہ راست عامل ہے اصل کلام یہ تھی عن عبد۔

اس پر قوی ترین دلیل وہ ہے جسے امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ”موطا“ میں اس قول کے ساتھ روایت کیا ہے: حدثني عبد الرحمن بن ابی الزناد عن ابیہ عن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: لَا تَعْقِلُ الْعَاقِلَةُ عَبْدًا وَلَا صَلْحًا وَلَا اعْتِرَافًا وَلَا مَا جَنَى السُّلُوكُ (1)، عاقلہ عمد کی دیت نہ دے گی نہ صلح، نہ اعتراف نہ ہی جو مملوک جنایت کرے اس کی دیت نہ دے گی۔ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے جانی کو مملوک بنا دیا ہے۔

36095۔ (قوله: بَلَّ الْجَانِي) یہ حدیث کا لفظ نہیں بلکہ یہ ان کے قول: وَاَعْلَمُ أَنَّهُ لَا تَعْقِلُ جَنَايَةَ عَبْدٍ الْخَطِ پر معطوف ہے بلکہ وہ جانی خود ادا کرے گا۔ یعنی اگرچہ وہ حکماً ہو جس طرح غلام کا آقا ہے جس طرح ”قبستانی“ نے بیان کیا ہے یا یہ ان کے قول والا مالزم بصلح او اعتراف یہ اعتراف پر عطف ہے اسے لائے ہیں تاکہ مصنف کے قول کے ساتھ رہے ہو جائے: مگر علماء یہ تصدیق کر دیں کہ اس کا ما قبل متن میں سے ہے۔

36096۔ (قوله: أَوْ تَقْوَمَ حُجَّةٌ) یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ گواہیاں قائم کر دے جب کہ قاضی نے ابھی مقرر پر دیت کا فیصلہ نہ کیا ہو مگر جب قاضی اس کے مال میں اس کا فیصلہ کر دے پھر وہ گواہیاں قائم کرے تاکہ دیت کو عاقلہ کی طرف پھیر دے تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ مال اس پر قاضی کے فیصلہ سے واجب ہوا ہے تو اسے یہ حق حاصل نہیں

بِإِقْرَارِ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ وَهُوَ الْوُجُوبُ عَلَى الْعَاقِلَةِ دَلِيلُ تَصَادُقِ الْقَاتِلِ وَأُولِيَاءِ الْمَقْتُولِ عَلَى أَنَّ قَاضِيَ بَلَدٍ كَذَا قَضَى بِالِدِّيَّةِ عَلَى عَاقِلَتِهِ بِالْبَيِّنَةِ وَكَذَّبَهَا الْعَاقِلَةُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا أَيْ عَلَى الْعَاقِلَةِ لِأَنَّ تَصَادُقَهَا لَيْسَ بِحُجَّةٍ عَلَيْهِمْ وَلَا عَلَيْهِ فِي مَالِهِ إِلَّا حِصَّتُهُ لِأَنَّ تَصَادُقَهَا حُجَّةٌ فِي حَقِّهَا زَيْدِيٍّ وَاعْلَمْ أَنَّ الْخَصْمَ فِي ذَلِكَ هُوَ الْجَانِي؛ لِأَنَّ الْحَقَّ عَلَيْهِ، وَلَوْ كَانَ صَبِيًّا فَالْخَصْمُ أَبُوهُ خَانِيَةً قُلْتُ يُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهِ الْخَصْمُ هُوَ الْجَانِي لَا الْعَاقِلَةُ جَوَابُ حَادِثَةِ الْفُتُوَى وَهِيَ أَنَّ صَبِيًّا فَقَاءَ عَيْنَ صَبِيَّةٍ فَمَاتَتْ فَأَرَادَ وَلِيُّهَا تَحْلِيفَ الْعَاقِلَةِ عَلَى نَفْيِ فِعْلِ الصَّبِيِّ وَالْجَوَابُ أَنَّهُ لَا تَحْلِيفَ

وہ عاقلہ پر اس کا واجب ہونا ہے اگر قاتل اور مقتول کے اولیا اس پر باہم ایک دوسرے کی تصدیق کریں کہ فلاں شہر کے قاضی نے گواہوں کے ساتھ اس کی عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کیا ہے اور عاقلہ نے اس کو جھٹلادیا تو عاقلہ پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ ان دونوں کا باہم تصدیق کرنا عاقلہ کے خلاف حجت نہیں اور نہ ہی قاتل کے خلاف اس کے مال میں حجت ہے مگر جتنا اس کا حصہ بنتا ہے۔ کیونکہ ان دونوں کا باہم تصدیق کرنا ان دونوں کے حق میں حجت ہے۔ ”زیلعی“ یہ جان لو کہ اس مسئلہ میں خصم جنایت کرنے والا ہے کیونکہ حق اس پر لازم ہوتا ہے اگر جنایت کرنے والا بچہ ہو تو خصم اس کا باپ ہوگا۔ ”خانیہ“ میں کہتا ہوں: ان کے قول: الخصم هو الجاني لا العاقلة مدعی علیہ جنایت کرنے والا ہے عاقلہ مدعی علیہ نہیں ہے۔ اس سے حادثہ الفتویٰ کا جواب اخذ کیا جاسکتا ہے۔ حادثہ الفتویٰ یہ ہے: ایک بچے نے ایک بچی کی آنکھ پھوڑ دی اور وہ بچی مر گئی تو بچے کے ولی نے ارادہ کیا کہ بچے کے فعل کی نفی پر عاقلہ سے قسم لے۔ جواب یہ ہے کہ عاقلہ پر کوئی قسم نہ ہوگی۔

کہ اپنی گواہیوں کے ساتھ اس کو باطل کر دے۔ ”مبسوط“ میں اس کی تصریح کی ہے۔ ”رملی“۔

36097۔ (قوله: بِإِقْرَارِ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ) یہ ثابت کے متعلق ہے اور وہو کی ضمیر ما کی طرف لوٹ رہی ہے۔

36098۔ (قوله: وَلَا عَلَيْهِ فِي مَالِهِ) اس کا عطف ان کے قول فلاشی علیہ پر ہے اور ضمیر قاتل کے لیے ہے۔

36099۔ (قوله: لِأَنَّ تَصَادُقَهَا) قاتل پر جو اس کا صرف حصہ لازم ہوتا ہے اس کی یہ علت ہے۔ بے شک تمام

دیت لازم نہیں ہوتی جس طرح پہلے مسئلہ میں ہے۔ کیونکہ پہلے مسئلہ میں ولی کی طرف سے یہ تصدیق موجود نہیں کہ عاقلہ پر دیت کا فیصلہ ہوا ہے جب کہ یہاں یہ تصدیق موجود ہے۔ پس دونوں مختلف ہو گئے ”زیلعی“ نے یہ بیان کیا ہے۔

36100۔ (قوله: فِي ذَلِكَ) یعنی قتل کے دعویٰ میں۔ ”ط“۔

اگر کوئی بچہ کسی بچی کی آنکھ پھوڑ دے اور وہ بچی مر جائے تو اس کا حکم

36101۔ (قوله: لِأَنَّ الْحَقَّ عَلَيْهِ) حق تو مدعی علیہ جو جنایت کرنے والا ہے اس پر لازم ہوتا ہے۔ عاقلہ پر اس کا

ثبوت اس کی ذمہ داری اٹھانے کے طریقہ پر ہے۔ ”خانیہ“۔

36102۔ (قوله: لَا الْعَاقِلَةُ) یہ ”الخانیہ“ کی عبارت میں نہیں ہے لیکن ان کے قول: هو الجاني میں جو حصر ہے اس

لَإِنَّ ذَلِكَ فَرْعٌ الدَّعْوَى وَهِيَ غَيْرُ مُتَوَجِّهَةٍ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَبَقِيَ هُنَا شَيْءٌ وَهُوَ أَنَّ الْعَاقِلَةَ، لَوْ أَقْرَأُوا بِفِعْلِ الْجَانِي هَلْ يَصِحُّ إِقْرَارُهَا بِالنِّسْبَةِ إِلَيْهِمْ حَتَّى يُقْضَى عَلَيْهِمْ بِالِدِّيَّةِ أَمْ لَا فَإِنْ قُلْنَا نَعَمْ يَنْبَغِي أَنْ يَجْرِيَ الْحَلْفُ فِي حَقِّهِمْ لِظُهُورِ قَائِدَتِهِ

کیونکہ قسم یہ دعویٰ کے صحیح ہونے کے فرع ہے اور دعویٰ عاقلہ کی طرف متوجہ نہیں۔ یہاں ایک شے باقی رہ گئی ہے وہ یہ ہے کہ عاقلہ اگر جنایت کرنے والے کے فعل کا اقرار کرے تو کیا ان کی طرف نسبت کے اعتبار سے اس کا اقرار صحیح ہوگا یہاں تک کہ ان کے خلاف دیت کا فیصلہ کیا جائے گا یا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ اگر ہم کہیں ہاں تو چاہیے کہ قسم ان کے حق میں جاری ہو۔ کیونکہ اس کا فائدہ ظاہر ہے۔

کے مفہوم سے ماخوذ ہے۔

36103۔ (قوله: وَهِيَ غَيْرُ مُتَوَجِّهَةٍ عَلَى الْعَاقِلَةِ) بلکہ یہ اس کے باپ کی طرف متوجہ ہے اگر اس کا کوئی باپ

ہو۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس دعویٰ سے کوئی شے لازم نہیں ہوتی۔ ”ط“۔

عاقلہ اگر جنایت کرنے والے کے فعل کا اقرار کرے تو اس کا حکم

36104۔ (قوله: وَبَقِيَ هُنَا شَيْءٌ الْخ) یہ ایک اور وجہ سے جواب کی تخریج ہے اس کا ما حاصل یہ ہے جب ہم نے ان

کے اقرار کی صحت کا قول کیا تو قسم کا حاوی ہونا لازم آجائے گا۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے ہر وہ موقع جس میں اقرار کرے تو وہ اس پر لازم ہو جائے گا جب وہ انکار کرے تو اس سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا مگر باون صورتوں میں اس سے قسم نہیں لی جائے گی جو کتاب الوقف کے آخر میں گزر چکا ہے یہ ان میں سے نہیں ہے۔ لیکن اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ خصم وہ جنایت کرنے والا ہے جس طرح گزر چکا ہے اور جو خصم نہ ہو اس سے قسم نہیں لی جائے گی۔ اس کا مقتضایہ ہے کہ ان کا اقرار صحیح نہیں ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان پر دیت قاتل کی جانب سے بطریق ذمہ داری اٹھانے کے لازم ہوتی ہے حقیقت میں ان کا اقرار یہ قاتل کے خلاف اقرار ہے جب ان کا اقرار قاتل کے خلاف صحیح نہیں تو اس کا حکم ان پر لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ جو امر ثابت ہی نہ ہو اس کی ذمہ داری اٹھانا ممکن نہیں ہوتا۔ جب وہ قاتل کا اقرار کرے اور یہ اس کی تصدیق کر دیں تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ یہ ان پر لازم ہو جائے گا جس طرح گزر چکا ہے۔ کیونکہ ان کی تصدیق نے ان پر اس امر کو لازم کر دیا کہ وہ اس کی ذمہ داری اٹھائیں جو اس کے اس اقرار سے ثابت ہوا ہے۔

علامہ ”رملی“ نے جس کی وضاحت کی ہے وہ یہ ہے علم نہ ہونے پر قسم اٹھانا لازم ہوگا۔ کیونکہ علما نے اس کی تصریح کی ہے کہ اگر وہ کہے: تیرا زید کے ذمہ جو مال ہے میں نے اس کی ضمانت اٹھالی ہے اور کفیل نے یہ اقرار کیا ہے کہ اس کا زید پر اتنا حق لازم ہے زید نے اس کا انکار کیا ہے اور کوئی گواہ نہ ہوں تو یہ کفیل پر لازم ہوگا اصل پر لازم نہیں ہوگا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اقرار جب مقرر پر بطور نفاذ پایا گیا تو وہ اصل پر موقوف نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ حجت ہے اگرچہ حجت قاصرہ ہے۔ ہمارے مسئلہ میں

قَالَ الْمُصَنِّفُ بَحْثًا فَلْيُحَرَّرْ (وَإِنْ جَنَى حُرًّا عَلَى نَفْسِ عَبْدٍ خَطَأً فَهِيَ عَلَى عَاقِلَتِهِ) يَعْنِي إِذَا قَتَلَهُ لِأَنَّ
الْعَاقِلَةَ لَا تَتَحَقَّلُ أَطْرَافَ الْعَبْدِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا تَتَحَقَّلُ النَّفْسُ أَيْضًا (وَلَا يَدْخُلُ صَبِيٌّ وَامْرَأَةٌ
وَمَجْنُونٌ فِي الْعَاقِلَةِ إِذَا لَمْ يَتَنَاصَرُوا) يَعْنِي لَوْ الْقَاتِلُ غَيْرُهُمْ وَإِلَّا فَيَدْخُلُونَ عَلَى الصَّحِيحِ كَمَا مَرَّرَ (وَلَا
يَعْقِلُ كَافِرٌ عَنْ مُسْلِمٍ وَلَا بَعْكَسِهِ) لِعَدَمِ التَّنَاصُرِ (وَالْكَفَّارُ يَتَعَاقَلُونَ فِيمَا بَيْنَهُمْ وَإِنْ اخْتَلَفَتْ مِلَّتُهُمْ

یہ مصنف نے بحث کرتے ہوئے کہا ہے۔ پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ اگر آزاد نے غلام کی ذات پر خطا جنایت کی تو دیت اس کی عاقلہ کے ذمہ ہوگی یعنی جب وہ اس کو قتل کر دے کیونکہ عاقلہ غلام کے اجزاء کی دیت کی ذمہ دار نہیں ہوتی۔ امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے کہا: وہ نفس کی دیت کی بھی ذمہ دار نہ ہوگی۔ کوئی بچہ، عورت اور مجنون عاقلہ میں داخل نہیں ہوگا جب وہ باہم ایک دوسرے کی مدد نہ کریں یعنی اگر قاتل ان کے علاوہ ہو ورنہ وہ صحیح قول کے مطابق اس میں داخل ہوں گے جس طرح گزر چکا ہے۔ کافر مسلمان کی دیت ادا نہیں کرے گا اور نہ ہی اس کے برعکس ہوگا۔ کیونکہ وہ آپس میں باہم مدد نہیں کرتے۔ کفار باہم ایک دوسرے کی دیت ادا کریں گے اگرچہ ان کی ملتیں مختلف ہوں۔

اس کی مثل ہے کہا: میں ایک روایت پانے میں کامیاب ہو گیا۔ ”جامع فصولین“ کی تیسری فصل میں ہے: قاتل کے خلاف قتل خطا کا دعویٰ سنا جائے گا اور اس کے خلاف دعویٰ عاقلہ کی عدم موجودگی میں سنا جائے گا اور قاتل کی عدم موجودگی میں عاقلہ کے خلاف دیت کا دعویٰ کیا صحیح ہوگا۔ ہم نے بلغ سے چھٹی فصل کے آخر میں جو لکھا ہے تو اس کی بنا پر اس کے خلاف مکمل دیت کا دعویٰ صحیح نہ ہوگا۔ ملخص۔ یعنی اس کا مفہوم یہ ہے کہ دیت میں ان کا جو حصہ بنتا ہے اس کی مقدار میں صحیح ہو۔

36105۔ (قوله: قَالَ الْمُصَنِّفُ) یعنی انہوں نے کہا: قلت یوخذ ا سے یہاں تک نقل کیا ہے۔

36106۔ (قوله: يَعْنِي إِذَا قَتَلَهُ الْخ) متن کے قول نفس عبد کے ساتھ اس کی کوئی حاجت نہیں، ”ح“۔ ہاں ”زیلعی“ نے اسے ”الکنز“ کی عبارت پر ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اس میں نفس کا ذکر نہیں ہے پس شارح کے لیے مناسب یہ تھا کہ وہ کہتے: قید بالنفس لان العاقله الخ۔

36107۔ (قوله: لَا تَتَحَقَّلُ أَطْرَافَ الْعَبْدِ) کیونکہ غلام کی اطراف میں اموال کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے آزاد اور غلام کے درمیان ان میں قصاص جاری نہیں ہوتا۔ ”الثقانی“۔

کیا بچہ، عورت اور مجنون عاقلہ میں داخل ہوں گے؟

36108۔ (قوله: إِذَا لَمْ يَتَنَاصَرُوا) میں نے جو نسخے دیکھے ہیں ان میں یہ لفظ اس طرح ہے اور اس کا صحیح لفظ اذا لم

بیابا شد ا ہے۔ کیونکہ انہوں نے ان کے عاقلہ میں داخل نہ ہونے کی یہ علت بیان کی ہے کہ وہ اہل نصرت میں سے نہیں۔ اسی وجہ سے اصل روایت ان کا عاقلہ میں داخل نہ ہونا ہے اگرچہ وہ خود شریک ہوں۔ جس طرح ہم اس کی وضاحت پہلے بیان کر چکے ہیں۔

36109۔ (قوله: وَإِنْ اخْتَلَفَتْ مِلَّتُهُمْ) ”الملتقی“ میں اس کی یہ قید لگائی ہے۔ اگر دونوں حالتوں میں دشمنی ظاہر

لَأَنَّ الْكُفْرَ كُلَّهُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ يَعْنِي إِنَّ تَنَاصُرُوا وَإِلَّا فَفِي مَالِهِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ كَالْمُسْلِمِ كَمَا بَسَطَهُ فِي الْمُجْتَبَى وَإِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْقَاتِلِ عَاقِلَةٌ كَاللَّقِيطِ وَخَرِبَ أُسْلَمَ (قَالِدِيَّةٌ فِي بَيْتِ الْمَالِ) فِي ظَاهِرِ الرَّوَايَةِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى دُرٌّ وَبَزَازِيَّةٌ وَجَعَلَ الزَّيْلَعِيُّ رِوَايَةً وَجَوَابَهَا فِي مَالِهِ رِوَايَةً شَاذَّةٌ قُتِلَتْ وَظَاهِرُ مَا فِي الْمُجْتَبَى عَنْ خَوَارِثِهِمْ أَنَّ تَنَاصُرَهُمْ قَدْ انْعَدَمَ وَبَيَّنْتُ الْمَالِ قَدْ انْهَدَمَ

کیونکہ کفر سب ایک ملت ہیں یعنی اگر وہ باہم مدد کریں ورنہ دیت مسلمان کی طرح اس کے مال میں تین سال میں ادا کرنا ہو گی جس طرح ”المجتبی“ میں اس کی تفصیل بیان کی ہے جب قاتل کی عاقلہ نہ ہو جس طرح وہ لقیط ہو یا حربی مسلمان ہو تو دیت بیت المال میں سے ادا کی جائے گی۔ یہ ظاہر روایت میں ہے اسی پر فتویٰ ہے ”درر“، ”بزازیہ“، ”زیلعی“ نے اس کے مال میں دیت کے وجوب کی روایت کو شاذ روایت قرار دیا ہے۔ میں کہتا ہوں: ”المجتبی“ میں جو خوارزم کے احوال کے بارے میں مروی ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ان کی باہمی مدد معدوم ہو چکی ہے اور بیت المال منہدم ہو چکا ہے

نہ ہو جس طرح یہودیوں کی نصاریٰ کے ساتھ دشمنی ظاہر ہے۔ یہ شارح کے قول یعنی ان تناصروا سے مستفاد ہے۔

36110۔ (قوله: كَالْمُسْلِمِ) ”اتقانی“ وغیرہ کی عبارت ہے ورنہ اس کے مال میں تین سالوں میں ادا کرنا ہوگی یہ

تین سال اس دن سے شمار ہوں گے جس دن اس کے بارے میں فیصلہ ہوا جس طرح مسلمان کے بارے میں ہے۔ یہ حکم ذمی کے بارے میں ہے۔ جہاں تک مسلمان کا معاملہ ہے تو اس کی دیت بیت المال میں لازم ہوگی۔

36111۔ (قوله: كَمَا بَسَطَهُ فِي الْمُجْتَبَى) کیونکہ کہا: کیونکہ اصل میں وجوب حکم قاتل پر ہے یہ عاقلہ پر قاضی کے

فیصلہ سے تبدیل ہوئی ہے جب اس کی عاقلہ نہ پائی گئی تو اس پر دیت باقی رہے گی جس طرح دار الحرب میں دو مسلمان تاجر ہوں ان دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی کو قتل کر دیا تو اس کی دیت اس کے مال میں ہوگی۔

قاتل کی عاقلہ نہ ہو تو دیت کا حکم

36112۔ (قوله: وَخَرِبَ أُسْلَمَ) اور اس نے کسی کے ساتھ عقد موالات نہیں کیا۔

36113۔ (قوله: قَالِدِيَّةٌ فِي بَيْتِ الْمَالِ) کیونکہ مسلمانوں کی جماعت اس کی مدد کرنے والے ہیں اس وجہ سے

جب وہ مرجائے گا تو اس کی میراث بیت المال کے لیے ہوگی۔ اسی طرح اس پر جو چنی لازم ہوگی وہ بیت المال پر لازم ہوگی ”زیلعی“ و ”ہدایہ“۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے اگر اس کا معروف وارث ہو تو پھر میت بیت المال میں لازم نہ ہوگی۔ اس کی وضاحت عنقریب آئے گی۔

36114۔ (قوله: وَجَعَلَ الزَّيْلَعِيُّ) صاحب ”ہدایہ“ وغیرہ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔

36115۔ (قوله: عَنْ خَوَارِثِهِمْ) یعنی اہل خوارزم کا حال بیان کرتے ہوئے (مجتبیٰ میں ذکر کیا ہے) ”ح“۔ ”المجتبی“

کی عبارت ہے۔

يُرْجَحُ وَجُوبُهَا فِي مَالِهِ فَيُؤَدِّي فِي كُلِّ سَنَةٍ ثَلَاثَةَ دَرَاهِمٍ أَوْ أَرْبَعَةً كَمَا نَقَلَهُ فِي الْمُجْتَبَى عَنْ النَّاطِطِيِّ قَالَ
هَذَا حَسَنٌ لَا بُدَّ مِنْ حِفْظِهِ

تو یہ حال قاتل کے مال میں اس کے وجوب کو رائج قرار دیتا ہے۔ پس وہ دیت میں سے ہر سال تین یا چار درہم ادا کرتا رہے گا جس طرح اسے ”المجتبیٰ“ میں ”ناطی“ سے نقل کیا ہے۔ کہا: یہ قول اچھا ہے اس کو یاد رکھنا ضروری ہے

میں کہتا ہوں: ہمارے زمانہ میں خوارزم میں دیت، یہ صرف جنایت کرنے والے کے مال میں ہوگی مگر جب وہ ایسے دیہات یا ایسے محلہ میں رہتا ہو جو باہم ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوں۔ کیونکہ ان میں قبائل کمزور ہو چکے ہیں اور لوگوں کے درمیان باہم مدد کا جذبہ ختم ہو چکا ہے اور بیت المال منہدم ہو چکا ہے۔ ہاں اس کے مکینوں کے نام دیوانوں میں ہزاروں اور سینکڑوں لکھے ہوئے ہیں لیکن وہ باہم مدد نہیں کرتے۔ پس یہ متعین ہو گیا کہ وہ اس کے مال میں واجب ہو۔

36116۔ (قوله: يُرْجَحُ وَجُوبُهَا فِي مَالِهِ) یہ ان کے قول و ظاہر کی خبر ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ وہ شاذ روایت کو ترجیح دیتے بلکہ جو ظاہر روایت کے مطابق ذکر کیا گیا ہے اس کو ترجیح دینا ممکن ہے۔ کیونکہ اصلی طور پر وجوب قاتل پر لازم ہوتا ہے جب اس کی کوئی عاقلہ نہ ہو جو اس کی ذمہ داری اٹھائے نہ ہی بیت مال ہو جس سے وہ دی جائے تو یہ اس کے مال سے لی جائے گی جس طرح ذمی میں یہ گزر چکا ہے ظاہر روایت بیت المال کے منظم ہونے پر مشتمل ہے۔ ورنہ مسلمانوں کے خون کا رائیگاں جانا لازم آئے گا۔ فتدبرہ پھر میں نے اسے ”مختصر النقایہ“ اور ”قہستانی“ کی شروح میں دیکھا انہوں نے کہا: عربوں اور عجمیوں میں جس کی عاقلہ نہ ہو تو بیت المال میں سے دیت دی جائے گی اگر بیت المال موجود یا مضبوط ہو اگر اس طرح نہ ہو تو یہ جانی کے ذمہ ہوگی۔

36117۔ (قوله: فَيُؤَدِّي فِي كُلِّ سَنَةٍ اَلْخ) اس کا ظاہر معنی تو یہ ہے کہ یہ تین سالوں کے ساتھ مقید نہیں ورنہ یہ اس پر لازم ہوگی جو باقی ہو گا اس کے ساتھ ساتھ یہ اشکال کا باعث بھی ہے۔ کیونکہ اگر وہ اپنی عمر کے ہر سال تین درہم یا چار درہم دے تو دیت کب مکمل ہوگی۔ جب وہ مر جائے تو کیا باقی ماندہ ساقط ہو جائے گی یا وہ اس کے ترکہ سے لے لی جائے گی یا اس کے علاوہ سے لی جائے گی ہم نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس مقام کی وضاحت کی ہو۔

36118۔ (قوله: قَالَ) یعنی صاحب ”المجتبیٰ“ نے کہا: اس کی نص ہے: میں کہتا ہوں: یہ قول اچھا ہے اس کو یاد کرنا ضروری ہے۔ میں نے بے شمار مواقع پر دیکھا ہے کہ دیت اس کے مال میں تین سال میں واجب ہوگی۔

میں کہتا ہوں: اس کے مال میں یہ دیت تین سالوں میں واجب ہوگی۔ یہ اس کے موافق ہے جو علماء نے ذمی میں ذکر کیا ہے اس میں کوئی اشکال نہیں۔ پس اس میں غور کیا جانا چاہیے۔ جو کثیر مواقع پر ذکر کیا گیا ہے وہ زیادہ مناسب ہے۔ پس اس سے عدول نہیں کیا جائے گا۔

36119۔ (قوله: هَذَا) یعنی اسم اشارہ کا مشار الیہ یا تو یہ ہے اس کا وجوب بیت المال میں ہو گا یا مشار الیہ بیت

وَأَقْرَبُهُ الْمُصَنِّفُ فَلْيُحْفَظْ فَقَدْ وَقَعَ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْمَوَاضِعِ أَنَّهَا فِي ثَلَاثِ سِنِينَ فَافْهَمْ وَهَذَا (إِذَا كَانَ) الْقَاتِلُ (مُسْلِمًا) فَلَوْ ذِمِّيًّا فَنِي مَالِهِ إِجْمَاعًا بَرَّازِيَّةً (وَمَنْ لَهُ وَارِثٌ مَعْرُوفٌ مُطْلَقًا) وَلَوْ بَعِيدًا أَوْ مَخْرُومًا بِرَقٍّ أَوْ كُفًى (لَا يَعْقِلُهُ بَيْتُ الْمَالِ) وَهُوَ الصَّحِيحُ كَمَا بَسَطَهُ فِي الْخَانِيَّةِ

مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ بے شمار مواقع پر یہ واقع ہوا ہے کہ یہ تین سالوں میں ادا کرنا ہوگی۔ پس اس کو سمجھ لو۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب قاتل مسلمان ہو اگر قاتل ذمی ہو تو بالا جماع اس کے مال میں لازم ہوگی۔ ”برازیہ“۔ جس کا مطلقاً ایسا وارث ہو جو معروف ہو اگرچہ وہ بعیدی ہو یا وراثت سے محروم ہو محرومی غلامی کی وجہ سے ہو یا کفر کی وجہ سے ہو تو بیت المال اس کی دیت ادا نہیں کرے گا۔ یہی قول صحیح ہے جس طرح ”الخانیہ“ میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

المال میں یا اس کے مال، میں اس کے وجوب میں اختلاف ہے۔

36120۔ (قوله: فَلَوْ ذِمِّيًّا) یعنی جس کی عاقلہ نہیں۔

وہ شخص جس کا مطلقاً ایسا وارث ہو جو معروف ہو اس کی دیت کا حکم

36121۔ (قوله: وَمَنْ لَهُ وَارِثٌ مَعْرُوفٌ) یہ ان کے قول: وان لم يكن للقاتل عاقلة فالدية في بيت المال

کی ایک اور قید ہے جس طرح ”قاضی خان“ نے متنبہ کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ جو پہلے گزر چکا ہے وہ اس پر محمول ہے جب قاتل کا معروف وارث نہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ لقیط ہو یا جو اس کے مشابہ ہو۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ ”زیلعی“ اور ”ہدایہ“ کی کلام سے مستفاد ہوتا ہے اور ”رملی“ نے یہ بحث کی ہے کہ یہ عام کتب کے اطلاق کے مخالف ہے اور اس میں طویل گفتگو کی ہے لیکن ”قاضی خان“ ان لوگوں میں سے سب سے جلیل القدر ہیں جن کی تصحیح پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ فقیہ النفس ہے جس طرح علامہ ”قاسم“ نے کہا ہے۔

36122۔ (قوله: أَوْ مَخْرُومًا بِرَقٍّ أَوْ كُفًى) جس طرح مستامن نے ایک مسلمان غلام خریدا اور اس کو آزاد کر دیا

پھر مستامن اپنے دار کی طرف چلا گیا اور اس کو غلام بنالیا گیا پھر آزاد کردہ غلام نے جنایت کی تو یہ دیت اس کے مال میں لازم ہوگی۔ کیونکہ اس کا ایک معروف وارث ہے وہ اس کو آزاد کرنے والا ہے جب کہ اگر وہ مر جائے تو اس کی میراث بیت المال کے لیے ہوگی۔ کیونکہ اس کو آزاد کرنے والا فی الحال غلام ہے۔ اسے ”خانیہ“ میں ”الاصل“ سے بیان کیا ہے۔ اسی طرح رَحْمَہُ ہوگا اگر آزاد کرنے والا ذمی ہو تو بھی دیت جنایت کرنے والے کے مال میں سے لازم ہوگی۔ کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ کافر مسلمان کی دیت ادا نہیں کرتا۔ پس وہ اعتراض وارد نہیں ہوگا جو گزر چکا ہے کہ آزاد کردہ فرد کی عاقلہ اس کے آق کا قبیلہ ہوگا جس طرح میرے لیے امر ظاہر ہوا ہے۔

36123۔ (قوله: لَا يَعْقِلُهُ بَيْتُ الْمَالِ) بلکہ دیت اس کے اپنے مال میں ہوگی اگرچہ اس کا ایسا وارث ہو جو اس

کے مال کا مستحق بنتا ہو جس طرح یہ اس قول سے مستفاد ہوتا ہے جسے ہم ثابت کر چکے ہیں۔ کیونکہ جب بیت المال اس کا وارث

(وَلَا عَاقِلَةٌ لِلْعَجَمِ) وَبِهِ جَزَمَ فِي الدُّرَرِ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ لِعَدَمِ تَنَاصُرِهِمْ وَقِيلَ لَهُمْ عَوَاقِلُ لِأَنَّهُمْ يَتَنَاصَرُونَ كَالْأَسَاكِفَةِ وَالصِّيَادِينَ وَالصَّرَافِينَ وَالسَّرَاجِينَ فَأَهْلُ مَحَلَّةِ الْقَاتِلِ وَصَنَعَتِهِ عَاقِلَتُهُ وَكَذَلِكَ طَلَبَةُ الْعِلْمِ قُلْتُ وَبِهِ أَفْتَى الْحُلَوَانِيُّ وَغَيْرُهُ خَائِيَّةٌ زَادَ فِي الْمُجْتَبَى وَالْحَاصِلُ أَنَّ التَّنَاصُرَ أَصْلٌ فِي هَذَا الْبَابِ وَمَعْنَى التَّنَاصُرِ أَنَّهُ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ قَامُوا مَعَهُ فِي كِفَايَتِهِ وَتَسَامُهِ فِيهِ وَفِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ مَعْنًى لِلْحَافِظِيَّةِ وَالْحَقُّ أَنَّ التَّنَاصُرَ فِيهِمْ بِالْحَرْفِ فَهُمْ عَاقِلَتُهُ إِلَى آخِرِهِ فَلْيُحْفَظْ

اور عجمیوں کی کوئی عاقلہ نہیں ”الدرر“ میں اس کو یقین سے بیان کیا ہے۔ یہ مصنف نے قول کیا ہے۔ کیونکہ وہ آپس میں باہم مدد نہیں کرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کی عاقلہ ہوگی کیونکہ وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں جیسے کفش گر، شکار کرنے والا، صراف اور زین بنانے والے، قاتل کے محلے والے اور اس کی صنعت والے اس کی عاقلہ ہیں اسی طرح طلباء ہیں۔ میں کہتا ہوں: ”حلوانی“ وغیرہ نے یہی فتویٰ دیا ہے، ”خانیہ“۔ ”المجتبی“ میں یہ زائد ذکر کیا ہے: حاصل کلام یہ ہے کہ اس باب میں باہم مدد کرنا اصل ہے اور تناصر کا معنی یہ ہے جب اسے کوئی مصیبت پیش آئے تو اس کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔ ”تنویر البصائر“ میں ”حافظیہ“ کی طرف منسوب کرتے ہوئے یہ قول کیا ہے: حق یہ ہے کہ عجمیوں میں باہم مدد پیشوں کی وجہ سے ہوتی ہے تو وہ ہی ہمیشہ اس کی عاقلہ ہوں گے۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔

بنتا ہے اور اس کی دیت نہیں دیتا تو جب بیت المال اس کا وارث نہیں ہوگا تو بدرجہ اولیٰ دیت اس کے مال میں ہوگی اور وارث پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ مسئلہ کی صورت اس کے بارے میں ہے جس کی عاقلہ نہیں ہوتی۔

36124۔ (قوله: وَلَا عَاقِلَةٌ لِلْعَجَمِ) یہ عجمی کی جمع ہے وہ عربی کے علاوہ ہوتا ہے اگرچہ وہ فصیح گفتگو کرتا ہو۔ ”مغرب“

36125۔ (قوله: وَبِهِ جَزَمَ فِي الدُّرَرِ) یہ ”ابوبکر بلخی“ اور ”ابوجعفر ہندوانی“ کا قول ہے۔ کیونکہ عجمیوں نے اپنے نسب کی حفاظت نہیں کی اور وہ باہم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے اور ان کا کوئی دیوان نہیں جنایت کی دیت کو دوسرے فرد پر لازم کر دینا یہ عرف ہے۔ یہ عربوں کے حق میں خلاف قیاس ثابت ہے۔ استاذ ”ظہیر الدین“ نے اس کو اپنایا ہے۔ ”خانیہ“۔

36126۔ (قوله: عَاقِلَتُهُ) یعنی جب وہ باہم مدد کریں گے۔ ”ط“۔ اور اس قول کو نہ بھول جو یہ گزر چکا ہے: ہر سال

میں عاقلہ میں سے کسی فرد سے ایک درہم یا ایک درہم اور اس کے ایک تہائی سے زائد وصول نہ کیا جائے گا۔

36127۔ (قوله: إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ) ”مغرب“ میں ہے: حزبہم امرا نہیں مصیبت لاحق ہوئی یہ طلب کے باب میں

سے ہے۔

36128۔ (قوله: وَتَسَامُهِ فِيهِ) کیونکہ کہا: اگر اس کے مددگار، اہل دیوان، قبیلہ، محلہ اور بازار والے ہوں تو اس کی

عاقلہ اہل دیوان، پھر قبیلہ، پھر اہل محلہ ہوں گے۔ ”ناطی“ نے یہی قول کیا ہے۔ ”ط“۔

36129۔ (قوله: وَالْحَقُّ الْخ) میں کہتا ہوں دار و مدار باہم مدد کرنے پر ہے جس طرح علماء نے ذکر کیا ہے جب

وَأَقْرَبُهُ الْقُحُوسَتَانِ لَكِنْ حَرَّارٌ شَيْخٌ مَشَايِخُنَا الْحَانُوتِيُّ أَنَّ التَّنَاصُرَ مُنْتَفٍ الْآنَ لِغَلْبَةِ الْحَسَدِ وَالْبُغْضِ وَتَمَنَّى كُلُّ وَاحِدٍ الْمَكْرُوهَ لِصَاحِبِهِ فَتَنَبَّهُ قُلْتُ وَحَيْثُ لَا قَبِيلَةَ وَلَا تَنَاصُرَ فَالِدِّيَّةُ فِي مَالِهِ أَوْ بَيْتِ الْمَالِ

”قہستانی“ نے اس کو ثابت رکھا ہے لیکن ہمارے مشائخ کے شیخ ”حانوتی“ نے یہ وضاحت کی ہے کہ آج کل حسد، بغض کے غلبہ کی وجہ سے اور ہر ایک کے اپنے ساتھی کے بارے میں ناپسندیدہ چیز کو پسند کرنے کی وجہ سے باہم مدد ختم ہو چکی ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ میں کہتا ہوں: جہاں نہ کوئی قبیلہ ہے اور نہ ہی باہمی مدد و دیت اس کے مال یا بیت المال میں ہوگی۔

اسے طائفہ کے ساتھ پایا گیا تو وہ ہی طائفہ اس کی عاقلہ ہوگی ورنہ نہیں۔ ”ط“۔

36130۔ (قوله: لَكِنْ حَرَّارٌ) یہ اس قول کی تائید ہے جسے ”الدرر“ میں یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔

36131۔ (قوله: فَالِدِّيَّةُ فِي مَالِهِ) یعنی یہ حکم اس وقت ہے جب بیت المال موجود نہ ہو یا اس کا انتظام نہ ہو جس

طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کِتَابُ الْوَصَايَا

يَعُمُّ الْوَصِيَّةُ وَالْإِيصَاءُ يُقَالُ أَوْصَى إِلَى فُلَانٍ أَيْ جَعَلَهُ وَصِيًّا وَالْإِسْمُ مِنْهُ الْوَصَايَةُ وَسَيَجِيءُ فِي بَابِ مُسْتَقِلٍّ وَأَوْصَى لِفُلَانٍ بِمَعْنَى مَلَكَهُ بِطَرِيقِ الْوَصِيَّةِ

وصیتوں کا بیان

یہ لفظ وصیت اور ایصا (وصی بنانا) دونوں کو شامل ہے۔ کہا جاتا ہے: اوصی الی فلان یعنی اس نے فلاں کو وصی بنایا اور اس سے اسم ”الوصایہ“ ہے اور عنقریب یہ مستقل باب میں آئے گا۔ اور اوصی لفلان اس کا معنی ہے: اس نے فلاں کو بطریق وصیت مالک بنایا۔

اس کو کتاب کے آخر میں لانے کی مناسبت ظاہر ہے۔ کیونکہ دنیا میں آدمی کے احوال میں سے آخری حالت موت ہے، اور وصیت موت کے وقت کا معاملہ ہے، اور ان کو جنایات اور دیات کے ساتھ اختصاص کی زیادتی حاصل ہے۔ اس لیے کہ جنایہ کبھی اس موت تک پہنچا دیتی ہے جس کا وقت وصیت کا وقت ہے، ”عنایہ“ اور یہاں مراد یہ ہے کہ یہ آخری ہے۔ ہاں اس بنا پر جو ”الہدایہ“ میں ہے یہ آخر حقیقی ہے کیونکہ انہوں نے اس میں فرائض ذکر نہیں کئے۔ لیکن اس میں ہے کہ انہوں نے ”الہدایہ“ میں اس کے بعد کتاب الخنثی کو ذکر کیا ہے لہذا وہ بھی آخری ہی ہے جیسا کہ ”الطوری“ نے اسے بیان کیا ہے۔

لفظ وصایا کی لغوی تحقیق

36132۔ (قوله: يَعُمُّ الْوَصِيَّةُ وَالْإِيصَاءُ إلخ) یہ لفظ وصیت اور ایصاء دونوں کو شامل ہے۔ ”المغرب“ میں ہے: اوصی الی زید بكذا ایصاء ووصی بہ توصیۃ (اس نے زید کو اتنے کے بارے وصیت کی)، اور الوصیۃ اور الوصایۃ دونوں مصدر کے معنی میں اسم ہیں، پھر موصی بہ (وہ شے جس کے بارے وصیت کی جائے) کو وصیت کا نام دے دیا گیا ہے۔ اور الوصایۃ کسرہ کے ساتھ وصی کا مصدر ہے اور کہا گیا ہے: الایصاء کا معنی ہے: طلب الشئ من غیرہ لیفعله علی غیب منہ حال حیاتہ وبعده وفاته، (کسی غیر سے شے کا مطالبہ کرنا تاکہ وہ اسے اس کی عدم موجودگی میں اس کی زندگی میں اور اس کی وفات کے بعد کرے) اور حدیث ظہار میں ہے: استوصی باین عمک خیراً ای اقبلی وصیتی فیہ (1) (یعنی تو اس میں میری وصیت قبول کر)، اور اس میں خیراً مصدر کی (صفت ہونے کی) بناء پر منصوب ہے: یعنی استیصاء خیراً۔ اور ”المصباح“ میں ہے: دَصَّيْتُ الی فلان توصیۃً وَاوصیتُ الیہ ایصاءً (میں نے فلاں کو وصی بنایا) اس میں الوصایۃ کسرہ کے ساتھ اسم ہے اور اس میں واو کافتحہ بھی ایک لغت ہے، اور اوصیتُ الیہ بہال (میں نے اس کے لیے مال کی وصیت کی) یعنی میں نے مال اس کے لیے کر دیا۔ اور ”القاموس“ میں ہے: اوصاه ووصاه توصیۃً: عہد الیہ یعنی اس نے اس سے عہد

1۔ مسند امام احمد بن حنبل، حدیث خولہ بنت ثعلبہ، ج 6، صفحہ 410۔ ایضاً صحیح ابن حبان، باب الظہار، ج 10، صفحہ 107

فَحِينَئِذٍ (ہی تَمْلِیکُ مُضَافٌ إِلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ) عَيْنًا كَانَ أَوْ دَيْنًا قُلْتُ يَعْنِي بِطَرِيقِ التَّبَرُّعِ
پس اس وقت وصیت ایسی تملیک ہے جو مابعد الموت کی طرف منسوب ہے چاہے وہ عین کے بارے ہو یا دین کے بارے۔
میں کہتا ہوں: اس سے مراد بطریق تبرع اور احسان ہے

لیا، اور اس میں اسم الوصایة، الوصایة اور الوصیة ہے۔
اور امام ”نوی“ نے اہل لغت سے نقل کیا ہے: کہا جاتا ہے اَوْصِيْتُهُ وَوَصِيْتُهُ بكذا (میں نے اسے اتنے کے بارے
وصیت کی) اور اَوْصِيْتُ لَهُ وَوَصِيْتُ إِلَيْهِ: جعلته كوصيًا (میں نے اسے وصی کی مثل بنایا)
میں کہتا ہوں: اور اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ لغت میں بذات خود متعدی ہونے یا لام یا الی کے واسطہ کے ساتھ متعدی
ہونے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ ان تمام صورتوں میں یہ بمعنی جعلته وصيًا استعمال ہوتا ہے، اور بلاشبہ الی کے واسطہ
کے ساتھ متعدی بمعنی تسلیک المال (مال کا مالک بنانا) استعمال ہوتا ہے، اور یہ کہ وصیۃ اور ایصاء میں سے ہر ایک ان
دونوں کے لیے آتا ہے، اور یہ کہ متعدی باللام اور متعدی بالی کے درمیان فرق کرنا اصطلاح شرعی ہے جیسا کہ ”الدرر“ سے
سمجھا جاتا ہے۔ اور اسی کے بارے ”الطوری“ نے بعض متاخرین سے تصریح کی ہے۔ گویا انہوں نے اس میں اصل معنی کی
طرف دیکھا ہے کیونکہ اَوْصِيْتُ إِلَيْهِ کا معنی ہے: عہدت الیہ بأمر اولادی (میں نے اپنی اولاد کے معاملہ میں اس سے عہد
لیا ہے)، اور اَوْصِيْتُ لَهُ کا معنی ہے: ملکْتُ لَهُ كذا (میں نے اسے اتنے کا مالک بنا دیا)، پس انہوں نے دونوں میں سے ہر
ایک کو اس کے ساتھ شمار کیا ہے جس کے ساتھ وہ متعدی ہوتا ہے جس کے معنی کو وہ دونوں متضمن ہیں۔

پھر تو جان کہ وصیۃ کی جمع وصایا ہے، اور اس کی اصل وصایہ ہے، پھر پہلی یا کو مفاعل کے الف کے بعد واقع ہونے
کی وجہ سے ہمزہ سے بدل دیا گیا، پھر اس کے کسرہ کو فتح سے بدل دیا گیا، پھر دوسری یا الف سے بدل گئی پھر ہمزہ کو یا سے بدل
دیا گیا، اس لیے کہ دو الفوں کے درمیان اس کا واقعہ ہونا مکروہ ہے۔ باقی یہ کہ وصیت اور ایصاء کے لیے اس کا عام ہونا اس
معنی پر نہیں ہے کہ یہ دونوں کو جمع کئے ہوئے ہے جیسا کہ یہ امر مخفی نہیں ہے بلکہ اس معنی پر ہے کہ وصیت متعدی بالی اور متعدی
باللام سے اسم آتا ہے اور اس کی جمع وصایا ذکر کی گئی ہے درآنحالیکہ اس سے دونوں معنوں میں سے ہر ایک مراد ہے۔ اور یہ
اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ اس کتاب میں باب الوصی کا ذکر کرنا طفلانہ عمل ہے۔ فلیتأمل۔

36133۔ (قوله: فَحِينَئِذٍ) یہ ان کے قول: بمعنی ملکہ بطریق الوصیۃ پر تفریع ہے اور یہ کہنا زیادہ واضح تھا: دہی
تسلیم یعنی واؤ کی زیادتی کے ساتھ (اور وہ تملیک ہے)، اور ضمیر ان کے کلام میں وصیۃ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ”طحاوی“۔
36134۔ (قوله: عَيْنًا كَانَ أَوْ دَيْنًا) چاہے وہ عین ہو یا دین، ”المنح“ وغیرہ کی عبارت ہے: عَيْنًا أَوْ مَنْفَعَةً وَه عین
ہو یا منفعت ہو۔ ”حلبی“۔

36135۔ (قوله: بِطَرِيقِ التَّبَرُّعِ) یعنی بطور احسان اور تبرع، یہ تملیک کے متعلق ہے، ”حلبی“۔ اور اس قید کو

لِيُخْرِجَ نَحْوَ الْإِقْرَارِ بِالذِّينِ فَإِنَّهُ نَافِذٌ مِنْ كُلِّ الْمَالِ كَمَا سَيَجِيءُ وَلَا يُنَافِيهِ وَجُوبُهَا لِحَقِّهِ تَعَالَى
فَتَأْمَلُهُ (وَهِيَ) عَلَى مَا فِي الْمُجْتَبَى أَرْبَعَةُ أَقْسَامٍ (وَاجِبَةٌ بِالزَّكَاةِ) وَالْكَفَّارَةِ (و) فِدْيَةِ (الصِّيَامِ
وَالصَّلَاةِ الَّتِي فَرَطَ فِيهَا)

تاکہ دین کے بارے اقرار وغیرہ اس سے خارج ہو جائے۔ کیونکہ وہ کل مال سے نافذ ہوتا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ اور
اللہ تعالیٰ کے حق کی وجہ سے اس کا واجب ہونا اس کے منافی نہیں ہے۔ پس تو اس میں غور و فکر کر لے۔ اور اس کی اس بنا پر جو
”المجتبیٰ“ میں ہے چار قسمیں ہیں: 1۔ واجب: یہ زکوٰۃ، کفارہ اور وہ روزے اور نمازیں جن میں کوتاہی اور سستی ہوئی ان کے
فدیہ کے بارے واجب ہے۔

”زیلعی“ نے ”النبایہ“ کی اتباع میں ذکر کیا ہے۔

36136۔ (قوله: لِيُخْرِجَ نَحْوَ الْإِقْرَارِ بِالذِّينِ) تاکہ وہ قرض کے اقرار وغیرہ کو نکال دے۔ مراد کسی اجنبی کے
لیے قرض کا اقرار ہے۔ اور اس میں ہے کہ ہمارے علماء میں سے یہ کہنے والے کہ اقرار اخبار ہے تملیک نہیں ہے۔ انہوں نے
اسی مسئلہ سے استدلال کیا ہے کیونکہ اگر وہ تملیک ہوتا تو لازم ہوتا کہ وہ کل مال سے نافذ نہ ہو جیسا کہ ہم نے کتاب الاقرار میں
اس کی وضاحت کر دی ہے۔ پس اس وقت اسے خارج کرنے کی کوئی حاجت نہیں اس لیے کہ وہ داخل ہی نہیں۔ اور تحقیق یہ
ہے کہ تبرع کی قید بالعوض مالک بننے کو خارج کرنے کے لیے ہے جیسا کہ بیع اور اجارہ، اور یہ کہ انہوں نے اپنے قول: مضاف
الی ما بعد الموت کے ساتھ ہبہ وغیرہ سے احتراز کیا ہے کیونکہ وہ تملیک ہے اور فی الحال تبرع ہے۔

36137۔ (قوله: كَمَا سَيَجِيءُ) جیسا کہ عنقریب یعنی باب العتق فی المرض کے شروع میں آئے گا۔

36138۔ (قوله: وَلَا يُنَافِيهِ الْخ) یہ مقدار سوال کا جواب ہے جو ان کے قول: بطریق التبذع پر وارد ہوتا ہے، اس کی
تقریر ظاہر ہے، اور ”شارح“ نے اپنے قول فتأملہ کے ساتھ جواب کی دقت کی طرف اشارہ کیا ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حق
کیلئے واجب جب موت کے ساتھ ساقط ہو گیا تو وہ تبرع کے مشابہ ہو گیا اور وہ بندوں کے قرضوں کی طرح نہیں ہے۔ ”حلی“۔
میں کہتا ہوں: اس کا دار و مدار اس پر ہے کہ تبرع سے مراد یہ ہو کہ اگر وہ چاہے تو اسے کرے اور اگر چاہے تو اسے ترک کر
دے، اور اس بنا پر جو ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے اس سے مراد وہ ہے جو مفت ہو نہ کہ کسی عوض کے مقابلہ میں، اور اس کے ساتھ
سوال ختم ہو جاتا ہے۔

وصیت کی اقسام

36139۔ (قوله: وَهِيَ عَلَى مَا فِي الْمُجْتَبَى) اور یہ اس بنا پر ہے جو ”المجتبیٰ“ میں ہے، اس کی عبارت ہے: وصیت کی
چار قسمیں ہیں۔ (1) واجب: جیسا کہ مال و دیعت اور مجہول قرضے واپس لوٹانے کی وصیت کرنا۔ (2) مستحب: جیسا کہ
کفارات، نماز اور روزوں کے فدیہ کی وصیت کرنا۔ (3) مباح: جیسا کہ اجنبی اور قریبی لوگوں میں سے اغنیاء کے لیے وصیت

وَمُبَاحَةٌ لِّغَنِيٍّ وَمَكْرُوهَةٌ لِّأَهْلِ فَسُوقٍ (وَالْأَلَّا فَمُسْتَحَبَّةٌ) وَلَا تَجِبُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ

2۔ مباح: غنی کے لیے وصیت مباح ہے۔ 3۔ مکروہ: اہل فسق کے لیے یہ مکروہ ہے۔ 4۔ مستحب: ان کے علاوہ وصیت کرنا مستحب ہے۔ اور یہ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے واجب نہیں ہے،

کرنا۔ (4) مکروہ: جیسا کہ اہل فسق و معاصی کے لیے وصیت کرنا۔ اور اس میں تامل اور غور و فکر ہے، اس لیے کہ ”البدائع“ میں کہا ہے: اس کے بارے وصیت کرنا جو اس پر فرائض اور واجبات میں سے ہیں، واجب ہے جیسا کہ حج، زکوٰۃ اور کفارات۔ ”شرنبلائیہ“ اور علامہ ”زیلعی“ اس پر چلے ہیں جو ”البدائع“ میں ہے۔ اور ”المواہب“ میں ہے: ”مدیون پر اس کے بارے وصیت کرنا واجب ہے جو اس پر اللہ تعالیٰ یا بندوں کے لیے لازم ہے۔“ اسی کو ”مصنف“ نے اختیار کیا ہے بخلاف اس کے جو ”الجبتی“ میں ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کے درمیان فرق کیا ہے، اور جو یہ گزرا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا حق واجب ہے وہ موت کے سبب ساقط ہو جاتا ہے وہ عدم وجوب پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ اس سے مراد اس کی ادائیگی کا ساقط ہونا ہے، ورنہ وہ اس کے ذمہ میں تو ہے۔ پس ”شارح“ کا قول علی مافی السجبتی چار کی طرف تقسیم کی حیثیت سے ہے۔ تامل۔

36140۔ (قوله: وَمُبَاحَةٌ لِّغَنِيٍّ) اور غنی کے لیے مباح ہے، شاید مراد یہ ہے کہ جب وہ قربت کا قصد نہ کرے۔ رہی یہ صورت! اگر وہ اس کے لیے وصیت اس لیے بطور اعانت کرے کہ وہ اہل علم یا اہل الصلاح میں سے ہے یا اس لیے کہ وہ پہلو تہی اختیار کرنے والا رشتہ دار ہے یا وہ عیال دار ہے تو پھر چاہیے کہ یہ مستحب ہو۔ تامل۔

36141۔ (قوله: وَمَكْرُوهَةٌ لِّأَهْلِ فَسُوقٍ) اور وہ اہل فسق کے لیے مکروہ ہے۔ اس پر وہ اعتراض وارد ہوتا ہے جو ”صحیح بخاری“ میں ہے: شاید غنی کا اعتبار کیا جاتا ہے کہ وہ صدقہ کر دے، اور سارق (چور) اس کے سبب چوری سے مستغنی ہو جائے، اور زانیہ زنا سے باز آ جائے اور ان کی مراد یہ ہے کہ جب اس کا ظن غالب یہ ہو کہ اسے (وصیت کو) فسق و فجور کے لیے خرچ کرے گا۔ ”رحمتی“۔

میں کہتا ہوں: جو گزرا ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ وصیت صحیح ہے، لیکن عنقریب باب الوصیۃ للأقارب۔ کہ آخر میں قبر کو لپ کرنے کے بارے وصیت کے باطل ہونے کے قول کی تعلیل اس طرح آئے گی کہ یہ مکروہ کے بارے وصیت ہے۔ اور عنقریب اس کی مکمل بحث وہاں آئے گی۔

36142۔ (قوله: وَالْأَلَّا فَمُسْتَحَبَّةٌ) یعنی جب اسے کوئی ایسا امر عارض نہ آئے جو اسے باطل کر دے تو وہ مستحب ہے۔

والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے وصیت کے وجوب کے قائلین کا رد

36143۔ (قوله: وَلَا تَجِبُ الْإِخ) یہ اس کا رد ہے جس نے یہ کہا ہے کہ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے وصیت

کرنا واجب ہے جب وہ ان میں سے ہوں جو وارث نہیں بنتے، یہ سورہ بقرہ کی آیت کی وجہ سے ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد

لَاَنَّ آيَةَ الْبَقَرَةِ مَنسُوخَةٌ بِآيَةِ النَّسَاءِ (سَبَبُهَا) مَا هُوَ (سَبَبُ التَّبَرُّعَاتِ وَشَرَايُطُهَا كَوْنُ الْمُوصِي أَهْلًا لِلتَّهْلِيلِ) فَلَمْ تَجْزِ مِنْ صَغِيرٍ وَمَجْنُونٍ وَمُكَاتِبٍ

کیونکہ سورہ بقرہ کی آیت سورہ النساء کی آیت سے منسوخ ہے۔ اس کا سبب وہی ہے جو تبرعات کا سبب ہے، اور اس کی شرائط موصی کا مالک بنانے کا اہل ہونا ہے، پس صغیر، مجنون اور مکاتب کی طرف سے وصیت جائز نہیں ہوتی۔

ہے: كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ (البقرہ: 180) الآية (فرض کیا گیا ہے تم پر جب قریب آجائے تم میں سے کسی کے موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال کہ وصیت کرے اپنے ماں باپ کے لیے اور قریبی رشتہ داروں کے لیے انصاف کے ساتھ ایسا کرنا پرہیزگاروں پر ضروری ہے) اور آیت النساء سے مراد آیت الموارث ہے۔

”امام بخاری“ نے اپنی ”صحیح“ میں حضرت ”عطاء“ اور حضرت ”ابن عباس“ رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: كان المال للولد، فكانت الوصية للوالدين، فنسخ الله ذلك بأحب، فجعل للذكر مثل حظ الأنثيين، وجعل للأبوين لكل واحد منهما السدس (1) (مال بیٹے کے لیے تھا، اور وصیت والدین کے لیے تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اس سے بہتر کے ساتھ منسوخ کر دیا، پس اس نے مذکر کے لیے دو مؤنثوں کے حصہ کے برابر حصہ قرار دیا، اور والدین میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ مقرر کیا) اور ”سنن“ میں حضرت ”ابو امامہ“ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: إِنَّ اللَّهَ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةَ لَوَارِثٍ (2) (بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اس کا حق ادا کر دیا ہے، پس وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں) اور اسے ”ترمذی“ اور ”ابن ماجہ“ نے روایت کیا ہے اور ”ترمذی“ نے کہا ہے: یہ حدیث حسن ہے۔ اور یہ حدیث مشہور ہے اسے ائمہ نے قبولیت کے ساتھ لیا ہے، اور ہمارے نزدیک اس جیسی حدیث سے کتاب کا نسخ جائز ہے۔ ”الثقانی“۔

وصیت کا سبب

36144۔ (قوله: سَبَبُهَا مَا هُوَ سَبَبُ التَّبَرُّعَاتِ) وصیت کا سبب وہی ہے جو تبرعات کا سبب ہے، اور وہ دنیا میں خیر اور بھلائی کے ذکر کو حاصل کرنا اور آخرت میں بلندی درجات کو پانا ہے۔ ”نہایہ“۔ اور یہ وصیت مستحبہ میں ہے، رہی وصیتہ واجبہ تو ظاہر ہے کہ اس کا سبب وہی ادا کا سبب ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا ان واجبات کو ادا کرنے کے بارے خطاب ہے اور علمائے اصول نے کہا ہے: بے شک قضاء اسی سبب کے ساتھ واجب ہوتی ہے جس کے ساتھ ادا واجب ہوتی ہے۔ فتدبر۔

وصیت کی شرائط

36145۔ (قوله: أَهْلًا لِلتَّهْلِيلِ) وہ مالک بنانے کے اہل ہو، اولیٰ ”النہایہ“ کا قول ہے: أَهْلًا لِلتَّبَرُّعِ یعنی وہ تبرع

1۔ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب لا وصیۃ لوارث، جلد 2، صفحہ 63، حدیث نمبر 2542

2۔ جامع ترمذی، کتاب الوصایا عن رسول اللہ، باب ما جاء لا وصیۃ لوارث، جلد 2، صفحہ 105، حدیث نمبر 2046

إِلَّا إِذَا أَضَافَ لِعَتَّقِهِ كَمَا سَيَجِيءُ (وَعَدَمُ اسْتِغْرَاقِهِ بِالذَّيْنِ) لِيَتَقَدَّمَ عَلَيْهِ عَلَى الْوَصِيَّةِ كَمَا سَيَجِيءُ (وَوَكُونُ الْمَوْصِي لَهُ حَيًّا وَقَتَّهَا) تَحْقِيقًا أَوْ تَقْدِيرًا لِيَشْمَلَ الْحَنْلَ الْمَوْصِي لَهُ فَافْهَمْهُ فَإِنَّ بِهِ يَسْقُطُ إِرَادُ الشُّرْطِ الْبَلَاءِيِّ (وَوَكُونُهُ غَيْرَ وَارِثٍ)

مگر جب وہ اس کی نسبت اپنے آزاد ہونے کی طرف کرے جیسا کہ آئے گا۔ اور اس کا قرض کے ساتھ مستغرق نہ ہونا ہے، اس لیے کہ قرض کی ادائیگی وصیت پر مقدم ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے اور موصی لہ کا وصیت کے وقت زندہ ہونا چاہیے تحقیقاً ہو یا تقدیراً تاکہ یہ حمل موصی لہ کو بھی شامل ہو جائے، پس اسے سمجھ لو۔ اور اس کے ساتھ ”شرط بلالیہ“ کا اعتراض ساقط ہو جاتا ہے۔ اور اس کا موت کے وقت وارث ہونا

اور احسان کرنے کے اہل ہو۔

36146۔ (قوله: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی تقریباً ایک ورق بعد آئے گا۔

36147۔ (قوله: وَعَدَمُ اسْتِغْرَاقِهِ) یعنی موصی بہ کا قرض کے ساتھ مستغرق نہ ہونا، مگر جب قرض خواہ اس سے

سے بری الذمہ قرار دیں۔ ”قہستانی“۔

36148۔ (قوله: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی عنقریب متن میں آئے گا۔

36149۔ (قوله: وَقَتَّهَا) میں کہتا ہوں: ”التاخر خانیہ“ میں ہے: موصی لہ جب اہل استحقاق میں سے معین ہو تو

ایجاب کے صحیح ہونے کا اعتبار اس دن سے کیا جائے گا جس دن اس نے وصیت کی، اور جب وہ غیر معین ہو تو ایجاب کے صحیح ہونے کا اعتبار اس دن سے کیا جائے گا جس دن موصی (وصیت کرنے والا) فوت ہوا، پس اگر اس نے بنی فلاں کے لیے ثلث کی وصیت کی اور ان کے نام نہ لیے اور نہ ان کی طرف اشارہ کیا تو یہ وصیت موصی کی موت کے وقت ان میں سے موجود لوگوں کے لیے ہوگی، اور اگر اس نے ان کا نام لیا یا ان کی طرف اشارہ کیا تو پھر وصیت انہی کے لیے ہوگی، یہاں تک کہ اگر وہ فوت ہو گئے تو وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ موصی لہ معین ہے۔ پس وصیت کے دن سے ایجاب کے صحیح ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔ ملخصاً۔

36150۔ (قوله: لِيَشْمَلَ الْحَنْلَ) تاکہ وہ حمل کو شامل ہو جائے، اس سے پہلے کہ اس میں روح پھونکی جائے۔

کیونکہ روح پھونکے جانے کے بعد تو وہ حقیقتہً زندہ ہوتا ہے۔ ”حلبی“۔

36151۔ (قوله: إِرَادُ الشُّرْطِ الْبَلَاءِيِّ) اس حیثیت سے کہ انہوں نے کہا ہے: اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حمل

کے لیے وصیت جائز ہے جبکہ اس کے لیے اس کا وجود شرط ہے نہ کہ اس کا زندہ ہونا۔ کیونکہ روح کا پھونکنا اس کے پائے جانے کے بعد ہی ہوتا ہے اور اس وقت وہ زندہ نہیں ہوتا۔ ”حلبی“۔

36152۔ (قوله: وَكَوْنُهُ غَيْرَ وَارِثٍ) اور اس کا غیر وارث ہونا، یعنی اگر وہاں دوسرا وارث ہو ورنہ وصیت صحیح ہوگی،

وَقَتَّ الْمَوْتَ (وَلَا قَاتِلَ) وَهَلْ يُشْتَرَطُ كَوْنُهُ مَعْلُومًا قُلْتُ نَعَمْ كَمَا ذَكَرَهُ ابْنُ سُلْطَانَ وَغَيْرُهُ فِي الْبَابِ الْآتِي (وَكُونُ) (الْمَوْصَى بِهِ قَابِلًا لِلتَّمْلِكِ بَعْدَ مَوْتِ الْمَوْصَى) بِعَقْدٍ مِنَ الْعُقُودِ مَالًا أَوْ نَفْعًا

اور نہ قاتل ہونا۔ اور کیا اس کا معلوم ہونا شرط ہے؟ میں کہتا ہوں: ہاں جیسا کہ اسے ”ابن سلطان“ وغیرہ نے آنے والے باب میں ذکر کیا ہے۔ اور موصی بہ کا موصی کی موت کے بعد تملک کے قابل ہونا عقد میں سے کسی عقد کے ساتھ چاہے وہ مال ہو یا نفع ہو،

جیسا کہ اگر زوجین میں سے ایک دوسرے کے لیے وصیت کرے اور اس کے سوا کوئی وارث نہ ہو جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

36153۔ (قوله: وَقَتَّ الْمَوْتَ) یعنی موت کے وقت نہ کہ وصیت کے وقت۔ یہاں تک کہ اگر اس نے اپنے بھائی

کے لیے وصیت کی در آنحالیکہ وہی وارث ہو پھر اس کا بیٹا پیدا ہوا تو بھائی کے لیے وصیت صحیح ہے، اور اگر اس نے اپنے بھائی کے لیے وصیت کی اور اس کا بیٹا ہو پھر موصی کی موت سے پہلے بیٹا فوت ہو گیا تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ ”زیلعی“۔

36154۔ (قوله: وَلَا قَاتِلَ) یعنی وہ خود قتل کرنے والا نہ ہو چاہے خطا ہو یا عمداً۔ بخلاف اس کے کہ وہ سبب بننے

والا ہو، کیونکہ اس صورت میں وہ حقیقۃً قاتل نہیں ہوتا۔ اور یہ تب ہے جب وہاں وارث ہو، اور اگر وارث نہ ہو تو وصیت صحیح ہے، اور قاتل مکلف ہو۔ اور اگر مکلف نہ ہو تو قاتل کے لیے وصیت صحیح ہوگی اگر وہ بچہ ہو یا مجنون ہو جیسا کہ آگے آئے گا۔

36155۔ (قوله: وَهَلْ يُشْتَرَطُ كَوْنُهُ) یعنی کیا موصی لہ کا معلوم یعنی معین ہونا شرط ہے چاہے وہ شخص ہو جیسے: زید

یا وہ نوع ہو۔ جیسے مساکین؟ پس اگر اس نے کہا: میں نے فلاں کے لیے یا فلاں کے لیے اپنے ثلث مال کی وصیت کی تو ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جہالت کی وجہ سے یہ وصیت باطل ہے جیسا کہ عنقریب وہ اسے وصایا الذمی سے پہلے ذکر کریں گے۔ اور ”الولوالجیہ“ میں ہے۔ کسی عورت نے وصیت کی کہ وہ اس کی طرف سے اتنے کے عوض لونڈی آزاد کرے اور اس کو ثلث مال میں سے اتنا دے دے: پس اگر وہ لونڈی معین ہو تو دونوں وصیتیں جائز ہیں۔ اور اگر وہ معین نہ ہو تو عتق (آزادی) کے بارے وصیت جائز ہے، مال کے بارے نہیں، مگر یہ کہ وہ مال وصی کے سپرد کر دے اور اسے یہ کہے: تو اسے دے دے اگر تو پسند کرے۔ کیونکہ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بارے ذکر کیا ہے جس نے یہ وصیت کی کہ اس کی لونڈی اسے بیچ دی جائے جسے وہ (لونڈی) پسند کرے تو وراثت کو اس کے ہاتھ اسے فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا جسے اس نے پسند کیا۔ پس اگر آدمی اسے اس کی قیمت کے عوض لینے سے انکار کر دے تو موصی کے ثلث مال کی مقدار اس سے کم ہو جائے گی۔ ملخصاً۔

میں کہتا ہوں: اس سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ تخیر کے وقت مجہول کے لیے وصیت صحیح ہوتی ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے۔ کیونکہ یہ جہالت باہمی جھگڑے تک نہیں پہنچاتی کیونکہ جس کو اختیار ہوتا ہے اس کے معین کرنے کے ساتھ جہالت ختم ہو جاتی ہے۔ بخلاف اس کے کہ اگر وہ کہے: لرجل او قال لزید او عمرو۔ تامل۔

36156۔ (قوله: بِعَقْدٍ) یہ تملیک کے متعلق ہے۔

36157۔ (قوله: مَالًا أَوْ نَفْعًا) یہ موصی بہ کے عام ہونے کا بیان ہے یعنی وہ مال ہو یا نفع ہو۔

مَوْجُودًا لِحَالٍ أَمْ مَعْدُومًا وَأَنْ يَكُونَ بِمِقْدَارِ الثُّلُثِ (وَرُكْنُهَا قَوْلُهُ وَأَوْصَيْتُ بِكَذَا لِفُلَانٍ وَمَا يَجْرِي مَجْرَاهُ مِنَ الْأَلْفَاظِ الْمُسْتَعْمَلَةِ فِيهَا)

فی الحال موجود ہو یا معدوم ہو، اور یہ کہ وہ ثلث کی مقدار کے برابر ہو۔ اور اس کا رکن اس کا یہ قول ہے: میں نے فلاں کے لیے اتنے کے بارے وصیت کی، اور اس میں استعمال ہونے والے الفاظ میں سے جو اس کے قائم مقام ہیں۔

36158۔ (قوله: أَمْ مَعْدُومًا) یعنی در آنحالیکہ وہ عقود میں سے کسی عقد کے ساتھ تملیک کو قبول کرتی ہو۔ ”النبایہ“ میں کہا ہے: ”اور اسی لیے ہم نے کہا ہے کہ اس بارے وصیت کرنا کہ اس کا کھجور کا درخت پورا سال یا ہمیشہ پھل لائے، یہ جائز ہے، اگرچہ موصی بہ معدوم ہو، کیونکہ وہ موصی کی زندگی کے دوران عقد معاملہ کے ساتھ تملیک کو قبول کرتی ہے۔ اور ہم نے کہا ہے کہ اگر اس کی وصیت اس بارے ہو جو اس کی بکریاں جنیں گی تو وہ استحسانا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ موصی کی حیات کے دوران عقود میں سے کسی عقد کے ساتھ تملیک کو قبول نہیں کرتی۔“ اور ”القہستانی“ میں ہے: ”موصی بہ جب معین ہو یا غیر معین ہو اور وہ بعض مال میں شائع ہو تو وصیت کے وقت اس کا موجود ہونا شرط ہے، اور اگر وہ کل مال میں شائع ہو تو پھر موت کے وقت اس کا موجود ہونا شرط ہے، جیسا کہ جب کوئی وصیت کرے بمعز من غنسی او من مالی یعنی میرے ریوڑ میں سے بھیڑوں کی یا اپنے مال میں سے بھیڑوں کی۔ تو پہلی صورت میں وصیت کے وقت بھیڑوں کا موجود ہونا شرط ہے اور دوسری صورت میں موت کے وقت۔ اور اسی کی مثل ”التاثر خانیہ“ میں ہے اور اس کی مکمل بحث آنے والے باب میں آئے گی۔

36159۔ (قوله: وَأَنْ يَكُونَ بِمِقْدَارِ الثُّلُثِ) اور یہ کہ وہ ثلث مقدار کے برابر ہو، یعنی اگر وہاں وارث ہو تو پھر ثلث سے زیادہ کے بارے وصیت جائز نہیں، اور جو ہم نے بیان کیا ہے اس سے یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ ان شروط میں سے بعض لزوم کی شروط ہیں اور وہ وہ ہے جو غیر کے حق کے لیے موقوف ہو اور اس کی اجازت کے ساتھ نافذ ہو اور بعض صحیح ہونے کی شرائط ہیں۔

وصیت کا رکن

36160۔ (قوله: وَمَا يَجْرِي مَجْرَاهُ الْخ) اور جو اس کے قائم مقام ہیں الخ۔ ”الخانیہ“ میں کہا ہے: اوصیت لفلان بكذا بكذا ولفلان بكذا (میں نے فلاں کے لیے اتنے کی اور فلاں کے لیے اتنے کی وصیت کی) اور جعلت رُبْعَ دَارِي صَدَقَةً لِفُلَانٍ (میں نے اپنے گھر کا چوتھائی حصہ فلاں کے لیے صدقہ کر دیا)۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: میں اس وصیت کے لیے جائز قرار دیتا ہوں۔ اور امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے ایک سوال میں جو ان پر پیش کیا گیا یہی کہا ہے۔ اور رہا اس کا قول جعلت وہ وصیت ہے اس میں قبضہ کرنا اور اسے تقسیم کے ساتھ الگ کرنا شرط نہیں ہے۔ ملخصاً۔ اور ”النبایہ“ میں ہے: اور رہا اس میں الفاظ مستعملہ کا بیان: تو امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے ”النوادر“ میں ہے: جب اس نے کہا: اشهدوا انی اوصیت لفلان بالف درهم (تم گواہ رہو میں نے فلاں کے لیے ہزار درہم کی وصیت کی ہے) اور اوصیت ان لفلان فی مالی الف درهم (تم گواہ رہو میں

وَفِي الْبَدَائِعِ رُكْنُهَا الْإِيجَابُ وَالْقَبُولُ وَقَالَ زُفَرٌ الْإِيجَابُ فَقَطُّ قُلْتُ وَالْمُرَادُ بِالْقَبُولِ مَا يَعْنُمُ الصَّرِيحَ
وَالدَّلَالَةَ بِأَنْ يَبُوتَ الْمُوصَى لَهُ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوصِي بِلَا قَبُولٍ كَمَا سَيَجِيءُ

اور ”البدائع“ میں ہے: ”اس کا رکن ایجاب اور قبول ہیں۔“ اور امام ”زفر“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس کا رکن صرف ایجاب ہے۔
میں کہتا ہوں: قبول سے مراد وہ ہے جو صریح اور دلالت کو عام ہو اس طرح کہ موصیٰ لہ موصیٰ کی موت کے بعد بغیر قبول کئے
فوت ہو جائے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

نے وصیت کی ہے کہ میرے مال میں فلاں کے ہزار درہم ہیں) تو اس میں پہلا قول وصیت ہے اور دوسرا اقرار ہے۔ اور اصل
میں اس کا قول: سدس داری لفلان (میرے گھر کا چھٹا حصہ فلاں کے لیے ہے) یہ وصیت ہے۔ اور اس کا قول: لفلان
سدس فی داری (فلاں کا میرے گھر میں چھٹا حصہ ہے) یہ اقرار ہے۔ اور اسی بنا پر اس کا قول: لفلان الف درہم من مالی
(فلاں کے لیے میرے مال سے ہزار درہم ہیں) استحساناً وصیت ہے جب یہ اس کی وصیت کے ذکر میں ہو، اور فی مالی اقرار
ہے، اور جب وہ اپنی وصیت اپنے ہاتھ سے لکھے پھر کہے: اشہدوا علی فی هذا الكتاب (اس تحریر میں تم مجھ پر گواہ ہو جاؤ)
تو استحساناً یہ جائز ہے، اور اگر اسے کسی غیر نے لکھا تو وہ جائز نہیں۔ ملخصاً۔

36161۔ (قوله: وَفِي الْبَدَائِعِ الْخ) اس کی عبارت اسی کے مطابق ہے جو ”الشربلالیہ“ میں ہے۔ اور رہا وصیت کا
رکن تو اس میں اختلاف ہے۔ ہمارے اصحاب ثلاثہ یعنی ”امام صاحب اور آپ کے صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے: وہ ایجاب
اور قبول ہے۔ ایجاب موصیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور قبول موصیٰ لہ کی طرف سے۔ پس جب تک یہ دونوں اکٹھے نہ پائے
جائیں تو رکن مکمل نہیں ہوتا۔ اور اگر تو چاہے تو یہ کہہ: وصیت کا رکن موصیٰ کی جانب سے ایجاب ہے، اور موصیٰ لہ کی جانب
عدم رد ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس کے رد کرنے سے مایوسی واقع نہ ہو، اور یہ تخریج مسائل کو زیادہ شامل ہے۔

اور امام ”زفر“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: رکن صرف موصیٰ کی طرف سے ایجاب ہے۔ اور ”مصنف“ کا کلام شارحین ”ہدایہ“ کی
اتباع میں ہے جو اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ قبول شرط ہے رکن نہیں ہے۔ اور جو ”البدائع“ میں ہے وہ اس کے موافق ہے
جسے وہ تمام عقود جیسے بیع وغیرہ میں ذکر کرتے ہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک رکن ہے۔

36162۔ (قوله: قُلْتُ الْخ) اسے ”الشربلالیہ“ میں ”الخلاصہ“ کی طرف منسوب کیا ہے، اور ظاہر ہے کہ قبول سے
مراد رد نہ کرنے پر دلالت ہے۔ پس وہ اسی معنی میں ہے جسے ہم نے ”البدائع“ سے اس قول کے ساتھ بیان کر دیا ہے: وان
شئت قلت الخ، پھر قبول اور رد میں وہ معتبر ہے جو موت کے بعد ہونہ کہ وہ جو اس سے پہلے ہو جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

36163۔ (قوله: بِأَنْ يَبُوتَ الْخ) یہ دلالت کی صورت بیان ہو رہی ہے۔ اور اسی کی مثل حمل کے لیے وصیت ہے۔
اور باقی یہ رہا کہ اگر موصیٰ لہ غیر معین ہو جیسا کہ فقراء، تو پھر ظاہر ہے کہ قبول شرط نہیں ہے یا وہ دلالت موجود ہوگا۔ تامل۔

36164۔ (قوله: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی جیسا کہ عنقریب دوسرے ورقہ میں آئے گا۔

(وَحُكْمُهَا كَوْنُ الْمُوصَى بِهِ مِلْكًا جَدِيدًا لِلْمُوصَى لَهُ) كَمَا فِي الْهَبَةِ فَيَلْزَمُهُ اسْتِبْرَاءُ الْجَارِيَةِ الْمُوصَى بِهَا (وَتَجُوزُ بِالثُّلُثِ لِلْأَجْنَبِيِّ) عِنْدَ عَدَمِ الْمَانِعِ (وَإِنْ لَمْ يُجْزِ الْوَارِثُ ذَلِكَ لَا الزِّيَادَةُ عَلَيْهِ إِلَّا أَنْ تُجِيزَ وَرَثَتُهُ بَعْدَ مَوْتِهِ)

اور اس کا حکم یہ ہے: کہ موصی یہ موصیٰ لہ کے لیے ملک جدید ہو جیسا کہ ہبہ میں ہوتا ہے۔ پس موصی بھالونڈی کو استبراء کرانا اس پر لازم ہوگا اور اجنبی کے لیے مانع نہ ہونے کے وقت ثلث کی وصیت جائز ہوتی ہے اگرچہ وارث اس کی اجازت نہ دے، اس سے زیادہ کی نہیں، مگر یہ کہ اس کی موت کے بعد اس کے وارث اجازت دے دیں۔

وصیت کا حکم

36165۔ (قوله: وَحُكْمُهَا الْخ) اور وصیت کا حکم الخ، یہ موصیٰ لہ کی جانب میں ہے۔ اور رہی موصیٰ کی جانب تو گزر چکا ہے کہ اس کی چار اقسام ہیں۔ اسے ”الشر بنالہ“ میں بیان کیا ہے۔ علامہ ”طحطاوی“ نے کہا ہے: اور اس میں ہے کہ یہاں حکم سے مراد کسی شی پر مرتب ہونے والا اثر ہے، اور اس بارے میں جو گزر چکا ہے اسے صفت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اگر کوئی مانع موجود نہ ہو تو اجنبی کے لیے ثلث مال سے وصیت کرنا جائز ہے

36166۔ (قوله: عِنْدَ عَدَمِ الْمَانِعِ) مانع نہ ہونے کے وقت، مانع مثلاً قتل کرنا یا ڈاکہ ڈالنا، یا قرض کے ساتھ

مستغرق ہونا وغیرہ۔

36167۔ (قوله: لَا الزِّيَادَةُ عَلَيْهِ الْخ) نہ کہ ثلث سے زیادہ ہو۔ پس جب اس نے ثلث سے زیادہ کے بارے وصیت کی اور اس کا ایسا وارث ہو جو اسے رد کر سکتا ہو اور وہ اس کی اجازت دے دے تو ما بقی اس وارث کے لیے ہوگا، اور اگر اس نے اجازت دی جو اسے رد نہیں کر سکتا تو ما بقی میں اس کا حصہ ہوگا اور جو باقی ہوگا وہ بیت المال کے لیے ہوگا۔ پس اگر اس نے اپنے مال کے دو تہائی کی وصیت کی اور بیوی نے اجازت دے دی تو اس کے لیے ایک ثلث کا چوتھا حصہ ہوگا یعنی بارہ میں سے ایک حصہ ہوگا جو دو ثلث اور باقی چوتھائی کا مخرج ہے، اور بیت المال کے لیے اس میں سے تین حصے ہوں گے اور زید موصیٰ لہ کے لیے آٹھ حصے (دو ثلث) ہوں گے۔ اور اس کی مکمل بحث ”شرح السامحانی“ باب الفرائض میں ہے جو منظومہ ”ابن الشحنة“ پر لکھی گئی ہے۔ اور اگر وہ اجازت نہ دے اور وہ اس کے لیے بھی وصیت کرے یا نہ کرے تحقیق انہوں نے اس کی وضاحت ”الجوہرہ“ میں کی ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کرو۔

36168۔ (قوله: إِلَّا أَنْ تُجِيزَ وَرَثَتُهُ الْخ) مگر یہ کہ اس کے ورثاء اس کی وصیت کے بارے علم ہونے کے بعد اس

کی اجازت دے دیں، لیکن جب وہ یہ جانتے ہوں کہ اس نے کئی وصیتیں کی ہیں اور یہ نہ جانتے ہوں جس کے ساتھ اس نے وصیت کی ہے، اور وہ کہہ دیں ہم نے اس کی اجازت دے دی تو ان کی اجازت صحیح نہیں ہوگی۔ اسے ”الغانیہ“ نے ”المشتقی“ سے نقل کیا ہے۔ اور ”سامحانی“ نے ”المقدسی“ سے نقل کیا ہے: جب بعض ورثاء اجازت دے دیں تو اس کے حصہ کی مقدار

وَلَا تُعْتَبَرُ إِجَازَتُهُمْ حَالِ حَيَاتِهِ أَصْلًا بَلْ بَعْدَ وَفَاتِهِ (وَهُمْ كِبَارٌ يَعْنِي يُعْتَبَرُ كَوْنُهُ وَارِثُهُ

اور اس کی حیات کی حالت میں ان کی اجازت بالکل معتبر نہیں ہوگی بلکہ اس کی وفات کے بعد اور وہ بڑے (بالغ اور مکلف) ہوں یعنی اس کے وارث ہونے

کے برابر اس پر جائز ہے اگر کل ورثاء اجازت دیتے، یہاں تک کہ اگر کسی نے کسی آدمی کے لیے نصف کی وصیت کی اور دو مساوی وارثوں میں سے ایک نے اس کی اجازت دے دی تو اجازت دینے والے کے لیے چوتھائی حصہ (ربع) ہوگا اور اس کے ساتھی وارث کے لیے تہائی حصہ (ثلث) ہوگا اور موصی لہ کے لیے ایک ثلث اصلی ہوگا اور مجیز کی طرف سے چھٹے حصہ (سدس) کا نصف ہوگا۔ اور اسی کی مثل ”غایۃ البیان“ میں ہے۔

تنبیہ

جب موت کے بعد اجازت صحیح ہے تو موصی کی جانب سے ہمارے نزدیک مُجازلہ (جس کے لیے اجازت دی جائے) اس کا مالک بن جاتا ہے، اور امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کے نزدیک مجیز کی طرف سے وہ مالک بنتا ہے جیسا کہ ”زیلعی“ میں ہے۔ اور عنقریب آنے والے باب کے آخر میں اس کا بیان آئے گا۔

36169۔ (قولہ: وَلَا تُعْتَبَرُ الْإِجَازَةُ) اور موصی کی حیات میں ان کی اجازت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ ان کا حق ثابت ہونے سے پہلے ہے۔ کیونکہ حق موت کے وقت ثابت ہوتا ہے۔ پس ان کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے اس کی وفات کے بعد رد کر دیں، بخلاف موت کے بعد اجازت کے۔ کیونکہ وہ حق ثابت ہونے کے بعد ہے۔ اور اس کی مکمل بحث ”المنہج“ میں ہے۔ اور ”البرزازیہ“ میں ہے: موت کے بعد اجازت کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ اس سے پہلے، یہ وصیت میں ہے۔ رہے وہ تصرفات جو اس کے احکام کے لیے مفید ہیں مثلاً اعتاق وغیرہ، جب ان میں سے کوئی مرض موت میں صادر ہو اور وارث موت سے پہلے اس کی اجازت دے دے تو اس بارے میں ہمارے اصحاب سے کوئی روایت نہیں ہے۔ الامام ”علاء الدین سمرقندی“ نے کہا ہے: مریض نے اپنے غلام کو آزاد کر دیا اور ورثاء اس کی موت سے پہلے اس کے ساتھ راضی ہو گئے تو غلام کوئی شئی کما کر نہیں دے گا۔ تحقیق انہوں نے اس پر نص بیان کی ہے کہ زخمی آدمی کا وارث جب زخم لگانے والے کو معاف کر دے تو وہ صحیح ہوتا ہے اور وہ زخمی آدمی کی موت کے بعد مطالبہ کا مالک نہیں ہوتا۔

36170۔ (قولہ: وَهُوَ كِبَارٌ) اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اہل تصرف میں سے ہوں۔ اس کی مکمل بحث آگے آرہی ہے۔

36171۔ (قولہ: يَعْنِي يُعْتَبَرُ الْإِجَازَةُ) اسے مستقل مسئلہ بنانا زیادہ مناسب ہے۔ پس اسے واؤ کے ساتھ تعبیر کیا جائے۔ ”طحاوی“۔

میں کہتا ہوں: شاید ”شارح“ اسے ”مصنف“ کی عبارت سے ظرف بنا لینے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، اور وہ بعد موتہ ہے جس میں اس کا قول: تجیز اور اس کا قول: ورثتہ تنازع کر رہے ہیں، اور جب اس میں خفا ہو تو وہ اسے یعنی کے

أَوْ غَيْرُ وَاَرِثَ وَقَتَّ الْمَوْتِ لَا وَقَتَّ الْوَصِيَّةِ عَلَى الْعَكْسِ إِقْرَارُ الْمَرِيضِ لِلْوَارِثِ (وَنُذِبْتُ بِأَقْلٍ مِنْهُ) وَلَوْ
(عِنْدَ غَنَى وَرَثَتِهِ

یا نہ ہونے کا اعتبار موت کے وقت کیا جائے گا نہ کہ وصیت کے وقت، یہ مریض کے وارث کے لیے اقرار کرنے کے برعکس ہے۔ اور ثلث سے کم کے ساتھ وصیت کرنا مستحب ہے اگرچہ وہ اس کے ورثاء کے غنی اور دولت مند ہونے کے وقت ہو

لفظ کے ساتھ لائے۔ تامل۔

36172۔ (قوله: وَقَتَّ الْمَوْتِ لَا وَقَتَّ الْوَصِيَّةِ) موت کے وقت نہ کہ وصیت کے وقت۔ کیونکہ یہ (وصیت)

تملیک ہے جو اس کی طرف مضاف ہے جو موت کے بعد ہے۔ پس تملیک کا اعتبار اپنے وقت میں کیا جائے گا، ”زیلعی“۔ اور ہم اس پر ان سے تفریع پہلے بیان کر چکے ہیں۔

36173۔ (قوله: عَلَى الْعَكْسِ إِقْرَارُ الْمَرِيضِ) مریض کے اقرار کے برعکس۔ پس اس میں اس کے وارث یا غیر

وارث ہونے کا اعتبار اقرار کے وقت کیا جائے گا یہاں تک کہ اگر اس نے غیر وارث کے لیے اقرار کیا تو وہ جائز ہے اگرچہ وہ اس کے بعد وارث ہو جائے۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اقرار کے بعد اس کا وارث ہونا نئے پیدا ہونے والے سبب کے ساتھ ہو جیسا کہ اگر وہ کسی اجنبیہ عورت کے لیے اقرار کرے اور پھر اس سے شادی کر لے، بخلاف اس صورت کے کہ جب سبب وہی قائم ہو لیکن کوئی مانع اسے وراثت سے روک دے پھر اس کے بعد وہ مانع زائل ہو جائے، جیسا کہ اگر وہ اپنے کافر بیٹے یا غلام کے لیے اقرار کرے پھر وہ اسلام قبول کر لے یا غلام آزاد ہو جائے تو یہ اقرار کو باطل کر دے گا جیسا کہ وصیت اور ہبہ ہیں جیسا کہ عنقریب متن میں آئے گا، پس جو ”زیلعی“ وغیرہ نے ”النبایہ“ کی اتباع میں ذکر کیا ہے کہ اگر اس نے اپنے غلام بیٹے کے لیے اقرار کیا تو وہ آزاد ہونے کے ساتھ باطل نہیں ہو گا وہ اس لیے ہے کیونکہ اس کے لیے وراثت کا حق اقرار کے بعد نئے سبب کے ساتھ ثابت ہو رہا ہے، اس لیے کہ یہ اس کے اجنبی آقا کے اقرار کے معنی میں ہے۔ پس علامہ ”التقانی“ نے اسے رد کیا ہے اس طرح کہ یہ سہو ہے اس کو نقل کرنا صحیح نہیں ہے۔ تحقیق ”جامع صغیر“ میں اس کے خلاف پر نص موجود ہے۔

میں کہتا ہوں: بلکہ یہ متون کے بھی مخالف ہے جیسا کہ اس پر بحث آرہی ہے کہ اس میں نئے پیدا ہونے والے سبب کے ساتھ وراثت ہونا محل نظر ہے۔ ہاں ”ہدایہ“ میں ذکر کیا ہے کہ اگر وہ غیر مقروض ہو تو اقرار صحیح ہو گا اور اگر مقروض ہو تو نہیں اور عنقریب بحث آئے گی۔ فذہر۔

ثلث مال سے کم کی وصیت کرنا مستحب ہے

36174۔ (قوله: وَلَوْ عِنْدَ غَنَى وَرَثَتِهِ الْخ) اگرچہ وہ اپنے ورثاء کے غنی ہونے کے وقت ہوا۔ ”شارح“ نے لو

وصلیہ کا اضافہ کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ غنی یا استغناء نہ ہونے کے وقت ثلث سے کم کے ساتھ وصیت کرنا بھی مستحب ہے، اور وہ اسی طرح ہے جیسا کہ ”صاحب ہدایہ“ نے کہا ہے: اور مستحب ہے کہ ثلث سے کم کے ساتھ وصیت کرے چاہے

ورثاء اغنیاء ہوں یا فقرا۔ کیونکہ کم کرنے کی صورت میں قرابتداروں کے ساتھ صلہ رحمی ہے اپنے اس حق کو ترک کرنے کی وجہ سے جو اس کا ان پر ہے، بخلاف وصیت میں ثلث کو مکمل کرنے کے۔ کیونکہ اس میں اپنا کامل حق لینا ہے۔ پس اس میں صلہ نہیں ہے۔ پھر کیا ثلث سے اقل کے ساتھ وصیت کرنا اولیٰ ہے یا اسے ترک کرنا؟ تو فقہاء نے کہا ہے: اگر ورثاء فقیر ہوں، اور وہ اس کے ساتھ مستغنی نہ ہوں جس کے وہ وارث بنیں گے، تو وصیت ترک کرنا اولیٰ ہے، کیونکہ اس میں قرابتداروں پر صدقہ کرنا ہے۔ اور حضور نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ عَلَى ذِي الرَّحْمِ الْكَاشِحِ (1) (افضل صدقہ ایسے رشتہ دار پر صدقہ کرنا ہے جو اپنے اندر عداوت چھپائے ہوئے ہو) اور اس لیے بھی کہ اس میں فقر اور قرابت دونوں کے حق کی رعایت ہے، اور اگر وہ غنی ہوں یا وہ اپنا حصہ لینے کے ساتھ مستغنی ہو جائیں تو پھر وصیت کرنا اولیٰ ہے، کیونکہ یہ اجنبی پر صدقہ ہوتا ہے، اور ترک کرنا قریبی کو ہبہ کرنا ہے، اور ان میں سے پہلا (یعنی صدقہ) اولیٰ ہے، کیونکہ وہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہے، اور اس وجہ سے یہ بھی کہا گیا ہے: اسے اختیار دیا جائے گا اس لیے کہ ان میں ہر ایک فضیلت پر مشتمل ہے اور وہ صدقہ یا صلہ ہے۔ یہاں ”ہدایہ“ کا کلام اختتام پذیر ہوا۔

حاصل کلام

اس کا حاصل یہ ہے کہ مکمل ثلث کے بارے وصیت مناسب نہیں، بلکہ اس سے مطلقاً کچھ کم کرنا مستحب ہے۔ کیونکہ حضور نبی رحمت ﷺ نے ثلث کو اپنے اس ارشاد: وَالثَّلْثُ كَثِيرٌ (2) کے ساتھ کثیر قرار دیا ہے، لیکن ورثاء کے فقیر ہونے کے وقت اس میں کمی کرنا اگرچہ مستحب ہے مگر یہ کہ وہاں جو ہے وہ اس سے اولیٰ ہے، اور وہ بالکل ترک کرنا ہے۔ کیونکہ مستحب اپنے درجات میں متفاوت ہوتا ہے، اور اسی طرح مسنون اور مکروہ وغیرہ ہیں۔ اور اسی سے تیرے لیے ظاہر ہو گیا کہ ”شارح“ محقق کا لوصلیہ کے ساتھ لانا ”ہدایہ“ کے موافق ہے، فافہم۔ اسے یاد کر لو۔ اور ”القبستانی“ میں ہے: جب مال قلیل ہو تو مناسب نہیں کہ وہ اس کی وصیت کرے، یہ اس بنا پر ہے جو امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: اور یہ تب ہے جب اولاد بڑی (یعنی تصرف کرنے کے اہل) ہو، پس اگر وہ چھوٹے ہوں تو مطلق وصیت ترک کرنا افضل ہے۔ اور یہ اس بنا پر ہے جو شیخین رحمہ اللہ سے مروی ہے جیسا کہ ”قاضی خان“ میں ہے۔ پس تفصیل بلاشبہ کبار میں ہے۔ اور رہے صغار! تو ان کے لیے مال چھوڑنا افضل ہے اگرچہ وہ اغنیاء اور مالدار ہوں۔

تنبیہ

”الحادی القدسی“ میں کہا ہے: جس کا کوئی وارث نہ ہو اور نہ اس پر کوئی قرض ہو تو اولیٰ یہ ہے کہ وہ اپنے ہاتھ کے ساتھ صدقہ کرنے کے بعد اپنے تمام مال کے بارے وصیت کرے۔

1۔ مسند امام احمد، بردایت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ، صفحہ 1733، حدیث نمبر 23927

2۔ سنن نسائی، کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بالثلث، جلد 2، صفحہ 621، حدیث نمبر 3566

أَوْ اسْتِغْنَائِهِمْ بِحِصَّتِهِمْ كَتَرَكُهَا) أَمَى كَمَا نَدِبَ تَرَكُهَا (بِلَا أَحَدٍ هَمَا) أَمَى غَنَى وَاسْتِغْنَاءٌ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ صَلََّةٌ وَصَدَقَةٌ (وَتَوَخَّرَ عَنِ الدِّينِ) لَتَقْدَمَ حَقَّ الْعَبْدِ (وَصَحَّتْ بِالْكَلِّ عِنْدَ عَدَمٍ وَرَثَتِهِ) وَلَوْ حُكْمًا كُسْتَأْمَنَ لِعَدَمِ الْمَزَاحِمِ (وَلَيْسَلُوكِهِ بِثُلُثِ مَالِهِ) اِتِّفَاقًا وَتَكُونُ وَصِيَّةً بِالْعِثْقِ فَإِنْ خَرَجَ مِنْ الثُّلُثِ فِيهَا وَإِلَّا سَعَى بِقِيَّةِ قِيَمَتِهِ وَإِنْ فَضَلَ مِنَ الثُّلُثِ شَيْءٌ فَهُوَ لَهُ

یا ان کے اپنے حصہ کے ساتھ مستغنی ہونے کے وقت ہو جیسا کہ اسے ترک کرنا یعنی جیسا کہ ان دو میں سے ایک یعنی غنا اور استغنا کے بغیر وصیت کو ترک کرنا مستحب ہے۔ کیونکہ اس وقت اس کا ترک صلہ اور صدقہ ہے۔ اور اسے قرض سے مؤخر کیا جائے گا۔ کیونکہ بندے کا حق مقدم ہوتا ہے۔ اور ورثاء نہ ہونے کے وقت کل مال کی وصیت کرنا صحیح ہے اگرچہ وہ حکماً ہو جیسا کہ متامن۔ اور یہ حکم عدم مزاحم کی وجہ سے ہے۔ اور اپنے مملوک غلام کے لیے اپنے ثلث مال کی وصیت کرنا بالاتفاق صحیح ہے، اور یہ وصیت اس کی آزادی کے بارے وصیت ہوگی۔ پس اگر وہ اس کے ثلث مال سے نکل گیا تو بہتر ورنہ وہ اپنی بقیہ قیمت کے لیے سعی اور کوشش کرے گا، اور اگر ثلث سے کوئی شی زائد بیچ گئی تو وہ اسی کے لیے ہوگی۔

36175۔ (قوله: أَوْ اسْتِغْنَائِهِمْ بِحِصَّتِهِمْ) یعنی اپنے حصہ کے ساتھ ان کے غنی ہو جانے کے وقت، اس طرح کہ

ان میں سے ہر ایک چار ہزار درہم کا وارث ہو۔ یہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ سے مروی ہے، یا وہ دس ہزار درہم کا وارث ہو، یہ علامہ ”فضلی“ سے مروی ہے۔ اسے ”قہستانی“ نے ”الظہیریہ“ سے نقل کیا ہے۔ اور ”الاتقانی“ نے پہلے قول پر اقتصار کیا ہے۔

36176۔ (قوله: أَمَى غَنَى وَاسْتِغْنَاءٌ) اسے واؤ کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ان کے قول: بلا

احدا ہما سے مراد دونوں کا ایک ساتھ نہ ہونا ہے، کیونکہ اگر ان میں سے ایک دوسرے کے بغیر پایا جائے تو پھر فعل (وصیت کرنا) مستحب ہے نہ کہ ترک، تو یہ اپنے ماقبل کے مناقض ہو جاتا ہے، فندبر۔

36177۔ (قوله: لِأَنَّهُ) اس میں ضمیر سے مراد ترک وصیت ہے۔

36178۔ (قوله: كُسْتَأْمَنَ) جیسا کہ متامن۔ کیونکہ وہ جب اپنے کل مال کے بارے کسی مسلمان یا ذمی کے

لیے وصیت کرے تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ کل مال کی وصیت سے مانع ورثاء کا حق ہے، اور دار الحرب میں ورثاء کا کوئی حق نہیں، ”ولو البجیہ“۔ اور اس کی مکمل بحث عنقریب باب وصایا الذمی میں آئے گی۔

36179۔ (قوله: لِعَدَمِ الْمَزَاحِمِ) مزاحم نہ ہونے کی وجہ سے۔ یہ ان کے قول: وَصَحَّتْ اور اسکے مابعد کی مست ہے۔

اپنے مملوک غلام کے لیے اپنے ثلث مال کی وصیت کرنا بالاتفاق صحیح ہے

36180۔ (قوله: وَتَكُونُ وَصِيَّةً بِالْعِثْقِ) یعنی یہ وصیت غلام کی ذات کے لیے وصیت ہوگی وصیت کو صحیح قرار

دینے کے لیے اور اس کے بارے جو ثلث مکمل ہونے تک غلام کی قیمت سے زائد ہے۔

36181۔ (قوله: فَإِنْ خَرَجَ مِنَ الثُّلُثِ الْخ) پس اگر وہ ثلث سے نکلے الخ، اس میں اجمال ہے۔ اور اس کا بیان

(وَبَدَرَاهُمْ أَوْ بَدَنَانِيَرٍ مُّرْسَلَةٍ لَا تَصِحُّ فِي الْأَصَحِّ كَمَا لَا تَصِحُّ بِعَيْنٍ مِنْ أَعْيَانِ مَالِهِ لَهُ وَصَحَّتْ لِبُكَاتِبِ نَفْسِهِ

اور مطلق دراہم و دنانیر کے بارے وصیت اصح قول کے مطابق صحیح نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اس کے مال کی اجناس میں سے ایک جنس کی وصیت صحیح نہیں ہوتی۔ اور وصیت اپنے مکاتب

اور تفصیل وہ ہے جسے ”طحطاوی“ نے ”ہندیہ“ سے، اور انہوں نے ”البدائع“ سے نقل کیا ہے: ”اگر مال دراہم یا دنانیر کی صورت میں ہو اور غلام کے دو تہائی کی قیمت اس کی مثل ہو جو اس کے لیے ثابت ہے تو اس کا بدلہ اور قصاص ہوگا، اور اگر مال زیادہ ہو تو وہ زیادتی غلام کو دے دی جائے یا غلام کے دو تہائی میں زیادتی ہو تو وہ ورثاء کو دے دی جائے، اور اگر مال سامان کی صورت میں ہو تو وہ قصاص نہیں ہوگا مگر باہم رضامندی کے ساتھ اس لیے کہ جنس مختلف ہے۔ اور غلام اپنی قیمت کے دو ثلث کمائے گا اور اس کے لیے اس کے تمام اموال کا ایک ثلث ہوگا۔ اور یہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے، اور رہے ”صاحبین“ رحمہ اللہ تو ان کے نزدیک وہ سارے کا سارا مدبر ہے، پس وہ مکمل آزاد ہو جائے گا اور وہ تمام وصایا پر مقدم ہوگا۔ اور اگر ثلث اس کی قیمت سے زائد ہوا، تو وہ ورثاء اسے دے دیں۔ اور اگر اس کی قیمت زیادہ ہوئی تو وہ زیادتی اور اضافی قیمت کما کر ورثاء کے حوالے کرے، ملخصاً۔

میں کہتا ہوں: اختلاف کا دار و مدار اس پر ہے کہ کیا اعتاق تجزی کو قبول کرتا ہے یا نہیں جیسا کہ ”شرح الجمع“ میں ہے۔ اور عتق کو تمام وصایا پر مقدم کرنے کے ساتھ اختلاف کے ثمرہ کی طرف اشارہ کیا ہے، اور اس کی وضاحت ”العزمیہ“ میں اس کے ساتھ کی ہے کہ جب کوئی اپنے مال کے تیسرے حصہ کی وصیت اپنے اس غلام کے لیے کرے اس کی قیمت ایک ہزار درہم ہو اور وہ ایک ہزار کے دو ثلث کی وصیت فقراء کے لیے کرے اور پھر وہ فوت ہو جائے اور اس نے ترکہ میں ایک غلام اور دو ہزار درہم چھوڑے تو ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک غلام کا ایک تہائی مفت آزاد ہوگا اور اس کی قیمت کے دو تہائی غلام اور فقراء کے درمیان برابر برابر ہوں گے اور غلام اپنی قیمت کا ایک تہائی فقراء کو دے گا۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک اولاً مکمل غلام مفت آزاد ہو جائے گا، اور فقراء کے لیے کوئی شے نہ ہوگی، قائل۔ پھر اگر اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ عتق کے بارے وصیت کا ہونا ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے قول پر مبنی ہے، قائل۔

مطلق دراہم اور دنانیر کے بارے وصیت اصح قول کے مطابق صحیح نہیں ہوتی

36182۔ (قولہ: أَوْ بَدَنَانِيَرٍ مُّرْسَلَةٍ) اگر یہ لا کے ساتھ واقع ہوتا اور وہ کہتے: لا بد نانیہ تو یہ زیادہ واضح ہوتا۔ اور

مرسلہ سے مراد جیسا کہ عنقریب آنے والے باب میں ”شارح“ ذکر کریں گے، مطلقہ اور ثلث اور نصف وغیرہ کے ساتھ غیر مقیدہ ہے یعنی جیسا کہ جب وہ کہے: مثلاً ایک سو (بمائة)، فافہم۔

36183۔ (قولہ: وَصَحَّتْ لِبُكَاتِبِ نَفْسِهِ) اور اپنے ذاتی مکاتب کے لیے وصیت صحیح ہے، یعنی جب اس کی

أَوْ لِمَدْبَرَةٍ أَوْ لِأَمٍّ وَلَدَةٍ) اسْتَحْسَانًا لَا لِمُكَاتَبٍ وَارِثِهِ (وَصَحَّتْ لِلْحَنْلِ وَبِهِ) كَقَوْلِهِ (أَوْ صَيِّتُ بِحَنْلٍ جَارِيَّتِي أَوْ دَابَّتِي هَذِهِ لِفُلَانٍ ثُمَّ إِنَّمَا تَصِحُّ إِنْ وَلِدَ) الْحَنْلُ

یا اپنے مدبر یا اپنی ام ولد کے لیے استحساناً صحیح ہے نہ کہ اپنے وارث کے مکاتب کے لیے۔ اور حمل کے لیے اور حمل کی وصیت کرنا صحیح ہے جیسا کہ اس کا قول: میں نے اپنی لونڈی کے حمل کی یا اپنے اس جانور کے حمل کی فلاں کے لیے وصیت کی۔ پھر بلاشبہ یہ صحیح ہوگی اگر حمل

ذات عاجز نہ ہو اگرچہ آقا کی موت کے بعد ہو۔ رہی یہ صورت جب اس کی ذات عاجز آجائے تو کیا وہ مملوک کے لیے وصیت کے حکم میں ہوگا؟ اسے نقلاً تحریر کیا ہے، ”طحطاوی“۔

36184۔ (قوله: أَوْ لِمَدْبَرَةٍ أَوْ لِأَمٍّ وَلَدَةٍ) یا اپنے مدبر یا اپنی ام ولد کے لیے۔ کیونکہ وصیت کا نفاذ آقا کی موت کے بعد ہوتا ہے اور اس وقت وہ دونوں آزاد ہیں، ”طحطاوی“۔

36185۔ (قوله: لَا لِمُكَاتَبٍ وَارِثِهِ) نہ کہ اپنے وارث کے مکاتب کے لیے۔ کیونکہ وہ موصی کی موت کے بعد وارث کی ملکیت پر باقی رہتا ہے۔ پس وہ وارث کے لیے وصیت ہوگی، تامل۔ اور ”القہستانی“ میں ہے: اپنے وارث کے غلام، اس کے مدبر، اور اس کی ام ولد کے لیے وصیت صحیح نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ درحقیقت وارث کے لیے وصیت ہے، بخلاف اپنے وارث کے بیٹے کے لیے وصیت کرنے کے جیسا کہ ”النظم“ میں ہے۔

36186۔ (قوله: وَصَحَّتْ لِلْحَنْلِ) اور حمل کے لیے صحیح ہے، کیونکہ یہ من وجہ خلیفہ اور نائب بنانا ہے۔ کیونکہ وہ اسے اپنے بعض مال میں نائب اور خلیفہ بنا رہا ہے۔ اور جنین وراثت میں خلیفہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اسی طرح وصیت میں بھی وہ خلیفہ بن سکتا ہے۔ اور یہ نہیں کہا جائے گا: وصیت کی شرط تو قبول کرنا ہے اور جنین قبول کرنے کے اہل نہیں ہے، کیونکہ وصیت ہبہ اور میراث دونوں سے مشابہت رکھتی ہے، پس ہبہ کے ساتھ اس کی مشابہت کی وجہ سے قبول ہونا ہے جب ممکن ہو، اور میراث کے ساتھ اس کی مشابہت کی وجہ سے یہ ساقط ہو جاتا ہے جب دونوں مشابہتوں کے ساتھ عمل کرنا ممکن نہ ہو۔ اسی لیے قبول سے پہلے موصی لہ کی موت کے ساتھ یہ ساقط ہو جاتا ہے، ”زیلعی“۔

حمل کے بارے وصیت کرنا صحیح ہے

36187۔ (قوله: وَبِهِ) یعنی حمل کے بارے وصیت کرنا صحیح ہے، کیونکہ اس میں وراثت جاری ہوتی ہے، پس اس میں وصیت بھی جاری ہوگی کیونکہ یہ اخت ارث ہے، ”زیلعی“۔ اور یہ تب ہے جب حمل مولیٰ سے نہ ہو، ”التقانی“۔ اور ”شارح“ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

تنبیہ

ہم نے باب اللعان میں ”فتح القدیر“ سے بیان کیا ہے کہ حمل کو وارث بنانا اور اس کے بارے اور اس کے لیے وصیت

(لَا قُلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ لَوْ زَوَّجَ الْحَامِلُ حَيًّا وَلَوْ مَيِّتًا وَهِيَ مُعْتَدَّةٌ حِينَ الْوَصِيَّةِ فَلَا قُلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ بِدَلِيلِ ثُبُوتِ نَسَبِهِ اخْتِيَارًا وَجَوْهَرَةً)

چھ مہینے سے کم مدت میں پیدا ہو بشرطیکہ حاملہ کا خاوند زندہ ہو اور اگر مردہ ہو اور یہ وصیت کے وقت معتدہ ہو، تو پھر دو سال سے کم کی مدت میں (اگر حمل پیدا ہو تو وصیت صحیح ہوگی) اور اس کی دلیل اس کے نسب کا ثابت ہونا ہے۔ ”اختیار“ اور ”جوہرہ“۔

کرنا دونوں اس کے انفصال اور جدا ہونے کے بعد ہی ثابت ہوتے ہیں، پس یہ دونوں ولد (بچے) کے لیے ثابت ہوتے ہیں نہ کہ حمل کے لیے۔

میں کہتا ہوں: اور مراد ان دونوں کے حکم کا ثابت ہونا ہے، ورنہ تو یہ دونوں اس سے پہلے ثابت ہو جاتے ہیں، لہذا یہاں ان کا کلام ان کے منافی نہیں ہے۔

”الظہیریہ“ میں تفریع بیان کی ہے کہ اگر ورثاء نے موصی بہ حمل کو آزاد کر دیا تو ان کا آزاد کرنا جائز ہے، اور وہ ولادت کے دن اس کی قیمت کے ضامن ہوں گے۔

میں کہتا ہوں: اور اس کی وجہ جو میں جانتا ہوں یہ ہے کہ اس کے بارے وصیت کا حکم ولادت کے بعد ہی ثابت ہوتا ہے، پس وہ ولادت سے پہلے اپنی ماں کی تبع میں ورثاء کی ملکیت میں ہی ہے، اور ولادت کے ساتھ موصی لہ کا حق ثابت ہوا اور انہوں نے اسے ضائع کر دیا، لہذا وہ اس وقت اس کی قیمت کے ضامن ہوں گے، تاہل۔

36188۔ (قوله: لَا قُلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ) چھ مہینے سے کم کی مدت میں وہ پیدا ہو، اور اگر وہ چھ مہینے یا اس سے زیادہ گزرنے کے بعد پیدا ہوا تو اس کے موجود ہونے اور نہ ہونے کا احتمال ہے، لہذا وصیت صحیح نہیں ہوگی۔ اسے ”الاتقانی“ نے بیان کیا ہے۔

36189۔ (قوله: وَلَوْ مَيِّتًا) موت کی مثل طلاق بائن ہے، ”طحاوی“۔

میں کہتا ہوں: اور اسی کی مثل ہے اگر موصی اس بارے اقرار کرے کہ وہ حاملہ ہے تو اس کے لیے وصیت ثابت ہوگی اگر اس نے اسے وصیت کرنے کے دن سے دو سال کی مدت کے دوران جنم دیا۔ کیونکہ پیٹ میں وصیت کے وقت اس کا موجود ہونا موصی کے اقرار کے ساتھ ثابت ہے۔ کیونکہ وہ اس سے متہم نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا موجب وہ ہے جو اس کا خالص حق ہے، اس کی بنا اس اقرار پر ہے اور وہ ثلث ہے، پس اسے اس کے ساتھ ملحق کیا جائے گا اگر وہ یقیناً معلوم ہو جائے اس طرح کہ وہ اسے چھ ماہ سے کم مدت میں جنم دے دے۔ اسی طرح اسے ہمارے مشائخ کے شیخ علامہ ”محمد التافلاتی“ حنفی مفتی القدس الشریف نے ”مبسوط سرخسی“ سے نقل کیا ہے۔

36190۔ (قوله: فَلَا قُلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ) یعنی موت یا طلاق کے وقت سے لے کر دو سال گزرنے سے پہلے، اگرچہ

وصیت کے وقت سے لے کر چھ ماہ سے زیادہ مدت ہو، ”طحاوی“۔

وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْآدَمِيِّ وَغَيْرِهِ مِنَ الْحَيَوَانَاتِ، فَلَوْ أَوْصَى لِمَا فِي بَطْنِ دَابَّةٍ فُلَانٍ لِيُنْفِقَ عَلَيْهِ صَاحٌّ وَمُدَّةُ الْحَمْلِ لِلْآدَمِيِّ سِتَّةُ أَشْهُرٍ وَلِلْفِيلِ إِحْدَى عَشْرَةَ سَنَةً وَلِلْإِبِلِ وَالْخَيْلِ وَالْحِمَارِ سَنَةٌ وَلِلْبَقَرِ تِسْعَةُ أَشْهُرٍ وَلِلشَّاةِ خَمْسَةُ أَشْهُرٍ، وَلِلسَّيْتُورِ شَهْرَانِ، وَلِلْكَلْبِ أَرْبَعُونَ يَوْمًا وَلِلطَّيْرِ أَحَدُ وَعِشْرُونَ يَوْمًا قَهْشَتَانِ مَعَزِيًّا لِلْإِسْتِيفَاءِ (مِنْ وَقْتِهَا) أَى مِنْ وَقْتِ الْوَصِيَّةِ وَعَلَيْهِ الْمُتُونُ وَفِي النِّهَايَةِ مِنْ وَقْتِ مَوْتِ الْوَصِيِّ وَفِي الْكَافِي مَا يُفِيدُ أَنَّهُ مِنَ الْأَوَّلِ

اور آدمی اور اس کے سوا حیوانات کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ پس اگر اس نے اس کے لیے وصیت کی جو فلاں کے جانور کے پیٹ میں ہے تاکہ وہ اس پر خرچ کرے تو یہ صحیح ہے، اور آدمی کے لیے حمل کی مدت چھ مہینے، ہاتھی کے لیے گیارہ سال، اونٹ، گھوڑے اور گدھے کے لیے ایک سال، اور گائے کے لیے نو مہینے، اور بکری کے لیے پانچ مہینے اور بلی کے لیے دو مہینے، اور کتے کے لیے چالیس دن، اور پرندے کے لیے اکیس دن ہے۔ ”قہستانی“ میں اس مدت کو پورا کرنے کے لیے وصیت کے وقت سے منسوب کیا گیا ہے اور اسی پر متون ہیں۔ اور ”النہایہ“ میں ہے: حمل کی ابتداء مدت موصی کی موت کے وقت سے ہوگی۔ اور ”الکافی“ میں جو ہے وہ اس کا فائدہ دیتا ہے

36191۔ (قوله: وَلَا فَرْقَ) یعنی حمل کے لیے یا حمل کے بارے میں وصیت کے صحیح ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

36192۔ (قوله: لِيُنْفِقَ عَلَيْهِ) تاکہ وہ اس پر خرچ کرے، اس کے ساتھ مقید کیا، اس لیے کہ آگے ان کا قول آئے گا: اوصی بهذا التبن لدواب فلان (اس نے اس بھوسے کی فلاں کے جانوروں کے لیے وصیت کی) تو یہ وصیت باطل ہے، اور اگر اس نے کہا: يَعْطِفُ بهادواب فلان (اسے فلاں کے جانور چریں گے) تو یہ جائز ہے۔

36193۔ (قوله: صَاحٌّ) یہ صحیح ہے، جب فلاں اسے قبول کر لے، ”اتقانی“۔ کیونکہ یہ اسی کے لیے وصیت ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

36194۔ (قوله: وَمُدَّةُ الْحَمْلِ) یعنی حمل کی کم سے کم مدت، اور یہی اس کا صریح مفہوم ہے جو ”القہستانی“ میں ہے، ”طحطاوی“۔

36195۔ (قوله: وَلِلْفِيلِ إِحْدَى عَشْرَةَ سَنَةً) اور ہاتھی کے لیے گیارہ سال۔ جسے میں نے ”القہستانی“ سے اپنے نسخہ میں دیکھا ہے وہ گیارہ مہینے ہے، پس چاہیے کہ تو دوسرے نسخہ کی طرف رجوع کرے۔

36196۔ (قوله: وَعَلَيْهِ الْمُتُونُ) اور اسی پر متون ہیں، اس کے ساتھ ”شارح“ نے اس کے معتمد علیہ ہونے کو بیان کیا ہے، ”طحطاوی“۔

36197۔ (قوله: وَفِي الْكَافِي الْخ) اور ”الکافی“ میں ہے: میں کہتا ہوں: یہی ہے جسے معتمد علیہ ہونا چاہیے، کیونکہ اصحاب متون نے جس طرح اس کے ساتھ تصریح کی ہے جو گزر چکا ہے، تحقیق انہوں نے باب الوصیۃ بالجذمہ کے آخر میں اس

إِنْ كَانَ لَهُ وَمِنْ الشَّانِي إِنْ كَانَ بِهِ زَادٌ فِي الْكَنْزِ وَلَا تَصِحُّ الْهَبَةُ لِلْحَنْلِ لِعَدَمِ قَبْضِهِ وَلَا وَلَايَةَ لِأَحَدٍ عَلَيْهِ لِيَقْبِضَ عَنْهُ زَيْلَعِي وَغَيْرُهُ فَلَوْ صَالَحَ أَبُو الْحَنْلِ عَنْهُ بِمَا أَوْصَى لَهُ لَمْ يَجْزُ لِأَنَّهُ لَا وَلَايَةَ لِلْأَبِ عَلَى الْجَنِينِ وَلَوْ الْحَيَّةُ

کہ اگر وصیت حمل کے لیے ہو تو مدت کی ابتدا وصیت کے وقت سے ہوگی۔ اور اگر حمل کے بارے وصیت ہو تو پھر ابتدا موصی کی موت کے وقت سے ہوگی، ”الکنز“ میں یہ زیادہ کیا ہے: حمل کے لیے اس کے عدم قبضہ کی وجہ سے ہبہ صحیح نہیں ہوتا، اور نہ کسی کو اس پر ولایت حاصل ہے کہ وہ اس کی طرف سے قبضہ کر لے، ”زلیعی“ وغیرہ۔ پس اگر حمل کا باپ اس کی طرف سے اس کے بدلے صلح کرے جس کی اس کے لیے وصیت کی گئی تو یہ جائز نہیں، کیونکہ باپ کو جنین پر ولایت حاصل نہیں، ”ولو الحجیہ“۔

کے ساتھ بھی تصریح کی ہے کہ اگر اس نے اپنی بکری کی اون اور اس کے بچے کی وصیت کی یعنی اس کا وہ حمل جو اس کی موت کے وقت موجود تھا، اور ”شارح“ نے اسے قائم رکھا ہے اور وہ یہاں ان کے اطلاق کا مخصص ہے، فافہم۔

36198۔ (قولہ: إِنْ كَانَ لَهُ) یعنی اگر وصیت حمل کے لیے ہو جیسا کہ گزر چکا ہے اس کی شرائط میں سے ہے کہ موصی لہ وصیت کے وقت موجود ہے، اور اس کے وجود کا یقین نہیں ہوتا مگر تبھی جب وہ وصیت کے وقت سے لے کر چھ ماہ سے کم مدت میں پیدا ہو جائے۔

36199۔ (قولہ: إِنْ كَانَ بِهِ) اگر وہ موصی بہ ہو، کیونکہ ہم ”النبایہ“ سے یہ بیان کر چکے ہیں کہ موصی بہ اگر معدوم ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ عقود میں سے کسی عقد کے ساتھ تملیک کو قبول کرنے والا ہو، اسی لیے اس بارے وصیت جائز نہیں کہ جو اس کی بکریاں جنم دیں گی۔

36200۔ (قولہ: لِعَدَمِ قَبْضِهِ) اس کا قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے، یہ وصیت اور ہبہ کے درمیان فرق کا بیان ہے، کیونکہ ہبہ تملیک محض ہے، اور ہبہ کے ساتھ ملکیت بلاشبہ قبضہ کرنے کے ساتھ ثابت ہوتی ہے، اور جنین اس کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اسے ”العنایہ“ میں بیان کیا ہے۔ رہی وصیت! تو وہ من وجہ تملیک ہے اور من وجہ اختلاف ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

36201۔ (قولہ: لِأَنَّهُ لَا وَلَايَةَ لِلْأَبِ عَلَى الْجَنِينِ) کیونکہ جنین پر باپ کی ولایت نہیں ہے۔ کیونکہ ولایت کا ثبوت مولیٰ کے اس پر نظر رکھنے کی حاجت کے لیے ہے، اور جنین کے لیے اس کی کوئی حاجت نہیں ہے، اور اس لیے بھی کہ جنین ماں کے اجزاء میں سے ایک جز کے حکم میں ہے، اور جس طرح باپ کی ماں پر ولایت ثابت نہیں تو اسی طرح اس کے اجزاء میں سے کسی جز پر بھی ولایت ثابت نہیں ہوگی، اور اسی طرح ماں ہے اگر یہ اس کے لیے کوئی صلح کرے، کیونکہ ولایت میں أبوة (باپ ہونا) اقویٰ ہے، تو جب باپ کے لیے ولایت ثابت نہیں ہے تو ماں کے لیے بدرجہ اولیٰ ثابت نہیں ہوگی۔ اور جنین اگرچہ من وجہ بمنزلہ اس کے جز کے ہے لیکن فی الحقیقت وہ ایسا نفس ہے جو اس میں ودیعت رکھا گیا ہے، پس نفس ہونے کے معنی کا اعتبار کرنے کی وجہ سے وصیت صحیح ہے، اور اجزاء کے لیے وصیت صحیح نہیں ہوتی۔ اور ماں کی طرف سے اس صلح کو صحیح

قُلْتُ وَبِهِ عِلْمٌ جَوَابُ حَادِثَةِ الْفَتَوَى وَهِيَ أَنَّهُ لَيْسَ لِلْوَصِيِّ وَلَوْ مُخْتَارًا التَّصَرُّفُ فِيمَا وَقَفَ لِلْحَنْدَلِ بَلْ قَالُوا الْحَنْدَلُ لَا يَلِي وَلَا يُؤَلِّي عَلَيْهِ

میں کہتا ہوں: اس سے حادثہ الفتویٰ کا جواب معلوم ہو گیا، اور وہ یہ ہے کہ وصی اگرچہ مختار ہو اس کیلئے اس شے میں تصرف کرنا جائز نہیں جو حمل کے لیے وقف ہو، بلکہ انہوں نے کہا ہے: حمل نہ کسی کا ولی ہوتا ہے اور نہ اس پر کسی کو ولایت دی جاسکتی ہے۔

قرار دینا ممکن نہیں، اس اعتبار سے کہ اس معنی کے لیے جزئیت ثابت ہے۔ اسے ”تافلاتی“ نے ”المبسوط“ سے نقل کیا ہے۔
36202۔ (قولہ: قُلْتُ وَبِهِ عِلْمٌ الْخ) یہ ”المنح“ میں مصنف کا قول ہے۔ ”طحطاوی“ اور ”حموی“ کے ”حاشیۃ الاشباہ“ میں قاعدہ التابِعِ تابع (تابع تابع ہی ہوتا ہے) کے تحت ہے: مناسب یہ ہے کہ یہ کہا جائے: اگر وہ ایسی شے ہو جس پر تلف ہونے کا خوف ہو تو پھر آقا کے لیے اس کی بیع کرنا جائز ہے، اور اگر ایسا نہ ہو، تو پھر اگر وہ حیوان ہو تو حکم اسی طرح ہے، کیونکہ اس کی محنت و مشقت اسے نفقہ کے ساتھ گھیر لیتی ہے، اور اگر وہ زمین ہو تو پھر نہیں۔ یہی میرے لیے غور و فکر کے بعد ظاہر ہوا ہے اور قواعد اس کا تقاضا کرتے ہیں۔

36203۔ (قولہ: بَلْ قَالُوا الْخ) یہ اضراب انتقالی ہے، کیونکہ اس نے یہ فائدہ دیا ہے کہ اس پر بالکل ولایت ثابت نہیں ہوتی چہ جائیکہ وہ تصرف کے صحیح ہونے اور صحیح نہ ہونے کے بارے میں ثابت ہو، فافہم۔ ”الرملی“ نے کہا ہے: جنین پر باپ اور وصی کی ولایت کے شمار میں بہت سی نقول ظاہر ہیں۔

تنبیہ

”الحامد“ میں جو یہاں ہے اس سے اخذ کرتے ہوئے یہ فتویٰ دیا ہے کہ باپ کو اپنے حمل پر وصی مقرر کرنا صحیح نہیں ہے، لیکن ”الاشباہ“ کتاب البیوع کے شروع میں ہے: چاہیے کہ اس پر وصیت کی طرح وقف صحیح ہو۔ ”حموی“ نے کہا ہے: اسی علیہ (یعنی جس طرح اس پر وصیت صحیح ہوتی ہے) پس اس نے یہ فائدہ دیا ہے کہ اس پر وصی مقرر کرنا صحیح ہے، اور یہی گزشتہ بحث کے موافق ہے، اور اسی کے ساتھ علامہ ”ابن الشلبی“ نے ان کے قول کی طرف منسوب کرتے ہوئے فتویٰ دیا ہے کہ اس کی اولاد میں سے نئے پیدا ہونے والوں پر وقف کرنا صحیح ہے، اور ان کا قول کہ وقف اخوالوصیۃ ہے۔ پس اس حیثیت سے جو وقف میں داخل ہیں وہ وصیت میں بھی داخل ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ ان کی مراد وہ وصیت ہے جو تملیک ہے، کیونکہ وقف اسی کی مثل ہے، کیونکہ اس نے منفعت کو صدقہ کیا ہے، اور کلام حمل پر وصی مقرر کرنے کے بارے میں ہے، اور یہ اس پر وقف کرنے کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا جیسا کہ یہ امر مخفی نہیں ہے، اور اسی سے وہ بھی ظاہر ہو گیا جو ”حموی“ کے کلام سابق میں ہے، یہ اور ہمارے مولیٰ شیخ ”محمد التافلاتی“ کا اس مسئلہ میں ایک رسالہ ہے اس میں اس کے ساتھ تطبیق کی ہے کہ یہ صحیح ہے، لیکن یہ ولادت تک موقوف ہے، یہ اس سے اخذ کرتے ہوئے ہے جو ہم نے پہلے ”فتح القدیر“ سے بیان کیا ہے کہ اس کو وارث بنانا اور اس کے

(وَصَحَّتْ بِالْأُمَّةِ إِلَّا حَنْلَهَا) لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ كُلَّ مَا صَحَّ إِفْرَادُهُ بِالْعَقْدِ صَحَّ اسْتِثْنَاؤُهُ مِنْهُ وَمَا لَا فَلَا
(وَمِنْ الْمُسْلِمِ لِلذِّمِّيِّ وَبِالْعَكْسِ لَا حَرْبُ فِي دَارِهِ) قَيَّدَ بِدَارِهِ

اور لونڈی کی اس کے حمل کے بغیر وصیت کرنا صحیح ہے۔ کیونکہ یہ ثابت ہے کہ ہر وہ جس کا علیحدہ اور انفرادی عقد صحیح ہے، اس کا عقد سے استثنا کرنا بھی صحیح ہے، اور جس کا عقد صحیح نہیں اس کی استثنا کرنا بھی صحیح نہیں۔ اور مسلمان کی طرف سے ذمی کے لیے اور اس کے برعکس وصیت صحیح ہے، لیکن (مسلمان کی طرف سے) حربی کے لیے دارالحرب میں صحیح نہیں ہے۔ ”مصنف“ نے اسے دارالحرب کے ساتھ مقید کیا ہے،

بارے اور اس کے لیے وصیت کرنا یہ دونوں بھی ولادت تک موقوف ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

36204۔ (قوله: وَصَحَّتْ بِالْأُمَّةِ إِلَّا حَنْلَهَا) اور لونڈی کے بارے اس کے حمل کے بغیر وصیت کرنا صحیح ہے، یعنی

جب وہ کہے: أَوْصِيْتُ بِهَذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا حَنْلَهَا (میں نے اس لونڈی کی وصیت کی سوائے اس کے حمل کے) تو یہ وصیت اور استثنا بھی صحیح ہے۔ اور یہ استثنا منقطع ہے بمعنی لکن ہے۔ کیونکہ حمل کو أُمَّة (لونڈی) کا اسم لفظاً شامل نہیں ہوتا، بلکہ وہ تبعاً اطلاق کے سبب مستحق ہوتا ہے۔ اس کی مکمل بحث ”العناية“ میں ہے۔

36205۔ (قوله: صَحَّ اسْتِثْنَاؤُهُ مِنْهُ) اس سے اس کی استثنا کرنا صحیح ہے، یعنی جب حمل کی الگ وصیت کرنا صحیح

ہے تو اسی طرح وصیت سے اس کی استثنا کرنا بھی صحیح ہے، ”زیلعی“۔

حربی کے لیے دارالحرب میں وصیت کرنا صحیح نہیں

36206۔ (قوله: لَا حَرْبُ فِي دَارِهِ) حربی کے لیے اس کے دار میں وصیت صحیح نہیں ہے اگرچہ ورثا اجازت بھی دیں،

اس لیے کہ ہمیں ان کے ساتھ احسان کرنے سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّمَا يَهْتَكُمُ اللَّهُ الْآيَةَ (الممتحنہ: 9) (اللہ تمہیں صرف ان لوگوں سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا یا مدد دی تمہارے نکالنے میں کہ تم انہیں دوست بناؤ اور جو انہیں دوست بناتے ہیں تو وہی (اپنے آپ پر) ظلم توڑتے ہیں)۔ (جمال القرآن)۔

پس عدم جواز حق شرع کی وجہ سے ہے نہ کہ ورثاء کے حق کی وجہ سے بخلاف وارث کے لیے یا کسی اجنبی کے لیے ثلث سے زیادہ کی وصیت کرنے کے، کیونکہ وہ ورثاء کے حق کی وجہ سے ممنوع ہے، اور اس لیے کہ حربی دارالحرب میں ہمارے حق میں میت کی مثل ہے اور میت کے لیے وصیت باطل ہے۔ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے ”الاصل“ میں حربی کے لیے وصیت جائز نہ ہونے کے بارے میں صریحاً بیان کیا ہے، اور اسی طرح ”الجامع الصغیر“ میں ہے، اور اس کے شارحین نے ذکر کیا ہے کہ جو ”السير الكبير“ میں ہے وہ اس کے جواز پر دلالت کرتا ہے، اور علامہ ”قاضی زادہ“ نے اس کا رد اس طرح کیا ہے کہ ”السير الكبير“ کے الفاظ ہیں: لو أوصى مسلمٌ لحبيبٍ والحبیبُ فی دار الحرب لا یجوز (اگر مسلمان نے حربی کے لیے وصیت کی اور

لِأَنَّ الْمُسْتَأْمَنَ كَالَّذِي كَمَا أَفَادَهُ الْمَثَلُ بَحْثًا قُلْتُ

اس لیے کہ مستامن تو ذمی کی مثل ہے جیسا کہ اسے ”مثلاً خسرو“ نے بحث کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ میں کہتا ہوں:

حربی دار الحرب میں ہو تو وہ جائز نہیں ہے، اور ”العزمیہ“ میں اس پر اس کے ساتھ اعتراض کیا ہے کہ جواز کے ناقلین اخذ کرنے اور نقل کرنے میں امین ہیں اور علامہ ”جوی زادہ“ نے ذکر کیا ہے کہ جو جواز پر دلالت کرتا ہے اس سے ان کی مراد وہ ہے جسے علامہ ”سرخسی“ نے ”شرح السیر الکبیر“ میں اس قول کے ساتھ ذکر کیا ہے: کوئی حرج نہیں ہے کہ مسلمان آدمی مشرک کے ساتھ صلہ رحمی کرے چاہے وہ اس کا قریبی ہو یا بعیدی ہو، دار الحرب میں رہنے والا ہو یا ذمی ہو۔“ اور اس پر کئی احادیث سے استدلال کیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے: رسول اللہ ﷺ نے پانچ سو دینار اس وقت اہل مکہ کی طرف بھیجے جب وہ قحط میں مبتلا تھے اور ابوسفیان بن حرب اور صفوان ابن امیہ کو دیتے وقت یہ حکم دیا کہ وہ انہیں اہل مکہ کے فقراء پر تقسیم کر دیں تو ابوسفیان نے انہیں قبول کر لیا اور صفوان نے انکار کر دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: تو انہیں لے لے، اور اس لیے بھی کہ صلہ رحمی ہر عقلمند کے نزدیک اور ہر دین میں پسندیدہ اور قابل ستائش ہے اور غیر کو ہدیہ دینا مکارم اخلاق میں سے ہے، اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بُعِثْتُ لَأَتِمَّ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ (1) (میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں) پس ہم نے پہچان لیا کہ یہ مسلمانوں اور مشرکین تمام کے حق میں اچھا ہے۔ پس حربی کے ساتھ صلہ رحمی کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے، وصیت کے جواز اور عدم جواز میں کوئی اختلاف نہیں، ملخصاً۔ اور اس کی مکمل بحث ”الشرنبالیہ“ میں ہے۔

حاصل کلام

حاصل یہ ہے کہ یہ علت بیان کرنا کہ حربی میت کی طرح ہے یہ اس کے لیے وصیت جائز نہ ہونے کا تقاضا کرتا ہے، اور نہ ہی کے ساتھ علت بیان کرنا وصیت اور صلہ رحمی میں سے ہر ایک کے عدم جواز کا تقاضا کرتا ہے، اور جو ”السیر“ میں ہے وہ وصیت کے بغیر صلہ رحمی کے جواز پر دلالت کرتا ہے بخلاف اس کے جو ”الجامع“ کے شراح سمجھے ہیں، پس اختلاف صرف صلہ رحمی کے جواز میں ہوا۔

میں کہتا ہوں: تحقیق میں نے ہدیہ کے جواز پر امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کی نص دیکھی ہے اس حیثیت سے کہ انہوں نے ”موطا“ باب ما یکرہ من لبس الحریر والدیباہ میں کہا ہے: حربی مشرک کی طرف بھی ہدیہ بھیجنے میں کوئی حرج نہیں ہے جب تک کہ وہ اس کی طرف ہتھیار یا زرہ بطور ہدیہ نہ بھیجے، اور یہی امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔

36207۔ (قوله: لِأَنَّ الْمُسْتَأْمَنَ كَالَّذِي) کیونکہ مستامن ذمی کی طرح ہے، پس جب اس نے کسی مسلمان یا ذمی

کے لیے اپنے تمام مال کی وصیت کی تو یہ جائز ہے جیسا کہ یہ گزر چکا ہے، اور اس کی مکمل بحث آگے آئے گی۔

36208۔ (قوله: كَمَا أَفَادَهُ الْمَثَلُ) بعض نسخوں میں ”المنلا خسرو“ ہے۔

وَبِهِ صَرَخَ الْحَدَّادِيُّ وَالزَّيْلَعِيُّ وَغَيْرُهُمَا وَسَيَجِيءُ مَتْنَانِي وَصَايَا الذَّمِّي (وَلَا لِوَارِثِهِ وَقَاتِلِهِ مُبَاشَرَةً)

اور اسی کے بارے ”حدادی“ اور ”زیلعی“ وغیرہ نے تصریح کی ہے، اور عنقریب یہ وصایا الذمی کے متن میں آئے گا۔ اور (وصیت صحیح نہیں) اپنے وارث کے لیے اور اپنے قاتل کے لیے جو مباشرۃ ہو

36209۔ (قوله: وَلَا لِوَارِثِهِ) اور اپنے وارث کے لیے صحیح نہیں ہے، مراد وہ وارث ہے جو موت کے وقت وارث ہو، جیسا کہ اس کا بیان گزر چکا ہے۔ ”القہستانی“ نے کہا ہے: تو جان کہ علامہ ”الناطھی“ نے اپنے بعض شیوخ سے ذکر کیا ہے: کہ مریض جب ورثا میں سے کسی ایک کے لیے کوئی شے مثلاً دار وغیرہ معین کر دے اس شرط پر کہ سارے ترکہ میں اس کے لیے کوئی حق نہیں ہے تو یہ جائز ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب وہ وارث بھی اس کی موت کے بعد اس کے ساتھ راضی ہو، تو اس وقت میت کی تعیین اس کے ساتھ باقی ورثاء کی تعیین کی طرح ہو جائے گی جیسا کہ ”الجواہر“ میں ہے۔

میں کہتا ہوں: دونوں قول ”جامع الفصولین“ میں بیان کئے ہیں اور کہا ہے: بعض نے کہا ہے: یہ جائز ہے، اور ان میں سے بعض نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے، اور بعض نے کہا ہے: جائز نہیں ہے۔

فرع

”البرزازیہ“ اور ”العتابی“ میں کہا ہے: مریض کے پاس اس کے قرابتدار جمع ہوئے اور وہ اس کے مال سے کھانے لگے اگر وہ وارث ہوں تو پھر یہ جائز نہیں مگر یہ کہ مریض اپنی دیکھ بھال کے لیے ان کا محتاج ہو تو وہ فضول خرچی کئے بغیر اس کے اہل و عیال کے ساتھ کھا سکتے ہیں، اور اگر وہ وارث نہ ہوں تو پھر اس کے مال کے تیسرے حصہ سے کھانا جائز ہے بشرطیکہ وہ مریض کے حکم کے ساتھ ہو۔

قاتل کے لیے وصیت کا عدم جواز

36210۔ (قوله: وَقَاتِلِهِ مُبَاشَرَةً) اور اپنے قاتل بالفعل کے لیے وصیت صحیح نہیں۔ اس لیے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَا وَصِيَّةَ لِقَاتِلٍ (1) (قاتل کے لیے کوئی وصیت نہیں)، اور اس لیے کہ اس نے اس کے حصول میں جلد بازی کی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موخر کیا ہے۔ پس وہ میراث کی طرح وصیت سے بھی محروم رہے گا، چاہے وہ اس کے لیے قتل سے پہلے وصیت کرے پھر وہ اسے قتل کر دے، یا زخمی ہونے کے بعد وہ اس کے لیے وصیت کرے۔ کیونکہ یہ حدیث مطلق ہے، ”زیلعی“۔

میں کہتا ہوں: استعجال (جلد بازی کرنا) سے مراد وہ ہے جو قاتل کی حالت سے ظاہر ہوتا ہے، ورنہ تو اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ مقتول اپنی موت کا وقت آنے پر فوت ہوتا ہے، تامل۔

1۔ الکامل لابن عدی، جلد 8، صفحہ 165، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
نصب الراية، فی هذا الباب، جلد 5، صفحہ 218، حدیث نمبر 4، مطبوعہ بیروت، راوی مبشر بن عبید

لَا تَسْبِيْبًا كَمَا مَرَّ (إِلَّا بِإِجَازَةٍ وَرَثَتِهِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا وَصِيَّةَ لِرِثٍ إِلَّا أَنْ يُجِيزَهَا الْوَرَثَةُ
يَعْنِي عِنْدَ وُجُودِ رِثٍ آخَرَ كَمَا يُفِيدُهُ آخِرُ الْحَدِيثِ وَنَحْوُ حَقِّقَهُ (وَهُمْ كِبَارٌ عَقْلَاءُ فَلَمْ تَجْزِ إِجَازَةُ صَغِيرٍ
وَمَجْنُونٍ وَإِجَازَةُ الْمَرِيضِ كَأَبْتَدَاءٍ وَصِيَّةٍ وَلَوْ أَجَازَ الْبَعْضُ وَرَدَّ الْبَعْضُ

نہ کہ تسبیبا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، مگر اپنے ورثا کی اجازت کے ساتھ، کیونکہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں، مگر یہ کہ ورثاء اس کی اجازت دیں (1)“ یعنی جس وقت کوئی دوسرا وارث موجود ہو جیسا کہ حدیث کا آخر اس کا فائدہ دیتا ہے، اور ہم عنقریب اس کی تحقیق کریں گے۔ اور وہ بڑے یعنی صاحب عقل ہوں، پس صغیر اور مجنون کی اجازت جائز نہیں، اور مریض کی اجازت وصیت کی ابتدا کی مثل ہے، اور اگر بعض نے اجازت دی اور بعض نے اسے رد کر دیا

فرع

ایک آدمی نے اسے زخمی کیا اور دوسرے نے اسے قتل کر دیا تو زخم لگانے والے کے لیے وصیت جائز ہے، اس لیے کہ وہ قاتل نہیں ہے، ”ولو الجیہ“۔

36211۔ (قوله: لَا تَسْبِيْبًا) نہ کہ سبب بنتے ہوئے جیسا کہ غیر کی ملکیت میں کنواں کھودنے والا اور پتھر پھینکنے والا، کیونکہ وہ حقیقۃً قاتل نہیں ہوتا۔

36212۔ (قوله: كَمَا مَرَّ) جیسا کہ کتاب الجنایات میں گزر چکا ہے۔

36213۔ (قوله: إِلَّا بِإِجَازَةٍ وَرَثَتِهِ) مگر اپنے ورثاء کی اجازت کے ساتھ، استثنا کا تعلق دونوں مسئلوں کے ساتھ ہے۔ ”البرہان“ میں کہا ہے: ”طرفین“ رحمہما کے نزدیک ورثاء کی اجازت کے ساتھ قاتل کے لیے وصیت جائز ہے، اور امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: جائز نہیں۔ اختلاف وصیت کے بعد اس کے عداً نہ قتل کرنے میں ہے۔ کیونکہ وصیت بالاتفاق مُدْعٰی ہو جاتی ہے، ”شربلالیہ“۔

362214۔ (قوله: وَنَحْوُ حَقِّقَهُ) یعنی ہم قریب ہی اس کی تحقیق کریں گے۔

36215۔ (قوله: وَإِجَازَةُ الْمَرِيضِ كَأَبْتَدَاءٍ وَصِيَّةٍ) اور مریض کی اجازت وصیت کی ابتدا کی طرح ہے۔ پس جب موصی کا وارث مریض ہو اور وہ وصیت کی اجازت دے دے در آنحالیکہ وہ عاقل بالغ ہو، اگر وہ صحت یاب ہو گیا تو اس کی اجازت صحیح ہے۔ اور اگر وہ اسی مرض میں فوت ہو گیا تو پھر اگر موصی لہ اس کا وارث ہو تو اس کی اجازت جائز نہیں ہوگی مگر یہ کہ مریض کے ورثاء اس کے فوت ہونے کے بعد اس کی اجازت دے دیں۔ اور اگر وہ اجنبی ہو تو اس کی اجازت جائز ہے اور وہ ثلث سے معتبر ہوگی، ”منح“۔

جَازَ عَلَى السُّجِيزِ بِقَدَرِ حِصَّتِهِ (أَوْ يَكُونُ الْقَاتِلُ صَبِيًّا أَوْ مَجْنُونًا) فَتَجُوزُ بِلَا إِجَازَةٍ لِأَنَّهُمَا لَيْسَا أَهْلًا
لِلْعُقُوبَةِ (أَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَارِثٌ سِوَاهُ) كَمَا فِي الْخَانِيَّةِ أَيْ سِوَى الْمُوصَى لَهُ الْقَاتِلِ أَوْ الْوَارِثِ، حَتَّى لَوْ
أَوْصَى لِزَوْجَتِهِ أَوْ هِيَ لَهُ وَلَمْ يَكُنْ ثَبَةً وَارِثٌ آخَرُ تَصَحُّ الْوَصِيَّةِ ابْنُ كَمَالٍ زَادَ فِي السُّحْبِيَّةِ

تو مجیز پر اس کے حصہ کی مقدار جائز ہے، یا قاتل بچہ یا مجنون ہو، تو وصیت بغیر اجازت کے جائز ہوگی۔ کیونکہ یہ دونوں سزا کے اہل نہیں ہیں، یا اس کا اس کے سوا کوئی وارث نہ ہو، جیسا کہ ”الخانیہ“ میں ہے: یعنی قاتل یا وارث موصی لہ کے سوا (اور کوئی وارث نہ ہو)، یہاں تک کہ اگر اس نے اپنی بیوی کے لیے یا بیوی نے اس کے لیے وصیت کی اور وہاں کوئی دوسرا وارث نہ ہو تو وصیت صحیح ہوگی۔ ”ابن کمال“ نے ”المحسبہ“ میں یہ اضافہ کیا ہے:

36216۔ (قوله: جَازَ عَلَى السُّجِيزِ الْخ) وہ مجیز پر جائز ہے الخ، اس طرح کے مجیز (اجازت دینے والا) کے حق میں فرض کیا جائے کہ گویا تمام نے اجازت دے دی ہے اور اس کے علاوہ کے حق میں فرض کیا گیا ہے کہ گویا تمام نے اجازت نہیں دی، اور ہم اس کی وضاحت پہلے ”المقدسی“ سے کر چکے ہیں۔

36217۔ (قوله: أَوْ يَكُونُ) یہ نصب کے ساتھ ان کے قول: با جازة درشتہ پر معطوف ہے، کیونکہ وہ آن یجیز کی تاویل میں ہے۔

36218۔ (قوله: لِأَنَّهُمَا لَيْسَا أَهْلًا لِلْعُقُوبَةِ) کیونکہ یہ دونوں سزا کے اہل نہیں ہیں، اور اسی لیے یہ دونوں میراث سے محروم نہیں ہوئے، اور یہ تعلیل ”شرنبلائی“ نے اس کے بارے بحث کرتے ہوئے ذکر کی ہے، اور میرے لیے اس میں نظر ہے، کیونکہ اگر کبیر (عقل بالغ) میں علت عقوبہ (سزا) ہو تو پھر اجازت کے ساتھ وصیت جائز نہ ہو جیسا کہ میراث نہیں ہوتی، ہاں یہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے قول پر تو ظاہر ہے اس طرح کہ وصیت قاتل کے لیے جائز نہیں ہوتی اگرچہ ورثاء اسے جائز قرار دیں، اور اس کے لیے علت اس طرح بیان کریں کہ اس کی جنایت باقی ہے۔ اور اس کی وجہ سے (وصیت سے) اس کا رکن اور محروم ہونا اس کے لیے سزا ہے۔ اور رہا ”طرفین“ رحمہ اللہ کا قول! تو وہ ورثاء کے حق کی وجہ سے ہے ان سے غیظ و غضب کو دور کرنے کے لیے یہاں تک کہ ان کے ساتھ اس کے مال میں وہ شریک ہی نہ ہو جس کے قتل کی اس نے سعی اور کوشش کی، اور یہ علت ان کی اجازت کے ساتھ معدوم ہو جاتی ہے، اور بچہ غیظ و غضب سے الگ اور جدا ہوتا ہے، پس اس کے حق میں وہ ثابت نہیں جو بالغ کے حق میں ثابت ہے۔ اسی طرح ”الکفایہ“ وغیرہ میں ہے۔

36219۔ (قوله: أَيْ سِوَى الْمُوصَى لَهُ) یعنی موصی لہ کے سوا، یہ سوا کی ضمیر کی تفسیر ہے اور ان کا قول: القاتل أو الوارث موصی لہ سے بدل ہے۔

36220۔ (قوله: حَتَّى لَوْ أَوْصَى الْخ) یہ ان کے قول: أو الوارث پر تفریع ہے۔ اور ”القہستانی“ میں ہے: اور اگر اس نے اپنے قاتل کے لیے وصیت کی، اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کے لیے وصیت صحیح ہے، اور یہ ”طرفین“ رحمہ اللہ کے

فَلَوْ أَوْصَتْ لِزَوْجِهَا بِالنِّصْفِ كَانَ لَهُ الْكُلُّ قُلْتُ وَإِنَّمَا قَيَّدُوا بِالزَّوْجَيْنِ لِأَنَّ غَيْرَهُمَا لَا يَخْتِاجُ إِلَى الْوَصِيَّةِ لِأَنَّهُ يَرِثُ الْكُلَّ بَرِّدًا أَوْ رَحِمًا وَقَدْ قَدَّمَ نَاهُ فِي الْإِقْرَارِ مَعْرِضًا لِلشَّرْهِ لِلْبَلَاءِ، وَفِي فَتَاوَى النَّوَازِلِ أَوْصَى لِرَجُلٍ بِكُلِّ مَالِهِ وَمَاتَ وَلَمْ يَتْرِكْ وَارِثًا إِلَّا امْرَأَتَهُ، فَإِنْ لَمْ تَجْزُ فَلَهَا السُّدُسُ وَالْبَاقِي لِلْمُوصَى لَهُ لِأَنَّ لَهُ الثُّلُثَ بِلَا إِجَازَةٍ فَيَبْقَى الثُّلُثَانِ فَلَهَا رُبْعُهُمَا وَهُوَ سُدُسُ الْكُلِّ وَلَوْ كَانَ مَكَانَهَا زَوْجٌ فَإِنْ لَمْ يَجْزُ فَلَهُ الثُّلُثُ وَالْبَاقِي لِلْمُوصَى لَهُ (وَلَا مِنْ صَبِيٍّ غَيْرِ مُبَيَّنٍّ أَصْلًا) وَلَوْ فِي وَجْهِ الْخَيْرِ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ

پس اگر بیوی نے اپنے خاوند کے لیے نصف کی وصیت کی تو اس کے لیے کل مال ہوگا۔ میں کہتا ہوں: بلاشبہ انہوں نے زوجین کے ساتھ مسئلہ کو مقید کیا ہے: کیونکہ ان دونوں کے سوا کوئی وارث وصیت کا محتاج نہیں ہوتا، کیونکہ وہ کل مال کا رد یا قرابت کے ساتھ وارث ہو جاتا ہے، اور ہم پہلے اسے ”الشربلایہ“ کی طرف نسبت کرتے ہوئے باب الاقرار میں بیان کر چکے ہیں۔ اور ”فتاویٰ النوازل“ میں ہے: کسی نے کسی آدمی کے لیے اپنے کل مال کی وصیت کی اور فوت ہو گیا، اور اس نے سوائے اپنی بیوی کے کوئی وارث نہ چھوڑا، تو اگر اس نے اجازت نہ دی تو اس (بیوی) کے لیے چھٹا حصہ ہوگا اور باقی موصی لہ کے لیے ہوگا، کیونکہ اس (موصی لہ) کے لیے ایک ثلث تو بغیر اجازت کے ہے، اور باقی دو ثلث ہیں، تو بیوی کے لیے ان میں سے چوتھا حصہ ہے اور وہ کل مال کا چھٹا حصہ ہے، اور اگر بیوی کی جگہ خاوند ہو، اور وہ اجازت نہ دے، تو اس کے لیے ثلث ہوگا اور باقی موصی لہ کے لیے ہوگا۔ اور وصیت بالکل صحیح نہیں ہے ایسے بچے سے جو خیر اور شر میں تمیز نہ کر سکتا ہو اگرچہ وہ خیر کے معاملات میں ہی ہو بخلاف امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کے۔

نزدیک ہے۔

36221۔ (قوله: فَلَهَا رُبْعُهُمَا) پس اس کے لیے ان دونوں کا چوتھا حصہ ہوگا، کیونکہ وصیت کے بعد وراثت میں

اس کا حصہ باقی دو ثلث کا چوتھائی ہے۔

36222۔ (قوله: فَلَهُ الثُّلُثُ) پس اس کے لیے تیسرا حصہ ہے، اور یہ باقی کا نصف ہے۔

فرع

کسی نے عورت پیچھے چھوڑی اور اس کے لیے نصف کی وصیت کی اور نصف کی وصیت اجنبی کے لیے کی تو اجنبی و پیچھے، ثلث دیا جائے گا اور عورت کے لیے باقی کا چوتھا حصہ بطور میراث ہوگا اور باقی ان دونوں کے درمیان ان کے حقوق کی مقدار کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا، ”تاترخانیہ“۔ اور اسی میں ہے: عورت نے صرف اپنا خاوند پیچھے چھوڑا درآنحالیکہ اس نے اجنبی کے لیے نصف کی وصیت کی تو موصی لہ کے لیے نصف مال ہوگا اور خاوند کے لیے ثلث ہوگا اور چھٹا حصہ (سدر) بیت المال کے لیے ہوگا۔ اور اگر اس نے دونوں میں سے ہر ایک کے لیے کل مال کی وصیت کی تحقیق اس کی وضاحت ”الجوبہرہ“ میں کی ہے۔

(وَكَذَا) لَا تَصِحُّ (مِنْ مُسَيِّزٍ إِلَّا فِي تَجْهِيْزِهِ وَأَمْرٍ دَفْنِهِ) فَتَجُوزُ اسْتِحْسَانًا وَعَلَيْهِ تَحُلُّ إِجَازَةُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَوْصِيَّةٍ يَافِعٍ

اور اسی طرح وصیت تمیز کرنے والے بچے کی طرف سے بھی صحیح نہیں ہوتی، مگر اپنی تجہیز و تکفین اور اپنے دفن کے امور میں۔ پس وہ استحساناً صحیح ہوتی ہے۔ اور اسی پر حضرت ”عمر“ رضی اللہ عنہ کی قریب البلوغ بچے کی وصیت کے لیے اجازت کو

ایسا بچہ جو خیر اور شر میں تمیز کر سکتا ہو اس کی طرف سے وصیت کرنا صحیح نہیں

36223۔ (قوله: إِلَّا فِي تَجْهِيْزِهِ وَأَمْرٍ دَفْنِهِ) مگر اپنی تجہیز و تکفین اور دفن کے معاملات میں، لیکن اس میں مصلحت کا

لحاظ رکھا جائے گا، اس لیے کہ ”الخلاصہ“ میں ”الروضہ“ سے کہا ہے: ”اگر وہ وصیت کرے کہ اسے ایک ہزار دینار کے ساتھ کفن دیا جائے تو اسے درمیانے کفن کے ساتھ کفن دیا جائے گا، اور اگر وہ وصیت کرے کہ اسے دو کپڑوں میں کفن دیا جائے تو وصیت کی شرائط کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا، اور اگر وہ وصیت کرے کہ اسے پانچ یا چھ کپڑوں میں کفن دیا جائے تو اس کی شرائط کا لحاظ رکھا جائے گا، اور اگر وہ وصیت کرے کہ اسے فلاں مقبرہ میں فلاں زاہد کے قرب میں دفن کیا جائے تو اس کی شرائط کا لحاظ رکھا جائے گا بشرطیکہ ترکہ میں اسے اٹھا کر لے جانے کی مشقت اور بوجھ لازم نہ آئے، اور اگر وہ وصیت کرے کہ اسے فلاں کے ساتھ ایک قبر میں دفن کیا جائے تو اس کی شرائط کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا، ”شر نبلائیہ“۔

میں کہتا ہوں: ان کا ظاہر کلام یہ وہم دلاتا ہے کہ ”صاحب الخلاصہ“ نے بچے کی وصیت کے بارے میں مسئلہ ذکر کیا ہے حالانکہ اس طرح نہیں ہے، بلکہ ”خلاصہ“ کی عبارت مطلق ہے، اور اس کی مثل ”البرزازیہ“ میں بھی ہے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف سے قریب البلوغ کی وصیت کی اجازت کی توجیہ

36224۔ (قوله: وَعَلَيْهِ تَحُلُّ إِجَازَةُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ الْخ) اور اسی پر حضرت ”عمر“ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی

اجازت کو محمول کیا جائے گا۔ ”العنایہ“ میں کہا ہے: اور اثر اس پر محمول ہے کہ وہ بالغ ہونے کے قریب ہو: یعنی وہ بالغ ہو اور اس کی بلوغت پر زیادہ وقت نہ گزرا ہو، اور اسی کی مثل کو مجازاً یافِع کا نام دیا جاتا ہے، یا اس کی وصیت اپنی تجہیز و تکفین اور اپنی تدفین کے بارے میں ہو، اور رد اس طرح کیا گیا ہے کہ حدیث کی روایت میں یہ صحیح ہے کہ وہ بچہ تھا جو ابھی بالغ نہیں ہوا تھا، اور یہ کہ اس نے اپنے چچا کی بیٹی کے لیے مال کی وصیت کی تھی تو پھر یہ تاویل کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ علامہ ”طحاوی“ نے کہا ہے: اس اثر کے ساتھ استدلال کرنا امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کی طرف سے صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ مرسل ہے، (اور مرسل روایت ان کے نزدیک حجت نہیں)، اور ہمارے نزدیک مرسل روایت اگرچہ حجت ہے، لیکن یہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی رَفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثٍ (1) (تین سے قلم اٹھالیا گیا ہے) کے مخالف ہے، اور اس میں نظر ہے۔ کیونکہ قلم سے مراد تکلیف (احکام کا مکلف بنانا) ہے۔ اور وہ جس میں ہم بحث کر رہے ہیں وہ اس میں سے نہیں ہے۔ اور ”ابن حزم“ نے کہا ہے: اور یہ

1۔ سنن ترمذی، کتاب الحدود عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء في من لا يجب عليه الحد، جلد 1، صفحہ 755، حدیث نمبر 1343

يَعْنِي الْمُرَاهِقَ (وَإِنْ) وَمَاتَ بَعْدَ الْإِذْرَاكِ أَوْ أَضَافَهَا إِلَيْهِ) كَأَنَّ أَدْرَكَتْ فَشُلْتُ لِفُلَانٍ لَمْ يَجْزُ لِقُصُورِ وَلَايَتِهِ فَلَا يَنْدِكَ تَنْجِيزًا أَوْ تَعْلِيقًا كَمَا فِي الطَّلَاقِ، بِخِلَافِ الْعَبْدِ كَمَا أَفَادَهُ بِقَوْلِهِ (وَلَا مِنْ عَبْدٍ وَمُكَاتَبٍ وَإِنْ تَرَكَ) الْمُكَاتَبُ (وَفَاءً) وَقِيلَ عِنْدَهَا تَصَحُّحٌ فِي صُورَةِ تَرْكِ الْوَفَاءِ دُرَرًا (إِلَّا إِذَا أَضَافَهَا)

محمول کیا جائے گا اگر چہ وہ بالغ ہونے کے بعد فوت ہوا ہو، یا اس نے وصیت کی نسبت بلوغت کی طرف کی ہو جیسا کہ ”اگر میں بالغ ہوا تو میرا تہائی مال فلاں کے لیے ہے“ تو یہ اس کی ولایت قاصرہ اور کم ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔ پس وہ نہ تنجیزاً مالک ہوتا ہے اور نہ تعلیقاً جیسا کہ طلاق میں ہے بخلاف غلام کے جیسا کہ ”مصنف“ نے اسے اپنے اس قول کے ساتھ بیان کیا ہے: اور غلام اور مکاتب کی طرف سے وصیت صحیح نہیں ہوتی اگرچہ مکاتب نے بدل کتابت ادا کرنے کے لیے مال چھوڑا ہو، اور بعض نے کہا ہے: صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک بدل کتابت ادا کرنے کے لیے مال چھوڑنے کی صورت میں وصیت صحیح ہوتی ہے۔ ”درر“۔ مگر جب دونوں میں سے ہر ایک اسے عتق کی طرف مضاف کرے۔

قول باری تعالیٰ: وَابْتَكَوْا الْيَتَامَى (النساء: 6) الایہ کے مخالف ہے کیونکہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ بچے کو اس کے مال سے روک دیا گیا ہے، ملخصاً۔

میں کہتا ہوں: کبھی کہا جاتا ہے کہ تکلیف کا اٹھالیا جانا یہ اقوال اور تصرفات سے روکنے کی دلیل ہے، کیونکہ یہ شرعاً اس کے لیے لازم ہے، تاہل۔

36225۔ (قوله: يَعْنِي الْمُرَاهِقَ) یہ یافع کی تفسیر ہے، اور مرہق وہ ہوتا ہے جو قریب البلوغ ہو۔ اور یہ تفسیر اس کے موافق ہے جو ”المغرب“ میں ہے۔

36226۔ (قوله: وَقِيلَ عِنْدَهَا الْخ) یہ اختلاف اس صورت میں ہے مثلاً جب وہ اپنے مال کے ثلث کی وصیت کرے لیکن اگر اس نے اپنے مال میں سے معین مال کے بارے وصیت کی تو وہ بالا جماع صحیح نہیں ہوگی جیسا کہ یہ بالا جماع صحیح ہے جب وہ وصیت کی اضافت اس کی طرف کرے جس کا وہ آزاد ہونے کے بعد مالک ہوگا، اور دلیل مطولات میں مذکور ہے، ”طحاوی“۔

36227۔ (قوله: إِلَّا إِذَا أَضَافَهَا) مگر جب وہ اسے مضاف کرے، اس طرح کہ وہ کہے: إِذَا عَتَقْتُ فَشُلْتُ مَالِي وَصِيَّةً لِفُلَانٍ أَوْ أَدِصِيَّةً بثلث مَالِي (جب میں آزاد ہوا تو میرے مال کا ثلث فلاں کے لیے وصیت ہے، یا میں نے اپنے مال کے ثلث کی اس کے لیے وصیت کی)، یہاں تک کہ اگر وہ موت سے پہلے بدل کتابت ادا کرنے کے ساتھ یا کسی اور طرح سے آزاد ہو گیا، پھر وہ فوت ہوا، تو موصی لہ کے لیے اس کے مال کا تیسرا حصہ ہوگا، اور اگر وہ آزاد نہ ہوا یہاں تک کہ وہ بدل کتابت پورا کرنے سے پہلے ہی فوت ہو گیا، تو وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ اس کی حقیقی ملکیت نہیں پائی گئی، ”زیلعی“۔

كُلُّ مِنْهُمَا وَعِبَارَةُ الدَّرَرِ أَضَافَاها (إِلَى الْعِتْقِ) فَتَصَحُّ لِرِزْوَالِ الْمَانِعِ وَهُوَ حَقُّ الْمَوْلَى (وَلَا مِنْ مُعْتَقَلِ
اللسانِ بِالإِشَارَةِ إِلَّا إِذَا امْتَدَّتْ عَقْلَتُهُ حَتَّى صَارَتْ لَهُ إِشَارَةٌ مَعَهُودَةٌ فَهُوَ كَأُخْرَسٍ) وَقَدَّرُ إِلَّا مَتَدَادِ
سَنَةٍ وَقِيلَ إِنَّ امْتَدَّتْ لِمَوْتِهِ جَازَ إِقْرَارُهُ بِالإِشَارَةِ وَالْإِشْهَادِ عَلَيْهِ وَكَانَ كَأُخْرَسٍ قَالُوا وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى
دُرَرًا وَسَيَجِيءُ فِي مَسَائِلَ شَتَّى

اور ”الدرر“ کی عبارت ہے: مگر جب وہ دونوں اسے عتق کی طرف مضاف کریں تو مانع زائل ہونے کی وجہ سے وصیت صحیح ہو
گی اور وہ مانع مولیٰ کے لیے وصیت کا حق ہے اور وہ آدمی جس کی زبان بند ہو اس کی طرف سے اشارہ کے ساتھ وصیت صحیح
نہیں مگر جب اس کی بندش طویل ہو جائے یہاں تک کہ اس کے لیے اشارہ معہود اور معین ہو جائے تو پھر وہ گونگے کی طرح
ہے، اور طویل ہونے کی مقدار ایک سال ہے، اور بعض نے کہا ہے: اگر وہ اس کی موت تک ممتد رہے تو اشارہ کے ساتھ اس کا
اقرار کرنا اور اس پر گواہ لانا جائز ہے اور وہ گونگے کی طرح ہے۔ فقہاء نے کہا ہے: اسی پر فتویٰ ہے، ”درر“۔ عنقریب اس کا
بیان متفرق مسائل میں آئے گا۔

36228۔ (قوله: وَعِبَارَةُ الدَّرَرِ أَضَافَاها) اور ”الدرر“ کی عبارت أضافاها (تشبیہ کے صیغہ کے ساتھ) ہے،
گویا اس کا ایک نسخہ اسی طرح ہے، ورنہ جو نسخہ میں نے دیکھا ہے اس میں عبارت ”مصنف“ کی عبارت کی مثل ہے۔
36229۔ (قوله: لِرِزْوَالِ الْمَانِعِ الْخ) مانع کے زائل ہونے کی وجہ سے، یہ ان دونوں اور بچے کے درمیان
وجہ مخالفت کا بیان ہے۔ کیونکہ ان دونوں کی اہلیت کامل ہے، اور مولیٰ کے حق کی وجہ سے انہیں منع کیا گیا ہے۔ پس ان
دونوں کی ایسی حالت کی طرف اضافت کرنے سے جس میں مولیٰ کا حق ساقط ہو جاتا ہے، وصیت صحیح ہوگی، رہا بچہ! تو اس
کی اہلیت قاصر اور ناقص ہے، لہذا وہ کوئی شے لازم کرنے والے قول کرنے کے اہل نہیں ہے، اور نہ وہ اس کا تنجیذا یا
تعلیقا مالک ہوتا ہے۔

36230۔ (قوله: بِالإِشَارَةِ) اشارہ کے ساتھ، یہ حرف نفی کے بعد تصحیح فعل مقدر کے متعلق ہے۔

36231۔ (قوله: وَقِيلَ إِنَّ امْتَدَّتْ لِمَوْتِهِ جَازَ) اور بعض نے کہا ہے: اگر وہ اس کی موت تک ممتد ہوگئی تو جائز

ہے، ”الکفایہ“ میں کہا ہے: اور ”حاکم“ نے ایک روایت امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ سے ذکر کی ہے: اگر اس کی بندش موت تک
باقی رہی تو اشارہ کے ساتھ اس کا اقرار کرنا اور اس پر گواہ لانا جائز ہے۔ کیونکہ وہ بولنے سے عاجز ہے اس معنی میں کہ وہ اس کے
زائل ہونے کی امید نہیں رکھتا تو گویا وہ گونگے کی طرح ہے۔ فقہاء نے کہا ہے: اور اسی پر فتویٰ ہے۔

”سامحانی“ نے کہا ہے: برابر ہے مدت طویل ہو یا کم ہو، اور پہلا قول ایک سال تک اس کے ممتد ہونے کے ساتھ
مشروط ہے اگرچہ اس کے ساتھ موت متصل نہ ہو، یہی ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔

36232۔ (قوله: دُرَرًا) اور اسی کے ساتھ ”المواہب“ کے متن میں اعتماد اور یقین کیا ہے۔

(وَإِنَّمَا يَصِحُّ قَبُولُهَا بَعْدَ مَوْتِهِ) لِأَنَّ أَوَانَ ثُبُوتِ حُكْمِهَا بَعْدَ الْمَوْتِ (فَبَطَلَ قَبُولُهَا وَرَدُّهَا قَبْلَهُ) وَإِنَّمَا تُنْكَ بِالْقَبُولِ (إِلَّا إِذَا مَاتَ مُوصِيهِ ثُمَّ هُوَ بِلَا قَبُولِهَا فَهُوَ أَمْرٌ الْبَالُ الْمَوْصَى بِهِ (لَوَرَّثَتْهُ) بِلَا قَبُولِ اسْتِحْسَانًا كَمَا مَرَّ

بلاشبہ وصیت کو قبول کرنا موصی کی موت کے بعد صحیح ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے حکم کے ثابت ہونے کا وقت موت کے بعد ہی ہے۔ پس اس سے پہلے اسے قبول کرنا اور رد کرنا باطل ہے، بلاشبہ وہ قبول کے ساتھ ہی ملک میں آتی ہے، مگر جب موصی فوت ہو جائے پھر موصی لہ اسے قبول کئے بغیر فوت ہو جائے تو وہ یعنی موصی بہ مال استحساناً بغیر قبول کے موصی لہ کے ورثاء کے لیے ہوگا جیسا کہ گزر چکا ہے،

36233۔ (قوله: وَإِنَّمَا تُنْكَ بِالْقَبُولِ) بلاشبہ قبول کے ساتھ اس کا مالک بنا جاتا ہے، یہ متن پر دخول ہے۔ پس اگر وہ موت کے بعد قبول نہ کرے تو یہ (وصیت) اس کے قبول کرنے پر موقوف ہوتی ہے، اور یہ وارث کی ملکیت میں آتی ہے نہ موصی لہ کی ملکیت میں یہاں تک کہ وہ اسے قبول کر لے یا وہ فوت ہو جائے۔ اسے ”اتقانی“ نے ”مختصر الکفری“ سے نقل کیا ہے۔
36234۔ (قوله: ثُمَّ هُوَ بِلَا قَبُولِهَا) پھر وہ (موصی لہ) بغیر قبول اور رد کے فوت ہو جائے۔

36235۔ (قوله: اسْتِحْسَانًا) اور قیاس اس کے باطل ہونے کا تقاضا کرتا ہے، کیونکہ اس (وصیت) کی تکمیل قبول پر موقوف ہے، اور استحسان کی وجہ فوت ہو چکی ہے کہ یہ موصی کی جہت سے اس طرح مکمل ہو چکی ہے کہ فسخ اسے لاحق نہیں ہو سکتا، اور وہ موصی لہ کے خیار پر موقوف ہے۔ پس وہ مشتری کے لیے بیع بالخیار کی طرح ہو گیا اگر وہ تیسرے دن اجازت سے پہلے فوت ہو جائے۔ تو بیع مکمل ہو جاتی ہے اور سامان اس کے ورثاء کے لیے ہوتا ہے۔ پس اسی طرح یہاں بھی ہے۔ پس بغیر رد کے اس کا فوت ہونا دلالتہ اس کے قبول کرنے کی طرح ہے، ”اتقانی“۔

تنبیہ

”المقدسی“ نے کہا ہے: اور جب موصی لہ قبول کر لے تو وہ موصی بہ کا مالک ہو جاتا ہے، ورنہ نہیں۔ یہ جمہور کے نزدیک ہے بشرطیکہ وہ معین ہو اور اسے قبول کرنا ممکن ہو، بخلاف فقراء، بنی ہاشم، مصلحت مسجد، حج اور غزوہ وغیرہ کے۔ اور ”الظہیری“ میں کہا ہے: اس نے کہا: تم میری موت کے بعد میرے مال کا تیسرا حصہ مکہ کے اتنے مساکین کو دے دینا، پس جب وہ فوت ہو گیا تو وصی مال لے کر ان کے پاس آیا، تو انہوں نے کہا: ہم اس کی خواہش نہیں رکھتے اور نہ ہمیں اس کی حاجت اور ضرورت ہے۔ ”ابوالقاسم“ نے کہا ہے: وہ مال ورثاء کو لوٹا دے گا اگرچہ وہ ورثاء کو واپس لوٹانے سے پہلے رجوع کر لیں، اس لیے کہ ان کا حق رد کرنے کے سبب باطل ہو چکا ہے۔ اور ”الاشباہ“ میں ہے: اور جب اس نے اسے قبول کر لیا پھر اسے ورثاء پر واپس لوٹا دیا، اگر انہوں نے اسے قبول کر لیا تو اس کی ملک فسخ ہو گئی اور اگر انہوں نے قبول نہ کیا تو انہیں مجبور نہ کیا جائے، ”سأحانی“۔

وَكَذَلِكَ أَوْصَىٰ لِلْجَنِينِ بِدُخُلِ فِي مِلْكِهِ بِلَا قَبُولٍ اسْتِحْسَانًا لِعَدَمِ مَنْ يَلِي عَلَيْهِ لِيَقْبَلَ عَنْهُ كَمَا مَرَّ (وَلَهُ) أَمْنٌ لِلْمُوصَى (الرَّجُوعُ عَنْهَا بِقَوْلٍ صَرِيحٍ) أَوْ فِعْلٍ يَقْطَعُ حَقَّ الْمَالِكِ عَنِ الْغَضَبِ (بِأَنْ يُزِيلَ اسْمَهُ) وَأَعْظَمَ مَنَافِعِهِ كَمَا عُرِفَ فِي الْغَضَبِ

اور اسی طرح اگر وہ جنین کے لیے وصیت کرے تو وہ استحساناً بغیر قبول کے اس کی ملک میں داخل ہوگا، کیونکہ ایسا آدمی موجود نہیں جسے اس پر ولایت حاصل ہوتا کہ وہ اس کی طرف سے قبول کرے جیسا کہ گزر چکا ہے، اور موصی کے لیے صریح قول کے ساتھ وصیت سے رجوع کرنا جائز ہے یا ایسے فعل کے ساتھ جو ملک کا حق مغضوبہ شے سے ختم کر دے، اس طرح کہ وہ اس کا نام اور اس کے بڑے بڑے منافع زائل کر دے جیسا کہ غصب کے بیان میں معلوم ہو چکا ہے،

موصی کے لیے وصیت سے رجوع کا جواز

36236۔ (قوله: وَلَهُ الرَّجُوعُ عَنْهَا) اور اس (موصی) کے لیے وصیت سے رجوع جائز ہے۔ کیونکہ اس کی تکمیل موصی کی موت کے ساتھ ہوتی ہے، اور اس لیے کہ قبول موت پر موقوف ہوتا ہے، اور اکیلے ایجاب کو معاوضات جیسا کہ بیع وغیرہ میں باطل کرنا جائز ہوتا ہے۔ پس تبرع میں تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا، ”عنایہ“۔

تو جان! کہ وصیت میں رجوع کی کئی انواع ہیں: ایک وہ جو قول اور فعل کے ساتھ فسخ کا احتمال نہیں رکھتی جیسا کہ کسی معین شے کے بارے وصیت کرنا، دوسری وہ جو فسخ کا احتمال رکھتی ہے مگر قول کے ساتھ جیسا کہ تہائی یا چوتھائی حصہ کے بارے وصیت کرنا۔ کیونکہ اگر وہ بیع کرے یا ہبہ کرے تو وہ باطل نہیں ہوتی اور باقی کے ثلث میں وصیت نافذ ہو جاتی ہے۔ اور تیسری وہ ہے جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتی مگر فعل کے ساتھ جیسا کہ تدبیر مقید۔ پس اگر اس نے اسے (مدبر غلام) کو بیچ دیا تو وہ بیع صحیح ہے، لیکن اگر اس نے اسے خرید لیا تو وہ اپنی پہلی حالت پر لوٹ آئے گا، اور چوتھی قسم وہ جو دونوں (یعنی قول و فعل) کے ساتھ فسخ کا احتمال نہیں رکھتی جیسا کہ تدبیر مطلق، یہ ”الاتقانی“ اور ”القبستانی“ سے ملخص ہے۔

36237۔ (قوله: أَوْ فِعْلٍ الْخ) یا فعل کے ساتھ، یہ دلالتہ رجوع ہے، اور پہلا صریح ہے اور کبھی ضرورتہ رجوع ثابت ہوتا ہے اس طرح کہ موصی بہ بدل جاتی ہے اور اس کا نام بھی بدل جاتا ہے، جیسا کہ جب وہ انگور کے بارے اس کی بیل میں وصیت کرے اور وہ کشمش ہو جائے یا وہ انڈے کی وصیت کرے اور پھر موصی کی موت سے پہلے مرغی اس سے لے لے یہاں تک کہ اس سے بچے نکال دے۔ اس کی مکمل بحث ”الکفایہ“ میں ہے۔

36238۔ (قوله: بِأَنْ يُزِيلَ اسْمَهُ الْخ) اس طرح کہ اس کا نام زائل کر دے جیسا کہ وہ لوہے کو تلواریں بنا دے یا سلور کو برتن بنا دے۔ کیونکہ جب اس نے مالک کی ملک ختم کرنے میں اثر کیا ہے تو چاہیے کہ وہ مانع میں بدرجہ اولیٰ موثر ہو، ”زیلعی“۔ یعنی موصی لہ کے لیے ملکیت کے حصول سے منع کرنے اور روکنے میں بدرجہ اولیٰ موثر ہے، اور جب وہ موصی بھا بکری ذبح کر دے تو خالی ذبح سے رجوع ہوا، اور رجوع کا نہ ہونا مناسب ہے۔ کیونکہ یہ نقصان ہے جیسا کہ وہ کپڑے کو کاٹ

(أَوْ) فِعْلٍ (يَزِيدُ فِي التَّوَصَّيَاتِ بِهِيَ مَا يَنْتَعِمُ تَسْلِيمَهُ إِلَّا بِهِيَ كَلَّتِ السَّوِيْقُ) التَّوَصَّيَاتِ بِهِيَ (بِسُنَنِ وَابْنَاءِ) فِي الدَّارِ
التَّوَصَّيَاتِ بِهِيَ بِخِلَافٍ تَجْصِيصِهَا وَهَذَا بِبَنَائِهَا لِأَنَّهُ تَصَرَّفٌ فِي التَّابِعِ (وَتَصَرَّفٌ) عَطْفٌ عَلَى بِقَوْلٍ صَرِيحٍ
وَعَطْفُ ابْنِ كَمَالٍ تَبَعًا لِذَرِّ بِأَوْ وَعَلَيْهِ فَهُوَ أَصْلٌ ثَالِثٌ فِي كَوْنِ فِعْلِهِ يُفِيدُ رُجُوعَهُ عَنْهَا كَمَا يُفِيدُهُ
مَتْنُ الذَّرِّ فَتَدَبَّرْ

یا ایسے فعل کے ساتھ جو موصی بہ میں ایسی زیادتی کر دے جو اسے اس کے حوالے کرنے کے مانع ہو مگر اسی کے ساتھ جیسا کہ
موصی بہ ستو کو گھی کے ساتھ تلنا، اور موصی بہ دار میں کوئی عمارت بنالینا، بخلاف دار کو چونا کرانے اور اس کی عمارت گرانے کے،
کیونکہ یہ تابع میں تصرف ہے، اور تصرف کرنے کے ساتھ اس کا عطف بقول صریح پر ہے، اور ”ابن کمال“ نے ”الدرر“ کی
اتباع کرتے ہوئے ”أَوْ“ کے ساتھ عطف کیا ہے اور اس بنا پر تو تصرف اس کا فعل ہونے میں تیسرا اصل ہے جو وصیت سے
اس کے رجوع کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ ”الدرر“ کا متن اس کا فائدہ دیتا ہے، فتدبر۔

دے اور اس کی سلائی نہ کرے، اور گھر کی عمارت کا گرا دینا وغیرہ۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ ذبح اسے اپنی ملکیت پر رکھنے کی دلیل
ہے اور یہی دلیل رجوع ہے۔ کیونکہ گوشت موت کے وقت تک عادیہ کم ہی باقی رہتا ہے، ”اتقانی“۔

36239۔ (قوله: كَلَّتِ السَّوِيْقُ الْخ) جیسا کہ ستو کو گھی کے ساتھ تلنا، اور جیسا کہ روئی وہ اس کے ساتھ تکیہ بھر دے،
اور اندرونی کپڑے کو وہ اندر لگا دے، اور بیرونی کو وہ باہر لگا دے۔ کیونکہ زیادتی کے بغیر اسے حوالے کرنا ممکن نہیں ہوتا، اور نہ
اسے توڑنا ممکن ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ موصی کی ملک میں اسی کی جہت سے حاصل ہوتی ہے، ”ہدایہ“۔ اور اسی طرح ہے اگر اس نے
زمین میں درخت یا بلیں لگا دیں نہ کہ اگر وہ اس میں گھاس اور سبزی کاشت کر دے، ”خانہ“۔

36240۔ (قوله: لِأَنَّهُ تَصَرَّفٌ فِي التَّابِعِ) کیونکہ وہ تابع میں تصرف ہے، اور وہ عمارت بنانا اور زینت کے لیے
چونا کرنا ہے، ”اتقانی“۔ اور تو غور کر کیا دار کو مٹی کا لپ کرنا اور اسے چونے کا استر کرنا عمارت بنانے یا چونا کرنے کی طرح ہے؟
پھر میں نے ”الخانہ“ میں دیکھا جو انہوں نے بیان کیا ہے: بلاشبہ گھر کو مٹی کا لپ کرنا رجوع ہوتا ہے جبکہ وہ کثیر ہو۔ اور اس کی
مکمل بحث ”شرح الوہبانیہ“ میں ہے۔ پس تو اس کی طرف رجوع کر۔

36241۔ (قوله: عَطْفٌ عَلَى بِقَوْلٍ) اس میں مسامحہ ہے، کیونکہ یہ مجرور پر عطف بغیر حرف جار کے ہے۔ است
”حبی“ نے بیان کیا ہے۔

36242۔ (قوله: فَهُوَ أَصْلٌ ثَالِثٌ الْخ) یعنی یہ رجوع کا فائدہ دینے والے فعل کی تیسری قسم ہے، بخلاف اس کے
کہ مصنف کی تعبیر نے اس کا فائدہ نہیں دیا کہ یہ فعل کا مقابل ہے، لیکن ”حلبی“ نے کہا ہے: یہ بلاشبہ ”الدرر“ کی عبارت میں
ظاہر ہوتا ہے اس حیثیت سے کہ انہوں نے کہا ہے: أُوْزَيْدٌ (یا وہ اضافہ کر دے) اور انہوں نے لفظة الصرف ذکر نہیں کیا،
اور یہی اسے ذکر کرنے کی صورت تو اس میں یہ ثابت نہیں ہوتا، برابر ہے وہ أَوْ کے ساتھ ہو یا أَوْ کے ساتھ۔

(يُزِيلُ مِلْكَهُ) فَإِنَّهُ رُجُوعٌ عَادَ لِمِلْكِهِ ثَانِيًا أَمْ لَا (كَالْبَيْعِ وَالْهَبَةِ) وَكَذَا إِذَا خَلَطَهُ بِغَيْرِهِ بِحَيْثُ لَا يُبْكِنُ تَسْيِزُهُ (لَا) يَكُونُ رَاجِعًا (بِغُسْلٍ ثَوْبٍ أَوْ صَى بِهِ) لِأَنَّهُ تَصَرَّفَ فِي التَّبَعِ وَاعْلَمْ أَنَّ التَّغْيِيرَ بَعْدَ مَوْتِ الْمَوْصِي لَا يَضُرُّ أَصْلًا (وَلَا بِجُحُودِهَا) دُرٌّ وَكَنْزٌ وَقَايَةٌ وَفِي الْمَجْمَعِ بِهِ يُفْتَى وَمِثْلُهُ فِي الْعَيْنِي ثُمَّ نَقَلَ عَنِ الْعُيُونِ أَنَّ الْفَتْوَى عَلَى أَنَّهُ رُجُوعٌ وَفِي السَّرَاجِيَّةِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى

وہ تصرف اس کی ملک کو زائل کرنے کا، کیونکہ وہ رجوع ہے، وہ شے اس کی ملک میں دوبارہ لوٹ کر آئے یا نہ آئے جیسا کہ بیع کرنا اور ہبہ کرنا، اور اسی طرح ہے جب وہ اسے غیر کے ساتھ اس طرح ملا دے کہ اسے الگ کرنا ممکن نہ ہو، وہ اس کیڑے کو دھونے کے ساتھ رجوع کرنے والا نہیں ہوگا جس کے بارے وصیت کی گئی، کیونکہ یہ بیع میں تصرف ہے۔ اور تو جان کہ موصی کی موت کے بعد تبدیلی کرنا بالکل نقصان دہ نہیں ہے، اور نہ وہ وصیت کا انکار کرنے کے ساتھ اس سے رجوع کرنے والا ہوگا۔ ”درر“، ”کنز“ اور ”وقایہ“۔ اور ”المجمع“ میں ہے: اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے، اور اسی کی مثل ”العينی“ میں ہے۔ پھر ”العيون“ سے نقل کیا ہے: ”فتویٰ اس پر ہے کہ یہ رجوع ہے۔“ اور ”السراجیہ“ میں ہے: ”اور اسی پر فتویٰ ہے۔“

36243۔ (قوله: عَادَ لِمِلْكِهِ ثَانِيًا) یعنی خریدنے کے ساتھ یا ہبہ سے رجوع کرنے کے ساتھ وہ دوبارہ اس کی ملکیت میں لوٹ کر آئے، ”زیلعی“۔ اور یہ مدبر مقید کے سوا میں ہے جیسے اس کا قول: اگر میں اپنے اس مرض سے فوت ہو گیا تو تو آزاد ہے۔ کیونکہ وہ اگر اسے بیچ دے پھر اسے خرید لے تو وہ اپنی پہلی حالت پر لوٹ آئے گا جیسا کہ ”الاتقانی“ نے اسے نقل کیا ہے اور ہم نے اسے پہلے ذکر کر دیا ہے۔

36244۔ (قوله: وَكَذَا إِذَا خَلَطَهُ بِغَيْرِهِ بِحَيْثُ لَا يُبْكِنُ تَسْيِزُهُ) اور اسی طرح ہے جب وہ اسے غیر کے ساتھ اس طرح ملا دے کہ اسے الگ کرنا ممکن نہ رہے۔ میں کہتا ہوں: اور اسی طرح ہے اگر اسے الگ کرنا ممکن تو ہو لیکن انتہائی مشکل اور تکلیف کے ساتھ جیسا کہ جب جو گندم کے ساتھ مل جائیں، اور ”شارح“ پر لازم تھا کہ وہ اسے متن کے قول: أو فعل يقطع لحق المالك کے پاس ذکر کرتے، ”ساحجانی“۔

36245۔ (قوله: لِأَنَّهُ تَصَرَّفَ فِي التَّبَعِ) کیونکہ یہ بیع میں تصرف ہے، اسی طرح بعض نسخوں میں ہے، اور بعض میں فی النفع نون اور فا کے ساتھ ہے، اور تمام کی بنا پر اس سے مراد میل کچیل کو دور کرنا ہے۔ اور ”ہدایہ“ کی عبارت ہے: ”کیونکہ جو کوئی اپنا کیڑا کسی غیر کو دینے کا ارادہ کرے تو عادت اور عرف یہی ہے کہ وہ اسے دھوتا ہے، پس یہ تو وصیت کو باقی رکھنے کے لیے مزید تقریر اور پختگی ہے نہ کہ اس سے رجوع ہے۔“

36246۔ (قوله: لَا يَضُرُّ أَصْلًا) وہ بالکل نقصان نہیں دیتا، چاہے وہ تغیر اور تبدیلی قبول سے پہلے ہو یا اس کے بعد ہو، ”زیلعی“۔ کیونکہ وہ تغیر وصیت مکمل ہونے کے بعد ہوا ہے، اس لیے کہ اس کی تکمیل موت کے ساتھ ہو جاتی ہے، ”کفایہ“۔

36247۔ (قوله: وَلَا بِجُحُودِهَا) اور نہ وہ وصیت کا انکار کرنے کے ساتھ رجوع کرنے والا ہوتا ہے، کیونکہ کسی شے

وَأَقْرَبُ الْبُصْنَفُ (وَكَذَلِكَ لَا يَكُونُ رَاجِعًا بِقَوْلِهِ كُلُّ وَصِيَّةٍ أَوْصَيْتَ بِهَا فَحَرَامٌ أَوْ رِيَاءٌ أَوْ أَخَّرْتُهَا بِخِلَافِ قَوْلِهِ تَرَكْتُهَا وَبِخِلَافِ قَوْلِهِ كُلُّ وَصِيَّةٍ أَوْصَيْتَهَا فَهِيَ بَاطِلَةٌ أَوْ الَّذِي أَوْصَيْتَ بِهِ لِيَزِيدَ فَهُوَ لِعَمْرٍو أَوْ لِفُلَانٍ وَارِثٍ) فَكُلُّ ذَلِكَ رُجُوعٌ عَنِ الْأَوَّلِ تَكُونُ لَوَارِثِهِ بِالْإِجَازَةِ كَمَا مَرَّ (وَلَوْ كَانَ فُلَانٌ) لِأَخَرٍ (مَيِّتًا) وَقَتَّهَا فَالْأَوَّلَى مِنَ الْوَصِيَّتَيْنِ بِحَالِهَا لِبُطْلَانِ الثَّانِيَةِ

اور ”مصنف“ نے اسے برقرار اور ثابت رکھا ہے۔ اور اسی طرح وہ اپنے اس قول کے ساتھ رجوع کرنے والا نہیں ہوگا ہر وہ وصیت جو میں نے کی ہے۔ پس وہ حرام ہے یا وہ ریا ہے، یا میں نے اسے موخر کر دیا ہے، بخلاف اس کے اس قول کے: میں نے اسے ترک کر دیا ہے، اور بخلاف اس قول کے: ہر وہ وصیت جو میں نے کی ہے پس وہ باطل ہے یا وہ جو میں نے زید کے لیے وصیت کی ہے پس وہ عمرو کے لیے ہے، یا وہ میرے فلاں وارث کے لیے ہے۔ پس یہ سب پہلی وصیت سے رجوع ہے۔ اور اس کے وارث کے لیے وصیت دوسرے وارث کی اجازت کے ساتھ ہوتی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور اگر دوسرا فلاں وصیت کے وقت مردہ ہو تو دونوں وصیتوں میں سے پہلی اپنے حال پر رہے گی، اس لیے کہ دوسری باطل ہو چکی ہے،

سے رجوع اس سے پہلے اس کے وجود کا تقاضا کرتا ہے اور کسی شی کا انکار اس سے پہلے اس کے عدم وجود کا تقاضا کرتا ہے، کیونکہ انکار کرنا اصل عقد کی نفی ہے، پس اگر انکار کرنا رجوع ہو تو یہ اس حالت میں وصیت کے وجود اور عدم وجود کا تقاضا کرتا ہے، جو انکار سے پہلے ہے اور یہ محال ہے، ”کفایہ“۔

36248۔ (قوله: وَأَقْرَبُ الْبُصْنَفُ) اور ”مصنف“ نے اسے برقرار اور ثابت رکھا ہے، ”شرح الملتقى“ میں کہا ہے: ”لیکن متون پہلے قول پر ہیں، اسی لیے ”مصنف“ نے اسے اپنی عادت کے مطابق مقدم کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اور ”ہدایہ“ میں اس کی دلیل کو موخر کیا ہے پس یہی ان کا مختار قول ہے۔ ”النبایہ“ میں کہا ہے: ”اور اسی پر ”المواہب“ اور ”الاصلاح“ میں اعتماد کیا ہے۔ اور ”البحر“ کے باب القضاء الفوائت میں کہا ہے: جب تصحیح اور افتاء مختلف ہے تو پھر اس کے مطابق عمل کرنا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے جو متون کے موافق ہے۔

36249۔ (قوله: فَحَرَامٌ أَوْ رِيَاءٌ الْخ) پس وہ حرام ہے یا ریا ہے الخ، کیونکہ وصف اصل کی بقا کا تقاضا کرتا ہے اور تاخیر سقوط کے لیے نہیں ہوتی جیسا کہ دین کو موخر کرنا، ”زیلعی“۔

36250۔ (قوله: فَكُلُّ ذَلِكَ رُجُوعٌ) پس یہ سب رجوع ہے، کیونکہ ترک کرنا ساقط کرنا ہوتا ہے اور باطل کرنے سے مراد ختم کرنا اور معدوم کرنا ہے، اور اس لیے کہ اس کا قول: الَّذِي أَوْصَيْتُ بِهِ الْخ قطع شرکت پر دلالت کرتا ہے۔ بخلاف اس صورت کے کہ جب وہ پہلے ایک آدمی کے لیے اس کی وصیت کرے اور پھر دوسرے کے لیے اس کی وصیت کرے، کیونکہ محل شرکت کا احتمال رکھتا ہے اور لفظ اس کی صلاحیت رکھتا ہے، ”زیلعی“۔

36251۔ (قوله: لِبُطْلَانِ الثَّانِيَةِ) دوسری کے باطل ہونے کی وجہ سے۔ کیونکہ پہلی وصیت دوسرے کے لیے اس

وَلَوْ حَيًّا وَقَتَّهَا فَمَاتَ قَبْلَ الْوَصَى بَطَلَتْ الْأُولَى بِالرُّجُوعِ وَالثَّانِيَّةُ بِالنُّمُوتِ (وَتَبْطُلُ هِيَ الْمَرِيضُ وَوَصِيَّتُهُ لِمَنْ نَكَحَهَا بَعْدَ هُمَا) أَيْ بَعْدَ الْهَبَةِ وَالْوَصِيَّةُ لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّهُ يُعْتَبَرُ لِجَوَازِ الْوَصِيَّةِ كَمَا أَنَّ الْوَصَى لَهُ وَارِثًا أَوْ غَيْرُ وَارِثٍ وَقَتَّ الْمَوْتَ لَا وَقَتَّ الْوَصِيَّةِ، بِخِلَافِ الْإِقْرَارِ، لِأَنَّهُ يُعْتَبَرُ كَوْنُ الْبَقَرِ لِمَا وَارِثًا أَوْ غَيْرُ وَارِثٍ يَوْمَ الْإِقْرَارِ فَلَوْ أَقَرَّ لَهَا فَتَكَحَّهَا فَمَاتَ جَازَ

اور اگر وہ وصیت کے وقت زندہ ہو، پھر موصی سے پہلے فوت ہو جائے تو دونوں وصیتیں باطل ہو گئیں۔ پہلی اس رجوع کرنے کی وجہ سے اور دوسری اس کے فوت ہو جانے کی وجہ سے۔ اور مریض کا ہبہ اور اس کی وصیت اس عورت کے لیے باطل ہے جس کے ساتھ اس نے ان دونوں یعنی ہبہ اور وصیت کے بعد نکاح کیا ہو، اس لیے کہ یہ بات ثابت ہے کہ وصیت کے جائز ہونے کے لیے موصی لہ کے وارث یا غیر وارث ہونے کا اعتبار موت کے وقت کیا جاتا ہے نہ کہ وصیت کے وقت بخلاف اقرار کے، کیونکہ مقررہ کے وارث یا غیر وارث ہونے کا اعتبار اقرار کے دن کیا جاتا ہے، پس اگر اس نے عورت کے لیے اقرار کیا پھر اس سے نکاح کر لیا اور فوت ہو گیا تو یہ جائز ہے۔

کے ہونے کی ضرورت کے تحت باطل ہوتی ہے اور وہ ضرورت باقی نہیں رہی، تو پہلی اپنے حال پر باقی رہے گی، ”زیلعی“۔

اگر مریض نے کسی عورت سے ہبہ اور وصیت کے بعد نکاح کیا تو اس کا حکم

36252۔ (قوله: وَتَبْطُلُ هِبَةُ الْمَرِيضِ وَوَصِيَّتُهُ الْخ) اور مریض کا ہبہ اور اس کی وصیت باطل ہے الخ، کیونکہ وصیت موت کے وقت ثابت اور لازم ہوتی ہے اور وہ (عورت) موت کے وقت اس کی وارث ہے، اور وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں ہے، اور ہبہ اگرچہ صورۃً بالفور ثابت ہو جاتا ہے لیکن یہ حکماً اس کی طرح ہے جو موت کے بعد کی طرف مضاف ہو۔ کیونکہ اس کا حکم موت کے وقت پختہ اور ثابت ہوتا ہے۔ کیا آپ جانتے نہیں ہیں کہ یہ ایسے قرض اور دین کے ساتھ باطل ہو جاتا ہے جو اس کے کل مال کو مستغرق اور محیط ہو، اور قرض نہ ہونے کی صورت میں اس کا اعتبار ثلث مال سے کیا جاتا ہے، ”ہدایہ“۔

36253۔ (قوله: بَعْدَ هُمَا) اسی طرح نسخوں میں ہے، اور جو میں نے ”الخ“ میں دیکھا ہے وہ بعد ہما تنہی کی ضمیر کے ساتھ ہے اور یہی زیادہ مناسب ہے۔

36254۔ (قوله: لِجَوَازِ الْوَصِيَّةِ) یعنی اثباتاً اور نفیاً وصیت کے جواز کے لیے۔

36255۔ (قوله: وَقَتَّ الْمَوْتَ الْخ) پس وصیت صحیح ہوگی اگر اس نے اپنی بیوی کے لیے وصیت کی پھر اسے تین طلاقیں دے دیں یا ایک طلاق دی اور اس کی عدت گزر گئی پھر موصی فوت ہو گیا، ”قہستانی“۔

36256۔ (قوله: لِأَنَّهُ يُعْتَبَرُ الْخ) کیونکہ اقرار بذات خود لازم ہونے والا ہے وہ کسی زائد شرط پر موقوف نہیں ہوتا جیسا کہ وصیت موت پر موقوف ہوتی ہے تو قرض کے بارے اس کا اقرار صحیح ہوگا کیونکہ وہ اقرار اجنبیہ عورت کے لیے ہے، ”الاتقانی“۔

36257۔ (قوله: فَلَوْ أَقَرَّ لَهَا) پس اگر اس نے اجنبی عورت کے لیے اقرار کیا جسے کلام سے سمجھا گیا ہے، اور یہ ان

(وَيَبْطُلُ إِقْرَارُهُ وَوَصِيَّتُهُ وَهَبَتُهُ لِابْنِهِ) كَافِرًا أَوْ عَبْدًا أَوْ مُكَاتَّبًا (إِنْ أَسْلَمَ أَوْ أُعْتِقَ بَعْدَ ذَلِكَ) لِقِيَامِ الْبُنُوَّةِ وَقَدْ إِقْرَارِ فَيُورِثُ تَهْمَةَ الْإِثَارِ (وَهَبَةُ مُقْعِدٍ وَمَقْلُوجٍ وَأَشْلٍ وَمَسْلُولٍ) بِهِ عِلَّةُ السَّلِّ وَهُوَ قَرْنٌ

اور اس کا اپنے بیٹے کے لیے اقرار کرنا، وصیت کرنا، اور ہبہ کرنا باطل ہے وہ کافر ہو یا غلام ہو یا مکاتب ہو، اگر وہ اس کے بعد اسلام لے آئے یا وہ اسے آزاد کر دے، اس لیے کہ اقرار کے وقت بنوۃ (بیٹا ہونا) قائم ہے اور یہ تہمۃ الاثار کا وارث بنائے گا۔ اور اپاہج، فالج زدہ، وہ جس کا ہاتھ شل ہو جائے اور وہ جسے سل کی بیماری ہو اس کا ہبہ

کے قول: أو غیر وارث یومہ الاقرار پر تفریع ہے، یعنی اس کے لیے اقرار جائز ہے، کیونکہ وہ اس وقت اس کی وارث نہیں ہے اگرچہ وہ موت کے وقت وارث ہو گئی ہے۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اقرار کے بعد نئے پیدا ہونے والے سبب کے ساتھ وراثت کا ہونا شرط ہے جیسا کہ یہاں اس کا شادی کرنا نیا سبب ہے، بخلاف اس صورت کے کہ اگر وہ اقرار کے وقت موجود سبب کے ساتھ ہو، لیکن کوئی مانع اس سے رکاوٹ ہو، پھر موت کے وقت وہ مانع زائل ہو جائے جیسا کہ انہوں نے اسے اپنے قول: ویبطل الخ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور اسی کی مثل یہ ہے کہ اگر وہ اپنی کتابیہ بیوی یا لونڈی کے لیے اقرار کرے، پھر وہ اس کی موت سے پہلے اسلام لے آئے یا اسے آزاد کر دیا جائے تو اس کے صادر ہونے کی حالت میں سبب موجود ہونے کی وجہ سے اقرار صحیح نہیں ہوگا جیسا کہ ”زیلعی“ نے اسے بیان کیا ہے۔

36258۔ (قوله: أَوْ عَبْدًا) ”زیلعی“ نے اسے اس حالت کے ساتھ مقید کیا ہے جب اس پر دین اور قرض ہو۔ کیونکہ اقرار اس کے لیے واقع ہوا ہے، اور وہ موت کے وقت وارث ہے، پس وہ وصیت کی طرح باطل ہوگا۔ اور اگر اس پر دین نہ ہو تو اقرار صحیح ہے کیونکہ وہ آقا کے لیے ہے۔ کیونکہ غلام مالک نہیں ہوتا اور اسے ”ہدایہ“ میں کتاب الاقرار کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اس کا ظاہر جسے ہم نے چند اوراق پہلے ”زیلعی“ اور ”النہایہ“ سے ذکر کیا ہے وہ مقررہ بیٹے کے عتق (آزاد ہونے) کے ساتھ مطلق اقرار کا باطل نہ ہونا ہے، اور اس کی تفصیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، فتنہ۔

36259۔ (قوله: لِقِيَامِ الْبُنُوَّةِ وَقَدْ إِقْرَارِ) اس وجہ سے کہ اقرار کے وقت بنوۃ کا قیام ہے، یہ اقرار کے بطلان کی علت ہے۔ اور رہے وصیت اور ہبہ تو وہ اس لیے کہ ان دونوں میں موت کا وقت معتبر ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، اور بیٹا اس وقت وارث ہو گیا ہے پس دونوں باطل ہیں۔

اپاہج، فالج زدہ اور وہ آدمی جس کا ہاتھ شل ہو جائے اور وہ جسے سل کی بیماری ہو اس کے ہبہ کا حکم 36260۔ (قوله: وَهَبَةُ مُقْعِدٍ الخ) مقعد میم کے ضمہ اور قاف کے فتح کے ساتھ ہے۔ مراد وہ آدمی ہے جو کھڑا ہونے پر قدرت نہ رکھتا ہو، اور مفلوج: وہ آدمی ہے جس کا نصف بدن ضائع ہو جائے اور اس کی حس و حرکت باطل ہو جائے، اور آدمی وہ جس کا ہاتھ شل اور خشک ہو جائے۔ ”عنایہ“۔

36261۔ (قوله: بِهِ عِلَّةُ السَّلِّ) وہ جسے سل کی بیماری ہو۔ یہ اس سے اولیٰ ہے جو ”النہایہ“ میں ”المغرب“ سے ہے

فِي الرِّئَةِ (مِنْ كُلِّ مَالِهِ إِنْ طَالَتْ مُدَّتُهُ) سَنَةً (وَلَمْ يُخَفْ مَوْتَهُ مِنْهُ وَإِلَّا تَطُلُ وَخِيفَ مَوْتَهُ) (فَبِنْ ثَلَاثِهِ)

اس کے کل مال میں نافذ ہو جاتا ہے۔ مسلول سے مراد وہ ہے جو سل کا مریض ہو، اور اس سے مراد پھیپھڑوں کا زخم ہے۔ بشرطیکہ بیماری کی مدت ایک سال تک طویل ہو جائے، اور اس بیماری کے سبب اس کی موت کا خوف نہ ہو۔ اور اگر اتنی طویل نہ ہو اور اس کی موت کا خوف ہو تو پھر اس کے تہائی مال سے ہبہ نافذ ہوگا۔

کہ مسلول وہ ہے جس کے خصیتین کمزور اور لاغر ہو جائیں، اس لیے کہ ”الاتقانی“ نے کہا ہے: بلاشبہ یہاں یہ معنی مناسب نہیں ہے، کیونکہ طویل زمانہ گزرنے کے بعد اسے بالکل مریض کا نام نہیں دیا جاتا۔

36262۔ (قوله: إِنْ طَالَتْ مُدَّتُهُ سَنَةً) اگر اس کی مدت ایک سال تک طویل ہو جائے، یہ اس بنیاد پر ہے جو ہمارے اصحاب نے کہا ہے۔ اور ان میں سے بعض نے کہا ہے: اگر اسے عرف میں طویل شمار کیا گیا تو وہ طویل ہوگی، ورنہ نہیں۔ ”قہستانی“۔

36263۔ (قوله: وَلَمْ يُخَفْ مَوْتَهُ مِنْهُ) اور اس سے اس کی موت کا خوف نہ ہو، یہ جملہ جملہ شرطیہ کی وضاحت کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔ اسے ”حموی“ نے ”المفتاح“ سے نقل کیا ہے۔ ”طحطاوی“۔ پھر یہاں خوف سے مراد ظن غالب ہے نہ کہ نفس خوف ”کفایہ“ اور ”قہستانی“ نے عدم خوف کی تفسیر اس کے ساتھ کی ہے کہ وقتاً فوقتاً اس کی بیماری زیادہ نہ ہو۔ کیونکہ جب زیادہ زمانہ گزر جائے تو وہ اس کی طبائع میں سے ایک طبع بن جاتی ہے جیسا کہ اندھا (ناپینا) اور لنگڑا ہونا، اور یہ اس لیے ہے کہ تصرف سے مانع مرض الموت ہے، اور وہ وہ ہے جو غالباً موت کا سبب بن جاتی ہے، اور بلاشبہ یہ اسی طرح ہوتی ہے جب وہ اس حیثیت میں ہو کہ کبھی کبھی وہ بڑھ جاتی ہو یہاں تک کہ اس کا آخر اور اس کی انتہا موت ہوتی ہے، لیکن جب وہ مستحکم ہو جائے، اور وہ اس طرح ہو جائے کہ اس میں اضافہ نہ ہو، اور نہ اس سے موت کا خوف ہو، تو وہ موت کا سبب نہیں ہوتی جیسا کہ اندھا ہونا وغیرہ۔ کیونکہ اس سے کوئی خوف نہیں ہوتا، اس لیے وہ علاج میں مشغول نہیں ہوتا، ”زیلعی“ وغیرہ۔

36264۔ (قوله: وَإِلَّا تَطُلُ وَخِيفَ مَوْتَهُ) اور ”قہستانی“ کی عبارت ہے: والایکن واحدٌ منهما بأن لم تطل موته بأن مات قبل سنة أو خيف موته بأن يزدا دمايه يوماً فيوماً۔ (اور اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک نہ ہو، اس طرح کہ اس کی مدت طویل نہ ہو یعنی وہ سال سے پہلے فوت ہو جائے یا اس کی موت کا خوف ہو اس طرح کہ دن بدن اس کا مرض بڑھ رہا ہو)۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب وہ طویل نہ ہو اور اس کی موت کا خوف نہ ہو تو وہ ثلث مال سے ہوگا، اور ”زیلعی“ کی عبارت اور اس کی نص اس کے مخالف ہے یعنی اگر مرض طویل نہ ہو تو ثلث میں اس کے تصرف کا اعتبار کیا جائے گا جب وہ صاحب فراش ہو، اور اسی مرض کے سبب وہ انہی ایام میں فوت ہو جائے۔ کیونکہ اسے ابتدا میں اس کے سبب موت کا خوف ہوتا ہے، اسی لیے وہ علاج کرتا ہے۔ پس وہ مرض الموت ہوگی، اور اگر وہ طویل ہونے کے بعد صاحب فراش ہو تو وہ نئے مرض کی طرح ہے، یہاں تک کہ ثلث میں اس کے تصرفات کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور یہی شارح کے کلام کے موافق ہے۔

لَا تَنْهَا أَمْرًا مُزْمَنَةً لَا قَاتِلَهُ قَبْلَ مَرَضِ الْمَوْتِ أَنْ لَا يَخْرُجَ لِحَوَائِجِ نَفْسِهِ وَعَلَيْهِ اعْتَمَدَ فِي الشَّجَرِ
بِزَايَةِ وَالْمُخْتَارُ أَنَّهُ مَا كَانَ الْغَالِبُ مِنْهُ الْمَوْتُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبَ فِرَاشٍ قُهِسْتَانِي عَنْ هَبَةِ الذَّخِيرَةِ

کیونکہ یہ امراض اپانج کر دینے والی ہیں، مرض موت سے پہلے مارنے والی نہیں ہیں۔ (اور مرض موت وہ ہے) کہ وہ اپنی ذاتی ضروریات و حاجات کے لیے باہر نہ نکل سکے اور اسی پر ”التجریہ“ میں اعتماد کیا ہے، ”بزازیہ“۔ اور مختاریہ ہے کہ اس سے موت کا گمان غالب ہوا اگرچہ وہ صاحب فراش نہ ہو۔ اسے ”قہستانی“ نے ”الذخیرہ“ کے باب الہبہ سے نقل کیا ہے۔

اور باقی رہی یہ صورت کہ جب وہ طویل ہوگئی اور اس کی موت کا خوف ہو تو ”القہستانی“ کی عبارت کا مقتضی یہ ہے کہ وہ بھی ثلث سے ہوگا۔ اور ”مصنف“ کے مایکون من کل المال کو اپنے قول: وَلَمْ يَخَفْ مَوْتَهُ کے ساتھ مقید کرنے کا یہی مفہوم ہے۔

36265۔ (قوله: لَا تَنْهَا أَمْرًا مُزْمَنَةً) کیونکہ یہ اپانج کر دینے والی بیماریاں ہیں، یعنی یہ طویل عرصہ تک رہنے والی بیماریاں ہیں۔ اور یہ ”مصنف“ کے قول: من کل مالہ کی تعلیل ہے۔ پس اس کا ذکر ان کے قول: دَالَا الْخ سے پہلے ہونا چاہیے۔ ”المنح“ میں کہا ہے: اور ”الفصول العمدیہ“ میں ہے: اور رہا مَقْعَدُ اور مفلوج تو ”الکتاب“ میں کہا ہے: اگر وہ قدیم (پرانا) نہ ہو تو وہ بمنزلہ مریض کے ہے، اور اگر وہ قدیم اور پرانا ہو تو وہ بمنزلہ صحیح (تندرست) کے ہے، کیونکہ یہ اپانج کر دینے والی بیماری ہے اور یہ قاتل (مار دینے والی) نہیں ہے۔

36266۔ (قوله: وَعَلَيْهِ اعْتَمَدَ فِي الشَّجَرِ) اور اسی پر ”التجریہ“ میں اعتماد ہے۔ اور ”المعراج“ میں ہے: ”صاحب المنطومہ“ سے مرض موت کی تعریف کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: اس بارے میں مشائخ کے اقوال کثیر ہیں، اور اس میں ہمارا اعتماد ”الفضل“ کے قول پر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ آدمی اپنی ذاتی حوائج کے لیے گھر سے باہر نہ جاسکے اور عورت گھر کے اندر اپنی حاجت کے لیے چھت پر چڑھنے سے قاصر ہو، اور اسی پر وہ باب طلاق المریض میں چلے ہیں، اور علامہ ”زیلعی“ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اور ظاہر ہے کہ یہ ان امراض مزمنہ کے غیر کے ساتھ مقید ہے جو طویل ہوتی ہیں، اور ان سے موت کا خوف نہیں ہوتا جیسا کہ فالج وغیرہ اگرچہ وہ اسے صاحب فراش کر دیں اور اسے حوائج کے لیے نکلنے سے روک دیں۔ پس یہ اس سے مخالف نہیں ہے جس پر اصحاب متون و شرح چلے ہیں، تاہل۔

36267۔ (قوله: وَالْمُخْتَارُ الْخ) اسی طرح صاحب ”ہدایہ“ نے اسے اپنی کتاب ”التجنیس“ میں اختیار کیا ہے۔

تنبیہ

حاملہ عورت طلاق کی حالت میں ثلث سے احسان اور تبرع کر سکتی ہے، اور اگر وہ گروہ باہمی جنگ و قتال کے لیے مل جائیں اور ان میں سے ہر گروہ دوسرے سے انتقام لینے والا ہو یا مقہور و مظلوم ہو تو وہ مرض موت کے حکم میں ہے، اور اگر ان کا اختلاط نہ ہو تو پھر نہیں۔ اور بحری جہاز میں سوار اگر سمندر ساکن ہو تو پھر اس پر کوئی خوف نہیں اور اگر ہوا چل پڑے یا اس میں

(وَإِذَا اجْتَمَعَ الْوَصَايَا قُدِّمَ الْفَرَضُ وَإِنْ أُخِّرَ الْمَوْضِي

اور جب وصیتیں جمع ہو جائیں تو فرض کو مقدم کیا جائے گا اگرچہ موصی نے اسے موخر کیا ہو،

اضطراب ہو تو پھر اس پر خوف ہے، اور قیدی جب اس کی عادت سے قتل ہو تو وہ خائف (ڈرنے والا) ہے ورنہ نہیں۔
”معراج“، ملخصاً۔ اس میں غور کرو اس کے ساتھ ساتھ جو باب طلاق المریض میں گزر چکا ہے۔

وصیتیں جمع ہو جائیں تو ان کا حکم

36268۔ (قوله: وَإِذَا اجْتَمَعَ الْوَصَايَا الْخ) اور جب وصیتیں جمع ہو جائیں الخ، تو جان! کہ وصیتیں یا تو تمام اللہ

تعالیٰ کے لیے ہوں گی، یا بندوں کے لیے، یا وہ دونوں کے درمیان جمع ہوں گی، بلاشبہ تقدیم کا اعتبار اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ مختص ہے، اس لیے کہ صاحب حق ایک ہے، لیکن جب وہ (صاحب حق) متعدد ہوں تو پھر اعتبار نہیں کیا جائے گا، پس وہ وصایا جو صرف بندوں کے لیے ہوں تو ان میں تقدیم کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ اگر وہ پہلے ایک انسان کے لیے اپنے ثلث مال کی وصیت کرے پھر دوسرے کے لیے اس کے بارے وصیت کرے، مگر یہ کہ وہ تقدیم پر نص بیان کرے، یا بعض عتق یا محاباة ہوں جیسا کہ عنقریب ذکر آئے گا، اور وہ وصایا جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں پس اگر وہ تمام کی تمام فرائض ہوں جیسا کہ زکوٰۃ اور حج یا وہ واجبات ہوں جیسا کہ کفارات نذریں اور صدقہ، فطر، یا وہ نوافل ہوں جیسا کہ نفلی حج اور فقراء کے لیے صدقہ تو وہ اس سے ابتدا کرے گا جس سے میت نے ابتدا کی ہے۔ اور اگر وصایا مخلوط ہوں تو وہ فرائض سے ابتدا کرے گا چاہے موصی انہیں مقدم کرے یا موخر، پھر اس کے بعد واجبات سے آغاز کرے گا۔ اور وہ وصایا جن میں اللہ تعالیٰ اور بندوں کا حق جمع ہو جائے تو ثلث ان تمام پر تقسیم کیا جائے گا اور قرب کی جہات میں سے ہر جہت کو منفرد اور الگ قسم بنایا جائے گا اور تمام کو ایک جہت نہیں قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ اگرچہ ان تمام سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے، چونکہ ان میں سے ہر ایک ذاتی طور پر مقصود ہے پس وہ منفرد ہوگی جیسا کہ کئی آدمیوں کی وصایا، پھر انہیں جمع کیا جائے گا اور ان میں اہم فالأہم کے طریقہ پر اہم کو مقدم کیا جائے گا، پس اگر اس نے کہا: میرے مال کا تیسرا حصہ حج، زکوٰۃ، زید اور کفارات کے لیے ہے تو اسے چار حصوں میں تقسیم کر دیا جائے، اور آدمی کے حق پر اس کی حاجت اور ضرورت کی وجہ سے فرض کو مقدم نہیں کیا جائے گا، اور اگر آدمی غیر معین ہو اس طرح کہ وہ فقراء پر صدقہ کرنے کی وصیت کرے تو پھر اسے تقسیم نہیں کیا جائے گا، بلکہ اقویٰ کو مقدم کیا جائے گا اور پھر اس کے بعد اقویٰ کو، کیونکہ تمام کا تمام اللہ تعالیٰ کا حق ہو کر باقی رہتا ہے جب تک وہاں کوئی معین مستحق نہ ہو۔ یہ حکم تب ہے جب وصیت میں ایسا عتق نہ ہو جو مرض میں نافذ ہو یا موت کے ساتھ معلق ہو جیسا کہ تدبیر (غلام کو مدبر بنانا) اور نہ محاباة ہو جو مرض میں بالفور نافذ ہو، پس اگر ایسا ہو تو وہ دونوں سے آغاز کرے جیسا کہ اس کی تفصیل عنقریب باب العتق فی المرض میں آئے گی، پھر باقی کو تمام وصایا کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ یہ ”الغناہ“، ”النباہیہ“ اور ”التبیین“ سے ملخص ہے۔

36269۔ (قوله: قُدِّمَ الْفَرَضُ) وہ فرض کو مقدم کرے، جیسا کہ حج، زکوٰۃ اور کفارات، کیونکہ فرض نفل سے اہم ہے

وَإِنْ تَسَاوَتْ قُوَّةٌ قُدِّمَ مَا قَدَّمَ إِذَا ضَاقَ الثُّلُثُ عَنْهَا قَالَ الزَّيْلَعِيُّ كَفَّارَةُ قَتْلِ وَظَهَارٍ وَبَيْنَ

اور اگر وہ قوت کے اعتبار سے برابر ہوں تو پھر اسے مقدم کیا جائے گا، جسے موسیٰ نے مقدم کیا ہو جبکہ ثلث مال ان کے لیے تنگ ہو۔ ”زیلعی“ نے کہا ہے: قتل، ظہار، اور قسم کا کفارہ

اور اہم سے ابتدا ہونا اس سے ظاہر ہے، ”زیلعی“۔ اور فرض سے ارادہ اس کا کیا ہے جو واجب کو بھی شامل ہے۔ اور اس پر قرینہ ان کا قول: والکفارات ہے۔ لیکن فرض حقیقی واجب پر مقدم ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور ”القہستانی“ میں ہے: وہ اس فرض سے ابتدا کرے گا جو بندے کا حق ہے پھر وہ جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے، پھر واجب سے، اور پھر نفل سے جیسا کہ ان سے مروی ہے۔

36270۔ (قوله: وَإِنْ تَسَاوَتْ قُوَّةُ الْخ) اور اگر وہ قوت کے اعتبار سے مساوی ہوں، ”الملتقی“ میں کہا ہے: اگر

وصایا فرضیت وغیرہ میں برابر اور مساوی ہوں تو وہ اسی سے آغاز کرے جس سے میت نے آغاز کیا ہے (یعنی وہ اسے مقدم کرے جسے میت نے مقدم کیا ہے۔) بعض نے کہا ہے: حج پر زکوٰۃ کو مقدم کیا جائے گا، اور بعض نے اس کے برعکس قول کیا ہے۔ اور اسی کی مثل ”الاختیار“ اور ”القہستانی“ میں ہے۔ پس اس طرف اشارہ کیا ہے کہ بعض فرائض کو بعض پر موسیٰ کے مقدم کئے بغیر مقدم نہیں کیا جائیگا جبکہ وہ قوت میں برابر ہوں، یعنی اس طرح کہ وہ تمام کے تمام فرائض حقیقی ہوں۔ یہ اس صورت سے احتراز ہے جس میں بعض واجبات ہوں، اور بلاشبہ بعض فرائض کو بعض پر مقدم کرنے کا قول غیر معتمد ہے، اور اس کے قائل ”امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ“ ہیں، اور پہلے قول کے قائل ”امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ“ ہیں۔ اور ذکر کیا ہے کہ یہ تمام کا قول ہے اس طرح کہ انہوں نے اپنی ”مختصر“ میں کہا ہے: ”ہشام“ نے امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے امام اعظم ”ابو حنیفہ“ اور امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ اور یہی امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: ہر وہ شے جو کلی طور پر اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جیسا کہ حج، صدقہ، اور عتق وغیرہ۔ پس کوئی آدمی اس کے بارے وصیت کرے اور ثلث اس کے لیے کافی نہ ہو تو اگر وہ تمام نفلی ہوں تو وہ اس پہلی سے ابتدا کرے جس کا ذکر موسیٰ نے پہلے کیا یہاں تک کہ وہ آخر تک پہنچ جائے یا ثلث کم ہو جائے تو پھر وہ باطل ہو جائے گی جو باقی رہ جائے اور اسی طرح اگر وہ تمام فرض ہوں تو وہ پہلی سے آغاز کرے اور اسی ترتیب پر عمل کرتا جائے یہاں تک کہ کمی اور نقصان آخر میں واقع ہو، اور اگر بعض نفل اور بعض فرض ہوں یا اس نے اسے اپنے آپ پر واجب کیا ہو تو فرض سے یا اس سے جسے اس نے اپنے آپ پر واجب کیا ہے، ابتدا کرے اگرچہ اس نے اس کا ذکر آخر میں کیا ہو، ”ہشام“ نے کہا ہے: یہاں تک ان تمام کا قول ہے۔ اور اس کی مکمل بحث ”غایۃ البیان“ میں ہے۔

36271۔ (قوله: قَالَ الزَّيْلَعِيُّ الْخ) ”زیلعی“ نے کہا ہے، میں کہتا ہوں: ”زیلعی“ نے ”کنز“ کے قول کے بعد کہا

ہے اور اگر چہ قوت میں برابر ہیں الخ: کیونکہ آدمی کے حال سے ظاہر ہے کہ وہ اس سے ابتدا کرے جو اس کے نزدیک اہم ہے، اور ظاہر سے ثابت ہونے والا نصاب ثابت ہونے والے کی طرح ہے، تو گویا انہوں نے اسے مقدم کرنے پر نص بیان کی ہے پس زکوٰۃ کو حج پر مقدم کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے ساتھ بندے کا حق متعلق ہے اور ان دونوں کو کفارہ پر مقدم کیا جائے گا

مُقَدَّمَةٌ عَلَى الْفِطْرَةِ لِوُجُوبِهَا بِالْكِتَابِ دُونَ الْفِطْرَةِ وَالْفِطْرَةُ عَلَى الْأُضْحِيَّةِ لِوُجُوبِهَا إِجْمَاعًا دُونَ الْأُضْحِيَّةِ وَفِي الْقَهْطَانِيِّ عَنِ الظَّهْرِيِّ عَنِ الْإِمَامِ الطَّوَاوَيْسِيِّ يُبْدَأُ بِكَفَّارَةِ قَتْلِ ثُمَّ يَبِينُ ثُمَّ ظَهَارِ

صدقہ فطر پر مقدم ہے، اس لیے کہ ان کا وجوب کتاب اللہ سے ثابت ہے نہ کہ صدقہ فطر، اور صدقہ فطر کو قربانی پر مقدم کیا جائے گا، کیونکہ اس کا وجوب اجماع سے ثابت ہے نہ کہ قربانی کا۔ اور ”القہستانی“ میں ”الظہیریہ“ سے امام ”الطواویسی“ سے منقول ہے: وہ ابتدا کفارہ قتل سے کرے گا، پھر کفارہ یمین، پھر ظہار،

کیونکہ ان دونوں کو اس پر ترجیح حاصل ہے، کیونکہ ان دونوں کے بارے میں وعید آئی ہے جو ان دونوں کے سوا کسی کے بارے میں نہیں آئی، اور قتل، ظہار، اور قسم کا کفارہ صدقہ فطر پر مقدم ہوگا الخ۔ اور اسی کی مثل ”النبایہ“ میں ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی تقریر کا اول حصہ امام ”کرخی رحمۃ اللہ علیہ“ کے قول کے موافق ہے اور اس کا آخر امام ”طحاوی رحمۃ اللہ علیہ“ کے قول کے موافق ہے، یہ دونوں قولوں کے درمیان جمع ہے اس حال میں کہ ان میں سے ایک کو دوسرے پر بطور تفریع ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ آپ ”ملتقی“ کی عبارت سے ان دونوں کا باہمی اختلاف جان چکے ہیں، اور یہ کہ ان میں سے دوسرا قول ضعیف ہے، فقہ بر۔ اور میں نے اسے نہیں دیکھا جس نے اس محل کی وضاحت کی ہو، فاقبل۔ پھر میں نے ”الاتقانی“ کو دیکھا انہوں نے ”غایۃ البیان“ میں کہا ہے: اور ان میں سے بعض نے کہا ہے: بلاشبہ کفارہ قتل کو کفارہ یمین پر مقدم کیا جائے گا۔ اس لیے کہ وہ اسلام کی شرط کے سبب قوی ہے، پھر کفارہ یمین کو کفارہ ظہار پر مقدم کیا جائے گا، اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسم کی حرمت تارتار کرنے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، اور دوسرا اپنی ذات پر حرمت ثابت کرنے کے سبب واجب ہوتا ہے۔ اور ہمارے لیے اس میں نظر ہے۔ کیونکہ یہ منصوص روایت کے خلاف ہے۔ کیونکہ فرائض میں سے بعض کو بعض پر مقدم نہیں کیا جاتا۔ اور اسی طرح نفل ہیں بلکہ ابتدا اس سے کی جائے گی جس سے موسیٰ نے ابتدا کی، تحقیق اس پر علامہ ”کرخی رحمۃ اللہ علیہ“ کی نص گزر چکی ہے، اور کفارات پر زکوٰۃ اور حج کو مقدم کرنے کا معنی وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے اور وہ وعید ہے، اور اس کی مثل کفارات میں سے کسی میں نہیں پایا جاتا۔ اور بعض سے صاحب ”نبایہ“ کا ارادہ کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: کفارات پر حج اور زکوٰۃ کی تقدیم ظاہر ہے۔ کیونکہ کفارات واجب ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے، لیکن ”الاتقانی“ نے بذات خود ذکر کیا ہے کہ کفارات صدقہ فطر پر مقدم ہیں اور صدقہ فطر قربانی پر مقدم ہے جیسا کہ ”زیلعی“ اور ”شارح“ نے کہا ہے۔ شاید انہوں نے اس کی بنا امام ”طحاوی رحمۃ اللہ علیہ“ کے قول پر کی ہے، اور اس پر کہ کفارات میں سے بعض کو بعض پر مقدم کرنے سے کوئی شے مانع نہیں جب وجہ ترجیح پائی جائے جیسا کہ صاحب ”النبایہ“ نے یہی کہا ہے۔ اور ”زیلعی“ نے ان کی اتباع کی ہے، اور اس سے نظر ساقط ہو جاتی ہے۔ پس اس میں تدبر کرو۔

قتل، ظہار اور قسم کا کفارہ صدقہ فطر پر مقدم ہوگا

36272۔ (قوله: يُبْدَأُ بِكَفَّارَةِ قَتْلِ ثُمَّ يَبِينُ ثُمَّ ظَهَارِ) وہ ابتدا کرے کفارہ قتل سے پھر کفارہ یمین سے اور پھر

ثُمَّ افْطَارِ ثُمَّ التَّذْرِ ثُمَّ الْفِطْرَةَ، ثُمَّ الْأُضْحِيَّةَ، وَقَدَّمَ الْعُشَّةَ عَلَى الْخَرَاجِ، وَفِي الْبُرْجَنْدِيِّ مَذْهَبُ أَبِي حَنِيفَةَ آخِرُ أَنْ حَاجَّ النَّفْلِ أَفْضَلُ مِنَ الصَّدَقَةِ (أَوْصَى بِحَاجٍّ) أَيْ حَاجَّةِ الْإِسْلَامِ أَحَجُّ (عَنْهُ رَاكِبًا)

پھر افطار، پھر نذر، پھر صدقہ فطر اور پھر قربانی ادا کرے گا۔ اور وہ عشر کو خراج پر مقدم کرے، اور ”البرجندی“ میں امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا مذہب ہے کہ نفلی حج صدقہ سے افضل ہے، کسی نے حج اسلام کی وصیت کی تو اس کی طرف سے سواری پر حج کرایا جائے

کفارہ ظہار سے، ان کی ترتیب کی وجہ پہلے گزر چکی ہے۔

36273۔ (قوله: ثُمَّ افْطَارِ الخ) پھر افطار سے الخ، یہ اس کے مخالف ہے جو ”النبہایہ“ میں ہے کہ صدقہ فطر کو اجماع اور اخبار مستفیضہ سے ثابت ہونے کی وجہ سے کفارہ افطار پر مقدم کیا جائے، اس لیے کہ وہ خبر واحد سے ثابت ہے، اور اسے نذر پر مقدم کیا جائے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے واجب کرنے کے سبب واجب ہے۔ اس لیے اسے اس پر مقدم کیا جائے گا جو بندے کے ایجاب کے ساتھ واجب ہے، اور نذر کو قربانی پر مقدم کیا جائے گا، اس لیے کہ قربانی کے وجوب میں اختلاف ہے لیکن نذر کے واجب ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

36274۔ (قوله: وَقَدَّمَ الْعُشَّةَ) اور وہ عشر کو مقدم کرے، اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حق پر مشتمل ہے بخلاف خراج کے کیونکہ وہ دوسرے یعنی حق العباد پر محصور ہے، ”طحاوی“۔

نفلی حج صدقہ سے افضل ہے

36275۔ (قوله: أَنْ حَاجَّ النَّفْلِ أَفْضَلُ مِنَ الصَّدَقَةِ) بلاشبہ نفلی حج صدقہ سے افضل ہے۔ یہ حج کو صدقہ پر مقدم کرنے کی طرف اشارہ ہے اگرچہ موسیٰ اسے موخر ذکر کرے۔ لیکن ”العنایہ“ اور ”النبہایہ“ میں ہے کہ جو عمل واجب نہیں ہے اس میں وہ اسے مقدم کرے جسے موسیٰ نے مقدم کیا ہے جیسا کہ نفلی حج، غیر معین غلام کو آزاد کرنا، اور فقراء پر صدقہ کرنا۔ اور یہی ظاہر روایت ہے۔ اور ”حسن“ رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے اصحاب سے روایت کیا ہے کہ وہ افضل سے ابتدا کرے اور پھر اس کے بعد جو افضل ہو، وہ صدقہ سے ابتدا کرے پھر حج اور پھر اس کے بعد عتق۔ اور ان کا قول یبدأ بالصدقۃ ثم الحج کی بنیاد اس پر ہے جو ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ پہلے کہتے رہے ہیں اور جب انہوں نے حج کی مشقت کا مشاہدہ کیا تو اس سے رجوع کر لیا۔ پس اگر وہ اس مقدار سے حج کرے جو وہ خرچ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو یہ افضل ہے۔

36276۔ (قوله: أَحَجُّ عَنْهُ) یہ صیغہ مجہول ہے، یعنی اس کی طرف سے حج کرایا جائے۔

36277۔ (قوله: رَاكِبًا) اس حال میں کہ وہ سوار ہو، کیونکہ یہ لازم نہیں کہ وہ پیدل حج کرے۔ پس اس پر اسی طرح

حج کرنا واجب ہے جس طرح اس پر لازم ہوا ہے، ”زیلعی“۔

فَلَوْلَمْ تَبْدُغِ النَّفَقَةَ مِنْ بَلَدِهِ فَقَالَ رَجُلٌ أَنَا أَحَبُّ عَنْهُ بِهَذَا الْمَالِ مَا شِئًا لَا يَجْزِيهِ قُهْشَتَانِ مَعْرِيًا لِلتَّيْتَةِ (مِنْ بَلَدِهِ) إِنَّ كَفَى نَفَقَتُهُ ذَلِكَ وَالْأَفْصَنُ حَيْثُ تَكْفِي وَإِنْ مَاتَ حَاجَّ فِي طَرِيقِهِ وَأَوْصَى بِالْحَجِّ عَنْهُ يُحَاجُّ مِنْ بَلَدِهِ) رَاكِبًا وَقَالَ مِنْ حَيْثُ مَاتَ اسْتَحْسَانًا هِدَايَةً وَمُجْتَبَى وَمُلْتَقَى قُلْتُ وَمُفَادَةٌ أَنَّ قَوْلَهُ قِيَاسٌ وَعَلَيْهِ الْمُتَوَنُّ

اور اگر شہر سے خرچہ پورا نہ ہو، اور کوئی آدمی یہ کہے: میں اس کی طرف سے اسی مال کے ساتھ پیدل حج کرتا ہوں تو یہ جائز نہیں ہے۔ ”قہستانی“ نے اسے ”تمتہ“ کی طرف منسوب کیا ہے۔ یعنی موصی کے شہر سے اگر اس کا خرچہ اس کے لیے کافی ہو، ورنہ اس جگہ سے جہاں سے وہ کافی ہو، اور اگر حاجی راستے میں فوت ہو جائے اور وہ اپنی طرف سے حج کرنے کی وصیت کرے تو وہ اس کے شہر سے سوار ہو کر حج کرے گا، اور کہا: اس جگہ سے جہاں وہ فوت ہوا، یہ استحساناً ہے۔ ”ہدایہ“، ”مجتبى“، ”ملتقى“۔ میں کہتا ہوں: اور اس کا مفاد یہ ہے کہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کا قول قیاس ہے اور اسی کے مطابق متون ہیں

36278۔ (قوله: فَلَوْلَمْ تَبْدُغِ النَّفَقَةَ الْخ) پس اگر نفقہ کافی نہ ہو الخ اور اسی کی مثل بدرجہ اولیٰ وہ ہے جو ”القہستانی“ میں بھی ہے: اگر دیا ہو مال سواری کے لیے کافی ہو پھر وہ پیدل چلا اور اس نے اپنی ذات کے لیے کچھ خرچہ باقی رکھ لیا تو اس نے مخالفت کی ہے اور نفقہ کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس کا ثواب اسے حاصل نہیں ہوا۔

36279۔ (قوله: أَنَا أَحَبُّ عَنْهُ) میں اس کے شہر سے حج کروں گا۔

36280۔ (قوله: وَإِنْ مَاتَ حَاجَّ فِي طَرِيقِهِ الْخ) اور اگر حج کرنے والا راستے میں فوت ہو جائے، ”شارح“ نے باب الحج عن الغیر میں پہلے ذکر کیا ہے کہ بلاشبہ اس کے بارے وصیت واجب ہوتی ہے جب وہ اسے واجب ہونے کے بعد موخر کرتا رہے، لیکن جب وہ کسی سال حج کر لے تو پھر وصیت واجب نہیں۔

36281۔ (قوله: مِنْ بَلَدِهِ) کیونکہ اس پر اپنے شہر سے حج کرنا واجب ہے اور وصیت اسے ادا کرنے کے لیے ہے جو اس پر واجب ہے، ”زیلعی“۔ پس اگر وصی نے کسی دوسرے شہر سے حج کرایا تو وہ ضامن ہوگا، مگر یہ کہ وہ مکان ایسی جگہ ہو جہاں رات ہونے سے پہلے وہ پہنچ کر واپس اپنے وطن لوٹ سکتا ہو، ”مناسک السندی“۔ اور اسی میں ہے: اگر وہ اپنے شہر کے علاوہ کہیں اور سے حج کرنے کی وصیت کرے تو وہ وہیں سے حج کرے جیسے اس نے وصیت کی ہے چاہے وہ مکہ مکرمہ سے قریب ہو یا دور ہو۔

میں کہتا ہوں: اور ظاہر یہ ہے کہ موصی اس کے ساتھ گنہگار ہوگا، اس لیے کہ اس نے اپنے اوپر واجب کو ترک کر دیا ہے، اور اسی کی مثل ہے اگر وہ اس کی وصیت کرے جو اس کے شہر سے حج کرانے کے لیے کافی نہ ہو، تامل۔

36282۔ (قوله: وَعَلَيْهِ الْمُتَوَنُّ) اسی پر متون ہیں، اور یہی صحیح ہے، اور اسے ہی ”محبوبی“، ”نسفی“ اور ”صدر الشریعہ“ وغیرہ نے اختیار کیا ہے، ”قاسم“۔

فَكَانَ الْقِيَاسُ هُنَا هُوَ الْمُعْتَمَدُ فَافْهَمْ (اِنْ بَدَعَ نَفَقَتُهُ لَكَ وَاِلَّا فَمِنْ حَيْثُ تَبَدُّعٌ) وَمَنْ لَا وَطْنَ لَهُ فَمِنْ حَيْثُ مَاتَ اِجْمَاعًا (اَوْصَى بِاَنْ يُشْتَرَى بِكُلِّ مَالِهِ عَبْدٌ فَيُعْتَقُ عَنْهُ) عَنْ الْمُوصَى (وَلَمْ تُجْزِ الْوَرَثَةُ بَطَلَتْ كَذَا اِذَا اَوْصَى بِاَنْ يُشْتَرَى لَهُ عَبْدٌ بِأَلْفٍ دِرْهَمٍ وَزَادَ الْآلْفُ عَلَى الثُّلُثِ) وَقَالَ يُشْتَرَى بِكُلِّ الثُّلُثِ فِي الْمَسْأَلَتَيْنِ مَجْمَعٌ (مَرِيضٌ اَوْصَى وَصَايَا ثُمَّ بَرِيَّ مِنْ مَرَضِهِ ذَالِكَ وَعَاشَ سِنِينَ ثُمَّ مَرَضَ فَوَصَايَا بَاقِيَةً اَنْ لَمْ يَقُلْ اِنْ مِتُّ مِنْ مَرَضِي هَذَا فَقَدْ اَوْصَيْتُ بِكَذَا) كَذَا فِي الْخَاتِيَةِ (اَوْصَى بِوَصِيَّةٍ ثُمَّ جُنَّ اِنْ اُطْبِقَ الْجُنُونُ) حَتَّى بَدَعَ سِتَّةَ أَشْهُرٍ (بَطَلَتْ وَاِلَّا لَا)

تو گویا یہاں قیاس ہی معتمد علیہ ہوا۔ پس تو اسے سمجھ لے، اگر سواری کا خرچہ تیرے لیے کافی ہو (تو وطن سے حج کرائے) ورنہ جہاں سے وہ کافی ہو (وہاں سے حج کرائے) اور وہ جس کا کوئی وطن نہ ہو تو جہاں وہ فوت ہوا بالا جماع وہاں سے حج کرائے۔ کسی نے اس بارے وصیت کی کہ اس کے کل مال سے غلام خریدا جائے اور پھر موصی کی طرف سے اسے آزاد کر دیا جائے، اور ورثاء نے اس کی اجازت نہ دی تو وہ وصیت باطل ہو جائے گی۔ اسی طرح حکم ہے جب کسی نے وصیت کی کہ اس کے لیے ہزار درہم کے عوض غلام خریدا جائے اور وہ ہزار اس کے ثلث مال سے زائد ہو۔ اور ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: دونوں مسئلوں میں مال کے تہائی حصہ کے عوض خریدا جائے گا، ”مجمع“۔ مریض نے چند وصیتیں کیں پھر وہ اس بیماری سے صحت یاب ہو گیا اور کئی سال تک زندہ رہا، پھر وہ بیمار ہوا تو اس کی وصیتیں باقی رہیں گی اگر اس نے یہ نہ کہا: اگر میں اپنے اس مرض سے فوت ہو گیا تو میں اس طرح کی وصیت کرتا ہوں۔ اسی طرح ”الخانیہ“ میں ہے۔ کسی نے وصیت کی، پھر وہ مجنون ہو گیا، اگر جنون دیر تک مسلسل رہا یہاں تک کہ وہ چھ مہینے تک پہنچ گیا تو وہ وصیت باطل ہو جائے گی، ورنہ نہیں۔

36283۔ (قوله: فافهم) یہ اس طرف اشارہ ہے کہ یہ قیاس پر استحسان کو مقدم کرنے کے قاعدہ سے خارج ہے۔

36284۔ (قوله: وَمَنْ لَا وَطْنَ لَهُ الْخ) اور وہ جس کا کوئی وطن نہ ہو، اور اگر اس کے کئی وطن ہوں تو جو اس میں سے

”مکہ مکرمہ“ کے زیادہ قریب ہوگا (وہاں سے حج کرائے)، اور اگر وہ مکہ مکرمہ کا رہنے والا ہو اور خراسان میں فوت ہو تو مکہ مکرمہ سے حج کرائے، مگر یہ کہ وہ حج قرآن کی وصیت کرے تو پھر وہ خراسان سے کرائے، ”جوہرہ“۔

فرع

اس نے کہا: تم میری طرف سے میرے تہائی حصہ مال کے ساتھ یا ہزار کے ساتھ حج کرواؤ اور وہ کئی جہوں کے لیے کافی ہو: پس اگر وہ ایک کی تصریح کرے تو وہ اس کی اتباع کرے اور باقی اضافی مال ورثاء کو واپس لوٹا دے، اور اگر وہ ایک کی تصریح نہ کرے تو وہ ایک ہی سال میں اس کی طرف سے کئی حج کروائے اور یہی افضل ہے، یا پھر ہر سال میں ایک حج کروائے، ”سندی“۔

36285۔ (قوله: بطلت الوصية) وصیت باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ کل مال کے ساتھ خریدا ہوا غلام اس کا مغایر

وَكَذَلِكَ أَوْصَىٰ ثُمَّ أَخَذَ بِالْوُسْوَاسِ فَصَارَ مَعْتُوَهَا حَتَّىٰ مَاتَ بَطَلَتْ خَائِيَّةٌ (أَوْصَىٰ بِأَنْ يُعَارَ بَيْتُهُ مِنْ فُلَانٍ أَوْ بِأَنْ يُسْتَقَىٰ عَنْهُ الْمَاءُ شَهْرًا فِي الْمَوْسِمِ أَوْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ بَاطِلٌ) فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَىٰ خَائِيَّةٌ (كَمَا لَوْ أَوْصَىٰ بِهَذَا التَّبْنِ لِدَوَابِّ فُلَانٍ) فَإِنَّ الْوَصِيَّةَ بَاطِلَةٌ وَلَوْ قَالَ يُعْلَفُ بِهَا دَوَابُّ فُلَانٍ جَازٌ،

اور اسی طرح اگر اس نے وصیت کی پھر اسے وسواس نے آلیا اور وہ غافل اور بے ہوش ہو گیا یہاں تک کہ فوت ہو گیا، تو وہ باطل ہو جائے گی، ”خانیہ“۔ کسی نے وصیت کی کہ اس کا گھر فلاں کو عاریۃ دے دیا جائے، یا یہ کہ اس کی طرف سے ایک مہینہ تک حج کے دنوں میں یا فی سبیل اللہ پانی پلایا جائے تو یہ وصیت باطل ہے۔ یہ امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، ”خانیہ“۔ جیسا کہ اگر وہ وصیت کرے کہ یہ بھوسہ فلاں کے جانوروں کے لیے ہے، تو یہ وصیت باطل ہے، اور اگر وہ یہ کہے: اسے فلاں کے جانور چریں گے تو یہ جائز ہے،

ہے جسے ثلث مال کے عوض خریدا جائے، ”درر“۔ اور اسی کی مثل اس مسئلہ میں کہا جائے گا جو اس کے بعد ہے، ”طحاوی“۔
36286۔ (قوله: فَصَارَ مَعْتُوَهَا الْخ) پس وہ غافل اور بیہوش ہو گیا، ”الخانیہ“ کی عبارت ہے: پس وہ معتوہ ہو گیا، اور ایک زمانہ (طویل وقت) تک اسی حالت پر رہا، پھر اس کے بعد وہ فوت ہو گیا، تو امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اس کی وصیت باطل ہے، اور تو اس بارے میں غور کر کہ کیا اس میں وہی مدت معتبر ہوگی جس کا اعتبار حالت جنون میں کیا جاتا ہے، تو ظاہر جواب یہی ہے کہ ہاں۔ کیونکہ ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، اور اس لیے بھی کہ زمانہ نکرہ ہو تو اس کا اطلاق چھ ماہ پر ہوتا ہے، تاہل۔

36287۔ (قوله: فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ) اسی پر اقتصار کرنا اس کے معتمد علیہ ہونے پر دلالت کرتا ہے، ”طحاوی“۔ اور ”الظہیریہ“ میں ہے: اس نے کہا: میں نے اپنے تہائی مال کی اللہ تعالیٰ کے لیے وصیت کی تو امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق یہ وصیت باطل ہے۔ اور امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: یہ جائز ہے۔ اور اسے اس کے لیے نیکی کے حصول کی طرف پھیرا جائے گا، اور اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔

36288۔ (قوله: فَإِنَّ الْوَصِيَّةَ بَاطِلَةٌ) تو بلاشبہ وصیت باطل ہے، کیونکہ وہ اہل ملک میں سے نہیں ہے، نہ موصی کے الفاظ کی طرف دیکھتے ہوئے اور نہ ہی اس کے قصد اور ارادہ کے اعتبار سے۔ اور اسی کی مثل وہ ہے جو ”المعراج“ میں ہے: کہ کسی نے مسجد حرام کے لیے کسی شے کی وصیت کی تو یہ جائز نہیں، مگر یہ کہ وہ یہ کہے: یہ مسجد پر خرچ کرے۔ کیونکہ وہ اہل ملک میں سے نہیں ہے، اور اس کے مصالح پر خرچ کرنے کا ذکر کرنا بمنزلہ نص کے ہے، اور امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ صحیح ہے اور اس کے کلام کو صحیح قرار دیتے ہوئے اسے اس کے مصالح کی طرف پھیرا جائے گا۔

36289۔ (قوله: جَازٌ) جائز ہے یعنی وہ گھوڑے کے مالک کے لیے وصیت ہوگی، ”خانیہ“۔

وَلَوْ أَوْصَى بِأَنْ يُنْفَقَ عَلَى فَرَسٍ فَلَا يَكُنْ شَهْرٌ كَذَا جَازَ وَتَبْطُلُ بَيْعُهَا وَلَوْ أَوْصَى بِسُكْنَى دَارِهِ لِرَجُلٍ وَلَا مَالَ لَهُ سِوَاهَا جَازَ

اور اس نے وصیت کی: وہ فلاں کے گھوڑے پر ہر ماہ اتنا خرچ کرے تو یہ جائز ہے اور اسے بیچ دینے کے ساتھ وصیت باطل ہو جائے گی، اور اگر اس نے کسی آدمی کے لیے اپنے گھر میں سکونت اختیار کرنے کی وصیت کی اور اس گھر کے سوا اور کوئی مال نہ ہو تو یہ جائز ہے،

میں کہتا ہوں: اس سے اور اس سے جو ”الاتقانی“ نے ذکر کیا ہے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اگر اس نے ثلث مال کی وصیت اس کے لیے کی جو ابھی فلاں کے جانور کے پیٹ میں ہے تاکہ وہ اس پر خرچ کرے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ اس کا مالک قبول کر لے۔ یہ کہ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے اپنی مصالحت میں صرف کرے، اور یہ شرط ہے کہ وہ ان میں سے ہو جس کے لیے اس کی وصیت صحیح ہوتی ہے، اور یہ کہ وہ اس کے رد کر دینے کے ساتھ اور موصی سے پہلے اس کے فوت ہو جانے کے ساتھ وصیت باطل ہو جائے گی، تامل۔

36290۔ (قوله: وَتَبْطُلُ بَيْعُهَا) اور اسے بیچ دینے کے ساتھ وصیت باطل ہو جائے گی، اور اسی طرح اس کے فوت ہو جانے کے ساتھ بھی وصیت باطل ہو جائے گی، ”خانیہ“۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں مسئلوں کی طرف راجع ہے، اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اگرچہ وصیت اس کے مالک کے لیے ہے لیکن معنوی اعتبار سے یہ اس کی ملکیت میں اس کے موجود ہونے پر معلق ہے، تامل۔ پھر میں نے ”الولوالبحیہ“ میں دیکھا ہے: انہوں نے اپنے قول فاذا بیع الفرس بطل (پس جب گھوڑا بیچ دیا گیا تو وہ باطل ہو جائے گی) کے بعد یہ بیان کیا ہے: کیونکہ یہ گھوڑے کے مالک کے لیے وصیت ہے۔ اور اسی کی مثل وہ ہے اگر وہ کہے: قسم بخدا میں فلاں کے غلام سے کلام نہیں کروں گا، یا میں فلاں کے گھوڑے پر سوار نہیں ہوں گا یعنی اس میں اضافت زائل ہونے کے ساتھ قسم باطل ہو جاتی ہے مثلاً اس طرح کہ وہ غلام کو یا سواری کے جانور کو فروخت کر دے۔ کیونکہ غلام کو یا جانور کو اس کی ذات کے لیے نہیں چھوڑا جاتا بلکہ اس کے مالک کے لیے چھوڑا جاتا ہے جیسا کہ فقہاء نے اسے اس کے محل میں اعتماد سے ذکر کیا ہے۔ پس یہاں اس وقت تک وصیت باقی رہے گی جب تک اضافت موجود رہے گی، اور اس کے زوال کے ساتھ باطل ہو جائے گی۔ لیکن ”الولوالبحیہ“ میں بھی اس فرع سے تھوڑا پہلے ہے: اگر اس نے فلاں کے غلام پر ہر مہینہ دس درہم خرچ کرنے کی وصیت کی، تو یہ وصیت جائز ہے اور یہ غلام کے ساتھ گھومتی رہے گی جہاں وہ بیچ یا آزادی کے سبب گھوما (یعنی آزاد ہو کر یا بک کر جہاں وہ جائے گا وہ اس کے ساتھ رہے گی)۔ اور ”ظہیریہ“ کی عبارت ہے: امام ”ابو یوسف“ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ علیہما نے کہا ہے: وصیت غلام کے لیے ہے۔ اور وہ اس کے ساتھ گھومتی رہے گی جہاں وہ بیچ یا عتق کے سبب گھوما۔ اور اگر اس کے آقا نے اس کی صلح کر لی اور غلام نے اجازت دے دی تو یہ جائز ہے۔ اور اگر وہ آزاد ہو گیا پھر اس نے اجازت دی تو اس کی اجازت باطل ہے۔ اور تو اس میں غور کر اس کے باوجود کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ وارث

وَلَهُ سُكْنَاهَا مَا دَامَ حَيًّا وَلَيْسَ لِلْوَارِثِ بَيْعُ ثُلُثَيْهَا، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ لَهُ ذَلِكَ وَلَهُ أَنْ يُقَاسِمَ الْوَرِثَةَ
أَيْضًا وَيُفْرِزَ الثُّلُثَ لِلْوَصِيَّةِ خَائِيَةً (وَلَوْ أَوْصَى بِقُطْنِهِ لِرَجُلٍ وَبِحَبِّهِ لِآخَرَ وَأَوْصَى بِلَحْمٍ شَاةٍ مُعَيَّنَةٍ
لِرَجُلٍ وَبِجَنْدِهَا لِآخَرَ وَأَوْصَى بِحِنْطَةٍ فِي سُنْبُلِهَا لِرَجُلٍ وَبِالْتِّبْنِ لِآخَرَ جَازَتْ الْوَصِيَّةُ لَهُمَا) وَعَلَى
الْمُوصَى لَهُمَا أَنْ يَدُوسَ وَيَسْلَخَ الشَّاةَ

اور جب تک وہ فلاں زندہ رہا اس کے لیے اس میں رہائش رکھنا جائز ہے اور وارث کے لیے اس کے دو تہائی کی بیع کرنا جائز نہیں۔ اور امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: اس کے لیے وہ جائز ہے، اور اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ اسے ورثا میں تقسیم کر دے اور وصیت کا ایک تہائی الگ کر لے، ”خانیہ“۔ اور اگر اس نے ایک آدمی کے لیے اپنی روٹی اور دوسرے کے لیے اس کے بنولے کی وصیت کی، یا ایک آدمی کے لیے ایک معین بکری کے گوشت کی اور دوسرے کے لیے اس کی کھال کی وصیت کی، یا ایک آدمی کے لیے بالیوں میں موجود گندم کی اور دوسرے کے لیے بھوسے کی وصیت کی تو دونوں کے لیے وصیت جائز ہے، اور دونوں موصی لہ پر گندم کو گھنا اور بکری کی کھال اتارنا لازم ہے۔

کے غلام کے لیے وصیت جائز نہیں ہوتی کیونکہ وہ دراصل وارث کے لیے ہی وصیت ہوتی ہے۔

36291۔ (قولہ: وَلَهُ سُكْنَاهَا) اور ایک زمانہ تک وارث کے ساتھ موافقت کرتے ہوئے وہ اس کے لیے رہائش گاہ ہوگی، (یعنی دونوں اس سے نفع اٹھائیں گے)۔

36292۔ (قولہ: وَلَيْسَ لِلْوَارِثِ بَيْعُ ثُلُثَيْهَا) اور وارث کے لیے اس کے دو تہائی کی بیع کرنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ اس پوری رہائش گاہ میں موصی لہ کا حق ثابت ہو چکا ہے دوسرا مال ظاہر ہونے کی وجہ سے یا اس کے خراب ہونے کی وجہ سے جو اس کے قبضہ میں ہے۔ پس اس وقت وہ اس کے باقی حصہ میں ان کے ساتھ مزاحمت کر سکتا ہے۔

36293۔ (قولہ: لَهُ ذَلِكَ) یعنی وارث کے لیے اس کے دو تہائی کی بیع کرنا جائز ہے۔

36294۔ (قولہ: وَلَهُ أَنْ يُقَاسِمَ الْوَرِثَةَ) یہ ”مصنف“ کے قول: وَلَهُ سُكْنَاهَا پر معطوف ہے، اور ضمیر رجل (آدمی) کے لیے ہے یعنی موصی لہ کے لیے عین دار کو اجزاء کے ساتھ تقسیم کرنا بھی جائز ہے اگر وہ تقسیم کا احتمال رکھتا ہو۔ اور یہ باہم موافقت کرنے اور دونوں کے نفع اٹھانے کی نسبت زیادہ مناسب ہے۔ اس لیے کہ اس میں زمان اور ذات کے اعتبار سے دونوں کے درمیان مساوات ہے جیسا کہ ”ہدایہ“ میں ہے۔ اور یہ مسئلہ عنقریب باب الوصية بالخدمة والسكنى میں آئے گا۔

36295۔ (قولہ: وَعَلَى الْمُوصَى لَهُمَا أَنْ يَدُوسَ وَيَسْلَخَ الشَّاةَ) اور دونوں موصی لہ پر گندم کو گھنا اور بکری کی کھال اتارنا لازم ہے، ”مصنف“ پر لازم تھا کہ وہ اس طرح کہتے: أَنْ يَدُوسَ وَيَسْلَخَ الشَّاةَ یعنی الف تنثیہ کے ساتھ ذکر کرتے، ”حلی“۔

میں کہتا ہوں: اور وہ یہ زیادہ کرتے و یحلجا القطن (اور وہ دونوں روئی دھیں) جیسا کہ ”الظہیریہ“ میں ہے۔ اور یہ اس

(أَوْصَى بِثُلُثِ مَالِهِ لِبَيْتِ الْمَقْدِسِ جَازَ ذَلِكَ وَيُنْفِقُ فِي عِمَارَةِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَفِي سَرَايِهِ وَنَحْوِهِ) قَالُوا
وَهَذَا يُفِيدُ جَوَازَ النَّفَقَةِ مِنْ وَقْفِ الْمَسْجِدِ عَلَى قَنَادِيلِهِ وَسَرَايِهِ وَأَنْ يُشْتَرَى بِذَلِكَ الزَّيْتُ وَالنِّفْطُ
وَلِنَقْنَادِيلٍ فِي رَمَضَانَ خَائِنَةً وَفِي الْمُجْتَبَى أَوْصَى بِثُلُثِ مَالِهِ لِلْكَعْبَةِ جَازَ وَتُصَرَّفُ لِفُقَرَاءِ الْكَعْبَةِ لَا
غَيْرُ وَكَذَا لِلْمَسْجِدِ وَلِلْمَقْدِسِ وَفِي الْوَصِيَّةِ لِفُقَرَاءِ الْكُوفَةِ

کسی نے اپنے تہائی مال کی بیت المقدس کے لیے وصیت کی تو یہ جائز ہے اور وہ اسے بیت المقدس کی عمارت اور اس کے چراغوں وغیرہ میں خرچ کیا جائے۔ فقہانے کہا ہے: یہ اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ مسجد کے وقف سے اس کی قندیلوں اور چراغوں پر خرچ کرنا جائز ہے، اور یہ کہ وہ رمضان میں اس سے تیل اور قندیلوں کے لیے روغن وغیرہ خریدا جائے، ”خانیہ“ اور ”المجتبیٰ“ میں ہے: کسی نے اپنے تہائی مال کی کعبہ معظمہ کے لیے وصیت کی تو یہ جائز ہے، اور وہ مال صرف کعبہ معظمہ کے فقراء پر صرف کرے کسی اور پر نہیں، اور اسی طرح مسجد اور القدس کا حکم ہے۔ اور فقراء کوفہ کے لیے وصیت کی صورت میں

لیے ہے کیونکہ مقصود دونوں میں سے ہر ایک کو اپنے ساتھی سے الگ کرنا اور نکالنا ہے بخلاف اس صورت کے کہ جب وہ ان تلوں کے تیل کی ایک آدمی کے لیے اور اس کے کسب کی دوسری آدمی کے لیے وصیت کرے اور دودھ میں مکھن کی ایک آدمی کے لیے وصیت کرے اور لسی کی دوسری کے لیے تو اس میں نفقہ اور خرچہ تیل اور مکھن والے پر ہوگا۔ کیونکہ مقصود صرف ان دو کو نکالنا ہے۔ اور اسی کے ساتھ اس کا اعتبار کیا جائے گا جو اس کے شریک کے لیے ہو۔ پس اس کو الگ کرنا اسی کے ذمہ ہوگا۔ اور اگر بکری زندہ ہو تو ذبح کی اجرت صرف گوشت لینے والے پر ہوگی۔ کیونکہ اسے گوشت کے حصول کے لیے ذبح کیا گیا ہے نہ کہ چمڑے کے لیے، جیسا کہ ”الولوالجیہ“ میں ہے۔

اپنے تہائی مال کی کعبہ معظمہ یا بیت المقدس کے لیے وصیت کرنا جائز ہے

36296۔ (قوله: فِي رَمَضَانَ) شاید رمضان میں اس کے اخراجات زیادہ ہونے کی وجہ سے اسے ذکر کے ساتھ خاص کیا ہے، ورنہ رمضان کے علاوہ بھی حکم اسی طرح ہے۔ اور اس بارے میں غور کر کیا یہ حاجت اور ضرورت کی مقدار کے ساتھ مقید ہے؟ پھر میں نے ”البرزازیہ“ میں دیکھا ہے: اگر اس نے کہا: میرا ثلث مال اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہے (ثُلُثُ مَالِي فِي سَبِيلِ اللَّهِ) تو وہ جہاد کے لیے ہوگا۔ پس اگر انہوں نے وہ مال قافلہ سے منقطع ہونے والے کسی حاجی کو دے دیا تو وہ جائز ہے۔ اور ”النوازل“ میں ہے: اگر وہ مسجد کے چراغ کے لیے خرچ کیا گیا تو یہ بھی جائز ہے۔ لیکن ایک ہی چراغ کے لیے چاہے رمضان ہو یا غیر رمضان۔ اور یہ اسی سے قدر حاجت کی تعیین کے ساتھ مانوس ہیں، ”طحطاوی“۔

36297۔ (قوله: وَتُصَرَّفُ لِفُقَرَاءِ الْكَعْبَةِ) اور وہ کعبہ معظمہ کے فقراء کے لیے خرچ کیا جائے گا، اور جو

”الولوالجیہ“ وغیرہ میں ہے وہ لمساکین مکہ ہے یعنی وہ مکہ مکرمہ کے مساکین کے لیے خرچ کیا جائے گا۔

36298۔ (قوله: وَكَذَا لِلْمَسْجِدِ وَلِلْمَقْدِسِ) اور اسی طرح مسجد اور القدس کا حکم ہے۔

جَاذَ لَغَيْرِهِمْ وَفِي الْخَانِيَّةِ أَوْصَى بِعَبْدٍ يَخْدُمُ الْمَسْجِدَ وَيُوْذِنُ فِيهِ جَاذَ وَيَكُونُ كَسْبُهُ لِيَوَارِثَ الْمَوْصِي وَلَوْ
أَوْصَى بِثُلُثِ مَالِهِ

دوسروں پر خرچ کرنا بھی جائز ہے۔ اور ”الخانیہ“ میں ہے: کسی نے اپنے غلام کے بارے وصیت کی کہ وہ مسجد کی خدمت کرے گا اور اس میں اذان دے گا تو یہ جائز ہے، اور اس کی کمائی موصی کے وارث کیلئے ہوگی۔ اور اگر وہ اپنے تہائی مال کے ساتھ میں کہتا ہوں: جو ”المنح“ میں ”الجبّی“ سے منقول ہے وہ بیت المقدس ہے۔

حاصل کلام: اس کا حاصل یہ ہے کہ مسجد کے لیے وصیت کرنے کے بارے میں دو قول ہیں: ایک قول میں صحیح نہیں ہے، اور ایک قول میں صحیح ہے جیسا کہ عنقریب وصایا الذمی کی فصل سے تھوڑا پہلے آئے گا۔ پھر جس قول کے مطابق صحیح ہے کیا وہ مال اس کے منافع پر خرچ کیا جائے گا یا اس کے فقراء پر؟ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے پہلے کے بارے قول کیا ہے جیسا کہ وہی ان کے کلام میں صریح کی مثل ہے، اور رہا دوسرا قول تو اس کے بارے ”الجبّی“ میں تصریح ہے جیسا کہ آپ دیکھ لیں گے۔ اور صحیح نہ ہونے کا قول کرنے والے ”شیخین“ رحمہ اللہ ہیں مگر جب وہ یہ کہے: اسے مسجد پر خرچ کیا جائے تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے اسے مطلقاً جائز قرار دیا ہے اس طرح کہ انہوں نے کلام کو صحیح قرار دینے کے لیے اسے مسجد کے مصالح کے ارادہ پر محمول کیا ہے نہ کہ کسی معین شے کے ارادہ پر۔ کیونکہ وہ مالک نہیں رہتا چاہے وہ مسجد کو معین کرے یا نہ کرے۔ اور اسی کے مطابق ”صاحب البحر“ نے فتویٰ دیا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ اور جہاں تک بیت المقدس کا تعلق ہے تو اس کے مسجد سے الگ ہونے کا کوئی وہم نہیں، یہاں تک کہ ”بزازیہ“ نے جو متن میں ہے اسے امام ”محمد“ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ پس تو اسے سمجھ اور پریشان نہ ہو۔ اور مناسب یہ ہے کہ مسجد کے لیے وصیت پر اس کے فقراء کے لیے وصیت ہونے کا فتویٰ دیا جائے جبکہ صورت حال ازہر کی مثل ہو۔ اسی طرح اس مقام کو ”الساحانی“ رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے، اسے دیکھو جو ”شرح الوہبانیہ“ میں ہے۔

36299۔ (قوله: جَاذَ لَغَيْرِهِمْ) ان کے علاوہ کے لیے بھی جائز ہے، ”الخلاصہ“ میں کہا ہے: افضل یہ ہے کہ وہ انہی پر صرف کرے، اور اگر اس نے ان کے علاوہ دوسروں کو بھی دیا تو یہ جائز ہے، اور یہی امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کا قول ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: یہ جائز نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول نذر کے بارے میں فقہاء کے اس قول کے موافق ہے کہ اس میں زمان، مکان، درہم، اور فقیر کی تعیین کرنا لغو ہے۔

36300۔ (قوله: لِيَوَارِثَ الْمَوْصِي) کیونکہ اس کی ذات اسی کی ملکیت ہے اس لیے اس کی کمائی اسی کے لیے ہوگی، الولو البجیہ۔ اور کیا اس کا نفقہ اور خرچہ مسجد کے وقف میں ہوگا جیسا کہ اگر وہ زید کی خدمت کے لیے اس کی وصیت کرے تو اس کا نفقہ اور خرچہ اسی پر ہوتا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا؟ میں نے اسے نہیں دیکھا۔

لِأَعْمَالِ الْبِرِّ لَا يُضْرَفُ ثُلُثُهُ لِبِنَاءِ السِّجْنِ، لِأَنَّ إِصْلَاحَهُ عَلَى السُّلْطَانِ أَوْصَى (بِأَنْ يُتَّخَذَ الطَّعَامُ بَعْدَ مَوْتِهِ لِلنَّاسِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ) كَمَا فِي الْخَانِيَّةِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الْبَلْخِيِّ، وَفِيهَا عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ أَوْصَى بِاتِّخَاذِ الطَّعَامِ بَعْدَ مَوْتِهِ وَيُطْعَمُ الَّذِينَ يَحْضُرُونَ الشَّعْرِيَّةَ جَازَ مِنَ الثُّلُثِ، وَيَحِلُّ لِمَنْ طَالَ مَقَامُهُ وَمَسَافَتُهُ لَا لِمَنْ لَمْ يَطُلْ وَلَوْ فَضَلَ طَعَامُ مَنْ كَثِيرًا يَضُنُّ وَإِلَّا لَا قُلْتُ وَحَصَلَ الْمُصَنِّفُ الْأَوَّلَ عَلَى طَعَامٍ يَجْتَبِ عَنْهُ النَّائِحَاتُ

نیک اعمال کرنے کی وصیت کرے تو اس کا ثلث جیل بنانے کے لیے خرچ نہ کرے۔ کیونکہ اس کی اصلاح اور درستگی سلطان وقت کے ذمہ ہے۔ کسی نے اس بارے میں وصیت کی کہ اس کی موت کے بعد لوگوں کے لیے تین دن تک کھانا تیار کیا جائے تو یہ وصیت باطل ہے جیسا کہ ”الخانیہ“ میں ”ابو بکر البلخی“ سے منقول ہے۔ اور اسی میں ”ابو جعفر“ سے مروی ہے: کسی نے اپنی موت کے بعد کھانا تیار کرنے کی وصیت کی اور وہ ان لوگوں کو کھلائے جو تعزیت کے لیے حاضر ہوں تو ثلث مال میں سے ایسا کرنا جائز ہے، اور وہ اس آدمی کے لیے کھانا حلال ہے جو زیادہ وقت وہاں ٹھہرے یا اس کی مسافت طویل ہو، لیکن اس کے لیے حلال نہیں جس کی مسافت زیادہ نہ ہو۔ اور اگر کھانا بچ گیا تو اگر وہ کثیر مقدار میں ہو تو پھر وصی اس کا ضامن ہوگا، ورنہ نہیں۔ میں کہتا ہوں: ”مصنف“ نے پہلے قول کو اس طعام پر محمول کیا ہے جس کے لیے تین دنوں کی قید کے ساتھ نو حہ کرنے والی

36301۔ (قوله: لِأَعْمَالِ الْبِرِّ) نیکی کے اعمال کے لیے۔ ”الظہیریہ“ میں کہا ہے: ہر وہ عمل جس میں تملیک نہیں ہوتی وہ نیکی کے اعمال میں سے ہے، یہاں تک کہ اسے وقف کی عمارت اور مسجد کے چراغ پر خرچ کرنا جائز ہے، لیکن اس کی تزئین و آرائش پر نہیں، کیونکہ اس میں اسراف ہے۔

اگر کسی نے اپنی موت کے بعد تعزیت کرنے والوں کے لیے کوئی وصیت کی تو اس کا حکم

36302۔ (قوله: فَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ) پس وصیت باطل ہے، اور یہی اصح ہے جیسا کہ ”جامع الفتاویٰ“ میں ہے۔

36303۔ (قوله: وَيُطْعَمُ) مراد بان يطعم ہے اس طرح کہ وہ کھانا کھلائے، تاہل۔

36304۔ (قوله: وَيَحِلُّ لِمَنْ طَالَ مَقَامُهُ وَمَسَافَتُهُ) اور وہ اس کے لیے حلال ہے جس کا ٹھہراؤ زیادہ طویل ہو

اور اس کی مسافت دور ہو، اور اس میں غنی اور فقیر برابر ہیں، ”خانیہ“۔ اور طول مسافت کی وضاحت یہ ہے کہ وہ رات تک اپنے گھروں میں نہ پہنچیں، ”ظہیریہ“۔ اور مراد یہ ہے کہ اگر وہ اسی دن واپس لوٹنے کا ارادہ کریں تو رات تک اپنے گھروں میں پہنچنا ان کے لیے ممکن نہ ہو۔

36305۔ (قوله: يَضُنُّ) وہ ضامن ہوگا، ظاہر ہے کہ یہ تب ہے جب موصی معین مقدار ذکر نہ کرے۔

36306۔ (قوله: وَحَصَلَ الْمُصَنِّفُ الْأَوَّلُ) اور ”مصنف“ نے پہلے قول یعنی وہ جو متن میں وصیت کے بطلان سے

متعلق ہے، اسے محمول کیا ہے۔

بِقَيْدِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَتَكُونُ وَصِيَّةً لَهُنَّ فَبَطَلَتْ وَالثَّانِي عَلَى مَا كَانَ لِغَيْرِهِنَّ فَرَمَ أَوْصَى بِأَنْ يُصَلِّيَ عَلَيْهِ
فُلَانٌ أَوْ يُحْمَلَ بَعْدَ مَوْتِهِ إِلَى بَلَدٍ آخَرَ

عورتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ لہذا وصیت انہی کے لیے ہوگی اور وہ باطل ہے، اور دوسرے قول کو ان کے سوا دوسروں پر محمول کیا ہے۔ فرع: کسی نے اس بارے وصیت کی کہ فلاں اس کی نماز جنازہ پڑھائے، یا اسے فوت ہونے کے بعد دوسرے شہر منتقل کیا جائے،

36307۔ (قولہ: بِقَيْدِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ) اس میں باء سببیہ ہے، اور ”مصنف“ کی عبارت اور جو انہوں نے ”ابو بکر بلخی“ سے ذکر کیا ہے وہ تین دنوں کے ساتھ مقید ہے، اور تیسرے دن نوحہ کرنے والی عورتیں جمع ہوتی ہیں تو یہ وصیت انہی کے لیے ہوگی، لہذا یہ باطل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان کے عرف میں اسی طرح ہے، گویا انہوں نے اسے ہی لیا ہے جو ”الخانیہ“ میں ”ابو القاسم“ سے منقول ہے کہ ابتدا میں اہل مصیبت کی طرف کھانا اٹھا کر لے جانا مکروہ نہیں ہے اس لیے کہ وہ میت کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہیں۔ اور رہا تیسرا دن تو یہ مستحب نہیں ہے۔ کیونکہ اس دن نوحہ کرنے والی عورتیں جمع ہو جاتی ہیں اور یہ گناہ اور معصیت پر ان کی اعانت اور مدد کرنے کے مترادف ہے۔

میں کہتا ہوں: ”الساحانی“ نے بطلان کی علت اس طرح بیان کی ہے، کہ یہ لوگوں کے لیے وصیت ہے، اور وہ شمار نہیں کئے جاسکتے جیسا کہ اگر وہ کہے: میں نے مسلمانوں کے لیے وصیت کی، اور الفاظ میں کوئی نہیں جو حجت ہونے پر دلالت کرتا ہو۔ پس یہ مجہول کے لیے تملیک واقع ہوئی اور وہ صحیح نہیں ہے۔

36308۔ (قولہ: وَالثَّانِي) اور یہ جواز کا قول ہے (یعنی وصیت جائز ہے)۔

میں کہتا ہوں: ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ پہلا قول ہی اصح ہے اور اس کا ظاہر اطلاق (مطلق ہونا) ہے، اور اس کی تائید وہ کرتا ہے جو کتاب الجنائز کے آخر میں ”فتح القدیر“ سے منقول ہے جہاں انہوں نے کہا ہے: میت کے گھر والوں کا کھانے کے ساتھ ضیافت کا اہتمام کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں خوشی کا اظہار ہے نہ کہ غم کا اور یہ انتہائی فتنہ بدعت ہے۔ امام ”احمد“ رحمہ اللہ نے جریر بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے: انہوں نے بیان کیا: ہم اہل میت کے پاس جمع ہوتے ہیں اور نوحہ اور غم کی حالت میں ہم ان کے لیے کھانا تیار کرتے ہیں، حالانکہ اہل میت کے پڑوسیوں اور دور کے رشتہ داروں کے لیے مستحب ہے کہ وہ ان کے لیے کھانا تیار کریں اور انہیں رات دن کھلائیں۔ اس لیے کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اصْنَعُوا لِأَلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَقَدْ جَاءَ مَا يُشْغِلُهُمْ (1) (تم آل جعفر کے لیے کھانا تیار کرو تحقیق انہیں ایسی صورت حال پیش آئی ہے جو انہیں اس سے مشغول کر دے گی۔) اس حدیث کو امام ”ترمذی“ نے حسن قرار دیا ہے اور ”حاکم“ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

36309۔ (قولہ: أَوْصَى بِأَنْ يُصَلِّيَ عَلَيْهِ فُلَانٌ) اس نے وصیت کی کہ فلاں اس کی نماز جنازہ پڑھائے۔ شاید

1۔ سنن ترمذی، کتاب الجنائز، باب ما جاء في الطعام يصنع لاهل الميت، جلد 1، صفحہ 540، حدیث نمبر 919، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

أَوْ يُكْفَنَ فِي ثَوْبٍ كَذَا أَوْ يُطَيَّنَ قَبْرُهُ أَوْ يُضْرَبَ عَلَى قَبْرِهِ قُبَّةٌ أَوْ لِيَمَنَ يَقْرَأَ عِنْدَ قَبْرِهِ شَيْئًا مُعَيَّنًا فَهِيَ
بَاطِلَةٌ سِرَاجِيَّةٌ وَسَنُحَقِّقُهُ أَوْصَى بِثُلْثِ مَالِهِ لِلَّهِ تَعَالَى فَهِيَ بَاطِلَةٌ وَقَالَ مُحَمَّدٌ تَصَرَّفَ لِوُجُوهِ الْبِرِّ
قَالَ أَوْصَيْتَ لِفُلَانٍ بِأَلْفٍ وَهُوَ عَشْرُ مَالٍ لَمْ يَكُنْ لَهُ إِلَّا أَلْفٌ وَفِي أَوْصَيْتَ لَهُ بِجَمِيعِ مَا فِي هَذَا الْكِيسِ،
وَهُوَ أَلْفٌ فَإِذَا فِيهِ أَلْفَانِ وَدَنَانِيرٌ وَجَوَاهِرٌ فَكُلُّهُ لَهُ إِنْ خَرَجَ مِنَ الثُّلْثِ مُجْتَبَى

یا اس طرح کے کپڑے میں اسے کفن دیا جائے، یا اس کی قبر کو گارے سے لپ دیا جائے، یا اس کی قبر پر قبہ بنایا جائے یا اس
نے کسی کے لیے وصیت کی کہ وہ اس کی قبر کے پاس کوئی معین شے پڑھے تو یہ وصیت باطل ہے، ”سراجیہ“۔ اور ہم عنقریب
اس کی تحقیق کریں گے۔ کسی نے اپنے تہائی مال کے بارے اللہ تعالیٰ کے لیے وصیت کی تو یہ وصیت باطل ہے۔ اور امام ”محمد“
رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اسے نیکی کے کاموں کے لیے خرچ کیا جائے۔ کسی نے کہا: میں نے فلاں کے لیے ہزار کی وصیت کی اور وہ
میرے مال کا دسواں حصہ ہے، تو اس کے لیے صرف ہزار ہوگا۔ اور اگر یہ وصیت کی میں نے فلاں کے لیے اس تمام کی وصیت
کی جو اس تھیلی میں ہے اور وہ ایک ہزار ہے، تو اس میں سے دو ہزار درہم، کچھ دنانیر، اور کچھ جواہر نکلے تو وہ تمام موسیٰ لہ کے
لیے ہوں گے بشرطیکہ وہ ثلث سے نکلیں، ”مجتبیٰ“۔

وصیت باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ولی کا اس کی نماز جنازہ پڑھانے کا حق باطل ہوتا ہے۔

36310۔ (قوله: أَوْ يُكْفَنَ فِي ثَوْبٍ كَذَا) یا اسے اس طرح کے کپڑے میں کفن دیا جائے، اس کی طرف دیکھیں جو

ہم پہلے ”مصنف“ کے قول: وَلَا مِنْ صَبِيٍّ مَسِيذٍ إِلَّا فِي تَجْهِيْزَةٍ کے تحت ذکر کر چکے ہیں۔

قبر کو مٹی کا لپ کرنا اور اس کے پاس قرآن کریم پڑھنا مکروہ نہیں

36311۔ (قوله: وَسَنُحَقِّقُهُ) یعنی فصل الوصية بالخدمة سے تھوڑا پہلے ہم اس کی تحقیق بیان کریں گے۔ اس طرح

کہ مختار یہ ہے کہ قبر کو مٹی کا لپ کرنا اور اس کے پاس قرآن کریم پڑھنا مکروہ نہیں ہے، اور چاہیے کہ وصیت کے باطل ہونے کا
قول اس کی کراہت کے قول پر مبنی ہو۔ عنقریب اس بارے میں آئے گا۔

36312۔ (قوله: وَقَالَ مُحَمَّدٌ تَصَرَّفَ لِوُجُوهِ الْبِرِّ) اور امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اسے نیکی اور خیر کے کاموں

کے لیے خرچ کیا جائے گا۔ ہم نے پہلے ”الظہیر یہ“ سے بیان کیا ہے کہ یہی مفتی بہ ہے یعنی اس لیے کہ اگرچہ ہر شے اللہ تعالیٰ کی
ہے لیکن یہاں قرینہ حالیہ سے اس کے کلام کو صحیح قرار دیتے ہوئے مراد اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صدقہ کرنا ہے۔

36313۔ (قوله: قَالَ أَوْصَيْتُ الْخ) اور اسی طرح حکم ہے اگر وہ کہے: میں نے اپنے تہائی مال کے بارے وصیت

کی اور وہ ہزار ہے، تو موسیٰ لہ کے لیے تہائی مال ہوگا وہ جس مقدار کو بھی پہنچ جائے۔ کیونکہ اس کا قول: وَهُوَ أَلْفٌ اس کی کوئی
حاجت نہیں ہے، ”ولو لوالجیہ“۔ اور اسی طرح ہے اگر اس نے کہا: میں نے اس دار میں سے اپنے حصہ کی وصیت کی اور وہ تہائی
ہے تو جب اس کا حصہ نصف نکلا تو وہی اس کے لیے ہوگا، یا اس نے اس تمام کی وصیت کی جو اس کمرے میں ہے اور وہ ایک کتہ

قَالَ لِيَذِيُونَهُ إِذَا مِتُّ فَأَنْتَ بَرِيءٌ مِنْ دَيْنِي الَّذِي عَلَيْكَ صَحَّتْ وَصِيَّتُهُ وَلَوْ قَالَ إِنْ مِتُّ لَا يُبْرَأُ
لِلْمُخَاطَرَةِ يَدْخُلُ الْمَجْنُونُ فِي الْوَصِيَّةِ لِلْمَرْضَى وَفِي الْوَصِيَّةِ

کسی نے اپنے مدیون (مقروض) کو کہا: جب میں فوت ہوا تو تو میرے اس قرض سے بری الذمہ ہے جو تجھ پر ہے تو اس کی وصیت صحیح ہے، اور اگر اس نے کہا: اگر تو فوت ہو گیا تو مخاطرہ کی وجہ سے وہ بری الذمہ نہ ہوگا۔ مریضوں کے لیے وصیت میں مجنون بھی داخل ہوتا ہے،

انا ج ہے۔ پس جب وہ اس میں اس سے زیادہ ہو یا ایک کتر گندم یا جو ہوں۔

حاصل کلام

حاصل کلام یہ ہے کہ جب وہ اشارہ کرنے کے ساتھ وصیت کرے پھر وہ اس کی مقدار بیان کرے تو وہ صحیح ہے، وہ مقدار کے موافق ہو یا نہ ہو۔ اور ”الحیظ“ میں اس کی علت اس طرح بیان کی ہے کہ اس نے ایجاب اور تملیک کی مطلق ثلث کی طرف اضافت کی ہے، اور اس تمام کی طرف جو تھیلی میں ہے تو یہ اضافت صحیح ہے، مگر وہ حساب میں غلط ہے۔ پس وہ ایجاب میں مضر نہیں ہے بخلاف بیع کے۔ کیونکہ وہ صحیح نہیں ہوتی مگر تب جب بیع کی مقدار معلوم ہو۔ پس یہ مذکور مقدار کی طرف ہی راجع ہو گی۔ (یعنی مراد مطلق ثلث ہو گا یا وہ کل مقدار جو کرے میں موجود ہے چاہے ذکر کردہ مقدار سے زیادہ ہو یا کم)۔ اس کی مکمل بحث ”شرح الوہبانیہ“ میں ہے۔ اس کی طرف رجوع کرو۔

اگر کسی نے اپنے مدیون کے لیے دین براءت کی وصیت کی تو اس کا حکم

36314۔ (قوله: إِذَا مِتُّ) یہ تاء کے ضمہ کے ساتھ ہے یعنی صیغہ واحد متکلم۔

36315۔ (قوله: صَحَّتْ وَصِيَّتُهُ) اس کی وصیت صحیح ہے، اس لیے کہ وصیت کو شرط کے ساتھ معلق کرنا جائز ہے جیسا

کہ ”القنیه“ میں یہ ہے، اور جو میں نے ”القنیه“ میں دیکھا ہے وہ از روئے وصیت کے صحیح ہے (صح وصیۃ) اس میں لفظ وصیت تمیز ہونے کی بنا پر تنوین نصبی کے ساتھ ہے یعنی یہ بری الذمہ قرار دینا نہیں ہے بلکہ یہ وصیت ہے جسے اس نے اپنی موت کے ساتھ معلق کیا ہے۔

36316۔ (قوله: وَلَوْ قَالَ إِنْ مِتُّ الْخ) اسے ”مختصر القنیه“ میں بعض کتب کی طرف منسوب کیا ہے، پھر یہ ذکر کیا

ہے کہ مناسب یہ ہے کہ عدم براءۃ ہو جب تا مفتوح ہو اس سے اخذ کرتے ہوئے جو ”الفصول“ وغیرہ میں ہے، اگر اس نے اپنے مدیون (مقروض) کو کہا: ”اگر تو فوت ہو گیا تو تو بری ہے؟ تو یہ صحیح نہیں ہے؟ کیونکہ یہ خطر کے ساتھ تعلیق ہے۔ یعنی ابراء (بری الذمہ قرار دینا) کو معلق کرنا صحیح نہیں ہوتا بخلاف وصیت کے جیسا کہ گزر چکا ہے، اور اسی سے ضمہ اور فتح کے درمیان فرق ظاہر ہے، یہاں خطر سے مراد معدوم منتظر الوقوع پر تعلیق کرنا ہے اگرچہ اس کا واقع ہونا لازم اور ضروری ہو جیسا کہ موت اور کل کا آنا، اور اس کے ساتھ اس سے احتراز کیا ہے کہ اگر اس نے ابراء کو شرط کائن کے ساتھ معلق کیا جیسا کہ وہ اپنے مدیون کو یہ

لِلْعُلَمَاءِ يَدْخُلُ الْمُتَكَلِّمُونَ فِي بِلَادِ خَوَارِزْمَ دُونَ بِلَادِنَا وَلَوْ أَوْصَى لِلْعُقَلَاءِ يُصَرِّفُ لِلْعُلَمَاءِ الزَّاهِدِينَ
لَأَتَتْهُمْ هُمُ الْعُقَلَاءُ فِي الْحَقِيقَةِ فَتَنَّبَهُ وَاعْلَمْ أَنَّ الْوَصِيَّةَ فِي يَدِ الْمُوصَى أَوْ وَرَثَتِهِ بِمَنْزِلَةِ الْوَدِيعَةِ سِرَاجٌ

اور علما کے لیے وصیت میں خوارزم کے شہروں میں رہنے والے متکلمین داخل ہیں نہ کہ وہ جو ہمارے شہروں میں ہیں، اور اگر کسی نے عقلا کے لیے وصیت کی تو اسے زہاد علما پر خرچ کیا جائے گا۔ کیونکہ وہی فی الحقیقت عقلا ہیں۔ پس تو اس پر آگاہ رہ۔ اور تو جان کہ موصی اور اس کے ورثا کے ہاتھ میں وصیت کا مال بمنزلہ ودیعت کے ہوتا ہے۔ ”سراج“۔

کہے: ”اگر میرا تجھ پر دین ہے تو میں نے تجھے اس سے بری کر دیا“ تو یہ صحیح ہے جیسا کہ کتاب الہبہ کے آخر میں گزر چکا ہے۔ اور وہاں اس کی مکمل بحث گزر چکی ہے، پس اسی کی طرف رجوع کرو۔

36317۔ (قوله: فِي بِلَادِ خَوَارِزْمَ) اسی طرح شامی اور مصری سلطنت بھی ہے ”ساعحانی“۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ خوارزم کے اہل کلام شبہات کی اتباع نہیں کرتے بلکہ وہ علم سیکھتے ہیں اور ان باتوں کی تعلیم دیتے ہیں جن کا اعتقاد رکھنا واجب ہے، اور دوسرے علاقوں میں وہ فلاسفہ کے شبہات ذکر کرتے ہیں جو مسلمانوں کے عقائد کے ساتھ ملتنبس ہیں ان کا رد کرنے اور ان سے دور رہنے پر ابھارنے کا ذکر کئے بغیر، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب وہ اس صفت کے ساتھ متصف ہیں تو وہ گمراہ ہیں اور گمراہ کرنے والے ہیں، ان کے لیے علم الہی میں سے کوئی حصہ نہیں، ”طحطاوی“۔

36318۔ (قوله: فَتَنَّبَهُ) پس تو آگاہ رہ، اسی طرح بعض نسخوں میں ہے، اور اس میں درست قنیۃ ہے، کیونکہ یہ عبارت اسی کی ہے جیسا کہ ”المنح“ میں ہے، ورنہ یہ وہم دلائے گی کہ یہ ”السراج“ کی عبارت ہے، ”طحطاوی“۔

36319۔ (قوله: بِمَنْزِلَةِ الْوَدِيعَةِ) وصیت بمنزلہ ودیعت کے ہے، پس موصی یا اس کے وارث پر کوئی ضمان نہیں ہے جب وہ بغیر تعدی کے ان کے ہاتھوں میں ہلاک ہو جائے، لیکن جب اسے ہلاک کر دیا جائے تو اگر وہ موصی کی طرف سے واقع ہو تو وہ رجوع ہے، اور اگر ہلاکت وارث کی طرف سے قبول سے پہلے یا اس کے بعد ہو تو اس کا ضمان اسی پر ہوگا، ”طحطاوی“ اور ”السراج“ کی عبارت کو ”المنح“ میں متن کے قول: وَاِنْ شَاءَ يَصِحُّ قَبُولُهَا بَعْدَ مَوْتِهِ کے تحت ذکر کیا ہے پس تو اس کی طرف رجوع کر، واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ الْوَصِيَّةِ بِثُلْثِ الْمَالِ

(إِذَا أَوْصَى بِثُلْثِ مَالِهِ لِزَيْدٍ وَالْآخِرِ بِثُلْثِ مَالِهِ وَلَمْ تُجْزِ الْوَرَثَةُ فَثُلُثُهُ لَهَا نِصْفَيْنِ اتِّفَاقًا (وَإِنْ أَوْصَى بِثُلْثِ مَالِهِ لِزَيْدٍ وَالْآخِرِ بِسُدُسِ مَالِهِ فَالْثُلُثُ بَيْنَهُمَا) أَثْلَاثًا اتِّفَاقًا (وَإِنْ أَوْصَى لِأَحَدِهِمَا بِجَمِيعِ مَالِهِ وَالْآخِرِ بِثُلْثِ مَالِهِ وَلَمْ تُجْزِ الْوَرَثَةُ ذَلِكَ) فَثُلُثُهُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ)

ثلث مال کی وصیت کرنے کا بیان

جب کوئی اپنے تہائی مال کی زید کے لیے وصیت کرے اور تہائی مال کی دوسرے کے لیے وصیت کرے، اور ورثہ اس کی اجازت نہ دیں تو بالاتفاق اس کا ثلث دونوں کے لیے نصف نصف ہوگا۔ اور اگر اس نے زید کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لیے اپنے مال کے چھٹے حصہ کی تو بالاتفاق تہائی مال ان دونوں کے درمیان تین حصوں میں تقسیم ہوگا (ان میں سے دو حصے تہائی مال کی وصیت والے اور ایک حصہ چھٹے حصہ کی وصیت والے کے لیے ہوگا)۔ اور اگر اس نے ایک کے لیے اپنے تمام مال کی اور دوسرے کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اور ورثہ نے اس کی اجازت نہ دی تو اس کا ثلث دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا۔

بعض نسخوں میں بثلث ماله ہے۔

اگر کوئی تہائی مال کی زید کے لیے اور تہائی مال کی کسی دوسرے کے لیے وصیت کرے تو اس کا حکم

36320۔ (قوله: وَلَمْ تُجْزِ) یعنی ورثہ نے دو وصیتوں کی اجازت نہ دی۔ پس اگر وہ اجازت دے دیں تو وہ ظاہر ہے۔

36321۔ (قوله: فَالْثُلُثُ بَيْنَهُمَا أَثْلَاثًا) پس ایک ثلث ان دونوں کے درمیان تین حصوں میں تقسیم ہوگا، اس

طرح کہ ان دونوں کے حق کی مقدار وہ ان کے درمیان تقسیم ہوگا (یعنی) چھٹے حصہ والے کے لیے ایک حصہ، اور تہائی حصہ والے کے لیے دو حصے ہوں گے۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک سبب صحیح کے ساتھ اس کا مستحق بن رہا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ وصایا میں سے ہر ایک جب ثلث سے زائد نہ ہو مثلاً ایک کے لیے تہائی حصہ کی وصیت ہو اور دوسرے کے لیے چھٹے حصہ کی اور تیسرے کے لیے چوتھائی حصہ کی، اور ورثہ اجازت نہ دیں تو اسے ثلث میں ضرب دی جائے گی، اور ثلث کو ان کے درمیان برابر برابر تقسیم نہیں کیا جائے گا اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے جب تک وہ دونوں سبب استحقاق میں برابر نہ ہوں جیسا کہ متن کے پہلے مسئلہ میں ہے۔ اس کی مکمل بحث ”التاثر خانیہ“ میں ہے۔

36322۔ (قوله: وَلَمْ تُجْزِ الْوَرَثَةُ ذَلِكَ) اور ورثہ اس کی اجازت نہ دیں، پس اگر وہ اجازت دے دیں تو اس وقت

کل مال کو چار حصوں میں تقسیم کیا جائے گا اور اس میں آپ (یعنی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ) سے کوئی نص نہیں ہے۔ اور امام

لَاَنَّ الْوَصِيَّةَ بِأَكْثَرِ مِنَ الثُّلُثِ إِذَا لَمْ تُجْزَ تَقَعْ بَاطِلَةً

کیونکہ تہائی سے زیادہ کے بارے وصیت کی جب انہوں نے اجازت نہیں دی تو وہ باطل ہوگئی،

”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: ان کے قول کا قیاس یہ ہے کہ بطریق منازعہ اسے چھ حصوں میں تقسیم کیا جائے، کیونکہ دوثلث اس کے لیے ہیں جس کے لیے کل مال ہے، پس دونوں کا جھگڑا اور اختلاف ایک ثلث اور نصف میں ہوا تو وہ نصف جو کل مال کا چھٹا حصہ ہے وہ اس کے لیے ہوگا جس کے لیے ثلث کی وصیت ہے، اور باقی دوسرے کے لیے ہوگا۔

اور ”حسن“ نے کہا ہے: بلاشبہ یہ تخریج قبیح ہے کہ ان میں سے ثلث حصے والا اور ثانی کی طرف سے اجازت ہونے اور نہ ہونے کی حالت میں برابر ہے اور وہ اس کے لیے کل مال کا چھٹا حصہ ہے، پس صحیح یہ ہے کہ بطریق منازعہ اسے چار حصوں میں تقسیم کیا جائے اس طرح کہ پہلے ثلث کو ان دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم کیا جائے اور وہ بارہ حصص میں سے چار حصے ہیں۔ کیونکہ ثلث کی مقدار میں ان کی اجازت غیر موثر ہے، اور دوثلث یعنی آٹھ حصے باقی رہ گئے جن کا دعویٰ کل مال کی وصیت والا کر رہا ہے، ان میں سے دو حصے ثلث والے کو دیئے جائیں گے تاکہ اس کے لیے ثلث مکمل ہو جائے، اور چھ حصے کل مال والے کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔ اور دونوں دو حصوں میں نصف کے ساتھ جھگڑ رہے ہوں تو تین حصے ثلث والے کو ملیں گے اور باقی دوسرے کو جیسا کہ ”الحقائق“ وغیرہ میں ہے، ”تہستانی“۔

میں کہتا ہوں: ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے قول کی بنا پر اجازت اور عدم اجازت دونوں حالتوں میں برابری اور مساوات لازم آتی ہے۔

36323۔ (قوله: لَاَنَّ الْوَصِيَّةَ بِأَكْثَرِ مِنَ الثُّلُثِ الْخ) یہ اشارہ اس طرف ہے کہ ان کا قول: بجبیع مالم قید نہیں ہے، بلکہ مراد ثلث سے زائد مقدار ہے۔ اور اسی لیے ”المستقی“ میں اس قول کے ساتھ تعبیر کیا ہے: ولو لأحدہما بثلثہ و للآخر بثلثیہ أو بنصفہ أو بثلثہ الخ اور اگر ان میں سے ایک کے لیے وصیت ثلث مال کی ہو اور دوسرے کے لیے دوثلث یا نصف یا کل مال کی ہو تو ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ثلث مال ان دونوں کے درمیان نصف نصف کیا جائے گا۔ اور ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک پہلی صورت میں تین حصے کئے جائیں گے اور دوسری صورت میں اسے پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا اور تیسری صورت میں اسے چار حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ پس ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان تمام صورتوں میں جو ثلث سے زائد ہیں چاہے اس میں کل مال کی وصیت ہو یا قدرے کم، نصف کرنے کا حکم متحد اور یکساں ہے۔ اور وہ اصل اور قاعدہ جس پر ان مسائل کی بنیاد ہے وہ ”مصنف“ کا قول: ولا یضرب الخ ہے۔

36324۔ (قوله: إِذَا لَمْ تُجْزَ) یہ صیغہ مجہول ہے جب اجازت نہ دی جائے۔

وصیت کے باطل ہونے کا معنی

36325۔ (قوله: تَقَعُ بَاطِلَةً) تو وہ باطل ہو جائے گی، مراد اس کا اصل اور بالکل باطل ہونا نہیں ورنہ وہ کسی شے کا

فَيُجْعَلُ كَأَنَّهُ أَوْصَىٰ بِكُلِّ بِالثُّلْثِ فَيُنْصَفُ وَقَالَ أَرَبَاعًا لِأَنَّ الْبَاطِلَ مَا زَادَ عَلَى الثُّلْثِ فَاضْرِبَ الْكُلَّ فِي الثُّلْثَيْنِ يَحْصُلُ أَرْبَعَةٌ تَجْعَلُ ثُلْثَ الْمَالِ (وَلَا يَضْرِبُ الْوَصَى لَهُ بِأَكْثَرِ مِنَ الثُّلْثِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ)

تو یہ اس طرح ہو جائے گی گویا اس نے ہر ایک کے لیے تہائی مال کی وصیت کی ہے۔ پس اسے نصف نصف کر دیا جائے گا۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے کہا ہے: اسے چار حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ کیونکہ باطل وہ ہے جو تہائی سے زائد ہے، پس توکل کو ثلث میں ضرب دے تو چار حصے حاصل ہو جائیں گے جو تہائی مال سے بنائے جائیں گے۔ اور امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک موصی لہ ثلث سے زیادہ کو ضرب نہیں دے گا،

مستحق نہ ہو، بلکہ ثلث سے زائد مقدار کا باطل ہونا مراد ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ موصی (وصیت کرنے والے) نے دو چیزیں لازم ہونے کا قصد اور ارادہ کیا ہے، ایک ورثا کا اس مقدار میں استحقاق ہے جو تہائی مال سے زائد ہے، اور دوسرا بعض اہل وصایا کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اور دوسری شے پہلی کے ضمن میں ثابت ہوتی ہے تو جب پہلی ورثا کے حق اور ان کے اجازت نہ دینے کی وجہ سے باطل ہو گئی تو جو اس کے ضمن میں ہے وہ بھی باطل ہو گئی اور وہ بعض کو بعض پر فضیلت دینا ہے تو یہ اس طرح ہو گیا گویا اس نے دونوں میں سے ہر ایک کے لیے ثلث مال کی وصیت کی ہے۔ پس ثلث کو ہی ان دونوں کے درمیان نصف نصف کیا جائے گا جیسا کہ اگر وہ دونوں میں سے ہر ایک کے لیے حقیقتہً اس کی وصیت کرے تو حکم اسی طرح ہے۔ یہ ”العنایہ“ سے تفصیلاً لیا گیا ہے۔

36326۔ (قوله: وَقَالَ أَرَبَاعًا) اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے کہا ہے: ثلث کو ان دونوں کے درمیان چار حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

36327۔ (قوله: لِأَنَّ الْبَاطِلَ مَا زَادَ عَلَى الثُّلْثِ) کیونکہ باطل وہ ہے جو تہائی سے زائد ہے، یعنی باطل ان دو چیزوں میں سے ایک ہے جن کا قصد موصی نے کیا ہے، اور ثلث سے زائد کا استحقاق ہے۔ کیونکہ وہ ورثا کا حق ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔ اور جہاں تک دوسری شے کا تعلق ہے اور وہ موصی کا ایک کو دوسرے پر فضیلت دینے کا قصد کرنا ہے تو اس میں کوئی شے مانع نہیں ہے۔ پس جس کے لیے کل مال کی وصیت ہے اس کے لیے حصہ اس نے اس کا تین گنا رکھا ہے جو صاحب ثلث کے لیے ہے، پس وہ مال کے تہائی حصہ سے اس زائد مقدار کا حصہ اس طرح لے گا کہ اسے چار حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ان میں تین حصے اس کے لیے ہوں جس کے لیے کل مال کی وصیت ہے اور ایک حصہ دوسرے کے لیے ہو۔

36328۔ (قوله: فَاضْرِبَ الْكُلَّ فِي الثُّلْثَيْنِ) اس عبارت میں درست فی الثلث ہے جیسا کہ بعض نسخوں میں ہے یعنی تو ہر حصہ کو ثلث مال میں ضرب دے اس طرح کہ ثلث میں سے تین حصے کل مال کی وصیت والے کا حصہ ہوں اور اس میں سے ایک حصہ دوسرے کے لیے ہو تو اس طرح یہ کل چار حصے بن جائیں گے۔ پس پہلے کو ثلث مال میں سے تین چوتھائی دیا جائے گا اور دوسرے کو ایک چوتھائی۔ عنقریب اس کی وضاحت آئے گی۔ پھر صحیح ”امام صاحب“ رحمہ اللہ علیہ کا قول ہے جیسا کہ علامہ

الْمُرَادُ بِالضَّرْبِ الْمُصْطَلَحُ بَيْنَ الْحِسَابِ فَعِنْدَهُ سَهَامُ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ فَاضْرِبْ نِصْفَ كُلِّ فِي الثُّلُثِ يَكُنْ
سُدُسًا فِدِكُلِّ سُدُسُ الْمَالِ

یہاں ضرب سے مراد وہی ہے جو حساب کی اصطلاح ہے۔ پس آپ کے نزدیک وصیت کے حصص دو ہیں، پس تو ہر ایک کے نصف کو ثلث میں ضرب دے تو وہ سدس (چھٹا حصہ) ہو جائے گا۔ پس ہر ایک کے لیے مال کا چھٹا حصہ ہوگا۔

”قاسم“ اور ”الدرر المشتقی“ نے ”المضمرات“ وغیرہ سے اس کی تصحیح کی ہے۔

ضرب کا معنی

36329۔ (قوله: الْمُرَادُ بِالضَّرْبِ الْمُصْطَلَحُ بَيْنَ الْحِسَابِ) ضرب سے مراد وہی اصطلاح ہے جو حساب دانوں کے درمیان معروف ہے، اور وہ ایسے عدد کو حاصل کرنا ہے جس کی نسبت مضروبین میں سے ایک کی طرف ہو جیسا کہ دوسرے کی نسبت ایک کی طرف کرنا، اور ان کا قول: لَا يَضْرِبُ صِغَةً مَعْرُوفَةٍ كِي بِنَا بِمَجَازِ مَوْصِيٍّ لَهُ كِي طَرَفٍ مَنْسُوبٍ هِيَ اور باموصیٰ لہ کا صلہ ہے، اور یضرب کا صلہ مفعول سمیت محذوف ہے اور اس کی تقدیر کلام ہے: لَا يَضْرِبُ الْمَوْصِيَّ لَهُ بِأَكْثَرِ مِنَ الثَّلَاثِ عَدَدًا فَيَعْدِدُ (موصیٰ لہ ثلاث سے زیادہ کے عدد کو عدد میں ضرب نہیں دے گا) پس وہ اس صورت میں تین چوتھائی کو ثلاث میں ضرب نہیں دے گا۔ اس کی مکمل بحث ”القہستانی“ میں ہے۔

اور میں کہتا ہوں: حساب کی اصطلاح میں کسور کو ضرب دینا خذ کے معنی میں ہوتا ہے۔ پس جب کہا جائے: تو چوتھائی کو ثلث میں ضرب دے تو اس کا معنی ہوتا ہے: تو ثلث کا چوتھائی لے لے۔ اور وہ بارہ میں سے ایک ہے۔ لہذا یہاں معنی یہ ہوا: موصی لہ ثلث سے زیادہ کے ساتھ ضرب نہیں دے گا یعنی اس کے لیے ثلث سے وصیت کے حکم کے مطابق ثلث سے زیادہ نہیں لیا جائے گا۔ اس لیے کہ فضیلت دینے کا بطلان گزر چکا ہے۔ پس وصیت کے حصص چار نہیں بنائے جائیں گے جیسا کہ دونوں اماموں ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے بنائے ہیں۔ بلاشبہ اس کے لیے ثلث سے صرف ثلث کی وصیت کے حکم کے مطابق لیا جائے گا اس طرح گویا کہ اس نے ہر ایک کے لیے ثلث کی وصیت کی ہے، اور ثلث کو ان دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور اس بنا پر باء ضرب کا صلہ ہے اور کلام میں کوئی حذف نہیں ہے۔ پس تو اس میں تدبر کر۔ پھر میں نے ”غرر الافکار“ میں اس بارے تصریح دیکھی جو میں نے ضرب کا معنی ذکر کیا ہے اور آنے والا کلام اس کی موافقت کرتا ہے۔

36330۔ (قوله: فَعِنْدَهُ سِهَامُ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ) پس ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وصیت کے حصص دو

ہیں۔ چنانچہ ہر ایک کے لیے نصف ہوگا اور وہ ایک حصہ ہے۔

36331۔ (تولہ: فَاَضْرِبْ نِصْفَ كُلِّ) یعنی تو دونوں میں سے ہر ایک کے حصہ کو ضرب دے اور وہ ثلث میں نصف

ہے تو وہ سدس (چھٹا حصہ) ہو جائے گا، کیونکہ اخذ کے معنی کی بنا پر نصف کوثلث میں ضرب دینے کا حاصل یہی ہے جیسا کہ ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں۔

وَعِنْدَهُمَا أَرْبَعَةٌ كَمَا قَدْ مَنَّا إِلَّا فِي ثَلَاثِ مَسَائِلَ، وَهِيَ (الْمُحَابَاةُ).

اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک چار حصے ہوں گے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ سوائے تین مسائل کے، اور وہ محاباة،

36332۔ (قوله: وَعِنْدَهُمَا أَرْبَعَةٌ) اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک چار ہوں گے اس بنا پر کہ ان کے نزدیک وہ زائد کی وصیت کے حکم کے مطابق ضرب دے گا۔ پس وصیت کے حصص چار بنائے جائیں گے جیسا کہ ہم پہلے اسے بیان کر چکے ہیں ان میں سے ایک کے لیے ایک چوتھائی اور دوسرے کے لیے تین چوتھائی حصہ ہوگا۔

”صدر الشریعہ“ اور ”ابن کمال“ نے کہا ہے: پس وہ چوتھائی کو ثلث مال میں ضرب دے گا اور ثلث میں ربع (چوتھائی) ثلث کا ربع ہوتا ہے، پھر کل مال کی وصیت والے کے لیے چار میں سے تین ہوں گے اور وہی تین چوتھائی ہے، پس ثلث میں تین چوتھائی کو ضرب دی جائے گی یہ ثلث کے تین چوتھائی کے معنی میں ہے۔ یہی ضرب کا معنی ہے اور اس میں بہت سے علماء متخیر ہیں۔

تنبیہ

یہ تنبیہ اس اختلاف پر ہے: اگر اس نے کسی آدمی کے لیے غلام کی وصیت کی جس کی قیمت اس کے ثلث مال کے برابر ہو اور دوسرے کے لیے ایک غلام کی وصیت کی جس کی قیمت اس کے نصف مال کے برابر ہو۔ اس کی مکمل بحث ”التاثر خانیہ“ پانچویں باب میں ہے۔ اور اگر اس نے ایک آدمی کے لیے تلوار کے بارے وصیت کی جس کی قیمت اس کے مال کے چھٹے حصہ کے برابر ہو اور دوسرے کے لیے اپنے سدس مال کی وصیت کی اور اس کا مال تلوار کے سوا پانچ سو ہو، تو دوسرے کے لیے اس کا سدس (چھٹا حصہ) ہوگا اور پہلے کے لیے تلوار کے پانچ سدس (یعنی چھ میں سے پانچ حصے) ہوں گے اور تلوار کا ایک سدس ان دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا، کیونکہ ان دونوں کا جھگڑا صرف تلوار کے سدس میں ہے۔ پس وہ ان دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا، اور یہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اور مکمل کلام ”المجمع“ اور اس کی شروح میں ہے۔

وہ تین مسائل جن میں امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک موصیٰ لہ ثلث سے زائد کو ضرب نہیں دے گا

36333۔ (قوله: إِلَّا فِي ثَلَاثِ مَسَائِلَ) سوائے تین مسائل کے۔ یہ ”مصنف“ کے قول ولا يضرب الخ سے

استثنا ہے۔

36334۔ (قوله: الْمُحَابَاةُ) یہ الحباء سے ماخوذ ہے اس کا معنی عطا ہے۔ ”مغرب“ اور ”قہستانی“ نے اس کی تفسیر

وصیت بالبیع میں مثلی قیمت سے کم کرنے اور شرا کی وصیت میں مثلی قیمت پر زیادتی کرنے کے ساتھ کی ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے: ایک آدمی کے دو غلام ہوں ان میں سے ایک کی قیمت تیس درہم اور دوسرے کی ساٹھ درہم ہے اس نے وصیت کی اس طرح کہ پہلا غلام زید کو دس درہم کے عوض بیچ دیا جائے اور دوسرا عمرو کو بیس درہم کے عوض بیچا جائے اور اس کا ان دونوں کے سوا کوئی مال نہ ہو تو زید کے حق میں وصیت بیس درہم اور عمرو کے حق میں چالیس درہم کے بارے ہوئی تو ثلث

وَالسَّعَايَةُ وَالذَّرَاهِمُ الْمُرْسَلَةُ) أَيْ الْمُطْلَقَةُ غَيْرُ الْمُتَقَيَّدَةِ بِثُلْثٍ أَوْ نِصْفٍ أَوْ نَحْوِهَا وَمِنْ صُورِ ذَلِكَ

سعا یہ اور دراہم مرسلہ یعنی مطلقہ ہیں جو ثلث یا نصف وغیرہ کے ساتھ مقید نہ ہوں۔ اور اس کی صورتوں میں سے یہ ہے:

ان دونوں کے درمیان تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ پس پہلا زید کو بیس درہم کے عوض بیچا جائے گا اور دس اس کے لیے وصیت ہوں گے۔ اور دوسرا عمرو کو چالیس درہم کے عوض بیچا جائے گا اور بیس اس کے لیے وصیت ہوں گے اگرچہ وصیت ثلث سے زائد ہو، ”ابن کمال“۔

36335۔ (قوله: وَالسَّعَايَةُ) اس کی صورت یہ ہے: اس نے دو غلام آزاد کئے ان کی قیمت وہی ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہے اور اس کا ان دو کے سوا کوئی مال نہیں، پس پہلے اور دوسرے دونوں کے لیے تہائی مال کے بارے وصیت ہوگی۔ لہذا وصیت کا حصہ ان دونوں کے درمیان تین حصوں میں ہوگا۔ ایک حصہ پہلے کے لیے اور دوسرے کے لیے ہوں گے۔ نتیجہً ثلث ان دونوں کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔ پس اس طرح پہلے سے اس کا ثلث آزاد ہوگا اور وہ دس درہم ہیں اور وہ بیس درہم کے لیے سعی اور کوشش کرے گا، اور دوسرے سے اس کا ثلث آزاد ہوگا اور وہ بیس درہم ہیں، چنانچہ وہ چالیس درہم کے لیے سعی کرے گا۔ پس ہر ایک کو اس کی وصیت کی مقدار دیا جائے گا اگرچہ وہ ثلث سے زیادہ ہو۔ ”ابن کمال“۔

36336۔ (قوله: وَالذَّرَاهِمُ الْمُرْسَلَةُ) اس کی صورت یہ ہے: اس نے زید کے لیے تیس درہم کی اور دوسرے کے لیے ساٹھ درہم کی وصیت کی اور اس کا مال نوے درہم ہے، تو ہر ایک کو اس کی وصیت کی مقدار دیا جائے گا۔ پس پہلے کو ثلث مال میں سے ایک ثلث اور دوسرے کو ثلث مال میں سے دو ثلث دیئے جائیں گے۔ امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ نے ان صورتوں اور ان کے سوا کے درمیان فرق کیا ہے۔ کیونکہ وصیت جب صراحۃً ثلث سے زیادہ کے ساتھ مقدر ہو جیسا کہ نصف اور دو ثلث وغیرہ، اور شریعت نے ثلث سے زائد میں وصیت کو باطل کر دیا تو اس کا ذکر لغو ہوگا اور ضرب کے حق میں اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بخلاف اس کے جب وہ مقدر نہ ہو اس طرح کہ مال میں سے کسی شی کی ہو جیسا کہ مذکورہ صورتوں میں ہے؛ کیونکہ عبارت میں وصیت کو باطل کرنے والی کوئی شے نہیں ہے جیسا کہ جب وہ پچاس درہم کی وصیت کرے اور اتفاق یہ ہو کہ اس کا مال سو درہم ہو تو بلاشبہ وصیت کلی طور پر باطل نہیں ہوگی؛ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اس کے لیے سو درہم سے زائد مال ظاہر ہو جائے، اور جب وہ کلی طور پر باطل نہیں تو پھر وہ ضرب کے حق میں معتبر ہوگی۔ اور یہ انتہائی باریک اور لطیف فرق ہے، ”ابن کمال“۔

36337۔ (قوله: وَمِنْ صُورِ ذَلِكَ الْخ) اس نے اس کا فائدہ دیا ہے کہ یہ شرط نہیں ہے کہ محاباة یا سعا یہ یا عتق موصی لہما کی دونوں جہتوں سے ہو، بلکہ ایک طرف سے ہی اس کا وجود کافی ہے، اور وہ بقدر دو ثلث مال کے ہوتا ہے اور موصی دوسری طرف کے لیے ثلث مال ہوتا ہے۔ پس چاہیے کہ اس میں غور کر لیا جائے، ”طحطاوی“۔

میں کہتا ہوں: لیکن یہ تصویر اشکال پیدا کرتی ہے اس لیے کہ انہوں نے اس بارے تصریح کی ہے کہ حالت مرض میں نافذ ہونے والا عتق اور اس میں بالفور پائی جانے والی محاباة دونوں تمام وصایا پر مقدم ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے، اور آنے والے

أَنْ يُوصِيَ لِرَجُلٍ بِأَلْفٍ دِرْهَمٍ مَثَلًا أَوْ يُحَابِيهِ فِي بَيْعٍ بِأَلْفٍ دِرْهَمٍ أَوْ يُوصِيَ بِعِثْقِ عَبْدٍ قِيَمَتُهُ أَلْفٌ دِرْهَمٍ وَهِيَ ثُلُثَا مَالِهِ وَلَا خَرَ بَثُلُثٍ مَالِهِ وَلَمْ تُجْزُ فَالْثُلُثُ بَيْنَهُمَا أَثْلَاثًا إِجْمَاعًا (وَبِثْلٍ نَصِيبِ ابْنِهِ صَحَّتْ) لَهُ ابْنٌ أَوْ لَا (وَبِنَصِيبِ ابْنِهِ لَا) لَوْلَهُ ابْنٌ مَوْجُودٌ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ ابْنٌ صَحَّتْ عِنَايَةُ وَجْهَرَةً زَادَ فِي شَرْحِ التَّكْمِلَةِ

وہ ایک آدمی کے لیے مثلاً ہزار درہم کی وصیت کرے یا وہ ہزار درہم کے ساتھ بیع میں اس کے ساتھ محاباہ کرے یا وہ ایک غلام آزاد کرنے کی وصیت کرے جس کی قیمت ہزار درہم ہو اور وہ اس کے مال کا دو تہائی ہو، اور دوسرے کے لیے اپنے ثلث مال کی وصیت کرے اور ورثا اجازت نہ دیں تو بالا جماع ان دونوں کے درمیان ثلث تین حصوں میں تقسیم ہوگا۔ اور اگر اس نے اپنے بیٹے کے حصہ کی مثل کی وصیت کی تو وہ صحیح ہے اس کا بیٹا ہو یا نہ ہو۔ اور اگر اپنے بیٹے کے حصہ کی کسی کے لیے وصیت کی تو وہ صحیح نہیں ہے اگر اس کا بیٹا موجود ہو، اور اگر اس کا بیٹا نہ ہو تو صحیح ہے، ”عناویہ“ اور ”جوہرہ“۔ اور ”شرح التکملہ“ میں یہ زائد ہے:

باب میں آئے گا۔

36338۔ (قوله: أَوْ يُحَابِيهِ) یعنی وہ مرض موت میں محاباة کرتا ہے، ”حلی“۔

36339۔ (قوله: بِأَلْفٍ دِرْهَمٍ) ہزار درہم کے ساتھ۔ یہ یحابیہ کے متعلق ہے۔

36340۔ (قوله: وَهِيَ ثُلُثَا مَالِهِ) یعنی تینوں مسائل میں ہزار درہم اس کے مال کا دو ثلث ہیں، ”حلی“۔ اور وہ اس طرح کہ اس کا مال پندرہ سو درہم ہو اور وہ ان میں سے ہزار کی فلاں کے لیے وصیت کرے، یا مثلاً اس کا کپڑا ہو جس کی قیمت اتنی ہو اور وہ اس طرح وصیت کرے کہ وہ ہزار کے ساتھ محاباة کرے اور وہ اس طرح ہوگا کہ اسے پانچ سو کے عوض بیچا جائے اور مسئلۃ العتق تو ظاہر ہے۔

36341۔ (قوله: وَلَا خَرَ بَثُلُثٍ مَالِهِ) اور دوسرے کیلئے اپنے تہائی مال کی، یہ تینوں مسائل کے متعلق ہے، ”حلی“۔

36342۔ (قوله: فَالْثُلُثُ بَيْنَهُمَا أَثْلَاثًا إِجْمَاعًا) تو بالاتفاق ثلث ان دونوں کے درمیان تین حصوں میں تقسیم ہوگا۔ اس کی تقریر اس سے ظاہر ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

36343۔ (قوله: وَبِنَصِيبِ ابْنِهِ لَا) اور اپنے بیٹے کے حصے کی وصیت کی تو وہ صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ بیٹے کا حصہ قرآن کریم کی نص سے ثابت ہے، پس جب اس نے اس کے بارے کسی دوسرے آدمی کے لیے وصیت کی تو اس نے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فرض کو تبدیل کرنے کا ارادہ کیا اور یہ صحیح نہیں ہے، ”منح“۔ اور وہ ورثا کی اجازت کی طرف متوجہ نہیں ہوگا؛ کیونکہ وصیت اس کی ملک میں واقع نہیں ہوئی۔ بلاشبہ اس نے اسے ملک غیر کی طرف مضاف کیا ہے، پس وہ اس کی طرح ہو گیا جس نے کسی آدمی کے لیے زید کی ملک کی وصیت کر دی، پھر وہ فوت ہو گیا اور زید نے اس کی اجازت دے دی تو بلاشبہ وہ جائز نہیں ہے۔ اسی طرح یہاں ہے اسے ”مکی“ نے ”السراج“ سے نقل کیا ہے، ”طحاوی“۔

وَصَارَ كَمَا لَوْ أُوصِيَ بِنَصِيبِ ابْنٍ لَوْ كَانَ انْتَهَى وَفِي الْمُجْتَبَى وَلَوْ أُوصِيَ بِثُلْثِ نَصِيبِ ابْنٍ لَوْ كَانَ فَلَهُ النِّصْفُ اهـ وَنَقَلَ الْمُصَنِّفُ عَنِ السَّرَاجِ مَا يُخَالِفُهُ فَتَتَبَهُ (وَلَهُ) فِي الصُّورَةِ الْأُولَى (ثُلْثٌ إِنْ أُوصِيَ مَعَ ابْنَيْنِ) وَنِصْفٌ مَعَ ابْنٍ وَاحِدٍ وَإِنْ أَجَازَ

اور وہ اس طرح ہو گیا اگر وہ بیٹے کے حصہ کی وصیت کرے اگر وہ ہو، انتہی۔ اور ”المجتبیٰ“ میں ہے: اگر اس نے بیٹے کے حصے کے مثل کی وصیت کی اگر اس کا بیٹا ہو تو اس کے لیے نصف ہوگا۔ اور ”مصنف“ نے ”السراج“ سے اس کے خلاف نقل کیا ہے، پس تو اس پر آگاہ رہو۔ اور پہلی صورت میں اس کے لیے ثلث ہوگا اگر اس نے دو بیٹوں کے ساتھ وصیت کی اور ایک بیٹے کے ساتھ نصف ہوگا اگر اس نے اجازت دی،

36344۔ (قوله: وَصَارَ) یعنی اس کا قول: بثلث نصیب ابنہ۔ ”حلی“ یا اس کا قول: بنصیب ابنہ جب اس کا

بیٹا نہ ہو۔

36345۔ (قوله: وَنَقَلَ الْمُصَنِّفُ الْخ) اور ”مصنف“ نے نقل کیا ہے، جہاں انہوں نے کہا ہے: اگر اس نے بیٹے کے حصے کی مثل کی وصیت کی، اگر وہ موجود ہو تو وہ ثلث مال عطا کرے۔ کیونکہ اس نے اس کے لیے معدوم بیٹے کے حصے کی مثل کی وصیت کی ہے۔ پس ضروری ہے کہ وہ اس بیٹے کا حصہ سہم کے ساتھ مقرر کرے اور اس کی مثل بھی سہم ہوگا، تو تحقیق اس نے اس کے لیے حاصل میں تین میں سے ایک سہم کی وصیت کی ہے بخلاف پہلی صورت کے۔ کیونکہ وہاں اس نے بیٹے کے حصے کی وصیت کی ہے اگر وہ موجود ہو، اور اس نے بثلث نصیب ابن لو کان نہیں کہا ہے۔ اسی طرح ”السراج الوہاج“ میں ہے۔ اور اسی کی مثل ”الجوہرہ“ میں ہے، اور اسی طرح ”غایۃ البیان“ میں ”شرح الطحاوی“ سے ہے۔ اور رہا وہ جو ”المجتبیٰ“ میں ہے تو انہوں نے اسے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا، اور وہ اگرچہ اس کی وجہ ظاہر ہے جبکہ اس کے درمیان اور اس کے درمیان فرق ظاہر نہیں ہوتا جب وہ موجود بیٹے کے حصے کی مثل کی وصیت کرے۔ لیکن یہ اس کے معارض نہیں ہوگا جب تک وہ کسی نقل کے ساتھ تائید نہ کرے۔ کیونکہ ”المجتبیٰ“ جو ”الزہدی“ کی ہے، اور فقہاء نے کہا ہے: ”زہدی“ نے جو کچھ قواعد کے مخالف کہا ہے اس کی طرف توجہ نہ کی جائے جب تک وہ کسی نقل کے ساتھ اسے موید نہ کریں، تامل۔

36346۔ (قوله: وَلَهُ فِي الصُّورَةِ الْأُولَى) یعنی متن کی دونوں صورتوں میں سے پہلی صورت میں اس سے یہ ثلث

ہوگا اگر وہ دو بیٹوں کے ساتھ وصیت کرے، اور قیاس یہ ہے کہ اس کے لیے ورثہ کی اجازت کے وقت نصف ہو۔ کیونکہ اس نے اپنے بیٹے کے حصے کی مثل کی وصیت کی ہے۔ اور دونوں میں سے ہر ایک کا حصہ نصف ہے۔ پہلے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ اسے اپنے بیٹے کی مثل بنائے نہ کہ یہ کہ وہ اس کا حصہ بیٹے کے حصہ سے زیادہ کر دے، اور وہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ موصی لہ کو ان میں سے ایک کی مثل بنا دے، ”زیلعی“۔

36347۔ (قوله: إِنْ أَجَازَ) یعنی اگر وہ زیادتی کی اجازت دے دے، اور اگر اجازت نہ دے تو صرف ثلث ہوگا۔

وَمِثْلُهُمُ الْبَنَاتُ وَالْأَصْلُ أَنَّهُ مَتَى أَوْصَى بِثُلْثٍ نَصِيبُ بَعْضِ الْوَرَثَةِ يُزَادُ مِثْلُهُ عَلَى سِهَامِ الْوَرَثَةِ مُجْتَبًى (وَبِجُزْءٍ أَوْ سَهْمٍ مِنْ مَالِهِ

اور انہی کی مثل بیٹیاں بھی ہیں، اور اصل یہ ہے کہ جب وہ بعض ورثا کے حصہ کی مثل کے بارے وصیت کرے تو اس کی مثل ورثا کے سہام پر اضافہ کر دیا جائے گا، ”مجتبیٰ“۔ اور اگر وہ اپنے مال سے جز یا سہم کے ساتھ وصیت کرے

36348۔ (قوله: وَمِثْلُهُمُ الْبَنَاتُ) اور انہی کی مثل بیٹیاں ہیں، یعنی اگر اس نے اپنی بیٹی کے حصے کی مثل کی وصیت کی اور اس کی ایک بیٹی ہو تو موصی لہ کے لیے نصف ہوگا اگر بیٹی نے اجازت دے دی اور اگر اجازت نہ دی تو پھر ثلث ہوگا، اور دو بیٹیوں کے ساتھ اس کے لیے ثلث ہوگا جیسا کہ ”المنح“ میں ہے اور اگر وہ تین بیٹیوں کے ساتھ ہو تو کیا پھر بھی موصی لہ کے لیے ثلث ہوگا اس اعتبار سے کہ دو بیٹیوں کا حصہ دو ثلث ہے یا ربع (چوتھا حصہ) ہوگا؟ تو اس میں ظاہر دوسرا ہے، ورنہ اس کے لیے بیٹی کے حصہ کی مثل نہیں ہوگا ”حلی“۔ اور اس کی تائید وہ بھی کرتا ہے جو ”شارح“ نے ”المجتبیٰ“ سے اصل (قاعدہ) ذکر کیا ہے، ”طحاوی“۔

36349۔ (قوله: يُزَادُ مِثْلُهُ الْخ) اس کی مثل زیادہ کیا جائے گا، یہاں تک کہ اگر اس کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو اور وہ بیٹی کے حصہ کی مثل کی وصیت کرے تو اس کے لیے ربع (چوتھا حصہ) ہوگا۔ اور اگر اس کا خاوند اور تین متفرق بہنیں ہوں، اور وہ ماں کی طرف سے بہن (اخینافی بہن) کے حصے کی مثل کی وصیت کرے تو اس کے لیے عشر ہوگا ”مجتبیٰ“۔ ”ہندیہ“ میں کہا ہے: اور اس میں وجہ یہ ہے کہ پہلے فریضہ کی وضاحت کی جائے، پھر فریضہ کے مخرج پر اس کے حصہ کی مثل زیادہ کیا جائے جس کا ذکر کیا ہے، پس اگر اس نے ماں اور بیٹا چھوڑا اور اس نے بیٹی کے حصہ کی مثل کی وصیت کی تو وصیت سترہ سہم ہوگی: جن میں سے موصی لہ کے لیے پانچ، بیٹے کے لیے دس، اور ماں کے لیے دو سہم ہوں گے، کیونکہ مسئلہ کی اصل چھ سے ہے بیٹے کے لیے پانچ ہیں اور بیٹی کے لیے دو اور نصف ہے (یعنی اڑھائی) پس اصل فریضہ پر اضافہ کیا جائے گا اور اسے کسر کے لیے دو گنا کر دیا جائے گا۔ پس وہ سترہ تک پہنچ گیا ان میں سے پانچ حصے موصی لہ کے لیے ہوں گے، باقی بارہ میں سے ماں کو اس کا سدس (چھٹا حصہ) یعنی ان میں سے دو حصے دیئے جائیں گے اور باقی دس بیٹے کے لیے ہوں گے۔ کیونکہ وراثت وصیت کے بعد تقسیم ہوتی ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے: اگر اس کی ایک بیٹی اور ایک عصبیہ بہن ہو اور وہ کسی آدمی کے لیے بیٹی کے حصے کی مثل کے بارے وصیت کرے تو اس موصی لہ کے لیے ثلث مال ہوگا وہ دونوں اجازت دیں یا نہ دیں۔ اور یہی وہ معتبر فائدہ ہے جس پر ”سائحانی“ نے اپنے ”فتاویٰ النعیمیہ“ میں متعدد صورتوں کی بنا کی ہے جن میں سے بعض کے بارے ان سے سوال کیا گیا، پس چاہیے کہ اسے یاد رکھا جائے۔

اگر موصی اپنے مال سے جز یا سہم کے ساتھ وصیت کرے تو اس کا حکم

36350۔ (قوله: وَبِجُزْءٍ الْخ) اسی کی مثل لفظ الحظ، الشقص، النصیب اور البعض ہیں (یعنی ان تمام کا معنی

فَالْبَيَانُ إِلَى الْوَرَثَةِ يُقَالُ لَهُمْ أَعْطَوْهُ مَا شِئْتُمْ ثُمَّ التَّسْوِیَةُ بَيْنَ الْجُزْءِ وَالسَّهْمِ عُرْفُنَا وَأَمَّا أَصْلُ الرِّوَايَةِ فَبِخْلَافِهِ (وَإِنْ قَالَ سُدُسٌ مَالٍ لَهُ ثُمَّ قَالَ ثُلُثُهُ لَهُ وَأَجَازُ وَآلَهُ ثُلُثٌ) أَيْ حَقُّهُ الثُّلُثُ فَقَطُّ،

تو اس کا بیان اور وضاحت ورثا کے سپرد ہے۔ ان کو کہا جائے گا: تم جو چاہو اسے دے دو، پھر جز اور سہم کا برابر ہونا ہمارا عرف ہے۔ اور رہی اصل روایت تو وہ اس کے خلاف ہے، اور اگر اس نے کہا میرے مال کا سدس اس (فلاں) کے لیے ہے پھر کہا مال کا ثلث اس کے لیے ہے اور ورثا نے اجازت دے دی تو اس کا حق صرف ثلث ہوگا

ایک ہے اور وہ حصہ ہے، ”جوہرہ“۔

36351۔ (قوله: فَالْبَيَانُ إِلَى الْوَرَثَةِ الْخ) پس وضاحت ورثا کے ذمہ ہے، کیونکہ وہ مقدار مجہول ہے جو قلیل و کثیر کو شامل ہے، اور وصیت جہالت کے ساتھ ممنوع نہیں ہوتی، اور ورثا موصلی کے قائم مقام ہوتے ہیں اس لیے اس کی وضاحت انہی کے ذمہ ہے، ”زیلعی“۔

36352۔ (قوله: عُرْفُنَا) یعنی جز اور سہم کے درمیان مساوات ہونا عجم کا عرف ہے، ”در منشی“۔

36353۔ (قوله: وَأَمَّا أَصْلُ الرِّوَايَةِ فَبِخْلَافِهِ) اور رہی اصل روایت تو وہ اس کے خلاف ہے، اور وہ یہ ہے کہ ”جامع صغیر“ کی روایت میں سہم سدس (چھٹا حصہ) ہے۔ کیونکہ اس میں انہوں نے کہا ہے: اس کے لیے ورثا کے حصوں سے اخس (گھٹیا اور کم حصہ) ہوگا، مگر یہ کہ وہ سدس سے کم ہو تو اس کے لیے سدس مکمل کیا جائے گا، اور اس کے لیے زیادہ نہیں کیا جائے گا۔ پس اس کا حاصل یہ ہوا کہ اس کے لیے سدس ہوگا۔ اور کتاب الوصایا کی روایت کے مطابق ورثا کے حصص میں سے اخس وہ ہے جو سدس سے زیادہ نہ ہو۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: اس کے لیے اخس ہے مگر یہ کہ وہ جب ثلث سے زیادہ ہو تو پھر اس کے لیے ثلث ہوگا، ”اختیار“۔ پس پہلی روایت کے مطابق سدس نقصان اور کمی کو روکنے کے لیے ہے وہ زیادتی کے مانع نہیں ہے، اور دوسری روایت کے مطابق صورت اس کے برعکس ہے۔ اور ”الہدایہ“ میں جو ذکر کیا ہے وہ زیادتی اور کمی سے مانع ہے، ”زیلعی“۔ پس صاحب ”ہدایہ“ ان دونوں کے علاوہ کسی روایت پر مطلع ہوئے ہیں یا انہوں نے دونوں کو جمع کر دیا ہے، ”عنایہ“۔ اس کی مکمل بحث مطولات میں ہے۔

تنبیہ

یہ سب تب ہے جب اس کے ورثا ہوں۔ اور ”الاختیار“ اور ”الجوہرہ“ میں ہے: اگر کسی نے کسی آدمی کے لیے اپنے مال کے حصہ (سہم) کی وصیت کی اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کے لیے نصف ہوگا؛ کیونکہ بیت المال بمنزلہ ابن کے ہے۔ پس یہ اس طرح ہو گیا گویا اس کے دو بیٹے ہیں، اور ثلث پر زیادتی سے کوئی مانع نہیں ہے لہذا یہ صحیح ہے۔ اور تو جز اور سہم کے درمیان تسویہ اور برابری کے قول پر غور و فکر کر، کیا نصف بھی دیا جائے گا، یا بیت المال کے وکیل کو کہا جائے گا تو جو چاہے اسے دے دے؟ اور انہوں نے اسے نقلاً تحریر کیا ہے۔

وَإِنْ أَجَازَتْ الْوَرَثَةُ لِدُخُولِ السُّدُسِ فِي الثُّلُثِ مُقَدَّمًا كَانَ أَوْ مُؤَخَّرًا أَخْذًا بِالْمُتَيَقِّنِ، وَبِهَذَا انْدَفَعَ
سُؤَالُ صَدْرِ الشَّرِيعَةِ وَإِشْكَالُ ابْنِ الْكَمَالِ

اگرچہ ورثا نے اجازت دے دی، اس لیے کہ سدس (چھٹا حصہ) ثلث (تیسرا حصہ) میں داخل ہے اس کا ذکر مقدم ہو یا مؤخر ہو، اس پر عمل کرتے ہوئے جس کے بارے یقین ہے۔ اور اسی کے ساتھ ”صدر الشریعہ“ کا سوال اور ”ابن کمال“ کا اشکال دور ہو گیا۔

صدر الشریعہ اور ابن کمال کے اشکال کا دفعیہ

36354۔ (قوله: وَبِهَذَا انْدَفَعَ سُؤَالُ صَدْرِ الشَّرِيعَةِ) اور اسی سے ”صدر الشریعہ“ کا سوال دور ہو گیا۔ ان کے سوال کا حاصل یہ ہے کہ موصی کا قول ثلث مالی لہ (میراث ثلث مال فلاں کے لیے ہے) خبر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا کیونکہ وہ جھوٹ ہے۔ پس اس کا انشا ہونا متعین ہو گیا، لہذا چاہیے کہ اس کے لیے نصف ہو۔ اور اس دفع کی تقریر اور وضاحت یہ ہے ہم نے تسلیم کیا ہے کہ اس کا یہ قول انشا ہے مگر یہ اس کے قول: سدس مالی لہ (میرے مال کا چھٹا حصہ اس کے لیے ہے) کے بعد یہ محتمل ہے کہ آیا اس نے اس سے سدس پر زیادتی کرنے کا ارادہ کیا ہے یا سدس کے علاوہ دوسرے ثلث کا ارادہ کیا ہے، پس اسے متیقن پر محمول کیا جائے گا۔

36355۔ (قوله: وَإِشْكَالُ ابْنِ الْكَمَالِ) جہاں انہوں نے اپنی شرح کے حاشیہ میں اس کی تقریر کے بعد گزشتہ سوال کا جواب اسی کے ساتھ ذکر کیا ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اور یہاں ایک شے باقی رہ گئی اور وہ یہ ہے کہ یہ اس سے خالی نہیں ہے کہ وہ ثلث جس کی ورثا نے اسے اجازت دی ہے وہ اس سدس سے زائد ہے جس کی انہوں نے اجازت دے رکھی ہے یا وہ اس پر ثلث زائد نہ ہو۔ کیونکہ مراد بہ کی تعیین کے بغیر ان کی اجازت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا مرجع لفظ کی اجازت ہے اور اس کا کوئی معنی نہیں۔ اور اس کا قول: او أجازوا دوسری صورت کا انکار کرتا ہے۔ کیونکہ وہ ان کی اجازت سے مستغنی ہے، اور پہلی صورت پر جواب مذکور صحیح نہیں ہے، شاید اسی لیے ”صاحب الكنز“ نے قید مذکور کو ساقط کر دیا ہے۔

حاصل کلام

اس کا حاصل یہ ہے کہ دوسرا معنی متعین ہو گا اور وہ یہ ہے کہ اجازت ثلث کی ہو جو اس سدس کے علاوہ نہ ہو یعنی اس ثلث کی جس میں وہ سدس داخل ہو۔ کیونکہ وہی متیقن ہے۔ اور اسی کے ساتھ ”صدر الشریعہ“ کے سوال کا جواب مکمل ہوتا ہے۔ لیکن ”مصنف“ کا قول: وأجازوا زائد باقی رہ جاتا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ کیونکہ ثلث مطلقاً اسے لازم ہے۔ اسی لیے ”صاحب کنز“ نے اسے ساقط کر دیا ہے، اور جواب وہ ہے جس کی طرف ”شرح“ نے اپنے قول: او ان أجازت الورثة کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔ یعنی یہ قید احترازی نہیں ہے، بلکہ انہوں نے اسے ذکر کیا ہے تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ اجازت کے وقت اس کے لیے نصف ہے، اور تاکہ یہ سمجھ لیا جائے کہ اجازت نہ ہونے کے وقت اس کے لیے بدرجہ اولیٰ ثلث ہو گا، فافہم۔ اور اللہ

(وَفِي سُدُسٍ مَالِي مُكْرَرًا لَهُ سُدُسٌ) لِأَنَّ الْمَعْرِفَةَ قَدْ أُعِيدَتْ مَعْرِفَةً (وَبِثُلْثٍ دَرَاهِمِهِ وَغَنِيهِ أَوْ ثِيَابِهِ) مُتَّفَاوَتَةً فَلَوْ مُتَّحِدَةً فَكَالِدَرَاهِمِ

اور سدس مالی کا لفظ جب مکرر ذکر کرے اس میں اس کے لیے سدس ہے؛ کیونکہ معرفہ کا اعادہ معرفہ کے ساتھ ہی کیا گیا ہے۔ اور اس نے اپنے دراہم اور ریوڑ یا اپنے کپڑوں کے ثلث کی وصیت کی درآنحالیکہ وہ متفاوت ہوں سو اگر وہ متحد ہوں تو پھر دراہم کی طرح ہیں۔

تعالیٰ نے اس ”شارح“ کو ان رموز کی فراوانی عطا فرمائی ہے جو ”جواہر الکنوز“ ہیں۔ لیکن یہاں اشکال باقی ہے جسے ”الشر بلائیہ“ میں ذکر کیا ہے۔ اور اسی طرح ”قاضی زادہ“ سے نقل کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ صاحب حق یعنی وارث اس کے ساتھ راضی ہے جس کا احتمال موسیٰ کا کلام رکھتا ہے یعنی ثلث کا سدس کے ساتھ جمع ہونا اور وارث کے حق کی وجہ سے اس کا ممتنع ہونا جو غیر متیقن ہو، تو پھر اس کے راضی ہونے کے بعد منع کرنے اور روکنے کا تکلف کیسا ہے؟

حاصل کلام

اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلا معنی متعین ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کی اجازت زائد کیلئے ہے۔ کیونکہ وہی اجازت کا محتاج ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کا جواب یہ ہے کہ جس کا احتمال موسیٰ کا کلام رکھتا ہے ہم نے اسے متیقن پر محمول کیا ہے جس کا وہ مالک ہوتا ہے اور وہ ثلث کے بارے وصیت ہے جیسا کہ گزر چکا ہے، اور وصیت تملیک کو ثابت کرنا ہے، پس ثلث کو ثابت کرنا متیقن ہے، اور زائد کو ثابت کرنا مشکوک ہے، اور وارث کی اجازت صرف اسی میں عمل کرتی ہے جسے موسیٰ نے ثابت کیا ہو، اور موسیٰ کا ایجاب اس مقدار میں یقینی نہیں جو ثلث سے زائد ہے کہ اجازت اس میں اپنا عمل کرے۔ لہذا یہ لغو ہو جائے گی۔ کیونکہ اجازت ابتداء تملیک نہیں ہے، بلاشبہ یہ موسیٰ کے اس عقد کو نافذ کرتی ہے جو اس پر موقوف ہے، یہی وجہ ہے کہ مجازہ کے لیے موسیٰ کی طرف سے ملکیت ثابت ہوتی ہے نہ کہ مجیز (اجازت دینے والے) کی طرف سے جیسا کہ عنقریب باب کے آخر میں آئے گا۔ یہی فتاح العلیم کے فیض سے میرے کمزور ذہن میں ظاہر ہوا ہے۔

36356۔ (قوله: مُكْرَرًا) یعنی وہ ایک مجلس میں یا دو مجلسوں میں اس طرح کہے: لہ سُدُس مَالٍ، لہ سُدُس مَالٍ

(اس کے لیے میرے مال کا چھٹا حصہ ہے، اس کے لیے میرے مال کا چھٹا حصہ ہے) جیسا کہ ”ہدایہ“ میں ہے۔

معرفہ کے تکرار میں ضابطہ

36357۔ (قوله: لِأَنَّ الْمَعْرِفَةَ) کیونکہ معرفہ اور وہ سدس ہے، کیونکہ اسے مال کی طرف مضاف کر کے معرفہ

بالاضافت ذکر کیا ہے اور اسے دوبارہ بھی معرفہ لایا گیا ہے لہذا یہ پہلے کا عین ہے (یعنی اس سے مراد بعینہ پہلا ہے)۔ اور یہ اصل اور قاعدہ کے مطابق ہے۔ پس اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کہ کبھی دوسرا پہلے کا غیر ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ (المائدہ: 48) اس میں دوسرے کتاب سے مراد

(أَوْ عَبِيدِهِ إِنْ هَلَكَ ثُلَاثُهُ فَلَهُ جَمِيعُ مَا بَقِيَ فِي الْأَوَّلَيْنِ) أَيْ الدَّرَاهِمِ وَالْغَنَمِ إِنْ خَرَجَ مِنْ ثُلْثِ بَاقِي جَمِيعِ أَصْنَافِ مَالِهِ أَخِي جَلْبَى (وَوَثُلْتُ الْبَاقِي فِي الْآخَرَيْنِ) أَيْ الثِّيَابِ وَالْعَبِيدِ وَإِنْ خَرَجَ الْبَاقِي مِنْ ثُلْثِ كُلِّ الْمَالِ (وَكَاثِلًا أَوَّلَ كُلِّ مُتَّحِدِ الْجِنْسِ كَمَكِيلٍ وَمَوْزُونٍ) وَثِيَابٍ مُتَّحِدَةٍ وَضَابِطُهُ مَا يُقْسَمُ جَبْرًا وَكَالثَانِي كُلِّ مُخْتَلِفِ الْجِنْسِ وَضَابِطُهُ مَا لَا يُقْسَمُ جَبْرًا

یا اپنے غلاموں کے ثلث کی وصیت کی۔ اگر اس کے دو ثلث ہلاک ہو گئے تو پھر پہلی دو چیزوں یعنی دراہم اور ریوڑ میں سے جو کچھ باقی بچے گا موصی لہ کے لیے ہوگا اگر وہ اس کے باقی تمام قسموں کے مال کے ثلث سے نکل پڑے۔ اسے ”اخی جلی“ نے ذکر کیا ہے۔ اور آخری دونوں چیزوں یعنی کپڑوں اور غلاموں میں سے باقی رہ جانے والے کا ثلث اس کے لیے ہوگا اگرچہ کل مال کے ثلث سے وہ باقی نکل جائے۔ اور ہر متحد الجنس پہلے (دراہم و غنم) کی طرح ہے جیسا کہ کیلی اور وزنی چیزیں اور ایک جیسے کپڑے اور اس کا ضابطہ اور کلیہ یہ ہے کہ اسے جبراً تقسیم کیا جاسکتا ہو، اور ہر مختلف الجنس دوسرے (ثیاب اور عبید) کی طرح ہے اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ وہ جسے جبراً تقسیم نہ کیا جاسکتا ہو۔

تورات ہے لیکن یہ قرینہ کے سبب خلاف اصل ہے، اور ہم نے ”شرح المنار“ پر اپنے حواشی میں مسئلہ کی وضاحت کر دی ہے۔
36358۔ (قوله: أَوْ عَبِيدِهِ) اور یہ متفاوت ہی ہوتے ہیں۔ پس اس لیے صرف کپڑوں میں تفصیل بیان کی ہے۔ اسے ”الشرع بلالیہ“ میں بیان کیا ہے۔

36359۔ (قوله: إِنْ هَلَكَ ثُلَاثُهُ أَخِي) یعنی اگر دراہم یا ریوڑ میں سے دو ثلث ہلاک ہو جائیں اس طرح کہ مثلاً وہ تین ہوں تو ان میں سے دو ہلاک ہو گئے اور باقی ایک رہ جائے تو وہ باقی مکمل طور پر اس (موصی لہ) کے لیے ہوگا۔ اور امام ”زفر“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: یہاں بھی مابقی کا ثلث اس کے لیے ہوگا، کیونکہ مال مشترک ہے اور اس سے ہلاک ہونے والا بھی مشترک ہی ہوگا۔ اور باقی رہ جانے والا بھی شرکت پر ہی باقی رہے گا۔ اور ”امام صاحب“ اور ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہم کے قول کی وجہ یہ ہے کہ ایک جنس میں موصی لہ کا حق باقی میں اس حیثیت سے جمع ہو رہا ہے کہ وصیت میراث پر مقدم ہے، اور اس لیے بھی کہ اگر کوئی شی ہلاک نہ ہوتی تو قاضی کے لیے لازم ہے کہ وہ یہ باقی موصی لہ کو دے بخلاف مختلف کپڑوں اور اس طرح کی چیزوں کے۔ کیونکہ انہیں جبراً تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی مکمل بحث مطولات میں ہے۔ ”غایۃ البیان“ میں کہا ہے: ہم امام ”زفر“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو لیتے ہیں اور یہی قیاس ہے۔ اور ”السعدیہ“ میں اسے قائم رکھا ہے، تامل۔

36360۔ (قوله: إِنْ خَرَجَ أَخِي) یہ شرط ہے جس کی تصریح عام شروح میں کی گئی ہے حتیٰ کہ ”ہدایہ“ میں بھی ہے۔

36361۔ (قوله: وَبِأَلْفِ أَخِي) یہ نہیں کہا جائے گا: مناسب یہ ہے کہ وہ دین میں سے کسی شے کا مستحق نہ ہو۔ کیونکہ

الف (ہزار) مال ہے اور دین مال نہیں ہے۔ کیونکہ جو قسم اٹھائے کہ اس کا کوئی مال نہیں ہے حالانکہ اس کا دین ہو تو وہ حانت نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں: دین کو مال کا نام اس کے خروج کے بعد دیا جائے گا، اور موصی لہ کے حق کا ثبوت خروج کے بعد

(وَبِأَلْفٍ وَلَهُ دَيْنٌ) مِنْ جِنْسِ الْأَلْفِ (وَعَيْنٌ فَإِنْ خَرَجَ) الْأَلْفُ (مِنْ ثَلَاثِ الْعَيْنِ دُفِعَ إِلَيْهِ وَإِلَّا) يَخْرُجُ (فَثَلَاثُ الْعَيْنِ) يُدْفَعُ لَهُ (وَكُلُّهَا خَرَجَ) شَيْءٌ (مِنْ الدَّيْنِ دُفِعَ إِلَيْهِ ثَلَاثُهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ حَقَّهُ) وَهُوَ الْأَلْفُ (وَبِثَلَاثِهِ لَزِيدٌ وَعَنْهُ وَهُوَ أَمَى عَنْهُ)

اور کسی نے ہزار کی وصیت کی اور اس کا ہزار کی جنس سے قرض ہو اور عین بھی ہو۔ پس اگر عین مال کے ثلث سے وہ ہزار نکل جائے تو وہ اسے (موصی لہ کو) دے دیا جائے، اور اگر نہ نکلے تو عین کا ثلث اس کو دیا جائے گا اور دین میں سے جب بھی کوئی شے نکلے تو اس کا ثلث اسے دے دیا جائے یہاں تک کہ وہ اس کا حق اسے پورا کر دے اور وہ ایک ہزار ہے۔ کسی نے زید اور عمرو کے لیے ثلث مال کی وصیت کی در آنحالیکہ عمرو فوت ہو چکا ہو

ممکن ہے جیسا کہ وہ موصی لہ جس کے لیے کوئی ثلث کی وصیت ہو اس کا قصاص میں کوئی حق نہیں ہوتا۔ اور جب وہ بدل جائے جس میں اس کا حق ثابت نہیں ہوتا؛ کیونکہ وہ میت کا مال ہے، اور قسم کے مسئلہ کا انحصار عرف پر ہے، ”معراج“۔ ”ملخصاً“۔ اور اس سے یہ ظاہر ہوا کہ اگر وہ اپنے تہائی مال کے بارے وصیت کرے تو اس میں دین بھی داخل ہوگا۔ اور یہ دو قولوں میں سے ایک ہے۔ اور اسے ہی ”الوہبانیہ“ میں ترجیح دی ہے۔ اور ”صاحب البحر“ نے متفرقات القضاء میں اس بارے توقف کیا ہے، پس اس کی طرف رجوع کرو۔

36362۔ (قوله: مِنْ جِنْسِ الْأَلْفِ) ألف کی جنس سے۔ اسی طرح ”الدرر“ میں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کا فائدہ ان کے قول: وَكُلُّهَا خَرَجَ شَيْءٌ مِنَ الدَّيْنِ دُفِعَ إِلَيْهِ کے مناسب ہے۔ کیونکہ اگر وہ دنانیر ہوں تو وہ اسے نہیں دیئے جائیں گے، تاہل۔

اور ”المنح“ میں ”السراج“ سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جب اس نے دراہم مرسلہ کے بارے وصیت کی پھر وہ فوت ہو گیا تو وہ موصی لہ کو دیئے جائیں گے اگر وہ موجود اور حاضر ہوں، ورنہ شرکت کو بیچا جائے گا اور اس سے وہ دراہم دیئے جائیں گے۔

36363۔ (قوله: وَعَيْنٌ) امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: عین سے مراد دراہم و دنانیر ہیں نہ کہ چاندی کے ٹکڑے، زیورات، سامان اور کپڑے۔ اور دین سے مراد ہر وہ شے ہے جو سونے، چاندی، یا گندم وغیرہ میں سے ذمہ میں واجب ہوتی ہے۔ اس کی مکمل بحث ”الطوری“ میں ہے۔

36364۔ (قوله: فَإِنْ خَرَجَ الْأَلْفُ الْخ) ”العنایہ“ میں کہا ہے: اس کے تین ہزار درہم نقد ہوں تو اسے ایک ہزار دیئے جائیں گے، اور اگر وہ نہ نکل سکے اس طرح کہ نقد بھی ایک ہزار ہی ہو تو اس میں سے اسے اس کا تہائی دیا جائے۔

36365۔ (قوله: وَإِلَّا يَخْرُجُ فَثَلَاثُ الْعَيْنِ الْخ) اور اگر وہ نہ نکل سکتا ہو تو پھر عین کا ثلث اسے دیا جائے گا، یعنی اسے عین میں سے ہزار نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ ترکہ اس کے درمیان اور ورثا کے درمیان مشترک ہے اور عین دین سے بہتر ہے۔ پس اگر ان میں سے ایک کو اس کے ساتھ خاص کر دیا جائے تو دوسرے کا نقصان ہوگا ”اختیار“۔ کیونکہ دین کے مدیون

(مِیتٌ لِزَیدٍ کُلُّهُ) اُمّی کُلُّ الثُّلُثِ وَالْأَصْلُ أَنَّ الْمِیتَ أَوْ الْمَعْدُومَ لَا یَسْتَحِقُّ شَیْئًا فَلَا یُزَاحِمُ غَیْرَهُ وَصَارَ
(کَمَا لَوْ أَوْصَى لِزَیدٍ وَجَدَّارٍ، هَذَا إِذَا خَرَجَ الْمُزَاحِمُ مِنَ الْأَصْلِ أَمَّا إِذَا خَرَجَ الْمُزَاحِمُ (بَعْدَ صِحَّةِ الْإِیْجَابِ
یَخْرُجُ بِحِصَّتِهِ) وَلَا یُسَلَّمُ لِلْآخِرِ کُلُّ الثُّلُثِ لِثُبُوتِ الشَّرَکَةِ (کَمَا لَوْ قَالَ ثُلُثُ مَالِی لِفُلَانٍ وَفُلَانِ بْنِ عَبْدِ
اللَّهِ إِنْ مِثٌ وَهُوَ فَقِیْرٌ فَمَاتَ الْمُوصِی وَفُلَانُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ غَنِیٌّ كَانَ لِفُلَانٍ نِصْفُ الثُّلُثِ) وَكَذَا لَوْ مَاتَ
أَحَدُهُمَا قَبْلَ الْمُوصِی وَفُرُوعُهُ کَثِیرَةٌ

تو کل ثلث زید کے لیے ہوگا۔ اور اس میں اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ میت یا معدوم کسی شے کا مستحق نہیں ہوتا پس وہ غیر کا مزاحم نہیں ہو سکتا۔ اور یہ اسی طرح ہو گیا جیسا کہ اگر وہ زید اور دیوار کے لیے وصیت کرے۔ یہ تب ہے جب مزاحم اصل سے خارج ہو، لیکن جب مزاحم ایجاب صحیح ہونے کے بعد خارج ہو تو وہ اپنے حصہ کے ساتھ خارج ہوگا اور شرکت ثابت ہونے کی وجہ سے مکمل ثلث دوسرے کو نہیں دیا جائے گا جیسا کہ اگر وہ کہے: میرا ثلث مال فلان کے لیے ہے اور فلاں بن عبد اللہ کے لیے ہے اگر میرے فوت ہونے کے وقت وہ فقیر ہو، پھر موصی فوت ہوا اور وہ فلاں بن عبد اللہ غنی تھا تو اس دوسرے فلاں کے لیے نصف ثلث ہوگا، اور اسی طرح حکم ہے اگر ان میں سے ایک موصی سے پہلے فوت ہو گیا، اور اس کی فروع کثیر ہیں۔

کے پاس ہلاک ہونے کا احتمال ہے۔

میت یا معدوم کسی شے کا مستحق نہیں ہوتا

36366۔ (قولہ: لِزَیدٍ کُلُّهُ) یعنی سارا ثلث زید کے لیے ہوگا۔ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے روایت ہے: جب موصی

اس کی موت کے بارے نہ جانتا ہو تو اس کے لیے نصف ثلث ہوگا؛ کیونکہ وہ اس کے لیے اسی کے ساتھ راضی ہے، ”زلیعی“۔

36367۔ (قولہ: أَوْ الْمَعْدُومَ) اگر اس نے زید کے لیے اور اس کے لیے وصیت کی جو اس کمرے میں ہے حالانکہ

اس میں کوئی موجود نہ ہو تو وہ ثلث زید کے لیے ہوگا؛ کیونکہ معدوم مال کا مستحق نہیں ہوتا، اور اسی طرح اگر اس کے لیے اور اس

کے پیچھے آنے والے کے لیے وصیت کی؛ کیونکہ عقب وہی ہے جو اس کی موت کے بعد آئے گا۔ پس وہ فی الحال معدوم ہے،

”درر“۔ ”شرنبلائی“ کے مسئلہ الوصیۃ للعقب میں کلام ہے جو باب الوصیۃ للأقارب میں آئے گی۔

36368۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ مَاتَ أَحَدُهُمَا) اور اسی طرح حکم ہے اگر دو موصی لہ میں سے ایک فوت ہو جائے۔

36369۔ (قولہ: قَبْلَ الْمُوصِی) موصی سے پہلے، لیکن اگر اس کے بعد فوت ہوا تو پھر وارث اس کے قائم مقام ہوگا،

لہذا مزاحمت موجود ہے۔

36370۔ (قولہ: وَفُرُوعُهُ کَثِیرَةٌ) اور اس کی فروع کثیر ہیں ان میں سے یہ ہے کہ اگر اس نے کہا: میرا ثلث مال

فلاں کے لیے اور عبد اللہ کے لیے ہے اگر عبد اللہ اس کمرے میں ہو حالانکہ وہ اس میں نہیں ہے تو اس فلاں کے لیے نصف ثلث

ہوگا، کیونکہ شرط مفقود ہونے کی وجہ سے اس کے استحقاق کا باطل ہونا دوسرے کے حق میں زیادتی کو ثابت نہیں کرتا، ”منح“۔

(وَأَصْلُهُ الْمَعُولُ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَتَى دَخَلَ فِي الْوَصِيَّةِ ثُمَّ خَرَجَ لِفَقْدِ شَرْطٍ لَا يُوجِبُ الزِّيَادَةَ فِي حَقِّ الْآخِرِ، وَمَتَى لَمْ يَدْخُلْ فِي الْوَصِيَّةِ لِفَقْدِ الْأَهْلِيَّةِ كَانَ الْكُلُّ لِلْآخِرِ) ذَكَرَهُ الزَّيْدِيُّ (وَقِيلَ الْعِبْرَةُ لَوَقْتُ مَوْتِ الْمُوصِي) وَإِلَيْهِ يُشِيرُ كَلَامُ الدَّرِّ تَبَعًا لِلْكَافِي حَيْثُ قَالَ أُولَهُ وَلَوْلَدٍ بَكْرٍ فَمَاتَ وَلَدُهُ قَبْلَ مَوْتِ الْمُوصِي إِلَى آخِرِهِ لَكِنَّ قَوْلَ الزَّيْدِيِّ فِيهَا مَرَّأَمَّا إِذَا خَرَجَ الْمُزَاحِمُ بَعْدَ صِحَّةِ الْإِيجَابِ إلخ صَرِيحٌ فِي اعْتِبَارِ حَالَةِ الْإِيجَابِ وَقِيلَ فِيهِ رَوَايَتَانِ (وَلَوْ قَالَ بَيْنَ زَيْدٍ وَعَمْرٍو وَهُوَ مَيِّتٌ لَزَيْدٍ نِصْفُهُ)

اور اس کا معتمد علیہ قاعدہ یہ ہے کہ جب وہ وصیت میں داخل ہو پھر شرط مفقود ہونے کی وجہ سے خارج ہو جائے تو وہ دوسرے کے حق میں زیادتی کو ثابت نہیں کرتا، اور جب وہ اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے وصیت میں داخل ہی نہ ہو تو پھر وصیت کا کل مال دوسرے کے لیے ہوگا۔ اسے ”زیلعی“ نے ذکر کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اعتبار موصی کے فوت ہونے کے وقت کا ہے۔ اور اسی کی طرف ”الدرر“ کا کلام ”الکافی“ کی اتباع میں اشارہ کرتا ہے اس حیثیت سے کہ انہوں نے کہا ہے: أوله ولولد بکر فمات ولده قبل موت الموصي الى آخره (یا اس کے لیے اور بکر کے بیٹے کے لیے پس اس کا بیٹا موصی کے فوت ہونے سے پہلے فوت ہو گیا..... تا آخر)۔ لیکن جو گزر چکا ہے اس میں ”زیلعی“ کا قول یہ ہے: جب ایجاب صحیح ہونے کے بعد مزاحم نکل جائے الخ یہ حالت ایجاب کا اعتبار کرنے میں صریح ہے۔ اور کہا گیا ہے: اس میں دو روایتیں ہیں، اور اگر اس نے بین زید و عمرو کہا در آنحالیکہ عمر فوت ہو چکا ہو تو زید کے لیے اس کا نصف ہوگا،

36371۔ (قوله: ثُمَّ خَرَجَ لِفَقْدِ شَرْطٍ) پھر وہ شرط مفقود ہونے کی وجہ سے نکل جائے یا اہلیت زائل ہونے کی وجہ سے جیسا کہ ان میں سے ایک موصی سے پہلے فوت ہو جائے۔

36372۔ (قوله: ذَكَرَهُ الزَّيْدِيُّ) یعنی وہ تمام جو متن و شرح میں پہلے گزرا ہے۔ اسے علامہ ”زیلعی“ نے ذکر کیا ہے۔

36373۔ (قوله: وَقِيلَ الْعِبْرَةُ) اور کہا گیا ہے کہ ایجاب کے صحیح ہونے میں اعتبار موصی کے فوت ہونے کے وقت

کا ہے۔

36374۔ (قوله: أُولَهُ) مراد زید کے لیے ہے۔

36375۔ (قوله: إِلَى آخِرِهِ) یعنی آخر تک اور مکمل اس طرح ہے یا اس کے لیے اور اس کی اول میں سے فقیر،

لیے یا اس کے لیے جو اس کے بیٹوں میں سے فقیر ہو جائے، اور موصی کے فوت ہونے کے وقت اس کی شرط نہ پائی جائے تو اس صورت میں مکمل ثلث زید کے لیے ہوگا؛ کیونکہ معدوم یا میت کسی شے کا مستحق نہیں ہوتا۔ پس مزاحمت زید کے لیے ثابت نہ ہو گی، لہذا یہ اسی طرح ہو گیا جیسا کہ جب وہ زید کے لیے اور دیوار کے لیے وصیت کرے۔

اگر موصی لہ غیر معین یا اہل استحقاق میں سے ہو تو اس کا حکم

36376۔ (قوله: لَكِنَّ قَوْلَ الزَّيْدِيِّ فِيهَا مَرَّأَمَّا) لیکن ”زیلعی“ کا قول جو متن کی عبارت میں گزر چکا ہے، اور

لَاَنَّ كَلِمَةَ بَيْنَ تَوْجِبُ التَّنْصِيفَ حَتَّى لَوْ قَالَ ثُلُثُهُ بَيْنَ زَيْدٍ وَسَكَتَ فَلَهُ نِصْفُهُ أَيْضًا

کیونکہ بین کا کلمہ تنصیف کو ثابت کرتا ہے، یہاں تک کہ اگر اس نے کہا ثُلُثُهُ بَيْنَ زَيْدٍ (اس کا ثلث مال زید کے درمیان ہے) اور ساتھ ہی خاموش ہو گیا تو پھر بھی اس کے لیے اس کا نصف ہوگا۔

”مصنف“ کے اس قول کے بعد استدراک کا کوئی محل نہیں وقیل الخ کیونکہ اسے اس کے درمیان اور جو گزر چکا ہے اس کے درمیان اختلاف کے بیان کے لیے ذکر کیا گیا ہے، ”فقد بر“۔

پھر تو جان کہ ”مصنف“ کا اپنے قول وقیل کے ساتھ ”الدرر“ اور ”الکافی“ کے اشارہ سے اخذ کرتے ہوئے تعبیر کرنا اس پر مبنی ہے جسے وہ اس کے مخالف سمجھے ہیں جسے اس سے پہلے ذکر کیا ہے اس کے باوجود کہ مخالفت کوئی نہیں ہے۔ اس کا بیان جو انہوں نے ”التاثر خانیہ“ میں چھٹی فصل سے ذکر کیا ہے یہ ہے کہ قاعدہ اور اصل یہ ہے کہ موصی لہ اہل استحقاق میں سے معین ہو تو وصیت کے دن ایجاب کے صحیح ہونے کا اعتبار کیا جائے گا، اور جب وہ غیر معین ہو تو موصی کی موت کے دن ایجاب کے صحیح ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔ پس اگر اس نے کہا: میرا ثلث مال فلاں کے لیے اور بکر کے بیٹے کے لیے ہے پھر اس (بکر) کا بیٹا موصی سے پہلے فوت ہو گیا تو مکمل ثلث اس فلاں کے لیے ہوگا، اور اگر بکر کے دس بچے پیدا ہوئے پھر موصی فوت ہو گیا تو پھر وہ ثلث فلاں اور بکر کی اولاد کے درمیان ان کی تعداد کے مطابق تقسیم ہوگا یعنی موصی کی موت کے دن کا اعتبار کرتے ہوئے وہ گیارہ حصوں میں تقسیم ہوگا۔ کیونکہ ولد غیر معین ہے، اور وہ ایک اور زیادہ کو شامل ہے۔ اور اسی طرح جب وہ بنی فلاں کے لیے وصیت کرے اور وصیت کے دن اس کا کوئی بیٹا نہ ہو، پھر اس کے بچے پیدا ہوں اور موصی فوت ہو جائے تو ثلث مال ان کے لیے ہوگا۔ اور اگر وصیت کے دن اس کے بیٹے ہوں اور وہ ان کا نام نہ لے اور نہ ان کی طرف اشارہ کرے تو ثلث مال اس کی موت کے وقت تمام موجود بیٹوں کے لیے ہوگا اگرچہ وہ وصیت کے وقت موجود نہ ہوں۔ اور اگر اس نے ان کے نام لیے یا ان کی طرف اشارہ کیا تو پھر وصیت صرف انہی کے لیے ہوگی یہاں تک کہ اگر وہ فوت ہو گئے تو وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ اس صورت میں موصی لہ معین ہے۔ پس وصیت کے دن ایجاب کے صحیح ہونے کا اعتبار کیا جائے گا، ملخصاً۔

اور اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جو ”الدرر“ میں ایجاب کے صحیح ہونے کے لیے موت کے دن کا اعتبار ہے بلاشبہ وہ موصی لہ غیر معین ہونے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اس کا قول: ولد بکر یا فقراء وولدہ یا من افتقر یہ غیر معین ہے جبکہ اس میں نہ تسمیہ ہو اور نہ ہی اشارہ ہو، اور جب اس میں موت کا دن معتبر ہے اور ان کے نزدیک شرط اس طرح فوت ہو گئی کہ ولد فوت ہو جائے یا غنی ہو تو مزاحم اصل سے نکل گیا، پس اسی لیے تمام ثلث زید کے لیے ہے، اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ ”زیلعی“ کا کلام مطلقاً ایجاب کی حالت کا اعتبار ہونے میں صریح نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا کلام موصی لہ معین کے بارے میں ہے، فقد بر۔

36377۔ (قوله: لَاَنَّ كَلِمَةَ بَيْنَ تَوْجِبُ التَّنْصِيفَ) کیونکہ بین کا کلمہ نصف کرنے کو ثابت کرتا ہے، یہ ظاہر ہے کہ

یہ تب ہے جب کلمہ دو مفردوں پر داخل ہو جیسا کہ یہاں ہے۔ لیکن اگر یہ تین پر داخل ہو جیسا کہ اس کا قول: بین زید و عمرو و

(وَبِثْلُثِهِ وَهُوَ أَمَى الْمُوصَى فَقِيرٌ) وَقَتَ وَصِيَّتِهِ (لَهُ ثُلُثُ مَالِهِ عِنْدَ مَوْتِهِ) سَوَاءٌ (اِكْتَسَبَهُ بَعْدَ الْوَصِيَّةِ أَوْ قَبْلَهَا) لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ الْوَصِيَّةَ إِيْجَابٌ بَعْدَ الْمَوْتِ (إِذَا لَمْ يَكُنِ الْمُوصَى بِهِ عَيْنًا أَوْ نَوْعًا مُعَيَّنًا، أَمَّا إِذَا أَوْصَى بِعَيْنٍ أَوْ نَوْعٍ مِنْ مَالِهِ كَثُلْتُ عَنْبِهِ فَهَلَكَتْ قَبْلَ مَوْتِهِ بَطَلَتْ) لِتَعَلُّقِهَا بِالْعَيْنِ فَبَطَلَ بِفَوَاتِهَا (وَإِنْ اِكْتَسَبَ غَيْرَهَا وَلَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُ غَنَمٌ عِنْدَ الْوَصِيَّةِ فَاسْتَفَادَهَا) أَمَى الْغَنَمُ (ثُمَّ مَاتَ صَحْتُ) فِي الصَّحِيحِ لِأَنَّ تَعَلُّقَهَا بِالنَّوْعِ كَتَعَلُّقِهَا بِالنَّالِ

اور اگر اس نے اپنے ثلث مال کے بارے میں وصیت کی در آنحالیکہ موصی اپنی وصیت کرنے کے وقت فقیر ہو تو اس کی موت کے وقت اس کا ثلث مال موصی نہ کے لیے ہوگا چاہے وہ اسے وصیت کے بعد کمائے یا اس سے پہلے۔ کیونکہ یہ پختہ بات ہے کہ وصیت موت کے بعد ثابت ہوئی ہے بشرطیکہ موصی بہ عین یا نوع معین نہ ہو، لیکن جب وہ کسی عین یا اپنے مال میں سے خاص نوع کی وصیت کرے جیسا کہ اپنی بکریوں کے تیسرے حصہ کی پھر وہ اس کے فوت ہونے سے پہلے ہلاک ہو گئی تو وصیت باطل ہو جائے گی اس لیے کہ اس کا تعلق عین کے ساتھ ہے۔ اور وہ اس کے فوت ہونے کے ساتھ باطل ہو گیا ہے اگرچہ اس نے اس کے علاوہ کوئی اور بکری حاصل کی ہو، اور اگر وصیت کے وقت اس کے پاس بکریاں نہ ہوں پھر اس نے انہیں حاصل کر لیا پھر وہ فوت ہو گیا تو صحیح روایت کے مطابق وصیت صحیح ہے، کیونکہ نوع کے ساتھ اس کا تعلق مال کے ساتھ اس کے تعلق کی طرح ہے۔

بکری تو بلاشبہ یہ ان کی تعداد پر تقسیم کرنے کو ثابت کرتا ہے، تامل۔ اور اسی بنا پر یہ ہے کہ جب وہ بین زید کہے اور خاموش ہو جائے تو اسے نصف کیا جائے گا، کیونکہ کم سے کم شرکت دو کے درمیان ہوتی ہے اور دو سے زیادہ کی کوئی انتہا نہیں۔ لیکن جب وہ دو جمعوں پر داخل ہو تو ”المعراج“ میں ہے: اگر اس نے: بَيْنَ بَنِي زَيْدٍ وَبَيْنَ بَنِي بَكْرِ کہا اور ان میں سے ایک کے بیٹے نہ ہوں تو مکمل ثلث دوسرے کے بیٹوں کے لیے ہوگا۔ کیونکہ اس نے کل ثلث بنی زید کے درمیان مشترک بنا دیا ہے، یہاں تک کہ اگر وہ اسی پر اقتصار کرتا تو ثلث انہی کے درمیان ہوتا۔ پس جب مزاحمت ثابت نہیں تو کل ثلث انہی کے درمیان تقسیم ہوگا۔ اور اس کا قول بین بنی فلان وفلان اسی طرح ہے جیسا کہ گزر چکا ہے مراد یہ ہے کہ بَيْنَ کے تکرار اور عدم تکرار کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

36378۔ (قوله: وَهُوَ فَقِيرٌ) اس کا حذف اولیٰ ہے تاکہ آنے والا اطلاق قائم ہو جاتا، ”طحاوی“۔

36379۔ (قوله: لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ الْوَصِيَّةَ إِيْجَابٌ الْخ) اس لیے کہ یہ بات پختہ ہے کہ وصیت موت کے بعد عقد

تملیک ہے، اسی لیے قبول ورد کا اعتبار موت کے بعد کیا جاتا ہے، اور اس کا حکم اس کے بعد ثابت ہوتا ہے۔

36380۔ (قوله: أَمَّا إِذَا أَوْصَى الْخ) اس کا حاصل یہ ہے کہ جو بغیر تفصیل کے گزرا ہے بلاشبہ وہ کل مال میں شائع

ہے وہ نہ عین ہے اور نہ ہی معین نوع ہے۔ اور رہا اس کا غیر تو اس میں تفصیل ہے، پس اگر وہ عین ہو جیسا کہ میری بکریوں کا

(وَلَوْ قَالَ لَهُ شَاةٌ مِنْ مَالِي وَلَيْسَ لَهُ غَنَمٌ يُعْطَى قِيَمَةَ الشَّاةِ بِخِلَافٍ) قَوْلِهِ (لَهُ شَاةٌ مِنْ غَنَمِي وَلَا غَنَمٌ لَهُ) يَعْغِي لَا شَاةٌ لَهُ

اور اگر اس نے کہا: اس کے لیے میرے مال میں سے ایک بکری ہے اور اس کے پاس کوئی بھیڑ بکریاں نہ ہوں تو اسے ایک بکری کی قیمت دی جائے گی بخلاف اس کے اس قول کے: میری بھیڑ بکریوں میں سے ایک بکری اس کے لیے ہے اور اس کا کوئی ریوڑ نہ ہو یعنی اس کی کوئی بکری نہ ہو

ثالث، در آنجا لیکہ اس کی بکریاں ہوں تو اس میں وصیت کے وقت موجود بکریوں کا اعتبار کیا جائے گا، کیونکہ اضافت عہد یہ کے ساتھ وہ معین ہیں۔ کیونکہ یہ وصیت انہی کے لیے ہے جن کے لیے الف لام آرہا ہے، اور اگر وہ ایک نوع ہو جیسا کہ ثلث غنمی حالانکہ اس کی کوئی بکری نہیں تو یہ کل مال میں شائع کی طرح ہے اس میں موت کے وقت موجود کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ عین نہیں ہے کہ اس کے ساتھ وصیت مقید ہو، اس لیے کہ اضافت عہد یہ نہیں ہے۔ یہی میرے لیے ظاہر ہوا ہے، فاقبل۔

36381۔ (قوله: وَلَيْسَ لَهُ غَنَمٌ) در آنجا لیکہ اس کا کوئی ریوڑ نہ ہو، یا ہو اور وہ ہلاک ہو جائے، ”معراج“۔ اور اگر

اس کے مال میں بکری ہو تو اس کے ورثا کو وہ بکری دینے یا اس کی قیمت دینے کے درمیان اختیار دیا جائے گا، ”نہایہ“۔

36382۔ (قوله: يُعْطَى قِيَمَةُ الشَّاةِ) یعنی درمیانی بکری کی قیمت دی جائے گی، ”معراج“۔

36383۔ (قوله: بِخِلَافٍ قَوْلِهِ الْخ) فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں جب اس نے شاة (بکری) کی اضافت مال

کی طرف کی تو ہم نے جان لیا کہ اس کی مراد یہ ہے کہ وصیت میرے مال سے متعلق ہے۔ اور شاة (بکری) اور اس کی مالیت دونوں مطلق مال میں پائی جاتی ہیں۔ اور دوسری صورت میں جب اس نے اضافت غنم کی طرف کی تو ہم نے جان لیا کہ اس سے اس کی مراد عین شاة ہے اس حیثیت سے کہ اس نے اسے غنم میں سے جزا بنایا ہے، ”زیلعی“۔

36384۔ (قوله: يَعْغِي لَا شَاةٌ لَهُ) یعنی اس کی کوئی بکری نہ ہو، انہوں نے ”ابن کمال“ کی اتباع کی ہے اس

حیثیت سے کہ انہوں نے اسے اس کے مخالف کے ساتھ تعبیر کیا ہے جو ”ہدایہ“ وغیرہ میں ہے، اور کہا ہے: انما قال ولا شاة له۔ بلاشبہ انہوں نے کہا: اور اس کی کوئی بکری نہیں اور یہ نہیں کہا: ولا غنم له اور اس کا کوئی ریوڑ نہیں۔ جیسا کہ ”صاحب ہدایہ“ نے کہا ہے: کیونکہ شاة غنم کا ایک فرد ہے، پس جب اس کی شاة (بکری) نہیں تو اس کا ریوڑ (غنم) نہیں ہوگا بخلاف اس کے برعکس اور شرط عدم الجنس ہے عدم الجمع نہیں، یہاں تک کہ اگر ایک فرد پایا گیا تو وصیت صحیح ہوگی۔ اور اس میں ”صدر الشریعہ“ کا رد ہے اس حیثیت سے کہ انہوں نے کہا ہے: بکری موجود ہونے کے باوجود بھی وصیت باطل ہوگی۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے، کیونکہ موصی نے کہا ہے: شاة من غنمی (میرے ریوڑ میں سے بکری) یعنی جمع کے لفظ کے ساتھ، اور جس کی بالکل کوئی بکری نہ ہو یا اس کی ایک بکری ہو تو اس کا ریوڑ تو نہ ہوگا، پس دونوں صورتوں میں وصیت باطل ہوگئی جب دونوں صورتوں میں جمع (ریوڑ) نہیں پایا گیا، پس ظاہر ہو گیا کہ بطلان کی شرط جمع کا نہ ہونا ہے، جنس کا نہ ہونا نہیں۔ اسی وجہ

فَإِنَّهَا تَبْطُلُ وَكَذَلِكَ نَوَلُّكُمْ يَصِفُهَا لِأَيِّهِ وَلَا غَنَمَ لَهُ، وَقِيلَ تَصَحُّ (وَكَذَا) الْحُكْمُ (فِي كُلِّ نَوْعٍ مِنْ أَنْوَاعِ النَّالِ كَالْبَقَرِ وَالشَّوْبِ وَنَحْوِهِمَا) زَيْدَعِي (وَبِشْئِهِ لِأُمَّهَاتِ أَوْلَادِهِ وَهُنَّ ثَلَاثَةٌ وَلِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ لَهُنَّ) أُمِّي أُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ ثَلَاثَةٌ أَسْهُمٌ مِنْ خُمْسَةٍ (وَسَهْمٌ لِلْفُقَرَاءِ وَسَهْمٌ لِلْمَسَاكِينِ) وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يُقْسَمُ أَسْبَاعًا لِأَنَّ لَفْظَ الْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ جَمْعٌ وَأَقْلُهُ اثْنَانِ قُلْنَا (أَلِ) الْجَنَسِيَّةُ تُبْطِلُ الْجَنَعِيَّةَ

تو اس صورت میں وصیت باطل ہو جائے گی۔ اور اسی طرح حکم ہے اگر وہ اس کی اضافت اپنے مال کی طرف نہ کرے اور نہ اس کا کوئی ریوڑ ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: وصیت صحیح ہے۔ اور اسی طرح مال کی انواع میں سے ہر نوع میں حکم ہے جیسا کہ گائیں، کپڑے اور اسی طرح کی دیگر اشیاء، ”زیلعی“۔ اور اس نے اپنے ثلث مال کی اپنی ام ولد لونڈیوں کے لیے اور ان کی تعداد تین ہے، اور فقرا اور مساکین کے لیے وصیت کی تو ثلث مال کے پانچ حصوں میں سے تین حصے ام ولد لونڈیوں کے لیے ہوں گے۔ اور ان میں سے ایک حصہ فقرا کے لیے اور ایک حصہ مساکین کے لیے ہوگا۔ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک اسے سات حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ کیونکہ لفظ فقرا اور مساکین جمع ہے اور اس کی اقل تعداد دو ہے۔ ہم کہتے ہیں: الف لام جنسی جمع کے معنی کو باطل کر دیتا ہے۔

سے ”صدر الشریعہ“ نے کہا ہے: ”ہدایہ“ کی عبارت دونوں صورتوں میں وصیت کے باطل ہونے پر دلالت کو زیادہ شامل ہے۔ 36385۔ (قوله: وَكَذَلِكَ نَوَلُّكُمْ يَصِفُهَا لِأَيِّهِ) اور اسی طرح حکم ہے اگر وہ اسے اپنے مال کی طرف منسوب نہ کرے، اسی کے ساتھ اعتماد اور یقین کیا ہے اس کے باوجود کہ ”ہدایہ“، ”التبيين“ اور ”المنح“ میں یہ ہے انہوں نے کہا: کہا گیا ہے: وصیت صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ اس میں صحیح مال کی طرف اس کی اضافت کا ہونا ہے۔ اور اس کے بغیر صورۃ شاة اور اس کے معنی کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور بعض نے کہا ہے: وصیت صحیح ہے، کیونکہ جب اس نے شاة کا ذکر کیا حالانکہ اس کی ملک میں کوئی بکری نہیں تو اس سے معلوم ہو گیا کہ اس کی مراد مال ہی ہے، تاہل۔

36386۔ (قوله: وَأَقْلُهُ اثْنَانِ) یعنی میراث میں جمع کا اقل عدد دو ہے، اور وصیت اخت میراث ہے (اس لیے

اس میں بھی جمع کا اطلاق کم از کم دو پر ہوگا)، ”ابن کمال“۔

36387۔ (قوله: تُبْطِلُ الْجَنَعِيَّةَ) یعنی الف لام جنسی جمعیت کو باطل کر دیتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ اسے نکرہ ہے۔

ہم نے اسی طرح کہا ہے جیسے امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے کہا ہے، ”زیلعی“۔

تشبیہ

یہ وصیت ان ام ولد لونڈیوں کے لیے ہوگی جو اس کی موت کے ساتھ آزاد ہوں گی یا ان کے لیے جو اس کی زندگی میں آزاد ہوں گی اگر ان کے سوا اس کی امہات اولاد نہ ہوں، اور اگر اس کی دونوں قسم کی ہوں تو پھر وصیت ان کے لیے ہوگی جو اس کی موت کے ساتھ آزاد ہوں گی۔ کیونکہ عرف میں یہ اسم انہیں کے لیے ہے، اور جو اس کی زندگی میں آزاد ہو گئیں وہ موالی

(بِثُلْثِهِ لِزَيْدٍ وَلِلْمَسَاكِينِ لِزَيْدٍ نِصْفُهُ) وَلَهُمْ نِصْفُهُ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ أَثْلَاثًا كَمَا مَرَّ وَلَوْ أَوْصَى بِثُلْثِهِ لِزَيْدٍ وَلِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ قُسِمَ أَثْلَاثًا عِنْدَ الْإِمَامِ وَأَنْصَافًا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَأَخْبَاسًا عِنْدَ مُحَمَّدٍ اخْتِيَارَ (وَلَوْ أَوْصَى لِلْمَسَاكِينِ كَانَ لَهُ صَرْفُهُ إِلَى مُسْكِينٍ وَاحِدٍ) وَقَالَ مُحَمَّدٌ لِاثْنَيْنِ عَلَى مَا مَرَّ، فَلَا يَجُوزُ صَرْفُ مَا لِلْمَسَاكِينِ لِأَقَلِّ مِنْ اثْنَيْنِ عِنْدَهُ، وَالْخِلَافُ فِيهَا إِذَا لَمْ يُشْرَ لِمَسَاكِينٍ، فَلَوْ أَشَارَ إِلَى جَمَاعَةٍ وَقَالَ ثُلْثُ مَالِي لِهَذِهِ الْمَسَاكِينِ لَمْ يَجْزُ صَرْفُهُ لِوَاحِدٍ اِتِّفَاقًا وَلَوْ أَوْصَى لِفُقَرَاءٍ بَدَخَ فَأَعْطَى غَيْرَهُمْ جَازَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَعَلَيْهِ الْفُتُوَى خُلَاصَةً وَشُرْئِبْلَالِيَّةً (وَبِبَائِئِهِ لِرَجُلٍ وَبِبَائِئِهِ لآخَرَ فَقَالَ لآخَرَ أَشْرَ كُنْتُكَ مَعَهُمَا

اس نے زید اور مساکین کے لیے اپنے ثلث مال کی وصیت کی تو زید کے لیے اس کا نصف ہوگا اور نصف مساکین کے لیے ہوگا، اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ تین حصوں میں تقسیم ہوگا جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور اگر اس نے اپنے ثلث مال کی زید، فقراء اور مساکین کے لیے وصیت کی تو ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک اسے تین حصوں میں تقسیم کیا جائے، اور امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک نصف نصف دو حصے کر کے اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک پانچ حصے بنا کر اسے تقسیم کیا جائے، ”اختیار“۔ اور اگر اس نے مساکین کے لیے وصیت کی تو وصی کے لیے اسے ایک مسکین پر صرف کرنا جائز ہے۔ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: دو پر صرف کرنا لازم ہے اس دلیل کی بنا پر جو گزر چکی ہے۔ پس آپ کے نزدیک وہ مال جو مساکین کے لیے ہو اسے دو سے کم پر صرف کرنا جائز نہیں۔ اور یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب وہ مساکین کی طرف اشارہ نہ کرے، اور اگر اس نے جماعت کی طرف اشارہ کیا اور کہا: میرا ثلث مال ان مساکین کے لیے ہے تو پھر اسے ایک مسکین پر صرف کرنا بالاتفاق جائز نہیں۔ اور اگر اس نے ”بلخ“ کے فقراء کے لیے وصیت کی اور وصی نے وہ مال ان کے سوا دوسروں کو دے دیا تو امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ جائز ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ ”خلاصہ“ اور ”شرئبلائیہ“۔ اور اگر اس نے ایک سو کی آدمی کے لیے اور ایک سو کی دوسرے آدمی کے لیے وصیت کی اور پھر ایک دوسرے کو کہا: میں نے تجھے ان دونوں کے ساتھ شریک کر دیا

ہیں امہات اولاد نہیں۔ بلاشبہ ان (امہات اولاد) کے نہ ہونے کی صورت میں وصیت ان (موالی) کی طرف پھیر دی جائے گی۔ کیونکہ وہ معدوم ہے جو ان کی نسبت اس اسم کا زیادہ مصداق ہے اس کی مکمل بحث ”زیلعی“ میں ہے۔

36388۔ (قوله: وَأَنْصَافًا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ) اور امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ نصف نصف ہوگی۔ کیونکہ

فقراء اور مساکین معنی کی حیثیت سے ایک صنف (قسم) ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک حاجت کی خبر دیتا ہے، ”اختیار“۔ لیکن سابقہ مسئلہ میں امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کا قول ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے قول کی طرح ہے۔ پس یہاں فرق بیان کرنے کی ضرورت ہے، تامل۔

36389۔ (قوله: عَلَى مَا مَرَّ) یعنی جمع کے اقل افراد کا اعتبار کرتے ہوئے اور وہ دو ہیں۔

36390۔ (قوله: جَازٌ) جائز ہے لیکن افضل ان تمام پر صرف کرنا ہے، ”خلاصہ“۔

لَهُ ثُلُثُ كُلِّ مِائَةٍ) لِتَسَاوَى نَصِيبُهُمَا فَأَمَكَنْتُ الْمَسَاوَاةَ فِدِكُلُّ ثُلُثَا الْمِائَةِ (وَلَوْ بِأَرْبَعِ مِائَةٍ) مَثَلًا
(لَهُ وَبِإِثْنَيْنِ لِآخَرَ فَقَالَ لِآخَرَ أَشْرُكْتُكَ مَعَهُمَا لَهُ نِصْفُ مَا لِكُلِّ مِنْهُمَا) لِتَفَاوَتْ نَصِيبُهُمَا فِيسَاوَى
كُلًّا مِنْهُمَا (وَبِثُلُثٍ مَالِهِ لِرَجُلٍ ثُمَّ قَالَ لِآخَرَ أَشْرُكْتُكَ أَوْ أَذْخَلْتُكَ مَعَهُ فَالْثُلُثُ بَيْنَهُمَا) لِمَا ذَكَرْنَا
(وَإِنْ قَالَ لَوَرَّثْتَهُ لِفُلَانٍ عَلَى دَيْنٍ فَصَدِّقُوهُ فَإِنَّهُ يُصَدِّقُ) وَجُوبًا (إِلَى الثُّلُثِ) اسْتِحْسَانًا

میں نے تجھے ان دونوں کے ساتھ شریک کر دیا تو اس کے لیے ہر سو کا ثلث ہوگا، اس لیے کہ دونوں کا حصہ مساوی ہے اور مساوات ممکن ہے۔ پس ہر ایک کے لیے سو کے دو ثلث ہوں گے۔ اور اگر اس نے ایک آدمی کے لیے چار سو کی اور دوسرے کے لیے دو سو کی وصیت کی، پھر ایک دوسرے کو کہا: میں نے تجھے ان دونوں کے ساتھ شریک کر دیا تو اس کے لیے ان دونوں میں سے ہر ایک کے حصے کا نصف ہوگا، اس لیے کہ دونوں کا حصہ متفاوت ہے۔ پس وہ دونوں میں سے ہر ایک کے مساوی ہو جائے گا۔ اور اگر اپنے ثلث مال کے بارے ایک آدمی کے لیے وصیت کی، پھر دوسرے کو کہا: میں نے تجھے اس کے ساتھ شریک کر دیا یا اس کے ساتھ داخل کر دیا تو وہ ثلث ان کے درمیان برابر برابر ہوگا۔ اسی وجہ سے جو ہم نے پہلے ذکر کر دی ہے۔ اور اگر اس نے اپنے ورثا کو کہا: فلاں کا مجھ پر قرض ہے پس تم اس کی تصدیق کرنا تو بلاشبہ ثلث تک وجوب میں بطور استحسان اس کی تصدیق کی جائے گی

36391۔ (قوله: لِتَسَاوَى نَصِيبُهُمَا) ان دونوں کا حصہ مساوی ہونے کی وجہ سے۔ کیونکہ لغوی طور پر شرکت مساوات کے لیے ہوتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ (النساء: 12) میں اسے مساوات پر محمول کیا گیا ہے، ”زیلعی“۔

36392۔ (قوله: لِتَفَاوَتْ نَصِيبُهُمَا) ان دونوں کا حصہ مختلف ہونے کی وجہ سے۔ پس تمام کے درمیان مساوات ممکن نہیں۔ لہذا ہم نے اسے تیسرے کے لیے ان دو میں سے ہر ایک کے ساتھ اس میں مساوی ہونے پر محمول کیا ہے جو اس نے اس کے لیے مقرر کیا ہے۔ پس وہ دونوں مالوں میں سے ہر ایک سے نصف لے گا۔ اور اگر اس نے زید کے لیے ایک لونڈی کی اور بکر کے لیے دوسری کی وصیت کی پھر ایک دوسرے کو کہا: میں نے تجھے ان دونوں کے ساتھ شریک کر دیا، تو اگر وہ دونوں قیمت کے اعتبار سے متفاوت ہوں تو بالا جماع اس کے لیے ہر ایک کا نصف ہوگا، اور ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک اسی طرح حکم ہے اگر وہ دونوں مساوی ہوں۔ اور ”صاحبین“ رحمہم اللہ کے نزدیک اس کے لیے ہر ایک کا ثلث ہوگا، اس کی بنا غلام کی تقسیم اور عدم تقسیم پر ہے۔ ”زیلعی“، ملخصاً۔

36393۔ (قوله: لِمَا ذَكَرْنَا) یعنی اس وجہ سے جو ہم نے ممکنہ مساوات کا ذکر کیا ہے، ”طحاوی“۔

36394۔ (قوله: فَصَدِّقُوهُ) پس تم اس کی تصدیق کرو، یہ فعل امر ہے۔

36395۔ (قوله: اسْتِحْسَانًا) یہ استحساناً ہے، اور قیاس یہ ہے: کہ اس کی تصدیق نہ کی جائے، کیونکہ یہ مجہول شے کا

بِخِلَافِ قَوْلِهِ (كُلُّ مَنْ ادَّعى عَلَى شَيْئٍ فَأَعْطُوهُ) لِأَنَّهُ خِلَافُ الشَّرْعِ (إِلَّا أَنْ يَقُولَ إِنْ رَأَى الْوَصِيُّ أَنْ يُعْطِيَهُ فَيَجُوزُ مِنَ الثُّلُثِ) وَيَصِيرُ وَصِيَّةً وَلَوْ قَالَ مَا ادَّعى فَلَانَّ مِنْ مَالِي فَهُوَ صَادِقٌ فَإِنْ سَبَقَ مِنْهُ دَعْوَى فِي شَيْءٍ مَعْلُومٍ فَهُوَ لَهُ وَإِلَّا لَا مُجْتَبَى (فَإِنْ أَوْصَى بِوَصَايَا مَعَ ذَلِكَ) أَيْ مَعَ قَوْلِهِ لَوَرَّثْتَهُ لِفُلَانٍ عَلَى دَيْنٍ فَصَدَّقُوهُ

بخلاف اس کے اس قول کے: جو کوئی مجھ پر کسی شے کا دعویٰ کرے تو تم اسے دے دینا۔ کیونکہ یہ خلاف شرع ہے مگر یہ کہ وہ یہ کہے: اگر وصی اسے دینا مناسب سمجھے تو ثلث سے دینا جائز ہے اور وہ وصیت ہو جائے گی۔ اور اگر وہ کہے: جو فلاں نے میرے مال سے دعویٰ کیا تو وہ سچا ہے۔ پس اگر اس سے قبل معلوم شے میں اس کی طرف سے دعویٰ موجود ہو تو وہ شے اس کے لیے ہوگی، اور اگر پہلے دعویٰ موجود نہ ہو تو وہ اس کے لیے نہ ہوگی، ”مجتبىٰ“۔ پس اگر اس نے ورثا کے لیے اپنے اس قول: ”لفلان علی دین فصدّقوہ“ کے ساتھ ساتھ چند وصیتیں کیں

اقرار ہے اگرچہ صحیح بھی ہو اس پر بغیر بیان اور وضاحت کے حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اور اس کا قول: فصدّقوہ شرع کے مخالف صادر ہوا ہے۔ کیونکہ بغیر حجت اور دلیل کے دعویٰ کی تصدیق نہیں کی جاسکتی۔ اور وجہ استحسان یہ ہے: اصل حق دین (قرض) ہے اور اس کی مقدار بطریق وصیت ثابت ہو رہی ہے، ”حلی“۔

36396۔ (قوله: لِأَنَّهُ خِلَافُ الشَّرْعِ) کیونکہ یہ خلاف شرع ہے۔ یہ اس کی تعلیل ہے جو ان کے قول: بخلاف من انه باطل (بخلاف اس کے کہ یہ باطل ہے) سے مستفاد ہے، ”طحطاوی“۔ اور یہاں موصی لہ کے مجہول ہونے کی وجہ سے وجہ استحسان کا ذکر نہیں کیا۔

36397۔ (قوله: وَيَصِيرُ وَصِيَّةً) اور وہ وصیت ہو جائے گی۔ کیونکہ اس نے اسے موصی کی رائے کے سپرد کر دیا ہے۔ ”مصنف“ نے اسے بیان کیا ہے۔ اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وصیت مفوضہ صحیح ہوتی ہے اگرچہ اس کا صاحب (موصی) مجہول ہو، اور ہم نے اسے اول کتاب میں ذکر کیا ہے۔

36398۔ (قوله: فَإِنْ سَبَقَ مِنْهُ دَعْوَى) یعنی اگر اقرار کرنے والے کی زندگی میں اس کی طرف سے دعویٰ ہو، ”طحطاوی“۔

36399۔ (قوله: فَهُوَ لَهُ) تو وہ شے اس کے لیے ہوگی، اور یہ اس کی طرف سے اس شے کا اقرار ہوگا جس کے بارے میں اس نے دعویٰ کیا ہے، ”طحطاوی“۔ پس وہ تمام مال سے ہوگا۔ لیکن جو ”حلی“ کا قول ہے: وہ ثلث سے ہوگا، اس کا دار و مدار مقتہ کی موت کے بعد دعویٰ پر ہے، اور اس میں نظر ہے۔ اور اسی لیے علامہ ”طحطاوی“ نے کہا ہے: ادعی کی تاویل یدعی سے کرنا لفظ سے فوراً ذہن میں آنے کے خلاف ہے بخلاف پہلی صورت کے۔ کیونکہ اس نے اس پر دین ثابت کیا ہے اور اس نے اس کی مقدار ورثا کے سپرد کر دی ہے۔

36400۔ (قوله: وَإِلَّا لَا) ورنہ اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی، اور یہ تفصیل ”ابواللیث“ نے بیان کی ہے، اور ذکر کیا

(عُزِلَ الثُّلُثُ لِأَصْحَابِ الْوَصَايَا وَالثُّلُثَانِ لِلْوَرَثَةِ وَقِيلَ لِكُلِّ) مِنْ أَصْحَابِ الْوَصَايَا وَالْوَرَثَةِ (صَدَقُوا) فِيمَا شِئْتُمْ وَمَا بَقِيَ مِنَ الثُّلُثِ فَلِلْوَصَايَا وَالَّذِينَ وَإِنْ كَانَ مُقَدَّمًا عَلَى الْحَقِّينِ إِلَّا أَنَّهُ مَجْهُولٌ وَطَرِيقُ تَعْيِينِهِ مَا ذَكَرَ فَيُؤْخَذُ الْوَرَثَةُ بِثُلُثِي مَا أَقْرَأُوا بِهِ وَالْمَوْصَى لَهُمْ بِثُلُثِ مَا أَقْرَأُوا بِهِ وَمَا بَقِيَ فَلَهُمْ

تو تہائی مال اصحاب وصایا کے لیے اور دو تہائی ورثا کے لیے الگ الگ کر دیا جائے، اور اصحاب وصایا اور ورثا میں سے ہر ایک کو کہا جائے گا: تم اس مدعی کی جتنی مقدار میں چاہو تصدیق کرو، اور ثلث میں سے جو باقی بچے گا وہ اصحاب وصایا کے لیے ہوگا، اور دین اگرچہ دونوں حقوں پر مقدم ہے مگر وہ مجہول ہے۔ اور اس کے تعین کا طریقہ وہی ہے جو ذکر کیا ہے۔ پس اس کی جتنی مقدار کا ورثا نے اقرار کیا وہ دو ثلث سے لیا جائے گا اور جس کا اصحاب وصایا نے اقرار کیا وہ ایک ثلث سے لیا جائے گا، اور جو باقی بچے گا وہ انہی کے لیے ہوگا۔

ہے کہ مسئلہ میں کوئی روایت نہیں ہے۔ اسی کو ”الکفایہ“ میں بیان کیا ہے۔

36401۔ (قوله: عُزِلَ الثُّلُثُ الْخ) وہ ثلث کو اصحاب وصایا کے لیے الگ کرے۔ کیونکہ وصایا ثلث میں معلوم حقوق ہیں اور میراث دو ثلث میں معلوم ہے، اور یہ نہ دین معلوم ہے اور نہ ہی وصیت معلوم ہے، پس یہ معلوم کے مزاحم نہیں ہو سکتی، لہذا ہم نے معلوم کے عزل اور الگ کرنے کو مقدم کیا، ”زیلعی“۔

36402۔ (قوله: وَمَا بَقِيَ مِنَ الثُّلُثِ فَلِلْوَصَايَا) اور جو ثلث سے باقی بچا تو وہ وصایا کے لیے ہوگا۔ متن میں صرف اسی پر اقتصار کرنا مراد اور مقصود کو پورا نہیں کرتا، پس اس پر اس تفصیل کے ذکر کی حاجت تھی جسے ”شارح“ نے اپنے قول: فَيُؤْخَذُ الْخ کے ساتھ ذکر کیا ہے جیسا کہ ”ملتقی“، ”الدرر“ اور ”الاصلاح“ میں کیا ہے۔

36403۔ (قوله: وَالَّذِينَ الْخ) یہ ایک سوال کا جواب ہے: وہ یہ ہے کہ یہ دین کے بارے اقرار ہے اور دین ورثا کے حق اور اصحاب وصایا کے حق پر مقدم ہے تو پھر ان دونوں کے الگ کرنے کو اس پر کیوں مقدم کیا؟

36404۔ (قوله: مَا ذَكَرَ) یعنی فریقین کی تصدیق میں سے جو ذکر کیا ہے۔

36405۔ (قوله: فَيُؤْخَذُ الْوَرَثَةُ بِثُلُثِي مَا أَقْرَأُوا بِهِ الْخ) پس ورثا کے دو ثلث سے وہ لیا جائے گا جس کے بارے انہوں نے اقرار کیا؛ کیونکہ جب ہر فریق نے ایک حصہ کا اقرار کیا ہے تو ظاہر ہے کہ ترکہ میں دین دونوں حصوں میں مشترک ہے۔ پس ان سے دین اسی حساب سے لیا جائے گا جو ترکہ میں سے ان کے پاس ہے ”یعنی“ وغیرہ۔

36406۔ (قوله: وَمَا بَقِيَ فَلَهُمْ) یعنی ثلث میں سے جو باقی بچا تو وہ اصحاب وصایا کے لیے ہوگا، اور دو ثلث میں

سے جو باقی بچا وہ ورثا کے لیے ہوگا، یہاں تک کہ اگر موصی لہم نے کہا: دین سو ہے تو مقفلہ کو اس کا ثلث اس میں سے دیا جائے گا جو ان کے پاس ہے، پھر اگر کوئی شے باقی بچی تو وہ ان کے لیے ہوگی اور اگر نہ بچی تو کچھ نہیں ہوگا، ”اتقانی“۔

وَيُخْلِفُ كُلٌّ عَلَى الْعِلْمِ لَوْ ادَّعَى الزَّيَادَةَ قُلْتُ بَقِيَ لَوْ كَانَتْ الْوَصَايَا دُونَ الثُّلُثِ هَلْ يُعْزَلُ الثُّلُثُ كُلُّهُ أَمْ يَقْدَرُ الْوَصَايَا؟ لَمْ أَرَكَ وَبَقِيَ أَيْضًا هَلْ يُلْزَمُهُمْ أَنْ يُصَدِّقُوهُ فِي أَكْثَرِ مِنَ الثُّلُثِ يَرَا جَعُ ابْنُ الْكَمَالِ بِهِ

اور ہر فریق اپنے علم پر قسم کھائے گا اگر مدعی نے زیادہ مقدار کا دعویٰ کیا۔ میں کہتا ہوں: باقی رہا یہ مسئلہ کہ اگر وصایا کی مقدار تہائی مال سے کم ہو تو کیا مکمل ثلث الگ کیا جائے گا یا وصیتوں کی مقدار؟ میں نے اسے کہیں نہیں دیکھا۔ اور یہ مسئلہ بھی باقی ہے کہ کیا ان پر لازم ہے کہ وہ ثلث سے زیادہ مقدار میں اس کی تصدیق کریں؟ تو اس کے لیے ”ابن کمال“ کی طرف رجوع کیا جائے۔

36407۔ (قوله: عَلَى الْعِلْمِ) یعنی اس طرح کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ اس کے لیے اس سے زیادہ ہے۔ ”زیلعی“ نے کہا ہے: کیونکہ یہ غیر کے فعل پر حلف اٹھانا ہے یعنی اس معاملے پر جو مدعی اور میت کے درمیان جاری ہے نہ کہ اس کے ذاتی فعل پر، لہذا وہ یقین (بثبات) پر قسم نہیں اٹھائے گا۔

36408۔ (قوله: قُلْتُ بَقِيَ الْخ) اس کا منشا یہ ہے کہ ”مصنف“ کا قول: کغیرہ عزل الثلث لأصحاب الوصايا اس بارے میں ظاہر ہے کہ وصایا ثلث کو مستغرق ہیں، اور اسی کے بارے ”زیلعی“ اور ”ابن کمال“ نے تصریح کی ہے جیسا کہ اشکال میں آئے گا، پس اس سے اس کا حکم معلوم نہیں ہوا جب وہ ثلث سے کم ہوں۔ ہاں اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ ان (وصایا) کی مقدار کے برابر الگ کرے، باقی یہ ہے کہ جب وہ اس سے صرف وصایا کی مقدار ہی الگ کرے۔ اور کہا گیا ہے: اصحاب وصایا اور ورثا میں سے ہر ایک کے لیے کہ تم جتنی مقدار میں چاہو اس کی تصدیق کرو، تو ان میں سے ہر فریق سے کتنا لیا جائے گا؟ علامہ ”طحطاوی“ نے ذکر کیا ہے کہ قیاس وہی ہے جو انہوں نے سابقہ مسئلہ میں ذکر کیا ہے کہ وہ اس کی طرف دیکھے جو تمام کے قبضہ میں ہے، اور جتنی مقدار میں انہوں نے تصدیق کی وہی حصص کی مقدار کے مطابق لازم ہوگی۔

میں کہتا ہوں: یہ مسئلہ بھی باقی ہے کہ اصحاب وصایا سے جو لیا جائے گا کیا وہ اپنی وصایا کی تکمیل کے لیے اس کے بارے ترکہ کے ثلث کی طرف رجوع کریں گے، اس پر بنا کرتے ہوئے کہ جو مقررہ لے لیا ہے وہ دین ہے جو دونوں فریقوں کے اقرار کے بعد ترکہ میں مشترکہ طور پر ثابت ہے جیسا کہ ”عینی“ سے گزر چکا ہے، اور جو ثلث سے باقی بچا اس سے ان کی وصایا کو مکمل کیا جائے گا بخلاف سابقہ مسئلہ کے؛ کیونکہ اس میں وصایا ثلث کو محیط ہوں یا نہ ہوں وہ اس کے ساتھ رجوع نہیں کر سکتے؛ کیونکہ اس میں جو کچھ مقررہ لیتا ہے وہ ان کے حق میں وصیت ہے جیسا کہ ”اتقانی“ نے سابقہ مسئلہ میں اس کی تصریح کی ہے؟ میں نے اسے نہیں دیکھا، پس تو غور و فکر کر لے۔

36409۔ (قوله: وَبَقِيَ أَيْضًا هَلْ يُلْزَمُهُمْ) یہ بھی باقی ہے کہ کیا یہ ان پر لازم ہے۔ یہ کہنا زیادہ اولیٰ اور بہتر ہے: کیف يلزمهم، ان پر کیسے لازم ہو سکتا ہے، اور یہ ورثا کے وصایا کے لیے ثلث الگ کرنے کے بعد اس کی تصدیق کے ساتھ ان پر لازم کرنے پر اشکال کا اظہار ہے۔ اور ان کا قول یراجع، ”ابن کمال“۔ بہ (اس کے بارے ”ابن کمال“ کی طرف رجوع کیا جائے گا) بلاشبہ انہوں نے اس سبب کے بارے جس میں ”شارح“ نے توقف کیا ہے اسی طرح کہا ہے جیسے ہم نے

(وَلَا جُنْبِيَّ وَوَارِثِهِ أَوْ قَاتِلِهِ نِصْفُ الْوَصِيَّةِ وَبَطْلَ وَصِيَّتِهِ لِلْوَارِثِ وَالْقَاتِلِ) لِأَنَّهَا مِنْ أَهْلِ الْوَصِيَّةِ عَلَى مَا مَرَّ، وَلِذَا تَصَحُّ بِإِجَازَةِ الْوَارِثِ (بِخِلَافِ مَا إِذَا أَقَرَّ بِعَيْنٍ أَوْ دَيْنٍ لِيُوارِثَهُ وَلَا جُنْبِيَّ) حَيْثُ لَا يَصَحُّ فِي حَقِّ الْأَجْنَبِيِّ أَيْضًا لِأَنَّهُ إِقْرَارٌ بِعَقْدٍ سَابِقٍ بَيْنَهُمَا،

اور اجنبی اور اپنے وارث یا اپنے قاتل کے لیے وصیت کی تو وصیت کا نصف اجنبی کے لیے ہوگا اور وارث اور قاتل کے لیے اس کی وصیت باطل ہوگی؛ کیونکہ یہ دونوں اہل وصیت میں سے ہیں اس اصل کے مطابق جو گزر چکا ہے، اسی لیے وارث کی اجازت کے ساتھ وصیت صحیح ہوتی ہے، بخلاف اس کے کہ جب وہ اپنے وارث اور اجنبی کے لیے کسی عین یا دین کے بارے میں اقرار کرے، اس حیثیت سے کہ وہ اجنبی کے حق میں بھی صحیح نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ ان دونوں کے درمیان عقد سابق کے ساتھ اقرار ہے،

اسے قرار دیا ہے، فافہم۔ اور ”ابن کمال“ کی عبارت ہے: کہا گیا ہے: یہ اس حیثیت سے مشکل ہے کہ ورثا ثلث تک اس کی تصدیق کرتے رہے ہیں اور ان پر لازم نہیں کہ وہ ثلث سے زیادہ میں اس کی تصدیق کریں۔ اور یہاں ان پر لازم قرار دیا ہے کہ وہ ثلث سے زیادہ میں اس کی تصدیق کریں؛ کیونکہ اصحاب وصایا نے ثلث اس تقدیر پر لیا ہے کہ وصایا پورے ثلث کو محیط اور مستغرق ہیں اور ثلث میں سے کوئی شے ان کے پاس باقی نہیں ہے۔ پس واجب ہے کہ اس کی تصدیق کرنا ان پر لازم نہ ہو۔ اور ان کا قول من حیث ان الورثة كانوا الخ: یعنی یہ اس مسئلہ میں ہے جب وہ اقرار کے ساتھ وصایا کے بارے کوئی وصیت نہ کرے، اور ان کا قول وحنا: یہ اس بارے میں ہے کہ جب وہ اقرار کے ساتھ وصایا کے بارے وصیت کرے، اور اصل اشکال امام ”زیلعی“ کا ہے۔ اور علامہ ”مقدس“ نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے کہ یہ اس لیے ہے کہ مقتد بہ (جس شے کا اقرار کیا جائے) کی دو مشابہتیں ہیں۔ ایک مشابہت وصیت کے ساتھ ہے اس لیے کہ اس کے مخرج سے وہ نکلی ہے، اور ایک مشابہت دین (قرض) کے ساتھ ہے اس لیے کہ اس نے اسے دین کا نام دیا ہے، پس وہ صورۃ دین ہے اور معنی وصیت ہے، لہذا اس میں وصیت نہ ہونے کے وقت وصیت کی مشابہت کی رعایت رکھی گئی ہے، اور وصیت کی موجودگی میں شبہ دین کا لحاظ رکھا گیا ہے؛ کیونکہ تنصیص اسی پر ہے، اس کے باوجود کہ دلیل مغایرت موجود ہے۔ پس ورثا اور موصیٰ لہ کی جانب کا لحاظ رکھنے کے ساتھ ثلث سے زائد کے بارے اس کی تصدیق کی گئی ہے اس حیثیت سے کہ اس نے اس بارے ان کے علم پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی مشیت کے ساتھ اسے معلق کیا ہے، اور وہ اپنے مورث کے ذمہ کو نجات اور خلاصی دینے میں انتہائی کوشاں ہیں، اور علامہ ”قاضی زادہ“ نے ایسا جواب دیا ہے جسے ”شرنبلائی“ نے رد کیا ہے، اور اس اشکال کا ایک دوسرا جواب دیا ہے جو ”مقدس“ کے جواب کے قریب ہے۔ پس تم ”حاشیہ حلبی“ سے دونوں کی طرف رجوع کرو۔

36410۔ (قوله: عَلَى مَا مَرَّ) یعنی اس بنا پر جو اصل سابق سے گزر چکا ہے۔

36411۔ (قوله: لِأَنَّهُ إِقْرَارٌ بِعَقْدٍ سَابِقٍ بَيْنَهُمَا الخ) کیونکہ یہ دونوں کے درمیان ہونے والے عقد سابق کا

اقرار ہے الخ، میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس طرح علت بیان کی ہو، اور اس میں نظر ہے؛ کیونکہ اقرار اقرار کرنے والے

فَإِذَا لَغَا بَعْضُهُ لَغَا بَاقِيَهُ ضَرُورَةً قِيلَ هَذَا إِذَا تَصَادَقَا فَإِنْ أَنْكَرَ أَحَدُهُمَا شِرْكَةَ الْآخَرِ صَحَّ إِقْرَارُهُ فِي حِصَّةِ الْأُجْنَبِيِّ عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَعِنْدَهُمَا تَبْطُلُ فِي الْكُلِّ لِمَا قُلْنَا زَيْلَعِي (وَلَوْ أَوْصَى بِشِيَابٍ مُتَفَاوِتَةٍ) جَيِّدٌ وَسَيْطٌ وَرَدِيءٌ (لثَلَاثَةِ) أَنْفُسٍ لِكُلِّ مِنْهُمْ بِثَوْبٍ (فَضَاعٍ) مِنْهَا (ثَوْبٌ) وَلَمْ يَدْرِ أَىُّ هُوَ وَالْوَارِثُ يَقُولُ لِكُلِّ مِنْهُمْ هَلْكَ حَقُّكَ بَطَلَتْ) الْوَصِيَّةُ لِحَالَةِ الْمُسْتَحِقِّ

تو جب اس کا بعض لغو ہو گیا تو باقی بھی بالضرور لغو ہو جائے گا۔ کہا گیا ہے: یہ حکم تب ہے جب دونوں ایک دوسرے کی تصدیق کریں۔ اور اگر ان میں سے ایک دوسرے کی شرکت کا انکار کر دے تو امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک اجنبی کے حصہ میں اس کا اقرار صحیح ہے، اور ”شیخین“ رحمہ اللہ کے نزدیک کل میں وصیت باطل ہو جائے گی اسی وجہ سے جو ہم نے بیان کی ہے، ”زیلعی“۔ اور اگر اس نے متفرق یعنی جید، وسط اور ردی (گھٹیا) کپڑوں کے بارے میں تین آدمیوں کے لیے وصیت کی، اس طرح کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک کپڑا ہوگا۔ پھر ان میں سے ایک کپڑا ضائع ہو گیا، اور یہ معلوم نہ ہوا کہ وہ کونسا ہے، اور موصی کا وارث ان میں سے ہر ایک سے کہتا ہے: تیرا حق ضائع ہو گیا ہے تو مستحق کے مجھوں ہونے کی وجہ سے وصیت باطل ہو جائے گی

اور مقررہ کے درمیان پہلے عقد ہونے کا تقاضا نہیں کرتا، البتہ یہ مقررہ کے لیے پہلے ملکیت ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ بلاشبہ علت وہ ہے جو ”قاضی خان“ کی ”جامع صغیر“ کی ”شرح“ میں ہے۔ جہاں انہوں نے کہا: اقرار اور وصیت کے درمیان فرق یہ ہے کہ اقرار اخبار (خبر دینا) ہے۔ پس اگر اجنبی کے لیے اس کا اقرار صحیح ہے تو مخبر بہ (جس کی خبر دی گئی) ثابت ہو گیا اور وہ دین مشترک ہے؛ کیونکہ اس نے مشترک دین کے بارے میں اقرار کیا ہے اور وہ اس طرح ثابت ہو گیا۔ پس اجنبی جو بھی شے لے گا وارث کا اس میں حق مشارکت ہوگا، اور وہ وارث کے لیے اقرار ہو جائے گا، رہی وصیت! تو وہ دونوں کے لیے نئی تملیک ہے، لہذا دونوں میں سے ایک کی تملیک کا باطل ہونا دوسرے کی تملیک کو باطل نہیں کرتا، اسی طرح ”ہدایہ“ اور ”زیلعی“ میں ہے۔

اگر کسی نے جید، وسط اور ردی کپڑوں کی تین آدمیوں کے لیے وصیت کی تو اس کا حکم

36412۔ (قوله: لِثَلَاثَةِ أَنْفُسٍ الْخ) تین آدمیوں کے لیے الخ اس طرح کہ اس نے کہا: زید کے لیے عمدہ ہے،

عمرو کے لیے درمیانہ ہے، اور بکر کے لیے ردی ہے، ”اتقانی“۔

36413۔ (قوله: فَضَاعٍ مِنْهَا ثَوْبٌ) پس ان میں سے ایک کپڑا موصی کے فوت ہونے کے بعد ضائع ہو گیا۔ اسے

”طحاوی“ نے ”شلمی“ سے نقل کیا ہے۔

36414۔ (قوله: وَالْوَارِثُ يَقُولُ لِكُلِّ مِنْهُمْ هَلْكَ حَقُّكَ) اور وارث ان میں سے ہر ایک کو کہتا ہے: تیرا حق

ضائع ہو گیا، یعنی یہ احتمال ہے کہ ضائع ہونے والا تیرا حق ہو، اس تعبیر میں تسامح ہے، ورنہ تمام کا حق ضائع ہونے کا تصور اس صورت میں کیا جاسکتا ہے جب تینوں کپڑے ضائع ہوں، اور اگر ایسا نہیں تو پھر یہ کذب اور جھوٹ ہے۔ تعبیر میں اولیٰ اور بہتر وہ ہے جو ”جامع صغیر“ کی شروح میں ہے کہ وارث کے انکار سے مراد یہ ہے کہ وہ کہہ رہا ہے: تم میں سے ایک کا حق باطل ہو گیا

كَوَصِيَّةٍ لِأَحَدٍ هَذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ (إِلَّا أَنْ يَتَسَامَحُوا وَيُسَلِّمُوا مَا بَقِيَ مِنْهُمَا) فَتَعُودَ صَحِيحَةً لِيَزُولَ الْبَالُ عِ
وَهُوَ الْجُحُودُ فَتُقَسَّمُ لِذِي الْجَيْدِ ثُلْثَاهُ وَلِذِي الرَّدَى ثُلْثَاهُ وَلِذِي الْوَسْطِ ثُلْثُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِأَنَّ
التَّسْوِيَةَ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ

جیسا کہ یہ وصیت باطل ہوتی ہے جب وہ کہے: میں نے ان دو آدمیوں میں سے ایک کے لیے وصیت کی، مگر یہ کہ وہ نرمی اور
درگزر کریں اور ان میں سے باقی کو تسلیم کریں تو مانع جو کہ انکار ہے وہ زائل ہونے کی وجہ سے وصیت صحیح ہو جائے گی اور جید
(عمدہ) والے کو اس کپڑے کے دوثلث اور ردی والے کو اس کے کپڑے کے دوثلث اور متوسط والے کو دونوں میں سے ہر
ایک کا ایک ثلث دیا جائے گا؛ کیونکہ مساوات بقدر امکان ہی ہوتی ہے۔

ہے، اور میں نہیں جانتا کس کا حق باطل ہوا ہے اور کس کا حق باقی رہا ہے، لہذا ہم تمہیں کوئی شے نہیں دیں گے۔ اسے ”طحاوی“
نے بیان کیا ہے۔

36415۔ (قوله: كَوَصِيَّةِ الْخ) اس میں بطلان کا قول ”امام صاحب“ رحمہ اللہ نے کیا ہے جیسا کہ وصایا الذمی سے

تھوڑا پہلے آئے گا۔

36416۔ (قوله: وَيُسَلِّمُوا) اور ورثا حوالے کر دیں، اور یہ مسبب کا عطف سبب پر ہے، ”طحاوی“۔

36417۔ (قوله: لِيَزُولَ الْبَالُ عِ) یعنی اس مانع کے زائل ہونے کی وجہ سے جو تسلیم (حوالے کرنے) سے مانع ہے

نہ کہ صحیح ہونے کے مانع ہے؛ کیونکہ اس سے مانع جہالت ہے اور وہ باقی ہے، تامل۔

36418۔ (قوله: وَهُوَ الْجُحُودُ) اور وہ ورثا کا تمام کے حق کے باقی ہونے کا انکار کرنا ہے۔

36419۔ (قوله: فَتُقَسَّمُ لِذِي الْجَيْدِ الْخ) یعنی جو نفس الامر میں جید اور عمدہ ہے اس کے دو تہائی جید والے کو

دیئے جائیں گے، اور ”مصنف“ کا قول: ثلثاۃ سے مراد یہ ہے کہ باقی رہ جانے والے دونوں کپڑوں میں سے جو عمدہ ہے اس
کے دوثلث، پس اس میں شبہ استخدا م ہے، اور اسی طرح اس کے مابعد میں بھی ہے۔ اسے ”طحاوی“ نے بیان کیا ہے۔

اور اس تقسیم کی وجہ یہ ہے کہ درمیان والے کا باقی بچ جانے والے دونوں کپڑوں میں سے عمدہ کپڑے میں حق ہے اگر

ضائع ہونے والا کپڑا ان دونوں سے اعلیٰ اور عمدہ ہو۔ اور اگر وہ ان دونوں کی نسبت ردی ہو، تو پھر اس کا حق ان دونوں میں

سے ردی میں ہے، پس اس کا حق ایک مرتبہ ایک سے متعلق ہے اور دوسری مرتبہ دوسرے سے؛ اور اگر ضائع ہونے والا کپڑا

درمیانہ ہو تو پھر اس کا دونوں میں کوئی حق نہیں۔ پس اس کا حق ایک حال میں باقی بچ جانے والے دونوں کپڑوں میں سے ہر

ایک کے ساتھ متعلق ہے اور دو حال میں متعلق نہیں۔ لہذا وہ دونوں میں سے ہر ایک کا ثلث لے گا، اور جید والا ان دونوں میں

سے جید کا دعویٰ کرتا ہے نہ کہ ردی کا؛ کیونکہ اس کا اس میں قطعاً کوئی حق نہیں، اور ردی والا صرف ردی کا دعویٰ کرتا ہے نہ کہ جید

کا، پس جید کے دوثلث جید والے کو دیئے جائیں گے اور ردی کے دوثلث ردی والے کو دیئے جائیں گے، یہ ”شرح الجامع

الغنی“ سے منقول ہے۔

وَلَوْ أَوْصَى أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ بِبَيْتٍ مُعَيَّنٍ مِنْ دَارٍ مُشْتَرَكَةٍ وَقَسِمَ وَوَقَعَ فِي حِظِّهِ فَهُوَ لِلْمُوصَى لَهُ وَإِلَّا يَقَعُ فِي حِظِّهِ (فَلَهُ مِثْلُ ذَرْعِهِ) صَرَّحَ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ وَغَيْرُهُ بِوُجُوبِ الْقِسْمَةِ فَلَوْ قَالَ قُسِمَ فَإِنْ وَقَعَ إِلَّا خُ لَكَانَ أَوَّلَى (وَالْإِقْرَارُ بِبَيْتٍ مُعَيَّنٍ مِنْ دَارٍ مُشْتَرَكَةٍ مِثْلُهَا) أُنْى مِثْلُ الْوَصِيَّةِ فِي الْحُكْمِ الْمَذْكُورِ (وَبِالْإِئْتِافِ عَيْنٍ) أُنْى مُعَيَّنٍ بِأَنْ كَانَتْ وَدِيْعَةً عِنْدَ الْمُوصَى (مِنْ مَالٍ آخَرَ فَأَجَازَ رَبُّ الْمَالِ الْوَصِيَّةَ بَعْدَ مَوْتِ

اور اگر دو شریکوں میں سے ایک نے مشترکہ دار میں سے ایک معین کمرہ کی وصیت کی اور اسے تقسیم کیا گیا اور وہ کمرہ موصی کے حصہ میں آیا تو وہ موصی لہ کے لیے ہوگا، اور اگر وہ اس کے حصہ میں واقع نہ ہوا تو پھر موصی لہ کے لیے اس کی مثل (برابر) جگہ ہوگی۔ ”صدر الشریعہ“ وغیرہ نے تقسیم واجب ہونے کے بارے تصریح کی ہے۔ پس اگر ”مصنف“ اس طرح کہتے: ”قُسِمَ فَإِنْ وَقَعَ إِلَّا خُ“ (اسے تقسیم کیا جائے پس اگر وہ اس کے حصہ میں واقع ہو الخ) تو زیادہ بہتر ہوتا، اور مشترکہ دار میں سے معین کمرہ کے بارے اقرار کرنا بھی حکم میں وصیت کی مثل ہے۔ اور اس نے معین ہزار کے بارے وصیت کی جو کہ موصی کے پاس بطور ودیعت دوسرے کے مال سے پڑے تھے۔ پس اگر موصی کے فوت ہونے کے بعد مال کے مالک نے وصیت کو جائز قرار دیا

36420۔ (قوله: وَقَسِمَ) اور اسے زندہ اور میت کے ورثا کے درمیان تقسیم کیا گیا۔ ”قاضیخان“ اور وقُسِمَتْ کہنا

زیادہ درست ہے جیسا کہ ”ابن کمال“ وغیرہ نے تعبیر کیا ہے، کیونکہ اس میں ضمیر دار کے لیے ہے۔

36421۔ (قوله: وَوَقَعَ) اور وہ کمرہ میت کے حصہ میں واقع ہوا۔

36422۔ (قوله: فَهُوَ لِلْمُوصَى لَهُ) تو وہ ”شیخین“ رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک موصی لہ کے لیے ہوگا۔ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ علیہ

کے نزدیک اس کا نصف موصی لہ کے لیے ہوگا، اور اگر وہ دوسرے کے حصہ میں واقع ہوا تو پھر نصف کمرے کے ذراع (گز) کی مثل اس کے لیے ہوگا۔ اور ہر ایک کی دلیل تقسیم کی کیفیت کے بیان کے ساتھ ہے۔ اسے ”زیلعی“ نے وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور ”الاتقانی“ اور ”سعدی“ نے اس کی تحقیق کی ہے۔

36423۔ (قوله: لَكَانَ أَوَّلَى) تو بہتر تھا، کیونکہ فقہاء کے کلام میں اخبار وجوب کے لیے ہوتا ہے۔

36424۔ (قوله: وَالْإِقْرَارُ) اگر کالاتقار کہتے اور اپنا قول مثلها حذف کر دیتے جیسا کہ ”الدرر“ اور ”الاصلاح“

میں تعبیر کیا ہے تو یہ زیادہ اولیٰ اور بہتر ہوتا۔ کیونکہ اصح یہ ہے کہ یہ مسئلہ وفاقہ ہے جیسا کہ ”الشرنبلالیہ“ نے ”الکافی“ سے نقل کیا ہے۔ پس مناسب یہ ہے کہ مسئلہ خلافیہ اس کے مشابہ ہو جیسا کہ عادت ہے نہ کہ اس کا برعکس۔

36425۔ (قوله: وَبِالْإِئْتِافِ عَيْنٍ) اس طرح کہ وہ کہے: میں نے اس ہزار کے بارے فلاں کے لیے وصیت کی ہے،

اور اسے ودیعت ہونے کے ساتھ مقید کرنا میں نے کسی غیر کو اس طرح نہیں دیکھا۔

36426۔ (قوله: مِنْ مَالٍ آخَرَ) یعنی دوسرے آدمی کے مال سے یہ الف کی صفت ہے، اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ

جب وہ ہزار کو اس کے ساتھ معین نہ کرے اس طرح کہ وہ کہے: میں نے زید کے مال سے ہزار کی وصیت کی تو یہ بالکل صحیح نہیں

الموصی ودفعه إلیه (صحّ وله المنع بعد الإجازة) لأنّ إجازته تبرّع فله أن یتنعم من التّسليم وأما بعد الدّفع فلا رجوع له شُرْحُ تَكْمِلَة (بخلاف ما إذا أوصى بالزيادة على الثلث أو لقاتله أو لوارثه فأجازتها الورثة) حیث لا یكون لهم المنع بعد الإجازة بل یجبوا على التّسليم لما تقرّر أنّ المجاز له یتسلّكه من قبل الموصی عندنا،

اور وہ اسے (موصی لہ کو) دے دیئے تو یہ صحیح ہے اور اجازت دینے کے بعد بھی اسے روکنے کا حق حاصل ہے؛ کیونکہ اس کی اجازت بطور تبرع اور احسان ہے، لہذا اسے اختیار ہے کہ وہ حوالے کرنے سے رک جائے، باز رہے۔ لیکن حوالے کرنے کے بعد اس کے لیے رجوع کا کوئی حق نہیں، ”شرح تکرملہ“۔ بخلاف اس کے کہ جب وہ ثلث سے زیادہ کی وصیت کرے یا اپنے قاتل یا اپنے وارث کے لیے وصیت کرے اور ورثا اس کی اجازت دے دیں تو اجازت کے بعد انہیں روکنے کا حق حاصل نہیں ہوگا، بلکہ انہیں حوالے کرنے پر مجبور کیا جائے گا؛ اس لیے کہ یہ بات پختہ ہے کہ مجاز لہ (جس کے لیے اجازت دی جائے) ہمارے نزدیک موصی کی طرف سے اس کا مالک بنتا ہے،

ہوگی اگرچہ زید اجازت دے دے اور اس کے حوالے کر دے، اور چاہیے کہ اسے نقلاً تحریر کیا جائے۔

36427۔ (قوله: ودفعه إلیه) یعنی وہ ہزار موصی لہ کو دے دے، کیونکہ اس کی اجازت تبرع اور احسان ہے۔ یعنی

یہ قائم مقام ہبہ کے ہے۔ اور ہبہ حوالے کرنے کے بغیر مکمل نہیں ہوتا، پس اگر وہ دے دے تو ہبہ مکمل ہو گیا، اور اگر نہ دے تو یہ مکمل نہیں۔ یہ ”شرح الجامع“ وغیرہ سے منقول ہے۔

36428۔ (قوله: فلا رجوع له) تو اس کے لیے رجوع نہیں ہے، شاید یہ اس لیے ہے کہ یہ من کل الوجوہ ہبہ نہیں

ہے جیسا کہ اسی کا فائدہ اس نے دیا ہے جسے ابھی ہم نے نقل کیا ہے۔ کیونکہ وصیت کا عقد صحیح ہے اور اجازت پر موقوف ہے۔ کیونکہ اگر یہ باطل ہو تو پھر یہ اجازت کے ساتھ نافذ نہ ہو، اور اسی پر وہ دلالت کرتا ہے جو ”الولوالجیہ“ میں ہے: اس نے فلاں کے لیے فلاں کے غلام کے بارے وصیت کی پھر وہ اس کا مالک بن گیا تو وصیت باقی رہے گی۔ لیکن ”زیلعی“ نے ذکر کیا ہے کہ وہ باقی نہیں رہے گی، ”تا مّا“۔

36429۔ (قوله: بل یجبوا) بلکہ انہیں مجبور کیا جائے گا، اس میں درست یجبون ہے۔

36430۔ (قوله: لما تقرّر الخ) یہ فرق کا بیان ہے۔

حاصل کلام

حاصل کلام یہ ہے کہ یہاں وصیت اپنے مخرج میں صحیح ہے اس لیے کہ یہ اس کی ذاتی ملک کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اور توقف ورثا کے حق کی وجہ سے ہے تو جب انہوں نے اجازت دے دی تو ان کا حق ساقط ہو گیا اور وہ موصی کی جانب سے نافذ ہو گئی، ”الدرر“۔

وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ مَنْ قَبِلَ الْمُجِيزَ (وَلَوْ أَقْرَأَ أَحَدُ الْإِبْنَيْنِ بَعْدَ الْقِسْمَةِ بِوَصِيَّةِ أَبِيهِ) بِالثُّلْثِ (صَحَّ) إِقْرَارُهُ (فِي ثُلْثِ نَصِيبِهِ) لَا نِصْفُهُ اسْتِحْسَانًا لِأَنَّهُ أَقْرَأَ لَهُ بِثُلْثِ شَائِعٍ فِي كُلِّ التَّرَكَةِ وَهِيَ مَعَهَا فَيَكُونُ مُقَرَّرًا بِثُلْثِ مَا مَعَهُ وَبِثُلْثِ مَا مَعَ أَخِيهِ بِخِلَافِ مَا لَوْ أَقْرَأَ أَحَدُهُمَا بَدَيْنَ عَلَى أَبِيهَا حَيْثُ يَلْزَمُهُ كُلُّهُ

اور امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کے نزدیک مجیز (اجازت دینے والے) کی طرف سے مالک بنتا ہے۔ اور اگر دو بیٹوں میں سے ایک نے تقسیم کے بعد ثلث کے بارے اپنے باپ کی وصیت کا اقرار کیا تو اس کے اپنے حصہ کے ثلث میں اس کا اقرار صحیح ہے نہ کہ اس کے نصف میں یہ استحساناً ہے۔ کیونکہ اس نے کل ترکہ میں مشترکہ ثلث کے بارے اس کے لیے اقرار کیا ہے اور وہ ترکہ دونوں کے پاس ہے، پس وہ اپنے پاس موجود ثلث کے بارے اور اپنے بھائی کے پاس موجود ثلث کے بارے اقرار کرنے والا ہوگا بخلاف اس کے کہ اگر ان میں سے ایک اپنے باپ پر قرض کے بارے اقرار کرے تو وہ سارے کا سارا اس پر لازم ہوگا،

36431۔ (قوله: يَتَمَلَّكُهُ مَنْ قَبِلَ الْوَصِيَّ عِنْدَنَا) ہمارے نزدیک وہ موصی کی جانب سے اس کا مالک ہوتا ہے، پس وارث کو حوالے کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے، اور اگر اس نے اپنی حالت مرض میں غلام آزاد کر دیا اور اس کے سوا اس کا کوئی مال نہ ہو اور ورثانے آزادی کی اجازت دے دی تو ساری ولاء میت کے لیے ہوگی، اور اگر وارث نے مورث کی لونڈی کے ساتھ شادی کی ہو اور اس کا اس کے سوا کوئی مال نہ ہو، اور وہ اس کے بارے کسی دوسرے کے لیے وصیت کر دے، اور وارث اجازت دے دے اور وہی اس لونڈی کا خاوند ہو تو یہ وصیت اس کے نکاح کو باطل نہیں کرے گی۔ اس کی مکمل بحث ”زیلعی“ باب الوصایا کے شروع میں ہے۔

36432۔ (قوله: وَلَوْ أَقْرَأَ أَحَدُ الْإِبْنَيْنِ) اور اگر دو بیٹوں میں سے ایک نے اقرار کیا۔ اور اسی طرح حکم ہے اگر تین یا چار بیٹوں میں سے کسی ایک نے اقرار کیا کہ اس کا اقرار اس کے اپنے حصہ کے ثلث میں صحیح ہوگا جیسا کہ ”المجمع“ میں ہے۔

36433۔ (قوله: بَعْدَ الْقِسْمَةِ) اس کا مفہوم یہ ہے کہ تقسیم سے پہلے اس کا اقرار صحیح نہیں ہوگا، تاہل۔

36434۔ (قوله: صَحَّ إِقْرَارُهُ الْخ) اس کا اقرار صحیح ہے، یہ حکم تب ہے جب دوسرے آدمی کے لیے ثلث کے

بارے وصیت پر بینہ قائم نہ ہو، اور اگر بینہ قائم ہو جائے تو اس کے لیے اقرار کرنے والے پر کوئی شے نہ ہوگی اور اقرار باطل ہوگا جیسا کہ اسے ”الطوری“ نے ”المبسوط“ سے نقل کیا ہے۔

36435۔ (قوله: اسْتِحْسَانًا) یہ استحسان ہے۔ اور قیاس یہ ہے: کہ وہ اسے اس کا نصف دے جو اس کے پاس

ہے۔ اور یہی امام ”زفر“ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اس کی مکمل بحث ”زیلعی“ میں ہے۔

36436۔ (قوله: حَيْثُ يَلْزَمُهُ كُلُّهُ) یعنی وہ اسے اس کے ساتھ پورا کرے جس کا وہ وارث ہو، اور اگر اس میں

اقرار کرنے والے نے کسی دوسرے کے ساتھ مل کر شہادت دی کہ قرض میت پر تھا تو وہ قبول کی جائے گی جیسا کہ باب الاستثناء

لِتَقْدُمَ الدَّيْنِ عَلَى الْبِيرَاثِ وَبِأَمَةٍ قَوْلَدَتْ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوصَى وَلَدًا وَكُلَاهُمَا يَخْرُجَانِ مِنَ الثُّلُثِ فَهُمَا لِلْمُوصَى لَهُ وَإِلَّا يَخْرُجَا (أُخِذَ الثُّلُثُ مِنْهَا ثُمَّ مِنْهُ) لِأَنَّ التَّبَعَ لَا يُزَاحِمُ الْأَصْلَ وَقَالَ لَا يَأْخُذُ مِنْهُمَا عَلَى السَّوَاءِ هَذَا إِذَا وَلَدَتْ قَبْلَ الْقِسْمَةِ، وَقَبُولِ الْمُوصَى لَهُ فَلَوْ بَعْدَهَا فَهُوَ لِلْمُوصَى لَهُ لِأَنَّهُ نَسَاءٌ مِنْكَ، وَكَذَا التَّوْبَعُ الْقَبُولِ وَقَبْلَ الْقِسْمَةِ عَلَى مَا ذَكَرَهُ الْقُدُورِيُّ وَلَوْ قَبْلَ مَوْتِ الْمُوصَى فَلِلْوَرَثَةِ

اس لیے کہ دین (قرض) میراث پر مقدم ہوتا ہے۔ اور اس نے لونڈی کے بارے وصیت کی، پھر موصی کے فوت ہونے کے بعد اس نے بچہ جنا، اور وہ دونوں ثلث مال سے نکل سکتے ہوں تو وہ دونوں موصی لہ کے لیے ہوں گے، اور اگر نہ نکل سکتے ہوں تو وہ لونڈی سے ثلث لے لے پھر (باقی) بچے سے لے لے، کیونکہ تابع اصل کا مزاحم نہیں ہو سکتا۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: وہ دونوں سے برابر برابر حصہ لے گا، یہ حکم تب ہے جب وہ تقسیم سے پہلے اور موصی لہ کے قبول کرنے سے پہلے بچہ جنے۔ اور اگر ان دونوں امروں کے بعد اس نے بچے کو جنم دیا تو وہ موصی لہ کے قبول کرنے سے پہلے بڑھوتری ہے۔ اور اسی طرح حکم ہے اگر اس نے موصی لہ کے قبول کرنے کے بعد اور تقسیم سے پہلے بچہ جنا جیسا کہ ”قدوری“ نے اسے ذکر کیا ہے۔ اور اگر موصی کے فوت ہونے سے پہلے اس نے بچے کو جنم دیا تو وہ ورثا کے لیے ہوگا۔

سے تھوڑا پہلے کتاب الاقرار میں گزر چکا ہے۔

36437۔ (قوله: لِتَقْدُمَ الدَّيْنِ عَلَى الْبِيرَاثِ) اس لیے کہ دین میراث پر مقدم ہوتا ہے، پس وہ اس کے میراث پر مقدم ہونے کے بارے اقرار کرنے والا ہوگا، اور وصیت اس طرح نہیں ہوتی، کیونکہ موصی لہ ورثا کے ساتھ شریک ہوتا ہے، پس وہ کوئی شے نہیں لے سکتا مگر جب وارث کو اس کا دو گنا دیا جائے، ”زیلعی“۔

36438۔ (قوله: وَبِأَمَةٍ) یعنی اگر اس نے لونڈی کے بارے وصیت کی۔

36439۔ (قوله: فَهُمَا لِلْمُوصَى لَهُ) پس وہ دونوں موصی لہ کے لیے ہوں گے، کیونکہ ماں اس میں اصلاً اور بچہ تبعاً داخل ہے جب وہ اس کے ساتھ متصل ہو، ”زیلعی“۔

36440۔ (قوله: وَقَالَ لَا يَأْخُذُ مِنْهُمَا عَلَى السَّوَاءِ) اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: وہ ان دونوں سے برابر برابر حصہ لے گا۔ پس جب اس کے پاس چھ سو درہم اور ایک لونڈی ہو جو تین سو درہم کے مساوی ہو، پھر اس نے تقسیم سے پہلے، بچہ جنا جو تین سو درہم کے مساوی ہو تو ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک موصی لہ کے لیے ماں اور بچے کا تہائی حصہ ہوگا۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں میں سے ہر ایک کا ایک ایک ثلث ہوگا، ”ابن کمال“۔

36441۔ (قوله: هَذَا) یعنی حمل کا وصیت میں بالتبع داخل ہونا، ”معراج“۔

36442۔ (قوله: عَلَى مَا ذَكَرَهُ الْقُدُورِيُّ) جیسا کہ اسے ”قدوری“ اور ہمارے مشائخ نے ذکر کیا ہے، انہوں نے کہا ہے: وہ موصی بہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے ثلث سے نکلنے کا اعتبار کیا جاتا ہے جیسا کہ جب وہ اسے قبول سے پہلے

وَالْكَسْبُ كَالْوَلَدِ فِيمَا ذَكَرَ

اور اس کی کمائی مذکورہ تمام صورتوں میں بچے کی مانند ہے۔

جنم دے، ”زیلعی“۔

36443۔ (قوله: وَالْكَسْبُ كَالْوَلَدِ فِيمَا ذَكَرَ) مذکورہ حکم میں کمائی بچے کی مانند ہے۔ ”ہندیہ“ میں کہا ہے: موصی کے فوت ہونے کے بعد موصی بہ سے حاصل ہونے والی زیادتی مثلاً غلہ، کمائی اور دیت، موصی لہ کے وصیت کو قبول کرنے سے پہلے کیا وہ موصی بہ ہو جاتی ہے؟ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ذکر نہیں کیا ہے، اور ”قدوری“ نے ذکر کیا ہے کہ وہ موصی بھا نہیں ہو گی، یہاں تک کہ وہ جمیع مال سے موصی لہ کے لیے ہو جائے جیسا کہ اگر وہ تقسیم کے بعد پیدا ہو۔ اور ہمارے مشائخ نے کہا ہے: وہ موصی بہ ہو جائے گا یہاں تک کہ ثلث سے اس کے نکلنے کا اعتبار کیا جائے گا۔ اسی طرح ”محیط السرخسی“ میں ہے۔ ”طحاوی“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ الْعِثْقِ فِي الْمَرَضِ

(يُعْتَبَرُ حَالُ الْعَقْدِ فِي تَصَرُّفِ مُنَجِّزٍ هُوَ الَّذِي أَوْجَبَ حُكْمَهُ فِي الْحَالِ (فَإِنْ كَانَ فِي الصِّحَّةِ فَمِنْ كُلِّ مَالِهِ وَإِلَّا فَمِنْ ثُلُثِهِ) وَالْمُرَادُ التَّصَرُّفُ الَّذِي هُوَ انْشَاءٌ وَيَكُونُ فِيهِ مَعْنَى التَّبَرُّعِ حَتَّى إِنَّ الْإِقْرَارَ بِالذِّينِ فِي الْمَرَضِ يَنْفَعُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ وَالنِّكَاحُ فِيهِ يَنْفَعُ بِقَدْرِ مَهْرِ الْبِثْلِ مِنْ كُلِّ الْمَالِ (وَالْمُضَافُ إِلَى مَوْتِهِ)

حالت مرض میں غلام کی آزادی کے احکام

تصرف منجز میں عقد کی حالت کا اعتبار کیا جاتا ہے، اور تصرف منجز وہ ہے جو اپنا حکم فی الحال ثابت کر دے۔ پس اگر وہ حالت صحت میں ہو تو وہ کل مال سے نافذ ہوگا، اور اگر حالت صحت میں نہ ہو تو پھر ثلث مال سے نافذ ہوگا۔ اور مراد وہ تصرف ہے جو انشاء ہے اور اس میں تبرع کا معنی ہوتا ہے یہاں تک کہ حالت مرض میں قرض کا اقرار کل مال سے نافذ ہوگا، اور اس میں نکاح مہر مثل کی مقدار کے ساتھ کل مال سے نافذ ہوگا۔ اور وہ تصرف جو اس کی موت کی طرف منسوب ہو

یہ بھی وصیت کی انواع میں سے ہے، لیکن چونکہ اس کے مخصوص احکام ہیں اس لیے اسے علیحدہ باب میں ذکر کیا ہے۔ اور اسے صریح وصیت سے موخر کیا ہے کیونکہ صریح بھی اصل ہے، ”عنایہ“۔

تصرف منجز کی تعریف

36444۔ (قوله: مُنَجِّزٍ) یہ اس (تصرف) مضاف سے احتراز ہے جس کا بیان آگے آ رہا ہے، پس اس میں اعتبار اضافت کی حالت کا ہے۔

36445۔ (قوله: فِي الْحَالِ) مراد اس کے صادر ہونے کی حالت ہے، ”طحاوی“۔

تصرف حالت صحت میں ہو تو کل مال سے وگرنہ ثلث سے نافذ ہوگا

36446۔ (قوله: وَإِلَّا فَمِنْ ثُلُثِهِ) یہ استثنا تبرع کے منافع کے مشابہ ہونے میں ہے جیسا کہ سکنی الدار (دار کا رہائش گاہ ہونا) فرمایا: وہ کل مال سے نافذ ہوگا۔ اور اس کی مکمل بحث اس میں اور اس کے حواشی میں ہے۔

36447۔ (قوله: وَالْمُرَادُ) یعنی تصرف مذکور سے مراد۔

36448۔ (قوله: حَتَّى إِنَّ الْإِقْرَارَ بِالذِّينِ) یعنی غیر وارث کے لیے اقرار کرنا، اور یہ اپنے قول: انشاء سے احتراز کر رہے ہیں۔ کیونکہ اقرار اخبار (خبر دینا) ہوتا ہے۔

36449۔ (قوله: وَالنِّكَاحُ الْخ) یہ اپنے قول: فیہ معنی التبرع سے احتراز ہے۔ کیونکہ مہر مثل کی مقدار کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی تبرع نہیں ہے، اس لیے کہ بضع حالت دخول میں مقنوم ہے اور اس کی قیمت مہر مثل ہے۔ پس اگر اسے

وَهُوَ مَا أُوجِبَ حُكْمُهُ بَعْدَ مَوْتِهِ كَأَنْتَ حُرٌّ بَعْدَ مَوْتِكَ أَوْ هَذَا لِيَزِيدَ بَعْدَ مَوْتِكَ مِنَ الثُّلُثِ وَإِنْ كَانَ فِي الصِّحَّةِ (وَمَرِضٌ صَحَّ مِنْهُ كَالصِّحَّةِ وَالْمُقْعَدُ وَالْمَغْلُوبُ وَالْمَسْلُوبُ إِذَا تَطَاوَلَ وَلَمْ يُقْعِدْهُ فِي الْفِرَاشِ كَالصَّحِيحِ مُجْتَبَى ثُمَّ رَمَزُحَدِ التَّطَاوُلِ سَنَةً وَفِي الْمَرَضِ الْمُعْتَبَرِ الْمُبِيحُ لِصَلَاتِهِ قَاعِدًا

وہ ثلث مال سے نافذ ہوگا اگرچہ وہ حالت صحت میں ہو، اور اس سے مراد وہ تصرف ہے جو اپنا حکم اس کی موت کے بعد ثابت کرے جیسے اس کا یہ قول: تو میرے فوت ہونے کے بعد آزاد ہے یا یہ شے میری موت کے بعد زید کے لیے ہے۔ اور ایسی بیماری جس سے وہ صحت یاب ہو جائے وہ صحت کی طرح ہے۔ اور اپانچ، مغلوب (فالج زدہ)، اور مسلول (جسے سل (ٹی بی) کا مرض ہو) جب ان کی بیماری طویل ہو جائے اور وہ اسے بستر پر نہ ڈال دے تو وہ صحیح اور تندرست آدمی کی مانند ہے، ”مجتبى“۔ پھر انہوں نے طویل ہونے کی حد ایک سال بیان کی ہے، اور وہ بیماری جس کا اعتبار کیا جاتا ہے اس میں حد یہ بیان کی ہے کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کو مباح قرار دے۔

اس کے مقابل لایا جائے تو وہ عقد معاوضہ ہے نہ کہ تبرع۔ اور اس پر زائد محاباة ہے اور یہ وصیت کے قبیل سے ہے، کیونکہ وصیت انشا ہے اور اس میں تبرع کا معنی ہے، اور اسی طرح بدل خلع ہے، کیونکہ بضع خروج کی حالت میں غیر مقنوم ہے، پس جو اس کے مقابل رکھا گیا ہے وہ تبرع ہے چاہے وہ قلیل ہو یا کثیر ہو، ”رحمتی“۔

36450۔ (قوله: وَإِنْ كَانَ فِي الصِّحَّةِ) اگرچہ وہ حالت صحت میں ہو، اس میں ان وصلیہ ہے کیونکہ وہ تصرف جو موت کی طرف منسوب ہو اس میں موت کی حالت کا اعتبار کیا جاتا ہے جیسا کہ ”الدرر“ میں ہے۔

اگر وصیت بیماری کے ساتھ مقید ہو تو تندرست ہونے کے بعد باطل ہو جائے گی وگرنہ نہیں

36451۔ (قوله: وَمَرِضٌ صَحَّ مِنْهُ كَالصِّحَّةِ) اور وہ بیماری جس سے وہ تندرست ہو گیا تو وہ صحت کی طرح ہے، یہ مسئلہ اس مقام پر عام معتبر کتب میں اسی طرح ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ ”ملتقى“ اور ”الاصلاح“ وغیرہ۔ اور اولیٰ اور بہتر اسے ”مصنف“ کے قول: والبضاف سے پہلے ذکر کرنا ہے۔ کیونکہ اس میں صحت اور بیماری کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ تامل۔ ”قہستانی“ نے کہا ہے: پس اگر اس نے کسی شے کے بارے وصیت کی تو وہ باطل ہوگی، کیونکہ صحت یاب ہونے کے ساتھ یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ اس کے مال کے ساتھ کسی کا حق متعلق نہیں۔ اور یہ حکم تب ہے جب اس نے مرض کے ساتھ مقید کیا اس طرح کہ وہ کہے: اگر میں اپنی اس بیماری کے سبب فوت ہوا۔ لیکن جب اس نے مطلق قول کیا، پھر وہ تندرست ہو گیا تو وصیت باقی رہے گی اگرچہ وہ اس کے بعد کئی سال زندہ رہا جیسا کہ ”التمتہ“ میں ہے۔

معتبر مرض کی حد

36452۔ (قوله: وَفِي الْمَرَضِ الْمُعْتَبَرِ) اس میں معتبر جر کے ساتھ مرض کی صفت ہے: یعنی وہ جو ثلث سے تصرف انشائی کے نافذ ہونے کے لیے معتبر ہے، اور یہ مخذوف کے متعلق ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے: والحد في المرض المعتبر هو

(اعْتَاقُهُ وَمُحَابَاتُهُ وَهَبْتُهُ وَوَقَفُهُ وَضَمَانُهُ)

مریض کا اعتاق (آزاد کرنا) محابات کرنا، ہبہ کرنا، وقف کرنا، اور اس کا ضامن بننا

المبیح لصلاته قاعدًا اور مرض معتبر میں حد بیٹھ کر نماز کی ادائیگی کو مباح قرار دینا ہے۔ کتاب الوصایا کے شروع میں یہاں سے زیادہ تفصیل اور وضاحت کے ساتھ اس پر کلام کی گئی ہے، ”طحطاوی“۔

مریض کا اعتاق، محابات کرنا، ضامن بننا، وقف اور ہبہ کرنے کا حکم وصیت کی طرح ہے

36453۔ (قوله: وَمُحَابَاتُهُ) یعنی اجارہ پردینے اور لینے میں، مہر، اور خرید و فروخت میں محابات کرنا، مثلاً اس

طرح کہ مریض کسی اجنبی کو سو کی چیز پچاس کے عوض بیچ دے جیسا کہ ”النفخ“ میں ہے۔ ”قہستانی“ نے کہا ہے: یا وہ پچاس کی چیز سو کے عوض خرید لے، پس خریدنے کی صورت میں مثلی قیمت سے زائد کرنا اور بیع (فروخت کرنے) کی صورت میں مثلی قیمت سے کم کرنا یہ محابات یعنی مسامحہ ہے۔ یہ حبوتہ حباء جیسا کہ ”کتاب“ سے ماخوذ ہے یعنی میں نے بغیر عوض کے اسے شے دی۔ ”طحطاوی“ نے ”المصباح“ سے نقل کیا ہے۔ اور محابات کو ”بزازیہ“ وغیرہ میں اس کے ساتھ مقید کیا ہے کہ جس میں غبن اور دھوکہ نہ ہو۔

میں کہتا ہوں: ”الوہبانیہ“ کے باب الاجارات کے آخر میں ہے:

وَ اِيْجَارُ ذِي ضَعْفٍ مِنَ الْكُلِّ جَائِزٌ وَلَوْ اَنَّ اُجْرَ الشَّيْءِ مِنْ ذَاكَ اَكْثَرُ

کمزور اور مریض کا کل مال اجارہ پر دینا جائز ہے اگرچہ اجرت مثل اس سے زیادہ ہو۔ ”شرنبلالی“ نے اس کی شرح میں کہا ہے: محابات کی صورت یہ ہے کہ مریض اپنا گھرا جرت مثل سے کم اجرت کے عوض اجارہ پردے، فقہاء نے کہا ہے: اس کے تمام مال سے اجارہ جائز ہے اور ثلث سے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اگر وہ اسے حالت مرض میں عاریۃ دے تو یہ عاریۃ جائز ہے، تو اجرت مثل سے کم کے ساتھ اجارہ کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا، ”طرسوی“ نے کہا ہے: یہ مسئلہ قاعدہ کے مخالف ہے، کیونکہ اصل یہ ہے کہ منافع اعیان کے قائم مقام ہوتے ہیں، اور فرع کو اصل پر قیاس کرتے ہوئے بیع میں ثلث سے اعتبار کیا جائے گا اور وجہ فرض یہ ہے کہ بیع عقد لازم ہے جو عین مال کے ساتھ تعلق رکھتی ہے حالانکہ اس کے ساتھ ورثا اور غرماء کا حق متعلق ہے، اور اجارہ نفقہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور موت کے ساتھ فسخ ہو جاتا ہے۔ پس موت کے بعد اس کے تعلق کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ تو اس پر آگاہ رہو۔ شاید یہ دونوں روایتیں ہیں جیسا کہ ”شارح“ عنقریب کتاب الوصایا کے آخر فروع میں ذکر کریں گے۔

36454۔ (قوله: وَهَبْتُهُ) اور اس کا ہبہ کرنا، یعنی جب اس کے فوت ہونے سے پہلے اس پر قبضہ ہو جائے۔ لیکن

جب وہ فوت ہو جائے اور اس پر قبضہ نہ ہو تو وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ مریض کا ہبہ حقیقۃً ہبہ ہے اگرچہ وہ حکماً وصیت ہے جیسا کہ ”قاضیخان“ وغیرہ نے اس بارے تصریح کی ہے۔ اسے ”طحطاوی“ نے ”مکی“ سے نقل کیا ہے۔

36455۔ (قوله: وَضَمَانُهُ) یہ کفالت سے اعم ہے، کیونکہ ضمان میں سے وہ بھی جو کفالت نہیں ہوتی اس طرح کہ کسی

كُلُّ ذَلِكَ حُكْمُهُ (ك) حُكْم (وَصِيَّةٌ فَيُعْتَبَرُ مِنَ الثَّلَاثِ) كَمَا قَدْ مَنَّا فِي الْوَقْفِ أَنَّ وَقْفَ الْمَرِيضِ الْمَدْيُونِ بِسُحِيظٍ بَاطِلٌ فَلْيُحْفَظْ وَلْيُخَرَّزْ (وَيُزَاحِمُ أَصْحَابُ الْوَصَايَا فِي الضَّرْبِ وَلَمْ يَسْعَ الْعَبْدُ

ان تمام کا حکم وصیت کے حکم کی طرح ہے۔ پس ان کا اعتبار ثلاث سے ہی کیا جائے گا جیسا کہ ہم وقف میں پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ایسا مریض جس کا قرض اس کے مال کو محیط ہو اس کا وقف باطل ہے، پس چاہیے کہ اسے یاد رکھا جائے اور تحریر کر لیا جائے۔ اور یہ اصحاب الوصایا کے ساتھ تقسیم میں مزاحم ہوتے ہیں۔ اور غلام سعی اور محنت نہ کرے

اجنبی نے کسی کو کہا: خالِع امرأتک علی ألف علی أني ضامنٌ (تو ہزار کے عوض اپنی بیوی سے خلع کر اس شرط پر کہ میں ضامن ہوں) یا کہا: بَع عبدک هذا علی أني ضامنٌ (تو اپنا غلام اسے بیچ دے اس شرط پر کہ میں ضامن ہوں) لیکن ہزار کے سوا ثمن میں سے پانچ سو کے عوض ہو اس میں بدل خلع اجنبی پر ہو گا نہ کہ اس عورت پر اور پانچ سو ضامن پر ہوں گے نہ کہ مشتری پر۔ ”عنایہ“۔

تنبیہ

”البرزازیہ“ میں کہا ہے: اور اس کی کفالت کی تین صورتیں ہیں: ایک صورت میں وہ حالت صحت کے قرض کی مثل ہے اس طرح کہ وہ حالت صحت میں کفیل بنے در آنحالیکہ وہ کسی سبب کے ساتھ معلق ہو اور وہ سبب حالت مرض میں پایا جائے، اس طرح کہ وہ کہے: ما ذاب لك علی فلان فعلى (جو تیرا فلاں پر لازم ہے پس وہ مجھ پر لازم ہے یعنی میں اس کا کفیل اور ضامن ہوں)۔ اور ایک صورت میں یہ حالت مرض کے قرض کی مثل ہے جیسا کہ وہ حالت مرض میں خبر دے کہ میں نے حالت صحت میں فلاں کی کفالت اٹھائی تھی، تو وہ حالت صحت کے غرماء (قرض خواہ) کے حق میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، اور مکفول لہ حالت مرض کے غرماء کے ساتھ ہے، اور پہلی صورت میں وہ حالت صحت کے غرماء کے ساتھ ہے۔ اور ایک صورت میں وہ تمام وصایا کی مانند ہے اس طرح کہ وہ مرض موت میں کفالت اٹھائے۔

36456۔ (قوله: حُكْمُهُ كَ حُكْمِ وَصِيَّةٍ) یعنی ثلاث سے اعتبار کی حیثیت سے اس کا حکم وصیت کے حکم کی مثل ہے نہ کہ حقیقت وصیت کے اعتبار سے۔ کیونکہ وصیت موت کے بعد ثابت ہوتی ہے، اور یہ تمام تصرفات بالفور فی الحال ثابت ہو جاتے ہیں۔ ”زیلعی“۔

36457۔ (قوله: وَلْيُخَرَّزْ) اور چاہیے کہ اسے واضح کر دیا جائے، اس کی وضاحت یہ ہے کہ یہ اس کے منافی نہیں ہے جو یہاں ہے، کیونکہ جو دین اور قرض کے ساتھ مستغرق ہو اس کا ثلاث نہیں ہوتا۔ ”رحمتی“۔

36458۔ (قوله: وَيُزَاحِمُ أَصْحَابُ الْوَصَايَا فِي الضَّرْبِ) اور یہ حصص کی تقسیم میں اصحاب وصایا کے مزاحم ہوتا ہے، یعنی وہ غلام جسے آزاد کر دیا جائے اور جس میں محابات کی جائے، اور موہوب لہ اور مضمون لہ کو ثلاث میں اصحاب وصایا کے ساتھ تقسیم کیا جائے گا۔ پس اگر ثلاث ان تمام کے ساتھ پورا ہو گیا تو بہتر، ورنہ وہ اسے آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ اور تقسیم میں اسی

إِنْ أُجِيزَ عِتْقُهُ لِأَنَّ الْمَنْعَ لِحَقِّهِمْ فَيَسْقُطُ بِالْإِجَازَةِ (فَإِنْ حَبَى فَحَرَّرَ وَضَاقَ الثُّلُثُ عَنْهُمَا (فَهِیَ) أُمَى الْمُحَابَاةُ (أَحَقُّ وَبِعَكْسِهِ) بِأَنْ حَرَّرَ فَحَبَى (اسْتَوْيَا)

اگر اس کی آزادی کی اجازت دے دی گئی۔ کیونکہ اسے آزاد ہونے سے روکنا ان (ورثا) کے حق کی وجہ سے تھا اور وہ اجازت دینے کے ساتھ ساقط ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس نے محاباة کی پھر اسے آزاد کر دیا، اور ثلث مال ان دونوں کے لیے کافی نہ ہو تو پھر محاباة کا حق زیادہ اور اولیٰ ہے، اور اگر اس کا برعکس ہوا یعنی آزاد کیا پھر محابات کی تو دونوں مساوی اور برابر ہیں۔

مقدار کا اعتبار کیا جائے گا جو ثلث میں سے ہر ایک کے لیے ہے، یہی کچھ میرے لیے ظاہر ہوا ہے۔ ”طحاوی“۔

میں کہتا ہوں: اور علامہ ”اتقانی“ نے کہا ہے: اصحاب وصایا کے ساتھ ان کے ثلث کو تقسیم کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ صرف ثلث کے مستحق ہوں گے مزید کسی اور کے نہیں۔ یہ مراد نہیں ہے کہ وہ ثلث میں اصحاب وصایا کے برابر ہوتے ہیں اور وہ ان سے حصص لیں گے۔ کیونکہ حالت مرض میں نافذ ہونے والی آزادی ثلث میں وصیت بالمال پر مقدم ہوتی ہے بخلاف اس صورت کے کہ جب وہ اپنی موت کے بعد اپنے غلام کے آزاد ہونے کی وصیت کرے، یا یہ کہے: ہو حراً بعد موتی بیومر أو شہر (وہ میرے فوت ہونے کے ایک دن یا ایک مہینہ بعد آزاد) کیونکہ یہ تمام وصایا کی مانند ہے۔ ملخصاً۔

میں کہتا ہوں: اور فی الحال واقع ہونے والی محابات نافذ ہونے والے عتق کی طرح ہے جیسا کہ ”مصنف“ کے قول: واذا اجتمع الوصایا کے تحت گزر چکا ہے، اور عنقریب آگے گا۔

36459۔ (قوله: إِنْ أُجِيزَ عِتْقُهُ) اگر اس کی آزادی کی اجازت دے دی گئی، یعنی جب ثلث تنگ اور نا کافی ہو،

اگرچہ اجازت موصی کی موت سے پہلے ہو جیسا کہ ہم نے اسے باب الوصایا کے شروع میں ”البرزازیہ“ سے ذکر کیا ہے۔

36460۔ (قوله: لِأَنَّ الْمَنْعَ) کیونکہ منع اسے کل مال سے نافذ کرنا ہے، اور اس میں لأن السعی کہنا اولیٰ ہے۔ تامل۔

36461۔ (قوله: فَإِنْ حَبَى فَحَرَّرَ الْخ) اگر اس نے محابات کی اور پھر آزاد کیا الخ، پہلے کی صورت یہ ہے کہ اس نے

وہ غلام جس کی قیمت دو سو تھی اسے ایک سو کے عوض فروخت کر دیا پھر اس نے وہ غلام آزاد کر دیا جس کی قیمت ایک سو تھی

حالانکہ اس کا ان دو غلاموں کے سوا کوئی مال نہیں تو ثلث کو محابات کی طرف پھیرا جائے گا اور آزاد ہونے والا غلام اپنی مکمل

قیمت کما کر دے گا۔ اور اس کی برعکس صورت یہ ہے کہ اس نے پہلے وہ غلام آزاد کیا جس کی قیمت ایک سو تھی پھر اس نے وہ

غلام سو کے عوض بیچ دیا جس کی قیمت دو سو تھی، تو ثلث یعنی سو کو ان دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم کیا جائے گا۔ پس جسے

آزاد کیا گیا اس کا نصف مفت آزاد ہوگا اور اپنی نصف قیمت وہ کما کر دے گا، اور جس کے ساتھ محابات کی گئی ہے وہ دوسرا غلام

ایک سو پچاس کے عوض لے گا۔ ”ابن کمال“۔

اس میں اصل یہ ہے: وصایا میں جب ایسی وصیت نہ ہو جو ثلث سے تجاوز کر جائے تو اصحاب وصایا میں سے ہر ایک کو اپنی

جمع وصیت کے ساتھ ثلث میں تقسیم کیا جاتا ہے بعض کو بعض پر مقدم نہیں کیا جاتا، سوائے اس عتق کے جو حالت مرض میں واقع

وَقَالَ عِتْقُهُ أُولَىٰ فِيهِمَا (وَوَصِيَّتُهُ بِأَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ بِهَذِهِ الْبَائَةِ عَبْدٌ لَا تَنْفَعُ) الْوَصِيَّةُ (بِمَا بَقِيَ) إِنْ هَلَكَ (دِرْهَمٌ) لِأَنَّ الْقُرْبَةَ تَتَفَاوَتْ بِتَفَاوُتِ قِيَمَةِ الْعَبْدِ (بِخِلَافِ الْحَجِّ) وَقَالَ هُا سَوَاءٌ (وَتَبْطُلُ الْوَصِيَّةُ بِعِتْقِ عَبْدِهِ) بِأَنْ أُوصِيَ بِأَنْ يُعْتَقَ الْوَرِثَةُ عَبْدُهُ بَعْدَ مَوْتِهِ (إِنْ جَنَى بَعْدَ مَوْتِهِ قَدْ فَعَلَ) بِالْجَنَائِيَةِ كَمَا لَوْ بَعَثَ بَعْدَ مَوْتِهِ بِالْإِسْلَامِ

اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: دونوں صورتوں میں اس کا عتق اولیٰ ہے۔ اور مریض کی وصیت اس طرح ہو کہ اس سو کے عوض اس کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا جائے تو پھر اگر ان میں سے ایک درہم ضائع ہو گیا تو باقی کے ساتھ وصیت نافذ نہ ہو گی۔ کیونکہ قربت غلام کی قیمت کے تفاوت کے ساتھ متفاوت ہو جاتی ہے بخلاف حج کے۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: دونوں کا حکم برابر ہے۔ اور اپنے غلام کو آزاد کرنے کے بارے وصیت باطل ہوتی ہے یعنی وہ اس طرح وصیت کرے کہ ورثا اس کے فوت ہونے کے بعد اس کے غلام کو آزاد کر دیں، اگر اس نے اس کی موت کے بعد جنایت کی اور اسے جنایت کے بدلے دے دیا گیا جیسا کہ اگر اسے اس کی موت کے بعد دین کے بدلے فروخت کر دیا جائے،

ہو اور اس عتق کے جو موت کے ساتھ معلق ہو جیسا کہ تدبیر صحیح (یعنی غلام کو مدبر بنانا کہ وہ اس کی موت کے بعد آزاد ہے) چاہے وہ مطلق ہو یا مقید ہو، اور اس محابات کے جو حالت مرض میں واقع ہو۔ اس کی مکمل بحث ”زیلعی“ میں ہے۔

36462۔ (قوله: وَقَالَ عِتْقُهُ أُولَىٰ فِيهِمَا) اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: اس کی آزادی دونوں مسئلوں میں اولیٰ

ہے۔ کیونکہ فسخ اس کے ساتھ ملحق نہیں ہوتا۔ اور ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک محابات اقویٰ ہے، کیونکہ وہ عقد معاوضہ کے ضمن میں ہے، لیکن اگر آزادی پہلے پائی گئی اور وہ دفع (دور ہونا، ختم کرنا) کا احتمال نہ رکھتی ہو تو وہ محابات کے مزاحم ہوگی، ”ابن کمال“ اور ”زیلعی“۔ اور ”لمخ“ میں ”مصنف“ کا قول ہے: اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: ہما سواء فی البسالتین (یہ دونوں مسئلوں میں برابر ہیں) یہ سبقت قلم ہے۔ اور درست وہ ہے جو یہاں ہے جیسا کہ ”شلبی“ نے اس پر آگاہ کیا ہے۔

36463۔ (قوله: بِهَذِهِ الْبَائَةِ) یعنی اس معین سو سے، بلاشبہ اسے اس کے ساتھ مقید کیا ہے یہاں تک کہ ان میں

سے بعض کے ضائع اور ہلاک ہونے کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ پس اگر وہ بسائۃ کہے اور وہ ثلث سے زیادہ ہو تو بھی وصیت باطل ہوگی جیسا کہ متن میں گزر چکا ہے۔

36464۔ (قوله: لِأَنَّ الْقُرْبَةَ تَتَفَاوَتْ) کیونکہ قربت (تقرب الی اللہ) متفاوت ہوتی ہے الخ، اس تعلیل

کے ساتھ عتق اور حج کے درمیان فرق ظاہر نہیں ہوتا۔ پس مناسب ”زیلعی“ کا قول ہے: اور ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ غلام کو آزاد کرنے کی وصیت ہے جسے اس کے مال میں سے سو کے عوض خریدا جائے گا، اور اسے اس غلام میں نافذ کرنا جسے سو سے کم کے ساتھ خریدا جائے۔ موصی بہ کے غیر میں نافذ کرنا ہے اور یہ جائز نہیں ہے بخلاف حج کے بارے وصیت کے کہ یہ محض قربت (عبادت) ہے جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور مستحق تبدیل نہیں ہوتا، اور یہ اس طرح ہو گیا جیسا کہ جب وہ ایک

(وَإِنْ قَدَى) الْوَرَثَةُ الْعَبْدَ (لَا) تَبْطُلُ وَكَانَ الْفِدَاءُ فِي أَمْوَالِهِمْ بِالتِّزَامِهِمْ (وَلَوْ أَوْصَى بِشُلْثِهِ) أَمْثِلْ ثُلْثَ مَالِهِ (لِبَكْرِ) وَتَرَكَ عَبْدًا فَأَقْرَ كُلُّ مَنْ الْوَارِثِ وَبَكْرٍ أَنَّ الْمَيِّتَ أَعْتَقَ هَذَا الْعَبْدَ (فَادَّعَى بَكْرٌ عِتْقَهُ فِي الصَّحَّةِ) لِيَنْفُذَ مِنْ كُلِّ الْمَالِ (وَلَا دَعَى) (الْوَارِثُ) عِتْقَهُ (فِي الْمَرَضِ) لِيَنْفُذَ مِنَ الثُّلْثِ وَيُقَدَّمَ عَلَى بَكْرِ) (فَالْقَوْلُ لِلْوَارِثِ مَعَ الْيَسِينِ) لِأَنَّهُ يُنْكَرُ اسْتِحْقَاقُ بَكْرٍ (وَلَا شَيْءَ لِيَزِيدَ) كَذَا فِي نُسْخِ الْمَتْنِ وَالشَّرْحُ قُلْتُ صَوَابُهُ لِبَكْرٍ لِأَنَّهُ الْمَذْكُورُ أَوَّلًا

اور اگر ورثا نے غلام کا فدیہ دے دیا تو پھر وصیت باطل نہ ہوگی اور ان کے مالوں میں فدیہ ان کے التزام کے سبب ہے اور اگر اس نے اپنے ثلث مال کے بارے بکر کے لیے وصیت کی اور اس نے ایک غلام چھوڑا، اور تمام ورثا اور بکر نے اقرار کیا کہ میت نے اس غلام کو آزاد کر دیا ہے اور بکر نے حالت صحت میں اس کی آزادی کا دعویٰ کیا تاکہ وہ کل مال سے نافذ ہو اور وارث نے حالت مرض میں اس کی آزادی کا دعویٰ کیا تاکہ وہ (وصیت) ثلث سے نافذ ہو اور وہ بکر پر مقدم ہو، تو وارث کا قول قسم کے ساتھ قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ بکر کے استحقاق کا انکار کر رہا ہے، اور زید کے لیے کوئی شے نہیں ہے۔ اسی طرح متن اور شرح کے نسخوں میں ہے۔ میں کہتا ہوں: اس عبارت میں درست لِبَكْرٍ ہے، کیونکہ پہلے اسی کا نام مذکور ہے۔

آدمی کے لیے سو کے بارے وصیت کرے پھر ان میں سے بعض ضائع ہو جائیں تو باقی اسے دے دیئے جائیں گے۔

36465۔ (قوله: وَإِنْ قَدَى لَا) اور اگر اس نے فدیہ دے دیا تو وصیت باطل نہیں ہوگی، پس اگر غلام کو دینا اور فدیہ نہ پایا گیا اور وصی نے اسے آزاد کر دیا۔ پس اگر اسے جانیہ کے بارے علم ہو تو مکمل دیت اس پر لازم ہوگی، اور اگر علم نہ ہو تو قیمت لازم ہوگی، اور وہ رجوع نہیں کر سکتا، کیونکہ غلام کی آزادی کے بارے وصیت اس صورت میں ہے جب وہ جانیہ کرنے والا نہ ہو، اور اس نے اس کا خلاف کیا ہے۔ ”سأخانی“۔

36466۔ (قوله: وَلَوْ أَوْصَى بِشُلْثِهِ الْخ) اور اگر وہ اپنے ثلث کے بارے وصیت کرے اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے غلام، مال اور وارث چھوڑا، اور غلام اس کے ثلث مال کی مقدار ہے۔ اسی کے بارے ”قاضیخان“ نے تصریح کی ہے۔ ”معراج“۔

36467۔ (قوله: لِيَنْفُذَ مِنْ كُلِّ الْمَالِ) تاکہ وہ کل مال سے نافذ ہو، تو گویا وہ یہ کہتا ہے: عتق بطور وصیت واقع نہیں ہوا، اور میری وصیت اس کے ثلث مال کے بارے ہے جو غلام کے ماوراء میں بھی صحیح ہے۔

36468۔ (قوله: وَيُقَدَّمُ عَلَى بَكْرٍ) اور اسے بکر پر مقدم کیا جائے گا، کیونکہ جب آزادی حالت مرض میں واقع ہو تو وہ بطور وصیت واقع ہوئی، اور غلام کی قیمت ثلث مال ہے تو پھر موصی لہ کے لیے ثلث سے کوئی شے نہ ہوگی۔ کیونکہ آزادی کے بارے وصیت بالاتفاق مقدم ہے۔ ”معراج“۔

36469۔ (قوله: وَلَا شَيْءَ لِيَزِيدَ) اور زید کے لیے کوئی شے نہیں ہے، اس لیے کہ آپ عتق کی تقدیم کے بارے جان چکے ہیں۔ اور رہا ”مصنف“ کا قول: ويزاحم أصحاب الوصايا جو کہ گزر چکا ہے تو اس کے معنی مراد بہ کو بھی آپ جان چکے ہیں۔

غَايَةُ الْأَمْرِ أَنَّ الْقَوْمَ مَثَلُوا بِزَيْدٍ فَغَيَّرَهُ الْمَصْنِفُ أَوَّلًا وَنَسَبَهُ ثَانِيًا وَاللَّهُ أَعْلَمُ - (إِلَّا أَنْ يَفْضَلَ مِنْ ثُلُثِهِ شَيْءٌ) مِنْ قِيَمَةِ الْعَبْدِ (أَوْ تَقُومَ حُجَّةٌ عَلَى دَعْوَاهُ فَإِنَّ الْمُوصَى لَهُ خَصْمٌ) لِأَنَّهُ يُثَبِّتُ حَقَّهُ وَكَذَا الْعَبْدُ (وَلَوْ ادَّعَى رَجُلٌ دَيْنًا عَلَى النَّبِيِّ وَادَّعَى الْعَبْدُ عِتْقًا فِي الصِّحَّةِ وَلَا مَالَ لَهُ غَيْرُهُ فَصَدَّقَ هُمَا الْوَارِثُ يَسْعَى فِي قِيَمَتِهِ وَتُدْفَعُ إِلَى الْغَرِيمِ) وَقَالَ لَا يَعْتِقُ وَلَا يَسْعَى فِي شَيْءٍ،

اس میں غایت امر یہ ہے کہ قوم (فقہاء) نے زید کے ساتھ مثال بیان کی ہے، اور ”مصنف“ نے پہلے اسے تبدیل کیا ہے اور پھر دوسری بار اسے بھول گئے ہیں۔ واللہ اعلم۔ مگر یہ کہ غلام کی قیمت سے اس کے ثلث مال میں سے کوئی شے فالتو بچائے یا اس کے دعویٰ پر حجت قائم ہو جائے، چونکہ موصیٰ لہ خصم ہے، کیونکہ وہ اپنا حق ثابت کر رہا ہے، اور اسی طرح غلام بھی ہے۔ اور اگر ایک آدمی نے میت پر قرض کا دعویٰ کیا، اور غلام نے حالت صحت میں آزادی کا دعویٰ کیا، اور اس کا اس کے سوا کوئی مال نہ ہو، اور وارث ان دونوں کی تصدیق کر دے تو غلام اپنی قیمت کما کر دے گا اور وہ قرض خواہ کو دی جائے گی، اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے کہا ہے: وہ آزاد ہو جائے گا، اور کوئی شے کما کر نہیں دے گا۔

36470۔ (قوله: إِلَّا أَنْ يَفْضَلَ الْخ) مگر یہ کہ ثلث مال غلام کی قیمت سے زائد ہو تو قیمت سے زائد مال میں وہ وصیت زید کے لیے نافذ ہوگی (یعنی وہ مال زید کو ملے گا)۔ ”منح“۔

36471۔ (قوله: مِنْ قِيَمَةِ الْعَبْدِ) غلام کی قیمت سے۔ اسی طرح اسے ”زیلعی“ نے بیان کیا ہے۔ اور ”الدرر“ کی عبارت ہے: علی قیمة العبد (غلام کی قیمت پر) اور یہ اولیٰ ہے اگرچہ مِنْ كَوْعَلَى کے معنی میں رکھنا ممکن ہے جیسا کہ ”أخفش“ اور ”کوفیوں“ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ (الانبیاء: 77) میں کہا ہے۔ اسے ”طحاوی“ نے ”المکی“ سے نقل کیا ہے۔

36472۔ (قوله: فَإِنَّ الْمُوصَى لَهُ خَصْمٌ الْخ) چونکہ موصیٰ لہ خصم ہے الخ۔ یہ ایک اشکال کا جواب ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ امام ”صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک بینہ قائم کرنے کے لیے عتق کے بارے دعویٰ کرنا شرط ہے اور یہاں بغیر خصم کے اسے قائم کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ تو فرمایا: وہ خود ہی اپنا حق ثابت کرنے میں خصم ہے، کیونکہ وہ غلام کی آزادی پر بینہ قائم کرنے کے لیے مجبور اور مضطر ہے تاکہ ثلث غیر کے حق کے ساتھ مشغول ہونے سے فارغ ہو جائے۔ ”معراج“۔

36473۔ (قوله: وَكَذَا الْعَبْدُ) اور اسی طرح غلام بھی خصم ہے، کیونکہ آزادی اس کا حق ہے۔

میں کہتا ہوں: مراد یہ ہے کہ وہ اس صورت کے سوا میں خصم ہے، کیونکہ یہاں تو وارث اس کی آزادی کا اقرار کر رہا ہے یا اس صورت میں جب اس کی قیمت ثلث سے زائد ہو تو وہ حالت صحت میں اس کی آزادی کو ثابت کرنے میں خصم ہو۔ تامل۔

36474۔ (قوله: وَقَالَ لَا يَعْتِقُ وَلَا يَسْعَى الْخ) اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے کہا ہے: وہ آزاد ہو جائے گا اور کوئی شے

کما کر نہیں دے گا، کیونکہ دین اور عتق دونوں حالت صحت میں ایک ساتھ وارث کی تصدیق کے ساتھ ایک کلام میں ظاہر

وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ لَو تَرَكَ ابْنًا وَأَلْفَ دِرْهِمٍ فَأَدَّعَاهَا رَجُلٌ دَيْنًا وَآخَرُ وَدِيعَةً وَصَدَّقَهُمَا الْإِبْنُ فَلَا لَفُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ عِنْدَهُ وَقَالَ الْوَدِيعَةُ أَقْوَى۔ قُلْتُ وَعَكْسُ فِي الْهَدَايَةِ فَقَالَ عِنْدَهُ الْوَدِيعَةُ أَقْوَى، وَعِنْدَهُمَا سَوَاءٌ، وَالْأَصَحُّ مَا ذَكَرْنَا كَمَا فِي الْكَافِي وَتَبَايُهَا فِي الشُّرُوحِ فَلْيُحْفَظْ

اور اسی طرح کا اختلاف اس مسئلہ میں بھی ہے کہ اگر اس نے ایک بیٹا اور ایک ہزار درہم ترکہ میں چھوڑے تو ایک آدمی نے دین کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے اس کے پاس ودیعت کا دعویٰ کیا، اور بیٹے نے ان دونوں کے قول کی تصدیق کر دی، تو ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ ہزار ان دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا۔ اور ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: ودیعت اقویٰ ہے۔ میں کہتا ہوں: ”ہدایہ“ میں اس کے برعکس ہے، پس انہوں نے کہا ہے: ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ودیعت اقویٰ ہے، اور ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک دونوں برابر ہیں۔ اور اصح وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے جیسا کہ ”الکافی“ میں ہے، اور اس کی مکمل بحث ”الشُّرُوحِ الْبَلَاغِيَّة“ میں ہے، پس چاہیے کہ اسے یاد رکھ لیا جائے۔

ہوئے ہیں، تو گو یا وہ دونوں اکٹھے واقع ہوئے ہیں اور حالت صحت کی آزادی محنت اور سعی کو ثابت نہیں کرتی اگرچہ آزاد کرنے والے پر دین ہو۔ اور ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ دین کے بارے اقرار کرنا عتق کے بارے اقرار کرنے سے اولیٰ ہے۔ اسی لیے حالت مرض میں دین کے بارے اس کے اقرار کا کل مال سے اور آزادی کے بارے اقرار کا ثلث مال سے اعتبار کیا جاتا ہے اور اقویٰ ادنیٰ کو دور اور ختم کر دیتا ہے، مگر یہ اپنے واقع ہونے کے بعد باطل ہونے کا احتمال نہیں رکھتا، پس معنی کی حیثیت سے اس پر سعایت واجب کر کے اس کا دفاع کیا جائے گا۔ ”ابن کمال“۔

36475۔ (قوله: وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ) اسی طرح اسے ”ہدایہ“ میں تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ تعبیر کرنا اس صورت پر ظاہر ہے جسے ”صاحب ہدایہ“ نے آنے والے اختلاف کے ذکر سے پختہ کیا ہے، اور ”شارح“ نے ان کی اتباع نہیں کی ہے بلکہ وہ اس کے برعکس چلے ہیں۔ پس اس وقت یہاں اختلاف پہلے مسئلہ میں اختلاف کے برعکس ہے، لہذا ان پر اس کے بغیر نئے سرے سے مسئلہ کا ذکر کرنا لازم تھا۔ فافہم۔

36476۔ (قوله: نِصْفَانِ) کیونکہ ودیعت قرض کے ساتھ ہی ظاہر ہوئی ہے اس لیے دونوں برابر اور مساوی ہوں گے۔ ”زیلعی“۔

36477۔ (قوله: وَقَالَ الْوَدِيعَةُ أَقْوَى) اور ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: ودیعت اقویٰ ہے، کیونکہ وہ ہزار سے عین میں ثابت ہو رہی ہے اور قرض پہلے ذمہ میں ثابت ہوتا ہے اور پھر عین کی طرف منتقل ہوتا ہے، پس ودیعت اسبق ہے اور اس کا مدعی زیادہ حقدار ہے۔ ”زیلعی“۔

36478۔ (قوله: وَالْأَصَحُّ مَا ذَكَرْنَا) اور اصح وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے، اور یہی عام کتب میں مذکور

ہے۔ ”عنایہ“۔

بَابُ الْوَصِيَّةِ لِلْأَقَارِبِ وَغَيْرِهِمْ

(جَارُهُ مَنْ لَصِقَ بِهِ) وَقَالَ مَنْ يَسْكُنُ فِي مَحَلَّتِهِ وَيَجْمَعُهُمْ مَسْجِدُ الْبَحَلَّةِ وَهُوَ اسْتِحْسَانٌ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ الْجَارُ إِلَى أَرْبَعِينَ دَارًا مِنْ كُلِّ جَانِبٍ

قریبوں وغیرہ کے لیے وصیت کے احکام

آدمی کا پڑوسی اور ہمسایہ وہ ہے جو اس کے ساتھ ملصق اور متصل ہو۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے کہا ہے: وہ جو اس کے محلہ میں رہتا ہو اور محلہ کی مسجد ان تمام کو جامع ہو، اور یہ استحسان ہے۔ اور امام ”شافعی“ رحمہ اللہ علیہ نے کہا ہے: پڑوس ہر جانب سے چالیس گھروں تک ہوتا ہے۔

اقارب سے مراد اہل، اُصهار اور اُختان وغیرہ ہیں۔ بلاشبہ ”مصنف“ نے اس باب کو موخر کیا ہے، اس لیے کہ اس میں مخصوص لوگوں کی وصیت کے احکام ہیں اور جو ابواب اس سے پہلے ذکر کئے ہیں ان میں وصیت کے احکام علی وجہ العموم ذکر کئے ہیں، اور خصوص ہمیشہ عموم کے بعد ہی ہوتا ہے۔ ”منح“۔

پڑوسی کے اطلاق میں آئمہ احناف اور امام شافعی کا موقف

36479۔ (قوله: جَارُهُ مَنْ لَصِقَ بِهِ) اس کا پڑوسی وہ ہے جو اس کے ساتھ متصل اور ملصق ہو، کیونکہ اقارب اور پڑوسیوں میں سے ہر ایک کے لیے خصوصیت ہے جو اہتمام کا تقاضا کرتی ہے۔ ”مصنف“ نے ان دونوں میں سے ہر ایک کی اہمیت پر اس وجہ سے متنبہ کیا ہے کہ انہوں نے عنوان میں اقارب کو مقدم کیا ہے اور یہاں جیدان (پڑوسیوں) کے ذکر کو مقدم کیا ہے۔ ”سعدیہ“۔

36480۔ (قوله: وَهُوَ اسْتِحْسَانٌ) اور یہ استحسان ہے، اور صحیح ”امام صاحب“ رحمہ اللہ علیہ کا قول ہے جیسا کہ اسے ”الدر المہنتی“ میں بیان کیا ہے اور علامہ ”قاسم“ نے اس کی تصریح کی ہے، اور یہی قیاس ہے جیسا کہ ”ہدایہ“ میں ہے۔ پس یہ مسئلہ ان میں سے ہے جس میں قیاس کو استحسان پر ترجیح دی گئی ہے۔

تنبیہ

جار (پڑوس) میں فقط سکونت رکھنے والا، مالک، مذکر، مونث، مسلمان، ذمی، صغیر اور کبیر سبھی برابر ہیں۔ اور ”امام صاحب“ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں غلام بھی داخل ہوتا ہے۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے کہا ہے: وہ اس کے آقا کے لیے وصیت ہوگی اور پڑوس (جار) میں داخل نہیں بخلاف مکاتب کے، اور وہ عورت اس میں داخل نہیں ہوتی جس کا خاوند موجود ہو۔ کیونکہ وہ اس کے تابع ہوتی ہے۔ پس وہ حقیقی پڑوس نہ ہوئی۔ ”مقدس“۔ اور ان کا قول: و مالک اس سے مراد یہ ہے جب

(وَصِهْرُهُ كُلُّ ذِي رَحِمٍ مُحَرَّمٍ مِنْ عُرْسِهِ) کَابَائِهَا وَأَعْمَامُهَا وَأُخْوَالِهَا وَأَخَوَاتُهَا وَغَيْرِهِمْ (بِشَرْطِ مَوْتِهِ وَهِيَ مَنْكُوحَتُهُ أَوْ مُعْتَدَّتُهُ مِنْ رَجْعِي) فَلَوْ بَائِنٌ مِنْ بَائِنٍ لَا يَسْتَحِقُّهَا وَإِنْ وَرِثَتْ مِنْهُ قَالَ الْحُلَوَانِ هَذَا فِي عُرْفِهِمْ، أَمَّا فِي زَمَانِنَا فَيَخْتَصُّ بِأَبَوْنِهَا عِنَايَةً وَغَيْرُهَا،

اور اس کا سسرال اس کی بیوی کی جانب سے تمام رشتہ دار ہیں جیسے اس کے آبا، چچے، ماموں اور اس کے بھائی وغیرہ بشرطیکہ وہ اس حال میں فوت ہو کہ وہ بیوی اس کے نکاح میں ہو یا اس کی طرف سے طلاق رجعی کی عدت گزار رہی ہو۔ اور اگر وہ طلاق بائن کی عدت میں ہو تو ان میں سے کوئی بھی وصیت کا مستحق نہیں ہوگا اگرچہ عورت اس کی وارث ہو۔ ”حلوانی“ نے کہا ہے: یہ ان کے عرف میں ہے۔ رہا ہمارا زمانہ تو اس میں صھر (سسرال) عورت کے والدین کے ساتھ مختص ہو گیا ہے۔ ”عنایہ“ وغیرہ،

وہ مالک سکونت پذیر بھی ہو۔ ”ابو السعد“۔

لفظ صہر کا اطلاق

36481۔ (قوله: وَصِهْرُهُ كُلُّ ذِي رَحِمٍ مُحَرَّمٍ مِنْ عُرْسِهِ) اور اس کے سسرال اس کی بیوی کی جانب سے تمام رشتہ دار ہیں۔ کیونکہ روایت ہے: أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَمَّا تَزَوَّجَ صَفِيَّةَ أُعْتِقَ كُلَّ مَنْ مَلَكَ مِنْ ذِي رَحِمٍ مُحَرَّمٍ مِنْهَا أَكْثَرًا مَا لَهَا (1) کہ حضور نبی مکرم ﷺ نے جب حضرت ”صفیہ“ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو (آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے) ہر ایک نے ان کی تکریم میں ان کے رشتہ داروں کو قید سے آزاد کر دیا) اور وہ اصهار النبی ﷺ کا نام دیتے تھے۔ اسی تفسیر کو امام ”محمد“ رحمہ اللہ اور ”ابو عبید“ نے اختیار کیا ہے۔ اور اسی طرح ان میں اپنے باپ کی بیوی، اپنے بیٹے کی بیوی کے تمام رشتہ دار اور اپنے تمام ذی رحم محرموں کی بیویوں کے رشتہ دار داخل ہیں۔ کیونکہ یہ تمام سسرال (اصهار) ہیں۔ ”ہدایہ“۔ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ کا قول لغت میں حجت ہے، ”ابو عبید“ نے ان کے قول کے ساتھ غریب الحدیث میں استشہاد کیا ہے اس کے ساتھ ساتھ اس کی تائید خلیل کے قول کے ساتھ کی گئی ہے: عورت کے اہل بیت کو فقط اصهار کہا جاتا ہے۔ اور ”شرح الزیادات“، ”اللبز دوی“ میں ہے: کبھی صہر کا اطلاق ختن پر کیا جاتا ہے۔ لیکن غالب وہ ہے جسے امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ ”اتقانی“، ملخصاً۔ اور اس کی مکمل بحث ”الشرعیات“ میں ہے۔

36482۔ (قوله: وَأَخَوَاتُهَا) اسی طرح میں نے اسے کئی نسخوں میں دیکھا ہے، حالانکہ درست: وَأَخَوَاتُهَا ہے، کیونکہ

أخوات أخت کی جمع ہے۔

36483۔ (قوله: وَإِنْ وَرِثَتْ مِنْهُ) اگرچہ وہ عورت اس کی وارث ہو، اس طرح کہ وہ اسے حالت مرض میں جدا کر

دے۔ کیونکہ طلاق رجعی نکاح کو ختم نہیں کرتی اور طلاق بائن اسے ختم کر دیتی ہے۔ ”زیلعی“۔

36484۔ (قوله: عِنَايَةً) میں نے اسے اس کتاب میں نہیں پایا۔ البتہ ”زیلعی“ نے اسے ذکر کیا ہے جیسا کہ عنقریب

1۔ نصب الراية، کتاب الوصایا، باب الوصیۃ للآقارب وغیرہم، جلد 5، صفحہ 224-225، حدیث نمبر 3، فی ہذہ الباب، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

وَأَقْرَبُهُ الْقُهْطَانِ قُلْتُ لَكِنْ جَزَمَ فِي الْبُرْهَانِ وَغَيْرِهِ بِالْأَوَّلِ وَأَقْرَبُهُ فِي الشَّرْئِ نَبْلَالِيَّةٌ ثُمَّ نَقَلَ عَنِ الْعَيْنِيِّ أَنَّ قَوْلَ الْهَدَايَةِ وَغَيْرِهَا أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنَا تَزْوِجٌ صَفِيَّةَ بِنْتِ الْحَارِثِ صَوَابُهُ جَوِيرِيَّةٌ قُلْتُ فَلْتَحْفَظْ هَذِهِ الْفَائِدَةَ

اور ”قہستانی“ نے اسے برقرار اور ثابت رکھا ہے۔ میں کہتا ہوں: لیکن ”البرہان“ وغیرہ میں پہلے قول پر اعتماد اور یقین کیا ہے اور ”الشربلالیہ“ نے اسے ثابت رکھا ہے۔ پھر علامہ ”عینی“ سے نقل کیا ہے کہ ”ہدایہ“ وغیرہ کا یہ قول ہے کہ آپ ﷺ نے جب حضرت ”صفیہ“ بنت حارث..... جبکہ درست حضرت ”جویریہ“ بنت حارث ہے..... سے شادی کی۔ میں کہتا ہوں: اس فائدہ کو یاد رکھ لینا چاہیے۔

آئے گا۔

36485۔ (قوله: قُلْتُ لَكِنْ الْخ) میں کہتا ہوں: ظاہر ہے اس میں عرف کا اعتبار ہے، اس لیے کہ ”جامع الفصولین“ میں ہے کہ لوگوں کے درمیان ہونے والی مطلق کلام متعارف معنی پر محمول ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر عرف کلی طور پر اس کے خلاف ہو تو بھی اسی کا اعتبار کیا جائے گا جیسا کہ اہل دمشق صہر کا اطلاق ختن (داماد) پر کرتے اور وہ اس سے اس کے سوا کچھ نہیں سمجھتے۔ اور یہ بھی ایک لغت ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور رہا وہ جو ”البرہان“ وغیرہ میں ہے تو وہ اس کی نقل ہے جسے صاحب مذہب نے مدون کیا ہے، پس اس میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہاں عرف کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ یہی میرے لیے ظاہر ہوا ہے۔ فتدبر۔

36486۔ (قوله: ثُمَّ نَقَلَ) یعنی ”الشربلالیہ“ میں ”العینی“ سے نقل کیا گیا ہے، یعنی ”ہدایہ“ کی جو عبارت ابھی ہم نے نقل کی ہے اس کے تحت اس کی شرح میں ہے۔
حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کا واقعہ

36487۔ (قوله: صَوَابُهُ جَوِيرِيَّةٌ) اسے ”ابوداؤد“ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”حضرت جویریہ بنت حارث بن مصطلق، ثابت بن قیس بن شماس اور اس کے چچا کے بیٹے کے حصہ میں واقع ہوئیں تو انہوں نے اپنے آپ کو مکاتب بنالیا۔“ اور ”مسند احمد“، ”البرزاز“ اور ”ابن راہویہ“ میں ہے: ”اس نے انہیں نوادقیہ سونے کے عوض مکاتب بنالیا، پس وہ بدل کتابت کی طلب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں، اور عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ میں مسلمان عورت ہوں میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اور میں اپنی قوم کے سردار حارث کی بیٹی ”جویریہ“ ہوں، مجھے وہ امر آ پہنچا ہے جسے آپ جانتے ہیں اور ”ثابت بن قیس“ کے حصہ میں آئی ہوں تو اس نے مجھے اتنے مال کی شرط پر مکاتب بنایا ہے جس کی میں طاقت نہیں رکھتی، اور مجھے اس پر کسی نے مجبور نہیں کیا مگر یہ کہ میں آپ سے امید رکھتی ہوں اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں فرمائے۔ پس آپ میری آزادی اور خلاصی میں

(وَحَتْنُهُ ذُو جُحْلٍ كُلِّ ذِي) كَذَا التُّسَخُّ قُلْتُ الْمَوَافِقُ لِعَامَّةِ الْكُتُبِ ذَاتِ (رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ كَأَزْوَاجِ بَنَاتِهِ وَعَبَّاتِهِ وَكَذَا كُلُّ ذِي رَحِمٍ مِنْ أَزْوَاجِهِمْ قِيلَ هَذَا فِي عُرْفِهِمْ وَفِي عُرْفِنَا الصَّهْرُ أَبُو الْمَرْأَةِ وَأُمُّهَا

اور آدمی کا ختن اس کی ہر ذی رحم محرم عورت کا خاوند ہے۔ اسی طرح اس کے نسوں میں ہے۔ میں کہتا ہوں: عام کتب کے موافق لفظ ذات ہے جیسا کہ آدمی کی بیٹیوں کے خاوند، پھوپھو بھئیوں کے خاوند اور اسی طرح تمام محرم عورتوں کے خاوند۔ کہا گیا ہے: یہ ان کے عرف میں ہے، اور ہمارے عرف میں یہ ہے: صہر سے مراد صرف بیوی کے والدین

میری مدد فرمائیے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا اس سے بھی بہتر ہو جائے؟ تو انہوں نے عرض کی: وہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں تیری طرف سے تیرا مال کتابت ادا کرتا ہوں اور تجھ سے شادی کر لیتا ہوں۔ انہوں نے عرض کی: جی ہاں یا رسول اللہ! ﷺ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تحقیق میں نے ایسا کر لیا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اس پر جو مال کتابت لازم تھا وہ ادا کر دیا اور اس سے شادی کر لی، جب یہ خبر لوگوں تک پہنچی تو انہوں نے کہا: اصہار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسترقون (وہ رسول اللہ ﷺ کے سسرال کو غلام بنا رہے ہیں) چنانچہ بنی مصطلق کے جو قیدی ان کے پاس تھے انہوں نے انہیں آزاد کر دیا اور وہ سو گھرانے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: فلا اعلم امرأة كانت على قومها اعظم بركة منها (1) (میں کسی عورت کو نہیں جانتی جو اپنی قوم کے لیے ان سے بڑھ کر باعث برکت ہو)۔ ”الشر نبلا لیه“ میں کہا ہے: حالانکہ آپ جانتی ہیں کہ بچوں کو تقسیم کیا گیا ہے، اور یہ کہ قیدیوں کو آزاد کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں نہ حضور نبی کریم ﷺ۔ اور اس سے اس پر استدلال کرنے میں تاثر ہے کہ صہر سے مراد اپنی عورت کا ہر ذی رحم محرم ہے، اس کی وجہ سے جو آپ قصہ سے جان چکے ہیں۔

اختان کا مفہوم

36488۔ (قوله: وَكَذَا كُلُّ ذِي رَحِمٍ) اور اسی طرح ہر ذی رحم محرم جیسا کہ ”المنح“ وغیرہ میں ہے۔ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے ”الاملاء“ میں کہا ہے: جب اس نے کہا: میں نے اپنے اختان کے لیے اپنے ثلث مال کے بارے وصیت کی۔ تو اختان سے مراد اس کی ہر محرم عورت کا خاوند اور خاوند کا ہر ذی رحم محرم ہے۔ پس یہ سب اس کے اختان ہیں۔ پس اگر اس کی بہن، بھانجی، اور خالہ ہو اور ان میں سے ہر ایک کا خاوند ہو، اور ان میں سے ہر ایک کے خاوند کے ارحام ہوں تو وہ سب کے سب اس کے اختان ہیں۔ اور ثلث مال ان کے درمیان برابر تقسیم ہوگا، اس میں مونث اور مذکر برابر ہیں اور خاوند کی ماں اور اس کی دادی اور دیگر سب برابر ہیں۔ ”اتقانی“۔ اور یہاں موصی کے فوت ہونے کے وقت اس کی محرمات اور ان کے خاوندوں کے درمیان نکاح کا موجود ہونا بھی شرط ہے جیسا کہ اسے ”الطوری“ نے نقل کیا ہے۔

36489۔ (قوله: وَفِي عُرْفِنَا الصَّهْرُ أَبُو الْمَرْأَةِ وَأُمُّهَا) اور ہمارے عرف میں صہر سے مراد بیوی کے والدین

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب العتق، باب بیع الکاتب اذا نسخت الکتاب، جلد 3، صفحہ 135، حدیث نمبر 3429، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وَالْخَتَنُ زَوْجُ الْحَرَمِ فَقَطْ زَيْدَعِيَّ وَغَيْرُهُ زَادَ الْقَهْطَانِي وَيَنْبَغِي فِي دِيَارِنَا أَنْ يَخْتَصَّ الصَّهْرُ بِأَبِي الزَّوْجَةِ،
وَالْخَتَنُ بِزَوْجِ الْبِنْتِ لِأَنَّهُ الْمَشْهُورُ (وَأَهْلُ زَوْجَتِهِ) وَقَالَا كُلُّ مَنْ فِي عِيَالِهِ وَنَفَقَتِهِ غَيْرَ مَبَالِيكِهِ،
وَقَوْلُهَا اسْتِحْسَانٌ شَرْحُ تَكْمِلَةٍ قَالَ ابْنُ الْكَمَالِ وَهُوَ مُؤَيَّدٌ بِالنَّصِّ، قَالَ تَعَالَى فَتَجَيِّنَاهُ وَأَهْلُهُ إِلَّا
امْرَأَتَهُ قُلْتُ وَجَوَابُهُ فِي الْمَطَوَّلَاتِ (وَأَلَّهُ أَهْلُ بَيْتِهِ) وَقَبِيلَتُهُ الَّتِي يُنْسَبُ إِلَيْهَا

اور ختن سے مراد محرم عورت کا خاوند ہے۔ ”زلیعی“ وغیرہ۔ ”قہستانی“ نے یہ زیادہ کیا ہے کہ ہمارے دیار میں چاہیے کہ صہر بیوی کے خاوند کے ساتھ مختص ہو، اور ختن بیٹی کے خاوند کے ساتھ، کیونکہ یہی مشہور ہے۔ اور آدمی کے اہل سے مراد اس کی بیوی ہے۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہا نے کہا ہے: اہل سے مراد آدمی کے غلاموں کے سوا ہر وہ آدمی ہے جو اس کے عیال میں داخل ہو اور اس کا نفقہ اس کے ذمہ ہو۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہا کا قول استحسان ہے۔ ”شرح تكملة“۔ ”ابن کمال“ نے کہا ہے: اور اس کی تائید نص سے کی گئی ہے جو کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَتَجَيِّنَاهُ وَأَهْلُهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ (پس ہم نے اسے اور اس کے اہل کو نجات دلائی سوائے اس کی بیوی کے) میں کہتا ہوں: اور اس کا جواب مطولات میں ہے۔ اور اس کی آل سے مراد اس کے اہل بیت (گھر والے) اور اس کا وہ قبیلہ ہے جس کی طرف وہ (موصی) منسوب ہے۔

ہیں۔ یہ مکرر ذکر کیا گیا ہے اس کے باوجود کہ اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ ”طحطاوی“۔

36490۔ (قوله: غَيْرَ مَبَالِيكِهِ) یعنی اس کے غلاموں اور اس کے وارث کے سوا ”شربلا لہ“ اور ”اقتانی“۔

لفظ اہل کے مصداق میں امام اعظم رحمہ اللہ علیہ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہا کے اقوال

36491۔ (قوله: قُلْتُ وَجَوَابُهُ فِي الْمَطَوَّلَاتِ) میں نے کہا ہے: اور اس کا جواب مطولات میں ہے، اور وہ یہ ہے

کہ یہ اسم (اہل) زوجہ (بیوی) کے لیے حقیقت ہے اور نص اور عرف اس کی شہادت دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا (القصص: 29) (آپ نے اپنے اہل خانہ سے کہا تم ذرا ٹھہرو)۔

اور اسی سے ان کا یہ قول ہے: تأهل ببلدة كذا (اس فلاں نے شہر میں شادی کر لی) اور مطلق حقیقتہ مستعملہ پر محمول ہوتا

ہے۔ ”زلیعی“۔ یہ اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ جس سے ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہا نے استدلال کیا ہے وہ استثناء کے قرینہ کے

ساتھ غیر مطلق ہے، اور ”شارح“ کا میلان ”امام صاحب“ رحمہ اللہ علیہ کے قول کی ترجیح کی طرف ہے اگرچہ وہ قیاس ہے۔ اسی لیے

”الدر المستقی“ میں کہا ہے: لیکن متون ”امام صاحب“ رحمہ اللہ علیہ کے قول پر ہیں اور ”مصنف“ نے بھی اسے مقدم کیا ہے۔ پس

چاہیے کہ اسے یاد رکھا جائے۔ اور یہ تب ہے جب زوجہ کتابیہ ہو یا ورثا نے اجازت دی ہو۔ اور ”ابو السعد“ نے ”حموی“ سے

نقل کیا ہے: اس کا حکم دیکھا جائے گا کہ عورت اپنے اہل کے لیے وصیت کرے کیا وہ صرف خاوند ہوگا اور کوئی نہیں۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ نہیں۔ کیونکہ اس میں نہ کوئی حقیقت ہے اور نہ عرف۔

36492۔ (قوله: وَقَبِيلَتُهُ) یہ ”مصنف“ کے قول: اہل بیتہ کے لیے عطف تفسیر ہے۔ اس پر دلیل ”ہدایہ“ کا

(و) حِينَئِذٍ يَدْخُلُ فِيهِ كُلُّ مَنْ يُنْسَبُ إِلَيْهِ مِنْ قَبْلِ آبَائِهِ إِلَى أَقْصَى أَبٍ لَهُ فِي الْإِسْلَامِ سِوَى الْأَبِ الْأَقْصَى لِأَنَّهُ مُضَافٌ إِلَيْهِ قُضْتَانِي عَنْ الْكَرْمَانِ (الْأَقْرَبُ وَالْأَبْعَدُ وَالْذَّكَرُ وَالْأُنْثَى وَالْمُسْلِمُ وَالْكَافِرُ وَالصَّغِيرُ وَالْكَبِيرُ فِيهِ سَوَاءٌ) وَيَدْخُلُ فِيهِ الْغَنِيُّ وَالْفَقِيرُ إِنْ كَانُوا لَا يُحْصَوْنَ كَمَا فِي الْإِخْتِيَارِ

اور اس وقت اس میں ہر وہ آدمی داخل ہوگا جو اس کے آبا کی جانب سے اسلام میں اس کے آخری باپ تک اس کی طرف منسوب ہے سوائے آخری باپ کے، کیونکہ وہ مضاف الیہ ہے۔ ”قہستانی“ نے ”الکرمانی“ سے نقل کیا ہے۔ اس میں قریبی اور بعیدی، مذکر اور مؤنث، مسلمان اور کافر، صغیر اور کبیر سبھی برابر ہیں۔ اور اس میں غنی اور فقیر داخل ہوتے ہیں اگرچہ وہ محصور نہ ہوں جیسا کہ ”الاختیار“ میں ہے۔

قول ہے: اس لیے کہ آل وہ قبیلہ ہے جس کی طرف وہ منسوب ہوتا ہے۔

36493۔ (قوله: مَنْ يُنْسَبُ إِلَيْهِ) اس میں مضاف مخذوف ہے یعنی الی نسبہ، یعنی جس کے نسب کی طرف وہ منسوب ہوتا ہے، اس طرح کہ وہ اس کا شریک ہوتا ہے اور اس کے آباء میں سے کسی ایک میں اس کے ساتھ جمع ہوتا ہے اگرچہ وہ جدا علی ہو۔ یہ میرے لیے ظاہر ہوا ہے اور اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر موصی کا قبیلہ جس کی طرف اس کی ذات منسوب نہ ہو (نہیں ہو سکتا) مگر تب جب وہ خود قبیلے کا باپ ہو۔

پھر میں نے ”الاسعاف“ میں وہ دیکھا جو انہوں نے بیان کیا ہے: کہ آدمی کے اہل بیت، اس کی آل اور اس کی جنس سے مراد ایک ہے، اور وہ ہر وہ آدمی ہے جس کے ساتھ آباء میں سے اسلام میں آخری باپ تک وہ مناسبت رکھتا ہے، اور وہ وہ ہے جس نے اسلام کا زمانہ پایا چاہے اسلام قبول کیا یا نہ کیا۔ پس مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے جو بھی اس باپ کی طرف منسوب ہوگا وہ اس کی اہل بیت میں سے ہوگا۔ پس ان کے قول یناسبہ سے مراد ہے جو کوئی اس کے نسب میں شریک ہوگا، اور یہ ”مصنف“ کے قول: ینسب الیہ سے اولیٰ اور بہتر ہے جیسا کہ یہ امر مخفی نہیں ہے۔

36494۔ (قوله: لِأَنَّهُ مُضَافٌ إِلَيْهِ) کیونکہ وہ مضاف الیہ ہے، اور وصیت مضاف کے لیے ہوتی ہے نہ کہ مضاف الیہ کے لیے۔ اسے ”زیلعی“ نے ”الکافی“ سے نقل کیا ہے۔ علامہ ”طحطاوی“ نے کہا ہے: اور اس میں یہ ہے کہ یہ معنی ظاہر نہیں ہوگا مگر تب اگر وہ کہے مثلاً میں نے آل عباس کے لیے وصیت کی، لیکن اگر اس نے کہا: میں نے اپنی آل کے لیے یہ وصیت کی کے لیے وصیت کی اور وہ آخری باپ نہ ہو تو یہ معنی ظاہر نہیں ہوگا، اور اگر وہ اس طرح علت بیان کرتے کہ آخری باپ واس کی اہل بیت نہیں کہا جائے گا تو یہ اولیٰ اور بہتر ہوتا۔

میں کہتا ہوں: اور ”ہدایہ“ کی عبارت: أوصی لآل فلان ہے یعنی اس نے آل فلاں کے لیے وصیت کی۔

36495۔ (قوله: إِنْ كَانُوا لَا يُحْصَوْنَ) اس میں ”الاختیار“ کی عبارت: وان كان لا يحصون (اگرچہ وہ محصور نہ

ہوں) ہے۔

وَيَدْخُلُ فِيهِ أَبُوهُ وَجَدُّهُ وَابْنُهُ وَزَوْجَتُهُ كَمَا فِي شَرْحِ التَّكْمِلَةِ، يَعْنِي إِذَا كَانُوا لَا يَرْتُونَهُ (وَلَا يَدْخُلُ فِيهِ أَوْلَادُ الْبَنَاتِ) وَأَوْلَادُ الْأَخَوَاتِ وَلَا أَحَدٌ مِنْ قَرَابَةِ أُمِّهِ لِأَنَّ الْوَلَدَ إِنَّمَا يُنْسَبُ لِأَبِيهِ لَا لِأُمِّهِ (وَجِنْسُهُ أَهْلُ بَيْتِ أَبِيهِ) لِأَنَّ الْإِنْسَانَ يَتَجَنَّسُ بِأَبِيهِ لَا بِأُمِّهِ (وَكَذَا أَهْلُ بَيْتِهِ وَأَهْلُ نَسَبِهِ) كَالِهِ وَجِنْسِهِ فَحُكْمُهُ كَحُكْمِهِ (وَلَوْ أَوْصَتْ الْمَرْأَةُ لِجِنْسِهَا أَوْ لِأَهْلِ بَيْتِهَا لَا يَدْخُلُ وَلَدُهَا) أَيْ وَلَدُ الْمَرْأَةِ لِأَنَّهُ يُنْسَبُ إِلَى أَبِيهِ لَا إِلَيْهَا (إِلَّا أَنْ يَكُونَ أَبُوهُ) أَيْ الْوَلَدِ (مِنْ قَوْمِ أَبِيهَا) فَحِينَئِذٍ يَدْخُلُ لِأَنَّهُ مِنْ جِنْسِهَا دَرَرٌ وَكَافِي وَغَيْرُهَا

اور اس میں اس کا باپ، دادا، بیٹا اور اس کی بیوی داخل ہوتے ہیں جیسا کہ ”شرح التکملہ“ میں ہے یعنی جب وہ اس کے وارث نہ ہوں۔ اور اس میں بیٹیوں کی اولاد، بہنوں کی اولاد اور اس کی ماں کے قرابتداروں میں سے کوئی ایک داخل نہیں ہو گا۔ کیونکہ بیٹا اپنے باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے نہ کہ اپنی ماں کی طرف) اور موصی کی جنس اس کے باپ کے اہل بیت ہیں۔ کیونکہ انسان اپنے باپ کا ہم جنس ہوتا ہے نہ کہ اپنی ماں کا۔ اور اسی طرح اس کے اہل بیت اور اہل نسب اس کی آل اور اس کی جنس کی طرح ہیں۔ پس اس کا حکم اس کے حکم کی طرح ہی ہے۔ اور اگر عورت نے اپنی جنس یا اہل بیت کے لیے وصیت کی تو اس عورت کا بیٹا اس میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ وہ اپنے باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے نہ کہ اس کی طرف، مگر یہ کہ اس بچے کا باپ اس عورت کے باپ کی قوم سے ہو تو اس وقت وہ داخل ہوگا، کیونکہ وہ اس کی جنس سے ہے۔ ”درر“ اور ”کافی“ وغیرہ۔

36496۔ (قوله: وَزَوْجَتُهُ) اور اس کی بیوی، جبکہ وہ اس کے باپ کی قوم سے ہو۔ ”سامحانی“۔

36497۔ (قوله: وَلَا يَدْخُلُ فِيهِ أَوْلَادُ الْبَنَاتِ الخ) یعنی جب ان کے آباء اس کی قوم سے نہ ہوں، ”سامحانی“۔

36498۔ (قوله: يَتَجَنَّسُ بِأَبِيهِ) آدمی اپنے باپ کا ہم جنس ہوتا ہے، یعنی وہ کہتا ہے: میں فلاں کی جنس سے ہوں۔ ”غایۃ البیان“ میں کہا ہے: کیونکہ جنس نسب سے عبارت ہے اور نسب باپوں کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ ”طحطاوی“۔

اگر عورت نے اپنی آل یا اہل بیت کے لیے وصیت کی تو اس کا حکم

36499۔ (قوله: كَالِهِ وَجِنْسِهِ) یہ ”مصنف“ کے قول: و کذا میں اسم اشارہ کے مرجع کا بیان ہے یعنی اس کے اہل

بیت اور اہل نسب اس کی آل اور جنس کی مثل ہیں اس معنی میں کہ وہ تمام سے مراد اس کے باپ کی قوم ہے نہ کہ اس کی ماں کی قوم، اور وہ اس کا وہ قبیلہ ہے جس کی طرف وہ منسوب ہوتا ہے۔

”ہندیہ“ میں کہا ہے: اور اگر اس نے اپنے اہل بیت کے لیے وصیت کی تو وہ تمام اس میں داخل ہوں گے اور انہی میں

اسلام میں آخری باپ بھی ہے یہاں تک کہ اگر موصی علوی یا عباسی ہو تو اس میں ہر وہ آدمی داخل ہوگا جو باپ کی طرف سے

حضرت علی یا حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہوگا نہ کہ وہ جو ماں کی طرف سے منسوب ہوگا۔ اور اسی طرح ہے اگر اس

نے اپنے حسب یا نسب کے لیے وصیت کی۔ کیونکہ یہ اس سے عبارت ہے جو باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے نہ کہ ماں کی

طرف۔ اور اسی طرح حکم ہے جب وہ فلاں کی جنس کے لیے وصیت کرے تو مراد بنو الالب (باپ کے بیٹے) ہوں گے۔ اور

قُلْتُ وَمُقَادَةُ أَنَّ الشَّافِعِيَّ فَقَطَّ غَيْرُ مُعْتَبَرٍ كَمَا فِي أَوَاخِرِ فِتَاوَيِ ابْنِ نُجَيْمٍ وَبِهِ أَفْتَى شَيْخُنَا الرَّمْلِيُّ، نَعَمْ لَهُ مَزِيَّةٌ فِي الْجُمْلَةِ

میں کہتا ہوں: اور اس کا مفاد یہ ہے کہ صرف ماں کی طرف سے شرف و کرامت غیر معتبر ہے جیسا کہ ”فتاویٰ ابن نجیم“ کے اواخر میں ہے۔ اور اسی کے مطابق ہمارے شیخ ”الرملی“ نے فتویٰ دیا ہے۔ ہاں اس کو فی الجملہ فضیلت حاصل ہے۔

اسی طرح اللحمة بھی جنس سے عبارت ہے۔ اور اسی طرح آل فلاں کے لیے وصیت فلاں کے اہل بیت کے لیے وصیت کے قائم مقام ہے۔ ملخصاً۔

حسب و نسب باپ کے ساتھ مختص ہوتا ہے ماں کے ساتھ نہیں

36500۔ (قوله: وَمُقَادَةُ الْخ) ”البدائع“ سے ”ہندیہ“ کا قول اس کی تائید کرتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حسب و

نسب باپ کے ساتھ مختص ہوتا ہے نہ کہ ماں کے ساتھ۔ پس اس پر زکوٰۃ حرام نہیں ہوگی، اور نہ وہ ہاشمیہ (عورت) کا کفو (ہمسر) ہوگا، اور نہ ہی وہ اس وقف میں شامل ہوگا جو سادات کے لیے ہے۔ ”طحطاوی“۔

36501۔ (قوله: وَبِهِ أَفْتَى شَيْخُنَا الرَّمْلِيُّ) اور اسی کے بارے ہمارے شیخ ”الرملی“ نے فتویٰ دیا ہے، اس

حیثیت سے کہ انہوں نے اپنے فتاویٰ باب ثبوت النسب میں کہا ہے جس کا ما حاصل یہ ہے: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کے لیے عمومی شرف اور فضیلت ہے، اور اسی طرح اس کی اولاد کے لیے اور آگے آخر زمانہ تک آنے والی ان کی اولاد کے لیے فضیلت و شرف حاصل ہے۔ لیکن رہا اصل نسب تو وہ آباء کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور زینب بنت فاطمة الزہراء رضی اللہ عنہا جو کہ حضرت عبد اللہ بن جعفر الطیار رضی اللہ عنہما کی زوجہ محترمہ تھیں ان کی اولاد کے بارے میں بھی پوچھا گیا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ بلاشبہ اشراف اور سادات ہیں۔ کیونکہ شریف (اور صاحب فضل) ہر وہ ہے جو اہل بیت سے ہو چاہے وہ علوی ہو، یا جعفری ہو، یا عباسی ہو، لیکن آل کا شرف ان کے لیے ہے جن پر صدقہ حرام ہے، نہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کا شرف۔ کیونکہ علماء نے ذکر کیا ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کی اولاد آپ کی طرف منسوب ہوتی ہے اور یہ خصوصیت طبقہ علیا کے لیے ہے۔ پس حضرت فاطمة الزہراء رضی اللہ عنہا کی چاروں اولادیں یعنی حضرت امام حسن، حضرت امام حسین، حضرت ام کلثوم اور حضرت زینب رضی اللہ عنہم سبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ اور حضرت امام حسین اور امام حسن رضی اللہ عنہما کی اولاد دونوں کی طرف منسوب ہوتی ہے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوتے ہیں، اور حضرت زینب اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما کی اولاد اپنے باپوں کی طرف منسوب ہوتی ہے نہ کہ اپنی ماؤں کی طرف۔ پس وہ نہ حضرت فاطمة الزہراء رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور نہ ہی آپ کے والد حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کی بیٹی کی اولاد ہے نہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کی اولاد ہے۔ پس ان میں شرع شریف کے قاعدہ کے مطابق حکم جاری ہوگا کہ بچہ نسب میں اپنے باپ کے تابع ہوتا ہے نہ کہ اپنی ماں کے۔ بلاشبہ صرف حضرت فاطمة الزہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد اس خصوصیت کی وجہ سے اس قاعدہ

(وَإِنْ أَوْصَىٰ لِأَقْرَبِهِ أَوْ لِذِي قَرَابَةٍ كَذَا التَّسْخُ قُلْتُ صَوَابُهُ لِذَوِي (أَوْ لِأَرْحَامِهِ أَوْ لِأَنْسَابِهِ فَهِيَ لِلْأَقْرَبِ فَالْأَقْرَبُ مِنْ كُلِّ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ،

اور کسی آدمی نے اپنے اقارب یا اپنی قرابت والوں کے لیے وصیت کی۔ اسی طرح نسخوں میں ہے۔ میں کہتا ہوں: اس میں درست لذی کے بجائے لذوی ہے۔ یا اس نے اپنے ذوی الارحام یا ذوی الانساب کے لیے وصیت کی تو یہ وصیت اس کے ہر ذی رحم محرم میں سے سب سے قریبی اور پھر اس کے بعد قریبی کے لیے ہوگی،

سے خارج ہے جس کے بارے حدیث طیبہ وارد ہے، اور وہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کی اولاد پر محصور ہے۔ لیکن مطلق وہ شرف اور سیادت جو آل کے لیے ہے وہ انہیں شامل ہے۔ البتہ وہ شرف خاص جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کا شرف ہے وہ انہیں شامل نہیں۔ ملخصاً۔ اور اس کی اصل علامہ ”ابن حجر“ کی شافعی کی ہے۔

میں کہتا ہوں: بلاشبہ ان کے لیے اس آل کا شرف ہوگا جس کے لیے صدقہ حرام کیا گیا ہے جب ان کا باپ آل میں سے ہو جیسا کہ گزر چکا ہے، اور یہی اس حدیث سے مراد ہے جسے ”ابو نعیم“ وغیرہ نے روایت کیا ہے: کل ولد آدم فان عصبتهم لأبيهم، ما خلا ولد فاطمة فاني أنا أبوهم وعصبتهم (1) (تمام اولاد آدم میں بلاشبہ ان کا عصبہ ان کے باپ کی طرف سے ہوتا ہے سوائے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کے، کیونکہ میں ان کا باپ اور ان کا عصبہ ہوں)۔

36502۔ (قوله: وَإِنْ أَوْصَىٰ لِأَقْرَبِهِ الْخ) اور اگر اس نے اپنے اقارب کے لیے وصیت کی۔ ”المستقی“ میں واقرباء ذوی ارحامہ زائد ہے یعنی اس نے اپنے قریبیوں اور ذوی الارحام کے لیے وصیت کی۔

36503۔ (قوله: كَذَا التَّسْخُ) اسی طرح نسخوں میں ہے، اور اسی طرح ”کنز“، ”غرر“ اور ”الاصلاح“ میں ہے۔

36504۔ (قوله: قُلْتُ صَوَابُهُ لِذَوِي) میں کہتا ہوں: اس میں درست لذوی جمع کے ساتھ ہے جیسا کہ ”المستقی“

میں ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ جب وہ اپنے ذی قرابہ کے لیے وصیت کرے اور اس کا ایک چچا اور دو ماموں ہوں تو وہ سب مال چچا کے لیے ہوگا، کیونکہ یہ لفظ مفرد ہے اور ایک تمام وصیت کو اکٹھا کر سکتا ہے جب وہ اقرب ہو۔ ”زیلعی“۔ اور ”غرر الافکار“ میں ہے: جب اس نے لقربا بته یا لذی قرابتہ یا لذی نسبہ کہا تو ایک آدمی تمام کے نزدیک کل وصیت کا مستحق ہوگا۔

36505۔ (قوله: أَوْ لِأَنْسَابِهِ) ”زیلعی“ نے اس میں شبہ ظاہر کیا ہے اس طرح کہ یہ نسب کی جمع ہے۔ اور اس میں

ہے: ماں کی جانب سے اس کے قرابتدار وصیت میں داخل نہیں ہوتے تو وہ یہاں اس میں کیسے داخل ہو گئے!۔ اور ”شلبی“ نے اس طرح جواب دیا ہے کہ انسبابہ سے مراد نسبت کی حقیقت ہے اور وہ ماں سے بھی باپ کی طرح ثابت ہے۔

میں کہتا ہوں: اور انہی میں ہے کہ فقہاء نے اس کے اہل نسب میں آباء کی جانب سے نسب کا اعتبار کیا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے، تو پھر ان دونوں کے درمیان کیا فرق ہے؟

36506۔ (قوله: فَهِيَ لِلْأَقْرَبِ فَالْأَقْرَبُ الْخ) پس یہ زیادہ قریبی اور پھر اس کے بعد زیادہ قریبی کے لیے ہے

وَلَا يَدْخُلُ الْوَالِدَانِ قِيلَ مَنْ قَالَ لِلْوَالِدِ قَرِيبٌ فَهُوَ عَائٍ

اور والدین اس میں داخل نہیں ہوں گے۔ کہا گیا ہے: جس نے والد کو قریب کہا تو اس نے نافرمانی کی۔

الح۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ نے پانچ شرائط کا اعتبار کیا ہے: اور وہ اس کا ذی رحم محرم ہونا، دو اور دو سے زیادہ ہونا، باپ اور بیٹے کے سوا کسی اور کا ہونا، غیر وارث ہونا، اور اقرب فالاقرب ہونا ہے۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: ہر وہ مراد ہے جسے اور اس کے باپ کو اسلام میں آخری باپ جامع ہو۔ اور انہوں نے دو شرطوں میں ”امام صاحب“ رحمہ اللہ سے اختلاف کیا ہے: ایک محرمیت اور ایک قرب (محرم ہونا اور قریبی ہونا)۔ پس ان کے نزدیک رحم محرمیت کے بغیر کافی ہے، اور قریبی اور بعیدی برابر ہیں۔ اور دو اور دو سے زائد کے اعتبار پر اتفاق کیا ہے، کیونکہ یہ جمع کا اسم ہے اور تشنیہ جمع کی مثل ہے، اور اس پر اتفاق کیا ہے کہ وہ وارث نہ ہو اور نہ ہی باپ یا بیٹا ہو۔ ”اتقانی“ نے ”المختلف“ سے تلخیص کے ساتھ نقل کیا ہے۔ لیکن ”زیلعی“ نے کہا ہے: دونوں مذہبوں کے مطابق آزاد اور غلام، مسلمان اور کافر، صغیر اور کبیر، مذکر اور مؤنث اس میں برابر ہیں۔ اور بلاشبہ یہ ”امام صاحب“ کے نزدیک دو اور دو سے زائد کے لیے ہوگی۔ اور اسی طرح ”السعدیہ“ میں ”الکافی“ سے نقل کیا گیا ہے۔ پھر کہا ہے: اور یہ امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے اس قول کے مخالف ہے جو تین امہات اولاد، فقراء، اور مساکین کے لیے وصیت کے بارے میں ہے، اس حیثیت سے کہ اس میں آپ نے جمعیت کا اعتبار کیا ہے اور یہاں اعتبار نہیں کیا۔

میں کہتا ہوں: اور پہلے قول کی بنا پر کوئی مخالفت نہیں ہے گویا کہ یہ دو روایتیں ہیں۔ تامل۔ پھر میں نے ”الحقائق“ اور ”القہستانی“ میں دونوں قول دیکھے ہیں۔ اسے یاد رکھ لو۔ اور ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کا قول ہی صحیح ہے جیسا کہ ”تصحیح القدوری“ اور ”الدر المنبتی“ میں ہے۔

تنبیہ

”غرر الافکار“ اور ”شرح الجمع“ میں ”الحقائق“ سے ذکر کیا ہے: جب ان الفاظ کے ساتھ الأقرب فالاقرب کا ذکر کیا جائے تو بالاتفاق جمع کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ الأقرب مفرد اسم ہے جو پہلے کے لیے بطور تفسیر ذکر ہوا ہے اور اس میں محرم اور غیر محرم داخل ہوتے ہیں، لیکن اقرب کو اس کی صریح شرط ہونے کی وجہ سے مقدم کیا جائے گا۔ اور ”الشرنبلالیہ“ اور ”الاختیار“ میں بھی اسے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ 1230ھ کا اس آدمی کے بارے میں نیا فتویٰ ہے جس نے اپنے ارحام کے لیے وصیت کی تو ان میں سے الأقرب فالاقرب ہوگا۔ پس یہ فتویٰ بشمول غیر محارم کے دیا گیا جیسا کہ وہ اس طرح صراحتہ منقول ہے۔

36507۔ (قوله: قِيلَ الْخ) ”المعراج“ میں کہا ہے: اور خبر (روایت) میں ہے: من سعى والدہ قریباً عقبہ

(جس نے اپنے والد کو قریب کا نام دیا اس نے اس کی نافرمانی کی) اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد: الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبَيْنِ (البقرہ: 180) میں الأقربین کا الوالدین پر عطف کیا ہے، اور فی الحقیقت شے کا عطف اپنے غیر پر کیا جاتا

ہے۔ پس معلوم ہوا کہ لوگوں کی زبان میں قریب کا لفظ اس پر بولا جاتا ہے جو کسی واسطہ کے ساتھ اپنے غیر کے قریب ہوتا

(وَالْوَلَدُ) وَلَوْ مَمْنُوعِينَ بِكُفْرٍ أَوْ رِقٍّ كَمَا يُفِيدُهُ عُمُومُ قَوْلِهِ (وَالْوَارِثُ) وَأَمَّا الْجَدُّ وَلَدُ الْوَالِدِ فَيَدْخُلُ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ، وَقِيلَ لَا وَاخْتَارَهُ فِي الْإِخْتِيَارِ

اور بیٹا بھی اس میں داخل نہیں ہوگا اگرچہ کفر یا غلامی کے سبب انہیں وراثت سے روک دیا گیا ہو جیسا کہ عموم قول اس کا فائدہ دیتا ہے، اور وارث اس میں داخل نہیں ہوگا۔ لیکن دادا اور پوتا اس میں داخل ہوں گے اور یہ ظاہر روایت میں ہے۔ اور بعض نے کہا ہے: نہیں۔ اور ”الاختیار“ میں اسے ہی اختیار اور پسند کیا ہے۔

ہے۔ اسی طرح ”المبسوط“ میں ہے: یعنی والدین اور بیٹا بغیر کسی واسطہ کے بذات خود قریب ہوتے ہیں۔

36508۔ (قوله: وَلَوْ مَمْنُوعِينَ) اگرچہ وہ وراثت سے روک دیئے گئے ہوں، یہ جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے۔ ”طحاوی“۔

36509۔ (قوله: كَمَا يُفِيدُهُ عُمُومُ قَوْلِهِ وَالْوَارِثُ) جیسا کہ اس کے قول کا عموم اس کا فائدہ دیتا ہے یعنی ان کے شامل نہ ہونے کا فائدہ دیتا ہے اگرچہ انہیں وراثت سے روک دیا گیا ہو۔ کیونکہ اگر اس میں علت ان کا وارث ہونا ہو تو پھر ان کے شامل نہ ہونے پر نص بیان کرنے کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ تو اس کے قول والوارث کے ساتھ نکل جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے عموم کے سبب انہیں شامل ہے۔ تو جب ”مصنف“ نے اس پر اکتفا نہیں کیا اور انہیں خارج کرنے پر نص بیان کی ہے تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ ”مصنف“ نے ارادہ یہ کیا ہے کہ وہ داخل نہیں ہوں گے برابر ہے کہ وہ وارث ہوں یا انہیں وراثت سے روک دیا جائے۔ فافہم۔

36510۔ (قوله: وَالْوَارِثُ) انہوں نے اس کی علت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کے ساتھ بیان کی ہے: لَا وَصِيَّةَ لَوَارِثٍ (1) (وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں) اور اسی کے ساتھ اس کی توجیہ بیان ہوتی ہے جو بعض نے بحث کی ہے کہ یہ اس صورت میں ہے اگر وہ اپنے اقارب کے لیے وصیت کرے، لیکن اگر وہ فلاں کے اقارب کے لیے وصیت کرے تو پھر چاہیے کہ وارث خارج نہ ہو۔

36511۔ (قوله: فَيَدْخُلُ) پس وہ داخل ہوگا، اس میں اولیٰ فیدخلان ہے یعنی وہ دونوں داخل ہوں گے، ”طحاوی“۔

36512۔ (قوله: وَاخْتَارَهُ فِي الْإِخْتِيَارِ) اور ”الاختیار“ میں اسے ہی اختیار کیا ہے۔ اس حیثیت سے کہ انہوں نے

اسی پر اقتصار کیا ہے، اور اس کی علت اس طرح بیان کی ہے کہ لغوی طور پر قریب وہ آدمی ہوتا ہے جو غیر کے واسطہ کے ساتھ اپنے غیر کے قریب ہو اور دونوں کے درمیان جزئییت معدوم ہو۔ من يتقرب الى غيره بواسطة غيره وتكون الجزئية بينهما منعدمة اور ”ابو السعد“ نے علامہ ”قاسم“ کے واسطہ سے ”البدائع“ سے نقل کیا ہے کہ یہی صحیح ہے، پھر کہا: لیکن ”شرح الحموی“ میں اسی کے خط کے ساتھ یہ ہے کہ داخل ہونا ہی اصح ہے۔

1۔ سنن ترمذی، کتاب الوصایا عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء لا وصیۃ لوارث، جلد 2، صفحہ 105، حدیث نمبر 2046

(وَيَكُونُ لِثَلَاثَيْنِ فَصَاعِدًا) يَعْنِي أَقْلُ الْجَمْعِ فِي الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ كَمَا فِي الْمِيرَاثِ (فَإِنْ كَانَ لَهُ) لِلْمُوصِي (عَمَّانٍ وَخَالَانِ فَهِيَ لِعَمِّيهِ) كَالْإِزْثِ، وَقَالَ أَرْبَاعًا (وَلَوْ لَهُ عَمٌّ وَخَالَانِ كَانَ لَهُ النِّصْفُ وَلَهُمَا النِّصْفُ) وَقَالَ أَثَلَاثًا (وَلَوْ عَمٌّ وَاحِدٌ لَا غَيْرُ فَلَهُ نِصْفُهَا وَيُرَدُّ النِّصْفُ) الْآخِرَ (إِلَى الْوَرَثَةِ)

اور یہ دو اور دو سے زیادہ کے لیے ہوگی یعنی وصیت میں کم سے کم جمع دو ہے جیسا کہ میراث میں ہے۔ پس اگر موصی کے دو چچا اور دو ماموں ہوں تو وصیت وراثت کی طرح اس کے دو چچاؤں کے لیے ہوگی۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: وہ چار حصوں میں تقسیم ہوگی۔ اور اگر اس کا ایک چچا اور دو ماموں ہوں تو چچا کے لیے نصف ہوگا اور نصف ان دونوں کے لیے ہوگا۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: اس کے تین حصے ہوں گے۔ اور اگر صرف ایک چچا ہو اور کوئی نہ ہو تو اس کے لیے نصف ہوگا اور دوسرا نصف ورثا کی طرف واپس لوٹا دیا جائے گا،

میں کہتا ہوں: اور ”المواہب“ کے متن کی عبارت: وأدخل ہے یعنی امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے دادے اور پوتے کو داخل کیا ہے اور یہی ”صاحبین“ رحمہ اللہ سے ظاہر روایت ہے، اور الحفدة خافدة کی جمع ہے اس کا معنی پوتا ہے۔ اور دادا کی مثل ہی دادی ہے جیسا کہ ”المجمع“ میں ہے۔

36513۔ (قوله: وَيَكُونُ لِثَلَاثَيْنِ) اور وہ جمع کے ساتھ تعبیر میں دو کے لیے ہوگی بخلاف اس کے کہ جب وہ کہے:

لذی قرابتہ جیسا کہ ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اسے ”طحاوی“ نے بیان کیا ہے۔

36514۔ (قوله: يَعْنِي أَقْلُ الْجَمْعِ) یعنی کم سے کم جمع، اس سے زیادہ واضح یہ کہنا تھا: لأن أقل الجمع،

”طحاوی“۔ (کیونکہ کم سے کم جمع دو ہے)۔

36515۔ (قوله: فَهِيَ لِعَمِّيهِ) تو وہ وصیت اس کے چچاؤں کے لیے ہوگی، کیونکہ وہ دونوں ماموؤں کی نسبت زیادہ

قریب ہیں، کیونکہ ان کی قرابت باپ کی جانب سے ہے اور انسان اپنے باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں

ہیں کہ ولایت نکاح چچا کو حاصل ہے نہ کہ ماموں کو۔ پس یہ ثابت ہو گیا کہ وہ دونوں حکم کے اعتبار سے زیادہ قریب ہیں۔

”اتقانی“۔ اور یہ وہاں ہے جہاں وارث ان دونوں کے سوا ہو، اور اسی طرح مابعد صورت میں بھی کہا جائے گا اور یہی ظاہر ہے۔

36516۔ (قوله: وَقَالَ أَرْبَاعًا) اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: چار حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، کیونکہ انہوں

نے اقرب ہونے کا اعتبار نہیں کیا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

36517۔ (قوله: وَلَهُمَا النِّصْفُ) اور ان دونوں کے لیے نصف ہوگا، کیونکہ ایک چچا پر جمع کا اسم واقع نہیں ہو سکتا۔

پس وہ تمام وصیت کا مستحق نہیں ہو سکتا، پس جب نصف اسے دے دیا گیا اور نصف باقی رہ گیا تو اسے دونوں ماموؤں کی طرف

پھیر دیا جائے۔ کیونکہ وہ دونوں چچا کے بعد اس کے زیادہ قریبی ہیں لہذا باقی نصف میں اس طرح کیا جائے گویا اس نے

صرف دو ماموؤں کو ہی چھوڑا ہے۔ ”اتقانی“۔

لِعَدَمِ مَنْ يَسْتَحِقُّهُ (وَلَوْ عَمَّ وَعَمَّةٌ اسْتَوِيَ) لَا اسْتِوَاءَ قَرَابَتِهِمَا (وَلَوْ اَنْعَدَمَ الْمَحْرَمُ بَطَلَتْ) خِلَافًا لَهَا (وَلَوْلَا فُلَانٌ) فَهِيَ (لِلذَّكَرِ وَالْأُنْثَى سَوَاءٌ) لِأَنَّ اسْمَ الْوَلَدِ يَعْطَى الْكُلَّ حَتَّى الْحَنْدِلِ وَلَا يَدْخُلُ وَلَدُ ابْنٍ مَعَ وَلَدِ صُلْبٍ، فَلَوْلَا بَنَاتٌ لِصُلْبِهِ وَبَنُو ابْنٍ فَهِيَ لِلْبَنَاتِ عَمَلًا بِالْحَقِيقَةِ، فَلَوْ تَعَذَّرَتْ صُرْفَ إِلَى الْمَجَازِ تَحَرُّزًا عَنِ التَّعْطِيلِ، وَلَا يَدْخُلُ أَوْلَادُ الْبَنَاتِ وَعَنْ مُحَمَّدٍ يَدْخُلُونَ اخْتِيَارًا (وَلَوْلَا ثَلَاثَةُ فُلَانٍ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ) لِأَنَّهُ اعْتَبَرَ الْوَرَاثَةَ (وَشَرْطُ صَحَّتْهَا) أَمَّا الْوَصِيَّةُ

اس لیے کہ اس کا مستحق موجود نہیں ہے۔ اور اگر ایک چچا اور ایک پھوپھی ہو تو ان دونوں کی قرابت مساوی ہونے کی وجہ سے وہ دونوں برابر ہوں گے۔ اور اگر محرم معدوم ہو تو وصیت باطل ہوگی۔ ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ اور اگر ولد فُلان کے لیے وصیت کی تو یہ مذکر اور مونث دونوں کے لیے برابر ہوگی، کیونکہ ولد کا اسم تمام کو شامل ہوتا ہے حتیٰ کہ حمل کو بھی، اور پوتا صلبی بیٹے کے ساتھ داخل نہیں ہوگا۔ پس اگر اس کی صلبی بیٹیاں اور پوتے ہوں تو حقیقت پر عمل کرتے ہوئے وصیت بیٹیوں کے لیے ہوگی۔ اور اگر حقیقت پر عمل متعذر ہو جائے تو پھر اسے باطل ہونے سے بچانے کے لیے مجاز کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ اور بیٹیوں کی اولاد داخل نہیں ہوگی۔ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے منقول ہے: وہ داخل ہوں گے۔ ”اختیار“۔ اور اگر وصیت فلاں کے ورثا کے لیے ہو تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہوگا۔ کیونکہ موصی نے وراثت کا اعتبار کیا ہے۔ اور فلاں کے ورثا یا اس کے ہم معنی

36518۔ (قوله: لِعَدَمِ مَنْ يَسْتَحِقُّهُ) اس کے معدوم ہونے کی وجہ سے جو اس کا مستحق ہو، کیونکہ جمع کا اعتبار کرنا

ضروری ہے۔ ”اتقانی“۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے لیے مجموعی ثلث ہوگا۔ ”غرر الافکار“۔ اور اس کا دار و مدار اس پر ہے جو ”زیلعی“ اور ”الکافی“ سے گزر چکا ہے۔ تامل۔

36519۔ (قوله: يَعْطَى الْكُلَّ) وہ تمام کو شامل ہوتا ہے، کیونکہ یہ جنس مولود کا اسم ہے چاہے پیدا ہونے والا بچہ ہو یا

بچی، ایک ہو یا زیادہ۔ ”اختیار“۔

36520۔ (قوله: حَتَّى الْحَنْدِلِ) یہاں تک کہ حمل کو بھی یہ اسم شامل ہے۔ اس کو اس شرط کے ساتھ مقید کرنا کہ وصیت

کے وقت سے لے کر چھ مہینے گزرنے سے پہلے ماں اسے جنم دے۔ یہ وصیت کے وقت اس کے وجود کے ثبوت اور تحقق کے لیے ہے جیسا کہ فقہاء نے اسے الوصیۃ للحمل کے باب میں ذکر کیا ہے۔ ”طحطاوی“۔

36521۔ (قوله: وَلَا يَدْخُلُ وَلَدُ ابْنٍ مَعَ وَلَدِ صُلْبٍ) اور پوتا صلبی بیٹے کے ساتھ اس میں داخل نہیں ہوگا، یہ تب

ہے جب وہ فلاں اب خاص ہو۔ پس اگر وہ فخذ (قبیلہ) ہو تو اولاد کی اولاد بھی صلبی اولاد موجود ہونے کی حالت میں وصیت کے تحت داخل ہوگی۔ ”عنایہ“۔ اس کی مکمل بحث ”المنح“ میں ہے۔

36522۔ (قوله: لِأَنَّهُ اعْتَبَرَ الْوَرَاثَةَ) کیونکہ اس (موصی) نے وراثت کا اعتبار کیا ہے، اور اولاد اور بہنوں کے

درمیان وراثت کی تقسیم اسی طرح ہوتی ہے، اور اس لیے کہ اسم مشتق پر تنصیف اس پر دلالت کرتی ہے کہ حکم ماخذ اشتقاق پر مرتب

(هَذَا أَمْرٌ فِي الْوَصِيَّةِ لَوَرَثَةِ فُلَانٍ وَمَا فِي مَعْنَاهَا كَعَقِبِ فُلَانٍ (مَوْتُ الْمَوْصِي لَوَرَثَتِهِ) أَوْ لِعَقِبِهِ (قَبْلَ مَوْتِ الْمَوْصِي) لِأَنَّ الْوَرَثَةَ وَالْعَقِبَ إِنَّمَا يَكُونُ بَعْدَ الْمَوْتِ، ثُمَّ إِنْ كَانَ مَعَهُمْ مَوْصِي لَهُ آخَرُ قُسِمَ بَيْنَهُمْ وَبَيَّنَّ عَلَى عَدَدِ الرُّءُوسِ ثُمَّ مَا أَصَابَ الْوَرَثَةَ يُقَسَّمُ بَيْنَهُمْ لِلَّذِي كَرِهَ كَالْأُنْثَيَيْنِ كَمَا مَرَّفَلُو مَاتَ الْمَوْصِي قَبْلَ مَوْتِهِ أَمْرٌ مَوْتِ الْمَوْصِي لَوَرَثَتِهِ أَوْ عَقِبِهِ بَطَلَتْ الْوَصِيَّةُ لَوَرَثَتِهِ أَوْ عَقِبِهِ ثُمَّ إِنْ كَانَ مَعَهُمْ مَوْصِي لَهُ

جیسا کہ فلاں کے پسماندگان کے لیے وصیت کی صورت میں وصیت کے صحیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ جس کے ورثا یا پسماندگان کے لیے وصیت کی گئی ہے اس کی موت موصی کی موت سے پہلے ہو۔ کیونکہ ورثا اور عقب (پسماندگان) موت کے بعد ہی ہوتے ہیں۔ پھر اگر ان کے ساتھ دوسرا موصی نہ ہو تو مال وصیت ان کے درمیان اور اس کے درمیان افراد کی تعداد کے مطابق تقسیم کیا جائے گا، پھر جو ورثا کے حصہ میں ہو گا وہ ان کے درمیان ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ کی طرز پر تقسیم کیا جائے گا جیسا کہ گزر چکا ہے اور اگر موصی اپنے ورثا یا اولاد کے لیے وصیت کرنے والے کی موت سے پہلے فوت ہو گیا تو اس کے ورثا یا اولاد کے لیے وصیت باطل ہو جائے گی پھر اگر ان کے ساتھ کوئی دوسرا موصی ہو

ہوتا ہے، پس وراثت ہی علت ہوئی۔ ”زیلعی“۔ اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ اس کا یہ قول: لِلَّذِي كَرِهَ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ یہ تمام ورثا میں عام نہیں ہے، بلکہ یہ اولاد، بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور ان کے سوا میں مال ان کے حصوں کی مقدار کے مطابق تقسیم کیا جائے گا، اور یہی ”الاسعاف“ اور ”الخصاف فی مسائل الأوقاف“ میں مذکور ہے۔ اور وصیت اخت وقف ہے۔

36523۔ (قوله: إِنَّمَا يَكُونُ بَعْدَ الْمَوْتِ) بلاشبہ وہ موت کے بعد ہو، کیونکہ ان کا وارث ہونا مورث کی موت کے بعد ہی ثابت ہوتا ہے، اور اسی طرح عقب بھی ہے، کیونکہ اس سے مراد وہ اولاد ہے جو انسان کی موت کے بعد پائی جائے (یعنی پیچھے رہ جائے)، رہی اس کی زندگی کی حالت تو اس میں وہ اس کا عقب نہیں ہوتے۔ اسے ”منح“ نے ”السراج“ سے نقل کیا ہے۔

36524۔ (قوله: ثُمَّ) یعنی وصیت صحیح ہونے کی مذکورہ شرط پائے جانے کے بعد ان کے ساتھ اگر کوئی دوسرا موصی نہ ہو۔

36525۔ (قوله: عَلَى عَدَدِ الرُّءُوسِ) یعنی ان کے سروں اور دوسرے موصی نہ کے سر کی تعداد کے مطابق اسے تقسیم

کیا جائے گا۔

36526۔ (قوله: ثُمَّ مَا أَصَابَ الْوَرَثَةَ) پھر جو ورثا کو ملے، اسے ورثہ کے ساتھ مقید کیا ہے۔ کیونکہ ایک مرد کو دو

عورتوں کے برابر حصہ دینے کی تقسیم انہیں کے ساتھ خاص ہے۔ رہا عقب تو یہ اسم ان تمام کو شامل ہے پس وہ برابر اور مساوی ہوں گے جیسا کہ ”المنح“ میں بھی کہا ہے۔

36527۔ (قوله: كَمَا مَرَّ) یعنی متن میں قریب ہی گزر چکا ہے کہ ورثا کے لیے تقسیم اسی طرح ہے۔

36528۔ (قوله: ثُمَّ) یعنی ورثا یا عقب کے لیے مذکورہ شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے وصیت باطل ہونے کے حکم

أَخْرَجُ كَقَوْلِهِ أَوْصَيْتُ لِفُلَانٍ وَلِوَرَثَتِهِ وَعَقِبِهِ كَأَنَّ الْوَصِيَّةَ كُلَّهَا لِفُلَانٍ الْمَوْصَى لَهُ دُونَ وَرَثَتِهِ وَعَقِبِهِ لِأَنَّ
الْإِسْمَ لَا يَتَنَاءَوُلُهُمْ إِلَّا بَعْدَ الْمَوْتِ وَتَبَايُحُهُ فِي السَّرَاجِ وَفِيهِ عَقِبُهُ وَلَدُهُ مِنَ الذُّكُورِ وَالْإِنَاثِ، فَإِنْ مَاتُوا
فَوَلَدُ وَلَدِهِ كَذَلِكَ، وَلَا يَدْخُلُ أَوْلَادُ الْإِنَاثِ لِأَنَّهُمْ عَقِبُ آبَائِهِمْ لَا لَهُ (وَفِي أُيْتَامِ بَنِيهِ) أُمِّي بَنِي فُلَانٍ
وَالْيَتِيمُ اسْمٌ لِمَنْ مَاتَ أَبُوهُ قَبْلَ الْحُلُمِ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُتِمُّ بَعْدَ الْبُلُوغِ

جیسے وصی کا قول کہ میں نے فلاں کے لیے اور اس کے ورثا اور اولاد کے لیے وصیت کی تو تمام وصیت اس فلاں موصی لہ کے لیے
ہوگی نہ کہ اس کے ورثا اور پسماندگان کے لیے۔ کیونکہ یہ اسم انہیں شامل ہی نہیں ہوتا مگر موت کے بعد۔ اور اس کی مکمل بحث
”السراج“ میں ہے۔ اور اس میں اس کے عقب سے مراد اس کا ولد ہے چاہے وہ مذکر (مرد) ہوں یا مؤنث (عورتیں)۔ اور
اگر وہ اولاد فوت ہوگئی تو پھر اس کے بیٹے کی اولاد اسی طرح ہے، اور مؤنثوں (بیٹیوں) کی اولاد اس میں داخل نہیں ہوگی۔
کیونکہ وہ اپنے آبا کے عقب ہیں نہ کہ اس کے۔ اور اگر بنی فلاں کے یتیم بچوں کے بارے میں وصیت کی، اور یتیم سے مراد وہ
بچہ ہے جس کے بالغ ہونے سے پہلے اس کا باپ فوت ہو گیا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بلوغت کے بعد یتیمی نہیں ہے۔“

کے بعد، اگر ان کے ساتھ کوئی دوسرا موصی لہ ہو اور وہ آنے والی مثال میں وہ ہے جس کے ورثا یا عقب کے لیے وصیت کی گئی،
اور اسی کی مثل اگر وہ اجنبی ہو جیسا کہ ”المنح“ میں اس کے ساتھ مثال بیان کی گئی ہے۔ فافہم۔

36529۔ (قوله: لِأَنَّ الْإِسْمَ لَا يَتَنَاءَوُلُهُمْ) کیونکہ اسم انہیں شامل نہیں ہوتا، پس وہ معدوم کے لیے وصیت ہے اور
وہ اس فلاں کے ساتھ شریک نہیں، جیسا کہ اگر وہ اس کے لیے اور میت کے لیے وصیت کرے۔ ”التقانی“۔

تنبیہ

تحقیق آپ نے جو ثابت ہوا اس سے اس کا ساقط ہونا جان لیا جو ”الشرنبلا لہ“ باب الوصیۃ بالثلث میں ہے اس حیثیت
سے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں ”کہ اگر اس نے فلاں اور اس کے عقب کے لیے وصیت کی“ کہا ہے: شاید فلاں کا کل وصیت
میں استحقاق اس صورت میں ہے جب عقب چھ ماہ سے کم مدت میں پیدا نہ ہو، ورنہ مشارکت سے کوئی شے مانع نہیں۔ اور یہ
”الشرنبلا لہ“ کی مثالوں میں سے عجیب ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس سے پہلے پیدا ہوا تو وہ داخل نہیں ہوگا، پس تو اس پر آگاہ رہ۔
36530۔ (قوله: كَذَلِكَ) اسی طرح مذکروں اور مؤنثوں میں سے ہوگا۔

36531۔ (قوله: وَلَا يَدْخُلُ أَوْلَادُ الْإِنَاثِ) اور عورتوں کی اولاد داخل نہیں ہوگی بخلاف نسل کے۔ کیونکہ وہ اس میں
داخل ہوتے ہیں اور وہ وقف اور وصیت کی تقسیم میں برابر ہوتے ہیں۔ یہ ”ابو السعد“ نے ”الخصاف“ وغیرہ سے نقل کیا ہے۔

36532۔ (قوله: لَا يُتِمُّ بَعْدَ الْبُلُوغِ) بلوغت کے بعد یتیمی نہیں ہے۔ اسے ”ابوداؤد“ نے لایتم بعد احتلام (1)
کے الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور امام ”نووی“ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الوصایا، باب ما جاء متى ينقطع الیتیم، جلد 2، صفحہ 354، حدیث نمبر 2489، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

(وَعُيَّانِهِمْ وَزَمْنَاهُمْ وَأَرَامِلِهِمْ) الْأَرْمَلُ الَّذِي لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ رَجُلًا كَانَ أَوْ امْرَأَةً وَيُؤَيِّدُهُ قَوْلُهُ (دَخَلَ) فِي الْوَصِيَّةِ (فَقِيرُهُمْ وَغَنِيِّهُمْ وَذَكَرَهُمْ وَأَتَشَاهُمْ) وَقُسِمَ سَوِيَّةً (إِنْ أَحْصُوا) بِغَيْرِ كِتَابٍ أَوْ حِسَابٍ فَإِنَّهُ حِينَئِذٍ يَكُونُ تَبْلِيكَاً لَهُمْ

اور وصیت کی ان کے اندھوں، اپاہجوں اور محتاجوں کے بارے میں، ارمل سے مراد وہ ہے جو کسی شے پر قدرت نہ رکھتا ہو چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ اور اس کی تائید ”مصنف“ کا یہ قول کرتا ہے کہ اس وصیت میں ان کے فقیر، غنی، مرد اور عورتیں سبھی داخل ہوں گے۔ اور مال برابر برابر تقسیم کیا جائے گا اگر وہ لکھنے یا حساب کرنے کے بغیر محصور ہوں۔ کیونکہ اس وقت وہ ان کے لیے تملیک ہو جائے گا،

لفظ ارمل کی لغوی تحقیق

36533۔ (قوله: الْأَرْمَلُ الْخ) ”المغرب“ میں ہے: أرمل بمعنى افتقر (محتاج ہونا) الرمل سے ماخوذ ہے۔ پھر کہا ہے: اور ”التهذيب“ میں ہے: اس فقیر کو أرمل کہا جاتا ہے جو کسی شے پر قادر نہ ہو چاہے مرد ہو یا عورت، اور اس عورت کو ارملة نہیں کہا جاتا جس کا خاوند ہو اور وہ خوشحال ہو۔

علامہ ”شعبی“ نے کہا ہے: مونث ہونا شرط نہیں ہے بلکہ اس میں مذکر اور مونث (مرد و عورت) داخل ہیں، مگر صحیح وہ ہے جو امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے تفسیر بیان کی ہے: ارملة سے مراد وہ بالغہ عورت ہے جس کا خاوند اسے فارغ کر دے یا وہ اس سے فوت ہو جائے، اس نے اس سے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اور آپ کا قول لغت میں حجت ہے۔ ”کفایہ“۔ اور ”النبہایہ“ میں حاجت کی قید زیادہ کی ہے، اور کہا ہے: کیونکہ خاوند سے اس کا نفقہ ساقط ہونے کی وجہ سے اس میں حقیقی معنی کا نفاذ ہے لہذا اس کا اضافہ کر دیا۔ اور ”السعدیہ“ میں ”الحيط“ سے ہے: آدمی کو أرمل نہیں کہا جاتا مگر شاذ طریقہ پر، اور مطلق کلام کو لوگوں کے درمیان مروج اور مشہور معنی پر محمول کیا جائے گا۔

36534۔ (قوله: وَيُؤَيِّدُهُ الْخ) اور ”مصنف“ کا قول اس کی تائید کرتا ہے اس حیثیت سے کہ انہوں نے کہا ہے ذکرہم وأتشاهم کہ ان کے مرد اور عورتیں سبھی اس میں داخل ہوں گے۔ اور ”شارح“ نے اس میں ”صاحب عنایہ“ کی اتباع کی ہے، اور اس میں نظر ہے۔ کیونکہ ان کا قول: فقیرہم و غنیہم اس کے منافی ہے۔ اور اسی لیے ”السعدیہ“ میں کہا ہے: ظاہر یہ ہے کہ ”مصنف“ کا کلام عدم التباس کی بنا پر تقسیم کرنے کے بارے ہے۔

36535۔ (قوله: بِغَيْرِ كِتَابٍ أَوْ حِسَابٍ) لکھنے یا حساب کرنے کے بغیر۔ یہ حضرت امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: اگر وہ سو سے زیادہ ہوئے تو وہ غیر محصور ہوں گے۔ اور بعض نے کہا ہے: اسے قاضی کی رائے کے سپرد کیا گیا ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ لیکن سہولت اور آسانی اس میں ہے جو امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ ”کفایہ“ نے ”الخانیہ“ سے نقل کیا ہے، اور آسان وہ ہے جس پر فتویٰ ہے۔ ”الاختیار“ میں کہا ہے: یہی مختار اور زیادہ محتاط ہے۔

وَالْأَلْفَقَرَاءُ يُعْطَى الْوَصِيُّ مَنْ شَاءَ مِنْهُمْ شَرْحُ التَّكْمِلَةِ لِتَعَذُّرِ التَّنْبِيهِ حِينَئِذٍ فَيُرَادُ بِهِ الْقُرْبَةُ (وَفِي بَنِي فَلَانٍ يَخْتَصُّ بِذُكُورِهِمْ) وَلَوْ أَغْنِيَاءَ (إِلَّا إِذَا كَانَ) فَلَانٌ عِبَارَةٌ عَنْ (اسْمِ قَبِيلَةٍ أَوْ) اسْمِ (فَخُذِ) فَيَتَنَاوَلُ الْإِنَاثَ لِأَنَّ الْبُرَادَ حِينَئِذٍ مُجَرَّدُ الْإِتْسَابِ كَمَا فِي بَنِي آدَمَ، وَلِهَذَا يَدْخُلُ فِيهِ أَيْضًا (مَوْلَى الْعَتَاقَةِ وَ) مَوْلَى (السَّوَالَةِ وَحُلَفَاؤُهُمْ)

اور اگر وہ محصور نہ ہوں تو وہ ان کے فقراء کے لیے ہوگا وصی ان میں سے جسے چاہے گا دے گا۔ ”شرح التکملہ“۔ اس لیے کہ اس وقت تملیک متعذر ہے۔ پس اس سے قربت مراد ہوگی۔ اور اگر بنی فلاں کے بارے میں وصیت کی تو وہ ان کے مذکروں کے ساتھ مختص ہوگی اگرچہ وہ غنی ہوں مگر جب فلاں قبیلہ یا فخذ کا نام ہو تو یہ مؤنثوں کو بھی شامل ہوگی۔ کیونکہ اس وقت مراد صرف انتساب ہے جیسا کہ بنی آدم میں (مرد و عورت بھی مراد ہوتے ہیں)۔ اسی لیے اس میں مولى عتاقہ اور مولى السوالاة اور ان کے حلیف بھی داخل ہوتے ہیں

36536۔ (قوله: وَالْأَلْفَقَرَاءُ يُعْطَى) یعنی اگر وہ محصور نہ ہوں تو پھر وصیت ان کے فقراء کے لیے ہوگی۔ کیونکہ اس سے مقصود قربت ہے۔ اور یہ حاجت کو بند کرنے اور بھوک کو دور کرنے کے بارے میں ہے، اور یہ اسماء حاجت کے ثبوت اور تحقق کا شعور دلاتے ہیں، پس اسے فقراء پر محمول کرنا جائز ہے۔

36537۔ (قوله: يَخْتَصُّ بِذُكُورِهِمْ) وہ ان کے مذکروں کے ساتھ مختص ہوگی، اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک اور یہی ایک روایت ”امام صاحب“ رحمہ اللہ علیہ سے بھی ہے کہ اس میں مونث (عورتیں) بھی داخل ہوں گی۔ ”ملتقی“۔ اور اسی طرح اختلاف ہے اگر صرف بیٹوں کی اولاد ہو اور بیٹیوں کی اولاد کے داخل ہونے میں۔ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں۔ اور اگر ایک بیٹا اور بیٹیوں کے بیٹے ہوں تو بیٹے کے لیے نصف ہے اور ان کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک باقی اس کے لیے ہوگی، اور جنین داخل ہوگا جو کم سے کم مدت سے پہلے پیدا ہوا۔ ”التقانی“، ملخصاً۔

عرب کے طبقات

36538۔ (قوله: إِلَّا إِذَا كَانَ الْخ) وہ طبقات جن پر عرب ہیں وہ چھ ہیں: اور وہ شعب، قبیلہ، عمارہ، بطن، فخذ اور فصیلہ ہیں۔ پس شعب کئی قبائل کو جامع ہوتا ہے، اور قبیلہ کئی عمارہ کو جامع ہوتا ہے اور اسی طرح عمارہ کئی بطن کو جامع ہے اور دوسرے بھی اسی طرح ہیں۔ پس خزیمہ شعب ہے، کنانہ قبیلہ ہے، قریش عمارہ ہے، قصی بطن ہے، ہاشم فخذ ہے، اور عباس فصیلہ ہے۔ اسے ”صاحب کشاف“ نے بیان کیا ہے۔

36539۔ (قوله: مَوْلَى الْعَتَاقَةِ) اس سے مراد آزاد کیا ہوا غلام ہے، اور ان کا قول مولى السوالاة اس سے مراد مولى اسفل ہے۔ اور وہ وہ ہے جس کا ان میں سے کوئی ایک والی اور معاون ہو کیونکہ وہ قوم کا مولى ہے۔ تامل۔

36540۔ (قوله: وَحُلَفَاؤُهُمْ) یہ لفظ حامملہ کے ساتھ ہے۔ اور حلیف وہ ہے جو ایک قبیلہ کے پاس آتا ہے اور وہ

يَعْنِي وَهُمْ يُحْصَوْنَ وَإِلَّا فَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ وَالْأَصْلُ أَنَّ الْوَصِيَّةَ مَتَى وَقَعَتْ بِاسْمِ يُنْبِئُ عَنِ الْحَاجَةِ كَأَيْتَامِ
بَنِي فُلَانٍ تَصِحُّ وَإِنْ لَمْ يُحْصَوْا عَلَى مَا مَرَّلَوْقُوعَهَا لِلَّهِ تَعَالَى وَهُوَ مَعْلُومٌ وَإِنْ كَانَ لَا يُنْبِئُ عَنِ الْحَاجَةِ،
فَإِنْ أُحْصُوا صَحَّتْ وَيُجْعَلُ تَنْبِيْهَا وَإِلَّا بَطَلَتْ وَتَسَامُهُ فِي الْإِخْتِيَارِ (أَوْصَى مَنْ لَهُ مُعْتَقُونَ وَمُعْتَقُونَ
لِبَوَالِيهِ بَطَلَتْ) لِأَنَّ اللَّفْظَ مُشْتَرَكٌ، وَلَا عُمُومَ لَهُ عِنْدَنَا وَلَا قَرِيْنَةَ تَدُلُّ عَلَى أَحَدِهِمَا وَلَا فَرْقَ فِي ذَلِكَ

یعنی اس حال میں کہ وہ محصور ہوں۔ اور اگر وہ محصور نہ ہوں تو وصیت باطل ہے۔ اس میں اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ وصیت جب
ایسے اسم کے ساتھ واقع ہو جو حاجت کی خبر دیتا ہو جیسا کہ بنی فلاں کے یتیم تو وہ صحیح ہوتی ہے اگرچہ وہ محصور نہ ہوں اس بنا پر
جو پہلے گزر چکی ہے۔ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے واقع ہوئی ہے اور بالکل ظاہر اور معلوم ہے۔ اور اگر وہ اسم حاجت کے
بارے خبر نہ دیتا ہو، تو پھر اگر وہ محصور ہوں تو وصیت صحیح ہے، اور اسے تملیک بنایا جائے گا، اور اگر محصور نہ ہوں تو وصیت باطل
ہے۔ اس کی مکمل بحث ”الاختیار“ میں ہے۔ جس نے اپنے موالی کے لیے وصیت کی اس حال میں کہ اس کے آزاد کرنے
والے اور اس کے آزاد کئے ہوئے دونوں قسم کے موالی ہوں تو وصیت باطل ہے۔ کیونکہ یہ لفظ (مولیٰ) مشترک ہے، ہمارے
نزدیک اس کے لیے عموم نہیں ہے، اور نہ کسی ایک معنی پر دلالت کرنے والا قرینہ ہے، ہمارے عام اصحاب کے نزدیک

ان کے لیے اور اس قبیلہ والے اس کے لیے ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حلف اٹھاتے ہیں۔ ”اتقانی“۔

36541۔ (قوله: وَإِنْ كَانَ لَا يُنْبِئُ عَنِ الْحَاجَةِ) اور اگر وہ حاجت کی خبر نہ دیتا ہو جیسا کہ شتان بنی فلان (بنی

فلاں کے نوجوان کے لیے وصیت) اور اسی طرح علویہ یا فقہاء کے الفاظ ہیں جیسا کہ ”الہندیہ“ میں ہے۔

36542۔ (قوله: لِبَوَالِيهِ) یہ اوصیٰ کے متعلق ہے۔ یعنی اس نے اپنے موالی کے لیے وصیت کی۔

36543۔ (قوله: بَطَلَتْ) تو وصیت باطل ہوگی، تو جان کہ اس مسئلہ کی آٹھ صورتیں ہیں۔ کیونکہ موصیٰ کے لیے یا تو

اعلیٰ اور اسفل دونوں قسم کے موالی ہوں گے (یعنی آزاد کرنے والا اور آزاد کئے ہوئے)، یا ان میں ایک مولیٰ ہوگا، یا ایک

جانب میں کئی موالی ہوں گے اور دوسری جانب سے ایک مولیٰ ہوگا، اور ان دونوں میں دو صورتیں ہیں، اور ہر ایک میں موصیٰ

صیغہ جمع کے ساتھ اسے تعبیر کرے گا یا واحد کے ساتھ، اور ”مصنف“ کا صریح ذکر اس صورت میں ہے جب دونوں جانبوں

میں موالی متعدد ہوں۔ اور لفظ موالی کے ساتھ تعبیر واقع ہو، اور چاہیے کہ باقی صورتیں بھی تحریر کی جائیں۔ ”طحاوی“۔

میں کہتا ہوں: فقہاء نے یہاں یہ تصریح کی ہے کہ جمع دو اور دو سے زائد کے لیے ہوتی ہے۔ پس اگر دو پائے گئے تو

دونوں کے لیے کل مال ہوگا یا ایک پایا گیا تو اس کے لیے نصف ہوگا۔

اور میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ لفظ مولیٰ اسم جنس ہے جیسا کہ لفظ ولد۔ پس ایک اور زیادہ کو شامل ہوتا ہے، اور دونوں

فریقوں کے اجتماع کے وقت وصیت باطل ہوتی ہے۔ تحقیق مراد ظاہر ہے۔ تامل۔

36544۔ (قوله: وَلَا فَرْقَ فِي ذَلِكَ) اور اس میں یعنی مشترک کے عام نہ ہونے میں کوئی فرق نہیں۔

عِنْدَ عَامَّةِ أَصْحَابِنَا بَيْنَ النَّفْيِ وَالْإِثْبَاتِ، وَاخْتَارَ شَيْخُ الْأَيْمَةِ وَصَاحِبُ الْهِدَايَةِ أَنَّهُ يَعْزَمُ إِذَا وَقَعَ فِي حَيْزِ النَّفْيِ، وَحِينَئِذٍ فَقَوْلُهُمْ لَوْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ مَوَالِيَ فَلَانِ يَعْزَمُ الْأَعْلَى وَالْأَسْفَلُ لَا لَوْ قُوعِهِ فِي النَّفْيِ بَلْ لِأَنَّ الْحَامِلَ عَلَى الْيَسِيرِ بَغْضُهُ وَهُوَ غَيْرُ مُخْتَلِفٍ عِنَايَةً وَأَقْرَبُ الْبُصْنِفِ (إِلَّا إِذَا عَيَّنَّهُ) أَيْ الْأَعْلَى وَالْأَسْفَلُ قَبْلَ مَوْتِهِ فَحِينَئِذٍ تَصَحُّ لِرِزْوَالِ الْمَانِعِ (وَيَدْخُلُ فِيهِ) أَيْ فِي الْمَوَالِي (مَنْ أَعْتَقَهُ فِي صِحَّتِهِ وَمَرَضِهِ،

اس میں کلام منفی اور کلام مثبت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اور ”شمس الائمہ“ اور ”صاحب ہدایہ“ نے اسے اختیار کیا ہے کہ وہ جب نفی کے محل میں واقع ہو تو عام ہوتا ہے۔ اور اس وقت ان کا یہ قول اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ فلاں کے موالی سے کلام نہیں کرے گا تو وہ اعلیٰ اور اسفل (یعنی آزاد کرنے والا، اور آزاد کیا ہوا) دونوں کو شامل ہوگا، اس لیے نہیں کہ وہ نفی کے تحت واقع ہے بلکہ اس لیے کہ قسم پر ابھارنے والا اس کا بعض ہے اور یہ مختلف نہیں ہوتا۔ ”عنایہ“۔ اور ”مصنف“ نے اسے ثابت رکھا ہے مگر جب وہ اعلیٰ یا اسفل کو اپنی موت سے پہلے معین کر دے، تو اس وقت مانع زائل ہونے کی وجہ سے وصیت صحیح ہوگی۔ اور موالی میں وہ داخل ہوگا جسے اس نے اپنی صحت اور بیماری کی حالت میں آزاد کر دیا ہو،

36545۔ (قوله: وَاخْتَارَ شَيْخُ الْأَيْمَةِ الْخ) اور ”شمس الائمہ“ نے اختیار کیا ہے۔ اسی طرح اسے ہی محقق ”ابن

ہمام“ نے ”التحریر“ میں اختیار کیا ہے۔

36546۔ (قوله: فِي حَيْزِ النَّفْيِ) نفی کے محل میں، جیسا کہ آگے آنے والے قسم کے مسئلہ میں ہے۔

36547۔ (قوله: وَحِينَئِذٍ) یعنی اس وقت جب تو نے جان لیا ہے کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک عدم عموم میں کلام

منفی اور مثبت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ ”طحاوی“۔

36548۔ (قوله: لِأَنَّ الْحَامِلَ عَلَى الْيَسِيرِ بَغْضُهُ) کیونکہ قسم پر ابھارنے والا اس فلاں کا بغض ہے، اور وہ یعنی

فلاں یا اس کا بغض مختلف ہے یعنی اس میں اشتراک نہیں ہے کیونکہ وہ ایک شے ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ابھارنے والی شے ایک ہے، لیکن کلام لفظ مولیٰ کے بارے میں ہے، اور ابھارنے

والے کے ایک ہونے کے باوجود اس کے دونوں معنوں میں سے ہر ایک مراد لیا گیا ہے، پس اس کا عموم لازم ہے، اللہم مگر یہ

کہا جائے: قسم پر ابھارنے والے کا ایک ہونا اس پر قرینہ ہے کہ یہ عموم مجاز میں سے ہے، اس طرح کہ اس سے ایسا لفظ مراد لیا

جائے جو دونوں معنوں کو شامل ہو اور وہ وہ ہے جس کے ساتھ عتق (آزادی) متعلق ہو اس سے واقع ہونے کے ساتھ یا اس

پر واقع ہونے کے ساتھ، پس چاہیے کہ اس میں غور کی جائے۔

36549۔ (قوله: لِرِزْوَالِ الْمَانِعِ) مانع زائل ہونے کی وجہ سے، اور وہ مراد بہ کونہ سمجھنا ہے۔

36550۔ (قوله: وَيَدْخُلُ فِيهِ مَنْ أَعْتَقَهُ) اور اس میں وہ داخل ہوگا جسے موصی نے اپنی حالت صحت اور حالت

مرض میں آزاد کیا، چاہے اس نے وصیت سے پہلے آزاد کیا ہو یا اس کے بعد۔ کیونکہ وصیت موت کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔

لَا يَدْخُلُ فِيهِ (مُدَبَّرُوهُ وَأُمَهَاتُ أَوْلَادِهِ) وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ يَدْخُلُونَ - (أَوْصَى بِثُلُثِ مَالِهِ إِلَى الْفُقَهَاءِ دَخَلَ فِيهِ مَنْ يُدَقِّقُ النَّظَرَ فِي الْمَسَائِلِ الشَّرْعِيَّةِ وَإِنْ عَلِمَ ثَلَاثَ مَسَائِلَ مَعَ أَدِلَّتِهَا) كَذَا فِي الْقُنْيَةِ

اس میں اس کے مدبر غلام اور امہات اولاد لونڈیاں داخل نہیں ہوں گے، اور امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: وہ داخل ہوں گے۔ اس نے اپنے ثلث مال کی فقہاء کے لیے وصیت کی تو اس میں وہ داخل ہوں گے جو مسائل شرعیہ میں دقیق اور گہری نظر رکھتے ہوں اگرچہ کوئی تین مسائل ہی اپنے دلائل کے ساتھ جانتا ہو۔ اسی طرح ”القنیہ“ میں ہے۔

اور ان میں سے ہر ایک کے لیے موت کے وقت ولاء ثابت ہے، پس وہ اس میں صفت پائے جانے کی وجہ سے وصیت کا مستحق ہے۔ اور اس میں مردوں اور عورتوں میں ان کی اولاد بھی داخل ہوگی۔ کیونکہ وہ اس ولا کے سبب اس کی طرف منسوب ہوتے ہیں جو عتق کے ساتھ متعلق ہے۔ پس وہ ان کے ساتھ ہی داخل ہوں گے اور مولیٰ الموالاة اور مولیٰ کا مولیٰ داخل نہیں ہوں گے مگر جب معدوم ہوں تو حقیقت متعذر ہونے کی وجہ سے یہ مجاز داخل ہوں گے جیسا کہ ”الاختیار“ اور ”ملتقی“ میں ہے۔

36551۔ (قوله: لَا يَدْخُلُ فِيهِ مُدَبَّرُوهُ الْخ) اور اس میں اس کے مدبر غلام داخل نہیں ہوں گے۔ کیونکہ وہ موت

کے بعد اس کے موالی ہیں نہ کہ اس وقت۔

36552۔ (قوله: وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ يَدْخُلُونَ) اور امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ داخل ہوں گے اس

لیے کہ ولا کے استحقاق کا سبب موجود ہے۔ ”اتقانی“۔

36553۔ (قوله: مَنْ يُدَقِّقُ النَّظَرَ) یعنی جو دلیل کے ساتھ غور و فکر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ ”طحطاوی“۔

فقیہ کی تعریف

36554۔ (قوله: وَإِنْ عَلِمَ ثَلَاثَ مَسَائِلَ مَعَ أَدِلَّتِهَا) اگرچہ وہ تین مسائل ہی اپنی ادلہ کے ساتھ جانتا ہو۔ فقیہ

”ابو جعفر“ رحمہ اللہ کے بارے میں ہے کہ انہوں نے کہا: ہمارے نزدیک فقیہ وہ ہے جو فقہ کی آخری حد تک پہنچا ہوا ہو۔ اور متفقہ (بغیر دلائل کے مسائل جاننے والا) فقیہ نہیں ہے اور اس کے لیے وصیت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور ہمارے علاقے میں ہمارے شیخ ”ابو بکر الاعمش“ کے بغیر کوئی ایک بھی نہیں جسے فقیہ کا نام دیا جاسکتا ہو۔ ”طوری“۔

اور اسی میں ہے: جب اس نے علویہ کے لیے وصیت کی تو فقیہ ”ابو جعفر“ سے منقول ہے کہ وہ جائز نہ ہوگی، اس لیے کہ وہ (علوی) محصور نہیں ہیں، اور اس اسم میں ایسا کوئی معنی نہیں ہے جو فقر و حاجت کی خبر دیتا ہو، اور اگر اس نے علویہ کے فقرا کے لیے وصیت کی تو وہ جائز ہے، اور اسی کے مطابق فقہاء کے لیے وصیت بھی ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن ”الاسعاف“ میں مذکور ہے کہ اباہجوں، اندھوں، قرآن کریم پڑھنے والوں، فقہاء اور محدثین پر وقف صحیح ہے، اور اسے ان میں سے فقرا کے لیے صرف کیا جائے گا۔ کیونکہ استعمال کے اعتبار سے یہ اسماء حاجت کا احساس اور شعور دلاتے ہیں۔ کیونکہ اندھا اور علم کے حصول میں مشغول ہونے والا مال کمانے سے کٹ جاتا ہے۔ لہذا ان میں فقر غالب ہوتا

قَالَ حَتَّى قَبْلَ مَنْ حَفِظَ الْوَفَا مِنْ الْمَسَائِلِ لَمْ يَدْخُلْ تَحْتَ الْوَصِيَّةِ (أَوْصَى بِأَنْ يُطَيَّنَ قَبْرُهُ أَوْ يُضْرَبَ عَلَيْهِ قُبَّةٌ فَهِيَ بَاطِلَةٌ) كَمَا فِي الْخَانِيَّةِ وَغَيْرِهَا، وَقَدْ مَنَاهُ عَنْ السَّرَاجِيَّةِ وَغَيْرِهَا، لَكِنْ قَدْ مَنَاهُ فِيهَا فِي الْكَرَاهِيَّةِ أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ تَطْيِينُ الْقُبُورِ فِي الْمُخْتَارِ، فَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ الْقَوْلُ بِبُطْلَانِ الْوَصِيَّةِ بِالتَّطْيِينِ مَبْنِيًّا عَلَى الْقَوْلِ بِالْكَرَاهَةِ لِأَنَّهَا حِينَئِذٍ وَصِيَّةٌ بِالْمَكْرُوهِ

انہوں نے کہا: یہاں تک کہا گیا ہے جسے ہزاروں مسائل یاد ہوں (لیکن ان کی ادلہ معلوم نہ ہوں) تو وہ وصیت کے تحت داخل نہیں ہوگا۔ اس نے وصیت کی کہ اس کی قبر پر مٹی کا لیپ کیا جائے، یا اس پر گنبد بنایا جائے تو وہ باطل ہے جیسا کہ ”الخانیہ“ وغیرہ میں ہے۔ اور ہم پہلے ”السراجیہ“ وغیرہ سے اسے بیان کر چکے ہیں۔ لیکن ہم نے اس کی کراہیت کے بیان میں یہ بیان کیا ہے کہ قول مختار کے مطابق قبروں پر مٹی کا لیپ کرنا مکروہ نہیں ہے۔ پس چاہیے کہ مٹی کا لیپ کرنے کے بارے وصیت باطل ہونے کا قول کراہت کے بارے قول پر مبنی ہو۔ کیونکہ وہ اس وقت مکروہ کے بارے وصیت ہے۔

ہے۔ اور یہی اصح قول ہے۔

36555۔ (قوله: حَتَّى قَبْلَ مَنْ حَفِظَ الْوَفَا مِنْ الْمَسَائِلِ) یہاں تک کہا گیا ہے کہ جسے بغیر دلائل کے ہزاروں مسائل یاد ہوں۔ اور اس میں یہ ہے: فقہانے بلاشبہ وصیت کے بہت سے مسائل میں عرف کا اعتبار کیا ہے تو پھر انہوں نے موصی کے عرف کا اعتبار کیونکر نہیں کیا؟ ”طحطاوی“۔

میں کہتا ہوں: یہ ظاہر ہے کہ ان کا وہ عرف ان کے زمانہ میں ہے۔ اور ہم پہلے ”جامع الفصولین“ سے یہ بیان کر چکے ہیں: کہ مطلق کلام لوگوں کے درمیان متعارف معنی پر ہی محمول ہوتی ہے۔ اور ”الاشباہ“ میں یہ قاعدہ ہے: العادة محكمة (عادت کو حکم بنایا گیا ہے) اور وقف کرنے والوں کے الفاظ ان کے عرف کی خبر دیتے ہیں جیسا کہ ”فتح القدیر“ کے باب الوقف میں ہے۔ اور اسی طرح لفظ الناذر، الموصی اور الحالف ہیں۔ اس بنا پر کہ ”شارح“ نے صدر کتاب میں فقہ کی تعریف میں یہ پہلے ذکر کیا ہے کہ فقہاء کے نزدیک فقہ فروعی مسائل کو یاد کرنا ہے اور ان کی کم سے کم تعداد تین ہے۔ اور اسے ”البحر“ میں ”المستقی“ کی طرف منسوب کیا ہے۔ پھر کہا ہے: اور ”التحریر“ میں ذکر ہے: مروج اور مشہور فقیہ کا اطلاق اس پر ہے جو مطلقاً فروع کو یاد رکھتا ہو چاہے ان کے دلائل ساتھ ہوں یا نہ ہوں۔

36556۔ (قوله: لَكِنْ قَدْ مَنَاهُ الْخ) یہ صرف مٹی کا لیپ کرنے پر استدراک ہے، اور گنبد بنانے کے بارے کوئی تعرض نہیں اس لیے کہ وہ بالاتفاق مکروہ ہے۔ ”طحطاوی“۔

36557۔ (قوله: لِأَنَّهَا حِينَئِذٍ وَصِيَّةٌ بِالْمَكْرُوهِ) اس لیے کہ اس وقت وہ مکروہ کے بارے وصیت ہوگی، اس کا مقتضی یہ ہے کہ وصیت کے صحیح ہونے کے لیے کراہت کا نہ ہونا شرط ہے۔ اور باب الوصایا کے شروع میں یہ ذکر کیا ہے کہ وصایا چار قسم کی ہیں اور وہ (وصیت) اہل فسق کے لیے مکروہ ہے، اور یہاں اس کا مقتضی وصیت کا باطل ہونا ہے، اللہم مگر یہ کہ

قَالَ الْمُصَنِّفُ قُلْتُ وَكَذَا يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ الْقَوْلُ بِبُطْلَانِ الْوَصِيَّةِ لِمَنْ يَقْرَأُ عِنْدَ قَبْرِهِ بِنَاءً عَلَى الْقَوْلِ بِكَرَاهَةِ الْقِرَاءَةِ عَلَى الْقُبُورِ أَوْ بَعْدَ جَوَازِ الْإِجَارَةِ عَلَى الطَّاعَاتِ

”مصنف“ نے یہی کہا ہے۔ میں کہتا ہوں: اور اسی طرح چاہیے کہ اس آدمی کی وصیت باطل ہونے کا قول ہو جو یہ وصیت کرے کہ اس کی قبر کے پاس قرآن کریم پڑھا جائے اس قول پر بنا کرتے ہوئے کہ قبروں پر قراءت مکروہ ہے، یا اس بنا پر کہ طاعات پر اجارہ جائز نہیں،

اس طرح فرق کیا جائے کہ وصیت صلہ ہوگی یا قربت اور یہ ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی نہیں ہے۔ پس یہ باطل ہے، بخلاف فاسق کے لیے وصیت کرنے کے۔ کیونکہ وہ صلہ ہے اس کے لوگوں سے مطالب ہیں۔ پس وہ صحیح ہے اگرچہ وہ قربت نہیں جیسا کہ غنی کے لیے وصیت کرنا۔ کیونکہ وہ مباح ہے اور وہ قربت نہیں ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ یہ وہ ہے جو میرے لیے ظاہر ہوا ہے، اور عنقریب وصایا الذمی کی فصل کے شروع میں وہ آئے گا جو اس کی وضاحت کرے گا۔

36558۔ (قوله: بِنَاءً عَلَى الْقَوْلِ بِكَرَاهَةِ الْقِرَاءَةِ عَلَى الْقُبُورِ) اس قول پر بنا کرتے ہوئے جو قبروں پر قراءت کے مکروہ ہونے کے بارے ہے۔

میں کہتا ہوں: اس طرح نہیں ہے اس لیے کہ ”الولوالجہ“ میں ہے: اگر کسی نے اپنے دوست یا قریبی کی قبر کی زیارت کی اور اس کے پاس قرآن کریم میں سے کوئی شے پڑھی تو یہ حسن اور اچھا ہے۔ رہی اس بارے وصیت! تو اس کا کوئی معنی نہیں۔ اور قاری (پڑھنے والا) کے صلہ کا بھی کوئی معنی نہیں۔ کیونکہ یہ اسے قرآن کریم پڑھنے کے لیے اجرت پر لینے کے مشابہ ہے اور یہ باطل ہے۔ خلفاء میں سے کسی ایک نے بھی ایسا نہیں کیا الخ۔ تحقیق انہوں نے قبر پر قراءت کے حسن ہونے اور وصیت باطل ہونے کی تصریح کر دی ہے۔ پس اس کا دار و مدار کراہت کے بارے قول پر نہ ہوا۔

کسی شخص کو قبر وغیرہ پر قرآن کریم پڑھنے کے لیے اجرت پر لینا عدم ضرورت کی وجہ سے جائز نہیں

36559۔ (قوله: أَوْ بَعْدَ جَوَازِ الْإِجَارَةِ) یا اس کا دار و مدار طاعات و عبادات پر اجارہ جائز نہ ہونے کے قول پر ہوگا، اور یہ

ان میں سے ہے جن پر اجرت لینا جائز قرار دیا گیا ہے۔ تاہل۔ کیونکہ وہ امور جن میں انہوں نے جائز قرار دیا ہے بدائشہ انہوں نے ضرورت کے محل میں اس کی اجازت دی ہے جیسا کہ قرآن کریم یا فقہ کی تعلیم کے لیے، اذان کہنے یا امامت کے لیے کسی کو اجارہ پر لینا اس خوف کی وجہ سے کہ خیر اور نیکی کے کاموں میں لوگوں کی رغبت کم ہونے کی وجہ سے یہ امور معطل نہ ہو جائیں اور کسی شخص کو قبر پر یا کہیں اور قرآن کریم پڑھنے کے لیے اجرت پر لینے کی کوئی ضرورت اور حاجت نہیں (اس لیے یہ جائز نہیں)۔ ”رحمتی“۔

میں کہتا ہوں: یہی درست ہے، حالانکہ اس مسئلہ میں ایک جماعت نے خطا کی ہے ان میں سے بعض کا گمان ہے کہ متاخرین کے نزدیک تمام طاعات پر اجرت لینے کا جواز مفتی بہ ہے، اس کے باوجود کہ متاخرین نے یہ فتویٰ صرف تعلیم،

أَمَّا عَلَى الْبُفْتَى بِهِ مِنْ جَوَازِهَا فَيَنْبَغِي جَوَازُهَا مُطْلَقًا وَتَسَامُهُ فِي حَوَاشِي الْأَشْبَاهِ مِنَ الْوَقْفِ وَحَرَّارِي
تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ أَنَّهُ يَتَعَيَّنُ الْمَكَانُ الَّذِي عَيْنُهُ الْوَاقِفُ لِقُرْءِ الْقُرْآنِ أَوْ لِلتَّحْرِيسِ، فَلَوْلَمْ يُبَاشِرْ فِيهِ

لیکن مفتی بہ قول کی بنا پر یہ دونوں جائز ہیں۔ پس اس کا جواز مطلقاً ہونا چاہیے۔ اس کی مکمل بحث ”حواشی الاشباہ“ باب الوقف میں ہے۔ اور ”تنویر البصائر“ میں تحریر کیا ہے: وہ مکان متعین ہو جاتا ہے جسے وقف کرنے والے نے قرآن کریم پڑھنے یا تدریس کے لیے معین کیا ہو۔ پس اگر اس نے اس میں وہ کام نہ کیا

اذن اور امامت کے بارے دیا ہے۔ اور ”مصنف“ نے ”المنح“ کتاب الاجارات میں، ”صاحب ہدایہ“۔ عام شارحین اور اصحاب الفتاویٰ نے اس کی علت ضرورت اور ان امور کے ضائع ہونے کا خوف قرار دی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور اگر اجرت ہر طاعت پر جائز ہو تو یقیناً روزے، نماز اور حج پر بھی جائز ہو باوجود اس کے کہ وہ بالاجماع باطل ہے۔ میں نے ایک پورے رسالہ میں اس کی وضاحت کی ہے اس میں سے تھوڑا سا حصہ اجارہ فاسدہ کے باب میں ذکر کیا ہے۔ اور تلاوت کے لیے اجرت پر لینا اگرچہ متعارف ہے لیکن اسے جائز نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ نص کے مخالف ہے اور وہ وہ ہے جس سے ہمارے ائمہ ”صاحب ہدایہ“ وغیرہ نے اس بارے استدلال کیا ہے اور وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد گرامی ہے: اقْرَؤْ الْقُرْآنَ وَلَا تَأْكُلُوا بِهِ (1) (تم قرآن کریم پڑھو اور اس کے بدلے نہ کھاؤ) اور عرف جب نص کے مخالف ہو تو وہ بالاتفاق مردود ہوتا ہے۔ اسے یاد رکھ لے۔ اور تو ان میں سے نہ ہو جس نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے عوض ثمن قلیل خریدا اور انہیں دکان بنادیا جس سے وہ زندگی گزارتا ہے۔

36560۔ (قوله: أَمَّا عَلَى الْبُفْتَى بِهِ مِنْ جَوَازِهَا فَيَنْبَغِي جَوَازُهَا مُطْلَقًا) لیکن مفتی بہ قول کی بنا پر اسے مطلقاً جائز ہونا چاہیے چاہے بطلان کے بارے قول قبر پر قرأت کے مکروہ ہونے پر مبنی ہو یا طاعات پر اجرت لینے کے عدم جواز پر۔

میں کہتا ہوں: تحقیق آپ نے اس بحث کے منقول کے مخالف ہونے کو جان لیا ہے اور وہ مقبول نہیں۔ بلکہ بطلان کا دار و مدار اس پر ہے جو ہم نے پہلے ”الولوالجیہ“ سے بیان کر دیا ہے۔ اور ”الاختیار“ اور بہت سی کتابوں میں اس کے بارے تصریح ہے اور وہ قرآن کریم پڑھنے پر اجرت لینے کے مشابہ ہے۔ اور وہ جو متاخرین نے اجرت لینے کے جواز پر فتویٰ دیا ہے وہ تعلیم قرآن کریم پر ہے نہ کہ اس کی تلاوت پر بخلاف اس کے جسے وہم ہوا ہے۔

36561۔ (قوله: فَلَوْلَمْ يُبَاشِرْ فِيهِ الْخ) یعنی اس میں مباشرت کے امکان کے باوجود کہ اس میں مباشرة (خود کام کرنے) کا امکان ہے۔ اس لیے کہ فتاویٰ ”الحانوتی“ میں ہے: جب واقف معلوم نے کسی ایک کے لیے شرط لگا دی تو وہ عمل سے مانع کے پائے جانے کے وقت اس کا مستحق ہوگا اور یہ اس کی کوتاہی اور سستی کے سبب نہیں ہوا چاہے وہ ناظر (نگران) ہو

لَا يَسْتَحِقُّ الْمَشْرُوطُ لَهُ لِمَا فِي شَارِحِ الْمَنْظُومَةِ يَجِبُ اتِّبَاعُ شَرْطِ الْوَاقِفِ، وَبِالْمُبَاشَرَةِ فِي غَيْرِ الْمَكَانِ
الَّذِي عَيْنُهُ الْوَاقِفُ يَفُوتُ غَرَضُهُ مِنْ أَحْيَاءِ تِلْكَ الْبُقْعَةِ قَالَ وَتَحْقِيقُهُ فِي الدَّرَجَةِ السَّنِيَّةِ فِي مَسْأَلَةِ
اسْتِحْقَاقِ الْجَامِكِيَّةِ

تو وہ اس کے لیے مشروط (معاوضہ) کا مستحق نہیں ہوگا، اس لیے کہ ”شارح المنظومہ“ میں ہے: واقف کی شرط کی پیروی کرنا واجب ہے، اور وہ مکان جسے واقف نے معین کیا ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے مکان میں وہ کام کرنے سے اس جگہ کے احیاء اور متبرک کرنے کی اس کی غرض فوت ہو جاتی ہے۔ فرمایا: اور اس کی تحقیق ”الدَّرَجَةُ السَّنِيَّةُ فِي مَسْأَلَةِ اسْتِحْقَاقِ الْجَامِكِيَّةِ“ میں ہے۔

یا کوئی اور جیسا کہ الجابی (وصول کنندہ) اور اسی طرح مدرس جب اپنے مدرسے میں تدریس متعذر ہونے کی وجہ سے دوسرے مدرسہ میں درس دے۔ جیسا کہ ”شارح“ نے اسے ”النہر“ سے کتاب الوقف کے آخر میں فروع سے تھوڑا پہلے بطور بحث نقل کیا ہے۔ اور اسی طرح ”حموی“ کے حاشیہ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ الْوَصِيَّةِ بِالْخِدْمَةِ وَالسُّكْنَى وَالشَّرَةِ

(صَحَّتْ الْوَصِيَّةُ بِخِدْمَةِ عَبْدِهِ وَسُكْنَى دَارِهِ مُدَّةً مَعْلُومَةً وَأَبَدًا) وَيَكُونُ مَحْبُوسًا عَلَى مِلْكِ الْبَيْتِ فِي حَقِّ الْمَنْفَعَةِ كَمَا فِي الْوَقْفِ كَمَا بَسَطَ فِي الدَّرَرِ (وَبِغَلَّتِيهِنَّ)

خدمت، سکونت اور پھل کی وصیت کا بیان

اپنے غلام کی خدمت اور اپنے گھر کی سکونت کے بارے میں ایک معلوم مدت تک اور ہمیشہ کے لیے وصیت کرنا صحیح ہے، اور وہ منفعت کے حق میں میت کی ملکیت پر مجبوس رہے گا جیسا کہ وقف میں ہوتا ہے جیسا کہ ”الدرر“ میں تفصیل کے ساتھ ہے۔ اور اگر وصیت ان دونوں کے غلہ اور حاصل کے بارے ہوئی

جب ”مصنف“ اعیان سے متعلقہ وصیتوں کے احکام سے فارغ ہوئے تو منافع سے متعلقہ وصیتوں کے احکام میں شروع ہوئے۔ کیونکہ منافع وجود کے اعتبار سے اعیان کے بعد ہیں لہذا ”مصنف“ نے وضع کے اعتبار سے انہیں ان سے موخر کیا۔ ”عنایہ“۔

کسی معین فرد کے لیے اپنے غلام کی خدمت اور اپنے گھر کی سکونت کی وصیت کا جواز

36562۔ (قوله: صَحَّتْ الْوَصِيَّةُ بِخِدْمَةِ عَبْدِهِ وَسُكْنَى دَارِهِ) یعنی کسی معین فرد کے لیے اپنے غلام کی خدمت اور اپنے گھر کی سکونت کے بارے وصیت کرنا صحیح ہے۔ ”مقدسی“ نے کہا ہے: اور اگر اس نے اپنے گھر یا اپنے غلام کے غلہ اور حاصل کی مساکین کے لیے وصیت کی تو وہ جائز ہے۔ اور سکونت اور خدمت کے بارے وصیت سوائے معلوم فرد کے جائز نہیں ہوتی۔ کیونکہ غلہ عین مال ہے جسے وہ صدقہ کر سکتا ہے، لیکن خدمت اور سکونت کو صدقہ نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے لیے عین کو بطور عاریہ دیا جاتا ہے، اور اعادہ صرف معلوم کے لیے ہی ہوتا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے: چاہیے کہ یہ جائز ہو ان کے قیاس کے مطابق جو وقف کو جائز قرار دیتے ہیں۔ فرق کی مکمل بحث ”البدائع“ میں ہے۔ ”ساحانی“۔

36563۔ (قوله: مُدَّةً مَعْلُومَةً وَأَبَدًا) معلوم مدت تک اور ہمیشہ کے لیے، اور اگر وصیت مطلق ہو تو اسے ہمیشہ پر محمول کیا جائے گا، اور اگر وہ سنین (کئی سالوں) کے لیے وصیت کرے تو اسے تین سالوں پر محمول کیا جائے گا، اور اسی طرح غلام اور گھر کے غلہ اور حاصل کے بارے وصیت کا حکم ہے۔ ”مسکین“۔

36564۔ (قوله: كَمَا فِي الْوَقْفِ) جیسا کہ وقف میں ہوتا ہے، کیونکہ موقوف علیہ وقف کے منافع واقف کی ملکیت کے حکم پر حاصل کرتا ہے۔

36565۔ (قوله: وَبِغَلَّتِيهِنَّ) یعنی غلام اور گھر کا غلہ۔ اور عنقریب ”شارح“ غلہ کا معنی بیان کریں گے۔

فَإِنْ خَرَجَتْ الرَّقَبَةُ مِنَ الثُّلُثِ سَلِمَتْ إِلَيْهِ أُنًى إِلَى الْمُوصَى لَهُ (لَهَا) أُنًى لِأَجْلِ الْوَصِيَّةِ (وَالْأَلَا) تُخْرَجُ مِنَ الثُّلُثِ (تُقَسَّمُ الدَّارُ أَثْلَاثًا) أُنًى فِي مَسْأَلَةِ الْوَصِيَّةِ بِالسُّكْنَى، أَمَّا الْوَصِيَّةُ بِالْغَلَّةِ فَلَا تُقَسَّمُ عَلَى الظَّاهِرِ

تو اگر وہ غلامِ ثلث سے نکل آئے تو اس وصیت کی وجہ سے اسے موصی لہ کے حوالے کر دیا جائے ورنہ اسے ثلث سے نکالا جائے گا اور گھر کو سکونت کی وصیت کے مسئلہ میں تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ رہی غلہ کی وصیت تو اسے ظاہر روایت کے مطابق تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

36566۔ (قوله: فَإِنْ خَرَجَتْ الرَّقَبَةُ مِنَ الثُّلُثِ) پس اگر خدمت، سکونت اور غلہ کے بارے وصیت میں غلام کی گردن اور گھر ثلث سے نکل آئیں، اسے رقبہ کے ساتھ مقید کیا ہے اس لیے کہ ”الکفایہ“ میں ہے کہ ان کے اعیان کی طرف دیکھا جائے گا جن کے بارے میں اس نے وصیت کی ہے۔ پس اگر ان کی گردنیں (ذاتیں) ثلث کی مقدار ہوں تو جائز ہے۔ اور خدمت، پھل، غلہ اور سکونت کی قیمت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اعیان سے مقصود ان کے منافع ہیں۔ پس جب منافع مستحق کے ہو گئے اور عین وارث کی ملکیت پر باقی رہا تو یہ بمنزلہ اس عین کے ہو گیا جس کی کوئی منفعت نہیں۔ پس اسی لیے رقبہ کی قیمت کا اعتبار کیا جاتا ہے گویا کہ وصیت اسی کے ساتھ واقع ہوئی۔

میں کہتا ہوں: شاید ”الاشباہ“ کے قول سے یہ ہی مراد ہے: بلاشبہ منافع کے ساتھ تبرع اور احسان جمیع مال سے نافذ ہوتا

ہے۔ تامل۔

غلام اور گھر کی تقسیم کا طریقہ

36567۔ (قوله: (تُقَسَّمُ الدَّارُ أَثْلَاثًا) گھر کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، ”الغرر“ میں یہ زائد ہے: یا بطور مہایاۃ یعنی زمان اور وقت کے اعتبار سے اسے تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ اور پہلی صورت زیادہ مناسب ہے کیونکہ اجزاء کے اعتبار سے تقسیم ممکن ہے اور اس وجہ سے کہ ان دونوں کے درمیان زمان اور ذات کے اعتبار سے برابری اور مساوات ہے۔ اور مہایاۃ میں زمانہ کے اعتبار سے ان میں سے ایک کو مقدم کرنا پڑتا ہے (یعنی ایک پہلے رہے گا اور دوسرا اس کے بعد)۔ ”قہستانی“ نے کہا ہے: اور یہ تب ہے جب گھر تقسیم کا احتمال رکھتا ہو، ورنہ پھر مہایاۃ ہوگی کچھ اور نہیں، جیسا کہ ”الظہیریہ“ میں ہے۔

36568۔ (قوله: فَلَا تُقَسَّمُ) پس نفس دار کو تقسیم نہیں کیا جائے گا، رہا غلہ تو اسے تقسیم کیا جائے گا۔ ”الاقنانی“ نے کہا

ہے: جب اس نے اپنے غلام یا اپنے گھر کے غلہ کے بارے ایک سال کے لیے وصیت کی اور اس کا اس کے سوا کوئی مال نہ ہو تو اس (موصی لہ) کے لیے اس سال کے غلہ کا تیسرا حصہ ہوگا۔ کیونکہ غلہ عین مال ہے جو تقسیم کا احتمال رکھتا ہے۔ اور اگر اس نے ان میں باغ تقسیم کیا تو اس نے صرف ایک حصے کا پھل توڑا تو وہ تقسیم باطل ہونے کی وجہ سے اس میں شریک ہوں گے۔ اسے ”سانحانی“ نے ”المبسوط“ سے نقل کیا ہے۔

36569۔ (قوله: عَلَى الظَّاهِرِ) یعنی یہ ظاہر روایت کے مطابق ہے۔ کیونکہ اس کا حق غلہ میں ہے نہ کہ عین دار میں۔

(وَتَهَيَّأَ الْعَبْدَ فَيَخْدُمُهُمْ أَثَلَاثًا) هَذَا إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُ الْعَبْدِ وَالْذَّارِ وَإِلَّا فَخِدْمَةُ الْعَبْدِ وَقِسْمَةُ الذَّارِ بِقَدَرِ ثُلُثِ جَمِيعِ الْمَالِ كَمَا أَفَادَهُ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ (وَلَيْسَ لِلْوَرَثَةِ بَيْعُ مَا فِي أَيْدِيهِمْ مِنْ ثُلُثِهَا) عَلَى الظَّاهِرِ لثُبُوتِ حَقِّهِ فِي سَكْنَى كُلِّهَا بِظُهُورِ مَالٍ آخَرَ أَوْ بِخَرَابٍ مَا فِي يَدِهِ فَحِينَئِذٍ يُزَاحِمُهُمْ فِي بَاقِيهَا وَالْبَيْعُ يُنَافِيهِ فَمَنْعُوا عَنْهُ، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ لَهُمْ ذَلِكَ (وَلَيْسَ لِلْمُوصَى لَهُ بِالْخِدْمَةِ أَوْ السُّكْنَى أَنْ يُوجَرَ الْعَبْدَ أَوْ الذَّارَ)

اور وارث اور موصی لہ دونوں غلام کے بارے میں باری مقرر کر لیں اور وہ تین حصوں میں (تقسیم ہو کر) ان کی خدمت کرے گا (یعنی دو دن وارث کی اور ایک دن موصی لہ کی) اور یہ تب ہے جب غلام اور گھر کے بغیر اس کا کوئی مال نہ ہو۔ اور اگر اور مال بھی ہو تو غلام کی خدمت اور گھر کی تقسیم کل مال کے ثلث کی مقدار کے ساتھ ہوگی جیسا کہ اسے ”صدر الشریعہ“ نے بیان کیا ہے۔ اور ورثا کے لیے اس حصہ کو بیچنا جائز نہیں جو اس کے ثلث میں سے ان کے پاس ہے، یہ ظاہر روایت ہے۔ کیونکہ دوسرا مال ظاہر ہونے کے ساتھ یا جو موصی لہ کے پاس ہے اس کے خراب اور ویران ہونے کے سبب موصی لہ کا تمام گھر کی سکونت میں حق ثابت ہو چکا ہے۔ پس اس وقت وہ باقی میں ان کا مزاحم ہو سکتا ہے اور بیع اس کے منافی ہوتی ہے پس انہیں اس سے منع کیا جائے گا۔ اور امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے منقول ہے: ان کے لیے بیع جائز ہے۔ اور جس موصی لہ کے لیے خدمت یا سکونت کے بارے وصیت کی گئی اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ غلام یا گھر اجارہ پردے۔

اور امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ سے ایک روایت میں ہے: اسے تقسیم کیا جائے گا تا کہ وہ اس کا ثلث حاصل کر سکے۔ اسے ”شرعیہ“ نے ”الکافی“ سے نقل کیا ہے۔

36570۔ (قوله: وَتَهَيَّأَ الْعَبْدَ) اور وہ دونوں غلام کی باری مقرر کریں، کیونکہ بالا جزاء اس کی تقسیم ممکن نہیں۔

36571۔ (قوله: فَيَخْدُمُهُمْ أَثَلَاثًا) پس وہ (وقت کے اعتبار سے) تین حصوں میں ان کی خدمت کرے گا، یعنی وہ

ہمیشہ کے لیے ورثا کی دو دن اور موصی لہ کی ایک دن خدمت کرے گا، مگر جب ایک سال کے ساتھ مدت مقرر ہو۔ اور اگر ایک سال (السنة) غیر معین ہو تو پھر تین سال گزرنے تک (اسی ترتیب سے خدمت کرے گا) اور اگر وہ ایک سال معین ہو تو پھر اس کے گزرنے تک، بشرطیکہ موصی اس معین سال سے پہلے یا اس کے دوران فوت ہو جائے، پھر اسے ورثا کے حوالے کر دیا جائے گا۔ کیونکہ موصی لہ نے اپنا حق حاصل کر لیا ہے اگر موصی اس کے بعد فوت ہوا تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ ”منح“، ملخصاً۔

36572۔ (قوله: هَذَا) یعنی گھر کی تقسیم اور غلام کی مہایاۃ تین حصوں میں ہوگی۔

36573۔ (قوله: بِقَدَرِ ثُلُثِ جَمِيعِ الْمَالِ) تمام مال کے ثلث کی مقدار کے ساتھ، اس کی مثال یہ ہے: جب غلام

ترکہ کا نصف ہو تو وہ موصی لہ کی دو دن اور ورثا کی ایک دن خدمت کرے گا۔ کیونکہ غلام کے دو ثلث ترکہ کا ایک ثلث ہے۔ پس غلام کے دو ثلث موصی بہ ہو گئے اور اس کا ایک ثلث ورثا کے لیے ہوا نتیجہ اسے اسی طرح تقسیم کیا جائے گا جیسے ہم نے اسے ذکر

لِأَنَّ الْمَنْفَعَةَ لَيْسَتْ بِمَالٍ عَلَى أَصْلِنَا، فَإِذَا مَلَكَهَا بِعَوْضٍ كَانَ مُمْلَكًا أَكْثَرِمِمَّا مَلَكَهُ يَغْنَى وَهُوَ لَا يَجُوزُ
(وَلَا لِلْمُوصَى لَهُ بِالْغَلَّةِ اسْتِخْدَامُهُ) أَيْ الْعَبْدِ (أَوْ سُكْنَاهَا) أَيْ الدَّارِ (فِي الْأَصَحِّ) وَمِثْلُهُ الدَّارُ
الْمَوْقُوفَةُ عَلَيْهِ، وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى شَرْحُ الْوَهْبَانِيَّةِ

کیونکہ منفعت ہماری اصل اور قاعدہ کے مطابق مال نہیں ہے۔ پس جب اس نے عوض کے ساتھ اس کا دوسرے کو مالک بنایا تو وہ اس سے زیادہ کے ساتھ مالک بنانے والا ہوا جس کا وہ خود مالک ہے حالانکہ یہ جائز نہیں۔ اور جس کے لیے غلہ کے بارے وصیت کی جائے صحیح روایت کے مطابق اس کے لیے غلام سے خدمت لینا یا گھر میں سکونت اختیار کرنا جائز نہیں۔ اور اسی کی مثل وہ گھر ہے جو اس پر وقف کیا گیا ہو، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ ”شرح الوہبانیہ“۔

کیا ہے۔ اور اسی اعتبار پر اس کے بقیہ مسائل بھی تخریج کئے جائیں گے۔ ”اختیار“۔

36574۔ (قوله: لِأَنَّ الْمَنْفَعَةَ لَيْسَتْ بِمَالٍ الْخ) کیونکہ منفعت مال نہیں ہے، یعنی مالک کے لیے صحیح ہے کہ وہ بدل کے ساتھ اجارہ کرے۔ کیونکہ وہ ملک عین کی تبع میں اس کا مالک ہے، اور مستاجر اجارہ پر دینے کا مالک ہے اس کے باوجود کہ وہ صرف منفعت کا مالک ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جب عقد معاوضہ کے ساتھ اس کا مالک ہوا ہے تو وہ مال ہے بخلاف اس کے کہ وہ عقد تبرع کے ساتھ اس کا مالک ہو جیسا کہ ہم اسی کے بیان میں ہیں۔ ”سائحانی“۔

36575۔ (قوله: فِي الْأَصَحِّ) اسی طرح ”المستقنی“ اور ”ہدایہ“ وغیرہ میں ہے۔ علت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ غنہ سے مراد دراہم یا دنانیر ہیں اور وصیت انہی کے بارے ثابت ہے اور یہ منافع کو حاصل کرنا ہے، اور یہ دونوں ورثا کے حق میں متغیر اور متفاوت ہیں۔ کیونکہ اگر دین ظاہر ہو غلہ میں سے اس کی ادائیگی انہیں ممکن ہے اس طرح کہ ان کا غنہ حاصل کرنے کے بعد اس سے واپس لوٹا لیا جائے اور منافع سے بعینہ انہیں حاصل کر لینے کے بعد ان کے لیے ممکن نہیں۔

36576۔ (قوله: وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى) اور اسی پر فتویٰ ہے، ”الظہیریہ“ میں اسے ہی ذکر کیا ہے جہاں انہوں نے وصیت کے بیان میں کہا ہے: کسی آدمی کے لیے اپنے گھر کے غلہ کی وصیت ہو تو اس کا اجارہ کیا جاسکتا ہے اور اس کا غلہ اسے دے دیا جائے گا۔ اور اگر وہ بذات خود سکونت کا ارادہ کرے: تو ”الاسکاف“ نے کہا ہے: اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔ اور ”ابوالقاسم“ اور ”ابوبکر بن سعید“ نے کہا ہے: اس کے لیے یہ جائز نہیں، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور وصیت اخت وقف ہے۔ پس اسی بنا پر وقف میں فتویٰ اسی پر ہے، بلکہ اولیٰ ہے، کیونکہ اس میں مشائخ کا اختلاف منقول نہیں۔ علامہ ”عبد البر بن الشحہ“ نے اسے نقل کرنے کے بعد کہا ہے: اور یہ روایت کے اعتبار سے مسلم ہے، لیکن فقہ کی جہت سے وہ فرق ظاہر ہے جسے ”مصنف“ یعنی ”ابن وہبان“ نے ذکر کیا ہے اس طرح کہ بلاشبہ یہ غلہ اور سکونت کے بارے وصیت اسے معدوم کرنے والی ہے۔ پس موصی کا مقصود فوت ہو جاتا ہے بخلاف اس پر وقف کے، کیونکہ یہ سکونت یا غلہ کے ساتھ نفع کے حصول سے اعم ہے۔ پس مناسب ہے کہ وقف میں اختلاف بدرجہ اولیٰ جاری ہو۔ اور اس کا حاصل ”صاحب الظہیریہ“ کے ساتھ ان کے اولویت کے

لَاَنْ حَقَّهُمْ فِي الْمَنْفَعَةِ لَا الْعَيْنَ، وَقَدْ عَلِمْتَ الْفَرْقَ بَيْنَهُمَا (وَلَا يُخْرِجُ) الْمُوصَى لَهُ (الْعَبْدَ) الْمُوصَى بِخِدْمَتِهِ (مِنْ الْكُوفَةِ) مَثَلًا (إِلَّا إِذَا كَانَ ذَلِكَ مَكَانَهُ) وَأَهْلُهُ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ (إِنْ خَرَجَ مِنْ الثُّلُثِ)

کیونکہ ان کا حق منفعت میں ہے نہ کہ عین میں۔ حالانکہ آپ ان دونوں کے درمیان فرق جان چکے ہیں۔ اور موصی لہ اس غلام کو جس کی خدمت کی وصیت کی گئی ہو مثلاً کوفہ سے نہیں نکالے گا (یعنی شہر سے باہر منتقل نہیں کرے گا) مگر جبکہ اس کا مکان اور اس کے اہل و عیال دوسری جگہ میں ہوں، بشرطیکہ وہ ثلث سے نکلے۔

دعویٰ میں نزاع کرنا اور جھگڑنا ہے۔

میں کہتا ہوں: پس اگر وقف کرنے والا اس بارے تصریح کر دے کہ یہ غلہ حاصل کرنے کے لیے ہے تو پھر اولویت اور ترجیح ظاہر ہے۔ اسے یاد رکھ لو۔ لیکن علامہ ”الشربلانی“ کا رسالہ ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ سکونت کا مستحق استغلال کا مالک نہیں ہوتا۔ اور اس کے برعکس اس میں اختلاف ہے اور رائج جواز ہے، قتال۔ اور اس پر ”الوہابیہ“ میں اس کی شرح میں یہاں اور کتاب الوقف میں تنبیہ کی ہے۔

36577۔ (قوله: لَاَنْ حَقَّهُمْ فِي الْمَنْفَعَةِ لَا الْعَيْنَ) کیونکہ ان کا حق منفعت میں ہے نہ کہ عین میں، یعنی موصی لہم اور موقوف علیہم کا حق۔ اور عین سے مراد غلہ ہے چونکہ وہ عین مال ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ لیکن یہ تعلیل خلاف مطلوب کو ثابت کرتی ہے اور اس مسئلہ کے عکس کی علت بیان کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اس سے میری مراد ”مصنف“ کا قول: لیس للموصی لہ الخ ہے۔ پس درست فی بدل المنفعة کہنا ہے نہ کہ فیہا کہنا۔ کیونکہ ان دونوں کے درمیان ورثا کے حق میں فرق ہے۔ میری مراد وہ ہے جسے ہم نے پہلے ”ہدایہ“ سے بیان کر دیا ہے، لیکن ان کے کلام سے یہ فرق معلوم نہیں ہوتا۔ اللہم مگر یہ کہ منفعت سے استغلال مراد لیا جائے نہ کہ خدمت اور سکونت، اور عین سے غلام کی ذات اور دار مراد ہے۔ اور ”شارح“ کے قول: وقد علمت الفرق بينهما کے ساتھ اشارہ اس کی طرف ہے جسے پہلے ذکر کیا ہے کہ وہ جس کے لیے غلہ کی وصیت کی گئی ہو اس کے لیے دار کی تقسیم جائز نہیں، کیونکہ دار کے عین میں اس کا کوئی حق نہیں۔ چاہیے کہ اس میں غور کیا جائے۔

36578۔ (قوله: وَلَا يُخْرِجُ الْخ) ”ہدایہ“ میں کہا ہے: موصی لہ کے لیے جائز نہیں کہ وہ غلام کو کوفہ سے نکالے مگر اس صورت میں کہ موصی لہ اور اس کے اہل و عیال کوفہ سے باہر رہتے ہوں تو وہ اسے اپنے اہل و عیال کی طرف لے جاسکتا ہے تاکہ وہ وہاں اس کی خدمت کرے جبکہ وہ ثلث سے نکل سکتا ہو۔ کیونکہ وصیت اسی پر نافذ ہوتی ہے جو موصی کے مقصود سے پہچانا جائے۔ پس جب وہ اس کے شہر میں ہوں تو اس کا مقصود یہ ہے کہ شہر میں وہ اسے خدمت کرنے کی قدرت دے اس کے بغیر کہ سفر کی مشقت اس پر لازم ہو۔ اور جب وہ اس کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں رہتے ہوں تو اس کا مقصود یہ ہے کہ وہ غلام کو اپنے اہل و عیال تک پہنچائے تاکہ وہ ان کی خدمت کرے۔ اور ”ابو السعود“ نے ”المقدسی“ سے نقل کیا ہے: اگر وہ اپنے اہل کے ساتھ موصی کے شہر سے نکلا اور موصی کو علم نہ ہوا تو اس کے لیے غلام کو نکالنا جائز نہیں۔

36579۔ (قوله: إِلَّا إِذَا كَانَ ذَلِكَ مَكَانَهُ الْخ) متن کی عبارت کے ظاہر کے مطابق یہ اشارہ اس مکان اور جگہ کی

وَالَّا فَلَا يُخْرِجُهُ (إِلَّا بِإِذْنِ الْوَرَثَةِ) لِبَقَاءِ حَقِّهِمْ فِيهِ (وَبِمَوْتِهِ) أَيْ الْمَوْصِي لَهُ (فِي حَيَاةِ الْمَوْصِي بَطَلَتْ) الْوَصِيَّةُ (وَبَعْدَ مَوْتِهِ يَعُودُ الْعَبْدُ وَالذَّارُ إِلَى الْوَرَثَةِ) أَيْ وَرَثَةُ الْمَوْصِي بِحُكْمِ الْمِلْكِ وَلَوْ أَتْلَفَهُ الْوَرَثَةُ ضَمِنُوا قِيَمَتَهُ لِيَشْتَرِيَ بِهَا عَبْدًا يَقُومَ مَقَامَ الْأَوَّلِ وَلِهَذَا يُنْتَعَمُ الْمَرِيضُ

ورنہ وہ اسے ورثا کی اجازت کے بغیر نہیں لے جاسکتا، اس لیے کہ ان کا حق اس میں باقی ہے۔ اور موصی کی زندگی میں موصی لہ کے فوت ہو جانے کے ساتھ وصیت باطل ہو جاتی ہے، اور اس کی موت کے بعد غلام اور گھر ملکیت کے حکم کے سبب موصی کے ورثا کی طرف لوٹ آئیں گے۔ اور اگر ورثا نے اسے ضائع کر دیا تو وہ اس کی قیمت کے ضامن ہوں گے تاکہ اس کے ساتھ غلام خریداجائے جو پہلے غلام کے قائم مقام ہوگا۔ اور اسی لیے مریض کوثلث سے

طرف ہے جس کی طرف وہ غلام کو نکالنے کا ارادہ کرتا ہے، اور اسی کے ساتھ ”المخ“ میں تصریح کی ہے۔ لیکن ”شارح“ کے حل کی بنا پر اشارہ اس مخرج کی طرف ہے جو موصی لہ ہے نہ کہ کوفہ کی طرف جیسا کہ ”حلی“ نے کہا ہے۔ اس لیے کہ اس کی بعد والے قول: وأهله فی موضع آخر کے ساتھ مناسبت نہیں اور اس بنا پر جو ہم نے کہا ہے اسم اشارہ گان کا اسم ہے اور مکانہ مبتدا اور أهله اس پر معطوف ہے۔ اور فی موضع آخر مبتدا کی خبر ہے، اور پھر جملہ اسمیہ گان کی خبر ہے، اور اس میں متن کے اعراب کو تبدیل کرنا لازم آتا ہے اور اس کے لیے یہ کثرت سے واقع ہوتا ہے۔ اور اشارہ کو کوفہ کی طرف لوٹانا بھی جائز ہے اور مکانہ میں ضمیر غلام (عبد) کے لیے اور أهله میں ضمیر موصی کے لیے ہوگی۔ اور ”المواہب“ کی عبارت ہے: اور وہ اس کے ساتھ صرف اپنے شہر کے لیے سفر کر سکتا ہے۔

36580۔ (قوله: وَبَعْدَ مَوْتِهِ) یعنی موصی کی موت کے بعد اور اس کا عطف ”مصنف“ کے قول: فی حیاة الموصی پر ہے، یعنی موصی کے فوت ہونے کے بعد موصی لہ کے فوت ہونے کے ساتھ وہ ورثا کی طرف لوٹ جائے گا۔
36581۔ (قوله: يَعُودُ الْعَبْدُ وَالذَّارُ) یعنی غلام کی خدمت اور گھر کی سکونت اور ان دونوں کا غلہ اور حاصل ورثا کی طرف لوٹ جائے گا جیسا کہ ”الاتقانی“ نے بیان کیا ہے، کیونکہ وہی موصی بہ ہے۔ تامل۔

36582۔ (قوله: بِحُكْمِ الْمِلْكِ) یعنی موصی یا اس کے ورثا کی ملک کے حکم کے ساتھ۔ پس وہ موصی لہ کے ورثا کی طرف نہیں لوٹے گا۔ اور ”ہدایہ“ کی عبارت ہے: پس اگر موصی لہ فوت ہو گیا تو وہ ورثا کی طرف لوٹ جائے گا، یَوْنَهُ مَوْتِهِ نے موصی لہ کے لیے حق ثابت کیا ہے تاکہ وہ اس کی ملکیت کے حکم پر منافع حاصل کر سکے، اور اگر وہ موصی لہ کے وارث کی طرف منتقل ہو تو وہ ابتداء ہی موصی کی ملک سے اس کی رضا کے بغیر اس کا مستحق بنا اور یہ جائز نہیں ہے۔

36583۔ (قوله: وَلَوْ أَتْلَفَهُ الْوَرَثَةُ) یعنی اگر ورثا نے اس غلام کو ضائع اور ہلاک کر دیا جس کی خدمت کے بارے وصیت کی گئی۔

36584۔ (قوله: وَلِهَذَا الْمَخ) یعنی جنایت کے وقت تاوان کی وجہ سے ان کے مورث کوثلث مال سے زیادہ کے

مِنْ التَّبَذُّعِ بِأَكْثَرِ مِنَ الثُّلُثِ كَذَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ فِي الرَّهْنِ وَلَوْ أَوْصَى بِهَذَا الْعَبْدَ لِفُلَانٍ وَبِخِدْمَتِهِ
لَاخِرَ وَهُوَ يَخْرُجُ مِنَ الثُّلُثِ صَحَّ وَتَسَامُهُ فِي الدَّرَرِ وَفِي الشَّرْئِ نُبْلَالِيَّةٌ وَنَفَقَتُهُ إِذَا لَمْ يُطَقِ الْخِدْمَةُ عَلَى
الْمُوصَى لَهُ بِالرَّقَبَةِ إِلَى أَنْ يُدْرِكَ الْخِدْمَةَ فَيَصِيرَ كَالْكَبِيرِ، وَنَفَقَةُ الْكَبِيرِ عَلَى مَنْ لَهُ الْخِدْمَةُ، وَإِنْ أَبَى
الْإِنْفَاقَ عَلَيْهِ رَدَّهَا إِلَى مَنْ لَهُ الرَّقَبَةُ كَالْمُسْتَعِيرِ مَعَ الْبُعِيدِ،

زیادہ کے ساتھ تبرع کرنے سے منع کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ”مصنف“ نے اسے کتاب الرهن میں ذکر کیا ہے۔ اور اگر اس
نے اس غلام کے بارے فلاں کے لیے اور اس کی خدمت کے بارے دوسرے آدمی کے لیے وصیت کی در آنحالیکہ وہ
ثلث سے نکل سکتا ہو تو وصیت صحیح ہے۔ اور اس کی مکمل بحث ”الدرر“ میں ہے۔ اور ”الشربلالیہ“ میں ہے: جب وہ خدمت
کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا نفقہ اس موصی لہ پر ہوگا جس کے لیے رقبہ کی وصیت کی گئی ہے یہاں تک کہ وہ خدمت
کے قابل ہو جائے، تو پھر وہ کبیر کی طرح ہو جائے گا، اور کبیر کا نفقہ (خرچہ) اس پر ہوتا ہے جس کے لیے اس کی خدمت
ہے۔ اور اگر وہ اس پر خرچ کرنے سے انکار کر دے تو وہ اسے اس موصی لہ کی طرف لوٹا دے جس کے لیے رقبہ کی وصیت کی
گئی ہے جیسا کہ مستعیر کا معاملہ معیر (عاریۃ لینے اور دینے والا) کے ساتھ ہوتا ہے۔

ساتھ تبرع اور احسان کرنے سے منع کیا گیا ہے تاکہ کل مال کا تاوان ان پر لازم نہ آئے اگر اس میں وصیت لازم ہو اور وہ اس
پر جنایت کریں، اور یہ کمزور تعلیل ہے۔ ”سأحانی“ اور ”رحمتی“۔

36585۔ (قوله: صَحَّ) پس جب وہ موصی لہ فوت ہو گیا جس کے لیے خدمت کی وصیت تھی تو وہ اس موصی لہ کی
طرف لوٹ جائے گا جس کے لیے رقبہ (ذات) کی وصیت ہے۔

36586۔ (قوله: وَنَفَقَتُهُ إِذَا لَمْ يُطَقِ الْخِدْمَةُ الْخ) اور جب وہ خدمت کی طاقت نہ رکھے صغریٰ کی وجہ سے یا
بیماری کی وجہ سے تو اس کا نفقہ موصی لہ بالرقبہ پر ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ”الکفایہ“ میں ہے۔ لیکن ”الولوالجیہ“ میں ہے:
جب وہ ایسی بیماری میں مبتلا ہو جس سے تندرست ہونے کی امید ہو تو پھر اس کا نفقہ صاحب خدمت پر ہوگا، اور اگر اس سے صحیح
ہونے کی امید نہ ہو تو پھر نفقہ صاحب رقبہ پر ہوگا۔

36587۔ (قوله: وَنَفَقَةُ الْكَبِيرِ عَلَى مَنْ لَهُ الْخِدْمَةُ) اور کبیر کا نفقہ اس پر ہے جس کے لیے خدمت ہے۔
کیونکہ وہ حاصل کی ہوئی خدمت (استخدام) سے اس پر خرچ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ ”عنایہ“۔

36588۔ (قوله: فَإِنْ جَنَى فَأَلْفِدَاءُ عَلَى مَنْ لَهُ الْخِدْمَةُ) پس اگر وہ جنایت کرے تو فدیہ اس پر ہوگا جس کے
لیے خدمت ہے، اور اس کی موت کے بعد ورثا اس کے لیے اس پر رجوع کریں گے جس کے لیے رقبہ کی وصیت ہے۔ کیونکہ یہ
ظاہر ہے کہ وہی اس سے نفع حاصل کرنے والا ہے، اور وہ اس کے لیے مضطر اور مجبور ہے اور اگر وہ انکار کر دے تو غلام کو اس
جنایت میں بچ دیا جائے گا۔ کیونکہ اگر فدیہ نہ ہو تو وہ جنایت کے سبب لازم اور ضروری ہے۔ ”ولولوالجیہ“۔ اور اس کی مکمل

فَإِنْ جَنَى فَالْفِدَاءُ عَلَى مَنْ لَهُ الْخِدْمَةُ، وَلَوْ أَبَى فِدَاَهُ صَاحِبُ الرَّقَبَةِ أَوْ دَفَعَهُ وَبَطَلَتْ الْوَصِيَّةُ (وَبَشَرَةً
بُسْتَانِهِ فَمَاتَ وَ الْحَالُ أَنَّ فِيهِ شَمْرَةً

پس اگر وہ کوئی جنایت کرے تو اس کا فدیہ اس پر ہے جس کے لیے خدمت ہے، اور اگر وہ انکار کر دے تو صاحب الرقبہ اس کا فدیہ دے یا اسے اس کے حوالے کر دے اور وصیت باطل ہو جائے گی۔ اور اگر اس نے اپنے باغ کے پھل کے بارے وصیت کی اور پھر فوت ہو گیا اور حال یہ کہ اس میں پھل ہے

بحث ”الاشباہ“، القول فی المثلک میں ہے۔

36589۔ (قوله: وَبَطَلَتْ الْوَصِيَّةُ) اور فدیہ اور جنایت کے بدلے دے دینے کی دونوں صورتوں میں وصیت باطل

ہے اور اس کی وضاحت ”الولوالجیہ“ کے ساتویں حصہ میں ہے۔

تمتہ

اسے بیان نہیں کیا جب وہ غلہ کے بارے وصیت کرے اور اس میں غلہ نہ ہو، اور اسے ”صاحب الميسوط“ نے بیان کیا ہے اور کہا ہے: اگر اس نے ایک آدمی کے لیے کھجور کے غلہ کے بارے ہمیشہ کے لیے وصیت کی اور دوسرے کے لیے اس کی ذات (یعنی نفس درخت) کی اور وہ پھل کی عمر کو نہ پہنچی اور نہ اس پر پھل لگا تو اسے پانی لگانے اور اس کی حفاظت کرنے کا خرچہ صاحب رقبہ پر ہوگا۔ کیونکہ یہ خرچہ اس کی ملک کا نمو اور زیادت ہے، اور صاحب غلہ اس سے کوئی نفع حاصل نہیں کر سکتا لہذا اس نفقہ میں سے اس پر کوئی شے نہ ہوگی۔ پھر جب وہ پھل دینے لگے تو نفقہ صاحب غلہ پر ہوگا۔ کیونکہ اس کی منفعت اسی کی طرف لوٹتی ہے۔ کیونکہ اس سے پھل حاصل ہو رہا ہے۔ اور اگر وہ ایک سال پھل لائے پھر بدل جائے اور کوئی چیز بھی نہ اٹھائے تو نفقہ صاحب غلہ پر ہوگا؛ کیونکہ اس کے منافع صاحب غلہ کی طرف ہی راجع ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ درخت جن کی عادت یہ ہو کہ وہ ایک سال پھل دیتے ہوں اور ایک سال نہ دیتے ہوں تو جس سال وہ پھل دیتے ہیں اس سال ان کا پھل عمدہ اور بڑا ہوتا ہے ان کے مقابلے میں جو ہر سال پھل دیتے ہیں۔ اور یہی اس کے نفقہ کی نظیر ہے جس کی خدمت کے بارے وصیت کی گئی ہو۔ کیونکہ وہ رات دن دونوں میں اس موصیٰ لہ پر ہوتا ہے جس کی خدمت کے لیے وصیت کی گئی ہے اگرچہ وہ رات کے وقت سو جاتا ہے اور خدمت نہیں کرتا۔ کیونکہ رات کے وقت سونے کے سبب جب وہ راحت اور سکون حاصل کر لے تو وہ دن کے وقت خدمت کے لیے زیادہ قوی اور طاقتور ہو جاتا ہے اور اگر وہ نہ کرے تو صاحب رقبہ اس پر خرچ کرے یہاں تک کہ وہ پھل لے آئے۔ کیونکہ وہ اپنا خرچہ اس سے پورا کر سکتا ہے، اور اس لیے کہ وہ اس پر خرچہ کرنے کا محتاج ہے تاکہ اس کی ملک ضائع نہ ہو جائے، پس وہ متبرع نہ ہوگا، لیکن وہ نفقہ پھلوں سے پورا کرے گا اور جو اس سے باقی بچے گا تو وہ صاحب غلہ کے لیے ہوگا۔ اسے ”طحاوی“ نے ”سری الدین“ سے نقل کیا ہے۔

36590۔ (قوله: فَمَاتَ وَ الْحَالُ الْخ) یعنی موصی فوت ہو اس حال میں کہ باغ میں پھل موجود ہو۔

لَهُ (هَذِهِ الشَّرَةُ) فَقَطْ (وَإِنْ زَادَ أَبَدًا لَهُ هَذِهِ الشَّرَةُ وَمَا يَسْتَقْبِلُ كَمَا) فِي الْوَصِيَّةِ (بِغَلَّةِ بُسْتَانِهِ) فَإِنَّ لَهُ هَذَا وَمَا يَخْدُثُ ضَمَّ أَبَدًا أَوْ لَا (وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ) أَمَى الْبُسْتَانِ وَالْمَسْأَلَةُ بِحَالِهَا (شَرَةً) حِينَ الْوَصِيَّةِ (فَهِیَ) كَالْوَصِيَّةِ (بِالْغَلَّةِ) فِي تَنَاوُلِهَا الشَّرَةُ الْبَعْدُومَةُ مَا عَاشَ الْوَصَى لَهُ زَيْدَعِي وَفِي الْعِنَايَةِ السَّقَى وَالْخَرَاجُ وَمَا فِيهِ إِصْلَاحُ الْبُسْتَانِ عَلَى صَاحِبِ الْغَلَّةِ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُنْتَفِعُ بِهِ فَصَارَ كَالنَّفَقَةِ فِي فَضْلِ الْخِدْمَةِ

تو صرف یہی پھل اس کیلئے ہوگا۔ اور اگر وہ ابداً کے لفظ کا اضافہ کر دے تو پھر یہ موجود پھل اور جو اس کے بعد لگے گا اسی کے لیے ہو گا جیسا کہ وصیت میں ہوتا ہے۔ اور اگر اپنے باغ کے غلہ (پیداوار) کے بارے وصیت کی تو بلاشبہ اس کے لیے ہوگا یہ بھی اور جو اس کے بعد پیدا ہوگا چاہے وہ ابداً کا کلمہ ساتھ ملائے یا نہ ملائے۔ اور اگر باغ میں وصیت کے وقت پھل نہ ہوں اور مسئلہ اپنے حال پر ہی ہو تو یہ معدوم پھل کو شامل ہونے میں غلہ کے بارے وصیت کی طرح ہے جب تک موصی زندہ رہا ”زیلعی“۔ اور ”العنایہ“ میں ہے: باغ کو سیراب کرنا، خراج اور ہر وہ عمل جس میں باغ کی اصلاح ہو اس کا خرچہ صاحب غلہ پر ہوگا۔ کیونکہ وہی اس سے نفع اٹھانے والا ہے۔ پس یہ خدمت کے مسئلہ میں نفقہ کی طرح ہو گیا۔

36591۔ (قوله: لَهُ هَذِهِ الشَّرَةُ) یعنی یہ پھل موصی لہ کے لیے ہی ہوگا اگر باغ ثلث مال سے نکل آئے۔ اسی بنا پر جو ہم نے ”الکفایہ“ سے پہلے بیان کر دی ہے۔

36592۔ (قوله: فَقَطْ ضَمَّ أَبَدًا أَوْ لَا) وہ ابداً کا لفظ ساتھ ملائے یا نہ ملائے۔ اور فرق یہ ہے کہ ثمرہ عرف میں موجود کا اسم ہے۔ پس یہ معدوم کو شامل نہیں ہوتا مگر کسی زائد دلالت کے ساتھ مثلاً ابد پر نص بیان کرنا وغیرہ۔ رہا غلہ کا لفظ تو یہ موجود کو بھی شامل ہوتا ہے اور اسے بھی جسے وجود یکے بعد دیگرے عرفاً عارض ہو۔ ”درر“۔

36593۔ (قوله: وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ شَرَةً) اور اگر اس میں پھل نہ ہو، اس میں ان کے قول: فَمَاتَ وَفِيهِ شَرَةٌ سے احتراز کیا گیا ہے۔

36594۔ (قوله: وَالْمَسْأَلَةُ بِحَالِهَا) اور مسئلہ اپنے حال پر ہو، یعنی اس نے ابداً کا لفظ زیادہ کئے بغیر اپنے باغ کے پھل کے بارے وصیت کی، پھر وہ فوت ہو گیا لیکن اس حال میں کہ اس میں پھل نہ ہو۔

36595۔ (قوله: حِينَ الْوَصِيَّةِ) وصیت کے وقت، اس میں درست حین الموت یعنی (موت کے وقت) ہے جیسا کہ سابق ولاحق سے معلوم ہوتا ہے۔ اور اسی کے بارے ”الطوری“ نے تصریح کی ہے۔

36596۔ (قوله: زَيْدَعِي) انہوں نے کہا ہے: بلاشبہ یہ اسی طرح ہے کیونکہ ثمرہ حقیقتاً موجود کا اسم ہے اور یہ معدوم کو صرف مجازاً شامل ہوتا ہے، پس جب موت کے وقت اس میں پھل ہو تو وہ لفظ اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہوا، پس وہ مجاز کو شامل نہ ہوگا۔ اور جب اس میں پھل نہ ہو تو وہ مجاز کو شامل ہوگا۔ اور ان دونوں (یعنی حقیقت و مجاز) کو جمع کرنا جائز نہیں ہوگا مگر جب وہ لفظ ابد ذکر کرے تو عموم مجاز کے طریقہ پر وہ دونوں کو شامل ہوگا نہ کہ اس طور پر کہ حقیقت و مجاز دونوں جمع ہیں۔

تَنْبِيْهُ الْغَلَّةِ كُلُّ مَا يَحْصُلُ مِنْ رِيْعِ الْأَرْضِ وَكِرَائِهَا وَأُجْرَةِ الْغُلَامِ وَنَحْوِ ذَلِكَ كَذَا فِي جَامِعِ اللُّغَةِ
قُلْتُ وَظَاهِرُهُ دُخُولُ ثَمَنِ الْحَوْرِ وَنَحْوِهِ فِي الْغَلَّةِ فَيُحَرَّرُ (وَبِصُوفِ غَنِيهِ وَوَلَدِهَا وَلَبْنِهَا لَهُ مَا بَقِيَ

تنبیہ: (غلہ سے مراد ہر وہ شے ہے جو زمین کی آمدن، اس کے کرائے اور غلام کی اجرت وغیرہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح ”جامع اللغہ“ میں ہے۔ میں کہتا ہوں: اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ غلہ میں ایسے درخت وغیرہ کے ثمن داخل ہیں جن پر کوئی پھل نہیں ہوتا۔ پس اس میں غور و فکر کرنی چاہیے۔ اور اپنی بکریوں کی اون، ان کے بچوں، اور ان کے دودھ کی وصیت کی

تنبیہ: اس نے اپنی زمین کے غلہ کے بارے وصیت کی اس حال میں کہ اس زمین میں کوئی درخت نہیں اور اس کے سوا اس کا کوئی مال نہیں تو اسے اجارہ پر دیا جائے گا اور صاحب غلہ (موصی لہ) کو اجرت کا تہائی دیا جائے گا اور اگر اس میں درخت ہوں تو پھر اس سے جو حاصل ہوگا اس کا ثلث دیا جائے گا۔ اور اگر موصی لہ نے ورثا سے باغ خرید لیا تو یہ جائز ہے اور وصیت باطل ہو جائے گی۔ اور اگر وہ کسی شے پر باہم راضی ہو گئے اور وہ اسے اس شرط پر دے دیں کہ وہ غلہ ان کے حوالے کر دے تو یہ جائز ہے۔ اور اسی طرح گھر کی سکونت اور غلام کی خدمت کی صلح کرنا بھی جائز ہے اگرچہ ان حقوق کی بیع کرنا جائز نہیں۔ ”طوری“۔

36597۔ (قوله: وَكِرَائِهَا وَأُجْرَةِ) سے مراد اجرت ہے، اور یہ اصل میں کاری کا مصدر ہے، اور اس سے المکاری یا کی تخفیف کے ساتھ ہے۔ ”مغرب“۔

36598۔ (قوله: كَذَا فِي جَامِعِ اللُّغَةِ) اسی طرح ”جامع اللغہ“ میں ہے، اور اسی طرح ”المغرب“ میں بھی ہے۔

36599۔ (قوله: وَظَاهِرُهُ دُخُولُ ثَمَنِ الْحَوْرِ وَنَحْوِهِ) اور اس کا ظاہر چنار کے درخت اور اس طرح اور درختوں کے ثمن کا داخل ہونا ہے جن کا پھل نہیں ہوتا جیسا کہ بید کا درخت اور سرو وغیرہ۔ پھر الحور حا اور را مہملہ کے ساتھ یہ درختوں میں سے ایک قسم ہے۔ اور اہل شام الدلب (چنار کے درخت) کو حور کہتے ہیں اور وہ دو فتحوں کے ساتھ ہے۔ اس پر دلیل راعی (چرواہا) کا قول ہے جسے ”صاحب تكملة“ نے بیان کیا ہے: کالجوز ينطق بالصفاف والحور۔ (جیسا کہ جوز (اخروٹ) بید کے درخت اور چنار کے درخت کے بارے بولا جاتا ہے)۔ ”مغرب“۔

36600۔ (قوله: فَيُحَرَّرُ) میں کہتا ہوں: اس میں تحریر یہ ہے کہ چنار کا درخت بذات خود داخل ہونہ کہ اس کے ثمن، کیونکہ چنار کا درخت بذات خود موصی بھا غلہ ہے۔ کیونکہ اس سے صرف لکڑی کا ہی قصد کیا جاتا ہے۔ اور ”الغانیہ“ میں ہے: اس نے اپنی انگور کی بیلوں کے غلہ اور حاصل کی کسی انسان کے لیے وصیت کی توفقیہ ”ابوبکر“ نے کہا ہے: جزیں، پتے، پھل اور لکڑیاں سبھی داخل ہوں گی۔ کیونکہ اگر وہ بیل بطور معاملہ دے تو پھل کی طرح یہ تمام اشیاء اس میں شامل ہوتی ہیں۔

36601۔ (قوله: وَوَلَدِهَا) یعنی اس کا حمل۔ ”ولولوا الجیہ“۔ اور ”زیلعی“ وغیرہ کی عبارت ہے: الولد فی البطن

(پیٹ میں موجود بچہ)۔

36602۔ (قوله: لَهُ مَا بَقِيَ) باقی اسی کے لیے ہوگا۔ زیادہ واضح عبارت لہ ما وجد ہے۔ ”المنح“ میں کہا ہے:

(فِي وَقْتِ مَوْتِهِ، سَوَاءٌ قَالَ أَبَدًا أَوْ لَا لِأَنَّ الْمَعْدُومَ مِنْهَا لَا يُسْتَحَقُّ بِشَيْءٍ مِنَ الْعُقُودِ فَكَذَا بِالْوَصِيَّةِ بِخِلَافِ الشَّرَةِ بِدَلِيلِ صِحَّةِ الْمَسَاقَاةِ (أَوْصَى بِجَعْلِ دَارِهِ مَسْجِدًا وَلَمْ تَخْرُجْ مِنَ الثُّلُثِ، وَأَجَازُوا تَجْعُلُ مَسْجِدًا) لِزَوَالِ الْمَانِعِ بِإِجَازَتِهِمْ، وَإِنْ لَمْ يُجِيزُوا يُجْعَلُ ثُلُثُهَا مَسْجِدًا رِعَايَةً لِجَانِبِ الْوَارِثِ وَالْوَصِيَّةِ (وَبِظَهْرِ مَرْكَبِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بَطَلَتْ) لِأَنَّ وَقْفَ الْمَنْقُولِ بَاطِلٌ عِنْدَهُ فَكَذَا الْوَصِيَّةُ وَعِنْدَهُمَا يَجُوزَانِ دُرُورًا

صورت میں موصی کی موت کے وقت ان میں سے جو باقی ہوگا وہ موصی لہ کے لیے ہوگا چاہے وہ ابدًا کا لفظ کہے یا نہ کہے۔ کیونکہ ان میں سے معدوم عقود میں سے کسی شے کا مستحق نہیں ہوتا، تو اسی طرح وصیت بھی ہے بخلاف پھل کے، اس کی دلیل مساقاة کا صحیح ہونا ہے۔ کسی نے اپنے گھر کو مسجد بنانے کی وصیت کی درآنحالیکہ وہ ثلث سے نہ نکل سکتا ہو، پھر ورثا اجازت دے دیں تو اجازت کے ساتھ مانع زائل ہونے کی وجہ سے اسے مسجد بنا دیا جائے گا۔ اور اگر وہ اجازت نہ دیں تو جانب وارث اور وصیت دونوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کے تہائی حصہ کو مسجد بنا دیا جائے گا۔ اور اپنی سواری کی پیٹھ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے کی وصیت کی تو وہ باطل ہے۔ کیونکہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک منقول کا وقف باطل ہے تو اسی طرح وصیت بھی باطل ہے۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں جائز ہیں۔ ”درر“۔

کیونکہ یہ ایجاب موت کے وقت ہے لہذا اسی دن ان اشیاء کے قیام کا اعتبار کیا جائے گا۔ ”طحطاوی“۔

36603۔ (قوله: لِأَنَّ الْمَعْدُومَ الْخ) ”ہدایہ“ میں کہا ہے: فرق یہ ہے کہ قیاس معدوم کی تملیک کا انکار کرتا ہے، مگر معدوم پھل اور غلہ کے بارے میں شرعی حکم ان کا عقد وارد ہونے کے ساتھ موجود ہے جیسا کہ معاملہ اور اجارہ کرنا، اور وہ وصیت میں بدرجہ اولیٰ اس کے جواز کا تقاضا کرتا ہے۔ کیونکہ وصیت کا باب نسبتاً زیادہ وسیع ہے۔ رہا معدوم بچہ اور اس کی مثل اس پر عقد کرنا بالکل جائز نہیں اور نہ وہ کسی عقد کے ساتھ مستحق بنتا ہے، پس اسی طرح وہ وصیت کے تحت بھی داخل نہیں ہوگا۔ بخلاف موجود کے۔ کیونکہ عقد بیع کے ساتھ بالتبع اور عقد خلع کے ساتھ بالقصد اس کا استحقاق جائز ہے اور اسی طرح وصیت بھی ہے۔

36604۔ (قوله: وَلَمْ تَخْرُجْ مِنَ الثُّلُثِ) اور وہ ثلث سے نہ نکلے، اولیٰ یہ کہنا ہے: ولیس لہ مال غیرہا اور اس کا اس کے سوا کوئی مال نہ ہو، اس کی وجہ اس کے بعد یہ قول ہے وان لم یجیزوا یجعل ثلثها مسجداً (اور اگر وہ اجازت نہ دیں تو اس کے ثلث کو مسجد بنا دیا جائے گا) ”طحطاوی“۔

36605۔ (قوله: فِي سَبِيلِ اللَّهِ) یعنی کسی انسان کی تعیین کے بغیر۔ لیکن اگر اس نے اپنے جانور کی پشت اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے کی وصیت کسی معین آدمی کے لیے کی تو بالاتفاق وصیت جائز ہے۔ ”غرر الافکار“۔

منقولہ اشیا کے وقف میں امام اعظم رحمہ اللہ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کا موقف

36606۔ (قوله: وَعِنْدَهُمَا يَجُوزَانِ) اور ”صاحبین“ کے نزدیک منقول کا وقف اور اس کے بارے وصیت دونوں

جائز ہیں، اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ وصیت نہ وقف ہے اور نہ اس کی طرح ہے۔ ”غرر الافکار“ میں کہا ہے: امام ”ابو یوسف“

وَعِنْدَهُمَا يَجُوزُ أَنْ دُرِّمًا وَقَالَ الْمُصَنِّفُ وَفِيهِ نَظَرٌ لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ تَصِحُّ حَيْثُ لَا يَصِحُّ الْوَقْفُ فِي مَوَاضِعَ كَثِيرَةٍ كَالْوَصِيَّةِ بِالْغَلَّةِ وَالصُّوفِ وَنَحْوِ ذَلِكَ كَمَا مَرَّ (أَوْصَى بِشَيْءٍ لِلْمَسْجِدِ لَمْ تَجْزِ الْوَصِيَّةُ) لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ، وَجَوَّزَهَا مُحَمَّدٌ قَالَ الْمُصَنِّفُ وَبِقَوْلِ مُحَمَّدٍ أَفْتَى مَوْلَانَا صَاحِبُ الْبَحْرِ (إِلَّا أَنْ يَقُولَ) الْمَوْصِي (يُنْفِقُ عَلَيْهِ) فَيَجُوزُ اتِّفَاقًا۔ (قَالَ أَوْصَيْتُ بِثُلَاثِي لِفُلَانٍ أَوْ فُلَانٍ بَطَلْتُ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لِحَالَةِ الْمَوْصِي لَهُ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لَهُمَا أَنْ يَصْطَلِحَا عَلَى اخْتِارِ الثَّلَاثِ۔ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يُخَيَّرُ الْوَرَثَةُ فَأَيُّهُمَا شَاءُوا أُعْطُوا

اور ”مصنف“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اور اس میں نظر ہے۔ کیونکہ بہت سے مقامات میں جہاں وصیت صحیح ہوتی ہے وہاں وقف صحیح نہیں ہوتا، جیسا کہ غلہ، اون اور اسی طرح کی دوسری چیزیں جیسا کہ گزر چکا ہے۔ کسی نے مسجد کے لیے کسی شے کے بارے وصیت کی تو وہ وصیت جائز نہیں۔ کیونکہ مسجد مالک نہیں ہوتی۔ اور امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ ”مصنف“ نے کہا ہے: اور مولانا ”صاحب البحر“ نے امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیا ہے مگر یہ کہ موصی یہ کہے: وہ شے اس پر خرچ کی جائے تو وہ بالاتفاق جائز ہے۔ اس نے کہا: میں نے اپنے ثلث مال کے بارے فلاں کے لیے یا فلاں کے لیے وصیت کی، تو امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک موصی لہ کے مجہول ہونے کی وجہ سے وصیت باطل ہے۔ اور امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان دونوں کے لیے جائز ہے کہ وہ ثلث لینے پر صلح کر لیں۔ اور امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ورثا کو اختیار دیا جائے گا۔ وہ ان میں سے جسے چاہیں اسے عطا کر دیں۔

اور امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سواری کو وقف بنایا ہے جو امام کے ہاتھ میں ہوگی اور وہ بیت المال سے اس پر خرچ کرے گا۔ کیونکہ جانوروں اور ہتھیاروں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کرنا ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک آثار کی وجہ سے جائز ہے، اور اونٹوں کے لیے جانوروں (مراد گھوڑے اور خچر وغیرہ ہیں) کا حکم ہے۔

36607۔ (قوله: وَفِيهِ نَظَرٌ) یعنی بظاہر کی جو تعلیل ذکر کی گئی ہے اس میں نظر ہے۔

میں کہتا ہوں: اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حقیقی وصیت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وقف کے معنی میں ہے، اور ”غرر الافکار“ میں اس کے بارے تصریح ہے جیسا کہ اپنے گھر کو مسجد بنانے کی وصیت کرنا۔ کیونکہ وہ معنی کے اعتبار سے وقف ہے اور منقولہ شے کا وقف ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں تو اسی طرح یہ بھی ہے بخلاف غلہ اور اون وغیرہ کی وصیت کے۔ کیونکہ وہ ہر وجہ سے تملیک ہے اور بالکل وقف کے معنی میں نہیں ہے۔ پس اس میں غور و فکر کرو۔

36608۔ (قوله: لَمْ تَجْزِ) یہ جائز نہیں، اسی طرح ”الغرر“ میں ہے، اور ”الشرنبلالیہ“ میں اسے ”الکافی“ کی طرف

منسوب کیا ہے، اور ہم پہلے ”مصنف“ کے اس قول: أَوْصَى بِثُلَاثِ مَالِهِ لِبَيْتِ الْمَقْدِسِ جَازٍ کے تحت اس پر کلام کر چکے ہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

فَصْلٌ فِي وَصَايَا الذِّمِّيِّ وَغَيْرِهِ

(ذِمِّيٌّ جَعَلَ دَارَهُ بَيْعَةً أَوْ كَنِيسَةً) أَوْ بَيْتَ نَارٍ (فِي صِحَّتِهِ فَمَاتَ

ذمی وغیرہ کی وصایا کے بیان میں فصل

(کسی ذمی نے اپنی حالت صحت میں اپنے گھر کو بیعہ (یہود کی عبادت گاہ) یا کنیسہ (گر جا گھر، عیسائیوں کی عبادت گاہ) یا آتشکدہ (مجوس کی عبادت گاہ) بنادیا پھر وہ فوت ہو گیا

یعنی مستأمن، صاحب ہوئی اور مرتدہ اور یہ عنوان ”المسح“ میں ساقط ہے۔

ذمی کی وصایا کی اقسام

تو جان کہ ذمی کی وصایا کی تین قسمیں ہیں:

(1) پہلی قسم بالاتفاق جائز ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب وہ ایسی شے کے بارے وصیت کرے جو ہمارے اور ان کے نزدیک قربت ہو جیسا کہ جب وہ بیت المقدس میں چراغ روشن کرنے کے بارے یا ترکوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے نکلنے کے بارے وصیت کرے در آنحالیکہ وہ اہل روم میں سے ہو۔ برابر ہے اس کی یہ وصیت معین قوم کے لیے ہو یا ایسی قوم کے لیے جو معین نہ ہو۔

(2) اور دوسری قسم بالاتفاق باطل ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب وہ ایسی شے کے بارے وصیت کرے جو ہمارے اور ان کے نزدیک قربت نہ ہو جیسا کہ جب وہ گانا گانے والی عورتوں اور نوحہ کرنے والی عورتوں کے لیے وصیت کرے، یا ایسی شے کے بارے وصیت کرے جو صرف ہمارے نزدیک قربت ہو جیسے حج اور مسلمانوں کے لیے مساجد بنانا، مگر یہ کہ وہ معین قوم کے لیے ہو تو وہ تملیکاً صحیح ہوگی۔

(3) اور تیسری قسم مختلف فیہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب وہ ایسی شے کے بارے وصیت کرے جو صرف ان کے نزدیک قربت ہو جیسا کہ غیر معین قوم کے لیے کنیسہ (گر جا گھر) بنانا۔ پس یہ وصیت ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے، اور ”صاحبین“ رحمہم اللہ کے نزدیک جائز نہیں۔ اور اگر یہ معین قوم کے لیے ہو تو بالا جماع جائز ہے۔

حاصل کلام

اس کا حاصل یہ ہے کہ معین قوم کے لیے اس کی وصیت تمام صورتوں میں اس بنا پر جائز ہے کہ وہ ان کے لیے تملیک ہے، اور مساجد کے چراغ روشن کرنے وغیرہ کی جہت سے جو ذکر کیا ہے وہ بطریق مشورہ نکلا ہے نہ بطریق الزام، پس وہ اس کے بارے جو چاہیں کر سکتے ہیں، کیونکہ وہ ان کی ملکیت ہے۔ اور وصیت بلاشبہ ان کو مالک بنانے کے اعتبار سے صحیح ہے۔ ”زیلعی“، ملخصاً۔

فَهِيَ مِيرَاثٌ) لِأَنَّهُ كَوُفِفَ لَمْ يُسَجَّلْ، وَأَمَّا عِنْدَهُمَا فَلِأَنَّهُ مَعْصِيَةٌ وَلَيْسَ هُوَ كَالْمَسْجِدِ لِأَنَّهُمْ يَسْكُنُونَ وَيَدْفِنُونَ فِيهِ مَوْتَاهُمْ، حَتَّى لَوْ كَانَ الْمَسْجِدُ كَذَلِكَ يُوَرِّثُ قَطْعًا قَالَهُ الْمُصَنِّفُ وَغَيْرُهُ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ لَمْ يَصِرْ مُحَرَّرًا خَالِصًا لِلَّهِ تَعَالَى (وَإِنْ أَوْصَى الذِّمِّيُّ أَنْ يَبْنَى دَارَهُ بَيْعَةً أَوْ كَنِيسَةً لِبُعِيَّانَيْنِ فَهُوَ جَائِزٌ مِنَ الثُّلُثِ وَيُجْعَلُ تَبْلِيكًا، وَإِنْ) أَوْصَى (بِدَارِهِ أَنْ تُبْنَى كَنِيسَةً) أَوْ بَيْعَةً (فِي الْقُرَى)

تو وہ میراث ہوگی۔ کیونکہ یہ غیر مسجل وقف کی طرح ہے۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ اس لیے ہے کیونکہ وہ معصیت ہے، اور وہ مسجد کی طرح نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ان میں سکونت اختیار کرتے ہیں اور ان میں اپنے مردے دفن کرتے ہیں یہاں تک کہ اگر مسجد اس طرح ہو تو یقیناً اس کا وارث بنایا جائے گا۔ ”مصنف“ وغیرہ نے کہا ہے: کیونکہ اس وقت وہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے محرر نہیں۔ اور اگر ذمی نے وصیت کی کہ اس کے گھر کو معین افراد کے لیے بیعہ یا کنیسہ بنادیا جائے تو یہ ثلث سے جائز ہے اور اسے تملیک قرار دیا جائے گا۔ اور اگر اس نے اپنے گھر کے بارے میں وصیت کی کہ اسے دیہات میں کنیسہ یا بیعہ بنادیا جائے۔

36609۔ (قوله: فَهِيَ مِيرَاثٌ) پس یہ بالاتفاق میراث ہے، البتہ تخریج میں اختلاف ہے۔ ”الشرنبلالیہ“۔

36610۔ (قوله: لِأَنَّهُ كَوُفِفَ لَمْ يُسَجَّلْ) کیونکہ یہ وقف غیر مسجل کی طرح ہے، یعنی جس کے لازم ہونے کا حکم نہ لگایا گیا ہو۔ مراد یہ ہے کہ اسے مذکورہ وقف کی طرح وارث بنایا جائے گا۔ اور یہ مراد نہیں ہے کہ جب وہ تحریر کر دے تو وقف کی طرح لازم ہو جائے گی۔ اسے ”الشرنبلالیہ“ میں بیان کیا ہے۔

36611۔ (قوله: وَلَيْسَ هُوَ كَالْمَسْجِدِ) اور وہ مسجد کی طرح نہیں ہے۔ یہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے قول کا تتمہ نہیں ہے بلکہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے قول کا تتمہ ہے اور یہ سوال کا جواب ہے جس کی تقدیر یہ ہے: بلاشبہ یہ ان کے حق میں ایسے ہی ہے جیسے ہمارے حق میں مسجد ہے، اور مسجد کو نہ بیچا جاسکتا ہے اور نہ اس کا وارث بنایا جاسکتا ہے تو پھر چاہیے کہ یہ بھی اسی طرح ہو۔ ”حلبی“۔

36612۔ (قوله: حَتَّى لَوْ كَانَ الْمَسْجِدُ كَذَلِكَ) یہاں تک کہ اگر مسجد اس طرح ہو، جیسا کہ جب وہ اپنے گھر کو مسجد بنادے، اس کے نیچے تہ خانہ ہو اور اس کے اوپر رہنے کا کمرہ (گھر) ہو، جیسا کہ کتاب الوقف میں گزر چکا ہے۔ ”الاقطانی“۔

36613۔ (قوله: لِبُعِيَّانَيْنِ) یعنی وہ معلوم ہوں ان کی تعداد شمار کی جاسکتی ہو۔ ”معراج“۔

36614۔ (قوله: فَهُوَ جَائِزٌ) تو وہ ثلث سے بالاتفاق جائز ہے اور اسے کنیسہ بنانا ان پر لازم نہیں ہوگا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

36615۔ (قوله: فِي الْقُرَى) قری سے مراد وہ مقام ہے جہاں شعائر اسلام میں سے کوئی شے نہ ہو ورنہ وہ امصار

(شہروں) کی طرح ہوگا۔ اسے ”قہستانی“ اور ”برجندی“ نے ذکر کیا ہے۔ ”در منشی“۔

فَلَوْ فِي الْبَصْرِ لَمْ يَجْزِ اتِّفَاقًا (لِقَوْمٍ غَيْرِ مُسْتَمِينَ صَحَّحْتُ) عِنْدَكَ لَا عِنْدَهُمَا لِمَا مَرَّ أَنَّهُ مَعْصِيَةٌ وَلَهُ أَنَّهُمْ يُتْرَكُونَ وَمَا يَدِينُونَ فَتَصَحَّحْ (كَوْصِيَّةَ حَرْبِي مُسْتَأْمِنٍ) لَا وَارِثَ لَهُ هُنَا (بِكُلِّ مَالِهِ لِمُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ)

پس اگر وہ شہر میں ہو تو وہ بالاتفاق جائز نہیں۔ غیر معین قوم کے لیے تو ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ صحیح ہے نہ کہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس لیے کہ یہ گزر چکا ہے کہ وہ معصیت ہے۔ اور ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ انہیں چھوڑا جا رہا ہے اور اسے جو وہ دین رکھتے ہیں۔ پس وصیت صحیح ہے جیسا کہ حربی مستامن کا وصیت کرنا اپنے کل مال کے بارے کسی مسلمان یا کسی ذمی کے لیے اور یہاں (دارالاسلام میں) اس کا کوئی وارث نہ ہو۔

36616۔ (قوله: غَيْرِ مُسْتَمِينَ) یہ لفظ ایک یا کے ساتھ ہے جیسا کہ مصطفین ہے اور بہت سے نسخوں میں یہ لفظ دو یا کے ساتھ ہے اور وہ تحریف ہے۔ کیونکہ پہلی یا متحرک ماقبل مفتوح ہونے کے سبب الف سے بدلنے کے بعد حذف کر دی گئی ہے۔

36617۔ (قوله: لِمَا مَرَّ أَنَّهُ مَعْصِيَةٌ) اس لیے کہ گزر چکا ہے کہ یہ معصیت ہے، اور ان کے معین نہ ہونے کی وجہ سے اسے تملیک بنانا ممکن نہیں۔ اور یہی ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک صحیح نہ ہونے کی علت ہے۔ بنا اور وصیت کے درمیان فرق

36618۔ (قوله: وَلَهُ أَنَّهُمْ يُتْرَكُونَ وَمَا يَدِينُونَ) اور ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک انہیں اور جو وہ دین رکھتے ہیں اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ ان کے اعتقاد میں قربت ہے۔ اور اسی لیے اگر وہ ایسی شے کے بارے وصیت کرے جو حقیقتاً قربت ہو اور ان کے اعتقاد کے مطابق معصیت ہو تو ان کے اعتقاد کا اعتبار کرتے ہوئے وہ جائز نہ ہوگی۔ اور آپ کے نزدیک بنا اور وصیت کے درمیان فرق ہے کہ بنا بذات خود بنانے والے کی ملکیت زائل ہونے کا سبب نہیں ہے، اور وصیت ملکیت زائل کرنے کے لیے ہی وضع کی گئی ہے۔ ”ہدایہ“، ملخصاً۔

36619۔ (قوله: كَوْصِيَّةَ حَرْبِي مُسْتَأْمِنٍ) جیسا کہ حربی مستامن کی وصیت، اس کے ساتھ اسے مقید کیا۔ کیونکہ ذمی کی وصیت کا ثلث سے اعتبار کیا جاتا ہے اور وہ اس کے وارث کے لیے صحیح نہیں ہوتی، اور وہ اس ذمی کے لیے جائز ہوتی ہے جو دوسرے دین پر ہو لیکن دارالحرب میں حربی کے لیے جائز نہیں ہوتی۔ ”ملتقی“۔

36620۔ (قوله: لَا وَارِثَ لَهُ هُنَا) اس کا ہمارے دار میں کوئی وارث نہ ہو۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اس کا وارث یہاں ہو تو ثلث سے زیادہ کے ساتھ جائز نہ ہوگی۔ ”زیلعی“ وغیرہ نے اس مفہوم کو قیل کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور اس کے ضعف کو بیان کیا ہے۔ لیکن اس پر اعتماد اور یقین کیا ہے جسے ”شارح“ نے ”الوقایہ“، ”الاصلاح“ اور ”الملتقی“ میں ذکر کیا ہے۔ اور اسی کی طرف ”ہدایہ“ اور ”جامع صغیر“ میں اشارہ کیا ہے۔ پس یہ اس کا فائدہ دیتا ہے کہ وہی معتمد علیہ ہے۔ کیونکہ متون شروح پر مقدم ہیں۔ اور اسی پر ”الاتقانی“ نے اس کی طرف منسوب کرتے ہوئے اعتماد کیا ہے جو ”سرخی“ کی شرح میں

كَذَانِي الْوَقَايَةِ، وَلَا عِبْرَةَ بَيْنَ ثَمَّةٍ لِأَنَّهُمْ أَمْوَاتٌ فِي حَقِّنَا وَلَوْ أَوْصَى بِنِصْفِهِ مَثَلًا نَفَذَ وَرُدَّ بَاقِيَهُ لَوَرَّثَتْهُ لَا إِرْثًا، بَلْ لِأَنَّهُ لَا مُسْتَحِقَّ لَهُ فِي دَارِنَا، وَكَذَا لَوْ أَوْصَى لِمُسْتَأْمَنٍ مِثْلِهِ وَلَوْ أَعْتَقَ عَبْدَهُ عِنْدَ الْمَوْتِ أَوْ دَبَّرَهُ نَفَذَ مِنَ الْكُلِّ لِبَاقُلُنَا۔ وَلَوْ أَوْصَى لَهُ مُسْلِمٌ أَوْ ذِمِّيٌّ جَازَ عَلَى الْأَظْهَرِ زَيْلَعِي

اسی طرح ”الوقایہ“ میں ہے۔ اور جو دار الحرب میں وارث ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ وہ ہمارے حق میں مردہ ہیں۔ اور اگر مثال کے طور پر اس نے اپنے نصف مال کے بارے وصیت کی تو وہ نافذ ہو جائے گی اور باقی مال اس کے ورثا کی طرف لوٹ دیا جائے گا لیکن وراثہ نہیں، بلکہ اس لیے کہ ہمارے دار میں اس کا کوئی مستحق نہیں، اور اسی طرح حکم ہے اگر اس نے مستامن کے لیے اس کی مثل وصیت کی۔ اور اگر اس نے موت کے وقت اپنا غلام آزاد کر دیا یا اسے مدبر بنالیا تو وہ تمام مال سے حکم نافذ ہوگا اسی بنا پر جوہم نے بیان کر دیا۔ اور اگر کسی مسلمان یا ذمی نے اس کے لیے وصیت کی تو ظاہر روایت کے مطابق یہ جائز ہے۔ ”زیلعی“۔

ہے۔ کیونکہ یہاں اس کے وارث کا حق امان کے سبب معتبر ہے۔ اور اگر اس کا وہاں دوسرا وارث ہو تو وہ حاضر کے ساتھ شریک ہوگا اور موصیٰ لہ کے لیے صرف ثلث ہوگا۔

36621۔ (قوله: كَذَانِي الْوَقَايَةِ) اسی طرح ”الوقایہ“ میں ہے۔ اس کا ذکر ”شارح“ کے قول: لا وارث له هنا کے پیچھے ہونا منسب تھا تا کہ وہ اس کے ساتھ ”زیلعی“ کی مخالفت کی طرف اشارہ کرتے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

36622۔ (قوله: وَلَا عِبْرَةَ بَيْنَ ثَمَّةٍ) یعنی اس کے ان ورثا کا کوئی اعتبار نہیں جو دار الحرب میں ہیں، یعنی ثلث سے زائد کو باطل کرنے میں ان کے حق کی رعایت نہیں کی جائے گی۔

36623۔ (قوله: وَرُدَّ بَاقِيَهُ لَوَرَّثَتْهُ) اور اس کے حق کی رعایت کرتے ہوئے باقی مال اس کے ورثا کو لوٹ دیا جائے نہ کہ ان کے حق کی وجہ سے۔ پس اس کا مال اس کے ورثا کے حوالے کرنا اس کے حق میں سے ہے جب وہ اس کی حاجت اور اس کے تصرف سے فارغ ہو جائے۔ ”اتقانی“۔

36624۔ (قوله: لَا إِرْثًا لَخ) نہ کہ وراثہ۔ اسی طرح ”المنح“ میں الوصایا کے شروع میں ہے۔ اور یہ اس وجہ کی نفی ہے جو ”شارح“ کے قول: لورثته سے پیدا ہوتا ہے، اور یہ اس مسئلہ اور ماقبل مسئلہ کے درمیان فرق کا بیان ہے۔ کیونکہ وہاں یہ ارادہ نہیں کیا کہ جو ثلث سے زائد ہے وہ اس کے ورثا کی طرف لوٹا دیا جائے۔ کیونکہ اس کا مستحق موجود ہے اور وہ ہے جس کے لیے کل مال کی وصیت کی گئی ہے۔

36625۔ (قوله: وَكَذَا) یعنی اسی طرح وصیت صحیح ہے۔

36626۔ (قوله: لِبَاقُلُنَا) اس کی وجہ سے جوہم نے کہا ہے کہ یہاں اس کے ورثا کا کوئی اعتبار نہیں ہے الخ۔

36627۔ (قوله: عَلَى الْأَظْهَرِ) ظاہر روایت کے مطابق، اس کے مقابل وہ ہے جو شیخین و تابعین سے عدم جواز منقول

(وَصَاحِبُ الْهَوَىٰ إِذَا كَانَ لَا يَكْفُرُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُسْلِمِ فِي الْوَصِيَّةِ) لِأَنَّا أَمَرْنَا بِبِنَاءِ الْأَحْكَامِ عَلَى ظَاهِرِ الْإِسْلَامِ (وَإِنْ كَانَ يَكْفُرُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُرْتَدِّ) فَتَكُونُ مَوْقُوفَةً عِنْدَهُ نَافِذَةً عِنْدَهُمَا شَرْحُ الْمَجْمَعِ - (وَالْمُرْتَدُّ فِي الْوَصِيَّةِ كَذِمِّيَّةٍ فِي الْأَصَحِّ لِأَنَّهَا لَا تُقْتَلُ) (الْوَصِيَّةُ الْمُطْلَقَةُ) كَقَوْلِهِ هَذَا الْقَدْرُ

اور ہوس پرست جب کفر نہ کرتا ہو تو وہ وصیت میں بمنزلہ مسلمان کے ہے۔ کیونکہ ہمیں ظاہر اسلام پر احکام کی بنا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اگر وہ کفر کرتا ہو تو پھر وہ بمنزلہ مرتد کے ہے۔ پس ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی وصیت موقوف ہو گی اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ نافذ ہوگی۔ ”شرح الجمع“۔ اور مرتدہ عورت وصیت میں ذمیہ عورت کی طرح ہے۔ یہی اصح روایت ہے۔ کیونکہ اسے قتل نہیں کیا جاتا۔ وصیت مطلقہ جیسا کہ اس کا قول ”میرے مال میں سے یہ مقدار

ہے۔ کیونکہ وہ حکماً ان کے دار میں ہیں یہاں تک کہ اس کی طرف رجوع کرنا ممکن ہے۔ پس وہ وراثت کی طرح ہوگئی۔ اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ وصیت ابتداء ہی تملیک ہے۔ اسی لیے یہ ذمی اور غلام کے لیے جائز ہوتی ہے بخلاف ارث کے۔ ”زیلعی“۔ اہل ہوا کی تعریف

36628۔ (قوله: وَصَاحِبُ الْهَوَىٰ) سید ”جرجانی“ نے اپنی ”تعریفات“ میں کہا ہے: اہل ہوی سے مراد وہ اہل قبلہ ہیں جن کے عقائد اہل السنۃ کے عقائد کے مطابق نہیں ہوتے، اور وہ جبریہ، قدریہ، روافض، خوارج، معطلہ اور مشبہ ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کے بارہ فرقے ہیں۔ پس اس طرح یہ بہتر ہو گئے۔
36629۔ (قوله: إِذَا كَانَ لَا يَكْفُرُ) یعنی جب وہ اس کے ساتھ کفر نہ کرتا ہو پس اس کے ظاہر ہونے کی وجہ سے اس سے بہ حرف جار حذف کر دیا گیا۔ ”طحاوی“۔

36630۔ (قوله: فَتَكُونُ مَوْقُوفَةً) پس وہ موقوف ہوگی یعنی اگر وہ اسلام لے آیا تو وہ نافذ ہو جائے گی اور اگر وہ حالت ردّت پر فوت ہو گیا تو دیگر تمام تصرفات کی طرح یہ بھی باطل ہو جائے گی۔

36631۔ (قوله: كَذِمِّيَّةٍ فِي الْأَصَحِّ) اصح قول کے مطابق ذمیہ عورت کی طرح ہے۔ پس اس کی وصایا صحیح ہوں گی۔ ”ہدایہ“۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: صحیح نہیں ہوں گی۔ ”صاحب ہدایہ“ نے ”الزیادات“ میں کہا ہے: اور یہی صحیح ہے کیونکہ ذمیہ عورت اپنے اعتقاد پر پختہ ہوتی ہے بخلاف مرتدہ عورت کے۔

”العنایہ“ میں کہا ہے: اور ظاہر یہ ہے کہ ”صاحب ہدایہ“ کے دونوں کلاموں کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے۔ کیونکہ صحیح اور اصح دونوں سچے ہوتے ہیں یعنی ان میں سے ایک کا اصح (زیادہ صحیح ہونا) دوسرے کے صحیح ہونے کے منافی نہیں ہوتا۔ اور علامہ ”زیلعی“ نے پہلے کو ترجیح دی ہے۔

وصیت مطلقہ اور عامہ میں فرق

36632۔ (قوله: الْوَصِيَّةُ الْمُطْلَقَةُ) وصیت مطلقہ وہ ہوتی ہے جس میں غنی اور فقیر کسی کا ذکر نہ کیا جائے، اور وصیت

مِنْ مَالِي أَوْ ثُلُثُ مَالِي وَصِيَّةٌ (لَا تَحِلُّ لِلْغَنِيِّ) لِأَنَّهَا صَدَقَةٌ، وَهِيَ عَلَى الْغَنِيِّ حَرَامٌ (وَإِنْ عُبِّتْ) كَقَوْلِهِ يَأْكُلُ مِنْهَا الْغَنِيُّ وَالْفَقِيرُ، لِأَنَّ أَكْلَ الْغَنِيِّ مِنْهَا إِنَّمَا يَصِحُّ بِطَرِيقِ التَّهْنِيطِ وَالتَّهْنِيطُ إِنَّمَا يَصِحُّ لِلْمُعِينِ وَالْغَنِيُّ لَا مُعِينَ وَلَا يُحْصَى - (وَلَوْ خُصَّتْ) الْوَصِيَّةُ (بِهِ) أَيْ بِالْغَنِيِّ كَقَوْلِهِ هَذَا الْقَدْرُ مِنْ مَالِي وَصِيَّةٌ لِيَزِيدَ وَهُوَ غَنِيٌّ (أَوْ لِقَوْمٍ أَغْنِيَاءَ) مَحْصُورِينَ حَلَّتْ لَهُمْ لِمَصَحَّةِ تَهْنِيطِهِمْ (وَكَذَا) الْحُكْمُ (فِي الْوَقْفِ) كَمَا حَرَّرَكَ مُنْذَرًا خُشْرُو

یا میرے مال کا تہائی وصیت ہے، کسی غنی کے لیے حلال نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ صدقہ ہوتی ہے، اور صدقہ غنی پر حرام ہے اگرچہ وصیت عامہ ہو جیسا کہ اس کا یہ قول کہ اس سے غنی اور فقیر کھا سکتے ہیں۔ کیونکہ اس سے غنی کا کھانا بطریق تہنیت صحیح ہوتا ہے، اور بلاشبہ تہنیت معین کے لیے صحیح ہوتی ہے اور غنی معین نہیں ہوتا اور نہ اسے شمار کیا جاتا ہے۔ اور اگر وصیت غنی کے ساتھ خاص ہو جیسے اس کا قول: ”میرے مال سے یہ مقدار زید کے لیے وصیت ہے اور وہ غنی ہو یا یہ اغنیا کی محصور جماعت کے لیے وصیت ہے تو وہ ان کی تہنیت صحیح ہونے کی وجہ سے ان کے لیے حلال ہے، اور اسی طرح وقف میں بھی حکم ہے جیسا کہ اسے مندرجہ ”خسر“ نے تحریر کیا ہے۔

عامہ وہ ہوتی ہے جس میں ان دونوں کا ذکر کیا جائے۔ ”طحاوی“۔

36633۔ (قوله: وَهِيَ عَلَى الْغَنِيِّ حَرَامٌ) اور وہ غنی پر حرام ہے، اور موصی کی موت کے بعد اس کے لیے اسے بہ بنانا ممکن نہیں ہوتا بخلاف اس پر فی الحال صدقہ کرنے کے کیونکہ اسے بہ بنادیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ فقہاء نے کہا ہے: بلاشبہ غنی پر صدقہ کرنا بہ ہے، اور فقیر کے لیے بہ کرنا صدقہ ہے۔ ”طحاوی“۔

36634۔ (قوله: وَإِنْ عُبِّتْ) اگرچہ وہ عام ہو، اس میں ان وصلیہ ہے۔ اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہاں وصیت صحیح ہے بخلاف اس کے کہ اگر وہ اسے صرف اغنیا کے ساتھ خاص کرے۔ کیونکہ اسے تہنیت بنانا ممکن نہیں ہوتا اس لیے کہ وہ شمار نہیں کئے جاسکتے۔ اور نہ وہ صدقہ ہے کیونکہ لفظ حاجت کے معنی سے آگاہ نہیں کرتا اس اختیار کی بنا پر جسے باب الوصیۃ للاقارب میں پہلے ذکر کر دیا ہے۔

36635۔ (قوله: وَالْغَنِيُّ لَا مُعِينَ) اور غنی معین نہیں ہوتا۔ ”الدرر“ کی عبارت ہے: ”لا یعین“۔

36636۔ (قوله: وَكَذَا الْحُكْمُ فِي الْوَقْفِ) اور اسی طرح وقف میں حکم ہے، یعنی وقف مطلق فقراء کے ساتھ مختص ہوتا ہے، وہ غنی کے لیے حلال نہیں ہوتا اگرچہ وقف کرنے والا عام قرار دے، اور جب وہ اسے معین غنی یا اغنیا کی محصور جماعت کے ساتھ خاص کر دے تو وہ ان کے لیے حلال ہے اور وہ اس کے منافع کے مالک ہو جائیں گے نہ کہ اس کے عین کے۔ ”درر“۔

اور اس پر وہ اشکال وارد کیا جاتا ہے جس کے بارے فقہاء نے اس طرح تصریح کی ہے کہ سبیل، قبرستان اور سرائے اور اسی طرح کی دیگر چیزیں وہ ہیں جن سے فقیر اور غنی دونوں کے لیے نفع اٹھانا جائز ہے، اس لیے کہ وقف کرنے والا ان سے عموم

وَفِي جَامِعِ الْفُصُولَيْنِ الْمُتَوَلَّى عَلَى الْوَقْفِ كَالْوَصِيِّ فُرُوعٌ أَوْصَى بِثُلْثِ مَالِهِ لِلصَّلَوَاتِ جَازٍ لِلْوَصِيِّ صَرْفُهُ
لِلْوَرَثَةِ لَوْ مُحْتَاجِينَ يَعْْنِي لِغَيْرِ قَرَابَةِ الْوَلَادِ مِمَّنْ يَجُوزُ صَرْفُ الْكَفَّارَةِ إِلَيْهِمْ، بِخِلَافِ مُطْلَقِ الْوَصِيَّةِ
لِلنَّسَاكِينَ فَإِنَّهَا تَجُوزُ لِكُلِّ وَرَثَتِهِ وَلِأَحَدِهِمْ يَعْْنِي لَوْ مُحْتَاجِينَ حَاضِرِينَ بَالِغِينَ رَاضِينَ، فَلَوْ مِنْهُمْ
صَغِيرٌ أَوْ غَائِبٌ أَوْ حَاضِرٌ غَيْرُ رَاضٍ

اور ”جامع الفصولین“ میں ہے: وقف پر متولی وصی کی طرح ہے۔ کسی نے اپنے ثلث مال کے ساتھ نمازوں کا فدیہ دینے کی وصیت کی، تو وصی کے لیے اسے اس کے وارثوں پر خرچ کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ محتاج ہوں، ولادت کے اعتبار سے قریبی نہ ہوں اور ان میں سے ہوں جن کی طرف کفارہ کو پھیرنا جائز ہوتا ہے، بخلاف مساکین کے لیے مطلق وصیت کے۔ کیونکہ وہ اس کے ورثا میں سے تمام کے لیے اور ان میں سے کسی ایک کے لیے جائز ہوتی ہے بشرطیکہ وہ محتاج، حاضر، بالغ اور لینے کے لیے راضی ہوں۔ پس اگر ان میں سے کوئی صغیر یا غائب یا حاضر لینے کے لیے راضی نہ ہو

کا قصد کرتا ہے تو جب اس کے عموم کا قصد کافی ہے تو پھر اس پر تنصیص کرنے کے ساتھ وہ ممتنع کیسے ہو سکتا ہے۔ پس چاہیے کہ اسے تحریر کر لیا جائے۔ ”رحمتی“۔

وقف کے متولی اور وصی میں وجہ اشتراک

36637۔ (قوله: الْمُتَوَلَّى عَلَى الْوَقْفِ كَالْوَصِيِّ) وقف کا متولی بہت سے احکام میں وصی کی طرح ہے۔ اسی لیے انہوں نے کہا ہے: بلاشبہ متولی احوالوصی ہے (وصی کا بھائی مراد وصی کی مثل ہے) اور یہاں اس کی مناسبت وہ ہے جسے گزشتہ کلام میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ وقف اور وصیت دونوں کا حکم ایک ہے۔ تحقیق انہوں نے یہ بھی کہا ہے: یہ دونوں بھائی (یعنی ہم مثل) ہیں، اور کہا ہے: وقف وصیت سے سیراب ہوتا ہے، اور یہ بھی کہا ہے: بلاشبہ دونوں ایک وادی سے سیراب ہوتے ہیں۔

36638۔ (قوله: يَعْْنِي لِغَيْرِ قَرَابَةِ الْوَلَادِ) یعنی وہ اصول و فروع کے بغیر ہوں۔ اور اس قید کو ”القنیہ“ میں اس سے لیتے ہوئے ذکر کیا ہے جو ”ابوالقاسم“ نے کہا ہے: اگر اس نے وصیت کی کہ اس کی نمازوں کا کفارہ اس کے پوتے کو دیا جائے اور وہ وارث نہیں تو بلاشبہ وہ اسی طرح دیا جائے گا جیسے اس نے حکم دیا ہے اور وہ کفارہ کی طرف سے اسے ادا نہیں ہوگا۔

36639۔ (قوله: مِمَّنْ يَجُوزُ صَرْفُ الْكَفَّارَةِ إِلَيْهِمْ) اور وہ ان میں سے ہو جن کی طرف کفارہ کو پھیرنا جائز ہوتا ہے اس طرح کہ وہ مسلمان محتاج ہوں۔ ”طحطاوی“۔

36640۔ (قوله: وَلِأَحَدِهِمْ) اور ان میں سے کسی ایک کے لیے، یعنی جمع ہونا شرط نہیں ہے۔ کیونکہ الف لام جنسی نے جمعیت کا معنی باطل کر دیا ہے۔ ”طحطاوی“۔

36641۔ (قوله: فَلَوْ مِنْهُمْ صَغِيرٌ) پس اگر ان میں سے کوئی صغیر ہو، اس میں اوغیر محتاج کی زیادتی کرنا اولیٰ ہے تاکہ وہ مکمل ہو جائے جن سے احتراز مطلوب ہے۔ ”طحطاوی“۔

لَمْ يَجْزِ أَوْصَى بِكَفَّارَةِ صَلَاتِهِ لِرَجُلٍ مُعَيَّنٍ لَمْ تَجْزِ لَغَيْرِهِ بِهِ يُفْتَى لِفَسَادِ الزَّمَانِ أَوْصَى لِصَلَوَاتِهِ، وَثُلُثُ مَالِهِ دُيُونٌ عَلَى الْمُعْسِرِينَ فَتَرَكَهَا الْوَصِيُّ لَهُمْ عَنِ الْفِدْيَةِ لَمْ تَجْزِ وَلَا بُدَّ مِنَ الْقَبْضِ ثُمَّ التَّصَدُّقِ عَلَيْهِمْ وَلَوْ أَمَرَ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِالثُّلُثِ فَمَاتَ فَغَضَبَ غَاصِبٌ ثُلُثَهَا مَثَلًا وَاسْتَهْلَكَهَا فَتَرَكَهُ صَدَقَةٌ عَلَيْهِ وَهُوَ مُعْسِرٌ يُجْزِيهِ لِحُصُولِ قَبْضِهِ بَعْدَ الْمَوْتِ،

تو وہ جائز نہیں۔ کسی نے معین آدمی کے لیے اپنی نماز کے کفارہ کی وصیت کی تو وہ اس کے سوا کسی دوسرے کے لیے جائز نہیں۔ فساد زمانہ کی وجہ سے اسی کے ساتھ فتویٰ دیا جاتا ہے۔ کسی نے اپنی نمازوں کے فدیہ کے بارے وصیت کی در آنحالیکہ اس کا تہائی مال تنگدستوں اور فقراء کے پاس بطور قرض تھا، اور وصی نے وہ مال بطور فدیہ ان کے لیے چھوڑ دیا تو فدیہ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں ایک بار قبضہ کرنا اور پھر اسے ان پر صدقہ کرنا ضروری ہے۔ اور اگر اس نے تہائی مال صدقہ کرنے کا حکم دیا اور فوت ہو گیا، پھر غاصب نے اس کا تہائی مال غصب کر لیا اور اسے ہلاک کر دیا اور وصی نے اسے اس پر بطور صدقہ چھوڑ دیا در آنحالیکہ وہ تنگدست ہو، تو وہ جائز ہے کیونکہ غاصب نے وصی کی موت کے بعد اس پر قبضہ کیا ہے

36642۔ (قوله: لَمْ يَجْزِ) وہ جائز نہیں۔ کیونکہ وہ وارث کے لیے وصیت کرنے کے قبل سے ہے اور وہ تمام ورثہ کی اجازت کی محتاج ہوتی ہے، اور وہ غائب اور جو راضی نہیں اس کی طرف سے نہیں پائی گئی اور صغیر کی طرف سے وہ صحیح نہیں۔ اور کیا یہ شرائط دوسری قسم کے لیے ہیں یا دونوں قسموں کے لیے یعنی نماز کے کفارہ اور تبرع کے لیے۔ چاہیے کہ اسے تحریر کیا جائے۔ ”رحمتی“۔

36643۔ (قوله: أَوْصَى بِكَفَّارَةِ صَلَاتِهِ) اس نے اپنی نماز کے کفارہ کے بارے وصیت کی۔ یہ کفارہ پر نص ہے۔ کیونکہ اگر وہ وصیت کے ساتھ معین کے لیے وصیت کرے تو بلا اختلاف وہ اسے دینا متعین ہو جاتا ہے۔ ”طحاوی“۔

36644۔ (قوله: لَمْ تَجْزِ لَغَيْرِهِ) یعنی قاضی اور وصی کے لیے اسے کسی غیر کی طرف پھیرنا جائز نہیں۔ ”منح“۔

36645۔ (قوله: لِفَسَادِ الزَّمَانِ) فساد زمانہ کی وجہ سے اور وہ قاضی وغیرہ کا طمع اور لالچ ہے۔ ”منح“۔ کیونکہ بسا اوقات وہ اسے کسی کو بھی نہیں دیں گے جب ہم اس کے لیے اسے اس سے روکنا جائز قرار دیں جسے میت نے معین کیا ہے، اس لیے کہ وہ معدوم ہے جو اس کے بارے مطالبہ کرے۔

36646۔ (قوله: أَوْصَى لِصَلَوَاتِهِ) اس نے اپنی نمازوں یا اپنے روزوں کے لیے وصیت کی۔ ”منح“۔

36647۔ (قوله: لَمْ تَجْزِ) تو وہ جائز نہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے جائز ہے۔ ”الحنیہ“ میں کہا ہے: ہمارے استاذ نے کہا

ہے: پہلا قول میرے نزدیک پسندیدہ ہے یہاں تک کہ کوئی روایت پائی جائے۔

36648۔ (قوله: ثُمَّ التَّصَدُّقِ عَلَيْهِمْ) پھر فدیہ کی نیت سے ان پر صدقہ کرنا ورنہ مامور بہ ادا نہیں ہوگا۔ تامل۔

36649۔ (قوله: ثُلُثَهَا) مراد ترکہ کا ثلث ہے۔ (یعنی غاصب نے اسے غصب کر لیا)۔

بِخِلَافِ الدِّينِ الْكُلِّ مِنَ الْقُنْيَةِ وَفِي الْجَوَاهِرِ أَوْصَى لِرَجُلٍ بِعَقَارٍ وَمَاتَ فَقُسِمَتِ التَّرِكََةُ وَالْمَوْصَى لَهُ فِي
الْبَلَدِ وَقَدْ عَلِمَ بِالْقِسْمَةِ وَلَمْ يَطْلُبْ ثُمَّ بَعْدَ سِنِينَ ادَّعَى تَسْمِعُ، وَلَا تَبْطُلُ بِالتَّأْخِيرِ إِنْ لَمْ يَكُنْ رَدَّ
الْوَصِيَّةَ أَوْصَى لَهُ بِدَارٍ فَبَاعَهَا بَعْدَ مَوْتِهِ قَبْلَ الْقَبْضِ صَاحَّ لِجَوَازِ التَّصَرُّفِ فِي الْمَوْصَى بِهِ قَبْلَ قَبْضِهِ
وَقَفَّتْ ضَيْعَتُهَا عَلَى وَلَدِهَا وَجَعَلَتْ عَمَّ الْوَلَدِ مُتَوَلِّيًا وَلِلْوَلَدِ أَبٌ فَالْمُتَوَلَّى أَوَّلَى مِنَ الْأَبِ شَرَى دَارًا
وَأَوْصَى بِهَا لِرَجُلٍ فَأَخَذَهَا السَّفِيْعُ مِنْ يَدِ الْمَوْصَى لَهُ يُؤْخَذُ بِالشَّيْنِ وَلَوْ اسْتَحَقَّ الدَّارُ لَا يَرْجِعُ الْمَوْصَى
لَهُ عَلَى الْوَرَثَةِ بِشَيْءٍ لِأَنَّهُ ظَهَرَ أَنَّهُ أَوْصَى بِهَا لِغَيْرِ انْتَهَى وَاللَّهُ أَعْلَمُ

بمخلاف قرض کے (کیونکہ اس پر قبضہ موصی کی زندگی میں ہوا تھا)۔ یہ تمام مسائل ”القنیہ“ سے نقل کئے گئے ہیں۔ اور ”الجواہر“ میں ہے: اس نے ایک آدمی کے لیے اپنے مکانوں والی زمین کے بارے وصیت کی اور وہ فوت ہو گیا، پھر اس کا ترکہ تقسیم کیا گیا اور موصی لہ اس شہر میں تھا اور اسے اس تقسیم کا علم تھا لیکن مطالبہ نہیں کیا، پھر کئی سال گزرنے کے بعد دعویٰ کیا تو وہ سنا جائے گا اور وہ تاخیر کے سبب باطل نہیں ہوگا بشرطیکہ اس نے وصیت کو رد نہ کیا ہو۔ کسی نے ایک آدمی کے لیے دار کے بارے وصیت کی تو اس نے اس کی موت کے بعد قبضہ کرنے سے پہلے اسے فروخت کر دیا تو یہ صحیح ہے۔ اس لیے کہ موصی بہ میں قبضہ کرنے سے پہلے تصرف کرنا اس کے لیے جائز ہے۔ کسی عورت نے اپنی زمین اپنے بیٹے کے لیے وقف کی اور بیٹے کے چچا کو اس کا متولی بنا دیا حالانکہ بیٹے کا باپ بھی موجود ہے تو متولی باپ کی نسبت اولیٰ ہوگا۔ کسی نے گھر خریدا اور کسی آدمی کے لیے اس کی وصیت کر دی۔ پھر شفیع نے موصی لہ کے قبضہ سے اسے لے لیا تو ثمن لے لیے جائیں گے۔ اور اگر اس گھر کا کوئی مستحق نکل آیا تو پھر موصی لہ کسی شے کے لیے ورثا کی طرف رجوع نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ اس نے غیر کے مال کے بارے وصیت کی ہے۔ انتہی۔ واللہ اعلم۔

36650۔ (قوله: بِخِلَافِ الدِّينِ) بخلاف اس قرض کے جس کا ذکر سابقہ مسئلہ میں ہے۔ کیونکہ اس پر موصی کی موت سے پہلے قبضہ کیا گیا ہے۔ باقی رہا یہ کہ اگر وہ اپنی نمازوں کے کفارہ کے بارے وصیت کرے اور مسئلہ اپنے حال پر رہے تو کیا موت کے بعد اس کا قبضہ ہونے کی وجہ سے وہ اس کے لیے جائز ہوگا یا نہیں؟ رجوع کیا جائے۔

36651۔ (قوله: فَبَاعَهَا) یعنی موسیٰ لہ نے موسیٰ کی موت کے بعد اسے بیچ دیا۔

36652۔ (قوله: لِحَوَازِ التَّصْرِيفِ الخ) تصرف جائز ہونے کی وجہ سے۔ کیونکہ یہ قبول کرنے کی دلیل ہے۔

36653۔ (قولہ: فَالْمُتَوَلَّى أَوَّلَىٰ مِنَ الْآبِ) پس متولی باپ سے اولیٰ ہے، اگر وہ ماں کے وصی کے قبیل سے نہ ہو

تاکہ وہ باپ سے موخر ہو، کیونکہ متولی کی ولایت وقف پر ہے نہ کہ بیٹے پر۔

36654۔ (قوله: يُؤْخَذُ بِالشَّيْنِ) یعنی موصی لہ کے لیے مشتری کے ترکہ سے ثمن لے لیے جائیں گے اور مشتری

فرع

اس نے کئی وصیتیں کیں اور پھر کہا: باقی فقراء کے لیے ہے، اور پھر ان میں سے بعض فوت ہو گئے جن کے لیے اس نے وصیت کی تو وہ مال فقراء کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ کیونکہ جب وہ فوت ہو گئے تو وصی نے ان میں محل نفاذ نہیں پایا۔ پس وہ باقی رہے گا اور وہ فقراء کے لیے ہوگا۔ ”الولوالحمیہ“، واللہ اعلم۔

بَابُ الْوَصِيِّ وَهُوَ الْوَصِيُّ إِلَيْهِ

(أَوْصَى إِلَى زَيْدٍ) أَيْ جَعَلَهُ وَصِيًّا (وَقَبِلَ عِنْدَهُ صَاحَّ، فَإِنْ رَدَّ عِنْدَهُ)

وصی یعنی موصی الیہ کا بیان

کسی نے زید کی طرف وصیت کی یعنی اسے وصی بنایا، اور اس نے اس کے پاس اسے قبول کر لیا تو یہ صحیح ہے۔ اور اگر اس نے اس کے پاس،

جب ”مصنف“ موصی لہ کے بیان سے فارغ ہوئے تو موصی الیہ کے احکام کے بیان میں شروع ہوئے اور وہی وصی ہے اس لیے کہ کتاب الوصایا اسے شامل ہوتا ہے لیکن موصی لہ کے احکام کو ان کی کثرت اور ان کے کثرت سے واقع ہونے کی وجہ سے مقدم کیا ہے۔ پس ان کی معرفت کی حاجت کا بیان گزر چکا ہے۔ ”عنایہ“۔
وصیت قبول کرنے کے بارے میں اسلاف کا نقطہ نظر

اور تو جان! وصی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ انہیں (وصایا) کو قبول کر لے کیونکہ ان میں خطرہ ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ پہلی بار ان میں داخل ہونا غلط ہے، دوسری بار خیانت ہے، اور تیسری بار سرقہ (چوری) ہے۔ اور امام ”حسن“ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے: وصی عدل کرنے پر قادر نہیں ہوتا اگرچہ وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوں۔ اور ”ابو مطیع“ نے کہا ہے: میں نے اپنی بیس سالہ مدت قضا میں ایسا کوئی نہیں دیکھا جو اپنے بھتیجے کے مال میں عدل کرتا ہو۔ ”قہستانی“۔
اور بعض نے کہا ہے: [الکامل]

احْذَرُ مِنَ الْوَاوَاتِ اَرْبَعَةً فَهِنَّ مِنَ الْحُتُوفِ

تو چار واؤں سے بچ، پس وہ موتوں میں سے ہیں۔

ولو الوکالة والولاية، والوصاية والوقوف

اور وہ وکالت، ولایت، وصایت اور وقوف کی واؤں ہیں۔

وصیت کے الفاظ

36655۔ (قولہ: أَوْصَى إِلَى زَيْدٍ) یہ لفظ فَوَّضَ کے معنی کو متضمن ہے اس لیے اسے الی کے ساتھ متعدی کیا ہے۔ اور ہم

اس پر کتاب کے شروع میں کلام کر چکے ہیں۔ اور یہ تفویض ہر اس لفظ کیساتھ صحیح ہوتی ہے جو اس پر دلالت کرتا ہو۔ پس ”الخانیہ“ میں ہے: اس نے کہا: تو میری موت کے بعد میرا وکیل ہے تو وہ وصی ہو جائے گا، تو میری زندگی میں میرا وصی ہے تو یہ کہنے سے وہ وکیل ہو جائے گا۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کو اپنا قائم مقام بناتا ہے لہذا دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی

أَمَى بِعَلِيهِ (يَرْتَدُّ وَإِلَّا لَا يَصِحُّ) الرَّدُّ بِغَيْبَتِهِ لِئَلَّا يَصِيدَ مَغْرُورًا مِنْ جِهَتِهِ،

یعنی اس کے علم کے ساتھ اسے رد کر دیا تو وہ رد ہو جائے گا، ورنہ اس کی عدم موجودگی میں رد صحیح نہیں ہوگا تا کہ وہ اس کی جانب سے فریب خوردہ نہ ہو جائے۔

عبارت کے ساتھ منعقد ہوتا ہے۔ اور ”الغائب“ اور ”الخلاصہ“ وغیرہ میں ہے: تو میرا وصی ہے، یا تو میرے مال میں میرا وصی ہے، یا میں نے اپنی موت کے بعد اولاد تیرے حوالے کی، یا میری موت کے بعد تو میری اولاد کا خیال رکھ اور حفاظت کر، یا میری موت کے بعد ان کے لوازم اور ضروریات کو پورا کر، یا وہ الفاظ کہے جو ان کی جگہ استعمال ہو سکتے ہیں تو وہ وصی ہو جائے گا۔ اور ”الولوالجیہ“ میں ہے: تم میری موت کے بعد اس طرح کرو تو وہ تمام اوصیاء ہوں گے۔ اور اگر وہ خاموش رہے یہاں تک کہ وہ فوت ہو گیا، پھر ان میں سے دو یا زیادہ نے اسے قبول کر لیا تو وہ اوصیاء ہوں گے۔ اور اگر ایک نے قبول کیا تو وہ تصرف نہیں کر سکتا یہاں تک کہ قاضی اس کے ساتھ کسی دوسرے کو مقرر کر دے یا اس کے لیے تصرف مطلق قرار دے۔ کیونکہ یہ اس طرح ہو گیا گویا اس نے دو کو وصی بنایا تو پھر ان میں سے ایک منفرد نہیں ہو سکتا (یعنی اکیلا تصرف نہیں کر سکتا) اور ”الدرالمشتقی“ میں ”الذخیرہ“ سے ہے: اگر اس نے کسی آدمی کو ایک نوع میں وصی بنایا تو وہ تمام انواع میں وصی ہو جائے گا۔ اس کی مکمل بحث عنقریب آئے گی۔ ”طحطاوی“۔

36656۔ (قوله: أَمَى بِعَلِيهِ) دونوں مقامات میں یہ عبد کی تفسیر ہے یعنی اس کا حاضر ہونا شرط نہیں ہے۔ ”طحطاوی“۔

36657۔ (قوله: بِغَيْبَتِهِ) اس میں سابقہ کلام کے مطابق مناسب: بغیر علمہ کہنا ہے بلکہ سیاق کلام کے اس پر دلالت کرنے کی وجہ سے اسے ساقط کرنا ہے، ”حلی“۔ کیونکہ ”مصنف“ کے قول: وَإِلَّا كَا مَعْنَى هِيَ: دَان لَمْ يَرِدْ بَعْدَهُ لَعْنَى يَہ کہ اس نے اس کی موت کے بعد یا اس سے پہلے اس کے علم کے بغیر رد کر دیا۔

36658۔ (قوله: لِئَلَّا يَصِيدَ) تا کہ میت اس کی جانب سے فریب خوردہ نہ ہو جائے۔ کیونکہ اس نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ پس اس میں تو میت کو نقصان پہنچانا ہے، اور موصی لہ اور موصی الیہ کے درمیان فرق کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ پہلے کا فی الحال قبول کرنا غیر معتبر ہے یہاں تک کہ اگر وہ موصی کی زندگی میں قبول کر لے پھر موت کے بعد رد کر دے تو یہ صحیح ہے۔ کیونکہ وصیت کے ساتھ اس کا نفع اس کی اپنی ذات کے لیے ہے بخلاف دوسرے کے جیسا کہ اسے ”العنایہ“ میں بیان کیا ہے۔

تنبیہ

قاضی کا وصی جب اپنے آپ کو معزول کرے تو مناسب ہے کہ اس کی معزولی کے بارے قاضی کا جاننا شرط ہو جیسا کہ جب وکیل اپنے آپ کو معزول کرے تو موکل کو اس کے بارے علم ہونا اور قاضی کے معزول ہونے کے بارے میں سلطان کو اس کا علم ہونا شرط ہوتا ہے۔ ”بزازیہ“۔

وَيَصِحُّ إِخْرَاجُهُ عَنْهَا وَلَوْ فِي غَيْبَتِهِ عِنْدَ الْإِمَامِ خِلَافًا لِلثَّانِي بَرَّازِيَّةً (فَإِنْ سَكَتَ) الْمَوْصَى إِلَيْهِ (فَنَاتِ) مَوْصِيهِ (فَلَهُ الرَّدُّ وَالْقَبُولُ) وَلَزِمَ عَقْدَ الْوَصِيَّةِ (بَيْنَ شَيْءٍ مِنْ التَّرِكَةِ وَإِنْ جَهِلَ بِهِ) أَمَّا بِكُونِهِ وَصِيًّا؛ فَإِنَّ عِلْمَ الْوَصِيِّ بِالْوَصَايَةِ لَيْسَ بِشَرْطٍ فِي صِحَّةِ تَصَرُّفِهِ (بِخِلَافِ الْوَكِيلِ)

اور اس کا اس سے نکالنا صحیح ہوگا اگرچہ اس کی عدم موجودگی میں ہو۔ یہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے بخلاف امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے۔ ”برازیہ“۔ اور اگر وصی خاموش رہا اور اس کا موصی فوت ہو گیا تو اس کے لیے رد اور قبول کرنے کا اختیار ہے۔ اور ترکہ میں سے کوئی شے بیچنے کے ساتھ عقد وصیت لازم ہو جائے گا اگرچہ وہ اس کے وصی ہونے کے بارے نہ جانتا ہو۔ کیونکہ وصی کا وصایہ کے بارے جاننا اس کے تصرف کے صحیح ہونے میں شرط نہیں ہے بخلاف وکیل کے۔

موصی کا وصی کو وصیت سے نکالنا صحیح ہے

36659۔ (قوله: وَيَصِحُّ إِخْرَاجُهُ) یعنی اس کو قبول کرنے کے بعد اسے نکالنا صحیح ہوتا ہے جیسا کہ ”البرازیہ“

میں ہے۔

36660۔ (قوله: وَلَوْ فِي غَيْبَتِهِ) اگرچہ اس کی عدم موجودگی میں ہو۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ وہ معزول ہو جائے گا اگرچہ معزول ہونے کی خبر اسے نہ پہنچے بخلاف وکیل کے۔ تاہل۔

36661۔ (قوله: فَلَهُ الرَّدُّ وَالْقَبُولُ) پس اس کے لیے رد و قبول کا اختیار ہے۔ کیونکہ یہاں کوئی فریب اور دھوکا دہی نہیں ہے، کیونکہ موصی وہی ہے جس نے اس حیثیت سے دھوکا کھایا ہے کہ وہ اس کے حال سے آگاہ نہیں کہ اس نے وصایا کو قبول کیا ہے یا نہیں۔ ”الدرر“۔

میں کہتا ہوں: لیکن اس کا رد کرنا اسے اس سے کلی طور پر نہیں نکالے گا، اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر وہ رد کرنے کے بعد قبول کر لے تو یہ صحیح ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

36662۔ (قوله: وَلَزِمَ الْإِخْرَاجَ) اس میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ قبول جس طرح قول کے ساتھ ہوتا ہے اسی طرح فعل کے ساتھ بھی ہوتا ہے کیونکہ یہ اس پر دلالت کرتا ہے۔

36663۔ (قوله: بَيْنَ شَيْءٍ) یعنی موصی کی موت کے بعد کوئی شے بیچنے کے ساتھ عقد وصیت لازم ہو جائے گا اور بیع نافذ ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ اس سے صادر ہوئی ہے جسے ولایت کے ساتھ اہلیت حاصل ہے۔ اور اسی طرح جب وہ کوئی شے خریدے جو ورثہ کے لیے صلاحیت رکھتی ہو یا وہ کوئی مال ادا کرے یا اس کا تقاضا کرے۔ ”اختیار“۔

36664۔ (قوله: بِخِلَافِ الْوَكِيلِ الْإِخْرَاجَ) بخلاف وکیل کے۔ کیونکہ توکیل انابت ہے اس لیے کہ یہ موکل کی ولایت قائم ہونے کی حالت میں ثابت ہوتی ہے۔ رہا کسی کو وصی بنانا! تو یہ ایصاء اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ میت کی ولایت منقطع ہونے کی حالت کے ساتھ مختص ہے۔ پس یہ ورثہ کی طرح علم پر موقوف نہیں ہوتی۔ ”زیلعی“۔

فَإِنْ عَلِمَهُ بِالنَّوْكَالَةِ شَرْطًا (فَإِنْ سَكَتَ ثُمَّ رَدَّ بَعْدَ مَوْتِهِ ثُمَّ قَبِلَ صَحَّ إِلَّا إِذَا نَفَذَ قَاضٍ رَدَّهُ) فَلَا يَصِحُّ قَبُولُهُ بَعْدَ ذَلِكَ (وَلَوْ أَوْصَى إِلَى صَبِيٍّ وَعَبْدٍ غَيْرِهِ وَكَافِرٍ وَفَاسِقٍ)

کیونکہ اسے وکالت کا علم ہونا شرط ہے۔ پس اگر وہ خاموش رہا پھر اس کی موت کے بعد اس نے رد کر دیا پھر قبول کر لیا تو یہ صحیح ہے، مگر جب قاضی اس کے رد کو نافذ کر دے تو پھر اس کے بعد اس کا قبول کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اور اگر وہ بچے، کسی دوسرے کے غلام، کافر یا فاسق کو وصی بنائے

36665۔ (قولہ: صَحَّ) تو یہ صحیح ہے کیونکہ یہ رد موصی کے علم کے بغیر صحیح نہیں۔ ”کفایہ“۔ اور رد کے صحیح نہ ہونے سے

اس کا وصی ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ وہ قبول پر موقوف ہے جیسا کہ قول سابق: فله الرد والقبول نے اس کا فائدہ دیا ہے۔
حاصل کلام

حاصل کلام یہ ہے کہ جب وہ خاموش ہو گیا تو وہ وصی نہیں ہوا۔ پس اسے رد یعنی عدم قبول اور قبول کے درمیان اختیار دیا جائے گا۔ لہذا جب وہ رد کر دے یعنی قبول نہ کرے تو اسے قبول پر مجبور نہ کیا جائے، اور جب وہ قبول کر لے اگرچہ رد کے بعد ہی ہو تو وہ صحیح ہے۔ کیونکہ اس کا رد صحیح نہیں یعنی اس نے اسے قبول کی اہلیت سے خارج نہیں کیا۔ پس جب یہ کہا گیا تو وہ وصی ہو گیا، ورنہ پھر وہ وصی نہ ہوتا۔ اور اسی سے ہمارے زمانہ میں نئے فتویٰ کا جواب ظاہر ہو گیا اس آدمی کے بارے میں جس نے دو آدمیوں کو وصی بنایا تو ان میں سے ایک نے اسے قبول کر لیا اور دوسرا خاموش رہا اور اس سے کوئی ایسا فعل صادر نہ ہوا جو رضا اور عدم رضا پر دلالت کرتا ہو اور قبول کرنے والے نے ترکہ میں تصرف کیا تو کیا پہلے کے رضا اور رد کا اظہار کرنے سے پہلے تنہا اس کا تصرف صحیح ہوگا؟ تو جواب یہ ہے: خاموش رہنے والا اسی وجہ سے وصی نہیں ہوا جو ہم نے بیان کر دی ہے، لیکن قبول کرنے والا ”طرفین“ رضائے علیہما کے نزدیک انفرادی طور پر تصرف نہیں کر سکتا۔ اور امام ”ابو یوسف“ رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ انفرادی تصرف کر سکتا ہے جیسا کہ ہم عنقریب اسے ”اللولو الجیہ“ سے ذکر کریں گے۔ پس قاضی اس کے ساتھ دوسرا وصی مقرر کرے گا، اور وہ دونوں مل کر ایک ساتھ تصرف کریں گے۔ واللہ اعلم۔

36666۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا نَفَذَ قَاضٍ رَدَّهُ) مگر جب قاضی اس کا رد نافذ کر دے۔ کیونکہ یہ مقام اجتہاد کا مقام ہے۔

کیونکہ یہ رد امام ”زفر“ رضی اللہ عنہ کے نزدیک صحیح ہے۔ ”کفایہ“۔ میں کہتا ہوں: یہ ہمارے زمانہ کے قضا کے سوا میں ہے۔

36667۔ (قولہ: وَعَبْدٍ غَيْرِهِ) یا غیر کے غلام کو وصی بنایا، اگرچہ اس کے آقا کی اجازت کے ساتھ ہی ہو۔

”قہستانی“۔ یہاں اور اس کے بعد واؤ بمعنی او ہے۔

36668۔ (قولہ: وَكَافِرٍ) یعنی ذمی ہو یا حربی ہو یا مستامن ہو۔ ”عنایہ“۔ یا وہ مرتد ہو جیسا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے

جو آگے آرہا ہے۔

36669۔ (قولہ: وَفَاسِقٍ) یعنی وہ جس سے مال کے بارے میں خوف ہو۔ ”قہستانی“۔

بَدَّلَ، أَمْ بَدَّلَهُمُ الْقَاضِي (بِغَيْرِهِمْ) إِثْمًا لِلنَّظَرِ وَلَقَطُ بَدَّلَ يُفِيدُ صِحَّةَ الْوَصِيَّةِ، فَلَوْ تَصَرَّفُوا قَبْلَ الْإِخْرَاجِ جَازٍ سَرَاجِيَّةً (فَلَوْ بَدَّلَ الصَّبِيُّ وَعَتَقَ الْعَبْدُ وَأَسْلَمَ الْكَافِرُ) أَوْ الْهَرْتَدُ وَتَابَ الْفَاسِقُ مُجْتَبًى وَفِيهِ فَوْضٌ وَلَايَةُ الْوَقْفِ لِصَبِيٍّ صَحَّ اسْتِحْسَانًا (لَمْ يُخْرِجَهُمُ الْقَاضِي عَنْهَا)

تو قاضی اتمام نظر و فکر کے لیے انہیں دوسروں کے ساتھ بدل دے، اور بدل کا لفظ وصیت صحیح ہونے کا فائدہ دیتا ہے۔ پس اگر انہوں نے اخراج سے قبل تصرف کیا تو وہ جائز ہے۔ ”سراجیہ“۔ اور اگر بچہ بالغ ہو گیا، غلام آزاد ہو گیا، اور کافر یا مرتد نے اسلام قبول کر لیا اور فاسق نے توبہ کر لی۔ ”مجتبیٰ“۔ اور اسی میں ہے: اس نے وقف کی ولایت کسی بچے کو سونپ دی تو وہ استحساناً صحیح ہے۔ قاضی انہیں موجب عزل زائل ہونے کی وجہ سے وصایا سے خارج

36670۔ (قوله: بَدَّلَ) یعنی وہ وجوباً آزاد، مسلمان اور صالح کے ساتھ اسے بدل دے۔ کیونکہ غلام کو اس کے ساتھ روک دیا جاتا ہے، اور کافر دشمن ہے، اور فاسق متہم بالخیانہ ہے۔ ”تہستانی“۔

36671۔ (قوله: وَلَقَطُ بَدَّلَ يُفِيدُ صِحَّةَ الْوَصِيَّةِ) اور بدل کا لفظ وصیت صحیح ہونے کا فائدہ دیتا ہے۔ اور ”قدوری“ کی عبارت ہے: قاضی انہیں نکال دے۔ ”ہدایہ“ میں کہا ہے: یہ وصیت کے صحیح ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے، کیونکہ اخراج (نکالنا) صحت کے بعد ہونے کے ساتھ ہی ثابت ہوتا ہے۔ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے ”الاصل“ میں کہا ہے: بلاشبہ ایصاء باطل ہے۔

اور اس کے معنی میں فقہانے اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے: یہ عنقریب قاضی کے باطل کرنے کے ساتھ ان تمام صورتوں میں باطل ہو جائے گا۔ اور بعض نے کہا ہے: یہ عنقریب غیر کے غلام میں اس کی ولایت نہ ہونے کی وجہ سے باطل ہو جائے گا۔ پس یہ باطل ہوگا۔ اور بعض نے کہا ہے: یہ عنقریب فاسق میں باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ کافر غلام کی طرح ہے جیسا کہ ”الکافی“ میں ہے۔ ”تہستانی“۔ اور پہلا عام مشائخ کا قول ہے جیسا کہ ”العنایہ“ میں ہے۔

پھر تو جان کہ ”مصنف“ نے متون اور ”ہدایہ“ پر بچے کے ذکر کا اضافہ کیا ہے اور ”المجتبیٰ“ پر اس کی شرح میں نقل کیا ہے: اور بچے کو وصی بنانا جائز ہے، لیکن اس پر ذمہ داری لازم نہیں ہوگی جیسا کہ وکالت ہے۔ اور اسے ”الاختیار“ میں بھی ذکر کیا ہے جیسے ”مصنف“ نے کہا ہے۔ لیکن ”شرح الوہبانیہ“ میں نقل کیا ہے: جب وہ غلام یا بچے کو وصی بنائے تو قاضی دونوں کو نکال دے، کیونکہ بچہ تصرف کی طرف راہنمائی نہیں پاتا۔ کیا اخراج سے پہلے اس کا تصرف نافذ ہوگا؟ تو بعض نے کہا ہے: ہاں نافذ ہو جائے گا۔ اور بعض نے کہا ہے: نہیں۔ اور یہی صحیح ہے، کیونکہ اس میں ذمہ داری کو لازم کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ پس اگر وہ اخراج سے پہلے بالغ ہو گیا تو امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: وہ وصی نہیں ہوگا۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: وہ وصی ہوگا۔ ملخصاً۔ اور اس کی مکمل بحث اسی میں ہے۔ پس تو اس کی طرف رجوع کر۔

36672۔ (قوله: وَأَسْلَمَ الْكَافِرُ) یعنی اصلی کافر اسلام لے آیا۔ ”طحاوی“۔

أَمَّا عَنْ الْوَصَايَا لِزَوَالِ الْمَوْجِبِ لِلْعَزْلِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ غَيْرَ أَمِينٍ اخْتِيَارًا (وَرَأَى عَبْدَهُ وَ) الْحَالُ أَنَّ (وَرَثَتْهُ صَغِيرًا صَحَّ) كَيْصَائِهِ إِلَى مُكَاتِبِهِ أَوْ مُكَاتِبِ غَيْرِهِ، ثُمَّ إِنَّ رَدَّ فِي الرِّقِّ فَكَالْعَبْدِ (وَرَأَى لَا) وَقَالَ لَا يَصِحُّ مُطْلَقًا دُرٌّ

نہ کرے مگر یہ کہ وہ امین نہ ہو۔ ”اختیار“۔ کسی نے اپنے غلام کو وصی بنایا درآنحالیکہ اس کے ورثا چھوٹے ہوں تو وہ صحیح ہے جیسا کہ اپنے یا غیر کے مکاتب کو وصی بنانا صحیح ہے۔ پھر اگر وہ غلامی میں لوٹ گیا تو وہ غلام کی طرح ہے اور اگر اس کے ورثا بچے اور نابالغ نہ ہوں تو پھر غلام کو وصی بنانا صحیح نہیں ہے۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہا نے کہا ہے: غلام کو وصی بنانا مطلقاً صحیح نہیں ہے۔ ”درر“۔

36673۔ (قوله: أَمَّا عَنْ الْوَصَايَا) بعض نسخوں میں الوصایۃ ہے یعنی ادھیاء میں سے۔

36674۔ (قوله: ثُمَّ إِنَّ رَدَّ فِي الرِّقِّ) پھر اگر وہ غلامی میں لوٹ گیا، اس طرح کہ وہ بدل کتابت ادا کرنے سے

عاجز آگیا۔

غلام کو وصی بنانے میں ”امام صاحب“ رحمہ اللہ علیہ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہا کا اختلاف

36675۔ (قوله: فَكَالْعَبْدِ) تو وہ غلام کی طرح ہے، یعنی اگر وہ کسی غیر کا مکاتب ہو تو وصیت صحیح ہے اور قاضی اسے

کسی غیر کے ساتھ بدل دے۔ اور اگر وہ اس کا اپنا مکاتب تھا تو یہی ”مصنف“ کا اختلافی مسئلہ ہے۔ ”طحطاوی“۔

36676۔ (قوله: وَإِلَّا) یعنی اس طرح کہ اگر ان میں کوئی کبیر (بڑا، بالغ) ہو تو وصی بنانا صحیح نہیں ہے، کیونکہ ورثا میں

سے اس بڑے کے لیے اس غلام کی بیع کرنا یا اپنے حصے کی بیع کرنے کا اختیار ہے۔ پس وہ وصی بننے سے عاجز ہے۔ کیونکہ

مشتری اسے اس سے روک سکتا ہے لہذا وصیت کا فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ ”اختیار“۔

36677۔ (قوله: وَقَالَ لَا يَصِحُّ مُطْلَقًا) اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہا نے کہا ہے: وہ مطلقاً صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں

مالک پر مملوک کی ولایت کا اثبات ہے اور یہ قلب مشروع (مشروع حکم کا الٹ کرنا) ہے۔ اور ”امام صاحب“ رحمہ اللہ علیہ کی دلیل یہ

ہے کہ اس نے ایسے آدمی کو وصی بنایا ہے جو اس کا اہل ہے۔ پس وہ صحیح ہے جیسا کہ اگر وہ مکاتب کو وصی بنائے۔ اور یہ اس لیے

ہے کیونکہ وہ مکلف اور تصرف کو ترجیح دینے والا ہے اور اس پر کسی کے لیے ولایت نہیں ہے۔ کیونکہ چھوٹے (نابالغ) اگرچہ

مملوک اور تابع ہیں لیکن جب ان کا باپ ان میں سے کسی کو اپنا قائم مقام بنا دے تو وہ تصرف کے اہل ہو جاتا ہے لیکن اسے

دوسروں پر ولایت حاصل نہیں ہوتی۔ ”درر“۔

لیکن اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اس کا غلام بیچ دے۔ ”طحطاوی“۔

اور اگر کہا جائے: اگر ان کو بیع کی ولایت حاصل نہیں تو قاضی کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے بیچ دے۔ پس منع تو ثابت ہو گیا۔

تو جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ جب ایصاء (وصی بنانا) ثابت ہو جائے تو قاضی کے لیے بیع کی ولایت باقی نہ رہی۔ ”عنایہ“۔

(وَمَنْ عَجَزَ عَنِ الْقِيَامِ بِهَا) حَقِيقَةً لَا بِمُجَرَّدِ إِخْبَارِهِ (ضَمَّ) الْقَاضِي (إِلَيْهِ غَيْرُهُ) عَارِيَّةً لِحَقِّ الْمَوْصِي وَالْوَرَثَةِ۔ (وَلَوْ ظَهَرَ لِلْقَاضِي عَجْزُهُ أَصْلًا اسْتَبْدَلَ غَيْرَهُ وَلَوْ عَزَلَهُ) أَيْ الْمَوْصِي الْمُخْتَارُ

اور جو حقیقتاً وصایت کو قائم کرنے سے عاجز ہو نہ کہ صرف اس کے خبر دینے سے تو قاضی موصی اور ورثا کے حق کی رعایت کرتے ہوئے اس کے ساتھ کسی دوسرے کو ملا دے۔ اور اگر قاضی کے لیے اس کا عجز اصلاً ظاہر ہو جائے تو وہ کسی دوسرے کو اس کا بدل بنا دے اور اگر قاضی نے موصی کے پسندیدہ وصی کو

اگر کوئی اکیلے وصی کی ذمہ داری ادا کرنے سے عاجز ہو تو اس کا حکم

36678۔ (قوله: وَمَنْ عَجَزَ عَنِ الْقِيَامِ بِهَا) یعنی جو اکیلے وصی کی ذمہ داری ادا کرنے سے عاجز ہو اس طرح کہ اسے کسی معاون کی حاجت اور ضرورت ہو جیسا کہ آنے والا مسئلہ اس پر قرینہ ہے۔

36679۔ (قوله: حَقِيقَةً) اس طرح کہ وہ بیٹنہ کے ساتھ ثابت ہو۔ کیونکہ بیٹنہ کے ساتھ ہونے والا معاینہ کی طرح ہوتا ہے، نہ کہ وہ قاضی کے علم کے ساتھ ثابت ہو۔ کیونکہ مفتی یہ ہے کہ وہ اپنے علم کے ساتھ فیصلہ نہ کرے۔ ”رحمتی“۔

36680۔ (قوله: لَا بِمُجَرَّدِ إِخْبَارِهِ) نہ کہ صرف اس کے خبر دینے کے ساتھ۔ کیونکہ وہ کبھی اپنے اوپر آسانی اور تخفیف کے لیے جھوٹ بول سکتا ہے، اور اسی طرح اگر ورثا یا ان میں سے بعض قاضی کے پاس وصی کی شکایت کریں تو اس کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اسے معزول کر دے یہاں تک کہ اس کی طرف سے کوئی خیانت ظاہر ہو جائے۔ ”ہدایہ“۔

تنبیہ

جو کچھ انہوں نے ذکر کیا ہے اس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ وصی کے لیے وصایہ کو قبول کرنے کے بعد اپنے آپ کو نکالنے کا اختیار نہیں اور اس کے بارے تصریح پہلے گزر چکی ہے۔ اور اس میں حیلہ دو چیزیں ہیں جیسا کہ ”الاشباہ“ میں ہے: ان میں سے ایک یہ ہے کہ میت اسے اس شرط پر بھی بنائے کہ وہ جب چاہے اپنے آپ کو معزول کر لے، اور دوسری یہ کہ وہ میت کے خلاف قرض کا دعویٰ کرے اور قاضی اسے متہم قرار دے کر نکال دے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ میت کے وصی میں ہے۔ رہا قاضی کا وصی تو ہم پہلے ”البرزازیہ“ سے یہ نقل کر چکے ہیں کہ وہ قاضی کو اطلاع دے کر اپنے آپ کو الگ کر سکتا ہے۔ تامل۔ اور ان کا قول فیخا جئہ (اور وہ اسے نکال سکتا ہے) اس میں اختلاف ہے۔ ”ہندیہ“ میں ”الخصاف“ سے منقول ہے کہ وہ اسے نہیں نکال سکتا بلکہ وہ میت کے لیے صرف قرض کی مقدار میں وصی بنائے گا۔ اور اسی کو مشائخ نے لیا ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔

36681۔ (قوله: عَارِيَّةً لِحَقِّ الْمَوْصِي) اسے باقی رکھنے میں موصی کے حق کی رعایت ہے اس حیثیت سے کہ موصی

نے اسے وصی چنا ہے اور اس کے ساتھ غیر کو ملانے میں ورثا کے حق کی رعایت ہے۔

36682۔ (قوله: اسْتَبْدَلَ غَيْرَهُ) ”ظہیریہ“ میں ہے: وہ عاجز ہو گیا لہذا اس نے کسی دوسرے کو قائم مقام مقرر کر

دیا، پھر کچھ دنوں کے بعد پہلے نے کہا: میں اس کے قیام پر قادر ہو گیا ہوں انہوں نے کہا: یہ وصی اپنے حال پر قائم ہے، کیونکہ

(الْقَاضِي مَعَ أَهْلِيَّتِهِ لَهَا نَفَذَ عَزْلُهُ وَإِنْ جَارَ الْقَاضِي (وَأَثِمَ) فِي الْأَشْبَاهِ اخْتَلَفُوا فِي صِحَّةِ عَزْلِهِ، وَالْأَكْثَرُ عَلَى الصَّحَّةِ كَمَا فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ، لَكِنْ يَجِبُ الْإِفْتَاءُ بِعَدَمِ الصَّحَّةِ كَمَا فِي الْفُصُولَيْنِ - وَأَمَّا عَزْلُ الْخَائِنِ فَوَاجِبٌ - اِنْتَهَى

اس کی اہلیت کے باوجود معزول کر دیا تو اس کا معزول کرنا نافذ ہو جائے گا اگر قاضی نے ظلم کیا ہے اور وہ گنہگار ہوا ہے۔ ”الاشباہ“ میں فقہانے اس کی معزولی کے صحیح ہونے میں اختلاف کیا ہے، اور اکثر نے صحیح ہونے کا قول کیا ہے جیسا کہ ”شرح الوہبانیہ“ میں ہے۔ لیکن صحیح نہ ہونے کے بارے فتویٰ دینا واجب ہے جیسا کہ ”الفصولین“ میں ہے۔ رہا خیانت کرنے والے کو معزول کرنا تو وہ واجب ہے۔ انتہی۔

حاکم نے دوسرے کو اس کے قائم مقام مقرر نہیں کیا تا کہ اس کو مقرر کرنا اس پہلے کی معزولی کا سبب بنے، بلاشبہ یہ ضم ہے عزل نہیں ہے۔ (یعنی دوسرے کو پہلے کے ساتھ ملانا ہے پہلے کو معزول کرنا نہیں ہے) اسی کی مثل ”الغانیہ“ وغیرہ میں ہے۔ اور ”الخلاصہ“ میں ہے: اس نے دوسرے کو عاجز (یعنی پہلے) کی جگہ مقرر کیا ہے لہذا وہ معزول ہو جائے گا: ”الخاصی“ نے کہا ہے: کیونکہ وہ پہلے کے قائم مقام اس کے معزول ہونے کے بعد ہی ہو سکتا ہے، اور قاضی کے لیے عجز کے سبب معزول کرنا جائز ہے۔ یہ ”أدب الأوصیاء“ سے تلخیص کے ساتھ منقول ہے۔

میں کہتا ہوں: تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ قاضی جب کہے: میں نے تجھے وصی بنایا یا میں نے تجھے پہلے کے ساتھ ملا دیا تو اس سے پہلا وصی معزول نہیں ہوگا۔ اور اگر وہ کہے: میں نے تجھے اس کی جگہ مقرر کیا تو وہ معزول ہو جائے گا۔ قائل۔

تنبیہ

”الغانیہ“ سے ”الأدب“ میں منقول ہے: اگر وصی مسلسل جنون کے ساتھ مجنون ہو جائے تو قاضی کو چاہیے کہ وہ اسے بدل دے، اور اگر اس نے ایسا نہ کیا یہاں تک کہ وہ تندرست ہو گیا تو وہ اپنی وصایہ پر رہے گا۔

اگر قاضی وصی کو اس کی اہلیت کے باوجود معزول کر دے تو اس کا حکم

36683۔ (قوله: مَعَ أَهْلِيَّتِهِ لَهَا) باوجود اس کے کہ وہ اس کی اہلیت رکھتا ہے اس طرح کہ وہ عادل اور کافی ہو۔

36684۔ (قوله: نَفَذَ عَزْلُهُ) تو اس کا معزول کرنا نافذ ہو جائے گا، ”القنیه“ میں کہا ہے: اور علامہ ”نصیر الدین“

نے اسے بعید قرار دیا ہے اس طور پر کہ وہ قاضی پر مقدم ہے۔ کیونکہ اسے میت نے پسند کیا ہے۔ ہمارے استاذ صاحب نے کہا ہے: جب میت کا وصی معزول ہو جاتا ہے اگرچہ وہ عادل و کافی ہو تو پھر قاضی کے وصی کا کیا حال ہوگا۔

36685۔ (قوله: وَأَمَّا عَزْلُ الْخَائِنِ فَوَاجِبٌ) اور رہا خیانت کرنے والے کو معزول کرنا تو وہ واجب ہے، بلکہ

عامۃ الکتب میں ہے: جب باپ فضول خرچ اور اپنے صغیر بیٹے کا مال ضائع کرنے والا ہو تو قاضی اس کا وصی مقرر کر دے گا اور باپ کے قبضہ سے مال لے لے گا۔

قُلْتُ وَعِبَارَةُ جَامِعِ الْفُصُولَيْنِ مِنَ الْفَضْلِ السَّابِعِ وَالْعِشْرِينَ الْوَصِيُّ مِنَ الْمَيِّتِ لَوْ عَدَّ لَا كَافِيًا لَا يَنْبَغِي لِلْقَاضِي أَنْ يَعْزِلَهُ، فَلَوْ عَزَلَهُ قِيلَ يَنْعَزِلُ أَقُولُ الصَّحِيحُ عِنْدِي أَنَّهُ لَا يَنْعَزِلُ لِأَنَّ الْمَوْصِيَّ أَشْفَقُ بِنَفْسِهِ مِنَ الْقَاضِي فَكَيْفَ يَنْعَزِلُ، وَيَنْبَغِي أَنْ يُفْتَى بِهِ لِفَسَادِ قُضَاةِ الزَّمَانِ قَالَ الْمُصَنِّفُ قَالَ شَيْخُنَا فَقَدْ تَرَجَّحَ عَدَمُ صِحَّةِ الْعَزْلِ لِلْوَصِيِّ فَكَيْفَ بِالْوُظَائِفِ فِي الْأَوْقَافِ

میں کہتا ہوں: ”جامع الفصولین“ کی ستائیسویں فصل کی عبارت ہے: میت کا وصی اگر عادل اور کافی ہو تو قاضی کے لیے اسے معزول کرنا مناسب نہیں۔ اور اگر وہ اسے معزول کر دے تو کہا گیا ہے: وہ معزول ہو جائے گا۔ میں کہتا ہوں: میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وہ معزول نہیں ہوگا۔ کیونکہ موصی اپنی ذات کے بارے میں قاضی سے زیادہ شفیق ہے تو پھر وہ کیسے معزول ہو سکتا ہے، اور قضاۃ زمانہ کے فساد کی وجہ سے اسی کے مطابق فتویٰ دینا چاہیے۔ ”مصنف“ نے کہا ہے: ہمارے شیخ نے کہا ہے: تحقیق وصی کی معزولی کا صحیح نہ ہونا ترجیح پا گیا تو پھر وظائف اوقاف میں کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

36686۔ (قوله: مِنَ الْفَضْلِ السَّابِعِ وَالْعِشْرِينَ) ستائیسویں فصل سے منقول ہے، اور اسی میں ”المشتی“ سے ہے: اور اگر وہ کافی ہو لیکن عادل نہ ہو تو وہ اسے معزول کر دے گا۔ اور اگر عادل ہو لیکن کافی نہ ہو تو وہ اس کے ساتھ کافی کو ملا دے گا۔ ”الولوالجیہ“ میں یہ زیادہ کیا ہے: اور اگر وہ اسے معزول کر دے تو وہ صحیح ہے۔

36687۔ (قوله: وَيَنْبَغِي أَنْ يُفْتَى بِهِ) اور چاہیے کہ اسی کے مطابق فتویٰ دیا جائے۔ ”نور العین“ میں کہا ہے: تحقیق اس نے اس میں خوب اچھا عمل کیا ہے جس نے فائدہ دیا ہے۔ لیکن انہوں نے اپنے پہلے قول عندی سے یہ وہم دیا ہے کہ وہ اس کے ساتھ منفرد ہیں اس کے باوجود کہ یہ سلف و خلف میں سے کثیر کا مختار اور پسندیدہ ہے۔

36688۔ (قوله: لِفَسَادِ قُضَاةِ الزَّمَانِ) قضاۃ زمانہ کے فاسد ہونے کی وجہ سے۔ پس ان کی طرف سے اسے معزول کرنا دنیوی غرض کیلئے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اہل وصی کو معزول کرنے میں یتیم کا تو کوئی فائدہ اور مصلحت نہیں ہے۔ ”طحطاوی“۔

تنبیہ

یہ تمام بحث میت کے وصی کے بارے میں ہے، رہا قاضی کا وصی تو اس کے لیے اسے معزول کرنا جائز ہے اگرچہ وہ عادل ہو جیسا کہ ”شارح“ اسے عنقریب فروع میں ذکر کریں گے۔ لیکن قریب ہی اس کے اس قید کے ساتھ مقید ہونے کا ذکر آ رہا ہے کہ جب وہ مصلحت دیکھے، ورنہ وہ اسے معزول نہیں کر سکتا۔

36689۔ (قوله: قَالَ الْمُصَنِّفُ قَالَ شَيْخُنَا) ”مصنف“ نے کہا: ہمارے شیخ نے کہا: اس سے مراد علامہ ”ابن نجیم“ صاحب ”البحر“ ہیں۔

بغیر خیانت کے کسی دوسرے کو تولیت سونپنے کا عدم جواز

36690۔ (قوله: فَكَيْفَ بِالْوُظَائِفِ فِي الْأَوْقَافِ) وقف پر وظائف تولیۃ کی معزولی کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔ ”فتاویٰ

(وَبَطَلَ فِعْلُ أَحَدِ الْوَصِيِّينَ كَالْمُتَوَلِّيَيْنِ) فَإِنَّهُمَا فِي الْحُكْمِ كَالْوَصِيِّينَ أَشْبَاهُ وَوَقْفُ الْقُنْيَةِ، وَمُقَادَةُ أَنَّهُ لَوْ أَجَرَ أَحَدُهُمَا أَرْضَ الْوَقْفِ لَمْ تَجْزِ بِلَا رَأْيِ الْآخِرِ وَقَدْ صَارَتْ وَاقِعَةً الْفَتْوَى (وَلَوْ وَصِيَّةً كَانَ إِيصَاؤُهُ لِكُلِّ مِنْهُمَا عَلَى الْإِنْفَادِ) وَقِيلَ يَنْفَرِدُ

اور دو وصیوں میں سے ایک کا کوئی فعل کرنا باطل ہے جیسا کہ (وقف کے) دو متولیوں میں ایک کا فعل باطل ہے۔ کیونکہ وہ دونوں حکم میں دو وصیوں کی طرح ہیں۔ ”اشباہ“ اور ”القینہ“ باب الوقف۔ اور اس کا مفاد یہ ہے کہ اگر ان میں سے ایک نے وقف کی زمین اجارہ پردی تو یہ اجارہ دوسرے کی رائے کے بغیر جائز نہیں۔ البتہ یہ صورت فتویٰ طلب ہوگئی اگرچہ اس کا دونوں میں سے ہر ایک کو وصی بنانا انفرادی طور پر ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: وہ منفرد ہوتا ہے۔

خیر الدین ”ابن حجر“ سے نقل کیا ہے: قاضی کے وقف کے ناظر (نگران) کو معزول کرنے کے لیے شرط ہے کہ وہ خیانت کے ثبوت کے ساتھ ہو، اور اس پر انہوں نے استدلال اس سے کیا ہے جو انہوں نے ”الاسعاف“ اور ”جامع الفصولین“ سے نقل کیا ہے۔ پھر کہا ہے: اس نے یہ فائدہ دیا ہے کہ بغیر خیانت کے کسی دوسرے کو تولیت سونپنا حرام ہے اور اگر اس نے ایسا کیا تو وہ صحیح نہیں ہے۔ پھر کہا: بغیر خیانت کے ناظر کی معزولی صحیح نہ ہونے سے مستفاد ہوا کہ وقف میں صاحب وظیفہ کے لیے معزولی صحیح نہیں۔ اور اس پر اس سے استدلال کیا ہے جو ”البرزازی“ وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ ”طحطاوی“۔ اور اپنے قول: فکیف الخ کے ساتھ اسے بیان کیا ہے کہ اس کی معزولی بدرجہ اولیٰ صحیح نہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں محترم حق کا ابطال ہے اور وہ وہ ہے جسے اس کے لیے واقف نے معین کیا ہے۔

دو وصیوں میں سے ایک کا دوسرے کی اجازت کے بغیر تصرف کرنے کا بطلان

36691۔ (قوله: وَبَطَلَ فِعْلُ أَحَدِ الْوَصِيِّينَ) اور دو وصیوں میں سے ایک کا فعل کرنا باطل ہے۔ مگر جب اس کا ساتھی اسے اجازت دے تو وہ جائز ہے اور وہ تجدید عقد کا محتاج نہیں ہوگا جیسا کہ ”المنح“ میں ہے۔ ”طحطاوی“۔

میں کہتا ہوں: اور اسی طرح اس پر ناظر کے ساتھ وصی کا حکم ہے۔ اور ”الحامدیہ“ میں ”اسماعیلیہ“ سے ہے: اگر یتیم کے اموال میں ناظر کے علم کے بغیر وصی نے تصرف کیا اور وہ ہلاک ہو گیا تو وہ اس کا ضامن ہوگا۔

36692۔ (قوله: وَمُقَادَةُ الْخ) اس پر ”الاسعاف“ میں اس طرح نص ہے کہ انہوں نے کہا: دونوں نظروں سے ایک اجازت کے ساتھ منفرد نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ان میں سے ایک نے اپنے دوسرے ساتھی کو وکیل بنالیا تو وہ جائز ہے۔ اسے ”ابو السعد“ نے نقل کیا ہے۔ ”طحطاوی“۔ اور جو ”شارح“ نے ذکر کیا ہے وہ ”المنح“ سے ماخوذ ہے۔

36693۔ (قوله: لِكُلِّ مِنْهُمَا) اس میں اولیٰ الیٰ کل منہما ہے جیسا کہ ”الغرر“ میں تعبیر کیا گیا ہے۔

36694۔ (قوله: وَقِيلَ يَنْفَرِدُ) اور کہا گیا ہے کہ وہ منفرد تصرف کر سکتا ہے۔ اور اس کے قائل حضرت امام ”ابو

یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ ہیں جیسا کہ عنقریب ”شارح“ اس کے بارے تصریح کریں گے۔ اور پہلا ”طرفین“ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ پھر کہا

قَالَ أَبُو اللَّيْثِ وَهُوَ الْأَصَحُّ وَبِهِ نَأْخُذُ، لَكِنَّ الْأَوَّلَ صَحَّحَهُ فِي الْمَبْسُوطِ وَجَزَمَ بِهِ فِي الدَّرَرِ وَفِي الْقَهْطَانِي أَنَّهُ أَقْرَبُ إِلَى الصَّوَابِ قُلْتُ وَهَذَا إِذَا كَانَا وَصِيَّيْنِ أَوْ مُتَوَلِّيَّيْنِ مِنْ جِهَةِ النَّبِيِّ أَوْ الْوَقْفِ أَوْ قَاضٍ وَاحِدٍ، أَمَّا لَوْ كَانَا مِنْ جِهَةِ قَاضِيَيْنِ مِنْ بَلَدَتَيْنِ

”ابواللیث“ نے کہا ہے: اور یہی اصح قول ہے اور ہم اسی کو لیتے ہیں۔ لیکن پہلے قول کو ”المبسوط“ میں صحیح قرار دیا ہے۔ اور ”الدرر“ میں اس پر اعتماد اور یقین کیا ہے۔ اور ”القہستانی“ میں ہے کہ یہی صواب کے زیادہ قریب ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ تب ہے جب دونوں وصی یا دونوں متولی میت یا وقف یا ایک قاضی کی طرف سے ہوں۔ لیکن اگر دونوں دوشہروں کے دو قاضیوں کی طرف سے مقرر ہوں

گیا ہے: اختلاف اس صورت میں ہے کہ اگر وہ دونوں کو ایک دوسرے کے پیچھے وصی بنائے، اور اگر دونوں کو اکٹھا ایک عقد کے ساتھ وصی بنائے تو پھر بالا جماع ان میں سے کوئی ایک انفرادی تصرف نہیں کر سکتا۔ اور کہا گیا ہے: اختلاف عقد واحد میں ہے، رہا دو عقدوں میں تو ان میں سے ایک بالا جماع منفرد ہو سکتا ہے۔ ”ابواللیث“ نے کہا ہے: اور یہی اصح ہے۔ اور ہم اسی کو لیتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اختلاف دونوں صورتوں میں ہے۔ ”المبسوط“ میں کہا ہے: یہی اصح ہے، اور اسی پر منلا ”خسرؤ“ نے اعتماد کیا ہے۔ ”منح“، ملخصاً۔ اور اسی کی مثل ”زیلعی“ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

36695۔ (قوله: لَكِنَّ الْأَوَّلَ صَحَّحَهُ فِي الْمَبْسُوطِ الخ) لیکن پہلے کو ”المبسوط“ میں صحیح قرار دیا ہے، میں کہتا ہوں:

یہ اس کا وہم دلاتا ہے کہ انہوں نے انفرادی تصرف کے بارے قول کو صحیح قرار دیا ہے اس کے باوجود کہ آپ جان چکے ہیں کہ یہ کلام محل اختلاف میں ہے۔ اور وہ جسے ”المبسوط“ میں صحیح قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ اختلاف دونوں جگہوں میں ہے۔ اور اس میں انفرادی عدم انفراد کے قول کی تصحیح نہیں ہے۔ ہاں وہ جسے ”ابواللیث“ نے صحیح قرار دیا ہے وہ انفراد کی تصحیح کو متضمن ہے اگر وہ دو عقدوں کے ساتھ ہو۔ کیونکہ انہوں نے اس میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ پس تو اس پر آگاہ رہ۔ اور یہ کہا جانا بھی ممکن ہے: جو ”المبسوط“ میں ہے وہ بھی عدم انفراد کی تصحیح کو متضمن ہے۔ چونکہ جب انہوں نے اسے صحیح قرار دیا کہ اختلاف دونوں صورتوں میں ہے تو یہ ثابت کر دیا کہ امام اعظم ”ابو حنیفہ“ اور امام ”محمد“ رحمہما علیہما کا قول دونوں صورتوں میں عدم انفراد کا ہے۔ اور عمل اکثر ”امام صاحب“ رحمہ علیہ کے قول پر ہے، اور یہی متون کے اطلاق کا ظاہر ہے اور ”مصنف“ کی عبارت کا صریح مفہوم ہے۔ تامل۔

36696۔ (قوله: أَنَّهُ أَقْرَبُ إِلَى الصَّوَابِ) بلاشبہ یہ صواب اور درستگی کے زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ موت کے وقت

وصیت کا وجوب دونوں کے لیے ایک ساتھ ثابت ہے، بخلاف وکالت کے جو ایک دوسرے کے پیچھے ہو، تو پھر ثابت ہو گیا کہ اختلاف دونوں میں ہے۔ ”زیلعی“۔ یعنی وصی بنانے کی دونوں صورتوں میں وہ دونوں اکٹھے ہوں یا ایک دوسرے کے پیچھے ہوں۔

36697۔ (قوله: وَهَذَا) مراد دونوں میں سے ایک کا منفرد نہ ہونا ہے۔

36698۔ (قوله: مِنْ بَلَدَتَيْنِ) ظاہر یہ ہے کہ غالب کی طرف دیکھتے ہوئے یہ محض اتفاق ہے یہاں تک کہ اگر

فَيَنْفَرِدُ أَحَدُهُمَا بِالتَّصَرُّفِ لِأَنَّ كُلًّا مِنَ الْقَاضِيَيْنِ لَوْ تَصَرَّفَ جَازَ تَصَرُّفُهُ فَكَذَا نَائِبُهُ وَلَوْ أَرَادَ كُلُّ مِّنِ الْقَاضِيَيْنِ عَزْلَ مَنْصُوبِ الْقَاضِي الْآخَرَ جَازَ أَنْ رَأَى فِيهِ الْمَصْلَحَةَ وَالْإِلَّا، وَتَسَامُهُ فِي وَكَالَةِ تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ مَعْنِيًا لِلْمُلْتَقَطَاتِ وَغَيْرِهَا فَلْيُحْفَظْ وَفِي وَصَايَا السَّرَاجِ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ الْقَاضِي أَنَّ لِلنَّبِيِّتِ وَصِيًّا فَنَصَّبَ لَهُ وَصِيًّا ثُمَّ حَضَرَ الْوَصِيُّ فَأَرَادَ الدُّخُولَ فِي الْوَصِيَّةِ فَلَهُ ذَلِكَ وَنَصَّبَ الْقَاضِي الْآخَرَ لَا يَخْرُجُ الْأَوَّلُ

تو پھر ان میں سے ہر ایک تصرف کرنے میں منفرد ہوتا ہے۔ کیونکہ دونوں قاضیوں میں سے ہر ایک اگر تصرف کرے تو اس کا تصرف جائز ہوتا ہے۔ پس اسی طرح اس کے نائب کا تصرف بھی جائز ہوگا۔ اور اگر دونوں قاضیوں میں سے ہر ایک دوسرے قاضی کے مقرر کردہ وصی کو معزول کرنے کا ارادہ کرے تو یہ جائز ہے اگر وہ اس میں مصلحت دیکھے، اور اگر مصلحت نہ ہو تو جائز نہیں۔ اور اس کی مکمل بحث ”تنویر البصائر“ کے کتاب الوکالہ میں ہے جو کہ ”ملتقطات“ وغیرہ کی طرف منسوب ہے۔ پس چاہیے کہ اسے یاد رکھ لیا جائے۔ اور ”السراج“ کے کتاب الوصایا میں ہے: اگر قاضی نہ جانتا ہو کہ میت کا وصی ہے اور وہ اس کے لیے وصی مقرر کر دے پھر وہ وصی حاضر ہو جائے اور وہ وصیت میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو اس کے لیے یہ جائز ہے۔ اور قاضی کا دوسرے کو مقرر کرنا پہلے کو خارج نہیں کرے گا۔

سلطان ایک شہر میں دو قاضی مقرر کرے اور دونوں کو وصی مقرر کرنے کا اختیار دے دے تو بھی حکم اسی طرح ہے۔ اور اسی کی تائید وہ کرتا ہے جو انہوں نے تعلیل اور قیاس ذکر کیا ہے۔ اسے ”طحطاوی“ نے بیان کیا ہے۔

36699۔ (قوله: وَتَسَامُهُ الْآخَرُ) اور اس کی مکمل بحث وہی ہے جسے ”تنویر البصائر“ میں ”ملتقطات“ سے ذکر کیا ہے اور وہ پہلے گزر چکی ہے۔ پھر اس کے بعد کہا ہے: اور ان کے قول: فَكَذَا نَائِبُهُ میں نظر ظاہر ہے۔ کیونکہ یہ ثابت ہے کہ قاضی کا مقرر کیا ہوا وصی میت کا نائب ہوتا ہے نہ کہ قاضی کا تا کہ ذمہ داری اس سے ملحق ہو بخلاف قاضی کے امین کے۔ کیونکہ وہ اس کا نائب ہوتا ہے۔ پس ذمہ داری اس سے ملحق نہیں ہوتی۔ جو انہوں نے ذکر کیا ہے اس کا مقتضی یہ ہے کہ قاضی کا وصی اس کا نائب ہوتا ہے قاضی یتیم کے مال میں تصرف سے مجبور نہیں ہوتا۔ اور منقول ہے کہ وہ اس کے وصی کے موجود ہونے کے وقت تصرف سے مجبور ہے اگرچہ وہ اس کا مقرر کیا ہوا ہو بخلاف اس کے کہ وہ اس کے امین کے ساتھ ہو۔ اور اس کا مقتضی یہ بھی ہے کہ قاضی اس وصی سے یتیم کا مال خریدنے کا مالک نہیں جسے اس نے مقرر کیا ہے جیسا کہ اگر وہ اس کا امین ہو اور حکم اس کے خلاف ہے جیسا کہ غالب کتب مذہب میں ہے۔

قاضی میت کے وصی کی موجودگی میں دوسرا وصی مقرر نہیں کر سکتا

36700۔ (قوله: وَنَصَّبَ الْقَاضِي الْآخَرَ لَا يَخْرُجُ الْأَوَّلُ) اور قاضی کا دوسرے کو مقرر کرنا پہلے کو خارج نہیں کرتا، اور وصی وہ پہلا ہی ہے نہ کہ وہ جسے قاضی نے مقرر کیا ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ میت کی پسند ملی ہوئی ہے جیسا کہ جب قاضی اسے جانتا ہو۔ اسی طرح ”الاشباہ“ پر حاشیہ ”ابی السعود“ میں ”الحیط“ سے ہے۔

﴿إِلَّا بِشَرَاءٍ كَفَّنِهِ وَتَجْهِيْزِهِ وَالْخُصُوْمَةُ فِي حُقُوْقِهِ وَشَرَاءِ حَاجَةِ الطِّفْلِ وَالِاتِّهَابِ لَهُ﴾

مگر موصی کے لیے کفن خریدنے، اس کی تجہیز، اس کے حقوق میں خصومت، چھوٹے بچے کی حاجت کے لیے خریداری، اس کے لیے ہبہ قبول کرنے،

میں کہتا ہوں: باقی رہا یہ کہ کیا پہلے کی عدم موجودگی میں دوسرے کا تصرف نافذ ہوگا؟ تو یہ ظاہر ہے کہ وہ نافذ ہوگا اگر وہ غیبة منقطعة پر ہو۔ اور ”الاشباہ“ میں ہے: اور قاضی میت کا وصی موجود ہونے کی صورت میں کوئی وصی مقرر نہیں کرے گا مگر جب وہ غیبة منقطعة پر غائب ہو یا وہ قرض کے مدعی کا اقرار کرے۔

غیبة منقطعة: اس سے مراد اس کا ایسے مقام پر ہونا ہے جہاں تک قافلے نہ پہنچ سکتے ہوں جیسا کہ ”حاشیہ ابی السعد“ میں ہے۔

اور ”الولوالجیہ“ میں ہے: کسی آدمی نے میت پر قرض کا دعویٰ کیا اور وصی غائب ہو تو قاضی میت کی طرف سے خصم مقرر کرے گا۔ کیا آپ جانتے نہیں ہیں کہ اگر وہ حاضر ہو اور قرض کا اقرار کرے تو قاضی میت کی طرف سے خصم مقرر کر سکتا ہے تاکہ مدعی اپنے حق تک پہنچ سکے۔ کیونکہ میت کے خلاف وصی کا اقرار جائز نہیں ہوتا، اور نہ مدعی وصی کے ساتھ اس بارے میں خصومت کا مالک ہے جس کا اس نے اقرار کیا۔

وہ مسائل جو دو وصیوں میں سے ایک کے انفرادی تصرف کے باطل ہونے سے ضرورتاً مستثنیٰ ہیں
36701۔ (قوله: إِلَّا بِشَرَاءٍ كَفَّنِهِ الْخ) یہ مسائل دو وصیوں میں سے ایک کے انفرادی تصرف کے باطل ہونے سے ضرورت کی وجہ سے مستثنیٰ ہیں۔

36702۔ (قوله: وَتَجْهِيْزِهِ) اگر اسی پر اقتصار کرتے تو یہ ماقبل کی طرف سے بھی کافی ہوتا۔ ”التبیین“ میں کہا ہے: کیونکہ ان میں تاخیر کرنے میں میت کا فساد ہے، اسی لیے شہر میں پڑوسی اور سفر میں ساتھی بھی تجہیز و تکفین کے مالک ہوتے ہیں۔ ”طحطاوی“۔

36703۔ (قوله: وَالْخُصُوْمَةُ) اس میں افراد کی وجہ یہ ہے کہ عادتاً دونوں خصومت پر جمع نہیں ہو سکتے، اور اگر دونوں جمع ہوں تو بھی اکثر ان میں بات ایک ہی کرتا ہے۔ ”الدرر“۔

36704۔ (قوله: وَشَرَاءِ حَاجَةِ الطِّفْلِ) یعنی ایسی شے خریدنا جو بچے کے لیے لازم اور ضروری ہو جیسے طعام اور لباس۔ ”اتقانی“۔ کیونکہ اس کی تاخیر میں اسے ضرر اور نقصان ہو سکتا ہے۔ ”منح“۔

36705۔ (قوله: وَالِاتِّهَابِ لَهُ) مراد بچے کے لیے ہبہ قبول کرنا ہے۔ کیونکہ اس کی تاخیر میں اس کے فوت اور ضائع ہونے کا خوف ہے۔ ”تہستانی“ اور اس لیے بھی کہ یہ ولایت کے باب سے نہیں ہے اسی لیے ماں اور جو اس کے عیال میں سے ہو وہ اس کا مالک ہوتا ہے۔ ”ہدایہ“۔

وَإِعْتِقَاقِ عَبْدٍ مُعَيَّنٍ وَرَدِّ وَدِيعَةٍ وَتَنْفِيزِ وَصِيَّةٍ مُعَيَّنَتَيْنِ) زَادَ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ عَشْرَةً أُخْرَى مِنْهَا
رَدُّ الْمَغْضُوبِ،

معین غلام آزاد کرنے، معین ودیعت واپس لوٹانے، اور معین وصیت نافذ کرنے میں ایک وصی کا فعل جائز ہے۔ ”شرح الوہبانیہ“ میں علاوہ ازیں دوسری دس چیزوں کا اضافہ کیا ہے: ان میں سے مغضوب کو واپس لوٹانا،

36706۔ (قولہ: وَإِعْتِقَاقِ عَبْدٍ مُعَيَّنٍ) اور معین غلام کو آزاد کرنا۔ کیونکہ اس میں رائے کی احتیاج نہیں ہوتی

بخلاف غیر معین کو آزاد کرنے کے۔ کیونکہ اس میں وہ رائے کا محتاج ہوتا ہے۔ ”قہستانی“۔ اور ”قاضیخان“ نے غلام کو مطلق قرار دیا ہے اور اسے مقید پر محمول کرنے سے کوئی مانع نہیں۔ اسے ”طحطاوی“ نے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اور ظاہر یہ ہے کہ یہ سب اس صورت میں ہے جب وہ غلام کو مفت آزاد کرنے کی وصیت کرے۔ پس اگر وہ مال کے عوض ہو تو پھر وہ رائے کا محتاج ہے لہذا دونوں کا اکٹھا ہونا ضروری ہے۔ تامل۔

36707۔ (قولہ: وَرَدِّ وَدِيعَةٍ) اور ودیعت کو واپس لوٹانا، اس کے ساتھ مقید ہے۔ کیونکہ وہ میت کی ودیعت پر

انفرادی طور پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ اسے ”سامحانی“ نے ”ہندیہ“ سے نقل کیا ہے۔

36708۔ (قولہ: وَتَنْفِيزِ وَصِيَّةٍ) یعنی کسی معین شے کے بارے وصیت ہو یا مطلق ہزار کے بارے ہو۔ ”ابن

الشنہ“۔ پس اگر وہ کسی کو بیچنے کا محتاج ہوتا کہ وہ اس کے ثمن سے وصیت ادا کر دے تو یہ اپنے دوسرے ساتھی کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔ ”اتقانی“۔ اور ان کا قول معینتین ودیعت اور وصیت کی صفت ہے۔ ”قہستانی“ نے کہا ہے: کیونکہ صاحب

حق کے لیے وصی کے دیئے بغیر اسے لینا جائز ہے۔ اور ”ظہیریہ“ میں ہے: اس نے اس بارے وصیت کی کہ وہ گندم فقراء پر صدقہ کر دے اس سے پہلے کہ جنازہ اٹھایا جائے۔ پس دو وصیوں میں سے ایک نے یہ کیا: اگر گندم موصی کی ملکیت تھی تو اس کا

دینا جائز ہے، اور اگر نہ تھی تو پھر اگر اس نے اسے خرید تو گندم مشتری کے لیے ہوگی اور صدقہ اس کی ذات کی طرف سے ہوگا۔ اور ”الولوالجیہ“ میں ہے: اسی اختلاف پر جب اس نے اس بارے وصیت کی کہ وہ اس کے مال میں سے اتنا صدقہ کرے اور

فقراء معین نہ کئے تو اس کے لیے انفرادی تصرف جائز نہیں۔ اور اگر معین کر دیئے تو بالا جماع ان میں سے ایک انفرادی تصرف کر سکتا ہے۔ اور اسی سے یہ معلوم ہوا کہ متن میں تقیید موصی لہ فقیر معین ہونے کے سبب ہے۔ تامل۔

36709۔ (قولہ: زَادَ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ الْخ) اسے ان دس کے بعد ذکر کرنا اولیٰ ہے جنہیں ”مصنف“ نے ذکر کیا

ہے۔ اس بنا پر کہ جن کا ذکر ”شرح الوہبانیہ“ میں کیا ہے وہ مجموعی طور پر سترہ ہیں۔ پس جو متن میں ہیں ان پر زائد سات ہیں ان میں سے چار شارح نے ذکر کی ہیں جیسا کہ عنقریب آپ اسے جان لیں گے اور باقی تین ہیں: یتیم کے مال کی حفاظت

کرنا، کیونکہ ان میں سے جس کے ہاتھ اور قبضہ میں وہ واقع ہوگا اس پر اس کی حفاظت کرنا واجب ہے، وصی سے بیع کرنے کے سبب بیع کے ثمن واپس لوٹانا، اور نفس یتیم کا اجارہ کرنا۔ اور ”الوہبانیہ“ کے شارح نے تکفین کو ساقط کر دیا ہے، اور اسے تجہیز

وَمُشْتَرَىٰ شِرَاءً فَاسِدًا، وَقِسْمَةٌ كَيْلِيٍّ أَوْ وَزْنِيٍّ وَطَلَبُ دَيْنٍ، وَقَضَاءُ دَيْنٍ بِجِنْسٍ حَقِّهِ (وَبَيْعُ مَا يَخَافُ تَلَفَهُ وَجَمْعُ أَمْوَالٍ ضَائِعَةٍ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ يَنْفَرُ كُلُّهُ بِالتَّصَرُّفِ

شراء فاسد کے ساتھ خریدی ہوئی شے کو واپس لوٹانا، کیلی یا وزنی شے کو تقسیم کرنا، دین (قرض) کا مطالبہ کرنا، اور دین کو اپنے حق کی جنس کے ساتھ ادا کرنا، اور اس شے کی بیع کرنا جس کے ضائع ہونے کا خوف ہو، اور ضائع ہونے والے مالوں کو جمع کرنا۔ اور امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: تمام امور میں دونوں وصیوں میں سے ہر ایک تصرف کے ساتھ منفرد ہوتا ہے۔

کے تحت داخل کیا ہے، اور اس کے بدلے ایک دوسری صورت ذکر کی ہے اور وہ معین فقیر کے لیے اس کی اس وصیت کو نافذ کرنا ہے کہ وہ اس کے مال سے اتنا مال اس کی طرف سے صدقہ کر دے۔

میں کہتا ہوں: یہ صورت اسی کا تکرار ہے جسے آپ متن میں جان چکے ہیں کہ وہ معین فقیر کے ساتھ مقید ہے۔ تاہل۔ ”طحطاوی“ نے کہا ہے: ”مکی“ نے ”الغانیہ“ سے یہ زائد کیا ہے کہ ان میں سے ایک کے لیے میت کے ترکہ پر قبضہ کرنے کا اختیار ہے جب اس پر کوئی دین نہ ہو، اور اس مال پر جو اس کے پاس اس کے گھر میں ودیعت پڑا ہوا ہے یہاں تک کہ وہ ہلاک ہونے کے سبب ضامن نہیں ہوگا، اور یہ کہ ان میں سے ایک کے لیے اس گندم کو صدقہ کرنا جائز ہے جسے جنازہ اٹھائے جانے سے پہلے صدقہ کرنے کی وصیت ہو، اور یہ کہ وہ اسے ودیعت بنا لے جو میت کے ترکہ اور یتیم کے مال کے اجارہ میں سے اس کے ہاتھ آیا ہے اور عاریۃ لی ہوئی چیزوں اور امانتوں کو واپس لوٹا دے۔ ان میں سے بعض اپنے انجام اور مال کے اعتبار سے ان چیزوں میں داخل ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

36710۔ (قوله: وَمُشْتَرَى) بر بنائے مجہول یہ صیغہ اسم مفعول ہے اس کا عطف مغضوب پر ہے یعنی اس شے کو واپس لوٹانا جسے میت نے شراء فاسد کے ساتھ خریدا۔ کیونکہ موت کے ساتھ رد کرنا باطل نہیں ہوتا جیسا کہ پہلے اس کے باب میں گزر چکا ہے۔ پس دو وصیوں میں سے ایک اس کے ساتھ منفرد ہو سکتا ہے۔ ”ابن الشخہ“ نے کہا ہے: کیونکہ یہ وصیت کے ساتھ حاصل ہونے والی ولایت میں سے نہیں ہے بلکہ یہ قضاء دین کے ساتھ ملحق ہے۔

36711۔ (قوله: وَقِسْمَةٌ كَيْلِيٍّ أَوْ وَزْنِيٍّ) اور کیلی یا وزنی شے کو تقسیم کرنا، یعنی مثال کے طور پر موصی کے شریک کے ساتھ۔ ”طحطاوی“۔

36712۔ (قوله: وَطَلَبُ دَيْنٍ) اور قرض کا مطالبہ کرنا۔ اس کے ساتھ مقید کیا ہے وہ انفرادی طور پر میت کے قرضہ پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ اسے ”ساحانی“ نے ”ہندیہ“ سے نقل کیا ہے۔ کیونکہ دین پر قبضہ کرنا باہم تبادلہ کرنے کے معنی میں ہے بالخصوص جب جنس مختلف ہو۔ ”ہدایہ“۔ اور جو ”شرح الوہبانیہ“ میں ہے کہ اسے اقتضا کا حق حاصل نہیں تو وہ اس کے مخالف نہیں جو یہاں ہے۔ کیونکہ اس کا معنی لینا ہے جیسا کہ ”المغرب“ میں ہے۔ اور رہا وہ جو طلب کے معنی میں ہے تو وہ لفظ التقاضی ہے جیسا کہ یہ بھی ”المغرب“ میں ہے۔ فافہم۔ اور ”شارح“ کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ ان کا قول: وَطَلَبُ الدِّينِ ان

فِي جَمِيعِ الْأُمُورِ؛ وَلَوْ نَصَّ عَلَى الْإِنْفِرَادِ أَوْ الْاجْتِمَاعِ أَتْبَعَ اتِّفَاقًا شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ (وَإِنْ مَاتَ أَحَدُهُمَا، فَإِنْ أَوْصَى إِلَى الْحَيِّ أَوْ إِلَى آخَرَ فَلَهُ التَّصَرُّفُ فِي الثَّرِكَةِ وَحْدَهُ) وَلَا يَحْتَاجُ إِلَى نَصْبِ الْقَاضِي وَصِيًّا (وَالْإِلَّا) يُوصِ (ضَمَّ) الْقَاضِي (إِلَيْهِ غَيْرُهُ) دُرُّ وَفِي الْأَشْبَاهِ مَاتَ أَحَدُهُمَا

اور اگر موصی انفراد یا اجتماع کی تصریح کر دے تو بالاتفاق اس کی اتباع لازم ہے۔ ”شرح وہبانیہ“۔ اور اگر دو وصیوں میں سے ایک فوت ہو گیا: پس اگر اس نے زندہ وصی کو یا کسی دوسرے آدمی کو وصی بنا لیا تو اس کے لیے ترکہ میں اکیلے تصرف کرنا جائز ہے اور وہ قاضی کے وصی مقرر کرنے کا محتاج نہیں ہوگا۔ اور اگر وہ وصی نہ بنائے تو قاضی اس کے ساتھ کسی دوسرے کو ملا دے۔ ”درر“۔ اور ”الاشباہ“ میں ہے: ان دونوں میں سے ایک فوت ہو جائے۔

میں سے ہے جنہیں ”شرح الوہبانیہ“ میں زیادہ کیا ہے اس کے باوجود کہ یہ اس میں موجود نہیں ہے۔ بلاشبہ اسے ”النفایہ“ میں ذکر کیا ہے۔ اس کے شارح ”القبستانی“ نے کہا ہے: اس کا خصومت کے ساتھ استدراک کیا گیا ہے اور اس پر ”الذخیرہ“ کا کلام دلالت کرتا ہے۔

36713۔ (قوله: فِي جَمِيعِ الْأُمُورِ) یعنی ان مستثنیات وغیرہ میں۔ اور اس طرف اشارہ کیا ہے کہ استثنا کی بنیاد امام اعظم ”ابو حنیفہ“ اور امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر ہے۔ اور بعض نے یہ کہا ہے: امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔

36714۔ (قوله: فَلَهُ التَّصَرُّفُ فِي الثَّرِكَةِ وَحْدَهُ) پس اس کے لیے ترکہ میں اکیلے تصرف کرنا جائز ہے، یہ بلاشبہ اس صورت میں درست ہوگا جب وہ زندہ وصی کو اپنا وصی بنا جائے، لیکن جب وہ کسی دوسرے آدمی کو وصی بنائے تو پھر تصرف کے وقت دونوں کو اکٹھا ہونا واجب ہے۔ ”حلی“۔ اور اسی طرح ”العزمیہ“ میں ہے۔

”ہدایہ“ میں کہا ہے: اگر ان دونوں میں سے فوت ہونے والا زندہ کو وصی بنائے تو ظاہر روایت کے مطابق زندہ کے لیے اکیلے تصرف کرنا بمنزلہ اس کے ہے جب وہ کسی دوسرے شخص کو وصی بنائے، اور قاضی کو کسی دوسرے آدمی کو وصی بنانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ کیونکہ میت کی رائے حکماً اس کی رائے کے ساتھ باقی ہے جسے وہ خلیفہ اور نائب بنا رہا ہے۔ اور امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے: وہ تصرف کے ساتھ منفرد نہیں ہو سکتا، کیونکہ موصی اس اکیلے کے تصرف کے ساتھ راضی نہیں بخلاف اس کے کہ جب وہ کسی غیر کو وصی بنائے۔ کیونکہ اس صورت میں اس کا تصرف دو کی رائے کے ساتھ نافذ ہوگا جیسے کہ فوت ہونے والا اس سے راضی ہو۔

36715۔ (قوله: وَالْإِلَّا يُوصِ ضَمَّ الْقَاضِي إِلَيْهِ غَيْرُهُ) اور اگر وہ وصی نہ بنائے تو قاضی اس کے ساتھ کسی دوسرے کو ملا دے، ”طرفین“ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک تو یہ ظاہر ہے کیونکہ ان دونوں میں سے باقی رہنے والا انفرادی طور پر تصرف کرنے سے عاجز ہے۔ پس قاضی میت کے عجز کے وقت اس کا لحاظ رکھتے ہوئے دوسرا وصی اس کے ساتھ ملا دے۔ لیکن امام ”ابو یوسف“

أَقَامَ الْقَاضِي الْآخَرَ مَقَامَهُ أَوْ ضَمَّ إِلَيْهِ آخَرَ وَلَا تَبْطُلُ الْوَصِيَّةُ إِلَّا إِذَا أَوْصَى لَهُمَا أَنْ يَتَصَدَّقَا بِشُلْثِهِ حَيْثُ شَاءَا هـ وَتَسَامُهُ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ،

قاضی دوسرے کو اس کا قائم مقام کر دے یا اس کے ساتھ کسی دوسرے کو ملا دے، اور وصیت باطل نہیں ہوتی، مگر جب وہ دونوں کو وصیت کرے کہ دونوں اس کا تہائی مال صدقہ کر دیں جہاں وہ دونوں چاہیں۔ اور اس کی مکمل بحث ”شرح الوہبانیہ“ میں ہے۔

ترجمہ کے نزدیک یہ ہے: ان میں سے زندہ اگرچہ تصرف پر قدرت رکھتا ہے اور موصی نے اسے خلیفہ بنانے کا قصد کیا ہے اور اس کے حقوق میں تصرف کرنے والے دو بچے ہیں، اور یہ پہلے کی جگہ دوسرے وصی کو مقرر کرنے کے بارے میں تحقیق ہے۔ ”زیلعی“ اور ”ہدایہ“۔ اور یہ اس بارے میں صریح ہے کہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے یہاں مخالفت نہیں کی۔ اور ”الولوالجیہ“ میں اختلاف کے بارے میں اعتماد و یقین کیا ہے، اور یہی دو قول ہیں جیسا کہ ”شارح“ اسے ذکر کریں گے۔

تنبیہ

موت کی مثل ہی یہ حالت ہے کہ اگر ان میں سے ایک پر جنون طاری ہو جائے یا اس میں وہ کیفیت پائی جائے جو اس کی معزولی کو واجب کر دے تو حاکم امین کو اس کا قائم مقام بنادے۔ پس اگر حاکم ان میں سے دوسرے کی طرف نظر لوٹانے کا ارادہ کرے تو بلا اختلاف اس کے لیے یہ جائز نہیں۔ ”معراج“۔ لیکن ”الولوالجیہ“ میں ہے: اسی اختلاف پر ہے اگر ان میں سے ایک فاسق ہو جائے تو قاضی دوسرے کو اکیلے تصرف کرنے کے لیے چھوڑ دے یا اس کے ساتھ کسی دوسرے کو ملا دے۔ تاہل۔ اور اسی میں ہے: اور اس طرح جب وہ دو آدمیوں کو وصی بنائے اور خود فوت ہو گیا پھر ان میں سے صرف ایک اسے قبول کرے یا موصی کے فوت ہونے سے پہلے ایک فوت ہو جائے پھر دوسرا قبول کرے تو ”طرفین“ رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک قبول کرنے والا اکیلے تصرف نہیں کر سکتا۔ اور امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ اکیلے تصرف کر سکتا ہے۔

36716۔ (قوله: أَقَامَ الْقَاضِي الْآخَرَ مَقَامَهُ) قاضی دوسرے کو اس کا قائم مقام کر دے۔ یہ اس کے خلاف ہے

جس کا مذکورہ تعلیل تقاضا کرتی ہے۔ تاہل۔

36717۔ (قوله: إِلَّا إِذَا أَوْصَى لَهُمَا الْآخَرُ) اس میں اولیٰ الیہما ہے پھر یہ تب ہے جب وہ مصرف معین نہ کرے،

پس اگر وہ مصرف معین کر دے تو وصیت باطل نہ ہوگی۔ ”الولوالجیہ“ میں کہا ہے: کسی نے دو آدمیوں کو وصی بنایا اور دونوں کو کہا: میرے مال کا تہائی حصہ جہاں تم چاہو خرچ کرو پھر ان میں سے ایک فوت ہو گیا تو وصیت باطل ہو جائے گی اور وہ تہائی حصہ ورثہ کی طرف لوٹ جائے گا۔ کیونکہ اس نے ان دونوں کی مشیت پر اسے معلق کیا ہے اور موت کے بعد اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور اگر وہ کہے: میں نے اپنے مال کا تہائی حصہ مساکین کے لیے کر دیا دونوں وصی اسے مساکین میں سے جنہیں چاہیں دے سکتے ہیں پھر ان میں سے ایک وصی فوت ہو گیا تو قاضی دوسرا وصی مقرر کر دے گا۔ ”ظہیریہ“ میں یہ زائد ہے: اور اگر قاضی چاہے تو اس دوسرے کو کہہ دے تو اکیلے ہی اسے رکھ۔

وَهَلْ فِيهِ خِلَافٌ أَبِي يُوسُفَ؟ قَوْلَانِ وَعَنْهُ أَنَّ الْمُشْرِفَ يَنْفَرِدُ دُونَ الْوَصِيِّ كَمَا حَرَّرْتَهُ فِيمَا عَلَّقْتَهُ عَلَى الْمُسْتَقَى وَيَأْتِي

اور کیا اس میں امام ”ابو یوسف“ رضی اللہ عنہ کا اختلاف ہے؟ اس میں دو قول ہیں۔ اور آپ سے یہ بھی ہے کہ مشرف (نگران) منفرد ہو سکتا ہے نہ کہ وصی جیسا کہ میں نے اسے اس میں تحریر کیا ہے جو میں نے ”المستقی“ پر تعلیق کی ہے اور وہ آگے آ رہا ہے۔

36718۔ (قوله: وَهَلْ فِيهِ خِلَافٌ) یعنی اس صورت میں جب ان میں سے ایک فوت ہو جائے اور وہ کسی دوسرے کو وصی نہ بنائے۔ ”قہستانی“ نے کہا ہے: پس اگر ان دو وصیوں میں سے ایک فوت ہو جائے تو واجب ہے کہ وہ دوسرا وصی مقرر کرے اس لیے کہ زندہ وصی تصرف کرنے سے عاجز ہے۔ ہمارے مشائخ کے نزدیک اس میں اختلاف ہے۔ اور ان میں سے بعض نے کہا ہے: اس پر تمام کا اتفاق ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے: کیونکہ یہ اس کو حاصل کرنا ہے جس کا موصی نے دو میں سے ہر ایک کو دوسرے پر نگران مقرر کر کے قصد کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: جو ہم نے پہلے ”زیلعی“ اور ”ہدایہ“ سے بیان کیا ہے وہ اس بارے میں صریح ہے کہ امام ”ابو یوسف“ رضی اللہ عنہ نے ”طرفین“ رحمہ اللہ کے ساتھ موافقت کی ہے۔ اور ”الولوالجیہ“ میں اختلاف کا ذکر صریح ہے جیسا کہ آپ جان چکے ہیں۔ مشرف کا معنی اور اس کے تصرف کا شرعی حکم

36719۔ (قوله: كَمَا حَرَّرْتَهُ خ) جیسا کہ میں نے اسے تحریر کر دیا ہے جہاں انہوں نے کہا: لیکن اتفاق کے بارے قول میں اس کا احساس اور شعور دلانا ہے کہ اگر وہ وصی پر نگران مقرر کرے تو ان میں سے کوئی ایک بلا اختلاف انفرادی تصرف نہیں کر سکتا باوجود اس کے کہ اس میں اختلاف ہے۔ اور امام ”ابو یوسف“ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مشرف (نگران) انفرادی تصرف کر سکتا ہے نہ کہ وصی جیسا کہ ”قہستانی“ میں ”ذخیرہ“ سے منقول ہے۔

میں کہتا ہوں: اور ”المجتبی“ میں ہے: اس نے وصی کے لیے نگران مقرر کر دیا تو پھر وہ اس کے بغیر تصرف نہیں کر سکتا۔ اور کہا گیا ہے: مشرف کے لیے تصرف کرنا جائز ہے۔

36720۔ (قوله: وَيَأْتِي) یعنی فروع میں آئے گا، اور جو وہاں آئے گا وہ ”المجتبی“ کی عبارت ہے۔

تنبیہ

مشرف بمعنی ناظر (نگران) ہے۔ اور ”بندیہ“ میں ہے: مال محفوظ اور روک کر رکھنے میں وصی اولیٰ ہے، اور مشرف وصی نہیں ہوتا۔ اور اس کے مشرف ہونے کا اثر یہ ہے کہ اس کے علم کے بغیر وصی کا تصرف جائز نہیں ہوتا۔ اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے جیسا کہ ”آداب الاوصیاء“ میں ”الخاصی“ سے منقول ہے۔ ”حامدیہ“۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: وہ وصی ہوتا ہے۔ پس ان دونوں میں سے کوئی ایک اس بارے میں انفرادی تصرف نہیں کر سکتا جس میں دو وصیوں میں سے کوئی ایک انفرادی تصرف نہیں کر سکتا۔ اور ”قاضیخان“ نے اسے بیان کیا ہے اور عادت کے مطابق یہی ان کا معتمد علیہ ہے جیسا کہ اسے ”زواہر الجواہر“ میں بیان کیا ہے۔

(وَوَصِيُّ الْوَصِيِّ) سَوَاءٌ أَوْصَىٰ إِلَيْهِ فِي مَالِهِ أَوْ مَالِ مُوصِيهِ وَقَايَةُ (وَوَصِيُّ فِي التَّرَكُّتَيْنِ) خِلَافًا لِشَافِعِيٍّ

اور وصی کا وصی چاہے وہ اسے اپنے مال میں وصی بنائے یا اپنے موصی کے مال میں وہ دونوں ترکوں میں وصی ہے بخلاف امام "شافعی" رحمۃ اللہ علیہ کے۔

فرع

اس نے ایک آدمی کو وصی بنایا اور اسے حکم دیا کہ وہ فلاں آدمی کی رائے کے ساتھ کام کرے تو وہی وصی ہے اور اس کے لیے اس کی رائے کے بغیر کام کرنا جائز ہے۔ اور اگر وہ اسے اس طرح کہے: "تو کام نہ کر مگر اس کی رائے کے ساتھ" تو وہ دونوں وصی ہوں گے۔ کیونکہ پہلا مشورہ ہے اور یہ دوسرا نہیں ہے۔ "ولولو الجحیہ" اور "الخانیہ" میں ہے: اور یہی زیادہ مناسب ہے۔

تمتہ

اگر مال کی حفاظت میں دو وصیوں کا اختلاف ہو جائے تو اگر مال کی تقسیم کا احتمال ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کے پاس نصف نصف ہو جائے گا، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر وہ وقت کے اعتبار سے آپس میں موافقت کریں گے یا پھر اسے ودیعت رکھ دیں گے۔ کیونکہ دونوں کو ودیعت رکھنے کی ولایت حاصل ہے۔ اسے "بیری" نے "البدائع" سے نقل کیا ہے۔

وصی کے وصی کا شرعی حکم اور اقسام

36721۔ (قوله: وَوَصِيُّ الْوَصِيِّ) اور وصی کا وصی اگرچہ وہ دور کا ہو جیسا کہ "جامع الفصولین" میں ہے: یعنی اس طرح کہ یہ دوسرا کسی دوسرے کو وصی بنائے اور آگے اس طرح ہو۔

36722۔ (قوله: سَوَاءٌ أَوْصَىٰ إِلَيْهِ فِي مَالِهِ أَوْ مَالِ مُوصِيهِ) برابر ہے وہ اسے اپنے مال میں یا اپنے موصی کے مال میں وصی بنائے۔ اسی کے موافق وہ بھی ہے جو "الملتقی" میں ہے جہاں انہوں نے کہا ہے: وصی کا وصی دونوں ترکوں میں وصی ہوگا۔ اور اسی طرح حکم ہے اگر وہ اسے دو میں سے ایک میں وصی بنائے۔ اس میں "صاحبین" رحمۃ اللہ علیہما کا اختلاف ہے۔ لیکن "رملی" نے کہا ہے: اس مسئلہ کی چار قسمیں ہیں: کیونکہ یا تو وہ مبہم کلام کرتا ہے اور کہتا ہے: میں نے تجھے اس کا وصی بنایا جو میرے بعد ہے یا میں نے تجھے وصی بنایا یا اس طرح کے الفاظ، یا بیان کرتا ہے اور کہتا ہے: میں نے تجھے اپنے ترکہ میں، یا کہتا ہے: موصی کے ترکہ میں، یا کہتا ہے: دونوں ترکوں میں وصی بنایا۔ پس جب وہ مبہم رکھے یا بیان کرے اور کہے: "دونوں ترکوں میں" تو وہ ان کے نزدیک دونوں میں وصی ہوگا بخلاف امام "شافعی" رحمۃ اللہ علیہ اور امام "زفر" رحمۃ اللہ علیہ کے۔ اور اس نے کہا: اپنے ترکہ میں (فی ترکتی) تو امام "ابو حنیفہ" رحمۃ اللہ علیہ سے اس میں دو روایتیں ہیں۔ آپ سے ظاہر روایت یہی ہے کہ وہ دونوں میں وصی ہوگا۔ کیونکہ اس کے موصی کا ترکہ اسی کا ترکہ ہے جیسا کہ "الاختیار" میں اس کے بارے تصریح ہے۔ اور "صاحبین" رحمۃ اللہ علیہما سے بھی دو روایتیں ہیں۔ ان میں سے اظہر یہ ہے کہ وہ اپنے ترکہ پر ہی اقتصار کرے گا۔ اور اگر اس نے فی ترکۃ الاول کہا تو پھر وہ ایسے ہی ہوگا جیسے انہوں نے کہا ہے جیسا کہ "التاثر خانیہ" میں "شرح الطحاوی" سے ہے اور "الاختیار" کی تعلیل

(وَتَصِحُّ قِسْمَتُهُ) أَمَى الْوَصِيِّ حَالِ كَوْنِهِ (نَائِبًا عَنْ وَرَثَتِهِ) كِبَارٍ (غُيَّبٍ أَوْ صَغِيرٍ مَعَ الْمَوْصِي لَهُ) بِالثُّلُثِ (وَلَا رُجُوعَ) لِدَوْرَثَةِ (عَلَيْهِ) أَمَى الْمَوْصِي لَهُ (إِنْ ضَاعَ قِسْطُهُمْ مَعَهُ) أَمَى الْوَصِيِّ لِصَحَّةِ قِسْمَتِهِ حِينَ يَنْبِذُ

اور وصی کی تقسیم صحیح ہوتی ہے اس حال میں کہ وہ ورثا کا نائب ہو۔ ورثا بالغ غائب ہوں یا صغیر ہوں اس کے ساتھ جس کے لیے تہائی مال کی وصیت کی گئی ہو، اور پھر ورثا کے لیے موصی نہ پر رجوع کرنے کا حق نہیں اگر وصی کے ساتھ ان کا حصہ ضائع ہو جائے اس لیے کہ اس وقت اس کی تقسیم صحیح ہے۔

بھی اسی کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ کیونکہ اس کا ترکہ اول نہیں ہے بخلاف اس کے قول ترکتی کے۔ کیونکہ اس کے موصی کا ترکہ اسی کا ترکہ ہے پس لفظ اسے شامل ہوگا۔ سو تو اس تحریر کو غنیمت جان کیونکہ یہ منفرد ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جو ”شارح“ نے ذکر کیا ہے اسے اس آخری صورت کے بغیر خاص کر دیا جائے۔ تاہل۔

وصی کی تقسیم کی صحت یا عدم صحت کا شرعی حکم

36723۔ (قوله: وَتَصِحُّ قِسْمَتُهُ الْخ) اور اس کی تقسیم صحیح ہوگی۔ اس کی صورت یہ ہے: ایک آدمی نے ایک آدمی کو وصی بنایا اور دوسرے کے لیے اپنے مال میں سے تہائی کی وصیت کی اور اس کے وارث صغیر ہوں یا بالغ غائب ہوں۔ پس وصی نے ورثا کا نائب بن کر موصی نہ کے ساتھ ترکہ تقسیم کیا اور اسے تہائی حصہ دے دیا اور دو تہائی ورثا کے لیے روک لیا تو یہ تقسیم ورثا پر نافذ ہو جائے گی بخلاف اس کے برعکس کے اور وہ اس کا موصی نہ کا نائب بن کر وارث کے ساتھ مال کی تقسیم ہے۔ کیونکہ ورثا اور وصی دونوں میت کے خیفہ ہیں۔ پس وصی کا ان کی طرف سے خصم ہونا اور ان کے قائم مقام ہونا جائز ہے۔ رہا موصی نہ تو وہ کسی اعتبار سے میت کا خلیفہ نہیں ہے۔ پس اس کے اور وصی کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے کہ وہ تقسیم کے نفاذ میں اس کی طرف سے خصم اور اس کا قائم مقام ہو۔ اس کی مکمل بحث ”العنایہ“ میں ہے۔

اور امام ”المحبوبی“ نے ”شیخ الاسلام“ کی ”مبسوط“ سے ذکر کیا ہے کہ وہ پہلی صورت میں سامان اور زمین میں جائز ہے اگر ورثا صغیر ہوں ورنہ صرف سامان میں جائز ہے۔ اور دوسری صورت میں دونوں میں باطل ہے جیسا کہ ”الکفایہ“ اور ”المعراج“ وغیرہ میں ہے، اور اسی پر ”زیلعی“ نے اعتماد کیا ہے۔ ”العنایہ“ میں کہا ہے: منقولہ سامان اور زمین کے درمیان فرق یہ ہے کہ ورثا اگر صغیر ہوں تو وصی کے لیے ان دونوں کی بیع کرنا جائز ہے۔ اور اگر وہ بالغ ہوں تو پھر زمین کی بیع کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہے اور منقولہ سامان کی بیع کا اختیار ہے۔ اور اسی طرح تقسیم بھی ہے کیونکہ وہ بھی بیع کی ایک نوع ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ تب ہے جب ترکہ میں دین (قرض) نہ ہو، ورنہ اس کے لیے زمین کی بیع کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ پھر تو جان کہ اس سے مراد صغار کا حصہ دوسروں سے الگ کرنا ہے۔ رہا یہ کہ اگر وہ ہر صغیر کا حصہ دوسرے سے الگ کرنے کا ارادہ کرے تو یہ جائز نہیں ہے۔ اور اس کی مکمل بحث عنقریب وصایا کے آخر فروع میں آئے گی۔

36724۔ (قوله: غُيَّبٍ) یعنی وہ تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت پر ہو۔ ”قہستانی“۔

(وَأَمَّا قِسْمَتُهُ عَنِ الْوَصِيِّ لَهُ) الْغَائِبِ أَوْ الْحَاضِرِ بِلَا إِذْنِهِ (مَعَهُمْ) أَمَّا الْوَرِثَةُ وَلَوْ صَغَارًا زَيْلَعِي (فَلَا) تَصِحُّ، وَحِينَئِذٍ (فَيَرْجِعُ الْوَصِيُّ لَهُ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ) مِنَ الْمَالِ (إِذَا ضَاعَ قِسْطُهُ) لِأَنَّهُ كَالشَّرِيكِ (مَعَهُ) أَمَّا مَعَ الْوَصِيِّ، وَلَا يَضُنُّ الْوَصِيُّ لِأَنَّهُ أَمِينٌ - (وَصَحَّ قِسْمَةُ الْقَاضِي وَأَخْذُهُ قِسْطَ الْوَصِيِّ لَهُ إِنْ غَابَ) الْوَصِيُّ لَهُ فَلَا شَيْءَ لَهُ إِنْ هَلَكَ فِي يَدِ الْقَاضِي أَوْ أَمِينِهِ وَهَذَا (فِي الْبَكِيلِ وَالْمُؤْزُونِ) لِأَنَّهُ إِفْرَازٌ (وَفِي غَيْرِهِمَا لَا) تَجُوزُ لِأَنَّهُ مُبَادَلَةٌ كَالْبَيْعِ، وَبَيْعُ مَالٍ الْغَيْرِ لَا يَجُوزُ فَكَذَا الْقِسْمَةُ (وَإِنْ قَاسَمَهُمُ الْوَصِيُّ فِي الْوَصِيَّةِ

اور رہی موصی لہ غائب یا حاضر کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر ورثا کے ساتھ اس کی تقسیم اگرچہ وہ صغار ہوں تو وہ صحیح نہیں ہوتی۔ ”زیلعی“۔ اور اس وقت موصی لہ باقی مال کے تہائی کے ساتھ رجوع کر سکتا ہے جب اس کا حصہ ضائع ہو جائے۔ کیونکہ وہ وصی کے ساتھ شریک کی مثل ہے۔ اور وصی ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ تو امین ہے۔ اور قاضی کا تقسیم کرنا اور اس کا موصی لہ کا حصہ لے لینا صحیح ہے۔ اگر موصی لہ غائب ہو تو اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی اگر وہ قاضی یا اس کے امین کے ہاتھ میں ضائع ہو گیا۔ اور یہ حکم کیلی اور وزنی چیزوں میں ہے۔ کیونکہ یہ محض الگ اور جدا کرنا ہے اور ان دونوں کے سوا میں یہ جائز نہیں۔ کیونکہ وہ بیع کی طرح مبادلہ ہے اور کسی دوسرے کے مال کی بیع جائز نہیں ہوتی۔ پس اسی طرح تقسیم بھی ہے۔ اگر وصی حج کے بارے وصیت میں انہیں تقسیم کرے

36725۔ (قوله: فَيَرْجِعُ الْوَصِيُّ لَهُ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ) پس موصی لہ باقی مال جو ورثا کے ہاتھوں میں ہے اس کے ثلث کے بارے رجوع کرے گا اگر وہ موجود ہو، اور اگر وہ ان کے پاس ہلاک ہو جائے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ انہیں اس کے ثلث کی مقدار کا ضامن بنائے جس پر انہوں نے قبضہ کیا، اور اگر چاہے تو وصی کو اتنی مقدار کا ضامن ٹھہرائے۔ کیونکہ اس نے انہیں مال دے کر اور ورثا نے اس پر قبضہ کر کے اس میں تعدی کی ہے۔ پس وہ دونوں میں سے جسے چاہے ضامن ٹھہرائے۔ ”زیلعی“۔ اور یہ حکم تب ہے جب تقسیم قاضی کے حکم کے بغیر ہو۔ لیکن اگر وہ اس کے حکم کے ساتھ تقسیم کرے تو وہ جائز ہے اور وہ اس صورت میں رجوع نہیں کر سکتا۔ ”مسکین“۔

36726۔ (قوله: لِأَنَّهُ كَالشَّرِيكِ) کیونکہ وہ ورثا کے لیے شریک کی طرح ہے۔ پس مال مشترک میں سے جو ہلاک ہو جائے وہ شرکت پر ہلاک ہوتا ہے اور جو باقی رہ جائے وہ اسی پر ہی باقی رہتا ہے۔ ”زیلعی“۔

36727۔ (قوله: مَعَهُ) یہ ضاع کے متعلق ہے۔

36728۔ (قوله: لِأَنَّهُ أَمِينٌ) کیونکہ وہ امین ہے، یعنی اسے حفاظت کی ولایت حاصل ہے۔ ”زیلعی“۔

قاضی کی تقسیم کا شرعی حکم

36729۔ (قوله: وَصَحَّ قِسْمَةُ الْقَاضِي) اور قاضی کی تقسیم صحیح ہے۔ کیونکہ وہ عاجز کے حق میں ناظر (نگران) اور

غائب کے حصہ کو الگ کرنے والا ہے اور اس کا قبضہ نظر و فکر کے ساتھ ہے۔ پس وہ اس پر نافذ ہوگا اور صحیح ہے۔ ”زیلعی“۔

بِحَجِّ حَجٍّ عَنِ الْمَيِّتِ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ إِنْ هَلَكَ الْمَالُ (فِي يَدِهِ أَوْ) فِي يَدِ (مَنْ دُفِعَ إِلَيْهِ لِيَحُجَّ) خِلَافًا لَهَا وَقَدْ تَقَرَّرَ فِي الْمَنَاسِكِ (وَلَوْ أَفْرَزَ الْمَيِّتُ شَيْئًا مِنْ مَالِهِ لِلْحَجِّ فَضَاعَ بَعْدَ مَوْتِهِ لَا يَحُجُّ عَنْهُ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ لِأَنَّهُ عَيْنُهُ فَإِذَا هَلَكَ بَطَلَتْ (وَصَحَّ بَيْعُ الْوَصِيِّ عَبْدًا مِنَ التَّرَكَّةِ بِغَيْبَةِ الْغُرَمَاءِ) لِلْغُرَمَاءِ لِتَعَلُّقِ حَقِّهِمُ بِالْمَالِيَّةِ (وَضَمِنَ وَصِيُّ بَاعٍ مَا أَوْصَى بِبَيْعِهِ وَتَصَدَّقَ بِشَيْئِهِ فَاسْتَحَقَّ الْعَبْدُ بَعْدَ هَلَاكِ ثَمَنِهِ)

تو باقی مال کے تہائی سے میت کے لیے حج کیا جائے اگر مال اس کے پاس ہلاک ہو یا اس کے پاس جسے حج کرنے کے لئے دیا جائے بخلاف ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے۔ البتہ یہ مناسک حج کی کتابوں میں ثابت ہے۔ اور اگر میت نے اپنے مال سے حج کے لیے کچھ مال الگ کیا اور وہ اس کے فوت ہونے کے بعد ضائع ہو گیا تو پھر باقی مال کے ثلث کے ساتھ اس کی طرف سے حج نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے وہ مال معین کر دیا تھا اور جب وہ ہلاک ہو گیا تو وصیت باطل ہو گئی۔ اور وصی کا ترکہ سے غلام بیچنا قرض خواہوں کے لیے ان کی عدم موجودگی میں صحیح ہے اس لیے کہ ان کا حق مالیت کے ساتھ متعلق ہے۔ اور وصی اس کا ضامن ہو گا جب اس نے اسے فروخت کیا جسے بیچنے کی اسے وصیت کی گئی اور اس کے ثمن صدقہ کر دیئے پھر اس کے ثمن اس کے پاس سے ہلاک ہونے کے بعد

36730۔ (قوله: حَجٌّ عَنِ الْمَيِّتِ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ) باقی مال کے ثلث کے ساتھ میت کی طرف سے حج کیا جائے یعنی حکم دینے والے کے گھر سے یا وہاں سے جہاں سے وہ پہنچ سکتا ہو۔ اور اسی طرح حکم ہے اگر وہ دوسری اور تیسری بار ہلاک ہو جائے، مگر یہ کہ اس کے ثلث سے اتنا باقی نہ رہے جو حج کے لیے کافی ہو سکتا ہو تو پھر وصیت باطل ہو جائے گی جیسا کہ باب الحج عن الغیر میں گزر چکا ہے۔

36731۔ (قوله: خِلَافًا لَهَا) بخلاف ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے۔ پس امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: اگر الگ کیا ہو مال ثلث کو مستغرق ہو تو وصیت باطل ہو جائے گی اور اس کی طرف سے حج نہ کیا جائے، اور اگر ثلث کو مستغرق نہ ہو تو کل مال کے ثلث کی تکمیل تک ثلث لے کر باقی کے ساتھ اس کی طرف سے حج کیا جائے گا۔ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: کسی بھی شے کے ساتھ اس کی طرف سے حج نہیں کیا جائے گا ہم نے اسے مناسک میں ثابت کر دیا ہے۔ ”زیلعی“۔

36732۔ (قوله: لِتَعَلُّقِ حَقِّهِمُ بِالْمَالِيَّةِ) اس لیے کہ ان کا حق مالیت کے ساتھ متعلق ہے نہ کہ صورت سے، ہاتھ، اور بیع مالیت کو باطل نہیں کرتی اس لیے کہ اس میں مالیت خلف (نائب) سے بدل جاتی ہے اور وہ ثمن ہیں بخلاف اس غلام کے جسے تجارت کرنے کی اجازت دی گئی۔ کیونکہ آقا کے لیے اس کی بیع کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس کے قرض خواہوں کا اس سے حق اور محنت کرانے کا حق ہے بخلاف اس صورت کے جس میں ہم بحث کر رہے ہیں۔ ”زیلعی“۔

36733۔ (قوله: بَاعَ مَا أَوْصَى بِبَيْعِهِ) اسے بیچا جسے بیچنے کی اسے وصیت کی گئی، یعنی اس نے غلام بیچا۔ اور اگر ”مصنف“ اس کے بارے دوسروں کی طرح تصریح کر دیتے وہ زیادہ ظاہر ہوتا اس لیے کہ ”درر“ کا قول ہے: فاستحق العبد۔

أَمَى ضِيَاعِهِ (عِنْدَكَ) لِأَنَّهُ الْعَاقِدُ فَالْعَهْدَةُ عَلَيْهِ (وَرَجَعُ) الْوَصِيِّ (فِي التَّرِكَةِ) كُلِّهَا وَقَالَ مُحَمَّدٌ فِي الثُّلُثِ، قُلْنَا إِنَّهُ مَغْرُورٌ فَكَانَ دَيْنًا، حَتَّى لَوْ هَلَكَتِ التَّرِكَةُ أَوْ لَمْ تَفِ فَلَا رُجُوعَ وَفِي الْمُنْتَقَى أَنَّهُ يَرْجِعُ عَلَى مَنْ تَصَدَّقَ عَلَيْهِمْ لِأَنَّ غُنْبَهُ لَهُمْ فَغُرْمُهُ عَلَيْهِمْ (كَمَا يَرْجِعُ فِي مَالِ الطِّفْلِ وَصِيٌّ بَاعَ مَا أَصَابَهُ) أَمَى الطِّفْلَ (مِنَ التَّرِكَةِ) وَهَلَكَ ثَمَنُهُ مَعَهُ فَاسْتَحَقَّ الْمَالَ الْمَبِيعَ، وَالطِّفْلُ يَرْجِعُ عَلَى الْوَرَثَةِ بِحَصَّتِهِ لِاتِّقَاضِ الْقِسْمَةِ بِاسْتِحْقَاقِ مَا أَصَابَهُ (وَصَحَّ احْتِيَالُهُ بِمَالِ الْيَتِيمِ لَوْ خَيْرًا) بِأَنْ يَكُونَ الثَّانِي أُمْلًا، وَلَوْ مِثْلَهُ لَمْ يَجْزُ مُنْيَةً

کسی اور آدمی کو اس غلام کا مستحق بنا دیا گیا۔ کیونکہ وصی ہی عقد کرنے والا ہے لہذا ذمہ داری بھی اسی پر ہوگی۔ اور پھر وصی کل ترکہ سے اسے واپس لوٹا لے۔ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: وہ ثلث ترکہ سے واپس لے گا۔ ہم کہتے ہیں: بلاشبہ اس سے دھوکا ہوا ہے پس وہ دین ہوگا یہاں تک کہ اگر ترکہ ہلاک ہو جائے یا وہ کافی نہ ہو تو پھر کوئی رجوع نہیں ہے۔ اور ”المنشقی“ میں ہے کہ وہ ان کی طرف رجوع کرے گا جن پر اس نے صدقہ کیا۔ کیونکہ اس کا نفع ان کے لیے ہے تو پھر اس کا نقصان اور تاوان بھی انہی پر ہوگا جیسا کہ بچے کے مال میں وہ رجوع کر سکتا ہے جب وصی اسے بیچ دے جو ترکہ میں بچے کے حصہ میں آیا ہے اور اس کے پاس اس کے ثمن ہلاک ہو گئے۔ پھر اس مال بیع کا کوئی اور مستحق نکل آیا، اور بچہ اپنے حصہ کے لیے ورثہ کی طرف رجوع کرے گا، اس لیے دوسرے آدمی کے استحقاق کی وجہ سے تقسیم ٹوٹ گئی ہے۔ اور وصی کا یتیم کے مال کے بارے حوالہ قبول کرنا صحیح ہے اگر وہ بہتر ہو اس اعتبار سے کہ دوسرا زیادہ خوشحال اور مالدار ہو، اور اگر وہ بھی اسی کی مثل ہو تو پھر جائز نہیں۔ ”منیہ“۔

36734۔ (قوله: أَمَى ضِيَاعِهِ) یعنی اس کے ثمن ضائع ہونے کے بعد، یہ ظاہر ہے کہ ہلاک ہونے سے مراد وہی ہے جو صدقہ کرنے کو شامل ہے جیسا کہ عنقریب آ رہا ہے۔

36735۔ (قوله: لِأَنَّهُ الْعَاقِدُ) کیونکہ وہ عقد کرنے والا ہے یہ ”مصنف“ کے قول: وَضَمِنَ وَصِيٌّ كِي عِلْتِ كَابِيَانِ ہے۔

36736۔ (قوله: قُلْنَا إِنَّهُ مَغْرُورٌ) ہم کہتے ہیں: بلاشبہ اس سے دھوکا ہوا ہے۔ کیونکہ میت نے جب اسے اس کی بیع کرنے اور اس کے ثمن صدقہ کرنے کا حکم دیا تو گویا اس نے یہ کہا: کہ یہ غلام میری ملکیت ہے۔ ”عنایہ“۔

36737۔ (قوله: فَلَا رُجُوعَ) تو کوئی رجوع نہیں ہے نہ ورثہ پر اور نہ ہی مساکین پر اگر اس نے ان پر صدقہ کیا ہے۔

کیونکہ بیع میت کے لیے ہی واقع ہوئی ہے تو یہ اس طرح ہو گیا جیسا کہ جب میت پر کوئی دوسرا دین ہو۔ ”عنایہ“۔

36738۔ (قوله: وَفِي الْمُنْتَقَى الْخ) ”المنشقی“ میں کہا ہے: یہ روایت ”جامع صغیر“ کی روایت کے مخالف ہے۔ اور

”جامع صغیر“ کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ میت اس تصرف کے نفع میں اصل ہے اور وہ ثواب ہے اور فقیر تابع ہے۔

وصی کا یتیم کے مال کا حوالہ کرنے کا شرعی حکم

36739۔ (قوله: وَلَوْ مِثْلَهُ لَمْ يَجْزُ) اور اگر اس کی مثل ہو تو پھر جائز نہیں، یہ دو قولوں میں سے ایک ہے۔ ”الکفایہ“

(وَصَحَّ بَيْعُهُ وَشِرَاؤُهُ مِنْ أَجْنَبِيٍّ بِمَا يَتَّغَابَنُ النَّاسُ)

اور اجنبی سے اس کا اتنے کے عوض بیع و شرا کرنا صحیح ہے جتنا لوگ ایک دوسرے سے دھوکا کھاتے رہتے ہیں۔

میں کہا ہے: اور ”کتاب“ میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ جائز نہیں ہے یعنی اس حیثیت سے کہ جواز خوشحالی کے ساتھ مقید کیا ہے، اور یہ تب ہے جب دین میت کو قرض دینے کے ساتھ ثابت ہو، پس اگر وہ وصی کو قرض دینے کے ساتھ ہو تو وہ جائز ہے چاہے وہ یتیم کے لیے باعث نفع ہو یا اس کے لیے شر اور نقصان کا سبب ہو مگر وہ جب اس کے لیے بہتر اور نفع کا باعث ہو تو بالاتفاق جائز ہے، یہاں تک کہ جب وہ ادراک کر لے تو اس کے لیے اسے توڑنا جائز نہیں، اور اگر وہ اس کے لیے نقصان دہ ہو تو اسے توڑنا جائز ہے۔ اور ”طرفین“ رحمہ اللہ کے نزدیک وصی یتیم کے لیے ضامن ہوگا۔ اور امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ جائز نہیں ہے۔ اسے ”اتقانی“ نے ”شرح الطحاوی“ سے نقل کیا ہے۔

وصی کا کسی اجنبی کے ساتھ بیع و شرا کا شرعی حکم

36740۔ (قوله: وَصَحَّ بَيْعُهُ وَشِرَاؤُهُ) اور اس کا خرید و فروخت کرنا صحیح ہے۔ ان دونوں کو مطلق ذکر کیا ہے۔ پس یہ نقد اور متعارف مدت تک ادھار بیع کو شامل ہے لیکن خوشحال اور مالدار آدمی سے۔ پس اگر وہ مفلس ہو تو اس کا ذکر عنقریب وصایا کے آخر فروع میں آئے گا۔ ”الخانیہ“ میں کہا ہے: جب اس نے میت کے ترکہ سے کوئی شے ادھار بیچی۔ پس اگر اس سے یتیم کو نقصان ہوتا ہو اس طرح کہ مدت بہت زیادہ ہو تو وہ جائز نہیں ہے۔ ”رہلی“۔

36741۔ (قوله: مِنْ أَجْنَبِيٍّ) یعنی ایسے آدمی سے جو میت اور وصی سے اجنبی ہو۔ پس اگر اس نے اپنے آپ سے بیع کی تو اس کا ذکر آگے آ رہا ہے، یا اس سے بیع کی جس کی شہادت اس کے لیے قبول نہیں کی جاتی، یا میت کے وارث سے بیع کی تو یہ جائز نہیں ہے۔ ”جامع الفصولین“ میں کہا ہے: مضارب کا ایسے آدمی سے تھوڑے سے محاباة کے ساتھ بیع کرنا جس کی شہادت اس کے لیے جائز نہ ہو جائز نہیں۔ اور اسی طرح وصی کا حکم ہے اگر وہ ان سے بیع کرے۔ پس اگر مثلی قیمت کے ساتھ بیع کرے تو وہ جائز ہے۔ اور اگر صحیح اور صحت مند وارث اپنے مریض مورث سے مثلی قیمت پر خرید و فروخت کرے تو وہ ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ جائز نہیں۔ اور اگر غبن سیر کے ساتھ کرے تو پھر بالا جماع جائز نہیں۔ کیونکہ وہ اس سے بیع وصی کی طرح ہے اور میت کا وصی اگر وارث کے ساتھ مثلی قیمت پر عقد کرے تو اس میں مذکورہ اختلاف ہے۔

تنبیہ

”الخانیہ“ میں کہا ہے: دو یتیم ہیں، دونوں میں سے ہر ایک کے لیے وصی ہے تو ایک وصی کے لیے اپنے یتیم کی خاطر دوسرے وصی سے کوئی شے خریدنا جائز نہیں۔ کیونکہ اوصیاء کے تصرفات خیر و نفع اور یتیم کے لیے نظر و فکر کے ساتھ مقید ہوتے ہیں۔ پس یہاں اگر ایک کی طرف سے خیر اور نفع پایا بھی جائے تو پھر دوسرے کی جانب سے یقیناً نہیں پایا جائے گا اس لیے اس کا تصرف جائز نہیں ہوگا۔

لَا بَسًا لَا يَتَغَابَنُ وَهُوَ الْفَاحِشُ لِأَنَّ وَلَايَتَهُ نَظَرِيَّةٌ، فَلَوْ بَاعَ بِهِ كَانَ فَاسِدًا حَتَّى يَنْبَلِكُهُ الْمُشْتَرِي بِالْقَبْضِ قَهْشَتَانٍ، وَهَذَا إِذَا تَبَايَعَ الْوَصِيُّ لِلصَّغِيرِ مَعَ الْأَجْنَبِيِّ (وَإِنْ بَاعَ الْوَصِيُّ (أَوْ اشْتَرَى) مَالَ الْيَتِيمِ مِنْ نَفْسِهِ،

لیکن اتنے دھوکا کے ساتھ نہیں جو لوگ نہیں کھاتے اور وہ غبن فاحش ہے۔ کیونکہ اس کی ولایت نظری ہے۔ پس اگر اس نے غبن فاحش کے ساتھ بیع کی تو وہ فاسد ہوگی حتیٰ کہ مشتری قبضہ کرنے کے ساتھ مالک ہو جائے گا۔ ”قہستانی“۔ اور یہ تب ہے جب وصی صغیر کے لیے اجنبی کے ساتھ بیع کرے۔ اور اگر وصی یتیم کے مال کی خرید و فروخت اپنے ساتھ کرے

میں کہتا ہوں: یہ مشکل ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے اجنبی ہے اور اس نے اپنے لیے نہیں خریدی بلکہ اپنے یتیم کے لیے خریدی ہے۔ پس خیریت شرط نہیں ہوگی۔ پس چاہیے کہ اس میں غور و فکر کی جائے۔ مگر یہ کہ وہ اسے زمین کے ساتھ مقید کرے اور اس کی بیع نفقہ وغیرہ کے لیے نہ ہو تو اس وقت ضروری ہے کہ اسے دو گنا قیمت کے ساتھ بیچا جائے جیسا کہ آگے آئے گا۔ اور اس میں تعلیل ظاہر ہوئی ہے۔ اور میرے لیے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہی مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

36742۔ (قوله: لَا بَسًا لَا يَتَغَابَنُ) نہ کہ اس کے ساتھ جس کے ساتھ لوگ دھوکہ نہیں کھاتے۔ اس کی تفسیر میں صحیح یہ ہے کہ وہ قیمت لگانے والوں کی قیمت کے تحت داخل نہ ہو جیسا کہ ”البحر“ اور ”المنح“ وغیرہ میں ہے۔

36743۔ (قوله: لِأَنَّ وَلَايَتَهُ نَظَرِيَّةٌ) کیونکہ اس کی ولایت نظری ہے۔ اور غبن فاحش میں کوئی نظر و فکر نہیں ہے بخلاف غبن یسر کے۔ کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہوتا۔ ”زیلعی“۔

36744۔ (قوله: كَانَ فَاسِدًا) یہ دو قولوں میں سے دوسرا ہے جنہیں ”القنیه“ میں بیان کیا ہے۔ اور پہلا یہ ہے کہ وہ باطل ہے اور مشتری قبضہ کرنے کے ساتھ اس کا مالک نہیں ہوگا۔

36745۔ (قوله: حَتَّى يَنْبَلِكُهُ الْمُشْتَرِي بِالْقَبْضِ) یہاں تک کہ مشتری قبضہ کرنے کے ساتھ مالک ہو جائے گا۔ اور کیا وصی غبن فاحش کا ضامن ہوگا؟ تو یہ ظاہر ہے ہاں وہ ضامن ہوگا۔ ”طحاوی“۔

تنبیہ: مقروض مریض اگر محاباة کے ساتھ بیع کرے تو وہ جائز نہ ہوگی بخلاف اس کی موت کے بعد اس کے وصی کے۔ اور یہ عجیب مسائل میں سے ہے اس حیثیت سے کہ خلیفہ اور نائب محاباة کا مالک ہے لیکن مالک اور اصل کو اس کا اختیار نہیں۔ اسے ”الفصولین“ میں بیان کیا ہے۔

36746۔ (قوله: وَهَذَا إِذَا تَبَايَعَ الْوَصِيُّ الْخ) اور یہ تب ہے جب وصی بیع کرے، اس کی کوئی حاجت نہیں اس لیے کہ ”مصنف“ نے اس بارے تصریح کر دی ہے۔ ”طحاوی“۔

36747۔ (قوله: وَإِنْ بَاعَ الْوَصِيُّ) اور اگر وصی نے یتیم کا مال بیچا۔

36748۔ (قوله: مِنْ نَفْسِهِ) یہ مشتری کے متعلق ہے اور ضمیر وصی کے لیے ہے۔

فَإِنْ كَانَ وَصِيَّ الْقَاضِي لَا يَجُوزُ ذَلِكَ مُطْلَقًا لِأَنَّهُ وَكِيلُهُ (وَإِنْ كَانَ وَصِيَّ الْأَبِ جَازَ بِشَرْطِ مَنُفْعَةٍ ظَاهِرَةٍ لِلصَّغِيرِ) وَهِيَ قَدْرُ النِّصْفِ زِيَادَةً أَوْ نَقْصًا وَقَالَ لَا يَجُوزُ مُطْلَقًا وَبَيَّعَ الْأَبُ مَالَ صَغِيرٍ مِنْ نَفْسِهِ جَائِزٌ

تو اگر وہ قاضی کی طرف سے وصی ہو تو یہ مطلقاً جائز نہیں۔ کیونکہ وہ اس کا وکیل ہے۔ اور اگر باپ کی طرف سے وصی ہو تو اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس میں صغیر کے لیے منفعت ظاہر ہو، اور وہ زیادتی یا کمی کے اعتبار سے نصف کی مقدار ہو۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: وہ مطلقاً جائز نہیں۔ اور باپ کا صغیر کا مال اپنی ذات سے بیچنا جائز ہے

36749۔ (قوله: لِأَنَّهُ وَكِيلُهُ) کیونکہ وہ قاضی کا وکیل ہے اور وکیل کا فعل موکل کے فعل کی مثل ہوتا ہے اور موکل کا

فعل قضا ہے اور وہ اپنی ذات کے لیے فیصلہ نہیں کر سکتا۔ ”طحاوی“۔

اگر صغیر کے باپ کا وصی یتیم کے مال کی بیع و شرا کرے تو اس کا شرعی حکم

36750۔ (قوله: وَهِيَ قَدْرُ النِّصْفِ زِيَادَةً أَوْ نَقْصًا) اور وہ زیادتی اور کمی کے اعتبار سے نصف کی مقدار ہے، اس

میں زیادتی کا تعلق خریدنے کے ساتھ ہے اور کمی کا تعلق بیچنے کے ساتھ ہے۔ (یعنی زیادہ قیمت پر خود خریدے اور کم قیمت پر بیچے)۔ ”زیلعی“ نے کہا ہے: منفعت ظاہرہ کی تفسیر یہ ہے کہ وہ پندرہ کی شے صغیر کو دس کے عوض فروخت کرے یا صغیر کے مال میں سے اپنی ذات کے لیے دس کے مساوی شے پندرہ کے عوض خریدے۔ ”أدب الاوصياء“ میں کہا ہے: اور ”المشتقی“ میں ہے: کہ اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اور ”الحانیہ“ میں ہے: زمین کے سوا دیگر اشیا میں امام ”سرخسی“ نے خیریت کی تفسیر اسی کے ساتھ کی ہے۔ اور بعض کے نزدیک زمین میں یہ ہے کہ وہ دو گنا قیمت کے ساتھ اسے خریدے اور نصف قیمت کے ساتھ اسے فروخت کرے۔ اور ”الحافظیہ“ میں ہے: وصی کا اپنی ذات سے خرید و فروخت کرنا جائز ہے بشرطیکہ دونوں صورتوں میں نفع ظاہر ہو جیسا کہ نو کے مساوی شے دس کے عوض بیچنا اور دس کے مساوی شے نو کے عوض خریدنا۔

میں کہتا ہوں: جہاں تک تعلق ہے زمین کا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ شرا کے وقت خیریت اور بہتر قیمت کو دو گنا کرنا اور بیع میں قیمت کو نصف کرنا ہے۔ کیونکہ وہ کسی غیر کو دو گنا قیمت کے بغیر بیچنے پر قادر نہیں جیسا کہ گزر چکا ہے تو پھر اپنی ذات کے لیے اس سے کم قیمت کے عوض خریدنا اس کے لیے کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اور زمین کے سوا دیگر اشیا میں دس میں دو کی زیادتی اور دس سے دو کی کمی خیریت کی تفسیر میں میں کافی سمجھتا ہوں۔ کیونکہ غبن فاحش وہ ہوتا ہے جسے لوگ برداشت نہ کرتے ہوں۔ یہی اس کی تائید ہے جو ”أدب الاوصياء“ میں ہے۔ اور اسی سے یہ معلوم ہوا کہ اس کی شرا کا صحیح ہونا منقولہ اشیا کے ساتھ خاص نہیں۔ فافہم

باپ کے لیے صغیر کا مال اپنی ذات کو مثلی قیمت یا غبن سیر کے ساتھ بیچنا جائز ہے

36751۔ (قوله: وَبَيَّعَ الْأَبُ الْبُخْ) اور باپ کا بیع کرنا اسی کی مثل ہے کہ جب وہ اجنبی سے اسکی بیع کرے تو ایک حکم

میں اسکی تین صورتیں ہیں، اور وہ باپ کا اپنی ذات سے بیع کرنا، یا اجنبی سے بیع کرنا، اور وصی کا اجنبی سے بیع کرنا ہے، ”طحاوی“۔

میں کہتا ہوں: اور یہ تب ہے جب باپ عادل یا مستور الحال ہو، اور اگر وہ فاسد ہو تو اس کی منقولہ شے کی بیع کرنے میں دو

بِشْلِ الْقِيَمَةِ وَبِإِيتِغَابِنُ فِيهِ) وَهُوَ الْيَسِيرُ إِلَّا لَا وَهَذَا كُلُّهُ فِي الْمَنْقُولِ، أَمَّا فِي الْعَقَارِ فَسَيَجِيءُ۔ (وَلَوْ زَادَ الْوَصِيُّ عَلَى كَفْنٍ مِثْلِهِ فِي الْعَدَدِ ضَمِينَ الزِّيَادَةِ، وَفِي الْقِيَمَةِ وَقَعَ الشَّيْءُ لَهُ، وَ) حِينَئِذٍ (ضَمِينَ مَا دَفَعَهُ مِنْ مَالِ الْيَتِيمِ) وَلَوْ الْحَيَّةُ (وَ) فِيهَا (لَوْ دَفَعَ الْمَالُ إِلَى الْيَتِيمِ قَبْلَ ظُهُورِ رُشْدِهِ

مثلی قیمت کے ساتھ اور اس قیمت کے ساتھ جس میں لوگ دھوکا کھاتے رہتے ہیں اور وہ غبن یسیر ہے ورنہ نہیں، اور یہ تمام احکام منقولہ اشیا میں ہیں۔ رہی زمین (غیر منقولہ اشیا) تو اس کا ذکر آگے آئے گا۔ اور اگر وصی نے میت کے کفن مثل پر تعداد میں اضافہ کر دیا تو وہ زیادتی کا ضامن ہوگا، اور اگر قیمت میں اضافہ کیا تو وہ شرا (وصی) کے لیے واقع ہوگی، اور اس وقت وہ اس مال کا ضامن ہوگا جو اس نے یتیم کے مال میں سے دیا ہے۔ ”ولو البحیہ“۔ اور اسی میں ہے: اگر اس نے یتیم کے بالغ ہونے کے بعد

روایتیں ہیں جیسا کہ عنقریب آئے گا، اور شرا بھی بیع کی مثل ہے۔ اور ”جامع الفصولین“ میں کہا ہے: باپ کے لیے اپنے بچے کا مال اپنی ذات کے لیے غبن یسیر کے ساتھ خریدنا جائز ہے لیکن غبن فاحش کے ساتھ نہیں۔

اور اسی میں ہے: اگر اس نے اپنا مال اپنے بیٹے سے بیچا تو وہ صرف بیع کرنے سے اپنے بچے کے لیے قبضہ کرنے والا نہیں ہوگا یہاں تک کہ اگر وہ اس کے حقیقی قبضہ کی قدرت سے پہلے ہلاک ہو گیا تو وہ والد کا نقصان ہوگا۔ اور اگر اس نے اپنے لیے بیٹے کا مال خریدنا تو وہ ثمن سے بری نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ قاضی اس کے بچے کے لیے وکیل مقرر کرے جو ثمن وصول کرے اور پھر انہیں باپ پر لوٹا دے۔ اور بیع اس کے قول: بعت من دلدی (میں نے اپنے بچے سے بیع کی) سے مکمل ہو جائے گی اور اسے قبضت کہنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اور اسی طرح شرا بھی ہے اور اگر وصی ہو تو خرید و فروخت دونوں جائز نہیں جب تک کہ وہ قبضت نہ کہے۔ اور دو صغیروں میں سے ایک کا مال دوسرے سے بیچنا باپ کے لیے تو جائز ہے۔ لیکن اس کے وکیل اور وصی کے لیے جائز نہیں، اور اگر باپ نے اس کے لیے دو وکیل مقرر کئے تو پھر جائز ہے اور قاضی کی اس طرح کی بیع میں اختلاف ہے۔

اور اگر باپ نے اپنا مال اپنے بچے سے بیچنے یا اس سے خریدنے کے لیے کسی آدمی کو وکیل بنایا تو وہ جائز نہیں مگر جب باپ حاضر ہو، اور قاضی کے لیے یتیم کا مال اپنی ذات سے بیچنا اور اس کا برعکس جائز نہیں۔ کیونکہ قاضی کی طرف سے جو از علی وجہ الحکم ہے اور اس کا اپنی ذات کے لیے فیصلہ کرنا جائز نہیں بخلاف اس کے جسے وہ اس کے وصی سے خریدے یا وہ اسے یتیم سے بیچے اور اس کا وصی قبول کرے تو وہ جائز ہے اگرچہ وہ اسی قاضی کی جانب سے وصی ہو۔ ملخصاً۔

36752۔ (قوله: ضَمِينَ الزِّيَادَةِ) وہ زیادتی کا ضامن ہوگا یعنی جب اسے اس کے بارے وصیت کی جائے اور وہ ثلث سے نکل سکتی ہو۔ ”طحاوی“۔

36753۔ (قوله: وَقَعَ الشَّيْءُ لَهُ) تو یہ شرا اس کے لیے واقع ہوگی۔ کیونکہ زیادتی میں وہ تعدی کرنے والا ہے اور یہ ممتاز اور الگ نہیں ہو سکتی۔ پس وہ میت کو اس کے ساتھ کفن پہنانے میں احسان کرنے والا اور متبرع ہوتا ہے۔ ”رحمتی“۔

36754۔ (قوله: قَبْلَ ظُهُورِ رُشْدِهِ) رشد سے مراد مال کے بارے میں اس کا اصلاح کرنے والا ہونا ہے جیسا کہ

بَعْدَ الْإِذْرَاكِ فَضَاعَ ضَمِنَ لِأَنَّهُ دَفَعَهُ إِلَى مَنْ لَيْسَ لَهُ أَنْ يَدْفَعَ إِلَيْهِ (وَجَازَ بَيْنَهُ) أَيْ الْوَصِيِّ (عَنِ الْكَبِيرِ الْغَائِبِ فِي غَيْرِ الْعَقَارِ إِلَّا الَّذِينَ أَوْ خَوْفَ هَلَاكِهِ ذَكَرَهُ عَزَمِي زَادَهُ مَعْرِتًا لِلْخَانِيَّةِ

عقل و شعور کے ظاہر ہونے سے پہلے مال اسے دے دیا اور وہ ضائع ہو گیا تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے وہ مال اسے دیا ہے جو اس لائق نہیں کہ اسے دیا جائے۔ اور وصی کا بالغ غائب کے ساتھ زمین کے علاوہ کی بیع کرنا جائز ہے مگر دین یا اس کے ہلاک ہونے کے خوف کے وقت زمین کی بیع بھی جائز ہے۔ اسے ”عزمی زادہ“ نے ”الخانیہ“ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

باب الحجر میں گزر چکا ہے۔ اور وہاں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اس کا ظہور بینہ کے ساتھ ہوگا، اور اگر اس کا رشد اور مصلح ہونا ظاہر ہو جائے اگرچہ بالغ ہونے سے پہلے ہو اور اسے مال دے دیا گیا تو پھر وہ ضامن نہیں ہوگا جیسا کہ ”الخانیہ“ میں ہے۔

36755۔ (قولہ: ضَمِنَ) وہ ضامن ہوگا، یہ ”صاحبین“ رحمہ اللہ کا قول ہے اس کی دلیل تعلیل ہے۔ اور ”امام صاحب“ رحمہ اللہ نے عدم ضمان کا قول کیا ہے جب وہ اسے پچیس سال عمر ہونے کے بعد دے۔ کیونکہ اس وقت اسے دینے کی ولایت حاصل ہے۔ ”طحاوی“۔

36756۔ (قولہ: وَجَازَ بَيْنَهُ الْخ) اور وصی کا بیع کرنا جائز ہے۔ مسئلہ کی وضاحت یہ ہے کہ جب میت پر کوئی دین نہ ہو اور نہ کوئی وصیت ہو۔ پس اگر ورثا عاقل بالغ اور حاضر ہوں تو وہ کوئی شے نہیں بیچ سکتا۔ اور اگر وہ غائب ہوں تو اس کے لیے صرف سامان کی بیع کرنا جائز ہے۔ اور اگر وہ تمام ہی صغیر ہوں تو وہ سامان اور زمین دونوں کی بیع کر سکتا ہے۔ اور اگر بعض ورثا صغیر اور بعض بالغ ہوں تو ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک حکم اسی طرح ہے اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ صغار کا حصہ بیچ سکتا ہے اگرچہ وہ زمین سے ہو لیکن بڑوں کا حصہ نہیں بیچ سکتا، مگر جب وہ غائب ہوں تو سامان بیچ سکتا ہے۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کا قول ہی قیاس ہے اور ہم اسی کو لیتے ہیں۔ اور اگر میت پر دین ہو یا وہ دراہم کے بارے وصیت کرے اور ترکہ میں دراہم نہ ہوں اور ورثا بالغ اور حاضر ہوں تو ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ تمام ترکہ بیچ سکتا ہے۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک صرف دین کے حصہ کی بیع کرنا جائز ہے۔ یہ ”غایۃ البیان عن نکت الوصایا لابن الیث“ سے ملخص ہے۔

36757۔ (قولہ: إِلَّا الَّذِينَ) مگر قرض کی صورت میں اس کے لیے زمین کی بیع کرنا جائز ہے۔ لیکن یہ وہم و گمراہی ہے کہ یہ بالغ وارث کے غائب ہونے کے ساتھ مقید ہے حالانکہ یہ اس طرح نہیں ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور ”الخانیہ“ میں ہے: اسے غیب ہونے کے ساتھ مقید کیا ہے، کیونکہ جب وہ حاضر ہوں تو وصی کے لیے ترکہ میں تصرف کرنا بالکل جائز نہیں ہے مگر جب میت پر قرض ہو یا وہ کوئی وصیت کرے اور ورثا قرضے ادا نہ کریں اور نہ وہ اپنے مالوں سے وصیت پر عمل کریں تو اس صورت میں وہ کل ترکہ بیچ سکتا ہے اگر قرض اسے محیط ہو۔ اور اگر قرض سارے ترکہ کو محیط نہ ہو تو پھر قرض کی مقدار کے برابر بیع کر سکتا ہے۔ اور امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک قرض کی مقدار سے زیادہ کی بیع بھی اس کے لیے جائز ہے، اس میں ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے اختلاف کیا ہے۔ اور وصیت ثلث کی مقدار کے ساتھ نافذ ہوگی۔ اور اگر وہ وصیت کو نافذ کرنے کے

قُلْتُ وَفِي الزَّيْلَعِيِّ وَالْقَهْطَانِيِّ الْأَصَحُّ لَا لِأَنَّهُ نَادِرٌ، وَجَازَ بَيْعُهُ عَقَارَ صَغِيرٍ مِنْ أَجْنَبِيٍّ لَا مِنْ نَفْسِهِ بِضَعْفِ قِيَمَتِهِ،

میں کہتا ہوں: ”زلیعی“ اور ”قہستانی“ میں ہے کہ اصح قول یہ ہے کہ زمین کی بیع جائز نہیں، کیونکہ اس کی ہلاکت شاذ و نادر ہے، اور اس کیلئے صغیر کی زمین اجنبی سے بیچنا جائز ہے دو گنا قیمت سے، اپنی ذات سے نہیں،

لیے ترکہ میں سے کوئی شے فروخت کرے تو اس کی مقدار کے برابر بالا جماع جائز ہے۔ اور ”الزیادات“ میں دین کے بارے میں اختلاف مذکور ہے۔ ”أدب الاوصياء“ میں کہا ہے: اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے قول کے ساتھ فتویٰ دیا جائے گا۔ اسی طرح ”الحافظیہ“ و ”الغنیہ“ اور تمام کتابوں میں ہے۔ اور اسی کی مثل ”البرزازیہ“ میں ہے۔

تنبیہ

”القنیہ“ میں کہا ہے: وصی نفقہ کے لیے یتیم کے گھر سے جز مشترک کی بیع کرنے کا مالک نہیں ہوتا جب وہ ایسے آدمی کو پائے جو اس سے معین جز خریدتا ہو۔ کیونکہ اس طرح باقی کو عیب زدہ کر دے گا۔

36758۔ (قوله: الْأَصَحُّ لَا) اصح قول یہ ہے کہ نہیں۔ یہ ”شارح“ کے قول: أو خوف هلاكه کی طرف راجع ہے۔

36759۔ (قوله: لِأَنَّهُ) یعنی اس کا ہلاک ہونا شاذ و نادر ہے۔

”المعراج“ میں کہا ہے: اور بعض فقہاء نے کہا ہے: وہ مالک نہیں، اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ اغلباً دار ہلاک اور ضائع نہیں ہوتا۔ پس نادر پر حکم کی بنا صحیح نہیں ہوتی۔

36760۔ (قوله: وَجَازَ بَيْعُهُ عَقَارَ صَغِيرٍ الْخ) اور اس کا صغیر کی زمین بیچنا جائز ہے۔ سلف نے اس کی زمین کی بیع کو مطلق جائز قرار دیا ہے، اور متاخرین نے اسے مذکورہ شرائط کے ساتھ مقید کیا ہے جیسا کہ ”الحانیہ“ وغیرہ میں ہے۔ ”زلیعی“ نے کہا ہے: ”الصدر الشہید“ نے کہا ہے: اور اسی یعنی متاخرین کے قول کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اور جو ”الاشباہ“ میں ہے کہ یہ متقدمین کے نزدیک جائز نہیں ہے وہ سبقت قلم ہے۔ پس اس پر آگاہ رہ۔

36761۔ (قوله: لَا مِنْ نَفْسِهِ) نہ کہ اپنی ذات سے، ”ابن کمال“ نے کہا ہے: اور ان کا قول اجنبی اس پر آگاہ

کرتا ہے کہ اس کا اپنی ذات سے بیع کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ زمین عمدہ اور اعلیٰ مالوں میں سے ہے۔ پس جب وہ اپنی ذات سے بیع کرے گا تو اس میں تہمت ظاہر ہے۔ اور اسی میں ہے: جب وہ بیع دو گنا قیمت کے ساتھ ہوگی تو اس کے لیے تہمت واقع نہیں ہوگی، شاید یہ قید اتفاقی ہے، اور اسی کی تائید وہ کرتا ہے جو ”الہندیہ“ میں ہے: اگر وصی یتیم کی زمین اپنے لیے خریدے تو یہ جائز ہے اگر یہ باعث نفع ہو، اس طرح کہ بعض کے نزدیک وہ اسے دو گنا قیمت کے ساتھ لے۔ اسے ”ساحانی“ نے بیان کیا ہے۔ اور ہم اس کی مثل ”أدب الاوصياء“ سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور ان کا قول عند البعض ان کے قول: بَأْن يَأْخُذُ الْخ کے لیے قید ہے نہ کہ جواز کے لیے جیسا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے جو ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے۔

أَوْ لِنَفَقَةِ الصَّغِيرِ أَوْ دَيْنِ النِّسْتِ، أَوْ وَصِيَّةٍ مُرْسَلَةٍ لَا نَفَاذَ لَهَا إِلَّا مِنْهُ، أَوْ لِكُونِ غَلَاتِهِ لَا تَزِيدُ عَلَى مُؤْتَتِهِ، أَوْ خَوْفِ خَرَابِهِ أَوْ نُقْصَانِهِ، أَوْ كَوْنِهِ فِي يَدٍ مُتَغَلِّبٍ دُرٍّ وَأَشْبَاهَ مُلْخَصًا قُلْتُ وَهَذَا لَوِ الْبَائِعُ وَصِيًّا لَا مِنْ قَبْلِ أَقَرٍ أَوْ أَخْرَ فَإِنَّهُمَا لَا يَتَدَلَّانِ بَيْنَ الْعَقَارِ مُطْلَقًا

یا صغیر کے نفقہ کیلئے یا میت کے دین کے لیے یا وصیۃ مرسلہ کیلئے جس کا نفاذ فقط اس سے ہو، یا اس لیے کہ اس کا غلہ اس کی مشقت سے زیادہ نہیں ہوتا، یا اس کے خراب ہونے کے خوف سے یا نقصان کے خوف سے، یا اس کے ظالم کے ہاتھ میں ہونے سے۔ ”درر“ اور ”اشباہ“۔ ملخصاً۔ میں کہتا ہوں: یہ حکم تب ہے جب بائع ماں یا بھائی کی طرف سے وصی نہ ہو۔ کیونکہ یہ دونوں مطلقاً زمین کی بیع کرنے کے مالک نہیں

36762۔ (قوله: أَوْ لِنَفَقَةِ) یا نفقہ کے لیے اگرچہ وہ مثلی قیمت کے ساتھ ہو یا غبن یسر کے ساتھ ہو۔ ”طحاوی“۔

میں کہتا ہوں: اور اسی طرح اس کے مابعد میں کہا جائے گا اس لیے کہ دلیل سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اسے پہلے کے مقابل رکھا ہے۔

36763۔ (قوله: أَوْ دَيْنِ النِّسْتِ) یعنی میت پر قرض ہو اور اس کی ادائیگی اسے فروخت کئے بغیر ممکن نہ ہو۔ ”خانیہ“۔ لیکن مفتی بہ قول کے مطابق وہ صرف قرض کی مقدار کے برابر فروخت کرے گا جیسا کہ ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں، اور اسی طرح وصیت میں ہے۔

36764۔ (قوله: مُرْسَلَةٍ) اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے کہ وہ جو کسر مثلاً ثلث اور ربع وغیرہ کے ساتھ مقید نہ ہو، اور وہ اس طرح کہ مثلاً جب وہ سو کی وصیت کرے۔

36765۔ (قوله: أَوْ خَوْفِ خَرَابِهِ) یا اس کے خراب اور فاسد ہونے کا خوف ہو، بالغ غائب کی زمین کے بیان میں یہ پہلے گزر چکا ہے کہ اصح قول یہ ہے کہ وہ اسے اس کے لیے نہیں بیچ سکتا۔ اور ظاہر یہ ہے کہ یہاں تصحیح جاری نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ یہاں مقصود صغیر کی منفعت ہے۔ اسی لیے یہاں ان بعض صورتوں میں جائز ہے جو بالغ کی زمین میں جائز نہیں۔ تامل۔

36766۔ (قوله: أَوْ كَوْنِهِ فِي يَدٍ مُتَغَلِّبٍ) یا وہ کسی ظالم کے قبضہ میں ہو اس طرح کہ وصی اسے اس سے واپس لوٹائے اور اس کے پاس کوئی بینہ نہ ہو اور یہ خوف ہو کہ ظالم اس کے بعد اس سے پھر لے لے گا اس سے استدلال کرتے ہوئے کہ پہلے اس کا اس پر قبضہ تھا تو وصی کے لیے اس کی بیع جائز ہے اگرچہ یتیم کے لیے اس کے ثمن کی حاجت نہ ہو جیسا کہ ”الخانیہ“ کے کتاب البیوع میں ہے۔

36767۔ (قوله: لَا مِنْ قَبْلِ أَقَرٍ أَوْ أَخْرَ) وہ ماں یا بھائی کی طرف سے وصی نہ ہو، اور باپ، دادا، اور قاضی کے سوا دیگر اقارب کا وصی بھی ان دونوں کی طرح ہے۔ اور اس بارے میں مکمل کلام باب کے آخر میں آئے گا۔

36768۔ (قوله: مُطْلَقًا) یعنی اگرچہ یہ ان مستثنیات میں ہے، اور جب حال اس کی بیع کا محتاج ہو تو معاملہ قاضی

وَلَا شِرَاءَ غَيْرِ طَعَامٍ وَكِسْوَةٍ، وَلَوْ الْبَائِعُ أَبًا فَإِنْ مَحْمُودًا عِنْدَ النَّاسِ أَوْ مَسْتُورَ الْحَالِ يَجُوزُ ابْنُ كَمَالٍ (وَلَا يَتَجَرُّ الْوَصِيُّ فِي مَالِهِ) أَيْ الْيَتِيمِ (لِنَفْسِهِ) فَإِنْ فَعَلَ تَصَدَّقَ بِالرِّيحِ

اور نہ یہ طعام اور لباس کے بغیر کوئی شے خریدنے کے مالک ہیں۔ اور اگر بائع باپ ہو، تو اگر وہ لوگوں کے نزدیک قابل تعریف (پسندیدہ) یا مستور الحال ہو تو اس کا زمین کی بیع کرنا جائز ہے۔ ”ابن کمال“۔ اور وصی یتیم کے مال میں اپنی ذات کے لیے تجارت نہیں کر سکتا۔ پس اگر وہ کرے تو نفع صدقہ کر دے،

کے پاس پیش کیا جائے گا۔ ”طحاوی“۔

36769۔ (قولہ: يَجُوزُ) وہ جائز ہے، اور صغیر کو بالغ ہونے کے بعد اسے توڑنے کا اختیار نہیں ہے۔ کیونکہ باپ کی شفقت کامل ہے، اور یہ معنی دوسرے معنی کے معارض نہیں۔ پس یہ بیع صغیر کی طرف دیکھنے اور اس کی رعایت کے لیے ہے۔ اور اگر باپ فاسد ہو تو اس کے لیے زمین کی بیع کرنا جائز نہیں ہے۔ اور صغیر کے لیے بالغ ہونے کے بعد اسے توڑنا جائز ہے۔ یہی قول مختار ہے مگر جب وہ اسے دو گنا قیمت کے ساتھ بیچے۔ کیونکہ وہ معنی دوسرے معنی کے معارض ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق اس کا منقولہ شے کی بیع کرنا جائز ہے، اور اس کے ثمن عادل آدمی کے پاس رکھے جائیں گے۔ اور ایک روایت میں ہے: جائز نہیں مگر اس کی دگنی قیمت کے ساتھ۔ اور اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ”جامع الفصولین“۔ اور عنقریب فروع میں آئے گا۔

تنبیہ

یہاں ان کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ باپ کا اپنے بیٹے کی زمین کی بیع کرنا ان مسوغات (جائز کردہ صورتوں) کا محتاج نہیں جو وصی کے بارے میں مذکور ہیں۔ اور ”حموی“ نے ”حواشی الاشباہ“ باب الوصایا سے نقل کیا ہے کہ باپ وصی کی طرح ہے اس کے لیے زمین کی بیع جائز نہیں مگر مذکورہ مسائل میں جیسا کہ ”الحانوتی“ نے اسی کے ساتھ فتویٰ دیا ہے۔ پھر میں نے ہمارے مشائخ کے شیخ ”ملا علی الترمکانی“ کے مجموعہ میں دیکھا انہوں نے ”حموی“ کی مذکورہ عبارت نقل کی ہے۔ پھر وہ کہا جو انہوں نے بیان کیا اور وہ اس اطلاق کے مخالف ہے جو ”الفصول“ وغیرہ میں ہے، اور ”الحانوتی“ نے اس میں نقل صحیح کی طرف نسبت نہیں کی، لیکن جب باپ کی بیع میں بھی جواز کی صورتیں ہو گئیں جیسا کہ وصی میں ہیں تو وہ بھی اچھا اور مفید ہو گیا۔ کیونکہ بالاتفاق اخذ کرنا زیادہ موافق اور بہتر ہے۔ اسی طرح اسے ہمارے شیخ ”شیخ محمد مراد السقاینی“ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔

وصی کے لیے یتیم کے مال سے اپنی ذات کے لیے تجارت کا عدم جواز

36770۔ (قولہ: فَإِنْ فَعَلَ تَصَدَّقَ بِالرِّيحِ) اور اگر اس نے ایسا فعل کیا تو پھر ”طرفین“ رحمہ اللہ کے نزدیک نفع

صدقہ کر دے، اور وہ رأس المال کا ضامن ہوگا۔ اور امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ نفع اس کے حوالے کر دے گا اور کوئی شے صدقہ نہیں کرے گا۔ ”خانیہ“۔ اور اسی میں ہے: اور وہ یتیم کا مال قرض دینے کا مالک نہیں ہوگا۔ پس اگر اس نے قرض دیا تو وہ ضامن ہوگا، اور قاضی اس کا مالک ہوتا ہے۔ اور صحیح قول یہ ہے کہ باپ وصی کی طرح ہے نہ کہ قاضی کی مثل۔ اور

(وَجَازَ) لَوْ اتَّجَرَ مِنْ مَالِ الْيَتِيمِ (لِلْيَتِيمِ) وَتَبَا مُمْهُ فِي الدُّرِّ قُلْتُ وَفِي الْأَشْبَاهِ

اور اگر وہ یتیم کے مال سے اسی کے لیے تجارت کرے تو یہ جائز ہے۔ اور اس کی مکمل بحث ”الدرر“ میں ہے۔ میں کہتا ہوں: اور ”الاشباہ“ میں ہے:

اگر وصی اسے اپنی ذات کے لیے قرض لے تو یہ جائز نہیں اور وہ اس پر دین ہوگا۔ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: لیکن میں امید رکھتا ہوں کہ اگر وہ ایسا کرے در آنحالیکہ وہ پورا کرنے پر قادر ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ اور ”جامع الفصولین“ میں ہے: قاضی بلاشبہ قرض دینے کا مالک ہوتا ہے جب وہ اسے نہ پائے جسے وہ خرید رہا ہے تو وہ یتیم کے لیے غلہ اور آمدن ہو جائے گی نہ کہ اس صورت میں جبکہ وہ یا مضارب اسے پائے۔ اور ”الحاوی الزاہدی“ میں ہے: قاضی وصی کو یتیم کے مال میں شرکت اور تجارت کرنے کا حکم دے سکتا ہے لیکن نفع کے لیے معاملہ کرنے کا نہیں۔ اور ”الرملی“ نے بیان کیا ہے کہ جو بعض جاہل قاضی کرتے ہیں کہ وہ اس کے مال میں بغیر معاملہ کے نفع کا فیصلہ کرتے ہیں جب اس میں پہلی بار عمل کیا جائے اور وہ اس میں سہارا اس کا لیتے ہیں جس کے کلام کی مذہب میں کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔ پس وہ اس ربوا (سود) کے بارے میں محض خیالات فاسدہ کے ساتھ فیصلہ کرنا ہے جو تمام ادیان میں حرام ہے حالانکہ وہ یتیم کی طرف نظر اور خیال رکھتا ہے۔ اور کیا اس میں نظر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے؟ یہ محض کھلی گمراہی ہے۔

36771۔ (قوله: وَجَازَ الْخ) اس نے یہ فائدہ دیا ہے کہ وصی کو یتیم کے مال کے ساتھ تجارت کرنے اور اس میں تصرف کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اور اسی کے بارے ”نور العین“ میں ”مجمع الفتاوی“ سے تصریح کی ہے۔ ”البیرونی“ نے کہا ہے: وصی جب تصرف سے انکار کر دے تو اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ ”الخلاصہ“ میں ہے۔ اور ”الحاوی الحصری“ میں ہے: ”محمد بن مقاتل“ نے کہا ہے: اگر میت پر لوگوں کے قرضے ہوں تو ورثا کے لیے جائز نہیں کہ وہ وصی کو اسے نکالنے اور اسے پورا کرنے کے لیے پکڑ لیں۔

تمتہ

اگر باپ، دادا یا وصی اسے اجرت پر دے تو یہ صحیح ہے۔ کیونکہ تہذیب اور اچھی حالت میں بدلنے کے لیے بغیر عوض کے ان کے لیے اس کا استعمال جائز ہے تو عوض کے ساتھ بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگا۔ اور وصی اسے اپنی ذات کے لیے اجارہ پر دے تو یہ صحیح ہے۔ لیکن اگر وہ اپنا آپ یتیم کو اجارہ پر دے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ اور اگر باپ اپنی ذات اس کو اجارہ پر دے تو یہ صحیح ہے اور اس کے لیے اپنا قرض اپنے بیٹے کے مال سے ادا کرنا صحیح ہے بخلاف وصی کے (کہ اس کے لیے صحیح نہیں ہے)۔ اور دونوں کے لیے اپنے ذاتی قرض کے عوض اس کا مال بیچنا جائز ہے جیسا کہ اس کے عوض اسے رہن رکھنا۔ اور باپ کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ اس کے مال سے اپنی حاجت اور ضرورت کے مطابق کھائے اگر وہ محتاج ہو اور وہ ضامن بھی نہیں ہوگا بخلاف وصی کے مگر جب اس کی اجرت ہو تو وہ اس کی مقدار کھا سکتا ہے۔ اور اس زمانہ میں وصی کے لیے یتیم کا مال مضارب بت پر لینا اور اس کے

لَا يَنْبَغُ الْوَصِيُّ بَيْعَ شَيْءٍ بِأَقْلٍ مِنْ ثَمَنِ الْبِثْلِ لَا فِي مَسْأَلَةِ الْوَصِيَّةِ بِبَيْعِ عَبْدِهِ مِنْ فُلَانٍ، وَفِيهَا فِي الْكَلَامِ فِي أَجْرِ الْبِثْلِ لِلْمُتَوَلَّى أَجْرُ مِثْلٍ عَلَيْهِ، فَلَوْلَمْ يَعْمَلْ لَا أَجْرَ لَهُ،

وصی ثمن مثل سے کم قیمت کے ساتھ کوئی شے بیچنے کا مالک نہیں ہوتا مگر وصیت کے مسئلہ میں یہ جائز ہے یعنی وہ اپنا غلام فلاں کو بیچنے کی وصیت کرے۔ اور اسی یعنی ”الاشباہ“ میں اجرت مثل کے بارے کلام میں ہے: متولی کے لیے اس کے کام کی اجرت مثل ہوگی، پس اگر وہ کوئی کام نہ کرے تو اس کے لیے اجرت نہیں ہوگی۔

مال کو بطور قرض دینا صحیح نہیں ہے۔ اور اگر اس نے قرض دیا تو اسے خیانت شمار نہیں کیا جائے گا اور نہ وہ اس کے ساتھ معزول ہو گا۔ اور اس کے لیے جائز ہے کہ وہ ہر اس کام کے لیے وکیل بنائے جو کام اس کے لیے بذات خود کرنا جائز ہے۔ تمام فروع کا بیان ”جامع الفصولین“ 27 میں ہے۔

36772۔ (قوله: بِأَقْلٍ مِنْ ثَمَنِ الْبِثْلِ) مثلی ثمن سے کم کے ساتھ، شاید یہ غبن فاحش پر محمول ہے ورنہ ”مصنف“ اتنے دھوکا کے ساتھ اس کی خرید و فروخت صحیح ہونے کا ذکر کر چکے ہیں جتنا اس میں لوگ دھوکا کھاتے رہتے ہیں۔ ”طحاوی“۔

36773۔ (قوله: لَا فِي مَسْأَلَةِ الْوَصِيَّةِ بِبَيْعِ عَبْدِهِ مِنْ فُلَانٍ) مگر اس کے غلام کو فلاں سے بیچنے کی وصیت کے مسئلہ میں، ”الاشباہ“ کی عبارت کی تکمیل اس طرح ہے۔ پس موصی لہ ثمن مثل کے عوض راضی نہ ہو تو اس کے لیے کمی کرنا جائز ہے ثلث مال کی مقدار تک۔ ”البیری“ نے کہا ہے: اور ”تلخیص الکبری“ میں ہے: اس نے وصیت کی کہ اس کی لونڈی اس سے بیچی جائے جسے وہ پسند کرے تو یہ جائز ہے اور اس کے ورثا کو اس پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ اسے اس سے بیچ دیں جسے وہ پسند کرے۔ اور اگر وہ آدمی پوری قیمت کے ساتھ اسے لینے سے انکار کر دے تو وہ اس کی قیمت سے موصی کے تہائی مال کی مقدار کم کر دے۔ ”الحاوی“ میں یہ زائد ہے کہ وہ وصیت کی طرح ہوگا۔ ”ابو السعد“ نے کہا ہے: اور تو دیکھ جب اس کی مکمل قیمت تہائی مال سے نکل سکتی ہو تو کیا اسے بغیر ثمن کے دے دیا جائے گا؟ اور ”الحاوی“ کا قول یکون کا الوصیۃ اسی کا تقاضا کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں بحث ہے۔ کیونکہ اس نے اسے بیچنے کی وصیت کی ہے نہ کہ اسے مفت دینے کی، اور بیع میں ثمن کا ہونا ضروری ہے اگرچہ وہ قلیل ہوں، پس یہ محاباة کی حیثیت سے ثلث تک وصیت ہے نہ کہ من کل الوجوہ۔ اور ”الحاوی“ کا قول کا الوصیۃ اسی کا تقاضا کرتا ہے اس حیثیت سے کہ وہ اسے کافی تشبیہ کے ساتھ لائے ہیں، فقہ بر۔

متولی اور وصی کے لیے اجرت مثل کا شرعی حکم

36774۔ (قوله: لِلْمُتَوَلَّى أَجْرُ مِثْلٍ عَلَيْهِ) متولی کے لیے اس کے کام کے برابر اجرت جائز ہے یہاں تک کہ اگر

وقف ہو چکی ہو اور جن پر وہ وقف ہے وہ اس سے غلہ حاصل کرتے ہوں تو متولی کے لیے اس میں کوئی اجرت نہیں ہوگی جیسا کہ ”الحانیہ“ میں ہے۔ اور یہ ناظر (نگران) کے بارے ہے جس کے لیے وقف کرنے والے نے کسی شے کی شرط نہ لگائی ہو جیسا کہ ”الاشباہ“ میں ہے۔ ”طحاوی“۔

وَأَمَّا وَصِيُّ الْمَيِّتِ فَلَا أُجْرَ لَهُ عَلَى الصَّحِيحِ،

اور رہامیت کا وصی تو صحیح قول کے مطابق اس کے لیے اجرت نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: اور اجرت مثل کے ساتھ اسے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ قاضی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کے لیے اس سے زیادہ مقرر کرے یہاں تک کہ اگر وہ اس کے لیے دس مقرر کرے جیسا کہ یہی متعارف ہے تو اگر یہ اجرت مثل سے زیادہ ہوں تو وہ زائد واپس لوٹائے گا جیسا کہ علامہ ”البیری“ نے ”الاشباہ“ پر اپنی شرح کی کتاب القضاء میں اس کی تحقیق کی ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کرو۔ کیونکہ وہ انتہائی اہم ہے۔ لیکن اگر وقف کرنے والا اس کے لیے کسی شے کی شرط لگا دے تو اس کے لیے اسے لینا جائز ہے اگرچہ وہ اجرت مثل سے زائد ہو، کیونکہ اب وہ موقوف علیہم میں سے ہے جیسا کہ ”البحر“ میں ہے۔ 36775۔ (قوله: وَأَمَّا وَصِيُّ الْمَيِّتِ فَلَا أُجْرَ لَهُ عَلَى الصَّحِيحِ) رہامیت کا وصی تو صحیح روایت کے مطابق اس کے لیے کوئی اجرت نہیں۔ ”الرملی“ نے اپنے فتاویٰ میں اس کی پیروی کی ہے اس کے ساتھ جو ”جامع الفصولین“ سے گزر چکا ہے کہ وصی یتیم کے مال سے نہیں کھا سکتا اگرچہ وہ محتاج ہو مگر جب اس کے لیے اجرت ہو تو وہ اس کی مقدار لے سکتا ہے۔ فرمایا: ”الغانیہ“ اور ”البرزازیہ“ میں ہے: اسی کے لیے وہ ہے اگر وہ محتاج ہو اور یہ استحسان ہے۔

تحقیق یہ ثابت ہے کہ ماخوذ بہ استحسان ہے مگر چند مسائل میں یہ ان میں سے نہیں ہے۔ اور ”القنیہ“ کا نقل کردہ مسئلہ ”قاضیان“ کی نقل کے معارض نہیں ہوگا کیونکہ یہ اہل ترجیح میں سے ہیں۔ ملخصاً۔ اور ”الاشباہ“ پر اپنے حاشیہ میں کتاب الامانات کے اواخر میں طویل کلام کے بعد کہا ہے: اور یہ امر مخفی نہیں کہ میت کا وصی جب بغیر اجرت کے وصیت پر عمل کرنے سے رک جائے تو اسے کام پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ وہ متبرع اور احسان کرنے والا ہے، اور متبرع پر کوئی جبر نہیں۔ پس جب قاضی دیکھے کہ وہ کام کرے اس کے لیے اجرة مثل ہوگی تو پھر اس سے مانع کیا ہے؟ اور اسی پر فتویٰ واقع ہے، اور میں نے اس کے بارے کئی بار فتویٰ دیا۔ اور اسی کے ساتھ ”الغانیہ“ میں بھی فتویٰ دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ”الغانیہ“ کی عبارت ”نصیر“ سے منقول ہے: وصی کے لیے جائز ہے کہ وہ یتیم کے مال سے کھائے اور اس کی سواری پر سوار ہو جب وہ یتیم کی حوائج و ضروریات کے لیے جائے اور بعض نے کہا ہے: یہ جائز نہیں ہے۔ اور یہی قیاس ہے۔ اور استحسان یہ ہے کہ معروف طریقہ سے کھانا جائز ہے جب وہ محتاج ہو، اتنی مقدار جتنی وہ سعی اور کوشش کرے۔

میں کہتا ہوں: اس کو محتاج ہونے کے ساتھ مقید کرنا اللہ تعالیٰ کے اس قول کے موافق ہے: وَمَنْ كَانَ فَتِيرًا ذُنْبًا كُلَّ بِالْمَعْرُوفِ (النساء: 6) (اور جو سرپرست فقیر ہو تو وہ کھالے مناسب مقدار سے)

یہ بغیر احتیاج کے اجرت کے جواز پر دلالت نہیں کرتا، کھانے کے بارے مکمل کلام فروع میں آئے گا اور اس کا ذکر نہیں کیا جسے میت اجارہ پر لے۔

اور ”الغانیہ“ میں ہے: اس نے ایک آدمی کو وصی بنایا اور اپنی وصیت کو نافذ کرانے کے لیے سودرہم کے عوض اسے اجارہ پر

وَهَذَا إِذَا عَيَّنَ الْقَاضِي لِلْمُتَوَلَّى أَجْرًا، فَإِنْ لَمْ يُعَيِّنْ وَسَعَى فِيهِ سَنَةً فَلَا شَيْءَ لَهُ وَعَزَاكَ لِلْقُنْيَةِ ثُمَّ ذَكَرَ مَا يُخَالِفُهُ فَافْهَمْ، وَقَدْ مَرَّرْنَا الْوَقْفَ وَأَمَّا وَصِيُّ الْقَاضِي، فَإِنْ نَصَّبَهُ بِأَجْرٍ مِثْلِهِ

اور یہ تب ہے جب قاضی متولی کے لیے اجرت معین کرے۔ پس اگر وہ مقرر نہ کرے اور وہ سال بھر اس میں کوشش کرتا رہے تو اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔ اور انہوں نے اس قول کو ”القنیه“ کی طرف منسوب کیا ہے۔ پھر انہوں نے وہ قول ذکر کیا ہے جو اس کے مخالف ہے۔ فافہم۔ اور یہ وقف کے بیان میں گزر چکا ہے۔ اور رہا قاضی کا وصی! تو اگر قاضی اس کے لیے اجرت مثل مقرر کر دے

لیا تو فقہاء نے کہا ہے: وہ اجارہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کی موت کے بعد وصی ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ اجارہ باطل ہو جاتا ہے، بلکہ وہ صلہ ہوگا پس وہ اسے ثلث مال سے دیا جائے گا۔

اس نے کہا: تیرے لیے سوا اجرت ہے اس شرط پر کہ تو میرا وصی ہو۔ اس میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے: ”نصیر“ نے کہا ہے: اجارہ باطل ہے اور اس کے لیے کوئی شے نہیں ہوگی اور ”ابو سلمہ“ نے کہا ہے: شرط باطل ہے اور سوا اس کے لیے وصیت ہے اور وہ وصی ہوگا۔ اور اسی کو ”ابو جعفر“ اور ”ابواللیث“ نے لیا ہے۔

36776۔ (قوله: وَهَذَا) اور یہ متولی کے لیے اجرت مثل کا ثبوت ہے جب وہ معین کرے الخ۔ پس اگر وہ زیادہ ہو تو اس کے لیے صرف اس کے کام کی مثل اجرت ہوگی، اور اگر اجرت مثل زیادہ ہو تو اس کے لیے صرف وہی ہوگی جو قاضی نے معین کی ہے، اس لیے کہ وہ اس کے ساتھ راضی ہے۔ یہ وہی ہے جو ظاہر ہے۔ ”طحطاوی“۔

36777۔ (قوله: وَسَعَى فِيهِ سَنَةً) مثال کے طور پر وہ اس میں سال بھر سعی اور محنت کرے۔ ”طحطاوی“۔ (تو اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی)۔

36778۔ (قوله: فَلَا شَيْءَ لَهُ) اس کی سعی تبرع اور احسان ہونے کی وجہ سے اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔

36779۔ (قوله: ثُمَّ ذَكَرَ) پھر ”الاشباہ“ میں ”القنیه“ سے وہ ذکر کیا ہے جو اس کے مخالف ہے جہاں انہوں نے کہا ہے: بلاشبہ وہ مستحق ہوگا اگرچہ قاضی اس کے لیے شرط نہ بھی لگائے۔

36780۔ (قوله: فَافْهَمْ) یہ اس پر تنبیہ ہے جو ان کے دو کلاموں کے درمیان مخالفت ہے، یا دوسرے کو اس کے متاخر ہونے کی وجہ سے اختیار کرنے پر تنبیہ ہے۔ اور اسی کے ساتھ ”الخیریه“ میں ”البحر“ سے نقل کرتے ہوئے فتویٰ دیا ہے کہ متولی اپنی سعی و محنت کی اجرت کا مستحق ہوتا ہے چاہے اس کی شرط لگائی جائے یا نہ لگائی جائے۔ کیونکہ وہ ظاہراً اجرت کے بغیر ذمہ داری قبول نہیں کرتا اور معبود مشروط کی مثل ہے۔

36781۔ (قوله: وَقَدْ مَرَّرْنَا الْوَقْفَ) تحقیق باب الوقف جو اس کے دو مقامات میں ہے میں گزر چکا ہے کہ اس کے لیے اس کے کام کی مثل اجرت ہوگی۔ گویا اس کے اطلاق سے انہوں نے یہ استفادہ کیا کہ اس کے لیے اجرت ہوگی اگرچہ اس

جَازًا وَفِي الْقَهْطَانِ مَعْزِيًا لِلذَّخِيرَةِ وَلَوْ كَانُوا صِغَارًا وَكِبَارًا بَاعَ حِصَّةَ الصِّغَارِ كَمَا مَرَّ، وَكَذَا الْكِبَارُ عَلَى مَا مَرَّ مِنَ التَّفْصِيلِ وَنَقَلَ عَنِ الْعِمَادِيَّةِ أَنَّ فِي بَيْعِهِ لِلْعَقَارِ وَفَاءً اخْتِلَافَ الْمَشَائِخِ، وَجَوَّزًا صَاحِبُ الْهَدَايَةِ لِأَنَّ فِيهِ اسْتِثْقَاءَ مِلْكِهِ مَعَ دَفْعِ الْحَاجَةِ وَإِنْ لَغَيْرِ الْوَصِيِّ التَّصَرُّفُ لِحُوفٍ مُتَغَلِّبٍ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى وَتَسَامُهُ فِيمَا عُلِّقَتْهُ عَلَى الْمُلْتَقَى

تو یہ جائز ہے۔ اور ”القہستانی“ میں ”الذخیرہ“ کے حوالہ سے ہے: اور اگر وہ صغار اور بڑے ہوں تو وہ چھوٹے وارثوں کا حصہ بیچ دے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور اسی طرح بڑوں کے حصہ کی بیچ اس طریقہ پر کر سکتا ہے جو تفصیل سے گزر چکا ہے۔ اور ”العمادیہ“ سے نقل کیا ہے کہ زمین کی اس کے لیے بطریق بیع الوفاء بیچ کرنے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اور ”صاحب الہدایہ“ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس میں دفع حاجت کے ساتھ ساتھ اس (صغیر) کی ملکیت کو باقی رکھنا ہے۔ اور بلاشبہ ظالم کے خوف کی وجہ سے غیروصی کے لیے تصرف کرنا جائز ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور اس کی مکمل بحث اس میں ہے جو میں نے ”الملتقی“ پر شرح لکھی ہے۔

کی شرط نہ بھی لگائی گئی۔ تامل۔

36782۔ (قولہ: جَازًا) وہ جائز ہے، پس اگر قاضی کے مقرر کرنے سے پہلے اس کے کام کی اجرت کا ارادہ کیا ہے تو

اس کے لیے یہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا مشروع ہونا بطور تبرع اور احسان ہے جیسا کہ ”الذخیرہ“ میں ہے۔

36783۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) جیسا کہ گزر چکا ہے، کہ وہ زمین کے سوا منقولہ شے اتنے کے ساتھ بیچ سکتا ہے جس سے

لوگ دھوکہ کھاتے رہتے ہیں مگر وہ جو مستثنیات میں ہیں۔

36784۔ (قولہ: عَلَى مَا مَرَّ مِنَ التَّفْصِيلِ) اس بنا پر جو تفصیل گزر چکی ہے یعنی وہ بالغ غائب کا زمین کے علاوہ

حصہ بیچ سکتا ہے مگر قرض کے لیے (زمین کی بیچ بھی کر سکتا ہے۔)

36785۔ (قولہ: وَفَاءً) یہ نصب کے ساتھ مفعول مطلق ہے یعنی بیع وفا اور بیع جائز اور بیع طاعہ کو یہی نام دیا گیا ہے،

اور اس پر کلام کفالہ سے پہلے گزر چکا ہے۔

”جامع الفصولین“ میں کہا ہے: وصی کے لیے زمین کی بیع بیع بالوفا کرنا جائز ہے، اور بعض نے کہا ہے: نہیں۔

36786۔ (قولہ: لِأَنَّ فِيهِ اسْتِثْقَاءَ مِلْكِهِ) کیونکہ اس میں اس کی ملک کو باقی رکھنا ہے۔ اس کی بنا پر ہے

کیونکہ اسے رہن کے محل میں اتارا گیا ہے۔

ظالم کے خوف کی وجہ سے غیروصی کے صغیر کے مال میں تصرف کرنا جائز ہے

36787۔ (قولہ: وَتَسَامُهُ فِيمَا عُلِّقَتْهُ عَلَى الْمُلْتَقَى) اور اس کی مکمل بحث اس شرح میں ہے جو میں نے ”الملتقی“

پر تحریر کی ہے، جہاں کہا ہے: بلاشبہ تصرف وصی میں محصور نہیں یہ اس کے غیر کے تصرف کے جائز ہونے کی طرف اشارہ ہے

(وَلَا يَجُوزُ إِقْرَارُهُ بِدَيْنٍ عَلَى الْمَيِّتِ وَلَا بِشَيْءٍ مِنْ تَرَكَّتِهِ أَنَّهُ لِفُلَانٍ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْمُقَرَّرُ وَارِثًا فَيَصِحُّ فِي حَصَّتِهِ،

اور وصی کے لیے میت پر قرض کا اقرار کرنا اور اس کے ترکہ میں سے کسی شے کے بارے میں یہ اقرار کرنا جائز نہیں کہ وہ فلاں کی ہے مگر یہ کہ اقرار کرنے والا وارث ہو تو پھر اس کے اپنے حصہ میں وہ صحیح ہوگا۔

جیسا کہ جب اسے صغیر کے مال پر قاضی سے خوف ہو۔ کیونکہ گلی میں رہنے والوں میں سے ایک کے لیے جائز ہے کہ وہ عند الضرورت بطور استحسان اس میں تصرف کرے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اسے ”قہستانی“ نے ذکر کیا ہے۔

36788۔ (قوله: وَلَا يَجُوزُ إِقْرَارُهُ بِدَيْنٍ عَلَى الْمَيِّتِ) اور میت پر دین کے بارے میں اس کا اقرار جائز نہیں، کیونکہ

یہ غیر پر اقرار ہے۔ ”منح“۔ پس مقرلہ کے لیے اس کو لینا جائز نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ اس پر برہان اور دلیل قائم کرے اور اس پر حلف دے۔ اور وصی ضامن ہوگا اگر اس نے مقرلہ کو دے دیا۔ ”طحطاوی“۔ پس اگر اس کے پاس بینہ نہ ہو اور وصی قرض کے بارے میں جانتا ہو تو حیلہ وہ ہے جو ”الحانیہ“ اور ”الخلاصہ“ میں ”نصیر“ سے منقول ہے کہ اگر ترکہ میں خاموش مال (یعنی سونا، چاندی) ہو تو وہ اسے قرض کی مقدار امانت دے دے، اور اگر نہ ہو تو پھر ترکہ سے قرض کی مقدار فروخت کرے، پھر قرض خواہ اس کا انکار کر دے تو وہ قصاص اور بدل ہو جائے گا۔ ”أدب الاوصياء“ میں ”الخاصی“ سے کہا ہے: فتویٰ اسی پر ہے۔ اور ”الحانیہ“ میں بھی ہے: اس کے پاس عادل آدمی نے شہادت دی کہ اس آدمی کے ہزار درہم میت پر قرض ہیں۔ ”ابوسلیمان“ سے بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا: وصی کے پاس اسے دینے کی گنجائش اور اختیار ہے مگر یہ کہ اسے اپنی ذات پر ضمان کا خوف ہو۔ اس کو کہا گیا پس اگر وہ معینہ لونڈی ہو، وہ جانتا ہو کہ میت نے اسے اس سے غصب کیا ہے تو اس نے کہا: وہ اسے اس کے حوالے کر دے ورنہ وہ غاصب ضامن ہوگا۔

36789۔ (قوله: فَيَصِحُّ فِي حَصَّتِهِ) یعنی اس کا اقرار اس کے حصہ میں صحیح ہوگا، پس وہ تمام اس کے حصہ سے لیا

جائے گا جس کے بارے میں اس نے اقرار کیا ہے۔ فافہم۔ اور یہ اس کے خلاف ہے کہ جب وہ ثلث کے بارے میں وصیت کا اقرار کرے اس حیثیت سے کہ وہ اس کے حصہ کے ثلث میں لازم ہوگا جیسا کہ باب العتق فی المرض سے پہلے گزر چکا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے: قرض بھی اسی طرح ہے۔ پس وہ اتنی مقدار ہی لازم ہوگا جتنا اس میں سے اس کے حصہ کے ساتھ خاص ہوگا۔ اور اسے ”ابواللیث“ نے اختیار کیا ہے جیسا کہ ”مصنف“ نے اسے کتاب الاقرار میں باب الاستثناء سے پہلے ذکر کیا ہے۔

فرع

وہ ترکہ جس میں قرض اسے مستغرق نہ ہو تقسیم کر دیا گیا، پھر قرض خواہ آگیا تو وہ ورثاء میں سے تمام سے اپنے قرض کا حصہ لے سکتا ہے۔ اور یہ تب ہے جب وہ ان تمام کو اکٹھا قاضی کے پاس پکڑ لے۔ لیکن اگر وہ ان میں سے کسی ایک پر کامیاب ہو جائے تو اس سے جو کچھ اس کے پاس ہے وہ سارا لے لے۔ ”جامع الفصولین“۔

وَلَوْ أَقَرَّ الْوَصِيُّ (بِعَيْنٍ لَّا خَرَّتُمْ اَدْعَى أَنَّهُ لِلصَّغِيرِ لَا يُسْمَعُ) دُرٌّ۔ (وَوَصِيُّ أَبِي الطِّفْلِ أَحَقُّ بِمَالِهِ مِنْ جَدِّهِ
اور اگر وصی کسی دوسرے کے لیے کسی معین شے کے بارے اقرار کرے پھر وہ دعویٰ کرے کہ وہ صغیر کی ہے تو وہ نہیں سنا جائے
گا۔ ”در“۔ اور بچے کے باپ کا وصی اس کے مال کا اس کے دادا کی نسبت زیادہ حقدار ہے۔

36790۔ (قوله: وَلَوْ أَقَرَّ بِعَيْنٍ) اور اگر وہ اس معین کے بارے اقرار کرے جو اس کے ہاتھ میں ہے جیسا کہ
”أدب الاوصياء“ میں ہے۔ اور یہ تب ہے جب وہ ترکہ میں سے نہ ہو، ورنہ اس کا اقرار جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ اس سے پہلے یہ
قول گزر چکا ہے: ولا بشئ من تركته۔ (اور ترکہ میں سے کسی شے کا اقرار جائز نہیں)۔
36791۔ (قوله: لَا يُسْمَعُ) تناقض کی وجہ سے اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ کیونکہ اس کا اقرار اگر غیر پر جاری نہیں
ہو سکتا تو وہ اس پر جاری ہو سکتا ہے یہاں تک کہ وہ کسی دن اس کا مالک بن گیا تو اسے مقررہ کے حوالے کرنے کا حکم دیا جائے
گا۔ ”طحاوی“۔

بچے کے باپ کا وصی دادا کی نسبت اس کے مال کا زیادہ حق دار ہے

36792۔ (قوله: وَوَصِيُّ أَبِي الطِّفْلِ أَحَقُّ اَلْخ) اور بچے کے باپ کا وصی زیادہ حق رکھتا ہے الخ، صغیر کے مال میں
ولایت باپ کی ہے، پھر اس کے وصی کی، پھر اس کے وصی کے وصی کی اگرچہ وہ دور ہو۔ پس اگر باپ فوت ہو جائے اور وہ وصی
نہ بنائے تو پھر ولایت باپ کے باپ یعنی دادا کو حاصل ہوگی، پھر اس کے وصی کو، پھر اس کے وصی کے وصی کو، اور اگر وہ نہ ہو تو
پھر قاضی اور اس کے مقرر کئے ہوئے کو۔ اور اگر وہ کسی آدمی کو وصی بنائے اور اولاد چھوٹی بڑی ہو پھر ان میں سے کوئی فوت ہوا
اور اس نے صغیر بیٹا چھوڑا، تو دادا کا وصی ہی ان کا وصی ہوگا اس کا اس پر بیع کرنا صحیح ہوگا جیسا کہ زمین کے سوا اس کے باپ پر صحیح
ہے، اسے یاد رکھنا چاہیے۔ رہا بھائی، ماں، چچا اور تمام ذوی الارحام کا وصی تو ”شرح الاسبیجانی“ میں ہے کہ ان کے لیے میت کا
ترکہ فروخت کرنا اس کے قرض کے لیے یا اس کی وصیت کے لیے جائز ہے۔ اور اگر مذکورہ لوگوں میں سے کوئی بھی نہ ہو تو صغار
کی زمین بیچنا جائز نہیں۔ کیونکہ ان کے لیے مال کی حفاظت کرنا لازم ہے۔ اور تجارت کے لیے خریدنا اور اس میں تصرف کرنا
جس کا صغیر مالک ہوتا ہے جائز نہیں۔ اور ان کے وصی کی جہت سے یہ مطلقاً ہے۔ کیونکہ وہ اس کی طرف دیکھنے کے انتہار سے
اجنبی ہیں۔ ہاں ان کے لیے ایسی شے خریدنا جائز ہے جو ضروری ہو مثلاً طعام اور لباس۔ اور یتیم کے ورثہ کا منقولہ شے کی بیع کرنا
وصی کی جہت سے ہے اس لیے کہ اس کا تعلق حفاظت سے ہے۔ کیونکہ ثمن کی حفاظت کرنا عین شے کی حفاظت کرنے سے
آسان ہے۔ یہ ”أدب الاوصياء“ وغیرہ سے منقول ہے۔ اور ”جامع الفصولین“ میں ہے: اس میں اصل یہ ہے کہ دو حالتوں
میں سے قوی ترین حالت میں دو وصیوں سے کمزور ترین دو حالتوں میں سے کمزور ترین حالت میں اقویٰ وصی کی طرح ہے۔ اور دو
وصیوں میں سے اضعف ماں، بھائی اور چچا کا وصی ہے۔ اور قوی ترین حالت ورثہ کے صغیر ہونے کی حالت ہے۔ اور دو میں
سے اقویٰ وصی باپ، دادا اور قاضی کا وصی ہے۔ اور ضعیف ترین ورثہ کے بالغ ہونے کی حالت ہے۔ پھر ورثہ کے صغیر ہونے کی

وَإِنْ لَمْ يَكُنْ وَصِيُّهُ فَالْجَدُّ كَمَا تَقَرَّرَ فِي الْحَجْرِ فِي الْمُنْيَةِ لَيْسَ لِلْجَدِّ بَيْعُ الْعَقَارِ وَالْعُرُوضِ لِقَضَاءِ الدِّينِ وَتَنْفِيزِ الْوَصَايَا بِخِلَافِ الْوَصِيِّ فَإِنَّ لَهُ ذَلِكَ اِتْتَهَى، وَاللَّهُ أَعْلَمُ

اور اگر اس کا وصی نہ ہو تو دادا کا حق زیادہ ہے جیسا کہ ”المنیہ“ کتاب الحجر میں یہ ثابت ہو چکا ہے۔ اور دادا کے لیے قرض ادا کرنے اور وصیتوں کے نفاذ کے لیے زمین اور سامان کی بیع کرنا صحیح نہیں بخلاف وصی کے۔ کیونکہ اس کے لیے یہ جائز ہے۔ انتہی واللہ اعلم۔

حالت میں ماں کا وصی باپ کے وصی کی طرح ہے اس حال میں کہ ورنہ بالغ ہوں اور وارث غائب ہو۔ پس وصی کے لیے اس کی منقولہ شے بیچنا جائز ہے نہ کہ اس کی زمین جیسا کہ ان کے بالغ ہونے کی حالت میں باپ کے وصی کا حکم ہے۔
36793۔ (قوله: وَإِنْ لَمْ يَكُنْ) اور اگر وہ نہ پایا جائے۔

36794۔ (قوله: كَمَا تَقَرَّرَ فِي الْحَجْرِ) جیسا کہ باب الحجر میں ثابت ہے اس میں اولیٰ باب الماذون ہے، ”طحطاوی“۔

36795۔ (قوله: لَيْسَ لِلْجَدِّ الْخ) ”الخانہ“ میں کہا ہے: امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ نے وصی اور میت کے باپ کے درمیان فرق کیا ہے، پس میت کے وصی کے لیے قرضہ ادا کرنے اور وصیت نافذ کرنے کے لیے ترکہ بیچنا جائز ہے، اور میت کے باپ کے لیے ترکہ کی بیع کرنا جائز ہے اس قرض کی ادائیگی کے لیے جو اولاد پر ہے نہ کہ اس کی ادائیگی کے لیے جو میت پر ہے۔ ”شمس الائمہ الحلوانی“ نے کہا ہے: یہ فائدہ ”خصاف“ سے ذکر کیا جاتا ہے۔ اور رہے امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ تو آپ نے دادا کو باپ کے قائم مقام قرار دیا ہے، اور ہم کہتے ہیں: فتویٰ ”خصاف“ کے قول کے مطابق ہے۔ اور ”جامع الفصولین“ میں ہے: دادا کے لیے سامان کی خرید و فروخت جائز ہے مگر یہ کہ اگر وہ دین یا وصیت کے لیے ترکہ کی بیع کرے تو وہ جائز نہیں بخلاف باپ کے وصی کے۔

36796۔ (قوله: بِخِلَافِ الْوَصِيِّ) بخلاف باپ کے وصی کے جیسا کہ ”أدب الاوصیاء“ میں ہے، اور اس کا ظاہر یہ

ہے کہ دادا کا وصی دادا کی مثل ہے۔ پس وہ بدرجہ اولیٰ اس کا مالک نہیں ہوگا۔ تاہل۔ علامہ ”طحطاوی“ نے کہا ہے: پس غرماء (قرض خواہ) اپنا معاملہ قاضی کے پاس پیش کریں گے تاکہ وہ ان کے قرضوں کی مقدار کے برابر ان کے لیے بیع کرے، اور اسی طرح ان کا بھی حکم ہے جن کے لیے وصیت کی گئی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فُصْلٌ فِي شَهَادَةِ الْأَوْصِيَاءِ

(وَبَطَلَتْ شَهَادَةُ الْوَصِيِّينَ لِوَارِثٍ صَغِيرٍ بِمَالٍ مُطْلَقًا (أَوْ كَبِيرٍ بِمَالٍ الْمَيِّتِ وَصَحَّتْ) شَهَادَتُهُمَا (بِغَيْرِهِ) أَمَّا بِغَيْرِ مَالٍ الْمَيِّتِ لَا نَقْطَاعَ وَلَا يَتَّهِمَا عَنْهُ فَلَا تُهْمَةُ حِينَئِذٍ (كَشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ لِآخَرَيْنِ بِدَيْنٍ أَلْفٍ عَلَى مَيِّتٍ) شَهَادَةُ (الْآخَرَيْنِ لِلْأُولَيْنِ بِبَيْتِهِ، بِخِلَافِ شَهَادَةِ كُلِّ فَرِيقٍ بِوَصِيَّةِ أَلْفٍ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ - لَا تُقْبَلُ فِي الدَّيْنِ أَيْضًا،

وصیوں کی شہادت کے احکام

اور دو وصیوں کی شہادت صغیر وارث کے لیے مطلقاً مال کے بارے میں یا کبیر وارث کے لیے میت کے مال کے بارے میں باطل ہے۔ اور ان دونوں کی شہادت میت کے مال کے بغیر صحیح ہے، اس لیے کہ ان سے ان کی ولایت منقطع ہو چکی ہے۔ پس اس وقت تہمت کا اندیشہ نہیں جیسا کہ دو آدمیوں کا دوسرے دو کے لیے میت پر ہزار درہم قرض ہونے کے بارے میں شہادت دینا اور دوسرے دو کا پہلے دونوں کے لیے اسی کی مثل شہادت دینا صحیح ہے بخلاف اس کے کہ ہر فریق ہزار درہم کی وصیت کے بارے میں شہادت دے۔ (کیونکہ یہ باطل ہے) اور امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: دین میں بھی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔

اس میں وغیر ذالک کا اضافہ کرنا اولیٰ تھا۔ کیونکہ فصل کا زیادہ حصہ دیگر مسائل پر مشتمل ہے۔ ”طحطاوی“۔

صغیر یا کبیر وارث کے لیے میت کے مال میں دو وصیوں کی شہادت مطلقاً باطل ہے

36797۔ (قوله: مُطْلَقًا) یعنی برابر ہے وہ مال اس کی طرف میت کی جانب سے منتقل ہوا ہو یا کسی اور طرف سے۔

کیونکہ صغیر کے مال میں وصی کے لیے تصرف کرنا جائز ہے چاہے وہ ترکہ میں سے ہو یا نہ ہو۔ ”منح“۔ اور ان دونوں کی شہادت میں مشہود بہ میں تصرف کرنے کا اثبات ہے۔

36798۔ (قوله: أَوْ كَبِيرٍ بِمَالٍ الْمَيِّتِ) یا کبیر یعنی بالغ وارث کے لیے میت کے مال کے بارے میں۔ کیونکہ یہ دونوں

حفاظت کرنے کی ولایت، وارث کے غائب ہونے کے وقت منقولہ شے کی بیع کرنے کی ولایت، اور وارث کے مجنون ہونے کے سبب اس کی ولایت ان دونوں کی طرف لوٹنے کو ثابت کرتے ہیں۔ ”غرر الافکار“۔ اور یہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: دونوں صورتوں یعنی میت کے ترکہ اور اس کے غیر میں جائز ہے۔ ”زیلعی“۔

36799۔ (قوله: وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ لَا تُقْبَلُ فِي الدَّيْنِ أَيْضًا) اور امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: قرض میں

بھی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ موت کے ساتھ قرض ترکہ کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ موت کے سبب ذمہ خراب اور فاسد ہو گیا۔ اور اسی لیے اگر ان میں سے ایک اپنا حق ترکہ میں پورا کر لے تو دوسرا اس کا شریک ہوگا۔ پس اس میں

وَقَدْ تَقَدَّمَ فِي الشَّهَادَاتِ (أَوْ) شَهَادَةِ (الْأَوَّلَيْنِ بِعَبْدٍ وَالْآخَرَيْنِ بِثُلْثِ مَالِهِ) أَوْ الدَّرَاهِمِ الْمُرْسَلَةِ لِإِثْبَاتِهَا لِلشَّرِكَةِ فَتَبْطُلُ (وَتَصِحُّ لَوْ شَهِدَ رَجُلَانِ لِرَجُلَيْنِ بِالْوَصِيَّةِ بَعَيْنٍ) كَالْعَبْدِ (وَشَهِدَ الْمُشْهُودُ لَهَا لِلشَّاهِدَيْنِ بِالْوَصِيَّةِ بَعَيْنٍ أُخْرَى) لِأَنَّهُ لَا شَرِكَةَ فَلَا تَهْمَةُ زَيْدٍ (شَهِدَ الْوَصِيَّانِ أَنَّ الْمَيِّتَ أَوْصَى لَزَيْدٍ مَعَهُمَا لَعَنَ) لِإِثْبَاتِهَا لِأَنْفُسِهِمَا مُعِينًا وَحِينَئِذٍ فَيُضْمُّ الْقَاضِي لَهَا ثَالِثًا وَجُوبًا لِإِقْرَارِهَا بِآخِرٍ

اور یہ مسئلہ کتاب الشہادات میں پہلے بیان ہو چکا ہے یا یہ کہ پہلے دونوں غلام کی وصیت کے بارے اور دوسرے دونوں ثلث مال کے بارے یا دراہم مرسلہ کے بارے شہادت دیں۔ کیونکہ یہ شرکت کو ثابت کرتی ہے اس لیے باطل ہوگی۔ اور شہادت صحیح ہوگی اگر دو آدمی دو آدمیوں کے لیے کسی معین شے مثلاً غلام وغیرہ کی وصیت کے بارے شہادت دیں اور جن دونوں کے حق میں شہادت دی گئی ہے وہ شہادت دینے والوں کے لیے کسی دوسری معین شے کی وصیت کے بارے شہادت دیں۔ کیونکہ اس میں کوئی شرکت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی تہمت ہے۔ ”زیلعی“۔ دو وصیوں نے شہادت دی کہ میت نے زید کو ان کے ساتھ وصی بنایا ہے تو یہ لغو ہوگی، کیونکہ انہوں نے اپنے لیے معاون و مددگار ثابت کیا ہے، اور اس وقت قاضی ان کے ساتھ ایک تیسرا وصی لازماً ملا دے گا اس لیے کہ ان دونوں نے دوسرے کے بارے اقرار کیا ہے۔

شہادت شرکت کو ثابت کرنے والی ہے لہذا تہمت ثابت ہے۔ اور ”طرفین“ رحمہ اللہ علیہا کی دلیل یہ ہے کہ دین ذمہ میں واجب ہوتا ہے اور ترکہ سے پورا کرنا اس کا ثمرہ اور نتیجہ ہے، اور ذمہ مختلف حقوق کو قبول کرنے والا ہے۔ پس اس میں کوئی شرکت نہیں ہے۔ اور یہی وجہ ہے اگر کوئی ایک ان میں سے ایک کا قرضہ ادا کرنے کے ساتھ تبرع کرے تو دوسرے کے لیے مشارکت کا حق نہیں ہوتا بخلاف وصیت کے۔ کیونکہ اس میں حق ذمہ میں ثابت نہیں ہوتا بلکہ عین میں ہوتا ہے۔ پس مال ان دونوں کے درمیان مشترک ہو گیا اور اس نے شبہ کا وارث بنا دیا۔ ”درر“۔ شیخ ”قاسم“ نے ”حاشیۃ الجمع“ میں کہا ہے: امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ علیہ کے قول پر ”نسفی“ اور ”محبوبی“ نے اعتماد کیا ہے۔ ”المقدسی“ نے کہا ہے: اگر ”نسفی“ سے ”صاحب الكنز“ کا ارادہ کیا ہے تو بلاشبہ اس میں امام ”محمد“ رحمہ اللہ علیہ کا قول ہے اور دین میں فقط وہی قبول ہے۔ پھر کہا: اس کی مثل میں فتویٰ کے وقت مناسب یہ ہے کہ اگر شہادت دینے والے معروف بالخبر ہوں تو وہ امام ”محمد“ رحمہ اللہ علیہ کے قول پر عمل کرے اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ علیہ کے قول کے مطابق عمل کرے۔ اسے ”طحطاوی“ نے ”شرح المحموی“ سے نقل کیا ہے۔

36800۔ (قوله: بِعَبْدٍ) یعنی غلام کی وصیت کے بارے شہادت دی۔ ”طحطاوی“ یہ

36801۔ (قوله: لِإِثْبَاتِهَا لِلشَّرِكَةِ) یعنی مشہود یہ میں شرکت کو ثابت کرنے کے لیے۔ کیونکہ ثلث وصیت کا محل

ہے پس وہ ان کے درمیان مشترک ہو جائے گا۔ ”معراج“۔

36802۔ (قوله: مُعِينًا) یہ أَعَانَ سے اسم فاعل ہے۔

فَمِنْهُمْ تَصَرُّفُهَا بِدُونِهِ كَمَا تَقَرَّرَ (إِلَّا أَنْ يَدَّعَى زَيْدٌ ذَلِكَ) أَيْ يَدَّعَى أَنَّهُ وَصِيٌّ مَعَهَا فَحِينَئِذٍ تُقْبَلُ شَهَادَتُهَا اسْتِحْسَانًا لِأَنَّهُمَا اسْقَطَا مُؤَنَّةَ التَّعْيِينِ عَنْهُ (وَكَذَا ابْنُ الْبَيْتِ إِذَا شَهِدَا أَنَّ أَبَاهُمَا أَوْصَى إِلَى رَجُلٍ) لِحَرِّهْمَا نَفْعًا لِنَصَبِ حَافِظٍ لِلتَّرَكَةِ (وَ هَذَا لَوْ (هُوَ مُنْكَرٌ) وَلَوْ يَدَّعَى تَقْبَلُ اسْتِحْسَانًا بِخِلَافِ شَهَادَتَيْهَا بِأَنَّ أَبَاهُمَا وَكَّلَ زَيْدًا بِقَبْضِ دُيُونِهِ بِالْكُوفَةِ حَيْثُ لَا تُقْبَلُ مُطْلَقًا) ادَّعَى زَيْدٌ الْوَكَالَةَ أَمْ لَا لِأَنَّ الْقَاضِيَ لَا يَبْلُغُ نَصَبَ الْوَكِيلِ عَنِ الْحَيِّ بِطَلَبِهَا ذَلِكَ بِخِلَافِ الْوَصِيَّةِ، وَشَهَادَةُ الْوَصِيِّ تَصِحُّ عَلَى الْبَيْتِ

پس اس کے بغیر ان دونوں کا تصرف کرنا ممتنع ہوگا جیسا کہ یہ ثابت ہو چکا ہے، مگر یہ کہ زید بھی اس بارے دعویٰ کرے کہ وہ ان کے ساتھ وصی ہے تو اس وقت ان کی شہادت استحساناً قبول کی جائے گی۔ کیونکہ انہوں نے قاضی سے تعین کرنے کی مشقت کو ساقط کر دیا ہے۔ اور اسی طرح جب میت کے دو بیٹوں نے شہادت دی کہ ان کے باپ نے فلاں آدمی کو وصی بنایا ہے (تو یہ شہادت لغو ہے)۔ کیونکہ دونوں نے ترکہ کا محافظ مقرر کر کے اپنے لیے نفع حاصل کیا ہے۔ اور یہ حکم تب ہے جب وہ آدمی انکار کر رہا ہو، اور اگر وہ دعویٰ کرتا ہو تو پھر استحساناً شہادت قبول کی جائے گی بخلاف ان کی اس شہادت کے کہ ان کے باپ نے زید کو اہل کوفہ سے اپنے قرض وصول کرنے کے لیے وکیل بنایا ہے تو اسے مطلقاً قبول نہیں کیا جائے گا زید وکالت کا دعویٰ کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ قاضی زندہ کی طرف سے ان کے اس مطالبہ پر وکیل مقرر کرنے کا مالک نہیں بخلاف وصیت کے۔ اور وصی کی شہادت میت کے خلاف صحیح ہوتی ہے

36803۔ (قوله: كَمَا تَقَرَّرَ) یعنی اوصیاء میں سے ایک کے اکیلے تصرف کا ممتنع ہونا ثابت ہو چکا ہے۔

36804۔ (قوله: اسْتِحْسَانًا) اور قیاس یہ ہے کہ وہ پہلی کی طرح قبول نہ کی جائے۔

36805۔ (قوله: لِأَنَّهُمَا اسْقَطَا مُؤَنَّةَ التَّعْيِينِ عَنْهُ) کیونکہ انہوں نے قاضی سے تعین کی مشقت ساقط کر دی

ہے۔ کیونکہ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان دونوں کے ساتھ تیسرا ملائے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ پس وہ ان دونوں کے ساتھ قاضی کے اسے مقرر کرنے کے سبب وصی ہو جائے گا جیسا کہ جب وہ فوت ہو جائے اور کوئی وصی نہ چھوڑے تو قاضی ابتداءً وصی مقرر کرتا ہے پس یہ تو بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ ”زیلعی“۔

میں کہتا ہوں: اس کا ظاہر یہ ہے کہ اس تیسرے کے لیے قاضی کے وصی کا حکم ہوگا، میت کے وصی کا حکم نہیں ہوگا۔ اور یہ کہ شہادت تعین کے سوا مؤثر نہیں ہوتی۔ تامل۔ اور دونوں وصیوں کے درمیان فرق عنقریب آئے گا۔

36806۔ (قوله: تُقْبَلُ اسْتِحْسَانًا) یعنی شہادت اس پر استحساناً قبول کی جائے گی کہ اسے ابتداءً وصی مقرر کیا گیا

ہے جیسا کہ ہم نے دو وصیوں کی شہادت کے بیان میں ذکر کیا ہے۔ ”زیلعی“۔

36807۔ (قوله: بِخِلَافِ شَهَادَتَيْهَا الْخ) یا اگر دونوں باپ کی زندگی میں شہادت دیں کہ ان کے باپ نے اسے

لَا لَهُ وَلَوْ بَعْدَ الْعَزْلِ وَإِنْ لَمْ يُخَاصِمْ مُلْتَقًى (وَصِيٌّ أَنْفَذَ الْوَصِيَّةَ مِنْ مَالِ نَفْسِهِ رَجَعَ مُطْلَقًا) وَعَلَيْهِ
الْفَتْوَى دُرٌّ (كَوَكِيلٍ أَدَّى الشَّيْنَ مِنْ مَالِهِ فَإِنَّ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ، وَكَذَلِكَ) (الْوَصِيُّ إِذَا اشْتَرَى كِسْوَةً
لِلصَّغِيرِ أَوْ) اشْتَرَى (مَا يُنْفِقُ عَلَيْهِ مِنْ مَالِ نَفْسِهِ) فَإِنَّهُ يَرْجِعُ إِذَا أَشْهَدَ عَلَى ذَلِكَ،

اس کے حق میں نہیں اگرچہ معزول ہونے کے بعد ہوا اگرچہ وہ خصومت نہ کرے۔ ”ملتقی“۔ وصی نے اپنے ذاتی مال سے وصیت کا نفاذ کیا تو مطلقاً رجوع کر سکتا ہے (یعنی ترکہ سے اسے پورا کر سکتا ہے) اسی پر فتویٰ ہے۔ ”درر“۔ جیسا کہ وکیل اپنے مال سے شے ادا کرے تو اس کیلئے موکل کے مال سے لینے کا اختیار ہے۔ اور اسی طرح وصی جب صغیر کے لیے لباس خریدے یا کوئی ایسی شے اپنے ذاتی مال سے خریدے جسے وہ اس پر خرچ کرتا ہو تو وہ اس کے مال سے لوٹا سکتا ہے جب وہ اس پر شاہد بنائے۔

اپنے حقوق پر قبضہ کے لیے وکیل بنایا ہے درآنحالیکہ باپ غائب ہو اور اس کے مقروض (غرماء) انکار کر رہے ہوں تو وہ شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ اور فرق یہ ہے کہ ان دونوں نے اگرچہ اس بارے شہادت نہیں دی ہے لیکن دونوں نے قاضی سے سوال کیا ہے کہ وہ اسے وصی بنادے اور وصی وصی بننے کا ارادہ رکھتا ہو تو قاضی کے پاس اسے وصی بنانے کا اختیار ہے۔ پس یہاں بدرجہ اولیٰ ہے۔ اور اگر وہ دونوں باپ کے غائب ہونے کی حالت میں اس کے حقوق پر قبضہ کرنے کے لیے وکیل مقرر کرنے کا مطالبہ کریں اور وکیل اس کا ارادہ رکھتا ہو تو قاضی وکیل مقرر نہیں کر سکتا۔ اور اگر وہ یہاں مقرر کرے تو بلاشبہ وہ ان کی شہادت کے ساتھ مقرر کرے گا اور یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ دونوں اپنے باپ کے لیے شہادت دے رہے ہیں۔ ”ولو بالحمیہ“۔

36808۔ (قوله: لَا لَهُ وَلَوْ بَعْدَ الْعَزْلِ) نہ کہ اس کے لیے اگرچہ معزول ہونے کے بعد ہو، اور اسی طرح یتیم کے لیے قبول نہیں کی جائے گی۔ اور یہ وکیل کے خلاف ہے اس حیثیت سے کہ اس کی شہادت خصومت سے پہلے معزول ہونے کے بعد اپنے موکل کے لیے قبول کی جاتی ہے۔ کیونکہ وصایہ (وصی بنانا) اس کے خلاف ہے اور اسی لیے یہ علم پر موقوف نہیں ہوتی۔ ”خلاصہ“۔

اگر وصی وصیت کے نفاذ میں ذاتی سرمایہ صرف کرے تو ترکہ سے پورا کر سکتا ہے

36809۔ (قوله: رَجَعَ مُطْلَقًا) وہ مطلقاً اپنا خرچہ ترکہ سے واپس لے سکتا ہے۔ ”المنح“ میں کہا ہے۔ اور کہا گیا ہے: اگر یہ وصی میت کا وارث ہو تو میت کے ترکہ سے واپس لوٹا سکتا ہے، ورنہ نہیں۔ اور بعض نے کہا ہے: اگر وصیت بندوں کے لیے ہو تو وہ لوٹا سکتا ہے، کیونکہ بندوں کی طرف سے اس کا مطالبہ کرنے والا ہے تو یہ قرض ادا کرنے کی طرح ہو گیا، اور اگر وصیت اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو وہ رجوع نہیں کر سکتا۔ اور بعض نے کہا ہے: ہر حال میں اس کے لیے رجوع کرنا جائز ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ ”الدرر“ میں ہے۔ اور ”البرزازیہ“ میں ہے: یہی مختار قول ہے۔

36810۔ (قوله: فَإِنَّهُ يَرْجِعُ إِذَا أَشْهَدَ عَلَى ذَلِكَ) کیونکہ وہ واپس لوٹا سکتا ہے جب وہ اس پر گواہ بنائے، یعنی اس پر کہ اس نے خرچ کیا ہے تاکہ وہ واپس لوٹا سکے، اور یہ وہی موقف ہے جسے ”مصنف“ نے باب عزل الوکیل سے پہلے اختیار کیا ہے۔

وَفِي الْبَرَازِيَةِ إِنَّمَا شَرْطُ الْإِشْهَادِ لِأَنَّ قَوْلَ الْوَصِيِّ فِي الْإِنْفَاقِ يُقْبَلُ لَا فِي حَقِّ الرُّجُوعِ بِلَا إِشْهَادٍ ائْتَهَى
فَلْيُحْفَظْ قُلْتُ لَكِنْ فِي الْقُنْيَةِ وَالْخُلَاصَةِ وَالْخَائِيَةِ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ بِالشَّمَنِ وَإِنْ لَمْ يَشْهَدْ بِخِلَافِ الْأَبْوَيْنِ،

اور ”البرازیہ“ میں ہے: بلاشبہ شاہد بنانا شرط ہے۔ کیونکہ انفاق (خرچ کرنے) کے بارے میں وصی کا قول قبول کیا جاتا ہے لیکن رجوع کے حق میں بغیر شاہد بنائے قبول نہیں کیا جاتا۔ ”برازیہ“ کا کلام ختم ہوا۔ پس اسے یاد رکھ لینا چاہیے۔ میں کہتا ہوں: لیکن ”قنیہ“، ”خلاصہ“ اور ”خانیہ“ میں ہے: اس کیلئے ثمن لوٹانا جائز ہے اگرچہ وہ شاہد نہ بنائے بخلاف والدین کے

36811۔ (قوله: لَا فِي حَقِّ الرُّجُوعِ) نہ کہ رجوع کے حق میں، اور اسی کی مثل وقف کا نگران بھی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اپنی ذاتوں کے لیے یتیم پر قرض کا دعویٰ کر رہے ہیں پس صرف دعویٰ کے ساتھ وہ اس کے مستحق نہیں ہوں گے۔ اسی طرح ”أدب الاوصياء“ میں ہے۔

مطلقاً رجوع کرنے میں یا اس پر گواہ بنانے کے ساتھ رجوع کرنے میں آئمہ کے اقوال
36812۔ (قوله: قُلْتُ الْخ) ”شرعیالیہ“ میں ”العمادیہ“ سے وہ نقل کیا ہے جو اس کے موافق ہے اور جو اس کے مخالف ہے۔ پھر کہا ہے: ہمارے آئمہ کا کلام مطلقاً رجوع کرنے میں یا اس پر شاہد بنانے کے ساتھ رجوع کرنے میں مضطرب ہے پس چاہیے کہ اسے تحریر کیا جائے۔

میں کہتا ہوں: اور وہ تحریر جو ”أدب الاوصياء“ میں ”المحیط“ سے ہے وہ یہ ہے کہ رجوع کے لیے شاہد بنائے۔ بغیر وصی کے رجوع میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اور ”أدب الاوصياء“ میں دونوں قولوں میں سے ہر ایک متعدد کتب اور ”الخانیہ“ سے نقل کیا گیا ہے، اور ”الخانیہ“ کا کلام بھی مضطرب ہے۔ اور ”الخلاصہ“ سے گواہ بنانے کی شرط منقول ہے جو اس کے خلاف ہے جو ”شارح“ نے اس سے نقل کیا ہے۔ پھر کہا ہے: اور ”المشتقی“ میں ہے: وصی نے اپنے مال سے بچے کے لیے خرچ کیا درآنحالیکہ بچے کا غائب مال ہو تو وہ استحساناً خرچ کرنے میں متبرع ہوگا، مگر یہ کہ وہ گواہ بنائے کہ وہ قرض ہے یا وہ اس کی واپسی کے لیے اس پر رجوع کرے، کیونکہ رجوع میں وصی کا قول قبول نہیں کیا جاتا، پس وہ اس کے لیے شاہد بنائے۔ اور ”العتابیہ“ میں ہے: اس میں نیت کافی ہوتی ہے جو معاملہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔ اور ”المحیط“ میں امام ”محمد“ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: جب باپ واپس لوٹانے کی نیت کرے اور اسی نیت پر وہ ثمن ادا کرے تو جو امر اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے اس میں اپنے ثمن واپس لوٹانے کی گنجائش ہے، لیکن قضاء وہ اس وقت تک واپس نہیں لوٹا سکتا جب تک وہ شاہد نہ بنائے، اور اسی کی مثل ”المشتقی“ میں ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے: اور اگر باپ نے اپنے بچے کے لیے کوئی شے خریدی جس پر اسے اپنے صغیر فقیر کے لیے مجبور کیا جاسکتا ہو جیسے طعام اور لباس، تو وہ اس کے مال سے واپس نہیں لوٹا سکتا، وہ اس پر گواہ بنائے یا نہ بنائے، کیونکہ وہ اس پر واجب ہے۔ اور اگر وہ اس کے لیے ایسی شے خریدے جو اس پر واجب نہ ہو جیسا کہ اپنے اس بیٹے کے لیے طعام جس کا مال، گھر، اور خادم ہو، تو وہ رجوع کر سکتا ہے اگر وہ اس پر گواہ بنائے، اور اگر گواہ نہ بنائے تو پھر نہیں۔ اور امام

وَسَيَجِيءُ مَا يُفِيدُهُ فَتَنَّبَهُ (أَوْ قَضَى دَيْنَ الْمَيِّتِ) الثَّابِتِ شَرْعًا (أَوْ كَفَّنَهُ)

اور عنقریب اس کا ذکر آئے گا جو اس کا فائدہ دیتا ہے، پس تو اس پر آگاہ رہ۔ یا وہ میت کا وہ قرض جو شرعاً ثابت ہے وہ ادا کرے یا اسے کفن پہنائے

اعظم ”ابوحنیفہ“ رحمہ اللہ سے دار کی طرح میں ہے: اگر بیٹے کا مال ہو تو وہ رجوع کر سکتا ہے اگر وہ گواہ بنائے ورنہ نہیں۔ اور اگر اس کا کوئی مال نہ ہو تو پھر وہ رجوع نہیں کر سکتا گواہ بنائے یا نہ بنائے۔ اور ”الخانیہ“ میں ہے: اگر وہ اپنے بچے کے لیے کوئی شے خریدے اور اس کی طرف سے ضامن ہو، پھر اسے اپنے مال سے ادا کر دے تو قیاس یہ ہے کہ وہ بیٹے کے مال سے واپس لوٹا سکتا ہے، لیکن استحساناً ایسا نہیں کر سکتا۔

میں کہتا ہوں: تحقیق یہ ہے کہ اس مسئلہ میں دو قول ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے کہ باپ اور وصی میں سے ہر ایک کے لیے شاہد بنائے بغیر رجوع جائز نہیں اور دوسرا یہ ہے کہ صرف باپ کے لیے گواہ بنانا شرط ہے۔ اور اسی کی مثل ماں ہے جو اپنی اولاد پر وصی ہو، اور فقہانے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ والدین کی شفقت کے سبب غالب یہ ہے کہ وہ اولاد پر نیکی اور صلہ کے لیے خرچ کرتے ہیں نہ کہ پھر واپس لینے کے لیے بخلاف کسی اجنبی وصی کے۔ پس وہ رجوع کے لیے گواہ بنانے کا محتاج نہیں ہوتا۔ اور آپ جان چکے ہیں کہ پہلا قول استحسان ہے، اور دوسرا قیاس ہے، اور اس کا مقتضی پہلے کی ترجیح ہے، اور اسی کو ”مصنف“ نے باب عزل الوکیل سے پہلے اختیار کیا ہے، اور یہ سب کا سب قضا میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

36813۔ (قوله: وَسَيَجِيءُ) اور عنقریب فروع میں آئے گا جو اس کا فائدہ دیتا ہے: یعنی وہ والدین میں رجوع کے شرط ہونے کا فائدہ دیتا ہے، بلکہ وہ اس میں صریح ہے۔ کیونکہ وہ جو عنقریب آ رہا ہے وہ وہ ہے جسے ہم نے ”المستفتی“ سے دوبارہ نقل کیا ہے۔

36814۔ (قوله: أَوْ قَضَى دَيْنَ الْمَيِّتِ) یا وہ میت کا قرض ادا کرے۔ ”أدب الاوصیاء“ میں کہا ہے: اور ”الخانیہ“ میں ہے: گواہ بنانا شرط ہے جب وہ اسے وارث کے حکم کے بغیر ادا کرے، اور ”النوازل“ میں اس کی شرط نہیں ہے، اور کہا ہے: اور یہی مختار قول ہے۔ کیونکہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ وصی جب اپنے مال سے وصیت کا نفاذ کرے تو وہ اپنا مال میت کے مال سے واپس لے سکتا ہے اور یہی مختار ہے۔ پس وصیت کے بارے میں روایت دین میں روایت ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ وصیت پر مقدم ہے۔ اور اس کی ادائیگی کا واجب ہونا وصیت کو نافذ کرنے کے لزوم سے زیادہ مؤکد ہے۔ اور یہ اس کے موافق ہے جو ”المنح“ اور ”الدرر“ سے گزر چکا ہے۔ یعنی یہ قول: پس وہ قرض کو ادا کرنے کی طرح ہو گیا۔

36815۔ (قوله: أَوْ كَفَّنَهُ) یا اسے کفن دے، مراد کفن مثل ہے۔ تحقیق ”مصنف“ نے اس فصل سے پہلے ذکر کیا ہے کہ اگر وصی کفن مثل پر تعداد میں اضافہ کرے تو وہ زیادتی کا ضامن ہوگا اور قیمت میں اضافہ کرے تو شرا اس (میت) کے لیے واقع ہوگی۔

أَوْ أَدَّى خَرَاجَ الْيَتِيمِ أَوْ عُسْكَهُ (مِنْ مَالِ نَفْسِهِ أَوْ اشْتَرَى الْوَارِثُ الْكَبِيرُ طَعَامًا أَوْ كِسْوَةً لِلصَّغِيرِ أَوْ كَفَّنَ الْوَارِثُ الْيَتِيمَ

یا یتیم کا خراج یا اس کا عشر اپنے مال سے ادا کرے یا بالغ وارث صغیر کے لیے طعام یا لباس خریدے یا وارث میت کو کفن پہنائے

36816۔ (قولہ: أَوْ أَدَّى خَرَاجَ الْيَتِيمِ الخ) یا وہ یتیم کی زمین کا خراج ادا کرے، اور اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ گواہ

بنائے بغیر قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی، اور اس میں اختلاف ہے جسے ”أدب الاوصیاء“ میں بیان کیا ہے۔

36817۔ (قولہ: أَوْ اشْتَرَى الْوَارِثُ الْكَبِيرُ الخ) یا بالغ وارث خریدے۔ اسی طرح ”الخانہ“ میں ہے۔ اور اس کا

بیان یہ ہے: یا بالغ وارث اپنے مال سے صغیر کے لیے طعام یا لباس خریدے تو وہ متبرع نہ ہوگا اور میت کے مال اور ترکہ میں اس کے لیے رجوع جائز ہے۔

میں کہتا ہوں: اور گواہ بنانا شرط نہیں اس کے باوجود کہ وصی کے خرچ کرنے میں اختلاف ہے جیسا کہ گزر چکا ہے، اور یہاں اسے بدرجہ اولیٰ جاری ہونا چاہیے، اس بنا پر کہ اس کے صغیر پر خرچ کرنے میں اختلاف واقع ہے کہ ترکہ سے اس کا حصہ اس کا نفقہ مثلی ہے، اس بارے میں اس کی تصدیق کی جائے گی یا نہیں، اس میں دو قول ہیں جنہیں ”زاہدی“ نے ”الحاوی“ میں بیان کیا ہے۔ پھر کہا ہے: فتویٰ کے لیے مختار وہ ہے جو ”اللمحیط“ کے باب الوصایا میں ہے اور وہ امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے ”ابن سماعہ“ نے روایت کیا ہے: ایک آدمی صغیر اور کبیر دو بیٹے اور ایک ہزار درہم چھوڑ کر فوت ہو گیا پس اس نے صغیر پر پانچ سو درہم نفقہ مثلی خرچ کئے تو وہ متبرع (بلاعوض خرچ کرنے والا) ہے جب وہ وصی نہ ہو، اور اگر مشترک طعام یا کپڑے ہوں اور وہ بالغ (کبیر) صغیر کو کھلا دے یا اسے پہنا دے تو استحسان یہ ہے کہ کبیر (بالغ) پر کوئی ضمان نہ ہو۔ اور ”جامع الفتاویٰ“ میں ہے: اور اگر بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی پر ترکہ میں سے اپنا حصہ خرچ کر دیا: اگر وہ طعام ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا، اور اگر وہ درہم ہوں تو بھی حکم اسی طرح ہے بشرطیکہ وہ اس کی زیر تربیت رہے، اور اس کے علاوہ وہ ضامن ہوگا اگر وہ وصی نہ ہو، اور اسی کی مثل ”التاثر خانہ“ میں ہے۔

اور ”مصنف“ نے کتاب الکراہیہ کی فصل البیع میں ذکر کیا ہے: اور استحسان یہ ہے کہ وہ شے خریدنا جائز ہے جو صغیر کے لیے لازم اور ضروری ہو اور بھائی، چچا، ماں اور ملتقط (گری ہوئی شے کو اٹھانے والا) کو وہ شے بیچنا جائز ہے جبکہ وہ ان کی گود میں زیر پرورش ہو، اور صرف اس کی ماں کو اسے اجارہ پر دینا جائز ہے۔ اور اسی کی مثل ”الہدایہ“ میں ہے۔ اور اسی پر اسے محمول کرنا ممکن ہے جو امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے گزر چکا ہے اس بنا پر جب وہ اس کی پرورش میں نہ ہو۔ تاہل۔ اور تمام کی بنا پر پس جو ”الخانہ“ میں ہے وہ مشکل ہے اگر بالغ وصی نہ ہو، اس میں غور کر لینا چاہیے۔

36818۔ (قولہ: أَوْ كَفَّنَ الْوَارِثُ الْيَتِيمَ) یا وارث میت کو کفن دے، اسی طرح ”الخانہ“ میں بھی ہے، اور اس میں

اس بارے تصریح کی ہے کہ وہ ترکہ پر رجوع کر سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں: اور یہ تب ہے اگر وہ کفن مثل دے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

أَوْ قَضَىٰ دَيْنَهُ (مِنْ مَالٍ نَفْسِهِ) فَإِنَّهُ يَرْجِعُ وَلَا يَكُونُ مُتَطَوِّعًا۔ (وَلَوْ كَفَّنَ الْوَصِيُّ الْمَيِّتَ مِنْ مَالٍ نَفْسِهِ قَبْلَ قَوْلِهِ فِيهِ) قِيلَ هُوَ مُسْتَدْرَكٌ بِقَوْلِهِ أَوْ كَفَّنَهُ (وَلَوْ بَاعَ) الْوَصِيُّ (شَيْئًا مِنْ مَالِ الْيَتِيمِ ثُمَّ طَلَبَ مِنْهُ بِأَكْثَرِ

یا اس کا قرض ادا کرے اپنے ذاتی مال سے تو اسے اس کے مال سے پورا کر سکتا ہے اور وہ متطوع نہ ہوگا۔ (یعنی اس کا مال بلا عوض نہیں ہوگا) اور اگر وصی نے میت کو اپنے مال سے کفن دیا تو اس بارے میں اس کا قول قبول کیا جائے گا۔ کہا گیا ہے: یہ قول ”مصنف“ کے قول اؤ کفنہ کے ساتھ مکرر اور زائد ہے۔ اور اگر وصی نے یتیم کے مال میں سے کوئی شے فروخت کی پھر اس سے زیادہ قیمت کے ساتھ اس سے مطالبہ ہوا

تنبیہ

اگر آدمی فوت ہو اور اس کی کوئی شے نہ ہو اور اس کا کفن اس کے ورثا پر واجب ہو پھر ان میں سے حاضر وارث اپنے مال سے اسے کفن دے دے تا کہ وہ ان میں سے غائب پر اپنے حصہ کے ساتھ رجوع کرے تو اس کے لیے رجوع کا حق نہیں ہے اگر اس نے قاضی کی اجازت کے بغیر اپنا مال خرچ کیا۔ ”حاوی الزاہدی“۔ ”الرملی“ نے ”حاشیۃ الفصولین“ میں کہا ہے: اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ یہ اگر ان پر واجب نہیں جیسا کہ زوجہ کو کفن پہنانا جب زوج کے علاوہ کوئی دوسرا اس کی اجازت کے بغیر یا قاضی کی اجازت کے ساتھ اپنے مال سے اس پر خرچ کرے تو وہ اجنبی کی طرح متبرع ہے۔ پس اسے کفن پہنانا مطلقاً اجازت کے بغیر مستثنیٰ ہوگا، مفتی بہ قول پر بنا کرتے ہوئے اس لیے کہ وہ اس کے خاوند پر لازم ہے اگرچہ وہ خوشحال ہو۔

36819۔ (قوله: أَوْ قَضَىٰ دَيْنَهُ) یا وہ اس کا وہ قرض ادا کرے جو شرعاً ثابت ہے اور اگر وہ شرعاً ثابت نہ ہو تو وہ غائب پر رجوع نہیں کر سکتا، اور اگر اس نے ترکہ سے دیا تو غائب کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے حصہ کی مقدار واپس لوٹالے۔ کیونکہ وہ شرعاً ثابت نہیں، اور اسی طرح دین یا ودیعت میں وصی کا حکم ہے اور رہا مہر تو اگر اس نے اس کے ساتھ دخول کیا اس سے (مہر کی) اتنی مقدار روک لی جتنی عرفاً بالفور ادا کی جاتی ہے اور اس مقدار میں قول ورثا کا ہوگا، اور جو اس پر زائد ہے اس میں قول عورت کا قبول ہوگا۔ ”شرنبلا لیه“ نے ”العمادیہ“ سے اختصار کے ساتھ لکھا ہے: اگر ورثا اس مقدار کا دعویٰ کریں جس کی تعجیل (بالفور ادا کرنا) عادت جاریہ ہے تو پھر قول ان کا معتبر ہوگا، اور اگر وہ اس سے زیادہ کا دعویٰ کریں تو پھر اس زیادتی کی نفی میں قول عورت کا معتبر ہوگا۔

36820۔ (قوله: قِيلَ هُوَ مُسْتَدْرَكٌ) اسے قیل کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ فرق کا امکان اس طرح ہے کہ جو گزر چکا ہے وہ اصل رجوع کے بارے ہے اور یہ ثمن کی مقدار کے بارے ہے اگر وہ اسے اس میں جھٹلا دیں۔ اسے ”طحاوی“ نے بیان کیا ہے اور ”أدب الاوصیاء“ میں ”الخلاصہ“ سے ہے: اگر اس نے اپنے مال سے ثمن ادا کئے تو اس کی تصدیق کی جائے گی اگر وہ کفن مثل ہو۔ اور ”الوجیز“ میں ہے: اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی مگر بینہ کے ساتھ اگرچہ وہ اسے

مِمَّا بَاعَهُ (رَجَعَ الْقَاضِي فِيهِ إِلَى أَهْلِ الْبَصِيرَةِ) وَالْأَمَانَةِ (إِنْ أَخْبَرَهُ أَثْنَانٍ مِنْهُمْ أَنَّهُ بَاعَ بِقِيَمَتِهِ، وَأَنَّ قِيَمَتَهُ ذَلِكَ لَا يَلْتَفِتُ) الْقَاضِي (إِلَى مَنْ يَزِيدُ، وَإِنْ كَانَ فِي الْمَزَايِدَةِ يُشْتَرَى بِأَكْثَرِ وَفِي السُّوقِ بِأَقْلَى لَا يُنْتَقَضُ بِبَيْعِ الْوَصِيِّ لِذَلِكَ) أَمَّا لِأَجْلِ تِلْكَ الزِّيَادَةِ (بَلْ يَرْجِعُ إِلَى أَهْلِ الْبَصِيرَةِ، فَإِنْ اجْتَمَعَ رَجُلَانِ مِنْهُمْ عَلَى شَيْءٍ يُوْخَذُ بِقَوْلِهِمَا) عِنْدَ مُحَمَّدٍ (وَكُفِيَ قَوْلُ وَاحِدٍ فِي ذَلِكَ) عِنْدَهُمَا كَمَا فِي التَّزْكِيَةِ.

جتنے کے ساتھ اس نے بیچی تو قاضی اس بارے میں اہل بصیرت اور اہل امانت کی طرف رجوع کرے، اگر ان میں سے دو آدمی اسے خبر دیں کہ اس نے اس کی مناسب قیمت کے ساتھ بیچ کی ہے، اور بلاشبہ وہی اس کی قیمت ہے تو قاضی اس کی طرف التفات نہیں کرے گا جو زیادہ قیمت کے ساتھ طلب کر رہا ہے۔ اور اگر وہ چیز مزایدہ (نیلام گھر، منڈی) میں زیادہ قیمت کے ساتھ خریدی جاتی ہو اور بازار میں کم قیمت کے ساتھ تو اس زیادتی کی وجہ سے وصی کی بیچ نہیں ٹوٹے گی بلکہ وہ اہل بصیرت کی طرف رجوع کرے گا۔ پس اگر ان میں سے دو آدمی کسی شے پر جمع ہو گئے تو امام ”محمد“ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ان دونوں کا قول لے لیا جائے گا۔ اور ”شیخین“ رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس بارے میں ایک کا قول ہی کافی ہے جیسا کہ تزکیہ میں ایک کا قول کافی ہوتا ہے۔

ترکہ سے ادا کرے۔

36821۔ (قوله: إِلَى أَهْلِ الْبَصِيرَةِ) یعنی اہل عقل کی طرف رجوع کرے۔ اور جو ”الخانیہ“ وغیرہ میں ہے وہ اہل البصر ہے، اور یہی یہاں مناسب ہے یعنی اس شے کی قیمت میں نظر و فکر اور واقفیت رکھنے والے۔

36822۔ (قوله: وَأَنَّ قِيَمَتَهُ ذَلِكَ) اور بلاشبہ اس کی قیمت وہی ہے، یہ ماقبل کی وضاحت ہے۔ اور یہی یہ صورت! کہ جب دونوں اس بارے میں خبر دیں کہ اس کی قیمت اس سے زیادہ ہے جتنے کے عوض مشتری نے اسے لیا ہے تو وہ باطل ہے۔ ”أدب الاوصياء“ میں ”الجواب“ سے نقل کیا ہے: وصی نے دین کے لیے سامان فروخت کیا پھر یہ ظاہر ہوا کہ اس کی قیمت اس سے زیادہ ہے تو وہ بیع باطل ہے اور وہ نسخ حاکم کا بھی محتاج نہیں ہوگا۔ پھر وہ دوبارہ ثمن مثل کے عوض اسے بیچے تو دوسری بیع صحیح ہے اور ”شارح“ نے اسے مقدم کیا ہے کہ بیع فاسد ہے اور وہ دو قولوں میں سے ایک ہے۔ اور یہ اس حیثیت سے ہے کہ وہ بئن فاحش کے ساتھ ہو جیسا کہ گزر چکا ہے۔

36823۔ (قوله: لَا يَلْتَفِتُ الْقَاضِي إِلَى مَنْ يَزِيدُ) اور قاضی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوگا جو زیادہ قیمت دیتا ہے۔ کیونکہ زیادتی کبھی حاجت اور غرض کے لیے ہوتی ہے نہ کہ اس لیے کہ قیمت اس سے زیادہ ہے جس کے ساتھ وصی نے بیچ کی ہے۔ یہاں تک کہ بیع جائز نہیں ہوگی اگر نقصان فاحش اور کثیر ہو۔ ”أدب الاوصياء“۔

36824۔ (قوله: لَا يُنْتَقَضُ بِبَيْعِ الْوَصِيِّ لِذَلِكَ) اس کے لیے وصی کی بیچ نہیں ٹوٹے گی یعنی صرف اس زیادتی کے سبب وہ اسے توڑنے کا حکم نہیں دے گا۔ کیونکہ یہ احتمال ہے کہ جتنے کے عوض اس نے اسے بیچا وہی اس کی قیمت ہو۔ پس اسی لیے

وَعَلَى هَذَا قِيَمُ الْوَقْفِ إِذَا أَجَرَ مُسْتَعْلًا الْوَقْفَ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ يَزِيدُ فِي الْأَجْرِ الْكُلِّ فِي الدَّرَجَةِ مَعْرِيًا لِلْخَانِيَّةِ
فَرُوعٌ يُقْبَلُ قَوْلُ الْوَصِيِّ فِيمَا يَدَّعِيهِ مِنَ الْإِنْفَاقِ بِلَا بَيِّنَةٍ إِلَّا فِي ثِنْتَيْ عَشْرَةَ مَسْأَلَةً عَلَى مَا فِي الْأَشْبَاهِ

اور اسی طرح وقف کے متولی کا حکم ہے کہ جب اس نے وقف کی کرایہ والی شے اجرت پردی پھر ایک دوسرا آئے اور وہ اس اجرت میں اضافہ کر دے (یعنی زیادہ کرایہ دینے کے لیے تیار ہو تو اجارہ نہیں توڑا جائے گا)۔ یہ تمام مسائل ”الدرر“ میں ”الخانیہ“ کے حوالہ سے مذکور ہیں۔ فروع: وصی کا قول بغیر بینہ کے قبول کیا جائے گا اس صورت میں جس میں خرچ کرنے کا دعویٰ کرتا ہو سوائے بارہ مسائل کے جیسا کہ ”الاشباہ“ میں ہے۔

کہا ہے: بل يرجع الخ بلکہ وہ اہل بصیرت کی طرف رجوع کرے گا۔ فافہم۔ علامہ ”طحطاوی“ نے کہا ہے: اور اگر ”مصنف“ اپنے قول: ثم طلب منه بأكثر کے بعد: مباحہ او کان فی الزایدۃ یشتري بأكثر و فی السوق بأقل کہتے تو یہ زیادہ مختصر ہوتا۔
تمتہ

”أدب الاوصياء“ میں کہا ہے: باپ نے اپنے بچے کا مال فروخت کیا پھر اس میں غبن فاحش کا دعویٰ کر دیا، تو اس کا دعویٰ نہ سنا جائے، پس حاکم بچے کی طرف سے نگران مقرر کرے گا اور وہ مشتری کے خلاف اس کا دعویٰ کرے گا۔ اور یہ تب ہے جب باپ ثمن مثل پر قبضہ کرنے کا اقرار کرے یا رسید (رجسٹری) میں اس پر گواہ بنائے۔ لیکن جب وہ اس کے بارے اقرار نہ کرے اور نہ اس پر گواہ بنائے یا کہے: میں نے اسے بیچا ہے اور غبن کو نہیں پہچانتا، یا کہے: میں اسے پہچانتا ہوں لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ بیع اس کے ساتھ جائز نہیں ہوتی، تو اس وقت اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کے بعد غبن کا دعویٰ کرے۔ اور اگر یتیم بالغ ہو گیا پھر اس نے باپ یا وصی کی بیع غبن فاحش کے ساتھ ہونے کا دعویٰ کیا اور مشتری نے اس کا انکار کر دیا تو حال کا فیصلہ کیا جائے گا اگر مدت اتنی مقدار میں نہ ہو جس میں بہاؤ (ریٹ) تبدیل ہو جاتا ہے، ورنہ مشتری کی تصدیق کی جائے گی۔ اور اگر دونوں میں سے ہر ایک نے بینہ قائم کر دیا تو زیادتی کو ثابت کرنے والے کا بینہ اولیٰ ہوگا۔

وہ مسائل جن میں خرچ کرنے کا دعویٰ بینہ کے بغیر قبول نہیں کیا جائے گا

36825۔ (قوله: يُقْبَلُ قَوْلُ الْوَصِيِّ الْخ) ”الاشباہ“ میں کہا ہے: وصی کا قول بغیر بینہ کے ان امور میں قبول کیا جاتا

ہے جن میں وہ خرچ کرنے کا دعویٰ کرتا ہے سوائے تین صورتوں کے: یتیم کے محرم رشتہ دار پر خرچ کرنا، اس کی زمین کا خراج ادا کرنا، اور اس کے بھاگ جانے والے غلام کو واپس لانے پر خرچ کرنا۔ ملخصاً۔ پھر کہا: حاصل کلام یہ ہے کہ اس کا قول ان امور میں قبول کیا جاتا ہے جن میں وہ دعویٰ کرتا ہے مگر بارہ مسائل میں الخ۔ پس ”شارح“ کے لیے اپنے قول من الانفاق کو حذف کرنا مناسب ہے۔

تنبيه

”ذخیرہ“ میں ہے: وصی کو چاہیے کہ وہ صغیر پر نفقہ میں تنگی نہ کرے بلکہ اسراف (فضول خرچی) کے بغیر اسے وسعت

ادَّعَى قَضَاءَ دَيْنِ الْمَيِّتِ، وَادَّعَى قَضَاءَهُ مِنْ مَالِهِ بَعْدَ بَيْعِ التَّرِكَةِ قَبْلَ قَبْضِ ثَمَنِهَا، أَوْ أَنَّ الْيَتِيمَ اسْتَهْلَكَ مَالًا آخَرَ فَدَفَعَ ضَمَانَهُ، أَوْ أُذِنَ لَهُ بِتِجَارَةٍ فَرَكِبَهُ دُيُونٌ فَقَضَاهَا عَنْهُ،

وہ میت کا قرض ادا کرنے کا دعویٰ کرے، اور ترکہ کی بیع کرنے کے بعد اس کے ثمن پر قبضہ کرنے سے پہلے اپنے مال سے اسے ادا کرنے کا دعویٰ کرے، یا یہ کہ یتیم نے کسی دوسرے کا مال ہلاک کیا اور اس نے اس کا ضمان ادا کیا ہے، یا یتیم کو تجارت کی اجازت دی۔ پس اس پر لوگوں کے قرض ہو گئے تو اس نے اس کی طرف سے وہ قرض ادا کیا،

دے، اور یہ اس کا مال قلیل اور کثیر ہونے کے اعتبار سے متفاوت ہوتا ہے، پس وہ اس کے مال کی طرف دیکھے اور حسب حال خرچ کرے۔ اور ”شیخ الاسلام“ کی ”شرح الاصل“ میں ہے: صغیر بچے بڑے (بالغ) ہو گئے اور انہوں نے وصی پر الزام لگایا اور کہا: بلاشبہ تو نے ہم پر مال کا نفع خرچ کیا ہے یا فلاں نے اس کے ساتھ تبرع کیا ہے تو وصی پر اپنے دعویٰ پر قسم کھانا واجب ہے، مگر جب وہ ایسا دعویٰ کریں جس میں ظاہر حال ان کی تکذیب کرتا ہو، جیسا کہ وہ ایسا دعویٰ کریں جس کی مثل ان کی مثل کے لیے اتنی مدت میں اغلباً کافی نہ ہو۔ اور یہ تب ہے جب وہ تھوڑی شے کے عوض نفقہ مثلی یا اس سے زیادہ کا دعویٰ کرے، اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر تصدیق نہیں کی جائے گی اور وہ اس کا ضامن ہوگا جب تک وہ اپنے دعویٰ کی ایسی تفسیر اور وضاحت نہ کرے جس کا وہ احتمال رکھتا ہو جیسے اس کا قول: میں نے ان کے لیے طعام خریدا اور وہ چوری ہو گیا، پھر میں نے دوسری بار اور تیسری بار خریدا تو وہ ہلاک ہو گیا تو قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ وہ امین ہے۔ یہ ”أدب الاوصیاء“ سے ملخص ہے۔

36826۔ (قوله: ادَّعَى قَضَاءَ دَيْنِ الْمَيِّتِ) یہاں سے بارہ مسائل کا آغاز ہو رہا ہے، اور ظاہر ہے کہ اس مسئلہ سے مراد وہ ہے جسے ”الاشباہ“ میں ان مسائل کے بیان سے پہلے ذکر کیا ہے جہاں انہوں نے کہا ہے: اور ”جامع الفصولین“ میں ہے: اس کے وصی نے قاضی کے حکم کے بغیر قرض ادا کیا، پس جب یتیم بالغ ہو گیا تو اس نے اپنے باپ پر قرض ہونے کا انکار کر دیا تو اس کا وصی اس کا ضامن ہوگا جو اس نے دیا ہے اگر وہ بینہ نہ پائے، جب وہ ضمان کے سبب یعنی اجنبی کو دینے کا اقرار کرے۔ اور اگر دوسرا قرض خواہ قرض کے ساتھ ظاہر ہو گیا تو اس کا حصہ اسے دے الٹ ورنہ اگر وارث اس کے بارے اقرار کرے اور وصی ترکہ سے اسے ادا کرنے کا دعویٰ کرے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔

36827۔ (قوله: وَادَّعَى الْخ) ہم ”أدب الاوصیاء“ سے بیان کر چکے ہیں کہ ”الغانیہ“ میں گواہ بنانے کو شرط قرار دیا ہے اور ”النوازل“ میں اس کی شرط نہیں لگائی۔ اور تو دیکھ کہ ان کے قول: بعد بیع التركة کا فائدہ کیا ہے؟ شاید یہ اتفاقی ہے کیونکہ اس سے پہلے بدرجہ اولیٰ حکم اسی طرح ہے۔

36828۔ (قوله: أَوْ أَنَّ الْيَتِيمَ اسْتَهْلَكَ مَالًا آخَرَ الْخ) اور ”الاشباہ“ میں مال آخراضافت کے ساتھ ہے۔ یا یہ کہ یتیم نے دوسرے کا مال ہلاک کر دیا۔ اور اس کی صورت یہ ہے: وصی نے اسے کہا بلاشبہ تو نے اپنی صغیرنی میں فلاں کا مال ہلاک کیا تھا سو میں نے تیرے مال سے اسے ادا کر دیا ہے تو اس نے اسے جھٹلادیا اور کہا: میں نے کوئی شے ہلاک نہیں کی، تو

أَوْ أَدَّى خَرَاَجَ أَزْهِهِ فِي وَقْتٍ لَا يَصْلُحُ لِلزَّرَاعَةِ، أَوْ جُعِلَ عَبْدُهُ الْآبِقِ أَوْ فِدَاءَ عَبْدِهِ الْجَانِ

یا اس نے یتیم کی زمین کا خراج ادا کیا ایسے وقت میں جب وہ زراعت کی صلاحیت نہیں رکھتی، یا اس نے اس کے بھاگ جانے والے غلام کو پکڑ کر لانے والے کو دیا ہے، یا اس نے جنایت کرنے والے غلام کا فدیہ دیا ہے

اس میں قول یتیم کا قبول ہوگا اور وصی اس کا ضامن ہوگا مگر یہ کہ وہ بینہ قائم کر دے جیسا کہ ”أدب الاوصیاء“ میں ہے۔

36829۔ (قوله: أَوْ أَدَّى خَرَاَجَ أَزْهِهِ الْخ) یا وہ اس کی زمین کا خراج ادا کرے، اور اسی طرح جب وصی دعویٰ

کرے کہ یتیم کا باپ دس سال سے فوت ہو چکا ہے اور اس نے اتنی مدت اس کی زمین کا خراج دیا ہے اور یتیم کہے: میرے باپ کو فوت ہوئے دو سال ہوئے ہیں۔ اور اس پر اجماع کیا ہے کہ اگر خصومت کے دن زمین زراعت کی صلاحیت رکھتی ہو تو وصی کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ مراد یہ ہے اور وہ دونوں اس وقت پر متفق ہوں جس میں یتیم کا باپ فوت ہوا ہے جیسا کہ اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے جو ”شرح تنویر الاذہان“ میں ”التاثر خانیہ“ سے ہے۔ ”ابو السعد“۔ اور ان کے قول کا ظاہر یہ ہے

کہ اگر زمین خصومت کے دن زراعت کی صلاحیت رکھتی ہے، اور اگر خصومت کے دن زراعت کی صلاحیت نہیں رکھتی تو اس کے لیے بینہ ضروری ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں ظاہر حال اس کا شاہد ہے بخلاف دوسری صورت کے۔ اور اسی بنا پر ”شارح“

کا قول: فی وقت لا یصلح للزراعة، أدی کے متعلق نہیں بلکہ وہ ادعی مقدار کے متعلق ہے یعنی اس نے اس کی زمین کا خراج ادا کرنے کا دعویٰ کیا لہٰذا، ورنہ اس کی نفی ہو جائے گی جو متن میں گزرا ہے کہ اس کا خراج ادا کرنے میں اس کا قول قبول کیا جائے گا، لیکن وہ اس کی تفصیل پر محمول ہے، پس تو اس پر گواہ رہ۔

36830۔ (قوله: أَوْ جُعِلَ عَبْدُهُ الْآبِقِ) یا وہ اس کے بھاگ جانے والے غلام کو واپس لانے والے کو دے، یہ

امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی بنا پر ہے۔ رہا امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کا قول! تو اس کے مطابق اس کا قول بیان کے بغیر قبول کیا جائے گا، اور ”الولوالجیہ“ میں پہلے پر اعتماد کیا ہے۔ اور ”الصدر الشہید“ نے اس میں اختلاف بیان نہیں کیا ہے۔ ”الخلاصہ“ میں کہا ہے: اور کہا گیا ہے کہ اس میں اختلاف ہے اور تمام نے اس پر اجماع کیا ہے کہ وصی اگر کسی آدمی کو کرائے پر لے تا کہ وہ اسے واپس لوٹا لائے تو پھر اس کی تصدیق کی جائے گی جیسا کہ ”الخانہ“ میں ہے۔ اور ”الاصل“ وغیرہ میں ہے: اگر وہ کہے: میں نے اپنے ذاتی مال سے ادا کیا ہے کہ میں تجھ سے واپس لوٹا لوں گا تو بینہ کے بغیر اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ اسے ”أدب الاوصیاء“ میں بیان کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: اور اس کا ظاہر امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی ترجیح ہے۔ تامل۔

36831۔ (قوله: أَوْ فِدَاءَ عَبْدِهِ الْجَانِ) یا اس کے جنایت کرنے والے غلام کا فدیہ دے۔ ”الکافی“ میں ہے:

اگر اس نے کہا: میں نے تیرے غصب یا تیری جنایت، یا تیرے غلام کی جنایت کا ضمان ادا کیا ہے تو بغیر بینہ کے اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ ”ابو السعد“۔

میں کہتا ہوں: اس کا ظاہر یہ ہے اگرچہ یتیم جنایت کے بارے اقرار کرے۔ تامل۔

أَوْ الْإِنْفَاقَ عَلَى مَحْرَمِهِ أَوْ عَلَى رَقِيقِهِ الَّذِينَ مَاتُوا أَوْ الْإِنْفَاقَ عَلَيْهِ مِمَّا فِي ذِمَّتِهِ وَكَذَا مِنْ مَالِ نَفْسِهِ حَالِ غَيْبَةِ مَالِهِ وَأَرَادَ الرُّجُوعَ أَوْ أَنَّهُ زَوَّجَ الْيَتِيمَ امْرَأَةً وَدَفَعَ مَهْرَهَا مِنْ مَالِهِ وَهِيَ مَيْتَةٌ

یا اس کے محرم پر خرچ کرنے کا دعویٰ کیا یا اس کے ان غلاموں پر خرچ کرنے کا دعویٰ کیا جو فوت ہو چکے ہیں، یا اس پر خرچ کرنے کا جو اس کی ذمہ داری میں ہے اور اسی طرح یتیم کا مال موجود نہ ہونے کی حالت میں اپنے مال سے خرچ کرنے کا دعویٰ کیا اور اب اسے واپس لینے کا ارادہ کیا، یا اس نے یتیم کی کسی عورت سے شادی کی اور اس کا مہر اپنے مال سے دیا ہے حالانکہ وہ فوت ہو چکی ہے۔

36832۔ (قوله: أَوْ الْإِنْفَاقَ عَلَى مَحْرَمِهِ) یا اس کے محرم پر خرچ کرے۔ ”الحنانیہ“ میں ہے: وصی نے کہا: قاضی نے تیرے نابینے بھائی کے لیے تیرے مال سے ہر مہینے اتنے درہم نفقہ مقرر کیا تھا۔ پس میں اسے وہ دس سال سے ادا کر رہا ہوں اور بیٹے نے اسے جھٹلادیا تو پھر وصی کا قول بالا جماع قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ مال کا ضامن ہوگا جب تک وہ قاضی کے مقرر کرنے، اور جس بھائی کے لیے مقرر کیا گیا اسے دینے پر بینہ قائم نہ کرے۔ اور ”شرح الجمع“ میں اس کی علت اس طرح بیان کی ہے کہ وہ یتیم کی حوائج اور ضروریات میں سے نہیں ہے۔ بلاشبہ اس کا قول اس شے میں قبول کیا جاتا ہے جو یتیم کی حوائج میں سے ہو۔ پس چاہیے کہ اس کی بیوی کا نفقہ اس طرح نہ ہو۔ کیونکہ وہ اس کی حوائج میں سے ہے۔ اس کی مکمل بحث ”الاشباہ“ میں ہے۔

36833۔ (قوله: أَوْ عَلَى رَقِيقِهِ الَّذِينَ مَاتُوا) یا اس نے اس کے ان غلاموں پر خرچ کیا ہے جو فوت ہو چکے ہیں،

یہ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: قول وصی کا قبول ہوگا۔

فقہاء نے اس پر اجماع کیا ہے کہ غلام اگر زندہ ہوں تو پھر قول وصی کا قبول ہے۔ اور کیا حلف لیا جائے گا؟ تو اس میں اختلاف ہے۔ ان میں سے بعض نے کہا ہے: وہ حلف نہیں اٹھائے گا جب تک اس سے خیانت ظاہر نہ ہو۔ اور ”البیری“ نے ”البرزازیہ“ سے تفصیلاً نقل کیا ہے اور کہا ہے: اگر وہ اس میت کی مثل ہو اور اس کے لیے اس غلام کی مثل ہو سکتا ہو تو پھر قول وصی کا ہوگا ورنہ نہیں۔ ”ابو السعد“۔

36834۔ (قوله: أَوْ الْإِنْفَاقَ عَلَيْهِ) یا وہ اس پر خرچ کرے، ہم اس کے بارے میں کلام پہلے کر چکے ہیں۔ اور ان کا قول: ممافی ذمّته ”الاشباہ“ میں نہیں ہے۔ اور اس کے ساتھ اور اس کے مابعد کے ساتھ اس سے احتراز یہ ہے کہ اگر وہ یتیم کے مال سے خرچ کرے تو اس کے نفقہ مثلی میں اس کی تصدیق کی جائے گی جیسا کہ ہم نے اسے ”اصل“ کی شرح سے بیان کر دیا ہے۔ اور ان کا قول: حال غیبۃ ماله سے مراد یتیم کا مال ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی موجودگی کی حالت میں بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ اور ”أدب الاوصیاء“ میں ہے: اور وصی کا قول اس میں قبول کیا جائے گا جسے وہ یتیم پر اور غلاموں، زمین اور جانوروں میں سے اس کے اموال پر خرچ کرنے کا دعویٰ کرے۔ اور اسی طرح جب وہ اس کا دعویٰ کرے جتنا ان کی مثل پر اتنی مدت میں خرچ کیا جاسکتا ہے، کیونکہ وہ موصی یا قاضی کے قائم مقام ہے۔

36835۔ (قوله: وَهِيَ مَيْتَةٌ) اور وہ فوت ہو چکی ہو، اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ وہ اگر زندہ ہو یا مردہ لیکن یتیم شادی

الثَّانِيَّةَ عَشْرَةَ أَتَجَرَّوَرِبَحُ ثُمَّ ادَّعَى أَنَّهُ كَانَ مُضَارِبًا وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ شَيْءٍ كَانَ مُسَلَّطًا عَلَيْهِ فَإِنَّهُ يُصَدَّقُ فِيهِ وَمَا لَا فَلَا يُنْصَبُ الْقَاضِي وَصِيًّا فِي سَبْعَةِ مَوَاضِعَ مَبْسُوطَةً فِي الْأَشْبَاهِ مِنْهَا إِذَا كَانَ لَهُ دَيْنٌ أَوْ عَلَيْهِ

بار ہوا اس مسئلہ یہ ہے کہ وصی تجارت کرے اور نفع کمائے پھر دعویٰ یہ کرے کہ اس نے بطور مضارب کام کیا ہے۔ اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہر وہ شے جس پر وصی مسلط اور معین ہو تو اس میں اس کی تصدیق کی جائے گی، اور جس پر معین نہ ہو اس میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔ قاضی سات مقامات میں وصی مقرر کر سکتا ہے جن کی تفصیل ”الاشباہ“ میں ہے۔ ان میں سے یہ ہیں: جب میت کا قرض دوسروں پر ہو، یا دوسروں کا قرض میت پر ہو،

کرنے کے بارے اقرار کرے تو وہ رجوع کر سکتا ہے (یعنی دیا ہوا مہر اس کے مال سے لے سکتا ہے)۔ تامل۔

36836۔ (قوله: الثَّانِيَّةَ عَشْرَةَ الْخ) ”شرح الطحاوی“ میں ہے: وصی یا باپ نے یتیم کے مال میں تصرف کیا اور نفع کمایا، پھر کہا: میں تو مضارب تھا تو نفع میں سے اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی، مگر یہ کہ وہ تصرف کے وقت اس پر شاہد بنائے کہ وہ اس میں مضاربت کے ساتھ تصرف کرے گا اور یہ قضاء ہے۔ رہا دیانتہ تو اس کے لیے اتنا نفع لینا حلال ہے جس کی اس نے شرط لگائی اگرچہ اس پر وہ شاہد نہ بھی بنائے، ”أدب الاوصياء“۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس زمانے میں وصی کے لیے یتیم کا مال بطور مضاربت لینا جائز نہیں۔

ہر وہ چیز جس پر وصی مسلط ہو اس میں اس کی تصدیق کی جائے گی

36837۔ (قوله: فَإِنَّهُ يُصَدَّقُ فِيهِ) اس میں قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی جب ظاہر حال اس کی تکذیب نہ کرے۔ اسے ”حموی“ اور ”بیری“ نے ”الولوالجیہ“ کے باب الصلح سے نقل کیا ہے۔ ”طحاوی“۔ وہ مقامات جہاں قاضی وصی مقرر کر سکتا ہے

36838۔ (قوله: مَبْسُوطَةً فِي الْأَشْبَاهِ) یعنی ”الاشباہ“ کے کتاب القضاء میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ اور ”شارح“ نے ان میں سے تین مقام ذکر کئے ہیں۔ ”الاشباہ“ میں کہا ہے: اور اس صورت میں جب میت کا صغیر بیٹا ہو، اور اس صورت میں جب وہ اپنے مورث سے کوئی شے خریدے اور اس کی موت کے بعد عیب کے سبب وہ اسے واپس لوٹانا چاہے، اور اس میں جب صغیر کا باپ مسرف اور فضول خرچ ہو تو قاضی اسے حفاظت کے لیے مقرر کرے۔ اور ”الولوالجیہ“ کے باب القسمة میں ایک دوسرے مقام کا ذکر کیا ہے جس میں وہ وصی مقرر کر سکتا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اور جو ”الولوالجیہ“ میں ہے: وہ یہ ہے کہ اگر وہ صغیر، غائبین اور حاضرین کے درمیان جائیداد چھوڑے ان دو میں سے ایک نے اپنا حصہ کسی آدمی کو فروخت کر دیا اور اس نے تقسیم کا مطالبہ کیا تو قاضی غائبین اور صغیر کی طرف سے وکیل بنائے گا۔

36839۔ (قوله: مِنْهَا إِذَا كَانَ لَهُ دَيْنٌ أَوْ عَلَيْهِ) ان میں سے یہ ہے کہ جب اس (میت) کا یا اس پر قرض ہو تو قاضی وصی مقرر کرے گا تا کہ وہ اسے ثابت کرنے، ادا کرنے اور اس پر قبضہ کرنے میں خصم بن سکے۔

أَوْ لَتَنْفِذِ وَصِيَّتِهِ - وَزَادَ فِي الزَّوَاهِرِ مَوْضِعَيْنِ آخَرَيْنِ اشْتَرَى الْأَبُ مِنْ طِفْلِهِ شَيْئًا فَوَجَدَهُ مَعِيْبًا يُنْصَبُ الْقَاضِي وَصِيًّا لِيَرُدَّهُ عَلَيْهِ، وَإِذَا أُحْتِجَجَ لِإِثْبَاتِ حَقِّ صَغِيرِ أَبَوْهُ غَائِبٌ غَيْبَةً مُنْقَطِعَةً يُنْصَبُ وَإِلَّا فَلَا وَعَزَاهُمَا لِمَجْمَعِ الْفَتَاوَى

یا اس کی وصیت کو نافذ کرنے کے لیے (قاضی وصی مقرر کر سکتا ہے)۔ اور ”الزواہر“ میں دوسرے دو مقام کا اضافہ کیا ہے: ایک یہ ہے کہ باپ اپنے بچے سے کوئی شے خریدے اور اسے عیب دار پائے تو قاضی بچے کے لیے وصی مقرر کرے گا تاکہ باپ وہ شے اسے واپس لوٹا دے، اور دوسرا یہ ہے کہ جب صغیر کا حق ثابت کرنے کی حاجت اور ضرورت ہو اور اس کا باپ غیبیہ منقطعہ پر غائب ہو تو قاضی وصی مقرر کرے گا، اور اگر وہ غیبیہ منقطعہ پر غائب نہ ہو تو پھر نہیں۔ اور انہوں نے دونوں کو ”مجمع الفتاویٰ“ کی طرف منسوب کیا ہے۔

36840۔ (قوله: لِيَرُدَّهُ عَلَيْهِ) تاکہ وہ اسے اس پر لوٹا سکے، اس نے یہ فائدہ دیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ وہ خاص طور پر رد کے لیے وصی مقرر کرے نہ کہ مطلقاً۔ کیونکہ اس کے علاوہ میں ولایت باپ کی ہے۔ اور عنقریب آئے گا کہ قاضی کا وصی تخصیص قبول کر سکتا ہے۔

36841۔ (قوله: غَيْبَةً مُنْقَطِعَةً) غیبیہ منقطعہ کے ساتھ غائب ہو، اس طرح کہ وہ ایسے شہر میں ہو جہاں قافلے نہ پہنچ سکتے ہوں جیسا کہ ہم نے اسے پہلے بیان کر دیا ہے۔

تمتہ

”حموی“ وغیرہ نے اور مسائل کا بھی اضافہ کیا ہے: ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

(1) اگر کوئی شخص قرض کا دعویٰ کرے اور وارث بالغ ہوں جو متوفی کے شہر سے بلد منقطع میں غائب ہوں، اس سے مراد وہ شہر ہے جس کی طرف قافلے نہ آتے جاتے ہوں۔

(2) اگر وارث کہے: میں قرض ادا نہیں کروں گا اور نہ ہی میں ترکہ فروخت کروں گا، بلکہ وہ ترکہ قرض خواہ کے حوالے کر دے تو ترکہ کی بیع کے لیے قاضی وصی مقرر کرے۔

(3) اگر بیع کا کوئی مستحق بن جائے اور پھر مشتری چاہے کہ وہ اپنے ثمن واپس لوٹا لے، درآنحالیکہ اس کا بائع فوت ہو جائے۔ اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو قاضی اس کی طرف سے وصی مقرر کرے گا تاکہ مشتری اس کی طرف رجوع کر سکے۔

(4) اگر بیع غلام آزاد نکل آئے حالانکہ اس کا بائع فوت ہو گیا اور اس نے کوئی شے، وارث اور وصی نہ چھوڑا تو قاضی وصی مقرر کرے گا تاکہ مشتری اس پر رجوع کرے اور وہ میت کو بیچنے والے پر رجوع کرے۔

(5) اگر مدعی علیہ گونگا ہونے کے ساتھ ساتھ بہرہ اور اندھا ہو اور اس کا کوئی ولی نہ ہو۔

(6) اگر وکیل کوئی شے خریدے اور فوت ہو جائے تو اس کے موکل کے لیے عیب کے سبب اسے واپس لوٹانا جائز ہے۔ اور کہا گیا

ہے کہ اس کے وارث یا اس کے وصی کے لیے جائز ہے، اور اگر وہ نہ ہو تو پھر اس کے موکل کے لیے اختیار ہے، یہ ”ابواللیث“ کی روایت پر ہے۔ اور ایک روایت میں ہے: قاضی رد کے لیے وصی مقرر کرے گا۔

(7) اگر وصی فوت ہو جائے تو صغیر کے مال میں سے جو اس نے فروخت کیا اس میں مطالبہ کی ولایت وصی یا وصیہ کے ورثا کے لیے ہے اور اگر وہ نہ ہو تو قاضی وصی مقرر کرے۔

(8) اگر مستقرض (قرض لینے والا) مال لے کر آئے تاکہ وہ اسے دے دے پس مقرض (قرض دینے والا) چھپ جائے تو قاضی اس میں مستقرض کے مطالبہ پر وصی مقرر کرے گا تاکہ وہ مال پر قبضہ کر لے۔

(9) کسی نے اپنی ذات کے لیے اس شرط پر کفیل بنایا کہ اگر کل تک وہ اسے ادا نہ کرے تو اس کا قرض کفیل (ضامن) پر ہوگا، پھر دوسرے دن طالب غائب ہو گیا تو قاضی اس کی طرف سے وکیل مقرر کرے گا اور مقرض (مدیون) قرض اس کے حوالے کر دے گا۔

(10) اگر وصی غائب ہو اور کوئی آدمی میت پر قرض کا دعویٰ کرے تو قاضی میت کی جانب سے خصم مقرر کرے گا۔ ملخصاً۔ اور غیبیہ سے مراد غیبیہ منقطعہ ہے۔

میں کہتا ہوں: وہ زیادہ کیا جائے گا جو باب الوصی کے شروع میں گزر چکا ہے کہ اگر وہ بچے یا کسی دوسرے کے غلام، یا کافر یا فاسق کو وصی بنائے تو قاضی انہیں غیر کے ساتھ بدل دے، اور یہ کہ اگر وہ دو کو وصی بنائے اور ان میں سے ایک فوت ہو جائے اور وہ کسی غیر کو وصی نہ بنائے تو قاضی اس کے ساتھ کسی دوسرے کو ملا دے، اور یہ کہ اگر وصی وصایت سے عاجز ہو۔

(11) اور ان میں سے وہ ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اگر وہ اپنے بیٹے کا مال اپنے لیے خریدے تو وہ ثمن سے بری نہیں ہو گا یہاں تک کہ قاضی اس کے بیٹے کے لیے وکیل مقرر کرے، وہ ثمن وصول کرے گا اور پھر وہ باپ کی طرف لوٹا دے گا۔

(12) یہ کہ اگر وصی دین کے مدعی کو صدقہ دے تو وہ صحیح نہیں ہے بلکہ وہ کسی دوسرے کو مقرر کرے تاکہ مدعی اپنے حق تک پہنچ سکے جیسا کہ ہم نے اسے ”الولوالجیہ“ سے بیان کر دیا ہے۔

(13) جب مجنون کافر کی بیوی اسلام لے آئے اور اس کا نہ باپ ہو اور نہ ماں تو اس کی طرف سے قاضی وصی مقرر کرے اور اس کے خلاف فرقت کا فیصلہ کرے جیسا کہ نکاح الکافر کے بیان میں گزر چکا ہے۔

(14) مفقود کی طرف سے وصی مقرر کرنا۔

(15) جب وصی میت پر قرض کا دعویٰ کرے تو قاضی میت کے لیے قرض کی اس مقدار میں وصی مقرر کرے گا جس کا وہ دعویٰ کر رہا ہے اور پہلا بھی وصایت سے خارج نہیں ہوگا۔ اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ ”الہندیہ“ میں ہے۔ پس ان مسائل کی تعداد ستائیس تک پہنچ گئی۔ اور یہ ہکلاہٹ اور کثرت حصر کی نفی کرتی ہے۔

وَصِيُّ الْقَاضِي كَوَصِيِّ الْمَيِّتِ إِلَّا فِي ثَمَانٍ لَيْسَ لَوَصِيِّ الْقَاضِي الشَّيْءُ لِنَفْسِهِ، وَلَا أَنْ يَبِيعَ مِمَّنْ لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ لَهُ، وَلَا أَنْ يَقْبِضَ إِلَّا بِإِذْنٍ مُبْتَدَأٍ مِنَ الْقَاضِي

قاضی کا وصی میت کے وصی کی مثل ہے سوائے آٹھ صورتوں کے: قاضی کے وصی کے لیے ترکہ میں سے اپنی ذات کے لیے خریدنا جائز نہیں، اور نہ اس سے اس کی بیع کرنا جائز ہے جس کے لیے اس کی شہادت قبول نہ کی جاتی ہو، اور وہ قبضہ نہیں کر سکتا مگر قاضی کی جانب سے نئی اجازت کے ساتھ،

وہ صورتیں جن میں قاضی کا وصی میت کے وصی کی مثل نہیں

36842۔ (قولہ: إِلَّا فِي ثَمَانٍ) مگر آٹھ صورتوں میں، ان پر ناویں کا بھی اضافہ کیا جاتا ہے جسے ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ اور دسویں بھی ہے وہ یہ کہ اگر قاضی کا وصی اس کے لیے وہ اجرت مثل معین کر دے تو وہ جائز ہے بخلاف میت کے وصی کے کہ صحیح روایت کے مطابق اس کے لیے کوئی اجرت نہیں جیسا کہ اسے ”القنیه“ سے پہلے بیان کر دیا ہے، اور ہم اس پر پہلے کلام کر چکے ہیں۔

36843۔ (قولہ: لَيْسَ لَوَصِيِّ الْقَاضِي الشَّيْءُ لِنَفْسِهِ) یعنی قاضی کے وصی کے لیے یتیم کے مال میں سے اپنی ذات کے لیے خریدنا اور اپنا مال اس سے بیچنا مطلقاً جائز نہیں۔ بخلاف باپ کے وصی کے، کہ اس کے لیے جائز ہے بشرطیکہ یتیم کے لیے منفعت ظاہر ہو جیسا کہ متن میں گزر چکا ہے، پس اگر اس وصی نے قاضی سے خرید لیا یا بیچا تو وہ جائز ہے۔ اسے ”حموی“ نے ”البرزازیه“ سے نقل کیا ہے۔

36844۔ (قولہ: وَلَا أَنْ يَبِيعَ) اور بیع کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ اس میں تہمت کا اندیشہ ہے۔ اور بیع پر اقتصار کیا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ شرا کا حکم بھی اسی کی مثل ہے۔ ”طحاوی“۔

36845۔ (قولہ: وَلَا أَنْ يَقْبِضَ) یعنی اگر قاضی اسے وصی مقرر کرے تاکہ وہ صغیر کی طرف سے اس کے ساتھ خصومت اور مقدمہ لڑے جس نے صغیر کی زمین پر ناحق قبضہ کر رکھا ہے تو اسے اس پر قبضہ کا اختیار نہیں ہوگا مگر جب وصی بنانے کے بعد قاضی اسے نئے سرے سے قبضہ کرنے کی اجازت دے بشرطیکہ اس نے خصومت کی اجازت کے وقت، اسے قبضہ کی اجازت نہ دی ہو۔ کیونکہ وہ وکیل کی طرح ہے۔ اور فتویٰ امام ”زفر“ رحمہ اللہ کے قول پر ہے کہ وکیل بالخصومه قبضہ کا لک نہیں ہوتا بخلاف میت کے وصی کے، کیونکہ وہ بغیر اجازت کے اس کا مالک ہوتا ہے۔ کیونکہ باپ نے اسے اپنی طرف سے نائب اور خلیفہ بنایا ہے۔ پس اس کے خلیفہ کے باقی ہونے کے ساتھ اس کی رائے باقی ہوگی، اور اگر وہ حقیقتاً باقی ہو تو قاضی کو اس کے مال میں تصرف کرنے کا حق حاصل نہیں تو اسی طرح حکم ہے اگر وہ حکماً باقی ہو جیسا کہ ”خصاف“ نے یہی کہا ہے۔ اور یہ اس بارے قطعی فائدہ دیتا ہے کہ میت کا وصی قاضی کے معزول کرنے کے ساتھ معزول نہیں ہوتا۔ ”البیری“ نے کہا ہے: اور اس نے یہ فائدہ دیا ہے کہ قاضی کے لیے میت کے وصی سے ترکہ کی مقدار کے بارے پوچھنا اور اس بارے میں اس کے ساتھ کلام

وَلَا أَنْ يُوجَرَ الصَّغِيرُ لِعَمَلٍ مَا، وَلَا أَنْ يُجْعَلَ وَصِيًّا عِنْدَ عَدَمِهِ، وَلَوْ خَصَّصَهُ الْقَاضِي تَخَصُّصًا،

اور وہ صغیر کو کسی کام کے لیے بطور اجارہ نہیں دے سکتا، اور نہ ہی وہ اپنی عدم موجودگی کے وقت کسی کو وصی بنا سکتا ہے، اور اگر قاضی اسے خاص کر دے تو وہ (اسی کام کے ساتھ) خاص ہو جاتا ہے،

کرنا جائز نہیں ہے، بخلاف قاضی کے وصی کے۔ اور اس کی مکمل بحث اسی میں ہے۔ یہ ”حاشیہ ابی السعود“ کی تلخیص ہے۔ اور جو ”البیری“ نے ذکر کیا ہے وہ مذکورہ آٹھ مسائل پر زائد ہے۔

36846۔ (قوله: وَلَا أَنْ يُوجَرَ الصَّغِيرُ لِعَمَلٍ مَا) اور نہ وہ صغیر کو کسی کام کے لیے اجارہ پر دے، یعنی کام جو بھی ہو،

اور اسے ”الاشباہ“ میں ”القنیہ“ کی طرف منسوب کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس پر وہ اشکال ہوتا ہے جسے ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ وہ اس کا اجارہ کرنے کا مالک ہے جس کے لیے بالکل وصایت نہ ہو اور وہ اس کا وہ ذورحم محرم ہے جو اس کی گود میں ہو (یعنی زیر پرورش ہو) تامل۔ اور چاہیے کہ اسے کسی پیشہ کے حوالے کرنا مستثنا ہو۔ اور ”أدب الاوصیاء“ میں وصی کے لیے ہے کہ وہ یتیم کی ذات، اس کی زمین اور اس کے تمام اموال کا اجارہ کر سکتا ہے اگرچہ وہ تھوڑے غبن کے ساتھ ہو۔ اور جب اس کا باپ جو لاھا (کپڑا بننے والا) یا حجام نہ ہو تو اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ جس کی وہ پرورش کر رہا ہے اسے وہ جو لا ہے یا حجام کے حوالے کر دے۔ کیونکہ اس کے سبب وہ عار محسوس کرے گا۔ اس کی مکمل بحث اسی میں ہے۔

36847۔ (قوله: وَلَا أَنْ يُجْعَلَ وَصِيًّا عِنْدَ عَدَمِهِ) یعنی وہ اپنی موت کے وقت کسی کو وصی نہ بنائے۔ ”الاشباہ“

میں کہا ہے: قاضی کا وصی جب اپنی موت کے وقت کسی کو وصی بنائے تو دوسرا وصی نہیں ہوگا بخلاف میت کے وصی کے، اسی طرح ”تتمہ“ میں ہے۔ پھر ”الحنانیہ“ سے وہ نقل کیا ہے جسے بیان کیا ہے کہ وصی وصی بنانے کا مالک ہوتا ہے چاہے وہ میت کا وصی ہو یا قاضی کا وصی ہو۔ اور اسی کی مثل ”القنیہ“ میں ”صاحب المحیط“ سے ہے۔ توفیق و تطبیق آگے آئے گی۔

قاضی کے وصی کی تخصیص کا جواز

36848۔ (قوله: وَلَوْ خَصَّصَهُ الْقَاضِي تَخَصُّصًا) اور قاضی اسے خاص کر دے تو وہ خاص ہو جاتا ہے۔ کیونکہ قاضی

نے اسے بطور قضا مقرر کیا ہے اور قضا تخصیص کو قبول کرتی ہے، اور باپ کا وصی اسے قبول نہیں کرتا بلکہ اس کا قائم مقام ہونے کی وجہ سے وہ تمام اشیاء میں وصی ہوتا ہے۔ اسے ”بیری“ نے ”بزازیہ“ سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یا اس لیے کہ قاضی کا وصی وکیل کی مثل ہوتا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اور اس کی تخصیص ہو سکتی ہے بخلاف باپ کے وصی کے۔ اور ”التاثر خانیہ“ کے حیل میں ہے کہ کسی نے ایک آدمی کو ان چیزوں کے بارے میں وصی بنایا جو کوفہ میں اس کی ہیں اور دوسرے کو ان کے لیے جو شام میں ہیں اور تیسرے کو ان کے لیے جو بصرہ میں ہیں تو ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ سب کے سب تمام اشیاء میں وصی ہوں گے، اور وصایت کسی نوع، مکان یا زمان کے ساتھ تخصیص کو قبول نہیں کرتی،

وَلَوْ نَهَاكَ عَنْ بَعْضِ التَّصَرُّفَاتِ صَحَّ نَهْيُهُ،

اور اگر وہ اسے بعض تصرفات سے روک دے تو اس کا روکنا صحیح ہے،

بلکہ وہ عام ہوتی ہے۔ اور امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر ایک اسی میں وصی ہوگا جس کے لیے اسے وصی بنایا گیا، اور امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کا قول مضطرب ہے۔ اور حیلہ یہ ہے کہ وہ کہے: خاص طور پر ان اشیاء میں جو میری کوفہ میں ہیں (وصی بنایا) ان کے سوا کے لیے نہیں۔ اور اس میں امام ”الحلوانی“ نے اس طرح نظر کی ہے کہ اس کی تخصیص کرنا اسے روکنے اور اس پر پابندی لگانے کی مثل ہے جب کہ وہ اذن عام پر وارد ہو۔ کیونکہ اگر وہ اپنے غلام کو تجارت کے بارے میں اذن عام دے۔ پھر بعض چیزوں میں اس پر پابندی لگا دے تو وہ صحیح نہیں ہوتی اور اس طرح کہ انہوں نے اس میں تردد کیا ہے جب وہ اسے ان چیزوں میں وصی بنائے جو اس کی لوگوں پر لازم ہیں اور ان میں اسے وصی نہ بنائے جو لوگوں کی اس پر ہیں۔ اور اکثر کا موقف یہی ہے کہ ایسا کرنا صحیح نہیں۔ پس اس حیلہ میں ایک نوع کا شبہ ہے۔ ملخصاً۔ اور جو ”الخانیہ“ میں ہے وہ ”الحلوانی“ کی نظر کی تائید کرتا ہے اس نے کہا ہے: میں نے اپنا قرض وصول کرنے کے لیے فلاں کو وصی بنایا اور اس کے سوا کسی اور کام کے لیے وصی نہیں بنایا، اور میں نے فلاں دوسرے کو اپنے تمام مال کے بارے میں وصی بنایا تو ان دونوں میں سے ہر ایک تمام انواع میں وصی ہوگا گویا اس نے دونوں کو وصی بنایا۔ اور اسی کی تائید ان کا یہ مطلق قول بھی کرتا ہے کہ ”میت کا وصی تخصیص کو قبول نہیں کرتا۔“ اور اس کا مفاد یہ ہے کہ وہ مخصوص نہیں ہوگا اگرچہ متعدد ہو۔ لیکن ”الخانیہ“ میں ”ابن الفضل“ سے یہ بھی ہے کہ جب اس نے ایک کو اپنے بیٹے پر اور دوسرے کو اپنی بیٹی پر یاد میں سے ایک کو اپنے حاضر مال میں اور دوسرے کو اپنے غائب مال میں وصی بنایا، تو اگر اس نے شرط لگا دی کہ ہر ایک اس میں وصی نہیں ہوگا جس میں اس نے دوسرے کو وصی بنایا ہے تو تمام کے نزدیک اسی طرح ہوگا جیسے اس نے شرط لگائی۔ اور اگر شرط نہ لگائی تو پھر مذکورہ اختلاف پر ہی ہوگا، اور فتویٰ امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے۔ اور شاید جو ”الخانیہ“ میں پہلے ہے وہ ”حلوانی“ کے قول پر مبنی ہے۔ قائل۔

میں کہتا ہوں: اور ان چیزوں میں سے جن پر اس کے لیے آگاہ ہونا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جب وہ کسی آدمی کو خیر اور نیکی کے راستوں میں اپنا تہائی مال تقسیم کرنے کے لیے وصی بنائے تو وہ اس کی اولاد اور اس کے ترکہ پر عام وصی ہوگا اگرچہ وہ اس میں کسی غیر کو وصی بنائے۔ یہ امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے مفتی بہ قول کی بنا پر ہے۔ پس ان دونوں میں سے ایک کا انفرادی تصرف نافذ نہیں ہوگا اور ہمارے زمانے میں لوگ اس سے غافل ہیں۔ اور یہی واقعۃ الفتویٰ ہے۔ تحقیق ”الخانیہ“ میں اس پر نص بیان کی ہے اور کہا ہے: اور اگر اس نے ایک آدمی کو قرض کے بارے میں وصی بنایا اور دوسرے کو اس بارے میں کہ وہ اس کا غلام آزاد کرے یا اس کی وصیت کو نافذ کرے تو ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ دونوں ہر شے میں وصی ہوں گے۔ اور ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: ہر ایک اسی میں وصی ہوگا جس پر اسے مقرر کیا گیا دوسرا اس کے ساتھ داخل نہیں ہوگا۔

36849۔ (قوله: وَلَوْ نَهَاكَ الْخ) اور اگر وہ اسے روک دے الخ، یہ تخصیص کو قبول کرنے اور نہ کرنے کی طرف راجع

وَلَهُ عَزْلُهُ وَلَوْ عَدْلًا بِخِلَافِ وَصِيِّ الْبَيْتِ فِي ذَلِكَ كُلِّهِ وَفِي الْخِزَانَةِ وَصِيٌّ وَصِيَّ الْقَاضِي كَوَصِيِّهِ لَوْ الْوَصِيَّةُ عَامَّةً انْتَهَى، وَبِهِ يَحْصُلُ التَّوْفِيقُ وَفِي الْفَتَاوَى الصُّغْرَى تَبَرُّعُهُ فِي مَرَضِهِ إِنَّمَا يَنْفُذُ مِنَ الثُّلُثِ عِنْدَ عَدَمِ الْإِجَازَةِ إِلَّا فِي تَبَرُّعِهِ فِي الْمَنَافِعِ فَيَنْفُذُ مِنَ الْكُلِّ بِأَنْ أَجْرِبَ أَقْلٌ مِنْ أَجْرِ الْبِشْلِ لِأَنَّهَا تَبْطُلُ بِمَوْتِهِ

اور اس کے لیے اسے معزول کرنا جائز ہے اگرچہ وہ عادل متقی ہو بخلاف ان تمام امور میں میت کے وصی کے۔ اور ”الخزانہ“ میں ہے: قاضی کے وصی کا وصی اس کے وصی کی طرح ہے بشرطیکہ وصیت عام ہو انتہی (الخزانہ کا کلام ختم ہوا)۔ اور اس کے ساتھ تطبیق و توفیق حاصل ہو جاتی ہے۔ اور ”الفتاویٰ الصغریٰ“ میں ہے: مریض کا حالت مرض میں تبرع اور احسان کرنا اجازت نہ ہونے کے وقت بلاشبہ ثلث سے نافذ ہوگا، مگر منافع میں اس کا تبرع کل سے نافذ ہوگا اس طرح کہ وہ اجرت مثل سے کم کے ساتھ اس کا اجارہ کرے، کیونکہ وہ اس کی موت کے ساتھ باطل ہو جائے گا۔

ہے۔ ”اشباہ“۔

36850۔ (قوله: وَلَهُ عَزْلُهُ الْخ) اور اس کے لیے اسے معزول کرنا جائز ہے الخ، یہ آٹھواں مسئلہ ہے۔ اور ”شرح“ نے باب الوصی کے شروع میں اسے اس کے ساتھ مقید کیا ہے کہ جب قاضی مصلحت دیکھے، پس اس کی طرف رجوع کرو۔

36851۔ (قوله: وَصِيٌّ وَصِيَّ الْقَاضِي الْخ) یعنی جب قاضی کا وصی اپنی موت کے وقت کسی دوسرے کو وصی بنائے تو وہ صحیح ہے اور دوسرا پہلے کی طرح ہو جائے گا اگر پہلے کی وصایت عام ہو۔

36852۔ (قوله: وَبِهِ يَحْصُلُ التَّوْفِيقُ) اور اسی سے توفیق و تطبیق حاصل ہو جاتی ہے، اس طرح کہ ان کے گزشتہ قول: وَلَا أَنْ يَجْعَلَ وَصِيًّا عِنْدَ عَدَمِهِ كَوَاسٍ پَرِمْحُولِ کیا جائے کہ جب وصایت خاصہ ہو، اور اسی طرح جو ہم نے ”الغانیہ“ اور ”القنیہ“ سے ذکر کیا ہے اسے وصایت عامہ پَرِمْحُولِ کیا جائے تو پھر ان کی عبارات میں منافات اور تضاد نہیں ہوگا۔ فافہم۔

حالت مرض میں بلا اجازت مریض کے تبرع اور احسان کرنے کا شرعی حکم

36853۔ (قوله: بِأَنْ أَجْرِبَ الْخ) یہ فتاویٰ صغریٰ کے کلام میں سے نہیں ہے۔ اور علامہ ”زیلعی“ نے کتاب الغصب میں اس کی صورت اس طرح بیان کی ہے کہ وہ اجنبی کو عاریتاً دے۔ اور ”الاشباہ“ میں کہا ہے: اور اس پر نص بیان کی گئی ہے کہ وہ جب اجرت مثل سے کم کے ساتھ اجارہ کرے تو وہ تمام مال سے نافذ ہوگا۔ اور یہ بھی کہ جب اعارہ جائز ہے تو پھر اجارہ بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ اور اسی کی مثل وہ ہے کہ جب وہ اپنے گھر کی رہائش اور اپنے غلام کی خدمت کے بارے وصیت کرے، تو وہ جس کا ثلث سے اعتبار کیا جائے گا تو وہ نفس دار اور غلام کی ذات ہے نہ کہ دار کی رہائش اور غلام کی خدمت جیسا کہ یہ اپنے محل میں گزر چکا ہے۔ پس حصر مراد نہیں ہے۔

منافع اعیان کے قائم مقام ہوتے ہیں

36854۔ (قوله: لِأَنَّهَا تَبْطُلُ بِمَوْتِهِ الْخ) کیونکہ وہ اس کی موت کے ساتھ باطل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اسے

فَلَا إِضْرَارَ عَلَى الْوَرَثَةِ وَفِي حَيَاتِهِ لَا مِثْلَ لَهُمْ، لَكِنْ فِي الْعِمَادِيَّةِ أَنَّهَا مِنَ الثُّلُثِ

پس وہ ورثا کے لیے نقصان دہ نہ ہوگا، اور اس کی زندگی میں ان کی ملکیت ثابت نہیں۔ لیکن ”العمادیہ“ میں ہے کہ وہ ثلث مال سے نافذ ہوگا،

”طرسوی“ کے قول کا جواب دیتے ہوئے ”شرح الوہبانیہ“ اور ”الاشباہ“ میں ذکر کیا ہے: بلاشبہ یہ مسئلہ قاعدہ کے مخالف ہے، کیونکہ اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ منافع اعیان کے قائم مقام ہوتے ہیں، اور بیع میں ثلث سے اعتبار کیا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: جو میرے لیے ظاہر ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ دوسرے جواب پر اقتصار کرنا اولیٰ ہے، اور وہ یہ کہ اس مسئلے میں دور وایتیں ہیں۔ کیونکہ رہائش اور سکنی کے بارے وصیت میں منفعت ہے، اور خدمت کا اعتبار ثلث سے نہیں کیا جاتا اس کے باوجود کہ وہ موت کے بعد باقی ہے۔ پس اس میں یہ وہم دلانا ہے کہ اجارہ کا باطل ہونا کل مال سے وصیت کا اعتبار کرنے کا سبب ہے حالانکہ اس طرح نہیں ہے جیسا کہ آپ جان چکے ہیں۔ تامل۔

36855۔ (قوله: فَلَا إِضْرَارَ عَلَى الْوَرَثَةِ) یعنی موت کی مابعد صورت میں وارثوں کا کوئی نقصان نہیں۔ کیونکہ اجارہ جب باطل ہو گیا تو منافع ان کی ملکیت ہو گئے۔

36856۔ (قوله: وَفِي حَيَاتِهِ لَا مِثْلَ لَهُمْ) اور اس کی زندگی میں ان کے لیے کوئی ملکیت نہیں، پس مستاجر نے موت سے پہلے جو کچھ حاصل کر لیا ہے اس میں بھی ان (ورثا) کے لیے کوئی ضرر اور نقصان نہیں۔ اور اسی کے ساتھ وہ اعتراض بھی ساقط ہو گیا جو اس پر وارد کیا گیا ہے کہ اگر مثال کے طور پر وہ اس کا اجارہ چالیس کے عوض کرے جس کی اجرت سو ہے، اور اس کا مرض طویل ہو جائے یہاں تک کہ مستاجر اجارہ کی مدت میں منفعت حاصل کر لے، تو اگر وہ (نفع) تہائی مال سے زیادہ ہو تو یہ ورثا کے لیے نقصان دہ ہے۔ فافہم۔

اور ”شرح البیری“ میں ”المحیط“ کے باب المزارعة سے ہے کہ غرما (قرض خواہ) اور ورثا کا حق اس کے ساتھ متعلق ہوتا ہے جس میں وراثت جاری ہوتی ہے اور وہ اعیان ہیں، اور اس کے ساتھ حق متعلق نہیں ہوتا جس میں وراثت جاری نہیں ہوتی جیسا کہ منافع اور وہ شے جو مال سے نہ ہو۔ کیونکہ وراثت اس میں جاری ہوتی ہے جو دوزمانوں میں باقی رہتی ہے تاکہ وہ موت کے ساتھ میت کی جانب سے ان کی طرف منتقل ہو سکے اور منافع دوزمانوں میں باقی نہیں رہتے۔ اور ”البیری“ نے اس حصر پر اس طرح اعتراض کیا ہے کہ یہ منافع کے چیز اور محل میں ہے۔ کیونکہ قصاص بالنفس سے معافی مال نہیں ہے۔ اسی لیے مریض کا جمیع مال سے اسے معاف کرنا صحیح ہے۔ اور ”ابو السعود“ نے اسے ثابت رکھا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ عجیب ہے، کیونکہ یہ تو حصر کے لیے موید ہے، اس کے لیے مانع نہیں ہے۔ پس اس میں غور و فکر کر لو۔

36857۔ (قوله: لَكِنْ فِي الْعِمَادِيَّةِ أَنَّهَا مِنَ الثُّلُثِ) لیکن ”العمادیہ“ میں ہے کہ یہ ثلث مال سے نافذ ہوگا، اور

اسی کی مثل ”النصف“ میں ہے جیسا کہ ہم نے اسے باب العتق فی المرض میں ”القہستانی“ سے پہلے بیان کر دیا ہے، اور وہاں ہم

فَلَعَلَّهُ رَوَايَتَانِ نَاعَ مَالِ الْيَتِيمِ أَوْ ضَيْعَتَهُ وَالْمُشْتَرَى مُفْلِسٌ يُؤْجَلُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، فَإِنْ نَقَدَ وَإِلَّا فُسِخَ، فَإِنْ أَنْكَرَ الشَّيْءَ وَقَدْ قَبِضَ يَرْفَعُ الْوَصِيُّ الْأَمْرَ لِلْحَاكِمِ فَيَقُولُ إِنْ كَانَ بَيْنَكُمَا بَيْعٌ فَقَدْ فَسَخْتَهُ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ

تو پھر شاید اس میں دو روایتیں ہیں۔ وصی نے یتیم کا مال یا اس کی زمین فروخت کی اور مشتری مفلس ہو تو اسے تین دن کی مہلت دی جائے گی، پس اگر وہ ثمن ادا کر دے (تو بہتر) ورنہ وہ بیع کو فسخ کر دے۔ پھر اگر وہ شرا (خرید) کا انکار کر دے در آنحالیکہ وہ بیع پر قبضہ کر چکا ہو تو وصی معاملہ حاکم کے پاس پیش کرے۔ اور وہ کہے: بلاشبہ تم دونوں کے درمیان بیع ہو چکی ہے لیکن میں نے اسے فسخ کر دیا ہے وصی نے وصی ہونا قبول کیا،

نے ”الوہانیہ“ سے پہلے کے ساتھ جزم و یقین بیان کیا ہے۔

36858۔ (قوله: أَوْ ضَيْعَتَهُ) یہ خاص کا عطف عام پر ہے۔

36859۔ (قوله: يُؤْجَلُ) یعنی حاکم اسے مہلت دے گا جیسا کہ ”أَدَبُ الْأَوْصِيَاءِ“ میں ہے۔ اور اس میں غور کر کیا کفیل کا مطالبہ کیا جائے گا جب اس کے بھاگ جانے کا خوف ہو یا وہ فی الحال فسخ کر دے گا جب وہ ثمن ادا نہ کرے؟ انہوں نے اسے بطور نقل تحریر کیا ہے۔

36860۔ (قوله: وَقَدْ قَبِضَ) در آنحالیکہ وہ قبضہ کر چکا ہو، تو یہ ظاہر ہے کہ جب اس نے قبضہ نہ کیا تو حکم اسی طرح ہو گا، کیونکہ مراد عقد کو فسخ کرنا ہے۔ ”طحاوی“۔

36861۔ (قوله: فَيَقُولُ) یعنی حاکم اس کے اسے حلف دینے کے بعد کہے گا پس اس نے حلف دیا۔ ”نجم الدین خاصی“ نے کہا ہے: اس طرح کہ فسخ جائز ہے اگرچہ یہ مخاطرہ کے ساتھ معلق کرنا ہے، اور بلاشبہ یہ حاکم کے فسخ کرنے کا محتاج ہے۔ کیونکہ اگر وصی مشتری کے بیع کا انکار کرنے کے بعد خصومت ترک کرنے کا ارادہ کرے تو یہ فسخ اقالہ کے حکم میں ہو جائے گا اور یہ وصی کو لازم ہوگا جیسا کہ اگر وہ دونوں حقیقۃً اقالہ کریں۔ لیکن جب حاکم اسے فسخ کرے تو بیع اس پر لازم نہیں ہوگی بلکہ وہ میت کی ملک کی طرف لوٹ جائے گی، کیونکہ قاضی کی ولایت کامل اور عام ہے۔ اور اسی کی مثل ”الحنانیہ“ میں ہے۔ ”أَدَبُ الْأَوْصِيَاءِ“۔

تنبیہ

اگر خوشحال آدمی یتیم کا مال ہزار کے عوض خریدے اور مفلس آدمی پندرہ سو کے عوض خریدے تو وصی اسے خوشحال اور دولت مند کے ہاتھ فروخت کرے اور مفلس کی زیادہ قیمت کی طرف توجہ نہ کرے۔ کیونکہ اس میں مال کے ضائع ہونے سے بچاؤ اور احتیاط ہے۔ جیسا کہ ”الحنانیہ“ وغیرہ میں ہے۔ ”أَدَبُ الْأَوْصِيَاءِ“۔

ثُمَّ أَرَادَ عَزْلَ نَفْسِهِ لَمْ يَجْزِ إِلَّا عِنْدَ الْحَاكِمِ دَفَعَ لِلْيَتِيمِ مَالَهُ بَعْدَ بُلُوغِهِ وَأَشْهَدَ الْيَتِيمَ عَلَى نَفْسِهِ أَنَّهُ لَمْ يَبْقَ لَهُ مِنْ تَرِكَةِ وَالِدِهِ لَقِيلٌ وَلَا كَثِيرٌ ثُمَّ ادَّعَى شَيْئَانِي يَدِ الْوَصِيِّ أَنَّهُ مِنْ تَرِكَةِ أَبِي وَبَرَهَنَ تَسْمَعُ

پھر اس نے اپنے آپ کو معزول کرنا چاہا تو یہ جائز نہ ہوگا مگر حاکم کے پاس۔ اس نے یتیم کے بالغ ہونے کے بعد اس کا مال اسے دیا اور یتیم نے اپنے آپ پر گواہ بنالیا کہ اس کے باپ کے ترکہ میں سے کچھ باقی نہیں رہا نہ تھوڑا نہ زیادہ، پھر اس نے وصی کے ہاتھ میں کوئی شے دیکھ کر دعویٰ کیا کہ وہ میرے باپ کے ترکہ میں سے ہے اور اس پر گواہ قائم کر دیئے تو وہ دعویٰ سنا جائے گا۔

اگر وصی وصی ہونا قبول کر لے پھر اپنے آپ کو معزول کرنا چاہے تو اس کا حکم

36862۔ (قوله: لَمْ يَجْزِ إِلَّا عِنْدَ الْحَاكِمِ) یہ جائز نہیں مگر حاکم کے پاس، اسے ”البرزازیہ“ میں باب منصوب القاضی میں ذکر کیا ہے جیسا کہ ہم نے اسے باب الوصی کے شروع میں اس سے نقل کیا ہے۔ اور رہامیت کا وصی! تو متن میں گزر چکا ہے کہ میت کے غیب ہونے کا سبب اس کا قبول کرنے کے بعد اسے رد کرنا صحیح نہیں تا کہ وہ اس کی جانب سے مغرور (دھوکا کھایا ہوا) نہ ہو جائے۔ اور ”البرزازیہ“ میں ”الایضاح“ سے ہے: اس نے اپنے آپ کو معزول کرنے کا ارادہ کیا تو وہ صرف حاکم کے پاس جائز ہے۔ کیونکہ اس نے قیام (یعنی ذمہ داری ادا کرنے) کا التزام کیا ہے۔ پس وہ اس کے اخراج (یعنی چھوڑنے) کا مالک نہیں ہو سکتا مگر وصی بنانے والے (موصی) کی موجودگی میں یا اس کی موجودگی میں جو اس کے قائم مقام ہو، اور وہ وہ ہے جسے یتیم کے مال میں تصرف کرنے کی ولایت حاصل ہو، اور جب وہ حاکم کے پاس حاضر ہوگا تو وہ اس کی حالت دیکھے گا۔ اگر وہ مامون اور تصرف پر قادر ہو تو وہ اسے وصایہ سے نہیں نکالے گا۔ کیونکہ اس نے اس کے قیام کا التزام کیا ہے، اور اس کے باقی رکھنے میں وصی کا کوئی نقصان نہیں۔ اور اگر وہ اس کے عجز اور کثرت مشغولیت کو دیکھے تو وہ اسے وصایہ سے نکال دے۔ کیونکہ اسے باقی رکھنے میں ضرر اور نقصان ہے اور اس سے مقصود حاصل نہیں ہوگا، کیونکہ معزولی کا مطالبہ کرنے کے بعد اس کی طرف سے اس کے امور کا اہتمام کم ہوگا۔ اور ”الاشباہ“ میں ہے: اور کامل عدل کرنے والا اپنے آپ کو معزول کرنے کا مالک نہیں ہوتا، اور اس میں حیلہ دو چیزیں ہیں الخ۔ اور ہم نے اسے پہلے بیان کر دیا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کرو۔

36863۔ (قوله: تَسْمَعُ) وہ دعویٰ سنا جائے گا، ”الخانیہ“ میں اس کے بعد کہا ہے: اور اسی طرح اگر وارث اقرار کرے کہ اس نے اس تمام مال پر قبضہ کر لیا ہے جو اس کے والد کے ترکہ میں سے لوگوں کے ذمے تھا، پھر اس نے کسی آدے پر اپنے والد کے قرضہ کا دعویٰ کیا تو اس کا دعویٰ سنا جائے گا۔ ”الشرنبلائیہ“ میں کہا ہے: اس لیے کہ اس سے مانع اور روکنے والی کوئی شے موجود نہیں۔ کیونکہ اس میں کسی معلوم کو نہ کسی معلوم سے بری کرنا ہے اور نہ مجہول سے۔ پس یہ خالی اقرار ہے جو بری الذمہ قرار دینے کو مستلزم نہیں۔ لہذا یہ اس کے دعویٰ کے لیے مانع نہیں ہو سکتا۔ اور ”صاحب الاشباہ“ کو اشتباہ ہوا ہے اور انہیں یہ گمان ہوا ہے کہ یہ برأۃ عامہ کے قبیل سے ہے اور یہ دعویٰ کے مانع ہونے سے مستثنیٰ ہے۔ ملخصاً۔

میں کہتا ہوں: یہ اس پر غالب اور ظاہر نہیں ہے جو ”أدب الاوصیاء“ میں ”المشتقی“ وغیرہ سے اس قول کی زیادتی کے ساتھ

لِلْوَصِيِّ الْأَكْلُ وَالزُّكُوبُ بِقَدْرِ الْحَاجَةِ، قَالَ تَعَالَى - وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ - لَهُ أَنْ يُنْفِقَ فِي تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَالْأَدَبِ إِنْ تَأَهَّلَ لِذَلِكَ، وَإِلَّا فَلْيُنْفِقْ عَلَيْهِ بِقَدْرِ

وصی کے لیے بقدر حاجت مال سے کھانا، اور سواری کرنا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ (النساء: 6) ”اور جو فقیر ہو تو اسے چاہیے کہ وہ معروف طریقہ پر کھائے“۔ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ قرآن کریم اور ادب کی تعلیم میں خرچ کرے اگر وہ (یتیم) اس کا اہل ہو، ورنہ اسے چاہیے کہ وہ اس پر اتنی مقدار خرچ کرے

ہے: ولم یبق عند الوصی لا قلیل ولا کثیر الا استوفاه الخ پس یہ معین کا اقرار ہے اور اقرار اقرار کرنے والے پر حجت ہوتا ہے۔ تامل۔ اور کتاب الصلح کے شروع میں یہ مسئلہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور وہاں ”شارح“ نے کہا ہے کہ اس کے قول: لم یبق لی حق ”یعنی اس سے جس پر میں نے قبضہ کیا ہے میرا کوئی حق باقی نہیں“۔ کو اس پر محمول کرنے سے اعیان سے بری قرار دینا باطل ہے تناقض ثابت نہیں ہوتا۔ مکمل بحث وہاں ہے۔

وصی کے لیے بقدر ضرورت مال سے کھانا اور سواری کرنا جائز ہے۔

36864۔ (قوله: لِلْوَصِيِّ الْأَكْلُ الخ) وصی کے لیے کھانا جائز ہے الخ۔ ہم نے ”الحانیہ“ میں پہلے بیان کیا ہے کہ یہ استحسان ہے جب وہ محتاج ہو تو اتنی مقدار جائز ہے جتنی وہ کوشش اور محنت کرے۔ ”أدب الاوصیاء“ میں کہا ہے: اور قیاس یہ ہے کہ وہ نہ کھائے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی عام ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا (النساء: 10)

(بیشک وہ لوگ جو یتیموں کے مال ظلم سے کھاتے ہیں)۔

فقیہ نے کہا ہے: شاید قول باری تعالیٰ: وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا اس آیت کے ساتھ منسوخ ہے۔

میں کہتا ہوں: گویا کہ وہ دوسرے قول کو اختیار کرنے کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ اور وہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ ”القنیہ“ میں کہا ہے: ”ابوذر“ نے کہا ہے: اور یہی صحیح ہے، کیونکہ وہ وصایا میں بطور تبرع اور احسان شروع ہوا ہے، پس یہ ضمان واجب نہیں کرے گا۔ ”الاسیجیابی“ نے اپنی شرح میں کہا ہے: مگر جب اس کے لیے معین اور معلوم اجرت ہو تو وہ اس کی مقدار کے برابر کھا سکتا ہے۔

یتیم کی تعلیم و تربیت پر مال خرچ کرنے کا جواز

36865۔ (قوله: لَهُ أَنْ يُنْفِقَ الخ) اس کے لیے جائز ہے کہ وہ خرچ کرے الخ۔ اسی طرح ”مختارات النوازل“

میں ہے۔ اور ”الخلاصہ“ وغیرہ میں ہے: اگر وہ اس کی صلاحیت رکھتا ہو تو جائز ہے اور وصی ماجور ہوگا، ورنہ پھر اس پر لازم ہے کہ وہ اسے اتنی مقدار میں پڑھنے کا پابند بنائے جو وہ اپنی نماز میں پڑھ سکتا ہو۔ پس انہوں نے اسے قرآن واجبہ کے ساتھ مقید نہیں کیا۔ تامل۔ اور ”القنیہ“ میں ہے: اور وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا جو اس نے یتیم بچے اور یتیم بچی کی آپس میں یا کسی اور کے

مَا يَتَعَلَّمُ الْقِرَاءَةَ الْوَاجِبَةَ فِي الصَّلَاةِ مُجْتَبًى - وَفِيهِ جَعَلَ لِلْوَصِيِّ مُشْرِفًا لَمْ يَتَصَرَّفْ بِدُونِهِ . وَقِيلَ
لِلْمُشْرِفِ أَنْ يَتَصَرَّفَ وَفِيهِ لِلْأَبِ إِعَارَةٌ طِفْلِهِ اتِّفَاقًا لَا مَالِهِ عَلَى الْأَكْثَرِ - وَفِيهِ يَبْدُكَ الْأَبُ لَا الْجَدُّ
عِنْدَ عَدَمِ الْوَصِيِّ مَا يَبْدُكَ الْوَصِيُّ - يَبْدُكَ الْأَبُ لَا الْجَدُّ قِسْمَةَ مَالٍ مُشْتَرَكٍ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الصَّغِيرِ

جس سے وہ نماز میں قرآن واجبہ سیکھ لے۔ ”مجتبیٰ“۔ اور اسی میں ہے: وصی کے لیے مشرف (نگران) مقرر کیا گیا تو وہ اس کے بغیر تصرف نہ کرے، اور کہا گیا ہے کہ مشرف کے لیے تصرف کرنا جائز ہے۔ اور اسی میں ہے کہ باپ کے لیے اپنا بچہ عاریتاً دینا بالاتفاق جائز ہے نہ کہ اس کا مال یہ اکثر روایات کے مطابق ہے۔ اور اسی میں ہے: باپ وصی نہ ہونے کے وقت اس کا مالک ہوتا ہے نہ کہ دادا جس کا وصی مالک ہوتا ہے۔ باپ اپنے اور صغیر کے درمیان مشترک مال کی تقسیم کا مالک ہوتا ہے نہ کہ دادا،

ساتھ منگنی کرنے میں جو کچھ منگیتر مرد اور عورت کے لباس پر، اور مروجہ مہمان نوازی، اور معینہ اور معبودہ تحائف، اور عیدوں کے مواقع پر خرچ کیا اگرچہ اس کا اس سے چارہ کار ہو۔ اور اس کے ختنہ کے لیے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کی ضیافت کا اہتمام کرنے میں جو خرچ کیا جبکہ وہ اس میں فضول خرچی نہ کرے، اور اسی طرح اس کی دعوت اور جو بچوں میں سے اس کے پاس ہوں اور اسی طرح عیدین کے مواقع پر خرچ کرنے سے وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اور بعض نے کہا ہے: وہ دعوت اور عیدین کی ضیافت میں ضامن ہوگا۔ ملخصاً۔ اور ”المغرب“ میں ہے: ”ابوزید“ سے منقول ہے: ادب کا اسم ہر پسندیدہ ریاضت پر بولا جاتا ہے جس سے انسان کسی فضیلت سے متصف ہو کر ظاہر ہوتا ہے۔

36866۔ (قوله: جَعَلَ لِلْوَصِيِّ مُشْرِفًا لَمْ يَتَصَرَّفْ بِدُونِهِ) اس پر ہم پہلے کلام کر چکے ہیں۔

وصی اور باپ کے لیے صغیر کا مال عاریتاً دینا جائز ہے

36867۔ (قوله: لِلْأَبِ إِعَارَةٌ طِفْلِهِ لَمْ يَتَصَرَّفْ بِدُونِهِ) ”اسیجائی“ کی ”شرح طحاوی“ میں ہے: وصی اور باپ کے لیے یتیم کا مال عاریتاً دینا جائز ہے۔ ”عماد الدین“ نے اپنی ”فصول“ میں کہا ہے: یہ ان میں سے ہے جسے بہت زیادہ یاد رکھا جاتا ہے۔ اور ”التجنیس“ میں ”الانوازل“ سے ہے: باپ کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اس کے مال میں تجارت کے توابع میں سے نہیں ہے۔ اور ”الذخیرہ“ میں ہے: اس کے لیے اپنے بچے کا اعارہ جائز ہے۔ رہا اس کے مال کا اعارہ تو اسی طرح بعض کے نزدیک استحساناً ہے نہ کہ اکثر کے نزدیک، اور یہی قیاس ہے۔ اور ”صاحب المحیط“ کے فوائد میں ہے: اس کے لیے بچے کا اعارہ جائز ہے جبکہ کوئی فن اور ہنر سیکھنے کے لیے استاذ کی خدمت کے لیے ہو اور علاوہ ازیں جائز نہیں ہے۔ ”ادب الوصی“۔

باپ اپنے اور صغیر کے درمیان مشترک مال کی تقسیم کا مالک ہوتا ہے

36868۔ (قوله: يَبْدُكَ الْأَبُ لَا الْجَدُّ لَمْ يَتَصَرَّفْ بِدُونِهِ) باپ مالک ہوتا ہے نہ کہ دادا الخ، میں کہتا ہوں: ”المجتبیٰ“ کی عبارت

ہے: جو صغیر اولاد اور باپ چھوڑ کر فوت ہوا اور اس کا کوئی وصی نہ ہو تو باپ اس کا مالک ہوتا ہے جس کا مالک اس کا وصی ہوتا ہے پس وہ اس کی وصیتیں نافذ کر سکتا ہے۔ اور اس کا قرض ادا کرنے کے لیے سامان اور زمین فروخت کر سکتا ہے اور دادا ایسا نہیں

بِخِلَافِ الْوَصِيِّ يَنْدِكَ الْأَبُ وَالْجَدُّ بِيَعَمَ مَالِ أَحَدِ طِفْلَيْهِ لِلْآخَرِ، بِخِلَافِ الْوَصِيِّ - وَلَوْ بَاعَ الْأَبُ أَوْ الْجَدُّ مَالِ الصَّغِيرِ مِنَ الْأَجْنَبِيِّ بِشَيْءٍ قِيَمَتِهِ جَازٌ

بخلاف وصی کے (کہ اس کے لیے یہ جائز نہیں)۔ باپ اور دادا اپنے دو بچوں میں سے ایک کا مال دوسرے کو بیچنے کے مالک ہوتے ہیں بخلاف وصی کے۔ اور باپ یا دادا نے صغیر کا مال مثلی قیمت کے عوض اجنبی کو بیچ دیا تو وہ جائز ہے

کر سکتا، اسی طرح میں نے اپنے نسخہ میں دیکھا ہے۔ قائل۔ اور انہوں نے اپنے قول: دلیس للجدّ ذالک کے ساتھ اس طرف اشارہ کیا ہے جسے ہم فصل سے تھوڑا پہلے ”الخانیہ“ سے بیان کر چکے ہیں کہ میت کا وصی میت کا قرض ادا کرنے کے لیے ترکہ بیچنے کا مالک ہوتا ہے بخلاف دادا کے، اور اگر ”شارح“ کہتے باپ اس کا مالک ہوتا ہے جس کا وصی مالک نہیں ہوتا تو یہ ایسا کلام ہوتا جس کا معنی ظاہر ہے اور اس کے بعد آنے والے مسائل اس پر تفریع ہوتے۔ کیونکہ وہ مسائل ان میں سے ہیں جن میں باپ وصی کا مخالف ہے۔ ”الاشباہ“ کے کتاب الفرائض کے آخر میں ان میں سے گیارہ مسائل ذکر کئے ہیں اور ”حاشیہ حموی“ وغیرہ میں مزید سترہ مسائل زائد کئے ہیں۔ پس اس کی طرف رجوع کرو۔ ان مسائل میں اب سے مراد صغیر کا باپ ہے میت کا باپ نہیں ہے۔

36869۔ (قوله: بِخِلَافِ الْوَصِيِّ) بخلاف وصی کے کیونکہ اس کے لیے اپنے اور صغیر کے درمیان مشترک مال کی تقسیم کرنا جائز نہیں جس میں نفع ظاہر ہو۔ یہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: تقسیم مطلقاً جائز نہیں ہے۔ ”ذخیرہ“۔ اس میں اصل اس کی بیع کرنا ہے جو تقسیم میں مبادلہ (تبادلہ کرنا) اور افراز (تقسیم کرنا) کے معنی سے ماخوذ ہے۔ پس اوصیاء میں سے ہر وہ جو ترکہ میں سے کوئی شے بیچنے کا مالک ہوتا ہے وہ اس کی تقسیم کا بھی مالک ہوتا ہے، اور جو بیع کا مالک نہیں ہوتا وہ تقسیم کا مالک بھی نہیں ہوتا۔ اور وصی دو صغیروں میں سے ایک کا مال دوسرے کو فروخت کرنے کا مالک نہیں ہوتا۔ پس وہ اس کی تقسیم کا مالک بھی نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ قاضی (ادا کرنے والا) اور متقاضی (تقاضا کرنے والا) ہوتا ہے۔ لہذا اس کے لیے تقسیم جائز نہیں۔ اور اسی طرح دو وصیوں میں سے ایک دوسرے سے بیع کرنے کا مالک نہیں ہوتا۔ پس وہ دونوں تقسیم کرنے کے بھی مالک نہیں ہوں گے بخلاف باپ کے۔ پس اس کے لیے اپنی اولاد کا مال تقسیم کرنا جائز ہے۔

اور وصی کے لیے حیلہ یہ ہے کہ وہ دو صغیروں میں سے ایک کا حصہ فروخت کرے اور پھر مشتری کے ساتھ اس کی تقسیم کرے بعد ازاں ثمن کے ساتھ اس سے وہ خرید لے جو اسے فروخت کیا۔ اور اگر ورثا میں بالغ بھی ہوں تو ان کا حصہ انہیں دے اور جو صغیر بچوں کا حصہ ہے وہ مجموعی طور پر بلا تمیز الگ کر لے تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ یہ تقسیم صغیروں کے درمیان جاری نہیں ہوئی بلکہ صغار اور بالغوں کے درمیان جاری ہوئی ہے۔ اور اسی طرح اگر وصی موصی لہ کے ساتھ ثلث کی تقسیم کر لے اور دو ثلث صغار کے لیے روک لے تو یہ بھی جائز ہے۔ اس کی مکمل بحث ”أدب الاوصیاء“ کی فصل القسمہ میں ہے۔ لیکن اس کا قول و کذا أحد الوصیین الخ ہے ”طحاوی“ نے کہا ہے: اس میں ہے کہ وصی کا بیع اور شرا کے ساتھ اجنبی کے لیے تصرف کرنا قیمت اور

إِذَا لَمْ يَكُنْ فَاسِدَ الرَّأْيِ؛ وَلَوْ فَاسِدَهُ، فَإِنْ بَاعَ عَقَارَهُ لَمْ يَجُزْ، وَفِي الْمَنْقُولِ رِوَايَتَانِ - وَلَوْ اشْتَرَى لِطِفْلِهِ ثَوْبًا أَوْ طَعَامًا وَأَشْهَدَ أَنَّهُ يَرْجِعُ بِهِ عَلَيْهِ يَرْجِعُ لَوْ لَهُ مَالٌ وَإِلَّا لَا لِيُجُوبَهُمَا عَلَيْهِ حِينَئِذٍ، وَبِشِلِهِ لَوْ اشْتَرَى لَهُ دَارًا أَوْ عَبْدًا يَرْجِعُ سَوَاءٌ كَانَ لَهُ مَالٌ أَوْ لَا،

جبکہ وہ رائے کے اعتبار سے فاسد اور احمق نہ ہو۔ اور اگر وہ فاسد الرائے ہو تو پھر اگر وہ اس کی زمین بیچے تو وہ جائز نہیں، اور منقولہ شے کی بیع میں دو روایتیں ہیں۔ اور اگر وہ اپنے بچے کے لیے کپڑا یا طعام خریدے اور اس پر گواہ بنالے کہ وہ اس کے ساتھ اس پر رجوع کرے گا تو وہ رجوع کر سکتا ہے اگر اس کا مال ہو، ورنہ نہیں، کیونکہ اس وقت یہ دونوں چیزیں اس پر واجب ہیں۔ اور اسی کی مثل اگر وہ اس کے لیے گھریا غلام خریدے تو وہ رجوع کر سکتا ہے برابر ہے اس کا مال ہو یا نہ ہو۔

غبن یسیر کے ساتھ جائز ہے اور دو قیموں میں سے ہر ایک دوسرے سے اجنبی ہے۔ اور ہم اس طرح پہلے بیان کر چکے ہیں۔
36870۔ (قوله: وَلَوْ بَاعَ الْأَبُ أَوْ الْجَدُّ الْخ) یہ مسئلہ ”ابن کمال“ سے ”مصنف“ کے قول: ولا يتجرى ماله سے پہلے گزر چکا ہے۔ پھر دادا کی بیع صغار پر قرض اور نفقہ کی طرز کے لیے جائز ہے، لیکن اس قرض کے لیے جو میت پر ہو یا اس کی وصیتوں کو نافذ کرنے کے لیے جائز نہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے پس تو اس میں غافل نہ رہ۔

36871۔ (قوله: إِذَا لَمْ يَكُنْ فَاسِدَ الرَّأْيِ) جب وہ فاسد الرائے نہ ہو، ظاہر ہے انہوں نے وصی کے بارے میں یہ تفصیل بیان نہیں کی۔ کیونکہ میت یا قاضی وصی کے لیے اسی کا انتخاب کرتا ہے جو قیتم کے معاملات حسن تدبیر کے ساتھ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ ”طحاوی“۔

میں کہتا ہوں: تحقیق فقہاء نے اس بارے تصریح کی ہے کہ وصی کا حکم اب فاسد کا حکم ہے لہذا اس میں اس تفصیل کی کوئی حاجت ہی نہیں۔ فافہم۔

36872۔ (قوله: لَمْ يَجُزْ) وہ جائز نہیں مگر جب وہ اسے دو گنا قیمت کے ساتھ بیچے جیسا کہ ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں۔

36873۔ (قوله: وَفِي الْمَنْقُولِ رِوَايَتَانِ) اور منقول میں دو روایتیں ہیں، ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ فتویٰ عدم جواز پر ہے۔

36874۔ (قوله: وَلَوْ اشْتَرَى لِطِفْلِهِ الْخ) اور اگر وہ اپنے بچے کے لیے خریدے الخ، ہم فصل کے شرع میں اس پر مکمل کلام کر چکے ہیں۔

36875۔ (قوله: لِيُجُوبَهُمَا) یعنی کپڑا اور طعام دونوں واجب ہیں، اور اس سے مراد نفقہ اور کسوہ ہے، اس میں حرف عطف اُذ کی وجہ سے ضمیر کو مفرد لانا اولیٰ ہے۔

36876۔ (قوله: وَبِشِلِهِ) یعنی اس میں کہ وہ دار یا غلام کی قیمت کے ساتھ رجوع کر سکتا ہے اگر وہ گواہ بنالے۔ اور

وَإِنْ لَمْ يُشْهِدْ لَا يَرْجِعْ كَذَا عَنْ أَبِي يُوسُفَ وَهُوَ حَسَنٌ يَجِبُ حِفْظُهُ ائْتَهَى

اور اگر وہ گواہ نہ بنائے تو وہ رجوع نہیں کر سکتا۔ اسی طرح امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے اور یہ بہت خوب ہے اس کو یاد رکھنا واجب ہے۔ انتہی۔

اس میں اولیٰ با کو حذف کرنا ہے۔

36877۔ (قولہ: لَا يَرْجِعْ) اس کے عدم وجوب کی وجہ سے وہ رجوع نہیں کر سکتا۔

36878۔ (قولہ: وَهُوَ حَسَنٌ إلخ) اور یہ اچھا ہے، اس کے قائل صاحب ”المجتبیٰ“ ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب الخنثی

لَنَا ذَكَرٌ مِّنْ غَلَبٍ وَجُودُهُ ذَكَرٌ نَّادِرٌ الْوُجُودِ (وَهُوَ ذُو فَزَجٍ وَذَكَرٌ أَوْ مِّنْ عَرِيٍّ عَنِ الْإِثْنَيْنِ جَمِيعًا،

خنثی کے احکام

جب ”مصنف“ غالب الوجود کا ذکر کر چکے تو نادر الوجود کے ذکر میں شروع ہوئے اور وہ وہ ہے جس کی فرج اور ذکر دونوں ہوں یا وہ دونوں سے خالی ہو۔

لفظ خنثی کی لغوی تحقیق

خنثی فعلى کے وزن پر الخنث (خاء کے فتح اور نون کے سکون کے ساتھ) سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی نرمی اور تکسر ہے۔ کہا جاتا ہے: خنثت الشئ فتخنث یعنی میں نے شے کو نرم کیا (یعنی موڑا) تو وہ نرم ہو گئی (مڑ گئی)۔ اور اسی وجہ سے اسے مخنث نام دیا گیا ہے، اور خنثی کی جمع الخنثاء (فتح کے ساتھ) ہے جیسا کہ حُبلى اور حُبلى ہے۔ ”شرح السراجیہ للسیّد“۔ اور تو جان کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو مذکر اور مؤنث پیدا فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (النساء: 1) (اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد میں اور عورتیں) (کثیر تعداد میں)۔ اور مزید فرمایا: يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَّا ثَائِفُونَ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ ۝ (الشوریٰ) (بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے بچیاں اور عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے فرزند)۔

اور ان دونوں میں سے ہر ایک کا حکم بیان فرمایا اور اس کا حکم بیان نہیں کیا جو مذکر اور مؤنث دونوں ہو، تو یہ اس پر دلیل ہے کہ یہ دو وصف ایک آدمی میں جمع نہیں ہو سکتے، اور کیسے جمع ہو سکتے ہیں جبکہ یہ دونوں آپس میں متضاد ہیں۔ ”کفایہ“۔

خنثی کی تفسیر اور علامات

36879۔ (قوله: وَهُوَ ذُو فَزَجٍ) یہاں اس سے مراد عورت کی قبل ہے ورنہ باتفاق اہل لغت فرج کا اطلاق مرد و

عورت کی قبل پر ہوتا ہے۔ ”مغرب“۔

36880۔ (قوله: أَوْ مِّنْ عَرِيٍّ) یہ لفظ را کے کسرہ کے ساتھ ہے اس کا معنی خالی ہونا ہے۔ ”ارتقانی“ نے کہا

ہے: اور یہ ”الاشتباہ“ کی دونوں وجہوں سے زیادہ بلیغ ہے اور اسی لیے امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے اسے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ”مصنف“ کا قول: ذو فرج و ذکر لغوی طور پر خنثی کی تفسیر ہے۔ اور رہا یہ تو ”زیلعی“ وغیرہ نے تصریح کی

ہے کہ اسے خنثی کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے۔ اور اس پر امام ”محمد“ رحمہ اللہ کا یہ قول دلالت کرتا ہے: یہ ہمارے نزدیک ہے۔ اور خنثی

فَإِنْ بَالَ مِنَ الذَّكَرِ فَعُلَامٌ، وَإِنْ بَالَ مِنَ الْفَرْجِ فَأُنْثَى وَإِنْ بَالَ مِنْهُمَا فَالْحُكْمُ لِلْأَسْبَقِ، وَإِنْ اسْتَوَيَا فَمُشْكِلٌ، وَلَا تُعْتَبَرُ الْكَثْرَةُ خِلَافًا لِهُمَا، هَذَا قَبْلَ الْبُلُوغِ (فَإِنْ بَدَغَ وَخَرَجَتْ لِحْيَتُهُ

پھر اگر وہ ذکر سے پیشاب کرے تو وہ لڑکا یعنی مذکر ہے، اور اگر وہ فرج سے پیشاب کرے تو وہ مونث ہے، اور اگر وہ دونوں سے پیشاب کرے تو حکم اس کے مطابق ہوگا جس سے پیشاب پہلے آتا ہو، اور اگر دونوں برابر یعنی دونوں سے پیشاب ایک ساتھ آتا ہو تو وہ خنثی مشکل ہے۔ اور پیشاب کی کثرت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اس میں ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے اختلاف کیا ہے۔ یہ تفصیل بلوغت سے پہلے کی ہے۔ اور اگر وہ بالغ ہو اور اس کی ڈاڑھی نکل آئے

مشکل حکم میں برابر ہے۔ تحقیق آپ نے ان دونوں کو حکم میں برابر قرار دیا ہے نہ کہ دلالت میں۔ اور اس کا ”الاشتباہ“ میں ابلغ ہونا یہ ہے کہ وہ لغت اس کا نام خنثی رکھنے پر دلالت نہیں کرتا۔ اور اسی لیے ”القہستانی“ نے کہا ہے: اگر اس کی دونوں میں سے کوئی شے نہ ہو اور اس کا پیشاب اس کی ناف سے خارج ہو تو وہ خنثی نہیں ہے۔ اور اسی لیے امام اعظم ”ابو حنیفہ“ اور امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ علیہما نے کہا ہے: ہم اس کا نام نہیں جانتے جیسا کہ ”الاختیار“ میں ہے۔ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ علیہ نے کہا ہے: بلاشبہ وہ خنثی کے حکم میں ہے۔ فافہم۔

36881۔ (قوله: فَإِنْ بَالَ الْخ) یعنی جب اشتباہ واقع ہو جائے تو حکم پیشاب کے راستے کے مطابق ہوگا۔ کیونکہ ماں سے بچے کے جدا ہونے کے وقت آلہ کی منفعت پیشاب کا خارج ہونا ہے اور یہی آلہ کی اصلی منفعت ہے اور اس کے علاوہ دیگر منافع اس کے بعد پیدا ہوتے ہیں اور یہ زمانہ جاہلیت کا حکم ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے برقرار رکھا ہے۔ اور اس کی مکمل بحث مطولات میں ہے۔

36882۔ (قوله: فَالْحُكْمُ لِلْأَسْبَقِ) پس حکم اسبق کا ہوگا۔ کیونکہ یہ اس پر دلیل ہے کہ وہ عضو اصلی ہے۔ اور اس لیے کہ جیسے ہی پیشاب خارج ہوا تو حکم اس کے مقتضی کے مطابق لگایا گیا، کیونکہ یہ مکمل اور تام علامت ہے۔ پس وہ اس کے بعد دوسرے آلہ سے پیشاب خارج ہونے کے ساتھ متغیر نہیں ہو سکتی۔ ”زیلعی“۔

خنثی مشکل

36883۔ (قوله: وَإِنْ اسْتَوَيَا) اور اگر وہ دونوں برابر ہوں، اس طرح کہ پیشاب دونوں راستوں سے ایک ساتھ خارج ہو۔

36884۔ (قوله: فَمُشْكِلٌ) تو وہ مشکل ہے، یہاں مشکلة نہیں کہا، کیونکہ دوامروں میں سے ایک متعین نہیں، پس یہ اصل پر آیا ہے اور وہ تذکیر (مذکر ہونا) ہے، یا پھر اس لیے کہ جب مذکر اور مونث ہونے کا احتمال ہے تو اس میں تذکیر غالب ہے۔ اسے ”الاتقانی“ نے بیان کیا ہے۔

36885۔ (قوله: وَلَا تُعْتَبَرُ الْكَثْرَةُ) اور کثرت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ قوت پر دلیل نہیں ہے، کیونکہ یہ

أَوْ وَصَلَ إِلَى امْرَأَةٍ أَوْ احْتَلَمَ كَمَا يَخْتَلِمُ الرَّجُلُ (فَرَجُلٌ)، وَإِنْ ظَهَرَ لَهُ ثَدْيٌ أَوْ لَبَنٌ أَوْ حَاضَ أَوْ حَبِلَ أَوْ
أَمُكَنَ وَطْؤُهُ فَاِمْرَأَةً، وَإِنْ لَمْ تَظْهَرْ لَهُ عَلَامَةٌ أَصْلًا أَوْ تَعَارَضَتْ الْعَلَامَاتُ فَبُشْكِلٌ لِعَدَمِ الْمَرْجَحِ

یا وہ عورت کے ساتھ وطی پر قادر ہو یا اسے احتلام ہو جیسے مرد کو احتلام ہوتا ہے تو وہ مرد ہے، اور اس کے پستان یا دودھ ظاہر ہو جائے یا اسے حیض آئے یا وہ حاملہ ہو یا اس کے ساتھ وطی ممکن ہو تو وہ عورت ہے۔ اور اگر اس میں بالکل کوئی علامت ظاہر نہ ہو یا علامات متعارض ہوں تو کسی علامت کو ترجیح نہ ہونے کی وجہ سے وہ خثثی مشکل ہے۔

مخرج کے کھلا اور تنگ ہونے کے سبب ہوتا ہے نہ کہ اس لیے کہ وہ عضو اصلی ہے، اور اس لیے کہ نفس خروج بذات خود دلیل ہے اور کثیر ہونا اس کی جنس میں سے ہے جس کے ساتھ معارضت کے وقت ترجیح واقع نہیں ہوگی جیسا کہ دو گواہ اور چار گواہ اور امام اعظمؒ ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ نے اسے قبیح سمجھا ہے اور کہا ہے: کیا آپ نے کسی قاضی کو دیکھا ہے جو اوقیہ کے ساتھ پیشاب کا مپ کرتا ہو۔ ”زیلعی“۔

36886۔ (قوله: كَمَا يَخْتَلِمُ الرَّجُلُ) جیسا کہ آدمی کو احتلام ہوتا ہے اس طرح کہ اس کی منی ذکر سے خارج ہو۔ ”طحطاوی“۔

36887۔ (قوله: أَوْ لَبَنٌ) یا اس کے پستانوں میں عورتوں کے دودھ کی طرح دودھ اتر آئے، ورنہ مرد کے پستانوں سے بھی کبھی دودھ نکل آتا ہے۔ اور ”الجوہرہ“ میں ہے: پس اگر کہا جائے کہ پستانوں کا ظاہر ہونا ایک مستقل علامت ہے اس لیے دودھ کا ذکر کرنے کی کوئی حاجت نہیں تو کہا گیا ہے: یہ اس لیے ہے کیونکہ کبھی دودھ اتر آتا ہے اور پستان نہیں ہوتا، یا اس کا پستان ظاہر ہو جاتا ہے جو مرد کے پستان سے متمیز نہیں ہوتا، پس جب دودھ اتر آیا تو تمیز واقع ہو جائے گی۔ اسے ”طحطاوی“ نے ”حموی“ سے نقل کیا ہے۔

36888۔ (قوله: أَوْ حَبِلَ) یا وہ حاملہ ہو جائے، اس طرح کہ وہ روئی کے ساتھ منی لے کر اسے اپنی فرج میں داخل کر دے اور حاملہ ہو جائے۔ اسے ”طحطاوی“ نے ”سری الدین“ سے نقل کیا ہے۔

36889۔ (قوله: أَوْ أَمُكَنَ وَطْؤُهُ) یا اس کے ساتھ وطی ممکن ہو، اس طرح کہ عورتیں اس کا معائنہ کریں اور وہ اس کا ذکر کریں۔ اسے ”طحطاوی“ نے بیان کیا ہے۔ اور اس کے علاوہ کی عبارت ہے: یا اس سے جماع کیا جائے جیسے عورتوں سے جماع کیا جاتا ہے۔

علامات متعارض ہوں تو ان کا حکم

36890۔ (قوله: أَوْ تَعَارَضَتْ الْعَلَامَاتُ) یا علامات متعارض ہوں جیسا کہ جب اس کے پستان ابھر آئیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی داڑھی بھی نکل آئے یا اسے مردانہ شرمگاہ سے منی آئے اور زنانہ شرمگاہ سے حیض آئے، یا وہ زنانہ شرمگاہ سے پیشاب کرے اور مردانہ سے منی خارج ہو۔ ”قہستانی“۔

وَعَنِ الْحَسَنِ أَنَّهُ تَعَدُّ أَضْلَاعُهُ فَإِنَّ ضِلْعَ الرَّجُلِ يَزِيدُ عَلَى ضِلْعِ الْمَرْأَةِ بِوَاحِدٍ ذَكَرَهُ الزَّيْلَعِيُّ وَحِينَئِذٍ (فَيُؤْخَذُ فِي أَمْرِهِ بِمَا هُوَ الْأَحْوَطُ) فِي كُلِّ الْأَحْكَامِ قُلْتُ لَكِنْ قَدْ مَنَّا أَنَّهُ لَا يَجِبُ الْغُسْلُ بِالْإِيلَاجِ فِيهِ وَأَنَّهُ لَا يَتَعَلَّقُ التَّحْرِيمُ بِلَبْنِهِ فَتَنَبَّهُ

اور ”حسن“ سے منقول ہے کہ اس کی پسلیاں شمار کی جائیں گی۔ کیونکہ مرد کی پسلی عورت کی پسلیوں پر ایک زیادہ ہوتی ہے۔ اسے ”زیلعی“ نے ذکر کیا ہے۔ اور اس وقت اس کے بارے میں تمام احکام میں وہ حکم لیا جائے گا جو انتہائی محتاط ہو۔ میں کہتا ہوں: لیکن ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس میں ادخال کرنے سے غسل واجب نہیں ہوتا، اور یہ کہ اس کے دودھ سے تحریم متعلق نہیں ہوتی پس تو اس پر آگاہ رہ۔

36891۔ (قوله: وَعَنِ الْحَسَنِ) مراد حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ”المعراج“ میں کہا ہے: اور حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان دونوں نے کہا ہے: اس کی پسلیاں شمار کی جائیں گی، کیونکہ عورت کی پسلیاں مرد کی پسلیوں سے زیادہ ہوتی ہیں۔ اور ”جابر بن زید“ نے کہا ہے: اسے دیوار کے ساتھ کھڑا کیا جائے گا، پس اگر وہ اس پر پیشاب کرے تو وہ مرد ہے، اور اگر وہ اس کے رانوں پر بہہ جائے تو وہ عورت ہے۔ اور یہ دونوں قول صحیح نہیں ہیں۔

36892۔ (قوله: يَزِيدُ) اس کا صحیح نقص ہے جس طرح تو جان چکا ہے۔ ”اشباہ“ پر جو ”حموی“ کا حاشیہ ہے اس کی طرف رجوع کرو۔

36893۔ (قوله: وَحِينَئِذٍ) یعنی اس وقت جب وہ اشکال پیدا کرے۔

36894۔ (قوله: قُلْتُ الْخ) میں کہتا ہوں: اور یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے، بیشک خنثی کے معاملہ میں زیادہ محتاط قول کو لینا ہمیشہ علی سبیل الوجوب نہیں ہے بلکہ کبھی بہت سے مسائل میں مستحب ہوتا ہے۔ ان میں سے وہ ہے جسے ”شارح“ نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اس کے اشکال نے شبہ پیدا کر دیا ہے اور یہ اسے رفع نہیں کر سکتا جو بالیقین ثابت ہے۔ کیونکہ جنایت اور تحریم کا نہ ہونا یہ دونوں یقیناً ثابت ہیں۔ پس یہ دونوں اس کے مونث ہونے کے شبہ کے ساتھ مرتفع نہیں ہو سکتے۔ لہذا احتیاط مستحب ہے بخلاف اس کی توریث وغیرہ کے جس کا بیان آگے آ رہا ہے۔ کیونکہ اس میں ثابت کا رفع یقینی نہیں ہے اس لیے اس میں احتیاط واجب ہے۔ اور جو ہم نے کہا ہے اس پر وہ دلالت کرتا ہے جو ”غایۃ البیان“ میں علامہ ”سرخسی“ کی ”شرح الکافی“ سے ہے: جب وہ عورتوں کی صف میں کھڑا ہو تو میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ وہ نماز کا اعادہ کرے۔ اسی طرح امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے ”الاصل“ میں کہا ہے۔ اور وہ اس لیے ہے کیونکہ مسقط معلوم ہے اور وہ ادا ہے، اور مفسد موہوم اور وہ محاذ اذ ہے۔ اور تو ہم کی وجہ سے نماز کا اعادہ کرنا زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور اگر وہ مردوں کی صف میں کھڑا ہو تو اس کی نماز تمام اور مکمل ہوگی اور اس کے دائیں اور بائیں طرف والا آدمی اعادہ کرے گا اور وہ جو اس کے بالمقابل پیچھے ہے اس پر محاذ اذ کے وہم کی وجہ سے نماز کا اعادہ مستحب ہے۔ ملخصاً۔ پھر تجھ پر یہ امر مخفی نہیں ہے کہ یہ کلام اس خنثی کے بارے میں ہے جس میں علامات متعارضہ

(فَيَقِفُ بَيْنَ صَفِّ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ) (وَإِذَا بَدَعَ حَدَّ الشَّهْوَةِ) تُبْتِغَى لَهُ أَمَةٌ تَخْتِنُهُ مِنْ مَالِهِ لِتَكُونَ أَمَّتَهُ أَوْ مِثْلَهُ (وَيُكْرَهُ أَنْ يَخْتِنَهُ رَجُلٌ أَوْ امْرَأَةٌ) احتیاطاً ولا ضرورتاً، لِأَنَّ الْخِتَانَ عِنْدَنَا سُنَّةٌ (وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ فَمِنْ بَيْتِ الْمَالِ)

اور وہ مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہوگا۔ اور جب حد شہوت کو پہنچ جائے تو اس کے لیے اس کے مال سے ایک لونڈی خریدی جائے گی جو اس کا ختنہ کرے گی تاکہ وہ اس کی لونڈی ہو یا پھر اسی کی مثل (عورت) ہو۔ اور یہ مکروہ ہے کہ کوئی مرد یا عورت اس کا ختنہ کرے، یہ احتیاطاً ہے اور ضروری نہیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک ختنہ سنت ہے۔ اور اگر اس کا کوئی مال نہ ہو تو پھر بیت المال سے اسے خریدا جائے گا

ہوں پس اس میں ادخال کا امکان رد نہیں کیا جاسکتا یا اس کے لیے دودھ کا ظاہر ہونا اس کے مونث ہونے کی علامت ہے۔ پس غسل واجب ہوگا اور تحریم ثابت ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ منفرد ہونے اور تعارض نہ ہونے کے وقت مونث ہونے کی علامت ہے اور اس میں کوئی کلام نہیں ہے۔ فافہم۔

خُنْفَى کے احکام

36895۔ (قوله: فَيَقِفُ بَيْنَ صَفِّ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ) پس وہ مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہوگا، کیونکہ اگر وہ مردوں کے ساتھ کھڑا ہو تو احتمال ہے کہ وہ مونث ہو یا عورتوں کے ساتھ کھڑا ہو تو احتمال ہے کہ وہ مرد ہو، اور ہم نے اس کا حکم پہلے بیان کر دیا ہے۔

36896۔ (قوله: وَإِذَا بَدَعَ حَدَّ الشَّهْوَةِ) اور جب وہ شہوت کی حد تک پہنچ جائے، یعنی جب وہ قریب البلوغ ہو جائے، ورنہ مرد کے لیے اس کا ختنہ کرنا جائز ہے۔ اسے ”قبستانی“ نے ”الکرمانی“ سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: نماز کی شرائط کے بیان سے پہلے ”السراج“ سے گزر چکا ہے کہ صغیر کی کوئی شرمگاہ نہیں ہے پھر جب تک اسے شہوت نہ آئے۔ پس وہ قبل اور دبر ہے۔ پھر وہ دس سال کی عمر تک غلیظ ہو جاتی ہے اور وہ بالغ کی طرح ہو جاتا ہے۔ تاہل۔

36897۔ (قوله: لِتَكُونَ أَمَّتَهُ) تاکہ وہ اس کی لونڈی ہو جائے، پس اس کا اس کی طرف دیکھنا جائز ہے اگر وہ زکر ہو۔ اور ”شارح“ کا قول: اؤ مثله اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ مؤنث نہ ہو تو پھر یہ ایک جنس کا اپنی ہی جنس کی طرف دیکھنا ہوگا اور یہ عذر کی حالت میں جائز ہے جیسا کہ ولادت کے وقت دایہ کا دیکھنا یا فرج میں زخم کو اس کا دیکھنا وغیرہ۔

36898۔ (قوله: احتیاطاً) کیونکہ ہر احتمال میں جنس کا خلاف جنس کی طرف دیکھنا لازم آتا ہے اور وہ زیادہ غلیظ ہے اور وہ بغیر ضرورت کے جائز نہیں۔

36899۔ (قوله: فَمِنْ بَيْتِ الْمَالِ) یہ تب ہے جب اس کا باپ تنگ دست ہو اور اگر ایسا نہ ہو تو اس کے مال سے اسے خریدا جائے گا۔ اسے ”قبستانی“ نے ”الذخیرہ“ سے نقل کیا ہے۔

ثُمَّ تَبَاعُ أَوْ يُزَوَّجُ امْرَأَةً خَتَّانَةً لِتَخْتِنَهُ لِأَنَّهُ إِنْ كَانَ ذَكَرًا صَحَّ النِّكَاحُ، وَإِنْ أُنْثَىٰ فَنَظَرُ الْجَنَسِ أَخْفُ، ثُمَّ يُطَلِّقُهَا وَتَعْتَدُ إِنْ خَلَا بِهَا احْتِیَاطًا (وَيُكْرَهُ لَهُ لُبْسُ الْحَرِيرِ وَالْحُلِيِّ، وَلَا يَخْلُو بِهِ غَيْرُ مُحَرَّمٍ وَإِنْ قَبَّلَهُ رَجُلٌ ثَبَتَتْ حُرْمَةُ الْمَصَاهِرَةِ)

یا وہ کسی ختنہ کرنے والی عورت سے شادی کرے تاکہ وہ اس کا ختنہ کر دے۔ کیونکہ اگر وہ مذکر ہو تو نکاح صحیح ہے، اور اگر وہ مونث ہو تو ہم جنس کا دیکھنا اخف ہے، پھر وہ اسے طلاق دے گا اور وہ احتیاطاً عدت گزارے گی اگر اس نے اس کے ساتھ خلوت اختیار کی۔ اور اس کے لیے ریشم اور زیور پہننا مکروہ ہے۔ اور غیر محرم اس کے ساتھ خلوت اختیار نہیں کر سکتا، اور اگر کسی آدمی نے اس کا بوسہ لیا تو حرمت مصاہرہ ثابت ہو جائے گی۔

36900۔ (قوله: ثُمَّ تَبَاعُ) پھر اسے بیچ دیا جائے گا، اور اس کے ثمن بیت المال میں واپس لوٹا دیئے جائیں گے۔

36901۔ (قوله: أَوْ يُزَوَّجُ الْخ) یا وہ کسی ختنہ کرنے والی عورت سے شادی کرے۔ یہ ”حلوانی“ کا قول ہے۔ ”الکفایہ“ میں کہا ہے: اور ”شیخ الاسلام“ نے ذکر کیا ہے کہ یہ مفید نہیں ہوگا۔ کیونکہ نکاح موقوف ہوگا، اور نکاح موقوف شرمگاہ کی طرف دیکھنے کی اباحت کا فائدہ نہیں دیتا۔

میں کہتا ہوں: اور کبھی اس طرح جواب دیا جاتا ہے کہ اس کا موقوف ہونا بلاشبہ ظاہر کے اعتبار سے ہے، ورنہ نفس الامر میں نکاح یا صحیح ہوگا اگر وہ مذکر ہو اور دیکھنا حلال ہوگا، یا وہ باطل ہوگا اگر وہ مونث ہو اور اس میں اپنی ہم جنس کی طرف دیکھنا ہوگا۔ پس ہر حال میں مفید ہے اور اس کی بنا اس حالت پر ہے جو نفس الامر میں ہے۔ تدبر۔

36902۔ (قوله: ثُمَّ يُطَلِّقُهَا) پھر وہ اسے طلاق دے دے گا، یعنی جب وہ بالغ ہو۔

خنثی کے لیے ریشم اور زیورات پہننا مکروہ ہے

36903۔ (قوله: وَيُكْرَهُ لَهُ لُبْسُ الْحَرِيرِ وَالْحُلِيِّ) اور اس کے لیے ریشم اور زیور پہننا مکروہ ہے، کیونکہ یہ مردوں

پر حرام ہے نہ کہ عورتوں پر، اور اس کی حالت ابھی واضح نہیں ہوئی۔ لہذا احتیاط کو لیا جائے گا۔ کیونکہ حرام سے اجتناب کرنا فرض ہے، اور مباح کا اقدام کرنا مباح ہے۔ پس اسے حرام میں واقع ہونے سے بچنے کے لیے مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ ”عنایہ“۔

خنثی کے لیے حرمت مصاہرت کا ثبوت

36904۔ (قوله: ثَبَتَتْ حُرْمَةُ الْمَصَاهِرَةِ) حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی، پس شہوت کے ساتھ بوسہ دینے

والے کے لیے اس کی ماں سے شادی کرنا حلال نہیں ہوگا۔ ”السامحانی“ نے کہا ہے: اور اسی طرح اگر کسی عورت نے اسے بوسہ دیا تو وہ اس کے باپ سے شادی نہیں کر سکتی یہاں تک اس کی حالت واضح ہو جائے اس لیے کہ اس کا بوسہ لینے والے کی مثل ہونا ظاہر ہے۔

میں کہتا ہوں: اور گویا اس کی وجہ یہ ہے کہ خروج میں اصل تحریم ہے۔ اور احتمال ہے کہ وہ بوسہ لینے والے کی مثل ہو تو یہ

(وَلَا يُسَافِرُ بِغَيْرِ مَحْرَمٍ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ امْرَأَةٌ وَإِنْ قَالَ أَنَا رَجُلٌ أَوْ امْرَأَةٌ لَا عِبْرَةَ بِهِ) فِي الصَّحِيحِ لِأَنَّهُ دَعَا بِدَلِيلٍ (وَقِيلَ يُعْتَبَرُ لِأَنَّهُ لَا يَقِفُ عَلَيْهِ غَيْرُهُ، لَكِنْ فِي الْمُتَقَاتِ بَعْدَ تَقَرُّرِ إِشْكَالِهِ لَا يَقْبَلُ وَقِيلَ يَقْبَلُ

اور وہ غیر محرم کے ساتھ سفر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ عورت ہو، اور اگر اس نے کہا: میں مرد ہوں یا میں عورت ہوں تو صحیح قول کے مطابق اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ یہ دعویٰ بغیر دلیل کے ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ کوئی دوسرا اس پر واقف نہیں ہو سکتا۔ لیکن ”المتقی“ میں ہے: اس کا اشکال ثابت ہونے کے بعد اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور بعض نے کہا ہے: اسے قبول کیا جائے گا۔

ثابت ہونے والی اصل ختم نہیں ہوگی۔ پس یہ اس کے منافی نہیں ہے جو ہم نے پہلے تحریر کیا ہے۔ تامل۔

36905۔ (قوله: وَلَا يُسَافِرُ بِغَيْرِ مَحْرَمٍ) اور وہ غیر محرم کے ساتھ سفر نہیں کر سکتا، یعنی کسی بھی غیر محرم مرد کے ساتھ، اور عورت کے ساتھ سفر کرنا مکروہ ہے اگرچہ وہ محرم ہو، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ عورت ہو۔ پس یہ دو عورتوں کا سفر بغیر کسی محرم کے ہو جائے گا اور یہ حرام ہے۔ ”اتقانی“۔

36906۔ (قوله: بَعْدَ تَقَرُّرِ إِشْكَالِهِ) اس کا ثابت ہونا ہمارے نزدیک یہ ہے کہ وہ ہمیں اس کے بارے آگاہ کر دے جیسا کہ ہم اس کے پستان اور داڑھی دیکھ لیں۔

میں کہتا ہوں: اور اسی کے ساتھ توفیق و تطبیق حاصل ہو جاتی ہے۔ پس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو ”مصنف“ کو وہم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ یہ دو قول ہیں ”زیلعی“ کا کلام ہے انہوں نے کہا ہے: اور اگر خنثی نے کہا: میں مرد یا عورت ہوں اس کا قول قبول نہ کیا جائے اگر وہ مشکل ہو۔ کیونکہ یہ دعویٰ بغیر دلیل کے ہے۔ اور ”النبایہ“ میں ”الذخیرہ“ سے منقول ہے۔ اگر خنثی مشکل کہے: میں مذکر یا مونث ہوں تو اس کا قول قبول کیا جائے گا، کیونکہ وہ اپنی ذات کے حق میں امین ہے اور قول امین کا معتبر ہوتا ہے جب اس کے قول کے خلاف کوئی شے معلوم نہ ہو، اور پہلا قول ”ہدایہ“ میں مذکور ہے۔ یہ ”زیلعی“ کے کلام کی تلخیص ہے۔

میں کہتا ہوں: ان دونوں کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے۔ کیونکہ ”الذخیرہ“ کی خنثی مشکل سے مراد وہ ہے جس کا اشکال ہمارے لیے اس کے اس قول کی دلیل سے ظاہر نہ ہو جس کے خلاف کوئی شے معروف نہ ہو، اور ”الذخیرہ“ کی عبارت کا آخر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے جو ”النبایہ“ میں مذکور ہے اور اس کا بیان ہے: جب اس کا مشکل ہونا معروف نہ ہو تو جو اس نے کہا ہے اس کے خلاف بھی معروف نہ ہو تو پھر وہ اس میں سچا ہے جو اس نے کہا ہے۔ اور جب اس کا مشکل ہونا معروف ہو تو جو اس نے کہا ہے اس کا خلاف معروف ہوا، پھر اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ اپنے قول میں محض اندازہ لگانے والا ہے۔ کیونکہ جب وہ مشکل ہے تو اس کی ذات کے بارے وہ معروف ہوگا جسے ہم جانتے ہیں۔ اور ”زیلعی“ نے اسے ساقط کر دیا ہے۔ پس اس

قُلْتُ وَبِهِ يَحْصُلُ التَّوْفِيقُ، وَيَضَعُفُ مَا نَقَلَهُ الْقَهْطَانِيُّ عَنْ شَرْحِ الْفَرَائِضِ لِلْسَّيِّدِ وَغَيْرِهِ إِلَّا أَنْ يُحْمَلَ عَلَى هَذَا فَتَنْبَهُ (وَلَوْ مَاتَ قَبْلَ ظُهُورِ حَالِهِ لَمْ يُغْسَلْ وَيُيَمَّمْ بِالصَّعِيدِ) لَتَعَذَّرَ الْغُسْلُ (وَلَا يَحْضُرُ) حَالُ كَوْنِهِ مُرَاهِقًا (غُسْلَ مَيِّتٍ ذَكَرَ أَوْ أُنْثَى

میں کہتا ہوں: اور اسی سے توفیق و تطبیق حاصل ہو جاتی ہے اور اس سے وہ قول کمزور اور ضعیف ہو جاتا ہے جسے ”القہستانی“ نے ”شرح الفرائض للسیّد“ وغیرہ سے نقل کیا ہے مگر یہ کہ اسے اس پر محمول کیا جائے۔ پس تو اس پر آگاہ رہ۔ اور اگر وہ اپنی حالت ظاہر ہونے سے پہلے فوت ہو جائے تو اسے غسل نہ دیا جائے بلکہ مٹی کے ساتھ تیمم کرایا جائے، اس لیے کہ غسل متعذر ہے۔ اور وہ (خنثی مشکل) قریب البلوغ ہونے کی حالت میں کسی میت کے غسل کے وقت حاضر نہ ہو چاہے وہ میت مذکر ہو یا مونث۔

نے یہ وہم پیدا کیا ہے کہ جو ”الذخیرہ“ میں ہے وہ اس کے خلاف ہے جو ”الہدایہ“ میں ہے۔ اور ”مصنف“ نے ان کی اتباع کی ہے، اور دونوں کو دو قول بنا دیا ہے اس کے باوجود کہ ”الکفایہ“ میں ”ہدایہ“ کے کلام کی شرح ”الذخیرہ“ کے کلام سے ہے۔

36907۔ (قوله: إِلَّا أَنْ يُحْمَلَ عَلَى هَذَا) مگر یہ کہ اسے اسی پر محمول کیا جائے، اس بنا پر کہ انہوں نے اس کا اشکال ثابت ہونے سے پہلے کا ارادہ کیا ہے۔ اور اس کی تائید یہ کرتا ہے کہ ”سید“ قدس سرہ نے مشکل کا ذکر نہیں کیا ہے اور ان باطل امور کے ساتھ مقید کیا ہے جو ہمارے لیے اس کا اشکال ثابت نہیں کرتے۔ کیونکہ انہوں نے کہا ہے اور اس کا قول مقبول ہے اس لیے کہ یہ امور باطنہ میں سے ہے جسے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر کہا ہے: اور جب خنثی حیض یا منی یا مردوں یا عورتوں کی طرف میلان کی خبر دے تو اس کا قول قبول کیا جائے گا، اور اس کے بعد اس کا رجوع قبول نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ اس کا کذب بالیقین ظاہر ہو جائے مثلاً وہ اس بارے خبر دے کہ وہ مرد ہے پھر وہ بچے کو جنم دے تو پھر اس کے پہلے قول پر عمل ترک کر دیا جائے گا۔

36908۔ (قوله: وَيُيَمَّمْ) اور اسے کسی کپڑے کے ساتھ تیمم کرایا جائے اگر تیمم کرانے والا اجنبی ہو۔ اور اگر تیمم کرانے والا ذورحم محرم ہو تو پھر بغیر کپڑے کے تیمم کرائے گا۔ اور اجنبی اپنا چہرہ اپنے بازوؤں سے پھیر کر رکھے گا۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ عورت ہو۔ اور اسے غسل دینے کے لیے کسی لونڈی کو نہیں خریدا جائے گا جیسا کہ ختنہ کرنے کے لیے اسے خریدا جاتا ہے، اس لیے کہ موت کے بعد وہ اس کا مالک نہیں بن سکتا، لہذا یہ خرید غیر مفید ہے۔ ”عنایہ“۔ اور اسی طرح اگر اس کی لونڈی ہو۔ پس اگرچہ اس کی ملکیت اس کی موت کے بعد باقی ہے مگر لونڈی اپنے آقا کو غسل نہیں دے سکتی۔ بخلاف زوجہ کے، اور اسی سے وہ اعتراض دور ہو گیا جو ”ابن کمال“ نے اس کی ملکیت باقی ہونے کے بارے ذکر کیا ہے جیسا کہ اسے ”الدرر المُنْتَقَى“ میں تحریر کیا ہے۔

36909۔ (قوله: وَلَا يَحْضُرُ) یعنی وہ (خنثی) کسی مرد یا عورت کو غسل نہیں دے سکتا۔ ”نہایہ“ اور ”معراج“۔ اور مراہق کی قید اس لیے لگائی ہے۔ کیونکہ وہ اغلباً بالغ ہونے کے بعد مشکل باقی نہیں رہتا۔

36910۔ (قوله: ذَكَرَ أَوْ أُنْثَى) یعنی میت مرد ہو یا عورت۔ اور بعض نسخوں میں ذکر کے ساتھ ہے۔

وَنُدِبَ تَسْجِیۃُ قَبْرِہٖ، وَیُوضَعُ الرَّجُلُ بِقُرْبِ الْإِمَامِ ثُمَّ هُوَ ثَمَّ الْمَرْأَةُ إِذَا صَلَّى عَلَیْہُمْ رِعَایۃً لِحَقِّ التَّرْتِیْبِ، وَتَسَامُ فُرُوعِہٖ فِی أَحْکَامِہٖ مِنْ الْأَشْبَاہِ بَلْ عِنْدِی تَأْلِیْفٌ مُّجَلَّدٌ مُّنیْفٌ (وَلَہٗ) فِی الْبِیْرَاثِ (أَقْلُ النَّصِیْبِیْنِ) یَعْنِیْ أَسْوَأَ الْحَالِیْنِ بِہٖ یُفْتٰی کَمَا سَنُحَقِّقُہٗ۔ وَقَالَ نِصْفُ النَّصِیْبِیْنِ،

چاہے وہ میت مذکر ہو یا مونث۔ اور اس کی قبر پر پردہ کرنا مستحب ہے۔ اور امام کے قریب پہلے مرد کو پھر خنثی کو اور پھر عورت کو رکھا جائے گا جب وہ ان پر نماز پڑھائے، تاکہ حق ترتیب کی رعایت ہو جائے۔ اس کے احکام کے بارے میں تمام فروعات ”الاشباہ“ میں ہیں بلکہ میرے نزدیک ضخیم مجلد تالیف ہے، اور میراث میں اس کے لیے دو حصوں میں سے اقل ہوگا یعنی دو حالتوں میں سے اسو اور بدتر حالت اس کی ہوگی، اور اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے جیسا کہ ہم عنقریب اس کی تحقیق کریں گے۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہا نے کہا ہے: اس کے لیے دو حصوں کا نصف ہوگا۔

خنثی مشکل کی قبر پر پردہ کرنا مستحب ہے

36911۔ (قولہ: وَنُدِبَ تَسْجِیۃُ قَبْرِہٖ) یعنی اس کی قبر پر پردہ کرنا مستحب ہے۔ کیونکہ وہ مونث ہو تو پھر واجب پر عمل کیا گیا ہے، اور اگر وہ مذکر ہو تو پردہ کرنا اسے کوئی نقصان نہیں دیتا۔ ”زیلعی“۔ شاید واجب سے عورت کے ستر عورة کا ارادہ کیا ہے، ورنہ قبر پر پردہ کرنا تو مستحب ہے، واجب نہیں ہے۔ ”منح“۔

36912۔ (قولہ: ثُمَّ هُوَ) یعنی پھر خنثی کو رکھا جائے گا، پس اسے مرد کے بعد رکھا جائے گا۔ کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ عورت ہو۔ اور اگر کسی عذر کی وجہ سے اسے مرد کے ساتھ ایک قبر میں دفن کیا جائے تو اسے مرد کے پیچھے رکھا جائے اور ان دونوں کے درمیان مٹی سے آڑ (رکاوٹ) بنادی جائے۔ اور اگر عورت کے ساتھ دفن کیا جائے تو اسے عورت پر مقدم کیا جائے، کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ مرد ہو۔ اور اسے عورت کی طرح پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے گا۔ اس کی مکمل بحث ”المنح“ میں ہے۔

36913۔ (قولہ: فِی أَحْکَامِہٖ) یعنی خنثی کے احکام کی بحث میں، اور انہیں ”المنح“ میں بھی ذکر کیا ہے۔

خنثی کا میراث میں حصہ

36914۔ (قولہ: یَعْنِیْ أَسْوَأَ الْحَالِیْنِ) مراد دو حالتوں میں سے بدتر حالت ہے، بلاشبہ عبارت کو اس کے ساتھ بدلہ گیا ہے یا یہ اس کے محروم ہونے کی تقدیر کو بھی شامل ہو جائے۔ ”حلی“۔ ”المنح“ میں کہا ہے: تو جان کہ امام اعظم ”ابوحنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک دو حصوں میں اقل یہ ہے کہ اس کے حصہ کی طرف دیکھا جائے اگر وہ مذکر ہو، اور اس حصہ کی طرف دیکھا جائے اگر وہ مونث ہو، تو ان دونوں میں سے جو حصہ اقل ہوگا وہ اسے دیا جائے گا، اور اگر وہ دو تقدیروں میں سے ایک پر محروم ہو تو پھر اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔

36915۔ (قولہ: وَقَالَ نِصْفُ النَّصِیْبِیْنِ) یعنی مذکر اور مونث کے مجموعی حصہ میں سے نصف ہوگا۔ پھر تو جان کہ یہ ”شعبی“ کا قول ہے۔ اور جب آپ امام اعظم ”ابوحنیفہ“ رحمہ اللہ کے اشیاخ میں سے ہیں اور آپ کا اس باب میں ان سے یہ قول

فَلَوْ مَاتَ أَبُوهُ وَتَرَكَ مَعَهُ (ابْنًا) وَاحِدًا (لَهُ سَهْمَانِ وَلِلْخُنْثَى سَهْمٌ) وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لَهُ ثَلَاثَةٌ مِنْ سَبْعَةٍ - وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَهُ خَمْسَةٌ مِنْ اثْنَيْ عَشَرَ - وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لَهُ سَهْمٌ مِنْ ثَلَاثَةٍ (لَأَنَّهُ لِأَقْلٍ) وَهُوَ مُتَيَقِّنٌ بِهِ فَيَقْتَصِرُ عَلَيْهِ لِأَنَّ الْمَالَ لَا يَجِبُ بِالشَّكِّ، حَتَّى لَوْ كَانَ الْأَقْلُ تَقْدِيرَهُ ذَكَرَ أَقْدَرُ ابْنًا

پس اگر اس کا باپ فوت ہوا، اور اس نے اس کے ساتھ ایک بیٹا چھوڑا تو اس کے لیے دو حصے ہوں گے اور خنثی کے لیے ایک حصہ ہوگا۔ اور امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے لیے سات میں سے تین حصے ہوں گے۔ اور امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بارہ میں سے پانچ ہوں گے۔ اور امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے لیے تین میں سے ایک حصہ ہوگا۔ کیونکہ وہی اقل ہے اور وہ اس کے لیے یقینی ہے، پس اسی پر اقتصار کیا جائے گا۔ کیونکہ مال شک کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا یہاں تک کہ اگر اقل اسے مذکر (مرد) فرض کرنے کی بنا پر ہو تو مذکر فرض کر لیا جائے گا

ہے۔ امام ”ابو یوسف“ اور امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تخریج میں اختلاف کیا ہے تو پھر یہ ان دونوں کا قول نہیں ہے۔ کیونکہ وہ جو ”السراجیہ“ میں ہے کہ امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہی آپ کے اصحاب کا قول ہے۔ اور وہی عام صحابہ کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور ”النبہایہ“ اور ”الکفایہ“ میں ذکر کیا ہے کہ وہ جو عام روایات میں ہے کہ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں، اور اسی طرح امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے پہلے قول میں آپ کے ساتھ ہیں۔ پھر آپ نے اس کی طرف رجوع کیا جس کے ساتھ ”شعبی“ کے کلام کی تفسیر بیان کی۔

36916۔ (قوله: وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ الْخ) ”زیلعی“ نے کہا ہے: اور امام ”ابو یوسف“ اور امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے ”شعبی“ کے قول کی تخریج میں اختلاف کیا ہے۔ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: ان دونوں کے درمیان میراث سات حصوں پر تقسیم ہوگی: بیٹے کے لیے چار حصے ہوں گے اور خنثی کے لیے تین حصے ہوں گے۔ انہوں نے دونوں میں سے ہر ایک کے حصہ میں اس کی انفرادی حالت کا اعتبار کیا ہے۔ پس بیٹا اگر اکیلا ہوتا تو اس کے لیے کل مال ہوتا۔ اور خنثی اگر اکیلا ہو: پھر اگر وہ مذکر ہو تو حکم اسی طرح ہے ورنہ اس کے لیے نصف مال ہوتا۔ پس وہ دونوں حصوں کا نصف لے گا، ایک کل کا نصف اور ایک نصف کا نصف اور مال کا تین چوتھائی ہے۔ اور بیٹے کے لیے کل مال واضح ہے۔ پس دونوں سے ہر چوتھائی رکھا جائے گا۔ پس اس طرح سات حصے بن جائیں گے۔ ان میں سے چار بیٹے کے لیے اور تین خنثی کے لیے ہوں گے۔ کیونکہ انفرادی حالت میں بیٹا کل مال کا مستحق ہوتا ہے اور خنثی تین چوتھائی کا۔ پس دونوں میں سے ہر ایک کو اس کے جمیع حق کے ساتھ بطریق عول اور مضاربہ ضرب دی جائے گی۔ اور امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: ان دونوں کے درمیان بارہ حصوں پر مال تقسیم ہوگا: سات حصے بیٹے کے لیے ہوں گے اور پانچ خنثی کے لیے۔ انہوں نے دونوں میں سے ہر ایک کے حصہ میں اجتماعی حالت کا اعتبار کیا ہے۔ پس اگر خنثی مذکر ہوتا تو مال ان دونوں کے درمیان نصف نصف ہوتا، اور اگر مؤنث ہوتا تو مال تین حصوں میں تقسیم ہوتا۔ پس مذکر ہونے کی صورت میں تقسیم دو سے ہے اور مؤنث ہونے کی صورت میں تقسیم تین سے ہے۔ پس دو میں

كَتُوبٍ وَأُفِرَّ وَشَقِيقَةٌ هِيَ خُنْثَى مُشْكِلٌ، فَلَهُ السُّدُسُ عَلَى أَنَّهُ عَصَبَةٌ، لِأَنَّهُ الْأَقْلُ وَلَوْ قُدِّرَ أَنَّ شَيْءَ كَانَ لَهُ
النِّصْفُ وَعَالَتْ إِلَى ثَمَانِيَةٍ، وَلَوْ كَانَ مَحْرُومًا عَلَى أَحَدِ التَّقْدِيرَيْنِ فَلَا شَيْءَ لَهُ كَتُوبٍ وَأُفِرَّ وَلَكِنَّهَا
وَشَقِيقٌ خُنْثَى فَلَا شَيْءَ لَهُ لِأَنَّهُ عَصَبَةٌ، وَلَوْ قُدِّرَ أَنَّ شَيْءَ كَانَ لَهُ النِّصْفُ وَعَالَتْ إِلَى تِسْعَةٍ، وَلَوْ مَاتَ عَنْ
عَبِّهِ وَلَدٍ أَخِيهِ خُنْثَى قُدِّرَ أَنَّ شَيْءَ كَانَ الْمَالُ لِلْعَمِّ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ

جیسا کہ (عورت فوت ہو) اور وہ خاوند، ماں اور سگی بہن چھوڑے جو خنثی مشکل ہے تو اس کے لیے چھٹا حصہ ہوگا اس بنا پر کہ وہ
عصبہ ہے۔ کیونکہ وہی اقل ہے اور اگر اسے مؤنث فرض کیا جائے تو اس کے لیے نصف ہوگا اور یہ مسئلہ آٹھ تک عول ہوگا۔ اور
اگر وہ دو تقدیروں میں سے ایک پر محروم ہوتا ہے تو اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی جیسا کہ (ایک عورت فوت ہوئی) اور اس نے
خاوند، ماں، دو انخیانی بھائی اور ایک سگ بھائی خنثی چھوڑا تو اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی، اس لیے کہ وہ عصبہ ہے۔ اور اگر
اسے مؤنث فرض کیا جائے تو اس کے لیے نصف ہے اور مسئلہ نو تک عول ہوگا۔ اور اگر کوئی اپنا چچا اور اپنا خنثی بھتیجا چھوڑ کر
فوت ہو تو اسے مؤنث فرض کیا جائے گا اور مال چچا کے لیے ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سے ایک کو دوسرے میں ضرب دینے سے وہ خنثی کے لیے چھ تک پہنچ جائے گا اس بنا پر کہ وہ مؤنث ہے اس کے دو حصے ہیں،
اور اس بناء پر کہ وہ مذکر ہے اس کے تین حصے ہیں۔ اور اس (خنثی مشکل) کے لیے دونوں کا نصف ہے اور تین کا نصف کسر
ہے۔ پس چھ کو دو میں ضرب دی جائے گی تو وہ بارہ حصے ہو جائیں گے۔ پس خنثی مشکل کے لیے ان دونوں کا نصف پانچ حصے
ہوں گے۔ ملخصاً۔ اور اس کی مکمل بحث اسی میں ہے۔ اور ”ہدایہ“ میں امام ”محمد“ رضی اللہ عنہ کا قول اختیار کرنے کی طرف اشارہ کیا
ہے اس لیے کہ خنثی کا حصہ قلیل ہونے پر اتفاق ہے۔ اور جس طرف امام ”محمد“ رضی اللہ عنہ گئے ہیں وہ اس کی نسبت اقل ہے جس کی
طرف امام ”ابو یوسف“ رضی اللہ عنہ گئے ہیں اور وہ چوراسی حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ اور اس کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ سات
کو بارہ میں ضرب دینے سے چوراسی حصے بن جاتے ہیں اور سات میں سے خنثی کے حصے تین ہیں پس تو تین کو بارہ میں ضرب
دے تو چھتیس حصے ہو جائیں گے اور بارہ میں سے اس کے حصے پانچ ہیں۔ پس تو انہیں سات میں ضرب دے تو وہ پینتیس حصے
ہوں گے، تو اس میں ظاہر ہو گیا کہ تفاوت چوراسی میں سے ایک حصہ کا ہے جیسا کہ ”العنایہ“ وغیرہ میں ہے۔

36917۔ (قوله: وَوَلَدَيْهَا) یعنی دو انخیانی بھائی۔

36918۔ (قوله: وَلَوْ مَاتَ عَنْ عَبِّهِ الْخ) یعنی اگر کوئی آدمی اپنا چچا اور ایک بھتیجا چھوڑ کر فوت ہو اس حال میں کہ

بھتیجا خنثی ہو۔ عتبہ میں ضمیر میت آدمی کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور یہ مؤنث ہونے کی تقدیر پر اس کے محروم ہونے کی مثال
ہے اور جو اس سے پہلے ہے وہ اس کے مذکر ہونے کی تقدیر پر ہے۔

36919۔ (قوله: وَكَانَ الْمَالُ لِلْعَمِّ) اور مال چچا کے لیے ہوگا۔ کیونکہ بھتیجی وارث نہیں ہوتی۔ اور اگر اسے مذکر فرض

کیا جائے تو پھر کل مال اس کے لیے ہوگا نہ کہ چچا کے لیے، کیونکہ بھتیجا چچا پر مقدم ہوتا ہے۔ ”طحاوی“۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مَسَائِلُ شَتَّى

جَمْعُ شَتِّتٍ بِعَنْ مُمْتَفِرَّةٍ وَهُوَ مِنْ دَابِّ الْمُصَنِّفِينَ لِتَدَارُكِ مَا لَا يُذَكِّرُ فِيمَا كَانَ يَحِقُّ ذِكْرُهُ فِيهِ قُلْتُ
وَقَدْ أَلَحَقْتُ غَالِبَهَا بِحَالِهَا، وَلِلَّهِ الْحَدُّ - (عَرَقُ مُدْمِنِ الْخَمْرِ خَارِجٌ نَجَسٌ) هَذِهِ مُقَدِّمَةٌ صُغْرَى فِي
تَسْلِيهِهَا كَلَامٌ قَدْ وَعَدْتُكَ بِهِ فِي أَوَائِلِ نَوَاقِضِ الْوُضُوءِ (وَكُلُّ خَارِجٍ نَجَسٍ يَنْقُضُ الْوُضُوءَ) هَذِهِ مُقَدِّمَةٌ
كُبْرَى وَ هِيَ مُسَلَّمَةٌ عِنْدَنَا (فَيَنْتَبِجُ) أَنَّ (عَرَقُ مُدْمِنِ الْخَمْرِ يَنْقُضُ الْوُضُوءَ) لِكِنَّهُ يَحْتَاجُ لِإِثْبَاتِ
الصُّغْرَى وَحَاصِلُهُ مَا فِي الذَّخَائِرِ الْإِشْرَافِيَّةِ لِابْنِ الشُّحْنَةِ مَعَزِيًّا لِلْمُجْتَبَى عَرَقُ الدَّجَاجَةِ الْجَلَالَةِ
نَجَسٌ قَالَ وَعَلَيْهِ فَعَرَقُ مُدْمِنِ الْخَمْرِ نَجَسٌ

متفرق مسائل کے احکام

شتی شتیت کی جمع ہے اس کا معنی متفرق ہونا ہے۔ اور یہ مصنفین کا طریقہ ہے تاکہ ان مسائل کا تدارک ہو جائے جو اپنے
مناسب مقامات پر ذکر نہیں کئے گئے۔ میں کہتا ہوں: میں نے ان میں سے اکثر مسائل اپنے مناسب مقامات پر ملحق کر دیے
ہیں۔ سب تعریفیں اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے ہیں۔ دائمی شراب پینے والے کا خارج ہونے والا پسینہ ناپاک ہے۔ یہ شکل اول
کا مقدمہ اولیٰ یعنی صغریٰ ہے اسے تسلیم کرنے میں کلام ہے جس کے بارے میں نے نواقض وضو کے اوائل میں تیرے ساتھ
 وعدہ کیا تھا۔ اور ہر خارج ہونے والی نجاست وضو کو توڑ دیتی ہے۔ یہ مقدمہ ثانیہ یعنی کبریٰ ہے اور یہ ہمارے نزدیک تسلیم شدہ
ہے۔ پس نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ دائمی شراب پینے والے کا پسینہ وضو کو توڑ دیتا ہے۔ لیکن یہ صغریٰ کے اثبات کا محتاج ہے۔ اور اس
کا حاصل وہ ہے جو ”ابن شحنے“ کی ”الذخائر الاشرافیہ“ میں ہے اور وہ ”المجتبیٰ“ کی طرف منسوب ہے: غلاظت کھانے والی مرغی
کا پسینہ ناپاک ہوتا ہے۔ فرمایا: اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے دائمی شراب پینے والے کا پسینہ ناپاک ہے

لفظ شتی کی لغوی تحقیق

36920۔ (قوله: شَتِّتِ الخ) شَتَّى شَتِّتٍ کی جمع ہے، یہ فعل بمعنی فاعل ہے، اسے فعل بمعنی مفعول پر محمول کیا گیا

ہے جیسے مریض اور مرضی ہے، اسی لیے اس کی جمع فعلی کے وزن پر لائی گئی ہے۔ ”تہستانی“۔

36921۔ (قوله: مَا لَا يُذَكِّرُ) اس میں اولیٰ مال مذکر ہے جیسا کہ دیگر نے اسے تعبیر کیا ہے۔

شراب کے عادی کے پسینے کا حکم

36922۔ (قوله: فَيَنْتَبِجُ) پس صغریٰ کو تسلیم کرنے کے بعد شکل اول سے نتیجہ برآمد ہوگا۔

بَلْ أُولَى ثُمَّ قَالَ وَمَا أَسْبَحَ مَنْ كَانَ عَرَقُهُ كَعَرَقِ الْكَلْبِ وَالْخَنْزِيرِ۔ قَالَ ابْنُ الْعِزِّ فَحِينَئِذٍ يَنْقُضُ الْوُضُوءُ، وَهُوَ فَرْعٌ غَرِيبٌ وَتَخْرِيجٌ ظَاهِرٌ۔ قَالَ الْمُصَنِّفُ وَلِظُهُورِهِ عَوَّلْنَا عَلَيْهِ قُلْتُ قَالَ شَيْخُنَا الرَّمُيُّ حَفِظَهُ اللَّهُ تَعَالَى كَيْفَ يُعَوَّلُ عَلَيْهِ وَهُوَ مَعَ غَرَابَتِهِ لَا يَشْهَدُ لَهُ رِوَايَةٌ وَلَا دَرَايَةٌ، أَمَّا الْأُولَى فَظَاهِرٌ أَذْ لَمْ يَزِدْ عَنْ أَحَدٍ مِمَّنْ يُعْتَمَدُ عَلَيْهِ، وَأَمَّا الثَّانِيَةُ فَلِعَدَمِ تَسْلِيمِ الْمُقَدِّمَةِ الْأُولَى وَيَشْهَدُ لِبُطْلَانِهَا مَسْأَلَةُ الْجَدِيِّ إِذَا غُذِيَ بِلَبَنٍ الْخَنْزِيرِ

بلکہ یہ بدرجہ اولیٰ ناپاک ہوگا۔ پھر فرمایا: اور کتنا قبیح ہے وہ جس کا پسینہ کتے اور خنزیر کے پسینے کی طرح ہے۔ ”ابن العز“ نے کہا ہے: پس اس وقت وہ وضو کو توڑ دے گا، اور یہ غریب اور نادر فرع ہے اور تخریج ظاہر ہے۔ ”مصنف“ نے کہا ہے: اس کے ظاہر ہونے کی وجہ سے ہم نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: ہمارے شیخ ”الرمی“ حفظہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: وہ اس پر کیسے اعتماد کرتے ہیں حالانکہ اس کی غرابت کے باوجود نہ کوئی روایت اس کی شہادت دیتی ہے اور نہ درایت۔ جہاں تک روایت کا تعلق ہے تو وہ ظاہر ہے۔ کیونکہ کسی بھی ایسے آدمی سے کوئی روایت نہیں جس پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اور رہی درایت تو وہ اس لیے ہے کہ مقدمہ اولیٰ تسلیم نہیں۔ اور بکری کے بچے کا مسئلہ اس کے باطل ہونے کی شہادت دیتا ہے جبکہ اسے خنزیر کا دودھ بطور غذا پلایا جائے۔

36923۔ (قولہ: بَلْ أُولَى) بلکہ بدرجہ اولیٰ ہے۔ کیونکہ تصرف میں مانع کی تاثیر جامد کی تاثیر سے زیادہ ہوتی ہے۔ ”منح“۔ پس جب وہ مرغی جو جامد نجاست کھاتی ہے اس کا پسینہ نجس اور ناپاک ہے تو ہمیشہ مانع شراب پینے والے کا پسینہ بدرجہ اولیٰ نجس ہوگا۔

36924۔ (قولہ: وَمَا أَسْبَحَ) یہ السباحہ سے ہے اور اس کا معنی قبیح ہونا ہے جیسا کہ القاموس میں ہے۔

36925۔ (قولہ: قَالَ ابْنُ الْعِزِّ) یہ لفظ عین مہملہ اور زائجہ کے ساتھ ہے اور یہ ”ہدایہ“ کے شارحین میں سے ہیں۔

36926۔ (قولہ: فَحِينَئِذٍ) یعنی اس وقت جب اس کا پسینہ نجس ہے تو وہ وضو کو توڑ دے گا، کیونکہ یہ قاعدہ ہے: ہر خارج ہونے والی نجاست وضو کو توڑ دیتی ہے۔ ”طحطاوی“۔

36927۔ (قولہ: وَهُوَ مَعَ غَرَابَتِهِ) یعنی اس استنباط کے ساتھ ”ابن العز“ منفرد ہیں۔

36928۔ (قولہ: لَا يَشْهَدُ لَهُ رِوَايَةٌ) یعنی کوئی نقلی دلیل اس کی شہادت نہیں دیتی ولا درایۃ اور نہ کوئی نقلی دلیل اس کی شہادت دیتی ہے۔

36929۔ (قولہ: وَيَشْهَدُ لِبُطْلَانِهَا الْخ) اور اس کے باطل ہونے کی شہادت دیتا ہے الخ، اس کا حاصل بکری کے بچے کے مسئلہ پر قیاس سے استدلال کرنا ہے اس علت کے ساتھ کہ جس طرح اس میں خنزیر کا دودھ مکمل طور پر ضم ہو گیا ہے۔ اسی طرح اس میں شراب ضم ہو کر گرم ہو گئی ہے۔ اور اسی لیے اس پر اپنے قول: (فَكَذَلِكَ نَقُولُ الْخ) سے تفریع بیان کی ہے۔ اور

فَقَدْ عَلَّلُوا حِلَّ أَكْلِهِ بِصَيْرُورَتِهِ مُسْتَهْلَكًا لَا يَبْقَى لَهُ أَثَرٌ فَكَذَلِكَ نَقُولُ فِي عَرَقِ مُدْمِنِ الْخَمْرِ، وَيَكْفِينَا فِي ضَعْفِهِ عَرَّابَتُهُ

پس فقہاء نے اس کے کھانے کی حلت کی علت اس طرح بیان کی ہے کہ وہ دودھ اس میں اس طرح ضم اور گرم ہو جاتا ہے کہ اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ پس اسی طرح ہم مدمن الخمر کے پسینہ کے بارے میں کہیں گے۔ اور اس کے ضعیف ہونے میں ہمارے لیے اس کی غرابت

یہ امر مخفی نہیں ہے کہ قیاس دلیل عقلی ہے۔ فافہم۔

36930۔ (قوله: بِصَيْرُورَتِهِ مُسْتَهْلَكًا) اس کے بالکل ہلاک اور گرم ہو جانے کی وجہ سے، بخلاف نجاست کھانے والی مرغی کے، کیونکہ جو کچھ وہ کھاتی ہے وہ جامد ہونے کی وجہ سے ہلاک اور گرم نہیں ہوتی بلکہ وہ اس کے گوشت کو بدبو اور فساد میں بدل دیتی ہے۔ تامل، ”حلی“۔

36931۔ (قوله: وَيَكْفِينَا فِي ضَعْفِهِ عَرَّابَتُهُ الْخَمْرُ) اور اس کے ضعیف ہونے میں اس کی غرابت ہی ہمارے لیے کافی ہے۔ ”الرملی“ نے بھی ”حاشیۃ المنح“ میں کہا ہے: اور ”کتاب الاثریہ“ میں محقق ”ابن وہبان“ سے گزر چکا ہے کہ جو کچھ ”صاحب القنیہ“ نے قواعد کے مخالف کہا ہے اس پر نہ اعتماد ہے اور نہ اس کی طرف التفات کی ضرورت ہے جب تک کسی غیر کی طرف سے کوئی نقلی دلیل اسے تقویت نہ دے، اور ہمارے علماء متقدمین و متاخرین میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں کہ دائمی شراب پینے والے کا پسینہ ناقض وضو ہے سوائے اس کے جو ”ابن العز“ نے اس کی بحث کی ہے۔ اور کبھی فرق اس طرح کیا جاتا ہے کہ دائمی شراب خلط ملط ہو جاتا ہے اور نجاست اس طرح خلط ملط نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ اگر وہ بھی خلط ملط ہو جائے تو اس (مرغی) کے پسینہ کی نجاست کا حکم نہیں لگایا جائے گا جیسا کہ فقہاء نے اس کی تفسیر میں کہا ہے۔ اور اس میں غایت اور حد یہ ہے کہ اس بارے میں شک ہے کہ آیا پسینہ اس خمر سے پیدا ہوا ہے یا کسی دوسری شے سے، اور شک کے ساتھ وضو نہیں ٹوٹتا۔ ہم نے غیر سبیلین سے نجاست محققہ کے خارج ہونے سے نقض وضو کو ثابت نہیں کیا مگر قوی علاج اور اپنے اور شافعیہ کے درمیان کلی بحث مباحثہ کے بعد، تو پھر کسی موہومہ شے سے نقض وضو کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟ اور نجاست کھانے والی مرغی کے پسینہ کے نجس ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس کے گوشت کے مکروہ ہونے کے بارے تصریح کی ہے جب وہ متغیر اور بدبو دار ہو جائے۔ اور بلاشبہ وہ کراہت کا لفظ حرمت میں شک ہونے کے لیے استعمال کرتے ہیں، اور حرمت نجاست کی فرع ہے اور نقض وضو نجاست کے ساتھ تب ہوتا ہے جب اس کے نجاست ہونے میں کوئی شک نہ ہو۔ اور جو بحث ”ابن العز“ نے کی ہے اس سے اس آدمی کے پسینہ سے ہمیشہ کے لیے وضو کا ٹوٹنا لازم آتا ہے جس نے کوئی نجس شے کھائی یا پی، اور کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ ملخصاً۔

میں کہتا ہوں: اور اس پر اس کے آنسوؤں اور اس کے تھوک سے بھی وضو کا ٹوٹنا لازم آتا ہے، کیونکہ یہ دونوں پسینے کی طرح ہیں۔ اور یہ کہ اس کا لعاب ہمیشہ خارج ہونے کی وجہ سے اس کا حکم معذور کے حکم کی مثل ہونا چاہیے۔ اور یہ کسی نے بھی نہیں کہا۔

وَأَخْرُجُهُ عَنِ الْجَادَّةِ فَيَجِبُ طَرَحُهُ عَنِ السَّرْحِ مِنْ مَتْنٍ وَشَرْحٍ (خُبْرُ وَجَدَ فِي خِلَالِهِ خُرْعُ فَأَرَقَ، فَإِنْ كَانَ الْخُرْعُ صُلْبًا رُمِيَ بِهِ وَأَكْلَ الْخُبْرُ، وَلَا يُفْسِدُ) خُرْعُ الْفَأْرَقَةِ (الدُّهْنُ وَالْمَاءُ وَالْحِنْطَةُ) لِلضَّرُورَةِ (إِلَّا إِذَا ظَهَرَ طَعْمُهُ أَوْ لَوْنُهُ) فِي الدُّهْنِ وَنَحْوِهِ لِفُحْشِهِ وَإِمَّا كَانَ الشَّحْرُزُ عَنْهُ حِينَئِذٍ خَائِيَةً - (فِي السُّنَنِ الرَّوَاتِبِ)

اور اس کا اس طریقہ پر نکلنا کافی ہے۔۔ پس اسے متن و شرح سے ساقط کر دینا واجب ہے۔ وہ روٹی جس میں چوہیا کی بیٹ پائی گئی، پس اگر وہ بیٹ خشک اور سخت ہو تو اسے پھینک دیا جائے اور روٹی کھالی جائے۔ اور چوہیا کی بیٹ تیل، پانی، اور گندم کو ضرورت کی وجہ سے فاسد نہیں کرتی مگر جب اس کا ذائقہ یا رنگ تیل اور اس جیسی چیزوں میں ظاہر ہو جائے تو وہ اسے ناپاک کر دے گی، اس لیے کہ اس وقت اسکی مقدار زیادہ ہے اور اس سے بچنا ممکن ہے۔ ”خانیہ“۔ اور سنن مؤکدہ میں (درمیان کے تشہد میں)

ہے۔ اور ”شارح“ نے کتاب الطہارۃ میں پہلے بیان کر دیا ہے کہ نجاست کھانے والے اونٹ اور گائے کا سور (جوٹھا) مکروہ تنزیہ ہے۔ اور ”الخانیہ“ میں ہے کہ نجاست کھانے والے کا پسینہ پاک ہے۔

36932۔ (قوله: وَأَخْرُجُهُ عَنِ الْجَادَّةِ) اس سے مراد بڑا راستہ ہے جیسا کہ ”القاموس“ میں ہے، اور یہاں مراد

طریق الفقہ ہے۔

36933۔ (قوله: عَنِ السَّرْحِ) مراد مہمل چیزیں ہیں۔ ”جامع اللغة“ میں کہا ہے: السرح سے مراد مال اور بہت بڑا

طویل درخت ہے، اور یہاں اس سے مراد مسائل فقہ ہیں۔ ”حلی“۔ پس یہ استعارہ مصرحہ ہے۔

چوہیا کی بیٹ اگر کسی چیز میں پائی جائے تو اس کا حکم

36934۔ (قوله: فَإِنْ كَانَ الْخُرْعُ صُلْبًا) یہ صادمہملہ کے ضمہ کے ساتھ ہے: یعنی اگر بیٹ (میٹنی) خشک ہو۔

”مختارات النوازل“ میں یہ زائد ہے: اگرچہ وہ ٹوٹی ہوئی ٹکڑے ٹکڑے ہو، جب تک اس کا ذائقہ تبدیل نہ ہو اسے کھایا جائے گا۔

36935۔ (قوله: وَلَا يُفْسِدُ الْخ) وہ فاسد نہیں کرتی، ”البحر“ میں کہا ہے: اور ”الحیط“ میں ہے: اور چوہیا کی میٹنی اور

اس کا پیشاب نجس ہے، کیونکہ وہ بدبو اور فساد میں بدل دیتا ہے اور پانی میں اس سے بچنا ممکن ہے لیکن طعام اور کپڑے میں

نہیں۔ پس ان دونوں میں وہ معفو ہے۔ اور ”الخانیہ“ میں ہے: بلی اور چوہے کا بول اور ان دونوں کا پیشاب اظہر روایات کے

مطابق نجس ہے۔ یہ پانی اور کپڑے کو فاسد (ناپاک) کر دیتا ہے۔ اور چوہا کی پیشاب اور اس کی بیٹ فاسد نہیں کرتی۔ کیونکہ

اس سے بچنا معتذر ہے۔ اور ”القبستانی“ میں ”الحیط“ سے ہے: چوہیا کی بیٹ تیل اور پسی ہوئی گندم کو ناپاک نہیں کرتی جب

تک اس کا ذائقہ متغیر نہ ہو۔ ”ابواللیث“ نے کہا ہے: ہم اسے ہی لیتے ہیں۔

سنن مؤکدہ کی ادائیگی کا طریقہ

36936۔ (قوله: فِي السُّنَنِ الرَّوَاتِبِ) یہ سنن مؤکدہ تین ہیں: ظہر سے پہلے چار، جمعہ کی نماز سے پہلے چار اور چار

اس کے بعد۔ یہی قول اصح ہے۔ کیونکہ یہ فرائض کے مشابہ ہوتی ہیں۔ اور روایت کی قید کے ساتھ چار مستحب اور نوافل سے

لَا يُصَلِّي وَلَا يَسْتَفْتِحُ تَقَدَّمَ فِي بَابِ الْوُتْرِ (الدَّعْوَةُ الْمُسْتَجَابَةُ فِي الْجُمُعَةِ عِنْدَنَا وَقْتُ الْعَصْرِ) عَلَى قَوْلِ
عَامَّةِ مَشَايِخِنَا أَشْبَاهُ، وَقَدْ مَنَاهُ فِي الْجُمُعَةِ عَنِ التَّنَازُلِ خَائِيَةً۔ (الْخُرُوجُ مِنْ الصَّلَاةِ لَا يَتَوَقَّفُ عَلَى)
قَوْلِهِ (عَلَيْكُمْ) وَحِينَئِذٍ (فَلَوْ دَخَلَ رَجُلٌ فِي صَلَاتِهِ بَعْدَهُ لَا يَصِيرُ دَاخِلًا فِيهَا) قَدْ مَنَاهُ فِي صِفَةِ الصَّلَاةِ
(لَفَتْ ثَوْبٌ نَجَسٌ رَطْبٌ فِي ثَوْبٍ طَاهِرٍ يَابِسٍ)

نہ درود پاک پڑھے اور نہ تیسری رکعت میں ثنا وغیرہ پڑھی جائے، یہ مسئلہ باب الوتر میں گزر چکا ہے۔ جمعہ کے دن دعا کی قبولیت کا وقت ہمارے نزدیک عصر کا وقت ہے۔ ہمارے عام مشائخ کا قول یہی ہے۔ ”اشباہ“۔ اور ہم اسے پہلے ”التاثر خانیہ“ سے باب الجمعہ میں بیان کر چکے ہیں۔ نماز سے نکلنا اس کے قول علیکم پر موقوف نہیں ہوتا، اور اس وقت اگر کوئی آدمی اس کے بعد اس کی نماز میں داخل ہوا تو وہ اس میں داخل شمار نہیں ہوگا۔ ہم نے یہ مسئلہ باب صفة الصلوة میں پہلے بیان کر دیا ہے۔ اگر کوئی ترنا پاک کپڑا خشک پاک کپڑے میں لپیٹا گیا

احتراز کیا ہے۔ کیونکہ وہ پہلے قعدہ میں حضور نبی کریم ﷺ پر درود پاک پڑھے گا اور پھر تیسری رکعت میں دعاء افتتاح (ثنا) بھی پڑھے گا۔ اسے ”طحطاوی“ نے بیان کیا ہے۔

جمعہ کے دن دعا کی قبولیت کا وقت

36937۔ (قوله: فِي الْجُمُعَةِ) یعنی جمعہ کے دن، کیونکہ اس دن قبولیت کی ایک ساعۃ آتی ہے جس میں دعا بعینہ قبول ہوتی ہے۔ ”طحطاوی“۔

36938۔ (قوله: وَقْتُ الْعَصْرِ) اور کہا گیا ہے کہ وہ وقت خطبہ کے وقت سے لے کر نماز سے فارغ ہونے تک ہے جیسا کہ ”مسلم“ میں آپ ﷺ سے یہ ثابت ہے۔ علامہ ”نووی“ نے کہا ہے: یہی صحیح ہے بلکہ یہی درست ہے۔ علامہ ”طحطاوی“ نے کہا ہے: دل سے دعا کرنا کافی ہے جیسا کہ اسے ”الشرنبلائی“ نے ذکر کیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے: وہ وقت اس دن کی آخری ساعت ہے۔ اور یہ ”الزہراء“ رضی اللہ عنہا کا مذہب ہے۔ اور پہلے قول کے مطابق یہ ظاہر ہے کہ وہ ساعۃ عصر کے تمام وقت میں دائر ہے۔ اور وہ ائمہ کے دو مختلف اقوال کے مطابق ہر شے کا سایہ ایک مثل یا دو مثل تک پہنچنے سے لے کر غروب آفتاب تک ہے۔ ”حموی“۔

36939۔ (قوله: عَلَى قَوْلِهِ عَلَيْكُمْ) یعنی پہلے سلام میں نماز سے نکلنا علیکم کہنے پر موقوف نہیں ہے۔

36940۔ (قوله: بَعْدَهُ) یعنی لفظ سلام کے بعد اور علیکم کہنے سے پہلے۔ ”منح“۔ اولیٰ یہ ہے کہ وہ قبلہ کہتے تاکہ مذکور علیکم کی طرف ضمیر صراحۃً لوٹی۔

اگر کوئی ترنا پاک کپڑا خشک پاک کپڑے میں لپیٹا گیا تو اس کا حکم

36941۔ (قوله: لَفَتْ ثَوْبٌ نَجَسٌ رَطْبٌ) ترنا پاک کپڑے کو لپیٹا گیا، یعنی وہ جسے پانی کے ساتھ تر کیا گیا اور پاک

فَظَهَرَتْ رُطُوبَتُهُ عَلَى ثَوْبٍ طَاهِرٍ كَذَا التُّسَخُّ وَعِبَارَةٌ الْكَنْزُ عَلَى الثَّوْبِ الطَّاهِرِ (لَكِنْ لَا يَسِيلُ لَوْ عَصَرَ لَا يَتَنَجَّسُ) قَدْ مَنَّا قُبَيْلَ كِتَابِ الصَّلَاةِ (كَمَا لَوْ نَشِئْنَا الثَّوْبَ الْمَبْلُولَ عَلَى حَبْلِ نَجَسٍ يَابِسٍ)

اور اس کی تری پاک کپڑے پر ظاہر ہوگئی اسی طرح یعنی علی ثوب طاهر متن کے نسخوں میں ہے، اور ”الکنز“ کی عبارت: علی الثوب الطاهر ہے۔ لیکن اگر اسے نچوڑا جائے تو اس سے پانی نہ نکلے تو وہ ناپاک نہیں ہوگا۔ ہم نے اسے کتاب الصلوٰۃ سے پہلے بیان کر دیا ہے۔ جیسا کہ اگر تر کپڑے کو خشک ناپاک رسی پر پھیلا یا جائے

کپڑے میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہوا، بخلاف اس کے جو بول (پیشاب) وغیرہ کے ساتھ تر ہو، کیونکہ اس میں تری عین نجاست ہے۔ اور بخلاف اس کے کہ جب پاک کپڑے میں نجاست کا اثر رنگ، ذائقہ، یا بو ظاہر ہو جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گا جیسا کہ ”شارح المنیہ“ نے اس کی تحقیق کی ہے۔ اور شارح کتاب کے شروع میں اسی پر چلے ہیں۔

36942۔ (قوله: لَا يَتَنَجَّسُ) وہ ناپاک نہیں ہوگا، کیونکہ جب نچوڑنے کے ساتھ اس سے قطرے نہیں گرے تو اس سے کوئی شے جدا اور الگ نہیں ہوگی، البتہ جو اس کا مجاور ہوگا (یعنی اس کے ساتھ ملے گا) وہ تراوت کے ساتھ تر ہوگا اور اس طرح وہ اس سے ناپاک نہیں ہوگا۔ اور ”المرغینانی“ نے ذکر کیا ہے: اگر خشک پاک کپڑا ہو تو وہ ناپاک ہو جائے گا، کیونکہ وہ تر نجاست سے تری حاصل کر رہا ہے، اور اگر خشک ناپاک کپڑا ہو اور پاک تر کپڑا ہو تو وہ ناپاک نہیں ہوگا۔ کیونکہ خشک ناپاک کپڑا پاک کپڑے سے تری حاصل کرتا ہے اور وہ تر خشک سے کوئی شے حاصل نہیں کرتا۔ ”زیلعی“۔ اور تعلیل کا ظاہر یہ ہے کہ یسیل اور عصر میں ضمیر نجس کی طرف لوٹ رہی ہے، اور اس کے بارے ”صاحب مواہب الرحمن“ نے تصریح کی ہے، اور اسی کو ”الشرمبالی“ نے اختیار کیا ہے، اور ”مصنف“ کی عبارت سے ”کنز“ وغیرہ کی طرح فوراً ذہن میں آتا ہے کہ وہ ضمیر طاهر کے لیے ہے، اور یہی ”خلاصہ“، ”الغانیہ“، اور ”منیۃ المصلی“ کی صریح عبارت ہے اور دیگر بہت سی کتب مثلاً ”قہستانی“، ”ابن کمال“، ”بزازیہ“ اور ”البحر“ سے منقول ہے اور پہلے میں زیادہ احتیاط ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے، اور دوسرا زیادہ وسیع اور زیادہ سہل ہے۔ پس اس میں غور کر لو۔

پھر یہ مسئلہ مذہب کی اکثر کتب میں مذکور ہے ان میں سے بعض میں اختلاف مذکور نہیں، اور بعض میں لفظ صح کے ساتھ ذکر ہے۔

اگر تر کپڑا خشک ناپاک رسی پر پھیلا یا جائے یا کوئی ناپاک بستر پر سوئے اور پسینہ آجائے تو اس کا حکم 36943۔ (قوله: كَمَا لَوْ نَشِئْنَا الْخَم) یہ اس کے موافق ہے جسے ”المرغینانی“ نے ذکر کیا ہے، اور ”زیلعی“ نے اسے اس پر تفریع قرار دیا ہے اس حیثیت سے کہ انہوں نے اپنی سابقہ عبارت کے بعد کہا ہے: اور اسی بنا پر جب تر کپڑے کو ناپاک رسی پر پھیلا یا گیا در آنحالیکہ وہ خشک ہو تو کپڑا ناپاک نہیں ہوگا اسی علت اور معنی کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے۔

اور ”قاضیخان“ نے اپنے ”فتاویٰ“ میں کہا ہے: جب کوئی آدمی بستر پر سویا اور اس پر منی لگی ہوئی تھی اور وہ خشک تھا، آدمی

أَوْ غَسَلَ رِجْلَهُ وَمَشَى عَلَى أَرْضٍ نَجِسَةٍ أَوْ تَامَ عَلَى فَرَّاشٍ نَجِسٍ فَعَرِقَ وَلَمْ يَظْهَرْ أَثَرُهُ لَا يَتَنَجَّسُ خَانِيَةً
(نَوَى الزَّكَاةَ إِلَّا أَنَّهُ سَمَاءٌ قَرْضًا جَائِزٌ فِي الْأَصَحِّ، لِأَنَّ الْعِبْرَةَ لِلْقَلْبِ لَا لِللِّسَانِ) مَنْ لَهُ حَظٌّ فِي بَيْتِ الْمَالِ
كَالْعُلَمَاءِ (ظَفَرَ بِمَا هُوَ وَجْهٌ لِبَيْتِ الْمَالِ فَلَهُ أَخْذُهُ دِيَانَةً) قَدْ مَنَّا قُبَيْلَ بَابِ الْمَصْرِفِ

یا کوئی اپنا پاؤں دھوئے اور ناپاک زمین پر چلے یا کوئی ناپاک بستر پر سوئے اور اسے پسینہ آجائے اور نجاست کا اثر نہ ہو تو وہ ناپاک نہیں ہوگا۔ ”خانیہ“۔ آدمی نے نیت زکوٰۃ کی کی مگر اسے نام قرض کا دیا تو اصح قول کے مطابق یہ جائز ہے، کیونکہ نیت میں اعتبار دل کا ہوتا ہے نہ کہ زبان کا۔ وہ جس کا بیت المال میں حصہ اور حق ہو جیسے علماء وغیرہ تو وہ اگر بیت المال کا مال پانے میں کامیاب ہو جائے تو اس کے لیے اس سے دیانۃ لینا جائز ہے، ہم اسے باب المصرف سے تھوڑا پہلے بیان کر چکے ہیں۔

کو پسینہ آیا اور اس کے پسینہ سے بستر تر ہو گیا۔ اگر تری کا اثر اس کے بدن میں ظاہر نہ ہو تو اس کا جسم ناپاک نہیں ہوگا، اور اگر پسینہ زیادہ ہوا یہاں تک کہ بستر تر ہو گیا پھر بستر کی تری اس کے جسم کو پہنچی اور اس (منی) کا اثر اس کے جسم میں ظاہر ہو گیا تو اس کا بدن ناپاک ہو جائے گا۔ اور اسی طرح جب وہ اپنا پاؤں دھوئے اور نجس زمین پر بغیر مکعب پہننے کے چلے، پس زمین اس کے پاؤں کی تری سے تر ہو گئی اور زمین کی سطح سیاہ ہو گئی لیکن زمین کی تری کا اثر اس کے پاؤں میں ظاہر نہ ہوا، اور اس نے نماز پڑھی تو اس کی نماز جائز ہے۔ اور اگر پانی کی تری اس کے پاؤں میں زیادہ ہو یہاں تک کہ زمین کی سطح تر ہو جائے اور وہ کیچڑ ہو جائے پھر وہ کیچڑ اس کے پاؤں کو لگ جائے تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔ اور اگر وہ ناپاک تر زمین پر چلے اور اس کا پاؤں خشک ہو تو وہ ناپاک ہو جائے گا۔

36944۔ (قوله: عَلَى أَرْضٍ نَجِسَةٍ) اور وہ ناپاک زمین پر چلے، اس طرح کہ وہ زمین کیچڑ زدہ ہو، لیکن اگر نجاست اس پر پہنچی اور وہ خشک ہو گئی تو پھر وہ زمین نجس باقی نہیں رہے گی اور معتمد علیہ قول کے مطابق پانی لگنے سے، اسے نجس شمار نہیں کیا جائے گا۔

36945۔ (قوله: كَالْعُلَمَاءِ) یعنی جیسا کہ علماء، قضاة، عمال، جنگ میں شریک ہونے والے اور ان کی اولاد۔ اور وہ مقدار جوان کے لیے جائز ہے وہ ان کا اپنی حاجت اور ضرورت کے مطابق لینا ہے۔ ”ابن الشنہ“۔

اگر مودع بغیر وارث کے فوت ہو جائے تو مودع کے لیے اپنی ذات پر مال و دیعت خرچ کرنے کا جواز
36946۔ (قوله: ظَفَرَ بِمَا هُوَ وَجْهٌ لِبَيْتِ الْمَالِ) اسی طرح بعض نسخوں میں ہے۔ اور ان میں سے اکثر میں ہو

کے بغیر ہے۔ اور اسی بنا پر وجہ بر بنائے مفعول ہے۔ ”البرزازیہ“ میں کہا ہے: امام ”الحلوانی“ نے کہا ہے: جب اس کے پاس و دیعت کا مال ہو اور مودع وارث کے بغیر فوت ہو جائے تو اس کے لیے و دیعت کو اپنی ذات کے لیے خرچ کرنا ہمارے اس زمانے میں جائز ہے۔ کیونکہ اگر اس نے وہ مال بیت المال کو دے دیا تو وہ ضائع ہو جائے گا، کیونکہ وہ اسے اس کے مصارف میں خرچ نہیں کرتے۔ پس جب یہ اس کے اہل میں سے ہو تو وہ اسے اپنی ذات پر خرچ کر دے ورنہ اس مصرف کی طرف

(أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ فِي يَوْمٍ وَلَمْ يُكْفِرْ حَتَّى أَفْطَرَ فِي يَوْمٍ آخَرَ فَعَلَيْهِ كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ) وَلَوْ فِي رَمَضَانَيْنِ عَلَى الصَّحِيحِ، وَقَدْ مُنَاكَ فِي الصَّوْمِ (وَلَوْ نَوَى قِضَاءَ رَمَضَانَ وَلَمْ يُعَيِّنِ الْيَوْمَ صَحَّ) وَلَوْ عَنْ رَمَضَانَيْنِ كَقِضَاءِ الصَّلَاةِ

کسی نے رمضان میں ایک دن روزہ افطار کر دیا اور اس کا کفارہ نہیں دیا یہاں تک کہ ایک دوسرے دن روزہ افطار کر دیا (یعنی توڑ دیا) تو اس پر ایک کفارہ لازم ہوگا۔ اگرچہ وہ دو رمضانوں میں ہوں، یہی صحیح روایت ہے، ہم نے اسے کتاب الصوم میں بیان کر دیا ہے۔ اور اگر اس نے رمضان کے قضا روزے کی نیت کی اور اس نے دن معین نہ کیا تو وہ صحیح ہے اگرچہ وہ دو رمضانوں سے ہو جیسا کہ نماز کی قضا بھی

پھیر دے۔ ”منح“۔

اگر کسی نے روزہ توڑ دیا پھر کفارہ کی ادائیگی سے پہلے دوسرا روزہ توڑ دیا تو کفارہ کا حکم

36947۔ (قوله: فَعَلَيْهِ كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ) پس اس پر ایک کفارہ ہوگا، کیونکہ کفارہ شبہ کے ساتھ ساقط ہو جاتا ہے۔ پس وہ حد کی طرح ایک دوسرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ ”مجتبیٰ“۔ پھر کہا: اور تداخل میں اختلاف ہے۔ پس بعض نے کہا ہے: دوسرا سبب کے تداخل کی وجہ سے واجب نہیں ہوتا۔ اور بعض نے کہا ہے: وہ واجب ہوتا ہے پھر ساقط ہو جاتا ہے لیکن جب اس نے پہلا کفارہ ادا کر دیا تو پھر نہ اجتماع لازم آتا ہے اور نہ تداخل ہوتا ہے۔

36948۔ (قوله: وَلَوْ فِي رَمَضَانَيْنِ الْخ) اگرچہ دو رمضانوں میں، یہ لو و صیلہ ہے۔ اور اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ایک رمضان کے ساتھ مقید کرنا صحیح کے خلاف ہے۔ اور یہی امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے روایت ہے۔ ”المجتبیٰ“ میں کہا ہے: اور ہمارے اکثر مشائخ نے کہا ہے: اعتماد اسی روایت پر ہے، اور صحیح یہ ہے کہ تداخل کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے ایک کفارہ اسے کافی ہوتا ہے۔

36949۔ (قوله: وَلَمْ يُعَيِّنِ) اور اس نے تعیین نہ کی یعنی اس طرح کہ یہ فلاں دن کی طرف سے ہے۔

36950۔ (قوله: وَلَوْ عَنْ رَمَضَانَيْنِ الْخ) اگرچہ وہ دو رمضانوں کی طرف سے ہو۔ ”زیلعی“ نے کہا ہے: اسی طرح اگر وہ روزہ رکھے اور دو یا زیادہ دنوں کی طرف سے نیت کرے تو وہ ایک دن کی طرف سے جائز ہوگا۔ اور اگر وہ دو رمضانوں کی طرف سے بھی نیت کرے تو وہ جائز ہے۔ اور اسی بنا پر معنی یہ ہے کہ اگر اس پر دو رمضانوں کے دو دن ہوں اور وہ ایک دن کی قضا کرے اور وہ نیت دو دنوں کی طرف سے کرے تو دونوں میں سے ایک کی طرف سے اس کا روزہ جائز ہوگا۔ اور دوسرا اس کے ذمے باقی رہے گا۔ لیکن اسے ”مسکین“ نے ذکر کیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ وہ دو میں سے ایک دن کی طرف سے اس کا مہینہ متعین کئے بغیر اس کی نیت کرے۔ اس حیثیت سے کہ انہوں نے کہا ہے: اور تو جان کہ ان کے قول ولو عن رمضانین سے مراد دو رمضانوں میں سے ایک کی قضا ہے اگرچہ روزہ رکھنے والا اول رمضان یا آخر رمضان کی نیت نہ کرے اور نہ وہ نیت میں

صَحَّ أَيْضًا (وَإِنْ لَمْ يَنْوِ فِي الصَّلَاةِ (أَوَّلَ صَلَاةٍ عَلَيْهِ أَوْ آخَرَ صَلَاةٍ عَلَيْهِ) كَذَا فِي الْكَنْزِ - قَالَ الْمُصَنِّفُ قَالَ الزَّيْلَعِيُّ وَالْأَصَحُّ اشْتِرَاؤُ التَّعْيِينِ فِي الصَّلَاةِ وَفِي رَمَضَانَيْنِ الْخ - قُلْتُ وَهَكَذَا قَدْ مَتَّه فِي بَابِ قَضَاءِ الْفَوَائِتِ تَبَعًا لِلدَّرَرِ وَغَيْرِهَا ثُمَّ رَأَيْتُ فِي الْبَحْرِ قُبَيْلَ بَابِ اللَّعَانِ مَا نَصُّهُ وَنِيَّةُ التَّعْيِينِ لَمْ تُشْتَرَطْ بِاعْتِبَارِ أَنَّ الْوَاجِبَ مُخْتَلِفٌ مُتَعَدِّدٌ بَلْ بِاعْتِبَارِ أَنَّ مُرَاعَاةَ التَّرْتِيبِ وَاجِبَةٌ عَلَيْهِ وَلَا يُبْكَئُهُ مُرَاعَاةُ إِلَّا بِنِيَّةِ التَّعْيِينِ، حَتَّى لَوْ سَقَطَ التَّرْتِيبُ بِكَثْرَةِ الْفَوَائِتِ يَكْفِيهِ نِيَّةُ الظُّهْرِ

صحیح ہوتی ہے اگرچہ وہ نماز کی نیت کرتے وقت اپنی پہلی قضا نماز یا آخری قضا نماز کی نیت نہ بھی کرے، اسی طرح ”الکنز“ میں ہے۔ ”مصنف“ نے کہا ہے: ”زیلعی“ نے کہا ہے: نماز میں اور دو رمضانوں میں تعین کی شرط لگانا اصح ہے الخ۔ میں کہتا ہوں: اسی طرح میں نے اسے باب قضاء الفوائت میں ”الدرر“ وغیرہ کی اتباع کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ پھر میں نے ”البحر“ میں باب اللعان سے پہلے دیکھا جو انہوں نے بیان کیا ہے: اور تعین کی نیت اس اعتبار سے شرط نہیں ہے کہ واجب مختلف اور متعدد ہے، بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ اس پر ترتیب کی رعایت کرنا واجب ہے اور اس کی رعایت بغیر نیت تعین کے ممکن نہیں۔ یہاں تک کہ اگر فوت شدہ نمازیں زیادہ ہونے کے ساتھ ترتیب ساقط ہو جائے تو مثلاً صرف ظہر کی نیت کرنا ہی کافی ہے

دونوں کو جمع کرنے کا ارادہ کرے۔ کیونکہ روزے میں دو قربتوں کی نیت کرنے والا نفل روزہ رکھنے والا ہو جاتا ہے۔ فلیتامل۔ میں کہتا ہوں: متن کا قول كقضاء الصلاة الخ، بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر مثلاً اس کی دو دنوں کی ظہر فوت ہو جائے اور وہ ظہر کی قضا کرے اور دو دنوں میں سے ایک کی تعین نہ کرے تو یہ صحیح ہے۔ یہ مراد نہیں ہے کہ وہ دو دنوں کی طرف سے ایک ظہر کی نیت کرے، اس پر قرینہ اس کا مابعد ہے۔ اور ”مسکین“ کے قول میں ہے: کیونکہ دو قربتوں کی نیت کرنے والا الخ۔ یہ ”زیلعی“ کے صدر کلام کے منافی ہے۔ اور ”شارح“ نے باب صفة الصلاة سے پہلے ذکر کیا ہے کہ اگر اس نے دو فوت شدہ نمازوں کی نیت کی تو وہ پہلی نماز کی طرف سے ہوگی اگر وہ اہل ترتیب میں سے ہے ورنہ وہ لغو ہو جائے گی۔ اس کا مقتضی یہ ہے کہ وہ روزے میں لغو ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں ترتیب نہیں اس لیے کہ یہ نماز کے ساتھ خاص ہے۔ اور اسی کے ساتھ ”مسکین“ کے کلام کی تائید ہوتی ہے۔ قریب ہی آنے والے اصل کے ساتھ اس میں غور و فکر کر۔

36951۔ (قوله: صَحَّ أَيْضًا وَإِنْ لَمْ يَنْوِ الْخ) یہ صحیح ہے اگرچہ وہ نیت نہ کرے۔ ”شارح“ نے باب شروط الصلاة

میں ”القہستانی“ سے اور انہوں نے ”المنیہ“ نے نقل کیا ہے کہ یہی اصح ہے۔ اور ”طحطاوی“ نے ”الولوالجیہ“ سے بھی اس کی تصحیح نقل کی ہے اور یہ کہ تعین احوط ہے۔

نماز اور اور دو رمضانوں کی قضا میں تعین کی شرط لگانے میں ضابطے

36952۔ (قوله: وَالْأَصَحُّ اشْتِرَاؤُ التَّعْيِينِ الْخ) اور تعین کا شرط ہونا اصح ہے۔ ”المستقی“ کے متن میں بھی اسے

صحیح قرار دیا ہے۔ اور تصحیح میں اختلاف ہے۔ اور تعین یہ ہے کہ وہ یہ معین کرے کہ وہ فلاں سال کے رمضان کا روزہ رکھ رہا

لَا غَيْرُ كَذَا فِي الْبُحْثِ، وَهُوَ تَفْصِيلٌ حَسَنٌ فِي الصَّلَوَاتِ يَنْبَغِي حِفْظُهُ اُنْتَهَى بِلَفْظِهِ، ثُمَّ رَأَيْتُهُ نَقَلَهُ عَنْهُ فِي الْأَشْبَاهِ فِي بَحْثِ تَعْيِينِ الْمَنَوِيِّ، ثُمَّ قَالَ وَهَذَا مُشْكِلٌ، وَمَا ذَكَرَهُ أَصْحَابُنَا كَقَاضِي خَانَ وَغَيْرِهِ خِلَافُهُ وَهُوَ الْمُعْتَمَدُ

کسی اور کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح ”المحیط“ میں ہے۔ اور وہ نمازوں کے بارے میں حسین تفصیل ہے اسے یاد کر لینا چاہیے۔ انتہی بلفظہ۔ پھر میں نے اسے دیکھا، انہوں نے اسے ”المحیط“ سے ”الاشباہ“ میں تعین منوی کی بحث میں نقل کیا ہے، پھر کہا ہے: یہ مشکل ہے۔ اور جو ہمارے اصحاب ”قاضیخان“ وغیرہ نے اس کے خلاف ذکر کیا ہے وہ قابل اعتماد ہے۔

ہے۔ اور نماز میں تعین یہ ہے کہ وہ نماز اور اس کے دن کو اس طرح معین کرے مثلاً وہ فلاں دن کی ظہر کا تعین کرے۔ اور اگر اس نے اپنے اوپر واجب الاداء پہلی ظہر یا آخری ظہر کی نیت کی تو بھی جائز ہے اور یہ اس کے لیے خاص ہے جسے ان اوقات کا علم نہ ہو جن میں نمازیں فوت ہوئیں، یا وہ اس پر مشتبہ ہوں یا وہ اپنے اوپر آسانی اور سہولت کا ارادہ کرے۔

اس میں اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ فرائض باہم مزاحم ہوتے ہیں، لہذا جسے وہ ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اس کی تعین کرنا ضروری ہے۔ اور نیت کے ساتھ جنس واحد کی تعین شرط ہے۔ کیونکہ یہ مختلف اجناس کو تمیز دینے اور الگ الگ کرنے کے لیے بھی مشروع ہے۔ رہی ایک جنس میں تعین: یعنی اس کے بعض افراد کو بعض سے الگ کرنے کے لیے نیت کرنا تو یہ لغو ہے۔ کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں یہاں تک کہ اگر اس پر معین دن کی قضا لازم ہو اور وہ دوسرے دن کی نیت کے ساتھ روزہ رکھے یا اس پر دو دنوں یا زیادہ کے روزوں کی قضا ہو اور وہ دو یا زیادہ دنوں کی قضا کی نیت کرتے ہوئے روزہ رکھے تو یہ جائز ہے بخلاف اس کے کہ جب وہ دو رمضانوں یا دوسرے رمضان کی طرف سے نیت کرے۔ کیونکہ اس میں جنس مختلف ہے۔ پس وہ اس طرح ہو گیا جیسا کہ اگر وہ دو ظہروں یا عصر کی بجائے ظہر کی نیت کرے، یا وہ ہفتہ کی ظہر کی نیت کرے حالانکہ اس پر جمعرات کی ظہر واجب الاداء ہو، اور اختلاف جنس اختلاف سبب سے پہچانا جاتا ہے جیسا کہ نمازیں یہاں تک کہ دو دنوں کی دو ظہریں۔ کیونکہ ایک دن میں سورج کا ڈھلنا دوسرے دن کا غیر ہوتا ہے بخلاف رمضان کے روزے کے۔ کیونکہ اس کا تعلق شہود شہر کے ساتھ ہے اور وہ (مہینہ) ایک ہے۔ کیونکہ وہ تیس دن اور رات سے عبارت ہے، پس وہ اس میں فلاں دن کی تعین کا محتاج ہی نہیں ہے، بخلاف دو رمضانوں کے۔ ”زیلعی“؛ ملخصاً۔

36953۔ (قوله: ثُمَّ رَأَيْتُهُ) یعنی اس تفصیل کو انہوں نے ”المحیط“ سے ”الاشباہ“ میں نقل کیا ہے۔ فافہم۔

36954۔ (قوله: وَهَذَا مُشْكِلٌ) اور یہ مشکل ہے، اس لیے کہ یہ گزر چکا ہے کہ ہر نماز اپنے اسباب کے مختلف ہونے کی وجہ سے ایک جنس ہے اور تعین مختلف اجناس کے لیے شرط ہے۔ اور اس لیے کہ اگر اسی طرح ہے جیسے ”المحیط“ میں کہا ہے تو یقیناً وہ ترتیب کے واجب ہونے کے باوجود بھی جائز ہے، کیونکہ اسے اول کی طرف پھیرنا ممکن ہے، کیونکہ ترتیب کے وقت تعین نہ واجب ہوتی ہے اور نہ مفید ہوتی ہے اسی طرح اسے ”زیلعی“ نے بیان کیا ہے۔

36955۔ (قوله: خِلَافُهُ) یعنی تعین کے خلاف، اگرچہ وہ اول ظہر یا آخر ظہر کے ساتھ ہو۔ ”طحاوی“۔

كَذَانِ التَّبْيِينِ بِحُرُوفِهِ فَلْيُتَنَبَّهُ لِدَلِيلِكَ (رَأْسُ شَاةٍ مُتَلَطِّخٍ بِدَمٍ أُحْرِقَ) رَأْسُهُ وَزَالَ عَنْهُ الدَّمُ فَاتَّخَذَ مِنْهُ مَرَقَةً (جَازَ اسْتِعْمَالُهَا) وَالْحَرْقُ (كَالْغَسْلِ)، وَقَدْ مَنَّا أَنَّهُ مِنَ الْبُطْهَرَاتِ (سُلْطَانٌ جَعَلَ الْخَرَاجَ لِرَبِّ الْأَرْضِ جَازًا، وَإِنْ جَعَلَ لَهُ الْعُشْمَ لَا) لِأَنَّهُ زَكَاةٌ قُلْتُ وَقَدْ قَدَّمَ فِي الْجِهَادِ،

اسی طرح ”التبیین“ میں ہے۔ انتہی بحروفہ، پس اس پر آگاہ ہونا چاہیے۔ بکری کا خون میں لت پت سر آگ میں جلایا گیا اور اس سے خون زائل ہو گیا پھر اس سے شوربہ بنایا گیا تو اس کا استعمال کرنا جائز ہے، اور اس میں جلانا دھونے کی مثل ہی ہے۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ بھی مطہرات میں سے ہے۔ سلطان وقت نے زمین کے مالک کے لیے خراج مقرر کیا تو یہ جائز ہے، اور اگر اس نے اس کے لیے عشر مقرر کیا تو یہ جائز نہیں، کیونکہ یہ زکوٰۃ ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کا ذکر کتاب الجہاد میں ہو چکا ہے

36956۔ (قوله: وَهُوَ الْبُغْتَمُ) تحقیق آپ جانتے ہیں کہ دوسرے کو صحیح قرار دیا گیا ہے اگرچہ احوط تعیین ہے۔ ”طحاوی“

آگ مطہر ہے

36957۔ (قوله: وَالْحَرْقُ كَالْغَسْلِ) اور جلانا دھونے کی مثل ہے۔ کیونکہ آگ اس میں موجود نجاست کو کھا جاتی ہے یہاں تک کہ اس میں کوئی شے باقی نہیں رہتی یا وہ اسے بدل دیتی ہے۔ پس خون راکھ ہو جاتا ہے اور وہ بدلنے کے ساتھ پاک ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اگر گوبر وغیرہ نجاست کو آگ جلادے اور وہ راکھ ہو جائے تو وہ اس تبدیلی کے سبب پاک ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ خمر جب سرکہ بن جائے اور جیسا کہ خنزیر جب نمک کی کان میں واقع ہو اور نمک ہو جائے۔ اسی بنا پر فقہانے کہا ہے: جب تنور ناپاک ہو جائے تو وہ آگ کے ساتھ پاک ہو جاتا ہے یہاں تک کہ روٹی ناپاک نہیں ہوگی۔ اور اسی طرح جب نانباتی کا تنور کو صاف کرنے کا کپڑا ناپاک ہو جائے تو وہ آگ کے ساتھ پاک ہو جاتا ہے۔ ”زیلعی“۔ ”سامحانی“ نے کہا ہے: اس سے وہ ظاہر نہیں ہوتا جو امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے کہ وہ چھری جسے ناپاک پانی کے ساتھ ملع اور گلٹ کیا گیا تو پھر اسے تین بار پاک پانی کے ساتھ گلٹ کیا جائے۔ کیونکہ وہ جب آگ میں داخل ہوا اور تھوڑی دیر اس میں ٹھہرا ہوا تو اس میں ظاہر اور باطناً نجاست کا کوئی اثر باقی نہیں رہا۔

اگر حاکم وقت زمین کے مالک کو خرچ چھوڑ دے تو اس کا حکم

36958۔ (قوله: وَقَدْ قَدَّمَ فِي الْجِهَادِ) کتاب الجہاد میں اس کا ذکر پہلے کیا ہے۔ جہاں انہوں نے کہا ہے

سلطان وقت یا اس کے نائب نے زمین کے مالک کو خراج چھوڑ دیا یا وہ اسے ہبہ کر دیا اگرچہ سفارش کے ساتھ ہی ہو تو امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ جائز ہے اور وہ اس کے لیے حلال ہے اگر وہ اس کا مصرف ہو، ورنہ وہ اسے صدقہ کر دے۔ اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اور ”الحاوی“ میں غیر مصرف کے لیے اس کے حلال ہونے کی جو ترجیح مذکور ہے وہ قول مشہور کے خلاف ہے اور اگر وہ عشر چھوڑ دے تو یہ بالا جماع جائز نہیں اور وہ اسے بذات خود فقرا کے لیے نکالے یہ اس کے خلاف ہے

وَقَدَّمْتَهُ فِي الزَّكَاةِ أَيْضًا (عَجَزَ أَصْحَابُ الْخَرَاجِ عَنْ زِمَاعَةِ الْأَرْضِ وَأَدَاءِ الْخَرَاجِ وَدَفْعِ الْإِمَامِ الْأَرْضَ إِلَى غَيْرِهِمْ) بِالْأَجْرَةِ (لِيُعْطُوا الْخَرَاجَ) مِنْ أَجْرَتِهَا الْمُسْتَحَقَّةِ (جَازَ) فَإِنْ فَضَلَ شَيْءٌ مِنْ أَجْرَتِهَا دَفَعَهُ لِبَالِكِهَا رِعَايَةً لِلْحَقِّينِ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ الْإِمَامُ مَنْ يَسْتَأْجِرُهَا بِأَعْهَاءِ لِقَادِرٍ وَأَخَذَ الْخَرَاجَ الْمَاضِيَ مِنَ الشَّنِّ لَوْ عَلَيْهِمْ خَرَاجٌ وَرَدَّ الْفَضْلَ لِأَرْبَابِهَا زَيْدَعِيٌّ

اور میں نے اسے کتاب الزکوٰۃ میں بھی ذکر کر دیا ہے۔ اہل خراج زمین میں کاشت کرنے اور خراج ادا کرنے سے عاجز آگئے اور امام وقت وہ زمین دوسروں کو اجارہ پر دے دے تاکہ وہ اس کی اجرت مستحقہ سے خراج ادا کریں تو یہ جائز ہے۔ پس اگر اس کی اجرت میں سے کوئی شے فالتو بیچ جائے تو وہ زمین کے مالک کو دے دے تاکہ دونوں کے حق کی رعایت ہو جائے۔ اور اگر امام ایسے آدمی کو نہ پائے جو اسے اجارہ پر لے تو وہ اس زمین کو قدرت رکھنے والے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دے اور اس کے ثمن سے گزشتہ خراج لے لے اگر ان پر خراج ہو اور جو بیچ جائے وہ زمین کے مالکوں کو لوٹا دے۔ ”زیلعی“۔

جو امام کے تصرف کے قاعدہ میں ہے اور اس کی علت مصلحت بیان کی گئی ہے۔ یہ ”الاشباہ“ سے منقول ہے جو ”البرزازیہ“ کی طرف منسوب ہے۔ پس تو اس پر آگاہ رہ یعنی یہ کہ اگر سلطان عشر اس آدمی کے لیے چھوڑ دے جس پر وہ لازم ہے تو یہ جائز ہے چاہے وہ آدمی غنی ہو یا فقیر ہو۔ لیکن اگر وہ غنی ہوگا تو سلطان فقرا کے لیے خراج کے بیت المال سے صدقہ کے لیے ضامن ہوگا، اور اگر وہ فقیر ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔

36959۔ (قوله: عَنْ زِمَاعَةِ الْأَرْضِ) یعنی اہل خراج اپنی مملوکہ زمین میں کاشت کرنے سے عاجز آجائیں۔

36960۔ (قوله: الْمُسْتَحَقَّةِ) یعنی خراج کے مستحق کے لیے۔

36961۔ (قوله: رِعَايَةً لِلْحَقِّينِ) دونوں حقوں کی رعایت کرتے ہوئے۔ کیونکہ ان کی رضامندی کے بغیر کسی ضرورت کے بغیر ان کی ملک زائل کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور نہ ہی قتال کرنے والوں کے حق کو معطل کرنے کی کوئی وجہ ہے ہذا وہ متعین ہو گیا جو ہم نے کہا ہے۔ ”زیلعی“۔

36962۔ (قوله: بِأَعْهَاءِ لِقَادِرٍ) تو وہ اسے زراعت پر قدرت رکھنے والے کو فروخت کر دے۔ کیونکہ اگر وہ اسے نہ

بیچے تو اس طرح خراج میں مقابلہ کا حق بالکل فوت ہو جائے گا، اور اگر وہ بیچ دے تو عین میں مالک کا حق فوت ہوتا ہے، اور خلف کا فوت ہونا فوت نہ ہونے کی مثل ہے۔ پس دونوں جانبوں کا لحاظ رکھتے ہوئے وہ اسے بالیقین بیچ دے گا۔ ”زیلعی“۔ اسے یاد رکھ لو۔ اور ”البحر“ میں مذکور ہے کہ بیع کرنے سے پہلے اگر وہ چاہے تو وہ کسی غیر کو وہ زمین مزارعت پر دے دے۔ اور اگر چاہے تو بیت المال کے خرچہ پر اسے کاشت کر لے۔ پس اگر اس پر قادر نہ ہوا اور وہ کوئی ایسا آدمی نہ پائے جو اسے مزارعت پر قبول کرے تو پھر وہ اسے بیچ دے الخ۔

قُلْتُ وَقَدْ مُنَّانِي الْجِهَادِ تَرْجِيحَ سُقُوطِهِ بِالتَّدَاخُلِ، فَيُحْصَلُ عَلَى الْمَرْجُوحِ أَوْ عَلَى أَنَّ مُرَادَهُ أَخْذُ خَرَاجِ السَّنَةِ الْمَاضِيَةِ فَقَطْ (غَنَمٌ مَذْبُوحَةٌ وَمَيْتَةٌ)، فَإِنْ كَانَتْ الْمَذْبُوحَةُ أَكْثَرَ تَحَرَّى وَأَكَلَ وَإِلَّا بِأَنْ كَانَتْ الْمَيْتَةُ أَكْثَرَ أَوْ اسْتَوَيَا

میں کہتا ہوں: اور ہم تداخل کے ساتھ اس کے ساقط ہونے کی ترجیح کتاب الجہاد میں ذکر کر چکے ہیں۔ پس اسے قول مرجوح پر محمول کیا جائے گا یا اس پر کہ ان کی مراد صرف گزشتہ سال کا خراج لینا ہے۔ ذبح کی ہوئی اور مردار بکریاں پڑی ہوں تو اگر مذبحہ بکریوں کی تعداد زیادہ ہو تو وہ تحری (متبع و تلاش) کرے اور کھالے، اور اگر مردار کی تعداد زیادہ ہو یا دونوں برابر ہوں

36963۔ (قوله: قُلْتُ الْخ) ”مصنف“ کے لیے اس کی اصل اس حیثیت سے ہے کہ انہوں نے اپنے قول و اخذ

الخراج الماضی میں اس کے ساتھ اشکال پیدا کر دیا ہے جو ”الخنایہ“ میں ہے۔ ان کا قول ہے: پس اگر خراج جمع ہو جائے اور وہ دو سال تک ادا نہ کرے تو امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سال کا خراج لیا جائے گا، اور پہلے سال کا خراج نہیں لیا جائے گا اور وہ اس سے ساقط ہو جائے گا جیسا کہ جزیہ میں کہا ہے: اور ان میں سے وہ ہے جو کہتا ہے: خراج بالا جماع ساقط نہیں ہوتا بخلاف جزیہ کے۔ یہ حکم تب ہے جب وہ زراعت سے عاجز ہو۔ اور اگر وہ عاجز نہ ہو تو تمام کے نزدیک خراج لیا جائے گا۔

36964۔ (قوله: فَيُحْصَلُ عَلَى الْخ) اسے عدم عجز کی حالت پر محمول نہ کیا جائے کیونکہ ہمارا مسئلہ حالت عجز کے

بارے میں ہے۔ فافہم۔

36965۔ (قوله: الْمَاضِيَةِ فَقَطْ) یعنی وہ سال جس میں وہ عاجز ہوئے، اور یہ اس سال سے پہلے والا سال ہے جس

میں امام وقت نے وہ زمین دوسروں کو دے دی نہ کہ وہ جو اس سے پہلے ہیں۔ اور صرف دینے والے سال کے داخل ہونے سے تداخل ثابت نہیں ہوتا، یہاں تک کہ اس پر یہ وارد ہو کہ وہ اس گزشتہ سال کا خراج ساقط کر دیتا ہے۔ کیونکہ خراج کا واجب ہونا سال کے آخر کے ساتھ ثابت ہوتا ہے نہ کہ سال شروع ہونے کے ساتھ بخلاف جزیہ کے، جیسا کہ ”البحر“ میں تصریح کر دی ہے۔ فافہم

اگر ذبح شدہ اور مردار بکریاں پڑی ہوں تو ان کا حکم

36966۔ (قوله: تَحَرَّى وَأَكَلَ) وہ تلاش کرے اور کھائے، کیونکہ اکثر اور غالب کے لیے کل کا حکم ہوتا ہے۔ اور اسی

طرح تیل ہے اگر وہ مردار یا خنزیر کی چربی کے ساتھ مل جائے تو اس سے کسی حالت میں نفع حاصل نہیں کیا جاسکتا سوائے اس کے کہ جب تیل غالب ہو۔ لیکن اس کا کھانا حلال نہیں ہوگا بلکہ اس سے چراغ جلایا جائے گا یا وہ اسے اس کا عیب بیان کرنے کے ساتھ اس کی بیع کرے گا یا وہ اس کے ساتھ چمڑے رنگے گا اور انہیں دھوے گا۔ کیونکہ مغلوب غالب کے تابع ہوتا ہے اور

تبع کا کوئی حکم نہیں ہے اگر اس کے ساتھ ملے جلے کپڑے ہوں۔ اور حال اضطرار میں یہ کہ وہ یقینی طاہر اور پاک نہ پائے اور

اس کے پاس دھونے کے لیے پانی بھی نہ ہو تو وہ مطلقاً تحری کرے۔ کیونکہ حالت اضطرار میں بالا جماع نماز ایسے کپڑے میں

جائز ہے جو یقینی طور پر نجس اور ناپاک ہو تو پھر مشکوک کپڑے میں بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی۔ اور رہی حالت اختیار تو اس میں اگر

(لَا يَتَحَرَّى لَوْ فِي حَالَةِ الْاِخْتِيَارِ بِأَنْ يَجِدَ ذَكِيَّةً وَلَا تَحَرَّى وَأَكَلَ مُطْلَقًا

تو وہ تحری نہ کرے گا۔ اگر حالت اختیار میں ہو اس طرح کہ وہ ذبح شدہ بکری پالے اور اگر حالت اختیار میں نہ ہو تو پھر مطلقاً تحری کرے اور کھالے۔

طاہر اور پاک کا غلبہ ہو تو وہ تحری کرے۔ ورنہ نہیں جیسا کہ بکری وغیرہ کی کھالیں اتارنے میں جواب ہے۔ اور اسی طرح پانی کے برتن میں مگر حالت اضطرار میں اگر ناپاک غالب اور زیادہ ہوں تو وہ پانی پینے کے لیے بالاجماع تحری کرے گا۔ کیونکہ ضرورت اور حاجت کے وقت یقینی نجس کو پینا جائز ہوتا ہے تو مشکوک بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ اور وضو کے لیے ہمارے نزدیک تحری نہیں کرے گا بلکہ تیمم کرے گا۔ اور اولیٰ یہ ہے کہ وہ اس سے پہلے پانی بہا دے یا اسے نجس پانی کے ساتھ ملا دے۔ اس کی مکمل بحث ”غایۃ البیان“ میں ہے۔

میں کہتا ہوں: چربی کے ساتھ تیل کے ملنے سے مراد دونوں کے اجزاء کا ملنا ہے نہ کہ ان کے برتنوں کا اختلاط مراد ہے۔ اور اسی لیے اسے کھانا حلال نہیں ہے۔ فتنہ۔

36967۔ (قولہ: لَا يَتَحَرَّى) وہ تحری نہیں کرے گا، اگر وہاں ایسی کوئی علامت نہ ہو جس سے ذبح کو جانا جاسکتا ہو۔ اور اگر کوئی علامت ہو تو اس پر اس کے ساتھ لینا واجب ہے جیسا کہ ”الدر المنبتی“ میں ہے۔ ”غایۃ البیان“ میں کہا ہے: فقہاء نے کہا ہے: مردار کی علامت یہ ہے کہ وہ پانی کے اوپر تیرنے لگے گی اور ذبح کی ہوئی نہیں تیرے گی۔ اور اس صحیح یہ ہے کہ ذبح کی ہوئی بکری کی علامت خون سے اس کی رگوں کا خالی ہونا ہے اور مردار کی علامت خون سے اس کی رگوں کا بھرا ہوا ہونا ہے۔

36968۔ (قولہ: بِأَنْ يَجِدَ ذَكِيَّةً) اس طرح کہ وہ ذبح شدہ بکری پالے۔ میں کہتا ہوں: مراد یہ ہے کہ وہ ایسی چیز پالے جس کے ساتھ اس کی حاجت پوری ہو جائے چاہے وہ ذبح کی ہوئی بکری کا گوشت ہو یا روٹی ہو یا کوئی اور شے۔

36969۔ (قولہ: وَلَا تَحَرَّى الْخ) ورنہ وہ تحری کرے، ”ہدایہ“ میں کہا ہے: لیکن ضرورت اور حاجت کی حالت میں اس کے لیے وہ حلال ہے، کیونکہ حاجت تمام کو شامل ہے، کیونکہ یقینی مردار بھی ضرورت کی حالت میں حلال ہوتی ہے، پس وہ جس کے بارے ذبح شدہ ہونے کا احتمال ہو وہ بدرجہ اولیٰ حلال ہوگی۔ مگر یہ کہ وہ تحری کرے گا۔ کیونکہ فی الجملہ ذبح کی ہوئی تک پہنچنے کا یہی طریقہ ہے۔ پس وہ اسے بغیر حاجت اور ضرورت کے ترک نہیں کرے گا۔ ”العنایہ“ میں کہا ہے: اور بکریوں اور کپڑوں کے درمیان فرق کا مطالبہ کیا گیا ہے، کیونکہ مسافر کے پاس اگر دو کپڑے ہوں ایک پاک اور ایک ناپاک اس کے سوا کچھ نہ ہو اور ان دونوں کے درمیان تمیز کرنے والی کوئی علامت نہ ہو تو وہ تحری کرے گا اور نماز پڑھے گا۔ پس تحری اس صورت میں جائز قرار دی گئی ہے جب دونوں نصف نصف ہوں، اور کھالیں اتارنے میں جائز نہیں۔ اور جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ کپڑوں کا حکم اخف ہے۔ کیونکہ اگر وہ سارے کا سارا بھی نجس اور ناپاک ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کے بعض میں نماز پڑھ لے، کیونکہ وہ مضطر اور مجبور ہے بخلاف بھیڑ بکریوں کے الخ۔ اور اسی کی مثل ”النہایہ“، ”الکفایہ“ اور ”المنہج“ وغیرہ میں ہے۔

وَمَرَّ فِي الْحَظَرِ (إِسَاءُ الْآخِرِ) وَكِتَابَتُهُ كَالْبَيَانِ بِاللِّسَانِ

یہ باب الحظر میں گزر چکا ہے۔ گونگے آدمی کا اشارہ کرنا اور اس کا لکھنا زبان سے بیان کرنے کی طرح ہے

میں کہتا ہوں: یہ ان کی طرف سے عجیب مسئلہ ہے۔ کیونکہ انہوں نے حالت ضرورت میں دو کپڑوں کا مسئلہ ذکر کیا ہے، اور اس حالت میں بکریوں اور کپڑوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ آپ اس کے بارے تصریح سن چکے ہیں جسے ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے، اور ”ہدایہ“ کے قول میں ہے: ان تمام میں کھانا اس کے لیے حلال ہے یعنی اس صورت میں جبکہ مذبحہ بکریاں غالب ہوں یا مغلوب ہوں یا برابر ہوں تو پھر اس صورت میں فرق کیسے تلاش کیا جائے گا جس میں کوئی فرق نہیں؟ اور اگر انہوں نے حالت ضرورت میں کپڑوں کے درمیان اور حالت اختیار میں بکریوں کے درمیان فرق کرنے کا ارادہ کیا ہے تو یہ اصلاً ساقط ہے۔ کیونکہ فرق صرف دو متحد اور ایک جیسی حالتوں کے وقت ہی تلاش کیا جاسکتا ہے۔ پھر میں نے علامہ ”الطوری“ کو دیکھا اور انہوں نے اس پر آگاہ کیا۔ واللہ الحد والہینۃ۔

36970۔ (قوله: وَمَرَّ فِي الْحَظَرِ) یعنی باب الحظر کے شروع میں ان کے قول: ومن دعی الی ولیمة سے پہلے گزر

چکا ہے۔ اور اکثر نسخوں میں لفظ الحظر ساقط ہے۔

گونگے آدمی کے اشارہ کرنے اور لکھنے کا حکم

36971۔ (قوله: إِسَاءُ الْآخِرِ) یعنی گونگے کا اپنے ابرو یا ہاتھ یا کسی اور عضو کے ساتھ اشارہ کرنا زبان کے

بیان کی مثل ہے جبکہ قاضی اس کا اشارہ پہچان لے اور اگر قاضی نہ جانتا ہو تو پھر مناسب یہ ہے کہ وہ اس کے بھائیوں، دوستوں اور پڑوسیوں میں سے ایسے آدمی سے اس کی معلومات لے جو اس کے اشارے جانتا ہو، یہاں تک کہ وہ قاضی کے سامنے یہ کہے کہ اس نے اس اشارہ سے یہ ارادہ کیا ہے، اور وہ اس کی تفسیر، وضاحت اور ترجمانی کرے یہاں تک کہ قاضی کا علم اسے محیط ہو جائے، اور چاہیے کہ وہ آدمی عادل اور ایسا ہو جس کی بات قبول کی جاتی ہو۔ کیونکہ فاسق کا تو کوئی قول نہیں ہوتا۔ اسے ”بیری“ نے ”الولوالجیہ“ سے بیان کیا ہے۔ اور اس کا مطلق ہونا لکھنے کی قدرت ہونے کے باوجود اشارہ کے معتبر ہونے کا فائدہ دیتا ہے اور یہی معتمد علیہ قول ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک حجۃ ضروریہ ہے جیسا کہ ”القہستانی“ وغیرہ میں ہے۔ ”در منشی“۔

36972۔ (قوله: وَكِتَابَتُهُ) ”المقدسی“ نے اس طرح اعتراض کیا ہے کہ پیدائشی گونگا لکھنا نہیں جانتا اور اسے جانا

اس کے لیے ممکن ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ کتابت ان الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے جو حروف سے مرکب ہوتے ہیں اور وہ نہ بول سکتا ہے اور نہ آواز سن سکتا ہے۔

میں کہتا ہوں: وہ ممکن ہو سکتا ہے اسے یہ پہچان کر دینے کے ساتھ کہ فلاں معنی پر ان حروف کے ساتھ دلالت ہوتی ہے جو اس صورت پر لکھے ہوئے اور نقش ہوں۔ تامل۔

(بِخِلَافِ مُعْتَقِلِ اللِّسَانِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ هُمَا سَوَاءٌ فِي وَصِيَّةٍ وَنِكَاحٍ وَطَلَاقٍ وَبَيْعٍ وَشِرَاءٍ وَقَوْدٍ وَغَيْرِهَا مِنْ الْأَحْكَامِ أَيْ إِيضًا الْأَخْرَاسِ فَيَأْخُذُ كَرُّ مُعْتَبَرٌ

بخلاف اس کے جس کی زبان میں لکنت ہو (یعنی وہ جو سہولت کے ساتھ بولنے پر قادر نہ ہو) اور امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: یہ دونوں وصیت، نکاح، طلاق، خرید و فروخت اور قصاص وغیرہ احکام میں برابر ہیں یعنی مذکورہ امور میں گونگے کا اشارہ معتبر ہے۔

مُعْتَقِلُ اللِّسَانِ (جس کی زبان میں لکنت ہو) کا حکم

36973۔ (قوله: بِخِلَافِ مُعْتَقِلِ اللِّسَانِ) یہ لفظ قاف کے فتح کے ساتھ ہے۔ کہا جاتا ہے: أُعْتِقِلَ لِسَانُهُ اس میں یہ لفظ تا کے ضمہ کے ساتھ ہے: جب زبان کلام کرنے سے رک جائے اور اس پر قادر نہ رہے۔ ”مغرب“۔ پس اس کا نہ اشارہ معتبر ہوگا اور نہ کتابت، مگر جب اس کی لکنت ممتد اور طویل ہو جائے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ اور یہ اس لیے ہے کیونکہ امر عارض زوال کے قریب ہوتا ہے اس لیے اسے اصلی گونگے پن پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ پھر تو جان! کہ یہ غیر معتاد کتابت کے بارے میں ہے، اس لیے کہ ”التبیین“ وغیرہ میں ہے: کتابت کے تین مراتب ہیں: جو واضح لکھا ہوا ہو اور وہ ہے جس کا آغاز کسی عنوان کے ساتھ ہو، اور وہ اس طرح کہ اس کے شروع میں لکھا جائے کہ فلاں کی طرف سے فلاں کے نام ہے جیسا کہ اسی کے مطابق عادیہ جاریہ ہے۔ یہ کتابت (تحریر) بولنے کی طرح ہے اور یہ بطور حجت لازم ہے۔ اور وہ کتابت جو غیر معتاد ہو جیسے دیواروں اور درختوں کے پتوں پر لکھنا یا کاغذ پر لکھنا لیکن وہ معتاد طریقہ پر نہ ہو تو وہ حجت نہیں ہوگی مگر جب کوئی دوسری شے اس کے ساتھ مل جائے جیسے نیت، اس پر کسی کو گواہ بنانا، اور کسی غیر کو املاء کرانا یہاں تک کہ وہ اسے لکھ دے۔ کیونکہ کتابت کبھی تجربہ اور مہارت کے حصول کے لیے ہوتی ہے، اور ان اشیاء کے ساتھ اس کی جہت متعین ہو جاتی ہے۔ اور وہ گواہ بنائے بغیر املاء کرانے سے پہلے حجت نہیں ہوتی، اور پہلا قول اظہر ہے۔ اور تیسرا مرتبہ غیر ظاہر کتابت کا ہے جیسے ہوا یا پانی پر لکھنا اور یہ غیر مسموع کلام کے قائم مقام ہے اور اس کے ساتھ احکام میں سے کوئی شے ثابت نہیں ہوتی اگرچہ وہ نیت کرے۔

حاصل کلام: اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلی قسم صریح ہے، دوسری کنایہ ہے، اور تیسری لغو ہے۔ اور باقی ایک چوتھی صورت عقلیہ بچتی ہے جس کا کوئی وجود نہیں، یہ معتاد تو ہے لیکن غیر ظاہر ہے۔ اور یہ سب بحث ناطق (بولنے والے) کے بارے میں ہے۔ پس غیر ناطق میں بدرجہ اولیٰ ہوگی۔ لیکن ”الدر المنثور“ میں ”الاشباہ“ سے ہے کہ گونگے کے حق میں یہ شرط ہے کہ اس کی کتابت عنوان کے ساتھ ہو اگرچہ وہ غائب کے لیے نہ ہو۔ اور اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ناطق حاضر کی طرف سے عنوان کے ساتھ کتابت غیر معتبر ہے۔

اور ”الاشباہ“ میں ہے: کسی آدمی نے وصیت نامہ لکھا اور جو اس میں ہے اس کے بارے گواہ بنالیا، اور اپنی وصیت گواہوں پر نہ پڑھی، تو فقہانے کہا ہے: گواہوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس کے بارے شہادت دیں جو اس وصیت میں

وَمِثْلُهُ مُعْتَقَلُ اللِّسَانِ إِنْ عَلِمْتَ إِشَارَتَهُ وَامْتَدَّتْ عُقْلَتُهُ إِلَى مَوْتِهِ بِهِ يُفْتَى قُلْتُ وَمَرَرَنِي الْوَصَايَا وَذَكَرَهُ هُنَا الْأَكْمَلُ وَابْنُ الْكَمَالِ وَالزَّيْلَعِيُّ وَغَيْرُهُمْ۔ ثُمَّ مُفَادٌ كَلَامُهُمْ أَنَّهُ لَوْ أَقَرَّ بِالْإِشَارَةِ أَوْ طَلَّقَ مَثَلًا تَوَقَّفَ فَإِنْ مَاتَ عَلَى عُقْلَتِهِ نَفَذَ مُسْتَنَدًا وَإِلَّا لَا وَعَلَيْهِ، فَلَوْ تَزَوَّجَ بِالْإِشَارَةِ لَا يَحِلُّ لَهُ وَطُوهَا لِعَدَمِ نَفَاذِهِ،

اور اسی کی مثل وہ ہے جس کی زبان میں لکنت ہو بشرطیکہ اس کا اشارہ معلوم ہو اور اس کی لکنت اس کی موت تک برقرار رہے، اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کا ذکر کتاب الوصایا میں گزر چکا ہے۔ اور یہاں اسے ”اکمل“، ”ابن کمال“ اور ”زیلعی“ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ پھر ان کے کلام کا مفاد یہ ہے کہ اگر وہ اشارہ کے ساتھ کوئی اقرار کرے یا طلاق دے تو وہ موقوف رہے گی۔ پس اگر وہ اپنی لکنت پر ہی فوت ہو گیا تو اس کی نسبت سے نافذ ہو جائیں گے ورنہ نہیں۔ اور اس بنا پر یہ ہے کہ اگر اس نے اشارہ کے ساتھ کسی سے شادی کی تو اس کے لیے وطی حلال نہیں ہوگی، اس لیے کہ وہ ابھی نافذ نہیں ہوا،

ہے اور یہی صحیح ہے: کیونکہ شہادت علم کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

36974۔ (قوله: وَمِثْلُهُ مُعْتَقَلُ الْخ) اور اسی کی مثل وہ ہے جس کی زبان میں لکنت ہو، الخ۔ اسے لا معتقل اللسان ان علمت اشارته الخ سے تعبیر کرنا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے۔ تامل۔

36975۔ (قوله: بِهِ يُفْتَى) اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے، یہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ سے روایت ہے۔ اور اس کے مقابل وہ ہے جو ”الکفایہ“ میں ”امام التمرتاشی“ سے منقول ہے۔ انہوں نے ایک سال کے ساتھ اس کا اندازہ مقرر کیا ہے۔ ”الدر المنشقی“ میں کہا ہے اور ”العمادی“ نے مریض کی استثنا کی ہے جب اس پر لکنت طویل ہو جائے۔ کیونکہ وہ گونگے آدمی کی طرح ہے جیسا کہ ”البرجندی“ نے اسے ”العمادیہ“ کی طرف منسوب کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ یہ اس کے خلاف ہے جسے ”القہستانی“ نے اس سے نقل کیا ہے، کیونکہ اس کا ذکر ان میں ہے جن سے کلام کرنے کی امید کی جاسکتی ہے۔ پس تو مقصد کو سمجھ اور ”قہستانی“ کی عبارت ہے: اگر اسے فالج پڑ جائے اور اس کی زبان بولنے پر قادر نہ رہے یا وہ بیمار ہو اور وہ کمزوری اور ضعف کے سبب کلام پر قادر رہے مگر یہ کہ وہ عاقل ہو، سمجھ سکتا ہو اور وہ اپنے سر کے ساتھ وصیت کی طرف اشارہ کرے تو اس کی وصیت صحیح ہے۔ اور ہمارے اصحاب نے کہا ہے: بلاشبہ وہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ ”العمادی“ میں ہے۔

36976۔ (قوله: أَوْ طَلَّقَ مَثَلًا) یا مثال کے طور پر وہ طلاق دے، جیسا کہ جب وہ غلام کو آزاد کرے۔ ”طحطاوی“۔

36977۔ (قوله: نَفَذَ مُسْتَنَدًا) تو وہ بطور استناد نافذ ہو جائے گی، پس عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ شادی کرے اگر اشارہ یا کتابت کے وقت سے اس کی عدت گزر گئی، اور اسی وقت سے اس کی آزادی کا تصرف بھی نافذ ہو جائے گا۔ ”طحطاوی“۔

36978۔ (قوله: لِعَدَمِ نَفَاذِهِ) اس کے نافذ نہ ہونے کی وجہ سے، کیونکہ اس کا نفاذ اس کی لکنت کی حالت پر اس

لِكِنَّهُ إِذَا مَاتَ بِحَالِهِ كَانَ لَهَا الْمَهْرُ مِنْ تَرَكَّتِهِ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ لَكِنْ ذَكَرَ ابْنُهُ فِي الزَّوَاهِرِ عِنْدَ ذِكْرِ الْأَشْبَاهِ الْأَحْكَامَ الْأَرْبَعَةَ أَنَّ قَوْلَهُمْ وَالضَّابِطُ لِلْمُقْتَصِرِ وَالْمُسْتَنْدُ أَنَّ مَا صَحَّ تَعْلِيْقُهُ بِالشَّرْطِ يَقَعُ مُقْتَصَرًا وَمَا لَا يَصَحُّ تَعْلِيْقُهُ يَقَعُ مُسْتَنْدًا كَمَا فِي الْبَحْرِ مِنْ بَابِ التَّعْلِيْقِ يُخَالِفُ ذَلِكَ إِذَا مُقْتَضَاهُ وَقُوعُ الطَّلَاقِ وَالْعَتَاقِ وَنَحْوِهِمَا مِمَّا يَصَحُّ تَعْلِيْقُهُ بِالشَّرْطِ مُقْتَصِرٌ فَتَنْبَهْ (لَا تَكُونُ إِشَارَتُهُ وَكِتَابَتُهُ كَالْبَيَانِ

البتہ جب وہ اسی حالت پر فوت ہو گیا تو اس کے ترکہ میں سے اس کے لیے مہر لازم ہوگا۔ یہ ”مصنف“ نے بیان کیا ہے۔ لیکن ان کے بیٹے نے ”الزواہر“ میں ”الاشباہ“ کے چار احکام ذکر کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ فقہا کا قول ہے اور مقتصر اور مستند کے لیے ضابطہ یہ ہے کہ جسے شرط کے ساتھ معلق کرنا صحیح ہے وہ بطور اقتصار واقع ہوتا ہے اور جس کی تعلیق صحیح نہیں ہوتی وہ بطور استناد واقع ہوتا ہے جیسا کہ جو ”البحر“ باب التعلیق میں ہے وہ اس کے مخالف ہے کیونکہ اس کا مقتضی طلاق، عتاق اور ان کی طرح وہ امور جن کی شرط کے ساتھ تعلیق صحیح ہوتی ہے ان کا بطور اقتصار واقع ہونا ہے۔ پس تو اس پر آگاہ رہ۔ حد میں اس کا اشارہ اور اس کی تحریر بیان کی مثل نہیں ہوتی،

کی موت واقع ہونے پر موقوف ہے، نہ کہ اس کی اجازت پر یہاں تک کہ یہ کہا جائے: چاہیے کہ اس کا وطی کا مطالبہ کرنا نکاح کے ارادہ پر دلیل ہو۔ فافہم۔

36979۔ (قوله: لَكِنْ ذَكَرَ ابْنُهُ الْخ) لیکن ان کے بیٹے نے ذکر کیا ہے، یہ ان کے قول نفذ مستنداً پر استدراک ہے یہاں تک کہ طلاق اور عتاق میں بھی۔
تمہیں اور استناد میں فرق

36980۔ (قوله: الْأَحْكَامُ الْأَرْبَعَةُ) وہ چار احکام جو کہ ایک اقتصار ہے جیسا کہ طلاق، عتاق کی انشاء اور دوسرا انقلاب ہے، جیسا کہ جب وہ طلاق اور عتاق کو شرط کے ساتھ معلق کر دے، تو شرط کے پائے جانے کے وقت جو علت نہیں وہ علت میں بدل جاتی ہے، اور تیسرا استناد ہے جیسا کہ مضمونات ضمان ادا کرنے کے وقت ان کا مالک بنا جاتا ہے درآئیں لیکہ وہ سبب پائے جانے کے وقت کی طرف منسوب ہو، اور چوتھا تمہیں ہے، مثلاً اگر زید آج گھر میں ہے تو تجھے طلاق، اور پھر دوسرے دن اس کا گھر میں موجود ہونا ظاہر ہو تو طلاق آج واقع ہو جائے گی اور اسی دن سے اس کی عدت شروع ہوگی۔ اور تمہیں اور استناد میں فرق یہ ہے کہ تمہیں میں یہ ممکن ہوتا ہے کہ بندے اس پر مطلع ہوں اور استناد میں یہ ممکن نہیں ہوتا۔ یہ ”الاشباہ“ سے ملخص ہے۔ اور ہم اس پر مکمل کلام باب الطلاق الصریح میں کر چکے ہیں۔

36981۔ (قوله: أَنَّ قَوْلَهُمْ) یہ ذکر کا مفعول ہے۔ اور ان کا قول والضابط الخ قول کا مقولہ ہے، اور بخالف کا جمدہ اَنَّ کی خبر ہے۔

36982۔ (قوله: يُخَالِفُ ذَلِكَ) یعنی وہ معتقل اللسان کی طلاق اور اس کے عتاق وغیرہ میں استناد کے قول کے

(فِي حَدِّ) لِأَنَّهَا تُدْرَأُ بِالسُّبْهَةِ

کیونکہ حدشبہ کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہے

مخالف ہے۔ ”طحطاوی“۔

میں کہتا ہوں: ”کنز“ کے قول کے نزدیک ”البحر“ کی عبارت ہے: اور تعلیق بلاشبہ ملک میں صحیح ہوتی ہے یا اس میں جو ملک کی طرف مضاف ہو۔

پھر تو جان! کہ صحت سے مراد لازم ہونا ہے۔ کیونکہ تعلیق غیر ملک اور جو اس کی طرف مضاف ہو اس میں صحیح ہے اور خاوند کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی اجنبی نے کسی آدمی کی بیوی کو کہا: ان دخلت الدار فانت طالق۔ (اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق) تو وہ اجازت پر موقوف ہے، پس اگر اس نے اجازت دے دی تو تعلیق لازم ہو جائے گی، اور اجازت کے بعد داخل ہونے کے سبب سے وہ مطلقہ ہو جائے گی نہ کہ اجازت سے پہلے، اور اسی طرح اجنبی کی طرف سے طلاق منجز خاوند کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے۔ پس جب اس نے اس کی اجازت دے دی تو وہ واقع ہو جائے گی۔ درآنحالیکہ اس کا اقتصار اجازت کے وقت پر ہوگا، اور وہ منسوب نہیں ہوگی بخلاف بیع موقوف کے۔ کیونکہ وہ اجازت کے ساتھ بیع کے وقت کی طرف منسوب ہوتی ہے، یہاں تک کہ مشتری اس دوران ہونے والے متصل اور منفصل زوائد کا بھی مالک بن جاتا ہے۔ اور اس میں ضابطہ یہ ہے کہ وہ جس کی شرط کے ساتھ تعلیق صحیح ہے اس میں اقتصار ہوتا ہے، اور وہ جس کی تعلیق صحیح نہیں ہوتی اس میں استناد ہوتا ہے۔ اور آپ اسے دیکھ رہے ہیں کہ یہ ضابطہ ہر مقتصر اور مستند کے لیے نہیں بنایا گیا بلکہ یہ اس کی ایک خاص نوع کے لیے ہے۔ اور وہ فضولی کا عقد ہے جو اجازت پر موقوف ہوتا ہے ورنہ یہ لازم آئے گا کہ طلاق اور عتاق وغیرہ واقع نہ ہوں مگر اس حال میں کہ تمام صورتوں میں اقتصار ہو، اور اس طرح قطعاً نہیں ہے جیسا کہ ”الاشباہ“ سے گزر چکا ہے۔ اور اس وقت کوئی مخالف نہیں۔ کیونکہ ہمارا مسئلہ اس قبیل سے نہیں ہے۔ فتدبر۔

حدود میں گونگے کے اشارے اور کتابت کا حکم

36983۔ (قوله: فِي حَدِّ) یہ حد کی تمام انواع کو شامل ہے: یعنی گونگے کو حد نہیں لگائی جائے گی جب وہ اشارہ یا کتابت کے ساتھ قذف (تہمت) لگائے، اور اسی طرح حکم ہے جب وہ زنا، یا سرقہ (چوری کرنا)، یا شراب پینے کا اقرار کرے۔ کیونکہ اپنے خلاف سزا کو واجب کرنے والے بعض اسباب کا اقرار کرنے والا جب تک صریح لفظ ذکر نہ کرے وہ اقرار سزا کو واجب نہیں کرتا۔ ”کفایہ“۔ ”ہدایہ“ میں یہ زیادہ کیا ہے: اور اسے حد نہیں لگائی جائے گی مراد صرف حد قذف ہے جب وہ مقذوف ہو۔

36984۔ (قوله: لِأَنَّهَا تُدْرَأُ بِالسُّبْهَةِ الْخ) کیونکہ حدشبہ کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہے، اور حد اور قصاص کے درمیان فرق یہ ہے: کہ حد ایسے بیان سے ثابت نہیں ہوتی جس میں شبہ ہو۔ کیا آپ جانتے نہیں ہیں کہ اگر گواہ حرام وطی کے

لِيَكُونَهَا حَقٌّ لِلَّهِ تَعَالَى وَلَا فِي شَهَادَةٍ مَا مُنِيَّةٌ وَهَلْ يَصِحُّ إِسْلَامُهُ بِالْإِشَارَةِ؟ ظَاهِرُ كَلَامِهِمْ نَعَمْ وَلَكِنْ أَرَادَ صَرِيحًا أَشْبَاهًا (ابْتَدَعَ الصَّائِمُ بُصَاقَ مَحْبُوبِهِ) يَقْضِي وَيُكَفِّرُ (إِلَّا) يَكُنْ مَحْبُوبُهُ (لَا) يُكَفِّرُ

اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اور نہ کسی کی شہادت میں بیان کی مثل ہوتی ہے۔ ”منیہ“ کیا اشارہ کے ساتھ اس کا اسلام لانا صحیح ہوتا ہے؟ تو ظاہر کلام یہی ہے کہ جی ہاں، اور میں نے صراحتاً اسے کہیں نہیں دیکھا۔ ”اشباہ“۔ روزہ دار نے اپنے محبوب کا لعاب نکل لیا تو وہ روزے کی قضا کرے گا اور کفارہ بھی دے گا، اور اگر وہ اس کا محبوب نہ ہو تو وہ کفارہ ادا نہیں کرے گا۔

ساتھ شہادت دیں یا وہ حرام وطی کا اقرار کرے تو حد واجب نہیں ہوتی۔ اور اگر وہ مطلق قتل کی شہادت دیں یا وہ مطلق قتل کا اقرار کرے تو قصاص واجب ہو جاتا ہے اگرچہ قصد نہ پایا جائے، کیونکہ قصاص میں عوضیت کا معنی ہے، اس لیے کہ وہ نقصان کو پورا کرنے کے لیے مشروع کیا گیا ہے، پس جائز ہے کہ وہ شبہ کے ساتھ بھی ثابت ہو جیسا کہ وہ تمام معاوضات جو بندے کا حق ہیں۔ رہیں وہ حدود جو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں وہ زجر و توبیخ کے لیے مشروع ہیں، اور ان میں عوضیت کا معنی نہیں ہے، پس وہ حاجت نہ ہونے کی وجہ سے شبہ کے ساتھ ثابت نہیں ہوتیں۔ ”ہدایہ“۔

اور یہاں علامہ ”الطوری“ نے ان کے کلام پر اس طرح اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے حدود اور قصاص کو اس میں برابر قرار دیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک شبہ کے ساتھ ساقط ہو جاتا ہے جیسا کہ انہوں نے اس بارے میں کثیر مقامات پر تصریح کی ہے ان میں سے کفالہ ہے کہ کفالہ بالنفس دونوں میں جائز نہیں ہوتا، اور ان میں سے وکالہ ہے کہ وہ بھی ان دونوں کو پورا کرنے کے لیے جائز نہیں ہوتا، اور ان میں سے شہادۃ علی الشہادۃ ہے کہ یہ بھی دونوں میں جائز نہیں ہوتی۔ اور انہوں نے ان تمام کی علت یہ بیان کی ہے کہ یہ دونوں شبہ کے ساتھ ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور اسی طرح کتاب الدعویٰ والجنایات میں ہے اور انہوں نے بہت سے مسائل اس پر بطور تفریع ذکر کئے ہیں۔ ملخصاً۔

36985۔ (قوله: وَلَا فِي شَهَادَةٍ مَا) اور نہ کسی شہادت میں، ”فتح القدير“ میں ”المبسوط“ سے منقول ہے کہ اس پر فقہاء کا اجماع ہے۔ کیونکہ لفظ شہادت اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ اس کی مکمل بحث اسی میں ہے۔

36986۔ (قوله: ظَاهِرُ كَلَامِهِمْ) ہاں کتاب الاقرار میں صراحتاً یہ گزر چکا ہے کہ بولنے والے (ناحق) کے ساتھ سے سر سے اشارہ کرنا اقرار بالمال، آزاد کرنا، طلاق دینا، بیع کرنا، نکاح، اجارہ اور ہبہ نہیں ہو سکتا بخلاف افتاء، نسب، سرنام اور کفر کے الخ۔

36987۔ (قوله: يَقْضِي وَيُكَفِّرُ) وہ قضا کرے گا اور کفارہ بھی دے گا، اس لیے کہ اس میں اصلاح بدن کا معنی موجود ہے جیسا کہ اسے باب الصوم میں ”الدرایہ“ وغیرہ سے ذکر کیا ہے۔

36988۔ (قوله: لَا يُكَفِّرُ) وہ کفارہ نہیں دے گا، بلکہ صرف قضا کرے گا۔

وَمَرَّ فِي الصَّوْمِ - (قَتْلُ بَعْضِ الْحُجَّاجِ عُدْرٌ فِي تَرْكِ الْحَجِّ) مَرَّ فِي الْحَجِّ (مَنْعُهَا زَوْجَهَا مِنَ الدُّخُولِ عَلَيْهَا وَهُوَ يَسْكُنُ مَعَهَا فِي بَيْتِهَا نَشُورٌ حُكْمًا كَمَا حَرَّزْنَاكَ فِي بَابِ النِّفْقَةِ (وَلَوْ) كَانَ (الْبَنُوعُ لَيَنْتَقِلَهَا إِلَى مَنْزِلِهِ) فَلَيْسَتْ نَاشِزَةً لِوُجُوبِ السُّكْنَى عَلَيْهِ (أَوْ كَانَ يَسْكُنُ فِي بَيْتِ الْغَضَبِ فَاُمْتَنَعَتْ مِنْهُ لَا تَكُونُ نَاشِزَةً لِأَنَّهَا مُحَقَّةٌ إِذْ السُّكْنَى فِيهِ حَرَامٌ مَا لَوْ كَانَ فِيهِ (شُبْهَةٌ قَالَتْ لَا أَسْكُنُ مَعَ أَمَتِكَ وَأُرِيدُ بَيْتًا عَلَى حِدَةٍ لَيْسَ لَهَا ذَلِكَ)

یہ باب الصوم میں گزر چکا ہے۔ بعض حاجیوں کا قتل ہونا حج کے ترک میں عذر ہے۔ یہ باب الحج میں گزر چکا ہے۔ عورت کا اپنے خاوند کو اپنے پاس آنے سے روکنا اس حال میں کہ وہ اس کے ساتھ اس کے کمرے میں رہ رہا ہو حکماً نافرمانی ہے۔ ہم نے اسے باب النّفقہ میں تحریر کر دیا ہے۔ اور اگر روکنا اس وجہ سے ہوتا کہ وہ اسے اپنے گھر میں منتقل کر لے تو یہ نافرمانی نہیں ہے اس لیے رہائش مہیا کرنا خاوند پر واجب ہے، یا غصب کئے ہوئے مکان میں رہ رہا ہو اور وہ اس سے انکار کر دے تو وہ نافرمانی کرنے والی نہیں ہوگی، کیونکہ وہ حق پر ہے، کیونکہ اس میں رہنا حرام ہے بخلاف اس کے کہ اگر اس میں شبہ ہو۔ عورت کہے: میں تیری لونڈی کے ساتھ نہیں رہوں گی اور میں علیحدہ مکان چاہتی ہوں تو اس کے لیے اس کا اختیار نہیں،

بعض حاجیوں کا قتل ہونا حج کے ترک میں عذر ہے

36989۔ (قوله: عُدْرٌ فِي تَرْكِ الْحَجِّ) حاجیوں کا مقتول ہونا ترک حج میں عذر ہے کیونکہ راستے کا پر امن ہونا حج کے وجوب یا ادا کے لیے شرط ہے۔ لیکن ”شارح“ نے وہاں راستے کے امن کو غالب سلامتی کے ساتھ مقید کیا ہے اگرچہ رشوت کے ساتھ ہو اور اسے ”الکمال“ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور بعض افراد کے قتل سے غلبہ کی نفی نہیں ہوتی۔ اسی لیے ”طحاوی“ نے اسے ہر مرحلہ میں قتل کے ساتھ مقید کیا ہے۔ تامل۔

عورت کا اپنے خاوند کو اپنے پاس آنے سے روکنا حکماً نافرمانی ہے

36990۔ (قوله: مَنْعُهَا زَوْجَهَا) اس میں مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے۔

36991۔ (قوله: نَشُورٌ حُكْمًا) حکماً نافرمانی ہے۔ کیونکہ نافرمان عورت وہ ہوتی ہے جو اپنے خاوند کے گھر سے بغیر

حق کے باہر نکلتی ہے، اور اس کا خاوند کو اپنے گھر میں داخل ہونے سے روکنا اس کے باوجود کہ وہ اس میں رہنے کا ارادہ رکھتی ہے یہ حکماً خروج ہے۔ (یعنی یہ حکمی طور پر باہر نکلتا ہی ہے۔)

36992۔ (قوله: مَا لَوْ كَانَ فِيهِ شُبْهَةٌ) بخلاف اس کے کہ اگر اس میں شبہ ہو، جیسا کہ بیت السلطان (سرکار

مکان) تو وہ ہمارے زمانے میں شبہ کا اعتبار نہ ہونے کی وجہ سے نافرمان شمار ہوگی۔ اسی طرح ”التجنّیس“ میں ہے۔

36993۔ (قوله: لَيْسَ لَهَا ذَلِكَ) اس کے لیے اس کا اختیار نہیں، کیونکہ خاوند کے لیے ایسے آدمی کا ہونا ضرور

ہے جو اس کی خدمت کرے، اور یہ اس کی خدمت سے منع کر رہی ہے، پس اس سے اسے روکنا ممکن نہیں۔ ”طحاوی“۔

وَكَذَا مَعَ أُمِّ وَلَدِهِ وَكُلُّهُ مَرَّتِي النَّفَقَةِ (قَالَ لِعَبْدِهِ يَا مَالِكِي أَوْ قَالَ لِأَمَتِهِ أَنَا عَبْدُكَ لَا تَعْتِقُ) لِأَنَّهُ لَيْسَ بِصَرِيحٍ وَلَا كِنَايَةٍ (بِخِلَافِ قَوْلِهِ) لِعَبْدِهِ (يَا مَوْلَايَ) لِأَنَّهُ كِنَايَةٌ عَلَى مَا مَرَّتِي مَحَلِّهِ (الْعَقَارُ الْمُتَنَازِعُ فِيهِ لَا يَخْرُجُ مِنْ يَدِ ذِي الْيَدِ

اور اسی طرح اس کی ام ولد کے ساتھ رہنے سے انکار کا حکم ہے، اور یہ سب باب النفقہ میں گزر چکا ہے۔ کسی نے اپنے غلام کو کہا: اے میرے مالک یا اپنی لونڈی کو کہا: میں تیرا غلام ہوں تو وہ آزاد نہیں ہوگی، کیونکہ یہ لفظ اس کے لیے نہ صریح ہے اور نہ کنایہ ہے بخلاف اس کے کہ وہ اپنے غلام کو کہے: اے میرے مولیٰ، کیونکہ یہ اس کے لیے کنایہ ہے جیسا کہ یہ اپنے محل میں گزر چکا ہے۔ متنازع فیہ زمین صاحب قبضہ کے قبضہ سے نہیں نکالی جائے گی

36994۔ (قوله: وَكَذَا مَعَ أُمِّ وَلَدِهِ) اور اسی طرح اس کی ام ولد کے ساتھ، اور اسی طرح اس کے اس بچے کے ساتھ جو جماع کو نہیں سمجھتا (رہنے سے انکار اس کے اختیار میں نہیں ہے) بخلاف مرد اور عورت کے بقیہ اہل خانہ کے (کہ ان کے ساتھ رہنے سے انکار کر سکتی ہے)۔

اگر کسی نے اپنے غلام سے کہا: اے میرے مالک یا لونڈی سے کہا: میں تیرا غلام ہوں تو اس کا حکم 36995۔ (قوله: لِأَنَّهُ لَيْسَ بِصَرِيحٍ وَلَا كِنَايَةٍ) کیونکہ یہ لفظ آزادی کے لیے نہ صریح ہے اور نہ کنایہ، اس کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ آزادی ثابت نہیں ہوگی اگرچہ نیت بھی ہو۔ اور ”حموی“ میں ”البرزازیہ“ سے ہے: کسی نے اپنے غلام یا اپنی لونڈی کو کہا: میں تیرا غلام ہوں تو وہ آزاد ہو جائے گا اگر اس نے نیت کی۔ اور اسی کی مثل اس صورت میں جو یا مالکی میں ظاہر ہو رہی ہے۔ کیونکہ دونوں عبارتوں کا مفہوم ایک ہے۔ ”طحاوی“۔ اور ”الحانیہ“ میں ”الصغار“ سے ہے: اس آدمی کے بارے میں جس نے اپنی لونڈی کو کہا: اے فلاں میں تیرا غلام ہوں۔ انہوں نے کہا ہے: یہ لطف و مہربانی کا کلمہ ہے وہ اس کے ساتھ آزاد نہیں ہوگی۔ پس اگر اس نے آزادی کی نیت کی تو امام ”محمد“ رحمہ اللہ سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔

36996۔ (قوله: عَلَى مَا مَرَّتِي مَحَلِّهِ) جیسا کہ یہ اپنے محل یعنی کتاب العتق میں گزر چکا ہے۔

میں کہتے ہوں: ”مصنف“ نے وہاں اسے الفاظ صریح سے شمار کیا ہے۔ اور وہاں ”زیلعی“ وغیرہ کے قول کا ظاہر یہی ہے۔ کیونکہ اس کی حقیقت غلام پر ولا کے ثبوت کے بارے آگاہ کرتی ہے، اور وہ آزادی کے ساتھ ہے۔ کیونکہ اس کی جہت سے اسے ثابت کرنا ممکن ہے، اور اس کا قول: یا مالکی (اے میرے مالک) یا أنا عبدک (میں تیرا غلام ہوں) فی الحقیقت آقا پر غلام کی ملکیت ثابت ہونے کی خبر دیتا ہے اور اس کا اثبات مولیٰ کی جہت سے ممکن نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں: اور اس سے مولیٰ کو یہاں معتوق (آزاد کردہ غلام) کے ساتھ ان کے خاص کرنے کی وجہ سے تمام ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کا اطلاق معتق پر بالاشتراك ہوتا ہے۔ کیونکہ آقا کی جانب سے اس کا اثبات ممکن نہیں ہوتا: یعنی یہ ممکن نہیں کہ ولاء اس کے غلام کے لیے بنادی جائے جو اس پر ہے۔ پس یہ لغو ہے تو اس سے ممکن معنی کا ارادہ متعین ہو گیا۔ فافہم۔

مَا لَمْ يُبْرَهَنْ الْمُدَّعَى عَلَى وَفْقِ دَعْوَاهُ بِخِلَافِ الْمُنْقُولِ (أَوْ يَعْلَمَ بِهِ الْقَاضِي) وَلَا يَكْفِي تَصْدِيقُ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ أَنَّهُ فِي يَدِهِ فِي الصَّحِيحِ لِاحْتِمَالِ الْمَوَاضَعَةِ قُلْتُ قَدْ مَنَّا غَيْرَ مَرَّةٍ آخِرُهَا فِي بَابِ جَنَائَةِ الْمَمْلُوكِ أَنَّ الْمُفْتَى بِهِ فِي زَمَانِنَا أَنَّهُ لَا يُعْمَلُ بِعِلْمِ الْقَاضِي فَتَأَمَّلْ - وَهَذَا إِذَا ادَّعَاهُ مِلْكًا مُطْلَقًا أَمَّا إِذَا ادَّعَى الشَّيْءَ مِنْ ذِي الْيَدِ وَإِقْرَارُهُ بِأَنَّهُ فِي يَدِهِ فَأَنْكَرَ الشَّيْءَ وَأَقَرَّ بِكَوْنِهِ فِي يَدِهِ لَمْ يَحْتَجْ لِبُرْهَانٍ عَلَى كَوْنِهِ فِي يَدِهِ لِأَنَّ دَعْوَى الْفِعْلِ كَمَا تَصَحُّ عَلَى ذِي الْيَدِ

جب تک مدعی اپنے دعویٰ کے موافق گواہ پیش نہ کرے، بخلاف منقولہ شے کے، یا قاضی اس کے بارے جانتا ہو۔ اور مدعی علیہ کی تصدیق کافی نہیں ہوگی کہ وہ اس کے قبضہ میں ہے اس لیے کہ قول صحیح میں مواضعہ و موافقہ کا احتمال ہے۔ میں کہتا ہوں: ہم نے کئی بار پہلے ذکر کیا ہے اس کا آخر باب جنایۃ المملوک میں ہے کہ ہمارے زمانے میں مفتی یہ ہے کہ قاضی کے علم کے مطابق عمل نہیں کیا جائے گا۔ قائل۔ اور یہ تب ہے جب وہ اس پر مطلق ملکیت کا دعویٰ کرے، لیکن جب وہ صاحب قبضہ سے خریدنے اور اس کے اس بارے اقرار کا دعویٰ کرے کہ وہ اس کے قبضہ میں ہے، اور اس نے شرا کا انکار کیا اور اس کے قبضہ میں ہونے کا اقرار کیا تو وہ اس کے قبضہ میں ہونے پر دلیل کا محتاج نہیں ہے، کیونکہ فعل کا دعویٰ جس طرح صاحب قبضہ پر صحیح ہوتا ہے

جب تک مدعی گواہ پیش نہ کرے متنازع فیہ زمین صاحب قبضہ کے قبضہ سے نہیں نکلے گی

36997۔ (قوله: مَا لَمْ يُبْرَهَنْ الْمُدَّعَى عَلَى وَفْقِ دَعْوَاهُ) جب تک مدعی اپنے دعویٰ کے موافق حجت نہ پیش کرے۔ اسی طرح ”شرح مسکین“ میں ہے۔ اور مناسب ”زیلعی“ وغیرہ کا قول ہے: جب تک وہ اس پر حجت نہ لائے کہ زمین مدعی علیہ کے قبضہ میں ہے۔ کیونکہ مدعی کا دعویٰ ملکیت کا ہے جیسا کہ عنقریب اس کی تصریح آئے گی۔

36998۔ (قوله: وَلَا يَكْفِي الْخ) یعنی اس کے بارے تصریح کافی نہیں جو اسکے مطلق قول مالہم یبرهن سے سمجھا گیا۔

36999۔ (قوله: لِاحْتِمَالِ الْمَوَاضَعَةِ) یعنی موافقت کے احتمال کی وجہ سے جب زمین کا مالک غائب ہو تو دو آدمی اتفاق کر سکتے ہیں کہ ان میں سے ایک قبضے کا اقرار کرے اور دوسرا اس پر ملکیت کو ثابت کرے، اور گواہوں میں تسامح ہو سکتا ہے، پھر حاکم کے حکم کو علت بناتے ہوئے وہ مالک کو دے دی جائے، اور منقولہ شے میں یہ تہمت منتفی ہے، کیونکہ منقولہ شے سے مالک کا قبضہ عادیہ ختم نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کے قبضہ میں باقی رہتی ہے۔ اسے صاحب ”البحر“ نے ”البرزازیہ“ سے نقل کیا ہے۔

37000۔ (قوله: وَهَذَا) یعنی دلیل کے ساتھ قبضہ کے اثبات کا لازم ہونا۔

37001۔ (قوله: أَمَّا إِذَا ادَّعَى الشَّيْءَ) لیکن جب وہ شرا کا دعویٰ کرے اور اسی کی مثل غضب بھی ہے۔

37002۔ (قوله: وَإِقْرَارُهُ) یہ نصب کے ساتھ ہے اور اس کا الشاء پر عطف ہے۔

37003۔ (قوله: لِأَنَّ دَعْوَى الْفِعْلِ) کیونکہ فعل مثلاً شرا وغیرہ کا دعویٰ۔

تَصَحُّحٌ عَلَى غَيْرِهِ أَيْضًا كَمَا بُسِطَ فِي الْبَزَازِيَّةِ (عَقَارٌ لَا فِي وَلَايَةِ الْقَاضِي يَصَحُّ قَضَاؤُهُ فِيهِ) كَمَا نَقُولُ هُوَ الصَّحِيحُ وَتَقَدَّمَ فِي الْقَضَاءِ أَنَّ الْبَصْرَ لَيْسَ بِشَرْطٍ فِيهِ بِهِ يُفْتَى وَيُكْتَبُ بِالْحُكْمِ لِقَاضِي تِلْكَ النَّاحِيَةِ لِيَأْمُرَهُ بِالتَّسْلِيمِ (وَقِيلَ لَا تَصَحُّحٌ) وَمَشَى عَلَيْهِ فِي الْكَنْزِ وَالْمُلْتَقَى (قَضَى الْقَاضِي بَيِّنَةً فِي حَادِثَةٍ ثُمَّ قَالَ رَجَعْتُ عَنْ قَضَائِي أَوْ بَدَأَ إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ أَوْ وَقَعْتُ فِي تَلْبِيسِ الشُّهُودِ أَوْ أَبْطَلْتُ حُكْمِي أَوْ نَحْوَ ذَلِكَ

غیر پر بھی صحیح ہوتا ہے جیسا کہ ”البرزازیہ“ میں تفصیل کے ساتھ ہے۔ ایسی زمین جو قاضی کی ولایت میں نہ ہو اس کے بارے میں اس کا فیصلہ کرنا صحیح ہے جیسا کہ منقولہ شے کا فیصلہ صحیح ہوتا ہے، یہی صحیح روایت ہے۔ اور کتاب القضاء میں پہلے گزر چکا ہے کہ اس میں اسی شہر کا ہونا شرط نہیں ہے، اور اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے اور وہ اپنا فیصلہ اس طرف کے قاضی کو لکھ بھیجے گا تاکہ وہ اسے تسلیم کے بارے حکم دے اور بعض نے کہا ہے: صحیح نہیں ہے۔ اسی کو ”کنز“ اور ”الملتقی“ نے اختیار کیا ہے۔ قاضی نے بیٹہ کے ساتھ کسی واقعہ کا فیصلہ کیا پھر کہا: میں نے اپنے فیصلہ سے رجوع کیا، یا میرے لیے اس کا غیر ظاہر ہوا ہے، یا میں گواہوں کے فریب میں پڑ گیا، یا میں نے اپنا فیصلہ باطل کر دیا، یا اسی طرح کا کوئی اور قول کیا

37004۔ (قولہ: تَصَحُّحٌ عَلَى غَيْرِهِ) وہ غیر پر بھی صحیح ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اس پر تملیک کا دعویٰ کرتا ہے اور وہ اس کی طرف سے بھی ثابت ہو جاتا ہے جو صاحب قبضہ نہ ہو۔ پس اقرار کے ساتھ قبضہ کا ثابت نہ ہونا دعویٰ کے صحیح ہونے کے مانع نہیں ہوتا۔ رہا ملک مطلق کا دعویٰ تو قبضہ زائل کرنے کے ساتھ ترک تعرض کا دعویٰ، اور اس (قبضہ) کے ازالہ کی طلب کا دعویٰ صاحب قبضہ کی طرف سے متصور نہیں ہو سکتا اور اس کے اقرار کے ساتھ صاحب قبضہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ اس میں موافقت کا احتمال ہے جیسا کہ ہم نے اسے ثابت کر دیا ہے۔ اسے ”منح“ نے ”البرزازیہ“ سے نقل کیا ہے۔

37005۔ (قولہ: هُوَ الصَّحِيحُ) یہی صحیح ہے۔ ”البحر“ میں کہا ہے: کتاب القضاء کے شروع میں ہے: یہ شرط نہیں ہے کہ دونوں دعویٰ کرنے والے قاضی کے شہر سے ہوں جبکہ دعویٰ منقولہ شے اور دین (قرض) کے بارے ہو، لیکن جب وہ ایسی زمین کے بارے ہو جو اس کی ولایت میں نہ ہو تو صحیح یہ ہے کہ وہ جائز ہے جیسا کہ ”الخلاصہ“ اور ”البرزازیہ“ میں ہے۔ اور تو اس کے خلاف سمجھنے سے بچ کیونکہ وہ غلط ہے۔

37006۔ (قولہ: لَيْسَ بِشَرْطٍ فِيهِ) اس میں شرط نہیں ہے، پس زمین کے بارے میں فیصلہ کرنا صحیح ہوگا، اور اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ”بحر“۔

37007۔ (قولہ: وَيُكْتَبُ الْخ) اور وہ لکھ کر بھیج دے گا، یہ متن کے مسئلہ کی طرف راجع ہے۔

37008۔ (قولہ: قَضَى الْقَاضِي بَيِّنَةً) قاضی بیٹہ کے ساتھ فیصلہ کرے، بلاشبہ اسے ذکر کیا ہے اس لیے کہ اس کے بعد اودعت فی تلبیس الشہود کا قول ہے ورنہ اقرار بیٹہ کی مثل ہے ان امور میں جو ظاہر ہوتے ہیں۔ ”طحاوی“۔

37009۔ (قولہ: أَوْ نَحْوَ ذَلِكَ) اور اسی کی مثل جیسے میں نے اسے توڑ دیا، یا میں نے اسے فسخ کر دیا یا میں نے اسے

لَا يُعْتَبَرُ قَوْلُ الْقَاضِي فِي كُلِّ ذَلِكَ لِتَعْلِيْقِ حَقِّ الْغَيْرِ بِهِ وَهُوَ الْمُدَّعَى (وَالْقَضَاءُ مَاضٍ إِنْ كَانَ بَعْدَ دَعْوَى صَحِيحَةٍ وَشَهَادَةٍ مُسْتَقِيمَةٍ) إِلَّا فِي ثَلَاثِ مَرَّاتٍ فِي الْقَضَاءِ، لَوْ بَعِلِهِ أَوْ بِخِلَافِ مَذْهَبِهِ أَوْ ظَهَرَ خَطْؤُهُ إِذَا قَالَ الشُّهُودُ قَضَيْتُ وَأَنْكَرَ الْقَاضِي فَالْقَوْلُ لَهُ بِهِ يُفْتَى

تو ان تمام صورتوں میں قاضی کا قول معتبر نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ اس کے ساتھ غیر یعنی مدعی کا حق متعلق ہو چکا ہے۔ اور فیصلہ نافذ ہو جاتا ہے اگر وہ دعویٰ صحیحہ اور شہادت مستقیمہ کے بعد ہو سوائے تین حالتوں کے جن کا ذکر کتاب القضاء میں گزر چکا ہے: اگر وہ اپنے علم کے ساتھ فیصلہ کرے یا اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کرے، یا اس کی خطا ظاہر ہو جائے۔ جب شاہد کہیں: تو نے فیصلہ کیا ہے اور قاضی انکار کرے تو قول قاضی کا معتبر ہوگا۔ یہی مفتی بہ ہے۔

اٹھادیا۔ اسے ”طحاوی“ نے ”حموی“ سے نقل کیا ہے۔

وہ صورتیں جن میں دعویٰ صحیحہ اور شہادت مستقیمہ کے باوجود فیصلہ نافذ نہیں ہوتا

37010۔ (قوله: إِنْ كَانَ بَعْدَ دَعْوَى صَحِيحَةٍ) اگر وہ صحیح دعویٰ کے بعد ہو، اس کے صحیح ہونے کی شرائط کتاب القضاء میں پہلے گزر چکی ہے اور ان میں کچھ آگے آ رہا ہے۔

37011۔ (قوله: إِلَّا فِي ثَلَاثِ مَرَّاتٍ) پہلی کی نسبت سے استثناء غیر ظاہر ہے۔ کیونکہ اس میں شہادت نہیں ہے۔ تامل۔
37012۔ (قوله: أَوْ ظَهَرَ خَطْؤُهُ) یا اس کی خطا یقین کے ساتھ ظاہر ہو جائے جیسا کہ اگر وہ قصاص کے بارے فیصلہ کرے تو مقتول زندہ آجائے۔ یا وہ اجتہاد کے ساتھ فیصلہ کرے پھر وہ اس کے خلاف نص دیکھ لے جیسا کہ اگر اس کا اجتہاد بدل جائے۔ اور ”زیلعی“ نے ”المحیط“ سے بیان کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اس فیصلہ کو نہیں توڑا جو آپ نے اپنے اجتہاد کے ساتھ کیا اور پھر قرآن کریم اس کے خلاف نازل ہوا۔ کیونکہ وہ فیصلہ ایسے امر کے بارے میں ہے جس میں کوئی نص موجود نہیں، پس وہ صحیح ہے اور وہ آپ کی شریعت ہو گیا، پھر جب قرآن کریم اس کے خلاف نازل ہوا تو وہ اس شریعت کے لیے نسخ ہو گیا بخلاف اس کے کہ جب قاضی اپنے اجتہاد کے ساتھ فیصلہ کرے پھر نص اس کے خلاف ظاہر ہو جائے، کیونکہ نص موجود منزل ہے مگر وہ اس پر مخفی ہے، پس اجتہاد نص کے محل میں ہوا اور وہ صحیح نہیں۔ اس کی مکمل بحث اسی میں ہے۔ اور ”السیوطی“ کی ”اشباہ“ میں ”السبکی“ سے ہے کہ حنفیہ کے نزدیک قاضی کا فیصلہ ٹوٹ جاتا ہے جب وہ ایسا حکم ہو جس پر کوئی دلیل نہ ہو، اور جو واقف کی شرط کے مخالف ہو وہ نص کے مخالف ہے اور وہ ایسا حکم ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔ اور اس کی تائید ”البحر“ میں ”شارح الجمع“ وغیرہ کے قول سے کی ہے کہ واقف کی شرط شارع کی نص کی طرح ہے۔

37013۔ (قوله: وَأَنْكَرَ الْقَاضِي) اور قاضی انکار کر دے، لیکن اگر وہ اعتراف کرے تو وہ حکم ثابت ہو جائے گا جہاں وہ والی ہو گا نہ کہ اگر وہ معزول ہو۔ اور ”البرزازیہ“ میں ہے: اور اگر وہ ارادہ کریں کہ وہ خلیفہ کا حکم اصل کے پاس ثابت کریں تو حاضر خصم کے خلاف صحیح دعویٰ کا مقدم ہونا اور اس پر بینہ قائم کرنا ضروری ہے، جیسا کہ اگر وہ دوسرے قاضی کا فیصلہ

قَالَ ابْنُ الْغَرَسِ فِي الْفَوَاكِهِ الْبَدْرِيَّةِ زَادَ فِي الْبَزَازِيَّةِ خِلَافًا لِلْمُحَمَّدِيِّ زَادَ فِي الْبَحْرِ (مَا لَمْ يُنْفِذْهُ قَاضٍ آخَرُ) فَحِينَئِذٍ لَا يَكُونُ الْقَوْلُ قَوْلَهُ فِي أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ لَوْجُودِ قَضَاءِ الثَّانِي بِهِ۔ قَالَ الْمُصَنِّفُ وَهُوَ قَيِّدٌ حَسَنٌ لَمْ أَقِفْ عَلَيْهِ لِغَيْرِ صَاحِبِ الْبَحْرِ (شُرْطُ نَفَازِ الْقَضَاءِ فِي الْمُجْتَهِدَاتِ) مِنْ حُقُوقِ الْعِبَادِ (أَنَّ يَصِيرَ الْحُكْمُ فِي حَادِثَةٍ) بِأَنْ يَتَقَدَّمَ دَعْوَى صَحِيحَةٍ مِنْ خَصِمٍ عَلَى خَصِمٍ حَاضِرٍ مُنَازِعٍ شَرْعِيٍّ، فَلَوْ بَرَّهَنَ بِحَقِّ عَلَى آخَرَ عِنْدَ قَاضٍ

”ابن الغرس“ نے ”الفواکھ البدریہ“ میں یہی کہا ہے: ”بزازیہ“ میں یہ زائد ہے: اس میں امام ”محمد“ رحمہ اللہ کا اختلاف ہے۔ ”البحر“ میں یہ زیادہ کیا ہے: جب تک دوسرا قاضی اسے نافذ نہ کرے اس وقت تک اس کا قول اس بارے میں قبول نہیں ہوگا کہ اس نے فیصلہ نہیں کیا، اس لیے کہ دوسرے کا فیصلہ اس بارے میں موجود ہے۔ ”مصنف“ نے کہا ہے: اور یہ اچھی قید ہے میں صاحب ”البحر“ کے سوا اس پر کہیں واقف اور آگاہ نہیں ہوا۔ حقوق العباد میں سے اجتہادی مسائل میں قضاء کے نفاذ کی شرط یہ ہے کہ کسی حادثہ اور واقعہ میں فیصلہ اس طرح ہو کہ اس سے پہلے ایک خصم کی طرف سے دوسرے حاضر خصم پر شرعی تنازعہ کی بنا پر صحیح دعویٰ موجود ہو۔ پس اگر وہ اپنا حق دوسرے پر قاضی کے پاس بینہ کے ساتھ ثابت کر دے

ثابت کرنے کا ارادہ کریں۔ ”بحر“۔

37014۔ (قوله: خِلَافًا لِلْمُحَمَّدِيِّ) اس میں امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے اختلاف کیا ہے، ”البحر“ میں کہا ہے: اور ”جامع الفصولین“ میں امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔ فرمایا: اور چاہیے کہ اسی کے ساتھ فتویٰ دیا جائے اس لیے کہ ہمارے زمانے کے قضاة کے احوال سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

37015۔ (قوله: لَوْجُودِ قَضَاءِ الثَّانِي بِهِ) اس کے بارے دوسرے کا فیصلہ موجود ہونے کی وجہ سے، کیونکہ وہ اسے اپنے پاس ثابت ہونے کے بعد ہی نافذ کر سکتا ہے اور اس میں بھی دعویٰ کا ہونا ضروری ہے۔ ”البحر“ میں کہا ہے: پہلے کے حکم کو دوسرے کے نافذ کرنے میں بھی دعویٰ ہونا ضروری ہے۔ اور اصل کے گواہوں کا حاضر ہونا شرط نہیں ہے۔ پس اگر اس نے پہلے کا قول قبول کر لیا تو صرف اس کے قول سے ثبوت اور نفاذ کے بعد دوسرے فیصلے کا ابطال لازم آتا ہے۔ کیونکہ اگر پہلے پر کی گئی ہے اور بالخصوص جب وہ دوسرے قاضی کے مذہب کے مخالف ہو۔ فافہم۔

حقوق العباد میں اجتہادی مسائل میں قضا کے نفاذ کی شرط

37016۔ (قوله: مِنْ حُقُوقِ الْعِبَادِ) حقوق العباد کے ساتھ مقید کیا، کیونکہ حقوق اللہ تعالیٰ میں حادثہ کا ہونا شرط نہیں جیسا کہ حدود، لونڈی کی آزادی اور زوجہ کی طلاق۔ ”طحطاوی“۔

37017۔ (قوله: مُنَازِعٍ شَرْعِيٍّ) شرعی جھگڑا اور تنازعہ کرنے والا جیسا کہ اکیل، یا وصی، یا متولی، یا ورثاء، میں سے کوئی ایک بخلاف فضولی، مودع اور مستعیر کے، کیونکہ ان دونوں کا نزاع معتبر نہیں ہوتا۔

فَقَضَى بِهِ بِبُرْهَانِهِ بِدُونِ مُنَازَعَةٍ، وَمُخَاصَصَةِ شَرْعِيَّةٍ وَتَدَايَعِ بَيْنَهُمَا لَمْ يَنْفُذْ قَضَاؤُهُ لِفَقْدِ شَرْطِهِ، وَهُوَ التَّدَايَعُ بِخُصُومَةٍ شَرْعِيَّةٍ وَكَانَ إِفْتَاءً فَيَحْكُمُ بِمَذْهَبِهِ لَا غَيْرُ كَمَا قَدْ مُنَاهَا فِي الْقَضَاءِ وَأَفَادَهُ وَبِقَوْلِهِ (فَلَوْ رَفَعَ إِلَيْهِ) أَمَى إِلَى الْحَنْفِيِّ (قَضَاءُ مَالِكِيٍّ بِلاَ دَعْوَى لَمْ يَلْتَفِتْ إِلَيْهِ وَعَمِلَ الْحَنْفِيُّ بِمُقْتَضَى مَذْهَبِهِ) لِعَدَمِ تَقَدُّمِ مَا يَنْنَعُهُ مِنْ ذَلِكَ لِخُرُوجِ قَضَاءِ الْمَالِكِيِّ مَخْرَجَ الْفَتْوَى، لِعَدَمِ تَقَدُّمِ الْخُصُومَةِ الشَّرْعِيَّةِ الَّتِي هِيَ شَرْطُ انْعِقَادِ الْقَضَاءِ فِي حَقِّ الْعِبَادِ - (إِذَا ارْتَابَ) الْقَاضِي (فِي حُكْمِ) الْقَاضِي (الْأَوَّلِ لَهُ طَلَبُ شُهُودِ الْأَصْلِ) مَرَرْنَا الْقَضَاءَ قَيِّدًا بِارْتِيَابِهِ فِي حُكْمِ الْأَوَّلِ

اور وہ اس کے پینہ کے ساتھ اس کے بارے فیصلہ کرے اس کے بغیر کہ وہاں کوئی شرعی منازعہ اور مخاصمہ ہو یا ان دونوں کے درمیان باہمی دعویٰ کا اظہار ہو تو اس کا فیصلہ شرط مفقود ہونے کی وجہ سے نافذ نہیں ہوگا، اور وہ شرط شرعی خصومت کے ساتھ باہمی دعویٰ کا ہونا ہے۔ اور یہ افتاء ہوگا، اور وہ اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے گا نہ کہ دوسرے کے مذہب کے مطابق جیسا کہ ہم اسے کتاب القضاء میں پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور اس کا فائدہ اپنے اس قول کے ساتھ دیا ہے کہ اگر اس نے مالکی قاضی کا فیصلہ بغیر دعویٰ کے حنفی قاضی کے پاس پیش کیا تو وہ اس کی طرف توجہ نہ کرے اور حنفی قاضی اپنے مذہب کے مطابق عمل کرے۔ کیونکہ اس سے پہلے کوئی ایسی شے نہیں ہے جو اسے ایسا کرنے سے مانع ہو۔ کیونکہ مالکی قاضی کا فیصلہ فتویٰ کے محل میں داخل ہو چکا ہے، اس لیے کہ اس سے پہلے وہ خصومت شرعیہ موجود نہیں جو حقوق العباد میں انعقاد قضا کے لیے شرط ہے۔ جب قاضی کو پہلے قاضی کے فیصلہ میں شک پڑ جائے تو اسے اصل کے گواہوں کو طلب کرنے کا اختیار ہے۔ یہ کتاب القضاء میں گزر چکا ہے۔ اسے پہلے فیصلہ میں شک پڑنے کے ساتھ مقید کیا ہے

37018۔ (قوله: فَقَضَى بِهِ بِبُرْهَانِهِ) پس وہ اس کی حجت کے ساتھ اس کا فیصلہ کر دے، اس عبارت میں پہلی بات تعدیہ اور دوسری سببیہ ہے۔ ”طحاوی“۔

37019۔ (قوله: بِدُونِ مُنَازَعَةٍ) یہ محذوف جال کے متعلق ہے، اور اس سے مراد جن تنازع کرنے والوں کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ان میں سے کسی کی موجودگی کے بغیر فیصلہ کرنا ہے۔

37020۔ (قوله: فَيَحْكُمُ بِمَذْهَبِهِ) پس وہ اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے گا، یعنی اگر یہ فیصلہ کسی دوسرے قاضی کے پاس پیش کیا جائے تو وہ اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے، اس پر پہلے فیصلہ کو نافذ کرنا واجب نہیں، کیونکہ اس کی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے اس کی پابندی لازم نہیں۔ بلاشبہ یہ توافقی یعنی حکمی شرعی کا بیان ہے۔

37021۔ (قوله: أَمَى إِلَى الْحَنْفِيِّ) یعنی مثال کے طور پر وہ حنفی قاضی کے پاس پیش کیا جائے، کیونکہ جو ذکر کیا گیا ہے اگر اس میں غیر حنفی کی شرط لگائی جائے تو اس کا حکم بھی اسی طرح ہے۔

37022۔ (قوله: إِذَا ارْتَابَ الْخ) اسے ”الہز“ میں ”صاحب البحر“ سے نقل کیا ہے۔ اور کہا ہے: میں نے اسے کسی

فَأَفَادَ أَنَّهُ إِذَا لَمْ يَرْتَبْ فِيهِ لَا يَتَعَرَّضُ لَهُ قَالَ فِي الْفَوَاكِهِ الْبَدْرِيَّةِ قَالُوا فِي قَضَاءِ الْعَدْلِ الْعَالِمِ لَا يُنْقَضُ، وَيُحْمَلُ عَلَى السَّدَادِ بِخِلَافِ قَضَاءِ غَيْرِهِ يَعْنِي إِذَا تَبَيَّنَ وَجْهُ فَسَادِهِ بِطَرِيقِهِ فَلِثَانِي نَقْضُهُ (إِذَا تَرْتَبَ بَيْعُ التَّعَاطِي عَلَى بَيْعِ بَاطِلٍ أَوْ فَاسِدٍ لَا يَنْعَقِدُ) مَرَّيْنِ أَوَّلِ الْبُيُوعِ عَنِ الْخُلَاصَةِ وَالْبَزَازِيَّةِ وَالْبَحْرِ (خَبَأَ قَوْمًا ثُمَّ سَأَلَ رَجُلًا عَنْ شَيْءٍ فَأَقْرَأَ بِهِ وَهُمْ يَرَوْنَهُ وَيَسْمَعُونَ كَلَامَهُ وَهُوَ لَا يَرَاهُمْ جَازَتْ شَهَادَتُهُمْ عَلَيْهِ) بِذَلِكَ الْإِقْرَارِ (وَإِنْ سَبِعُوا كَلَامَهُ وَلَمْ يَرَوْهُ لَا تَجُوزُ شَهَادَتُهُمْ عَلَيْهِ لِأَنَّ النُّعْمَةَ تَشْتَبِهُ عَلَيْهِ فَتَقَعُ الشُّبْهَةُ إِلَّا إِذَا عَلِمُوا أَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ غَيْرُهُ بِأَنْ دَخَلُوا الْبَيْتَ ثُمَّ خَرَجُوا وَجَلَسُوا عَلَى بَابِهِ

تو اس نے یہ فائدہ دیا ہے کہ جب اسے اس میں شک لاحق نہ ہو تو وہ اس میں کوئی تعرض نہ کرے۔ ”الفواکہ البدریہ“ میں کہا ہے: فقہاء نے عادل عالم قاضی کے فیصلہ میں کہا ہے وہ نہیں توڑا جائے گا، اور اسے درستگی پر محمول کیا جائے گا بخلاف کسی دوسرے کے فیصلہ کے یعنی جب کسی طریقہ سے اس کی وجہ فساد ظاہر ہو جائے تو پھر دوسرے قاضی کے لیے اسے توڑنے کا اختیار ہے۔ جب بیع التعاطی بیع باطل یا فاسد پر مرتب ہو تو وہ منعقد نہیں ہوگی، یہ کتاب البیوع کے شروع میں ”الخلاصہ“، ”البرزازیہ“ اور ”البحر“ سے گزر چکا ہے۔ کسی نے ایک قوم کو چھپالیا پھر ایک آدمی سے کسی شے کے بارے پوچھا تو اس نے اس کے بارے اقرار کیا درآنحالیکہ وہ اسے دیکھ رہے تھے اور اس کا کلام سن رہے تھے لیکن وہ انہیں نہیں دیکھ رہا تھا تو اس کے اس اقرار پر ان کی شہادت جائز ہے۔ اور اگر وہ اس کا کلام سن رہے تھے اور اسے دیکھ نہیں رہے تھے تو اس پر ان کی شہادت جائز نہیں ہوگی۔ کیونکہ آواز دوسرے کے مشابہ ہو سکتی ہے لہذا اشتباہ واقع ہو جائے گا۔ مگر جب وہ یہ جان لیں کہ اس میں اس کے سوا اور کوئی نہیں اس طرح کہ وہ کمرے میں داخل ہوں پھر اس سے باہر نکلیں، اور اس کے دروازے پر بیٹھ جائیں

غیر کے لیے نہیں پایا۔

37023۔ (قوله: يَعْنِي الْخ) میں کہتا ہوں: اس بنا پر تو عادل عالم اور غیر عادل کے فیصلہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ پس اگر کہا جائے: مراد یہ ہے وہ اسے توڑنے کے لیے تعرض نہ کرے تو یہ زیادہ اچھا اور خوبصورت ہوتا۔ یعنی اس سے ان احوال کے بارے نہیں پوچھے گا جو فیصلہ کو توڑنے کا موجب ہیں۔ پس یہ نہیں کہا جائے گا: کیا اس نے رشوت اور اس طرح کے سبب سے فیصلہ کیا ہے؟ اور اس پر قرینہ ان کا یہ قول ہے: دِيْحَمِلُ عَلَى السَّدَادِ (اور اسے صحت و درستگی پر محمول کیا جائے گا) اور رہا غیر عادل اور غیر عالم قاضی! تو اس کے حال کے بارے وہ پوچھے گا۔

37024۔ (قوله: مَرَّيْنِ أَوَّلِ الْبُيُوعِ الْخ) اور یہ گزر چکا ہے کہ اسے اس صورت پر محمول کیا گیا ہے جب یہ متارکۃ الاول سے پہلے ہو، اور یہ کہ وہ بیع بالتعاطی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ بیع بالایجاب والقبول بھی اسی طرح ہے۔ اور ”الغانیہ“ میں ہے: کسی نے فاسد شرا کے ساتھ کوئی کپڑا خریدا پھر وہ اسے دوسرے دن ملا اور اسے کہا: تو نے مجھے اپنا یہ کپڑا ایک ہزار درہم کے عوض بیچ دیا؟ تو اس نے کہا: کیوں نہیں۔ تو اس نے کہا: میں نے اسے لے لیا تو یہ باطل ہے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کیونکہ

وَلَا مَسْلَكَ لَهُ غَيْرُهُ ثُمَّ دَخَلَ رَجُلٌ فَسَبَّحُوا اقْرَارَهُ وَلَمْ يَرَوْهُ وَقَتُّهُ (بَاعَ عَقَارًا) أَوْ حَيَوَانًا أَوْ ثَوْبًا (وَابْنَهُ أَوْ امْرَأَتَهُ) أَوْ غَيْرَهُمَا مِنْ أَقَارِبِهِ

اور اس کا اس ایک کے سوا کوئی راستہ (دروازہ) نہ ہو پھر وہ آدمی داخل ہو اور وہ اس کا اقرار سنیں، اور اقرار کے وقت اسے نہ دیکھیں (تو پھر ان کی شہادت جائز ہوگی)۔ کسی نے زمین، یا جانور یا کوئی کپڑا بیچا اس حال میں کہ اس کا بیٹا یا بیوی یا ان کے علاوہ اقارب میں سے

اس سے پہلے بیع فاسد تھی۔ اور اگر وہ دونوں پہلی بیع فاسد کو توڑ دیں تو پھر آج کی یہ بیع جائز ہوگی۔

میں کہتا ہوں: اس پر وہ اعتراض وارد ہوتا ہے جو ”شارح“ نے وہاں بیع قطع غنم کے مسئلہ میں ذکر کیا ہے کہ ہر بکری اتنے کے عوض۔ بلاشبہ وہ فاسد ہے اور اگر مجلس میں بکریوں کی تعداد معلوم بھی ہو جائے تو اصح قول کے مطابق وہ بیع صحیح میں نہیں بدلتی۔ اور اگر دونوں راضی ہوں تو پھر تعاطی کے ساتھ منعقد ہو جاتی ہے۔ اور اس کی نظیر بیع بالرقم ہے۔ ”سراج“۔ اور اسی کی مثل ”النبایہ“ اور ”الفتح“ وغیرہ میں ہے۔ پس چاہیے کہ اس میں غور و فکر کی جائے۔

37025۔ (قوله: ثُمَّ دَخَلَ رَجُلٌ) پھر وہ آدمی اکیلا داخل ہو، جیسا کہ ان کا قول: إِذَا عَلِمُوا أَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ غَيْرُهُ

نے اسی کا فائدہ دیا ہے۔ اور اسی پر ہے پس اگر اس کے ساتھ مقررہ داخل ہو تو پھر ان کی شہادت جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں یہ شبہ اور احتمال ہے کہ اقرار کرنے والا وہی حق کا دعویٰ کرنے والا ہو اور اس نے اپنی آواز دوسرے کی آواز کی مثل بنالی ہو۔ تاہل۔ کسی نے زمین، جانور یا کپڑا بیچا جب کہ بیٹا یا بیوی پاس موجود ہوں تو اس کا حکم

37026۔ (قوله: بَاعَ عَقَارًا الْخ) کسی نے زمین بیچی الخ، اور اسی طرح ہے اگر وہ ہبہ کرے یا صدقہ کرے اور

حوالے کر دے۔ اور اسے بیع کے ساتھ مقید کیا، کیونکہ اگر وہ اجارہ کرے، یا رہن رکھے، یا بطور عاریہ دے پھر قریبی حاضر دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ سنا جائے گا، کیونکہ ملک سے نکلنا اس کے لوازم میں سے نہیں ہے۔ اور کبھی آدمی اپنی ملک سے نفع حاصل کرنے پر راضی ہوتا ہے۔ اور اپنی ملک سے نکلنے کے ساتھ راضی نہیں ہوتا۔ اور اس لیے کہ یہ بیع اور اس طرح کے معاملات میں خلاف قیاس ہے۔ پس اس پر کسی غیر کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اور میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو اس پر آگاہ ہوا ہو۔ پس اس میں غور و فکر کرنی چاہیے۔ ”رملی“۔

میں کہتا ہوں: اور بیع کی مثل ہی وقف بھی ہے جیسا کہ ”الشہاب الشلبی“ نے اس کے بارے فتویٰ دیا ہے۔ اور اکابر علمائے احناف میں سے تیرہ علماء نے ان کے زمانہ میں ان کی موافقت کی ہے جن کے اسماء اور ان کی موافقت میں ان کے خطوط انہوں نے اپنے مشہور فتاویٰ کے کتاب الدعویٰ کے آخر میں لکھے ہیں، پس اس کی طرف رجوع کرو۔

پھر تو جان کہ بیع کے ساتھ مقید کرنا بلاشبہ قریب کی طرف نسبت کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ رہا اجنبی کی طرف نسبت کے اعتبار سے تو وہ قید نہیں ہے۔ اس لیے کہ ”جامع الفتاویٰ“ کے کتاب الدعویٰ کے شروع میں ”الخلاصہ“ سے ہے: ایک آدمی نے

(حَاضِرٌ يَعْلَمُ بِهِ ثُمَّ ادَّعَى الْإِبْنَ مَثَلًا)

کوئی اس کے پاس موجود ہو اور وہ اس کے بارے جانتا ہو، پھر مثلاً بیٹا یہ دعویٰ کر دے

ایک زمانہ تک ایک زمین میں تصرف کیا اور دوسرا آدمی اس میں اس کا تصرف کرتا دیکھتا رہا، پھر وہ تصرف کرنے والا فوت ہو گیا اور دوسرے آدمی نے اس کی زندگی میں اس پر کوئی دعویٰ نہ کیا تو اب اس کے فوت ہونے کے بعد اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ اور ”الحامدیہ“ میں ”الولوالجیہ“ سے ہے: ایک آدمی نے ایک زمانہ تک ایک زمین میں تصرف کیا اور دوسرا آدمی زمین اور تصرف کو دیکھتا رہا اور اس نے کوئی دعویٰ نہ کیا اور وہ آدمی اسی حال پر فوت ہو گیا تو اس کے بعد اس کے بیٹے کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا، اور زمین کو تصرف کرنے والے کے ہاتھ میں ہی چھوڑ دیا جائے گا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ موت قید نہیں ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ فقہاء نے اسے یہاں موت کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے۔ اور اسی سے یہ معلوم ہوا کہ تصرف پر اطلاع ہونے کے بعد صرف خاموش رہنا بھی مانع ہے۔ اگرچہ بیع اس سے پہلے نہ ہو۔ رہا بیع کے وقت سکوت اختیار کرنا تو وہ صرف قریبی کے دعویٰ کے مانع ہوتا ہے۔ پھر تو جان! کہ علامہ ”ابن الغرس“ نے ”الفواکہ البدریہ“ میں ”المبسوط“ سے نقل کیا ہے: جب تینتیس برس اس نے دعویٰ چھوڑے رکھا حالانکہ دعویٰ سے کوئی مانع نہ ہو پھر وہ دعویٰ کر دے تو اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا، کیونکہ قدرت کے باوجود دعویٰ کو ترک کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس میں حق کا نہ ہونا ظاہر ہے۔ اور اسی کی مثل ”البحر“ اور ”جامع الفتاویٰ“ میں ہے۔ اور اہل فتویٰ میں سے متاخرین نے کہا ہے: چھتیس سال کے بعد دعویٰ نہیں سنا جائے گا، مگر یہ کہ مدعی غائب ہو، یا بچہ ہو یا مجنون ہو اور ان دونوں کے لیے کوئی ولی نہ ہو، یا مدعی علیہ ظالم امیر ہو جس سے خوف کیا جاتا ہو۔ اسی طرح ”الفتاویٰ العتابیہ“ میں ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اس مدت کے بعد دعویٰ کا نہ سنا جانا تصرف پر اطلاع ہونے یا نہ ہونے دونوں حالتوں کو شامل ہے۔ کیونکہ تصرف پر اطلاع ہونے کے ساتھ دعویٰ کے نہ سنے جانے کو یہاں کسی مدت کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے، پس ان کے کلام کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے۔ تاہل۔

پھر تو جان! کہ اس کا عدم سماع بطلان حق پر مبنی نہیں ہے، یہاں تک کہ یہ اعتراض وارد ہو کہ یہ قول چھوڑ دیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ بطلان حق کے بارے حکم نہیں ہے۔ بلکہ اس کے سماع سے قضاۃ کو روکنا فریب اور دھوکہ دہی کے خوف اور دلالت حال کی وجہ سے ہے جیسا کہ تعلیل اور قیاس اس پر دلالت کرتا ہے۔ ورنہ فقہاء نے کہا ہے: بلاشبہ حق تقادم کے ساتھ ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ ”الاشباہ“ کے باب القضاء میں ہے۔ پس دوسرے کے لیے حق باقی ہونے کے باوجود ان مسائل میں دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ اور اسی لیے اگر وہ اس کا اقرار کرے تو وہ لازم ہو جاتا ہے جیسا کہ پندرہ سال گزرنے کے بعد دعویٰ کے عدم سماع کے مسئلہ میں ہے جب سلطان اس کے سماع سے منع کر دے جیسا کہ باب التحکیم سے پہلے گزر چکا ہے۔ پس تو اس منفرد تحریر کو غنیمت جان۔

37027۔ (قولہ: حَاضِرٌ) اس میں حضور سے مراد اطلاع ہے۔ ”رہلی“۔

37028۔ (قولہ: مَثَلًا) یعنی بیوی یا اس کے علاوہ کوئی اور اقارب میں سے ہو۔

(أَنَّهُ مِلْكُهُ لَا تُسَمَّعُ دَعْوَاهُ) كَذَا أَطْلَقَهُ فِي الْكَنْزِ وَالْمُلْتَقَى وَجُعِلَ سُكُوتُهُ كَالْإِفْصَاحِ قَطْعًا لِلتَّزْوِيرِ وَالْحِيلِ، وَكَذَا لَوْ ضَمِنَ الدَّارِكُ أَوْ تَقَاضَى الشَّمْنُ وَقَالُوا فَيَسُنُّ زَوْجُوهُ بِلَا جِهَازٍ إِنَّ سُكُوتَهُ عَنْ طَلَبِ الْجِهَازِ عِنْدَ الزَّفَافِ رِضًا

کہ وہ اس کی ملکیت ہے تو اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ اسی طرح اسے ”الکنز“ اور ”الملتقی“ میں مطلق ذکر کیا ہے۔ اور کسی تزویر (فریب) اور حیلہ کو قطع کرنے کے لیے اس کے سکوت کو بیان کی مثل بنایا گیا ہے۔ اور اسی طرح ہے اگر وہ درک یا شمن کا تقاضا کرنے کا ضامن ہو۔ اور فقہانے اس آدمی کے بارے میں کہا ہے جس کی انہوں نے بغیر جہیز کے شادی کی: بلاشبہ شادی کے وقت جہیز کا مطالبہ کرنے سے سکوت اختیار کرنا رضامندی ہے،

37029۔ (قوله: أَنَّهُ مِلْكُهُ) یعنی یہ کل یا بعض مشترک طور پر یا معین اس کی ملکیت ہے، اور جو شمن میں بھی دعویٰ کا عدم سماع ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس کی تائید وہ بھی کرتا ہے جو ”التبیین“ وغیرہ میں ہے کہ اس کا حاضر ہونا اور اس کا ترک کرنا اس میں ہے جس میں اس کی طرف سے یہ اقرار ہو سکتا ہو کہ یہ شے بائع کی ملکیت ہے اور یہ کہ بیع میں اس کا کوئی حق نہیں الخ۔ ”رملی“۔

37030۔ (قوله: كَذَا أَطْلَقَهُ فِي الْكَنْزِ وَالْمُلْتَقَى) یعنی ”کنز“ میں اسے اس سے مطلق ذکر کیا ہے جس کے ساتھ ”زیلعی“ نے ”فتاویٰ ابی اللیث“ سے نقل کرتے ہوئے اسے مقید کیا ہے اس کے ساتھ کہ مشتری اس میں ایک زمانہ تک تصرف کرے۔ ”المنح“ میں کہا ہے: اور ”کنز“، ”بزازیہ“ اور بہت سی معتبر کتابوں میں اس کے ساتھ اسے مقید نہیں کیا۔ اور اسی وجہ سے ہم نے بھی اسے اس کے ساتھ مقید نہیں کیا اور اس لیے کہ اس کے ساتھ مقید کرنا قریبی اور پڑوسی کے درمیان تسویہ اور برابری کو ثابت کرتا ہے باوجود اس کے کہ پڑوسی اس کے مخالف ہو۔ اس مسئلہ میں کئی دوسرے اقوال بھی ہیں۔ پس اس کی طرف رجوع کرو۔

37031۔ (قوله: وَجُعِلَ سُكُوتُهُ كَالْإِفْصَاحِ) اور اس کے سکوت کو بیان کی مثل بنایا گیا ہے یعنی اس بارے کہ وہ بائع کی ملکیت ہے۔ اور ”مصنف“ کے فتاویٰ میں ہے کہ جب وہ بیع کے وقت اس بارے عدم علم کا دعویٰ کرے کہ وہ اس کی ملک ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اور ”نہج النجاة“ میں کہا ہے: میں کہتا ہوں: یہ تب ہے جب مدعی معذور نہ ہو ورنہ اس کا دعویٰ سنا جائے گا۔ تحقیق فقہانے کہا ہے: وارث، وصی، اور متولی کو محل خفا میں جہالت کے سبب تناقض سے معذور قرار دیا جائے گا۔ اور ”الاستروثتی“ نے کہا ہے: کسی نے اپنے بچے کے لیے اپنی طرف سے دار خرید، پس بیٹا بڑا ہو گیا اور اسے اس کا علم نہ ہو پھر باپ اس دار کو بیچ دے اور اسے مشتری کے سپرد کر دے پھر وہ بیٹا اس سے اسے جارہ پر لے پھر اسے اس کے بارے علم ہوا جو کچھ اس کے باپ نے کیا، پس اس نے دار کا دعویٰ کر دیا تو اس کا دعویٰ قبول کیا جائے گا۔ اور وہ اجارہ پر لینے کے سبب ٹوٹنے والا نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس میں خفا ہے۔ کیونکہ باپ صغیر کے لیے خریدنے کو ترجیح دیتا ہے اور قریب ہے کہ بالغ ہونے کے بعد بھی اسے علم نہ ہو۔ ”ساحانی“۔

37032۔ (قوله: وَكَذَا لَوْ ضَمِنَ الدَّارِكُ الْخ) اس کا ذکر اجنبی کے بعد کرنا اولیٰ ہے تاکہ یہ قریبی کے ساتھ اس

فَلَا يَبْدُكَ طَلَبُ الْجِهَازِ بَعْدَ سُكُوتِهِ كَمَا مَرَّ فِي بَابِ الْمَهْرِ (بِخِلَافِ الْأَجْنَبِيِّ) فَإِنَّ سُكُوتَهُ وَ (لَوْ جَارًا) لَا يَكُونُ رِضًا (إِلَّا إِذَا) سَكَتَ الْجَارُ وَقَتَّ الْبَيْعِ وَالتَّسْلِيمِ وَ (تَصَرَّفَ الْمُشْتَرِي فِيهِ زَرْعًا وَبِنَاءً) فَحِينَئِذٍ (لَا تُسَمَّعُ دَعْوَاهُ) عَلَى مَا عَلَيْهِ الْفُتُوَى قَطْعًا لِلْأَطْمَاعِ الْفَاسِدَةِ، وَبِخِلَافِ مَا إِذَا بَاعَ الْفُضُولُ

پس وہ اس سکوت کے بعد اب جہیز طلب کرنے کا مالک نہیں ہوگا، جیسا کہ باب المہر میں گزر چکا ہے بخلاف اجنبی کے۔ کیونکہ اس کا سکوت رضامندی نہیں ہوتا اگرچہ وہ پڑوسی ہو مگر جب پڑوسی بیع اور بیع حوالے کرنے کے وقت خاموش رہے اور اس میں مشتری کا تصرف بطور زراعت اور بنا کے ہوگا۔ پس اس وقت اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ اور اطماع فاسدہ کو قطع کرنے کے لیے فتویٰ اسی پر ہے بخلاف اس کے کہ جب فضولی

کے خاص ہونے کا وہم پیدا نہ کرے۔ اور ”زیلعی“ نے اس مسئلہ کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، اس کی طرف رجوع کرو۔

37033۔ (قوله: فَلَا يَبْدُكَ الْخ) پس وہ اس قول کا مالک نہیں کہ اس کیلئے مطالبہ کا حق ہے۔ اور یہ صحیح کے خلاف ہے۔

37034۔ (قوله: بِخِلَافِ الْأَجْنَبِيِّ) بخلاف اجنبی کے۔ ”الربلی“ نے کہا ہے: میں کہتا ہوں: میرے لیے جو فرق

ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اطماع فاسدہ (فاسد حرص و لالچ) قریبی میں اغلب اور زیادہ ہوتے ہیں، اور اس میں دھوکہ دہی کا گمان ارجح ہے۔ اسی وجہ سے اقرباء میں بالخصوص وراثت کے دعویٰ کو ثابت کرنے میں سہولت اور آسانی غالب ہے، بخلاف اجنبی کے۔ کیونکہ اس کا کسی اجنبی کے مال میں طمع اور حرص رکھنا نادر ہے۔ اور مرنج کی طرف سے جہت تزویر کو ترجیح دینا ضروری ہے۔ اور وہ جہت یہ ہے کہ مشتری اس میں ایک زمانہ تک تصرف کرے۔

37035۔ (قوله: إِلَّا إِذَا سَكَتَ الْجَارُ) مگر جب پڑوسی خاموش رہے، اور اس کے علاوہ کسی بھی اجنبی کے لیے بدرجہ اولیٰ یہ حکم ہے۔ پس پڑوسی کو ذکر کے ساتھ خاص کرنا اس لیے ہے کیونکہ اس کے بارے گمان ہے کہ وہ قریبی اور بیوی کے حکم میں ہے۔

37036۔ (قوله: وَقَتَّ الْبَيْعِ وَالتَّسْلِيمِ) یعنی ان دونوں کے بارے اس کے جاننے کے وقت جیسا کہ ”الربلی“

کے کلام سابق نے اس کا فائدہ دیا ہے۔ حالانکہ تو جانتا ہے کہ بیع قید نہیں ہے، بلکہ تصرف پر اطلاع کے وقت صرف سکوت اختیار کرنا دعویٰ کے مانع ہے۔

37037۔ (قوله: زَرْعًا وَبِنَاءً) اس سے مراد ہر وہ تصرف ہے جس کا اطلاق صرف مالک کے لیے کیا جاتا ہے، پس

یہ دونوں تمثیل کے قبیل سے ہیں۔

37038۔ (قوله: لَا تُسَمَّعُ دَعْوَاهُ) یعنی اجنبی کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا اگرچہ وہ پڑوسی ہو۔ ”ربلی“۔

37039۔ (قوله: وَبِخِلَافِ مَا إِذَا بَاعَ الْفُضُولُ الْخ) بخلاف اس کے جب فضولی بیع کرے الخ۔ اس کا ذکر ادنیٰ

سی مناسبت کی وجہ سے کیا ہے، ورنہ کلام تو اس کے بارے میں ہے کہ جب خاموش رہنے والا ملکیت کا دعویٰ کرے اور بائع اور

مِلْكٌ رَجُلٍ وَالْمَالُ سَاكِتٌ حَيْثُ لَا يَكُونُ سُكُوتُهُ رِضًا عِنْدَنَا خِلَافًا لِابْنِ أَبِي لَيْلَى بِرَازِيَّةٍ آخِرِ الْفَصْلِ الْخَامِسِ عَشَرَ وَغَيْرُهُ (بَاعَ ضَيْعَةً ثُمَّ ادَّعَى أَنَّهَا وَقْفٌ عَلَيْهِ) أَوْ عَلَى مَسْجِدٍ كَذَا أَوْ كُنْتَ وَقَفْتَهَا (وَأَرَادَ تَحْلِيفَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ) اتِّفَاقًا لِلتَّنَاقُضِ (وَإِنْ أَقَامَ بَيِّنَةً تُقْبَلُ) عَلَى الْأَصَحِّ لَا لِصِحَّةِ الدَّعْوَى، بَلْ لِقَبُولِ الْبَيِّنَةِ فِي الْوَقْفِ بِلا دَعْوَى

کسی آدمی کی مملوکہ شے بیچ دے اور مالک خاموش رہے تو ہمارے نزدیک اس کا سکوت رضا مندی نہیں ہوگا، اس میں ”ابن ابی لیلیٰ“ کا اختلاف ہے۔ یہ ”برازیہ“ پندرہویں فصل کے آخر میں اور دیگر کتب میں ہے۔ کسی نے زمین بیچی پھر دعویٰ کیا کہ وہ زمین تو اس پر وقف ہے یا مسجد پر وقف ہے یا میں نے اسے وقف کیا تھا اور اس نے مدعی علیہ کو قسم دینے کا ارادہ کیا تو تناقض کی وجہ سے اس کے لیے ایسا کرنا بالاتفاق جائز نہیں۔ اور اگر اس نے بیئہ قائم کر دیا تو اصح قول کے مطابق اسے قبول کر لیا جائے گا، اس لیے نہیں کہ دعویٰ صحیح ہے، بلکہ اس لیے کہ وقف میں بغیر دعویٰ کے بھی بیئہ مقبول ہے۔

مشتری انکار کر دے، اور یہاں کوئی انکار نہیں ہے۔

اگر فضولی کسی کی مملوکہ چیز بیچ دے اور مالک خاموش رہے تو اس کا سکوت رضا مندی نہیں

37040۔ (قوله: لَا يَكُونُ سُكُوتُهُ رِضًا عِنْدَنَا) اس کا سکوت ہمارے نزدیک رضا نہیں ہوگا، ”فتاویٰ امین الدین“

میں ”المحیط“ سے ہے: جب کوئی فضولی سے سامان خریدے اور مشتری سامان کے مالک کی موجودگی میں بیچ پر قبضہ کر لے اور وہ خاموش رہے تو یہ خاموشی رضا ہوگی۔ اسی کی مثل ”برازیہ“ میں بھی ”محیط“ سے ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ جو یہاں ہے اس کا محل یہ ہے کہ جب مشتری سامان کے مالک کی موجودگی میں سامان پر قبضہ نہ کرے، اور وہ خاموش رہے۔ تامل۔ ”رملی“۔

37041۔ (قوله: آخِرُ الْفَصْلِ الْخَامِسِ عَشَرَ) یعنی کتاب الدعویٰ کی پندرہویں فصل کے آخر میں۔

37042۔ (قوله: وَغَيْرُهُ) یعنی کتاب النکاح کی ناویں فصل میں۔ اور یہاں ”زیلعی“ نے اسے ”الجامع الصغیر“ سے

نقل کیا ہے۔

37043۔ (قوله: تُقْبَلُ عَلَى الْأَصَحِّ) اصح قول کے مطابق شہادت قبول کر لی جائے گی، اسی کو ”الصدر الشہید“ نے

اختیار کیا ہے۔ اور ”النفقیہ“ نے کہا ہے: بعض لوگوں نے کہا ہے: بیئہ قبول نہیں کیا جائے گا، لیکن ہم اس قول کو نہیں لیں گے۔

”تاتر خانہ“۔ اور قبول والے قول کو لیں گے اور یہی اصح قول ہے۔ ”عمادیہ“۔ بیئہ قبول کیا جائے گا اگرچہ دعویٰ صحیح نہیں۔ ”خلاصہ“

اور ”برازیہ“۔ اور بہت سے فتاویٰ میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور ”البحر“ میں اس کے ساتھ مقید کیا ہے کہ جب وہ شہادت پیش کر

دے کہ وہ وقف ہے تو پھر اس کے لازم ہونے کا حکم لگا دیا جائے، اور اگر شہادت پیش نہ کرے تو نہیں، کیونکہ صرف وقف ملکیت کو

زائل نہیں کرتا۔ اسی کی مثل ”فتح القدیر“ میں ہے اور وہ خوب اچھی تفصیل ہے چاہیے کہ اس پر اعتماد کیا جائے۔ ”مصنف“ نے اسے

بیان کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: مفتی بہ یہ ہے کہ ملک صرف اس کے قول و قفت (میں نے وقف کی) کے ساتھ زائل ہو جاتی ہے۔

خِلَافًا لِمَا صَوَّبَهُ الزَّيْلَعِيُّ وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ فِي الْوَقْفِ وَبَابِ الْإِسْتِحْقَاقِ - وَهَبْتُ مَهْرَهَا لِزَوْجِهَا فَبَاتَتْ وَطَالَبَتْ وَرَثَتَهَا بِمَهْرِهَا وَقَالُوا كَانَتْ الْهَبَةُ فِي مَرَضٍ مَوْتِهَا وَقَالَ بَلْ فِي الصِّحَّةِ فَالْقَوْلُ لِلْوَرَثَةِ هَذَا مَا اعْتَمَدَهُ فِي الْخَانِيَّةِ تَبَعًا لِرَوَايَةِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ بَعْدَ نَقْلِهِ لِمَا فِي فَتَاوَى النَّسَفِيِّ أَنَّ الْقَوْلَ لِلزَّوْجِ، فَقَالَ وَالْإِعْتِمَادُ عَلَى تِلْكَ الرِّوَايَةِ لِأَنَّهُمْ تَصَادَقُوا عَلَى وَجُوبِ الْمَهْرِ وَاخْتَلَفُوا فِي السَّقُوطِ فَالْقَوْلُ لِمُنْكَرِهِ الْخُ قُلْتُ وَأَقْرَبُهُ فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ وَاعْتَمَدَهُ شَيْخُنَا عَلَى خِلَافِ مَا جَزَمَ بِهِ فِي الْمُلْتَقَى كَالْكَنْزِ مِنْ أَنَّ الْقَوْلَ لِلزَّوْجِ، وَإِنْ جَزَمَ بِهِ شَرَّاحُهُ كَالزَّيْلَعِيِّ وَابْنِ سُلْطَانَ

یہ اس کے خلاف ہے جسے ”زیلعی“ نے درست قرار دیا ہے۔ اور ہم نے کتاب الوقف اور باب الاستحقاق میں اس کی تحقیق کی ہے۔ کسی عورت نے اپنا مہر خاوند کو ہبہ کر دیا اور فوت ہو گئی اور اس کے ورثانے اس کے مہر کا مطالبہ کیا اور انہوں نے کہا: یہ ہبہ اس کی مرض موت میں واقع ہوا ہے۔ اور خاوند نے کہا: (نہیں) بلکہ حالت صحت میں واقع ہوا، تو قول ورثاء کا معتبر ہوگا۔ اسی پر ”الخانیہ“ میں ”جامع صغیر“ کی روایت کی اتباع کرتے ہوئے اعتماد کیا ہے، اسے نقل کرنے کے بعد جو ”فتاویٰ النسفی“ میں ہے کہ قول خاوند کا معتبر ہوگا اور کہا: اعتماد اس روایت پر ہے، کیونکہ انہوں نے مہر کے وجوب پر ایک دوسرے کی تصدیق کی ہے اور اس کے ساقط ہونے میں اختلاف کیا ہے، پس قول منکر کا معتبر ہوگا۔ الخ۔ میں کہتا ہوں: اور اسے ہی ”تنویر البصائر“ میں ثابت رکھا ہے، اور ہمارے شیخ نے اس پر اعتماد کیا ہے برخلاف اس کے جس کے ساتھ ”الملتقی“ میں ”کنز“ کی مثل یقین کیا ہے کہ قول خاوند کا معتبر ہے اگرچہ ”کنز“ کے شارحین جیسا کہ ”زیلعی“ اور ”ابن سلطان“ نے اس کے ساتھ اس بارے یقین کیا ہے

37044۔ (قوله: خِلَافًا لِمَا صَوَّبَهُ الزَّيْلَعِيُّ) یہ اس کے خلاف ہے جسے ”زیلعی“ نے درست قرار دیا ہے، اس حیثیت سے کہ انہوں نے کہا ہے: اور کہا گیا ہے شہادت قبول نہیں کی جائے گی اور یہی زیادہ درست اور زیادہ محتاط ہے، کیونکہ وہ بینہ قائم کر کے کہ زمین اس پر وقف ہے بیع کے فاسد ہونے اور اپنا ذاتی حق ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ پس تناقض کی وجہ سے اسے نہیں سنا جائے گا۔ اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ اگر وہ مسجد یا اس طرح کی چیز پر وقف ہو تو شہادت سنی جائے گی کیونکہ وہ اپنی ذات کے لیے حق کا دعویٰ نہیں کر رہا۔

37045۔ (قوله: فَالْقَوْلُ لِلْوَرَثَةِ) پس قول ورثاء کا معتبر ہوگا، یہ شہادت نہ ہونے کے وقت ہے۔ پس اگر وہ بینہ قائم کر دیں تو بینہ اس کا معتبر ہوگا جو حالت صحت میں ہبہ کا دعویٰ کر رہا ہے۔ ”منح“۔ میں کہتا ہوں: اور دوسرے قول کی بنا پر یہ ظاہر ہے کہ بینہ ورثاء کا مقبول ہوگا۔

37046۔ (قوله: هَذَا مَا اعْتَمَدَهُ فِي الْخَانِيَّةِ) یہ وہ ہے جس پر ”الخانیہ“ میں اعتماد کیا ہے۔ اور ”قاضیخان“ کی تصحیح کی وجہ سے ہے، اور یہ ان مسائل میں سے ہے جن میں فقہاء نے قیاس کو استحسان پر ترجیح دی ہے۔ ”سائحانی“۔

37047۔ (قوله: بَعْدَ نَقْلِهِ) اس کی ضمیر قال کی ضمیر کی طرح ”قاضیخان“ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ”طحاوی“۔

بِأَنَّهُ إِلَّا سَتَحْسَانُ فَتَنَّبَهُ - قُلْتُ وَاسْتَظْهَرَهُ ابْنُ الْهَمَامِ فِي آخِرِ النَّهْرِ فَقَالَ وَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ الْوَرَثَةَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ حَقٌّ بَلْ لَهَا وَهُمْ يَدْعُونَهُ لِأَنْفُسِهِمْ، وَالزَّوْجُ يُنْكِرُ فَاَلْقَوْلُ لَهُ (وَكَلَّهَا بِطَلَاقِهَا لَا يَبْدِلُكَ عَزْلُهَا) لِأَنَّهُ يَبِينُ مِنْ جِهَتِهِ (وَكَلَّتْ بِكَذَا عَلَى أَنِّي مَتَى عَزَلْتُكَ فَأَنْتَ وَكِيلِي) فَطَرِيقُهُ أَنْ (يَقُولَ فِي عَزْلِهِ عَزَلْتُكَ ثُمَّ عَزَلْتُكَ) لِأَنَّ مَتَى لِعُمُومِ الْأَوْقَاتِ،

کہ یہ استحسان ہے، پس تو اس پر آگاہ رہ۔ میں کہتا ہوں: اور ”ابن الہمام“ نے ”النہر“ کے آخر میں اسے تقویت دی ہے اور کہا ہے: ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ وراثہ کے لیے کوئی حق نہیں بلکہ یہ حق عورت کا ہے، وہ اس کا مطالبہ اپنی ذاتوں کے لیے کر رہے ہیں، اور خاوند اس کا انکار کر رہا ہے۔ پس قول اسی کا معتبر ہوگا۔ کسی آدمی نے عورت کو اپنی طلاق کے لیے وکیل بنایا تو وہ اسے معزول کرنے کا مالک نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ مرد کی جانب سے قسم ہے۔ میں نے تجھے اس کام کے لیے اس شرط پر وکیل بنایا کہ جب میں تجھے معزول کروں تو تو میرا وکیل ہے۔ پس اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اسے معزول کرتے وقت کہے: میں نے تجھے معزول کیا پھر میں نے تجھے معزول کیا۔ کیونکہ متی عموم اوقات کے لیے آتا ہے۔

37048۔ (قولہ: اِلٰی آخِرَہ) یہ ان کا قول ہے۔ اور اس لیے کہ ہبہ ایک حادثہ اور واقعہ ہے اور حوادث میں اصل یہ ہے کہ انہیں قریب ترین اوقات کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

37049۔ (قولہ: بِأَنَّهُ إِلَّا سَتَحْسَانُ) یہ باء سببیہ ہے اور یہ ان کے قول جزم کے ساتھ مربوط ہے۔ ”طحاوی“۔

37050۔ (قولہ: وَاسْتَظْهَرَهُ) یعنی خاوند کا قول معتبر ہونے کو تقویت دی ہے۔

37051۔ (قولہ: وَجْهُ الظَّاهِرِ) اس کا مفاد یہ ہے کہ یہ ظاہر روایت ہے۔

37052۔ (قولہ: لَمْ يَكُنْ لَهُمْ حَقٌّ) یعنی ہبہ کے وقت ان کا کوئی حق نہیں۔

37053۔ (قولہ: لِأَنَّهُ يَبِينُ مِنْ جِهَتِهِ) کیونکہ وہ اس کی جہت سے قسم ہے، اس لیے کہ اس میں قسم کا معنی ہے، اور

وہ طلاق کو اس کے فعل کے ساتھ معلق کرنا ہے، اور قسم میں رجوع صحیح نہیں ہوتا، اور وہ عورت کی جہت سے تملیک ہے۔ کیونکہ وکیل وہ ہوتا ہے جو غیر کے لیے عمل کرتا ہے اور یہ اپنی ذات کے لیے عمل کر رہی ہے۔ پس یہ وکیل نہیں ہوگی بخلاف اجنبی کے۔ ”زیلعی“۔ اور تملیک کے معنی کی وجہ سے اس کا اقتصار مجلس پر ہے جیسا کہ باب تفویض الطلاق میں گزر چکا ہے۔

متی عموم اوقات کے لیے جبکہ کلبا عموم افعال کے لیے آتا ہے

37054۔ (قولہ: لِأَنَّ مَتَى لِعُمُومِ الْأَوْقَاتِ) کیونکہ متی عموم اوقات کے لیے آتا ہے۔ پس وہ صرف ایک بار

معزول کرنے اور مقرر کرنے کا فائدہ دیتا ہے۔ ”زیلعی“ نے کہا ہے: پس جب اس نے معزول کر دیا تو وہ وکالت منجزہ سے معزول ہو گیا اور وکالت معلقہ بالفور واقع ہو گئی تو وہ نیا وکیل ہو گیا، پھر دوسری بار معزول کرنے سے وہ دوسری وکالت سے معزول ہو گیا۔

وَأَمَّا كَلَّمَا فَلِعُومِ الْأَفْعَالِ (فَلَوْ قَالَ كَلَّمَا عَزَلْتُكَ فَأَنْتَ وَكَيْلِي يَقُولُ) فِي عَزْلِهِ (رَجَعْتَ عَنْ الْوَكَالَةِ الْمُعَلَّقَةِ وَعَزَلْتُكَ عَنْ الْوَكَالَةِ الْمُتَجَزِّةِ) الْحَاصِلَةُ مِنْ لَفْظِ كَلَّمَا فَحِينَئِذٍ يُعْزَلُ (قَبْضُ بَدَلِ الصُّدْحِ شَرْطُ إِنْ كَانَ دَيْنًا بِدَيْنٍ) بِأَنْ صَالَحَ عَلَى دَرَاهِمٍ عَنْ دَنَانِيرٍ أَوْ عَنْ شَيْءٍ آخَرَ فِي الذِّمَّةِ (وَالْإِلَّا يَكُنْ دَيْنًا بِدَيْنٍ لِأَنَّهُ يُشْتَرِطُ قَبْضُهُ لِأَنَّ الصُّدْحَ إِذَا وَقَعَ عَلَى عَيْنٍ تَتَعَيَّنُ لَا تَبْقَى دَيْنًا فِي الذِّمَّةِ، فَجَازَ الْإِفْتِرَاقُ عَنْهُ

اور رہا کَلَّمَا تو یہ عموم افعال کے لیے آتا ہے۔ پس اگر وہ کہے: کَلَّمَا عَزَلْتُكَ فَا ن ت وکیل جب بھی میں تجھے معزول کروں تو تو میرا وکیل ہے۔ تو وہ اس کے معزول کرتے وقت کہے گا: میں نے وکالت معلقہ سے رجوع کیا اور وکالت منجزہ سے تجھے معزول کیا جو کہ لفظ کَلَّمَا سے ثابت ہو رہی ہے تو اس وقت وہ معزول ہو جائے گا۔ بدل صلح پر قبضہ کرنا شرط ہے اگر صلح دین کے بدلے دین کے ساتھ ہو اس طرح کہ وہ دنانیر یا کوئی شے جو ذمہ میں واجب ہے اس کی صلح دراہم کے ساتھ کرے۔ اور اگر وہ دین کی دین کے ساتھ نہ ہو تو اس پر قبضہ کرنا شرط نہیں ہے، کیونکہ صلح جب عین متعین پر واقع ہو تو پھر وہ ذمہ میں دین باقی نہیں رہتا۔ اور اس پر افتراق جائز ہے۔

37055۔ (قوله: يَقُولُ فِي عَزْلِهِ رَجَعْتَ الْخ) وہ معزول کرتے وقت کہے گا: میں نے رجوع کیا الخ، کیونکہ اگر وہ وکالت منجزہ سے بغیر رجوع کے اسے معزول کر دے تو وہ وکیل ہو جائے گا۔ اسی کی مثل ہے: اگرچہ وہ اسے ہزار بار معزول کرے، کیونکہ کَلَّمَا کا کلمہ لامحدود حد تک تکرار افعال کا تقاضا کرتا ہے، پس یہ عزل کا فائدہ نہیں دیتا مگر رجوع کے بعد یہاں تک کہ اگر وہ اسے معزول کر دے پھر وہ وکالت معلقہ سے رجوع کرے تو وہ دوسرے عزل کا محتاج ہوگا، کیونکہ جب بھی وہ اسے معزول کرے گا تو وہ پھر وکیل ہو جائے گا، پس وہ اس کے بعد وکالت معلقہ سے اس کے حق میں رجوع کا فائدہ نہیں دیتا۔ کیونکہ وہ رجوع کے بعد دوسرے عزل کا محتاج ہوتا ہے۔ ”زیلعی“۔ اس کی مکمل بحث اسی میں ہے۔

37056۔ (قوله: الْحَاصِلَةُ مِنْ لَفْظِ كَلَّمَا) جو کَلَّمَا کے لفظ سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح ”المنح“ میں بھی ہے، اور یہ سہو ہے۔ کیونکہ وکالت منجزہ اس کے قول: أَنْتَ وَكَيْلِي سے ثابت ہوئی ہے۔ اور معلقہ اس کے قول: كَلَّمَا عَزَلْتُكَ الْخ سے ثابت ہوئی ہے۔ ”ساحانی“۔

37057۔ (قوله: أَوْ عَنْ شَيْءٍ آخَرَ) یعنی دراہم کے علاوہ کسی اور شے سے۔ اس لیے کہ ”مسکین“ کا قول ہے: یہ تب ہے جب وہ اس کی جنس کے خلاف پر ہو، کیونکہ وہ اگر بالتاجیل اس کی جنس پر صلاحیت رکھتا ہو تو یہ جائز ہے۔

37058۔ (قوله: فِي الذِّمَّةِ) یہ دراہم، دنانیر اور شے آخر کی صفت ہے۔ تامل۔

37059۔ (قوله: وَإِلَّا) یعنی اس طرح کہ وہ زمین کی زمین کے عوض یا زمین کی دین کے عوض ہو۔ ”مسکین“۔

37060۔ (قوله: عَيْنٍ تَتَعَيَّنُ) یہ عین کی صفت ہے یعنی وہ اس کی طرف اشارہ کرنے کے ساتھ متعین ہو جاتی ہے۔

37061۔ (قوله: فَجَازَ الْإِفْتِرَاقُ عَنْهُ) پس اس سے افتراق جائز ہے اگرچہ وہ ربا کا مال ہو جیسا کہ جب معین جو پر

(قَالَ) الْمُدَّعَى (لَا بَيِّنَةَ لِي فَبَرَّهَنَ) وَلَوْ بَعْدَ حَلْفِ خَصْمِهِ جَوَاهِرُ الْفَتَاوَى وَكَذَا لَوْ قَالَ عِنْدَ طَلَبِهِ لِيَبَيِّنْهُ إِذَا حَلَفْتَ فَأَنْتَ بَرِيءٌ عَنِ الْمَالِ الَّذِي لِي عَلَيْكَ وَحَلَفَ ثُمَّ بَرَّهَنَ عَلَى الْحَقِّ قُبُلَ وَقَضَى لَهُ بِالْمَالِ خَانِيَّةً (أَوْ قَالَ) الشَّاهِدُ (لَا شَهَادَةَ لِي) فَشَهِدَ تَقْبُلُ لِامُكَّانِ التَّوْفِيقِ بِالنِّسْيَانِ، ثُمَّ التَّنْكِيرُ (كَمَا لَوْ قَالَ لَيْسَ لِي عِنْدَ فُلَانٍ شَهَادَةٌ ثُمَّ جَاءَ بِهِ فَشَهِدَ أَوْ قَالَ لَا حُجَّةَ لِي عَلَى فُلَانٍ ثُمَّ أَتَى بِهَا) بِالْحُجَّةِ فَإِنَّهَا تَقْبُلُ لِمَا قُلْنَا بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ لَيْسَ لِي حَقٌّ،

مدعی نے کہا: میرے پاس کوئی بینہ نہیں پھر اس نے گواہ پیش کر دیا (تو وہ ثابت ہوگی) اگرچہ خصم کے حلف دینے کے بعد ہی ہو۔ ”جواہر الفتاویٰ“۔ اور اسی طرح اگر اس نے قسم کے مطالبہ کے وقت کہا: جب تو قسم اٹھا دے تو تو اس مال سے بری ہے جو میرا تجھ پر ہے اور اس نے قسم کھالی اور پھر اس نے اپنے حق پر بینہ قائم کر دیا تو اسے قبول کیا جائے گا اور اس کے لیے مال کا فیصلہ کیا جائے گا۔ ”خانیہ“۔ یا گواہ نے کہا: میرے پاس کوئی شہادت نہیں، پھر اس نے شہادت دے دی تو اسے قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ پہلے بھول جانے اور پھر یاد آ جانے کے ساتھ توفیق و تطبیق ممکن ہے جیسا کہ اگر وہ کہے: میرے لیے فلاں کے پاس کوئی شہادت نہیں ہے، پھر وہ اسے لے آئے اور وہ شہادت دے یا وہ کہے: میرے پاس فلاں کے خلاف کوئی حجت نہیں پھر وہ حجت پیش کر دے تو اسے قبول کیا جائے گا اسی وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی ہے بخلاف اس کے کہ جب وہ کہے: میرا کوئی حق نہیں ہے،

اس گندم کی صلح واقع ہو جو ذمہ میں لازم ہے۔ ”زیلعی“۔

37062۔ (قوله: قُبُلُ الْخ) اسے قبول کیا جائے گا، الخ کیونکہ بری کرنے کو خطر کے ساتھ معلق کرنا صحیح نہیں ہوتا۔
37063۔ (قوله: أَوْ قَالَ لَا حُجَّةَ لِي) یا اس نے کہا: میرے لیے کوئی حجت نہیں جب حجت ہو تو ایک کی شہادت کے ساتھ ان امور میں تصدیق کی جائے گی جن میں بینہ کے بعد اس کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ”ساحانی“۔ پس اس میں تکرار نہیں ہے۔ فافہم۔

37064۔ (قوله: بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ لَيْسَ لِي حَقٌّ) بخلاف اس کے جب وہ کہے: میرا کوئی حق نہیں، یعنی فلاں پر، بلاشبہ اس کے معلوم ہونے کی وجہ سے اسے متن سے حذف کر دیا۔ اور ”الخ“ کی عبارت ہے: بخلاف ما اذا قال ليس لي عليه حق الخ۔ اور اسی میں ہے: اور اگر اس نے کہا: یہ دار میرا نہیں ہے یا کہا: وہ غلام میرا نہیں ہے، پھر اس پر بینہ قائم کر دیا کہ وہ دار یا غلام اسی کا ہے تو اس کا بینہ قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے اقرار کے ساتھ کسی کا حق ثابت نہیں ہوا، پس وہ لغو ہوگا۔ اور اسی لیے لعان کرنے والے کا بچے کے نسب کے بارے دعویٰ صحیح ہوتا ہے جس کے نسب کی اس کے لعان کے ساتھ نفی ہوئی تھی، کیونکہ جس وقت اس نے اس کی نفی کی اس نے اس میں کوئی حق ثابت نہیں کیا۔

اور اسی میں ہے: اگر وہ کہے: میں نہیں جانتا کہ میرا فلاں پر کوئی حق ہے پھر وہ بینہ قائم کر دے کہ اس کا اس پر حق ہے تو

ثُمَّ ادَّعَى حَقًّا لَمْ تَسْمَعْ لِدِتِّنَا قُضِ لِلْإِمَامِ الَّذِي وَلَاهُ الْخُلَيْفَةُ أَنْ يُقْطَعَ مِنْ الْإِقْطَاعِ (إِنْسَانًا مِنْ طَرِيقِ الْجَادَّةِ) إِنْ لَمْ يَضُرَّ بِالنَّارَةِ لِأَنَّ لِلْإِمَامِ وَلَايَةً ذَلِكَ فَكَذَا نَائِبُهُ

پھر وہ حق کا دعویٰ کر دے تو تناقض کی وجہ سے اسے نہیں سنا جائے گا۔ وہ امام (حاکم) جسے خلیفہ وقت نے والی مقرر کیا تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ بڑے راستے کے درمیان سے قطعہ زمین کسی آدمی کو دے دے بشرطیکہ اس طرح گزرنے والوں کے لیے راستہ تنگ نہ ہو۔ کیونکہ امام وقت کے لیے اس کی اجازت ہے تو اسی طرح اس کے نائب کے لیے بھی اجازت ہے۔

اسے قبول کیا جائے گا، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ اس پر مخفی ہو، لہذا تطبیق و توفیق ممکن ہے۔

37065۔ (قوله: لَمْ تَسْمَعْ لِدِتِّنَا قُضِ) تناقض کی وجہ سے اسے نہ سنا جائے، کبھی کہا جاتا ہے: مذکورہ توفیق یہاں بھی ممکن ہے تو پھر وہ کیونکر معتبر نہیں۔ اور توفیق اس طرح ممکن ہے کہ اس نے اس مسئلہ میں پہلے قول کے ساتھ مدعی علیہ کے بری الذمہ ہونے کو ثابت کیا ہے پھر وہ دوسرے قول کے ساتھ اسے مشغول رکھنے کا ارادہ رکھتا ہے اور اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ ”طحطاوی“۔

37066۔ (قوله: أَنْ يُقْطَعَ) کہ وہ اس کے لیے زمین کا ایک قطعہ معین کر دے۔ اسے ”طحطاوی“ نے ”الحموی“ سے نقل کیا ہے۔

37067۔ (قوله: مِنْ طَرِيقِ الْجَادَّةِ) اس سے مراد وسط الطريق (راستے کا درمیان) اور بڑا راستہ ہے۔ ”طحطاوی“۔
37068۔ (قوله: إِنْ لَمْ يَضُرَّ بِالنَّارَةِ) بشرطیکہ وہ گزرنے والوں کے لیے تنگ نہ ہو اس طرح کہ وہ وسیع راستہ ہو اور وہ اس کے ساتھ تنگ نہ ہو۔ ”معدن“ میں کہا ہے: اس کے ساتھ مقید کیا ہے کیونکہ اگر وہ گزرنے والوں کے لیے تنگ ہو جائے تو پھر وہ کسی کو نہیں دے سکتا۔ کیونکہ اس میں راستے کا حصہ ہے، اور اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ راستے کو کاٹ دے اگرچہ ان کے لیے دوسرا راستہ ہو یہاں تک کہ اگر اس نے ایسا کیا تو وہ گنہگار ہوگا۔ اور اگر معاملہ قاضی کے پاس پیش کیا جائے تو وہ اسے رد کر دے۔ اسی طرح ”نصاب الفقہاء“ میں ہے۔ اور ”الحنانیہ“ میں ذکر کیا ہے: سلطان کے لیے جائز ہے کہ وہ حاجت کے وقت راستہ کسی آدمی کی ملک میں دے دے۔ ”طحطاوی“۔

37069۔ (قوله: لِأَنَّ لِلْإِمَامِ وَلَايَةً ذَلِكَ) کیونکہ امام کو اس کی ولایت اور اختیار حاصل ہے۔ کیونکہ اس کے لیے تمام کے حق میں اس میں تصرف کرنا جائز ہے جس میں مسلمانوں کے لیے فائدہ اور بہتری ہو۔ پس جب وہ ان کے لیے مصلحت دیکھے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی ایک کو ضرر اور نقصان پہنچائے بغیر وہ کام کر گزرے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ جب وہ یہ دیکھے کہ وہ بعض راستے کو مسجد میں شامل کر دے یا اس کا برعکس کرے اور اس میں مسلمانوں کے لیے فائدہ اور مصلحت ہو تو اس کے لیے ایسا کرنے کا اختیار ہے۔ ”منح“۔ اور یہاں امام سے مراد خلیفہ ہے تاکہ یہ ”شارح“ کے قول فکذا نائِبُهُ کے مناسب ہو جائے۔

(صَادَرَهُ السُّلْطَانُ وَلَمْ يُعَيِّنْ بَيْعَ مَا لِهٖ فَلَوْ عَيَّنَهُ فَبُكَرَهُ إِلَّا أَنْ يَأْخُذَ الشَّيْنُ طَوْعًا فَبَاءَ مَا لِهٖ بِسَبَبِ الْمَصَادَرَةِ (صَحَّ) بَيْعُهُ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُكْرَهٍ كَمَا مَرَّرْنِي الْإِكْرَاهَ (كَالِدَائِنِ إِذَا حَبَسَ بِالذَّيْنِ فَبَاءَ مَا لِهٖ لِقَضَائِهِ (صَحَّ) إِجْمَاعًا (خَوَّفَهَا) زَوْجُهَا أَوْ غَيْرُهُ (بِالضَّرْبِ حَتَّى وَهَبَتْ مَهْرَهَا لَمْ يَصَحَّ إِنْ قَدَّرَ عَلَى الضَّرْبِ) لِأَنَّهَا مُكْرَهَةٌ عَلَيْهِ (وَإِنْ أَكْرَهَهَا عَلَى الْخُلْعِ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَلَمْ يَسْقُطِ النِّكَاحُ) لِأَنَّ طَلَاقَ الْبُكَرَةِ وَاقِعٌ وَلَا يَلْزَمُ النِّكَاحُ

سلطان نے کسی سے بالاصرار مال کا مطالبہ کیا اور اس کے لیے مال فروخت کرنے کو معین نہ کیا، پس اگر وہ اسے معین کر دے تو پھر وہ مکروہ ہوگا، مگر یہ کہ بائع اپنی مرضی اور پسند سے ثمن وصول کرے۔ پس وہ مصادرہ کے سبب سے اپنا مال بیچ دے تو اس کی بیع صحیح ہے۔ کیونکہ وہ اس میں مکروہ اور مجبور نہیں ہے جیسا کہ باب الاکراہ میں گزر چکا ہے۔ جیسا کہ مقروض کو جب قرض کے سبب قرض خواہ مجبوس کر لے اور وہ اپنا قرض ادا کرنے کے لیے اپنا مال فروخت کرے تو یہ بیع بالاجماع صحیح ہے۔ خاوند یا کسی اور آدمی نے عورت کو شدید مارنے کی دھمکی کے ساتھ خوفزدہ کیا یہاں تک کہ اس نے اپنا مہر ہبہ کر دیا تو یہ صحیح نہیں ہے بشرطیکہ وہ مارنے پر قادر ہو۔ کیونکہ عورت کو اس پر مجبور کیا گیا ہے۔ اور اگر وہ اسے خلع پر مجبور کرے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور مال ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ مکروہ کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ مال لازم نہیں ہوتا

37070۔ (قوله: صَادَرَهُ السُّلْطَانُ) یعنی سلطان اس سے مال لینے کا ارادہ کرے۔ ”طحاوی“۔

37071۔ (قوله: لِأَنَّهُ غَيْرُ مُكْرَهٍ) کیونکہ وہ مکروہ اور مجبور نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے اسے اپنے اختیار کے ساتھ بیچا ہے۔ غایت امر یہ ہے کہ وہ سلطان کے مطالبہ کو پورا کرنے کے لیے اسے بیچنے کا محتاج ہے، اور یہ جبر اور اکراہ کو ثابت نہیں کرتا۔ ”منح“۔

37072۔ (قوله: كَالِدَائِنِ إِذَا حَبَسَ) یہ مبنی للفاعل یعنی صیغہ معروف ہے اور مفعول محذوف ہے اور وہ مدیون (مقروض) ہے۔ ”طحاوی“۔

37073۔ (قوله: بِالضَّرْبِ) ظاہر ہے کہ اس سے مراد شدید ضرب ہے۔ ”طحاوی“۔

37074۔ (قوله: عَلَى الْخُلْعِ) یعنی وہ اس کے ساتھ مال کے عوض خلع کرنے پر مجبور کرے۔

37075۔ (قوله: لِأَنَّ طَلَاقَ الْبُكَرَةِ وَاقِعٌ) کیونکہ مکروہ کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ”زلیعی“ وغیرہ نے علت بیان کی ہے۔ اور ”شلبی“ نے اس طرح ان کا تعاقب کیا ہے کہ جب خاوند ہی وہ ہو جو اسے مجبور کرے تو یہ تعلیل صحیح نہیں ہوگی مگر جب اسے دان اکراہ پڑھا جائے یعنی زوج اور عورت: یعنی کوئی اور انسان ان دونوں کو مجبور کرے۔ ”ابو السعود“۔

میں کہتا ہوں: یا مکروہ، کسرہ کے ساتھ اسم فاعل پڑھا جائے گا۔

37076۔ (قوله: وَلَا يَلْزَمُ النِّكَاحُ) اور مال یعنی بدل خلع لازم نہیں ہوگا۔ اور جب وہ بدل کبھی وہ ہوتا ہے جو مہر میں

بِهِ لِمَا قُلْنَا) وَلَوْ أَحَالَتْ إِنْسَانًا عَلَى الزَّوْجِ ثُمَّ وَهَبَتْ الْمَهْرَ الزَّوْجَ لَمْ يَصَحَّ) قَالُوا وَهُوَ الْحِيلَةُ قُلْتُ وَإِنَّمَا تَتِمُّ بِقَبُولِهِ فَيَعْلَمُ حِيلَتَهَا إِلَّا أَنْ يُقَالَ إِنَّهُ يَتِمُّكَ الْمَحَالُ مِنْ مُطَالَبَتِهِ

اسی وجہ سے جو ہم نے کہا ہے۔ اور اگر عورت نے کسی آدمی کے قرض کا حوالہ اپنے خاوند پر کیا، پھر اس نے اپنا مہر خاوند کو ہبہ کر دیا تو یہ صحیح نہیں ہے۔ فقہاء نے کہا ہے: اور یہ ایک حیلہ ہے۔ میں کہتا ہوں بلاشبہ حوالہ خاوند کے قبول کرنے کے ساتھ مکمل ہوگا اور وہ اس کے حیلہ کو جان لے گا۔ مگر یہ کہا جائے: کہ محال (صاحب قرض) خاوند سے مطالبہ کے بارے ایسے قاضی کے پاس معاملہ پیش کرنے کی قدرت رکھتا ہے

سے خاوند کے ذمہ ہے اور کبھی اس کے سوا ہوتا ہے، اور ”مصنف“ نے اس کے ساتھ تعبیر کیا ہے جو پہلے کے مناسب ہے اور وہ ساقط ہونا ہے، اور ”شارح“ نے اس کے ساتھ تعبیر کیا ہے جو دونوں کو جمع کرتے ہوئے دوسرے کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ 37077۔ (قوله: لِمَا قُلْنَا) یعنی یہ کہ وہ مکرہ ہے، اور مال کے ساقط ہونے یا لازم ہونے کے لیے رضا شرط ہے۔

37078۔ (قوله: قَالُوا وَهُوَ الْحِيلَةُ) فقہاء نے کہا ہے: اور وہ ایک حیلہ ہے۔ ”المنح“ میں کہا ہے: یہ فرع ”الکنز“ وغیرہ میں مذکور ہے، اور ان کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ یہ خالص اس عورت کے لیے ہے جو مہر ہبہ کر کے ظاہر اپنے خاوند کو راضی رکھنا چاہتی ہو اور وہ اس کے صحیح ہونے کا ارادہ نہ رکھتی ہو۔

37079۔ (قوله: قُلْتُ الْخ) یہ ”مصنف“ کے لیے ہے۔ اور میں کہتا ہوں: بلاشبہ یہ حیلہ خلع میں عورت کو فائدہ دیتا ہے اگر خاوند جان لے کہ اس پر کوئی مہر نہیں ہے۔ اس لیے کہ ”خلاصہ“ میں ہے: کسی نے اپنی بیوی کے ساتھ اس کے اس مال کے ساتھ خلع کیا جو اس پر مہر میں سے ہے، اسے گمان یہ ہوا کہ عورت کے لیے اس پر مہر باقی ہے، پھر اسے اس کا باقی نہ ہونا یاد آیا تو اس پر اس کے مہر کے عوض طلاق واقع ہو گئی، پس اس پر واجب ہے کہ وہ مہر واپس لوٹا دے اگر وہ قبضہ کر چکی ہے۔ لیکن جب اسے علم ہو کہ اس پر اس کا کوئی مہر نہیں ہے اس طرح کہ اس نے ہبہ کر دیا تو خلع صحیح ہے اور وہ اس پر کسی شے کا اضافہ نہ کرے۔

اور میں یہ بھی کہتا ہوں: ”کنز“ وغیرہ کے کلام میں ایسی کوئی شے نہیں ہے جو یہ تقاضا کرتی ہو کہ یہ فرع ما تقدم کے لیے حیلہ ہے یہاں تک کہ اس پر وہ اعتراض وارد ہو جو ذکر کیا گیا ہے۔ بلاشبہ یہ اس کے سوا کے لیے حیلہ ہے۔ اور ”الاشباہ“ کے حیل میں ہے: مرد نے عورت کو کہا: اگر تو نے اپنا مہر آج مجھے ہبہ نہ کیا تو تجھے طلاق، تو اس میں حیلہ یہ ہے کہ وہ اس سے اپنے مہر کے عوض ایک لپیٹا ہوا کپڑا خرید لے پھر آج کے بعد وہ اسے واپس لوٹا دے تو مہر باقی رہیگا اور حانت ہونا بھی ثابت نہ ہوگا۔ اور مداینات ”الاشباہ“ میں ”القنیہ“ سے ہے: اور ہبہ کے صحیح نہ ہونے کے لیے تین حیلے ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے: ہبہ سے پہلے مہر کے عوض اپنے خاوند سے کوئی لپیٹ ہوئی شے خریدنا، دوسرا یہ ہے: آدمی کا عورت کے ساتھ ہبہ سے پہلے کسی لپیٹ ہوئی شے کے ساتھ مہر کی صلح کرنا، اور تیسرا یہ ہے: ہبہ سے پہلے عورت کا اپنے صغیر بیٹے کے لیے مہر ہبہ کر دینا۔ اور آخری میں نظر ہے۔ پس چاہیے کہ یہاں اس کے لیے کوئی دوسرا حیلہ ہو۔ تاہل۔ بلاشبہ وہ اس میں حانت نہیں ہوا جو ذکر کیا ہے۔ کیونکہ آج

بِرَفْعِهِ إِلَى مَنْ لَا يُشْتَرَطُ قَبُولُهُ (اتَّخَذَ بُئْرًا فِي مِلْكِهِ أَوْ بِالْوَعَةِ فَتَزَّ مِنْهَا حَائِطٌ جَارِهِ وَطَلَبَ جَارُهُ تَحْوِيلَهُ لَمْ يُجِبْ عَلَيْهِ وَمُقَادَّةُ أَنَّهُ يُؤْمَرُ بِالرَّفْقِ دَفْعًا لِلْإِيذَاءِ (وَإِنْ سَقَطَ الْحَائِطُ مِنْهُ لَمْ يَضْمَنْ) لِعَدَمِ تَعَدِّيهِ إِذَا حَفَرَهُ فِي مِلْكِهِ فَكَانَ تَسَبُّبًا وَمَرَرِي آخِرِ الْإِجَارَةِ أَنَّهُ لَوْ سَقَى أَرْضَهُ سَقِيًّا لَا تَحْتَبِلُهُ فَتَعَدَّى لِجَارِهِ ضَمِنَ

جو حوالہ کے صحیح ہونے کے لیے خاوند کے قبول کرنے کو شرط قرار نہیں دیتا۔ کسی نے اپنی ملک میں کنواں یا گٹر بنایا اور اس سے اس کے پڑوسی کی دیوار تر ہو گئی اور اس کا پڑوسی اسے وہاں سے بدلنے اور پھیرنے کا مطالبہ کرے تو اس پر جبر نہ کیا جائے، اور اس کا مفاد یہ ہے کہ اسے نرمی کے ساتھ اذیت کو دور کرنے کا حکم دیا جائے۔ اور اگر اس سے دیوار گر جائے تو وہ عدم تعدی کی وجہ سے اس کا ضامن نہیں ہوگا جب اس نے اسے اپنی ملک میں کھودا ہے تو وہ تسبب ہوا، اور کتاب الاجارہ کے آخر میں گزر چکا ہے کہ اگر کسی نے اپنی زمین کو اتنا سیراب کیا جسے وہ برداشت نہ کرتی ہو (یعنی پانی اس میں نہ ٹھہرے) اور وہ اس کے پڑوسی کی طرف تجاوز کر جائے تو وہ ضامن ہوگا۔

کے دن میں اسے پورا کرنے کا کوئی امکان نہیں ہے، اور اسے ملفوف (لپٹا ہوا کپڑا) کے ساتھ مقید کیا ہے تاکہ آج کا دن گزرنے کے بعد اختیار رویت کے سبب واپس لوٹنا نا ثابت ہو جائے۔

37080۔ (قوله: بِرَفْعِهِ إِلَى مَنْ لَا يُشْتَرَطُ قَبُولُهُ) یعنی ایسے قاضی کے پاس پیش کرنا جو یہ رائے نہ رکھتا ہو کہ محال علیہ کو قبول کرنا حوالہ کی تکمیل کے لیے شرط ہے جیسا کہ قاضی مالکی ہو۔

37081۔ (قوله: لَمْ يُجِبْ عَلَيْهِ) ”جامع الفصولین“ میں کہا ہے: اور حاصل کلام یہ ہے کہ ان مسائل کی جنس میں قیاس یہ ہے کہ جو کوئی خالص اپنی ملک میں تصرف کرے تو اسے اس سے نہیں روکا جائے گا اگرچہ وہ غیر کے لیے نقصان دہ ہو۔ لیکن یہ قیاس ایسے مقام پر ترک کر دیا گیا ہے جہاں تصرف غیر کے لیے واضح طور پر ضرر رساں ہو۔ پس یہ کہا گیا ہے: اسے اس سے منع کیا جائے گا۔ اور اسی کو ہمارے مشائخ میں سے اکثر نے اختیار کیا ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔

37082۔ (قوله: وَمُقَادَّةُ الْخ) اس میں تامل اور غور و فکر ہے۔

37083۔ (قوله: لِعَدَمِ تَعَدِّيهِ الْخ) اس کی طرف سے تعدی اور تجاوز نہ ہونے کی وجہ سے، تعبیر میں زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ کہا جائے: کیونکہ وہ متسبب (وسیلہ) ہے تجاوز کرنے والا نہیں ہے جبکہ اس نے کنواں وغیرہ اپنی ملک میں کھودا، یعنی اس لیے کہ متسبب ضامن نہیں ہوتا مگر جب وہ تعدی کرے جیسا کہ راستے میں پتھر رکھنا۔

37084۔ (قوله: ضَمِنَ) وہ ضامن ہوگا، کیونکہ اسے مباشر بنایا گیا ہے۔ اور ”جامع الفصولین“ میں تفصیل اس حیثیت سے ہے کہ انہوں نے کہا: پس اگر اس نے پانی اپنی زمین میں جاری کیا اتنی مقدار جو اس میں نہ ٹھہر سکتا ہو تو وہ ضامن ہوگا، اور اگر وہ اس میں ٹھہر سکتا ہو پھر وہ اس کے پڑوسی کی زمین کی طرف تجاوز کر جائے تو اگر اس کے پڑوسی نے اسے پہلے بند

(عَمَرَدَارُ زَوْجَتِهِ بِإِذْنِهَا قَالِعِمَارَةً لَهَا وَالتَّفَقُّةُ دَيْنٌ عَلَيْهَا) لِصِحَّةِ أَمْرِهَا

کسی نے اپنی بیوی کے دار میں اس کی اجازت کے ساتھ اپنے مال سے عمارت بنائی تو عمارت بیوی کے لیے ہوگی اور خرچہ اس پر قرض ہوگا، اس لیے کہ اس کی طرف سے حکم صحیح ہے۔

بنانے اور اسے پختہ کرنے کو کہا تھا اور اس نے ایسا نہ کیا تو پھر یہ ضامن ہوگا جیسا کہ جھکی ہوئی دیوار پر شاہد بنالینا وغیرہ۔ اور اگر ایسا نہ تھا تو پھر وہ ضامن نہیں ہوگا۔ ”الرملی“ نے اس پر اپنے حاشیہ میں کہا ہے: میں کہتا ہوں: اس سے نئے فتویٰ کا جواب معلوم ہوتا ہے: کسی نے اپنے گھر میں گٹر بنایا جس کا پانی پڑوسی کی بنیادوں تک سرایت کر کے اس کی عمارت کو کمزور کر دے تو وہ اسے پہلے بنیادوں کو پختہ کرنے کو کہے تاکہ پانی سرایت نہ کرے۔ تامل۔ اور اسی کے ساتھ ”مصنف“ کا مطلق قول: لم یضمن مقید ہے۔ بالخصوص اس بنا پر جو ہم نے مفتی بہ قول پہلے ذکر کیا ہے۔

اگر کوئی اپنی بیوی کے مکان میں عمارت بنائے تو اس کا حکم

37085۔ (قوله: عَمَرَدَارُ زَوْجَتِهِ الْخ) یہی تفصیل اس کا باغ اور اس کی تمام املاک کو تعمیر کرنے میں ہے۔ ”جامع الفصولین“۔ اور اس میں العدة سے ہے: ہر وہ آدمی جس نے غیر کے دار میں اس کی اجازت اور حکم سے عمارت تعمیر کی تو عمارت حکم دینے والے کے لیے ہوگی۔ اور اگر اس نے اس کے حکم کے بغیر اپنی ذات کے لیے بنائی تو وہ اسی کے لیے ہوگی، اور اس کے لیے اسے اٹھانا ہوگا مگر یہ کہ عمارت نقصان دہ ہو، تو پھر اسے منع کیا جائے گا، اور اگر وہ زمین کے مالک کے لیے اس کی اجازت کے بغیر بنائے تو چاہیے کہ وہ متبرع اور احسان کرنے والا ہو جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور اس میں ہے کہ متولی نے وقف کی زمین میں عمارت بنائی اگر وہ وقف کے مال سے ہو تو وقف کی ہوگی، اور اسی طرح حکم ہے اگر وہ اپنے ذاتی مال سے بنائے لیکن وہ وقف کے لیے ہوگی۔ اور اگر وہ اپنی ذات کے لیے اپنے مال سے بنائے تو اس پر اگر وہ گواہ بنائے تو وہ اس کے لیے ہوگی، ورنہ وقف کے لیے ہوگی اور بخلاف اجنبی کے جو کسی غیر کی ملک پر عمارت بنالے۔

37086۔ (قوله: وَالتَّفَقُّةُ دَيْنٌ عَلَيْهَا) اور نفقہ اس پر دین ہوگا، کیونکہ وہ اخراجات کرنے میں احسان کرنے والا نہیں، پس وہ اس کی اجازت صحیح ہونے کی وجہ سے اخراجات کے لیے اس پر رجوع کرے گا۔ پس وہ تضادین کے بارے میں مامور کی طرح ہو گیا۔ ”زیلعی“۔ اور اس کا ظاہر یہ ہے: اگرچہ رجوع شرط نہیں ہے۔ اور مسئلہ میں اختلاف ہے اور اس کی مکمل بحث ”جامع الفصولین“ پر ”حاشیہ رملی“ میں ہے۔

37087۔ (قوله: الْعِمَارَةُ لَهَا) پس عمارت اس کے لیے ہوگی، یہ تب ہے اگر تمام آلات اس (مرد) کے ہوں، اور اگر بعض مرد کے ہوں اور بعض عورت کے تو یہ عمارت دونوں کے درمیان مشترک ہوگی۔ اسے ”طحاوی“ نے ”المقدس“ سے نقل کیا ہے۔

(وَلَوْ عَمَرْتُ لِنَفْسِي بِلَا إِذْنِهَا الْعِمَارَةُ لَهُ) وَيَكُونُ غَاصِبًا لِلْعَرَصَةِ فَيُؤْمَرُ بِالتَّفْرِيعِ بِطَلَبِهَا ذَلِكَ (وَلَهَا بِلَا إِذْنِهَا فَالْعِمَارَةُ لَهَا وَهُوَ مُتَطَوِّعٌ فِي الْبِنَاءِ فَلَا رُجُوعَ لَهُ وَلَوْ اخْتَلَفَا فِي الْإِذْنِ وَعَدَمِهِ، وَلَا بَيِّنَةٌ فَالْقَوْلُ لِسُنْكِهَ بَيِّنَةٌ، وَفِي أَنَّ الْعِمَارَةَ لَهَا أَوْ لَهُ فَالْقَوْلُ لَهُ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُتَمَلِّكُ كَمَا أَفَادَهُ شَيْخُنَا

اور اگر وہ اس کی اجازت کے بغیر اپنی ذات کے لیے عمارت بنائے تو عمارت اس کے لیے ہوگی اور وہ زمین کا غاصب ہو گا۔ پس اسے بیوی کے مطالبہ کرنے پر خالی کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ اور بغیر اجازت کے اس کے لیے بنائی تو عمارت بیوی کے لیے ہوگی اور وہ بنا میں احسان کرنے والا ہوگا۔ پس اس کے لیے (اخراجات کے لیے) رجوع کا کوئی حق نہیں۔ اور اگر اجازت اور عدم اجازت میں دونوں کا اختلاف ہو جائے اور کوئی گواہ نہ ہو تو قسم کے ساتھ منکر کا قول معتبر ہوگا۔ اور اگر عمارت بیوی یا خاوند کے لیے ہونے میں اختلاف ہو تو قول خاوند کا معتبر ہوگا، کیونکہ وہی مملک ہے جیسا کہ ہمارے شیخ نے اسے بیان کیا ہے

37088۔ (قوله: بِلَا إِذْنِهَا) اس کی اجازت کے بغیر، پس اگر اس کی اجازت کے ساتھ ہو تو وہ عاریہ ہوگی۔ ”طحاوی“۔
37089۔ (قوله: فَيُؤْمَرُ بِالتَّفْرِيعِ) تو اسے فارغ کرنے کا حکم دیا جائیگا، اس کا ظاہر یہ ہے: اگرچہ عمارت کی قیمت زمین کی قیمت سے زیادہ ہو۔ اور اسی کے مطابق مفتی روم علامہ ”ابو السعد“ نے فتویٰ دیا ہے۔ اور یہ اس کے خلاف ہے جسے ”شارح“ نے کتاب الغصب میں اختیار کیا ہے: اکثر والا اقل کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ اور ہم وہاں اس پر کلام کر چکے ہیں پس اس کی طرف رجوع کرو۔

37090۔ (قوله: بِطَلَبِهَا) عورت کے مطالبہ کے ساتھ، اس سے زیادہ واضح ”زیلعی“ کا قول ہے: ان طلبت۔ اگر وہ مطالبہ کرے۔

37091۔ (قوله: لَهَا) یہ نفسہ پر معطوف ہے یعنی اگرچہ وہ اس کے لیے تعمیر کرے الخ۔

37092۔ (قوله: كَمَا أَفَادَهُ شَيْخُنَا) جیسا کہ اسے ہمارے شیخ ”الرملي“ نے ”المنح“ کے حاشیہ میں بیان کیا ہے اور اس کے بعد کہا ہے: لیکن کتاب الغصب کے الفوائد الزینیہ میں ذکر کیا ہے: جب کوئی غیر کی ملک میں تصرف کرے پھر دعویٰ کرے کہ وہ اس کی اجازت کے ساتھ ہوا ہے تو قول مالک کا معتبر ہوگا، مگر جب وہ اپنی بیوی کے مال میں تصرف کرے اور وہ فوت ہو جائے، اور وہ دعویٰ کرے کہ تصرف اس کی اجازت کے ساتھ تھا اور وارث انکار کر دے تو قول خاوند کا معتبر ہوگا۔ اسی طرح ”القنیہ“ میں ہے۔ پس اس کا مقتضی یہ ہے کہ جب اس نے بیوی کے دار میں اس کے لیے عمارت بنائی اور فوت ہو گئی اور اس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس کی اجازت کے ساتھ بنائی گئی ہے تاکہ جو کچھ اس نے خرچ کیا ہے اس کے لیے ان کے ترکہ میں رجوع کر سکے اور باقی ورثاء نے اس کی اجازت کا انکار کر دیا تو قول خاوند کا معتبر ہوگا، اور اس کی وجہ یہ ہے عرف ظاہر کی شہادت اسی کے لیے ہے۔ تامل۔

وَتَقَدَّمَ فِي الْغَضَبِ (قَالَ هَذِهِ رَضِيعَتِي ثُمَّ اعْتَرَفَ) بِالْخَطَا (وَصَدَّقَتْهُ) فِي خَطِيئِهِ (فَلَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا إِذَا لَمْ يَثْبُتْ عَلَيْهِ بِأَنْ قَالَ) أَفَادَ بَأْتُهُ لَا يَثْبُتُ إِلَّا بِالنَّقُولِ كَقَوْلِهِ (هُوَ حَقٌّ أَوْ صِدْقٌ أَوْ كَمَا قُلْتُ أَوْ أَشْهَدَ عَلَيْهِ بِذَلِكَ شُهُودًا أَوْ مَا فِي مَعْنَى ذَلِكَ) مِنَ الثَّبَاتِ اللَّفْظِيِّ الدَّالِّ عَلَى الثَّبَاتِ النَّفْسِيِّ وَهَلْ يَكُونُ تَكَرُّارُ إِقْرَارِهِ بِذَلِكَ ثَبَاتًا خِلَافَ مَبْسُوطٍ فِي الْمَبْسُوطِ۔

اور باب الغضب میں پہلے گزر چکا ہے۔ آدمی نے کہا: یہ میری رضاعی بیٹی ہے، پھر اس نے اپنی غلطی اور خطا کا اعتراف کر لیا، اور عورت نے بھی اس کی خطا میں اس کی تصدیق کر دی، تو پھر اس کے لیے اس سے شادی کرنا جائز ہے جب وہ اپنے پہلے قول پر ثابت نہ رہے۔ اور اسی طرح کہ وہ کہے: وہ حق ہے، یا سچ ہے، یا ایسے ہی ہے جیسے میں نے کہا ہے: یا وہ اس پر اس بارے گواہ بنا لے یا اس پر جو اس کے معنی میں ہے یعنی ایسا ثبات لفظی جو ثبات نفسی پر دلالت کرتا ہو۔ تو اس نے یہ فائدہ دیا ہے کہ یہ صرف قول سے ثابت ہو سکتا ہے۔ اور کیا اس بارے اس کے اقرار کا تکرار ثابت ہوگا؟ تو اس بارے میں اختلاف ”المبسوط“ میں خوب وضاحت کے ساتھ مذکور ہے۔

37093۔ (قوله: وَتَقَدَّمَ فِي الْغَضَبِ) اور غصب میں پہلے گزر چکا ہے، میں نے اس میں اسے نہیں دیکھا، بلاشبہ

اس میں وہ گزر چکا ہے جو ابھی ہم نے ”الفوائد الزينية“ سے ذکر کیا ہے۔

37094۔ (قوله: فَلَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا) پس اس کے لیے اس سے شادی کرنا جائز ہے، اور اس کے لیے اپنے اس

قول سے رجوع کرنے میں عذر ہے اس لیے یہ ان امور میں سے ہے جو اس پر مخفی ہے۔ پس کبھی اس کے اقرار کے بعد اس پر ناقل کی خطا اور غلطی ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہ ان مسائل میں سے ہے جن میں علماء نے تناقض کو معاف رکھا ہے۔ اسے ”المنح“ میں بیان کیا ہے۔

37095۔ (قوله: وَهَلْ يَكُونُ الْخ) یہ مسئلہ شیخ الاسلام ”ابن الشنہ“ کے زمانہ میں پیش آیا۔ اور انہوں نے فتویٰ دیا: وہ

ثابت نہیں ہوگا۔ اور ان کے بعض معاصرین نے ان سے اختلاف کیا، اور طویل نزاع پیدا ہو گیا۔ اور آپ نے اس کے لیے سلطان ”قایتباي“ کے حکم سے کئی مجالس کا اہتمام کیا، اور معاملہ یہاں تک پہنچا کہ شیخ الاسلام ”قاضی زکریا“ پر تقریباً چوبیس کتابوں سے نقول پیش کی گئیں تو انہوں نے جواب دیا کہ ان نقول کی صریح عبارت اور منطوق کلام اس پر دلالت کرتا ہے، کہ ثبات صرف اور صرف اس کے قول: ”ہو احق یا اس طرح کے قول سے ہی حاصل ہوگا، اور ان کی صریح عبارت میں یہ نہیں ہے کہ تکرار اس طرح ہے۔ ہاں اسے ”المبسوط“ کے قول سے لیا جاتا ہے، لیکن اقرار پر ثابت رہنے والا عقد کے بعد اس کا قصد کرنے والے کی طرح ہے کہ جب وہ عقد سے پہلے اس کے بارے اقرار کرے پھر وہ اس کے بعد اس کا اقرار کرے تو یہ اس کے قول ہو حق وغیرہ کے قائم مقام ہو جائے گا۔ میں نے اس پر کتاب الرضاع میں مبسوط کلام کر دی ہے پس اس کی طرف رجوع کرو۔

37096۔ (قوله: خِلَافَ مَبْسُوطٍ فِي الْمَبْسُوطِ الْخ) میں جانتا ہوں کہ ”المبسوط“ میں اختلاف کا بیان نہیں ہے۔

وَحَاصِلُهُ أَنَّ التَّكَرَّارَ لَا يَثْبُتُ بِهِ الْإِقْرَارُ (وَلَوْ أَخَذَ رَجُلٌ غَرِيْبَهُ فَنَزَعَهُ إِنْسَانٌ مِنْ يَدِهِ لَمْ يَضْمَنْ) لِأَنَّهُ تَسَبُّبٌ (وَكَذَا إِذَا دَلَّ السَّارِقُ عَلَى مَالٍ غَيْرِهِ أَوْ أَمْسَكَ هَارِبًا مِنْ عَدُوِّهِ حَتَّى قَتَلَهُ) عَدُوُّهُ لِمَا قُلْنَا فِي يَدِهِ مَالٌ إِنْسَانٍ فَقَالَ لَهُ سُلْطَانٌ ادْفَعْ إِلَى هَذَا الْبَالِ وَإِلَّا تَدْفَعُهُ إِلَيَّ (اقْطَعْ يَدَكَ أَوْ أَضْرِبْكَ خَمْسِينَ فَدَفَعَهُ لَمْ يَضْمَنْ) الدَّافِعُ لِأَنَّهُ مُكْرَهُ (قَالَ تَرَكْتُ دَعْوَايَ عَلَى فُلَانٍ وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَى الْآخِرَةِ لَا تَسْمَعْ دَعْوَاهُ بَعْدَهُ) أَمَى بَعْدَ هَذَا الْقَوْلِ ذِكْرُهُ فِي الْقُنْيَةِ

اور اس کا حاصل یہ ہے کہ تکرار سے اقرار ثابت نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی آدمی اپنے مقروض کو پکڑ لے اور پھر کوئی دوسرا انسان اس کے ہاتھ سے اسے کھینچ لے تو وہ ضامن نہ ہوگا، کیونکہ وہ محض وسیلہ اور متسبب ہے۔ اور اسی طرح جب کوئی غیر کے مال پر چور کی راہنمائی کرے یا کوئی اپنے دشمن سے بھاگنے والے کو روک لے یہاں تک کہ اس کا دشمن اسے قتل کر دے تو جو ہم نے کہا ہے اس بنا پر راہنمائی کرنے والے اور روکنے والے پر ضمان نہیں ہوگا۔ ایک آدمی کے پاس کسی آدمی کا مال ہو پس سلطان اسے کہے: یہ مال مجھے دے دے اور اگر تو مجھے نہیں دے گا تو میں تیرا ہاتھ کاٹ دوں گا، یا تجھے پچاس بار ماروں گا۔ پس اس نے وہ مال اسے دے دیا تو دینے والا ضامن نہ ہوگا، اس لیے کہ وہ مکرہ اور مجبور ہے۔ کسی نے کہا: میں نے فلاں کے خلاف اپنا دعویٰ چھوڑ دیا اور اپنا معاملہ آخرت کے سپرد کر دیا، تو اس کے اس قول کے بعد اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ اور اسے ”القنیه“ میں ذکر کیا ہے۔

اور یہ کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ تکرار سے اصرار ثابت ہوتا ہے، اور ”شارح“ کے قول لایثبت میں درست لا کا حذف ہے (یعنی یثبت) اور اگر وہ کہتے: صریح نقول یہ ہیں کہ تکرار سے اصرار ثابت نہیں ہوتا تو یہ زیادہ اچھا ہوتا۔

37097۔ (قوله: لِأَنَّهُ تَسَبُّبٌ) کیونکہ یہ کھینچنا محض تسبب اور وسیلہ ہے، اور اس کے اور اس کے حق ضائع ہونے کے درمیان ایک فاعل مختار کا فعل ہے، اور وہ اس کا بھاگنا ہے لہذا تلف اور ضائع ہونے کی نسبت اس کی طرف نہیں کی جائے گی جیسا کہ جب کوئی غلام کی بیڑی کھول دے اور وہ بھاگ جائے۔ ”زیلعی“۔

37098۔ (قوله: أَوْ أَضْرِبْكَ خَمْسِينَ) یا میں تجھے پچاس یعنی بہت زیادہ ماروں گا۔ پس اگر وہ اسے کہے: میں تجھے ایک بار محبوس رکھوں گا، یا میں تجھے ایک بار ماروں گا (أَضْرِبْكَ ضَرْبًا) تو وہ ضامن ہوگا، کیونکہ غیر کو مال دینا جائز نہیں ہوتا مگر تبھی جب تلف اور ضیاع کا خوف ہو، لیکن باب الاکراه میں پہلے گزر چکا ہے کہ سلطان کا حکم اکراه ہے۔ تامل۔

37099۔ (قوله: فَدَفَعَهُ) پس اس نے اسے دے دیا، لیکن جب وہ اپنے ذاتی مال سے دے تو اس کے لیے کوئی رجوع نہیں ہے جیسا کہ جو پہلے گزر چکا ہے وہ اس کا فائدہ دیتا ہے۔ ”طحطاوی“۔

37100۔ (قوله: لِأَنَّهُ مُكْرَهُ) کیونکہ وہ مکرہ اور مجبور ہے، علامہ ”المقدسی“ نے کہا ہے: پس اگر وہ جبراً لیے جانے کا دعویٰ کرے تو کیا اس کی طرف سے قسم پر اکتفا کیا جائے گا یا ایسی برہان اور حجت ضروری ہے جو بیان کی محتاج ہو؟ ”حموی“۔

(الْإِجَازَةُ تُلْحَقُ الْأَفْعَالَ) عَلَى الصَّحِيحِ (فَلَوْ غَضِبَ عَيْنًا لِإِنْسَانٍ فَأَجَازَ الْمَالِكُ غَضَبَهُ صَحَّ) إِجَازَتُهُ وَحِينَئِذٍ (فَيَبْرَأُ الْغَاصِبُ عَنِ الضَّمَانِ) وَلَوْ ائْتَفَعَ بِهِ فَأَمَرَهُ بِالْحِفْظِ لَا يَبْرَأُ عَنِ الضَّمَانِ مَا لَمْ يَحْفَظْ وَتَسَامُهُ فِي الْعِمَادِيَّةِ (وَضَعَّ مِنْجَلًا فِي الصَّحْرَاءِ لِيَصِيدَ بِهِ حِمَارًا وَحِشًا وَسَتَى عَلَيْهِ فَجَاءَ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي)

صحیح قول کے مطابق اجازت افعال کو لاحق ہوتی ہے۔ پس اگر کسی نے کسی انسان کی کوئی معین شے غصب کی۔ اور مالک نے اس کے غصب کو جائز قرار دیا تو اس کی اجازت صحیح ہوگی۔ اور اس وقت غاصب ضمان سے بری ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے اس سے نفع حاصل کیا، پھر مالک نے اسے حفاظت کا حکم دیا تو وہ ضمان سے بری نہیں ہوگا جب تک وہ حفاظت نہ کرے۔ اس کی مکمل بحث ”العمادیہ“ میں ہے۔ کسی نے صحرا میں درانتی رکھی تاکہ اس کے ساتھ وحشی گدھے کو شکار کرے اور اس پر بسم اللہ بھی پڑھ دی، پھر وہ دوسرے دن آیا،

میں کہتا ہوں: اس کے امین ہونے کا مقتضی یہ ہے کہ قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے جیسا کہ اگر وہ ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے۔ تاہل۔

37101۔ (قوله: الْإِجَازَةُ تُلْحَقُ الْأَفْعَالَ) اجازت افعال کو لاحق ہوتی ہے۔ یہ ہی صحیح ہے، اور اس پر کتاب الغصب کے شروع میں کلام گزر چکی ہے۔

37102۔ (قوله: فَأَجَازَ الْمَالِكُ غَضَبَهُ) پس مالک نے اس کے غصب کو جائز قرار دے دیا، اور جو ”العمادیہ“ وغیرہ میں ہے وہ یہ ہے: غصب شیئا و قبضه فأجاز المالك قبضه الخ۔ اس نے کوئی شے غصب کی اور اس پر قبضہ کر لیا تو مالک نے اس کے قبضہ کو جائز قرار دیا۔ اور یہ ”مصنف“ کے قول غصبہ سے زیادہ مناسب ہے۔

37103۔ (قوله: لَا يَبْرَأُ عَنِ الضَّمَانِ مَا لَمْ يَحْفَظْ) وہ ضمان سے بری نہیں ہوگا جب تک حفاظت نہ کرے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر وہ اس سے نفع حاصل نہ کرے تو وہ صرف حکم کے ساتھ بری ہو جائے گا۔ اور شاید مراد یہ ہے کہ جب وہ اس سے نفع حاصل کرے اور اس انتفاع پر دوام اختیار کرے جیسا کہ اگر وہ کپڑا غصب کرے اور اسے پہن لے تو جب وہ اسے حفاظت کرنے کا حکم دے تو وہ ضمان سے بری نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ اسے اتار دے اور اس کی حفاظت کرنے لگے۔ لیکن اگر وہ حفاظت کے حکم سے پہلے اسے اتار دے اور اس کی حفاظت کرنے لگے پھر وہ اسے حفاظت کرنے کا حکم دے تو ظاہر ہے کہ وہ بری ہو جائے گا۔ کیونکہ امر کے بعد انتفاع پر دوام اختیار کرنے سے وہ تعدی کرنے والا ہوگا بخلاف اس کے کہ اگر وہ اسے امر سے پہلے اتار دے۔ یہ وہ ہے جو میرے نزدیک ظاہر ہوا ہے۔ اور ”طحطاوی“ نے بھی اسی کی مثل بیان کیا ہے۔

37104۔ (قوله: وَضَعَّ مِنْجَلًا) یہ لفظ میم کے کسرہ کے ساتھ ہے یعنی وہ درانتی جس کے ساتھ فصل کاٹی جاتی ہے۔ ”مغرب“۔

قَيْدُ اتِّفَاقٍ إِذْ لَوْ وَجَدَهُ مَيْتًا مِنْ سَاعَتِهِ لَمْ يَحِلَّ زَيْلَعِي (وَوَجَدَ الْحِمَارَ مَجْرُوحًا مَيْتًا لَمْ يُؤْكَلْ) لِأَنَّ الشَّرْطَ أَنْ يَذْبَحَهُ إِنْسَانٌ أَوْ يَجْرَحَهُ، وَإِلَّا فَهُوَ كَالنَّطِيحَةِ (كُرَّةٌ تَخْرِيئًا)

یہ قید اتفاقی ہے۔ کیونکہ اگر وہ اسے اسی ساعت مردہ پائے تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ ”زلیعی“ اور اس نے زخمی گدھے کو مردہ پایا تو اسے نہیں کھایا جائے گا، کیونکہ شرط یہ ہے کہ آدمی اسے ذبح کرے یا اسے زخمی کرے، ورنہ وہ دوسرے جانور کے سینک کے زخم کے ساتھ مرنے والے کی طرح ہے۔ بکری کے اعضاء میں سے سات مکروہ تحریمہ ہیں

37105۔ (قولہ: قَيْدُ اتِّفَاقٍ الْخ) یہ قید اتفاقی ہے الخ، مصنف ”المنح“ میں بھی اسی پر چلے ہیں اور ”عینی“ نے ”زلیعی“ کی اتباع کرتے ہوئے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور اس کا مقتضی جسے ”شارح“ نے الذبائح میں پہلے ذکر کیا ہے کہ یہ قید احترازی ہے جہاں انہوں نے کہا ہے: ذبح کرتے وقت، یا شکار کے لیے تیر پھینکتے وقت یا اس کے لیے (کتا یا باز) چھوڑتے وقت یا وحشی گدھے کے لیے لوہے کا کوئی ہتھیار رکھتے وقت بسم اللہ پڑھنا شرط ہے بشرطیکہ وہ اس کی تلاش سے تھک کر بیٹھ نہ جائے اور اسے غور سے دیکھو جو ہم نے وہاں اور کتاب الصيد میں لکھا ہے۔

بکری کے وہ اعضاء جو مکروہ تحریمی نہیں

37106۔ (قولہ: كُرَّةٌ تَخْرِيئًا) مکروہ تحریمی ہے اس لیے کہ امام ”اوزاعی“ نے ”واصل بن ابی جمیلہ“ کے واسطے سے حضرت ”مجاہد“ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے بکری میں سے ذکر، خصیتین، فرج، غدود، پتا، مثانہ اور خون کو مکروہ قرار دیا ہے (1)۔ امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ نے کہا: خون حرام ہے اور چھ اعضاء مکروہ ہیں۔ اور وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ الْآيَةُ (تم پر مردار اور خون حرام کئے گئے ہیں۔) پس جب نص اسے شامل ہے تو اسکی حرمت قطعی ہے اور اسکے سوا باقی مکروہ ہیں، کیونکہ وہ ان میں سے ہیں جنہیں لوگ ناپاک سمجھتے ہیں اور مکروہ قرار دیتے ہیں۔ اور یہی معنی کراہیت کا سبب ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَ الْأَعْرَافَ: (157) ”زلیعی“۔

اور ”البدائع“ میں کتاب الذبائح کے آخر میں ہے: اور جو حضرت ”مجاہد“ سے مروی ہے پس اس سے مراد کراہتہ تحریمہ ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ انہوں نے ان چھ اور خون کو کراہت میں جمع کیا ہے اور دم مسفوح کو حرام قرار دیا گیا ہے، اور امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: خون حرام ہے اور چھ کو مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ پس آپ نے حرام کا اطلاق خون پر کیا ہے۔ اور اس کے علاوہ کو مکروہ کا نام دیا ہے، کیونکہ حرام مطلق وہ ہے جس کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو اور یہی کتاب اللہ سے مفسر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: أَوْدَمًا مَسْفُوحًا (الانعام: 145) ”یا بہایا گیا خون“۔ اور اس کی حرمت پر اجماع منعقد ہے۔ اور اس کے علاوہ چھ اعضاء کی حرمت کا جہاں تک تعلق ہے تو وہ دلیل قطعی سے ثابت نہیں۔ بلکہ اجتہاد سے یا کتاب اللہ کے ظاہر سے جو تاویل کا احتمال رکھتا ہے، یا حدیث سے۔ پس اسی لیے فرق بیان کیا اور خون کو حرام کہا

وَقِيلَ تَنْزِيهَا وَالْأَوَّلُ أَوْجَهُ مِنْ الشَّاةِ سَبْعُ الْحَيَاءِ وَالْخُصِيَّةُ وَالْغُدَّةُ وَالْمِثَانَةُ وَالْمَرَارَةُ وَالْدَّمُ الْمُسْفُوحُ وَالذَّكْرُ لِلْأَثَرِ الْوَارِدِ فِي كَرَاهَةِ ذَلِكَ وَجَعَلَهَا بَعْضُهُمْ فِي بَيْتٍ وَاحِدٍ

اور بعض نے کہا ہے: مکروہ تنزیہ ہیں، اور پہلا قول زیادہ اقرب ہے یعنی: فرج، خصیہ (کپورے) غدود، مٹانہ، پتا، دم مسفوح (بہنے والا خون) اور ذکر۔ اور یہ اس اثر کی وجہ سے ہے جو ان کی کراہت کے بارے میں وارد ہے۔ بعض نے ان تمام کو ایک شعر میں جمع کر دیا ہے

اور بقیہ کو مکروہ۔ میں کہتا ہوں: متون کا اطلاق ظاہر تو کراہت ہی ہے۔

37107۔ (قوله: وَقِيلَ تَنْزِيهَا) اور بعض نے کہا ہے: وہ مکروہ تنزیہی ہیں، اس کا قائل ”صاحب القنیہ“ ہے۔ کیونکہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ ذکر یا غدود اگر اسے شور بے میں پکایا جائے تو شور بہ مکروہ نہیں ہوگا۔ اور ان اشیا کی کراہت کراہۃ تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی۔ اور ”الوہبانیہ“ میں اسے اختیار کیا ہے جو ”القنیہ“ میں ہے اور کہا ہے: بے شک اس میں دو فائدے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے، اور دوسرا یہ کہ شور بہ اور گوشت کھانا مکروہ نہیں ہوگا۔ اسے ان سے ”ابن الشنہ“ نے اپنی شرح میں نقل کیا ہے اور اسے ثابت رکھا ہے۔

37108۔ (قوله: وَالْأَوَّلُ أَوْجَهُ) اس لیے کہ ہم نے اسے آیت کے ساتھ ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال سے ذکر کیا ہے، اور یہ بھی کہ ”صاحب القنیہ“ کا کلام متون کے ظاہر اور ”البدائع“ کے کلام کا معارض نہیں ہو سکتا۔

37109۔ (قوله: مِنْ الشَّاةِ) شاة (بکری) کا ذکر اتفاقی ہے، کیونکہ اس کے علاوہ دیگر کھائے جانے والے جانوروں میں حکم مختلف نہیں ہوگا۔ ”طحاوی“۔

37110۔ (قوله: الْحَيَاءُ) اس سے مراد پاؤں، کھر، اور درندہ صفت جانوروں کی فرج ہے، اور کبھی یہ الف مقصورہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ ”قاموس“۔

37111۔ (قوله: وَالْغُدَّةُ) یہ لفظ غین معجم کے ضمہ کے ساتھ ہے: اس سے مراد جسم میں ہر گانٹھ ہے جس کے ارد گرد چربی ہو، اور پٹھوں کے درمیان ہر سخت ٹکڑا ہے اور یہ پیٹ میں نہیں ہوتی جیسا کہ ”القاموس“ میں ہے۔

37112۔ (قوله: وَالْدَّمُ الْمُسْفُوحُ) بہہ جانے والا خون۔ رہا وہ خون جو ذبح کے بعد رگوں میں باقی رہ جاتا ہے۔ وہ مکروہ نہیں ہوتا۔

37113۔ (قوله: فِي بَيْتٍ) اور اس سے پہلے ایک دوسرا شعر ہے جسے ”المنح“ میں ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے: [الطویل]

و يُكْرَهُ أَجْزَاءُ مِنَ الشَّاةِ سَبْعَةٌ فَخُذْهَا فَقَدْ أَوْ ضَحَّتْهَا لَكَ بِالْعَدَدِ

(بکری کے سات اجزاء مکروہ قرار دیئے جاتے ہیں پس تو انہیں یاد کر لے میں نے تیرے لیے تعداد کے ساتھ ان کی وضاحت کر دی ہے۔

فَقَالَ فَقُلْ ذَكَرُ وَالْأُنْثِيَانِ مِثْلَهُ كَذَلِكَ دَمْرُ ثَمِّ الْبَرَارَةِ وَالْغُدُّ وَقَالَ غَيْرُهُ

إِذَا مَا ذُكِّتْ شَاةٌ فَكُلُّهَا سَوَى سَبْعٍ فِيهِنَّ الْوَبَالُ

فحاء ثم خاء ثم غين و دال ثم میاں و ذال

رِلْقَاضِي إِقْرَاضُ مَالِ الْغَائِبِ وَالْطِّفْلِ وَاللُّقْطَةِ بِشُرُوطِ تَقَدُّمَتِ فِي الْقَضَاءِ (بِخِلَافِ الْأَبِ

اور کہا ہے۔ ترجمہ: پس تو کہہ: ذکر، خصیتین، مثانہ، اسی طرح خون، پھر پتا اور غدود ہیں۔ اور اس کے علاوہ ایک دوسرے نے کہا ہے۔ ترجمہ: جب بھی بکری کو ذبح کیا جائے تو تو اسے کھا، سوائے سات اعضا کے کیونکہ ان میں وبال ہے، حاء، خا پھر غین، دال پھر دو میمیں اور ذال۔ قاضی کیلئے غائب، بچے اور لقطہ کا مال ان شرائط کے ساتھ قرض دینا جائز ہے جو باب القضاء میں گزر چکی ہے بخلاف باپ،

37114۔ (قوله: فَقُلْ ذَكَرُ الْخ) اسی طرح بعض نسخوں میں ہے۔ اور اسی بنا پر ان مجموعی اجزاء کی تعداد چھ ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ شعر کی اصل حیاء ذکر الخ ہے۔

37115۔ (قوله: وَقَالَ غَيْرُهُ) اور کسی دوسرے نے بطریق رمز کہا ہے، اور اسی کی مثل میرا قول ہے۔ [الرجز]

ان الذی من المذکاة ذمی بجمعہ حروف فخذ مدغم

بیشک ذبح کئے ہوئے جانور سے جو اجزاء پھینکے جائیں گے ان کا مجموعہ حروف فخذ مدغم ہے۔

37116۔ (قوله: إِذَا مَا ذُكِّتْ) یہ فعل مجہول ہے اور اس میں تا علامت تانیث ہے۔

37117۔ (قوله: وَاللُّقْطَةِ) بعض فقہانے اسے ذمی کے لقطہ کے سوا کے ساتھ مقید کیا ہے پس قاضی کے لیے اسے

بطور قرض دینا جائز نہیں، اس لیے کہ فقہا کا قول ہے اسے صدقہ کرنا جائز نہیں ہے بلکہ وہ اسے بیت المال میں رکھ لے گا۔ کیونکہ

قرض دینا قربت ہے اور ذمی اہل قرب میں سے نہیں ہے۔ اور اس کے قرض دینے میں لقطہ کو مطلق ذکر کیا ہے۔ پس یہ ملتقط اور

غیر کی طرف سے اس کے قرض دینے کو شامل ہے اور ”البحر“ کا قول من الملتقط یہ ظاہر ہے کہ یہ قید نہیں ہے۔ تامل۔

37118۔ (قوله: بِشُرُوطِ تَقَدُّمَتِ فِي الْقَضَاءِ) یعنی ان شرائط کے ساتھ جو باب القضاء میں گزر چکی ہیں، جہاں

کہا ہے: خوشحال امانت دار ہو اس حیثیت سے کہ وہ وصی نہ ہو، اور نہ وہ ہو جو اسے بطور مضاربہ قبول کرتا ہو اور نہ وہ غلہ حاصل

کرنے والا ہو کہ وہ اسے خرید لے۔ ان کا قول: حیث لا وصی کو ”صاحب البحر“ نے بطور بحث ذکر کیا ہے، اور اس میں کلام

ہے جسے اپنے محل پر جانا جائے گا۔

37119۔ (قوله: بِخِلَافِ الْأَبِ الْخ) بخلاف باپ کے الخ، پس اگر وہ قرض دیں گے تو اسے وصول کرنے سے

عاجز آنے کی صورت میں وہ ضامن ہوں گے بخلاف قاضی کے، اور حاجت اور ضرورت کی وجہ سے ان کا قرض دینا اس سے

مستثنیٰ ہے جیسا کہ جب جلنے یا اچک کر لے جانے کا خوف ہو، تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔ ”بحر“۔ اسی طرح ”شارح“ نے اسے

وَالْوَصِي وَالْمُلْتَقِطُ إِلَّا إِذَا أَنْشَدَهَا حَتَّى سَاعَ تَصَدَّقَهُ فَإِقْرَاضُهُ أَوَّلَى زَيْلَعِي (قَالَ إِنَّ كَانَ اللَّهُ يُعَذِّبُ الْمُشْرِكِينَ فَاِمْرَأَتُهُ طَالِقٌ قَالُوا لَا تَطْلُقُ امْرَأَتَهُ لِأَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ مَنْ لَا يُعَذَّبُ) كَذَا فِي الْخَانِيَّةِ وَظَاهِرُ تَوْجِيهِهِ أَنَّ الْمُرَادَ بِهَذَا الْبَعْضُ مَنْ يَصْدُقُ عَلَيْهِ الْمُشْرِكُ فِي الْجُنَلَةِ بِأَنْ يَكُونَ مُشْرِكًا فِي عُمَرِهِ، ثُمَّ يُخْتَمُ لَهُ بِالْحُسْنَى أَوْ أَطْفَالُ الْمُشْرِكِينَ فَإِنَّهُمْ مُشْرِكُونَ شَرْعًا وَإِذَا ثَبَتَ أَنَّ الْبَعْضَ لَا يُعَذَّبُ وَهِيَ سَالِبَةٌ جُزْئِيَّةٌ

وصی اور ملتقط کے، مگر جب وہ اسے مشہور کر دے یہاں تک کہ اس کا صدقہ کرنا جائز ہے تو پھر اسے قرض دینا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ ”زلیعی“۔ کسی نے کہا: اگر اللہ مشرکین کو عذاب دے گا تو اس کی بیوی کو طلاق، فقہانے کہا ہے: اس کی عورت مطلقہ نہیں ہوگی، کیونکہ مشرکین میں سے وہ ہیں جنہیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ اسی طرح ”الخانیہ“ میں ہے۔ اور اس کی ظاہر توجیہ یہ ہے کہ اس سے مراد وہ بعض ہیں جن پر فی الجملہ لفظ مشرک صادق آتا ہے اس طرح کہ وہ اپنی عمر میں مشرک رہے پھر اس کا خاتمہ بالخیر یعنی کلمہ توحید پر ہو، یا مراد مشرکین کے بچے ہیں۔ کیونکہ وہ شرعی طور پر مشرک ہیں۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ بعض کو عذاب نہیں دیا جائے گا، اور یہ سالبہ جزئیہ ہے

کتاب القضاء میں ذکر کیا ہے۔ اور جو ”مصنف“ نے ذکر کیا ہے کہ باپ وصی کی طرح ہے نہ کہ قاضی کی طرح، یہ دو صحیح قولوں میں سے ایک ہے، اور اسی پر متون ہیں۔ پس یہی معتمد علیہ ہے جیسا کہ اسے ”البحر“ میں بیان کیا ہے۔

37120۔ (قوله: إِلَّا إِذَا أَنْشَدَهَا الْخ) مگر جب وہ اسے مشہور کر دے، اسے ”زلیعی“ نے ینبغی کے صیغہ کے ساتھ

ذکر کیا ہے۔ پس ظاہر یہ ہے کہ اس کے بارے بحث ہے۔ لیکن یہ وہم دلاتا ہے کہ وہ ضامن نہیں ہوگا جب اس کا مالک اجازت نہ دے جیسا کہ قاضی، باوجود اس کے کہ قرض دینے کو صدقہ کرنے کے ساتھ ملانا ممکن نہیں مگر تب جب ہم ضمان کا قول کریں۔

37121۔ (قوله: فَإِقْرَاضُهُ أَوَّلَى) پس اس کا قرض دینا بدرجہ اولیٰ ہے، یعنی اس کا کسی فقیر کو قرض دینا۔ ”زلیعی“۔

37122۔ (قوله: وَظَاهِرُ تَوْجِيهِهِ الْخ) ”المنح“ کی عبارت ہے: جو کچھ امام ”قاضیخان“ کے کلام سے سمجھا گیا ہے

اس کی ظاہر توجیہ یہ ہے کہ شرط میں مذکور مشرکین سے مراد تمام ہیں۔ پس اسی لیے انہوں نے اس کی تعلیل میں کہا ہے: کیونکہ مشرکین میں سے بعض وہ ہیں جنہیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ پس ممکن ہے کہ ان بعض سے مراد وہ ہوں جن پر غلط مشرک فی الجملہ صادق آتا ہو الخ۔ پس تو اس پر آگاہ رہ۔

37123۔ (قوله: بِهَذَا الْبَعْضُ) یعنی وہ بعض جن پر من تبعیضیہ دلالت کرتا ہے۔

37124۔ (قوله: فَإِنَّهُمْ مُشْرِكُونَ شَرْعًا) کیونکہ وہ شرعاً بطریق تبع مشرک ہیں۔ ”منح“۔ پس معنی یہ ہے کہ شرعی

طور پر ان کے ساتھ ان کے آبا کی مثل معاملہ کیا جائے گا۔ رہا آخرت میں ان کا حکم! تو اس بارے میں دس اقوال ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اہل جنت کے خدام ہوں گے۔ اور ”امام صاحب“ رحمہ اللہ سے مشہور قول ان کے بارے توقف ہے۔

لَمْ تَصُدُقِ الْمَوْجِبَةَ الْكَلِّيَّةُ الْقَائِلَةُ كُلُّ مُشْرِكٍ يُعَذَّبُ قَالَهُ الْمَصْنِفُ وَقَدْ أُوْرَدَ هَذَا اللَّغْزَ عَلَى غَيْرِ هَذَا
الْوَجْهِ ابْنُ وَهْبَانَ فَقَالَ

وَهَلْ قَائِلٌ لَا يَدْخُلُ النَّارَ كَافِرٌ وَلَكِنَّهَا بِالْمُؤْمِنِينَ تَعْبَرُ

قَالَ وَمَعْنَاهُ أَنَّ الْكُفَّارَ لَيَأْيُرُونَ النَّارَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ تَعَالَى وَرَسُولِهِ؛ وَلَا يَنْفَعُهُمْ، قَالَ تَعَالَى - فَلَمْ يَكُ
يَنْفَعُهُمْ إِيْمَانُهُمْ لَيَأْرَأُوا بِأَسْنًا - وَلِعَجَزَ الْبَيْتُ مَعْنَى آخَرَ وَهُوَ أَنَّ عَمَرَتَهَا خَزَنَتُهَا الْقَائِمُونَ بِأَمْرِهَا وَهُمْ
مُؤْمِنُونَ فَفِي الْبَيْتِ سُؤَالَانِ قَالَ ابْنُ الشَّحْنَةِ وَعِنْدِي أَنَّ هَذَا مِمَّا يُنْكَرُ ذِكْرُهُ وَالتَّلَقُّظُ بِهِ، وَلَا يَنْبَغِي
أَنْ يُدَوَّنَ وَيُسْطَرَّ وَلَا يُقْبَلُ تَأْوِيلُ قَائِلِهِ انْتَهَى

تو پھر موجبہ کلیہ یعنی کہنے والے کا یہ قول: ہر مشرک کو عذاب دیا جائے گا، صادق نہیں آئے گا۔ یہ ”مصنف“ نے کہا ہے۔ اور
”ابن وہبان“ نے یہی پہلی ایک اور طریقہ پر ذکر کی ہے اور کہا ہے: ترجمہ: اور کیا کوئی قائل ہے کہ کوئی کافر جہنم میں داخل
نہیں ہوگا لیکن اسے مؤمنین کے ساتھ بھر دیا جائے گا؟ فرمایا: اور اس کا معنی یہ ہے کہ کفار جب جہنم کو دیکھیں گے تو وہ اللہ
تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ پر ایمان لے آئیں گے اور وہ انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيْمَانُهُمْ لَيَأْرَأُوا بِأَسْنًا (المومن: 85) پس کوئی فائدہ نہ دیا انہیں ان کے ایمان نے جب دیکھ لیا انہوں
نے ہمارا عذاب) اور اس لیے کہ شعر دوسرے معنی سے عاجز ہے اور وہ یہ ہے کہ جہنم کو بھرنا ان فرشتوں کے ساتھ ہو جو اس
کے انتظام و انصرام پر مقرر ہیں اور وہ مؤمنین ہیں۔ پس شعر میں دو سوال ہیں۔ ”ابن الشحنة“ نے کہا ہے: میرے نزدیک یہ
اس میں سے ہے جس کا ذکر کرنا اور جس کا تلفظ کرنا (یعنی بولنا) ناپسندیدہ اور ناجائز ہے، اور یہ مناسب نہیں کہ اسے مدون کیا
جائے اور کتاب میں لکھا جائے، اور نہ اس کے قائل کی کوئی تاویل قبول کی جائے گی۔ ”انتھی کلامہ“۔

37125۔ (قوله: لَمْ تَصُدُقِ الْمَوْجِبَةَ الْكَلِّيَّةُ) موجبہ کلیہ صادق نہیں آئے گا، پس وہ حاث نہیں ہوگا، کیونکہ اس

نے طلاق کو تمام مشرکین کے عذاب یافتہ ہونے پر معلق کیا ہے اور وہ ثابت نہیں، ”منح“۔ یعنی یہ الف لام کو استغراق پر محمول
کرتے ہوئے ہے۔

37126۔ (قوله: وَهَلْ قَائِلٌ) یعنی کیا اس کا کوئی قائل پایا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد جملہ قول کا مقولہ ہے، اور کافر

یدخل کا فاعل ہے۔

37127۔ (قوله: فَفِي الْبَيْتِ سُؤَالَانِ) پس شعر ہی دو سوال ہیں اور وہ دونوں کافر کا جہنم میں داخل نہ ہونا اور مؤمنین

کا جہنم میں داخل ہونا ہے۔

37128۔ (قوله: وَلَا يُقْبَلُ تَأْوِيلُ قَائِلِهِ) اور اس کے قائل کی تاویل قبول نہیں کی جائے گی، اس کا مقتضی یہ ہے

کہ اس پر کفر کا حکم لگایا جائے۔ اور اس میں نظر ہے۔ کیونکہ یہ ثابت ہے کہ اگر کئی وجوہ کفر کو ثابت کرتی ہوں اور ایک وجہ اس

قُلْتُ هَذَا مَعَ وُضُوحٍ وَجْهِهِ تُكَلِّمُ فِيهِ، فَكَيْفَ الْأَوَّلُ فَلَا تَغْفُلْ، ثُمَّ رَأَيْتُ شَيْخَنَا قَالَ قَدْ قَضَىٰ بِنَقْلِهِ عَلَىٰ نَفْسِهِ بِالْإِنْكَارِ، وَأَنَّهُ مَا كَانَ لَهُ أَنْ يُدَوِّنَهُ وَبِاللَّهِ التَّوْفِيقُ (صَبِيٌّ حَشَفْتُهُ ظَاهِرَةً بِحَيْثُ لَوْ رَأَاهُ إِنْسَانٌ ظَنَّهُ مَخْتُونًا وَلَا تُقْطَعُ جِلْدَةُ ذَكَرِهِ إِلَّا بِتَشْدِيدٍ أَلَيْهِ تَرْكٌ عَلَىٰ حَالِهِ كَشَيْخٍ أَسْلَمَ وَقَالَ أَهْلُ النَّظَرِ لَا يُطِيقُ الْخِتَانُ) تَرْكٌ أَيْضًا (وَلَوْ خُتِنَ وَلَمْ تُقْطَعِ الْجِلْدَةُ كُلُّهَا يَنْظُرُ فَإِنْ قُطِعَ أَكْثَرُ مِنَ النِّصْفِ كَانَ خِتَانًا وَإِنْ قُطِعَ النِّصْفُ فَمَا دُونَهُ

میں کہتا ہوں: اس دوسرے معنی کی وجہ واضح ہونے کے باوجود اس میں کلام کی گئی ہے تو پھر پہلے معنی کو کیسے قبول کیا جاسکتا ہے۔ پس تو اس سے غافل نہ رہ۔ پھر میں نے اپنے شیخ کو دیکھا، انہوں نے کہا: تحقیق ”مصنف“ نے اپنے بارے میں ”ابن الشنہ“ کا کلام انکار کے ساتھ نقل کرنے کا فیصلہ کیا ہے، اور یہ کہ ان کے لیے اسے مدون کرنا مناسب نہ تھا۔ وباللہ التوفیق۔ ایسا بچہ جس کا حشفہ (سپاری) اس طرح ظاہر ہو کہ اگر کوئی آدمی اسے دیکھے تو اسے گمان ہو کہ وہ مختون ہے اور اس کے عضو خاص کی جلد نہ کاٹی جائے مگر شدید تکلیف کے ساتھ تو اسے اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے جیسا کہ بوڑھا آدمی جو اسلام لے آئے۔ اور اہل نظر نے کہا: یہ ختنہ کی طاقت نہیں رکھتا تو اسے بھی اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ اور اگر ختنہ کیا گیا اور مکمل جلد نہ کاٹی گئی تو دیکھا جائے گا پس اگر نصف سے زیادہ کاٹ دی گئی تو ختنہ ثابت ہو جائے گا اور اگر نصف یا اس سے کم کاٹی گئی

کے مانع ہو تو مفتی پر اس کی طرف میلان لازم ہے جو کفر سے منع کرتی ہے۔ اور بالخصوص جب قرینہ موجود ہو۔ پس وہ غیر واضح کلام کرنے اور معنی کو پوشیدہ رکھنے کا ارادہ کرنا ہے جیسا کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک عورت کو مزاح کرتے ہوئے فرمایا: ان الجنة لا يدخلها عجوز (1) کہ جنت میں کوئی بڑھیا داخل نہیں ہوگی۔

37129۔ (قوله: قُلْتُ هَذَا) یعنی وہ جو دوسرے حصہ میں ہے۔

37130۔ (قوله: فَكَيْفَ الْأَوَّلُ) یعنی جو متن میں اس کے مساوی ہے جو پہلے حصہ میں ہے۔

37131۔ (قوله: ثُمَّ رَأَيْتُ شَيْخَنَا قَالَ) پھر میں نے دیکھا ہمارے شیخ نے ”حاشیۃ المنح“ میں ”مصنف“ پر

اعتراض کرتے ہوئے کہا جہاں انہوں نے ”ابن الشنہ“ کا کلام نقل کیا ہے۔ پس نقلہ میں ضمیر ”ابن الشنہ“ کے کلام سے ہے۔ اور قضیٰ اور نفسہ میں ضمیر ”مصنف“ کے لیے ہے۔ فافہم۔ لیکن ”شارح“ کے لیے مناسب یہ تھا کہ وہ

تصریح کرتے کہ ”مصنف“ نے ”ابن الشنہ“ کا کلام نقل کیا ہے تاکہ ضما کر کا مرجع متعین ہو جاتا۔

37132۔ (قوله: أَلَيْهِ) یہ لفظ ہمزہ کی مد کے ساتھ ایلام مصدر سے فعل ماضی کا صیغہ ہے، اور پھر یہ جملہ تشدید کی

صفت ہے۔

37133۔ (قوله: وَقَالَ أَهْلُ النَّظَرِ) یعنی اہل معرفت نے کہا۔ ”منح“۔

1۔ شامل ترمذی، باب ما جاء في صفة مزاح رسول الله ﷺ، صفحہ 158، حدیث نمبر 230، مطبوعہ نضیاء القرآن پبلی کیشنز

لَا يَكُونُ خِتَانًا يُعْتَدُّ بِهِ لِعَدَمِ الْخِتَانِ حَقِيقَةً وَحُكْمًا (وَالْأَصْلُ أَنَّ الْخِتَانَ سُنَّةٌ) كَمَا جَاءَ فِي الْخَبَرِ (وَهُوَ مِنْ شَعَائِرِ الْإِسْلَامِ) وَخَصَائِصِهِ (فَلَوْ اجْتَمَعَ أَهْلُ بَلَدَةٍ عَلَى تَرْكِهِ حَارَبَهُمْ) الْإِمَامُ فَلَا يُتْرَكُ إِلَّا لِعُذْرٍ وَعُذْرُ شَيْخٍ لَا يُطِيقُهُ ظَاهِرٌ (وَوَقْتُهُ) غَيْرُ مَعْلُومٍ وَقِيلَ (سَبْعُ) سِنِينَ كَذَا فِي الْمُلْتَقَى وَقِيلَ عَشْرٌ وَقِيلَ أَقْصَاهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ سَنَةً وَقِيلَ الْعِبْرَةُ بِطَاقَتِهِ

تو وہ ختنہ شمار نہیں ہوگا، کیونکہ وہ نہ حقیقی ختنہ ہے اور نہ حکمی۔ اور اصل یہ ہے کہ ختنہ سنت ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے، اور وہ شعائر اسلام اور اس کے خصائص میں سے ہے۔ پس اگر ایک شہر کے رہنے والے اسے ترک کرنے پر اتفاق کر لیں تو امام وقت ان کے خلاف جنگ کرے۔ اور اسے بغیر عذر کے نہیں چھوڑا جائے گا۔ اور ایسا بوڑھا جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو اس کا عذر ظاہر ہے۔ اور اس کا وقت معلوم نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا وقت سات سال کی عمر ہے۔ اسی طرح ”الملتقی“ میں ہے۔ اور بعض نے کہا ہے: دس سال، اور بعض کا قول ہے: اس کی انتہائی مدت بارہ سال ہے۔ اور بعض نے کہا ہے: اس کی طاقت کا اعتبار ہوگا

37134۔ (قوله: وَحُكْمًا) اکثر حصہ کاٹنے کے ساتھ حکمی بنتا ہے اور وہ نہیں پایا گیا۔ ”طحطاوی“۔

37135۔ (قوله: حَارَبَهُمْ الْإِمَامُ) تو امام وقت ان کے خلاف جنگ کرے جیسا کہ اگر وہ اذان ترک کر دیں۔ ”منح“۔

ختنہ کا وقت

37136۔ (قوله: وَوَقْتُهُ) مراد اس کے وقت کی ابتدا ہے۔ ”مسکین“۔ یا اس کا وقت مستحب ہے جیسا کہ ”کنز“ پر ”باکیز“ کی شرح سے منقول ہے۔

37137۔ (قوله: غَيْرُ مَعْلُومٍ) یعنی وہ کسی مدت کے ساتھ مقرر نہیں۔ تحقیق ”شارح“ نے اس سے عدول کیا ہے جس کے ساتھ ”مصنف“ نے ”کنز“ کی طرح اعتماد اور یقین کیا ہے تاکہ متن ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے قول پر جاری رہے جیسا کہ متون کی عادت ہے۔

37138۔ (قوله: وَقِيلَ سَبْعُ) اور کہا گیا ہے کہ سات سال۔ کیونکہ بچہ جب اس عمر کو پہنچ جائے تو اسے نماز کا حکم دیا جاتا ہے، پس اسے ختنہ کا بھی حکم دیا جائے گا تاکہ نظافت اور صفائی میں مبالغہ ہو سکے۔ ”الکافی“ میں یہی کہا ہے۔ ”خزانة الاكمل“ میں یہ زیادہ کیا ہے: اور اگر وہ اس سے چھوٹا ہو تو بہت خوب ہے، اور اگر اس سے تھوڑا بڑھ جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اور بعض نے کہا ہے: اس کا ختنہ نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے۔ کیونکہ یہ طہارت کے لیے ہوتا ہے اور اس سے پہلے وہ اس پر واجب نہیں ہوتی۔ ”طحطاوی“۔

37139۔ (قوله: وَقِيلَ عَشْرٌ) بعض نے کہا ہے: دس سال ہے۔ اس لیے کہ جب بچہ اس عمر کو پہنچ جائے تو نماز کے بارے حکم بڑھ جاتا ہے۔

وَهُوَ الْأَشْبَهُ وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ لَا عِلْمَ لِي بِوَقْتِهِ وَلَمْ يَرِدْ عَنْهُمَا فِيهِ شَيْءٌ فَلِذَا اخْتَلَفَ الْمَشَايخُ فِيهِ وَخِثَانُ الْمَرْأَةِ لَيْسَ سُنَّةٌ بَلْ مَكْرُمَةٌ لِلرِّجَالِ وَقِيلَ سُنَّةٌ وَقَدْ جَمَعَ السُّيُوطِيُّ مَنْ وُلِدَ مَخْتُونًا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فَقَالَ

اور یہی زیادہ مناسب ہے۔ اور امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: مجھے اس کے وقت کے بارے علم نہیں ہوا۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ سے بھی اس بارے میں کوئی شے منقول نہیں۔ اس لیے مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ اور عورت کا ختنہ سنت نہیں ہے بلکہ یہ مردوں کی تکریم کے لیے ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سنت ہے۔ اور امام ”سیوطی“ رحمہ اللہ نے ان انبیاء کرام علیہم الصلوٰات والتسلیمات کو جمع کیا ہے جو مختون پیدا ہوئے ہیں۔ اور کہا ہے:

37140۔ (قوله: وَهُوَ الْأَشْبَهُ) اور یہی زیادہ مناسب اور فقہات کے زیادہ قریب ہے۔ ”زیلعی“۔ اور یہ تصحیح کے

صیغوں میں سے ہے۔

37141۔ (قوله: وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ الْخ) یہ ظاہر ہے کہ یہ ماقبل کے مخالف نہیں ہے اس میں ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے عدم تقدیر کے قاعدہ پر عمل کرتے ہوئے جس کے بارے مقررہ مدت سے متعلقہ کوئی نص وارد نہ ہو اور وہ رائے کے سپرد ہو۔ تاہل۔ اور اسے ”امام صاحب“ رحمہ اللہ سے اس کی تائید میں نقل کیا ہے جسے پہلے انہوں نے اختیار کیا پس یہ تکرار نہیں ہے۔ فافہم۔ 37142۔ (قوله: عَنْهُمَا) یعنی ”صاحبین“ رحمہ اللہ سے۔

عورت کے ختنے کا شرعی حکم

37143۔ (قوله: وَخِثَانُ الْمَرْأَةِ) اس میں درست خفاض ہے، کیونکہ عورت کے حق میں ختان نہیں بولا جاتا۔ بلکہ خفاض بولا جاتا ہے۔ ”حموی“۔

37144۔ (قوله: بَلْ مَكْرُمَةٌ لِلرِّجَالِ) بلکہ مردوں کی تکریم کے لیے ہے، کیونکہ یہ جماع میں زیادہ باعث لذت ہے۔ ”زیلعی“۔

37145۔ (قوله: وَقِيلَ سُنَّةٌ) اور کہا گیا ہے کہ یہ سنت ہے، ”البرزازی“ نے اس پر اعتماد کیا ہے، اور غلتا ہے یہ بیان، کی ہے کہ اس پر نص ہے کہ خنثی کا ختنہ کیا جائے گا۔ اور اگر عورت کا ختنہ صرف تکریم کے لیے ہوتا تو خنثی کا ختنہ نہ کیا جاتا، اس احتمال کی وجہ سے کہ وہ عورت ہو، لیکن یہ اس طرح نہیں جیسا کہ مردوں کے حق میں سنت ہے۔

میں کہتا ہوں: خنثی کا ختنہ اس کے مرد ہونے کے احتمال کی وجہ سے ہے، اور مرد کا ختنہ ترک نہیں کیا جائے گا پس اس لیے وہ احتیاطاً سنت ہے، اور وہ عورت کے لیے سنت ہونے کا فائدہ نہیں دیتا۔ تاہل۔

اور کتاب الطہارۃ میں ”السراج الوہاج“ سے ہے: تو جان! کہ ہمارے نزدیک مردوں اور عورتوں کے لیے سنت ہے۔ اور امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: یہ واجب ہے۔ اور بعض نے کہا ہے: مردوں کے لیے سنت ہے اور عورتوں کے لیے مستحب

وَفِي الرُّسُلِ مَخْتُونٌ لَعَنُوكَ خَلْقَةً
وَهُمْ زَكْرِيَّا شَيْثٌ إِدْرِيسُ يُوسُفُ
وَنُوحٌ شُعَيْبٌ سَامٌ لُوطٌ وَصَالِحٌ
ثَنَانٌ وَتِسْعٌ طَيِّبُونَ أَكَارِمُ
وَحَنْظَلَةُ عِيسَى وَمُوسَى وَآدَمُ
سُلَيْمَانُ يَحْيَى هُودٌ يُسُ خَاتَمُ

تیری عمر کی قسم رسولوں میں سے سترہ پیدائشی طور پر مختون ہیں وہ انتہائی پاک باز اور بزرگی والے ہیں۔ اور وہ حضرت زکریا، حضرت شیت، حضرت ادریس، حضرت یوسف، حضرت حنظلہ، حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ، حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت شعیب، حضرت سام، حضرت لوط، حضرت صالح، حضرت سلیمان، حضرت یحییٰ، حضرت ہود اور خاتم الانبیاء جن کا لقب یس حضرت محمد رسول اللہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات ہیں۔

ہے، اس لیے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ختان الرجال سنة، وختان النساء مکرمۃ (۱) (مردوں کے لیے ختنہ سنت ہے، اور عورتوں کا ختنہ تکریم کے لیے ہے) اور اگر بچے کے دوز کر ہوں، اگر دونوں تندرست اور عامل ہوں تو دونوں کا ختنہ کیا جائے، اور اگر ان میں سے صرف ایک صحیح ہو تو صرف اسی کا ختنہ کیا جائے۔ اور اس کا عامل اور صحیح ہونا بول اور انتشار سے معلوم ہوتا ہے۔ اور خنثی مشکل کا دونوں فرجوں سے ختنہ کیا جائے گا تا کہ یقین حاصل ہو جائے اور بچے کے ختنہ کی اجرت اس کے باپ پر ہوگی اگر اس کا اپنا مال نہ ہو، اور غلام کے ختنہ کی اجرت اس کے آقا پر ہوگی۔ اور جو کوئی غیر مختون بالغ ہو تو حاکم اسے اس پر مجبور کرے۔ اور اگر وہ فوت ہو گیا تو اس کا خون ہدر ہوگا اس لیے کہ اس کی موت ایسے فعل سے واقع ہوئی ہے جس کی شرعاً اجازت دی گئی ہے۔ ملخصاً۔

وہ رسول جو مختون پیدا ہوئے

37146۔ (قوله: وَفِي الرُّسُلِ الْخ) یہ اس میں صریح ہے کہ حضرت سام اور حضرت حنظلہ علیہما السلام دونوں رسول ہیں۔ ”طحاوی“۔

37147۔ (قوله: شَيْثٌ إِدْرِيسُ) یہ دونوں بغیر تین کے ہیں جیسا کہ سام اور ہود ہیں۔

تمتہ

کہا گیا ہے: ختنہ کا سبب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب اپنے لخت جگر کو ذبح کرنے کے امتحان میں مبتلا کیا گیا تو اس نے پسند کیا کہ وہ ہر ایک کے لیے قطع عضو اور خون بہانے کے ساتھ خوفزدہ کرنے کو جاری رکھے، اور اس نے آباء کو اسلام پر صبر کرنے کے ساتھ ان کے بیٹوں کو آزمایا آپ علیہ السلام کے ساتھ اظہار ہمدردی و غمخواری کرتے ہوئے، تحقیق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ختنہ کروایا اور اس وقت آپ کی عمر اسی برس یا ایک سو بیس برس تھی، اس میں پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اور دونوں کے درمیان تطبیق اس طرح ہے کہ پہلا قول نبوت کے وقت سے اور دوسرا ولادت کے وقت سے ہے، اور قدوم میں ختنہ کروایا۔

1۔ اکمل لابن عدی، جلد 1، صفحہ 442، راوی ابراہیم بن مبشر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

(وَيَجُوزُ كَيْ الصَّغِيرِ وَبَطْنُ قُرْحَتِهِ وَغَيْرُهُ مِنَ الْمَدَاوِاقِ لِلْمَصْلَحَةِ وَ) يَجُوزُ (فَضْدُ الْبَهَائِمِ وَكَيْهَا وَكُلُّ عِلَاجٍ فِيهِ مَنَفْعَةٌ لَهَا وَجَازَ قَتْلُ مَا يَضُرُّ مِنْهَا كَكَلْبٍ عَقُورٍ وَهَرَّةٍ) تَضُرُّ (وَيَذْبَحُهَا) أَيْ الْهَرَّةَ (ذَبْحًا) وَلَا يَضُرُّ بِهَا لِأَنَّهُ لَا يُفِيدُ، وَلَا يُحْرِقُهَا وَفِي الْمُبْتَغَى يُكْرَهُ إِحْرَاقُ جَرَادٍ وَقَتْلُ وَعَقْرَبٍ، وَلَا بَأْسٌ بِإِحْرَاقِ حَظَبٍ فِيهَا نَبْلٌ وَالْقَاءُ الْقَمْلَةُ

اور صغیر کو داغنا اور اس کے زخم اور پھوڑے کو چیرنا اور علاوہ ازیں مصلحت اور نفع کے لیے کوئی علاج کرنا جائز ہے۔ اور جانوروں کو فصد لگانا، انہیں داغنا، اور ہر وہ علاج کرنا جس میں ان کے لیے منفعت ہو جائز ہے، اور اسے قتل کرنا جائز ہے جس سے ضرر اور اذیت پہنچ سکتی ہو جیسے باولا کتا اور وہ بلی جو نقصان دیتی ہو، اور وہ بلی کو ذبح کر دے گا، اور وہ اسے نہیں مارے گا۔ کیونکہ وہ کوئی فائدہ نہیں دے گا اور نہ اسے جلائے گا۔ اور ”المبتغی“ میں ہے: ٹڈی، جوں اور بچھو کو جلانا مکروہ ہے، اور اس لکڑی کو جلانے میں کوئی حرج نہیں ہے جس میں چیونٹیاں ہوں۔ اور جوں کو پھینک دینا

یہ جگہ کا نام ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ بڑھئی کا آلہ ہے اور ہمارے نبی مکرم ﷺ کے مختون پیدا ہونے میں رواق اور حفاظ حدیث نے اختلاف کیا ہے، اور اس بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے۔ اور امام ”ذہبی“ نے ”حاکم“ کے اس قول کو رد کرنے میں طویل بحث کی ہے کہ اس بارے میں متواتر روایت ہے حالانکہ ان کے نزدیک اس بارے میں حدیث کا ضعیف ہونا ثابت ہے۔ اور بعض محققین حفاظ نے کہا ہے: صواب کے زیادہ قریب یہ ہے کہ آپ ﷺ مختون پیدا نہیں ہوئے۔

37148۔ (قوله: وَبَطْنُ قُرْحَتِهِ) یعنی اس کے زخم کی چیر پھاڑ کرنا، یہ قتل کے باب سے ہے۔

37149۔ (قوله: وَغَيْرُهُ) یعنی داغنے اور چیرنے کے علاوہ کوئی علاج۔

باولا کتا اور وہ بلی جو نقصان دیتی ہو اسے قتل کرنے کا جواز

37150۔ (قوله: وَهَرَّةٌ تَضُرُّ) نقصان پہنچانے والی بلی، جیسا کہ جب وہ کبوتر اور مرغیاں کھانے لگے۔ ”زیلعی“۔

37151۔ (قوله: وَيَذْبَحُهَا) اور وہ اسے ذبح کر دے، اور یہ ظاہر ہے کہ کتا اسی کی مثل ہے۔ تامل۔

ٹڈی، جوں اور بچھو کو جلانا مکروہ ہے

37152۔ (قوله: يُكْرَهُ إِحْرَاقُ جَرَادٍ) ٹڈی وغیرہ کو جلانا مکروہ تحریمی ہے، اور جوں کی مثل مچھر ہے، اور پھوس

سانپ ہے۔ ”طحاوی“۔

37153۔ (قوله: وَالْقَاءُ الْقَمْلَةُ لَيْسَ بِأَدَبٍ) اور جوں کو زمین پر پھینک دینا ادب نہیں ہے، اس لیے کہ وہ کسی

دوسرے کو اذیت پہنچائے گی۔ اور نسیان کا وارث بنائے گی۔ اور اس میں اسے بھوک کے ساتھ عذاب دینا بھی ہے۔

”طحاوی“۔ رہا مچھر تو وہ مٹی میں زندہ رہتا ہے۔

لَيْسَ بِأَدَبٍ (وَجَازَتْ الْمُسَابَقَةُ بِالْفَرَسِ وَالْإِبِلِ وَالْأَرْجُلِ وَالرِّمَى) لِيَزْتَائِضَ لِلْجِهَادِ (وَحَرْمٌ شَرْطُ الْجُعْلِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ) إِلَّا إِذَا أُدْخِلَ مُحَلِّلًا بِشُرْطِهِ

کوئی ادب نہیں ہے، گھوڑے، اونٹ، پیدل اور تیراندازی میں مسابقت جائز ہے۔ تاکہ جہاد کے لیے ریاضت اور مشق ہو سکے۔ اور دونوں جانب سے مال کی شرط لگانا حرام ہے مگر جب وہ محلل کو اس کی شرط کے ساتھ داخل کر لیں

گھوڑے، اونٹ کی دوڑ اور تیراندازی میں مسابقت کا جواز

37154۔ (قوله: وَجَازَتْ الْمُسَابَقَةُ) اور مسابقت اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس کی انتہاء وہاں تک ہو کہ گھوڑا اسے برداشت کر سکتا ہو، اور یہ کہ دو گھوڑوں میں سے ہر ایک میں دوڑنے اور وہاں تک پہنچنے اور دوسرے سے آگے بڑھنے کی قوت موجود ہو، لیکن جب یہ معلوم ہو کہ ان میں سے ایک یقیناً آگے بڑھ جائے گا تو پھر وہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ مسابقت خلاف قیاس ریاضت اور مشق کی حاجت کے تحت جائز ہے، اور اس میں فقط اپنے اوپر غیر کے لیے مال لازم کرنا ہوتا ہے ایسی شرط کے ساتھ جس میں کوئی فائدہ نہیں لہذا یہ جائز نہ ہوگی۔ ”زیلعی“۔

37155۔ (قوله: وَالرِّمَى) یعنی تیراندازی کرنا۔

37156۔ (قوله: لِيَزْتَائِضَ لِلْجِهَادِ) تاکہ جہاد کے لیے ریاضت اور مشق ہو جائے، اس نے یہ فائدہ دیا ہے کہ وہ (مسابقت) مندوب (مستحب) ہے جیسا کہ اس کے بارے کتاب الحظر میں تصریح کی ہے اور یہ کہ لہو و لعب کے لیے یہ مکروہ ہے، اور رہی حدیث پاک: لَا تَحْضُرُ الْمَلَائِكَةُ شَيْئًا مِنَ الْمَلَاهِي سِوَى النِّضَالِ کہ فرشتے کھیل کی جگہوں میں سے کسی جگہ حاضر نہیں ہوئے سوائے تیراندازی کے مقابلہ کے، مراد تیراندازی اور مسابقت ہے۔ پس ظاہر ہے کہ اسے لہو کا نام دینا صرف صوری مشابہت کی وجہ سے ہے۔ تاہل۔

مسابقت میں جانبین سے مال کی شرط لگانے کی حرمت

37157۔ (قوله: وَحَرْمٌ شَرْطُ الْجُعْلِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ) اور دونوں جانبوں سے مال کی شرط لگانا حرام ہے، اس طرح کہ ان میں سے ایک کہے: اگر تیرا گھوڑا سبقت لے گیا تو مجھ پر تیرے لیے اتنا مال ہوگا، اور اگر میرا گھوڑا سبقت لے گیا تو تجھ پر میرے لیے اتنا مال ہوگا۔ ”زیلعی“۔

37158۔ (قوله: إِلَّا إِذَا أُدْخِلَ مُحَلِّلًا) مگر جب وہ محلل داخل کر لے۔ اس میں مناسب عبارت: أَدْخَلَ ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ دونوں ایک تیسرے آدمی کو کہیں: اگر تو ہم پر سبقت لے گیا تو دونوں مال تیرے لیے ہوں گے، اور اگر ہم تجھ پر سبقت لے گئے تو ہمارے لیے تجھ پر کوئی شے نہ ہوگی۔ لیکن وہ شرط جو ان دونوں نے مقرر کی وہ ان کے درمیان قائم رہے گی اور وہ یہ ہے کہ ان میں سے جو بھی سبقت لے گیا اس کے لیے اس کے ساتھی پر مال اپنے حال پر باقی رہے گا، پس اگر وہ ان دونوں پر غالب آ گیا تو وہ دونوں کا مال لے لے، اور اگر وہ دونوں اس پر غالب آئے تو ان کے لیے اس پر کوئی

كَمَا مَرَّ فِي الْحَظَرِ (لَمْ يَحْرُمُ) (مِنْ أَحَدِ الْجَانِبَيْنِ) اسْتِحْسَانًا وَلَا يَجُوزُ إِلَّا سِتْبَاقُ فِي غَيْرِ هَذِهِ الْأَرْبَعَةِ
كَالْبُغْلِ بِالْجُعْلِ، وَأَمَّا بِلَا جُعْلٍ فَيَجُوزُ فِي كُلِّ شَيْءٍ وَتَسَامُهُ فِي الزَّيْلَعِيِّ (وَلَا يُصَلِّي عَلَى غَيْرِ الْأَنْبِيَاءِ

جیسا کہ کتاب الحظر میں گزر چکا ہے۔ اور ایک جانب سے شرط لگانا استحساناً حرام نہیں۔ اور ان چار کے علاوہ میں مسابقت جائز نہیں جیسا کہ مال کی شرط لگا کر خچر دوڑانا وغیرہ۔ اور رہی مال کی شرط کے بغیر مسابقت! تو یہ ہر شے میں جائز ہے۔ اس کی مکمل بحث ”زیلعی“ میں ہے۔ اور غیر انبیاء

شے نہ ہوگی۔ اور جو بھی ان میں غالب آیا تو وہ اپنے ساتھی سے مال مشروط لے لے گا۔ ”زیلعی“۔

37159۔ (قوله: بِشُرُوطِهِ) اور وہ شرط یہ ہے کہ محلل کا گھوڑا ان دونوں کے گھوڑوں کے مساوی ہو، اور اس کا سبقت لے جانا اور اس پر سبقت حاصل کرنا دونوں ممکن ہوں۔

37160۔ (قوله: وَلَا يَجُوزُ الْخ) اور جائز نہیں ہے الخ، یہ ”زیلعی“ نے کہا ہے، اور اسی کی مثل ”الخانیہ“ اور ”الذخیرہ“ وغیرہ میں ہے، لیکن ”شراح“ نے کتاب الحظر والاباحۃ میں اس پر اعتماد اور یقین کیا ہے کہ خچر اور گدھا گھوڑے کی طرح ہیں۔ اور اسے ”المشتقی“ اور ”المجمع“ کی طرف منسوب کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اور اسی کی مثل ”المختار“ اور ”المواہب“ وغیرہ میں ہے۔ اور ”مصنف“ نے وہاں اسے ثابت رکھا ہے بخلاف اس کے جو یہاں ذکر کیا ہے، اور اس پر مکمل کلام کتاب الحظر میں گزر چکی ہے۔ پس تو اس کی طرف رجوع کر۔

37161۔ (قوله: وَتَسَامُهُ فِي الزَّيْلَعِيِّ) اور اس کی مکمل بحث ”زیلعی“ میں ہے۔ اس حیثیت سے کہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ اگر کسی ایک آدمی نے گھڑ سواروں کی ایک جماعت کو یاد کو کہا جو سبقت لے گیا تو اس کے ذاتی مال سے اس کے لیے اتنا مال ہوگا، یا اس نے تیر اندازوں کو کہا جس کا تیر اپنے ہدف اور نشانہ پر لگا تو اس کے لیے اتنا ہوگا تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ یہ تنفیل کے باب سے ہے۔ تو جب تنفیل بیت المال سے جائز ہے جیسا کہ چھیننا ہوا مال وغیرہ تو پھر خالص اس کے اپنے مال کے ساتھ ہو تو اس کے جائز ہونے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اور اسی بنیاد پر فقہاء کا جب مسائل میں تنازع ہو جائے اور ان میں سے مصیب (درست اور صحیح مسئلہ بیان کرنے والے) کے لیے مال کی شرط لگا دی جائے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ یہ دونوں جانبوں سے نہ ہو جیسا کہ ہم نے گھڑ دوڑ کے مسئلہ میں اسے ذکر کر دیا ہے۔ کیونکہ دونوں بابوں میں تعلم (سیکھنا) دین کی تقویت اور اللہ تعالیٰ کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے ہے۔ اور مسابقت کے باب میں مذکور جواز سے مراد حلال ہونا ہے نہ کہ استحقاق۔ یہاں تک کہ اگر مغلوب دینے سے انکار کر دے تو قاضی اسے مجبور نہیں کر سکتا۔ اور نہ وہ اس کے بارے اس کے خلاف فیصلہ کر سکتا ہے۔

انبیاء اور ملائکہ کے علاوہ پر بطریق تبع صلوٰۃ بھیجنا جائز ہے

37162۔ (قوله: وَلَا يُصَلِّي عَلَى غَيْرِ الْأَنْبِيَاءِ الْخ) اور وہ غیر انبیاء پر صلوٰۃ (صلی علیہم) نہ پڑھے، کیونکہ صلوٰۃ میں

وہ تعظیم ہے جو اس کے علاوہ دیگر دعاؤں میں نہیں ہے، اور وہ رحمت اور اللہ تعالیٰ سے قرب کی زیادتی ہے، اور وہ اس کے لائق اور مناسب نہیں جس سے خطاؤں اور گناہوں کا تصور کیا جاسکتا ہو مگر بالتبع درست ہے اس طرح کہ وہ کہے: اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلِّمْ۔ اس لیے کہ اس میں حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔ ”زیلعی“۔

اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا یہ مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی ہے یا خلاف اولیٰ ہے۔ امام ”النووی“ نے الاذکار میں دوسرے قول کو صحیح قرار دیا ہے، لیکن ”البیری“ کی ”شرح الاشباہ“ کے خطبہ میں ہے: جس نے غیر انبیاء پر صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا اس نے گناہ کیا اور یہ مکروہ ہے، اور یہی صحیح ہے۔ اور ”المستصفیٰ“ میں ہے: رہی صَلَّی اللہ علی آلِ ابی اوفی (1) والی حدیث صلاۃ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اختیار ہے کہ آپ کسی غیر پر ابتداء صلاۃ پڑھیں۔ لیکن کسی غیر کے لیے یہ اختیار نہیں ہے۔ اور جہاں تک سلام کا تعلق ہے تو ”اللقانی“ نے ”جوہرۃ التوحید“ کی شرح میں امام ”جوینی“ سے نقل کیا ہے کہ یہ صلوٰۃ کے معنی میں ہی ہے پس یہ کسی غائب کے بارے میں استعمال نہیں ہو سکتا اور نہ غیر انبیاء کے لیے اسے انفرادی طور پر استعمال کیا جائے گا، لہذا یہ نہیں کہا جائے گا: حضرت علی علیہ السلام۔ اور اس میں زندے اور مردے برابر ہیں مگر حاضر ہونے کی صورت میں یہ کہا جائے گا: السلام یا سلام علیک یا علیکم۔ اور اس پر اجماع ہے۔

میں کہتا ہوں: اور حاضر کی طرف پہلے ہی السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ منع سلام میں علت وہی ہے جو امام ”النووی“ نے منع صلوٰۃ کی علت بیان کی ہے کہ وہ اہل بدعت کا شعار اور علامت ہے، اور اس لیے کہ وہ سلف کی زبان میں حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ ہمارا قول عز وجل اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے، پس یہ نہیں کہا جاتا محمد عز وجل اگرچہ آپ عزیز اور جلیل ہیں۔ پھر ”اللقانی“ نے کہا ہے: اور قاضی ”عیاض“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: جسے محققین نے اختیار کیا ہے اور میں بھی اسی کی طرف مائل ہوں وہ وہ ہے جسے ”امام مالک“ اور ”سفیان“ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے اور اسے فقہاء اور متکلمین میں سے کئی ایک نے اختیار کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص کرنا واجب ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے ذکر کے وقت تقدیس و تنزیہ کے ساتھ خاص ہوتا ہے، اور ان کے سوا کا ذکر غفران (غفر اللہ لہم) اور رضا (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ کیا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: رَاضٍ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَاضُوا عَنْهُ (المائدہ: 119) (راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اللہ تعالیٰ سے) يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ (الحشر: 10) (جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے۔)

اور اس لیے بھی کہ وہ ایسا امر ہے جو صدر اول میں معروف نہیں ہوا، بلاشبہ رافضیوں نے اسے بعض ائمہ کے حق میں ایجاد کیا ہے، اور اہل بدعت کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے، پس ان کی مخالفت واجب ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب الدعاء لمن اتى بصدقة، جلد 1، صفحہ 996، حدیث نمبر 1841، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وَلَا غَيْرِ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا بِطَرِيقِ التَّبَعِ وَهَلْ يَجُوزُ التَّرَحُّمُ عَلَى النَّبِيِّ؟ قَوْلَانِ زَيْلَعِي قُلْتُ وَفِي الذَّخِيرَةِ أَنَّهُ يُكْرَهُ وَجَوَّزُهُ السُّيُوطِيُّ تَبَعًا لَا اسْتِقْلَالًا، فَلْيَكُنِ التَّوْفِيقُ وَبِاللَّهِ التَّوْفِيقُ

اور غیر ملائکہ پر صلوٰۃ (یعنی صلی اللہ علیہ وسلم کہنا) نہ بھیجے مگر بطریق تبع، اور کیا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ترحم (یعنی رحمیہ کہنا) جائز ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ ”زیلعی“۔ میں کہتا ہوں: اور ”الذخیرہ“ میں ہے کہ وہ مکروہ ہے۔ اور امام ”سیوطی“ رحمہ اللہ نے اسے بالتبع جائز قرار دیا ہے مستقل طور پر نہیں، پس چاہیے کہ دونوں کے درمیان تطبیق اور توفیق ہو جائے۔ وبالله التوفیق۔

میں کہتا ہوں: اہل بدع کے ساتھ مشابہت کا مکروہ ہونا ہمارے نزدیک بھی ثابت ہے، لیکن مطلقاً نہیں، بلکہ قابل مذمت اعمال میں اور ان امور میں جن میں ان کے ساتھ تشبیہ کا قصد کیا گیا ہو جیسا کہ ”شارح“ نے مفسدات صلوٰۃ میں اسے بیان کر دیا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ترحم کا شرعی حکم

37163۔ (قوله: قَوْلَانِ) دو قول ہیں، بعض نے کہا ہے: وہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں وہ معنی نہیں ہے جو صلوٰۃ کی مثل تعظیم پر دلالت کرتا ہو۔ اور اسی لیے یہ جائز ہے کہ انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام کے سوا کو اس کے ساتھ دعادی جائے، اور وہ تو قطعی طور پر مرحوم (رحم کئے گئے) ہیں۔ پس تحصیل حاصل لازم آئے گا، حالانکہ ہم صلوٰۃ کے سبب اس سے مستغنی ہو چکے ہیں اور ہمیں اس کی کوئی حاجت نہیں۔ اور بعض نے کہا ہے: وہ جائز ہے، کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام بندوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی مزید رحمت کے مشتاق ہیں، اور اس کا معنی صلوٰۃ کا معنی ہی ہے، پس ایسی کوئی شے نہیں پائی گئی جو اس سے مانع ہو۔ ”زیلعی“۔ اور صحیح جواز ہی ہے جیسا کہ اسے ”زیلعی“ نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا ہے اور ”البحر“ میں کہا ہے: اور بعض مشائخ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: آدمی یہ نہ کہے: ارحم محتداً، اور اکثر مشائخ اس پر ہیں کہ وہ یہ کلمہ توارث کے لیے کہہ سکتا ہے۔ اور علامہ ”سرخسی“ نے کہا ہے: اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ حضرت ”ابو ہریرہ“ اور حضرت ”ابن عباس“ رضی اللہ عنہما کی سند سے اس بارے اثر وارد ہے۔ اور اس لیے بھی کہ کوئی ایک اگرچہ اس کی قدر و عظمت انتہائی بلند ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

37164۔ (قوله: وَجَوَّزُهُ السُّيُوطِيُّ تَبَعًا لَا اسْتِقْلَالًا) اور علامہ ”سیوطی“ نے اسے بالتبع جائز قرار دیا ہے مستقل طور پر نہیں، یعنی اسے صلوٰۃ و سلام سے ملا دیا جائے نہ کہ اکیلے، پس اس طرح کہنا جائز ہے: اللھم صل علی محمداً و آرحمہ۔ اور محمداً۔ اور بغیر صلوٰۃ کے ارحم محمداً کہنا جائز نہیں۔

37165۔ (قوله: فَلْيَكُنِ التَّوْفِيقُ) پس چاہیے کہ ان کے درمیان تطبیق کی جائے، یعنی جواز کے قول کو بالتبع پر محمول کیا جائے گا اور عدم جواز کے قول کو ابتدا پر۔ اور وہ اس کے مخالف ہے جو ”البحر“ میں ہے جہاں انہوں نے کہا ہے: جواز اور عدم جواز میں اختلاف کا محل بلاشبہ وہ ہے جس میں اسے صلوٰۃ و سلام کے ساتھ ملا کر کہا جاتا ہے، جیسا کہ اسے شیخ الاسلام علامہ ”ابن حجر“ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ پس اسی لیے علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ ابتدا رحمہ اللہ نہیں کہا جائے گا۔ علامہ

(وَيُسْتَحَبُّ التَّرَضُّي لِلصَّحَابَةِ) وَكَذَا مَنْ اُخْتَلِفَ فِي نُبُوَّتِهِ كَذَى الْقَرْنَيْنِ وَلُقْمَانَ وَقِيلَ يُقَالُ صَلَّى اللَّهُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ وَعَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا فِي شَرْحِ الْمُقَدِّمَةِ لِلْقَرْمَانِي (وَالْتَرَحُّمُ لِلتَّابِعِينَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَالْعُبَادِ وَسَائِرِ الْأَخْيَارِ وَكَذَا يَجُوزُ عَكْسُهُ)

اور صحابہ کرام کے لیے ﷺ کہنا مستحب ہے۔ اور اسی طرح ان کے لیے بھی جن کی نبوت میں اختلاف ہے جیسے ذوالقرنین اور لقمان۔ اور بعض نے کہا ہے: اس طرح کہا جائے گا صلی اللہ علی الانبیاء وعلیہ وسلم جیسا کہ ”القرماني“ کی ”شرح المقدمة“ میں ہے۔ اور رحمۃ اللہ علیہ تابعین اور ان کے بعد کے علماء، عبادت گزار اور تمام نیک لوگوں کے لیے ہے۔ اور اسی طرح اس کا برعکس بھی جائز ہے۔

”طحاوی“ نے کہا ہے: اور چاہیے کہ غفر اللہ له و سامح محبا تر نہ ہو، کیونکہ یہ نقص کا وہم دلاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح عفا عنہ ہے اگرچہ قرآن کریم میں واقع ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ اپنے بندے کو جیسے چاہے خطاب کرے، جیسا کہ رعایا کیلئے امراء کو ایسے الفاظ اور انداز سے خطاب کرنا مناسب نہیں ہوتا جس طرح بادشاہ انہیں خطاب کرتے ہیں، اور میں نے ایسا کوئی نہیں دیکھا جو ملائکہ پر رحم (رحمہ اللہ کہنا) کا درپے ہوا ہو پس چاہیے کہ رجوع کر لیا جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جن کی نبوت میں اختلاف ہے کے لیے رضی اللہ عنہ کہنے کا استحباب

37166۔ (قوله: وَيُسْتَحَبُّ التَّرَضُّي لِلصَّحَابَةِ) اور صحابہ کرام کے لیے رضی اللہ عنہ کہنا مستحب ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے طلب رضا میں مبالغہ کرتے رہے ہیں اور ایسے اعمال میں کوشاں رہے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے، اور جوابدہ اور آزمائش انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے آتی رہی ہے وہ اس پر انتہائی زیادہ راضی رہے ہیں، پس وہی رضا کے زیادہ حقدار ہیں، اور ان کے سوا دوسرے ان کے ادنیٰ عمل کو بھی نہیں پہنچ سکتے اگرچہ وہ سونے سے بھری ہوئی زمین خرچ کر دیں۔ ”زیلعی“۔

37167۔ (قوله: وَكَذَا مَنْ اُخْتَلِفَ فِي نُبُوَّتِهِ) اور اسی طرح وہ ہے جس کی نبوت میں اختلاف ہے، امام ”نووی“ نے کہا ہے: وہ جو میں جانتا ہوں کہ یہ یعنی صلوٰۃ کے ساتھ دعا کرنا اس میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ ارجح یہ ہے کہ رضی اللہ عنہ کہا جائے۔ کیونکہ یہ غیر انبیاء کے لیے مرتب ہے، اور ان دونوں کا نبی ہونا ثابت نہیں۔ اور متن کے قول: ولا یصلی علی غیر الانبیاء و الملائکۃ کا ظاہر یہی ہے اور اسی طرح قاضی ”عباس“ رحمۃ اللہ علیہ کا سابقہ کلام ہے کہ اس کے لیے صلوٰۃ کے ساتھ دعا نہیں کی جائے گی لیکن اختلاف کے شبہ کی وجہ سے اس کے ساتھ گناہ نہیں ہونا چاہیے۔

37168۔ (قوله: وَقِيلَ يُقَالُ الْخ) اور بعض نے کہا ہے کہ کہا جائے گا الخ، یعنی تاکہ صلوٰۃ اس پر بالتبع ہو جائے اور یہ اس میں سے ہو جائے گی جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور یہی عمدہ ہے جیسا کہ ذہین اور شریف پر یہ امر مخفی نہیں ہے۔

تابعین، علما اور صالحین کے لیے رحمۃ اللہ علیہ کا استحباب

37169۔ (قوله: وَالْعُبَادِ) یہ لفظ عین کے ضمہ کے ساتھ عابد کی جمع ہے۔

الَّتَرْحُمُ لِلصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ (عَلَى الرَّاجِحِ) ذَكَرَهُ الْقُرْمَانِيُّ وَقَالَ الزَّيْلَعِيُّ الْأُولَى أَنْ يَدْعُوَ لِلصَّحَابَةِ بِالتَّحِيَّةِ وَالتَّابِعِينَ بِالرَّحْمَةِ وَلِمَنْ بَعْدَهُمْ بِالْمَغْفِرَةِ وَالتَّجَاوُزِ (وَالْإِعْطَاءُ بِاسْمِ النَّيُّوزِ وَالسَّهْرَجَانِ لَا يَجُوزُ) أَمَّا الْهَدَايَا بِاسْمِ هَذَيْنِ الْيَوْمَيْنِ حَرَامٌ (وَإِنْ قَصَدَ تَعْظِيمَهُ)

یعنی رحمت صحابہ کرام کے لیے اور تابعین اور ان کے بعد آنے والوں کے لیے۔ یہ رائج قول کی بنا پر ہے۔ اسے ”القرمانی“ نے ذکر کیا ہے۔ اور ”زیلعی“ نے کہا ہے: اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ صحابہ کرام کے لیے بسم اللہ، تابعین کے لیے رحمت اللہ اور ان کے بعد آنے والوں کے لیے غفر اللہ اور تجاوز اللہ کے ساتھ دعا کرے۔ اور نیروز اور مہرجان کے نام کے ساتھ کسی کو کوئی شے دینا جائز نہیں یعنی ان دونوں کے نام پر ہدایا اور تحائف دینا حرام ہے۔ اور اگر اس نے ان کی تعظیم کا قصد کیا

37170۔ (قوله: وَقَالَ الزَّيْلَعِيُّ الْخ) اور علامہ ”زیلعی“ نے کہا ہے: یہ اپنے ماقبل کے مخالف نہیں ہے مگر اس قول

میں: وَلِمَنْ بَعْدَهُمْ بِالْمَغْفِرَةِ وَالتَّجَاوُزِ۔

غیر ضروری چیزوں کے بارے سوال کرنے کا شرعی حکم

اس بارے میں اختلاف اور جھگڑا کرنا مکروہ ہے کہ حضرت لقمان، ذوالقرنین اور ذوالکفل انبیاء ہیں یا نہیں۔ اور چاہیے کہ آدمی اس بارے سوال نہ کرے جس کی اسے کوئی حاجت نہیں جیسا کہ وہ یہ کہے: حضرت جبرائیل علیہ السلام کیسے نازل ہوئے اور کون سی صورت پر حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا، اور جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں انسانی شکل میں دیکھا تو کیا وہ فرشتہ باقی تھے یا نہیں؟ اور جنت اور دوزخ کہاں ہیں، قیامت کب آئے گی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول کب ہوگا؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام افضل ہیں یا حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان دونوں میں سے ذبیح کون ہے؟ اور حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہیں یا نہیں؟ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کون سے دین پر تھے؟ اور حضرت ابوطالب کا دین کیا ہے؟ اور حضرت امام مہدی کون ہیں؟ اور اسی طرح کے دیگر وہ امور جن کی معرفت اور پہچان واجب نہیں۔ اور ان کی تکلیف اور پابندی کا ارادہ بھی نہیں کیا گیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر عظمت و شان والے اسماء کے ساتھ کرنا واجب ہے، پس یہ کہنا جائز نہیں کہ آپ فقیر، غریب، مسکین، فرید اور طویل ہیں۔ اور اہل عرب کی تعظیم کرنا واجب ہے بالخصوص اہل حرمین شریفین کی خاص کر مہاجرین و انصار کی اولاد کی اور خصوصاً خلفائے اربعہ کی اولاد کی رضی اللہ عنہم۔ اسے قدسی نے ”خزانة الکمل“ سے نقل کیا ہے۔

نیروز اور مہرجان کے نام پر تحائف دینے اور کفار کی دعوت میں شریک ہونے کا شرعی حکم

37171۔ (قوله: وَالْإِعْطَاءُ بِاسْمِ النَّيُّوزِ وَالسَّهْرَجَانِ) اور یوم نیروز اور مہرجان کے نام پر دینا، یعنی اس طرح

کہا جائے کہ یہ اس دن کا ہدیہ ہے، اور اسی کی مثل قول جس میں نیت ظاہر ہو۔ ”طحاوی“۔ اور نیروز موسم ربیع (بہار) کا پہلا دن اور مہرجان موسم خزاں کا پہلا دن ہے، اور یہ دونوں وہ دن ہیں بعض کفار جن کی تعظیم کرتے ہیں اور ان میں ایک دوسرے کو ہدیے اور تحائف دیتے ہیں۔

كَمَا يُعْظِمُهُ الْمُشْرِكُونَ (يَكْفُرُ) قَالَ أَبُو حَفْصٍ الْكَبِيرُ لَوْ أَنَّ رَجُلًا عَبَدَ اللَّهَ خَمْسِينَ سَنَةً ثُمَّ أَهْدَى لِشُرَكَائِهِ يَوْمَ النَّيْرُوزِ بَيْضَةً يُرِيدُ تَعْظِيمَ الْيَوْمِ فَقَدْ كَفَرَ وَحَبِطَ عَمَلُهُ اهـ وَلَوْ أَهْدَى لِلسُّلَمِ وَلَمْ يَرِدْ تَعْظِيمَ الْيَوْمِ بَلْ جَرَى عَلَى عَادَةِ النَّاسِ لَا يَكْفُرُ وَيَنْبَغِي أَنْ يَفْعَلَهُ قَبْلَهُ أَوْ بَعْدَهُ نَفْيًا لِلشُّبْهَةِ وَلَوْ شَرَى فِيهِ مَا لَمْ يَشْتَرِهِ قَبْلُ وَإِنْ أَرَادَ تَعْظِيمَهُ كَفَرَ وَإِنْ أَرَادَ الْأَكْلَ كَالشُّرْبِ وَالتَّعْظِيمِ لَا يَكْفُرُ زَيْلَعِي دَوْلَا بَاسَ

جیسا کہ مشرکین ان کی تعظیم کرتے ہیں تو وہ کافر ہو جائے گا۔ ”ابو حفص الکبیر“ نے کہا ہے: اگر کسی آدمی نے پچاس برس تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی پھر اس نے یوم نیروز کو کسی مشرک کو انڈا ہدیہ کے طور پر دیا اور اس کا مقصود اس دن کی تعظیم ہو تو وہ کافر ہو جائے گا اور اس کا عمل ضائع ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے کسی مسلمان کو ہدیہ دیا اور اس دن کی تعظیم کا ارادہ نہ کیا، بلکہ محض لوگوں کی عادت اور رواج پر عمل کیا تو وہ کافر نہیں ہوگا۔ اور مناسب یہ ہے کہ وہ شبہ کو ختم کرنے کے لیے اس دن سے پہلے یا اس کے بعد ہدیہ وغیرہ دے۔ اور اگر اس نے اس دن ایسی شے خریدی جو اس سے پہلے نہ خریدی ہو اور اس سے ارادہ اس دن کی تعظیم ہو تو وہ کافر ہو جائے گا، اور اگر اس نے کھانے، پینے اور حظ اٹھانے کا ارادہ کیا تو وہ کافر نہیں ہوگا۔ ”زیلعی“۔ اور ٹوپیاں پہننے میں

37172۔ (قوله: ثُمَّ أَهْدَى لِشُرَكَائِهِ) پھر اس نے مشرک کو ہدیہ دیا الخ۔ ”جامع الفصولین“ میں کہا ہے: اور یہ

اس کے خلاف ہے کہ اگر کوئی مجوسی اپنے بیٹے کے سر کے حلق کے لیے دعوت کرے اور کوئی مسلمان اس میں حاضر ہو اور وہ اسے کوئی شے بطور ہدیہ دے تو وہ کافر نہیں ہوگا۔ اور بیان کیا گیا ہے کہ مجوسیوں میں سے ایک کثیر المال اور خوشحال تھا، مسلمانوں کے ساتھ اس کے تعلقات اور معاملات بہت اچھے تھے، اس نے اپنے بچے کے سر کے حلق کے لیے ایک دعوت کا انتظام کیا اور بہت سے مسلمان اس کی دعوت میں شریک ہوئے، اور ان میں سے بعض نے اسے ہدایا اور تحائف بھی دیئے، تو یہ عمل ان کے مفتی پر شاق گزرا، اس نے یہ واقعہ اپنے استاذ ”علی السعدی“ کی طرف لکھا کہ اپنے شہر کے باسیوں کی خبر لو وہ تو مرتد ہو گئے ہیں اور وہ مجوسی کے شعار میں حاضر ہوئے ہیں۔ اور اس نے ان پر سارا قصہ بیان کیا۔ تو انہوں نے پھر اس کی طرف لکھا: بلاشبہ اہل ذمہ کی مطلق دعوت کو قبول کرنا شرع میں جائز ہے، اور احسان کا بدلہ دینا مروت ہے، اور سر کا حلق کرنا اہل ضلالت (گمراہ لوگ) کے شعار میں سے نہیں ہے، اور اتنی مقدار کے ساتھ کسی مسلمان کے مرتد ہونے کا حکم لگانا ممکن نہیں۔ اور مسلمانوں کے لیے اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ اس طرح کے احوال میں فرحت و سرور کے اظہار کے لیے ان کے ساتھ موافقت نہ کریں۔

37173۔ (قوله: وَالتَّعْظِيمِ) ”زیلعی“ کی عبارت ہے: وَالتَّعْظِيمِ یعنی عین کی تشدید کے ساتھ۔

ٹوپیاں پہننے کا شرعی حکم

37174۔ (قوله: دَوْلَا بَاسَ) یہ البؤس سے ہے: یعنی شریعت کی جانب سے اس پر کوئی شدت اور سختی نہیں ہے۔ یا

یہ الباس سے ہے اور اس کا معنی جرات کرنا ہے یعنی اس کے کرنے میں کوئی جرات نہیں ہے۔ کیونکہ یہ امر مشروع ہے۔ اور اس میں اس پر دلالت ہے کہ اس کے فاعل کو اجز نہیں دیا جائے گا اور نہ وہ اس کے ساتھ گنہگار ہوگا۔ اسے ”حموی“ نے ”المفتاح“

بَلْبَسِ الْقَلَانِسَ غَيْرَ حَرِيرٍ وَكَرْبَاسٍ عَلَيْهِ إِبْرَيْسَمَ فَوْقَ أَرْبَعِ أَصَابِعٍ سَرَّاجِيَّةً وَصَحَّ أَنَّهُ حَرَمَ لُبْسُهَا
وَوُذِّبَ لُبْسُ السَّوَادِ وَإِذَا سَالَ ذَنْبُ الْعِمَامَةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ إِلَى وَسْطِ الظَّهْرِ وَقِيلَ لِمَوْضِعِ الْجُدُوسِ وَقِيلَ
شَبْرٌ (وَيُكْرَهُ) أَيْ لِلرَّجَالِ كَمَا مَرَرْنَا بِبَابِ الْكِرَاهِيَةِ (لُبْسُ الْمُعْصِفِ وَالْمُزْعَفِ) لِقَوْلِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ
عَنْهُمَا وَنَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُبْسِ الْمُعْصِفِ

کوئی حرج نہیں ہے جبکہ وہ ریشم یا ایسا کپڑا جس پر چار انگلیوں سے زیادہ ریشم لگا ہو سے نہ بنی ہوئی ہوں۔ ”سراجیہ“۔ اور یہ
صحیح ہے کہ ریشم کی بنی ہوئی پہننا حرام ہے۔ اور سیاہ لباس پہننا اور پگڑی کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان پیٹھ کے درمیان
تک چھوڑنا مستحب ہے، اور بعض نے کہا ہے: بیٹھنے کے مقام تک اور بعض نے کہا ہے: ایک بالشت شملہ مستحب ہے اور
مردوں کے لیے جیسا کہ باب الکرہیۃ میں گزر چکا ہے۔ کسم اور زعفران سے رنگا ہوا لباس پہننا مکروہ ہے، کیونکہ حضرت ابن
عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے: ”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں کسم سے رنگا ہوا لباس پہننے سے منع فرمایا ہے

سے نقل کیا ہے۔ ”طحاوی“۔

میں کہتا ہوں: اس کا غالب استعمال ان امور میں ہوتا ہے جنہیں ترک کرنا اولیٰ اور بہتر ہوتا ہے۔

37175۔ (قوله: الْقَلَانِسِ) یہ قلنسو کی جمع ہے یہ لفظ قاف کے فتح کے ساتھ ہے۔ یعنی کانوں والی ٹوپی جو پگڑی

کے نیچے پہنی جاتی ہے۔ ”طحاوی“۔

37176۔ (قوله: غَيْرَ حَرِيرٍ) جبکہ وہ ریشم کی نہ ہو الخ، یہ ”مسکین“ کے قول کا رد ہے اس حیثیت سے کہ انہوں

نے کہا ہے: لفظ جمع ریشم، سونے، چاندی، کھڈر، سیاہ اور سرخ بھی قسم کی ٹوپی کو شامل ہے۔

37177۔ (قوله: وَصَحَّ أَنَّهُ حَرَمَ لُبْسُهَا) اور یہ صحیح ہے کہ آپ ﷺ نے اسے پہنا ہے، اسی طرح بعض نسخوں

میں ہے، اور اسی کی مثل ”الدر المنقی“ میں ہے: یعنی آپ نے ٹوپیاں پہنی ہیں۔ اور ”مصنف“ اور ”زیلعی“ نے اسے

”الذخیرہ“ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور بعض نسخوں میں ہے: اور یہ صحیح ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں یعنی ریشم اور سونے کی

ٹوپیاں پہننے کو حرام قرار دیا ہے۔ تامل۔

سیاہ و سرخ لباس پہننے کا شرعی حکم

37178۔ (قوله: وَذُنِبَ لُبْسُ السَّوَادِ) اور سیاہ لباس پہننا مستحب ہے۔ کیونکہ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے ”السیر الکبیر“

باب الغنائم میں ایک حدیث ذکر کی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ سیاہ لباس پہننا مستحب ہے۔ اور یہ کہ جو کوئی اپنی پگڑی

نئے سرے سے باندھنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے ایک ایک بل کر کے کھولے۔ کیونکہ یہ طریقہ اس سے اچھا ہے

کہ وہ ایک ہی بار سر سے اٹھا کر اسے زمین پر پھینک دے اور یہ کہ پگڑی کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑنا مستحب

ہے۔ اس کی مکمل بحث ”زیلعی“ میں ہے۔

وَقَالَ إِيَّاكُمْ وَالْأُحْصَرَفَانَهُ زِيُّ الشَّيْطَانِ وَيُسْتَحَبُّ التَّجَلُّلُ وَأَبَاكَ اللَّهُ الزَّيْنَةُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ الْآيَةَ وَخَرَجَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِذَاءُ قِيَمَتُهُ أَلْفُ دِينَارٍ زَيْدَعِي (وَلِلشَّابِّ الْعَالِمِ أَنْ يَتَقَدَّمَ عَلَى الشَّيْخِ الْجَاهِلِ)

اور ارشاد فرمایا ہے: تم سرخ سے بچو کیونکہ وہ شیطان کا لباس ہے۔ اور زیب و زینت کا اہتمام کرنا مستحب ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد کے ساتھ زینت کو مباح قرار دیا ہے: قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ الْآيَةَ (اعراف: 32)۔ (آپ فرمائیے کس نے حرام کیا زینت کو جو پیدا کی اس نے اپنے بندوں کے لیے الخ) اور آپ ﷺ باہر تشریف لائے اس حال میں کہ آپ جو چادر لیے ہوئے تھے اس کی قیمت ایک ہزار دینار تھی۔ ”زیلعی“۔ اور جو ان عالم کو بوڑھے جاہل پر مقدم کرنا مباح ہے

37179۔ (قوله: وَقَالَ إِيَّاكُمْ وَالْأُحْصَرَفَانَهُ) اور فرمایا: تم سرخ سے بچو، جو ”زیلعی“ میں ہے: إِيَّاكُمْ وَالْأُحْصَرَفَانَهُ کیونکہ یہ

شیطان کا لباس ہے۔

زیب و زینت اختیار کرنے کا استحباب

37180۔ (قوله: وَيُسْتَحَبُّ التَّجَلُّلُ الخ) اور زیب و زینت کرنا مستحب ہے، حضور نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان الله تعالى اذا أنعم على عبده أحب أن يرى أثر نعمته عليه (1) (بے شک اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے پر انعام و احسان فرماتا ہے تو وہ پسند کرتا ہے کہ وہ اس پر اپنی نعمت کا اثر دیکھے)۔ اور امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ ایسی چادر لیا کرتے تھے جس کی قیمت چار سو دینار تھی۔ اور آپ اپنے اصحاب کو اس کے بارے میں تلقین کرتے رہتے تھے اور فرماتے تھے، کیونکہ لوگ تمہاری طرف رحمت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ انتہائی نفیس اور عمدہ لباس پہنتے تھے، اور فرماتے تھے: بلاشبہ میری بیویاں اور لونڈیاں ہیں، میں اپنے آپ کو مزین رکھتا ہوں تاکہ وہ میرے سوا کسی کی طرف نہ دیکھیں۔ ایک شیخ سے عرض کی گئی: کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسی قمیص نہیں پہنتے تھے جس پر اتنے پیوند لگے ہوتے تھے؟ تو آپ نے فرمایا: آپ حکمت کے سبب ایسا کرتے تھے وہ یہ کہ آپ امیر المؤمنین تھے، اور آپ کے عمال آپ کی اقتدا کرتے تھے، اور بسا اوقات ان کے پاس مال نہ ہوگا تو پھر وہ مسلمانوں سے (بالجبر) لیں گے۔ ”ذخیرہ“، ملخصاً۔

37181۔ (قوله: قِيَمَتُهُ أَلْفُ دِينَارٍ) اس کی قیمت ایک ہزار دینار تھی، ”شارح“ نے ”مصنف“ کی اتباع کی

ہے، اور وہ جو ”زیلعی“ میں ہے: وہ ایک ہزار درہم مذکور ہے۔

عالم کی فضیلت

37182۔ (قوله: وَلِلشَّابِّ الْعَالِمِ أَنْ يَتَقَدَّمَ الخ) اور نو جوان عالم کے لیے آگے ہونا مباح ہے الخ، کیونکہ وہ

1۔ کنز العمال، الباب الاول في الترغيب، جلد 6، صفحہ 640، حدیث نمبر 17173، مکتبہ التراث الاسلامی

وَلَوْ قَرِئَتْ شَيْئًا قَالَ تَعَالَى وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ - فَالرَّافِعُ هُوَ اللَّهُ فَمَنْ يَضَعُهُ يَضَعُهُ اللَّهُ فِي جَهَنَّمَ وَهُمْ أُولُو الْأُمْرِ عَلَى الْأَصَحِّ وَوَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ بِلاَ خِلَافٍ (اخْتَصَبَ لِأَجْلِ التَّزْيِينِ لِلنِّسَاءِ وَالْجَوَارِي جَازَ فِي الْأَصَحِّ وَيُكْرَهُهُ بِالسَّوَادِ)

اگرچہ وہ بوڑھا قریشی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ۔ اور وہ بلندی عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے، پس جو انہیں گھٹیا اور ذلیل جانے گا اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں ڈالے گا۔ اور اصح قول کے مطابق وہی اولوالامر ہیں اور بلا اختلاف وہی انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے وارث ہیں۔ کسی نے عورتوں اور اپنی حلال لونڈیوں کے لیے زیب و زینت کے واسطے خضاب لگایا تو اصح قول کے مطابق یہ جائز ہے اور سیاہ خضاب لگانا مکروہ ہے

اس سے افضل ہے، اسی لیے اسے نماز میں مقدم کیا جاتا ہے۔ اور وہ (نماز) ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے، اور وہ ایمان کے بعد متصل ہے۔ ”زیلعی“۔

اور ”الرملی“ نے اپنے فتاویٰ میں جاہل کو عالم پر مقدم کرنے کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے۔ اس لیے کہ یہ اس کے درجہ کو عوام الناس کے نزدیک کم کرنے کا شعور دلاتا ہے اور اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مخالف ہے: يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (المجادلہ: 11) (اللہ تعالیٰ ان کے جوتم میں سے ایمان لے آئے اور جن کو علم دیا گیا درجات بلند فرمادے گا۔) یہاں تک کہ یہ کہا: اس پر اجماع کیا گیا ہے۔ پس مقدم کرنے والے نے معصیت کا ارتکاب کیا ہے اسے تعزیر لگائی جائے گی۔

37183۔ (قوله: فَمَنْ يَضَعُهُ) یعنی جو عالم کی تذلیل کرے گا۔

37184۔ (قوله: وَهُمْ أُولُو الْأُمْرِ عَلَى الْأَصَحِّ) یعنی تفسیری اقوال میں سے اصح قول کے مطابق وہی اولی الامر ہیں جو کہ اس ارشاد باری تعالیٰ کے تحت ذکر کئے گئے ہیں: أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اپنے میں سے اولی الامر کی) جیسا کہ اسے ”زیلعی“ نے ذکر کیا ہے۔ اور ”المنح“ میں ”البرزازیہ“ سے ہے: اور ”الزندویستی“ نے کہا ہے: جاہل پر عالم کا حق اور شاگرد پر استاد کا حق ایک اور برابر برابر ہے، اور وہ یہ کہ وہ اس سے پہلے کلام کا آغاز نہ کرے، اور وہ اس کی عدم موجودگی میں اس کی جگہ پر نہ بیٹھے، اور اس پر اس کا کلام نہ دے، اور چلنے میں اس سے آگے نہ چلے، اور بیوی پر خاوند کا حق اس سے بھی زیادہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ وہ ہر مباح عمل میں اس کی اطاعت کرے۔ اور خلف سے منقول ہے کہ شدید زلزلہ آیا تو انہوں نے طلباء کو دعا کرنے کا حکم دیا۔ تو اس بارے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: ان میں سے نیک دوسرے نیک لوگوں سے بہتر ہیں۔ اور ان کا شر دوسروں کے شر سے بہتر ہے۔

سیاہ خضاب کا شرعی حکم

37185۔ (قوله: جَازَ فِي الْأَصَحِّ) اصح قول کے مطابق جائز ہے، اور یہی حضرت امام ”ابو یوسف“ رضی اللہ عنہ سے مروی

وَقِيلَ لَا وَمَرَّ فِي الْحَظَرِ (كَمَا يَجُوزُ أَنْ يَأْكُلَ مُتَّكِئًا) فِي الصَّحِيحِ لِمَا رَوَى أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ مُتَّكِئًا مَجْمَعُ الْفَتَاوَى (أَخَذَتْهُ الزَّلْزَلَةُ فِي بَيْتِهِ فَفَرَّ إِلَى الْقَضَاءِ لَا يَكْرَهُ) بَلْ يَسْتَحِقُّ

اور بعض نے کہا: مکروہ نہیں ہے۔ اور یہ کتاب الحظر میں گزر چکا ہے۔ جیسا کہ یہ جائز ہے کہ وہ تکیہ لگا کر کھانا کھائے۔ یہی صحیح روایت ہے اس لیے کہ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے تکیہ لگا کر کھانا کھایا۔ ”مجمع الفتاویٰ“۔ کسی کے گھر میں زلزلہ شروع ہو گیا اور وہ باہر صحن اور میدان کی طرف بھاگ گیا تو یہ مکروہ نہیں ہے بلکہ وہ اس کا مستحق ہے

ہے۔ تحقیق آپ نے فرمایا: مجھے یہ پسند ہے کہ میری بیوی میرے لیے بناؤ سنگار کرے جیسا کہ اسے یہ پسند ہے کہ میں اس کے لیے زیب و زینت کروں۔ اور اس صحیح یہ ہے کہ جنگ وغیرہ میں اس کا کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اس بارے میں روایت مختلف ہے کہ حضور نبی مکرم ﷺ نے اپنی عمر مبارک میں ایسا کیا۔ اور اس صحیح یہ ہے کہ نہیں۔ اور ”الحیظ“ میں سیاہ خضاب کے بارے میں تفصیل ہے۔ عام مشائخ نے کہا ہے: بلاشبہ یہ مکروہ ہے۔ اور بعض نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ یہ امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ رہا سرخ خضاب تو وہ مردوں کے لیے سنت ہے بالخصوص مسلمانوں کے لیے۔ ”منح“، ملخصاً۔ اور ”الاکمل“ کی ”شرح المشارق“ میں ہے: اور مختار یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کسی وقت خضاب کیا اور اکثر اوقات اسے چھوڑ دیا۔ اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ مہندی اور رسمہ کے ساتھ رنگنا اچھا ہے جیسا کہ ”الخانیہ“ میں ہے۔ امام ”النووی“ نے کہا ہے: اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ مرد اور عورت کے لیے اپنے بڑھاپے کو زرد یا سرخ رنگ کے ساتھ خضاب کرنا مستحب ہے، اور اسے سیاہ رنگ کا خضاب لگانا اصح قول کے مطابق حرام ہے، کیونکہ حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: غَيِّرُوا هَذَا الشَّيْبَ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ (1) (تم اس بڑھاپے کو تبدیل کرو اور سیاہ رنگ سے اجتناب کرو)۔ ”حموی“ نے کہا ہے: اور یہ حکم ان کے لیے ہے جو جنگ میں شریک ہونے والے نہ ہوں۔ اور لشکریوں کے حق میں رعب اور خوف پیدا کرنے کے لیے حرام نہیں ہے۔ اور شاید یہی ان کا محمل ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جنہوں نے یہ فعل کیا۔ ”طحاوی“۔

ٹیک لگا کر کھانا کھانا جائز ہے

37186۔ (قوله: كَمَا يَجُوزُ أَنْ يَأْكُلَ مُتَّكِئًا فِي الصَّحِيحِ) جیسا کہ یہ جائز ہے کہ وہ تکیہ لگا کر کھائے یہ صحیح روایت

میں ہے، ہم نے پہلے کتاب الحظر میں ذکر کر دیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ مختار مذہب میں ہے یعنی اسے ترک کرنا اولیٰ ہے۔ اور یہ تب ہے جب وہ تکبر کی وجہ سے نہ ہو ورنہ وہ حرام ہے۔

37187۔ (قوله: لِمَا رَوَى الْخ) اس لیے کہ جو ”صحیح البخاری“ وغیرہ میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ”میں ٹیک

لگا کر نہیں کھاتا (2)“۔ ”ابن حجر“ نے ”شرح الشمائل“ میں امام ”نسائی“ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: حضور نبی مکرم ﷺ

1۔ سنن نسائی، کتاب الزینة، باب نہی عن الخضاب بالسواد، جلد 3، صفحہ 441، حدیث نمبر 4988

2۔ صحیح بخاری، کتاب الاطعمة، باب الاكل متکئاً، جلد 3، صفحہ 205، حدیث نمبر 4979

لِفَرَارِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَائِطِ الْمَائِلِ (وَإِذَا خَرَجَ مِنْ بَلَدَةٍ بِهَا الطَّاعُونَ

اور اس کے لیے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھکی ہوئی دیوار سے فرار کی وجہ سے یہ امر مستحب ہے۔ اور جب وہ اس شہر سے نکلے جس میں طاعون (وبا) ہو:

کو تکیہ لگا کر کھاتے ہوئے کبھی بھی نہیں دیکھا گیا۔ لیکن ”ابن ابی شیبہ“ نے حضرت ”مجاہد“ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے ایک بار تکیہ لگائے ہوئے کھایا۔ بلاشبہ یہ صحیح ہے اور یہ زیادتی مقبول ہے۔ اور اس کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جسے انہوں نے ”ابن شاہین“ سے اور انہوں نے ”عشاء بن یسار“ سے روایت کیا ہے: حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکیہ لگا کر کھاتے دیکھا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منع کیا۔ اور اکثر ائمہ نے اتکا کی تفسیر دو جانبوں میں سے ایک کی طرف جھکنے کے ساتھ کی ہے کیونکہ یہ کیفیت کھانے والے کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ اور ضعیف سند کے ساتھ وارد ہے: حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ آدمی کھاتے وقت اپنے بائیں ہاتھ پر ٹیک لگائے (1)۔ امام ”مالک“ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے: اور یہ بھی اتکا (تکیہ لگانے) کی ایک قسم ہے۔ اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ (تکیہ لگانا) کسی معین صفت اور حالت کے ساتھ مختص نہیں۔ ملخصاً۔ اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکیہ لگائے ہوئے کھایا اور پھر اسے چھوڑ دیا جب اس سے منع کیا گیا۔ پس اس میں جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ ہاں بعض شافعیہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ اور ان کے نزدیک اصح یہ ہے کہ وہ عام ہے۔ ”علقمی“ نے ”جامع صغیر“ کی شرح میں کہا ہے: اتکا کی صفت اور حالت میں اختلاف ہے، پس بعض نے کہا ہے کہ یہ کھانے کے لیے بیٹھنے پر قادر ہونا ہے کسی بھی صفت پر ہو، اور بعض نے کہا ہے: وہ کسی ایک پہلو پر جھک جائے۔ بعض نے کہا ہے: وہ بائیں ہاتھ کے ساتھ زمین پر ٹیک لگانا ہے۔ ان میں سے پہلا قول معتمد علیہ ہے اور وہ دوسرے دونوں قولوں کو شامل ہے۔ اور اس کے ترک کرنے میں حکمت یہ ہے کہ یہ عجبی حکمرانوں اور بڑوں کا فعل ہے، اور یہ کہ یہ زیادہ کھانے کی طرف داعی ہے، کھانے کے لیے بیٹھنے کی حالتوں میں سے بہترین حالت سرین کے بل بیٹھنا اور گھٹنوں کو کھڑا کرنا ہے، پھر گھٹنوں کے بل دوزانو بیٹھنا اور پاؤں کو ظاہر کرنا ہے، پھر دائیں ناگ و کھڑا کرنا اور بائیں پر بیٹھنا ہے۔ اس کی مکمل بحث اسی میں ہے۔

فرع

”الکنز“ کے آخر میں ہے: حافظ قرآن کو چاہیے کہ وہ ہر چالیس دن میں ایک بار قرآن کریم ختم کرے۔ واللہ اعلم

طاعون زدہ شہر سے نکلنے کا شرعی حکم

37188۔ (قوله: وَإِذَا خَرَجَ مِنْ بَلَدَةٍ بِهَا الطَّاعُونَ) اور جب وہ اس شہر سے نکلے جس میں وبا ہو، اس میں اس

عبارت کی زیادتی مناسب ہے۔ او دخل یا وہ اس میں داخل ہو، تا کہ وہ اپنے مابعد کلام کے مناسب ہو جائے۔ ”طحطاوی“۔

1۔ مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح (مترجم) باب (تکیہ لگا کر نہ کھانا، جلد 8، صفحہ 148، مکتبہ رحمانیہ

فَإِنْ عَلِمَ أَنَّ كُلَّ شَيْءٍ بِقَدَرِ اللَّهِ تَعَالَى فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَخْرُجَ وَيَدْخُلَ وَإِنْ كَانَ عِنْدَهُ أَنَّهُ لَوْ خَرَجَ نَجَا وَلَوْ دَخَلَ أُبْتُلِيَ بِهِ كُرَّةً لَهُ ذَلِكَ) فَلَا يَدْخُلُ وَلَا يَخْرُجُ صِيَانَةً لِاعْتِقَادِهِ وَعَلَيْهِ حُجْلُ النَّهْيِ فِي الْحَدِيثِ الشَّرِيفِ مَجْمَعُ الْفَتَاوَى (فَقِيَهُ فِي بَلَدَةٍ لَيْسَ فِيهَا غَيْرُهُ أَفْقَهُ مِنْهُ يُرِيدُ أَنْ يَغْزُو لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ) بَرَّازِيَّةٌ وَغَيْرُهَا (قَضَى الْمَدْيُونُ الدَّيْنَ الْمَوْجَلَّ قَبْلَ الْحُلُولِ أَوْ مَاتَ) فَحَلَّ بِمَوْتِهِ (فَأَخَذَ مِنْ تَرَكَتِهِ لَا يَأْخُذُ مِنَ الْمُرَابَحَةِ الَّتِي جَرَتْ بَيْنَهُمَا إِلَّا بِقَدَرِ مَا مَضَى مِنَ الْيَوْمِ وَهُوَ جَوَابُ الْمُتَأَخِّرِينَ) قُنْيَةٌ

تو اگر اس کا نظریہ یہ ہو کہ ہر شے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ ہوتی ہے تو پھر کوئی حرج نہیں کہ وہ وہاں سے نکلے اور اس میں داخل ہو۔ اور اگر اس کا نظریہ یہ ہو کہ اگر وہ وہاں سے نکلا تو نجات پا جائے گا اور اگر اس میں داخل ہوا تو اس میں مبتلا ہو جائے گا تو یہ اس کے لیے مکروہ ہے۔ پس وہ اپنے اعتقاد کو بچانے کے لیے نہ اس میں داخل ہو اور نہ وہاں سے نکلے، اور اسی پر اس نبی کو محمول کیا گیا ہے جو حدیث شریف میں مذکور ہے۔ ”مجمع الفتاویٰ“۔ ایک شہر میں ایک فقیہ ہو اس میں اس سے بڑھ کر اور کوئی فقیہ نہ ہو اور وہ جہاد میں جانے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کے لیے یہ جائز نہیں۔ ”بزازیہ“ وغیرہ۔ مدیون (مقروض) نے دین موجب مقررہ مدت آنے سے پہلے ادا کر دیا یا وہ فوت ہو گیا اور وہ قرض اس کی موت کے ساتھ دین حال ہو گیا تو وہ اس کے ترکہ سے لے لے وہ اس منفعت سے نہیں لے گا جو ان دونوں (دائن اور مدیون) کے درمیان قائم ہوئی مگر صرف اتنی مقدار جو دن گزر چکے ہیں، اور یہی متاخرین کا جواب ہے۔ ”قنیہ“۔

37189۔ (قوله: لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ) اس کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں، یہ حکم تب ہے جب وہ جہاد فرض عین نہ ہو، کیونکہ مسلمانوں کو اس کا نفع اس جہاد کے ثواب سے کہیں زیادہ ہے جو اس صفت کے ساتھ ہو یعنی فرض عین نہ ہو بلکہ فرض کفایہ ہو۔
37190۔ (قوله: قَضَى الْمَدْيُونُ الْخ) مدیون ادا کر دے الخ، اس نے یہ فائدہ دیا ہے کہ دین جب موجب ہو اور مدیون مقررہ مدت آنے سے پہلے اسے ادا کر دے تو دائن (قرض خواہ) کو قبول کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے جیسا کہ ”الخانیہ“ میں ہے۔

37191۔ (قوله: لَا يَأْخُذُ مِنَ الْمُرَابَحَةِ الْخ) وہ منفعت سے نہیں لے گا، الخ اس کی صورت یہ ہے: اس نے کوئی شے دس درہم نقد کے عوض خریدی اور دوسرے کو بیس درہم کے عوض ادھار بیچ دی اور اس کی مدت دس مہینے مقرر کی، پس جب وہ اسے پانچ مہینے مکمل ہونے کے بعد ادا کر دے یا اس کے بعد وہ فوت ہو جائے تو وہ منافع میں سے پانچ درہم لے لے اور پانچ چھوڑ دے۔ ”طحاوی“۔

میں کہتا ہوں: اور یہ ظاہر ہے کہ اس کی مثل وہ ہے کہ اگر وہ اسے قرض دے اور اسے ثمن معلوم کے ساتھ سامان بیچ دے اور اس کی مدت مقرر کر دے تو اس کے لیے سامان کے ثمن میں سے صرف اتنے دنوں کی مقدار کا حساب لگایا جائے گا جو گزر چکے ہیں۔ تامل۔

وَبِهِ أَفْتَى الْمَرْحُومُ أَبُو السُّعُودِ أَفَنْدَى مُفْتَى الرُّومِ وَعَلَّلَهُ بِالرَّفَقِ لِلْجَانِبَيْنِ وَقَدْ قَدَّمْتُهُ قَبْلَ فَضْلِ الْقَرْضِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ فَرَأَى فِي آخِرِ الْكَنْزِ يَنْبَغِي لِحَافِظِ الْقُرْآنِ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ يَوْمًا أَنْ يَخْتِمَ مَرَّةً وَاللَّهُ أَعْلَمُ

اور اسی کے مطابق مرحوم ”ابو السعد و افندی“ مفتی الروم نے فتویٰ دیا ہے۔ اور اس کی علت دونوں جانبوں کے لیے نرمی کو قرار دیا ہے۔ اور میں نے اسے فصل القرض سے پہلے بیان کر دیا ہے۔ واللہ اعلم۔ فرع: الكنز کے آخر میں ہے حافظ قرآن کو چاہیے کہ وہ چالیس دنوں میں ایک دفعہ قرآن حکیم ختم کرے۔ واللہ اعلم

37192۔ (قوله: وَعَلَّلَهُ الْخ) علامہ ”حانوتی“ نے ربا کے شبہ سے دوری کے ساتھ اس کی علت بیان کی ہے، کیونکہ یہ ربا کے باب میں حقیقت کے ساتھ ملحق ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نفع اجل (مدت) کے مقابلہ میں ہے، کیونکہ اجل اگرچہ مال نہیں ہے اور ثمن میں سے کوئی شے اس کے مقابل نہیں ہوتی لیکن فقہاء نے مرابحہ میں اسے مال شمار کیا ہے جب اجل (مدت) ثمن کی زیادتی کے مقابلہ میں ذکر کی جائے۔ پس اگر وہ کل ثمن مدت گزرنے سے پہلے لے لے تو اس کا لینا بلا عوض ہو گا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

کتاب الفرائض

ہی عِلْمٌ بِأُصُولٍ مِنْ فِقْهِهِ وَحِسَابٍ تُعَرِّفُ حَقَّ كُلِّ مِنَ التَّرِكَةِ وَالْحُقُوقِ هَاهُنَا خَمْسَةٌ بِإِسْتِقْرَاءٍ لِأَنَّ الْحَقَّ إِمَّا لِلنَّيِّتِ أَوْ عَلَيْهِ أَوْ لَا وَلَا الْأَوَّلُ التَّجْهِيزُ وَالثَّانِي إِمَّا أَنْ يَتَعَلَّقَ بِالذِّمَّةِ وَهُوَ الدِّينُ الْمُبْطَلُ أَوْ لَا وَهُوَ الْمُتَعَلِّقُ بِالْعَيْنِ وَالثَّالِثُ إِمَّا اخْتِيَارِيٌّ وَهُوَ الْوَصِيَّةُ أَوْ اضْطِرَّارِيٌّ وَهُوَ الْبِيرَاثُ وَسَبْعٌ فَرَايِضُ

فرائض کا بیان

یہ فقہ اور حساب کے ایسے اصولوں کا علم ہے جن کے ساتھ ترکہ میں سے ہر وارث کا حق معلوم ہوتا ہے۔ اور یہاں حقوق پانچ ہیں۔ یہ استقرا سے معلوم ہوا ہے۔ کیونکہ حق یا تو میت کے لیے ہوگا یا میت پر ہوگا یا نہ یہ ہوگا اور نہ وہ ہوگا۔ پہلا تجہیز ہے۔ اور دوسرا یا تو ذمہ سے متعلق ہوگا۔ اور وہ دین مطلق ہے یا نہ ہوگا اور وہ وہ ہے جو عین سے متعلق ہو۔ اور تیسرا یا اختیاری ہوگا اور وہ وصیت ہے یا اضطراری ہوگا اور وہ میراث ہے۔ اور اسے فرائض کا نام دیا گیا ہے

اس کی مناسبت وصیت کے ساتھ یہ ہے کہ وہ اخت میراث ہے، اور اس لیے کہ وہ مرض موت میں واقع ہوتی ہے، اور میراث کی تقسیم اس کے بعد ہوتی ہے اسی لیے اسے اس سے موخر ذکر کیا گیا ہے۔ پھر فرائض فریضہ کی جمع ہے، اور یہ وہ ہوتا ہے جو مکلف پر فرض ہوتا ہے۔ اور فرائض الابل سے مراد وہ ہیں جو اونٹوں میں فرض ہوتے ہیں جیسا کہ بچیس اونٹوں میں ایک بنت مخاض۔ اور ہر مقدار اور مقرر کو فرائض کا نام دیا گیا ہے۔ پس میراث کے حصوں کو بھی فرائض کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ اپنے اصحاب کے لیے مقدار اور مقرر ہوتے ہیں۔ پھر مسائل میراث کے علم کو علم الفرائض کہا گیا ہے۔ اور اس کے عالم کو فرضی، فارض اور فرض کہا جاتا ہے۔ ”مغرب“۔

علم الفرائض کی تعریف، ارکان شرائط اور اصول

37193۔ (قولہ: ہٰی عِلْمٌ بِأُصُولِ الْخ) یعنی یہ ایسے قواعد و ضوابط کا علم ہے جو ورثہ میں سے ہر ایک کا حق بیان کرتے ہیں یعنی اس مقدار کو جس کا ترکہ میں سے وہ مستحق ہوتا ہے۔ اور اس میں کوئی خفا نہیں ہے کہ ان اصولوں میں سے جو ذکر کے ساتھ متصف ہیں ایسے اصول بھی ہیں جو میراث اور حجب سے منع کے ساتھ متعلق ہیں، بلکہ یہی اس میں عمدہ اور اصل ہیں۔ کیونکہ ان کے بغیر حقوق معلوم نہیں ہو سکتے۔ اسی لیے فقہانے کہا ہے: جسے ان کے بارے مہارت نہ ہو اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ حصہ تقسیم کرے۔ اور ان میں وارث کے صاحب فرض یا عصبہ یا ذی رحم ہونے کی معرفت، اور اسباب میراث، ضرب، تصحیح، عول، رد اور دیگر امور کی معرفت داخل ہیں۔ فافہم۔

لَاَنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَسَمَهُ بِنَفْسِهِ وَأَوْضَحَهُ وَضُوحَ النَّهَارِ بِشَنْسِهِ وَلِذَا سَأَلَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِصْفَ الْعِلْمِ لِثُبُوتِهِ بِالنِّصِّ لَا غَيْرُهُ وَأَمَّا غَيْرُهُ

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بذات خود اسے تقسیم کیا ہے اور اسے اس طرح واضح اور ظاہر کر دیا ہے جیسے آفتاب کے ساتھ دن کو روشن اور ظاہر کیا ہے۔ اور اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نصف علم قرار دیا ہے کیونکہ اس کا ثبوت نص سے ہے نہ کہ کسی اور سے۔ اور رہے اس کے علاوہ دیگر علوم

اور فرائض سے مراد مقررہ حصص ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے۔ پس اس میں عصبات اور ذورحم داخل ہیں کیونکہ ان کے حصص مقرر ہیں اگرچہ وہ تقدیر غیر صریح کے ساتھ ہیں۔ اور اس علم کا موضوع ترکات ہے۔ اور اس کی غایت: حقوق کو ان کے اصحاب تک پہنچانا ہے۔ اور اس کے ارکان تین ہیں: وارث، مورث اور موروث (وہ شے جس کا وارث بنایا جائے)۔ اور اس کی شرائط تین ہیں: مورث کا فوت ہونا حقیقتاً ہو یا حکماً جیسے مفقود (گمشدہ)، یا تقدیراً ہو جیسا کہ جنین جس میں غرہ ہو، اور اس کی موت کے وقت وارث کا موجود ہونا چاہے وہ حقیقتاً زندہ ہو یا تقدیراً جیسا کہ حمل، اور اس کی جہت ارث کا معلوم ہونا اور اس کے اسباب اور موانع عنقریب آئیں گے۔ اور اس کے اصول تین ہیں: کتاب اللہ، سنت پس نانی کی وراثت حضرت مغیرہ اور حضرت ابن سلمہ رضی اللہ عنہما کی شہادت سے ثابت ہے، اور اجماع امت چنانچہ دادی کی وراثت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد سے ثابت ہے جو عموم اجماع میں داخل ہے، اور پھر اسی پر اجماع ہوا ہے۔ اور یہاں قیاس کا کوئی عمل دخل نہیں بخلاف اس کے جسے دادی میں اس کا گمان ہوا ہے۔ تحقیق تو نے اس کا جواب اور ان اصولوں سے اس کی استمداد کو جان لیا ہے۔ اسے ”الدرر المستقی“ میں بیان کیا ہے۔

37194۔ (قوله: لَاَنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَسَمَهُ) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے تقسیم کیا ہے۔ اس میں اولیٰ لفظ قدَرَا ہے جیسا کہ ”زیلعی“ نے کہا ہے کیونکہ وہ فرض کے معنی میں ہے۔ تامل۔

37195۔ (قوله: بِنَفْسِهِ) بذات خود، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی تقدیر کسی مقرب فرشتے اور کسی نبی مرسل کے سپرد نہیں کی بخلاف دیگر تمام احکام کے جیسا کہ نماز، زکوٰۃ اور حج وغیرہ۔ کیونکہ ان کے بارے میں نصوص مجمل ہیں، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَأَقِمُْوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (الحج: 78) (اے دین حق کے علمبردارو! صحیح صحیح ادا کیا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ) وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ (آل عمران: 97) (اور اللہ کے لیے فرض ہے لوگوں پر حج اس گھر کا) بلاشبہ سنت نے انہیں بیان کیا ہے۔ ”زیلعی“۔

علم الفرائض کا ثبوت

37196۔ (قوله: لِثُبُوتِهِ بِالنِّصِّ لَا غَيْرُهُ) اس لیے کہ اس کا ثبوت نص سے ہے نہ کہ نص کے علاوہ کسی اور سے۔ نص سے ارادہ اس کا کیا ہے جو اجماع کو شامل ہے۔ اور اس کے ساتھ قیاس سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ موارد میں قیاس

فَبِالنَّصِّ تَارَةً وَبِالنِّقَاسِ أُخْرَى وَقِيلَ لَتَعْلُقَهُ بِالنَّمُوتِ وَغَيْرُهُ بِالْحَيَاةِ أَوْ بِالضَّرُورِي وَغَيْرُهُ بِالِاخْتِيَارِي

تو وہ کبھی نص سے ثابت ہوتے ہیں اور کبھی قیاس سے۔ اور کہا گیا ہے: اس لیے کہ اس کا تعلق موت کے ساتھ ہے اور دیگر کا تعلق حیات کے ساتھ ہے، یا اس کا تعلق ضروری کے ساتھ ہے اور دیگر کا اختیاری کے ساتھ۔

جاری نہیں ہوتا اس لیے کہ مقدرات (مقررہ حصص) میں اس کے لیے کوئی مال نہیں۔ کیونکہ ایک مقدار کے ساتھ دوسری کے بغیر تخصیص میں حکمت کی وجہ مخفی ہے، پھر بلاشبہ یہ علت کی علت ہے۔ اور اولیٰ یہ کہنا ہے: اولش بوتہ یا اس کے ثابت ہونے کی وجہ سے تو اس طرح یہ اس علم کا نام نصف علم رکھنے کی دوسری علت ہو جائے گی۔ اور وجہ تسمیہ میں اس کے علاوہ بھی کہا گیا ہے جو انہوں نے ذکر کیا ہے۔ اور کہا گیا ہے: بلاشبہ یہ ان میں سے ہے جس کے معنی کا ادراک نہیں ہو سکتا لہذا اس بارے تصدیق کی جائے گی کہ یہ نصف علم ہے، اور ہم اس کی وجہ کے بارے میں بحث نہیں کریں گے۔ پھر تو جان کہ وجوہ میں سے جو انہوں نے ذکر کی ہیں وہ اس پر مبنی ہیں کہ نصف سے ایک شے کی دو قسموں میں سے ایک مراد لی جاتی ہے، کیونکہ ہر شے کے تحت دو قسمیں ہیں، ان میں سے ایک اس کا ایک نصف ہے اگرچہ وہ دونوں تعداد میں متحد اور برابر نہ ہوں۔ اسی میں سے امام ”احمد“ رحمہ اللہ کی بیان کردہ حدیث ہے: الطهور نصف الايمان (1) (وضو (طہارت) نصف ایمان ہے) اور عربوں کا قول ہے: نصف السنة حضرة نصفها سفر (سال کا نصف حضر ہے اور اس کا نصف سفر ہے) یعنی وہ دو زمانوں میں منقسم ہوتا ہے اگرچہ ان کی تعداد متفاوت ہے۔ اور قاضی ”شریح“ کا قول ہے کہ انہیں کہا گیا آپ نے صبح کیسے کی ہے؟ تو انہوں نے کہا: أصبحت و نصف الناس على غضبان (میں نے صبح اس حال میں کی کہ نصف لوگ مجھ پر غصے میں تھے) وہ ارادہ یہ کر رہے ہیں کہ لوگ محکوم لہ اور محکوم علیہ کے درمیان منقسم ہیں محکوم لہ راضی ہیں اور محکوم علیہ ناراض ہیں۔ اور شاعر کا قول ہے: [الطويل]

اِذَا مِتُّ كَانَ النَّاسُ نِصْفَانِ شَامِتٌ وَ آخَرُ رَاضٍ بِالَّذِي كُنْتُ أَصْنَعُ

جب میں فوت ہوں گا تو لوگ دو نصفوں میں منقسم ہوں گے ایک نصف ناراض ہوں گے اور میری موت پر خوش ہوں گے اور دوسرا نصف اس سے راضی اور خوش ہوگا جو میں کرتا رہا۔

اور حضرت ”مجاہد“ رحمہ اللہ کا قول ہے: البضضة والاستنشاق نصف الوضوء کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا نصف وضو ہے۔ یعنی اس کی دو قسمیں ہیں ایک باطن کے بعض کو پاک کرنے والی ہے اور دوسری ظاہر کے بعض کو پاک کرنے والی ہے۔ اسے ”ابن حجر“ نے ”الاربعین“ کی شرح میں بیان کیا ہے۔

37197۔ (قوله: فَبِالنَّصِّ) یہاں نص سے مراد وہ ہے جو اجماع کو شامل ہوتی ہے۔

37198۔ (قوله: أَوْ بِالضَّرُورِي) یا اس کا تعلق ضروری کے ساتھ ہے یعنی ارث اور اختیاری کے ساتھ جیسا کہ بیع،

شرع اور ہبہ اور وصیت کو قبول کرنا۔

1۔ الترغیب والترہیب، کتاب الطہارات، باب الوضوء، جلد 1، صفحہ 108، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وَهَلْ إِرْثُ الْحَيِّ مِنَ الْحَيِّ أَمْ مِنَ الْمَيِّتِ؟ الْمُعْتَمَدُ الثَّانِي شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ وَيَبْدَأُ مِنْ تَرْكِهَ الْمَيِّتِ الْخَالِيَةِ عَنْ تَعَلُّقٍ حَقِّ الْغَيْرِ بِعَيْنِهَا كَالرَّهْنِ

اور کیا زندہ کو وراثت زندہ سے ملتی ہے یا میت سے؟ تو اس میں معتمد علیہ دوسرا قول ہے۔ ”شرح وہبانیہ“۔ میت کے اس ترکہ سے جو غیر کے اس کے عین کے ساتھ تعلق سے خالی ہو جیسا کہ رہن،

کیا زندہ زندہ سے میراث حاصل کرتا ہے یا مردہ سے؟

37199۔ (قوله: وَهَلْ إِرْثُ الْحَيِّ مِنَ الْحَيِّ الْخ) کیا زندہ زندہ سے میراث حاصل کرتا ہے یا مردہ سے؟ یعنی اس کی زندگی کے اجزاء میں سے آخری جز میں موت سے تھوڑا پہلے۔ پہلا امام ”زفر“ اور مشائخ عراق کا قول ہے، اور دوسرا ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کا قول ہے۔ اور اختلاف کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ اگر وہ اپنے مورث کی لونڈی سے شادی کرے اور اس کے سوا کوئی وارث نہ ہو اور وہ اسے کہے: جب تیرا آقا فوت ہوگا تو تو آزاد ہے۔ تو پہلے قول کے مطابق وہ آزاد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس نے آزادی کی اضافت موت کی طرف کی ہے اور ملک اس کے لیے اس سے پہلے ثابت ہے۔ اور دوسرے قول کے مطابق وہ آزاد نہیں ہوگی، کیونکہ ملکیت اس کے بعد ثابت ہوتی ہے۔ اسے ”شرح الوہبانیہ“ میں بیان کیا ہے۔ اور ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا اگر وارث اس کی طلاق کو اس کے آقا کی موت کے ساتھ معلق کرے جیسا کہ ”البیہری“ نے ”السراجیہ“ سے اس پر نص بیان کی ہے۔

میں کہتا ہوں: اور اسی لیے زوج کے ساتھ اس کی صورت بیان کرنے کا فائدہ ظاہر ہوتا ہے ورنہ تو عتق کو معلق کرنا زوجیت پر موقوف نہیں ہوتا۔ تامل۔

37200۔ (قوله: الْمُعْتَمَدُ الثَّانِي) معتمد علیہ دوسرا قول ہے۔ اور اسی طرح ”الطرا بلسی“ نے ”سکب الانہر“ میں ذکر کیا ہے کہ اسی پر اعتماد ہے، لیکن ”الدرا لمشتقی“ میں ”التاثر خانیہ“ سے ذکر کیا ہے کہ اعتماد پہلے قول پر ہے۔

37201۔ (قوله: الْخَالِيَةِ الْخ) یہ صفت کاشفہ ہے، کیونکہ اصطلاح میں ترکہ وہ مال ہوتا ہے جسے میت چھوڑے در آنحالیکہ وہ اموال میں سے کسی عین کے ساتھ غیر کے حق کے تعلق سے خالی اور صاف ہو جیسا کہ ”شرح السراجیہ“ میں ہے۔ اور تو جان! کہ ترکہ میں وہ دیت بھی داخل ہے جو قتل خطا کے ساتھ یا قتل عمد کی صلح کے ساتھ یا بعض اولیاء کے معاف کر دینے کے سبب قصاص کے مال میں بدل جانے کے ساتھ واجب ہو۔ اور میت کے قرضے ترکہ سے ادا کئے جائیں گے اور اس کی وصیتیں بھی اسی سے نافذ ہوں گی جیسا کہ ”الذخیرہ“ میں ہے۔

37202۔ (قوله: بِعَيْنِهَا) یہ ”مصنف“ کے قول: ”تعلق“ سے متعلق ہے۔

37203۔ (قوله: كَالرَّهْنِ الْخ) یہ اس عین کی مثال ہے جس کے ساتھ غیر کا حق متعلق ہے۔ پس جب وہ کوئی شے رہن رکھے اور اسے حوالے کر دے وہ اس کے سوا کچھ نہ چھوڑے تو مرہن کا دین اس تجہیز پر مقدم ہے۔ پس اگر اس کے

وَالْعَبْدُ الْجَانِي وَالْمَأْذُونُ الْمَدْيُونُ وَالْمَبِيعُ الْمَحْبُوسُ بِالشَّئْنِ

جنایت کرنے والا غلام، عبد ماذون و مدیون، اور وہ بیع جسے شمن کے سبب روک لیا گیا ہو،

بعد کوئی شے باقی بچی تو وہ اس پر صرف کی جائے گی۔

37204۔ (قوله: وَالْعَبْدُ الْجَانِي) یعنی وہ غلام جس نے اپنے آقا کی زندگی میں جنایت کی ہو اور اس کا اس کے سوا کوئی مال نہ ہو تو بلاشبہ مجنی علیہ (جس پر جرم کیا جائے) آقا سے اس کا زیادہ حقدار ہے۔ مگر یہ کہ جنایت کی دیت ادا کرنے کے بعد کوئی شے فالتو بیچ جائے۔

تنبیہ

اگر جنایت کرنے والا غلام ہی مرہون بھی ہو تو مجنی علیہ کا حق زیادہ اور مقدم ہوگا۔ کیونکہ وہ غلام کے ذمہ ثابت ہونے کی وجہ سے اقویٰ ہے، اور مرہن کا حق راہن کے ذمہ میں ہے اور وہ غلام کی ذات کے ساتھ متعلق ہے نہ کہ اس کے ذمہ میں ہے۔ اسے ”یعقوب پاشا“ نے سید ”شریف“ کی ”شرح السراجیہ“ کے حاشیہ میں ذکر کیا ہے۔ وہ امور جنہیں تکلفین پر مقدم کیا جائے گا

37205۔ (قوله: وَالْمَأْذُونُ الْمَدْيُونُ) یعنی جب آقا فوت ہو جائے اور اس کا اس عبد ماذون مدیون کے سوا کوئی مال نہ ہو تو قرض خواہوں کو تجہیز پر مقدم کیا جائے گا۔

37206۔ (قوله: وَالْمَبِيعُ الْمَحْبُوسُ بِالشَّئْنِ) اور وہ بیع جسے شمن کے سبب روک لیا جائے جیسا کہ اگر کوئی غلام خریدے اور اس پر قبضہ نہ کرے اور پھر شمن ادا کرنے سے پہلے فوت ہو جائے، تو بائع مشتری کی تجہیز کی نسبت غلام کا زیادہ حقدار ہے۔ ”یعقوب پاشا“ نے کہا ہے: لیکن جب بیع مشتری کے قبضہ میں ہو اور وہ شمن ادا کرنے سے پہلے ہی فوت ہو گیا تو وہ اس کے رجوع (لوٹانے) سے ابتدا کرے گا نہ کہ مطلقاً۔ بلکہ جب حقوق لازمہ میں سے کوئی شے اس کے ساتھ متعلق نہ ہو جیسا کہ جب مشتری اسے مکاتب بنالے یا اسے رہن رکھ دے یا وہ اسے ام ولد بنالے یا وہ بیع کسی غیر کے خلاف جنایت کا ارتکاب کرے تو اس وقت قومی مانع کی وجہ سے اس کے لیے رجوع کا حق ثابت نہیں ہوگا یہاں تک کہ اگر مکاتب عاجز آ جائے اور وہ غلامی کی طرف لوٹ جائے یا وہ رہن چھڑالے یا جنایت کا فدیہ ادا کر دے تو پھر اس مانع کے زائل ہونے کی وجہ سے اس کے لیے رجوع کا حق ہے۔ اور اسی کی مثل ”طحاوی“ نے ”السید“ کی شرح پر ”حاشیہ عجم زادہ“ سے نقل کیا ہے۔ پھر کہا ہے: اور تو اسے فقہاء کے اس قول کے ساتھ دیکھ کہ ہمارے نزدیک اس میں بائع غراء (قرض خواہ) کے ساتھ برابر کا شریک ہے: یعنی اس صورت میں جب مشتری بیع پر قبضہ کر لے اور اس میں انہوں نے صرف امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کا اختلاف ذکر کیا ہے جیسا کہ خیار شرط سے تھوڑا پہلے گزر چکا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ کتب شافعیہ سے ماخوذ ہے۔ پس چاہیے کہ اس پر آگاہی رہے۔

وَالدَّارِ الْمُسْتَأْجَرَةِ وَإِنَّمَا قُدِّمَتْ عَلَى التَّكْفِينِ لِتَعْلُقِهَا بِالنَّالِ قَبْلَ صَيُورَتِهِ تَرَكَةً (بِتَجْهِيزِهِ) يَعْظُمُ التَّكْفِينُ (مِنْ غَيْرِ تَقْتِيرٍ وَلَا تَبْذِيرٍ)

اجرت پر لیا ہوا گھر۔ ابتدا اس کی تجہیز سے کی جائے گی۔ اور بلاشبہ مذکورہ امور کو تکفین پر مقدم کیا جائے گا اس لیے کہ مال کے ساتھ ان کا تعلق اس کے ترکہ ہونے سے پہلے ہے۔ تجہیز کا لفظ تکفین کو بھی شامل ہے۔ اور اس کے ترکہ سے بغیر کسی کمی اور اسراف کے تجہیز و تکفین سے ابتدا کی جائے

37207۔ (قوله: وَالِدَارِ الْمُسْتَأْجَرَةِ) کیونکہ جب پہلے اس نے اجرت ادا کر دی، پھر اجارہ پر دینے والا فوت ہو گیا تو یہاں یہ گھر اجرت پر ہو گیا۔ (لہذا اس کے حق کو تجہیز پر مقدم کیا جائیگا)۔ علامہ ”طحطاوی“ نے کہا ہے: ”روح الشرح“ میں جو ذکر کیا گیا ہے اس پر یہ زائد ہے کہ وہ غلام جسے مہر بنایا گیا یعنی جب خاوند فوت ہو جائے اور وہ اس کے پاس ہی ہو اور اس کے سوا اس کا کوئی مال نہ ہو تو بلاشبہ زوجہ کا حق خاوند کی تجہیز پر مقدم کیا جائے گا، اور وہ جس پر بیع فاسد کے ساتھ قبضہ کیا جائے جب بائع بیع فسخ کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو اس میں مشتری کو بائع کی تجہیز پر مقدم کیا جائے گا۔

37208۔ (قوله: وَإِنَّمَا قُدِّمَتْ الْخ) یعنی یہ وہ حقوق ہیں جو ان اعیان کے ساتھ متعلق ہیں (انہیں مقدم کیا جائے گا)۔ اور اس میں اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ حق جسے زندگی میں مقدم کیا جاتا ہے اسے وفات میں مقدم کیا جائے گا۔ ”در منتهی“۔ اور انہیں تجہیز پر مقدم کرنا ہی وہ ہے جس پر ”المعراج“ میں اعتماد اور یقین کیا ہے۔ اور اسی طرح ”الکنز“ اور ”السراجیہ“ کے شرح نے کہا ہے، بلکہ ”السراجیہ“ کے بعض شارحین نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے۔ پس وہ جو ”مسکین“ نے ذکر کیا ہے کہ وہ ایک روایت ہے اور صحیح تجہیز کو مقدم کرنا ہے۔ ”الدر المنتهی“ میں کہا ہے: اس میں نظر ہے۔ بلکہ ان کی تعلیل اس کا فائدہ دیتی ہے کہ وہ بالکل ترکہ نہیں ہے۔ پس اسے متون کے اس اطلاق پر رد نہیں کیا جائے گا کہ ترکہ سے ابتدا تجہیز سے کی جائے گی۔

37209۔ (قوله: بِتَجْهِيزِهِ) اس کی تجہیز کے ساتھ، اور اسی طرح اس کی تجہیز سے جس کا نفقہ (خرچہ) اس پر لازم ہوتا ہے، جیسا کہ بیٹا جو اس سے پہلے فوت ہو گیا اگرچہ ایک لمحہ ہی ہو اور اس کی بیوی اگرچہ وہ غنیہ اور خوشحال ہو۔ یہی معتمد علیہ قول ہے۔ ”در منتهی“۔

37210۔ (قوله: يَعْظُمُ التَّكْفِينُ) وہ تکفین کو بھی شامل ہے، گویا کہ وہ اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ”سراجیہ“ کا قول ہے: یبدأ بتکفینہ و تجہیزہ یعنی اس کی تکفین و تجہیز سے ابتدا کی جائے گی یہ عام کا عطف خاص پر ہے۔

37211۔ (قوله: مِنْ غَيْرِ تَقْتِيرٍ وَلَا تَبْذِيرٍ) تقصیر یعنی کمی کرنے کو کہتے ہیں، اور تبذیر کا استعمال اسراف (فضول خرچی) کے معنی میں مشہور ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان فرق ہے، اور وہ یہ ہے کہ اسراف کسی شے کو اسی میں خرچ کرنا ہے جہاں اسے خرچ کرنا چاہیے لیکن وہ خرچ ضرورت سے زیادہ ہو۔ اور تبذیر کسی شے کو اس میں خرچ کرنا ہے جہاں اسے خرچ نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے بارے ”الکرمانی“ نے ”شرح البخاری یعقوب“ میں تصریح کی ہے۔ اور اسی بنا

كَكْفَنِ السُّنَّةِ أَوْ قَدَّرَ مَا كَانَ يَلْبَسُهُ فِي حَيَاتِهِ وَلَوْ هَلَكَ كَفْنُهُ فَلَوْ قَبْلَ تَفْسُخِهِ كُفِّنَ مَرَّةً بَعْدَ أُخْرَى وَكُلُّهُ مِنْ كُلِّ مَالِهِ (ثُمَّ) تَقَدَّمُ (دُيُونُهُ) الَّتِي لَهَا مُطَالِبٌ مِنْ جِهَةِ الْعِبَادِ

جیسا کہ کفن سنت یا اتنی مقدار جو وہ اپنی زندگی میں پہنتا تھا۔ اور اگر اس کا کفن ہلاک یعنی چوری ہو جائے تو اگر وہ اس کے پھٹنے سے پہلے ہو تو اسے یکے بعد دیگرے کفن پہنایا جائے اور یہ سب اس کے کل مال سے ہوگا، پھر اس کے ان قرضوں کو پہلے ادا کیا جائے جن کا مطالبہ بندوں کی جانب سے ہو

پر اسے تہذیر کے بدلے اسراف کے ساتھ تعبیر کرنا زیادہ مناسب ہے تاکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے موافق ہو جائے: وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا (الفرقان: 67) (اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ کنجوسی) لیکن مشہور کی رعایت کی گئی ہے۔

37212۔ (قوله: كَكْفَنِ السُّنَّةِ) یعنی جیسا کہ عدد کے اعتبار سے کفن سنت، اور ”شارح“ کا قول: أَوْ قَدَّرَ مَا كَانَ يَلْبَسُهُ فِي حَيَاتِهِ یہ قیمت کی حیثیت سے ہے، اور اس میں اذ بمعنی داد ہے۔ ”سکب الانہر“ میں کہا ہے: پھر اسراف کی عدد کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں اس طرح کہ مرد میں کفن تین کپڑوں سے زیادہ ہو، اور عورت میں پانچ کپڑوں سے زیادہ ہو۔ اور قیمت کی حیثیت سے اس طرح ہے کہ اسے ایسے کپڑے میں کفن پہنایا جائے جس کی قیمت مثلاً نوے درہم ہو حالانکہ وہ اپنی زندگی میں ساٹھ درہم والا کپڑا پہنتا ہو۔ اور تقیر کی بھی اسراف کے برعکس عدد اور قیمت کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں۔ اور یہ تب ہے جب وہ اس بارے وصیت نہ کرے۔ اور اگر وہ وصیت کرے تو پھر ثلث سے کفن مثل پر زیادتی کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور اسی طرح ہے اگر ورثاء یا کوئی اجنبی اس کے ساتھ تبرع اور احسان کرے۔ اور قیمت کے اعتبار سے زیادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن عدد کے اعتبار سے نہیں۔ اور کیا قرض خواہوں کو کفن مثل سے روکنے کا اختیار ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں، اور صحیح یہ ہے کہ ہاں (وہ منع کر سکتا ہے)۔ ”در منشی“: پس اسے کفن کفایہ پہنایا جائے گا اور وہ مرد کے لیے دو کپڑے ہیں اور عورت کے لیے تین۔ ”ابن کمال“۔

37213۔ (قوله: أَوْ قَدَّرَ مَا كَانَ يَلْبَسُهُ فِي حَيَاتِهِ) اور اس طرح کا کپڑا جو وہ اپنی زندگی میں پہنا کرتا ہے، یعنی اس کے کپڑوں میں سے اوسط قسم کے کپڑے کے ساتھ اسے کفن دیا جائے۔ یا ایسے کپڑے کے ساتھ جس سے وہ عیدوں، جمعوں اور ملاقاتوں میں اپنے آپ کو آراستہ کرتا تھا۔ اور یہ فقہاء کے اس بارے اختلاف ہونے کی بنا پر ہے۔ ”زیلعی“۔

37214۔ (قوله: وَلَوْ هَلَكَ كَفْنُهُ الْخ) اور اگر اس کا کفن ضائع ہو جائے۔ ”سکب الانہر“ میں کہا ہے: جب کفن چور میت کی قبر اکھیڑے اور اس کا کفن اتار لے تو پھر اسے تین کپڑوں میں کفن پہنایا جائے گا اگرچہ تیسری یا چوتھی بار ہو جب تک وہ تازہ ہو۔ اور اس کے غسل اور اس پر نماز جنازہ کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر وہ پھٹ جائے تو پھر اسے ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جائے ہمارے نزدیک یہ سب اس کے اصل مال سے ہوگا۔ اگرچہ اس پر دین ہو مگر یہ کہ غراء (قرض خواہ) ترکہ پر

وَيُقَدَّمُ دَيْنُ الصَّحَّةِ عَلَى دَيْنِ الْمَرَضِ إِنَّ جُهْلَ سَبَبِهِ وَإِلَّا فَسَيَّانٍ كَمَا بَسَطَهُ السَّيِّدُ، (وَأَمَّا دَيْنُ اللَّهِ تَعَالَى فَإِنْ أَوْصَى بِهِ

اور اس میں حالت صحت کے قرضوں کو حالت مرض کے قرضوں پر مقدم کیا جائے گا اگر اس کا سبب مجہول ہو، ورنہ دونوں برابر ہوں گے جیسا کہ ”السید“ نے اس کی وضاحت کی ہے۔ اور رہا اللہ تعالیٰ کا دین! تو اگر اس نے اس کے بارے وصیت کی

قبضہ کر لیں، تو پھر وہ ان سے واپس نہیں لوٹایا جائے گا۔ اور اگر اس کا مال تقسیم کر دیا گیا تو پھر ہر وارث پر اس کے حصے کی مقدار کے مطابق ہوگا لیکن غرماء اور اصحاب وصیت پر نہیں ہوگا کیونکہ وہ اجنبی ہیں۔ اور ورثاء کو متبرع کا کفن قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں انہیں عار لاحق ہوتی ہے، مگر جب ورثاء صغار اور نابالغ ہوں تو اس وقت اگر امام مصلحت دیکھے تو اسے قبول کر لے مگر یہ کہ بذات خود اس کے قیام اور اہتمام کو اختیار کریں تو اس وقت انہیں بدرجہ اولیٰ اختیار ہوگا مگر یہ کہ ان میں سے بڑے پسند کریں۔ تامل۔

37215۔ (قوله: وَيُقَدَّمُ دَيْنُ الصَّحَّةِ) اور حالت صحت کے قرض کو مقدم کیا جائے گا، یہ وہ ہے جو مطلقاً بینہ یا اقرار کے ساتھ حالت صحت میں ثابت ہو۔ ”طحطاوی“۔ اور کبھی بعض کو بعض پر ترجیح دی جاتی ہے جیسے اجنبی کے دین کو جو کہ مکاتب پر ہو جو مال کتابت ادا کرنے سے پہلے فوت ہو گیا ہو اسے آقا کے دین پر مقدم کیا جائے گا، اور جیسا کہ وہ دین جو کسی نصرانی پر مسلمانوں کی شہادت کے ساتھ ثابت ہو تو اسے اس قرض پر مقدم کیا جائے گا جو اس پر اہل ذمہ کی شہادت سے ثابت ہو، اور وہ قرض جو اس پر مسلمان کے دعویٰ کے ساتھ ثابت ہو اسے اس قرض پر مقدم کیا جائے گا جو اس پر کافر کے دعویٰ کے ساتھ ثابت ہو بشرطیکہ دونوں کے گواہ کافر ہوں یا صرف کافر کے گواہ کافر ہوں۔ لیکن جب دونوں کے گواہ مسلمان ہوں یا صرف کافر کے گواہ مسلمان ہوں تو پھر دونوں مساوی اور برابر ہوں گے۔ جیسا کہ ”الربلی“ کے حاشیہ ”البحر“ کتاب الشہادات میں ہے۔ فافہم

37216۔ (قوله: عَلَى دَيْنِ الْمَرَضِ) حالت مرض کے دین پر۔ یہ وہ ہے جو حالت مرض میں یا اس میں جو مرض کے حکم میں ہے اس کے اقرار کے ساتھ ثابت ہو، جیسا کہ دعوت مبارزت دینے کے لیے نکلتے وقت اقرار کرنا یا جب اسے قصاصاً یا رجماً قتل کرنے کے لیے نکالا جائے تو وہ اقرار کرے۔ اسے ”طحطاوی“ نے ”عجم زادة“ سے نقل کیا ہے۔

37217۔ (قوله: إِنَّ جُهْلَ سَبَبِهِ) اگر اس کا سبب مجہول ہو، لیکن جب معلوم ہو اس طرح کہ وہ اپنی حالت مرض میں قرض کے بارے اقرار کرے اور اس کا ثبوت بطریق معاینہ معلوم ہو۔ جیسا کہ وہ مملوکہ مال کے بدل کے طور پر واجب ہو یا وہ اسے ہلاک کر دے تو وہ فی الحقیقت دین صحت میں سے ہو گیا۔ کیونکہ اس کا وجوب اس کے اقرار کے بغیر معلوم ہے۔ پس اسی لیے حکم میں دونوں مساوی ہیں۔ ”سید“۔

37218۔ (قوله: وَأَمَّا دَيْنُ اللَّهِ تَعَالَى) رہا اللہ تعالیٰ کا دین، ”مصنف“ کے قول من جهة العباد کے ساتھ اسی سے احتراز کیا گیا ہے۔ اور وہ زکوٰۃ اور کفارات وغیرہ ہیں۔ ”زیلعی“ نے کہا ہے: چونکہ وہ موت کے ساتھ ساقط ہو جاتے

وَجَبَ تَنْفِيزُهُ مِنْ ثُلُثِ الْبَاقِي وَإِلَّا لَأُتِمَّ تَقْدُّمُ (وَصِيَّتُهُ) وَلَوْ مُطْلَقَةً عَلَى الصَّحِيحِ

تو باقی ثلث سے اسے نافذ کرنا واجب ہے، ورنہ نہیں۔ پھر اس کی وصیت کو مقدم کیا جائے گا اگرچہ وہ مطلق ہو یہ صحیح قول کے مطابق ہے

ہیں اس لیے ان کی ادائیگی ورثاء پر لازم نہیں ہوتی۔ مگر جب وہ ان کے بارے وصیت کرے یا وہ اپنی طرف سے بطور تبرع اسے ادا کریں۔ کیونکہ عبادات میں رکن مکلف کی نیت اور اس کا فعل ہے، اور وہ اپنی موت کے ساتھ فوت ہوا ہے۔ پس واجب کے باقی ہونے کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس کی مکمل بحث اسی میں ہے۔

میں کہتا ہوں: اور تعلیل کا ظاہر یہ ہے کہ ورثاء اگر اس کے ساتھ تبرع کریں تو اس کی طرف سے نیت نہ ہونے کی وجہ سے اس سے واجب ساقط نہیں ہوگا، اور اس لیے بھی کہ اس کی اجازت کے بغیر ان کا فعل اس کے فعل کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ تاہل 37219۔ (قوله: مِنْ ثُلُثِ الْبَاقِي) باقی کے ثلث سے، یعنی اس کے ثلث سے جو سابقہ حقوق سے اور بندوں کے دین سے فالتونج جائے۔ کیونکہ بندوں کے دین کو مقدم کیا جاتا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے ساتھ جمع ہو جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ غنی ہے اور ہم فقراء ہیں جیسا کہ ”الدر المنبتی“ میں ہے۔

37220۔ (قوله: ثُمَّ تَقْدُّمُ وَصِيَّتُهُ) یعنی پھر اس کی وصیت کو ورثاء کے درمیان ترکہ کی تقسیم پر مقدم کیا جائے گا۔ ”زیلعی“ نے کہا ہے: پھر یہ معنی میں ورثاء پر تقدیم نہیں ہے بلکہ وہ (موصی لہ) ان کا شریک ہے۔ یہاں تک کہ جب شے اس کے حوالے کر دی گئی اور ورثاء کو اس سے دو گنا یا اس سے زیادہ دے دیا گیا اور ایسا کرنا ضروری ہے تو یہ فی الحقیقت تقدیم نہیں بخلاف تجہیز اور قرض کی ادائیگی کے۔ کیونکہ ورثاء اور موصی لہ صرف وہی لیتے ہیں جو ان دونوں سے فالتونج جائے۔

37221۔ (قوله: وَلَوْ مُطْلَقَةً عَلَى الصَّحِيحِ) اگرچہ وہ وصیت مطلقہ ہو، یہ صحیح قول کی بنا پر ہے، اسی طرح ”السید“ وغیرہ نے کہا ہے۔ پھر کہا ہے: اور شیخ الاسلام ”خواہر زادہ“ نے کہا ہے: اگر وصیت معینہ ہو تو وہ تقسیم میراث پر مقدم ہوگی، اور اگر مطلقہ ہو جیسا کہ اگر وہ اپنے ثلث مال یا چوتھائی حصہ کے بارے وصیت کرے تو وہ میراث کے معنی میں ہوگی، اس لیے کہ وہ ترکہ میں مشترک ہے۔ پس موصی لہ ورثاء کا شریک ہوگا ان پر مقدم نہیں ہوگا۔ اور یہ اس میں اس کے حق کے مشترک ہونے پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ وارث کا حق کہ جب وصیت کے بعد مال زیادہ ہو جائے گا تو دونوں کا حق بھی بڑھ جائے گا، اور جب مال کم ہو جائے گا تو دونوں کے حق میں بھی کمی واقع ہو جائے گی، یہاں تک کہ جب وصیت کے وقت اس کا مال مثلاً ایک ہزار ہو پھر وہ دو ہزار ہو جائے تو اس کے لیے دو ہزار کا ثلث ہوگا، اور اگر اس کا برعکس ہو تو اس کے لیے ایک ہزار کا ثلث ہوگا۔

”اکمل“ نے کہا ہے: شاید صواب اسی کے ساتھ ہے۔ کیونکہ اس میں تقدیم کا تصور موصی لہ کے حق کو صورت اور معنی کے متعلق کرنے سے کیا جاتا ہے جبکہ وہ ثلث سے نکلے۔ پس یہ اس کی صورت کے ساتھ وارث کے حق کے تعلق کے مانع ہے۔ پس وہی ورثاء پر تقدیم ہے۔ لیکن جب وصیت مطلقہ ہو تو وہاں تقدیم کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

خِلَافًا لَهَا اخْتَارَ كُفًى (مِنْ ثَلَاثٍ مَا بَقِيَ) بَعْدَ تَجْهِيزِهِ وَدُيُونِهِ

بخلاف اس کے جسے ”الاختیار“ میں اختیار کیا ہے۔ یعنی میت کی تجہیز کے بعد اور اس کے قرض ادا کرنے کے بعد باقی کے ثلث سے (وصیت پر عمل کیا جائے گا)۔

37222۔ (قولہ: خِلَافًا لَهَا اخْتَارَ كُفًى (مِنْ ثَلَاثٍ مَا بَقِيَ) یہ اس کے خلاف ہے جو ”الاختیار“ میں ”شیخ الاسلام“ کا سابقہ قول اختیار کیا ہے۔ اور اس کا بیان یہ ہے: پس اگر وصیت معین شے کے بارے ہو تو ثلث سے اس کا اعتبار کیا جائے گا اور وہ اسی میں نافذ ہوگی۔ اور اگر وہ جزء مشترک جیسے ثلث اور ربع وغیرہ کے بارے ہو تو موصی لہ وراثۃ کے ساتھ شریک ہوگا اور ترکہ کے زیادہ ہونے کے ساتھ اس کا حصہ بڑھ جائے گا اور اس کے کم ہونے کے ساتھ مال کے حساب سے اس کا حصہ بھی کم ہو جائے گا۔ اور موصی لہ کا حصہ اسی طرح نکالا جائے گا جیسے وارث کا حصہ نکالا جاتا ہے اور اسے وراثۃ کے درمیان ترکہ کی تقسیم پر مقدم کیا جائے گا اس آیت کی وجہ سے جو ہم نے تلاوت کی ہے۔

حاصل کلام

حاصل یہ ہے کہ معین شے جیسے دار اور کپڑا وغیرہ کے بارے وصیت میں وصی کو مقدم کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس معنی میں کہ وہ وصیت جب تہائی مال سے نکل آئے تو وراثۃ کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ پس اسے اکیلے الگ کیا جائے گا اور اس کے سوا باقی مال وراثۃ کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔ اور رہی وصیت مطلقہ! پس جس نے اس طرف دیکھا کہ وہ ترکہ میں شریک ہے اور اس کے بڑھنے کے ساتھ بڑھ جاتی ہے اور اس کا برعکس تو اس نے یہ کہا ہے: اس (وصیت) میں تقدیم نہیں ہے بلکہ موصی لہ ہمیشہ وراثۃ کے ساتھ شریک ہے، اس معنی میں کہ اس کے لیے انفرادی طور پر اسے لینا ممکن نہیں اگرچہ وہ ترکہ کو مستغرق اور محیط ہو بخلاف دین وغیرہ کے۔ اور جس نے اس طرف دیکھا ہے کہ میراث کی تقسیم نہیں ہو سکتی مگر موصی لہ کا حصہ نکالنے کے بعد تو اس نے کہا ہے کہ وصیت مقدم ہے، کیونکہ اگر اس کا حصہ پہلے الگ نہ کیا جائے بلکہ اس کے وراثۃ کے ساتھ شریک ہونے کا اعتبار کیا جائے تو لازم آتا ہے کہ اس کا حصہ ان کے ساتھ تقسیم کیا جائے۔ گویا وہ ان میں سے ایک ہے اور اس کے لیے تہائی ترکہ ہے اور اس سے خلل لازم آئے گا۔ مثلاً اگر ایک عورت خاوند اور دو سگی بہنیں چھوڑے اور زید کے لیے تہائی مال کے بارے وصیت کرے تو موصی بہ ثلث پہلے نکالا جائے گا پس زید تین میں سے ایک حصہ لے گا پھر باقی سات سے تقسیم کیا جائے گا، تیس حصے خاوند کے ہوں گے اور چار دو سگی بہنوں کے۔ اور اگر اس طرح نہ کیا جائے تو پھر یہ لازم ہے کہ ترکہ نو سے تقسیم کیا جائے، پس موصی لہ دو لے گا، خاوند تین لے گا اور دو سگی بہنیں چار حصے لیں گی، تو اس میں موصی لہ کا حصہ کم ہو جائے گا۔ اور تو جب حقیقی نظرو فکر کرے گا تو تیرے لیے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ اختلاف لفظی ہے۔ کیونکہ دونوں قول کرنے والوں میں سے ہر ایک اسے تقسیم کرتا ہے جو دوسرے نے کہا ہے۔ بلاشبہ نزاع اس میں ہے کہ موصی لہ کے حصہ کو پہلے نکالنے کو کیا تقدیم کا نام دیا جائے گا یا نہیں؟ اور اس پر ”زیلعی“ کا سابقہ کلام دلالت کرتا ہے، اور اسی طرح صاحب ”اختیار“ کا کلام بھی ہے۔ کیونکہ وہ مشارکت کے

وَأَيْنَا قَدْ مَتْنَا فِي الْآيَةِ اهْتِمَامًا لِكُونِهَا مَظَنَّةَ التَّفْرِيطِ (ثُمَّ رَابِعًا بَلْ خَامِسًا) يُقَسِّمُ الْبَاقِي، بَعْدَ ذَلِكَ (بَيْنَ وَرَثَتِهِ) أَيْ الَّذِينَ ثَبَتَ إِرْثُهُمْ بِالْكِتَابِ أَوْ السُّنَّةِ كَقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَطْعِمُوا الْجَدَّاتِ بِالسُّدُسِ

اور آیت میں بلاشبہ اہتمام شان کے لیے وصیت کو مقدم کیا گیا ہے، اس لیے کہ وہ تفریط کے محل میں ہے۔ پھر چوتھے یا پانچویں مرتبہ میں باقیماندہ ترکہ کو اس کے بعد اس کے ان ورثا میں تقسیم کیا جائے گا جن کے لیے وراثت کتاب اللہ یا سنت سے ثابت ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: أَطْعِمُوا الْجَدَّاتِ بِالسُّدُسِ (1) کہ دادیوں کو چھٹا حصہ دو

قول میں ”شیخ الاسلام“ کے تابع ہیں۔ پھر یہ ذکر کیا ہے کہ موصی لہ کا حصہ ترکہ کی تقسیم پر مقدم کیا جائے گا۔ پس انہوں نے مشارکت اور تقدیم دونوں کو جمع کر دیا۔ تو اس تحقیق کو غنیمت جان جو فی الحقیقت قبول ہے۔ واللہ تعالیٰ ولی التوفیق۔

37223۔ (قوله: فِي الْآيَةِ) یعنی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں: مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ ذَيْنَ (النساء: 11) ((اور یہ تقسیم) اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد ہے جو میت نے کی اور قرض ادا کرنے کے بعد۔)

37224۔ (قوله: لِكُونِهَا مَظَنَّةَ التَّفْرِيطِ) اس لیے کہ وہ تفریط (کمی) کے محل میں ہے، کیونکہ وہ بلاعوض لی جاتی ہے اور وہ ورثاء پر شاق گزرتی ہے، اور اس کے ساتھ ان کے دل خوش نہیں ہوتے بخلاف قرض کے، یا اس لیے کہ وہ نیکی اور طاعت ہے، اور قرض اغلباً مذموم ہوتا ہے، اسی لیے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پناہ طلب کی ہے یا اس لیے کہ وصیت کا حکم مخاطبین کے نزدیک مجہول ہے بخلاف دین اور قرض کے۔ اور اس کی مکمل بحث ”سکب الانہر“ میں علامہ ”زمخشری“ سے منقول ہے۔

37225۔ (قوله: بَلْ خَامِسًا) بلکہ پانچویں مرتبہ میں، یہ تجہیز سے پہلے اس عین سے شروع کرنے کے اعتبار سے ہے جس کے ساتھ غیر کا حق متعلق ہو، لیکن پہلے یہ گزر چکا ہے کہ وہ ترکہ میں سے نہیں ہے۔ اور مراد ان حقوق کو بیان کرنا ہے جو ترکہ سے متعلق ہے، پس اس وقت وہ چار ہیں۔

37226۔ (قوله: يُقَسِّمُ الْبَاقِي) باقی تقسیم کر دیا جائے گا، یہاں یقصد نہیں کہا جیسا کہ اس سے پہلے کہا ہے، اس لیے کہ یہ حقوق میں سے آخری ہے پس اور کوئی باقی نہیں جس پر اسے مقدم کیا جائے۔

37227۔ (قوله: أَيْ الَّذِينَ ثَبَتَ إِرْثُهُمْ بِالْكِتَابِ) یعنی وہ جن کی وراثت قرآن کریم سے ثابت ہے، اور وہ ماں باپ، زوجین، بیٹے، بیٹیاں، بھائی اور بہنیں ہیں۔

37228۔ (قوله: أَوْ السُّنَّةِ) یا سنت سے، اُد کا کلمہ یہاں اور اس کے مابعد میں بطور مانعۃ الخلو ہے۔ پس یہ تینوں کے اجتماع پر صادق آتا ہے۔ اور سنت سے مراد وہ ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو چاہے وہ فعل ہو جیسا کہ پوتی اور سگی یا علاتی بہنوں کا صلبی بیٹی اور نانی کے ساتھ ہونا، یا وہ قول ہو جیسا کہ وہ مثال جو ”شارح“ نے بیان کی ہے۔ اسے ”سکب

1۔ سنن نسائی کبری، باب ذکر الجداث والاجداد و مقادیر تصیبتہم، جز 4، صفحہ 72، (قریب المعنی)

أَوْ الْإِجْمَاعَ فَجَعَلَ الْجَدَّ كَالْأَبِ وَالْبَنَ الْإِبْنَ كَالْبَنِ (وَيُسْتَحَقُّ الْإِرْثُ) وَلَوْ لِمُصْحَفٍ بِهِ يُفْتَى وَقِيلَ لَا يُورَثُ إِنَّمَا هُوَ لِلْقَارِي مَنْ وَلَدِيهِ صَيْرَفِيَّةٌ بِأَحَدٍ ثَلَاثَةً (بِرَحْمٍ وَنِكَاحٍ) صَحِيحٌ فَلَا تَوَارَثُ بِفَاسِدٍ وَلَا بَاطِلٍ إِجْمَاعًا

یا اجماع سے، پس دادے کو باپ کی مثل اور پوتے کو بیٹے کی مثل بنایا گیا ہے۔ اور وہ وراثت کا مستحق ہوتا ہے اگرچہ وہ مصحف ہی ہو، اسی پر فتویٰ ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: مصحف کا وارث نہیں بنایا جائے گا، بلاشبہ یہ اس کے بیٹوں میں سے قاری کے لیے ہوگا۔ ”صیرفیہ“۔ تین امور میں سے ایک کے ساتھ یعنی قرابت کے ساتھ، نکاح صحیح کے ساتھ، پس نکاح فاسد اور باطل ہونے کی صورت میں وہ بالا جماع ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں گے۔

الانہر“ میں بیان کیا ہے۔

37229۔ (قوله: أَوْ الْإِجْمَاعَ) یعنی حضور نبی رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت کے مجتہدین کی رائے کا کسی زمانہ میں حکم شرعی پر متفق ہو جانا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں اس سے مراد ایک مجتہد کا قول ہے، اور یہ کل کے اسم کا جز پر اطلاق کرنے کے قبیلے سے ہے جیسا کہ قرآن کریم کا اطلاق اس کی ہر آیت پر کیا جاتا ہے، تاکہ یہ انہیں بھی شامل ہو جائے جن کی وراثت میں اختلاف ہے جیسے ذوی الارحام۔ اور اس میں نظر ہے کیونکہ اس سے وہ خارج ہو جاتا ہے جس پر مجتہدین کی رائے متفق ہے اور اس لیے کہ جس کی وراثت میں اختلاف ہے تو اس کی دلیل اس کے قائل کے نزدیک کتاب اللہ یا سنت ہے، پس تاویل کی کوئی حاجت نہیں۔

37230۔ (قوله: فَجَعَلَ الْجَدَّ كَالْأَبِ الْخ) پس دادا کو باپ کی مثل قرار دیا ہے، اور جیسا کہ دادی کو ماں کی مثل، پوتی کو سببی بیٹی کی مثل، علاقائی بھائی کو سگے بھائی کی مثل، اور علاقائی بہن کو سگی بہن کی مثل قرار دیا گیا ہے۔ ”سکب الانہر“۔

37231۔ (قوله: وَيُسْتَحَقُّ) یہ صیغہ مجہول یا معروف ہے اور اس کی ضمیر وراثت کے لیے ہے جو کہ مقام سے سمجھا جا رہا ہے۔

37232۔ (قوله: بِأَحَدٍ ثَلَاثَةً) یعنی یہ کہ ان تین میں سے ہر ایک وراثت کے استحقاق کی علت ہے اس معنی میں کہ تینوں یا ان میں سے بعض کا اجتماع لازم نہیں۔ پس یہ ان میں سے دو کے ساتھ استحقاق کے حصول کے منافی نہیں جیسا کہ زوجہ جو چچا کی بیٹی ہو یا آزاد کردہ ہو تو اس سے خاوند زوجیت کے اعتبار سے نصف کا وارث ہوتا ہے اور باقی کا عصبہ ہونے کی حیثیت سے یا دلاء کی وجہ سے۔ فافہم۔

37233۔ (قوله: وَنِكَاحٍ صَحِيحٍ) اور نکاح صحیح کے ساتھ اگرچہ وہ وطی اور خلوت کے بغیر ہو۔ اس پر اجماع ہے۔ ”در منشی“۔

37234۔ (قوله: فَلَا تَوَارَثُ بِفَاسِدٍ) پس نکاح فاسد کے ساتھ وراثت حاصل نہیں ہوتی، اور یہ وہ ہوتا ہے جس

(وَوَلَاءٍ) وَالْمُسْتَحَقُّونَ لِلتَّرِكَةِ عَشْرَةُ أَصْنَافٍ مُرْتَبَةً كَمَا أَفَادَهُ بِقَوْلِهِ (فَيَبْدَأُ بِذَوِي الْفُرُوضِ)

اور ولا کے ساتھ۔ اور ترکہ کی مستحق بالترتیب دس اصناف ہیں جیسا کہ ”مصنف“ نے اسے اپنے آگے آنے والے قول کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پس ابتدا ذوی الفروض سے کی جائے گی

میں نکاح صحیح کی شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو جیسا کہ گواہ اور نہ نکاح کے ساتھ وراثت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ نکاح متعہ اور نکاح موقت اگرچہ مدت مجہول یا طویل ہو۔ یہ اصح قول ہے جیسا کہ یہ اپنے محل میں گزر چکا ہے۔
37235۔ (قوله: وَوَلَاءٍ) یعنی اس کی دونوں قسموں کے ساتھ اور وہ عتاق اور موالاة ہیں۔

ترکہ کے مستحقین کی اصناف

37236۔ (قوله: وَالْمُسْتَحَقُّونَ لِلتَّرِكَةِ عَشْرَةُ أَصْنَافٍ) اور ترکہ کے مستحقین کی دس اصناف ہیں، انہیں علامہ ”محمد بن الشنہ“ نے اسی ترتیب پر اپنی اس ”منظومہ فرضیہ“ میں جمع کیا ہے جس کی شرح ہمارے مشائخ کے شیخ فقیہ ”ابراہیم السامحانی“ نے لکھی ہے۔ پس انہوں نے کہا ہے: (الرجز)

يُعْطَى ذُووَالْفُرُوضِ ثُمَّ الْعَصْبَةُ ثُمَّ الَّذِي جَاءَ بَعْتَقِ الرِّقْبَةِ
ثُمَّ الَّذِي يَعْصِبُهُ كَالْجَدِّ ثُمَّ ذُووِ الْأَرْحَامِ بَعْدَ الزَّوْجِ
ثُمَّ مُحْتَلٌّ وَرَا مَوَالٍ ثُمَّ مُزَادٌ ثُمَّ بَيْتُ الْمَالِ

میراث ذوی الفروض کو دی جائے گی، پھر عصبہ کو پھر اسے جو غلام آزاد کرنے کے سبب عصبہ بنا، پھر اسے جسے وہ عصبہ بنائے جیسے دادا پھر رد کے بعد ذوی الارحام کو پھر موال کے بعد محمل کو، پھر مزاد کو اور پھر بیت المال کو۔ اس میں محمل سے مراد وہ لیا ہے جس کے لیے اس نے نسب کا اقرار کیا جسے غیر پر محمول کیا جا رہا تھا۔ اور مزاد سے مراد وہ موصی لہ ہے جس کے لیے ثلث سے زیادہ کی وصیت ہو۔

میں کہتا ہوں: جہاں عصبۃ المعق کا ذکر کیا ہے وہاں ساتھ ہی عصبۃ الموالی کا ذکر کرنا بھی مناسب تھا یعنی مولی الموالاة کا بھی، کیونکہ اس کے بعد وہ بھی وارث ہوتے ہیں جیسا کہ آگے آئے گا، پس کل اصناف گیارہ ہوں۔

تنبیہ

اسے ترکہ کے ساتھ مقید کیا ہے، کیونکہ وراثت اعیان مالیہ میں جاری ہوتی ہے۔ رہے حقوق! تو ان میں سے بعض کا وارث بنایا جاتا ہے جیسے بیع کو روکنے اور رہن کو روکنے (محبوس کرنے) کا حق۔ اور بعض وہ ہیں جن کا وارث نہیں بنایا جاتا جیسے حق شفیعہ، خیاری شرط، حد قذف اور نکاح یعنی حق تزویج جیسا کہ اگر شفیق بیٹا چھوڑ کر فوت ہو جائے اور پھر ایک علاقائی بھائی ہو تو حق بھائی کے لیے ہوگا نہ کہ بیٹے کے لیے، ولایات، عواری اور ودائع جیسا کہ اگر مستعیر (عاریہ پر لینے والا) فوت ہو جائے تو پھر اس کا وارث مستعیر نہیں ہوگا، اور اسی طرح مودع ہے، اسی طرح ہبہ سے رجوع کرنا ہے، اور اسی طرح ولایہ ہے جیسا کہ معق

أَيُّ السِّهَامِ الْمُقَدَّرَةِ وَهُمْ اثْنَا عَشَرَ مِنَ النَّسَبِ ثَلَاثَةٌ مِنَ الرِّجَالِ وَسَبْعَةٌ مِنَ النِّسَاءِ وَاثْنَانِ مِنَ النَّسَبِ وَهَذَا الزَّوْجَانِ

اور فروض سے مراد سہام مقدّرہ (مقررہ حصص) ہیں۔ اور وہ نسبی اعتبار سے بارہ ہیں۔ تین مردوں سے ہیں، سات عورتوں میں سے ہیں اور دو سبب بننے کے اعتبار سے ہیں اور وہ زوجین (خاوند، بیوی) ہیں۔

(آزاد کرنے والے) کے دو بیٹے ہوں، پھر ان میں سے ایک اس کے بعد بیٹا چھوڑ کر فوت ہو جائے تو دوا، باقی رہنے والے بیٹے کے لیے ہوگی۔ اور اگر یہ دو بیٹے چھوڑ کر فوت ہو جائے تو پھر دوا، ان دونوں کے درمیان اور پہلے بیٹے کے بیٹے کے درمیان تین حصوں میں تقسیم ہوگی گویا وہ تمام اپنے دادا کے وارث بنے ہیں نہ کہ اپنے آباء کے۔ اور اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ خیار قبول کا وارث نہیں بنایا جائے گا، اور اسی طرح اجارہ ہے، اور فضولی کی بیع میں اجازت کا حکم بھی اسی طرح ہے، اور اسی طرح اجل (ادھار وغیرہ کی مدت مقرر کرنا) بھی ہے۔

اور خیار عیب میں اختلاف ہے سو بعض نے کہا ہے: اس کا وارث بنایا جائے گا اور ”الدرر“ میں اسی پر اقتصار کیا گیا ہے، اور ”شرح الطحاوی“ نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے: یہ وارث کے لیے ابتدا سے ہی ثابت ہوتا ہے اور قصاص میں بھی اسی طرح کا اختلاف ہے۔ اور رہا خیار ردیۃ! تو اس میں صحیح قول یہ ہے کہ اس کا وارث بنایا جائے گا۔ اور جہاں تک تعلق خیار تعیین کا ہے جیسے اگر کوئی دو غلام اس شرط پر خریدے کہ اسے ان دو میں سے ایک میں خیار ہے تو فقہاء اس پر متفق ہیں کہ وہ وارث کے لیے ابتدا سے ہی ثابت ہوگا۔ اور اسی طرح خیار الوصف بھی بالا اجماع وارث کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جیسا کہ ”الفتح“ میں ہے۔ اور اسی سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ خیار تغیر کا وارث بنایا جائے گا، کیونکہ وہ وصف کے فوت ہونے کے مشابہ ہوتا ہے۔ اور علامہ ”المقدس“ بھی اسی کی طرف مائل ہیں۔ اور ”صاحب التنویر“ اس کے خلاف کی طرف مائل ہوئے ہیں، لیکن وہ اپنی ”منظومۃ الفقہیہ“ میں پہلے کی طرف مائل ہیں۔ اسے ”الاشباہ“ اور اس کی شرح جسے ہمارے شیخ علامہ ”بعلی“ نے لکھا ہے، سے ملخصاً اور مختصراً ذکر کیا ہے۔

مقرر حصص

37237۔ (قوله: أَيُّ السِّهَامِ الْمُقَدَّرَةِ) یعنی وہ حصص جو مقرر ہیں اور وہ یہ ہیں نصف، ربع (چوتھائی)، ثمن (آٹھواں حصہ)، ثلثان (دو تہائی)، ثلث (تہائی) اور سدس (چھٹا حصہ)۔ ”سراج“۔

حصص کی تعداد

37238۔ (قوله: ثَلَاثَةٌ مِنَ الرِّجَالِ) وہ مردوں میں سے تین ہیں، اور وہ باپ، دادا اور ان خیالی بھائی ہے۔ ”حلبی“۔

37239۔ (قوله: وَسَبْعَةٌ مِنَ النِّسَاءِ) اور عورتوں میں سے سات ہیں، اور وہ بیٹی، پوتی، سگی بہن، علاقہ (سوتیلی)

بہن، ان خیالی بہن، ماں اور دادی ہے۔ ”حلبی“۔

(ثُمَّ بِالْعَصَبَاتِ) أَلِ لِلْجَنَسِ فَيَسْتَوِي فِيهِ الْوَاحِدُ وَالْجَمْعُ وَجَمَعَهُ لِإِلَازِمِ دَوَاجِ (النَّسَبِيَّةِ) لِأَنَّهَا أَقْوَى (ثُمَّ بِالْمُعْتَقِ)

پھر عصبات کو میراث دی جائے گی۔ اس میں الف لام جنسی ہے پس اس میں واحد اور جمع دونوں برابر ہیں اور اس کو جمع ذکر کرنا ذوی الفروض کی مناسبت کی وجہ سے ہے۔ پہلے عصبہ نسبی کو کیونکہ وہ زیادہ قوی ہے۔ پھر معتق (آزاد کرنے والا)

37240۔ (قوله: فَيَسْتَوِي فِيهِ الْوَاحِدُ وَالْجَمْعُ) پس اس میں واحد اور جمع برابر ہوتے ہیں، کیونکہ یہ ثابت ہے کہ الف لام جمعیت کے معنی کو باطل کر دیتا ہے اس حیثیت سے کہ وہ ہر ایک کو شامل ہوتا ہے جیسا کہ مفرد شامل ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ کہے: وَاللّٰهُ لَا أَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ (قسم بخدا میں کسی عورت سے شادی نہیں کروں گا) تو وہ کسی ایک سے بھی شادی کرنے کے سبب حائل ہو جائے گا۔ اور جب نسا کہے تو وہ حائل نہیں ہوگا مگر تین کے ساتھ شادی کرنے سے۔ ”یعقوب“۔
ذوی الفروض کے درمیان میراث کی تقسیم میں ترتیب

37241۔ (قوله: وَجَمَعَهُ لِإِلَازِمِ دَوَاجِ) اور اس کو جمع ذکر کرنا مناسبت کے لیے ہے، یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے اس کی تقدیر یہ ہے: اس کی مختصر ترین تعبیر لفظ عصبہ مفرد کے ساتھ تھی جیسا کہ اسے اس کے قسم میں تعبیر کیا گیا ہے اور وہ عصبہ سببیہ ہے اور اس میں جنس کا معنی اظہر اور بین ہے؟ تو جواب یہ ہے: انہوں نے اسے لفظاً جمع ذکر کیا ہے اگرچہ جمع کا معنی مراد نہیں ہے تاکہ اس کے اور ”مصنف“ کے قول ذوی الفروض کے درمیان مناسبت پیدا ہو جائے۔ کیونکہ اسے جمع کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا ہے، یا یہ کہا جائے گا کہ اس کی انواع متعدد ہونے کی وجہ سے اسے جمع ذکر کیا گیا ہے مثلاً عصبہ بنفسہ، عصبہ بغيرہ اور عصبہ مع غیرہ جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا۔ اور کبھی کہا جاتا ہے: بے شک جمعیت کے معنی کو باطل کرنے کی طرف دعوت دینے والا اسے معتق پر مقدم کرنے میں تعدد شرط نہیں ہے، بلکہ اسے مقدم لایا جائے گا اگرچہ وہ ایک ہو بخلاف اصحاب فروض کے۔ کیونکہ ان میں وہ نہیں ہے جو اکیلا عصبہ پر مقدم ہو اس معنی میں کہ اس کے ساتھ عصبہ وارث نہ بنے۔ کیونکہ اصحاب فروض میں ایسا کوئی نہیں جو فرضیت کے سبب اکیلا کل مال کو محفوظ کر لے۔ اور اگر کوئی اس پر مقدم ہو تو وہ دوسرے معنی میں ہے، اور وہ یہ ہے کہ عصبہ کو نہیں دیا جاتا مگر وہی جو صاحب فرض (حصہ کا مالک) اس کے لیے باقی چھوڑے۔ تامل۔
عصبہ نسبی کو مقدم کرنے کی وجہ

37242۔ (قوله: لِأَنَّهَا أَقْوَى) کیونکہ وہ زیادہ قوی ہے، یہ اس تقدیم کی علت ہے جو ثم اور جار کے متعلق سے مستفاد ہے۔ ”السید“ نے کہا ہے: چونکہ عصبہ نسبی عصبہ سببی سے زیادہ قوی ہے، اور یہ تیری اس طرف راہنمائی کرتا ہے کہ اصحاب فروض نسبی پر دوبارہ حصص لوٹائے جائیں گے لیکن اصحاب فروض سببی پر نہیں اس سے مراد زوجین ہیں۔

37243۔ (قوله: ثُمَّ بِالْمُعْتَقِ) پھر معتق کو، اس میں اولیٰ ”سراجیہ“ کا قول ہے: یعنی مولیٰ العتاقہ، تاکہ وہ اختیار یہ کو بھی شامل ہو اس طرح کہ اس پر عتق (آزادی) واقع ہو لفظ اعتاق کے ساتھ یا اس کی فرع تدبیر (مدبر بنانا) یا کسی اور کے

وَلَوْ أَنَّكَ وَهُوَ الْعَصْبَةُ السَّبَبِيَّةُ (ثُمَّ عَصَبْتَهُ الذُّكُورُ) لِأَنَّهُ لَيْسَ لِلنِّسَاءِ مِنَ الْوَلَاءِ إِلَّا مَا أَعْتَقْنَ

کو اگر چہ وہ مونث ہو اور وہ عصبہ سببی ہے۔ پھر اس کے مذکر عصبات کو میراث دی جائے، کیونکہ عورتوں کے لیے ولا میں سے کوئی شے نہیں ہے مگر وہ جسے وہ خود آزاد کریں۔

ساتھ، یا ذی رحم محرم کے اسے خریدنے کے ساتھ۔ اور اضطرار یہ کو بھی شامل ہو اس طرح کہ وہ ذی رحم محرم کا وارث بنے اور وہ اس سے آزاد ہو جائے۔ اور مراد مولیٰ العتاقہ کی جنس ہے۔ پس یہ متعدد اور منفرد کو شامل ہوگا جیسا کہ مذکر اور مونث معتق کو واسطہ کے ساتھ شامل ہوتا ہے جیسا کہ معتق کا معتق جیسا کہ غنقریب آئے گا اور جیسا کہ باپ کا معتق۔ اور یہ اسے بھی شامل ہے جیسا کہ ”ابن کمال“ نے کہا ہے: یعنی معروف اور مقررہ، اور اس میں مقررہ پر معروف کو مقدم کیا جائے گا، اور اس کے صحیح ہونے میں یہ شرط ہے کہ اقرار کرنے والے کے لیے مولیٰ عتاقہ معروف نہ ہو، اور نہ شرعاً اسے جھٹلایا گیا ہو۔

تنبیہ

ولا کے ثبوت میں اہم ترین شرط یہ ہے کہ ماں اصلاً آزاد نہ ہو اس معنی میں کہ اس میں اور اس کی اصل میں کہیں غلامی نہ ہو۔ پس اگر ہو تو پھر اس کی اولاد کے لیے ولا نہیں ہوگی اگرچہ باپ معتق ہو جیسا کہ ”البدائع“ میں ہے۔ پس جب آزاد ہونے والے نے اصلاً آزاد عورت کے ساتھ شادی کی تو اغلباً آزادی کی وجہ سے اس کی اولاد پر ولا نہیں ہوگی جیسا کہ ”سکب الانہر“ میں ”الدرر“ وغیرہ سے ہے۔ اور اس کی مکمل بحث اسی میں ہے۔ اور اس بارے میں جو ہم نے کتاب الولاء میں پہلے ذکر کیا ہے۔ پس اسے یاد رکھ لو۔ کیونکہ یہاں منزلة الاقدام (پاؤں کی پھسلاہٹ) ہے۔

37244۔ (قوله: وَهُوَ الْعَصْبَةُ السَّبَبِيَّةُ) اور وہ عصبہ سببیہ ہے، یہ معتق کے ساتھ خاص ہے نہ کہ اس کے عصبہ ہونے کے ساتھ، اور اس طرح نہیں ہے بلکہ عصبہ سببیہ ان دونوں کا مجموعہ ہے جیسا کہ علامہ ”ابن حنبلی“ کی شرح ”السراجیہ“ میں ہے۔ اور اس پر ”شارح“ کا کلام فصل العصبات میں آئے گا۔ اور جو ”السید“ کے کلام نے اس کے خلاف کے بارے میں وہم دلایا ہے اس کا جواب ”یعقوب“ نے دیا ہے۔ پس ”شارح“ پر لازم تھا کہ وہ اپنے قول ثم عصبته الذکور کے بعد کہتے: وهذا العصب السببیة یعنی تشبیہ کی ضمیر کے ساتھ۔

37245۔ (قوله: ثُمَّ عَصَبْتَهُ الذُّكُورُ) پھر اس کے مذکر عصبہ کو، مراد عصبہ بنفسہ ہے (یعنی جو بذات خود عصبہ ہو) پس وہ قطعی طور پر مذکر ہوتا ہے۔ اور مولیٰ عتاقہ کے لیے عصبہ بنفسہ ہونا میت کے لیے اس کے عصبہ سببیہ ہونے کے منافی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ”ابن حنبلی“ نے کہا ہے۔ پس اگر آزاد ہونے والا اپنے آقا کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیچھے چھوڑے تو میراث صرف بیٹے کے لیے ہوگی۔ اور اگر اس نے اپنے آقا کی بیٹی اور اس کی بہن پیچھے چھوڑیں تو اس کی میراث میں دونوں کا کوئی حق نہیں ہوگا۔

37246۔ (قوله: لِأَنَّهُ الْخ) یہ مذکر کے ساتھ مقید کرنے کی علت ہے جو ”السید“ نے کہا ہے کہ وہ اس کے لیے ضروری ہے لیکن اس کا دار و مدار اس پر ہے کہ معتق سے مراد وہ ہے جو قریبی اور بعیدی دونوں کو شامل ہو جیسا کہ معتق اور معتق کا

(ثُمَّ الرَّدُّ عَلَى ذَوِي الْفُرُوضِ النَّسَبِيَّةِ بِقَدْرِ حُقُوقِهِمْ)

پھر اسے دوبارہ نسبی ذوی الفروض پر ان کے حقوق کی مقدار کے مطابق لوٹا دیا جائے۔

معتق۔ (پہلا قریبی ہے اور دوسرا بعیدی ہے) اور اسی طرح ہے چاہے مذکر ہو یا مونث ہو، لیکن جب اس سے مراد وہ ہو جو اس سے فوراً ذہن میں آتا ہے اور وہ معتق قریب ہے تو پھر اس کے ساتھ مقید کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ اور اس کے عصبہ ہونے سے مراد مردوں اور عورتوں میں سے عصبہ سببیہ ہونا ہے جیسا کہ معتق لمعتق اور معتقہ لمعتق اور عصبہ نسبیہ بھی۔ لیکن دوسرے میں اس کا بذات خود عصبہ ہونا ضروری ہے، اور وہ یقیناً مردوں میں سے ہوتا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے نہ کہ عصبہ بالغیر یا مع الغیر یہ مذکورہ حدیث کی وجہ سے ہے۔

تنبیہ

اس کو معتق اور اس کے عصبہ پر محصور کرنا اس کا فائدہ دیتا ہے کہ اگر معتق کے عصبہ کا عصبہ ہوا تو اس کے لیے میراث نہ ہو گی۔ اس کی وضاحت یہ ہے: ایک عورت نے غلام آزاد کیا پھر وہ عورت خاوند اور اس سے ایک بیٹا چھوڑ کر فوت ہو گئی، پھر وہ آزاد ہونے والا غلام بھی فوت ہو گیا تو میراث اس عورت کے بیٹے کے لیے ہو گی، کیونکہ وہی اس کا عصبہ ہے۔ اور اگر بیٹا اس آزاد ہونے والے غلام سے پہلے فوت ہو گیا تو اس عورت کے خاوند کے لیے میراث نہیں ہو گی۔ کیونکہ وہ اس عورت کے عصبہ کا عصبہ ہے۔ لیکن جب کوئی مرد کسی غلام کو آزاد کرے پھر وہ غلام دوسرے کو آزاد کرے پھر وہ دوسرا ایک تیسرے غلام کو آزاد کرے اور وہ تیسرا آزاد ہونے والا فوت ہو جائے اور وہ معتق اول کا عصبہ پیچھے چھوڑے تو وہ اس کا وارث ہو گا اگرچہ وہ صورت معتق کے عصبہ کا عصبہ ہے لیکن وہ اس لیے نہیں ہے، بلکہ اس لیے کہ پہلے آزاد ہونے والے نے اس میت کی ولا کو اپنی طرف کھینچا ہے۔ پس پہلے آزاد ہونے والے کا عصبہ اس کا وارث ہو گا اس لیے کہ وہ حدیث کی وجہ سے قائم مقام معتق اول کے ہے۔ یہ ”الذخیرہ“ باب الولاء سے ملخص ہے۔ اور ہم نے اسے وہاں ذکر کر دیا ہے، اور عنقریب حدیث پر مکمل گفتگو آئے گی۔

37247۔ (قوله: ثُمَّ الرَّدُّ) یعنی عصابات میں سے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ان میں سے اگر کوئی بھی نہ ہو تو پھر

اصحاب فروض سے باقی بچ جانے والی میراث بنی ذوی الفروض پر لوٹا دی جائے گی، اور اس قید کے ساتھ سببی ذوی الفروض سے احتراز کیا ہے جیسا کہ زوجین (یہ سببی ذوی الفروض ہیں)۔ کیونکہ رد کا سبب فرض (حصہ) لینے کے بعد باقی رہنے والی قرابت ہے۔ اور زوجیت کی قرابت حکمی ہے وہ حصہ لینے کے بعد باقی نہیں رہتی لہذا اس میں سبب کی نفی کے ساتھ رد کا حکم ثابت نہیں۔ اسے ”یعقوب“ نے بیان کیا ہے۔ لیکن عنقریب ”الاشباہ“ سے آئے گا۔ اور ولا میں پہلے گزر چکا ہے کہ ہمارے زمانہ میں ان پر بھی میراث لوٹائی جائے گی۔ اس کی مکمل بحث ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گی۔

37248۔ (قوله: بِقَدْرِ حُقُوقِهِمْ) ان کے حقوق کی مقدار کے برابر، اس سے مراد قدر نسبی ہے نہ کہ عددی، کیونکہ

رد کے سبب جو کچھ دیا جاتا ہے کبھی وہ اس سے کم ہوتا ہے جو بطور حصہ دیا جاتا ہے، جیسا کہ دو علاقہ بہنوں اور ایک اخیانی بہن

(ثُمَّ ذَوِی الْأَرْحَامِ ثُمَّ بَعْدَهُمْ مَوْلَى الْمُوَالَاةِ) کَمَا مَرَّ فِی کِتَابِ الْوَلَاءِ وَلَهُ الْبَاقِی بَعْدَ فَرْضِ أَحَدِ الزَّوْجَیْنِ ذِکْرُهُ السَّیِّدُ

پھر ذوالارحام سے ابتدا کی جائے گی پھر ان کے بعد مولى الموالاتہ سے جیسا کہ کتاب الولاء میں گزر چکا ہے۔ اور زوجین میں سے کسی ایک کے حصہ کے بعد باقی اس کے لیے ہوگا۔ ”السید“ نے اسے ذکر کیا ہے۔

میں اور کبھی مساوی ہوتا ہے جیسا کہ دو اخیانی بہنیں اور ایک ماں ہو، اور کبھی اس سے زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ ایک اخیانی بہن اور دادی ہو۔ اور نسبت کا طریقہ یہ ہے کہ جس کا حصہ نصف ہو اس کے لیے رد میں سے نصف حصے کی مقدار ہوگا، اور جس کے لیے حصہ تیسرا ہو اس کے لیے اسی کی بقدر ہوگا۔ پس اسی طرح مثلاً جب کسی نے سگی بہن چھوڑی اور ماں، تو مسئلہ چھ سے چلے گا اس کا نصف اور وہ تین ہے وہ سگی بہن کو ملے گا اور اس کا ثلث اور وہ دو ہے وہ ماں کو ملے گا۔ پس مجموعی حصص پانچ ہو گئے۔ باقی ایک رہ گیا وہ ان دونوں پر ان کے حصوں کی نسبت سے لوٹا دیا جائے گا۔ تحقیق سگی بہن کے لیے ایک کے تین خمس اور ماں کے لیے دو ہوں گے، پس اس کے لیے ایک کے دو خمس ہوئے۔ اور رد کا مسئلہ پانچ کی طرف لوٹے گا جیسا کہ اس کا بیان اپنے محل میں آئے گا۔

37249۔ (قوله: ثُمَّ ذَوِی الْأَرْحَامِ) پھر ذوی الارحام کو میراث دی جائے گی یعنی ذوی الفروض النسبیہ اور عصابات کے نہ ہونے کے وقت ذوی الارحام سے ابتدا کی جائے گی اور سارا مال وہی لیں گے۔ اور زوجین پر رد نہ ہونے کی وجہ سے ان میں سے کسی ایک کے حصہ لینے کے بعد باقی ماندہ مال ذوی الارحام لیں گے۔

37250۔ (قوله: ثُمَّ بَعْدَهُمْ) یعنی ذوی الارحام جب موجود نہ ہوں تو پھر مولى الموالاتہ کو مقدم کیا جائے گا یعنی وہ جو میت کی موالاتہ (دوستی) کو قبول کرنے والا ہو اس وقت جب وہ اسے کہے: تو میرا دوست (مولیٰ) ہے تو میرا وارث ہوگا جب میں فوت ہوا اور تو میری طرف سے دیت ادا کرے گا جب میں نے کسی جنایت کا ارتکاب کیا، اور وہ عرب میں سے نہ ہو اور نہ اس کے موالی میں سے ہو، اور نہ اس کا کوئی نسبی وارث ہو، اور نہ اس کی طرف سے بیت المال یا دوسرے مولى الموالاتہ نے دیت ادا کی ہو تو اس موالاتہ کو قبول کرنے والا اس کا وارث ہوگا بلکہ اس کا برعکس بھی ہوگا مگر یہ کہ اس کی شرط دونوں جانبوں سے ہو اور دونوں میں شرائط ثابت ہوں، اور اس کے لیے رجوع کرنا جائز ہے جب تک اس کا مولیٰ اس کی طرف سے دیت ادا نہ کرے، اور یہ حضرت عمر، حضرت علی رضی اللہ عنہما اور کثیر ائمہ کا مذہب ہے، پھر اس کا عصبہ بھی مولیٰ العتاقہ کے عصبہ کی ترتیب پر وارث ہوگا اگرچہ ”مصنف“ نے اسے ذکر نہیں کیا ہے۔ اسے ”سائحانی“ نے ”شرح المنظومہ“ میں نقل کیا ہے۔ اور ہم نے اسے کتاب الولاء میں استیفاء شروط اور ان کے بیان کے ساتھ ذکر کر دیا ہے۔

37251۔ (قوله: وَلَهُ الْبَاقِی الْخ) یعنی اگر ان میں سے کوئی ایک بھی نہ پایا گیا جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے تو اس کے لیے کل مال ہوگا، مگر جب زوجین میں سے کوئی ایک پایا گیا تو پھر اس کے لیے اس کا حصہ نکالنے کے بعد باقی ہوگا۔

(ثُمَّ الْمَقْرُ لَهُ بِنَسَبٍ) عَلَى غَيْرِهِ (لَمْ يَثْبُتْ) فَلَوْ ثَبَتَ بِأَنْ صَدَّقَهُ الْمَقْرُ عَلَيْهِ

پھر اس کے لیے میراث ہوگی جس کے لیے نسب کے بارے غیر کے خلاف اقرار کیا گیا، تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔ پس اگر ثابت ہو جائے اس طرح کہ مقرر علیہ اس کی تصدیق کر دے

37252۔ (قوله: ثُمَّ الْمَقْرُ لَهُ بِنَسَبٍ) الخ) پھر اسے جس کے لیے نسب کا اقرار کیا جائے، یعنی مولی الموالاة کے

بعد جبکہ وہ نہ ہو تو اسے مقدم کیا جائے گا جس کے لیے نسب کے بارے اقرار کیا جائے الخ۔ پس کل مال اسے دیا جائے گا مگر جب زوجین میں سے ایک ہو تو پھر اسے وہ دیا جائے گا جو اس کے حصہ میں فالتو بیچے۔

37253۔ (قوله: عَلَى غَيْرِهِ) یہ تکمیل کے معنی کو متضمن ہے اور اسے علی کے ساتھ متعدی کیا ہے یعنی وہ جس کے

نسب کو اپنی طرف سے اقرار بالنسب کے ضمن میں اس کے غیر پر محمول کیا جائے جیسا کہ اگر وہ اس کے لیے اقرار کرے کہ وہ اس کا بھائی یا اس کا پوتا ہے۔ تو بلاشبہ اس کا یہ اقرار نسب کو باپ یا بیٹے پر محمول کرنے کو متضمن ہے، اور اس کے ساتھ اس سے احتراز کیا ہے جب وہ نسب کو غیر پر محمول کرنے کو متضمن نہ ہو جیسا کہ جب وہ مجہول النسب کے لیے یہ اقرار کرے کہ وہ اس کا بیٹا ہے تو بلاشبہ وہ اس سے نسب کے ثبوت کو ثابت کر دے گا اور وہ نسبی ورثاء میں داخل ہو جائے گا بشرطیکہ اقرار اپنے صحیح ہونے کی شرائط پر مشتمل ہو جیسا کہ مقرر کا آزاد، عاقل اور بالغ ہونا اور مقررہ کا نسب کے بارے تصدیق کرنا، اور اس کا اس طرح ہونا کہ اس کی مثل اس کی مثل کے لیے پیدا ہو سکتا ہو۔ اور باب اقرار المريض میں اس پر مکمل کلام گزر چکا ہے جس سے وہ صحیح ہوتا ہے اور جس سے صحیح نہیں ہوتا اور اس کے ساتھ ساتھ شرائط بھی بیان کر دی گئیں ہیں، اور ہم نے اسے اپنی شرح جو کہ نظم فرائض "المقتفی" پر ہے اور اس کا نام "الرحیق المختوم شرح قلائد الدر المنظوم" ہے میں بھی تحریر کیا ہے اور "جامع الفصولین" کی انتیسویں فصل کے آخر میں اہم ترین فروع ہیں جن کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔

37254۔ (قوله: لَمْ يَثْبُتْ) یہ دوسری قید ہے، اور "شارح" نے اس کا محترز بیان کر دیا ہے، اور "السراجیہ" میں

ایک تیسری قید کا اضافہ کیا ہے۔ اور وہ اقرار کرنے والے کا اپنے اقرار پر قائم رہتے ہوئے فوت ہونا ہے، کیونکہ جب وہ رجوع کر لے تو پھر اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور وہ وارث نہیں ہوگا۔ اور جب یہ صفات مقررہ میں جمع ہو جائیں تو وہ ہمارے نزدیک مذکورہ مرتبہ میں وارث ہوگا۔ کیونکہ اقرار کرنے والا دو چیزوں کے بارے اقرار کرنے والا ہے: ایک نسب، اور دوسرا وراثت کے مال کا استحقاق۔ لیکن اس کا اقرار بالنسب باطل ہے۔ کیونکہ وہ اس کے نسب کو غیر پر محمول کر رہا ہے، اور غیر پر اقرار ایک دعویٰ ہے پس وہ سنا نہیں جائے گا، اور مال کے بارے میں اس کا اقرار صحیح باقی رہے گا۔ کیونکہ وہ غیر کی طرف تجاوز نہیں کر رہا ہے جبکہ اس کا کوئی معروف وارث نہ ہو۔ "السید"۔ یعنی یہ اقرار معنوی طور پر وصیت ہے۔ اسی لیے اس سے رجوع کرنا صحیح ہے اور یہ مقررہ کی فرع اور اس کی اصل کی طرف منتقل نہیں ہوتا۔

37255۔ (قوله: بِأَنْ صَدَّقَهُ الْمَقْرُ عَلَيْهِ) کہ مقرر علیہ اس کی تصدیق کرے اس طرح کہ باپ کہے: ہاں وہ میرا بیٹا

اور تیرا بھائی ہے۔ اور اسی طرح اگر ورثاء اس کی تصدیق کر دیں درآنحالیکہ وہ اہل اقرار میں سے ہوں۔ یہ "روح الشروح" میں

أَوْ أَقَرَّ بِمِثْلِ إِقْرَارِهِ أَوْ شَهِدَ رَجُلٌ آخَرَ ثَبَتَ نَسَبُهُ حَقِيقَةً وَزَاحَمَ الْوَرَثَةَ وَإِنْ رَجَعَ الْمُقَرُّ وَكَذَّبَ الْوَصْدَقَهُ
الْمُقَرُّ لَهُ قَبْلَ رُجُوعِهِ وَتَسَامَاهُ فِي شُرُوحِ السَّرَاجِيَةِ سَيِّمًا رَوْحَ الشُّرُوحِ وَقَدْ لَخَّصْتَهُ فِيمَا عُلِّقَتْهُ عَلَيْهَا

یا وہ اس کے اقرار کی مثل اقرار کرے یا دوسرا آدمی شہادت دے تو اس کا نسب حقیقتاً ثابت ہو جائے گا اور وہ ورثہ کا مزاحم ہوگا اگرچہ اقرار کرنے والا رجوع کر لے۔ اور اسی طرح حکم ہے اگر مقررہ اس کے رجوع سے پہلے اس کی تصدیق کر دے۔ اور اس کی مکمل بحث شروح ”السراجیہ“ میں ہے خصوصاً ”روح الشروح“ میں۔ میں نے اس کی تلخیص اس کی شرح میں بیان کر دی ہے۔

منقول ہے۔ اور مراد اقرار کرنے والے کے ورثاء ہیں اس طرح کہ مقرر کی اولاد کہے: وہ ہمارا چچا ہے۔ ”طحطاوی“۔

37256۔ (قوله: أَوْ أَقَرَّ بِمِثْلِ إِقْرَارِهِ) یا وہ اس کے اقرار کی مثل اقرار کرے یعنی اس طرح کہ مقرر کے اقرار کا علم

ہوئے بغیر کہے: وہ میرا بیٹا ہے، کیونکہ جب وہ اس کے اقرار کو جان لے تو پھر یہ تصدیق ہوگی۔ تامل۔

اور ظاہر یہی ہے کہ وہ جب اس کے نسب کو اپنی ذات پر محمول کرے تو وہ قصد اس کا اور اس کے غیر کا وارث ہوگا اگرچہ وہ غیر اقرار نہ بھی کرے۔ اسے ”طحطاوی“ نے بیان کیا ہے۔

37257۔ (قوله: أَوْ شَهِدَ رَجُلٌ) یا مقرر کے ساتھ کسی آدمی نے شہادت دی۔ ”شارح“ نے باب اقرار المريض

میں کہا ہے: وہ اقرار غیر کے حق میں صحیح نہیں ہوگا مگر دلیل کے ساتھ، اور اس کی طرف سے دو کا اقرار ہو۔ اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ اس اقرار میں لفظ شہادت لازم نہیں ہوتا۔ اور اس نے یہ فائدہ دیا ہے کہ وہ وارث کے اقرار کے ساتھ صحیح ہوگا اگرچہ مورث نے اس کے بارے اقرار نہ کیا، اور یہ ظاہر ہے۔

37258۔ (قوله: وَإِنْ رَجَعَ الْمُقَرُّ) اگرچہ اقرار کرنے والے نے رجوع کر لیا۔ ”روح الشروح“ میں کہا ہے: اور تو

جان! کہ اگر مقرر کے ساتھ ایک دوسرے آدمی نے شہادت دی یا مقرر علیہ یا ورثاء نے اس کی تصدیق کی درآنحی لیکہ وہ اہل اقرار میں سے ہوں تو پھر موت تک اقرار پر اصرار شرط نہیں ہوگا اور نہ اس وقت رجوع نسب کے ثبوت کا فائدہ دے گا۔ اور ”سکب الانہر“ میں ہے: اور اس کا رجوع کرنا صحیح ہے۔ کیونکہ وہ معنی وصیت ہے۔ اور مقررہ کیلئے اس کے ترکہ میں سے کوئی شے نہ ہوگی۔

”شرح السراجیہ“ جس کا نام ”المنہاج“ ہے اس میں کہا ہے: یہ تب ہے جب مقرر علیہ اس کے رجوع سے پہلے اس کے اقرار کی تصدیق نہ کرے، یا اس کے اقرار کی مثل اقرار نہ کرے الخ۔ پس بعض شروح سراجیہ سے ”المنح“ کا قول ہے: یہ تب ہے جب مقررہ تصدیق نہ کرے۔ اس میں درست مقرر علیہ ہے جیسا کہ میں نے اسے اپنے نسخہ میں بعض فضلاء کے خط سے اصلاح کیا ہوا دیکھا ہے۔

37259۔ (قوله: وَكَذَّبَ الْوَصْدَقَهُ الْمُقَرُّ لَهُ الْخ) اور اسی طرح ہے اگر مقررہ اس کی تصدیق کر دے، اس میں

درست اسے کلی طور پر ساقط کرنا ہے اور وہ جس نے اسے اس میں واقع کیا ہے وہ ”المنح“ کی سابقہ عبارت ہے۔ اور آپ اسے جان چکے ہیں جو اس میں صواب اور درست ہے۔ کیونکہ مقررہ کی تصدیق قطعی طور پر نسب ثابت نہیں کرتی۔ کیونکہ وہ تو اس سے

(ثُمَّ بَعْدَهُمْ) (الْمُوصَى لَهُ بِمَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ) وَلَوْ بِالْكُلِّ وَإِنَّمَا قُدِّمَ عَلَيْهِ الْمُقَرَّرُ لَهُ لِأَنَّهُ نَوْعُ قَرَابَةٍ بِخِلَافِ الْمُوصَى لَهُ (ثُمَّ يُوضَعُ فِي بَيْتِ الْمَالِ) لَا إِزْثَا بَلْ فَيُنَالُ الْمُسْلِمِينَ

پھر ان کے بعد وہ موصی لہ ہے جس کے لیے ثلث مال سے زیادہ کی وصیت ہو اگرچہ کل مال کی ہو۔ اور بلاشبہ اس پر مقررہ کو مقدم کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ قرابت کی ایک نوع ہے۔ بخلاف موصی لہ کے، پھر اس کے بعد وہ ترکہ بیت المال میں رکھ دیا جائے گا بطور میراث نہیں بلکہ مسلمانوں کے لیے بطور مال غنیمت۔

نفع حاصل کرنے والا ہے۔ پس وہ متمم ہو جائے گا۔ جب وہ مقرر کے اقرار کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا تو پھر متمم مقررہ کی تصدیق کے ساتھ کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟ اس بنا پر کہ آپ یہ جان چکے ہیں کہ جو ”روح الشروح“ وغیرہ میں ہے وہ مقرر علیہ کی تصدیق کے ساتھ اس کا ثابت ہونا ہے نہ کہ مقررہ کی تصدیق کے ساتھ۔ پس تو اس پر آگاہ رہ۔ اور اس پر مکمل کلام باب اقرار المریض میں جانا جاسکتا ہے۔ پس تو اس کی طرف رجوع کر۔

37260۔ (قوله: ثُمَّ بَعْدَهُمْ الْخ) یعنی جب وہ نہ ہو جس کا ذکر پہلے کیا ہے تو اس سے ابتدا کی جائے گی جس کے بارے اس نے تمام مال کی وصیت کی۔ پس اس کی وصیت اس کے لیے مکمل کی جائے گی۔ کیونکہ اسے اس سے منع کرنا جو تہائی مال سے زیادہ ہو وہ ورثاء کی وجہ سے ہے تو اگر ورثاء میں سے کوئی ایک بھی نہ پایا گیا تو ہمارے نزدیک اس کے لیے وہ سب ہو گا جو اس نے اس کے لیے معین کیا ہے۔ ”سید“۔ اور اس میں کوئی خفا نہیں ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ زائد بطریق استحقاق اجارہ پر توقف کئے بغیر لے گا۔ پس یہ اعتراض وارد نہیں ہو گا کہ زائد کے لینے میں ورثاء کا نہ ہونا شرط نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ اجازت دے دیں تو وہ جائز ہے۔

37261۔ (قوله: لِأَنَّهُ نَوْعُ قَرَابَةٍ) کیونکہ وہ قرابت کی ایک نوع ہے، اس میں اولیٰ ”السید“ کا قول ہے: اُنْ لَهُ نَوْعُ قَرَابَةٍ (کہ اس کے لیے قرابت کی نوع ہے۔)

37262۔ (قوله: ثُمَّ يُوضَعُ) یعنی اگر وہ موصی لہ نہ پایا گیا جس کے لیے ثلث سے زائد کی وصیت ہو تو پھر کل ترکہ بیت المال میں رکھ دیا جائے گا یا زائد سے جو باقی بچے گا وہ بیت المال میں رکھ دیا جائے گا اگر ایسا موصی لہ پایا گیا جس کے لیے کل ترکہ میں سے کم کی وصیت ہو۔ اور یہاں ”مصنف“ نے یہ نہیں کہا: ثُمَّ يُقَدِّمُ۔ کیونکہ اب اس کے بعد کوئی شے باقی نہیں ہے۔ اور اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ”مصنف“ کا کلام راجز کے اس قول کے قبیل سے ہے۔ [الرجز] عَلَفَتْهَا تَبْنًا وَمَاءً بَارِدًا (میں نے اسے بطور چارہ بھوسہ کھلایا اور ٹھنڈا پانی پلایا۔)

37263۔ (قوله: لَا إِزْثَا) بطور میراث نہیں، اس میں اس کی نفی ہے جو شافعیہ کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ وہ اگر بطور میراث ہو تو پھر فقراء کے لیے ثلث کے بارے اس کا وصیت کرنا صحیح نہیں جب اس کا خاص وارث نہ ہو۔ کیونکہ وہ وارث کے لیے وصیت ہے۔ اور وہ بقیہ ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے اور اس سے کہ اس مال

(وَمَوَانِعُهُ) عَلَى مَا هُنَا أَرْبَعَةٌ (الرُّبْعُ) وَلَوْ نَاقِضًا كُمُكَاتِبٍ وَكَذَا مُبْعَظٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمَالِكٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى وَقَالَ حَرْفِيْرٌ وَيَحْجُبُ

اور اس مقام پر میراث کے موانع چار ہیں: غلامی یعنی مملوک ہونا اگرچہ وہ ناقض ہو جیسا کہ مکاتب۔ اور اسی طرح وہ جس کا بعض حصہ آزاد ہو یہ امام اعظمؒ ”ابو حنیفہ“ اور امام ”مالک“ رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک ہے۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے کہا ہے: وہ آزاد کے حکم میں ہوگا۔ پس وہ وارث بھی بنے گے اور حاجب بھی ہوگا۔

سے اسے دیا جاسکتا ہے جو اس کے مالک کے فوت ہونے کے بعد پیدا ہوا اور بیٹے کو اس کے والد سمیت، اور اگر یہ وراثت ہو تو پھر یہ صحیح نہیں ہے۔ لیکن متاخرین شافعیہ نے رد کے بارے فتویٰ دیا ہے اگر بیت المال انتظام نہ کرے۔

مانع کی لغوی اور اصطلاحی تعریف اور میراث کے موانع

37264۔ (قوله: وَمَوَانِعُهُ) مانع کا لغوی معنی حائل ہونا ہے۔ اور اصطلاح میں اس سے مراد وہ ہے جس کے کسی شخص کی ذات میں پائے جانے کی وجہ سے سبب قائم ہونے کے بعد حکم ثابت نہ ہو سکے، ایسے آدمی کو محروم کہا جاتا ہے۔ پس اس سے وہ خارج ہو گیا جس سے حکم کی نفی اس معنی کی وجہ سے ہو جو کسی غیر میں ہو کیونکہ اسے محبوب کہا جاتا ہے (یعنی وہ آدمی جسے کسی دوسرے کی وجہ سے میراث سے روک دیا گیا ہو) یا سبب کے قائم نہ ہونے کی وجہ سے ہو جیسے اجنبی۔ اور یہاں مانع سے مراد وہ ہے جو وارث بننے سے مانع ہونے کہ وارث بنانے کے مانع ہوا اگرچہ ان میں سے بعض مثلاً دین کا اختلاف دونوں سے مانع ہوتا ہے جیسا کہ میں نے اسے ”الرحیق المختوم“ میں تحریر کیا ہے۔

37265۔ (قوله: عَلَى مَا هُنَا) کیونکہ بعض نے ان چار کے علاوہ اور بھی ذکر کئے ہیں جیسا کہ ”شارح“ غفرلہ

ذکر کریں گے۔

پہلا مانع غلامی

37266۔ (قوله: كُمُكَاتِبٍ) جیسا کہ مکاتب، اسے صراحتہ ذکر کیا گیا ہے اس لیے کہ اس کی غلامی کامل ہے اور اس

کی ملک ناقص ہے۔ پس صواب اور درست یہ کہنا ہے: کمید بود اُم ولد جیسا کہ مدبر اور اُم ولد۔ ”حلی“۔ اور کبھی کہا جاتا ہے: اس کی غلامی کا کامل ہونا بلاشبہ مدبر اور اُم ولد کی طرف نسبت کرنے کے اعتبار سے ہے، اس لیے اسے کفارہ کی طرف سے آزاد کرنے اور اس کی کمائی کا مالک ہونے کو جائز قرار دیا ہے لیکن مدبر اور اُم ولد میں یہ جائز نہیں۔ رہی مملوک کی طرف نسبت تو وہ ناقص ہے اس حیثیت سے کہ اس میں آزادی کا سبب مدبر اور اُم ولد کی مثل منعقد ہے۔

37267۔ (قوله: وَكَذَا مُبْعَظٌ الْخ) اور اسی طرح وہ ہے جس کا بعض حصہ آزاد کر دیا ہو اور وہ باقی حصہ کو آزاد

کرانے کی کوشش کر رہا ہو، اور وہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک بمنزلہ مملوک کے ہے جب تک ایک درہم بھی اس پر باقی ہو۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما نے کہا ہے: وہ آزاد مقروض ہے۔ پس وہ وارث ہو سکتا ہے اور حاجب بھی۔ اور اس کی بنا اس پر ہے

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ، لَا يَرِثُ بَلْ يُوْرَثُ وَقَالَ أَحْمَدُ يَرِثُ وَيُوْرَثُ وَيَحْبُبُ بِقَدْرِ مَا فِيهِ مِنَ الْحَرِيَّةِ۔ قُلْتُ
وَقَدْ ذَكَرَ الشَّافِعِيُّ مَسْأَلَةَ يُوْرَثُ فِيهَا الرَّقِيقُ مَعَ رِقِّ كُلِّهِ صَوْرَتُهَا مُسْتَأْمَنٌ جَنَى عَلَيْهِ فَلَحِقَ بِدَارِ
الْحَرْبِ فَاسْتُرِقَّ وَمَاتَ رَقِيقًا بِسَمَاءِ آيَةِ تِلْكَ الْجَنَائَةِ فَدَيْتُهُ لَوْرَثَتِهِ وَلَمْ أَرَ لَهُ لِائْتِنَانِ فِي حَرَرٍ (وَالْقَتْلُ)

اور امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: وہ وارث تو نہیں بن سکتا البتہ اس کا وارث بنایا جائے گا۔ اور امام ”احمد“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: وہ وارث بھی ہوگا، اس کا وارث بھی بنایا جائے گا، اور وہ اپنی آزادی کی مقدار کے برابر حاجب بھی ہوگا۔ میں کہتا ہوں: تحقیق شافعیہ نے ایک مسئلہ ذکر کیا ہے جس میں غلام کا اس کی کامل غلامی سمیت وارث بنایا جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے: مستامن پر کسی نے جنایت کی اور وہ دارالحرب چلا گیا پھر وہ غلام بنالیا گیا اور پھر وہ اسی غلامی کی حالت میں اس جنایت کے سرايت کرنے کے سبب فوت ہو گیا تو اس کی دیت اس کے ورثا کے لیے ہوگی۔ میں نے اپنے ائمہ سے اسے نہیں دیکھا۔ پس اس کی تحقیق کی جائے۔ اور قتل ہے،

کہ ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک اعتاق تقسیم ہو سکتا ہے اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک نہیں۔

37268۔ (قوله: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ، لَا يَرِثُ بَلْ يُوْرَثُ) اور امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: وہ وارث نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا وارث بنایا جائے گا۔ کہا گیا ہے کہ آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ نہ وہ وارث بن سکتا ہے اور نہ کسی کو اس کا وارث بنایا جائے گا۔ پس چاہیے کہ رجوع کیا جائے۔

37269۔ (قوله: يُوْرَثُ فِيهَا الرَّقِيقُ) اس میں غلام کا وارث بنایا جاتا ہے یعنی اول اصابۃ کی طرف نسبت کرنے کے طریقہ پر۔ ”طحطاوی“۔

37270۔ (قوله: جَنَى عَلَيْهِ) مثلاً اس نے اسے زخم لگا دیا۔

37271۔ (قوله: بِسَمَاءِ آيَةِ تِلْكَ الْجَنَائَةِ) یعنی اس جنایت کے سرايت کرنے کی وجہ سے جو غلامی سے پہلے اس پر واقع ہوئی۔ ”طحطاوی“۔

37272۔ (قوله: فَدَيْتُهُ لَوْرَثَتِهِ الْخ) یعنی جنایت واقع ہونے کے وقت کا اعتبار کرتے ہوئے اس کی دیت اس کے ورثاء کے لیے ہوگی۔ کیونکہ اگر وہ غلام بنائے جانے سے پہلے اس کے ساتھ فوت ہو جاتا تو اس کی میراث انہیں کے لیے ہوتی تو اسی طرح اس کے بعد بھی انہیں کے لیے ہوگی۔ کیونکہ اس کا سبب غلامی سے پہلے پایا گیا ہے۔ ”طحطاوی“۔

37273۔ (قوله: وَلَمْ أَرَ لَهُ لِائْتِنَانِ) اور میں نے اپنے ائمہ کو نہیں دیکھا، انہوں نے کئی مسائل میں جنایت لگنے کے وقت کا اعتبار کیا ہے۔ پس ممکن ہے کہ یہ بھی ان میں سے ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس کی موت واقع ہوئی اس حال میں کہ وہ آقا کی ملکیت میں تھا لہذا دیت اسی کے لیے ہوگی۔ ”طحطاوی“۔

میں کہتا ہوں: میرے لیے یہ ظاہر ہے کہ ہمارے نزدیک جنایت کرنے والے پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ فصل

الْمُوجِبُ لِلْقَوْدِ أَوْ الْكَفَّارَةِ وَإِنْ سَقَطَ بِحُرْمَةِ الْأَبْوَةِ

یعنی وہ جو قصاص یا کفارہ کا موجب ہوتا ہے اگرچہ یہ دونوں حرمت پدری کے سبب ساقط ہیں

المستامن میں یہ گزر چکا ہے کہ وہ جب دارالحرب کی طرف لوٹ جائے درآنحالیکہ وہ مال و دیعت یا قرض چھوڑ جائے پھر اسے قید کر لیا جائے یا ان پر ظاہر ہو تو اسے پکڑ لیا جائے یا قتل کر دیا جائے تو اس کا قرض اور جو کچھ اس سے غصب کیا گیا وہ سب ساقط ہو جائے گا، اور اس کا مال اس کی و دیعت کی طرح ہو گیا، اور جو اس کے شریک کے پاس ہے یا ہمارے دارالسلام میں اس کے گھر میں ہے وہ مال فنی ہو گیا۔ اور اگر ان پر غلبہ پائے بغیر اسے قتل کر دیا گیا یا وہ فوت ہو گیا تو اس کی دیت، اس کا قرض اور اس کا مال و دیعت اس کے ورثاء کے لیے ہوگا۔ کیونکہ اس کی ذات غنیمت نہیں بنی۔ اور یہ معلوم ہے کہ دیت جنایت کرنے والے پر دین (قرض) ہوتی ہے پس اس کے دارالحرب کی طرف لوٹ جانے اور اسے غلام بنائے جانے کی وجہ سے وہ ساقط ہو جائے گی۔ پس وہ نہ اس کے ورثاء کے لیے ہوگی اور نہ ہی اس کے آقا کے لیے ہوگی، کیونکہ جنایت مجنی علیہ کی ملک پر واقع ہوئی ہے نہ کہ آقا کی ملک پر۔ کیونکہ اس نے اسے اس حال میں غلام بنایا ہے کہ اس پر جنایت واقع ہو چکی تھی۔ پس اس کے لیے جنایت کرنے والے سے کسی شے کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔ پس تو اس میں غور کر۔

دوسرا مانع قتل

37274۔ (قوله: الْمُوجِبُ لِلْقَوْدِ أَوْ الْكَفَّارَةِ) وہ قتل جو قصاص یا کفارہ کا موجب ہو۔ پہلا قتل عمد ہے، اور وہ یہ ہے

کہ آدمی تیز دھار آلے کے ساتھ یا جو اجزاء کو کاٹنے میں اس کے قائم مقام ہو اس کے ساتھ کسی کو مارنے کا قصد کرے۔ اور دوسرے کی تین قسمیں ہیں:

(1) شبہ عمد: یہ وہ ہے جس میں آدمی ایسی شے کے ساتھ قتل کا ارادہ کرے جس کے ساتھ اغلباً قتل نہ کیا جاسکتا ہو جیسا کہ لائچی وغیرہ۔

(2) قتل خطا: یہ وہ ہے کہ آدمی شکار کو تیر مارے اور وہ کسی انسان کو جا کر لگے۔

(3) قائم مقام قتل خطا: جیسا کہ سونے والا آدمی کسی آدمی پر اپنی کروٹ بدلے یا چھت سے اس پر آگرے۔ پس قتل بسبب

خارج ہو گیا۔ کیونکہ وہ ان دونوں کو ثابت نہیں کرتا جیسا کہ اگر کسی نے روشندان نکالا، یا کنواں کھودا، یا راستے میں پتھر رکھا اور

اپنے مورث کو قتل کر دیا، یا جانور کو آگے سے کھینچا یا پیچھے سے ہانکا اور اس نے مورث کو روند ڈالا یا اسے بطور قصاص یا بئزرہم یا

اپنی ذات کے دفاع میں قتل کر دیا، یا اس کا مورث اس کے گھر میں مقتول پایا گیا، یا عادل نے باغی کو قتل کیا۔ اور اسی طرح اس

کا برعکس ہے اگر وہ کہے: میں نے اسے قتل کیا ہے اور میں حق پر ہوں، اور میں اب بھی حق پر ہوں۔ اور اس سے وہ قتل بھی

خارج ہو گیا جو بچے اور مجنون سے واقع ہو۔ کیونکہ وہ بھی قصاص اور کفارہ کو واجب نہیں کرتا۔ اس کی مکمل بحث ”سکب الانہر“

وغیرہ میں ہے۔ اور ”الحاوی الزاہدی“ میں اشارۃ ہے: جب خاوند اپنی بیوی کو یا اپنی محرم عورتوں میں سے کسی کو زنا کی وجہ سے

قتل کر دے تو ہمارے نزدیک وہ اس کا وارث ہوگا بخلاف امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کے یعنی زنا کے ثبوت کے ساتھ۔ لیکن صرف

عَلَى مَا مَرَّ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ لَا يَرِثُ الْقَاتِلُ مُطْلَقًا وَلَوْ مَاتَ الْقَاتِلُ قَبْلَ الْمَقْتُولِ وَرِثَهُ الْمَقْتُولُ إجماعاً
(وَاخْتِلَافُ الدِّينِ) وَإِسْلَامًا وَكُفْرًا وَقَالَ أَحْمَدُ إِذَا أَسْلَمَ الْكَافِرُ قَبْلَ قِسْمَةِ التَّرِكَةِ وَرِثَ، وَأَمَّا الْمُرْتَدُّ
فَيُورَثُ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ قُلْتُ ذَكَرَ الشَّافِعِيَّةُ مَسْأَلَةً يُورَثُ فِيهَا الْكَافِرُ صُورَتُهَا كَافِرٌ مَاتَ عَنْ
زَوْجَتِهِ حَامِلًا وَوَقَفْنَا مِيرَاثَ الْحَبْلِ

جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کے نزدیک قاتل مطلقاً وارث نہیں ہوگا اور اگر قاتل مقتول سے پہلے فوت ہو جائے تو مقتول بالاجماع اس کا وارث ہوگا۔ اور اسلام اور کفر کے اعتبار سے دین کا مختلف ہونا۔ اور امام ”احمد“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: جب کافر ترکہ کی تقسیم سے پہلے مسلمان ہو جائے تو وہ وارث ہوگا، اور رہا مرتد تو ہمارے نزدیک اس کا وارث بنایا جائے گا بخلاف امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کے۔ میں کہتا ہوں: شافعیہ نے ایک مسئلہ ذکر کیا ہے جس میں کافر کا وارث بنایا جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک کافر اپنی حاملہ بیوی چھوڑ کر فوت ہوا اور ہم نے حمل کی میراث ٹھہرائی۔

تہمت کے ساتھ وہ وارث نہیں ہوگا جیسا کہ ہمارے علاقہ میں دیہاتوں کے کسانوں سے واقع ہوتا ہے۔ پس تو اسے جان لے۔ ”رہی“۔ اور موجب کے ساتھ مقید کرنا امر غالب کی بنا پر ہے۔ کیونکہ حکم اسی میں ہے جس میں اس طرح کفارہ مستحب ہو جیسا کہ وہ آدمی جس نے اپنی بیوی کو مارا اور اس نے مردہ جنین پھینک دیا تو اس میں غرہ لازم ہوتا ہے اور کفارہ مستحب ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ میراث سے محروم ہو جائے گا۔

37275۔ (قوله: عَلَى مَا مَرَّ) جیسا کہ کتاب الجنایات میں گزر چکا ہے۔

37276۔ (قوله: مُطْلَقًا) یعنی کسی حق کے ساتھ ہو مباشر ہو یا نہ ہو اگرچہ شہادت کے ساتھ ہو یا قتل کے شاہد کے ترکیہ کے ساتھ ہو۔

37277۔ (قوله: وَلَوْ مَاتَ الْقَاتِلُ قَبْلَ الْمَقْتُولِ) اور اگر قاتل مقتول سے پہلے فوت ہو جائے اس طرح کہ اس نے اسے شدید زخمی کر دیا جس کے سبب وہ صاحب فراش ہو گیا اور پھر زخم لگانے والا اس سے پہلے فوت ہو گیا۔

تیسرا مانع اختلاف دین

37278۔ (قوله: إِسْلَامًا وَكُفْرًا) اسلام اور کفر کے اعتبار سے۔ اس کے ساتھ مقید کیا کیونکہ کفار آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں اگرچہ ہمارے نزدیک ان کے دین مختلف ہوں۔ کیونکہ تمام کا تمام کفر ملے واحدہ ہے۔

37279۔ (قوله: وَأَمَّا الْمُرْتَدُّ فَيُورَثُ عِنْدَنَا) اور رہا مرتد تو اس کا ہمارے نزدیک وارث بنایا جائے گا۔ یعنی اس کی اس کمائی کا جو حالت اسلام میں اس نے مال جمع کیا۔ اور حالت ردت میں کمایا ہو مال مسلمانوں کے لیے مال فنی ہوگا۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: مرتدہ کی کمائی کی طرح وہ مسلمان وارث کے لیے ہوگی۔

37280۔ (قوله: خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ) بخلاف امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کے۔ پس انہوں نے کہا ہے: اس کے دونوں

فَأَسْلَمْتُ ثُمَّ وَلَدْتُ وَرِثَ الْوَلَدُ وَلَمْ أَرَ إِلَّا لِيَتَتَنَا صَرِيحًا (وَالرَّابِعُ) (اِخْتِلَافُ الدَّارَيْنِ) فِيمَا بَيْنَ الْكُفَّارِ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ

پھر وہ عورت مسلمان ہو گئی اور اس نے بچہ جنا تو وہ اس کا وارث ہوگا، میں نے اپنے ائمہ سے اسے صراحت نہیں دیکھا۔ اور چوتھا مانع اختلاف دارین ہے۔ ہمارے نزدیک اس صورت میں جبکہ یہ کفار کے درمیان ہو، خلاف امام ”شافعی“ رضی اللہ عنہ کے۔

زمانوں کی کمائی بیت المال کے لیے ہوگی۔

37281۔ (قوله: فَأَسْلَمْتُ) پس وہ اس کی موت کے بعد اسلام لے آئی، سو اگر وہ اس کی موت سے پہلے اسلام

قبول کرے تو یہ ظاہر ہے کہ حمل وارث نہیں ہوگا یہ ایک ہی قول ہے۔ کیونکہ وہ ماں کا جز ہے۔ پس وہ مورث کی موت کے وقت مسلمان ہے اور ولادت کے وقت ماں کے تابع ہے۔ اور واقعۃ الفتویٰ ہے۔

37282۔ (قوله: وَلَمْ أَرَ إِلَّا لِيَتَتَنَا صَرِيحًا) اور میں نے اپنے ائمہ کو صریح قول کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ میں کہتا

ہوں: ”شارح“ نے اسے صریحاً کے قول کے ساتھ مقید کیا ہے، کیونکہ ان کا کلام اس پر دلالت ظاہرہ کے ساتھ دلالت کرتا ہے، پس اس میں سے ان کا قول ارث الحمل ہے کہ انہوں نے میراث کی اضافت اس کی طرف کی ہے اور وہ حمل ہے۔ اور رہا یہ کہ انہوں نے اس کے زندہ پیدا ہونے کی شرط لگائی ہے تو وہ اس کے مورث کی موت کے وقت اس کے وجود کے تحقق کے لیے ہے۔ اور اسی وجہ سے ہمارے لیے کہا گیا ہے: جماد مالک ہوتا ہے اور وہ نطفہ ہے۔ اور ”حاشیۃ المحموی“ میں ”الظہیریہ“ سے ہے: جب حمل مردہ حالت میں جدا ہو تو بلاشبہ وہ وارث نہیں ہوگا جب وہ بذات خود خارج ہو، لیکن جب اسے جدا کیا جائے تو وہ من جملہ ورثاء میں سے ہوگا، اس کی وضاحت یہ ہے: جب کوئی آدمی عورت کے پیٹ پر ضرب لگائے اور وہ مردہ جنین گرا دے تو وہ وارث ہوگا، کیونکہ شارع نے ضرب لگانے والے پر غرہ واجب کیا ہے اور زندہ پر جنایت کے عوض ضمان واجب ہوتا ہے نہ کہ میت پر۔ پس ہم نے جنایت کا حکم لگا دیا تو پھر اس کے لیے میراث ہوگی اور اس کی طرف سے اس کے حصے کا وارث بنایا جائے گا جیسا کہ اس کی طرف سے اس کی ذات کے بدل کا وارث بنایا جاتا ہے اور وہ غرہ ہے۔

میں کہتا ہوں: تحقیق انہوں نے اسے وارث اور مورث بنایا ہے حالانکہ وہ اپنے جدا ہونے سے پہلے جنین ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ وہ اپنے مورث کی موت کے وقت مسلمان نہیں ہے۔ پس اس کے میراث کا مستحق ہونے کے وقت، نہ جنین نہ پایا گیا، بلاشبہ وہ اس کے بعد پایا گیا ہے تو وہ اس کی طرح ہو گیا جو اپنے کافر مورث کی موت کے بعد اسلام لے آیا۔ پس یہ فی الحقیقت کافر سے مسلمان کو میراث حاصل نہیں ہو رہی ہے بلکہ یہ کافر کی وراثت کافر سے ہے۔ ہاں ہمارے نزدیک مرتد کے مسئلہ میں کافر سے مسلمان کی میراث کا تصور کیا جاسکتا ہے۔

چوتھا مانع اختلاف دارین

37283۔ (قوله: وَالرَّابِعُ اِخْتِلَافُ الدَّارَيْنِ) اور چوتھا مانع اختلاف دارین ہے۔ ان دونوں کا اختلاف لشکر اور

(حَقِيقَةُ) كَحْرِيٍّ وَذِمِّيٍّ (أَوْ حُكْمًا) كَمُسْتَأْمَنٍ وَذِمِّيٍّ وَكَحْرَبِيِّيْنِ مِنْ دَارَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ

چاہیے یہ اختلاف حقیقتاً ہو جیسا کہ حربی اور ذمی کے درمیان، یا حکماً ہو جیسا کہ مستامن اور ذمی کے درمیان اور جیسا کہ دو حربی جب کہ وہ دو مختلف داروں سے ہوں

فوجی قوت کے اختلاف اور ملک اور سلطنت کے اختلاف کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ دو ملکوں میں سے ایک ہند میں ہو اور اس کا الگ دار اور لشکر ہو اور دوسرا ترک میں ہو اور اس کے لیے دوسرا دار اور لشکر ہو۔ اور ان کے درمیان عصمت (یعنی جان و مال کی حفاظت) منقطع ہو، یہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ قتال کو حلال سمجھے۔ پس دو آدمی دو مختلف داروں کے ہوں تو ان دونوں کے اختلاف کے ساتھ وراثت منقطع ہو جائے گی۔ کیونکہ وراثت کا دار و مدار عصمت اور ولایت پر ہوتا ہے۔ لیکن جب دونوں اپنے دشمنوں کے خلاف ایک دوسرے کے مددگار اور معاون ہوں تو پھر ایک دار شمار ہوگا اور وراثت بھی ثابت ہوگی۔

پھر تو جان! کہ یہ اختلاف حقیقی اور حکمی ہوگا جیسا کہ حربی اور ذمی اور اسی طرح دو حربی سابقہ معنی کے مطابق دو مختلف داروں میں رہتے ہوں۔ یا صرف حکمی ہوگا جیسے مستامن اور ذمی جب ہمارے دار میں ہوں۔ کیونکہ یہ دار اگرچہ حقیقتاً ایک ہے مگر یہ حکماً مختلف ہے۔ کیونکہ مستامن حکماً دار الحرب والوں سے ہے اس لیے کہ وہ اس کی طرف واپس لوٹنے کی قدرت رکھتا ہے۔ یا وہ صرف حقیقی ہوگا جیسا کہ مستامن ہمارے دار میں ہو اور حربی ان کے دار میں ہو۔ چونکہ دار اگرچہ حقیقتاً مختلف ہے لیکن مستامن حکمی طور پر اہل حرب سے ہے جیسا کہ آپ جان چکے ہیں۔ پس وہ دونوں حکماً متحد ہوئے۔ اس آخری صورت میں مستامن کا مال اس کے حربی وارث کو دے دیا جائے گا اس لیے کہ اس کے حق کی وجہ سے اس کے مال میں امان کا حکم باقی ہے، اور اس کا مال اس کے ورثاء تک پہنچانا اس کے حق میں ہے جیسا کہ عام کتب میں ہے۔ پس یہ اسے بیت المال کی طرف پھیرنے کے مانع ہوگا بخلاف اس کے جو ”شرح السراجیہ“ میں اس کے ”مصنف“ کے نزدیک ہے جیسا کہ اس پر ”الدر المنبتی“ اور ”سکب الانہر“ میں آگاہ کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اور اسی سے معلوم ہوا کہ مانع اختلاف حکمی ہے، چاہے حقیقی اختلاف بھی ہو یا نہ ہو نہ کہ وہ اختلاف جو صرف حقیقی ہو۔ یہی وہ ہے جو ”زیلعی“ نے کہا ہے کہ مؤثر وہ اختلاف حکمی ہے یہاں تک کہ حکمی کے بغیر حقیقی معتبر نہیں ہوگا۔

37284۔ (قوله: حَقِيقَةُ) یعنی حقیقی اور حکمی دونوں طرح کا اختلاف ہو جیسا کہ آپ جان چکے ہیں۔

37285۔ (قوله: كَحْرِيٍّ وَذِمِّيٍّ) جیسا کہ حربی اور ذمی، یعنی جب حربی دار الحرب میں فوت ہو اور اس کا وارث ذمی

ہمارے دار میں ہو، یا ذمی ہمارے دار میں فوت ہو اور اس کا وارث دار الحرب میں ہو تو حقیقتاً اور حکماً دونوں کے دار جدا ہونے کی وجہ سے ان میں سے کوئی ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوگا اگرچہ دونوں کا دین ایک ہے۔

37286۔ (قوله: أَوْ حُكْمًا) یا صرف حکماً دار مختلف ہو۔

37287۔ (قوله: وَكَحْرَبِيِّيْنِ الْخ) اور جیسا کہ دو حربی ہیں۔ اسی طرح ”السراجیہ“ میں ہے۔ اور اسی میں ہے کہ یہ

كَتُرِّي وَهِنْدِي لَانِقْطَاعِ الْعِصَةِ فِيمَا بَيْنَهُمْ بِخِلَافِ الْمُسْلِمِينَ قُلْتُ وَبَقِيَ مِنَ الْمَوَانِعِ جَهَالَةُ تَارِيخِ
الْمَوْتِ كَالْغُرْقَى وَالْحَرْقَى وَالْهَذْمَى وَالْقَتْلَى

جیسا کہ ترکی اور ہندی اس لیے کہ ان کے درمیان عصمت (مال و جان کی حفاظت) منقطع ہو جاتی ہے بخلاف دو مسلمانوں کے۔ میں کہتا ہوں: موانع میں سے مردوں کی تاریخ کا مجہول ہونا باقی ہے جیسا کہ وہ لوگ جو پانی میں ڈوب جائیں، آگ میں جل جائیں، جن پر دیوار یا چھت گر پڑے اور وہ فوت ہو جائیں، اور وہ جو قتل کر دیئے جائیں۔

حقیقتاً اور حکماء دار کے مختلف ہونے میں سے ہے جیسا کہ ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ مگر یہ کہ اسے اس پر محمول کیا جائے کہ یہ دونوں حقیقتاً دو مختلف داروں سے ہوں۔ لیکن وہ دونوں ہمارے دار میں مستامن ہوں تو وہ دونوں حقیقی طور پر ایک دار میں ہیں اور حکمی طور پر دو مختلف داروں میں ہیں۔ اور اسی کی تائید یہ بھی کرتا ہے کہ ”شارح“ نے من دارین کہا ہے: فی دارین نہیں کہا ہے۔ اگرچہ اولیٰ حربیین کے بدلے مستامن کہنا تھا۔ گویا انہوں نے اس اولیٰ اور بہتر کو اس طرف اشارہ کرنے کے لیے چھوڑا کہ اسے دو اختلافوں کی مثال بنانا ممکن ہے۔ اسے ”السید“ نے بیان کیا ہے اور اس کی مکمل بحث اسی میں ہے۔

37288۔ (قوله: بِخِلَافِ الْمُسْلِمِينَ) بخلاف مسلمانوں کے۔ اسی سے ”شارح“ نے اپنے قول: فیما بین الکفار کے ساتھ احتراز کیا ہے۔ یعنی اختلاف دار مسلمانوں کے حق میں موثر نہیں ہوگا جیسا کہ عام شروع میں ہے، یہاں تک کہ مسلمان تاجر یا قیدی اگر دار الحرب میں فوت ہو جائے تو اس کے وہ وارث جو دار الاسلام میں رہ رہے ہیں وہ وارث ہوں گے جیسا کہ ”سکب الانہر“ میں ہے۔

”ابن حنبل“ کی ”شرح السراجیہ“ میں کہا ہے: اور رہا ”العتابی“ کا قول کہ جو اسلام لایا اور اس نے ہماری طرف ہجرت نہ کی وہ ہمارے دار میں رہنے والے اصلی مسلمان کا وارث نہیں ہوگا اور نہ ہی وہ اصلی مسلمان اس کا وارث ہوگا جس نے اسلام قبول کیا اور ہماری طرف ہجرت نہیں کی چاہے وہ دار الحرب میں مستامن ہو یا نہ ہو تو اس کا دفاع ہمارے بعض علماء کے قول کے ساتھ کیا گیا ہے: میرے خیال میں یہ آ رہا ہے کہ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا جبکہ ہجرت فرض تھی۔ کیا آپ جانتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنہوں نے ہجرت کی اور جنہوں نے ہجرت نہیں کی ان کے درمیان ولایت کی نفی کر دی اور فرمایا: وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَالَهُمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّى يُهَاجِرُوا (الانفال: 72) (اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی نہیں تمہارے لیے ان کی وراثت سے کوئی چیز یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں) تو جب ان کے درمیان ولایت کی نفی ہوگئی تو میراث کی بھی نفی ہوگئی۔ کیونکہ میراث کا دار و مدار ولایت پر ہے۔ لیکن رہا اب تو یہ منسب ہے کہ وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں۔ کیونکہ ہجرت کا حکم حضور نبی مکرم ﷺ کے اس ارشاد: لا هجرة بعد الفتح (1) (فتح کے بعد کوئی ہجرت نہیں) کے ساتھ منسوخ ہو گیا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب فضل الجہاد والسیر، جلد 2، صفحہ 84، حدیث نمبر 2575، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

كَمَا سَيَجِيءُ وَمِنْهَا جَهَالَةُ الْوَارِثِ وَذَلِكَ فِي خَمْسِ مَسَائِلَ أَوْ أَكْثَرَ فِي الْمُجْتَبَى مِنْهَا أَرْضَعْتُ صَبِيًّا مَعَ وَلَدِهَا وَمَاتَتْ وَجُهِلَ وَلَدُهَا فَلَا تَوَارِثَ، وَكَذَا لَوْ اشْتَبَهَ وَلَدُ مُسْلِمٍ مِنْ وَلَدِ نَصْرَانِيٍّ عِنْدَ الظُّنِّ وَكِبَرًا فَهِيَ مُسْلِمَانِ

ان کی تفصیل عنقریب آئے گی۔ اور موانع میں سے وارث کا مجہول ہونا بھی ہے۔ اور یہ ”المجتبیٰ“ میں پانچ یا اس سے زیادہ مسائل میں موجود ہے، ان میں سے ایک یہ ہے: کسی عورت نے اپنے بیٹے کے ساتھ کسی بچے کو دودھ پلایا اور وہ فوت ہو گئی اور اس کا بیٹا مجہول ہو گیا تو ان میں سے کوئی بھی اس کا وارث نہیں بنے گا۔ اور اسی طرح اگر مسلمان بچہ دایہ کے پاس نصرانی کے بچے کے ساتھ مشتبہ ہو جائے اور وہ دونوں بالغ ہو جائیں تو وہ دونوں مسلمان ہوں گے

مردوں کی تاریخ اور وارث کا مجہول ہونا بھی موانع میں سے ہے

37289۔ (قوله: كَمَا سَيَجِيءُ) جیسا کہ عنقریب فصل الحرق والغرق میں آئے گا۔

37290۔ (قوله: فِي خَمْسِ مَسَائِلَ أَوْ أَكْثَرَ) ”شارح“ نے ادا کثرت کا قول ”المجتبیٰ“ کی اتباع کرتے ہوئے زیادہ کیا ہے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ انہوں نے پانچ مسائل شمار کئے ہیں اور اس سے حصر کا ارادہ نہیں کیا۔ کیونکہ ان کے علاوہ مزید اضافہ کا امکان ہے۔ تامل۔ اور ”شارح“ نے ان میں سے دو ذکر کئے ہیں۔ اور تیسرا یہ ہے: کسی آدمی نے رات کے وقت اپنا بچہ مسجد کے صحن میں رکھ دیا، پھر وہ صبح کے وقت نادم ہوا تو وہ اسے اٹھانے کے لیے واپس لوٹ کر آیا، تو اچانک اس میں دو بچوں کو پایا اور وہ اپنے بچے کو دوسرے سے نہ پہچان سکا، اور حقیقت حال ظاہر ہونے سے پہلے ہی فوت ہو گیا تو دونوں میں سے کوئی ایک بھی وارث نہیں ہوگا اور اس کا مال بیت المال میں رکھ دیا جائے گا اور ان دونوں کا نفقہ بیت المال پر ہوگا، اور ان دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کا وارث نہیں ہوگا۔

اور چوتھا مسئلہ یہ ہے: ایک آزاد عورت اور ایک لونڈی دونوں میں سے ہر ایک نے ایک تاریک کمرے میں ایک ایک بچے کو جنم دیا اور آزاد عورت کا بچہ دوسرے سے الگ معلوم نہ ہو سکتا ہو تو دونوں میں سے کوئی بھی وارث نہیں ہوگا، اور دونوں میں سے ہر ایک لونڈی کے آقا کے لیے سعی کرے گا۔

اور پانچواں مسئلہ یہ ہے: ایک آدمی کا ایک بیٹا آزاد عورت سے ہو اور ایک بیٹا کسی آدمی کی لونڈی سے ہو، دونوں کو کوئی ایک دایہ دودھ پلائے یہاں تک کہ وہ دونوں بڑے ہو جائیں اور آزاد عورت کے بیٹے کی دوسرے سے پہچان نہ ہو سکتی ہو تو وہ دونوں آزاد ہوں گے۔ اور دونوں میں سے ہر ایک لونڈی کے آقا کے لیے اپنی نصف قیمت کے لیے سعی کرے گا اور وہ دونوں اس کے وارث نہیں ہوں گے۔

37291۔ (قوله: فَلَا تَوَارِثَ) یعنی ان دونوں میں سے کوئی ایک اس کا وارث نہیں ہوگا۔

37292۔ (قوله: مِنْ وَلَدٍ) اس میں اولیٰ بولید ہے۔

وَلَا يَرِثَانِ مِنْ أَبَوَيْهِمَا إِذْ فِي النُّسْبَةِ إِلَّا أَنْ يَصْطَلِحَا فَلَهُمَا أَنْ يَأْخُذَا الْبِيرَاثَ بَيْنَهُمَا ثُمَّ بَيْنَ ذَوِي الْفَرَضِ
اور دونوں اپنے والدین سے وارث نہیں ہوں گے۔ ”المنیہ“ میں یہ زائد ہے: مگر یہ کہ دونوں صلح کر لیں تو پھر دونوں کے لیے
آپس میں میراث لینا جائز ہے۔ پھر اس کے بعد ”مصنف“ نے ذوالفروض کو بیان کیا ہے

37293۔ (قوله: إِلَّا أَنْ يَصْطَلِحَا) مگر یہ کہ دونوں بچے صلح کر لیں، کیونکہ میراث ان دونوں سے تجاوز نہیں کر سکتی۔
پس جس نے حصہ لیا در آنحالیکہ وہ حقیقی وارث ہو تو اس نے اپنے حق میں سے لیا ہے، اور اس کے بعد جو دوسرے نے لیا ہے وہ
مستحق کی طرف سے ہبہ ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ بھی سابقہ مسئلہ کی طرف راجع ہے۔ ”طحاوی“۔
میں کہتا ہوں: بلکہ گزشتہ تمام مسائل کی طرف، بلاشبہ جو بیت المال میں مال رکھنے کا مسئلہ گزرا ہے وہ بھی اسی پر محمول ہے
کہ جب ان دونوں کی صلح نہ ہو۔ تامل۔

تمتہ

اس وقت مجموعی موانع چھ ہیں۔ اور بعض نے موانع میں نبوت کا اضافہ کیا ہے اس لیے کہ ”صحیحین“ کی حدیث ہے: نَحْنُ
مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورِثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةً (1) (ہم گروہ انبیاء ہیں ہمارا کوئی وارث نہ ہوگا جو ہم نے چھوڑا وہ صدقہ ہے) اور
”الاشباہ“ میں تتمہ سے ہے: ہر انسان وارث ہوتا ہے اور وارث بناتا ہے مگر حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات نہ وارث
ہوتے ہیں اور نہ وارث بناتے ہیں۔ اور جو یہ کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے وارث بنے یہ صحیح نہیں
ہے۔ بلاشبہ انہوں نے اپنا مال اپنی صحت کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کیا تھا۔

میں کہتا ہوں: لیکن ”ابن کمال“ اور ”سکب الانہر“ کا کلام اس بارے شعور دلاتا ہے کہ وہ وارث ہوتے ہیں۔ اس کی مکمل
بحث ”الرحیق المختوم“ میں ہے۔ اور بعض نے ردت کا اضافہ کیا ہے، پس مرتد بالا جماع کسی کا وارث نہیں بنتا، اور یہ دین کے
اختلاف کی وجہ سے نہیں۔ کیونکہ اس کا کوئی دین نہیں ہوتا جیسا کہ اپنے محل میں یہ پہچانا جا چکا ہے۔ پس اب موانع آٹھ ہو
گئے۔ اور بعض نے نویں کا اضافہ کیا ہے اور وہ لعان ہے۔ ”الدر المنبتی“ میں کہا ہے: فی الحقیقت موانع پانچ ہیں: چار متن میں
ہیں، اور پانچواں ردت جیسا کہ استقراء شرعی سے یہی معلوم ہوا ہے اور جو ان پر زائد ہیں انہیں مجازاً مانع کا نام دیا گیا ہے۔
کیونکہ ان کے ساتھ میراث کی نفی مانع کے وجود کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ شرط یا سبب نہ پائے جانے کی وجہ سے ہے۔

وضاحت

اس کی وضاحت یہ ہے کہ میراث کی شرط مورث کی موت کے وقت وارث کا زندہ موجود ہونا ہے۔ اور مردہ کی تاریخ
مجهول ہونے کی صورت میں اس کی نفی ہو جاتی ہے اس لیے کہ شرط کے وجود کا علم نہیں اور شک کے ساتھ وارث ہونا ثابت نہیں
ہوتا۔ اور اسی طرح وارث کے مجهول ہونے کی صورت بھی ہے۔ کیونکہ جہالت حکماً اس کی موت کی طرح ہے جیسا کہ مفتود میں

1۔ مرقاة العالی القاری (مترجم)، کتاب الفضائل والشمائل، جلد 11، صفحہ 263، مکتبہ رحمانیہ

مُقَدَّمًا لِلزَّوْجَةِ لِأَنَّهَا أَصْلُ الْوِلَادِ إِذْ مِنْهَا تَتَوَلَّدُ الْأَوْلَادُ فَقَالَ (فَيُفْرَضُ لِلزَّوْجَةِ فَصَاعِدًا الشَّئْنُ مَعَ وَلَدٍ أَوْ وَلَدِ ابْنٍ) وَأَمَّا مَعَ وَلَدِ الْبِنْتِ فَيُفْرَضُ لَهَا الرُّبْعُ

اور ان میں سے زوجہ کو مقدم کیا ہے۔ کیونکہ وہی ولاد (جنم دینا) میں اصل ہے، کیونکہ اولاد اسی سے پیدا ہوتی ہے۔ پس کہا: بیوی ایک ہو یا زیادہ ہوں اسے اپنی اولاد یا بیٹے کی اولاد کے ساتھ آٹھواں حصہ دیا جائے گا اور رہا بیٹی کی اولاد کے ساتھ تو اس صورت میں اسے چوتھا حصہ دیا جائے گا۔

ہوتا ہے۔ اور رہا ولد اللعان (یعنی وہ بچہ جس کے سبب زوجین کے درمیان لعان ہوا) تو وہ اپنے باپ کا وارث نہیں ہوتا اور اس کا برعکس بھی (یعنی باپ اس کا وارث نہیں بنتا) اس لیے کہ اس کا نسب منقطع ہو چکا ہے۔ تو حقیقت میں میراث کا نہ ہونا عدم سبب کی وجہ سے ہے۔ اور وہ اس کا اپنے باپ کی طرف منسوب ہونا ہے۔ اور رہی نبوت تو اس کے شرط یا سبب کی نفی میں سے ہونے میں کلام ہے جسے ہماری شرح ”الرحیق المختوم“ سے جانا جاسکتا ہے اور جو ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ اس کے موانع میں سے نہ ہونے کی علت یہ ہے کہ نبوت معنوی اعتبار سے مورث میں قائم ہے، اور وہ مانع جو میراث سے روکتا ہے وہ معنوی اعتبار سے وارث میں قائم ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے اسے اس کی تعریف میں بیان کر دیا ہے۔

تکمیل

شافیہ نے دور حکمی کو موانع میں سے شمار کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وارث بنانے سے اس کا عدم لازم آئے جیسا کہ اگر ایک آدمی بھائی چھوڑ کر فوت ہو جائے اور وہ بھائی میت کے بیٹے کے بارے اقرار کرے تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور ان کے نزدیک وہ وارث نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ وارث بنے تو وہ بھائی کو میراث سے روک دے گا (یعنی اس کے لیے حاجب بن جائے گا)۔ پس اس کا اقرار قبول نہیں کیا جائے گا۔ پس نہ بیٹے کا نسب ثابت ہوگا اور نہ وہ وارث بنے گا، کیونکہ اس کے حق ارث کو ثابت کرنا اس کی نفی تک پہنچا دیتا ہے۔ پس اس کی اصل کی ہی نفی ہو جائے گی اور اسے ہمارے علماء نے ذکر نہیں کیا اس لیے کہ اقرار کرنے والے کا اقرار صرف اپنی ذات کے حق میں صحیح ہوتا ہے۔ پس بیٹا وارث ہوگا نہ کہ وہ جیسا کہ ”الرحیق المختوم“ میں میں نے نقلی دلائل سے تائید لے کر اس کی تحقیق کی ہے، اور اس کی مکمل بحث باب اقرار المريض میں گزر چکی ہے۔

37294۔ (قوله: لِأَنَّهَا أَصْلُ الْوِلَادِ) ولاد واؤ کے کسرہ کے ساتھ ولد کا مصدر ہے: یعنی اصل اور فروع کی ولادت

کی اصل وہی ہے۔ پس تمام غالباً اس کی اولاد ہیں۔ کیونکہ ولادت کبھی لونڈی بنانے سے ہوتی ہے۔ پھر یہ اسی اعتبار سے ہے اگرچہ وہ ماں ہے لیکن زوجیت کی صفت ماں ہونے کی صفت پر مقدم ہے۔ پس اسی لیے ماں کو مقدم نہیں کیا گیا۔ تامل۔

37295۔ (قوله: مَعَ وَلَدٍ) مراد فوت ہونے والے زوج کی اولاد ہے چاہے وہ مذکر ہو یا مونث اگرچہ وہ اس کے

علاوہ دوسری بیوی سے ہو۔

(وَإِنْ سَفَلَ وَالزُّنْعُ لَهَا عِنْدَ عَدَمِهَا) فَلِلزَّوْجَاتِ حَالَتَانِ الزُّنْعُ بِلَا وَلَدٍ وَالشُّنُّ مَعَ الْوَلَدِ (وَالزُّنْعُ لِلزَّوْجِ) فَأَكْثَرُ كَمَا لَوْ أَدَّعَى رَجُلَانِ فَأَكْثَرُ نِكَاحٍ مَيِّتَةٍ وَبَرَّهْنًا وَلَمْ تَكُنْ فِي بَيْتٍ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَلَا دَخَلَ بِهَا فَإِنَّهُمْ يُقْسِمُونَ مِيرَاثَ زَوْجٍ وَاحِدٍ لِعَدَمِ الْأُولَوِيَّةِ (مَعَ أَحَدِهِمَا) أَيْ الْوَلَدِ أَوْ وَلَدِ الْإِبْنِ

اگرچہ وہ کتنا نیچے تک ہو (یعنی پوتا، پروتا اور سروتا وغیرہ) اور ان دونوں (یعنی اپنی اولاد اور بیٹے کی اولاد) کے نہ ہونے کی حالت میں اس کے لیے چوتھا حصہ ہوگا۔ پس بیویوں کے لیے دو حالتیں ہوں گی۔ (1) بغیر اولاد کے ان کا حصہ چوتھائی ہے۔ (2) اور اولاد کے ساتھ ان کا حصہ آٹھواں ہے۔ اور خاوند کے لئے چوتھائی حصہ ہے خاوند ایک ہو یا زیادہ، جیسا کہ اگر دو آدمی یا زیادہ ایک مردہ عورت کے ساتھ نکاح کا دعویٰ کریں اور دونوں گواہ پیش کر دیں اور وہ عورت دونوں میں سے کسی کے گھر میں نہ ہو اور نہ کسی نے اس سے دخول کیا ہو تو وہ عدم اولویت اور عدم ترجیح کی وجہ سے ایک خاوند کی میراث تقسیم کر لیں گے جبکہ خاوند کے ساتھ بیٹا یا پوتا ہو۔

37296۔ (قوله: وَإِنْ سَفَلَ) یہ لفظ فا کے فتح کے ساتھ السفل سے ہے جو کہ علو (بلندی) کی ضد ہے اور باب نصر ینصر سے ہے۔ اور فا کے ضمہ کے ساتھ السفال سے ہے اور اس کا معنی دناءۃ (گھٹیا ہونا) ہے اور یہ باب شرف یشرف سے ہے۔ ”ابن کمال“ یہاں مراد پہلا ہے۔

37297۔ (قوله: نِكَاحٌ مَيِّتَةٍ) لیکن اگر نکاح کا دعویٰ زندہ عورت سے ہو تو پھر شہادت ساقط ہو جائے گی، اور یہ عورت اس کی ہوگی جس کی اس نے خود تصدیق کی بشرطیکہ وہ اس کے پاس نہ ہو جس کی اس نے تکذیب کی، اور نہ ہی اس نے اس سے مقاربت کی ہو جسے اس نے جھٹلایا۔ اور اگر دونوں نے تاریخ بیان کر دی تو جس کی تاریخ اسبق ہوگی وہ زیادہ حقدار ہوگا، ”طحطاوی“۔

37298۔ (قوله: وَبَرَّهْنًا) ”البحر“ باب دعویٰ الرجلین میں کہا ہے: اگر دو آدمیوں نے عورت کے فوت ہونے کے بعد اس کے نکاح پر شہادت قائم کر دی اور دونوں نے کوئی تاریخ بیان نہ کی یا تاریخ بیان کی اور دونوں کی تاریخ برابر ہو تو اس کے ساتھ دونوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا۔ اور دونوں میں سے ہر ایک پر نصف مہر ہوگا اور دونوں ایک خاوند کی میراث سے، وارث ہوں گے۔ اور اگر اس نے بیٹے کو جنم دیا تو اس کا نسب دونوں سے ثابت ہوگا، اور وہ دونوں میں سے ہر ایک کا ایسا وارث ہوگا جیسے بیٹے کی میراث کا وارث ہوگا۔ اور وہ دونوں اس بیٹے سے ایک باپ کی میراث کے وارث ہوں گے۔ اسی طرح ”الخلاصہ“ اور ”منیۃ المفتی“ میں ہے۔ اور اس میں اقرار اور قبضہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اور اسی کی مثل ”جامع الفصولین“ میں ہے۔

37299۔ (قوله: وَلَمْ تَكُنْ فِي بَيْتٍ وَاحِدٍ مِنْهُمَا) اور وہ ان دونوں میں سے کسی کے گھر میں نہ ہو، یہی اس کا معنی ہے جو ”روح الشروح“ میں ہے: اور وہ دونوں میں سے کسی کے قبضہ میں نہ ہو۔ اور اس کا مفہوم قبضہ کا اعتبار کرنا ہے، اور یہ اس کے خلاف ہے جو ابھی ہم نے بیان کیا ہے۔ فقہ بر۔

(وَالنِّصْفُ لَهُ عِنْدَ عَدَمِهَا) فَلِلزَّوْجِ حَالَتَانِ النِّصْفُ وَالرُّبْعُ (وَلِلْأَبِ وَالْجَدِّ) ثَلَاثُ أَحْوَالٍ الْفَرَضُ الْمُبْتَغَى وَهُوَ (السُّدُسُ) وَذَلِكَ (مَعَ وَلَدٍ أَوْ وَلَدِ ابْنٍ) وَالتَّعْصِيبُ الْمُبْتَغَى عِنْدَ عَدَمِهَا وَالْفَرَضُ وَالتَّعْصِيبُ مَعَ ابْنَتٍ أَوْ ابْنَتِ ابْنٍ قُلْتُ وَفِي الْأَشْبَاهِ الْجَدُّ، كَالْأَبِ إِلَّا فِي ثَلَاثَةِ عَشَرَ مَسْأَلَةً

اور اگر ان دونوں میں سے کوئی نہ ہو تو پھر اس کا حصہ نصف ہے۔ پس خاوند کی دو حالتیں ہوں گی: ایک حالت میں اس کا حصہ نصف ہے اور دوسری میں چوتھائی ہے۔ اور باپ اور دادا کے تین احوال ہیں: (1) فرض مطلق اور وہ چھٹا حصہ ہے اور یہ تب ہے جب اس کے ساتھ بیٹا یا پوتا ہو۔ (2) مطلق عصبہ ہونا۔ اور یہ تب ہے جب یہ دونوں ساتھ نہ ہوں۔ (3) فرض اور بیٹی یا پوتی کے ساتھ عصبہ ہونا۔ میں کہتا ہوں: ”الاشباہ“ میں ہے: دادا باپ کی مثل ہے سوائے تیرہ مسائل کے:

37300۔ (قوله: وَالنِّصْفُ لَهُ) اور خاوند کے لئے نصف ہے۔ اور جو نصف حصہ کے مستحق ہوتے ہیں ان میں سے چار باقی ہیں ان کا ذکر یہاں کرنا چاہئے جیسا کہ بقیہ فرض کا کیا ہے۔ اور وہ بیٹی ہے اور بیٹی نہ ہونے کی صورت میں پوتی ہے، اور سگی بہن ہے اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں علاقائی بہن ہے بشرطیکہ یہ اس سے منفرد ہوں جو انہیں عصبہ بناتا ہے۔
جد صحیح اور جد فاسد میں فرق

37301۔ (قوله: وَالْجَدِّ) اور دادا۔ پس یہ باپ کے نہ ہونے کی صورت میں اس کی مثل ہوتا ہے اگر میت کی طرف اس کی نسبت میں کوئی عورت داخل نہ ہو اور وہی جد صحیح ہے۔ اور اگر میت کی طرف اس کی نسبت میں ماں خلل انداز ہو تو پھر یہ جد فاسد ہے اور وہ وارث نہیں ہوگا مگر اس بنا پر کہ وہ ذوی الارحام میں سے ہو۔ کیونکہ نسبت میں ماں کا خلل انداز ہونا نسب کو کاٹ دیتا ہے جبکہ نسب آباء کی طرف ثابت ہوتا ہے۔ ”زیلعی“۔

37302۔ (قوله: الْفَرَضُ الْمُبْتَغَى) یعنی وہ عصبہ ہونے سے خالی ہو۔

37303۔ (قوله: مَعَ وَلَدٍ أَوْ وَلَدِ ابْنٍ) یعنی اس کے ساتھ بیٹا یا پوتا ہو۔ یہ فرض مطلق کے لئے قید ہے۔ پس زیادہ مناسب تھا کہ الولد کو الذکر کی صفت کے ساتھ مقید کیا جاتا۔ کیونکہ ولد کا لفظ مونث کو بھی شامل ہوتا ہے۔ لیکن ”شارح“ نے اس صفت کو چھوڑ دیا۔ کیونکہ مابعد سے یہ سمجھی جا رہی ہے۔

37304۔ (قوله: مَعَ ابْنَتٍ أَوْ ابْنَتِ ابْنٍ) بیٹی یا پوتی کے ساتھ۔ پس اس یعنی باپ یا دادا کے لئے چھٹا حصہ ہوگا اور بیٹی یا پوتی کے لئے نصف حصہ ہوگا اور باقی اس کے لئے عصبہ ہونے کے اعتبار سے ہوگا۔

وہ تیرہ مسائل جن میں دادا باپ سے جدا ہے

37305۔ (قوله: إِلَّا فِي ثَلَاثَةِ عَشَرَ مَسْأَلَةً) مگر تیرہ مسائل میں۔ زیادہ صحیح وہ ہے جو بعض نسخوں میں ثلاث عشرة

ہے یعنی مسألة کے مونث ہونے کی وجہ سے ثلاث کو مذکر اور عشرہ کو مونث لایا گیا ہے اگرچہ لفظ مسئلہ کی تانیت لفظی ہے۔

خَمْسٌ فِي الْفَرَائِضِ وَبَاقِيهَا فِي غَيْرِهَا

ان میں سے پانچ فرائض میں ہیں اور باقی اس کے سوا میں ہیں۔

37306۔ (قوله: خَمْسٌ فِي الْفَرَائِضِ) پانچ مسائل فرائض میں ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ اس کی ماں (دادی) اس (باپ) کے ساتھ وارث نہیں ہوتی اور دادا کے ساتھ وارث ہوتی ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے: میت جب والدین اور زوجین میں سے ایک کو باقی چھوڑے تو زوجین میں سے ایک کا حصہ نکالنے کے بعد جو میراث باقی ہوگی اس کا تیسرا حصہ ماں کے لئے ہوگا، اور باپ کی جگہ دادا ہو تو پھر ماں کے لئے جمیع مال کا تیسرا حصہ ہوگا۔ مگر امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک ماں ہی کا ثلث ہی ماں کے لئے ہوگا۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے: بنی اعیان (سگے بھائی بہن) اور علاقائی بھائی بہن (جن کا باپ ایک ہو ماں الگ الگ ہو) تمام باپ کے ساتھ بالا جماع ساقط ہو جاتے ہیں اور دادا کے ساتھ امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کے نزدیک ساقط ہوتے ہیں لیکن ”صاحبین“ رحمہ اللہ کے نزدیک نہیں۔

چوتھا مسئلہ یہ ہے: آزاد کرنے والے کا باپ اس کے بیٹے کے ساتھ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک ولاء میں سے چھٹا حصہ لے گا۔ اور دادا کے لئے اس میں سے کوئی شے نہ ہوگی، بلکہ کل ولاء بیٹے کے لئے ہوگی اور تمام ائمہ کے نزدیک دادا ولاء میں سے کوئی شے نہیں لے گا۔

پانچواں مسئلہ یہ ہے: اگر وہ اپنے آزاد کرنے والے کا دادا اور اس کا بھائی چھوڑے تو امام ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: دادا ولاء کے لئے مختص ہے۔ اور ”صاحبین“ رحمہ اللہ نے کہا ہے: ولاء دونوں کے درمیان تقسیم ہوگی۔ اور اگر دادا کی جگہ باپ ہو تو ساری میراث بالاتفاق اسی کے لئے ہوگی۔ ”المنح“ میں کہا ہے: اس مسئلہ کا حکم تیسرے مسئلہ کے حکم سے مستفاد ہے۔ ”حلی“۔

37307۔ (قوله: وَبَاقِيهَا فِي غَيْرِهَا) اور باقی غیر فرائض میں ہیں۔ وہ یہ ہیں:

(1) اگر وہ فلاں کے اقرباء کے لئے وصیت کرے تو ظاہر روایت کے مطابق اس میں باپ داخل نہیں ہوگا اور دادا داخل ہوگا۔

(2) بچے کا صدقہ فطر اس کے غنی باپ پر واجب ہوتا ہے اس کے دادا پر نہیں۔

(3) اگر باپ کو آزاد کیا گیا تو اس کے بیٹے کی ولاء اس کے موالی کے لئے ہوگی نہ کہ دادا کے موالی کے لئے۔

(4) صغیر اپنے باپ کے اسلام لانے کے ساتھ مسلمان ہوتا ہے نہ کہ دادا کے اسلام کے ساتھ۔

(5) اگر کسی نے صغیر اولاد اور مال چھوڑا تو ولایت باپ کو حاصل ہوگی پس وہ میت کے وصی کی مثل ہے بخلاف دادا کے۔

(6) ولایت نکاح میں۔ اگر صغیر کا بھائی اور دادا ہو تو امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق دونوں شریک ہوں گے۔ اور ”امام

صاحب“ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق وہ دادا کے ساتھ مختص ہوگی، اور اگر اس کی جگہ باپ ہو تو بالاتفاق وہ اس کے ساتھ مختص ہوگی۔

(7) جب کسی کا باپ فوت ہو گیا تو وہ یتیم ہو گیا، اور اس سے اس یتیمی کو زائل کرنے کے لئے دادا باپ کے قائم مقام نہیں ہوگا۔

(8) اگر کوئی فوت ہو اور اس نے صغیر اولاد چھوڑی اور اس کا کوئی مال نہ ہو اور اس کی ماں اور دادا (أبوالأب) ہو تو نفقہ (خرچہ)

زَادَ ابْنُ الْمُصَنِّفِ فِي زَوَاهِرِهِ أُخْرَى مِنَ الْفُصُولَيْنِ

”ابن مصنف“ نے اپنی ”زواہر“ میں ”الفصولین“ سے ایک مسئلہ کا اضافہ کیا ہے۔

ان دونوں پر تین حصوں میں تقسیم ہوگا۔ ایک تہائی ماں پر ہوگا۔ اور دو تہائی دادا پر ہوگا۔ اور اگر دادا باپ کی مثل ہوتا ہے تو سارا نفقہ اسی پر ہوتا ہے۔ ”حلی“۔

میں کہتا ہوں: پانچویں مسئلہ میں نظر ہے۔ اس لئے کہ شہادۃ الاوصیاء سے پہلے یہ گزر چکا ہے کہ صغیر کے مال میں ولایت اس کے باپ کی ہوتی ہے، پھر باپ کے وصی کے لئے، پھر دادا کے لئے، پھر اس کے وصی کے لئے، پھر قاضی کے لئے، پس دادا باپ اور اس کے وصی کی عدم موجودگی میں باپ کے قائم مقام ہوتا ہے۔ پس اس میں دادا باپ کے مخالف نہیں۔ تامل۔ اور چھٹے مسئلہ میں وہ جاری ہوتا ہے جو ”المنح“ سے گزر چکا ہے۔ اور آٹھویں مسئلہ میں اس کا قول: ولہ اُم و جدّ یہ اس کے موافق ہے جو ”الاشباہ“ کے بعض نسخوں میں ہے۔ اور اس کے بعض نسخوں میں ولہم جمع کی ضمیر کے ساتھ ہے جو الصغار کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور یہی درست ہے۔ کیونکہ صغیر کا نفقہ اس کے قریبی محرم پر بقدر میراث واجب ہوتا ہے جیسا کہ متون میں ہے یعنی صغیر سے محرم کی میراث کی مقدار اگر وہ فوت ہو جائے، تو جب یہاں ام سے مراد صغار کی ماں ہو تو اس پر تیسرا حصہ اور باقی دادا پر ہونا صحیح ہے۔ کیونکہ یہ ان سے اس کی میراث کی مقدار ہے، لیکن اگر اس سے مراد ان کے فوت ہونے والے باپ کی ماں ہو تو پھر اس کا چھٹا حصہ ہوگا، کیونکہ وہ ان کی دادی ہے اور دادی کا حصہ چھٹا ہے نہ کہ تیسرا۔ پس میت کی طرف ضمیر کو لوٹانا صحیح نہیں ہوگا بلکہ صغار کی طرف اس کو لوٹانا متعین ہے۔ یہ وہ ہے جو میرے لئے الفتح العلیم کے فیض سے ظاہر ہوا ہے۔

37308۔ (قوله: وَزَادَ ابْنُ الْمُصَنِّفِ الْخ) اور ”مصنف“ کے بیٹے نے اضافہ کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ بھی زیادہ کیا جائے گا کہ اس کا نفقہ تنگ دست دادا پر واجب نہیں ہوتا، اور یہ کہ وہ اپنے دادا کے اسلام لانے کے ساتھ مسلمان نہیں ہوتا، اور یہ کہ دادا جب پوتے کے بارے اقرار کرے درآنحالیکہ اس کا بیٹا زندہ ہو تو صرف دادا کے اقرار کے ساتھ نسب ثابت نہیں ہوگا۔ اسے ”السید“ نے ”شرح السراجیہ“ میں ذکر کیا ہے۔ اور میں نے ایک دوسرا بھی اضافہ کیا ہے جو شہادۃ الاوصیاء کی فصل سے پہلے گزر چکا ہے۔ اور یہ وہی ہے جو ”الخانیہ“ میں ہے جہاں انہوں نے کہا ہے: امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ نے وصی اور میت کے باپ کے درمیان فرق کیا ہے، پس وصی کے لئے قرضہ ادا کرنے کے لئے ترکہ کو بیچنا جائز ہے، اور میت کا باپ اولاد پر قرضہ کو ادا کرنے کے لئے ترکہ کو بیچ سکتا ہے نہ کہ میت پر قرضہ کو ادا کرنے کے لئے۔ یہ فائدہ ”خصاف“ سے محفوظ کیا گیا ہے۔ اور رہے امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ تو انہوں نے دادا کو باپ کے قائم مقام قرار دیا ہے۔ اور فتویٰ ”خصاف“ کے قول کے مطابق دیا جاتا ہے۔

حاصل کلام

اس کا حاصل یہ ہے کہ صغیر کا دادا اس مسئلہ میں باپ اور باپ کے وصی کے مخالف ہے۔ پھر میں نے ”صاحب الوہبانیہ“

ضَمِنَ الْاَبُ مَهْرَ صَبِيَّتِهِ فَاَدَى رَجَعَ لَوْ شَرِطَ وَالْاَلَا وَلَوْ لَيْتَا غَيْرُهُ اَوْ وَصِيًّا رَجَعَ مُطْلَقًا اَتَتْهُ فَقَوْلُهُ لَوْ وَلَيْتَا
غَيْرُهُ يَعْثُمُ الْجَدَّ فَيَرْجِعُ كَالْوَصِيِّ بِخِلَافِ الْاَبِ (وَلِلْاُمِّ ثَلَاثَةُ اَحْوَالٍ السُّدُسُ مَعَ اَحَدِهِمَا اَوْ مَعَ اثْنَيْنِ
مِنْ الْاَخَوَاتِ) فَصَاعِدًا

وہ یہ ہے: باپ اپنے بچے کے مہر کا ضامن بنا اور اس نے ادا کر دیا تو اگر اس نے واپس لوٹانے کی شرط لگائی ہے تو وہ بچے کے مال سے واپس لوٹا لے اور اگر شرط نہیں لگائی تو نہ لوٹائے۔ اور اگر باپ کے علاوہ کوئی دوسرا ولی یا وصی ضامن بنے تو وہ مطلق واپس لوٹا سکتا ہے۔ انتھی۔ پس ان کا قول لَوْ وَلَيْتَا غَيْرُهُ یہ دادا کو بھی شامل ہے۔ پس وہ بھی واپس لے سکتا ہے جیسا کہ وصی بخلاف باپ کے۔ اور ماں کے تین احوال ہیں: اس کا چھٹا حصہ ہے جب اس کے ساتھ بیٹے یا پوتے میں سے کوئی ایک ہو یا بھائیوں یا بہنوں میں سے دو یا زیادہ اس کے ساتھ ہوں

کو دیکھا انہوں نے یہاں اسی کو ذکر کیا ہے۔ واللہ الحمد۔

37309۔ (قوله: ضَمِنَ الْاَبُ مَهْرَ صَبِيَّتِهِ) باپ اپنے بیٹے کے مہر کا ضامن ہوا، مراد اس کے صغیر بیٹے کی بیوی کا مہر

ہے اور جو عام نسخوں میں تا کے ساتھ بصیبتہ مذکور ہے وہ تحریف ہے۔

37310۔ (قوله: رَجَعَ لَوْ شَرِطَ) یعنی اگر اس نے واپس لینے کی شرط لگائی تو پھر وہ صغیر کے مال میں سے اسے واپس

لوٹا سکتا ہے اگرچہ عقد کے وقت اس کا کوئی مال نہ ہو اور اس پر گواہ بنایا ہو۔ یہ اس سے ماخوذ ہے جو ”جامع الفصولین“ میں بھی ہے: اس نے اپنے مال سے اس شے کے ثمن لئے جسے اس نے اپنے بیٹے کے لئے خریدا، اور واپس لوٹانے کا ارادہ کیا تو وہ دیانۃً واپس لوٹا سکتا ہے نہ کہ قضا جب تک وہ شاہد نہ بنائے۔ اور اگر وہ کپڑا یا طعام ہو اور گواہ بنا لے کہ وہ رجوع کرے گا تو اس کے لئے اسے واپس لوٹانا جائز ہے اگر اس کا مال ہو اور اگر نہ ہو تو اس کے واجب ہونے کی وجہ سے اس پر رجوع نہیں ہوگا۔ اور اگر وہ غلام یا کوئی شے ہو جو اس پر لازم نہ ہو تو وہ رجوع کر لے اگرچہ اس کا مال نہ ہو اگر وہ گواہ بنا لے، اور اگر گواہ نہ بنائے تو نہیں۔ میں کہتا ہوں: تزویج ان امور میں سے ہے جو باپ پر لازم نہیں ہوتے۔ پس وہ رجوع کرے گا اگر وہ گواہ بنائے اگرچہ صغیر کے لئے مال نہ ہو۔

37311۔ (قوله: وَالْاَلَا) ورنہ نہیں، یعنی عرف کی وجہ سے یہی استحسان ہے۔ ”جامع الفصولین“۔

37312۔ (قوله: رَجَعَ مُطْلَقًا) وہ مطلقاً رجوع کر سکتا ہے، یعنی اگرچہ وہ شرط نہ بھی لگائے، کیونکہ صغیر کی طرف سے

اس کے مہر برداشت کرنے کی عادت جاریہ نہیں ہے۔

ماں کے احوال

37313۔ (قوله: مَعَ اَحَدِهِمَا) ان دو میں سے ایک کے ساتھ، یعنی بیٹے اور پوتے کے ساتھ (چونکہ یہاں لفظ ولد

مذکور ہے جس کا اطلاق مذکر اور مونث دونوں پر ہوتا ہے) اس لئے مراد یہی ہے کہ چاہے وہ مذکر ہو یا مونث۔

مِنْ أُمِّ جِهَةٍ كَانَا وَلَوْ مُخْتَلِطَيْنِ وَالثُّلُثُ عِنْدَ عَدَمِهِمْ وَالثُّلُثُ الْبَاقِي مَعَ الْآبِ وَأَحَدِ الزَّوْجَيْنِ (وَالسُّدُسُ لِلْجَدَّةِ مُطْلَقًا) كَأُمِّ أُمِّ وَأُمِّ أَبٍ (فَصَاعِدًا) يَشْتَرِكُن فِيهِ (إِذْ كُنَّ ثَابِتَاتٍ) أُمِّي صَحِيحَاتٍ كَالْمَذْكُورَتَيْنِ فَإِنَّ الْفَاسِدَةَ مِنْ ذَوِي الْأَرْحَامِ كَمَا سَيَجِيءُ (مُتَحَاذِيَاتٍ فِي الدَّرَجَةِ لِأَنَّ الْقُرْبَى تَحْجُبُ الْبُعْدَى)

وہ دونوں کسی جہت سے ہوں اگرچہ ملے جلے ہوں، اور ان میں سے کوئی بھی ساتھ نہ ہونے کی صورت میں اس کا حصہ تہائی ہو گا، اور اگر اس کے ساتھ باپ اور زوجین میں سے کوئی ایک ہو تو پھر ماں کے لئے باقی کا تیسرا حصہ ہوگا۔ اور چھٹا حصہ مطلقاً جدہ کے لئے ہے چاہے وہ نانی ہو یا دادی ہو، ایک ہو یا زیادہ ہوں وہ سب اس میں شریک ہوں گی جبکہ وہ ثابتات یعنی صحیح ہوں جیسا کہ مذکورہ نانی اور دادی جدہ صحیحہ ہیں۔ کیونکہ جدہ فاسدہ ذوی الارحام میں سے ہے جیسا کہ عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔ اور جدات صحیحہ تمام درجہ میں برابر ہوں۔ کیونکہ جدہ قریبہ بعیدہ کو میراث سے روک دیتی ہے

37314۔ (قوله: مِنْ أُمِّ جِهَةٍ كَانَا) وہ دونوں کسی بھی جہت سے ہوں، یعنی برابر ہے وہ دو یا دو سے زیادہ والدین کی طرف سے سکے ہوں یا صرف باپ کی طرف سے یعنی علاتی ہوں یا صرف ماں کی طرف سے یعنی اخیانی ہوں۔
37315۔ (قوله: وَلَوْ مُخْتَلِطَيْنِ) اگرچہ ملے جلے ہوں، یعنی مذکر اور مونث ایک جہت یا زیادہ سے ہوں۔
37316۔ (قوله: وَالثُّلُثُ عِنْدَ عَدَمِهِمَا) یعنی تیسرا حصہ ہوگا اس صورت میں کہ بیٹا، پوتا اور متعدد بھائی اور بہنیں نہ ہوں۔ اور اسی طرح تیسرا حصہ ہوگا جب باپ زوجین میں سے کسی کے ساتھ نہ ہو۔ فافہم۔
37317۔ (قوله: وَالثُّلُثُ الْبَاقِي الْخ) اور باقی کا تہائی حصہ ہوگا الخ، اس کے تحت دو صورتیں ہیں جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ علامہ ”طحطاوی“ نے کہا ہے: بلاشبہ ”شارح“ نے یہ دو حالتیں ذکر کی ہیں: یعنی کل ترکہ کا تیسرا حصہ اور باقی کا تیسرا حصہ اس کے باوجود کہ ”مصنف“ نے دونوں کا ذکر کیا ہے جیسا کہ عنقریب آ رہا ہے۔ لیکن ”شارح“ نے اس طرف اشارہ کرنے کے لئے ایسا کیا ہے کہ ماں کے جمیع حالات کو لگاتار اور تسلسل کے ساتھ ذکر کرنا اولیٰ اور بہتر ہے۔
37318۔ (قوله: مُطْلَقًا كَأُمِّ) مطلقاً یعنی وہ ماں کی ماں (نانی) ہو یا باپ کی ماں (دادی) ہو جیسا کہ مثال بیان کی گئی ہے۔

جدہ صحیحہ کی تعریف اور اقسام

37319۔ (قوله: أُمِّي صَحِيحَاتٍ) جدہ صحیحہ وہ ہوتی ہے جس کی میت کی طرف نسبت میں جد فاسدہ نہ ہو۔ اور اس کی تین اقسام ہیں: قرابت کا وسیلہ محض عورتوں کے سبب ہو جیسے ماں کی ماں کی ماں (پر نانی) یا صرف مردوں کے سبب ہو جیسے باپ کے باپ کی ماں (پردادی) یا محض عورتوں کے سبب سے محض مردوں کی طرف ہو جیسے باپ کی ماں کی ماں، (باپ کی نانی) بخلاف اس کے برعکس کے جیسے ماں کے باپ کی ماں (ماں کی دادی) کیونکہ وہ جدہ فاسدہ ہے۔

مُطْلَقًا كَمَا سَيَجِيءُ (وَالشُّدُسُ لِبِنْتِ الْإِبْنِ) فَأَكْثَرُ (مَعَ الْبِنْتِ) الْوَاحِدَةَ تَكْبِلَةً لِلثُّلُثَيْنِ (وَالشُّدُسُ لِلْأُخْتِ) لِأَبٍ فَأَكْثَرُ (مَعَ الْأُخْتِ) الْوَاحِدَةَ (لِلْبَوْنِ) تَكْبِلَةً لِلثُّلُثَيْنِ

مطلقاً جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ اور پوتی ایک ہو یا زیادہ ایک بیٹی کے ساتھ اس کے لئے چھٹا حصہ ہوتا ہے تاکہ دوثلث کی تکمیل ہو جائے۔ اور علاتی ایک یا زیادہ بہنوں کے لئے ایک سگی بہن کے ساتھ دو تہائی مکمل کرنے کے لئے چھٹا حصہ ہوگا،

37320۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی برابر ہے وہ قرب یا بعد ماں کی جہت سے ہو یا باپ کی جہت سے ہو، اور برابر ہے کہ قریبی وارث ہو جیسے باپ کی ماں (دادی) باپ کے نہ ہونے کے وقت ماں کی ماں کی ماں کے ساتھ، یا وہ باپ کے سبب مجاہد ہو اس کے موجود ہونے کے وقت۔

37321۔ (قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) جیسا کہ عنقریب اس کا ذکر باب الحجب میں آئے گا۔

37322۔ (قولہ: وَالشُّدُسُ لِبِنْتِ الْإِبْنِ الْوَاحِدَةِ) اور چھٹا حصہ پوتی کے لئے ہوگا الخ۔ بیٹیوں کے چھ احوال ہیں: تین حالتیں صلبی بیٹیوں اور پوتیوں میں ثابت ہوتی ہیں اور وہ ایک کے لئے نصف اور ایک سے زیادہ کے لئے دو تہائی حصہ ہے، اور جب ان کے ساتھ مذکر ہو تو وہ انہیں عصبہ بنا دیتا ہے۔ اور تین حالتوں کے ساتھ پوتیاں منفرد ہوتی ہیں۔ (1) ایک وہ ہے جس کا ذکر ”مصنف“ نے کیا ہے۔

(2) دوسری یہ کہ وہ دو صلبی اور زیادہ کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہیں، مگر یہ کہ ان کے ساتھ کوئی غلام (بچہ) ہو جو ان سے اعلیٰ نہ ہو پس وہ انہیں عصبہ بنا دے گا۔

(3) اور تیسری یہ ہے کہ وہ صلبی بیٹی کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہیں۔ اس کا بیان عنقریب آئے گا۔

37323۔ (قولہ: وَالشُّدُسُ لِلْأُخْتِ لِأَبٍ الْوَاحِدَةِ) اور علاتی بہن کے لئے چھٹا حصہ ہوگا الخ۔ تو جان! کہ اخیانی کے سوا دیگر بہنوں کے ساتھ احوال ہیں: پانچ احوال سگی بہنوں اور علاتی بہنوں میں ثابت ہوتے ہیں، اور ان میں سے تین وہی ہیں جو صلبی بیٹیوں کے بیان میں گزر چکے ہیں۔

(4) اور چوتھی حالت یہ ہے کہ وہ بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں۔

(5) اور پانچویں حالت یہ ہے کہ وہ بیٹی اور پوتے اور باپ کے ساتھ بالاتفاق ساقط ہو جاتی ہیں۔ اور دادا کے ساتھ ”صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ساقط ہو جاتی ہیں۔

اور دو حالتیں وہ ہیں جن کے ساتھ علاتی بہنیں منفرد ہوتی ہیں: ایک وہ ہے جسے ”مصنف“ نے ذکر کیا ہے۔ اور دوسری یہ ہے کہ وہ دو یا زیادہ سگی بہنوں کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہیں، مگر یہ کہ ان کے ساتھ کوئی ایسا ہو جو انہیں عصبہ بنا رہا ہو۔ اور ”السراجیہ“ کے بعض نسخوں میں ہے: اور وہ سگی بہن کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہیں جب وہ عصبہ ہو جائے یعنی جب وہ بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ ہو۔ ”السید“ نے کہا ہے: کیونکہ وہ اس وقت عصبہ ہونے میں بھائی کی طرح میت کے زیادہ قریب ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

(وَالسُّدُسُ لِلْوَاحِدِ مِنْ وَلَدِ الْأُمِّ وَالثُّلُثُ لِثَنَيْنِ فَصَاعِدًا مِنْ وَلَدِ الْأُمِّ ذُكُورُهُمْ كِنَانَتِهِمْ) (وَالثُّلُثُ لِلْأُمِّ عِنْدَ عَدَمِ مَنْ لَهَا مَعَهُ السُّدُسُ) كَمَا مَرَّ (وَلَهَا ثُلُثُ الْبَاقِي بَعْدَ فَرَضِ أَحَدِ الزَّوْجَيْنِ) كَمَا قَدْ مَنَّا وَذَلِكَ (فِي زَوْجَةٍ وَأَبَوَيْنِ) وَأُمِّ فَلَهَا حِينَئِذٍ الرُّبْعُ (أَوْ زَوْجٍ وَأَبَوَيْنِ) وَأُمِّ فَلَهَا حِينَئِذٍ السُّدُسُ وَيُسْتَشَى ثُلُثَاتُ دُبَا مَعَ قَوْلِهِ تَعَالَى وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ

اور ماں کی اولاد میں سے ایک کے لئے چھٹا حصہ ہوگا اور ماں کی اولاد میں سے دو یا زیادہ ہوں تو ان کے لئے ایک تہائی ہوگا۔ اور ان میں سے مذکر مونثوں کی مثل ہیں۔ اور ماں کے لئے تیسرا حصہ ہوگا جبکہ اس کے ساتھ ایسا کوئی نہ ہو جس کے ساتھ اس کا حصہ چھٹا ہوتا ہے جیسا کہ یہ گزر چکا ہے اور اس کے لئے زوجین میں سے ایک کا حصہ نکالنے کے بعد باقی کا تیسرا حصہ ہوگا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ زوجہ اور والدین چھوڑنے کی صورت میں ہے۔ پس اس صورت میں ماں کے لئے کل مال کا چوتھائی ہوتا ہے۔ یا بیوی فوت ہوئی اور اس نے خاوند اور والدین چھوڑے تو اس وقت ماں کے لئے چھٹا حصہ ہوگا اور اسے ادباً ثلث کا نام دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے: وَوَرِثَةُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ (النساء: 11)

37324۔ (قوله: وَالسُّدُسُ لِلْوَاحِدِ مِنْ وَلَدِ الْأُمِّ) اور ماں کی اولاد میں سے ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے، یعنی اخیانی بھائی ہو یا بہن ہو، اور ان کے تین احوال ہیں ان میں دو ذکر کر دیئے ہیں، اور تیسری حالت یہ ہے کہ وہ فرع وارث کے ساتھ اور باپ اور دادا کے ساتھ ساقط ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

37325۔ (قوله: عِنْدَ عَدَمِ مَنْ لَهَا مَعَهُ السُّدُسُ) یعنی اس کے نہ ہونے کے وقت جس کے ساتھ اس کا حصہ چھٹا ہوتا ہے، یا باقی کا تیسرا حصہ ہوتا ہے۔

37326۔ (قوله: بَعْدَ فَرَضِ أَحَدِ الزَّوْجَيْنِ) زوجین میں سے ایک کا حصہ نکالنے کے بعد، یہ الباقی سے متعلق ہے یعنی اس کا تیسرا حصہ جو زوج یا زوج کا حصہ نکالنے کے بعد باقی بچتا ہے۔

37327۔ (قوله: وَأُمِّ) لفظ اُمّ دونوں مقامات میں زائد ہے۔ اسے ”حلی“ نے بیان کیا ہے یعنی اس لئے کہ وہ (ماں) والدین میں سے ایک ہے۔

37328۔ (قوله: فَلَهَا حِينَئِذٍ الرُّبْعُ) پس اس کے لئے اس وقت چوتھا حصہ ہوگا، کیونکہ زوجہ کے لئے چوتھائی ہوتا ہے، اور اس کا مخرج چار سے ہے تین رہ جائیں گے ماں کے لئے اس کا تیسرا حصہ ایک ہے اور وہ چار کا چوتھائی ہے اور باقی باپ کے لئے ہوں گے۔

37329۔ (قوله: فَلَهَا حِينَئِذٍ السُّدُسُ) پس اس کے لئے اس وقت چھٹا حصہ ہوگا، کیونکہ یہ مسئلہ چھ سے صحیح ہوتا ہے: زوج کے لئے نصف یعنی تین حصے، اور ماں کے لئے باقی کا تیسرا حصہ اور وہ ایک ہے اور باقی یعنی دو باپ کے لئے ہیں۔

37330۔ (قوله: تَأْذُبًا لَخ) کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ (النساء: 11) (پس اس کی ماں کے لئے

(وَالشُّشَانِ لِكُلِّ اثْنَيْنِ فَصَاعِدًا مِّمَّنْ فَرَضَهُ النِّصْفُ) وَهُوَ خُمُسَةُ الْبِنْتِ وَبِنْتُ الْإِبْنِ وَالْأُخْتُ لِأَبَوَيْنِ وَالْأُخْتُ لِأَبٍ وَالزَّوْجُ (إِلَّا الزَّوْجُ) لِأَنَّهُ لَا يَتَعَدَّدُ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ

اور جن کا حصہ نصف ہے اگر وہ دو یا دو سے زیادہ ہوں تو پھر ان کا حصہ دو ثلث ہوگا اور وہ پانچ ہیں۔ بیٹی، پوتی، سگی بہن، علاتی بہن اور خاوند، مگر خاوند کے لئے دو تہائی نہیں ہوں گے کیونکہ اس میں تعدد نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ثلث ہے) میں مراد اس ترکہ کا ثلث ہے جس کا والدین وارث بنیں چاہے وہ کل مال ہو یا بعض ہو ان دلائل کی وجہ سے جو مطولات میں مذکور ہیں۔ پس یہاں پر ثلث اگرچہ فی الحقیقت کل مال کا چوتھائی یا چھٹا حصہ ہو گیا ہے مگر ثلث کے ساتھ اسے ادبا تعبیر کرنا قرآن کے لفظ سے حصول برکت اور مخالفت کے وہم کو دور کرنے کے لئے ہے۔

37331۔ (قوله: لِأَنَّهُ لَا يَتَعَدَّدُ) کیونکہ وہ متعدد نہیں ہوتے، اسے ساقط کرنا اولیٰ ہے اس لئے کہ ما تقدم میں تعدد کا امکان ہے۔ اور کبھی کہا جاتا ہے: وہاں تعدد نہیں ہے نہ حقیقتاً اور نہ صورتاً۔ اور بلاشبہ وہ ان دونوں کے درمیان ترجیح بلا مرجح کو دور کرنے کے لئے شریک ہے، اس لئے دونوں کو صرف ایک زوج کا حصہ دیا گیا ہے۔ اور اسی بنا پر ”مصنف“ کا قول: إِلَّا الزَّوْجُ ”مجمع مستدرک“ کی اتباع کرتے ہوئے ہے۔ تامل۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فَصْلٌ فِي الْعَصَبَاتِ

الْعَصَبَاتُ النَّسَبِيَّةُ ثَلَاثَةٌ عَصَبَةٌ بِنَفْسِهِ وَعَصَبَةٌ بغيرِهِ وَعَصَبَةٌ مَعَ غَيْرِهِ (يَجُوزُ الْعَصَبَةُ بِنَفْسِهِ وَهُوَ كُلُّ ذَكَرٍ) فَإِلَّا أَنْتَى لَا تَكُونُ عَصَبَةً بِنَفْسِهَا بَلْ بِغَيْرِهَا أَوْ مَعَ غَيْرِهَا (لَمْ يَدْخُلْ فِي نِسْبَتِهِ إِلَى الْمَيِّتِ أَنْتَى) فَإِنْ دَخَلَتْ لَمْ يَكُنْ عَصَبَةً كَوَلَدِ الْأُمِّ

عصبوں کے احکام

عصبہ نسبی کی تین اقسام ہیں: عصبہ بنفسہ، عصبہ بغيرہ، اور عصبہ مع غیرہ۔ عصبہ بنفسہ میں جائز ہے کہ وہ ہر مرد ہو۔ پس عورت عصبہ بنفسہ نہیں ہو سکتی بلکہ وہ عصبہ بغيرہ یا مع غیرہ ہوتی ہے۔ اور عصبہ بنفسہ وہ ہوتا ہے جس کی میت کی طرف نسبت اور رشتہ میں کوئی عورت داخل نہ ہو۔ پس اگر عورت داخل ہوگی تو وہ عصبہ نہیں ہوگا جیسا کہ ماں کا بیٹا (یعنی اخیانی بھائی)۔

”المغرب“ میں کہا ہے: عصبہ سے مراد آدمی کی اپنے باپ کی وجہ سے قرابت اور رشتہ داری ہے، گویا یہ عاصب کی جمع ہے اگرچہ یہ مسموع نہیں ہے، یہ عصبوا بہ سے ماخوذ ہے جب وہ اس کے ارد گرد کا احاطہ کر لیں۔ پھر واحد، جمع، مذکر اور مونث کو غلبہ کی وجہ سے یہی نام دیا گیا ہے۔ اور علماء نے اس کا مصدر العصبو بہ بیان کیا ہے۔ اور مذکر عورت کو عصبہ بناتا ہے، اور عصبات جمع الجمع ہے جیسے جمالات، یا یہ مفرد کی جمع ہے اس بنا پر کہ عصبہ کو اسم بنایا جائے۔ تامل۔

عصبہ نسبی کی اقسام

37332۔ (قوله: وَعَصَبَةٌ بِغَيْرِهِ وَعَصَبَةٌ مَعَ غَيْرِهِ) ان دونوں کا فرق عنقریب بیان ہوگا۔

37333۔ (قوله: فَإِلَّا أَنْتَى لَا تَكُونُ عَصَبَةً بِنَفْسِهَا الْخ) پس عورت عصبہ بنفسہ نہیں ہو سکتی، یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ”مصنف“ کے قول: دھوکل ذکر کے ساتھ عصبہ بالغير اور عصبہ مع الغير دونوں خارج ہو گئے، کیونکہ وہ دونوں فقط عورتیں ہوتی ہیں۔ اور رہی معتقہ (آزاد کرنے والی) تو وہ اگرچہ عصبہ بنفسہا ہے لیکن وہ عصبہ نسبہ نہیں ہے۔ اور یہاں مقصود عصبات نسبہ کا بیان ہے جیسا کہ ”شارح“ نے پہلے اس طرف اشارہ کر دیا ہے۔ اور اسی وجہ سے معتق بھی خارج ہے۔

عصبہ بنفسہ کی تعریف

37334۔ (قوله: لَمْ يَدْخُلْ الْخ) مراد عورت کا درمیان میں نہ ہونا ہے، برابر ہے اس کے اور میت کے درمیان مرد ہو جیسا کہ دادا اور پوتا یا نہ ہو جیسے باپ اور صلیبی بیٹا۔

37335۔ (قوله: كَوَلَدِ الْأُمِّ) یعنی ماں کی طرف سے بھائی (اخیانی بھائی)۔ اور رہا سگا بھائی تو وہ عصبہ بنفسہ ہے اس کے باوجود کہ ماں اس کی نسبت میں داخل ہے۔ اور جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ ہے جو صرف عورت کے ساتھ

فَإِنَّهُ ذُو فَرَضٍ وَكَأَنِّي الْأُمُّ وَالْبَنُ الْبِنْتُ فَإِنَّهُمَا مِنْ ذَوِي الْأَرْحَامِ (مَا أَبَقْتُ الْفَرَائِضُ) أُمِّي جِنْسُهَا

کیونکہ وہ ذوی الفروض میں سے ہے۔ اور ماں کا باپ (یعنی نانا) اور بیٹی کا بیٹا (یعنی نواسہ)۔ کیونکہ یہ دونوں ذوی الارحام میں سے ہیں۔ اور فرائض کی جنس سے جو باقی بچے گا وہ عصبہ کے لئے ہوگا۔

منسوب نہ ہو۔ اور ”السید“ نے جواب اس طرح دیا ہے کہ باپ کی قرابت عصبہ ہونے کے استحقاق میں اصل ہے۔ کیونکہ وہ جب منفرد ہو تو بھی عصبہ کے اثبات میں کافی ہوتی ہے بخلاف ماں کی قرابت کے، کیونکہ وہ انفرادی طور پر عصبہ کے اثبات کی علت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ پس وہ عصبہ کے استحقاق کو قائم کرنے میں ملغی ہے۔ ہم نے اسے بمنزلہ وصف زائد کے قرار دیا ہے، پس ہم نے اس کے ساتھ سگے بھائی کو علاتی بھائی پر ترجیح دی ہے۔

میں کہتا ہوں: اور یہ بعض علما کے اس قول سے اولیٰ ہے کہ وہ ”مصنف“ کے قول فی نسبتہ کے ساتھ خارج ہو گیا اس حیثیت سے انہوں نے فی قرابتہ نہیں کہا۔ کیونکہ عورت بھائی کے ساتھ اس کی قرابت میں داخل ہے اس کی طرف اس کی نسبت میں داخل نہیں۔ کیونکہ نسب باپ کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔ پس وہ اس کے غیر کے واسطے کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہاں معتبر میت کی طرف نسبت ہے نہ کہ باپ کی طرف۔ پس اس سے مراد قرابت ہے نہ کہ نسب شرعی۔ ورنہ لازم آئے گا کہ عصبہ نہیں ہوگا مگر تب جب میت باپ یا دادا ہو۔ پس بھائی، چچا اور ان جیسے دیگر خارج ہو جائیں گے۔ فافہم۔

پھر میں نے علامہ ”یعقوب“ کو دیکھا انہوں نے اس جواب کو کمزور قرار دیا ہے اور اسے درست اور صحیح کے دائرہ سے خارج کر دیا ہے اسی طرح جیسے ہم نے اس بارے کہا ہے۔ والحمد للہ۔

المختصر عصبہ کی تعریف کلام سے خالی نہیں ہے اگرچہ وہ مراد اور مقصوداً تحریر کرنے کے بعد ہو۔ کیونکہ یہ وارد ہونے والے اعتراضات کا دفاع نہیں کرتی۔ اسی لئے ”ابن البہائم“ نے اپنی ”منظومہ“ میں کہا ہے۔ [الرجز]

وَلَيْسَ يَخْلُو حَدُّهُ عَنْ نَقْدٍ فَيَنْبَغِي تَعْرِيفُهُ بِالْعَدِّ

(اور اس کی تعریف نقد سے خالی نہیں ہوتی۔ پس اس کی تعریف عد سے کرنی چاہئے اور یہ بھی کہ عصبہ نسبہ کے ساتھ اس کی تخصیص کا کوئی داعی نہیں۔ علامہ ”قاسم“ نے ”شرح فرائض الجمع“ میں اپنے اس قول کے ساتھ تعریف کی ہے وہ مرد جو میت کی طرف بنفسہ یا محض مردوں کے سبب منسوب ہو یا وہ معتق ہو، پس ان کا قول مُعْتَقِ رَفْع کے ساتھ لفظ ذکر پر معصوف ہے۔ اور اگر لفظ محض حذف کر دیا جاتا تو وہ اولیٰ ہوتا تا کہ سگے بھائی بھی تعریف میں داخل ہو جاتا اور اس کے بعد بھی اس میں نظر ہے۔ نقد بر 37336۔ (قوله: فَإِنَّهُ ذُو فَرَضٍ) کیونکہ وہ صرف صاحب فرض (حصہ لینے والا) ہے ورنہ ذو فرض کے وارث ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عصبہ نہ ہو۔ کیونکہ باپ اور دادا میں سے ہر ایک ذو فرض ہے اور وہ عصبہ بھی ہوتا ہے۔

37337۔ (قوله: أُمِّي جِنْسُهَا) یعنی جنس کے لئے کہا تو اس سے جمعیت کا معنی باطل ہو جاتا ہے۔ پس وہ اسے شامل

(وَعِنْدَ الْإِنْفِرَادِ يَحُوزُ جَبِيعَ الْمَالِ) بِجِهَةٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ الْعَصَبَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ أَرْبَعَةُ أَصْنَافٍ جُزْءُ الْبَيْتِ ثُمَّ أَصْلُهُ ثُمَّ جُزْءُ أَبِيهِ ثُمَّ جُزْءُ جَدِّهِ (وَيُقَدَّمُ الْأَقْرَبُ فَلَا اقْرَبُ مِنْهُمْ) بِهَذَا التَّرْتِيبِ فَيُقَدَّمُ جُزْءُ الْبَيْتِ (كَالابْنِ ثُمَّ ابْنُهُ وَإِنْ سَقَلَ

اور عصبہ منفرد ہونے کی صورت میں تمام مال ایک جہت سے لے گا۔ پھر عصبہ بنفسہ کی چار اقسام ہیں: میت کا جز پھر میت کی اصل، پھر اس کے باپ کا جز اور پھر اس کے دادا کا جز۔ اور ان میں سے زیادہ قریبی کو مقدم کیا جائے گا اور پھر اسے جو اس کے بعد زیادہ قریبی ہوگا اسی ترتیب کے مطابق۔ پس میت کے جز کو مقدم کیا جائے گا جیسے بیٹا پھر پوتا اگرچہ کتنا نیچے تک ہو،

ہوگا جب وہاں ایک فرض ہو اور اسے دینے کے بعد باقی اپنے مستحق کے لئے جائز ہوگا۔ ”طحاوی“۔

37338۔ (قوله: بِجِهَةٍ وَاحِدَةٍ) ایک جہت سے۔ ”المنح“ میں کہا ہے: ہم نے اس کے ساتھ مقید کیا ہے تاکہ یہ اعتراض وارد نہ ہو کہ صاحب فرض جب عصبہ ہونے سے خالی ہو تو وہ جمیع مال لے لیتا ہے۔ یہ اس لئے ہوتا ہے کیونکہ بعض مال کے لئے اس کا استحقاق بطور فرضیت کے اور باقی کے لئے بطور رد کے ہوتا ہے۔

عصبہ بنفسہ کی اقسام

37339۔ (قوله: جُزْءُ الْبَيْتِ الْخ) تمام قسموں میں مراد مذکر (مرد) ہیں جیسا کہ یہی معنی موضوع ہے۔

37340۔ (قوله: ثُمَّ جُزْءُ جَدِّهِ) جد سے اس کا ارادہ کیا ہے جو باپ کے باپ (دادا) کو اور اس سے اوپر والوں کو شامل ہوتا ہے اور اس پر دلیل آنے والا قول وان علا ہے۔ پس یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ باپ کا چچا اور دادا کا چچا آنے والے کلام میں ان چار اقسام سے خارج ہو جاتے ہیں۔

37341۔ (قوله: وَيُقَدَّمُ الْأَقْرَبُ فَلَا اقْرَبُ الْخ) یعنی اسے مقدم کیا جائے گا جو جہت کے اعتبار سے زیادہ قریبی ہو پھر جو درجہ کے اعتبار سے زیادہ قریبی ہو پھر جو اقویٰ ہو جیسے قرابت ہونا۔ پس ترجیح کا اعتبار پہلے تمام کے نزدیک جہت کے ساتھ ہوگا۔ اور اس کے جز جیسا کہ بیٹا اور پوتا کو اس کی اصل جیسا کہ باپ اور دادا پر مقدم کیا جائے گا۔ اور اس کی اصل کو اس کے باپ کے جز پر مقدم کیا جائے گا جیسا کہ بھائی اور ان کے بیٹے جو کہ اخیانی نہ ہوں، اور اس کے باپ کے جز کو دادا کے جز پر مقدم کیا جائے گا جیسا کہ چچے اور ان کے بیٹے جو کہ اخیانی نہ ہوں۔ اور جہت کی ترجیح کے بعد جب اس جہت والے متعدد ہوں تو پھر قرابت کے ساتھ ترجیح کا اعتبار کیا جائے گا۔ پس بیٹے کو پوتے پر، باپ کو دادا پر اور بھائی کو اس کے بیٹے پر قرب درجہ کی وجہ سے مقدم کیا جائے گا۔ اور جہت اور قرابت کے اتحاد کے بعد ترجیح بالقوة کا اعتبار کیا جائے گا، پس سگے بھائی کو علاتی بھائی پر اور اسی طرح ان کے سگے بیٹوں کو علاتی بیٹوں پر مقدم کیا جائے گا۔ اور یہ سب ”مصنف“ کے کلام سے مستفاد ہے اور اس کے بارے علامہ ”الجبری“ نے تصریح کی ہے جہاں انہوں نے کہا: [الطویل]

فَبِالْجِهَةِ التَّقْدِيمُ ثُمَّ بِقَرْبِهِ وَبَعْدَهُمَا التَّقْدِيمُ بِالْقُوَّةِ اجْعَلَا

ثُمَّ أَصْلُهُ الْأَبُ وَيَكُونُ مَعَ الْبِنْتِ بِأَكْثَرِ عَصَبَةٍ وَذَا سَهْمٍ كَمَا مَرَّ (ثُمَّ الْجَدُّ الصَّحِيحُ) وَهُوَ أَبُو الْأَبِ (وَإِنْ عَلَا) وَأَمَّا أَبُو الْأُمِّ فَقَاسِدٌ مِنْ ذَوِي الْأَرْحَامِ (ثُمَّ جُزْءُ أَبِيهِ الْآخَرُ) لِأَبَوَيْنِ (ثُمَّ لِأَبٍ ثُمَّ ابْنُهُ) لِأَبَوَيْنِ ثُمَّ لِأَبٍ (وَإِنْ سَفَلَ) تَأْخِيرُ الْإِخْوَةِ عَنِ الْجَدِّ وَإِنْ عَلَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَهُوَ الْمُخْتَارُ لِلْفَتْوَى خِلَافًا لِهَمَّا وَلِشَافِعِي قِيلَ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى (ثُمَّ جُزْءُ جَدِّهِ الْعَمِّ) لِأَبَوَيْنِ ثُمَّ لِأَبٍ ثُمَّ ابْنُهُ لِأَبَوَيْنِ ثُمَّ لِأَبٍ (وَإِنْ سَفَلَ) ثُمَّ عَمُّ الْأَبِ ثُمَّ ابْنُهُ ثُمَّ عَمُّ الْجَدِّ ثُمَّ ابْنُهُ كَذَلِكَ

پھر میت کی اصل یعنی باپ کو اور وہ ایک بیٹی یا زیادہ کے ساتھ عصبہ اور صاحب حصہ ہوتا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ پھر جد صحیح کو اور وہ دادا ہے اگرچہ کتنا اوپر تک ہو۔ اور رہا ماں کا باپ یعنی نانا تو وہ جد فاسد ہے اور ذوی الارحام سے ہے۔ پھر اس کے باپ کا جز یعنی سگا بھائی پھر علاقائی بھائی پھر اس کا سگا بیٹا پھر علاقائی بیٹا اگرچہ کتنا نیچے تک ہو۔ اور بھائیوں کو دادا سے موخر کرنا اگر کتنا اوپر تک ہو۔ یہ امام اعظمؒ ”ابو حنیفہ“ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اور یہی فتویٰ کے لئے مختار قول ہے بخلاف ”صاحبین“ رضی اللہ عنہما کے اور امام ”شافعی“ رضی اللہ عنہ کے۔ کہا گیا ہے: اور اسی پر فتویٰ ہے۔ پھر اس کے دادا کا جز یعنی وہ چچا جو سگا ہو پھر جو علاقائی ہو، پھر اس کا سگا بیٹا پھر علاقائی بیٹا اگرچہ کتنا نیچے تک ہو۔ پھر باپ کا چچا پھر اس کا بیٹا پھر دادا کا چچا اور پھر اس کا بیٹا اسی طرح ہوگا

پس تقدیم جہت کے ساتھ ہے پھر قرابت کے ساتھ اور ان دونوں کے بعد تقدیم بالقوة کو بنا لو۔

37342۔ (قوله: وَيَكُونُ الْآخَرُ) اس کا ذکر باپ کے ذکر کے ساتھ کرنا اولیٰ ہے جو کہ پہلے گزر چکا ہے جیسا کہ

”شارح“ نے ایسا کیا ہے۔ ”طحاوی“۔

37343۔ (قوله: ثُمَّ الْجَدُّ الصَّحِيحُ) جد صحیح وہ ہوتا ہے جس کی میت کی طرف نسبت میں کوئی عورت داخل نہ ہو۔

37344۔ (قوله: وَهُوَ أَبُو الْأَبِ) اس میں اولیٰ ابو واؤ کے ساتھ لکھنا ہے اس لئے کہ لغت مشہورہ کی بنا پر اس کا

اعراب بالحرک ہوتا ہے۔

37345۔ (قوله: ثُمَّ الْأَبِ) یعنی پھر علاقائی بھائی، رہا اخیانی بھائی تو وہ صرف ذوالفرض ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

37346۔ (قوله: لِأَبَوَيْنِ) یہ محذوف کے متعلق ہے جو ضمیر سے حال ہے۔

37347۔ (قوله: قِيلَ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى) کہا گیا ہے: اور اسی پر فتویٰ ہے۔ یہ ”صاحب السراجیہ“ نے اپنی ”شرح“

میں کہا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ اور تحقیق اس طرف اشارہ کیا ہے کہ معتمد علیہ پہلا قول ہے اور یہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔

37348۔ (قوله: كَذَلِكَ) یعنی پہلے وہ جو ماں باپ دونوں کی طرف سے سگا ہو اور پھر وہ جو صرف باپ کی طرف

سے ہو۔ اور یہ کلام عم الأب اور عم الجد سے حال کے محل میں ہے۔

وَإِنْ سَفَلَا فَأَسْبَابُهَا أَرْبَعَةٌ بُنُوٌّ ثُمَّ أَبَوَةٌ ثُمَّ أَخَوَةٌ ثُمَّ عُمُومَةٌ (و) بَعْدَ تَرْجِيحِهِمْ بِقُرْبِ الدَّرَجَةِ (يُرْجَحُونَ) عِنْدَ التَّفَاوُتِ بِأَبَوَيْنِ وَأَبٍ كَمَا مَرَّ بِقُوَّةِ الْقَرَابَةِ فَمَنْ كَانَ لِأَبَوَيْنِ مِنَ الْعَصَبَاتِ وَلَوْ أُتْنِي كَالشَّقِيقَةِ مَعَ الْبِنْتِ تَقَدَّمَ عَلَى الْآخِرِ لِأَبٍ (مُقَدَّمٌ عَلَى مَنْ كَانَ لِأَبٍ) لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَعْيَانَ بَنِي الْأُمِّ يَتَوَارَثُونَ دُونَ بَنِي الْعَلَّاتِ وَالْحَاصِلُ أَنَّهُ عِنْدَ الْإِسْتِوَاءِ فِي الدَّرَجَةِ يُقَدَّمُ ذُو الْقَرَبَاتَيْنِ وَعِنْدَ التَّفَاوُتِ فِيهَا يُقَدَّمُ الْأَعْلَى

اگرچہ وہ دونوں کتنا نیچے تک ہوں۔ پس عصبہ ہونے کے اسباب چار ہیں: بیٹا ہونا، پھر باپ ہونا، پھر بھائی ہونا اور پھر چچا ہونا۔ اور انہیں قرب درجہ کے سبب ترجیح دینے کے بعد والدین اور صرف والد سے (سگے اور سوتیلے) ہونے کے تفاوت کے وقت قوت قرابت کے ساتھ ترجیح دی جائے گی جیسا کہ گزر چکا ہے۔ پس عصبات میں سے جو سگایعنی والدین کی طرف سے ہو اگرچہ وہ مونث ہو جیسے سگی بہن بیٹی کے ساتھ اسے علاقائی بھائی پر مقدم کیا جائے گا۔ یعنی جو دونوں طرف سے ہو اسے اس پر مقدم کیا جائے گا جو صرف باپ کی طرف سے ہو۔ کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان عالیشان ہے: بلاشبہ سگی ماں کے بیٹے باہم وارث ہوتے ہیں نہ کہ سوتیلی ماؤں کے۔ حاصل کلام یہ ہے: درجہ میں برابر ہونے کے وقت دو قرابت والے کو مقدم کیا جائے گا اور ان میں تفاوت کے وقت اعلیٰ کو مقدم کیا جائے گا۔

37349۔ (قوله: وَإِنْ سَفَلَا) اگرچہ باپ کے چچا کا بیٹا اور دادا کے چچا کا بیٹا کتنا نیچے تک ہو۔

37350۔ (قوله: فَأَسْبَابُهَا) یعنی عصبہ ہونے کے اسباب۔

37351۔ (قوله: وَبَعْدَ تَرْجِيحِهِمْ الْخ) یعنی چاروں اقسام میں سے ہر قسم والوں کی قرب درجہ کے ساتھ ترجیح کے بعد مثلاً بھائیوں کو ان کے بیٹوں پر ترجیح دینا۔ قوت قرابت کے ساتھ ترجیح دی جائے گی جب وہ اس میں متفاوت ہوں جیسا کہ سگے بھائی کو علاقائی بھائی پر ترجیح دینا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

37352۔ (قوله: بِأَبَوَيْنِ وَأَبٍ) یہ تفاوت کے متعلق ہے، اور ”شارح“ کا قول: کہا مڑ اس سے حال ہے۔ اور ان کا قول بقوت القرابة۔ يرجحون سے حال ہے۔

37353۔ (قوله: كَالشَّقِيقَةِ الْخ) اس میں یہ ہے کہ کلام عصبہ بالنفس کے بارے میں ہے، اور یہ عصبہ مع الغير ہے لیکن ”السید“ نے کہا ہے: بے شک یہاں اس کا ذکر کیا ہے اگرچہ یہ عصبہ بنفسہائیں ہے، اس لئے کہ یہ حکم میں عصبہ بنفسہ کے ساتھ شریک ہے۔

37354۔ (قوله: إِنَّ أَعْيَانَ بَنِي الْأُمِّ الْخ) مکمل حدیث اس طرح ہے: يَرِثُ الرَّجُلُ أَخَاهُ لِأَبِيهِ وَأُمِّهِ دُونَ أَخِيهِ لِأَبِيهِ (1) رواہ الترمذی وابن ماجہ۔ ”قاسم“۔ (آدمی کا وارث اس کا سگ بھائی ہو گا نہ کہ اس کا علاقائی بھائی)۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب الوصایا، باب ماجاء فی میراث الاخوة من الأب والام، جلد 2، صفحہ 93، حدیث نمبر 2021

ثُمَّ شَرَعَ فِي الْعَصْبَةِ بِغَيْرِهِ فَقَالَ (وَيَصِيرُ عَصْبَةٌ بِغَيْرِهِ الْبَنَاتُ بِالْبَنِّ وَبَنَاتُ الْبَنِّ بِابْنِ الْبَنِّ) وَإِنْ سَفَلُوا (وَالْأَخَوَاتُ) لِأَبَوَيْنِ أَوْ لَأَبٍ (بِأَخِيهِنَّ) فَهُنَّ أَرْبَعٌ

پھر ”مصنف“ عصبہ بغیرہ کے بیان میں شروع ہوئے اور کہا: عصبہ بغیرہ بیٹیاں بیٹے کے ساتھ اور پوتیاں پوتے کے ساتھ ہوتی ہیں اگرچہ وہ نیچے ہوں اور سگی بہنیں یا علاقائی بہنیں اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ بغیرہ ہوتی ہیں۔ پس یہ چار ہوئیں،

اور عنقریب ”شارح“ ذکر کریں گے کہ بنی الاعیان سگے بھائی ہیں۔ انہیں یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ وہ ایک عین یعنی ایک ماں باپ سے ہیں، اور بنی العللات وہ بھائی ہیں جو صرف باپ کی طرف سے ہوں (یعنی علاقائی بھائی) انہیں یہ نام اس لئے دیا گیا ہے، کیونکہ خاوند اپنی دوسری زوجہ سے میرا ب ہوا ہے۔ اور العلل کا معنی دوسری بار پینا ہے۔ کہا جاتا ہے: عَصَبَةٌ: جب وہ اسے دوسری بار پلائے۔ اور رہے ماں کی طرف سے بھائی! تو وہ بنو الاخیاف کہلاتے ہیں جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ اور ظاہر ہے کہ حدیث پاک میں بنی الام سے مراد وہ ہیں جو سگے بھائیوں اور صرف اخیانی بھائیوں کو شامل ہیں۔ اور یہ کہ ان کے اعیان سے مراد قسم اول ہے جس پر ان کا قول دلالت کرتا ہے جو ”المغرب“ میں ہے: اعیان القوم أشرفہم۔ کہ اعیان القوم سے مراد قوم کے اشرف ہیں۔ اور اسی وجہ سے سگے بھائیوں کے لئے ان کا قول بنو الاعیان ہے، اور اسی سے حدیث اعیان بنی اُمَیْتُوَارِ ثُوْنٌ ہے۔ اور ”السید“ نے کہا ہے: یہاں اُم کے ذکر سے مقصود اس کا اظہار ہے جس کے ساتھ بنو اعیان بنی العللات پر ترجیح پاتے ہیں: یعنی اس لئے کہ وہ ماں کی قرابت کے سبب ان سے فائق ہیں، اسی لئے وہ اعیان ہیں۔

37355۔ (قوله: الْبَنَاتُ) یہ اسم موخر ہے اور اس کی خبر ”مصنف“ کا قول: عصبۃ بغیرہ اور اس کا قول: اب لابن

ہے۔ بالابن کے ساتھ اسے مقید کیا۔ کیونکہ وہ (بیٹیاں) اس کے نہ ہونے کی صورت میں ہمیشہ صاحبات فرض رہتی ہیں۔ اور پوتا صاحب فرض کو عصبہ نہیں بنا سکتا۔

37356۔ (قوله: وَإِنْ سَفَلُوا) مراد پوتیاں اور پوتا ہے۔

37357۔ (قوله: بِأَخِيهِنَّ) یعنی اپنے اس بھائی کے ساتھ جو قرابت میں ان کے مساوی ہو۔ ”درراجی“۔

”الطوری“ نے کہا ہے: اور ”کشف الغوامض“ میں ہے: سگی بہن کو علاقائی بھائی بالا جماع عصبہ نہیں بنا سکتا۔ کیونکہ وہ بہن بھائی کی نسبت نسب میں اقویٰ ہے، بلکہ وہ اپنا حصہ لے گی۔ اور علاقائی بہن کو سگے بھائی عصبہ نہیں بنا سکتا، بلکہ وہ اسے رد کر دیتی ہے۔ کیونکہ وہ بھائی بالا جماع اس سے زیادہ قویٰ ہے۔ اور ”مصنف“ کی منظوم کتاب جس کا نام ”تختہ الفقہ“ ہے اس میں ہے: [الرجز]

ولا ترث أخت لہ من الأب مع صنوہ الشقیق فاحفظ تُصَبُّ

اور اس کی علاقائی بہن اس کے سگے بھائی کے ساتھ وارث نہیں ہوگی پس تو اسے یاد رکھ کامیاب ہو جائے گا۔

اور اس کی شرح میں ”الجواہر“ سے ذکر کیا ہے کہ بعض علماء نے یہ گمان کیا ہے کہ بہن کے لئے نصف ہو کا جائز نہ یہ کوئی شے نہیں ہے۔

ذَوَاتُ النِّصْفِ وَالثُّلُثَيْنِ يَصْرَنَ عَصَبَةً بِأَخَوَتِهِنَّ، وَلَوْ حُكْمًا كَابْنِ ابْنِ ابْنٍ يُعَصَّبُ مَنْ مِثْلُهُ أَوْ فَوْقَهُ ثُمَّ شَرَعَ فِي الْعَصَبَةِ مَعَ غَيْرِهِ فَقَالَ (وَمَعَ غَيْرِهِ الْأَخَوَاتُ مَعَ الْبَنَاتِ) أَوْ بَنَاتِ الْإِبْنِ لِقَوْلِ الْفَرَضِيِّينَ اجْعَلُوا الْأَخَوَاتِ مَعَ الْبَنَاتِ عَصَبَةً وَالْمُرَادُ مِنَ الْجَمْعَيْنِ هُنَا الْجِنْسُ

چنانچہ نصف اور دو تہائی حصہ والی عورتیں اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں اگرچہ وہ بھائی حکمی ہو جیسا کہ بیٹے کے بیٹے کا بیٹا یعنی پروتا اپنی مثل بہن یا اپنے سے اوپر والی بہن کو عصبہ بنا دیتا ہے۔ پھر ”مصنف“ عصبہ مع غیرہ کے بیان میں شروع ہوئے اور کہا: عصبہ مع غیرہ بہنیں ہیں جبکہ وہ بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ ہوں اس لئے کہ علماء میراث کا قول ہے: تم بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بناؤ۔ اور اس عبارت میں دونوں جمعوں (الاخوات اور البنات) سے مراد جنس ہے (یعنی ان پر الف لام جنسی ہے)

37358۔ (قوله: ذَوَاتُ النِّصْفِ وَالثُّلُثَيْنِ) نصف اور دوثلث حصہ والیاں، یہ خبر کے بعد خبر ہے یا اربع سے بدل ہے یعنی وہ جن کا حصہ نصف ہوتا ہے جب وہ منفرد ہوں۔ اور دو تہائی ہوتا ہے جب وہ متعدد ہوں۔ اور وہ بیٹی، پوتی، سگی بہن یا علاتی بہن ہے۔ کہا گیا ہے: واجب ہے کہ تو ماں کا ذکر باپ کے ساتھ کرے کیونکہ وہ اسے عصبہ بناتا ہے زوجین میں سے کسی ایک کے ساتھ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور جواب یہ دیا گیا ہے: اس کا ماں کی کا تہائی حصہ لینا بطریق فرض ہے عصبہ ہونے کی حیثیت سے نہیں ہے۔ اور اس کی طرف اشارہ کیا ہے جو ”السراجیہ“ میں اور اس کی شرح میں ہے کہ عورتوں میں سے وہ جس کا کوئی فرض (حصہ) نہیں اور اس کا بھائی عصبہ ہو تو وہ اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ نہیں ہوگی جیسا کہ چچا اور پھوپھی جبکہ وہ دونوں سگے ہوں یا علاتی ہوں۔ اور مال سارے کا سارا چچا کے لئے ہو گا نہ کہ پھوپھی کے لئے۔ اور اسی طرح چچا کا بیٹا ہو چچا کی بیٹی کے ساتھ، اور بھائی کا بیٹا (بھتیجا) ہو بھائی کی بیٹی (بھتیجی) کے ساتھ۔ اور میں نے اسے اپنے قول کے ساتھ نظم کیا ہے۔ [الرجز]

و لَمْ يُعَصَّبْ غَيْرُ ذَاتِ سَهْمٍ اَمْ كَمَثَلِ عَمَّةٍ وَ عَمٍّ

اور بھائی غیر سہم والے کو عصبہ نہیں بناتا جیسا کہ پھوپھی اور چچا۔

37359۔ (قوله: وَلَوْ حُكْمًا) اگرچہ وہ حکمی ہو۔ پوتی کی طرف دیکھتے ہوئے اس میں بھائی کے لئے تعیم ہے؟ کیونکہ

اس کا عصبہ ہونا صرف اس کے بھائی کے ساتھ مختص نہیں۔ کیونکہ وہ اس کے ساتھ اور چچا کے بیٹے کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ بھی جو اس سے نیچے ہو بشرطیکہ وہ صاحب فرض نہ ہو جیسا کہ اس کا بیان عنقریب آئے گا۔

37360۔ (قوله: الْأَخَوَاتُ مَعَ الْبَنَاتِ) یعنی سگی یا علاتی بہنیں۔ رہی انخیانی بہن تو اس کا بھائی اسے عصبہ نہیں

بناتا حالانکہ وہ مذکر ہے۔ پس اس کا عصبہ مع الغیر نہ ہونا اولیٰ ہے۔

37361۔ (قوله: لِقَوْلِ الْفَرَضِيِّينَ) اسے ”السراجیہ“ وغیرہ میں حدیث قرار دیا ہے۔ ”سکب الانہر“ میں کہا

(وَعَصْبَةُ وَلَدِ الزَّانَا) وَلَدِ (الْمَلَاعِنَةِ) (مَوْلَى الْأَمِّ الْمُرَادُ بِالْمَوْلَى مَا يَعْتَمِدُ الْمُعْتَقَ وَالْعَصْبَةُ لِيَعْتَمِدَ مَا لَوْ كَانَتْ الْأُمُّ حُرَّةً الْأَصْلُ كَمَا بَسَطَهُ الْعَلَّامَةُ قَاسِمٌ

اور ولد الزنا اور ولد الملا عنہ کا عصبہ ماں کا مولیٰ ہے اور یہاں مولیٰ سے مراد وہ ہے جو معتق اور عصبہ دونوں کو شامل ہے تاکہ اگر ماں اصلاً آزاد ہو تو اسے بھی یہ شامل ہو جائے جیسا کہ علامہ ”قاسم“ نے اسے شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ہے: اور میں اس پر واقف نہیں جس نے اسے خارج کیا ہے، البتہ اس کی اصل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے۔ اور یہ وہ ہے جسے امام ”بخاری“ وغیرہ نے بیٹی، پوتی، اور بہن کے بارے میں روایت کیا ہے۔ بیٹی کے لئے نصف، پوتی کے لئے چھٹا حصہ اور باقی بہن کے لئے ہے اور ”ابن الہائم“ نے اسے اپنی ”فصول“ میں علماء میراث کا قول قرار دیا ہے اور اس کے شارحین مثلاً قاضی ”زکریا“ اور ”سبط المارذینی“ وغیرہ نے ان کی اتباع کی ہے۔

تنبیہ

ان دونوں عصبوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ عصبہ بغیرہ میں غیر بذات خود عصبہ ہوتا ہے اور پھر اس کے سبب سے عصبوۃ مونث کی طرف متعدی ہو جاتی ہے اور عصبہ مع غیرہ میں وہ غیر اصلاً عصبہ نہیں ہوتا بلکہ اس عصبہ کی عصبوۃ اس غیر کو جمع کرنے والی ہوتی ہے۔ ”سید“۔ اور اس میں پہلے کو با کے ساتھ اور دوسرے کو مع کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ کی طرف اشارہ ہے۔ ”سکب الانبر“ میں کہا ہے: با، الصاق کے لئے ہے۔ اور الصاق ملصق اور ملصق بہ کے درمیان ثابت نہیں ہوتا مگر تبھی جب ملصق بہ کے حکم میں دونوں شریک ہوں۔ پس وہ دونوں عصبہ ہونے کے حکم میں باہم شریک ہوتے ہیں۔ بخلاف مع کے کلمہ کے کیونکہ وہ قرآن کے لئے آتا ہے۔ اور قرآن دو آدمیوں کے درمیان حکم میں مشارکت کے بغیر بھی ثابت ہو جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيْرًا ﴿۱۰﴾ (الفرقان) (اور ہم نے ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو) (ان کا) وزیر مقرر کیا) یعنی اس کا وزیر اس حیثیت سے کہ وہ نبوت میں ان کے مقارن ہیں۔ اور جیسا کہ ”قدوری“ کے الفاظ ہیں: ومن فاتته صلاة العيد مع الامام یعنی اس کی وہ نماز فوت ہوئی جو امام کی نماز کے ساتھ مقارن ہے نہ کہ ان دونوں کا فوت ہونا ایک ساتھ ہے۔ پس یہ اس غیر کے بغیر عصبہ ہوتی ہے۔ ”بدیع الدین“ نے ”شرح السراجیہ“ میں کہا ہے: فرق یہ ہے کہ مع کبھی شرط کے لئے اور با سبب کے لئے مستعار لئے جاتے ہیں۔

37362۔ (قولہ: كَمَا بَسَطَهُ الْعَلَّامَةُ قَاسِمٌ) جیسا کہ علامہ ”قاسم“ نے اسے ”تصحیح القدوری“ میں ”الجواب“ سے نقل کرتے ہوئے شرح و بسط کے ساتھ ذکر کیا ہے جہاں انہوں نے کہا ہے: اگر لعان کرنے والی عورت اصلاً آزاد ہو تو پھر میراث دونوں کے موالی کے لئے ہوگی۔ اور وہ دونوں کے بھائی ہوں گے اور تمام دونوں کی ماں کا عصبہ ہوں گے۔ اور اگر وہ معتقہ (آزاد کی گئی) ہو تو پھر میراث اس کے معتق (آزاد کرنے والے) کے لئے ہوگی۔ اور اسی طرح معتق کا بیٹا، اس کا بھائی اور اس کا باپ ہے۔ پس ان کا قول لِمَوَالِيْهِمَا مُعْتَقٌ اور غیر معتق دونوں کو شامل ہے اور وہی ان کی ماں کا عصبہ ہے اور

اسی طرح ”الجوہرہ“ میں ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اس کے مخالف ہے جسے شارحین ”کنز“ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

”زیلعی“ نے کہا ہے: اور یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ وارث بنے یا عصبۃ کے اعتبار سے اسے وارث بنایا جائے مگر ولاد یا ولاد کے ساتھ۔ پس اس کا وارث وہ ہوگا جس نے اسے آزاد کیا ہے یا اس کی ماں کو آزاد کیا ہے یا اس کا بیٹا عصبۃ کے سبب وارث ہوگا، اور اسی طرح وہ اپنے معتق (جس کو آزاد کیا گیا) کا یا معتق کے معتق کا یا اپنے بیٹے کا اس کے سبب وارث ہوگا۔ پس یہ اس بارے میں صریح ہے کہ جب وہ یا اس کی ماں اصلاً آزاد ہو تو نہ وہ وارث ہوگا اور نہ اسے عصبۃ کے سبب وارث بنایا جائے گا مگر جب وہ اس کا بیٹا ہو: یعنی بیٹا یا پوتا ہو۔

اور ”معراج الدرایہ“ میں کہا ہے: پھر اس کے باپ کی طرف سے اس کی کوئی قرابت نہیں اور اگر اس کی ماں کی جہت سے قرابت ہو تو پھر اس کی ماں کا عصبہ اس کا عصبہ نہیں ہوگا، اور نہ اس کی ماں اس کے لئے عصبہ ہوگی یہ جمہور کے نزدیک ہے۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: اس کی ماں کا عصبہ اس کا عصبہ ہے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک دوسری روایت میں ہے: اس کی ماں اس کا عصبہ ہے۔ اس لئے کہ حضرت ”واثلہ بن الاسقع“ نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: السَّارَةُ تَحُوزُ ثَلَاثَ مَوَارِثَ عَتِيقَهَا، وَلَقِيطَهَا وَوَلَدَهَا الَّذِي لَا عَنَتَ عَلَيْهِ (1) (عورت تین قسم کی وارثوں کی وارث ہوتی ہے: اپنے آزاد کردہ غلام کی، اپنے لقیط (لا وارث اٹھایا ہوا بچہ) کی اور اپنے بچے کی جس پر اسے لعان کرنا پڑا)

اور ہم نے کہا ہے: میراث بلاشبہ نص سے ثابت ہوتی ہے، اور ماں کو وارث بنانے کی صورت میں ثلث سے زیادہ کے بارے کوئی نص نہیں ہے۔ اور نہ ہی اخیانی بھائی کی توریث میں چھٹے حصہ سے زیادہ کی کوئی نص ہے۔ اور نہ ہی ماں کے باپ یعنی نانا کی توریث میں کوئی نص ہے۔ اور اسی طرح ماں کے عصبہ ہونے کے بارے کوئی نص ہے۔ اور اس لئے بھی کہ عصبہ ہونا وراثت کے اسباب میں سے زیادہ قوی ہے اور اسے ماں کے ساتھ قائم اور معلق کرنا اضعف ہے، پس یہ جائز نہیں کہ وہ اس کے ساتھ اقوی اسباب ارث کی مستحق ہو۔ اور حدیث میں بیان یہ ہے کہ وہ جمع کرے اور جمع کرنا عصبہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ فرض اور رد کے اعتبار سے اسے جمع اور محفوظ کرے نہ کہ عصبہ ہونے کے اعتبار سے۔ اور رہی یہ حدیث: عَصْبَةُ قَوْمٍ أُمُّهُ (اس کا عصبہ اس کی ماں کی قوم ہے) تو اس کا معنی ہے عصبۃ کے معنی کے استحقاق میں اس کی قوم ہے، اور وہ رحم (رشتہ داری) ہے، نہ کہ حقیقی عصبۃ کے اثبات میں اس کی قوم ہے۔ ملخصاً۔

اور ”الجبتی“، ”شرح القدوری“ میں کہا ہے: ”مصنف“ کا یہ قول کہ ولد الزنا اور ولد الملا عنہ کا عصبہ دونوں کی ماں کا مولیٰ ہے، اس کا معنی واللہ اعلم یہ ہے کہ ماں اس کا عصبہ نہیں ہے اور نہ ماں کا عصبہ اس کا عصبہ ہے جیسا کہ حضرت ”ابن مسعود“ رضی اللہ عنہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الفرائض، باب میراث ابن الملا عنہ، جلد 2، صفحہ 371، حدیث نمبر 2519

لَا نَهْ لَا أَبَا لَهُمَا وَيَفْتَرِقَانِ فِي مَسْأَلَةٍ وَاحِدَةٍ وَهِيَ أَنَّ وَلَدَ الزَّانَا يَرِثُ مِنْ تَوَامِهِ مِيرَاثَ أَخٍ لِأُمِّهِ وَلَوْلَا عِنْتُهُ يَرِثُ مِنْ تَوَامِهِ مِيرَاثَ أَخٍ لِأَبَوَيْنِ

کیونکہ ان دونوں کا کوئی باپ نہیں۔ اور یہ دونوں ایک مسئلہ میں الگ الگ ہو جاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ولد الزنا اپنے اخیانی بھائی کی میراث کا وارث ہوتا ہے اور ولد الملاء عنہ اپنے سگے بھائی کی میراث کا وارث ہوتا ہے۔

اس طرف گئے ہیں۔ بلاشبہ اس کا عصبہ اس کی ماں کا مولیٰ ہے جب اس کا مولیٰ ہو۔ اور جو موقف ہمارے اصحاب نے اختیار کیا ہے وہ حضرت علی اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ماں جب ولد الزنا اور ولد مد عنہ کے غیر کے حق میں عصبہ نہیں ہے تو اسی طرح اس کے حق میں بھی عصبہ نہیں ہوگی جیسا کہ ذوی الارحام (عصبہ نہیں ہوتے)۔

37363۔ (قوله: لَا نَهْ لَا أَبَا لَهُمَا) کیونکہ ان دونوں کا (شرعی) باپ نہیں ہے، یہ متن کی تعلیل ہے۔ اور ”الاختیار“

میں وہ زائد ہے جو انہوں نے بیان کیا ہے: اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاعنہ کے بیٹے کو اس کی ماں کے ساتھ ملحق کیا ہے (1)۔ پس وہ اس شخص کی طرح ہو گیا جس کے لئے باپ کی جہت سے کوئی قرابت نہ ہو، تو پھر واجب ہے کہ اس کی ماں کے قرابتدار اس کے وارث ہوں اور وہ ان کا وارث ہو۔ پس اگر اس نے ایک بیٹی، ماں اور ملاعن (لعن کرنے والا) پیچھے چھوڑے تو بیٹی کے لئے ترکہ میں سے نصف اور ماں کے لئے چھٹا حصہ ہوگا اور پھر باقی انہی دو پر لوٹا دیا جائے گا گویا اس کا باپ ہے ہی نہیں۔ اور اسی طرح اگر ان دونوں کے ساتھ زوج یا زوجہ ہو تو وہ اپنا حصہ لے گا اور باقی ان دونوں کے درمیان بطور فرض اور رد تقسیم ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے اپنی ماں اور ایک اخیانی بھائی اور ملاعن کا بیٹا چھوڑا تو اس کی ماں کے لئے تیسرا حصہ، اخیانی بھائی کے لئے چھٹا حصہ اور باقی پھر انہی دو پر لوٹا دیا جائے گا، اور لعن کرنے والے کے بیٹے کے لئے کوئی شے نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ باپ کی جہت سے اس کا بھائی نہیں ہے۔ اور جب لعن کرنے والی عورت کے بیٹے کا بیٹا فوت ہوا تو اس کے باپ کی قوم اس کی وارث ہوگی اور وہ بھائی ہیں، اور اس کے دادا کی قوم اس کی وارث نہیں ہوگی یعنی چچے اور ان کی اولاد اور اسی سے اس کے بقیہ مسائل بھی پہچانیں جائیں گے۔ اس کی مثل ”المنح“ میں ہے۔

میں کہتا ہوں: اور یہ اس کی تائید کرتا ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ اس کی ماں کے لئے تیسرا حصہ اور اخیانی بھائی کے لئے چھٹا حصہ رکھا، اس کے باوجود کہ اس کا بھائی ماں کا عصبہ ہے۔ پس اگر اس کی آزاد ماں کا عصبہ اس کے لئے عصبہ ہوتا تو وہ یقیناً ماں کے حصہ کے بعد باقی لیتا۔

37364۔ (قوله: وَيَفْتَرِقَانِ الْخ) اسی طرح ”الاختیار“ میں کہا ہے، اور ”المنح“ اور ”سکب الانہر“ وغیرہ میں اسی کی

اتباع کی ہے۔

میں کہتا ہوں: اور یہ اس کے خلاف ہے جس پر ”شراح“ نے باب اللعان کے آخر میں اعتماد اور یقین کیا ہے۔ جہاں

1۔ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب یدحق الولاء بالملاءنة، جلد 3، صفحہ 171، حدیث نمبر 4903

(وَتُخْتَمُ الْعَصَبَاتُ بِ) الْعَصَبَةِ السَّبَبِيَّةِ أَيْ (الْمُعْتَقِ ثُمَّ عَصَبَتِهِ بِنَفْسِهِ عَلَى التَّرْتِيبِ الْمُتَقَدِّمِ

اور عصبات کا اختتام عصبہ سببیہ کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد معتق (آزاد کرنے والا آقا) ہے۔ پھر اس کے بعد اس کا عصبہ بنفسہ ہوگا اسی ترتیب پر جو پہلے بیان کی گئی ہے

انہوں نے ذکر کیا ہے کہ ملا عنہ کا بیٹا اپنے جڑواں میں سے اخیانی بھائی کی میراث کا بھی وارث ہوگا۔ اور اسی کی مثل ”البحر“ باب شہادت الجامع میں ہے۔ اور ”معراج الدراية“ میں کہا ہے: لعان کرنے والی کا بیٹا جب توأم (جڑواں) ہو تو ہمارے نزدیک اور امام ”شافعی“، امام ”احمد“ رحمہ اللہ اور جمہور کے نزدیک وہ دونوں دو اخیانی بھائیوں کی طرح ہوں گے۔ اور امام ”مالک“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: وہ دونوں دو سگے بھائیوں کی مثل ہوں گے۔ پھر دلیل اور اس پر تفاریع ذکر کی ہیں لہذا اس کی طرف رجوع کرو۔ اور یہ اس بارے میں صریح ہے کہ ”شارح“ نے جو یہاں ذکر کیا ہے وہ امام ”مالک“ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ تامل۔ 37365۔ (قوله: وَتُخْتَمُ الْعَصَبَاتُ الْخ) یعنی عصبات کا اختتام، اور یہ ختم اضافی ہے۔ ورنہ حقیقی طور پر اختتام معتق کے عصبہ کے ساتھ ہے۔ پھر بلاشبہ یہ دوسری قسم کا بیان ہے اور وہ عصبہ سببیہ ہے اور اس میں کوئی خفا نہیں کہ معتق عصبہ بنفسہ ہے۔ یہ نہ عصبہ بغیرہ ہے اور نہ مع غیرہ ہے۔ لیکن بسا اوقات اس بنا پر وہم پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ عصبہ بنفسہ ہے اس کو نسبی عصبہ میں سے عصبہ بغیرہ اور مع غیرہ پر مقدم ہونا چاہئے۔ تو اس عبارت کے ساتھ عصبات نسبیہ کی تمام اقسام سے اس کے موخر ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، کیونکہ نسبی عصبہ سببی عصبہ سے اقویٰ ہوتا ہے۔ پس اسی لئے اسلوب بدل دیا ہے ورنہ یہ بالکل ظاہر ہے کہ ما قبل کے مناسب یہ کہنا ہے: والعصبة السببية مولى العتاقة کہ سببی عصبہ مولى عتاقہ (آزاد کرنے والا آقا) ہے۔ اسے ”یعقوب“ نے بیان کیا ہے۔

37366۔ (قوله: أَيْ الْمُعْتَقِ) یعنی آزاد کرنے والا، اس میں اولیٰ مولى العتاقہ ہے جیسا کہ ہم نے اس میں اس کی وضاحت کر دی ہے جو گزر گیا ہے۔

37367۔ (قوله: ثُمَّ عَصَبَتِهِ بِنَفْسِهِ الْخ) پھر اس کا عصبہ بنفسہ، اس نے یہ فائدہ دیا ہے کہ معتق کے عصبہ کا عصبہ وارث نہیں ہوتا جیسا کہ ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور عصبہ کے ساتھ معتق کے اصحاب فروض سے احتراز کیا ہے جیسا کہ اس کی بیٹی، اس کی ماں اور اس کی بہن۔ پس یہ وارث نہیں ہوں گے۔ کیونکہ ولاء میں فرض کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اور عصبہ کو بنفسہ کے ساتھ مقید کیا ہے تاکہ عصبہ بغیرہ اور مع غیرہ سے احتراز ہو جائے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ولاء کے ثبوت کی شرائط میں سے ہے کہ ماں اصلاً آزاد نہ ہو۔ پس اگر وہ اصلاً آزاد ہوگی تو پھر اس کے بچے پر کسی کے لئے ولاء نہیں ہے اگرچہ باپ معتق ہو۔

37368۔ (قوله: عَلَى التَّرْتِيبِ الْمُتَقَدِّمِ) سابقہ ترتیب پر۔ پس معتق کا نسبی عصبہ بنفسہ اس کے عصبہ سببیہ پر مقدم ہوگا یعنی معتق اور اس کا معتق اور اسی طرح پس معتق کے بیٹے کو مقدم کیا جائے گا پھر اس کے بیٹے یعنی پوتے کو اگرچہ وہ

بِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَلَاءُ لُحْمَةٌ كُلُّحْمَةٍ النَّسَبِ

حضور سنی ﷺ کے اس ارشاد کے سبب: ”ولاء نسبی قرابت کی طرح قرابت ہے“

کتنا نیچے ہو، پھر اس کے باپ کو اور پھر اس کے دادا کو اگرچہ وہ کتنا اوپر ہو الخ۔ پھر معتنق المعتنق کو پھر اس کے عصبہ کو مذکورہ ترتیب پر، پھر معتنق المعتنق کے معتنق کو پھر اس کے عصبہ کو اور پھر اسی طرح۔ ”ابن کمال“۔

تنبیہ

بیٹے اور بیٹی نے مل کر اپنے باپ کو خریدا اور پھر باپ نے ایک غلام خریدا اور اسے آزاد کر دیا، پھر باپ کے بیٹا اور بیٹی چھوڑ کر فوت ہونے کے بعد وہ فوت ہو گیا تو کل ترکہ بیٹے کے لئے ہوگا۔ کیونکہ معتنق کا نسبی عصبہ بیٹی پر مقدم ہے۔ کیونکہ وہ عصبہ سببیہ ہے۔ ”ساحفانی“۔ اور اسی طرح اگر بیٹی نے اپنا باپ خریدا اور وہ اس پر آزاد ہو گیا اور پھر اسے اور ایک دوسری بیٹی کو چھوڑ کر فوت ہو گیا اور اس نے مال چھوڑا تو اس کے دو تہائی ان دونوں کے لئے بطور فرض (حصہ) ہوں گے اور باقی مال پہلی کے لئے عصبہ ہونے کی وجہ سے ہوگا۔

37369۔ (قوله: الْوَلَاءُ لُحْمَةٌ) یعنی نسب کے تعلق اور قرابت کی مثل ولا بھی ایک تعلق ہے (1) اسے ”ابن جریر“ نے ”المتہذیب“ میں حضرت ”عبداللہ بن ابی اوفی“ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور ”ابن ابی حاتم“ نے حضرت ”ابن عمر“ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ”السید“ نے کہا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ آزادی انسان کے لئے حیات ہے۔ کیونکہ اسی کے ساتھ وہ صفت مالکیت ثابت ہوتی ہے جس کے ساتھ اپنے ماسوا تمام حیوانات اور جمادات سے وہ ممتاز ہو جاتا ہے۔ اور غلامی تلف ہونا اور ہلاکت ہے، پس معتنق (آزاد کرنے والا) معتنق (جس کو آزاد کیا جائے) کو زندہ کرنے کا سبب ہے جیسا کہ باپ بیٹے کو پیدا کرنے کا سبب ہے۔ اور جس طرح بیٹا اپنے باپ کی طرف نسب کے اعتبار سے اور اس کے قرابتداروں کی طرف اس کی اتباع کے اعتبار سے منسوب ہوتا ہے۔ اسی طرح معتنق بھی ولاء کے ساتھ معتنق کی طرف اور اس کی اتباع میں اس کے اقرباء کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ پس جس طرح نسب سے وراثت ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح ولاء سے بھی ثابت ہوتی ہے۔

اور اس میں اس پر تنبیہ ہے کہ یہ حدیث بلاشبہ صرف اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس کو مولیٰ العتاقہ یا اس کے عصبہ سے وراثت حاصل ہو تو وہ وارث ہوگا، اس کے سوا کسی امر زائد پر نہیں کہ وراثت دونوں جانبوں سے ہو جیسا کہ نسب میں ہوتا ہے مثلاً باپ کا وارث اس کا بیٹا ہوتا ہے اور اس کا برعکس (یعنی بیٹے کی میراث باپ کے لئے) یا دو میں سے ایک جانب سے ہو، اور یہ اس کا شعور دلاتی ہے کہ جس کے لئے ولاء ہے اس کا عصبہ ہو۔ کیونکہ یہ اسے باپ کے ساتھ تشبیہ دینے کو متضمن ہے اس حیثیت سے کہ وہ باپ ہے، اور یہ اس پر دلالت نہیں کرتی کہ وہ آخری عصبہ ہے۔ اس کی مکمل بحث ”شرح ابن حنبل“ میں ہے۔

(وَإِذَا تَرَكَ الْمُعْتَقُ أَبًا مَوْلَاهُ وَابْنَ مَوْلَاهُ فَالْكُلُّ لِلْأَبِ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ لِلْأَبِ الشُّدُسُ (أَوْ تَرَكَ جَدَّهُ) أُمِّي جَدَّ مَوْلَاهُ (وَأَخَاهُ فَهُوَ لِلْجَدِّ) عَلَى التَّرْتِيبِ الْمُتَقَدِّمِ (وَقَالَا بَيْنَهُمَا) كَالْمِيرَاثِ وَلَيْسَ هُنَا عَصَبَةٌ بَغِيرِهِ وَلَا مَعَ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ لِلنِّسَاءِ مِنَ الْوَلَاءِ

اور جب آزاد کیا ہوا غلام اپنے آقا کا باپ اور اس کا بیٹا پیچھے چھوڑے تو کل ترکہ بیٹے کے لئے ہوگا۔ اور امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: باپ کے لئے چھٹا حصہ ہوگا۔ یا وہ اپنے آقا کا دادا اور اس کا بھائی چھوڑے تو میراث سابقہ ترتیب پر دادا کے لئے ہوگی۔ اور ”طرفین“ رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: ان دونوں کے درمیان میراث کی طرح تقسیم ہوگی۔ اور اس میں عصبہ بغیرہ اور عصبہ مع غیرہ نہیں ہوتے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”عورتوں کے لئے ولا میں سے کوئی شے نہیں ہے

اسے زیادہ کرنا اولیٰ ہے جو علامہ ”قاسم“ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ذکر کیا ہے: المیراث للعصبۃ، فان لم تکن عصبۃ فلدسولی (1) (میراث عصبہ کے لئے ہے پس اگر عصبہ نہ ہو تو پھر دسولی کے لئے ہے) اسے ”سعید بن منصور“ نے ”حسن“ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

37370۔ (قوله: وَإِذَا تَرَكَ الْمُعْتَقُ) اور جب معتق (تاء کے فتح کے ساتھ) معتق اسم مفعول ہے۔ اور جب معتق اپنے آقا کا باپ اور اس کا بیٹا چھوڑے الخ۔

37371۔ (قوله: وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ لِلْأَبِ الشُّدُسُ) امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: باپ کے لئے چھٹا حصہ ہوگا، یہ آپ کا دوسرا قول ہے اور آپ کا پہلا قول ”طرفین“ رحمۃ اللہ علیہما کے قول کی مثل ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ ساری ولاء ملک کا اثر ہے۔ پس اسے حقیقت ملک کے ساتھ ملایا جائے گا اور اگر معتق (تاء کے کسرہ کے ساتھ) مال چھوڑے اور باپ اور بیٹا چھوڑے تو اس کے باپ کے لئے اس کے مال کا چھٹا حصہ ہوگا اور باقی اس کے بیٹے کے لئے ہوگا۔ پس اسی طرح ہے جب وہ ولاء چھوڑے۔ اور جواب یہ ہے کہ وہ اگرچہ ملک کا اثر ہے لیکن وہ (ولاء) مال نہیں ہے اور نہ اس کے لئے مال کا حکم ہے جیسا کہ وہ قصاص جس کے عوض مال لینا جائز ہے بخلاف ولاء کے کہ اس میں وراثت کے حصص فرضیت کے اعتبار سے جاری نہیں ہوتے جیسا کہ مال میں ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ سبب ہے جس کے ساتھ بطریق عصبۃ وارث بنایا جاتا ہے۔ پس اس میں اقرب فالاقرب کا اعتبار کیا جاتا ہے اور بیٹا عصبات میں سب سے قریبی عصبہ ہے۔ اس کی مکمل بحث ”شرح السید“ میں ہے۔

37372۔ (قوله: عَلَى التَّرْتِيبِ الْمُتَقَدِّمِ) سابقہ ترتیب پر، یعنی اس ترتیب پر بنا کرتے ہوئے جو عصبات نسبہ میں بیان ہو چکی ہے۔

37373۔ (قوله: وَلَيْسَ هُنَا لَخ) بنفسہ کے قول کے ساتھ عصبہ بغیرہ اور مع غیرہ سے احتراز کیا گیا ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الفرائض، باب فی میراث ذوی الارحام، جلد 2، صفحہ 370، حدیث نمبر 2518، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

إِلَّا مَا أُعْتَقْنَ الْحَدِيثُ

مگر اس کی جسے وہ خود آزاد کریں“ الحدیث۔

حدیث لیس للنساء من الولاء إلا ما أعتقن پر کلام کا مفہوم

37374۔ (قولہ: الْحَدِيثُ) اس کے الفاظ جیسا کہ ”السراجیہ“ میں ہے یہ ہیں: لیس للنساء من الولاء إلا ما أعتقن أو أعتق من أعتقن، أو کاتب من کاتبین، أو دبرن أو دبر من دبرن، أو جزو لاء معتقن أو معتق معتقن، (1) اور اس کا معنی یہ ہے: عورتوں کے لئے ولاء میں سے کوئی شے نہیں ہے مگر اس غلام کی ولاء جسے انہوں نے آزاد کیا ہو، یا اس غلام کی ولاء جسے اس غلام نے آزاد کیا ہو جسے عورتوں نے آزاد کیا ہے، یا اس غلام کی ولاء جسے انہوں نے مکاتب بنایا ہو، یا اس کی ولاء جسے اس نے مکاتب بنایا ہو جسے ان عورتوں نے مکاتب بنایا، یا اس کی ولاء جسے انہوں نے مدبر بنایا ہو، یا اس کی ولاء جسے اس نے مدبر بنایا ہو جسے انہوں نے مکاتب بنایا، یا ان کا معتق ولاء کو کھینچ لائے، یا وہ ولاء جو ان کے معتق کے معتق کی کھینچی ہوئی ہو۔ اور ہر نظیر سے اسے حذف کیا گیا ہے جسے دوسرے سے ثابت رکھا ہے یعنی ان کے لئے ولاء نہیں ہے مگر اس کی ولاء جسے انہوں نے آزاد کیا یا اس کی ولاء جسے انہوں نے آزاد کیا یا مکاتب بنایا یا مدبر بنایا اسے جسے انہوں نے آزاد کیا، یا اس کی ولاء جسے انہوں نے مکاتب بنایا یا اس کی ولاء جسے اس نے مکاتب بنایا یا اسے آزاد کیا، یا اسے مدبر بنایا جسے انہوں نے مکاتب بنایا یا اس کی ولاء جسے انہوں نے مدبر بنایا یا اس کی ولاء جسے اس نے مدبر بنایا یا اسے آزاد کیا یا اسے مکاتب بنایا جسے انہوں نے مدبر بنایا۔ پس ما کا کلمہ جو مذکور اور مقدر ہے اس سے مراد وہ غلام ہے جس کے ساتھ اعتاق تعق رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ ان تمام کے قائم مقام ہے جو ان میں سے مالک بنتا ہے جس کی عقل نہ ہو جیسا کہ اس کا استعمال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ (المومنون: 6) اور من کا کلمہ اس سے عبارت ہے جو آزاد مالک ہو۔ پس وہ اس کا مستحق ہے کہ اسے عقلاً کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا جائے۔ پس پہلے کو ما کے ساتھ تعبیر کیا گیا اور دوسرے کو من کے ساتھ اگرچہ دونوں آزاد ہیں، کیونکہ پہلے میں تمام اموال کی طرح تصرف کیا گیا ہے، اور دوسرا تمام مالکوں کی طرف تصرف کرنے والا ہے۔ اور ان کا قول أو جزو کا مستثنیٰ محذوف پر عطف ہے اور وہ ولاء ہے اور عبارت میں مذکور ولاء اس کا مفعول ہے اور معتقن اس کا فاعل ہے۔ اور وہ ان کی تقدیر پر ہے۔ اور اس سے بننے والا مصدر بمعنی اسم مفعول ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَى (یونس: 37) (اور نہیں ہے یہ قرآن کہ گھڑ لیا گیا ہو) یہ بمعنی مفتری ہے۔ یا اس تقدیر پر کہ موصوف کو حذف کر دیا گیا اور صفت کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا۔ اور منظر کو مضمر کی جگہ رکھ دیا گیا۔ اور تقدیر کلام یہ ہے: لیس للنساء من الولاء إلا کذا والا أن جزو ای مجرور معتقن، أو الولاء جزو معتقن۔ پھر دوسری توجیہات بھی ہیں جو ظاہر نہیں۔ اور ان کے مدبر کی ولاء کی صورت یہ ہے کہ ایک عورت نے غلام کو مدبر بنایا پھر وہ مرتد ہو گئی

1۔ نصب الرایہ، کتاب الولاء، جلد 4، صفحہ 373، حدیث نمبر 7، فی ہذہ الباب

وَهُوَ إِنْ كَانَ فِيهِ شُذُوذٌ

اس میں اگرچہ شذوذ ہے،

اور دارالحرب چلی گئی، اور اس کے دارالحرب چلے جانے اور اس کے مدبر غلام کے آزاد ہونے کا حکم لگا دیا گیا، پھر اس کے بعد وہ اسلام لے آئی اور واپس دارالاسلام لوٹ آئی، پھر وہ مدبر فوت ہو گیا، اور اس کے پیچھے کوئی نسبی عصبہ نہ ہو تو یہ عورت اس کا عصبہ ہوگی۔ اور اس مدبر کے مدبر کا حکم اسی طرح ہے۔ پس جب قاضی نے اس کے دارالحرب چلے جانے کے سبب اس کے مدبر کی آزادی کا حکم لگا دیا، پھر اس نے غلام خریدا اور اسے مدبر بنالیا پھر وہ فوت ہو گیا اور وہ عورت تو بہ کر کے دارالاسلام واپس لوٹ آئی چاہے وہ اپنے مدبر غلام کے فوت ہونے سے پہلے یا اس کے بعد آئے پھر دوسرا مدبر فوت ہو گیا اور اس نے کوئی نسبی عصبہ پیچھے نہیں چھوڑا تو اس کی ولاء اسی عورت کے لئے ہوگی۔ اور ہم نے ایک دوسرے طریقہ پر اس کی تصویر کتاب الولاء میں بیان کر دی ہے۔ اور ان کے معتق کے ولاء کو کھینچنے کی صورت یہ ہے کہ ایک عورت کا غلام اس کی اجازت کے ساتھ کسی لونڈی سے شادی کرے درآنحالیکہ اس کا آقا اسے آزاد کر دے پھر ان کے درمیان بچہ پیدا ہوا تو وہ آزاد ہوگا، اپنی ماں کے تابع ہوگا اور اس کی ولاء اس کی ماں کے مولیٰ کے لئے ہوگی۔ پس جب اس عورت نے اپنا غلام آزاد کر دیا تو وہ غلام عورت کے اسے آزاد کرنے کے ساتھ اپنے بچے کی ولاء کو اپنی مالکہ (مولاۃ) کی طرف کھینچ لایا۔ یہاں تک کہ جب معتق فوت ہو گیا، پھر اس کا بچہ فوت ہوا اور اس کے معتق نے اپنا باپ پیچھے چھوڑا تو اس کی ولاء اس عورت کے لئے ہوگی۔

اور ان کے معتق کے معتق کے ولاء کو کھینچنے کی صورت کہ ایک عورت نے غلام آزاد کیا، پھر اس آزاد ہونے والے غلام نے غلام خریدا اور اس کی کسی دوسرے آدمی کی آزاد کردہ لونڈی سے شادی کی۔ اور ان دونوں سے بچہ پیدا ہوا تو وہ آزاد ہوگا اور اس کی ولاء اس کی ماں کے مولیٰ کے لئے ہوگی۔ پس جب اس آزاد ہونے والے غلام نے اپنے غلام کو آزاد کیا تو اس نے اسے آزاد کرنے کے ساتھ اس کے بچے کی ولاء اپنی طرف کھینچ لی اور پھر اپنی مولاۃ (آزاد کرنے والی عورت) کی طرف کھینچ لی۔ یہ اس کا حاصل ہے جو فقہاء نے اس مقام پر ذکر کیا ہے۔ اس پر مکمل کلام اور جر کی شروط کتاب الولاء میں تلاش کی جاسکتی ہیں لہذا اس کی طرف رجوع کرو۔

شاذ حدیث کی تعریف اور اس کا حکم

37375۔ (قوله: وَهُوَ إِنْ كَانَ فِيهِ شُذُوذٌ الْخ) شاذ وہ حدیث ہے جسے ثقہ راوی روایت کرے اور وہ اس کے

مخالف ہو جسے لوگوں نے روایت کیا۔ پس جب راوی کسی شے کے ساتھ منفرد ہو تو اس میں دیکھا جائے گا۔ پس اگر وہ اس روایت کے مخالف ہو جسے حفظ و ضبط میں اس سے اعلیٰ راوی نے روایت کیا ہے تو پھر جس کے ساتھ وہ منفرد ہوا ہے وہ شاذ مردود ہے اور اگر اس کا مخالف نہ ہو تو پھر اگر وہ ان میں سے ہو جن کی حفظ و اتقان پر اعتماد کیا جاتا ہو تو پھر وہ مقبول ہے اور اس میں اس کا منفرد ہونا باعث جرح نہ ہوگا۔ اور اگر ان میں سے نہ ہو جن کی حفظ و اتقان پر اعتماد کیا جاتا ہو تو پھر وہ اسی کے لئے

لِكَثْرَةِ تَأْيِيدِ بِكَلَامِ كِبَارِ الصَّحَابَةِ فَصَارَ بِمَنْزِلَةِ الْمَشْهُورِ كَمَا بَسَطَهُ السَّيِّدُ وَأَقْرَبَهُ الْمُصَنِّفُ ثُمَّ شَرَعَ فِي الْحَجْبِ فَقَالَ (وَلَا يُحْرَمُ سِتَّةٌ) مِنَ الْوَرَثَةِ (بِحَالِ) الْبَتَّةِ (الْأَبُ وَالْأُمُّ وَالْإِبْنُ وَالْبِنْتُ)

لیکن کبار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کلام سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ پس یہ بمنزلہ مشہور کے ہو گئی ہے جیسا کہ ”السید“ نے اس کی وضاحت کی ہے، اور ”مصنف“ نے اسے ثابت رکھا ہے۔ پھر ”مصنف“ رحمۃ اللہ علیہ حجب کے بیان میں شروع ہوئے اور کہا: وراثت میں سے چھ کسی حال میں بھی وراثت سے محروم نہیں ہوتے وہ باپ، ماں، بیٹا اور بیٹی

ہے جس کے ساتھ وہ منفرد ہوا ہے، پھر اگر وہ حافظ ضابط اور مقبول راوی کے درجہ سے اس کا تفرددور نہ ہو تو اس کی حدیث حسن ہوگی ورنہ وہ شاذ مردود ہوگی۔ اسی کو ”ابن صلاح“ نے اس کی تعریف میں اختیار کیا ہے۔

37376۔ (قوله: لِكَثْرَةِ تَأْيِيدِ الْخ) لیکن اس کی تائید ہوتی ہے، پس حضرت عمر، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے روایت ہے: وہ عورتوں کو ولا کا وارث نہیں بناتے تھے مگر اس کی ولا کا جسے وہ خود آزاد کریں، یا وہ آزاد کرے جسے انہوں نے آزاد کیا، یا انہوں نے مکاتب بنایا۔ اسے ”ابن ابی شیبہ“، ”عبدالرزاق“، ”دارمی“ اور ”بیہقی“ نے روایت کیا ہے۔ اور اسے ”رزین بن العبدی“ نے اپنی ”مسند“ میں ان لفظوں کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مِيرَاثُ الْوَلَاءِ لِلْأَكْبَرِ مِنَ الذُّكُورِ، وَلَا يَرِثُ النِّسَاءُ مِنَ الْوَلَاءِ إِلَّا الْوَلَاءُ مَنْ أَعْتَقَ أَوْ أَعْتَقَ مَنْ أَعْتَقَ (1)۔ ”قسم“۔ (ولا کی میراث مردوں میں سے بڑے کے لئے ہے اور عورتیں ولا کی وارث نہیں ہوتیں مگر اس کی ولا کی جسے وہ آزاد کریں یا جسے وہ آزاد کرے جسے انہوں نے آزاد کیا۔)

37377۔ (قوله: فَصَارَ بِمَنْزِلَةِ الْمَشْهُورِ) پس وہ حدیث مشہور کے قائم مقام ہوگی۔ حدیث مشہور وہ ہوتی ہے جو قرن اول میں آحاد ہو پھر وہ پھیل جائے اور قرن ثانی اور اس کے بعد میں متواتر ہو جائے۔ اور جب قرن اول اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور ہے وہ ثقہ ہیں ان پر کوئی تہمت عائد نہیں ہو سکتی تو ان کی شہادت بمنزلہ متواتر کے حجت ہوگی۔ یہاں تک کہ ”جصاص“ نے یہ کہا ہے کہ حدیث مشہور متواتر کی دو قسموں میں سے ایک ہے۔ ”یعقوب“۔

حجب کا بیان

37378۔ (قوله: ثُمَّ شَرَعَ فِي الْحَجْبِ الْخ) یعنی ذوفرض اور عصبہ وارثوں کے بیان کے بعد ”مصنف“ حجب کے بیان میں شروع ہوئے۔ کیونکہ ان میں سے بعض وہ ہیں جو کلی طور پر وراثت سے محروم ہو جاتے ہیں یا مقررہ حصہ سے اقل کی طرف ان کا حصہ منتقل ہو جاتا ہے۔ اور حجب کا لغوی معنی مطلقاً روکنا ہے۔ اصطلاح میں وراثت کے اصل آدمی کو کسی دوسرے کے سبب وراثت کے اس حصہ سے روکنا ہے جو اس کے لئے ہوتا اگر وہ دوسرا نہ ہوتا۔ پس قاتل اور کافر خارج ہو گئے اور یہ حجب کی دونوں قسموں کو شامل ہے۔ کیونکہ ہمارے ائمہ نے اصطلاحاً اس کا نام محروم رکھا ہے جسے اپنی ذات میں پائے جانے والے

1۔ نصب الراية، کتاب الولاء، جلد 4، صفحہ 373، حدیث نمبر 7، فی ہذہ الباب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

أَيُّ الْأَبْوَانِ وَالْوَلَدَانِ (وَالزَّوْجَانِ) وَفَرِيقٌ يَرِثُونَ بِحَالٍ، وَيُحْجَبُونَ حَجْبَ الْحَرَمَانِ بِحَالٍ أُخْرَى وَهُمْ غَيْرُهُوَلَاءِ السِّتَّةِ سَوَاءٌ كَانُوا عَصَبَاتٍ أَوْ ذَوِي فُرُوضٍ وَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى أَصْلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَنَّهُ يُحْجَبُ الْأَقْرَبُ مِمَّنْ سِوَاهُمُ الْأَبْعَدُ لِمَا مَرَّ أَنَّهُ يُقَدَّمُ الْأَقْرَبُ فَلَا اقْرَبُ

یعنی والدین اور اولاد، اور زوجین (خاوند، بیوی) اور ورثا میں سے ایک فریق وہ ہے جو ایک حال میں وارث ہوتے ہیں اور دوسرے حال میں وہ اس سے بالکل محروم ہو جاتے ہیں اور وہ مذکورہ چھ کے سوا ہیں چاہے وہ عصبات سے ہوں یا ذوی الفروض سے۔ اور اس کی بنیاد دو قاعدوں اور اصولوں پر ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ زیادہ قریبی بعیدی وارث کو وراثت سے روک دیتا ہے۔ کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ اقرب فالاقرب کو مقدم کیا جائے گا

معنی اور وصف کی وجہ سے میراث سے روک دیا جائے جیسا کہ اس کا غلام یا قاتل ہونا۔ اور جسے کسی غیر کی وجہ سے میراث سے روکا جائے اسے محبوب کا نام دیا ہے۔ اور انہوں نے حجب کی دو قسمیں بیان کی ہیں (1) حجب حرمان: اس سے مراد کسی معین شخص کو کسی دوسرے شخص کے پائے جانے کی وجہ سے کلی طور پر میراث سے روک دینا ہے۔ (2) حجب نقصان: اس سے مراد کسی شخص کو کسی دوسرے کے پائے جانے کی وجہ سے مقررہ حصہ سے روک کر اقل حصہ کی طرف منتقل کر دینا ہے۔ پس عول کے سبب حصوں کا کم ہونا اس سے خارج ہو گیا۔ اور اسی طرح اصحاب فرائض کے حصص کا اپنے ہم جنسوں کے ساتھ جمع ہونے کے سبب حالت انفراد سے کم ہونا بھی خارج ہو گیا۔ اور اسی طرح اصحاب فرائض کے حصص کا اپنے ہم جنسوں کے ساتھ جمع ہونے کے سبب سوا میں داخل ہوتا ہے۔ اور حجب نقصان صرف پانچ میں داخل ہوتا ہے جیسا کہ ”شارح“ عنقریب اسے ذکر کریں گے۔

37379۔ (قوله: أَيُّ الْأَبْوَانِ) یعنی باپ اور ماں ان کے بغیر جو ان سے اوپر ہیں۔ کیونکہ دادا اور دادی (نانی) میں سے ہر ایک کو حجب حرمان لاحق ہوتا ہے پس وہ دونوں دوسرے فریق سے ہیں۔ فافہم۔

37380۔ (قوله: وَالْوَلَدَانِ) یعنی بیٹا اور بیٹی۔ اسے مناسبت کے لئے تشبیہ ذکر کیا ہے۔ ورنہ لفظ ولد مذکر اور مونث دونوں کو شامل ہوتا ہے۔ تامل۔

37381۔ (قوله: سَوَاءٌ كَانُوا عَصَبَاتٍ) برابر ہے وہ عصبات ہوں، اسی طرح وہ ہیں جو عصبات کے معنی میں ہیں جیسے ذوی الارحام۔

37382۔ (قوله: وَهُوَ) یعنی فریق ثانی میں حجب حرمان کا دار و مدار دو قاعدوں پر ہے یعنی اس کا وجود دونوں کے مجموعہ کے وجود پر مترتب ہے۔ پس جب دونوں یا ان میں سے ایک پایا جائے تو وہ پایا جاتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو نہیں پایا جاتا۔ اور اس میں بحث عنقریب آئے گی۔

37383۔ (قوله: يُحْجَبُ الْأَقْرَبُ) یعنی درجہ یا قرابت کے اعتبار سے اقرب حاجب ہوتا ہے۔ اور سواہم میں ضمیر متن میں مذکور چھ افراد کے لئے ہے۔

اتَّخَذَ ابْنُ السَّبَبِ أُمًّا لَا (وَالثَّانِي) أَنَّ مَنْ أَذَلَّ بِشَخْصٍ لَا يَرِثُ مَعَهُ كَابْنِ الْإِبْنِ لَا يَرِثُ مَعَ الْإِبْنِ (وَالْأَمْرُ الْآمَرُ فَيَرِثُ مَعَهَا لِعَدَمِ اسْتِغْرَاقِهَا لِلتَّرِكَةِ بِجِهَةِ وَاحِدَةٍ

چاہے سبب میں دونوں متحد ہوں یا نہ ہوں۔ اور دوسری اصل یہ ہے کہ وہ جس کا وارث ہونا کسی دوسرے شخص کے ساتھ معلق ہو تو وہ اس کے ساتھ وارث نہیں بن سکتا جیسا کہ پوتا بیٹے کے ہوتے ہوئے وارث نہیں ہو سکتا مگر ان خیالی بھائی وہ اپنی ماں کے ساتھ وارث ہوتا ہے اس لئے کہ ماں ایک جہت سے ترکہ کا احاطہ نہیں کئے ہوتی (یعنی پورے ترکہ کی وارث نہیں ہوتی)

37384۔ (قوله: اتَّخَذَ ابْنُ السَّبَبِ) وہ دونوں سبب میں متحد ہوں، جیسے دادیاں ماں کے ساتھ اور پوتیاں سگی بہنوں

کے ساتھ۔ یا سبب میں متحد نہ ہوں جیسے بھائی باپ کے ساتھ۔

37385۔ (قوله: مَنْ أَذَلَّ) لغت میں ادلاء کنوئیں میں ڈول لٹکانے کو کہتے ہیں۔ پھر اسے ہر اس شے میں استعمال

کیا گیا ہے جس میں استعمال ممکن ہو اگرچہ بطریق مجاز ہو۔ پس مدلی الی السبب کا معنی ہے کسی شخص کے واسطے کے ساتھ میت کے ساتھ اپنی قرابت کو معلق کرنا اور جوڑنا۔ اس میں بالصاق کے لئے ہے۔ پس مدلی اور واسطے کے درمیان قرابت مشترک ہوتی ہے۔ ”طحاوی“۔

37386۔ (قوله: كَابْنِ الْإِبْنِ الْخ) جیسا کہ پوتا یہ عصبات میں سے مثال ہے اور اسی کی مثل اصحاب فروش میں

سے نانی ہے کہ وہ ماں کے ساتھ وارث نہیں بن سکتی۔

تنبیہ

جو ”مصنف“ نے ذکر کیا ہے اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ باپ کے ساتھ نانی کا حجب لازم آتا ہے۔ کیونکہ باپ اس سے زیادہ قریبی ہے اگرچہ وہ اس کے ساتھ معلق نہیں۔ اور اسی طرح پوتی کا حجب ایک صلیبی بیٹی کے ساتھ اور علاتی بہن کا حجب سگی بہن کے ساتھ، اور سگے بھائی کے بیٹے (بھتیجے) کا حجب ان خیالی بھائی کے ساتھ لازم آتا ہے۔ تو اگر جواب اس طرح دیا جائے کہ مراد اقرب من العصبات (عصبات میں سے زیادہ قریبی) ہے، تو پھر اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ دونوں قاعدے اور اصل اس دوسرے فریق کے لئے ہیں جو کبھی وارث ہوتے ہیں اور کبھی محروم ہو جاتے ہیں، اور ان میں عصبات اور غیر عصبات شامل ہیں۔ اور اگر جواب اس کے ساتھ دیا جائے کہ مراد یہ ہے کہ اقرب أبعد کو روک دیتا ہے (یعنی زیادہ قریبی دور والے کے لئے حاجب ہوتا ہے) جبکہ بعیدی وارث اقرب کے ساتھ معلق ہو، تو پھر دونوں کے دو اوصاف ہونے کا کوئی معنی نہیں اور اس پر یہ لازم آئے گا کہ ولد الابن اس بیٹے کے ساتھ وارث ہو جو علاتی نہ ہو۔ کیونکہ وہ اس کے ساتھ معلق نہیں ہوتا۔ اسے ”السید“ نے بیان کیا ہے۔

37387۔ (قوله: بِجِهَةِ وَاحِدَةٍ) یہ قول اس سے احتراز ہے اگر وہ منفرد ہے کیونکہ وہ پورے ترکہ کو فرض اور رد کی دو

جہتوں سے مستغرق ہے۔

(وَالْمَحْرُومُ كَافِرٌ أَوْ قَاتِلٌ (لَا يَحْجُبُ) عِنْدَنَا أَصْلًا (وَيَحْجُبُ الْمَحْجُوبُ) اتِّفَاقًا كَأَمِّ الْأَبِ تُحْجَبُ بِالْأَبِ وَتَحْجُبُ أُمُّ أُمِّ الْأُمِّ (كَالِإِخْوَةِ وَالْأَخَوَاتِ) فَإِنَّهُمْ يُحْجَبُونَ بِالْأَبِ حَجَبَ حِرْمَانٍ (وَيَحْجَبُونَ الْأُمَّ مِنَ الثُّلُثِ إِلَى السُّدُسِ) حَجَبَ نَقْصَانٍ وَيَخْتَصُّ حَجَبُ النُّقْصَانِ بِخُصَّةٍ بِالْأُمِّ وَبِنْتِ الْإِبْنِ وَالْأَخْتِ لِأَبٍ

اور محروم جیسا کہ کافر کا بیٹا یا قاتل یہ ہمارے نزدیک بالکل حاجب نہیں بن سکتا۔ اور محبوب بالاتفاق حاجب ہوتا ہے جیسا کہ دادی کو باپ کے ساتھ (میراث سے) روک دیا جاتا ہے اور وہ نانی کی ماں کو روک دیتی ہے۔ جیسا کہ بھائی اور بہنیں۔ کیونکہ انہیں باپ کے ساتھ بطور حجب حرمان روک دیا جاتا ہے۔ اور یہ ماں کو بطور حجب نقصان تیسرے حصہ سے چھٹے حصہ کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔ اور حجب نقصان پانچ کے ساتھ مختص ہوتا ہے یعنی ماں، پوتی، علاقائی بہن،

37388۔ (قوله: وَالْمَحْرُومُ) اس سے مراد وہ ہے جس کے ساتھ ذاتی وصف اور معنی کی بنا پر میراث سے مانع اور روکنے والا قائم ہو۔

37389۔ (قوله: عِنْدَنَا) ہمارے نزدیک، اور اسی موقف پر عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اسے حجب نقصان قرار دیتے ہیں نہ کہ حجب حرمان جیسا کہ کافر کا بیٹا زوجین میں سے کسی ایک کے ساتھ ہو۔ اور آپ رضی اللہ عنہ سے ہی یہ بھی ہے کہ آپ انخیانی بھائی کو کافر کے بیٹے کے ساتھ مکمل طور پر (یعنی حجب حرمان کے ساتھ) میراث سے روک دیتے ہیں۔

37390۔ (قوله: أَصْلًا) یعنی بالکل، نہ بطور حجب نقصان اور نہ بطور حرمان۔

37391۔ (قوله: وَيَحْجُبُ الْمَحْجُوبُ) یعنی محبوب حرمان اپنے غیر کے لئے حجب حرمان اور حجب نقصان کے ساتھ حاجب ہوتا ہے۔ اور ہر ایک کی مثال بیان کی ہے۔

37392۔ (قوله: وَتَحْجُبُ أُمُّ أُمِّ الْأُمِّ) اور وہ نانی کی ماں کے لئے حاجب ہوتی ہے۔ اسی طرح بعض نسخوں میں ام کا تکرار تین بار ہے اور بعض میں دوبار ہے۔ اور درست پہلا ہے۔

37393۔ (قوله: بِالْأُمِّ) کیونکہ یہ بیٹے اور پوتے کے ساتھ، اور بھائیوں یا بہنوں کے متعدد ہونے کی صورت میں تیسرے حصے سے چھٹے حصے کی طرف محبوب ہو جاتی ہے۔

37394۔ (قوله: وَبِنْتِ الْإِبْنِ) اور پوتی صلیبی بیٹی ہونے کی صورت میں نصف سے چھٹے حصے کی طرف محبوب ہو جاتی ہے۔

37395۔ (قوله: وَالْأَخْتِ لِأَبٍ) اور علاقائی بہن سگی بہن ہونے کی صورت میں نصف سے چھٹے حصے کی طرف محبوب ہوتی ہے۔

وَالزَّوْجَيْنِ (وَيَسْقُطُ بَنُو الْأَعْيَانِ) وَهُمْ الْإِخْوَةُ وَالْأَخَوَاتُ لِأَبٍ وَأُمِّ بِثَلَاثَةِ (بِالْبَيْنِ) وَابْنِهِ وَإِنْ سَقَلَ (وَبِالْأَبِ) اتِّفَاقًا (وَبِالْجَدِّ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى (وَقَالَ لَا يُقَاسِمُهُمْ عَلَى أُصُولٍ زَيْدٌ وَيُفْتَى بِالْأَوَّلِ) وَهُوَ السَّقُوطُ

خاوند اور بیوی کے ساتھ۔ اور بنو اعیان یعنی سگے بھائی اور بہنیں تین کے ساتھ ساقط ہو جاتے ہیں یعنی بیٹا اور پوتا اگر کتنا نیچے تک ہو، اور باپ کے ساتھ بالاتفاق، اور دادا کے ساتھ یہ امام اعظمؒ ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: وہ ان کے ساتھ تقسیم میں شریک ہوگا۔ یہ حضرت ”زید بن ثابت“ رضی اللہ عنہ کے اصول پر ہے۔ اور فتویٰ پہلے کے ساتھ دیا جاتا ہے اور وہ ساقط ہونا ہے

37396۔ (قوله: وَالزَّوْجَيْنِ) پس خاوند نصف سے چوتھائی کی طرف اور بیوی چوتھائی سے آٹھویں حصہ کی طرف

محبوب ہوتے ہیں جبکہ بیٹا یا پوتا موجود ہو۔

37397۔ (قوله: وَيَسْقُطُ بَنُو الْأَعْيَانِ) اور بنو اعیان ساقط ہو جاتے ہیں ہم ان کی یہ وجہ تسمیہ پہلے بیان کر چکے ہیں۔

37398۔ (قوله: عَلَى أُصُولٍ زَيْدٌ) مراد حضرت زید بن ثابت الصحابی الخلیل رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے اصول کا حاصل کلام

کہ دادا بھائیوں کے ساتھ باہمی تقسیم کے وقت ان میں سے ایک فرد کی طرح ہے بشرطیکہ ان کے ساتھ تقسیم کرنے سے اس کا حصہ ذی الفرض نہ ہونے کی صورت میں تہائی سے کم نہ ہو اور اس کے موجود ہونے کی صورت میں چھٹے حصے سے کم نہ ہو۔ اور اس کے لئے پہلی صورت میں مقاسمہ اور کل مال کے تہائی حصہ میں سے جو بہتر ہوگا وہ ہوگا۔ اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر اس کے ساتھ اس کی دو مثل سے کم ہو تو پھر مقاسمہ اس کے لئے بہتر ہے، یا اس کے ساتھ اس کی دو مثل ہوں تو پھر دونوں مساوی اور برابر ہیں، اور اگر اس کے ساتھ دو مثل سے زیادہ ہوں تو پھر اس کے لئے تہائی حصہ بہتر ہے۔ اور پہلے کی صورتیں صرف پانچ ہیں: دادا اور ایک بھائی ہو، یا ایک بہن یا دو بہنیں ہوں یا تین بہنیں ہوں یا ایک بھائی اور ایک بہن ہو۔ اور دوسرے کی تین صورتیں ہیں: دادا اور دو بھائی یا چار بہنیں، یا ایک بھائی اور دو بہنیں ہوں۔ اور تیسرا محصور نہیں ہے۔

اور دوسری صورت میں ذی الفرض کو اس کا حصہ دینے کے بعد اس کے لئے تین امور میں سے جو بہتر ہوگا وہ یہ جائے گا یعنی مقاسمہ جیسا کہ خاوند، دادا اور بھائی ہو تو اس میں خاوند کے لئے نصف اور باقی دادا اور بھائی کے درمیان تقسیم ہو جائے گا۔ یا باقی کا تیسرا حصہ! جیسا کہ دادی، دادا، دو بھائی اور ایک بہن ہو تو دادی کے لئے چھٹا حصہ اور دادے کے لئے باقی مال کا تیسرا حصہ ہوگا۔ یا کل مال کا چھٹا حصہ: جیسا کہ دادی، بیٹی، دادا اور دو بھائی ہوں تو دادی کے لئے چھٹا حصہ بیٹی کے لئے نصف اور دادے کے لئے چھٹا حصہ ہوگا۔ کیونکہ اس کے لئے مقاسمہ اور باقی کے ثلث سے یہ بہتر ہے۔ اس کی مکمل شرح ”الرحیق المختوم“ وغیرہ میں ہے۔

كَمَا هُوَ مَذْهَبُ أَبِي حَنِيفَةَ وَأُصُولِ زَيْدٍ مَبْسُوطَةٌ فِي الْمَطَوَّلَاتِ وَفِي الْوُهْبَانِيَّةِ
وَمَا أُسْقَطَا أَوْلَادَ عَيْنٍ وَعَلَّةٍ وَقَدْ أُسْقَطَ السُّعْبَانُ وَهُوَ الْبُحَّرُ
وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى كَمَا فِي الْمُلْتَقَى وَالسِّرَاجِيَّةِ وَإِنْ قَالَ مُصَنِّفُهَا فِي شَرْحِهَا وَعَلَى قَوْلِهَا الْفَتْوَى (و) يَسْقُطُ
(بَنُو الْعِلَّاتِ) وَهُمْ الْإِخْوَةُ وَالْأَخَوَاتُ لِأَبٍ (بِهِمْ)

جیسا کہ امام اعظمؒ ”ابوحنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔ اور حضرت ”زید بن ثابت“ رضی اللہ عنہ کا اصول مطولات میں شرح و بسط کے ساتھ موجود ہے۔ اور ”الوہبانیہ“ میں ہے۔ [الطویل] ترجمہ: اور ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما نے سگی اور علاقائی اولاد کو ساقط نہیں کیا حالانکہ حضرت ”نعمان بن ثابت“ (یعنی حضرت امام اعظمؒ ”ابوحنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ) نے ساقط کر دیا ہے اور وہی معتمد علیہ قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ ”الملتقی“ اور ”السراجیہ“ میں ہے اگرچہ اس کے ”مصنف“ نے اس کی شرح میں کہا ہے: اور ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر فتویٰ ہے۔ اور علاقائی اولاد اور وہ باپ کی طرف سے بھائی اور بہنیں ہیں

37399۔ (قولہ: كَمَا هُوَ مَذْهَبُ أَبِي حَنِيفَةَ) جیسا کہ یہ امام اعظمؒ ”ابوحنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے، اور یہی مذہب خلیفہ اعظم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اور آپ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے زیادہ علم رکھنے والے اور افضل تھے، اور اس بارے میں ان سے روایات متعارض نہیں ہیں، سو اسی لئے ”امام اعظم“ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اختیار کیا ہے بخلاف اس کے غیر کے۔ کیونکہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے دادا کے بارے میں سو فیصلے کئے جن میں سے بعض بعض کے مخالف ہیں۔ اور متفق علیہ کو لینا اولیٰ ہے، اور وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے چودہ صحابہ کرام کا قول ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: أَلَا يَتَقَى اللَّهُ زَيْدٌ؟ يَجْعَلُ ابْنُ الْإِبْنِ ابْنَ ابْنٍ وَلَا يَجْعَلُ أَبُؤَبَى أَبًا؟ (کیا زید اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے؟ کہ وہ پوتے کو بیٹا بناتے ہیں اور دادا کو باپ نہیں بناتے۔) اس کی مکمل بحث ”سکب الانہر“ میں ہے۔

37400۔ (قوله: وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى الخ) اور اسی پر فتویٰ ہے، ”سکب الانهر“ میں کہا ہے: اور شمس الائمہ علامہ ”سرخسی“ نے ”المبسوط“ میں کہا ہے: اور فتویٰ ”صاحبین“ رحمہ اللہ علیہما کے قول پر ہے۔ اور ”حیدر“ نے شرح ”السراجیہ“ میں کہا ہے: مگر ہمارے مشائخ میں سے بعض متاخرین نے دادا کے متعلق مسائل میں اختلاف کے مواقع میں صلح کے فتویٰ کو مستحسن قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے: جب ہم اجیر مشترک کی تضمین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف کی وجہ سے صلح کا فتویٰ دیتے ہیں تو یہاں اختلاف زیادہ ظاہر ہے، پس اس میں صلح کا فتویٰ بدرجہ اولیٰ ہوگا، اور اسی کی مثل ”المبسوط“ میں ہے۔

اور اس میں ان کے اختلاف کا سبب بھائیوں کے ساتھ دادا کی میراث کے بارے میں کتاب اللہ یا سنت میں سے نص کا نہ ہونا ہے۔ بلاشبہ یہ کثیر اختلاف کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد سے ثابت ہے۔ اور یہ فرائض کے مشکل ترین ابواب میں سے ہے۔ لیکن متون ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے قول پر ہیں۔ اور اسی لئے ”شارح“ نے یہاں اور ماقبل میں اسے اختیار کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

أَيُّ بَنِي الْأَعْيَانِ أَيْضًا (وَبِهَوْلَاءِ) أَيُّ بِالْأَبْنِ وَابْنِهِ وَبِالْأَبِ وَالْجَدِّ وَكَذَا بِالْأَخْتِ لِأَبَوَيْنِ إِذَا صَارَتْ عَصْبَةً كَمَا عِدَّتْهُ (وَيَسْقُطُ بَنُو الْأَخْيَافِ) وَهُمْ الْإِخْوَةُ وَالْأَخَوَاتُ لِأُمِّ (بِالْوَلَدِ وَوَلَدِ الْإِبْنِ) وَإِنْ سَقَلَ

وہ سگے بیٹوں کے ساتھ بھی اور ان کے ساتھ یعنی بیٹے، پوتے، باپ اور دادا کے ساتھ ساقط ہو جاتے ہیں اور اسی طرح وہ سگی بہن کے ساتھ بھی ساقط ہو جاتی ہے جبکہ وہ عصبہ ہو جائے جیسا کہ آپ اسے جانتے ہیں۔ اور اخیانی اولاد اور وہ ماں کی طرف سے بھائی اور بہنیں ہیں وہ سب ولد اور ولد الابن اگرچہ وہ کتنا نیچے ہو،

37401۔ (قولہ: أَيُّ بَنِي الْأَعْيَانِ) یعنی ان میں سے مذکوروں کے ساتھ جیسا کہ یہی عبارت کا صریح معنی ہے اس حیثیت سے کہ اسے بنی کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اولاد کے ساتھ تعبیر نہیں کیا گیا بخلاف اس کے جو پہلے گزر چکا ہے اس حیثیت سے کہ وہاں بنی الاعیان کی تفسیر مومنوں سے بھی کی گئی ہے۔ کیونکہ وہ مقام اغلباً اسے قبول کرتا ہے۔ رہا یہ مقام تو یہ اسے قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ علاقائی اولاد سگی بہنوں کے ساتھ ساقط نہیں ہوتی، اور اس پر ان کا قول و کذا بالاخت الٰخ دلالت کرتا ہے۔ ”صبی“۔ میں کہتا ہوں: ہاں، لیکن بعض علاقائی اولاد بنی اعیان میں سے مومنات کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہے جیسے علاقائی بہنیں سگی بہنوں کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہیں جب تک علاقائی بھائی انہیں عصبہ نہ بنائے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ اور ”السراجیہ“ کی عبارت زیادہ واضح ہے۔ اور اس کا بیان یہ ہے: بنی اعیان اور بنی علات سارے کے سارے بیٹے اور پوتے کے ساتھ ساقط ہو جاتے ہیں اگرچہ وہ نیچے ہو اور باپ کے ساتھ بالاتفاق، اور دادا کے ساتھ امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک۔ اور بنو العلالت سگے بھائی کے ساتھ بھی ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور اسی سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ علاقائی بہن سگے بھائی کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہے جیسا کہ ہم نے اسے ”کشف الغوامض“ اور ”تحفۃ الاقران“ سے صراحتہ ذکر کر دیا ہے۔

37402۔ (قولہ: أَيْضًا) اس کا ذکر وبہولاء کے قول کے بعد کرنا مناسب تھا۔

37403۔ (قولہ: وَالْجَدِّ) اس کے بارے میں گزشتہ اختلاف ہی ہے۔

37404۔ (قولہ: إِذَا صَارَتْ عَصْبَةً) جب وہ بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ عصبہ ہو جائیں۔ بلاشبہ وہ اس کے ساتھ ساقط ہو گئے۔ کیونکہ اس وقت وہ عصبہ ہونے میں بھائی کی طرح ہیں جو میت کے زیادہ قریب ہے۔ ”سید“۔

37405۔ (قولہ: وَيَسْقُطُ بَنُو الْأَخْيَافِ) اور اخیانی بیٹے ساقط ہو جاتے ہیں الخیف سے مراد وہ ہیں (آنکھوں) میں اختلاف کا ہونا ہے۔ اور وہ یہ کہ ان میں سے ایک نیلی ہو اور دوسری سرگیں ہو۔ اور فرس اخیف (مختلف رنگوں والا گھوڑا)۔ اور اسی سے الأخیاف ہے یہ وہ بھائی ہیں جن کے باپ مختلف ہوں (اور ماں ایک ہو)۔ کہا جاتا ہے: إخوة أخیاف (ماں کی طرف سے بھائی) اور رہا بنو الأخیاف تو اگر اسے معتقن کہے تو پھر یہ اضافت بیان یہ ہے۔ ”مغرب“۔

37406۔ (قولہ: بِالْوَلَدِ الْإِخْوَةُ) اگرچہ وہ مومن ہو، پس وہ چھ کے ساتھ ساقط ہو جاتے ہیں یعنی بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، باپ اور دادا کے ساتھ اور انہیں تیرا قول الفاع الوارث والاصول الذکور جامع ہے۔ اور میں نے اسے اپنے اس قول کے

(وَبِالْأَبِ وَالْجَدِّ) بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّهُمْ مِنْ قَبِيلِ الْكَلَالَةِ كَمَا بَسَطَهُ السَّيِّدُ (و) تَسْقُطُ (الْجَدَّاتُ مُطْلَقًا) أَبَوِيَّاتٍ أُمُّ أُمِّيَّاتٍ (بِالْأُمِّ وَالْأَبَوِيَّاتِ بِالْأَبِ)

اور باپ اور دادا کے ساتھ بالا جماع ساقط ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ کلالہ کے قبیل سے ہیں جیسا کہ ”السید“ نے اسے وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اور جدات مطلقاً ماں کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہیں چاہے وہ دادیاں ہوں یا نانیاں۔ اور دادیاں باپ کے ساتھ

ساتھ نظم کیا ہے: [الرجز]

وَيَحْجُبُ ابْنُ الْأُمِّ أَصْلَ ذَكَرٍ كَذَاكَ فَرَعٌ وَارِثٌ قَدْ ذَكَرُوا

اور اخیانی بھائی مذکر اصل کے لئے حاجب ہوگا، اسی طرح وارث کی فرع (بھی) جیسا کہ فقہاء نے ذکر کیا ہے۔

37407۔ (قولہ: بِالْإِجْمَاعِ) اس کا ربط اور تعلق ”مصنف“ کے قول والجد کے ساتھ ہے بخلاف بنی اعیان اور

علات کے۔ کیونکہ اس کے ساتھ ان کے ساقط ہونے میں گزشتہ اتفاق ہے۔

37408۔ (قولہ: لِأَنَّهُمْ مِنْ قَبِيلِ الْكَلَالَةِ) کیونکہ وہ کلالہ کے قبیل سے ہیں، یہ ان کے ساقط ہونے کی علت کا

بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَلَةً أَوِ امْرَأَةً وَلَهُ أُخْتٌ أَوْ أُخْتُ الْاَيَةِ (النساء: 12) (اور اگر

ہو وہ شخص جس کی میراث تقسیم کی جانے والی ہے کلالہ وہ مرد ہو یا عورت اور اس کا بھائی یا بہن ہوا) اس سے مراد بالا جماع ماں

کی اولاد ہے۔ اور اس پر حضرت ابی بنیہ کی قرأت دلالت کرتی ہے: وَلَهُ أُخْتُ أَوْ أُخْتُ مِنَ الْأُمِّ۔ اور کلالہ کی وراثت میں

بالا جماع ولد اور والد کا نہ ہونا شرط ہے۔ پس ان کے ہوتے ہوئے ماں کی اولاد کے لئے میراث نہ ہوگی۔ پھر لفظ کلالہ اصل

میں تھکن اور قوت ختم ہو جانے کے معنی میں ہے۔ پھر اسے اس کی قرابت کے لئے مستعار لیا گیا ہے جو ولد اور والد کو نہ پائے

گویا کہ یہ ولادت کی قرابت پر قیاس کے اعتبار سے انتہائی ضعیف اور کمزور قرابت ہے اور اس کا اطلاق اس پر بھی کیا جاتا ہے

جو اپنے پیچھے اولاد اور والد نہ چھوڑے اور اس پر بھی جس کے پیچھے رہنے والوں میں سے اولاد اور والد نہ ہو۔ یہ اس کا حاصل اور

خلاصہ ہے جسے ”السید“ نے ذکر کیا ہے۔

37409۔ (قولہ: وَتَسْقُطُ الْجَدَّاتُ الْاَخ) اور دادیاں ساقط ہو جاتی ہیں الخ، اصل یہ ہے کہ تمام کے لئے سبب

ایک ہو، اور ادلاء یعنی معلق ہونے کی حجب میں تاثیر ہوتی ہے۔ پس دادی اس کے ساتھ صرف ادلاء کی وجہ سے اور ماں کے

ساتھ سبب ایک ہونے کی وجہ سے محبوب ہوتی ہے اور وہ سبب ماں ہونا ہے۔ اور نانی باپ کے ساتھ دونوں معنی کے معدوم

ہونے کی وجہ سے وارث ہوتی ہے، اور ماں کے ساتھ دونوں معنی کے پائے جانے کی وجہ سے محبوب ہوتی ہے۔ اور تو جان:

باپ کے ساتھ ماں کی طرف سے صرف ایک نانی وارث ہوتی ہے۔ کیونکہ دادیاں اس کے ساتھ محبوب ہو جاتی ہیں۔ اور صحیح

مائیں ہمیشہ ایک سے زیادہ نہیں ہوتیں۔ اور رہا دادا، تو اس کے ساتھ ایک دادی وارث ہوتی ہے، اور وہ باپ کی ماں ہو یا اس

سے اوپر کی ہو جیسے باپ کی ماں کی ماں، اور جب وہ دور درجے دور ہو جیسے باپ کے باپ کا باپ (یعنی پردادا) تو اس کے ساتھ

وَكَذَا بِالْجَدِّ إِلَّا أُمُّ الْأَبِ وَإِنْ عَلَتْ فَإِنَّهَا تَرِثُ مَعَ الْجَدِّ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ قَبْلِهِ بَلْ هِيَ زَوْجَتُهُ فَكَانَا كَالْأَبَوَيْنِ (وَتَحْجُبُ الْقُرْبَى) مِنْ أَيْ جِهَةٍ كَانَتْ (الْبُعْدَى) كَذَلِكَ (وَارِثَةٌ كَانَتْ الْقُرْبَى أَوْ مَحْجُوبَةً) كَمَا قَدْ مَنَاهُ (وَإِذَا اجْتَمَعَا وَكَانَتْ إِحْدَاهُمَا ذَاتَ قَرَابَةٍ وَاحِدَةٍ كَأُمِّ الْأَبِ) كَذَا فِي نُسْخِ الْمَثْنِ وَالشَّرْحِ، وَالصَّوَابُ الْمَوْافِقُ لِلْسَّرَاجِيَّةِ وَغَيْرِهَا كَأُمِّ الْأَبِ وَقَدْ قَدَّمَ أَنَّ الْقُرْبَى تَحْجُبُ الْبُعْدَى مُطْلَقًا فَافْهَمْ

اور اسی طرح دادا کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہیں۔ سوائے باپ کی ماں (دادی) کے اگرچہ وہ اوپر ہو۔ کیونکہ وہ دادا کے ساتھ وارث ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ (باپ کی ماں کی قرابت) اس (دادا) کی طرف سے نہیں ہے بلکہ یہ تو اس کی بیوی ہے۔ پس وہ دونوں ماں باپ کی طرح ہو گئے۔ اور جدہ قریبہ کسی بھی جہت سے ہو وہ اسی طرح کی جدہ بعیدہ کو محبوب کر دیتی ہے چاہے جدہ قریبہ خود وارث ہو یا محبوبہ یعنی وارث نہ ہو جیسا کہ ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور جب دو جدہ جمع ہو جائیں ان میں سے ایک قرابت والی ہو جیسا کہ باپ کی ماں (دادی) اسی طرح متن اور شرح کے نسخوں میں ہے۔ اور درست وہ ہے جو ”سراجیہ“ وغیرہ کے موافق ہے جیسا کہ باپ کی ماں کی ماں اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قریبی جدہ بعیدی جدہ کو مطلقاً محبوب کر دیتی ہے۔ فافہم۔

دو دادیاں وارث ہوتی ہیں: ان میں سے ایک باپ کے باپ کی ماں (پردادی) یا جو اس سے اوپر ہو جیسے باپ کے باپ کی ماں کی ماں ہے۔ اور دوسری باپ کی ماں کی ماں یا عورت کی طرف سے اوپر ہو، جیسے باپ کی ماں کی ماں کی ماں۔ اس کی مکمل بحث ہماری شرح ”الرحیق المختوم“ میں ہے۔

37410۔ (قوله: لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ قَبْلِهِ) کیونکہ وہ اس کی طرف سے نہیں ہے، یعنی وہ اس کے ساتھ معلق نہیں، اور یہ بھی کہ اتحاد سبب نہیں پایا گیا۔ کیونکہ جد کی جہت أبوة (باپ ہونا) ہے۔ اور جدہ کی جہت ماں ہونا ہے۔

37411۔ (قوله: بَلْ هِيَ زَوْجَتُهُ) بلکہ یہ اس کی زوجہ ہے، یہ ظاہر ہے جب وہ اس کے درجہ میں ہو، اور اگر وہ اس سے اعلیٰ ہو تو وہ اس کی بیوی کی ماں یا اس کی دادی یا اس سے اجنبیہ ہوگی۔

37412۔ (قوله: مِنْ أَيْ جِهَةٍ كَانَتْ) یعنی وہ ماں کی جہت سے ہو یا باپ کی جہت سے ہو۔

37413۔ (قوله: كَذَلِكَ) یعنی وہ بھی کسی جہت سے ہو۔ پس چار صورتیں ہو گئیں: ماں کی جہت سے قرابتی جدہ، دونوں جہتوں (یعنی ماں اور باپ کی جہت) سے بعیدی جدہ کے لئے حاجب ہوگی اور باپ کی جہت سے قرابتی جدہ دونوں جہتوں سے بعیدی جدہ کے لئے حاجب ہوگی۔

37414۔ (قوله: كَمَا قَدْ مَنَاهُ) جیسا کہ ہم نے اسے اپنے قول و یحجب المحبوب کے تحت بیان کر دیا ہے۔

37415۔ (قوله: وَقَدْ قَدَّمَ الْخ) اس سے اس پر استدلال کا ارادہ کیا ہے کہ متن اگر ام الأب (باپ کی ماں) ہو تو پھر وہ اپنے سوا کے لئے حاجب ہوگی اور امام ”محمد“ اور دیگر دونوں اماموں کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ”حلبی“۔

(وَالْأُخْرَى ذَاتُ قَرَابَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ كَأُمِّ أُمِّ الْأُمِّ وَهِيَ أَيْضًا أُمُّ أَبِي الْأَبِ) بِهَذِهِ الصُّورَةِ وَتَوْضِيحُهَا أَنَّ امْرَأَةً زَوَّجَتْ ابْنَ ابْنِهَا بِنْتًا بِنْتِهَا فَوُلِدَ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فَهَذِهِ الْمَرْأَةُ جَدَّتُهُ لِأَبَوَيْهِ (قَسَمَ مُحَمَّدٌ السُّدُسَ بَيْنَهُمَا أَثْلَاثًا) بِاعْتِبَارِ الْجِهَاتِ (وَهُمَا) أُمِّي أَبُو حَنِيفَةَ وَأَبُو يُوسُفَ (أَنْصَافًا) بِاعْتِبَارِ الْأَبْدَانِ وَبِهِ قَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ وَبِهِ جَزَمَ فِي الْكَنْزِ

اور دوسری دو یا زیادہ قرابتوں والی ہو جیسا کہ ماں کی ماں کی ماں (پر نانی) اور یہ باپ کے باپ کی ماں بھی ہے (یعنی باپ کی دادی)

یہ	میت		یہ
	(اب)	(ام)	
ایک			دو
قرابت	باپ	ماں	قرابت
والی	ماں	ماں	والی
ہے	ماں	ماں	ہے

اور اس کی توضیح یہ ہے: ایک عورت نے اپنے پوتے کی شادی اپنی نواسی کے ساتھ کی اور ان دونوں سے ایک بچہ پیدا ہوا۔ پس یہ عورت اس بچے کے والدین کی جدہ ہوئی (یعنی ایک جہت سے دادی اور ایک جہت سے نانی)۔ امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے سدس یعنی چھٹے حصہ کو ان دونوں کے درمیان جہتوں کے اعتبار سے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور امام اعظم ”ابو حنیفہ“ اور امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے ابدان کا اعتبار کرتے ہوئے اسے نصف نصف تقسیم کیا ہے۔ اور اسی طرح امام ”مالک“ اور امام ”شافعی“ رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے۔ اور اسی کے ساتھ ”کنز“ میں اعتماد کیا ہے

37416۔ (قوله: فَهَذِهِ الْمَرْأَةُ جَدَّتُهُ لِأَبَوَيْهِ) یعنی یہ عورت وہ بچہ جو فوت ہوا اس کے باپ کی طرف سے اس کی پردادی ہوگی۔ کیونکہ یہ اس کے باپ کے باپ کی ماں ہے، اور اس کی ماں کی طرف سے اس کی پر نانی ہوگی۔ کیونکہ وہ اس کی ماں کی ماں کی ماں ہے۔ پھر ہم کہتے ہیں: وہاں ایک دوسری عورت ہو جو اپنی بیٹی کی شادی اس پہلی عورت کے بیٹے سے کرے۔ پس دوسری عورت کی بیٹی سے پہلی کا وہ پوتا پیدا ہوا جو میت کا باپ ہے تو یہ دوسری عورت میت کے باپ کی نانی ہوئی اور یہ ایک قرابت والی ہے۔ ”منح“۔

37417۔ (قوله: وَبِهِ جَزَمَ فِي الْكَنْزِ) اور اسی پر ”کنز“ میں اعتماد کیا ہے۔ ”الدر المنشتی“ میں کہا ہے: پس یہی ترجیح یافتہ ہے اگرچہ ”مصنف“ کا عمل اس کے خلاف کا تقاضا کرتا ہے۔ پس اس پر متنبہ ہونا چاہئے۔ اور اس کی اصل یہ ہے کہ کثرت علت کے ساتھ ترجیح جائز نہیں ہوتی جیسا کہ اصول میں پہچانا جا چکا ہے۔ پھر مسئلہ کی وضع دو قرابت والی میں اتفاقی ہے۔ کیونکہ لا الی نہایہ تک (قرابت کی) زیادتی کا امکان ہے۔ اور امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک اسے مطلقاً نصف

فَقَالَ وَذَاتِ جِهَتَيْنِ كَذَاتِ جِهَةٍ (وَإِذَا اسْتَكْمَلَ الْبَنَاتُ وَالْأَخَوَاتُ لِابْنَيْنِ فَرَضَهُنَّ) وَهُوَ الشُّشَانِ (سَقَطَ بَنَاتُ الْإِبْنِ وَ) سَقَطَ (الْأَخَوَاتُ لِأَبٍ) أَيْضًا (إِلَّا بِتَعْصِبِ ابْنِ ابْنٍ) فِي الصُّورَةِ الْأُولَى (أَوْ أَخٍ) فِي الثَّانِيَةِ (مُؤَانَ) أَيْ مُسَاوٍ أَوْ نَازِلٍ أَيْ سَافِلٍ فَحِينَئِذٍ يُعَصِّبُهُنَّ وَيَكُونُ الْبَاقِي لِلَّذِي كَرِهَ كَالْأَنْثَيْنِ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ فِي شَرْحِهِ قُلْتُ وَفِي إِطْلَاقِهِ نَظَرٌ ظَاهِرٌ لِتَضَرِّيحِهِمْ بِأَنَّ ابْنَ الْإِخِ لَا يُعَصِّبُ أُخْتَهُ كَالْعَمِّ لَا يُعَصِّبُ أُخْتَهُ وَابْنُ الْعَمِّ لَا يُعَصِّبُ أُخْتَهُ وَابْنُ الْمُعْتَقِ لَا يُعَصِّبُ أُخْتَهُ بَلِ الْمَالُ لِلَّذِي كَرِهَ دُونَ الْأَنْثَى

اور کہا ہے: دو جہتوں والی ایک جہت والی کی طرح ہے اور جب سگی بیٹیاں اور بہنیں اپنا حصہ مکمل کر لیں اور وہ دو تہائی ہے تو پوتیاں ساقط ہو جائیں گی اور علاقائی بہنیں بھی ساقط ہو جائیں گی مگر یہ کہ پہلی صورت میں پوتا اور دوسری صورت میں بھائی انہیں عصبہ بنا دے در آنحالیکہ وہ ان کے مساوی ہو یا ان سے سافل اور نیچے ہو تو اس وقت وہ انہیں عصبہ بنا دے گا اور باقی مال للذکر مثل حظ الانثیین کے طریقہ پر تقسیم ہوگا۔ مصنف نے یہ اپنی شرح میں کہا ہے۔ میں کہتا ہوں: اور اس کے اطلاق میں نظر ظاہر ہے۔ اس لئے کہ اس بارے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ بھائی کا بیٹا (بھتیجا) اپنی بہن کو عصبہ نہیں بنا سکتا جیسا کہ چچا اپنی بہن کو، چچا کا بیٹا اپنی بہن کو، اور آزاد کرنے والے کا بیٹا اپنی بہن کو عصبہ نہیں بنا سکتا۔ بلکہ مال صرف مرد کے لئے ہوگا نہ کہ عورت کے لئے۔

نصف تقسیم کیا جائے گا۔ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک جہتوں کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے گا اگرچہ وہ زیادہ ہوں۔ پس اسے یاد رکھ لینا چاہئے۔

37418۔ (قوله: وَالْأَخَوَاتُ) اس میں داؤد بمعنی اُد ہے۔ کیونکہ مکمل لینے والی دونوں میں سے ایک ہے نہ کہ دونوں کا مجموعہ (یعنی یا صرف بیٹیاں یا صرف بہنیں)۔ اسے ”طحاوی“ نے بیان کیا ہے۔

37419۔ (قوله: سَقَطَ الْخ) یہ لف و نشر مرتب ہے۔

37420۔ (قوله: أَوْ أَخٍ) مراد علاقائی بھائی ہے۔

37421۔ (قوله: وَفِي إِطْلَاقِهِ) ”مصنف“ نے ”المجمع“ کی اتباع کی ہے، اور جواب دیا جاتا ہے جیسا کہ ”غرر الافکار“ میں ہے کہ ان کا قول مواز اُد سافل ابن الابن کی صفت ہے (یعنی پوتے کی) نہ کہ اُخ (بھائی) کی۔ کیونکہ اُخ کو نزول کے ساتھ متصف کرنا صحیح نہیں ہوتا۔ کیونکہ بھائی کے بیٹے (یعنی بھتیجے) کو اُخ کا نام نہیں دیا جاتا بخلاف ابن الابن کے۔ کیونکہ اس کا اطلاق اس پر بھی کیا جاتا ہے جو دوسرے درجہ میں ہو اور اس پر بھی جو اس سے بھی نیچے ہو۔ ہاں اس میں حق یہ ہے جیسا کہ علامہ ”قاسم“ نے کہا ہے کہ اُخ یعنی بھائی کو ابن الابن پر مقدم کیا جائے۔

37422۔ (قوله: لِتَضَرِّيحِهِمْ الْخ) اس کا حاصل یہ ہے جیسا کہ ”السراجیہ“ اور ”المملکتی“ میں ہے کہ عورتوں میں سے جس کا کوئی حصہ نہیں اور اس کا بھائی عصبہ ہو تو وہ اپنے بھائی کے سبب عصبہ نہیں بنے گی اور ہم نے اسے پہلے

لَا تَهَا مِنْ ذَوِي الْأَرْحَامِ قَالَ فِي الرَّحْبِيَّةِ

وَلَيْسَ ابْنُ الْأَخِ بِالْمُعَصَّبِ مَنْ مِثْلُهُ أَوْ فَوْقَهُ فِي النَّسَبِ

بِخِلَافِ ابْنِ الْإِبْنِ وَإِنْ سَفَلَ فَإِنَّهُ يُعَصَّبُ مَنْ مِثْلُهُ أَوْ فَوْقَهُ مِمَّنْ لَمْ تَكُنْ ذَاتَ سَهْمٍ وَيَسْقُطُ مَنْ دُونَهُ
فَلَوْ تَرَكَ ثَلَاثَ بَنَاتِ ابْنٍ بَعْضُهُنَّ أَسْفَلَ مِنْ بَعْضٍ وَثَلَاثَ بَنَاتِ ابْنِ ابْنٍ آخَرَ كَذَلِكَ وَثَلَاثَ بَنَاتِ
ابْنِ ابْنِ ابْنٍ كَذَلِكَ بِهَذِهِ الصُّورَةِ

کیونکہ وہ (عورت) ذوی الارحام میں سے ہے۔ ”الرحبہ“ میں کہا ہے۔ [الرجز] اور بھتیجا اپنی مثل کو (یعنی اپنی بہن کو) یا
نسب میں اپنے سے اوپر والی کو عصبہ نہیں بنا سکتا بخلاف پوتے کے اگرچہ وہ سافل ہو۔ کیونکہ وہ اپنی مثل (بہن) کو یا اپنے
سے اوپر والی کو عصبہ بنا دیتا ہے جو حصہ رکھنے والیوں میں سے نہ ہو اور درجہ میں اپنے سے نیچے والیوں کو ساقط کر دیتا ہے۔ پس
اگر کوئی تین پوتیاں چھوڑے جن میں سے بعض بعض سے اسفل ہوں اور تین دوسرے بیٹے کی پوتیاں چھوڑے جو اسی طرح
ہوں اور تین تیسرے بیٹے کی پوتیاں چھوڑے جو اسی طرح ہوں جن کی صورت یہ ہوگی۔

منظوم ذکر کر دیا ہے۔

37423۔ (قوله: لَا تَهَا مِنْ ذَوِي الْأَرْحَامِ) یعنی ان صورتوں میں بہن ذوی الارحام میں سے ہے۔ لیکن آزاد
کرنے والے کی بیٹی میت کے ذوی الارحام میں سے نہیں ہے۔ پس مراد وہ ہیں جو اس کے سوا ہیں۔ بلاشبہ اس کا بھائی اسے
عصبہ نہیں بناتا۔ کیونکہ عورتوں کے لئے اس کی ولایت نہیں ہے مگر اس کی ولا جسے وہ آزاد کریں۔ اسے ذوی کے ساتھ تعبیر کیا
ہے اور ذوات نہیں کہا یہ مردوں کو عورتوں پر غلبہ دینے کے لئے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: وَكَانَتْ مِنَ
الْقَتْلَيْنِ ⑩ (تحريم) (اور وہ اللہ کے فرمانبرداروں میں سے تھی)۔

37424۔ (قوله: مَنْ مِثْلُهُ) یعنی درجہ میں اس کی مثل ہو جیسے اس کی بہن، یا اس کے چچا کی بیٹی۔

37425۔ (قوله: أَوْ فَوْقَهُ) یا درجہ میں اس سے بلند ہو جیسے اس کی پھوپھی۔

37426۔ (قوله: فَإِنَّهُ يُعَصَّبُ مَنْ مِثْلُهُ أَوْ فَوْقَهُ الْخ) کیونکہ وہ اپنی مثل یا اپنے سے اوپر والی کو عصبہ بنا دیتا

ہے۔ یہ ظاہر روایت ہے۔ اور بعض متأخرین کے نزدیک وہ اپنے سے بلند درجہ کو عصبہ نہیں بنا سکتا مگر یہ کہ وہ محروم ہو جائے۔
کیونکہ عصبہ کی وراثت میں اصل یہ ہے کہ اقرب کو بعد پر مقدم کیا جائے اگرچہ وہ مونث ہو۔ اسی لئے بہن کو بھتیجے پر مقدم کیا
جاتا ہے جب وہ بیٹی کے ساتھ مل کر عصبہ بن جائے۔ اور جواب یہ ہے کہ جو اس سے بلند درجہ ہے بلاشبہ وہ اس کے ساتھ مل کر
عصبہ ہو چکی ہو، اور اگر وہ نہ ہوتا تو وہ کسی شے کی وارث نہ ہوتی پس وہ کیسے اس کے لئے حاجب ہو سکتی ہے؟ اور تو اسے دیکھ جو
”السید“ قدس سرہ نے جواب دیا ہے۔

37427۔ (قوله: ذَاتَ سَهْمٍ) یعنی فرض اور حصہ والی۔

Marfat.com

وَلَا شَيْءَ لِلْسُّفْلِيَّاتِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَعَ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ غُلَامٌ فَيُعَصِّبُهَا وَمَنْ يُحَاذِيهَا وَمَنْ فَوْقَهَا

اور باقی نیچے والے درجہ کی تمام کے لئے کوئی شے نہ ہوگی مگر یہ کہ ان میں سے کسی کے ساتھ بھائی ہو تو وہ اسے، اور جو اس کے مساوی ہے اور جو اس سے درجہ میں اوپر ہے

37432۔ (قولہ: وَلَا شَيْءَ لِلْسُّفْلِيَّاتِ) اور نیچے والیوں کے لئے کوئی شے نہیں ہوگی، اور وہ نو بیٹیوں میں سے باقی رہنے والی چھ ہیں۔ کیونکہ ان تین کے لئے دو تہائی مکمل ہو چکے ہیں۔ تو پھر باقی کے لئے کوئی فرض اور حصہ باقی نہیں رہا۔ اور عصہ ہونا ان کے لئے قطعاً نہیں ہے۔ پس وہ ترکہ میں سے بالکل وارث نہیں بنیں گی۔

37433۔ (قولہ: إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْخ) پس اگر بھائی فریق اول میں سے سفلی کے ساتھ ہو تو ان میں سے علیا نصف لے گی۔ اور ان میں سے وسطی دوسرے فریق کی علیا کے ساتھ مل کر دونوں چھٹا حصہ لیں گی، اور باقی رہ جانے والا تیسرا حصہ بھائی فریق اول کی سفلی، فریق ثانی کی وسطی اور فریق ثالث کی علیا کے درمیان للذکر مثل حظ الاثینین کے تحت پانچ حصوں میں تقسیم ہو جائے گا (یعنی پانچ میں سے دو حصے بھائی کو اور ایک ایک حصہ تینوں ان بیٹیوں (بہنوں) کو ملے گا) اور فریق ثانی کی سفلی اور فریق ثالث کی وسطی اور سفلی یہ ساقط ہو جائیں گی۔ اور اگر بھائی دوسرے فریق کی سفلی کے ساتھ ہو تو پھر باقی کا تیسرا حصہ اس کے درمیان اور پہلے فریق کی سفلی، دوسرے کی وسطی اور سفلی، اور تیسرے فریق کی علیا اور وسطی کے درمیان سات حصوں میں للذکر مثل حظ الاثینین کے اصول پر تقسیم ہوگا۔ اور تیسرے فریق کی سفلی ساقط ہو جائے گی۔

اور اگر بھائی فریق ثالث کی سفلی کے ساتھ ہو تو پھر باقی رہنے والا تیسرا حصہ بھائی، اور چھ سفلیات کے درمیان آٹھ حصوں میں تقسیم ہوگا۔ اور بلاشبہ فریق اول کی علیا کے ساتھ بھائی کا حصہ یہ ہے کہ کل مال اس کے اور اس کی بہن کے درمیان للذکر مثل حظ الاثینین کے طریقہ پر تقسیم ہوگا (یعنی دو حصے بھائی کے اور ایک حصہ بہن کے لئے ہوگا) اور سفلیات کے لئے کوئی شے نہ ہوگی اور وہ آٹھ ہیں۔ اور اگر اسے پہلے فریق کی وسطی کے ساتھ فرض کیا جائے تو فریق اول کی علیا نصف لے گی اور باقی بھائی کے لئے اور جو اس کے ساتھ اس کے مساوی ہیں ان کے لئے للذکر مثل حظ الاثینین کے طریقہ پر ہوگا اور وہ فریق اول کی وسطی اور دوسرے کی علیا ہے، اور اسی حال پر ہوگا جب اسے فریق ثانی کی علیا کے ساتھ فرض کیا جائے۔ اور رہی ان تمام صورتوں میں مسائل کی تصحیح تو وہ اس بنا پر ہے جو مابعد میں اسے محیط ہے۔ پس اسے یہاں ذکر کرنے کی حاجت اور ضرورت نہیں۔

اور تو جان کہ مختلف درجات پر بیٹیوں کا ذکر کرنا جیسا کہ کتاب میں ذکر کیا گیا ہے اسے مسئلۃ التشبیب کا نام دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ اپنی دقت اور حسن کے ساتھ دماغوں کو تیز کرتا ہے اور کان اسے سننے کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ پس یہ شاعر کے قصیدہ کو تشبیب کے ساتھ حسین بنانے اور اسے غور سے سننے کی دعوت دینے کے مشابہ ہے۔ یہ ”شرح السید“ سے منقول ہے۔

مِمَّنْ لَا تَكُونُ صَاحِبَةً فَرَضٍ وَسَقَطَ السُّفْلِيَّاتُ (وَيَأْخُذُ ابْنُ عِمٍّ) كَذَا فِي نَسَخِ الْمَتْنِ وَالشَّرْحِ وَعِبَارَةُ السَّيِّدِ وَغَيْرِهِ وَيَأْخُذُ أَحَدُ ابْنَيْ عِمٍّ هُوَ الْآخَرُ (لَا قَرِ السُّدُسُ) بِالْفَرَضِ وَكَذَا لَوْ كَانَ الْآخَرُ زَوْجًا فَلَهُ النِّصْفُ (وَيُقْتَسَمَانِ الْبَاقِي) بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ بِالْعُصُوبَةِ حَيْثُ لَا مَانِعَ مِنْ إِرْثِهِ بِهِمَا فَيَرِثُ

ان میں سے جو صاحب فرض نہیں ہوتیں وہ انہیں عصبہ بنادے گا اور باقی نیچے درجے والیوں کو ساقط کر دے گا۔ اور چچا کا بیٹا فرض کے اعتبار سے چھٹا حصہ لے گا، متن اور شرح کے نسخوں میں اسی طرح ہے اور ”السید“ وغیرہ کی عبارت ہے: اور چچا کے دو بیٹوں میں سے ایک لے گا، جو انخیانی بھائی ہے۔ اور اسی طرح اگر دوسرا زوج ہو تو اس کے لئے نصف ہوگا۔ اور باقی ان دونوں کے درمیان عصبہ ہونے کے اعتبار سے تقسیم ہوگا اس حیثیت سے کہ ان دونوں کے لئے اس کی میراث سے کوئی مانع نہیں ہے۔ پس وہ

37434۔ (قوله: مِمَّنْ لَا تَكُونُ صَاحِبَةً فَرَضٍ) وہ ان میں سے ہو جو صاحب فرض نہ ہو، رہی وہ جو صاحب فرض

ہو تو چونکہ وہ اپنا حصہ لیتی ہے اور اس کے ساتھ وہ عصبہ نہیں ہو سکتی۔ اور وہ فریق اول میں سے وہ علیا ہے جس نے نصف لیا ہے، اور فریق اول میں سے وسطی جس نے فریق ثانی کی علیا کے ساتھ مل کر دونوں نے چھٹا حصہ لیا ہے۔ اور یہ قید ہے جس کا ان میں اعتبار کیا گیا ہے جو درجہ میں اس سے اوپر ہیں نہ کہ ان میں جو اس کے مساوی ہیں۔ کیونکہ وہ انہیں مطلقاً عصبہ بنادیتا ہے۔

37435۔ (قوله: وَسَقَطَ السُّفْلِيَّاتُ) یعنی وہ جو درجہ میں اس سے نیچے ہیں وہ ساقط ہو جاتی ہیں۔

37436۔ (قوله: وَعِبَارَةُ السَّيِّدِ الْخ) یعنی ”مصنف“ پر لازم تھا کہ وہ اسی طرح کہتے بالخصوص اپنے قول: و

يُقْتَسَمَانِ الْبَاقِي کے بعد۔

37437۔ (قوله: هُوَ الْآخَرُ) وہ انخیانی بھائی ہو جیسا کہ ایک عورت دو بھائیوں سے شادی کرے اور وہ ہر ایک سے

ایک ایک بچہ جنے اور دونوں بھائیوں کا اس کے علاوہ دوسری عورت سے ایک دوسرا بیٹا ہو پھر اس عورت کے بیٹوں میں سے ایک اپنے اس بھائی کو چھوڑ کر جو اس کے چچا کا بیٹا ہے اور اپنے دوسرے چچا کے بیٹے کو چھوڑ کر فوت ہو گیا (تو اس کے انخیانی بھائی کے لئے اس کی میراث سے چھٹا حصہ ہوگا)۔

37438۔ (قوله: وَكَذَا لَوْ كَانَ الْآخَرُ زَوْجًا) اور اسی طرح ہے اگر وہ دوسرا خاوند ہو، اور زیادہ واضح یہ کہنا ہے:

و كَذَا لَوْ كَانَ أَحَدُهُمَا يَعْنِي اس کے چچا کے دو بیٹوں میں سے ایک اس کا خاوند ہو۔ ”طحاوی“۔

37439۔ (قوله: وَيُقْتَسَمَانِ الْبَاقِي) اور باقی ماندہ وہ دونوں تقسیم کر لیں گے۔ اور وہ پہلی صورت میں پانچ سدس

ہے اور دوسری صورت میں نصف ہے۔ ”طحاوی“۔

37440۔ (قوله: حَيْثُ لَا مَانِعَ مِنْ إِرْثِهِ بِهِمَا) اس حیثیت سے کہ دونوں کے لئے اس کی میراث سے کوئی مانع نہ

ہو۔ یہ اس سے احتراز ہے کہ اگر پہلی صورت میں میت کی بیٹی ہو تو بلاشبہ اس کے لئے نصف ہوگا۔ اور وہ چچا کے بیٹے کو سدس سے روک دے گی اس لئے کہ وہ انخیانی بھائی ہے۔ اور وہ اور چچا کا دوسرا بیٹا باقی مال میں شریک ہوں گے۔ اور اس سے احتراز ہے

بِجِهَتِي فَرَضٍ وَتَعْصِيبٍ وَإِمَّا بِفَرَضٍ وَتَعْصِيبٍ مَعًا بِجِهَةٍ وَاحِدَةٍ فَلَيْسَ إِلَّا الْأَبُ وَأَبُوهُ۔ قُلْتُ وَقَدْ يَجْتَبِعُ جِهَتًا تَعْصِيبٍ كَابْنٍ هُوَ ابْنُ ابْنٍ عِمٍّ بِأَنْ تَنْكِحَ ابْنٌ عَمَّتَهَا فَتَلِدُ ابْنًا وَكَابْنٍ هُوَ مُعْتَقٌ وَقَدْ يَجْتَبِعُ جِهَتًا فَرَضٍ، وَإِنَّمَا يُتَصَوَّرُ فِي الْمَجُوسِ لِنِكَاحِهِمُ الْمَحَارِمَ

فرض اور عصبہ ہونے کی دونوں جہتوں سے وارث ہوگا۔ اور رہا فرض اور عصبہ دونوں کا ایک ساتھ ایک جہت سے ہونا تو وہ فقط باپ اور دادا میں ہے۔ میں کہتا ہوں: کبھی عصبہ ہونے کی دو جہتیں جمع ہو جاتی ہیں جیسے بیٹا اور وہی چچا کا پوتا ہو اس طرح کہ ایک عورت اپنے چچا کے بیٹے سے نکاح کرے اور وہ بچے کو جنم دے۔ اور جیسا کہ بیٹا اور وہی آزاد کرنے والا (معتق) ہو۔ اور کبھی فرض کی دو جہتیں جمع ہو جاتی ہیں اور بلاشبہ اس کا تصور مجوسیوں میں کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ وہ محارم سے نکاح مباح سمجھتے ہیں

کہ اگر زوجہ کی دوسری صورت میں سگی بہن ہو تو بلاشبہ اس کے لئے نصف ہوگا اور دوسرا نصف زوج کے لئے بطور فرض ہوگا اور اس کے لئے کوئی شے نہ ہوگی جیسا کہ چچا کے دوسرے بیٹے کے لئے چچا کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے کوئی شے نہ ہوگی۔

37441۔ (قوله: بِجِهَتِي فَرَضٍ وَتَعْصِيبٍ) یعنی فرض اور عصبہ کی دونوں جہت سے۔ پس فرض کی جہت زوجیت اور اخیانی بھائی ہونا ہے، اور عصبہ ہونے کی جہت اس کا چچا کا بیٹا ہونا ہے۔ ”طحطاوی“۔

37442۔ (قوله: وَإِمَّا بِفَرَضٍ) اور رہی میراث فرض اور عصبہ ہونے کی حیثیت سے۔ ”طحطاوی“۔

37443۔ (قوله: بِجِهَةٍ وَاحِدَةٍ) ایک جہت سے اور وہ ابوة یعنی باپ ہونا ہے۔ ”طحطاوی“۔

37444۔ (قوله: فَلَيْسَ إِلَّا الْأَبُ وَأَبُوهُ) پس وہ نہیں مگر باپ اور دادا میں بیٹی کے ساتھ یا پوتی کے ساتھ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور لیس کا اسم ضمیر ہے جو فرض اور عصبہ کے اعتبار سے میراث (یعنی علی الارث بفرض و تعصیب) کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور ان کا قول: الْأَبُ، الْأَرْتِ الْأَبُ یعنی مضاف محذوف کی تقدیر پر ہے اور مضاف الیہ کو اس مضاف کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔ اور یہ ان کے اس قول کی حد اور طرز پر ہے: لیس الطیب الالبسک (خوشبو تو فقط کستوری ہے) اس میں البسک میں رفع اور نصب پڑھنے کے بارے میں مشہور اختلاف ہے، پس تو اس پر آگاہ رہ۔

37445۔ (قوله: وَقَدْ يَجْتَبِعُ جِهَتًا تَعْصِيبٍ) اور کبھی عصبہ ہونے کی دو جہتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ یعنی دونوں کے ساتھ میراث کا لحاظ رکھے بغیر۔ کیونکہ میراث دو جہتوں میں سے ایک کے سبب ہوتی ہے اس لئے کہ بنوة یعنی بیٹا ہونے کی جہت چچا ہونے کی جہت اور ولای کی جہت پر مقدم ہے۔

37446۔ (قوله: وَقَدْ يَجْتَبِعُ جِهَتًا فَرَضٍ) اور کبھی فرض کی دو جہتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مجوسی نے اپنی بیٹی سے نکاح کیا اور اس سے بچہ پیدا ہوا۔ پس وہ بچہ اس عورت کا بیٹا بھی ہے اور اس کا بھائی بھی۔ اور جب یہ اس سے فوت ہوا تو وہ اپنی ماں اور اپنی بہن چھوڑ کر فوت ہوا پس وہ دونوں جہتوں سے وارث ہوگی۔ ”طحطاوی“۔

37447۔ (قوله: وَإِنَّمَا يُتَصَوَّرُ فِي الْمَجُوسِ) بلاشبہ مجوسیوں میں ہی اس کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ میں کہتا ہوں:

وَيَتَوَارَثُونَ بِهَمَا جَمِيعًا عِنْدَنَا وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ بِأَقْوَى الْجِهَتَيْنِ وَتَسَامُهُ فِي كُتُبِ الْفَرَائِضِ وَتَأْتِي
الْإِشَارَةُ إِلَيْهِ فِي الْغُرُقِ (وَلَوْ تَرَكَتْ زَوْجًا وَأُمًّا أَوْ جَدَّةً وَإِخْوَةً لِأُمِّهِ وَإِخْوَةً لِأَبَوَيْنِ أَخَذَ الزَّوْجُ النِّصْفَ وَالْأُمُّ
أَوْ الْجَدَّةُ السُّدُسَ وَوَلَدُ الْأُمِّ الثُّلُثَ وَلَا شَيْءَ لِلْإِخْوَةِ لِأَبَوَيْنِ) لِأَنَّهُمْ عَصَبَةٌ وَلَمْ يَبْقَ لَهُمْ شَيْءٌ وَعِنْدَ
مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ يُشْرَكُ بَيْنَ الصَّنْفَيْنِ الْأَخِيرَيْنِ كَأَنَّ الْكُلَّ أَوْلَادُ أُمِّهِ وَكَذَلِكَ يَفْرِضُ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ
لِلْأَخْتِ لِأَبَوَيْنِ أَوْ لِأَبِ النِّصْفَ وَلِلْجَدِّ السُّدُسَ مَعَ زَوْجٍ وَأُمِّهِ

اور وہ ہمارے نزدیک دو جہتوں سے اکٹھے وارث ہوتے ہیں اور امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں میں سے اقویٰ جہت کے ساتھ وارث ہوں گے۔ اس کی مکمل بحث کتب فرائض میں ہے۔ اور فصل فی الغرقی میں اس کی طرف اشارہ آئے گا۔ اور اگر کوئی عورت اپنے پیچھے خاوند اور ماں یا دادی اور انخیانی بھائی اور سگے بھائی چھوڑے تو خاوند نصف حصہ لے گا۔ اور ماں یا دادی چھٹا حصہ، اور انخیانی بھائیوں کے لئے تیسرا حصہ ہوگا، اور سگے بھائیوں کے لئے کوئی شے نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ عصبہ ہیں، اور ان کے لئے کوئی شے باقی نہیں رہی۔ اور امام ”مالک“ اور امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ تیسرا حصہ آخری دونوں قسموں کے درمیان مشترک ہوگا گویا کہ وہ سارے انخیانی بھائی ہیں۔ اور اسی طرح امام ”مالک“ اور امام ”شافعی“ رحمہ اللہ سگی بہن یا علاقائی (سوتیلی) بہن کے لئے نصف اور دادا کے لئے زوج اور ماں کے ساتھ چھٹا حصہ مقرر کرتے ہیں۔

کتاب الحدود میں پہلے گزر چکا ہے کہ محرم سے نکاح کر کے وطی کرنا شبہۃ المحل میں سے ہے اور یہ کہ اس میں نسب ثابت ہو جاتا ہے جیسا کہ اسے ”النہر“ میں تحریر کیا ہے۔ پس تو اس کی طرف رجوع کر۔ پھر میں نے ”سکب الانہر“ میں دیکھا انہوں نے کہا: بلاشبہ یہ مجوسیوں کے نکاح میں متصور ہو سکتا ہے اور مسلمانوں وغیرہم میں شبہ کی وطی میں متصور ہو سکتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کے نکاح صحیح میں اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ عنقریب اس کی مکمل بحث آئے گی۔

37448۔ (قوله: وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ بِأَقْوَى الْجِهَتَيْنِ) اور امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کے نزدیک دو جہتوں میں سے اقویٰ کے ساتھ وارث ہوگا۔ اور وہ وہ ہے جس کے ساتھ وہ ہر حال میں وارث ہوتا ہے۔ پس اگر بیٹا فوت ہو جائے اور وہ ماں کو چھوڑے وہی اس کی بہن ہو تو ہمارے نزدیک وہ دونوں جہتوں کے ساتھ وارث ہوگی۔ ماں ہونے کی جہت سے تہائی مال کی اور بہن ہونے کی حیثیت سے نصف مال کی۔ اور رہا ان یعنی امام ”شافعی“ رحمہ اللہ کے نزدیک تو وہ صرف ماں ہونے کی جہت سے وارث ہوگی کسی اور جہت سے نہیں، جیسا کہ ”غرر الافکار“ میں ہے۔

37449۔ (قوله: يُشْرَكُ بَيْنَ الصَّنْفَيْنِ الْأَخِيرَيْنِ) یعنی وہ ماں کی اولاد (انخیانی بھائی) اور سگے بھائیوں کے درمیان مشترک ہوگا۔ اسی لئے اسے مشرکہ بفتح الراء یا مشرکہ بکسر الراء کا نام دیا گیا ہے۔ اور یہ اس کی طرف مجازاً تشریک کی نسبت کرنے کی بنا پر ہے۔

37450۔ (قوله: وَكَذَلِكَ يَفْرِضُ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ) اور اسی طرح امام ”مالک“ اور امام ”شافعی“ رحمہ اللہ حصہ

فَتَعُولُ إِلَى تِسْعَةٍ وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَحْمَدَ تَسْقُطُ الْأُخْتُ۔ قُلْتُ وَحَاصِلُهُ أَنَّهُ لَيْسَ عِنْدَ الْحَنَفِيَّةِ مَسْأَلَةُ الْبُشْرَةِ اتِّفَاقًا وَلَا مَسْأَلَةُ الْأَكْدَرِيَّةِ عَلَى الْمُفْتَى بِهِ كَمَا مَرَّ

پس یہ نوکی طرف عول ہوگا۔ اور امام اعظمؒ ”ابو حنیفہ“ اور امام ”احمد“ رحمہما کے نزدیک بہن ساقط ہو جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں: اور اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ احناف کے نزدیک بالاتفاق مسئلہ مشترک نہیں ہے۔ اور یہ مسئلہ الکدریہ ہے۔ یہی مفتی بہ ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

دیتے ہیں، اور اسی طرح امام ”احمد“ رحمہ علیہ بھی جیسا کہ اسے ”الشنشوری“ نے ذکر کیا ہے بخلاف اس کے جو ”شارح“ نے ذکر کیا ہے۔ اور یہی قول امام ”ابو یوسف“ اور امام ”محمد“ رحمہما کا ہے۔ اس کا نام المسئلة الاکدریہ ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ حضرت ”زید بن ثابت“ رضی اللہ عنہ پر اپنے مذہب کے مطابق مکدر اور مشتبہ ہو گیا تھا۔

37451۔ (قوله: فَتَعُولُ إِلَى تِسْعَةٍ) پس عول نوکی طرف ہوگا، خاوند کے لئے تین حصے، ماں کے لئے ایک حصہ، دادا کے لئے ایک حصہ اور بہن کے لئے تین حصے ہوں گے۔ لیکن جب بہن اس حصہ کے ساتھ مستقل ہو جو اس کے لئے مقرر ہے تو وہ دادا سے بڑھ جاتی ہے اور وہ فرض (حصہ) کے بعد دادا کے ساتھ عصبہ کی طرف لوٹ جاتی ہے اور دادا کا حصہ اس کے حصہ کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے اور وہ دونوں چار حصے اپنے درمیان تین حصوں پر لند کر مثل حظ الأنثیین کے طریقہ پر تقسیم کریں گے۔ کیونکہ مقاسمہ دادا کے لئے جمیع مال کے سدس اور ماٹھی کے ثلث سے بہتر ہے۔ اور یہ مقاسمہ ستائیس حصوں سے صحیح ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ”سکب الانہر“ میں ہے۔

37452۔ (قوله: تَسْقُطُ الْأُخْتُ) بہن ساقط ہو جائے گی، پس خاوند کے لئے نصف، ماں کے لئے ثلث اور باقی مال دادا کے لئے ہوگا، اور اس کی اصل چھ سے ہوگی، اور اسی سے صحیح ہو جائے گا۔

37453۔ (قوله: عَلَى الْمُفْتَى بِهِ) مفتی بہ قول کے مطابق یعنی ”امام صاحب“ رحمہ علیہ کا قول ہے کہ بنی اعیان اور علاقائی اولاد دادا کے ساتھ ساقط ہو جاتے ہیں بخلاف ”صاحبین“ رحمہما کے۔

37454۔ (قوله: كَمَا مَرَّ) یعنی جیسا کہ باب الحجب میں گزر چکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ الْعَوْلِ

وَصِدُّهُ الرَّدُّ كَمَا سَيَجِيءُ (هُوَ زِيَادَةُ السِّهَامِ) إِذَا كَثُرَتْ الْفُرُوسُ (عَلَى مَخْرَجِ الْفَرِيضَةِ) لِيَدْخُلَ النَّقْصُ عَلَى كُلِّ مِنْهُمْ بِقَدَرِ فَرَضِهِ

عول کا بیان

عول کی ضد رد ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ اور عول سے مراد حصص کو زیادہ کرنا اور بڑھانا ہے جبکہ فروض (مقررہ حصص) ایک فریضہ کے مخرج سے زیادہ ہو جائیں تاکہ نقصان اور کمی ان میں سے ہر ایک میں اس کے مقررہ حصہ کی مقدار داخل ہو جائے

مسائل فرائض کی اقسام اور عول کا لغوی اور اصطلاحی معنی

مسائل فرائض کی تین قسمیں ہیں: عادلہ، عاذلہ اور عائکہ: یعنی وہ بغیر کسر کے منقسم ہوتا ہے یا رد کے ساتھ یا عول کے ساتھ۔ اور عول کا لغوی معنی میل (میلان رکھنا) اور جور (ظلم کرنا، زیادتی کرنا) ہے۔ اور یہ لفظ غلبہ کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، کہا جاتا ہے: عیل صبرہ: یعنی اس کا صبر غالب آگیا۔ اور رفع یعنی اٹھادینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: عال السیزان: جب وہ ترازو کو اٹھائے۔ تو کہا گیا ہے: اصطلاحی معنی پہلے معنی سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ مسئلہ اپنے اہل پر زیادتی کے ساتھ مائل ہے اس حیثیت سے کہ ان کے حصص کو کم کر دیا ہے۔ اور گزشتہ تقسیم اس میں صریح کی طرح ہے۔ کیونکہ عادلہ عدل سے ماخوذ ہے جو جور اور زیادتی کے مقابل ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ وہ دوسرے معنی سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ وہ اپنے اہل پر ضرر اور نقصان داخل کر کے غالب آگیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے: وہ تیسرے معنی سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ جب اس کا مخرج اجتماعی فروض کے ساتھ تنگ ہو گیا تو ترکہ کو اس مخرج سے زیادہ عدد کی طرف بلند کر دیا جاتا ہے، پھر اسے تقسیم کیا جاتا ہے یہاں تک کہ نقصان اور کمی تمام ورثا کے حصص میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور اسے ”السید“ نے اختیار کیا ہے۔

37455۔ (قوله: وَصِدُّهُ الرَّدُّ) اور اس کی ضد رد ہے، کیونکہ عول کے ساتھ ذوی الفروض کے حصص کم ہو جاتے ہیں

اور اصل مسئلہ زیادہ ہو جاتا ہے اور رد کے ساتھ حصص بڑھ جاتے ہیں اور اصل مسئلہ کم ہو جاتا ہے، اور دوسرے الفاظ میں عول میں حصص مخرج سے زائد اور فاضل ہوتے ہیں اور رد میں مخرج حصص سے زائد اور فاضل ہوتا ہے۔ ”سید“۔

37456۔ (قوله: هُوَ زِيَادَةُ السِّهَامِ) یعنی وہ ورثا کے حصص کو زیادہ کرنا ہے۔ پس السہام پر الف لام مضاف الیہ

کے عوض ہے اور اسی وجہ سے آنے والے قول: علی کل منهم میں اسے ضمیر کی صورت میں لانا بہل ہے۔ ”طحطاوی“۔

37457۔ (قوله: عَلَى مَخْرَجِ الْفَرِيضَةِ) یعنی مقررہ حصص کے اس مخرج پر جسے اصل مسئلہ کہا جاتا ہے۔ اور وہ کم

سے کم اس عدد صحیح سے عبارت ہے جس سے ورثاء میں سے ہر فریق کا حصہ کسر کے بغیر نکل آتا ہے۔ ”سکب الانہر“۔

كَتَقْصِ أَرْبَابِ الدُّيُونِ بِالنُّحَاصَةِ، وَأَوَّلُ مَنْ حَكَمَ بِالْعَوْلِ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ ثُمَّ الْمَخَارِجُ سَبْعَةٌ

جیسا کہ قرض خواہوں کے مال کا مال تقسیم کرنے اور بانٹنے کے ساتھ کم ہو جانا۔ اور سب سے پہلے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عول کے بارے فیصلہ فرمایا۔ پھر مخارج سات ہیں:

37458۔ (قوله: كَتَقْصِ أَرْبَابِ الدُّيُونِ بِالنُّحَاصَةِ) جیسا کہ قرض خواہوں کا حصہ بانٹنے اور تقسیم کرنے سے کم ہو جاتا ہے، یعنی وہ قرض جن سے ترکہ تنگ ہو جائے (یعنی ترکہ ان کی ادائیگی کے لئے کافی نہ ہو) اور ان میں سے بعض بعض سے اولیٰ نہ ہوں تو وہ کمی ان تمام پر ان کے حقوق کی مقدار کے مطابق واقع ہوتی ہے۔

عول کے بارے سب سے پہلا فیصلہ

37459۔ (قوله: وَأَوَّلُ مَنْ حَكَمَ بِالْعَوْلِ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ) اور سب سے پہلے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عول کے بارے فیصلہ کیا۔ کیونکہ آپ کے سامنے ایسی صورت پیش آئی جس میں مخرج فروض سے تنگ اور ان کے لئے ناکافی تھا، تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا، تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عول کی طرف اشارہ کیا تو آپ نے فرمایا: فرائض کو زیادہ کر لو (یعنی ان میں عول کر لو)۔ پس تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اس بارے آپ کی اتباع کی اور کسی نے بھی انکار نہیں کیا سوائے اس کے کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے اختلاف کیا۔ اس کی مکمل بحث ”شرح السید“ وغیرہ میں ہے۔

مخارج کی تعداد

37460۔ (قوله: ثُمَّ الْمَخَارِجُ سَبْعَةٌ) پھر مخارج سات ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ فروض چھ ہیں۔ اور ان کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم: نصف، ربع (چوتھا حصہ) اور ثمن (آٹھواں حصہ) ہے۔ اور دوسری قسم: ثلثان (دو تہائی)، ثلث (ایک تہائی) اور سدس (چھٹا حصہ) ہے۔ اور ان کی دو حالتیں ہیں: حالت افراد اور حالت اجتماع۔ اور حالت افراد میں ان کے مخارج پانچ ہیں: نصف کے لئے دو، ربع کے لئے چار، ثمن کے لئے آٹھ، ایک تہائی اور دو تہائی کے لئے تین، اور سدس کے لئے چھ۔ اور جب فروض جمع ہو جائیں تو اگر وہ ایک نوع سے ہوں تو وہ مذکورہ پانچ مخارج سے نہیں نکل سکتے۔ کیونکہ ان میں کم سے کم مخرج کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ پس نصف اور ربع میں مسئلہ چار سے ہوگا، یا نصف اور ثمن میں مسئلہ آٹھ سے یا ثلث اور سدس کی صورت میں مسئلہ چھ سے ہوگا۔ اور اگر وہ دو نوعوں میں سے ہوں تو جب پہلی نوع میں سے نصف دوسری مکمل نوع یا اس کے بعض سے مل جائے تو مسئلہ چھ سے چلے گا۔ اور یہ اس سے باہر نہیں نکل سکتا، اور جب ربع دوسری مکمل نوع یا اس کے بعض سے ملے تو مسئلہ بارہ سے ہوگا۔ اور جب آٹھواں حصہ دوسری مکمل نوع یا اس کے بعض سے ملے تو مسئلہ چوبیس سے چلے گا۔ پس ان دونوں کو پہلے پانچ کے ساتھ ملا دیا جائے تو مخارج سات ہو جائیں گے اور اس کا مکمل بیان عنقریب باب المخارج میں آئے گا۔

أَرْبَعَةٌ لَا تَعُولُ الْاِثْنَانِ وَالثَّلَاثَةُ وَالْأَرْبَعَةُ وَالثَّمَانِيَّةُ وَالثَّلَاثَةُ قَدْ تَعُولُ بِالِاخْتِلَافِ كَمَا سَيَجِيءُ فِي بَابِ
 الْمَخَارِجِ (فَسِتَّةٌ تَعُولُ) أَرْبَعُ عَوَلَاتٍ (إِلَى عَشْرَةٍ وَتُرَا وَشَفْعًا) فَتَعُولُ لِسَبْعَةٍ كَنُجُوجٍ وَشَقِيقَتَيْنِ وَلِثَمَانِيَّةٍ
 كَهُمْ وَأُمِّهِ وَلِتِسْعَةٍ كَهُمْ وَأَخِي لِأُمِّهِ وَلِعَشْرَةٍ كَهُمْ وَأَخِي لِأُمِّهِ (وَاثْنَا عَشْرَةً تَعُولُ ثَلَاثًا إِلَى سَبْعَةِ عَشْرٍ وَتُرَا لَا
 شَفْعًا) فَتَعُولُ لِثَلَاثَةِ عَشْرٍ كَنُجُوجَةٍ وَشَقِيقَتَيْنِ وَأُمِّهِ وَلِخَمْسَةِ عَشْرٍ كَهُمْ وَأَخِي لِأُمِّهِ وَلِسَبْعَةِ عَشْرٍ كَهُمْ وَأَخِي
 لِأُمِّهِ (وَأَرْبَعَةٌ وَعِشْرُونَ تَعُولُ إِلَى سَبْعَةِ وَعِشْرِينَ) فَقَطُّ (كَامْرَأَةٍ وَبَنَتَيْنِ وَأَبَوَيْنِ)

چار وہ ہیں جن میں عول نہیں ہوتا وہ دو، تین، چار، اور آٹھ ہیں۔ اور تین وہ ہیں جن میں اختلاف کے ساتھ کبھی عول ہوتا ہے جیسا کہ عنقریب باب المخرج میں آئے گا۔ اور چھ وہ ہیں جن میں چار عول ہوتے ہیں۔ دس تک چاہے طاق ہو یا جفت۔ پس چھ میں عول ہوتا ہے سات تک جبکہ وارث خاوند اور دو سگی بہنیں ہوں۔ اور آٹھ تک عول ہوتا ہے جبکہ مذکورہ وارث اور ماں ہو، اور نو تک عول ہوتا ہے جبکہ ورثا میں مذکورہ وارث اور اخیانی بھائی ہو۔ اور دس تک عول ہوتا ہے جبکہ ورثا، میں مذکورہ وارث اور ایک دوسرا اخیانی بھائی ہو۔ اور بارہ میں طاق کے اعتبار سے تین بار سترہ تک عول ہوتا ہے نہ کہ جفت کے اعتبار سے، پس تیرہ تک عول ہوتا ہے جیسا کہ وارث زوجہ، دو سگی بہنیں اور ماں ہو، اور اس میں پندرہ تک عول ہوتا ہے جبکہ مذکورہ ورثا، اور اخیانی بھائی ہو، اور سترہ تک عول ہوتا ہے جبکہ مذکورہ ورثا اور ایک مزید اخیانی بھائی ہو۔ اور چوبیس میں صرف ستائیس تک عول ہوتا ہے جیسا کہ جب ورثا میں بیوی، دو بیٹیاں اور والدین (ماں، باپ) ہوں

وہ مخارج جن میں عول ہوتا ہے اور جن میں عول نہیں ہوتا

37461۔ (قوله: أَرْبَعَةٌ لَا تَعُولُ) اور چار میں عول نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس سے متعلقہ فروض یا تو مال ان کے ساتھ

پورا ہو جاتا ہے، یا اس سے کوئی زائد شے ان پر باقی بچ جاتی ہے۔ اور اس کی تفصیل ”المخ“ میں ہے۔

37462۔ (قوله: وَثَلَاثَةٌ قَدْ تَعُولُ) اور تین میں کبھی عول ہوتا ہے، اور وہ چھ اور اس کا دو گنا (یعنی بارہ) اور اس کے

دو گنا کا دو گنا (یعنی چوبیس) اور ”مصنف“ نے لفظ قد کے ساتھ اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کے لئے عول لازم نہیں ہے۔

37463۔ (قوله: بِالِاخْتِلَافِ) یعنی دونوں میں سے ایک کے دوسری کے کل یا اس کے بعض کے ساتھ ہونے کے

سبب (عول ہوتا ہے) جیسا کہ ہم نے اسے بیان کر دیا ہے۔

37464۔ (قوله: إِلَى عَشْرَةٍ وَتُرَا وَشَفْعًا) دس تک طاق اور جفت کے اعتبار سے، یعنی ان اعداد کی طرف عول ہوتا

ہے درآنحی لیکہ ان کی انتہا دس پر ہوتی ہے۔ پس اس میں الی، تعول کا صلہ نہیں ہے بلکہ اس کا صلہ مقدر ہے۔ کیونکہ دس طاق اور

جفت نہیں ہے۔ اور ”مصنف“ کا قول: و تتراد شفعا اس عدد سے حال ہونے کی بنا پر منصوب ہیں جس کی طرف عول ہوا ہے: ای

حال کون تلك الأعداد منقسمة الى وتر و شفعا۔ (یعنی درآنحی لیکہ وہ اعداد طاق اور جفت میں منقسم ہوں)۔ تا مل۔

وَتُسَيِّ مِنْبَرِيَّةً (وَالرَّدُّ ضِدُّهُ) كَمَا مَرَّ وَحِينِيذٍ (فَإِنْ فَضَلَ عَنْهَا) أُمِّي عَنْ الْفُرُوضِ (وَالْحَالُ أَنَّهُ لَا عَصَبَةَ) ثَمَّةً (يُرَدُّ) الْفَاضِلُ (عَلَيْهِمْ بِقَدْرِ سَهَامِهِمْ) إِجْمَاعًا لِفَسَادِ بَيْتِ الْمَالِ (إِلَّا عَلَى الزَّوْجَيْنِ) فَلَا يُرَدُّ عَلَيْهِمَا وَقَالَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يُرَدُّ عَلَيْهِمَا أَيْضًا قَالَهُ الْمُصَنِّفُ وَغَيْرُهُ۔ قُلْتُ وَجَزَمَ فِي الْإِخْتِيَارِ بِأَنَّ هَذَا وَهُمْ مِنَ الرَّاوِي فَرَأَيْتُهُ

اور اسے مسئلہ منبر یہ کہا جاتا ہے۔ اور رد عول کی ضد ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور اس وقت اگر فروض سے مال فالتونج جائے اور حال یہ ہو کہ وہاں عصبہ نہ ہو تو وہ فاضل مال انہی ورثا پر ان کے حصص کی مقدار کے مطابق بیت المال کے فساد کی وجہ سے بالا جماع لوٹا دیا جاتا ہے سوائے زوجین کے کہ وہ ان پر نہیں لوٹایا جاتا۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: وہ ان پر بھی لوٹایا جائے گا۔ ”مصنف“ وغیرہ نے یہی کہا ہے۔ میں کہتا ہوں: ”الاختیار“ میں اس پر اعتماد اور یقین کیا ہے کہ یہ راوی کا وہم ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کرو۔

مسئلہ منبر یہ

37465۔ (قوله: وَتُسَيِّ مِنْبَرِيَّةً) اور اسے مسئلہ منبر یہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے پوچھا گیا در آنحالیکہ کوفہ کے منبر پر آپ اپنے خطبہ میں یہ کہہ رہے تھے: الحمد لله الذي يحكم بالحق قطعاً، ويجزي كل نفس بما تسعى، واليه الباب والرجعى (سب تعریف اس اللہ تعالیٰ کے لئے جو یقیناً حق کے ساتھ فیصلہ فرماتا ہے، اور ہر نفس کو اس کی سعی اور کوشش کے مطابق جزا عطا فرماتا ہے اور اسی طرف رجوع اور لوٹنا ہے) تو اس وقت اس کے بارے آپ سے سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عورت کا آٹھواں حصہ نواں ہو گیا ہے اور آپ نے اپنا خطبہ جاری رکھا تو لوگ آپ کی ذہانت و فطانت پر متعجب ہوئے۔ ”در منتهی“۔

مسئلہ الرد

37466۔ (قوله: ثَمَّةً) یعنی وہاں مراد یہ ہے کہ ورثا میں عصبہ نہ ہو۔ ”طحاوی“۔

37467۔ (قوله: عَلَيْهِمْ) یعنی ذوی الفروض پر۔ زیادہ واضح اس کو صراحتہ بیان کرنا ہے۔ ”طحاوی“۔

37468۔ (قوله: لِفَسَادِ بَيْتِ الْمَالِ) بیت المال کے فاسد ہونے کی وجہ سے۔ یہ ”شارح“ کے قول اجماعاً کی علت ہے اور ظاہر نہیں ہے۔ کیونکہ امام ”مالک“ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ وہ مال بیت المال کے لئے ہوگا اگرچہ وہ منتظم نہ ہو، اور یہی امام ”شافعی“ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ اور امام ”مالک“ رحمۃ اللہ علیہ سے ہمارے قول کی طرح بھی مروی ہے، اور اسی کے ساتھ متاخرین شافعیہ نے فتویٰ دیا ہے جب بیت المال کے معاملہ کا انتظام نہ ہو۔ اسی کو ”غرر الافکار“ میں بیان کیا ہے۔

37469۔ (قوله: وَغَيْرُهُ) جیسا کہ ”السراجیہ“ اور ”کنز“ کے شارحین۔ اور ”روح الشروح“ میں کہا ہے: اور حضرت

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حجت اور دلیل یہ ہے کہ فریضہ اگر بڑھ جائے (یعنی اس میں عول ہو) تو نقص اور کمی تمام پر داخل ہوتی ہے تو

قُلْتُ وَفِي الْأَشْبَاهِ

میں کہتا ہوں: اور ”الاشباہ“ میں ہے:

جب شے فاضل ہو جائے تو پھر لازم ہے کہ وہ زیادتی بھی تمام کے لئے ہو۔ کیونکہ منافع تاوان اور نقصان کے ساتھ ہوتے ہیں (یعنی الغنم بالغرم)۔ اور جواب یہ ہے کہ زوجین کی باہمی میراث تو خلاف قیاس ہے۔ کیونکہ ان دونوں کا رشتہ اور تعلق نکاح کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ موت کے ساتھ منقطع ہو جاتا ہے۔

اور جو خلاف قیاس بطور نص ثابت ہو تو وہ نص کے وارد ہونے کے محل میں محصور ہوتا ہے۔ اور زوجین کے مقررہ حصہ پر زیادتی کے بارے کوئی نص نہیں ہے، اور جب ان دونوں کے حصہ میں نقص اور کمی کو داخل کرنا اس قیاس کے میلان کی وجہ سے ہے جو ان کی میراث کی نفی کرتا ہے تو اس کا قول کیا گیا ہے۔ اور رد کا قول دلیل نہ ہونے کی وجہ سے نہیں کیا گیا۔ پس فرق اور حق کے حصص ظاہر ہو گئے۔ ”طحاوی“، ملخصاً۔

37470۔ (قوله: وَفِي الْأَشْبَاهِ الْخ) ”القنیه“ میں کہا ہے: اور ہمارے زمانے میں بیت المال کے فساد کی وجہ سے زوجین پر مال کے رد کا فتویٰ دیا جائے گا۔ اور ”زیلعی“ میں ”النبایہ“ سے ہے: زوجین میں سے کسی ایک کے حصہ سے جو مال فاضل ہو وہ اسی پر لوٹا دیا جائے گا، اور اسی طرح رضاعی بیٹے اور بیٹی کی طرف اسے پھیر دیا جائے گا۔ اور ”المستصفی“ میں کہا ہے: آج فتویٰ زوجین پر مال لوٹانے کے بارے میں ہے اور یہی ہمارے متاخرین علما کا قول ہے۔ اور ”الحدادی“ نے کہا ہے: آج فتویٰ زوجین پر مال لوٹانے کے بارے میں ہے۔ اور محقق ”احمد بن یحییٰ بن سعد التفتازانی“ نے کہا ہے: بہت سے مشائخ نے زوجین پر مال لوٹانے کا فتویٰ دیا ہے جبکہ ان دونوں کے سوا اقارب میں سے کوئی نہ ہو۔ اس لئے کہ اس زمانے میں امام وقت کا فساد اور حکام کے مظالم غالب ہیں۔ بلکہ معتق کی بیٹیوں اور اس کے ذوی الارحام کو وارث بنانے کے بارے فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح ”ہروی“ نے کہا ہے: کثیر مشائخ نے معتق کی بیٹیوں اور اس کے ذوی الارحام کی توریث کا فتویٰ دیا ہے۔ ”ابو السعد“ نے اسے ”الکازرونی“ کی شرح ”السراجیہ“ سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ”معراج الدرایہ شرح الہدایہ“ میں ہے: اور کہا گیا ہے: اگر اس نے معتق کی بیٹی کے سوا کوئی وارث نہ چھوڑا تو مال اسے ہی دے دیا جائے گا لیکن بطور وراثت نہیں بلکہ اس لئے کہ وہی زیادہ قریبی ہے۔ اور اسی طرح زوجین میں سے کسی ایک کے حصہ سے فاضل مال بھی اسی کی طرف رد کیا جائے گا۔ اور اسی طرح رضاعی بیٹی اور بیٹے کو دیا جائے گا۔ اور بیت المال نہ ہونے کی صورت میں اسی کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا۔ اور ”المستصفی“ میں ہے: اور آج فتویٰ زوجین پر مال رد کرنے کے بارے میں ہے جب بیت المال نہ ہونے کی وجہ سے مستحق نہ ہو۔ کیونکہ ظالم لوگ اسے اپنے مصرف میں خرچ نہیں کرتے۔ اور یہ اسی طرح ہے جیسے بعض اصحاب شافعیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ اسی علت کی وجہ سے ذوی الارحام کو وارث بنانے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اور ”شارح“ نے ”الدر المنقذ“ میں کتاب الولاء سے نقل کیا ہے: میں کہتا ہوں: لیکن مجھ تک خبر پہنچی ہے کہ وہ اس بارے فتویٰ نہیں دیتے۔ فتنہ۔

أَنَّهُ يُرَدُّ عَلَيْهِمَا فِي زَمَانِنَا لِفَسَادِ بَيْتِ الْمَالِ وَقَدْ مُنَاهَا فِي الْوَلَاءِ ثُمَّ مَسَائِلُ الرَّدِّ أَرْبَعَةٌ أَقْسَامٌ، لِأَنَّ الْمَرْدُودَ عَلَيْهِ إِمَّا صِنْفٌ أَوْ أَكْثَرُ وَعَلَى كُلِّ إِمَّا أَنْ يَكُونَ مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ أَوْ لَا يَكُونُ (ف) الْأَوَّلُ إِنْ اتَّحَدَ جِنْسُ الْمَرْدُودِ عَلَيْهِمْ، كِبَنَتَيْنِ أَوْ أُخْتَيْنِ أَوْ جَدَّتَيْنِ

ہمارے زمانہ میں بیت المال کے فساد کی وجہ سے اسے ان پر لوٹایا جائے گا، اور ہم اسے ولا کے باب میں پہلے بیان کر چکے ہیں۔ پھر رد کے مسائل کی چار قسمیں ہیں۔ کیونکہ جن پر مال لوٹایا جانا ہے وہ ایک قسم ہیں یا زیادہ، اور ہر صورت پر یا اس کے ساتھ وہ ہوگا جس پر مال نہیں لوٹایا جاتا یا نہیں ہوگا۔ پس پہلی قسم یہ ہے اگر ان کی جنس ایک ہو جن پر ترکہ دوبارہ لوٹایا جانا ہے (یعنی فرائض کی تقسیم کے بعد اضافی مال دوبارہ دیا جانا ہے) جیسا کہ دو بیٹیاں یا دو بہنیں یا دو دادیاں جب وارث ہوں

میں کہتا ہوں: ہم نے اپنے زمانہ میں بھی ایسا نہیں سنا جس نے اس طرح کا فتویٰ دیا ہو اور شاید یہ اس کے متون کی مخالفت کی وجہ سے ہے۔ پس اس میں غور کرنا چاہئے۔ لیکن یہ امر مخفی نہیں ہے کہ متون مذہب کو نقل کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں اور یہ مسئلہ جس کے بارے میں متاخرین نے فتویٰ دیا ہے مذکورہ علت کی وجہ سے اصل مذہب کے خلاف ہے جیسا کہ انہوں نے تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے مسئلہ میں اس طرح کا فتویٰ دیا ہے اس میں انہوں نے قرآن کریم کے ضائع ہونے کے خوف کی وجہ سے اصل مذہب کی مخالفت کی ہے۔ اور اسی طرح کی اور مثالیں بھی ہیں۔ اور جہاں شراح نے ہمارے مسئلہ میں افتاء کا ذکر کیا ہے چاہئے کہ اس پر عمل کیا جائے بالخصوص جب حالات ہمارے زمانہ کی مثل ہوں۔ کیونکہ وہ مال لے لیتا ہے جسے بیت المال کا وکیل مقرر کیا جاتا ہے اور پھر اسے اپنی ذات پر اور اپنے خدام پر خرچ کر دیتا ہے اور بیت المال تک اس میں سے کوئی شے نہیں پہنچتی۔

حاصل کلام

حاصل یہ ہے کہ متون کا کلام بلاشبہ بیت المال کے منتظم ہونے کے وقت سے متعلق ہے۔ اور شروح کا کلام اس کے منتظم نہ ہونے کے وقت سے متعلق ہے۔ پس ان دونوں کے درمیان کوئی معارضت نہیں۔ پس جو کوئی ہمارے زمانہ میں اس بارے میں فتویٰ دے تو اسے اس سے موڑ دیا جائے گا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

رد کے مسائل کی اقسام اور تقسیم کا طریقہ

37471۔ (قوله: أَوْ أَكْثَرُ) یعنی دو یا تین قسمیں ہوں اس سے زیادہ نہ ہوں جیسا کہ عنقریب وہ اسے ذکر کریں گے۔

37472۔ (قوله: إِمَّا أَنْ يَكُونَ) یعنی یا وہ پایا جائے گا جس پر رد نہیں کیا جاتا یا نہیں پایا جائے گا۔

37473۔ (قوله: إِنْ اتَّحَدَ جِنْسُ الْمَرْدُودِ عَلَيْهِمْ) اگر ان کی جنس ایک ہو جن پر رد کیا جانا ہے، یہ اسے شامل ہے

اگر وہ جنس ایک شخص ہو یا ایک سے زیادہ ہوں۔ اسی لئے علامہ ”قاسم“ نے اپنے اس قول کے ساتھ مثال بیان کی ہے جیسا کہ

ماں یا ایک دادی یا دادیاں یا ایک بیٹی یا بیٹیاں یا ایک پوتی یا پوتیاں یا ایک سگی بہن یا بہنیں یا علاتی بہنیں یا انخیانی اولاد میں

(قُسِمَتْ الْمَسْأَلَةُ مِنْ عَدَدِ رُءُوسِهِمْ) ابْتِدَاءً قَطْعًا لِلتَّطْوِيلِ (وَ) الثَّانِي (إِنْ كَانَ) الْمَرْدُودُ عَلَيْهِ (جَنَسَيْنِ) أَوْ ثَلَاثَةً لَا أَكْثَرًا إِلَّا سِتْقَاءً (فَمِنْ عَدَدِ سَهَامِهِمْ) فَمِنْ اثْنَيْنِ لَوْ سُدَّ سَانٍ وَثَلَاثَةً

تو ابتداء ہی مسئلہ ان ورثاء کی تعداد سے تقسیم کیا جائے گا تا کہ طوالت ختم ہو جائے۔ اور دوسری قسم یہ ہے کہ جنہیں دوبارہ دیا جانا ہے اگر ان کی جنسیں دو یا تین ہوں نہ کہ اس سے زیادہ جیسا کہ استقراء سے ثابت ہے تو پھر مسئلہ ان کے سہام (حصص) کی تعداد سے تقسیم کیا جائے گا۔ پس مسئلہ کی تقسیم دو سے ہوگی اگر سہام دوسدس ہوں، اور تین سے ہوگی

سے ایک یا ایک سے زیادہ۔

37474۔ (قوله: مِنْ عَدَدِ رُءُوسِهِمْ) یعنی اس ایک جنس کے ورثاء کی تعداد سے اس صورت میں جبکہ مسئلہ میں ایک شخص سے زیادہ افراد ہوں۔ اور اس ایک شخص کی اصل اگر وہی مسئلہ میں ہو تو اس وقت تو وہ مسئلہ ایک ہوتا ہے۔ ”شرح ابن الحنبلی“۔

37475۔ (قوله: قَطْعًا لِلتَّطْوِيلِ) طوالت کو ختم کرنے کے لئے، یعنی تقسیم کو ایک تقسیم بنانے کے ساتھ۔ کیا آپ جانتے نہیں کہ تو جب ورثاء میں سے ہر ایک کو اس کا وہ حصہ دے جس کا وہ مستحق ہے، پھر ان کے حصص سے جو باقی بچ رہے اسے ان کے حصوں کی مقدار کے مطابق ان کے درمیان تقسیم کرے تو یہ تقسیم دوبار ہوگی۔ ”سید“۔

37476۔ (قوله: جَنَسَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً) یعنی سبب میراث کے اعتبار سے دو جنسیں ہوں یا تین جیسا کہ دادی ہوں، بہن ہوں، بیٹی ہوں، اور ماں ہونا اگرچہ دو جنسوں کا فرض (حصہ) ایک جنس ہو جیسا کہ دادی اور اخیانی بہن دونوں وہ ہیں جن میں سے ہر ایک کا حصہ چھٹا (سدس) ہے یا تین اجناس میں سے دو کا حصہ ایک جنس ہو جیسا کہ بیٹی، پوتی اور ماں۔ کیونکہ بیٹی ہونا ایک سبب ہے اور پوتی ہونا دوسرا سبب ہے اگرچہ مطلق بیٹی ہونا دونوں کو شامل ہے۔ پس اس مسئلہ میں تین اجناس ہیں نہ کہ صرف دو جنسیں ہیں۔ ”ابن الحنبلی“۔

37477۔ (قوله: بِإِلَّا سِتْقَاءً) یعنی ان کی جزئیات میں غور و فکر کرنے سے جنہیں ترکہ میں سے دوبارہ دیا جاتا ہے۔ اور یہ جار مجرور اس فعل محذوف کے متعلق ہے جو حرف نفی کے بعد مقدر ہے: یعنی لایکون اکثر بالاستقواء (استقواء کے مطابق وہ اجناس تین سے زیادہ نہیں ہوتیں)۔ ”طحاوی“۔

37478۔ (قوله: فَمِنْ عَدَدِ سَهَامِهِمْ) تو مسئلہ کو ان کے حصوں کی تعداد سے تقسیم کیا جائے گا، اور وہ چار ہیں اور کوئی نہیں: الاثنان (دو) الثلاثة (تین) الأربعة (چار) اور الخمسة (پانچ) تحقیق ”شارح“ نے انہیں ذکر کیا ہے اور یہ سارے کے سارے چھ سے لئے گئے ہیں جیسا کہ ہم عنقریب اسے ذکر کریں گے۔

37479۔ (قوله: لَوْ سُدَّ سَانٍ) اگر دوسدس ہوں جیسا کہ ورثاء میں دادی اور اخیانی بہن ہو تو مسئلہ چھ سے ہوگا اور اس میں دونوں کے لئے فرض کے اعتبار سے دو حصے ہوں گے، پس تو دو کو اصل مسئلہ بنا لے اور ترکہ کو ان دونوں پر نصف نصف

لَوْ ثُلُثٌ وَسُدُسٌ وَأَرْبَعَةٌ لَوْنِصْفٌ وَسُدُسٌ وَخَمْسَةٌ كَثُلُثَيْنِ وَسُدُسٌ تَقْصِيرًا لِلْمَسَافَةِ

اگر وہ ایک ثلث اور سدس ہوں، اور چار سے ہوگی اگر سہام نصف اور سدس ہوں، اور پانچ سے تقسیم ہوگی اگر وہ دو ثلث اور ایک سدس ہوں۔ اور یہ مسافت کو کم کرنے کے لئے ہے (یعنی اختصار کے لئے ہے)۔

تقسیم کر دے، چنانچہ دونوں میں سے ہر ایک کے لئے نصف مال ہوگا۔ ”سید“۔

37480۔ (قولہ: لَوْ ثُلُثٌ وَسُدُسٌ) اگر سہام تہائی اور چھٹا حصہ ہوں، جیسا کہ دو اخیانی بھائی ماں کے ساتھ ہوں تو یہ مسئلہ بھی چھ سے چلے گا اور اخیانی بھائیوں کے لئے تیسرا حصہ اور ماں کے لئے چھٹا حصہ ہوگا۔ پس تو اسے ان کے حصص کے عدد کے مطابق تین سے بنالے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ تو اس کی طرف دیکھے جو اقل کی امثال اکثر میں ہیں اور اسے اس کے ساتھ ملادے، پس ایک ثلث میں دو سدس ہیں، پس ان دونوں کو ماں کے سدس کے ساتھ ملادے گا۔ (نتیجتاً مسئلہ تین سے چلے گا دو تہائی مال اخیانی بھائیوں کو ملے گا اور ایک تہائی ماں کو)۔ ”قاسم“۔

37481۔ (قولہ: لَوْ نِصْفٌ وَسُدُسٌ) مسئلہ چار سے چلے گا اگر سہام نصف اور سدس ہوں جیسا کہ ورثاء میں بیٹی اور ایک پوتی ہو یا ایک بیٹی اور ماں ہو۔ کیونکہ یہ مسئلہ بھی چھ سے ہے۔ اور مجموعی حصص جو اس سے لئے گئے ہیں وہ چار ہیں کہ تین حصے بیٹی کے لئے اور ایک حصہ پوتی کے لئے یا ماں کے لئے۔ پس تو مسئلہ تو چار سے بنالے اور ترکہ کو چار حصوں میں تقسیم کر دے اس میں سے تین چوتھائی بیٹی کے لئے اور ایک چوتھائی ماں یا پوتی کے لئے ہوگا۔ ”سید“۔

37482۔ (قولہ: كَثُلُثَيْنِ وَسُدُسٍ) اور مسئلہ پانچ سے چلے گا اگر سہام دو تہائی اور چھٹا حصہ ہوں جیسا کہ ورثاء میں دو بیٹیاں اور ماں ہو۔ بلاشبہ یہاں اسے کافی کے ساتھ ذکر کیا ہے لو کے ساتھ ذکر نہیں کیا جیسا کہ اس سے پہلے والوں میں ہے۔ اس لئے کہ مسئلہ پانچ سے ہونے کی تین صورتیں ہیں، ان میں سے دوسری نصف اور دو سدس ہے جیسا کہ جب بیٹی، پوتی اور ماں وارث ہوں اور تیسری نصف اور ثلث ہے جیسا کہ اس کی سگی بہن ماں کے ساتھ یا دو اخیانی بہنوں کے ساتھ وارث ہو۔ ان تین صورتوں میں بھی مسئلہ چھ سے چلے گا، اور وہ سہام جو اس سے لئے گئے ہیں وہ پانچ ہیں۔ پس تو اصل مسئلہ پانچ سے بنالے گا اور ترکہ پانچ حصوں میں تقسیم کرے گا۔

تنبیہ

مذکورہ طریقوں پر تقسیم اگر ورثاء پر درست اور برابر ہو جائے تو پھر وہی ہوگی۔ اور اگر وہ صحیح نہ ہو جیسا کہ جب وہ اپنے پیچھے ایک بیٹی اور تین پوتیاں چھوڑے تو بیٹی کے لئے تین حصے جو اس پر تقسیم ہوں گے اور پوتیوں کے لئے ایک سہم ہے اور وہ ان پر تقسیم نہیں ہو سکتا۔ پس تو تین کو ضرب دے، یعنی ان ورثاء کی تعداد کو جن پر ترکہ تقسیم نہیں ہو سکا اسے اصل مسئلہ میں ضرب دے اور اصل مسئلہ چار سے ہے، پس ضرب دینے سے وہ بارہ حصے ہو جائیں گے۔ ان میں سے بیٹی کے لئے نو ہوں گے اور پوتیوں کے لئے تین ہوں گے جو ان پر تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ ”سید“۔

(وَالثَّالِثُ إِنْ كَانَ مَعَ الْأَوَّلِ) أَمَّا الْجِنْسُ الْوَاحِدُ (مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ) وَهُوَ الزَّوْجَانِ (أَعْطِيَ) مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ (فَرَضَهُ مِنْ أَقَلِّ مَخَارِجِهِ وَقَسَمَ الثَّانِي عَلَى) رُءُوسِ (مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ كَنُؤُجٍ وَثَلَاثِ بَنَاتٍ) فَهِيَ مِنْ أَرْبَعَةٍ لِلزَّوْجِ وَاحِدٌ وَبَقِيَ ثَلَاثَةٌ وَهِيَ تَسْتَقِيمُ عَلَيْهِنَّ فَلَا حَاجَةَ إِلَى الضَّرْبِ (وَإِنْ لَمْ يَسْتَقِمْ فَإِنْ وَافَقَ رُءُوسُهُمْ) أَمَّا رُءُوسِ مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِمْ (كَنُؤُجٍ وَسِتِّ بَنَاتٍ ضَرْبَ وَفُقْهًا) وَهُوَ هُنَا اثْنَانِ (فِي مَخْرَجٍ فَرَضِ مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ) وَهُوَ هُنَا أَرْبَعَةٌ تَبْدَعُ ثَمَانِيَةً فَلِلزَّوْجِ اثْنَانِ وَلِلْبَنَاتِ سِتَّةٌ (وَالْأَلَا) يُوَافِقُ بَلْ بَآئِنَ (ضَرْبَ كُلِّ) عَدَدٍ رُءُوسُهُمْ (فِيهِ) أَمَّا الْمَخْرَجُ الْمَذْكُورُ

اور تیسری قسم یہ ہے کہ اگر پہلی قسم یعنی جنس واحد کے ساتھ وہ ہو جسے ترکہ میں سے دوبارہ نہیں دیا جاتا اور وہ زوجین یعنی خاوند یا بیوی ہے تو اسے جسے دوبارہ نہیں دیا جاتا اس کا مقررہ حصہ (فرض) اس کے اقل مخرج سے دیا جائے اور باقی ان وارثوں کی تعداد پر تقسیم کر دیا جائے جنہیں دوبارہ دیا جانا ہے جیسا کہ جب خاوند اور تین بیٹیاں وارث ہوں، تو یہ مسئلہ چار سے ہوگا خاوند کے لئے ایک اور باقی تین حصے تین بیٹیوں پر تقسیم ہو جائیں گے اور اس میں ضرب کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں۔ اور اگر باقی کی تقسیم برابر نہ ہو تو اگر ان ورثاء کی تعداد میں توافق ہو جن پر رد کیا جانا ہے جیسا کہ ورثاء میں خاوند اور چھ بیٹیاں ہوں تو پھر اس کے وفق کو اور وہ یہاں دو ہے اس کے فرض کے مخرج میں ضرب دی جائے جس پر رد نہیں کیا جاسکتا اور وہ یہاں چار ہے تو حاصل ضرب آٹھ ہوگا۔ پس آٹھ حصوں میں سے دو خاوند کے لئے ہوں گے اور چھ بیٹیوں کے لئے ہوں گے۔ اور اگر توافق نہ ہو بلکہ بتاؤں ہو تو پھر ان ورثاء کی کل تعداد کو مذکورہ مخرج میں ضرب دی جائے

37483۔ (قوله: وَالثَّالِثُ) یعنی چار اقسام میں سے تیسری قسم۔

37484۔ (قوله: وَقَسَمَ الثَّانِي عَلَى رُءُوسِ مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ) یعنی اس مخرج سے باقی بچ جانے والا ترکہ اس ایک جنس کی ذاتوں کی تعداد پر تقسیم کر دیا جائے گا جیسا کہ کل مال ان کی ذاتوں کی تعداد پر تقسیم کیا جاتا ہے جب وہ اس سے منفرد ہوں جس پر ترکہ رد نہیں کیا جاتا۔

37485۔ (قوله: فَهِيَ مِنْ أَرْبَعَةٍ) پس وہ چار سے ہے، اور اس کی اصل بارہ سے ہے۔ کیونکہ اس میں چوتھائی اور دو تہائی جمع ہیں۔ اور اسی کی مثل آنے والے دو مسئلے ہیں۔

37486۔ (قوله: وَإِنْ لَمْ يَسْتَقِمْ) اور اگر اس مخرج سے باقی تقسیم نہ ہو۔

37487۔ (قوله: ضَرْبَ وَفُقْهًا) یعنی ان کی ذاتوں کے وفق کو ضرب دی جائے۔

37488۔ (قوله: وَهُوَ هُنَا اثْنَانِ) اور وہ یہاں دو ہے۔ کیونکہ ذاتوں کی تعداد چھ ہے اور مخرج سے باقی تین ہے اور ان دونوں کے درمیان موافقت تہائی کے ساتھ ہے۔ اور یہاں مداخلت کا کوئی اعتبار نہیں ہے جیسا کہ اپنے محل میں معلوم ہوگا۔

37489۔ (قوله: وَالْأَلَا يُوَافِقُ) یعنی اگر ان کی ذاتوں کے باقی عدد میں توافق نہ ہو۔

(كَتَوُجَ وَخَنَسِ بَنَاتٍ) فَالْمَخْرُجُ هُنَا أَرْبَعَةٌ لِلزَّوْجِ وَاحِدٌ بَقِيَ ثَلَاثَةٌ تُبَايِنُ الْخَمْسَةَ فَاضْرِبَ الْأَرْبَعَةَ فِي الْخَمْسَةِ تَبْدُغُ عَشْرِينَ كَانَ لِلزَّوْجِ وَاحِدٌ اضْرِبْهُ فِي الْمَضْرُوبِ يَكُنْ خَمْسَةٌ فَهِيَ لَهُ وَالْبَاقِي ثَلَاثَةٌ اضْرِبْهَا فِي الْمَضْرُوبِ تَبْدُغُ خَمْسَةَ عَشَرَ فَلِكُلِّ بِنْتٍ ثَلَاثَةٌ (وَالرَّابِعُ) (لَوْ كَانَ مَعَ الثَّانِي) أَمَّا الْجَنِينُ فَقَطُّ لَا أَكْثَرُ هُنَا بِحُكْمِ الْإِسْتِقْرَاءِ إِذَا لَا يُرَدُّ مَعَ أَرْبَعِ طَوَائِفَ أَصْلًا بِإِلَّا سِتْقَرَاءِ وَلَعَلَّ هَذَا نُكْتَةٌ اقْتِصَارٌ فِيهَا مَرَّ

جیسا کہ جب ورثاء میں خاوند اور پانچ بیٹیاں ہوں، تو یہاں مخرج چار ہے اور اس میں سے خاوند کے لئے ایک ہے، باقی تین ہیں جو پانچ کے مہاین ہیں (یعنی تین حصے پانچ بیٹیوں میں برابر تقسیم نہیں ہو سکتے) پس چار کو پانچ میں ضرب دو تو وہ بیس ہو جائیں گے، خاوند کے لئے ایک تھا اسے مضروب یعنی پانچ میں ضرب دی تو وہ پانچ ہو گئے پس وہی پانچ حصے خاوند کے لئے ہوں گے، اور باقی تین کو پانچ مضروب میں ضرب دو تو وہ پندرہ ہو جائیں گے پس ہر بیٹی کے لئے تین تین حصے ہوں گے۔ اور چوتھی قسم یہ ہے کہ اگر دوسری قسم کے ساتھ یعنی صرف دو جنسوں کے ساتھ، یہاں استقرا کے حکم کے مطابق دو سے زیادہ اجناس نہیں ہیں۔ کیونکہ استقرا سے یہ ثابت ہے کہ چار اجناس کے ساتھ بالکل رد نہیں کیا جاسکتا۔ شاید ”مصنف“ کے اس صورت میں جو متن میں گزر چکی ہے

37490۔ (قوله: فَاضْرِبَ الْأَرْبَعَةَ فِي الْخَمْسَةِ) تو چار کو پانچ میں ضرب دے یہ اپنے سابق اور لاحق کے موافق ہے۔ پس تو پانچ کو چار میں ضرب دے۔ ”طحاوی“۔ کیونکہ مضروب (جس کو ضرب دی گئی) وہ ذاتوں کا عدد پانچ ہے اور مضروب فیہ (جس میں ضرب دی گئی) وہ مخرج ہے اور وہ چار ہے۔

37491۔ (قوله: وَالرَّابِعُ) مراد چار اقسام میں سے چوتھی قسم ہے۔

37492۔ (قوله: هُنَا) یعنی جنہیں ترکہ دوبارہ نہیں دیا جاسکتا ان کے ان کے ساتھ جمع ہونے کے مسائل میں جنہیں دوبارہ ترکہ دیا جاسکتا ہے۔ رہا ان کا منفرد ہونا جن پر رد کیا جاسکتا ہے تو وہ کبھی تین اجناس سے ہوتا ہے جیسا کہ ”شارح“ نے اس کے بارے پہلے تصریح کر دی ہے۔ اور وہ نصف اور دوسدس کے جمع ہونے کی صورت میں ہے۔

37493۔ (قوله: إِذَا لَا يُرَدُّ مَعَ أَرْبَعِ طَوَائِفَ أَصْلًا) کیونکہ چار اجناس کے ساتھ تو بالکل رد نہیں کیا جاسکتا، یعنی برابر ہے ان میں سے ایک وہ ہو جسے ترکہ دوبارہ نہیں دیا جاسکتا اور باقی تین ان میں سے ہوں جن پر رد کیا جاسکتا ہے، یا چاروں ان میں سے ہوں جن میں رد کیا جاسکتا ہے۔

37494۔ (قوله: وَلَعَلَّ هَذَا) یعنی دو جنسوں سے زیادہ پر رد کا نہ پایا جانا۔

حاصل کلام

اس کا حاصل یہ ہے کہ ”مصنف“ نے دوسری قسم میں دو جنسوں پر اقتصار کیا ہے جیسا کہ اس میں کہا ہے جو گزر چکا ہے: اور اگر دو جنسیں ہوں، اس کے باوجود کہ وہ تین بھی ہوتی ہیں تا کہ یہاں ان کا قول: ولو كان مع الثانی الخ صحیح ہو جائے۔ کیونکہ

مَتْنًا عَلَى الْجَنِينِ وَإِلَّا فَيُرَادُ بِالشَّانِ بَعْضُهُ لَا كُلُّهُ فَتَأْمَلُ (مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ فَاقْسِمُ الْبَاقِي) مِنْ مَخْرَجٍ
فَرَضِ مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ (عَلَى مَسْأَلَةٍ مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ) إِنْ اسْتَقَامَ (كَتَوَجَةٍ وَأَرْبَعُ جَدَّاتٍ وَسِتُّ أَخَوَاتٍ لِأَقْرَبِ
فَمَخْرَجٍ مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ أَرْبَعَةٌ لِلزَّوْجَةِ وَاحِدٌ بَقِيَ ثَلَاثَةٌ تَسْتَقِيمُ عَلَى سَهْمِ الْجَدَّاتِ

دو جنسوں پر اقتصار کرنے کا نکتہ یہی ہے۔ ورنہ پھر دوسری قسم کی بعض صورتیں مراد ہوں گی نہ کہ تمام صورتیں۔ پس اس میں غور
کرو۔ وہ ہو جس پر ترکہ رد نہیں کیا جاتا تو اس کا مقررہ حصہ نکالنے کے بعد جو باقی بچے اسے ان کے مسئلہ پر تقسیم کر دو جنہیں
ترکہ دوبارہ دیا جاسکتا ہے اگر تقسیم درست ہو جیسا کہ ورثاء میں بیوی اور چار دادیاں اور چھ انخیانی بہنیں ہوں، تو جن پر رد نہیں
ہو سکتا ان کا مخرج چار ہے۔ پس بیوی کے لئے اس میں سے ایک ہے باقی تین دادیوں کے ایک حصہ پر

یہ صحیح نہیں ہے کہ اس سے تین کا ارادہ کیا جائے۔ یہاں تک کہ اگر وہ گزشتہ کلام میں دو جنسوں پر اقتصار نہ کرتے اس طرح کہ وہ
تین اجناس کا ذکر کرتے جیسا کہ ”المنتهی“ میں کیا ہے تو پھر واجب ہے کہ یہاں دوسری قسم سے اس کا بعض مراد لیا جائے، اور
وہ دو جنسیں ہیں، نہ کہ اس کا کل مراد لیا جائے اور وہ تین اجناس ہیں۔ پس گزشتہ کلام میں ان کا دو جنسوں پر اقتصار کرنا اس لئے
نہیں کہ وہاں تین اجناس آتی ہی نہیں، بلکہ اس لئے ہے کہ اس استقرا کے حکم کے مطابق یہاں وہ نہیں آئیں جسے ”شارح“
نے ”السید“ وغیرہ کی اتباع کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ صحیح ہے کہ اگر استقرا کو تسلیم کیا جائے، اور وہ تسلیم نہیں۔ کیونکہ مسئلہ رد یہ پایا گیا ہے جس میں چار اجناس
جمع ہیں جیسا کہ جب ورثاء میں بیوی، بیٹی، پوتی اور ماں یا دادی ہو۔ اس مسئلہ کی اصل چوبیس سے ہے۔ بیوی کے لئے آٹھواں
حصہ یعنی چوبیس میں سے تین، بیٹی کے لئے نصف یعنی بارہ، پوتی کے لئے دوثلث کی تکمیل کے لئے چھٹا حصہ یعنی چار، اور ماں
یا دادی کے لئے بھی چھٹا حصہ یعنی چار ہیں۔ ایک باقی بچ جاتا ہے جسے بیوی کے علاوہ دوسروں پر رد کیا جائے گا اور وہ دوسرے
تین اجناس ہیں۔ اور مسئلہ چالیس سے صحیح ہوگا جیسا کہ میں نے اسے ”الرحیق المختوم“ میں ذکر کیا ہے۔ پھر میں نے اسے وہاں
”حاشیہ یعقوب“ اور ”شرح ابن الحسنبلی“ میں دیکھا ہے۔ اور ”یعقوب“ نے کہا ہے: بلاشبہ یہ اس قدیمی شبہ میں سے ہے جو
اس مقام پر وارد کیا جاتا ہے۔ اور اسی بنا پر ”مصنف“ پر لازم تھا کہ وہ دوسری قسم میں تین اجناس کا ذکر کرتے۔ اور یہاں اس
کے بارے ان کے کلام میں اس کا کل مراد لیا جاتا نہ کہ اس کا بعض۔ اور اسی کو علامہ ”قاسم“ اور ”الباقانی“ وغیرہ نے اختیار کیا
ہے اگرچہ ”شارح“ نے ”الدر المنتهی“ میں ان پر اعتراض کیا ہے اور ان پر سہو کا حکم لگایا ہے۔ بلاشبہ ان کے کلام میں سہو نہیں
ہے بلکہ وہ درست ہے جیسا کہ آپ نے جان لیا ہے۔ پس اس پر آگاہ رہو یہ وہ مقام ہے جہاں قدم پھسلے ہیں۔

37495۔ (قوله: إِنْ اسْتَقَامَ) اگر ان کے مسئلہ یعنی ان کے سہام اور حصص پر تقسیم درست ہو جن پر رد کیا جاسکتا ہے،

برابر ہے ان کی ذاتوں کی تعداد پر بھی تقسیم درست ہو یا نہ ہو۔ پس دوسری وہ ہے جس کے ساتھ ”مصنف“ نے مثال بیان کی
ہے اور پہلی جیسا کہ جب بیوی، دادی اور دو انخیانی بہنیں وارث ہوں۔ کیونکہ بیوی کا مقررہ حصہ مخرج سے نکالنے کے بعد باقی

وَسَهْمَيِ الْأَخَوَاتِ لِكُنْهٖ مُنْكَسِرٌ عَلَى أَحَادٍ كُلِّ فَرِيقٍ كَمَا سَيَجِيءُ (وَإِنْ لَمْ يَسْتَقِمَّ ضَرْبُ جَمِيعِ مَسْأَلَةٍ مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ فِي مَخْرَجٍ مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ) فَالْمَبْدَعُ الْحَاصِلُ بِهَذَا الضَّرْبِ مَخْرَجُ فُرُوضِ الْفَرِيقَيْنِ كَأَرْبَعِ زَوْجَاتٍ وَتِسْعِ بَنَاتٍ وَسِتِّ جَدَّاتٍ فَمَخْرَجُ مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ ثَنَانِيَّةٌ لِلزَّوْجَاتِ الثُّنُنِ وَاحِدٌ

اور بہنوں کے دو حصوں پر تقسیم ہوں گے۔ لیکن وہ ہر فریق کے افراد پر ٹوٹ جائیں گے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ اور اگر تقسیم درست نہ ہو تو جن پر رد صحیح ہوتا ہے ان کے کل مسئلہ کو ان کے مخرج میں ضرب دی جائے جن پر رد صحیح نہیں ہوتا تو اس ضرب کا ماحصل دونوں فریضوں کے فروض اور حصص کا مخرج ہوگا جیسا کہ جب ورثا میں چار بیویاں، نو بیٹیاں، اور چھ دادیاں ہوں تو جن پر رد نہیں ہو سکتا ان کا مخرج آٹھ ہے۔ پس بیویوں کے لئے ایک آٹھواں حصہ ہوگا۔

بچ جانے والے تین دادی کے ایک سہم اور دو بہنوں کے دو حصوں پر تقسیم ہو سکتے ہیں اور ان کی ذاتوں پر بھی تقسیم ہو سکتے ہیں۔ 37496۔ (قولہ: مُنْكَسِرٌ عَلَى أَحَادٍ كُلِّ فَرِيقٍ) لیکن وہ ہر فریق کے افراد کے انفرادی عدد پر ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ چار دادیوں کا حصہ ایک ہے جو ان پر برابر تقسیم نہیں ہو سکتا بلکہ ان دونوں (یعنی عدد اور سہم) کے درمیان تباہی ہے اور ہم نے ان کی ذاتوں کے عدد کو مکمل طور پر محفوظ کیا ہے۔ اور اسی طرح چھ بہنوں کا حصہ دو ہے اور وہ دو ان پر تقسیم نہیں ہو سکتے۔ لیکن ان کی ذاتوں کی تعداد اور ان کے سہام کے درمیان نصف کے ساتھ موافقت ہے۔ لہذا ہم نے بہنوں کی ذاتوں کے عدد کو ان کے نصف کی طرف لوٹا دیا اور وہ تین ہے، پھر ہم نے ذاتوں کے اعداد اور ذاتوں کے درمیان توافق کو تلاش کیا تو ہم نے اسے نہیں پایا، چنانچہ ہم نے بہنوں کی ذاتوں کے وفق کو اور وہ تین ہے دادیوں کی ذاتوں کے عدد میں ضرب دی اور وہ چار ہے تو حاصل ضرب بارہ ہوا پھر ہم نے اسے اس چار میں ضرب دی جو اس کے فرض اور حصہ کا مخرج ہے جس پر رد نہیں ہو سکتا۔ پس اس کا حاصل ضرب اڑتالیس ہوا، تو پھر اس سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔ بیوی کے لئے حصہ ایک تھا تو ہم نے اسے اس مضروب میں ضرب دی جو بارہ ہے، وہ متغیر نہیں ہوا، چنانچہ ہم نے اڑتالیس میں سے بارہ بیوی کو دے دیئے، اور دادیوں کا بھی ایک ہے۔ ہم نے اسے بھی اسی مضروب میں ضرب دی اور وہ بارہ ہوا، پس ان چار میں سے ہر ایک کے لئے تین ہوئے۔ اور ان خیانی بہنوں کے لئے دو ہیں تو ہم نے ان دو کو اس مضروب میں ضرب دی تو حاصل ضرب چوبیس ہوا، پس ان میں سے ہر ایک کے لئے چار حصے ہوئے۔ ”سید“۔

37497۔ (قولہ: الْفَرِيقَيْنِ) یعنی ایک فریق ان کا جن پر رد کیا جاسکتا ہے اور دوسرا فریق ان کا جن پر رد نہیں کیا جاسکتا۔ ”طحاوی“۔

37498۔ (قولہ: كَأَرْبَعِ زَوْجَاتٍ الْخ) اس مسئلہ کی اصل چوبیس سے ہے اس لئے کہ ثمن (آٹھواں حصہ) دو ثلث اور ایک سدس کے ساتھ ملا ہوا ہے، لیکن یہ مسئلہ ردیہ ہے۔ پس ہم نے اسے اس کے فرض کے اقل مخرج کی طرف رد کیا ہے جس پر رد نہیں ہوتا اور وہ آٹھ ہے۔ ”سید“۔

بَقِيَ سَبْعَةٌ لَا تَسْتَقِيمُ عَلَى مَسْأَلَةٍ مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ وَهِيَ هُنَا خُمْسَةٌ لِأَنَّ الْفَرَاضِيْنَ ثُلُثَانِ وَسُدُسٌ فَاضْرِبْ
 الْخُمْسَةَ فِي الثَّانِيَةِ تَبْدُءُ أَرْبَعِينَ فَهِيَ مَخْرُجٌ فَرَضِ الْفَرِيقَيْنِ (ثُمَّ ضَرَبْتَ سَهَامَ مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ) وَهُوَ
 سَهْمٌ لِلزَّوْجَاتِ (فِي) خُمْسَةٍ (مَسْأَلَةٍ مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ) يَكُنْ خُمْسَةٌ فَهِيَ حَقُّ الزَّوْجَاتِ الْأَرْبَعِ مِنْ
 الْأَرْبَعِينَ وَاضْرِبْ سَهَامَ كُلِّ فَرِيقٍ مِمَّنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ وَهِيَ أَرْبَعٌ لِلْبَنَاتِ وَسَهْمٌ لِلْجَدَّاتِ (فِيمَا بَقِيَ) أَيْ فِي
 السَّبْعَةِ الْبَاقِيَةِ (مَنْ مَخْرُجٌ فَرَضٍ مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ) يَكُنْ لِلْبَنَاتِ ثَنَانِيَّةٌ وَعِشْرُونَ، وَلِلْجَدَّاتِ سَبْعَةٌ
 فَاسْتَقَامَ فَرَضُ كُلِّ فَرِيقٍ لِكِنَّهُ مُنْكَسِرٌ عَلَى أَحَادٍ كُلِّ فَرِيقٍ

باقی سات رہ جاتے ہیں اور وہ ان کے مسئلہ پر تقسیم نہیں ہو سکتے جن پر رد کیا جاسکتا ہے۔ اور وہ مسئلہ یہاں پانچ ہے۔ کیونکہ دو فرض ہیں یعنی ثلث اور ایک سدس۔ لہذا پانچ کو آٹھ میں ضرب دو تو وہ چالیس ہو جائیں گے۔ پس یہی دونوں فریقوں کے فروض اور حصص کا مخرج ہے پھر ان کے سهام کو جن پر رد نہیں کیا جاسکتا اور وہ بیویوں کا سهم اور حصہ ہے پانچ میں یعنی ان کے مسئلہ میں ضرب دو جن میں رد ہو سکتا ہے تو وہ ایک کو پانچ میں ضرب دینے سے حاصل ضرب پانچ ہوا۔ پس وہی چار بیویوں کا چالیس میں سے حق ہے۔ اور جن پر رد ہو سکتا ہے اور وہ چار بیٹیاں اور دادیوں کا ایک حصہ ہے۔ ان میں سے ہر فریق کے حصص کو باقی یعنی باقی رہنے والے سات میں ضرب دو۔ مراد وہ سات ہیں جو آٹھ سے ان کا حصہ نکالنے کے بعد باقی بچے تھے جن پر رد صحیح نہیں ہوتا تو حاصل ضرب پینتیس ہو جائے گا، ان میں سے بیٹیوں کے لئے اٹھائیس اور دادیوں کے لئے سات ہوں گے۔ پس ہر فریق کا حصہ صحیح ہو گیا۔ لیکن ہر فریق کے افراد پر وہ ٹوٹ گیا ہے۔

- 37499۔ (قوله: ثُلُثَانِ وَ سُدُسٌ) پس دو ثلث بیٹیوں کا حصہ ہے چار سدس کے ساتھ، اور ایک سدس دادیوں کا حصہ ہے اور یہ مجموعی طور پر پانچ سدس ہوئے۔ یہی رد کا مسئلہ ہے۔
- 37500۔ (قوله: ثُمَّ ضَرَبْتَ الْخ) یہ اس مقدار سے وراثت میں سے ہر فریق کے حصہ کی پہچان میں شروع ہو رہے ہیں۔ ”طحاوی“۔
- 37501۔ (قوله: وَاضْرِبْ) اس میں اولیٰ اور بہتر ”و ضربت ماضی کے ساتھ“ ہے تاکہ یہ معطوف علیہ کے مناسبت اور موافق ہو جائے۔
- 37502۔ (قوله: فَاسْتَقَامَ فَرَضُ كُلِّ فَرِيقٍ) پس وہ ہر فریق کا فرض (حصہ) تقسیم کرے یعنی وہ جن پر رد ہو سکتا ہے اور وہ جن پر رد نہیں ہو سکتا۔
- 37503۔ (قوله: لِكِنَّهُ مُنْكَسِرٌ الْخ) لیکن وہ ٹوٹ جاتا ہے، یعنی اگرچہ ان کے سهام اور حصص پر تقسیم صحیح ہے لیکن وہ ان ذاتوں پر ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اگر مسئلہ بیوی، سات بیٹیوں اور سات دادیوں کا ہو تو عمل مکمل ہو جاتا ہے اور آنے والی تصحیح کی حاجت نہیں رہتی۔

فَصَحِّحْهُ بِالْأُصُولِ السَّبْعَةِ الْآتِيَةِ فِي بَابِ الْمَخَارِجِ تَصَحُّحٌ مِنْ أَلْفٍ وَأَرْبَعِينَ وَأَرْبَعِينَ وَتَصَحُّحٌ الْأُولَى مِنْ ثَمَانِيَةٍ وَأَرْبَعِينَ وَلَوْلَا خَشْيَةُ الْإِطَالَةِ لَأَوْسَعْتُ الْكَلَامَ هُنَا

پس تو اسے باب المخرج میں آنے والے سات اصولوں کے ساتھ صحیح کر لے۔ پس ہر فرد کا حصہ ایک ہزار چار سو چالیس سے صحیح ہوتا ہے، اور پہلا مسئلہ اڑتا چالیس سے صحیح ہوتا ہے۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو میں یہاں مزید تفصیل سے کلام کرتا۔

37504۔ (قوله: فَصَحِّحْهُ بِالْأُصُولِ السَّبْعَةِ الْآتِيَةِ) پس تو اس کی سات اصول کے ساتھ صحیح کرا لے، ان میں سے تین ہر فریق کے حصص اور ان کی ذاتوں کے درمیان ہیں۔ اور وہ انقسام، توافق اور تباین ہیں۔ اور چار ذاتوں اور ان میں سے بعض کے بعض کے ساتھ ہونے کے درمیان ہیں اور وہ تماثل، تداخل، توافق اور تباین ہیں۔ ”حلی“۔ پس ہمارے مسئلہ میں بیویوں کے لئے پانچ ہیں اور ان کی تعداد چار ہے ان کی ان پر تقسیم صحیح نہیں ہے اور توافق بھی نہیں ہے۔ اور دادیوں کے لئے سات ہیں اور ان کی تعداد چھ ہے ان پر تقسیم صحیح نہیں ہے اور توافق بھی نہیں ہے۔ اور بیٹیوں کے لئے اٹھائیس ہیں اور ان کی تعداد نو ہے ان پر تقسیم صحیح نہیں ہے اور نہ توافق ہے۔ پس ہمارے پاس چار، چھ اور نو ذاتیں جمع ہوئیں۔ اور چار اور چھ کے درمیان نصف کے ساتھ موافقت ہے۔ پس تو ایک کے نصف کو دوسرے کے کل میں ضرب دے تو وہ حاصل ضرب بارہ ہوگا۔ اور پھر بارہ اور نو کے درمیان ثلث (تہائی) کی موافقت ہے۔ پس تو ایک کے ثلث کو دوسرے کے کل میں ضرب دے تو حاصل ضرب چھتیس ہوگا اور یہی سہم کا جز ہے۔ پس تو اسے چالیس میں ضرب دے گا تو حاصل ضرب ایک ہزار چار سو چالیس ہوگا۔ اس سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔ ہر وہ جس کے لئے چالیس میں سے کوئی شے ہے وہ اسے سہم کے جز میں ضرب دے کر لے گا تو اس کا حصہ نکل آئے گا۔ پس بیویوں کے لئے پانچ کو چھتیس میں ضرب دینے سے ایک سو اسی (180) اور ہر ایک کے لئے پینتالیس ہوں گے، اور دادیوں کے لئے سات کو چھتیس میں ضرب دینے سے دو سو باون (252) اور ہر ایک کے لئے بیالیس (42) ہوں گے، اور بیٹیوں کے لئے اٹھائیس کو چھتیس میں ضرب دینے سے ایک ہزار آٹھ (1008) اور ہر ایک کے لئے ایک سو بارہ (112) حصص ہوں گے۔ ”سکب الانہر“۔

37505۔ (قوله: وَتَصَحُّحُ الْأُولَى مِنْ ثَمَانِيَةٍ وَأَرْبَعِينَ) اور پہلا مسئلہ اڑتا چالیس سے صحیح ہو جاتا ہے، ہم نے اس سے اس کی صحیح پوری تفصیل کے ساتھ پہلے بیان کر دی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب توریث ذوی الارحام

(هُوَ كُلُّ قَرِيبٍ لَيْسَ بِذِي سَهْمٍ وَلَا عَصْبَةٍ) فَهُوَ قَسْمٌ ثَالِثٌ حِينَئِذٍ (وَلَا يَرِثُ مَعَ ذِي سَهْمٍ وَلَا عَصْبَةٍ سِوَى الزَّوْجَيْنِ) لِعَدَمِ الرَّدِّ عَلَيْهِمَا (فَيَأْخُذُ الْمُنْفَرِدُ جَمِيعَ الْمَالِ) بِالنِّسْبَةِ (وَيَحْجُبُ أَقْرَبُهُمُ الْأَبْعَدُ)

ذوی رحم محرم کی وراثت کے احکام

ذو رحم سے مراد ہر وہ قریبی ہے جو صاحب فرض (مقررہ حصہ والا) اور عصبہ نہ ہو۔ پس یہ ورثا کی تیسری قسم ہے۔ اور ذو رحم صاحب فرض اور عصبہ کے ساتھ وارث نہیں ہوتا سوائے زوجین کے، کیونکہ زوجین پر رد نہیں ہو سکتا۔ پس ذو رحم منفرد ہو تو وہ قرابت کے سبب تمام مال لے گا۔ اور ان میں سے اقرب البعد کے لئے حاجب ہوتا ہے

ذو رحم کا لغوی معنی اور اصطلاحی تعریف

37506۔ (قوله: هُوَ كُلُّ قَرِيبٍ لَيْسَ بِذِي سَهْمٍ وَلَا عَصْبَةٍ) یعنی اصطلاحاً ذو رحم سے مراد ہر وہ قرابت دار ہے جس کے لئے میراث میں نہ تو مقررہ حصہ (فرض) ہو اور نہ ہی وہ عصبہ ہو۔ رہا لغوی معنی، تو اس سے مراد مطلق قرابت دار ہے۔ ”سید“۔ یعنی برابر ہے وہ صاحب فرض ہو یا عصبہ ہو یا ان دونوں کے سوا ہو، یا برابر ہے میت اس کی طرف منسوب ہو یا وہ میت کی طرف یا اس کے اصول کی طرف منسوب ہو۔

37507۔ (قوله: فَيَأْخُذُ الْمُنْفَرِدُ) یعنی ان میں سے ایک کسی بھی نوع سے ہو تو وہ سارا مال لے گا، یا زوجین میں سے کسی ایک کا حصہ نکالنے کے بعد جو مال ہو گا وہ لے گا۔

37508۔ (قوله: بِالنِّسْبَةِ) اس کے ساتھ اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ہمارے نزدیک ذوی الارحام کی توریث قرابت کے اعتبار سے ہے جیسا کہ عصبہ قرابت کے سبب بنایا جاتا ہے۔ پس جو قرابت کے اعتبار سے اقویٰ ہو اسے مقدم کیا جاتا ہے چاہے وہ قرب درجہ کے سبب ہو یا قوت سبب کے ساتھ ہو۔ اور منفرد کل مال لے گا۔ اسی لئے ہمارے علماء نے اہل قرابت نام رکھا ہے۔ اور ایک جماعت معلق کو استحقاق میں معلق بہ کے درجہ میں اتارنے کی طرف گئی ہے اور وہ اہل استنزاع کا نام دیتے ہیں۔ اور ایک قوم نے بغیر تنزیل کے قریب و بعید کے درمیان مساوات اور برابری کو اختیار کیا ہے اور انہیں اہل الرحم کہتے ہیں۔ ثمرہ اختلاف کے ساتھ اس کی تفصیل ”شرح السید“ میں ہے۔

ذوی الارحام میں سے زیادہ قریبی، بعیدی کے لیے حاجب ہوتا ہے

37509۔ (قوله: وَيَحْجُبُ أَقْرَبُهُمُ الْأَبْعَدُ) اور ان میں سے زیادہ قریبی بعیدی کے لئے حاجب ہوتا ہے، چاہے وہ ان کی مختلف انواع جمع ہونے کے وقت تک نوع ہو یا ایک نوع کے کئی افراد جمع ہونے کے وقت ایک فرد ہو۔ اسے ”قاسم“

كَتَرْتِيبِ الْعَصَبَاتِ فَهُمْ أَرْبَعَةُ أَصْنَافٍ جُزْءُ الْمَيِّتِ، ثُمَّ أَضْلُهُ ثُمَّ جُزْءُ أَبِيهِ ثُمَّ جُزْءُ جَدِّهِ أَوْ جَدَّتَيْهِ (و) حِينَئِذٍ (يُقَدَّمُ) جُزْءُ الْمَيِّتِ

جیسا کہ عصبات کی ترتیب ہے۔ اور ذوالارحام کی چار انواع ہیں میت کا جز، پھر اس کی اصل، پھر اس کے والدین کا جز، پھر اس کے اجداد (دادا، نانا) یا جدات (دادی، نانی) کا جز۔ اور اس وقت میت کے جز کو مقدم کیا جائے گا۔

نے بیان کیا ہے۔ پس پہلے میں اشارہ جہت کے ساتھ ترجیح کی طرف ہے، اور دوسرے میں قرب درجہ اور قوت کے سبب ترجیح کی طرف ہے۔ اور اگر ”مصنف“ اسے اپنے قول: ”وَيُقَدَّمُ أَوْلَادُ الْبَنَاتِ الْخ“ سے موخر ذکر کرتے تو وہ تین جہتوں کے ساتھ ترجیح کی ترتیب کے مطابق ہو جاتا جیسا کہ عصبات میں گزر چکا ہے۔ اور وہ جہت کے ساتھ ترجیح کا اعتبار ہے، پھر قرب کے ساتھ اور پھر قوت کے ساتھ، اور اس تیسری کی طرف اپنے قول: ”قَدَمُ وَلَدِ الْوَارِثِ“ کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔

ذوی الارحام کی انواع اور ترتیب

37510۔ (قوله: كَتَرْتِيبِ الْعَصَبَاتِ) جیسا کہ عصبات کی ترتیب ہے۔ پس دوسری نوع سے کوئی وارث نہ ہوگا اگرچہ وہ قریب ہو۔ درآنحالیکہ وہاں پہلی صنف میں سے کوئی ایک ہو اگرچہ وہ بعید ہو، اور اسی طرح دوسری کے ساتھ تیسری نوع میں سے اور تیسری کے ساتھ چوتھی میں سے کوئی وارث نہیں ہو سکتا۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ ”در منتهی“۔

37511۔ (قوله: ثُمَّ أَضْلُهُ) پھر اس کی اصل، یہی ظاہر روایت ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور ”امام صاحب“ رحمہ اللہ سے ایک روایت اسے صنف اول پر مقدم کرنے کی ہے، لیکن اس سے آپ کا رجوع کر لینا صحیح ہے۔ ”قاسم“۔ اور ”الاختیار“ میں اسی روایت کو ذکر کیا ہے جس سے رجوع کر لیا گیا ہے۔ اسی لئے ”الدر المنقہ“ میں کہا ہے: پس جسے ”الاختیار“ میں مقدم کیا ہے وہ مختار نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: اس بنا پر کہ وہ اس کے بعد اس کے خلاف پر چلے ہیں۔

37512۔ (قوله: يُقَدَّمُ جُزْءُ الْمَيِّتِ الْخ) میت کے جز کو مقدم کیا جائے گا، یہی صنف اول ہے۔ تمام کلام اسی نوع کے بارے میں ہے کہ وہ یا تو درجہ میں متفاوت ہوں گے یا نہیں۔ سو اگر وہ متفاوت ہوں تو ان میں سے زیادہ قریبی کو مقدم کیا جائے گا اگرچہ وہ مؤنث ہو جیسے بیٹی کی بیٹی (نواسی) اور نواسی کا بیٹا، اور اگر وہ متفاوت نہ ہوں تو پھر ان میں سے بعض وارث کی اولاد ہوں گے اور بعض نہیں، یا تمام وارث کی اولاد ہوں گے یا تمام غیر وارث کی اولاد ہوں گے۔ پس پہلی صورت میں بالاتفاق وارث کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا جیسا کہ پوتی کی بیٹی کو نواسی کے بیٹے پر مقدم کیا جائے گا۔ اور آخری دونوں صورتوں میں یا تو مذکر یا مؤنث ہونے میں اصول کی صفت متفق ہوگی یا مختلف ہوگی۔ سو اگر صفت متفق ہو تو بالاتفاق فروع کے ابدان پر تقسیم مساوات اور برابری کے ساتھ ہوگی اگر وہ صرف مذکر ہوں یا صرف مؤنث ہوں جیسا کہ پوتی کا بیٹا اپنی مثل کے ساتھ یعنی دوسرے بیٹے کی بیٹی کے بیٹے کے ساتھ اور جیسا کہ نواسی کی بیٹی اپنی مثل کے ساتھ۔ اور ایک مذکر کے لئے دو مؤنث کے برابر

وَهُمْ (أَوْلَادُ الْبَنَاتِ وَأَوْلَادُ بَنَاتِ الْإِبْنِ) وَإِنْ سَقَلُوا بِهَذِهِ الصُّورَةِ

بِنْتُ	بِنْتُ	بِنْتُ
بِنْتُ	بِنْتُ	ابْنِ
بِنْتُ	ابْنِ	بِنْتُ
ابْنِی	بِنْتُ	بِنْتِی
6	6	16

بِهَذِهِ الصُّورَةِ

بِنْتُ	بِنْتُ	بِنْتُ
بِنْتُ	ابْنِ	بِنْتُ
بِنْتِی		ابْنِ
22		6

اور وہ بیٹیوں کی اولاد اور پوتیوں کی اولاد ہے اگرچہ وہ نیچے تک ہو۔ جیسا کہ مذکورہ صورتوں سے ظاہر ہے۔

حصہ ہوگا اگر وہ مخلوط ہوں جیسا کہ نواسہ اور نواسی ہو اور اگر اصول کی صفت بطن (خاندان) یا اکثر میں مختلف ہو۔ تو پھر یا تو فروع ایک ایک ہوں گی اس طرح کہ ہر اصل کی ایک فرع ہوگی یا وہ متعدد ہوں گی اور ہر صورت پر یا تو فروع میں کوئی دو جہتوں والا ہو گا یا نہیں ہوگا۔ پھر اگر وہ ایک ایک ہو اور ان میں کوئی بھی دو جہتوں والا نہ ہو جیسا کہ نواسے کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا تو امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بھی فروع کے ابدان پر مال کو تقسیم کیا ہے۔ پس اس کا ایک ثلث مؤنث کے لئے اور دو ثلث مذکر کے لئے ہوں گے۔ اور امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ بطن پر تقسیم کرتے ہیں جو مختلف ہے اور وہ یہاں دوسرا بطن ہے۔ اور ہر اصل کے حصہ میں جو آئے وہ اس کی فرع کو دیتے ہیں اگر اس کے بعد اختلاف واقع نہ ہو جیسا کہ مذکورہ مثال میں ہے۔ تو اس وقت مؤنث کے لئے مال کے دو ثلث ہوں گے جو اس کے باپ کا حصہ ہے اور مذکر کے لئے ایک ثلث ہوگا جو اس کی ماں کا حصہ ہے۔ پس یہ اس کے برعکس ہے جو امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ نے تقسیم کیا ہے۔ لیکن جب اس کے بعد دوسرے بطن میں یا اکثر میں مذکر اور مؤنث ہونے کے اعتبار سے اختلاف واقع ہو جائے تو امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے اس اعلیٰ بطن پر جس میں اختلاف ہے تقسیم کرنے کے بعد مردوں کا ایک گروہ بنا دیا ہے اور عورتوں کا ایک گروہ بنا دیا ہے۔ اور ہر گروہ کا حصہ اس اعلیٰ بطن پر تقسیم کیا ہے جن سے اختلاف کیا گیا ہے۔ اسی طرح ہے جیسا کہ عنقریب ظاہر ہوگا۔ اور اگر مختلف اصول کی فروع ان میں سے کل یا بعض متعدد ہوں اور ان میں دو جہتوں والا بھی کوئی نہ ہو جیسا کہ نواسی کے دو بیٹے، اور نواسی کے بیٹے کی بیٹی، اور نواسے کی بیٹی کی دو بیٹیاں تو امام

”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ فروع کے ابدان پر تقسیم میں اپنے اصل پر چلے ہیں۔ پس وہ ان پر مال سات حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اور امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ اصل کو اپنی صفت کے ساتھ موصوف بناتے ہیں جو کہ فروع کے عدد کے ساتھ متعدد ہے، اور اسے خلاف کے اعلیٰ پر تقسیم کرتے ہیں یعنی بطن ثانی میں سات حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ کیونکہ دوسرے بطن میں پہلی بیٹی اپنی فرع کے متعدد ہونے کی وجہ سے دو بیٹیوں کی مثل ہے۔ کیونکہ اس کی آخری فرع دو بیٹے ہیں۔ اور اس میں دوسری بیٹی اپنے حال پر ہے۔ کیونکہ اس کی فرع میں تعدد نہیں ہے۔ اور اس میں بیٹا اپنی آخری فرع متعدد ہونے کی وجہ سے دو بیٹیوں کی مثل ہے، پس وہ چار بیٹیوں کی مثل ہو گیا۔ سو اس کے لئے سات میں سے چار حصے ہوں گے اور دو بیٹیوں کے لئے سات میں سے تین ہوں گے، پھر ہم نے مذکروں کا ایک گروہ اور مونثوں کا دوسرا گروہ بنادیا، اور ہم نے بیٹے کے سات میں سے چار حصے اس کی بیٹی کے دو بیٹیوں کو دے دیئے اور دو بیٹیوں کے سات میں سے تین حصے ان کی اولاد کو دے دیئے۔ اور وہ دونوں بیٹی اور بیٹا تیسرے بطن میں ان دونوں کے درمیان برابر ہیں۔ کیونکہ بیٹی اپنی فرع کے تعدد کی وجہ سے دو بیٹیوں کی مثل ہے۔ تحقیق وہ بیٹے کے مساوی ہے اور اس کے ساتھ چار ذاتوں (افراد) کی مثل ہو گئی۔ اور چار پر تین کی تقسیم صحیح نہیں ہوتی اور متبائن ہوتی ہے۔ پس تو چار ذاتوں کے عدد کو اصل مسئلہ سات میں ضرب دے تو حاصل ضرب اٹھائیس ہوگا، اور نو اسے کی بیٹی کی دو بیٹیوں کے لئے چار حصے تھے۔ پس تو انہیں مذکورہ چار میں ضرب دے گا تو وہ سولہ بن جائیں گے اور یہی ان دونوں کے لئے ہوں گے۔

اور بطن ثانی میں دو بیٹیوں کے لئے جو تین تھے انہیں بھی مذکورہ چار میں ضرب دے گا تو وہ بارہ بن جائیں گے تو انہیں بطن ثالث میں بیٹی اور بیٹے دونوں کے درمیان برابر برابر تقسیم کرے گا اسی وجہ سے جو پہلے گزر چکی ہے۔ پس بیٹی کے لئے چھ ہوں گے جو اس کے دو بیٹیوں کو دے دے گا، اور بیٹے کے لئے چھ ہوں گے جو اس کی بیٹی کو دے دے گا، اور اگر فروع میں کوئی دو جہتوں والا ہو جیسا کہ نو اسی کی دو بیٹیاں وہی دونوں نو اسے کی دو بیٹیاں ہوں اور ان دونوں کے ساتھ ایک دوسری نو اسی کا بیٹا ہو تو امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ نے فروع کے ابدان میں جہات کا اعتبار کیا ہے۔ پس انہوں نے دو بیٹیوں کو چار بیٹیوں کی مثل قرار دیا ہے کہ دو بیٹیاں ماں کی جہت سے ہیں اور دو بیٹیاں باپ کی جہت سے ہیں، تو ان دونوں کے لئے دو ثلث ہوں گے اور بیٹے کے لئے ایک ثلث ہوگا۔ اور امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ نے اعلیٰ الخلاف میں جہتوں کا اعتبار کیا ہے اس کے ساتھ ساتھ آپ نے فروع سے بھی عدد کو لیا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور وہ اسے بطن ثانی پر تقسیم کرتے ہیں، اور اس میں ایک بیٹا دو بیٹیوں کی مثل ہے اور دو بیٹیاں ان میں سے ایک دو بیٹیوں کی مثل ہے۔ پس مجموعہ سات بیٹیوں کی مثل ہو گیا۔ پس مسئلہ ان کی ذاتوں کے عدد سے چلے گا، تو بیٹے کے لئے چار حصے ہوں گے۔ کیونکہ وہ اپنی فرع متعدد ہونے کے سبب دو بیٹیوں کی مثل ہے، پس وہ چار بیٹیوں کی مثل ہو جائے گا، اور اس کی ایک بیٹی کے لئے جس کی فرع میں تعدد ہے دو حصے ہوں گے اور دوسری کے لئے ایک حصہ ہوگا۔ پس جب ہم نے اس بطن میں مذکروں کو ایک گروہ اور مونثوں کو دوسرا گروہ قرار دیا اور ہم نے بیٹے کا حصہ ان دو بیٹیوں کو دیا جو تیسرے بطن میں ہیں تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو دو حصے ملیں گے۔ اور جب ہم نے مونثوں کے گروہ کا حصہ ان کو دیا جو

ثُمَّ أَصْلُهُ وَهُمْ (الْجَدُّ الْفَاسِدُ وَالْجَدَّاتُ الْفَاسِدَاتُ) وَإِنْ عَلُوا

پھر اس (میت) کی اصل کو مقدم کیا جائے گا اور وہ جد فاسد اور جدات فاسدہ ہیں اگرچہ وہ اوپر ہوں،

تیسرے بطن میں ان کے بالمقابل اور سامنے ہیں تو وہ ان پر تقسیم نہیں ہو سکا۔ کیونکہ ان کا حصہ سات میں سے تین ہے، اور جو ان کے مقابل ہیں وہ ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں، اور ان کا مجموعہ چار بیٹیوں کی مثل ہے، اور تین اور چار کے درمیان تباہی ہے۔ پس ہم نے اس چار کو جو ذاتوں کی تعداد ہے اسے اصل مسئلہ میں ضرب دی اور وہ سات ہے تو حاصل ضرب اٹھ نکس آیا۔ اور اس سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔ کیونکہ دوسرے بطن میں نو اسے کے لئے چار ہیں۔ پس جب ہم نے اسے اس مضروب میں ضرب دی جو وہ بھی چار ہے تو وہ سولہ ہو گئے، تو ہم نے اس کی دو بیٹیوں میں سے ہر ایک کو آٹھ حصے دے دیئے۔ اور دوسرے بطن میں دو بیٹیوں کے لئے تین حصے تھے تو جب ہم نے انہیں اسی مضروب میں ضرب دی تو بارہ حصے حاصل ہوئے تو ہم نے نو اسی کے بیٹے کو چھ دے دیئے اور چھ نو اسی کی دو بیٹیوں کو دے دیئے، پس دونوں میں سے ہر ایک کے لئے تین ہوئے اور آخری بطن میں ہر بیٹی کا حصہ گیارہ ہو گیا، آٹھ حصے اس کے باپ کی جہت سے اور تین اسے اپنی ماں کی جہت سے ملے۔ مفتی بہ قول امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب سے حاصل ہوتا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ اس لئے کہ وہ اصول کا ان کی صفات کے ساتھ اعتبار کرتے ہیں اور ان میں فروع کا عدد اور ان کی جہت بھی شامل کرتے ہیں۔ یہ اس کا خلاصہ ہے جو ”شروح السراجیہ“ وغیرہ میں ہے۔

37513۔ (قوله: ثُمَّ أَصْلُهُ وَهُمْ الْجَدُّ الْفَاسِدُ الْخ) پھر اس کی اصل اور وہ جد فاسد ہے الخ، اس میں جد سے مراد

جنس ہے اور یہ متعدد کو شامل ہے۔ اور یہ نصف ثانی کا آغاز ہے اور اس میں مختصر قول یہ ہے کہ یا تو ان کے درجات متفاوت ہوں گے یا نہیں ہوں گے۔ پس اگر وہ متفاوت ہوں جیسا کہ نانا کی ماں اور نانی کا دادا تو ان میں اقرب کو مقدم کیا جائے گا چاہے وہ باپ کی جہت سے ہو یا ماں کی جہت سے اگرچہ مؤنت ہو جو غیر وارث کے ساتھ معلق ہو اور ابعد ایسا مذکر ہو جو وارث کے ساتھ معلق ہو۔ اور اگر ان کے درجات مساوی ہوں تو پھر یا تو ان میں سے بعض وارث کے ساتھ معلق ہوں گے یا تمام یا نہیں ہوں گے۔ تو کسی کو مقدم نہیں کیا جائے گا۔ پس پہلی صورت میں کہا گیا ہے کہ وارث کے ساتھ معلق کو مقدم کیا جائے گا جیسا کہ پہلی صنف میں ہے۔ پس نانی کا باپ نانے کے باپ سے اولیٰ ہے اس لیے کہ پہلا جدہ صحیحہ کے ساتھ معلق ہے اور دوسرا جد فاسد (نانا) کے ساتھ معلق ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دونوں برابر ہیں۔ اور یہی اصح ہے جیسا کہ ”الخیار“ اور ”سکب الانہر“ وغیرہ میں ہے۔ اور ”روح الشروح“ میں ہے: روایات اس پر شاہد ہیں اور آخری دونوں قسموں میں جیسا کہ دادی کا باپ اور نانی کا باپ، اور جب کہ نانا کا باپ اور نانا کی ماں؛ پھر یا تو ان کی قرابت مختلف ہوگی یعنی ان میں سے بعض باپ کی جانب سے ہوں گے اور بعض ماں کی جانب سے ہوں گے جیسا کہ پہلی مثال میں ہے، یا ان کی قرابت متحد ہوگی جیسا کہ دوسری مثال میں ہے۔ پس اگر ان کی قرابت مختلف ہو تو دو ثلث باپ کی قرابت کے ہوں گے اور ایک ثلث ماں کی قرابت کا ہوگا۔ گویا وہ آدمی باپ اور ماں کو چھوڑ کر فوت ہوا، پھر جو باپ کی قرابت کا حصہ ہوگا وہ ان کے درمیان اول بطن پر تقسیم کیا

(ثُمَّ جُزْءُ أَبَوَيْهِ وَهُمْ (أَوْلَادُ الْأَخَوَاتِ) لِأَبَوَيْنِ أَوْ لَأَبٍ وَأَوْلَادُ الْإِخْوَةِ وَالْأَخَوَاتِ لِأُمِّ وَبَنَاتِ الْإِخْوَةِ لِأَبَوَيْنِ أَوْ لَأَبٍ وَإِنْ نَزَلُوا يُقَدَّمُ الْجَدُّ عَلَيْهِمْ خِلَافًا لِهَذَا بِهَذِهِ الصُّورَةُ

أَخْلَابُ	أُخْتُ لَأَبٍ	أُخْتُ لِأَبَوَيْنِ	أُخْتُ لِأُمِّ
بِنْتُ	ابْنِ	بِنْتُ	ابْنِ
ابْنُ	بِنْتِي		بِنْتِ
2	18		4

پھر اس کے والدین کے جز کو، اور وہ سگی بہنوں کی اولاد ہے یا علاقائی بہنوں کی اولاد اور انخیانی بھائیوں اور بہنوں کی اولاد ہے، اور سگے یا علاقائی بھائیوں کی بیٹیاں ہیں اگرچہ وہ نازل اور سافل ہوں۔ اور ان پر نانا کو مقدم کیا جائے گا بخلاف صاحبین کے۔ اس کی صورت یہ ہے:

علاقائی بھائی	علاقائی بہن	سگی بہن	انخیانی بہن
بیٹی	بیٹا	بیٹی	بیٹا
بیٹا	دو بیٹیاں		بیٹی
2	18		4

جائے گا، اس میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ اور اسی طرح جو ماں کی قرابت کا حصہ ہے وہ تقسیم کیا جائے گا۔ اور اگر ان میں بطن مختلف نہ ہوں تو پھر ہر نوع کے بدنوں پر تقسیم ہوگی۔ اور اگر ان کی قرابت متحد اور مساوی ہو یعنی تمام ماں کی جانب سے ہوں یا تمام باپ کی جانب سے ہوں۔ تو پھر مذکر یا مؤنث ہونے میں جس صفت کے ساتھ وہ معلق ہیں وہ صفت متفق ہوگی یا مختلف ہوگی۔ پس اگر صفت متفق ہو تو ان کے ابدان کا اعتبار کیا جائے گا، اور تقسیم میں وہ برابر ہوں گے اگر وہ تمام مذکر ہوئے یا مؤنث ہوئے، ورنہ مذکر کے لیے دو مؤنث کے برابر حصہ ہوگا۔ اور اگر صفت مختلف ہو تو تقسیم پہلے بطن پر ہوگی جس میں اختلاف ہے اور مذکر کا حصہ مؤنث سے دو گنا ہوگا۔ پھر مذکروں کا ایک گروہ اور مؤنثوں کا دوسرا گروہ بنایا جائے گا اس پر قیاس کرتے ہوئے جو پہلی نوع میں بالاتفاق ثابت ہو چکا ہے۔ اور امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ نے یہاں اختلاف بطون کا اعتبار کیا ہے اگرچہ انہوں نے پہلی نوع میں اس کا اعتبار نہیں کیا، اور اس کا فرق مطولات میں ہے۔

37514۔ (قوله: ثُمَّ جُزْءُ أَبَوَيْهِ وَهُمْ أَوْلَادُ الْأَخَوَاتِ الخ) پھر اس کے والدین کا جز اور وہ بہنوں کی اولاد ہے الخ،

اس میں اولاد کا لفظ مذکر و مؤنث سبھی کو شامل ہے۔ اور یہاں سے تیسری نوع کے بیان میں شروع ہو رہے ہیں۔ اور اس میں پوری بحث اسی طرح ہے جیسے صنف اول میں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ یا تو درجہ میں متفاوت ہوں گے یا نہیں، پس اگر وہ متفاوت ہوئے تو اقرب کو مقدم کیا جائے گا اگرچہ وہ مؤنث ہو جیسا کہ بھانجی اور بھتیجی کا بیٹا جب ورثاء میں ہوں۔ اور اگر

متفاوت نہ ہوں تو پھر یا تو ان میں سے بعض وارث کی اولاد ہوں گے یا تمام یا اولاد نہیں ہوں گے تو مقدم نہیں کیا جائے گا۔ اور یہاں وارث سے مراد وہ ہے جو عصبہ کو شامل ہوتا ہے۔ پس پہلی صورت میں وارث کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا جیسا کہ بھتیجے کی بیٹی اور بھانجی کا بیٹا دونوں سگے ہوں یا علاقائی ہوں دونوں مختلف ہوں۔ اور آخری دونوں صورتوں میں یعنی جب کہ وہ تمام وارث کی اولاد ہوں جو عصبہ ہے جیسا کہ سگے یا علاقائی بھائی کے دو بیٹوں کی دو بیٹیاں یا وہ صاحب فرض ہوں (ذوی الفروض میں سے ہوں) جیسا کہ متفرق بہنوں کی بیٹیاں یا وارث اولاد، دونوں میں سے ایک عصبہ ہو، اور دوسرا ذوفرض ہو جیسا کہ سگے یا علاقائی بھائی کی بیٹی، اور اخیانی بھائی کی بیٹی۔ اور وہ جب کہ ان میں وارث کی اولاد نہ ہو جیسا کہ اخیانی بھائی کے بیٹے کی بیٹی اور اخیانی بہن کا بیٹا۔ ان تمام صورتوں میں امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک اقویٰ کا اعتبار کیا جائے گا پھر اسے ابدان پر لہذا کر مثل حظ الاثمین کے طریقہ پر تقسیم کیا جائے گا۔ پس وہ جس کی اصل سگا بھائی ہو وہ اس سے اولیٰ ہوگا جس کی اصل علاقائی یا اخیانی بھائی ہو۔ اور جس کی اصل علاقائی بھائی ہو وہ اس سے اولیٰ ہوگا جس کی اصل اخیانی ہو۔ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک اور یہی امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ سے ظاہر ہے کہ مال اصول پر تقسیم کیا جائے گا۔ یعنی بھائیوں اور بہنوں میں فروع کی تعداد کا اعتبار کرتے ہوئے اور اصل میں جہات کا اعتبار کرتے ہوئے۔ پس جو مال ہر فریق کو ملے گا وہ ان کی فروع کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا جیسا کہ صنف اول میں کیا ہے۔ پس اگر اس نے علاقائی بھائی کا نواسہ اور علاقائی بہن کی دو پوتیاں چھوڑیں وہ دونوں سگی بہن کی دو نواسیاں بھی ہیں اور اس نے اخیانی بہن کی پوتی بھی چھوڑی۔ تو امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک قوت قرابت کی وجہ سے سارا مال سگی بہن کی دونو اسیوں کے لئے ہوگا۔ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک اصول پر تقسیم کیا جائے گا جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔ پس اس کی اصل چھ سے ہوگی اس میں سے چھٹا حصہ (ایک سدس) اخیانی بہن کے لئے اور اس کے دوثلث (دو تہائی) یعنی چار سگی بہن کے لئے، کیونکہ وہ اپنی فرع کے متعدد ہونے کی وجہ سے دو بہنوں کی مثل ہے اور باقی ایک علاقائی بھائی اور بہن کے لئے عصبہ ہونے کے طریقہ پر مذکر کے لئے مؤنث کا دو گنا ہوگا۔ پھر یہ علاقائی بہن اپنی فرع کے تعدد کی وجہ سے دو بہنوں کی مثل ہے۔ پس یہ اپنے علاقائی بھائی کے ساتھ مل کر چار ذاتوں کی مثل ہے۔ اور ایک کی چار پر تقسیم صحیح نہیں ہوتی اور اس میں تباہی ہے۔ پس چار کو اصل مسئلہ چھ میں ضرب دی جائے گی اور وہ چوبیس ہو جائیں گے، اور اس سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔ پھر وہ جس کے لئے اصل مسئلہ سے کوئی شے ہے وہ اسے چار میں ضرب دے کر لے گا۔ لہذا اخیانی بہن کے لئے ایک ہے اسے چار میں ضرب دینے سے حاصل ضرب چار آئے گا سو وہ اس کی پوتی کو دے دیئے جائیں گے، اور سگی بہن کے لئے چار ہیں اسے چار میں ضرب دینے سے سولہ آئے گا وہ اس کی دونو اسیوں کو دے دیئے جائیں گے، اور علاقائی بھائی اور بہن کے لئے ایک ہے اسے چار میں ضرب دینے سے چار حاصل ضرب ہوگا۔ پس وہ بھائی کے نواسے اور بہن کی دو پوتیوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہو جائے گا۔ پس مجموعی طور پر دو جہتوں سے دو بیٹیوں کا حصہ اٹھارہ ہو جائے گا۔ اسے یاد رکھ لو اور تو جان! کہ ”السید شریف“ قدس سرہ نے بعض شارحین سے اس مثال کو ذکر کیا ہے اور اسے برقرار اور ثابت رکھا ہے، اور اس تقسیم پر اس کا مقتضی

(ثُمَّ جُزْءُ جَدِّیْهِ أَوْ جَدَّتِیْهِ وَهُمْ) الْأَخْوَالُ وَالْخَالَاتُ وَالْأَعْمَامُ لِأُمِّهِ وَالْعَمَّاتُ وَبَنَاتُ الْأَعْمَامِ وَأَوْلَادُ هَؤُلَاءِ

پھر اس کے دادا، نانا یا دادی، نانی کے جز کو مقدم کیا جائے گا اور وہ ماموں، خالائیں، اخیانی چچے، پھوپھیاں، چچوں کی بیٹیاں اور ان کی اولاد ہے۔

یہ ہے کہ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس نصف میں اختلاف بطون کا اعتبار نہیں کیا جاتا اور یہی ظاہر روایت ہے۔ ”السراجیہ“ نے کہا ہے: بلاشبہ ان کا حکم صنف اول میں حکم کی مثل ہے۔ اور اسی طرح ان کا یہ قول ہے کہ جو ہر فریق ملے اسے ان کی فروع کے درمیان تقسیم کیا جائے گا جیسا کہ پہلی قسم میں کیا ہے کہ امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسے بطن اول میں تقسیم کیا جائے گا جس میں اختلاف ہے جیسا کہ صنف اول میں کیا ہے اور جیسا کہ صنف ثانی میں بھی کیا ہے اور جیسا کہ صنف رابع کی اولاد میں ہوگا۔ اور میں نے ایسا کوئی نہیں دیکھا جس نے اس سے تعرض کیا ہو۔ پس اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

37515۔ (قوله: ثُمَّ جُزْءُ جَدِّیْهِ أَوْ جَدَّتِیْهِ الْخ) یہاں جدین سے مراد باپ کا باپ یعنی دادا اور ماں کا باپ یعنی نانا ہے اور جدتین سے مراد باپ کی ماں یعنی دادی اور ماں کی ماں یعنی نانی ہے۔ یہاں سے ”مصنف“ چوتھی قسم میں شروع ہو رہے ہیں۔ اس میں ساری بحث یہ ہے کہ یہاں درجات کا تفاوت نہیں ہے مگر ان کی اولاد اور ان کے بعد آنے والوں میں ہے اور عنقریب ان پر کلام آئے گا۔ اور اس وقت یا تو ان کی قرابت کا محل ایک ہوگا یا نہیں، پس اگر وہ متحد ہوں اس طرح کہ وہ میت کے باپ کی جانب سے ہوں یا اس کی ماں کی جانب سے تو اقویٰ کو مقدم کیا جائے گا اگرچہ وہ مؤنث ہو، اس پر اجماع ہے۔ یعنی سگے کو علاقائی پر اور علاقائی کو اخیانی پر مقدم کیا جائے گا۔ اور اصول کے متفق ہونے کی وجہ سے مال بالاتفاق ابدان پر تقسیم کیا جائے گا اور مذکر کو مؤنث کا دو گنا دیا جائے گا جیسا کہ چچا اور پھوپھی جبکہ دونوں اخیانی ہوں یا ماموں اور خالہ دونوں سگے ہوں یا علاقائی ہوں یا اخیانی ہوں۔ اور اگر ان کی قرابت کا محل مختلف ہو اس طرح کہ ان میں سے بعض کی قرابت باپ کی جہت سے ہو اور بعض کی ماں کی جانب سے ہو تو باپ کی قرابت کے لئے دوثلث اور ماں کی قرابت کے لئے ایکثلث ہوگا، اور ایک جہت میں اقویٰ کو اس دوسرے پر مقدم نہیں کیا جائے گا جو دوسری جہت میں ہو۔ بلکہ ہر جہت کے اقویٰ کو غیر پر مقدم کیا جائے گا۔ پس سگی پھوپھی کو اخیانی خالہ پر مقدم نہیں کیا جائے گا، بلکہ اسے علاقائی یا اخیانی پھوپھی پر مقدم کیا جائے گا۔ اور سگے ماموں کو اخیانی پھوپھی پر مقدم نہیں کیا جائے گا، بلکہ اسے علاقائی یا اخیانی ماموں پر مقدم کیا جائے گا۔ اور ہر جہت کے حصہ کو ان کے بدنوں پر تقسیم کیا جائے گا اور مذکر کو مؤنث کا دو گنا دیا جائے گا۔ پس اگر کوئی دس پھوپھیاں، ایک ماموں اور ایک خالہ چھوڑ کر فوت ہو جائے تو مال کا دو تہائی دو پھوپھیوں پر برابر برابر تقسیم ہو جائے گا اور ایک تہائی ماموں اور خالہ میں تین حصوں میں تقسیم ہوگا (یعنی دو حصے ماموں کو اور ایک حصہ خالہ کو دیا جائے گا۔)

37516۔ (قوله: وَبَنَاتُ الْأَعْمَامِ) اور چچوں کی بیٹیاں، یہاں اعمام کو مطلق ذکر کیا ہے۔ پس یہ سگے، علاقائی یا اخیانی

سبھی کو شامل ہے۔

37517۔ (قوله: وَأَوْلَادُ هَؤُلَاءِ) مراد اس چوتھی قسم کی اولاد ہے جب اس کے اصول نہ ہوں۔ اور انہیں ذکر کے

ساتھ خاص کیا ہے اس لئے کہ چچے، پھوپھیاں، ماموں اور خالائیں ان کی اولاد کو شامل نہیں ہیں بخلاف بیٹیوں اور بہنوں کی اولاد کے، اور اسی طرح جدات اور اجداد ہیں۔ کیونکہ یہ اسے شامل ہیں جو واسطہ اور بغیر واسطہ کے ہوتا ہے۔ پھر ان کا حکم اس حکم کی طرح ہے جو نوع اول میں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ یا تو درجہ میں متفاوت ہوں گے یا نہیں۔ پس اگر وہ درجہ میں متفاوت ہوں تو ان میں سے اقرب کو غیر پر مقدم کیا جائے گا اگرچہ وہ اس کی دوسری جہت سے ہو۔ پس پھوپھی کی اولاد پھوپھی یا خالہ کی اولاد سے اولیٰ ہوگی اور خالہ کی اولاد خالہ یا پھوپھی کی اولاد کی اولاد سے اولیٰ ہوگی۔ اور اگر وہ درجہ میں برابر ہوں تو پھر ان کی قرابت کا محل ایک ہوگا یا نہیں ہوگا۔ پس اگر ان کی قرابت کا محل ایک ہو اس طرح کہ تمام کی قرابت میت کے باپ کی جانب سے ہو یا اس کی ماں کی جانب سے ہو پھر یا تو وہ تمام عصبہ کی اولاد ہوں گے یا ذوالرحم کی اولاد ہوں گے یا ان میں سے بعض عصبہ کی اولاد ہوں گے۔ پس پہلی دونوں صورتوں میں جیسا کہ ان چچوں کی اولاد جو سگے یا علاقائی ہوں اور جیسا کہ پھوپھیوں کی اولاد ان میں بالا جماع قرابت کے اعتبار سے اقویٰ کو مقدم کیا جائے گا۔ پس اس میں سگے علاقائی سے اور علاقائی اخپائی سے اولیٰ ہوگا۔ کیونکہ سبب ایک ہونے کے وقت سبب کے اعتبار سے اقویٰ کو درجہ کے اعتبار سے اقرب کے معنی میں رکھا جاتا ہے۔ پس وہی اولیٰ ہوتا ہے۔ اور آخری صورت میں! اور وہ یہ ہے کہ جب ان میں سے بعض عصبہ کی اولاد ہو اور بعض ذوالرحم کی اولاد ہو تو عصبہ کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا جبکہ ذوالرحم کی اولاد قرابت کے اعتبار سے اقویٰ نہ ہو۔ پس سگے چچا کی بیٹی سگی پھوپھی کے بیٹے سے اولیٰ ہے بخلاف اس کے کہ جب چچا علاقائی ہو تو پھر سگی پھوپھی کا بیٹا اولیٰ ہوگا۔ کیونکہ کسی شخص کی ترجیح اس معنی کے ساتھ ہوتی ہے جو اس میں پایا جاتا ہے۔ اور وہ یہاں قرابت کی قوت ہے اور وہ اس معنی کے ساتھ ترجیح سے اولیٰ ہے جو دوسرے میں ہے اور وہ اصل کا عصبہ ہونا ہے۔ اور یہی ظاہر روایت ہے۔ اور بعض نے کہا ہے: علاقائی چچا کی بیٹی اولیٰ ہے۔ اور اسے ظاہر روایت پر ترجیح دی ہے۔ ”سید“ اور ”عماد الدین“ نے شمس الائمہ ”ابن کمال“ کی اتباع کرتے ہوئے اسے اختیار کیا ہے۔ لیکن ”سکب الانہر“ میں ہے کہ فتویٰ پہلے قول کے مطابق ہی دیا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اور ”المستقی“ کے مطلق قول سے یہی فوراً ذہن میں آتا ہے: اور فقہاء پہلے درجہ کے قریب کو پھر قرابت کی قوت کو پھر اتحاد کی جہت کے وقت اصل کے وارث ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور اگر ان کی قرابت کا محل مختلف ہو تو دو ثلث اس کے لئے ہوں گے جو باپ کی قرابت کے ساتھ معلق ہوتا ہے اور ایک ثلث اس کے لئے ہوگا جو ماں کی قرابت کے ساتھ معلق ہوتا ہے۔ پھر امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے نزدیک جو ہر فریق کو ملے گا اسے ان کی فروع کے ابدان پر فروع میں جہتوں کی تعداد کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے گا۔ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک بطن اول پر مال تقسیم کیا جائے گا جس کی فروع میں تعداد کے اعتبار سے اور اصول میں جہتوں کے اعتبار سے اختلاف ہو جیسا کہ پہلی قسم میں کیا ہے۔ اس کی مکمل بحث ”شرح السید“ میں ہے۔

پھر تو جان! کہ دو فریقوں کے درمیان قوت قرابت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ پس سگی پھوپھی کی اولاد کو ماموں یا خالہ کی اولاد پر ترجیح نہیں دی جائے گی۔ اور اسی طرح عصبہ کی اولاد کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ پس سگے چچا کی بیٹی کو ماموں یا خالہ کی بیٹی پر ترجیح

ثُمَّ عَمَّاتُ الْأَبَاءِ وَالْأُمَّهَاتِ وَأَخْوَالُهُمْ وَخَالَاتُهُمْ وَأَعْمَامُ الْأَبَاءِ لَأُمِّ وَأَعْمَامُ الْأُمَّهَاتِ كُلُّهُمْ

پھر باپوں اور ماؤں کی پھوپھیاں، ان کے ماموں، ان کی خالائیں، باپوں کے اخیانی چچے، اور ماؤں کے چچے سارے کے سارے (یعنی خواہ سگے ہوں یا علاتی ہوں یا اخیانی ہوں)

نہیں دی جائے گی۔ بلاشبہ اس کے خاص ہونے کے سبب ہر فریق میں اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ پس جو باپ کی قرابت کے ساتھ معلق ہیں انہی کے درمیان قوت قرابت کا پھر عصبہ کی اولاد ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور جو ماں کی قرابت کے ساتھ معلق ہیں ان کے درمیان قوت قرابت کا اعتبار کیا جائے گا، اور ماں کی قرابت میں عصبہ ہونے کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ ظاہر روایت ہے جیسا کہ ”السراجیہ“ اور ”صاحب ہدایہ“ کے ”الفرائض العثمانیہ“ میں ہے، اور یہی متون و شروح کے اطلاق کا ظاہر ہے جہاں انہوں نے کہا ہے: اور قرابت کی جہت مختلف ہونے کے وقت باپ کی قرابت کے لئے ماں کی قرابت کا دو گنا ہوگا۔ اور انہوں نے عصبہ کی اولاد اور دوسروں کے درمیان فرق نہیں کیا ہے۔ لیکن اس کے بعد ”معراج الدرایہ“ میں ”شمس الائمہ“ سے ذکر کیا ہے: ظاہر روایت یہ ہے کہ عصبہ کی اولاد اولیٰ ہے محل متحد ہو یا مختلف ہو۔ پس سگے چچا کی بیٹی ماموں کی بیٹی سے اولیٰ ہے۔ اور یہ کہ ”التمر تاشی“ نے ان کی موافقت کی ہے، پھر کہا ہے: اور ”السراج“ کی روشنی میں ”شمس الائمہ“ کی روایت کو لینا اولیٰ ہے۔

میں کہتا ہوں: اور ”الخلاصہ“ میں ہے: عصبہ کی اولاد اولیٰ ہے جہت متحد ہو یا مختلف ہو۔ یہ ظاہر روایت میں ہے۔ اور اسی طرح ”مجمع الفتاویٰ“ میں ہے اور اسے ”المضممرات“ میں صحیح قرار دیا ہے۔ اور اسی کے مطابق علامہ ”خیر الدین الرملی“ نے فتویٰ دیا ہے۔ لیکن ”الحامدیہ“ میں یہ کہتے ہوئے اس کی مخالفت کی ہے کہ معتبر وہی ہے جو متون میں ہے اس لئے کہ وہ مذہب کو نقل کرنے کے لئے لکھے گئے ہیں۔ فمائل۔ اور ”الفتاویٰ الخیریہ“ کی طرف رجوع کرو۔

37518۔ (قولہ: ثُمَّ عَمَّاتُ الْأَبَاءِ الخ) بعض نے انہیں چوتھی قسم کے تحت داخل کیا ہے اور وہ وہ ہے جو میت کے دادا کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ کیونکہ باپ کا دادا بھی دادا ہوتا ہے۔ اور بعض نے انہیں پانچویں قسم قرار دیا ہے اور یہی ”مصنف“ کی عبارت سے فوراً ذہن میں آتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب میت کی پھوپھیاں اور خالائیں اور ان کی اولاد نہ پائی جائے تو ان کا مذکورہ حکم ان کی طرف اور پھر ان کی اولاد کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ بھی نہ پائے جائیں تو حکم میت کے والدین کی پھوپھیوں کی طرف اور ان کی خالائوں کی طرف اور پھر ان کی اولاد کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ اور اسی طرح یہ سلسلہ لایٰ نہایت تک چل سکتا ہے۔ پس تو غافل نہ ہو۔ اور ”الحاوی القدسی“ وغیرہ میں ہے: جب دو قرابتیں باپ کی جانب سے اور دو قرابتیں ماں کی جانب سے جمع ہو جائیں جیسا کہ باپ کی پھوپھی اور اس کی خالہ، اور ماں کی پھوپھی اور اس کی خالہ، تو دو تہائی باپ کی قرابت والوں کے لئے اور ایک تہائی ماں کی قرابت والوں کے لئے ہوگا۔ پھر باپ کی دونوں قرابتوں کو جو ملے گا اسے تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا اس کے دو حصے اس کے باپ کی جانب سے قرابت کے لئے ہوں گے اور ایک حصہ اس کی ماں کی قرابت کے لئے ہوگا۔ اور جو ماں

وَأَوْلَادُهُ هَؤُلَاءِ ، وَإِنْ بَعُدُوا بِالْعُلُوِّ أَوْ السُّفُولِ وَيُقَدَّمُ الْأَقْرَبُ فِي كُلِّ صِنْفٍ (وَإِذَا اسْتَوَوْا فِي دَرَجَةٍ) وَاتَّخَذَتْ الْجِهَةُ (قُدَّمَ وَلَدُ الْوَارِثِ) فَلَوْ اخْتَلَفَ

اور ان کی اولاد ہے اگرچہ وہ بعید ہوں اوپر کی جانب یا نیچے کی جانب اور ہر نوع میں اقرب کو مقدم کیا جائے گا۔ اور جب وہ درجہ میں برابر ہوں اور جہت متحد ہو تو وارث کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا۔ اور اگر اختلاف ہو

کی دونوں قرابتوں کو ملے گا وہ بھی اسی طرح تقسیم کیا جائے گا۔

37519۔ (قوله: كُلُّهُمْ) یہ لفظ رفع کے ساتھ اعمام الامہات کی تاکید ہے۔ مراد یہ ہے کہ ان کے سگے چچے ہوں یا

علاتی یا اخیانی ہوں۔

37520۔ (قوله: وَإِنْ بَعُدُوا) اگرچہ وہ بعید ہوں، یہ ”مصنف“ کے قول: ثم مات الأباء والامہات الخ کی طرف

راجع ہے لیکن یہ تقسیم کے اصول پر ہے۔ کیونکہ ”شارح“ کا قول بالعلوان میں سے اصول کی طرف راجع ہے، اور ان کا قول أو السفول ان کی اولاد کی طرف راجع ہے، پس اس میں لف و نشر مرتب ہے۔ فافہم۔

37521۔ (قوله: وَيُقَدَّمُ الْأَقْرَبُ فِي كُلِّ صِنْفٍ) اور ہر قسم میں اقرب کو مقدم کیا جائے گا، جب ہم نے پانچ

قسموں کا اعتبار کیا ہے جیسا کہ بعض نے یہی کہا ہے تو یہ چوتھی قسم میں ظاہر نہیں ہوتا، کیونکہ ان میں اقرب کوئی نہیں ہے، لیکن ان کے اعتبار میں ”شارح“ نے جو موقف اختیار کیا ہے تو وہ چار اقسام ہیں اور وہ ظاہر ہے۔ فافہم۔

37522۔ (قوله: وَاتَّخَذَتْ الْجِهَةُ) یعنی قرابت کی جہت متحد ہو اس طرح کہ وہ باپ کی جہت سے ہوں یا ماں کی

جہت سے ہوں، اور یہ بلاشبہ نوع اول کے سوا دیگر انواع میں ثابت ہوتی ہے۔ فافہم۔

37523۔ (قوله: قُدَّمَ وَلَدُ الْوَارِثِ) وارث کی اولاد کو مقدم کیا جائے، تحقیق آپ جانتے ہیں کہ جہت کا متحد ہونا

پہلی قسم میں متحقق نہیں ہوتا۔ پس اس میں اس اتحاد کی شرط کے بغیر وارث کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ

شرط اس میں ہے جس میں اس کا پایا جانا ممکن ہوگا۔ اور اسی طرح وارث کی اولاد کی تقدیم اس میں ہوگی جس میں وہ متحقق ہوگی

اور وہ پہلی اور تیسری قسم ہے۔ اور اسی طرح چوتھی قسم کی اولاد ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ رہی دوسری قسم تو ان میں

وارث کی اولاد متحقق نہیں ہوتی۔ کیونکہ وارث ان کی فرع ہے۔ بلاشبہ ان میں وارث کے ساتھ معلق ہونے والے ثابت ہوتے

ہیں۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اصح اس کا اعتبار نہ ہونا ہے۔ اور ذاتی طور پر چوتھی قسم تو وہ درجہ میں مساوات، برابری اور

جہت میں اتحاد کے وقت ہوتے ہیں، یا تو وہ سارے وارث کی اولاد ہوں گے یا غیر وارث کی اولاد ہوں گے۔ پس ان میں

وارث کی اولاد کو مقدم کرنا ثابت نہیں ہوتا، بلاشبہ ان میں اقویٰ کی تقدیم ثابت ہوتی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ پھر ولد الوارث

سے مراد وہ ہے جو بذات خود وارث کے ساتھ معلق ہوتا ہے۔ لہذا کسی واسطہ کے ساتھ اس کے ساتھ تعلیق معتبر نہیں ہوگی۔ پس

پوتی کی نواسی کو نواسی کی نواسی پر مقدم نہیں کیا جائے گا جیسا کہ ”سکب الانہر“ وغیرہ میں اس کے بارے تصریح ہے۔ تو اس سے

معلوم ہوا کہ ”مصنف“ کا وارث کے ساتھ معلق سے اپنے قول: ولد الوارث کی طرف عدول کرنا دوسری قسم سے اور کسی

فَلِقَرَابَةِ الْأَبِ الثُّلُثَانِ وَلِقَرَابَةِ الْأُمِّ الثُّلُثُ وَعِنْدَ الْإِسْتِوَاءِ فَإِنْ اتَّفَقَتْ صِفَةُ الْأُصُولِ فِي الذُّكُورَةِ أَوْ الْأُنُوثَةِ أُعْتَبِرَ أَبَدَانُ الْفُرُوعِ اتِّفَاقًا (وَأَمَّا إِذَا اخْتَلَفَتْ الْفُرُوعُ وَالْأُصُولُ) كَبِنْتِ ابْنِ بِنْتٍ وَابْنِ بِنْتِ بِنْتٍ (اعْتَبَرَ مُحْتَدُّ فِي ذَلِكَ الْأُصُولَ وَقَسَمَ) الْمَالَ عَلَى أَوَّلِ بَطْنٍ اخْتَلَفَ بِالذُّكُورَةِ وَالْأُنُوثَةِ وَهُوَ هُنَا لِبَطْنِ الثَّانِي وَهُوَ ابْنُ بِنْتٍ وَبِنْتُ بِنْتٍ فَمُحْتَدُّ اعْتَبَرَ صِفَةَ الْأُصُولِ فِي الْبَطْنِ الثَّانِي فِي مَسْأَلَتِنَا فَقَسَمَ عَلَيْهِمْ أَثْلَاثًا وَأَعْطَى كُلًّا مِنْ الْفُرُوعِ نَصِيبَ أَصْلِهِ) فَحِينَئِذٍ يَكُونُ ثُلُثَاهُ لِبِنْتِ ابْنِ الْبِنْتِ نَصِيبُ أَبِيهَا وَثُلُثُهُ لِابْنِ بِنْتِ الْبِنْتِ لِأَنَّهُ نَصِيبُ أُمِّهِ وَتَبَامُهُ فِي السَّرَاجِيَةِ وَشُرُوحُهَا

تو باپ کی قرابت کے لئے دو تہائی اور ماں کی قرابت کے لئے ایک تہائی مال ہوگا۔ اور برابر ہونے کے وقت اگر اصول کی صفت مذکر یا مؤنث ہونے میں متفق ہو تو بالاتفاق فروع کے ابدان کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور جب فروع اور اصول مختلف ہوں جیسا کہ نواسے کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا تو امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے اس میں اصول کا اعتبار کیا ہے اور مال کو اول بطن پر تقسیم کیا ہے جس میں مذکر اور مؤنث ہونے کے اعتبار سے اختلاف ہے اور وہ یہاں بطن ثانی ہے اور وہ نواسہ اور نواسی ہے۔ پس امام ”محمد“ رحمہ اللہ نے بطن ثانی میں اصول کی صفت کا ہمارے مسئلہ میں اعتبار کیا ہے، اور ان پر تین حصوں میں مال تقسیم کیا ہے اور فروع میں سے ہر ایک کو اس کے اصل کا حصہ دیا ہے۔ پس اس وقت اس کے دو ثلث نواسے کی بیٹی کے لئے ہوں گے جو اس کے باپ کا حصہ ہے اور ایک ثلث نواسی کے بیٹے کے لئے ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کی ماں کا حصہ ہے۔ اس کی مکمل بحث ”السراجیہ“ اور اس کی شروح میں ہے۔

واسطہ کے ساتھ وارث کے ساتھ معلق ہونے والوں سے احتراز کے لئے ہے۔

37524۔ (قوله: فَلَوْ اخْتَلَفَ) پس اگر قرابت کی جہت مختلف ہو۔ اور یہ قول ان کے قول: واتخذت الجهة کے مقابل ہے۔ ”زیلعی“ نے کہا ہے: فروع میں اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اصول، پھوپھیوں اور ماموں میں یعنی دوسری اور چوتھی قسم میں اور اسی طرح چوتھی قسم کی اولاد میں اس کا تصور کیا جاسکتا ہے۔

37525۔ (قوله: وَعِنْدَ الْإِسْتِوَاءِ) یعنی قرب، قوت، جہت اور ان تمام کے وارث کی اولاد ہونے میں یا غیر کی اولاد ہونے میں برابر ہونے کے وقت جیسا کہ اسے ”المستقی“ اور اس کی شرح میں بیان کیا ہے۔

37526۔ (قوله: فَإِنْ اتَّفَقَتْ صِفَةُ الْأُصُولِ) یعنی اگر ان کی صفت متفق ہو جو وارث کے ساتھ معلق ہوتے ہیں۔ اس میں اصول سے مراد وارث کے ساتھ معلق ہونے والے ہیں، چاہے وہ ان کے اصول ہوں یا نہ ہوں۔ ”زیلعی“۔ تاکہ یہ دوسری قسم کو شامل ہو جائے۔

37527۔ (قوله: وَأَمَّا إِذَا اخْتَلَفَتْ الْفُرُوعُ وَالْأُصُولُ) لیکن جب فروع اور اصول مختلف ہوں۔ یہ قول ان کے قول فان اتفقت الخ کے مقابل ہے، لیکن فروع کے اختلاف کا ذکر کرنا لازم نہیں ہے، کیونکہ اختلاف صرف اصول کے مختلف ہونے میں ہے۔

(وَهُمَا اعْتَبَرَا الْفُرُوعَ) فَقَطَّ لَكِنَّ قَوْلَ مُحَمَّدٍ أَشْهَرُ الرَّوَايَتَيْنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ فِي جَمِيعِ ذَوِي الْأَرْحَامِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى كَذَا فِي شَرْحِ السَّرَاجِيَّةِ لِصَنَفِهَا وَفِي الْمُلْتَقَى وَبِقَوْلِ مُحَمَّدٍ يُفْتَى سُنْتُ عَنْ تَرَكَ بِنْتُ شَقِيقِهِ وَابْنٍ وَبِنْتُ شَقِيقَتِهِ كَيْفَ تُقَسَّمُ فَأَجَبْتُ بِأَنَّهُمْ قَدْ شَرَطُوا عَدَّ الْفُرُوعِ فِي الْأَصُولِ فَحِينَئِذٍ تَصِيرُ الشَّقِيقَةُ كَشَقِيقَتَيْنِ فَيُقَسَّمُ الْمَالُ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ ثُمَّ يُقَسَّمُ نِصْفُ الشَّقِيقَةِ بَيْنَ أَوْلَادِهَا أَثْلَاثًا وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ

اور ”شیخین“ نے صرف فروع کا اعتبار کیا ہے۔ لیکن امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کا قول تمام ذوی الارحام کے بارے میں امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتوں میں سے مشہور روایت ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اسی طرح ”شرح السراجیہ“ میں اس کے ”مصنف“ کا قول ہے۔ اور ”الملتقی“ میں ہے: امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ مجھ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنے سگے بھائی کی بیٹی (بھتیجی) اور اپنی سگی بہن کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی (یعنی بھانجی اور بھانجی) چھوڑی تو اس کی میراث کیسے تقسیم کی جائے گی؟ تو میں نے جواب دیا: چونکہ فقہاء نے فروع کو اصول میں شمار کرنے کی شرط لگائی ہے تو اس وقت ایک سگی بہن دو سگی بہنوں کی مثل ہو جائے گی۔ پس مال ان دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم کیا جائے گا، پھر سگی بہن کا نصف اس کی اولاد کے درمیان تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

37528۔ (قوله: وَهُمَا) یعنی امام اعظم ”ابو حنیفہ“ رحمۃ اللہ علیہ آپ سے ایک شاذ روایت میں ہے۔ اور امام ”ابو یوسف“

رحمۃ اللہ علیہ اپنے آخری قول میں اصول میں فروع کے عدد کو تقسیم کرتے ہیں یعنی وصف اصول سے لیا جائے گا۔ ”طحاوی“۔

37529۔ (قوله: وَفِي الْمُلْتَقَى وَبِقَوْلِ مُحَمَّدٍ يُفْتَى) یعنی اگرچہ ”المختلف“ اور ”المبسوط“ میں امام ”ابو یوسف“

رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو صحیح قرار دیا گیا ہے کیونکہ وہ قول مفتی پر زیادہ آسان ہے جس طرح علماء نے حیض کے بعض مسائل میں امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو لیا ہے، ”در منتهی“۔

37530۔ (قوله: بِنْتُ شَقِيقِهِ) یعنی اپنی سگے بھائی کی بیٹی۔

37531۔ (قوله: فَأَجَبْتُ) یعنی میں نے امام ”محمد“ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر جواب دیا ہے اصل مسئلہ وہ ہے کہ

صحیح ہو سکتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ تین کو دو سے ضرب دی جائے نہ کہ نصف کے مخرج کو تین پر تقسیم کیا جائے جہاں تک امام ”ابو یوسف“ رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے تو یہ مسئلہ چار سے ہے بیٹے کے دو حصے اور ہر بیٹی کے لیے ایک حصہ ہوگا۔

37532۔ (قوله: فَيُقَسَّمُ الْخ) یعنی گویا کہ وہ ایک سگے بھائی اور دو سگی بہنوں کو چھوڑ کر فوت ہوا۔ ”طحاوی“۔

37533۔ (قوله: بَيْنَ أَوْلَادِهَا) اس کی اولاد یعنی بیٹے اور بیٹی کے درمیان اسے تقسیم کیا جائے گا۔ جمع کا ایک سے

زیادہ پر اطلاق کرتے ہوئے (یہاں لفظ اولاد ذکر کیا ہے) اور اس میں اچھا یہ ہے کہ بیٹے کو دو بیٹیوں کی مثل قرار دیا جائے تو وہ بیٹی کے ساتھ مل کر تین افراد کی مثل ہو جائیں گے۔ فافہم۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

فَصْلٌ فِي الْغَرَقِ وَالْحَرَقِ وَغَيْرِهِمْ

(لَا تَوَارِثُ بَيْنَ الْغَرَقِ وَالْحَرَقِ إِلَّا إِذَا عَلِمَ تَرْتِيبُ الْمَوْتِ، فَيَرِثُ الْمُتَأَخِّرُ فَلَوْ جُهِلَ عَيْنُهُ أُعْطِيَ كُلُّ

غرف ہونے والے وغیرہ کے احکام

دوب جانے والوں اور جل جانے والوں کے درمیان باہم کوئی وراثت نہیں ہے مگر جب مردوں کی ترتیب معلوم ہو جائے تو پھر بعد میں فوت ہونے والا وارث ہوگا۔ پس اگر اس کی ذات مجہول ہو تو ہر ایک کو

غرقی غریق اور حرقی حریق کی جمع ہے، یہ فعل بمعنی مفعول ہے۔ اور مراد یہ اور وہ ہیں جو ان کے ہم معنی ہیں جیسے وہ جن پر کوئی دیوار وغیرہ گر جائے اور وہ جو کسی معرکہ میں قتل ہو جائیں۔ اور ”مصنف“ نے بغیر ہم سے کافر، ولد الزنا، ولد اللعان اور حمل کا ارادہ کیا ہے۔

دوب جانے والوں اور جل جانے والوں کے احوال اور میراث کا حکم

37534۔ (قوله: إِلَّا إِذَا عَلِمَ الْخ) تو جان کہ ان کے احوال پانچ ہیں جیسا کہ ”سکب الانہر“ وغیرہ میں ہے۔

(1) ایک یہ ہے کہ ان میں سے ایک کی موت پہلے واقع ہونے کا یقین ہو اور اس میں کوئی التباس اور اشتباہ نہ ہو تو اس میں دوسرا پہلے کا وارث ہوگا۔

(2) سابق و لاحق ہونا تو معروف ہو لیکن سابق کی ذات معلوم نہ ہو۔

(3) دونوں کی موت کا ایک ساتھ واقع ہونا معلوم ہو۔

(4) کوئی شے بھی معلوم نہ ہو۔ ان تینوں صورتوں میں ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے کسی شے کا وارث نہیں بنے گا۔

(5) ان میں سے ایک کی موت کا پہلے واقع ہونا تعیین کے ساتھ پہلے معلوم ہو، پھر اس کے بعد اس کا معاملہ مشتبہ ہو جائے۔ اس کے بارے میں کلام عنقریب آئے گا۔ اور اسی کی مثل ”الدر المنبتی“ میں ہے۔

ترتیب جاننے کے بعد ذات مجہول ہو تو اس کا حکم

37535۔ (قوله: فَلَوْ جُهِلَ عَيْنُهُ) یعنی ترتیب جاننے کے بعد اس کی ذات مجہول ہو، اور یہ دوسری اور پانچویں

حالت کا احتمال رکھتا ہے۔ لیکن ”شرح الجمع“ کی عبارت صرف دوسری حالت کا فائدہ دیتی ہے۔ اور اس کا بیان یہ ہے کہ اگر یہ معلوم ہو کہ ان میں سے ایک پہلے فوت ہوا ہے اور اس کی ذات مجہول ہو تو ہر ایک کو یقین کے ساتھ دے دیا جائے اور مشکوک میں توقف کیا جائے یہاں تک کہ صورت حال واضح ہو جائے یا پھر ورثاء صلح کر لیں۔

37536۔ (قوله: أُعْطِيَ كُلُّ الْخ) یعنی ان کے ورثاء میں سے ہر ایک کو دے دیا جائے اور اس پر قرینہ ”شارح“ کا

بِالْيَقِينِ وَوُقِفَ الْمَشْكُوكُ فِيهِ حَتَّى يَتَبَيَّنَ أَوْ يَصْطَلِحُوا شَرْحُ مَجْمَعٍ قُلْتُ وَأَقْرَبُ الْمُصْنِفُ لَكِنْ نَقَلَ
شَيْخُنَا عَنْ ضَوْ السَّرَاجِ مَعْنِيًا لِمُحَمَّدٍ

یقین کے ساتھ دیا جائے اور جس کے بارے میں شک ہو اس میں توقف کیا جائے یہاں تک کہ اس کی حالت واضح ہو جائے
یا ورثہ صلح کر لیں۔ ”شرح مجمع“ میں کہتا ہوں: اور ”مصنف“ نے اسے ثابت رکھا ہے۔ لیکن ہمارے شیخ نے ”ضوء
السرائج“ سے امام ”محمد“ رحمہ اللہ کی نسبت سے نقل کیا ہے

قول: أَوْ يَصْطَلِحُوا ہے۔ پس اگر دو بھائی ڈوب جائیں ان دونوں میں سے ہر ایک کی ایک بیٹی ہو تو ہر ایک کی بیٹی اپنے باپ کا
نصف ترکہ لے گی یہاں تک کہ متاخر (بعد میں فوت ہونے والا) ظاہر ہو جائے تو پھر اس کی بیٹی اپنے باپ کا باقی نصف ترکہ
اور اپنے چچا کا نصف ترکہ لے گی یا وہ دونوں کسی شے پر صلح کر لیں۔ تاہل۔

37537۔ (قوله: شَرْحُ مَجْمَعٍ) مراد اس کے ”مصنف“ کی شرح ہے اور اسی کی مثل ”الاختیار“ میں ہے جہاں انہوں
نے کہا ہے: اور اگر ان میں سے کسی ایک کی موت پہلے ہونے کا علم ہو جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ ان میں سے کون ہے تو جس کے
بارے یقین ہو وہ ہر ایک کو دے دیا جائے اور مشکوک میں توقف کیا جائے یہاں تک کہ وہ حالت ظاہر ہو جائے یا وہ ورثہ صلح کر
لیں۔ اور اسی کی مثل ”شرح السراجیہ“ میں ہے جو اس کے مصنف کی ہے اور اس کے بعض شارحین نے ان کی اتباع کی ہے اور
”حاشیہ عجم زادہ“ میں اس کی علت اس قول سے بیان کی ہے۔ کیونکہ یاد آنے سے مایوسی اور ناامیدی نہیں ہے۔

37538۔ (قوله: لَكِنْ نَقَلَ شَيْخُنَا الدِّخ) لیکن ہمارے شیخ نے ”المنح“ پر اپنے حاشیہ میں نقل کیا ہے کہ۔ نکتہ
”معراج الدر ایہ علی شرح الجمع“ میں بھی اس ”ضوء السراج“ کی عبارت سے استدراک ہے جو ”السراجیہ“ کی شرح ہے اور
علامہ ”قاسم“ نے ”شرح فرائض الجمع“ میں کہا ہے کہ جو کچھ ”صاحب الجمع“ نے ذکر کیا ہے انہوں نے اسے ”الاختیار“ سے لیا
ہے اور وہ شافعیہ کا قول ہے اور ہمارے نزدیک کوئی روایت اور درایت اس کی تائید و معاونت نہیں کرتی۔ ”المبسوط“ میں کہا
ہے: اور اسی طرح جب یہ معلوم ہو کہ ان دونوں میں سے ایک پہلے فوت ہوا اور ان کے درمیان تعارض ثابت ہونے کی وجہ
سے یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کون ہے تو انہیں اس طرح رکھا جائے گا گویا وہ دونوں ایک ساتھ فوت ہوئے۔ اور ”الحیث“ میں کہا ہے:
پس اسے اس طرح بنایا جائے گا گویا وہ دونوں اکٹھے فوت ہوئے، اور اسی طرح اگر ان دو میں سے ایک کی موت مقدم ہو تو یہ
کہ متاخر سے مقدم کی پہچان نہ ہو۔ کیونکہ میراث کا سبب دونوں میں سے متاخر کے لئے ثابت ہے لیکن مستحق مجہول ہے۔ پس
کسی ایک کے لئے ثابت کرنا معتذر ہے، اور وہ اس طرح ہو گیا جیسا کہ اگر کوئی اپنی دو لونڈیوں میں سے ایک معین لونڈی کو
آزاد کرے پھر وہ اسے بھول جائے تو مملوک لونڈی کے مجہول ہونے کی وجہ سے اس کے لئے دونوں کی وطی حال نہیں ہوتی۔
اور ”الارفاذ“ میں کہا ہے: یا دو میں سے ایک دوسرے سے پہلے فوت ہو جائے اور سابق کے بارے میں اشکال اور التباس پیدا
ہو جائے تو انہیں اس طرح رکھا گیا گویا وہ اکٹھے فوت ہوئے اور ہر ایک کا مال اس کے زندہ ورثہ کے لئے ہوگا اور مرنے والوں

أَنَّهُ لَوْ مَاتَ أَحَدُهُمَا وَلَا يَدْرِي أَيُّهُمَا هُوَ يُجْعَلُ كَأَنَّهُمَا مَاتَا مَعَ اتِّحَاقِ التَّعَارُضِ بَيْنَهُمَا وَهُوَ مُخَالِفٌ لِمَا مَرَّ فَتَدَبَّرْ (و) إِذَا لَمْ يَعْلَمْ تَرْتِيبَهُمْ (يُقْسِمُ مَالُ كُلِّ مِنْهُمْ عَلَى وَرَثَتِهِ الْأَحْيَاءِ) إِذَا لَا تَوَارُثَ بِالشَّكِّ (وَالْكَافِرُ يَرِثُ بِالنَّسَبِ وَالسَّبَبِ كَالْمُسْلِمِ وَلَوْ اجْتَمَعَ لَهُ قَرَابَتَانِ) لَوْ تَفَرَّقَتَا

کہ اگر دو میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ ان میں سے کون ہے تو اس طرح قرار دیا جائے گا گویا دونوں ایک ساتھ فوت ہو گئے تاکہ ان کے درمیان تعارض ثابت ہو اور یہ اس کے مخالف ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔ سو اس میں غور کر لو۔ اور جب ان کی ترتیب معلوم نہ ہو تو ان میں سے ہر ایک کا مال اس کے زندہ ورثا پر تقسیم کیا جائے گا، کیونکہ شک کے ساتھ وراثت ثابت نہیں ہوتی۔ اور کافر نسب اور سبب کے ساتھ مسلمان کی طرح وارث ہوتا ہے۔ اور اگر اس کے لئے دو قرابتیں جمع ہو جائیں، اگر وہ دونوں دو شخصوں میں متفرق ہوں

میں سے بعض بعض کے وارث نہیں ہوں گے۔ یہ امام اعظمؒ ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ اور اسے ”سکب الانہر“ اور ”المقدسی“ کی ”شرح الکنز“ میں بھی ذکر کیا ہے، اور میں نے ”الرحیق المختوم“ میں اس کی تلخیص کی ہے۔ اور میں نے اس میں ذکر کیا ہے کہ ان تمام عبارات سے فوراً ذہن میں یہ آتا ہے کہ محل نزاع دوسری حالت ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب سابق ولاحق ہونے کا علم تو ہو لیکن عین سابق مجہول ہو۔ اور ”سکب الانہر“ میں اسے پانچویں حالت کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اور وہ وہ ہے کہ پہلے بعینہ سابق معلوم ہو پھر اس میں اشکال اور اشتباہ پیدا ہو جائے۔ اور شاید انہوں نے اسے علامہ ”قاسم“ کے قول سے لیا ہے۔ بلاشبہ یہ شافعیہ کا قول ہے۔ کیونکہ شافعیہ نے صرف پانچویں حالت میں ذکر کیا ہے جیسا کہ ”شنشوری“ کی ”شرح الترتیب“ میں ہے۔ لیکن جب دوسری حالت میں نزاع جاری ہے تو پانچویں حالت میں بدرجہ اولیٰ جاری ہوگا۔ تامل۔

37539۔ (قوله: أَنَّهُ لَوْ مَاتَ أَحَدُهُمَا) کہ اگر ان میں سے ایک پہلے فوت ہوا جیسا کہ ان کے شیخ کے حاشیہ

میں ہے۔

فوت ہونے والوں کی ترتیب معلوم نہ ہو تو ان کی میراث کا حکم

37540۔ (قوله: إِذَا لَا تَوَارُثَ بِالشَّكِّ) کیونکہ شک کے ساتھ وراثت ثابت نہیں ہو سکتی۔ یہ مقدر کی علت ہے اور

وہ یہ ہے: ان میں سے بعض بعض کے وارث نہیں ہوں گے، یا اس لئے کہ ”مصنف“ نے اس کے بارے پہلے تصریح کر دی ہے، اور یہ امام اعظمؒ ”ابو حنیفہ“ رحمہ اللہ کا دوسرا قول ہے۔ اور پہلے قول میں آپ فرماتے ہیں: ان میں سے بعض بعض کے وارث ہوں گے سوائے اس مال کے جس کا وہ اپنے ساتھی سے وارث ہوا۔ اور معتمد علیہ پہلا قول ہے۔ کیونکہ یہ احتمال ہے کہ دونوں کی موت ایک ساتھ ہو یا آگے پیچھے ہو۔ پس استحقاق میں شک واقع ہو گیا، اور زندہ ورثا کا استحقاق یقینی ہے اور شک یقین کا معارض نہیں ہو سکتا۔ پس اگر دو بھائی ڈوب گئے اور دونوں میں سے ہر ایک کے نوے درہم ہوں اور وہ اپنے پیچھے بیٹی، ماں اور چچا چھوڑے تو معتمد علیہ قول کے مطابق ہر ایک کا ترکہ اس کے زندہ ورثاء پر چھ سے تقسیم کیا جائے گا بیٹی کے لئے نصف ہو

(فِي شَخْصَيْنِ حَجَبَ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ فَإِنَّهُ يَرِثُ بِالْحَاجِبِ وَإِنْ لَمْ يَحْجُبْ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ يَرِثُ بِالْقَرَابَتَيْنِ)

تو ان میں سے ایک دوسرے کے لئے حاجب ہو تو وہ حاجب کے ساتھ وارث ہوگا۔ اور اگر ان میں سے ایک دوسرے کے لئے حاجب نہ ہو تو پھر وہ ہمارے نزدیک دونوں قرابتوں کے ساتھ وارث ہوگا

گا، ماں کے لئے چھٹا حصہ ہوگا اور چچا کے لئے باقی ہوگا۔ اور دوسرے قول کے مطابق ماں اور وہ تیس درہم ہیں بھائی کے لئے ہوں گے نہ کہ چچا کے لئے، پھر تیس کو بیٹی، ماں اور چچا کے درمیان چھ سے تقسیم کیا جائے گا جیسا کہ پہلے گزرا۔ پس بیٹی کے لئے ساٹھ، ماں کے لئے تیس اور چچا کے لئے دس ہوں گے۔ ”قاسم“۔ ملخصاً۔

تنبیہ

ورثا میں سے ہر ایک نے بینہ قائم کیا کہ اس کا باپ آخر میں فوت ہوا ہے تو امام ”ابو حنیفہ“ رضی اللہ عنہ کے نزدیک دونوں کا دعویٰ جھوٹا ہوگا۔ اور اسی طرح اگر ہر ایک کے ورثاء نے دعویٰ کیا: بے شک دوسرے کا باپ پہلے فوت ہوا اور اس نے حلف اٹھایا تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی ایک پہلی صورت میں بینہ قائم کر دے یا دوسری صورت میں دعویٰ کرے اور حلف اٹھا دے تو معارض نہ ہونے کی وجہ سے اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اور اگر دو بھائی ایک دن میں زوال کے وقت یا سورج طلوع ہونے کے وقت یا غروب ہونے کے وقت فوت ہوئے اس حال میں کہ ان میں سے ایک مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں ہو تو مغرب میں فوت ہونے والا مشرق میں فوت ہونے والے کا وارث ہوگا۔ کیونکہ اس کی موت اس سے پہلے واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ سورج اور دیگر ستارے وغیرہ مشرق میں مغرب سے پہلے زوال پذیر، طلوع اور غروب ہوتے ہیں۔ ”سکب الانہر“۔

”الدر المنبتی“ میں کہا ہے: اور اس کا مفاد یہ ہے کہ اگر علاقہ ایک ہو یا قریب قریب ہو تو پھر حکم اس طرح نہیں ہوگا، پس چاہئے کہ اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

میں کہتا ہوں: شک کے ساتھ وراثت کی نفی میں اور عدم شک کے ساتھ اس کے ثبوت میں کوئی شک نہیں ہے۔

37541۔ (قولہ: فَإِنَّهُ يَرِثُ بِالْحَاجِبِ) کیونکہ وہ حاجب کے ساتھ وارث ہوتا ہے جیسا کہ اگر مجوسی بیٹی، ماں کے

ساتھ شادی کرے۔ ”سکب الانہر“ میں یہ زائد ہے: یا کوئی مسلمان یا کوئی اور شبہ کے ساتھ وطی کرے اور وہ عورت بچہ کو جنم دے پھر وہ بچی اپنی ماں کو چھوڑ کر فوت ہو جائے اور یہی اس کی دادی ہو تو یہ صرف ماں ہونے کی حیثیت سے وارث ہوگی، کیونکہ ماں دادی (جدہ) کے لئے حاجب ہوتی ہے۔

37542۔ (قولہ: يَرِثُ بِالْقَرَابَتَيْنِ) وہ دونوں قرابتوں کے ساتھ وارث ہوگا۔ جیسا کہ اگر مذکورہ ماں اپنی بیٹی کو

چھوڑ کر فوت ہو جائے اور یہ اس کے بیٹے کی بیٹی ہو تو اس کی بیٹی ہونے کے اعتبار سے نصف کی وارث ہوگی اور اس کی پوتی ہونے کے اعتبار سے دو تہائی کو مکمل کرنے کے لئے چھٹے حصہ کی وارث ہوگی۔

(عِنْدَنَا كَمَا قَدْ مَنَاهُ) لِلْبَنَتَيْنِ الثَّلَاثِينَ قُلْتُ (وَلَا يَرِثُونَ بِأَنْكِحَةِ مُسْتَحَلَّةٍ عِنْدَهُمْ) أَيْ يَسْتَحِلُّونَهَا كَتَزْوُجِ مَجُوسِيٍّ أُمِّهِ لِأَنَّ النِّكَاحَ الْفَاسِدَ لَا يُوجِبُ التَّوَارِثَ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ فَلَا يُوجِبُهُ بَيْنَ الْمَجُوسِ كَذَا فِي الْجَوْهَرَةِ قَالَ وَكُلُّ نِكَاحٍ لَوْ أَسْلَمَ يُقَرَّانِ عَلَيْهِ يَتَوَارِثَانِ وَمَا لَا فَلَا اتَّهَى وَصَحَّحَهُ فِي الظَّهِيرَةِ

جیسا کہ ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ دو بیٹیوں کے لئے دوثلث ہوں گے۔ میں کہتا ہوں: اور وہ ان نکاحوں کے ساتھ وارث نہیں ہوں گے جو ان کے نزدیک حلال ہیں یعنی جنہیں وہ حلال قرار دیتے ہیں مثلاً مجوسی کا اپنی ماں سے نکاح کرنا۔ اسی طرح ”الجوہرہ“ میں ہے۔ فرمایا: ہر وہ نکاح کہ اگر وہ دونوں اسلام لے آئیں تو انہیں اس پر برقرار رکھا جائے اس کے ساتھ وہ باہم وارث ہوں گے، اور جو اس طرح نہ ہو اس کے ساتھ نہیں۔ انتہی۔ اور اسے ”الظہیریہ“ میں صحیح قرار دیا ہے۔

37543۔ (قوله: عِنْدَنَا) یہ ہمارے نزدیک ہے۔ رہا امام ”شافعی“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو وہ دونوں میں سے اقویٰ قرابت کے ساتھ وارث ہوگا جیسا کہ ہم نے اسے باب العول سے پہلے بیان کر دیا ہے۔

کافران نکاحوں کے ساتھ وارث نہیں ہوں گے جو ان کے نزدیک حلال ہیں

37544۔ (قوله: وَلَا يَرِثُونَ بِأَنْكِحَةِ مُسْتَحَلَّةٍ عِنْدَهُمْ) اور وہ ان نکاحوں کے ساتھ وارث نہیں ہوں گے جو ان کے نزدیک حلال سمجھے جاتے ہیں۔ ”مصنف“ کے قول بالقربا بتین سے احتراز کیا گیا ہے۔ اور فرق یہ ہے کہ یہ نکاح دین اسلام میں مطلقاً ثابت نہیں بخلاف قرابت کے۔ کیونکہ نسب کے ساتھ وہ میراث کا مستحق ہو جاتا ہے اگرچہ اس کا سبب مخطور اور ممنوع ہو جیسا کہ نکاح فاسد اور وطی بالشہبہ میں ہے۔ ”مقدس“۔ اور اسی میں ہے: اور اگر زوجین کے درمیان حرمت مصاہرہ ثابت ہو اور ان کے درمیان سے بچہ پیدا ہو جائے اور باپ فوت ہو جائے تو قاضی ”سلیمان“ نے اس کا وارث بننے سے منع کیا ہے۔ اور شیخ الاسلام ”السعدی“ نے کہا ہے: وہ وارث ہوگا۔ ”سالحانی“۔

میں کہتا ہوں: اس مسئلہ کو یہاں ”الوہبانیہ“ میں نظم کیا گیا ہے پس تو اس کی شروح کی طرف رجوع کر۔

37545۔ (قوله: كَتَزْوُجِ مَجُوسِيٍّ أُمِّهِ) جیسا کہ مجوسی کا اپنی ماں سے شادی کرنا۔ پس اگر ان میں سے ایک دوسرے کو چھوڑ کر فوت ہو گیا تو وہ نسب کے اعتبار سے وارث ہوگا نہ کہ زوجیت کے اعتبار سے۔

جائز اور فاسد نکاح کا ضابطہ

37546۔ (قوله: وَكُلُّ نِكَاحٍ الْخ) اور وہ جیسا کہ بغیر گواہوں کے نکاح کرنا یا کافر کی عدت میں نکاح کرنا درآنحالیکہ وہ اس کی حلت کا اعتقاد رکھتے ہوں بخلاف محارم کے، یا کسی مسلمان کی عدت میں نکاح کرنا تو ان دونوں کو اس پر برقرار نہیں رکھا جائے گا۔ اور ”الجوہرہ“ میں اسے نکاح جائز اور نکاح فاسد کے لئے ضابطہ قرار دیا ہے یعنی وہ جس کے ساتھ وراثت ثابت ہوتی ہے اور وہ جس کے ساتھ وراثت ثابت نہیں ہوتی۔

(وَيَرِثُ وَلَدُ الزَّانَا وَاللَّعَانِ بِجِهَةِ الْأُمِّ فَقَطْ) لِمَا قَدَّمْنَا فِي الْعَصَبَاتِ أَنَّهُ لَا أَبَ لَهَا (وَوُفِّ لِدَحْنِلِ حَظُّ ابْنٍ وَاحِدٍ) أَوْ بِنْتٍ وَاحِدَةٍ أَيُّهُمَا كَانَ أَكْثَرُ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى

اور ولد الزنا اور ولد اللعان صرف ماں کی جہت سے وارث ہوگا۔ کیونکہ ہم پہلے عصبات کے بیان میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ ان دونوں کا (شرعاً) کوئی باپ نہیں ہوتا۔ اور حمل کے لئے ایک بیٹے یا ایک بیٹی میں سے جس کا حصہ زیادہ ہو وہ روک لیا جائے گا اور اسی پر فتویٰ ہے۔

ولد الزنا اور ولد اللعان کے لیے وراثت کی جہت

37547۔ (قوله: بِجِهَةِ الْأُمِّ فَقَطْ) صرف ماں کی جانب سے جیسا کہ اگر اس کا ایک عورت سے ایک بیٹا ہو پھر وہ اس کے ساتھ زنا کرے اور وہ ایک بیٹے کو جنم دے یا وہ دوسرے بیٹے کی ولادت پر اس سے لعان کر لے، پھر ان دو بھائیوں میں سے ایک فوت ہو جائے تو بلاشبہ دوسرا ماں کی طرف سے بھائی ہونے کے سبب اس کا وارث ہوگا نہ کہ سگا بھائی ہونے کی حیثیت سے۔ ”حلی“۔

37548۔ (قوله: لِمَا قَدَّمْنَا فِي الْعَصَبَاتِ الْخ) کیونکہ ہم نے عصبات کے بیان میں ان دونوں کے درمیان فرق بیان کر دیا ہے، اور اس کے بارے تفصیل بھی ذکر کر دی ہے۔ فتنہ۔

حمل کے لیے میراث کا شرعی حکم

37549۔ (قوله: وَوُفِّ لِدَحْنِلِ حَظُّ ابْنٍ وَاحِدٍ الْخ) اور حمل کے لئے ایک بیٹے کا حصہ روک لیا جائے یہ حصہ تنہا ہے جبکہ حمل ورثا کے ساتھ شریک ہو یا ان کے لئے حجب نقصان کا باعث ہو۔ اور اگر وہ ان کے لئے حجب حرمان کا سبب ہو تو پھر کل ترکہ روک لیا جائے۔ کہا گیا ہے: اور اسی طرح حکم ہے اگر ولادت مہینے سے کم مدت میں متوقع ہو۔ اور اسی کے ساتھ نزہل حلب نے ”السراجیہ“ پر اپنی شرح میں یقین اور اعتماد کیا ہے۔ لیکن اسے مطلق قرار دینا زیادہ ظاہر ہے جیسا کہ ”الاکمل“ نے اسے اس کی شرح میں ذکر کیا ہے۔ اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ پیٹ میں حمل ہے یا نہیں تو پھر کوئی شے نہ روکی جائے۔ پھر اگر وہ حمل کو جنم دے تو تقسیم نئے سرے سے کی جائے گی۔ اور اگر عورت حمل کا دعویٰ کرے تو وہ یقین اور اعتماد کے ساتھ پیش کرے۔ ”را“ اگر وہ مردہ بچے کو جنم دے تو وہ وارث نہیں ہوگا یعنی جب وہ بذات خود خارج ہوا۔ لیکن اگر اسے جنایہ کے ساتھ خارج کیا گیا تو وہ خود بھی وارث ہوگا اور اس کا وارث بھی بنایا جائے گا۔ اور جب اس کا اکثر حصہ زندہ خارج ہوا جس سے اس کا زندہ ہونا معلوم ہوتا ہو اگرچہ وہ آنکھ اور ہونٹ کو حرکت دینے کے ساتھ ہی ہو اور پھر وہ فوت ہو جائے تو وہ وارث ہوگا اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ اور اگر وہ نصف سے کم زندہ خارج ہوا پھر فوت ہو گیا تو وہ وارث نہیں ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ”الدر المنقہ“ میں ہے۔

37550۔ (قوله: وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى) اور اسی پر فتویٰ ہے، اور یہ امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اور ”امام صاحب“ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے کہ چار بچوں کا حصہ روکا جائے گا۔ اور امام ”محمد“ رحمہ اللہ کے نزدیک دو کا حصہ۔

لَا تُنْفِقُ الْغَالِبُ وَيُكْفَلُونَ احْتِيَاطًا كَمَا لَوْ تَرَكَ أَبَوَيْنِ وَبَنَاتًا وَزَوْجَةً حُبْلَى

کیونکہ یہی غالب ہے۔ اور احتیاطاً ان سے کفیل اور ضامن لیا جائے گا جیسا کہ اگر وہ والدین، بیٹی اور حاملہ بیوی چھوڑے

37551۔ (قولہ: لَا تُنْفِقُ الْغَالِبُ) یعنی عادتاً غالب یہی ہے کہ ایک عورت ایک پیٹ میں صرف ایک بچے کو جنم دیتی

ہے۔ پس حکم کی بنیاد اسی پر رکھی جائے گی جب تک اس کا خلاف معلوم نہ ہو۔ ”سید“۔

37552۔ (قولہ: وَيُكْفَلُونَ) یعنی امام ”ابو یوسف“ رحمہ اللہ کے قول پر قاضی وراثا سے امر معلوم پر ضامن لے گا اور وہ

صرف ایک بیٹے کے حصہ سے زیادہ ہونا ہے اس کا لحاظ رکھتے ہوئے جو اپنے لئے نظر و فکر سے عاجز ہے۔ اس سے میری مراد حمل ہے۔ ”سید“۔

حمل کے مسائل میں اصل

37553۔ (قولہ: كَمَا لَوْ تَرَكَ الْخ) تو جان کہ حمل کے مسائل کی تصحیح میں اصل یہ ہے کہ اس کے مذکر اور مؤنث

ہونے کے مسئلہ کی تصحیح ہو جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے، پھر ان میں سے ایک کو دوسرے میں ضرب دی جائے گی اگر ان کے درمیان تباہین ہو یا اس کے وفق میں ضرب دی جائے گی اگر ان کے درمیان توافق ہو۔ پھر جس کے لئے مؤنث ہونے کے مسئلہ سے کوئی شے ہوگی وہ اسے دوسرے کل مسئلہ میں یا اس کے وفق میں ضرب دے کر لے اور دو حاصلوں میں سے اقل دے دیا جائے گا اور باقی (فضل، فالتو) روک لیا جائے گا۔ پس اس صورت میں مذکر ہونے کا مسئلہ چوبیس سے ہے۔ زوجہ کے لئے آٹھواں حصہ یعنی چوبیس میں سے تین حصے، والدین میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ یعنی چوبیس میں سے چار حصے، اور بیٹی کے لئے مذکر حمل کے ساتھ باقی ہوگا اور وہ تیرہ حصے ہیں۔ اور مؤنث ہونے کا مسئلہ ستائیس سے چلے گا۔ اس لئے کہ آٹھواں حصہ چھٹے حصہ کیساتھ مل جائے گا۔ پس والدین کے لئے سات حصے ہوں گے، زوجہ کے لئے تین حصے ہوں گے اور بیٹے کے لئے مؤنث حمل کے ساتھ سولہ ہوں گے۔ اور دونوں مسئلوں کے درمیان ثلث کے ساتھ توافق ہے۔ پس جب دو میں سے ایک کے وفق کو دوسرے میں ضرب دی (مراد $3 \times 72 = 216$ ہے) تو حاصل ضرب دو سولہ ہوگا اور اسی سے مسئلہ صحیح ہوگا، پس مذکر ہونے کی تقدیر پر زوجہ کے لئے ستائیس (27) حصے تین کو دوسرے مسئلہ کے وفق میں اور وہ نو ہے ضرب دینے سے، اور والدین میں سے ہر ایک کے لئے چار کو نو میں ضرب دینے سے چھتیس، اور بیٹی کے لئے مذکر حمل کے ساتھ تیرہ کو نو میں ضرب دینے سے ایک سوسترہ حصے ہوں گے۔ بیٹی کے لئے ان سے ایک تہائی یعنی انتالیس اور باقی مذکر حمل کے لئے ان میں سے دو تہائی یعنی اٹھتر (78) حصے ہوں گے۔ اور مؤنث ہونے کی تقدیر پر زوجہ کے لئے تین کو پہلے کے وفق جو کہ آٹھ ہے میں ضرب دینے سے چوبیس، والدین میں سے ہر ایک کے لئے چار کو آٹھ میں ضرب دینے سے بتیس، اور بیٹی کے لئے مؤنث حمل کے ساتھ سولہ کو آٹھ میں ضرب دینے سے ایک سو اٹھائیس حصے ہوں گے۔ ان میں سے بیٹی کے لئے نصف چونسٹھ (64) اور باقی نصف چونسٹھ ہی حمل کے لئے ہوگا۔ پس زوجہ اور والدین کو وہ دیا جائے گا جو مؤنث ہونے کی تقدیر پر ان کے لئے حصہ نکلا

فَإِنَّ الْمَسْأَلَةَ مِنْ أَرْبَعَةِ وَعِشْرِينَ إِنَّ فِرَاضَ الْحَمْلِ ذَكَرْنَا وَتَعُولُ لِسَبْعَةِ وَعِشْرِينَ إِنَّ فِرَاضَ أَنْثَى لِأَنَّ هَذَا عَلَى كَوْنِ الْحَمْلِ مِنَ الْمَيِّتِ

تو بلاشبہ یہ مسئلہ چوبیس سے چلے گا اگر حمل کو مذکر فرض کیا جائے، اور یہ ستائیس کی طرف عول کرے گا اگر اسے مؤنث فرض کیا جائے۔ کیونکہ یہ حمل کے میت سے ہونے کی بنا پر ہے

اور فالتو اور اضافی حصہ کو روک لیا جائے گا اور وہ گیارہ حصص ہیں، زوجہ کے حصہ میں سے تین اور والدین کے حصہ میں سے آٹھ ہیں۔ اور بیٹی کو وہ دیا جائے گا جو مذکر ہونے کی تقدیر پر اس کے لئے نکلا اور باقی حمل کے لئے روک لیا جائے گا اور وہ اہتر (78) حصص ہیں۔ پس مجموعی طور پر روکے گئے حصص میں سے پچیس بیٹی کو دیئے جائیں گے تاکہ اس کا حصہ حمل کے حصہ کے برابر ہو جائے اور باقی حمل کے لئے ہوگا۔ اور اگر اس نے اسے مذکر جنا تو پھر زوجہ کو تین اور والدین کو آٹھ دیئے جائیں گے اور باقی اس کے لئے ہوگا۔ اور اگر وہ اسے مردہ جنے تو پھر بیٹی کو موقوف حصص میں سے اہتر (69) دیئے جائیں تاکہ نصف مکمل ہو جائے، زوجہ کو تین تاکہ اس کا آٹھواں حصہ مکمل ہو جائے، ماں کو چار تاکہ چھٹا حصہ مکمل ہو جائے، باقی تیرہ حصے بچیں گے ان میں چار باپ کو دیئے جائیں گے تاکہ چھٹا حصہ مکمل ہو جائے اور باقی نو حصے اسے ہی عصبہ ہونے کی حیثیت سے دیئے جائیں گے۔ تحقیق میں نے اس تقسیم میں اس کی مخالفت کی ہے جو ”السراجیہ“ اور اس کی شروح میں ہے، اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ فتویٰ اس پر ہے کہ موقوف یعنی روکا ہوا مال ایک بچے کا حصہ ہے اور دوسرا یہاں بیٹی کے حق میں حمل کا مذکر ہونا اور زوجہ اور والدین کے حق میں اس کا مؤنث ہونا ہے جیسا کہ آپ نے دیکھ لیا ہے۔ اور اس پر تعجب ہے جو ”السراجیہ“ میں ہے اس حیثیت سے کہ انہوں نے مفتی بہ اسے ذکر کیا ہے اور پھر چار بچوں کا حصہ روکا ہے اور اسی بنا پر تقسیم کی ہے۔ فہیت مل۔

تنبیہ

یہ توقف بلاشبہ وارث کے حق میں ہوتا ہے جس کا فرض (حصہ) اکثر سے اقل کی طرف بدل جاتا ہے۔ رہا وہ جس کا حصہ تبدیل نہیں ہوتا جیسا کہ دادی اور حاملہ بیوی، تو اس کے لئے کوئی شے نہیں روکی جائے گی۔ اور جہاں تک اس کا تعلق ہے جو حمل کی دو حالتوں میں سے ایک میں ساقط ہو جاتا ہے جیسا کہ بھائی یا چچا حاملہ بیوی کے ساتھ وارث ہو تو اسے کوئی شے نہیں دی جائے گی۔ مکمل بحث ”سکب الانہر“ میں ہے۔

37554۔ (قوله: هَذَا) یعنی یہ جو مثال گزر چکی ہے۔ اور تو جان کہ جب حمل میت سے ہو تو بلاشبہ وہ وارث ہوگا جب وہ دو سال سے کم مدت میں پیدا ہو اور عورت اپنی عدت گزرنے کا اقرار نہ کرے۔ پس اگر مکمل دو سال یا زیادہ عرصہ گزر گیا عورت نے عدت گزرنے کا اقرار کر لیا تو وہ وارث نہیں ہوگا۔ اور جو ”السراجیہ“ میں مکمل دو سال کو اس سے کم مدت کے ساتھ ملایا گیا ہے وہ ظاہر روایت کے خلاف ہے۔ اور اگر حمل میت کے سوا کسی غیر سے ہو تو بلاشبہ وہ وارث ہوگا بشرطیکہ وہ چھ ماہ یا اس سے کم عرصہ میں پیدا ہو۔ ورنہ وارث نہیں ہوگا۔ مگر جب عورت عدت گزار رہی ہو اور اس نے عدت گزرنے کا اقرار نہ کیا ہو، یا

وَإِلَّا فَمُثْلُهُ كَثِيرَةٌ كَمَا لَوْ تَرَكَتْ زَوْجًا وَأُمًّا حُبْلَى فَلِلزَّوْجِ النِّصْفُ وَلِلْأُمِّ الثُّلُثُ وَلِلْحَبْلِ إِنْ قُدِّرَ ذَكَرًا السُّدُسُ لِأَنَّهُ عَصَبَةٌ فَيُقَدَّرُ أَنْتَى لِيُفَرَّضَ لَهُ النِّصْفُ تَعُولُ لِشَبَانِيَّةٍ كَمَا لَا يَخْفَى قُلْتُ وَلَمْ أَرِ مَا لَوْ كَانَ عَلَى أَحَدِ التَّقْدِيرَيْنِ يَرِثُ وَعَلَى الْآخِرِ لَا كَهْمُ وَأَخَوَيْنِ لِأُمِّ فَإِنْ قُدِّرَ ذَكَرًا لَمْ يَبْقَ لَهُ شَيْءٌ فَيَنْبَغِي أَنْ يُقَدَّرَ أَنْتَى

ورنہ اس کی مثالیں کثیر ہیں جیسا کہ اگر عورت خاوند اور حاملہ ماں چھوڑے تو خاوند کے لئے نصف، ماں کے لئے ثلث اور حمل کو اگر مذکر فرض کیا جائے تو اس کے لئے سدس (چھٹا حصہ) ہوگا۔ کیونکہ وہ عصبہ ہے۔ پس اسے مؤنث فرض کیا جائے گا تاکہ اس کے لئے نصف مقرر کیا جائے اور مسئلہ آٹھ کی طرف عول کرے گا جیسا کہ یہ امر مخفی نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں: میں نے ایسے مسئلہ کا حکم نہیں دیکھا کہ اگر وہ ایک تقدیر پر وارث ہوتا ہو اور دوسری تقدیر پر وارث نہ ہو جیسا کہ مذکورہ ورثاء کے ساتھ دو اخیانی بھائی ہوں تو اگر اسے مذکر فرض کیا جائے تو اس کے لئے کوئی شے نہیں ہوتی۔ پس چاہئے کہ اسے مؤنث فرض کیا جائے

ورثاء نے حمل کے وجود کا اقرار کیا ہو جیسا کہ یہی ”سکب الانہر“ مع شرح ”ابن کمال“ اور حاشیہ ”یعقوب“ سے معلوم ہوتا ہے۔

37555۔ (قوله: وَإِلَّا فَمُثْلُهُ كَثِيرَةٌ) یہ دو قسموں کے ساتھ مثال کی جمع ہے۔ اور یہ وہم پیدا کرتا ہے کہ اگر حمل میت

سے ہو تو وہ سابقہ مثال کے ساتھ مختص ہے حالانکہ اس طرح نہیں ہے۔ اسے ”طحاوی“ نے بیان کیا ہے۔

37556۔ (قوله: وَأُمًّا حُبْلَى) حاملہ ماں، جو فوت ہونے والی کے باپ سے حاملہ ہو، پس اگر وہ حمل اس کے باپ

کے سوا کسی اور سے ہو تو پھر اس کا حصہ چھٹا ہوگا چاہے حمل مذکر ہو یا مؤنث۔

37557۔ (قوله: فَيُقَدَّرُ أَنْتَى) پس اسے مؤنث فرض کیا جائے گا، کیونکہ اس کا حصہ زیادہ ہے۔

37558۔ (قوله: وَلَمْ أَرِ مَا) یہ عجیب ہے اس کے باوجود کہ بعینہ فرع ”الوہبانیہ“ سے نقل کی ہے۔ ”حلبی“۔

میں کہتا ہوں: ان کی مراد یہ ہے کہ انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ کیا اس کے لئے کوئی شے روکی جائے گی یا نہیں۔ اور

”الوہبانیہ“ کے کلام میں ایسی کوئی شے نہیں ہے جو اس کا فائدہ دیتی ہو جیسا کہ عنقریب ظاہر ہو جائے گا۔

37559۔ (قوله: مَا لَوْ كَانَ) یعنی اگر حمل ہو۔

37560۔ (قوله: كَهْمُ) جیسا کہ وہ یعنی خاوند اور سگے بھائی یا سگی بہن سے حاملہ ماں ان کی طرف ضمیر جمع لومائی اس

انتبار سے کہ حمل کو وارث شمار کیا ہے۔ ”طحاوی“۔

37561۔ (قوله: لَمْ يَبْقَ لَهُ شَيْءٌ) یعنی حمل کے لئے کوئی شے باقی نہیں بچی۔ کیونکہ وہ عصبہ ہے۔ اور فروض ترکہ کو

مستغرق اور محیط ہیں۔ کیونکہ یہ مسئلہ چھ سے ہے۔ پس خاوند کے لئے نصف یعنی تین حصے، ماں کے لئے چھٹا حصہ یعنی ایک، اور

دو اخیانی بھائیوں کے لئے ایک تہائی یعنی دو حصے ہیں۔ اور یہی شافعیہ کے نزدیک مسئلہ مشرک ہے۔

37562۔ (قوله: فَيَنْبَغِي أَنْ يُقَدَّرَ أَنْتَى الْخ) پس چاہئے کہ اسے مؤنث فرض کیا جائے۔ اسی پر ”زیلعی“ کا قول

وَتَعُولُ لِتِسْعَةِ احْتِيَاظًا وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ وَحَامِلَةٌ إِنْ أَتَتْ بِابْنٍ فَلَمْ يَرِثْ وَإِنْ وَلَدَتْ بِنْتًا لَهَا الثُّلُثُ يَقْدَرُ

اور مسئلہ نو کی طرف عول کرے گا یہ احتیاطاً ہے۔ اور ”الوہبانیہ“ میں ہے: اور حاملہ اگر بیٹے کو جنم دے تو وہ وارث نہ ہوگا اور اگر اس نے بیٹی جنی تو اس کے لئے تہائی مقرر کیا جائے گا۔

دلالت کرتا ہے: اور اگر وارث کا حصہ دو تقدیروں میں سے ایک پر زیادہ ہو تو اسے اقل دیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے بارے یقین ہے اور باقی روک لیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے مسئلہ میں ورثاء کا حصہ حمل کے مذکور ہونے کی تقدیر کی نسبت اس کے مؤنث ہونے کی تقدیر پر زیادہ ہے۔ لہذا اسے مؤنث فرض کیا جائے گا اور اس کے نصف کو بطور عول روک لیا جائے گا اور وہ ترکہ کا تیسرا حصہ ہے اور ورثاء کو وہ اقل دے دیا جائے گا جس کے بارے یقین ہے۔

پہلی

37563۔ (قوله: وَحَامِلَةٌ الْخ) کہا جاتا ہے: امرأة حامل أو حاملَة (یعنی صفت حامل اور حاملہ دونوں طرح آتی ہے) جیسا کہ ”القاموس“ میں اس کے بارے تصریح ہے۔ فافہم۔ اور ان کے قول: فلم یورث میں فائزائدہ ہے۔ اور یقْدَرُ قاف ساکن اور دال کے فتح کے ساتھ صیغہ مجہول ہے اور یہ شعر ”الوہبانیہ“ کے مشکل کلام میں سے ہے۔ اور یہ حاملہ عورت کے بارے میں ایک پہلی ہے کہ اگر وہ مذکور کو جنم دے تو وہ وارث نہ ہوگا اور اگر اس نے مؤنث کو جنم دیا تو اس کے لئے تیسرا حصہ مقرر ہے اور وہ عول کرتے ہوئے نصف ہے، اس کا جواب وہ ہے جس کی صورت ”شارح“ نے ابھی بیان کی ہے۔ پس کہا جائے گا: بے شک وہ اس صورت میں ہے کہ اگر عورت خاوند، حاملہ ماں اور دو انخیانی بھائی چھوڑ کر فوت ہو۔ اور اس میں کوئی خفا نہیں ہے کہ ”وہبانیہ“ کے کلام میں ایسی کوئی شے نہیں ہے جو یہ فائدہ دیتی ہو کہ کیا اس حمل کے لئے کوئی شے روکی جائے گی یا نہیں؟ بلاشبہ یہ اس مسئلہ کی صورت بیان کرنے کے بارے محض ایک سوال ہے۔ فافہم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فصل فی المناسخۃ

(مَاتَ بَعْضُ الْوَرَثَةِ قَبْلَ الْقِسْمَةِ لِلتَّرِكَةِ صَحَّحَتِ الْمَسْأَلَةُ الْأُولَى، وَأُعْطِيَتْ سَهَامَ كُلِّ وَارِثٍ ثُمَّ الثَّانِيَّةُ) إِلَّا إِذَا اتَّخَذُوا كَانُ مَاتَ عَنْ عَشْرَةِ بَنِينَ، ثُمَّ مَاتَ أَحَدُهُمْ عَنْهُمْ (فَإِنْ اسْتَقَامَ نَصِيبُ الْبَيْتِ الثَّانِي عَلَى تَرِكَّتِهِ فِيهَا) وَنِعْمَتْ

مناسخہ کے احکام

ترکہ کی تقسیم سے پہلے کوئی وارث فوت ہو گیا تو تو پہلے مسئلہ کو صحیح قرار دے اور ہر وارث کے سہام (حصص) اسے دے پھر دوسرے مسئلہ کو صحیح قرار دے، مگر جب وہ متحد ہوں جیسا کہ وہ آدمی دس بیٹے چھوڑ کر فوت ہوا، پھر ان میں سے کوئی ایک فوت ہو گیا تو اگر دوسرے میت کا حصہ اس کے ترکہ پر تقسیم ہو گیا تو بہتر اور بہت اچھا،

مناسخہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

یہ نسخ سے باب مفاعلہ ہے اس کا معنی نقل کرنا، تبدیل کرنا اور پھیرنا ہے اور یہاں اس سے مراد ترکہ تقسیم ہونے سے پہلے کسی وارث کے فوت ہونے کے سبب اس کے حصہ کو اس کے اپنے ورثا کی طرف منتقل کرنا ہے۔ ”سید“۔ دوسرے مسئلہ کی تصحیح

37564۔ (قوله: ثُمَّ الثَّانِيَّةُ) یعنی پھر دوسرے مسئلہ کی تصحیح کی جائے گی۔ مراد دوسرے میت کا مسئلہ ہے۔ اور تصحیح میں سے جو اس کے قبضہ میں ہے اس کے درمیان اور دوسری تصحیح کے درمیان تین احوال کو دیکھا جائے گا اور وہ مماثلت، موافقت اور مباينت ہیں۔ ”سید“۔ عنقریب ان کی مثالیں آئیں گی۔

37565۔ (قوله: إِلَّا إِذَا اتَّخَذُوا) مگر جب دونوں میتوں کے ورثا متحد ہوں تو پھر ایک تصحیح پر اکتفا کیا جائے گا تو اس وقت مذکورہ مثال میں ابتدا سے ہی ترکہ نو بھائیوں پر تقسیم کیا جائے گا گو یا دوسری میت ہے ہی نہیں۔

37566۔ (قوله: فَإِنْ اسْتَقَامَ الْخ) پس اگر دوسری میت کا حصہ تقسیم ہو جائے جیسا کہ جب کوئی ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑ کر فوت ہو پھر وہ بیٹا اپنے دو بیٹے چھوڑ کر فوت ہو جائے تو پہلا مسئلہ تین سے ہے۔ اور ان میں سے بیٹے کے لئے دو حصے ہیں اور پھر اس کا مسئلہ دو سے ہے اور جو اس کے پاس ہے وہ اس کے مسئلہ پر تقسیم ہو جاتا ہے۔

37567۔ (قوله: عَلَى تَرِكَّتِهِ) یعنی اس کے ترکہ کے مسئلہ پر۔ اور اس میں زیادہ درست علی مسئلہ (یعنی اس کے مسئلہ پر) ہے۔

37568۔ (قوله: فِيهَا وَنِعْمَتْ) یعنی اسی تقسیم پر اکتفا کیا جائے گا اور یہ بہت خوب اور اچھا ہے۔ کیونکہ اسی سے

وَإِنْ لَمْ يَسْتَقِمَّ فَإِنْ كَانَ بَيْنَ سَهَامَيْهِ وَمَسْأَلَتِهِ مُوَافَقَةً ضَرَبْتُ وَفَّقْتُ التَّصْحِيحَ فِي كُلِّ التَّصْحِيحِ الْأَوَّلِ وَإِلَّا لَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا مُوَافَقَةٌ بَلْ مُبَايَنَةٌ ضَرَبْتُ كُلَّ الثَّانِي فِي كُلِّ الْأَوَّلِ يَحْصُلُ مَخْرَجُ الْمَسْأَلَتَيْنِ

اور اگر تقسیم نہ ہو تو پھر اگر اس کے سہام اور اس کے مسئلہ کے درمیان موافقت ہو تو اس تصحیح کے وفق کو پہلی تصحیح کے کل میں ضرب دے۔ اور اگر ان دونوں کے درمیان موافقت نہ ہو بلکہ مباینت ہو تو پھر دوسرے کے کل کو پہلے کے کل میں ضرب دے تو دونوں مسئلوں کا مخرج نکل آئے گا

دونوں مسئلے صحیح ہو گئے جس سے پہلا مسئلہ صحیح ہوا، لہذا مزید عمل کی حاجت اور ضرورت نہیں ہوگی۔

37569۔ (قوله: وَإِنْ لَمْ يَسْتَقِمَّ) اور اگر دوسرے میت کا حصہ تقسیم نہ ہو اور اس سے مراد وہ ہے جو پہلے مسئلہ سے

اس کے ہاتھ آیا ہے۔ یعنی وہ اس کے مسئلہ پر تقسیم نہ ہو۔

37570۔ (قوله: فَإِنْ كَانَ بَيْنَ سَهَامَيْهِ) یعنی اس کے وہ حصص جو پہلے مسئلہ سے اس کے ہاتھ میں ہیں ان کے

درمیان اور اس کے مسئلہ کے درمیان موافقت ہو جیسا کہ جب وہ دو بیٹے اور دو بیٹیاں چھوڑ کر فوت ہو جائے پھر دو بیٹوں میں سے کوئی ایک بیوی، بیٹی اور عصبہ چھوڑ کر فوت ہو جائے تو پہلا مسئلہ چھ سے چلے گا اور دوسرا آٹھ سے۔ اور پہلے مسئلہ سے اس کے حصص دو ہیں جو اس کے مسئلہ پر تقسیم نہیں ہو سکتے لیکن نصف کا توافق ہے۔ پس تو اس کے مسئلہ کے وفق جو کہ چار ہے اسے تصحیح اول اور وہ چھ ہے اس میں ضرب دے تو حاصل ضرب چوبیس ہوگا اور اس سے دونوں مسئلے صحیح ہو جائیں گے پہلے بیٹے کے لئے آٹھ حصے، اور تین میں سے ہر بیٹی کے لئے چار حصے اور فوت ہونے والے بیٹے کے لئے آٹھ حصے ہوں گے۔ ان میں سے ایک حصہ اس کی بیوی کے لئے، چار حصے بیٹی کے لئے اور تین حصے عصبہ کے لئے ہوں گے۔

37571۔ (قوله: وَإِلَّا إلخ) اور اگر ان کے درمیان موافقت نہ ہو جیسا کہ اگر کوئی بیوی اور متفرق بہنیں چھوڑ کر فوت

ہو جائے، پھر سگی بہن اپنی دو بہنیں اور خاوند چھوڑ کر فوت ہو گئی تو پہلا مسئلہ بارہ سے چلے گا اور عول تیرہ تک ہوگا۔ پس بیوی کے لئے تین حصے، سگی بہن کے لئے چھ حصے، علاقہ بہن کے لئے دو حصے اور انخیانی بہن کے لئے دو حصے ہوں گے، اور دوسرا مسئلہ چھ سے ہوگا اور سات تک عول ہوگا۔ پس خاوند کے لئے تین حصے، علاقہ بہن کے لئے تین حصے اور ماں کے لئے ایک حصہ ہوگا۔ اور پہلے مسئلہ میں سے سگی بہن کے چھ حصے سات پر برابر تقسیم نہیں ہو سکتے اور ان کے درمیان توافق بھی نہیں ہے۔ ہر سات کو تیرہ میں ضرب دی جائے گی تو حاصل ضرب اکانوے (91) ہوگا اور اس سے دونوں مسئلے صحیح ہو جائیں گے۔

37572۔ (قوله: يَحْصُلُ مَخْرَجُ الْمَسْأَلَتَيْنِ) یعنی موافقت اور مباینت دونوں صورتوں میں ضرب دینے سے جو

حاصل ضرب ہوگا وہی دونوں صورتوں میں دونوں مسئلوں کا مخرج ہوگا جیسا کہ آپ جان چکے ہیں۔ اور اس حاصل ضرب کو الجامعہ کا نام دیا جاتا ہے، اور جسے پہلے مسئلہ میں ضرب دی جائے اور وہ دوسرا مسئلہ یا اس کا وفق ہے اسے جزء السہم کہا جاتا ہے۔ یہ اس کے خلاف ہے جو ”الدراہمشتی“ میں ہے۔ پس تو اس پر آگاہ رہ۔

فَتَضْرِبُ سِهَامَ وَرَثَةِ الْمَيِّتِ الْأَوَّلِ فِي الْمَضْرُوبِ) أُنَى فِي التَّصْحِيحِ الثَّانِي أَوْ فِي وَفْقِهِ (وَسِهَامَ وَرَثَةِ الْمَيِّتِ الثَّانِي فِي كُلِّ مَا فِي يَدِهِ أَوْ وَفْقِهِ مِنْ التَّصْحِيحِ (الْأَوَّلِ) وَإِنْ كَانَ فِيهِمْ مَنْ يَرِثُ مِنْ الْمَيِّتَيْنِ ضَرَبْتُ نَصِيبَهُ مِنَ الْأَوَّلِ فِي الثَّانِي أَوْ وَفْقَهُ وَنَصِيبَهُ مِنَ الثَّانِي فِيمَا فِي يَدِ الْمَيِّتِ الثَّانِي أَوْ وَفْقَهُ

پھر پہلے میت کے ورثا کے سہام کو مضروب یعنی دوسری تصحیح یا اس کے وفق میں ضرب دے گا، اور دوسرے میت کے ورثا کے سہام کو اس کے کل میں جو اس کے ہاتھ میں ہے یا تصحیح اول کے وفق میں ضرب دے۔ اور اگر ان میں کوئی ایسا ہو جو دونوں میتوں سے وارث بن رہا ہو تو پہلے میت سے اس کے حصہ کو دوسرے میں یا اس کے وفق میں اور دوسرے میت سے اس کے حصہ کو اس میں جو میت کے قبضہ میں ہے یا اس کے وفق میں ضرب دے۔

37573۔ (قوله: فَتَضْرِبُ الْخ) ”مصنف“ یہاں سے دونوں مسئلوں میں تصحیح سے ہر وارث کا حصہ پہچاننے میں شروع ہو رہے ہیں۔ اور اس کا بیان اس صورت میں ہے جسے ہم نے موافقت کے لئے بیان کیا ہے کہ بیٹے کے لئے پہلے مسئلہ سے دو حصے ہیں۔ پس تو ان دو کو مضروب میں یعنی دوسرے مسئلہ کے وفق میں ضرب دے اور وہ چار ہے اور اسے ضرب دینے سے آٹھ ہو جائیں گے اور ہر بیٹی کے لئے ایک کو چار میں ضرب دینے سے چار اور بیوی کے لئے دوسرے مسئلہ سے ایک ہے اسے اس کے وفق میں ضرب دو جو اس کی میت کے پاس ہے اور وہ ایک ہے اسے ایک کے ساتھ ضرب دینے سے ایک، اور بیٹی کے لئے چار کو ایک میں ضرب دینے سے چار اور عصبہ کے لئے تین کو ایک میں ضرب دینے سے تین ہوں گے۔ اور اس میں جو ہم نے مباہنت کے لئے صورت بیان کی ہے کہ صرف پہلے مسئلہ سے بیوی کے لئے تین کو سات میں ضرب دینے سے اکیس اور علاتی بہن کے لئے پہلے مسئلہ سے دو کو سات میں ضرب دینے سے چودہ ہوں گے۔ اور دوسرے مسئلہ میں تین کو اس میں ضرب دینے سے جو میت کے پاس ہے اور وہ چھ ہے اٹھارہ ہو جائیں گے۔ اور پہلے مسئلہ سے اخیانی بہن کے لئے دو کو سات میں ضرب دینے سے چودہ اور دوسرے مسئلہ سے ایک کو چھ میں ضرب دینے سے چھ، اور خاوند کے لئے صرف دوسرے مسئلہ سے تین کو چھ میں ضرب دینے سے اٹھارہ حصے ہوں گے۔

37574۔ (قوله: وَإِنْ كَانَ فِيهِمْ الْخ) اور اگر ان میں کوئی ایسا موجود ہو جو دونوں میتوں کا وارث ہو جیسا کہ علاتی اور اخیانی بہن ہے اس صورت میں جو ہم نے مباہنت کے لئے بیان کی ہے۔ لیکن وہ تصحیح اول سے حصہ کو دوسرے مسئلہ کے کل میں ضرب دینے کی مثال ہے۔ اور تصحیح ثانی سے حصہ کو اس کے کل میں ضرب دینے کی مثال جو دوسرے میت کے ہاتھ میں ہے وفق میں ضرب کے لئے ہے۔ اگر کوئی آدمی بیوی، اس سے اپنی بیٹی اور باپ کو چھوڑ کر فوت ہو گیا پھر وہ بیٹی اپنی ماں اور دادا کو چھوڑ کر فوت ہو گئی تو پہلا مسئلہ چوبیس سے چلے گا۔ بیٹی کے لئے نصف یعنی بارہ حصے، بیوی کے لئے آٹھواں حصہ یعنی تین حصے، اور باپ کے لئے چھٹا حصہ یعنی چار حصے بطور فرض اور باقی پانچ بطور عصبہ ہوں گے۔ اور دوسرا مسئلہ تین سے چلے گا، ماں کے لئے تین میں سے ایک حصہ اور باقی دو دادا کے لئے ہوں گے۔ اور اس کے درمیان اور جو بارہ حصص بیٹی کے پاس ہیں ان کے

(وَلَوْ مَاتَ ثَلَاثٌ) قَبْلَ الْقِسْمَةِ (جَعَلَ الْمُبْدَعُ) الثَّانِي (مَقَامَ الْأُولَى) (جَعَلَ) (الثَّالِثَةَ مَقَامَ الثَّانِيَةِ)

اور اگر تقسیم سے پہلے کوئی تیسرا وارث فوت ہو گیا تو پھر عمل میں مبلغ ثانی کو مسئلہ اولیٰ کے مقام پر اور تیسرے کو دوسرے مسئلہ کے مقام پر رکھ دیا جائے،

درمیان ثلث کی موافقت ہے۔ پس تو تصحیح ثانی کے وفق کو اور وہ ایک ہے اسے تصحیح اول کے کل میں ضرب دے گا تو وہ اسی طرح جو بیس ہو جائیں گے۔ پس بیوی کے لئے پہلے مسئلہ سے تین کو تصحیح اول کے وفق ایک میں ضرب دینے سے تین اور اس کے لئے دوسرے مسئلہ سے اس کے ماں ہونے کے سبب ایک کو چار میں جو اس کا وفق ہے جو بیٹی کے پاس ہے ضرب دینے سے چار حصے ہوں گے اور باپ کے لئے پہلے مسئلہ سے نو کو ایک میں ضرب دینے سے نو اور دوسرے مسئلہ سے اس کے اس کا دادا ہونے کی حیثیت سے دو کو چار میں ضرب دینے سے آٹھ حصے ہوں گے۔

اگر کوئی تیسرا وارث فوت ہو جائے تو تصحیح کا ضابطہ

37575۔ (قوله: وَلَوْ مَاتَ ثَلَاثٌ الْخ) اور اگر تیسرا وارث فوت ہو جائے۔ اس کا بیان اس ایک مثال کے ساتھ

ہے جو اس تمام کو جامع ہے جو استقامت، موافقت اور مباہنت میں سے گزر چکا ہے۔ اگر کوئی عورت خاوند، دوسرے خاوند سے ایک بیٹی، اور ماں چھوڑ کر فوت ہو گئی، پھر ترکہ کی تقسیم سے پہلے خاوند ایک بیوی اور والدین چھوڑ کر فوت ہو گیا، پھر بیٹی دو بیٹے، ایک بیٹی اور دادی چھوڑ کر فوت ہو گئی پھر دادی خاوند اور دو بھائی چھوڑ کر فوت ہو گئی۔ تو ان میں سے پہلا مسئلہ اور وہ عورت کا مسئلہ ہے ردیہ ہے وہ سولہ سے صحیح ہوگا۔ پس خاوند کے لئے چار، بیٹی کے لئے نو اور ماں کے لئے تین حصے ہوں گے۔ اور دوسرا اور وہ خاوند کا مسئلہ ہے وہ چار سے صحیح ہوگا، اور وہ اس پر پورا پورا تقسیم ہو جائے گا جو اس کے ہاتھ میں ہے اور ضرب کی حاجت نہیں ہوگی۔ اور تیسرا بیٹی کا مسئلہ ہے وہ چھ سے چلے گا۔ اور پہلے مسئلہ سے اس کا حصہ نو ہے جو اس کے مسئلہ پر تقسیم نہیں ہو سکتا۔ اور ان میں ثلث کا توافق ہے۔ پس تو اس کے مسئلہ کے ثلث کو اور وہ دو ہے سولہ میں ضرب دے گا تو وہ بیس ہو جائیں گے۔ پس اس سے دونوں فریضے صحیح ہو جائیں گے۔ پس جس کے لئے سولہ میں سے کوئی شے ہے تو اسے دو میں ضرب دی جائے گی اور جس کے لئے چھ میں سے کوئی شے ہے تو اسے اس کے وفق میں ضرب دی جائے گی جو اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ تین ہے۔ اور چوتھا جدہ کا مسئلہ ہے۔ یہ چار سے چلے گا اور بیس میں سے اس کے حصے نو ہیں۔ کیونکہ وہ اس کے لئے چھ بیٹی سے اور تین اپنی نو اسی سے جمع ہوئے ہیں اور نو چار پر تقسیم نہیں ہو سکتا۔ اور ان کے درمیان توافق بھی نہیں ہے۔ پس تو چار بیس میں ضرب دے گا تو وہ ایک سو اٹھائیس ہو جائیں گے۔ پس اس سے تمام مسائل صحیح ہو جائیں گے۔ جس کے لئے بیس میں سے کوئی شے ہے تو اسے چار میں ضرب دی جائے گی۔ اور جس کے لئے چار میں سے کوئی شے ہے تو اسے اس میں ضرب دی جائے گی جو اس کے پاس ہے اور وہ نو ہے۔ اس کی مزید وضاحت ”شرح السراجیہ“ میں ہے۔

37576۔ (قوله: جَعَلَ الْمُبْدَعُ الثَّانِي) اور مبلغ ثانی وہ ہے جس سے پہلا اور دوسرا مسئلہ صحیح ہوا ہے۔

فِي الْعَمَلِ وَهَكَذَا كُلُّمَا مَاتَ وَاحِدٌ تُقِيمُهُ مَقَامَ الثَّانِيَةِ وَالْمُبْدَعُ الَّذِي قَبْلَهُ مَقَامَ الْأُولَى إِلَى مَا لَا يَتَنَاهَى وَهَذَا عِلْمُ الْعَمَلِ فَلَا تَغْفُلْ وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ

اور اسی طرح جب بھی کوئی فوت ہو تو اسے دوسرے کے قائم مقام رکھ دو اور اس سے پہلے کے مبلغ کو پہلے کے مقام پر رکھ دو۔ یہی سلسلہ وہاں تک چلتا رہے گا کہ اس کی کوئی انتہا نہیں۔ اور یہ عمل کرنے کا علم ہے پس تو اس میں غفلت نہ کر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

37577۔ (قولہ: فِي الْعَمَلِ) مراد سابقہ عمل ہے اس طرح کہ تو پہلے اور دوسرے دونوں مسئلوں کی تصحیح سے تیسرے میت کے حصے لے اور انہیں اس کے مسئلہ پر تقسیم کر تو اگر وہ تقسیم ہو جائیں تو بہتر اور خوب ہے۔ اور اگر تقسیم نہ ہوں تو تو اس تیسرے مسئلہ کے وفق کو جسے تو نے دوسرا اعتبار کیا ہے یا اس کے کل کو پہلے دونوں مسئلوں کی اس مجموعی تصحیح میں جسے تو نے اول اعتبار کیا ہے ضرب دے اور دونوں کے حاصل ضرب کو ایک مسئلہ کی طرح اعتبار کر، اور اسے دونوں مسئلوں میں ورثاء پر تقسیم کر تو مطلوب حاصل ہو جائے گا جیسا کہ تو اسے جامع مثال میں جان چکا ہے۔

37578۔ (قولہ: وَهَذَا عِلْمُ الْعَمَلِ فَلَا تَغْفُلْ) ”مصنف“ یہ اس باب کے مسائل کے مشکل ہونے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ان میں صرف صاحب عقل ہی پختہ اور ماہر ہوتا ہے اور ہر وہ جو علم الفرائض اور علم الحساب دونوں میں ماہر ہوتا ہے اور وہ جس پر کثرت عمل اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ آسان ہو جاتا ہے اور چنگل مارنے والوں کے عمل کا پختہ ہونا حساب دانوں کے درمیان مشہور ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الْمَخَارِجِ

(الْفُرُوضُ) الْمَذْكُورَةُ فِي الْقُرْآنِ (نَوَعَانِ الْأَوَّلِ النِّصْفُ) وَمَخْرَجُ كُلِّ كَسْبٍ سَبِيئُهُ كَالرُّبْعِ مِنْ أَرْبَعَةٍ إِلَّا النِّصْفَ فَإِنَّهُ مِنْ اثْنَيْنِ وَالرُّبْعُ مِنْ أَرْبَعَةٍ وَالشُّنُّ مِنْ ثَمَانِيَةٍ (وَالثَّانِي) الثُّلُثُ وَ (الثُّلُثَانِ) كِلَاهُمَا (مِنْ ثَلَاثَةٍ وَالسُّدُسُ مِنْ سِتَّةٍ)

مخارج کے احکام

وہ فروض جو قرآن کریم میں مذکور ہیں ان کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم نصف ہے اور ہر کسر کا مخرج اسی کا ہم نام ہے جیسے ربع اربعہ سے (یعنی چوتھائی چار سے) نکلا ہے۔ سوائے نصف کے، کیونکہ یہ اثنین (دو) سے نکلتا ہے۔ اور ربع (چوتھا حصہ) اربعہ (چار) سے، اور ثمن (آٹھواں حصہ) ثمانیہ (آٹھ) سے نکلتا ہے۔ اور دوسری قسم ثلث (ایک تہائی) اور ثلثان (دو تہائی) ہے۔ یہ دونوں ثلاثہ (تین) سے نکلتے ہیں۔ اور سدس (چھٹا حصہ) ستہ (چھ) سے نکلتا ہے۔

مخارج کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

زیادہ مناسب باب المخارج وغیرہا کہنا ہے جیسا کہ گزشتہ ابواب میں کہا ہے، کیونکہ ”مصنف“ نے باب الخ تصحیح اور باب النسب بین الاعداد بھی اسی باب میں ذکر کئے ہیں۔ اور اسے مناسب پر مقدم کرنا زیادہ مناسب تھا جیسا کہ ”السراجیہ“ میں کیا ہے، کیونکہ وہ اس پر موقوف ہے اور مخارج مخرج کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ اقل عدد ہے جس سے ہر فرض کو انفرادی طور پر صحیح نکالنا ممکن ہو۔ پس واحد (ایک) حساب دانوں کے نزدیک عدد نہیں ہے نہ کہ نحو یوں کے نزدیک۔

فروض کی انواع

37579۔ (قوله: الْفُرُوضُ الْخَمْسُ) یعنی آنے والے چھ فروض جو کہ سورہ نساء کی پانچ آیات سے ماخوذ ہیں۔

37580۔ (قوله: نَوَعَانِ) ان کی دو قسمیں ہیں، وہ سبب جس کی بنا پر فقہانے چھ فروض کو دو قسمیں قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ ان میں سے مقدار کے اعتبار سے سب سے اقل وہ ثمن (آٹھواں حصہ) ہے جس کا مخرج ثمانیہ (آٹھ) ہے۔ اور ربع (چوتھائی) اور نصف دونوں بغیر کسر کے آٹھ سے نکل آتے ہیں۔ پس انہوں نے ان تینوں کو ایک قسم قرار دیا ہے۔ اور اس کے بعد اقل فرض وہ سدس (چھٹا حصہ) ہے جس کا مخرج الستہ (چھ) ہے اور ثلث (ایک تہائی) اور ثلثان (دو تہائی) بغیر کسر کے اس سے نکل آتے ہیں۔ پس انہوں نے ان تینوں کو دوسری قسم بنا دیا، اسے ”السید“ نے بیان کیا ہے۔

ہر کسر کا مخرج اس کا ہم نام ہے

37581۔ (قوله: وَمَخْرَجُ كُلِّ كَسْبٍ سَبِيئُهُ) اور ہر کسر کا مخرج اس کا ہم نام ہے، یعنی اعداد صحیحہ میں سے ہر کسر کا مخرج

عَلَى التَّضْعِيفِ وَالتَّنْصِيفِ فَتَقُولُ مَثَلًا الشُّنُّ وَضِعْفُهُ وَضِعْفُ ضِعْفِهِ أَوْ تَقُولُ النِّصْفُ وَنِصْفُهُ وَنِصْفُ نِصْفِهِ قُلْتَ وَأَخْصَرُ الْكُلِّ أَنْ تَقُولَ الرَّبْعُ وَالثُّلُثُ وَنِصْفُ كُلِّ وَضِعْفُهُ فَإِذَا جَاءَ فِي الْمَسْأَلَةِ مِنْ هَذِهِ الْفُرُوضِ أَحَادٌ فَمَخْرَجُ كُلِّ فَرْدٍ مُنْفَرِدٌ سِوَاهِ إِلَّا النِّصْفَ كَمَا مَرَّ

اور یہ تضعیف (دوگنا کرنا) اور تنصیف (نصف کرنا) کی بنا پر ہے۔ مثلاً تو کہتا ہے: ثمن (آٹھواں حصہ) اور اس کا دوگنا اور اس کے دو گنے کا دوگنا، یا کہتا ہے: نصف اور اس کا نصف اور اس کے نصف کا نصف۔ میں کہتا ہوں: تمام عبارات میں سے زیادہ مختصر تیرا یہ کہنا ہے: ربع (چوتھا حصہ)، ثلث (تیسرا حصہ) اور ہر ایک کا نصف اور ہر ایک کا دوگنا۔ پھر جب مسئلہ میں ان فروض میں سے ایک ایک آئے تو ہر فرد کا مخرج اسی کے نام سے منفرد ہوگا سوائے نصف کے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

کے ساتھ اس کے نام کے مادہ میں شریک ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ سدس اپنے مخرج ستہ کے ساتھ اس میں شریک ہے۔ کیونکہ ستہ کی اصل سد ستہ ہے پھر دال اور دوسری سین میں سے ہر ایک کو تاء کے ساتھ بدلا گیا ہے اور پھر تا کو تا میں ادغام کر دیا گیا ہے تو وہ ستہ بن گیا ہے۔ اور اسے کسر کے ساتھ تعبیر کیا ہے تاکہ یہ مذکورہ فروض کے علاوہ کو بھی شامل ہو جائے جیسا کہ کسور منطقہ میں سے خمس (پانچواں حصہ) سبع (ساتواں حصہ) تسع (نانواں حصہ) اور عشر (دسواں حصہ) ہیں۔ کیونکہ یہ بھی اسی طرح ہیں، اور ان کا کلام کسر مفرد کو شامل ہے جیسا کہ نصف اور کسر مرکب کو بھی شامل ہے جیسا کہ ثلثین (دو تہائی)۔ اور تو جان کہ مخرج جب بھی اقل (کم) ہوگا فرض (حصہ) زیادہ ہوگا، اور جب مخرج زیادہ ہوگا تو فرض کم ہوگا، کیونکہ نصف ربع سے زیادہ ہے اور اس کا مخرج اس کے مخرج سے کم ہے۔

37582۔ (قوله: عَلَى التَّضْعِيفِ) اس سے ارادہ یہ کیا ہے کہ ثمن (آٹھواں حصہ) جب دوگنا ہو تو ربع (چوتھا حصہ) حاصل ہو جاتا ہے اور ربع جب دوگنا ہو تو نصف حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح سدس (چھٹا حصہ) جب دوگنا ہو تو وہ ثلث (تیسرا حصہ) ہو جاتا ہے اور جب ثلث دوگنا ہو جائے تو وہ ثلثان (دو تہائی) ہو جاتا ہے۔ ”سید“۔

37583۔ (قوله: وَالتَّنْصِيفِ) اس سے ارادہ یہ کیا ہے کہ نصف کا جب نصف ہو جائے تو وہ ربع بن جاتا ہے، اور ربع جب نصف ہو جائے تو وہ آٹھواں حصہ (ثمن) بن جاتا ہے۔ اور یہی حال ایک ثلث اور دو ثلث کو نصف کرنے میں ہے۔ ”سید“۔

37584۔ (قوله: فَتَقُولُ مَثَلًا الْخ) یعنی تو اسی طرح دوسری قسم میں بھی کہے گا، اور حاصل کلام یہ ہے کہ جب دو قسموں کے اصغر (یعنی چھوٹے حصے) سے شروع کیا جائے تو وہ تضعیف پر محمول ہوگا۔ اور جب اکبر (یعنی بڑے حصے) سے شروع کیا جائے تو وہ تنصیف پر محمول ہوگا۔

37585۔ (قوله: وَأَخْصَرُ الْكُلِّ) یعنی ان عبارات میں سے مختصر ترین جن کے ساتھ دونوں قسموں کو تعبیر کیا گیا ہے۔

37586۔ (قوله: أَحَادٌ) یعنی ایک ایک، پس اس کا معنی مکرر ہوگا اگرچہ اسے ایک بار ذکر کیا جائے۔ اور ”السراجیہ“

میں اسے لفظ کی جانب دیکھتے ہوئے مکرر ذکر کیا ہے جیسا کہ حدیث طیبہ میں ہے صلاة اللیل مثنی مثنی (رات کی نماز دو دو

وَإِذَا جَاءَ مَثْنَى أَوْ ثَلَاثَ وَهَمَا مِنْ تَوَعٍ وَاحِدٍ فَكُلُّ عَدَدٍ يَكُونُ مَخْرَجًا لِجُزْءٍ فَذَلِكَ الْعَدَدُ أَيْضًا يَكُونُ مَخْرَجًا لِضِعْفِهِ وَأَضْعَافِهِ كَالسِّتَةِ هِيَ مَخْرَجٌ لِلْسُّدُسِ وَضِعْفُ ضِعْفِهِ (فَإِذَا اخْتَلَطَ النِّصْفُ) مِنْ التَّوَعِ الْأَوَّلِ (بِكُلِّ) التَّوَعِ (الثَّانِي) أَيْ الثَّلَاثَةِ الْآخِرِ (أَوْ بَعْضِهِ) فَإِذَا كَانَ فِي الْمَسْأَلَةِ نِصْفٌ وَثُلْثَانٍ وَثُلُثٌ وَسُدُسٌ

اور جب دو دو یا تین تین آئیں اور وہ دونوں ایک نوع سے ہوں تو ہر وہ عدد جو جز کا مخرج ہوگا تو وہی عدد ہی اس کے دوگنا اور اس کے سہ گنا کا مخرج ہوگا جیسا کہ چھ یہ سدس، اس کے دوگنا، اور اس کے دوگنا کے دوگنا کا مخرج ہے۔ اور جب پہلی قسم میں سے نصف دوسری قسم کے کل یعنی دوسرے تینوں فروض کے ساتھ یا اس کے بعض کے ساتھ مل جائے، تو جب مسئلہ میں نصف، دوثلث، ایک ثلث، اور سدس ہو

رکعت ہے) اسے ”السید“ نے بیان کیا ہے۔ اور جو ”دیوان الممتنبی“ کی شرح میں امام ”واحدی“ کا قول ہے کہ ہواحاد نہیں کہا جاتا ہے یعنی وہ ایک ہے، بلاشبہ وہ کہتے ہیں جاؤ واحاد احاد یعنی وہ ایک ایک ہو کر آئے۔ اور واحد کی جگہ میں احاد ذکر کرنا غلطی ہے۔ یہ متعدد میں اس کے ایک بار ذکر کرنے کے عدم جواز پر دلالت نہیں کرتا جیسا کہ اس صورت میں ہے جو ہم بیان کر رہے ہیں۔ بلاشبہ یہ واحد (ایک) میں اس کے عدم جواز پر دلالت کرتا ہے۔ لہذا یہ نہیں کہا جائے گا۔ زید احاد۔ فافہم۔

37587۔ (قوله: وَهَمَا) یعنی مثنی (دو دو) یا ثلاث (تین تین) ایک نوع سے ہوں۔ یعنی صرف پہلی قسم سے ہوں یا صرف دوسری قسم سے ہوں، دونوں قسموں میں سے ایک کی کوئی شے دوسری میں ملی ہوئی نہ ہو۔

37588۔ (قوله: لِجُزْءٍ) مراد ان میں سے اقل جز ہے۔

37589۔ (قوله: يَكُونُ مَخْرَجًا لِضِعْفِهِ الْخ) وہی دوگنا کا مخرج ہوتا ہے۔ کیونکہ دوگنا کا مخرج جز کے مخرج میں موجود ہے۔ پس وہ اس کے سبب دوگنا کے مخرج سے مستغنی ہوتا ہے۔ پس ثلث اور ثلثین کا مخرج ثلاثہ (تین) ہے اور یہ سدس کے مخرج چھ میں داخل ہے۔ اور اسی طرح ربع اور نصف کے مخرج میں سے ہر ایک ثمن کے مخرج (آٹھ) میں داخل ہے۔ پس جب مسئلہ میں سدس اور ثلث جمع ہوں جیسا کہ ورثاء میں ماں اور دو انخیانی بہنیں ہوں، یا سدس اور دوثلث جمع ہوں جیسا کہ ورثاء میں ماں اور دو سگی بہنیں ہوں تو مسئلہ چھ سے چلے گا۔ یا ایک ثلث اور دوثلث جمع ہو جائیں جیسا کہ ورثاء میں دو سگی بہنیں اور دو انخیانی بہنیں ہوں تو پھر مسئلہ تین سے ہوگا۔ یا جب تین جمع ہو جائیں جیسا کہ ماں، دو انخیانی بہنیں، اور دو حقیقی بہنیں ورثاء میں ہوں تو مسئلہ چھ سے چلے گا۔ اور جب اس میں نصف کے ساتھ آٹھواں حصہ (ثمن) جمع ہو جیسا کہ بیوی اور ایک بیٹی وارث ہوں تو مسئلہ آٹھ سے چلے گا۔ یا ربع اور نصف جمع ہو جائیں جیسا کہ خاوند اور بیٹی وارث ہوں تو مسئلہ چار سے ہوگا۔ ربع کے ثمن کے ساتھ جمع ہونے کا کوئی تصور نہیں ہو سکتا اور نہ ہی تین کے اجتماع کا کوئی تصور ہے۔

37590۔ (قوله: فَإِذَا اخْتَلَطَ النِّصْفُ الْخ) اسی سے ”شارح“ کے قول: وَهَمَا مِنْ تَوَعٍ وَاحِدٍ کے ساتھ احتراز کیا

كَنْزُجَ وَشَقِيقَتَيْنِ وَأُخْتَيْنِ لِأُمِّ وَأُمِّ (فَمِنْ سِتَّةٍ) لِتَرْكُوبِهَا مِنْ ضَرْبِ اثْنَيْنِ فِي ثَلَاثَةٍ (أَوْ) اخْتَلَطَ (الرُّبْعُ) مِنَ النَّوعِ الْأَوَّلِ بِكُلِّ الثَّانِي أَوْ بَعْضِهِ) فَإِذَا كَانَ فِي الْمَسْأَلَةِ زَوْجَةٌ وَمَنْ ذَكَرَ (فَمِنْ اثْنَيْ عَشَرَ) لِتَرْكُوبِهَا مِنْ ضَرْبِ الْأَرْبَعَةِ فِي ثَلَاثَةٍ لِمُوَافَقَةِ السِّتَّةِ بِالنِّصْفِ (أَوْ) اخْتَلَطَ (الثُّنَيْنِ) مِنَ النَّوعِ الْأَوَّلِ

جیسا کہ خاوند، دو سگی بہنیں، دو اخیانی بہنیں اور ماں وارث ہوں تو مسئلہ چھ سے ہوگا، اس لئے کہ وہ دو کو تین میں ضرب دینے سے مرکب ہے۔ یا پہلی قسم میں سے ربع (چوتھائی) دوسری قسم کے کل یا بعض کے ساتھ مختلط ہو تو جب مسئلہ میں بیوی اور مذکورہ ورثاء ہوں تو مسئلہ بارہ سے چلے گا، اس لئے کہ وہ چار کو تین میں ضرب دینے سے مرکب ہے اور چھ کی چار کے ساتھ نصف سے موافقت ہے۔ یا پہلی قسم سے ثمن (آٹھواں حصہ) دوسری قسم کے بعض کے ساتھ

گیا ہے۔ پس جو گزر چکا ہے وہ ہر قسم کے افراد میں سے بعض کے بعض کے ساتھ آپس میں ملنے کے بارے میں ہے۔ اور یہاں سے دوسری نوع کے کل یا بعض افراد کے ساتھ اختلاط کے بیان کا آغاز ہے۔ اور تو جان کہ مطلقاً اختلاط کی ستاون صورتیں ہیں: ان میں سے ستائیس شرعی ہیں اور تیس عقلی ہیں، میں نے ان تمام کو ”الرحیق المختوم“ میں مختصراً ذکر کیا ہے، تم اس کی طرف رجوع کرو۔

37591۔ (قولہ: كَنْزُجَ الْخ) یہ نصف کے تین کے ساتھ اختلاط کی مثال ہے، اور اس میں لف وشر مرتب ہے، اور اسی سے نصف کے اس کے بعض کے ساتھ اختلاط کی مثالیں معلوم کی جاسکتی ہیں اس طرح کہ خاوندان میں سے صرف ایک کے ساتھ ہو یا ان میں سے دو کے ساتھ ہو۔

37592۔ (قولہ: لِتَرْكُوبِهَا مِنْ ضَرْبِ اثْنَيْنِ فِي ثَلَاثَةٍ) اس لئے کہ وہ دو کو تین میں ضرب دینے سے مرکب ہے، یہ بلاشبہ ظاہر ہے جب مسئلہ میں سدس (چھٹا حصہ) نہ ہو۔ لیکن جب اس میں سدس ہو تو پھر اسی کے مخرج پر اکتفا کیا جائے گا، کیونکہ نصف کا مخرج دو ہے اور ایک ثلث اور دو ثلث کا مخرج تین ہے۔ اور یہ دونوں چھ میں داخل ہیں۔ پس اسی پر اکتفا کیا جائے گا۔ ”طحطاوی“۔

37593۔ (قولہ: فَإِذَا كَانَ فِي الْمَسْأَلَةِ زَوْجَةٌ وَمَنْ ذَكَرَ) پس جب مسئلہ میں بیوی اور وہ ورثاء ہوں جو سابقہ مثال میں ہیں یعنی دو سگی بہنیں، دو اخیانی بہنیں، اور ماں، اور یہ ربع کے دوسری قسم کے کل کے ساتھ اختلاط کی مثال ہے اور اسی سے اس کا بعض کے ساتھ مخلوط ہونا معلوم ہو سکتا ہے اس طرح کہ بیوی ان میں سے صرف ایک کے ساتھ ہو یا ان میں سے دو کے ساتھ ہو جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

37594۔ (قولہ: لِمُوَافَقَةِ السِّتَّةِ بِالنِّصْفِ) یہ اس کی تعلیل ہے جو انہوں نے اپنے کلام کا مفہوم چار کو تین میں ضرب دینے سے بیان کیا ہے چاہے اس میں سدس ہو یا نہ ہو۔ رہی دوسری صورت تو وہ ظاہر ہے۔ لیکن جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تو وہ اس لئے کہ سدس کا مخرج چھ ہے اور اس کی چار کے ساتھ نصف کی موافقت ہے جو کہ ربع کا مخرج ہے۔ اور چھ

بِبَعْضِ الثَّانِي وَأَمَّا بِكُلِّهِ فَعَيْدُ مُتَصَوِّرٍ إِلَّا عَلَى رَأْيِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَوْ فِي الْوَصَايَا فَلْيُحْفَظْ (فَمِنْ أَرْبَعَةِ وَعِشْرِينَ) كَنُزُجَةٍ وَبِنْتَيْنِ وَأُمِّ لَتَرْكُوبَهَا مِنْ ضَرْبِ الثَّمَانِيَةِ فِي ثَلَاثَةِ لِمَا قَدْ مَنَّا مِنْ مُوَافَقَةِ السِّتَةِ بِالنِّصْفِ

ملا ہوا ہو۔ اور رہا اس کے کل کے ساتھ مختلط ہونا تو وہ متصور نہیں سوائے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے کے یا پھر وصایا میں۔ اسے یاد رکھ لینا چاہئے۔ تو وہ مسئلہ چوبیس سے چلے گا جیسا کہ بیوی، دو بیٹیاں اور ماں و رثاء میں ہوں۔ اس لئے کہ وہ آٹھ کو تین سے ضرب دینے سے مرکب ہے جیسا کہ ہم چھ کی موافقت بالنصف میں بیان کر چکے ہیں۔

کا نصف تین ہے لہذا چار کو ہمیشہ تین میں ضرب دی جائے گی۔ فافہم۔

37595۔ (قوله: بِبَعْضِ الثَّانِي) دوسری قسم کے بعض کے ساتھ۔ یہ اپنے اطلاق پر نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دو ثلث کے ساتھ مختلط ہوتا ہے جیسا کہ وراثاء میں بیوی اور دو بیٹیاں ہوں، اور سدس کے ساتھ جیسا کہ جب بیوی، ماں اور بیٹا وارث ہوں۔ اور دو ثلث اور سدس کے ساتھ مختلط ہوتا ہے جیسا کہ بیوی، دو بیٹیاں اور ماں وارث ہوں۔ اور رہائش کا غیر کے ساتھ اختلاط تو اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا سوائے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی آنے والی رائے کے ان کے نزدیک محروم غیر کے لئے جب نقصان کے ساتھ حاجب ہوتا ہے۔ پس ان کے نزدیک وہ ثلث کے ساتھ مختلط ہوتا ہے جیسا کہ بیوی، دو اخیانی بہنیں اور محروم کا بیٹا وارث ہوں۔ اور ثلث اور سدس کے ساتھ مختلط ہوتا ہے جیسا کہ مذکورہ وراثاء اور ماں ہو۔ اور دو ثلث اور ایک ثلث کے ساتھ اختلاط ہو سکتا ہے جیسا کہ بیوی، دو سگی بہنیں، دو اخیانی بہنیں اور محروم کا بیٹا وراثاء ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے

37596۔ (قوله: إِلَّا عَلَى رَأْيِ ابْنِ مَسْعُودٍ) مگر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مطابق جیسا کہ اگر وہ کافر بیٹا، بیوی، ماں، دو علاقہ بہنیں اور دو اخیانی بہنیں چھوڑے تو یہ دونوں مسئلے چوبیس سے چلیں گے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کا عول اکتیس تک ہوگا۔ ”حلی“۔ رہا ان کے سوا دوسروں کے نزدیک تو یہ مسئلہ بارہ سے ہوگا اور سترہ تک عول ہوگا۔

37597۔ (قوله: أَوْ فِي الْوَصَايَا) یا وصایا میں جیسا کہ اگر کوئی کسی آدمی کے لئے اپنے مال کے آٹھویں حصہ کے بارے، دوسرے کے لئے دو ثلث کے بارے، تیسرے کے لئے ایک ثلث کے بارے، اور چوتھے کے لئے سترہ کے بارے وصیت کرے۔ اور اس کا کوئی وارث نہ ہو یا وارث ہو اور وہ تمام کو اجازت دے دے تو یہ مسئلہ چوبیس سے ہوگا اور اکتیس تک عول ہوگا جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔ اور اسی طرح جو صورتیں ہم نے پہلے بیان کی ہیں وہ صرف آپ رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مطابق آتی ہیں، اور دوسروں کی رائے کے مطابق وہ وصایا میں بھی آتی ہیں جیسا کہ یہ امر مخفی نہیں ہے۔

37598۔ (قوله: فِي ثَلَاثَةِ) یعنی ہمیشہ تین میں ضرب دینے سے، برابر ہے سدس مسئلہ میں ہو یا نہ ہو۔ اور اسی سے تعلیل واضح ہو جاتی ہے جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے اس کی نظیر پر متنبہ کیا ہے۔

37599۔ (قوله: مِنْ مُوَافَقَةِ السِّتَةِ بِالنِّصْفِ) لیکن جو پہلے گزر چکا ہے اس میں چھ کی چار کے ساتھ نصف کی

وَلَا يَجْتَبِعُ أَكْثَرُ مِنْ أَرْبَعِ فُرُوضٍ فِي مَسْأَلَةٍ وَاحِدَةٍ وَلَا يَجْتَبِعُ مِنْ أَصْحَابِهَا أَكْثَرُ مِنْ خَمْسِ طَوَائِفَ وَلَا يَنْكَسِرُ عَلَى أَكْثَرِ مِنْ أَرْبَعِ فِرَاقٍ (وَإِذَا انْكَسَرَ سَهَامُ فِرَاقٍ

اور ایک مسئلہ میں چار فروع سے زیادہ جمع نہیں ہو سکتے۔ اور اصحاب فرائض میں سے پانچ گروہوں سے زیادہ جمع نہیں ہو سکتے، اور سہام میں چار فرقوں سے زیادہ پر کسر واقع نہیں ہوتا۔ اور جب ایک فریق کے سہام ان پر ٹوٹ جائیں

موافقت ہے اور یہاں آٹھ کے ساتھ ہے۔

ایک مسئلہ میں چار فروع سے زیادہ کا اجتماع جائز نہیں

37600۔ (قوله: وَلَا يَجْتَبِعُ أَكْثَرُ مِنْ أَرْبَعِ فُرُوضٍ) اور چار فروع سے زیادہ جمع نہیں ہو سکتے یعنی تکرار کے

بغیر۔ لہذا خاوند، ماں، سگی بہن، علاقائی بہن اور دو اخیانی بہنیں اگر ورثاء ہوں تو اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ”حلی“۔

اصحاب فرائض میں سے پانچ سے زیادہ گروہوں کا اجتماع جائز نہیں

37601۔ (قوله: وَلَا يَجْتَبِعُ مِنْ أَصْحَابِهَا أَكْثَرُ مِنْ خَمْسِ طَوَائِفَ) اور اصحاب فرائض میں سے پانچ سے

زیادہ گروہ جمع نہیں ہو سکتے، اس کی وضاحت یہ ہے: اگر میت خاوند یا بیوی اور باپ، ماں، دادا، دادی، بیٹی، پوتی، سگی بہن، علاقائی بہن، بھائی، اور اخیانی بہن چھوڑ کر فوت ہو گیا تو یہ وہ ہیں جن کے فروع اور حصص مقرر ہیں۔ لیکن دادا اور بہنیں باپ کے ساتھ اور دادی ماں کے ساتھ محبوب ہوتے ہیں۔ اور باقی جس کے لئے آٹھواں یا چوتھا حصہ ہے وہ زوجین میں سے ایک ہے۔ اور جس کے لئے نصف ہے وہ بیٹی ہے، اور جس کے لئے چھٹا حصہ ہے وہ تین گروہ ہیں یعنی باپ، ماں اور پوتی۔ پس نتیجتاً یہ پانچ گروہ ہو گئے۔ پس اگر باپ، دادا، بیٹی اور پوتی نہ ہوں تو باقی جس کے لئے ربع یا نصف ہے اور وہ زوجین میں سے ایک ہے۔ اور جس کے لئے نصف ہے اور وہ سگی بہن ہے، اور جس کے لئے سدس ہے اور وہ دو گروہ ہیں یعنی ماں اور علاقائی بہن، اور جس کے لئے ثلث ہے اور وہ ماں کی اولاد (اخیانی) ہے تو یہاں بھی پانچ گروہ ہو گئے۔

سہام میں سے چار فرقوں سے زیادہ پر کسر نہیں ہوتا

37602۔ (قوله: وَلَا يَنْكَسِرُ عَلَى أَكْثَرِ مِنْ أَرْبَعِ فِرَاقٍ) اور چار فرقوں سے زیادہ پر کسر نہیں ہوتا۔ کیونکہ ضروری

ہے کہ پانچ گروہوں میں سے ایک وہ ہو جو منفرد ہو جیسا کہ باپ یا ماں یا خاوند اور اس پر اس کے سہام میں بالکل کسر نہیں ہوتا۔

37603۔ (قوله: وَإِذَا انْكَسَرَ سَهَامُ فِرَاقٍ الْخ) یہاں سے ”مصنف“ مسائل کی تصحیح میں شروع ہو رہے ہیں۔ اور

اس سے مراد اقل عدد کا بیان ہے اس میں ہر وارث کا حصہ بغیر کسر کے نکل آتا ہے۔ اور تو جان کہ یہاں وہ سات اصولوں کا

محتاج ہوتا ہے۔ ان میں سے تین سہام اور رؤوس کے درمیان ہیں اور ان میں سے چار رؤوس اور رؤوس کے درمیان ہیں۔ رہے

وہ تین جو سہام اور رؤوس کے درمیان ہیں تو ان میں سے ایک استقامت ہے اس طرح کہ ہر فریق کے سہام ان پر بغیر کسر کے

تقسیم ہو جائیں جیسا کہ والدین اور چار بیٹیاں وارث ہوں تو اس میں ضرب کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں۔ اور ان میں سے

عَلَيْهِمْ ضَرَبْتُ عَدَدَهُمْ فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ وَعَوْلَهَا إِنْ كَانَتْ عَائِلَةً (كَامْرَأَةٍ وَأَخَوَيْنِ) لِلْمَرْأَةِ الرُّبْعُ يَبْقَى لَهَا ثَلَاثَةٌ لَا تَسْتَقِيمُ وَلَا تُوَافِقُ فَاضْرِبْ اثْنَيْنِ فِي أَرْبَعَةٍ فَتَصِحَّ مِنْ ثَنَائِيَةِ (وَإِنْ وَافَقَ سَهَامُهُمْ عَدَدَهُمْ ضَرَبْتُ وَفَقَ عَدَدِهِمْ فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ)

تو تو ان کی تعداد کو اصل مسئلہ میں ضرب دے، اور اس کے عول میں ضرب دے اگر وہ مسئلہ عائلہ ہو جیسا کہ بیوی اور دو بھائی وارث ہوں، تو بیوی کے لئے ربع (چوتھا حصہ) ہوگا اور ان دونوں بھائیوں کے لئے تین حصے باقی رہ جائیں گے جو ان پر تقسیم نہیں ہو سکتے اور ان کے درمیان توافق بھی نہیں ہے۔ پس تو دو کو چار میں ضرب دے تو مسئلہ آٹھ سے صحیح ہو جائے گا۔ اور اگر ان کے سہام ان کے عدد کے موافق ہوں تو پھر ان کے عدد کے وفق کو اصل مسئلہ

دوسرا مباہنت کے ساتھ انکسار (ٹوٹنا) ہے اس طرح کہ سہام ایک طائفہ پر ٹوٹ جائیں اور ان کے سہام اور ان کے رؤوس کے درمیان موافقت نہ ہو تو رؤوس کے عدد کو صرف اصل مسئلہ میں یا اس کے عول کے ساتھ اگر وہ مسئلہ عائلہ ہو ضرب دے۔ اور تیسرا اصول موافقت کے ساتھ انکسار (ٹوٹنا) ہے اس طرح کہ سہام ایک طائفہ پر ٹوٹ جائیں لیکن ان کے سہام اور ان کے رؤوس کے درمیان موافقت ہو تو پھر رؤوس کے وفق کو اصل مسئلہ میں یا اصل مسئلہ میں اس کے عول سمیت ضرب دے۔

اور رہے وہ چار اصول جو رؤوس اور رؤوس کے درمیان ہیں تو وہ تماثل، تداخل، توافق، اور تباین ہیں۔ ”مصنف“ عنقریب ان چاروں کی پہچان کا بیان ذکر کریں گے۔ اور یہ چاروں استعمال نہیں ہوتے مگر جب کسر دو یا زیادہ گروہوں پر واقع ہو۔ بلاشبہ فقہانے سہام اور رؤوس کے درمیان تداخل کا اعتبار نہیں کیا جیسا کہ انہوں نے رؤوس اور رؤوس کے درمیان اس کا اعتبار کیا ہے۔ بلکہ انہوں نے اسے موافقت کی طرف رد کر دیا ہے اگر رؤوس زیادہ ہوں، اور مماثلت کی طرف لوٹا دیا ہے اگر سہام زیادہ ہوں جیسا کہ اختصار کے لئے چھ کو تین پر رد کرنا جیسا کہ عنقریب وضاحت آئے گی۔ تحقیق ”مصنف“ نے ان ساتوں اصولوں کو ان کی امثلہ کے ساتھ اسی مذکورہ ترتیب پر ذکر کیا ہے سوائے استقامت کے۔ کیونکہ اس کا حذف اس کے ظاہر ہونے کی وجہ سے ہے۔

اگر ایک فریق کے سہام ان پر ٹوٹ جائیں تو تصحیح کا طریقہ

37604۔ (قوله: عَلَيْهِمْ) یعنی اس فریق پر۔ اور اس میں جمع کی ضمیر معنی کے اعتبار سے ہے۔

37605۔ (قوله: إِنْ كَانَتْ عَائِلَةً) اگر مسئلہ عائلہ ہو۔ یعنی دونوں میں ضرب دی جائے گی اگر عول ہو۔ اور اگر عول

نہ ہو تو پھر صرف اصل مسئلہ میں ضرب دی جائے۔ بلاشبہ ”مصنف“ نے یہاں اس تفصیل کو چھوڑ دیا ہے اور اس میں بھی جو اس کے بعد ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ مسئلہ اور اس کا عول اس بارے میں اصل مسئلہ کے قائم مقام ہو گئے ہیں کہ رؤوس کی تعداد کو دونوں میں ضرب دی جائے گی جیسا کہ اسے اصل مسئلہ میں ضرب دی جاتی ہے۔ اسے ”السید“ نے بیان کیا ہے۔

37606۔ (قوله: كَامْرَأَةٍ وَأَخَوَيْنِ) جیسا کہ بیوی اور دو بھائی وارث ہوں۔ یہ ایسے مسئلہ کی مثال ہے جس میں عول

وَعَوْلَهَا (كَامْرَأَةٍ وَسِتِّ إِخْوَةٍ) فَلَهُمْ ثَلَاثَةٌ تُوَافِقُهُمْ بِالثُّلُثِ فَاضْرِبْ اثْنَيْنِ فِي أَرْبَعَةٍ فَتَصِحَّ مِنْ ثَنَانِيَّةٍ أَيْضًا

اور اس کے عول میں ضرب دے جیسا کہ بیوی اور چھ بھائی وارث ہوں تو ان بھائیوں کے لئے تین حصے ہوں گے اب ان کی تعداد اور تین کے درمیان توافق ہے۔ پس تو دو کو چار میں ضرب دے تو یہ مسئلہ بھی آٹھ سے صحیح ہو جائے گا۔

نہیں۔ اور اس کی اصل چار ہے۔ اور مسئلہ عائکہ کی مثال خاوند اور پانچ سگی یا علاقہ بھنوں کا وارث ہونا ہے۔ اس کی اصل چھ ہے پس خاوند کے لئے نصف یعنی تین حصے اور دو بھائیوں کے لئے دوثلث یعنی چار حصے ہیں۔ پس اس میں سات تک عول ہوا۔ اور بھنوں کے سہام اور ان کے رؤوس کے درمیان مباہنت ہے۔ پس تو ان کے رؤوس کی تعداد یعنی پانچ کو اصل مسئلہ میں عول سمیت ضرب دے اور وہ عول سات ہے تو حاصل ضرب پینتیس آئے گا اور اس سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔

37607۔ (قوله: وَعَوْلَهَا) اور اس کے عول میں اگر وہ مسئلہ عائکہ ہو۔ اور اگر عائکہ نہ ہو تو صرف اصل مسئلہ میں ضرب

دے جیسا کہ ”مصنف“ نے اسے ذکر کیا ہے۔

37608۔ (قوله: كَامْرَأَةٍ وَسِتِّ إِخْوَةٍ) جیسا کہ بیوی اور چھ بھائی وارث ہوں، یہ مسئلہ غیر عائکہ کی مثال ہے اور اس

کی اصل بھی چار سے ہے۔ اور عائکہ کی مثال خاوند، والدین، اور چھ بیٹیوں کا وارث ہونا ہے۔ اس کی اصل بارہ سے ہے۔ پس خاوند کے ربع یعنی تین حصے، والدین کے دوسدس یعنی چار حصے، اور چھ بیٹیوں کے لئے دوثلث یعنی آٹھ حصے ہوں گے۔ پس یہ مسئلہ پندرہ تک عول ہوا۔ اور بیٹیوں کے آٹھ سہام ان کے رؤوس کی تعداد چھ پر ٹوٹ گئے لیکن ان دونوں کے درمیان موافقت بالنصف ہے۔ پس ہم نے ان کے رؤوس کے عدد کو اس کے نصف کی طرف لوٹا دیا اور وہ تین ہے۔ پھر ہم نے اسے اصل مسئلہ میں عول سمیت ضرب دی اور وہ پندرہ ہے تو حاصل ضرب پینتالیس ہوا اور اس سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔

37609۔ (قوله: فَلَهُمْ ثَلَاثَةٌ تُوَافِقُهُمْ بِالثُّلُثِ) پس ان یعنی بھائیوں کے لئے تین حصے ہیں تو ان کے رؤوس

یعنی چھ اور تین کے درمیان توافق ہے، موافقت کا اعتبار کیا ہے اس کے باوجود کہ تین اور چھ کے درمیان مداخلت ہے۔ یہ سہام اور رؤوس کے درمیان مداخل کا اعتبار نہ ہونے کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کیونکہ اگرچہ اس کا اعتبار اس طرح ممکن ہے کہ تو بڑے عدد کو اور وہ رؤوس کی مجموعی تعداد چھ ہے اسے چار میں ضرب دے لیکن وہ بہت طوالت کی طرف لے جائے گی اور حساب میں تطویل کو ترک کرنا نفع مند ہے۔ سو اسی لئے ہم نے اسے موافقت کی طرف لوٹا دیا۔ اور اسی طرح اگر بیٹیاں اس مثال میں چار ہوں جو ہم نے مسئلہ عائکہ کی ذکر کی ہے تو پھر بڑے عدد کو اور وہ آٹھ ہے اسے ان کے مجموعی سہام کے عدد میں ضرب نہ دو اسی سبب سے جو ہم نے بیان کر دیا ہے بلکہ اسے تماثل کی طرف لوٹا یا جائے گا، اس لئے کہ بغیر ضرب کے تقسیم صحیح ہے۔

(فَإِنْ انْكَسَرَ سَهَامُ فَرِيقَيْنِ أَوْ أَكْثَرُ وَعَدَدُ رُءُوسِهِمْ مُتَمَاثِلَةٌ ضَرَبْتُ أَحَدَ الْأَعْدَادِ فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ وَعَوْلَهَا) كَثَلًا ثَلَاثَ بَنَاتٍ وَثَلَاثَةَ أَعْمَامٍ فَتَكْتَفِي بِأَحَدِ الْمُتَمَاثِلَيْنِ فَاضْرِبْ ثَلَاثَةً فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ

اور اگر دو فریقوں یا زیادہ کے سہام ٹوٹ جائیں اور ان کے رؤوس کی تعداد متماثل اور برابر ہو تو پھر اعداد میں سے ایک کو اصل مسئلہ اور اس کے عول میں ضرب دے جیسا کہ تین بیٹیاں اور تین چچے وارث ہوں تو متماثلین میں سے ایک پر اکتفا کر اور تین کو اصل مسئلہ میں ضرب دے

اگر کچھ فریقوں کے سہام ٹوٹ جائیں اور ان کے رؤوس کی تعداد برابر ہو تو تصحیح کا ضابطہ

37610۔ (قوله: فَإِنْ انْكَسَرَ الْخ) یہاں سے ان چار اصولوں کا آغاز ہے جو رؤوس اور رؤوس کے درمیان پائے جاتے ہیں۔ اور تو جان! کہ تو پہلے ہر فریق کے درمیان اس کے سہام سمیت غور و فکر کرے گا۔ پس اگر ان کے درمیان تباہ ہو تو پھر اس فریق کو کامل طور پر ثابت کر۔ اور اگر توافق ہو تو اس فریق کا وفق ثابت کر۔ پھر ان چار اصولوں کے ساتھ ثابت ہونے والے اعداد کے درمیان غور و فکر کر۔ پس اگر دو عدد متماثل اور برابر ہوں تو ان میں سے ایک کو اصل مسئلہ میں ضرب دے۔ اور اگر وہ متداخل ہوں تو ان میں سے بڑے عدد کو اصل مسئلہ میں ضرب دے۔ اور اگر ان دونوں کے درمیان توافق ہو تو پھر ایک کے وفق کو دوسرے کامل عدد میں ضرب دے اور پھر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دے۔ اور اگر دونوں متباہ ہوں تو پھر ان میں سے ایک کو دوسرے میں ضرب دے اور پھر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دے۔ اور ”مصنف“ نے ان چاروں کو اسی ترتیب پر ذکر کیا ہے۔ اور وہ مضروب جسے اصل مسئلہ میں ضرب دی جائے اسے جزء اسہم کہا جاتا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

37611۔ (قوله: أَوْ أَكْثَرُ) یعنی تین یا چار اس سے زیادہ نہیں جیسا کہ گزر چکا ہے۔

37612۔ (قوله: وَعَدَدُ رُءُوسِهِمْ مُتَمَاثِلَةٌ) اور ان کے رؤوس کا عدد متماثل ہو، اس میں اولیٰ اور بہتر اعداد بہن ہے جو کہ عدد کی جمع ہے۔ ”السید“ نے کہا ہے: رؤوس کے اعداد سے مراد وہ ہیں جو ان اعداد کے عین (ذات) اور ان کے وفق کو بھی شامل ہوتے ہیں، کیونکہ جب ایک طائفہ کے رؤوس اور ان کے سہام کے درمیان مثلاً موافقت ہو تو ان کے رؤوس کے عدد کو پہلے اپنے وفق کی طرف رد کیا جاتا ہے پھر اس کے اور تمام اعداد کے درمیان مماثلت کا اعتبار کیا جاتا ہے جیسا کہ عنقریب تو اس پر مطلع ہوگا۔

37613۔ (قوله: وَعَوْلَهَا) اور اس کے عول میں ضرب دے جیسا کہ چھ سگی بہنیں، تین انخیانی بہنیں، اور تین دادیاں وارث ہوں۔ اس مسئلہ کی اصل چھ سے ہے اور یہ سات کی طرف عول کرتا ہے۔ سگی بہنوں کے لئے دو ثلث یعنی چار حصے ہوں گے جو ان پر تقسیم نہیں ہو سکتے۔ اور ان میں نصف کے ساتھ توافق ہے اور وہ تین ہے اور انخیانی بہنوں کے لئے ایک ثلث یعنی دو حصے ہیں جو ان پر تقسیم نہیں ہو سکتے اور ان میں توافق بھی نہیں ہے، اور دادیوں کے لئے سدس یعنی ایک حصہ ہے۔ وہ بھی اس

تَكُنْ تِسْعَةً مِنْهَا تَصِحُّ وَإِنْ انْكَسَرَ عَلَى ثَلَاثِ فِرْقٍ أَوْ أَرْبَعٍ فَاطْلُبُ الْمُشَارَكَةَ أَوَّلًا بَيْنَ السِّهَامِ
وَالْأَعْدَادِ ثُمَّ بَيْنَ الْأَعْدَادِ وَالْأَعْدَادِ ثُمَّ افْعَلْ كَمَا فَعَلْتَ فِي الْفَرِيقَيْنِ فِي الْمَدَاخِلَةِ وَالْمُثَالَكَةِ وَالْمُوَافَقَةِ
وَالْمُبَايِنَةِ فَمَا حَصَلَ يُسَسَّى جُزْءُ السَّهْمِ فَاضْرِبْهُ فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ أَشَارَ إِلَيْهِ بِقَوْلِهِ (وَإِنْ دَخَلَ بَعْضُ
الْأَعْدَادِ فِي بَعْضِ

تو وہ نو ہو جائے گا اور اس سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔ اور اگر سهام کا ٹوٹنا تین یا چار فرقوں پر واقع ہو تو پہلے سهام اور اعداد کے درمیان مشارکت تلاش کرو اور پھر اعداد اور اعداد کے درمیان تلاش کرو بعد ازاں اسی طرح کر جیسے دو فریقوں میں مداخلت، مماثلت، موافقت، اور مباینیت کا عمل کیا، اور جو حاصل ہوگا اسے جزء السهم کا نام دیا جائے گا، پھر تو اسے اصل مسئلہ میں ضرب دے۔ ”مصنف“ نے اسی کی طرف اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے اور اگر بعض اعداد بعض میں داخل ہوں

طرح ہے۔ پس تیرے پاس تین متماثل اعداد جمع ہو گئے تو ان میں سے ایک کو فریضہ یعنی عول سمیت اصل مسئلہ میں ضرب دے تو وہ اکیس تک پہنچ جائے گا، اور اس سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔ ”زیلعی“۔
اگر کسرتین فریقوں پر واقع ہو تو تصحیح کا ضابطہ

37614۔ (قوله: وَإِنْ انْكَسَرَ عَلَى ثَلَاثِ فِرْقٍ الْخ) اور اگر کسرتین فریقوں پر واقع ہو، یہ اس طرف اشارہ کر رہے ہیں جو ہم نے پہلے ہر فریق کی طرف اس کے سهام سمیت دیکھنے اور پھر ثابت ہونے والے اعداد کی طرف دیکھنے کا ذکر کیا ہے۔ پس دو فریقوں اور زیادہ کے درمیان اس میں کوئی فرق نہیں ہے جو ذکر کیا ہے۔ بلاشبہ فرق اس حیثیت سے ہے کہ مثال کے طور پر فریق جب تین ہوں، ان میں صورتیں زیادہ ہو جاتی ہیں اور ثابت ہونے والے اعداد کے متعدد ہونے سے ضرب متکرر (بار بار) ہوتی ہے۔ کیونکہ تو جب پہلے تین فریقوں اور ان کے سهام کے درمیان غور و فکر کرے گا تو یا تو ان میں سے ہر فریق اپنے سهام کے مباین ہوگا یا موافق ہوگا (یعنی اعداد اور سهام کے درمیان تباین کی نسبت ہوگی یا توافق کی) یا وہ دو فریقوں کے موافق ہوگا اور آخری کے مباین ہوگا یا دو فریقوں کے مباین ہوگا اور آخری کے موافق ہوگا۔ تو یہ چار احوال ہوئے۔ پھر تو ان میں سے ہر حال میں چاروں اصولوں کے ساتھ ثابت ہونے والوں کے درمیان غور و فکر کرے گا تو وہ باون (52) صورتوں تک پہنچ جائیں گی۔ اور ان کے بیان کا محل مطولات ہیں جیسا کہ ”شرح الترتیب“ وغیرہ۔

37615۔ (قوله: فَاطْلُبُ الْمُشَارَكَةَ) پس تو مشارکت کو تلاش کر، اسے مناسبت کے ساتھ تعبیر کرنا اولیٰ ہے۔ ”طحاوی“

37616۔ (قوله: ثُمَّ افْعَلْ كَمَا فَعَلْتَ فِي الْفَرِيقَيْنِ) پھر تو اس طرح کر جیسے تو نے دو فریقوں کے بیان میں کیا

ہے۔ اس میں کہا تفعل کہنا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے۔ کیونکہ دو فریقوں کے احوال میں سوائے مماثلت کے پہلے کچھ نہیں گزرا۔ اور رہی مداخلت، موافقت، اور مباینیت تو ان کا ذکر عنقریب آئے گا۔ فافہم۔

37617۔ (قوله: أَشَارَ إِلَيْهِ) یعنی جزء السهم کی ضرب کی طرف اشارہ کیا ہے، اور اس کی طرف جو انہوں نے

كَأَرْبَعِ زَوْجَاتٍ وَثَلَاثِ جَدَّاتٍ وَاثْنَيْ عَشَرَ عَمًّا ضَرَبْتُ أَكْثَرَ الْأَعْدَادِ لِتَدَاخُلِهَا فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ وَهُوَ
اِثْنَا عَشَرَ تَكُنْ مِائَةً وَأَرْبَعَةً وَأَرْبَعِينَ مِنْهَا تَصِحُّ (وَأِنْ وَافَقَ بَعْضُهَا بَعْضًا) كَأَرْبَعِ زَوْجَاتٍ وَخَمْسَةِ
عَشَرَ جَدَّةً وَثَمَانِ عَشَرَ بِنْتًا وَسِتَّةِ أَعْمَامٍ

جیسا کہ چار بیویاں، تین دادیاں، اور بارہ چچے جب وارث ہوں تو تو اکثر اعداد کو ان میں تداخل کی وجہ سے اصل مسئلہ
میں ضرب دے۔ اور وہ بارہ ہے تو ضرب دینے سے وہ ایک سو چوالیس (144) ہو جائیں گے۔ اور اس سے مسئلہ صحیح ہو
جائے گا۔ اور اگر ان میں سے بعض بعض کے موافق ہوں (یعنی ان کے درمیان توافق پایا جائے) جیسا کہ چار بیویاں، پندرہ
دادیاں، اٹھارہ بیٹیاں اور چھ چچے وارث ہوں

اپنے قول: وان انكسر على ثلاث فارق الخ سے پہلے ذکر کیا ہے۔ تامل۔

37618۔ (قولہ: كَأَرْبَعِ زَوْجَاتٍ الخ) اس مسئلہ کی اصل بارہ سے ہے۔ لہذا دادیوں کے لئے سدس یعنی دو حصے،
بیویوں کے لئے ربع یعنی تین حصے، اور بارہ میں سے باقی سات حصے چچوں کے لئے ہیں۔ اور ان میں سے ہر فریق کے سہام
اور ان کے رؤوس کے عدد کے درمیان تباہی پایا جاتا ہے۔ لہذا ہم نے رؤوس کے اعداد مکمل طور پر لے لئے اور وہ چار، تین اور
بارہ ہیں اور ہم نے پہلے دو کو تیسرے میں متداخل پایا (یعنی چار اور تین بارہ میں داخل ہیں) اور وہ تیسرا بارہ ہے، پھر ہم نے
اسے اصل مسئلہ میں ضرب دی اور وہ بھی بارہ ہے۔ اور اس سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔

37619۔ (قولہ: كَأَرْبَعِ زَوْجَاتٍ وَخَمْسَةِ عَشَرَ جَدَّةً الخ) اس میں اولیٰ خمس عشرہ ہے اور مسئلہ کی اصل چوبیس
سے ہے۔ پس بیویوں کے لئے ثمن (آٹھواں حصہ) یعنی چوبیس میں سے تین حصے ہیں۔ جو ان کی تعداد پر تقسیم نہیں ہو سکتے اور
ان کے درمیان توافق بھی نہیں ہے تو ہم نے ان کے عدد یعنی چار کو محفوظ کر لیا۔ اور دادیوں کے لئے سدس (چھٹا حصہ) یعنی
چوبیس میں سے چار حصے ہیں جو ان کے عدد کے مابین ہے۔ اور ان کی تعداد پندرہ ہے۔ پس ہم نے اسے بھی محفوظ کر لیا۔ اور
بیٹیوں کے لئے دوثلث یعنی سولہ (16) حصے ہیں جو ان کے عدد کے ساتھ موافق بالنصف ہے اور ان کی تعداد اٹھارہ ہے اور وہ
نصف نو ہے۔ سو ہم نے اسے بھی محفوظ کر لیا، اور باقی چچوں کے لئے اور وہ ایک ہے جو ان کے عدد کے مابین ہے۔ اور ان کی
تعداد چھ ہے۔ پس ہم نے اسے بھی محفوظ کر لیا، چنانچہ جو اعداد ہمارے پاس محفوظ ہیں وہ چار، چھ، نو اور پندرہ (4, 6, 9, 15)
ہیں۔ پھر ہم نے ان کے درمیان مناسبت تلاش کی تو ہم نے چار کو نصف کے ساتھ چھ کے موافق پایا، تو ہم نے ان میں سے
ایک کے نصف کو دوسرے کے کل میں ضرب دی تو وہ بارہ تک پہنچ گیا۔ اور اس کے اور نو کے درمیان ثلث کے ساتھ موافقت
ہے سو ہم نے ان میں سے ایک کے ثلث کو دوسرے کے کل میں ضرب دی تو وہ چھتیس تک پہنچ گیا۔ اور ان دونوں اور پندرہ
کے درمیان بھی ثلث کے ساتھ موافقت ہے چنانچہ ہم نے اسے پندرہ کے ثلث پانچ میں ضرب دی تو وہ ایک سو اسی (180)
ہو گیا اور یہی جزء السہم ہے۔

(ضَرَبْتُ وَفُقَ أَحَدَهُمَا) أَيْ أَحَدَ الْأَعْدَادِ (فِي جَمِيعِ الْآخِرِ وَالْخَارِجِ) فِي وَفُقِ الثَّالِثِ إِنَّ وَافَقَ إِلَّا فِي جَمِيعِهِ ثُمَّ الرَّابِعُ كَذَلِكَ ثُمَّ الْمُجْتَبِعُ وَهُوَ جُزْءُ السَّهْمِ وَهُوَ فِي مَسْأَلَتِنَا مِائَةٌ وَثَمَانُونَ فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ وَهُوَ هُنَا أَرْبَعَةٌ وَعِشْرُونَ يَحْصُلُ أَرْبَعَةُ آلَافٍ وَثَلَاثُمِائَةٍ وَعِشْرُونَ مِنْهَا تَصِحُّ (وَإِنْ تَبَايَنَتْ) أَعْدَادُ رُءُوسٍ مِنْ أَنْكَسَ عَلَيْهِمْ سِهَامُهُمْ (كَامْرَأَتَيْنِ وَعَشْرِ بَنَاتٍ وَسِتِّ جَدَّاتٍ وَسَبْعَةِ أَعْمَامٍ) ضَرَبْتُ أَحَدَهَا) أَيْ أَحَدَ الْأَعْدَادِ (فِي جَمِيعِ الثَّانِي وَالْحَاصِلِ فِي جَمِيعِ الثَّالِثِ وَالْحَاصِلِ فِي جَمِيعِ الرَّابِعِ) يَحْصُلُ جُزْءُ السَّهْمِ وَهُوَ هُنَا مِائَتَانِ وَعِشْرَةٌ لِتَوَافَقِ رُءُوسِ الْبَنَاتِ وَالْجَدَّاتِ لِسِهَامِهِمْ بِالنِّصْفِ فَاضْرِبْهَا فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ

تو تو دو میں سے ایک کے اعداد کے وفق کو دوسرے کے کل اعداد میں ضرب دے اور پھر اس کے حاصل ضرب کو تیسرے کے وفق میں ضرب دے اگر توافق ہو اور اگر توافق نہ ہو تو پھر اس کے کل میں ضرب دے اور پھر چوتھے میں بھی اسی طرح کر اور پھر جو مجموعی حاصل ضرب ہو اور وہی جزء السهم ہے۔ اور وہ ہمارے مسئلہ میں ایک سو اسی (180) ہے۔ اسے اصل مسئلہ میں ضرب دے اور وہ یہاں چوبیس ہے تو اس کا حاصل ضرب چار ہزار تین سو بیس (4320) ہے اور اس سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔ اور اگر ان کے رؤوس کے اعداد متباہن ہوں جن پر ان کے سهام ٹوٹے جیسا کہ دو عورتیں، دس بیٹیاں، چھ دادیاں اور سات چچے وارث ہوں تو اعداد میں سے ایک کو دوسرے کے کل میں ضرب دے اور پھر حاصل ضرب کو تیسرے کے کل میں پھر حاصل ضرب کو چوتھے کے کل میں ضرب دے تو اس سے جزء السهم نکل آئے گا، اور وہ یہاں دو سو دس (210) ہے اس لئے کہ بیٹیوں اور دادیوں کے رؤوس کا ان کے سهام کے ساتھ نصف کے ساتھ توافق ہے، پھر تو اسے اصل مسئلہ میں ضرب دے

اگر رؤوس کے اعداد متباہن ہوں تو صحیح کا طریقہ

37620۔ (قوله: كَامْرَأَتَيْنِ الْخ) اس مسئلہ کی اصل چوبیس سے ہے۔ دو بیویوں کے لئے ثمن (آٹھواں حصہ) یعنی چوبیس میں سے تین حصے ہیں۔ اور ان دونوں یعنی ان کے عدد اور سهام کے درمیان تباہن ہے۔ پس ہم نے ان کے رؤوس کے عدد کو محفوظ کر لیا اور وہ دو (2) ہے، اور بیٹیوں کے دوثلث یعنی چوبیس میں سے سولہ (16) حصے ہیں اور ان کے عدد اور وہ دس ہے نصف کے ساتھ توافق ہے اور وہ پانچ ہے سو ہم نے اسے بھی محفوظ کر لیا۔ اور دادیوں کے لئے سدس (چھٹا حصہ) یعنی چوبیس میں چار حصے ہیں اور ان کے عدد جو کہ چھ ہے اس میں نصف کے ساتھ توافق ہے اور وہ تین ہے تو ہم نے اسے بھی محفوظ کر لیا اور باقی بچوں کے لئے ہے اور وہ ایک ہے جو ان کے عدد کے مباحن ہے اور وہ سات ہے تو ہم نے اسے بھی محفوظ کر لیا۔ چنانچہ ہمارے پاس محفوظ عدد دو، تین، پانچ اور سات (2, 3, 5, 7) ہو گئے اور یہ تمام آپس میں مباحن اور الگ الگ ہیں۔ تو ہم نے دو کو تین میں ضرب دی تو حاصل ضرب چھ ہوا، پھر چھ کو پانچ میں ضرب دی تو حاصل ضرب تیس ہو گیا، پھر ہم نے تیس کو سات میں ضرب دی تو حاصل ضرب دو سو دس (210) تک پہنچ گیا اور یہی جزء السهم ہے۔ اور یہی وہ مکمل عمل ہے جسے ”شارح“ نے ذکر کیا ہے۔ اور رہی ان تمام مثالوں اور دیگر میں ان میں سے ہر ایک کے حصہ کی پہچان تو

وَهُوَ هُنَا أَرْبَعَةٌ وَعِشْرُونَ يَحْصُلُ خَمْسَةُ آلَافٍ وَأَرْبَعُونَ وَمِنْهَا تَسْتَقِيمُ (وَإِذَا أَرَدْتَ مَعْرِفَةَ التَّمَاثُلِ وَالتَّوَافُقِ وَالتَّدَاخُلِ وَالتَّبَايُنِ بَيْنَ الْعَدَدَيْنِ) هَذِهِ مُقَدِّمَةٌ يُحْتَاجُ إِلَيْهَا فِي تَقْسِيمِ التَّرَكَةِ (فَتَمَثُلُ الْعَدَدَيْنِ كَوْنُ أَحَدِهِمَا مُسَاوِيًا لِلْآخَرِ) كَثَلَاثَةٍ وَثَلَاثَةِ (وَتَدَاخُلُ الْعَدَدَيْنِ الْمُخْتَلِفَيْنِ) بِأَحَدٍ أَمْرَيْنِ

اور وہ یہاں چوبیس (24) ہے تو اس کا حاصل ضرب پانچ ہزار چالیس (5040) ہوگا اور اس سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔ اور جب تو دو عددوں کے درمیان تماثل، توافق، تداخل اور تباین کو پہچاننے کا ارادہ کرے۔ یہ مقدمہ ہے جس کا ترکہ کی تقسیم میں آدمی محتاج ہوتا ہے۔ پس دو عددوں کا تماثل ان میں سے ایک کا دوسرے کے مساوی ہونا ہے جیسا کہ تین اور تین۔ اور دو مختلف عددوں کا تداخل دو امروں میں سے ایک کے ساتھ ہے

اس کا بیان عنقریب آئے گا۔

دو عددوں کے درمیان نسبتوں (تماثل) توافق، تداخل اور تباین کو پہچاننے کا ضابطہ

37621۔ (قوله: وَإِذَا أَرَدْتَ مَعْرِفَةَ التَّمَاثُلِ الْخ) اور جب تو تماثل وغیرہ کو پہچاننے کا ارادہ کرے، ”مصنف“

یہاں سے اعداد کے درمیان نسبتوں کے بیان میں شروع ہو رہے ہیں۔ اور وہ چار ہیں جیسا کہ کلیات منطقیہ کے درمیان نسبتیں پائی جاتی ہیں۔ پس ہر دو عدد کے درمیان نسبت کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ دو عدد یا تو آپس میں مساوی ہوں گے یا نہیں۔ پس اگر وہ باہم مساوی ہوں تو وہ دونوں متماثل ہوتے ہیں۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر یا تو اقل عدد (چھوٹا عدد) اکثر (بڑا عدد) کو فنا کر دے گا یا نہیں۔ پس اگر وہ اسے فنا کر دے تو وہ دونوں متداخل ہوتے ہیں۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر یا تو کوئی تیسرا عدد ان دونوں کو فنا کر دے گا یا نہیں اگر پہلی صورت ہو تو وہ دونوں متوافق ہوں گے اور اگر دوسری ہو تو وہ دونوں متباین ہوں گے۔

37622۔ (قوله: هَذِهِ مُقَدِّمَةٌ الْخ) مستحقین کے اعداد پر بغیر کسر کے ترکہ کی تقسیم میں ان نسبتوں کی پہچان کی

حاجت اور ضرورت ہوتی ہے تاکہ اقل عدد سے مسئلہ کو صحیح قرار دینا ممکن ہو سکے تو یہ صحیح مسائل کا تعارف و تمہید ہے۔ پس انہیں اس پر مقدم کرنا ہی مناسب اور موزوں ہے۔ اور تو جان کہ عدد وہ ہے جو اکائیوں سے مرکب ہوتا ہے جیسا کہ دو اور اس سے اوپر کے اعداد۔ اور اس کے خواص میں سے یہ ہے کہ وہ اپنی دو قریبی یا بعیدی اطراف کے مجموعہ کے نصف کے مساوی ہو جیسا کہ چار۔ کیونکہ اس کی دو قریبی اطراف میں تین اور پانچ کے عدد ہیں اور ان دونوں کا مجموعہ آٹھ ہے اور چار اس کا نصف ہے۔ اور اس کی دو بعیدی اطراف دو اور چھ یا ایک اور سات ہیں اور چار ان کے مجموعہ کا نصف ہے۔ اور اسی طرح دو یہ ایک اور تین کے مجموعہ کے نصف کے مساوی ہے۔ اور اسی سے یہ معلوم ہو گیا کہ حساب دانوں کے نزدیک ایک کو عدد کا نہیں دیا جاتا۔

37623۔ (قوله: الْمُخْتَلِفَيْنِ) یعنی قلت اور کثرت میں دونوں مختلف ہوں، اور تماثل میں اختلاف کا تصور نہیں کیا

جاتا بلکہ تداخل اور اس کے مابعد میں اس کا تصور کیا جاتا ہے مگر یہ کہ اس کے بارے صرف تداخل میں تصریح کی ہے اور مابعد میں اس کا احساس دلایا ہے۔ ”سید“۔

عَلَى مَا هُنَا إِمَّا بِأَنْ يَعُدَّ أَقْلُهُمَا الْأَكْثَرُ أَمْ يَفْنِيهِ (أَوْ يَكُونَ أَكْثَرُ الْعَدَدَيْنِ مُنْقَسِمًا عَلَى الْأَقْلِ قِسْمَةً صَحِيحَةً) بِلَا كَسْرِ كَقِسْمَةِ السِّتَةِ عَلَى ثَلَاثَةٍ أَوْ اثْنَيْنِ (وَتَوَافَقُ الْعَدَدَيْنِ أَنْ لَا يَعُدَّ) أَمْ لَا يَفْنِي أَقْلُهُمَا الْأَكْثَرُ لَكِنْ يَعُدُّهُمَا (عَدَدٌ ثَالِثٌ) كَالثَّانِيَةِ مَعَ الْعِشْرِينَ يَعُدُّهُمَا أَرْبَعَةً فَيُؤَافِقَانِ بِالرُّبْعِ (وَتَبَايُنُ الْعَدَدَيْنِ) أَنْ لَا يَعُدَّ الْعَدَدَيْنِ الْمُخْتَلِفَيْنِ (عَدَدٌ ثَالِثٌ) أَصْلًا كَالثَّانِيَةِ مَعَ الْعَشْرَةِ

جو کہ اس مقام پر ہے یا تو اس طرح کہ ان میں سے اقل عدد اکثر کو فنا کر دے مثلاً دے، یا دو عددوں میں سے اکثر عدد اقل پر بغیر کسر کے تقسیم صحیح کے ساتھ منقسم ہو جائے جیسا کہ چھ کا تین یا دو پر تقسیم ہو جانا۔ اور دو عددوں کا توافق یہ ہے کہ ان میں سے اقل عدد اکثر کو فنا نہ کرے لیکن کوئی تیسرا عدد ان دونوں کو فنا کر دے جیسا کہ آٹھ بیس کیساتھ ہو تو ان دونوں کو چار فنا کر دیتا ہے۔ پس دونوں کے درمیان توافق چار کے ساتھ ہوگا۔ اور دو عددوں کا تباین یہ ہے کہ دو مختلف عددوں کو کوئی تیسرا عدد بالکل فنا نہ کر سکے جیسا کہ نو جب دس کے ساتھ ہو۔

37624۔ (قوله: عَلَى مَا هُنَا) کیونکہ ”سراجیہ“ میں دوسرے دو امر زائد ہیں: ایک یہ ہے کہ توافق پر اس کی مثل یا اس کی امثال زیادہ کرے تاکہ وہ اکثر کے مساوی ہو جائے۔ اور دوسرا یہ ہے کہ اقل اکثر کا جز ہو اور وہ عبارت میں اختلاف کے قبیل سے ہے۔

37625۔ (قوله: أَمْ يَفْنِيهِ) یعنی وہ اسے فنا کر دے بایں معنی کہ جب وہ اکثر سے اقل گرائے تو اکثر میں سے کوئی باقی نہ رہے جیسا کہ تین اور چھ کہ جب تو چھ سے دو بار تین گرائے، کم کرے تو چھ کلی طور پر فنا اور ختم ہو جائے گا۔ اور اس طرح ہو گا جب تو اسے نو سے تین بار گرائے۔ بخلاف آٹھ کے! کیونکہ جب تو اس سے تین دو بار گرائے تو اس میں دو باقی رہ جاتے ہیں لہذا اسے تین کے ساتھ فنا اور ختم کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن جب تو اس سے دو چار مرتبہ گرائے تو آٹھ ختم ہو جائے گا۔ پس یہ دو بھی باہم متداخل ہیں۔ ”سید“۔

37626۔ (قوله: يَعُدُّهُمَا أَرْبَعَةً) چار ان دونوں کو فنا کر دیتا ہے، اور اسی طرح دو بھی ان دونوں کو فنا کر دیتا ہے۔ پس ان دونوں میں نصف کا توافق ہے۔ لیکن جب عدد متعدد ہوں تو پھر بڑے عدد کا اعتبار ہوگا تاکہ وفق کا جز اقل ہو جائے جیسا کہ بارہ اور اٹھارہ یہ دونوں نصف، ثلث اور سدس کے ساتھ موافق ہیں مگر حساب کی سہولت اور آسانی کے لئے اعتبار چھ میں اور ان دونوں کے توافق کا ہوگا۔

37627۔ (قوله: فَيُؤَافِقَانِ بِالرُّبْعِ) پس ان دونوں کے درمیان توافق بالربیع ہے، کیونکہ ان دونوں کا عدد ان کے درمیان پائے جانے والے وفق کے جز کا مخرج ہے۔ پس جب چار نے ان دونوں کو فنا کر دیا اور یہی چار ربیع کا مخرج ہے تو یہ دونوں اسی کے ساتھ باہم موافق ہوئے۔

37628۔ (قوله: كَالثَّانِيَةِ مَعَ الْعَشْرَةِ) جیسا کہ نو دس کے ساتھ، کیونکہ سوائے ایک کے انہیں کوئی شے فنا نہیں کر

(وَإِذَا أَرَدْتَ مَعْرِفَةَ التَّوَافِقِ وَالتَّبَايُنِ بَيْنَ الْعَدَدَيْنِ الْمُخْتَلِفَيْنِ أَسْقِطِ الْأَقْلَّ مِنَ الْأَكْثَرِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ) مَرَارًا حَتَّى إِذَا اتَّفَقَا فِي دَرَجَةٍ وَاحِدَةٍ (فَإِنْ تَوَافَقَا فِي وَاحِدٍ تَبَايَنَّا) الْأَوْفَقُ (وَإِنْ تَوَافَقَا فِي اثْنَيْنِ فَبِالنِّصْفِ أَوْ ثَلَاثَةٍ فَبِالثُلُثِ) هَكَذَا (إِلَى الْعَشْرَةِ)

اور جب تو دو مختلف عددوں کے درمیان توافق اور تباین جاننے کا ارادہ کرے تو پھر دونوں جانبوں سے اقل کو اکثر سے بار بار ساقط کر یہاں تک کہ جب وہ ایک درجہ میں متفق ہو جائیں تو اگر وہ دونوں ایک میں متفق ہوں تو وہ آپس میں متباین ہیں اور ان میں وفق نہیں ہے اور اگر دونوں دو میں متفق ہوں تو پھر ان میں توافق بالنصف ہے یا تین میں متفق ہوں تو پھر توافق بالثلث ہے، اور اسی طرح یہ دس تک ہے

سکتی اور ایک عدد نہیں ہے۔ (معلوم ہوا ان دونوں کے درمیان تباین پایا جا رہا ہے)۔

تنبیہ

”ابن کمال“ نے تعریف میں ایک دوسری قید کا اضافہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو فنا نہ کرے۔ کیونکہ دو چار کے ساتھ ہو تو کوئی تیسرا عدد انہیں فنا نہیں کر سکتا اس کے باوجود یہ دونوں باہم متداخل ہیں متباین نہیں ہیں۔ اور مذکورہ قید کے ساتھ ان دونوں سے احتراز ہو جاتا ہے کیونکہ دو چار کو فنا کر سکتا ہے۔ (یعنی دو چار کو پورا پورا تقسیم کر کے ختم کر سکتا ہے۔)

37629۔ (قوله: وَإِذَا أَرَدْتَ مَعْرِفَةَ التَّوَافِقِ الْخ) جب دو عددوں کے درمیان تماثل اور تداخل کی پہچان ظاہر

ہے اور دونوں کے درمیان توافق اور تباین کی پہچان میں خفا ہے تو ”مصنف“ نے ان دونوں کے لئے ایک دوسرا طریقہ ذکر کیا۔

37630۔ (قوله: مِنَ الْجَانِبَيْنِ) دونوں جانبوں سے، یعنی تو اکثر سے اقل کو ساقط کرتا رہے یہاں تک کہ اکثر اقل

ہو جائے پھر تو اسے اقل سے کم کرے گا۔ ”قاسم“۔

37631۔ (قوله: تَبَايَنَّا) یعنی ان دونوں کے درمیان تباین حاصل ہو جائے گا جیسا کہ پانچ جب سات کے ساتھ

ہو۔ کیونکہ جب تو پانچ کو سات سے ساقط کرے گا تو دو باقی رہیں گے اور جب تو ان دو کو پانچ سے دو بار ساقط کرے گا تو باقی ایک رہے گا۔

37632۔ (قوله: فَبِالنِّصْفِ) یعنی وہ دونوں نصف کے ساتھ باہم موافق ہوں گے جیسے چھ جب دس کے ساتھ ہو، تو

جب چھ کو دس سے ساقط کرے گا تو باقی چار رہیں گے۔ اور جب چار کو چھ سے ساقط کرے گا تو باقی دو رہ جائیں گے۔

37633۔ (قوله: فَبِالثُّلُثِ) یعنی دونوں میں توافق بالثلث ہوگا جیسا کہ نو جب بارہ کے ساتھ ہو۔

37634۔ (قوله: هَكَذَا إِلَى الْعَشْرَةِ) اسی طرح دس تک ہے، یعنی اگر دونوں عدد چار میں موافق ہوں تو دونوں میں

توافق بالربع ہوگا جیسا کہ آٹھ جب بیس کے ساتھ ہو، یا پانچ میں متفق ہوں تو توافق بالخمس ہوگا جیسا کہ پندرہ جب پچیس کے

ساتھ ہو، یا چھ میں متفق ہوں تو توافق بالسدس ہوگا جیسا کہ بارہ جب اٹھارہ کے ساتھ ہو، یا سات میں متفق ہوں تو توافق بالسبع

وَتُسَمَّى الْكُسُورَ الْمُنْطَقَةَ (أَوْ أَحَدَ عَشَرَ فَيُجْزَأُ مِنْ أَحَدَ عَشَرَ وَهَكَذَا) وَيُسَمَّى الْأَصَمَّ (وَإِذَا أَرَدْتَ مَعْرِفَةَ نَصِيبِ كُلِّ فَرِيقٍ) كَالْبَنَاتِ وَالْجَدَّاتِ وَالْأَعْمَامِ وَغَيْرِهِمْ (مِنْ التَّصْحِيحِ)

اور ان کا نام کسور منطقہ ہے، یا دونوں عدد گیارہ میں متفق ہوں تو پھر گیارہ کے ایک جز میں توافق ہوگا۔ اور اسی طرح آگے بھی ہوگا اور اسے اصم کہا جاتا ہے۔ اور جب تو ہر فریق کا حصہ جاننا چاہے جیسا کہ بیٹیاں، دادیاں اور چچے وغیرہ۔ اس تصحیح سے جس سے تمام پر مسئلہ صحیح ہوا،

ہوگا جیسے چودہ جب اکیس کے ساتھ ہو، یا آٹھ میں متفق ہوں تو توافق بالٹمن ہوگا جیسا کہ سولہ جب چوبیس کے ساتھ ہو، یا نو میں متفق ہوں تو توافق بالتسع ہوگا جیسا کہ اٹھارہ جب ستائیس کے ساتھ ہو، یا دس میں متفق ہوں تو توافق بالعشر ہوگا جیسا کہ بیس جب تیس کے ساتھ ہو۔

کسر منطق کی تعریف

37635۔ (قوله: وَتُسَمَّى الْكُسُورَ الْمُنْطَقَةَ) کسر منطق وہ ہے جسے حقیقۂ جزئیت کے لفظ وغیرہ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ خمس تو جس طرح اس میں خمس بولا جاتا ہے۔ اسی طرح اس میں جزء من خمسة (پانچ کا ایک جز) بولا جاتا ہے۔ اور اصم وہ ہے جسے صرف جزئیت کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے جیسے واحد من أحد عشر (یعنی گیارہ میں سے ایک)۔ پس اس میں سوائے جزء من أحد عشر کے جزء من الواحد نہیں بولا جاتا۔

37636۔ (قوله: أَوْ أَحَدَ عَشَرَ) یعنی اگر وہ دونوں عدد گیارہ میں متفق ہوں تو وہ دونوں گیارہ کے ایک جز میں باہم موافق ہوں گے جیسا کہ بائیس جب تینتیس کے ساتھ ہو۔

37637۔ (قوله: وَهَكَذَا) اور اسی طرح ہوگا جیسا کہ جب وہ دونوں تیرہ کے ایک جز میں موافق ہوں جیسے چھبیس جب انتالیس کے ساتھ ہو، یا سترہ کے جز میں موافق ہوں جیسے چونتیس جب اکاون کے ساتھ ہو، یا انیس کے جز میں موافق ہوں جیسا کہ اڑتیس جب ستاون کے ساتھ ہو۔

تنبیہ

جب ان کے درمیان توافق عدد مرکب میں ہو اور وہ وہ ہے جو عدد کو عدد میں ضرب دینے سے مرکب ہوتا ہے جیسا کہ پندرہ جب پینتالیس کے ساتھ ہو تو اگر تو چاہے تو یہ کہہ کہ یہ دونوں پندرہ کے جز کے ساتھ باہم موافق ہیں، اور اگر چاہے تو ایک کی اس کی طرف دو کسروں کے ساتھ نسبت کر جن میں سے ایک کو دوسری کی طرف مضاف کیا جا رہا ہو اور تو یہ کہے گا: ان دونوں کے درمیان موافقت بثلاث خمس یا خمس ثلث ہے۔ پس اسے جز اور کسور منطقہ مضافہ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے بخلاف غیر مرکب کے کہ اسے صرف جز کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔

37638۔ (قوله: وَإِذَا أَرَدْتَ الْخ) یہاں سے ”مصنف“ ہر فریق کے حصے کی پہچان اور اس فریق کے افراد میں سے

الَّذِي اسْتَقَامَ عَلَى الْكُلِّ (فَضْرِبَ مَا كَانَ لَهُ) أَيْ لِكُلِّ فَرِيقٍ (مِنْ أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ فِيمَا) أَيْ فِي جُزْءِ السَّهْمِ الَّذِي ضَرَبْتَهُ (فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ يَخْرُجُ نَصِيبُهُ) أَيْ ذَلِكَ الْفَرِيقِ (ثُمَّ إِذَا) أَرَدْتَ مَعْرِفَةَ نَصِيبِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ أَحَادِ ذَلِكَ الْفَرِيقِ (ضَرَبْتَ سَهَامَ كُلِّ وَارِثٍ فِي) جُزْءِ السَّهْمِ (الْمَضْرُوبِ يَخْرُجُ نَصِيبُهُ) وَالْأَوْضَحُ طَرِيقُ النِّسْبَةِ

تو اصل مسئلہ میں سے ہر فریق کے لئے جو حصہ تھا اسے اس جز سہم (مضروب) میں ضرب دے جسے تو نے اصل مسئلہ میں ضرب دی ہے تو اس سے اس فریق کا حصہ نکل آئے گا۔ پھر جب تو اس فریق کے افراد میں سے ہر فرد کا حصہ جاننا چاہے تو ہر وارث کے سہام کو جز سہم مضروب میں ضرب دے تو اس کا حصہ نکل آئے گا۔ اور زیادہ واضح نسبت کا طریقہ ہے

ہر فرد کے حصہ کی پہچان کے بیان میں شروع ہو رہے ہیں۔ دوسرے کو قسمة النصیب کہا جاتا ہے۔ اس کا بیان آخری مسئلہ میں یہ ہے کہ دو بیویوں کے لئے اصل مسئلہ سے تین حصے ہیں تو تو انہیں اس جزء السہم میں ضرب دے جسے تو نے اصل مسئلہ میں ضرب دی ہے اور وہ دو سو دس (210) ہے ضرب دینے سے وہ چھ سو تیس (630) ہو جائے گا۔ پس یہی تصحیح مسئلہ سے زوجات کا حصہ ہے۔ اور بیٹیوں کے لئے سولہ (16) تھا پس تو اسے مذکورہ جزء السہم میں ضرب دے تو وہ تین ہزار تین سو ساٹھ (3360) تک پہنچ جائے گا تو یہی ان کا حصہ ہے۔ اور دادیوں کے لئے چار (4) تھا پس تو اسے بھی اس میں ضرب دے تو وہ آٹھ سو چالیس (840) ہو جائے گا اور یہی ان کا حصہ ہے۔ اور چچوں کے لئے ایک سہم تھا پس تو اسے دو سو دس (210) میں ضرب دے تو وہ ان کے لئے ہو جائے گا۔

37639۔ (قوله: ضَرَبْتَ سَهَامَ كُلِّ وَارِثٍ الْخ) تو ہر وارث کے سہام کو ضرب دے الخ یعنی اصل مسئلہ میں سے ہر فریق کے لئے جو ہے اسے ان کے رؤوس کے عدد پر تقسیم کرنے کے بعد، اور اس پر لازم ہے کہ وہ اسے ذکر کرے یہاں تک کہ وہ معلوم ہو جائے جسے جزء السہم میں ضرب دی جاتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ دو بیویوں کے لئے اصل مسئلہ میں سے تین حصے تھے۔ پس تو اسے ان دونوں پر تقسیم کر تو ایک اور نصف (یعنی ڈیڑھ) حصہ نکلے گا۔ پس تو اسے مضروب میں ضرب دے اور وہ دو سو دس (210) ہے تو حاصل ضرب تین سو پندرہ (315) ہوگا۔ پس یہی اس کی بر بیوی کے لئے ہوگا۔ اور بیٹیوں کے لئے سولہ تھا پس تو اسے ان کے رؤوس کے عدد دس پر تقسیم کر تو اس سے ایک اور تین خمس نکلے گا، پھر تو اسے اسی مضروب میں ضرب دے تو حاصل ضرب تین سو چھتیس ہوگا اور وہی ہر ایک بیٹی کا حصہ ہے۔ اور دادیوں کے لئے چار سہم تھے۔ پس تو انہیں ان کے رؤوس کے عدد چھ پر تقسیم کر تو اس سے ایک سہم کی دو تہایاں نکلے گا پھر تو اسے مضروب میں ضرب دے تو حاصل ضرب ایک سو چالیس ہوگا، سو وہی ہر دادی کا حصہ ہے۔ اور چچوں کے لئے ایک سہم تھا پس تو اسے ان کی تعداد سات پر تقسیم کر تو اس سے ایک سہم کا ساتواں حصہ نکلے گا پھر تو اسے مضروب میں ضرب دے تو حاصل ضرب تیس آئے گا۔ پس وہی ہر چچا کا حصہ ہے۔

37640۔ (قوله: وَالْأَوْضَحُ طَرِيقُ النِّسْبَةِ الْخ) اور زیادہ واضح نسبت کا طریقہ ہے، الخ۔ پس مذکورہ مسئلہ میں دو

وَهُوَ أَنْ تَنْسَبَ سَهَامَ كُلِّ فَرِيقٍ مِنْ أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ إِلَى عَدَدِ رُءُوسِهِمْ وَحَدَهُمْ ثُمَّ تُعْطَى بِمِثْلِ تِلْكَ النِّسْبَةِ مِنَ الْمَضْرُوبِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْ آحَادِ ذَلِكَ الْفَرِيقِ (وَإِذَا أَرَدْتَ قِسْمَةَ التَّرِكَةِ بَيْنَ الْوَرَثَةِ وَالْغُرَمَاءِ) يَغْنَى أَنَّ كُلًّا وَحْدَهُ

اور وہ یہ ہے کہ تو اصل مسئلہ میں سے ہر فریق کے سہام کو صرف ان کے رؤوس کے عدد کی طرف نسبت کرے پھر مضروب میں سے اسی نسبت کی مثل اس فریق کے افراد میں سے ہر فرد کو دے۔ اور جب تو ترکہ کو ورثا اور غرما کے درمیان تقسیم کرنے کا ارادہ کرے یعنی یہ کہ تقسیم ان میں الگ الگ ہو

بیویوں کے لئے تین سہم ہیں اور ان کی نسبت ان دو کی طرف مثل اور نصف یعنی ڈیڑھ کی ہے۔ چنانچہ تو ہر ایک کو مضروب سے اسی نسبت کی مثل دے دے یعنی اس کی مثل اور نصف اسی کے مثل سہام ہوں گے جو پہلے گزر چکے ہیں۔ اور بیٹیوں کے سہام سولہ ہیں ان کی نسبت ان کے رؤوس دس کی طرف ایک مثل اور تین خمس ہے۔ پس مضروب میں سے اسی کی مثل ہر ایک کو دے دے جو کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور دادیوں کے سہام چار ہیں اس کی نسبت ان کے رؤوس کی تعداد جو کہ چھ ہے اس کی طرف دو تہائی کی ہے۔ پس تو ہر ایک کو مضروب کا دو تہائی دے دے جو کہ وہی ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔ اور چچوں کے لئے ایک سہم ہے اس کی نسبت ان کے رؤوس کی طرف جن کی تعداد سات ہے ایک سہم کا ساتواں حصہ ہے۔ پس تو ان میں سے ہر ایک کو مضروب کا ساتواں حصہ دے دے جو وہی ہے جو گزر چکا ہے۔ بلاشبہ یہ طریقہ زیادہ واضح ہے۔ کیونکہ اس میں تقسیم اور ضرب کی حاجت نہیں ہوتی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: جو نسبت کا مالک اور ماہر ہو وہ حساب کا ماہر ہوتا ہے، لیکن بسا اوقات نسبت زیادہ مشکل ہوتی ہے اور ضرب پر عمل کرنا آسان ہوتا ہے اور ایسے مقام پر دوسرے طریقے ہیں۔

37641۔ (قوله: وَإِذَا أَرَدْتَ قِسْمَةَ التَّرِكَةِ الْخ) اور جب تو ترکہ کی تقسیم کا ارادہ کرے الخ۔ ”مصنف“ جب تصحیح

مسئلہ سے ہر فریق کا حصہ متعین کرنے اور پھر اس سے ہر وارث کا حصہ متعین کرنے کے بیان سے فارغ ہوئے تو اس کے مقصود کے بیان میں شروع ہوئے اور وہ کل ترکہ سے ہر وارث کا حصہ دو طریقوں سے متعین کرنا ہے وہ دونوں تصحیح مسئلہ سے ہر وارث کے حصہ کی پہچان میں باہم موافق ہوتے ہیں۔

37642۔ (قوله: يَغْنَى أَنَّ كُلًّا وَحْدَهُ) یعنی یہ کہ وہ ہر ایک الگ الگ اور اکیلا ہو۔ یہ اس کا جواب ہے جو اعتراض

وارد کیا گیا ہے کہ ان کا قول ”سراجیہ“ کی طرح والغرماء واو کے ساتھ ہے اور یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ترکہ اگر تمام قرضوں کے لئے پورا ہو جائے اور ورثاء کے لئے کوئی شے باقی بچ جائے تو غرماء کے درمیان تقسیم کرنے کی حاجت نہیں رہے گی، البتہ ورثاء کے درمیان تقسیم ہوگی۔ ورنہ ورثاء کے لئے کوئی شے باقی نہیں رہی۔ اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ مراد و بین الغرماء ہے۔ پس لفظ بین مقدر ہے یعنی اس گروہ کے افراد کے درمیان اور اس گروہ کے افراد کے درمیان ای بین افراد هذه الطائفة و بین افراد هذه الطائفة۔ پس تقسیم کے احوال متعدد ہونے کے سبب تقسیم متعدد ہوگی نہ کہ دونوں گروہوں پر ایک ساتھ۔ یا پھر

لَا مَعَآ لَتَقْدُمِ الْغُرْمَاءُ عَلَى قِسْمَةِ الْمَوَارِيثِ كَمَا فِي شَرْحِ السِّرَاجِيَّةِ لِحَيْدَرٍ (فَإِنْ كَانَ بَيْنَ الشَّرِكَةِ وَالتَّصْحِيحِ مُبَاشَلَةً) فَظَاهِرٌ أَوْ (مُوَافَقَةً ضَرَبَتْ سِهَامَ كُلِّ وَارِثٍ مِنَ التَّصْحِيحِ فِي جَمِيعِ الشَّرِكَةِ) كَذَا فِي نُسْخِ الْمَتْنِ وَالشَّرْحِ وَالْمُوَافِقِ لِلْسِّرَاجِيَّةِ وَغَيْرِهَا فِي وَفْقِ الشَّرِكَةِ فَإِنَّمَا يَضْرِبُ فِي جَمِيعِ الشَّرِكَةِ عِنْدَ الْمُبَایِنَةِ وَهَذَا لِبَعْرِفَةِ نَصِيبِ كُلِّ فَرْدٍ

نہ کہ ایک ساتھ، اس لئے کہ ورثا کے مابین تقسیم پر غما (قرض خواہ) مقدم ہیں جیسا کہ ”حیدر“ کی ”شرح سراجیہ“ میں ہے۔ پھر اگر ترکہ اور تصحیح کے درمیان مماثلت ہو تو یہ بالکل ظاہر ہے یا موافقت ہو تو تصحیح مسئلہ سے ہر وارث کے سہام کو کل ترکہ میں ضرب دے۔ اسی طرح متن اور شرح کے نسخوں میں ہے۔ اور ”سراجیہ“ وغیرہ کے موافق یہ ہے کہ تو ترکہ کے وفق میں ضرب دے۔ بلاشبہ مباينت کے وقت کل ترکہ میں ضرب دی جاتی ہے اور یہ ہر فرد کا حصہ پہچاننے کے لئے ہے۔

جواب یہ دیا جائے گا کہ یہاں واؤ بمعنی او ہے سو معنی پھر بھی وہی ہوگا جو ہم نے بیان کر دیا ہے۔

37643۔ (قوله: ضَرَبَتْ سِهَامَ كُلِّ وَارِثٍ الْخ) یعنی پھر تو اس حاصل ضرب کو تصحیح مسئلہ پر تقسیم کر اگر تو نے کل ترکہ میں ضرب دی ہے یا اس کے وفق پر تقسیم کر اگر تو نے اس کے وفق میں ضرب دی ہے۔ اور یہ اس میں ضروری ہے اگرچہ ”مصنف“ اور ”شارح“ نے اسے چھوڑ دیا ہے۔

37644۔ (قوله: وَالْمُوَافِقِ لِلْسِّرَاجِيَّةِ الْخ) یہاں ”مصنف“ نے والصواب نہیں کہا۔ کیونکہ موافقت کے وقت کل ترکہ میں ضرب اسی طرح صحیح ہوتی ہے جس طرح مباينت کے وقت صحیح ہوتی ہے۔ اور اسی طرح مداخلت کی صورت میں بھی ہے مگر اس میں حساب طویل ہو جاتا ہے۔ لہذا موافقت کے وقت وفق میں ضرب دینا اور مباينت کے وقت کل میں ضرب دینا اولیٰ ہے۔ موافقت کی مثال یہ ہے: خاوند، دو اخیانی بھائی، اور دو سگی بہنیں وارث ہوں تو اصل مسئلہ چھ سے ہوگا اور وہ نو تک عول کرے گا۔ اور ترکہ ساٹھ دینا رہے۔ پس اس کے درمیان اور تصحیح مسئلہ کے درمیان موافقت باثلث ہے۔ لہذا خاوند کو نو میں سے تین حصے ملیں گے پھر تو انہیں ترکہ کے وفق میں ضرب دے تو وہ ساٹھ حصے ہو جائیں گے، پھر تو انہیں تصحیح کے وفق پر تقسیم کر اور وہ تین حصے ہو جائیں گے۔ پس ترکہ میں سے یہی اس کے لئے ہیں۔ اور دو اخیانی بھائیوں میں سے ایک کے لئے ایک سہم ہے۔ پس تو اسے وفق میں ضرب دے تو وہ بیس ہو جائیں گے۔ پھر تو انہیں تین حصے پر تقسیم کر تو چھ اور دو بھائی ایک سہم کا نکل آئے گا یہی اس کے لئے ہوں گے اور اس کے بھائی کے لئے بھی اسی کی مثل یعنی اتنا ہی ہوگا۔ اور دو سگی بہنوں میں سے ایک کا حصہ دو ہے۔ پس تو ان دونوں کو وفق میں ضرب دے تو وہ چالیس ہو جائے گا تو پھر اسے تین حصے پر تقسیم کر تو تیرہ اور ثلث نکل آئے گا یہی اس کا حصہ ہے اور اس کی بہن کے لئے بھی اسی کی مثل ہوگا۔ اور مباينت کی مثال خاوند، ماں اور سگی بہن ہے۔ اس مسئلہ کی اصل چھ سے ہے اور اس میں آٹھ تک عول ہوتا ہے اور ترکہ پچیس (25) دینا رہے تو ان دونوں کے درمیان مباينت ہے۔ پس خاوند کے لئے آٹھ میں سے تین حصے ہیں، پھر تو انہیں کل ترکہ پچیس (25) میں ضرب دے تو یہ پچتر

(وَتَعْمَلُ كَذَلِكَ فِي مَعْرِفَةِ نَصِيبِ كُلِّ فَرِيقٍ مِنْهُمْ وَأَمَّا قَضَاءُ الدُّيُونِ فَإِنْ وَفَّى فِيهَا (و) إِنْ لَمْ يَوْفَ وَتَعَدَّدَ الْغُرْمَاءُ (يُنْزَلُ مَجْمُوعُ الدُّيُونِ) كَالْتَّصْحِيحِ لِلْمَسْأَلَةِ

اور تو اسی طرح ان میں سے ہر فریق کا حصہ پہچاننے کے لئے عمل کرے گا۔ اور رہی قرضوں کی ادائیگی تو اگر یہ پورا ہو جائے تو بہتر۔ اور اگر پورا نہ ہو اور غرما متعدد ہوں تو مجموعی قرضوں کو بمنزلہ مسئلہ کی تصحیح کے قرار دیا جائے گا

(75) تک پہنچ جائیں گے۔ پھر تو انہیں آٹھ پر تقسیم کرتو نو اور ایک دینار کے تین ثمن نکلیں گے یہی اس کا حصہ ہے اور سگی بہن کے لئے بھی اسی کی مثل ہے، اور ماں کے لئے آٹھ میں سے دو حصے ہیں سو ان دونوں کو پچیس میں ضرب دے تو وہ پچاس ہو جائیں گے۔ پھر انہیں آٹھ پر تقسیم کرتو اس سے چھ اور ایک دینار کا چوتھائی حصہ نکلے گا اور یہی اس کا حصہ ہے۔ اور اگر تو پہلی مثال میں تصحیح مسئلہ سے ہر وارث کے سہام کو کل ترکہ میں ضرب دے پھر حاصل کو کل تصحیح پر تقسیم کرے جیسے یہاں کیا ہے تو یقیناً وہ صحیح ہوگا۔ لیکن اس میں طوالت ہے جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔ اور اگر ترکہ دوسری مثال میں چوبیس ہو تو آٹھ کے چوبیس میں داخل ہونے کی وجہ سے ان کے اور تصحیح کے درمیان مداخلت ہے اور اس میں بھی مباہنت کی طرح کا عمل جائز ہے، لیکن ان دونوں کے کسر میں اشتراک کی وجہ سے موافقت کا عمل زیادہ مختصر ہے اور وہ ثمن ان دونوں میں سے اقل کا مخرج ہے اور وہ آٹھ ہے۔ پس یہ دونوں متوافقیں کے حکم میں ہیں۔

37645۔ (قوله: وَتَعْمَلُ كَذَلِكَ فِي مَعْرِفَةِ نَصِيبِ كُلِّ فَرِيقٍ مِنْهُمْ) اور تو ان میں سے ہر فریق کا حصہ جاننے کے لئے اسی طرح کا عمل کرے گا اس طرح کہ تو پہلی مثال میں دو بھائیوں اور دو بہنوں کے حصہ کو اس میں ضرب دے جس میں تو نے ان میں سے ایک کے حصہ کو ضرب دی ہے اور پھر حاصل ضرب کو تصحیح مسئلہ کے وفق پر تقسیم کرتو اس سے خارج ہونے والا ہر فریق کا حصہ ہوگا۔ اور ضرب کے طریقہ کے ساتھ تقسیم میں سے جو ذکر کیا ہے وہ پانچ وجوہ میں سے زیادہ مشہور ہے۔ اور ان کا بیان اس کے بیان کے ساتھ ساتھ کہ اگر ترکہ میں کسر ہو۔ یہ مطولات میں ہے۔

37646۔ (قوله: وَأَمَّا قَضَاءُ الدُّيُونِ) اور رہا قرضوں کو پورا کرنا یعنی ان کی تقسیم کا طریقہ اور اس کا نام محاصہ ہے۔

37647۔ (قوله: فِيهَا) یعنی پورا کرنے اور مکمل ادا کرنے کے ساتھ مقصود حاصل ہو جائے گا اور وہ بہت خوب ہے۔

37648۔ (قوله: وَتَعَدَّدَ الْغُرْمَاءُ) اور غرما کا متعدد ہونا۔ پس اگر غریم (قرض خواہ) ایک ہو تو پھر تقسیم نہیں ہے۔

37649۔ (قوله: يُنْزَلُ مَجْمُوعُ الدُّيُونِ كَالْتَّصْحِيحِ الْخ) یعنی مجموعی قرضوں کو تصحیح کے محل میں رکھا جائے گا، اس

طرح کہ تو مجموعی قرضوں اور تجہیز و تکفین کے بعد بقیہ ترکہ میں غور و فکر کرے گا۔ پس اگر دونوں کے درمیان توافق ہو جیسا کہ جب وہ بارہ دینار ترکہ چھوڑے اور اس پر اٹھارہ دینار قرض ہو۔ زید کے چار، عمرو کے دو اور بکر کے بارہ دینار۔ تو ان میں سدس کے ساتھ موافقت پائی گئی۔ پس تو ان میں سے ہر ایک کے قرض کو ترکہ کے وفق میں ضرب دے اور وہ دو ہے پھر حاصل ضرب کو مجموعی قرضہ کے وفق پر تقسیم کر اور وہ تین ہے تو زید کے لئے دو دینار اور ایک دینار کا دوثلث، عمرو کے لئے ایک دینار

(وَيُنْزِلُ كُلَّ دَيْنٍ غَرِيمٍ) (كِسْهَامٍ وَارِثٍ) وَيُعْمَلُ كَمَا مَرَّثُمْ شَعْرٌ فِي مَسْأَلَةِ التَّخَارُجِ فَقَالَ (وَمَنْ صَالَحَ مِنْ الْوَرَثَةِ وَالْغُرَمَاءِ عَلَى شَيْءٍ مَعْلُومٍ مِنْهَا) (طَرَحَ)

اور ہر قرض خواہ کے قرض کو بمنزلہ وارث کے سہام کے قرار دیا جائے گا اور پھر وہی عمل کیا جائے گا جو گزر چکا ہے۔ پھر ”مصنف“ مسئلہ تخارج میں شروع ہوئے اور کہا: ورثا اور غرما میں سے جو کوئی ترکہ میں سے کسی معلوم شے پر صلح کر لے تو تصحیح مسئلہ میں سے اس کا حصہ ساقط کر دیا جائے

اور ایک دینار کا ایک ثلث، اور بکر کے لئے آٹھ دینار نکل آئیں گے۔ اور اگر دونوں کے درمیان تباہ ہو جیسا کہ جب ہم اپنے مسئلہ میں ترکہ گیارہ دینار فرض کریں تو پھر ہر ایک کے قرض کو کل ترکہ میں ضرب دے اور پھر حاصل ضرب کو مجموعی قرضہ پر تقسیم کر تو زید کے لئے دو دینار اور ایک دینار کے ناویں حصہ میں سے چار، اور عمرو کے لئے ایک دینار اور ایک کے ناویں حصہ میں سے دو اور بکر کے لئے سات دینار اور ایک دینار کا ثلث نکلے گا۔ اور اگر اسی پر پہلی صورت میں چوبیس دینار ہوں تو ان دونوں کے درمیان مداخلت ہوگی سو تو اس میں موافقت کی طرح عمل کرے گا۔ اور صحیح ہے کہ تو اس میں اور موافقت میں مہانت کی طرح عمل کرے جیسا کہ تو نے جان لیا ہے۔

تخارج کا لغوی معنی اور اصطلاحی تعریف

37650۔ (قوله: ثُمَّ شَعْرٌ فِي مَسْأَلَةِ التَّخَارُجِ) تخارج تفاعل کے وزن پر خروج سے ماخوذ ہے۔ اور اصطلاح میں

اس سے مراد ورثا کا کسی وارث کو میراث سے نکالنے پر صلح کرنا ہے ترکہ میں سے کسی شے کے عوض وہ عین ہو یا دین۔ ”سکب الانہر“ میں کہا ہے: اس کی اصل یہ روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی مرض موت میں اپنی چار بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے دی پھر آپ اس کی عدت کے دوران ہی وصال فرما گئے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسے آٹھویں حصہ کے چوتھائی کا وارث بنایا تو ورثاء نے اس عورت سے تراوی ہزار درہم کے عوض صلح کر لی۔ اور ایک روایت میں دنیر کا ذکر ہے۔ اور ایک روایت میں اسی (80) ہزار کا ذکر ہے اور یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں بغیر کسی انکار اور اعتراض کے ہوا۔

میں کہتا ہوں: اس کے احکام اور اس کی شرائط کتاب الصلح کے آخر میں گزر چکی ہیں اور وہاں یہ گزر چکا ہے کہ اگر انہوں نے کسی ایک کو نکالا اور اسے اپنے مال میں سے دیا تو پھر اس کا حصہ باقی ورثاء کے درمیان برابر برابر تقسیم کیا جائے گا۔ اور اگر اسے دیا گیا مال اس میں سے ہے جس کے وہ وارث ہوئے ہیں تو پھر ان کی میراث کے سہام کی مقدار ان پر تقسیم کیا جائے گا، ”شراح“ نے وہاں کہا ہے: ”خصاف“ نے اسے اس کے انکار کے ساتھ ہونے سے مقید کیا ہے۔ پس اگر اقرار کے ساتھ ہو تو پھر برابر برابر تقسیم ہوگا۔ فتا ملہ۔

ورثا اور غرما سے کوئی ترکہ میں معلوم شے پر صلح کر لے تو تصحیح کا طریقہ

37651۔ (قوله: وَالْغُرَمَاءِ) مراد قرضوں کے مالک (قرض خواہ) ہیں۔ ”سراجیہ“ میں ان کا ذکر نہیں ہے اور

أَمَى اطْرَحَ سَهْمُهُ مِنَ التَّصْحِيحِ وَجُعِلَ كَأَنَّهُ اسْتَوَى نَصِيبُهُ (ثُمَّ قَسَمَ الْبَاقِي مِنَ التَّصْحِيحِ) أَوْ الدُّيُونِ (عَلَى سِهَامٍ مَنْ بَقِيَ مِنْهُمْ) فَتَصَحَّحَ مِنْهُ كَنُزُوجٌ وَأُمٌّ وَعَمٌّ فَصَالَحَ الزَّوْجُ عَلَى مَا فِي ذِمَّتِهِ مِنَ الْمَهْرِ وَخَرَجَ مِنْ بَيْنِ الْوَرَثَةِ فَاطْرَحَ سِهَامَهُ مِنَ التَّصْحِيحِ وَهِيَ ثَلَاثَةٌ وَاقْسَمَ بَاقِي التَّرِكَةِ وَهِيَ مَا عَدَا الْمَهْرَ بَيْنَ الْأُمِّ وَالْعَمِّ أَثْلَاثًا بِقَدْرِ سِهَامِهِمَا مِنَ التَّصْحِيحِ قَبْلَ التَّخَارُجِ وَحِينَئِذٍ يَكُونُ سَهْمَانِ لِلْأُمِّ وَسَهْمٌ لِلْعَمِّ وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُجْعَلَ الزَّوْجُ كَأَنَّ لَمْ يَكُنْ لِئَلَّا يَنْقَلِبَ فَرَضُ الْأُمِّ مِنْ ثُلُثِ أَصْلِ الْمَالِ إِلَى ثُلُثِ أَصْلِ الْبَاقِي لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ يَكُونُ لِلْأُمِّ سَهْمٌ وَلِلْعَمِّ سَهْمَانِ وَهُوَ خِلَافُ الْإِجْمَاعِ قَالَهُ السَّيِّدُ وَغَيْرُهُ

اور اسے اس طرح بنا دیا جائے گویا اس نے اپنا حصہ پورا کر لیا ہے۔ پھر تصحیح مسئلہ یا قرضوں میں سے باقی کو ان میں سے باقی ورثا کے حصوں پر تقسیم کر دیا جائے تو اس سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا جیسا کہ خاوند، ماں اور چچا وارث ہوں۔ پھر خاوند اس مہر کے عوض صلح کر لے جو اس کے ذمہ ہے اور ورثا کے درمیان سے نکل جائے تو تصحیح سے اس کا سہم ساقط کر دیا جائے گا اور وہ تین حصے ہیں اور پھر مہر کے سوا باقی ترکہ ماں اور چچا کے درمیان تنحارج سے قبل تصحیح مسئلہ میں ان کے سہام کی مقدار تین حصوں میں تقسیم کر دے، اس وقت دو سہم ماں کے لئے ہوں گے اور ایک سہم چچا کے لئے۔ اور یہ جائز نہیں کہ خاوند کو اس طرح کر دیا جائے گویا وہ تھا ہی نہیں تاکہ ماں کا حصہ اصل مال کے ثلث سے باقی مال کے ثلث کی طرف بدل نہ جائے۔ کیونکہ اس وقت ماں کے لئے ایک حصہ اور چچا کے لئے دو حصے ہو جائیں گے اور وہ اجماع کے خلاف ہے۔ ”السید“ وغیرہ نے یہی کہا ہے۔

”ملتقی“ اور ”المجمع“ وغیرہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ پس تقسیم اور تنحارج میں ان کا حکم ورثاء کے حکم کی مثل ہے۔ اور انہی کی مثل موصیٰ لہ بھی ہے جیسا کہ کتاب الصلح کے آخر میں ذکر ہو چکا ہے۔

37652۔ (قوله: أَمَى اطْرَحَ سَهْمُهُ مِنَ التَّصْحِيحِ) یعنی تو اس کا حصہ تصحیح مسئلہ سے ساقط کر دے، مراد یہ ہے کہ

ورثاء کے درمیان مصالحت ہونے کے باوجود تو اصل مسئلہ کو صحیح قرار دے پھر تصحیح سے اس کا حصہ ساقط کر دے۔ ”سید“۔

37653۔ (قوله: كَنُزُوجٌ) اس مسئلہ کی اصل چھ سے ہے۔ خاوند کے لئے نصف یعنی تین سہم، ماں کے لئے

ثلث یعنی دو سہم اور باقی ایک سہم چچا کے لئے ہے۔

37654۔ (قوله: وَحِينَئِذٍ يَكُونُ الْخ) پس اگر فرض کیا جائے کہ چچا نے ترکہ میں سے کسی شے پر صلح کی ہے اور وہ

ان کے درمیان سے خارج ہو گیا ہے تو بھی اصل مسئلہ چھ سے ہوگا تو جب چچا کا حصہ نکل گیا تو باقی پانچ رہ گئے۔ ان میں سے

تین خاوند کے لئے اور دو ماں کے لئے ہوں گے۔ پھر باقی ایک کو پانچ حصوں میں خاوند اور ماں کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔

پس خاوند کے لئے تین خمس اور ماں کے لئے دو خمس ہوں گے۔ اور اگر ماں کسی شے پر صلح کر لے اور وہ نکل جائے تب بھی مسئلہ

چھ سے چلے گا تو جب اس سے مال کے دو حصے ساقط ہو گئے تو باقی چار رہ گئے۔ پس باقی ترکہ کو چار حصوں میں تقسیم کر کے ان

میں سے تین خاوند کو اور ایک چچا کو دیا جائے گا۔

37655۔ (قوله: لِيُثَلَّ يَنْقَلِبَ فَرَضُ الْأُمِّ الْخ) تاکہ بعض صورتوں میں ماں کا فرض (حصہ) بدل نہ جائے۔ جیسا

قُلْتُ وَهَذَا هُوَ الصَّوَابُ وَلَقَدْ غَلَطَ فِي قِسْمَةِ هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ صَاحِبُ الْمُخْتَارِ وَصَاحِبُ مَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ وَغَيْرُهُمَا عَلَى مَا عِنْدِي مِنَ النُّسخِ فَإِنَّهُمَا قَسَمَا الْبَاقِيَ لِلْأَمِّ سَهْمًا وَلِلْعَمِّ سَهْمَانِ وَقَدْ عِدْتُ أَنَّهُ خِلَافُ الْإِجْمَاعِ وَقَالَ الْعَلَّامَةُ قُطُبُ الدِّينِ مُحَمَّدُ بْنُ سُلْطَانٍ فِي شَرْحِهِ لِدَكْنَزِ وَقَوْلُهُ وَاجْعَلْهُ كَأَن لَمْ يَكُنْ، فِيهِ نَظَرٌ۔ ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ مَا تَحَرَّرَ فَتَدَبَّرْ قَالَ مُؤَلَّفُهُ الْعَبْدُ

میں کہتا ہوں: اور یہی درست ہے۔ تحقیق اس مسئلہ کی تقسیم میں ”صاحب المختار“ اور ”صاحب مجمع البحرين“ وغیرہ نے غلطی کی ہے ان کتابوں کے مطابق جو میرے پاس ہیں۔ کیونکہ ان دونوں نے باقی کو تقسیم کیا ہے (یعنی) ماں کے لئے ایک سہم اور چچا کے لئے دو سہم۔ حالانکہ آپ یہ جان چکے ہیں کہ یہ اجماع کے خلاف ہے۔ اور علامہ قطب الدین ”محمد بن سلطان“ نے ”دکنز“ پر اپنی شرح میں کہا ہے: اور ان کا قول: واجعله كأن لم يكن (اور تو اسے ایسا قرار دے گویا وہ تھا ہی نہیں) اس میں نظر ہے۔ پھر اسے اسی طرح ذکر کیا جیسے اوپر تحریر ہوا ہے۔ پس تو اس میں تدبر اور غور کر۔ اس کے مؤلف

کہ اس صورت میں ہے بخلاف اس کے کہ جب چچا کی جگہ باپ ہو۔ کیونکہ صحیح میں خاوند کے دخول کا اعتبار کرنا، زمین نہیں ہوتا، اس لئے کہ ہر حال میں ماں کے لئے ایک سہم اور باپ کے لئے دو سہم ہیں۔

37656۔ (قوله: فِيهِ نَظَرٌ) اس میں نظر اور اعتراض ہے، اس کی اصل ”زلیعی“ میں ہے اور انہوں نے اسے اپنے اس قول کے ساتھ بیان کیا ہے: کیونکہ اس نے اپنے حصہ کے بدل پر قبضہ کر لیا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اسے اس طرح قرار دیا جائے گویا وہ موجود ہی نہیں؟ بلکہ اسے اس طرح قرار دیا جائے گا گویا اس نے اپنا حصہ وصول کر لیا ہے اور باقیوں نے اپنے حصے وصول نہیں کئے۔ کیا آپ جانتے نہیں ہیں کہ اگر کوئی عورت فوت ہو جائے اور وہ اپنے پیچھے تین متفرق بہنیں اور خاوند چھوڑے۔ پھر سگی بہن صلح کر لے اور ان کے درمیان سے نکل جائے تو باقی ان کے درمیان پانچ حصوں میں تقسیم ہوگا، تین حصے خاوند کے لئے، ایک حصہ علاقائی بہن کے لئے اور ایک حصہ اخائی بہن کے لئے ہوگا اسی کے مطابق جو ان کے لئے آٹھ میں سے تھے۔ کیونکہ اس مسئلہ کی اصل چھ سے ہے اور یہ آٹھ تک عول ہوتا ہے۔ پس جب بہن نے اپنا حصہ پورا کر لیا اور وہ تین سہم ہیں تو باقی پانچ رہ گئے اور اگر اسے اس طرح قرار دیا جائے گویا وہ موجود ہی نہ تھی تو پھر یقیناً سارے حصے سب دگے اور باقی ایک سہم غصبہ کے لئے ہوگا۔ اور اس میں درست یہ کہنا ہے: مسئلہ چھ سے ہے اور وہ ایک سہم سے سارے حصے تک عول کرے گا جیسا کہ ”زلیعی“ کے بعض نسخوں میں موجود ہے۔ لیکن جو گزر چکا ہے وہ ان کے خط اور تحریر کے ساتھ اسی طرح پایا گیا ہے پس وہ سبق قلم ہے کیونکہ یہاں کوئی غصبہ نہیں ہے۔

37657۔ (قوله: ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ مَا تَحَرَّرَ) یعنی پھر اپنے سابقہ قول: فاطمة سہمامہ من التصحيح کی طرح ذکر کیا۔

37658۔ (قوله: قَالَ مُؤَلَّفُهُ) یہ تالیف سے ماخوذ ہے یہ دو چیزوں یا زیادہ اشیا کے درمیان الفت واقع کرنا ہے

اور یہ ترکیب سے اخص ہے۔ اور عرف میں ایسی کتاب پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے جس میں کسی بھی علم کے متفرق مسائل جمع

الْفَقِيرُ الْحَقِيرُ مُحَمَّدٌ عَلَاءُ الدِّينِ ابْنُ الشَّيْخِ عَلِيِّ بْنِ الْحَصَنِ الْحَنْفِيُّ الْعَبَّاسِيُّ الْإِمَامُ بِجَامِعِ بَنِي أُمَيَّةَ
ثُمَّ الْمُفْتَى بِدِمَشْقِ الْمَحْبِيَّةِ قَدْ فَرَعْتُ مِنْ تَأْلِيفِهِ أَوْ آخِرِ شَهْرِ مُحَرَّمِ الْحَرَامِ سَنَةِ إِحْدَى وَ سَبْعِينَ وَ
أَلْفِ هِجْرِيَّةٍ، عَلَى صَاحِبِهَا أَفْضَلُ الصَّلَاةِ وَأَزْكَى التَّحِيَّةِ، وَقَدْ بَالِغْتُ فِي تَلْخِيصِهِ وَ تَحْرِيرِهِ وَ تَنْقِيحِهِ، وَ
تَبِعْتُ الْمُصَنِّفَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي تَغْيِيرِهِ

عاجز و محتاج بندے محمد علاء الدین ابن شیخ علی جو حصن کے رہنے والے حنفی المسلک، عباسی النسب، جامع بنی امیہ کے امام اور
محفوظ و مامون دمشق کے مفتی نے کہا: تحقیق میں اس کتاب کی تالیف سے 1071ھ محرم الحرام کے مہینے کے اواخر میں فارغ
ہوا علی صاحب الجہرۃ افضل الصلاۃ و ازکی التحیۃ۔ تحقیق میں نے اس کی تلخیص، تحریر اور تنقیح و تہذیب میں مبالغہ کی حد تک عمل
کیا۔ اور میں نے بہت سے مقامات پر اس کے متن کو تبدیل کرنے اور اس کی تصحیح کرنے میں ”مصنف“ رحمۃ اللہ علیہ کی اتباع کی ہے

کئے گئے ہوں وہ بمعنی مؤلف لام کے فتح کے ساتھ ہے اور اسے جمع کرنے والا مؤلف لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

37659۔ (قوله: الْفَقِيرُ) یہ فقر سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ذلت ہے ”قاموس“۔ مراد (ناچیز ہونا اور عاجز ہونا ہے)۔

37660۔ (قوله: الْحَصَنِ) یہ جگہ اور گاؤں کی طرف نسبت ہے جس کا نام حصن کیفا ہے۔ اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت میں

لفظ حصفی مشہور ہے اور یہ نحت کے باب سے ہے۔

37661۔ (قوله: الْعَبَّاسِيُّ) ظاہر ہے کہ یہ نسبت ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی

طرف ہے۔

37662۔ (قوله: الْإِمَامُ) یہ لفظ رفع کے ساتھ لفظ محمد کی صفت ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ علی کی صفت ہو، لیکن وہ

جو جامع بنی امیہ میں حنفیہ کے امام اور دمشق الحمیہ کے مفتی تھے وہ ”شارح“ رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔ اسی طرح آپ ہی جامع بنی امیہ میں
گنبد کے نیچے مدرس الحدیث اور مدرس التکیۃ السلیمۃ تھے، اور آپ کے والد ان میں سے کسی بھی شے کے ساتھ مشہور نہ تھے۔

37663۔ (قوله: هِجْرِيَّةٍ) یہ ہجرت کی طرف نسبت ہے یعنی حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت اور تاریخ اسی کی طرف

منسوب ہے، کیونکہ اس کی ابتدا اسی سے ہوئی۔ اور سب سے پہلے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تاریخ کی ابتدا اس سے
کی۔ اور عرب پہلے عام التفرق سے تاریخ بیان کرتے تھے اور وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کے متفرق ہونے اور مکہ مکرمہ
سے ان کے نکلنے کا سال ہے۔ پھر وہ عام الفیل سے تاریخ بیان کرنے لگے جیسا کہ ”الظہیریہ“ میں محاضر سے پہلے اسے تفصیل
سے بیان کیا ہے۔

37664۔ (قوله: فِي تَلْخِيصِهِ) تلخیص کا معنی تبیین (ظاہر کرنا، بیان کرنا) شرح (وضاحت کرنا) اور تخلص (آمیزش

سے صاف کرنا مختصر کرنا) ہے۔ ”قاموس“۔

37665۔ (قوله: وَ تَحْرِيرِهِ وَ تَنْقِيحِهِ) تحریر الکتاب وغیرہ سے مراد اس کی تقویم ہے اور تنقیح سے مراد تہذیب

لِمَوَاضِعَ كَثِيرَةٍ مِنْ مَتْنِهِ وَتَصْحِيحِهِ وَنَبَهَتْ عَلَيْهَا وَعَلَى مَوَاضِعَ سَهْوٍ آخِرٍ وَبِالْجُمْلَةِ فَالسَّلَامَةُ مِنْ
هَذَا الْخَطَرِ، أَمْرٌ يُعْزَى عَلَى الْبَشَرِ، فَسَتَرَ اللَّهُ عَلَى مَنْ سَتَرُوْهُ غَفَرَ لِمَنْ غَفَرَ الرَّجْزُ
وَإِنْ تَجِدَ عَيْبًا فَسُدَّ الْخَلْلًا

اور میں نے ان پر اور دوسرے سہو کے مقامات پر متنبہ کر دیا ہے۔ المختصر اس پر خطر وادی سے محفوظ و سلامت رہنا انسان کے
لئے قلیل الوجود اور نادر الوقوع ہے۔ سو اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائے جو دوسروں کی پردہ پوشی کرے اور اس کی مغفرت
فرمائے جو دوسروں کی غلطیاں معاف کرے۔ [الرجز] اور اگر تو کوئی عیب اور نقص پائے تو خلل کو بند کر دے

ہے۔ قاموس۔ یعنی حسود و زائد سے پاک کرنا۔

37666۔ (قوله: لِمَوَاضِعَ) اس میں لام زائدہ تقویت کے لئے ہے۔

37667۔ (قوله: وَتَصْحِيحِهِ) اس کا عطف تغیر پر ہے۔

37668۔ (قوله: وَعَلَى مَوَاضِعَ سَهْوٍ آخِرٍ) یعنی وہ مقامات جنہیں تبدیل کرنا ”مصنف“ سے رہ گیا۔

37669۔ (قوله: وَبِالْجُمْلَةِ) یعنی میں مجموعہ کلام سے ملتبس قول کرتا ہوں۔ ”القاموس“ میں کہا ہے: جُمْل جمع

ہے، اور أَجْمَلُ الشَّيْءِ کا معنی ہے اس نے بکھری ہوئی شے کو جمع کیا۔ اور یہاں مراد یہ ہے کہ اگرچہ ”مصنف“ یا کسی غیر سے سہو
واقع ہوا، یا اگرچہ میں نے اس پر آگاہ کیا جو ان سے سہو ہوا لیکن بلاشبہ میں بھی بھول سکتا ہوں۔ کیونکہ اس پر خطر وادی سے
سلامتی کے ساتھ گزرنا (بہت مشکل امر ہے) اس میں لفظ خطر کا معنی ہلاکت پر جھانکنا ہے اور یہاں اس سے مراد انتہائی
مشکل امر ہے جسے سہو کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ أَمْرٌ يُعْزَى وزن اور معنی میں یقل کی مثل ہے یعنی ایسا امر جو نادر، قلیل یا مشکل
یا تنگ یا آدمی پر بہت عظیم اور بھاری ہو اور لوگ اسے حاصل نہ کر سکتے ہوں۔ کیونکہ سہو اور نسیان انسان کے لوازم میں سے
ہے۔ اور لوگوں میں سے پہلا انسان ہی سب سے پہلا بھولنے والا ہے۔ یہ اپنی طرف سے غجز کا اظہار ہے اور اپنی طرف سے
اور ”مصنف“ کی طرف سے عذر بیان کرنا ہے۔

37670۔ (قوله: فَسَتَرَ اللَّهُ عَلَى مَنْ سَتَرَ) اس میں فافصیہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے جو

دوسرے کی پردہ پوشی کرے، یعنی جب صورت حال وہ ہے جو ذکر کی گئی ہے تو مطلوب پردہ پوشی ہے سوائے ایسے مقام کے جو
بیان کا متقاضی ہو۔

37671۔ (قوله: وَغَفَرَ لِمَنْ غَفَرَ) الغفر کا معنی پردہ ڈالنا، چھپانا ہے اور یہ عطف مرادف ہے (یعنی ستر اور غفر

دونوں ہم معنی ہیں۔)

37672۔ (قوله: وَإِنْ تَجِدَ عَيْبًا) یہ شعر اس کلام کے معنی میں ہے جو اس سے پہلے ہے۔

37673۔ (قوله: فَسُدَّ الْخَلْلًا) خلل سے مراد وہ شکاف اور خلا ہے جو دو چیزوں کے درمیان ہو، اور کسی کام میں

کمزوری اور سستی کا ہونا ہے۔ اور امر مختل کمزور عمل کو کہتے ہیں۔ اور اخل بالشیء۔ اس نے شے کو بٹا دیا، چھوڑ دیا۔

جَلَّ مَنْ لَا فِيهِ عَيْبٌ وَعَلَا

كَيْفَ لَا وَقَدْ بَيَّضَتْهُ وَفِي قَلْبِي مِنْ نَارِ الْبَعَادِ عَنِ الْبِلَادِ وَالْأَوْلَادِ وَالْأَخْوَانِ

بزرگ و برتر ہے وہ ذات جس میں کوئی عیب نہیں۔ اور کیسے خطا اور بھول نہ ہو؟ حالانکہ جب میں نے اسے صاف لکھا تو اس وقت میرے دل میں ان شہروں، اولاد، بھائیوں

”قاموس“۔ اسے ذکر تو مطلق معنی کے لئے کیا ہے۔ اور اس سے مراد عیب ہے، اور حق یہ ہے کہ وہ اس کی جگہ ضمیر ذکر کرتے، لیکن انہوں نے دوسرے لفظ سے اسے تعبیر کرتے ہوئے اسم ظاہر کیا تا کہ اس پر نص ہو جائے کہ سہو اور اس طرح کے عمل کے ساتھ عیب خلل ہوتا ہے اور اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ﴿۹۸﴾ (البقرہ) جو کہ اس قول کے بعد ہے: مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ الْآيَةِ (البقرہ: 98) اور یہ ان پر کفر کی مہر ثبت کرنے کے لئے ہے۔ اور بسدہ سے مراد اسے چھپانا یا اس کی ایسی تاویل کرنا ہے جو ممکن ہو۔

37674۔ (قوله: جَلَّ) یعنی وہ عظمت و شان والا اور بلند ہے، اور اس پر عَلَا کا عطف کرنا یہ عطف تفسیر ہے۔ اور یہ کلام محذوف کلام کے ساتھ مربوط ہے جس پر سیاق کلام دلالت کرتا ہے: اى فسد الخلل ولا تعديبه ولا تفضح یعنی تو خلل اور عیب کو دور کر دے اور اس پر کوئی عار نہ دلا اور نہ برائی ظاہر کر۔ کیونکہ اولاد آدم میں سے سوائے اس کے جو معصوم ہے ہر ایک میں عیب اور نقص موجود ہے، اور وہ جو تمام تر عیوب و نقائص سے پاک اور مبرہ ہے وہ اللہ تعالیٰ جل و علی کی ذات ہے۔ ”طحاوی“۔ اس شعر کا پہلا مصرعہ بحر جز سے ہے اور دوسرا بحر رمل سے ہے۔ اور اگر کہے: ان تجدواؤ کے بغیر جیسا کہ بعض نسخوں میں ہے تو پھر پہلا مصرعہ دوسری بحر سے ہو جائے گا، یا وہ کہے: فجل فاء کے ساتھ تو پھر دوسرا پہلی بحر سے ہو جائے گا۔

37675۔ (قوله: كَيْفَ لَا) اس میں لا کی منفی محذوف ہے: یعنی کیف لا یوجد منی سہو والحال کذا۔ یعنی مجھ سے

سہو کیسے نہیں پایا جائے گا حالانکہ صورت حال اس طرح ہے۔ تو یہ سہو کے پائے جانے پر دوسرا اعتذار ہے۔

37676۔ (قوله: بَيَّضَتْهُ) میں نے اسے صاف کر کے لکھا، یعنی میں نے اسے مسودہ سے مبیضہ کی طرف نقل کیا، اور

مولفین کی اصطلاح میں مسودہ سے مراد وہ اوراق ہیں جن میں نئی تالیف واقع ہوتی ہے۔ اور دوران تحریر کثرت سے الفاظ مٹانے اور انہیں مثبت کرنے کے سبب ان اوراق کے سیاہ ہو جانے کی وجہ سے انہیں مسودہ کا نام دیا گیا ہے۔ اور مبیضہ سے مراد وہ اوراق ہیں جن میں مولف وہ کچھ نقل کرتا ہے جو کچھ اس نے مسودہ میں لکھا اور مثبت کیا ہو۔

37677۔ (قوله: مِنْ نَارِ الْبَعَادِ) یہ لفظ با کے کسرہ کے ساتھ باعد کا مصدر ہے، اور من اس کا بیان ہے جو ان کے

قول مایفتت میں ہے یا یہ من تعلیلہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: مِمَّا خَطَبْتَهُمْ أُخْرِقُوا (نوح: 25) تحقیق دوری کی مشقت اور فراق اور جدائی کے درد کو آگ سے تشبیہ دی گئی ہے یہ استعارہ تصریحیہ اصل یہ ہے اور اس پر قرینہ نار (آگ) کی بعاد کی طرف اضافت ہے۔ یا بعاد (دوری) کو اس لکڑی سے تشبیہ دی گئی ہے جس سے آگ جلتی ہے یہ استعارہ ممکنہ ہے اور اس کے لئے نار کو ثابت رکھنا تخیل ہے۔ یا پھر مشبہ بہ کو مشبہ کی طرف مضاف کیا ہے یعنی من بعاد کالنار (یعنی

وَالْأُحْفَادِ مَا يُفْتَتُ الْأُكْبَادَ فَرَحِمَ اللَّهُ التَّفْتَازَانِي حَيْثُ اعْتَذَرَ وَأَجَادَ،

اور پوتوں وغیرہ سے جدائی کی آگ اس قدر بھڑک رہی تھی کہ وہ دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ علامہ ”تفتازانی“ پر رحم فرمائے کہ انہوں نے عذر پیش کیا اور خوب کیا

اس دوری سے جو آگ کی طرح ہے جیسا کہ لجین الساعیں ہے۔ تامل۔

37678۔ (قوله: وَالْأُحْفَادِ) اس سے مراد بیٹیاں یا اولاد کی اولاد (یعنی پوتے پوتیاں، اور نواسے نواسیاں) یا داماد

اور بہنوئی وغیرہ ہیں۔ ”قاموس“۔

37679۔ (قوله: مَا يُفْتَتُ الْأُكْبَادَ) یعنی جو دلوں کو کاٹ دیتی ہے اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔ اور اکباد کبد

کی جمع ہے یہ لفظ با کے فتح اور کسرہ دونوں کے ساتھ ہے اور کبھی اسے کف کی طرح ذکر کیا جاتا ہے۔ ”قاموس“۔ اور مراد ایک کلیجہ ہے اور یہی اس کا کلیجہ ہے، کیونکہ جو اس کے دل میں درد ہے وہ کسی غیر کے کلیجے کو ٹکڑے ٹکڑے نہیں کرتا۔ اور یہاں اسے سجع کے لئے جمع ذکر کیا گیا ہے، یا پھر اس معنی کی بنا پر کہ میرے دل میں اس جنس کا درد ہے جو کلیجوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے، یا بلاشبہ میرے دل میں وہ درد ہے کہ اگر میرے متعدد کلیجے بھی ہوتے تو وہ انہیں پاش پاش کر دیتا، یا بروہ امر جو میرے دل میں واقع ہے وہ کلیجے کو پھاڑنے میں مستقل ہے تو وہ اس طرح ہو گیا گویا کلیجے متعدد ہیں۔

37680۔ (قوله: فَرَحِمَ اللَّهُ) اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، یہ اپنے ماقبل پر تفریع ہے اور وہ اس طرح کہ انہوں نے فراق اور

جدائی کے درد کا ذائقہ چکھا ہے اور تکلیف کو برداشت کیا ہے جسے ایک عاشق دل کے بکھرنے اور متواتر شدید غموں میں سے برداشت کرتا ہے، معلوم ہوا کہ یہ اس امام کی طرف سے عذر کا اظہار ہے جو ان سے پہلے ہوئے ہیں اور اس طرح کے کلام کے ساتھ عذر پیش کرنا لامحالہ مقبول ہے۔ پس ان کا نفس بھی ان کے لئے اس دعا کی طرف مائل ہوا، کیونکہ شاعر نے کہا ہے: [البیٹ]

لَا يَعْرِفُ الْوَجْدَ إِلَّا مَنْ يُكَابِدُهُ وَلَا الصَّبَابَةَ إِلَّا مَنْ يُعَانِيهَا

وجد کو نہیں جانتا مگر وہی جو اس کے درد کو برداشت کرتا ہے اور سوزش عشق کو نہیں جانتا مگر وہی جو اس کی تکلیف کو برداشت کرتا ہے۔

37681۔ (قوله: التَّفْتَازَانِي) ان کا اسم گرامی ”مسعود“ ہے، اور ان کا لقب سعد الملة والدين، اور ان کا نسب بہت

خراسان کے شہروں میں سے ایک شہر ”تفتازان“ کی طرف ہے۔ وہاں ان کی ولادت 722ھ میں ہوئی اور 792ھ میں ”سمرقند“ میں وصال ہوا، اور انہیں ”سرخس“ منتقل کیا گیا اور وہیں دفن کیا گیا۔

37682۔ (قوله: حَيْثُ اعْتَذَرَ) یعنی انہوں نے ”المختصر شرح تلخیص المعانی“ کے خطبہ میں اپنا عذر پیش کیا ہے۔ اور

اس شعر سے پہلے بھی کہا ہے: باوجود اس کے کہ سخت مصیبتوں کے سبب طبیعت بجھی ہوئی تھی اور رنج و غم کی آندھیوں کے سبب ذہن افسردہ تھا، اور مختلف اطراف و جوانب اور شہروں میں چکر لگانے پڑنے اور وطن اور وسائل سے دور تھا یہاں تک کہ میں

حَيْثُ قَالَ نَظْمًا طَوِيلُ

يَوْمًا بِحَزْوَى وَيَوْمًا بِالْعَقِيقِ وَيَوْمًا بِالْخَلِصَا

لَكِنَّ اللَّهَ الْحَمْدُ أَوَّلًا وَآخِرًا ظَاهِرًا وَبَاطِنًا فَلَقَدْ مَنَّ بِابْتِدَاءِ تَبْيُضِّهِ تَجَاةَ وَجْهِ صَاحِبِ الرِّسَالَةِ وَالْقَدْرِ

اس حیثیت سے کہ انہوں نے نظم کی صورت میں کیا: [الطویل] (میں) کسی دن حزوی میں ہوتا ہوں اور کسی دن عقیق میں، کسی دن عذیب میں اور کسی دن خلصا میں۔ لیکن اولاً، آخراً اور ظاہراً اور باطناً سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ تحقیق اس نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ جو کہ انتہائی عالی مرتبت ہے اس کے سامنے اسے صاف لکھنے کی ابتدا کرنے

غبار آلود بڑے بڑے مظلم و تاریک جنگلوں کو قطع کرتا تھا اور کتاب کی ایک ایک سطر زمین کے ایک ایک قطعہ میں لکھتا تھا۔

37683۔ (قوله: حَيْثُ قَالَ) یہ ان کے قول حیث اعتذر سے بدل ہے۔

37684۔ (قوله: يَوْمًا بِحَزْوَى الْخ) یہ بستیوں کے نام ہیں۔ اور یوم سے مراد مطلق وقت ہے۔ اور اس کا متعلق

مخدوف ہے اس کی تقدیر اکون ہے۔

37685۔ (قوله: لَكِنَّ اللَّهَ الْحَمْدُ الْخ) یہ استدراک ہے یعنی یہ کہ اگرچہ مجھے وہ پریشانی و پشیمانی حاصل ہے جو

شہروں سے دور ہونے کے سبب لاحق ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا پھل عطا فرمایا جس کے فوائد اور منافع عظیم ہیں۔ یہی وہ ہے جو قبولیت کی علامت اور مقصود تک پہنچنے کی دلیل ہے۔

37686۔ (قوله: أَوَّلًا وَآخِرًا) یعنی ہر امر کی ابتدا اور آخر میں۔

37687۔ (قوله: ظَاهِرًا وَبَاطِنًا) یعنی ظاہر میں زبان کے ساتھ حمد و ثنائیاں کرنا اس کی موافقت کرتے ہوئے جو

باطن میں دل کے ساتھ ہے۔

37688۔ (قوله: فَلَقَدْ) اس میں فائبرائے تعلیل ہے اور لام قسم کے لئے ہے۔ پس یہ معین اور خاص نعمت پر حمد

و ثنا ہے۔

37689۔ (قوله: مَنَّ) یعنی اللہ تعالیٰ نے انعام و احسان فرمایا۔

37690۔ (قوله: بِابْتِدَاءِ تَبْيُضِّهِ) یعنی اس مولف کو صاف لکھنے کے آغاز سے جسے ان کے قول: قال مؤلفہ اور

ان کے قول: قد فرغت من تأليفہ سے سمجھا گیا ہے۔

37691۔ (قوله: تَجَاةَ) اس کی اصل وجاہ ہے اس میں واؤ کوتا سے بدلا گیا ہے اور یہ مواجہۃ سے ماخوذ ہے یہ

بمعنی مقابله ہے یعنی سامنے۔

37692۔ (قوله: صَاحِبِ الرِّسَالَةِ) اس میں الف لام عہد کے لئے ہے یعنی وہ رسالت جو عام اور دائمی ہے۔

37693۔ (قوله: وَالْقَدْرِ) یعنی بلند مرتبہ۔

الْمُنِيفِ، وَبِخْتِهِ تَجَاةَ قَبْرِ صَاحِبِ هَذَا الْمَتْنِ الشَّرِيفِ، فَلَعَلَّهُ عَلَامَةُ الْقَبُولِ مِنْهُمْ وَالشَّرِيفُ - قَالَ مُؤَلَّفُهُ الطَّوِيلُ

فَيَا شَرَفِي اِنْ كُنْتَ رَبِّ قَبْلَتِهِ وَانْ كَانَ كُلُّ النَّاسِ رَدُّوهُ عَنْ حَسَدٍ

اور اس متن شریف کے صاحب (یعنی ”مصنف“ رحمہ اللہ) کے مزار کے سامنے اسے ختم کرنے کا احسان عظیم فرمایا، شاید یہ ان کی طرف سے قبولیت و تشریف کی علامت ہے۔ اس کے مؤلف نے کہا ہے: [الطویل] اے میرے شرف تو حاضر ہو، اے میرے پروردگار! اگر تو اسے قبول فرمالے اگرچہ سارے لوگ حسد کی وجہ سے اسے رد کر دیں،

37694۔ (قولہ: الْمُنِيفِ) یعنی جو غیر کے مقابلہ میں زائد یا بلند اور عالی ہو یہ ان کے اس قول سے ہے جب عقد پر

کچھ زائد ہو: لہذا اذ علی العقد نیف و ناف و أناف علی الشی: اس پر نمایاں ہونا اور زیادہ ہونا۔

37695۔ (قولہ: تَجَاةَ قَبْرِ صَاحِبِ هَذَا الْمَتْنِ الشَّرِيفِ) یعنی اس متن شریف کو لکھنے والے ”مصنف“ کی قبر کے

سامنے، اور یہ یعنی نقل مسودہ کا اختتام ان کے شہر میں ہوا اور وہ غزہ ہاشم ہے۔

37696۔ (قولہ: فَلَعَلَّهُ) یعنی وہ جوابتدا کرنے اور ختم کرنے کا ذکر کیا ہے۔

37697۔ (قولہ: عَلَامَةُ الْقَبُولِ مِنْهُمْ) یعنی اللہ تعالیٰ، صاحب رسالت حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحب متن

رحمہ اللہ کی جانب سے قبول کی علامت ہے۔ اور قبول سے مراد کسی کام کے کرنے والے پر اعتراض ترک کر کے اس کے کام کے ساتھ راضی ہونا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: کسی صحیح عمل پر ثواب دینا ہے۔

37698۔ (قولہ: وَالشَّرِيفُ) کہا جاتا ہے شرف ککر م شرفا: یعنی وہ دین یا دنیا میں بلند ہو گیا۔ اور شرف اللہ

الکعبۃ اللہ تعالیٰ نے کعبہ معظمہ کو بلند کر دیا یہ شرف سے ماخوذ ہے۔ ”قاموس“۔

37699۔ (قولہ: قَالَ مُؤَلَّفُهُ) اس کے مؤلف نے کہا، اسی طرح بعض نسخوں میں ہے۔

37700۔ (قولہ: فَيَا شَرَفِي) پس اے میرے شرف تو حاضر ہو۔ پس یہ اور قبل تیرے مقتضی کے حصول کے لئے

ہیں، اور یہ اشعار بحر طویل سے ہیں۔ اور قبلتہ میں ضمیر تالیف کے لئے ہے۔ ”طحطاوی“۔ (یعنی تو میری اس تالیف (کتاب) کو قبول فرمالے۔)

37701۔ (قولہ: وَانْ كَانَ كُلُّ النَّاسِ) اگرچہ تمام لوگ یعنی ان کے اہل زمانہ اور وہ جوان کے بعد آئیں گے۔

37702۔ (قولہ: رَدُّوهُ عَنْ حَسَدٍ) یہ دال کے اسکان کے ساتھ ہے اور عن بمعنی لام ہے: ای لأجل حسدہم لہ

(یعنی ان کے اس کے ساتھ حسد کرنے کی وجہ سے وہ اسے رد کر دیں) جیسا کہ اس ارشاد باری تعالیٰ میں ہے: وَمَا نَحْنُ

بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ يَا مَعْنَى مَن هِيَ اِی ردنا شئامن حسد (یعنی حسد سے پیدا ہونے والے رد کے ساتھ رد کر دیں)

جیسا کہ اس ارشاد باری تعالیٰ میں ہے: وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ۔

فَتُقْبِلُنِي مَعَ مَاتِنٍ وَأَسَاتِينِ وَتَحْشُرُنَا جُمُعًا مَعَ الْمُصْطَفَى أَحْمَدٍ
وَإِخْوَانِنَا الْمُسَدِّى لَنَا الْخَيْرُ.....

پس تو مجھے ماتن اور اساتذہ کے ساتھ قبول فرما لے اور تو ہم تمام کا آقا کریم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی معیت میں حشر فرما، اور ہمارے ان مسلمان بھائیوں کا جو ہمیشہ ہمارے لئے خیر کی دعا مانگتے ہیں

37703۔ (قولہ: فَتُقْبِلُنِي) یہ تخفیف کے ساتھ ہے یعنی تو مجھے اجر اور بدلہ عطا فرما یہ خبر بمعنی دعا ہے۔

37704۔ (قولہ: وَأَسَاتِينِ) یہ استاذ کی جمع ہے۔ استاذ میں ہمزہ مضموم ہے اور اس کا معنی کسی شے کا ماہر ہونا ہے۔ اور یہاں ان سے مراد ”مصنف“ کے اشیاخ ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے جسے عربی بنایا گیا ہے اس لئے کہ ”القاموس“ میں ہے: سین اور ذال معجمہ عربی کلمہ میں جمع نہیں ہو سکتے۔

37705۔ (قولہ: وَتَحْشُرُنَا جُمُعًا) یعنی اس حال میں تو ہمارا حشر فرما کہ ہم حضور نبی کریم ﷺ کی معیت میں اکٹھے ہوں۔ پس مصدر حال ہے اور وہ سماع پر مقصور و محصور ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ جمعہ بمعنی جمیعا ہو اور جمع کی ضمیر کے لئے تاکید ہو۔ یا مفعول مطلق ہو، کیونکہ حشر بمعنی جمع ہے۔ اور یہ وارد ہے: حضور نبی مکرم ﷺ اور آپ کی امت کو تمام مخلوق کے محشر سے الگ اور منفرد محشر میں جمع کیا جائے گا۔ پس معیت اسی پر مقصور نہیں ہوتی جس کا ذکر کیا جائے، نہ اس کے ساتھ کوئی مخصوص حالت مراد ہوتی ہے جیسا کہ آپ ﷺ سے قریب ہونا۔

37706۔ (قولہ: مَعَ الْمُصْطَفَى أَحْمَدٍ) ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ اشعار بحر طویل سے ہیں، اور طویل کے لئے عروض واحدہ مقبوضہ ہوتا ہے اس کا وزن مفاعیلن ہے، اور اس کے عروض کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم صحیح ہے اس کا وزن مفاعیلن ہے۔ اور دوسری مقبوض ہے جو اسی کی مثل ہے، اور تیسری مخدوف ہے اس کا وزن فعولن ہے۔ اور یہ شعر پہلی قسم میں سے ہے۔ اور وہ شعر جو اس سے پہلے ہے اور وہ جو اس کے بعد ہے وہ دوسری قسم سے ہے، اور یہ قوافی کے عیوب میں سے شمار کیا جاتا ہے اور اسے التحرید ”حاء مہملہ کے ساتھ“ کہا جاتا ہے جیسا کہ ”الخزرجیہ“ میں ہے۔ اور کتاب کے شروع میں وضو کی شرائط کی نظم کے اشعار گزر چکے ہیں، ان میں اس کی نظیر واقع ہوئی ہے جیسا کہ ہم نے وہاں اس پر متنبہ کر دیا ہے۔ اور اگر ناظم مع المصطفیٰ السند کہتے تو زیادہ صحیح اور مضبوط ہوتا۔

37707۔ (قولہ: وَإِخْوَانِنَا) یہ لفظ مجرور ہے اور اس کا عطف ماتن یا المصطفیٰ پر ہے۔ یا یہ منصوب ہے۔ اور اس کا

عطف تحشرنا میں نا ضمیر پر ہے۔ اور پہلا اولیٰ اور بہتر ہے۔

37708۔ (قولہ: الْمُسَدِّى) یہ اسداء بمعنی اعطاء (عطا کرنا) سے ہے یا اس کا لفظ مفرد ہے جسے حرف عطف کو

ساقط کرنے کے ساتھ عطف کیا گیا ہے یا جمع ہے جو کہ اخواننا کی صفت ہے۔ اور اس کی اصل المسدین ہے۔ اس کا نون اس خیر کی طرف اضافت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے جو اس کے ساتھ مجرور ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان ظرف کے ساتھ فاصلہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ مضاف شبہ فعل ہے اور یہ وسعت میں جائز ہے۔ ”الفیہ“ میں کہا ہے: الرجز۔

.....دَائِمًا وَالدِّنَا دَاعٍ لَنَا طَالِبِ الرُّشْدِ

وَحَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ، صَلَّى اللَّهُ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ

اور ہمارے والد کا جو ہمارے لئے رشد و ہدایت کی طلب اور دعا مانگتے رہے، اور اللہ تعالیٰ ہمیں کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے اور نہیں ہے گناہ سے بچنے کی طاقت اور نہ ہی نیکی کی قوت مگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جو بلند و برتر اور عظمت و شان والا ہے اور اللہ تعالیٰ رحمتوں کا نزول فرمائے ہمارے آقا و مولیٰ ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اور آپ کی آل اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سلام فرمائے۔

فَضْلُ مُضَافٍ شَبِّهِ فِعْلٍ مَا نَصَبَ مَفْعُولًا أَوْ ظَرْفًا أَجْزَوْا لَمْ يُعَبَّ

تیرے لئے مضاف شبہ فعل اور مضاف الیہ کے درمیان اس کے ساتھ فاصلہ کرنا جائز ہے جسے وہ نصب دے در آنحالیکہ وہ مفعول ہو یا ظرف اور یہ معیوب نہیں ہے۔ اور اسی کی مثل حضور نبی مکرم ﷺ کا ارشاد ہے: هل انتم تارکون صاحبی (1) اور شاعر کا قول ہے: کناحت یوما صخرة بعسیل (یہ بالترتیب شبہ ظرف اور ظرف کے ساتھ فاصلہ کی مثالیں ہیں۔)

37709۔ (قوله: دَائِمًا) یہ مصدر محذوف کی صفت ہے جو کہ قبولاً یا حشراً یا اسدا ہے۔

37710۔ (قوله: دَاعٍ) یہ اصل میں وداع ہے اس میں حرف عطف محذوف ہے یا پھر یہ والدنا سے بدل ہے۔

37711۔ (قوله: طَالِبِ الرُّشْدِ، أَمَى لَنَا) یعنی ہمارے لئے رشد و ہدایت کے طالب، چونکہ اس کا ماقبل لنا پر دلالت کر رہا ہے اس لئے اسے یہاں سے حذف کر دیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے رشد جیسا کہ نصراً اور فَرِحَ رُشْدًا و رَشْدًا و رَشَادًا ہدایت پانا اور حق پر استقامت اختیار کرنا، اور رشید اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے یعنی وہ صراط مستقیم کی طرف راہنمائی فرمانے والا ہے، ہدایت دینے والا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں صراط مستقیم پر چلائے اور ہمیں صحیح حق پر ثابت قدم رکھے اور اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ وَاٰتَمُّ التَّسْلِيمِ کے جوار میں اپنے وجہ کریم کے دیدار سے متمتع اور لطف اندوز فرمائے۔ آمین

تہت بالخیر

محمد انور مگھالوی

مدرس دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب قول النبی ﷺ لو كنت متخذاً خليلاً، جلد 2، صفحہ 445، حدیث نمبر 3388، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز